

هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرُحْمَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ  
یہ قرآن لوگوں کے لیے صاف پیغام اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے

# قرآن مجید

ترجمہ: شیخ الہند مولانا محمود الحسن

تفسیر: علامہ شبیر احمد عثمانی



Free E-Quran & Quranic Fonts

[www.noorehidayat.org](http://www.noorehidayat.org)

[quran@noorehidayat.org](mailto:quran@noorehidayat.org)

سر شکریت

بندہ نے اس قرآن کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق اس کے  
درستی کا اہتمام کیا ہے لہذا اس بندہ اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس نسخہ کے  
متن میں کوئی مکمل، بیشبہ اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے اور اللہ العزیز

فقط - مخیر حافظ محمد طاہر حبیب

فاضل وفاق المدارس العربیہ ملتان، پاکستان  
مختص جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن  
کراچی، پاکستان

### Certificate

I have carefully read over the Arabic text of Quran word by word  
composed by [www.noorehidayat.org](http://www.noorehidayat.org) and made necessary  
corrections. Now this is to certify that it has no error / omission  
and correct in all aspects, InshaAllah.

فقط - مخیر حافظ محمد طاہر حبیب

فاضل وفاق المدارس العربیہ ملتان، پاکستان  
مختص جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن  
کراچی، پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تفسیر عثمانی کے ترکیبی عناصر

از محمد ولی رازی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ

تفسیر عثمانی پچھلے ساٹھ برسوں سے برصغیر کی اردو تفاسیر میں ایک نہایت مقبول اور انتہائی معتبر نام رہا ہے۔ اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ اس تفسیر کی وہ بعض خصوصیات تو ہیں ہی جو دوسری تفاسیر میں مفقود ہیں اور جن کا مختصر ذکر ان سطور میں ان شاء اللہ آگے آئے گا لیکن میرے خیال میں اس کی اصل وجہ ان تین اکابر کا علم و فضل، اخلاص و لہلہیت اور کمال اور احتیاط و ادب کے ساتھ قرآن کریم کی خدمت کی دھن ہے جو اصل تفسیر عثمانی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ تین بڑے نام حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی، حضرت شیخ مولانا محمود حسن صاحب اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہم کے ہیں۔ تفسیر عثمانی کے افادیت، خصوصیات اور اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے اس کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔ اس پس منظر میں قارئین کے لیے اس تفسیر کے اصل مقام کو متعین کرنے میں سہولت ہوگی۔

### موضح القرآن:

حضرت شاہ عبدالقادر کا اردو ترجمہ ”موضح القرآن“ اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں ”الہامی ترجمہ“ کے نام سے مشہور رہا ہے۔ اور حقیقت میں یہ قرآن کریم کا واحد ترجمہ ہے جو اردو میں پہلا با محاورہ ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ کی ترتیب اور اس کے معانی و مفہوم سے حیرت انگیز طور پر قریب ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس ترجمہ کی تکمیل میں تقریباً چالیس سال جو محنت شاقہ اٹھائی ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کا یہ ترجمہ اردو زبان کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ جس کی حفاظت ہندو پاک کے مسلمانوں کے لیے ایک دینی فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت شیخ الہند نے اس ترجمہ میں متعدد خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

”حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کا ترجمہ جیسے استعمال محاورات میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے ویسے ہی باوجود پابندی محاورہ، قلت تغیر اور خفت تبدل میں بھی بے مثل ہے۔“ (مقدمہ ترجمہ شیخ الہند۔ دارالتصنیف۔ کراچی)

چودھویں صدی کے آغاز تک اردو میں قرآن کریم کے متعدد ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ ان میں بعض ترجمے با محاورہ اور مروج زبان میں اہل علم و اہل ذہانت حضرات کے تھے۔ اور اس کے مقابلے میں بعض تراجم ایسے بھی آئے جو آزاد خیال حضرات نے کیے تھے اور جن میں گونا گوں اغلاط و مفاسد پائے جاتے تھے۔ اور ان میں قرآن کریم کے مفاہیم پر زبان کے تقاضوں کو ترجیح دی گئی تھی آسان اور با محاورہ زبان کی وجہ سے یہ ترجمے عوام میں مقبول ہونے لگے۔

دوسری طرف حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے استفادہ عام میں کچھ دشواریاں پیش آنے لگیں اول تو یہ کہ اس ترجمے کے بعض الفاظ اور محاورات وقت گزرنے کے ساتھ یا تو متروک ہو گئے یا ان کا استعمال بہت کم ہو گیا۔

دوسری دشواری ترجمہ کی وجہ سے نہیں بلکہ طبیعتوں کی سہل پسندی کی وجہ سے پیدا ہوئی یعنی اس ترجمہ کی جو سب سے نمایاں اور ممتاز خوبی تھی کہ کم سے کم الفاظ میں قرآن کریم کے مفہوم و منشاء کی تعبیر۔ یہی خوبی ان طبیعتوں پر گراں گزرنے لگی جو غور و فکر کی عادی نہیں رہیں۔ اس وجہ سے بھی ان کا میلان ان جدید ترجموں کی طرف زیادہ ہونے لگا۔ ان ترجموں کی غلطیوں اور مفاسد سے لوگوں کو بچانے کیلئے اس وقت کے علمائے کرام کو اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک نیا ترجمہ سہل اور آسان اردو میں ایسا کیا جائے جو ایک طرف ان

مفسد سے بھی پاک ہو اور دوسری طرف مروجہ محاورے کے مطابق سہل اور آسان ہو۔

### ترجمہ شیخ الہند:

اس وقت کے اہل علم نے حضرت شیخ الہند سے ایسا ترجمہ کرنے کی درخواست کی۔ حضرت نے غور و فکر کے بعد فرمایا کہ پہلی ضرورت یعنی زبان و محاورے کی سہولت تو بعض نئے ترجموں سے پوری ہو گئی جو اہل علم و فہم حضرات نے کئے ہیں۔ البتہ یہ ترجمے ان خوبیوں سے محروم ہیں جو موضح القرآن میں موجود ہیں۔ اب اگر کوئی نیا ترجمہ کیا جائے گا تو وہ آسان اور با محاورہ تو ہو گا مگر حضرت شاہ صاحب کے ترجمے کی خوبیاں کہاں سے آئیں گی؟ فرمایا کہ اب یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ نئے ترجموں کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحب کی یہ بے مثال قرآنی خدمت کہیں رفتہ رفتہ معدوم ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں۔

”اس چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیر الہی سے یہ بات دل میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحب کا افضل و مقبول و مفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ نہ ہو جائے۔ یہ کس قدر نادانی بلکہ کفران نعمت ہے۔ اور وہ بھی سرسری عذر کی وجہ سے اور عذر بھی وہ جس میں ترجمہ کا کوئی قصور نہیں اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے“

اسلئے حضرت شیخ الہند نے جدید ترجمہ کا ارادہ تو اسلئے نہیں فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی حفاظت ضروری تھی۔ البتہ اس ترجمے سے استفاد کرنے میں مذکورہ بالا دشواریاں تھیں انکو دور کرنے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ اس ارادے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں۔

”اس لئے ننگِ خلاق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو کل دو خلجان ہیں یعنی ایک بعض الفاظ و محاورات کا متروک ہو جانا دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہونا۔ جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر بنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاق طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آگئی کہ جس سے ایسے مفید اور قابل ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ سو اگر غور و احتیاط کے ساتھ ان الفاظ متروک کی جگہ الفاظ مستعمل لے لئے جائیں اور اختصار و اجمال کے موقعوں کو تدبر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے تو پھر ان شاء اللہ حضرت شاہ صاحب کا یہ صدقہ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے۔“ (مقدمہ ترجمہ شیخ الہند)

اس للہیت و اخلاص اور احتیاط و تدبر کے ساتھ حضرت شیخ الہند نے مذکورہ بالا دو مقاصد سامنے رکھ کر حضرت شاہ صاحب کے ترجمے موضح القرآن میں نظر ثانی اور ترمیم کا کام شروع فرمایا۔ اور آخر ۱۳۳۶ھ میں اس عظیم خدمت کو مکمل فرمایا۔ اور اس میں بھی جس احتیاط و ادب سے کام لیا ہے وہ حقیقت میں انہی حضرات کا حصہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اپنے ترجمے کے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”جس موقع پر ہم کو لفظ بدلنے کی نوبت آئی وہاں ہم نے یہ نہیں کیا کہ اپنی طرف سے جو مناسب سمجھا بڑھادیا۔ نہیں بلکہ حضرات اکابر کے تراجم میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ خود موضح القرآن میں دوسری جگہ کوئی لفظ مل گیا۔ یا حضرت مولانا رفیع الدین کے ترجمے میں یا فتح الرحمن میں۔ حتی الوسع ان میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ ایسا تغیر جسکی نظیر مقدس حضرات کے تراجم میں نہ ہو۔ ہم نے کل ترجمہ میں جائز نہیں رکھا۔“

اللہ اکبر! ان حضرات کی بے نفسی، خوف خدا اور اپنے بزرگوں کا احترام و ادب کا یہ نمونہ کتنا مفید اور سبق آموز ہے؟ تمام تراجم میں تلاش و جستجو کی یہ محنت شاقہ اسلئے اٹھائی کہ اپنی جانب سے ایک آدھ لفظ کا اضافہ بھی گوارا نہ تھا۔ اسی اخلاص و للہیت ہی کا ثمرہ ہے کہ ترجمہ شیخ الہند کو جو مقام آج حاصل ہے وہ کسی دوسرے ترجمے کو حاصل نہیں۔ اس ترجمے کو موضح القرآن سے ممتاز رکھنے کیلئے آپ نے اس کا نام ”موضح فرقان“ تجویز فرمایا تھا۔ مگر یہ ترجمہ شیخ الہند ہی کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔

حضرت شیخ الہند نے چھ اشعار پر مشتمل ایک قطعہ میں اس ترجمہ کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔ اس قطعہ کا آخری شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے۔ یہ ہے۔

بے شش و پنج بگفتہ محمود سال او موضح فرقان حمید

اس شعر سے تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ بے شش و پنج (یعنی چھ اور پانچ۔ کل گیارہ اعداد) کم کر دیں تو ”موضح فرقان حمید“ کے اعداد سے سال ۱۳۳۶ھ نکل آئے گا۔

### فوائد عثمانی:

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر نے اپنے ترجمہ کے ساتھ کچھ مختصر حواشی بھی تحریر فرمائے تھے جن میں اختصار کے ساتھ انتہائی مفید تفسیری توضیحات شامل تھیں۔ حضرت شیخ الہند نے ترجمہ کی تکمیل کے بعد ایک اہم کام یہ بھی شروع فرمایا کہ ان حواشی کو دوبارہ اپنی زبان میں اس طرح تحریر کرنا شروع کیا کہ جہاں جہاں ضرورت سمجھی وہاں اجمال کی تفصیل فرمادی اور مفید تفسیری وضاحتوں کا اضافہ بھی فرمایا۔ لیکن حضرت شیخ الہند کی حیات میں یہ کام صرف سورہ آل عمران تک ہو سکا۔ اور اس طرح تفسیری فوائد کا کام ادھورا رہ گیا۔

اس کام کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کو منتخب فرمایا اور انہوں نے اپنے مشفق استاد کے اس ادھورے کام کی تکمیل کا ارادہ فرمایا۔ اور انہی مقاصد کو سامنے رکھ کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ جانفشانی سے اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت علامہ عثمانی کو اللہ تعالیٰ نے جس علم و فضل، بصیرت و حکمت اور عصر حاضر کی مزاج شناسی عطا فرمائی تھی۔ انکے تحریر کردہ تفسیری فوائد میں جگہ جگہ ان کا اظہار ہوا۔ اور اس طرح فوائد عثمانی نے ایک ایسی مختصر مگر جامع اور عصر حاضر کی ضرورتیں پوری کرنے والی تفسیر کی جگہ لے لی۔ جسکی مثال اردو میں موجود نہ تھی۔ حضرت علامہ عثمانی نے خاص یوم عرفہ کو وقوف عرفات کے وقت ۱۳۵۰ھ کو دیوبند میں اس کام کی تکمیل فرمائی۔

حضرت علامہ عثمانی کے تجر علمی اور تقریر و تحریر کی سحر انگیزی کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ تحریک پاکستان میں علمائے کرام کی جماعت کے سرخیل حضرت علامہ عثمانی ہی تھے۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت عثمانی کے دست راست اور سب سے زیادہ معتمد علیہ تھے۔

احقر کو اپنی نوجوانی میں والد ماجد کے ساتھ حضرت عثمانی کی خدمت میں حاضری کی سعادت کثرت سے حاصل رہی۔ اگرچہ اس بے فکری کے زمانے میں نہ حضرت کے علمی مقام کا کوئی شعور تھا اور نہ اس باکمال شخصیت کے کمالات کا کوئی اندازہ۔ البتہ کراچی کے پرہجوم جلسوں میں حضرت عثمانی کی سحر انگیز تقاریر کی اہمیت کا اثر آج بھی قلب میں محسوس ہوتا ہے۔

### تفسیر عثمانی کی بعض خصوصیات:

تفسیر عثمانی کی اصل علمی خصوصیات کا اندازہ کرنا تو اہل علم کا کام ہے۔ لیکن اسکی خصوصیات جو مجھ جیسے ایک عام آدمی کو بھی بسہولت نظر آجاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- مختصر ہونے کے باوجود قرآن کریم کے منشاء و مفہوم کی تعبیر میں اتنی جامع ہے کہ اکثر مقامات پر قرآن کریم کے طالب علم کو بڑی تفسیر سے مستغنی کر دیتی ہے۔

۲- قرآن کریم کی آیات کا باہمی ربط اتنا واضح ہے کہ مسلسل ترجمہ پڑھنے والے کو کہیں ربط کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔

- ۳۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں جہاں جہاں ظاہری تعارض معلوم ہوتا ہے ان آیات کی طرف مراجعت کر کے رفع تعارض کی سہل تقریر کی گئی ہے۔
- ۴۔ عصر حاضر میں پیدا ہونے والے اشکالات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔ اور اکثر مقامات پر اپنے دلنشین انداز میں عقلی دلائل بھی مہیا کئے گئے ہیں۔
- ۵۔ جن مقامات پر ایک سے زائد تفسیری آراء پائی جاتی ہیں وہاں راجح تفسیر کو ترجیحی وجوہات کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔
- ۶۔ اہل علم کیلئے اکثر مقامات پر ایسے لطیف علمی اشارات کر دیئے گئے ہیں جن سے ان مقامات پر متوقع دشواریوں کے حل کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔
- ۷۔ زبان کی سہولت اور جدید محاورات کی مطابقت کا اتنا غیر معمولی اہتمام فرمایا کہ ساٹھ سال گزر جانے پر بھی اس تفسیر کی زبان آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

### تفسیری عنوانات کا اضافہ:

زمانے کے ساتھ ساتھ ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ اب تک تفسیر عثمانی قرآن کریم کے حاشیے ہی پر طبع ہوتی رہی ہے۔ اس زمانے میں طبیعتوں کی سہل پسندی اور بڑھ گئی۔ اور حاشیوں کا رواج رفتہ رفتہ ختم ہونے لگا۔ اب تک جس انداز میں تفسیر عثمانی چھپتی رہی ہے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ بین السطور ترجمے میں جہاں تفسیری فائدہ دینا ہے۔ اس کا نمبر دیدیا جاتا ہے اور پھر وہی نمبر حاشیہ پر دے کر اسکے تحت تفسیر لکھ دی جاتی ہے اور پھر صفحہ کے فائدہ کا نمبر ایک سے شروع ہوتا ہے اس صورت میں قباحت یہ ہے کہ ہر صفحہ کے تفسیری فوائد کو اسی صفحہ تک محدود رکھنا اکثر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح ایک آیت کا تفسیری فائدہ اگر دیکھتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ مضمون اسی صفحہ پر مل جائے۔ وہ کسی اگلے صفحہ پر دیکھنا ہوتا ہے اور اس طرح استفادہ میں دشواری پیش آتی ہے۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ حاشیہ میں جگہ کی کمی کی وجہ سے قلم باریک ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو ایک الجھن سی محسوس ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس زمانے میں اشاعت و طباعت کی سہولتوں کی وجہ سے جدید کتابیں بہت صاف اور سہل ہوتی ہیں۔ اس لئے اس قدیم طرز کے حاشیوں کو دیکھ کر ہی عام پڑھنے والا گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ خود مجھے بھی جب کبھی استفادہ کی ضرورت پیش آئی تو معارف القرآن کی آٹھ جلدوں پر مشتمل تفسیر سے استفادہ نسبتاً زیادہ آسان معلوم ہوا۔ ان وجوہات کی وجہ سے تفسیر عثمانی کی افادیت بھی متاثر ہونے لگی۔ اب پھر یہ ضرورت پیش آئی کہ جدید تقاضوں کے مطابق اسکی نئی کتابت و طباعت ہو اور حاشیہ کی بجائے یہ تفسیری فوائد باقاعدہ تفسیر کے متن کے طور پر شائع کئے جائیں۔

جس وقت احقر نے یہ مضمون تحریر کیا تھا برادر محترم ہمارے درمیان موجود تھے اور اس کام کی تکمیل پر بے اندازہ خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور مجھے انعام سے بھی سرفراز فرمایا۔ تقریباً دس ماہ کی تکلیف دہ علالت کے بعد اللہ کا حکم پورا ہوا اور وہ ۱۱ اگست ۱۹۹۰ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ انہیں وہاں اپنی رضا اور مغفرت کے انعامات سے نوازے۔ آمین

میرے برادر محترم مولانا محمد رضی عثمانی (مالک دارالاشاعت کراچی) کی ایک طویل عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ وہ اسکے تفسیری فوائد پر عنوانات کا اضافہ کروا کے اسکو جدید طرز کے مطابق از سر نو شائع کریں۔ میرے بھتیجے اور برادر محترم کے صاحبزادے عزیزم خلیل اشرف سلمہ نے شعبان ۱۴۰۳ھ کے آخر میں مجھ سے اس خواہش کا اظہار بھی کیا اور درخواست بھی کہ تفسیری عنوانات کا کام میں کر دوں۔ اس کام کی اہمیت اور افادیت میں تو کوئی شبہ نہیں تھا لیکن اس کا کبھی وہم بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھ جیسے بے علم و عمل آدمی کے بارے میں بھی

سوچا جاسکتا ہے کہ تفسیر عثمانی کی اس علمی خدمت کی کوئی اہلیت اس میں موجود ہے۔ پھر یونیورسٹی میں اپنی تدریسی مصروفیات کے علاوہ پچھلے تقریباً ڈھائی سال سے بائبل سے قرآن تک (اردو ترجمہ اظہار الحق) جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اسکے انگریزی ترجمے کے کام میں مصروف تھا اور اس وقت تیسری جلد کا آغاز ہی کیا تھا۔ اسکے علاوہ بھی کچھ دوسرے تحریری کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس نئے کام کو شروع کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ لالچ بھی قوت کے ساتھ دل میں پیدا ہوا کہ اگر حق تعالیٰ شانہ مدد فرمائیں اور اس احقر سے قرآن کریم کی یہ خدمت ہو سکے تو یہ ایک ایسی نعمت اور سعادت ہوگی کہ جس کا تصور بھی احقر نہیں کر سکتا۔ بردار عزیز جسٹس مولانا تقی عثمانی سلمہ اللہ تعالیٰ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی اصرار سے اس کام کی تائید کی اور اس طرح اس خدمت کیلئے کچھ ہمت پیدا ہونے لگی۔ رمضان المبارک شروع ہو گئے اور آخر یہ ہمت ارادے کی شکل اختیار کر گئی چنانچہ ۹ رمضان المبارک ۱۲ اپریل ۱۹۸۹ء کی شب میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے سے احقر نے اس کام کی ابتداء کر دی۔ اور دوسرے تحریری کاموں کو فی الحال ملتوی کر دیا۔ اس کام کی ابتداء میں ایک طرف تو یہ خیال انتائی مسرور کن تھا کہ اس تفسیر میں جن اکابر کے نام شامل ہیں انکے نام کے ساتھ اس سرپا خطا کار و روسیہ کا نام بھی شامل ہو گیا تو کیا بعید ہے کہ ان حضرات کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ اس احقر کے ساتھ بھی آخرت میں رحمت کا معاملہ فرمادیں اور جس طرح گندم کے ساتھ خس و خاشاک بھی اسی قیمت پر تل کر چلے جاتے ہیں اسی طرح شانہ حق تعالیٰ شانہ ان بڑے ناموں کے ساتھ احقر کو بھی خس و خاشاک کی طرح قبول فرمائیں۔ دوسری طرف اپنی بے بضاعتی، بے علمی اور بے عملی کے پیش نظر یہ خوف بھی طاری رہا کہ اپنی نااہلی کے باوجود اس کام کی جرأت پر کہیں مواخذہ نہ جائے۔

الحمد للہ ۹ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ ۱۱ اپریل ۱۹۸۹ء کو شروع کر کے ۹ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ ستمبر ۱۹۸۹ء کو پورے پانچ ماہ میں اسکی تکمیل ہو گئی۔ اگر یہ کوئی مفید کام ہوا ہے تو حق تعالیٰ شانہ کی دی ہوئی توفیق اور سعادت کے شکر کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں، ورنہ میرے لئے یہ بھی بڑی کامیابی ہوگی کہ آخرت میں حق تعالیٰ شانہ کا یہ مواخذہ نہ ہو کہ تو نے یہ جرأت کیوں کی؟ رب اغفر وارحم وادانت خیر الراحمین۔

تفسیر عثمانی میں اس وقت احقر نے جو کام کئے ہیں وہ دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سورت کے فوائد کے نمبر مسلسل لگائے گئے ہیں اور وہی نمبر بین السطور ترجمے میں دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ میں جتنے فوائد ہیں، جو تین سو سے زائد ہیں ان کے نمبر ایک سے شروع کر کے آخر تک مسلسل لگائے گئے ہیں۔ اس سے قرآنی آیت یا الفاظ کے متعلقہ فائدے کو دیکھنا پہلے کے مقابلے میں بہت سہل ہو جائے گا۔ دوسرا اصل کام تفسیری عنوانات قائم کرنے کا ہے اس کام کی مشکلات اور دشواریوں کا اندازہ احقر کو کام شروع کرنے کے بعد ہی ہوا۔ مثلاً ایک عام دشواری تو یہ ہی تھی کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں متعدد مضامین ہوتے ہیں ان میں سے کس مضمون کو عنوان بنایا جائے اس کا یہ فیصلہ اکثر مقامات پر سخت دشوار ہوا۔ اسکے علاوہ بھی اس کام میں کیا زکائیں اور عملی دشواریاں ہیں اس کا اندازہ اہل علم کر سکتے ہیں۔ ان کا تذکرہ غیر ضروری طوالت کا سبب ہو گا۔

تفسیری عنوانات قائم کرنے کے وقت جو امور احقر کے پیش نظر رہے یا جو فوائد اور سہولتیں اس اضافے سے متوقع ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- ۱۔ کل تفسیری عنوانات کی تعداد لگ بھگ پانچ ہزار ہے۔
- ۲۔ ان تفسیری عنوانات کی فہرست درحقیقت تفسیر عثمانی کا ایک تفصیلی انڈکس ہے جو خود مستقل افادہ کی چیز ہے۔
- ۳۔ ہر سورت کے تفسیری عنوانات پر نظر ڈالنے سے اس سورت کے مضامین سے اجمالی واقفیت چند لمحوں میں حاصل ہو جاتی ہے۔
- ۴۔ احقر نے عنوانات قائم کرنے کے وقت حضرت مولانا عثمانی کے فوائد ہی کو بنیاد بنایا ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا ہے مثلاً قرآن

کے ظاہری الفاظ سے ایک عنوان بظاہر متعین معلوم ہوتا ہے مگر تفسیر میں اس طرف التفات نہیں کیا گیا تو تفسیر ہی کے مطابق عنوان اختیار کیا گیا ہے۔

۵۔ ایک تفسیری فائدے میں اگر ایک سے زائد مضامین بیان ہوئے ہیں تو اس موقع کے مناسب اگر تفسیر میں واضح طور پر کسی ایک مضمون پر زور ہے تو وہاں اسی مضمون کو عنوان بنایا گیا ہے۔

۶۔ بعض تفسیری فوائد میں حضرت علامہ نے طویل کلام کیا ہے۔ اس میں اگر کوئی اہم علمی نکتہ یا کوئی مفید مضمون آیت کی تفسیر کے ذیل میں آ گیا ہے تو اس جگہ کوئی نیا نمبر لگائے بغیر ایک نیا عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔ اسلئے یہ ضروری نہیں کہ ایک فائدہ کا صرف ایک ہی عنوان ہو۔

۷۔ قصص اور واقعات کی تکرار میں اکثر مقامات پر قرآن کریم نے کہیں کہیں معمولی فرق کیا ہے۔ مثلاً حضرت مولیٰ، حضرت نوح اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے واقعات مختلف جگہوں پر بار بار آئے ہیں۔ ان میں جہاں کوئی نئی تفصیل یا نئی اطلاع موجود ہے اسکے عنوان میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح واقعات کی مختلف تفصیلات فہرست مضامین سے آسانی سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

۸۔ یہ اہتمام نہیں کیا گیا کہ صرف ان تفسیری فوائد پر عنوان لگایا جائے جنکی عبارت کچھ طویل ہو، بلکہ اگر کسی جگہ صرف ایک سطر کا فائدہ ہے اور اس کا مضمون عنوان کا متقاضی ہے تو وہاں بھی عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔

۹۔ حتی الوسع احتیاط کے باوجود اس کام میں بہت جگہوں پر احقر سے سہو و خطا کا صدور یقیناً ہوا ہو گا۔ اسکے لئے درخواست ہے کہ احقر کو یا ناشر کو ان مقامات کی نشاندہی فرمادیں تو انکو آئندہ طباعت میں درست کر لیا جائے۔ آخر میں بارگاہ رب العالمین میں دست بدعا ہوں کہ وہ اس حقیر کو شش کو قبول فرما کر اسکو پڑھنے والوں کیلئے مفید اور احقر کیلئے دین و دنیا کا سرمایہ بنا دے۔ آمین۔

محمد ولی رازی

۴۲۔ بی اشرف منزل۔ گارڈن ایسٹ کراچی نمبر ۵

مورخہ یکم ربیع الاول ۱۴۱۰ھ ۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء



## شیخ العالم المعروف بہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی مختصر سوانح حیات

قرآن کریم کا پیش نظر اردو ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کا ہے۔ حضرت شیخ الہند نے شاہ عبدالقادرؒ کے اردو ترجمے کو با محاورہ اپنے دور کی روزمرہ زبان میں ڈھال کر مرتب کیا ہے۔ لہذا اس ترجمہ کلام پاک کے سلسلہ میں شیخ الہند کی مختصر سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔

### پیدائش:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ ۱۲۶۸ھ میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان ایام میں یہاں پر آپ کے والد ماجد جناب مولانا ذوالفقار علی صاحب بحیثیت ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقیم تھے۔ آپ کا اصلی وطن دیوبند ضلع سہارنپور ہے۔

### تعلیم اور اساتذہ:

آپ نے قرآن پاک میانجی منگلوری سے پڑھا۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے پڑھیں۔ کتب فارسی کی تکمیل اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے پڑھیں۔ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کا افتتاح ہوا تو آپ اسکے سب سے پہلے طالب علم ہوئے اور سب سے پہلے استاد محمود مقرر ہوئے۔ ۱۲۸۶ء میں صحاح ستہ کی کتابیں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے پڑھیں، حدیث میں آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول دارالعلوم دیوبند کے بھی شاگرد رہے۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ کو سند فراغ حاصل کی۔

### تدریسی خدمات:

آپ نے ۱۲۸۸ھ سے دارالعلوم دیوبند میں مدرس چہارم کی حیثیت سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا اور ۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس یعنی شیخ الحدیث کے درجہ پر فائز ہوئے۔ آپ ۱۲۸۹ھ تا ۱۳۰۵ھ یعنی ۱۶ سال تک بحیثیت مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۳۳ھ تک شیخ الحدیث کی حیثیت سے بحسن و خوبی طلباء دارالعلوم کو فیضیاب فرماتے رہے۔ ۴۴ سال کی اس مدت میں ہزاروں تشنگان علم نے آپ کے فیوض سے سیراب ہو کر دنیا کے کونہ کونہ میں علم کی شمعیں روشن کیں۔

### سیاسی زندگی:

ایک طرف آپ کی زندگی کا مقصد اشاعت دین تھا تو دوسری طرف آپ آزادی ہند کے دل و جان سے خواہاں تھے یعنی آپ چاہتے تھے کہ ہندوستان سے انگریز کا تسلط ختم کیا جائے۔ جنگ بلقان ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ میں آپ نے بڑھ چڑھ کر ترکوں کی مدد کی اور کافی رقم چنہ کی شکل میں اکٹھی کر کے انکو بھیجی۔ یہاں تک کہ دارالعلوم کے طلباء اور اساتذہ کو بھی اس کام میں مصروف کر کے کچھ دنوں کیلئے مدرسہ بند کر دیا۔ آپ کی ذات علم و سیاست کی محور تھی، ۱۳۲۷ھ میں آپ نے جمعیت الانصار کی بنیاد ڈالی جس کے امیر آپ اور مولانا عبید اللہ صاحبؒ سندھی سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اسکے اجلاس اپریل ۱۳۲۹ھ میں بمقام مراد آباد ۱۳۳۰ھ میں بمقام میرٹھ اور ۱۳۳۱ھ میں بمقام شملہ منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں کی ہندوستان میں دھوم مچ گئی۔ اور حکومت برطانیہ بھی چونک پڑی، آپ نے سلاطین اسلام کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اسکیم بھی تیار کی اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو کابل روانہ کیا تاکہ اس کو عملی جامہ پہنایا جائے اور خود حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ وہاں پر غالب

پاشا، انور پاشا اور ترکی کے دیگر وزر آکو اسکیم سے آگاہ کیا۔

اسیری مالٹا اور تکمیل ترجمہ قرآن کریم:

آپ اپنی اسکیم سے آگاہ کرنے کیلئے خود ترکی جانے کا عزم رکھتے تھے مگر طائف میں آپکو گرفتار کر دیا گیا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ بروز جمعہ کسی انسپکٹر کی نگرانی میں روانہ کر کے ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو مالٹا پہنچائے گئے۔ آپ پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور ۱۳۳۵ھ میں مالٹا ہی میں قید کر دیا گیا۔ آپ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو مالٹا پہنچے اور شوال ۱۳۳۵ھ سے ترجمہ کلام پاک کا سلسلہ شروع کیا۔ اس طرح دو شوال ۱۳۳۶ھ کو ایک سال کی قلیل مدت میں اسکی تکمیل ہوئی۔ سورہ نساء تک تفسیری حواشی بھی انہی ایام میں لکھے گئے۔ چند سال بعد رہائی ہوئی اور ۱۳۳۸ھ کو دیوبند پہنچ کر تحریک خلافت میں زور و شور سے حصہ لیا۔

وفات:

ہندوستان میں تحریک خلاف اور حریت کے شعلے بھڑک رہے تھے اسی دوران آپ جامعہ ملی کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ واپسی میں سخت بیمار ہو گئے اور دہلی پہنچے۔ جہاں پر ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے علاج کیا، آرام ہوا تو ملیریا کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شاگرد:

ویسے تو آپ سے ہزاروں طلباء کو شرف تلمذ حاصل ہوا لیکن ان میں استاد الاستاد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی، مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب شاہجہانپوری ثم دہلوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب کاکاخیلی وہ قابل ذکر ہستیاں ہیں جنکے فیوض آج بھی عالم اسلام میں جاری و ساری ہیں۔

## شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مختصر سوانح حیات

شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے اردو ترجمہ پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تفسیری حواشی تحریر فرمائے ہیں جنکو تفسیر عثمانی کے نام سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے۔ اسکی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے یہ نسخے ہزاروں کی تعداد میں ہندوپاک میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور ان شاء اللہ یہ صدقہ جاریہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ آپکی مختصر سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔

**پیدائش:**

آپ ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ میں بمقام بجنور پیدا ہوئے۔ جہاں پر آپکے والد جناب مولانا فضل الرحمن صاحب ڈپٹی انسپٹر مدارس تھے۔

**نام اور سلسلہ نسب:**

آپ کا نام انکے والد صاحب نے فضل اللہ رکھا اور بعد میں گھر والے شبیر احمد کہنے لگے جو غالباً عشرہ محرم میں پیدائش کی نسبت سے ہو گا۔ آپ اسی نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے تینتالیس ویں پشت میں ملتا ہے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ”مہتمم دارالعلوم دیوبند آپکے علاقائی بھائی تھے۔

**تعلیم اور اساتذہ:**

آپکی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۲ھ میں جناب حافظ محمد عظیم صاحب سے ہوا۔ آپ نے ان سے اردو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں فارسی کی تعلیم ۱۳۱۴ھ میں منشی منظور احمد صاحب اور مولانا محمد یسین صاحب صدر مدرس شعبہ فارسی دارالعلوم دیوبند والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان سے حاصل کی۔ عربی تعلیم ۱۳۱۹ھ میں دارالعلوم دیوبند ہی میں شروع کی جہاں پر آپکے اساتذہ میں مولانا غلام رسول صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب اور بالخصوص حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب تھے۔ ۱۳۲۵ھ میں دورہ حدیث درجہ اول میں پاس کر کے سند فراغت حاصل کی۔

**تدریسی خدمات:**

ویسے تو آپ دوران تعلیم ہی میں طلباء کو پڑھایا کرتے تھے مگر باقاعدہ پڑھانے کی ابتداء ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس کی حیثیت سے دہلی تشریف لے گئے ۱۳۲۸ھ میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اصرار پر آپ دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے۔ ۱۳۲۸ھ میں آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے گئے اور وہاں تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۳۵۲ھ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب گشمیری کی وفات کے بعد آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ میں اراکین دارالعلوم دیوبند کے اصرار پر صدر مہتمم کی حیثیت سے اعزازی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم سے علیحدگی اختیار فرمائی اور ڈابھیل والوں کی درخواست پر دوبارہ ڈابھیل تشریف لے آئے۔

**سیاسی زندگی:**

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تبحر عالم، فقیہ، محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے سیاسی رہنما بھی تھے۔ درس و تدریس ہی کے ساتھ آپ نے اپنی سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔ آپ کو تحریر و تقریر کا خدا مالک حاصل تھا۔ آپ نے ۱۳۲۹ھ

سے ۱۳۳۱ھ تک جمعیتہ الانصار کے جلسوں میں تقریریں کیں اور مقالے پڑھے۔ تحریک خلافت کے دوران جمعیتہ العلماء ہند کے اکثر جلسوں میں تقریریں کیں۔ اور ملکی و مذہبی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۹ھ میں اپنا مقالہ ترک موالات، جمعیتہ العلماء ہند کے اجلاس میں پڑھا جو آپ کا علمی شاہکار تھا۔ آپ ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۶ھ تک جمعیتہ العلماء ہند میں شریک رہے۔ ۱۳۶۶ھ میں مسلم لیگ میں شریک ہو کر تحریک پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی۔ آپ نے اپنی تحریروں، تقریروں اور خطبوں کے ذریعہ مسلم لیگ میں جان ڈال دی۔ قیام پاکستان میں مولانا عثمانی کا بڑا ہاتھ ہے۔ ۱۳۶۶ھ میں سرحد ریفرنڈم کے سلسلہ میں آپ نے اپنے شاگرد علماء کے ذریعہ اہل سرحد کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا جسکے نتیجے میں اہل سرحد نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ قائد اعظم کے بعد آپ ہی کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۴ رجب ۱۳۶۶ھ کو قیام پاکستان کا اعلان ہوا۔ اور ۲ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ شب قدر میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔

آپ ۱۳۶۹ھ کو تقریبات پاکستان میں شریک ہونے کیلئے دیوبند سے کراچی پہنچ گئے تھے۔ قائد اعظم نے رسم پرچم کشائی آپ ہی کے دست مبارک سے کرائی اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاح بھی آپ ہی نے فرمایا۔ آپ ہی کی کوششوں سے دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد پاس ہوئی۔

### انتقال:

آپ ۱۳۶۹ھ کو وزیر اعظم بہاولپور کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے افتتاح کیلئے تشریف لے گئے۔ ۲۱ صفر کی شب کو بخار ہوا اور صبح تک طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ لیکن ۹ بجے صبح سینہ میں تکلیف ہو گئی اور ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ بروز منگل ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر ۶۴ سال ۱۲ ماہ ۱۲ یوم کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

## رموز اوقاف قرآن مجید

ہر زبان کے اہل زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں، کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں، جن کو رموز اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں:

جہاں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سا دائرہ لگادیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول (ت) جو بصورت (ة) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیے، اب (ة) تو نہیں لکھی جاتی۔ چھوٹا سا دائرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اسکو آیت کہتے ہیں۔ دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رک جائیں ورنہ علامت کے مطابق عمل کریں۔

یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کو فیہین کے نزدیک آیت ہے۔ وقف کریں تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

علامت وقف مجوز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

علامت وقف مخصص کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑنا چاہیے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ (ص) پر ملا کر پڑھنا (ز) کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

الوصل اولی کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

قبل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔

قدیو صل کا مخفف ہے۔ یہاں ٹھہرنا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

یہ لفظ قف ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ۔ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے، جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

سکتے کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہرنا چاہیے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

لمبے سکتے کی علامت ہے۔ یہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے لیکن سانس نہ ٹوٹیں۔ سکتے اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتی میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے، وقفہ میں زیادہ۔

لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہر گز نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ٹھہرنا چاہیے بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے لیکن ٹھہر جائے یا نہ ٹھہر جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

کذک کا مخفف ہے، اس سے مراد ہے کہ جو رمزاں سے پہلی آیت میں آچکی ہے، اس کا حکم اس پر بھی ہے۔

رکوعها

## سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ٥

آیاتها

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے [۱]

۱۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں [۲] جو پالنے والا سارے جہان کا [۳]

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴿١﴾

۲۔ بے حد مہربان نہایت رحم والا

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿٢﴾

۳۔ مالک روز جزا کا [۴]

مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿٣﴾

۴۔ تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں [۵]

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴿٤﴾

۵۔ بتلا ہم کو راہ سیدھی۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿٥﴾

۶۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا [۶] جن پر نہ تیرا غصہ ہو اور نہ وہ گمراہ ہوئے [۷]

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ

عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ ﴿٦﴾

۱۔ رحمن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے ترجمہ میں، ان سب باتوں کا لحاظ ہے۔

۲۔ ہر تعریف اللہ کی ہے؛ یعنی سب تعریفیں عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی خدا ہی کو لائق ہیں۔ کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے خواہ بلا واسطہ عطا فرمائے یا بالواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا نور پہنچے تو حقیقت میں آفتاب کا فیض ہے۔ شعر حمد رابا تو نسبتے ست در ست بردر ہر کہ رفت بردر تست۔ تو اب اس کا ترجمہ کرنا کہ (ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے) بڑی کوتاہی کی بات ہے جس کو اہل فہم خوب سمجھتے ہیں۔

۳۔ عالمین کے معنی: مجموعہ مخلوقات کو عالم کہتے ہیں اور اسی لئے اس کی جمع نہیں لاتے۔ مگر آیت میں عالم سے مراد ہر جنس (مثلاً عالم جن، عالم ملائکہ، عالم انس وغیرہ وغیرہ)۔ اس لئے جمع لائے تاکہ جملہ افراد عالم کا مخلوق جناب باری ہونا خوب ظاہر ہو جائے۔

۴۔ اس کے خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس دن بڑے بڑے امور پیش آئیں گے ایسا خوفناک روز نہ پہلے ہوا نہ آگے کو ہو دوسرے اس روز بجز ذات پاک حق تعالیٰ کے کسی کو ملک و حکومت ظاہری بھی تو نصیب نہ ہوگی لَبِّنِ الْبُلْکُ الْیَوْمَ ۗ لِلّٰهِ الْوَحْدِ الْاَقْهَارِ

۵۔ صرف اللہ سے استعانت: اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر

کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

۶۔ اہل انعام اور اہل غضب: جن پر انعام کیا گیا وہ چار فرتے ہیں نبیین و صدیقین و شہداء و صالحین کلام اللہ میں دوسرے موقع پر اس کی تصریح ہے اور الْمُغْضُوبِ عَلَيْهِمْ سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ دیگر آیات و روایات اس پر شاہد ہیں اور صراط مستقیم سے محرومی کل دو طرح پر ہوتی ہے۔ عدم علم یا جان بوجھ کر کوئی فرقہ گمراہ ان دو سے خارج نہیں ہو سکتا سو نصاریٰ تو وجہ اول میں اور یہود دوسری میں ممتاز ہیں۔

۷۔ قرآن میں سورہ فاتحہ کی حیثیت: یہ سورت خدا تعالیٰ نے بندوں کی زبان سے نازل فرمائی کہ جب ہمارے دربار میں حاضر ہو تو ہم سے یوں سوال کیا کرو اس لئے اس سورت کا ایک نام تعلیم مسئلہ بھی ہے۔ اس سورت کے ختم پر لفظ آمین کہنا مسنون ہے۔ اور یہ لفظ قرآن شریف سے خارج ہے۔ معنی اس لفظ کے یہ ہیں الہی ایسا ہی ہو یعنی مقبول بندوں کی پیروی اور نافرمانوں سے علیحدگی میسر ہو اس سورت کے اول نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور صفت اور دوسرے حصے میں بندہ کے لئے دعا ہے۔ فَاِنَّهُ غَيْرُ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمُ الَّذِيْنَ كَابَدَلْ هِيَ يَاسُ كِي صَفْت هِيَ اس لئى اس كے مناسب ترجمہ كيا كيا۔ بعض تراجم دہلویہ ميں جو اس كا ترجمہ كيا هے خلاف تركيب و خلاف مقصود هے۔

رکوعاتها ۲۰

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷

آياتها ۲۸۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ الم [۱]

آلَم

۲۔ اس کتاب میں کچھ شک نہیں [۲] راہ بتلاتی ہے [۳]  
ڈرنے والوں کو [۴]

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

۳۔ جو کہ یقین کرتے ہیں بن دیکھی چیزوں کا [۵] اور قائم رکھتے ہیں نماز کو [۶] اور جو ہم نے روزی دی ہے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں [۴]

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

۴۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں [۸]

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْكَ وَ مَا اُنزِلَ

مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ﴿۴﴾

۵۔ وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے [۹]

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

۱۔ حروف مقطعات: ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں ان کے اصلی معنی تک اوروں کی رسائی نہیں۔ بلکہ یہ بھید ہے اللہ اور رسول کے درمیان جو بوجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا۔ اور بعض اکابر سے جو ان کے معنی منقول ہیں اس سے صرف تمثیل و تشبیہ و تسہیل مقصود ہے یہ نہیں کہ مراد حق تعالیٰ یہ ہے تو اب اس کو رائے شخصی کہ کر تخلیط کرنا محض شخصی رائے ہے جو تحقیق علماء کے بالکل خلاف ہے۔

۲۔ قرآن میں شک نہ ہونے کا مطلب: یعنی اس کے کلام الہی ہونے اور اس کے جملہ مضامین کے واقعی ہونے میں کچھ شک نہیں جاننا چاہیے کہ کسی کلام میں اشتباہ ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو خود اس کلام میں کوئی غلطی اور خرابی ہو یا سننے والے کے فہم میں خلل ہو۔ اول صورت میں محل ریب یہ کلام ہے اور دوسری صورت میں محل ریب حقیقت میں سمجھنے والے کا فہم ہے۔ کلام بالکل حق ہے گو اس کو اپنی نافی سے وہ کلام محل ریب معلوم ہو۔ سو اس آیت میں ریب کی صورت اول کی نفی فرمائی ہے تو اب یہ شبہ کہ کلام اللہ کے کلام الہی اور حق ہونے میں تو سب کفار کو ریب و انکار تھا پھر



اس نفی کے کیا معنی۔ بالکل جاتا رہا۔ باقی رہی صورت ثانی اس کو آگے چل کر فرمادیا گیا وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنْهُ  
۳۔ یہاں سے اخیر قرآن تک جواب ہے إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کا جو سوال بندوں کی طرف سے ہوا تھا۔

۴۔ مومنین کی صفات: یعنی جو بندے اپنے خدا سے ڈرتے ہیں اُن کو یہ کتاب راستہ بتلاتی ہے کیونکہ جو اپنے خدا سے خائف ہو گا اس کو امور  
مرضیہ اور غیر مرضیہ یعنی طاعت و معصیت کی ضرور تلاش ہوگی اور جس نافرمان کے دل میں خوف ہی نہیں اس کو اطاعت کی کیا فکر اور  
معصیت سے کیا اندیشہ۔

۵۔ یعنی جو چیزیں انکے عقل و حواس کے مخفی ہیں (جیسے دوزخ۔ جنت۔ ملائکہ وغیرہ) ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور  
یقینی سمجھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان امور غائبہ کا منکر ہدایت سے محروم ہے۔

۶۔ اقامت صلوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ رعایت حقوق کے ساتھ وقت پر ادا کرتے ہیں۔

۷۔ سب طاعتوں کی اصل تین ہیں۔ اول جو باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں، دوسری بدن سے، تیسری مال سے سو اس آیت میں ہر سہ اصول کو  
ترتیب وار لے لیا۔

۸۔ اس سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا بیان تھا جن مشرکین نے ایمان قبول کیا (یعنی اہل مکہ) اور اس آیت میں ان کا بیان ہے جو اہل کتاب  
(یعنی یہود و نصاریٰ) مشرف باسلام ہوئے۔

۹۔ یعنی اہل ایمان کے دونوں گروہ مذکورہ بالا دنیا میں ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں ان کو ہر طرح کی مراد ملے گی جس سے معلوم ہو  
گیا کہ جو نعمت ایمان اور اعمال حسنہ سے محروم رہے ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہیں اب ان دونوں فریق مومنین سے فارغ ہو کر اس کے  
آگے کفار کی حالت بیان کی جاتی ہے۔

۶۔ بیشک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ  
ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے [۱۰]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ

لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

۷۔ مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر اور انکے کانوں پر  
اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے [۱۱] اور ان کے لئے بڑا  
عذاب ہے

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلَىٰ

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

۱۰۔ کفار کی حالت: ان کفار سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جن کے لئے کفر مقرر ہو چکا اور دولت ایمان سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے  
(جیسے ابو جہل، ابولہب وغیرہ) ورنہ ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ جو کافر تھے مشرف باسلام ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

۱۱۔ منافقین کی صفات: ان کے دلوں پر مہر کردی (یعنی حق بات کو نہیں سمجھتے) اور کانوں پر مہر کردی (یعنی سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے)  
اور آنکھوں پر پردہ ہے (یعنی راہ حق کو نہیں دیکھتے) کفار کا بیان ختم ہو گیا اب منافقوں کا حال اس کے بعد تیرہ آیتوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔

۸۔ اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان  
لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مومن نہیں [۱۲]

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ

الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِبُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾

۹۔ دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور دراصل کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سوچتے [۱۳]

يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَمَا يَخْدَعُونَ

إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۹﴾

۱۰۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے انکی بیماری [۱۴] اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے [۱۵]

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ ۖ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۗ وَلَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۗ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں [۱۶]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا

نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ جان لو وہی ہیں خرابی کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے [۱۷]

إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْفٰسِدُونَ وَلٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں [۱۸] کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف [۱۹] جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن نہیں جانتے [۲۰]

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا

اَنۡنُومِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۗ اِلَّا اِنَّهُمْ هُمُ

السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِن لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس [۲۱] تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں [۲۲] ہم تو ہنسی کرتے ہیں [۲۳] (یعنی مسلمانوں سے)

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا ۗ وَ اِذَا خَلَوْا

اِلَىٰ شَيْطٰنِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ ۗ اِنَّا نَحْنُ

مُسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے [۲۴] اور ترقی دیتا ہے انکو ان کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں [۲۵]

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهٖمْ وَ يَبۡدُہُمْ فِيۢ طٰغِيٰنِيۡهِمْ

يَعۡمَهُونَ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے مولیٰ گمراہی ہدایت کے بدلے سونا نفع نہ ہوئی ان کی سوداگری [۲۶] اور نہ ہوئے راہ

پانے والے [۲۷]

۱۷۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے [۲۸]

۱۸۔ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے [۲۹]

۱۹۔ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا [۳۰]

۲۰۔ قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لیجائے ان کے کان اور آنکھیں بیٹھک اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۳۱]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰى ۚ فَمَا

رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا

أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي

ظُلُمٰتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

صُمُّ بُكْمٌ عُمٰى فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمٰتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ

يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِيٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ

المَوْتِ ۗ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ

مَشَوْا فِيهِ ۗ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۗ وَكُوشًا ۗ

اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

۱۲۔ یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے صرف زبان سے فریب دینے کے لئے اظہار ایمان کرتے ہیں۔

۱۳۔ یعنی ان کی فریب بازی نہ خدا تعالیٰ کے اوپر چل سکتی ہے وہ عالم الغیب ہے اور نہ مومنین پر کہ حق تعالیٰ مومنین کو بواسطہ پیغمبر ﷺ اور دیگر دلائل وقرآن کے منافقین کے فریب سے آگاہ فرما دیتا ہے بلکہ انکی فریب بازی کا وبال اور اسکی خرابی حقیقت میں ان ہی کو پہنچتی ہے مگر وہ اس کو اپنی غفلت اور جہالت اور شرارت سے نہیں سوچتے اور نہیں سمجھتے اگر غور کریں تو سمجھ لیں کہ اس فریب بازی سے مسلمانوں کو نقصان

نہیں پہنچتا بلکہ اس کا نتیجہ خراب ہم کو پہنچ رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ (شاہ عبدالقادر صاحب) کے فہم کی نزاکت ہے کہ یہاں  
يَشْعُرُونَ كَاظْهَرِ تَرْجَمَةٍ جھوڑ کر اس کا ترجمہ بوجھنا یعنی سوچنا فرمایا۔

۱۴۔ یعنی ان کے دلوں میں نفاق اور دین اسلام سے نفرت اور مسلمانوں سے حسد اور عناد، یہ مرض پہلے سے موجود تھے اب نزول قرآن اور  
ظہور شوکت اسلام اور ترقی و نصرت اہل اسلام کو دیکھ دیکھ کر ان کی وہ بیماری اور بڑھ گئی۔

۱۵۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ: اس جھوٹ کہنے سے اسلام کا جھوٹا دعویٰ اٰهْنَا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ مراد ہے جو اوپر گزر چکا۔ یعنی عذاب الیم  
حقیقت میں اُنکے نفاق کی سزا ہے نہ مطلق جھوٹ بولنے کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو اسی باریک فرق پر متنبہ فرمانا منظور ہے جو یکذبون کا ترجمہ  
جھوٹ بولنے کی جگہ جھوٹ کہنا فرماتے ہیں فجزاه اللہ ما اودق نظره۔

۱۶۔ فساد فی الارض: خلاصہ یہ ہے کہ منافقین بچند وجوہ فساد پھیلاتے تھے، اول تو خواہش نفسانیہ میں منہمک تھے اور انقیاد و احکام شریعہ سے  
کاہل اور متنفر تھے دوسرے مسلمانوں اور کافروں دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کو ہر ایک کی باتیں دوسرے  
تک پہنچاتے رہتے تھے۔ تیسرے کفار سے نہایت مدارات و مخالفت سے پیش آتے تھے اور امور دین کی مخالفت پر کفار پر اصلاً مزاحمت نہ  
کرتے تھے اور کفار کے اعتراضات و شبہات کو جو دین کی باتوں پر ہوتے تھے مسلمانوں کے روبرو نقل کرتے تھے تاکہ ضعیف الاعتقاد اور  
ضعیف الفہم احکام شریعہ میں متردد ہو جائیں اور جب کوئی ان فسادات سے اُن کو منع کرتا تو جواب دیتے تھے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں  
اور چاہتے ہیں کہ تمام قوم اور ملک مثل زمانہ سابق شیر و شکر ہو کر رہیں اور دین جدید کی وجہ سے جو مخالفت بڑھ گئی ہے بالکل جاتی رہے چنانچہ ہر  
زمانہ میں دنیا طلب ہو ا پرست ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔

۱۷۔ یعنی اصلاح تو حقیقت میں یہ ہے کہ دین حق جملہ ادیان پر غالب ہو اور جملہ اغراض و منافع دنیوی سے احکام شریعہ کی رعایت زیادہ کی  
جائے اور دربارہ دین کسی کی موافقت اور مخالفت کی پرواہ نہ ہو۔ خاک برد لداری وغیرا یا ش منافقین بحبلہ مصالحت و مصلحت اندیشی جو کچھ  
کرتے ہیں وہ حقیقت میں فساد محض ہے مگر اُن کو اُس کا شعور نہیں۔

۱۸۔ یعنی اپنے دلوں میں یہ کہتے ہیں یا آپس میں یا اُن ضعفائے مسلمین سے جو کسی وجہ سے اُن کے رازدار بن رہے تھے۔

۱۹۔ سفہاء کہا سچے مسلمانوں کو کہ احکام خداوندی پر دل سے ایسے فدا تھے کہ لوگوں کی مخالفت اور اسکے نتائج بد سے اور انقلاب زمانہ کی  
مضرات گونا گوں سے اپنا بچاؤ نہ کرتے تھے بخلاف منافقین کے کہ مسلمان و کفار سب سے ظاہر بنا رکھا تھا اور اغراض نفسانی کے سبب  
آخرت کا کچھ فکر نہ تھا مصلحت بینی اس درجہ غالب تھی کہ ایمان و پابندی احکام شرع کی ضرورت نہ سمجھتے تھے فقط دعویٰ زبانی اور ضروری اعمال  
بجوبوری ادا کر لینے پر قناعت تھے۔

۲۰۔ منافقین ہی بے وقوف ہیں: یعنی بیوقوف حقیقت میں منافقین ہی ہیں کہ مصالح و اغراض دنیوی پادر ہو ا کی وجہ سے آخرت کا خیال نہ کیا  
فانی کو لینا اور باقی کو چھوڑنا کس قدر حماقت ہے اور مخلوقات سے ڈرنا کہ جن سے ہزار طرح اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور علام الغیوب سے نہ ڈرنا کہ  
جہاں کسی طرح کوئی امر پیش ہی نہ جاسکے کتنی جہالت ہے اور صلح کل کیسے کہ جس میں احکم الحاکمین اور اس کے مقبول بندوں سے مخالفت کی  
جاتی ہے۔ مگر منافقین اس درجہ بیوقوف ہیں کہ ایسی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔

۲۱۔ شیاطین (یعنی شریر لوگ) مراد ان سے یا تو وہ کفار ہیں جو اپنے کفر کو سب پر ظاہر کرتے تھے یا وہ منافقین مراد ہیں جو ان میں رئیس سمجھے  
جاتے تھے۔

۲۲۔ یعنی کفر و اعتقاد دین کے معاملے میں ہم بالکل تمہارے ساتھ ہیں تم سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتے۔

۲۳۔ مومنین سے استہزاء: یعنی ظاہری موافقت جو ہم مسلمانوں سے کرتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقعی میں ان کے موافق ہیں ہم تو ان سے تمسخر کرتے ہیں اور ان کی بیوقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مخالف ہیں مگر وہ اپنی بیوقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد سے ہمارا نکاح کر دیتے ہیں اور ہم ان کے راز کی باتیں اڑالتے ہیں اور وہ اس پر بھی ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔

۲۴۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو فرمادیا کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کروان کے جان و مال سے ہرگز تعرض نہ کرو اس سے منافقین اپنی حماقت سے سمجھ جائیں گے کہ ایمان لانے سے جو فائدہ مسلمانوں کو ہوا وہ سب فوائد ہم کو بھی صرف زبانی اظہار اسلام سے حاصل ہو گئے اس وجہ سے بالکل مطمئن ہو گئے حالانکہ انجام کار یہ امر منافقین کو سخت بلا میں پھنسانے والا ہے اس کا انجام نہایت خراب ہے۔ تو اب انصاف کیجئے کہ حقیقت تمسخر مسلمانوں کا ہو یا منافقین کا اور تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا ان کو دے گا۔

۲۵۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ڈھیل دی گئی حتیٰ کی انہوں نے سرکشی میں خوب ترقی کی اور ایسے بیکے کہ اس کا انجام کچھ نہ سوچا اور خوش ہوئے کہ ہم مسلمانوں سے ہنسی کرتے ہیں حالانکہ معاملہ بالعکس تھا جاننا چاہئے کہ آیت میں فی طغیانہم فعل یمدہم کے متعلق ہے۔ مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اس کو بجمہوں کے متعلق کر دیا (جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق اور اہل سنت کے خلاف اور استعمال عرب کے مخالف ہو گئے) جو غلط ہے اور جاننے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔

۲۶۔ گھاٹے کی تجارت: تجارت سے مراد وہی گمراہی کا ہدایت کے بدلے مول لینا ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے۔

۲۷۔ یعنی منافقین نے بظاہر ایمان قبول کیا اور دل میں کفر کو رکھا جس کی وجہ سے آخرت میں خراب اور دنیا میں خوار ہوئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان کے احوال پر سب کو مطلع فرمادیا۔ ایمان لاتے تو دارین میں سرخرو ہوتے۔ تو اب انکی تجارت نے کوئی نفع ان کو نہ پہنچایا نہ دنیا کا اور نہ آخرت کا۔ اور وہ کچھ نہ سمجھے کہ مجرد ایمان زبانی کو کافی اور نافع سمجھ کر اس خرابی اور رسوائی میں گرفتار ہوئے۔ اب منافقین کے مناسب حال دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

۲۸۔ منافقین کی پہلی مثال: یعنی منافقوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اندھیری گھنگھور رات میں آگ روشن کرے جنگل میں راستہ دیکھنے کو اور جب آگ روشن ہو گئی اور راستہ نظر آنے کو ہو تو خدا تعالیٰ نے اس کو بھجا دیا اور اندھیری رات میں جنگل میں کھڑا رہ گیا کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسے ہی منافقین نے مسلمانوں کے خوف سے کلمہ شہادت کی روشنی سے کام لینا چاہا مگر سردست کچھ فائدہ حقیر (مثل حفظ جان و مال) اٹھانے پائے تھے کہ نور کلمہ شہادت اور منافع سب نیست و نابود ہو گئے اور مرتے ہی عذاب الیم میں مبتلا ہو گئے۔

۲۹۔ یعنی بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے۔ اندھے ہیں جو اپنے نفع و نقصان کو نہیں دیکھتے سو جو شخص بہرا بھی ہو اور گونگا بھی ہو وہ کس طرح راہ پر آئے صرف اندھا ہو تو کسی کو پکارے یا کسی کی بات سنے تو اب ان سے ہرگز توقع نہیں کہ گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں۔

۳۰۔ دوسری مثال: ان منافقین کی مثال ان لوگوں کی سی ہے کہ ان پر آسمان سے مینہ شدت کے ساتھ پڑ رہا ہو اور کئی طرح کی تاریکی اس میں ہو۔ مثلاً بادل بھی تہہ بر تہہ بہت غلیظ اور کثیف ہے اور قطرات ابر کی بھی بہت کثرت اور ہجوم ہے اور بھی اندھیری ہے اور تاریکی شدید کے ساتھ بجلی کی کڑک اور چمک بھی ایسی ہولناک ہے کہ وہ لوگ موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں کہ آواز کی شدت سے دم نہ نکل جائے۔ اسی طرح پر منافقین تکالیف و تہدیدات شرعیہ کو سن کر اور اپنی خواری و رسوائی کو دیکھ کر اور اغراض مصالح دنیوی کو خیال کر کر عجب کشمکش اور خوف و پریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی بیہودہ تدبیروں سے اپنا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کی قدرت سب طرف سے کفار کا احاطہ

کئے ہوئے ہے اُس کی گرفت و عذاب سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکتے۔

۳۱۔ حاصل یہ ہے کہ منافقین اپنی ضلالت اور ظلماتی خیال میں مبتلا ہیں لیکن جب غلبہ نور اسلام اور ظہور معجزات کو یہ دیکھتے ہیں اور تاکید و تہدید شرع سنتے ہیں تو متنبہ ہو کر ظاہر میں صراطِ مستقیم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب کوئی اذیت و مشقت دینیوی نظر آتی ہے تو کفر پر اڑ جاتے ہیں جیسے شدتِ باراں اور تاریکی میں بجلی چمکی تو قدم رکھ لیا پھر کھڑے ہو گئے مگر چونکہ اس کو سب کا علم ہے اور اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تو ایسے حیلوں اور تدبیروں سے کیا کام نکل سکتا ہے فائدہ سورت کے اول سے یہاں تک تین طرح کے لوگوں کا ذکر فرمایا اول مومنوں کا پھر کافروں کا (جن کے دلوں پر مہر ہے کہ ہر گز ایمان نہ لائیں گے) تیسرے منافقوں کا جو دیکھنے میں مسلمان ہیں مگر دل ان کا ایک طرف نہیں۔

۲۱۔ اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَ  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾

۲۲۔ جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اتار آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے سونہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو [۲۲]

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً  
وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ  
الشَّرَابِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا  
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾

۳۲۔ تمام انسانوں کو توحید کا پیغام: اب سب بندوں کو مومن ہوں یا کافر یا منافق خطاب فرما کر توحید جناب باری سمجھائی جاتی ہے جو ایمان کے لئے اصل الاصول ہے۔ خلاصہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو پیدا کیا اور تمہاری ضروریات اور کل منافع کو بنایا۔ پھر اُس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود بنانا جو تم کو نہ نفع پہنچا سکے نہ مضرت (جیسے بت) کس قدر حماقت اور جہالت ہے حالانکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس جیسا کوئی نہیں۔

۲۳۔ اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی [۳۳] اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو [۳۴]

وَأِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا  
بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِمَّنْ دُونِ  
اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾

۲۴۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ

ہوئی ہے کافروں کے واسطے [۳۵]

الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ

لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۳﴾

۳۳۔ کفار کو چلیج: یہ بات گزر چکی ہے کہ اس کلام پاک میں شبہہ کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام میں کوئی بات کھٹکے کی ہو سوا اس کے دفعیہ کے لئے لاریب فیہ فرما چکے ہیں اور یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی کے دل میں اپنی کوتاہی فہم یا زیادت عناد سے شبہ پیدا ہو تو یہ صورت چونکہ ممکن بلکہ موجود تھی تو اس کے رفع کرنے کی عمدہ اور سہل صورت بیان فرمادی کہ اگر تم کو اس کلام کے کلام بشری ہونے کا خیال ہو تو تم بھی تو ایک سورت ایسی فصیح و بلیغ تین آیات کی مقدار بنا دیکھو اور جب تم باوجود کمال فصاحت و بلاغت چھوٹی سی سورت کے مقابلہ سے بھی عاجز ہو جاؤ تو پھر سمجھ لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے کسی بندہ کا نہیں اس آیت میں آپ کی نبوت کو مدلل فرمادیا۔

۳۴۔ قرآن مجزہ ہے: یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بندہ کا کلام ہے تو جس قدر قابل اور شاعر اور فصحاء و بلغاء موجود ہیں خدائے تعالیٰ کے سوا سب سے مدد لے کر ہی چھوٹی سے سورت ایسی بنا لاؤ یا یہ مطلب ہے کہ خداوند کریم کے سوا تمہارے جتنے معبود ہیں سب سے تضرع اور گریہ و زاری کے ساتھ دعا مانگو کہ اس مشکل بات میں تمہاری کچھ مدد کریں۔

۳۵۔ پھر اس پر بھی اگر تم ایسی ایک سورت نہ بنا سکو اور یہ بات یقینی ہے کہ ہرگز نہ بنا سکو گے تو پھر ڈر و اور بچو نار دوزخ سے جو سب آگوں سے تیز ہے اُس کا ایندھن کافر اور پتھر ہیں جن کی تم پر ستش کرتے ہو اور بچنے کو صورت یہی ہے کہ کلام الہی پر ایمان لاؤ اور وہ آگ کافروں کے واسطے تیار کی ہوئی ہے جو کہ قرآن شریف اور نبی کریم کو جھوٹا بتلاتے ہیں۔

۲۵۔ اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور

اچھے کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان

کے نیچے نہریں جب ملے گا ان کو وہاں کا کوئی پھل کھانے

کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے اور

دیئے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے [۳۶] اور

انکے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ ہیں ہمیشہ

رہیں گے [۳۷]

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رَزَقُوا

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رَزَقُوا قَالُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا

مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا

أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

۳۶۔ جنت کے پھل: جنت کے میوے دنیا کے میووں کی سی شکل و صورت میں ملتے جلتے ہوں گے مگر لذت میں زمین و آسمان کا فرق ہو گا یا جنت کے میوے باہم ایک شکل و صورت کے ہوں گے اور مزاجا اجد اجد تو جب کسی میوے کو دیکھیں گے تو کہیں گے وہی قسم ہے جو پہلے دنیا میں یا جنت میں کھا چکے ہیں اور چکھیں گے تو مزہ اور ہی پائیں گے۔

۳۷۔ جنت کی عورتیں: جنت کی عورتیں نجاسات ظاہرہ و باطنہ (اخلاق رذیلہ) سے پاک و صاف ہوں گی فائدہ: یہاں تک تین چیزیں جن کا جاننا ضروری تھا بیان فرمائیں اول مبداء (یعنی ہم کہاں سے آئے اور کیا تھے) دوسرے معاش (کہ کیا کھائیں اور کہاں رہیں) تیسرے معاد (کہ

ہمارا انجام کیا ہے۔)

۲۶۔ بیشک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھکر ہے [۳۸] سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی انکے رب کی طرف سے اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے گمراہ کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو [۳۹] اور گمراہ نہیں کرتا اس مثل سے مگر بدکاروں کو

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ  
فَمَا فَوْقَهَا ۗ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ  
الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَا  
ذَآ أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۙ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۙ وَيَهْدِي  
بِهِ كَثِيرًا ۗ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو [۴۰] اور فساد کرتے ہیں ملک میں [۴۱] وہی ہیں ٹوٹے والے [۴۲]

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ  
وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ  
فِي الْأَرْضِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٢٧﴾

۳۸۔ کفار کے ایک اعتراض کا جواب: اس آیت میں اس معارضہ کا جواب دیا گیا ہے جو کفار کی طرف سے پہلی آیت پر ہوا خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب چھوٹی سی سورت بھی اس کلام جیسی ان سے نہ ہو سکی جس سے اس کا کلام الہی ہونا ثابت ہو چکا تو کفار نے کہا ہر چند ہم اس کلام کے مقابلہ سے عاجز ہیں مگر ہم دوسری دلیل سے اس کا کلام الہی نہ ہونا اور کلام بشری ہونا ثابت کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ بڑے بڑے بزرگ عظیم الشان اپنے کلام میں ذلیل و حقیر چیزوں کے ذکر سے اجتناب کیا کرتے ہیں حق تعالیٰ جو سب بزرگوں سے برتر اور اعظم ہے اس نے کیسے اپنے کلام میں مکھی اور مکڑی کا ذکر فرمایا۔ اس معارضہ کا جواب دیا گیا اس میں کوئی شرم اور عار کی بات نہیں کہ حق تعالیٰ مچھر یا اس سے بڑی چیز مکھی اور مکڑی کی مثال بیان فرمائے کیونکہ مثال سے تو توضیح و تفصیل ممثل لہ کی مطلوب ہوتی ہے حقارت اور عظمت سے کیا بحث اور یہ مطلوب جمعی حاصل ہو گا کہ مثال اور ممثل لہ میں پوری مطابقت ہو ممثل لہ حقیر ہو گا تو اس کی مثال بھی حقیر ہونی چاہیے ورنہ تمثیل ہی بہبودہ سمجھی جائے گی ہاں اگر تمثیل میں یہ ہوتا کہ مثال اور مثال دینے والے میں موافقت ضروری ہوتی تو یہ تو یوقوفوں کا یہ اعتراض چل سکتا۔ مگر اس کا تو کوئی بیوقوف بھی قائل نہ ہو گا اور توریت و انجیل و کلام حکماء و سلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت اور عناد کی بات ہے اور ما فوقہا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مچھر سے حقارت اور چھوٹائی میں زیادہ ہو جیسے مچھر کے بازو کہ بعض احادیث میں اس کو دنیا کی تمثیل میں ذکر فرمایا ہے۔

۳۹۔ یعنی ایمان والے تو ان مثالوں کو حق اور مفید سمجھتے ہیں اور کفار بطور تحقیر کہتے ہیں کہ ایسی حقیر مثالوں سے خدا کی مراد اور غرض کیا ہوگی جواب دیا گیا کہ اس کلام سر اپادایت سے بہتیروں کو گمراہی میں ڈالنا اور بہتیروں کو راہ راست دکھلانا منظور ہے (یعنی اہل حق اور اہل باطل میں



تمیز تمام منظور ہے جو نہایت مفید اور ضروری ہے۔

۳۰۔ جیسے قطع رحم کرنا، انبیاء اور علماء اور واعظین اور مومنین اور نماز اور دیگر جملہ امور خیر سے اعراض کرنا۔

۳۱۔ فساد فی الارض کے معنی: فساد سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ایمان سے نفرت دلاتے تھے اور مخالفان اسلام کو ورغلا کر مسلمانوں سے مقاتلہ کراتے تھے اور حضرات صحابہ اور صلحاء امت کے عیوب نکال کر تشہیر کرتے تھے تاکہ آپ کی اور دین اسلام کی بے وقعتی لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور مسلمانوں کا راز مخالفوں تک پہنچاتے تھے اور طرح طرح کی رسوم و بدعات خلاف طریقہ اسلام پھیلانے میں سعی کرتے تھے۔

۳۲۔ مطلب یہ کہ ان حرکات ناشائستہ سے اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں، تو بین اسلام اور تحقیر صلحاء امت کچھ بھی نہ ہو سکے گی۔

۲۸۔ کس طرح کافر ہوتے ہو خدا تعالیٰ سے حالانکہ تم بیجان تھے [۳۳] پھر جلایا تم کو [۳۴] پھر مارے گا تم کو [۳۵] پھر جلانے گا تم کو [۳۶] پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [۳۷]

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا انکو سات آسمان اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے خبر دار ہے [۳۸]

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَبِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

۳۳۔ کفر کرنا عقل کے خلاف ہے: یعنی اجسام بے جان کہ حس و حرکت کچھ بھی نہ تھی اول عناصر تھے اس کے بعد والدین کی غذا بنے، پھر نطفہ پھر خون بستہ پھر گوشت۔

۳۴۔ یعنی حالات سابقہ کے بعد نفع روح کیا گیا جس سے رحم مادر میں اور اس کے بعد دنیا میں زندہ رہے۔

۳۵۔ یعنی جب دنیا میں وقت مرنے کا آئے گا۔

۳۶۔ یعنی قیامت کو زندہ کئے جاؤ گے حساب لینے کے واسطے۔

۳۷۔ یعنی قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب و کتاب کے واسطے کھڑے کئے جاؤ گے، سواب انصاف کرو کہ جب تم اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کے احسانات کے مرہون ہو اور ہر حالت میں اور حاجت میں اس کے محتاج ہو اور اس کے متوقع ہو۔ پھر اس پر بھی کفر کرنا اور اس کی نافرمانی کرنا کس قدر تعجب خیز امر ہے۔

۳۸۔ اس آیت میں دوسری نعمت بیان فرمائی یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری بقا اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں (مطعمات اور مشروبات اور ملبوسات اور ہر چیز کے لئے آلات و سامان) اس کے بعد متعدد آسمان بنائے گئے جس میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔

۳۰۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بناؤں اہل زمین میں ایک نائب [۳۹] کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اسکو جو فساد کرے اس میں

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَ

اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو [۵۰] فرمایا بیشک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے [۵۱]

۳۱۔ اور سکھلا دیے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو

۳۲۔ بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا [۵۲]

۳۳۔ فرمایا اے آدم بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیے اس نے ان کے نام فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو [۵۳]

يَسْفِكُ الدِّمَاءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ اِنِّي اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِي بِاَسْمَاءِ هٰٓؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۗ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

قَالَ يَا اٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ ۗ فَلَمَّ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۹۔ خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش: اب ایک بڑی نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے جو جملہ بنی آدم پر کی گئی اور وہ حضرت آدم کی آفرینش کا قصہ ہے جو تفصیل سے بیان کیا گیا اور ان کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ پہلی آیت میں جو خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فرمایا تھا اس میں کسی کو انکار پیش آئے تو قصہ حضرت آدم سے اُس کا جواب بھی بخوبی ہو گیا۔

۵۰۔ ملائکہ کا سوال اور اُس کا جواب: ملائکہ کو جب یہ خلجان ہوا کہ ایسی مخلوق کہ جس میں مفسد اور خوریز تک ہوں گے ہم ایسے مطیع اور فرمانبردار کے ہوتے ان کو خلیفہ بنانا اس کی وجہ کیا ہوگی؟ تو بطریق استفادہ یہ سوال کیا۔ اعتراض ہر گز نہ تھا۔ رہا یہ امر کہ ملائکہ کو بنی آدم کا حال کیونکر معلوم ہوا اس میں بہت سے احتمال ہیں۔ جنات پر قیاس کیا یا حق تعالیٰ نے پہلے بتا دیا تھا یا لوح محفوظ پر لکھا دیکھا۔ یا سمجھ گئے کہ حاکم و خلیفہ کی ضرورت جب ہی ہوگی جب ظلم و فساد ہو گیا حضرت آدم کے قالب کو دیکھ کر بطور قیافہ سمجھ گئے ہوں (جیسا ابلیس نے حضرت آدم کو دیکھ کر کہا تھا کہ بہکول ہوں گے) اور ایسا ہی ہوا۔

۵۱۔ فرشتوں کو سردست بالا جمال یہ جواب دیا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں اس کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں۔ تم کو ابھی تک وہ حکمتیں معلوم نہیں ورنہ اس کی خلافت اور افضلیت میں شبہ نہ کرتے۔

۵۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت علم: خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع اور نقصان کے تعلیم فرمادیا اور یہ علم ان کے دل میں بلا واسطہ کلام القا کر دیا کیونکہ بدون اس کلام علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے اس کے بعد ملائکہ کو اس حکمت پر مطلع کرنے کی وجہ سے ملائکہ سے امور مذکورہ کا سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنی اس بات میں کہ تم کار خلافت انجام دے سکتے ہو، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام و احوال بتاؤ لیکن انہوں نے اپنے عجز و قصور کا اقرار کیا اور خوب سمجھ گئے کہ بدون اس علم عام کے کوئی کار خلافت زمین میں نہیں کر سکتا اور اس علم عام سے قدر قلیل ہم کو اگر حاصل ہوا بھی تو اتنی بات سے ہم قابل خلافت نہیں ہو سکتے۔ یہ سمجھ کر کہہ اٹھے کہ تیرے علم و حکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

۵۳۔ عبادت پر علم کی فضیلت: اس کے بعد حضرت آدم سے جو تمام اشیائے عالم کی نسبت سوال ہوا تو فر فرسب امور ملائکہ کو بتادئے کہ وہ بھی سب دنگ رہ گئے اور حضرت آدم کے احاطہ علمی پر عیش عیش کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ کہو ہم نہ کہتے تھے کہ ہم جملہ مخفی امور آسمان و زمین کے جاننے والے ہیں اور تمہارے دل میں جو باتیں مکتون ہیں وہ بھی سب ہم کو معلوم ہیں فائدہ اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ثابت ہوئی۔ دیکھئے عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم، مگر علم میں چونکہ انسان سے کم ہیں اس لئے مرتبہ خلافت انسان ہی کو عطا ہوا اور ملائکہ نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور ہونا بھی یوں ہی چاہیئے کیونکہ عبادت تو خاصہ مخلوقات ہے خدا کی صفت نہیں البتہ علم خدا ہے تعالیٰ کی صفت اعلیٰ ہے اس لئے قابل خلافت یہی ہوئے۔ کیونکہ ہر خلیفہ میں اپنے مستخلف عنہ کا کمال ہونا ضروری ہے۔

۳۴۔ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان [۵۴] اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں کا [۵۵]

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّا اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ ؕ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ

۳۳

۵۴۔ سجدے کا حکم اور ابلیس کی نافرمانی: جب حضرت آدم کا خلیفہ ہونا مسلم ہو چکا تو فرشتوں کو اور ان کے ساتھ جنات کو حکم ہوا کہ حضرت آدم کی طرف سجدہ کریں اور ان کو قبلہ سجود بنائیں جیسا سلاطین اپنا اولیٰ عہد مقرر کرتے ہیں پھر ارکان دولت کو نذریں پیش کرنے کا حکم کرتے ہیں تاکہ کسی کو سرتابی کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ سب نے سجدہ مذکورہ ادا کیا سوائے ابلیس کے کہ اصل سے جنات میں تھا اور ملائکہ کے ساتھ کمال اختلاط رکھتا تھا اور سب اس سرکشی کا یہ ہوا کہ جنات چند ہزار سال سے زمین میں متصرف تھے اور آسمان پر بھی جاتے تھے جب ان کا فساد اور خونریزی بڑھی تو ملائکہ نے بحکم الہی بعض کو قتل کیا اور بعض کو جنگل پہاڑ اور جزائر میں منتشر کر دیا۔ ابلیس ان میں بڑا عالم و عابد تھا اس نے جنات کے فساد سے اپنی بے لوثی ظاہر کی، فرشتوں کی سفارش سے یہ بچ گیا اور ان ہی میں رہنے لگا اور اس طمع میں کہ تمام جنات کی جگہ اب صرف میں زمین میں متصرف بنایا جاؤں عبادت میں بہت کوشش کرتا رہا اور خلافت ارض کا خیال پکاتا رہا جب حکم الہی حضرت آدم کی نسبت خلافت کا ظاہر ہوا تو ابلیس مایوس ہوا اور عبادت ریائی کے رائگاں جانے پر جوش حسد میں سب کچھ کیا اور ملعون ہوا۔

۵۵۔ سجدے کا حکم اور ابلیس کی نافرمانی: یعنی علم الہی میں پہلے ہی کافر تھا اوروں کو گواہ ظاہر ہوا یا یوں کہو کہ اب کافر ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ

حکم الہی کا بوجہ تکبر انکار کیا اور حکم الہی کو خلاف حکمت و مصلحت اور موجب عار سمجھا یہ نہیں کہ فقط سجدہ ہی نہیں کیا۔

۳۵۔ اور ہم نے کہا اے آدم رہا کرتا اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم [۵۶]

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ پھر ہلا دیا انکو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا انکو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے [۵۷] اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے [۵۸] اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک [۵۹]

فَازَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۶﴾

۵۶۔ شجر ممنوعہ: مشہور ہے کہ وہ درخت گہیوں کا تھا بقول بعض انگور یا انجیر یا ترنج وغیرہ کا واللہ اعلم۔

۵۷۔ کہتے ہیں کہ حضرت آدم اور حوا بہشت میں رہنے لگے اور شیطان کو اس کی عزت کی جگہ سے نکال دیا شیطان کو اور حسد بڑھا بالا آخر مور اور سانپ سے مل کر بہشت میں گیا اور بی بی حوا کو طرح طرح سے ایسا پھسلا یا اور بہکایا کہ انہوں نے وہ درخت کھا لیا اور حضرت آدم کو بھی کھلایا اور ان کو یقین دلا دیا تھا کہ اس کے کھانے سے اللہ کے ہمیشہ کو مقرب ہو جاؤ گے اور حق تعالیٰ نے جو ممانعت فرمائی تھی اس کی توجہیہ گھڑ دی۔ آئندہ یہ قصہ مفصل آئے گا۔

۵۸۔ بہو ط آدم علیہ السلام: اس خطا کی سزا میں حضرت آدم اور حوا اور جو اولاد پیدا ہونے والی تھی سب کی نسبت یہ حکم ہوا کہ بہشت سے زمین پر جا کر رہو باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے جس کی وجہ سے تکلیفیں پیش آئیں گی۔ بہشت دار العصیان اور دار العداۃ نہیں ان امور کے مناسب دار دنیا ہے جو تمہارے امتحان کے لئے بنایا گیا ہے۔

۵۹۔ یعنی دنیا میں ہمیشہ نہ رہو گے بلکہ ایک وقت معین تک وہاں رہو گے اور وہاں کی چیزوں سے بہرہ مند ہو گے اور پھر ہمارے ہی روبرو آؤ گے اور وہ وقت معین ہر شخص کی نسبت تو اس کی موت کا وقت ہے اور تمام عالم کے حق میں قیامت کا۔

۳۷۔ پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان [۶۰]

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب [۶۱] پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۶۲]

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَبِيعًا ۚ فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ تَّبِعَ هَدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ

ہیں دوزخ میں جانے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ جب حضرت آدمؑ نے حق تعالیٰ کا حکم عتاب آمیز سنا اور جنت سے باہر آگئے تو بحالت ندامت و انفعال گریہ زاری میں مصروف تھے۔ اس حالت میں حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چند کلمات ان کو القا اور الہام کے طور پر بتلائے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا (اعراف۔ ۲۳) آخر آیت تک۔

۴۰۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ کو قبول فرمائی مگر فی الفور جنت میں جانے کا حکم نہ فرمایا بلکہ دنیا میں رہنے کا جو حکم ہوا تھا اسی کو قائم رکھا کیونکہ مقتضائے حکمت و مصلحت یہی تھا ظاہر ہے کہ زمین کے لئے خلیفہ بنائے گئے تھے نہ کہ جنت کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ جو ہمارے مطیع ہوں گے ان کو دنیا میں رہنا مضمر نہ ہو گا بلکہ مفید، ہاں جو نافرمان ہیں ان کے لئے جہنم ہے اور اس تفریق و امتحان کے لئے بھی دنیا ہی مناسب ہے۔

۴۱۔ خوف اور حزن کے معنی: جو صدمہ اور اندیشہ کسی مصیبت پر اس کے ہونے سے پہلے ہوتا ہے اس کو خوف کہتے ہیں اور اس کے واقع ہو چکنے کے بعد جو غم ہوتا ہے اس کو حزن کہتے ہیں۔ مثلاً کسی مریض کے مر جانے کے خیال پر جو صدمہ ہے وہ خوف ہے اور مر جانے کے بعد جو صدمہ ہے وہ حزن ہے۔ اس آیت میں جو خوف و حزن کی نفی فرمائی اس سے اگر خوف و حزن دینی مراد لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ جو لوگ ہماری ہدایت کے موافق چلیں گے۔ اس میں اس اندیشہ کی گنجائش نہیں کہ شاید یہ ہدایت حقہ نہ ہو شیطان کی طرف سے دھوکہ اور مغالطہ ہو اور نہ وہ اس وجہ سے کہ ان کے باپ سے بالفعل بہشت چھوٹ گئی محزون ہوں گے کیونکہ ہدایت والوں کو عنقریب جنت ملنے والی ہے اور اگر خوف و حزن آخرت مراد ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ قیامت کا اہل ہدایت کو نہ خوف ہو گا نہ حزن مگر حزن کا نہ ہونا تو بے شک مسلم لیکن خوف کی نفی فرمانے پر ضرور یہ خلیان ہوتا ہے کہ اس روز خوف تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک کو ہو گا۔ کوئی بھی خوف سے خالی نہ ہو گا۔ تو بات یہ ہے کہ خوف دو طرح ہوتا ہے کبھی تو خوف کا باعث اور مرجع خائف (یعنی ڈرنے والے) میں پایا جاتا ہے جیسے مجرم بادشاہی جو بادشاہ سے ڈرتا ہے تو موجب خوف جرم ہے جو مجرم کی طرف رجوع ہوتا ہے اور کبھی مرجع خوف مخوف منہ یعنی جس سے ڈرتے ہیں اس میں کوئی امر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بادشاہ صاحب جاہ و جلال کے روبرو یا شیر کے روبرو ہو تو اس کے خائف ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اس نے بادشاہ یا شیر کا جرم کیا ہے بلکہ تہر و جلال سلطانی اور ہیبت اور غضب و درندگی شیر موجب خوف ہے جس کا مرجع ذات سلطانی اور خود شیر ہے۔ آیت سے پہلی قسم کی نفی ہوئی نہ دوسری قسم کی شبہ تو جب ہو سکتا تھا کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ كِي جَلَّ لَا خَوْفٌ فِيهِمْ يَلَا يَخَافُونَ فرماتے۔

۴۰۔ اے بنی اسرائیل ﴿۳۹﴾ یاد کرو میرے وہ احسان جو

میں نے تم پر کئے ﴿۴۰﴾ اور تم پورا کرو میرا اقرار تو میں پورا

کروں تمہارا اقرار ﴿۴۱﴾ اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿۴۲﴾

يُبْنِيَّ إِسْمَاعِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ

عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ

فَارْهَبُونِ ﴿۴۰﴾

۴۱۔ اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے [۲۷] اور مت ہو سب میں اول منکر اس کے [۲۸] اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی سے بچتے رہو۔

وَأْمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا  
أُولَٰئِكَ كَافِرٍ بِهِ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ

إِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿۳۱﴾

۴۲۔ اور مت لاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ

أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

۶۳۔ بنی اسرائیل سے خطاب: اُولَٰئِكَ النَّاسُ الْعَبُدُ ۗ خطاب عام تھا اور ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو تمام بنی آدم پر عام تھیں مثلاً زمین و آسمان و جملہ اشیاء کا پیدا کرنا۔ پھر حضرت آدم کو پیدا کر کے ان کو خلیفہ بنانا اور بہشت میں داخل کرنا وغیرہ۔ اب ان میں سے خاص بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا اور خاص نعمتیں جو وقتاً فوقتاً پشت در پشت ان پر ہوتی چلی آئیں اور انہوں نے جو کفران نعمت کیا ان سب باتوں کو مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل تمام فرقوں بنی آدم میں ممتاز اور اہل علم و کتاب و نبوت اور انبیاء کو پہچاننے والے سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ حضرت یعقوب سے حضرت عیسیٰ تک چار ہزار نبی ان میں آچکے تھے تمام عرب کی نظریں انکی طرف تھیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے ان انعامات اور خرابیوں کو بسط کے ساتھ ذکر فرمایا کہ شرما کر ایمان لائیں ورنہ اور لوگ انکی حرکات سے واقف ہو کر انکی بات کا اعتبار نہ کریں اور اسرائیل نام ہے حضرت یعقوب کا اس کے معنی ہیں عبد اللہ۔

۶۴۔ بنی اسرائیل کی نعمتیں: ہزاروں انبیاء ان میں بھیجے گئے۔ توریت وغیرہ کتابیں نازل فرمائیں فرعون سے نجات دے کر ملک شام میں تسلط دیا، من و سلوی نازل ہوا۔ ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کئے جو نعمتیں اور خوارق عادات کسی فرقہ کو نصیب نہیں ہوئیں۔

۶۵۔ توریت کا عہد پورا کرو: توریت میں یہ اقرار کیا کہ تم توریت کے حکم پر قائم رہو گے۔ اور جس پیغمبر کو بھیجوں اس پر ایمان لا کر اس کے رفیق رہو گے تو ملک شام تمہارے قبضہ میں رہے گا (بنی اسرائیل نے اس کو قبول کر لیا تھا) مگر پھر اقرار پر قائم نہ رہے بد نیتی کی رشوت لے کر مسئلے غلط بتائے حق کو چھپایا، اپنی ریاست جمائی پیغمبر کی اطاعت نہ کی بلکہ پیغمبروں کو قتل کیا، توریت میں جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفت تھی اس کو بدل ڈالا اس لئے گمراہ ہوئے۔

۶۶۔ یعنی منافع دنیوی کے فوت ہونے سے مت ڈرو۔

۶۷۔ توریت کے مطابق قرآن پر ایمان لاؤ: توریت میں بتا دیا گیا تھا کہ جو نبی آئے اگر توریت کی تصدیق کرے تو اس کو جانو سچا ہے نہیں تو جھوٹا ہے جاننا چاہیے کہ احکام قرآنی دربارہ اعتقادات اور اخبار انبیاء و احوال آخرت و اوامر و نواہی توریت وغیرہ کتب سابقہ کے موافق ہیں۔ ہاں بعض اوامر و نواہی میں نسخ بھی کیا گیا ہے مگر وہ تصدیق کے مخالف نہیں تصدیق کے مخالف تکذیب ہے اور تکذیب کسی کتاب الہی کی ہو بالکل کفر ہے منسوخ تو بعض آیات قرآنی بھی ہیں مگر اس کو نعوذ باللہ کون تکذیب کہہ سکتا ہے۔

۶۸۔ یعنی قرآن کی دیدہ و دانستہ تکذیب کرنے والوں میں اول مت ہو کہ قیامت تک کے منکرین کا وبال تمہاری گردن پر ہو اور مشرکین کہ

نے جو انکار کیا ہے وہ جہل اور بیخبری کے سبب کیا ہے دیدہ و دانستہ ہر گز نہ تھا اس میں تو اول تم ہی ہو گے اور یہ کفر پہلے کفر سے سخت تر ہے۔

۳۳۔ اور قائم کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ [۶۹]

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ

الرُّكَّعِيْنَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو [۴۰]

اَتَامِرُوْنَ النَّاسِ بِالْبُرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ

اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے [۴۱] اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی عاجزوں پر

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ۗ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ

اِلَّا عَلٰى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ انکو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے [۴۲]

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنْهُمْ مُّلْقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنْهُمْ اِلَيْهِ

رُجِعُوْنَ ﴿۳۶﴾

۶۹۔ نماز باجماعت کا حکم: یعنی باجماعت نماز پڑھا کرو پہلے کسی دین میں باجماعت نماز نہیں تھی اور یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ صرف امور مذکورہ بالا نجات کے لئے تم کو کافی نہیں بلکہ تمام اصول میں نبی آخر الزماں کی پیروی کرو۔ نماز بھی ان کے طور پر پڑھو جس میں جماعت بھی ہو اور رکوع بھی۔

۷۰۔ صرف تبلیغ کافی نہیں عمل بھی ضروری ہے: بعض علمائے یہود یہ کمال کرتے تھے اپنے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ دین اسلام اچھا ہے اور خود مسلمان نہ ہوتے تھے۔ اور نیز علمائے یہود بلکہ اکثر ظاہر بینیوں کو اس موقع پر یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ جب ہم تعلیم احکام شریعت میں قصور نہیں کرتے اور حق پوشی بھی نہیں کرتے تو اس کی ضرورت نہیں کہ ہم خود بھی احکام پر عمل کریں جب ہماری ہدایت کے موافق بہت سے آدمی اعمال شریعت بجالاتے ہیں تو حکم قاعدہ اذال علی الخیر کفای علیہ وہ ہمارے ہی اعمال ہیں تو اس آیت میں دونوں کا بطلان فرمادیا گیا اور آیت سے مقصود یہ ہے کہ واعظ کو اپنے وعظ پر ضرور عمل کرنا چاہیے یہ غرض نہیں کہ فاسق کسی کو نصیحت نہ کرے۔

۷۱۔ علمائے اہل کتاب جو بعد وضوح حق بھی آپ پر ایمان نہ لاتے تھے اس کی بڑی وجہ حب جاہ اور حب مال تھی اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتا دیا صبر سے مال کی طلب اور محبت جائے گی اور نماز سے عبودیت و تذلل آئے گا۔ اور حب جاہ کم ہوگی۔

۷۲۔ عاجزی کرنے والوں پر نماز بھاری نہیں: یعنی صبر اور نماز حضور دل سے بہت بھاری ہے مگر ان پر آسان ہے جو عاجزی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں جن کا خیال اور دھیان یہ ہے کہ ہم کو خدا کے روبرو ہونا اور اس کی طرف پھر جانا ہے (یعنی نماز میں خدا کا قرب اور گویا اس سے ملاقات ہے) یا قیامت میں حساب و کتاب کے لئے روبرو جانا ہے۔

۴۷۔ اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے احسان جو میں نے تم پر کئے اور اسکو کہ میں نے تم کو بڑائی دی تمام عالم پر [۴۳]

يُبْنِيَّ إِسْمَاعِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾

۴۸۔ اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی اور قبول نہ ہو اسکی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے اس کی طرف سے بدلہ اور نہ ان کو مدد پہنچے [۴۴]

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾

۴۷۔ بنی اسرائیل کی فضیلت کا مطلب: چونکہ تقویٰ اور کمال ایمان کا حاصل کرنا صبر و حضور و استغراق عبادات کے ذریعہ سے دشوار تھا۔ اس لئے اس کا سہل طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور وہ شکر ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ اپنے احسانات و انعامات جو ان پر وقتاً فوقتاً ہوئے تھے۔ ان کو یاد دلاتا ہے اور انکی بد کرداریاں بھی ظاہر فرماتا ہے۔ انسان بلکہ حیوانات تک میں یہ مضمون موجود ہے کہ اپنے منعم کی محبت اور اسکی اطاعت دل نشین ہو جاتی ہے اور چند رکوع میں اس مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ فائدہ: اہل عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک تمام فرقوں سے افضل رہے کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا جب انہوں نے نبی آخر الزماں اور قرآن کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور مغضوب علیہم اور ضلال کا لقب عنایت ہوا۔ اور حضور کے تبعین کو کنتم خیر امۃ کا خلعت ملا۔

۴۸۔ آخرت میں باپ دادا کی سفارش نہیں ہوگی: جب کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے رفیق اکثر یہی کیا کرتے ہیں کہ اول تو اس کے ادائے حق لازم میں کوشش کرتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا تو سعی سفارش سے بچانے کی تدبیر کرتے ہیں یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر تاوان و فدیہ دے کر چھڑاتے ہیں اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو بالآخر اپنے مددگاروں کو جمع کر کے بزور پر خاش اس کی نجات کی فکر کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اسی ترتیب کے موافق ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کو کیسا ہی مقرب خداوندی ہو مگر کسی نافرمان عدو اللہ کا فرکو مجملہ چاروں صورتوں کے کسی صورت سے نفع نہیں پہنچا سکتا۔ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں ہم پر عذاب نہ ہوگا۔ ہمارے باپ دادا جو پیغمبر ہیں ہمیں بخشوا لیں گے سو خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ خیال تمہارا غلط ہے اس سے اس شفاعت کا انکار نہیں نکلتا جس کے اہل سنت قائل ہیں اور جو دیگر آیات میں مذکور ہے۔

۴۹۔ اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو کرتے تھے تم پر بڑا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو [۴۵] اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی [۴۶]

وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾



۷۵۔ بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم: فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ نجومیوں نے اس کی تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہو گا۔ جو تیرے دین اور سلطنت کو غارت کر دے گا۔ فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بیٹا پیدا ہو اس کو مار ڈالو اور جو بیٹی ہو اس کو خدمت کے لئے زندہ رہنے دو خدائے تعالیٰ نے موسیٰ کو پیدا کیا اور زندہ رکھا۔

۷۶۔ بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذلکم کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لئے جائیں گے۔

۵۰۔ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا دیا ہم نے تم کو اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے [۷۷]

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمْ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ

فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٠﴾

۵۱۔ اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم نے بنالیا بچھڑا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے [۷۸]

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾

۷۷۔ دریا کا دو حصوں میں بٹ جانا: یعنی یاد کرو اے بنی اسرائیل اس نعمت عظیم کو کہ جب تمہارے باپ دادا فرعون کے ڈر سے بھاگے آگے دریا اور پیچھے فرعون کا لشکر تھا اور ہم نے تمکو بچا لیا اور فرعون اور اسکے لشکر کو غرق کر دیا۔ یہ قصہ آئندہ مفصل آئے گا۔

۷۸۔ بچھڑے کی پرستش: اور یہ قصہ اور احسان بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ ہم نے تورات عطا فرمانے کا وعدہ موسیٰ سے چالیس دن رات کا کیا اور ان کے طور پر تشریف لے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اور تم بڑے بے انصاف ہو کہ بچھڑے کو خدا بنا لیا۔ مفصل یہ قصہ آئندہ آئے گا۔

۵۲۔ پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی تاکہ تم احسان مانو [۷۹]

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾

۷۹۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود اس شرک جلی کے ہم نے تم سے درگزر فرمائی اور تمہاری توبہ منظور کی اور تم کو فی الفور ہلاک نہ کیا (جیسے آل فرعون کو اس سے کم قصور پر ہلاک کر دیا تھا) کہ تم ہمارا شکر ادا کرو اور احسان مانو۔

۵۳۔ اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ [۸۰]

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ

تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾

۸۰۔ فرقان کیا چیز ہے؟ کتاب تو تورات ہے اور فرقان فرمایا ان احکام شریعہ کو جن سے جائز ناجائز معلوم ہو یا فرقان کہا حضرت موسیٰ کے معجزوں کو جن سے جھوٹے سچے اور کافر و مومن کی تمیز ہو یا تورتیت ہی کو کہا کہ وہ کتاب ہی ہے اور اس سے حق اور ناحق بھی جدا ہوتا ہے۔

۵۴۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے [۸۱] اے قوم تم نے نقصان کیا اپنا یہ پچھڑا بنا کر سوابِ توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان [۸۲] یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر [۸۳] بیشک وہی ہے معاف کرنے والا نہایت مہربان

وَ اِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يُقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ  
اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ  
فَاَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۗ

فَتَابَ عَلٰیكُمْ ۗ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

۸۱۔ قوم سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جنہوں نے پچھڑے کو سجدہ کیا۔

۸۲۔ ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم: یعنی جنہوں نے پچھڑے کو سجدہ نہ کیا تھا وہ سجدہ کرنے والوں کو قتل کریں اور بعض کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں تین گروہ تھے ایک وہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی اور دوسروں کو بھی روکا۔ دوسرے وہ جنہوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا تیسرے وہ جنہوں نے خود تو سجدہ نہ کیا مگر دوسروں کو منع بھی نہ کیا۔ فریق دوم کو حکم ہوا کہ مقتول ہو جاؤ۔ تیسرے فریق کو حکم ہوا کہ ان کو قتل کرو تاکہ ان کے سکوت کرنے کی توبہ ہو جائے۔ اور فریق اول اس توبہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کو توبہ کی حاجت نہ تھی۔

۸۳۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مقتول ہو جانا ہی توبہ تھی یا توبہ کا تہمتہ تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں قاتل عمد کی توبہ کے مقبول ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے آپ کو وارثان مقتول کے حوالے کر دے انکو اختیار ہے بدلہ لیں یا معاف کریں۔

۵۵۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے پھر آیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ  
جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمْ الصُّعْقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۶۔ پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے تاکہ تم احسان مانو [۸۴]

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

۸۴۔ توریت کو ماننے سے انکار اور اس کی سزا: اس وقت کو بھی ضرور یاد کرو کہ باوجود اس قدر احسانات کے کہ جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جب تک آنکھوں سے صریحاً خدائے تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں۔ اس پر بجلی نے تم کو ہلاک کیا اس کے بعد موسیٰ کی دعا سے ہم نے تم کو زندہ کیا اور یہ اس وقت کا حال ہے کہ حضرت موسیٰ ستر آدمیوں کو منتخب فرما کر کوہ طور پر کلام الہی سننے کی غرض سے لے گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے کلام الہی کو سنا تو انہی ستر نے کہا اے موسیٰ پر دے میں سننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے آنکھوں سے خدا کو دکھاؤ۔ اس پر ان ستر آدمیوں کو بجلی نے ہلاک کر دیا تھا۔

۵۷۔ اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور

وَ ظَلَّلْنَا عَلٰیكُمْ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلٰیكُمْ الْمَنَّٰنَ وَاَنْزَلْنَا عَلٰیكُمْ

سلویٰ [۸۵] کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دیں [۸۶] اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے [۸۷]

السَّلْوٰی ط کُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ط وَ مَا

ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

۸۵۔ من و سلویٰ: جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل بحکم الہی مصر سے شام کو چلے جنگل میں ان کے خیمے پھٹ گئے اور گرمی آفتاب کی ہوئی تو تمام دن ابر رہتا اور اناج نہ رہا تو من و سلویٰ کھانے کے لئے اترتا من ایک چیز تھی شیریں دھینے کے سے دانے ترنجبین کے مشابہ رات کو اوس میں برستے لشکر کے گرد ڈھیر لگ جاتے صبح کو ہر ایک اپنی حاجت کے موافق اٹھالیتا اور سلویٰ ایک پرندہ ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں۔ شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جمع ہو جاتے۔ اندھیرا ہونے بعد پکڑ لاتے کباب کر کے کھاتے مدتوں تک یہی کھایا گئے۔

۸۶۔ یعنی اس لطیف و لذیذ غذا کو کھاؤ اور اس پر اکتفا کرو، نہ آگے کے لئے ذخیرہ جمع کر کے رکھو اور نہ دوسری غذا سے مبادلہ کی خواہش کرو۔  
۸۷۔ اول ظلم یہ کیا کہ ذخیرہ کر کے رکھا تو گوشت سڑنا شروع ہو گیا اور دوسرے مبادلہ چاہا کہ مسور، گیہوں، لکڑی، پیاز وغیرہ ملے۔ جس سے طرح طرح کی تکلیف و مشقت میں مبتلا ہوئے۔

۵۸۔ اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں [۸۸] اور کھاتے پھر واسمیں جہاں چاہو فراغت سے اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے [۸۹] اور کہتے جاؤ بخشدے تو معاف کر دیں گے ہم تمہارے قصور اور زیادہ بھی دیں گے نیکی والوں کو [۹۰]

وَ اِذْ قُلْنَا اَدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَکُلُوْا مِنْهَا حٰیثُ

سِئْتُمْ رَعَدًا وَّ اَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قَوْلًا حِطَّةً

نَغْفِرْ لَکُمْ حَظِیْکُمْ ط وَ سَنَزِیْدُ الْحٰسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾

۸۸۔ جب جنگل مذکورہ بالا میں پھرتے پھرتے تنگ آ گئے اور من و سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے تو بنی اسرائیل کو ایک شہر میں داخل ہونے کا حکم ہوا اس کا نام ریحا تھا اس میں قوم عمواملقہ جو قوم عاد سے تھی مقیم تھی اور بعض نے بیت المقدس فرمایا ہے۔

۸۹۔ بستی میں داخل ہونے کا حکم اس شہر کے دروازہ میں سے سجدہ شکر کرتے ہوئے جاؤ (اور یہ شکر بدنی ہوا) اور بعض فرماتے ہیں کہ براہ تواضع کمر کو جھکا کر جاؤ۔

۹۰۔ بستی میں داخل ہونے کا حکم اور زبان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے جاؤ (یہ شکر زبانی ہوا) جو یہ دونوں باتیں کرے گا اس کی خطائیں ہم معاف کر دیں گے اور نیک بندوں کے لئے ثواب بڑھادیں گے۔

۵۹۔ پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اسکے جو کہہ دی گئی تھی ان سے پھر اتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے ان کی عدول حکمی پر [۹۱]

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ

فَاَنْزَلْنَا عَلٰی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّيِّئِ

بِاَکَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

۹۱۔ حکم الہی سے تمسخر: تبدیلی یہ کی کہ بجائے حِطَّةً براہ تمسخر حِطَّةً کہنے لگے (یعنی گیہوں) اور سجدہ کی جگہ اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا

جب شہر میں پہنچے تو ان پر طاعون پڑا، دو پہر میں ستر ہزار یہود مر گئے۔

۶۰۔ اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو بہہ نکلے اس سے بارہ چشمے [۹۳] پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کی روزی اور نہ پھر ملک میں فساد مچاتے [۹۳]

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۗ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۗ كُلُّوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ

اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾

۹۲۔ پانی کے بارہ چشموں کا ظہور: یہ قصہ بھی اسی جنگل کا ہے پانی نہ ملا تو ایک پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے نکلے اور بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے کسی قوم میں آدمی زیادہ کسی میں کم ہر قوم کے موافق ایک چشمہ تھا اور وجہ شناخت بھی یہی موافقت تھی۔ یا یہ مقرر کر رکھا تھا کہ پتھر کی فلاں جہت فلاں جانب سے جو چشمہ نکلے گا وہ فلاں قوم کا ہو گا اور جو کوتاہ نظر ان معجزات کا انکار کرتے ہیں نیستند آدم غلاف آدم اند دیکھو مقتناطیس تو لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس پتھر نے پانی کھینچ لیا تو انکار کی کیا وجہ۔

۹۳۔ یعنی پھر فرمایا حق تعالیٰ نے کھاؤ من و سلویٰ اور پیو ان چشموں کا پانی اور عالم میں فساد مت پھیلاؤ۔

۶۱۔ اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے جو اگتا ہے زمین سے ترکاری اور کھڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز [۹۴] کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے [۹۵] اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو [۹۶] اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے اللہ کا غضب لے کر [۹۷] یہ اس لئے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے [۹۸]

وَ إِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسَىٰ لَنْ نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَ قِثَابِهَا وَ فُومِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ۗ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۗ اِهْبُطُوا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مِمَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَ ضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ وَ النَّسْكَنَةَ ۗ وَ بَاٰءُ وَ بَغَضِبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيَّيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

﴿٦١﴾

۹۴۔ من وسلویٰ کی جگہ سبزیوں کا مطالبہ: یہ قصہ بھی اسی جنگل کا ہے بنی اسرائیل طعام آسمانی من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے تو کہنے لگے ہم سے ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا۔ ہم کو تو زمین کا اناج، ترکاری، ساگ، سبزی چاہیے۔

۹۵۔ یعنی من وسلویٰ جو ہر طرح بہتر ہے۔ لہسن اور پیاز وغیرہ سے بدلتے ہو۔

۹۶۔ اگر یہی جی چاہتا ہے تو کسی شہر میں جاؤ تمہاری مطلوب چیزیں تم کو سب ملیں گی۔ پھر ایسا ہی ہوا۔

۹۷۔ بنی اسرائیل کی دائمی ذلت: ذلت یہ کہ ہمیشہ مسلمان اور نصاریٰ کے محکوم اور رعیت رہتے ہیں کسی کے پاس مال ہو تو کیا۔ حکومت سے بالکل محروم ہو گئے جو موجب عزت تھی اور محتاجی یہ کہ اول تو یہود میں مال کی قلت اور جن کے پاس مال ہو بھی تو حکام وغیرہ کے خوف سے اپنے آپ کو مفلس اور حاجت مند ہی ظاہر کرتے ہیں شدت حرص اور بخل کے باعث محتاجوں سے بدتر نظر آتے ہیں اور یہ بھی درست کہ تو نگری بدل است نہ ہمال اس لئے مالدار ہو کر بھی محتاج ہی رہے اور عظمت اور عزت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس سے رجوع کر کے اس کے غضب و قہر میں آ گئے۔

۹۸۔ یعنی اس ذلت اور مسکنت و غضب الہی کا باعث ان کا کفر اور انبیاء کا قتل کرنا تھا اور اس کفر و قتل کا باعث احکام کی نافرمانی اور حدود شرع سے خروج تھا۔

۶۲۔ بیشک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صائبین جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک تو انکے لئے ہے انکا ثواب انکے رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۹۹]

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّبِيَّانَ مَنَ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلُوا صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

۹۹۔ صائبین کون ہیں: یعنی کسی فرقہ خاص پر موقوف نہیں یقین لانا شرط ہے اور عمل نیک سو جس کو یہ نصیب ہوا ثواب پایا۔ یہ اس واسطے فرمایا کہ بنی اسرائیل اس بات پر مغرور تھے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ہم ہر طرح اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔

فائدہ: یہود کہتے ہیں حضرت موسیٰ کی امت کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی امت کو۔ صائبین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کر لیا ہے اور حضرت ابراہیم گومانے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

۶۳۔ اور جب لیا ہم نے تم سے قرار اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو کہ پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم ڈرو [۱۰۰]

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ ۖ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ

تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

۱۰۰۔ کوہ طور کو معلق کرنے کی وجہ: کہتے ہیں کہ توریت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل شرارت سے کہنے لگے کہ توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ہم سے نہیں ہو سکتے تب خدائے تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم کیا جو ان سب کے سروں پر آن کر اترنے لگا اور سامنے آگ پیدا ہوئی گنجائش سر تابی اصلانہ رہی مجبوراً احکام توریت کو قبول کیا۔ باقی یہ شبہ کہ پہاڑ سروں پر معلق کر کے تسلیم کرانا توریت کا یہ تو صریح اجبار و اکراہ ہے جو آیت لَا اِكْرَاهَا فِي الدِّينِ (البقرۃ- ۲۵۶) اور نیز قاعدہ تکلیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بنائے تکلیف تو اختیار پر ہے اور اکراہ مناقض اختیار ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ دربارہ قبول دین ہرگز نہیں۔ دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کئے ہوئے تھے اور بار بار حضرت موسیٰ سے تقاضا کرتے تھے کہ کوئی کتاب متضمن احکام ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب توریت ان کو دی گئی تو عہد شکنی پر کمر بستہ ہوئے تو اب پہاڑ کا معلق کرنا نقص عہد سے روکنے کے لئے تھا نہ کہ قبول دین کے لئے۔

۶۲۔ پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل  
 ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ  
 عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۲﴾

تم پر اور اسکی مہربانی تو ضرور تم تباہ ہوتے [۱۰۱]

۱۰۱۔ یعنی عہد و میثاق کر کے پھر گئے۔ سو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو بالکل تباہ ہو جاتے۔ یعنی اسی وقت ہلاک کر دیئے جاتے یا یہ کہ توبہ و استغفار بھی کرتے اور نبی آخر الزمان کی متابعت بھی کرتے تو بھی تمہاری تقصیرات معاف نہ کی جاتیں۔

۶۵۔ اور تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے کہ تم میں سے  
 وَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ الدِّیْنَ اَعْتَدُوا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ  
 فَفَلْنَا لَهُمْ كُوْنًا قَرْدَةً خٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾

زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ  
 بندر ذلیل [۱۰۲]

۶۶۔ پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے  
 فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّبَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ  
 مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۶﴾

جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے  
 والوں کے واسطے [۱۰۳]

۱۰۲۔ بنی اسرائیل کو منح صورت کا عذاب: بنی اسرائیل کو توریت میں حکم ہوا تھا کہ شنبہ کا دن خالص عبادت کے لئے مقرر ہے اس دن مچھلی کا شکار مت کرو وہ لوگ فریب اور حیلہ سے ہفتہ کے دن شکار کرنے لگے تو اللہ نے ان کو مسخ کر کے ان کی صورت بندر کی سی کر دی۔ فہم و شعور انسانی موجود تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھتا تھا اور روتا تھا۔ مگر کلام نہیں کر سکتا تھا۔ تین دن کے بعد سب مر گئے اور یہ واقعہ حضرت داؤد کے عہد میں ہوا۔ مفصل سورہ اعراف میں آئے گا۔

۱۰۳۔ یعنی اس واقعہ اور اس عقوبت کو ہم نے باعث خوف و عبرت بنا دیا اگلے اور پچھلے لوگوں کے واسطے یعنی جنہوں نے اس عذاب کا مشاہدہ کیا اور جو آئندہ پیدا ہوں گے یا جو بستیاں شہر کے آگے اور اس کے پیچھے آباد تھیں۔

۶۷۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ فرماتا  
 وَاِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِہٖ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ  
 تَذْبَحُوْا بَقْرَۃً ط قَالُوْا اَتَتَّخِذُنَا هٰزِوًا ط قَالَ اَعُوْذُ  
 سے ہنسی کرتا ہے [۱۰۴] وہ بولے کیا تو ہم  
 [۱۰۵] کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں

میں [۱۰۶]

بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۴۔ بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم: یعنی یاد کرو اس وقت کو کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا۔ اور اس کا قاتل معلوم نہ ہوتا تھا تو حضرت مولیٰ نے فرمایا اللہ کا یہ حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مردے پر مارو تو وہ جی اٹھے اور آپ اپنے قاتل کو بتادے اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مردے کو جلایا اور اس نے قاتل کو بتا دیا کہ اس کے وارثوں نے ہی بطمع مال قتل کیا تھا۔

۱۰۵۔ کیونکہ یہ تو دیکھنا سننا کہ گائے کے ٹکڑا مارنے سے مردہ زندہ ہو جائے۔

۱۰۶۔ یعنی ٹھٹھا کرنا حتمی جاہل کا کام ہے اور وہ بھی احکام شرعیہ میں پیغمبر سے یہ ہرگز ممکن نہیں۔

۶۸۔ بولے کہ دعا کرو ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے [۱۰۷] کہا وہ فرماتا کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیابھی درمیان میں ہے بڑھاپے اور جوانی کے اب کر ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے [۱۰۸]

ذٰلِكَ فَاَفْعَلُوا مَا تُمَرُّونَ ﴿۶۸﴾

۶۹۔ بولے کہ دعا کرو ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کیسا ہے اس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے اس کی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو

النَّظِيرِينَ ﴿۶۹﴾

۷۰۔ بولے دعا کرو ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کس قسم میں ہے وہ [۱۰۹] کیونکہ اس گائے میں شبہہ پڑا ہے ہم کو اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور راہ پالیں گے۔

تَشَبَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۷۰﴾

۷۱۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں کہ جوتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیتی کو بے عیب ہے کوئی داغ اس میں نہیں [۱۱۰] بولے اب لایا تو ٹھیک بات پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کر لیں گے [۱۱۱]

جِئْتُ بِالْحَقِّ فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۷۱﴾

۱۰۷۔ بنی اسرائیل کی کج بخشی: یعنی اس کی عمر کتنی ہے اور اس کے حالات کیا ہیں نو عمر ہے یا بوڑھی۔

۱۰۸۔ یعنی اس گائے کو ذبح کر ڈالو۔

۱۰۹۔ یعنی واضح کر کے بتادے کہ وہ گائے کس قسم اور کس کام کی ہے۔

۱۱۰۔ یعنی اس کے اعضاء میں کوئی نقصان نہیں اور اسکے رنگ میں دوسرے رنگ کا داغ و نشان نہیں بلکہ ساری زرد ہے۔

۱۱۱۔ وہ گائے ایک شخص کی تھی جو اپنی ماں کی خدمت بہت کرتا تھا اور نیک بخت تھا۔ اس شخص سے وہ گائے مولیٰ اتنے مال کو جتنا اس گائے کی کھال میں سونا بھر سکے پھر اس کو ذبح کیا اور ایسے لگتے نہ تھے کہ اتنی بڑی قیمت کو لے کر ذبح کریں گے۔

۱۱۲۔ اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے [۱۱۲]

وَاذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُم فِيهَا ط وَاللَّهُ مُخْرِجٌ

مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۴۲﴾

۱۱۳۔ پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا [۱۱۳] اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو [۱۱۳]

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ط كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ

الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾

۱۱۴۔ یعنی تمہارے اگلے بزرگوں نے عامیل کو مار ڈالا تھا۔ پھر ایک دوسرے پر دھرنے لگا اور تم جس چیز کو چھپاتے تھے (یعنی اپنے ضعف ایمانی یا قاتل کے حال کو) اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرمانا چاہتا ہے۔

۱۱۵۔ یعنی جب ایک ٹکڑا اس گائے کا اس کے مارا تو وہ بجگم الہی زندہ ہو گیا اور لہو زخم سے بننے لگا اور اپنے قاتل کا نام بتا دیا جو اسی مقتول کے بھتیجے تھے۔ بطح مال چچا کو جنگل میں لے جا کر مار ڈالا تھا پھر وہ ان کا نام بتا کر گر پڑا اور مر گیا۔

۱۱۶۔ حیات بعد المات پر استدلال: یعنی اسی طرح زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنی قدرت کی نشانیاں تم کو دکھلاتا ہے کہ شاید تم غور کرو اور سمجھ لو کہ خدائے تعالیٰ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

۱۱۷۔ پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد [۱۱۷] سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے [۱۱۷]

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ

أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ط وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ

مِنْهُ الْأَنْهَارُ ط وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقُّ فَيَخْرُجُ

مِنْهُ الْبَاءُ ط وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ

اللَّهِ ط وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴۴﴾

۱۱۸۔ یعنی عامیل کے جی اٹھنے کے بعد مطلب یہ کہ ایسی نشانی قدرت دیکھ کر بھی تمہارے دل نرم نہ ہوئے۔



۱۱۶۔ یہودیوں کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں: یعنی بعض پتھروں سے بڑا نفع پہنچتا ہے کہ انہار اور پانی بکثرت ان سے جاری ہوتا ہے۔ اور بعض پتھروں سے پانی کم نکلتا ہے اور اول قسم کی نسبت نفع کم ہوتا ہے اور بعض پتھروں سے گو کسی کو نفع نہ پہنچے مگر خود ان میں ایک اثر اور تاثر تو موجود ہے مگر ان کے قلوب ان تینوں قسموں کے پتھر سے سخت تر ہیں نہ ان سے کسی کو نفع اور نہ ان میں کوئی مضمون خیر موجود۔ اور اللہ اے یہودیو تمہارے اعمال سے بے خبر ہرگز نہیں۔

۵۷۔ اب کیا تم اے مسلمانو توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے [۱۱۷]

مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾

۱۱۷۔ توریت میں تحریف: فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ طور پر حضرت موسیٰ کے ساتھ کلام الہی سننے کے لئے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں سے آکر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تمام کلام کے آخر میں ہم نے یہ بھی سنا کہ (کر سکو تو ان احکام کو کر لینا ورنہ ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے) اور بعض نے فرمایا کہ کلام الہی سے مراد توریت ہے اور تحریف سے مراد یہ ہے کہ (اس کی آیات میں تحریف لفظی و معنوی کرتے تھے) کبھی آپ کی نعت کو بدلا کبھی آیت رجم کو اڑا دیا وغیرہ۔

۷۶۔ اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب تمہارا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے [۱۱۸]

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۷۶﴾

۱۱۸۔ توریت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر: یہود میں جو لوگ منافق تھے وہ بطور خوشامد اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزمان کی باتیں مسلمانوں سے بیان کرتے اور دوسرے لوگ ان میں سے ان کو اس بات پر ملامت کرتے کہ اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھ میں کیوں دینے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لا جواب ہونا پڑے گا۔

۷۷۔ کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں [۱۱۹]

أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۷﴾

﴿۷۷﴾

۷۸۔ اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور انکے پاس کچھ نہیں مگر خیالات [۱۲۰]

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَ  
إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے [۱۲۱]

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ  
يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا  
قَلِيلًا ۗ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ

لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

۱۱۹۔ یعنی اللہ کو تو ان کے سب امور ظاہر ہوں یا مخفی بالکل معلوم ہیں ان کی کتاب کی سب جتوں کی خبر مسلمانوں کو دے سکتا ہے اور جا بجا مطلع فرما بھی دیا۔ آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے ظاہر فرما کر ان کو فضیحت کیا یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے۔

۱۲۰۔ اور جو جاہل ہیں ان کو تو کچھ بھی خبر نہیں کہ توریت میں کیا لکھا ہے مگر چند آرزوئیں جو اپنے عالموں سے جھوٹی باتیں سن رکھی ہیں (مثلاً بہشت میں یہودیوں کے سوا کوئی نہ جائے گا اور ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوالیں گے) اور یہ ان کے خیالات بے اصل ہیں جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔

۱۲۱۔ مال کے عوض توریت میں تحریف: یہ وہ لوگ ہیں جو ان عوام جاہلوں کے موافق باتیں اپنی طرف سے بنا کر لکھ دیتے تھے اور خدا کی طرف ان باتوں کو منسوب کرتے۔ مثلاً توریت میں لکھا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان خوبصورت پتھو بال، سیاہ آنکھیں، میانہ قد، گندم رنگ پیدا ہوں گے انہوں نے پھیر کر یوں لکھا لنباقد، نیلی آنکھیں، سیدھے بال تاکہ عوام آپ کی تصدیق نہ کر لیں اور ہمارے منافع دینیوں میں خلل نہ آجائے۔

۸۰۔ اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گئے چنے [۱۲۲] کہہ دو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے کیوں نہیں [۱۲۳]

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۗ قُلْ

أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلَفَ اللَّهُ

عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

۱۲۲۔ بنی اسرائیل کی خوش فہمی: بعض نے کہا سات دن اور بعض نے چالیس دن (جتنے روز پچھڑے کو پوجا کی تھی) اور بعض نے چالیس سال (جتنی مدت تیرہ میں سرگرداں رہے تھے) اور بعض نے کہا ہر ایک جتنی مدت دنیا میں زندہ رہا۔

۱۲۳۔ یعنی یہ بات غلط ہے کہ یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے۔ کیونکہ خلود فی النار اور خلود فی الجنة کا جو قاعدہ کلیہ آگے بیان فرمایا

ہے اسی کے مطابق سے معاملہ ہو گا۔ یہودی اس سے نکل نہیں سکتے۔

۸۱۔ جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے [۱۳۴] سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے

بَلِي مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَ أَحَاطَتْ بِهِ خَاطِبَةُ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

۱۳۴۔ گناہ کسی کا احاطہ کر لیں: اس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کر لیں کہ کوئی جانب الہی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو۔ حتیٰ کی دل میں ایمان و تصدیق باقی ہوگی تو بھی احاطہ مذکور محقق نہ ہو گا۔ تواب کافر ہی پر یہ صورت صادق آسکتی ہے۔

۸۲۔ اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

۸۳۔ اور جب ہم نے لیا اقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رکھیو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے [۱۳۵]

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۗ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۗ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۗ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾

۱۳۵۔ یعنی احکام الہی سے اعراض کرنا تو تمہاری عادت بلکہ طبیعت ہو گئی ہے۔

۸۴۔ اور جب لیا ہم نے وعدہ تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم مانتے ہو [۱۳۶]

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرَجُونَ أَنْفُسُكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٤﴾

۱۳۶۔ یعنی نہ اپنی قوم کو قتل کرو اور نہ انکو جلا وطن کرو۔

۸۵۔ پھر تم وہ لوگ ہو کہ ایسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے [۱۲۷] اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا بدلہ دیکر چھڑاتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر انکا نکال دینا بھی تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو [۱۲۸] سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر سوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے [۱۲۹]

ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرَجُونَ  
فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ  
بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتُوكُمُ السَّمَايُ تُفْذَوْنَهُمْ  
وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ  
بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ  
مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾

۱۲۷۔ بنی اسرائیل کی بد اعمالیاں: مدینہ میں دو فریق یہودیوں کے تھے ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر یہ دونوں آپس میں لڑا کرتے تھے اور مشرکوں کے بھی مدینے میں دو فرقے تھے ایک اوس دوسرے خزرج یہ دونوں بھی آپس میں دشمن تھے بنی قریظہ تو اوس کے موافق ہوئے اور بنی نضیر نے خزرج سے دوستی کی تھی۔ لڑائی میں ہر کوئی اپنے موافقوں اور دوستوں کی حمایت کرتا۔ جب ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوتا تو کمزوروں کو جلا وطن کرتے، ان کے گھر ڈھاتے اور اگر کوئی قید ہو کر پکڑا آتا تو سب رل مل کر مال جمع کر کے اس کا بدلہ دے کر قید سے اس کو چھڑاتے جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔

۱۲۸۔ یعنی اپنی قوم غیر کے ہاتھ میں پھنستی تو چھڑانے کو مستعد اور خود ان کے ستانے اور گلا گٹنے تک کو موجود۔ اگر خدا کے حکم پر چلتے ہو تو دونوں جگہ پر چلو۔

۱۲۹۔ شریعت کے سب احکام پر عمل ضروری ہے: ایسا کرے یعنی بعض احکام کو مانے اور بعض کا انکار کرے اس لئے کہ ایمان کا تجربہ تو ممکن نہیں تو اب بعض احکام کا انکار کرنے والا بھی کافر مطلق ہو گا۔ صرف بعض احکام پر ایمان لانے سے کچھ بھی ایمان نصیب نہ ہو گا۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص بعض احکام شرعیہ کی متابعت کرے اور جو حکم کہ اس کی طبیعت یا عادت یا غرض کے خلاف ہو اس کے قبول میں تصور کرے تو بعض احکام کی متابعت اس کو کچھ نفع نہیں دے سکتی۔

۸۶۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے مولیٰ دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سونہ ہلکا ہو گا ان پر عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی [۱۳۰]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ  
فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۸۶﴾

۱۳۰۔ یعنی مفاد دنیوی کو آخرت کے مقابلہ میں قبول کیا اس لئے کہ جن لوگوں سے عہد کیا تھا اس کو دنیا کے خیال سے نبھایا اور اللہ کے جو احکام تھے ان کی پرواہ نہ کی تو پھر اللہ کے ہاں ایسوں کی کون سفارش یا حمایت کر سکتا ہے۔

۸۷۔ اور بیشک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے درپے بھیجے اس کے پیچھے رسول اور دئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح پاک سے [۱۳۱] پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا [۱۳۲] اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا [۱۳۳]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ  
بِالرُّسُلِ ۗ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَ  
آيِدُنَهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا  
لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ ۖ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ

وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾

۱۳۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے: مردوں کو زندہ کرنا۔ اکہ و ابرص وغیرہ مریضوں کا صحت یاب ہونا۔ غیب کی خبریں بتانا یہ حضرت عیسیٰ کے کھلے معجزے ہیں اور روح القدس کہتے ہیں حضرت جبرئیل کو جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے یا اسم اعظم کہ جس کی برکت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

۱۳۲۔ انبیاء کی تکذیب اور قتل: جیسا کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کو جھوٹا کہا۔

۱۳۳۔ جیسا کہ حضرت زکریا اور یحییٰ کو قتل کیا۔

۸۸۔ اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے انکے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں [۱۳۴]

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ  
فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

۱۳۴۔ بنی اسرائیل پر اللہ کی لعنت: یہود اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں بجز اپنے دین کے کسی کی بات ہم کو اثر نہیں کرتی۔ ہم کسی کی چا پلوسی، سحر بیانی یا کرشمے اور دھوکے کی وجہ سے ہرگز اس کی متابعت نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ بالکل جھوٹے ہیں بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان کو ملعون اور اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لئے کسی طرح دین حق کو نہیں مانتے اور بہت کم دولت ایمان سے مشرف ہوتے ہیں۔

۸۹۔ اور جب پہنچی انکے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو انکے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہنچان کو جسکو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر [۱۳۵]

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا  
مَعَهُمْ ۗ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى  
الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا

## بِهِ فَلَغَنَّا اللَّهُ عَلَى الْكُفْرَيْنِ ﴿٨٩﴾

۱۳۵۔ بنی اسرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے: ان کے پاس جو کتاب آئی وہ قرآن ہے اور جو کتاب ان کے پاس پہلے سے تھی وہ توریت ہوئی۔ قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوئے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ جب حضور ﷺ پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور ملعون ہوئے۔

۹۰۔ بری چیز ہے وہ جسکے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپکو کہ منکر ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے [۱۳۶] سو کمالات غصہ پر غصہ [۱۳۷] اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا [۱۳۸]

بَسَسَا اَسْتَرَوٰ بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَاۗءُ وَّبَغَضٍ عَلٰى غَضَبٍ وَّ

## لِلْكُفْرَيْنِ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩٠﴾

۱۳۶۔ یعنی جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ کفر اور انکار ہے قرآن کا اور انکار بھی محض حسد اور حسد کے سبب۔  
۱۳۷۔ ایک غضب تو یہ کہ قرآن بلکہ اس کے ساتھ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو کر کافر ہوئے دوسرے محض حسد اور ضد سے پیغمبر وقت سے انحراف اور خلاف کیا۔  
۱۳۸۔ کافروں اور مسلمانوں کے عذاب میں فرق: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہو گا گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہو گا نہ بغرض تذلیل البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔

۹۱۔ اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے بھیجا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اتر ہے ہم پر اور نہیں مانتے اس کو جو سو اس کے ہے حالانکہ وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو انکے پاس ہے [۱۳۹] کہدو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے [۱۴۰]

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُوْمِنُ بِمَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَّرَاۗءَ هٗ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ

## اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾

۱۳۹۔ جو اللہ نے بھیجا یعنی انجیل و قرآن اور جو اتر اہم پر یعنی توریت مطلب یہ ہوا کہ بجز توریت اور کتابوں کا صاف انکار کرتے ہیں اور انجیل و قرآن کو نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ کتابیں بھی سچی اور توریت کی تصدیق کرنے والی ہیں۔  
۱۴۰۔ انبیاء کا قتل توریت پر ایمان کے منافی ہے: ان سے کہدو کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا کیونکہ

توریت میں یہ حکم ہے کہ جو نبی توریت کو سچا کہنے والا آئے اس کی نصرت کرنا۔ اور اس پر ضرور ایمان لانا۔ اور قتل بھی ان انبیاء کو کیا جو پہلے گذر چکے ہیں (جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ) جو احکام توریت پر عمل کرتے تھے اس کی ترویج کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان کے مصدق توریت ہونے میں تو یوقوف کو بھی تامل نہیں ہو سکتا (یہ بات لفظ قبل سے مفہوم ہوئی)۔

۹۲۔ اور آپ کا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لیکر پھر بنا لیا تم نے مچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو [۱۳۱]

الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۹۲﴾

۱۳۱۔ بنی اسرائیل ظالم ہیں: یعنی حضرت موسیٰ کہ جن کی شریعت پر قائم ہو اور انکی شریعت کی وجہ سے اور شرائع حقہ کا انکار کرتے ہو۔ خود انہوں نے کھلے کھلے معجزے تم کو دکھائے (جیسے عصا، ید بیضا اور دریا کا پھاڑنا وغیرہ) مگر جب چند دن کے لئے کوہ طور پر گئے تو اتنے ہی میں مچھڑے کہ تم نے خدا بنا لیا۔ حالانکہ موسیٰ اپنے درجہ نبوت پر قائم زندہ موجود تھے تو اس وقت تمہارا موسیٰ اور انکی شریعت پر ایمان کہا جاتا رہا تھا اور رسول آخر الزمان کے بغض اور حسد میں آج شریعت موسوی کو ایسا پکڑ رکھا ہے کہ خدا کا حکم بھی نہیں سنتے۔ بے شک تم ظالم، تمہارے باپ دادا ظالم۔ یہ حال تو بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ کے ساتھ تھا۔ آگے توریت کی نسبت جو انکے ایمان کی حالت تھی اس کو بتاتے ہیں۔

۹۳۔ اور جب ہم نے لیا قرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے سنا ہم نے اور نہ مانا اور پلائی گئی انکے دلوں میں محبت اسی مچھڑے کی بسبب انکے کفر کے [۱۳۲] کہدے کہ بری باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ

خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْعُوا قَالُوا سَبَعْنَا

وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ

قُلْ بئْسَا يَا مُرُكَّمُ بِهِ إِيْمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾

۱۳۲۔ یعنی احکام توریت کی جو تکلیف دی گئی اس کو پوری ہمت و استقلال سے مضبوط پکڑو چونکہ پہاڑ سر پر معلق تھا جان کے اندیشے سے زبان سے (یا اس وقت تو کہہ لیا سَبَعْنَا یعنی احکام توریت ہم نے سن لئے اور دل سے (یا بعد میں) کہا عَصَيْنَا یعنی ہم نے قبول نہیں کیا احکام کو اور وجہ اس کی یہ تھی کہ صورت پرستی ان کے دل میں راسخ ہو چکی تھی ان کے کفر کے باعث وہ زنگ بالکل ان کے دل سے زائل نہیں ہو بلکہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔

۹۳۔ کہدے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں تنہا سو اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو [۱۳۳]

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ

خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَُّوا الْبُوتَ إِنْ

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾

۹۵۔ اور ہرگز آرزو نہ کریں گے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے ہیں انکے ہاتھ اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو

وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾

۱۴۳۔ بنی اسرائیل کے ایک دعوے کی تردید: یہود کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا اور ہم کو عذاب نہ ہو گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یقینی بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو۔

۹۶۔ اور تو دیکھے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی چاہتا ہے ایک ایک ان میں کا کہ عمر پانچ سو ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں [۱۴۴]

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوَةٍ ۙ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۙ يَّوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يَّعْرِضُ اَلْفَ سَنَةٍ ۙ وَمَا هُوَ بِمَرْحُوْمٍ مِّنَ الْعَذَابِ اَنْ يُعْمَرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

۱۴۴۔ یعنی یہودیوں نے ایسے برے کام کئے ہیں کہ موت سے نہایت سے بچتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ مرتے ہی خیر نظر نہیں آتی حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ جینے پر حریص ہیں۔ اس سے ان کے داغوں کی تغلیط خوب ہوگئی۔

۹۷۔ تو کہدے جو کوئی ہووے دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اسکے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوش خبری سنا تا ہے ایمان والوں کو

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلِ فَاِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَهُدٰى وَبُشْرٰى لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

۹۸۔ جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اسکے فرشتوں کا اور اسکے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا [۱۴۵]

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِیْلِ وَمِیْكَلٍ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

۱۴۵۔ حضرت جبریل علیہ السلام سے یہودیوں کی دشمنی: یہود کہتے تھے کہ جبریل فرشتہ اس نبی کے پاس وحی لاتا ہے اور وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے اگلے بڑوں کو اس سے بہت تکلیفیں پہنچی۔ اگر جبریل کے بدلے اور فرشتہ وحی لائے تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے جو کچھ ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے جو ان کا دشمن ہے اللہ بے شک ان کا دشمن ہے۔



۹۹۔ اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کریں گے ان کا مگر وہی جو نافرمان ہیں

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا

إِلَّا الْفٰسِقُونَ ﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں سے بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے [۱۴۶]

أَوْ كَلَّمَا عٰهَدُوا عٰهَدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۗ بَلْ

أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾

۱۳۶۔ یعنی ان کی عادت قدیم ہے کہ جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد مقرر کرتے ہیں تو انہی کی ایک جماعت اس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بہت یہودی ایسے ہیں جو توریت پر ایمان ہی نہیں رکھتے ایسوں کی عہد شکنی میں کیا باک ہو سکتا ہے۔

۱۰۱۔ اور جب پہنچا نکلے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو نکلے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں [۱۴۷]

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ

كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَانْتَهُمُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

۱۴۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے توریت سے انحراف: رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ اور مَا مَعَهُمْ سے مراد توریت اور کتاب اللہ سے بھی توریت مراد ہے۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حالانکہ وہ توریت وغیرہ کتب کے مصدق تھے تو یہودی کی ایک جماعت نے خود توریت کو پس پشت ایسا ڈال دیا کہ گویا جانتی ہی نہیں کہ یہ کیا کتاب ہے اور اس میں کیا حکم ہیں۔ سوا نکلے اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو ان سے آگے کو کیا امید کی جائے۔

۱۰۲۔ اور پیچھے ہو لئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت [۱۴۸] اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو پھر ان سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اسکی عورت میں اور وہ اس سے نقصان نہیں کر

وَ اتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيْطٰنُ عَلٰی مُلْكِ

سُلَيْمٰنَ ۗ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيْطٰنَ

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَ مَا اُنزِلَ عَلٰی

الْمَلٰئِكِيْنَ بِبَابِلَ ۗ هٰرُوْتٌ وَ مَارُوْتٌ ۗ وَ مَا

يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا

سکتے کس کا بغیر حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا اور فائدہ نہ کرے اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ اور بہت ہی بری چیز ہے جسکے بدلے بچا انہوں نے اپنے آپکو اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

تَكْفُرٌ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۗ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۗ وَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۗ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ شیطانوں سے جادو کی تعلیم: یعنی ان احمقوں نے کتاب الہی تو پس پشت ڈالی اور شیطانوں سے جادو سیکھا اور اسکی متابعت کرنے لگے۔

۱۰۳۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدل پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی [۱۰۴]

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۴۔ ہاروت ماروت اور علم سحر: خلاصہ یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر کے تابع ہو گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا۔ ایک حضرت سلیمان کے عہد میں۔ چونکہ جنات اور آدمی ملے جلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطانوں سے سحر سیکھا (اور نسبت کر دیا حضرت سلیمان کی طرف) کہ ہم کو انہی سے پہنچا ہے اور انکو حکم جن اور انس پر اسی کے زور سے تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان کا نہیں۔ دوسرے پھیلا ہاروت ماروت کی طرف سے وہ دو فرشتے تھے شہر بابل میں بصورت آدمی رہتے تھے ان کو علم سحر معلوم تھا۔ جو کوئی طالب اس کا جاتا اول اس کو روک دیتے کہ اس میں ایمان جاتا ہے گا اس پر بھی باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ذریعے سے بندوں کی آزمائش منظور تھی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے علموں سے آخرت کا کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر ہے اور بغیر حکم خدا کے کچھ نہیں کر سکتے اور علم دین اور علم کتاب سیکھتے تو اللہ کے ہاں ثواب پاتے۔

۱۰۴۔ اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو نظرنا اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک [۱۰۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَ قُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۵۔ صحابہ کو راعنا کہنے کی ممانعت: یہودی آکر آپ کی مجلس میں بیٹھے اور حضرت کی باتیں سنتے۔ بعضی بات جو اچھی طرح نہ سنتے اس کو مکر تحقیق کرنا چاہتے تو کہتے راعنا (یعنی ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو) یہ کلمہ ان سے سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ

نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو انظرنا کہو (اس کے معنی بھی یہی ہیں) اور ابتداء ہی سے متوجہ ہو کر سنتے رہو تو مکرر پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود اس لفظ کو بدینتی اور فریب سے کہتے تھے اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو ذاعیننا ہو جاتا (یعنی ہمارا چرواہا) اور یہود کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں۔

۱۰۵۔ دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسکو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے [۱۵۱]

مَا يُوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا  
الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ  
رَّبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ

### ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۰۵﴾

۱۵۱۔ یعنی کفار (یہود ہوں یا مشرکین مکہ) قرآن کے نزول کو تم پر ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ یہود تمنا کرتے ہیں کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں پیدا ہوں اور مشرکین مکہ چاہتے ہیں کہ ہماری قوم میں سے ہو مگر یہ تو اللہ کے فضل کی بات ہے کہ اُمّی لوگوں میں نبی آخر الزماں کو پیدا فرمایا۔

۱۰۶۔ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا جھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اسکے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۱۵۲]

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا  
أَوْ مِثْلَهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

### قَدِيرٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۷۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار [۱۵۳]

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ  
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۰۷﴾

۱۵۲۔ نسخ پر اعتراض کا جواب: یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔

۱۵۳۔ یعنی ادھر تو اللہ کی قدرت و ملکیت سب پر شامل ادھر اس کے اپنے بندوں پر اعلیٰ درجے کی عنایت۔ تو اب مصالح اور منافع بندوں کی اطلاع اور ان پر قدرت کس کو ہو سکتی ہے اور اس کے برابر بندوں کی خیر خواہی کون کر سکتا ہے۔

۱۰۸۔ کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو کوئی کفر لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکاسیدھی راہ سے [۱۵۴]

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلِ  
مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ

بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۰۸﴾

۱۵۴۔ ایمان والو! یہودیوں کی طرح سوال نہ کرو: یعنی یہودیوں کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہ کرنا جس کسی کو یہودیوں کے شبہ ڈالنے سے شبہ پڑ گیا وہ کافر ہوا۔ اس کی احتیاط رکھو۔ اور یہود کے کہنے سے تم اپنے نبی کے پاس شبہ نہ لاؤ جیسے وہ اپنے نبی کے پاس لاتے تھے۔

۱۰۹۔ دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنادیں بسبب اپنے دلی حسد کے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ان پر حق [۱۵۵] سو تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم [۱۵۶] بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۱۵۷]

وَدَكْثِيرٍ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ  
إِيمَانِكُمْ كُفْرًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ  
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ

اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۹﴾

۱۱۰۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے واسطے بھلائی پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے [۱۵۸]

وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوا  
لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۰﴾

۱۵۵۔ یعنی بہت سے یہودیوں کو آرزو ہے کہ کسی طرح تم کو اے مسلمانو پھیر کر پھر کافر بنادیں حالانکہ ان کو واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین ان کی کتاب ان کا نبی سب سچے ہیں۔

۱۵۶۔ یعنی جب تک ہمارا حکم کوئی نہ آئے اس وقت تک یہود کی باتوں پر صبر کرو۔ سو آخر کو حکم آ گیا کہ یہود کو مدینہ کے گرد سے نکال دو۔

۱۵۷۔ یعنی اپنے ضعف سے تردد مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تم کو عزیز اور یہود کو ذلیل کرے گا یا یہ کہ تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں کی جاتی۔

۱۵۸۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو: یعنی ان کی ایذا پر صبر کرو اور عبادات میں مشغول رہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل ہرگز نہیں تمہاری کوئی نیک بات ضائع نہیں ہو سکتی۔

۱۱۱۔ اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی [۱۵۹] یہ آرزویں باندھ لی ہیں

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ

انہوں نے کہہ دے لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو

نَصْرَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۲۔ کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اس کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے [۱۶۰]

عِنْدَ رَبِّهِ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۳۔ اور یہود تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نہیں کسی راہ پر باوجودیکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب [۱۶۱] اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ان ہی کی سی بات اب اللہ حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے [۱۶۲]

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَ

قَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَهُمْ

يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۗ فَاَللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

۱۵۹۔ یعنی یہودی تو کہتے ہیں کہ بجز ہمارے کوئی جنت میں نہ جائے گا اور نصاریٰ کہتے تھے کہ بجز ہمارے کوئی بہشت میں نہ جائے گا۔

۱۶۰۔ یعنی جس نے خدا کے احکام کو مانا اور اس کا اتباع کیا وہ احکام خواہ کسی نبی کے ذریعہ سے معلوم ہوں اور اپنی قومیت اور آئین پر تعصب نہ کیا جیسا کہ یہود کرتے ہیں تو ان کے لئے اجر نیک ہے اور نہ کوئی امر ان میں ایسا ہے جس کی وجہ سے خوف ہو اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۱۶۱۔ یہودیوں نے توریت پڑھ کو سمجھ لیا کہ جب نصراہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا تو بیشک وہ کافر ہو گئے اور نصراہوں نے انجیل میں صاف دیکھ لیا کہ یہودی حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔

۱۶۲۔ کفار و مشرکین کے بے دلیل دعوے: ان جاہلوں سے مشرکین عرب اور بت پرست مراد ہیں جیسے یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو گمراہ جانتے ہیں اسی طرح بت پرست بھی اپنے سوا سب فرقوں کو گمراہ اور بے دین بتلاتے ہیں۔ سو دنیا میں کہے جائیں قیامت کو فیصلہ ہو جائے گا {فائدہ} یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب کڈلک فرما دیا تو پھر مثل قولہم فرمانے کی کیا حاجت۔ بعض مفسرین نے جواب دیا کہ مثل قولہم تو ضیح اور تاکید ہے کڈلک کے لئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں دو تشبیہ جدا جدا ہیں اس لئے دو لفظ لائے ایک تشبیہ سے تو یہ غرض ہے کہ ان کا اور ان کا مقولہ باہم مشابہ ہے (یعنی جیسے وہ دوسروں کو گمراہ کہتے ہیں ایسا ہی یہ بھی) اور ایک تشبیہ سے یہ غرض ہے کہ جیسا اہل کتاب یہ دعویٰ بے دلیل اپنی ہوائے نفس اور عداوت سے کرتے تھے ایسے ہی بت پرست بھی بے دلیل محض خواہش نفسانی سے ایسا دعویٰ کرتے ہیں۔

۱۱۴۔ اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی انکے اجاڑنے میں [۱۱۳] ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے [۱۱۴] انکے لئے دنیا میں ذلت ہے [۱۱۵] اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۗ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۗ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٣﴾

۱۱۵۔ اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ [۱۱۶] بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے [۱۱۷]

وَاللَّهُ الشَّرِيقُ وَالْمُغْرِبُ ۗ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

۱۱۶۔ مساجد کا احترام: اس کے شان نزول نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقاتلہ کر کے توریث کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب و عناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا۔ باقی جو شخص کسی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے۔

۱۱۷۔ یعنی ان کفار کو لائق یہی تھا کہ مساجد اللہ میں خوف و تواضع اور ادب و تعظیم کے ساتھ داخل ہوتے کفار نے جو وہاں کی بے حرمتی کی یہ صریح ظلم ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس ملک میں حکومت اور عزت کے ساتھ رہنے کے لائق نہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ملک شام اور مکہ اللہ نے مسلمانوں کو دلوادیا۔

۱۱۸۔ یعنی دنیا میں مغلوب ہوئے، قید میں پڑے اور مسلمانوں کے باجگزار ہوئے۔

۱۱۹۔ اللہ جہت سے منزہ ہے: یہ بھی یہود و نصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ مخصوص کسی طرف نہیں بلکہ تمام مکان اور جہت سے منزہ۔ البتہ اس کے حکم سے جس طرف منہ کرو گے وہ متوجہ ہے تمہاری عبادت قبول کرے گا۔ بعض نے کہا سفر میں سواری پر نوافل پڑھنے کی بابت یہ آیت اتزی، یا سفر میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا جب اتزی۔

۱۲۰۔ یعنی اس کی رحمت سب جگہ عام ہے ایک مکان کے ساتھ مخصوص نہیں اور بندوں کے مصالح اور ان کی نیتوں کو اور انکے اعمال کو سب کو خوب جانتا ہے کہ بندوں کے حق میں کون سی شے مفید ہے اور کون سی مضر اسی کے موافق حکم دیتا ہے اور جو اس کی موافقت کرے گا اس کو جزا اور مخالف کو سزا دے گا۔

۱۲۱۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد وہ تو سب باتوں سے پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سب اسی کے تابع اور ہیں

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ كُلُّ لَّهُ قٰنِیْنُوْنَ ﴿١٢٠﴾

۱۱۷۔ نیاپیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے [۱۱۷]

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا  
فَأَنبَأَ يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۸۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی ذات سب باتوں سے پاک ہے بلکہ سب کے سب اس کے مملوک اور مطیع اور مخلوق ہیں۔

۱۱۸۔ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی آیت [۱۱۹] اسی طرح کہ چکے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات ایک سے ہیں دل ان کے بیشک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں [۱۲۰]

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ  
تَأْتِينَا آيَةٌ ۗ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ  
مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۗ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا

الآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۹۔ یعنی اہل کتاب اور بت پرستوں میں جو جاہل ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بلا واسطہ بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی کیوں نہیں بھیجتا کہ رسالت کی تصدیق کر لیں۔

۱۲۰۔ اللہ اولاد سے پاک ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی جہالت کی بات کہی تھی یہ نئی بات نہیں اور جو یقین لانے والے ہیں ان کے لئے ہم نے نبی کے برحق ہونے کی نشانیاں بیان کر دی ہیں اور جو ضد اور عداوت پر اڑ رہے ہیں وہ انکار کریں تو یہ محض عناد ہے ان کا۔

۱۱۹۔ بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دیکر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ میں رہنے والوں کی [۱۲۱]

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۗ وَلَا  
تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾

۱۲۱۔ یعنی تجھ پر الزام نہیں کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں کیا۔

۱۲۰۔ اور ہر گرز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا [۱۲۲] تو کہدے جو راہ اللہ بتلاوے وہی راہ سیدھی ہے [۱۲۳] اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے انکی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار [۱۲۴]

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ  
تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ  
وَلَنْ اتَّبِعَتَّ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ  
الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۲۰﴾

۱۷۲۔ یعنی یہود اور نصاریٰ کو امر حق سے سر و کار نہیں۔ اپنی ضد پر اڑ رہے ہیں وہ کبھی تمہارا دین قبول نہ کریں گے۔ بالفرض اگر تم ہی ان کے تابع ہو جاؤ تو خوش ہو جاویں گے اور یہ ممکن نہیں تو اب ان سے موافقت کی امید نہ رکھنی چاہیے۔

۱۷۳۔ یعنی ہر زمانے میں معتبر وہی ہدایت ہے جو اس زمانے کا نبی لائے سوا وہ طریقہ اسلام ہے نہ طریقہ یہود و نصاریٰ۔

۱۷۴۔ یہ بات بطریق فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر آپ ایسا کریں تو قہر الہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یا منظور تنبیہ ہے امت کو کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر قرآن کو سمجھ کر دین سے پھرے گا تو اس کو عذاب سے کوئی نہ چھڑا سکے گا۔

۱۲۱۔ وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اسکو پڑھتے ہیں جو حق ہے اسکے پڑھنے کا وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہو گا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں [۱۷۵]

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ  
أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْخٰسِرُونَ ﴿١٧٦﴾

۱۷۵۔ مخلص اہل یہود: یہود میں تھوڑے آدمی منصف بھی تھے کہ اپنی کتاب کو پڑھتے تھے سمجھ کر وہ قرآن پر ایمان لائے (جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی) یہ آیت انہی لوگوں کے بارہ میں ہے۔ یعنی انہوں نے توریت کو غور سے پڑھا انہی کو ایمان نصیب ہوا اور جس نے انکار کیا کتاب کا یعنی اس میں تحریف کی وہ خائب و خاسر ہوئے۔

۱۲۲۔ اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے تم پر کئے اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر

يٰۤاِبْنَٓ اِسْرٰٓءِٓلَ اٰذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ  
عَلَيْكُمْ وَاَنْىٰ فَضَّلْتُكُمْ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٧٧﴾

۱۲۳۔ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جاوے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے [۱۷۶]

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَّ  
لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا

هُمُ يَنْصَرُونَ ﴿١٧٨﴾

۱۷۶۔ بنی اسرائیل کو جو باتیں شروع میں یاد دلائی گئیں تھیں اب ان کے سب حالات ذکر کرنے کے بعد پھر وہی امور بغرض تاکید و تنبیہ یاد دلائے گئے کہ خوب دلنشین ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں اور معلوم ہو جائے کہ اصل مقصود اس قصہ سے یہ ہے۔

۱۲۴۔ اور جب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے کئی باتوں میں [۱۷۷] پھر اسنے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا [۱۷۸] بولا اور میری اولاد میں

وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰٓهٖمَ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهِنَّ ۗ قَالَ اِنِّىْ  
جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۗ قَالَ وَاَمِّنْ ذُرِّيَّتِيْ ۗ



سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا قرار ظالموں کو [۱۷۹]

## قَالَ لَا يَنْالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش اور امامت: جیسے حج کے افعال اور ختنہ اور حجامت اور مسواک وغیرہ سو حضرت ابراہیم ان احکام کو اللہ کے ارشاد کے موافق اخلاص کے ساتھ بجالائے اور سب کو پوری طرح سے ادا کیا جس پر لوگوں کے پیشوا بنائے گئے۔  
۱۷۸۔ یعنی تمام انبیاء تیری متابعت پر چلیں گے۔

۱۷۹۔ وعدہ نبوت ظالموں کے لئے نہیں تھا: بنی اسرائیل اس پر بہت مغرور تھے کہ ہم اولاد ابراہیم میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا ہے کہ نبوت و بزرگی تیری اولاد میں رہے گی۔ اور ہم حضرت ابراہیم کے دین پر ہیں۔ اور ان کے دین کو سب مانتے ہیں۔ اور اب اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو وعدہ تھا وہ ان سے تھا جو نیک راہ پر چلیں اور حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک مدت تک حضرت اسحاق کی اولاد میں پیغمبری اور بزرگی رہی اب اسمعیل کی اولاد میں پہنچی (اور انہوں نے دونوں بیٹوں کے حق میں دعا کی تھی) اور فرماتا ہے کہ دین اسلام ہمیشہ ایک ہے سب پیغمبر اور سب امتیں اس پر گذریں (وہ یہ کہ جو حکم اللہ بھیجے پیغمبر کے ہاتھ اس کو قبول کرنا) اب یہ طریقہ مسلمانوں کا ہے اور تم اس سے پھرے ہوئے ہو۔ پہلی آیات میں اپنے انعامات بتلائے تھے اب ان کے اس شبہ کو دفع کیا کہ بنی اسرائیل اپنے آپ کو سارے عالم کا امام اور متبوع اور سب سے افضل سمجھ کر کسی کا اتباع نہ کرتے تھے۔ فائدہ: بنی اسرائیل کے واقعات میں حضرت ابراہیم کا ذکر اور انکی منقبت مذکور ہوئی۔ اب ان کے ذکر کے ذیل میں خانہ کعبہ کی حالت اور فضیلت ان آیات میں ذکر فرمائی اور انکے ضمن میں یہود و نصاریٰ پر الزامات بھی ہیں جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا۔

۱۲۵۔ اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی [۱۸۰] اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ [۱۸۱] اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمعیل کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو [۱۸۲] واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَ  
اتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلِّينَ وَعَهْدِنَا إِلَى  
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَ

## الْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۷۵﴾

۱۸۰۔ بیت اللہ امن کا مقام ہے: یعنی ہر سال بغرض حج وہاں لوگ مجتمع ہوتے ہیں اور جو وہاں جا کر ارکان حج بجالاتے ہیں وہ عذاب دوزخ سے مامون ہو جاتے ہیں یا وہاں کوئی کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔

۱۸۱۔ مقام ابراہیم علیہ السلام: مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ اس میں حضرت ابراہیم کے قدموں کا نشان ہے اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی دعوت دی تھی اور وہ جنت سے لایا گیا تھا جیسے حجر اسود۔ اب اس پتھر کے پاس نماز پڑھنے کا حکم ہے اور یہ حکم استجابی ہے۔

۱۸۲۔ یعنی وہاں براکام نہ کرے اور ناپاک اس کا طواف نہ کرے اور تمام آلودگیوں سے صاف رکھا جاوے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا ۚ

۱۲۶۔ اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو

شہر امن کا [۱۸۳] اور روزی دے اسکے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت کے دن پر [۱۸۴] فرمایا اور جو کفر کریں اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اسکو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی [۱۸۵]

وَأَرْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الشَّرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ  
أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾

۱۲۷۔ اور یاد کرو جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمعیل اور دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا [۱۸۶]

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ  
إِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ

الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾

۱۲۸۔ اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ  
مُّسْلِمَةٌ لَكَ ۗ وَإِنَّا مَنَّاسِكُنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ

إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾

۱۸۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: حضرت ابراہیمؑ نے بوقت بنائے کعبہ یہ دعا کی کہ یہ میدان ایک شہر آباد اور با امن ہو سو ایسا ہی ہوا۔  
۱۸۴۔ یعنی اس کے رہنے والے جو اہل ایمان ہوں ان کو روزی دے میووں کی اور کفار کے لئے دعائے کی تاکہ وہ مقام لوٹ کفر سے پاک رہے۔  
۱۸۵۔ کفار کو بھی رزق کا وعدہ: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں کفار کو بھی رزق دیا جائے گا اور رزق کا حال امامت جیسا نہیں کہ اہل ایمان کے سوا کسی کو مل ہی نہ سکے۔

۱۸۶۔ قبول کر ہم سے اس کام کو (کہ تعمیر خانہ کعبہ ہے) تو سب کی دعا سنتا ہے اور نیت کو جانتا ہے۔

۱۲۹۔ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا [۱۸۷]

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ  
آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۗ

إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

۱۸۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل: یہ دعا حضرت ابراہیمؑ اور انکے بیٹے اسمعیلؑ دونوں نے مانگی کہ ہماری جماعت میں

ایک جماعت فرمانبردار اپنی پیدا کر اور ایک رسول ان میں بھیج جو ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ایسا نبی جو ان دونوں کی اولاد میں ہو جو سرور کائنات ﷺ کوئی نہیں آیا اس کی وجہ سے یہود کے گذشتہ خیال کا پورا رد ہو گیا۔ علم کتاب سے مراد معانی و مطالب ضروریہ ہیں جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں اور حکمت سے مراد اسرار مخفیہ اور رموز لطیفہ ہیں۔

۱۳۰۔ اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو اور بیشک ہم نے انکو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں میں ہیں

وَمَنْ يَّرْعَبْ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۗ وَ لَقَدْ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۗ وَاِنَّهٗ فِي

الْاٰخِرَةِ لَبَنِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۱۔ یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ حکم برداری کر تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمُ ۗ قَالَ اَسَلَّمْتُ لِرَبِّ

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۲۔ اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بیشک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان [۱۸۸]

وَوَصَّيْ بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيَهٗ وَيَعْقُوْبُ ۗ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمْ الدِّيْنَ فَلَا تَتَوْتِنَنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۸۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو وصیت: جس ملت و مذہب کا شرف مذکور ہو چکا اسی ملت کی وصیت حضرت ابراہیم و حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو فرمائی تو جو اس کو نہ مانے گا وہ ان کا بھی مخالف ہو۔ اور یہود کہتے تھے کہ حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت فرمائی سو وہ جھوٹے ہیں جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔

۱۳۳۔ کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق ہیں وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں [۱۸۹]

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۗ اِذْ

قَالَ لِبَنِيَهٗ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِي ۗ قَالُوْا

نَعْبُدُ الْهٰكِ وَ الْاٰلِهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ

اِسْحٰقَ الْهَآ وَاٰحِدًا ۗ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۴۔ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی انکے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی [۱۹۰]

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

۱۸۹۔ یعنی تم حضرت یعقوبؑ کی وصیت کے وقت تو موجود بھی نہ تھے۔ انہوں نے تو ملت انبیائے موصوفین کا ارشاد فرمایا تھا تم نے یہ کیا کہ یہود اپنے سوا سب کو اور نصاریٰ اپنے سوا سب کو بے دین بتلانے لگے (اور مذہب حق (یعنی اسلام کے) دونوں کے مخالف ہو گئے) یہ تمہارا افتراء ہے۔

۱۹۰۔ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے: یہودیوں کو اور نصاریوں کو یقین تھا کہ ماں باپ کے گناہوں میں اولاد گرفتار ہوگی اور ان کے ثواب میں بھی اولاد شریک ہوگی۔ سو یہ غلط ہے، اپنا کیا اپنے آگے آئے گا بھلا یا برا۔

۱۹۱۔ مطلب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور نصرانی کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو تم کو ہدایت نصیب ہو۔

۱۳۵۔ اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پالو گے راہ راست [۱۹۱] کہدے کہ ہر گز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں [۱۹۲]

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا يَتَّخِذُوا قُلُوبًا مَلَّةً اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۶۔ تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو انکے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں [۱۹۳]

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَاسْمَاعِيلَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْبٰطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾

۱۹۲۔ صرف مسلمان ملت ابراہیمی پر ہیں: یعنی کہدو اے محمد ﷺ کہ تمہارا کہنا ہر گز منظور نہیں بلکہ ہم موافق ہیں ملت ابراہیم کے جو سب برے مذہبوں سے علیحدہ ہے۔ نہیں تھا وہ شرک کرنے والوں میں اشارہ ہے کہ تم دونوں فریق شرک میں مبتلا ہو۔ بلکہ مشرکین عرب بھی مذہب ابراہیمی کے مدعی تھے مگر وہ بھی مشرک تھے تو اس میں ان پر بھی رد ہو گیا۔ اب ان فرقوں میں بروئے انصاف کوئی بھی ملت ابراہیمی پر نہ رہا صرف اہل اسلام ملت ابراہیمی میں ہیں۔ فائدہ: ہر شریعت میں تین باتیں ہوتی ہیں، اول عقائد (جیسے توحید و نبوت وغیرہ) سوا اس میں تو سب دین والے شریک اور موافق ہیں اختلاف ممکن ہی نہیں دوسرے قواعد کلیہ شریعت کہ جن سے جزئیات و فروع مسائل حاصل ہوتے ہیں

اور تمام جزئیات میں وہ کلیات ملحوظ رکھتے ہیں اور ملت فی الحقیقت انہی اصول اور کلیات کا نام ہے اور ملت محمدی اور ملت ابراہیمی کا توافق و اتحاد انہی کلیات میں ہے۔ تیسرے مجموعہ کلیات و جزئیات و جمیع اصول و فروع (جس کو شریعت کہتے ہیں) جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیم کی ملت ایک ہے اور شریعت جدا جدا۔

۱۹۳۔ پچھلی کتابوں اور انبیاء پر مسلمانوں کا ایمان: یعنی ہم سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور سب کو حق سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے زمانہ میں سب واجب الاتباع ہیں اور ہم خدا کے فرمانبردار ہیں جس وقت جو نبی ہو گا اس کے ذریعے سے جو احکام خداوندی پہنچیں گے اس کا اتباع ضروری ہے بخلاف اہل کتاب کے کہ اپنے دین کے سوا سب کی تکذیب کرتے ہیں چاہے ان کا دین منسوخ ہی ہو چکا ہو اور انبیاء کے احکام کو جھٹلاتے ہیں جو خدا کے احکام ہیں۔

۱۳۷۔ سواگر وہ ابھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ہدایت پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر سوا ب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا [۱۹۳]

فَإِنْ آمَنُوا بِشَيْءٍ مَّا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا  
وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيكَهُمُ  
اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۸۔ ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں [۱۹۵]

صِبْغَةَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۗ وَ  
نَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ ﴿۱۳۸﴾

۱۹۴۔ یعنی ان کی دشمنی اور ضد سے خوف مت کرو۔ اور ان کے شر اور مضرت سے تمہارا حافظ ہے۔ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ خدا سب کی باتوں کو سنتا اور سب کے حال اور نیت کو جانتا ہے۔

۱۹۵۔ اللہ کا رنگ سب رنگوں سے بہتر ہے: یہودی ان آیتوں سے پھر گئے اور اسلام قبول نہ کیا۔ اور نصرانیوں نے بھی انکار کر دیا اور شیخی میں آ کر کہنے لگے کہ ہمارے یہاں ایک رنگ ہے جو مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ نصرانیوں نے ایک زرد رنگ بنا رکھا تھا اور یہ دستور تھا کہ جب ان کے بچے پیدا ہوتا یا کوئی ان کے دین میں آتا تو اس کو اس رنگ میں غوطہ دے کر کہتے کہ خاصہ پاکیزہ نصرانی ہو گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو کہو کہ ہم نے خدا کا رنگ یعنی دین حق قبول کیا کہ اس دین میں آکر سب طرح کی ناپاکی سے پاک ہوتا ہے۔

۱۳۹۔ کہدے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور ہم تو خالص اسی کے ہیں [۱۹۶]

قُلْ أَتَحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَنَا  
أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۹﴾

۱۴۰۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے یا نصرانی کہدے

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی اس کو اللہ کی طرف سے اور اللہ بخیر نہیں تمہارے کاموں سے [۱۹۷]

وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ ؕ  
ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ  
شَهَادَةَ عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا  
تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۱۔ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی [۱۹۸]

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۗ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا  
كَسَبْتُمْ ۗ وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾

۱۹۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت تمہارا نزاع کرنا اور تمہارا یہ سمجھنا کہ اس کی عنایت و رحمت کا ہمارے سوا کوئی مستحق نہیں لغوبات ہے۔ وہ جیسا تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے اور ہم جو کچھ اعمال کرتے ہیں خالص اسی کے لئے کرتے ہیں تمہاری طرح زعم آباؤ اجداد اور تعصب و نفسانیت سے نہیں کرتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اعمال وہ مقبول نہ فرمائے اور تمہارے اعمال مقبول ہوں۔

۱۹۷۔ یہود و نصاریٰ کے دعوے کا رد: حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل اور دیگر انبیاء کی بابت یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے دروغ صریح ہے علاوہ ازیں حق تعالیٰ تو فرماتا ہے مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا (آل عمران۔ ۶۷) تو اب بتلاؤ تم کو علم زیادہ ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔

۱۹۸۔ آخرت میں باپ دادا کام نہیں آئیں گے: یہی آیت عنقریب گذر چکی ہے مگر چونکہ اہل کتاب کے دل میں اپنی بزرگ زادگی کی وجہ سے خوب جم رہا تھا کہ ہمارے اعمال کیسے ہی برے ہوں بالاتر ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوائیں گے۔ اس لئے اس یہود خیال کے روکنے کے لئے تاکید اس آیت کو مکرر بیان فرمایا یوں کہو کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کو خطاب تھا اور اس آیت میں آپ کی امت کو ہے کہ اس یہود خیال میں ان کا اتباع نہ کریں کیونکہ ایسی توقع اپنے بزرگوں سے ہر کسی کے دل میں آئی جاتی ہے جو سراسر بے وقوفی ہے اس کے بعد یہود وغیرہ کی دوسری بے وقوفی کی اطلاع دی جاتی ہے جو بہ نسبت تحویل قبلہ عنقریب ظاہر ہونے والی ہے۔

۱۳۲۔ اب کہیں گے یہ قوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو انکے قبلہ سے جس پر وہ تھے [۱۹۹] تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ [۲۰۰]

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ  
الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۗ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ  
يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۲﴾

۱۹۹۔ تحویل قبلہ پر اعتراضات کا جواب: حضرت محمد ﷺ جب مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ مہینے بیت المقدس ہی کی طرف نماز

پڑھتے رہے۔ اس کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آگیا تو یہود و مشرکین اور منافقین اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکانے سے شیعہ ڈالنے لگے کہ یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے جو قبلہ تھا پہلے انبیاء کا اب انہیں کیا ہوا جو اس کو چھوڑ کر کعبہ کو منہ کرنے لگے کسی نے کہا کہ یہود کی عداوت و حسد سے ایسا کیا کسی نے کہا کہ یہ اپنے دین میں متردد و متحیر ہیں جن سے ان کا نبی اللہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ مخالفوں کے اس اعتراض اور اس کے جواب کی جو آگے ہے اللہ نے اطلاع فرمادی کہ کسی کو اس وقت کوئی تردد نہ ہو اور جواب میں تامل نہ ہو۔

۲۰۰۔ یعنی اے محمد ﷺ کہہ دو کہ نہ ہم نے یہود کے حسد سے اور نہ کسی نفسانی تعصب اور اپنی رائے کے اتباع سے قبلہ کو بدلا بلکہ محض اتباع فرمان خداوندی سے جو کہ ہمارا اصل دین ہے ہم نے ایسا کیا پہلے بیت المقدس کو منہ کرنے کا حکم تھا اس کو ہم نے تسلیم کیا اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آیا اس کو دل سے قبول کیا ہم سے اس کی وجہ پوچھنا اور ہم پر اعتراض کرنا سخت حماقت ہے غلام تابعدار پر یہ اعتراض کرنا کہ تو پہلے وہ کام کرتا تھا اب یہ کام کیوں کرنے لگا عاقل کا کام نہیں اور اگر ان احکام مختلفہ کے اسرار دریافت کرتے ہو تو اس کے تمام اسرار کون سمجھے اور تم بیوقوفوں کو کون سمجھائے البتہ اتنی بات ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور ہر ایک کو سمجھا سکتا ہے کہ قبلہ کا معین فرمانا تو طریقہ عبادت کو بتلانے کی غرض سے ہے اصل عبادت ہر گز نہیں اور اس بارہ میں حق تعالیٰ کا معاملہ جدا ہے کسی کو اپنی حکمت و رحمت کے مطابق ایک خاص رستہ بتلایا جاتا ہے کسی کو دوسرا تمام مواقع اور جملہ جہات کا وہ مالک ہے۔ جس کو جس وقت چاہتا ہے اس کو ایسا رستہ بتلا دیتا ہے جو نہایت سیدھا اور سب رستوں سے مختصر اور قریب تر ہو چنانچہ ہم کو اس وقت اس قبلہ کی ہدایت فرمائی جو سب قبلوں میں افضل اور بہتر ہے۔

۱۴۳۔ اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا [۲۰۱] اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا لٹے پاؤں [۲۰۲] اور بیشک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے [۲۰۳] اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان بیشک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے [۲۰۴]

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِعَ آيَاتِنَا إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَعُوفٌ رَحِيمٌ

۲۰۱۔ امت محمدیہ کے فضائل: یعنی تمہارا جیسا قبلہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیم کا قبلہ اور تمام قبلوں سے افضل ہے ایسا ہی ہم نے تم کو سب امتوں سے افضل اور تمہارے پیغمبروں کو سب پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا تاکہ اس فضیلت اور کمال کی وجہ سے تم تمام امتوں کے مقابلے میں گواہ مقبول الشہادۃ قرار دیئے جاؤ اور محمد رسول اللہ ﷺ تمہاری عدالت و صداقت کی گواہی دیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ جب پہلی امتوں کے کافر اپنے پیغمبروں کے دعوے کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو کسی نے بھی دنیا میں ہدایت نہیں کی اس وقت آپ کی امت انبیاء کے دعوے کی صداقت پر گواہی دے گی اور رسول اللہ ﷺ جو اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں ان کی صداقت و عدالت

پر گواہ ہوں گے اس وقت وہ امتیں کہیں گی کہ انہوں نے تو نہ ہمارا زمانہ پایا نہ ہم کو دیکھا پھر گواہی کیسے مقبول ہو سکتی ہے اس وقت آپ کی امت جو اب دے گی کہ ہم کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بتلانے سے اس امر کا علم یقینی ہو اس کی وجہ سے ہم گواہی دیتے ہیں۔ فائدہ: وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط و تفریط سے بالکل بری ہے۔

۲۰۲۔ تحویل قبلہ کی حکمت اور اللہ کے علم کی تحقیق: یعنی اصلی قبلہ تمہارا تو کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے چلا آتا ہے اور چند روز کے لئے جو بیت المقدس مقرر کر دیا تھا وہ تو صرف امتحان کے لئے تھا کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون دین سے پھر جاتا ہے سو اس میں جو لوگ ایمان پر قائم رہے ان کا بڑا درجہ ہے۔ فائدہ اس آیت میں لَنْعَلَمَ جو صیغہ استقبال ہے اور دیگر آیات میں جو حَتَّى لَنْعَلَمَ اور فَكَلَيْعَلَمَنَّ اور لَنْبَا يَعْلَمَ اللّٰهُ اور لَيَبْلُوَنَّكُمْ اور اَلَا لَنْعَلَمَ وغیرہ کلمات موجود ہیں ان سب سے بظاہر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ ان اشیاء کا علم بعد کو ہو ان چیزوں کے وجود سے پہلے علم نہ تھا۔ حالانکہ اس کا علم ہر چیز کے ساتھ قدیم ہے كَانِ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا علماء نے کئی طرح سے اس کا جواب دیا ہے بعض نے علم سے متمیز اور جدا جدا کر دینا مراد لیا ہے بعض نے امتحان کے معنی لئے کسی نے علم کو بمعنی رویتہ لیا کسی نے مستقبل کو بمعنی ماضی فرمایا بعض نے حدوث علم کو نبی اور مومنین کی طرف رجوع کیا یا مخاطبین کی طرف لوٹایا بعض اکابر محققین نے علم حالی جو بعد وجود معلوم متحقق ہوتا ہے جس پر جزا اور سزا مدح و ذم مترتب ہوتی ہے مراد لیا اور اسی کو پسند فرمایا بعض راہنما مدققین نے اس کے متعلق دو باتیں نہایت دقیق و انیق بیان فرمائیں۔ اول کا خلاصہ یہ ہے کہ حسب ارشاد اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (الطلاق- ۱۲) تمام چیزیں اول سے آخر تک حقیر عظیم قلیل و کثیر خدا کے سامنے ہیں اور سب کا علم اس کو ایک ساتھ ہے اس کے علم میں تقدم و تاخر ہر گز نہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کی نسبت بیشک مقدم اور مؤخر گنی جاتی ہے سو علم خداوندی کے حساب سے تو سب کی سب بمنزلہ شے واحد موجود ہیں اس لئے وہاں ماضی حال استقبال نکالنا بالکل غلط ہو گا البتہ تقدم و تاخر باہمی کی وجہ سے یہ تینوں زمانے بالبدہت جدا جدا نکلیں گے سو جناب باری کبھی تو حسب موقع با حکمت اپنے معلوم ہونے کے لحاظ سے کلام فرماتا ہے اور کبھی ان وقائع کے تقدم و تاخر کا لحاظ ہوتا ہے پہلی صورت میں تو ہمیشہ بلحاظ ایک فرق دقیق کے ہمیشہ ماضی کا صیغہ یا حال کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے استقبال کا صیغہ مستعمل نہیں ہو سکتا اور دوسری صورت میں ماضی کے موقع میں ماضی اور حال کے موقع میں حال اور استقبال کی جگہ استقبال لایا جاتا ہے سو جہاں کہیں وقائع آئندہ کو ماضی کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے جیسا و نادای اصحاب الجنۃ وغیرہ تو وہاں اس کا لحاظ ہے کہ حق تعالیٰ کو سب مستحضر اور پیش نظر ہے اور جہاں امور گذشتہ کو صیغہ استقبال سے بیان فرمایا ہے جیسا اسی آیت میں اَلَا لَنْعَلَمَ ہے اور اس کے سوا وہاں تو یہ مد نظر ہے کہ بہ نسبت اپنے، قبل کے مستقبل ہے علم الہی کے لحاظ سے استقبال نہیں جو اس کے علم میں حدوث کا وہم ہو۔ دوسری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو علم اشیاء دو طریق سے حاصل ہوتا ہے ایک تو بلا واسطہ دوسرا بلا واسطہ مثلاً آگ کو کبھی تو آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی آگ تو ہم سے کسی آڑ میں ہوتی ہے مگر دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا یقین ہو جاتا ہے اور بسا اوقات یہ دونوں علم ایک جگہ ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں مثلاً آگ کو پاس سے دیکھتے تو دھواں بھی اس کے ساتھ ہی نظر آئے گا۔ سو اس صورت میں آگ کا علم دونوں طرح حاصل ہو گا ایک تو بلا واسطہ کیونکہ آنکھ سے آگ کو دیکھ رہے ہیں دوسرا بلا واسطہ یعنی آگ کا علم دھوئیں کے واسطہ سے اور یہ دونوں علم ہر چند ایک ساتھ ہیں آگے پیچھے پیدا نہیں ہوئے مگر علم بلا واسطہ میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اس کا دھیان بھی نہیں گذرتا۔ علیٰ ہذا القیاس کبھی دو چیزوں کا علم بلا واسطہ بھی ایک ساتھ حاصل ہوتا ہے مثلاً آگ اور دھوئیں کو ایک ساتھ دیکھنے اسی طرح کبھی ایک شے کا علم بلا واسطہ اور دوسری شے کا علم پہلی شے کے واسطہ سے ایک ساتھ حاصل ہوتے ہیں مثلاً دھوئیں کا علم بلا واسطہ اور آگ کا علم دھوئیں کے واسطہ سے یا آگ کا علم بلا واسطہ اور دھوئیں کا علم آگ کے واسطہ سے دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں مگر جیسا قلم کو ہاتھ میں لے کر لکھیں تو ہر چند ہاتھ اور قلم ساتھ ہی ملتے ہیں لیکن پھر یوں کہتے ہیں کہ ہاتھ پہلے ہلا تو قلم ہلا اسی طرح پر عقل سلیم باوجود ایک ساتھ



ہونے کے ایک شے کے علم بلا واسطہ کو دوسری شے کے علم بالواسطہ سے جو بلا واسطہ پہلی شے کے حاصل ہوا ہے ایک طرح پر ضرور مقدم سمجھتی ہے جب یہ باتیں معلوم ہو چکیں تو اب سنیے کہ خداوند علیم کو بھی تمام اشیاء کا علم دونوں طرح پر ہے بلا واسطہ اور بلا واسطہ یکدگر یعنی لوازم کا ملزومات سے اور ملزومات کا لوازم سے اور دونوں علم ازل سے برابر ساتھ ہیں گو علم بلا واسطہ کسی چیز کا اس کے علم بلا واسطہ میں محو اور مضحل ہو اور ایسا ہی ایک چیز کا علم بلا واسطہ اور دوسری چیز کا علم بالواسطہ برابر ساتھ ہے اور دونوں قدیم ہیں گو علم بلا واسطہ کو بطریق مذکور مقدم اور علم بالواسطہ کو موخر کہیں سو جہاں کہیں علم خداوندی کے ذکر میں صیغہ استقبال کا یا معنی استقبال کے پائے جاتے ہیں وہ علم بالواسطہ کے لحاظ سے ہے زمانہ کے اعتبار سے کچھ تفاوت نہیں اور جہاں کہیں ماضی یا حال مستعمل ہے وہاں علم بلا واسطہ مراد ہے اور علم بالواسطہ کے اعتبار سے کلام فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ کلام الہی کے مخاطب آدمی ہیں اور ان کو اکثر اشیاء کا علم بالواسطہ ہوتا ہے اور جہاں کہیں جناب باری نے اپنے علم میں صیغہ استقبال استعمال فرمایا ہے وہ وہی امور ہیں جو بنی آدم کو بلا واسطہ معلوم نہیں ہو سکتے اگر ایسے مواقع میں بنی آدم سے باعتبار علم بلا واسطہ کلام کیا جاتا تو ان پر پورا الزام نہ ہوتا اور جہاں یہ مصلحت نہیں وہاں باعتبار علم بلا واسطہ صیغہ ماضی میں یا حال کا استعمال کیا جاتا ہے مگر بنی آدم کو چونکہ ان اشیاء کا علم بلا واسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور ان واسطوں کا علم قبل ان کے وجود کے بنی آدم کو ممکن نہیں اور اس وجہ سے ان کے تمام علوم برابر حاصل نہیں ہوتے تو وہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کر کے صیغہ استقبال سے حدوث سمجھ جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ علم الہی میں تو حدوث ثابت ہو گیا مگر فہمیدہ اشخاص جو نکتہ مذکورہ سے واقف ہیں سب کو مطابق یکدگر سمجھتے ہیں، والحمد للہ۔

۲۰۳۔ استقبال بیت المقدس کی حکمت: اول سے آپ کے لئے خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہوا تھا بیچ میں چند عرصہ کے لئے امتحاناً بیت المقدس کو قبلہ مقرر فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر دشوار ہو سو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک بجائے کعبہ بیت المقدس کو قبلہ بنانا لوگوں کو بھاری معلوم ہوا عوام مسلمین کو تو اس وجہ سے کہ وہ عموماً عرب اور قریش تھے اور کعبہ کی افضلیت کے معتقد تھے ان کو اپنے خیال اور رسم و عادت کے خلاف کرنا پڑا اور خواص کے گھبرانے کی یہ وجہ تھی کہ ملت ابراہیمی کے خلاف تھا جس کی موافقت کے مامور تھے اور انخص الخواص جن کو ذوق سلیم اور تمیز مراتب کی لیاقت عطا ہوئی تھی وہ کعبہ کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کو ترقی معکوس خیال کرتے تھے۔ مگر جن حضرات کو حکمت و اسرار تک رسائی تھی اور حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کو بنور فراست جدا جدا معہ فرق مراتب سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور آپ کی رسالت جملہ عالم اور تمام امتوں کے لئے شامل ہے اس لئے ضرور ہے کہ استقبال بیت المقدس کی بھی نوبت آئے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء سابقین سے ملاقات بھی ہوئی اور اس کے بعد استقبال بیت المقدس کا بھی حکم ہوا واللہ اعلم۔

۲۰۴۔ یہود نے کہا کہ کعبہ قبلہ اصلی ہے تو اتنی مدت کی نماز جو بیت المقدس کی طرف پڑھی تھی ضائع ہوئی بعض مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ بیت المقدس جب قبلہ اصلی نہ تھا تو جو مسلمان اسی حالت پر مر گئے ان کے ثواب میں نقصان رہا باقی زندہ رہنے والے تو آئندہ کو مکافات اور اس کا تدارک کر لیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب تم نے بیت المقدس کی طرف نماز محض مقتضائے ایمانی اور اطاعت حکم خداوندی کے سبب پڑھی تو تمہارے اجر و ثواب میں کسی طرح کا نقصان نہ ڈالا جائے گا۔

۱۴۴۔ بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے [۲۰۵] اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے [۲۰۶] اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

طرف [۲۰۴] اور جن کو ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے انکے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں [۲۰۸]

الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ  
وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ

مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۳﴾

۲۰۵۔ استقبال کعبہ کا حکم: چونکہ آپ کا اصلی قبلہ اور آپ کے کمالات کے مناسب خانہ کعبہ تھا اور سب قبلوں سے افضل اور حضرت ابراہیم کا بھی قبلہ وہی تھا ادھر یہود طعن کرتے تھے کہ یہ نبی شریعت میں ہمارے مخالف اور ملت ابراہیمی کے موافق ہو کر ہمارا قبلہ کیوں اختیار کرتے ہیں ان وجہوں سے جس زمانے میں آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو دل یہی چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آجائے اور اس شوق میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر ہر طرف کو دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ حکم لاتا ہو اس پر یہ آیت اتری اور استقبال کعبہ کا حکم آ گیا۔

۲۰۶۔ یعنی کعبہ کی طرف مسجد الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں مقاتلہ کرنا اور شکار کرنا جانوروں کا اور درخت اور گھاس کا کاٹنا وغیرہ امور حرام ہیں اور کسی مسجد کی اتنی حرمت و عزت نہیں جس قدر مسجد الحرام کی حرمت ہے جب تحویل قبلہ کا یہ حکم نازل ہوا تو آپ باجماعت مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے دور کعبہ بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے نماز ہی میں آپ نے اور سب مقتدیوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دور کعبہ پوری کیں اس مسجد کا نام مسجد القبلتین اور ذو قبلتین ہو گیا یعنی دو قبلہ والی۔

۲۰۷۔ یعنی حضر میں یا سفر میں مدینہ میں یا دوسرے شہر میں جنگل میں یا دریا میں یا خود بیت المقدس میں جہاں کہیں ہو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

۲۰۸۔ توریت میں دو قبلوں کا ذکر تھا: یعنی اہل کتاب جو تحویل قبلہ کی نسبت اعتراض کریں اس کی ہر گز پرواہ نہ کرنا کیونکہ انکو اپنی کتاب سے معلوم ہے کہ پیغمبر آخر الزماں بیت المقدس کی طرف کچھ دنوں نماز پڑھیں گے اور آخر کو کعبہ کی طرف پڑھیں گے۔ اور یہ بھی ان کو معلوم ہے کہ اصلی اور دائمی ان کا ملت ابراہیمی کے موافق ہو گا اس لئے اس تحویل قبلہ کو وہ بھی حق سمجھتے ہیں محض حسد سے جو چاہیں کہیں سو حق تعالیٰ ان کی باتوں کو خوب جانتا ہے جس کا نتیجہ ان کو ایک دن معلوم ہو جائے گا۔

۱۳۵۔ اور اگر تولائے اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ [۲۰۹] اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو بیشک تو بھی ہو ابے انصافوں میں [۲۱۰]

وَلَئِنْ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۗ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ إِنَّكَ

إِذَا لَبِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۵﴾

۲۰۹۔ استقبال کعبہ کا حکم دائمی ہے: یعنی جب یہ بات ہے کہ اہل کتاب استقبال قبلہ کو حق جان کر بوجہ حسد و عناد حق پوشی کرتے ہیں تو ان سے اپنے قبلہ کی موافقت کی ہرگز توقع مت رکھو وہ تو ایسے متعصب ہیں کہ اگر ان کو تمام نشانیاں جو ممکن الوقوع ہیں دکھلا دو گے جب بھی تمہارے قبلہ کو نہ مانیں گے وہ تو اس ہوس میں ہیں کہ کسی طرح تم کو اپنا تابع بنا لیں اسی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم سمجھتے کہ تم نبی موعود ہو کہ شاید پھر ہمارے قبلہ کی طرف رجوع کر لیں سو یہ ان کا خیال باطل اور طمع خام ہے تم کسی وقت میں بھی ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کر سکتے اب استقبال کعبہ کا حکم قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتا اور دوسروں کے تابع بنانے کا ارادہ تو بعد میں کریں پہلے اہل کتاب تو آپس میں دربارہ امر قبلہ موافق ہو جائیں یہود کا قبلہ صحرہ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس کی شرقی جانب ہے جہاں حضرت عیسیٰ کا نفع روح ہوا تھا جب وہ ہی باہم موافق نہیں ہو سکتے تو پھر مسلمانوں سے اس متابعت نفیضین کی توقع کرنی محض حماقت ہے۔

۲۱۰۔ یعنی ان دلائل سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر کے لئے اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ نعوذ باللہ اہل کتاب کے قبلہ کی متابعت نزول وحی اور علم یقینی کے خلاف بھی کر لیں تو اس تقدیر محال پر بیشک آپ بھی بے انصافوں میں شمار ہوں اور نبی سے یہ امر شنیع کسی طرح ممکن نہیں تو معلوم ہو گیا کہ قبلہ اہل کتاب کی متابعت آپ سے ہرگز ممکن نہیں کہ سراسر علم کے خلاف یعنی جہل اور گمراہی ہے۔

۱۳۶۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بیشک ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ  
أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَ

هُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۷۔ حق تو وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو بیشک لانے والا ﴿۲۱۱﴾

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُبْتَرِينَ ﴿۲۱۱﴾

۲۱۱۔ اہل کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا یقین تھا: یعنی اگر تم کو یہ خیال ہو کہ کاش کعبہ کا مسلمانوں کے لئے قبلہ ہونا اہل کتاب بھی کسی طرح تسلیم کر لیں اور دوسرے لوگوں کو شبہ میں ڈالتے نہ پھریں تو میرے نبی موعود ہونے میں خلجان باقی نہ رہے تو جان لو کہ اہل کتاب کو تمہارا بہت پورا علم ہے آپ کے نسب و قبیلہ و مولد و مسکن و صورت و شکل و اوصاف و احوال سب کو جانتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو آپ کا علم اور آپ کے نبی موعود ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا بہت سے لڑکوں میں اپنے بیٹوں کو بلا تامل و تردد پہچانتے ہیں مگر اس امر کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں اور بعض دیدہ و دانستہ امر حق کو چھپاتے ہیں لیکن ان کے چھپانے سے کیا ہوتا ہے حق بات تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہوا اہل کتاب مانیں یا نہ مانیں ان کی مخالفت سے کسی قسم کا تردد مت کرو۔

۱۳۸۔ اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہو گے کر لائے گا تم کو اللہ اکٹھا بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ﴿۲۱۲﴾

وَلِكُلِّ وِجْهَةٍ هُوَ مُوَلِّبُهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ  
إِنَّ مَا تَكُونُوا يَأْتِي بِكُمْ اللَّهُ جَبِيحًا إِنَّ اللَّهَ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۱۲﴾

۱۴۹۔ اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور پیشک یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بخیر نہیں تمہارے کاموں سے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ

بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾

۱۵۰۔ اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہو کرو منہ کرو اسی کی طرف [۲۴۳] تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جگھڑنے کا موقع مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سو ان سے (یعنی انکے اعتراضوں سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو [۲۴۴] اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تاکہ تم پاؤ راہ سیدھی [۲۴۵]

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

شَطْرَهُ ۗ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۗ وَ

لَا تَمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

۲۱۲۔ ہر امت کا ایک قبلہ ہے: یعنی اللہ نے ہر امت کے لئے ایک ایک قبلہ کا حکم فرمایا جس کی طرف بوقت عبادت اپنا منہ کیا کریں یا ہر ایک قوم مسلمان کعبہ سے جدا جدا سمت میں واقع ہے کوئی مشرق میں کوئی مغرب میں سو اس میں جگھڑنا فضول اور اپنے قبلہ یا اپنی سمت پر ضد کرنا عبث ہے جو نیکیاں مقصود و مطلوب ہیں انکی طرف البتہ پیش قدمی کرو اور اس بحث کو چھوڑو جس جگہ اور جس قبلہ اور جس سمت کعبہ کی طرف تم ہو گے لائے گا تم سب کو اللہ میدان حشر میں اور تمہاری نمازیں ایسی سبھی جائیں گی گویا ایک ہی جہت کی طرف ہوئی ہیں۔ پھر ایسی بات میں کیوں جگھڑتے ہو۔

۲۱۳۔ تحویل قبلہ کے حکم میں تکرار کی وجہ: تحویل قبلہ کا حکم مکرر آیا تو اس واسطے بیان فرمایا کہ اس کی علل متعدد تھیں تو ہر علت کو بتلانے کے لئے اس حکم کا اعادہ فرمایا قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ الْخَلْقِ مِنْ مَعْلُومٍ ہوا کہ اپنے رسول کی رضا جوئی اور اظہار تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا اور لِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مَوَّلِيَّهَا سے معلوم ہوا کہ عادت اللہ یہی ہے کہ ہر ملت اور ہر ایک رسول صاحب شریعت مستقل کے لئے اس کے مناسب ایک قبلہ مقرر ہونا چاہئے لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ سے معلوم ہوا کہ حکم مذکور کی علت یہ ہے کہ مخالف کا الزام عائد نہ ہو سکے یا اس تکرار کی یہ وجہ ہے کہ اول تو قبلہ قابل اہتمام دوسرے احکام الہیہ میں نسخ ہونا بے وقوفوں کے سمجھ سے باہر پھر تحویل قبلہ اول نسخ ہے جو شریعت محمدی میں ظاہر ہوا اس لئے اس کی تاکید در تاکید عین حکمت و بلاغت ہے یا یہ وجہ ہے کہ اول آیت میں تعیم احوال اور دوسری آیت میں تعیم مکہ اور تیسری میں تعیم از منہ مراد ہے۔

۲۱۴۔ تحویل قبلہ حکم ضروری تھا: یعنی کعبہ کو منہ کرنے کا حکم اس واسطے ہوا کہ توریت میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور نبی آخر الزماں کو بھی اسی کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہو جائے گا تو آپ کو تحویل الی الکعبہ کا حکم نہ ہوتا تو یہود ضرور الزام لگاتے ادھر مشرکین مکہ یہ کہتے

کہ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ تو کعبہ تھا یہ نبی ملت ابراہیمی کا دعویٰ کر کے پھر قبلہ میں خلاف کیوں کرتے ہیں تو آپ دونوں کو حجت کرنے کا حق نہ رہا۔ مگر بے انصاف اب بھی کچھ نہ کچھ الزام لگائے ہی جائیں گے مثلاً قریش کہیں گے کہ ان کو ہمارے قبلہ کا حق ہونا اب معلوم ہوا تو اس کو اختیار کیا اسی طرح ہمارے اور احکام بھی رفتہ رفتہ منظور کر لیں گے اور یہود کہیں گے ہمارے قبلہ کی حقانیت ظاہر ہونے اور تسلیم کر لینے کے بعد محض حسد اور نفسانیت کے باعث اپنی رائے سے اس کو چھوڑ دیا تو ایسے بے انصافوں کے اعتراض کی کچھ پرواہ مت کرو اور ہمارے حکم کے تابع رہو۔

۲۱۵۔ یعنی یہ قبلہ ہم نے تمہارے لئے اس واسطے مقرر فرمایا کہ دشمنوں کے طعن سے بچو اور اس کے سبب سے ہمارے انعام و اکرام و برکات و انوار اور ہدایت کے پورے مستحق ہو۔

۱۵۱۔ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے [۲۱۶]

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾

۱۵۲۔ سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو [۲۱۷]

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾

۲۱۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد: یعنی یہ اتمام نعمت اور تکمیل ہدایت تم پر ایسی ہوئی جیسی ابتداء میں تم پر یہ اتمام نعمت و ہدایت ہو چکی ہے کہ تم ہی سے ایک رسول ایسا بھیجا جو تم کو احکام خداوندی سمجھا دے اور تم کو بری باتوں سے پاک کرے یعنی علما اور عملاً تم کو کامل بنا دے۔

۲۱۷۔ جب ہماری طرف سے تم پر اتمام نعمت مقرر ہو چکا تو اب تم کو لازم ہے کہ ہم کو زبان سے دل سے ذکر سے فکر سے ہر طرح سے یاد کرو اور اطاعت کرو ہم تم کو یاد کریں گے یعنی نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہوتی رہیں گی اور ہماری نعمتوں کا شکر خوب ادا کرتے رہو اور ہماری ناشکری اور معصیت سے بچتے رہو۔

۱۵۳۔ اے مسلمانو مدد لو صبر اور نماز سے بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [۲۱۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾

۲۱۸۔ چونکہ ذکر اور شکر اور ترک کفران جو پہلے مذکور ہوئے اور تمام طاعات اور منہیات شرعیہ کو محیط ہیں جن کا انجام دینا دشوار امر ہے اس کی سہولت کے لئے یہ طریقہ بتلایا گیا کہ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لو کہ ان کی مداومت سے تمام امور تم پر سہل کر دیئے جائیں گے اور اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جہاد میں محنت اٹھاؤ جس کا ذکر آگے آتا ہے کہ اس میں صبر اعلیٰ درجے کا ہے۔

۱۵۴۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں [۲۱۹]

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾

۱۵۵۔ اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے [۲۲۰] اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ  
مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَ الشَّرَاتِ ط وَ بَشِيرِ

الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾

۱۵۶۔ کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَ  
إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط ﴿١٥٦﴾

۱۵۷۔ ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر [۲۲۱]

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَ  
أُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

۲۱۹۔ حیات شہداء: یعنی جس نے اللہ کے لئے جان دی وہ اُس جہاں میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اسکی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

۲۲۰۔ صبر کی اہمیت اور فضائل: پہلے تو ان کا ذکر تھا جنہوں نے صبر کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا یعنی شہداء اب فرماتے ہیں کہ تمہارا اعلیٰ العموم تھوڑی تھوڑی تکلیف اور مصیبت میں وقتاً فوقتاً امتحان لیا جائے گا اور تمہارے صبر کو دیکھا جائے گا صابریں میں داخل ہونا کچھ سہل نہیں اسی واسطے پہلے سے متنبہ فرمادیا۔

۲۲۱۔ یعنی جن لوگوں نے ان مصائب پر صبر کیا اور کفرانِ نعت نہ کیا بلکہ مصائب کو وسیلہ ذکر و شکر بنایا تو انکو اے پیغمبر ہماری طرف سے بشارت سنادو۔

۱۵۸۔ بیشک صفا اور مروہ نشانوں میں سے ہیں اللہ کی [۲۲۲] سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا [۲۲۳]

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِمَّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ  
الْبَيْتِ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ط  
وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

۲۲۲۔ صفا و مروہ شعائر ہیں: پہلے ذکر تھا تحویل الی الکعبہ کا اور کعبہ کے سب قبلوں سے افضل ہونے کا اب اس کے محل ادائے حج و عمرہ ہونے کو بیان فرماتے ہیں تاکہ وَ لِأَنَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ کی تصدیق اور تکمیل خوب ہو جائے یا یوں کہئے کہ اس سے پہلے صبر کی فضیلت مذکور تھی اب یہ فرمایا گیا کہ دیکھو صفا و مروہ جو شعائر اللہ میں داخل ہوئیں اور ان میں سعی کرنا حج و عمرہ میں ضروری ہو اس کی وجہ یہی تو ہے کہ یہ فعل صابریں یعنی حضرت ہاجرہ اور انکے صاحبزادہ حضرت اسمعیل کے آثار میں سے ہے حدیث و تفسیر و تاریخ میں یہ قصہ مصرح مذکور و مشہور ہے جس کے

دیکھنے سے إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ کی تصدیق ہوتی ہے۔

۲۲۳۔ صفا اور مردہ دو پہاڑیاں ہیں مکہ میں، اہل عرب حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہمیشہ حج کرتے رہے اور حج کرتے تو ان دو پہاڑیوں کا بھی طواف کرتے کفر کے زمانے میں ان دو پہاڑیوں پر کفار نے دوبت رکھے تھے ان کی تعظیم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لئے ہے جب لوگ مسلمان ہوئے اور بت پرستی سے تائب ہوئے تو خیال ہوا کہ صفا اور مردہ کا طواف تو ان بتوں کی تعظیم کے لئے تھا جب بتوں کی تعظیم حرام ہوئی تو صفا اور مردہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہئے یہ انکو معلوم نہ تھا کہ صفا اور مردہ کا طواف تو اصل میں حج کے لئے تھا کفار نے اپنی جہالت سے بت رکھ چھوڑے تھے وہ دور ہو گئے اور انصار مدینہ چونکہ کفر کے زمانے میں بھی صفا اور مردہ کے طواف کو بر اجانتے تھے تو اسلام کے بعد بھی انکو اس طواف میں خلجان ہوا اور آپ سے عرض کیا کہ ہم پہلے سے اسکو مذموم جانتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فریق اول اور ثانی دونوں کو بتلادیا گیا کہ صفا اور مردہ کے طواف میں کوئی گناہ اور خرابی نہیں یہ تو اصل سے اللہ کی نشانیاں ہیں اور ان کا طواف کرنا چاہئے۔

۱۵۹۔ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم انکو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں [۲۲۳] ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے [۲۲۵]

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعِينُونَ ﴿١٥٩﴾

۱۶۰۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق بات کو تو انکو معاف کرتا ہوں [۲۲۶] اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّا فَاُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

۱۶۱۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی [۲۲۷]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْبَلَاةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾

۱۶۲۔ ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہو گا ان پر سے عذاب اور نہ انکو مہلت ملے گی [۲۲۸]

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾

۲۲۴۔ یہود پر لعنت کی جاتی ہے: اس سے مراد ہیں یہود کہ توریت میں جو آپ کی تصدیق تھی اس کو اور تحویل قبلہ وغیرہ امور کو چھپاتے تھے اور جس نے غرض دنیا کے واسطے اللہ کے حکم کو چھپایا وہ سب اس میں داخل ہیں۔

۲۲۵۔ لعنت کرنے والے یعنی جن وانس و ملائکہ بلکہ اور سب حیوانات کیونکہ انکی حق پوشی کے وبال میں جب عالم کے اندر قحط و باطرح طرح کی بلائیں پھیلتی ہیں تو حیوانات بلکہ جمادات تک کو تکلیف ہوتی ہے اور سب ان پر لعنت کرتے ہیں۔

۲۲۶۔ یعنی اگرچہ انکی حق پوشی کے باعث بعض آدمی گمراہی میں پڑ گئے لیکن جنہوں نے حق پوشی سے توبہ کر کے اظہار حق پوری طرح کر دیا تو اب بجائے لعنت ہم ان پر رحمت نازل فرماتے ہیں کیونکہ ہم تو اب درحیم ہیں۔

۲۲۷۔ یعنی جس نے خود حق پوشی کی یا کسی دوسرے کی حق پوشی کے باعث گمراہ ہوا اور اخیر تک کافر ہی رہا اور توبہ نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ کو ملعون اور جہنمی ہوا مرنے کے بعد توبہ مقبول نہیں، بخلاف اول فریق مذکور سابق کے کہ توبہ نے ان کی لعنت کو مقطع کر دیا کہ زندگی ہی میں تائب ہو گئے۔

۲۲۸۔ یعنی ان پر عذاب یکساں اور متصل رہے گا یہ نہ ہو گا کہ عذاب میں کسی قسم کی کمی ہو جائے یا کسی وقت ان کو عذاب سے مہلت مل جائے۔

۱۶۳۔ اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا [۲۲۹]

وَالْهُمُّمُ إِلَهُ وَاحِدٌ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ

الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾

۱۶۴۔ بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلا یا اس سے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے اور پھیلانے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے [۲۳۰]

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ

وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا

يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ

مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا

مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

يَعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾

۲۲۹۔ توحید اور اس کے دلائل: یعنی معبود حقیقی تم سب کا ایک ہی ہے اس میں تعدد کا احتمال بھی نہیں سوا بے جس نے اس کی نافرمانی کی بالکل مردود اور غارت ہو اور دوسرا معبود ہو تا تو ممکن تھا کہ اس سے نفع کی توقع باندھی جاتی یہ آقائی اور پادشاہی یا استادی اور پیری نہیں کہ ایک جگہ موافقت نہ آئی تو دوسری جگہ چلے گئے یہ تو معبودی اور خدائی ہے نہ اُس کے سوا کسی کو معبود بنا سکتے ہو اور نہ کسی سے اس کے علاوہ خیر کی توقع کر سکتے ہو۔ جب آیہ وَالْهُمُّمُ إِلَهُ وَاحِدٌ نازل ہوئی تو کفار مکہ نے تعجب کیا کہ تمام عالم کا معبود اور سب کا کام بنانے والا ایک کیسے ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل کیا ہے اس پر آیہ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں۔

۲۳۰۔ مخلوقات میں اللہ کی نشانیاں: یعنی آسمان کے اس قدر وسیع اور اونچا اور بے ستون پیدا کرنے میں اور زمین کے اتنی وسیع اور مضبوط پیدا



کرنے اور اس کے پانی پر پھیلانے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے اور ان کے گھٹانے اور بڑھانے میں اور کشتیوں کے دریا میں چلنے میں اور آسمان سے پانی برسانے اور اس سے زمین کو سرسبز و تازہ کرنے میں اور جملہ حیوانات میں اُس سے تولد و تناسل نشوونما ہونے میں اور جہات مختلفہ سے ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں معلق کرنے میں دلائل عظیمہ اور کثیرہ ہیں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت اور حکمت اور رحمت پر ان کے لئے جو صاحب عقل اور فکر ہیں۔ فائدہ: لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ میں توحید ذات کا اور الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ میں توحید صفات کا ثبوت تھا اور إِنَّ فِي خَلْقِ الْخَيْلِ تَوْحِيدَ أَعْمَالٍ كَثُوتِ هُوَ اجس سے مشرکین کے شبہات بالکلیہ مندرج ہو گئے۔

۱۶۵۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو [۲۳۱] انکی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی [۲۳۲] اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی [۲۳۳] اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب کہ قوت ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے [۲۳۴]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

۲۳۱۔ یعنی آدمیوں میں جو کہ شعور و عقل میں جمیع مخلوقات سے افضل ہیں بعض ایسے بھی ہیں کہ باوجود دلائل ظاہرہ سابقہ کے پھر غیر اللہ کو حق تعالیٰ کا شریک اور اس کے برابر بناتے ہیں۔

۲۳۲۔ باطل معبودوں کی محبت: یعنی صرف اقوال و اعمال جزئیہ ہی میں ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے بلکہ محبت قلبی جو کہ صدور اعمال کی اصل ہے اس تک شرک اور مساوات کی نوبت پہنچا رکھی ہے جو شرک کا اعلیٰ درجہ ہے اور شرک فی الاعمال اس کا خادم اور تابع ہے۔

۲۳۳۔ مومنین کو اللہ سے زیادہ محبت ہے: یعنی مشرکین کو جو اپنے معبودوں سے محبت ہے مومنین کو اپنے اللہ سے اس سے بھی بہت زیادہ اور مستحکم محبت ہے کیونکہ مصائب دنیا میں مشرکین کی بسا اوقات زائل ہو جاتی ہے اور عذاب آخرت دیکھ کر تو بالکل تبری اور بیزاری ظاہر کریں گے جیسا کہ اگلی آیہ میں آتا ہے بخلاف مومنین کے کہ ان کی محبت اپنے اللہ کے ساتھ ہر ایک رنج و راحت مرض و صحت دنیا و آخرت میں برابر باقی اور پائیدار رہنے والی ہے اور نیز اہل ایمان کو جو اللہ سے محبت ہے وہ اس محبت سے بھی بہت زیادہ ہے جو محبت کہ اہل ایمان ماسوی اللہ یعنی انبیاء و اولیاء و ملائکہ و عباد و علماء یا اپنے آبا و اجداد اور اولاد و مال وغیرہ سے رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو اس کی عظمت شان کے موافق با لصالہ اور بالاستقلال محبت رکھتے ہیں اور اوروں سے بالواسطہ اور حق تعالیٰ کے حکم کے موافق ہر ایک کے اندازہ کے مطابق محبت رکھتے ہیں گر فرق مراتب نہ کئی زندیقی خدا اور غیر خدا کو محبت میں برابر کر دینا خواہ وہ کوئی ہو یہ مشرکین کا کام ہے۔

۲۳۴۔ یعنی جن ظالموں نے خدا کے لئے شریک بنائے اگر وہ اس آنے والے وقت کو دیکھ لیں کہ جس وقت ان کو عذاب الہی کا مشاہدہ ہو گا کہ زور سارا اللہ ہی کے لئے ہے عذاب خداوندی سے کوئی نہیں بچا سکتا اور اللہ کا عذاب سخت ہے تو ہر گز اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہوں اور نہ ان سے امید منفعت رکھیں۔

۱۶۶۔ جبکہ بیزار ہو جاویں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ جو انکے پیرو ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب علاقے [۳۳۵]

۱۶۷۔ اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے [۳۳۶] اسی طرح پر دکھائے گا اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں مارتے [۳۳۷]

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا  
الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ  
مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ  
أَعْبَالَهُمْ حَسْرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ  
مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

۲۳۵۔ مشرکین کی اپنے معبودوں سے بیزاری: یعنی وہ وقت ایسا ہو گا کہ بیزار ہو جائیں گے متبوع اپنے تابعداروں سے اور بت پرست اور بتوں میں کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے گا عذاب الہی دیکھ کر۔

۲۳۶۔ اور مشرکین اس وقت کہیں گے کہ اگر کسی طرح ہم کو پھر دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے اپنا انتقام لیں اور جیسا یہ آج ہم سے جدا ہو گئے ہم بھی ان کو جواب دے کر جدا ہو جائیں لیکن اس آرزو محال سے بجز افسوس کچھ نفع نہ ہو گا۔

۲۳۷۔ مشرکوں کے اعمال حسرت بن جائیں گے: یعنی جیسے مشرکین کو عذاب الہی اور اپنے معبودوں کی بیزاری دیکھ کر سخت حسرت ہو گی اسی طرح پر ان کے جملہ اعمال کو حق تعالیٰ ان کے لئے موجب حسرت بنا دے گا کیونکہ حج و عمرہ اور صدقات و خیرات جو اچھی باتیں کی ہوں گی وہ سب تو بسبب شرک مردود ہو جائیں گی اور شرک و گناہ جس قدر کئے ہوں گے ان کا بدلہ عذاب ملے گا تو اب ان کے بھلے اور برے اعمال سب کے سب موجب حسرت ہوں گے کسی عمل سے کچھ نفع نہ ہو گا اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، بخلاف موحدین اور اہل ایمان کے کہ اگر بسبب معاصی دوزخ میں جائیں گے تو انجام کار نجات پائیں گے۔

۱۶۸۔ اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیرو نہ کرو شیطان کی [۳۳۸] بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَ  
لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ  
مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾

۱۶۹۔ وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو کہ برے کام اور بیجیائی کرو اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جنکو تم نہیں جانتے [۳۳۹]

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَاءِ وَ أَنْ تَقُولُوا  
عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

۲۳۸۔ اہل عرب بت پرستی کرتے تھے اور بتوں کے نام پر سانڈ بھی چھوڑتے تھے اور ان جانوروں سے نفع اٹھانا حرام سمجھتے تھے اور یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے کیونکہ تحلیل و تحریم کا منصب اللہ کے سوا کسی کو نہیں اس بارہ میں کسی کی بات ماننی گویا اس کو اللہ کا شریک بنانا ہے اس لئے پہلی آیات میں شرک کی خرابی بیان فرما کر اب تحریم حلال سے ممانعت کی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے اس میں سے کھاؤ بشرطیکہ وہ شرعاً حلال و طیب ہونہ توفی نفسہ حرام ہو جیسے مردار اور خنزیر اور مَا أَهْلًا بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ (جن جانوروں پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے اور اس کی قربت مقصود ان جانوروں کے ذبح سے ہو) اور نہ کسی امر عارضی سے اُس میں حرمت آگئی ہو جیسے غضب چوری رشوت سود کمال کہ ان سب سے اجتناب ضروری ہے اور شیطان کی بیرونی ہرگز نہ کرو کہ جس کو چاہا حرام کر لیا جیسے بتوں کے نام کے سانڈ وغیرہ اور جس کو چاہا حلال کر لیا جیسے مَا أَهْلًا بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ وغیرہ۔

۲۳۹۔ یعنی مسئلے اور احکام شرعیہ اپنی طرف سے بنا لوجیسا کہ بہت سے مواقع میں دیکھا جاتا ہے کہ مسائل جزئیہ سے گذر کر امور اعتقادیہ تک نصوص شرعیہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے احکام تراشے جاتے ہیں اور نصوص قطعیہ اور اقوال سلف کی تحریف اور تغلیط کرتے ہیں۔

۱۷۰۔ اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ ہی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ [۲۴۰/۱]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٤٠﴾

۱۷۱۔ اور مثال ان کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے اور چلانے کے [۲۴۰/۲] بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے [۲۴۱]

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الدِّمِيِّ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۗ صُمُّ بكم عُمىٰ فهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٤١﴾

۲۴۰/۱۔ باپ دادوں کا اتباع: یعنی حق تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کا اتباع کرتے ہیں اور یہ بھی شرک ہے چنانچہ بعض جہال مسلمان بھی ترک نکاح بیوگان وغیرہ رسوم باطلہ میں ایسی بات کہہ گذرتے ہیں اور بعض زبان سے گو نہ کہیں مگر عمل درآمد سے ان کے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے سو یہ بات اسلام کے خلاف ہے۔

۲۴۰/۲۔ کفار کی مثال: یعنی ان کافروں کو راہ ہدایت کی طرف بلانا ایسا ہے جیسے کوئی جنگل کے جانوروں کو بلانے کہ وہ سوائے آواز کے کچھ نہیں سمجھتے یہی حال ان لوگوں کا ہے جو خود علم نہ رکھیں اور نہ علم والوں کی بات قبول کریں۔

۲۴۱۔ یعنی یہ کفار گویا بہرے ہیں جو حق بات بالکل نہیں سنتے گونگے ہیں جو حق بات نہیں کہتے اندھے ہیں جو راہ مستقیم نہیں دیکھتے سو وہ کچھ نہیں سمجھتے کیونکہ جب ان کے ہر سہ توئی مذکورہ فاسد ہو گئے تو تحصیل علم و فہم کی اب کیا صورت ہو سکتی ہے۔

۱۷۲۔ اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو [۲۳۲]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۷۲﴾

۱۷۳۔ اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور [۲۳۳] اور لہو [۲۳۴] اور گوشت سور کا [۲۳۵] اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا [۲۳۶] پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں [۲۳۷] بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان [۲۳۸]

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْبَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ

وَمَا أَهْلَ بِهِ لِيُغَيِّرِ اللَّهُ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا

عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾

۲۳۲۔ مسلمانوں کو اکل حلال کا حکم: اکل طيبات کا حکم اوپر گزر چکا تھا لیکن مشرکین چونکہ شیطان کی بیروی سے باز نہیں آتے اور احکام اپنی طرف سے بنا کر اللہ کے اوپر لگاتے ہیں اور اپنے رسوم باطلہ آبائی کو نہیں چھوڑتے اور حق بات سمجھنے کی ان میں گنجائش ہی نہیں تو اب ان سے اعراض فرما کر خاص مسلمانوں کو اکل طيبات کا حکم فرمایا گیا اور اپنا انعام ظاہر کر کے ادائے شکر کا امر کیا گیا اس میں اہل ایمان کے مقبول اور مطیع ہونے کی جانب اور مشرکین کے مردود و معتب و نافرمان ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا۔

۲۳۳۔ حرام چیزوں کی تفصیل: مردار وہ ہے کہ خود بخود مر جائے اور ذبح کی نوبت نہ آئے یا خلاف طریقہ شرعیہ اس کو ذبح یا شکار کیا جائے مثلاً گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل و بندوق سے مارا جائے یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے یا درندہ پھاڑ ڈالے یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو ترک کیا جائے کہ یہ سب مردار اور حرام ہیں البتہ دو جانور مردار بحکم حدیث شریف اس حرمت سے مستثنیٰ اور ہم کو حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی۔

۲۳۴۔ حرام چیزوں کی تفصیل: اور خون سے مردار وہ خون ہے جو رگوں سے بہتا ہے اور ذبح کے وقت نکلتا ہے اور جو خون کہ گوشت پر لگا رہتا ہے وہ حلال اور پاک ہے اگر گوشت کو بغیر دھوئے ہوئے پکا لیا جائے تو اس کا کھانا درست ہے البتہ نظافت کے خلاف ہے اور کلبجی اور تلی کہ خون منجمد ہیں بحکم حدیث شریف حلال ہیں۔

۲۳۵۔ حرام چیزوں کی تفصیل: اور خنزیر زندہ ہو یا مردہ باقاعدہ شریعت کے موافق ذبح کر لیا جائے ہر حال میں حرام ہے اور اس کے تمام اجزاء گوشت پوست چربی ناخن بال ہڈی پٹھانا پاک اور ان سے نفع اٹھانا اور کسی کام میں لانا حرام ہے اس موقع پر چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے اس لئے فقط گوشت کا حکم بتلایا گیا مگر اس پر سب کا اجماع ہے کہ خنزیر جو کہ بے غیرتی اور بے حیائی اور حرص اور رغبت الی التجاسات میں سب جانوروں میں بڑھا ہوا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت فاجر جس فرمایا بلاشک نجس العین ہے نہ اس کا کوئی جزو پاک اور نہ کسی قسم کا انتفاع اس سے جائز جو لوگ کثرت سے اس کو کھاتے ہیں اور اس کے اجزاء سے نفع اٹھاتے ہیں ان تک میں اوصاف مذکورہ واضح طور پر مشاہدہ ہوتے ہیں۔

۲۳۶۔ حرام ذبیحہ کی تفصیل: مَا أَهْلَ بِهِ لِيُغَيِّرِ اللَّهُ کا یہ مطلب ہے کہ ان جانوروں پر اللہ کے سوا بت وغیرہ کا نام پکارا جائے یعنی اللہ کے سوا کسی بت یا جن یا کسی روح خبیث یا پیغمبر کے نام نامزد کر کے اور اس جانور کی جان ان کی نذر کر کے ان کے تقرب یا رضاجوئی کی نیت سے ذبح کیا

جائے اور محض ان کی خوشنودی کی غرض سے اس کی جان نکالنی مقصود ہو کہ ان سب جانوروں کا کھانا حرام ہے گو بوقت ذبح تکبیر پڑھی ہو اور اللہ کا نام لیا ہو کیونکہ جان کو جان آفرین کے سوا کسی دوسرے کے لئے نذر و نیاز کرنا ہرگز درست نہیں اس لئے جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر کی جائے تو اس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مردار میں تو یہی خرابی تھی کہ اس کی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی اور اس کی جان تو غیر اللہ کے نام نامزد کر دی گئی جو عین شرک ہے سو جیسے خنزیر اور کتے پر بوقت ذبح تکبیر کہنے سے حلت نہیں آسکتی اور مردار پر اللہ کا نام لینے سے کوئی نفع نہیں ہو سکتا ایسے ہی جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر اور ان کے نام نامزد کر دی ہو اس پر ذبح کے وقت نام الہی لینے سے ہرگز ہرگز کوئی نفع اور حلت اس میں نہیں آسکتی البتہ اگر غیر اللہ کے نام نامزد کرنے کے بعد اپنی نیت سے ہی توبہ اور رجوع کر کے ذبح کرے گا تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ اگر کسی بادشاہ کے آنے پر اس کی تعظیم کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے یا کسی جن کی اذیت سے بچنے کے لئے اس کے نام کا جانور ذبح کیا جائے یا توپ کے چلنے اور اینٹوں کے پڑاؤ کے پکنے کے لئے بطور بھینٹ جانور ذبح کیا جائے تو وہ جانور بالکل مردار اور حرام اور کرنے والا مشرک ہے اگرچہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لعن اللہ من ذبح لغير الله یعنی جو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کی نیت سے جانور کو ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے ذبح کے وقت اللہ کا نام پاک لے یا نہ لے البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے فقراء کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب یا پیر اور بزرگ کو پہنچا دے یا کسی مردہ کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہیے کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ کے لئے ہرگز نہیں بعضے اپنی کجروی سے یہ حیلہ ایسے مواقع میں بیان کرتے ہیں کہ پیروں کی نیاز وغیرہ میں ہم کو تو یہی مقصود ہوتا ہے کہ کھانا پکا کر مردہ کے نام سے صدقہ کر دیا جائے تو اول تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ کے سامنے جھوٹے حیلوں سے بجز مضرت کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا دوسرے ان سے پوچھا جائے کہ جس جانور کی تم نے غیر خدا کے لئے نذر مانی ہے اگر اسی قدر گوشت اس جانور کے عوض خرید کر اور پکا کر فقیروں کو کھلا دو تو تمہارے نزدیک بے کھلے وہ نذر ادا ہو جاتی ہے یا نہیں اگر بلا تامل تم اس کو کر سکتے ہو اور اپنی نذر میں کسی قسم کا غلغلہ تمہارے دل میں نہیں رہتا تو تم سچے ورنہ تم جھوٹے اور تمہارا یہ فعل شرک اور وہ جانور مردار اور حرام۔ فائدہ: یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیت میں حکم حرمت کو اشیاء مذکورہ میں منحصر کر کے بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشیاء مذکورہ کے سوا کوئی جانور حرام نہیں حالانکہ جملہ درندے اور گدھا اور کتا وغیرہ سب کا کھانا حرام ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ اس حصر سے حکم حرمت کو اشیاء مذکورہ میں منحصر کرنا ہرگز مراد نہیں کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو بلکہ حکم حرمت کو صحت و صداقت کے ساتھ مخصوص فرما کر اس حکم کی جانب مخالف کا بطلان منظور ہے یعنی بس بات یہی ہے کہ یہ چیزیں اللہ پاک نے تم پر حرام فرمادیں اس میں دوسرا احتمال ہی نہیں یعنی ان کا حلال سمجھنا بالکل باطل اور غلط ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حکم حرمت کو اشیاء مذکورہ ہی میں منحصر مانا جائے مگر اس حصر کو اضافی یعنی خاص انہی چیزوں کے لحاظ سے تسلیم کیا جائے جن کو مشرکین نے اپنی طرف سے حرام کر لیا تھا جیسے بھیرہ اور صائبہ وغیرہ جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تو تم پر فقط میت اور خنزیر وغیرہ کو حرام کیا تھا تم جو سانڈ وغیرہ کی تحریم اور تعظیم کے قائل ہو یہ محض تمہارا افتراء ہے باقی رہے درندے اور خبیث جانور ان کے حرام ہونے میں مشرکین کبھی نزاع نہ کرتے تھے۔ سو یہ حصر انہی جانوروں کے لحاظ سے ہے جن کو مشرکین نے خلاف حکم الہی اپنی طرف سے حرام ٹھہرا لیا تھا تمام جہان کے جانوروں سے اس کو کیا تعلق جو اعتراض مذکور کی نوبت آئے۔

۲۴۷۔ مضطر کا حکم: یعنی اشیاء مذکورہ حرام ہیں لیکن جب کوئی بھوک سے مرنے لگے تو اس کو لاچارگی کی حالت میں کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ نافرمانی اور زیادتی نہ کرے نافرمانی یہ کہ مثلاً نوبت اضطرار کی نہ پہنچے اور کھانے لگے اور زیادتی یہ کہ قدر ضرورت سے زائد خوب پیٹ بھر کر کھالے بس اتنا ہی کھائے جس سے مرے نہیں۔

۲۴۸۔ یعنی اللہ پاک تو بڑا بخشنے والا ہے بندوں کے ہر قسم کے گناہوں کو بخش دیتا ہے پھر ایسے لاچار اور مضطر کی بخشش کیسے نہ فرمائے گا اور اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ مجبوری کی حالت میں صاف اجازت دیدی کہ جس طرح بن پڑے اپنی جان بچا لو اصلی حکم ممانعت کا لاچاری کی حالت میں تم پر سے اٹھالیا گیا ورنہ اس مالک الملک کا حق تھا کہ فرمادیتا تمہاری جان جائے یا رہے مگر ہمارے حکم کے خلاف ہرگز نہ کرنا۔ ایک غلجان یہاں یہ بھی ہوتا تھا کہ بھوک سے مرتے ہوئے مضطر بدحواس کو یہ اندازہ کرنا کہ اتنے لقموں سے سدر مق ہو جائے گا اور اس سے زائد ایک لقمہ نہ کھائے محال نہیں تو دشوار تو بہت ہے اس لئے إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ فرما کر اس میں سہولت کر دی۔

۱۷۴۔ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ کیا نازل اللہ نے کتاب [۲۴۹] اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول [۲۵۰] وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ [۲۵۱] اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن [۲۵۲] اور نہ پاک کرے گا ان کو [۲۵۳] اور انکے لئے ہے عذاب دردناک [۲۵۴]

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيُسْتَرُونَ بِهِ شِتَاءَ قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۵۔ یہی ہیں جنہوں نے خرید اگر اہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے [۲۵۴/۱] سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں وہ دوزخ پر [۲۵۴/۲]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۗ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۶۔ یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بیشک ضد میں دور جا پڑے [۲۵۵]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِى شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

۲۴۹۔ حلال و حرام میں یہودیوں کی تعریف: یعنی اللہ نے جو کتاب آسمانی میں حلال و حرام کا حکم بھیجا یہود نے اس کو چھپایا اور اپنی طرف سے بڑھایا گھٹایا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا ایسے ہی حضرت محمد ﷺ کی صفات جو اس میں لکھی تھیں ان کو بھی چھپاتے اور بدلتے تھے اور یہ دونوں سخت گناہ ہیں کیونکہ ان کا مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت اور طریقہ حق کسی کو نصیب نہ ہو سب گمراہ رہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے تو کتاب اور رسول کو ہدایت خلق کے لئے بھیجا تھا سو انہوں نے خدا کے بھی خلاف کیا اور خلق اللہ کو بھی جاہل اور گمراہ بنانا چاہا۔

۲۵۰۔ یعنی اللہ کی نافرمانی اور خلق اللہ کی گمراہی پر بس نہیں کی بلکہ اس حق پوشی کے عوض میں جن کو گمراہ کرتے تھے ان سے الٹا رشوت میں مال بھی لیتے تھے جس کا نام ہدیہ اور نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا حالانکہ یہ حرام خوری مردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی حرکات شنیعہ کی سزا بھی سخت ہوگی جس کو آگے بتلایا جاتا ہے۔

۲۵۱۔ یعنی گو ظاہر نظر میں ان کو وہ مال لذیذ اور نفیس معلوم ہو رہا ہے مگر حقیقت میں وہ آگ ہے جس کو خوش ہو کر اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں جیسا طعام لذیذ میں زہر قاتل ملا ہو اہو کہ کھاتے وقت لذت معلوم ہوتی ہے اور پیٹ میں جا کر آگ لگا دے۔

۲۵۲۔ کفار سے اللہ کے کلام نہ کرنے کا مطلب: اس میں یہ شبہ کسی کو ہو سکتا ہے کہ دیگر آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب باری قیامت کو ان سے خطاب فرمائے گا سو کلام نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ لطف و رحمت کے ساتھ ان سے کلام نہ کیا جائے گا اور بطور تحریف و تذلیل و تہدید و وعید جناب باری ان سے کلام کرے گا۔ جس سے ان کو سخت صدمہ اور غم ہو گا یا یوں کہیے کہ بلا واسطہ ان سے کلام نہ کیا جائے گا اور کلام کرنے کا جو ذکر ہے وہ ملائکہ عذاب کی وساطت سے ہو گا۔ فائدہ: **يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ** کی دھمکی سے یہ امر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر کسی کے دل میں محبت الہی خوب راسخ ہے اگر سردست محسوس نہ ہو تو اس کو ہچمو انگر بزیں خاکستر سمجھنا چاہیے قیامت کو جب کل مواعظ دور ہوں گے تو اس کا ظہور کامل ہو گا کیونکہ اگر یہ نہ ہو تا تو پھر کفار کو یہ دھمکی ایسی ہو گی کہ کوئی اپنے دشمن کو ناخوشی اور اعراض سے ڈرانے لگے جو بالکل بے سود ہے مجاہد جاں نثار اعراض محبوب کو دور جانگذاز سمجھتے ہیں نہ اعدائے معلوم ہوا کہ قیامت کو ہر سینہ اللہ کی محبت سے ایسا لبریز ہو گا کہ یہ بے التفاتی عذاب دوزخ سے بھی بدرجہا زیادہ ان کو جانکاہ معلوم ہو گی۔

۲۵۳۔ مومن اور کافر کی سزا کا فرق: یعنی اہل ایمان کو کتنے ہی گنہگار ہوں مگر دوزخ میں زمانہ معین تک رہ کر اور گناہوں سے پاک ہو کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے بخلاف کفار کے کہ وہ ہمیشہ نار میں رہیں گے اور کبھی پاک ہو کر جنت میں جانے کے قابل نہ ہوں گے امور شرکیہ نے ان کو بمنزلہ نجس العین کے بنا دیا ہے کہ نجاست ان کی کسی طرح دور نہیں ہو سکتی اور مسلمان عاصی کا حال ایسا سمجھئے کہ پاک چیز پر نجاست واقع ہو گئی نجاست زائل ہو کر پھر پاک ہو گیا۔

۲۵۴۔ واقعی اس سے زیادہ اور کیا عذاب الیم ہو گا کہ ظاہر بدن سے بڑھ کر ان کے باطن میں بھی آگ ہو گی اور محبوب حقیقی ان سے ناخوش ہو گا پھر اس مصیبت جانکاہ سے کبھی نجات نہ ملے گی۔ نعوذ باللہ۔

۲۵۴/۱۔ یعنی وہ لوگ بے شک اسی قابل ہیں کیونکہ انہوں نے خود سرمایہ نجات کو غارت کیا اور مگر انہی کو ہدایت کے مقابلہ میں پسند اور اختیار کیا اور اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو منظور کیا۔

۲۵۴/۲۔ یعنی اپنی خوشی سے موجبات دخول نار کو اختیار کرتے ہیں گویا آگ ان کو نہایت مرغوب اور محبوب ہے کہ اپنی جان و مال کے بدلے اس کو خرید رہے ہیں ورنہ سب جانتے ہیں کہ عذاب نار پر صبر کرنا کیسا ہے۔

۲۵۵۔ یعنی ضلالت کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خریدنے کی دلیل یا ان پر عذابات مذکورہ سابقہ کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب سچی نازل فرمائی انہوں نے اس کے خلاف کیا اور طرح طرح کے اختلاف اس میں ڈالے اور خلاف اور دشمنی میں دور جا پڑے یعنی بڑا خلاف کیا یا طریقہ حق سے دور ہو گئے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کا صابر علی النار ہونا چونکہ بدیہی البطلان نظر آتا تھا۔ اس لئے لفظ ذلک سے اخیر تک اس کے جواب کی طرف اشارہ فرما دیا فافہم۔

۱۷۷۔ نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی [۲۵۶] لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَالْأَخْرَ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى  
الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَ

اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت [۲۵۷] یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار [۲۵۸]

الْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَالسَّائِلِينَ وَفِي  
الرِّقَابِ ۗ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۗ وَالْمُوفُونَ  
بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۗ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَ  
الضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۗ  
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

۲۵۶۔ جب آیات سابقہ اپنی برائی میں سنیں تو یہود و نصاریٰ کہنے لگے کہ ہم میں تو بہت سے اسباب و آثار ہدایت و مغفرت موجود ہیں ایک کھلی بات یہی ہے کہ ہم جس قبلہ کی طرف منہ کرنے کے مامور ہیں اس کی طرف متوجہ ہو کر نماز جو افضل عبادت ہے اس کو اللہ کے حکم کے موافق ادا کرتے ہیں پھر ان خرابیوں اور عذاب کے ہم کیسے مستحق ہو سکتے ہیں اس خیال کی تردید میں فرمایا جاتا ہے کہ بڑی نیکی جو مغفرت اور ہدایت کے لئے کافی ہو یہ نہیں کہ تم صرف اپنا منہ نماز میں مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا کرو اور عقائد و اعمال ضروریہ کی پروا بھی نہ کرو۔

۲۵۷۔ نیکی اور برے کے جواب: یعنی نیکی اور بھلائی جو اثر ہدایت اور سبب مغفرت ہو یہ ہے کہ اللہ اور روز قیامت اور جملہ ملائکہ اور کتاب آسمانی اور انبیاء پر دل سے ایمان لائے اور ان پر یقین کرے اور باوجود محبت اور رغبت کے اپنے مال کو علاوہ زکوٰۃ کے قریبوں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں اور سانلوں کو جو کہ محتاج ہوں دے اور گردنیں چھڑانے میں یعنی مسلمان جس کو کفار نے ظلماً قید کر لیا ہو اس کی رہائی میں یا مقروض کو قرض خواہ سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرنے میں یا غلام مکاتب کو خلاصی دلانے میں مال دیوے اور نماز کو خوب درستی کے ساتھ پڑھے اور چاندی اور سونے اور جملہ اموال تجارت میں سے زکوٰۃ دے اور اپنے عہد و قرار کو پورا کرے اور فقر و فاقہ اور بیماری اور تکلیف اور خوف کی حالت میں صبر و استقلال سے رہے اور یہود و نصاریٰ چونکہ ان عقائد اور اعمال و اخلاق میں قاصر اور ناقص تھے اور طرح طرح سے ان میں خلل اندازی کرتے تھے جیسا کہ آیات قرآنی میں اس کا ذکر ہے تو اب یہود یا نصاریٰ کا صرف اپنے استقبال قبلہ پر ناز کرنا اور اپنے آپ کو طریقہ ہدایت پر مستقیم سمجھنا اور مستحق مغفرت کہنا یہودہ خیال ہے تا وقتیکہ ان اعتقادات اور اخلاق و اعمال پر قائم نہ ہوں گے جو اس آئیہ کریمہ میں بالتفصیل مذکور ہیں صرف استقبال قبلہ سے نہ ہدایت نصیب ہو سکتی ہے نہ عذاب الہی سے نجات مل سکتی ہے۔

۲۵۸۔ یعنی جو لوگ اعتقادات و اخلاق و اعمال مذکورہ کے ساتھ متصف ہیں وہی لوگ سچے ہیں اعتقادات اور ایمان اور دین میں یا اپنے قول و قرار میں اور وہی لوگ پرہیزگار اور متقی ہیں اپنے اخلاق اور اعمال میں یا بچنے والے ہیں گناہ اور بری باتوں سے یا عذاب الہی سے اہل کتاب کہ جن کو ان خوبیوں میں سے ایک بھی میسر نہیں ان کا اپنی نسبت ایسا خیال کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

۱۷۸۔ اے ایمان والو فرض ہو اتم پر (تقصاص) برابری کرنا مقتولوں میں [۲۵۹] آزاد کے بدلے آزاد [۲۶۰] اور غلام کے بدلے غلام [۲۶۱] اور عورت کے بدلے عورت [۲۶۲] پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي  
الْقَتْلِ ۗ الْحَرُّ بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ۗ وَالْأُنثَىٰ  
بِالْأُنثَىٰ ۗ فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ



طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہئے اس کو خوبی کے ساتھ [۲۶۳] یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی [۲۶۴] پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک [۲۶۵]

بِالْبَعْرُوفِ وَ اَدَاءِ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ  
تَخْفِيفٌ مِّنْ رَبِّكَمْ وَرَحْمَةٌ فَمِنْ اَعْتَدَى بَعْدَ  
ذٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۹۔ اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو [۲۶۶] تاکہ تم بچتے رہو [۲۶۷]

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ  
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

۲۵۹۔ قصاص میں برابری کا حکم: زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے حق تعالیٰ نے اس آیہ میں حکم دیا کہ اے ایمان والو ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر دیا قصاص کے معنی لغت میں برابری اور مساوات کے ہیں تم نے یہ دستور نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو یہ لغو ہے جائیں سب کی برابر ہیں غریب ہو یا امیر شریف ہو یا رذیل عالم و فاضل ہو یا جاہل جو ان ہو یا بوڑھا اور بچہ تندرست ہو یا بیمار قریب المرگ صحیح الاعضاء ہو یا اندھا لنگڑا۔ فائدہ پہلی آیہ میں نیکی اور برّ کے اصول مذکور تھے جن پر مدار ہدایت و مغفرت تھا اور اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اہل کتاب ان خوبیوں سے بے بہرہ ہیں اور بالتصریح فرمادیا تھا کہ دین میں سچا اور متقی بدون ان خوبیوں کے کوئی نہیں ہو سکتا تو اب اہل اسلام کے سوانہ اہل کتاب اس کے مصداق بن سکتے ہیں نہ جہاں عرب، اس لئے اب سب سے اعراض فرما کر خاص اہل ایمان کو مخاطب بنایا جاتا ہے اور نیکی و برّ کے مختلف فروع عبادات جانی و مالی اور معاملات مختلفہ ان کو بتلاتے ہیں کہ ان فروع کو وہی کر سکتا ہے جو اصول مذکورہ سابقہ پر پختہ ہو گیا اور لوگ اس خطاب کے قابل بھی نہ سمجھے گئے جو ان کو سخت عار کا باعث ہونا چاہئے اب جو احکام فروعی بالتفصیل بیان کئے جاتے ہیں۔ درحقیقت تو ان سے اہل ایمان کی ہدایت اور تعلیم مقصود ہے مگر ضمناً کہیں صاف کہیں تعریضاً دوسروں کی خرابی پر بھی متنبہ کیا جائے گا مثلاً کُنْتَبَ عَلَیْكُمْ الْقِصَاصُ فِي الْاَنْتَتَلٰی میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہود وغیرہ نے جو قصاص میں دستور کر لیا ہے یہ ان کا ایجاد ہے بنیاد خلاف حکم الہی ہے جس سے ظاہر ہو گیا کہ اصول فرمودہ سابقہ میں سے نہ ان کو ایمان بالکتاب صحیح طور سے حاصل ہے نہ ایمان بالانبیاء نہ عہد خداوندی کو انہوں نے وفا کیا اور نہ سختی اور مصیبت کی حالت میں انہوں نے صبر سے کام لیا اور نہ اپنے کسی عزیز و قریب کے مقتول ہونے پر اس قدر بے صبری اور نفسانیت نہ کرتے کہ فرمان خداوندی اور ارشاد انبیاء اور حکم کتاب سب کو چھوڑ کر بے گناہوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔

۲۶۰۔ قصاص کے احکام: یہ توضیح ہے اس برابری کی جس کا حکم ہو مطلب یہ ہے کہ ہر مرد آزاد کے قصاص میں صرف وہی ایک آزاد مرد قتل کیا جاسکتا ہے جو اس کا قاتل ہے یہ نہیں کہ ایک کے عوض قاتل کے قبیلہ سے کیف ما اتفق دو کو یا زیادہ کو قتل کرنے لگو۔

۲۶۱۔ یعنی ہر غلام کے بدلے میں وہی غلام قتل کیا جائے گا جو قاتل ہے یہ نہ ہو گا کہ کسی شریف کے غلام کے قصاص میں قاتل کو جو کہ غلام ہے اس کو چھوڑ کر ان رذیل لوگوں میں سے کہ جن کے غلام نے قتل کیا ہے کسی آزاد کو قتل کیا جائے۔

۲۶۲۔ یعنی ہر ایک عورت کے قصاص میں صرف وہی عورت قتل کی جاسکتی ہے جس نے اس کو قتل کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شریف النسب عورت

کے قصاص میں رذیل عورت کو چھوڑ کر جو کہ قاتلہ ہے کسی مرد کو ان میں سے قتل کرنے لگیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر آزاد دوسرے آزاد کے اور ہر غلام دوسرے غلام کے برابر ہے سو حکم قصاص میں مساوات چاہیے اور تعدی جو اہل کتاب اور جہال عرب کرتے تھے ممنوع ہے۔ فائدہ: اب باقی رہا یہ امر کہ آزاد کسی غلام کو یا مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا یا نہیں سو یہ آئیہ کریمہ اس سے ساکت ہے اور ائمہ کا اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ آیہ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اور حدیث المسلمون تتنكفوا فمأءهم سے اس کے قائل ہیں کہ ہر دو صورت مذکورہ میں قصاص ہو گا اور جیسے قوی اور ضعیف صحیح اور مریض معذور اور غیر معذور وغیرہ حکم قصاص میں برابر ہیں ایسے ہی آزاد اور غلام مرد اور عورت کو امام ابو حنیفہ قصاص میں برابر فرماتے ہیں بشرطیکہ غلام مقتول قاتل کا غلام نہ ہو کہ وہ حکم قصاص سے ان کے نزدیک مستثنیٰ ہے اور اگر کوئی مسلمان کافر ذمی کو قتل کر ڈالے تو اس پر بھی قصاص ہو گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک البتہ مسلمان اور کافر عربی میں کوئی قصاص کا قائل نہیں۔

۲۶۳۔ یعنی مقتول کے وارثوں میں سے اگر بعض بھی خون کو معاف کر دیں تو اب قاتل کو قصاص میں قتل تو نہیں کر سکتے بلکہ دیکھیں گے کہ ان وارثوں نے معاف کس طرح پر کیا ہے بلا معاوضہ مالی محض ثواب کی غرض سے معاف کیا ہے یا دیت شرعی اور بطور مصالحت کسی مقدر مال پر راضی ہو کر صرف قصاص سے دست برداری کی ہے اول صورت میں قاتل ان وارثوں کے مطالبہ سے بالکل سبکدوش ہو جائے گا اور دوسری صورت میں قاتل کو چاہیے کہ وہ معاوضہ اچھی طرح مومنیت اور خوشدلی کے ساتھ ادا کرے۔

۲۶۴۔ یہ اجازت کہ قتل عمد میں چاہو تو قصاص لو چاہو دیت لو چاہو معاف کر دو اللہ کی طرف سے سہولت اور مہربانی ہے قاتل اور وارثان مقتول دونوں پر جو پہلے لوگوں پر نہ ہوئی تھی کہ یہودیہ پر خاص قصاص اور نصاریٰ پر دیت یا عنفو مقرر تھا۔

۲۶۵۔ یعنی اس تخفیف اور رحمت کے بعد بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا اور دستور جاہلیت پر چلے گا یا معافی اور دیت قبول کر لینے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا تو اس کے لئے سخت عذاب ہے آخرت میں یا ابھی اس کو قتل کیا جائے گا۔

۲۶۶۔ قصاص میں زندگی ہے: یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگرچہ بھاری معلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رکے گا تو دونوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اس کو قتل کر ڈالتے تھے اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قصاص قاتل کے حق میں باعث حیات اخروی ہے۔

۲۶۷۔ یعنی بچتے رہو قصاص کے خوف سے کسی کو قتل کرنے سے یا بچو قصاص کے سبب عذاب آخرت سے یا اس لئے کہ تم کو حکم قصاص کی حکمت معلوم ہو گئی ہے تو اس کی مخالفت یعنی ترک قصاص سے بچتے رہو۔

۱۸۰۔ فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا مال باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیز گاروں پر [۲۶۸]

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۗ

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۗ ط

۱۸۱۔ پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے جو سن چکا تو اس کا گناہ انہی پر جنہوں نے اس کو بدلا بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۲۶۹]

فَبَنْ بَدَلَهُ بَعْدَ مَا سَبِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى  
الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۲۔ پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں [۲۷۰] بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے [۲۷۱]

فَبَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْبًا فَاصْدَحْ  
بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸۲﴾

۲۶۸۔ وصیت کی فرضیت کا بیان: پہلا حکم قصاص یعنی مردہ کی جان کے متعلق تھا یہ دوسرا حکم اس کے مال کے متعلق ہے اور کلیات مذکورہ سابقہ میں جو وَآتَى النَّسَاءَ عَلَى حُبِّهِ ذَوَى الْقُرْبَى ارشاد ہوا تھا اس کی تشریح ہے لوگوں میں دستور تھا کہ مردہ کا تمام مال اسکی بیوی اور اولاد بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا ماں باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ دینا چاہیے مرنے والے پر اسی کے موافق وصیت فرض ہوئی اور یہ وصیت اس وقت فرض تھی جس وقت تک آیت میراث نہیں اتری تھی جب سورہ نساء میں احکام میراث نازل ہوئے سب کا حصہ خدا تعالیٰ نے آپ معین فرمادیا اب ترکہ میت میں وصیت فرض نہ رہی اس کی حاجت ہی جاتی رہی البتہ مستحب ہے مگر وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اور تہائی ترکہ سے زائد نہ ہو ہاں اگر کسی شخص کے متعلق دیون اور ودائع وغیرہ داد و ستد کا جھگڑا ہو اس پر وصیت اب بھی فرض ہے۔

۲۶۹۔ وصیت کے احکام: یعنی مردہ تو وصیت انصاف کے ساتھ مرا تھا مگر دینے والوں نے اس کی تعمیل نہ کی تو مردہ پر کوئی گناہ نہیں وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو اور وہی لوگ گناہگار ہوں گے بیشک حق تعالیٰ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔

۲۷۰۔ یعنی اگر کسی کو مردہ کی طرف سے یہ اندیشہ یا علم ہو کہ اس نے کسی وجہ سے غلطی کھائی اور کسی کی بے جارحیت کی یادیدہ و دانستہ خلاف حکم الہی دے گیا۔ پس اس شخص نے اہل وصیت اور وارثوں میں حکم شریعت کے مطابق صلح کرادی تو اس کو کچھ گناہ نہ ہو گا وصیت میں یہ تغیر و تبدل جائز اور بہتر ہے۔

۲۷۱۔ یعنی حق تعالیٰ تو گناہگاروں کی بھی مغفرت فرماتا ہے تو جس نے اصلاح کی غرض سے ایک برائی سے سب کو ہٹایا اس کی مغفرت تو ضرور فرمائے گا یا یوں کہو کہ بخشنے والا ہے وصیت کرنے والے کو جس نے وصیت ناجائز کی تھی مگر پھر سمجھ کر اس وصیت سے اپنی زندگی ہی میں پھر گیا۔

۱۸۳۔ اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر [۲۷۲] تاکہ تم پر ہیز گار ہو جاؤ [۲۷۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا  
كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۴۔ چند روز ہیں گنتی کے [۲۷۴] پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے [۲۷۵] اور جن کو طاقت ہے روزہ کی انکے ذمہ بدلا ہے

أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ  
عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ وَعَلَى الَّذِينَ

ایک فقیر کا کھانا [۲۷۶] پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اسکے واسطے [۲۷۷] اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو [۲۷۸]

يُطِيقُونَهُ فِدْيَةً طَّعَامُ مَسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ طَّ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٦٨٣﴾

۲۷۲۔ روزہ کی فریضیت اور حکمت: یہ حکم روزہ کے متعلق ہے جو ارکان اسلام میں داخل ہے اور نفس کے بندوں ہو پرستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے اس لئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور یہ حکم حضرت آدمؑ کے زمانہ سے اب تک برابر جاری ہے گو تعیین ایام میں ہو اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اس کا ایک بڑا رکن ہے حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔

۲۷۳۔ روزہ کی فریضیت اور حکمت: یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اس کو ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکو گے اور روزہ سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف آئے گا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل ہو جائے اور متقی بن جاؤ، جاننا چاہیے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کے موافق ان میں اپنی رائے سے تغیر و تبدل کیا تو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ میں ان پر تعریض ہے معنی یہ ہونگے کہ اے مسلمانو تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود و نصاریٰ کے اس حکم میں خلل نہ ڈالو۔

۲۷۴۔ روزے کے احکام: یعنی چند روز گنتی کے جو زیادہ نہیں روزہ رکھو اور اس سے رمضان کا مہینہ مراد ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔

۲۷۵۔ پھر اس مدت قلیل میں بھی اتنی سہولت اور فرمادی گئی کہ جو بیمار ایسا ہو کہ روزہ رکھنا دشوار ہو یا مسافر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ روزے نہ رکھے اور جتنے روزے کھائے اتنے ہی رمضان کے سوا اور دنوں میں روزے رکھ لے خواہ ایک ساتھ یا متفرق کر کے۔

۲۷۶۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی تو طاقت رکھتے ہیں مگر ابتدا میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی اس لئے ایک ماہ کامل پے درپے روزے رکھنا ان کو نہایت شاق تھا تو ان کے لئے یہ سہولت فرمادی گئی تھی کہ اگرچہ تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر صرف عادت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو اب تم کو اختیار ہے چاہو روزہ رکھو چاہو روزہ کا بدلہ دو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ کیونکہ جب اس نے ایک دن کا کھانا دوسرے کو دے دیا تو گویا اپنے نفس کو ایک روز کے کھانے سے روک لیا اور فی الجملہ روزہ کی مشابہت ہو گئی پھر جب وہ لوگ روزہ کے عادی ہو گئے تو یہ اجازت باقی نہ رہی جس کا بیان اس سے اگلی آیت میں آتا ہے اور بعض اکابر نے طعام مسکین سے صدقۃ الفطر بھی مراد لیا ہے معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کے کھانے کی مقدار اس کو دے دیں جس کی مقدار شرع میں گیبوں کا آدھا صاع اور جو کا پورا صاع ہے تو اب یہ آیت منسوخ نہ ہو گی اور جو لوگ اب بھی یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے روزہ رمضان میں رکھ لے اور جس کا جی چاہے فدیہ پر قناعت کرے خاص روزہ ہی رکھے یہ حکم نہیں وہ یا جاہل ہیں یا بے دین۔

۲۷۷۔ یعنی اگر ایک دن کے کھانے سے زیادہ ایک مسکین کو دے یا کئی مسکینوں کا پیٹ بھر دے تو سبحان اللہ بہت ہی بہتر ہے۔

۲۷۸۔ یعنی اگر تم کو روزہ کی فضیلت اور حکمت اور منافع معلوم ہوں تو جان لو کہ روزہ رکھنا فدیہ مذکورہ کے دینے سے بہتر ہے اور روزہ رکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى  
لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ  
شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا  
أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ  
بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۗ وَلِتُكَبِّرُوا  
الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَيْكُم ۗ وَلَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵۔ مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کو اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی [۲۷۹] سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اسکے [۲۸۰] اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیے اور دنوں سے [۲۸۱] اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو [۲۸۲]

۲۷۹۔ رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے: حدیث میں آیا ہے کہ صحف ابراہیمی اور توریت اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا اور قرآن شریف بھی رمضان کی چوبیسویں رات میں لوح محفوظ سے اول آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسب احوال آپ پر نازل ہوتا رہا اور ہر رمضان میں جبرئیل قرآن نازل شدہ آپ کو مکرر سنا جاتے تھے ان سب حالات سے مہینے رمضان کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت اور خصوصیت خوب ظاہر ہو گئی اس لئے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئی پس قرآن کی خدمت اس مہینے میں خوب اہتمام سے کرنی چاہیے کہ اسی واسطے مقرر اور معین ہوا ہے۔

۲۸۰۔ روزے کے مسائل: یعنی جب اس ماہ مبارک کے فضائل مخصوصہ عظیمہ تم کو معلوم ہو چکے تو اب جس کسی کو یہ مہینہ ملے اس کو روزہ ضرور رکھنا چاہیے اور بغرض سہولت ابتداء میں جو فدیہ کی اجازت برائے چندے دی گئی تھی وہ موقوف ہو گئی۔

۲۸۱۔ اس حکم عام سے یہ سمجھ میں آتا تھا کہ شاید مریض اور مسافر کو بھی افطار و قضا کی اجازت باقی نہیں رہی اور جیسے روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والوں کو اب افطار کی ممانعت کر دی گئی ایسے ہی مسافر اور مریض کو بھی ممانعت ہو گئی ہو اس لئے مریض و مسافر کی نسبت پھر صاف فرما دیا کہ ان کو رمضان میں افطار کرنے اور اور دنوں میں اس کے قضا کرنے کی اجازت اسی طرح باقی ہے جیسے تھی۔

۲۸۲۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو اول رمضان میں روزہ کا حکم فرمایا اور بوجہ عذر پھر مریض اور مسافر کو افطار کرنے کی اجازت دی اور دیگر اوقات میں ان دنوں کے شمار کے برابر روزوں کا قضا کرنا تم پر پھر واجب فرمایا ایک ساتھ ہونے یا متفرق ہونے کی ضرورت نہیں تو اس میں اس کا لحاظ ہے کہ تم پر سہولت رہے دشواری نہ ہو اور یہ بھی منظور ہے کہ تم اپنے روزوں کا شمار پورا کر لیا کرو ثواب میں کمی نہ آجائے اور یہ بھی مد نظر ہے کہ تم اس طریقہ سراسر خیر کی ہدایت پر اپنے اللہ کی بڑائی بیان کرو اور اس کو بزرگی سے یاد کرو اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان نعمتوں پر تم شکر کرو اور شکر کرنے والوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ سبحان اللہ روزہ جیسی مفید عبادت ہم پر واجب فرمائی اور مشقت و تکلیف کی حالت میں سہولت بھی فرمادی اور فراغت کے وقت میں اس نقصان کے جبر کا طریقہ بھی بتلادیا۔

۱۸۶۔ اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تا کہ نیک راہ پر آئیں [۲۸۳]

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ  
دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۗ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَ  
لِيُؤْمِنُوا بِی لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۷۸۶﴾

۲۸۳۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے قریب ہے: شروع میں یہ حکم تھا کہ رمضان میں اول شب میں کھانے پینے اور عورتوں کے پاس جانے کی اجازت تھی مگر سونے کے بعد ان چیزوں کی ممانعت تھی بعض لوگوں نے اس کے خلاف کیا اور سونے کے بعد عورتوں سے قربت کی پھر آپ ﷺ سے آکر عرض کیا اور اپنے قصور کا اقرار اور ندامت کا اظہار کیا اور توبہ کی نسبت آپ سے سوال کیا تو اس پر یہ آیت اتری کہ تمہاری توبہ قبول کی گئی اور احکام خداوندی کی اطاعت کی تاکید فرمادی گئی اور حکم سابق منسوخ فرما کر آئندہ کو اجازت دے دی گئی کہ تمام شب رمضان میں صبح صادق سے پہلے کھانا وغیرہ تم کو حلال ہے جس کا ذکر اس کے بعد کی آیت میں آتا ہے اور آیت سابقہ میں جو بندوں پر سہولت اور عنایت کا ذکر تھا اس قرب و اجابت و اباحت سے اس کی بھی خوب تاکید ہو گئی۔ اور ایک تعلق کی وجہ یہ بھی ہے کہ پہلی آیت میں تکبیر اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم تھا آپ ﷺ سے بعض نے پوچھا کہ ہمارا رب دور ہے تو ہم اس کو پکاریں یا نزدیک ہے تو آہستہ بات کریں۔ اس پر یہ آیت اتری یعنی وہ قریب ہے ہر ایک بات سنتا ہے آہستہ ہو یا پکار کر اور جن موقعوں میں پکار کر تکبیر کہنے کا حکم ہے وہ دوسری وجہ سے یہ نہیں کہ وہ آہستہ بات کو نہیں سنتا۔

۱۸۷۔ حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے [۲۸۳] وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو اکی [۲۸۵] اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے [۲۸۶] سو معاف کیا تم کو اور درگزر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے [۲۸۷] اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدادھاری سیاہ سے [۲۸۸] پھر پورا کرو روزہ کو رات تک [۲۸۹] اور نہ ملو عورتوں سے جب تک تم اعتکاف کرو مسجدوں میں [۲۹۰] یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سوائے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں [۲۹۱]

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ  
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ  
أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ  
وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْتَمِسُوا مِنْهُنَّ وَأَتَّعُوا مَا  
كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ  
لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ  
الْفَجْرِ ۗ ثُمَّ أَتُوا الصِّيَامَ إِلَى الْيَلِّ ۚ وَلَا  
تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عِكْفُونَ ۚ فِي الْمَسْجِدِ ۚ

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۴﴾

۲۸۴۔ رمضان کی راتوں میں مباشرت کی اجازت: رمضان کی رات میں جو نیند کے بعد کھانا پینا عورت کے پاس جانا حرام تھا اس میں بھی سہولت کر دی گئی اب تمام رات میں جب چاہو عورتوں کے ساتھ اختلاط کرو۔

۲۸۵۔ لباس اور پوشاک سے غرض غایت اتصال و اختلاط ہے یعنی جس طرح بدن سے کپڑے لگے اور ملے ہوتے ہیں اسی طرح مرد اور عورت آپس میں ملتے ہیں۔

۲۸۶۔ اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سونے کے بعد عورتوں کے پاس جا کر بوجہ مخالفت حکم الہی تم اپنے آپ کو گنہگار بناتے ہو جس سے تمہارے نفس مستحق عتاب ہوتے ہیں اور ان کے ثواب میں نقصان پڑتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم کو معاف فرمایا اور آئندہ کو اجازت فرمادی۔

۲۸۷۔ مجامعت کی غرض و غایت: یعنی لوح محفوظ میں جو اولاد اللہ نے مقدر فرمادی ہے عورتوں کی مباشرت سے وہ مطلوب ہونی چاہیے محض شہوت رانی مقصود نہ ہو اور اس میں عزل کی کراہت اور لواطت کی ممانعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۲۸۸۔ روزے اور اعتکاف کے مسائل: یعنی جیسے رات بھر مجامعت کی اجازت دی گئی اسی طرح رمضان کی رات میں تم کو کھانے اور پینے کی بھی اجازت ہے صبح صادق تک۔

۲۸۹۔ یعنی طلوع صبح صادق سے رات تک روزہ کو پورا کرو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کئی روزے متصل رکھنے اس طرح پر کہ رات کو بھی افطار کی نوبت نہ آئے مکروہ ہے۔

۲۹۰۔ یعنی روزہ میں تورات کو مباشرت کی اجازت ہے مگر اعتکاف میں رات دن کسی وقت عورت کے پاس نہ جائے۔

۲۹۱۔ روزہ اور اعتکاف کے متعلق جو حکم دربارہ حلت و حرمت مذکور ہوئے یہ قاعدے اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں ان سے ہرگز باہر نہ ہونا بلکہ ان کے قریب بھی نہ جانا یا یہ مطلب ہے کہ اپنی رائے یا کسی حجت سے ان میں سر مو تقادت نہ کرنا۔

۱۸۸۔ اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق [۲۹۲] اور نہ پہنچاؤ انکو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے [۲۹۳]

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا

بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ

بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

۲۹۲۔ مال ناحق کی ممانعت: روزہ سے طہارت نفس مقصود تھی اب تطہیر اموال کا ارشاد ہے اور معلوم ہو گیا کہ مال حلال تو صرف روزہ میں اس کا کھانا منع ہے اور مال حرام سے روزہ مدت العمر کے لئے ہے اس کے لئے کوئی حد نہیں جیسے چوری یا خیانت یا دغا بازی یا رشوت یا زبردستی یا قمار یا بیوع ناجائز یا سود وغیرہ ان ذریعوں سے مال کمانا بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

۲۹۳۔ رشوت کی ممانعت: نہ پہنچاؤ حاکموں تک یعنی کسی کے مال کی خبر نہ دو۔ ظالم حاکموں کو یا اپنا مال بطریق رشوت حاکم تک نہ پہنچاؤ کہ حاکم کو موافق بنا کر کسی کامال کھا لویا جھوٹی گواہی دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹا دعویٰ کر کے کسی کامال نہ کھاؤ اور تم کو اپنے ناحق پر ہونے کا علم بھی ہو۔

۱۸۹۔ تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا [۲۹۳] کہہ دے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے [۲۹۵] اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ انکی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو [۲۹۶]

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآهْلِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ  
لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ  
مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى ج وَآتُوا  
الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ص وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

تُقْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾

۱۹۰۔ اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے [۲۹۷] اور کسی پر زیادتی مت کرو [۲۹۸] بیشک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو

وَاقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا  
تَعْتَدُوا ط إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

۱۹۱۔ اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا [۲۹۹] اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے [۳۰۰] اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو یہی ہے سزا کافروں کی [۳۰۱]

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَ أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ  
حَيْثُ أَخْرَجْتُمُوهُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا  
تُقْتَلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا كُمْ  
فِيهِ ع فَإِنْ قُتِلُوا فَامْتُلُوهُمْ ط كَذَلِكَ جَزَاءُ

الْكُفْرَيْنِ ﴿١٩١﴾

۲۹۴۔ رویت ہلال کی اہمیت: آفتاب ہمیشہ ایک صورت ایک حالت پر رہتا ہے اور چاند کی صورت بدلتی اور اس کی مقدار بڑھتی گھٹتی رہتی ہے اس لئے لوگوں نے چاند کے کم زیادہ ہونے کی وجہ آپ سے پوچھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی پہلی آیات میں شہر رمضان اور روزہ کا ذکر تھا اس آیت میں ہلال کا ذکر ہے اور روزہ اور رویت ہلال میں تعلق ظاہر ہے کہ ایک دوسرے پر موقوف ہے اور آگے چل کر حج اور اس کے احکام کا ذکر ہے ذکر ہلال اس کے بھی مناسب ہے۔



۲۹۵۔ ایام حج: یعنی ان سے کہدو کہ چاند کا اس طرح پر نکلنا اس سے لوگوں کے معاملات اور عبادات مثل قرض اجارہ عدت مدت محمل و رضاعت روزہ زکوٰۃ وغیرہ کے اوقات ہر ایک کو بے تکلف معلوم ہو جاتے ہیں بالخصوص حج کہ روزہ وغیرہ کی قضا تو ان کے غیر ایام میں ہوتی ہے حج کی تو قضا بھی ایام مقررہ حج کے سوا دوسرے ایام میں نہیں کر سکتے اور حج کے خاص بیان فرمانے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ذیقعدہ ذی الحج محرم رجب یہ چار مہینے اشہر حرام تھے مثلاً ذی الحج یا محرم میں لڑائی پیش آتی تو اس کو تو صفر بنا لیتے اور جب صفر آتا تو اس کو ذی الحج یا محرم ٹھہرا لیتے انکے اس خیال کے ابطال کی غرض سے یہاں حج کی تصریح فرمائی کہ جو ایام حج کے لئے اللہ نے مقرر فرمائے ان میں تقدّم تاخر ہر گز جائز نہیں اب یہاں سے حج کے متعلقات اور اس کے احکام دور تک ذکر ہوں گے۔

۲۹۶۔ گھروں میں داخل ہونے کا حکم: زمانہ جاہلیت کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب گھر سے نکل کر حج کا احرام باندھتے پھر کوئی ضرورت گھر میں جانے کی پیش آتی تو دروازہ سے نہ جاتے چھت پر چڑھ کر گھر کے اندر اترتے یا گھر کی پشت کی جانب نقب دے کر گھستے اور اس کو نیکی کی بات سمجھتے اللہ نے اس کو غلط فرما دیا۔ فائدہ پہلے جملہ میں حج کا ذکر تھا اور یہ حکم بھی حج کے متعلق تھا اس مناسبت سے اس حکم کو یہاں بیان فرمایا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں اہلّ سے مراد شہر حج یعنی شوال اور ذیقعدہ اور دس راتیں ذی الحجہ کی ہیں کہ احرام حج ان میں ہونا چاہیے لوگوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ حج کے یہی ایام ہیں یا اور ایام میں بھی حج ہو سکتا ہے اللہ نے جواب دیا کہ حج کے لئے اشہر حج مقرر اور معین ہیں اور اسی کی مناسبت سے احرام کے اندر گھر میں جانے کی کیفیت ذکر فرمادی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنی طرف سے کسی جائز اور مباح امر کو نیکی بنا لینا اور دین میں داخل کر لینا مذموم اور ممنوع ہے جس سے بہت سی باتوں کا بدعت اور مذموم ہونا معلوم ہو گیا۔

۲۹۷۔ حرم میں قتال کا حکم: حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے مکہ دارالامن تھا، کوئی اپنے دشمن کو بھی مکہ میں پاتا تو کچھ نہ کہتا اور اشہر حرام یعنی ذی القعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب یہ چار مہینے بھی امن کے تھے ان میں تمام ملک عرب میں لڑائی موقوف ہو جاتی اور کوئی کسی کو کچھ نہ کہتا ذی القعدہ ۶ ہجری میں حضرت ﷺ جماعت صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے قصد سے مکہ کی زیارت کو تشریف لائے جب آپ مکہ کے نزدیک پہنچے تو مشرکین جمع ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے اور مسلمانوں کو روک دیا آخر کو اس پر صلح ہوئی کہ اب تو بدون زیارت واپس ہو جائیں اور اگلے برس آن کر عمرہ کریں اور تین روز اطمینان سے مکہ میں رہیں جب دوسرے برس ذی القعدہ ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے مکہ کا قصد فرمایا تو آپ ﷺ کے اصحاب کو یہ اندیشہ تھا کہ اہل مکہ اگر اب بھی وعدہ خلافی کر کے لڑنے بھڑنے کو تیار ہو گئے تو پھر ہم کیا کریں گے لڑیں تو شہر حرام اور حرم مکہ میں کیونکر لڑیں اور نہ لڑیں تو عمرہ کیسے کریں اس پر حکم الہی آیا کہ اگر وہ اس مہینہ حرام خلاف عہد تم سے لڑیں تو تم بھی بلا تامل ان سے لڑو ہاں تمہاری طرف سے ابتداء اور زیادتی نہ ہونی چاہیے۔ حج کے ذیل میں عمرہ حدیبیہ کی مناسبت سے قتال کفار کا ذکر آیا اس لئے جہاد کے بعض احکام و آداب مناسب مقام مذکور فرمائے جاتے ہیں اس کے بعد پھر حج کے احکام بیان ہوں گے۔

۲۹۸۔ زیادتی مت کرو اس کے معنی یہ کہ لڑائی میں لڑ کے اور عورتیں اور بوڑھے قصداً نہ مارے جائیں اور حرم کے اندر اپنی طرف سے لڑائی شروع نہ کی جائے۔

۲۹۹۔ جس جگہ پاؤ یعنی حرم میں ہوں خواہ غیر حرم میں جہاں سے تم کو نکالا یعنی مکہ سے۔

۳۰۰۔ فتنہ پھیلانا قتل سے بڑا گناہ ہے: یعنی دین سے پھر جانا یا دوسرے کو پھرانا مہینہ حرام کے اندر مار ڈالنے سے بہت بڑا گناہ ہے مطلب یہ کہ حرم مکہ میں کفار کا شرک کرنا اور کرنا زیادہ قبیح ہے حرم میں مقاتلہ کرنے سے تو اب اے مسلمانو تم کچھ اندیشہ نہ کرو اور جواب ترکی بہ ترکی دو۔

۳۰۱۔ یعنی مکہ ضرور جائے امن ہے لیکن جب انہوں نے ابتداء کی اور تم پر ظلم کیا اور ایمان لانے پر دشمنی کرنے لگے کہ یہ بات مار ڈالنے سے

بھی سخت ہے تو اب ان کو امان نہ رہی جہاں پاؤ مارو آخر جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے یہی فرمایا کہ جو ہتھیار سامنے کرے اسی کو مارو اور باقی سب کو امن دیا۔

۱۹۲۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے [۳۰۲]

۱۹۳۔ اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر [۳۰۳]

فَإِنْ أَنْتَهُوَا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٢﴾

وَأَقْتُلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ يَكُونَ  
الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ أَنْتَهُوَا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى  
الظَّالِمِينَ ﴿١٩٣﴾

۱۹۴۔ حرمت والا مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پر ہیزگاروں کے [۳۰۴]

أَشْهُرُ الْحَرَامِ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرْمَتِ  
قِصَاصٌ فَمَنْ أَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ  
بِئْسَلِ مَا أَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۖ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ  
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩٤﴾

۱۹۵۔ اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں [۳۰۵] اور نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى  
التَّهْلُكَةِ ۗ وَ أَحْسِنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ  
الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾

۳۰۲۔ یعنی باوجود ان سب باتوں کے اگر اب بھی مسلمان ہوں اور شرک سے باز آئیں تو توبہ قبول ہے۔

۳۰۳۔ یعنی کافروں سے لڑائی اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور کسی کو دین سے گمراہ نہ کر سکیں اور خاص اللہ ہی کا حکم جاری رہے سو وہ جب شرک سے باز آجائیں تو زیادتی سوائے ظالموں کے اور کسی پر نہیں یعنی جو بدی سے باز آگئے وہ اب ظالم نہ رہے تو اب ان پر زیادتی بھی مت کرو ہاں جو فتنہ سے باز نہ رہیں ان کو شوق سے قتل کرو۔

۳۰۴۔ حرمت کا مہینہ: یعنی ذیقعدہ کہ جس میں عمرہ کی قضا کرنے جا رہے ہو بدلا ہے اس حرمت کے مہینہ یعنی ذیقعدہ کا کہ سال گذشتہ میں اسی مہینہ کے اندر کفار مکہ نے تم کو عمرہ سے روک دیا تھا اور مکہ میں جانے نہ دیا تھا یعنی اب شوق سے ان سے تم بدلہ لو کیونکہ ادب اور حرمت

رکھنے میں تو برابر ہی ہے یعنی اگر کوئی کافر ماہ حرام کی حرمت کرے اور اس مہینہ میں تم سے نہ لڑے تو تم بھی ایسا ہی کرو مکہ والے جو سال گذشتہ میں تم پر ظلم کر چکے اور نہ ماہ حرام کی حرمت کی نہ حرم مکہ کی نہ تمہارے احرام کا لحاظ کیا اور تم نے اس پر بھی صبر کیا اگر اس دفعہ بھی سب حرمتوں سے قطع نظر کر کے آمادہ جنگ ہوں تو تم بھی کسی کی حرمت کا خیال مت کرو بلکہ اگلی پچھلی سب کسر مٹا لو مگر جو کرو خدا سے ڈر کر کرو اس کی خلاف اجازت ہرگز نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کا بیشک ناصر و مددگار ہے۔

۳۰۵۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں یعنی جہاد وغیرہ میں اپنے مال کو صرف کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی جہاد کو چھوڑ بیٹھو یا اپنے مال کو جہاد میں صرف نہ کرو کہ اس سے تم ضعیف اور دشمن قوی ہو گا۔

۱۹۶۔ اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے [۳۰۶] پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر [۳۰۷] پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا قربانی [۳۰۸] پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے [۳۰۹] پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے [۳۱۰] یہ حکم اس کے لئے ہے جسکے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس [۳۱۱] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے

وَأَتُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْدَأَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَغَدِيَّةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ ۖ فَمَنْ تَتَعَٰلَىٰ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لَئِنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

۱۹۷۔ حج کے چند مہینے ہیں معلوم [۳۱۲] پھر جس نے لازم کر لیا ان میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ

الْحَجِّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ ۖ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا

تم کرتے ہو یعنی اللہ اس کو جانتا ہے [۳۱۳] اور زادراہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر فائدہ زادراہ کا پچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو [۳۱۴]

تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ ۖ وَتَزُودُوا فَإِنَّ خَيْرَ

الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَالتَّقْوَىٰ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿١٩٤﴾

۱۹۸۔ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا [۳۱۵] پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے [۳۱۶] اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقف [۳۱۷]

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ

رَبِّكُمْ ۖ فَإِذَا أَفْضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ ۚ وَ

إِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَبِئْسَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٥﴾

۱۹۹۔ پھر طواف کے لئے پھرو جہاں سے سب لوگ پھریں اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان [۳۱۸]

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَ

اسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٦﴾

۲۰۰۔ پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو [۳۱۹] پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ

أَبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۚ فَبِئْسَ النَّاسِ مَن يَقُولُ

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنِ

خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾

۲۰۱۔ اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچالے ہم کو دوزخ کے عذاب سے

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾

۲۰۲۔ انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے [۳۲۰] اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے [۳۲۱]

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ سَرِيعٌ

الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾

۲۰۳۔ اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں [۳۲۲] پھر جو کوئی جلد چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے [۳۲۳] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسکے پاس جمع ہو گے [۳۲۴]

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ لَبِنَ اتَّقَى ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۰۳﴾

۳۰۶۔ حج کے ضمن میں جہاد کا ذکر جو مناسب تھا اس کو بیان فرما کر اب احکام حج و عمرہ بتلائے جاتے ہیں۔

۳۰۷۔ حج کا اور عمرے کے احکام: مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے حج یا عمرہ شروع کیا یعنی اس کا احرام باندھا تو اس کا پورا کرنا لازم ہو گیا بیچ میں چھوڑ دے اور احرام سے نکل جائے یہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر کوئی دشمن یا مرض کی وجہ سے بیچ میں ہی رک گیا اور حج و عمرہ نہیں کر سکتا تو اس کے ذمہ پر ہے قربانی جو اس کو میسر آئے جس کا ادنیٰ مرتبہ ایک بکری ہے اس قربانی کو کسی کے ہاتھ مکہ کو بھیجے اور یہ مقرر کر دے کہ فلاں روز اس کو حرم مکہ میں پہنچ کر ذبح کر دینا اور جب اطمینان ہو جائے کہ اب اپنے ٹھکانے یعنی حرم میں پہنچ کر اس کی قربانی ہو چکی ہو گی اس وقت سر کی حجامت کر دے اس سے پہلے ہرگز نہ کرے اس کو دم احصار کہتے ہیں کہ حج یا عمرہ سے رکنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔

۳۰۸۔ احرام کے مسائل: یعنی اگر حالت احرام میں کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں درد یا زخم ہو تو اس کو بضرورت حالت احرام میں حجامت کرنا سر کا جائز ہے مگر بلا دینا پڑے گا تین روزے یا چھ محتاجوں کو کھانا کھلانا یا ایک دنبہ یا بکرے کی قربانی کرنا۔ یہ دم جنایت ہے کہ حالت احرام میں بضرورت مرض لاچار ہو کر امور مخالف احرام کرنے پڑے۔

۳۰۹۔ یعنی جو محرم کہ دشمنی کی طرف سے اور مرض سے مطمئن ہو خواہ اس کو کسی قسم کا اندیشہ پیش ہی نہ آیا یا دشمن کا خوف یا بیماری کا کھٹکا پیش تو آیا مگر جلد زائل ہو گیا یا احرام حج و عمرہ میں اس سے خلل نہ آنے پایا تو اس کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے حج اور عمرہ دونوں ادا کئے یعنی قرآن یا تمتع کیا افراد نہیں کیا تو اس پر قربانی ایک بکری یا ساتواں حصہ اونٹ یا گائے کا لازم ہے اس کو دم قرآن اور دم تمتع کہتے ہیں امام ابو حنیفہؒ اس کو دم شکر کہتے ہیں اور اس کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور امام شافعیؒ اس کو دم جبر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔

۳۱۰۔ یعنی جس نے قرآن یا تمتع کیا اور اس کو قربانی میسر نہ ہوئی تو اس کو چاہیے کہ تین روزے رکھے حج کے دنوں میں جو کہ یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ پر ختم ہوتے ہیں اور سات روزے جب رکھے کہ حج سے بالکل فارغ ہو جائے دونوں کا مجموعہ دس روزے ہو گیا۔

۳۱۱۔ یعنی قرآن و تمتع اسی کے لئے ہے جو مسجد حرام یعنی حرم مکہ کے اندر یا اس کے قریب نہ رہتا ہو بلکہ حل یعنی خارج از میقات کارہنے والا ہو اور جو حرم مکہ کے رہنے والے ہیں وہ صرف افراد کریں۔

۳۱۲۔ اشہر حج: شوال کے غرہ سے لے کر بقر عید کی صبح یعنی ذی الحجہ کی دسویں رات تک ان کا نام اشہر حج ہے اس لئے کہ احرام حج ان کے اندر ہوتا ہے۔ اگر اس سے پہلے کوئی احرام حج کا باندھے گا تو وہ ناجائز یا مکروہ ہو گا۔ یعنی حج کے لئے چند مہینے مقرر ہیں اور سب کو معلوم ہیں مشرکین عرب جو اپنی ضرورت میں ان میں تغیر و تبدل کرتے تھے جس کو دوسری آیت میں انما النسئ زیادۃ فی الکفر فرمایا گیا ہے یہ بالکل بے

اصل اور باطل ہے۔

۳۱۳۔ زادراہ لینا بہتر ہے: حج لازم کیا یعنی احرام حج کا باندھا اس طرح پر کہ دل سے نیت کی اور زبان سے تلبیہ پڑھا۔

۳۱۴۔ ایک غلط دستور کفر میں یہ بھی تھا کہ بغیر زادہ راہ خالی ہاتھ حج کو جانا ثواب سمجھتے اور اس کو توکل کہتے اور وہاں جا کر ہر ایک سے مانگتے پھرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مقدور ہو وہ خرچ ہمراہ لے کر جائیں تاکہ خود تو سوال سے بچیں اور لوگوں کو حیران نہ کریں۔

۳۱۵۔ حج میں تجارت کی اجازت: حج کے سفر میں اگر سوداگری بھی کرو تو گناہ نہیں بلکہ مباح ہے لوگوں کو اس میں شبہ ہوا تھا کہ شاید تجارت کرنے سے حج میں نقصان آئے اب جس کو مقصود اصلی حج ہو اور اس کے ذیل میں تجارت بھی کر لے تو اس کے ثواب میں نقصان نہ آئے گا۔

۳۱۶۔ مزدلفہ میں قیام کا حکم: مشعر الحرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے جس پر امام و قوف کرتا ہے اس پہاڑ پر قیام کرنا افضل ہے اور تمام مزدلفہ میں جہاں قیام کرے جائز ہے سوا وادی محسر کے۔

۳۱۷۔ یعنی کفار بھی اللہ کا ذکر تو کرتے تھے مگر شرک کے ساتھ وہ ذکر نہ چاہتے بلکہ توحید کے ساتھ جس کی تم کو ہدایت فرمائی۔

۳۱۸۔ عرفات میں واپس آنے کا حکم: زمانہ کفر کی ایک غلطی یہ بھی تھی کہ مکہ کے لوگ عرفات تک نہ جاتے کہ عرفات حرم سے باہر ہے بلکہ حرم کی حد یعنی مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور قریش مکہ کے سوا اور سب عرفات تک پہنچتے اور پھر وہاں سے طواف کے لئے مکہ کو واپس آتے سوا اس لئے فرمادیا کہ جہاں سے سب لوگ طواف کو آئیں تم بھی وہیں سے جا کر لوٹو یعنی عرفات سے اور اگلی تفسیر پر نادم ہو۔

۳۱۹۔ منیٰ میں ذکر اللہ کا اہتمام: یعنی دسویں ذی الحجہ کو جب افعال حج رمی جمرہ اور ذبح قربانی اور سر منڈانے اور طواف کعبہ اور سعی صفا مروہ سے فراغت پا چکو تو زمانہ قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو جیسے کفر کے زمانے میں اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرنا چاہیے۔ ان کا قدیم دستور تھا کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں تین روز قیام کرتے اور بازار لگاتے اور اپنے باپ دادا کی بڑائی اور فضائل بیان کیا کرتے سوا اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور فرمادیا کہ ان دنوں میں خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

۳۲۰۔ دعا مانگنے کے آداب: پہلے یہ فرمایا تھا کہ اللہ کا ذکر کرو اور وہاں کا مت کرو اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے اور اس سے دعا مانگنے والے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ جن کا مطلوب صرف دنیا ہے ان کی دعا یہی ہے کہ ہم کو جو کچھ دولت عزت وغیرہ دی جائے دنیا ہی میں دے دی جائے سو یہ لوگ تو آخرت کی نعمتوں سے بے بہرہ ہیں دوسرے وہ کہ طالب آخرت ہیں جو دنیا کی خوبی یعنی توفیق بندگی وغیرہ اور آخرت کی خوبی یعنی ثواب و رحمت و جنت دونوں کو طلب کرتے ہیں سوا انہوں کو آخرت میں ان کے حج اور دعا جملہ حسنات سے پورا حصہ ملے گا۔

۳۲۱۔ یعنی قیامت کو سب سے ایک دم میں حساب لے گا یا یوں کہو کہ قیامت کو دور مت سمجھو بلکہ جلد آنے والی ہے اس سے کسی طرح بچاؤ ممکن نہیں اس کی فکر سے غافل مت ہو۔

۳۲۲۔ ایام معدودات سے مراد ذی الحجہ کی گیارہویں بارہویں تیرہویں تاریخیں ہیں جن میں حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام کا حکم ہے ان دنوں میں رمی جمار یعنی کنگریوں کے مارنے کے وقت اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم ہے اور دیگر اوقات میں بھی ان دنوں میں چاہیے کہ تکبیر اور ذکر الہی کثرت سے کرے۔

۳۲۳۔ منیٰ میں قیام کی مدت: یعنی گناہ تو یہ ہے کہ ممنوعات شرعیہ سے پرہیز نہ کرے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے اور زمانہ حج میں پرہیزگاری کرے تو پھر اس بات میں کچھ گناہ نہیں کہ منیٰ میں دو دن قیام کیا کہ تین دن کہ اللہ نے دونوں باتیں جائز رکھیں مگر افضل یہی ہے کہ تین روز قیام کرے۔

۳۲۴۔ یعنی حج کی خصوصیت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے ہر کام میں اور ہر وقت ڈرتے رہو کہ تم سب کو قبروں سے اٹھ کر اس کے پاس جمع ہونا ہے حساب دینے کو حج کا ذکر تو تمام ہو چکا مگر حج کے ذیل میں جو لوگوں کی دو قسموں کا ذکر آگیا تھا فَبَيْنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ اور مِنْهُمْ مَن يَقُولُ یعنی

کافر اور مومن کا تو اب اس کی مناسبت سے تیسری قسم یعنی منافق کا بھی حال بیان کیا جاتا ہے۔

۲۰۴۔ اور بعض آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات دنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑا لو ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۗ وَهُوَ أَلَدُّ

الْخِصَامِ ﴿٢٠٣﴾

۲۰۵۔ اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو

وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ  
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ﴿٢٠٥﴾

۲۰۶۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اس کو دوزخ اور وہ بیشک برا ٹھکانہ ہے [۳۲۵]

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ  
فَحَسْبُ جَهَنَّمَ ۗ وَلَبِئْسَ الْبِهَادُ ﴿٢٠٦﴾

۲۰۷۔ اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں [۳۲۶] اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر [۳۲۷]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ  
مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾

۳۲۵۔ یہ حال ہے منافق کا کہ ظاہر میں خوشامد کرے اور اللہ کو گواہ کرے کہ میں سچا ہوں اور میرے دل میں اسلام کی محبت ہے اور جھگڑے کے وقت کمی نہ کرے اور قابو پاوے تو لوٹ مار بچا دے اور منع کرنے سے اس کو زیادہ ضد چڑھے اور گناہ میں ترقی کرے کہتے ہیں ایک شخص اخص ابن شریق تھا منافق فصیح و بلیغ جب آپ ﷺ کی خدمت میں آتا تو غایت اخلاص اور محبت اسلام ظاہر کرتا اور جب چلا جاتا تو کسی کی بھتی جلا دیتا کسی کے جانوروں کے پیر کاٹ ڈالتا اس پر منافقین کی برائی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۲۶۔ پہلی آیت میں اس منافق کا ذکر تھا جو دین کے بدلے دنیا لیتا تھا اس کے مقابلے میں اب اس آیت میں اس مخلص کامل الایمان کا ذکر ہے جو دنیا اور جان و مال کو طلب دین میں صرف کرتا ہے۔ کہتے ہیں حضرت صہیب رومیؓ بار بار ادب ہجرت آپ ﷺ کی خدمت میں آتے تھے۔ رستہ میں مشرکین نے ان کو گھیر لیا صہیبؓ نے کہا کہ میں اپنا گھر اور تمام مال تم کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ مجھ کو مدینہ جانے دو اور ہجرت سے نہ روکو اس پر وہ راضی ہو گئے اور صہیبؓ آپ ﷺ کی خدمت میں چلے گئے اس پر یہ آیت مخلصین کی تعریف میں نازل ہوئی۔

۳۲۷۔ اُس کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کو توفیق دی جو اس کی خوشی میں اپنی جان اور مال حاضر کر دیتے ہیں نیز ہر ایک کی جان و مال تو اللہ کی ملک ہے پھر جنت کے بدلے اس کو خریدنا یہ محض اس کا احسان ہے۔

۲۰۸۔ اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے [۲۲۸] اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے [۲۲۹]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۚ وَ  
لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

مُبِينٌ ﴿۲۰۸﴾

۲۰۹۔ پھر اگر تم بچنے لگو اس کے بعد اس کے پہنچ چکے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا [۲۳۰]

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ  
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۰۹﴾

۲۱۰۔ کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے ساتبانوں میں اور فرشتے اور طے ہو جاوے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام [۲۳۱]

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ  
الْغَمَامِ وَالْبَلَائِكِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ

تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲۱۰﴾

۳۲۸۔ اسلام پر پورا پورا عمل کرو اور بدعت سے بچو: پہلی آیت میں مومن مخلص کی مدح فرمائی تھی جس سے نفاق کا ابطال منظور تھا اب فرماتے ہیں کہ اسلام کو پورا پورا قبول کرو یعنی ظاہر اور باطن اور عقیدہ اور عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو یہ نہ ہو کہ اپنی عقل یا کسی دوسرے کے کہنے سے کوئی حکم تسلیم کر لو یا کوئی عمل کرنے لگو سو اس سے بدعت کا قلع قمع مقصود ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کو کسی وجہ سے مستحسن سمجھ کر اپنی طرف سے دین میں شمار کر لیا جائے مثلاً نماز اور روزہ جو کہ افضل عبادات ہیں اگر بدون حکم شریعت کوئی اپنی طرف سے مقرر کرنے لگے جیسے عید کے دن عید گاہ میں نوافل کو پڑھنا یا ہزارہ روزہ رکھنا یہ بدعت ہو گا خلاصہ ان آیات کا یہ ہو کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور بدعات سے بچتے رہو چند حضرات یہود سے مشرف باسلام ہوئے مگر احکام اسلام کے ساتھ احکام تورات کی بھی رعایت کرنی چاہتے تھے مثلاً ہفتہ کے دن کو معظم سمجھنا اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام ماننا اور تورات کی تلاوت کرنا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس سے بدعت کا انسداد کامل فرمایا گیا۔

۳۲۹۔ کہ اپنے دوسرے سے بے اصل چیزوں کو تمہارے دلنشین کر دیتا ہے اور دین میں بدعات کو شامل کر اگر تمہارے دین کو خراب کرتا ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو۔

۳۳۰۔ شریعت سے انحراف موجب عذاب ہے: یعنی شریعت محمدی کے صاف احکام معلوم ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اس پر قائم نہ ہو بلکہ دوسری طرف بھی نظر رکھے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ سب پر غالب ہے جس کو چاہے سزا دے کوئی اس کے عذاب کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے جو کرتا ہے حق اور مصلحت کے موافق کرتا ہے خواہ عذاب دے یا کچھ ڈھیل دے یعنی نہ جلد باز ہے نہ بھولنے والا نہ خلاف



انصاف اور غیر مناسب امر کرنے والا۔

۳۳۱۔ شریعت سے انحراف موجب عذاب ہے: یعنی جو لوگ حق تعالیٰ کے صاف صاف احکام کے بعد بھی اپنی کج روی سے باز نہیں آتے تو ان کو رسول اور قرآن پر تو یقین اور اعتماد نہ ہو اب صرف اس کی کسر ہے کہ خدائے پاک خود اور اس کے فرشتے ان پر آئیں اور جزا اور سزا کا قصہ جو قیامت کو ہونے والا ہے آج ہی فیصل کیا جائے سو آخر کار سب امور حساب اور عذاب وغیرہ کا مرجع اللہ ہی کی طرف ہے تمام حکم اسی کے حضور سے صادر ہوں گے اس میں کوئی تردد کی بات نہیں گھبراتے کیوں ہو۔

۲۱۱۔ پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر عنایت کیں ہم نے انکو نشانیاں کھلی ہوئیں [۳۳۲] اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ کا عذاب سخت ہے [۳۳۳]

ط  
سَلُّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ  
وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ

اللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾

۲۱۲۔ فریفتہ کا ہے کافروں کو دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں کو [۳۳۴] اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار [۳۳۵]

ط  
زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ط  
وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

۳۳۲۔ بنی اسرائیل کے حال سے استدلال: اس سے پہلے فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ کے صاف حکم کے بعد اس کی مخالفت کرنا موجب عذاب ہے اب اسی کی تائید میں فرماتے ہیں کہ خود بنی اسرائیل ہی سے پوچھو کہ ہم نے ان پر کتنی آیات واضحات اور صریح احکام بھیجے جب ان سے انحراف کیا تو مبتلائے عذاب ہوئے یہ نہیں کہ ہم نے اول ہی ان کو عذاب دیا ہو۔

۳۳۳۔ یعنی یہ قاعدہ البتہ محقق ہے کہ جو کوئی اللہ کے احکام سر اپاہد ایت کو بدلے اور اس کے انعامات اور احسانات کا کفران کرے تو پھر اس کا عذاب سخت ہے آیات کے بدلنے والے پر کہ دنیا میں مارا جائے اور لوٹا جائے یا جزیہ دے اور ذلیل ہو اور قیامت کو دوزخ میں جائے ہمیشہ کے لئے۔ فائدہ نعمت کے پہنچ چکنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا علم حاصل ہو جائے یا بے تکلف حاصل ہو سکے۔

۳۳۴۔ دنیا کفار کی جنت ہے: یعنی کافر جو اللہ کے صاف احکام اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہو چکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نظروں میں دنیا کی محبت اور اس کی خوبی ایسی سما گئی ہے کہ اس کے مقابلے میں آخرت کے رنج و راحت کو خیال ہی میں نہیں لاتے بلکہ مسلمان جو فکر آخرت میں مصروف اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں مشغول ہیں انان کو ہنستے ہیں اور ذلیل سمجھتے ہیں سو ایسے احمق نفس کے بندوں سے تعمیل احکام الہی ہو تو کیونکر ہو۔ رؤسائے حضرت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور فقراء مہاجرین کو دیکھ کر تمسخر کرتے کہ ان فقیروں محتاجوں کی امداد سے عرب کے سرداروں پر غالب آنا اور دنیا بھر کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

۳۳۵۔ اللہ کے نزدیک مومنین کا مقام: اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ ان کی جہالت اور خام خیالی ہے کہ دنیا پر ایسے غش

ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہی غرباء اور فقراء قیامت کو ان سے اعلیٰ اور برتر ہوں گے اور اللہ دنیا و آخرت میں جس کو چاہے بے شمار روزی عطا فرمائے چنانچہ انہی غریبوں کو جن پر کافر ہنتے تھے اموال بنی قریظہ اور نصیر اور سلطنت فارس اور روم وغیرہ پر اللہ نے مسلط کر دیا۔

۲۱۳۔ تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری انکے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ [۳۳۶]

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ ۗ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَ اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾

۳۳۶۔ پیغمبروں اور کتابوں کے بھیجنے کی حکمت: حضرت آدمؑ کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا ایک مدت تک اس کے بعد دین میں لوگوں نے اختلاف ڈالا تو خدا تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب کی بشارت دیتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی بھیجی تاکہ لوگوں کا اختلاف اور نزاع دور ہو اور دین حق ان کے اختلاف سے محفوظ اور قائم رہے اور احکام الہی میں انہی لوگوں نے اختلاف ڈالا جن کو وہ کتاب ملی تھی جیسے یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں اختلاف و تحریف کرتے تھے اور یہ نزاع بے سمجھی سے نہیں کرتے تھے بلکہ خوب سمجھ کر محض حب دنیا اور ضد اور حسد سے ایسا کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو طریقہ حق کی تعلیم ہدایت فرمائی اور گمراہوں کے اختلافات سے بچالیا جیسے آپ کی امت کو ہر عقیدہ اور ہر عمل میں امر حق کی تعلیم فرمائی اور یہود و نصاریٰ کے اختلاف اور افراط و تفریط سے ان کو محفوظ رکھا۔ فائدہ: اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ اللہ نے جو کتابیں اور نبی متعدد بھیجے تو اس واسطے نہیں کہ ہر فرقہ کو جدا طریقہ بتلایا ہو بلکہ سب کے لئے اللہ نے اصل میں ایک ہی رستہ مقرر کیا جس وقت اس راہ سے بچلے تو اللہ نے نبی کو بھیجا اور کتاب اتاری کہ اس کے موافق چلیں اس کے بعد پھر بیکے تو دوسرا نبی اور کتاب اللہ پاک نے اسی ایک راہ کے قائم کرنے کو بھیجا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بے شمار جب ایک مرض پیدا ہو تو اس کے موافق دوا اور پریز فرمایا جب دوسرا مرض پیدا ہو تو دوسری دوا اور پریز اس کے موافق فرمایا آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ فرمایا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے اور وہ طریقہ اسلام ہے جس کے لئے پیغمبر آخر الزماں ﷺ اور قرآن شریف بھیجے گئے۔ دوسری بات یہ معلوم ہو گئی کہ سنت اللہ یہی جاری ہے کہ برے لوگ ہر نبی مبعوث کے خلاف اور ہر کتاب الہی میں اختلاف کو پسند کرتے رہے اور اس میں سہاہی رہے تو اب اہل ایمان کو کفار کی بدسلوکی اور فساد سے متنگدل ہونا نہ چاہیے۔

۲۱۴۔ کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی انکو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے [۳۳۷]

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّمَاءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ

اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۴﴾

۳۳۷۔ تکالیف میں صبر کی حکیمانہ تاکید: پہلے مذکور ہوا کہ دشمنوں کے ہاتھ سے انبیاء اور ان کی امتوں کو ہمیشہ ایذائیں ہونیں تو اب اہل اسلام کو ارشاد ہے کہ کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگلی امتوں کو جو ایذائیں پیش آئیں وہ تم کو پیش نہیں آئیں کہ ان کو فقر و فاقہ اور مرض اور خوف کفار اس درجہ کو پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہو کر نبی اور ان کی امت بول اٹھی کہ دیکھئے اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آئے گی یعنی بمقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے۔ انبیاء اور مومنین کا یہ کہنا کچھ شک کی وجہ سے نہ تھا حضرت مولانا اسی کی بابت مثنوی میں فرماتے ہیں درگماں اُفتاوجان انبیاء زاتفاق منکری اشقیاء۔ بلکہ بحالت اضطراب بقضائے بشریت اس کی نوبت آئی جس میں کوئی ان پر الزام نہیں جب نوبت یہاں تک پہنچی تو رحمت الہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ اللہ کی مدد آگئی گھبراؤ نہیں سوائے مسلمانوں تکالیف دنیوی سے اور دشمنوں کے غلبہ سے گھبراؤ نہیں تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔

۲۱۵۔ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں [۳۳۸] کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے اور قربت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے [۳۳۹]

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ

بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۱۵﴾

۳۳۸۔ آیات سابقہ میں کلیۃً یہ مضمون بہت تاکید سے بیان ہوا کہ کفر و نفاق کو چھوڑو اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو حکم الہی کے مقابل کسی کی مت سنو اللہ کی خوشی میں جان و مال خرچ کرو اور ہر طرح کی شدت اور تکلیف پر تحمل کرو اب یہاں سے اسی کلیہ کے متعلق جزئیات کی تفصیل بیان ہوتی ہے جو کہ مال اور جان اور دیگر معاملات مثل نکاح و طلاق وغیرہ کے متعلق ہیں تاکہ اس کلیہ کی تحقیق و تاکید خوب ذہن نشین ہو جائے۔

۳۳۹۔ انفاق مال کے مصارف: بعض اصحاب جو مالدار تھے انہوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ مال میں سے کیا خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں

اس پر یہ حکم ہوا کہ قلیل خواہ کثیر جو کچھ خدا کے لئے خرچ کرو وہ والدین اور اقارب اور یتیم اور محتاج اور مسافروں کے لئے ہے یعنی حصول ثواب کے لئے خرچ کرنا چاہو تو جتنا چاہو کرو اس کی کوئی تعین و تحدید نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ جو مواقع ہم نے بتلائے ان میں صرف کرو۔

۲۱۶۔ فرض ہوئی تم پر لڑائی [۳۳۰] اور وہ بری لگتی ہے تم کو [۳۳۱] اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۳۳۲]

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

۲۱۷۔ تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا [۳۳۳] کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے [۳۳۴] اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اسکے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک [۳۳۵] اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے [۳۳۶] اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں [۳۳۷] اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [۳۳۸]

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَن دِينِهِ فَمَا يَكُفِّرْهُ فَمَا لِيكُ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾

۲۱۸۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي

سَبِيلِ اللَّهِ<sup>۱</sup> أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ<sup>ط</sup> وَ  
 کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت  
 کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۳۴۹]

اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

۳۴۰۔ جہاد کی فریضیت: یعنی دین کے دشمنوں سے لڑنا فرض ہوا۔ فائدہ: جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو مقاتلہ کی اجازت نہ ہوئی۔ جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تو مقاتلہ کی اجازت ہوئی مگر صرف ان کفار سے کہ جو خود اہل اسلام سے مقاتلہ کریں اس کے بعد علی العموم کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہو گئی اور جہاد فرض ہوا اگر دشمنان دین مسلمانوں پر چڑھائی کریں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ بشرطیکہ جملہ شرائط جہاد جو کتب فقہ میں مذکور ہیں پائی جائیں البتہ جن لوگوں سے مسلمان مصالحت اور معاہدہ کر لیں یا ان کی امن اور حفاظت میں آجائیں تو ان سے لڑائی کرنا یا ان کے مقابلہ میں ان کے کسی مخالف کو مدد دینا ہرگز مسلمانوں کو جائز نہیں۔

۳۴۱۔ جہاد کے فضائل: برے لگنے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو دشوار اور گراں معلوم ہوتا ہے یہ نہیں کہ قابل رد و انکار نظر آئے اور مخالف حکمت و مصلحت سمجھا جائے اور موجب ناخوشی و تنفر ہو سواتنی سے بات میں کوئی الزام نہیں جب انسان کو بالطبع زندگی سے کوئی چیز مرغوب نہیں تو ضرور مقاتلہ سے زیادہ دشوار کوئی شے نہ ہونی چاہیے۔

۳۴۲۔ یعنی یہ بات ضروری نہیں کہ جس چیز کو تم اپنے حق میں نافع یا مضر سمجھو وہ واقع میں بھی تمہارے حق میں ویسی ہی ہوا کرے بلکہ ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لئے مضر سمجھو اور وہ مفید ہو اور کسی چیز کو مفید خیال کر لو اور وہ مضر ہو تم نے تو سمجھ لیا کہ جہاد میں جان و مال سب کا نقصان ہے اور ترک جہاد میں دونوں کی حفاظت اور یہ نہ جانا کہ جہاد میں دنیا و آخرت کے کیا کیا منافع ہیں اور اس کے ترک میں کیا کیا نقصان ہیں تمہارے نفع و نقصان کو خدا ہی خوب جانتا ہے تم اسے نہیں جانتے اس لئے وہ جو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اپنے اس خیال کو چھوڑو۔

۳۴۳۔ شہر حرام میں قتال کی ممانعت: حضرت فخر عالم رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے اپنی ایک جماعت کافروں کے مقابلہ کو بھیجی انہوں نے کافروں کو مارا اور مال لوٹ لائے مسلمان تو جانتے تھے کہ وہ اخیر دن جمادی الثانی کا ہے اور وہ رجب کا غرہ تھا جو کہ اشہر حرم میں داخل ہے کافروں نے اس پر بہت طعن کیا کہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حرام مہینہ کو بھی حلال کر دیا اور اپنے لوگوں کو حرام مہینہ میں لوٹ مار کی اجازت دے دی مسلمانوں نے حاضر ہو کر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے پوچھا کہ ہم سے شبہ میں یہ کام ہوا اس کا کیا حکم ہے تب یہ آیت اتری۔

۳۴۴۔ یعنی شہر حرام میں قتال کرنا بیشک گناہ کی بات ہے لیکن حضرات صحابہ نے تو اپنے علم کے موافق جمادی الثانی میں جہاد کیا تھا شہر حرام یعنی رجب میں نہیں کیا اس لئے مستحق عفو ہیں ان پر الزام لگانا بے انصافی ہے۔

۳۴۵۔ یعنی لوگوں کو اسلام لانے سے روکنا اور خود دین اسلام کو تسلیم نہ کرنا اور زیارت بیت اللہ سے لوگوں کو روکنا اور مکہ کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ باتیں شہر حرام میں مقاتلہ کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہیں اور کفار برابر یہ حرکات کرتے تھے خلاصہ یہ کہ شہر حرام میں بلاوجہ اور ناحق لڑنا بیشک اشد گناہ ہے مگر جو لوگ کہ حرم میں بھی کفر پھیلائیں اور بڑے بڑے فساد کریں اور اشہر حرم میں بھی مسلمانوں کے ستانے میں قصور نہ کریں ان سے لڑنا منع نہیں علاوہ ازیں جب مشرکین ایسے امور شنیعہ میں سرگرم ہیں تو ایک تھوڑے قصور پر مسلمانوں کی نسبت طعن کرنا جو ان سے بوجہ لاعلمی صادر ہوا بڑی شرم کی بات ہے۔

۳۴۶۔ فتنہ انگیزی قتل سے بڑا جرم ہے: یعنی دین میں فتنہ اور فساد ڈالنا کہ لوگ دین حق کو قبول نہ کریں اس قتل سے بدرجہا مذموم ہے جو مسلمانوں سے شہر حرام میں واقع ہوا مشرکین کی عادت تھی کہ دین اسلام کی باتوں میں طرح طرح سے خدشات کیا کرتے تھے تاکہ لوگ شبہ

میں پڑ جائیں اور اسلام کو قبول نہ کریں چنانچہ اسی قصہ میں کہ مسلمانوں سے شہر حرام میں بوجہ لاعلمی قتل واقعہ ہوا اس پر مشرکین نے جو زبان درازی کی تو اس سے مقصود یہی تھا کہ لوگ قبول اسلام سے متنفر ہو جائیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں سے جو قتل صادر ہوا اس پر مشرکین کا طعن کرنا اس وجہ سے کہ لوگ دین حق سے پھل جائیں قتل مذکور سے بدرجہا مذموم و شنیع ہے۔

۳۴۷۔ یعنی جب تک تم دین حق پر قائم رہو گے یہ مشرکین کسی حالت اور کسی موقع پر بھی تمہارے مقابلہ اور مخالفت میں کمی نہیں کریں گے حرم مکہ اور شہر حرام ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ عمرہ حدیبیہ میں پیش آیا نہ حرم مکہ کی حرمت کی اور نہ شہر حرام کی بلا وجہ محض عناد سے مارنے مرنے کو مستعد ہو گئے اور مسلمانوں کے مکہ میں جانے اور عمرہ کرنے کے روادار نہ ہوئے پھر ایسے معاندین کے طعن تشنیع کی کیا پروا کی جائے اور ان سے مقابلہ کرنے میں شہر حرام کی وجہ سے کیوں رکا جائے۔

۳۴۸۔ یعنی دین اسلام سے پھر جانا اور اسی حالت پر اخیر تک قائم رہنا ایسی سخت بلا ہے کہ عمر بھر کے نیک کام ان کے ضائع ہو جاتے ہیں کہ کسی بھلائی کے مستحق نہیں رہتے دنیا میں نہ ان کی جان و مال محفوظ رہے نہ نکاح قائم رہے نہ ان کو میراث ملے نہ آخرت میں ثواب ملے اور نہ کبھی جنت سے نجات نصیب ہو یا اگر پھر اسلام قبول کر لے تو صرف اس اسلام کے بعد کے اعمال حسنہ کی جزا پوری ملے گی۔

۳۴۹۔ مخلصین کی غلطیوں کا حکم: آیات سابقہ سے جماعت اصحاب مذکورہ بالا کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہمارے اوپر اس بارہ میں کوئی مواخذہ نہیں مگر یہ تردد ان کو تھا کہ دیکھئے اس جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں اس پر یہ آیت اتری کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے واسطے اس کے دشمنوں سے لڑے اپنی کوئی غرض اس لڑائی میں نہ تھی وہ بیشک اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے مستحق ہیں اور اللہ اپنے بندوں کی خطائیں بخشنے والا اور ان پر انعام فرمانے والا ہے وہ ایسے تابعداروں کو محروم نہ کرے گا۔

۲۱۹۔ تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا [۳۵۰] کہدے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے [۳۵۱] اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہدے جو بچے اپنے خرچ سے [۳۵۲] اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم فکر کرو

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَيْرِ وَالْبَيْسِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُ الْكَبْرِ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط  
وَ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ط قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٣١٩﴾

۲۲۰۔ دنیا و آخرت کی باتوں میں [۳۵۳] اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم [۳۵۴] کہدے سنو انان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملا تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو [۳۵۵] اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا [۳۵۶] بیشک اللہ زبردست ہے تدبیر والا [۳۵۷]

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى ط قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ط وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَ اللَّهُ يَعْلَمُ الْفُسَادَ مِنَ الْبَصْلِ ط وَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٢٠﴾

۲۲۱۔ اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک نبی سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کر دو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے [۳۵۸] وہ بلا تے ہیں دوزخ کی طرف [۳۵۹] اور اللہ بلاتا ہے جنت کی اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُوْمِنَ ۖ وَ لَأَمَةٌ  
مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ ۚ وَ لَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا  
تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا ۖ وَ لَعَبْدٌ  
مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۚ وَ لَوْ أَعْجَبَكُمْ ۖ أُولَٰئِكَ  
يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۗ وَ اللَّهُ يَدْعُوا إِلَى الْجَنَّةِ وَ  
الْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۚ وَ يُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ  
يَتَذَكَّرُونَ ۚ

۳۵۰۔ شراب اور جوئے کا بیان: شراب اور جوئے کے حق میں کئی آیتیں اتریں ہر ایک میں ان کی برائی ظاہر کی گئی آخر سورۃ مائدہ کی آیت میں صاف ممانعت کر دی گئی۔ اب جو چیزیں نشہ لاویں وہ سب حرام ہیں اور جو شرط بدی جائے کسی چیز پر جس میں ہار اور جیت ہو وہ محض حرام ہے اور ایک طرف کی شرط حرام نہیں۔

۳۵۱۔ شراب پینے سے عقل جاتی رہتی ہے جو تمام امور شنیعیہ سے بچاتی ہے اور لڑائی اور قتل وغیرہ طرح طرح کی خرابیوں کی نوبت آتی ہے اور مختلف قسم کے امراض روحانی اور جسمانی پیدا ہوتے ہیں جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتے ہیں اور جو اکیلے میں حرام مال کا کھانا اور سرقہ اور تضحیح مال اور عیال باہم دشمنی وغیرہ طرح طرح کے مفاسد ظاہری و باطنی پیش آتے ہیں ان میں سرسری نفع بھی ہے مثلاً شراب پی کر لذت و سرور ہو گیا اور جو اکیلے کر بلا مشقت مال ہاتھ آ گیا۔

۳۵۲۔ مال خرچ کرنے کے آداب: لوگوں نے پوچھا تھا کہ مال اللہ کے واسطے کس قدر خرچ کریں حکم ہوا کہ جو اپنے اخراجات ضروری سے افزود (زائد) ہو کیونکہ جیسا آخرت کا فکر ضرور ہے دنیا کا فکر بھی ضرور ہے اگر سارا سامان اٹھا ڈالو تو اپنی ضروریات کیونکر پوری کرو جو حقوق تم پر لازم ہیں ان کو کیونکر ادا کرو معلوم نہیں کس کس خرابی دینی اور دنیوی میں پھنسو۔

۳۵۳۔ یعنی دنیا فانی مگر محل حوائج ہے اور آخرت باقی اور دار ثواب ہے اس لئے سوچ سمجھ کر ہر ایک امر میں اس کے مناسب حال خرچ کرنا چاہیے اور مصلحت دنیا اور آخرت دونوں کو پیش نظر رکھنا مناسب ہے اور احکام کو واضح طور پر بیان فرمانے سے یہی مطلوب ہے کہ تم کو فکر کرنے کا موقع ملے۔

۳۵۴۔ یتیموں کے مال کا حکم: بعض لوگ یتیم کے مال میں احتیاط نہ کرتے تھے تو اس پر حکم ہوا تھا وَ لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (الانعام۔ ۱۵۲) اور إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتِيمِ ظُلْمًا (النساء۔ ۱۰) لٰخ اس پر جو لوگ یتیموں کی پرورش کرتے تھے وہ ڈر گئے اور یتیموں کے کھانے اور خرچ کو بالکل جدا کر دیا کیونکہ شرکت کی حالت میں یتیم کا مال کھانا پڑتا تھا اس میں یہ دشواری ہوئی کہ ایک چیز یتیم کے واسطے تیار

کی اب جو کچھ بچتی وہ خراب جاتی اور پھینکی پڑتی اس احتیاط میں یتیموں کا نقصان ہونے لگا تو آپ سے عرض کیا تو اس پر اب یہ آیت نازل ہوئی۔  
**۳۵۵۔ یتیموں کے مال کا حکم:** یعنی مقصود تو صرف یہ بات ہے کہ یتیم کے مال کی درستی اور اصلاح ہو سو جس موقع میں علیحدگی میں یتیم کا نفع ہو تو اس کو اختیار کرنا چاہیے اور جہاں شرکت میں بہتری نظر آئے تو ان کا خرچ شامل کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ ایک وقت ان کی چیز کھالی تو دوسرے وقت اپنی چیز ان کو کھلا دی کیونکہ وہ یتیم بچے تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہیں اور بھائیوں میں شرکت اور کھانا اور کھانا بچا نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ یتیموں کی اصلاح کی رعایت پوری رہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس شرکت سے کس کو خیانت اور افساد مال یتیم مقصود ہے اور کس کو یتیموں کی اصلاح اور ان کی نفع رسانی منظور ہے۔

**۳۵۶۔** مشقت ڈالتا یعنی کھانے پینے میں یتیموں کی شرکت علی وجہ اصلاح بھی مباح نہ فرماتا یہ کہ بلا علم و بلا قصد مجبوراً بھی اگر کچھ کمی یا بیشی ہو جاتی تو اس پر بھی مواخذہ کرتا۔

**۳۵۷۔** یعنی بھاری سے بھاری حکم دے سکتا ہے اس لئے کہ وہ زبردست ہے لیکن ایسا نہ کیا بلکہ سہولت کا حکم دیا اس لئے کہ وہ حکمت اور مصلحت کے موافق کرنے والا ہے۔

**۳۵۸۔** مشرک عورتوں سے نکاح کا حکم: پہلے مسلمان مرد اور کافر عورت اور اس کے برعکس دونوں صورتوں میں نکاح کی اجازت تھی اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اگر مرد یا عورت مشرک ہو تو اس کا نکاح مسلمان سے درست نہیں یا نکاح کے بعد ایک مشرک ہو گیا تو نکاح سابق ٹوٹ جائے گا اور شرک یہ کہ علم یا قدرت یا کسی اور صفت خداوندی میں کسی کو خدا کا مماثل سمجھنا یا خدا کے مثل کسی کی تعظیم کرنے لگنا مثلاً کسی کو سجدہ کرے یا کسی کو مختار سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگے۔ باقی اتنی بات دیگر آیات سے معلوم ہوئی کہ یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے وہ ان مشرکین میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ اپنے دین پر قائم ہوں دہریہ اور ملحد نہ ہوں جیسے کہ اکثر نصاریٰ آج کل کے نظر آتے ہیں خلاصہ تمام آیت کا یہ ہے کہ مسلمان مرد کو مشرک عورت سے نکاح کرنا درست نہیں تا وقتیکہ مسلمان نہ ہو جائے بیشک لونڈی مسلمان کافر عورت سے بہتر ہے گو وہ آزاد نبی ہی کیوں نہ ہو اگرچہ مشرک نبی بسبب مال اور جمال اور شرافت تم کو پسند آئے اور ایسے ہی مسلمان عورت کا نکاح مشرک مرد سے نہ کرو کہ مسلمان غلام بھی مشرک مرد سے بہتر ہے گو وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو اگرچہ مشرک مرد بسبب صورت اور دولت کے تم کو پسند ہوں یعنی مسلمان ادنیٰ سے ادنیٰ بھی مشرک سے بہتر افضل ہے گو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہی کیوں نہ ہوں۔

**۳۵۹۔** یعنی مشرکین اور مشرکات جن کا ذکر ہوا ان کے اقوال ان کے افعال ان کی محبت ان کے ساتھ اختلاف کرنا شرک کی نفرت اور اس کی برائی کو دل سے کم کرتا ہے اور شرک کی طرف رغبت کا باعث ہوتا ہے جس کا انجام دوزخ ہے اس لئے ایسوں کے ساتھ نکاح کرنے سے اجتناب کلی لازم ہے۔

۲۲۲۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا کھدے وہ گندگی ہے سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت [۳۶۰] اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہوویں [۳۶۱] پھر جب خوب پاک ہو جاویں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے [۳۶۲] بیشک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے [۳۶۳]

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى  
فَاعْتَرِزُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ  
حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ  
أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ



## الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲۲﴾

۲۲۳۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو [۳۶۴] اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے [۳۶۵] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَاتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۚ وَ قَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّلقُونَ ۗ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

۳۶۰۔ حیض کے احکام: حیض کہتے ہیں اس خون کو جو عورتوں کی عادت ہے اس حالت میں جماعت کرنا نماز روزہ سب حرام ہیں اور خلاف عادت جو خون آئے وہ بیماری ہے اس میں جماعت نماز روزہ سب درست ہیں اس کا حال ایسا ہے جیسا زخم یا فصد سے خون نکلنے کا یہود اور مجوس حالت حیض میں عورت کے ساتھ کھانے اور ایک گھر میں رہنے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے اور نصاریٰ جماعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو اس پر یہ آیت اتری آپ ﷺ نے اس پر صاف فرمادیا کہ جماعت اس حالت میں حرام ہے ان کے ساتھ کھانا پینا رہنا سہنا سب درست ہیں یہود کا افراط اور نصاریٰ کی تفریط دونوں مردود ہو گئیں۔

۳۶۱۔ پاک ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حیض اپنی پوری مدت یعنی دس دن تک موقوف ہو تو اسی وقت سے جماعت درست ہے اور اگر دس دن سے پہلے ختم ہو گیا مثلاً چھ روز کے بعد اور عورت کی عادت بھی چھ روز کی تھی تو جماعت خون کے موقوف ہوتے ہی درست نہیں بلکہ جب عورت غسل کر لے یا نماز کا وقت ختم ہو جائے اس کے بعد جماعت درست ہوگی اور اگر عورت کی عادت سات یا آٹھ دن کی تھی تو ان دنوں کے پورا کرنے کے بعد جماعت درست ہوگی۔

۳۶۲۔ جماعت کے احکام: جس موقع سے جماعت کی اجازت دی ہے یعنی آگے کی راہ سے کہ جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا موقع یعنی لواطت حرام ہے۔

۳۶۳۔ یعنی جو توبہ کرتے ہیں گناہ سے جو ان سے اتفاقیہ صادر ہو مثلاً حالت حیض میں و طلی کا مرتکب ہو اور ناپاکی یعنی گناہوں اور و طلی حالت حیض میں اور و طلی موقع نجس سے احتراز کرتے ہیں۔

۳۶۴۔ یہود عورت کی پشت کی طرف ہو کر و طلی کرنے کو ممنوع کہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس سے بچہ احوال پیدا ہوتا ہے آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو اس پر یہ آیت اتری یعنی تمہاری عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں جس میں نطفہ بجائے تخم اور اولاد بمنزلہ پیداوار کے ہے یعنی اس سے مقصود اصلی نسل کا باقی رہنا اور اولاد کا پیدا ہونا ہے سو تم کو اختیار ہے آگے سے یا کروٹ سے یا پشت سے پڑ کر یا پیٹھ کر جس طرح چاہو جماعت کرو مگر یہ ضرور ہے کہ تخم ریزی اسی خاص موقع میں ہو جہاں پیداواری کی امید ہو۔ یعنی جماعت خاص فرج ہی میں ہو لواطت ہر گز ہر گز نہ ہو یہود کا خیال غلط ہے کہ اس سے بچہ احوال پیدا ہوتا ہے۔

۳۶۵۔ یعنی اعمال صالحہ اپنے لئے کرتے رہو یا یہ کہ و طلی سے اولاد صالح مطلوب ہونی چاہیے محض حفظ نفس مقصود نہ ہو۔

۲۲۲۔ اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ اپنی قسمیں کھانے کے لئے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیز گاری سے اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ [۳۶۶] اور اللہ سب کچھ

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْبَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَ تَتَّقُوا وَ تَصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ سَبِيْعٌ

سننا جانتا ہے [۳۶۷]

عَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾

۳۶۶۔ لغو قسم کھانے کا بیان: یعنی کسی اچھے کام نہ کرنے پر خدا کی قسم کھا بیٹھے مثلاً ماں باپ سے نہ بولوں گا یا فقیر کو کچھ نہ دوں گا یا باہم کسی میں مصالحت نہ کراؤں گا ایسی قسموں میں خدا کے نام کو برے کاموں کے لئے ذریعہ بنانا ہوا سو ایسا ہر گز مت کرو اور اگر کسی نے ایسی قسم کھائی تو اس کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔

۳۶۷۔ یعنی اگر کوئی قسم کھاتا ہے تو اللہ اس کو سنتا ہے اور اگر کوئی عظمت و جلال خداوندی کی وجہ سے قسم کھانے سے رکتا ہے تو اللہ اس کی نیت کو خوب جانتا ہے تمہاری کوئی بات ظاہری اور باطنی اس سے مخفی نہیں اس لئے نیت قلبی اور قول لسانی دونوں میں احتیاط لازم ہے۔

۲۲۵۔ نہیں پکڑتا تم کو اللہ بیہودہ قسموں پر تمہاری [۳۶۸]  
لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر کہ جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے [۳۶۹] اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے [۳۷۰]

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْسَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ

حَلِيمٌ ﴿۲۲۵﴾

۳۶۸۔ لغو اور بیہودہ قسم وہ ہے کہ منہ سے عادت اور حروف کے موافق بیساختہ اور ناخواستہ نکل جائے اور دل کو خبر تک نہ ہو ایسی قسم کا نہ کفارہ ہے نہ اس میں گناہ ہے البتہ اگر کوئی بالقصد الفاظ قسم مثل واللہ اور باللہ کہے اور اس سے محض تاکید مقصود ہو قسم کا قصد نہ ہو تو اس پر ضرور کفارہ لازم ہو گا اور کفارہ کا بیان آگے آجائے گا۔

۳۶۹۔ یعنی جو قسم جان بوجھ کر کھائے کہ جس میں دل بھی زبان کے موافق ہو اس قسم کے توڑنے پر کفارہ لازم ہو گا۔

۳۷۰۔ غفور ہے کہ لغو اور بیہودہ قسموں پر مواخذہ نہ فرمایا حلیم ہے کہ مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا شاید بندہ توبہ کر لے۔

۲۲۶۔ جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے انکے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصًا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲۶﴾

۲۲۷۔ اور اگر ٹھہرا لیا چھوڑ دینے کو تو بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۳۷۱]

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾

۳۷۱۔ ایلاء کے احکام: یعنی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں اپنی عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو اگر چار مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ دے گا اور عورت اس کے نکاح میں رہے گی اور اگر چار مہینے گزر گئے اور اس کے پاس نہ گیا تو عورت پر طلاق بائن ہو جائے گی۔ فائدہ: ایلاء شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ عورت کے پاس جانے سے چار مہینے یا زائد کے لئے یا بلا قید مدت قسم کھالے اور چار مہینے سے کم ایلاء نہ ہو گا۔ ایلاء کی تینوں صورتوں میں چار مہینے کے اندر عورت کے پاس جانے کا تو کفارہ قسم کا دینا پڑے گا ورنہ چار ماہ کے ختم ہونے پر بلا طلاق دیے عورت مطلقہ بانئہ ہو جائے گی اور اگر چار مہینے سے کم پر قسم کھائے مثلاً قسم کھائی کہ تین مہینے عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو یہ ایلاء شرعی نہیں اس کا یہ حکم ہے کہ اگر قسم کو توڑا مثلاً صورت مذکورہ میں تین مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ لازم ہو گا اور اگر قسم کو پورا کیا یعنی تین مہینے

تک مثلاً اس کے پاس نہ گیا تو نہ عورت پر طلاق پڑے گی نہ کفارہ لازم ہو گا۔

۲۲۸۔ اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر [۳۴۲] اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں انکے لوٹالینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا [۳۴۳] اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے [۳۴۴] اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا

وَالْبَطْلَقُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۖ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَبِعَوْلَتِهِنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

۳۷۲۔ طلاق اور عدت کے احکام: جب مرد نے عورت کو طلاق دی تو ابھی اس عورت کو کسی دوسرے سے نکاح روا نہیں جب تک تین حیض پورے نہ ہو جائیں تاکہ حمل ہو تو معلوم ہو جائے اور کسی کی اولاد کسی کو نہ مل جائے اس لئے عورت پر فرض ہے کہ جو ان کے پیٹ میں ہو اس کو ظاہر کر دیں خواہ حمل ہو یا حیض آتا ہو اور اس مدت کو عدت کہتے ہیں۔ فائدہ: معلوم کرنا چاہیے کہ یہاں مطلقات سے خاص وہ عورتیں مراد ہیں کہ ان سے نکاح کے بعد صحبت یا خلوت شرعیہ کی نوبت خاوند کو آپچی ہو اور ان عورتوں کو حیض بھی آتا ہو اور آزاد بھی ہوں کسی کی لونڈی نہ ہوں کیونکہ جس عورت سے صحبت یا خلوت کی نوبت نہ آئے اس کے اوپر طلاق کے بعد عدت بالکل نہیں اور جس عورت کو حیض نہ آئے مثلاً صغیر سن ہے یا بہت بوڑھی ہو گئی یا اس کو حمل ہے تو پہلی دونوں صورتوں میں اس کی عدت تین مہینے ہیں اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور جو عورت آزاد نہ ہو بلکہ کسی کی شرعی قاعدہ کے موافق لونڈی ہو اگر اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت دو حیض اور حیض نہ آئے تو اگر وہ صغیرہ یا بڑھیا ہے تو اس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہے اور حاملہ ہے تو وہی وضع حمل ہے۔ دوسری آیتوں اور حدیثوں سے یہ تفصیل ثابت ہے۔

۳۷۳۔ طلاق سے رجوع کرنے کا حکم: یعنی عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر رکھ لے اگرچہ عورت کی خوشی نہ ہو مگر اس لوٹانے سے مقصود سلوک اور اصلاح ہو عورت کو ستانا یا اس دباؤ میں اس سے مہر کا معاف کرنا منظور نہ ہو یہ ظلم ہے اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہو گا رجعت بھی صحیح ہو جائے گی۔

۳۷۴۔ مردوں کی عورتوں پر فضیلت: یعنی یہ امر تو حق ہے کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں ایسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں جن کا قاعدہ کے موافق ادا کرنا ہر ایک پر ضروری ہے اب مرد کو عورت کے ساتھ بد سلوکی اور اس کی ہر قسم کی حق تلفی ممنوع ہو گی مگر یہ بھی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور فوقیت ہے تو اس لئے رجعت میں اختیار مرد ہی کو دیا گیا۔

۲۲۹۔ طلاق رجعی ہے دوبار تک اسکے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے [۳۴۵] اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہو عورتوں سے مگر جبکہ خاوند

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَمَا مَسَّكُ بِمَعْرُوفٍ ۖ أَوْ تَسْرِيحًا ۖ بِإِحْسَانٍ ۖ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا

عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے حکم اللہ کا [۳۷۶] پھر اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کا حکم تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دیکر چھوٹ جاوے [۳۷۷] یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سوان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ہیں ظالم [۳۷۸]

اتَّيَسُّوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۲۹﴾

۲۳۰۔ پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اسکے سوا پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ پھر باہم مل جاویں اگر خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان فرماتا ہے ان کو واسطے جاننے والوں کے [۳۷۹]

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهَا فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳۰﴾

۳۷۵۔ صرف دو طلاقیں: اسلام سے پہلے دستور تھا کہ دس بیس جتنی بار چاہتے زوجہ کو طلاق دیتے مگر عدت کے ختم ہونے سے پہلے رجعت کر لیتے پھر جب چاہتے طلاق دیتے اور رجعت کر لیتے اور اس صورت سے بعض شخص عورتوں کو اسی طرح بہت ستاتے اس واسطے یہ آیت اتری کہ طلاق جس میں رجعت ہو سکے کل دوبارہ ایک یا دو طلاق تک تو اختیار دیا گیا کہ عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر دستور کے موافق رکھ لے یا بھلی طرح سے چھوڑ دے پھر بعد عدت کے رجعت باقی نہیں رہتی ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور اگر تیسری بار طلاق دے گا تو پھر ان میں نکاح بھی درست نہیں ہو گا جب تک دوسرا خاوند اس سے نکاح کر کے صحبت نہ کر لیوے۔ فائدہ: اِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اور تَسْمِيحٌ بِاِحْسَانٍ سے غرض یہ ہے کہ رجعت کرے تو موافقت اور حسن معاشرت کے ساتھ رہے۔

۳۷۶۔ یعنی مردوں کو یہ روا نہیں کہ عورتوں کو جو مہر دیا ہے اس کو طلاق کے بدلہ میں واپس لینے لگیں البتہ یہ جب روا ہے کہ ناچاری ہو اور کسی طرح دونوں میں موافقت نہ آئے اور ان کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ بوجہ شدت مخالفت ہم احکام خداوندی کی پابندی معاشرت باہمی میں نہ کر سکیں گے اور مرد کی طرف سے ادائے حقوق زوجہ میں قصور بھی نہ ہو ورنہ مال لینا زوج کو حرام ہے۔

۳۷۷۔ خلع کا بیان: یعنی اے مسلمانو اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ خاوند اور بیوی میں ایسی بیزاری ہے کہ اُنکی گذران موافقت سے نہ ہوگی تو پھر ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت مال دے کر اپنے آپ کو نکاح سے چھڑالے اور مرد وہ مال لے لے۔ اس کو خلع کہتے ہیں اور جب اس ضرورت کی حالت میں زوجین کو خلع کرنا درست ہو تو سب مسلمانوں کو اس میں سعی کرنا ضرور درست ہوگی۔ فائدہ: ایک عورت آپ ﷺ کی

خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی آپ ﷺ نے تحقیق کیا تو عورت نے کہا کہ وہ میرے حقوق میں کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اس کے اخلاق و تدین پر مجھ کو اعتراض ہے لیکن مجھ کو اس سے منافرت طبعی ہے آپ نے عورت سے مہر واپس کر دیا اور زوج سے طلاق دلوادی اس پر یہ آیت اتری۔

۳۷۸۔ یہ سب احکام مذکورہ یعنی طلاق اور رجعت اور خلع حدود اور قواعد مقرر فرمودہ حق تعالیٰ ہیں ان کی پوری پابندی لازم ہے کسی قسم کا خلاف اور تغیر اور کوتاہی ان میں نہ کرنی چاہئے۔

۳۷۹۔ تیسری طلاق کا حکم: یعنی اگر زوج اپنی عورت کو تیسری بار طلاق دے گا تو پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی تا وقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور دوسرا خاوند اس سے صحبت کر کے اپنی خوشی سے طلاق نہ دیوے اس کی عدت پوری کر کے پھر زوج اول سے نکاح جدید ہو سکتا ہے اس کو حلال کہتے ہیں اور حلالہ کے بعد زوج اول کے ساتھ نکاح ہونا جب ہی ہے کہ ان کو حکم خداوندی کے قائم رکھنے یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال اور اس پر اعتماد ہو ورنہ ضرور نزع باہمی اور اتملاف حقوق کی نوبت آئے گی اور گناہ میں مبتلا ہوں گے۔

۲۳۱۔ اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک [۳۸۰] تو رکھ لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو بھلی طرف سے اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی کرو [۳۸۱] اور جو ایسا کرے گا وہ بیشک اپنا ہی نقصان کرے گا اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو منہی اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اسکے ساتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے [۳۸۲]

وَ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَّغْنَ أَجَلَهُنَّ  
فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَارِحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَ  
لَا تُسْكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ  
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۗ وَ  
اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ  
الْكِتَابِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ  
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۸۱﴾

۲۳۲۔ اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو آپ نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے [۳۸۳] یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر [۳۸۴] اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۳۸۵]

وَ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَّغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا  
تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا  
بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَلِكَ يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ  
مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَلِكُمْ أَزْكَىٰ

## لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳۲﴾

۳۸۰۔ یعنی عدت ختم ہونے کو آئی۔

۳۸۱۔ رجعت کے آداب: یعنی عدت کے ختم ہونے تک خاوند کو اختیار ہے کہ اس عورت کو موافقت اور اتحاد کے ساتھ پھر ملا لے یا خوبی اور رضامندی کے ساتھ بالکل چھوڑ دے یہ ہرگز جائز نہیں کہ قید میں رکھ کر اس کو ستانے کے قصد سے رجعت کرے جیسا کہ بعض اشخاص کیا کرتے تھے۔ فائدہ: آیت سابقہ یعنی الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ الخ میں یہ بتلایا تھا کہ دو طلاق تک زوج کو اختیار ہے کہ عورت کو عہدگی سے پھر ملا لے یا بالکل چھوڑ دے اب اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ یہ اختیار صرف عدت تک ہے بعد زوج کو اختیار مذکورہ حاصل نہ ہو گا اس لئے کوئی تکرار کاشبہ نہ کرے۔

۳۸۲۔ نکاح طلاق ایلاء خلع رجعت حلالہ وغیرہ میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان میں حیلے کرنے اور بیہودہ اغراض کو دخل دینا مثلاً کوئی رجعت کرے اور اس سے مقصود عورت کو تنگ کرنا ہے تو گویا اللہ کے احکام کے ساتھ ٹھٹھے بازی ٹھہری نعوذ باللہ من ذلک اللہ کو سب کچھ روشن ہے ایسے حیلوں سے بجز مضرت اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

۳۸۳۔ معروف طریقے کے معنی: ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیام دیا عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے بھائی کو غصہ آیا اور نکاح کو روک دیا اس پر یہ حکم اترا کہ عورت کی خوشنودی اور بیہودی کو ملحوظ رکھو اسی کے موافق نکاح ہونا چاہیے اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو اور یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والوں کو سب کو خواہ زوج اول جس نے کہ طلاق دی ہے وہ دوسری جگہ عورت کو نکاح کرنے سے روکے یا عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے مانع ہوں سب کو روکنے سے ممانعت آگئی ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً غیر کفو میں عورت کا نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے۔ بِالنَّعْرُوفِ فرمانے کا یہی مطلب ہے۔

۳۸۴۔ یہ سب احکام حکمت سے پر ہیں: یعنی حکم جو مذکور ہوئے ان سے اہل ایمان کو نصیحت دی جاتی ہے کیونکہ اس نصیحت سے وہی منتفع ہوتے ہیں اور یوں تو نصیحت سبھی کے لئے ہے کسی کی خصوصیت نہیں اور مومنین کے خاص کرنے سے دوسروں پر تہدید اور ان کی تحقیر بھی مفہوم ہوتی ہے یعنی جو لوگ ان حکموں پر عمل نہیں کرتے گویا ان کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہی نہیں۔

۳۸۵۔ یہ سب احکام حکمت سے پر ہیں: یعنی عورت کو نکاح سے نہ روکنے اور اس کے نکاح ہو جانے میں وہ پاکیزگی ہے جو نکاح سے روکنے میں ہرگز نہیں اور عورت جب کہ پہلے خاوند کی طرف راغب ہو تو اسی کے ساتھ نکاح ہو جانے میں وہ پاکیزگی ہے کہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے میں ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں اور نفع و نقصان آئندہ کو خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۲۳۳۔ اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو دو برس پوری جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت [۳۸۶] اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق نہ نقصان دیا جاوے ماں کو

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لَبَنٍ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۖ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ

اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو کہ جس کا وہ بچہ ہے یعنی باپ کو اسکے بچہ کی وجہ سے [۳۸۷] اور وارثوں پر بھی یہ لازم ہے [۳۸۸] پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑالیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں [۳۸۹] اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ حوالہ کر دو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے [۳۹۰] اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

إِلَّا وَسَعَهَا لَا تَصَارَ وَالِدَاتُ بَوَالِدِهَا وَلَا مَوْلُودُهُنَّ  
بِبَوَالِدِهِنَّ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا  
فَصَلًّا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ  
عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ  
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا آتَيْتُمْ  
بِالْعُرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

۳۸۶۔ رضاعت کے احکام: یعنی ماں کو حکم ہے کہ اپنے بچہ کو دو برس تک دودھ پلائے اور یہ مدت اس کے لئے ہے جو ماں باپ بچہ کے دودھ پینے کی مدت کو پورا کرنا چاہیں ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے جیسا آیت کے اخیر میں آتا ہے اور اس حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا ان کی عدت بھی گزر چکی ہو ہاں اتنا فرق ہو گا کہ کھانا کپڑا منکوحہ اور معتدہ کو دینا زوج کو ہر حال میں لازم ہے دودھ پلائے یا نہ پلائے اور عدت ختم ہو چکے گی تو پھر صرف دودھ پلانے کی وجہ سے دینا ہو گا اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دودھ کی مدت کو جس ماں سے پورا کرنا چاہیں یا جس صورت میں باپ سے دودھ پلانے کی اجرت ماں کو دلوانا چاہیں تو اس کی انتہا دو برس کامل ہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ علی العموم دودھ پلانے کی مدت دو برس سے زیادہ نہیں۔

۳۸۷۔ یعنی باپ کو بچہ کی ماں کو کھانا کپڑا ہر حال میں دینا پڑے گا۔ اول صورت میں تو اس لئے کہ وہ اس کے نکاح میں ہے دوسری صورت میں عدت میں ہے اور تیسری صورت میں دودھ پلانے کی اجرت دینی ہو گی اور بچہ کے ماں باپ بچہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں مثلاً ماں بلا وجہ دودھ پلانے سے انکار کرے یا باپ بلا سبب ماں سے بچہ جدا کر کے کسی اور سے دودھ پلوائے یا کھانے کپڑے میں تنگی کرے۔

۳۸۸۔ یعنی اگر باپ مر جاوے تو بچہ کے وارثوں پر بھی یہی لازم ہے کہ دودھ پلانے کی مدت میں اس کی ماں کے کھانے کپڑے کا خرچ اٹھائیں اور تکلیف نہ پہنچائیں اور وارث سے مراد وہ وارث ہے جو محرم بھی ہو۔

۳۸۹۔ یعنی اگر ماں باپ کسی مصلحت کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی بچہ کی مصلحت کا لحاظ کر کے باہمی مشورہ اور رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں گناہ نہیں مثلاً ماں کا دودھ اچھانہ ہو۔

۳۹۰۔ یعنی اے مردو اگر تم کسی ضرورت و مصلحت سے ماں کے سوا کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی گناہ نہیں مگر اس کی وجہ سے ماں کا کچھ حق نہ کاٹ رکھے بلکہ دستور کے مطابق جو ماں کو دینا ٹھہرایا تھا وہ دیدے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دودھ پلانے والی کا حق نہ کاٹے۔

۲۳۴۔ اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن [۳۹۱] پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق [۳۹۲] اور اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی خبر ہے

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا  
يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا  
بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي  
أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ  
خَبِيرٌ ﴿۲۳۴﴾

۲۳۵۔ اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر یہی کہ کہدو کوئی بات رواج شریعت کے موافق اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو [۳۹۳] اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے [۳۹۴]

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ  
النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ  
سَتَدُكَّرُوهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ  
تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۗ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ  
حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ  
يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ  
اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

۳۹۱۔ موت کی عدت: پہلے گزر چکا ہے کہ طلاق کی عدت میں تین حیض انتظار کرے اب فرمایا کہ موت کی عدت میں چار مہینے دس دن انتظار کرے سو اس مدت میں اگر معلوم ہو گیا کہ عورت کو حمل نہیں تو عورت کو نکاح کی اجازت ہوگی ورنہ وضع حمل کے بعد اجازت ہوگی اس کی تشریح سورہ طلاق میں آئے گی حقیقت میں تین حیض یا چار مہینے دس دن حمل کے انتظار اور اس کے دریافت کرنے کے لئے مقرر فرمائے۔

۳۹۲۔ بیوہ کا نکاح: جب بیوہ عورتیں اپنی عدت پوری کر لیں یعنی غیر حاملہ چار ماہ دس روز اور حاملہ مدت حمل تو ان کو دستور شریعت کے موافق نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہیں اور زینت اور خوشبو سب حلال ہیں۔



۳۹۳۔ خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ عورت خاوند کے نکاح سے جدا ہوئی تو جب تک عدت میں ہے تو کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ اس سے نکاح کر لے یا صاف وعدہ کر لے یا صاف پیام بھیجے لیکن اگر دل میں نیت رکھے کہ بعد عدت اس سے نکاح کروں گا یا اشارہ اپنے مطلب کو اسے سنادے تاکہ کوئی دوسرا اس سے پہلے پیام نہ دے بیٹھے مثلاً عورت کو سنادے کہ تجھ کو ہر کوئی عزیز رکھے گا یا کہے کہ میرا ارادہ کہیں نکاح کرنے کا ہے تو کچھ گناہ نہیں مگر صاف پیام ہرگز نہ دے۔

۳۹۴۔ یعنی حق تعالیٰ تمہارے جی کی باتیں جانتا ہے سو ناجائز ارادہ سے بچتے رہو اور ناجائز ارادہ ہو گیا تو اس سے توبہ کرو اللہ بخشنے والا ہے اور گنہگار پر عذاب نہ ہو تو اس سے مطمئن نہ ہو جائے کیونکہ وہ حلیم ہے عقوبت میں جلدی نہیں فرماتا۔

۲۳۶۔ کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے کچھ مہر اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے لازم ہے نیکی کرنے والوں پر [۳۹۵]

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَسُوهُنَّ أَوْ تَفَرِّضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً مِّمَّا مَتَّعُوهُنَّ عَلَى النُّوسَعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْبِحْسَنِ

۲۳۷۔ اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے گرہ نکاح کی یعنی خاوند اور تم مرد درگزر کرو تو قریب ہے پر ہیزگاری سے اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے [۳۹۶]

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

۳۹۵۔ مہر کا بیان: اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ آیا اور بلا مہر ہی نکاح کر لیا تو بھی نکاح درست ہے مہر بعد میں مقرر ہو رہے گا لیکن اس صورت میں اگر ہاتھ لگانے سے پہلے یعنی مجامعت اور خلوت صحیح سے پہلے ہی طلاق دے دی تو مہر کچھ لازم نہ ہو گا لیکن زوج کو لازم ہے کہ اپنے پاس سے عورت کو کچھ دیدے کم سے کم یہی کہ تین کپڑے کرتہ، سر بند، چادر اپنی حالت کے موافق اور خوشی سے دیدے۔

۳۹۶۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی تو آدھا مہر دینا لازم ہے مگر عورت یا مرد کہ جس کے اختیار میں ہے نکاح کا قائم رکھنا اور توڑنا اپنے حق سے درگزر کریں تو بہتر ہے عورت کی تو درگزر یہ کہ آدھا بھی معاف کر دے اور مرد کی درگزر یہ کہ جو

مہر مقرر ہوا تھا پورا حوالہ کر دے یا تمام مہر ادا کر چکا تھا تو آدھانہ لوٹا دے بلکہ سب مہر چھوڑ دے پھر فرمایا کہ مرد درگزر کرے تو تقویٰ کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کو بڑائی دی اور مختار کیا نکاح باقی رکھنے کا اور طلاق دینے کا اور نفس نکاح سے تمام مہر لازم ہو جاتا ہے اب بدون ہاتھ لگائے طلاق دے کر زوج نصف مہر کو اپنے ذمہ سے ملاتا ہے یہ تقویٰ کے مناسب نہیں اور زوجہ کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی جو کچھ کیا زوج نے کیا ان وجوہ سے زوج کو زیادہ مناسب ہے کہ درگزر کرے۔ فائدہ: طلاق کی مہر اور وطی کے لحاظ سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ نہ مہر ہونہ وطی۔ دوسری یہ کہ مہر تو مقرر ہو مگر وطی کی نوبت نہ آئے ان دونوں صورتوں کا حکم دونوں آیتوں میں معلوم ہو چکا۔ تیسری یہ کہ مہر مقرر ہو اور وطی کی نوبت آوے اس میں جو مہر مقرر کیا ہے پورا دینا ہو گا۔ یہ صورت کلام اللہ میں دوسرے موقع پر مذکور ہے۔ چوتھی یہ کہ مہر نہ ٹھہرایا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی اس میں مہر مثل پورا دینا پڑے گا یعنی جو اس عورت کی قوم میں رواج ہے اور یہی چاروں صورتیں موت زوج میں نکلیں گی مگر موت کا حکم طلاق کے حکم سے جدا ہے اگر مہر مقرر نہ کیا تھا اور ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا کہ زوج مر گیا یا ہاتھ لگانے کے بعد مر ان دونوں صورتوں میں مہر مثل پورا لازم ہو گا اور اگر مہر مقرر کیا اور ہاتھ لگایا یا ہاتھ نہ لگایا تو ان دونوں صورتوں میں جو مہر مقرر ہوا تھا وہ پورا دینا ہو گا۔

۲۳۸۔ خبر دار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے [۳۹۷]

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ وَ قَوْمُوا لِلَّهِ قُنْتَيْنَ ﴿۲۳۸﴾

۲۳۹۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ پڑھ لو یا سوار پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے [۳۹۸]

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَدْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

۳۹۷۔ عصر کی نماز کی اہمیت: بیچ والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے اس کی تاکید زیادہ فرمائی کہ اس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے اور فرمایا کھڑے رہو ادب سے یعنی نماز میں ایسی حرکت نہ کرو جس سے معلوم ہو جائے کہ نماز نہیں پڑھتے ایسی باتوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جیسے کھانا پینا یا کسی سے بات کرنا یا ہنسنا۔ فائدہ: طلاق کے حکموں میں نماز کے حکم کو بیان فرمانے کی یا یہ وجہ ہے کہ دنیا کے معاملات اور باہمی نزاعات میں پڑ کر کہیں خدا کی عبادت کو نہ بھلا دو اور یا یہ وجہ ہے کہ ہو اور ہوس کے بندوں کو بوجہ غلبہ حرص و بخل عدل کو پورا کرنا اور انصاف سے کام لینا اور وہ بھی رنج اور طلاق کی حالت میں بہت دشوار ہے پھر وَأَنْ تَعْفُوا اور لَا تَتَسَوَّأُ الْفَضْلُ پر اور اس حالت میں ان سے عمل کرنے کی توقع بیشک مستعبد نظر آتی تھی سو اس کا علاج فرمادیا گیا کہ نماز کی محافظت اور اس کی پابندی اور اس کے حقوق کی رعایت عمدہ علاج ہے کہ نماز کو ازالہ رذائل اور تحصیل فواضل میں بڑا اثر ہے۔

۳۹۸۔ خوف کی نماز کی بیان: یعنی لڑائی اور دشمن سے خوف کا وقت ہو تو ناچاری کو سواری پر اور پیادہ بھی اشارہ سے نماز درست ہے گو قبلہ کی طرف بھی منہ نہ ہو۔

۲۴۰۔ اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے [۳۹۹] پھر

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ ﴿۲۴۰﴾

اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا [۳۰۰]

۲۴۱۔ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق لازم ہے پرہیز گاروں پر [۳۰۱]

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۲۰﴾

وَ لِلْمُطَلَّاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۳۲۱﴾

۲۴۲۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو [۳۰۲]

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۳۲۲﴾

۳۹۹۔ یہ حکم اول تھا اس کے بعد جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا بھی حصہ مقرر ہو چکا ادھر عورت کی عدت چار مہینے دس دن ٹھہرا دی گئی تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔

۴۰۰۔ یعنی اگر وہ عورتیں اپنی خوشی سے سال کے ختم ہونے سے پہلے گھر سے نکلیں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اے وارثو اس کام میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں شریعت کے موافق یعنی چاہیں خاوند کریں یا اچھی پوشاک اور خوشبو کا استعمال کریں کچھ حرج نہیں۔

۴۰۱۔ طلاق والی عورتوں کو جوڑا دینا: پہلے خرچ یعنی جوڑا دینے کا حکم اس طلاق پر آچکا ہے کہ نہ مہر ٹھہرا ہونہ زوج نے ہاتھ لگایا ہو اب اس آیت میں وہ حکم سب کے لئے آگیا مگر اتنا فرق ہے کہ سب طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے ضروری نہیں اور پہلی صورت میں ضروری ہے۔

۴۰۲۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں نکاح طلاق عدت کے احکام بیان فرمائے ایسے ہی اپنے احکام و آیات کو واضح فرماتا ہے کہ تم سمجھ لو اور عمل کر سکو۔ یہاں نکاح و طلاق کے احکام ختم ہو چکے۔

۲۴۳۔ کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا بیشک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے [۳۰۳]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ

حَدَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ۖ ثُمَّ

أَحْيَاهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۲۳﴾

۲۴۴۔ اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بیشک خوب سنتا جانتا ہے

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَبِيعٌ

عَلَيْهِمْ ﴿۳۲۴﴾

۲۴۳۔ پچھلے لوگوں کا ایک قصہ: یہ پہلی امت کا قصہ ہے کہ کئی ہزار شخص گھر بار کو ساتھ لے کر وطن سے بھاگے ان کو ڈر ہوا تھا غنیم کا اور لڑنے سے جی چھپایا یا ڈر ہوا تھا دبا کا اور تقدیر پر توکل اور یقین نہ کیا پھر ایک منزل پر پہنچ کر بحکم الہی سب مر گئے پھر سات دن کے بعد پیغمبر کی دعا سے زندہ ہوئے کہ آگے کو توبہ کریں اس حال کو یہاں اس واسطے ذکر فرمایا کہ کافروں سے لڑنے یا فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے میں جان اور مال کی محبت کے باعث دریغ نہ کریں اور جان لیویں کہ اللہ موت بھیجے تو چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں اور زندگی چاہے تو مردہ کو دم کے دم میں زندہ کر دے زندہ کو موت سے بچالینا تو کوئی چیز ہی نہیں پھر اس کی تعمیل حکم میں موت سے ڈر کر جہاد سے بچنا یا افلاس سے بچ کر صدقہ اور دوسروں پر احسان یا عفو اور فضل سے رکنا بد دینی کے ساتھ حماقت بھی پوری ہے۔

۲۴۵۔ کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض پھر دو گنا کر دے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کر دیتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹاؤ جاؤ گے [۲۴۳]

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾

۲۴۴۔ اتفاق مال کے فضائل: یعنی جب معلوم ہو چکا کہ اللہ کے حکم میں تمہاری جان اور مال ہے تو اب تم کو چاہیے کہ لڑو کافروں سے اللہ کے واسطے دین کے لئے اور جان لو کہ خدا تعالیٰ سنتا ہے بہانہ کرنے والوں کی باتیں اور جانتا ہے ان کے منصوبوں کو اور چاہیے کہ خرچ کرو اللہ کے رستے میں مال اور تنگی سے مت ڈرو کہ کشائش اور تنگی سب اس کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے قرض حسنہ اسے کہتے ہیں جو قرض دے کر تقاضا نہ کرے اور اپنا احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اسے حقیر نہ سمجھے اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔

۲۴۶۔ کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعت بنی اسرائیل کو موسیٰ کے بعد [۲۴۵] جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کر دو ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں پیغمبر نے کہا کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو وہ بولے ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو نکال دیے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے سے ان میں کے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو [۲۴۶]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْبَلَاءِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّنَا لَئِن لَّمْ يَأْتِنَا مِنْ اللَّهِ آيَةٌ نَّكَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا

قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾

۲۴۷۔ اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرمادیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اس کو حکومت ہم پر اور ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے اور اس کو نہیں ملی کشائش مال میں پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ہے فضل کرنے والا سب کچھ جاننے والا [۲۰۷]

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

۲۴۸۔ اور کہا بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسیٰ اور ہارون کی اولاد اٹھالادیں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو [۲۰۸]

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

۲۴۹۔ پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر کہا بیشک اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ میرا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بیشک میرا ہے مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھر پی لیا سب نے اس کا پانی مگر تھوڑوں نے ان میں سے پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے ساتھ اس کے تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرَبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا

بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [۳۰۹]

الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَ جُنُودِهِ ط قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ  
أَنَّهُم مُّلقُوا اللّٰهَ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَت فِئَةً  
كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ﴿٢٣٩﴾

۲۵۰۔ اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَ جُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفِرِّغْ  
عَلَيْنَا صَبْرًا وَ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ انصُرْنَا عَلَى  
الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿٢٥٠﴾

۲۵۱۔ پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کر دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر [۳۱۰]

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّٰهِ قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَ  
أَنَّهُ اللّٰهُ الْبُلْكُ وَ الْحِكْمَةُ وَ عَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ط  
لَوْلَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ  
الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٢٥١﴾

۳۰۵۔ اس قصہ سے حق تعالیٰ کا بسط و قبض جو ابھی مذکور ہوا خوب ثابت ہوتا ہے یعنی فقیر کو بادشاہ بنانا اور بادشاہ سے بادشاہت چھین لینا اور ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف کر دینا۔

۳۰۶۔ طالوت بادشاہ کا واقعہ: حضرت موسیٰ کے بعد کچھ عرصہ تک بنی اسرائیل کا کام درست رہا پھر جب ان کی نیت بگڑی تب ان پر ایک غنیمت کافر بادشاہ جالوت مسلط ہوا ان کو شہر سے نکال دیا اور لوٹا اور ان کو پکڑ کر بندی بنایا بنی اسرائیل بھاگ کر بیت المقدس میں جمع ہوئے اس وقت حضرت اشموئیل پیغمبر تھے ان سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کر دو کہ اس کے ساتھ ہو کر ہم جہاد کریں فی سبیل اللہ۔

۳۰۷۔ طالوت کی قوم میں آگے سے سلطنت نہ تھی غریب محنتی آدمی تھے ان کی (بنی اسرائیل) نظر میں سلطنت کے قابل نظر نہ آئے اور بوجہ مال و دولت اپنے آپ کو سلطنت کے لائق خیال کیا نبی نے فرمایا کہ سلطنت کسی کا حق نہیں اور سلطنت کی بڑی لیاقت ہے عقل اور بدن میں زیادتی اور وسعت ہونی جس میں طالوت تم سے افضل ہے۔ فائدہ: بنی اسرائیل نے جب یہ سنا تو پھر کہا پیغمبر سے کہ اس کے سوا کوئی اور دلیل

بھی ان کی بادشاہت پر دکھلا دو تاکہ ہمارے دل میں کوئی اشتباہ نہ رہے نبی نے دعا کی جناب الہی میں اور طالوت کی سلطنت کی دوسری نشانی بیان فرمادی گئی۔

۳۰۸۔ بنی اسرائیل کا تابوت: بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں تبرکات تھے۔ حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء کے بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے اللہ اس کی برکت سے فتح دیتا جب جالوت غالب آیا ان پر تو یہ صندوق بھی وہ لے گیا تھا جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہو تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے ہیں وہیں وبا اور بلا آتی پانچ شہر ویران ہو گئے ناچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور طالوت نے جالوت پر نوح کشی کی اور موسم نہایت گرم تھا۔

۳۰۹۔ جالوت کے خلاف طالوت کا جہاد: ہوس سے طالوت کے ساتھ چلنے کو سب تیار ہو گئے طالوت نے کہہ دیا کہ جو کوئی جوان زور آور اور بے فکر ہو وہ چلے ایسے بھی اسی ہزار نکلے پھر طالوت نے ان کو آزمانا چاہا ایک منزل میں پانی نہ ملا دوسری میں ایک نہر ملی طالوت نے حکم کر دیا کہ جو ایک چلو سے زیادہ پانی پیوے وہ میرے ساتھ نہ چلے صرف تین سو تیرہ ان کے ساتھ رہ گئے اور سب جدا ہو گئے۔ جنہوں نے ایک چلو سے زیادہ نہ پیا ان کی پیاس بجھی اور جنہوں نے زیادہ پیا ان کو اور پیاس لگی اور آگے نہ چل سکے۔

۳۱۰۔ جالوت کی شکست: جب سامنے ہوئے جالوت کے یعنی وہی تین سو تیرہ آدمی اور انہی تین سو تیرہ میں حضرت داؤد کے والد اور ان کے چھ بھائی اور خود حضرت داؤد بھی تھے، حضرت داؤد کو راہ میں تین پتھر ملے اور بولے کہ اٹھالے ہم کو ہم جالوت کو قتل کریں گے جب مقابلہ ہوا جالوت خود باہر نکلا اور کہا میں اکیلا تم سب کو کافی ہوں میرے سامنے آتے جاؤ حضرت اشموئیل نے حضرت داؤد کے باپ کو بلایا کہ اپنے بیٹے مجھ کو دکھلا اس نے چھ بیٹے دکھائے جو قد آور تھے حضرت داؤد کو نہیں دکھایا ان کا قد چھوٹا تھا اور بکریاں چراتے تھے پیغمبر نے ان کو بلوایا اور پوچھا کہ تو جالوت کو مارے گا انہوں نے کہا ماروں گا پھر جالوت کے سامنے گئے اور انہی تین پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر مارا جالوت کا صرف ماتھا کھلا تھا اور تمام بدن لوہے میں غرق تھا تینوں پتھر اس کے ماتھے پر لگے اور پیچھے کو نکل گئے۔ جالوت کا لشکر بھاگا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی پھر طالوت نے حضرت داؤد سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور طالوت کے بعد یہ بادشاہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ حکم جہاد ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور اس میں اللہ کی بڑی رحمت اور احسان ہے نادان کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں۔

۲۵۲۔ یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک اور تو بیشک ہمارے رسولوں میں ہے [۳۱۱]

لَبِّنَ الرُّسُلِينَ ﴿۲۵۲﴾

۳۱۱۔ اس واقعے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت: یہ قصہ جو بنی اسرائیل کا گذرا یعنی ہزاروں کا نکلتا اور ان کا دفعہ ممر نا اور جینا اور طالوت کا بادشاہ ہونا یہ سب اللہ کی آیتیں ہیں جو تجھ کو سنائی جاتی ہیں اور تم بے شک اللہ کے رسولوں میں ہو یعنی جیسے پہلے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ویسے ہی تم بھی یقیناً رسول ہو کہ ان قصص قرون ماضیہ کو ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہو حالانکہ نہ کسی کتاب میں آپ نے دیکھا اور نہ کسی آدمی سے سنا۔

۲۵۳۔ یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے اور بلند کئے بعضوں کے درجے اور دیے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح القدس یعنی جبریل سے [۳۱۲] اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے پیچھے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف حکم لیکن ان میں اختلاف پڑ گیا پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر رہا اور اگر چاہتا اللہ تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے [۳۱۳]

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ  
مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَ  
آتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ  
بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ  
مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ  
وَلَكِنْ اِخْتَلَفُوا فَبِنْهُمْ مَّنْ أَمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ  
كَفَرَ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا ۗ وَلَكِنَّ اللَّهَ  
يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

۴۱۲۔ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت: یہ پیغمبر جن کا ذکر ہوا ان میں فضیلت دی ہم نے بعض کو بعض پر بعضے ان میں ایسے ہیں کہ ان سے بات کی خدا تعالیٰ نے جیسے آدم اور موسیٰ اور بلند کیا بعضوں کا درجہ جیسے کوئی ایک قوم کا نبی کوئی ایک گاؤں کا کوئی ایک شہر کا کوئی تمام جہان کا جیسے محمد رسول اللہ ﷺ اور عنایت ہوئے حضرت عیسیٰ کو کھلے معجزے جیسے احيائے موتیٰ اور ابراء اکمہ اور ابرص وغیرہ اور قوت دی ان کو روح پاک سے یعنی حضرت جبریل کو ان کی مدد کو بھیج کر۔

۴۱۳۔ امتوں کا اختلاف: جو لوگ ان انبیاء پر ایمان لائے اور صاف حکم اور روشن نشانیاں ہمارے پیغمبر ﷺ کے نبی ہونے کی دیکھ سن چکے اگر خدا چاہتا تو یہ باہم نہ لڑتے اور مخالفت نہ کرتے اور کوئی ان میں مومن اور کوئی کافر نہ ہوتا لیکن حق تعالیٰ مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی فعل اس کا حکمت سے خالی نہیں۔

۲۵۴۔ اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید و فرخت ہے اور نہ آشنائی اور نہ سفارش [۳۱۴] اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم [۳۱۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّنْ  
قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا  
شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ

۴۱۴۔ انفاق مال کا حکم: اس سورت میں عبادات و معاملات کے متعلق احکام کثیرہ بیان فرمائے جن سب کی تعمیل نفس کو ناگوار اور بھاری ہے اور تمام اعمال میں زیادہ دشوار انسان کو جان اور مال کا خرچ کرنا ہوتا ہے اور احکام الہی اکثر جو دیکھے جاتے ہیں یا جان کے متعلق ہیں یا مال کے



گناہ میں بندہ کو جان یا مال کی محبت اور رعایت ہی اکثر مبتلا کرتی ہے گویا ان دونوں کی محبت گناہوں کی جڑ اور اس سے نجات جملہ طاعات کی سہولت کا منشاء ہے اس لئے ان احکامات کو بیان فرما کر قتال اور انفاق کو بیان فرمانا مناسب ہو اَوْ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (البقرہ ۱۹۰) اول کا بیان تھا تو مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ (البقرہ ۲۴۵) دوسرے کا ذکر ہے اس کے بعد قصہ طاہوت سے اول کی تاکید ہوئی تو اب أَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ اَلْح سے دوسرے کی تاکید منظور ہے اور چونکہ انفاق مال پر بہت سے امور عبادات و معاملات کے موقوف ہیں تو اس کے بیان میں زیادہ تفصیل اور تاکید سے کام لیا چنانچہ اب جو رکوع آتے ہیں ان میں اکثروں میں امر ثانی یعنی انفاق مال کا ذکر ہے۔ خلاصہ معنی یہ ہوا کہ عمل کا وقت ابھی ہے آخرت میں تو نہ عمل سکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے جب تک پکڑنے والا نہ چھوڑے۔

۴۱۵۔ یعنی کفار نے اپنے اوپر ظلم کیا جس کی شامت سے ایسے ہو گئے کہ آخرت میں نہ کسی کی دوستی سے ان کو نفع ہو سکے اور نہ سفارش سے۔

۲۵۵۔ اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا [۴۱۶] نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اجازت سے جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کو تھا منان کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا [۴۱۷]

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَ  
لَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ  
ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ  
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ  
عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۗ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَ  
الْأَرْضَ ۗ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۗ وَهُوَ الْعَلِيُّ  
الْعَظِيمُ ﴿۲۵۵﴾

۴۱۶۔ آیت الکرسی کی فضیلت اور عظمت: پہلی آیت سے حق سبحانہ کی عظمت شان بھی مفہوم ہوتی ہے اب اس کے بعد اس آیت کو جس میں توحید ذات اور اس کا تقدس و جلال غایت عظمت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے نازل فرمائی اور اسی کا لقب آیت الکرسی ہے اسی کو حدیث میں اعظم آیات کتاب اللہ فرمایا ہے اور بہت فضیلت اور ثواب منقول ہے اور اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رلاملا کر تین قسم کے مضمون کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے علم توحید و صفات، علم احکام، علم قصص و حکایات سے بھی توحید و صفات کی تقریر و تائید مقصود ہوتی ہے یا علم احکام کی تاکید و ضرورت اور علم توحید و صفات اور علم احکام بھی باہم ایسے مربوط ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے علت اور علامت ہے صفات حق تعالیٰ احکام شرعیہ کے حق میں منشاء اور اصل ہیں تو احکام شرعیہ صفات کے لئے بمنزلہ ثمرات اور فروع ہیں تو اب ظاہر ہے کہ علم قصص اور علم احکام سے علم توحید کو ضرور اعانت اور تقویت پہنچے گی اور علم قصص اور علم توحید و صفات سے ضرور علم احکام کی تاکید اور اس کی ضرورت بلکہ حقیقت اور اصلیت ثابت ہوگی اور یہ طریقہ جو تین طریقوں سے مرکب ہے بغایت احسن اور اسہل اور قابل قبول ہے اول تو اس

وجہ سے کہ ایک طریقہ کہ پابندی موجب ملال ہوتی ہے اور ایک علم سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جانا ایسا ہو جاتا ہے جیسا ایک باغ کی سیر کر کے دوسرے باغ کی سیر کرنے لگے دوسرے تینوں طریقوں سے مل کر حقیقت منشاء ثمرہ نتیجہ سب ہی معلوم ہو جائے گا اور اس میں تعمیل احکام نہایت شوق و مستعدی اور رغبت و بصیرت کے ساتھ ہوگی۔ اس لئے طریقہ مذکورہ بغایت عمدہ اور مفید اور قرآن مجید میں کثیر الاستعمال ہے اس جگہ دیکھ لیجئے کہ اول احکام کو کس کثرت و تفصیل سے بیان فرمایا اس کے بعد بقدر مصلحت قصص کو بیان کر کے تمام احکامات مذکورہ کے فوائد و نتائج گویا ہم کو آنکھوں سے دکھلا دیئے ان سب کے بعد آیت الکرسی جو کہ دربارہ توحید و صفات ممتاز آیت ہے اس کو بیان فرما کر جملہ احکامات کی جڑ کو دلوں میں ایسا مستحکم فرمادیا کہ اکھاڑے نہ اکھڑے۔

۴۱۷۔ توحید و صفات باری تعالیٰ: اس آیت میں توحید ذات اور عظمت صفات حق تعالیٰ کو بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ موجود ہے ہمیشہ سے اور کوئی اس کا شریک نہیں تمام مخلوقات کا موجود وہی ہے تمام نقصان اور ہر طرح کے تبدل اور فتور سے منزہ ہے سب چیزوں کا مالک ہے تمام چیزوں کا کامل علم اور سب پر پوری قدرت اور اعلیٰ درجے کی عظمت اس کو حاصل ہے کسی کو نہ اتنا استحقاق نہ اتنی مجال کہ بغیر اس کے حکم کے کسی کی سفارش بھی اس سے کر سکے کوئی امر ایسا نہیں جس کے کرنے میں اس کو دشواری اور گرانی ہو سکے۔ تمام چیزوں اور سب کی عقلوں سے برتر ہے اس کے مقابلہ میں سب حقیر ہیں۔ اس سے دو مضمون اور خوب ذہن نشین ہو گئے ایک تو حق تعالیٰ کی ربوبیت اور حکومت اور اپنی مخلوقیت اور عبدیت جس سے حق تعالیٰ کے تمام احکامات مذکورہ اور غیر مذکورہ کا بلاچون و چراں واجب التصدیق اور واجب التعمیل ہونا اور اس کے احکام میں کسی قسم کے شک و شبہ کا معتبر نہ ہونا معلوم ہو گیا دوسرے عبادات و معاملات کثیرہ مذکورہ سابقہ کو اور ان کے ساتھ تعظیم و تعذیب کو دیکھ کر کسی کو خلیجان ہو سکتا تھا کہ ہر ہر فرد کے اس قدر معاملات و عبادات کثیرہ ہیں کہ جن کا مجموعہ اتنا ہوا جاتا ہے کہ ان کا ضبط اور حساب کتاب محال معلوم ہوتا ہے پھر اس کے مقابلہ میں ثواب و عقاب یہ بھی عقل سے باہر غیر ممکن معلوم ہوتا ہے سو اس آیت میں حق سبحانہ نے چند صفات مقدسہ اپنی ایسی ذکر فرمائیں کہ وہ تمام خیالات بسہولت دور ہو گئے یعنی اس کا علم و قدرت ایسا کامل ہے کہ ایک چیز بھی ایسی نہیں جو اس سے باہر ہو جس کا علم اور قدرت ایسا غیر متناہی اور ہمیشہ یکساں رہنے والا ہو اس کو تمام جزئیات عالم کے ضبط رکھنے اور ان کا عوض عطا فرمانے میں کیا قدرت ہو سکتی ہے۔

۲۵۶۔ زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں پیشک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے [۴۱۸] اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے [۴۱۹]

لَا اِكْرَاهًا فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ  
فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَ يُوْمِنُ بِاللّٰهِ فَقَدِ  
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ

اللّٰهُ سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

۴۱۸۔ دین میں جبر نہیں: جب دلائل توحید بخوبی بیان فرمادی گئیں جس سے کافر کا کوئی عذر باقی نہ رہا تو اب زور سے کسی کو مسلمان کرنے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے عقل والوں کو خود سمجھ لینا چاہیے اور نہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ اَفَاَلَا تَنْكِرُهَا النَّاسُ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس-۹۹) خود نص موجود ہے اور جو جزیہ کو قبول کرے گا اس کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا۔

۴۱۹۔ یعنی جب ہدایت و گمراہی میں تمیز ہوگی تو اب جو کوئی گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت کو منظور کرے گا تو اس نے ایسی مضبوط چیز کو پکڑ لیا جس میں ٹوٹے چھوٹے کاڈر نہیں اور حق تعالیٰ اقوال ظاہرہ کو خوب سنتا ہے اور نیت حالت قلبی کو خوب جانتا ہے اس سے کسی کی خیانت اور فسادنیت چھپا نہیں رہ سکتا۔

۲۵۷۔ اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے رفیق ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولِيئِهِمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾

۲۵۸۔ کیانہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے بھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کی بابت اسی وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اس کو سلطنت جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے کہ بیشک اللہ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے اب تو لے آس کو مغرب کی طرف سے تب حیران رہ گیا وہ کافر اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو [۳۲۰]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ ۖ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ۗ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾

۳۲۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مکالمہ: پہلی آیت میں اہل ایمان و اہل کفر اور ان کے نور ہدایت اور ان کے ظلمت کفر کا ذکر تھا اب اس کی تائید میں چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔ نظیر اول میں نمرود بادشاہ کا ذکر ہے وہ اپنے آپ کو سلطنت کے غرور سے سجدہ کرواتا تھا۔ حضرت ابراہیم اس کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا نمرود نے دریافت کیا تو فرمایا میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا اس نے کہا رب تو میں ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ میں حاکم کو رب نہیں کہتا وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے نمرود نے دو قیدی منگا کر بے قصور کو مار ڈالا اور قصور وار کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھا میں جس کو چاہوں مارتا ہوں جسے چاہوں نہیں مارتا اس پر حضرت ابراہیم نے آفتاب کی دلیل پیش فرما کر اس مغرور احمق کو لاجواب کیا اور اس کو ہدایت نہ ہوئی یعنی لاجواب ہو کر بھی ارشاد ابراہیم پر ایمان نہ لایا۔ یایوں کہو کہ حضرت ابراہیم کی دوسری بات کا کچھ جواب نہ دے سکا۔ حالانکہ جیسا جواب پہلے ارشاد کا دیا تھا ویسا جواب دینے کی یہاں بھی گنجائش تھی۔

۲۵۹۔ یا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گذرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ مر گئے پیچھے پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو [۲۲۱] کہا تو کتنی دیر یہاں رہا بولا میں رہا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم [۲۲۲] کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت [۲۲۳] پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۲۲۴]

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنِي يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ  
فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتُ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ  
بَلْ لَبِثْتُ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَ انظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَ  
نَجْعَلَكُ آيَةً لِلنَّاسِ وَ انظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ  
نُنشِئُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۗ قَالَ

أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾

۲۲۱۔ حضرت عزیز علیہ السلام کا عجیب واقعہ: وہ شخص حضرت عزیزؑ پیغمبر تھے اور تمام توریت ان کو یاد تھی۔ بخت نصر کافر بادشاہ تھا اس نے بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی اسرائیل سے بہت لوگوں کو قید کر کے لے گیا ان میں حضرت عزیزؑ بھی تھے جب قید سے چھوٹ آئے تب حضرت عزیزؑ نے راہ میں ایک شہر دیکھا ویران اس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے جی میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیونکر حق تعالیٰ ان کو پھر جلاوے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اسی جگہ ان کی روح قبض ہوئی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی اس مدت میں بخت نصر بھی مر گیا اور کسی بادشاہ نے اس مدت میں بیت المقدس کو آباد کیا اور اس شہر کو بھی خوب آباد کیا پھر سو برس کے بعد حضرت عزیزؑ زندہ کئے گئے ان کا کھانا اور پینا اسی طرح ان کے پاس دھرا ہوا تھا ان کا گدھا جو مر چکا تھا اور اس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں وہ ان کے روبرو زندہ کیا گیا اور اس سو برس میں بنی اسرائیل قید سے خلاص ہو کر شہر میں آباد بھی ہو چکے تھے حضرت عزیزؑ نے زندہ ہو کر آبادی دیکھا۔

۲۲۲۔ جب حضرت عزیزؑ مرے تھے اس وقت کچھ دن چڑھا تھا اور جب زندہ ہوئے ابھی شام نہ ہوئی تھی تو یہ سمجھے کہ اگر میں یہاں نکل آیا تھا تو ایک دن ہو اور اگر آج ہی آیا تھا تو دن سے بھی کم رہا۔

۲۲۳۔ حضرت عزیزؑ کے سامنے وہ سب ہڈیاں موافق ترکیب بدن کے جمع کی گئیں پھر ان پر گوشت پھیلا یا گیا اور چھڑا درست ہوا پھر خدا کی قدرت سے ایکبارگی اس میں جان آئی اور اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بولی بولا۔

۴۲۴۔ حضرت عزیزؑ نے اس تمام کیفیت کو ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا کہ مجھ کو خوب یقین ہوا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی میں جو جانتا تھا کہ مردہ کو جلانا خدا تعالیٰ کو آسان ہے سو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا یہ مطلب نہیں کہ پہلے یقین میں کچھ کمی تھی ہاں مشاہدہ نہ ہوا تھا پھر حضرت عزیزؑ یہاں سے اٹھ کر بیت المقدس میں پہنچے کسی نے ان کو نہ پہچانا کیونکہ یہ تو جوان رہے اور ان کے آگے کے بچے بوڑھے ہو گئے جب انہوں نے تورات حفظ سنائی تب لوگوں کو ان کا یقین آیا بخت نصر بنی اسرائیل کی تمام کتابیں جلا گیا تھا جن میں تورتیت بھی تھی۔

۲۶۰۔ اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار میرے دکھلا دے مجھ کو کہ کیونکر زندہ کرے گا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے میرے دل کو [۴۲۵] فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اڑنے والے پھر انکو ہلا لے اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے [۴۲۶] اور جان لے لے کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا [۴۲۷]

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۗ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنُ ۗ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيُبَيِّنَ لِي قَوْلِي ۗ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۗ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ

۴۲۵۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یقین پورا تھا صرف عین الیقین کے خواستگار تھے جو مشاہدہ پر موقوف ہے۔

۴۲۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مردہ پرندوں کا زندہ ہونا: حضرت ابراہیمؑ حسب ارشاد الہی چار جانور لائے ایک مور ایک مرغ ایک کوا ایک کبوتر اور چاروں کو اپنے ساتھ ہلایا تاکہ پہچان رہے اور بلانے سے آنے لگیں پھر چاروں کو ذبح کیا پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے ایک پر پر رکھے ایک پر سب کے دھڑ رکھے ایک پر پاؤں رکھے پہلے بیچ میں کھڑے ہو کر ایک کو پکارا اس کا سراٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا پھر دھڑ ملا پھر پڑ لگے پھر پاؤں پھر وہ دوڑتا چلا آیا پھر اسی طرح چاروں آگئے۔

۴۲۷۔ اس واقعہ پر اشکال کا جواب: یہاں دو خلجان گزرنے کا قوی احتمال ہے اول تو جسم بے جان متفرق الاجزاء کا زندہ ہونا ناقابل انکار دوسرے ان خصوصیات کو کہ وہ پرندے ہوں اور چار بھی ہوں اور چار بھی فلاں فلاں ہوں اور اس طرح ان کے اجزاء کو متفرق کر کے بلایا جائے تو زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اس کا کوئی دخل اور ان قیود کا کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا اس لئے اول خلجان کے جواب میں عزیز اور دوسرے کے جواب میں حکیم فرما کر دونوں شبہوں کا قلع قمع فرمادیا یعنی اس کو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست قدرت والا ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کے ہر حکم میں اس قدر حکمتیں ہوتی ہیں کہ جن کا ادراک اور احاطہ اگر ہم کو نہ ہو تو یہ ہمارے نقصان علم کی بات ہے اس کی حکمت کا انکار ایسے امور سے ہرگز ممکن نہیں واللہ اعلم آیۃ الکرسی میں علم و قدرت وغیرہ صفات الہی کو ذکر فرمایا اس کے بعد یہ تین قصے بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت کر سکتا ہے اور جس کو چاہے گمراہ کر سکتا ہے اور مارنا جلانا سب اس کے اختیار میں ہے اب جہاد اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور اس کے متعلق قیود و شرائط بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر کسی قدر گذر بھی چکا ہے کیونکہ جہاد و انفاق مال میں جو مواقع نظر آتے ہیں حق تعالیٰ کے علم و قدرت کے یقین کر لینے کے بعد اور اس کی عجائب قدرت کے حالات معلوم ہونے کے بعد ان کا ازالہ ہو گا ورنہ نقصان تو ان میں ضرور آنا چاہیے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ  
مِائَةٌ حَبَّةٌ ۗ وَاللَّهُ يُضِعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ  
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾

۲۶۱۔ مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے سب کچھ جانتا ہے [۲۶۸]

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا  
يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ  
رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾

۲۶۲۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہی کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ غمگین ہوں گے [۲۶۹]

يَتَّبِعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿٢٦٣﴾

۲۶۳۔ جو اب دینا نرم اور درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہوستانا اور اللہ بے پروا ہے نہایت تحمل والا [۲۷۰]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى ۚ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ فَمَثَلُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦٤﴾

۲۶۴۔ اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر [۲۶۴] سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو [۲۶۴]

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ

۲۶۵۔ اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی

خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کر ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوچند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھور، یہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے [۳۳۳]

مَرْضَاتِ اللَّهِ وَ تَشْبِيْتًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ  
جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أُكُلَهَا  
ضَعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلٌّ وَاللَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾

۲۶۶- کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہووے اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں اس کو اس باغ میں اور بھی سب طرح کا میوہ حاصل ہو اور آگیا اس پر بڑھا پا اور اس کی اولاد ہیں ضعیف تب آپڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل گیا یوں سمجھتا ہے تم کو اللہ آیتیں تاکہ تم غور کرو [۳۳۳]

أَيُّدٌ أَحَدِكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَ  
أَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ  
كُلِّ الشَّيْءِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَةٌ ضَعْفَاءٌ  
فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ  
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾

۳۲۸- انفاق مال کے فضائل: یعنی اللہ کی راہ میں تھوڑے مال کا بھی ثواب بہت ہے جیسا ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑھائے جس کے واسطے چاہے اور سات سو سے سات ہزار اور اس سے بھی زیادہ کر دے اور اللہ بہت بخشش کرنے والا اور ہر ایک خرچ کرنے والے کی نیت اور اس کے خرچ کی مقدار اور مال کی کیفیت کو خوب جانتا ہے یعنی ہر ایک سے اس کے مناسب معاملہ فرماتا ہے۔

۳۲۹- احسان جتانے کی ممانعت: جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کئے پر نہ زبان سے احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں طعن سے اور نہ خدمت لینے سے اور نہ تحقیر کرنے سے انہی کے لئے ہے ثواب کامل اور نہ ڈر ہے ان کو ثواب کم ہونے کا اور نہ غمگین ہوں گے ثواب کے نقصان سے۔

۳۳۰- مسائل کے جواب دینے کا طریقہ: یعنی مانگنے والے کو نرمی سے جواب دینا اور اس کے اصرار اور بد خوئی پر در گذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے کہ بار بار اس کو شرمائے یا احسان رکھے یا طعن دے اور اللہ غنی ہے کسی کے مال کی اس کو حاجت نہیں جو صدقہ اس کی راہ میں کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے اور حلیم ہے کہ ستانے پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا۔

۳۳۱- ریاکاری صدقہ کو باطل کر دیتی ہے: یعنی صدقہ دے کر محتاج کو ستانے اور اس پر احسان رکھنے سے صدقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے یا اوروں کو دکھا کر اس لئے صدقہ دیتا ہے کہ لوگ سخی جانیں اس طرح کی بھی خیرات کا ثواب کچھ نہیں ہوتا باقی یہ فرمانا کہ وہ یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ ابطال صدقہ کے لئے قید و شرط نہیں ہیں کیونکہ صدقہ تو صرف ریا سے ہی باطل ہو سکتا ہے اگرچہ خرچ کرنے والا مومن

ہی کیوں نہ ہو مگر اس قید کو صرف اس نفع کی غرض سے بڑھایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ریاکاری مومن کی شان سے بعید ہے بلکہ یہ امر منافقین کے مناسب حال ہے۔

۴۳۲۔ دکھاوے کی مثال: اوپر مثال بیان فرمائی تھی خیرات کی کہ ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا اور اس سے سات سو دانے پیدا ہو گئے اب فرماتے ہیں کہ نیت شرط ہے اگر کسی نے ریا اور دکھاوے کی نیت سے صدقہ کیا تو اس کی مثال ایسی سمجھو کہ کسی نے دانہ بویا ایسے پتھر پر کہ جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی جب مینہ برسنا تو بالکل صاف رہ گیا اب اس پر دانہ کیا آگے گا ایسے ہی صدقات میں ریاکاروں کو کیا ثواب ملے گا۔

۴۳۳۔ اخلاص سے مال خرچ کرنے کی مثال: زور کے مینہ سے مراد بہت مال خرچ کرنا اور پھوار سے مراد تھوڑا مال خرچ کرنا اور دلوں کو ثابت کرنے سے مراد یہ ہے کہ ثابت کریں دلوں کو ثواب پانے میں یعنی ان کو یقین ہے کہ خیرات کا ثواب ضرور ملے گا سو اگر نیت درست ہے تو بہت خرچ کرنے میں بہت ثواب ملے گا اور تھوڑی خیرات میں بھی فائدہ ہوگا جیسے خالص زمیں پر باغ ہے تو جتنا مینہ برسے گا اتنا ہی باغ کو فائدہ پہنچے گا اور نیت درست نہیں تو جس قدر زیادہ خرچ کرے اتنا ہی مال ضائع ہوگا اور نقصان پہنچے گا کیونکہ زیادہ مال دینے میں ریا اور دکھاوا بھی زیادہ ہوگا۔ جیسا پتھر پر دانہ آگے گا تو جتنا زور کا مینہ برسے گا اتنا ہی ضرر زیادہ ہوگا۔

۴۳۴۔ ایذا اور دکھاوے کی ایک اور مثال: یہ مثال ان کی ہے جو لوگوں کو دکھانے کو صدقہ خیرات کرتے ہیں یا خیرات کر کے احسان رکھتے ہیں اور ایذا پہنچاتے ہیں یعنی جیسے کسی شخص نے جوانی اور قوت کے وقت باغ تیار کیا تاکہ ضعیفی اور بڑھاپے میں اس سے میوہ کھائے اور ضرورت کے وقت کام آئے۔ پھر جب بڑھاپا آیا اور میوے کی پوری حاجت ہوئی تب وہ باغ عین حالت احتیاج میں جل گیا یعنی صدقہ مثل باغ میوہ دار کے ہے کہ اس کا میوہ آخرت میں کام آئے۔ جب کسی کی نیت بری ہے تو وہ باغ جل گیا پھر اس کا میوہ جو ثواب ہے کیونکر نصیب ہو حق سبحانہ اسی طرح کھول کر سمجھاتا ہے تم کو آیتیں تاکہ غور کرو اور سمجھو۔

۲۶۷۔ اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا ہے خوبیوں والا [۴۳۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّبُوا الْخَبِيثَاتِ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْبِضُوا فِيهِ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

غَنِيٌّ حَبِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

۲۶۸۔ شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے [۴۳۶]

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾



۲۶۹۔ عنایت کرتا ہے سمجھ جس کسی کو چاہے اور جس کو سمجھ لی اس کو بڑی خوبی ملی اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں [۳۳۷]

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو

الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

۲۷۰۔ اور جو خرچ کروگے تم خیرات یا قبول کروگے کوئی منت تو بیشک اللہ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مدگار نہیں [۳۳۸]

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾

۲۷۱۔ اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے [۳۳۹]

إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُوتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۗ وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾

۲۷۲۔ تیرا ذمہ نہیں انکو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کروگے تم مال سواپنے ہی واسطے جب تک کہ خرچ کروگے اللہ ہی کی رضا جوئی میں اور جو کچھ خرچ کروگے خیرات سو پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا [۳۴۰]

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نُفْسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾

۲۷۳۔ خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں سمجھ ان کو ناواقف مالداران کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے ان کو انکے چہرہ سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر [۳۴۱] اور جو کچھ خرچ کروگے کام کی چیز وہ بیشک اللہ کو معلوم ہے [۳۴۲]

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيئِهِمْ ۚ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۴۳﴾

۲۴۳۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو انکے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ ننگین ہوں گے [۲۴۳]

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۴۳﴾

۲۴۳۔ اللہ کی راہ میں عمدہ اور پاک مال خرچ کرو: یعنی عند اللہ صدقہ کے مقبول ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ مال حلال کمائی کا ہو۔ حرام کا مال اور شبہ کا مال نہ ہو اور اچھی سے اچھی چیز اللہ کی راہ میں دے بری چیز خیرات میں نہ لگائے کہ اگر کوئی ایسی ویسی چیز دے تو جی نہ چاہے لینے کو مگر شرما کر یا شرمائی۔ پر خوشی سے ہرگز نہ لے اور جان لو کہ اللہ بے پرواہ ہے تمہارا محتاج نہیں اور خوبیوں والا ہے اگر بہتر سے بہتر چیز دل کے شوق اور محبت سے دے تو پسند فرماتا ہے۔

۲۴۶۔ شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے: جب کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر خیرات کروں گا تو مفلس رہ جاؤں گا اور حق تعالیٰ کی تاکید سن کر بھی یہی ہمت ہو اور دل چاہے کہ اپنا مال خرچ نہ کرے اور وعدہ الہی سے اعراض کر کے وعدہ شیطانی پر طبیعت کو میلان اور اعتماد ہو تو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے ہے یہ نہ کہے کہ شیطان کی توہم نے کبھی صورت بھی نہیں دیکھی حکم کرنا تو درکنار رہا اور اگر یہ خیال آوے کہ صدقہ خیرات سے گناہ بخشے جاویں گے اور مال میں بھی ترقی اور برکت ہوگی تو جان لیوے کہ یہ مضمون اللہ کی طرف سے آیا ہے اور خدا کا شکر کرے اور اللہ کے خزانے میں کمی نہیں سب کے ظاہر و باطن، عمل کو خوب جانتا ہے۔

۲۴۷۔ سمجھ بڑی نعمت ہے: یعنی جس کو چاہتا ہے دین کی باتوں میں دانائی اور خیرات کرنے میں سمجھ عنایت کرتا ہے کہ کس نیت سے اور کس مال سے اور کس کو اور کس طرح محتاج کو دینا چاہیے اور جس کو سمجھ عنایت ہوئی اس کو بڑی نعمت اور بڑی خوبی ملی۔

۲۴۸۔ منت اور نذر کا بیان: یعنی جو کچھ خیرات کی جائے تھوڑی یا بہت بھلی نیت سے یا بری نیت سے چھپا کر یا لوگوں کو دکھا کر یا منت مانی جائے کسی طرح کی تو بیشک خدا تعالیٰ کو پورا علم ہے سب کا اور جو لوگ انفاق مال اور نذر میں حکم الہی کے خلاف کرتے ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں اللہ جو چاہے ان پر عذاب کرے منت قبول کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اب اگر ادانہ کی تو گنہگار ہو گا اور نذر اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلاں شخص کو دوں گا یا اس نذر کا ثواب فلاں کو پہنچے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۲۴۹۔ اگر لوگوں کو دکھانے کی نیت نہ ہو تو خیرات کرنا لوگوں کے روبرو بھی بہتر ہے تاکہ اوروں کو بھی شوق اور رغبت ہو اور چھپا کر خیرات کرنا بھی بہتر ہے تاکہ لینے والا نہ شرمائے خلاصہ یہ کہ اظہار و اخفا دونوں بہتر ہیں مگر ہر موقع اور مصلحت کا لحاظ ضروری بات ہے۔

۲۴۰۔ صدقہ دینے میں مسلمان کی تخصیص نہیں جب آپ ﷺ نے صحابہ کو مسلمانوں کے سوا اوروں پر صدقہ کرنے سے روکا اور اس میں یہ مصلحت تھی کہ مال ہی کی غرض سے دین حق کی طرف راغب ہوں گے آگے یہ فرما دیا کہ یہ ثواب جب ہی تک ملے گا کہ اللہ کی خوشی مطلوب ہوگی تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں عام حکم آگیا کہ اللہ کی راہ میں جس کو مال دو گے تم کو اس کا ثواب دیا جائے گا مسلم غیر مسلم کسی کی تخصیص نہیں یعنی جس پر صدقہ کرو اس میں مسلم کی تخصیص نہیں البتہ صدقہ میں یہ ضرور ہے کہ محض لوجہ اللہ ہو۔

۲۴۱۔ اللہ والے اہل حاجت کی مدد: یعنی ایسوں کو دینا بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے کھانے

کمانے سے رک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرت ﷺ کے اصحاب تھے اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کر حضرت ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی علم دین سیکھنے کو اور مفسدین فتنہ پر جہاد کرنے کو اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں اور چہرہ سے ان کو پہچانا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے چہرے زرد اور بدن دبلے ہو رہے ہیں اور آثار جدوجہد ان کی صورت سے نمودار ہیں۔

۴۴۲۔ علی العموم اور خاص کر ایسے لوگوں پر جن کا ذکر ہوا۔

۴۴۳۔ خیرات و صدقات کے فائدے: یہاں تک خیرات کا بیان اور اس کی فضیلت اور اسکی قیود و شرائط کا مذکور تھا اور چونکہ خیرات کرنے سے ادھر تو معاملات سہولت و تسہیل کی عادت ہوتی ہے اور بے مروتی و سخت گیری کی برائی دلنشین ہوتی ہے اور ادھر یہ ہوتا ہے کہ معاملات و اعمال میں جو گناہ ہو جاتا ہے خیرات سے اس کا کفارہ کر دیا جاتا ہے اور نیز خیرات کرنے سے اخلاق و مروت و خیر اندیشی و نفع رسانی خلق اللہ میں ترقی ہوتی ہے تو ان وجوہ سے ان آیات متعددہ میں اس کا ذکر فرمایا گیا تھا اب سود لینا چونکہ خیرات کی ضد ہے وہاں مروت و نفع رسانی تھی تو سود میں محض بے مروتی اور ضرر رسانی اور ظلم ہے۔ اس لئے خیرات کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور اسکی ممانعت کا ذکر بہت مناسب ہے اور جس قدر خیرات میں بھلائی ہے اتنی ہی سود میں برائی ہونی ضروری بات ہے۔

۲۷۵۔ جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیے ہوں جن نے لپٹ کر یہ حالت انکی اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری اور حرام کیا ہے سود کو [۴۴۴] پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [۴۴۵]

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ  
الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ  
قَالُوا إِنَّا الْبَائِعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ  
حَرَّمَ الرِّبَا ۗ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى  
فَلَهُ مَا سَلَفَ ۗ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾

۲۷۶۔ مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو [۴۴۶]  
اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گنہگار سے [۴۴۷]

يَسْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيهِ الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا  
يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾

۲۷۷۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم  
رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ انکے لئے ہے ثواب ان کا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا

اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۲۳۸]

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَ

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٤٤﴾

۲۴۸۔ اے ایمان والو! اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سو اگر تمکو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا [۲۳۹]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ

مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

۲۴۹۔ پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر [۲۵۰]

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ

وَإِن تَابْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۖ لَا تَظْلِمُونَ وَ

لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٤٩﴾

۲۸۰۔ اور اگر ہے تنگدست تو مہلت دینی چاہیے کشائش ہونے تک اور بخش دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہو [۲۵۱]

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۗ وَأَنْ

تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾

۲۸۱۔ اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا [۲۵۲]

وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۗ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

۲۴۴۔ مذمت اور حقیقت: یعنی رلو کھانے والے قیامت کو قبروں سے ایسے اٹھیں گے جیسے آسیب زدہ اور مجنون اور یہ حالت اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے حلال و حرام کو یکساں کر دیا اور صرف اس وجہ سے کہ دونوں میں نفع مقصود ہوتا ہے دونوں کو حلال کہا حالانکہ بیع اور رلو میں بڑا فرق ہے کہ بیع کو حق تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ فائدہ بیع میں جو نفع ہوتا ہے وہ مال کے مقابلہ میں ہوتا ہے جیسے کسی نے ایک درہم کی قیمت کا کپڑا اور درہم کو فروخت کیا اور سود ہوتا ہے جس میں نفع بلا عوض ہو جیسے ایک درہم سے دو درہم خرید لیوے اول صورت میں چونکہ کپڑا اور درہم دو جدی جدی قسم کی چیزیں ہیں اور نفع اور غرض ہر ایک کی دوسرے سے علیحدہ ہے اس لئے ان میں فی نفسہ موازنہ اور مساوات غیر ممکن ہے۔ بضرورت خرید و فروخت موازنہ کرنے کی کوئی صورت اپنی اپنی ضرورت اور حاجت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی اور ضرورت اور رغبت ہر ایک کی از حد مختلف ہوتی ہے کسی کو ایک درہم کی اتنی حاجت ہوتی ہے اور دس روپیہ کی قیمت کے کپڑے کی بھی اس قدر نہیں ہوتی اور کسی کو ایک کپڑے کی جو بازار میں ایک درہم کا شمار ہوتا ہے اتنی حاجت ہو سکتی ہے کہ دس درہم کی بھی اتنی احتیاج اور رغبت نہیں ہوتی تو اب

ایک کپڑے کو درہم میں کوئی خریدے گا تو اس میں سود یعنی نفع خالی عن العوض نہیں اور اگر بالفرض اسی کپڑے کو ایک ہزار درہم کو خریدے گا تو سود نہیں ہو سکتا کیونکہ فی حد ذاته تو ان میں موازنہ اور مساوات ہو ہی نہیں سکتی اس کے لئے اگر یہاں ہے تو اپنی اپنی رغبت اور ضرورت اور اس میں اتنا تفاوت ہے کہ خدا کی پناہ، تو سود متعین ہو تو کیونکر ہو اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت کرے گا تو یہاں فی نفسہ مساوات ہو سکتی ہے جس کے باعث ایک درہم کے مقابلہ میں معین ہو گا اور دو سرادرہم خالی عن العوض ہو کر سود ہو گا اور شرعاً یہ معاملہ حرام ہو گا۔

۴۴۵۔ یعنی سود کی حرمت سے پہلے تم نے جو سود لیا دنیا میں اس کو مالک کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا یعنی تم کو اس سے مطالبہ کا حق نہیں اور آخرت میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے اپنی رحمت سے اس کو بخش دے لیکن حرمت کے بعد بھی اگر کوئی باز نہ آیا بلکہ برابر سود لئے گیا تو وہ دوزخی ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی عقلی دلیلوں کو پیش کرنے کی سزا وہی سزا ہے جو فرمائی۔

۴۴۶۔ اللہ سود کو گھٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے: اللہ سود کے مال کو مٹاتا ہے یعنی اس میں برکت نہیں ہوتی بلکہ اصل مال بھی ضائع ہو جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ سود کا مال کتنا ہی بڑھ جائے انجام اس کا افلاس ہے اور خیرات کے مال کو بڑھانے سے یہ مطلب ہے کہ اس مال میں زیادتی ہوتی ہے اور اللہ برکت دیتا ہے اور اس کا ثواب بڑھایا جاتا ہے چنانچہ احادیث میں وارد ہے۔

۴۴۷۔ مطلب یہ کہ سود لینے والے نے مالدار ہو کر اتنا بھی نہ کیا کہ محتاج کو قرض ہی بلا سود دے دیتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ بطریق خیرات حاجتمند کو دیتا تو اب اس سے زیادہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کیا ہوگی۔

۴۴۸۔ اس آیت میں سود لینے والے کے مقابلہ میں اہل ایمان کے اوصاف اور ان کا انعام ذکر کر دیا جو سود خوار کے اوصاف و حالات اور اس کے حکم کے خلاف اور ضد ہیں جس سے سود خوار کی پوری تہدید و تشنیع بھی ظاہر ہوگئی۔

۴۴۹۔ یعنی ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے سو لے چکے لیکن ممانعت کے بعد جو چڑھا اس کو ہرگز نہ مانگو۔

۴۵۰۔ پچھلا سود معاف ہے: یعنی پہلے سود جو تم لے چکے ہو اس کو اگر تمہارے اصل مال میں محسوب کریں اور اس میں سے کاٹ لیویں تو تم پر ظلم ہے اور ممانعت کے بعد کا سود چڑھا ہو اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے۔

۴۵۱۔ یعنی جب سود کی ممانعت آگئی اور اس کا لینا دینا موقوف ہو گیا تو اب تم مدیون مفلس سے تقاضا کرنے لگو یہ ہرگز نہ چاہئے بلکہ مفلس کو مہلت دو اور توفیق ہو تو بخش دو۔

۴۵۲۔ یعنی قیامت کو تمام اعمال کی جزاء اور سزا ملے گی تو اب ہر کوئی اپنی فکر کر لے اچھے کام کرے یا برے سود لے یا خیرات کرے۔

۲۸۲۔ اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیوے جیسا سکھا یا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہئے کہ لکھ دے اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ [۴۵۳] پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلاوے کار گزار اس کا انصاف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ  
أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۖ وَلْيَكْتُب بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ  
بِالْعَدْلِ ۖ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ  
اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيَسِدِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ  
وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۖ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ

سے [۳۵۴] اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلاوے اس کو وہ دوسری [۳۵۵] اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو [۳۵۶] مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو اور گواہ کر لیا کرو جب تم سودا کرو اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ گواہ [۳۵۷] اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے

كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُبْلَّ هُوَ فَلْيُبْلَلْ وَلِيَّهِ بِالْعَدْلِ<sup>ط</sup> وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتٌ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى<sup>ط</sup> وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا<sup>ط</sup> وَلَا تَسْأَلُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ آجِلِهِ<sup>ط</sup> ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَ أَقْوَمٌ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ<sup>ص</sup> وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ<sup>ط</sup> وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فَسُوقٌ بِكُمْ<sup>ط</sup> وَاتَّقُوا اللَّهَ<sup>ط</sup> وَيَعْلَمِ اللَّهُ<sup>ط</sup> وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

۲۸۳۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گردو ہاتھ میں رکھنی چاہیے پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا اپنی

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنِ مَّقْبُوضَةً<sup>ط</sup> فَإِنْ آمِنَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ فَلْيُؤَدِّ

امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپاوے تو بیشک گنہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے [۳۵۸]

الَّذِي أُوتِيَٰ أَمَانَتَهُ وَ لِيَتَّقِيَ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۗ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثَمُ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِبَاتِعَلُونَ عَلِيمٌ ۝

۲۸۲

۳۵۳۔ قرض کا لین دین اور اس کے احکام: پہلے صدقہ خیرات کی فضیلت اور اس کے احکام بیان فرمائے اس کے بعد ربا اور اس کی حرمت اور برائی مذکور ہوئی اب اس معاملہ کا ذکر ہے جس میں قرض ہو اور آئندہ کسی مدت کا وعدہ ہو اس کی نسبت یہ معلوم ہو کہ ایسا معاملہ جائز ہے مگر چونکہ معاملہ آئندہ مدت کے لئے ہوا ہے بھول چوک خلاف نزاع کا احتمال ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ اس کا تعین اور اہتمام ایسا کیا جائے کہ آئندہ کوئی قضیہ اور خلاف نہ ہو اس کی صورت یہی ہے کہ ایک کاغذ لکھو جس میں مدت کا تقرر ہو اور دونوں معاملہ والوں کا نام اور معاملہ کی تفصیل سب باتیں صاف صاف کھول کر لکھی جاویں کاتب کو چاہیے بلا انکار جس طرح شرع کا حکم ہے اس کے موافق انصاف میں کوتاہی نہ کرے اور چاہئے کہ مدیون اپنے ہاتھ سے لکھے یا کاتب کو اپنی زبان سے بتلائے اور دوسرے کے حق میں ذرا نقصان نہ ڈالے۔

۳۵۴۔ یعنی جو دیندار اور مدیون ہے وہ اگر بے عقل بھولا یا سست اور ضعیف ہے مثلاً بچہ ہے یا بہت بوڑھا ہے کہ معاملہ کو سمجھنے کی سمجھ ہی نہیں ہے یا معاملہ کو کاتب کو بتلا نہیں سکتا تو ایسی صورتوں میں مدیون کے مختار اور وارث اور کار گزار کو چاہیے کہ معاملہ کو انصاف سے بلا کم و کاست لکھوادے۔

۳۵۵۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی: اور تم کو چاہیے کہ اس معاملہ پر کم سے کم دو گواہ مردوں میں سے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں اور گواہ قابل پسند یعنی لائق اعتبار اور اعتماد ہوں۔

۳۵۶۔ یعنی گواہ کو جس وقت گواہ بنانے کے لئے یادائے شہادت کے لئے بلائیں تو اس کو کنارہ یا انکار نہ کرنا چاہیے اور کاہلی اور سستی نہ کرو اس کے لکھنے لکھانے میں معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا کہ انصاف پورا اس میں ہے اور گواہی پر بھی کامل اعتماد اسی لکھ لینے میں ہے اور بھول چوک اور کسی کے حق ضائع ہونے سے اطمینان بھی اس میں ہے۔

۳۵۷۔ تحریری معاہدے کا بیان: یعنی اگر سوداگری کا معاملہ دست بدست ہو جنس کے بدلے جنس یا نقد کی طرح معاملہ ہو مگر ادھار کا قصہ نہ ہو تو اب نہ لکھنے میں گناہ نہیں مگر گواہ بنالینا اس وقت بھی چاہیے کہ اس معاملہ کے متعلق کوئی نزاع آئندہ پیش آئے تو کام آئے اور لکھنے والا اور گواہ نقصان نہ کرے یعنی مدعی اور مدعا علیہ میں سے کسی کا بھی نقصان نہ کرے بلکہ جو حق واجب ہو وہ ہی ادا کریں۔

۳۵۸۔ یعنی اگر سفر میں قرض اور ادھار کا معاملہ کرو اور دستاویز کے لئے کوئی کاتب نہ ملے تو قرض کے عوض کوئی چیز مدیون کو رہن رکھ دینی چاہیے۔ فائدہ: سفر میں رہن کی حاجت بہ نسبت حضر زیادہ ہوگی کیونکہ حضر میں کتابت و شہادت سے بھی بسہولت صاحب دین کا اطمینان ممکن ہے اس لئے سفر میں رہن کا حکم ہوا۔ ورنہ حضر میں اور کاتب کی موجودگی میں بھی رہن درست ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے اور اگر صاحب دین کو مدیون پر اعتماد اور اس کا اعتبار ہو اور اس لئے رہن کا طالب نہ ہو تو مدیون کو لازم ہے کہ صاحب دین کا حق تمام و کامل ادا کر دے اور خدا سے ڈرتا رہے صاحب حق کے حق میں امانت سے معاملہ کرے۔

۲۸۲۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر ظاہر کر دے گا اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۳۵۹]

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبَدُّوْا  
مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ ۗ اللّٰهُ  
فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ  
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۲﴾

۳۵۹۔ ایک اہم تنبیہ: اس سورت میں اصول و فروع عبادات و معاملات جانی و مالی ہر قسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو اس لئے مناسب ہے کہ بندوں کو پوری تاکید وہ تہدید بھی ہر طرح سے فرمادی جائے تاکہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں سوا سی غرض کے لئے آخر سورت میں احکام کو بیان فرما کر اس آیت کو بطور تہدید و تنبیہ ارشاد فرما کر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کر دیا اور طلاق و نکاح قصاص و زکوٰۃ بیع و ربا و جو اکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خود رائی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں ان کو بھی اس میں پوری تنبیہ ہوگی دیکھئے جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہو گا اس کا مالک ہونا چاہیئے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیاء کا محاسبہ کر سکے اس کو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہر ایک کے مقابلہ میں جزا و سزا دے سکے اس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے سوائے تین کمالات یعنی ملک اور علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور انہی کا آیت الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہ تمام چیزوں کی مالک اور خالق اس کا علم سب کو محیط اس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اس کی نافرمانی کسی امر ظاہری یا مخفی میں کر کے بندہ کیونکر نجات پاسکتا ہے۔

۲۸۵۔ مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے [۳۶۰]

اَمِّنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ ۗ وَ  
الْمُؤْمِنُوْنَ ۗ كُلُّ اَمِّنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ  
رُسُلِهٖ ۗ لَا نَفَرَقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۗ وَقَالُوْا  
سَبْعًا وَاَطَعْنَا ۗ غَفَرَ اِنَّكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْبَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

۲۸۶۔ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے اس کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلے لوگوں پر اے رب

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۗ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ  
عَلَيْهَا مَا كَتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُوَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا  
اَوْ اٰخَطَاْنَا ۗ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ



ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور درگزر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہمارا رب ہے مدد کر ہماری کافروں پر [۳۶۱]

عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْبِلْنَا مَا لَا  
طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

۳۶۰۔ ارکان ایمان اور مسلمانوں کی تسلی: پہلی آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر حضرات صحابہ گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی آیت پر نہ ہوا تھا آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا قُولُوا سُبْحَانَ مَا نَعْبُدُ وَمَا يَكْفُرُ بِهِ اللَّهُ لِنُفُسِنَا إِنَّ اللَّهَ لَنَكْفِي مَا نُلْقِي اللَّهُ لِنَفْسِنَا إِنَّهُ يَكْفِي مَا كُنَّا نَمُنُّ وَرَبَّنَا لَا تَوَخُّدْنَا آخِرُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ تَحْتِ الْآيَةِ الْوَعْدِ وَرَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ

آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ یہ کلمات زبان پر بیساختہ جاری ہو گئے مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں آیتیں اتریں اول یعنی اَمِنَ الرَّسُولُ الْخِ اس میں رسول کریم ﷺ اور انکے بعد صحابہ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی جس سے ان کے دلوں میں اطمینان ترقی پاوے اور خلجان سابق زائل ہو اس کے بعد دوسری آیت لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اَلْحِمْ مِمَّا كَسَبَتْ وَرَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ

کے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرمادیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے برے کام کا خیال خطرہ یا بھول چوک ان پر مواخذہ نہیں ہاں جو باتیں بندہ کے ارادے اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہو گا اب آیت سابقہ کو سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کے معنی بھی اسی پچھلے قاعدہ کے موافق لینے چاہئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلجان مذکورہ کا اب ایسا قلع قمع ہو گیا کہ سبحان اللہ۔ فائدہ: جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں کہ کسی پیغمبر کو مانا اور کسی پیغمبر کو نہ مانا۔

۳۶۱۔ ایک جامع اور موثر دعا: اول آیت پر حضرات صحابہ کو بڑی تشویش ہوئی تھی ان کی تسلی کے لئے یہ دو آیتیں اَمِنَ الرَّسُولُ الْخِ اور لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اَلْحِمْ مِمَّا كَسَبَتْ نازل ہوئیں اب اس کے بعد رَبَّنَا لَا تَوَخُّدْنَا آخِرُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ تَحْتِ الْآيَةِ الْوَعْدِ وَرَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ

اندیشہ بھی باقی نہ چھوڑا کیونکہ جن دعاؤں کا ہم کو حکم ہوا ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ بیشک ہر طرح کا حق حکومت اور استحقاق عبادت تجھ کو ہم پر ثابت ہے مگر اے ہمارے رب اپنی رحمت و کرم سے ہمارے لئے ایسے حکم بھیجے جائیں جن کے بجالانے میں ہم پر صعوبت اور بھاری مشقت نہ ہونے بھول چوک میں ہم پکڑے جائیں نہ مثل پہلی امتوں کے ہم پر شدید حکم اتارے جائیں نہ ہماری طاقت سے باہر کوئی حکم ہم پر مقرر ہو اس سہولت پر بھی ہم سے جو قصور ہو جائے اس سے درگزر اور معافی اور ہم پر رحم فرمایا جائے حدیث میں ہے کہ یہ سب دعائیں مقبول ہوں گی۔ اور جب اس دشواری کے بعد جو حضرات صحابہ کو پیش آچکی تھی اللہ کی رحمت سے اب ہر ایک دشواری سے ہم کو امن مل گیا تو اب اتنا بھی ہونا چاہیے کہ کفار پر ہم کو غلبہ عنایت ہو ورنہ انکی طرف سے مختلف دقتیں دینی اور دنیوی ہر طرح کی مزاحمتیں پیش آکر جس صعوبت سے اللہ اللہ کر کے اللہ کے فضل سے جان بچی تھی کفار کے غلبہ کی حالت میں پھر وہی کھٹکا موجب بے اطمینانی ہو گا۔

تم سورۃ البقرۃ بمنہ و حسن توفیقہ۔ فله الحمد والمنہ و علی رسولہ الف الف سلام و تحیہ۔

آیاتها ۲۰۰

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ ۱۹

رکوعاتها ۲۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

آلَم

۱۔ الم

۲۔ اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا [۱]

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝

۳۔ اتاری تجھ پر کتاب سچی [۲] تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور اتارا توریت اور انجیل کو

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ

يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝

۴۔ اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے [۳] اور اتارے فیصلے [۴] پیشک جو منکر ہوئے اللہ کی آیتوں سے انکے واسطے سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست ہے بدلا لینے والا [۵]

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ إِنَّ

الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝

اللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝

۵۔ اللہ پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں [۶]

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي

السَّمَاءِ ۝

۶۔ وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا زبردست ہے حکمت والا [۷]

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۝ لَا

إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

۱۔ الوہیت مسیح کا رد: نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک مؤقر و معزز وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں تین شخص عبدالمسیح عاقب بحیثیت امارت و سیادت کے، ابہم السید بلحاظ رائے و تدبیر کے اور ابو حارثہ بن علقمہ باعتبار سب سے بڑے مذہبی عالم اور لاٹ پادری ہونے کے عام شہرت اور امتیاز رکھتے تھے۔ یہ تیسرا شخص اصل میں عرب کے مشہور قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر پکا نصرانی بن گیا۔

سلاطین روم نے اس کی مذہبی صلابت اور مجدد شرف کو دیکھتے ہوئے بڑی تعظیم و تکریم کی۔ علاوہ بیش قراری امداد کے اس کے لئے گرجے تعمیر کئے اور امور مذہبی کے اعلیٰ منصب پر مامور کیا۔ یہ وفد بارگاہ رسالت میں بڑی آن بان سے حاضر ہوا اور متنازع فیہ مسائل میں حضور ﷺ سے گفتگو کی جس کی پوری تفصیل محمد بن اسحاق کی سیرۃ میں منقول ہے۔ سورہ آل عمران کا ابتدائی حصہ تقریباً اسی نئے آیات تک اسی واقعہ میں نازل ہوا۔ عیسائیوں کا پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ بعینہ خدا یا خدا کے بیٹے یا تین خداؤں میں کے ایک ہیں۔ سورہ ہذا کی پہلی آیت میں توحید خالص کا دعویٰ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی جو صفات حی قیوم بیان کی گئیں وہ عیسائیوں کے اس دعوے کو صاف طور پر باطل ٹھہراتی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دوران مناظرہ میں ان سے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ حی (زندہ) ہے جس پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی۔ اسی نے تمام مخلوقات کو وجود عطا کیا اور سامان بقاء پیدا کر کے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے تھام رکھا ہے۔ برخلاف اس کے عیسیٰؑ پر یقیناً موت و فنا آ کر رہے گی۔ اور ظاہر ہے جو شخص خود اپنی ہستی کو برقرار نہ رکھ سکے دوسری مخلوقات کی ہستی کیا برقرار رکھ سکتا ہے۔ نصاریٰ نے سن کر اقرار کیا (کہ پیشک صحیح ہے) شاید انہوں نے غنیمت سمجھا ہو گا کہ آپ اپنے اعتقاد کے موافق عینہ یاقی علیہ الغناء کا سوال کر رہے ہیں یعنی عیسیٰؑ پر فناء دور آئے گی، اگر جواب نفی میں دیا تو آپ ہمارے عقیدہ کے موافق کہ حضرت عیسیٰؑ کو عرصہ ہو اموت آچکی ہے۔ ہم کو اور زیادہ صریح طور پر ملزم اور منغم کر سکیں گے۔ اس لئے لفظی مناقشہ میں پڑنا مصلحت نہ سمجھا۔ اور ممکن ہے یہ لوگ ان فرقوں میں سے ہوں جو عقیدہ اسلام کے موافق مسیحؑ کے قتل و صلب کا قطعاً انکار کرتے تھے اور رفع جسمانی کے قائل تھے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح اور الفارق بین المخلوق والمخالق کے مصنف نے تصریح کی ہے کہ شام و مصر کے نصاریٰ عموماً اسی عقیدہ پر تھے۔ مدت کے بعد پولس نے عقیدہ صلب کی اشاعت کی۔ پھر یہ خیال یورپ سے مصر و شام وغیرہ پہنچا بہر حال نبی کریم ﷺ کا ان عیسائی اقی علیہ الغناء کے بجائے یاقی علیہ الغناء فرمانا، درآں حالیکہ پہلے الفاظ تردید الوہیت مسیحؑ کے موقع پر زیادہ صاف اور مسکت ہوتے۔ ظاہر کرتا ہے کہ موقع الزام میں بھی مسیحؑ پر موت سے پہلے لفظ موت کا اطلاق آپ نے پسند نہیں کیا۔

۲۔ یعنی قرآن کریم جو عین حکمت کے موافق نہایت بروقت سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اترتا۔

۳۔ قرآن پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے یعنی قرآن اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اگلی کتابیں (تورات اور انجیل وغیرہ) پہلے سے قرآن اور اس کے لانے والے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کر رہی تھیں اور اپنے اپنے وقت میں مناسب احکام و ہدایات دیتی تھیں۔ گویا بتلادیا کہ الوہیت یا انبیت مسیحؑ کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا۔ کیونکہ اصول دین کے اعتبار سے تمام کتب سماویہ متفق و متحد ہیں۔ مشرکانہ عقائد کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی۔

۴۔ یعنی ہر زمانہ کے مناسب ایسی چیزیں اتاریں جو حق و باطل، حلال و حرام اور جھوٹ سچ کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہوں۔ اس میں قرآن کریم، کتب سماویہ، معجزات انبیاء سب داخل ہو گئے اور ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جن مسائل میں یہود و نصاریٰ جھگڑتے چلے آ رہے ہیں ان اختلافات کا فیصلہ بھی قرآن کے ذریعہ سے کر دیا گیا۔

۵۔ اللہ ہی قادر مطلق ہے: یعنی ایسے مجرموں کو نہ سزا دیے بغیر چھوڑے گا نہ وہ اس کے زبردست اقتدار سے چھوٹ کر بھاگ سکیں گے۔ اس میں بھی الوہیت مسیحؑ کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہو گیا۔ کیونکہ جو اختیار و اقتدار کلی خدا کے لئے ثابت کیا گیا ظاہر ہے وہ مسیحؑ میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ نصاریٰ کے نزدیک مسیحؑ کسی کو سزا تو کیا دے سکتے خود اپنے کو باوجود سخت تضرع و الحاح کے ظالموں کے پنچے سے نہ چھڑا سکے۔ پھر خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بن سکتے ہیں؟ بیٹا وہ ہی کہلاتا ہے جو باپ کی نوع سے ہو۔ لہذا خدا کا بیٹا خدا ہی ہونا چاہیے۔ ایک عاجز مخلوق کو حقیقتاً قادر مطلق کا بیٹا کہنا، باپ اور بیٹے دونوں پر سخت عیب لگانا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۶۔ اللہ کا علم محیط ہے: یعنی جس طرح اس کا اقتدار و اختیار کامل ہے۔ علم بھی محیط ہے۔ عالم کی کوئی چھوٹی بڑی چیز ایک سیکنڈ کے لئے اس سے غائب نہیں۔ سب مجرم و بری۔ اور تمام جرموں کی نوعیت و مقدار اس کے علم میں ہے۔ مجرم بھاگ کر روپوش ہونا چاہے تو کہاں ہو سکتا ہے؟ یہیں سے تنبیہ کر دی گئی مسیح خدا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسا علم محیط ان کو حاصل نہ تھا۔ وہ اسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ ان کو بتلا دیتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے جواب میں خود نصاریٰ نجران نے اقرار کیا اور آج بھی اناجیل مروجہ سے ثابت ہے۔

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت سب کا خالق اللہ ہے: یعنی اپنے علم و حکمت کے مطابق کمال قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بنایا مذکر، مونث، خوبصورت، بدصورت، جیسا پیدا کرنا تھا کر دیا۔ ایک پانی کے قطرہ کو کتنی پلٹیاں دے کر آدمی کی صورت عطا فرمائی۔ جس کی قدرت و صنعت کا یہ حال ہے کیا اس کے علم میں کمی ہو سکتی ہے یا کوئی انسان جو خود بھی بطنِ مادر کی تاریکیوں میں رہ کر آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھاتا، پیتا، پیشاب، پاخانہ کرتا ہو۔ اس خداوند قدوس کا بیٹا یا پوتا کہلایا جاسکتا ہے کبرت کذبہ تخریج من افواہہم ان یقولون الا کذباً عیسائیوں کا سوال تھا کہ جب مسیح کا ظاہری باپ کوئی نہیں تو بجز خدا کے کس کو باپ کہیں یصودکم فی الازحام کیف یشاء میں اس کا جواب بھی ہو گیا۔ یعنی خدا کو قدرت ہے رحم میں جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ تیار کر دے۔ خواہ ماں باپ دونوں کے ملنے سے یا صرف ماں کی قوت منفعلہ سے اسی لئے آگے فرمایا هو العزیز الحکیم یعنی زبردست ہے جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کر سکتا۔ اور حکیم ہے جہاں جیسا مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ حوا کو بدون ماں کے، مسیح کو بدون باپ کے، آدم کو بدون ماں باپ دونوں کے پیدا کر دیا۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکے۔

۷۔ وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم یعنی انکے معنی واضح ہیں وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں تشابہ یعنی جتنکے معنی معلوم یا معین نہیں سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں تشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے [۸]

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٨﴾

۸۔ آیات محکمات اور تشابہات کی تشریح: نصاریٰ نجران نے تمام دلائل سے عاجز ہو کر بطور معارضہ کہا تھا کہ آخر آپ حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ مانتے ہیں۔ بس ہمارے اثبات مدعا کے لئے یہ الفاظ کافی ہیں۔ یہاں اس کا تحقیقی جواب ایک عام اصول اور ضابطہ کی صورت میں

دیا۔ جس کے سمجھ لینے کے بعد ہزاروں نزاعات و مناقشات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں ایک وہ جن کی مراد معلوم و متعین ہو، خواہ اس لئے کہ لغت و ترکیب وغیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام و اجمال نہیں نہ عبارت کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے۔ اور یا اس لئے کہ عبارت و الفاظ میں گولت کئی معنی کا احتمال ہو سکتا تھا، لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع معصوم یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے قطعاً متعین ہو چکا کہ متکلم کی مراد وہ معنی نہیں، یہ ہے۔ ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہ ہی آیات ہوتی ہیں۔ دوسری قسم آیات کی تشابہات کہلاتی ہیں۔ یعنی جن کی مراد معلوم و متعین کرنے میں کچھ اشتباہ و التباس واقع ہو جائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیے۔ جو معنی اس کے خلاف پڑیں ان کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے مخالف نہ ہو۔ اگر باوجود اجتہاد و سعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعین نہ کر سکیں تو دعویٰ ہمہ دانی کر کے ہم کو حد سے گذرنا نہیں چاہیے۔ جہاں قلت علم اور قصور استعداد کی وجہ سے بہت سے حقائق پر ہم دسترس نہیں پاسکتے اس کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیں۔ مگر زہار ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذہب کے اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہوں مثلاً قرآن حکیم نے مسیح کی نسبت تصریح کر دی اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اُنْعَمْنَا عَلَيْهِ (الزخرف-۵۹) يَا اِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران-۵۹) يَا ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَبْتَئُونَ۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهُ (مریم-۳۵، ۳۴) اور جان کہ الوہیت و انبیت کا رد کیا۔ اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے کلمتہ اَلْقَهَّآ اِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوِّمُنَّ (النساء-۱۷۱) وغیرہ تشابہات کو لے دوڑے اور اس کے وہ معنی چھوڑ کر جو محکمات کے موافق ہوں، ایسے سطحی معنی لینے لگے جو کتاب کی عام تصریحات اور متواتر بیانات کے منافی ہوں یہ کجروی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہوگی۔ بعض قاسی القلب تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسا دیں اور بعض کمزور عقیدہ والے ڈھمل یقین ایسے تشابہات سے اپنی رائے و ہوا کے مطابق کھینچ تان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہ ہی اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات و تشابہات سب کو حق جانتے ہیں انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں جن میں تناقض و تہافت کا امکان نہیں۔ اسی لئے وہ تشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر مطلب سمجھتے ہیں۔ اور جو حصہ ان کے دائرہ فہم سے باہر ہوتا ہے اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے (تنبیہ) بندہ کے نزدیک اس آیت کا مضمون سورہ حج کی آیت وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَبَيَّنَ (الحج-۵۲) الی آخر ہا کے مضمون سے بیحد مشابہ ہے جسے ان شاء اللہ اس کے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

۸۔ اے رب نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت تو ہی ہے سب کچھ دینے والا<sup>[۹]</sup>

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا  
مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۗ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

۹۔ اے رب تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں کچھ شبہ نہیں بیشک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ<sup>[۱۰]</sup>

رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ اِنَّ  
اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْبِعَادَ ﴿۹﴾

۹۔ اہل علم کی دعا: یعنی راہنہ فی العلم اپنے کمال علمی اور قوت ایمانی پر مغرور و مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ حق تعالیٰ سے استقامت اور مزید فضل و عنایت کے طلبگار رہتے ہیں تاکہ کمائی ہوئی پونجی ضائع نہ ہو جائے اور خدا نکرہ دل سیدھے ہونے کے بعد کج نہ کر دیئے جائیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ (امت کو سنانے کے لئے) اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے **يَا مُقَلِّبِ الْقُلُوبِ ثَبِّثْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ**۔

۱۰۔ فیصلہ کا دن ضرور آئے گا: وہ دن ضرور آکر رہے گا اور زانغین (کجرو) جن مسائل میں جھگڑتے تھے سب کا دلوک فیصلہ ہو جائے گا پھر ہر ایک مجرم کو اپنی کجروی اور ہٹ دھرمی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اسی خوف سے ہم ان کے راستے سے بیزار اور آپ کی رحمت و استقامت کے طالب ہوتے ہیں۔ ہمارا زانغین کے خلاف راستہ اختیار کرنا کسی بدعتی اور نفسانیت کی بنیاد پر نہیں محض اخروی فلاح مقصود ہے۔

۱۰۔ بیشک جو لوگ کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے سامنے کچھ اور وہی ہیں ایندھن دوزخ کے [۱۱]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا  
أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ

النَّارِ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پھر پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر اور اللہ کا عذاب سخت ہے [۱۲]

كَذَّابُوا وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا  
بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ

العِقَابِ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ کہہ دے کافروں کو کہ اب تم مغلوب ہو گے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور کیا برا ٹھکانہ ہے [۱۳]

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَى  
جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْبِهَادُ ﴿۱۲﴾

۱۱۔ کفار کا مال و دولت کام نہیں آئے گا: قیامت کے ذکر کے ساتھ کافروں کا انجام بھی بتلادیا کہ ان کو کوئی چیز دنیا و آخرت میں خدائی سزا سے نہیں بچا سکتی جیسا کہ میں ابتداء سورہ میں لکھ چکا ہوں۔ ان آیات میں اصلی خطاب وفد نجران کو تھا جسے عیسائی مذہب و قوم کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت کہنا چاہیے۔ امام فخر الدین رازی نے محمد بن اسحاق کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جس وقت یہ وفد نجران سے بقصد مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابو حارثہ بن علقمہ نجر پر سوار تھا۔ نجر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرزن بن علقمہ کی زبان سے نکلا تَعَسَّ الْأَبْعَدُ (البعث سے مراد محمد ﷺ تھے۔ العیاذ باللہ) ابو حارثہ نے کہا واللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ (محمد ﷺ) وہی نبی منتظر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی تھی۔ کرزن نے کہا پھر مانتے کیوں نہیں؟ بولاً لَإِنَّ هَؤُلَاءِ الْبُلْدُوكَ أَعْطَوْنَا أَمْوَالًا كَثِيرَةً وَأَكْرَمُونَا فَلَوْ آمَنَّا بِحَبِيبِ اللَّهِ لَأَخَذُوا مِنَّا كُلَّ هَذَا الْأَشْيَاءِ (اگر محمد ﷺ پر ایمان لے آئے تو یہ بادشاہ جو بے شمار دولت

ہم کو دے رہے ہیں اور اعزاز و اکرام کر رہے ہیں سب واپس کر لیں گے) کر زنے اس کلمہ کو اپنے دل میں رکھا اور آخر کار یہ ہی کلمہ ان کے اسلام کا سبب ہوا رضی اللہ عنہ وارضاه۔ میرے نزدیک ان آیات میں ابو حارثہ کے ان ہی کلمات کا جواب ہے۔ گویا دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ان کے فاسد عقیدہ کا رد کر کے متنبہ فرمادیا کہ وضوح حق کے بعد جو لوگ محض دینی متاع (اموال و اولاد وغیرہ) کی خاطر ایمان نہیں لاتے وہ خوب سمجھ لیں کہ مال و دولت اور جتنے نہ ان کو دنیا میں خدائی سزا سے بچا سکتے ہیں نہ آخرت میں عذاب عظیم سے۔ چنانچہ اس کی تازہ مثال ابھی بدر کے موقع پر مسلمان اور مشرکین کی لڑائی میں دیکھ چکے ہو۔ دنیا کی بہار محض چند روزہ ہے۔ مستقبل کی کامیابی ان ہی کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ دور تک یہ مضمون چلا گیا ہے اور عموم الفاظ کے اعتبار سے یہود و مشرکین وغیرہ دوسرے کفار کو بھی خطاب میں لپیٹ لیا گیا۔ گو اصلی مخاطب نصاریٰ نجران تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۔ یعنی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا اور جس طرح وہ پکڑے گئے تم بھی خدا کی پکڑ میں آنے والے ہو۔

۱۳۔ کفار و مشرکین کے مغلوب ہونے کی پیشگوئی: یعنی وقت آگیا ہے کہ تم سب، کیا یہود، کیا نصاریٰ اور کیا مشرکین عنقریب خدائی لشکر کے سامنے مغلوب ہو کر ہتھیار ڈالو گے، یہ تو دنیا کی ذلت ہوئی اور آخر میں جو گرم مکان تیار ہے وہ الگ رہا بعض روایات میں ہے کہ بدر سے فاتحانہ واپسی کے بعد حضور ﷺ نے یہود کو فرمایا کہ تم حق کو قبول کر لو، ورنہ جو حال قریش کا ہوا، تمہارا ہو گا۔ کہنے لگے۔ اے محمد ﷺ اس دھوکے میں نہ رہئے کہ تم نے قریش کے چند ناتجربہ کاروں پر فتح حاصل کر لی۔ ہم سے مقابلہ ہو تو پتہ لگ جائے گا ہم (جنگ آزموہ سپاہی اور بہادر) آدمی ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر کی فتح دیکھ کر یہود کچھ تصدیق کی طرف مائل ہونے لگے تھے پھر کہا جلدی مت کرو۔ دیکھو آئندہ کیا ہوتا ہے۔ دوسرے سال احد کی عارضی پسپائی دیکھ کر ان کے دل سخت ہو گئے اور حوصلے بڑھ گئے حتیٰ کہ عہد شکنی کر کے مسلمانوں سے لڑائی کا سامان کیا۔ کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کے ساتھ مکہ معظمہ جا کر اوسفیان وغیرہ سرداران قریش سے ملا اور کہا ہم تم ایک ہیں۔ متحدہ محاذ قائم کر کے محمد ﷺ کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال تھوڑے ہی دنوں بعد خدا نے دکھلادیا کہ جزیرۃ العرب میں مشرک کا نام نہ رہا۔ قرینہ کے بدعہد یہود تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ بنی نضیر جلاوطن ہوئے۔ نجران کے عیسائیوں نے ذلیل ہو کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کی بڑی بڑی مغرور و متکبر قومیں مسلمانوں کی بلندی و برتری کا اعتراف کرتی رہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

۱۳۔ ابھی گذر چکا ہے تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں میں جن میں مقابلہ ہوا ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے اسی میں عبرت ہے دیکھنے والوں کو [۱۳]

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْآخَرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلِهِمْ

رَأَى الْعَيْنُ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَنْ يَشَاءُ إِنَّ

فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾

۱۳۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تائید و نصرت: جنگ بدر میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے۔ جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے جن کے پاس کل ستر اونٹ۔ دو گھوڑے، چھ زہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اور

تماشہ یہ تھا کہ ہر ایک فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے دل مسلمانوں کی کثرت کا تصور کر کے مرعوب ہوتے تھے اور مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد دیکھ کر اور زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور کامل توکل اور استقلال سے خدا کے وعدہ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ (الانفال-۶۶) پر اعتماد کر کے فتح و نصرت کی امید رکھتے تھے۔ اگر ان کی پوری تعداد جو گنی تھی منکشف ہوتی تو ممکن تھا خوف طاری ہو جاتا۔ اور یہ فریقین کا دوگنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا۔ ورنہ بعض احوال وہ تھے جب ہر ایک کو دوسرے فریق کی جمعیت کم محسوس ہوئی۔ جیسا کہ سورہ انفال میں آئے گا۔ بہر حال ایک قلیل اور بے سرو سامان جماعت کو ایسی مضبوط جمعیت کے مقابلہ میں ان پیشین گوئیوں کے موافق جو مکہ میں کی گئیں تھیں، اس طرح مظفر و منصور کرنا، آنکھیں رکھنے والوں کے لئے بہت بڑا عبرتناک واقعہ ہے۔

۱۳۔ فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں [۱۵] اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے [۱۶] اور مولیٰ اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ [۱۷]

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ  
وَ الْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ  
الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْأَنْعَامِ وَ الْحَرثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَ اللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمٰبِ ﴿۱۳﴾

۱۵۔ کہدے کیا بتاؤں میں تمکو اس سے بہتر پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری [۱۸] اور رضامندی اللہ کی [۱۹] اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے [۲۰]

قُلْ اَوْ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا  
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ  
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَ رِضْوَانٌ مِّنْ

اللّٰهِ ۗ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے [۲۱]

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا  
ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے اور حکم بجالانے والے اور خرچ کرنے والے اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں [۲۲]

الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ  
الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحٰرِ ﴿۱۷﴾



۱۵۔ مرغوبات کی محبت آزمائش ہے: یعنی جب ان میں پھنس کر آدمی خدا سے غافل ہو جائے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا۔ ماترکت بعدی فتنۃ اصرّ علی الرجال من النساء (میرے بعد مردوں کے لئے کوئی ضرر رساں فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں) ہاں اگر عورت سے مقصود اعفاف اور کثرت اولاد ہو۔ تو وہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب و مندوب ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے کہ اگر اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو، حکم دے تو فرمانبردار پائے، کہیں غائب ہو تو پیٹھ پیچھے شوہر کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں اس کی حفاظت کرے۔ اسی طرح جتنی چیزیں آگے متاع دنیا کے سلسلے میں بیان ہوئیں سب کا محمود و مذموم ہونا نیت اور طریق کار کے تفاوت سے متفاوت ہوتا رہے گا۔ مگر چونکہ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے جو عیش و عشرت کے سامانوں میں پھنس کر خدا تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں، اس لئے زین اللناس میں سطح کلام کی عام رکھی گئی ہے۔

۱۶۔ یعنی جن پر نمبر یا نشان لگائے جائیں یا بچہ کلیان گھوڑے جن کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی پر قدرتی نشان ہوتے ہیں یا جو گھوڑے چراگاہ میں چرنے کے لئے چھوڑے گئے ہوں۔

۱۷۔ یعنی ابدی فلاح ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی محض دنیا میں چند روز فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کامیاب مستقل اور اچھا ٹھکانہ چاہتے ہو تو خدا کے پاس ملے گا۔ اس کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کی فکر کرو۔ اگلی آیت میں بتلاتے ہیں کہ وہ اچھا ٹھکانہ کیا ہے اور کن لوگوں کو ملتا ہے

۱۸۔ یعنی ہر قسم کی صورتی و معنوی گندگی سے پاک و صاف ہوں گی۔

۱۹۔ کہ اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے بلکہ جنت بھی فی الحقیقت اس لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضا ہے۔

۲۰۔ اللہ بندوں کی نگرانی کرتا ہے: بندوں کے تمام اعمال و احوال اس کے سامنے ہیں جو جس جزاء و سزا کا مستحق ہو گا بلا کم و کاست دی جائے گی دنیا کی بہار پر مرنے والے اور اس کے فانی مزوں سے پرہیز کرنے والے سب اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیئے جائیں گے۔ یا یہ مطلب لیا جائے کہ پرہیز گار بندوں پر خدا کی نگاہ لطف و کرم ہے جو دنیا کی ابلہ فریب سحر کار یوں سے ان کو محفوظ رکھتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جب خدا کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اسی طرح دنیا سے اس کا پرہیز کر دیتا ہے جیسے تم اپنے مریض کو پانی (وغیرہ) سے پرہیز کرتے ہو۔

۲۱۔ معلوم ہوا کہ گناہ معاف ہونے کے لئے ایمان لانا شرط ہے۔

۲۲۔ اچھے بندوں کے اوصاف: یعنی اللہ کے راستہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر بھی اس کی فرمانبرداری پر جمے رہتے اور معصیت سے رکے رہتے ہیں۔ زبان کے، دل کے، نیت کے، معاملہ کے سچے ہیں۔ پوری تسلیم و انقیاد کے ساتھ خدا کے احکام بجالاتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی دولت کو اس کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرتے ہیں۔ اور پچھلی رات میں اٹھ کر (جو طمانیت و اجابت کا وقت ہوتا ہے لیکن اٹھنا اس وقت سہل نہیں ہوتا) اپنے رب سے گناہ اور تقصیرات معاف کراتے ہیں۔ کَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الْاٰیِلِ مَا يَهْتَجِعُوْنَ۔ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَعْفِفُوْنَ (ذاریات۔ ۱۸، ۱۷) یعنی اکثر رات عبادت میں گزارتے اور سحر کے وقت استغفار کرتے کہ خداوند! عبادت میں جو تقصیر رہ گئی اپنے فضل سے معاف فرماتا۔

۱۸۔ اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا [۲۳] اور فرشتوں نے [۲۴] اور علم والوں نے بھی [۲۵] وہی حاکم انصاف کا ہے کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے زبردست ہے حکمت والا [۲۶]

الْحَكِيمُ ط

۱۹۔ بیشک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری ہے [۲۷] اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب ان کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد اور حسد سے [۲۸] اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے [۲۹]

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ

اللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

۲۳۔ توحید پر اللہ کی فرشتوں کی اور اہل علم کی گواہی: ابتداء میں نصاریٰ نجران سے خطاب تھا اور نہایت لطیف انداز سے الوہیت مسیح کے عقیدہ کا ابطال اور توحید خالص کا اعلان کر کے ایمان لانے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں ان مواقع کا ذکر فرمایا جو انسان کو وضوح حق کے باوجود شرف ایمان سے محروم رکھتے ہیں۔ یعنی مال و اولاد اور سامان عیش و عشرت۔ ان آیات میں مومنین کی صفات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون توحید و غیرہ کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی توحید خالص کے ماننے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔ جب کہ خود حق تعالیٰ اپنی تمام کتابوں میں برابر اس مضمون کی گواہی دیتا رہا ہے۔ اور اس کی فعلی کتاب (صحیفہ کائنات) کا ایک ایک ورق بلکہ ایک ایک نقطہ شہادت دیتا ہے کہ بندگی کے لائق رب العالمین کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ، آيَةٌ تَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّهُ، وَاحِدٌ (سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعِينَ لَهُمُ اللَّهُ الْحَقُّ ۗ أُولَٰئِكَ يَكْفُرُ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ) (حم سجدہ-۵۶)

۲۴۔ ظاہر ہے فرشتوں کی گواہی خدا کی گواہی کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔ فرشتہ تو نام ہی اس مخلوق کا ہے جو صدق و حق کے راستہ سے سرتابی نہ کر سکے۔ چنانچہ فرشتوں کی تسبیح و تمجید تمام تر توحید و تفرید باری پر مشتمل ہے۔

۲۵۔ علم والے ہر زمانے میں توحید کی شہادت دیتے رہے ہیں اور آج تو عام طور پر توحید کے خلاف ایک لفظ کہنا جہل محض کا مترادف سمجھا جاتا ہے مشرکین بھی دل میں مانتے ہیں کہ علمی اصول کبھی مشرک نہ عقائد کی تائید نہیں کر سکتے۔

۲۶۔ انصاف کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، زبردست ہو کہ اس کے فیصلے سے کوئی سرتابی نہ کر سکے اور حکیم ہو کہ حکمت و دانائی سے پوری طرح جانچ تول کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے کوئی حکم بے موقع نہ دے۔ چونکہ حق تعالیٰ عزیز و حکیم ہے لہذا اس کے منصف علی الاطلاق ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے غالباً اس لفظ قَابِلًا بِالْقِسْطِ میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ کا بھی رد ہو گیا۔ بھلا کہ کہاں کا انصاف ہو گا کہ ساری دنیا کے جرائم ایک شخص پر لاد دیے جائیں اور وہ تنہا سزا پا کر سب مجرموں کو ہمیشہ کے لئے بری اور پاک کر دے۔ خدائے عادل و حکیم کی بارگاہ ایسی گستاخیوں سے کہیں بالا و برتر ہے۔

۲۷۔ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے: (لفظ اسلام کی تشریح) اسلام کے اصلی معنی سوچ دینے کے ہیں۔ مذہب اسلام کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے واحد کے سپرد کر دینے اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے گویا اسلام انقیاد و تسلیم کا اور مسلمانی حکم برداری کا دو سرانام ہوا۔ یوں تو شروع سے اخیر تک تمام پیغمبر یہی مذہب اسلام لے کر آئے اور اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو مناسب وقت احکام پہنچا کر طاعت فرمانبرداری اور خالص خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے رہے ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام دنیا کو جو اکمل، جامع ترین، عالمگیر اور ناقابل تنسیخ ہدایات دیں وہ تمام

شرائع سابقہ حقہ پر مع شے زائد مشتعل ہونے کی وجہ سے خصوصی رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم و ملقب ہوئیں۔ بہر حال اس آیت میں نصاریٰ نجران کے سامنے خصوصاً اور تمام اقوام و ملل کے سامنے عموماً اعلان کیا گیا ہے کہ دین و مذہب صرف ایک ہی چیز کا نام ہو سکتا ہے وہ یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے کو خداوند قدوس کے سپرد کر دے اور جس وقت جو حکم اس کی طرف سے پائے بے چون و چراں گردن تسلیم جھکا دے۔ اب جو لوگ خدا کے لئے بیٹے پوتے تجویز کریں، مسیح و مریم کی تصویروں اور صلیب کی لکڑی کو پوجیں، خنزیر کھائیں آدمی کو خدا یا خدا کو آدمی بناویں۔ انبیاء و اولیاء کو قتل کر ڈالنا معمولی بات سمجھیں، دین حق کو مٹانے کی ناپاک کوشش میں لگے رہیں، موسیٰ و مسیح کی بشارات کے موافق جو پیغمبر دونوں سے بڑھ کر شان و نشان دکھلاتا ہوا آیا، جان بوجھ کر اس کی تکذیب کی اور اس کے لائے ہوئے کلام و احکام سے ٹھٹھا کریں۔ یا جو بے وقوف پتھروں، درختوں، ستاروں اور چاند سورج کے آگے سجدہ کریں اور حلال و حرام کا معیار محض ہوائے نفس کو ٹھہرائیں، کیا ان میں کوئی جماعت اس لائق ہے کہ اپنے کو مسلم اور ملت ابراہیمی کا پیرو کہہ سکے۔ العیاذ باللہ۔ وفی روایۃ محمد بن اسحاق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلموا۔ فقالوا کد اسلمنا۔ فقال صلی اللہ علیہ وسلم کذبتم کیف یصح اسلامکم وانتم تثبتون للہ ولذادو تعبدون الصلیب و تاكلون الخنزیر (تفسیر کبیر)۔

۲۸۔ اہل کتاب کی مخالفت کی حقیقت: یعنی اسلام ایک واضح اور روشن چیز ہے جس قسم کے دلائل سے موسیٰ و مسیح کی رسالت تورات و انجیل کا کتاب ساوی ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے، اس سے بہتر، مضبوط اور زندہ دلائل محمد ﷺ کی رسالت اور قرآن کے کلام الہی ہونے کے موجود ہیں۔ بلکہ خود وہ کتابیں آپ کی حقانیت کی شہادت دے رہی ہیں۔ توحید خالص ایک صاف مضمون ہے جس کے خلاف باپ بیٹے کا نظریہ محض ایک بے معنی چیستان ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس کی کوئی علمی اصول تائید نہیں کرتا، اب جو اہل کتاب مخالف اسلام ہو کر ان روشن حقائق کو جھٹلائیں اور حق تعالیٰ کی حکمرداری سے سرتابی کریں بجز اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ محض ضد، حسد، عناد اور جاہ و مال کی حرص میں ایسا کر رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ الْخ کے فوائد میں خود ابو حارثہ ابن علقمہ رئیس وفد نجران کا اقرار و اعتراف نقل کیا جا چکا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی قدیم عادت ہے یہود و نصاریٰ کے باہم جو اختلافات ہوئے یا ہر ایک مذہب میں جو بہت سے فرقے بنے۔ پھر مخالفت باہمی خوفناک محاربات اور خونریزیوں پر منتهی ہوئی۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس کا منشاء عموماً غلط فہمی یا جہل نہ تھا۔ بلکہ اکثر حالات میں محض سیم و زر کی محبت اور جاہ پرستی سے یہ فرقہ دار اختلافات پیدا ہوئے۔

۲۹۔ دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور ہے۔

۲۰۔ پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے حکم پر اور انہوں نے بھی کہ جو میرے ساتھ ہیں [۳۰] اور کہہ دے کتاب والوں کو اور ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی سیدھی اور اگر منہ پھریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے [۳۱]

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسَلْتُ وَجْهَ اللَّهِ وَمَنْ  
اتَّبَعَنِ ط وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ  
ءَأَسَلْتُمْ ط فَإِنْ أَسَلُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا  
فَإِنَّا عَلَيْكَ الْبَدِغُ ط وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ع

۳۰۔ اسلام کا عملی نمونہ: جیسا کہ دونوں اندر پہلے نقل کیا جا چکا۔ وہ جھگڑتے تھے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہاں ان کو بتلایا گیا کہ ایسا (فرضی) اسلام کس کام کا آؤ دیکھو اسلام اسے کہتے ہیں جو محمد ﷺ اور ان کے جانشینوں کے پاس ہے۔ ابھی بیان ہو چکا کہ اسلام نام ہے تسلیم و انقیاد کا۔ یعنی بندہ ہمہ تن اپنے کو خدا کے ہاتھ میں دیدے سو محمد ﷺ اور مہاجرین و انصار کو دیکھ لو کس طرح انہوں نے شرک، بت پرستی، بد اخلاقی، فسق و فجور، اور ظلم و عدوان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان، مال، وطن، کنبہ، بیوی بچے غرض تمام مرغوب و محبوب چیزیں حق تعالیٰ کی خوشنودی پر نثار کر دیں اور کس طرح ان کا چہرہ اور آنکھیں ہر وقت حکم الہی کی طرف لگی رہتی ہیں۔ کہ ادھر سے حکم آئے اور ہم تعمیل کریں۔ اس کے بالمقابل تم اپنا حال دیکھو کہ خود اپنی خلوتوں میں اقرار کرتے ہو کہ محمد ﷺ حق پر ہیں، مگر ان پر ایمان لائیں تو دنیا کا مال و جاہ چھنتا ہے۔ بہر حال اگر باوجود وضوع حق کے اسلام کی طرف نہیں آتے، تم جانو، ہم تو اپنے کو ایک خدا کے سپرد کر چکے ہیں۔

۳۱۔ یعنی سوچ لو کیا تم بھی ہماری طرح خدا کے تابع اور بندے بنے ہو یا اب بنتے ہو، ایسا ہو تو سمجھ لو سیدھے رستہ پر لگ گئے اور ہمارے بھائی بن گئے ورنہ ہمارا کام سمجھا دینا اور نشیب و فراض بتلادینا تھا، وہ کر چکے۔ آگے سب بندے اور ان کے اعمال ظاہری و باطنی خدا کی نظر میں ہیں، وہ ہر ایک کا بھگتانا کر دے گا۔ (تنبیہ) ان پڑھ کہتے تھے عرب کے مشرکوں کو کہ ان کے پاس کتب سماویہ کا علم نہ تھا۔

۲۱۔ جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے سوخو شجر بنی سنا دے انکو عذاب دردناک کی

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ  
بِغَيْرِ حَقٍّ ۗ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ

مِنَ النَّاسِ ۗ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾

۲۲۔ یہی ہیں جن کی محنت ضائع ہوئی دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار [۳۲]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ

الْآخِرَةِ ۗ وَمَالُهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٢٢﴾

۳۲۔ بنی اسرائیل کے جرائم اور سزا: حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں تینتالیس نبی اور ایک سو ستر یا ایک سو بارہ صالحین کو شہید کیا یہاں نصاریٰ نجران اور دوسرے کفار کو سنا یا جا رہا ہے کہ احکام الہی سے منکر ہو کر انبیاء اور انصاف پسندنا صحیحین سے مقابلہ کرنا اور پرلے درجے کی شقاوت و سنگدلی سے ان کے خون میں ہاتھ رنگنا معمولی چیز نہیں۔ ایسے لوگ سخت دردناک عذاب کے مستحق اور دونوں جہان کی کامیابی سے محروم ہیں۔ ان کی محنت برباد اور ان کی کوششیں اکارت ہوں گی اور دنیا و آخرت میں جب سزا ملے گی تو کوئی بچانے والا اور مدد کرنے والا نہ ملے گا۔

۲۳۔ کیانہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جن کو ملا کچھ ایک حصہ کتاب کا [۳۳] ان کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ کتاب ان میں حکم کرے پھر منہ پھیرتے ہیں بعضے ان میں سے تغافل کر کے [۳۴]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ  
يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّوْا

فَرِيقًا مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں وہ ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ دوزخ کی مگر چند دن گنتی کے اور بھکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر [۳۵]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۚ وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۵۔ پھر کیا ہو گا حال جب ہم انکو جمع کریں گے ایک دن کہ اسکے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا پاوے گا ہر کوئی اپنا کیا [۳۶] اور انکی حق تلفی نہ ہوگی [۳۷]

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنَهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَوَقِيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

۳۳۔ یعنی تھوڑا بہت حصہ تورات و انجیل وغیرہ کا جو ان کی تحریفات لفظی و معنوی سے بچ بچا کر رہ گیا ہے یا جو تھوڑا بہت حصہ فہم کتاب کا ملا۔  
۳۴۔ یہودیوں کا کتاب اللہ سے اعراض: یعنی جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ قرآن کریم کی طرف آؤ جو خود تمہاری تسلیم کردہ کتابوں کی بشارات کے موافق آیا اور تمہارے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے، تو ان کے علماء کا ایک فریق تغافل برت کر منہ پھیر لیتا ہے حالانکہ قرآن کی طرف دعوت فی الحقیقت تورات و انجیل کی طرف دعوت دینا ہے۔ بلکہ کچھ بعید نہیں کہ اس جگہ کتاب اللہ سے مراد تورات و انجیل ہی ہو۔ یعنی لو ہم تمہارے نزاعات کا فیصلہ تمہاری ہی کتاب پر چھوڑتے ہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور پست اغراض کے سامنے خود اپنی کتاب کی ہدایات سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں۔ نہ اس کی بشارات سنتے ہیں نہ احکام پر کان دھرتے ہیں۔ چنانچہ رجم زانی کے مسئلہ میں تورات کے حکم منصوص سے صریح روگردانی کی۔ جیسا کہ آگے سورہ مائدہ میں آئے گا۔

۳۵۔ یہودیوں کے من گھڑت عقائد کی تردید: یعنی ان کے تہمید و طغیان اور گناہوں پر جبری ہونے کا سبب یہ ہے کہ سزا کی طرف سے بے خوف ہیں ان کے بڑے جھوٹ بنا کر کہہ گئے کہ ہم میں اگر کوئی سخت گنہگار بھی ہو گا تو گنتی کے چند روز سے زیادہ عذاب نہ پائے گا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں گذر چکا۔ اور اسی طرح کی بہت سے باتیں گھڑ رکھی ہیں۔ مثلاً کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے چہیتے بیٹے ہیں۔ یا انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ یعقوب سے وعدہ کر چکا ہے کہ ان کی اولاد کو سزا نہ دے گا مگر یوں ہی برائے نام قسم کھانے کو۔ اور نصاریٰ نے تو کفار کا مسئلہ نکال کر گناہ و معصیت کا سارا حساب ہی بے باق کر دیا۔ اللہم اعذبنا من شرور انفسنا۔

۳۶۔ یعنی اس وقت پتہ چلے گا کہ کس اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔ جب محشر میں تمام اولین و آخرین اور خود اپنے بزرگوں کے سامنے رسوا ہوں گے اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ نہ کفارہ کا مسئلہ یاد آئے گا نہ نبی تعلقات اور من گھڑت عقیدے کام دیں گے۔

۳۷۔ یعنی فرضی جرائم پر سزا نہ ہوگی۔ ان کاموں پر ہوگی جن کا جرم ہونا خود تسلیم کریں گے اور جس قدر سزا کا استحقاق ہو گا، اس سے زیادہ نہ دی جائے گی نہ کسی کی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی ضائع ہو سکے گی۔

۲۶۔ تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے تیرے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكِ الْمُلْكِ تُوْتِي الْمُلْكَ مِنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِنْ تَشَآءُ ۗ وَ تُعْزِزُ مَنْ تَشَآءُ وَ

ہاتھ ہے سب خوبی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے [۳۸]

تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٨﴾

۲۷۔ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرے دن کو رات میں [۳۹] اور تو نکالے زندہ مردہ سے اور نکالے مردہ زندہ سے [۴۰] اور تو رزق دے جس کو چاہے بے شمار [۴۱]

تُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَ

تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ

الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾

۳۸۔ ملک و سلطنت اور عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے: جیسا کہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے وفد نجران کے رئیس ابو حارثہ علقمہ نے کہا تھا کہ ہم محمد ﷺ پر ایمان لائیں تو روم کے بادشاہ جو ہماری عزت اور مالی خدمت کرتے ہیں سب بند کر لیں گے۔ شاید یہاں دعاء و مناجات کے رنگ میں اس کا جواب دیا کہ جن بادشاہوں کی سلطنت اور انکی دی ہوئی عزتوں پر تم مفتون ہو رہے ہو، تو خوب سمجھ لو کہ کل سلطنت و عزت کا اصلی مالک خداوند قدوس ہے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے سلب کر لے کیا یہ امکان نہیں کہ روم و فارس کی سلطنتیں اور عزتیں چھین کر مسلمانوں کو دے دی جائیں، بلکہ وعدہ ہے کہ ضرور دی جائیں گی آج مسلمانوں کی موجودہ بے سرو سامانی اور دشمنوں کی طاقت کو دیکھتے ہوئے بیشک یہ چیز تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اسی لئے یہود و منافقین مذاق اڑاتے تھے کہ قریش کے حملہ سے ڈر کر مدینہ کے گرد خندق کھودنے والے مسلمان قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت پر قبضہ پانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ نے چند ہی سال میں دکھلا دیا کہ روم و فارس کے جن خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنے پیغمبر کے ہاتھ میں دی تھیں۔ فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں وہ کس طرح مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم ہوئے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مادی سلطنت و عزت کیا چیز ہے جب خداوند قادر و حکیم نے روحانی سلطنت و عزت کا آخری مقام (یعنی منصب نبوت و رسالت) بنی اسرائیل سے منتقل کر کے بنی اسمعیل میں پہنچا دیا۔ تو روم و عجم کی ظاہری سلطنت کا عرب کے خانہ بدوشوں کی طرف منتقل کر دینا کیا مستبعد ہے۔ گویا یہ دعا ایک طرح کی پیشینگوئی تھی کہ عنقریب دنیا کی کاپیلاٹ ہونے والی ہے۔ جو قوم دنیا سے الگ تھلگ پڑی تھی۔ عزتوں اور سلطنتوں کی مالک ہوگی۔ اور جو بادشاہت کر رہے تھے ان کو اپنی بد اعمالیوں کی بدولت پستی و ذلت کے غار میں گرایا جائے گا۔ (تنبیہ) بِيَدِكَ الْخَيْرُ بیشک خدا کے ہاتھ میں ہر قسم کی خیر و خوبی ہے اور شر کا پیدا کرنا بھی اس کے اعتبار سے خیر ہی ہے۔ کیونکہ مجموعہ عالم کے اعتبار سے اس میں ہزار ہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ فی الحدیث الصحیح الخیر کلمہ فی یدیک والشہ لیس الیک۔

۳۹۔ اللہ کی قدرت کی نشانیاں: یعنی کبھی رات کو گھٹا کر دن کو بڑھا دیتا ہے، کبھی اس کا عکس کرتا ہے۔ مثلاً ایک موسم میں چودہ گھنٹے کی رات اور دس گھنٹہ کا دن ہے۔ چند ماہ بعد رات کے چار گھنٹہ کاٹ کر دن میں داخل کر دیے۔ اب رات دس گھنٹہ کی رہ گئی اور دن چودہ گھنٹہ کا ہو گیا۔ یہ سب الٹ پھیر تیرے ہاتھ میں ہیں۔ کیونکہ شمس و قمر وغیرہ تمام سیارات بدون تیرے ارادہ کے ذرا حرکت نہیں کر سکتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی رات۔

۳۰۔ یعنی بیضہ کو مرغی سے، مرغی کو بیضہ سے، آدمی کو نطفہ سے نطفہ کو آدمی سے، جاہل کو عالم سے، عالم کو جاہل سے، کامل کو ناقص سے، ناقص کو کامل سے نکالنا تیری ہی قدرت کا کام ہے۔

۳۱۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یہود جانتے تھے کہ پہلے جو بزرگی ہم میں تھی وہ ہی ہمیشہ رہے گی۔ اللہ کی قدرت سے غافل ہیں، جس کو چاہے عزیز کرے اور سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور ذلیل کر دے۔ اور جاہلوں میں کامل پیدا کرے (جیسے عرب کے امیوں میں سے کئے) اور کاملوں میں سے جاہل (جیسے بنی اسرائیل میں ہوا) اور جس کو چاہے (حسی و معنوی) رزق بے حساب دیوے۔

۲۸۔ نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ [۳۲] اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے [۳۳]

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ  
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ  
فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً ۗ وَيَحْذَرُكُمُ  
اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْبَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے جی کی بات یا اسے ظاہر کرو گے جانتا ہے اس کو اللہ [۳۴] اور اس کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۳۵]

قُلْ اِنْ تَخْضَعُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبْذُرُوْا كَمَا يَعْلَمُهُ  
اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَ  
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ جس دن موجود پاوے گا ہر شخص جو کچھ کہے اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کہے اس نے برائی آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جاوے دور کا [۳۶] اور اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر [۳۷]

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عٰبَتْ مِنْ خَيْرٍ  
مُّحْضَرًا ۗ ۙ وَمَا عٰبَتْ مِنْ سُوْءٍ ۗ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ  
بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗ اَمَدًا بَعِيْدًا ۗ وَيَحْذَرُكُمُ اللّٰهُ  
نَفْسَهُ ۗ وَاللّٰهُ رَعُوْفٌ بِالْعٰبِدِ ﴿۳۰﴾

۳۲۔ کفار سے مسلمانوں کی دوستی کی مذمت: یعنی جب حکومت و سلطنت، جاہ و عزت، اور ہر قسم کے تقلبات و تصرفات کی زمام اکیلے خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہوئی تو مسلمانوں کو جو صحیح معنی میں اس پر یقین رکھتے ہیں، شایاں نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اخوة و دوستی پر اکتفا نہ کر کے خواہ مخواہ دشمنان خدا کی موالاة و مدارات کی طرف قدم بڑھائیں خدا اور رسول کے دشمن ان کے دوست کبھی نہیں بن سکتے۔ جو اس خطبہ میں پڑے

گا سمجھ لو کہ خدا کی محبت و موالات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں اور خوف صرف خداوند رب العزت سے وابستہ ہونے چاہئیں۔ اور اس کے اعتماد و وثوق اور محبت و مناصرت کے مستحق وہ ہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں تدبیر و انتظام کے درجہ میں کفار کے ضرر عظیم سے اپنے ضروری بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول و مشروع طریقہ پر اختیار کرنا، ترک موالات کے حکم سے اسی طرح مستثنیٰ ہیں جیسے سورہ انفال میں وَمَنْ يُؤْتِهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرًا (الانفال-۱۶) سے مُتَحَرِّفًا لِقِتَالِ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلَى فِتْنَةٍ كُو مُسْتَشْتٰی كَمَا كَمَا كَمَا۔ جس طرح وہاں تحریف و تحین کی حالت میں حقیقت فرار من الزحف نہیں ہوتا، محض صورتہ ہوتا ہے، یہاں بھی اِلَّا اَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰةً كُو حقیقت موالات نہیں، فقط صورت موالات سمجھنا چاہئے۔ جس کو ہم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل سورہ مائدہ کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ (المائدہ-۵۱) الخ کے فوائد میں ملاحظہ کر لی جائے۔ اور بندہ کا مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر چھپا ہوا ہے جو حضرت الاستاذ (مترجم محقق) قدس اللہ روحہ کی ایما پر لکھا گیا تھا۔ فلیراجع۔

۳۳۔ یعنی مومن کے دل میں اصلی ڈر خدا کا ہونا چاہئے۔ کوئی ایسی بات نہ کرے جو اس کی ناراضی کا سبب ہو، مثلاً جماعت اسلام سے تجاوز کر کے بے ضرورت کفار کے ساتھ ظاہری یا باطنی موالات کرے یا ضرورت کے وقت صورت اختیالات اختیار کرنے میں حدود شرع سے گذر جائے۔ یا محض مہوم و حقیر خطرات کو یقینی اور اہم خطرات ثابت کرنے لگے اور اسی قسم کی مستثنیات یا شرعی رخصتوں کو ہوائے نفس کہ پیروی کا حیلہ بنالے۔ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ سب کو خداوند قدوس کی عدالت عالیہ میں حاضر ہونا ہے وہاں جھوٹے حیلے حوالے کچھ پیش نہ جائیں گے۔ مومن قوی کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ رخصت سے گذر کر عزیمت پر عمل پیرا ہو۔ اور مخلوق سے زیادہ خالق سے خوف کھائے۔

۳۴۔ یعنی ممکن ہے آدمی اپنی نیت اور دل کی بات آدمیوں سے چھپالے لیکن وہ اس طرح خدا کو فریب نہیں دے سکتا۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُنْفِسِیْنَ مِنَ الْبَصْلِیْح۔

۳۵۔ جب علم اس قدر محیط اور قوت ایسی عام و تمام ہے تو مجرم کے لئے انخا جرم یا سزا سے بچ کر بھاگ جانے کی کوئی صورت نہیں۔

۳۶۔ آخرت میں نیک و بد اعمال کا حاضر ہونا: یعنی قیمت کے دن ہر نیکی بدی، آدمی کے سامنے حاضر ہوگی۔ عمر بھر کا اعمال نامہ آدمی کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔ اس وقت مجرمین آرزو کریں گے کہ کاش یہ دن ہم سے دور ہی رہتا۔ یا ہم میں اور ان برے اعمال میں بڑی دور کا فاصلہ ہوتا تاکہ ان کے قریب بھی نہ جاتے۔

۳۷۔ یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ تم کو اس خوفناک دن کے آنے سے پہلے ڈراتا اور آگاہ کرتا ہے۔ تاکہ برائی کے طریقے خصوصاً موالات کفار ترک کر کے اور بھلائی کے راستہ پر چل کر اپنے کو خداوند قہار کے غصہ سے بچالینے کا قبل از وقت انتظام کر رکھو۔ قرآن کریم کا یہ خاص طرز ہے کہ عموماً خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کا مضمون سناتا ہے۔ یہاں بھی مضامین ترہیب کو معتدل بنانے کے لئے اخیر میں وَاللّٰهُ رَعُوْۤفٌ بِالْعِبَادِ فرمادیا۔ یعنی خدا سے ڈر کر اگر برائی چھوڑ دو گے تو اس کی مہربانی پھر تمہارا استقبال کرنے کو تیار ہے نا امید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اُو! تم کو ایسا دروازہ بتائیں جس سے داخل ہو کر مغفرت و رحمت کے پورے مستحق بلکہ خدا تعالیٰ کے محبوب بن سکتے ہو۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّبْکُمْ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

۳۔ تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ

محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے

والا مہربان ہے [۳۸]

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّبْکُمْ

اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾



۳۲۔ تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے [۳۹]

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ

لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۸۔ اللہ کی محبت کا معیار، رسول کی محبت: دشمنان خدا کی موالات و محبت سے منع کرنے کے بعد خدا سے محبت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں۔ یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیب خدا محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہیے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچا ہو گا۔ اتنا ہی حضور ﷺ کی پیروی میں مضبوط اور مستعد پایا جائے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا۔ اور اللہ کی محبت اور حضور ﷺ کے اتباع کی برکت سے بچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔ گویا توحید و غیرہ کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے نبوت کا بیان شروع کیا گیا اور پیغمبر آخر الزماں کی اطاعت کی دعوت دی گئی۔

۳۹۔ یہود و نصاریٰ کہتے تھے نَحْنُ اَبْنُوْا اللّٰهَ وَ اَحْبَبَاؤُہُ (المائدہ-۱۸) (ہم خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں) یہاں بتلادیا گیا کہ کافر کبھی خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ اگر واقعی محبوب بننا چاہتے ہو تو اس کے احکام کی تعمیل کرو، پیغمبر کا کہا مانو۔ اور خدا کے سب سے بڑے محبوب کے نقش قدم پر چلے آؤ۔ وفد نجران نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم مسیح کی تعظیم و عبادت اللہ کی محبت و تعظیم کے لئے کرتے ہیں، اس کا بھی جواب ہو گیا۔ آگے خدا تعالیٰ کے چند محب و محبوب بندوں کا حال سنایا گیا اور وفد نجران کی رعایت سے حضرت مسیح کی سوانح زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے جو تمہید ہے خاتم الانبیاء ﷺ کے ذکر مبارک کی۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔

۳۳۔ بیشک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے گھر کو اور عمران کے گھر کو [۵۰] سارے جہان سے

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَ اٰلَ اِبْرٰہِیْمَ وَ اٰلَ

عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ جو اولاد تھے ایک دوسرے کی [۵۱] اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۵۲]

ذُرِّیَّةً بَعْضُہَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾

۵۰۔ آل عمران: عمران دو ہیں ایک حضرت موسیٰ کے والد، دوسرے حضرت مریم کے والد، اکثر سلف و خلف نے یہاں عمران ثانی مراد لیا ہے کیونکہ آگے اِذْ قَالَتْ اٰمْرَاٰتُ عِمْرٰنَ اِنِّیْ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ سے اسی دوسرے عمران کے گھرانے کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اور غالباً سورۃ کا نام آل عمران اسی بناء پر ہوا کہ اس میں عمران ثانی کے گھرانے (یعنی مریم و مسیح) کا واقعہ بہت بسط و تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

۵۱۔ حضرت آدم علیہ السلام و نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیات: خدا کی مخلوقات میں زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، فرشتے، جن، شجر، حجر سب ہی شامل تھے مگر اس نے اپنے علم محیط اور حکمت بالغہ سے ملکات روحانیہ اور کمالات جسمانیہ کا جو مجموعہ ابوالبشر آدم میں ودیعت کیا وہ مخلوقات میں سے کسی کو نہ دیا۔ بلکہ آدم کو مسجود ملائکہ بنا کر ظاہر فرما دیا کہ آدم کا اعزاز و اکرام اس کی بارگاہ میں ہر مخلوق سے زیادہ ہے۔ آدم کا یہ انتخابی اور اصطفاۓی فضل و شرف جسے ہم نبوت سے تعبیر کرتے ہیں کچھ ان کی شخصیت پر محدود و مقصود نہ تھا،

بلکہ منتقل ہو کر ان کی اولاد میں نوح کو ملا پھر منتقل ہوتا ہوا نوح کی اولاد حضرت ابراہیم تک پہنچا۔ یہاں سے ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ آدم و نوح کے بعد جتنے انسان دنیا میں آباد رہے تھے وہ سب ان دونوں کی نسل سے تھے۔ کوئی خاندان دونوں کی ذریت سے باہر نہ تھا۔ برخلاف اس کے ابراہیم کے بعد ان کی نسل کے علاوہ دنیا میں دوسرے بہت خاندان موجود رہے۔ لیکن جس خدا نے اپنی بے شمار مخلوقات میں سے منصب نبوت کے لئے آدم کا انتخاب کیا تھا اسی کے علم محیط اور اختیار کامل نے آئندہ کے لئے ہزاروں گھرانوں میں سے اس منصب جلیل کے واسطے ابراہیم کے گھرانے کو مخصوص فرمادیا۔ جس قدر انبیاء و رسل ابراہیم کے بعد آئے ان ہی کے دو صاحبزادوں اسحاق و اسمعیل کی نسل سے آئے۔ چونکہ عموماً نسب کا سلسلہ باپ کی طرف سے چلتا ہے اور حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہونے تھے اس لحاظ سے وہم ہو سکتا تھا کہ ان کو نسل ابراہیمی سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آل عمران اور ذُرِّيَّةَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ فرما کر متنبہ کر دیا کہ حضرت مسیح جب صرف ماں سے پیدا ہوئے تو ان کا سلسلہ نسب بھی ماں ہی کی طرف سے لیا جائے گا۔ نہ کہ معاذ اللہ خدا کی طرف سے اور ظاہر ہے کہ ان کی والدہ مریم صدیقہ کے باپ عمران کا سلسلہ آخر حضرت ابراہیم پر منتہی ہوتا ہے تو آل عمران، آل ابراہیم کی ایک شاخ ہوئی اور کوئی پیغمبر خاندان ابراہیمی سے باہر نہ ہوا۔

۵۲۔ سب کی دعاؤں اور باتوں کو سنتا اور سب کے ظاہری و باطنی احوال و استعداد کو جانتا ہے۔ لہذا یہ وہم نہ کرنا چاہیے کہ یوں ہی کیف ما اتفق انتخاب کر لیا ہو گا۔ وہاں کا ہر کام پورے علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۳۵۔ جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے رب میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد رکھ کر سو تو مجھ سے قبول کر بیشک تو ہی ہے اصل سننے والا جاننے والا [۵۳]

اِذْ قَالَتْ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّى نَذَرْتُ لَكَ مَا فِى بَطْنِى مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِىْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۵﴾

۳۶۔ پھر جب اس کو جنا بولی اے رب میں نے تو اس کو لڑکی جنی [۵۴] اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا اور بیٹا نہ ہو جیسی وہ بیٹی [۵۵] اور میں نے اس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے [۵۶]

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّى وَضَعْتُهَا اُنْثٰى وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ ط وَ لَيْسَ الذَّكْرُ كَالْاُنْثٰى ج وَ اِنِّى سَوَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّىْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۲۶﴾

۵۳۔ حضرت مریم کی والدہ کی منت اور دعا: عمران کی عورت کا نام ہے حنہ بنت فاطمہ اس نے اپنے زمانے کے رواج کے موافق منت مانی تھی کہ خداوند! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے میں اسے محرر (تیرے نام پر آزاد) کرتی ہوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمام دنیوی مشاغل اور قید نکاح وغیرہ سے آزاد رہ کر ہمیشہ خدا کی عبادت اور کلیسا کی خدمت میں لگا رہے گا۔ اے اللہ تو اپنی مہربانی سے میری نذر قبول فرما۔ تو میری عرض

کو سنتا اور میری نیت و اخلاص کو جانتا ہے۔ گویا لطیف طرف میں استدعاء ہوئی کہ لڑکا پیدا ہو کیونکہ لڑکیاں اس خدمت کے لئے قبول نہیں کی جاتی تھیں۔

۵۴۔ یہ حسرت و افسوس سے کہا، کیونکہ خلاف توقع پیش آیا۔ اور لڑکی قبول کرنے کا دستور نہ تھا۔

۵۵۔ یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ یعنی اسے معلوم نہیں کیا چیز جنی۔ اس لڑکی کی قدر و قیمت کو خدا ہی جانتا ہے جس طرح کے بیٹے کی اسے خواہش تھی وہ اس بیٹی کو کہاں پہنچ سکتا تھا۔ یہ بیٹی بذات خود مبارک و مسعود ہے اور اس کے وجود میں ایک عظیم الشان مبارک و مسعود بیٹے کا وجود منظوی ہے۔

۵۶۔ دعا کی قبولت اور مس شیطان کی حدیث: حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ آدمی کے بچہ کو، ولادت کے وقت جب ماں سے جدا ہو کر زمین پر آ رہتا ہے، شیطان مس کرتا ہے۔ مگر عیسیٰ و مریم مستثنیٰ ہیں۔ اس کا مطلب دوسری احادیث کے ملانے سے یہ ہوا کہ بچہ اصل فطرت صحیحہ پر پیدا کیا جاتا ہے جس کا ظہور بڑے ہو کر عقل و تمیز آنے کے بعد ہو گا۔ لیکن گرد و پیش کے حالات اور خارجی اثرات کے سامنے بسا اوقات اصل فطرۃ دب جاتی ہے جس کو حدیث میں فَأَبَواُكُمُوهَا وَ يُنصَمِ اِنَّہ سے تعبیر کیا ہے پھر جس طرح ایمان و طاعت کا بیج اس کے جوہر فطرت میں غیر مرئی طور پر رکھ دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت اس کو ایمان تو کیا، موٹی موٹی محسوسات کا ادراک و شعور بھی نہیں تھا۔ اسی طرح خارجی اثر اندازی کی ابتداء بھی ولادت کے بعد ایک قسم کے مس شیطانی سے غیر محسوس طور پر ہو گئی۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص اس مس شیطانی کا اثر قبول کرے یا قبول کر لے تو آئندہ چل کر وہ برابر باقی رہے۔ تمام انبیاء کی عصمت کا تکفل چونکہ حق تعالیٰ نے کیا ہے اس لئے اگر فرض کروا ابتداء ولادت میں یہ صورت ان کو پیش آئی ہو اور مریم و عیسیٰ کی طرح اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہ ہوں تو اس میں پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان مقدس و معصوم بندوں پر شیطان کی اس حرکت کا کوئی مضر اثر قطعاً نہیں پڑ سکتا۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ مریم و عیسیٰ کو کسی مصلحت سے یہ صورت سرے سے پیش ہی نہ آئی ہو۔ اور ان کو پیش آئی مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس قسم کے جزئی امتیازات فضیلت کلی ثابت کرنے کا موجب نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں ہے کہ دو بچیاں کچھ اشعار گارہی تھیں۔ حضور ﷺ نے ادھر سے منہ پھیر لیا۔ ابو بکر آئے مگر لڑکیاں بدستور مشغول رہیں اس کے بعد عمر آئے، لڑکیاں اٹھ کر بھاگ گئیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمر جس راستہ پر چلتا ہے شیطان وہ راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ کیا اس سے کوئی خوش فہم مطلب لے سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر کو اپنے سے افضل ثابت کر رہے ہیں۔ ہاں ابو ہریرہ کا مس شیطان کی حدیث کو آیت ہذا کی تفسیر بنانا بظاہر چسپاں نہیں ہوتا الا یہ کہ آیت وَ اِنِّیْ اُعِیْذُ بِکَ لِحِیْلِیْنَ میں وَاَوْعِظُکَ تَرْتِیْبَکَ لَعْنَةُ لَعْنَةُ سَمَّجَاجَیْنَ میں استثناء سے صرف مسیح کے مریم سے پیدا ہونے کا واقعہ مراد ہو۔ مریم و مسیح الگ الگ مراد نہ ہوں۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں صرف حضرت عیسیٰ کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۳۔ پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اسکو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کی زکریا کو [۵۷] جس وقت آتے اس کے پاس زکریا حجرے میں پاتے اس کے پاس کچھ کھانا [۵۸] کہا اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اللہ

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ط كَلِمًا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْبِحَرَابِ وَ جَدَّ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَرِيْمُ اَنِي

رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس [۵۹]

لَكَ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ

مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

۵۷۔ حضرت مریم حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت: میں یعنی گو لڑکی تھی مگر حق تعالیٰ نے لڑکے سے بڑھ کر اسے قبول فرمایا۔ بیت المقدس کے مجاورین کے دلوں میں ڈال دیا کہ عام دستور کے خلاف لڑکی کو قبول کر لیں۔ اور ویسے بھی مریم کو قبول صورت بنایا اور اپنے مقبول بندہ زکریا کی کفالت میں دیا اور اپنی بارگاہ میں حسن قبول سے سرفراز کیا۔ جسمانی، روحانی، علمی، اخلاقی ہر حیثیت سے غیر معمولی طور پر بڑھایا۔ جب مجاورین میں اس کی پرورش کے متعلق اختلاف ہوا تو قرعہ انتخاب حضرت زکریا کے نام نکال دیا۔ تاکہ لڑکی اپنی خالہ کی آغوش شفقت میں تربیت پائے اور زکریا کے علم و دیانت سے مستفید ہو۔ زکریا نے پوری مراعات اور جدوجہد کی۔ جب مریم سیانی ہوئیں تو مسجد کے پاس ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا۔ مریم دن بھر وہاں عبادت وغیرہ میں مشغول رہتی اور رات اپنی خالہ کے گھر گزارتی۔

۵۸۔ حضرت مریم کی برکات کا ظہور: اکثر سلف کے نزدیک رزق سے مراد ظاہری کھانا ہے۔ کہتے ہیں مریم کے پاس بے موسم میوے آتے گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے گرمی میں اور مجاہد سے ایک روایت ہے کہ رزق سے مراد علمی صحیفے ہیں جن کو روحانی غذا کہنا چاہیے۔ بہر حال اب کھلم کھلا مریم کی برکات و کرامات اور غیر معمولی نشانات ظاہر ہونے شروع ہوئے، جن کا بار بار مشاہدہ ہونے پر زکریا سے نہ رہا گیا اور ازراہ تعجب پوچھنے لگے کہ مریم! یہ چیزیں تم کو کہاں سے پہنچتی ہیں۔

۵۹۔ یعنی خدا کی قدرت ایسی طرح مجھ کو یہ چیزیں پہنچاتی ہے جو قیاس و گمان سے باہر ہے۔

۳۸۔ وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بیشک تو سننے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ

والا ہے دعا کا [۶۰]

لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾

۶۰۔ اولاد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا: حضرت زکریا بالکل بوڑھے ہو چکے تھے ان کی بیوی بانجھ تھی اولاد کی کوئی ظاہری امید نہ تھی۔ مریم کی نیکی و برکت اور یہ غیر معمولی خوارق دیکھ کر دفعتاً قلب میں ایک جوش اٹھا اور فوری تحریک ہوئی کہ میں بھی اولاد کی دعا کروں۔ امید ہے مجھے بھی بے موسم میوہ مل جائے۔ یعنی بڑھاپے میں اولاد مرحمت ہو۔

۳۹۔ پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْبِحْرَابِ

یحییٰ کی [۶۱] جو گواہی دے گا اللہ کے ایک حکم کی [۶۲] اور سردار ہو گا اور عورت کے پاس نہ جائے گا [۶۳] اور نبی ہو گا

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

صالحین سے [۶۴]

سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

۶۱۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت: دعا قبول ہوئی۔ بشارت ملی کہ لڑکا ہو گا جس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔

۶۲۔ ایک حکم سے یہاں حضرت مسیحؑ مراد ہیں جو خدا کے حکم سے بدون باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت یحییٰ لوگوں کو پہلے سے خبر دیتے تھے

کہ مسیح پیدا ہونے والے ہیں۔

۶۳۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف: یعنی لذات و شہوات سے بہت زیادہ رکنے والا ہو گا، اللہ کی عبادت میں اس قدر مشغول رہے گا کہ عورت کی طرف التفات کرنے کی نوبت نہ آئے گی۔ یہ حضرت یحییٰ کا مخصوص حال تھا، جس سے امت محمدیہ کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بن سکتا۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کا اعلیٰ امتیاز یہ ہے کہ کمال معاشرت کے ساتھ کمال عبادت کو جمع فرمایا۔

۶۴۔ یعنی صلاح و رشد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گا جسے نبوت کہتے ہیں یا صالح کے معنی شائستہ کے لئے جائیں یعنی نہایت شائستہ ہو گا۔

۴۰۔ کہاے رب کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے [۶۵]

قَالَ رَبِّ اَنْى يَكُون لِىْ غُلْمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِى الْكِبَرُ وَاْمْرَاَتى عاقِرٌ ط قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٣٠﴾

۴۱۔ کہاے رب مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی [۶۶] فرمایا نشانی تیرے لئے یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے [۶۷] اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح [۶۸]

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لىْ اٰيَةً ط قَالَ اٰيَتِكَ اَلَّا تَكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ط وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا وَّاَسْبِحْ بِالْعَشِيِّ وَاَلْبٰكِرِ ﴿٣١﴾

۶۵۔ غیر معمولی واقعات کی توجیہ: یعنی اس کی قدرت و مشیت سلسلہ اسباب کی پابند نہیں۔ گو اس عالم میں اس کی عادت یہ ہے کہ اسباب عادیہ سے مسببات کو پیدا کرے لیکن کبھی کبھی اسباب عادیہ کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے کسی چیز کا پیدا کر دینا بھی اس کی خاص عادت ہے۔ اصل یہ ہے کہ مریم صدیقہ کے پاس خوارق عادت طریقہ سے رزق کا پہنچنا اور بہت سے غیر معمولی واقعات کا ظہور پذیر ہونا یہ دیکھ کر مریم کے حجرہ میں بے ساختہ حضرت زکریا کا دعا مانگنا، پھر ان کو اور ان کی بانجھ عورت کو بڑھاپے میں غیر معتاد طور پر اولاد ملنا ان سب نشانات کو قدرت کی طرف سے اس عظیم الشان آیت الہیہ کی تمہید سمجھنا چاہیے جو مریم کے وجود سے بدون قربان زوج مستقبل قریب میں ظاہر ہونے والی تھی۔ گویا حضرت یحییٰ کی غیر معتاد ولادت پر کَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ فرماتا تمہید تھی كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ کی جو آگے حضرت مسیح کی غیر معتاد ولادت کے سلسلہ میں آیا چاہتا ہے۔

۶۶۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حمل کی نشانی: جس سے معلوم ہو جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے تاکہ ہ قرب ولادت کے آثار دیکھ کر مسرت تازہ حاصل ہو۔ اور شکر نعمت میں بیش از بیش مشغول رہوں۔

۶۷۔ یعنی جب تجھ کو یہ حالت پیش آئے کہ تین دن رات لوگوں سے بجز اشارہ کے کوئی کلام نہ کر سکے اور تیری زبان خالص ذکر الہی کے لئے وقف ہو جائے تو سمجھ لینا کہ اب استقرار حمل ہو گیا۔ سبحان اللہ نشانی بھی ایسی مقرر کی کہ نشانی کی نشانی ہو اور اطلاع پانے کی جو غرض تھی (شکر نعمت) وہ علیٰ وجہ الکمال حاصل ہو جائے۔ گویا خدا کے ذکر و شکر کے سوا چاہیں بھی تو زبان سے دوسری بات نہ کر سکیں۔

۶۸۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو کثرت ذکر کا حکم: یعنی اس وقت خدا کو بہت کثرت سے یاد کرنا اور صبح و شام تسبیح و تہلیل میں لگے رہنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدمیوں سے کلام نہ کر سکرنا گواضطراری تھا، تاکہ ان دنوں میں محض ذکر و شکر کے لئے فارغ کر دیئے جائیں لیکن خود ذکر و فکر میں

مشغول رہنا اضطرابی نہ تھا۔ اسی لئے اس کا امر فرمایا گیا۔

۴۲۔ اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر [۴۹]

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَكَ وَ طَهَّرَكَ وَاصْطَفَكَ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾

۴۳۔ اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر [۴۰] اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے [۴۱]

يَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۳۳﴾

۶۹۔ حضرت مریم علیہ السلام سے فرشتوں کا خطاب: حضرت زکریاؑ و یحییٰؑ کا قصہ جو ضمنی مناسبات سے درمیان میں آگیا تھا اور جس میں اصطفاء آل عمران کی تاکید اور حضرت مسیحؑ کے قصہ کی تمہید تھی یہاں ختم کر کے پھر مریمؑ و مسیحؑ کے واقعات کی طرف کلام منتقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ مسیحؑ سے پہلے ان کی والدہ کا فضل و شرف ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی فرشتوں نے مریمؑ سے کہا کہ اللہ نے تجھے پہلے دن سے چھانٹ لیا کہ باوجود لڑکی ہونے کے اپنی نیاز میں قبول کیا۔ طرح طرح کے احوال رفیعہ اور کرامات سنیہ عنایت فرمائیں۔ ستھرے اخلاق، پاک طبیعت اور ظاہری و باطنی نزاہت عطا فرما کر اپنی مسجد کی خدمت کے لائق بنایا۔ اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو بعض وجہوں سے فضیلت بخشی۔ مثلاً ایسی استعداد رکھی کہ بدون مس بشر تھا اس کے وجود سے حضرت مسیحؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوں۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔

۷۰۔ یعنی خدا نے جب ایسی عزت اور بلند مرتبہ تجھ کو عطا فرمایا تو چاہیے کہ ہمیشہ اخلاص و تذلل کے ساتھ اپنے پروردگار کے آگے جھکی رہے اور وظائف عبودیت کے انجام دینے میں بیش از بیش سرگرمی دکھلائے تاکہ حق تعالیٰ نے تجھے جس امر عظیم کے لئے بروئے کار لانے کا ذریعہ تجویز کیا ہے وہ ظہور پذیر ہو۔

۷۱۔ جیسے راکعین خدا کے آگے رکوع کرتے ہیں۔ تو بھی اسی طرح رکوع کرتی رہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کر اور چونکہ کم از کم رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہونے والا اس رکعت کو پانے والا سمجھا جاتا ہے، شاید اس لئے نماز کو بعنوان رکوع تعبیر کیا گیا۔ کما لفہم من کلام ابن تیمیہ فی فتاواہ۔ واللہ اعلم۔ اس تقدیر پر اگر اقسیتی میں قنوت سے قیام مراد لیں تو قیام رکوع، سجود تینوں ہیات صلوٰۃ کا ذکر آیت میں ہو جائے گا۔ (تنبیہ) ممکن ہے اس وقت عورتوں کو عام طور پر جماعت میں شریک ہونا جائز ہو یا خاص فتنہ سے مامون ہونے کی صورت میں اجازت ہو یا مریمؑ کی خصوصیت ہو یا مریمؑ اپنے حجرہ میں رہ کر تہا یاد دوسری عورتوں کے ہمراہ امام کی اقتداء کرتی ہوں سب احتمالات ہیں۔ واللہ اعلم۔

۴۴۔ یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو [۴۲] اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پرورش میں لے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے [۴۳]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۗ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۗ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۷۲۔ یہ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہیں: یعنی ظاہری حیثیت سے آپ کچھ پڑھے لکھے نہیں پہلے سے اہل کتاب کی

کوئی معتد بہ صحبت نہیں رہی جن سے واقعات ماضیہ کی ایسی تحقیقی معلومات ہو سکیں۔ اور صحبت رہتی بھی تو کیا تھا، وہ لوگ خود ہی اوہام و خرافات کی اندھیروں میں پڑے بھٹک رہے تھے۔ کسی نے عداوت میں اور کسی نے حد سے زیادہ محبت میں آکر صحیح واقعات کو مسخ کر رکھا تھا پھر اندھے کی آنکھ سے روشنی حاصل ہونے کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ اندریں حالات مدنی اور مکی دونوں قسم کو سورتوں میں ان واقعات کو ایسی صحت اور بسط و تفصیل سے سنانا جو بڑے بڑے مدعیان علم کتاب کی آنکھوں میں چکا چوند کر دیں اور کسی کو مجال انکار باقی نہ رہے اس کی کھلی دلیل ہے کہ بذریعہ وحی آپ ﷺ کو یہ علم دیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ نے نہ مجتہم خود ان حالات کا معائنہ کیا، اور نہ علم حاصل کرنے کا کوئی خارجی ذریعہ آپ ﷺ کے پاس موجود تھا۔

۴۳۔ حضرت مریم علیہ السلام کی پرورش کے لئے قرعہ اندازی: جب حضرت مریمؑ نذر میں قبول کر لی گئیں تو مسجد کے مجاورین میں جھگڑا ہوا کہ انہیں کس کی پرورش میں رکھا جائے آخر قرعہ اندازی کی نوبت آئی۔ سب نے اپنے اپنے قلم جن سے تورات لکھتے تھے چلتے پانی میں چھوڑ دیئے کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ پر نہ بہے۔ بلکہ الٹا پھر جائے اسی کو حقدار سمجھیں۔ اس میں بھی قرعہ حضرت زکریا کے نام نکلا اور حق حقدار کو پہنچ گیا۔

۴۵۔ جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ کے مقربوں میں [۴۴]

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يٰرَبِّمِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۗ فَاسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۳۵﴾

۴۶۔ اور باتیں کرے گا لوگوں سے جبکہ ماں کی گود میں ہو گا اور جبکہ پوری عمر کا ہو گا اور نیک بختوں میں ہے [۴۵]

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۶﴾

۴۴۔ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی بشارت کلمہ اللہ کی تشریح: حضرت مسیحؑ کو یہاں اور قرآن و حدیث میں کئی جگہ کلمہ اللہ فرمایا ہے اِنْبَا الْمَسِيحِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَهْلَا اِلَى مَرْيَمَ وَرُوْمٌ مِّنْهُ (نساء۔ ۱۷۱) یوں تو اللہ کے کلمات بے شمار ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لَّكَلَمَتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِسَلْبَةٍ مَّدَادًا (کہف۔ ۱۰۹) لیکن بالتحصیص حضرت مسیحؑ کو کلمہ اللہ (اللہ کا حکم) کہنا اس حیثیت سے ہے کہ ان کی پیدائش باپ کے توسط کے بدون عام سلسلہ اسباب کے خلاف محض خدا کے حکم سے ہوئی۔ اور جو فعل عام اسباب عادیہ کے سلسلہ سے خارج ہو، عموماً اس کی نسبت براہ راست حق تعالیٰ کی طرف کر دی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (انفال۔ ۱۷) (تنبیہ) مسیح اصل میں عبرانی میں ماشیح یا مشیحا تھا۔ جس کے معنی مبارک کے ہیں۔ معرب ہو کر مسیح بن گیا باقی دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے بالاجماع عربی لفظ ہے جس کی وجہ تسمیہ اپنے موقع پر کئی طرح بیان کی گئی ہے۔ مسیح کا دوسرا نام یالقب عیسیٰ ہے۔ یہ اصل عبرانی میں ایشوع تھا۔ معرب ہو کر عیسیٰ بنا جس کے معنی سید کے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے یہاں ابن مریم کو حضرت مسیح کے لئے بطور جزء علم کے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ خود مریمؑ کو بشارت سناتے وقت یہ کہنا کہ تجھے کلمہ اللہ کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ عیسیٰ کا پتہ بتلانے کے لئے نہ تھا۔ بلکہ اس پر متنبہ کرنا تھا کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نسبت صرف ماں ہی کی طرف ہو کرے گی۔ حتیٰ کہ لوگوں کو خدا کی یہ آیت عجیبہ ہمیشہ یاد دلانے اور

مریم کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے گویا نام کا جز بنا دی گئی۔ ممکن تھا کہ حضرت مریمؑ کو بمقتضائے بشریت یہ بشارت سن کر تشویش ہو کہ دنیا کس طرح باور کرے گی کہ تنہا عورت سے لڑکا پیدا ہو جائے۔ ناچار مجھ پر تہمت رکھیں گے۔ اور بچے کو ہمیشہ برے لقب سے مشہور کر کے ایذا پہنچائیں گے۔ میں کس طرح برات کروں گی، اس لئے آگے وَجِیْهِمَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہہ کر اطمینان کر دیا کہ خدا اس کو نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی بڑی عزت و وجاہت عطا کرے گا۔ اور دشمنوں کے سارے الزام جھوٹے ثابت کر دے گا۔ وجہیہ کا لفظ یہاں ایسا سمجھو جیسے موسیٰ کے متعلق فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوسٰى فَبَرَاهُ اللهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللهِ وَجِيْهًا (احزاب-۶۹) گویا جو لوگ وجہیہ کہلاتے ہیں ان کو حق تعالیٰ خصوصی طور پر جھوٹے طعن و تشنیع یا الزامات سے بری کرتا ہے حضرت مسیحؑ کے نسب پر جو خبیث باطن طعن کریں گے یا خدا کو یا کسی انسان کو جھوٹ موٹ ان کا باپ بتلائیں گے یا خلاف واقع ان کو مصلوب و مقتول یا بحالت زندگی مردہ کہیں گے یا الوہیت و انبیت وغیرہ کے باطل عقائد کی مشرکانہ تعلیم ان کی طرف منسوب کریں گے۔ اس طرح کے تمام الزامات سے حق تعالیٰ دنیا و آخرت میں علانیہ بری ظاہر کر کے ان کی وجاہت و نزاہت کا علیٰ روس الا شہاد اظہار فرمائے گا۔ جو وجاہت ان کو ولادت و بعثت کے بعد دنیا میں حاصل ہوئی اس کی پوری پوری تکمیل نزول کے بعد ہوگی۔ جیسا کہ اہل اسلام کا اجمالی عقیدہ ہے پھر آخرت میں خصوصیت کے ساتھ ان سے ءَاَنْتَ قُلْتُ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ (المائدہ-۱۱۶) الخ کا سوال کر کے اور انعامات خصوصی یاد دلا کر تمام اولین و آخرین کے روبرو وجاہت و کرامت کا اظہار ہوگا۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں مذکور ہے اور نہ صرف یہ کہ دنیا و آخرت میں با وجاہت ہوں گے بلکہ خدا تعالیٰ کے انحصار خواص مقررین میں ان کا شمار ہوگا۔

۵۷۔ گود میں باتیں کرنے کی پیشگوئی: یعنی نہایت شائستہ اور اعلیٰ درجے کے نیک ہوں گے اور اول ماں کی گود میں پھر بڑے ہو کر عجیب و غریب باتیں کریں گے۔ ان الفاظ سے فی الحقیقت مریمؑ کی پوری تسکین کر دی گئی۔ گذشتہ بشارت سے ممکن تھا یہ خیال کرتیں کہ وجاہت تو جب کبھی حاصل ہوگی، مگر یہاں تو ولادت کے بعد ہی طعن و تشنیع کا ہدف بنا پڑے گا۔ اس وقت برأت کی کیا صورت ہوگی۔ اس کا جواب دے دیا کہ گبھراؤ نہیں، تم کو زبان ہلانے کی ضرورت نہ پڑے گی، بلکہ تم کہہ دینا کہ میں نے آج روزہ رکھ چھوڑا ہے کلام نہیں کر سکتی۔ بچہ خود جواب دہی کر لے گا۔ جیسا کہ سورہ مریم میں پوری تفصیل آئے گی۔ بعض محرفین نے کہا ہے کہ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا الخ سے صرف مریم کی تسلی کرنی تھی کہ لڑکا گو نگانہ ہوگا۔ تمام لڑکوں کی طرح بچپن اور کہولت میں کلام کرے گا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ محشر میں بھی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو یوں خطاب کریں گے۔ يَا عِيسٰى اَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ وَكَلِمَةُ الْقَاهَاةِ مَرْيَمَ وَرُوْحِ مَنَّةٍ وَكَلِمَةُ النَّاسِ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا اور خود حق تعالیٰ بھی قیامت کے دن فرمائیں گے اِذْ كُنْمُنْعَمْتِيْ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (المائدہ-۱۱۰) کیا وہاں بھی اس خاص نشان کا بیان فرمانا اسی لئے ہے کہ مریمؑ کو اطمینان ہو جائے کہ لڑکا گو نگانہ نہیں، عام لڑکوں کی طرح بولنے والا ہے۔ اعاذ باللہ من الغواية والضلالة۔

۴۷۔ بولی اے رب کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے [۴۱] فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے [۴۴]

قَالَتْ رَبِّ اَنۡىٰٓ يَكُوْنُ لِىْ وَكَلۡدٌ وَّاَنۡىٰٓ يَسۡسِئُ بَشَرًا  
قَالَ كَذٰلِكَ اللهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰى  
اَمْرًا فَاِنۡبَا يَقُوْلُ لَهُ كُنۡ فَيَكُوْنُ ﴿۳۷﴾



۷۶۔ معلوم ہوا کہ وہ بشارت سے یہ ہی سمجھیں کہ لڑکا بحالت موجود ہونے والا ہے۔ ورنہ تعجب کا کیا موقع تھا۔

۷۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوں گے: یعنی اسی طرح بدون مس بشر کے ہو جائے گا۔ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے تعجب نہ کر حق تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کر دے اس کی قدرت کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ ایک کام کا ارادہ کیا اور ہو گیا۔ نہ وہ مادہ کا محتاج نہ اسباب کا پابند۔

۳۸۔ اور سکھائے گا اس کو کتاب اور تہ کی باتیں اور تورات اور انجیل [۷۸]

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ اور کرے گا اس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف پیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس نشانیاں لے کر تمہارے رب کی طرف سے [۷۹] کہ میں بنا دیتا ہوں تم کو گارے سے

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ

بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ

پرندہ کی شکل پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو ہو جاتا ہے وہ اڑتا جانور اللہ کے حکم سے [۸۰] اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے [۸۱] اور بنا دیتا ہوں تم کو جو کھا کر آؤ اور جو رکھ آؤ اپنے گھر میں [۸۲] اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم یقین رکھتے ہو

كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَانْفُخْ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ

اللَّهِ ۚ وَ أُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَ أُحْيِي السُّوْتَىٰ

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَ أُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَ مَا

تَدْخُرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو تورات ہے اور اس واسطے کہ حلال کر دوں تم کو بعضی وہ چیزیں جو حرام تھیں تم پر [۸۳] اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو [۸۴]

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ لِأَحِلَّ

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ

مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا ۗ ﴿٥٠﴾

۵۱۔ بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو یہی راہ سیدھی ہے [۸۵]

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ

مُسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

۸۔ یعنی لکھنا سکھائے گا، یا عام کتب ہدایت کا عموماً اور تورات و انجیل کا خصوصاً علم عطا فرمائے گا۔ اور بڑی گہری حکمت کی باتیں تلقین کرے گا۔ اور بندہ کے خیال میں ممکن ہے کتاب و حکمت سے مراد قرآن و سنت ہو کیونکہ حضرت مسیحؑ نزول کے بعد قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق حکم کریں گے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں کا علم دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۹۔ یعنی پیغمبر ہو کر اپنی قوم بنی اسرائیل سے یہ فرمائیں گے۔

۱۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب و غریب معجزات: محض شکل و صورت بنانے کو خلق سے تعبیر کرنا صرف ظاہری حیثیت سے ہے۔ جیسے حدیث صحیح میں معمولی تصویر بنانے کو خلق سے تعبیر فرمایا احيوا ما خلقتكم يا خدا کو احسن الخالقين فرما کر بتلادیا کہ محض ظاہری صورت کے لحاظ سے غیر اللہ پر بھی یہ لفظ بولا جاسکتا ہے۔ اگرچہ حقیقت تخلیق کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں کہلا سکتا۔ شاید اسی لئے یہاں یوں نہ فرمایا ان خلقکم من الطين طيراً (میں مٹی سے پرندہ بنا دیتا ہوں) یوں کہا کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں، پھر وہ پرندہ اللہ کے حکم سے بن جاتا ہے۔ بہر حال یہ معجزہ آپ نے دکھلایا اور کہتے ہیں بچپن میں ہی بطور ارباص آپ سے یہ خرق عادت ظاہر ہوا۔ تاکہ تہمت لگانے والوں کو ایک چھوٹا سا نمونہ قدرت خداوندی کا دکھلا دیں کہ جب میرے نفع (پھونکنے) پر خدا تعالیٰ مٹی کی بے جان صورت کو جاندار بنا دیتا ہے، اسی طرح اگر اس نے بدن مس بشر محض روح القدس کے نفع سے ایک برگزیدہ عورت کے پانی پر روح عیسوی فائز کر دی تو کیا تعجب ہے۔ بلکہ حضرت مسیحؑ چونکہ نفع جبرئیلیہ سے پیدا ہوئے ہیں اس مسیحائی نفع کو اسی نوعیت ولادت کا ایک اثر سمجھنا چاہئے۔ سورہ مانہ کے آخر میں حضرت مسیحؑ کے ان معجزات و خوارق پر دوسرے رنگ میں کلام کیا جائے گا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت مسیحؑ پر کمالات ملکہ و روحیہ کا غلبہ تھا۔ اسی کے مناسب آثار ظاہر ہوتے تھے۔ لیکن اگر بشر کو ملک پر فضیلت حاصل ہے اور اگر ابوالبشر کو مسبود ملائکہ بنایا گیا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ جس میں تمام کمالات بشریہ (جو عبارت ہے مجموعہ کمالات روحانیہ اور جسمانیہ سے) اعلیٰ درجہ پر ہونگے اس کو حضرت مسیحؑ سے افضل ماننا پڑے گا۔ اور وہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

۱۱۔ منکرین معجزات کارد: اس زمانہ میں اطباء و حکماء کا زور تھا، حضرت مسیحؑ کو ایسے معجزات مرحمت ہوئے جو لوگوں پر ان کے سب سے زیادہ مایہ ناز فن میں حضرت مسیحؑ کا نمایاں تفوق ثابت کریں۔ بلاشبہ مردہ کو زندہ کرنا حق تعالیٰ کی صفت ہے جیسا کہ بِإِذْنِ اللَّهِ کی قید سے صاف ظاہر ہے۔ مگر مسیحؑ اس کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے توسعاً اپنی طرف نسبت کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ حق تعالیٰ قرآن کریم میں یا نبی کریم ﷺ احادیث میں اعلان کر چکے ہیں کہ ازل سے ابد تک کسی مردہ کو دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ نراد دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر اس نے قرآن میں فَيَبْسُكُ النَّبِيُّ قَطْعِي عَلَيْهَا الْمَوْتُ (الزمر-۴۲) فرما کر یہ بتلایا کہ مرنے والے کی روح خدا تعالیٰ روک لیتا ہے اور سونے والے کی اس طرح نہیں روکتا۔ تو یہ کب کہا ہے کہ اس روک لینے کے بعد دوبارہ اسے چھوڑ دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ یاد رکھو! معجزہ وہ ہی ہے جو حق تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف مدعی نبوت کی تصدیق کے لئے ظاہر کیا جائے۔ پس ایسی نصوص کو لے کر جو کسی چیز کی نسبت خدا کی عام عادت بیان کرتی ہوں یہ استدلال کرنا کہ ان سے معجزات کی نفی ہوتی ہے سرے سے معجزہ کے وجود کا انکار اور اپنی حماقت و غبات کا اظہار ہے۔ معجزہ اگر عام قانون عادت کے موافق آیا کرے تو اسے معجزہ کیوں کہیں گے حضرت مسیحؑ کا بن باپ پیدا ہونا یا ابراء اکہ و ابرص و احياء موتی وغیرہ معجزات دکھلانا، اہل اسلام میں تمام سلف و خلف کے نزدیک مسلم رہا ہے۔ صحابہ و تابعین میں ایک قول بھی اس کے انکار میں دکھلایا نہیں جاسکتا آج جو ملحدیہ دعویٰ کرے کہ ان خوارق کا ماننا محکمات قرآنی کے خلاف ہے۔ گویا وہ ایسی چیزوں کو محکمات بتلاتا ہے جن کا صحیح مطلب سمجھنے سے تمام امت عاجز رہی؟ یا سب کے سب محکمات کو چھوڑ کر اور متشابہات کے پیچھے پڑ کر فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ کے مصداق بن گئے؟ آج کل کے ملحدین کے سوا متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی؟ العیاذ باللہ۔ حق یہ ہے کہ وہ آیات جن کے ظاہری معنی کو ساری

امت مانتی چلی آئی ہے۔ حکمت ہیں۔ اور ان کو توڑ موڑ کر محض استعارات و تمثیلات پر عمل کرنا اور معجزات کی نفی پر عموم عادت سے دلیل لانا یہ ہی زانغین کا کام ہے۔ جن سے حذر کرنے کی حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے۔

۸۲۔ آئندہ کے لئے۔ یعنی بعض مغیبات ماضیہ و مستقبلہ پر تم کو مطلع کر دیتا ہوں عملی معجزات کے بعد یہ ایک علمی معجزہ ذکر کر دیا۔

۸۳۔ یعنی تورات کی تصدیق کرتا ہوں کہ خدا کی کتاب ہے اور اس کے اہم اصول و احکام کو بحالہ قائم رکھتے ہوئے زمانہ کے مناسب حق تعالیٰ کے حکم سے چند جزوی و فرعی تغیرات کروں گا۔ مثلاً بعض احکام میں پہلے جو سختی تھی وہ اب اٹھادی جائے گی۔ اس کا نام خواہ نسخ رکھ لویا تکمیل اختیار ہے۔

۸۴۔ یعنی میری صداقت کے نشان جب دیکھ چکے تو اب خدا سے ڈر کر میری باتیں مانتی چاہئیں۔

۸۵۔ یعنی سب باتوں کی ایک بات اور ساری جڑوں کی اصل جڑ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو میرا اور اپنا دونوں کا یکساں رب سمجھو (باپ بیٹے کے رشتے قائم نہ کرو) اور اسی کی بندگی کرو۔ سیدھا راستہ رضائے الہی تک پہنچنے کا یہی توحید، تقویٰ، اور اطاعت رسول ہے۔

۵۲۔ پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر [۸۶]

بولا کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں [۸۷] کہا

حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کی [۸۸] ہم یقین

لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے حکم قبول کیا [۸۹]

فَلَبَّأَ أَحْسَّ عِيسَى مِنْهُمْ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ

أَنْصَارِيَّ إِلَى اللَّهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ

اللَّهِ أَمَّنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدُ بِأَنَا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ اے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری

اور ہم تابع ہوئے رسول کے سو تو لکھ لے ہم کو ماننے

والوں میں [۹۰]

رَبَّنَا أَمَّنَّا بِهَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ

فَاكْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾

۸۶۔ یعنی یہ میرا دین قبول نہ کریں گے بلکہ دشمنی اور ایذا رسانی کے درپے رہیں گے۔

۸۷۔ یعنی میرا ساتھ دے اور دین الہی کو رواج دینے میری مدد کرے۔

۸۸۔ اللہ کی مدد کرنا یہی ہے کہ اس کے دین و آئین اور پیغمبروں کی مدد کی جائے۔ جس طرح انصار مدینہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام اور دین

حق کی مدد کر کے دکھائی۔

۸۹۔ حواری کون تھے؟ حواری کون لوگ تھے اور یہ لقب ان کا کس وجہ سے ہوا۔ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں مشہور یہ ہے کہ پہلے دو

شخص جو حضرت عیسیٰ کے تابع ہوئے دھوبی تھے اور کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے ان کو کہا کہ کپڑے

کیا دھوتے ہو آؤ میں تم کو دل دھونے سکھا دوں۔ وہ ساتھ ہوئے۔ پھر ایسے سب ساتھیوں کا یہی لقب پڑ گیا۔

۹۰۔ پیغمبر کے سامنے اقرار کرنے کے بعد پروردگار کے سامنے یہ اقرار کیا کہ انجیل پر ایمان لا کر تیرے رسول کا اتباع کرتے ہیں۔ آپ اپنے

فضل و توفیق سے ہمارا نام ماننے والوں کی فہرست میں ثبت فرمادیں۔ گویا ایمان کی رجسٹری ہو جائے کہ پھر لوٹنے کا احتمال نہ رہے۔

۵۴۔ اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤسب سے بہتر ہے [۹۱]

۵۵۔ جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھالوں گا اپنی طرف اور پاک کروں گا تجھ کو کافروں سے اور رکھوں گا ان کو جو تیرے تابع ہیں غالب ان سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک پھر میری طرف ہے تم سب کو پھر آنا پھر فیصلہ کر دوں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑتے تھے

وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الْبَاكِرِينَ ۚ

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ كُونِي آيَةً وَارْفَعِ الْيَدَ

مُطَهَّرَكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَجَاعِلِ الَّذِينَ

اتَّبَعُواكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ

إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُم بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ

تَخْتَلِفُونَ ۚ

۹۱۔ مکر اور مکر کے معنی: مکر کہتے ہیں لطیف و خفیہ تدبیر کو۔ اگر وہ اچھے مقصد کے لئے ہو۔ اچھا ہے۔ اور برائی کے لئے ہو تو برا ہے اسی لئے وَ لَا يَحِيقُ الْإِنَّمُكَ السَّيِّئُ (فاطر- ۴۳) میں مکر کے ساتھ سَيِّئُ کی قید لگائی۔ اور یہاں خدا کو خَيْرُ الْبَاكِرِينَ کہا۔ مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ بادشاہ کے کان بھر دیئے کہ یہ شخص معاذ اللہ ملحد ہے۔ تورات کو بدلنا چاہتا ہے سب کو بد دین بنا کر چھوڑے گا۔ اس نے مسیح کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر حق تعالیٰ کی لطیف و خفیہ تدبیر ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ بیشک خدا کی تدبیر سب سے بہتر اور مضبوط ہے جسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔

۵۶۔ سو وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاَعَذِبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَمَالَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ۚ

۵۷۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام نیک کئے سو انکو پورا دے گا ان کا حق اور اللہ کو خوش نہیں آتے بے انصاف [۹۲]

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ

أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۚ

۵۸۔ یہ پڑھ کو سناتے ہیں ہم تجھ کو آیتیں اور بیان تحقیقی

ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۚ

۹۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھانا اور دوبارہ دنیا میں نزول: بادشاہ نے لوگوں کو مامور کیا کہ مسیح کو پکڑیں صلیب (سولی) پر چڑھائیں اور ایسی عبرت ناک سزائیں دیں جسے دیکھ کر دوسرے لوگ ان کا اتباع کرنے سے رک جائیں۔ فَبَعَثَ فِي طَلَبِهِ مَن يَأْخُذُهَا وَيَصْلِبُهَا وَيَنْكُلُ بِهَا (ابن کثیر) خداوند قدوس نے اس کے جواب میں مسیح کو مطمئن فرمادیا کہ میں ان اشقیاء کے ارادوں اور منصوبوں کو خاک میں ملا

دوں گا۔ یہ چاہتے ہیں کہ تجھے پکڑ کر قتل کر دیں اور پیدائش و بعثت سے جو مقصد ہے پورا نہ ہونے دیں اور اس طرح خدا کی نعمت عظیمہ کی بے قدری کریں۔ لیکن میں ان سے اپنی یہ نعمت لے لوں گا تیری عمر مقدر اور جو مقصد عظیم اس سے متعلق ہے پورا کر کے رہوں گا۔ اور تجھ کو پورے کا پورا صحیح و سالم لے جاؤں گا کہ ذرا بھی تیرا بال بیکانہ نہ کر سکیں۔ بجائے اس کے کہ وہ لے جائیں، خدا تجھ کو اپنی بناہ میں لے جائے گا۔ وہ صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں خدا تجھ کو آسمان پر چڑھائے گا۔ ان کا ارادہ ہے کہ رسوا کن اور عبرتناک سزائیں دے کر لوگوں کو تیرے اتباع سے روک دیں۔ لیکن خدا ان کے ناپاک ہاتھ تیرے تک نہ پہنچنے دے گا بلکہ اس گندے اور نجس مجمع کے درمیان سے تجھ کو بالکل پاک و صاف اٹھا لے گا۔ اور اس کے بجائے کہ تیری بے عزتی ہو اور لوگ ڈر کر تیرے اتباع سے رک جائیں، تیرا اتباع کرنے والوں اور نام لینے والوں کو قرب قیامت تک منکروں پر غالب و قاہر رکھے گا۔ جب تک تیرا انکار کرنے والے یہود اور اقرار کرنے والے مسلمان یا نصاریٰ دنیا میں رہیں گے ہمیشہ اقرار کرنے والے منکرین پر فائق و غالب رہیں گے۔ بعدہ ایک وقت آئے گا جب تجھ کو اور تیرے موافق و مخالف سب لوگوں کو میرے حکم کی طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت میں تمہارے سب جھگڑوں کا دو ٹوک فیصلہ کر دوں گا اور سب اختلافات ختم کر دیئے جائیں گے یہ فیصلہ کب ہو گا؟ اس کی جو تفصیل فَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ سے بیان کی گئی ہے وہ بتلاتی ہے کہ آخرت سے پیشتر دنیا ہی میں اس کا نمونہ شروع کر دیا جائے گا۔ یعنی اس وقت تمام کافر عذاب شدید کے نیچے ہوں گے کوئی طاقت ان کی مدد اور فریاد کو نہ پہنچ سکے گی۔ اس کے بالمقابل جو ایمان والے رہیں گے ان کو دنیا و آخرت میں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور بے انصاف ظالموں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ امت مرحومہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جب یہود نے اپنی ناپاک تدبیریں پختہ کر لیں تو حق تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ نبی کریم ﷺ کی متواتر احادیث کے موافق قیامت کے قریب جب دنیا کفر و ذلالت اور دجل و شیطنت سے بھر جائے گی۔ خدا تعالیٰ خاتم النبیین بنی اسرائیل (حضرت مسیحؑ) کو خاتم الانبیاء علی لاطلاق حضرت محمد ﷺ کے ایک نہایت وفادار جزل کی حیثیت میں نازل کر کے دنیا کو دکھلا دے گا کہ انبیاء سابقین کو بارگاہ خاتم النبیین کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے۔ حضرت مسیحؑ دجال کو قتل کریں گے۔ اور اس کے اتباع یہود کو چن چن کر ماریں گے کوئی یہودی جان نہ بچا سکے گا۔ شجر و حجر تک پکاریں گے کہ ہمارے پیچھے یہ یہودی کھڑا ہے قتل کرو! حضرت مسیح صلیب کو توڑیں گے۔ نصاریٰ کے باطل عقائد و خیالات کی اصلاح کر کے تمام دنیا کو ایمان کے راستے پر ڈال دیں گے اس وقت تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہو کر اور مذہبی اختلافات مٹ مٹ کر ایک خدا کا سچا دین (اسلام) رہ جائے گا اسی وقت کی نسبت فرمایا۔ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ (نساء۔ ۱۵۹) جس کی پوری تقریر اور رفع مسیحؑ کی کیفیت سورہ نساء میں آئے گی۔

لفظ موت اور توفی کی تحقیق: بہر حال میرے نزدیک ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَكُمْ إِلَىٰ خَلْقٍ صَافٍ شَهَادَاتٍ دے رہا ہے۔ اور یہ اس کا قرینہ ہے کہ اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ کے معنی قرب قیامت کے ہیں چنانچہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے کہ قیامت سے پہلے ایک مبارک وقت ضرور آنے والا ہے جب سب اختلافات مٹ مٹا کر ایک دین باقی رہ جائے واللہ الحمد اولاً و آخراً۔ چند امور اس آیت کے متعلق یاد رکھنے چاہئیں۔ لفظ توفی کے متعلق کلیات ابوالبقاء میں ہیں التوفی الامانة و قبض الروح و عليه استعمال العامة اولاً استيفاء و اخذ الحق و عياله استعمال البلغاء توفی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا گویا ان کے نزدیک موت پر بھی توفی کا اطلاق اسی حیثیت سے ہوا کہ موت میں کوئی عضو خاص نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پوری جان وصول کر لی جاتی ہے۔ اب اگر فرض کرو خدا تعالیٰ نے کسی کی جان بدن سمیت لے لی تو اسے بطریق اولیٰ توفی کہا جائے گا۔ جن اہل لغت نے توفی کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں انہوں نے یہ

نہیں کہا کہ قبض روح مع البدن کو توفی نہیں کہتے۔ نہ کوئی ایسا ضابطہ بتلایا ہے کہ جب توفی کا فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو تو بجز موت کے کوئی معنی نہیں ہو سکیں۔ ہاں چونکہ عموماً قبض روح کا وقوع بدن سے جدا کر کے ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت و عادت کے لحاظ سے اکثر موت کا لفظ اس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں ورنہ لفظ کا لغوی مدلول قبض روح مع البدن کو شامل ہے۔ دیکھئے۔ **اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا**۔ (زمر۔ ۴۲) میں توفی نفس (قبض روح) کی دو صورتیں بتلائیں موت اور نیند، اس تقسیم سے نیز توفی کو النفس پر وارد کر کے اور حین موتہا کی قید لگا کر بتلادیا کہ توفی اور موت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قبض روح کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک درجہ وہ ہے جو موت کی صورت میں پایا جائے دوسرا وہ جو نیند کی صورت میں ہو۔ قرآن کریم نے بتلادیا کہ وہ دونوں پر توفی کا لفظ اطلاق کرتا ہے۔ کچھ موت کی تخصیص نہیں۔ **يَتَوَفَّىٰكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ** (انعام۔ ۶۰) اب جس طرح اس نے دو آیتوں میں نوم پر توفی کا اطلاق جائز رکھا حالانکہ نوم میں قبض روح بھی پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر آل عمران اور مادہ کی دو آیتوں میں توفی کا لفظ قبض روح مع البدن پر اطلاق کر دیا گیا تو کونسا استعمال لازم آتا ہے۔ بالخصوص جب یہ دیکھا جائے کہ موت یا نوم میں لفظ توفی کا استعمال قرآن کریم ہی نے شروع کیا ہے۔ جاہلیت والے تو عموماً اس حقیقت سے نا آشنا تھے کہ موت یا نوم میں خدا تعالیٰ کوئی چیز آدمی سے وصول کر لیتا ہے اسی لئے توفی کا استعمال موت اور نوم پر ان کے یہاں شائع نہ تھا۔ قرآن کریم نے موت وغیرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے اول اس لفظ کا استعمال شروع کیا۔ تو اسی کو حق ہے کہ موت و نوم کی طرح اخذ روح مع البدن کے نادر مواقع میں بھی اسے استعمال کرے بہر حال آیت حاضرہ میں جمہور کے نزدیک توفی سے موت مراد نہیں۔ اور ابن عباس سے بھی صحیح ترین روایت یہی ہے کہ حضرت مسیح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ کمانی روح المعانی وغیرہ۔ زندہ اٹھائے جانے یا دوبارہ نازل ہونے کا انکار سلف میں کسی سے منقول نہیں۔ بلکہ تلخیص العبیر میں حافظ ابن حجر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے احادیث نزول کو متواتر کہا ہے اور اکمال امال المعلم میں امام مالک سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔ پھر جو معجزات حضرت مسیح نے دکھائے ان میں علاوہ دوسری حکمتوں کے ایک خاص مناسبت آپ کے رفع الی السماء کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ آپ نے شروع ہی سے متنبہ کر دیا کہ جب ایک مٹی کا پتلا میرے پھونک مارنے سے باذن اللہ پرند بن کر اوپر اڑا چلا جاتا ہے کیا وہ بشر جس پر خدا نے روح اللہ کا لفظ اطلاق کیا اور روح القدس کے نفع سے پیدا ہوا، یہ ممکن نہیں کہ خدا کے حکم سے اڑ کر آسمان تک چلا جائے۔ جس کے ہاتھ لگانے یا دو لفظ کہنے پر حق تعالیٰ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی اچھے اور مردے زندہ ہو جائیں اگر وہ اس موطن کون و فساد سے الگ ہو کر ہزاروں برس فرشتوں کی طرح آسمان پر زندہ اور تندرست رہے تو کیا استبعاد ہے۔ قال قتادة قطارمة الملائكة فهو معهم حول العرش و صار انسيًا ملكيًا ساويًا ارضيا (بخاری) اس موضوع پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر میں اہل علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقید النظر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اطال اللہ بقائہ نے رسالہ عقیدۃ الاسلام میں جو علمی لعل و جو اہر و دیعت کئے ہیں ان سے متنبہ ہونے کی ہمت کریں میری نظر میں ایسی جامع کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی۔

۵۹۔ **يَسِيءُ كَيْفَ يَشَاءُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنَ الَّذِينَ يَرْتَابُونَ وَقَالَ رَبِّي إِنَّ مَثَلَ آدَمَ كَمَا تَرَىٰ**۔ (سورۃ البقرہ۔ ۲۶) جیسے مثال آدم کی بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جاوہ ہو گیا [۹۳]

**إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۗ خَلَقَهُ**

مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ حق وہ ہے جو تیرا رب کہے پھر تو مت رہ شک لانے والوں سے [۹۴]

**الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُبْتَرِينَ ﴿۶۰﴾**

۶۱۔ پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ اچھی تیرے پاس خبر سچی تو تو کہدے آؤ بلا دیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں [۹۵]

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ  
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَ  
نِسَاءَكُمْ وَانْفُسَنَا وَانْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ  
فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿٦١﴾

۶۲۔ بیشک یہی ہے بیان سچا اور کسی کی بندگی نہیں ہے سوا اللہ کے [۹۶] اور اللہ جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا [۹۷]

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا  
اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ پھر اگر قبول نہ کریں تو اللہ کو معلوم ہے فساد کرنے والے [۹۸]

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

۹۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی طرح بغیر باپ کے پیدا ہوئے: نصاریٰ اس بات سے حضرت سے بہت جھگڑے کہ عیسیٰ بندہ نہیں۔ اللہ کا بیٹا ہے۔ آخر کہنے لگے کہ وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو تم بتاؤ کس کا بیٹا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ آدم کے تو نہ باپ تھا نہ ماں۔ عیسیٰ کے باپ نہ ہوں تو کیا عجب ہے (موضح القرآن) اس حساب سے تو آدم کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے پر زیادہ زور دینا چاہیے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

۹۴۔ یعنی مسیح کے متعلق جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا وہی حق ہے جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو بات تھی بلا کم و کاست سمجھا دی گئی۔

۹۵۔ نجران کے عیسائیوں کو دعوت مباہلہ: اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نصاریٰ نجران اس قدر سمجھانے پر بھی اگر قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ مباہلہ کرو جس کی زیادہ موثر اور مکمل صورت یہ تجویز کی گئی کہ دونوں فریق اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں اور خوب گڑ گڑا کر دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت اور عذاب پڑے۔ یہ مباہلہ کی صورت پہلے ہی قدم پر اس بات کا اظہار کر دے گی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں اپنی صداقت و حقانیت پر وثوق و یقین رکھتا ہے چنانچہ دعوت مباہلہ سن کر وفد نجران نے مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ آخر مجلس مشاورت میں ان کے ہوشمند تجربہ کار ذمہ داروں نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیح کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسمعیل میں بنی جیحے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں۔ پس ایک نبی سے مباہلہ و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہ ہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الہی سے نہ بچے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستنیوں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ یہ ہی تجویز پاس کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ حضرت حسن، حسین، فاطمہ، علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے باہر تشریف لارہے تھے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سر کا سکتی ہے ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو۔ ورنہ ایک نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ آخر

انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی۔ اور خدا تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال کر دیتا۔ ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ (تنبیہ) قرآن نے یہ نہیں بتلایا کہ مباہلہ کی صورت نبی کریم ﷺ کے بعد بھی اختیار کی جاسکتی ہے اور یہ کہ مباہلہ کا اثر کیا ہمیشہ وہی ظاہر ہونا چاہیے۔ جو آپ کے مباہلہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔ بعض سلف کے طریق عمل اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے مگر ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی ہو یہ ضروری نہیں کہ مباہلہ میں بچوں عورتوں کو بھی شریک کیا جائے۔ نہ مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری ہے جو پیغمبر ﷺ کے مباہلہ پر آتا۔ بلکہ ایک طرح کا تمام حجت کر کے بحث و جدال سے الگ ہو جانا ہے۔ اور میرے خیال میں مباہلہ ہر ایک کاذب کے ساتھ نہیں۔ صرف کاذب معاند کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ابن کثیر کہتے ہیں ثم قال تعالیٰ امرًا رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یناھل من عاند الحق فی امر عیسیٰ بعد ظہور البیان واللہ اعلم۔

۹۶۔ دعوت مباہلہ کے ساتھ بتلا دیا کہ مباہلہ اس پر کیا جاتا تھا کہ جو کچھ حضرت مسیحؑ کے متعلق قرآن میں بیان ہوا وہ ہی سچا بیان ہے اور خدا کی بارگاہ ہر قسم کے شرک اور باپ بیٹے وغیرہ کے تعلقات سے پاک ہے۔

۹۷۔ اپنی زبردست قدرت و حکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو اس کے حسب حال ہو۔

۹۸۔ اگر نہ دلائل سے مانیں نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ احقاق حق مقصود نہیں نہ دل میں اپنے عقائد کی صداقت پر وثوق ہے محض فتنہ و فساد پھیلانا ہی پیش نظر ہے تو خوب سمجھ لیں کہ سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں۔

۶۳۔ تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہراویں اس کا کسی کو اور نہ بناوے کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے [۹۹] پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں [۱۰۰]

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

۹۹۔ اہل کتاب کو مشترک کلمے توحید کی دعوت پہلے نقل کیا جا چکا کہ حضور ﷺ نے جب وفد نجران کو کہا اَسْلِمُوا (مسلم بن جاؤ) تو کہنے لگے۔ اَسْلَمْنَا (ہم مسلم ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی طرح ان کو بھی مسلم ہونے کا دعویٰ تھا اسی طرح جب یہود و نصاریٰ کے سامنے توحید پیش کی جاتی تو کہتے کہ ہم بھی خدا کو ایک کہتے ہیں۔ بلکہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ بڑا خدا ایک ہی ہے۔ یہاں اسی طرف توجہ دلائی گئی کہ بنیادی عقیدہ (خدا کا ایک ہونا اور اپنے کو مسلم ماننا) جس پر ہم دونوں متفق ہیں۔ ایسی چیز ہے جو ہم سب کو ایک کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ آگے چل کر اپنے تصرف اور تحریف سے اس کی حقیقت بدل نہ ڈالیں۔ ضرورت اُس کی ہے کہ جس طرح زبان سے مسلم و موحد کہتے ہو۔ حقیقت و عملاً بھی اپنے آپ کو تنہا خدائے وحدہ لا شریک لہ کے سپرد کر دو۔ نہ اس کے سوا کسی کی بندگی کرو نہ اس کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہراؤ۔ کہ کسی اور عالم، فقیر، پیر، پیغمبر کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو صرف رب قدیر کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ مثلاً کسی کو اس کا بیٹا پوتا بنانا، یا نصوص شریعت سے قطع نظر کر کے محض کسی کے حلال و حرام کر دینے پر اشیاء کی حلت و حرمت کا مدار رکھنا۔ جیسا کہ



اِتَّخَذُوا اٰخْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَزْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ - ۳۱) کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سب امور دعویٰ اسلام و توحید کے منافی ہیں۔  
۱۰۰۔ اہل کتاب کو مشترک کلمے توحید کی دعوت: یعنی تم دعویٰ اسلام و توحید کر کے پھر گئے، ہم الحمد للہ اس پر قائم ہیں کہ اپنے کو محض خدائے  
واحد کے سپرد کر دیا ہے اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔

۶۵۔ اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کی بابت اور  
توریت اور انجیل تو اتریں اس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَحٰجُّوْنَ فِىْ اِبْرٰهِيْمَ وَّمَا  
اُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَاَلْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِّنْ بَعْدِهٖ

۶۵

۶۶۔ سنتے ہو تم لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر  
تھی اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں  
اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۱۰۱]

هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِىْۤا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ  
تَحٰجُّوْنَ فِىْۤا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

۶۶

۶۷۔ نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف  
یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا  
مشرک [۱۰۲]

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ  
حَنِيفًا مَّسْلَبًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

۶۸۔ لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو تھی جو  
ساتھ اس کے تھے اور اس نبی کو اور جو ایمان لائے اس نبی  
پر [۱۰۳] اور اللہ والی ہے مسلمانوں کا [۱۰۴]

اِنَّ اَوْلٰى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَاَللّٰهُ  
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ وَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ وَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ

۱۰۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی نہیں ہو سکتے: جیسے دعویٰ اسلام و توحید سب میں مشترک تھا اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل  
اللہ کی تعظیم و تکریم میں بھی سب شریک تھے اور یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک فرقہ دعویٰ کرتا تھا کہ ابراہیم ہمارے دین پر تھے۔ یعنی معاذ اللہ  
یہودی تھے یا نصرانی۔ اس کا جواب دیا کہ تورات و انجیل میں جن کے پیرو یہودی یا نصرانی کہلائے ابراہیم سے سینکڑوں برس بعد اتری۔ پھر  
ابراہیم کو نصرانی یا یہودی کیسے کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ جس طرح کے تم یہودی یا نصرانی ہو اس معنی سے تو خود مولیٰ یا عیسیٰ کو بھی یہودی یا نصرانی نہیں  
کہا جاسکتا اور اگر یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت ہمارے مذہب کے زیادہ قریب تھی تو یہ بھی غلط ہے۔ اس کا علم تم کو کہاں سے  
ہوا؟ تمہاری کتابوں میں مذکور نہیں۔ نہ خدا نے خبر دی نہ تم کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو۔ پھر ایسی بات میں جھگڑنا جس کا کچھ علم آدمی کو نہ ہو،  
حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ جن چیزوں کی تمہیں کچھ تھوڑی بہت خبر تھی۔ گو محض نا تمام اور سرسری تھی۔ مثلاً مسیح کے واقعات یا نبی



۱۰۵۔ پہلے کہا تھا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ یہاں بتلایا کہ جب مومنین کا ولی اللہ ہے تو تمہارا دواؤ ان پر کیا چل سکتا ہے۔ بیشک بعض اہل کتاب چاہتے ہیں کہ جس طرح خود گمراہ ہیں مسلمانوں کو بھی راہ حق سے ہٹادیں۔ لیکن مسلمان تو ان کے جال میں پھنسنے والے نہیں البتہ یہ لوگ اپنی گمراہی کے وبال میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ ان کی مغویانہ کوششوں کا ضرر خود ان ہی کو پہنچے گا۔ جسے وہ فی الحال نہیں سمجھتے۔

۱۰۶۔ اہل کتاب کا انکار بے وجہ ہے: یعنی تم تورات وغیرہ کے قائل ہو۔ جس میں پیغمبر عربی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور قرآن کریم کے متعلق بشارات موجود ہیں۔ جن کو تمہارے دل سمجھتے ہیں اور اپنی خلوتوں میں ان چیزوں کا اقرار بھی کرتے ہو۔ پھر کھلم کھلا قرآن پر ایمان لانے اور خاتم الانبیاء کی صداقت کا اقرار کرنے سے کیا چیز مانع ہے۔ خوب سمجھ لو قرآن کا انکار کرنا تمام پچھلی کتب سماویہ کا انکار کرنا ہے۔

۱۰۷۔ تورات کے بعض احکام تو اغراض دنیوی کی خاطر سرے سے موقوف ہی کر ڈالے تھے بعض آیات میں تحریف لفظی کی تھی، بعض کے معنی بدل دئے تھے اور بعض چیزیں چھپا رکھی تھیں۔ ہر کسی کو خبر نہ کرتے تھے۔ جیسے بشارات پیغمبر آخر الزماں صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی۔

۷۲۔ اور کہا بعضے اہل کتاب نے مان لو جو کچھ اترا مسلمانوں پر دن چڑھے اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جاویں [۱۰۸]

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِاللَّذِي  
أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَ الْكُفْرَ وَ  
آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ اور نہ مانو مگر اسی کی جو چلے تمہارے دین پر [۱۰۹] کہہ دے کہ بیشک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے [۱۱۰] اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اور کسی کو بھی کیوں مل گیا جیسا کچھ تم کو ملا تھا یا وہ غالب کیوں آگئے تم پر تمہارے رب کے آگے [۱۱۱] تو کہہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ بہت گنجائش والا ہے خبردار

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِبَنِّ تَبَعِ دِينِكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَى  
هُدَى اللَّهِ أَنْ يُؤْتَى أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ  
يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ  
يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

۷۴۔ خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے [۱۱۲]

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ  
الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

۱۰۸۔ اہل کتاب کی سازشیں: ان آیتوں میں اہل کتاب کی چالاکیاں اور خیاںتیں ذکر کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے کچھ آدمی صبح کے وقت بظاہر مسلمان بن جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور شام کو یہ کہہ کر کہ ہم کو اپنے بڑے بڑے علماء سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ نبی نہیں جن کی بشارت دی گئی تھی اور تجربہ سے ان کے حالات بھی اہل حق کی طرح کے ثابت نہ ہوئے اسلام سے پھر جایا کریں نتیجہ یہ ہو گا کہ بہت سے ضعیف الایمان ہماری یہ حرکت دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں گے۔ اور سمجھ لیں گے کہ مذہب اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقص

دیکھا ہو گا جو یہ لوگ داخل ہونے کے بعد اس سے نکلے۔ نیز عرب کے جاہلوں میں اہل کتاب کے علم و فضل کا چرچا تھا۔ اس بناء پر یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ یہ جدید مذہب اگر سچا ہوتا تو ایسے اہل علم اسے رد نہ کرتے بلکہ سب سے آگے بڑھ کر قبول کرتے۔

۱۰۹۔ یعنی جو یہود مسلمانوں کے سامنے جا کر نفاق سے اپنے کو مسلمان ظاہر کریں۔ انہیں یہ برابر ملحوظ رہے کہ وہ سچ مچ مسلمان نہیں بن گئے بلکہ بدستور یہودی ہیں۔ اور سچے دل سے انہی کی بات مان سکتے ہیں جو ان کے دین پر چلتا ہو اور شریعت موسوی کے اتباع کا دعویٰ رکھتا ہو۔ بعض نے وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ظاہری طور پر جو ایمان لاؤ اور اپنے کو مسلمان بتاؤ، وہ محض ان لوگوں کی وجہ سے جو تمہارے دین پر چلنے والے ہیں۔ یعنی اس تدبیر سے اپنے مذہبوں کی حفاظت مقصود ہونی چاہیے کہ وہ مسلمان نہ بن جائیں یا جو بن چکے ہیں اس تدبیر سے واپس آجائیں۔

۱۱۰۔ یعنی ہدایت تو اللہ کے دیے سے ملتی ہے جس کے دل میں خدا نے ہدایت کا نور ڈال دیا، تمہاری ان پر فریب چال بازیوں سے وہ گمراہ ہونے والا نہیں۔

۱۱۱۔ اہل کتاب کی سازشوں کی وجہ: یعنی یہ مکاریاں اور تدبیریں محض ازراہ حسد اس جلن میں کی جاتی ہیں کہ دوسروں کو اس طرح کی شریعت اور نبوت و رسالت کیوں دی جا رہی ہے جیسی پہلے تم کو دی گئی تھی۔ یا مذہبی و دینی جدوجہد میں دوسرے لوگ تم پر غالب آکر کیوں آگے نکلے جا رہے ہیں اور خدا کے آگے تمہیں ملزم گردان رہے ہیں۔ یہود ہمیشہ اس خیال کی اشاعت کرتے رہے تھے کہ دنیا میں تمہاری ہی قوم علم شریعات کی اجارہ دار ہے۔ تورات ہم پر اتری۔ موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر ہم میں آئے۔ پھر عرب کے امیوں کو اس فضل و کمال سے کیا واسطہ؟ لیکن تورات سفر استثناء کی عظیم الشان پیشین گوئی غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ جس میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسمعیل) میں سے ایک موسیٰ جیسا (صاحب شریعت مستقل) نبی اٹھائے گا۔ اپنا کلام (قرآن کریم) اس کے منہ میں ڈالے گا۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُولًا (مزل۔ ۱۵) چنانچہ بنی اسمعیل کو یہ دولت ملی اور وہ علم و فضل حجت و برہان اور مذہبی جدوجہد کے میدان مقابلہ میں نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ دنیا کی تمام اقوام سے گوئے سبقت لے گئے۔ فالحمد لله على ذلك۔ (تنبیہ) اس آیت کی تقریر کئی طرح سے کی گئی ہے لیکن ہم نے وہ ہی تقریر اختیار کی جس کی طرف مترجم محقق قدس اللہ روحہ کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ ۱۱۲۔ یعنی اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں: اور اسی کو خبر ہے کہ کس کو کیا بڑائی ملنی چاہیے۔ نبوت، شریعت، ایمان و اسلام اور ہر قسم کی مادی و روحانی فضائل و کمالات کا تقسیم کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے جس وقت جسے مناسب جانے عطا کرتا ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (انعام۔ ۱۲۳)

۷۵۔ اور بعضے اہل کتاب میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ڈھیر مال کا تو ادا کر دیں تجھ کو اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک کہ تو رہے اس کے سر پر کھڑا<sup>[۱۱۳]</sup> یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر امی لوگوں کے حق لینے میں کچھ گناہ<sup>[۱۱۴]</sup> اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہیں<sup>[۱۱۵]</sup>

وَمِنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَامَنَهُ بِقِنطَارٍ يُودِعُ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَامَنَهُ بِدِينَارٍ لَا يُودِعُ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَابًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاٰمِيْنَ سَبِيْلٌ وَّ يَقُوْلُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكٰذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ

۱۱۳۔ اہل کتاب کی خیانت اور امانت: اہل کتاب کی دینی خیانت و نفاق کے سلسلہ میں دنیوی خیانت کا ذکر آگیا۔ جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ جو لوگ چار پیسہ پر نیت خراب کر لیں اور امانت داری نہ برت سکیں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ دینی معاملات میں امین ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ان میں بہت سے وہ ہیں جن کے پاس زیادہ تو کیا، ایک اشرفی بھی امانت رکھی جائے تو تھوڑی دیر بعد مکر جائیں۔ اور جب تک کوئی تقاضہ کے لئے ہر وقت ان کے سر پر کھڑا نہ رہے اور پیچھا کرنے والا نہ ہو۔ امانت ادا نہ کریں۔ بیشک ان میں سب کا حال ایسا نہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر سونے کا ڈھیر رکھ دیا جائے تو ایک رتی خیانت نہ کریں۔ لیکن یہ ہی خوش معاملہ اور امین لوگ ہیں جو یہودیت سے بیزار ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہ۔

۱۱۴۔ یعنی پر ایام حق کھانے کو یہ مسئلہ بنا لیا کہ عرب کے امی جو ہمارے مذہب پر نہیں، ان کا مال جس طرح ملے روا ہے۔ غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں۔ خصوصاً وہ عرب جو اپنا آبائی دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں۔ خدا نے ان کا مال ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔

۱۱۵۔ اہل کتاب اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں: یعنی جان بوجھ کر خدا کی طرف جھوٹی بات منسوب کر رہے ہیں۔ امانت میں خیانت کرنے کی خدا نے ہر گز اجازت نہیں دی۔ آج بھی اسلامی فقہ کا مسئلہ یہ ہی ہے کہ مسلم ہو یا کافر، کسی کی امانت میں خیانت جائز نہیں۔

۷۶۔ کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا قرار اور پرہیز گار ہے تو اللہ کو محبت ہے پرہیز گاروں سے [۱۱۶]

بَلِي مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

الْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾

۷۷۔ جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر تھوڑا سا مول [۱۱۷] ان کا کچھ حصہ نہیں آخرت میں اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا انکی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور انکے واسطے عذاب ہے دردناک [۱۱۸]

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٧﴾

۱۱۶۔ اللہ کے عہد پر معاوضہ لینے والے: یعنی خیانت و بد عہدی میں گناہ کیوں نہیں۔ جب کہ خدا تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جو کوئی خدا کے بندوں کے جائز عہد پورے کرے اور خدا سے ڈر کر تقویٰ کی راہ چلے یعنی فاسد خیالات مذموم اعمال اور پست اخلاق سے پرہیز کرے، اسی سے خدا محبت کرتا ہے۔ اس میں امانت داری کی خصلت بھی آگئی۔

۱۱۷۔ یعنی جو لوگ دنیا کی متاع قلیل لے کر خدا کے عہد اور آپس کی قسموں کو توڑ ڈالتے ہیں، نہ باہمی معاملات درست رکھتے ہیں۔ نہ خدا سے جو قول و قرار کیا تھا اس پر قائم رہتے ہیں۔ بلکہ مال و جاہ کی حرص میں احکام شرعیہ کو بدلتے اور کتب سماویہ میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ ان کا انجام آگے مذکور ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یہ یہود میں صفت تھی کہ اللہ نے ان سے اقرار لیا تھا اور قسمیں دی تھیں کہ ہر نبی کے

مددگار رہیو۔ پھر غرض دنیا کے واسطے پھر گئے اور جو کوئی جھوٹی قسم کھائے دنیا لینے کے واسطے اس کا یہ ہی حال ہے۔  
۱۱۸۔ اس قسم کی آیت سورہ بقرہ کے اکیسویں رکوع میں گذر چکی، وہاں کے فوائد میں الفاظ کی تشریح دیکھی جائے۔

۷۸۔ اور ان میں ایک فریق ہے کہ زبان مڑوڑ کر پڑھتے ہیں کتاب تاکہ تم جانو کہ وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب میں اور کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہے اور وہ نہیں اللہ کا کہا<sup>[۱۱۹]</sup> اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان کر

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوَنَ أَسْنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ  
لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَ  
يَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ  
وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر<sup>[۱۲۰]</sup> لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے<sup>[۱۲۱]</sup>

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَ  
النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ  
دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ  
الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾

۸۰۔ اور نہ یہ کہے تم کو کہ ٹھہرا لو فرشتوں کو اور نبیوں کو رب<sup>[۱۲۲]</sup> کیا تم کو کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو<sup>[۱۲۳]</sup>

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ  
أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ  
مُسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾

۱۱۹۔ کلام اللہ کی عبارت میں تحریف: یہ اہل کتاب کی تحریف کا حال بیان فرمایا۔ یعنی آسمانی کتاب میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھا گھا کر ایسے انداز اور لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف سننے والا دھوکہ میں آجائے۔ اور یہ سمجھے کہ یہ بھی آسمانی کتاب کی عبارت ہے یہ ہی نہیں بلکہ زبان سے دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے۔ حالانکہ نہ وہ مضمون کتاب میں موجود ہے اور نہ خدا کے پاس سے آیا ہے بلکہ خود اس تحریف شدہ کتاب کو بھی بہیات مجموعی خدا کی کتاب نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس میں طرح طرح کے تصرفات اور جلسا زیاں کی گئی ہیں۔ آج بائبل کے جو نسخے دنیا میں موجود ہیں ان میں باہم شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض ایسے مضامین درج ہیں۔ جو قطعاً خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتے۔ اس کی کچھ تفصیل روح المعانی میں موجود ہے اور اثبات تحریف پر ہمارے علماء نے مبسوط بحثیں کی ہیں۔ جزا ہم اللہ احسن الجزاء۔

۱۲۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا بیان: وفد نجران کی موجودگی میں بعض یہود و نصاریٰ نے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری اسی طرح پرستش کرنے لگیں؟ جیسے نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کو پوجتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ کہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں۔ یاد دوسروں کو اس کی دعوت دیں۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اس کام کے لئے نہیں بھیجا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی جس بشر کو حق تعالیٰ کتاب و حکمت اور قوت فیصلہ دیتا اور پیغمبری کے منصب جلیل پر فائز کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک پیغام الہی پہنچا کر لوگوں کو اس کی بندگی اور وفاداری کی طرف متوجہ کرے اس کا یہ کام کبھی نہیں ہو سکتا کہ ان کو خالص ایک خدا کی بندگی سے ہٹا کر خود اپنا یا کسی دوسری مخلوق کا بندہ بنانے لگے۔ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ خداوند قدوس نے جس کو جس منصب کا اہل جان کر بھیجا تھا، فی الواقع وہ اس کا اہل نہ تھا۔ دنیا کی کوئی گورنمنٹ بھی اگر کسی شخص کو ایک ذمہ داری کے عہدہ پر مامور کرتی ہے تو پہلے دو باتیں سوچ لیتی ہے۔ (۱) یہ شخص گورنمنٹ کی پالیسی کو سمجھنے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کی لیاقت رکھتا ہے یا نہیں (۲) گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل کرنے اور رعایا کو جادہ وفاداری پر قائم رکھنے کی کہاں تک اس سے توقع کی جاسکتی ہے؟ کوئی بادشاہ یا پارلیمنٹ ایسے آدمی کو نائب السلطنت یا سفیر مقرر نہیں کر سکتی جس کی نسبت حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے یا اس کی پالیسی اور احکام سے انحراف کرنے کا ادنیٰ شبہ ہو بیشک یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کی قابلیت یا جذبہ وفاداری کا اندازہ حکومت صحیح طور پر نہ کر سکی ہو۔ لیکن خداوند قدوس کے یہاں یہ بھی احتمال نہیں۔ اگر کسی فرد کی نسبت اس کو علم ہے کہ یہ میری وفاداری اور طاعت شعاری سے بال برابر تجاوز نہ کرے گا تو محال ہے کہ وہ آگے چل کر اس کے خلاف ثابت ہو سکے۔ ورنہ علم الہی کا غلط ہونا لازم آتا ہے۔ العیاذ باللہ ہمیں سے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ سمجھ میں آجاتا ہے (کمانہ علیہ ابو حیان فی البحر و فصلہ مولانا قاسم العلوم و الخیرات فی تصانیفہ) پھر جب انبیاء علیہم السلام ادنیٰ عصیان سے پاک ہیں تو شرک اور خدا کے مقابلہ میں بغاوت کرنے کا امکان کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اس میں نصاریٰ کے اس دعوے کا بھی رد ہو گیا جو کہتے تھے کہ انبیت والوہیت مسیح کا عقیدہ ہم کو خود مسیح نے تعلیم فرمایا ہے۔ اور ان مسلمانوں کو بھی نصیحت کر دی گئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ہم سلام کے بجائے آپ کو سجدہ کریں تو کیا حرج ہے۔ اور اہل کتاب پر بھی تعریض ہو گئی جنہوں نے اپنے احبار و رہبان کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا۔ (العیاذ باللہ) تنبیہ ماکان لبشہ الخ میں ابو حیان کے نزدیک اسی طرح کی نفی ہے جیسے مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا (النمل۔ ۶۰) میں يَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (آل عمران۔ ۱۲۵) میں۔ وہو اصوب عندی۔

۱۲۱۔ موضح القرآن میں ہے جس کو اللہ نبی بنائے اور وہ لوگوں کو کفر و شرک سے نکال کر مسلمانی میں لائے، پھر کیونکر ان کو کفر سکھائے گا۔ ہاں تم کو (اے اہل کتاب!) یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی۔ کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ نہیں رہی۔ اب میری صحبت میں پھر وہی کمال حاصل کرو۔ اور عالم، حکیم، نقیبہ، عارف، مدبر، متقی اور پکے خدا پرست بن جاؤ۔ اور یہ بات اب قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۲۲۔ جیسے نصاریٰ نے مسیح و روح القدس کو بعض یہود نے عزیز اور بعض مشرکین نے فرشتوں کو ٹھہرا لیا تھا۔ جب فرشتے اور پیغمبر خدائی میں شریک نہیں ہو سکتے تو پتھر کے بت اور صلیب کی لکڑی تو کس شمار میں ہے۔

۱۲۳۔ یعنی پہلے تو ربانی (اللہ والا) اور مسلم موحد بنانے میں کوشش کی، جب لوگوں نے قبول کر لیا تو کیا پھر انہیں شرک و کفر کی طرف لے جا کر اپنی ساری محنت اور کمائی اپنے ہاتھ سے برباد کر دے گا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔

۸۱۔ اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا [۱۲۳] فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں [۱۲۵]

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۗ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ إِصْرِي ۗ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۗ قَالَ فَاشْهَدُوا ۗ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۱﴾

۸۲۔ پھر جو کوئی پھر جاوے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان [۱۲۶]

فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۸۲﴾

۸۳۔ اب کوئی اور دین ڈھونڈتے ہیں سوا دین اللہ کے اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچار سے [۱۲۷] اور اسی کی طرف سب پھر جاویں گے [۱۲۸]

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

۸۴۔ تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اترنا ہم پر اور جو کچھ اتر ابراہیم پر اور اسمعیل پر اور اسحق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے ان میں کسی کو اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں [۱۲۹]

قُلْ أٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاَلْسَبٰطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ لَا نَفَرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۗ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾

۱۲۴۔ انبیاء سے اللہ تعالیٰ کا عہد: یعنی کوئی نبی اپنی بندگی کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ بندگی صرف ایک خدا کی سکھائی جاتی ہے۔ البتہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں ان کا کہنا نہیں، اور ہر قسم کی مدد کریں۔ عام لوگوں کا تو کیا ذکر ہے، حق تعالیٰ نے خود پیغمبروں سے بھی یہ پختہ عہد لے چھوڑا ہے کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے (جو یقیناً پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں کی اجمالاً یا تفصیلاً تصدیق کرتا ہوا آئے گا) تو ضروری ہے کہ پہلا نبی پچھلے کی صداقت پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔ اگر اس کا زمانہ پائے تو بذات خود بھی اور نہ پائے تو اپنی امت کو پوری طرح ہدایت و تاکید کر جائے کہ بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لا کر اس کی اعانت و نصرت کرنا، کہ یہ وصیت کر جانا بھی اس کی مدد کرنے میں داخل ہے۔ اس عام قاعدہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور انکی مدد کرنے کا



عہد بلا استثناء تمام انبیائے سابقین سے لیا گیا ہو گا اور انہوں نے اپنی اپنی امتوں سے یہ ہی قول و قرار لئے ہوں گے۔ کیونکہ ایک آپ ہی کی مخزن الکملات ہستی تھی جو عالم غیب میں سب سے پہلے اور عالم شہادت میں سب انبیاء کے بعد جلوہ افروز ہونے والی تھی، اور جس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا اور آپ ہی کا وجود باجوہ تمام انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ اس قسم کا عہد انبیاء سے لیا گیا۔ اور خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آج موسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بدون چارہ نہ ہوتا۔ اور فرمایا کہ عیسیٰؑ جب نازل ہوں گے تو کتاب اللہ (قرآن کریم) اور تمہارے نبی کی سنت پر فیصلے کریں گے۔ محشر میں شفاعت کبریٰ کے لئے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء کی امامت کرانا، حضور ﷺ کی اسی سیادت عائدہ اور امامت عظمیٰ کے آثار میں سے ہے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم۔

۱۲۵۔ یہ الفاظ محض عہد کی تاکید و اہتمام کے لئے فرمائے۔ کیونکہ جس عہد نامہ پر خدا تعالیٰ اور پیغمبروں کی گواہی ہو اس سے زیادہ کچی دستاویز کہاں ہو سکتی ہے۔

۱۲۶۔ جس چیز کا عہد خدا نے تمام انبیاء سے لیا اور انبیاء نے اپنی اپنی امتوں سے۔ اب اگر دنیا میں کوئی شخص اس سے روگردانی کرے تو بلاشبہ پر لے درجہ کا بد عہد اور نافرمان ہو گا۔ بائبل، اعمال رسل، باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی سے شروع کیا، اپنی حالت پر آویں، کیونکہ موسیٰؑ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اسکی سب سنو۔

۱۲۷۔ اسلام کے سوا کوئی دین نہیں: یعنی ہمیشہ سے خدا کا دین اسلام رہا ہے، جس کے معنی ہیں حکم برداری مطلب یہ ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ کا جو حکم کسی راست باز اور صادق القول پیغمبر کے توسط سے پہنچے اس کے سامنے گردن جھکا دو۔ پس آج جو احکام و ہدایت سید المرسلین خاتم الانبیاء لے کر آئے وہ ہی خدا کا دین ہے۔ کیا اسے چھوڑ کر نجات و فلاح کا کوئی اور راستہ ڈھونڈتے ہیں؟ خوب سمجھ لیں کہ خدا کا دین چھوڑ کر کہیں ابدی نجات اور حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ آدمی کو سزاوار نہیں کہ اپنی خوشی اور شوق و رغبت سے اس خدا کی حکم برداری اختیار نہ کرے جس کے حکم تنکوینی کے نیچے تمام آسمان وزمین کی چیزیں ہیں۔ خواہ وہ حکم تنکوینی ان کے ارادہ اور خوشی کے توسط سے ہو جیسے فرشتے اور فرمانبردار بندوں کی اطاعت میں، یا مجبوری و لاچارگی سے، جیسے عالم کا ذرہ ان آثار و حوادث میں جن کا وقوع و ظہور بدون مخلوق کی مشیت و ارادہ کے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے تابع ہے۔

۱۲۸۔ سب کو آخر کار جب وہیں لوٹ کر جانا ہے تو عقلمند کو چاہئے کہ پہلے سے تیاری کر رکھے۔ یہاں نافرمانیاں کیں تو وہاں کیا منہ دکھلائے گا۔

۱۲۹۔ تمام انبیاء برحق تھے: یعنی جو کچھ جس زمانہ میں خدا کی طرف سے اترا یا کسی پیغمبر کو دیا گیا، ہم بلا تفریق سب کو حق مانتے ہیں ایک مسلم فرمانبردار کا یہ وتیرہ نہیں کہ خدا کے بعض پیغمبروں کو ماننے بعض کو نہ ماننے، گویا اخیر میں وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ کہہ کر اسلام کی حقیقت بتلا دی اور آگاہ کر دیا کہ اسلام کسی نبی برحق اور کسی آسمانی کتاب کی تکذیب کا روادار نہیں۔ اس کے نزدیک جس طرح قرآن کریم اور پیغمبر عربی ﷺ کا نہ ماننا کفر ہے ایسے ہی کسی ایک نبی یا کتاب سماوی کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ بیشک پیغمبر آخر الزماں کی یہ ہی شان ہونی چاہئے کہ وہ تمام پہلی کتابوں اور نبوتوں کا مصدق ہو، اور اس طرح کی تمام اقوام کو جن کے پاس مقامی نذیر و ہادی آتے رہے تھے، جامعیت کبریٰ کے سب سے بڑے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کا راستہ بتلائے (تنبیہ) اسی قسم کی آیت پارہ الم کے آخر میں آچکی ہے اس کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۸۵۔ اور جو کوئی چاہے سو دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہو گا [۱۳۰] اور وہ آخرت میں خراب ہے [۱۳۱]

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۸۵﴾

۱۳۰۔ اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں: یعنی جب خدا کا دین (اسلام) اپنی مکمل صورت میں آپہنچا تو کوئی جھوٹا یا نامکمل دین قبول نہیں کیا جا سکتا۔ طلوع آفتاب کے بعد مٹی کے چراغ جلانا یا گیس بجلی اور ستاروں کی روشنی تلاش کرنا محض لغو اور کھلی حماقت ہے۔ مقامی نبوتوں اور ہدایتوں کا عہد گذر چکا۔ اب سب سے بڑی اور عالمگیر نبوت و ہدایت سے ہی روشنی تلاش کرنی چاہئے کہ یہ ہی تمام روشنیوں کا خزانہ ہے جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں۔

فانک شمس والملوک کواکب ازطلعت لم یبد منهن کواکب۔

۱۳۱۔ یعنی ثواب و کامیابی سے قطعاً محروم ہے۔ اس سے بڑا خسارہ کیا ہو گا کہ اس المال ہی کھو بیٹھا۔ حق تعالیٰ نے جس صحیح فطرت پر پیدا کیا تھا اپنے سوا اختیار اور غلط کاری سے اسے بھی تباہ کر ڈالا۔

۸۶۔ کیونکر راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لا کر اور گواہی دے کر کہ بیشک رسول سچا ہے اور آئیں ان کے پاس نشانیاں روشن اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو [۱۳۲]

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَ جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۶﴾

۸۷۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی [۱۳۳]

أُولَئِكَ جَزَاءُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۸۷﴾

۸۸۔ ہمیشہ رہیں گے اس میں [۱۳۴] نہ ہلکا ہو گا ان سے عذاب اور نہ ان کو فرصت ملے [۱۳۵]

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۸﴾

۸۹۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور نیک کام کئے تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے [۱۳۶]

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَ أَصْلَحُوا فَانَّ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۹﴾

۹۰۔ جو لوگ منکر ہوئے مان کر پھر بڑھتے رہے انکار میں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَنْ

ہر گز قبول نہ ہوگی ان کی توبہ اور وہی ہیں گمراہ [۱۳۷]

تُقْبَلُ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿۹۰﴾

۹۱۔ جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہر گز قبول نہ ہو گا کسی ایسے سے زمین بھر کو سونا [۱۳۸] اور اگرچہ بدلا دیوے اس قدر سونا ان کو عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ان کا مددگار [۱۳۹]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةٌ مِنَ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ

نُصْرَيْنِ ﴿۹۱﴾

۱۳۲۔ جھٹلانے والوں کا دردناک انجام: جن لوگوں نے وضوع حق کے بعد جان بوجھ کر کفر اختیار کیا۔ یعنی دل میں یقین رکھتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ سچا رسول ہے۔ اس کی حقانیت و صداقت کے روشن دلائل، کھلے نشانات اور صاف بشارات ان کو پہنچ چکی ہیں۔ اس پر بھی کبر و حسد اور حب جاہ و مال، اسلام قبول کرنے اور کفر و عدوان کے چھوڑنے سے مانع ہے۔ جیسا کہ عموماً یہود و نصاریٰ کا حال تھا۔ ایسے ہٹ دھرم، ضدی معاندین کی نسبت کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ باوجود اس طرح کا رویہ قائم رکھنے کے خدا تعالیٰ ان کو نجات و فلاح اور اپنی خوشنودی کے راستے پر لے جائے گا یا جنت پہنچنے کی راہ دے گا۔ اس کی عادت نہیں کہ ایسے بے انصاف متعصب ظالموں کو حقیقی کامیابی کی راہ دے۔ اسی پر ان بد بختوں کو قیاس کر لو جو قلبی معرفت و یقین کے درجہ سے بڑھ کر ایک مرتبہ مسلمان بھی ہو چکے تھے۔ پھر دنیوی اغراض اور شیطانی اغواء سے مرتد ہو گئے۔ یہ ان پہلوں سے بھی زیادہ کجرو اور بے حیا واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے ان سے بڑھ کر لعنت و عقوبت کے مستحق ہوں گے۔

۱۳۳۔ یعنی خدا، فرشتے اور مسلمان لوگ سب ان پر لعنت بھیجتے ہیں، بلکہ ہر انسان حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت کرتے ہیں جب کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ گو اس وقت سمجھتے نہیں کہ یہ لعنت خود ان ہی پر واقع ہو رہی ہے۔

۱۳۴۔ یعنی اس لعنت کا اثر ہمیشہ رہے گا۔ دنیا میں پھٹکار اور آخرت میں خدا کی مار۔

۱۳۵۔ یعنی انہیں نہ کسی وقت عذاب کی شدت میں کمی محسوس ہوگی اور نہ ذرا سی دیر کے لئے عذاب ملتوی کر کے آرام دیا جائے گا۔

۱۳۶۔ ایسے سخت بے حیا مجرموں اور شدید ترین باغیوں کو کون بادشاہ معافی دے سکتا ہے؟ لیکن یہ اس غفور رحیم ہی کی بارگاہ ہے کہ اس قدر شدید جرائم اور بغاوتوں کے بعد بھی اگر مجرم نادم ہو کر سچے دل سے توبہ اور نیک چال چلن اختیار کر لے تو سب گناہ ایک قلم معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اللھم اغفر ذنوبی فانک غفور رحیم الخ

۱۳۷۔ رسمی توبہ سے معافی نہیں ہوگی: یعنی جو لوگ حق کو مان کر اور سمجھ بوجھ کر منکر ہوئے پھر اخیر تک انکار میں ترقی کرتے رہے، نہ کبھی کفر سے ہٹنے کا نام لیا، نہ حق اور اہل حق کی عداوت ترک کی، بلکہ حق پرستوں کے ساتھ بحث و مناظرہ اور جنگ و جدل کرتے رہے۔ جب مرنے کا وقت آیا اور فرشتے جان نکالنے لگے تو توبہ کی سوچھی۔ یا کبھی کسی مصلحت سے ظاہر طور پر رسمی الفاظ توبہ کے کہہ لئے یا کفر پر برابر قائم رہتے ہوئے

بعض دوسرے اعمال سے توبہ کر لی جنہیں اپنے زعم میں گناہ سمجھ رہے تھے۔ یہ توبہ کسی کام کی نہیں بارگاہ رب العزت میں اس کے قبول کی کوئی امید نہ رکھیں۔ ایسے لوگوں کو سچی توبہ نصیب ہی نہ ہوگی جو قبول ہو۔ ان کا کام ہمیشہ گمراہی کی وادیوں میں پڑے بھٹکتے رہنا ہے۔

۱۳۸۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں: یعنی دنیا کی حکومتوں کی طرح وہاں سونے چاندی کی رشوت نہ چلے گی، وہاں تو صرف دولت ایمان کام دے سکتی ہے۔ فرض کرو ایک کافر کے پاس اگر اتنا ڈھیر سونے کا ہوج س سے ساری زمین بھر جائے اور وہ سب کا سب پُن خیرات کر دے تو خدا کے یہاں اس کی ذرہ برابر وقعت نہیں نہ آخرت میں یہ عمل کچھ کام دے گا۔ کیونکہ عمل کی روح ایمان ہے جو عمل روح ایمان سے خالی ہو مردہ عمل ہو گا۔ جو آخرت کی ابدی زندگی میں کام نہیں دے سکتا۔

۱۳۹۔ یعنی اگر فرض کرو کافر کے پاس وہاں اتنا مال ہو اور خود اپنی طرف سے درخواست کر کے بطور فدیہ پیش کرے کہ یہ لے کر مجھے چھوڑ دو تب بھی قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اور بدون پیش کئے تو پوچھتا ہی کون ہے۔ دوسری جگہ فرمایا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَنُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تَقْبَلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (مانندہ-۳۶)۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ۗ وَمَا

۹۲۔ ہرگز حاصل نہ کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو معلوم ہے [۱۳۰]

تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾

۱۳۰۔ محبوب چیزیں خرچ کرنے کی فضیلت: یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ کیسی چیز خرچ کی، کہاں خرچ کی اور کس کے لئے خرچ کی۔ جتنی محبوب اور پیاری چیز جس طرح کے مصرف میں جس قدر اخلاص و حسن نیت سے خرچ کرو گے اسی کے موافق خدا تعالیٰ کے یہاں سے بدلہ ملنے کی امید رکھو اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہو تو اپنی محبوب و عزیز ترین چیزوں میں سے کچھ خدا کے راستہ میں نکالو۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہوا ہو اس کے خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے، یوں ثواب ہر چیز میں ہے شاید یہود (ونصاری) کے ذکر میں یہ آیت اس واسطے نازل فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت عزیز تھی جسکے تھامنے کو نبی کے تابع نہ ہوتے تھے۔ تو جب تک وہ ہی اللہ کے راستہ میں نہ چھوڑیں درجہ ایمان نہ پائیں گے۔ پہلی آیت سے یہ مناسبت ہوئی کہ وہاں کافر کا مال خرچ کرنا بیکار بتلایا تھا، اب اس کے بالمقابل بتلادیا کہ مومن جو خرچ کرے اس سے نیکی میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

۹۳۔ سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر وہ جو حرام کر لی تھی اسرائیل نے اپنے اوپر توریت نازل ہونے سے پہلے [۱۳۱] تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو [۱۳۲]

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنزَّلَ التَّوْرَةُ ۗ

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾

۹۴۔ پھر جو کوئی جوڑے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بڑے بے انصاف [۱۳۳]

فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾

۹۵۔ تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک ہی کاہورہا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا [۱۳۴]

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

۱۳۱۔ تحریم حلال کی نذر کا مسئلہ: یہود آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے کو دین ابراہیم پر کیسے بتلاتے ہو جبکہ وہ چیزیں کھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے گھرانے پر حرام کی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیمؑ کے وقت میں حلال تھیں۔ جب تک تورات نازل ہوئی، بیشک تورات میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اونٹ تورات سے پہلے حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کو عرق النساء کا درد تھا، اس وقت نذر کی کہ اگر صحت پائی تو جو چیز میری رغبت کی ہے اسے چھوڑ دوں گا۔ ان کو یہ ہی (اونٹ کا گوشت اور دودھ) بہت مرغوب تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔ اس قسم کی نذر جو تحریم حلال پر مشتمل ہو ہماری شریعت میں روا نہیں مگر اللہ تعالیٰ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (تحریم ۱) اگر کر لی تو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔ (تنبیہ) پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا۔ اس آیت میں یعقوبؑ کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینا مذکور ہے۔ اس طرح دونوں آیتوں میں لطیف مناسبت ہو گئی۔ نیز ان آیات میں متنبہ کیا گیا ہے کہ پہلی شرائع میں نسخ واقع ہوا ہے جو چیز ایک زمانہ میں حلال تھی بعد میں حرام ہو گئی۔ اگر اسی طرح شریعت محمدیہ اور شرائع سابقہ میں حلال و حرام کے اعتبار سے تفاوت ہو تو انکار و استبعاد کی کوئی وجہ نہیں۔

۱۳۲۔ یہودیوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چیلنج: یعنی اگر تم سچے ہو کہ یہ چیزیں ابراہیمؑ کے زمانہ سے حرام تھیں تو لاؤ یہ مضمون خود اپنی مسلم کتاب تورات میں دکھا دو۔ اگر اس میں بھی نہ نکلا تو تمہارے کاذب و مفتری ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ روایات میں ہے کہ یہود نے یہ زبردست چیلنج منظور نہ کیا۔ اور اس طرح نبی ﷺ کی صداقت پر ایک اور دلیل قائم ہو گئی۔

۱۳۳۔ یعنی بڑی بے انصافی ہوگی اگر اس کے بعد بھی وہی مرغی کی ایک ٹانگ گاتے رہو کہ نہیں، یہ چیزیں ابراہیمؑ کے زمانہ سے حرام ہیں اور دین ابراہیمؑ کے اصلی پیرو ہم ہیں۔

۱۳۴۔ یعنی خدا تعالیٰ نے حرام و حلال کے متعلق نیز اسلام اور محمد ﷺ کے باب میں سچی سچی اور کھری کھری باتیں تم کو سنا دیں جن کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اب چاہیے کہ تم بھی مسلمانوں کی طرح اصلی دین ابراہیمؑ کی پیروی اور اس کے اصول کا اتباع کرنے لگو۔ جن میں سب سے بڑی چیز توحید خالص تھی۔ چاہیے کہ تم بھی عزیز و مسیح اور اہبار و رہبان کی پرستش چھوڑ کر پکے موحد مسلم بن جاؤ۔

۹۶۔ بیشک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے [۱۳۵] برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا

وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾

۱۳۵۔ سب سے پہلا گھر کعبہ: مسلمانوں کے اس دعوے پر کہ ہم سب سے زیادہ ابراہیمؑ سے اشدہ واقرب ہیں، یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ ابراہیمؑ نے وطن اصلی (عراق) چھوڑ کر شام کو ہجرت کی، وہیں رہے وہیں وفات پائی، بعدہ ان کی اولاد شام میں رہی، کتنے انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے سب کا قبلہ بیت المقدس رہا کیا، پھر تم حجاز کے رہنے والے جنہوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے۔ اور سرزمین شام سے دور ایک طرف پڑے ہو کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہو کہ ابراہیمؑ و ملت ابراہیمؑ سے تم کو زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہے۔

ہے۔ اس آیت میں معترضین کو بتلایا گیا کہ بیت المقدس وغیرہ مقامات مقدسہ تو بعد میں تعمیر ہوئے ہیں دنیا میں سب سے پہلا متبرک گھر جو لوگوں کی توجہ الی اللہ کے لئے مقرر کیا گیا اور بطور ایک عبادت گاہ اور نشان ہدایت کے بنایا گیا، وہ یہی کعبہ شریف ہے جو اس مبارک شہر مکہ معظمہ میں واقع ہوا ہے۔

۹۷۔ اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا [۱۳۶] اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اسکی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پر وا نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی [۱۳۷]

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ  
كَانَ آمِنًا ۗ وَبِاللَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ  
اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾

۱۳۶۔ بیت اللہ کی برکات اور اہمیت: حق تعالیٰ نے شروع سے اس گھر کو ظاہری و باطنی، حسی و معنوی برکات سے معمور کیا اور سارے جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ روئے زمین پر جس کسی مکان میں برکت و ہدایت پائی جاتی ہے اسی بیت المقدس کا ایک عکس اور پر تو سمجھنا چاہئے۔ یہیں سے رسول الثقلمین کو اٹھایا، مناسک حج ادا کرنے کے لئے سارے جہان کو اسی کی طرف دعوت دی، عالمگیر مذہب اسلام کے پیروؤں کو مشرق و مغرب میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس کے طواف کرنے والوں پر عجیب و غریب برکات و انوار کا افاضہ فرمایا۔ انبیائے سابقین بھی حج ادا کرنے کے لئے نہایت شوق و ذوق سے تلبیہ پکارتے ہوئے اسی شمع کے پروانے بنے اور طرح طرح کی ظاہر و باہر نشانیاں قدرت نے بیت اللہ کی برکت سے اس سرزمین میں رکھ دیں۔ اسی لئے ہر زمانہ میں مختلف مذاہب اس کی غیر معمولی تعظیم و احترام کرتے رہے اور ہمیشہ وہاں داخل ہونے والے کو مامون سمجھا گیا اس کے پاس مقام ابراہیم کی موجودگی پتہ دے رہی ہے کہ یہاں ابراہیمؑ کے قدم آئے ہیں۔ اور اس کی تاریخ جو تمام عرب کے نزدیک بلا نیکیر مسلم چلی آرہی ہے بتلاتی ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیمؑ نے کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر کا وجود ایک ٹھوس دلیل اس کی ہے کہ یہ گھر طوفان نوح کی تباہی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے پاک ہاتھوں سے تعمیر ہوا جن کی مدد کے لئے حضرت اسمعیلؑ شریک کار رہے جیسا کہ پارہ الم کے آخر میں گذر چکا ہے۔

۱۳۷۔ بیت اللہ کے حج کا حکم: اس پاک گھر میں جمال خداوندی کی کوئی خاص تجلی ہے جس کی وجہ سے ادائے حج کے لئے اسے مخصوص کیا گیا۔ کیونکہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی ہر ادا اس جمیل مطلق اور محبوب برحق کے عشق و محبت کے جذبہ کا اظہار کرتی ہے پس ضروری ہے کہ جسے اس کی محبت کا دعویٰ ہو اور بدنی و مالی حیثیت سے بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیار محبوب میں حاضری دے اور دیوانہ وار وہاں کا چکر لگائے (اس مضمون کو حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ نے قبلہ نما میں بڑے شرع و بسط سے لکھا ہے) جو مدعی محبت اتنی تکلیف اٹھانے سے بھی انکار کرے سمجھ لو کہ جھوٹا عاشق ہے۔ اختیار ہے جہاں چاہے دھکے کھاتا پھرے خود محروم و مجبور رہے گا۔ اس محبوب حقیقی کو کسی کی کیا پرواہ ہے کوئی یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اس کا کیا بگڑتا ہے۔ (احکام حج کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھنی چاہئے)

۹۸۔ تو کہہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور اللہ کے روبرو ہے جو تم کرتے ہو [۱۳۸]

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۗ

اللَّهُ شَهِدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾

۹۹۔ تو کہہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو کہ ڈھونڈتے ہو اس میں عیب اور تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے [۱۴۹]

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ  
مَنْ آمَنَ تَبِعُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا

اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾

۱۰۰۔ اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے بعضے اہل کتاب کا تو پھر کر دیں گے وہ تم کو ایمان لانے پیچھے کافر [۱۵۰]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ  
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

كُفْرَيْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۱۔ اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو تو اس کو ہدایت ہوئی سیدھے رستہ کی [۱۵۱]

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ  
وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ

إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۴۸۔ اہل کتاب کو تنبیہ: پہلے سے خطاب یہود و نصاریٰ کو کیا جا رہا تھا، درمیان میں ان کے بعض شبہات کا جواب دیا گیا۔ یہاں سے پھر ان کو تنبیہ و توبیح کی گئی۔ یعنی حق و صداقت کے واضح دلائل اور قرآن کریم کی ایسی سچی اور پکی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں کیا ہوا کہ باوجود اہل کتاب کہلانے کے برابر کلام اللہ اور اس کے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو۔ یاد رکھو تمہاری سب کارروائیاں خدا کے سامنے ہیں تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے، جس وقت پکڑے گا رتی رتی کا حساب لے کر چھوڑے گا۔

۱۴۹۔ یعنی نہ صرف یہ کہ خود ایمانی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہو، دوسروں کو بھی چاہتے ہو کہ اللہ کے راستہ سے روک دو اور جو سعید رو حیں مشرف بہ ایمان ہو چکی ہیں۔ ان کو اسلام کے فرضی عیب بتلا کر دین اسلام سے واپس لے آؤ۔ پھر یہ حرکتیں محض جہل و بیخبری سے نہیں کر رہے بلکہ سمجھ بوجھ کر سیدھی باتوں کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی فکر میں رہتے ہو، تمہارے اس ہیر پھیر سے خدا بے خبر نہیں۔ مناسب وقت پر اکھٹی سزا دے گا۔

۱۵۰۔ مومنین کو نصیحتیں: پہلے اہل کتاب کو ڈانٹا گیا تھا کہ جان بوجھ کر کیوں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہو۔ یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ تم ان مفسدین کے بھرے میں نہ آنا، اگر ان کے اشاروں پر چلو گے تو اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ نور ایمان سے نکل کر کفر کے تاریک گڑھے میں دوبارہ نہ جا گرو۔

۱۵۱۔ یعنی بہت بعید ہے کہ وہ قوم ایمان لائے پیچھے کافر بن جائے یا کافروں جیسے کام کرنے لگے، جس کے درمیان خدا کا عظیم الشان پیغمبر جلوہ

افروز ہو، جو شب و روز ان کو اللہ کا روح پرور کلام اور اس کی تازہ بہ تازہ آیتیں پڑھ کر سننا رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس نے ہر طرف سے قطع نظر کر کے ایک خدا کو مضبوط پکڑ لیا اور اسی پر دل سے اعتماد و توکل کیا اسے کوئی طاقت کامیابی کے سیدھے رستے سے ادھر ادھر نہیں ہٹا سکتی۔ (تنبیہ) انصار مدینہ کے دو خاندانوں اوس و خزرج کے باہم اسلام سے قبل سخت عداوت اور دشمنی تھی، ذرا ذرا بات پر لڑائی اور خونریزی کا بازار گرم ہو جاتا تھا جو برسوں تک سرد نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ بعثت کی مشہور جنگ ایک سو بیس سال تک رہی آخر پیغمبر عربی ﷺ کی ہجرت پر ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسلام کی تعلیم اور نبی کریم ﷺ کے فیض صحبت نے دونوں قبیلوں کو جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے ملا کر شیر و شکر کر دیا اور نہایت مضبوط برادرانہ تعلقات قائم کر دیے۔ یہود مدینہ کو ان دونوں حریف خاندانوں کا اس طرح مل بیٹھنا اور متفقہ طاقت سے اسلام کی خدمت و حمایت کرنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ایک اندھے یہودی شمس بن قیس نے کسی فتنہ پرداز شخص کو بھیجا کہ جس مجلس میں دونوں خاندان جمع ہوں وہاں کسی ترکیب سے بعثت کی لڑائی کا ذکر چھیڑ دے۔ چنانچہ اس نے مناسب موقع پا کر بعثت کی یاد تازہ کرنے والے اشعار سننے شروع کر دیے۔ اشعار کا سننا تھا کہ ایک مرتبہ بجھی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں۔ زبانی جنگ سے گذر کر ہتھیاروں کی لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ نبی کریم ﷺ جماعت مہاجرین کو ہمراہ لئے ہوئے موقع پر پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے گروہ مسلمین! اللہ سے ڈرو، میں تم میں موجود ہوں۔ پھر یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ خدا نے تم کو ہدایت دی۔ اسلام سے مشرف کیا۔ جاہلیت کی تاریکیوں کو محو فرما دیا۔ کیا ان ہی کفریات کی طرف پھر اٹلے پاؤں لوٹنا چاہتے ہو۔ جن سے نکل کر آئے تھے۔ اس پیغمبرانہ آواز کا سننا تھا کہ شیطانی جال کے سب حلقے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ اوس و خزرج نے ہتھیار چھینک دیے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ سب نے سمجھ لیا کہ یہ سب ان کے دشمنوں کی فتنہ انگیزی تھی۔ جس سے آئندہ ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ کئی آیتیں نازل ہوئیں۔

۱۰۲۔ اے ایمان والو! تم سے جیسا چاہیے اس سے ڈرنا اور نہ مریو مگر مسلمان [۱۵۲]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا

تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۳۔ اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو [۱۵۳] اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی [۱۵۴] اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی [۱۵۵] اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ [۱۵۶]

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۗ وَ

اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً

فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبِرْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ

وَ كُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم

مِّنْهَا ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾



۱۵۲۔ تقویٰ اختیار کرو: یعنی ہر مسلمان کے دل میں پورا ڈر خدا کا ہونا چاہیے کہ اپنے مقدور بھر پر ہیزار گاری و تقویٰ کی راہ سے نہ ہٹے اور ہمیشہ اس سے استقامت کا طالب رہے۔ شیاطین چاہتے ہیں کہ تمہارا قدم اسلام کے راستے سے ڈگمگادیں۔ تم کو چاہئے کہ انہیں مایوس کر دو۔ اور مرتے دم تک کوئی حرکت مسلمانی کے خلاف نہ کرو۔ تمہارا جینا اور مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہئے۔

۱۵۳۔ اللہ کی رسی کو تھامے رہو: یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔ اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے، کوئی شیطان شرانگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی۔ قرآن کریم سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے۔ لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء و ہوا کا تختہ مشق بنا لیا جائے بلکہ قرآن کریم کا مطلب وہ ہی معتبر ہو گا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو۔

۱۵۴۔ اسلامی اخوت و اتحاد: یعنی صدیوں کی عداوتیں اور کینے نکال کر خدا نے نبی کریم ﷺ کی برکات سے تم کو بھائی بھائی بنا دیا۔ جس سے تمہارا دین اور دنیا دونوں درست ہوئے۔ اور ایسی ساکھ قائم ہو گئی جسے دیکھ کر تمہارے دشمن مرعوب ہوتے ہیں یہ برادرانہ اتحاد خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے جو روئے زمین کا خزانہ خرچ کر کے بھی میسر نہ آسکتی تھی۔

۱۵۵۔ یعنی کفر و عصیان کی بدولت دوزخ کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے کہ موت آئی اور اس میں گرے۔ خدا نے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اس سے بچایا اور نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے ایمان و ایقان کی روشنی سینوں میں ڈالی۔ حق تعالیٰ کے ان عظیم الشان دینی و دنیوی احسانات کو یاد رکھو گے تو کبھی گمراہی کی طرف واپس نہ جاؤ گے۔

۱۵۶۔ یعنی یہ باتیں اس قدر کھول کھول کر سننے سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ٹھیک راستہ پر چلتے رہو۔ ایسی مہلک و خطرناک غلطی کا پھر اعادہ نہ کرو اور کسی شیطان کے اغواء سے استقامت کی راہ نہ چھوڑو۔

۱۰۴۔ اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلائی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو [۱۵۷]

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ  
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۵۔ اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے [۱۵۸]

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَ اٰخْتَلَفُوْا مِنْ  
بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۗ وَاُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾

۱۵۷۔ علماء کی جماعت کی ضرورت: یعنی تقویٰ، اعتصام بحبل اللہ، اتحاد و اتفاق قومی زندگی، اسلامی مواخات، یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جبکہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد کے لئے قائم رہے۔ اس کا وظیفہ یہ ہی ہو کہ اپنے قول و عمل سے دنیا کو قرآن و

سنت کی طرف بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے، اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں اپنے مقدر کے موافق کوتاہی نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہ ہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف و منکر کا علم رکھنے اور قرآن و سنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں، ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کر دے یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے۔ جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے حدوث کا موجب ہو جائے۔ یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے۔ شاید اسی لئے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو۔ حدیث میں ہے کہ جب لوگ منکرات میں پھنس جائیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔ باقی یہ کہ کن احوال و اوقات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک میں آدمی معذور سمجھا جاسکتا ہے اور کن مواقع میں واجب یا مستحب ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ابو بکر رازیؒ نے احکام القرآن میں اس پر نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

۱۵۸۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف میں نہ پڑو: یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام و اہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہو گئے۔ آخر فرقہ بندیوں نے ان کے مذہب و قومیت کو تباہ کر ڈالا۔ اور سب کے سب عذاب الہی کے نیچے آ گئے۔ (تنبیہ) اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم و مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کئے جائیں افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف و صریح اصول و محکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں تاہم اسی طوفان بے تمیزی میں اللہ و رسول ﷺ کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بجز اللہ خدا کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے۔ ما انا علیہ و اصحابی کے مسلک پر قائم ہے اور تا قیام قیامت تک قائم رہے گی۔ باقی فروعی اختلافات جو صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں۔ ان کو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اپنی تصانیف میں کافی و شافی بحث کی ہے۔

۱۰۶۔ جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے منہ اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ [۱۵۹] سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے منہ ان کے ان سے کہا جائے گا کیا تم کافر ہو گئے ایمان لا کر [۱۶۰] اب چکھو عذاب بدلا اس کفر کرنے کا

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَ تَسْوَدُّ وُجُوهٌُ فَأَمَّا الَّذِينَ

اَسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

۱۰۷۔ اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے منہ ان کے سورحمت میں ہیں اللہ کی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [۱۶۱]

وَأَمَّا الَّذِينَ أَبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَنِعْمَ رَحْمَةٌ اللَّهِ

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾

۱۰۸۔ یہ حکم ہیں اللہ کے ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر [۱۶۲]

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا

اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾

۱۰۹۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہے زمین میں اور اللہ کی طرف رجوع ہے ہر کام کا [۱۶۳]

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَ إِلَى اللَّهِ تَرْجَعُ الْأُمُورُ ع

۱۵۹۔ یعنی بعضوں کے چہرہ پر ایمان و تقویٰ کا نور چمکتا ہو گا اور عزت و وقار کے ساتھ شاداں و فرحاں نظر آئیں گے۔ ان کے برخلاف بعضوں کے منہ کفر و نفاق یا فسق و فجور کی سیاہی سے کالے ہوں گے، صورت سے ذلت و رسوائی چمک رہی ہوگی۔ گویا ہر ایک کا ظاہر باطن کا آئینہ بن جائے گا۔  
۱۶۰۔ اس آیت کے مخاطبین: یہ الفاظ مرتدین، منافقین، اہل کتاب، عام کفار یا بتدین و فسق و فجور سب کو کہے جاسکتے ہیں۔ مرتد تو اسی کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے۔ منافق زبان سے اقرار کرنے کے بعد دل سے کافر رہتا ہے۔ اہل کتاب اپنے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بشارتوں کو جو نبی کریم ﷺ کے متعلق دی گئی تھیں، تسلیم کریں اور ان کی ہدایات کے موافق حضور ﷺ پر ایمان لائیں مگر وہ انکار میں سب سے آگے رہتے ہیں گویا اپنے نبی اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد کافر بن رہے ہیں۔ بتدین کا دعویٰ زبان سے یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن و سنت کے متبع ہیں اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے ہیں مگر اس کے بعد بہت سی بے اصل اور باطل چیزیں دین میں ڈال کر کے یا بعض ضروریات دین کا انکار کر کے اصلی دین سے نکل جاتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی ایک درجہ میں اَلْكَافِرَاتُ بَعْدَ اِيْتَانِكُمْ کے مخاطب ہوئے۔ رہے فسق جن کا عقیدہ صحیح ہو اگر ان سے یہ خطاب ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ ایمان لانے کے بعد کافروں جیسے عمل کیوں کئے۔ گویا کفر سے عملی کفر مراد ہو گا۔ اور اگر عام کفار کے حق میں یہ خطاب مانا جائے تو یہ حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے سب کو دین فطرت پر پیدا کیا اس فطرت ایمانی کو ضائع کر کے کافر کیوں بنے۔ باقی سیاق آیات سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کفر سے کفر فعلی یعنی اختلاف و تفریق مذموم مراد ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۶۱۔ یعنی جنت میں۔ کیونکہ جنت محض عمل سے نہیں ملتی۔ عمل کے بعد خدا کی رحمت سے ملتی ہے اور وہ ہی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی رحمت کے سامان کئے ہیں۔ بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد۔

۱۶۲۔ حقیقی معنی میں ظلم تو وہاں ممکن ہی نہیں لیکن ظاہری طور پر جسے تم ظلم کہہ سکتے ہو۔ اس کا صدور بھی خدا تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ مثلاً ایسے سخت احکام بندوں کو بھیجے جن سے غرض محض ستانا اور دق کرنا ہو۔ یا مستحق رحمت پر عذاب کرنے لگے یا تھوڑی سزا کی جگہ زائد سزا جاری کر دے، یا کسی کی ادنیٰ ترین نیکی کا صلہ نہ دے وغیر ذلک۔ خوب سمجھ لو، اس کا جو حکم ہے خاص بندوں کی تربیت کے لئے اور جو معاملہ کسی کے ساتھ ہے عین حکمت و مصلحت کے موافق ہے۔

۱۶۳۔ جب ہر چیز اللہ کی مملوک و مخلوق اور ہر کام کا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے تو ظلم کیونکر اور کس لئے کیا جائے گا۔

۱۱۰۔ تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں [۱۶۴]  
حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے [۱۶۵] اور ایمان لاتے ہو اللہ پر [۱۶۶] اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا کچھ تو ان میں سے ہیں ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں [۱۶۷]

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْعُرْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْبُنْكَرِ وَ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ ط وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَ أَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ع

۱۶۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے بہتر امت ہے: گذشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ الخ درمیان میں اسی کے مناسب کچھ اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید آگئی، یہاں سے اسی اول مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے یعنی اے مسلمانو! خدا تعالیٰ نے تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے۔ اس کے علم ازلی میں پہلے سے یہ ہی مقدر ہو چکا تھا۔ جس کی خبر بعض انبیائے سابقین کو بھی دیدی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہونگے آپ کی امت بھی جملہ امم و اقوام پر گونے سبقت لی جائے گی۔ کیونکہ اس کو سب سے اشرف و اکرم پیغمبر نصیب ہو گا۔ ادوم و اکمل شریعت ملے گی۔ علوم و معارف کے دروازے اس پر کھول دیے جائیں گے۔ ایمان و عمل و تقویٰ کی تمام شاخیں اس کی محنت اور قربانیوں سے سرسبز و شاداب ہوں گی وہ کسی خاص قوم و نسب یا مخصوص ملک و اقلیم میں محصور نہ ہوگی بلکہ اس کا دائرہ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہو گا گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہو گا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے۔ اور جہاں تک ممکن ہو۔ انہیں جنت کے دروازوں پر لا کر کھڑا کر دے۔ اُنْحَرَجَتْ لِلنَّاسِ فِي اس طرف اشارہ ہے۔ (تنبیہ) اس سورت کے نویں رکوع میں وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ الخ سے نبی کریم ﷺ کی امامت و جامعیت کبریٰ کا بیان ہوا تھا۔ دسویں رکوع میں إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ الخ سے امت کے قبلہ کی برتری دکھائی گئی۔ گیارہویں رکوع میں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا الخ سے اس امت کی کتاب و شریعت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔ اب یہاں بارہویں رکوع کے آغاز سے خود امت مرحومہ کی فضیلت و عظمت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

۱۶۵۔ منکر (برے کاموں) میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنا بھی کئی طرح ہو گا۔ کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے کبھی قلم سے، کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گیا یہ صفت جس قدر عموم و اہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

۱۶۶۔ خیر الامہ کی ذمہ داریاں: اللہ پر ایمان لانے میں، اس کی توحید پر، اس کے رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ توحید خالص و کامل کا اتنا شیوع و اہتمام کبھی کسی امت میں نہیں رہا جو بجز اللہ اس امت میں رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جو شخص تم میں سے چاہتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو چاہئے کہ اللہ کی شرط پوری کرے یعنی امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ، جس کا حاصل ہے خود درست ہو کر دوسروں کو درست کرنا۔ جو شان حضرات صحابہؓ کی تھی۔

۱۶۷۔ یعنی اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو وہ بھی اس خیر الامم میں شامل ہو سکتے تھے۔ جس سے دنیا میں عزت بڑھتی اور آخرت میں دہرا اجر ملتا مگر افسوس ہے ان میں سے چند افراد کے سوا (مثلاً عبد اللہ بن سلام یا نجاشی وغیرہ) کسی نے حق کو قبول نہ کیا باوجود وضوح حق کے نافرمانی ہی پراڑے رہے۔

۱۱۱۔ وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا مگر ستانازبان سے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دیں گے پھر ان کی مدد نہ ہوگی [۱۶۸]

لَنْ يَضُرَّوْكُمْ إِلَّا أَذًى ط وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يَوَلُّوْكُمْ

الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿۱۶۸﴾

۱۶۸۔ اہل کتاب پر مسلمانوں کے غلبہ کی پیشگوئی: یعنی اگر اکثر نافرمان ہیں تو ہونے دو، تم کو ان کی اکثریت یا مادی ساز و سامان سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں (اے خیر الامم!) خدا کا وعدہ ہے کہ یہ شیطانی لشکر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ (بشرطیکہ تم اپنے کو خیر الامم ثابت کرو) بس یہ اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ زبان سے گالی دیں اور نامردوں کی طرح تم کو برا بھلا کہتے پھریں۔ یا کوئی چھوٹی موٹی عارضی تکلیف پہنچائیں، باقی تم پر غالب و

مسلط ہو جائیں، یا کوئی بڑا قومی نقصان پہنچا سکیں یہ کبھی نہ ہو گا۔ اگر لڑائی میں تمہارے مقابلہ پر آئے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے اور کسی طرف سے ان کو مدد نہ پہنچے گی جو ان کی ہزیمت کو روک سکے یہ پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ صحابہؓ کے عہد میں اہل کتاب کا یہی حشر ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر دیا مگر بال بیکانہ کر سکے۔ جہاں مقابلہ ہوا مہر مستفرہ کی طرح بھاگے۔ ہر موقع پر خدا کی نصرت و امداد خیر الامم کے شامل حال رہی اور دشمن بدحواسی اور بے کسی کی حالت مقہور و مخدول ہو کر بھاگے یا قید ہوئے یا رعیت بن کر رہے یا جہنم میں پہنچ گئے۔

۱۱۲۔ ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے [۱۶۹] اور کمایا انہوں نے غصہ اللہ کا اور لازم کر دی گئی انکے اوپر حاجت مندی یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں اللہ کی آیتوں سے اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے نکل گئے [۱۷۰]

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةُ اَيْنَ مَا تَقِفُوا اِلَّا بِحَبْلِ  
مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلِ مِّنَ النَّاسِ وَ بَاۗءُ وَ بَغَضِبِ مِّنَ  
اللّٰهِ وَ ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا  
يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاۗءَ بِغَيْرِ  
حَقٍّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۶۹۔ یہ آیتیں اہل کتاب میں سے خاص یہود کے متعلق معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ سیاق کلام اور قرآن کی دوسری آیات سے ظاہر ہے، یعنی یہود پر ہمیشہ کے لئے ذلت کی مہر کر دی گئی۔ یہ بد بخت جہاں کہیں پائے جائیں، ذلت کا نقش ان سے محو نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی یہود بھی آزادی و خود مختاری سے اپنے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی آزاد حکومت کسی جگہ نہیں سوائے دستاویز اللہ کے یعنی بعض بچی کچھی رسمیں تورات کی عمل میں لاتے ہیں اس کے طفیل سے پڑے ہیں اور سوائے دستاویز لوگوں کے یعنی کسی کی رعیت میں ہیں اس کی پناہ میں پڑے ہیں۔ (کنذافی الموضح) بعض مفسرین نے جبل من اللہ و جبل من الناس سے اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا عہد مراد لیا ہے۔ یعنی بجز اس کے کہ مسلمانوں سے عہد کر کے خدا کے ذمہ میں آجائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جبل من اللہ سے مراد اسلام ہے۔ یعنی اسلام لا کر اس ذلت سے نکل سکتے ہیں یا معاہد بن کر، کیونکہ معاہدہ بھی جان و مال کی طرف سے مامون کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۰۔ یعنی نافرمانی کرتے کرتے حد سے نکل گئے۔ جس کا انتہائی اثر یہ تھا کہ اللہ کی صریح آیتوں کے انکار اور معصوم پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ اسی مضمون کی آیت بقرہ پارہ الم میں گذر چکی ہے وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

۱۱۳۔ وہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں

لِيَسُوْا سَوَآءً ط مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قٰبِلَةٌ يَّتْلُوْنَ  
اٰيٰتِ اللّٰهِ اِنۡعَآءَ الْيَلِ وَ هُمْ يَسۡجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۴۔ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم

يُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَأْمُرُوْنَ

کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں برے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہی لوگ نیک بخت ہیں [۱۴۱]

بِالْبَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي

الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٣﴾

۱۱۵۔ اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام اس کی ہرگز ناقدری نہ ہو گی [۱۴۲] اور اللہ کو خبر ہے پرہیز گاروں کی [۱۴۳]

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا ۗ وَاللَّهُ

عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾

۱۱۶۔ وہ لوگ جو کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے ان کو ان کے مال اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ اور وہی لوگ رہنے والے ہیں آگ میں دوزخ کی وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ

وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

۱۱۷۔ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں اس کی مثال جیسے ایک ہوا کہ اس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو اس قوم کی کہ انہوں نے اپنے حق میں بر ا کیا تھا پھر اس کو نابود کر گئی [۱۴۴] اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں [۱۴۵]

مَثَلٌ مَّا يَنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

كَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا

أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتَهُ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ

أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

۱۱۸۔ مومنین اہل کتاب: یعنی سب اہل کتاب کا حال یکساں نہیں اتنے بروں میں کچھ اچھے بھی ہیں۔ ان ہی مسوخ اشیاء کے درمیان چند سعید روحیں ہیں جن کو حق تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی اور اسلام کی آغوش میں آگئے اور جاہد حق پر ایسے مستقیم ہو گئے کہ کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی۔ وہ رات کی تاریکی میں میٹھی نیند اور نرم بسترے چھوڑ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، اپنے مالک کے سامنے خضوع و تذلل اختیار کرتے ہیں جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں، نماز میں اس کا کلام پڑھتے ہیں۔ اللہ پر اور یوم آخر پر ٹھیک ٹھیک ایمان لاتے ہیں۔ خالص توحید کے قائل ہیں، قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور جب کسی نیک کام کی طرف پکارا جائے دو سروں سے آگے نکلنا چاہتے ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ خود راہ راست پر ہیں دو سروں کو بھی سیدھے راستے پر لانا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ ان یہود میں سے یہ لوگ ہیں جن کو خدا نے نیک بختی اور صلاح و رشد کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کا ذکر ہوا۔

۱۱۹۔ بلکہ دگنا اجر ملے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا (نقص۔ ۵۴) اور حدیث صحیح میں نبی

کریم ﷺ نے اس کی تشریح فرمادی۔

۱۷۳۔ اسی لئے جب یہود کی برائیوں کا ذکر آتا ہے حق تعالیٰ ان پر ہیز گاروں کو مستثنیٰ کر دیتا ہے اور پرہیز گاری کے موافق دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ معاملہ بھی بالکل ممتاز کیا جائے گا۔

۱۷۴۔ کفار کا بغض و حسد: صالحین و متقین کے بالمقابل یہاں کافروں کا حال و انجام ذکر فرماتے ہیں پہلے فرمایا تھا وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا بِهِ یعنی مومنین کی ادنیٰ ترین نیکی بھی کام آئے گی۔ ان کے کسی بھلے کام کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ اس کے برخلاف کافر جو کچھ مال و قوت دنیا میں خرچ کرے، خواہ اپنے نزدیک بڑا ثواب اور خیرات کا کام سمجھ کر کرتا ہو، آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت اور پرسش نہیں۔ کیونکہ ایمان و معرفت صحیحہ کی روح نہ ہونے سے اس کا ہر ایک عمل بے جان اور مردہ ہے۔ اس کی جزاء بھی ایسی ہی فانی و زایل اس دار فانی میں مل ملا رہے گی۔ عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان و ایقان ہے اس کے بدون عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا اور اس کو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا چند روز اس کی سرسبزی و شادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ امیدیں باندھتا رہا۔ یکا یک اس کی شرارت و بد بختی سے سرد ہوا چلی برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری لہلہاتی کھیتی جلا کر رکھ دی آخر اپنی کلی تباہی و بربادی پر کف افسوس ملتا رہ گیا، نہ امیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اس کی پیداوار سے متفع ہوا۔ اور چونکہ یہ تباہی ظلم و شرارت کی سزا تھی۔ اس لئے اس مصیبت پر کوئی اجر اخروی بھی نہ ملا۔ جیسا کہ مومنین کو ملتا ہے۔ بعینہ یہ مثال ان کفار کی ہے جو کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے اپنے خیال میں بہت پن خیرات کرتے ہیں، باقی وہ بد بخت جن کا زور و قوت اور پیسہ حق اور اہل حق کی دشمنی یا فسق و فجور میں خرچ ہوتا ہو ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ وہ نہ صرف بے کار خرچ کر رہے ہیں بلکہ روپیہ خرچ کر کے اپنے لئے اور زیادہ وبال خرید رہے ہیں ان سب کو یاد رکھنا چاہئے کہ مال ہو یا اولاد کوئی چیز عذاب الہی سے نہ بچا سکے گی اور نہ متقین کے مقابلہ پر وہ اپنی توقعات میں کامیاب ہوں گے۔ (تنبیہ) ریح کا لفظ مفرد قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ (الاحقاف- ۲۴) اِلْحٌ وَكَيْنٌ اَرْسَلْنَا رِيحًا (الروم- ۵۱) اِلْحًا اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا (القمر- ۱۹) اور رحمت کے موقع پر جمع کا لفظ ریح لائے ہیں۔ يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ (الروم- ۵۶) وَ اَرْسَلْنَا الرِّيَّاحَ لَوَاقِحَ (الحجر- ۲۲) يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ بُشْرًا (النمل- ۶۳) کذا ذکرہ ابو حیان۔

۱۷۵۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی تو اس پر معاذ اللہ خدا کی طرف سے ظلم ہوا، نہیں ظلم تو انہوں نے اپنی جانوں خود اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔ نہ کفر اختیار کرتے نہ یہ روز بد دیکھنا پڑتا۔

۱۱۸۔ اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کسی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں انکی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے دشمنی انکی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے انکے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتا دیے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے [۱۷۶]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةَ مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۗ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۗ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۗ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ

تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾

هَأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ  
بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا  
خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ  
قُلْ مَوْتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ

الصُّدُورِ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ سن لو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو [۱۷۷] اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں [۱۷۸] اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے [۱۷۹] تو کہہ مرو تم اپنے غصہ میں [۱۸۰] اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں [۱۸۱]

إِنْ تَسْسِكُمْ حَسَنَةً تَسْوَهُمْ وَإِنْ تَصِبْكُمْ  
سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا  
يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ

مُحِيطٌ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بری لگی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوں اس سے [۱۸۲] اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے بیشک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے [۱۸۳]

۱۷۶۔ یہ آیتیں بعض کہتے ہیں یہود کے متعلق نازل ہوئیں کیونکہ بعض مسلمان جو ار (ہمسائیگی) حلف (دوستانہ معاہدہ) وغیرہ کی بناء پر جو تعلقات قبل از اسلام ان سے رکھتے چلے آ رہے تھے، بعد از اسلام بھی بدستور ان پر قائم رہے اور دوستی پر اعتماد کر کے ان سے مسلمانوں کے بعض رازدارانہ مشوروں کے اخفاء کا بھی اہتمام نہ کیا اور بعض کے نزدیک یہ آیتیں منافقین کے حق میں نازل ہوئیں، کیونکہ عام طور پر لوگ ظاہر میں مسلمان سمجھ کر ان سے پوری احتیاط نہ کرتے تھے جس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا حق تعالیٰ نے یہاں صاف صاف آگاہ کر دیا کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو بھیدی اور رازدار نہ بنائیں کیونکہ یہود ہوں یا نصاریٰ منافقین ہوں یا مشرکین، ان میں کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیر خواہ نہیں۔ بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہیں پاگل بنا کر نقصان پہنچائیں اور دینی و دنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں۔ ان کی خواہش اسی میں ہے کہ تم تکلیف میں رہو اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یا دنیوی ضرر پہنچ جائے جو دشمنی اور بغض ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن بسا اوقات عداوت و غیظ کے جذبات سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا ایسی باتیں کر گزرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ مارے دشمنی اور حسد کے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے خبیث باطن دشمنوں کو اپنا رازدار بنائے۔ خدا تعالیٰ نے دوست و دشمن کے پتے اور موالات وغیرہ کے احکام کھول کر بتلا دیے ہیں جس میں عقل ہوگی ان سے کام لے گا۔ (موالات کفار کے متعلق کچھ تفصیل پہلے اسی سورت میں گزر چکی اور کچھ ماندہ وغیرہ میں آئے گی)

۱۷۷۔ کفار مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے: یعنی یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ تم ان کی دوستی کا دم بھرتے ہو، اور وہ تمہارے دوست نہیں



بلکہ جڑ کاٹنے والے دشمن ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو۔ خواہ وہ کسی قوم کی ہوں اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں (جن کے خدا نے نام بتلا دیئے ان پر علی التبعیین اور جن کے نام نہیں بتلائے ان پر بالاجمال ایمان رکھتے ہو) اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے، بلکہ خود اپنی کتابوں پر بھی ان کا ایمان صحیح نہیں، اس لحاظ سے چاہئے تھا کہ وہ تم سے قدرے محبت کرتے اور تم ان سے سخت نفور و بیزار رہتے۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔

۱۷۸۔ منافقین تو کہتے ہی تھے، عام یہود و نصاریٰ بھی بحث و گفتگو میں آئیں (ہم مسلمان ہیں) کہہ کر یہ مطلب لے لیتے تھے کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

۱۷۹۔ اہل کتاب کا مسلمانوں پر غم و غصہ: یعنی اسلام کا عروج اور مسلمانوں کی باہمی الفت و محبت دیکھ کر یہ لوگ جلے مرتے ہیں۔ اور چونکہ اس کے خلاف کچھ بس نہیں چلتا۔ اس لئے فرط غیظ و غضب سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔

۱۸۰۔ یعنی خدا تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو اور زیادہ ترقیات و فتوحات عنایت فرمائے گا۔ تم غیظ کھا کھا کر مرتے رہو۔ اگر ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ گے تب بھی تمہاری آرزوئیں پوری نہ ہونگی، خدا اسلام کو غالب اور سر بلند کر کے رہے گا۔

۱۸۱۔ اسی لئے مسلمانوں کو ان شریروں کے باطنی حالات اور قلبی جذبات پر مطلع کر دیا اور سزا بھی ان کو ایسی دے گا جو اندرونی شرارتوں اور خفیہ عداوتوں کے مناسب ہو۔

۱۸۲۔ اگر تمہاری ذرا سی بھلائی دیکھتے ہیں مثلاً مسلمانوں کا اتحاد و یک جہتی یا دشمنوں پر غلبہ، تو حسد کی آگ مں بھننے لگتے ہیں۔ اور جہاں تم پر کوئی مصیبت نظر آئی، خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے۔ بھلا ایسی کمینہ قوم سے ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا توقع ہو سکتی ہے جو دوستی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا جائے۔

۱۸۳۔ کفار کے شر سے مسلمانوں کی حفاظت: ممکن تھا کسی کو یہ خیال گذرے کہ جب ہم ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ زیادہ غیظ و غضب میں آکر ہمارے خلاف تدبیریں کریں گے اور بیش از بیش نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ تم صبر و استقلال اور تقویٰ و طہارت پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو گے تو ان کا کوئی داؤد فریب تم پر کارگر نہ ہو گا۔ جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہیں اور اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار و پود بکھیر کر رکھ دے تم اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھو، پھر تمہارے راستے سے سب کانٹے صاف کر دیے جائیں گے۔ آگے غزوہ احد کا واقعہ یاد دلاتے ہیں کہ اس میں بعض مسلمان منافقین کی مغویانہ حرکات سے کچھ اثر پذیر ہو گئے تھے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو قبیلے صبر و تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں جس سے منافقین کو خوش ہونے کا موقع ہاتھ آئے۔ مگر خدا نے دستگیری فرمائی اور ان قبیلوں کو سخت مہلک ٹھوکر سے بچالیا۔

۱۲۱۔ اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

وَ اِذْ عَدُوَّتَ مِنْ اَهْلِكَ تَبَوَّءُ الْمُؤْمِنِينَ  
مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾

۱۲۲۔ جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ کریں مسلمان

اِذْ هَتَّتْ طَائِفَتِنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْسَلَا ۗ وَاللَّهُ  
وَلِيُّهَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳۔ اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم



کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو [۱۸۳]

۱۸۳۔ غزوہ احد میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کا واقعہ: اس آیت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا ہے۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ رمضان المبارک ۶۲ھ ہجری میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں مڈ بھیڑ ہو گئی جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے قریش کا شعلہ انتقام بھڑک اٹھا۔ جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلانی اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے (کہ وہ ہی باعث جنگ بدر کا ہوا تھا) سب اسی مہم کی نذر کر دیں تاکہ ہم محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں سب نے منظور کیا اور ۶۳ھ ہجری میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتیٰ کی عورتیں بھی ساتھ آئیں تاکہ موقع پیش آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔ جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خمیمہ زن ہوا۔ تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا آپ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اسی کی تائید آپ کے ایک خواب سے ہوئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی سے بھی رائے لی گئی جو حضور ﷺ کی رائے سے موافق تھی۔ مگر بعض پر جوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی۔ اور شوق شہادت بے چین کر رہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے تاکہ دشمن ہماری نسبت بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے۔ کثرت رائے اسی طرف ہو گئی۔ اسی حیص و بیص میں آپ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر لڑائی کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کا منشاء نہ ہو تو ہمیں تشریف رکھئے۔ فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگا لے پھر بدون قتال کئے بدن سے اتارے۔ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر عبد اللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کو (جن میں بعض مسلمان بھی تھے) ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں، کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔ بعض بزرگوں نے سمجھایا بھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔ آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لیکر میدان جنگ میں پہنچ گئے آپ نے بنفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں۔ ہر ایک دستہ کو اس کے مناسب ٹھکانہ پر بٹھلایا۔ اور فرمایا جب تک میں حکم نہ دوں کوئی قتال نہ کرے۔ اسی اثنا میں عبد اللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی۔ مسلمانوں کی قلیل جمعیت پر نظر کر کے دل چھوڑنے لگے اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کی مدد اور دستگیری فرمائی دلوں کو مضبوط کر دیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تنہا خدائے واحد کی اعانت و نصرت پر ہونا چاہئے۔ تعداد اور سامان وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ جب وہ مظفر و منصور کرنا چاہے تو سب سامان رکھے رہ جاتے ہیں اور غیبی تائید سے فتح مبین حاصل ہو جاتی ہے جیسے معرکہ بدر میں ہوا۔ پس مسلمانوں کو صرف اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ تاکہ اس کی طرف سے مزید انعام و احسان ہو اور مزید شکر گزاری کا موقع ملے۔ (غزوہ بدر کی پوری تفصیل سورہ انفال میں آئے گی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں) تنبیہ دو فرقوں سے مراد وہی بنو سلمہ و بنو حارثہ ہیں۔ گو اس آیت میں ان پر چشمک کی گئی۔ لیکن ان میں کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ وَاللَّهُ وَلِيُّنَا کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے۔

۱۲۴۔ جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے [۱۸۵]

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزِلِينَ ۝

۱۲۵۔ البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر [۱۸۶]

بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا يُبَدِّلْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝

۱۲۶۔ اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تاکہ تسکین ہو تمہارے دلوں کو اس سے اور مدد ہے صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے حکمت والا [۱۸۷]

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝

۱۲۷۔ تاکہ ہلاک کرے بعضے کافروں کو یا انکو ذلیل کرے تو پھر جاویں محروم ہو کر [۱۸۸]

لَيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝

۱۲۸۔ تیرا اختیار کچھ نہیں یا انکو توبہ دیوے خدائے تعالیٰ یا انکو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں [۱۸۹]

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝

۱۲۹۔ اور اللہ ہی کامل ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۹۰]

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَيَغْفِرَ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

۱۸۵۔ غزوہ بدر میں ملائکہ کا نزول: یعنی جو آسمان سے خاص اسی کام کے لئے اتارے گئے ہوں۔ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے جب کفار کی جمعیت اور تیاری دیکھ کر مسلمانوں کو تشویش ہوئی تو آپ نے تسلی کے لئے ایسا فرمایا۔ چنانچہ فرشتوں کی کمک آسمان

سے پہنچی۔ سورہ انفال میں اس کا مفصل بیان آئے گا۔ وہیں نزول ملائکہ کی حکمت اور عدد ملائکہ کے ظاہری تعارض پر کلام کیا جائے گا۔

۱۸۶۔ یعنی تین ہزار بیشک کافی ہیں۔ تاہم اگر تم نے صبر و استقلال کا ثبوت دیا اور تقویٰ اختیار کر کے نافرمانی سے بچتے رہے اور کفار کی فوج ایک دم تم پر ٹوٹ پڑی تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیج دیے جائیں گے جن کی خاص علامتیں ہوں گی اور ان کے گھوڑوں پر بھی خاص نشان ہوں گے۔ چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اولاً اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جیسا کہ سورہ انفال میں آئے گا۔ پھر مسلمانوں کی گھبراہٹ دور فرمانے کے لئے تعداد تکفی کر دی گئی۔ کیونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تکفی تھی۔ اس کے بعد شعبی کی روایت کے موافق جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر بڑی کمک لے کر مشرکین کی مدد کے لئے آ رہا ہے تو ایک جدید اضطراب پیدا ہو گیا، اس وقت مزید تسکین کے لئے وعدہ فرمایا کہ اگر تم صبر و تقویٰ سے کام لو گے تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے۔ اگر مشرکین کی کمک بالکل ناگہانی طور پر آ پہنچے۔ تب بھی فکر مت کرو۔ خدا تعالیٰ بروقت تمہاری مدد کرے گا۔ شاید پانچ ہزار کا عدد اس لئے رکھا ہو کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے تھے۔ ہر ایک حصہ کو ایک ایک ہزار کی کمک پہنچا دی جائے گی۔ چونکہ کرز بن جابر کی مدد مشرکین کو نہ پہنچی اس لئے بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہزار کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ یَأْتُوکُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَذَا (آل عمران- ۱۲۵) پر معلق تھا اور بعض کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ واللہ اعلم۔ اس کا مزید بیان انفال میں دیکھو۔

۱۸۷۔ نزول ملائکہ کی وجہ: یعنی یہ سب غیبی سامان غیر معمولی طور پر ظاہری اسباب کی صورت میں محض اس لئے مہیا کئے گئے کہ تمہارے دلوں سے اضطراب و ہراس دور ہو کر سکون و اطمینان نصیب ہو۔ ورنہ خدا کی مدد کچھ ان چیزوں پر محدود و مقصود نہیں نہ اسباب کی پابند ہے وہ چاہے تو محض اپنی زبردست قدرت سے بدون فرشتوں کے تمہارا کام بنادے۔ یا بدون تمہارے توسط کے کفار کو خائب و خاسر کر دے۔ یا ایک فرشتہ سے وہ کام لے لے جو پانچ ہزار سے لیا جاتا ہے۔ فرشتے بھی جو امداد پہنچاتے ہیں وہ اسی خداوند قدیر کی قدرت و مشیت سے پہنچا سکتے ہیں۔ مستقل طاقت و اختیار کسی میں نہیں۔ آگے یہ اس کی حکمت ہے کہ کس موقع پر کس قسم کے اسباب و وسائل سے کام لینا مناسب ہے تلوینیات کے رازوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

حدیث از مطرب دے گود راز دہر کمتر جو کل کس نلکشو و نکشاید بحکمت این معمار۔

۱۸۸۔ یعنی فرشتے بھیجنے سے مقصود تمہاری مدد کرنا تھا کہ تمہارے دل مضبوط ہوں اور خدا کی طرف سے بشارت و طمانیت پا کر پوری دلجمعی اور پامردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو۔ جس سے یہ غرض تھی کہ کافروں کا زور ٹوٹے۔ ان کا بازو کٹ جائے۔ پرانے نامور مشرک کچھ مارے جائیں کچھ ذلیل و خوار ہوں اور بقیۃ السیف ہزار و رسوائی و ناکامی واپس ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ ستر سردار جن میں اس امت کا فرعون ابو جہل بھی تھا، مارے گئے ستر قید ہوئے۔ اور نہایت ذلیل و نامراد ہو کر مکہ واپس جانا پڑا۔

۱۸۹۔ غزوہ احد کا تفصیلی بیان: اُحد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے جن میں حضور ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ بھی تھے، مشرکین نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مثلہ کیا (ناک کان وغیرہ کاٹے) پیٹ چاک کئے حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر ہندہ نے چبایا۔ مفصل واقعہ آگے آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو بھی اس لڑائی میں چشم زخم پہنچا۔ سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دانت شہید ہوا خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گھس گئیں پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہو لہان تھا۔ اسی حالت میں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ کفار نے مشہور کر دیا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ (محمد ﷺ مارے گئے) اس سے مجمع بدحواس ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ اس وقت زبان مبارک سے نکلا کہ وہ قوم کیوں کر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا جو ان کو خدا کی طرف بلاتا تھا۔ مشرکین کے وحشیانہ شہداء و مظالم کو دیکھ کر آپ سے رہانہ گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ نے بددعا کا ارادہ کیا یا شروع

کردی جس میں ظاہر ہے۔ آپ ہر طرح حق بجانب تھے مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں۔ وہ ظلم کرتے جائیں، آپ خاموش رہیں۔ جتنی بات کا آپ کو حکم ہے (مثلاً دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ) اسے انجام دیتے رہیں۔ باقی ان کا انجام خدا کے حوالے کر دیں۔ اس کی جو حکمت ہوگی کرے گا آپ کی بددعا سے وہ ہلاک کر دیئے جائیں، کیا اس کی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ کا جاں نثار بنا دیا جائے؟ چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بددعا کرتے تھے چند روز کے بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ کے قدموں پر لا ڈالا اور اسلام کا جانناز سپاہی بنا دیا غرض لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ میں آنحضرت ﷺ کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے۔ اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں، لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔ بعض روایات سے ان آیات کی شان نزول کچھ اور معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں فتح الباری میں کی جگہ اس پر شافی کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

۱۹۰۔ یعنی تمام زمین آسمان میں خدائے واحد کا اختیار چلتا ہے سب اسی کی مملوک و مخلوق ہے۔ وہ جس کو مناسب جانے ایمان کی توفیق دے کر بخش دے اور جسے چاہے کفر کی سزائیں پکڑ لے۔ شاید اخیر میں وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ فرما کر ارشاد کر دیا کہ ان لوگوں کو جن کے حق میں آپ بددعا کرنا چاہتے تھے، ایمان دے کر مغفرت و رحمت کا مورد بنا دیا جائے۔

۱۳۰۔ اے ایمان والو مت کھاؤ سود [۱۹۱] دونے پر دونا [۱۹۲] اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو [۱۹۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا

مُضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾

۱۳۱۔ اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے [۱۹۴]

وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾

۱۹۱۔ سود کی ممانعت: جنگ احد کے تذکرہ میں سود کی ممانعت کا ذکر بظاہر بے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاید یہ مناسبت ہو کہ اوپر اذہبت طَائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا میں جہاد کے موقع پر نامردی دکھلانے کا ذکر ہوا تھا۔ اور سود کھانے سے نامردی پیدا ہوتی ہے دو سبب سے۔ ایک یہ کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے، دوسرے یہ کہ سود لینا انتہائی بخل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سود خوار چاہتا ہے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے لے اور بیچ میں کسی کا کام نکلا۔ یہ بھی مفت نہ چھوڑے اس کا علیحدہ معاوضہ وصول کرے۔ تو جس کو مال میں اتنا بخل ہو کہ خدا کے لئے کسی کی ذرہ بھر ہمدردی نہ کر سکے۔ وہ خدا کی راہ میں جان کب دے سکے گا ابو حیان نے لکھا ہے کہ اس وقت یہود وغیرہ سے مسلمانوں کے سودی معاملات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ اسی لئے ان سے تعلقات قطع کرنا مشکل تھا۔ چونکہ پہلے لَا تَتَّخِذُوا بِلَهَائِكُمْ حُرْمًا ہوتا تھا ہے اور احد کے قصہ میں بھی منافقین یہود کی حرکات کو بہت دخل تھا اس لئے متنبہ فرمایا کہ سودی لین دین ترک کرو۔ ورنہ اسکی وجہ سے خواہی نہ خواہی ان ملعونوں کے ساتھ تعلقات قائم رہیں گے جو آئندہ نقصان اٹھانے کا موجب ہوں گے۔

۱۹۲۔ سود کی ممانعت: اس کا مطلب یہ نہیں کہ تھوڑا سود لے لیا کرو دونے پر دونا مت لو۔ بات یہ ہے کہ جاہلیت میں سود اسی طرح لیا جاتا تھا۔ جیسے ہمارے یہاں کے بنیے لیتے ہیں۔ سو روپے دیے اور سو روپے سود بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سو روپے میں ہزار روپیہ کی جائدادوں کے مالک بن بیٹھے۔ اسی صورت کو یہاں أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً سے تعبیر فرمایا۔ یعنی اول تو سود مطلقاً حرام و قبیح، اور یہ صورت تو بہت ہی زیادہ شنیع و قبیح ہے جیسے کوئی کہے میاں مسجد میں گالیاں مت بکو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد سے باہر بکنے کی اجازت ہے بلکہ مزید تفسیح و تشنیع کے موقع پر

ایسے الفاظ بولتے ہیں۔

۱۹۳۔ یعنی سود کھانے میں بھلا نہیں۔ بلکہ تمہارا بھلا اس میں ہے کہ خدا سے ڈر کر سود کھانا چھوڑ دو۔

۱۹۴۔ یعنی سود کھانے والا دوزخ میں جاتا ہے جو اصل میں کافروں کے واسطے بنائی گئی ہے۔

۱۳۲۔ اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو [۱۹۵]

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۳۔ اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف [۱۹۶] جس کا عرض ہے آسمان اور زمین [۱۹۷] تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾

۱۹۵۔ اطاعت رسول کا مطلب: رسول کا حکم ماننا بھی فی الحقیقت خدا ہی کا حکم ماننا ہے کیونکہ اس نے حکم دیا ہے کہ ہم پیغمبر کا حکم مانیں اور ان کی پوری اطاعت کریں۔ جن اجمتوں کو اطاعت اور عبادت میں فرق نظر نہ آیا وہ اطاعت رسول کو شرک کہنے لگے۔ چونکہ جنگ احد میں رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تھی (جیسا کہ آگے آتا ہے) اس لئے آئندہ کے لئے ہشیار کیا جاتا ہے کہ خدا کی رحمت اور فلاح و کامیابی کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے، جب اللہ و رسول کے کہنے پر چلو۔

۱۹۶۔ یعنی ان اعمال و اخلاق کی طرف جھپٹو جو حسب وعدہ خداوندی اس کی بخشش اور جنت کا مستحق بناتے ہیں۔

۱۹۷۔ جنت کا عرض چونکہ آدمی کے دماغ میں آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت نہیں آسکتی تھی، اس لئے سمجھانے کے لئے جنت کے عرض کو اسی سے تشبیہ دی گئی۔ گویا بتلادیا کہ جنت کا عرض زیادہ سے زیادہ سمجھو پھر جب عرض اتنا ہے تو طول کا حال خدا جانے کیا کچھ ہو گا۔

۱۳۴۔ جو خرچ کئے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں [۱۹۸] اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو [۱۹۹]

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ

الْكُظَّيْنِ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۵۔ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں [۲۰۰] تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور اڑتے نہیں اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ

ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَغْفِرِ

الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَلَمْ يُصِمُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَ

هُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۶۔ انہی کی جزاء ہے بخشش ان کے رب کی اور باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ ان باغوں میں اور کیا خوب مزدوری ہے کام کرنے والوں کی [۲۰۱]

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ نِعْمَ

أَجْرُ الْعَبِيدِ ﴿١٣٦﴾

۱۳۷۔ ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات سو پھر زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا [۲۰۲]

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾

۱۳۸۔ یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کو [۲۰۳]

هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَ مَوْعِظَةٌ

لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

۱۹۸۔ محسنین کی صفات: یعنی نہ عیش و خوشی میں خدا کو بھولتے ہیں نہ تنگی و تکلیف کے وقت خرچ کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ہر موقع پر اور ہر حال میں حسب قدرت خرچ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں سود خواروں کی طرح بخیل اور پیسہ کے پجاری نہیں۔ گویا جانی جہاد کے ساتھ مالی جہاد بھی کرتے ہیں۔

۱۹۹۔ غصہ کو پی جانا ہی بڑا کمال ہے اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتی یا غلطیوں کو بالکل معاف کر دیتے ہیں اور نہ صرف معاف کرتے ہیں بلکہ احسان اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔ غالباً پہلے جن لوگوں کی نسبت بددعا کرنے سے روکا تھا۔ یہاں ان کے متعلق غصہ دبانے اور عفو و درگزر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے نیز بعض صحابہ نے جنگ احد میں عدول حکمی کی تھی، یا فرار اختیار کیا تھا، ان کی تقصیر معاف کرنے اور شان و عفو و احسان اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

۲۰۰۔ یعنی کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو یا کسی اور بری حرکت کے مرتکب ہو جائیں جس کا ضرر ان ہی کی ذات تک محدود رہے۔

۲۰۱۔ یعنی خدا کی عظمت و جلال، اس کے عذاب و ثواب، اس کے حقوق و احکام، اس کی عدالت کی پیشی اور وعدہ و وعید کو دل سے یاد کر کے زبان سے بھی اسکی یاد شروع کر دی۔ خوف زدہ اور مضطرب ہو کر اسے پکارا اس کے سامنے سر بسجود ہوئے (جیسا کہ صلوة التوبہ کی حدیث میں آیا ہے) پھر جو شرعی طریقہ گناہوں کے معاف کرانے کا ہے اس کے موافق معافی اور بخشش طلب کی، مثلاً اہل حقوق کے حقوق ادا کئے یا ان سے معاف کرائے اور خدا کے سامنے توبہ و استغفار کیا (کیونکہ اصل بخشنے والا تو وہی ہے) جو گناہ بمقتضائے بشریت ہو گیا تھا۔ اس پر اڑے نہیں، بلکہ یہ جان کر کہ حق تعالیٰ بندوں کی سچی توبہ قبول کرتا ہے، ندامت و اقلع کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے اس کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ یہ لوگ بھی دوسرے درجہ کے متقین میں ہیں جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔ حق تعالیٰ ان تائبین کے گناہ معاف کر کے اپنی جنت میں جگہ دے گا۔ اور جو توبہ یا اور عمل نیک کئے ہونگے ان کا بہترین معاوضہ ملے گا۔

۲۰۲۔ ماضی کے واقعات سے سبق لو: یعنی تم سے بہت قومیں اور ملتیں گزر چکیں۔ بڑے بڑے واقعات پیش آچکے، خدا تعالیٰ کی عادت بھی بار بار معلوم کرادی گئی کہ ان میں سے جنہوں نے انبیاء کی عداوت اور حق کی تکذیب پر کمر باندھی اور خدا اور رسول کی تصدیق و اطاعت سے منہ پھیر کر حرام خوری اور ظلم و عصیان پر اصرار کرتے رہے، ان کا کیسا برا انجام ہوا۔ یقین نہ ہو تو زمین میں چل پھر کر ان کی تباہی کے آثار دیکھ لو جو آج بھی تمہارے ملک کے قریب موجود ہیں۔ ان واقعات میں غور کرنے سے معرکہ احد کے دونوں حربوں کو سبق لینا چاہیے۔ یعنی مشرکین جو پیغمبر خدا کی عداوت میں حق کو کچلنے کے لئے نکلے، اپنی تھوڑی سی عارضی کامیابی پر مغرور نہ ہوں کہ ان کا آخری انجام بجز ہلاکت و بربادی کے کچھ نہیں۔ اور مسلمان کفار کی سختیوں اور وحشیانہ درازدستیوں یا اپنی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس نہ ہوں کہ آخر حق غالب و منصور ہو کر رہے گا۔ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے جو ٹل نہیں سکتی۔

۲۰۳۔ یعنی عام لوگوں کے کان کھولنے کے لئے قرآن میں یہ مضامین بیان کئے جا رہے ہیں جن کو سن کر خدا سے ڈرنے والے ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ باقی جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو نا صحانہ تنبیہات سے کیا منتفع ہو سکتا ہے۔

۱۳۹۔ اور سست نہ رہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو [۲۰۳]

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

۱۴۰۔ اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں [۲۰۵] اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے [۲۰۶] اور کرے تم میں سے شہید اور اللہ کو محبت نہیں ظلم کرنے والوں سے [۲۰۷]

إِنْ يَسْسِسْكُمْ قَوْمٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَوْمٌ مِثْلُهُ ۖ

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ

اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۖ

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۱۔ اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دیوے کافروں کو [۲۰۸]

وَلِيُبَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ يَبْحَثَ

الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۲۔ کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو [۲۰۹]

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ

الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۲﴾



۱۳۳۔ اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے [۲۱۰]

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۲۱۰﴾

۲۰۴۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کی تسلی: یہ آیات جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں۔ پیغمبر ﷺ کو بھی اشیاء نے مجروح کر دیا تھا اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آرہے تھے۔ اس نجوم شدا اندویاس میں خداوند قدوس کی آواز سنائی دی۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (دیکھنا! سختیوں سے گھبرا کر دشمنان خدا کے مقابلہ میں نامردی اور سستی پاس نہ آنے پائے، پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہر کر بیٹھ رہنا مومن کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھو آج بھی تم ہی معزز و سر بلند ہو کہ حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے اور جانیں دے رہے ہو اور یقیناً آخری فتح بھی تمہاری ہے انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔ بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستہ پر مستقیم رہو اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر کامل و ثوق رکھتے ہوئے اطاعت رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ) اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پر مژدہ جسموں میں حیات تازہ پھونک دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آچکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگے۔

۲۰۵۔ مسلمانوں کو جنگ میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا اس سے سخت شکستہ خاطر تھے۔ مزید برآں منافقین اور دشمنوں کے طعنے سن کر اور زیادہ اذیت پہنچتی تھی۔ کیونکہ منافقین کہتے تھے کہ محمد ﷺ سچے پیغمبر ہوتے تو یہ نقصانات کیوں پہنچتے۔ یا تھوڑی دیر کے لئے بھی عارضی ہزیمت کیوں پیش آتی۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا یا تکلیف اٹھانی پڑی تو اس طرح کے حوادث فریق مقابل کو پیش آچکے ہیں احد میں تمہارے پچھتر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے، تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستر جنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں۔ اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداء ان کے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے جیسا کہ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ بِأَذْيَنَهِمْ كَمَا لَمَّ السُّيُوفُ إِذْ جَاءَكُمْ مَدْيَنَ فَكَفَّ السُّيُوفَ وَجَاءَكُمْ مِنَ الْأَضْيَانِ إِذْ لَمَّ السُّيُوفُ إِذْ جَاءَكُمْ مَدْيَنَ فَكَفَّ السُّيُوفَ وَجَاءَكُمْ مِنَ الْأَضْيَانِ۔ تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذلت قبول نہ کی۔ بہر حال اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے مقابلہ کرو تو غم و افسوس کا کوئی موقع نہیں۔ نہ ان کے لئے کبر و غرور سے سر اٹھانے کی جگہ ہے۔ باقی ہماری عادت، ہمیشہ یہ رہی ہے کہ سختی نرمی دکھ سکھ تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں مضمحل ہیں پھر جب وہ دکھ اٹھا کر باطل کی حمایت میں ہمت نہیں ہارے، تو تم حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہو۔

۲۰۶۔ یعنی سچے ایمان والوں کو منافقوں سے الگ کر دے۔ دونوں کارنگ صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے۔

۲۰۷۔ ظالمین سے مراد اگر مشرکین ہیں جو احد میں فریق مقابل تھے۔ تو یہ مطلب ہو گا کہ ان کی عارضی کامیابی کا سبب یہ نہیں کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے۔ بلکہ دوسرے اسباب ہیں۔ اور منافقین مراد ہوں جو عین موقع پر مسلمانوں سے الگ ہو گئے تھے۔ تو یہ بتلا دیا کہ خدا کے نزدیک مغبوض تھے، اس لئے ایمان و شہادت کے مقام سے انہیں دور پھینک دیا گیا۔

۲۰۸۔ یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا مقام بلند عطا فرمانا تھا۔ مومن و منافق کا پرکھنا مسلمانوں کو سدھانا یا ذنوب سے پاک کرنا، اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا منظور تھا کہ جب وہ عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور و مغرور ہو کر کفر و طغیان میں بیش از بیش غلو کریں گے۔ خدا کے قہر و غضب کے اور زیادہ مستحق ہوں گے اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی۔ نہیں تو اللہ کافروں سے راضی نہیں۔

۲۰۹۔ صبر اور مجاہدہ کے بغیر جنت نہیں ملتی: یعنی جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر خدا تم کو پہنچانا چاہتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں جا پہنچیں گے اور خدا تمہارا امتحان لے کر یہ نہ دیکھے گا کہ تم میں کتنے خدا کی راہ میں لڑنے والے اور کتنے لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ ایسا خیال نہ کرنا۔ مقامات عالیہ پر وہ ہی لوگ فائز کئے جاتے ہیں جو خدا کے راستے میں ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ ہر مدعی کے واسطے دارور سن کہاں۔

۲۱۰۔ جو صحابہ بدر کی شرکت سے محروم رہ گئے تھے، شہداء بدر کے فضائل سن سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ خدا پھر کوئی موقع لائے جو ہم بھی خدا کی راہ میں مارے جائیں اور شہادت کے مراتب حاصل کریں۔ انہی حضرات نے احد میں یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے۔ ان کو فرمایا کہ جس چیز کی پہلے تمنا رکھتے تھے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آچکی اب آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنا کیا؟ حدیث میں ہے کہ لقاءِ عدو کی تمنا مت کرو اور جب ایسا موقع پیش آجائے تو ثابت قدم رہو۔

۱۳۴۔ اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے اٹلے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا اٹلے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو [۲۱۱]

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ  
الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى  
أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ  
اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۵۔ اور کوئی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر [۲۱۲] اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا دیویں گے ہم اس کو دنیا ہی سے [۲۱۳] اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا اس میں سے دیویں گے ہم اسکو [۲۱۴] اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو [۲۱۵]

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا  
مُؤَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَ  
مَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي  
الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۵﴾

۲۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر مسلمانوں سے خطاب: واقعہ یہ ہے کہ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس نقشہ جنگ قائم کیا۔ تمام صفوف درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی رہ گیا۔ جہاں سے اندیشہ تھا کہ دشمن لشکر اسلام کے عقب پر حملہ آور ہو جائے اس پر آپ نے پچاس تیر اندازوں کو جن کے سردار حضرت عبد اللہ بن جبیر تھے مامور فرما کر تاکید کر دی کہ ہم خواہ کسی حالت میں ہوں تم یہاں سے مت ٹلنا۔ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب، حتیٰ کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ان کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ وانا لن نزال غالبین ما ثبتتم مکانکم (بغوی) ہم برابر اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے الغرض فوج کو پوری

ہدایت دینے کے بعد جنگ شروع کی گئی۔ میدان کارزار گرم تھا، غازیان اسلام بڑھ بڑھ کر جوہر شجاعت دکھا رہے تھے ابودجانہ، علی مرتضیٰ اور دوسرے مجاہدین کی بسالت و بے جگری کے سامنے مشرکین قریش کی کمزریں ٹوٹ چکی تھیں۔ ان کو راہ فرار کے سوا اب کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ کفار کو شکست فاش ہوئی۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ ان کی عورتیں جو غیرت دلانے کو آئی تھیں پانچے چڑھا کر ادھر ادھر بھاگتی نظر آئیں۔ مجاہدین نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ منظر جب تیر اندازوں نے دیکھا تو سمجھے کہ اب فتح کامل ہو چکی دشمن بھاگ رہا ہے، یہاں بیکار ٹھہرنا کیا ضروری ہے چل کر دشمن کا تعاقب کریں اور غنیمت میں حصہ لیں۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ان کو یاد دلایا وہ سمجھے کہ آپ کے ارشاد کا اصلی منشا ہم پورا کر چکے ہیں۔ یہاں ٹھہرنے کی حاجت نہیں۔ یہ خیال کر کے سب غنیمت پر جا پڑے۔ صرف عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔ مشرکین کے سواروں کا رسالہ خالد بن الولید کے زیرِ کمان تھا (جو اس وقت تک حضرت خالدؓ نہیں بنے تھے) انہوں نے پلٹ کر درہ کی طرف سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیر انداز ڈھائی سو سواروں کی یلغار کو کہاں روک سکتے تھے، تاہم عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے رفقاء نے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ اور اسی میں جان دے دی۔ مسلمان مجاہدین اپنے عقب سے مطمئن تھے کہ ناگہاں مشرکین کا رسالہ ان کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج جو بھاگی جا رہی تھی، پیچھے پلٹ پڑی، مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور بہت زور کارن پڑا۔ کتنے ہی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی افراتفری میں ابن تمیہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم ﷺ پر پھینکا۔ جس سے دندان مبارک شہید اور چہرہ انور زخمی ہوا۔ ابن تمیہ نے چاہا کہ آپ کو قتل کرے، مگر مصعب بن عمیرؓ نے (جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا) مدافعت کی۔ نبی کریم ﷺ زخم کی شدت سے زمین پر گرے۔ کسی شیطان نے آواز لگادی کہ آپ ﷺ قتل کر دیئے گئے، یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہوش خطا ہو گئے اور پاؤں اکھڑ گئے بعض مسلمان ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ بعض ضعفاء کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان سے امن حاصل کر لیں۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ جب محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب میں واپس چلا جانا چاہئے اس وقت انس بن مالک کے چچا انس ابن النضر نے کہا کہ اگر محمد ﷺ مقتول ہو گئے تو رب محمد ﷺ تو مقتول نہیں ہوا حضور ﷺ کے بعد تمہارا زندہ رہنا کس کام کا ہے۔ جس چیز پر آپ ﷺ قتل ہوئے تم بھی اسی پر کٹ مرو اور جس چیز پر آپ ﷺ نے جان دی ہے۔ اسی پر تم بھی جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے، حملہ کیا، لڑے اور مارے گئے رضی اللہ عنہ۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ نے آواز دی اِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کے بندو ادھر آؤ میں خدا کا پیغمبر ہوں) کعب بن مالک آپ کو پہچان کر چلائے یا معشما المسلمین مسلمانو! بشارت حاصل کرو!! رسول اللہ ﷺ یہاں موجود ہیں آواز کا سننا تھا کہ مسلمان ادھر ہی سمنٹا شروع ہو گئے۔ تیس صحابہ نے آپ ﷺ کے قریب ہو کر مدافعت کی اور مشرکین کی فوج کو منتشر کر دیا۔ اس موقع پر سعد بن ابی وقاص طلحہ، ابو طلحہ، اور قتادہ بن النعمان وغیرہ نے بڑی جانبازیاں دکھلائیں آخر مشرکین میدان چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہوئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اَلْخٰلِقِیْنِ مُحَمَّدٌ ﷺ بھی آخر خدا تو نہیں۔ ایک رسول ہیں ان سے پہلے کتنے رسول گزر چکے جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان و مال فدا کر کے قائم رکھا۔ آپ کا اس دنیا سے گذرنا بھی کچھ اچنبھا نہیں۔ اس وقت نہ سہی۔ اگر کسی وقت آپ کی وفات ہو گئی یا شہید کر دیئے گئے۔ تو کیا تم دین کی خدمت و حفاظت کے راستہ سے اٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دو گے (جیسے اس وقت محض خبر قتل سن کر بہت سے لوگ حوصلہ چھوڑ کر بیٹھنے لگے تھے) یا منافقین کے مشورہ کے موافق العیاذ باللہ سرے سے دین کو خیر باد کہہ دو گے۔ تم سے ایسی امید ہر گز نہیں۔ اور کسی نے ایسا کیا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ خدا کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ وہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں بلکہ تم شکر کرو اگر اس نے اپنے دین کی خدمت میں لگا لیا۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہی کنم منت شناس ازو کہ بخد مت گذاشت

اور شکر یہی ہے کہ ہم بیش از بیش خدمت دین میں مضبوط و ثابت قدم ہوں۔ اس میں اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت کی وفات پر بعضے لوگ دین سے پھر جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے۔ صدیق اکبرؓ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعض مارے گئے۔

**ایک علمی تحقیق:** قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں غلت غلو سے مشتق ہے جس کے معنی ہو چکنے گزرنے اور چھوڑ کر چلے جانے کے ہیں۔ اس کے لئے موت لازم نہیں جیسے فرمایا: وَإِذَا لَقُّوْكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمْ الْأَنَامِلَ یعنی جب تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہوتے ہیں۔ نیز الرسل میں لام استغراق نہیں، لام جنس ہے۔ کیونکہ اثبات مدعا میں استغراق کو کوئی دخل نہیں بعینہ اسی قسم کا جملہ حضرت مسیحؑ کی نسبت فرمایا مَا النَّسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (المائدہ-۷۵) کیلام استغراق لیکر اس کے یہ معنی ہونگے کہ تمام پیغمبر مسیحؑ سے پہلے گذر چکے۔ کوئی ان کے بعد آنے والا نہ رہا۔ لام محالہ لام جنس لینا ہو گا۔ وہ ہی یہاں لیا جائے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کے مصحف اور ابن عباس کی قرأت میں الرسل نہیں رسل نکرہ ہے باقی غلو کی تفصیل میں صرف موت یا قتل کا ذکر اس لئے کیا کہ موت طبعی بہر حال آنے والی تھی اور قتل کی خبر اس وقت مشہور کی گئی تھی۔ اور چونکہ صورت موت کا وقوع میں آنا مقدر تھا اس لئے اس کو قتل پر مقدم کیا گیا۔ ابو بکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب صحابہ کے مجمع میں یہ پوری آیت الشُّكْرِىْنَ تک بلکہ آیت إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر-۳۰) بھی پڑھی تو لوگ قَدْ خَلَتْ اور أَفْأَلَيْكَ مَاتَ اور إِنَّكَ مَيِّتٌ سے غلو اور موت کے جواز و عدم استبعاد پر متنبہ ہو گئے۔ جو صدیق اکبرؓ کی غرض تھی۔ موت کے واقع ہو چکنے پر نہ صدیق اکبرؓ نے اس سے استدلال کیا نہ کسی اور نے سمجھا۔ اگر یہ الفاظ موت واقع ہو چکنے کی خبر دیتے تو چاہئے تھا کہ نزول آیت کے وقت یعنی وفات کے سات برس پہلے ہی سمجھ لیا جاتا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے۔ اس تقریر سے بعض محرفین کی سب تحریفات ہباء منشور ہو جاتی ہیں۔ بخوف تطویل ہم زیادہ بسط نہیں کر سکتے۔ اہل علم کے لئے اشارے کر دیے ہیں۔

**۲۱۲۔ موت کا وقت معین ہے:** جب کوئی شخص بدون حکم الہی کے نہیں مر سکتا خواہ کتنے ہی اسباب موت کے جمع ہوں اور ہر ایک کی موت وقت مقدر پر آنی ضرور ہے خواہ بیماری سے ہو یا قتل سے یا کسی اور سبب سے تو خدا پر توکل کرنے والوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کو سن کر مایوس و بددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے۔

**۲۱۳۔** یعنی اگر چاہیں کَمَا قَالِ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ (بنی اسرائیل-۱۱۸)

**۲۱۴۔** یعنی اس کو آخرت میں یقیناً بدلہ ملے گا۔ اس آیت کے پہلے جملہ میں ان لوگوں پر تعرض ہے جنہوں نے مال غنیمت کی طمع میں عدول حکمی کی۔ اور دوسرے میں ان کا ذکر ہے جو برابر فرمانبرداری پر ثابت قدم رہے۔

**۲۱۵۔** شدائد میں صبر کی تلقین: یعنی جو لوگ اس دین پر ثابت قدم رہیں گے ان کو دین بھی ملے گا اور دنیا بھی۔ لیکن جو کوئی اس نعمت کی قدر جانے (کذافی الموضح)

**۱۴۶۔** اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت  
خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ  
کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور  
اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے [۲۱۶]

مَا اسْتَكَانُوا ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۱۳۶﴾

۱۴۷۔ اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر [۲۱۴]

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ

انصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۸۔ پھر دیا اللہ نے ان کو ثواب دنیا کا اور خوب ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے [۲۱۸]

فَاتَهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنِ ثَوَابِ

الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْبِحْسَنِ ﴿۱۴۸﴾

۲۱۶۔ شدائد میں صبر کی تلقین: یعنی تم سے پہلے بہت اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی ہے۔ جس میں بہت تکلیفیں سختیاں اٹھائیں لیکن ان شدائد و مصائب سے نہ ان کے ارادوں میں سستی ہوئی نہ ہمت ہارے نہ کمزوری دکھائی۔ نہ دشمن کے سامنے دے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ثابت قدم رہنے والوں سے خاص محبت کرتا ہے۔ یہ ان مسلمانوں کو تشبیہ فرمائی اور غیرت دلائی جنہوں نے احد میں کمزوری دکھائی تھی حتیٰ کہ بعض نے یہ کہہ دیا تھا کہ کسی کوچے میں ڈال کر ابو سفیان سے امن حاصل کر لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی امتوں کے حق پرستوں نے مصائب و شدائد میں اس قدر صبر و استقلال کا ثبوت دیا تو اس امت کو (جو خیر الامم ہے) ان سے بڑھ کر صبر و استقامت کا ثبوت دینا چاہئے۔

۲۱۷۔ صابریں کی دعا: یعنی مصائب و شدائد کے جہوم میں نہ گھبراہٹ کی کوئی بات کہی نہ مقابلہ سے ہٹ جانے اور دشمن کی اطاعت قبول کرنے کا ایک لفظ زبان سے نکالا۔ بولے تو یہ بولے کہ خداوند! تو ہم سب کی تقصیرات اور زیادتیوں کو معاف فرمادے۔ ہمارے دلوں کو مضبوط و مستقل رکھ۔ تاہم اقدم جادہ حق سے نہ لڑکھڑائے اور ہم کو کافروں کے مقابلہ میں مدد پہنچاؤ سمجھے کہ بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو دخل ہوتا ہے۔ اور ہم میں کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی تقصیر نہ ہوئی ہوگی۔ بہر حال بجائے اس کے کہ مصیبت سے گھبرا کر مخلوق کی طرف جھکتے اپنے خالق و مالک کی طرف جھکے۔

۲۱۸۔ یعنی دنیا میں ان کی فتح و ظفر کا سکہ بٹھا دیا جاہت و قبول عطا کیا اور آخرت کا جو بہترین ثواب ملا اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے دیکھو جو لوگ خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھیں اور نیک کام کریں ان سے خدا ایسی محبت کرتا ہے اور ایسا پھل دیتا ہے۔

۱۴۹۔ اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے لٹے پاؤں پھر جا پڑو گے تم نقصان میں [۲۱۹]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا

يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِسَارِينَ ﴿۱۴۹﴾

۱۵۰۔ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے [۲۲۰]

بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّصِيرِينَ ﴿۱۵۰﴾

۲۱۹۔ کفار کے مشورہ پر عمل نہ کرو: یعنی جنگ احد میں مسلمانوں کے دل ٹوٹے تو کافروں اور منافقوں نے موقع پایا۔ بعض الزام اور طعنے دینے

لگے۔ بعض خیر خواہی کے پردہ میں سمجھانے لگے تا آئندہ لڑائی پر دلیری نہ کریں حق تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ دشمن کے فریب مت کھاؤ۔ اگر خدا نہ کر دے ان کے چکموں میں آؤ گے تو جس ظلمت سے خدا نے نکالا ہے پھر اٹھے پاؤں اسی میں جاگرو گے اور رفتہ رفتہ دین حق کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ جس کا نتیجہ دنیا و آخرت کے خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ پہلے اللہ والوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی تھی۔ یہاں بد باطن شریروں کا کہانے سے منع کیا تا مسلمان ہوشیار رہیں اور اپنا نفع نقصان سمجھ سکیں۔

۲۲۰۔ لہذا اسی کا کہنا ماننا چاہئے اور اسی کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہئے جس کی مدد پر خدا ہو اس کو کیا حاجت ہے کہ دشمنان خدا کی مدد کا منتظر رہے یا ان کے سامنے گردن اطاعت خم کرے۔ حدیث میں ہے کہ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے ہبل کی جے پکاری اور کہا لانا العزیٰ و لا عزیٰ لکم آپ ﷺ نے فرمایا جواب دو اللہ مولانا ولا مولیٰ کم۔

۱۵۱۔ اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ظالموں کا [۲۲۱]

سَنَلِقُوا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَأْوَهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾

۱۵۲۔ اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے انکو اسکے حکم سے [۲۲۲] یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی [۲۲۳] بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں چاہتا تھا آخرت [۲۲۴] پھر تم کو الٹ دیا ان پر سے تاکہ تم کو آزماوے [۲۲۵] اور وہ تو تم کو معاف کر چکا [۲۲۶] اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر [۲۲۷]

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا إِذْ تَحْسُونَهُمْ بِأَذْنِهِمْ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرْسَلْنَا مَا تُحِبُّونَ ۗ مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ ثُمَّ صَرَّفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۗ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ

اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥٢﴾

۲۲۱۔ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب: یعنی یہ تو تمہارا امتحان تھا۔ اب ہم کافروں کے دلوں میں ایسی ہیبت اور رعب ڈال دیں گے کہ وہ باوجود تمہارے زخمی اور کمزور ہونے اور نقصان اٹھانے کے تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ ابوسفیان اپنی فوج لے کر بے نیل و نزام میدان سے بھاگا۔ راستہ میں ایک مرتبہ خیال بھی آیا کہ ایک تھکی ماندی زخم خوردہ فوج کو ہم یوں ہی آزاد چھوڑ کر چلے آئے چلو پھر واپس ہو کر ان کا کام تمام کر دیں۔ مگر ہیبت حق اور رعب اسلام کے اثر سے ہمت نہ ہوئی کہ اس خیال کو عمل میں لاسکے۔ برخلاف اس کے مسلمان مجاہدین نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ اور اس کے بعد کبھی موقع نہ دیا کہ احد کے واقعات کا اعادہ ہو سکے۔ (تنبیہ)

مشرک خواہ کتنا ہی زور دکھلائے اس کا دل کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کمزور مخلوق کی عبادت کرتا ہے۔ بس جیسا معبود ویسے عابد صَعْفُ الطَّالِبِ وَ الْمَطْلُوبِ (الحج۔ ۷۳) اور ویسے بھی اصلی زور و قوت تو فی الحقیقت خدا کی تائید و امداد سے ہے جس سے کفار مشرکین یقیناً محروم ہیں اسی لئے جب تک مسلمان مسلمان رہے ہمیشہ کفار ان سے خائف و مرعوب رہے۔ بلکہ ہم آج تک مشاہدہ کرتے ہیں کہ باوجود مسلمانوں کے سخت انتشار و تشتت اور ضعف و تنزل کے دنیا کی تمام کافر طاقتیں اس سوئے ہوئے زخمی شیر سے ڈرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ فکر رکھتی ہیں کہ یہ قوم بیدار ہونے نہ پائے۔ علمی اور مذہبی مناظروں میں بھی اسلام کا یہ ہی رعب مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت سے دشمنوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے بیشک اسی کا اثر ہے جو امت مسلمہ کو ملا۔ فلله الحمد علی ذلک ولہ المننت۔

۲۲۲۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اگر صبر و استقلال سے کام لو گے، حق تعالیٰ تم کو غالب کرے گا۔ چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ ابتداءً جنگ میں سچا کر دکھایا، انہوں نے خدا کے حکم سے کفار کو مار مار کر ڈھیر کر دیا۔ سات یا نو آدمی جن کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا یکے بعد دیگرے دیا گیا تھا، سب وہیں کھیت ہوئے آخر بدحواس ہو کر بھاگے مسلمان فتح و کامرانی کا چہرہ صاف دیکھ رہے تھے اور اموال غنیمت ان کے سامنے پڑے تھے کہ تیر اندازوں کی غلطی سے خالد بن الولید نے فائدہ اٹھایا اور ایک بیک لڑائی کا نقشہ بدل دیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

۲۲۳۔ نافرمانی مسلمانوں کی کمزوری ہے: یعنی پیغمبر ﷺ نے جو حکم تیر اندازوں کو دیا تھا اس کے خلاف کیا اور آپس میں جھگڑنے لگے کوئی کہتا تھا کہ ہم کو یہیں جے رہنا چاہئے۔ اکثر نے کہا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں چل کر غنیمت حاصل کرنی چاہئے آخر اکثر تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ مشرکین نے اسی راستہ سے دفعۃً حملہ کر دیا۔ دوسری طرف حضور ﷺ کے قتل کی خبر مشہور ہو گئی۔ ان چیزوں نے قلوب میں کمزوری پیدا کر دی جس کا نتیجہ قتل و جبن کی صورت میں ظاہر ہوا۔ گویا قتل کا سبب تنازع اور تنازع کا سبب عصیان تھا۔

۲۲۴۔ یعنی بعضے لوگ دنیوی متاع (مال غنیمت) کی خوشی میں پھسل پڑے۔ جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے میں نے کبھی محسوس نہ کیا تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے۔

۲۲۵۔ یعنی یا تو وہ تمہارے سامنے سے بھاگ رہے تھے، اب تم ان کے آگے بھاگنے لگے۔ تمہاری غلطی اور کوتاہی سے معاملہ الٹا اور اس میں بھی تمہاری آزمائش تھی۔ تا پکے اور کچے صاف ظاہر ہو جائیں۔

۲۲۶۔ یعنی جو غلطی ہوئی تھی خدا تعالیٰ اسے بالکل معاف کر چکا۔ اب کسی کو جائز نہیں کہ ان پر اس حرکت کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے۔

۲۲۷۔ کہ ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے اور عتاب میں بھی لطف و شفقت کا پہلو ملحوظ رکھتا ہے۔

۱۵۳۔ جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے [۲۲۸] پھر پہنچا تم کو غم عوض میں غم کے تاکہ تم غم نہ کیا کرو اس پر جو ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر کہ جو کچھ پیش آ جاوے [۲۲۹] اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی [۲۳۰]

اِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونِ عَلَىٰ أَحَدٍ وَ الرَّسُولُ  
يَدْعُوكُمْ فِيْ اٰخْرَاكُمْ فَاثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمِّ لِكَيْلَا  
تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا اَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ  
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

۱۶۵۳۔ پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو جو اونگھ تھی کہ

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلٰیكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اٰمَنَةً نُّعَاسًا

يَعْشَىٰ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ ۖ وَ طَائِفَةٌ قَدْ أَهْتَتُمْ  
 أَنفُسَهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ط  
 يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ  
 الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ  
 لَكَ ۗ يَقُولُونَ لَوْ كَان لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا  
 هُنَا ۗ قُلْ لَّو كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ  
 عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۗ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا  
 فِي صُدُورِكُمْ ۗ وَيُخَصِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ  
 عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٣﴾

ڈھانک لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے [۲۳۱] اور  
 بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا [۲۳۲] خیال کرتے تھے  
 اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے [۲۳۳] کہتے تھے کچھ بھی  
 کام ہے ہمارے ہاتھ میں [۲۳۴] تو کہہ سب کام ہے اللہ کے  
 ہاتھ [۲۳۵] وہ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر  
 نہیں کرتے کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم  
 مارے نہ جاتے اس جگہ [۲۳۶] تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے  
 گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے بڑاؤ  
 پر [۲۳۷] اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور  
 صاف کرنا تھا اس کا جو تمہارے دل میں ہے اور اللہ جانتا  
 ہے دلوں کے بھید [۲۳۸]

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعِ  
 إِنَّا اسْتَزَلَّمَهُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۗ وَ  
 لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾

۲۲۸۔ غزوہ احد میں عارضی شکست کے اسباب: یعنی تم بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں کو چڑھے چلے جا رہے تھے اور گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر  
 بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اس وقت خدا کا پیغمبر بدستور اپنی جگہ کھڑا ہوا تم کو اس قبیح حرکت سے روکتا تھا۔ اور اپنی طرف بلا رہا تھا۔ مگر تم تشویش  
 و اضطراب میں آواز کہاں سننے والے تھے، آخر جب کعب بن مالک چلائے تب لوگوں نے سنا اور واپس آ کر اپنے نبی کے گرد جمع ہو گئے۔

۲۲۹۔ یعنی تم نے رسول کا دل تنگ کیا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی۔ غم کا بدلہ غم ملا۔ تا آگے کو یاد رکھو کہ ہر حالت میں رسول کے حکم پر چلنا  
 چاہئے۔ خواہ کوئی نفع کی چیز مثلاً غنیمت وغیرہ ہاتھ سے جائے، یا کچھ بلا سامنے آئے۔ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے فَأَثَابَكُمْ عَنَّا بِعَمِّ کے معنی یوں  
 کئے ہیں کہ خدا نے تم کو غم پر غم دیا۔ یعنی ایک غم تو ابتدائی فتح و کامیابی کے فوت ہونے کا تھا، دوسرا اپنے آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی



ہونے اور نبی کریم ﷺ کی خبر شہادت مشہور ہونے سے پہنچا، بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ فتح و کامرانی کے فوت ہونے، غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے، اور نقصان جانی و بدنی اٹھانے کا جو غم تھا، اس کے عوض میں ایک ایسا بڑا غم دے دیا گیا۔ جس نے پہلے سب غموں کو بھلا دیا۔ نبی کریم ﷺ کے مقتول ہونے کی افواہ، اسی غم کی شدت میں آگے پیچھے کا کچھ ہوش نہ رہا حتیٰ کہ حضور ﷺ کی آواز بھی نہ سنی جیسا کہ ایک طرف ہمہ تن ملتفت ہونے کے وقت دوسری طرف سے ذہول و غفلت پیش آ جاتی ہے۔

۲۳۰۔ یعنی تمہارے احوال و نیتوں کو جانتا ہے اور اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔

۲۳۱۔ احد میں صحابہ پر اونگھ کا طاری ہونا: یعنی اس جنگ میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے، اور جن کو لٹنا تھا لٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر حق تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی لوگ کھڑے کھڑے او نگھنے لگے حضرت طلحہؓ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار چھوٹ کر زمین پر گری۔ یہ ایک حسی اثر اس باطنی سکون و اطمینان کا تھا جو ایسے ہنگامہ رستخیز میں مومنین کے قلوب پر محض خدا کے فضل و رحمت سے وارد ہوا اس کے بعد دشمن کا خوف و ہراس سب کا فور ہو گیا۔ یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب لشکر مجاہدین میں نظم و ضبط قائم نہ رہا تھا۔ بیسیوں لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں۔ سپاہی زخموں سے چور چور ہو رہے تھے۔ حضور ﷺ کے قتل کی افواہ نے رہے سہے ہوش و حواس کھو دیے تھے، گویا یہ سونا بیدار ہونے کا پیام تھا۔ غنودگی طاری کر کے ان کی ساری تھکن دور کر دی گئی اور متنبہ فرما دیا کہ خوف و ہراس اور تشویش و اضطراب کا وقت جا چکا۔ اب مامون و مطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو۔ فوراً صحابہ نے حضور ﷺ کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مطلع صاف تھا۔ دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا۔ (تنبیہ) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ عین لڑائی کے موقع پر نعاں (اونگھ کا طاری ہونا اللہ کی طرف سے) (فتح و ظفر کی علامت ہے) حضرت علیؓ کی فوج کو صفین میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

۲۳۲۔ منافقین پر اونگھ کے بجائے جانوں کا خوف: یہ بزدل اور ڈرپوک منافقین ہیں جن کو نہ اسلام کی فکر تھی، نہ نبی کریم ﷺ کی، محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہو گا۔ اس خوف و فکر میں اونگھ یا نیند کہاں؟

۲۳۳۔ منافقین کے طعن: یعنی وہ اللہ کے وعدے کہاں گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ ختم ہوا۔ اب پیغمبر اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں۔ سب یہیں کام آئیں گے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا بَلَّغْنَاكَ لِمَّا يَبْتَغُونَكَ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَ النَّبِيُّ مُؤْمِنًا إِلَىٰ آلِهِمْ أَبَدًا (فتح-۱۱۲)

۲۳۴۔ یعنی کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا۔ یا یہ کہ ہم محمد ﷺ کا ساتھ دینے والوں کے ہاتھ میں کچھ بھی فتح و ظفر آئی۔ یا یہ معنی کہ اللہ نے جو چاہا سو کیا۔ ہمارا کیا کسی کا کیا اختیار؟ یہ تو الفاظ کے ظاہری معنی تھے، لیکن جو دل میں نیت تھی وہ آگے آتی ہے۔

۲۳۵۔ یعنی منافقین کا یہ قول هَلَّا لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ “کلمة حق ایدید بھا الباطل” ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہے بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام۔ ایک ہی واقعہ کو ایک قوم کے حق میں رحمت اور دوسری کے لئے نعمت بنا دے۔ سب اس کے قبضہ میں ہے۔ مگر تم اس قول سے اپنے دل میں جو معنی لے رہے ہو خدا تمہارے دل کے چور سے واقف ہے جسے آگے بیان کیا جائے گا۔

۲۳۶۔ اصل چور دل کا یہ تھا هَلَّا لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ کہہ کر دل میں یہ مطلب لیتے تھے اور پکے مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں بھی کہتے ہو گئے کہ میاں شروع میں ہماری رائے نہ مانی۔ چند جو شیلے نا تجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے چلے گئے۔ آخر منہ کی کھائی اگر کچھ ہمارے اختیار میں ہوتا اور ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان کیوں اٹھانا پڑتا۔ ہماری برادری کے اتنے آدمی مارے گئے، یہ کیوں مارے جاتے (اکثر منافقین نسبتاً انصار مدینہ کی برادری میں شامل تھے، اس لئے مَا فُتِنْنَا لَهْمًا مِّنْ اَن كَمَا رَا جَانَا كَمَا) یا یہ مطلب ہے کہ اگر محمد ﷺ کے کہنے کے موافق فتح و ظفر اور غلبہ مسلمانوں کے لئے ہوتا تو یہ قتل و جرح کی مصیبت ہم پر کیوں ٹوٹی۔ (تنبیہ)

بظاہر یہ باتیں منافقین نے مدینہ میں کہیں۔ کیونکہ عبداللہ بن ابی جنگ شروع ہونے سے پیشتر اپنی جمعیت کو ساتھ لے کر واپس ہو گیا تھا۔ اس صورت میں ہینا کا اشارہ قرب کی وجہ سے احد کی طرف ہو گا۔ لیکن بعض روایات سے ایک منافق معتب بن قثیر کا میدان جنگ میں یہ کلمات کہنا ثابت ہوتا ہے۔ تو شاید بعض منافقین عبداللہ بن ابی کے ہمراہ کسی مصلحت سے واپس نہ ہوئے ہونگے۔ واللہ اعلم۔

۲۳۷۔ یعنی اس طعن و تشنیع یا حسرت و افسوس سے کچھ حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی جو اجل، موت کی جگہ، سبب اور وقت لکھ دیا ہے کبھی ٹل نہیں سکتا۔ اگر تم گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری ہی رائے سنی جاتی تب بھی جن کی قسمت میں احد کے قریب جس جس پڑا وہ پورا مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ضرور ادھر نکلتے اور وہیں مارے جاتے یہ خدا کا انعام ہے کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے، مگر اللہ کے راستے میں خوشی کے ساتھ بہادریوں کی موت شہید ہوئے۔ پھر اس پر پچھتاتے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے مردان خدا کو اپنے پر قیاس مت کرو۔

۲۳۸۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو دلوں کے پوشیدہ بھید جانتا ہے، اس سے کسی کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ مقصود یہ تھا کہ تم سب کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے۔ تا جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل پڑے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہو جائے۔ مخلصین کا میاں کا صلہ پائیں اور ان کے قلوب آئندہ کے لئے وسوس اور کمزوریوں سے پاک و صاف ہوں۔ منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور لوگ صاف طور پر ان کے خبث باطن کو سمجھنے لگیں۔

۲۳۹۔ مخلصین سے بھی بعض اوقات کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق بڑھتی ہے ایک گناہ کی نحوست سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ دوسری غلطیوں اور لغزشوں کی طرف آمادہ کرے۔ جنگ احد میں بھی جو مخلص مسلمان ہٹ گئے تھے، کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر ان کا قدم ڈمگا دیا۔ چنانچہ ایک گناہ تو یہ ہی تھا کہ تیر اندازوں کی بڑی تعداد نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی پابندی نہ کی مگر خدا کا فضل دیکھو کہ اس کی سزائیں کوئی تباہ کن شکست نہیں دی بلکہ ان حضرات پر اب کوئی گناہ بھی نہیں رہا، حق تعالیٰ کلیۃً ان کی تقصیر معاف فرما چکا ہے، کسی کو طعن و ملامت کا حق نہیں۔

۱۵۶۔ اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے [۲۳۰] اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو [۲۳۱] جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے افسوس ان کے دلوں میں [۲۳۲] اور اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے [۲۳۳] اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا ہے [۲۳۴]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَ

قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا

غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا

لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ

يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

۱۵۷۔ اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے [۲۳۵] تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اسکی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں

وَلَيْنِ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتْتُمْ لَبَغْفَةٌ

مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْعَلُونَ ﴿١٥٧﴾

وَلَيْنَ مِّمَّكُمْ أَوْ قَاتِلْتُمْ لِآلِي اللَّهِ تَحْشُرُونَ ﴿١٥٨﴾

۱۵۸۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کے آگے اکٹھے ہو گے تم سب [۲۴۲]

۲۴۰۔ یعنی تم ان کافر منافقوں کی طرح ایسے لغو خیالات کو زہار دل میں جگہ نہ دینا کہ گھر میں بیٹھے رہتے تو نہ موت آتی نہ مارے جاتے۔

۲۴۱۔ چونکہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے اس لئے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہا، یا اس لئے کہ نسبی طور پر وہ اور انصار مدینہ برادری کے بھائی بند تھے۔ اور چونکہ یہ بات خیر خواہی و ہمدردی کے پیرایہ میں کہتے تھے اس لئے لفظ اخوان سے تعبیر کیا گیا۔

۲۴۲۔ منافقین کی حسرت: یعنی خواہ مخواہ باہر نکل کر مرے، ہمارے پاس اپنے گھر پڑے رہتے تو کیوں مرتے یا کیوں مارے جاتے، یہ کہنا اس غرض سے تھا کہ سننے والے مسلمانوں کے دل میں حسرت و افسوس پیدا ہو کہ واقعی بے سوچے سمجھے نکل کھڑے ہونے اور لڑائی کی آگ میں کود پڑنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ گھر رہتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔ مگر مسلمان ایسے کچے نہ تھے جو ان چکموں میں آجاتے، ان باتوں سے الٹا منافقین کا بھرم کھل گیا۔ بعض مفسرین نے لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكُمْ حَسَةً فِي قُلُوبِهِمْ میں لام عاقبت لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ منافقین کے زبان اور دل پر یہ باتیں اس لئے جاری کی گئیں کہ خدا ان کو ہمیشہ اسی حسرت و افسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے۔ اور دوسری حسرت ان کو یہ رہے کہ مسلمان ہماری طرح نہ ہوئے اور ہماری باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا، گویا اس طرح لیجعل کا تعلق لا یتلونا سے بھی ہو سکتا ہے۔

۲۴۳۔ صحابہ کرام کو اصولی نصیحت: یعنی مارنا جلانا اللہ کا کام ہے۔ بہتیرے آدمی عمر بھر سفر کرتے لڑائیوں میں جاتے ہیں مگر موت گھر میں بستر پر آتی ہے اور کتنے ہی آدمی گھر کے کونے میں پڑے رہنے کے خوگر ہیں، لیکن اخیر میں خدا کوئی سبب کھڑا کر دیتا ہے کہ وہ باہر نکلیں اور وہیں مریں یا مارے جائیں۔ بندہ کی روک تھام سے یہ چیز ٹلنے اور بدلنے والی نہیں۔ حضرت خالد بن الولیدؓ نے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں، مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح (گھر میں) مر رہا ہوں فلا نامنت اعین الجبناء (خدا کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں)

۲۴۴۔ کہ منافقین و کفار کس راستہ پر جا رہے ہیں اور مسلمان کہاں تک ان کے تشبہ اور پیروی سے علیحدہ رہتے ہیں۔ ہر ایک کو اس کی حالت کے مناسب بدلہ دے گا۔

۲۴۵۔ یعنی اسی کی راہ میں۔

۲۴۶۔ یعنی فرض کرو تم سفر یا جہاد میں نہ نکلے اور فی الحال موت سے بچ گئے مگر ضروری ہے کہ کبھی نہ کبھی مرو گے یا مارے جاؤ گے، پھر بہر حال خدا کے سامنے سب کو جمع ہونا ہے۔ اس وقت پتہ چل جائے گا کہ جو خوش قسمت اللہ کی راہ میں نیک کام کرتے ہوئے مرے یا مارے گئے تھے ان کو خدا تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے کیسا وافر حصہ ملا، جس کے سامنے تمہاری دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت و ثروت سب بچ ہے الاصل اگر منافقین ہی کا قول تسلیم کر لیا جائے کہ گھر سے نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے، تب بھی سراسر خسارہ تھا۔ کیونکہ اس صورت میں اس موت سے محروم رہ جاتے جس پر ایسی ایسی لاکھوں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ بلکہ جو حقیقت میں موت نہیں حیات ابدی ہے فنا فی اللہ کی تہ میں بقاء کا راز مضمر ہے۔ جو جینا ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

۱۵۹۔ سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا

عَلِيظًا لَّفُتْنَا مِن حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ

مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے [۲۳۷]

عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

۲۳۷۔ تجھ جیسا نرم خوبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اللہ کی رحمت سے ملا: مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں پر متنبہ فرمانے اور معافی کا اعلان سنانے کے بعد نصیحت کی تھی کہ آئندہ اس مار آستین جماعت کی باتوں سے فریب مت کھانا۔ اس آیت میں ان کے عفو تقصیر کی تکمیل کی گئی ہے۔ چونکہ جنگ احد میں سخت خوفناک غلطی اور زبردست کوتاہی مسلمانوں سے ہوئی تھی، شاید آپ کا دل خفا ہو گا اور چاہا ہو گا کہ آئندہ ان سے مشورہ لے کر کام نہ کیا جائے، اس لئے حق تعالیٰ نے نہایت عجیب و غریب پیرایہ میں ان کی سفارش کی اول اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر دیا کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ آپ کا غصہ اور رنج خالص اپنے پروردگار کے لئے ہوتا ہے، پھر فرمایا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُم یعنی اللہ کی کنتی بڑی رحمت آپ پر اور ان پر ہے کہ آپ کو اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو بنا دیا۔ کوئی اور ہوتا تو خدا جانے ایسے سخت معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرتا، یہ کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ تجھ جیسا شفیق و نرم دل پیغمبران کو مل گیا، فرض کیجئے اگر خدا نہ کر دے آپ کا دل سخت ہوتا اور مزاج میں شدت ہوتی تو یہ قوم آپ کے گرد کہاں جمع رہ سکتی تھی، ان سے کوئی غلطی ہوتی اور آپ سخت پکڑتے تو شرم و دہشت کے مارے پاس بھی نہ آسکتے، اس طرح یہ لوگ بڑی خیر و سعادت سے محروم رہ جاتے اور جمعیت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو نرم دل اور نرم خو بنایا۔ آپ اصلاح کے ساتھ ان کی کوتاہیوں سے اغماض کرتے رہتے ہیں۔ سو کوتاہی بھی جہاں تک آپ کے حقوق کا تعلق ہے معاف کر دیجئے اور گو خدا اپنا حق معاف کر چکا ہے تاہم ان کی مزید دلجوئی اور تطہیب خاطر کے لئے ہم سے بھی ان کے لئے معافی طلب کریں، تاہم شکستہ دل آپ کی خوشنودی اور انبساط محسوس کر کے بالکل مطمئن و منشرح ہو جائیں۔

صحابہ کرام سے مشاورت کا حکم: اور صرف معاف کر دینا ہی نہیں، آئندہ بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں، مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لیا جائے، پھر خدا پر توکل کر کے اس کو بلا پس و پیش کر گزریئے۔ خدا تعالیٰ متوکلین کو پسند کرتا اور ان کے کام بنا دیتا ہے (تنبیہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا عزم کیا ہے؟ فرمایا مشاورۃ اہل الرائے ثم اتباعہم (ابن کثیر) اور مجمع الزوائد میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے یا رسول اللہ جو بات ہم کتاب و سنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ استعمال کریں؟ فرمایا فقہاء عابدین (سمجھ دار خدا پرستوں) سے مشورہ کرو ولا تمضوا فیہ رای خاصہ (اور کسی کے دو کے کی رائے مت جاری کرو)

۱۶۰۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے گا اور اگر مدد نہ کرے تمہاری تو پھر ایسا کون ہے جو مدد کر سکے تمہاری اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے مسلمانوں کو [۲۳۸]

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَايِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَبَنَازِلٍ الَّتِي يَنْصُرْكُمْ مِنْ بَعْدِهَا وَعَلَى اللَّهِ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

۱۶۱۔ اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپا دے گا وہ لائے گا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے پھر پورا پاوے گا ہر کوئی جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا [۲۳۹]

وَمَا كَانَ نَبِيٌّ أَنْ يَعْلَ ط وَمَنْ يَعْلُ يَاتِ بِمَا  
عَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوْفِي كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ  
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾

۱۶۲۔ کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اسکے جس نے کمایا غصہ اللہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پہنچا [۲۴۰]

أَفَبِنِ اتَّبَعَ رِضْوَانِ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ مَنِ  
اللَّهِ وَمَا أُوهُ جَهَنَّمَ ط وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ﴿١٦٢﴾

۱۶۳۔ لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں [۲۴۱]

هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا  
يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾

۱۶۴۔ اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا [۲۴۲] پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے انکو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھاتا ہے انکو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے [۲۴۳]

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ  
رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ  
يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا  
مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾

۱۶۵۔ کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دوچند تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی [۲۴۴] تو کہہ دے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی طرف سے [۲۴۵] بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

أَوَلَمْ آتَاكُمْ مِّصِيبَةٌ ۚ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا ۚ  
قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا ۚ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۚ إِنَّ  
اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

۱۶۶۔ اور جو کچھ تم کو پیش آیا اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَ  
لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾

۱۶۷۔ اور تاکہ معلوم کرے ان کو جو منافق تھے [۲۵۶] اور کہا گیا ان کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو [۲۵۷] بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں [۲۵۸] وہ لوگ اس دن کفر کے قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے [۲۵۹] کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں [۲۶۰]

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۖ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا ۗ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعُنْكُمُ ۗ هُمْ يَلْكَفِرُ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيْمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾

۱۶۸۔ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے [۲۶۱] تو کہہ دے اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو [۲۶۲]

الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَعُوا عَنِ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

۱۶۹۔ اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾

۱۷۰۔ خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں انکی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈرے ان پر اور نہ انکو غم

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَ يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۗ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾

۱۷۱۔ خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی [۲۶۳]

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

۲۴۸۔ اللہ پر بھروسہ نیت سے بڑی طاقت ہے: پہلے آپ کو فرمایا تھا بھروسہ کر اللہ پر یہاں بتلایا کہ بھروسہ کے لائق ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو سب سے زبردست اور غالب ہو سب مسلمانوں کو اس کی امداد پر توکل کرنا چاہیے۔ گویا مسلمانوں کی تقصیر خود معاف کرنے اور اپنے پیغمبر سے معاف کر دینے کے بعد ان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ کسی کے کہنے سننے میں نہ آئیں، خالص خدا پر بھروسہ رکھیں اس کی مدد ہوگی تو کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آسکتی۔ جیسے بدر میں دیکھ چکے اور کسی مصلحت سے وہ مدد نہ کرے تو پھر کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ احد میں تجربہ ہو گیا۔

۲۴۹۔ نبی خیانت نہیں کر سکتا: اس سے غرض یا تو مسلمانوں کی پوری طرح خاطر جمع کرنا ہے تا یہ وسوسہ نہ لائیں کہ شاید حضرت نے ہم کو بظاہر معاف کر دیا اور دل میں خفا ہے پھر کبھی خفگی نکالیں گے؟ یہ کام نبیوں کا نہیں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ یا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ حضرت کی عظمت اور عصمت و امانت کو پوری طرح مستحضر رکھیں، آپ کی نسبت کبھی کوئی لغو اور بہودہ خیال نہ لائیں۔ مثلاً یہ گمان نہ کریں کہ غنیمت کا کچھ مال چھپا رکھیں گے؟ (العیاذ باللہ) شاید یہ اس واسطے فرمایا کہ وہ تیر انداز غنیمت کے لئے مورچہ چھوڑ کر دوڑے تھے، کیا حضرت ان کو حصہ نہ دیتے؟ یا بعضی چیزیں چھپا رکھتے؟ اور بعض روایات میں ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک چیز (چادر یا تلوار) غنیمت میں سے گم ہو گئی تھی، کسی نے کہا شاید حضرت نے اپنے واسطے رکھی ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، بہر حال مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر حضور ﷺ اپنی نرم خوئی اور خوش خلقی سے تمہاری غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تو تم کو حضور ﷺ کی عظمت شان اور عصمت و نزاہت کا بہت زیادہ پاس رکھنا چاہئے، کسی قسم کا کمزور اور رکیک خیال مومنین کے پاس نہ آنے پائے، دوسری طرف چونکہ آپ کی شفقت و نرم دلی یاد دلا کر جنگ احد کے متعلق مسلمانوں کی کوتاہی کو معاف کرایا جا رہا تھا، اسی ذیل میں ایک دوسری کوتاہی بھی یاد دلا دی جو بدر سے متعلق تھی آپ اپنی نرم خوئی سے اس پر بھی کچھ دھیان نہ کریں۔ (تنبیہ) غلول کے اصلی معنی غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں۔ لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات محض ایک چیز کے چھپالینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے ابن مسعود نے فرمایا غُلُوًا مَصَاحِفُكُمْ۔

۲۵۰۔ یعنی جو پیغمبر ہر حال میں خدا کی مرضی کا تابع بلکہ دوسروں کو بھی اس کی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے، کیا ان لوگوں کے ایسے کام کر سکتا ہے جو خدا کے غضب کے نیچے اور دوزخ کے مستحق ہیں؟ ممکن نہیں۔

۲۵۱۔ یعنی نبی اور سب خلقت برابر نہیں، طمع وغیرہ کے پست اور ذلیل کام نبیوں سے نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ سب کو جانتا ہے کہ کون کس درجہ کا ہے اور سب کے کام دیکھتا ہے کیا وہ ایسی پست طبیعت والوں کو منصب نبوت پر سرفراز فرمائے گا؟ العیاذ باللہ۔

۲۵۲۔ رسول اللہ کی بعثت اللہ کا احسان ہے: یعنی انہی کی جنس اور قوم کا ایک آدمی رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس بیٹھنا بات چیت کرنا، زبان سمجھنا اور ہر قسم کے انوار و برکات کا استفادہ کرنا آسان ہے، اس کے احوال، اخلاق سوانح زندگی، امانت و دیانت خدا ترسی اور پاکبازی سے وہ خوب طرح واقف ہیں۔ اپنی ہی قوم اور کنبے کے آدمی سے جب معجزات ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں تو یقین لانے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ فرض کرو کوئی جن یا فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا تو معجزات دیکھ کر یہ خیال کر لینا ممکن تھا کہ چونکہ جنس بشر سے جدا گانہ مخلوق ہے شاید یہ خوارق اس کی خاص صورت نوعیہ اور طبیعت ملکیہ و جنیہ کا نتیجہ ہوں، ہمارا اس سے عاجز رہ جانا دلیل نبوت نہیں بن سکتا بہر حال مومنین کو خدا کا احسان ماننا چاہیے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا جس سے بے تکلف فیض حاصل کر سکتے ہیں اور وہ باوجود معزز ترین اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے ان ہی کے مجمع میں نہایت نرم خوئی اور ملاطفت کے ساتھ گھلامار ہتا ہے ﷺ۔

۲۵۳۔ بعثت رسول کے بنیادی مقاصد: اس مضمون کی آیت سورہ بقرہ میں دو جگہ گزر چکی ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی چار شانیں بیان کی گئیں۔

۱۔ تلاوت آیات: (اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا) جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔

۲۔ تزکیہ نفوس: (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صقیل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے، حضور کی صحبت اور قلبی توجہ و تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی۔

۳۔ تعلیم کتاب: (کتاب اللہ کی مراد بتلانا) اس کی ضرورت خاص خاص مواقع میں پیش آتی تھی۔ مثلاً ایک لفظ کے کچھ معنی عام تباور اور محاورہ کے لحاظ سے سمجھ کر صحابہ کو کوئی اشکال پیش آیا، اس وقت آپ کتاب اللہ کی اصلی مراد جو قرآن مقام سے متعین ہوتی تھی بیان فرما کر شبہات کا ازالہ فرمادیتے تھے، جیسے اَلَّذِينَ آمَنُوا وَكَمْ يَلْبِسُوا إِلَيْنَا لَحْمًا مِنْ غَيْرِهِمْ (الانعام۔ ۸۲) الخ اور دوسرے مقامات میں ہوا۔

۴۔ تعلیم حکمت: (حکمت کی گہری باتیں سکھلانا) اور قرآن کریم کے غامض اسرار و لطائف اور شریعت کی دقیق و عمیق علل پر مطلع کرنا خواہ تصریحاً یا اشارہً۔

آپ نے خدا کی توفیق و اعانت سے علم و عمل کے ان اعلیٰ مراتب پر اس در ماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چند روزہ تعلیم و صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی۔ لہذا انہیں چاہیے کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر پہچانیں۔ اور کبھی بھولے سے ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ کا دل متالم ہو۔

۲۵۴۔ احد کی تکلیف پر مسلمانوں کے شکوے کا جواب: پہلے سے احد کا قصہ چلا آتا تھا، درمیان میں جو کوتاہی ہوئی تھی اس کے عفو کا ذکر ہوا اور اسی کی مناسبت سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق و حقوق یاد دلائے گئے۔ اب پھر احد کے قصہ کی طرف عود کیا جاتا ہے یعنی جنگ احد میں جو تکلیف اور نقصان اٹھانا پڑا کیا اس پر تم تعجب سے کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں آگئی، ہم تو مسلمان مجاہد تھے جو خدا کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے تھے۔ خدا تعالیٰ پیغمبر کی زبانی نصرت و امداد کا وعدہ فرما چکا تھا۔ پھر یہ مصیبت ہم پر کیونکر اور کدھر سے نازل ہوئی۔ ایسا کہتے وقت سوچنا چاہئے کہ جس قدر تکلیف تم کو پہنچی اس سے دو چند تکلیف ان کو تم سے پہنچ چکی ہے۔ احد میں تمہارے تقریباً ستر آدمی شہید ہوئے بدر میں ان کے ستر مارے جا چکے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا چاہتے تو قتل کر ڈالتے۔ پھر احد میں بھی ابتداءً ان کے بیس سے زائد قتل ہو چکے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے تم کو ہزیمت ہوئی تو بدر میں ان کو تباہ کن ہزیمت مل چکی اور احد میں بھی جب تم جم کر لڑے وہ منہزم ہوئے۔ پھر آخر میں میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسی صورت میں انصافاً تم کو اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے اور زیادہ بدل ہونے کا موقع نہیں۔

۲۵۵۔ اگر غور کرو تو تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو۔ تم نے جوش میں آ کر پیغمبر کی اور بہت سے تجربہ کاروں کی رائے قبول نہ کی اپنی پسند اور اختیار سے مدینہ کے باہر محاذ جنگ قائم کیا۔ پھر باوجود نہی شدید تیر اندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ کر مرکز خالی کر دیا۔ اور ایک سال پہلے جب اُساری بدر کے متعلق تم کو اختیار دیا گیا تھا کہ یا انہیں قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو اس شرط پر کہ آئندہ اتنے ہی آدمی تم سے لئے جائیں گے تو تم نے فدیہ کی صورت اختیار کی اور شرط کو قبول کر لیا، اب وہ ہی شرط پوری کرائی گئی تو تعجب و انکار کا کیا موقع ہے یہ چیز تو خود اپنی طرف سے تم قبول کر چکے تھے (اُساری بدر کا پورا قصہ سورہ انفال میں آئے گا)

۲۵۶۔ احد میں عارضی شکست کی حکمت: جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کر دے۔ مغلوب کرنا اس لئے نہیں کہ وہ اس وقت غالب کرنے پر قادر نہ تھا، بلکہ اس لئے ہے کہ تمہارے کسب و اختیار سے صورت حال ایسی پیدا ہو گئی کہ کلی غلبہ عطا کرنے میں مصلحت نہ تھی بہر حال جو کچھ ہو اس کے حکم و مشیت سے ہوا جس کا سبب تم تھے اور حکمت یہ تھی ایک طرف ہر مومن مخلص کے ایمان و اخلاص کا اور



دوسری جانب ہر منافق کے نفاق کا درجہ ظاہر ہو جائے، کھرے کھوٹے اور کچے پکے میں کسی کو کچھ التباس نہ رہے۔

۲۵۷۔ احد میں منافقین کی علیحدگی کا بیان: جنگ شروع ہونے سے پہلے جب رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا اس وقت کہا گیا تھا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو، آؤ اگر دعویٰ اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو۔ ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے میں حصہ لو یعنی مجمع میں شریک رہو تاکہ کثرت تعداد کا اثر دشمن پر پڑے یا یہ کہ خدا کی راہ میں دین کی خاطر نہیں لڑتے تو حمیت و طنی و قوی یا اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو۔ کیونکہ دشمن اگر کامیاب ہو تو انتقام لینے میں مومنین و منافقین کی تمیز نہ کرے گا۔ عام مسلمانوں کی طرح تم بھی نقصان اٹھاؤ گے، غرض ان پر ہر طرح ان کے مذاق کے موافق اتمام حجت کیا گیا۔ تا جو کچھ دلوں میں ہے علانیہ ظاہر ہو جائے۔

۲۵۸۔ یعنی لڑائی ہوتی نظر نہیں آتی خوا مخواہ کا ڈھونگ ہے اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی ہونے والی ہے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے جب لڑائی دیکھیں گے شامل ہو جائیں گے یا یہ مطلب تھا کہ کوئی ڈھنگ کا مقابلہ ہوتا تو ہم ساتھ رہتے۔ بھلا یہ کوئی مقابلہ ہے کہ ایک طرف تین ہزار کا لشکر اور دوسری طرف صرف ایک ہزار بے سروسامان آدمی یہ لڑائی کیا ہے محض اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا لو نعمم قتالا سے یہ ظاہر کرتے تھے کہ صاحب! ہم فنون جنگ اور لڑائی کے قاعدوں سے واقف ہوتے تو آپ کے ساتھ رہتے۔ گویا دل میں طعن دیا کہ ہمارے مشورہ پر چلے نہیں اوروں کی رائے پر عمل کیا۔ تو ہم کو لڑائی کے قاعدوں سے ناواقف سمجھے اور آپ واقف بنے، پھر ہمیں ساتھ کیوں لیتے ہو۔ بہر حال جھوٹے حیلے حوالے کر کے چلے گئے۔

۲۵۹۔ منافقین دل سے کافر اور زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اسی زبانی اسلام کی بناء پر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے تھے اس روز عین موقع پر پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے جانے اور جھوٹے حیلے تراشنے سے اچھی طرح نفاق کی قلعی کھل گئی۔ اب ظاہر میں بھی بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہو گئے اور اپنے فعل سے مسلمانوں کو نقصان اور کافروں کو تقویت پہنچائی۔

۲۶۰۔ یعنی زبان سے لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعُنَا کہتے ہیں اور جو دل میں ہے صاف نہیں کہتے۔ دل میں یہ تھا کہ اچھا ہے مسلمان مغلوب و ذلیل ہوں اور ہم خوشی سے بگلیں بجائیں۔

۲۶۱۔ یعنی خود نامرد بن کر بیٹھ رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں (انصار مدینہ) کو کہتے ہیں کہ ہماری بات مان کر گھر میں بیٹھے رہتے تو مارے نہ جاتے۔

۲۶۲۔ یعنی اگر گھر میں بیٹھ رہنے سے جان بچ سکتی ہے تو دیکھیں موت کو گھر میں کس طرح نہ آنے دیں گے۔ اگر یہاں رہ کر بھی موت پہنچا نہیں چھوڑتی تو پھر بہادروں کی طرح میدان میں عزت کی موت کیوں نہ مریں۔

۲۶۳۔ شہید مردہ نہیں زندہ ہیں: یعنی گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے بجائے حیات جاودانی کہنا چاہئے۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی، ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے۔ جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح جو اصل طور خضر میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں۔ ان طور خضر کی کیفیت و کلانی کو اللہ ہی جانے، وہاں کی چیزیں ہمارے احاطہ خیال میں کہاں آسکتی ہیں اس وقت شہداء بیحد مسرور و متعجب ہو تے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی۔ اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا، جو وعدے شہیدوں کے لئے پیغمبر ﷺ کی زبانی کئے گئے تھے انہیں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں۔ اور دیکھتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ خیال و گمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے۔ پھر نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہو گا نہ پیچھے کا غم مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔

شہدائے احد کی ایک تمنا: بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بیر معونہ نے خدا کے ہاں پہنچ کر تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے اس عیش و تنعم کی خبر کوئی ہمارے بھائیوں کو پہنچا دے، تا وہ بھی اس زندگی کی طرف جھپٹیں اور جہاد سے جان نہ چرائیں، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پہنچاتا ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل کیں اور ان کو مطلع کر دیا گیا کہ ہم نے تمہاری تمنا کے موافق خبر پہنچا دی، اس پر وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔

۱۷۲۔ جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم جو ان میں نیک ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا  
اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا  
اَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۲﴾

۱۷۳۔ جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کو سو تم ان سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا ان کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے [۲۶۴]

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا  
لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۗ وَقَالُوا حَسْبُنَا  
اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۴۔ پھر چلے آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کچھ نہ پہنچی ان کو برائی اور تالیح ہوئے اللہ کی مرضی کے اور اللہ کا فضل بڑا ہے [۲۶۵]

فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلِ لَّمْ يَبْسَسْهُمْ  
سُوْءًا ۗ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ  
عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۵۔ یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو [۲۶۶]

اِنَّا ذٰلِكُمْ الشَّيْطٰنُ يَخَوْفُ اَوْلِيَاءَهُ ۗ فَلَا  
تَخَافُوهُمْ وَخَافُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

۲۶۴۔ صحابہ کرام کا اللہ پر بے مثال بھروسہ: ابوسفیان جب احد سے مکہ کو واپس گیا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی، ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یونہی چھوڑ کر چلے آئے، مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصہ تمام کر دیں آپ کو خبر ہوئی تو اعلان فرما دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اللہ اور رسول کی پکار پر نکل پڑے۔ آپ ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام حراء لاسد تک (جو مدینہ سے آٹھ میل ہے) پہنچے ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آ رہے ہیں سخت رعب و دہشت طاری ہو گئی۔ دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔ عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کو کچھ دیکر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سن کر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب و خوف زدہ ہو جائیں انہوں نے مدینہ پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کے استیصال کی غرض سے تیار کیا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوش ایمان بڑھ گیا اور کفار کی جمعیت کا حال سن کر کہنے لگے حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ساری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے، اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں، بعض کہتے ہیں کہ جنگ احد تمام ہونے پر ابوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگے سال بدر پر پھر لڑائی ہے۔ حضرت نے قبول کر لیا۔ جب اگلا سال آیا حضرت نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے چلو۔ اگر کوئی نہ جائے گا تب بھی اللہ کا رسول تنہا جائے گا۔ ادھر سے ابوسفیان فوج لے کر مکہ سے نکلا۔ تھوڑے دور چل کر ہمت ٹوٹ گئی رعب چھا گیا۔ قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ واپس جائے۔ مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر رہے۔ ایک شخص مدینہ جاتا تھا اس کو کچھ دینا کیا کہ وہاں پہنچ کر اس طرف کی ایسی خبریں مشہور کرنا جن کو سن کر مسلمان خوف کھائیں اور جنگ کو نہ نکلیں وہ مدینہ پہنچ کر کہنے لگا کہ مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے، تم کو لڑنا بہتر نہیں مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے استقلال دیا، انہوں نے یہ ہی کہا کہ ہم کو اللہ کافی ہے۔ آخر مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے۔ وہاں بڑا بازار لگتا تھا۔ تین روزہ کر تجارت کر کے خوب نفع کما کر مدینہ واپس آئے۔ اس غزوہ کو بدر صغریٰ کہتے ہیں اس وقت جن لوگوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے ان کو یہ بشارت ہے کہ احد میں زخم کھا کر اور نقصان اٹھا کر پھر ایسی جرات کی۔ مسلمانوں کی اس جرات و مستعدی کی خبر سن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے۔ چنانچہ مکہ والوں نے اس مہم کا نام جیش السویق رکھ دیا، یعنی وہ لشکر جو محض ستوپینے گیا تھا، پی کر واپس آ گیا۔ (تنبیہ) یہ جو فرمایا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا محض ان کی مدح سرائی اور تنویہ شان کے لئے ہے ورنہ وہ سب کے سب ایسے ہی تھے۔

۲۶۵۔ مسلمانوں کو مالی منافع: یعنی اللہ کا فضل دیکھو، نہ کچھ لڑائی کرنی پڑی نہ کاٹنا چھجا، مفت میں ثواب کمایا تجارت میں نفع حاصل کر کے اور دشمنوں پر دھاک بٹھلا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی لئے ہوئے صحیح سلامت گھر واپس آ گئے۔ (تنبیہ) بدر صغریٰ کی طرح غزوہ حراء لاسد میں بھی ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ سامان کی خرید و فروخت ہوئی تھی اور مسلمانوں نے بھاری نفع کمایا تھا غلباً وَقَضَلِ سے یہ ہی مالی منافع مراد ہے۔

۲۶۶۔ یعنی جو ادھر سے آ کر مرعوب کن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے یا شیطان کے انوعاء سے ایسا کر رہا ہے جس کی غرض یہ ہے کہ اپنے چیلے چانٹوں اور بھائی بندوں کا رعب تم پر بٹھلا کر خوفزدہ کر دے، سو تم اگر ایمان رکھتے وہ (اور ضرور رکھتے ہو جس کا ثبوت عملاً دے چکے) تو ان شیطانوں سے اصلاً مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرتے رہو کہ۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسید از وجن و انس و ہر کہ دید۔

۱۷۶۔ اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں  
وَلَا يَحْزِنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ  
کفر کی طرف وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اللہ چاہتا ہے کہ ان  
کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور ان کے لئے عذاب ہے  
لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ

بڑا [۲۶۷]

حَظَّافِي الْأَخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۶﴾

۱۷۷۔ جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اور انکے لئے عذاب ہے دردناک [۲۶۸]

اللَّهُ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۸۔ اور یہ نہ سمجھیں کافر کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں ان کو کچھ بھلا ہے ان کے حق میں ہم تو مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں اور ان کے لئے عذاب ہے خوار کرنے والا [۲۶۹]

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّنَا نُبْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۖ إِنَّا نُبْلِي لَهُمْ لِيَزِدُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ

عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۷۸﴾

۲۶۷۔ یعنی شیطان کی دھمکیوں سے مومن نہیں ڈرتے، ہاں منافق اس کی باتیں سن کر کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ ان ملعون منافقوں کی حرکات سے کچھ نمگین اور فکر مند نہ ہوں، یہ اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ ان کا حد سے زیادہ نفاق و شقاق پتہ دے رہا ہے کہ حق تعالیٰ انہیں انجام کار حقیقی کامیابی اور فوائد سے محروم رکھے گا اور بہت سخت سزا دے گا جو لوگ ایسے معاند اور شریر کجبر و ہوں اللہ کی عادت ان کے ساتھ یہ ہی ہے۔ ایسوں کے غم میں اپنے کو زیادہ گھلانے کی ضرورت نہیں۔

۲۶۸۔ یعنی جنہوں نے ایمانی فطرت کو بدل کر کفر اختیار کیا خواہ یہ بود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین، یا منافقین، یا کوئی اور وہ سب مل کر بھی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہاں اپنے پاؤں پر خود اپنے ہاتھ سے کلباڑی مارے ہیں۔ جس کا نتیجہ دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔

۲۶۹۔ دنیا کی دولت کفار کے لئے ڈھیل ہے: یعنی ممکن ہے کافروں کو اپنی لمبی عمریں، خوشحالی اور دولت و ثروت وغیرہ کی فراوانی دیکھ کر خیال گزرے کہ ایسے مغضوب و مطرود ہوتے تو ہم کو اتنی فراخی اور مہلت کیوں دی جاتی اور ایسی بھلی حالت میں کیوں رکھے جاتے؟ سو واضح رہے کہ یہ مہلت دینا ان کے حق میں کچھ بھلی بات نہیں، مہلت دینے کا نتیجہ تو یہ ہی ہو گا کہ جن کو گناہ سمیٹ کر کفر پر مرنا ہے وہ اپنے اختیار اور آزادی سے خوب جی بھر کر ارمان نکال لیں اور گناہوں کا ذخیرہ فراہم کر لیں وہ سمجھتے رہیں کہ ہم بڑی عزت سے ہیں حالانکہ ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ان کے لئے تیار ہے اب سوچ لیں کہ مہلت دینا ان جیسوں کے حق میں بھلا ہوا یا برا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

۱۷۹۔ اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو جب تک کہ جدانہ کر دے ناپاک کو پاک سے اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے [۲۷۰] سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تو تم کو بڑا ثواب ہے [۲۷۱]

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ

حَتَّىٰ يَبِيدَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ

لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ

رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ

## تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۹﴾

۲۷۰۔ یعنی جس طرح خوشحالی اور مہلت دینا کفار کے حق میں مقبولیت کی دلیل نہیں، اسی طرح اگر مخلص مسلمانوں کو مصائب اور ناخوشگوار حوادث پیش آئیں (جیسے جنگ احد میں آئے) یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے مغضوب ہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گول مول حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر اب تک رہے ہیں۔ یعنی بہت سے کافر ازراہ نفاق کلمہ پڑھ کر دھوکہ دینے کے لئے ان میں ملے جلے رہتے تھے جن کے ظاہر حال پر منافق کا لفظ کہنا مشکل تھا۔ لہذا ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے واقعات و حالات بروئے کار لائے جو کھرے کو کھوٹے سے اور پاک کو ناپاک سے کھلے طور پر جدا کر دیں۔ بیشک خدا کو آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدون امتحان میں ڈالے منافقوں کے ناموں اور کاموں سے مطلع کر دیتا۔ لیکن اس کی حکمت و مصلحت مقتضی نہیں کہ سب لوگوں کو اس قسم کے غیوب سے آگاہ کر دیا کرے۔ ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی یقینی اطلاع دینا چاہے دے دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے۔ مگر جس قدر خدا چاہے۔

۲۷۱۔ یعنی خدا کا جو خاص معاملہ پیغمبروں سے ہے، اور پاک و ناپاک کو جدا کرنے کی نسبت جو عام عادت حق تعالیٰ کی رہی ہے اس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتوں پر یقین رکھو اور تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم رہو۔ یہ کر لیا تو سب کچھ کمالیا۔

۱۸۰۔ اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے انکو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے انکے حق میں بلکہ یہ بہت برا ہے انکے حق میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا انکے گلوں میں وہ مال جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن [۲۷۲] اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا [۲۷۳] اور اللہ جو کرتے ہو سو جانتا ہے [۲۷۴]

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸۰﴾

۱۸۱۔ بیشک اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار [۲۷۵] اب لکھ رکھیں گے ہم انکی بات اور جو خون کئے ہیں انہوں نے انبیاء کے ناحق اور کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا [۲۷۶]

لَقَدْ سَبَّحَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَ قَتَلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۗ وَ نَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۲۔ یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر [۲۷۷]

ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَ أَنَّ اللَّهَ لَيْسَ

بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿١٨٢﴾

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُوْمِنَ  
بِرِسُوْلٍ حَتّٰى يٰتِيْنَا بِقُرْبٰنٍ تَاْكُلُهٗ النَّارُ ۗ قُلْ  
قَدْ جَاءَكُمْ رِسٰلٌ مِّنْ قَبْلِى بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِى  
قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾

۱۸۳۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ کریں کسی رسول کا جب تک نہ لاوے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جائے اس کو آگ [۲۷۸] تو کہہ تم میں آچکے کتنے رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر ان کو کیوں قتل کیا تم نے اگر تم سچے ہو [۲۷۹]

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رِسٰلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاؤُ  
بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبْرِ وَالْكِتٰبِ السُّنِيْرِ ﴿١٨٣﴾

۱۸۴۔ پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلاویں تو پہلے تجھ سے جھٹلائے گئے بہت رسول جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن [۲۸۰]

كُلُّ نَفْسٍ ذٰٓئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ  
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحِرَ عَنْ النَّارِ وَاُدْخِلَ  
الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ  
الْغُرُوْرُ ﴿١٨٥﴾

۱۸۵۔ ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو پورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن [۲۸۱] پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اس کا کام تو بن گیا اور نہیں زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی [۲۸۲]

تَتَّبَلُوْنَ فِىْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَتَتَّبَعْنَ مِنَ  
الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبِ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ  
اَشْكُوْا اَذٰى كَثِيْرًا ۗ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ  
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾

۱۸۶۔ البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں میں اور جانوں میں اور البتہ سنو گے تم اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں [۲۸۳]

۲۷۲۔ بخیل کا مال قیامت میں اس کے گلے کا طوق ہو گا: ابتدائے سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا۔ درمیان میں خاص مناسبات و وجوہ کی بنا پر غزوہ احد کی تفصیلات آئیں۔ انہیں بقدر کفایت تمام کر کے یہاں سے پھر اہل کتاب کی شائع بیان کی جاتی ہیں۔ چونکہ ان میں سے یہود کا معاملہ بہت مضرت رساں اور تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر ان ہی میں کے تھے اور اوپر کی آیت میں آگاہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اب خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہے گا سو یہ جدائی جس طرح جانی و بدنی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی تھی اسی طرح مالی جہاد کے وقت بھی کھر اکھوٹا اور کچا کچا صاف طور پر الگ ہو جاتا تھا۔ اس لئے بتلادیا کہ یہود منافقین جیسے جہاد کے موقع سے بھاگے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے بچ کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں ایسے ہی بخل کر کے بہت مال اکٹھا کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش نہ بھی آئی تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔ اس میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص بخل و حرص و غیرہ ذیل خصلتوں میں یہود منافقین کی روش اختیار کرے گا، اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اژدہ کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ نعوذ باللہ منہ۔

۲۷۳۔ یعنی آخر تم مر جاؤ گے اور سب مال اسی کا ہو رہے گا جس کا حقیقت میں پہلے سے تھا انسان اپنے اختیار سے دے تو ثواب پائے۔

۲۷۴۔ یعنی بخل یا سخاوت جو کچھ کرو گے اور جیسی نیت سے کرو گے خدا تعالیٰ سب کی خبر رکھتا ہے اسی کے موافق بدلہ دے گا۔

۲۷۵۔ یہودیوں کا گستاخانہ قول اور اس کا جواب: یعنی محض اتنا ہی نہیں کہ یہود انتہائی بخل کی وجہ سے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے بلکہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخانہ کلمات بکنے سے بھی نہیں شرماتے۔ چنانچہ جب آیت مَن ذَا الَّذِي يقرضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرہ ۲۴۵) نازل ہوئی۔ کہنے لگے اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ تو اللہ فقیر محتاج ہے اور ہم غنی مالدار ہیں حالانکہ ایک غنی اور کوڑ مغز بھی سمجھ سکتا ہے کہ انفاق فی وجوہ الخیر کو قرض سے تعبیر فرمانے میں انتہائی رحمت و شفقت کا اظہار تھا۔ ظاہر ہے کہ خدا اپنا دیا ہوا مال ہم سے ہماری مصالح میں ہمارے ہی دینی و اخروی فائدہ کے لئے خرچ کرتا ہے۔ اس کو ہمارے خرچ سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا اور بفرض محال پہنچے بھی تو مال اور ہر چیز اسی کی مملوک ہے۔ پھر حقیقی معنی میں اس کو قرض حسنہ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ اس کا کمال کرم احسان ہے کہ اس خرچ کا بہترین معاوضہ دینا بھی اپنے ذمہ لازم کر لیا اور اس کو لفظ قرض سے ادا کر کے اس لزوم کو بجد مودک و مسلج کر دیا۔ مگر یہود اپنی کور چشمی اور خبث باطن سے احسان ماننے کے بجائے ان لفظوں کی ہنسی اڑانے لگے اور اللہ تعالیٰ کی جناب رفع میں مسخر اپن کرنے سے باز نہ رہے، اس کو فرمایا کہ اللہ نے تمہاری یہ باتیں سن لیں۔ اس پر جو کارروائی ہوگی اس کے منتظر رہو۔

۲۷۶۔ یعنی عام ضابطہ کے موافق یہ ملعون اور ناپاک اقوال تمہارے دفتر سیئات میں درج کرائے دیتے ہیں۔ جہاں تمہاری قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک افعال درج ہیں مثلاً معصوم نبیوں کا ناحق خون بہانا کیونکہ جس طرح یہ نالائق جملہ ایک نمونہ ہے تمہاری خدا شناسی کا، وہ نالائق کام نمونہ ہے تمہاری تعظیم انبیاء کا، جب یہ پوری مسل پیش ہوگی اس وقت کہا جائے گا کہ لو اپنی شرارتوں کا مزہ چکھو اور جس طرح تم نے طعن و تمسخر سے اولیاء اللہ کے دل جلانے تھے، اب عذاب الہی کی بھٹی میں جلتے رہو۔

۲۷۷۔ یعنی جو کمایا تھا سامنے آیا۔ خدا کے یہاں ذرہ برابر ظلم نہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يظلمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (نساء۔ ۴۰) اگر بفرض محال ظلم کرنا خدا کی صفت ہوتی تو اس کی دوسری صفات کی طرح وہ بھی کامل ہی ہوتی۔ اس لئے اگر معاذ اللہ خدا کو ظالم فرض کیا جائے تو پھر ظالم کیا ظلام ہی کہنا پڑے گا۔ اس کا ایک رتی ظلم بھی پہاڑوں سے کم نہیں ہو سکتا گویا ظلام کا صیغہ لا کر متنبہ کر دیا کہ اس کی بارگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ ظلم تجویز کرنا،

انتہائی ظالم قرار دینے کا مترادف ہے تعالیٰ اللہ عَمَّا يَتَّقُونَ الظَّالِمُونَ عَلُوًّا كَبِيرًا۔

۲۷۸۔ آگ والی قربانی کا مطالبہ: بعضے رسولوں سے یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ نام کی نیاز کی، تو آسمان سے آگ آکر اس کو کھا گئی، یہ علامت تھی اس کے قبول ہونے کی چنانچہ موجودہ بائبل میں بھی حضرت سلیمان کے متعلق ایسا واقعہ مذکور ہے۔ اب یہود بہانہ پکڑتے تھے کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ جس سے یہ معجزہ نہ دیکھیں اس پر یقین نہ لادیں اور یہ محض جھوٹے بہانے تھے اس قسم کا کوئی حکم ان کی کتابوں میں موجود نہ تھا نہ آج موجود ہے اور نہ ہر ایک نبی کی نسبت یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اس کو یہ معجزہ ملا تھا۔ ہر پیغمبر کو حق تعالیٰ نے اوقات و احوال کے مناسب معجزات دئے ہیں۔ لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلائے تو سچا ثابت ہو۔

۲۷۹۔ یعنی اگر واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر تمہارا ایمان لانا موافق ہے تو پہلے ایسے نبیوں کو تم نے کیوں قتل کیا جو اپنی صداقت کی کھلی نشانیوں کے ساتھ خاص یہ معجزہ بھی لے کر آئے تھے تمہارے اسلاف کا یہ فعل جس پر تم بھی آج تک راضی ہو کیا اس کی دلیل نہیں کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے کہ کوئی پیغمبر جب تک خاص یہ ہی معجزہ نہ دکھائے گا ہم نہ مانیں گے۔

۲۸۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: آپ ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان ملعونوں کی کج بخشی اور ہٹ دھرمی سے ملول و دلگیر نہ ہوں اور نہ دوسرے مکذبین کی پروا کریں۔ آپ سے پہلے کتنے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو صاف نشانیاں (معجزات) چھوٹے صحیفے اور بڑی روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ انبیائے صادقین کی تکذیب، معاندین کی قدیم عادت رہی ہے آپ ﷺ کو کچھ انوکھی بات پیش نہیں آئی۔

۲۸۱۔ یعنی موت کا مزہ سب کو چکھنا ہے، اس کے بعد قیامت کے دن ہر جھوٹے سچے اور مصدق و مکذب کو اپنے کئے کا پورا بدلہ مل رہے گا پورے کا یہ مطلب کہ کچھ تھوڑا سا ممکن ہے قیامت سے پہلے ہی مل جائے۔ مثلاً دنیا میں یا قبر میں۔

۲۸۲۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ دھوکا ہے: یعنی دنیا کی عارضی بہار اور ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے جس پر مشغول ہو کر اکثر بے وقوف آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی اصلی کامیابی یہ ہے کہ یہاں رہ کر انجام کو سوچے اور وہ کام کرے جو عذاب الہی سے بچانے والا اور جنت تک پہنچانے والا ہو۔ (تنبیہ) آیت میں ان بعض متصوفین کا بھی رد ہو گیا جو دعوے کیا کرتے ہیں کہ ہمیں نہ جنت کی طلب، نہ دوزخ کا ڈر، معلوم ہوا کہ دوزخ سے دور رہنا اور جنت میں داخل ہو جانا ہی اصل کامیابی ہے۔ کوئی اعلیٰ ترین کامیابی جنت سے باہر رہ کر نصیب نہیں ہو سکتی۔ وفی الحدیث وَحَوْلَهَا تُدْنِدُنُ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہم کو بھی یہ کامیابی عنایت فرمائے۔

۲۸۳۔ جان و مال سے مسلمانوں کی آزمائش: یہ خطاب مسلمانوں کو ہے کہ آئندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہوگی اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف اٹھانا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب کا چھوٹنا اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننا پڑیں گی، ان سب کا علاج صبر و تقویٰ ہے۔ اگر صبر و استقلال اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کرو گے تو یہ بڑی ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہوگا جس کی تاکید حق تعالیٰ نے فرمائی۔ (تنبیہ) ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بدر سے پہلے نازل ہوئی۔ قتال کا حکم اس کے بعد ہوا، تاہم صبر و تقویٰ کا حکم مشروعت قتال کے باوجود بھی فی الجملہ باقی ہے۔ جس پر اخیر تک عمل ہوتا رہا ہے۔ ہاں صبر و عفو اور تغلیظ و تشدید کے مواقع کا پیمانہ ضروری ہے جو نصوص شرعیہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کو یہاں رکھنے سے شاید یہ غرض ہے کہ تم ان کفار و منافقین کی گستاخیوں اور شرارتوں پر حد سے زیادہ طیش مت کھاؤ۔ ابھی بہت کچھ سننا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی۔ صبر و استقلال سے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو۔ نیز دنیا کی زندگانی میں پڑ کر جو محض دھوکہ کی ٹٹی ہے، اس بات سے غافل نہ ہونا کہ خدا تعالیٰ جان اور مال دونوں میں تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔



وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ  
وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

۱۸۷۔ اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے پھر چھینک دیا انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس کے بدلے تھوڑا سا مول سو کیا برائے جو خریدتے ہیں [۲۸۴]

۱۸۸۔ تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر سومت سمجھ ان کو کہ چھوٹ گئے عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک [۲۸۵]

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ  
أَنْ يُحَدِّثُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ  
بِفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۹۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۲۸۶]

وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ  
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

۲۸۴۔ اہل کتاب نے اللہ کا عہد توڑا ہے: یعنی علمائے اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارت کتاب اللہ میں ہیں انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے نہ ہیر پھیر کر کے ان کے معنی بدلیں گے، مگر انہوں نے ذرہ برابر پروا نہ کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے، آیات اللہ میں لفظی و معنوی تحریفات کیں جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ یعنی پیغمبر آخر الزماں کی بشارت، اسی کو سب سے زیادہ چھپایا۔ جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے اس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی۔ اور اس کنجوسی کا منشاء بھی مال و جاہ اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہاں ضمناً مسلمان اہل علم کو متنبہ فرمادیا کہ تم دنیا کی محبت میں بھنس کر ایسا نہ کرنا۔

۲۸۵۔ یہود مسئلے غلط بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر ﷺ کی صفات و بشارات جان بوجھ کر چھپاتے تھے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت سے خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی۔ جب حضور ﷺ جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں۔ ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں۔ اول تو ایسے لوگ دنیا ہی میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدریر سے نہیں چھوٹ سکتے۔ (تنبیہ) آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ

ہوں، بھلا کر کے اترائیں نہیں اور جو کچھ اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں۔ بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں۔

۲۸۶۔ جب آسمان وزمین میں اسی کی سلطنت ہے تو مجرم بھاگ کر پناہ کہاں لے سکتا ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے اس کے نفوذ و اختیار سے کون باہر ہو سکتا ہے۔

۱۹۰۔ بیشک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو [۲۸۷]

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ

وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾

۱۹۱۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے [۲۸۸] اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبت نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے [۲۸۹]

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ

جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَ

الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ

فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

۱۹۲۔ اے رب ہمارے جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کر دیا [۲۹۰] اور نہیں کوئی گنہگاروں کا مددگار [۲۹۱]

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾

۱۹۳۔ اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر [۲۹۲] سو ہم ایمان لے آئے [۲۹۳] اے رب ہمارے اب بخش دے گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ [۲۹۴]

رَبَّنَا إِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ

أَمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَأَمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ

كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾

۱۹۴۔ اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطے سے اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن [۲۹۵] بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا [۲۹۶]

رَبَّنَا وَاتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْبِعَادَ ﴿١٩٤﴾

۲۸۷۔ اہل عقل کے لئے آسمان وزمین میں نشانیاں: یعنی عقلمند آدمی جب آسمان وزمین کی پیدائش اور ان کے عجیب وغریب احوال وروابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے۔ اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت و اختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل و محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

۲۸۸۔ یعنی کسی حال خدا سے غافل نہیں ہوتے اس کی یاد ہمہ وقت ان کے دل میں اور زبان پر جاری رہتی ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کان یذکر اللہ علی کل احیانہ نماز بھی خدا کی بہت بڑی یاد ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر اور جو بیٹھ نہ سکے لیٹ کر پڑھ لے بعض روایات میں ہے کہ جس رات میں یہ آیات نازل ہوئیں نبی کریم ﷺ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں اللہ کو یاد کر کے روتے رہے۔

۲۸۹۔ مخلوقات میں غور و فکر: یعنی ذکر و فکر کے بعد کہتے ہیں کہ خداوند! یہ عظیم الشان کارخانہ آپ نے بیکار پیدا نہیں کیا جس کا کوئی مقصد نہ ہو، یقیناً ان عجیب وغریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم و جلیل نتیجہ پر منتهی ہونا چاہئے۔ گویا یہاں سے ان کا ذہن تصور آخرت کی طرف منتقل ہو گیا جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے اسی لئے آگے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کی اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح و تزیینہ بیان کر کے اشارہ کر دیا کہ جو احمق قدرت کے ایسے صاف و صریح نشان دیکھتے ہوئے تجھ کو نہ پہچانیں یا تیری شان کو گھٹائیں یا کارخانہ عالم کو محض عبث و لعب سمجھیں تیری بارگاہ ان سب کی ہزلیات و خرافات سے پاک ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الہیہ میں غور و فکر کرنا وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صالح کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں بڑا محقق اور سائنس داں کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ پرلے درجہ کے جاہل و احمق ہیں۔

۲۹۰۔ جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اسی قدر رسوائی سمجھو۔ اس قاعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کے لئے ہے۔ جن آیات میں عامہ مومنین سے خزئی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہ ہی معنی سمجھنے چاہئیں۔

۲۹۱۔ یعنی جس کو خدا دوزخ میں ڈالنا چاہے کوئی حمایت کر کے بچا نہیں سکتا۔ ہاں جن کو ابتداء میں یا آخر میں چھوڑنا اور معاف کر دینا ہی منظور ہو گا (جیسے عصاة مومنین) ان کے لئے شفاعت کو اجازت دی جائے گی کہ سفارش کر کے بخشوائیں۔ وہ اس کے مخالف نہیں بلکہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

۲۹۲۔ مومنین کی ایک جامع دعا: یعنی نبی کریم ﷺ جنہوں نے بڑی اونچی آواز سے دنیا کو پکارا۔ یا قرآن کریم جس کی آواز گھر گھر پہنچ گئی۔

۲۹۳۔ ایمان عقلی کا ذکر تھا، یہ ایمان سمعی ہوا جس میں ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن بھی درج ہو گیا۔

۲۹۴۔ یعنی ہمارے بڑے بڑے گناہ بخش دے اور چھوٹی موٹی برائیوں پر پردہ ڈال دے اور جب اٹھانا ہو نیک بندوں کے زمرہ میں شامل کر کے دنیا سے اٹھالے۔

۲۹۵۔ دعا یعنی پیغمبروں کی زبانی، ان کی تصدیق کرنے پر جو وعدے آپ نے کئے ہیں (مثلاً دنیا میں آخر کار اعداء اللہ پر غالب و منصور کرنا اور آخرت میں جنت و رضوان سے سرفراز فرمانا) ان سے ہم کو اس طرح بہرہ اندوز کیجئے کہ قیامت کے دن ہماری کسی قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ رسوائی بھی نہ ہو۔

۲۹۶۔ یعنی آپ کے ہاں تو وعدہ خلافی کا احتمال نہیں، ہم میں احتمال ہے کہ مبادا ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جو آپ کے وعدوں سے مستفید نہ ہو سکیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ ہم کو ان اعمال پر مستقیم رہنے کی توفیق دیجئے جن کی آپ کے وعدوں سے متمتع ہونے کے لئے ضرورت ہے۔

۱۹۵۔ پھر قبول کی ان کی دعا انکے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو [۲۹۷] پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ دور کروں گا میں ان سے برائیاں ان کی اور داخل کروں گا ان کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں [۲۹۸] یہ بدلہ ہے اللہ کے ہاں سے اور اللہ کے ہاں ہے اچھا بدلہ [۲۹۹]

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ  
مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ  
فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا  
فِي سَبِيلِي ۖ وَقَتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ  
سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ ۖ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ  
حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

۱۹۶۔ تجھ کو دھوکا نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں  
۱۹۷۔ یہ فائدہ ہے تھوڑا سا پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ  
بہت برا ٹھکانا ہے [۳۰۰]

لَا يَغْرِبُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ  
مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ  
الْمِهَادُ ﴿١٩٦﴾

۱۹۸۔ لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے انکے لئے  
باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان  
میں [۳۰۱] مہمانی ہے اللہ کے ہاں سے [۳۰۲] اور جو اللہ کے  
ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کے واسطے

لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ  
وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

۱۹۹۔ اور کتاب والوں میں بعضے وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے  
ہیں اللہ پر اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اترا انکی طرف  
عاجزی کرتے ہیں اللہ کے آگے نہیں خریدتے اللہ کی

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ مَا  
أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ لِلَّهِ لَا

يَسْتَرْوْنَ بِآيَةِ اللَّهِ شَنَّا قَلِيلًا ۝ اُولَئِكَ لَهُمْ  
آیتوں پر مول تھوڑا یہی ہیں جن کے لئے مزدوری ہے ان کے رب کے ہاں [۳۰۳] بیشک اللہ جلد لیتا ہے حساب [۳۰۴]

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۝ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

۲۹۷۔ کسی کا عمل ضائع نہیں ہوتا: یعنی مرد ہو یا عورت ہمارے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی۔ جو کام کرے گا اس کا پھل پائے گا۔ یہاں عمل شرط ہے۔ نیک عمل کر کے ایک عورت بھی اپنی استعداد کے موافق آخرت کے وہ درجات حاصل کر سکتی ہے جو مرد حاصل کر سکتے ہیں۔ جب تم مرد و عورت ایک نوع انسانی کے افراد ہو ایک آدم سے پیدا ہوئے ہو۔ ایک رشتہ اسلامی میں منسلک ہو ایک اجتماعی زندگی اور امور معاشرت میں شریک رہتے ہو تو اعمال اور ان کے ثمرات میں بھی اپنے کو ایک ہی سمجھو۔ روایات میں ہے کہ ام سلمہؓ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قرآن میں کہیں ہم عورتوں کی ہجرت وغیرہ اعمال حسنہ کا بالتخصیص ذکر نہیں آتا۔ اس کا جواب اس آیت سے دیا گیا۔

۲۹۸۔ یعنی جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوتا پھر ان مردان خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے کفر و عصیان چھوڑنے کے ساتھ دارالکفر بھی چھوڑ دیا، وطن، خویش و اقارب، اہل و عیال اور مال و منال سب کو خیر باد کہہ کر دارالاسلام کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ کفار نے ان پر وہ ظلم و ستم توڑے کہ گھروں میں ٹھہرنا محال ہو گیا۔ وطن چھوڑنے اور گھر بار ترک کرنے پر بھی دشمنوں نے چین نہ لینے دیا۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ میرا نام لیتے تھے۔ اور میرا کلمہ پڑھتے تھے یٰٰخٰجِرُ جُوْنِ الرَّسُوْلِ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُوْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّکُمْ (الممتحنہ- ۱) وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (بروج- ۸) آخر وہ میرے راستہ میں لڑے اور لڑ کر جان دیدی۔ یہ بندے ہیں جن کی تمام تقصیرات معاف کر دی گئیں اور جنت ان کا انتظار کر رہی ہے۔

۲۹۹۔ یعنی اچھا بدلہ تو خدا ہی کے پاس ہے اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ یا یہ مطلب ہو کہ اس بدلہ سے بھی اچھا بدلہ خدا کے پاس ہے۔ یعنی اس کا دیدار مبارک۔ رزق اللہ و سائر المومنین۔

۳۰۰۔ کفار کی موجودہ حالت سے دھوکہ نہ کھاؤ: یعنی کفار جو ادھر ادھر تجارت وغیرہ کر کے دولت کماتے اور اکڑتے پھرتے ہیں مسلمان کو چاہئے کہ ان سے دھوکہ نہ کھائے۔ یہ محض چند روز کی بہار ہے۔ اگر ایک شخص کو چار دن پلاؤ تو رے کھلانے کے بعد پھانسی یا جس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش ہوا۔ خوش عیش وہ ہے جو تھوڑی سے محنت اور تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کے لئے اعلیٰ درجہ کی راحت و آسائش کا سامان مہیا کر لے۔

۳۰۱۔ اب اس عیش و کامیابی کا اس چند روزہ بہار سے مقابلہ کرو کہ یہ بہتر ہے یا وہ؟

۳۰۲۔ مہمان اس لئے کہا کہ مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر کرنی نہیں پڑتی عزت و آرام سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز تیار ملتی ہے۔

۳۰۳۔ اہل کتاب کے متقین کا تذکرہ: اوپر عام متقین کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اہل کتاب میں جو متقی ہوں ان کا خصوصیت سے ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی جو اہل کتاب اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان لائے، قرآن کو مانا اور چونکہ قرآن تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے ان کو بھی مانا، مگر اس طرح نہیں جیسے دنیا پرست احبار مانتے تھے کہ تھوڑے سے دنیوی فائدہ کی خاطر آیات اللہ کو چھپا لیا یا بدل ڈالا، بلکہ خدا کے آگے عاجزی اور اخلاص سے گرے اور جس طرح اس نے کتابیں اتاری تھیں ٹھیک ٹھیک اسی اصلی رنگ میں ان کو تسلیم کیا نہ بشارات کو چھپایا نہ احکام کو بدلا۔ ایسے پاکباز حق پرست اہل کتاب کے لئے اللہ کے ہاں مخصوص اجر ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا۔

۳۰۴۔ یعنی حساب کا دن کچھ دور نہیں، جلد آنے والا ہے اور جب حساب شروع ہو گا تمام دنیا کا پائی پائی حساب بہت جلد بے باق کر دیا جائے گا۔

۲۰۰۔ اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو [۳۰۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۰۵﴾

۳۰۵۔ مسلمانوں کو ایک جامع نصیحت: خاتمہ پر مسلمانوں کو ایک نہایت جامع و مانع نصیحت فرمادی جو گویا ساری سورت کا حاصل ہے یعنی اگر کامیاب ہونا اور دنیا آخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو معصیت سے رکو دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مِمَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِمُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال۔ ۶۰) اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ کر لیا تو سمجھو مراد کو پہنچ گئے۔ اللہم اجعلنا مفلحین و فائزین بفضلک و رحمتک فی الدنیا والاخرۃ آمین حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تہجد کے لئے اٹھتے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ گیارہ آیتیں اِنَّ فِي خَلْقِ السَّلٰوٰتِ وَالْاَدۡمِیِّیْنَ مِنْ حَمٰلِیۡمٍ لِّیۡبَسُوۡنَ لِبَاسًا مِّمَّۤیۡنًا لِّیۡذَکَّرُوۡۤا اَنۡ یَّحۡمَدُوۡۤا اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَہُمۡۤ اَنۡفُسَہُمۡۗ وَ لَہُمۡۤ اَعۡیُنٌ لِّیَۡرَآۤءَ مَا یَعۡمَلُوۡۤنَ سے ختم سورۃ تک تلاوت کرتے تھے۔

تم سورۃ آل عمران بمنہ و حسن توفیقہ۔ فلہ الحمد والمنہ و علی رسولہ الف الف سلام و تحیہ۔

آیاتها ۱۷۶

سُورَةُ النَّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲

رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں [۱] اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطے سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خردار رہو قرابت والوں سے [۲] بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے [۳]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ

رَقِيبًا ﴿١﴾

۲۔ اور دے ڈالو یتیموں کو ان کا مال اور بدل نہ لو برے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بڑا وبال [۴]

وَأْتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۚ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۗ إِنَّهُ

كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴿٢﴾

۱۔ اے انسانو! تم ایک جان سے پیدا کئے گئے ہو: یعنی حضرت آدمؑ سے اول تو حضرت حوا کو ان کی بائیں پسلی سے نکالا پھر ان دونوں سے تمام مرد اور عورتوں کو پیدا کیا اور دنیا میں پھیلا یا تو حقیقت میں تمام آدمی ایک جان اور ایک شخص سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے مطلب یہ ہے کہ جب تم سب کو عدم سے وجود میں لانے والا اور پھر تم کو باقی اور قائم رکھنے والا وہی ہے تو اس سے ڈرنا اور اس کی فرمانبرداری ضروری بات ہے۔ اس سے اشارہ ہو گیا دو مضمونوں کی طرف اول یہ کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا خالق اور موجد ہے دوسرے یہ کہ تمام آدمیوں کے لئے سبب وجود کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا ایک ہی جان یعنی ابو البشر آدمؑ ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ ہمارا اصلی تعلق تو اللہ سے ہے کیونکہ علت تامہ اور اس کے معلول میں جس قدر تعلق اور قرب اور علاقہ اُحتیاج ہوتا ہے وہ کسی میں ممکن نہیں اس کے بعد وہ تعلق اور قرب ہے جو افراد انسانی میں باہم پایا جاتا ہے کیونکہ ان کا سبب وجود اور مخلوق منہ بالکل شے واحد ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ اول تو ہمارے ذمہ پر خدا تعالیٰ کی اطاعت لازم ہونی چاہئے کہ وہ ہمارا خالق ہے اس کے بعد تمام مخلوقات میں خاص اپنے بنی نوع کی رعایت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہم پر

ضروری ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے لئے مخلوق منہ اور سبب وجود ایک چیز کو مقرر فرمایا تو جو قرب اور جو اتحاد افراد انسانی میں باہم موجود ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ حاصل نہیں اسی وجہ سے شرعاً اور عقلاً آدمیوں میں باہم حسن سلوک ایسا ضروری اور بد سلوک اس قدر مذموم ہے جو اوروں کے ساتھ نہیں جس کی تفصیل نصوص اور احکام شرعیہ میں برابر موجود ہے شیخ علیہ الرحمہ نے اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔ قطعہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند  
چو بعضے زبعضے اگر کمتر اند  
چو عضو لے بدرد آور در وزگاز  
دگر حضور ہار انماند قرار

اس موقع میں حق تعالیٰ نے اپنی خالقیت ظاہر فرما کر اپنی اطاعت کا حکم دیا اور بنی آدم کے اتحاد اصلی کو جتلا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ باہم ایک ہو کر رہو چنانچہ آیت کے آئندہ حصے میں اس اشارہ کو ظاہر کر دیا۔

۲۔ رشتہ داروں کے حقوق: خالق اور رب یعنی موجد اور مبتقی ہونے کے علاوہ اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کے وجوب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ تم اس کا واسطہ دے کر آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق اور فوائد طلب کرتے ہو اور آپس میں اس کی قسمیں دیتے ہو اور ان پر اطمینان حاصل کرتے کراتے ہو یعنی اپنے باہمی معاملات اور حاجات عارضہ میں بھی اسی کا ذریعہ پکڑتے ہو مطلب یہ ہوا کہ وجود اور بقا ہی میں احتیاج منحصر نہیں بلکہ تمام حاجتوں اور کاموں میں بھی اس کے محتاج ہو اس لئے اس کی اطاعت کا ضروری ہونا اور بھی محقق ہو گیا اس کے بعد تم کو یہ حکم ہے کہ قرابت سے بھی ڈرو یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع رحم اور بد سلوک سے بچو۔ بنی نوع یعنی تمام افراد انسانی کے ساتھ علی العموم سلوک کرنا تو آیت کے پہلے حصہ میں آچکا تھا۔ اہل قرابت کے ساتھ چونکہ قرب و اتحاد مخصوص اور بڑھا ہوا ہے اس لئے ان کی بد سلوک سے اب خاص طور پر ڈرایا گیا۔ کیونکہ ان کے حقوق دیگر افراد انسانی سے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ حدیث قدسی قال اللہ تبارک و تعالیٰ انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشفقت لہا من اسی فمن وصلہا وصلتہ ومن قطعہا قطعته اور حدیث خلق اللہ الخلق فلما فرغ منہ قامت الرحم فاخذت بحقوی الرحمن فقال ماہ قالت هذا مقام العائذ منک من القطیعة قال الا ترضین ان اصل من وصلک واقطع من قطعک قالت بلی یا رب قال فذاک اور حدیث الرحم شجنتہ من الرحمن فقال اللہ من وصلک وصلتہ ومن قطعک قطعته اور حدیث الرحم معلقہ بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ اس پر شاہد ہیں اور رحم کے اختصاں مذکور اور تعلق کی طرف مشیر ہیں تو اب نتیجہ یہ نکلا کہ معدن وجود اور منشاء وجود کے اتحاد کے باعث تو تمام بنی آدم میں رعایت حقوق اور حسن سلوک ضروری ہے اس کے بعد اگر کسی موقع میں کسی خصوصیت کی وجہ سے اتحاد میں زیادتی ہو جائے گی جیسے اقارب میں یا کسی موقع میں شدت احتیاج پائی جائے گی جیسے یتامی اور مساکین وغیرہ تو وہاں رعایت حقوق میں بھی ترقی ہو جائے گی ان کے علاوہ جب حکم خداوندی بھی صاف آگیا کہ ارحام کے حقوق کی رعایت اور حفاظت رکھو تو اب تو اس کی تاکید انتہا کو پہنچ گئی۔ چنانچہ اس سورت میں اکثر احکام اسی تعلق عام اور دیگر تعلقات خاصہ کے متعلق مذکور ہیں گویا وہ احکام اس امر کلی کے جو کہ یہاں مذکور ہوا تفصیل ہیں۔

۳۔ یعنی تمہارے تمام احوال و اعمال سے واقف ہے اس کے حکم کی متابعت کرو گے تو ثواب پاؤ گے ورنہ مستحق عذاب ہو گے اور تمہارے تعلقات ارحام اور ان کے مراتب اور ہر ایک کے مناسب اس کے حقوق کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق جو تم کو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اس پر عمل کرو۔

۴۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کے احکام: یعنی یتیم بچے جن کا کہ باپ مر گیا ہو ان کے متعلق ان کے ولی اور سرپرست کو یہ حکم ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دے اور زمانہ تولیت میں یتیموں کی کسی اچھی چیز کو لے کر اس کے معاوضہ میں بری اور گھٹیا چیز ان کے



مال میں شامل نہ کر دے اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاوے مثلاً ولی کو اجازت ہے کہ اپنا اور یتیم کا کھانا مشترک اور شامل رکھے مگر یہ ضرور ہے کہ یتیم کا نقصان نہ ہونے پائے یہ نہ ہو کہ اس شرکت کے بہانے سے یتیم کا مال کھا جاوے اور اپنا نفع کر لے کیونکہ یتیم کا مال کھانا سخت گناہ ہے۔ احکام متعلقہ ارحام میں یتیموں کے حکم کو شاید اس لئے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور مجبوری اور بے چارگی اور بے کسی کے باعث رعایت و حفاظت اور شفقت کا نہایت محتاج ہے اور اسی اہتمام کی وجہ سے تبدیل اور شرکت کے نقصان کی بھی کھول کر ممانعت فرمادی اور آئندہ متعدد آیات میں بھی یتیموں کے متعلق چند احکام ارشاد ہوئے جن سے اہتمام مذکور ظاہر و باہر معلوم ہوتا ہے اور یہ تمام احکام اور تاکیدات جملہ یتیموں کے حق میں ہیں البتہ وہ یتیم جو قرابت دار ہیں ان کے بارہ میں تاکید میں زیادہ شدت ہوگی اور وہی شان نزول اور سبب ربط بین الآیات ہیں اور عادت و عرف کے بھی موافق ہیں کیونکہ یتیم کا ولی اکثر اس کا کوئی قریب ہی ہوتا ہے۔

۳۔ اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو تین تین چار چار [۵] پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے [۶] اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے [۴]

وَأِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَقْسُطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنِي وَثُلَّةً وَرُبْعًا ۚ  
فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ

أَيْبَانُكُمْ ۗ ذٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۗ

۵۔ احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ یتیم لڑکیاں جو اپنے ولی کی تربیت میں ہوتی تھیں اور وہ لڑکی اس ولی کے مال اور باغ میں بوجہ قرابت باہمی شریک ہوتی تو اب دو صورتیں پیش آتیں کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو اس کا جمال اور مال دونوں مرغوب ہوتے تو وہ ولی اس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا کیونکہ دوسرا شخص اس کی لڑکی کا حق مانگنے والا تو کوئی ہے ہی نہیں اور کبھی یہ ہوتا کہ یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ دوسرے سے نکاح کروں گا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جاوے گا۔ اس مصلحت سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا۔

چارشادیوں کی اجازت: اس پر یہ آیت اتری اور اولیا کو ارشاد ہوا کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ تم یتیم لڑکیوں کی بابت انصاف نہ کر سکو گے اور ان کے مہر اور ان کے ساتھ حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہوگی تو تم ان سے نکاح مت کرو بلکہ اور عورتیں جو تم کو مرغوب ہوں ان سے ایک چھوڑ چار تک کی تم کو اجازت ہے قاعدہ شریعت کے موافق ان سے نکاح کر لو تا کہ یتیم لڑکیوں کو بھی نقصان نہ پہنچے کیونکہ تم ان کے حقوق کے حامی رہو گے اور تم بھی کسی خرابی اور گناہ میں نہ پڑو جانا چاہئے کہ مسلمان آزاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار نکاح تک اور غلام کے لئے دو تک کی اجازت ہے اور حدیثوں میں بھی اسی کی تصریح ہے اور ائمہ دین کا بھی اسی پر اجماع ہے اور تمام امت کے لئے یہی حکم ہے صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت اور آپ ﷺ کا امتیاز ہے کہ اس سے زائد کی اجازت ہے۔ فائدہ: یتیم لڑکیوں کے نکاح کی تیسری صورت یہ بھی حدیث میں ہے کہ جس یتیم لڑکی کی طرف صورت اور مال دونوں وجہ سے بے رغبتی ہوتی تھی اس کا نکاح ولی دوسری جگہ کر دیتا تھا مگر ظاہر ہے کہ اس آیت کو اس صورت سے تعلق نہیں۔

۶۔ ایک سے زائد نکاح کے لئے انصاف کی شرط: یعنی اگر تم کو اس کا ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں انصاف اور مساوات کے مطابق معاملہ نہ کر سکو

گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف لونڈیوں پر ایک ہو یا زیادہ بس کرو یا چاہو تو ایک منکوحہ کے کے ساتھ ایک یا چند لونڈیوں کو جمع کر لو۔  
۷۔ یعنی صرف ایک عورت سے نکاح کرنے میں یا فقط اپنی لونڈی یا اپنی لونڈیوں پر قناعت کرنے میں یا ایک نکاح کے ساتھ ایک لونڈی یا چند لونڈیوں کو جمع کرنے میں اس بات کی توقع ہے کہ تم بے انسانی اور خلاف عدل سے محفوظ رہو کیونکہ زوجات کے جو حقوق ہیں وہ اپنی مملوکہ لونڈی کے نہیں کہ ان میں عدل نہ ہونے سے تم پر مواخذہ ہو، نہ ان کے لئے مہر ہے نہ معاشرت کے لئے کوئی حد مقرر ہے فائدہ جس کے کئی عورتیں ہوں تو اس پر واجب ہے کہ کھانے پینے اور لینے دینے میں ان کو برابر رکھے اور رات کو ان کے پاس رہنے میں باری برابر باندھے اگر باری نہ کرے گا تو قیامت کو وہ مفلوج ہو گا ایک کروٹ گھسٹتی چلے گی اور کسی کے نکاح میں ایک حرہ اور ایک لونڈی ہو تو لونڈی کو حرہ سے نصف باری ملے گے اور جو لونڈی اپنی ملک میں ہو اس کا باری میں کوئی حق مقرر نہیں مالک کی خوشی پر ہے۔

۸۔ اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کے خوشی سے [۸] پھر  
اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے تو اس  
کو کھاؤ چتا چتا [۹]

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ  
عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُوْهُ هُنِيًّا مَّرِيًّا ﴿۸﴾

۸۔ مہر کی ادائیگی کا حکم: یعنی جن عورتوں سے نکاح کرو ان کے مہر خوشدلی اور رغبت کے ساتھ خود ادا کر دو ان کا کوئی حامی اور تم سے تقاضا کر کے وصول کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ ایسا کرو تو پھر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج ہی نہیں حرج تو جب ہے کہ مہر دینے میں یا ان کے کسی حق کے ادا کرنے میں روگردانی ہو۔

۹۔ یعنی اگر عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کوئی مقدار زوج کو معاف کر دے یا لے کر پھر زوج کو ہبہ کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں زوج اس کو خوشی سے کھالے جو کھانا لذیذ ہو اور طبیعت اس کو رغبت کے ساتھ قبول کر لے اس کو ہنی کہتے ہیں اور جو کھانا ہضم ہو کر بخوبی جزو بدن اور موجب صحت و قوت ہو وہ مری ہے۔

۵۔ اور مت پکڑ دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا  
ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب اور ان کو اس میں  
سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول [۱۰]

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ  
قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا  
مَعْرُوفًا ﴿۵﴾

۶۔ اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی  
عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو ان کے  
مال ان کو [۱۱] اور کھانہ جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ  
اور حاجت سے پہلے کہ یہ بڑے نہ ہو جائیں [۱۲] اور جس کو  
حاجت نہ ہو تو مال یتیم سے بچتا رہے اور جو کوڑی محتاج ہو تو  
کھاوے موافق دستور کے [۱۳] پھر جب ان کو حوالہ کرو  
ان کے مال تو گواہ کر لو اس پر اور اللہ کافی ہے حساب لینے

وَأَبْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ  
أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَ  
لَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۗ وَ مَنْ  
كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِيرًا

فَلْيَاكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۖ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۖ<sup>ط</sup>  
أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهُدُوا عَلَيْهِمْ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ

حَسِيبًا ﴿١٠﴾

۱۰۔ یتیموں کی پرورش کے مسائل: یعنی بے سمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں ان کا وہ مال مت دے دو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے لئے سامان معیشت بنایا ہے بلکہ اس کی پوری حفاظت رکھو اور اندیشہ ہلاکت سے بچاؤ اور جب تک ان کو نفع نقصان کا ہوش نہ آئے اس وقت تک ان کو اس میں کھلاؤ پہنناؤ اور تسلی کرتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے ہم تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں جب سمجھ دار ہو جاؤ گے تو تم کو ہی دے دیں گے۔  
۱۱۔ یعنی یتیموں کو سدھاتے اور آزماتے رہو بلوغ کے وقت تک پھر بلوغ کے بعد اگر ان میں اپنے نفع نقصان کی سمجھ اور حفاظت و انتظام مال کا سلیقہ پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو۔ یتیموں کے سدھانے اور آزمانے کی عمدہ صورت یہی ہے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کی ان سے خرید و فروخت کرائی جائے اور اس کا طریقہ ان کو بتایا جائے اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کی بیع و شراوی کی اجازت سے جو ہوگی وہ درست ہوگی امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور اگر بالغ ہو کر بھی اس میں ہوشیاری نہ آئے تو امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ پچیس برس کی عمر تک انتظار کرو اس درمیان میں جب اس کو سمجھ آجائے مال اسکے حوالہ کر دو ورنہ پچیس سال پر ہر حال میں اس کا مال اس کو دے دو۔ پوری سمجھ آئے یا نہ آئے۔  
۱۲۔ یعنی یتیم کے مال کو ضرورت سے زیادہ صرف کرنا منع ہے مثلاً ایک پیسہ کی جگہ دو پیسے صرف کر دو اور یہ بھی منع ہے کہ اس بات سے گھبرا کر کہ یتیم بڑے ہو کر اپنا مال ہم سے لے لیں گے خرچ کرنے میں جلدی کرنے لگو خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم کے مال کو بقدر ضرورت اور بروقت ضرورت صرف کرنا چاہئے۔

۱۳۔ یعنی یتیم کا مال ولی اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنے والا محتاج ہو تو البتہ اپنی خدمت کرنے کے موافق یتیم کے مال میں سے در ماہہ لے لیوے۔ مگر غنی کو کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔

۱۴۔ یتیموں کا مال گو اہوں کی موجودگی میں ادا کرو: جب کسی بچہ کا باپ مر جائے تو چاہئے کہ چند مسلمانوں کے روبرو یتیم کا مال لکھ کر امانتدار کو سونپ دیں جب یتیم بالغ ہوشیار ہو جائے تو اس تحریر کے موافق اس کا مال اس کے حوالہ کر دیں اور جو کچھ خرچ ہوا وہ اس کو سمجھادیں اور جو کچھ یتیم کے حوالے کیا جائے شاہدوں کو دکھلا کر حوالہ کریں۔ شاید کسی وقت اختلاف ہو تو بسہولت طے ہو سکے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حفاظت کرنے والا اور حساب سمجھنے والا کافی ہے اس کو کسی حساب یا شہادت کی حاجت نہیں یہ سب باتیں تمہاری سہولت اور صفائی کی وجہ سے مقرر فرمائیں۔ جاننا چاہئے کہ یتیم کا مال لینے اور دینے کے وقت گواہ کرنا اور اس کو لکھ لینا مستحب ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ  
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ  
مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۗ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١٥﴾

۷۔ مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ میں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ میں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے [۱۵]

۸۔ اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو اس میں سے اور کہہ دو ان کو بات معقول [۱۶]

وَ إِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَ الْيَتَىٰ وَ الْمَسْكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَ قُولُوا لَهُمْ قَوْلًا

مَعْرُوفًا ﴿٨﴾

۹۔ اور چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑی ہے اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو ان پر اندیشہ کریں یعنی ہمارے پیچھے ایسا ہی حال انکا ہو گا تو چاہئے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی [۱۷]

وَلْيُخَشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَ لْيَقُولُوا

قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾

۱۰۔ جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں [۱۸]

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلُونَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

۱۵۔ ترکے اور میراث کے احکام: حضرت پیغمبر ﷺ کے زمانہ سے پہلے یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو چھوٹی ہوں یا بڑی میراث نہیں دیتے تھے اور بیٹے جو نابالغ ہوتے تھے ان کو بھی میراث نہیں ملتی تھی صرف مردوں کو جو بڑے اور دشمنوں سے مقاتلہ کے کام کے ہوتے تھے وہ وارث سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ بھی نہ ملتا تھا ان کے بارہ میں یہ آیت اتری جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ اور دیگر قرابت والوں کے مال متروکہ میں سے مردوں یعنی بیٹیوں کو خواہ وہ بچے ہوں یا جوان اُن کا حصہ ملے گا اور عورتوں یعنی بیٹیوں کو بھی بالغ ہوں یا نابالغ ماں باپ وغیرہ اقارب کے ترکہ میں سے ان کا حصہ دیا جائے گا اور یہ حصے مقرر کئے ہوئے ہیں جن کا دینا ضروری ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا بہت اس سے اہل جاہلیت کی رسم مذموم کا ابطال ہو گیا اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت فرما کر ان کی حق تلفی کو روک دیا۔ فائدہ اس آیت میں حق والوں کا حق اور اس کا تقرر بالا بجمال بتلایا گیا آئندہ رکوہ میں وارثوں کے حصہ کی تفصیل آتی ہے۔

۱۶۔ تقسیم میراث کے وقت غریب رشتہ داروں سے سلوک: یعنی تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنہہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دے دو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے میت نے وصیت بھی نہیں اس لئے ہم مجبور ہیں۔ ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور یتامی اور مساکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں۔

۱۷۔ یہ ارشاد اصل میں تو یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ اوروں کو بھی اس کا خیال رہے مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور برائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہئے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو یعنی جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔

۱۸۔ یتیموں کے مال میں خیانت کی سزا: آیات متعددہ سابقہ میں یتیموں کے مال کے متعلق مختلف طرح سے احتیاط کرنے کا حکم تھا اور ان کے مال میں خیانت کو بڑا گناہ بتایا گیا ہے اب اخیر میں مال یتیم میں خیانت کرنے پر وعید شدید بیان فرما کر اس حکم کو خوب موکد کر دیا کہ جو کوئی یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے یعنی اس کھانے کا انجام ہو گا۔ اور جملہ اخیر میں اس کو ظاہر کر دیا گیا۔

۱۱۔ حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر ہے دو عورتوں کے [۱۹] پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لئے ہے دو تہائی اس مال سے جو چھوڑا اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے [۲۰] اور میت کے مال باپ کو ہر ایک کے لئے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑا اور اگر میت کے اولاد ہے [۲۱] اور اگر اس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اسکے مال باپ تو اس کی ماں کا ہے تہائی [۲۲] پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کا ہے چھٹا حصہ [۲۳] بعد وصیت کے جو کر مر یا بعد ادائے قرض کے [۲۴] تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون نفع پہنچائے تم کو زیادہ حصہ مقرر کیا ہو اللہ کا ہے بیشک اللہ خبر دار ہے حکمت والا [۲۵]

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلَا لِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ آبَاؤُهُ فَلِأُمَّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمَّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۱﴾

۱۹۔ میراث میں اولاد کے حصے: اوپر اقارب میت کے وارث ہونے کا ذکر ہوا تھا اور ان کے حصوں کے تقرر اور تعین کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا تھا اب اقارب اور ان کے حصوں کی تفصیل بتلائی جاتی ہے اور اس سے پہلے سے یتیموں کے حق میں تشدد اور تاکیدات کا ذکر چلا آ رہا تھا جس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اقارب میت میں اگر کوئی یتیم ہو تو اس کا حصہ دینے میں بہت ہی احتیاط اور اہتمام کرنا چاہئے اہل عرب کی قدیم رسم کے موافق ان کو میراث سے محروم کر دینا سخت ظلم اور بڑا گناہ ہے اب اقارب میں سب سے پہلے اولاد کے حصہ کو بیان فرمایا کہ اگر کسی میت کی اولاد بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو ان کی میراث دینے کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کے برابر حصہ پائے گا مثلاً ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں

تو نصف مال بیٹے کا اور نصف دونوں بیٹیوں کا ہو گا اور اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوگی تو دو ٹکٹے بیٹے کا ایک ٹکٹہ بیٹی کا ہو گا۔

۲۰۔ بیٹیوں کی وراثت کے احکام: یعنی اور اگر کسی میت نے اولاد میں صرف عورتیں یعنی بیٹیاں ہی چھوڑیں بیٹا نہیں چھوڑا تو وہ اگر دو سے زیادہ ہوں تب بھی ان کو دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک ہی بیٹی چھوڑی تو اس کو میت کے ترکہ کا نصف ملے گا۔ جاننا چاہئے کہ لَدُنْكَ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَىٰ کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایک بیٹی کو ایک بیٹے کے ساتھ ایک ٹکٹہ ملے گا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک بیٹی کو دوسری بیٹی کے ساتھ بطریق اولیٰ ایک ٹکٹہ ملے گا کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹی سے زائد ہے تو جب بیٹے کی وجہ سے اس کا حصہ ایک ٹکٹہ سے کم نہیں ہو تو دوسری بیٹی کی وجہ سے کیسے گھٹ سکتا ہے۔ سو دو بیٹیوں کا حکم چونکہ پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اس لئے اس آیت میں دو بیٹیوں سے زائد کا حکم بتلادیا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ دو بیٹیوں کا حق جب ایک بیٹی سے زائد ہے تو شائد تین یا چار بیٹیوں کا حق دو بیٹیوں سے زائد ہو گا سو یہ بات ہرگز نہیں بلکہ بیٹیاں جب ایک سے زائد ہوں گی دو ہوں یا دس ان کو دو ٹکٹے ملے گا۔ فائدہ اولاد کے وارث ہونے کی دو صورتیں آیت میں مذکور ہوئیں اول یہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں طرح کی اولاد ہو دوسری یہ کہ صرف دختر کی اولاد ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک لڑکی ہو یا ایک سے زائد تو اب صرف ایک صورت باقی رہ گئی وہ یہ کہ صرف پسری اولاد ہو سو اس کا حکم یہ ہے کہ تمام میراث اس کو مل جائے گی خواہ ایک بیٹا ہو یا زائد۔

۲۱۔ ماں باپ کی میراث: اب ماں باپ کی میراث کی تین صورتیں بیان فرماتے ہیں صورت اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد ہو بیٹا یا بیٹی تو میت کے ماں باپ کو ترکہ میت میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

۲۲۔ ماں باپ کی میراث دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد کچھ نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک ٹکٹہ ملے گا یعنی باقی دو ٹکٹے اس کے باپ کو ملیں گے۔

۲۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا صرف باپ یا صرف ماں میں شریک ہوں اور اولاد کچھ نہیں تو اب اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی باقی سب اس کے باپ کو ملے گا بھائی بہن کو کچھ نہ ملے گا اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہوگی تو ماں کو ایک ٹکٹہ اور باپ کو دو ٹکٹے ملیں گے جیسا کہ دوسری صورت مذکورہ بالا میں تھا۔

۲۴۔ میت کے قرض اور وصیت کا حکم: یعنی جس قدر وارثوں کے حصے گذر چکے یہ سب میت کی وصیت اور اس کے قرض کو جدا کر لینے کے بعد وارثوں کو دیے جائیں گے اور وارثوں کا مال وہی ہو گا جو مقدر وصیت و قرض کے نکال لینے کے بعد باقی رہے گا اور نصف اور ٹکٹہ وغیرہ اسی کا مراد ہے نہ تمام مال کا۔ فائدہ میت کا مال اول اس کے کفن اور دفن کو لگایا جائے جو اس سے بچے وہ اس کے قرض میں دیا جائے پھر جو باقی رہے اس کو میت کی وصیت میں ایک تہائی تک صرف کیا جائے اس کے بعد جو رہے وارثوں پر تقسیم کیا جائے۔

۲۵۔ اس آیت میں دو میراث بیان فرمائیں اولاد کی اور ماں باپ کی اب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ بات تم کو معلوم نہیں کہ کس سے تم کو نفع پہنچے گا اور کتنا نفع پہنچے گا اس لئے تم کو اس میں دخل نہ دینا چاہئے جو کچھ کسی کا حصہ حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے اس کی پابندی کرو کہ اس کو تمام چیزوں کی خبر بھی ہے اور بڑا حکمت والا ہے۔

۱۲۔ اور تمہارا ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مرے تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کے اولاد اور اگر ان کے اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں بعد وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے [۲۶] اور عورتوں

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ  
وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ

کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑا مرد تم اگر نہ ہو تمہارے اولاد اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کو مر ویاقرض کے [۲۷] اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے [۲۸] اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو [۲۹] یہ حکم ہے اللہ کا اور اللہ ہی سب کچھ جاننے والا تحمل کرنے والا [۳۰]

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَلَهُنَّ  
الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَكُمْ وَّلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ  
لَكُمْ وَّلَدٌ فَلَهُنَّ الشُّنُّ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ  
وَصِيَّةٍ تُوصَوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ  
يُّورِثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَوَلَّهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ  
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِن  
ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ  
يُّوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ غَيْرِ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ  
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝

۲۶۔ زوجین کی میراث: اب زوجین کی میراث کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ مرد کو اس کی عورت کے مال میں سے آدھا مال ملے گا اگر عورت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر عورت کے اولاد ہے خواہ ایک ہی بیٹا یا بیٹی ہو اور اسی مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے تو مرد کو عورت کے مال میں سے ایک چوتھائی مال ملے گا قرض اور وصیت کے بعد۔

۲۷۔ اسی طرح عورت کو اس کے خاوند کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا اگر مرد کی اولاد کچھ نہ ہو اور اگر مرد کی اولاد ہے خواہ اسی عورت سے یا دوسری عورت سے تو عورت کو آٹھواں حصہ ملے گا خاوند کے اس مال میں سے جو وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد بچ رہے گا مال کی ہر قسم میں سے نقد ہو یا جنس سلاح ہو یا زیور حویلی ہو یا باغ، باقی رہا عورت کا مہر وہ میراث سے جدا ہے وہ قرض میں داخل ہے۔ یہ کل دو صورتیں ہوئیں۔ جیسا کہ مرد کی میراث میں یہی دو صورتیں تھیں۔

۲۸۔ اخیانی بھائی بہن کی میراث: یہاں سے اخیانی بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے جو کہ صرف ماں میں شریک ہوں سو جانا چاہئے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے ہوئے تو بھائی اور بہن کو کچھ نہیں پہنچتا ہاں اگر باپ اور بیٹا نہ ہو گا تو بھائی اور بہن کو میراث ملے گی۔ بھائی اور بہن تین طرح کے ہیں۔ سگے جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں جن کو عینی کہتے ہیں یا وہ سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہوں جن کو علانی کہتے ہیں یا وہ سوتیلے جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیانی کہتے ہیں اس آیت میں قسم اخیر کا ذکر ہے چنانچہ متعدد صحابہ کی قرآہ میں ولہ اخ و ااخت کے بعد من الامر کا کلمہ صریح موجود ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ماں باپ بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو

اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن اخیانی ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور مرد اور عورت یعنی اخیانی بھائی اور بہن کا برابر حصہ ہے کمی یا زیادتی نہیں باقی رہے دو قسم کے بھائی بہن یعنی عینی اور علاقائی سوان دونوں قسموں کا حکم مثل اولاد کے ہے بشرطیکہ میت کے باپ بیٹا کچھ نہ ہو۔ مقدم یعنی ہے وہ نہ ہو تو پھر علاقائی، اسی سورت کے اخیر میں ان دونوں کی میراث کا ذکر آئے گا۔ فائدہ یہ جاننا چاہئے کہ کلالہ کی تفسیر جو یہ کی گئی ہے کہ اس کے باپ بیٹا نہ ہو یہ سب کو مسلم ہے مگر امام ابوحنیفہؒ دادی اور پوتی کی بھی نفی کرتے ہیں اور جو حکم باپ بیٹے کا ہے وہی دادی پوتی کا فرماتے ہیں اور حضرات صحابہ کے وقت سے یہ اختلاف علماء میں چلا آتا ہے۔

۲۹۔ تقسیم میراث سے پہلے قرض اور وصیت کا لحاظ: یعنی اگر اخیانی بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو ایک تہائی مال میراث میں ملے گا اور پہلی صورت میں سدس اور دوسری صورت میں ثلث جو دیا جائے گا تو وصیت اور دین کے بعد جو باقی رہے گا اس کا سدس اور ثلث دیا جائے گا اور وصیت میراث پر مقدم جب ہوگی جب اوروں کو نقصان نہ پہنچایا ہو اور نقصان کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ہو دوسری یہ کہ جس وارث کو میراث میں سے حصہ ملے گا اس کے لئے کچھ وصیت بھی کر جائے یہ دونوں صورتیں درست نہیں البتہ اگر سب وارث اس کو قبول کر لیں تو خیر ورنہ یہ وصیتیں مردود ہیں۔ فائدہ وارثوں سے چونکہ اندیشہ تھا کہ ترکہ میت میں سے میت کا دین اور وصیت ادا نہ کریں بلکہ تمام مال آپ ہی رکھ لیں اس لئے میراث کے ساتھ بار بار دین اور وصیت کا حکم تاکیداً بیان کیا گیا اور وصیت چونکہ تبرع اور احسان ہے اور بسا اوقات کوئی شخص معین اس کا مستحق نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس کے ضائع ہونے کا احتمال قوی تھا تو اس لئے بغرض اہتمام و احتیاط وصیت کو ہر جگہ دین سے پہلے ذکر فرمایا حالانکہ وصیت کا درجہ دین کے بعد ہے جیسا پہلے گذرا نیز وصیت حق مورث ہے جیسے تہجیز و تکفین بخلاف وراثت اور دین کے کہ وہ دوسروں کا حق ہے تو اس حیثیت سے وصیت دین سے مقدم ہوگی گو دوسری وجہ سے دین وصیت پر مقدم ہے اور یہاں جو غیر مضار کی قید لگائی یہی قید مقامات سابقہ میں بھی معتبر ہوگی۔

۳۰۔ وارثوں کی تین قسمیں: شروع رکوع سے یہاں تک جو میراثیں بیان فرمائیں وہ پانچ ہیں، بیٹا بیٹی اور ماں باپ اور زوج اور زوجہ اور اخیانی بھائی بہن ان پانچوں کو ذوی الفروض اور حصہ دار کہتے ہیں ان پانچوں میراث کو بیان فرما کر بطور تاکید فرمایا کہ یہ حکم ہے اللہ کا اس کی تعمیل ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے کس نے اطاعت کی اور کس نے نافرمانی کی کس نے میراث و وصیت و دین میں حق اور انصاف کے موافق کیا کس نے بے انصافی کی اور ضرر پہنچایا باقی ظلم و بے انصافی کی سزا میں تاخیر ہونے سے کوئی دھوکا نہ کھائے کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم بھی بہت کامل ہے۔ فائدہ جاننا چاہئے کہ ذوی الفروض کے سوا جن کا بیان اس رکوع میں گذرا ایک دوسری قسم کے وارث ہیں جن کو عصبہ کہتے ہیں ان کے لئے کوئی حصہ مثل نصف ثلث وغیرہ کے مقرر نہیں بلکہ ذوی الفروض سے جو فاضل ہو گا وہ ان کو ملے گا مثلاً اگر کسی کے عصبہ ہو اور ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا مال تمام عصبہ کو ملے گا اور جو دونوں ہوں تو ذوی الفروض کو دے کر جو مال بچے گا عصبہ کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ بچا تو عصبہ کو کچھ نہ ملے گا اور عصبہ اصل میں تو وہ ہے جو مرد ہو عورت نہ ہو اور اس میں اور میت میں عورت کا واسطہ بھی نہ ہو اور اس کے چار درجے ہیں اول درجہ میں بیٹا اور پوتا ہے دوسرے درجہ میں باپ اور دادا تیسرے درجہ میں بھائی اور بھتیجا چوتھے درجہ میں چچا اور پچا کا بیٹا یا اس کا پوتا اگر کئی شخص ہوں تو جو میت سے قریب ہے وہ مقدم ہو گا جیسے پوتے سے بیٹا یا بھتیجے سے بھائی مقدم ہے پھر سوتیلے سے سگا مقدم ہے اور ان چاروں کے سوا اولاد میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے یعنی بیٹے کے ساتھ بیٹی اور بھائی کے ساتھ بہن بھی عصبہ ہوگی یہ عصبہ اصلی نہیں بلکہ غیر اصلی ہیں اور اولاد اور بھائیوں کے سوا عورت عصبہ نہ ہوگی مثلاً چچا کا بیٹا عصبہ ہے مگر اس کے ساتھ ہو کر چچا زاد بہن عصبہ نہیں ہو سکتی۔ فائدہ ان دونوں قسم مذکورہ بالا یعنی ذوی الفروض اور عصبہ کے سوا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وارث کی تیسری قسم



ذوی الارحام ہیں یعنی ایسے قرابت والے کہ ان میں اور میت میں عورت کا واسطہ ہو اور ذوی الفروض میں نہ ہو اور عصبہ بھی نہ ہو جیسے نواسا اور نانا اور بھانجا اور ماموں اور خالہ اور پھوپھی اور ان کی اولاد جب کسی میت کے ذوی الفروض اور عصبہ کوئی بھی نہ ہو گا تو اس کی میراث ذوی الارحام کو ملے گی۔ تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔

۱۳۔ یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اس کو داخل کرے گا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہ ہے بڑی مراد ملنی

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اسکے رسول کی اور نکل جاوے اس کی حدوں سے ڈالے گا اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے [۳۱]

وَمَنْ يُعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا يَدْخُلْهُ

نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۴﴾

۳۔ ان احکام کی حکمت و اہمیت: یعنی تمام احکام مذکورہ سابقہ متعلق حقوق یتیمی اور وصیت اور میراث اللہ کے مقرر فرمودہ ضابطے اور قاعدے ہیں اور جو کوئی اطاعت کرے گا احکام الہی کی جن میں حکم وصیت و میراث بھی داخل ہے اس کے لئے ہمیشہ کو جنت ہے اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اور حدود خداوندی سے بالکل خارج ہو جائے گا وہ ہمیشہ کو ذلت کے ساتھ عذاب جہنم میں گرفتار رہے گا۔

۱۵۔ اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد ایمنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیوں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالیوے ان کو موت یا مقرر کر دے اللہ ان کے لئے کوئی راہ [۳۲]

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ

شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّهِنَّ

الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿۱۵﴾

۱۶۔ اور جو مرد کریں تم میں سے وہی بدکاری تو ان کو ایذا دو [۳۳] پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان کا خیال چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے [۳۴]

وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ فَادْؤُهَا فَإِنْ تَابَا وَ

أَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا

رَّحِيمًا ﴿۱۶﴾

۳۲۔ زنا و لو اوطت کے احکام: یتالی اور مواریث کو بیان فرما کر اب دیگر احکام متعلقہ اقارب کو بتلایا جاتا پہلے عورتوں کے متعلق چند باتیں ارشاد ہوتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی تادیب اور سیاست ضروری امر ہے اور ان پر کسی قسم کی تعدی اور ظلم بھی نہ کیا جائے اہل جاہلیت کے یہاں عورتوں کی بابت دونوں باتوں میں بہت بے اعتماد الیاں ہوتی تھیں اور س آیت میں تادیب کے متعلق حکم ہے کہ اگر کسی کی زوجہ کا مرتکب زنا ہونا معلوم ہو تو اس کے لئے چار گواہ مسلمانوں میں سے عاقل بالغ آزاد رائے قائم ہونے چاہئیں اگر چار آدمی گواہی دیں تو اس عورت کو گھر میں مقید رکھنا چاہئے گھر سے باہر جانا اور کسی سے ملنا انتظاماً بالکل روک دیا جائے یہاں تک کہ وہ عورت مر جائے یا اللہ اس کے لئے کوئی حکم اور سزا مقرر فرمائے اس وقت تک زانیہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کا وعدہ کیا چنانچہ کچھ عرصہ بعد سورہ نور میں اس کی حد نازل فرمادی کہ باکرہ کے لئے سو کوڑے اور ثلبیہ کے واسطے سنگسار کرنا ہے۔

۳۳۔ یعنی دو شخص خواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو خواہ دونوں مرد ہوں اگر فعل بد کریں تو ان کی سزا مجملًا ایذا دینا ارشاد فرمایا زبان سے ہاتھ سے بقدر مناسب ان کو تنبیہ و تادیب کرنے کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک زنا اور لو اوطت دونوں کا یہی حکم تھا کہ حاکم اور قاضی کے نزدیک زجر و عبرت کے لئے جتنی سزا اور شتم و ضرب مناسب ہو اتنی سزا دی جائے اس کے بعد حسب وعدہ حد زنا جب نازل ہوئی تو لو اوطت کے لئے کوئی جدا حد بیان نہ فرمائی اس میں علماء کا اختلاف رہا کہ لو اوطت کی بھی وہی حد ہے جو زنا کے لئے بیان ہوئی یا لو اوطت کی وہی سزا باقی رہی جو پہلے تھی یا اس کی سزا تلوار سے قتل کرنا یا کسی دوسرے طریقہ سے مار ڈالنا ہے۔ فائدہ اس آیت کو بہت سے علماء نے زنا پر حمل کیا ہے اور بعض نے لو اوطت پر اور بعض نے دونوں کو شامل رکھا ہے۔

۳۴۔ یعنی اس کے بعد اگر وہ بدکاری سے توبہ کر لیں اور آئندہ کو اپنے اعمال کی درستی کر لیں تو اب ان کے پیچھے مت پڑو اور زجر و ملامت سے ستانا چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

۱۷۔ توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو انکی ہے جو کرتے ہیں برا کام جہالت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو ان کو اللہ معاف کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا [۳۵]

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برے کام یہاں تک کہ جب سامنے آ جائے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں ان کے لئے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک [۳۶]

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ ۚ وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا ۖ أُولَٰئِكَ

أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

۳۵۔ وہ لوگ جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی: یعنی توبہ تو بیشک ایسی چیز ہے کہ زنا اور لو اوطت جیسے سنگین جرم بھی اس سے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا

ہے جیسا کہ آیت سابقہ سے مفہوم ہوا لیکن اس کا بھی ضرور لحاظ رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے فضل سے قبول توبہ کا ذمہ لے لیا ہے وہ اصل میں ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو نواقص اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر لیتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر متنبہ اور مطلع ہوتے ہیں تو جیسی نادم ہوتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں سو ایسوں کی خطائیں اللہ ضرور معاف فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ کس نے نادانی سے گناہ کیا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی اور حکمت والا ہے جس توبہ کا قبول کرنا موافق حکمت ہوتا ہے اس کو قبول فرماتا ہے۔ فائدہ قید جہالت اور قید قریب سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص گناہ تو کرے نادانی سے اور تنبیہ کے بعد توبہ کر لے جلدی سے تو بقاعدہ عدل و حکمت اس کی توبہ مقبول ہونی ضرور ہے اور جس نے جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ اللہ کی نافرمانی پر جرأت کی یا اطلاع کے بعد اس نے توبہ میں تاخیر کی اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو بقاعدہ عدل و انصاف اس کی خطا اصل میں معافی کے قابل نہیں اس کا قبول کر لینا اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان دونوں توبہ کو بھی قبول کر لیتا ہے یہ اس کا احسان ہے۔ مگر ذمہ داری صرف اول صورت میں ہے باقی میں نہیں۔

۳۶۔ یعنی اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برابر گناہ کئے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے یہاں تک کہ جب موت ہی نظر آگئی تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو کفر پر مر گئے اور اس کے بعد عذاب اخروی کو دیکھ کر توبہ کریں۔ ایسے لوگوں کے واسطے عذاب شدید تیار ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ دونوں آیتیں جو دربارہ قبول توبہ اور عدم قبول توبہ یہاں مذکور ہیں ہم نے جو ان کا مطلب بیان کیا ہے بعض اکابر محققین کی تحقیق کے موافق ہے اور اس میں یہ خوبی ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں اپنے ظاہری معنی پر قائم رہے اور علی اللہ کے معنی بھی سہولت سے بن گئے اور اس موقع پر قبول اور عدم قبول توبہ کے ذکر فرمانے سے جو مقصد ہے یعنی توبہ کیف ما اتفق مقبول نہیں اور توبہ کی چند صورتیں ہیں اور ان کی مقبولیت میں باہم فرق ہے تاکہ کوئی توبہ کے اعتماد پر معاصی پر جری نہ ہو جائے یہ مقصد بھی اس صورت میں خوب حاصل ہو جاتا ہے مگر مفسرین حضرات نے علی العموم جو ان آیتوں کا مطلب ارشاد فرمایا ہے تو قید جہالت کو احترازی اور شرطی نہیں لیتے بلکہ قید واقعی فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گناہ ہمیشہ جہل اور حماقت سے ہوتا ہے اور قریب کے معنی یہ لیتے ہیں کہ حضور موت سے پہلے جس قدر وقت ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ دنیا کی زندگی قلیل ہے اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کا توبہ قبول فرمانے کا وعدہ ان سے ہے کہ سفاہت اور عدم انجام بینی سے گناہ کر لیتے ہیں اور پھر موت کے آنے سے پہلے تائب ہو جاتے ہیں اور جو لوگ کہ موت کو مشاہدہ کر چکے اور نزع کی حالت کو پہنچ چکے یا جو لوگ کہ کفر پر مر چکے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اس تقریر کے موافق توبہ کرنے والوں کی وہ دو صورتیں ہیں جو تقریر اول میں مذکور ہوئیں شق اول یعنی قبول توبہ کے اندر شمار ہوگی۔ فائدہ کہ جب موت کا یقین ہو چکے اور دوسرا عالم نظر آنے لگے تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں اور عالم آخرت کے دیکھنے سے پہلے کی توبہ البتہ قبول ہوتی ہے۔ اتنا فرق ہے کہ حسب تقریر اول صورت اول میں تو قبول توبہ قاعدہ عدل و انصاف کے موافق ہے اور دوسری صورتوں میں قبول توبہ اس کا محض فضل ہے کما تر۔

۱۹۔ اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو ان سے کچھ اپنا دیا ہو مگر کہ وہ کریں بے حیائی صریح<sup>[۳۷]</sup> اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی<sup>[۳۸]</sup>

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا  
النِّسَاءَ كَرِهًا ۗ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ  
مَا آتَيْتُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ  
وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْعُرْفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ

فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ يَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ

خَيْرًا كَثِيرًا ﴿٦٩﴾

۲۰۔ اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور دے چکے ہو ایک کو بہت سامان تو مت پھیر لو اس میں سے کچھ کیا لیا چاہتے ہو اس کو ناحق اور صریح گناہ سے

[۳۹]

أَتَأْخُذُونََهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٧٠﴾

۲۱۔ اور کیونکہ اس کو لے سکتے ہو اور پہنچ چکا ہے تم میں کا ایک دوسرے تک اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد

[۴۰]

وَأَخْذَنْ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٧١﴾

۳۷۔ علیٰ زندگی کے احکام: حسب بیان سابق عورتوں کی بدافعالی کی بابت تادیب و سیاست کا حکم دے کر اب اہل جاہلیت کے اس ظلم و تعدی کو روکا جاتا ہے جو تعدی عورتوں پر وہ طرح طرح سے کیا کرتے تھے سو مجملہ ان صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا اور کوئی وارث لے لیتا پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اس کا مہر کل یا بعض لے لیتا یا ساری عمر اس کو اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث ہوتا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مر جائے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے میت کے بھائی اور اس کے کسی وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے ورثہ سے جو اس کو ملتا تھا کچھ پھیر دے ہاں اگر صریح بد چلنی کریں تو ان کو روکنا چاہئے۔

۳۸۔ عورتوں سے حسن سلوک: یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں اخلاق اور سلوک سے معاملہ رکھو جاہلیت میں جیسا ذلت اور سختی کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا تھا اس کو چھوڑ دو پھر اگر تم کو کسی عورت کی کوئی خوار عادت خوش نہ آئے تو صبر کرو شاید اس میں کوئی خوبی بھی ہو اور ممکن ہے کہ تم کو ناپسندیدہ ہو کوئی چیز اور اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے کوئی بڑی منفعت دینی یا دنیوی رکھ دے سو تم کو تحمل کرنا چاہئے اور بد خو کے ساتھ بد خوئی نہ چاہئے۔

۳۹۔ پہلی بیوی سے سلوک: اسلام سے پہلے یہ بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی چاہتا کہ پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرے تو عورت پر تہمت لگاتا اور مختلف طرح سے اس پر زیادتی اور سختی کرتا کہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے اور نکاح جدید میں کام آئے یہ آیت اس کی ممانعت میں نازل ہوئی کہ جب پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری کر دو اور پہلی کو بہت سامان دے چکے ہو تو اب اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو کیا تم بہتان باندھ کر اور صریح ظلم کر کے زوجہ اولیٰ سے وہ مال لینا چاہتے ہو یہ ہرگز جائز نہیں۔

۴۰۔ مہر کی ادائیگی کا حکم: یعنی جب مرد اور عورت نکاح کے بعد مل چکے اور صحبت کی نوبت آچکی تو اس کے معاوضہ میں تمام مہر دینا مرد پر واجب

ہو چکا تو اب کس وجہ سے مرد اس مہر کو واپس لے سکتا ہے اور در صورت مہر ادا نہ کرنے کے کیسے اس کے مہر کو دبا سکتا ہے۔ اب تو بجز اس کے کہ عورت ہی اپنی خوشی سے معاف کر بیٹھے کوئی صورت رستگاری کی نہیں ہو سکتی اور وہ عورتیں تو بہت مضبوط اور گاڑھا اقرار تم سے لے چکیں جس کی وجہ سے وہ تمہارے قبضہ اور تصرف میں آچکیں اور تم ان سے پورے منتفع ہو چکے نہیں تو تم کو ان پر تصرف کا کیا اختیار تھا۔ اب اس قدر تکمیل اور قبضہ کامل اور تصرف تام کے بعد عورتوں کے مہر کو واپس لینا یا ان کا مہر نہ دینا کیسے ہو سکتا ہے۔ فائدہ جاننا چاہئے کہ جیسا مجامعت کے بعد تمام مہر زوج کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے ایسا ہی اگر مجامعت کی تو نوبت نہ آئے مگر خلوت صحیحہ ہو گئی تو بھی پورا مہر واجب الادا ہو گا ہاں اگر خلوت صحیحہ کی بھی نوبت نہ آئی اور زوج نے طلاق دے دی تو پھر نصف مہر ادا کرنا ہو گا۔

۲۲۔ اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو پہلے ہو چکا یہ بے حیائی ہے اور کام ہے غضب کا اور برا چلن ہے [۴۱]

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۖ وَسَاءَ

سَبِيلًا ۚ

۲۳۔ حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی [۴۲] اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں [۴۳] اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو کہ جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے جن سے تم نے صحبت کی اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہو چکا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۴۴]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعُمَّتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۖ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۗ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۗ وَأَنْ تَجْبَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۚ

۲۴۔ اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ حکم ہو اللہ کا تم پر [۴۵] اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو انکو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو [۴۶] پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے [۴۷] اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کیے پیچھے پیشک اللہ ہے خبردار حکمت والا [۴۸]

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ  
أَيْمَانُكُمْ ۚ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۚ وَ أُحِلَّ لَكُمْ مَا  
وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ  
مُسْفِحِينَ ۖ فَمَا اسْتَتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاتُوهُنَّ  
أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا  
تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۲۴﴾

۴۱۔ باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح: میں ممانعت جاہلیت والے اپنی سوتیلی ماں اور بعض دیگر محرمات سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ جس کا تذکرہ ابھی گذرا اس کی ممانعت کی جاتی ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح مت کرو یہ بے حیائی اور اللہ کے غضب اور نفرت کرنے کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے زمانہ جاہلیت میں بھی سمجھ دار لوگ اس کو مذموم سمجھتے تھے اور اس نکاح کو نکاح مقوت اور اس نکاح سے جو اولاد ہوتی اس کو مقفی کہتے تھے سو ایسے نکاح جو ہو چکے ہو چکے آئندہ کو ہرگز ایسا نہ ہو۔ فائدہ باپ کی منکوحہ کا جو حکم ہے اس حکم میں داد اور نانے کی منکوحہ بھی داخل ہے کتنا ہی اوپر کا داد اور نانا کیوں نہ ہو۔

۴۲۔ دوسری محرمات کا بیان: سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرما کر اب جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں ان سب کو بیان فرماتے ہیں وہ عورتیں چند قسم ہیں اول انکو بیان کیا جاتا ہے جو علاقہ نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ سات ہیں ماں بیٹی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں۔ فائدہ ماں کے حکم میں دادی نانی اوپر تک کی سب داخل ہیں ایسے ہی بیٹی میں پوتی اور نواسی نیچے تک کی سب داخل ہیں اور بہن میں عینی اور علاقائی اور اخیانی سب داخل ہیں اور پھوپھی میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا سوتیلی سب آگئیں اور خالہ میں ماں اور نانی اور نانی کی سب کی بہن تینوں قسم کی داخل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد الاولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد الاولاد داخل ہیں۔

۴۳۔ محرمات نسبی کے بعد اب محرمات رضاعی کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ دو ہیں ماں اور بہن اور اس میں اشارہ ہے کہ ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے رضاعت میں بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں چنانچہ حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے۔

۴۴۔ سرالی محرمات: اب محرمات مصاہرہ کا ذکر ہے یعنی علاقہ نکاح کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے اور وہ زوجہ کی ماں اور اس زوجہ کی بیٹی ہے جس زوجہ سے کہ تم نے صحبت کی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں ہیں اور اس میں نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی

عورتیں داخل ہیں کہ ان سے کبھی تمہارا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی ان قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی جب اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ مر گئی تو ان سے نکاح درست ہو جائے گا اور وہ زوجہ کی بہن ہے کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا اور بعد میں درست ہے اور یہی حکم ہے زوجہ کی پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی کا۔ فائدہ یہ جو فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو کہ تمہاری پشت سے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بیٹے یا پوتے نسبی ہوں منہ بولے یعنی لے پالک نہ ہوں جس کو مستثنیٰ کہتے ہیں رضاعی سے احتراز نہیں اور اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کا یہ مطلب ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے وہ معاف ہے اور فِي حُجُورِكُمْ فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اور ان کی پرورش کرتے ہو یعنی اولاد جیسا ان سے معاملہ کرتے ہو اور گویا اولاد ہی سمجھتے ہو اس سے ان کے نکاح کی حرمت اور ظاہر ہو گئی یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرمت کے لئے گود میں رکھنا ضروری ہے۔

۴۵۔ دوسرے کی منکوحو سے نکاح کی ممانعت: محرمات کا ذکر فرما کر اخیر میں اب ان عورتوں کی حرمت بیان فرمائی جو کسی کے نکاح میں ہوں یعنی جو عورت کسی کے نکاح میں ہے اس کا نکاح اور کسی سے نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ وہ بذریعہ طلاق یا وفات زوج نکاح سے جدا نہ ہو جائے اور عدت طلاق یا عدت وفات پوری نہ کر لے اس وقت تک کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی عورت خاوند والی تمہاری ملک میں آجائے تو وہ اس حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے اور وہ تم پر حلال ہے گو اس کا خاوند زندہ ہے اور اس نے طلاق بھی اس کو نہیں دی اور اس کی صورت یہ ہے کہ کافر مرد اور کافر عورت میں باہم نکاح ہو اور مسلمان دارالہرب پر چڑھائی کر کے اس عورت کو قید کر کے دارالاسلام میں لے آئیں تو وہ عورت جس مسلمان کو ملے گی اس کو حلال ہے گو اس کا زوج دارالہرب میں میں زندہ موجود ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی اب سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں تاکید فرمادی کہ یہ اللہ کا حکم اس کی پابندی تم پر لازم ہے۔ فائدہ جو عورت کافرہ دارالہرب سے پکڑی ہوئی آئے اس کے حلال ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گزر جائے اور وہ عورت مشرک بت پرست نہ ہو بلکہ اہل کتاب میں سے ہو۔

۴۶۔ دوسری عورتوں سے نکاح کی شرائط: یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سوا سب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب و قبول دونوں طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان عورتوں کو قید میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کے لئے وہ اس کی زوجہ ہو جائے چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوڑے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر اہل حق کا اجماع ہے چوتھی شرط جو دوسری آیتوں میں مذکور ہے یہ ہے کہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو یعنی کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت اس معاملہ کی گواہ ہوں اگر بدون دو گواہوں کے ایجاب و قبول ہو گا تو وہ نکاح درست نہ ہو گا زنا سمجھا جائے گا۔

۴۷۔ مہر کو وجوب: یعنی جس عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد زوج نے اس سے کسی مدت معین یا طویل تک نفع بھی حاصل کر لیا کم سے کم یہ کہ ایک ہی دفعہ وطی یا خلوت صحیحہ کی نوبت آئی تو اب اس عورت کا پورا مہر دینا لازم ہے بدون عورت کے بخشے کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا البتہ جب تک عورت بالکل کام میں نہ آوے اور زوج طلاق دیدے تو مہر مقررہ کا آدھا دینا ہو گا اور اگر عورت نے انتقال سے پہلے کوئی ایسی بات کی کہ نکاح ٹوٹ گیا تو زوج کے ذمہ سے سب مہر اتر جائے گا کچھ دینا نہ پڑے گا۔

۴۸۔ یعنی اگر زوجین مہر مقرر کر لینے کے بعد کسی بات پر راضی ہو جائیں۔ مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ کم کر دے یا مرد اپنی رضا سے مہر مقرر سے کچھ زیادہ دے تو وہ مختار ہیں اس میں کچھ گناہ نہیں یہ نہیں کہ مہر مقررہ سے زوج کچھ کم دے یا عورت اس سے کچھ زیادہ لے تو ناجائز ہے ہاں رضائے باہمی ضرور ہونی چاہئے، اخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور ہر طرح کے نفع و نقصان کو خوب جانتا ہے اور جو

حکم فرماتا ہے وہ سراسر حکمت آمیز ہوتا ہے اس کی متابعت میں تمہارے لئے دارین کی خوبی اور بہبودی ہے اور مخالفت میں سراسر نقصان اور خرابی ہے۔

۲۵۔ اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان تو نکاح کر لے ان سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں جو کہ تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان [۴۹] اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو [۵۰] سوان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے مہر موافق دستور کے قید میں آنے والیاں ہوں نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں [۵۱] پھر جب قید نکاح میں آچکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے بیبیوں کی سزا سے [۵۲] یہ اس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۵۳]

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ  
الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَبِنِ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ  
مِنْ فِتْيَانِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ  
بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۖ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ  
وَآتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ  
مُسْفَحَاتٍ وَلَا مْتَخَذَاتٍ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أَحْصِنَّ  
فَإِنَّ آتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى  
الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۗ ذَٰلِكَ لِبَنِي خَشِي  
الْعَنَتِ مِنْكُمْ ۗ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ  
غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٥﴾

۴۹۔ لونڈی سے نکاح کے احکام: یعنی جس کو اس بات کا مقدور نہ ہو کہ آزاد عورت سے نکاح کر سکے اور اس کے مہر اور نفقہ کا تحمل کر سکے تو بہتر ہے کہ ایسا شخص آپس میں کسی کی مسلمان لونڈی سے نکاح کر لے کہ اس کا مہر کم ہوتا ہے اور نفقہ میں بھی یہ سہولت ہے کہ اگر مالک نے اس کو اپنے یہاں رکھا جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو زوج اس کے نفقہ سے فارغ البال رہے گا اور اگر زوج کے حوالہ کر دیا تو بھی بہ نسبت نفقہ حرہ تخفیف ضرور رہے گی۔ فائدہ کہ جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہو اس کو لونڈی سے نکاح کرنا امام شافعی وغیرہ کے نزدیک حرام ہے اور امام ابو حنیفہ کے مذہب میں مکروہ تزیہی ہے ایسے ہی صحبت نکاح کے لئے لونڈی کا مسلمان ہونا اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک افضل ہے اگر لونڈی کتابیہ سے نکاح کر لے گا تو وہ بھی امام کے نزدیک جائز ہو گا ہاں اگر کسی کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو اس کو لونڈی سے نکاح کرنا سب کے نزدیک حرام ہے۔

۵۰۔ لونڈی سے نکاح کے احکام: یعنی اللہ تعالیٰ کو تم سب کے ایمان کی اصلی کیفیت معلوم ہے تم کو تو ظاہر پر اکتفا کرنا چاہئے بعضی لونڈی کا



ایمان اللہ کے نزدیک بعضی آزاد عورت کے ایمان سے بہتر اور افضل ہو سکتا ہے تو اب حیثیت ایمانی سے لونڈی کے ساتھ نکاح کر لینے میں قباحت اور انکار نہ ہونا چاہئے اور آپس میں تم سب ایک ہو ایک اصل سے پیدا ہوئے ہو ایک دین میں شریک ہو پھر لونڈیوں سے نکاح کرنے کو کیوں معیوب اور ننگ و عار سمجھتے ہو اس کلام سے لونڈیوں کے نکاح کی طرف توجہ دلانا اور ان سے نفرت کو دور کرنا مطلوب ہے۔

۵۱۔ یعنی تو اب مناسب ہے کہ حسب بیان بالا ان لونڈیوں سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں سے اجازت لے کر اور قاعدہ اور دستور کے موافق ان کا مہر دیدیا کرو جبکہ وہ خوشی سے قید نکاح میں آئیں مستی نکالنے والیاں اور چھپی اور مخفی یاری کرنے والیاں ہر گز نہ ہوں یعنی زنانہ ہو کہ اس میں مہر ہر گز لازم نہ ہو سکے گا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ زنانیں مہر لازم نہیں ہوتا اور نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

۵۲۔ شادی شدہ لوگوں کے لئے زنا کی سزا: یعنی جو آزاد مرد یا عورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے یعنی مجامعت کی نوبت آچکی ہو اور پھر وہ زنا کرے تو وہ سنگسار کیا جائے گا اور اگر نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح سے پہلے ہی زنا کیا تو اس کے لئے سو کوڑوں کا حکم ہے اور لونڈی اور غلام کے لئے قبل نکاح اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں۔

۵۳۔ صبر لونڈیوں کے نکاح سے بہتر ہے: یعنی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ارشاد اور استحسان اسی کے حق میں ہے جو کوئی شخص تم میں ڈرتا ہو مشقت یعنی زنا میں مبتلا ہونے سے اور اگر تم صبر کرو اور باندیوں سے نکاح نہ کرو تو بہت اچھا ہے تمہارے حق میں کیونکہ اولاد آزاد ہوگی ہاں جس کو صبر و تحمل میں کھٹکا ہو تو اس کو بہتر ہے کہ ایسی حالت میں کسی کی لونڈی سے نکاح کر لے اور اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے صبر کرنے والوں پر۔

۲۶۔ اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو پہلوں کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا [۵۴]

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہووے اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزدوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دور [۵۵]

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ  
يَتَّبِعُونَ الشَّهْوَاتِ أَنْ تَبِيلُوا مِثْلًا كَثِيرًا ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور [۵۶]

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ

ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

۵۴۔ ان احکام کی اہمیت و حکمت: یعنی اللہ تعالیٰ کو ان احکام کے ارشاد سے مطلوب یہی ہے کہ تم کو حلال اور حرام کا حال معلوم ہو جائے اور تم کو پہلے انبیاء کا راستہ نصیب ہو جیسے حضرت ابراہیمؑ وغیرہ اور مغفرت کرے تمہاری اور اللہ کو تمہارے مصالحوں اور تمام حالات کا پورا علم ہے اور اس کے ہر حکم اور ہر تدبیر میں حکمت ہے تو اب اگر اس کے حکم کی اطاعت نہ کرو گے تو ہدایت سے محروم اور پہلوں کے بھی مخالف اور اللہ کی

رحمت اور مغفرت سے محروم رہو گے۔ فائدہ پہلے سے زنا اور لواطت کی حرمت اور ان سے توبہ کرنا اور عورتوں کے متعلق بعض احکام اور جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا ذکر اور نکاح کے متعلق مہر وغیرہ قیود و شرائط کا تذکرہ اور بدکاری سے ممانعت اور اس پر سزا کا ذکر تھا اور بچند وجوہ لوگوں کو ان حکموں کی اطاعت دشوار تھی۔ اس لئے اس آیت میں اور آئینوں میں ان احکام کی پابندی کو خوب موکد اور مستحکم کر کے مخالفت سے روک دیا۔ واللہ اعلم۔

۵۵۔ یعنی یہ مختلف قیدیں جو پہلے گذریں اس سے مطلوب تم پر رحمت فرمانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان قیدوں کی نسبت حکم فرمایا اور جو لوگ اپنی شہوتوں پر فریفتہ ہیں وہ البتہ یہی چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے دور جا پڑو یعنی انہی کی طرح تم بھی اپنی شہوات کا اتباع کرو اور گمراہ ہو جاؤ تو اب جو کچھ کرو سمجھ کر کرو۔

۵۶۔ شریعت کے احکام سہل ہیں: یعنی انسان کو اللہ نے ضعیف بنایا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اپنی شہوات و مرغوبات سے کہاں تک صبر کر سکتا ہے تو اس لئے ہر حکم میں تخفیف کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے یہ نہیں ہوا کہ انسان کے حق میں جو مفید دیکھا وہ اس کے ذمہ لگا دیا سہل ہو یا دشوار مثلاً عورتوں اور شہوت سے صبر کرنا آدمی کو بہت دشوار تھا اس لئے اس کی خواہش پورا کر لینے کے طریقے جائز اللہ نے بتلا دیے کہ اس سے اپنا مطلب حاصل کر سکے یہ نہیں کہ قضائے شہوت سے بالکل روک دیا گیا ہو۔ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شریعت میں تنگی نہیں فرمائی کہ کوئی حلال کو چھوڑے اور حرام کی طرف دوڑے۔ خلاصہ ان آیتوں کا یہ نکلا کہ نفس کو شہوات سے بچانا اور ان تمام قیدوں کا پابند ہونا جو عورتوں کے بارے میں مذکور ہوئیں ہرگز دشوار امر نہیں اور انکی پابندی نہایت ضروری اور سراسر مفید ہے۔

۲۹۔ اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے [۵۷] اور نہ خون کرو آپس میں بیشک اللہ تم پر مہربان ہے [۵۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ  
بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ

رَحِيمًا ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے [۵۹]

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ

نُصَلِّيهِ نَارًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

۵۷۔ اکل حلال کی تاکید: مطلب یہ ہے کہ کسی کو کسی کا مال ناحق کھا لینا مثلاً جھوٹ بول کر یا دغا بازی سے یا چوری سے ہرگز درست نہیں ہاں اگر سوداگری یعنی بیع و شراء کرو تم باہمی رضامندی سے تو اس میں کچھ حرج نہیں اس مال کو کھا لو جس کا خلاصہ یہی نکلا کہ جائز طریقہ سے لینے کی ممانعت نہیں جو مال کو ترک کرنا تم پر دشوار ہو۔

۵۸۔ قتل کی ممانعت: یعنی آپس میں ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے کہ بلا وجہ کسی کے مال یا جان میں

تصرف کرنے کو منع فرمادیا اور تم پر ایسے احکام بھیجے جن میں سراسر تمہارے لئے بہبودی اور خیریت ہے۔

۵۹۔ یعنی اور جو کوئی ظلم اور زیادتی سے باز نہ آئے بلکہ ناحق اوروں کا مال کھائے یا ظلماً کسی کو قتل کر ڈالے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کو آگ میں ڈال دینا خدا تعالیٰ کو دشوار نہیں بالکل سہل اور آسان ہے تو اب کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو مسلمان ہیں دوزخ میں کیسے جا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اس کو عدل و انصاف سے کون چیز روک سکتی ہے۔

۳۱۔ اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں [۶۰]

إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ

سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا

۶۰۔ ارتکاب کبائر و سنیات میں معتزلہ کا جواب: پہلی آیت میں مذکور تھا کہ جو کوئی ظلماً کسی کے مال یا جان کو نقصان پہنچائے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس سے معلوم ہو گیا تھا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی بندہ کے لئے موجب عذاب ہے اب اس آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کرنے پر وعدہ مغفرت اور جنت کی توقع اور طبع دلائل دلائی جاتی ہے تاکہ اس کو معلوم کر کے ہر ایک گناہوں سے احتراز کرنے میں کوشش کرے اور معلوم ہو جائے کہ جو کبیرہ گناہ مثلاً کسی کا مال غصب یا سرقہ کرنے یا کسی کو ظلماً قتل کرنے سے بچ گیا جن کا ذکر ابھی گزرا تو اس کے وہ تمام صغیرہ گناہ بخشے جائیں گے جن کا مرتکب بغرض تحصیل و تکمیل سرقہ اور قتل ہوا تھا۔ اس آیت میں چند باتیں بحث طلب ہیں مگر اصل سب کی یہی ہے کہ آیت کا اصلی اور عمدہ مطلب معلوم ہو جائے جس سے تمام امور کا جان لینا سہل ہو جائے۔ سو معتزلہ اور ان کے موافقین نے سرسری طور پر اس آیت کا یہ مضمون سمجھ لیا کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر محض صغیرہ گو کتنے ہی ہوں ضرور معاف کر دیے جائیں گے اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ کیف ما تنفق ایک یا دو بھی شامل ہو گیا تو اب معافی ممکن نہیں بلکہ سب کی سزا ضروری ہوگی اور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور محقق ہے اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی بد فہمی اور کم فہمی ہے اور اس آیت کے ظاہری الفاظ اور سرسری مضمون سے جو معتزلہ کا مذہب راجح نظر آتا ہے اس کا جواب کسی نے تو یہ دیا کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں کسی نے یہ کہا کہ لفظ کبائر سے جو آیت میں مذکور ہے اکبر الکبائر یعنی خاص شرک مراد لے لیا اور لفظ کبائر کی جمع لانے کی وجہ تعدد انواع شرک کو قرار دیا اور اسی کے ذیل میں چند اور باتیں بھی زیر بحث آگئیں مگر ہم ان سب امور کو نظر انداز کر کے صرف اس آیت کے محقق اور عمدہ معنی ایسے بیان کئے دیتے ہیں جو نصوص اور عقل کے مطابق اور قواعد اور ارشاد محققین کے موافق ہوں اور بشرط فہم و انصاف معنی مذکور کے بعد تمام ضمنی باتیں خود بخود حل ہو جائیں اور خلاف معتزلہ خود بخود مضحل ہو کر معتزلہ کے عدم تدبر اور کم فہمی پر حجت قوی بن جائے اور اہل حق کو اس کے ابطال و تردید کی طرف توجہ فرمانے کی حاجت ہی نہ رہے سو غور سے سنئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ارشاد إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ جو کہ یہاں مذکور ہے اور ارشاد الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّيْمَ جُورًا جو سورہ نجم۔ ۳۲ میں موجود ہے ان ہر دو ارشاد کا مدعی ایک ہے صرف لفظوں میں تھوڑا سا فرق ہے تو اب جو مطلب ایک آیت کا ہو گا وہی دوسری آیت کا لیا جائے گا سو سورہ نجم کی آیت کی نسبت حضرت عبد اللہ بن عباس کا ارشاد بخاری وغیرہ کتب حدیث میں صاف موجود ہے عن ابن عباس قال ما رأيت شيئاً أشبه باللم مما قال أبو هريرة عن النبي ﷺ أن الله كتب على ابن آدم حظاً من الزنى أدرك ذلك لا محالة فزنى العين النظر وزنى اللسان المنطق والنفس تمنى وتشتهى والغرَج يصدق ذلك ويكذب به انتهن۔ بشرط فہم اس حدیث سے ہر دو آیات سابقہ کے واقعی اور

تحقیقی مطلب کا پورا سراغ لگ گیا اور حضرت ابن عباسؓ جبر الامۃ اور لسان القرآن کے فرمانے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لم اور علیٰ ہذا القیاس سیات کے معنی اس سے بہتر نہیں ملے تو اب اس مطلب کے مقابلہ میں کوئی دوسری تقریر مضمون آیت کے متعلق کیونکر قابل ترجیح اور لائق پسند ہو سکتی ہے بالخصوص معتزلہ کی ہرزہ گوئی کیسے قابل التفات اور لائق جواب سمجھی جاسکتی ہے اور واقعی حدیث مذکور کا مطلب اور حضرت ابن عباس نے جو اس سے بات نکالی ایسی عجیب اور قابل قبول تحقیق ہے کہ جس سے مضمون ہر دو آیت خوب محقق ہو گیا اور معتزلہ کے خرافات کی گنجائش اور اہل حق کو اس کی تردید کی ضرورت بھی نہ رہی اور ذیلی اور ضمنی اقوال و اختلافات بھی بہت خوبی سے طے ہو گئے۔ چنانچہ اہل فہم ادنیٰ تامل سے سمجھ سکتے ہیں بغرض توضیح ہم بھی حدیث مذکور کا خلاصہ عرض کئے دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آیت سورہٴ نجم میں جو لفظ لم فرمایا گیا ہے جس کی کہ معافی کا وعدہ کیا ہے اس کی تعیین اور تحقیق کے متعلق حدیث ابی ہریرہ سے بہتر ہم کو کوئی چیز معلوم نہیں ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے ذمہ پر جو زنا کا حصہ مقرر فرما دیا ہے وہ ضرور اس کو مل کر رہے گا سو فعل زنا میں آنکھ کا حصہ تو دیکھنا ہے

اور زبان کا حصہ یہ ہے کہ اس سے وہ باتیں کی جائیں جو فعل زنا کے لئے مقدمات اور اسباب ہوں اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور اس کی خواہش کرے لیکن فعل زنا کا تحقق اور اس کا بطلان دراصل فرج یعنی شرمگاہ پر موقوف ہے یعنی اگر فرج سے زنا کا صدور ہو گیا تو آنکھ زبان دل سب کا زانی ہونا محقق ہو گیا اور اگر باوجود تحصیل جملہ اسباب و ذرائع صرف فعل فرج کا تحقق نہ ہو بلکہ زنا سے توبہ اور اجتناب نصیب ہو گیا تو اب تمام وسائل زنا جو کہ فی نفسہ مباح تھے فقط زنا کی تبعیت کے باعث گناہ قرار دیے گئے تھے وہ سب کے سب لائق مغفرت ہو گئے یعنی ان کا زنا ہونا باطل ہو گیا اور گویا ان کا قلب ماہیت ہو کر بجائے زنا عبادت بن گئی کیونکہ فی نفسہ تو وہ افعال نہ معصیت تھے نہ عبادت بلکہ مباح تھے صرف اس وجہ سے کہ وہ زنا کا وسیلہ بنتے تھے معصیت میں داخل ہو گئے تھے جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہو چکا تو اب ان وسائل کا زنا کے ذیل میں شمار ہونا اور ان کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح مخالف ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں پہنچا چوری کے خیال سے مگر وہاں جا کر عین موقع پر تنبہ پیش آیا اور چوری سے توبہ کی اور رات بھر اللہ کے واسطے نماز پڑھتا رہا تو ظاہر ہے کہ جو رفتار سرقہ کا ذریعہ نظر آتا تھا وہ اب توبہ اور نماز کا ذریعہ ہو گیا تو اس حدیث ابو ہریرہ کو سن کر عبداللہ بن عباس سمجھ گئے کہ لم وہ باتیں ہیں جو دراصل گناہ نہیں مگر گناہ کا سبب ہو کر گناہ بن جاتی ہیں تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگ بڑے گناہ اور کھلے گناہ سے توجیختے ہیں ہاں صدور لم کی نوبت آجاتی ہے مگر بڑے اور اصلی گناہ کے صدور سے پہلے ہی وہ اپنے قصور سے تائب اور مجتنب ہو جاتے ہیں تو اب ابن عباس نے جیسے حدیث ابو ہریرہ سے آیت سورہٴ نجم کا مطلب سمجھ لیا ہم کو چاہئے کہ وہی معنی حسب ارشاد ابن عباس ہم آیت سورہٴ نساء کے بے تکلف سمجھ لیں جس کے بعد حمد اللہ نہ ہم کو اس کی ضرورت ہوگی کہ اس آیت کی توضیح میں گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی مختلف تفسیریں نقل کریں اور نہ معتزلہ کے استدلال کے جواب کا فکر ہوگا اور تکفیر سیات کی وجہ اور دخول جنت کا سبب بھی بسہولت مطابق قواعد معلوم ہو جائے گا اور اجتناب کے معنی بھی ظاہر ہو جائیں گے اور چھوٹی چھوٹی باتیں انشاء اللہ بشرط تدبر طے ہو جائیں گی خلاصہ ہر دو آیت مذکور کا حسب ارشاد حدیث و بیان ابن عباس یہ ہوا کہ جو لوگ ان گناہوں سے رکیں گے اور ان کے ارتکاب سے اپنے نفس کو ہٹاتے رہیں گے جو گناہ کہ گناہوں کے سلسلہ میں مقصود اور بڑے سمجھے جاتے ہیں تو اس اجتناب اور رک جانے کی وجہ سے ان کے وہ برے کام جو انہوں نے کسی بڑے گناہ کے حصول کی طمع میں کئے ہیں معاف کر دیئے جائیں گے اور حسب ارشاد وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ - فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى (عبس- ۴۱، ۴۰) وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ زنا کے صغائر کسی دوسرے سلسلہ کے بڑے گناہ مثلاً شراب خواری نہ کرنے سے فرو گذاشت ہو جائیں گے یا شراب خواری کی وجہ سے ان کا مواخذہ لازم اور واجب ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۳۲۔ اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر [۳۱] مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے اس کا فضل بیشک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے [۳۲]

وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ  
ط لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبُوا ط وَ لِلنِّسَاءِ  
ط نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ ط وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ط

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾

۳۳۔ اور ہر کسی کے لئے ہم نے مقرر کر دیے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ میں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا ان کو دے دو ان کا حصہ بیشک اللہ کے روبرو ہے ہر چیز [۳۳]

ط وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ط  
ط وَ الَّذِينَ عَقَدْتُمْ أَيْمَانَكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ

اللَّهُ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾

۶۱۔ ایک دوسرے کی فضیلت کی حرص نہ کرو: یعنی حق تعالیٰ جو کسی کو کسی پر کسی امر میں شرافت و فضیلت اور اختصاص و امتیاز عنایت فرمائے تو تم اس کی ہوس اور حرص مت کرو کیونکہ یہ بھی گویا ایسا ہی ہے کہ کسی کے خاص مال اور جان میں بلاوجہ دست اندازی کی جائے جس کی حرمت ابھی گذر چکی اور نیز اس سے باہم تحاسد و تباغض پیدا ہوتا ہے اور حکمت الہی کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ بعض عورتوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا سبب ہے کہ ہر جگہ حق تعالیٰ مردوں کو خطاب فرماتا ہے اور ان کو حکم کرتا ہے عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا اور میراث میں مرد کو دہرا حصہ دیا جاتا ہے عورت سے اس آیت میں ان سب کا جواب ہو گیا۔

۶۲۔ یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے حصہ مقرر ہے جیسا کچھ وہ کام کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ پورا ملتا ہے اس میں ہر گز کمی نہیں کی جاتی جو کسی کو شکایت کا موقع ملے ہاں یہ بات دوسری ہے کہ وہ اپنی حکمت اور رحمت کے مطابق کسی کو خاص بڑائی اور فضیلت عنایت کرے اس کی حرص اور شکایت کرنی بیجا ہوس ہے۔ البتہ اپنے عمل کے معاوضہ سے اور زیادہ ثواب و انعام مانگو تو بہتر اور مناسب ہے اس میں کچھ خرابی نہیں تو اب جو فضل کا طالب ہو اس کو لازم ہے کہ عمل کے ذریعہ سے طلب کرے حسد اور تمنی سے فضل کا طالب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک چیز کا پورا علم ہے ہر ایک کے درجے اور اس کے استحقاق کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب شان اس سے معاملہ کرتا ہے تو اب جس کو فضیلت عطا کرتا ہے سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے کوئی اپنی لاعلمی کی وجہ سے کیوں اس میں خلجان کرے۔

۶۳۔ مرنے والے کے ورثاء کا حق ادا کرو: یعنی مرد ہو یا عورت ہر ایک کے لئے تم میں سے اے مسلمانو! ہم نے وارث مقرر کر دیے اس مال کے جس کو چھوڑ میں والدین اور قرابت والے کسی کو اس سے محروم نہیں رکھا اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حصہ ضرور پہنچا دو اللہ تعالیٰ کو تمام امور کا علم ہے کہ وارثوں کا کیا حصہ ہونا چاہئے اور جن سے معاہدہ ہوا ہے ان کو کیا ملنا چاہئے اور ہمارے ان احکام کو کون بجالاتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔ فائدہ اکثر لوگ حضرت ﷺ کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقربا کافر چلے

آتے تھے تو اس وقت حضرت ﷺ نے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی کر دیا تھا وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقربا بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اتری کہ میراث تو اقربا اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کے لئے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں۔

۳۳۔ مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں نے اپنے مال [۶۳] پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے [۶۵] اور جن کی بد خوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو [۶۶] پھر اگر کہا مائیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بیشک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا [۶۴]

الرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ط  
فَالصَّالِحَاتُ قَنِتَاتٌ حَفِظَتْ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ط وَ الَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَ أَهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوهُنَّ فَإِنِ اطَّعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۳۳﴾

۳۵۔ اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے [۶۸] اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے [۶۹]

وَ إِنِ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۳۵﴾

۶۲۔ مردوں کی فضیلت اور اس کی حکمت: پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ مرد اور عورتوں کے حقوق کی پوری رعایت فرمائی گئی اگر رعایت حقوق میں فرق ہوتا تو عورتوں کو شکایت کا موقع ہوتا۔ اب آیت میں مرد اور عورت کے درجہ کو بتلاتے ہیں کہ مرد کا درجہ بڑھا ہوا ہے عورت کے درجہ سے اس لئے فرق مدارج کے باعث جو احکام میں فرق ہو گا وہ سراسر حکمت اور قابل رعایت ہو گا۔ اس میں عورت اور مرد بقاعدہ حکمت ہر گز برابر نہیں ہو سکتے عورتوں کو اس کی خواہش کرنی بالکل بے جا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے حاکم اور نگران حال بنایا دو وجہ سے اول بڑی اور وہی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں پر علم و عمل میں کہ جن دونوں پر تمام کمالات کا مدار ہے فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے دوسری وجہ جو کسی ہے یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک اور پوشاک جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی حکم

برداری چاہئے۔ فائدہ ایک صحابیہ نے اپنے خاوند کی نافرمانی بہت کی آخر کو مرد نے ایک طمانچہ مارا عورت نے اپنے باپ سے فریاد کی عورت کے باپ نے حضرت ﷺ کی خدمت میں آکر احوال ظاہر کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ خاوند سے بدلہ لیوے اتنے میں یہ آیت اتری اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہی خیر ہے۔

۶۵۔ یعنی جو عورتیں نیک ہیں وہ مردوں کی تابعداری کرتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق خاوند کی پیٹھ پیچھے اس کی رضا کے موافق اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اپنے نفس اور مال زوج میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔

۶۶۔ عورتوں کی تادیب کا طریقہ: یعنی اگر کوئی عورت خاوند سے بد خوئی کرے تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد اس کو زبانی فہمائش کرے اور سمجھا دے اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ جدا سووے لیکن اسی گھر میں اس پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اس کو مارے بھی پر نہ ایسا کہ جس کا نشان باقی رہے یا ہڈی ٹوٹے ہر تفسیر کا ایک درجہ ہے اس کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے جس کے تین درجے ترتیب وار آیت میں مذکور ہیں اور مارنا پینا آخر کار درجہ ہے سرسری تصور پر نہ مارے ہاں تصور زیادہ ہو پھر مارنے میں حرج نہیں جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے کہ جس کا نشان باقی رہ جائے۔

۶۷۔ یعنی وہ عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب و تادیب کے بعد اگر بد خوئی اور نافرمانی سے باز آجائیں اور بظاہر مطیع ہو جائیں تو تم بھی بس کر جاؤ اور ان کے قصوروں کی کھود کرید مت کرو اور خواہ مخواہ ان کے ملزم بنانے میں خدا سے ڈرو بیشک اللہ تم سب سے غالب اور سب پر حاکم ہے نہ عورتوں کے معاملہ میں بدگمانی سے کام لو اور نہ تھوڑے تصور پر اخیر کی سزا دینے لگو بلکہ ہر تصور کی ایک حد ہے اور مارنا اخیر کا درجہ ہے۔

۶۸۔ گھریلو جھگڑوں میں منصف بنانے کا حکم: یعنی اے مسلمانو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ خاوند اور عورت میں مخالفت اور ضد ہے وہ اپنے باہمی نزاع کو خود نہ سلجھا سکیں گے تو تم کو چاہئے کہ ایک منصف مرد کے اقارب میں سے اور ایک منصف عورت کے اقارب میں سے مقرر کر کے بغرض فیصلہ زوجین کے پاس بھیجو کیونکہ اقارب کو ان کے حالات بھی زیادہ معلوم ہوں گے اور ان سے خیر خواہی کی بھی زیادہ امید ہے یہ دونوں منصف احوال کی تحقیق کریں گے اور جس کا جتنا تصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر باہم موافقت کرا دیں گے۔

۶۹۔ یعنی اگر دونوں منصف اصلاح بین الزوجین کا قصد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے حسن نیت اور حسن سعی سے زوجین میں موافقت کرا دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم اور اطلاع ہے۔ رفع نزاع اور حصول اتفاق کے اسباب اور کیفیات اس کو خوب معلوم ہیں اس لئے نزاع زوجین کے رفع ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوگی ان شاء اللہ۔

۳۶۔ اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو [۴۰] اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ بیشک اللہ کو پسند نہیں آتا ترانے والا بڑائی کرنے والا [۴۱]

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ بِذِي الْقُرْبَىٰ وَ الْيَتَىٰ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ وَ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ

## مُخْتَلًا فَخُورًا ﴿۳۶﴾

۳۷۔ جو کہ بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے عذاب ذلت کا [۴۲]

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ  
يَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاعْتَدْنَا

لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور وہ لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت برا ساتھی ہے [۴۳]

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا  
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ

الشَّيْطٰنُ لَهُ قَرِيْنًا فَسٰءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

۷۰۔ یعنی عبادت اور نیک عمل خدا پر یقین کر کے اور ثواب آخرت کی توقع سے کرو فخر اور ریاسے مال دینا یہ بھی شرک ہے گو کم درجہ کا ہے۔  
۷۱۔ حقوق العباد اور انکی ترتیب: یتامی اور نساء اور ورثہ اور زوجین کے حقوق اور انکے ساتھ حسن معاملہ کو بیان فرما کر اب یہ ارشاد ہے کہ ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجتمندی کے مناسب ادا کرو سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر ماں باپ کا پھر درجہ بدرجہ سب واسطہ داروں اور حاجتمندوں کا اور ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب و بُعد نسبی ہے یا قرب و بُعد مکانی صورت اولیٰ میں یہ مطلب ہو گا کہ ہمسایہ قرائتی کا حق ہمسایہ اجنبی سے زیادہ ہو گا اور صورت ثانیہ کا مدعا یہ ہو گا کہ پاس کا ہمسایہ کا حق بعید یعنی جو کہ فاصلہ سے رہتا ہے اس سے زیادہ ہے اور پاس بیٹھنے والے میں رفیق سفر اور پیشہ کے اور کام کے شریک اور ایک آقا کے دونوں اور ایک استاد کے دو شاگرد اور دوست اور شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر میں مہمان غیر مہمان دونوں آگے اور مال مملوک غلام اور لونڈی کے علاوہ دیگر حیوانات کو بھی شامل ہے آخر میں فرمادیا کہ جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے برابر نہ سمجھے اپنے مال پر مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتا سو اس سے احتراز رکھو اور جدا رہو۔

۷۲۔ بخل کی مذمت: یعنی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خود پسند اور تکبر کرنے والوں کو جو کہ بخل کرتے ہیں اور اپنے مال اور علم خدا داد کو لوگوں سے چھپاتے ہیں کسی کو نفع نہیں پہنچاتے اور قولاً اور عملاً دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دلاتے ہیں اور ان کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ فائدہ یہ آیت یہودیوں کے بارہ میں نازل ہوئی جو نبی سبیل اللہ خرچ کرنے میں خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اوصاف جو تورات میں مذکور تھے اور حقانیت اسلام کی آیات جو موجود تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ سو مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے۔

۷۳۔ دکھاوے کے لئے خرچ کرنے والے: اور وہ خود پسند متکبر وہ لوگ ہیں کہ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے لئے خرچ کرنے میں تو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں لیکن لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں



اور ان کو نہ اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر کہ حصول رضائے حق تعالیٰ اور تحصیل ثواب اخروی ان کو مقصود ہو۔ اور اللہ کے یہاں مقبول اور پسندیدہ یہ ہے کہ ان حقداروں کو دیا جائے جن کا اول ذکر ہو چکا اور دینے میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی توقع ہو اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں جیسا نخل کرنا برابر ہے ویسا ہی لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرنا برابر ہے اور ایسا کام وہی کرتے ہیں جن کا رفیق شیطان ہے جو ان کو ایسے کام پر آمادہ کرتا ہے۔

۳۹۔ اور کیا نقصان تھا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیے ہوئے میں سے اور اللہ کو ان کی خوب خبر ہے [۴۳]

۴۰۔ بیشک اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اس کو دو نا کر دیتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے بڑا ثواب [۴۵]

۴۱۔ پھر کیا حال ہو گا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا [۴۶]

۴۲۔ اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ برابر ہو جاویں زمین کے اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات [۴۷]

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ

أَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿٣٩﴾

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً

يُضِعُّهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا

بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾

يَوْمَئِذٍ يَبُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَعَصُوا الرَّسُولَ

لَوْ تَسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ ۗ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ

حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

۴۳۔ یعنی ان کافروں کا کچھ نقصان نہ تھا اگر وہ بجائے کفر اللہ اور دن قیامت پر ایمان لاتے اور بجائے نخل وریا اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرتے بلکہ ان کا سر اس نفع ضرور تھا ضرر تو اس میں ہے جس کو وہ اختیار کر رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا اور کس نیت سے کر رہے ہیں اسی کا عوض ان کو ملے گا۔ پہلی آیت میں يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فرمایا تھا مال کو ان کی طرف منسوب کیا تھا۔ اب وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ فرمایا اس میں لطیف اشارہ ہے کہ وہ لوگ اپنا مال سمجھ کر جس طرح جی چاہتا ہے خرچ کرتے ہیں انکو چاہئے تھا کہ اللہ کا مال سمجھ کر اس کے حکم کے موافق خرچ کرتے۔

۴۵۔ سزا میں انصاف اور جزا میں رحمت: یعنی اللہ تعالیٰ کسی کا حق ایک ذرہ کے برابر بھی ضائع نہیں فرماتا سوا ان کافروں پر جو عذاب ہو گا وہ عین انصاف اور ان کی بد اعمالی کا بدلہ ہے اور اگر ذرہ برابر بھی کسی کی نیکی ہوگی تو اضعاف مضاعف اس کا اجر دے گا اور اپنی طرف سے ثواب عظیم بطور انعام اس کو عنایت کرے گا۔

۷۶۔ آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی: یعنی ان کافروں کا کیا برا حال ہو گا۔ جس وقت کہ بلائیں گے ہم ہر امت اور ہر قوم میں سے گواہ ان کے حالات بیان کرنے والا اور ان کے واقعی معاملات ظاہر کرنے والا اس سے مراد ہر امت کا نبی اور ہر عہد کے صالح اور معتبر لوگ ہیں کہ وہ قیامت کو نافرمانوں کی نافرمانی اور فرمانبرداروں کی فرمانبرداری بیان کریں گے اور سب کے حالات کی گواہی دیں گے۔ اور تم کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر یعنی تمہاری امت پر مثل دیگر انبیاء کے احوال بتانے والا اور گواہ بنا کر لادیں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ھُوَ لَآءِ کا اشارہ انبیائے سابقین یا کفار مذکورہ بالا کی طرف ہو اول صورت میں انبیاء مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے جبکہ ان کی امتیں ان کی تکذیب کریں گی اور دوسرے احتمال سے کفار مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ انبیائے سابقین جیسا اپنی اپنی امت کے کفار فساق کے کفر و فسق کی گواہی دیں گے تم بھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی بد اعمالی پر گواہ ہو گے جس سے ان کی خرابی اور برائی خوب محقق ہوگی۔

۷۷۔ آخرت میں نافرمانوں اور کفار کا پچھتاوا: یعنی جس دن ہر امت میں سے ان کے حالات بیان کرنے والا بلا یا جائے گا اس دن کافر اور نافرمان لوگ اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین میں ملا دیے جاتے اور مٹی میں مل کر نیست و نابود ہو جاتے آج پیدا نہ ہوتے اور ہم سے حساب و کتاب نہ ہوتا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفا نہ کر سکیں گے اور ذرہ ذرہ کا حساب ہو گا۔ شروع سورت سے مسلمانوں کو اقارب اور زوجین وغیرہ کے ادائے حقوق کی تاکید اور کسی کی حق تلفی کرنے اور جانی مالی نقصان پہنچانے کی ممانعت اور معاصی کی خرابی پر مطلع کر کے اس کے بعد وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا فرما کر اقارب اور یتامی اور مساکین اور ہمسایوں وغیرہ کے ساتھ احسان و سلوک کرنے کا ارشاد کر کے اسی کے ذیل میں تکبر اور خود پسندی اور بغل و ریا سے ڈرایا تھا جو ایسے عیب ہیں کہ دوسروں کے حق ادا کرنے اور کسی کے ساتھ سلوک کرنے سے روکتے بھی ہیں اور روپیہ پیسہ دینے والوں اور لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے والوں کی طبیعت میں خواجواہ آنے بھی لگتے ہیں۔

۴۳۔ اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کر لو [۴۸] اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو [۴۹] بیشک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا [۸۰]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَامٍ حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا ۗ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَايِبِ أَوْ لَبَسْتُمْ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّبُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾

۷۸۔ نشے اور جنابت میں نماز کی ممانعت: پہلی آیات میں مسلمانوں کو خطاب تھا وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا اٰلِ اٰخِرِ الْاٰيٰتِ اور اسی کے ذیل میں کفار کی مذمت بیان فرمائی تھی جو کہ امور مذکورہ سابقہ کی مخالفت کرتے تھے اب اس کے بعد پھر مسلمانوں کو دوبارہ صلوٰۃ بعض خاص ہدایتیں کی جاتی ہیں اور ان ہدایات کو ماقبل کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ اس سے پہلے کفار اور اہل کتاب کی دو خرابیوں کا خاص طور پر ذکر تھا ایک اللہ پر ایمان نہ لانا دوسرے اپنا مال اللہ کے لئے خرچ نہ کرنا بلکہ لوگوں کے دکھانے کو اور اپنی عزت بڑھانے کو مال خرچ کرنا اور ظاہر ہے کہ پہلی خرابی کا منشاء تو علم کا نقصان اور جہل کا غلبہ ہے اور دوسری خرابی کی وجہ ہوئے نفس اور اپنی خواہش ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ اگر ابی کے بڑے سبب دو ہیں اول جہل جس میں حق و باطل کی تمیز ہی نہیں ہوتی دوسرے خواہش و شہوت جس سے باوجود تمیز حق و باطل حق کے موافق عمل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شہوات سے قوت ملکی ضعیف اور قوت بہیمیہ قوی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب ہے جو بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے تو اب اس مناسبت سے حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے اول منع فرمایا کہ یہ جہل کی حالت ہے اس کے بعد جنابت میں نماز پڑھنے سے روکا کہ یہ حالت ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب کی حالت ہے حدیث میں وارد ہے کہ جہاں جنبی ہوتا ہے وہاں ملائکہ نہیں آتے واللہ اعلم اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو جب تم کو کفر اور ریا کی خرابی معلوم ہو چکی اور ان کے اصداد کی خوبی واضح ہو چکی تو اس سے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی خرابی کو بھی خوب سمجھ لو کہ ان کا منشاء بھی وہی ہے جو کفر و ریا کا منشاء تھا اس لئے نشہ میں نماز کے نزدیک نہ جانا چاہیے تا وقتیکہ غسل نہ کر لو مگر حالت سفر میں اس کا حکم آگے مذکور ہے۔ فائدہ یہ حکم اس وقت تھا اور نہ حالت جنابت میں نماز کے نزدیک جانا چاہیے تا وقتیکہ غسل نہ کر لو مگر حالت سفر میں اس کا حکم آگے مذکور ہے۔ فائدہ یہ حکم اس وقت تھا کہ نشہ اس وقت تک حرام نہ ہوا تھا۔ لیکن نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی تھی روایات میں منقول ہے کہ ایک جماعت صحابہ کی دعوت میں جمع تھی چونکہ شراب اس وقت تک حرام نہ ہوئی تھی اس لئے انہوں نے شراب پی تھی مغرب کا وقت آگیا تو سب اسی حالت میں نماز کو کھڑے ہو گئے امام نے سورہ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ میں لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی جگہ اعبدا ما تعبدون بے ہوشی میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل خلاف اور غلط ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب اگر نیند یا غلبہ یا بیماری کی وجہ سے کسی کا ایسا حال ہو جائے کہ اس کی خبر نہ رہے کہ میں نے کیا کہا تو ایسی حالت کی نماز بھی درست نہ ہوگی جب ہوش آئے تو اس کی قضا ضرور کر لے۔

۷۹۔ تیمم کا حکم: یعنی حالت جنابت میں نماز کا پڑھنا تا وقتیکہ غسل نہ کر لے یہ حکم جب ہے کہ کوئی عذر نہ ہو اور اگر کوئی ایسا عذر پیش آئے کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو اور طہارت کا حاصل کرنا ضروری ہو تو ایسے وقت زمین سے تیمم کر لینا کافی ہے۔ اب پانی کے استعمال سے معذوری کی تین صورتیں بتلائیں ایک بیماری کہ اس میں پانی ضرر کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ سفر درپیش ہے اور پانی اتنا موجود ہے کہ وضو کر لے تو بیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے دور دور تک پانی نہ ملے گا۔ تیسری یہ کہ پانی بالکل موجود ہی نہیں اس پانی پر موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ دو صورتیں طہارت کے ضروری ہونے کی بیان فرمائیں ایک یہ کہ کوئی جائے ضرور سے فارغ ہو کر آیا اس کو وضو کی حاجت ہے دوسری یہ کہ عورت سے صحبت کی ہو تو اس کو غسل کی ضرورت ہے۔ فائدہ تیمم کی صورت یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لیوے پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لے مٹی ظاہر ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر بھی ہے مثلاً خُف، تلوار، آئینہ وغیرہ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے اور نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں تذلل اور عجز بھی پورا ہے جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے۔ سوجب مٹی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے تو اس لئے بوقت معذوری پانی کی قائم مقام کی گئی اس کے سوا متقضائے آسانی و سہولت جس پر حکم تیمم مبنی ہے یہ ہے کہ پانی کی

قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو سوزمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے۔ مغہذا خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔ کافر بھی آرزو کریں گے کہ کسی طرح خاک میں مل جائیں جیسا پہلی آیت میں مذکور ہوا۔

۸۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے وقت تیمم کی اجازت دیدی اور مٹی کو پانی کے قائم مقام کر دیا اس لئے کہ وہ سہولت اور معافی دینے والا ہے اور بندوں کی خطائیں بخشتے والا ہے اپنے بندوں کے نفع و آسائش کو پسند فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں نشہ کی حالت میں جو کچھ کا کچھ پڑھا گیا تھا وہ بھی معاف کر دیا گیا۔ جس سے یہ خلجان نہ رہا کہ آئندہ کو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھیں گے مگر جو پہلے غلطی ہو گئی شاید اس کی نسبت مواخذہ ہو۔

۴۳۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب سے خرید کرتے ہیں مگر ابھی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بہک جاؤ اپنی راہ سے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ  
يَشْتَرُونَ الضَّلَّةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضَلُّوا

السَّبِيلِ ﴿۲۳﴾

۴۵۔ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ کافی ہے مددگار [۸۱]

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۚ  
وَوَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿۲۵﴾

۴۶۔ بعضے لوگ یہودی پھیرتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے [۸۲] اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا [۸۳] اور کہتے ہیں کہ سن نہ سنایا جانیو [۸۴] اور کہتے ہیں راعنا [۸۵] موڑ کر اپنی زبان کو اور عیب لگانے کو دین میں [۸۶] اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم [۸۷]

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهَا  
وَيَقُولُونَ سَبَعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ  
وَرَاعِنَالِيًّا بِالسَّنْتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۖ وَكُؤُ  
أَنَّهُمْ قَالُوا سَبَعْنَا وَاطْعْنَا وَاسْمَعُ وَانظُرْنَا  
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاقَوْمَ ۗ وَلَكِنْ لَّعَنَهُمُ اللَّهُ  
بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲۶﴾

۸۱۔ یہودیوں کے تین گستاخانہ قول: ان آیات میں یہود کے بعض قبائح اور ان کے مکرو فریب کا بیان ہے اور ان کی ضلالت اور کفر پر خود ان کو

اور نیز دو سروں کو مطلع کرنا ہے تاکہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا سے لے کر أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ تَحْتِ يَدَيْكُمْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ أَسْفُودٍ فِيهَا السَّمَكُ الْمَلْحَمُ وَالسَّمَكُ الْمَلْحَمُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ أَسْفُودٍ فِيهَا السَّمَكُ الْمَلْحَمُ۔ بیچ میں ایک خاص مناسبت سے نشہ اور جنابت میں نماز سے ممانعت فرما کر پھر یہود کے قبائح کا بیان ہے۔ یہود کو کتاب سے کچھ حصہ ملا یعنی لفظ پڑھنے کو ملے اور عمل کرنا جو اصل مقصود تھا نہیں ملا اور گمراہی خرید کرتے ہیں یعنی پیغمبر آخر الزماں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے حالات اور اوصاف کو دنیا کی عزت اور رشوت کے واسطے چھپاتے ہیں اور جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی دین سے پھر کر گمراہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ اے مسلمانو تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے تم ایسا ہرگز نہیں جانتے سو اللہ کے فرمانے پر اطمینان کرو اس ان سے بچو اور اللہ تعالیٰ تم کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کے لئے کافی ہے اس لئے دشمنوں سے اس قسم کا اندیشہ مت کرو اور دین پر قائم رہو۔

۸۲۔ یعنی یہود میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو توریت میں نازل فرمایا اس کو اپنے ٹھکانے سے پھیرتے اور بدلتے ہیں یعنی تحریف لفظی اور معنوی کرتے ہیں۔

۸۳۔ یعنی جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ان کو کوئی حکم سناتے تو یہود جواب میں کہتے ہم نے سن لیا مطلب یہ ہوا کہ قبول کر لیا لیکن آہستہ سے کہتے تھے کہ نہ مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سنا دل سے نہیں مانا۔

۸۴۔ یعنی اور جب یہود حضرت سے خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سن نہ سنایا جائیو تو۔ یعنی ایسے کلام بولتے ہیں جس کے دو معنی ہوں ایک معنی کے اعتبار سے دعایا تعظیم ہو تو دوسرے معنی کی رو سے بددعا اور تحقیر ہو سکے چنانچہ یہ کلام بظاہر دعائے خیر ہے مطلب یہ کہ تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے کوئی تجھ کو بری اور خلاف بات نہ سنا سکے اور دل میں نیت یہ رکھے کہ تو بہرہ اہو جائیو۔

۸۵۔ یعنی حضرت کی خدمت میں آتے تو یہود راعنا کہتے اس کے بھی دو معنی ہیں ایک اچھے برے جن کا بیان سورہ بقرہ میں گذر چکا اچھے معنی تو یہ کہ ہماری رعایت کرو اور شفقت کی نظر کرو کہ تمہارا مطلب سمجھ لیں اور جو پوچھنا ہو پوچھ سکیں اور برے معنی یہ کہ یہود کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر راعنا کہتے یعنی تو ہمارا چرواہا ہے اور یہ ان کی محض شرارت تھی کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت مولیٰ اور دیگر پیغمبروں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

۸۶۔ یعنی یہود ان کلمات کو اپنے کلام میں رلا ملا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سننے والے اچھے ہی معنوں پر حمل کرتے اور برے معنوں کی طرف دھیان بھی نہ جاتا اور دل میں برے معنی مراد لیتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب کھول دیا۔

۸۷۔ حق تعالیٰ یہود کے تین قول مذموم بیان فرما کر اب بطور ملامت و ہدایت ارشاد کرتے ہیں کہ اگر یہود عصینا کی جگہ اطعنا کہتے اور بجائے اسمع غیر اسمع کے صرف اسمع کہتے اور راعنا کے عوض انظرنا کہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ بات درست اور سیدھی ہوتی اور اس یہودگی اور شرارت کی گنجائش نہ ہوتی جو کلمات سابقہ سے یہود برے معنی اپنے دل میں مراد لیا کرتے تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے کفر کے باعث اپنی رحمت اور ہدایت سے دور کر دیا اس لئے وہ مفید اور سیدھی باتوں کو نہیں سمجھتے اور ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے آدمی کہ وہ ان خباثتوں اور شرارتوں سے مجذب رہے اور اس وجہ سے اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

۴۷۔ اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں بہت سے چہروں کو پھر الٹ دیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ نَطَّيْسَ وُجُوهًا

انکو پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں ان پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے [۸۸]

فَنَرَدَّهَا عَلَىٰ اَدْبَارِهَا اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا  
اَصْحَابَ السَّبْتِ ۗ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

۸۸۔ یہودیوں کی انذار: آیات سابقہ میں یہود کی ضلالت اور مختلف قبائح کا ذکر فرما کر اب ان کو بطور خطاب ایمان اور تصدیق قرآن کا حکم کیا جاتا ہے اور اس کی مخالفت سے ڈرایا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ قرآن پر جس کے احکام مصدق اور موافق ہیں تو ریت کے ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ مٹا ڈالیں ہم تمہارے چہروں کے نشانات یعنی آنکھ ناک وغیرہ مطلب یہ کہ تمہاری صورتیں بدل دی جائیں پھر الٹ دیں تمہارے چہروں کو پیٹھ کی طرف یعنی چہرہ کو مٹموں اور ہموار کر کے پیچھے کی طرف اور گدی کو آگے کی طرف کر دیں یا ہفتہ کے دن والوں کی طرح تم کو مسخ کر کے جانور بنا دیں اصحاب سبت کا قصہ سورہ اعراف میں مذکور ہے۔

۳۸۔ بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا [۸۹]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ  
ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ۗ وَ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ  
اِفْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۳۸﴾

۳۹۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہو گا تاگے برابر [۹۰]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۗ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّي  
مَنْ يَّشَاءُ وَلَا يُلْظَمُوْنَ فِتْيٰلًا ﴿۳۹﴾

۵۰۔ دیکھ کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ صریح [۹۱]

اَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكُذِبَ ۗ وَ كَفٰى بِهٖ  
اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

۸۹۔ مشرک کی بخشش نہیں: یعنی مشرک کبھی نہیں بخشتا جاتا بلکہ اس کی سزا دائمی ہے البتہ شرک سے نیچے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب قابل مغفرت ہیں اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت چاہے اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے کچھ عذاب دے کر یا بلا عذاب دیے اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہود چونکہ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں۔

۹۰۔ یہودیوں کی شیخی: یعنی یہود باوجود اس قدر خرابیوں کے پھر اپنے آپ کو پاک صاف اور مقدس کہتے ہیں حتیٰ کہ اپنے آپ کو ابناء اللہ اور اہباء اللہ بتلاتے ہیں جو بالکل لغو بات ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کو پاکیزہ اور مقدس کرتا ہے یہود کے کہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا اور ان جھوٹی شیخی کرنے والوں پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہو گا یعنی یہ لوگ اپنے عذاب بے نہایت میں گرفتار ہوں گے ان پر ناحق عذاب ہرگز نہ ہو گا۔ فائدہ کہ یہود جو گو سالہ پوجتے تھے اور حضرت عزیزؑ کو ابن اللہ کہتے تھے انہوں نے جب آیت سابقہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ اَلْحٰجُّوْنَ سُنُّوْا كَيْفَ لَكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا كَمَا كُوْنُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ لَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۗ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّي مَنْ يَّشَاءُ وَلَا يُلْظَمُوْنَ فِتْيٰلًا ﴿۳۹﴾

آیت نازل فرمائی۔

۹۱۔ یعنی کیسی تعجب کی بات ہے کہ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور باوجود ارتکاب کفر و شرک کے اپنے آپ کو اللہ کا دوست کہتے ہیں اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کے مدعی ہیں اور ایسی سخت تہمت صریح گنہگار ہونے کے لئے بالکل کافی ہے۔

۵۱۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو کہ یہ لوگ زیادہ راہ راست پر ہیں مسلمانوں سے [۹۲]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ  
يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ

كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾

۵۲۔ یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پاوے گا تو اس کا کوئی مددگار [۹۳]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ

فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

۹۲۔ اس آیت میں بھی یہود کی شرارت اور خباثت کا اظہار ہے قصہ یہ ہے کہ یہودیوں کو حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِمْ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے عداوت بڑھی تو مشرکین مکہ سے ملے اور ان سے متفق ہوئے اور ان کی خاطر داری کی ضرورت سے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے اور اس کی وجہ صرف حسد تھا اس پر کہ نبوت اور دین کی ریاست ہمارے سوا دوسروں کو کیوں مل گئی اس پر اللہ تعالیٰ ان کو الزام دیتا ہے۔ ان آیات میں اسی کا مذکور ہے۔

۹۳۔ یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہے: یعنی یہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب ہو کر اغراض نفسانی کی وجہ سے بتوں کی تعظیم کی اور طریقہ کفر کو طریقہ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر لعنت کرے اللہ اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی حامی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔ سوا انہوں نے اپنی اعانت کی طمع میں جو مشرکین مکہ سے موافقت کی بالکل لغو ہے۔ چنانچہ دنیا میں یہود نے از حد ذلتیں اٹھائیں اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

۵۳۔ کیا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر [۹۴]

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ

النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾

۵۴۔ یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا اس پر جو دیا ہے انکو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان میں کتاب اور علم اور انکو دی ہے ہم نے بڑی سلطنت [۹۵]

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ  
فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَ

الْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾

۵۵۔ پھر ان میں سے کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے ہٹا رہا اور کافی ہے دوزخ کی بھڑکتی آگ [۹۶]

فَبِئْهُمْ مِّنْ أَمْنٍ بِهِ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۗ وَ

كُفِيَ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

۹۴۔ یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے اور ہمیں کو لائق ہے اس لئے عرب کے پیغمبر کی متابعت سے عار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ رہے گی برائے چندے اوروں کو بھی مل جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی مطلب آیت کا یہ ہے کہ کیا یہود کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں یعنی ہرگز نہیں۔ اگر یہ حاکم ہو جائیں تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں یعنی ایسے بخیل ہیں کہ بادشاہت میں فقیر کو تل برابر بھی نہ دیں۔

۹۵۔ یہودیوں کا حسد بلا وجہ ہے: یعنی کیا یہود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب پر اللہ کے فضل و انعام کو دیکھ کر حسد میں مرے جاتے ہیں سو تو یہ بالکل ان کی بے ہودگی ہے کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے میں کتاب اور علم اور سلطنت عظیم عنایت کی ہے پھر یہود آپ ﷺ کی نبوت اور عزت پر کیسے حسد اور انکار کرتے ہیں اب بھی تو ابراہیمؑ ہی کے گھر میں ہے۔

۹۶۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے میں خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ سے بزرگی دی ہے اور اب بھی اسی کے گھرانے میں ہے سو جو کوئی بلا وجہ محض حسد سے اس کو نہ مانے اس کے جلانے کے لئے دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔

۵۶۔ بیشک جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں [۹۷] جس وقت جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیوں گے ان کو اور کھال تاکہ چمکتے رہیں عذاب [۹۸] بیشک اللہ ہے زبردست حکمت والا [۹۹]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا ۖ كَلِمًا

نُصِبَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا

الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

۵۷۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک البتہ انکو ہم داخل کریں گے باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ ان کے لئے وہاں عورتیں ہیں ستھری اور انکو ہم داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں [۱۰۰]

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

أَبَدًا ۗ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَ سَنُدْخِلُهُمْ

ظِلِيلًا ﴿٥٧﴾

۹۷۔ پہلی آیت میں مومن و کافر کا ذکر تھا اب مطلق مومن اور کافر کی جزا و سزا بطور قاعدہ کلیہ کے ذکر فرماتے ہیں تاکہ ایمان کی طرف پوری ترغیب اور کفر سے پوری ترہیب ہو جائے۔

۹۸۔ عذاب کے لئے کفار کی کھال بدل دی جائے گی: یعنی کافروں کے عذاب میں نقصان اور کمی نہ آنے کی غرض سے ان کی کھال کے جل



جانے کے وقت دوسری کھال بدل دی جائے گی مطلب یہ ہوا کہ کافر ہمیشہ عذاب میں یکساں مبتلا رہیں گے۔

۹۹۔ یعنی اللہ تعالیٰ بے شک زبردست اور غالب ہے کافروں کو ایسی سزا دینے میں کوئی دقت اور دشواری نہیں اور حکمت والا ہے کافروں کو یہ سزا دینی عین حکمت کے موافق ہے۔

۱۰۰۔ جنت کی عورتیں اور باغات: یعنی مومن ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ان کو عورتیں ایسی ملیں گی جو حیض اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی اور انکو گہری اور گنجان چھاؤں میں داخل کریں گے جو آفتاب کی دھوپ سے بالکل محفوظ ہوگی۔

۵۸۔ بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے [۱۰۱] اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا [۱۰۲]

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَبِيْعًا

بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾

۵۹۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں [۱۰۳] پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر [۱۰۴] یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام [۱۰۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

﴿٥٩﴾

۱۰۱۔ امانتوں کی ادائیگی اور عدل کا حکم: یہود میں عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فیصل خصوصاً میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے کسی کی خاطر اور رعایت کر کے خلاف حق حکم دیتے اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں سے اس آیت میں روکا گیا۔ منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ نے کنجی دینے سے انکار کیا تو حضرت علی نے اس سے چھین کر دروازہ کھول دیا۔ آپ ﷺ فارغ ہو کر جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ کنجی مجھ کو مل جائے اس پر آیت نازل ہوئی اور کنجی عثمان بن طلحہ ہی کے حوالہ کی گئی۔

۱۰۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو تم کو ادائے امانت اور عدل کے موافق حکم دینے کا حکم فرماتا ہے تمہارے لئے سراسر مفید ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری کھلی اور چھپی اور موجودہ اور آئندہ باتوں کو خوب جانتا ہے تو اب اگر تم کو کہیں ادائے امانت یا عدل مفید معلوم نہ ہو تو حکم الہی کے مقابلہ میں اس کا

اعتبار نہ ہو گا۔

۱۰۳۔ اولی الامر کی اطاعت کا حکم: پہلی آیت میں حکام کو عدل کا حکم فرما کر اب اوروں کو حکام کی متابعت کا حکم دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت جمعی واجب ہوگی جب وہ حق کی اطاعت کریں گے۔ فائدہ: حاکم اسلام بادشاہ یا اسکا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک وہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف حکم نہ دیں اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس حکم کو ہرگز نہ مانے۔

۱۰۴۔ اختلاف کی صورت میں شریعت سے رجوع کرو: یعنی اور اگر تم میں اور اولو الامر میں باہم اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا یہ حکم اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کر کے طے کر لیا کرو کہ وہ حکم فی الحقیقت اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف اور جو بات محقق ہو جائے اسکو بلا تفاق مسلم اور معمول بہ سمجھنا چاہئے اور اختلاف کو دور کر دینا چاہئے اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے کیونکہ جس کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہو گا وہ ضرور اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرے گا اور ان کے حکم کی مخالفت سے بے حد ڈرے گا جس سے معلوم ہو گیا کہ جو اللہ اور رسول کے حکم سے بھاگے گا وہ مسلمان نہیں اس لئے اگر دو مسلمان آپس میں جھگڑیں ایک نے کہا چلو شرع کی طرف رجوع کریں دوسرے نے کہا میں شرع کو نہیں سمجھتا یا مجھ کو شرع سے کام نہیں تو اس کو بیشک کافر کہیں گے۔

۱۰۵۔ یعنی اپنے متنازعات اور اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنا اور اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرنی مفید ہے آپس میں جھگڑنے یا اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرنے سے اس رجوع کا انجام بہتر ہے۔

۶۰۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے انکو کہ اس کو نہ مانیں اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہلا کر دور جاڈالے [۱۰۶]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ  
إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ  
يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ  
ط

وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾

۶۱۔ اور جب ان کو کہے کہ آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو دیکھے تو منافقوں کو کہ ہٹتے ہیں تجھ سے رک کر [۱۰۷]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى  
الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنْفِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ

صُدُّوًّا ﴿٦١﴾

۶۲۔ پھر کیا ہو کہ جب ان کو پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں

فَكَيفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

کے کئے ہوئے سے پھر آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور

ملاپ [۱۰۸]

إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾

۶۳۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ

ان کے حق میں بات کام کی [۱۰۹]

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ق

فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ

قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

۶۴۔ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ جس

وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو

پاتے معاف کرنے والا مہربان [۱۱۰]

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَ

لَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا

اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا

رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾

۱۰۶۔ ایک یہودی اور منافق کے واقعہ میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ: یہود فیصل خصوصاً میں رعایت و رشوت کے عادی تھے اس لئے جو لوگ

جھوٹے اور منافق اور خاین ہوتے وہ اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ خاطر کریں گے اور آپ کے پاس ایسے لوگ اپنا معاملہ لانا پسند نہ کرتے کہ آپ حق کی رعایت کریں گے اور کسی کی اصلار رعایت نہ کریں گے سو مدینے میں ایک یہودی اور ایک منافق

کہ ظاہر میں مسلمان تھا کسی امر میں دونوں جھگڑ پڑے یہودی جو سچا تھا اس نے کہا کہ چل محمد ﷺ کے پاس اور منافق جو جھوٹا تھا اس نے کہا کہ چل کعب بن اشرف کے پاس جو یہودیوں میں عالم اور سردار تھا۔ آخر دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں جھگڑالے کر آئے تو آپ ﷺ نے

یہودی کا حق ثابت فرمایا منافق جو باہر نکلا تو کہنے لگا کہ اچھا حضرت عمرؓ کے پاس چلو جو وہ فیصلہ کر دیں وہی منظور اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اغالبا یہ سمجھا ہو گا کہ میں مدعی اسلام ہوں اس لئے یہودی کے مقابلہ میں میری رعایت کریں گے اور حضرت عمرؓ آپ ﷺ کے

حکم سے مدینہ میں جھگڑے فیصل کیا کرتے تھے چنانچہ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے جب حضرت عمرؓ نے یہ جھگڑا سنا اور یہودی کے بیان سے ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ قضیہ آپ ﷺ کی خدمت میں جا چکا ہے اور آپ ﷺ اس معاملہ میں یہودی کو سچا اور غالب کر چکے ہیں

تو حضرت عمرؓ نے اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو کوئی ایسے قاضی کے فیصلہ کو نہ مانے اس کا فیصلہ یہی ہے اس کے وارث حضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ حضرت عمرؓ کے پاس تو صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شاید وہ

اس معاملہ میں باہم صلح کرادیں یہ وجہ نہ تھی کہ حضرت ﷺ کے فیصلہ سے انکار تھا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان آیات میں اصل

حقیقت ظاہر فرمادی گئی اور حضرت عمرؓ کا لقب فاروق فرمایا۔

۱۰۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف بنانے میں منافقین کی روگردانی: یعنی جب کسی جھگڑے میں منافقوں سے کہا جائے کہ اللہ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اس کی طرف آؤ اور اس کے رسول کے روبرو اپنے جھگڑے کو لاؤ تو ظاہر میں چونکہ مدعی اسلام ہیں اس لئے صاف طور پر تو انکار کر نہیں سکتے مگر آپ کے پاس آنے سے اور حکم الہی پر چلنے سے بچتے ہیں اور رکتے ہیں کہ کسی ترکیب سے جان بچ جائے اور رسول کو چھوڑ کر جہاں ہمارا جی چاہے اپنا جھگڑا لے جائیں۔

۱۰۸۔ حضرت عمرؓ کے فیصلے کی توثیق: یعنی یہ تو سب کچھ ہوا مگر یہ منافق لوگ اس وقت کیا کریں گے جس وقت پہنچنے لگے ان کو عذاب ان کے کوتاہی کا یعنی فیصلہ خصومات میں آپ کے پاس آنے سے جو رکتے اور بچتے ہیں جب اس کا عذاب ان پر آنے لگے تو پھر یہ منافق اس وقت کیا کر سکتے ہیں اس کے سوا کہ آپ کے رسول کی خدمت میں قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہم تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شائد وہ باہم صلح اور ملاپ کر دیں رسول کے ارشاد سے اعراض کرنا اور جان بچانا ہرگز ہم کو منظور نہ تھا۔

۱۰۹۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی قسم اور ان کی معذرت سابقہ کی تکذیب فرمائی کہ منافقین جو کچھ زبانی باتیں بنائیں بنانے دو اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کی باتیں خوب معلوم ہیں یعنی ان کے نفاق اور ان کے جھوٹ کو خوب جانتا ہے سو آپ بھی علم خداوندی پر بس کر کے منافقوں کی بات سے تغافل کیجئے اور ان کی بات کی پروا نہ کیجئے مگر ان کو نصیحت کرنے اور کام کی باتیں بتانے میں ہرگز کوتاہی نہ فرمائیں اور ان کی ہدایت سے مایوس نہ ہو جائیے۔

۱۱۰۔ ہر رسول کا فیصلہ قطعی ہوتا ہے: یعنی اللہ تعالیٰ جس رسول کو اپنے بندوں کی طرف بھیجتا ہے سو اسی غرض کے لئے بھیجتا ہے کہ اللہ کے حکم کے موافق بندے ان کے کہنے کو مانیں تو اب ضرور تھا کہ یہ لوگ رسول کے ارشاد کو بلا تامل پہلے ہی سے دل و جان سے تسلیم کرتے اور اگر گناہ اور برائے کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کی معافی کی دعا کرتا تو پھر بھی حق تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا مگر انہوں نے توبہ غضب کیا کہ اول تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جو بعینہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ہٹے اور بچے پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا تو اب بھی متنبہ اور تاب نہ ہوئے بلکہ لگے جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے پھر ایسوں کی مغفرت ہو تو کیونکر ہو۔

۶۵۔ سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے [۱۱۱]

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

۱۱۱۔ رسول اللہ کو حکم بنائے بغیر ایمان ممکن نہیں: یعنی منافق لوگ کس بیہودہ خیال میں ہیں اور کیسے بیہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اسے رسول اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلہ اور حکم سے ان کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کر لیں گے اس وقت تک ہرگز ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا اب جو کرنا ہو سوچ سمجھ کر کریں۔

۶۶۔ اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر تو ایسا نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر یہ لوگ کریں وہ جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ انکے حق میں بہتر ہو اور زیادہ ثبات رکھنے والا ہو دین میں

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ  
اخْرَجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ  
ط وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾

۶۷۔ اور اس وقت البتہ دیں ہم انکو اپنے پاس سے بڑا  
ثواب

وَأِذَا آلَتْنِيهِمْ مِّنْ لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾

۶۸۔ اور چلاویں ان کو سیدھی راہ [۱۱۲]

وَلَهْدَيْنَهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾

۱۱۲۔ منافقین کو نصیحت: یعنی سب کی جانوں کا مالک چونکہ خدا تعالیٰ ہے اس لئے اس کے حکم میں تو کسی کو جان سے بھی دریغ نہ کرنا چاہئے سوا اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو کہیں اپنی جانوں کے ہلاک کر ڈالنے اور جلاوطن ہو جانے کا حکم فرمادیتا جیسے کہ بنی اسرائیل پر حکم کر دیا تھا تو بجانہ لاتے اس حکم کو مگر گنے چنے صرف سچے اور پکے ایمان والے یہ منافق ایسے حکم پر کیسے عمل کر سکتے تھے اب ان کو سمجھنا چاہئے کہ ان کو ہم نے جو حکم دے رکھے ہیں وہ محض ان کی نصیحت اور خیر خواہی کے ہیں نہ جان کی ہلاکت کا حکم دیا گیا نہ جلاوطن ہونے کا اگر انہی آسان اور سہل حکموں پر چلیں تو نفاق بالکل جاتا رہے اور خالص مسلمان ہو جائیں مگر افسوس سمجھتے نہیں اور حالت موجودہ کو غنیمت نہیں سمجھتے کہ ذرا سی بات میں دین و دنیا دونوں درست ہوئے جاتے ہیں۔

۶۹۔ اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ  
ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور  
صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی  
رفاقت [۱۱۳]

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ  
اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ  
وَالصَّالِحِينَ ج وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾

۷۰۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے  
والا [۱۱۳]

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾

۱۱۳۔ انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین: نبی وہ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی آئے یعنی فرشتہ ظاہر میں آکر پیغام کہہ جائے اور صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے اور بلا دلیل اسکی تصدیق کرے اور شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پر جان دینے کو حاضر ہیں اور صالح اور نیک بخت وہ کہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے۔ اوپر کی باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چار قسمیں مذکورہ جو امت کے باقی افراد سے افضل ہیں ان کے ماسوا جو مسلمان ہیں اور

درجہ میں ان کے برابر نہیں لیکن اللہ اور رسول کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں وہ لوگ بھی ان ہی کی شمار اور ذیل میں لئے جائیں گے اور ان حضرات کی رفاقت بہت ہی خوبی اور فضیلت کی بات ہے اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے۔ فائدہ اس آیت میں اشارہ ہو گیا کہ منافقین جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے وہ اس رفاقت اور معیت سے محروم ہیں۔

۱۱۴۔ یعنی اللہ اور رسول کے حکم ماننے والوں کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آئی اللہ کا بڑا انعام اور اس کا محض فضل ہے ان کی اطاعت کا معاوضہ نہیں جس سے منافقین بالکل محروم ہیں اور اللہ کافی ہے جاننے والا اور خبر رکھنے والا وہ ہر ایک مخلص اور منافق اور ہر مطیع کی طاعت اور اس کے استحقاق اصلی اور مقدر فضل کو بالتفصیل جانتا ہے تو اب کسی کو ان امور کی تفصیل کی وجہ سے وعدہ الہی کے پورا ہونے میں خلجان پیدا نہ ہو۔

۷۱۔ اے ایمان والو! لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جدی جدی فوج ہو کر یاسب اکھٹے [۱۱۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا

ثَبَاتٍ أَوْ انفِرُوا جَمِيعًا ﴿٤١﴾

۷۲۔ اور تم میں بعض ایسا ہے کہ البتہ دیر لگا دے گا [۱۱۶] پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہے اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ [۱۱۷]

وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيَبْطِئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ

مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ

شَهِيدًا ﴿٤٢﴾

۷۳۔ اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ تو پتا بڑی مراد [۱۱۸]

وَلَمِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَّمْ

تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَلَيَّتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ

فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٤٣﴾

۷۴۔ سو چاہئے لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے تو ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب [۱۱۹]

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٤﴾

۱۱۵۔ جہاد کا بیان: یہاں سے جہاد کا ذکر ہے اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے گا اس کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت انعام میں ملے گی اور احکام خداوندی میں حکم جہاد چونکہ شاق اور دشوار ہے خصوصاً منافقین پر جن کا ذکر اوپر سے آ رہا ہے اس لئے جہاد کا حکم فرمایا کہ ہر کوئی حضرات انبیاء صدیقین وغیرہ ہم کی رفاقت اور معیت کی امید نہ کرنے لگے منقول ہے کہ شروع اسلام میں بہت سے ضعیف الاسلام بھی دعوت اسلامی کو قبول کر چکے تھے پھر جب جہاد فرض ہو گیا تو بعض مترزل ہو گئے اور بعض کفار کے ہمزبان ہو کر آپ ﷺ کی مخالفت کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو منافقوں کی کیفیت تو تم کو پہلے سے معلوم ہو چکی اب خیر اسی میں ہے کہ تم اپنا ہر طرح سے بچاؤ اور اپنی خبرداری اور احتیاط کر لو ہتھیاروں سے ہو یا تدبیر سے عقل سے ہو یا سامان سے اور دشمنوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے گھر سے باہر نکلو متفرق طور پر یا سب اکٹھے ہو کر جیسا موقع ہو۔

۱۱۶۔ جہاد میں منافقین کا رویہ: یعنی اے مسلمانو تمہاری جماعت میں بعض ایسے بھی گھسے ہوئے ہیں کہ جہاد کو جانے میں دیر لگاتے ہیں اور رکتے ہیں اور حکم خداوندی کی تعمیل نہیں کرتے بلکہ نفع دینی کو تکتے رہتے ہیں اور اس سے مراد منافق ہیں جسے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی کہ یہ لوگ ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر ان کی سب باتوں سے مقصود صرف دنیا کا نفع تھا حق تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کوئی غرض ان کو نہ تھی۔

۱۱۷۔ پہلے گزر چکا کہ منافق لوگ نکلنے میں دیر لگاتے ہیں اور جہاد میں جانے والوں کی حالت کو تکتے رہتے ہیں کہ کیا گزری اب فرماتے ہیں کہ جانے کے بعد اگر مسلمانوں کو جہاد میں کوئی صدمہ پہنچ گیا مثلاً مقتول ہو گئے یا شکست پیش آگئی تو منافق بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ ہم لڑائی میں ان کے ساتھ نہ تھے ورنہ ہماری بھی خیر نہ تھی الحمد للہ خوب ہے۔

۱۱۸۔ یعنی اور اگر مسلمانوں پر اللہ کا فضل ہو گیا مثلاً فتح ہو گئی یا مال غنیمت بہت سا ہاتھ آ گیا تو منافق سخت پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبہ حسد سے کہتے ہیں ہائے افسوس میں جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی لوٹ کا مال ہاتھ آتا یعنی منافقوں کو فقط اپنی محرومی پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ اپنی محرومی سے زیادہ مسلمانوں کی کامیابی پر حسد اور قلعہ ہوتا ہے۔

۱۱۹۔ مجاہدین کے فضائل: یعنی اگر منافق لوگ جہاد سے رکیں تو رکیں اور اپنے نشیب و فراز دنیوی کو تکتے رہیں تو تکتے رہیں مگر جو لوگ کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں بے تامل لڑیں اور دنیا کی زندگی اور اسکے مال و دولت پر نظر نہ رکھیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم برداری میں ہر طرح نفع ہے غالب ہوں یا مغلوب مال ملے یا نہ ملے۔

۷۵۔ اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے

مددگار ﴿۱۲۰﴾

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ  
الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ  
الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ  
وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿۱۲۰﴾

۷۶۔ جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں سو لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے بیشک فریب شیطان کا ست ہے [۱۲۱]

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ

كَانَ ضَعِيفًا ﴿٤٦﴾

۱۲۰۔ جہاد کے دو مقاصد: یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمان کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور خلاصی دینے کی وجہ سے مکہ میں بہت لوگ تھے کہ حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تاکہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔

۱۲۱۔ جہاد کی ترغیب: یعنی جب یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں سو پھر تو مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں کے ساتھ لڑنا بلا تامل ضروری ہو اللہ تعالیٰ ان کا مدد گار ہے۔ کسی قسم کا تردد نہ چاہئے اور سمجھ لو کہ شیطان کا حیلہ اور فریب کمزور ہے مسلمانوں پر نہ چل سکے گا۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلانا اور ہمت بندھانا ہے جس کا ذکر آیات آئندہ میں بالتصریح آتا ہے۔

۷۷۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ تھامے رکھو اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ [۱۲۲] پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا اسی وقت ان میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کی ہم پر لڑائی کیوں نہ چھوڑے رکھا ہم کو تھوڑی مدت تک [۱۲۳] کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پر ہیز گار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگے برابر [۱۲۴]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً قَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّبَنِي النَّاسِ وَلَا تُظَلِّمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٧﴾



۷۸۔ جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں [۱۲۵] اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو پہنچے کچھ برائی تو کہیں یہ تیری طرف سے ہے [۱۲۶] کہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا حال ہے ان لوگوں کا ہر گز نہیں لگتے کہ سمجھیں کوئی بات [۱۲۷]

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكَكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي  
بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا  
هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا  
هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۖ قُلْ كُلُّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ فَالِ  
هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٤٨﴾

۷۹۔ جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو برائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے ہے [۱۲۸] اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ کافی ہے سامنے دیکھنے والا [۱۲۹]

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَبِمَنِّ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ  
مِنْ سَيِّئَةٍ فَبِمَنِّ نَّفْسِكَ ۖ وَأَرْسَلْنَا لِلنَّاسِ  
رُسُلًا ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٤٩﴾

۱۲۲۔ مکی زندگی میں جہاد کی ممانعت: مکہ میں ہجرت کرنے سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے۔ مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور رخصت مانگتے کہ ہم کفار سے مقاتلہ کریں اور ان سے ظلم کا بدلہ لیں آپ مسلمانوں کو لڑائی سے روکتے کہ مجھ کو مقاتلہ کا حکم نہیں ہو بلکہ صبر اور درگزر کرنے کا حکم ہے اور فرماتے کہ نماز اور زکوٰۃ کا جو حکم تم کو ہو چکا ہے اس کو برابر پورا کئے جاؤ کیونکہ جب تک آدمی اطاعت خداوندی میں اپنے نفس پر جہاد کرنے کا اور تکالیف جسمانی کا خوگر نہ ہو اور اپنے مال خرچ کرنے کا عادی نہ ہو تو اس کو جہاد کرنا اور اپنی جان کا دینا بہت دشوار ہے اس بات کو مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔

۱۲۳۔ جہاد فرض ہونے پر بعض لوگوں کا تردد: یعنی ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کا حکم ہوا تو ان کو تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ ہماری درخواست قبول ہوئی اور مراد ملی مگر بعض کچھ مسلمان کافروں کے مقاتلہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ اور آرزو کرنے لگے کہ تھوڑی مدت اور بھی قتال کا حکم نہ آتا اور ہم زندہ رہتے تو خوب ہوتا۔

۱۲۴۔ یعنی چونکہ حیات اور منافع دنیوی کی رغبت کے باعث ان لوگوں کو حکم جہاد بھاری معلوم ہوا تو اس لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ دنیا کے تمام منافع حقیر اور سریع الزوال ہیں اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں سو تم کو چاہئے کہ منافع دنیا کا لحاظ نہ کرو اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرو اور جہاد کرنے سے نہ ڈرو اور اطمینان رکھو کہ تمہاری محنت اور جانفشانی کا ثواب ادنیٰ سا بھی ضائع نہ ہو گا سو تم کو ہمت اور شوق کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہئے۔

۱۲۵۔ موت یقینی ہے: یعنی کیسے ہی مضبوط اور محفوظ اور مامون مکان میں رہو مگر موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی کہیں ہو۔ سو اگر جہاد میں نہ جاؤ گے تو بھی موت سے ہر گز نہیں بچ سکتے تو اب جہاد

سے گھبرانا اور موت سے ڈرنا اور کافروں کے مقابلہ سے خوف کرنا بالکل نادانی اور اسلام میں کچے ہونے کی بات ہے۔  
۱۲۶۔ منافقین: یعنی ان منافقین کا اور عجیب حال سنو اگر تدبیر لڑائی کی درست آئی اور فتح ہوئی اور غنیمت کا مال ہاتھ آگیا تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے یعنی اتفاقی بات ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور اگر تدبیر بگڑ جاتی اور ہزیمت و نقصان پیش آجاتا تو الزام رکھتے آپ کی تدبیر پر۔

۱۲۷۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ ان کو جواب دے دو کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے سب باتوں کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر ﷺ کی تدبیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کا الہام ہے۔ تمہارا الزام رکھنا نبی پر غلط اور سراسر کم فہمی ہے اور بگڑی کو بگڑانہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے وہ تم کو سدھاتا ہے اور آزماتا ہے تمہارے قصوروں پر یہ جو اب اجمالی ہو منافقین کے الزام کا اگلی آیت میں اس کی تفصیل آتی ہے۔

۱۲۸۔ ہر بھلائی برائی اللہ کی طرف سے ہے: یعنی اصل بات یہ ہے کہ جملہ بھلائی برائی کا موجد ہر چند اللہ ہے مگر بندہ کو چاہئے کہ نیکی اور بھلائی کو حق تعالیٰ کا فضل اور احسان سمجھے اور سختی اور برائی کو اپنے اعمال کی شامت جانے اس کا الزام پیغمبر ﷺ پر نہ رکھے پیغمبر ان امور کے لئے نہ موجد ہے نہ سبب بلکہ موجد یعنی ان باتوں کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے اور سبب تمہارے اعمال۔

۱۲۹۔ آنحضرت پوری انسانیت کے لئے نبی ہیں: حق تعالیٰ رسول سے منافقوں کے الزام کو دور فرما کر ارشاد کرتا ہے کہ ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے رسول کر کے بھیجا اور ہم کو سب کچھ معلوم ہے ہم سب کے اعمال کا بدلہ دے لیں گے تم کسی کے بیہودہ انکار و الزام کی پروا نہ کرو اپنا کار رسالت کئے جاؤ۔

۸۰۔ جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو  
الناس پھر اتو ہم نے تجھ نہیں بھیجا ان پر نگہبان [۱۳۰]

فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝

۱۳۰۔ آنحضرت پوری انسانیت کے لئے نبی ہیں: آپ کی رسالت کو محقق فرما کر اب خدا تعالیٰ آپ کے متعلق یہ حکم سناتا ہے کہ جو ہمارے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا وہ بیشک ہمارا تابعدار ہے اور جو اس سے روگردانی کرے گا تو ہم نے تجھ کو اسے رسول ان لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کو گناہ نہ کرنے دے ہم انکو دیکھ لیں گے تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے آگے ثواب یا عقاب یہ ہمارا کام ہے۔

۸۱۔ اور کہتے ہیں کہ قبول ہے پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے تو مشورہ کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں سے رات کو اس کے خلاف جو تجھ سے کہہ چکے تھے اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں سو تو تغافل کر ان سے اور بھر سہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز [۱۳۱]

وَمَا يَبْتَئُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكَيْلًا ۝

۸۲۔ کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت [۱۳۲]

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۖ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ

اللَّهِ لَوْجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿۸۲﴾

۱۳۱۔ منافقین کی ایک اور مکاری: ان منافقین کی اور مکاری سنو آپ کے روبرو آکر تو کہہ جاتے ہیں ہم نے قبول کیا حکم تیرا اور باہر جا کر مشورہ کرتے ہیں اس کے خلاف یعنی تیری نافرمانی اور مخالفت کا مشورہ کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں ان کے سب مشورے لکھے جاتے ہیں ان کو سزا دینے کے لئے سوائے نبی ان سے منہ پھیر لے اور کسی بات کی پروا مت کرو اور اپنے سب کام اللہ کے حوالے کر دے وہ تیرے لئے کافی ہے۔

۱۳۲۔ قرآن اللہ کا کلام ہے تدبر کی دعوت: پہلی آیات سے حضرت محمد ﷺ کا رسول اللہ ہونا اور ان کی اطاعت یعنی خدا کی اطاعت ہونی اور ان کے نافرمانوں پر حق تعالیٰ کا عذاب ہونا تو خوب ظاہر ہو گیا مگر منافق اور آپ کے مخالف یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی گواہی اور اس کے ارشادات کی تسلیم و تصدیق میں تو ہم کو تامل ہر گز نہیں مگر یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ خدا کا کلام ہے بشر کا بنایا ہوا نہیں تو حق تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے جس سے صاف معلوم ہو جائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے دیکھو اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو تو ضرور قرآن میں بہت سے مواقع میں طرح طرح کے اختلافات ملتے دیکھو آدمی ہر حالت میں اسی حالت کے موافق کلام کرتا ہے جو حالت پیش ہوتی ہے دوسری حالت کا دھیان نہیں ہوتا غصہ والوں کا دھیان نہیں رہتا اور مہربانی میں غصہ والوں کا، دنیا کے بیان میں آخرت کا لحاظ نہ رہے اور آخرت کے بیان میں دنیا کا۔ بے پروائی میں عنایت کا ذکر نہیں اور عنایت میں بے پروائی کا بالجملہ ایک حال کا کلام دوسرے حال کے کلام سے مختلف نظر آئے گا لیکن قرآن شریف چونکہ خالق کا کلام ہے یہاں ہر چیز کے بیان میں دوسری جانب بھی نظر رہتی ہے غور و فہم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہر مقام میں ایک انداز پر ہے دیکھئے یہاں منافقوں کا مذکور تھا جو سخت عتاب کے مستحق ہیں سو یہاں بھی ان کی باتوں پر اسی قدر الزام ہے جتنا چاہئے اور جو الزام ان کی ایک خاص جماعت پر تھا وہ خاص انہی پر لگایا گیا اور فرمادیا کہ بعضے ان میں سے ایسا کرتے ہیں یہ نہیں کہ غصہ وغیرہ کی حالت میں کلام اپنی حد سے نکل جائے اور دوسری حالت کے کلام سے مختلف نظر آئے اور نیز یہ مطلب بھی ہے کہ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کوئی کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح کوئی غیر فصیح کوئی صحیح کوئی غلط کوئی سچا کوئی کاذب کوئی موافق کوئی باہم متناقض ضرور معلوم ہوتا ہے اور قرآن اتنی بڑی کتاب ان جملہ اختلافات سے پاک ہے جو طاقت بشر سے باہر ہے۔ فائدہ اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جو تدبر اور فہم سے کام نہ لے وہ قرآن میں شبہات اور اختلافات کا وہم چلا سکتا ہے مگر فہم ایسا نہیں کر سکتا دیکھو جو اسی مقام میں تدبر نہ کرے وہ کہہ سکتا ہے کہ اول تو فرمادیا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ پھر فرمادیا وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ سو یہ تو تناقض اور اختلاف ہو گیا واللہ اعلم۔

۸۳۔ اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اسکو مشہور کر دیتے ہیں [۱۳۳] اور اگر اسکو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی [۱۳۴] اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہربانی تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا

بِهِ ۖ وَكَوَرَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ ۖ

لَعَلَّهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ لَا فَضْلُ

شیطان کے مگر تھوڑے [۱۳۵]

اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبْعَتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا

قَلِيلًا ﴿۸۳﴾

۱۳۳۔ افواہ پھیلانے کی مذمت: یعنی ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سننا یا کوئی خبر خوفناک سن لیتے ہیں جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا تو ان کو بلا تحقیق کئے مشہور کرنے لگتے ہیں اور اس میں اکثر فساد و نقصان مسلمانوں کو پیش آجاتا ہے۔ منافق ضرر رسانی کی غرض سے اور کم سمجھ مسلمان کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

۱۳۴۔ یعنی کہیں سے کچھ خبر آئے تو چاہئے کہ اول پہنچائیں سردار تک اور اس کے نائبوں تک جب وہ اس خبر کو تحقیق اور تسلیم کر لیں تو ان کے کہنے کے موافق اس کو کہیں نقل کریں اور اس پر عمل کریں۔ فائدہ حضرت نے ایک شخص کو ایک قوم کے یہاں زکوٰۃ لینے کو بھیجا وہ قوم اس کے استقبال کو باہر نکلی اس نے خیال کیا کہ میرے مارنے آئے ہیں لوٹ کو مدینہ میں آگیا اور مشہور کر دیا کہ فلاں قوم مرتد ہو گئی تمام شہر میں شہرت ہو گئی آخر کو غلط نکلی۔

۱۳۵۔ یعنی اگر اللہ اپنے فضل سے تمہاری اصلاح اور تربیت کے لئے احکام نہ بھیجتا اور تم کو وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ہدایت اور تنبیہ نہ فرماتا رہتا جیسا کہ اس موقع پر رسول اور سرداروں کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا تو تم گمراہ ہو جاتے مگر چند خواص جو کامل العقل اور کامل الایمان ہیں۔ ان تنبیہات کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھو اور شکر کرو اور پوری تعمیل کرو۔

۸۴۔ سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ بند کر دے لڑائی کافروں کی [۱۳۶] اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں [۱۳۷]

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَ

حَرَّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يَكْفَ بَأْسَ

الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿۸۴﴾

۱۳۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا خصوصی حکم: یعنی اگر کافروں کی لڑائی سے منافق اور کچے مسلمان جن کا ذکر اوپر گذرا ڈرتے ہیں تو اے رسول تو تنہا اپنی ذات سے جہاد کرنے میں توقف مت کر اللہ تعالیٰ تیرا مددگار ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی تاکید کر دے جو ساتھ نہ دے اس کی پروا مت کر۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دے گا۔ فائدہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں ضرور جہاد کے لئے جاتا ہوں اگرچہ ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کل ستر ہزاروں کے ساتھ بدر صغریٰ کو بغرض جہاد تشریف لے گئے جس کا وعدہ ابوسفیان سے غزوہ احد میں ہوا تھا جس کا ذکر پہلی سورت میں گذر چکا ہے حق تعالیٰ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور وعدے سے جھوٹے ہوئے اور حق سبحانہ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند کر دیا اور آپ ہمارے سمیت خیر اور سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

۱۳۷۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی لڑائی اور اس کا عذاب کافروں کے ساتھ لڑنے سے بہت سخت ہے سو جو لوگ کافروں کے ساتھ لڑنے اور ان کو مارنے

اور ان کے ہاتھ سے مارے جانے سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب کا کیونکر تحمل کر سکتے ہیں۔

۸۵۔ جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کو بھی ملے

گا اس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے بری بات میں اس پر بھی ہے ایک بوجھ اس میں سے [۱۳۸] اور اللہ ہے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا [۱۳۹]

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ

مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ

مِنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٨٥﴾

۸۶۔ اور جب تم کو دعادیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر بیشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے

والا [۱۴۰]

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ

رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾

۸۷۔ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں بیشک تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن اس میں کچھ شبہ نہیں اور اللہ سے سچی

کس کی بات [۱۴۱]

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْزِيَكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا

رَيْبَ فِيهِ ط وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

۱۳۸۔ سفارش کرنے کا بیان: یعنی اگر کوئی نیک کام میں سعی سفارش کرے جیسا نبی ﷺ کا مسلمانوں کو جہاد کی تاکید فرمانا یا کوئی بری بات میں سعی ہو جیسا منافق اور سست مسلمانوں کا جہاد سے ڈر کر دوسروں کو بھی ڈرانا تو اول صورت میں ثواب کا اور دوسری صورت میں گناہ کا حصہ ملے گا ایسے ہی اگر کوئی محتاج کی سفارش کرے دولت مند سے کچھ دلوادے تو یہ بھی خیرات کے ثواب میں شریک ہو گا۔ اور جو کوئی کافر مفسد یا سارق کو سفارش کرے چھڑا دے پھر وہ فساد اور چوری کرے تو یہ بھی شریک ہو گا فساد اور چوری میں۔

۱۳۹۔ یعنی خدا تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر اور ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا ہے تو نیکی اور بدی کے حصہ دینے میں اس کو کوئی دشواری نہیں۔

۱۴۰۔ سلام کے آداب: یعنی کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا درحقیقت اللہ سے اس کی شفاعت کرنا ہے تو حق تعالیٰ شفاعت حسنہ کی ایک خاص صورت کو جو مسلمانوں میں شائع ذائع ہے صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ جب کوئی اے مسلمانو تم کو دعا دے یا سلام کرے تو تم کو بھی اس کا جواب دینا ضرور چاہئے یا تو وہی کلمہ تم بھی اس کو کہو یا اس سے بہتر مثلاً اگر کسی نے کہا السلام علیکم تو واجب ہے تم پر کہ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہو اور زیادہ ثواب چاہو تو رحمتہ اللہ بھی بڑھا دو اور اگر اس نے یہ لفظ بڑھایا ہو تو تم ”ورکاتہ“ زیادہ کر دو۔ اللہ کے یہاں ہر چیز کا حساب ہو گا اور اس کی جزا ملے گی سلام اور اس کا جواب بھی اس میں آگیا۔ فائدہ اس سے شفاعت حسنہ کی پوری ترغیب ہوگی اور شفاعت سنیہ کی خرابی اور مضرت معلوم ہوگی کیونکہ جو شفاعت حسنہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور جس کی شفاعت کی ہے اس پر اس کے ساتھ حسن سلوک اور مکافات کا حکم فرمادیا بخلاف شفاعت سنیہ کے کہ بجز معصیت اور محرومی کے کچھ نہ ملے گا۔

۱۴۱۔ یعنی قیامت کا آنا اور ثواب و عقاب کے سب وعدوں کا پورا ہونا سب سچ ہے اس میں تخلف نہیں ہو گا ان باتوں کو سرسری خیال نہ کرو۔

۸۸۔ پھر تم کو کیا ہو ا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو رہے ہو اور اللہ نے انکو الٹ دیا بسبب ان کے اعمال کے کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ ہر گز نہ پاوے گا تو اس کے لئے کوئی راہ [۱۳۲]

۸۹۔ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر اس کو قبول نہ کریں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار [۱۳۳]

۹۰۔ مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ تنگ ہو گئے ہیں دل ان کے تمہاری لڑائی سے اور اپنی قوم کی لڑائی سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دے دیتا تو ضرور لڑتے تم سے سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ [۱۳۴]

۹۱۔ اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں وہ فساد کی طرف تو اسکی طرف لوٹ

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَكْسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۗ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۗ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۗ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وُلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۗ وَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ ۚ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَا إِلَيْكُمُ السَّلَامُ ۗ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾

سَتَجِدُونَ الْآخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۗ كُلًّا رُدُّوْا إِلَىٰ الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا

جاتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور نہ پیش کریں تم پر صلح اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور ان پر ہم نے تم کو دی ہے کھلی سند [۱۴۵]

فِيهَا فَإِنَّ لَكُمْ يَعْزِرُ لَكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ وَ  
يَكْفُرُوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ  
ثَقِفْتُمُوهُمْ ۖ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ  
سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩٦﴾

۱۴۲۔ منافقین کے متعلق مسلمانوں کو ہدایت: ان منافقوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے بلکہ ظاہر و باطن کفر پر قائم تھے لیکن حضرت ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ظاہری میل جول اور محبت کا معاملہ رکھتے تھے اور غرض ان کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج ہم پر چڑھائی کرے تو ہمارے جان و مال اس حیلہ سے محفوظ رہیں جب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کا آنا جانا اس غرض سے ہے دکی محبت سے نہیں تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ ان شریروں سے ملنا ترک کر دینا چاہئے۔ تاکہ ہم سے جدا ہو جائیں اور بعضوں نے کہا ان سے ملے جائیے شاید ایمان لے آئیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے قبضہ میں ہے تم اس کا ہرگز فکر مت کرو اور ان لوگوں سے بالاتفاق وہ معاملہ کرنا چاہئے جو آئندہ مذکور ہے دو فریق مت بنو۔

۱۴۳۔ منافقوں سے قتال کا حکم: یعنی یہ منافق لوگ تو کفر پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ خود تو اسلام کیا قبول کریں گے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انکی مثل کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ سوا ب تم کو چاہئے کہ وہ جب تک ایمان قبول کر کے اپنا وطن چھوڑ کر تمہارے پاس نہ چلے آئیں اس وقت تک ان کو دوست نہ بناؤ۔ نہ اپنے کسی کام میں ان کو دخل دو اور نہ ان کی حمایت اور اعانت کرو اور اگر وہ لوگ ایمان اور ہجرت کو قبول نہ کریں تو ان کو قید کرو اور قتل کرو جہاں قابو پاؤ اور اجتناب کلی رکھو اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔

۱۴۴۔ معاہدہ قوموں سے قتال کی ممانعت: یعنی اس ظاہری ملنے جلنے سے ان کو قید اور قتل سے مت بچاؤ مگر کل دو طرح سے ایک تو یہ کہ جن لوگوں سے تمہاری صلح ہے ان سے ان کا بھی معاہدہ اور مصالحت ہو تو وہ بھی صلح میں داخل ہو گئے دوسری طرح یہ کہ جو لوگ لڑائی سے عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرفدار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اور اس عہد پر قائم رہیں تو ایسے لوگوں سے بھی مت لڑو اور ان کی مصالحت کو منظور کر لو اور اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ تمہاری لڑائی سے باز آئے اللہ چاہتا تو ان کو تم پر جبری اور غالب تر کر دیتا۔

۱۴۵۔ یعنی بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم سے عہد کرتے ہیں کہ نہ تم سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے تاکہ تم سے اور اپنی قوم دونوں سے امن میں رہیں لیکن اس عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ جب اپنی قوم کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں سے تم بھی درگزر مت کرو تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آگئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

۹۲۔ اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے [۱۴۶] اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچائے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَ  
مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ

اسکے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھے دو مہینے کے برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۳۷]

دِيَّةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا ۗ فَإِنْ كَانِ  
مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ  
مُّؤْمِنَةٍ ۗ وَإِنْ كَانِ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ  
مِيثَاقٌ فَدِيَّةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ  
مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَبِمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ  
مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا  
حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

۹۳۔ اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اسکے واسطے تیار کیا بڑا عذاب [۱۳۸]

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَدًّا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ  
خُلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ  
عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

۱۳۶۔ مومن کے قتل خطا کا بیان: اس موقع پر قتل خطا کے احکام بیان فرمائے جاتے ہیں اور یہ کہ کلمہ اسلام کہنے والے کو قتل کرنا گناہ عظیم ہے۔ ہاں اگر غلطی سے مارا گیا تو مجبوری کی بات ہے اور اس کے احکام یہ ہیں اور اسی کے ذیل میں مجاہدین کی فضیلت اور دار کفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے۔ فائدہ قتل خطا یعنی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دینے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً غلطی سے مسلمان کو شکار سمجھ کر مار ڈالا یا تیر اور گولی شکار پر چلائی چوک کر کسی مسلمان کے جاگے ایک صورت قتل خطا کی یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کافروں میں ہو اور اس کو کوئی مسلمان کافر سمجھ کر بوجہ لاعلمی قتل کر ڈالے اور یہاں اسی صورت کا بیان فرمانا مقصود ہے مجاہدین کو یہ بات اکثر پیش آ جاتی ہے اور آیات سابقہ کے یہی مناسب ہے گو قتل خطا کی اور صورتوں کا بھی حکم یہی ہے وہ صورتیں بھی اس میں آگئیں۔

۱۳۷۔ اس آیت میں قتل خطا کے دو حکم بتائے گئے ایک تو آزاد کرنا بردہ مسلمان کا اور اس کا مقدور نہ ہو تو دو مہینے متصل روزے رکھنا یہ کفارہ ہے خدا تعالیٰ کی جناب میں اپنی خطا کا دوسرے مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا یہ ان کا حق ہے۔ ان کے معاف کرنے سے معاف بھی ہو سکتا



ہے اور کفارہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا اس کے متعلق تین صورتیں ہو سکتی ہیں کیونکہ جس مسلمان کو غلطی سے قتل کیا اس کے وارث مسلمان ہوں گے یا کافر اگر کافر ہیں تو ان سے مصالحت ہے یا دشمنی اول دونوں صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا پڑے گا۔ تیسری صورت میں خون بہا لازم نہ ہو گا اور کفارہ سب صورتوں میں ادا کرنا ہو گا۔ فائدہ خون بہا مذہب حنفی میں تخمیناً دو ہزار سات سو چالیس روپے ہوتے ہیں یہ روپیہ قاتل کی برادری کو تین برس میں متفرق طور پر دینا ہو گا مقتول کے وارثوں کو۔

۱۴۸۔ قتل عمد کی سزا: یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے نہیں بلکہ قصداً اور مسلمان معلوم کرنے کے بعد قتل کرے گا تو اس کے لئے آخرت میں جہنم اور لعنت اور عذاب عظیم ہے کفارہ سے اس کی رہائی نہیں ہو گی۔ باقی رہی دیوی سزا وہ سورہ بقرہ میں گذر چکی۔ فائدہ جمہور علماء کے نزدیک خلود اس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا وہ شخص مستحق تو اسی سزا کا ہے آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے واللہ اعلم۔

۹۴۔ اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں [۱۴۹] تم بھی تو ایسے ہی تھے اس سے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کر لو [۱۵۰] بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے [۱۵۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَاضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِبَاتِعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

۹۵۔ برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَارِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۗ وَلَا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى

## التَّعَدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾

۹۶۔ جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور  
مہربانی ہے [۱۵۲] اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۱۵۳]

## غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾

۱۳۹۔ بلا تحقیق کسی کو کافر نہ کہو: حضرت ﷺ نے ایک فوج کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا اس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا جو اپنا مال و اسباب اور مویشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ کافر ہے اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کو مار ڈالا اور اس کے مویشی اور اسباب سب لے لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو بے سوچے سمجھے کام مت کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو اللہ کے پاس بہت کچھ غنیمتیں ہیں ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔

۱۵۰۔ تم ایسے ہی تھے اس سے پہلے یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی غرض سے ناحق خون کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمان ہو کر ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ جس پر مسلمان ہونے کا احتمال بھی ہو تو اس کے قتل سے بچو یا یہ مطلب ہے کہ اس سے پہلے شروع زمانہ اسلام میں تم بھی کافروں کے شہر میں رہتے تھے تمہاری مستقل حکومت اور مستقل بود و باش نہ تھی تو جیسا اس حالت میں تمہارا اسلام معتبر سمجھا گیا اور تمہارے جان و مال کی حفاظت و رعایت کی گئی ایسا ہی اب تم کو بھی اس طرح کے مسلمانوں کی رعایت و حفاظت لازم ہے بلا تحقیق ان کو قتل مت کرو احتیاط اور غور سے کام کرنا چاہئے۔

۱۵۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر اعمال اور دلی اغراض سب پر مطلع ہے تو اب جس کو قتل کرو محض اللہ کے حکم کے موافق قتل کرو اپنی کسی غرض کا اصل دخل نہ ہو اور یہ بھی مقصد ہے کہ اگر کوئی کافر فقط اپنے جان و مال کے خوف سے تمہارے روبرو اسلام ظاہر کرے اور دھوکا دے کر اپنی جان بچالے تو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا مگر تم اس کو کچھ مت کہو یہ تمہارے کرنے کی بات نہیں ہم دیکھ لیں گے۔

۱۵۲۔ مجاہدین کے درجات: اس سے پہلے مسلمان کو نادانستگی اور چوک سے قتل کر دینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آہی جاتی ہے اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے لنجے اندھے بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں باقی سب مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہ کرنے والوں کے نہیں اگرچہ جنتی وہ بھی ہیں جو جہاد نہیں کرتے۔

جہاد فرض کفایہ ہے: اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

۱۵۳۔ یعنی حق تعالیٰ غفور رحیم ہے جہاد کرنے والوں کے بارہ میں اجر و مغفرت و رحمت کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ ضرور پورے فرمائے گا یا یہ کہ مجاہد کے ہاتھ سے نادانستگی میں اگر کوئی مسلمان قتل ہو گیا تو حق تعالیٰ معاف فرمادے گا اس اندیشہ سے جہاد سے مت رکو۔

۹۷۔ وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس اس ملک میں کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں سوا بیسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور وہ بہت بری جگہ پہنچے

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْبَلَّيْكَتُ ظَالِمِيَّ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۗ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

۹۸۔ مگر جو ہیں بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾

۹۹۔ سوا بیسوں کو امید ہے کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا [۱۵۴]

فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَفْوًا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے گا اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف پھر آ پڑے اس کو موت تو مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ہاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۱۵۵]

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعِبًا كَثِيرًا وَوَسْعَةً ۗ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾

۱۵۴۔ دارالکفر سے ہجرت کی فضیلت: بعضے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ جہاد کی تعمیل کر سکتے ہیں سوا ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت

کریں اس رکوع میں اسی کا ذکر ہے آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرنے کے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف و کمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے سو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور عورتیں اور بچے کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کر سکتے ہیں نہ ان کو کوئی ہجرت کا رستہ معلوم ہے وہ قابل معافی ہیں۔ فائدہ اس سے معلوم ہو گیا کہ مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

۱۵۵۔ مہاجر کے لئے کشائش کا وعدہ اور دیگر فضائل: اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اس کو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہوگی تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید رستہ میں موت آجائے تو ادھر کے ہوں نہ ادھر کے کیونکہ اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور موت تو اپنے وقت ہی پر آتی ہے وقت مقرر سے پہلے نہیں آسکتی۔

۱۰۱۔ اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر البتہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں [۱۵۶]

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ

الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ إِنَّ الْكُفْرَيْنَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا

مُبِينًا ﴿١٠١﴾

۱۰۲۔ اور جب تو ان میں موجود ہو پھر نماز میں کھڑا کرے تو چاہئے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیوں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہٹ جاویں تیرے پاس سے اور آوے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور ساتھ لیوں اپنا بچاؤ اور ہتھیار کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر حملہ کریں یکبارگی [۱۵۷] اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو اپنا بچاؤ [۱۵۸] بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے عذاب ذلت کا [۱۵۹]

وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ

طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۗ

فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ ۚ وَلْتَأْتِ

طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ

وَلِيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ ۚ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَذَ الَّذِينَ

كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ

فَيَسِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ  
عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أذى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ  
مَرَضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ  
إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

۱۰۲۔ پھر جن تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے [۱۰۲] پھر جب خوف جاتا رہے تو درست کرو نماز کو بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں [۱۰۲]

فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيًّا وَتَعَوَّدُوا  
وَ عَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا  
الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾

۱۰۳۔ اور ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جس طرح تم ہوتے ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۰۳]

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۗ إِنْ تَكُونُوا تَأْكُفُونَ  
فَأِنَّهُمْ يَأْكُفُونَ كَمَا تَأْكُفُونَ ۚ وَ تَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ  
مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

۱۰۴۔ قصر نماز کا حکم: یعنی جب تم جہاد وغیرہ کے لئے سفر کرو اور کافروں سے جو کہ تمہارے صریح دشمن ہیں اس کا خوف ہو کہ وہ موقع پا کر ستائیں گے تو نماز کو مختصر رکھو یعنی جو نماز حضر میں چار رکعت کی ہو اس کی دو رکعت پڑھو۔ فائدہ کا ہمارے یہاں سفر تین منزل کا ہونا ضروری ہے اس سے کم ہو گا تو قصر جائز نہ ہو گا اور کافروں کے ستانے کا ڈر اس وقت موجود تھا جب یہ حکم نازل ہوا جب یہ ڈر جاتا رہا تو اس کے بعد بھی آپ سفر میں دو رکعت ہی پڑھتے رہے اور صحابہ کو بھی اسی کی تاکید فرمائی اب ہمیشہ سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے خوف مذکور ہو یا نہ ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے شکر یہ کہ ساتھ قبول کر لینا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔

۱۰۵۔ نماز خوف کا بیان: پہلے نماز سفر کا بیان تھا یہ نماز خوف کا بیان ہے یعنی کافروں کی فوج مقابلہ میں ہو تو مسلمانوں کی فوج دو حصے ہو جائے ایک حصہ امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے دوسرا حصہ آکر امام کے ساتھ نصف پڑھ لے امام کے سلام کے بعد دونوں جماعتیں اپنی آدھی نماز ہی ہوئی جُدی جُدی پڑھ لیں اگر مغرب کی نماز ہو تو اول جماعت دو رکعت اور دوسری جماعت ایک

رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور اس حالت میں نماز کے اندر آمد و رفت معاف ہے اور تلوار زره سپر وغیرہ کے اپنے ساتھ رکھنے کا بھی ارشاد فرمایا تاکہ کفار موقع پا کر یکبارگی حملہ نہ کر دیں۔

۱۵۸۔ یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے لیکن اپنا بچاؤ کر لینا چاہئے مثلاً زره سپر خود ساتھ لے لو۔ فائدہ اگر دشمن کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا نماز پڑھ لیں پیادہ ہو کر اور سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں۔ اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضا کر دیں۔

۱۵۹۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تدبیر اور احتیاط اور اہتمام کے ساتھ کام کرو اور اللہ کے فضل سے امید رکھو وہ کافروں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل و خوار کر دے گا کافروں سے خوف مت کرو۔

۱۶۰۔ ہمہ وقت ذکر اللہ کا حکم: یعنی خوف کے وقت بوجہ تنگی اور بے اطمینانی اگر نماز میں کسی طرح کی کوتاہی ہو گئی تو نماز خوف سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں کھڑے ہو یا بیٹھے یا لیٹے اللہ کو یاد کرو حتیٰ کہ عین جہوم اور مقاتلہ کے وقت بھی کیونکہ وقت کی تعیین اور دیگر قیود کی پابندی تو بحالت نماز تھی جن کی وجہ سے تنگی اور بے اطمینانی پیش آنے کا موقع ہے اس کے سوا ہر حالت میں بلا وقت اللہ کو یاد کر سکتے ہو کسی حالت میں اس کی یاد سے غافل نہ رہو عبد اللہ بن عباسؓ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ صرف وہ شخص کہ جس کے عقل و حواس کسی وجہ سے مغلوب ہو جائیں البتہ معذور ہے ورنہ کوئی شخص اللہ کی یاد نہ کرنے میں معذور نہیں۔

۱۶۱۔ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں: یعنی جب خوف مذکور جاتا ہے اور خاطر جمع ہو جائے تو پھر نماز پڑھو اطمینان اور تعدیل ارکان اور رعایت شروط اور محافظت آداب کے ساتھ پڑھو جیسا کہ امن کی حالت میں پڑھنی چاہئے اور جن حرکات زائدہ کی اجازت دی گئی وہ حالت خوف کے ساتھ مخصوص ہے بیشک نماز فرض ہے وقت معین میں سفر اطمینان خوف ہر حالت میں اسی وقت میں ادا کرنا ضرور ہے یہ نہیں کہ جب چاہو پڑھ لو یا مطلب ہے کہ نماز کے متعلق حق تعالیٰ نے پورا ضبط اور تعیین فرمادیا ہے کہ حضر میں کیا ہونا چاہئے اور سفر میں کیا اطمینان میں کیا کرنا چاہئے اور خوف میں کیا سو ہر حالت میں اس کی پابندی چاہئے۔

۱۶۲۔ کفار کے تعاقب میں سستی نہ کرو: یعنی کفار کی جستجو اور ان کے تعاقب میں ہمت سے کام لو اور کوتاہی نہ کرو اگر تم کو ان کی لڑائی سے زخم اور درد پہنچا تو اس تکلیف میں تو وہ بھی شریک ہیں اور آئندہ تم کو حق تعالیٰ سے وہ امیدیں ہیں جو ان کو نہیں یعنی دنیا میں کفار پر غلبہ اور آخرت میں ثواب عظیم اور اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح اور تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اس کو جو حکم ہے اس میں تمہارے لئے بڑے منافع اور حکمتیں ہیں دین اور دنیا دونوں کے لئے سو اس کے امتثال کو غنیمت اور بڑی نعمت سمجھو۔

۱۰۵۔ بیشک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھاوے تجھ کو اللہ اور تومت ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا [۱۶۳]

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ  
النَّاسِ بِمَا آرَدَكَ اللَّهُ ۗ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ

خَصِيْبًا ﴿١٠٥﴾

۱۰۶۔ اور بخشش مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۶۴]

وَأَسْتَغْفِرِ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيْمًا ﴿١٠٦﴾

۱۰۷۔ اور مت جھگڑان کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں اللہ کو پسند نہیں جو کوئی ہو دغا باز گنہگار

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾

۱۰۸۔ شرما تے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرما تے اللہ سے اور وہ انکے ساتھ ہے جبکہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے [۱۰۷]

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾

۱۰۹۔ سنتے ہو تم لوگ جھگڑا کرتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پھر کون جھگڑا کرے گا ان کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن یا کون ہو گا ان کا کارساز [۱۰۸]

هَآنَتُمْ هَآؤَآءِ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَبَن يُجَادِلُ اللَّهُ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ﴿١٠٩﴾

۱۱۰۔ اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشوادے تو پاوے اللہ کو بخشنے والا مہربان [۱۰۹]

وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهُ يَجِدِ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾

۱۱۱۔ اور جو کوئی کرے گناہ سو کرتا ہے اپنے ہی حق میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۱۰]

وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾

۱۱۲۔ اور جو کوئی کرے خطا یا گناہ پھر تمہت لگاوے کسی بے گناہ پر تو اس نے اپنے سر دھرا طوفان اور گناہ صریح [۱۱۱]

وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿١١٢﴾

۱۱۳۔ اور اگر نہ ہوتا تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو قصد کر ہی چکی تھی ان میں ایک جماعت کہ تجھ کو بہکاویں

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ

اور بہکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ کو اور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے [۱۷۰]

مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ ۖ وَ  
مَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ  
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۖ وَ

كَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾

۱۶۳۔ ایک مسلمان چور اور یہودی کا قصہ: منافق اور ضعیف الاسلام لوگوں میں جب کوئی کسی گناہ اور خرابی کا مرتکب ہوتا تو سزا اور بدنامی سے بچنے کے لئے حیلہ گھڑتے اور آپ ﷺ کی خدمت میں ایسے انداز سے اس کا اظہار کرتے کہ آپ ﷺ ان کو بری سمجھ جائیں بلکہ کسی بری الذمہ کے ذمہ تہمت لگا کر اس کے مجرم بنانے میں سعی کرتے اور رمل کر باہم مشورہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ یہ ہوا کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب دیا ایک تھیلا آٹے کا اور اس کے ساتھ کچھ ہتھیار چرا کر لے گیا۔ اس تھیلے میں اتفاقاً سوراخ تھا چور کے گھر تک رستہ میں آنا گرتا گیا چور نے یہ تدبیر کی کہ مال اپنے گھر میں نہ رکھا بلکہ رات ہی میں لے جا کر ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا جو اس کا واقف تھا۔ صبح کو مالک نے آٹے کے سوراخ پر چور کو جا پکڑا مگر تلاشی پر اس کے گھر میں کچھ نہ نکلا ادھر چور نے قسم کھالی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں آٹے کا سوراخ آگے کو چلتا نظر آیا تو مالک نے اسی سوراخ پر یہودی کو جا پکڑا اس نے مال کا اقرار کر لیا کہ میرے گھر میں موجود ہے مگر میرے پاس تو رات فلاں شخص امانت رکھ گیا ہے میں چور نہیں ہوں مالک نے یہ قضیہ حضرت فخر عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچایا چور کی قوم اور اس کی جماعت نے اتفاق کیا کہ جس طرح ہو سکے اس پر چوری ثابت نہ ہونے دو یہودی کو چور بناؤ چنانچہ یہودی سے جھگڑے اور آپ ﷺ کی خدمت میں چور کی برأت پر جھوٹی قسمیں کھائیں گو ابی دی قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جائے اور مجرم قرار دیا جائے اس پر حق سبحانہ نے متعدد آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت رسول مقبول ﷺ کو اور سب کو متنبہ فرمادیا کہ چور یہی مسلمان ہے یہودی اس میں سچا اور بے قصور ہے۔ اور ہمت کے لیے ایسے لوگوں کی قلعی کھول کر سب کو متنبہ کر دیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول ﷺ ہم نے اپنی سچی کتاب تجھ پر اس لئے اتاری کہ ہمارے سمجھانے اور بتلانے کے موافق تمام لوگوں میں نیک ہوں یا بد مومن ہوں یا کافر حکم اور انصاف کیا جائے اور جو دغا باز ہیں ان کی بات کا اعتبار اور ان کی طرفداری ہرگز مت کرو اور ان کی قسم اور ان کی گواہی پر کسی بے قصور کو مجرم مت بناؤ یعنی ان دغا بازوں کی طرف ہو کر یہودی سے مت جھگڑو۔

۱۶۴۔ یعنی قبل تحقیق صرف ظاہر حال کو دیکھ کر چور کو بری اور یہودی مذکور کو چور خیال کر لینا تمہاری عصمت اور عظمت شان کے مناسب نہیں اس سے استغفار چاہئے اس میں کامل تشبیہ ہو گئی ان مخلصین کو جو بوجہ تعلق اسلامی یا قومی وغیرہ چور پر حسن ظن کر کے یہودی کے چور بنانے میں سماعی ہوئے۔

۱۶۵۔ گنہگاروں کی سفارش سے ممانعت: پہلی آیت میں جب ان لوگوں کی دغا اور برائی صاف بتلا دی گئی تو شاید رسول اللہ ﷺ نے بوجہ غلبہ شفقت جو آپ کو تمام خلق بالخصوص اپنی امت پر تھا حق تعالیٰ سے ان خطاواروں کی معافی چاہی اس پر ارشاد ہوا کہ ان دغا بازوں کی طرف ہو کر اللہ سے کیوں جھگڑتے ہو ایسے لوگ اللہ کو خوش نہیں آتے یہ تو لوگوں سے چھپ چھپ کر راتوں کو ناجائز مشورہ کرتے ہیں اور اللہ سے نہیں



شرماتے جو ہر وقت انکے ساتھ ہے اور ان کے تمام امور پر حاوی ہے اور اگر آپ نے ان کی معافی نہ بھی مانگی ہو تو آپ کی معافی مانگنے کا احتمال تو بالیقین موجود تھا دیکھئے دوسری جگہ حضرت ابراہیم کی بابت يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ - إِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَخَلِيْمٌ اَدُوًّا مُّٰنِيْبٌ (ہود۔ ۷۵، ۷۴) ارشاد صریح موجود ہے سو اس کی پیش بندی کے لئے حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر ان لوگوں کی سفارش سے آپ کو روک دیا۔ واللہ اعلم۔

۱۶۶۔ اس میں خطاب ہے چور کی قوم اور ان لوگوں کو جو چور کے طرفدار ہوئے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس بے جا حمایت سے چور کو قیامت میں کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔

۱۶۷۔ سوء اور ظلم کا فرق: سوء اور ظلم سے بڑے اور چھوٹے گناہ مراد ہیں یا سوء سے وہ گناہ مراد ہے جس سے دوسرے کو درد پہنچے جیسے کسی پر تہمت لگانی اور ظلم وہ ہے کہ اس کی خرابی اپنے ہی نفس تک رہے یعنی گناہ کیسا ہی ہو اس کا علاج استغفار اور توبہ ہے توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ البتہ معاف فرمادیتا ہے اگر آدمیوں نے جان بوجھ کر فریب سے کسی مجرم کی برأت ثابت کر دی یا غلطی سے مجرم کو بے قصور سمجھ گئے تو اس سے اس کے جرم میں تخفیف بھی نہیں ہو سکتی البتہ توبہ سے بالکل معاف ہو سکتا ہے اس میں اس چور اور اس کے سب طرفداروں کو جو دیدہ و دانستہ طرفدار بنے ہوں یا غلطی سے سبھی کو توبہ اور استغفار کا ارشاد ہو گیا اور اشارہ لطیف اس طرف بھی ہو گیا کہ اب بھی اگر کوئی اپنی بات پر جما رہے گا اور توبہ نہ کرے گا تو اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت سے محروم ہو گا۔

۱۶۸۔ یعنی جو اپنے قصد سے گناہ کرے گا اس کا وبال تو اسی پر پڑے گا اور اس کی سزا خاص اسی کو دی جائے گی کسی دوسرے کو سزا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسا تو وہ کر سکتا ہے جس کو واقعی بات کی خبر نہ ہو یا حکمت سے بے بہرہ ہو مگر حق سبحانہ تعالیٰ تو بلا مبالغہ بصیغہ مبالمغہ علیم و حکیم وہاں اس کی گنجائش کہاں تو اب خود چوری کر کے یہودی کے سر لگانے سے کیا نفع ہو سکتا ہے۔

۱۶۹۔ بہتان تراشی کی مذمت: یعنی جس نے چھوٹا یا بڑا گناہ کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ لگایا تو اس پر تو دو گناہ لازم ہو گئے ایک جھوٹی تہمت دوسرا وہ اصلی گناہ تو ظاہر ہو گیا کہ خود چوری کر کے یہودی پر تہمت دھرنے سے اور وبال بڑھ گیا نفع خاک بھی نہ ہو اور معلوم ہو گیا کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا توبہ خالص کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔

۱۷۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا خاص فضل: اس میں خطاب ہے رسول ﷺ کی طرف اور اظہار ہے ان خاتونوں کے فریب کا اور بیان ہے آپ ﷺ کی عظمت شان و عصمہ کا اور اس کا کہ آپ کمال علمی میں جو کہ تمام کمالات سے افضل اور اول ہے سب سے فائق ہیں اور اللہ کا فضل آپ پر بے نہایت ہے جو ہمارے بیان اور ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آپ کو جو چور کی برأت کا خیال ہوا تھا وہ ظاہر حال کو دیکھ کر اور اقوال و شہادت کو سن کر اور اس کو سچ سمجھ کر ہو گیا تھا۔ میلان عن الحق یا مد اہنت فی الحق ہرگز ہرگز اس کا باعث نہ تھا اور اتنی بات میں کچھ برائی نہ تھی بلکہ یہی ہونا ضروری تھا جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقتہ الامر ظاہر ہو گئی کوئی خلیجان باقی نہ رہا اور ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ کو وہ فریب باز تو آپ کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے رک جائیں اور مایوس ہو جائیں اور آپ اپنی عظمت اور تقدس کے موافق غور اور احتیاط سے کام لیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۳۔ کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں اور جو کوئی یہ کام کرے اللہ کی خوشی کے لئے تو ہم اس کو دیں گے بڑا ثواب [۱۷۱]

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ  
بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَ  
مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ

## نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٣﴾

۱۱۵۔ اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا [۱۴۲]

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ  
الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا  
تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کا بیان: منافق اور حیلہ گر آکر آپ سے کان میں باتیں کرتے تاکہ لوگوں میں اپنا اعتبار بڑھائیں اور مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بیہودہ سرگوشی کیا کرتے کسی کی عیب جوئی کسی کی غیبت کسی کی شکایت کرتے اس پر ارشاد ہوا کہ جو لوگ باہم کانوں میں مشورت کرتے ہیں اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں صاف اور سچی بات کو چھپانے کی حاجت نہیں نہ اُس میں کوئی فریب ہوتا ہے البتہ چھپا دے تو صدقہ اور خیرات کی بات کو چھپائے تاکہ لینے والا شرمندہ نہ ہو یا کسی ناواقف کو غلطی سے بچائے اور اس کو اچھی بات اور صحیح مسئلہ بتائے تو چھپا کر بتائے تاکہ اس کو ندامت نہ ہو یا دوسرے میں لڑائی ہو اور غصہ والا جوش میں صلح نہیں کرتا تو اول کوئی تدبیر بنا کر پھر اس کو سمجھائے حتیٰ کہ تو یہ کی بھی اجازت ہے۔ آخر میں فرمادیا کہ جو کوئی امور مذکورہ کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرے گا اس کو بڑا عظیم الشان ثواب عنایت ہو گا یعنی ریاکاری یا کسی اور غرض دنیاوی کے لئے نہ ہونا چاہئے۔

۱۲۔ رسول اور مومنین کی مخالفت کا عذاب: یعنی جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے پھر اس کے بعد بھی رسول کے حکم کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جُدی راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جیسا کہ اس چور نے کیا جس کا ذکر ہو چکا بجائے اس کے کہ قصور کا اعتراف کر کے توبہ کرتا یہ کیا کہ ہاتھ کٹنے کے خوف سے بھاگ گیا اور مشرکین میں مل گیا۔ فائدہ اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ اجماع امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے یعنی اجماع امت کو ماننا فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جُدی راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔

۱۱۶۔ بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے [۱۴۳] اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر دور جا پڑا [۱۴۴]

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ  
ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ

## ضَلًّا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

۱۱۷۔ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنشَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ  
إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾

۱۱۸۔ جس پر لعنت کی اللہ نے [۱۷۵] اور کہا شیطان نے کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے حصہ مقررہ [۱۷۶]

لَعْنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَاتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا

مَّفْرُوضًا ﴿١١٨﴾

۱۱۹۔ اور انکو بہکاوں گا اور انکو امیدیں دلاؤں گا اور انکو سکھلاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان اور انکو سکھلاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی [۱۷۷] اور جو کوئی بناوے شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر تو وہ پڑا صریح نقصان میں

وَلَا ضَلَّئِهِمْ وَلَا مَنِيْنَهُمْ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيَبْتِكُنَّ

أَذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ ط

وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِمَا

خُسْمًا إِنَّا مُبِينًا ﴿١١٩﴾

۱۲۰۔ انکو وعدہ دیتا ہے اور انکو امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے انکو شیطان سوسب فریب ہے

يَعِدُهُمْ وَيُبَيِّنِيْهِمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا

غُرُورًا ﴿١٢٠﴾

۱۲۱۔ ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور نہ پادیں گے وہاں سے کہیں بھاگنے کو جگہ [۱۷۸]

أُولَئِكَ مَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا

مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾

۱۲۳۔ شرک ناقابل معافی گناہ ہے: یعنی شرک سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے گا اللہ بخش دے گا مگر شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا شرک کے لئے عذاب ہی مقرر فرما چکا تو چوری کرنا اور تمہت جھوٹی لگانا اگرچہ گناہ کبیرہ تھے مگر یہ بھی احتمال تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس چور کو بخش دیتا لیکن جب وہ چور رسول کے حکم سے بھاگا اور مشرکوں میں جا ملا تو اب اس کی مغفرت کا احتمال بھی نہ رہا۔ فائدہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک یہی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرے بلکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو پسند کرنا یہ بھی شرک ہے۔

۱۲۴۔ دور جا پڑا اس لئے کہ وہ شخص تو اللہ ہی سے صریح منحرف ہو گیا اور اللہ کے مقابلہ میں دوسرا معبود بنا کر شیطان کا پورا مطیع ہو چکا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رحمت سب سے مستغنی ہو بیٹھا اور جو اتنی دور جا پڑا تو اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے بلکہ ایسے شخص کی مغفرت تو خلاف حکمت ہونی چاہئے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مغفرت سے صاف مایوس فرما دیا گیا اور مسلمان کتنا ہی سخت گنہگار ہو چونکہ اس کی خرابی صرف اعمال تک ہے اس کا عقیدہ اور تعلق اور توقع سب جوں کی توں موجود ہیں اس کی مغفرت ضرور ہوگی جلدی یادیر کے بعد اللہ جب چاہے گا بخش دے گا۔

۱۲۵۔ مشرکوں کی جہالت: یعنی ان مشرکوں نے اللہ کے سوا جو اپنا معبود بنایا تو ان بتوں کو جن کو عورتوں کے نام سے نامزد کر رکھا ہے۔ جیسے

عزلی اور مناة اور نائلہ وغیرہ اور حقیقۃ الامر دیکھئے تو یہ مشرکین شیطان سرکش ملعون الہی کی عبادت کرتے ہیں اسی نے تو بہکا کر ایسا کرایا اور بت پرستی کرنے میں اس کی اطاعت اور اس کی عین خوشی ہے۔ اس سے مشرکین کی پرلے سرے کی ضلالت اور جہالت ظاہر فرمائی مقصود ہے دیکھئے اول تو اللہ کے سوا کسی کو معبود بنانا اس سے بڑھ کر ضلالت کیا ہو سکتی ہے پھر بنایا تو کس کو پتھروں کو جن میں کسی قسم کی حس و حرکت بھی نہیں اور عورتوں کے نام سے موسوم ہیں اور کس کے بتلانے سے شیطان مردود ملعون خداوندی کے بہکانے سے کیا اس ضلالت اور جہالت کی نظیر مل سکتی ہے اور کوئی احمق سے احمق بھی اس کو قبول کر سکتا ہے۔

۱۷۶۔ شیطان کی انسان دشمنی اور اس کے عزائم: یعنی جب شیطان سجدہ نہ کرنے پر ملعون اور مردود کیا گیا تو اس نے تو اسی وقت کہا تھا کہ میں تو غارت ہو ہی چکا مگر میں بھی تیرے بندوں اور اولاد آدم میں سے اپنے لئے ایک مقدار معلوم اور بڑا حصہ لوں گا یعنی ان کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں گا جیسا کہ سورہ حجر اور بنی اسرائیل وغیرہ میں مذکور ہے مطب یہ ہوا کہ متمرد اور ملعون ہونے کے علاوہ شیطان تو جملہ بنی آدم کا اول روز سے سخت دشمن اور بدخواہ ہے اور اس دشمنی کو صاف ظاہر کر چکا ہے۔ تو اب یہ احتمال بھی نہ رہا کہ گو شیطان ہر طرح سے خبیث و گمراہ ہے مگر شاید کسی کو خیر خواہانہ کوئی نفع کی بات بتلا دے بلکہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دشمن ازلی تو بنی آدم کو جو کچھ بتلائے گا ان کی گمراہی اور بربادی ہی کی بات بتلائے گا پھر ایسے گمراہ اور بدخواہ کی اطاعت کرنی کس قدر جہالت اور نادانی ہے۔ حصہ مقررہ لینے کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تیرے بندے اپنے مال میں میرا حصہ ٹھہرائیں گے جیسا کہ لوگ بت یا جن وغیرہ غیر اللہ کی نذر اور نیاز کرتے ہیں۔

۱۷۷۔ یعنی جو لوگ میرے حصہ میں آئیں گے ان کو طریق حق سے گمراہ کروں گا اور ان کو حیات دنیوی اور خواہشات دنیوی کے حصول کی قیامت اور حساب و کتاب امور اخروی کے نہ ہونے کی آرزو دلاؤں گا اور اس بات کی تعلیم دوں گا کہ جانوروں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر ان کو چھوڑیں گے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو اور اس کی مقرر کی ہوئی باتوں کو بدل ڈالیں گے۔ فائدہ کافروں کا دستور تھا گائے بکری اونٹ کا بچہ بت کے نام کا کر دیتے اور اس کا کان چیر کر یا اس کے کان میں نشانی ڈال کر چھوڑ دیتے اور صورت بدلنا جیسے خواجہ کرنا یا بدن کو سوئی سے گود کر تل بنانا یا نیلا داغ دینا یا بچوں کے سر پر چوٹیاں رکھنی کسی کے نام کی۔ مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا ضرور ہے داڑھی منڈوانا بھی اسی تغیر میں داخل ہے اور اللہ کے جتنے احکام ہیں کسی میں تغیر کرنا بہت سخت بات ہے جو چیز اس نے حلال کر دی اس کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا اسلام سے نکال دیتا ہے تو جو کوئی ان باتوں میں مبتلا ہو اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ میں شیطان کے مقررہ حصہ میں داخل ہوں جس کا ذکر گذرا۔

۱۷۸۔ یعنی جب شیطان کی خباثت و شرارت اور اس کی عداوت کی کیفیت خوب معلوم ہو چکی تو اب اس میں کچھ شک نہ رہا کہ اپنے سچے معبود سے منحرف ہو کر جو کوئی اس کی موافقت کرے گا سخت نقصان میں پڑے گا اس کے تمام وعدے اور امیدیں محض فریب ہیں نتیجہ یہ ہو گا کہ ان سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

۱۲۲۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے انکو ہم داخل کریں گے باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہی ہمیشہ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور اللہ سے سچا کون ہے [۱۷۹]

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
أَبَدًا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ

۱۲۳۔ نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو کوئی برکام کرے گا اس کی سزا پادے گا اور نہ پادے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ  
يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ

وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾

۱۲۴۔ اور جو کوئی کام کرے اچھے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور ان کا حق ضائع نہ ہو گا تل بھر [۱۸۰]

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ  
مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ

نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾

۱۲۵۔ اور اس سے بہتر کس کا دین ہو گا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک ہی طرف کا تھا اور اللہ نے بنا لیا ابراہیم کو خالص دوست [۱۸۱]

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ  
مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ

اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾

۱۲۶۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور سب چیزیں اللہ کے قابو میں ہیں [۱۸۲]

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ

بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿١٢٦﴾

۱۷۹۔ یعنی اور وہ لوگ جو شیطان کی خرابی سے محفوظ ہیں اور ارشاد خداوندی کے موافق ایمان لائے اور اچھے عمل کئے وہ ہمیشہ کے لئے باغ و بہار میں رہیں گے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے جس سے سچی کسی کی بات نہیں ہو سکتی پھر ایسے سچے وعدہ کو چھوڑ کر شیطان کی جھوٹی باتوں میں آنا کس قدر گمراہی اور کتنی بڑی مضرت کو سر پر لینا ہے۔

۱۸۰۔ جنت امیدوں سے نہیں عمل سے ملے گی: کتاب والوں یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کو خیال تھا کہ ہم خاص بندے ہیں جن گناہوں پر خلقت پکڑی جائے گی ہم نہ پکڑے جائیں گے ہمارے پیغمبر حمایت کر کے ہم کو بچالیں گے اور نادان اہل اسلام بھی اپنے حق میں یہی خیال کر لیا کرتے ہیں سو فرمادیا کہ نجات اور ثواب کسی کی امید اور خیال پر موقوف اور منحصر نہیں جو برا کرے گا پکڑا جائے گا کوئی ہو اللہ کے عذاب کے وقت کسی کی حمایت کام نہیں آسکتی اللہ جس کو پکڑے وہی چھوڑے تو چھوڑے دنیا کی مصیبت اور بیماری کو دھیان کر لو اور جو کوئی عمل نیک کرے گا بشرطیکہ ایمان بھی رکھتا ہو سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اپنی نیکیوں کا پورا ثواب پائیں گے خلاصہ یہ کہ ثواب و عقاب کا تعلق

اعمال سے ہے کسی کی امید اور آرزو سے کچھ نہیں ہو تا سوان امیدوں پر لات مارو اور نیک کاموں میں ہمت کرو۔

۱۸۱۔ ملت ابراہیمی کا اتباع سب سے اچھا دین ہے: پہلے معلوم ہو چکا کہ اللہ کے نزدیک اعمال کا اعتبار ہے بہودہ آرزو کا کوئی نتیجہ نہیں۔ اہل کتاب وغیرہ سب کے لئے یہی قاعدہ مقرر ہے جس میں اشارہ تھا اہل اسلام یعنی حضرت صحابہ کی تعریف اور فضیلت کی طرف اور اہل کتاب کی مذمت اور برائی کی طرف اب کھول کر فرماتے ہیں کہ دینداری میں ایسے شخص کا مقابلہ کون کر سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم پر سر رکھے ہوئے ہو اور نیک کاموں میں دل سے لگا ہوا ہو اور حضرت ابراہیمؑ کے دین کی سچی پیروی کرتا ہو جو سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو گیا تھا اور اس کو اللہ نے اپنا دوست بنا لیا ظاہر ہے کہ یہ تینوں خوبیاں حضرات صحابہ میں علی وجہ الکمال موجود تھیں نہ اہل کتاب میں اب اس سے اہل کتاب کی وہ آرزو جو پہلے گذری لغو محض اور باطل ہو گئی۔

۱۸۲۔ اللہ کی ملکیت اور قدرت: یعنی زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اس کے بندے اور اس کی مخلوق اور مملوک ہیں اور اس کے قبضہ میں ہیں اپنی رحمت اور حکمت سے جس کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے اس کو کسی کی حاجت نہیں خلیل بنانے سے کوئی دھوکا نہ کھائے اور اہل عالم کے جملہ اعمال خیر و شر کی جزا اور سزا میں تردد نہ کرے۔

۱۲۷۔ اور تجھ سے رخصت مانگے ہیں عورتوں کے نکاح کی کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ اور حکم ہے ناتوان لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر [۱۸۳] اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ کو معلوم ہے [۱۸۴]

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۚ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِيمَى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تَوْلِيَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُونَ ۚ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ۚ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۚ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾

۱۲۸۔ اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سو تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کر لیں آپس میں کسی طرح صلح اور صلح خوب چیز ہے [۱۸۵] اور دلوں کے سامنے موجود ہے حرص [۱۸۶] اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیز گاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے [۱۸۷]

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا ۚ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۗ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ

## خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾

۱۲۹۔ اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو سوا بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک عورت کو جیسے ادھر میں لگتی [۱۸۸] اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیز گاری کرتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان [۱۸۹]

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَكُلُّكُمْ حَارِصٌ عَلَىٰ مَا تَبَيَّلُوا كُلَّ الْبَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ

## غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾

۱۳۰۔ اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا کر دے گا اپنی کشائش سے اور اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا ہے [۱۹۰]

وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾

۱۸۳۔ یتیم لڑکیوں کے نکاح کا بیان: اس سورت کے اول میں تاکید فرمائی تھی یتیموں کے حق ادا کرنے کی اور فرمایا تھا کہ یتیم لڑکی جس کا والی مثلاً چچا کا بیٹا ہو اگر جانے کہ میں اس کا حق پورا ادا نہ کر سکوں گا تو خود اس لڑکی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دے اور آپ اس کا حمایتی بنا رہے اس پر مسلمانوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا موقوف کر دیا تھا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعضی جگہ لڑکی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کا والی ہی اپنے نکاح میں لائے جیسی رعایت وہ کرے گا غیر نہ کرے گاتب مسلمانوں نے حضرت ﷺ سے نکاح کی اجازت مانگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رخصت مل گئی اور فرمایا کہ وہ جو پہلی ممانعت سنائی گئی تھی وہ خاص اس صورت میں تھی کہ ان کا حق پورا ادا نہ کرو اور یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی اور جو یتیموں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کرنے کے ارادہ سے ایسا نکاح کیا جائے تو اجازت ہے۔ فائدہ عرب والے عورتوں بچوں یتیموں کو بعض حقوق میں محروم رکھتے تھے میراث نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑائی کرے یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ اور مہر میں کمی اور ان کے مال میں بے جا تصرف کرتے تھے چنانچہ اس سورت کے اول میں ان باتوں کی تاکیدات گذر چکیں اب اس موقع پر چند رکوع پہلے سے جو ارشاد چلا آ رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الاتباع حکم الہی ہے کسی کی عقل کسی کا دستور کسی کا حکم کسی کی آرزو اور قیاس قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کسی کی بات سننے اور اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا صریح کفر اور گمراہی ہے اور اس مضمون کو طرح طرح سے تاکیدات بلیغہ کے ساتھ ظاہر کر کے دکھلایا ہے اب اس کے بعد آیات سابقہ کا حوالہ دے کر بعض اور مسائل عورتوں اور یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق بتلائے جاتے ہیں تاکہ ان تاکیدات کے بعد کسی کو عورتوں کے حقوق دینے میں کوئی بات باقی نہ رہے روایت ہے کہ جب عورتوں کے متعلق حضرت ﷺ نے حکم میراث ظاہر فرمایا تو بعض عرب کے سردار آپ کی خدمت میں آئے اور تعجب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہن اور بیٹی کو میراث دلواتے ہیں حالانکہ میراث تو ان کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑیں اور غنیمت کا مال لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک حق تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ ان کو میراث

دی جائے۔ نیز اشارہ ہے اس طرف کہ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ کے مصداق حضرات صحابہؓ ہیں کہ نکاح مہر نفقہ معاملات میں اپنے زیر دستوں کی اصلاح پر و انہیں کرتے یہی حکم الہی کی مخالفت کے احتمال سے بھی پرہیز کرتے ہیں جو کرتے ہیں صاف اجازت لینے کے بعد کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۸۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری ذرہ ذرہ بھلائی معلوم ہے سو بیٹیوں اور عورتوں کے حق میں جو بھلائی کرو گے اس کا ثواب ضرور پاؤ گے۔

۱۸۵۔ زوجین کے درمیان صلح کا بیان: یعنی اگر کوئی عورت خاوند کا دل اپنے سے پھر دیکھے اور اس کو خوش اور متوجہ کرنے کو اپنے مہر یا نفقہ وغیرہ سے کچھ چھوڑ کر اس کو راضی کر لے تو اس مصالحت میں کسی کے ذمے کچھ گناہ نہیں زوجین میں مصالحت اور موافقت بہت ہی اچھی بات ہے البتہ بے وجہ عورت کو تنگ کرنا اور بلارضا اس کے مال میں تصرف کرنا گناہ ہے۔

۱۸۶۔ یعنی اپنے نفع اور مال کی حرص اور بخیلی ہر ایک کے جی میں گھسی ہوئی ہے سو نظر بر مصلحت اگر عورت مرد کو کچھ نفع پہنچائے گی تو مرد خوش ہو جائے گا۔

۱۸۷۔ یعنی اگر عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو گے اور بدسلوکی اور لڑائی سے پرہیز رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تو تمہاری سب باتوں سے خبر دار ہے اس نیکی کا ثواب ضرور عنایت کرے گا ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ اعراض اور ناخوشی کی نوبت آئے گی اور نہ راضی کرنے اور اپنے کسی حق کو چھوڑنے کی ضرورت ہوگی۔

۱۸۸۔ بیویوں کے درمیان مساوات: یعنی اگر کئی عورتیں نکاح میں ہوں تو یہ تو تم سے نہ ہو سکے گا کہ محبت قلبی اور ہر امر میں بالکل مساوات اور برابری رکھو مگر ایسا ظلم بھی نہ کرو کہ ایک کی طرف تو بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو درمیان میں لگتی رکھو نہ خود ہی آرام سے رکھو نہ بالکل علیحدہ ہی کرو جو دوسرے سے نکاح کر سکے۔

۱۸۹۔ یعنی اگر اصلاح اور مصالحت کا معاملہ کرو گے اور تعدی اور حق تلفی سے تامل و رنجیز رہو گے تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔

۱۹۰۔ زوجین میں جدائی: یعنی اگر زوجین جدائی ہی کو پسند کریں اور طلاق کی نوبت آئے تو کچھ حرج نہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک کا کار ساز ہے اور سب کی حاجات کا پورا کرنے والا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ زوجہ کو راحت سے رکھے اور ایذا نہ دے اور اس پر قادر نہ ہو تو پھر طلاق دے دینا مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۱۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہم نے حکم دیا ہے پہلے کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ ہے بے پردا سب خوبیوں والا

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَقَدْ  
وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ  
إِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ ط وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي  
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا

حَبِيدًا ﴿۱۳۱﴾



۱۳۲۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز [۱۹۱]

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

وَكَفٰى [۱۳۲]

۱۳۳۔ اگر چاہے تو تم کو دور کر دے اے لوگو اور لے آئے اور لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے [۱۹۲]

اِنْ يَّشَآءُ يُّدْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا [۱۳۳]

۱۳۴۔ جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا [۱۹۳] اور اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے [۱۹۴]

مَنْ كَانَ يُّرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ع [۱۳۴]

۱۹۱۔ اوپر سے ترغیب و ترہیب کا ذکر چلا آتا تھا یعنی حکم خداوندی کی اطاعت کرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا سب کو ضرور ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کی طرف کان رکھنا ہر گز جائز نہیں بیچ میں چند حکم یتیموں اور عورتوں کے متعلق جن میں لوگ مبتلا تھے بیان فرما کر پھر اسی ترغیب و ترہیب کا بیان ہے ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو یہ حکم سنا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی نہ کرو ثواب اگر کوئی اس کے حکم کو نہ مانے تو وہ سب چیزوں کا مالک ہے اس کو کسی کی پروا نہیں یعنی اپنا ہی کچھ بگاڑے گا اس کا کچھ نقصان نہیں اور فرمانبرداری کرو گے تو سمجھ لو کہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ تمہارے سب کام بنا سکتا ہے۔ تین دفعہ فرمایا کہ اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اول سے کشائش اور وسعت مقصود ہے کہ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں دوسری سے بے نیازی اور بے پروائی کا بیان مقصود ہے کہ اس کو کسی کی پروا نہیں اگر تم منکر ہو۔ تیسری دفعہ میں رحمت اور کارسازی کا اظہار ہے بشرطیکہ تقویٰ کرو۔

۱۹۲۔ اللہ چاہے تو تمہاری جگہ دوسرے لوگ پیدا کر دے: یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور دنیا سے اٹھالے اور دوسرے لوگ مطیع و فرمانبردار پیدا کر دے اس سے بھی حق تعالیٰ کا استغنا اور بے نیازی خوب ظاہر ہو گئی اور نافرمانوں کو پوری تہدید اور تنخویف بھی ہو گئی۔

۱۹۳۔ یعنی اگر اس کی تابعداری کرو تو تم کو دنیا بھی دے اور آخرت بھی پھر صرف دنیا کے پیچھے پڑنا اور اس کی نافرمانی کر کے آخرت سے محروم رہنا بڑی نادانی ہے۔

۱۹۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام دیکھتا ہے اور سب باتیں سنتا ہے۔ جس کے طالب ہو گے وہی ملے گا۔

۱۳۵۔ اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا [۱۹۵] اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں [۱۹۶] اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ

يَآٰيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوْمِيْنَ بِالْقِسْطِ

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوْ الْوَالِدِيْنَ وَ

الْاَقْرَبِيْنَ ج اِنْ يَكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاَللّٰهُ اَوْلٰى

گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے [۱۹۷]

بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَّوْا أَوْ

تُعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۳۵﴾

۱۹۵۔ سچی گواہی کی تاکید: یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہئے اگرچہ اس میں تمہارا یا تمہارے کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو جو حق ہو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہئے دنیوی نفع کے لئے آخرت کا نقصان نہ لو۔

۱۹۶۔ یعنی سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ بیٹھو جو حق ہو سو کہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح سے واقف ہے اور اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔

۱۹۷۔ زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی مگر زبان داب کر اور پیچ سے کہ سننے والے کو شبہ پڑ جائے یعنی صاف صاف سچ نہ بولا اور بچا جانا یہ کہ پوری بات نہ کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھی سو ان دونوں صورتوں میں گوجھوٹ تو نہیں بولا مگر بوجہ عدم اظہار حق گنہگار ہو گا۔ گواہی سچی اور صاف اور پوری دینی چاہئے۔

۱۳۶۔ ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا [۱۹۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ

الْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَ الْكِتَابِ الَّذِي

أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَ

كُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا

بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾

۱۳۷۔ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے ان کو راہ [۱۹۹]

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا

ثُمَّ أزدَادُوا كُفْرًا لَّهُمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَعْفَرَ لَهُمْ وَلَا

لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾

۱۹۸۔ ارکان ایمان: یعنی جو اسلام قبول کرے اس کو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں پر دل سے یقین لائے اس کے ارشادات میں سے اگر کسی ایک ارشاد پر بھی یقین نہ لائے گا تو وہ مسلمان نہیں صرف ظاہری اور زبانی بات کا اعتبار نہیں۔

۱۹۹۔ منافقین ویہود کی گراہی: یعنی ظاہر میں تو مسلمان ہوئے اور دل میں مذہب رہے اور آخر کو بے یقین لائے ہی مر گئے ان کو نجات کا راستہ

نہیں ملے گا وہ کافر ہیں۔ ظاہر کی مسلمانی کچھ کام نہ آئے گی۔ اس سے مراد منافقین ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کی شان میں ہے کہ اول ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کر کے کافر ہو گئے پھر توبہ کر کے مومن ہوئے پھر عیسیٰ کے منکر ہو کر کافر ہوئے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے۔

۱۳۸۔ خوشخبری سنادے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے عذاب دردناک

بَشِيرِ الْمُنْفِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾

۱۳۹۔ وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت سوعزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری [۲۰۰]

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكُفْرَانَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَيْبَتُونَ عِنْدَهُمْ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾

۱۴۰۔ اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ [۲۰۱]

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَةَ اللَّهِ يَكْفُرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنْفِقِينَ وَالْكُفْرَانَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۴۰﴾

۱۴۱۔ وہ منافق جو تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر تم کو فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر نصیب ہو کافروں کو تو کہیں کیا ہم نے گھیر نہ لیا تھا تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے [۲۰۲] سو اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ [۲۰۳]

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۗ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْذِذْ عَلَيْكُمْ وَنَنْعَمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ فَاَللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿۱۴۱﴾

۲۰۰۔ یعنی منافق لوگ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا یہ خیال کہ کافروں کے پاس بیٹھ کر ہم کو دنیا میں عزت ملے گی بالکل غلط ہے سب عزت اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اس کو عزت ملے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے۔

۲۰۱۔ اسلام کا مذاق اڑانے والوں کی مجالس میں نہ بیٹھو: یعنی اے مسلمانو خدا تعالیٰ پہلے قرآن شریف میں تم پر حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں احکام خداوندی کا انکار اور تمسخر کیا جاتا ہو وہاں ہرگز نہ بیٹھو ورنہ تم بھی ویسے ہی سمجھے جاؤ گے البتہ جس وقت دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو اس وقت ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔ منافقوں کی مجالس میں آیات و احکام الہی پر انکار و استہزاء ہوتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ جو فرمایا کہ حکم اتار چکا تم پر یہ اشارہ ہے آیت وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ (الانعام۔ ۶۸) الی آخرہ کی طرف جو پہلے نازل ہو چکی تھی۔ فائدہ اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سنے اور پھر انہی میں بیٹھنا کرے اگرچہ آپ کچھ نہ کہے وہ منافق ہے۔

۲۰۲۔ یعنی یہ منافق وہ ہیں جو برابر تمہاری تاک اور انتظار میں لگے رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح ہو تو تم سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں مال غنیمت میں ہم کو بھی شریک کرو اور اگر کافروں کو لڑائی میں کچھ حصہ مل گیا یعنی وہ غالب ہوئے تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہ لیا تھا اور تمہاری حفاظت نہیں کی اور ہم نے کیا تم کو مسلمانوں کے ضرر سے نہیں بچایا۔ لوٹ میں ہم کو بھی حصہ دو۔ فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ دین حق پر ہو کر گمراہوں سے بھی بنائے رکھنا یہ بھی نفاق کی بات ہے۔

۲۰۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں حکم فیصل فرمادے گا کہ تم کو جنت دے گا اور ان کو جہنم میں ڈالے گا۔ دنیا میں جو کچھ ان سے ہو سکے کر دیکھیں مگر اہل ایمان کی بیخ کنی ہرگز نہ کر سکیں گے جو انکی دلی تمنا ہے۔

۱۴۲۔ البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا [۲۰۴] اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے لوگوں کے دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا [۲۰۵]

إِنَّ السُّفٰٓفِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خٰدِعُهُمْ ۗ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْۤا كَسٰلٰى ۙ يَرٰۤءُوْنَ النَّاسَ وَا لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۴۲

۱۴۳۔ ادھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف اور جس کو گمراہ کرے اللہ تو ہرگز نہ پاوے گا تو اسکے واسطے کہیں راہ [۲۰۶]

مُذٰبِدٰبِيْنَ بَيِّنَ ذٰلِكَ ۗ لَا اِلٰى هُوَۤا ۙ وَلَا اِلٰى هُوَۤا ۙ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا ۝۱۴۳

۱۴۴۔ اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا لیا جاتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا لَا تَتَّخِذُوْا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلٰيْكُمْ سُلْطٰنًا مَّبِيْنًا ۝۱۴۴

۲۰۴۔ منافقین کی علامات: یعنی دل سے کافر ہیں اور ظاہر میں مسلمان تاکہ دونوں طرف کی مضرت اور ایذا سے محفوظ رہیں اور دونوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں حق تعالیٰ نے ان کی اس دغا بازی کی یہ سزا دی کہ ان کی تمام شرارتوں اور مخفی خباثتوں کو اپنے نبی پر ظاہر فرما کر ایسا ذلیل کیا کہ کسی قابل نہ رہے اور سب دغا بازی مسلمانوں پر کھل گئی اور آخرت میں جو اس کی سزا ملے گی وہ بھی ظاہر فرمادی چنانچہ آیات آئندہ میں ذکر آتا ہے خلاصہ یہ کہ ان کی دھوکہ بازی سے تو کچھ نہ ہو اور اللہ نے ان کو ایسا دھوکہ میں ڈالا کہ دنیا و آخرت دونوں غارت ہوئیں۔

۲۰۵۔ یعنی نماز جو نہایت ضروری اور خالص عبادت ہے اس کے ادا کرنے میں جانی مالی کسی مضرت کا بھی اندیشہ نہیں منافق لوگ اس سے بھی جان چراتے ہیں مجبوری لوگوں کے دکھانے کو اور دھوکہ دینے کو پڑھ لیتے ہیں کہ ان کے کفر کی کسی کو اطلاع نہ ہو اور مسلمان سمجھے جاویں پھر ایسوں سے اور کسی بات کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور وہ کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں۔

۲۰۶۔ یعنی منافقین تو بالکل تردد اور حیرت میں گرفتار ہیں نہ ان کو اسلام پر اطمینان ہے نہ کفر پر سخت پریشانی میں مبتلا ہیں کبھی ایک طرف جھکتے ہیں کبھی دوسری طرف اور اللہ جو بھٹکانا اور گمراہ کرنا چاہے اس کو نجات کا راستہ کہاں مل سکتا ہے۔

۱۴۵۔ بیشک منافق ہیں سب سے نیچے درجہ میں دوزخ کے اور ہر گز نہ پاوے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار [۲۰۷]

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ  
لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٣٥﴾

۱۴۶۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم بردار ہوئے اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب [۲۰۸]

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَاصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَ  
سَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٣٦﴾

۱۴۷۔ کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو اور اللہ قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا [۲۰۹]

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَدَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَ  
كَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٣٧﴾

۲۰۷۔ کافروں سے دوستی کی ممانعت: یعنی مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا ذلیل ہے نفاق کی جیسا کہ منافقین کرتے ہیں۔ سو تم اے مسلمانو ایسا ہر گز مت کرنا ورنہ خداوند تعالیٰ کا صریح الزام اور پوری حجت تم پر قائم ہو جائے گی کہ تم بھی منافق ہو اور منافقوں کے لئے دوزخ کا سب سے نیچا طبقہ مقرر ہے اور کوئی ان کا مددگار بھی نہیں ہو سکتا کہ اس طبقہ سے ان کو نکالے یا عذاب میں کچھ تخفیف کر دے مسلمانوں کو ایسی بات سے دور رہنا چاہئے۔

۲۰۸۔ نفاق سے توبہ کرنے والے: یعنی جو منافق اپنے نفاق سے توبہ کرے اور اپنے اعمال کی درستی کرے اور اللہ کے پسندیدہ دین کو مضبوط پکڑ لے اور اللہ پر توکل کرے اور ریا وغیرہ خرابیوں سے دین کو پاک و صاف رکھے تو وہ خالص مسلمان ہے دین و دنیا میں ایمان والوں کے ساتھ ہو گا اور ایمان والوں کو بڑا ثواب ملنے والا ہے ان کے ساتھ ان کو بھی ملے گا جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کی۔

۲۰۹۔ یعنی اللہ تعالیٰ نیک کاموں کا قدردان ہے اور بندوں کی سب باتوں کو خوب جانتا ہے سو جو شخص اس کے حکم کو موہیت اور شکر گزاری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اللہ عادل رحیم کو ایسے شخص پر عذاب کرنے سے کوئی تعلق نہیں یعنی ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو سرکش اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے۔

۱۴۸۔ اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہو اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا [۲۱۰]

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَبِيْعًا عَلِيْبًا ﴿١٣٨﴾

۱۴۹۔ اگر تم کھول کر کرو کوئی بھلائی یا اسکو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو تو اللہ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے [۲۱۱]

إِنْ تَبَدُّوا خَيْرًا أَوْ تَخْفَوْهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٣٩﴾

۱۵۰۔ جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اسکے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اسکے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۚ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾

۱۵۱۔ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب [۲۱۲]

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾

۱۵۲۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دے گا انکے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۲۱۳]

وَالَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾

۲۱۰۔ کسی کی برائی مشہور نہ کرو: یعنی اگر کسی میں دین یاد نیا کا عیب معلوم ہو تو اس کو مشہور نہ کرنا چاہئے خدا تعالیٰ سب کی بات سنتا ہے اور سب

کے کام کو جانتا ہے ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اسی کو غیبت کہتے ہیں البتہ مظلوم کو رخصت ہے کہ ظالم کا ظلم لوگوں سے بیان کرے ایسے ہی بعضی اور صورتوں میں بھی غیبت روا ہے اور یہ حکم شاید اس لئے فرمایا کہ مسلمان کو چاہئے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اس کو بدنام نہ کرے اس میں وہ بگڑ کر شاید بے باک ہو جائے بلکہ مبہم نصیحت کرے منافق آپ سمجھ لے گا یا تنہائی میں نصیحت کرے اس طرح شاید ہدایت قبول کر لے چنانچہ حضرت ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے کسی کا نام لے کر مشہور نہیں فرماتے تھے۔

۲۱۱۔ برائی کو معاف کرنا بہتر ہے: اس آیت میں مظلوم کو معافی کی رغبت دلائی منظور ہے کہ حق تعالیٰ زبردست اور قدرت والا ہو کر خطا والوں کی خطا بخشتا ہے بندہ زیر دست عاجز کو بطریق اولیٰ دوسروں کا قصور معاف کر دینا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مظلوم کو ظالم سے بدل لینا جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ صبر کرے اور بخش دے۔ آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو ان کی ایذا اور شرارت پر صبر کرو اور نرمی اور پردہ سے ان کو سمجھاؤ ظاہر کی طعن اور لعن سے بچو اور کھلا مخالف مت بناؤ۔

۲۱۲۔ یہودی اصل کافر ہیں: یہاں سے ذکر ہے یہود کا چونکہ یہود میں نفاق کا مضمون بہت تھا اور آپ کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ یہود تھے یا یہودیوں سے ربط اور محبت رکھنے والے اور ان کے مشورہ پر چلنے والے تھے اس لئے قرآن شریف میں اکثر ان دونوں فریق کا ذکر اکٹھا فرمایا ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسولوں سے منکر ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں یعنی اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتے اور بعض رسولوں کو تو ماننے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے بیچ میں ایک نیا مذہب اپنے لئے نکالیں ایسے ہی لوگ اصل اور ٹھیک کافر ہیں ان کے لئے خواری اور ذلت کا عذاب تیار ہے۔ فائدہ اللہ کا ماننا جہی معتبر ہے کہ اپنے زمانہ کے پیغمبر کی تصدیق کرے اور اس کا حکم مانے بدون تصدیق نبی کے اللہ کا ماننا غلط ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ ایک نبی کی تکذیب اللہ کی اور تمام رسولوں کی تکذیب سمجھی جاتی ہے یہود نے جب رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی تو حق تعالیٰ اور تمام انبیاء کی تکذیب کرنے والے قرار دیے گئے اور کٹر کافر سمجھے گئے۔

۲۱۳۔ جو تمام انبیاء کو مانتے ہیں ان کا انعام: یعنی اور جن لوگوں نے کسی نبی کو جدا نہیں کیا بلکہ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو بڑے ثواب عطا فرمائے گا اس سے مراد مسلمان ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور سب پر ایمان لائے۔

۱۵۳۔ تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہل کتاب کہ تو ان پر اتار لاوے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے سومانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بھی بڑی چیز اور کہا ہم کو دکھا دے اللہ کو بالکل سامنے سو آپڑی ان پر بجلی اگلے گناہ کے باعث پھر بنا لیا چھڑے کو بہت کچھ نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا [۲۱۳] اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح [۲۱۵]

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا  
مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ  
فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ  
بِظُلْمِهِمْ ۗ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا  
جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۗ وَآتَيْنَا

مُوسَىٰ سُلْطٰنًا مَّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾

۱۵۴۔ اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ قرار لینے کے واسطے [۲۱۶]  
اور ہم نے کہا داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے [۲۱۷]  
اور ہم نے کہا کہ زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن میں اور ہم  
نے ان سے لیا قول مضبوط [۲۱۸]

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي

السَّبْتِ وَآخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾

۲۱۴۔ یہودیوں کا گستاخانہ مطالبہ: یہودیوں کے چند سردار آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر تم سچے پیغمبر ہو تو ایک کتاب لکھی دکھائی  
یکبارگی آسمان سے لادو جیسے کہ حضرت موسیٰ توریت لائے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس تمام رکوع میں الزامات کو ان کے جواب میں  
ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد تحقیقی جواب دیا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محمد ﷺ یہودی جو تم سے عناد الہی کتاب طلب کرتے ہیں ان  
کی یہ بیباکی اور سرکشی تعجب کی بات نہیں ان کے بزرگوں نے تو اس سے بھی بڑی اور سخت بات اپنے نبی موسیٰ سے طلب کی تھی کہ خداوند تعالیٰ  
کو آشکارا ہم کو دکھا دو ورنہ ہم تمہارا یقین نہ کریں گے جیسا کہ سورہ بقرہ میں گذرا اس پر یہ ہوا کہ ان کہنے والوں پر بجلی آپڑی اور سب مر گئے پھر  
حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا سے ان کو زندہ کر دیا۔ ایسی عظیم الشان نشانیاں دیکھ کر پھر یہ کیا کہ مچھڑے کو پوجنے لگے بالآخر حق تعالیٰ نے  
اس سے بھی درگذر فرمائی سورہ بقرہ میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے۔

۲۱۵۔ غلبہ یہ کہ حضرت موسیٰ نے اس مچھڑے کو تو ذبح کر کے آگ میں جلادیا اور اس کی راکھ ہوا میں دریا پر اڑادی اور ستر ہزار آدمی  
مچھڑے کو سجدہ کرنے والے قتل کئے گئے۔

۲۱۶۔ رفع طور: یعنی جب یہود نے کہا تھا کہ توریت کے حکم سخت ہیں ہم نہیں مانتے تو اس وقت کوہ طور کو زمین سے اٹھا کر ان کے سروں پر  
معلق قائم کر دیا تھا کہ ان حکموں کو قبول کرو اور مضبوطی سے پکڑو ورنہ پہاڑ ڈالا جاتا ہے۔

۲۱۷۔ یہود کی نافرمانیاں: یہود کو حکم ہوا تھا کہ شہر میں داخل ہو سجدہ کر کے اور سر جھکائے ہوئے انہوں نے سجدہ کے بدلے سرین پر سر کننا اور  
پھسلنا شروع کیا۔ جب شہر میں پہنچے تو ان پر طاعون پڑا دوپہر میں قریب ستر ہزار کے مر گئے۔

۲۱۸۔ حرمت سبت: یہودیوں کو حکم تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کریں اور سب دنوں سے زیادہ ہفتہ ہی کے دن مچھلیاں دریا میں بکثرت  
نظر آتیں یہودیوں نے یہ حیلہ کیا کہ دریا کے پاس حوض بنائے ہفتہ کے دن جب مچھلیاں دریا سے حوضوں میں آتیں تو ان کو بند کر رکھتے پھر  
دوسرے دن حوضوں سے شکار کرتے اس فریب اور عہد شکنی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بند کر دیا جو جانوروں میں بہت خسیس اور مکار ہے۔

۱۵۵۔ ان کو جو سزا ملی سوان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے  
پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناسخ اور  
اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ اللہ  
نے مہر کر دی انکے دل پر کفر کے سبب سو ایمان نہیں  
لاتے مگر کم [۲۱۹]

فَبِمَا نَقُضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَ

قَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا

غُلْفٌ ۖ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا

يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾



وَبِكْفُرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾

۱۵۶۔ اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ

۱۵۷۔ اور انکے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ

مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا [۲۲۰] اور انہوں نے نہ

اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا و لیکن وہی صورت بن گئی

انکے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو

وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں ان کو

اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل

نہیں کیا بیشک

شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ

مِنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا

قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾

۱۵۸۔ بلکہ اس کو اٹھالیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے

زبردست حکمت والا [۲۲۱]

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾

۱۵۹۔ اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو عیسیٰ پر یقین

لاویں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہو گا

ان پر گواہ [۲۲۲]

وَأَنَّ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِدًا ﴿١٥٩﴾

۲۱۹۔ یہودیوں کے دلوں پر مہر ہے: یعنی یہود نے اس عہد کو توڑ دیا تو حق تعالیٰ نے ان کی اس عہد شکنی پر اور آیات الہی سے منکر ہونے پر اور ان

کے اس کہنے پر کہ ہمارے دل تو غلاف میں ہیں ان پر سخت سخت عذاب مسلط فرمائے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو ہدایت کی تو کہنے لگے

ہمارے دل پردہ میں ہیں تمہاری بات وہاں تک پہنچ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بات نہیں بلکہ کفر کے سبب ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا

دی ہے جس کے باعث ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا مگر تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی۔

۲۲۰۔ یعنی نیز اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰؑ سے منکر ہو کر دوسرا کفر کیا اور حضرت مریم پر طوفان عظیم باندھا اور ان کے اس قول پر کہ فخر

سے کہتے تھے، ہم نے مار ڈالا عیسیٰؑ مریم کے بیٹے کو جو رسول اللہ تھا ان تمام وجوہ سے یہود پر عذاب اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔

۲۲۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی نہیں دی گئی: اللہ تعالیٰ ان کے قول کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہودیوں نے نہ عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی پر

چڑھایا یہود جو مختلف باتیں اس بارہ میں کہتے ہیں اپنی اپنی اٹکل سے کہتے ہیں اللہ نے ان کو شبہ میں ڈال دیا۔ خبر کسی کو بھی نہیں۔

حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے: واقعی بات یہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور

اس کے ہر کام میں حکمت ہے قصہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا حق

تعالیٰ نے ان کو تو آسمان پر اٹھالیا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیحؑ کی صورت کے مشابہ کر دی جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیحؑ سمجھ

کر قتل کر دیا پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیحؑ کے چہرہ کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا کہ یہ

مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے اب صرف اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا علم کسی کو بھی نہیں حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ نے اٹھالیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا۔

۲۲۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں: حضرت عیسیٰ زندہ موجود ہیں آسمان پر۔ جب دجال پیدا ہوگا تب اس جہان میں تشریف لا کر اسے قتل کریں گے اور یہود اور نصاریٰ ان پر ایمان لائیں گے کہ بیشک عیسیٰ زندہ ہیں مرے نہ تھے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ ان کے حالات اور اعمال کو ظاہر کریں گے کہ یہود نے میری تکذیب اور مخالفت کی اور نصاریٰ نے مجھ کو خدا کا بیٹا کہا۔

۱۶۰۔ سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سے پاک چیزیں جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ  
أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾

۱۶۱۔ اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے اور ان کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو ان میں ہیں عذاب دردناک [۲۳۳]

وَ أَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالِ  
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ  
عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾

۲۳۳۔ شریعت موسوی کی سختی کی وجہ: یہود کی اگلی پچھلی سخت سخت شرارتیں ذکر فرما کر جس سے ان کی سرکشی اور ان کا گناہوں پر دلیر ہونا ظاہر ہو گیا اب فرماتے ہیں کہ اسی واسطے ہم نے ان پر شریعت بھی سخت رکھی کہ ان کی سرکشی ٹوٹے تو اب یہ شبہ نہ رہا کہ تحریم طیبیات تو ان پر توریت میں کی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ سے مخالفت کرنا اور حضرت مریم پر تہمت لگانا نزول توریت کے بہت بعد میں ہوا تو سزاجرم سے مقدم کیسے ہو گئی۔ اس تمام رکوع کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے اہل کتاب برابر ایک سے ایک زائد شرارت اور نافرمانی اور عہد شکنی اور حضرات انبیاء کو ایذا رسانی کرتے چلے آئے ہیں اب اگر اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے عناداً توریت جیسی کتاب دفعۃً واحدہ طلب کریں اور قرآن شریف جو سب کتابوں سے افضل ہے اس پر کفایت نہ کریں تو ان متعصب نالائقوں سے کیا مستبعد ہے ان کی اس قسم کی ناشائستہ حرکات سے تعجب مت کرو اور متحیر نہ ہو ان کی تمام حرکات چھوٹی بڑی اگلی پچھلی ہم کو خوب معلوم ہیں ہم نے بھی شریعت سخت ان کے لئے دنیا میں رکھی اور آخرت میں عذاب شدید ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔

۱۶۲۔ لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں اور ایمان والے سو مانتے ہیں اسکو جو نازل ہوا تجھ پر اور جو نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آفریں ہے نماز پر قائم رہنے والوں کو اور جو دینے والے ہیں زکوٰۃ کے اور یقین رکھنے والے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو ایسوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب [۲۳۴]

لٰكِنِ الرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُونَ  
يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ  
وَ الْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَ الْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ  
الْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ أُولَٰئِكَ

## سُنُوْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾

۲۲۴- یہود و مسیحین کا تذکرہ: یعنی بنی اسرائیل میں جن کا علم مضبوط ہے جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور جو لوگ کہ صاحب ایمان ہیں وہ مانتے ہیں قرآن اور توریت و انجیل سب کو اور نماز کو قائم رکھنے والوں کا تو کیا کہنا ہے اور دینے والے زکوٰۃ کے اور ایمان رکھنے والے اللہ پر اور قیامت پر ایسے لوگوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب بخلاف اول فریق کے کہ ان کے لئے عذاب سخت موجود ہے۔

۱۶۳- ہم نے وحی بھیجی تیری طرف [۲۲۵] جیسے وحی بھیجی نوح پر اور ان نبیوں پر جو اسکے بعد ہوئے [۲۲۶] اور وحی بھیجی ابراہیم پر اور اسمعیل پر اور اسحق پر اور یعقوب پر اور اسکی اولاد پر اور عیسیٰ پر اور ایوب پر اور یونس پر اور ہارون پر اور سلیمان پر اور ہم نے دی داؤد کو زبور

اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلَى نُوْحٍ وَ النَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَاَوْحَيْنَا اِلَى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَاِيعْقُوْبَ وَاَلْسَبٰطِ وَاِيسٰى وَاَيُوْبَ وَاَيُوْنُسَ وَاَهْرٰوْنَ وَاِسْلِيْمٰنَ ۚ وَاَتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾

۱۶۴- اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے سنایا تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر [۲۲۷]

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَّرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَّمُنْذِرِيْنَ لِيَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلٰى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

۱۶۵- بھیجے پیغمبر خوشخبری اور ڈر سنانے والے تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست ہے حکمت والا [۲۲۸]

۱۶۶- لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ پر نازل یا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور اللہ کافی ہے حق ظاہر کرنے والا [۲۲۹]

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۚ وَالتَّلٰوٰتِۙ يَشْهَدُوْنَ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَصَدُّوْا عَن سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلًّاۙ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾

۱۶۷- جو لوگ کافر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک کر دور جا پڑے

۱۶۸۔ جو لوگ کافر ہوئے اور حق دہا رکھا ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں ان کو اور نہ دکھلا دے گا ان کو سیدھی راہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَعْفِرْ

لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾

۱۶۹۔ مگر راہ دوزخ کی رہا کریں اس میں ہمیشہ اور یہ اللہ پر آسان ہے [۳۰]

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَكَانَ

ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾

۲۲۵۔ وحی کی عظمت و اہمیت: اہل کتاب اور مشرکین مکہ جملہ کفار قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت میں طرح طرح سے بیہودہ شبہ پیدا کرتے دیکھے اس موقع میں یہی کہہ دیا کہ جیسے توریت سب کی سب ایک دفعہ اتری تھی ایسے ہی تم بھی ایک کتاب آسمان سے لا دو تو ہم تم کو سچا جانیں بقول شخصے خوئے بدرابہانہ بسیار سو حق تعالیٰ نے اس جگہ چند آیتیں نازل فرما کر اس کی حقیقت واضح کر دی اور وحی کی عظمت اور کفار کے سب خیالات اور شبہات بیہودہ کو رد کر دیا اور وحی الہی کی متابعت کو عامۃً اور قرآن مجید کی اطاعت کو تخصیص کے ساتھ بیان فرما کر بتلادیا کہ حکم الہی کا ماننا سب پر فرض ہے۔ کسی کا کوئی عذر اس میں نہیں چل سکتا جو اس کے تسلیم کرنے میں تردد یا تاامل یا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے اب یہاں سے تحقیقی جواب دیا جاتا ہے۔

۲۲۶۔ انبیائے سابقین اور ان کا پیغام: اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی خاص اللہ کا حکم اور اس کا پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے اور انبیائے سابقین پر جیسے وحی الہی نازل ہوئی ویسے ہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہئے اور جس نے اس کا انکار کیا گیا ان سب کا منکر ہو گیا اور حضرت نوحؑ اور ان سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے وقت سے جو وحی شرع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی۔ حضرت نوحؑ پر اس کی تکمیل ہو گئی گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے چنانچہ انبیائے اولو العزم کا سلسلہ بھی حضرت نوحؑ سے ہی شروع ہوا اور وحی الہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوحؑ کے وقت سے شروع ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے حکم الہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کو معذور سمجھ کر ان کو ڈھیل دی جاتی تھی اور سمجھانے ہی میں کوشش کی جاتی تھی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا۔ اول حضرت نوحؑ کے زمانہ میں طوفان آیا اس کے بعد حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت شعیبؑ وغیرہ کے زمانہ میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ کی وحی کو حضرت نوحؑ اور ان سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تمبیہ کر دی گئی کہ جو آپ کی وحی یعنی قرآن کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہو گا۔

۲۲۷۔ وحی کی مختلف صورتیں: حضرت نوحؑ کے بعد جو انبیاء ہوئے ان سب کو بالا جمال ذکر فرما کر جو ان میں اولو العزم ہیں اور جو مشہور اور جلیل القدر ہیں ان کو تخصیص اور تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا جس سے خوب معلوم ہو گیا کہ آپ کے اوپر جو وحی نازل ہوئی اس کا حق ہونا اور اس کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا تمام اولو العزم اور مشاہیر انبیاء کی وحی کو اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انبیاء پر جو وحی آتی ہے کبھی فرشتہ پیغام لے کر آتا ہے کبھی کتاب لکھی ہوئی مل جاتی ہے کبھی بغیر پیغام اور بدون واسطہ کے خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بات کرتا ہے مگر ان سب صورتوں میں چونکہ وہ اللہ کا ہی حکم ہے کسی دوسرے کا حکم نہیں تو بندوں پر اس کی اطاعت یکساں فرض ہے بندوں تک پہنچنے کا طریقہ تحریر ہو خواہ تقریر

ہو خواہ پیغام ہو تو اب یہود کا یہ کہنا کہ توریت کی طرح پوری کتاب ایک دفعہ آسمان سے لاؤ گے تو ہم تم کو سچا جانیں گے ورنہ نہیں کتنی بے ایمانی اور حماقت ہے جب وحی حکم الہی ہے اور اس کے نازل ہونے کی صورتیں البتہ متعدد ہیں تو پھر کسی صورت میں آوے اس کے ماننے میں تردد اور انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فلاں خاص طریقہ سے آئے گی تو مانوں گا ورنہ نہیں صریح کفر ہے اور کھلی حماقت۔

۲۲۸۔ تمام پیغمبر اللہ کی حجت ہیں: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو برابر بھیجا کہ مومنین کو خوشخبری سنائیں اور کافروں کو ڈرائیں تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن اس عذر کی جگہ نہ رہے کہ ہم کو تیری مرضی اور غیر مرضی معلوم نہ تھی معلوم ہوتی تو ضرور اس پر چلتے سو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو مجزے دے کر بھیجا اور پیغمبروں نے راہ حق بتلائی تو اب دین حق کے قبول نہ کرنے میں کسی کا کوئی عذر نہیں سنا جاسکتا۔ وحی الہی ایسی قطعی حجت ہے کہ اس کے روبرو کوئی حجت نہیں چل سکتی بلکہ سب حجتیں قطع ہو جاتی ہیں اور یہ اللہ کی حکمت اور تدبیر ہے اور زبردستی کرے تو کون روک سکتا ہے مگر اس کو پسند نہیں۔

۲۲۹۔ قرآن کریم کی عظمت: یعنی وحی ہر پیغمبر کو آتی رہی یہ کچھ نئی بات نہیں سب کو معلوم ہے لیکن اس قرآن میں اللہ نے اپنا خاص علم اتارا اور اللہ اس حق کو ظاہر کر دے گا چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو علوم اور حقائق قرآن مجید میں سے حاصل ہوئے اور برابر حاصل ہوتے رہیں گے وہ کسی کتاب سے نہیں ہوتے اور جس قدر ہدایت لوگوں کو حضرت ﷺ سے ہوئی اور کسی سے نہیں ہوئی۔

۲۳۰۔ قرآن مجید اور حضرت پیغمبر ﷺ کی تصدیق اور توثیق کے بعد فرماتے ہیں کہ اب جو لوگ آپ سے منکر ہوئے اور توریت میں جو آپ کے اوصاف اور حالات موجود تھے ان کو چھپا لیا اور لوگوں پر کچھ کا کچھ ظاہر کر کے ان کو بھی دین حق سے باز رکھا سو ایسوں کو نہ مغفرت نصیب ہو نہ ہدایت جس سے خوب واضح ہو گیا کہ ہدایت آپ کی متابعت میں منحصر ہے اور گمراہی آپ کی مخالفت کا نام ہے جس سے یہود کو پوری سرزنش ہو گئی اور ان کے خیالات کی تغلیط واضح ہو گئی۔

۱۷۰۔ اے لوگو تمہارے پاس رسول آچکا ٹھیک بات لیکر تمہارے رب کی سومان لو تاکہ بھلا ہو تمہارا اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا [۲۳۱]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَامِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷۰﴾

۲۳۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل بنی نوع انسان کے نبی ہیں: آپ کی اور آپ کی کتاب کی تصدیق اور آپ کے مخالفین یعنی اہل کتاب کی تغلیط اور تضلیل بیان فرما کر اب عام سب لوگوں کو منادی کی جاتی ہے کہ اے لوگو ہمارا رسول سچی کتاب اور سچا دین لے کر تمہارے پاس پہنچ چکا اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اس کی بات مانو اور نہ مانو گے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور تمہارے احوال اور افعال سے خبردار ہے تمہارے اعمال کا پورا حساب و کتاب ہو کر اس کا بدلہ ملے گا۔ فائدہ اس ارشاد سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ وحی جو پیغمبر پر نازل ہو اس کا ماننا فرض اور اس کا انکار کفر ہے۔

۱۷۱۔ اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر کئی بات بیشک مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام ہے

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۗ إِنَّا الْبَسِيحُ عِيسَى ابْنُ

جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اسکے رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑ دو بہتر ہو گا تمہارے واسطے بیشک اللہ معبود ہے اکیلا اسکے لائق نہیں ہے کہ اس کے اولاد ہو [۲۳۲] اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کا ساز [۲۳۳]

مَرِيْمَ رَسُوْلٍ اَللّٰهِ وَ كَلِمَتُهُ اَلْقَهْمَا اِلٰى مَرِيْمَ وَ  
رُوْحٌ مِّنْهُ فَاْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهِ نَجِيًّا وَ لَا تَقُوْلُوْا  
ثَلَاثَةً اِنَّتَهُمْ خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط  
سُبْحٰنَهُ اَنْ يُّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ  
مَا فِى الْاَرْضِ ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ؕ

۲۳۲۔ اہل کتاب کا غلوئی الدین: اہل کتاب اپنے انبیاء کی تعریف میں غلو سے کام لیتے اور حد سے نکل جاتے خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگتے سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کی بات میں مبالغہ مت کرو اور جس سے اعتقاد ہو۔ اس کی تعریف میں حد سے نہ بڑھنا چاہئے۔ جتنی بات تحقیق ہو اس سے زیادہ نہ کہے اور حق تعالیٰ کی شان مقدس میں بھی وہی بات کہو جو سچی اور محقق ہو اور اپنی طرف سے کچھ مت کہو۔

مثلیث کا رد: تم نے یہ کیا غضب کیا کہ حضرت عیسیٰ کو جو کہ رسول اللہ ہیں اور اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے تھے ان کو وحی کے خلاف خدا کا بیٹا کہنے لگے اور تین خدا کے معتقد ہو گئے ایک خدا دوسرے حضرت عیسیٰ تیسرے حضرت مریم ان باتوں سے باز آؤ اللہ تعالیٰ واحد اور یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہو سکے اس کی ذات پاک اس سے منزہ اور مقدس ہے یہ تمام خرابی اس کی ہے کہ تم نے وحی کی اطاعت اور پابندی نہ کی وحی کی متابعت کرتے تو خدا کے لئے بیٹا ماننے اور تین خدا کے قائل ہو کر صریح مشرک نہ ہوتے اور محمد رسول اللہ سید المرسل اور قرآن مجید افضل الکتاب کی تکذیب کر کے آج ڈبل کافر نہ بنتے۔ فائدہ اہل کتاب کے ایک فریق نے تو حضرت عیسیٰ کو رسول بھی نہ مانا اور قتل کرنا پسند کیا جن کا ذکر پہلے گذرا دوسرے فریق نے ان کو خدا کا بیٹا کہا دونوں کافر ہو گئے۔ دونوں فریق کی گمراہی کا سبب یہی ہوا کہ وحی کا خلاف کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ نجات وحی کی متابعت میں منحصر ہے۔

۲۳۳۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں نیچے سے اوپر تک جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق اور اس کی مملوک اور اس کے بندے ہیں۔ پھر کہئے اس کا شریک یا اس کا بیٹا کون اور کیونکر ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کام بنانے والا ہے اور سب کی کار سازی کے لئے وہی کافی اور بس ہے کسی دوسرے کی حاجت نہیں پھر بتلائیے اس کو شریک یا بیٹے کی حاجت کیسے ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نہ کسی مخلوق میں اس کے شریک بننے کی قابلیت اور لیاقت اور نہ اس کی ذات پاک میں اس کی گنجائش اور نہ اس کو اس کی حاجت۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک یا بیٹا کہنا اس کا کام ہے جو ایمان اور عقل دونوں سے محروم ہو۔ فائدہ مضمون بالا سے یہ سمجھ میں آ گیا کہ جو کوئی حق تعالیٰ کے لئے بیٹا یا کسی کو اس کا شریک مانتا ہے وہ حقیقت میں جمیع موجودات کو مخلوق باری اور باری تعالیٰ کو خالق جملہ موجودات نہیں مانتا اور نیز اللہ تعالیٰ کو سب کی حاجت برابری اور کار سازی کے لئے کافی نہیں جانتا گویا خدا کو خدائی سے نکال کر مخلوقات اور ممکنات میں داخل کر دیا تو اب ارشاد سبحانہ اَنْ يُّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ میں جس ناپاکی کی طرف اشارہ خفی تھا اس کا پتہ چل گیا اور فرزند حقیقی اور فرزند مجازی اور ظاہری دونوں میں وہ ناپاکی چونکہ برابر موجود ہے تو خوب سمجھ میں آ گیا کہ اس کی ذات مقدس جیسے اس سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا پیدا ہو ایسا ہی اس سے بھی پاک اور برتر ہے کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنائے۔

۱۷۲۔ مسیح کو اس سے ہر گز عار نہیں کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں [۲۳۳] اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۖ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَبِيْعًا ﴿١٧٢﴾

۱۷۳۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے تو انکو پورا دے گا ان کا ثواب اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو انکو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ پاویں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار [۲۳۵]

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۖ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيَعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

۲۳۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ ہونے میں عار نہیں: یعنی اللہ کا بندہ ہونا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کے حکموں کو بجالانا تو اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے حضرت مسیحؑ اور ملائکہ مقربین سے اس نعمت کی قدر اور ضرورت پوچھئے ان کو اس سے کیسے ننگ اور عار آسکتا ہے البتہ ذلت اور غیرت تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی بندگی میں ہے جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ اور معبود مان لیا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کو ان کی اور بتوں کی عبادت کرنے لگے سو ان کے لئے ہمیشہ کو عذاب اور ذلت ہے۔

۲۳۵۔ سرکشی اور غرور کی سزا: یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھاوے گا اور سرکشی کرے گا تو وہ یونہی نہ چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ایک روز سب کو اللہ کے سامنے جمع ہونا ہے اور حساب دینا ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے یعنی اللہ کی بندگی پوری بجالائے ان کو ان کے کاموں کا پورا ثواب ملے گا بلکہ اللہ کے فضل سے بڑی نعمتیں ان کے ثواب سے زیادہ بھی ان کو عنایت ہوں گی اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھائی اور سرکشی کی وہ عذاب عظیم میں گرفتار ہوں گے اور کوئی ان کا خیر خواہ اور مددگار نہ ہو گا جن کو اللہ کی بندگی میں شریک کر کے عذاب میں پڑے وہ بھی کام نہ آئیں گے سو اب نصاریٰ خوب سمجھ لیں کہ ان دونوں صورتوں میں سے ان کے مناسب حال کیا ہے اور حضرت مسیحؑ کے موافق شان کیا ہے۔

۱۷۴۔ اے لوگو تمہارے پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿١٧٤﴾

۱۷۵۔ سو جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اپنی رحمت میں اور فضل میں اور

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ

پہنچا دے گا ان کو اپنی طرف سیدھے راستے پر [۲۳۶]

فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ

إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ط

۲۳۶۔ قرآن کے اتباع کے بغیر نجات نہیں: پہلے سے وحی الہی اور بالخصوص قرآن مجید کی عظمت اور اس کی حقانیت کا بیان اور اس کی متابعت اور اتباع کی تاکیدات کا ذکر تھا اسی کے ذیل میں حضرت مسیحؑ کی الوہیت اور ان کے ابن اللہ ہونے کا ذکر کیا تھا جسکے قائل نصاریٰ تھے اس کی تردید اور ابطال کے بعد اب اخیر میں پھر اسی اصلی اور ضروری بات کی سب کو تاکید فرمائی جاتی ہے کہ اے لوگو تمہارے پاس رب العلمین کی طرف سے جہہ کامل اور نور روشن پہنچ چکا جو ہدایت کے لئے کافی اور وافی ہے یعنی قرآن مجید اب کسی تامل اور تردد کی گنجائش نہیں سو جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا اور اس مقدس کتاب کو مضبوط پکڑے گا وہ اللہ کی رحمت اور فضل میں داخل ہو گا اور براہ راست اس تک پہنچے گا جو اس کے خلاف کرے اس کی گمراہی اور خرابی اسی سے سمجھ لیجئے۔

۱۷۶۔ حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا [۲۳۷] اگر کوئی مرد مر گیا اور اس کے بیٹا نہیں اور اس کے ایک بہن ہے تو اس کو پہنچے آدھا اس کا جو چھوڑ مرا [۲۳۸] اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اس کے بیٹا [۲۳۹] پھر اگر بہنیں دو ہوں تو انکو پہنچے دو تہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا [۲۴۰] اور اگر کئی شخص ہوں اسی رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے [۲۴۱] بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تاکہ تم گمراہ نہ ہو [۲۴۲] اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے [۲۴۳]

يَسْتَفْتُونَكَ ط قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ط

إِنْ أَمْرٌ وَأَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَوَلَدٌ لَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ

مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَوَلَدٌ ط فَإِنْ

كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلْثُ مِمَّا تَرَكَ ط وَإِنْ

كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَ نِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ

الْأُنثَيَيْنِ ط يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضْلُوا ط وَاللَّهُ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ع

۲۳۷۔ میراث میں کلالہ کا حکم: شروع سورت میں آیت میراث میں کلالہ کا ذکر گزر چکا ہے اس کے بعد جو بعض صحابہ نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کلالہ کے معنی کمزور اور ضعیف۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں جس کے یہ نہیں تو اس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو یہی حکم سوتیلیوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہن ہوں تو دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہرا ملے گا اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو بہن کے مال کے وارث ہونگے یعنی ان کا کوئی حصہ معین نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہیں جیسا کہ آیت میں آگے یہ سب صورتیں مذکور ہیں اب باقی رہ گئے وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں جنکو



اخنیانی کہتے ہیں سوان کا حکم شروع سورت میں فرمادیا گیا ان کا حصہ معین ہے۔

۲۳۸۔ میراث کے مزید احکام: یعنی اگر کوئی مرد مر گیا اور اس نے ایک بہن چھوڑی نہ بیٹا چھوڑا نہ باپ تو اس کو میراث میں نصف مال ملے گا۔  
 ۲۳۹۔ یعنی اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی کوئی عورت لاولد مر گئی اور اس نے بھائی اعیانی یا علاقہ چھوڑا تو وہ بہن کے مال کا وارث ہو گا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر اس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا اور لڑکی چھوڑی تو لڑکی سے جو بچے گا وہ اس بھائی کو ملے گا اور بھائی یا بہن اخنیانی چھوڑے گی تو اس کے لئے چھٹا حصہ معین ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔  
 ۲۴۰۔ اور اگر دو سے زیادہ بہنیں چھوڑے تو ان کو بھی دو تہائی دیا جائے گا۔

۲۴۱۔ کچھ مرد اور کچھ عورتیں یعنی کچھ بھائی اور کچھ بہنیں چھوڑیں تو بھائی کا دوہرا اور بہن کا اکہرا حصہ ہے جیسا کہ اولاد کا حکم ہے۔  
 ۲۴۲۔ یہ احکام گمراہی سے بچانے کے لئے ہیں: یعنی اللہ رحیم و کریم محض اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اور ان کو گمراہی سے بچانے کی غرض سے اپنے احکام حقہ صادقہ بیان فرماتا ہے جیسا یہاں میراث کلامہ کو بیان فرمادیا۔ اس کی اس میں کوئی غرض نہیں وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے تو اب جو اس مہربانی کی قدر نہ کرے بلکہ اس کے حکم سے انحراف کرے اس کی شقاوت کا کیا ٹھکانہ اس سے معلوم ہو گیا کہ بندہ کو جملہ احکام کی تابعداری لازم ہے اگر ایک معمولی اور جزوی امر میں بھی خلاف کرے گا تو گمراہی ہے پھر جو لوگ اس کی ذات پاک اور اس کی صفات کمال میں اس کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اور اپنی عقل اور اپنی خواہش کو اس کے مقابلہ میں اپنا مقدمہ بناتے ہیں ان کی ضلالت اور خباثت کو اسی سے سمجھ لیجئے کہ کس درجہ کی ہوگی۔

۲۴۳۔ مسائل دینی پوچھنے کے فوائد: اس سے پہلے معلوم ہوا تھا کہ حق سبحانہ اپنے بندوں کی ہدایت کو پسند فرماتا ہے اب فرمایا کہ اس کو سب چیزیں معلوم ہیں تو مطلب یہ نکلا کہ مسائل دینیہ میں جو ضرورت پیش آئے اس کو پوچھ لو سو اس ارشاد میں صحابہ نے جو کلامہ کے مسئلہ میں استفسار فرمایا تھا اس کی تحسین کی طرف اور آئندہ ایسے سوالات کرنے کی ترغیب کی طرف اشارہ سمجھ میں آتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے یعنی تم نہیں جانتے تم تو یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ کلامہ اور اس کے سوا دیگر صورتوں میں جو حصہ مقرر فرمایا گیا اس کی وجہ حقیقت میں کیا ہے پھر آدمی کی عقل اس قابل کب ہو سکتی ہے کہ اسکے بھروسے حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات صفات میں وحی کے خلاف پر جرات کرے جو اپنے تعلقات اور اپنے اقارب کے فرق اور امتیاز سے عاجز ہو وہ ذات بیچون و بیچگون اور اس کی صفات کو بدوں اس کے بتلائے کیا سمجھ سکتا ہے۔

کلامہ کے حکم سے ملنے والے فوائد: اس جگہ کلامہ کے حکم اور اس کے سبب نزول کو بیان فرمانے سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جیسا پہلے دِ اِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ فرما کر اس کے بعد بطریق تمثیل اہل کتاب کا حال ذکر فرمایا تھا ایسے ہی ارشاد فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِہِ اٰلِیْ اٰخِرِ الْاٰیٰتِ کے بعد اصحاب رسول اللہ ﷺ کو بطریق تمثیل ذکر فرمایا تاکہ وحی سے انحراف کرنے والوں کی گمراہی اور برائی اور وحی کا اتباع کرنے والوں کی حقانیت اور بھلائی خوب سمجھ میں آجائے اسی کے ذیل میں دوسری بات یہ بھی ظاہر ہو گئی کہ اہل کتاب نے تو یہ غضب کیا کہ ذات اقدس سبحانہ و تعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد جیسے شنیع امر کو اپنا ایمان بنا لیا اور وحی الہی کا خم ٹھونک کر خلاف کیا اور اصحاب رسول ﷺ کی یہ حالت ہے کہ اصول ایمان اور عبادات تو درکنار معاملات جزئیہ اور معمولی مسائل متعلقہ میراث نکاح وغیرہ میں بھی وحی کے متجسس اور منتظر رہتے ہیں اور ہر امر میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ کو تکتے ہیں اپنی عقل اور خواہش کو حاکم نہیں سمجھتے اگر ایک دفعہ میں تشفی نہ ہوئی تو مکرر حاضر خدمت ہو کر دریافت کرتے ہیں۔ مصرعہ، ہمیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت سید المرسلین بھی بلا حکم وحی اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے تھے اگر کسی امر میں حکم وحی موجود نہ ہوتا تو حکم فرمانے میں نزول وحی کا انتظار فرماتے

جب وحی آتی تب حکم فرماتے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ذات پاک وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی حاکم نہیں چنانچہ آیات متعدده میں ان حکم اللہ وغیرہ صاف مذکور ہے باقی جو ہیں وہ سب واسطہ ہیں ان کے ذریعہ سے اوروں کو حکم الہی پہنچایا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ کوئی واسطہ قریب ہے کوئی بعید جیسا حکم سلطانی پہنچانے لئے وزیر اعظم اور دیگر مقررین شاہی اور حکام اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ بدرجہ سب واسطہ ہوتے ہیں پھر اس سے زیادہ گمراہی کیا ہوگی کہ کسی امر میں وحی الہی کے مقابلہ میں کوئی گمراہ کسی کی بات سنے اور اس پر عمل کرے شعر آنا کہ زرورے تو بجائے نگر آئند۔ کو تو نظر آئند چہ کو تو نظر آئند۔ نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ایک دفعہ تمام کتاب کے نازل ہونے میں جیسا کہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں وہ خوبی نہیں جو حسب حاجت اور حسب موقع متفرق نازل ہونے میں ہے کیونکہ ہر کوئی اپنی ضرورت کے موافق اس صورت میں سوال کر سکتا ہے اور بذریعہ وحی متلو اس کو جواب مل سکتا ہے جیسا کہ اس موقع میں اور قرآن مجید کے بہت سے مواقع میں موجود ہے اور یہ صورت مفید تر ہونے کے علاوہ بوجہ شرافت ذکر خداوندی وعزت خطاب حق عزوجل ایسے فخر عظیم پر مشتمل ہے جو کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔ واللہ ذوالفضل العظیم اس صحابی کی بھلائی یا اس کے سوال کے جواب میں کوئی آیت نازل ہوئی وہ اس کے مناقب میں شمار ہوتی ہے اور اختلاف کے موقع میں جس کی رائے یا جس کے قول کے موافق وحی متلو اتنی قیامت تک ان کی خوبی اور نام نیک رہے گا۔ سو کلام کے متعلق سوال و جواب کا ذکر فرما کر اس طرح کے بالعموم سوالات اور جوابات کی طرف اشارہ فرما دیا اور شاید اسی اشارہ کی غرض سے سوال کو مطلق رکھا مسئول عنہ کو سوال کے ساتھ ذکر نہ فرمایا بلکہ جواب میں اس کی تصریح فرمائی جس کی دوسری نظیر قرآن شریف میں نہیں اور نیز جواب کو بالتصریح حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا واللہ اعلم واللہ الہادی الخاصل جملہ احکام کے لئے وحی الہی منشاء اور اصل ہے اور ہدایت اسی کی متابعت پر موقوف ہے اور کفر و ضلالت اسی کی مخالفت میں منحصر ہے اور چونکہ آپ کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ اور جملہ مشرکین اور جملہ اہل ضلالت کی گمراہی کی جڑ بھی مخالفت تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بہت جگہ وحی کی متابعت کی خوبی اور اس کی مخالفت کی خرابی پر متنبہ فرمایا بالخصوص اس موقع میں تو دور کو اس مہتمم بالشان مضمون کے لئے نازل فرمائے اور تفصیل اور تمثیل کے ساتھ بیان فرمایا شاید اسی وجہ سے امام بخاری نے اپنی کتاب میں باب "کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ" منعقد فرما کر آیت "إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ كَوْتَرَجَمَةِ الْبَابِ فِي دَاخِلِ كِتَابِنَا" میں داخل کیا اور ان دونوں رکوع کی طرف اشارہ کر گئے گویا مطلب یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ "إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ" الی آخر مضمون الوحی واللہ اعلم۔

تم سورۃ النساء بمنہ و حسن توفیقہ۔ فلہ الحمد والمنہ و علی رسولہ الف الف سلام و تحیہ۔

## رکوعاتها ۱۶

## سُورَةُ الْبَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲

## آياتها ۱۰

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۗ أُحِلَّتْ لَكُمْ  
بِهَيْبَةِ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي  
الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ﴿١﴾

۱۔ ایفائے عہد عقود کی تشریح: ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم و انقیاد یعنی خدا اور رسول کے جملہ ارشادات کو صحیح و صادق سمجھ کر تسلیم و قبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقتہ تمام قوانین و احکام الہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے گویا حق تعالیٰ کی ربوبیت کا ملہ کا وہ اقرار جو عہد الست کے سلسلہ میں لیا گیا تھا جس کا نمایاں اثر انسان کی فطرت اور سرشت میں آج تک موجود ہے۔ اسی کی تجدید و تشریح ایمان شرعی سے ہوتی ہے پھر ایمان شرعی میں جو کچھ اجمالی عہد و پیمان تھا اسی کی تفصیل پورے قرآن و سنت میں دکھائی گئی ہے اس صورت میں دعویٰ ایمان کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ تمام احکام الہیہ میں خواہ ان کا تعلق براہ راست خدا سے ہو یا بندوں سے، جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے ہو یا اخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اس کا عہد کرتا ہے کہ ہر نہج سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا۔ نبی کریم ﷺ جو عہد ایمانی کی ایک محسوس صورت تھی۔ اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالیٰ کے جلال و جبروت کی صحیح معرفت اور اس کی شان انصاف و انتقام اور وعدوں کی سچائی کا پورا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے، اس کا مقتضایہ ہے کہ وہ بد عہدی اور غداری کے مہلک عواقب سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو جو خدا سے یا بندوں سے یا خود اپنے نفس سے کئے ہوں، اس طرح پورا کرے کہ مالک حقیقی کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آنے پائے اس تقریر کے موافق عقود (عہدوں) کی تفسیر میں جو مختلف چیزیں سلف سے منقول ہیں ان سب میں تطبیق ہو جاتی ہے اور آیت میں "ایمان والو" کے لفظ سے خطاب فرمانے کا لطف مزید حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ حلال جانوروں کی تفصیل: "سورہ نساء" میں گزر چکا کہ یہود کو ظلم و بد عہدی کی سزا میں بعض حلال و طیب چیزوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ (نساء۔ ۱۶۰) جن کی تفصیل "سورہ انعام" میں ہے جس ائمہ مرحومہ کو ایفائے عہد کی ہدایت کے ساتھ ان چیزوں سے بھی منتفع ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ یعنی اونٹ، گائے، بکری اور اسی جنس کے تمام اہل اور وحشی (پالتو اور جنگلی) چوپائے مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ تمہارے لئے ہر حالت میں حلال کئے گئے۔ بجز ان حیوانات یا حالات کے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریم ﷺ کی زبانی تمہاری جسمانی یا روحانی یا اخلاقی مصلحت کے لئے ممانعت فرمادی ہے۔

۳۔ غالباً اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اسی رکوع کی تیسری آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْبَيْتَةُ سے ذُكِمُمْ فَسُنِّعُ تَك۔

۴۔ احرام کی حالت میں شکار کی حرمت: محرم کو صرف خشکی کے جانور کا شکار جائز نہیں۔ دریائی شکار کی اجازت ہے۔ اور جب حالت احرام کی رعایت اس قدر ہے کہ اس میں شکار کرنا ممنوع ٹھہرے تو خود حرم شریف کی حرمت کا لحاظ اس سے کہیں زیادہ ہونا چاہئے۔ یعنی حرم کے جانور کا شکار محرم وغیرہ سب کے لئے حرام ہو گا۔ جیسا کہ لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ کے عموم سے مترشح ہوتا ہے۔

۵۔ جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمال حکمت سے ان میں باہم فرق مراتب رکھا ہر نوع میں اس کی استعداد کے موافق جدا جدا فطری خواص و قوی و دلیعت کئے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلاشبہ اسی خدا کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کامل، علم محیط، اور حکمت بالغہ کے اقتضا سے جس چیز کو جس کے لئے جن حالات میں چاہے، حلال یا حرام کر دے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يُفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُونَ (الانبیاء۔ ۲۳)

۲۔ اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو [۱] اور نہ ادب والے مہینہ کو [۲] اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور نہ جنکے گلے میں پٹا ڈال کر بیجاویں کعبہ کو [۸] اور نہ آنے والوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے رب کا اور اسکی خوشی [۹] اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر لو [۱۰] اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی حرمت والی مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرنے لگو [۱۱] اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر [۱۲] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے [۱۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا  
الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا  
أَمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ  
وَرِضْوَانًا ۖ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۗ وَلَا  
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ  
الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۗ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ  
التَّقْوَىٰ ۗ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۗ وَ  
اتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾

۶۔ شعائر کا احترام: یعنی جو چیزیں حق تعالیٰ کی عظمت و معبودیت کے لئے علامات اور نشانات خاص قرار دی گئی ہیں ان کی بے حرمتی مت کرو۔ ان میں حرم محترم، بیت اللہ شریف، جمرات، صفامر وہ، ہدی، احرام، مساجد، کتب ساویہ وغیرہ تمامی حدود و فرائض اور احکام دینیہ شامل ہیں۔ آگے ان نشانیوں میں سے بعض مخصوص چیزوں کا جو مناسک سے متعلق ہیں۔ ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں بھی محرم کے بعض احکام ذکر کئے گئے تھے۔

۷۔ محترم مہینے: ادب والے مہینے چار ہیں مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ (توبہ۔ ۳۶) ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب ان کی تعظیم و احترام یہ ہے کہ دوسرے مہینوں سے بڑھ کر ان میں نیکی اور تقویٰ کو لازم پکڑے اور شر و فساد سے بچنے کا اہتمام کیا جائے خصوصاً حجاج کو ستا کر اور دق کر کے حج بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ گو یہ امور سال کے بارہ مہینوں میں واجب العمل ہیں لیکن ان محترم مہینوں میں بالخصوص بہت زیادہ موکد قرار دیے

گئے۔ باقی دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ہاجمانہ اقدام، توجہہور کا مذہب یہ ہی ہے بلکہ ابن جریر نے اجماع نقل کیا ہے کہ اس کی ان مہینوں میں ممانعت نہیں رہی اس کا بیان سورہ توبہ میں آئے گا ان شاء اللہ۔

۸۔ بعض دوسرے شعائر: ”قلاند“ قلاوہ کی جمع ہے۔ جس سے مراد وہ ہار یا پٹا ہے جو ہدی کے جانور کے گلے میں نشان کے طور پر ڈالتے تھے تاکہ ہدی کا جانور سمجھ کر اس سے تعرض نہ کیا جائے اور دیکھنے والوں کو اسی جیسا عمل کرنے کی ترغیب بھی ہو قرآن کریم نے ان چیزوں کی تعظیم و حرمت کو باقی رکھا۔ اور ہدی یا اس کی علامات سے تعرض کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

۹۔ بظاہر یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے۔ یعنی جو مخلص مسلمان حج و عمرہ کے لئے جائیں ان کی تعظیم و احترام کرو۔ اور ان کی راہ میں روٹے مت اٹکاؤ۔ اور جو مشرکین حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے، اگر وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں کیونکہ وہ بھی اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق خدا کے فضل و قرب اور خوشنودی کے طالب ہوتے تھے، تو کہنا پڑے گا کہ یہ حکم اس وقت سے پہلے کا ہے جبکہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبُوا الشَّارِعَاتِ الَّتِي نَزَّلْنَا بِهَا عَلَىٰ نَبِيِّكُمْ فَلَا يُقْرَبُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا (توبہ-۲۸) کی منادی کرائی گئی۔

۱۰۔ یعنی حالت احرام میں شکار کی جو ممانعت کی گئی تھی وہ احرام کھول دینے کے بعد باقی نہیں رہی۔

۱۱۔ دشمنی کے جوش میں زیادتی نہ کرو: پچھلی آیت میں جن شعائر کو حق تعالیٰ نے معظم و محترم قرار دیا تھا ۶ ہجری میں مشرکین مکہ نے ان سب کی اہانت کی نبی کریم ﷺ اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ ماہ ذیقعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے اس مذہبی وظیفہ کی بجا آوری سے روک دیا۔ نہ حالت احرام کا خیال کیا، نہ کعبہ کی حرمت کا نہ محترم مہینہ کا، نہ ہدی و قلاند کا مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فرائض سے روک دیئے جانے پر ایسی ظالم اور وحشی قوم کے مقابلہ میں جس قدر بھی غیظ و غضب اور بغض و عداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے اور جوش انتقام سے برافر و خستہ ہو کر جو کارروائی بھی کر بیٹھے وہ ممکن تھی۔ لیکن اسلام کی محبت و عداوت دونوں چچی تلی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے جابر و ظالم دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا۔ عموماً آدمی زیادہ محبت یا زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔

۱۲۔ تعاون علی البر: اگر کوئی شخص بالفرض جوش انتقام میں زیادتی کر بیٹھے تو اس کے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ جماعت اسلام اس کے ظلم و عدوان کی اعانت نہ کرے۔ بلکہ سب مل کر نیکی اور پرہیز گاری کا مظاہرہ کریں۔ اور اشخاص کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں۔

۱۳۔ یعنی حق پرستی انصاف پسندی اور تمام عمدہ اخلاق کی جڑ خدا کا خوف ہے۔ اور اگر خدا سے ڈر کر نیکی سے تعاون اور ہدی سے ترک تعاون نہ کیا گیا تو عام عذاب کا اندیشہ ہے۔

۳۔ حرام ہوا تم پر مردہ جانور [۱۳] اور لہو [۱۵] اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہو کسی تھان پر [۱۶] اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے [۱۷] یہ گناہ کا کام ہے آج ناامید ہو گئے کافر تمہارے دین سے سو

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْبَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النَّصْبِ وَأَنْ

ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو [۱۸] آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا [۱۹] اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا [۲۰] اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین [۲۱] پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے بھوک میں لیکن گناہ پر ماں نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۲۲]

تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ط ذُلُكُمْ فِسْقٌ ط الْيَوْمَ  
يَسِيسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ  
أَخْشَوْنَ ط الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتَمَمْتُ  
عَلَيْكُمْ نِعَمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا ط  
فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرٍ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ  
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۱﴾

۱۴۔ حرام جانور: اس آیت سے جن چیزوں کا کھانا حرام ہو ان میں اول میتہ (مردار جانور) ہے۔ جو واجب الذبح جانور ذبح کئے بدون خود اپنی موت سے مر جائے اس کا خون اور حرارت غریزیہ گوشت ہی میں محتقن اور جذب ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس کی سمیت اور گندگی سے کئی قسم کے بدنی اور دینی مضار لاحق ہوتے ہیں (ابن کثیر) شاید اسی تعلیل پر متنبہ فرمانے کے لئے میتہ (مردہ جانور) کے بعد دم (خون) کی حرمت مذکور ہوئی۔ اس کے بعد حیوانات کی ایک خاص نوع (خنزیر) کی تحریم کا ذکر کیا۔ جس کی بے انتہا نجاست خوری اور بے حیائی مشہور عام ہے۔ شاید اسی لئے شریعت حقنہ نے دم (خون) کی طرح اس کو نجس العین قرار دیا۔ ان تین چیزوں کے ذکر کے بعد جن کی ذوات میں مادی گندگی اور خباثت پائی جاتی تھی، محرمات کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا یعنی وہ جانور جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال و طیب ہے مگر مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی نیاز کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہو اس کا کھانا بھی نیت کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی بنا پر حرام ہے۔ کسی جاندار کی جان صرف اسی مالک و خالق کے حکم اور نام پر لی جاسکتی ہے جس کے حکم اور ارادہ سے اس پر موت و حیات طاری ہوتی ہے۔ باقی ”منخفقہ“ وغیرہ غیر مذبح جانور سب میتہ کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ مَا ذَبِحَ عَلَى النَّصْبِ، مَا أَهْلًا لِعَيْبِ اللَّهِ کے ساتھ ملحق ہے۔ جاہلیت میں ان سب چیزوں کے کھانے کی عادت تھی اسی لئے اس قدر تفصیل سے ان کا بیان فرمایا۔

۱۵۔ یعنی بہتا ہو خون اَوْ دَمًا مَسْفُوحًا (انعام۔ ۱۴۵)

۱۶۔ ”تھوڑا سا پہلے ہدی کے ادب و احترام کا ذکر فرمایا تھا۔ یعنی وہ جانور جو تقرب الی اللہ کی غرض سے خدائے واحد کی سب سے پہلی عبادت گاہ کی نیاز کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے اس کے بالمقابل اس جانور کا بیان فرمایا جسے خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے۔ (موضح القرآن) اس دوسری صورت میں بھی فی الحقیقت نیت نذر غیر اللہ ہی کی ہوتی ہے گو ذبح کے وقت زبان سے ”بسم اللہ اکبر“ کہا جائے۔ اس تقریر کے موافق مَا أَهْلًا لِعَيْبِ اللَّهِ اور مَا ذَبِحَ عَلَى النَّصْبِ کا فرق واضح ہو گیا (ابن کثیر)

۱۷۔ جوئے کے تیر: بعض مفسرین نے ازلام سے تقسیم کے تیر مراد لئے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لحم ذبیحہ وغیرہ کے بانٹنے میں استعمال ہوتے تھے اور وہ ایک صورت تمار (جوئے) کی تھی جیسے آج کل چٹھی ڈالنے کی رسم ہے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ محققین کے نزدیک رائج یہ ہے کہ ازلام سے مراد وہ تیر ہیں جن سے مشرکین مکہ کسی اشکال اور تردد کے وقت اپنے ارادوں اور کاموں کا فیصلہ کرتے تھے یہ تیر خانہ کعبہ

میں قریش کے سب سے بڑے بت ”ہبل“ کے پاس رکھے تھے۔ ان میں سے کسی پر ”امرئی ربی“ لکھا تھا (میرے پروردگار نے حکم دیا) کسی پر ”نہانی ربی“ تحریر تھا (میرے رب نے مجھ کو منع کر دیا) اسی طرح ہر تیر پر یوں ہی انکل پچو باتیں لکھ چھوڑی تھیں۔ جب کسی کام میں تذبذب ہو تو تیر نکال کر دیکھ لئے۔ اگر ”امرئی ربی“ والا تیر نکل آیا تو کام شروع کر دیا اور اس کے خلاف نکلا تو رک گئے و علیٰ ہذا القیاس۔ گویا بتوں سے یہ ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی۔ چونکہ اس رسم کا نبی خالص جہل، شرک، اوہام پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھا اس لئے قرآن کریم نے متعدد مواقع میں نہایت تغلیظ و تشدید کے ساتھ اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا ہے اس تقریر کے موافق ”ازلام“ کا ذکر ”نصب“ کی مناسبت سے ہو اور مردار، خون، خنزیر وغیرہ نہایت ہی خبیث اور گندی چیزوں کی تحریم کے سلسلے میں منسلک کر کے بتلادیا کہ اس کی معنوی اور اعتقادی نجاست و خباثت ان چیزوں سے کم نہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ”ر جس“ کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱۸۔ اسلام کے غلبہ سے کفار کو مایوسی: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ زندگی کے ہر شعبہ اور علم ہدایت کے ہر باب کے متعلق اصول و قواعد ایسی طرح مہمد ہو چکے تھے اور فروغ جزئیات کا بیان بھی اتنی کافی تفصیل اور جامعیت سے کیا جا چکا تھا کہ پیروان اسلام کے لئے قیامت تک قانون الہی کے سوا کوئی دوسرا قانون قابل التفات نہیں رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی تربیت سے ہزاروں سے متجاوز خدا پرست جانناز اور سرفروش ہادیوں اور معلموں کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار ہو چکی تھی۔ جس کو قرآنی تعلیم کا مجسم نمونہ کہا جاسکتا تھا، مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا، صحابہ کرام و فاداری کے ساتھ خدا سے عہد و پیمانہ پورے کر رہے تھے نہایت گندی غذائیں اور مردار کھانے والی قوم مادی اور روحانی طیبات کے ذائقہ سے لذت اندوز ہو رہی تھی، شعائر الہیہ کا ادب و احرام قلوب میں راسخ ہو چکا تھا۔ ظنون و اوہام اور انصاب و ازلام کا تار و پود بکھر چکا تھا، شیطان جزیرۃ العرب کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیا گیا تھا کہ دوبارہ وہاں اس کی پرستش ہو سکے، ان حالات میں ارشاد ہوا اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاَحْسَبُوْنَ۔ یعنی آج کفار اس بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ تم کو تمہارے دین قیم سے ہٹا کر پھر ”انصاب“ و ”ازلام“ وغیرہ کی طرف لے جائیں یا دین اسلام کو مغلوب کر لینے کی توقعات باندھیں، یا احکام دینیہ میں کسی تحریف و تبدیل کی امید قائم کر سکیں آج تم کو کامل مذہب مل چکا جس میں کسی ترمیم کا آئندہ امکان نہیں۔ خدا کا انعام تم پر پورا ہو چکا جس کے بعد تمہاری جانب سے اس کے ضائع کر دینے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ خدا نے ابدی طور پر اسی دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا اس لئے اب کسی ناخ کے آنے کا احتمال نہیں ایسے حالات میں تم کو کفار سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ اس محسن جلیل اور منعم حقیقی کی ناراضی سے ہمیشہ ڈرتے رہو جسکے ہاتھ میں تمہاری ساری نجات و فلاح اور کل سود و زیاں ہے۔ گویا فلا تَحْشَوْهُمْ وَاَحْسَبُوْنَ میں اس پر متنبہ فرمایا کہ آئندہ مسلم قوم کو کفار سے اس وقت تک کوئی اندیشہ نہیں جب تک ان میں خشیۃ الہی اور تقویٰ کی شان موجود رہے۔

۱۹۔ دین اسلام کی تکمیل اور حقانیت: یعنی اس کے اخبار و قصص میں پوری سچائی، بیان میں پوری تاثیر، اور قوانین و احکام میں پورا توسط و اعتدال موجود ہے۔ جو حقائق کتب سابقہ اور دوسرے ادیان سماویہ میں محدود و نامتام تھیں ان کی تکمیل و تعیم اس دین قیم سے کر دی گئی قرآن و سنت نے ”حلت“ و ”حرمت“ وغیرہ کے متعلق تنصیصاً یا تعلیلاً جو احکام دیے ان کا اظہار و ایضاح تو ہمیشہ ہوتا رہے گا لیکن اضافہ یا ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔

۲۰۔ سب سے بڑا احسان تو یہ ہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاء جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا مزید براں اطاعت و استقامت کی توفیق بخشی۔ روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دسترخوان تمہارے لئے بچھا دیا، حفاظت قرآن، غلبہ اسلام اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرمادیے۔

۲۱۔ یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے ”اسلام“ جو تفویض و تسلیم کا مرادف ہے۔ اس کے سوا

مقبولیت اور نجات کو کوئی دوسرا ذریعہ نہیں (تشبیہ) اس آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اِنِّیْ کَانَ نَزْلُهَا فِی الْبَیِّنَاتِ اَلْاُولٰٓئِیْمَہِ (تنبیہ) اس آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تجھے معلوم نہیں کہ جس روز ہم پر یہ نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ یہ آیت ۱۰ ہجری میں “حجۃ الوداع” کے موقع پر “عرفات” کے روز “جمعہ” کے دن “عصر” کے وقت نازل ہوئی جبکہ میدان عرفات میں نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد التقیاد و ابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا۔ اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضور ﷺ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔

۲۲۔ مضطر کے احکام: یعنی حلال و حرام کا قانون تو مکمل ہو چکا، اس میں اب کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ البتہ مضطر جو بھوک پیاس کی شدت سے بیتاب اور لاچار ہو وہ اگر حرام چیز کھاپی کر جان بچالے بشرطیکہ مقدار ضرورت سے تجاوز نہ کرے اور لذت مقصود نہ ہو (غیر باغ و لاعاد) تو حق تعالیٰ اس تناول محرم کو اپنی بخشش اور مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ گویا وہ چیز تو حرام ہی رہی مگر اسے کھاپی کر جان بچانے والا خدا کے نزدیک مجرم نہ رہا۔ یہ بھی اتمام نعمت کا ایک شعبہ ہے۔

۲۔ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لئے حلال ہے کہہ دے تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں [۲۳] اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو کہ ان کو سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اس میں سے جو کپڑ رکھیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اس پر [۲۴] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب [۲۵]

یَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ

الطَّيِّبَاتُ ۚ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلَّبِينَ

تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۚ فَكُلُوا مِمَّا

أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ۖ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَ

اتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ حلال چیزوں کا سوال اور اس کا جواب: پچھلی آیات میں بہت سی حرام چیزوں کی فہرست دی گئی تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال چیزیں کیا ہیں؟ اس کا جواب دے دیا کہ حلال کا دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان تھا دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہی ہیں۔ اور چونکہ شکاری جانور سے شکار کرنے کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا اس لئے آیت کے اگلے حصے میں اس کو تفصیلاً بتلادیا گیا۔

۲۴۔ شکار کے احکام: شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہو جانور ان شروط سے حلال ہے (۱) شکاری جانور سدھا ہو (۲) شکار پر چھوڑا جائے (۳) اسے اس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے۔ یعنی کتے کو سکھلایا جائے کہ شکار کو کپڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً چلا آئے اگر کتا شکار کو خود کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب اس کے کہنے میں نہیں تو شکار بھی اس کے لئے نہیں کپڑا بلکہ اپنے لئے کپڑا ہے۔ اسی کو حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ “جب اس نے آدمی کی خوشبو کی تو گویا آدمی نے ذبح کیا” (۴) چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لو یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ ان چار شرطوں کی تصریح تو نص قرآنی میں ہو گئی۔ پانچویں شرط جو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک معتبر ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے، اس کی طرف لفظ



”جو ارج ”اپنے مادہ“ جرح“ کے اعتبار سے مشعر ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔ ہاں اگر مرانہ ہو اور ذبح کر لیا جائے تو وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے قاعدہ سے حلال ہو گا۔

۲۵۔ یعنی ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو کہیں ”طیبات“ کے استعمال اور شکار وغیرہ سے متنع ہونے میں حدود و قیود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائے۔ عموماً آدمی دنیوی لذتوں میں منہمک ہو کر اور شکار وغیرہ کے مشاغل میں پڑ کر خدا اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، اس لئے تنبیہ کی ضرورت تھی کہ خدا کو مت بھولو اور یاد رکھو کہ حساب کا دن کچھ دور نہیں۔ خدا کے انعامات اور تمہاری شکر گزاری کا موازنہ اور عمر عزیز کے ایک ایک لمحہ کا حساب ہونے والا ہے۔

۵۔ آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں [۲۶] اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے [۲۷] اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے [۲۸] اور حلال ہیں تم کو پاکدامن عورتیں مسلمان [۲۹] اور پاکدامن عورتیں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب [۳۰] تم سے پہلے جب دو ان کو مہران کے قید میں لانے کو [۳۱] نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو [۳۲] اور جو منکر ہو ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی اور آخرت میں وہ ٹوٹے والوں میں ہے [۳۳]

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ ط وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ ص وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ذ وَ  
الْبُحْصَنُ مِنَ الْبُؤْمِنِ وَالْبُحْصَنُ مِنَ  
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ  
أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَ لَا  
مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ  
حَبِطَ عَمَلُهُ ن وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ؕ

۲۶۔ یعنی جیسے آج دین کامل تم کو دیا گیا، دنیا کی تمام پاکیزہ نعمتیں بھی تمہارے لئے دائمی طور پر حلال کر دی گئیں جو کبھی منسوخ نہ ہو گی۔  
۲۷۔ اہل کتاب کا کھانا حلال ہے: یہاں طعام (کھانے) سے مراد ”ذبیحہ“ ہے یعنی کوئی یہودی یا نصرانی (بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو) اگر حلال جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے تو اس کا کھانا مسلمان کو حلال ہے مرتد کے احکام جدا گانہ ہیں۔  
۲۸۔ اس مقام پر اس کا ذکر بطور مجازات و مکافات کے استطراداً فرما دیا۔ یعنی احادیث میں جو آیا ہے لَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَتَّعَى (تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار) اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پرہیزگاروں کے لئے تمہارا کھانا حرام ہے۔ جب مسلمان کے لئے کافر کتابی کے ذبیحہ کی اجازت ہو گئی تو ایک موحد مسلم کا ذبیحہ اور کھانا دوسروں کے لئے کیوں حرام ہو گا۔  
۲۹۔ ”پاکدامن“ کی قید شاید ترغیب کے لئے ہو۔ یعنی ایک مسلمان کو چاہئے کہ نکاح کرتے وقت پہلی نظر عورت کی عفت اور پاکدامنی پر ڈالے یہ مطلب نہیں کہ پاکدامن کے سوا کسی اور سے نکاح صحیح نہیں ہو گا۔

۳۰۔ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی حلت: اہل کتاب کو ایک مخصوص حکم کے ساتھ دوسرا مخصوص حکم بھی بیان فرما دیا۔ یعنی یہ کہ کتابی عورت سے نکاح کرنا شریعت میں جائز ہے۔ مشرکہ سے اجازت نہیں۔ وَلَا تَنْكِحُوا النَّسْرَةَ حَتَّىٰ يُوْمِنَ (بقرہ-۲۲۱) مگر یہ یاد رہے کہ

ہمارے زمانہ کے ”نصاری“ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہو گا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں۔ لیکن اگر خارجی اثرات و حالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منفعہ ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انقاع کی اجازت نہیں دی جائے گی موجودہ زمانے میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا پینا، بے ضرورت اختلاط کرنا، ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں۔ لہذا ہدی اور بد دینی کے اسباب و ذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

۳۱۔ یعنی قید نکاح میں لانے کو۔ گویا اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نکاح بظاہر قید ہے لیکن یہ قید ان آزادیوں اور ہوس رانیوں سے بہتر ہے جن کی طلب میں انسان نما بہائم سلسلہ ازدواج ہی کو معدوم کر دینا چاہتے ہیں۔

۳۲۔ جس طرح پہلے عورت کی پاکدامنی کا ذکر کیا تھا یہاں مرد کو پاکباز اور عقیف رہنے کی ہدایت فرمادی الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَ الطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ (نور-۲۶) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی نظر میں نکاح کی غرض گوہر عصمت کو محفوظ اور مقصد تزویج کو پورا کرنا ہے۔ شہوت رانی اور ہوا پرستی مقصود نہیں۔

۳۳۔ جن کتابتی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہوئی۔ اس کا فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ مومن قانت کی حقانیت عورت کے دل میں گھر کر جائے نہ یہ کہ کتابیات پر مفتوں ہو کر الٹا اپنی متاع ایمانی ہی کو گنوا بیٹھے اور ”خسر الدنیا والآخرۃ“ کا مصداق ہو کر رہ جائے۔ چونکہ کافر عورت سے نکاح کرنے میں اس فتنہ کا قوی احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ کی تہدید نہایت ہی بر محل ہے۔ یہ میرا خیال ہے۔ باقی حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”اہل کتاب کو کفار سے دو حکم میں مخصوص کیا یہ فقط دنیا میں ہے اور آخرت میں ہر کافر خراب ہے اگر عمل نیک بھی کرے تو قبول نہیں۔“

۶۔ اے ایمان والو [۳۳۷] جب تم اٹھو [۳۳۵] نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو [۳۳۶] اور پاؤں ٹخنوں تک [۳۳۷] اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو [۳۳۸] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا کوئی تم میں آیا ہے جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو مٹی پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اس سے [۳۳۹] اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے [۳۴۰] لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے [۳۴۱] اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تاکہ تم احسان مانو [۳۴۲]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ  
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَ  
امْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ط  
وَ  
إِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ط  
وَ  
إِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ  
عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِبِ أَوْ  
لَسْتُمْ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّبُوا  
صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ

مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَ  
 لَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ  
 لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦٦﴾

۷۔ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا جو تم  
 سے ٹھہرایا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا [۴۳]  
 اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے دلوں  
 کی بات [۴۴]

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيثَاقَهُ الَّذِي  
 وَاثَقْتُمْ بِهَا اِذْ قُلْتُمْ سَبْعِنَا وَ اطَعْنَا وَ اتَّقُوا  
 اللَّهُ اِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٦٧﴾

۳۴۔ نماز کے لئے وضو کا حکم: امت محمدیہ پر جو عظیم الشان احسانات کئے گئے ان کا بیان سن کر ایک شریف اور حق شناس مومن کا دل شکر  
 گزاری اور اظہار وفاداری کے جذبات سے لبریز ہو جائے گا اور فطری طور پر اس کی یہ خواہش ہوگی کہ اس منعم حقیقی کی بارگاہ رفیع میں دست  
 بستہ حاضر ہو کر جبین نیاز خم کرے اور اپنی غلامانہ منت پذیری اور انتہائی عبودیت کا عملی ثبوت دے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ جب ہمارے دربار  
 میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز کے لئے اٹھو تو پاک و صاف ہو کر آؤ۔ جن لذائذ دنیوی اور مرغوبات طبعی سے متمتع ہونے کی آیت وضو سے  
 پہلی آیت میں اجازت دی گئی۔ (یعنی طہیات اور محسنات) وہ ایک حد تک انسان کو ملکوئی صفات سے دور اور بہیمیت سے نزدیک کرنے والی  
 چیزیں اور کل احداث (موجبات وضو و غسل) ان ہی کے استعمال سے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا مرغوبات نفسانی سے یکسو ہو  
 کر جب ہماری طرف آنے کا قصد کرو تو پہلے بہیمیت کے اثرات اور ”اکل و شرب“ وغیرہ کے پیدا کئے ہوئے ٹکدرات سے پاک ہو جاؤ یہ پاکی  
 ”وضو“ اور ”غسل“ سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وضو کرنے سے مومن کا بدن پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ جب وضو باقاعدہ کیا  
 جائے تو پانی کے قطرات کے ساتھ گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں۔

۳۵۔ یعنی سو کر اٹھو یا دنیا کے مشاغل چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو تو پہلے وضو کر لو۔ لیکن وضو کرنا ضروری اس وقت ہے جبکہ پیشتر سے  
 با وضو نہ ہو۔ آیت کے آخر میں ان احکام کی جو غرض و لکن یُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ سے بیان فرمائی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ہاتھ منہ وغیرہ دھونے  
 کا وجوب اسی لئے ہے کہ حق تعالیٰ تم کو پاک کر کے اپنے دربار میں جگہ دے۔ اگر یہ پاکی پہلے سے حاصل ہے اور کوئی ناقص وضو پیش نہیں آیا تو  
 پاک کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کو ضروری قرار دینے سے ”امت“ حرج میں پڑتی ہے جس کی نفی مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ  
 مِنْ حَرَجٍ میں کی گئی۔ ہاں مزید نفاذ، نورانیت اور نشاط حاصل کرنے کے لئے اگر تازہ وضو کر لیا جائے تو مستحب ہو گا۔ شاید اسی لئے اِذَا قُمْتُمْ  
 اِلَى الصَّلَاةِ فَاعْسِلُوا وُجُوهَكُمْ الآیۃ میں سطح کلام کی ایسی رکھی ہے جس سے ہر مرتبہ نماز کی طرف جانے کے وقت تازہ وضو کی ترغیب ہوتی  
 ہے۔

۳۶۔ یعنی تر ہاتھ سر پر پھیر لو۔ نبی کریم ﷺ سے مدۃ العمر میں مقدار ناصیہ سے کم کا مسح ثابت نہیں ہوتا۔ ”مقدار ناصیہ“ چوتھائی سر کے

قریب ہے۔ حنفیہ اس قدر ”مسح“ کو فرض کہتے ہیں۔ باقی اختلافات اور دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

۳۷۔ مترجم محقق نے پاؤں کے بعد لفظ ”کو“ نہ لکھ کر نہایت لطیف اشارہ فرمادیا کہ ”ار جلمکم“ کا عطف مغسولات پر ہے یعنی جس طرح منہ ہاتھ دھونے کا حکم ہے پاؤں بھی ٹخنوں تک دھونے چاہئیں سر کی طرح مسح کافی نہیں۔ چنانچہ اہل السنۃ والجماعت کا اس پر اجماع ہے اور احادیث کثیرہ سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر پاؤں میں موزے نہ ہوں تو دھونا فرض ہے۔ ہاں ”موزوں“ پر ان شرائط کے موافق جو کتب فقہ میں مذکور ہیں مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تک مسح کر سکتا ہے۔

۳۸۔ جنابت کے لئے غسل: یعنی جنابت سے پاک ہونے میں صرف اعضائے اربعہ کا دھونا اور مسح کرنا کافی نہیں۔ سطح بدن کے جس حصہ تک پانی بدون تضرر کے پہنچ سکتا ہو وہاں تک پہنچانا ضروری ہے۔ اسی لئے حنفیہ غسل میں ”مضمضہ“ اور ”استنشاق“ (کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) کو بھی ضروری کہتے ہیں۔ وضو میں ضروری نہیں۔ سنت ہے۔

۳۹۔ بعض صورتوں میں تیمم کا حکم: یعنی مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال مضر ہو یا سفر میں پانی بقدر کفایت نہ ملے یا مثلاً کوئی قضائے حاجت کر کے آیا اور وضو کی ضرورت ہے یا جنابت کی وجہ سے غسل ناگزیر ہے مگر پانی کے حاصل کرنے یا استعمال کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہیں تو ان صورتوں میں وضو یا غسل کی جگہ پر تیمم کر لے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ تیمم کی مشروعیت سے جو غرض ہے۔ وہ بہر صورت یکساں طور پر حاصل ہوتی ہے ”تیمم“ کے اسرار و مسائل اور اس آیت کے فوائد ”سورہ نساء“ کے ساتویں رکوع میں مفصل گذر چکے۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس سرہ نے لَسْتُمْ مِنَ النِّسَاءِ کا جو ترجمہ کیا ہے (پاس گئے ہو عورتوں کے) وہ محاورہ کے اعتبار سے حالت جنابت ہی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ترجمہ ابن عباسؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی تفسیر کے موافق ہے جسے ابن مسعودؓ نے بھی سکوتاً تسلیم کیا ہے (کمانی البخاری) نیز مترجم علام نے فَتَيِّمُوا کے ترجمہ میں ”قصد کرو“ کہہ کر اشارہ فرمادیا کہ اصل لغت کے اعتبار سے ”تیمم“ کے معنی میں ”قصد“ معتبر ہے اور اس لغوی معنی کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے ”تیمم شرعی“ میں بھی قصد یعنی نیت کو علماء نے ضروری قرار دیا ہے۔

۴۰۔ احکام میں سہولتیں: اسی لئے جو احداث کثیر الوجود تھے ان میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا۔ صرف وہ اعضا (منہ، ہاتھ، پاؤں، سر) جن کو اکثر بلاد متمدنہ کے رہنے والے عموماً کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ان کا دھونا اور مسح کرنا ضروری بتلایا تاکہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو۔ ہاں ”حدث اکبر“ یعنی ”جنابت“ جو احیائاً پیش آتی ہے اور اس حالت میں نفس کو ملکوئی خصال کی طرف ابھارنے کے لئے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اس کے ازالہ کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض کیا۔ پھر ”مرض“ اور ”سفر“ وغیرہ حالات میں کسی قدر آسانی فرمادی۔ اول تو پانی کی جگہ ”مٹی“ کو مطہر بنا دیا۔ پھر اعضائے وضو میں سے نصف کی تخفیف اس طرح کر دی کہ جہاں پہلے ہی سے تخفیف تھی یعنی سر کا مسح اسے بالکل اڑا دیا اور پاؤں کو شاید اس لئے ساقط کر دیا کہ وہ عموماً مٹی میں یا مٹی کے قریب رہتے ہیں اور تمام اعضائے بدن کی نسبت سے گرد و غبار میں ان کا ثلوث شدید تر ہے۔ لہذا ان پر مٹی کا ہاتھ پھیرنا بیکار سا تھا۔ بس دو عضوہ گئے ”منہ“ اور ”ہاتھ“ ان ہی کو ملنے سے وضو اور غسل دونوں کا ”تیمم“ ہو جاتا ہے۔

۴۱۔ کیونکہ وہ خود پاک ہے تو پاکی ہی پسند کرتا ہے۔

۴۲۔ آسانیوں پر اللہ کا شکر: ”پچھلے رکوع میں جو نعمائے عظیمہ بیان ہوئی تھیں ان کو سن کر بندہ کے دل میں جوش اٹھا کہ اس منعم حقیقی کی بندگی کے لئے فوراً اٹھ کھڑا ہو جائے۔ اسے بتلادیا کہ ہماری طرف آؤ تو کس طریقہ سے پاک ہو کر آؤ۔ یہ بتلانا خود ایک نعمت ہوئی اور بدن کی سطح ظاہر پر پانی ڈالنے یا مٹی لگانے سے اندرونی پاکی عطا فرمادینا۔ یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بندہ ابھی پچھلی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکا تھا قصد ہی کر رہا تھا کہ یہ جدید انعامات فائز ہو گئے۔ اس لئے ارشاد ہوا اَعْلَمُكُمْ تَشْكُرُونَ یعنی ان پہلی نعمتوں کو یاد کرنے سے پہلے ان جدید نعمتوں کا جو

“احکام وضو” وغیرہ کے ضمن میں مبذول ہوئیں، شکر ادا کرنا چاہئے۔ شاید اسی لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ سے حضرت بلالؓ نے تھیہ الوضو کا سراغ لگایا ہو۔ اس درمیانی نعمت کے شکریہ پر متوجہ کرنے کے بعد اگلی آیت میں ان سابق نعمتوں اور احسانات عظیمہ کو پھر اجمالاً یاد دلاتے ہیں جن کی شکر گزاری کے لئے بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہونا چاہتا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں وَادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ الْحَمْدُ

۴۳۔ مومنوں کے عہد کی تذکیر: غالباً یہ عہد وہ ہی ہے جو “بقرہ” کے آخر میں مومنین کی زبان سے نقل فرمایا تھا وَقَالُوا سُبْحٰنَا وَاَطَعْنَا غُفْرٰنَكَ رَبِّنَا وَاِلَيْكَ الْبَصِيْرُ (بقرہ۔ ۲۸۵) جب صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے اس وقت بھی یہ اقرار کرتے تھے کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق آپ کی ہر بات کو سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہمارے منشاء اور طبیعت کے موافق ہو یا خلاف۔ یہ تو عام عہد تھا اس کے بعد بعض ارکان اسلام یا مناسب حال اہم چیزوں کے متعلق خصوصیت سے بھی عہد لیا جاتا تھا۔ گویا اس صورت کے شروع میں جو اَوْفُوا بِالْعُقُوْدِ فرمایا تھا درمیان میں بہت سے احسانات کا ذکر کر کے جن کو سن کر ایسے عہد کی مزید ترغیب ہوتی ہے پھر وہ ہی اصلی سبق یاد دلایا گیا۔

۴۴۔ ایک شریف اور حیا دار آدمی کی گردن اپنے محسن اعظم کے سامنے جھک جانی چاہئے۔ مروت و شرافت اور آئندہ مزید احسانات کی توقع اسی کو مقتضی ہے کہ بندہ اس منعم حقیقی کا بالکل تابع فرمان بن جائے۔ خصوصاً جبکہ زبان سے اطاعت و وفاداری کا پختہ عہد و اقرار بھی کر چکا ہے۔ ممکن ہے حق تعالیٰ کی بے انتہا مہربانیاں دیکھ کر بندہ مغرور ہو جائے اس کی نعمتوں کی قدر اور اپنے قول و قرار کی کوئی پروا نہ کرے اس لئے فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ يَعْني خدا سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ وہ ایک لمحہ میں تم سے سب نعمتیں چھین سکتا ہے اور ناشکری اور بد عہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ سکتا ہے۔ بہر حال مروت، شرافت، امید اور خوف ہر چیز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی مخلصانہ اطاعت اور وفاداری میں پوری مستعدی دکھلائیں۔ آگے وہ عَلَيكُمْ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔ ہم جو کچھ کریں گے وہ ہمارے اخلاص یا نفاق، ریاکاری یا قلبی نیاز مندی کو خوب جانتا ہے۔ فقط زبان سے “سمعنا و اطعنا” کہنے یا شکر گزاری کی رسمی اور ظاہری نمائش سے ہم اس کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

۸۔ اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گو اہی دینے کو انصاف کی [۴۵] اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہر گز نہ چھوڑو [۴۶] عدل کرو یہ بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے [۴۷] اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو [۴۸]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوْمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ  
بِالْقِسْطِ ۗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَا  
تَعْدِلُوْا ۗ اِعْدِلُوْا ۗ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۗ وَاتَّقُوا  
اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

۹۔ وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں کہ انکے واسطے بخشش اور بڑا ثواب ہے [۴۹]

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾

۱۰۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے [۵۰]

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

الْجَحِيمِ ﴿۱۰﴾

۳۵۔ انصاف کی گواہی کا حکم: اس سے پہلی آیت میں مومنین کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد و پیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں بتلادیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں، بلکہ عملی رنگ میں ان سے اس کا ثبوت مطلوب ہے۔ اس آیت میں اسی پر تشبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے بے شمار احسانات اور اپنے عہد و اقرار کو بھلا نہیں دیا تو لازم ہے کہ اس محسن حقیقی کے حقوق ادا کرنے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے ولی نعمت کی طرف سے ملے تو فوراً تعمیل حکم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی پوری جدوجہد اور اہتمام کرو۔ چنانچہ قَوْلُمِیْنٌ بِاللّٰهِ میں حقوق اللہ کی اور شَهَادًاۢءٍ بِالنَّفْسِطِ میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی ایک آیت والمحصنات کے آخر میں گذر چکی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں ”بالنفسط“ کو ”لہ“ پر مقدم کر دیا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہاں دور سے ”حقوق العباد“ کا ذکر چلا آ رہا تھا اور یہاں پہلے سے ”حقوق اللہ“ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے وہاں ”بالنفسط“ کی اور یہاں ”لہ“ کی تقدیم مناسب ہوئی۔ نیز یہاں لحاق میں مبغوض دشمن سے معاملہ کرنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ ”قسط“ کو یاد دلانے کی ضرورت ہے اور ”سورہ نساء“ کے لحاق میں محبوب چیزوں کا ذکر ہے اس لئے وہاں سب سے بڑے محبوب (اللہ) کو یاد دلایا گیا۔

۳۶۔ عدل و انصاف کی تاکید: ”عدل“ کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلوں میں سے کسی پلہ کو جھکانہ سکے۔

۳۷۔ عدل و انصاف سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے: ”جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہیں ان سے بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام ”تقویٰ“ ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب قریبہ و بعیدہ بہت سے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ اور خصال خیر کو اس کے اسباب و معدات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ”عدل و قسط“ یعنی دوست و دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت و عداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ خصلت حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی فرمایا (یعنی عدل جس کا حکم دیا گیا تقویٰ سے نزدیک تر ہے) کہ اس کی مزاولت کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

۳۸۔ یعنی ایسا عدل و انصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بنا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اس کی شان انتقام کا خوف ہے۔ اور یہ خوف اِنَّ اللّٰهَ حَبِيْبٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہو گا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ تو اس کا قلب خشیا الہی سے لرزنے لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے گا۔ اور احکام الہیہ کے امتثال کے لئے غلامانہ تیار رہے گا۔ پھر اس نتیجہ پر ثمرہ وہ ملے گا جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ وَعَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الْخٰ

۳۹۔ یعنی نہ صرف یہ کہ ان کو تباہیوں کو معاف کر دیں گے جو بمقتضائے بشریت رہ جاتی ہیں بلکہ عظیم الشان اجر و ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

۵۰۔ یہ پہلے فریق کے بالمقابل اس جماعت کی سزا ذکر کی گئی جس نے قرآن کریم کے ان صاف و صریح حقائق کو جھٹلایا یا ان نشانات کی تکذیب کی جو سچائی کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے خدا کی طرف سے دکھلائے جاتے ہیں۔

۱۱۔ اے ایمان والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں پھر روک دیے تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہئے بھروسہ ایمان والوں کو [۵۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ  
إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ  
أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ وَعَلَى اللَّهِ  
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

۱۲۔ اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے [۵۲] اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ سردار [۵۳] اور کہا اللہ نے میں تمہارے ساتھ ہو [۵۴] اگر تم قائم رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے ان کی [۵۵] اور قرض دو گے اللہ کو [۵۶] اچھی طرح کا قرض [۵۷] تو البتہ دور کروں گا میں تم سے گناہ تمہارے اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں [۵۸] پھر جو کوئی کافر ہا تم میں سے اس کے بعد تو وہ بیشک گمراہ ہو اسیدھے راستے سے [۵۹]

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ وَ  
بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۗ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي  
مَعَكُمْ ۗ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَ  
آمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ  
قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ  
لَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ  
فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءً

السَّبِيلِ ﴿١٢﴾

۵۱۔ مومنوں پر اللہ کا احسان: عمومی احسانات یاد دلانے کے بعد بعض خصوصی احسان یاد دلاتے ہیں یعنی قریش مکہ اور ان کے پٹھوؤں نے حضور پر نور ﷺ کو صدمہ پہنچانے اور اسلام کو مٹانے کے لئے کس قدر ہاتھ پاؤں مارے مگر حق تعالیٰ کے فضل و رحمت نے ان کا کوئی داؤ چلنے نہ دیا۔ اس احسان عظیم کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان غلبہ اور قابو حاصل کر لینے کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے محفوظ رکھیں اور جوش انتقام میں عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں جیسا کہ پچھلی آیات میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ ممکن ہے کسی کو یہ شبہ گذرے کہ ایسے معاند دشمنوں کے حق میں اس قدر رواداری کی تعلیم کہیں اصول سیاست کے خلاف تو نہ ہوگی کیونکہ ایسا نرم برتاؤ دیکھ کر مسلمانوں کے خلاف شریروں اور بد باطنوں کی جرأت بڑھ جانے کا قوی احتمال ہے اس کا ازالہ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ سے فرمادیا یعنی مومن کی سب سے بڑی سیاست "تقویٰ" اور "توکل علی اللہ" (خدا سے ڈرنا اور اسی پر بھروسہ کرنا) ہے خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ

ظاہر و باطن میں اس سے اپنا معاملہ صاف رکھو اور جو عہد و اقرار کئے ہیں ان میں پوری وفاداری دکھلاتے رہو۔ پھر محمد اللہ کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگلی آیت میں ہماری عبرت کے لئے ایک ایسی قوم کا ذکر فرمادیا۔ جس نے خدا سے نڈر ہو کر بد عہدی اور غداری کی تھی، وہ کس طرح ذلیل و خوار ہوئی۔

۵۲۔ یعنی کچھ امت محمدیہ ہی کی خصوصیت نہیں پہلی امتوں سے بھی عہد لئے جا چکے ہیں۔

۵۳۔ بنی اسرائیل کے بارہ سردار: بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے بارہ سردار حضرت موسیٰ نے چن لئے تھے جن کے نام بھی مفسرین نے تورات سے نقل کئے ہیں، ان کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی قوم پر عہد پورا کرنے کی تاکید اور ان کے احوال کی نگرانی رکھیں۔ عجب اتفاق یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے جب ”انصار“ نے ”لیلۃ العقبہ“ میں نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں سے بھی بارہ ہی ”نقیب“ نامزد ہوئے ان ہی بارہ آدمیوں نے اپنی قوم کی طرف سے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ جابر بن سمرہ کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس امت کے متعلق جو بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی تھی ان کا عدد بھی ”نقبائے بنی اسرائیل“ کے عدد کے موافق ہے اور مفسرین نے تورات سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسمعیلؑ سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ”میں تیری ذریت میں سے بارہ سردار پیدا کروں گا غالباً یہ وہی“ بارہ ”ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرہ کی حدیث میں ہے۔

۵۴۔ یا تو یہ خطاب بارہ سرداروں کو ہے یعنی تم اپنا فرض ادا کرو میری حمایت اور امداد تمہارے ساتھ ہے۔ یا سب بنی اسرائیل کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی کسی وقت تم مجھے اپنے سے دور مت سمجھو جو کچھ معاملہ تم سرایا علانیہ کرو گے وہ ہر جگہ اور ہر وقت میں دیکھ رہا اور سن رہا ہوں۔ اس لئے جو کچھ کرو خبردار ہو کر کرو۔

۵۵۔ بنی اسرائیل سے اللہ کا عہد: یعنی جو رسول حضرت موسیٰ کے بعد آتے رہیں گے ان سب کی تصدیق کرو گے اور دلی تعظیم سے پیش آؤ گے اور دشمنان حق کے مقابلہ پر ان کا پورا ساتھ دو گے جان سے بھی اور مال سے بھی۔

۵۶۔ خدا کو قرض دینے سے مراد اس کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں مال خرچ کرنا ہے جس طرح روپیہ قرض دینے والا اس امید پر دیتا ہے کہ اس کا روپیہ مل جائے گا اور قرض لینے والا اس کے ادا کرنے کو اپنے ذمہ پر لازم کر لیتا ہے۔ اسی طرح خدا ہی کی دی ہوئی جو چیز یہاں اسی کے راستے میں خرچ کی جائے گی۔ وہ ہر گز گم یا کم نہیں ہوگی۔ حق تعالیٰ نے کسی مجبوری سے نہیں محض اپنے فضل و رحمت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے کہ وہ چیز تم کو عظیم الشان نفع کی صورت میں واپس کر دے۔

۵۷۔ ”اچھی طرح“ سے مراد یہ ہے کہ اخلاص سے دو اور اپنے محبوب و مرغوب اور پاک و صاف مال میں سے دو۔

۵۸۔ یعنی نیکیاں جب کثرت سے ہوں تو وہ برائیوں کو دبا لیتی ہیں۔ جب آدمی خدا کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہے تو حق تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو دور کر کے اپنی خوشنودی اور قرب کے مکان میں جگہ دیتا ہے۔

۵۹۔ یعنی ایسے صاف اور پختہ عہد و بیعت کے بعد بھی جو شخص خدا کا وفادار ثابت نہ ہو اور غدرو خیانت پر کمر بستہ ہو گیا تو سمجھ لو کہ اس نے کامیابی اور نجات کا سیدھا راستہ گم کر دیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہلاکت کے کس گڑھے میں جا کر گرے گا۔ بنی اسرائیل سے جن باتوں کے عہد لینے کا یہاں ذکر ہے وہ یہ ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، پیغمبروں پر ایمان لانا، ان کی جان و مال سے مدد کرنا۔ ان میں سے پہلی عبادت بدنی ہے، دوسری مالی، تیسری قلبی مع لسانی جو تھی فی الحقیقت تیسری کی اخلاقی تکمیل ہے۔ گویا ان چیزوں کو ذکر کر کے اشارہ فرمادیا کہ جان و مال اور قلب و قالب ہر چیز سے خدا کی اطاعت اور وفا شعاری کا اظہار کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے چن چن کر ایک ایک عہد کی خلاف ورزی کی۔ کسی قول و قرار پر قائم نہ رہے ان عہد شکنیوں کا جو نتیجہ ہوا اسے اگلی آیت میں بیان فرماتے ہیں۔



فَبِمَا نَقُضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ وَ جَعَلْنَا  
 قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَ  
 نَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى  
 خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ  
 اصْفَحْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳﴾

۱۳۔ سوان کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی [۶۰] اور کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت پھیرتے ہیں کلام کو اسکے ٹھکانے سے [۶۱] اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو انکو کی گئی تھی [۶۲] اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے ان کی کسی دغا پر [۶۳] مگر تھوڑے لوگ ان میں سے [۶۴] سو معاف کر اور درگزر کر ان سے اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو [۶۵]

وَ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ  
 فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ  
 الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ وَسَوْفَ  
 يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۲۴﴾

۱۴۔ اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ [۶۶] ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو انکو کی گئی تھی [۶۷] پھر ہم نے لگادی آپس میں انکی دشمنی اور کینہ [۶۸] قیامت کے دن تک [۶۹] اور آخر جتا دے گا ان کو اللہ جو کچھ کرتے تھے [۷۰]

۶۰۔ یہودیوں پر نقض عہد کی وجہ سے لعنت: لعن کے معنی طرد و ابعاد کے ہیں۔ یعنی عہد شکنی اور غداری کی وجہ سے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور پھینک دیا۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ فَبِمَا نَقُضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ کے لفظ سے ظاہر فرما دیا کہ ان کے ملعون اور سنگدل ہونے کا سبب عہد شکنی اور بے وفائی ہے جو خود انہی کا فعل ہے۔ اسباب پر مسبب کا مرتب کرنا چونکہ خدا ہی کا کام تھا اس لحاظ سے جَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔

۶۱۔ یہودیوں کی کلام اللہ میں تحریف: یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں کبھی اس کے الفاظ میں کبھی معنی میں کبھی تلاوت میں۔ تحریف کی یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ جس کا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔

۶۲۔ یہودیوں کی محرومی: یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ ان قیمتی نصیحتوں سے فائدہ اٹھاتے جو مثلاً نبی آخر الزماں کی آمد اور دوسرے مہمات دینیہ کے متعلق ان کی کتابوں میں موجود تھیں۔ مگر اپنی غفلتوں اور شرارتوں میں پھنس کر یہ سب بھول گئے بلکہ نصیحتوں کا وہ ضروری حصہ ہی گم کر دیا اور اب بھی جو نصیحتیں اور مفید باتیں خاتم النبیین ﷺ کی زبان سے ان کو یاد دلائی جاتی ہیں ان کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے کہ ”نقض عہد“ کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں۔ ”ملعونیت“ اور ”تسوة قلب“ ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں ”تحریف کلام اللہ“ اور ”عدم انتفاع بالذکر“ یعنی لعنت کے اثر سے ان کا دماغ مسوخ ہو گیا۔ حتیٰ کہ نہایت بے باکی اور بد عقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف جب عہد شکنی کی نحوست سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت سے متاثر ہونے کا مادہ نہ

رہا۔ اس طرح علمی اور عملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے۔

۶۳۔ یعنی ان کی دغا بازی اور خیانت کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔ اور آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ اسی لئے ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی دغا بازی اور مکرو فریب پر آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں۔

۶۴۔ یعنی عبد اللہ بن سلام وغیرہ جو اسلام میں داخل ہو چکے۔

۶۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو و درگزر کا حکم: یعنی جب ان کی عادت قدیمہ ہی یہ ہے تو ایسے لوگوں سے ہر جزئی پر الجھنے اور ان کی ہر خیانت کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو چھوڑیے اور درگزر کیجئے اور ان کی برائی کا بدلہ عفو و احسان سے دیجئے۔ شاید اسی سے کچھ متاثر ہوں۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ (توبہ۔ ۲۹) اٹخ سے مگر اس کی کچھ حاجت نہیں۔ قتال کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت اور کسی موقع پر بھی ایسی قوم کے مقابلہ میں عفو و درگزر اور تالیف قلب سے کام نہ لیا جاسکے۔

۶۶۔ لفظ نصاریٰ کی تشریح: “نصاریٰ” کا ماخذ یا تو “نصر” ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور یا “ناصرہ” کی طرف نسبت ہے۔ جو ملک شام میں اس بستی کا نام ہے جہاں حضرت مسیحؑ رہے تھے۔ اسی لئے ان کو “مسیح نصاریٰ” کہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے کو “نصاریٰ” کہتے تھے وہ گویا اس بات کے مدعی تھے کہ ہم خدا کے سچے دین اور پیغمبروں کے حامی و ناصر اور حضرت “مسیح نصاریٰ” کے متبع ہیں اس زبانی دعوے اور لقبی تفاخر کے باوجود دین کے معاملہ میں جو رویہ تھا وہ آگے ذکر کیا گیا ہے۔

۶۷۔ یعنی یہودی کی طرح ان سے بھی عہد لیا گیا۔ لیکن یہ بھی عہد شکنی اور بے وفائی میں اپنے پیشروؤں سے کچھ کم نہیں رہے انہوں نے بھی ان پیش بہانصاح سے جن پر نجات و فلاح ابدی کا مدار تھا کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ “بائبل” میں نصیحتوں کا وہ حصہ باقی ہی نہ چھوڑا۔ جو حقیقتہً مذہب کا مغز تھا۔

۶۸۔ اہل کتاب کی آپس میں دائمی بغض و عداوت: یعنی باہم “نصاریٰ” میں یا “یہود” اور “نصاریٰ” دونوں میں عداوتیں اور جھگڑے ہمیشہ کے لئے قائم ہو گئے۔ آسمانی سبق کو ضائع کرنے اور بھلا دینے کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ یعنی جب وحی الہی کی اصلی روشنی ان کے پاس نہ رہی تو ادہام و اہواء کی اندھیرویوں میں ایک دوسرے سے الجھنے لگا۔ مذہب تو نہ رہا پر مذہب کے جھگڑے رہ گئے۔ بیسیوں فرقے پیدا ہو کر اندھیرے میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ یہ ہی فرقہ و ارتداد آخر کار آپس کی شدید ترین عداوت و بغض پر منتهی ہوا۔ کوئی شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی بے حد تفرق و تشقت اور مذہبی تصادم موجود ہے لیکن چونکہ ہمارے پاس وحی الہی اور قانون سماوی بحمد اللہ بلام و کاست محفوظ ہے اس لئے اختلافات کی موجودگی میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت برابر مرکز حق و صداقت پر قائم رہی ہے اور رہے گی۔ اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ کے اختلافات یا مثلاً پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک وغیرہ فرقوں کی باہم مخالفت میں کوئی ایک فریق بھی نہ آج شاہراہ حق و صداقت پر قائم ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وحی الہی کی روشنی کو جس کے بدون کوئی انسان خدا تعالیٰ اور اس کے قوانین کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتا اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے ضائع کر چکے ہیں اب جب تک وہ اس محرف “بائبل” کے دامن سے وابستہ رہیں گے محال ہے کہ قیامت تک ان کو رائہ اور محض بے اصول اختلافات اور فرقہ و ارتداد کی ظلمت سے نکل کر حق کا راستہ دیکھ سکیں اور نجات ابدی کی شاہراہ پر چل سکیں۔ باقی جو لوگ آج نفس مذہب خصوصاً عیسائیت کا مذاق اڑاتے ہیں اور جنہوں نے لفظ مسیحیت یا موجود بائبل کو محض سند سیاسی ضرورتوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس آیت میں ان نصاریٰ کا ذکر نہیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ وہ بھی آیت کے تحت میں داخل ہیں تو ان کی باہمی عداوتیں اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ ریشہ و انیال اور علانیہ محاربات بھی باخبر اصحاب پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

۶۹۔ یعنی جب تک وہ رہیں گے اختلاف اور بغض و عناد بھی ہمیشہ رہے گا۔ یہاں ”قیامت تک“ کا لفظ ایسا ہے۔ جیسے ہمارے محاورت میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص تو قیامت تک بھی فلاں حرکت سے باز نہ آئے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ شخص قیامت تک زندہ رہے گا اور یہ حرکت کرتا رہے گا مراد یہ ہے کہ اگر قیامت تک بھی زندہ رہے تو اس بات کو نہ چھوڑے گا۔ اسی طرح آیت میں اِلٰی یَوْمِ الْقِيَامَةِ کا لفظ آنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہود و نصاریٰ کا وجود قیامت تک رہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بعض مبطلین نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔

۷۰۔ یعنی آخرت میں پوری طرح اور دنیا میں بھی بعض واقعات کے ذریعہ سے ان کو اپنے کرتوت کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

۱۵۔ اے کتاب والو تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے [۴۱] بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ  
كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو  
عَنْ كَثِيرٍ ۗ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ  
مُبِينٌ ﴿١٥﴾

۱۶۔ جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہو اسکی رضا کا سلامتی کی راہیں اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ [۴۲]

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ  
وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَ  
يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾

۱۷۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا [۴۳] تو کہہ دے پھر کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو [۴۴] اور اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ درمیان ان دونوں کے ہے پیدا کرتا ہے جو چاہے [۴۵] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۴۶]

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ  
مَرْيَمَ ۗ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ  
أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَ مَنْ فِي  
الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ  
مَا بَيْنَهُمَا ۗ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ  
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اسکے پیارے [۷۷] تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر [۷۸] کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اسکی مخلوق میں [۷۹] بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے [۸۰] اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو کچھ دونوں کے بیچ میں ہے اور اسکی طرف لوٹ کر جانا ہے [۸۱]

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۗ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۷۸﴾

۱۔ یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت: یہ سب ”یہود“ و ”نصاریٰ“ کو خطاب ہے کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ جن کی آمد کی بشارات تمہاری کتابوں میں اس قدر تحریف ہونے پر بھی کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہیں تشریف لے آئے، جن کے منہ میں خدا نے اپنا کلام ڈالا ہے اور جنہوں نے ان حقائق کی تکمیل کی جو حضرت مسیحؑ نامتو چھوڑ گئے تھے۔ ”توراہ“ و ”انجیل“ کی جن باتوں کو تم چھپاتے تھے اور بدل بدل کر بیان کرتے تھے ان میں کی سب ضروری باتیں اس نبی آخر الزماں نے ظاہر فرمادیں اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہ تھی ان سے درگزر کیا۔

۷۲۔ شاید ”نور“ سے خود نبی کریم ﷺ اور ”کتاب مبین“ سے قرآن کریم مراد ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ جو وحی الہی کی روشنی کو ضائع کر کے اہواء اور آراء کی تارکیوں اور باہمی خلاف و شقاق کے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے ہیں، جس سے نکلنے کا بحالت موجود قیامت تک امکان نہیں ان سے کہدو کہ خدا کی سب سے بڑی روشنی آگئی۔ اگر نجات ابدی کے صحیح راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو اس روشنی میں حق تعالیٰ کی رضا کے پیچھے چل پڑو۔ سلامتی کی راہیں کھلی پاؤ گے اور اندھیرے سے نکل کر اجالے میں بے کھٹکے چل سکو گے اور جس کی رضا کے تابع ہو کر چل رہے ہو اسی کی دستگیری سے صراط مستقیم کو بے تکلف طے کر لو گے۔

۷۳۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا ابطال: یعنی مسیح کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں سے ”فرقہ یعقوبیہ“ کا ہے جن کے نزدیک مسیح کے قالب میں خدا حلول کئے ہوئے ہے (معاد اللہ) یا یوں کہا جائے کہ جب ”نصاریٰ“ حضرت مسیح کی نسبت ”الوہیت“ کے قائل ہیں اور ساتھ ہی توحید کا بھی زبان سے اقرار کرتے جاتے ہیں یعنی خدا ایک ہی ہے تو ان دونوں دعویوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مسیح کے سوا کوئی خدا نہ ہو۔ بہر حال کوئی صورت لی جائے اس عقیدہ کے کفر صریح ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

۷۴۔ یعنی اگر فرض کرو خدا نے قادر و قہار یہ چاہے کہ حضرت مسیحؑ اور مریم اور اگلے پچھلے کل زمین پر بسنے والوں کو اکٹھا کر کے ایک دم میں ہلاک کر دے تو تم ہی بتلاؤ کہ اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے یعنی ازل و ابد کے سارے انسان بھی اگر فرض کرو مجتمع کر دیے جائیں اور خدا ایک آن میں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو سب کی اجتماعی قوت بھی خدا کے ارادہ کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مخلوقات کی قدرت جو عطائی اور محدود ہے۔ خدا کی ذاتی اور لامحدود قوت کے مقابلہ میں عاجز محض ہے جس کا اعتراف خود وہ لوگ بھی کرتے ہیں جن کے رد میں یہ خطاب کیا جا رہا ہے بلکہ خود مسیحؑ بن مریم بھی جن کو یہ لوگ خدا بنا رہے ہیں، اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ مرقس کی انجیل میں حضرت مسیحؑ کا یہ مقولہ موجود ہے ”اے باپ ہر چیز تیری قدرت کے تحت میں ہے تو مجھ سے یہ (موت) کا پیالہ ٹلا دے اس طرح نہیں جو میں چاہتا ہوں بلکہ

اس طرح جیسے تیرا ارادہ ہے۔ پس جب حضرت مسیحؑ جن کو تم خدا کہتے ہو اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ جو تمہارے زعم میں خدا کی ماں ہوئیں وہ دونوں بھی تمام من فی الارض کے ساتھ ملکر خدا کی مشیت و ارادہ کے سامنے عاجز ٹھہرے تو خود سوچ لو کہ ان کی یا ان کی والدہ یا کسی اور مخلوق کی نسبت خدائی کا دعویٰ کرنا کس قدر گستاخی اور شوخ چٹشی ہوگی۔ آیت کی اس تقریر میں ہم نے ”ہلاک“ کو ”موت“ کے معنی میں لیا ہے مگر ”جمیعاً“ کے لفظ کی تھوڑی سی وضاحت کر دی۔ جو مدلول لفظ ”جمیعاً“ کا ہم نے بیان کیا وہ ائمہ عربیہ کی تصریحات کے عین موافق ہے۔ اس کے سوا یہ بھی ممکن ہے کہ آیت میں ”ہلاک“ کے معنی ”موت“ کے نہ لئے جائیں جیسا کہ راغب نے لکھا ہے کبھی ”ہلاک“ کے معنی ہوتے ہیں ”کسی چیز کا مطلقاً اور نیست و نابود ہو جانا“۔ مثلاً کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص-۸۸) یعنی خدا کی ذات کے سوا ہر چیز نابود ہونے والی ہے۔ اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر خدائے قدیر حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ اور تمام من فی الارض کو قطعاً نیست و نابود اور بالکلیہ فنا کر ڈالنے کا ارادہ کر لے تو کون ہے جو اس کے ارادہ کو روک دے گا۔ اوست سلطان ہر چہ خواہد آں کند، عالے رادر دے ویراں کند۔ حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا ان کی امت بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھا دے۔ والا نبی اس لائق کا ہے کہ ان کے مرتبہ عالی اور وجاہت عند اللہ کا خیال کرتے ہوئے ایسا خطاب کیا جاتا۔

۷۵۔ جو چاہے اور جس طرح چاہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ کو بدون باپ کے حضرت حوا کو بدون ماں کے اور حضرت آدم کو بدون ماں اور باپ کے پیدا کر دیا۔

۷۶۔ کسی کا زور اس کے سامنے نہیں چل سکتا۔ سب اختیار و ابرار بھی وہاں مجبور ہیں۔

۷۷۔ یہود و نصاریٰ کا ابناء اللہ ہونے کا دعویٰ: شاید اپنے کو ”بیٹے“ یعنی اولاد اس کے لئے کہتے ہوں کہ ان کی ”بابائیل“ میں خدا نے اسرائیل (یعقوب) کو اپنا پہلو بیٹا اور اپنے کو اس کا باپ کہا ہے۔ ادھر نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو ”ابن اللہ“ مانتے ہیں تو اسرائیل کی اولاد اور حضرت مسیحؑ کی امت ہونے کی وجہ سے غالباً ”ابناء اللہ“ کا لفظ اپنی نسبت استعمال کیا ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ”بیٹا“ کہنے سے مراد یہ ہو کہ ہم خدا کے خواص اور محبوب ہونے کی وجہ سے گویا اولاد ہی جیسے ہیں۔ اس صورت میں ”ابناء“ کا حاصل وہ ہی ہو جائے گا جو لفظ ”احبار“ کا ہے۔

۷۸۔ چونکہ کسی مخلوق کا حقیقہ ”ابن اللہ“ ہونا بالکل محال اور بدیہی البطلان ہے اور خدا کا محبوب بن جانا ممکن تھا يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (ماندہ-۵۴) اس لئے اس جملہ میں اول محبوبیت (پیارے ہونے) کے دعوے کا رد کیا گیا یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کئی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی اور آخرت میں بھی جس دوام کی سزا عقلاً و نقلاً استحقاق رکھتی ہے۔ کیا ایسی باغی و عاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہوگی؟ خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں۔ اس کا پیار اور اسکی محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے ایسے کٹر مجرموں کو جو سخت سے سخت سزا کے مستحق اور مورد بن چکے ہوں شرمنا چاہئے کہ وہ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ کا دعویٰ کریں۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کو باوجودیکہ ان کا صلیبی بیٹا تھا خدا نے فرمادیا إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ہود-۴۶)

۷۹۔ ”بشر“ اصل لغت میں کھال کی اوپر والی سطح کو کہتے ہیں۔ تھوڑی سی مناسبت سے آدمی کو بشر کہنے لگے۔ شاید اس لفظ کے یہاں اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہو کہ تم کو خدا کا بیٹا اور پیارا تو درکنار، شریف اور ممتاز انسان بھی نہیں کہا جاسکتا۔ صرف بشرہ اور شکل و صورت کے لحاظ سے خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک معمولی آدمی کہلائے جاسکتے ہو جن کی پیدائش بھی اسی معتاد طریقہ سے ہوئی ہے جس طرح عام انسانوں کی ہوتی ہے پھر بھلا انبیت کا وہم کدھر سے راہ پاسکتا ہے۔

۸۰۔ کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ کون بخشنے کے لائق ہے اور کسے سزا دی جائے۔

۸۱۔ تو جسے وہ اپنی رحمت اور حکمت سے معاف کرنا چاہے یا عدل و انصاف سے سزا دینا چاہے اس میں کون مزاحم ہو سکتا ہے نہ کسی مجرم کے لئے یہ گنجائش ہے کہ اس کے قلمرو آسمان و زمین سے باہر نکل جائے اور نہ یہ کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کہیں اور بھاگ جائے۔

۱۹۔ اے کتاب والو آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر [۸۲] رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا سو اچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا [۸۳] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۸۳]

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ  
عَلَىٰ فِتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُولِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن  
بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ

اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾

۸۲۔ اہل کتاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم: یعنی ہمارے احکام و شرائع نہایت توضیح کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اس رکوع کے شروع سے بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کی مختلف قسم کی شرارتوں اور حماقتوں کو بیان فرما کر یہ بتلایا تھا کہ اب ہمارا رسول تمہارے پاس آچکا جو تمہاری غلط کاریوں کو واضح کرتا ہے اور تم کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اس پر متنبہ فرمایا کہ اب نور ہدایت کی طرف جانا دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرو اور مخلوق و خالق کے تعلق کے متعلق غلط عقیدے مت جماؤ۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ سے یہاں تک اس جز کا بیان تھا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ جو تمام انبیائے سابقین کے کمالات کے جامع اور شرائع الہیہ کے سب سے بڑے اور آخری شارع ہیں اس جزو کا بیان اس آیت يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فِتْرَةٍ الخ میں کیا گیا ہے۔

۸۳۔ حضرت مسیحؑ کے بعد تقریباً چھ سو برس سے انبیاء کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ ساری دنیا الامشاء اللہ جہل، غفلت اور اوہام و اہواء کی تاریکیوں میں پڑی تھی۔ ہدایت کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ ظلم و عدوان فساد و الحاد کی گھٹا تمام آفاق پر چھا رہی تھی اس وقت سارے جہان کی اصلاح کے لئے خدا نے سب سے بڑا ہادی اور نذیر و بشیر بھیجا جو جاہلوں کو فلاح داریں کے راستے بتلائے غافلوں کو اپنے انداز و تحویف سے بیدار کرے اور پست ہمتوں کو بشارتیں سنا کر ابھارے۔ اس طرح ساری مخلوق پر خدا کی حجت تمام ہو گئی۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔

۸۴۔ یعنی تم اگر اس پیغمبر کی بات نہ مانو گے تو خدا کو قدرت ہے کہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اس کے پیغمبر کو پوری طرح قبول کرے گی اور پیغمبر کا ساتھ دے گی خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔

۲۰۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر [۸۵] جب پیدا کئے تم میں نبی [۸۶] اور کر دیا تم کو بادشاہ [۸۷] اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں [۸۸]

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ ادْكُرُوا لِنِعْمَةِ اللَّهِ  
عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا

وَأَتَاكُمْ مَّا لَمْ يُوْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اے قوم داخل ہو زمین پاک میں جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے واسطے [۸۹] اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر جا پڑو گے نقصان میں [۹۰]

يُقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ  
اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلٰی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

خُسْرٰیۙ ﴿۲۱﴾

۲۲۔ بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست [۹۱] اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے یہاں تک کہ وہ نکل جاویں اس میں سے پھر اگر وہ نکل جاویں گے اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہوں گے [۹۲]

قَالُوْا يٰمُوسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبّٰرِيْنَ ؕ وَاِنَّا لَنْ  
نَدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۗ فَاِنْ يَخْرُجُوْا

مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی ان دو پر [۹۳] گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں پھر جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے [۹۴] اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو [۹۵]

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ  
عَلَيْهِمَا اَدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۗ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ  
فَاِنَّكُمْ عَلَيْهِمْ ۗ وَعَلٰى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۴۔ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں [۹۶]

قَالُوْا يٰمُوسٰى اِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا اَبَدًا ۗ مَا دَامُوْا  
فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَفَاتِلَا ۗ اِنَّا هُمْنَا

تَعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۵۔ بولا اے رب میرے میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی [۹۷] سو جدائی کر دے تو ہم میں اور اس نافرمان قوم میں [۹۸]

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَاَفْرِقْ

بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

۲۶۔ فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر چالیس برس سمراتے پھریں گے ملک میں سو تو افسوس نہ کر نافرمان لوگوں پر

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً  
يَتِيهِمْ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ  
الْفَاسِقِينَ

۲۶

۸۵۔ موضح القرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آکر ٹھہرے اور مدت تک ان کے اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام انکو دوں گا اور نبوت، دین کتاب اور سلطنت ان میں رکھوں گا۔ پھر حضرت موسیٰ کے وقت وہ وعدہ پورا کیا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور اس کو غرق کیا اور ان کو فرمایا کہ جہاد کرو عداقت سے ملک شام فتح کر لو پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰ نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے ان کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاؤ وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عداقت مسلط تھی ان کا زور و قوت بیان کیا حضرت موسیٰ نے ان کو کہا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی بیان کرو اور دشمن کی قوت کا ذکر مت کرو۔ ان میں سے دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نے خلاف کیا۔ قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگی اور چاہا کہ پھر اٹھے مصر چلے جائیں۔ اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح میں دیر لگی۔ اس قدر مدت جنگوں میں بھٹکتے پھرتے رہے۔ جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہ ہی حضرت موسیٰ کے بعد خلیفہ ہوئے ان کے ہاتھ سے فتح ہوئی۔

۸۶۔ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا ذکر: یعنی تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر آج تک کتنے نبی تم میں پیدا کئے۔ مثلاً حضرت اسمعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، اور خود موسیٰ و ہارونؑ پھر ان کے بعد بھی یہ ہی سلسلہ مدت دراز تک ان میں قائم رکھا۔

۸۷۔ یعنی فرعونوں کی ذلیل ترین غلامی سے آزادی دلا کر انکے اموال و املاک پر قابض کیا اور اس سے پہلے تم ہی میں سے حضرت یوسفؑ کو مصر کے خزان اور سلطنت پر کیسا تسلط عطا فرمایا۔ پھر مستقبل میں بھی حضرت سلیمان وغیرہ نبی اور بادشاہ پیدا کئے۔ گویا دین اور دنیا دونوں کی اعلیٰ نعمتوں سے تم کو سرفراز کیا کیونکہ دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب نبوت اور دنیوی اقبال کی آخری حد آزادی اور بادشاہت ہے یہ دونوں چیزیں مرحمت کی گئیں۔

۸۸۔ یعنی اس وقت جب موسیٰ کو یہ خطاب فرما رہے تھے بنی اسرائیل پر تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ خدا کی نوازشیں ہوئیں اور اگر آخدا مین العلبین کو عموم پر حمل کیا جائے تو یہ اس لئے صحیح نہ ہو گا کہ امت محمدیہ کی نسبت خود قرآن میں تصریح ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران۔ ۱۱۰) اور كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ۔ ۱۴۳)۔

۸۹۔ یہودیوں کو ارض مقدس میں داخلے کا حکم اور انکی بزدلی: یعنی خدا نے پیشتر حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیری اولاد کو یہ ملک دوں گا۔ وہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔ خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جن کے ہاتھوں پر پورا ہو۔

۹۰۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں بزدلی اور پست ہمتی دکھا کر غلامی کی زندگی کی طرف مت بھاگو۔

۹۱۔ یعنی بہت قوی ہیکل، تنومند اور پر رعب۔

۹۲۔ یعنی مقابلہ کی ہمت ہم میں نہیں۔ ہاں بدون ہاتھ پاؤں ہلائے پکی پکائی کھالیں گے۔ آپ معجزہ کے زور سے انہیں نکال دیں۔

۹۳۔ وہ دو شخص حضرت یوشع بن نون اور کالب ابن یوقنا تھے جو خدا سے ڈرتے تھے۔ اسی لئے عداقت وغیرہ کچھ ڈر ان کو نہ رہا کہ ترسید از حق



و تقویٰ گزید۔ ترسد ازوے جن وانس و ہر کہ دید۔

۹۴۔ یعنی ہمت کر کے شہر کے پھانک تک تو چلو۔ پھر خدا تم کو غالب کرے گا۔ خدا اسی کی مدد کرتا ہے جو خود بھی اپنی مدد کرے۔

۹۵۔ توکل کا مفہوم: معلوم ہوا کہ اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔ ”توکل“ یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے پھر اس کے مشر و منج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے۔ اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے۔

۹۶۔ یہ اس قوم کا مقولہ ہے جو نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَ اَحِبَّاءُ کَادِ عُوٰی ر کھتی تھی۔ مگر یہ گستاخانہ کلمات انکے مستر تمر و وطنیان سے کچھ بھی مستبعد نہیں۔

۹۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: حضرت موسیٰ نے سخت دلگیر ہو کر یہ دعا فرمائی۔ چونکہ تمام قوم کی عدول حکمی اور بز دلانہ عصیان کو مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اسلئے دعائیں بھی اپنے اور ہاروں کے سوا کہ وہ بھی نبی معصوم تھے اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ پوشع اور کالب بھی دونوں کے ساتھ تہجاً آگئے۔

۹۸۔ مسلمانوں اور یہود کا اس حکم میں موازنہ: یعنی جدائی کی دعائیں اور ظاہری طور پر تو قبول نہ ہوئی ہاں معنوی جدائی ہو گی کہ وہ سب تو عذاب الہی میں گرفتار ہو کر حیران و سرگرداں پھرتے تھے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پیغمبرانہ اطمینان اور پورے قلبی سکون کے ساتھ اپنے منصب ارشاد و اصلاح پر قائم رہے۔ جیسے کسی بستی میں عام وبا پھیل پڑے اور ہزاروں بیماروں کے مجمع میں دو چار تندرست اور قوی القلب ہوں جو ان کے معالجہ، چارہ سازی اور تفقد احوال میں مشغول رہیں۔ اگر فَاَفْرِقْ بَيْنَنَا كَا تَرْجَمُ ”جدائی کر دے“ کی جگہ ”فیصلہ کر دے“ ہوتا تو یہ مطلب زیادہ واضح ہو جاتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ سب قصہ اہل کتاب کو سنایا اس پر کہ تم پیغمبر آخر الزمان کی رفاقت نہ کرو گے جیسے تمہارے اجداد نے حضرت موسیٰ کی رفاقت چھوڑ دی تھی اور جہاد سے جان چڑھائے تھے۔ تو یہ نعمت اوروں کو نصیب ہو گی۔ چنانچہ نصیب ہوئی۔ ایک لمحہ کے لئے اس سارے رکوع کو سامنے رکھ کر امت محمدیہ کے احوال پر غور کیجئے ان پر خدا کے انعامات ہوئے جو نہ پہلے کسی امت پر ہوئے نہ آئندہ ہوں گے ان کے لئے خاتم الانبیاء سید المرسلینؐ کو ابدی شریعت دے کر بھیجا۔ ان میں وہ علماء اور ائمہ پیدا کئے جو باوجود غیر نبی ہونے کے انبیاء کے وظائف کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ایسے خلفاء نبی علیہ السلام کے بعد امت کے قائد بنے جنہوں نے سارے جہان کو اخلاق اور اصول سیاست وغیرہ کی ہدایت کی۔ اس امت کو بھی جہاد کا حکم ہوا۔ عماقہ کے مقابلہ میں نہیں روئے زمین کے تمام جبارین کے مقابلہ میں۔ محض سر زمین شام فتح کرنے کے لئے نہیں بلکہ شرق و غرب میں کلمۃ اللہ بلند کرنے اور فتنہ کی جڑ کاٹنے کے لئے بنی اسرائیل سے خدا نے ارض مقدسہ کا وعدہ کیا تھا لیکن اس امت سے یہ فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اَسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَ لَیُبَدِّلَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمْ الَّذِیْ اَرْتَضٰی لَهُمْ ۗ وَ لَیُبَدِّلَنَّ لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اٰمَنًا (نور-۵۵) اگر بنی اسرائیل کو موسیٰ نے جہاد میں بیٹھ پھیرنے سے منع کیا تھا تو اس امت کو بھی خدا نے اس طرح خطاب کیا یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا رَحْمًا فَلَآ تُؤَلُّوْهُمْ اِلَّاۤ اَدْبَارَ (انفال-۱۵) انجام یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ کے رفقاء تو عماقہ سے ڈر کر یہاں تک کہہ گزرے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا لَهْمُنَا قَاعِدُوْنَ تم اور تمہارا پروردگار جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن اصحاب محمدؐ نے یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر آپ سمندر کی موجوں میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم میں سے علیحدہ نہیں رہے گا۔ امید ہے کہ خدا آپ کو ہماری طرف سے وہ چیز دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ ہو کر اس کے داہنے اور بائیں آگے اور پیچھے ہر طرف جہاد کریں گے خدا کے فضل سے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ سے کہہ دیا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

فَقَاتِلَ إِنَّا لَهُمُ اقْعُدُونَ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جتنی مدت بنی اسرائیل فتوحات سے محروم ہو کر وادی تیبہ میں بھٹکتے رہے اس سے کم مدت میں محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے مشرق و مغرب میں ہدایت و ارشاد کا جھنڈا گاڑ دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوانہ ذلک لمن خشی ربہ۔

۲۷۔ اور سنان کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا [۹۹] جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے کی [۱۰۰] کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا [۱۰۱] وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیز گاروں سے [۱۰۲]

وَ اِثْلُ عَلَيْهِمْ نَبَا ابْنِ آدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبَلُ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْاٰخِرِ ط قَالَ لَا قُوَّةَ لَكَ ط قَالَ اِنَّا يَتَقَبَلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اگر تو ہاتھ چلا دے گا مجھ پر مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو [۱۰۳] میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا [۱۰۴]

لِيْنُ بَسَطْتَ اِلَى يَدِكَ لِتَقْتُلَنِي مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَدِي اِلَيْكَ لِاقْتُلَكَ ؕ اِنِّي اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلِيْنَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ [۱۰۵] پھر ہو جاوے تو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا ظالموں کی [۱۰۶]

اِنِّي اُرِيْدُ اَنْ تَبُوَا بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنُ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَاُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ پھر اس کو راضی کیا اسکے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے [۱۰۷] پھر اسکو مار ڈالا سو ہو گیا نقصان اٹھانے والوں میں [۱۰۸]

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ پھر بھیجا اللہ نے ایک کو جو کریدتا تھا زمین کو تاکہ اس کو دکھلا دے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی بولا اے افسوس مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس کوے کی کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی [۱۰۹] پھر لگا پچتانے [۱۱۰]

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ اَخِيْهِ ط قَالَ يُوِيْدَتِيْ اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِي سَوْءَةَ اَخِيْ ؕ فَاصْبَحْ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾

۳۲۔ اسی سبب سے لکھا ہم نے [۱۱۱] بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں [۱۱۲] تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو [۱۱۳] اور لا چکے ہیں انکے پاس رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم [۱۱۴] پھر بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی ملک میں دست درازی کرتے ہیں [۱۱۵]

مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ ۖ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ  
مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ  
فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَمَنْ أَحْيَاهَا  
فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ  
رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ۖ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ

ذٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿۳۲﴾

۹۹۔ قاتیل اور ہائیل کا قصہ: یعنی آدم کے دو صلیبی بیٹوں قاتیل و ہائیل کا قصہ ان کو سناؤ کیونکہ اس قصہ میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی کی مقبولیت اور تقویٰ پر حسد کرنے اور اسی غیظ میں اس کو ناحق قتل کر ڈالنے کا ذکر ہے اور ناحق خون کرنے کے عواقب بیان کئے ہیں پچھلے رکوع میں یہ بتلایا تھا کہ بنی اسرائیل کو جب یہ حکم دیا گیا کہ ظالموں اور جابروں سے قتال کرو تو خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اب ہائیل و قاتیل کا قصہ سنانا اس کی تمہید ہے کہ متقی اور مقبول بندوں کا قتل جو شدید ترین جرائم میں سے ہے اور جس سے ان لوگوں کو بے انتہا تہدید و تشدید کے ساتھ منع کیا گیا تھا اس کے لئے یہ ملعون ہمیشہ کیسے مستعد اور تیار نظر آتے ہیں پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف ازراہ بغض و حسد کیسے کیسے منصوبے گانٹھے رہتے ہیں۔ گویا ظالموں اور شریروں کے مقابلہ سے جان چرانا اور بے گناہ معصوم بندوں کے خلاف قتل و اسر کی سازشیں کرنا یہ اس قوم کا شیوہ رہا ہے اور اس پر نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں۔ اس تقریر کے موافق قاتیل و ہائیل کا قصہ پھر اس پر مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ ۖ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ الْآيَةَ کی تفریع یہ سب تمہید ہوگی اس مضمون کی جو اس قصہ اور تفریع کے ختم پر فرمایا۔ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ۖ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ۔ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ

وَرَسُولَهُ

۱۰۰۔ یعنی آدم دستور کے موافق جو لڑکی ہائیل کے نکاح میں دینا چاہتے تھے قاتیل اس کا طلبگار ہوا۔ آخر حضرت آدم کے اشارہ سے دونوں نے خدا کے لئے کچھ نیاز کی کہ جس کی نیاز مقبول ہو جائے لڑکی اس کو دے دی جائے۔ آدم کو غالباً یہ یقین تھا کہ ہائیل ہی کی نیاز مقبول ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آتش آسمانی ظاہر ہوئی اور ہائیل کی نیاز کو کھا گئی۔ یہ علامت اس وقت قبول عند اللہ کی تھی۔

۱۰۱۔ قاتیل یہ دیکھ کر آتش حسد میں جلنے لگا اور بجائے اس کے کہ مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا غیظ و غضب میں اپنے حقیقی بھائی کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا۔

۱۰۲۔ یعنی ہائیل نے کہا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ خدا کے یہاں کسی کی زبردستی نہیں چلتی تقویٰ چلتا ہے گویا میری نیاز جو قبول کر لی گئی اس کا سبب تقویٰ ہے۔ تو بھی اگر تقویٰ اختیار کر لے تو خدا کو تجھ سے کوئی ضد نہیں۔

۱۰۳۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی ناحق کسی کو مارنے لگے اس کو رخصت ہے کہ ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے“ اور یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہے۔ ورنہ جہاں انتقام و مدافعت میں شرعی مصلحت و ضرورت ہو وہاں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں۔ مثلاً کافروں یا باغیوں سے قتال کرنا۔ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ (شوریٰ-۳۹)۔

۱۰۴۔ ہائیل کا خوف خدا: یعنی میں تجھ سے ڈر کر نہیں بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ جہاں تک شرعاً گنجائش ہے بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کروں ایوب سختیائی فرماتے تھے کہ امت محمدیہ میں سے پہلا شخص جس نے اس آیت پر عمل کر کے دکھلایا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے (ابن کثیر) جنہوں نے اپنا گلا کٹوا دیا لیکن اپنی رضا سے کسی مسلمان کی انگلی نہ کٹنے دی۔

۱۰۵۔ یعنی میرے قتل کا گناہ بھی دوسرے گناہوں کے ساتھ حاصل کر لے۔ ابن جریر نے مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے کہ ”باشمی“ کے معنی یہی ہیں۔ باقی جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے وہ مضمون بھی ایک حیثیت سے صحیح ہے مگر محققین کے نزدیک وہ اس آیت کی تفسیر نہیں۔ اب ہائیل کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ اگر تو نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ میرے قتل کا وبال اپنے سر رکھے تو میں نے بھی ارادہ کر لیا ہے کہ کوئی مدافعت اپنی جانب سے نہ کروں حتیٰ کہ ترک عزیمت کا حرف بھی مجھ پر نہ آنے پائے۔

۱۰۶۔ یعنی تیرے عمر بھر کے گناہ تجھ پر ثابت رہیں اور میرے خون کا گناہ چڑھے اور مظلومیت کی وجہ سے میرے گناہ اتریں (موضح القرآن) ۱۰۷۔ شاید ابتداء میں کچھ جھجک ہوگی۔ شدہ شدہ نفس امارہ نے خیال پختہ کر دیا اور یہ ہی کیفیت عموماً معاصی کی ابتداء ہوتی ہے۔

۱۰۸۔ ظلم اور قطع رحم کی سزا دنیا میں: دنیوی خسران تو یہ کہ ایسا نیک بھائی جو قوت بازو بنتا ہاتھ سے کھویا اور خود پاگل ہو کر مرا۔ حدیث میں ہے کہ ظلم اور قطع رحم دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا آخرت سے پہلے یہاں بھی ملتی ہے۔ اور اخروی خسران یہ کہ ظلم، قطع رحم، قتل عمد اور بدامنی کا دروازہ دنیا میں کھول دینے سے ان سب گناہوں کی سزا کا مستوجب ہو اور آئندہ بھی جتنے اس نوعیت کے گناہ دنیا میں کئے جائیں گے سب میں بانی ہونے کی وجہ سے اس کی شرکت رہی جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے۔

۱۰۹۔ ہائیل کی لاش کی تدفین: چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرانہ تھا اس لئے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے۔ آخر ایک کوئے کو دیکھا کہ زمین کرید رہا ہے یا دوسرے مردہ کوئے کو مٹی ہٹا کر زمین میں چھپا رہا ہے اسے دیکھ کر کچھ عقل آئی کہ میں بھی اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دوں اور افسوس بھی ہوا کہ میں عقل و فہم اور بھائی کی ہمدردی میں اس جانور سے بھی گیا گذرا ہوا شاید اسی لئے حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ جانور کے ذریعہ سے اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ اپنی وحشت اور حماقت پر کچھ شرمائے۔ جانور میں کوئے کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کھلا چھوڑ دینے پر بہت شور مچاتا ہے۔

۱۱۰۔ پچھتاوا نافع ہے جس کے ساتھ گناہ سے معذرت و انکسار اور فکر و تدارک بھی ہو۔ اس موقع پر اس کا پچھتاوا حق تعالیٰ کے عصیان پر نہیں بلکہ اپنی بد حالی پر تھا جو قتل کے بعد اسے لاحق ہوئی۔

۱۱۱۔ یعنی ناحق قتل میں جو دنیوی اور اخروی خسران ہے اور جو بد نتائج اس پر مرتب ہوتے ہیں حتیٰ کہ خود قاتل بھی اس حرکت کے بعد بسا اوقات پچھتاوا اور کف افسوس ملتا ہے۔ اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ ہدایت کی کہ الخ

۱۱۲۔ ایک بے گناہ قتل تمام انسانوں کا قتل ہے: ملک میں فساد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً اہل حق کو دین حق سے روکے یا پیغمبروں کی اہانت کرے یا العیاذ باللہ مرتد ہو کر اپنے وجود سے دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے۔ وقس علی ذلک۔

۱۱۳۔ یعنی اول روئے زمین پر بڑا گناہ یہ ہی ہوا کہ قاتیل نے ہائیل کو قتل کیا۔ اس کے بعد رسم پڑگئی اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ ”ایک کو مارا جیسے سب کو مارا“ یعنی ایک کے ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو

قتل کر کے بد امنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور عام بد امنی کا دروازہ کھول رہا ہے اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کے بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔”

۱۱۴۔ مترجم نے بینات سے کھلے ہوئے حکم مراد لئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بینات سے وہ کھلے کھلے نشان مراد لئے جائیں جن سے کسی پیغمبر کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہو۔

۱۱۵۔ یعنی بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ ایسے کھلے نشان دیکھ کر اور ایسے کھلے احکام سن کر بھی اپنے ظلم و طغیان اور دست درازیوں سے باز نہ آئے انبیائے معصومین کو قتل اور آپس میں ناحق خون کرنا ان کا ہمیشہ سے وتیرہ رہا ہے اور آج بھی خاتم الانبیاء ﷺ کے (معاذ اللہ) قتل یا ایذا رسانی اور مسلمانوں کی تذلیل کے لئے ہر قسم کی ناپاک سازشیں کرتے رہتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جب حکم تورات کے موافق کیف ماتفق کسی ایک آدمی کا ناحق مار ڈالنا اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا اس کا قاتل تمام دنیا کے انسانوں کا قاتل ہے تو دنیا کے سب سے زیادہ کامل و اکمل انسان اور سب سے زیادہ مقبول و مقدس جماعت کے قتل و ایذا رسانی کے درپے ہونا اور ان سے لڑائی اور مقابلہ کے لئے کمر باندھنا خدا کے نزدیک کتنا بھاری جرم ہو گا۔ خدا کے سفراء سے لڑائی تو درحقیقت خدا ہی سے لڑائی کرنا ہے۔ شاید اسی لئے اگلی آیت میں ان لوگوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا اور پیغمبر سے لڑائی کرتے ہیں یا دنیا میں طرح طرح کے فساد پھیلا کر مسرفوں فی الارض کے مصداق بنتے ہیں۔

۳۳۔ یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اسکے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو [۱۱۶] ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں یا کالٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے [۱۱۷] یادور کر دیے جاویں اس جگہ سے [۱۱۸] یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے [۱۱۹]

إِنَّمَا جَزَاؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ  
یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فِسَادًا اَنْ یُّقْتَلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا  
اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا  
مِّنَ الْاَرْضِ ۗ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی  
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۲۰]

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ  
فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾

۱۱۶۔ بد امنی پھیلانے والوں کی سزا: یعنی بد امنی کرنے کو اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اس کی مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے۔ “اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا” یا “زمین میں فساد اور بد امنی پھیلانا” یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

۱۱۷۔ یعنی داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں۔

۱۱۸۔ کہیں اور لے جا کر انہیں قید کر دیں مگر مذہب الامام ابی حنیفہؒ

۱۱۹۔ ڈاکوؤں کے احوال چار ہو سکتے تھے (۱) قتل کیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی (۲) قتل بھی کیا اور مال بھی لیا (۳) مال چھین لیا مگر قتل نہیں کیا (۴) نہ مال چھین سکے نہ قتل کر سکے قصد اور تیاری کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے۔ چاروں حالتوں میں بالترتیب یہ ہی چار سزائیں ہیں جو بیان ہوئیں۔

۱۲۰۔ توبہ سے حقوق اللہ کی معافی: یعنی مذکورہ بالا سزائیں جو حدود اور حق اللہ کے طور پر تھیں وہ گرفتاری سے قبل توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ مثلاً اگر کسی کا مال لیا تھا تو ضمان دینا ہو گا، قتل کیا تھا تو قصاص لیا جائے گا۔ ہاں ان چیزوں کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہے (تنبیہ) اس حد کے سوا باقی حدود مثلاً حد زنا، حد شرب خمر، حد سرقہ، حد قذف توبہ سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتیں۔

۳۵۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ [۱۲۱] اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا بھلا ہو [۱۲۲]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ  
وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تاکہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہو گا اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے [۱۲۳]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا  
وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ  
مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے [۱۲۴]

يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ  
بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو انکے ہاتھ [۱۲۵] سزا میں ان کی کمائی کی تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے [۱۲۶] اور اللہ غالب ہے حکمت والا [۱۲۷]

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً  
بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنْ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ پھر جس نے توبہ کہ اپنے ظلم کے پیچھے اور اصلاح کی توبہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۲۸]

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ ۖ وَأَصْلَحَ ۖ فَإِنَّ اللَّهَ  
يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۹﴾

۴۰۔ تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے [۱۲۹]

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۰﴾

۱۲۱۔ لفظ وسیلہ کی تفسیر: وسیلہ کی تفسیر ابن عباس، مجاہد، ابوہریرہ، حسن وغیرہ ہم اکابر سلف نے قربت سے کی ہے۔ تو وسیلہ ڈھونڈنے کے معنی یہ ہونگے کہ اس کا قرب و وصول تلاش کرو۔ قتادہ نے کہا اسی تقربوا الیہ بطاعة والعمل بسا یرضیہ خدا کی نزدیکی حاصل کرو اس کی فرمانبرداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعہ سے ایک شاعر کہتا ہے اذ اغفلوا واشتوا عدنا لوصولنا۔ وعاد التصانی بیننا والوسائل۔ اس میں یہ ہی معنی قرب و اتصال کے مراد ہیں۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک نہایت ہی اعلیٰ منزل ہے جو دنیا میں سے کسی ایک بندہ کو ملے گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اذان کے بعد میرے لئے خدا سے وہی مقام طلب کیا کرو۔ تو اس مقام کا نام بھی وسیلہ اسی لئے رکھا گیا کہ جنت کی تمام منزلوں میں وہ سب سے زیادہ عرش رحمن کے قریب ہے اور حق تعالیٰ کے مقامات قرب میں سب سے بلند واقع ہوا ہے۔ بہر حال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھڑیے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔ اسی لئے اتَّقُوا اللَّهَ کے بعد وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ فرمایا یعنی اس کی ناخوشی اور بعد و ہجر سے ڈر کر قرب و وصول حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز سے قریب ہم اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ درمیانی راستہ قطع کر لیں جس پر چل کر اس کے پاس پہنچ سکتے ہوں۔ اسی کو فرمایا وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ جہاد کرو اس کی راہ میں۔ یعنی اس پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تم اس کی نزدیکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکو۔

۱۲۲۔ پچھلے رکوع کے آخر میں ان لوگوں کی دنیوی و اخروی سزایان فرمائی تھی جو خدا اور رسول سے جنگ کرتے اور ملک میں بد امنی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو ان سزاؤں سے ڈرا کر بتلایا گیا کہ جب شقی اور بد بخت لوگ خدا اور رسول سے جنگ کریں تو تم خدا اور رسول کی طرف ہو کر جہاد کرو۔ وہ اگر زمین پر فساد پھیلاتے ہیں تو تم اپنی کوشش اور حسن عمل سے امن و سکون قائم کرنے کی فکر کرو۔

۱۲۳۔ نجات مال سے حاصل نہیں ہوتی: پچھلی آیت میں بتلایا تھا کہ انسان خدا سے ڈرنے اس کا قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے ہی سے فلاح و کامیابی کی امید کر سکتا ہے۔ اس آیت میں متنبہ فرمادیا کہ جن لوگوں نے خدا سے روگردانی کی وہ آخرت میں اگر روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد خرچ کر ڈالیں گے اور فدیہ دے کر عذاب الہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ غرض وہاں کی کامیابی تقویٰ، ابتغائے وسیلہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتی ہے رشوت اور فدیہ سے نہیں ہو سکتی۔

۱۲۴۔ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ بہت سے گنہگار مومنین ایک مدت تک دوزخ میں رہ کر پھر نکالے جائیں گے اور حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ یہ آیت ان احادیث کے مخالف نہیں کیونکہ یہاں شروع آیت سے صرف کفار کا حال بیان کیا گیا ہے۔ مومنین کے متعلق اس آیت میں کوئی حرف نہیں۔

۱۲۵۔ چوری کی سزا: یعنی پہلی مرتبہ چوری کرے تو داہنا ہاتھ گٹے پر سے کاٹ دو۔ باقی تفصیل کتب فقہ میں ملیں گی پچھلے رکوع میں ڈکیتی وغیرہ کی سزا ذکر کی گئی تھی۔ درمیان میں بعض مناسبات کی وجہ سے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں مومنین کو چند ضروری نصح کی گئیں۔ اب پھر اسی

پچھلے مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یعنی وہاں ڈکیتی کی سزا مذکور ہوئی تھی اس آیت میں چوری کی سزا ابتدائی۔

۱۲۶۔ سخت سزائوں کی حکمت: یعنی جو سزا چور کو دی جا رہی ہے وہ مال مسروق کا بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل سرقہ کی سزا ہے تاکہ اسے اور دوسرے چوروں کو تنبیہ ہو جائے۔ بلاشبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں دو چار ہی کی سزایابی کے بعد چوری کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے۔ آج کل مدعیان تہذیب اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں لیکن چوری کرنا اگر ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا؟ اس غیر مہذب و ستر بد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جاسکتے ہوں تو حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہئے کہ ان کے تہذیبی مشن میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے۔ بعض نام نہاد مفسر بھی اس کوشش میں ہیں کہ قطعید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو چوری کی انتہائی سزا قرار دے کر اس سے ہلکی سزا دی کا اختیار شریعت حقہ سے حاصل کر لیں مگر مشکل یہ ہے کہ نہ تو چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآن کریم میں کہیں موجود ہے اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ میں اس کی کوئی نظیر پائی گئی۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں جتنے چور پکڑے گئے ان میں ایک بھی ابتدائی چور نہ تھا جس پر کم از کم بیان جو از ہی کے طور پر قطعید سے ہلکی کوئی ابتدائی سزا جاری کی جاتی۔ کسی ملحد نے پرانے زمانہ میں اس حد سرقہ پر یہ بھی شبہ کیا تھا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کٹنے پر پانسو دینار واجب ہوں دس پانچ روپیہ کہ چوری میں کس طرح کاٹا جاسکتا ہے ایک عالم نے اس کے جواب میں کیا خوب فرمایا انہا لسا کانت امینۃ ثمینۃ فلما خانت هانت یعنی جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا جب چوری کر کے خائن ہوا تو ذلیل ہوا۔

۱۲۷۔ چونکہ غالب ہے اس لئے اسے حق ہے کہ جو چاہے قانون نافذ کر دے کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ حکمت والا بھی ہے اس لئے یہ احتمال نہیں کہ محض اپنے اختیار کامل سے کام لے کر کوئی قانون بے موقع نافذ کرے۔ نیز وہ اپنے ناتواں بندوں کے اموال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کر سکے یہ اس کی عزت اور غلبہ کے منافی ہے اور چوروں ڈاکوؤں کو یونہی آزاد چھوڑ دے یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

۱۲۸۔ چور کی توبہ قابل قبول ہے: یعنی توبہ اگر ٹھیک ٹھیک ہو جس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کا مال مالک کو واپس کرے اور اگر تلف ہو گیا ہو تو ضمان دے اور ضمان نہ دے سکے تو معاف کرائے۔ اور اپنے فعل پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے اس سے مجتنب رہنے کا عزم رکھے۔ تو اس طرح کی توبہ سے امید ہے کہ حق تعالیٰ اخروی عقوبت جس کے مقابلہ میں دنیوی سزا کی کچھ حقیقت نہیں اس پر سے اٹھالے۔

۱۲۹۔ جب حقیقی سلطنت و حکومت اسی کی ہے تو بلاشبہ اسی کو یہ اختیار ہو گا کہ جسے مناسب جانے معاف کر دے اور جسے اپنے حکمت و عدل کے موافق سزا دینا چاہے سزا دے اور نہ صرف یہ کہ اسے معاف کرنے اور سزا دینے کے کلی اختیارات حاصل ہیں بلکہ ان اختیارات کے استعمال سے کوئی روکنے والا بھی نہیں کیونکہ ہر چیز پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے۔

۴۱۔ اے رسول غم نہ کر ان کو جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں [۱۳۰] وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں [۱۳۱] جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے [۱۳۲] بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانہ چھوڑ کر [۱۳۳] کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور یہ

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي  
الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ  
تُؤْمِنُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۗ سَبَّعُونَ  
لِلْكَذِبِ سَبْعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ ۗ لَمْ يَأْتُوكَ



حکم نہ ملے تو بچتے رہنا [۱۳۴] اور جس اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں [۱۳۵] یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کے [۱۳۶] ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑا عذاب ہے

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ اِنْ  
 اَوْتَيْتُمْ هَذَا فَخَذُوهُ وَاِنْ لَمْ تُوْتُوْهُ فَاَحْذَرُوْا و  
 مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَبْلُكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ  
 شَيْئًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُطَهِّرْ  
 قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۗ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ  
 عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۶﴾

۳۲۔ جاسوسی کرنے والے جھوٹ بولنے کے لئے اور بڑے حرام کھانے والے سو اگر آویں وہ تیرے پاس تو فیصلہ کر دے ان میں یا منہ پھیر لے ان سے [۱۳۴] اور اگر تو منہ پھیر لے گا ان سے تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف سے بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو [۱۳۸]

سَعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكْلُوْنَ لَلْسُحٰتِ ۗ فَاِنْ جَاءَوْكَ  
 فَاَحْكَمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۗ وَاِنْ تَعْرِضْ  
 عَنْهُمْ فَلَنْ يُّضٰوْكَ شَيْئًا ۗ وَاِنْ حَاكَمْتَ فَاَحْكَمْ  
 بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ اور وہ تجھ کو کس طرح منصف بنائیں گے اور ان کے پاس تو توریث ہے جس میں حکم ہے اللہ کا پھر اس کے پیچھے پھرے جاتے ہیں اور وہ ہر گز ماننے والے نہیں ہیں [۱۳۹]

وَ كَيْفَ يُحْكِمُوْنَكَ وَاَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيْهَا  
 حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۗ وَاَمَّا  
 اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۳﴾

۱۳۰۔ حدود اللہ میں تحریف کا ایک واقعہ: پچھلی آیات میں ذمیت اور چوری وغیرہ کی حدود بیان کی گئی تھیں۔ اب بعض ان اقوام کا حال سناتے ہیں جنہوں نے حدود اللہ میں تحریف کر کے اپنے کو عذاب عظیم کا مستحق ٹھہرایا۔ ان کا مفصل واقعہ بغوی نے یہ لکھا ہے کہ خیبر کے ایک یہودی مرد اور عورت نے جو کھوارے نہ تھے زنا کیا۔ باوجودیکہ تورات میں اس جرم کی سزا رجم (سنگسار کرنا) تھی مگر ان دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے۔ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو یثرب میں ہے (یعنی محمد ﷺ) ان کی کتاب میں زانی کے لئے رجم کا حکم نہیں کوڑے مارنے کا ہے تو بنی قریظہ کے یہودیوں سے کچھ آدمی ان کے پاس بھیجو کیونکہ وہ ان کے ہمسایہ ہیں اور ان سے صلح کا معاہدہ بھی کر چکے ہیں۔ وہ ان

کا خیال معلوم کر لیں گے چنانچہ ایک جماعت اس کام کے لئے روانہ کی گئی کہ نبی کریم ﷺ کا عندیہ معلوم کر لے کہ زانی محض کی کیا سزا تجویز کرتے ہیں۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو ان پر رکھ کر قبول کر لو۔ اور رجم کا حکم دیں تو مت مانو۔ ان کے دریافت کرنے پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلہ پر رضامند ہو گے انہوں نے اقرار کر لیا خدا کی طرف سے جبرئیل رجم کا حکم لے آئے مگر وہ لوگ اپنے اقرار سے پھر گئے آخر حضور ﷺ نے فرمایا کہ فدک کا رہنے والا ابن صورتی تم میں کیسا شخص ہے؟ سب نے کہا کہ آج روئے زمین پر شرائع موسویہ کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے اس کو بلوایا اور نہایت ہی شدید حلف دے کر پوچھا کہ تورات میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے جس کا پردہ حضرت عبد اللہ بن سلام کے ذریعہ سے فاش ہو چکا تھا۔ تاہم ابن صورتی نے جو ان کا مسلم معتمد تھا کسی نہ کسی وجہ سے اس کا اقرار کر لیا کہ وہ بیشک تورات میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے۔ بعدہ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو اڑا کر زنا کی سزا یہ رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور کالا منہ کر کے اور گدھے پر الٹا سوار کر کر گشت کرایا جائے۔ الحاصل حضور پر نور ﷺ نے ان دونوں مرد و عورت پر رجم کی سزا جاری کی۔ اور فرمایا کہ اے اللہ آج میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو دنیا میں زندہ کیا اس کے بعد کہ وہ اسے مردہ کر چکے تھے۔ یہ واقعہ ہے۔

۱۳۱۔ یعنی منافقین اور یہود بنی قریظہ۔

۱۳۲۔ سَمْعُونُ کے معنی: سامعون کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے پھر بہت زیادہ سننا کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں بہت زیادہ قبول کرنے والا جیسے سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم نے یہاں پہلے معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے سَمْعُونُ لِلْكَذِبِ یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے سَمْعُونُ لِقَوْمٍ آخَرِينَ یعنی دوسری جماعت جس نے ان کو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی ان کی بات بہت زیادہ ماننے والے۔

۱۳۳۔ یعنی خدا کے احکام میں تحریف کرتے ہیں یا کہیں کی بات کہیں لگا دیتے ہیں۔

۱۳۴۔ یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرو ورنہ نہیں۔ گویا خدا کی شریعت کو اپنی ہوا کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔

۱۳۵۔ خیر اور شر کا خالق اللہ ہی ہے: ہدایت و ضلالت، خیر و شر کوئی چیز بھی بدون ارادہ خداوندی کے عالم وجود میں نہیں آسکتی یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس کا انکار کرنا اس کے تسلیم کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص چوری کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن خدا کا ارادہ یہ ہے کہ چوری نہ کرے اب وہ شخص اگر اپنے ارادہ میں کامیاب رہا تو لازم آتا ہے کہ خدا اس کے مقابلہ میں معاذ اللہ عاجز ہو اور اگر خدا ہی کا ارادہ بندہ کے ارادہ پر غالب رہتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں کہیں چوری وغیرہ کسی شر کا وجود نہ رہے اور اگر خدا تعالیٰ خیر و شر میں سے کسی کا بھی ارادہ نہیں کرتا تو اس سے معاذ اللہ اس کا تعطل یا غفلت و سفاهت لازم آتی ہے۔ تعالیٰ اللہ عن کل الشرور و تقدس۔ ان تمام شقوق پر غور کرنے کے بعد ناچار وہی ماننا پڑے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے ارادہ تخلیق کے بدون موجود نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ نہایت مہم اور طویل الذیل۔ ہمارا مقصد ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ واللہ الموفق۔

۱۳۶۔ یہود کی دائمی گمراہی و ذلت: اول منافقین اور یہود کا طرز عمل بیان فرمایا جس میں یہ چند اعمال بالخصوص ذکر کئے گئے۔ ہمیشہ جھوٹ اور باطل کی طرف جھکنا اہل حق کے خلاف جاسوسی کرنا بد باطن اور شریر جماعتوں کو مدد پہنچانا۔ ہدایت کی باتوں کو تحریف کر کے بدل ڈالنا۔ اپنی خواہش اور مرضی کے خلاف کسی حق بات کو قبول نہ کرنا۔ جس قوم میں یہ خصال پائی جائیں اس کی مثال ایسے مریض کی سمجھو جو نہ دو استعمال کرے نہ مہلک اور مضر چیزوں سے پرہیز قائم رکھ سکے ابطاء اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے فہمائش کرنے والوں کو گالیاں دے نسخہ پھاڑ کر چھینک دے یا اپنی رائے سے اس کے اجزاء بدل ڈالے اور یہ عہد بھی کر لے کہ جو دو امیری خواہش اور مذاق کے خلاف ہوگی کبھی استعمال نہ کروں گا۔

ان حالات کی موجودگی میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب خواہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو اگر معالجہ سے دست بردار ہو کر یہ ہی ارادہ کر لے کہ ایسے مریض کو اب اس کی بے اعتدالیوں، غلط کاریوں، ضد اور ہٹ کا ثمنا مزہ بھگتنے دو تو کیا یہ طبیب کی بے رحمی یا بے اعتنائی کا ثبوت ہو گا یا خود مریض کی خودکشی سمجھی جائے گی۔ اب اگر مریض اس بیماری سے ہلاک ہو گیا تو طبیب کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ اس نے علاج نہ کیا اور تندرست کرنا نہ چاہا۔ بلکہ بیمار خود ملزم ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے کو تباہ کیا اور طبیب کو موقع نہ دیا کہ وہ اس کی صحت واپس لانے کی کوشش کرتا۔ ٹھیک اسی طرح یہاں یہود کی شرارت، ہوا پرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان فرما کر جو یہ لفظ فرمائے وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ اِلْح (جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا) اور اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ اَنْ يُطَهِّرْ قُلُوْبَهُمْ (یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے) اس کا یہ ہی مطلب ہے کہ خدا نے ان کی سوء استعداد اور بد کاریوں کی وجہ سے اپنی نظر لطف و عنایت ان پر سے اٹھالی۔ جس کے بعد ان کے راہ پر آنے اور پائی قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ آپ ان کے غم میں اپنے کو نہ گھلا میں لقولہ تعالیٰ لَا يَحْزُنُكَ الَّذِيْنَ اِلْح بَاقِي یہ شبہ کہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ ان کی سب شرارتوں اور غلط کاریوں کو جبراً روک دیتا اور مجبور کر دیتا کہ وہ کوئی ضد اور ہٹ کر ہی نہ سکیں۔ تو بیشک میں تسلیم کرتا ہوں کہ خدا کی قدرت کے سامنے یہ چیز کچھ مشکل نہ تھی وَ لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَّ مِنَ الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَبِيْعًا (یونس-۹۹) لیکن اس دنیا کا سارا نظام ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ بندوں کو خیر و شر کے اکتساب میں مجبور محض نہ بنایا جائے۔ اگر صرف خیر کے اختیار پر سب کو مجبور کر دیا جاتا تو تخلیق عالم کی حکمت و مصلحت پوری نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ایسی رہ جاتیں کہ ان کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملتا۔ مثلاً عفو، غفور، حلیم، منتقم، ذوالبطش الشدید، قائم، بالقسط، مالک یوم الدین وغیرہ۔ حالانکہ عالم کے پیدا کرنے سے غرض ہی یہ ہے کہ اس کی تمامی صفات کمالیہ کا مظاہرہ ہو۔ کوئی مذہب یا کوئی انسان جو خدا کو فاعل مختار مانتا ہے انجام کار اس کے سوا کوئی دوسری غرض نہیں بتلا سکا۔ لِيَبْلُوَكُمْ اِيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ملک-۲) اس سے زائد تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں بلکہ اس قدر بھی ہمارے موضوع سے زائد ہی ہے۔

۱۳۷۔ فیصلہ میں انصاف کا حکم: ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ وغیرہ اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کو یہ اختیار ابتداء میں تھا آخر میں جب اسلام کا تسلط اور نفوذ کامل ہو گیا تو ارشاد ہوا وَ اِنْ اَحْكُمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلْنَا اللهُ لِيَعْنِيْ اِنَّ كَافِيْلَهُمْ قَانُوْنَ شَرِيْعَتِ كَ مَوَافِقِ كَر دِيَا كُرُو۔ مطلب یہ کہ اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔

۱۳۸۔ قرآن کریم نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر ظالم اور بد معاش کیوں نہ ہو مگر اس کے حق میں بھی تمہارا دامن عدالت نا انصافی کے چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے۔ یہ ہی وہ خصلت ہے جس کے سہارے زمین و آسمان کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔

۱۳۹۔ یہود تورات پر بھی یقین نہیں رکھتے: یعنی تعجب کی بات ہے کہ آپ ﷺ کو حکم ٹھہراتے ہیں اور جس تورات کو کتاب آسمانی مانتے ہیں اس کے فیصلہ پر بھی راضی نہیں۔ تو حقیقت میں ان کا ایمان کسی پر بھی نہیں۔ نہ قرآن پر نہ تورات پر اگلے رکوع میں تورات و انجیل کی مدح فرما کر متنبہ کیا ہے کہ کیسی عمدہ کتاب اور کیسے علوم ہدایت تھے جن کی ان نالائقوں نے بے قدری کی اور انہیں ایسا ضائع کیا کہ آج اصل چیز کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو گیا۔ آخر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے بالکل آخر میں وہ کتاب بھیجی جو ان سب پہلی کتابوں کے مطالب اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے۔ اور جس کی ابدی حفاظت کا انتظام نازل کرنے والے نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ فله الحمد والمنة۔

۴۳۔ ہم نے نازل کی تورات کی توریث کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے [۴۰] اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم [۴۱]

اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے [۱۳۲] سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور مت خرید و میری آیتوں پر مول تھوڑا [۱۳۳] اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر [۱۳۴]

الرَّبَّنِيُّونَ وَ الْأَحْبَارُ بِمَا اسْتَحْفَظُوا مِنْ كِتَابِ  
اللَّهِ وَ كَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ  
اِخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ وَ مَنْ لَّمْ  
يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۳۳﴾

۳۵۔ اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلا انکے برابر [۱۳۵] پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا [۱۳۶] اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم [۱۳۷]

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ  
الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَ الْأُذُنَ  
بِالْأُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُومَ قِصَاصًا ۗ  
فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۗ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ  
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے بیٹے کو [۱۳۸] تصدیق کرنے والا توریت کی جو آگے سے تھے اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرتی تھی اپنے سے اگلی کتاب توریت کی اور راہ بتلانے والی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو [۱۳۹]

وَ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا  
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۙ وَ آتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ  
فِيهِ هُدًى وَ نُورٌ ۙ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ  
التَّوْرَةِ وَ هُدًى وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ اور چاہئے کہ حکم کریں انجیل والے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان [۱۴۰]

وَ لِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۗ وَ  
مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ  
الْفٰسِقُونَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین پر نگہبان [۱۵۱] سو تو حکم کر ان میں موافق اسکے جو کہ اتارا اللہ نے [۱۵۲] اور انکی خوشی پر مت چل چھوڑ کر سیدھا راستہ جو تیرے پاس آیا [۱۵۳] ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم نے ایک دستور اور راہ [۱۵۴] اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کر دیتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے اپنے دیے ہوئے حکموں میں [۱۵۵] سو تم دوڑ کر لو خوبیاں [۱۵۶] اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتا دے گا جس بات میں تم کو اختلاف تھا [۱۵۷]

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّبًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرَاعَةً وَمِنْهَا جَا<sup>ط</sup> وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکانہ دیں کسی اسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر [۱۵۸] پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچا دے انکو کچھ سزا ان کے گناہوں کی [۱۵۹] اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان [۱۶۰]

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّنَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفُسِقُونَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والے یقین کرنے والوں کے واسطے [۱۶۱]

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ<sup>ط</sup> وَمَنْ أَحْسَنُ مِّنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّلْقَوْمِ يُوتِقُونَ ﴿۵۰﴾

۱۴۰۔ یعنی وصول الی اللہ کے طالبین کے لئے ہدایت کا اور شہادت و مشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کے لئے روشنی کا کام دیتی ہے۔  
۱۴۱۔ تورات نور و ہدایت تھی: یعنی تورات میں ایسا عظیم الشان دستور العمل اور آئین ہدایت تھا کہ کثیر التعداد پیغمبر اور اہل اللہ اور علماء برابر اسی کے موافق حکم دیتے اور نزاعات کے فیصلے کرتے رہے۔

۱۴۲۔ یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ قرآن کریم کی طرح اِنَّآ لَہٗ لَکَٰفِیُوْنَ (الحجر-۹) کا وعدہ نہیں ہوا۔ توجہ تک علماء و احبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا تورات محفوظ و معمول رہی آخر دنیا پرست علمائے سوء کے ہاتھوں سے تحریف ہو کر ضائع ہوئی۔

۱۴۳۔ اللہ کے کلام میں تحریف نہ کرو: یعنی لوگوں کے خوف یا دنیوی طمع کی وجہ سے آسمانی کتاب میں تبدیل و تحریف مت کرو۔ اس کے احکام و اخبار کو مت چھپاؤ اور خدا کی تعذیب و انتقام سے ڈرتے رہو۔ تورات کی عظمت شان اور مقبولیت جتنا لانے کے بعد یہ خطاب یا تو ان رؤساء و علماء یہود کو کیا گیا ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے کیونکہ انہوں نے حکم رجم سے انکار کر دیا تھا اور نبی کریم ﷺ کے متعلق پیشین گوئیوں کو چھپاتے اور ان کے معنی میں عجیب طرح کے ہیر پھیر کرتے تھے۔ اور یادر میان میں امت مسلمہ کو نصیحت ہے کہ تم دوسری قوموں کی طرح کسی سے ڈر کر یا حباب مال و جاہ میں پھنس کر اپنی آسمانی کتاب کو ضائع مت کرنا چنانچہ اس امت نے بجز اللہ ایک حرف بھی اپنی کتاب کا کم نہیں کیا اور آج تک اس کو مبطلین کی تعبیر و تحریف سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

۱۴۴۔ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کے موافق حکم نہ کرنے سے غالباً یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور اس کی جگہ دوسرے احکام اپنی رائے اور خواہش سے تصنیف کر لے۔ جیسا کہ یہود نے حکم رجم کے متعلق کیا تھا۔ تو ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کو عقیدۃً ثابت مان کر پھر فیصلہ عملاً اس کے خلاف کرے تو کافر سے مراد عملی کافر ہو گا۔ یعنی اس کی عملی حالت کافروں جیسی ہے۔

۱۴۵۔ تورات میں قصاص کا حکم: قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا۔ اور بہت سے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ جو پچھلی شرائع قرآن کریم یا ہمارے پیغمبر ﷺ نے نقل فرمائیں بشرطیکہ ان کی نسبت کسی جگہ حضور ﷺ نے کوئی انکار یا ترمیم نہ فرمائی ہو تو وہ اس امت کے حق میں بھی تسلیم کی جائیں گی۔ گویا بدو و ردو انکار کے ان کو سنا تعلق بالقبول کی دلیل ہے۔

۱۴۶۔ یعنی جروح کے قصاص کو معاف کر دینا مجروح کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے اور بعض مفسرین نے اس آیت کو جارح کے حق میں رکھا ہے یعنی اگر مجروح نے جارح کو معافی دے دی تو اس کا گناہ معاف ہو جائے گا و الراجح ہو الاول۔  
۱۴۷۔ حکم قصاص میں یہود کی بے اعتدالی: ”یہود نے حکم قصاص کے خلاف بھی تعامل قائم کر لیا تھا۔ ان میں ”بنی نضیر“ جو زیادہ معزز اور قوی سمجھے جاتے تھے بنو قریظہ سے پوری دیت وصول کرتے اور جب ان کو دینے کی نوبت آتی تو نصف دیت ادا کرتے بنی قریظہ نے اپنی کمزوری کی وجہ سے اس طرح کا معاہدہ کر رکھا تھا اتفاقاً بنی قریظہ کے ہاتھ سے بنی نضیر کا آدمی مارا گیا۔ انہوں نے دستور سابق کے موافق ان سے پوری دیت طلب کی بنی قریظہ نے جواب دیا کہ جاؤ وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت سے مجبور ہو کر یہ ظلم منظور کر لیا تھا۔ اب محمد ﷺ مدینہ میں آچکے ہیں ان کا دور دورہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم جو دیت تم سے لیتے ہیں اس سے دگنی ادا کریں۔ اس سے غرض یہ تھی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں محال ہے کہ کوئی قوی ضعیف کو کچل سکے یا دبا سکے۔ کیونکہ سب کو یقین تھا کہ آپ ﷺ ہر ضعیف و قوی کے ساتھ یکساں انصاف کرتے ہیں اور اقیاء کے مظالم کے مقابلہ میں ضعیف کی دستگیری فرماتے ہیں۔ انجام کار یہ معاملہ حضور ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا اور بنی قریظہ نے جو خیال اس پیکر عدل و انصاف کی نسبت ظاہر کیا تھا بلا کم و کاست صحیح نکلا۔ حکم قصاص کے بعد وَ مَن لَّمْ یَحْکَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ فرمانے سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ رجم کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صریحاً انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپس کی مفاہمت

سے خلاف حکم شرعی ایک دستور قائم کر لیا تھا تو قانون عدل کی یہ اعتقادی نہیں صرف عملی مخالفت ہوئی۔ اسی لئے یہاں کافروں کی جگہ ظالموں فرمایا۔ یعنی یہ ظلم صریح ہے کہ قوی سے کم اور ضعیف سے زیادہ دیت لی جائے۔

۱۴۸۔ یعنی ان کے نقش قدم پر یہ بھی چلتے تھے۔

۱۴۹۔ انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کی تصدیق کرتے تھے: یعنی حضرت عیسیٰ خود اپنی زبان سے تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب (انجیل) ان کو دی گئی تھی وہ بھی تورات کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل کی نوعیت بھی نور و ہدایت ہونے میں تورات کی طرح تھی۔ احکام و شرائع کے اعتبار سے دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا وَلَاحِلٌ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران - ۵۰) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ فرق تورات کی تصدیق کے منافی نہیں جیسے آج ہم قرآن کو ماننے اور صرف اسی کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود بجز اللہ تمام کتب سماویہ کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

۱۵۰۔ اہل انجیل سے خطاب: یا تو عیسائی جو نزول انجیل کے وقت موجود تھے انکو یہ حکم دیا گیا تھا اسی کو یہاں نقل فرما رہے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت جو عیسائی مخاطب تھے ان سے کہا گیا ہو کہ جو کچھ انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس کے موافق ٹھیک ٹھیک حکم کریں۔ یعنی ان پیشین گوئیوں کو چھپانے یا لغو اور مہمل تاویلات سے بدلنے کو کوشش نہ کریں جو انجیل میں پیغمبر آخر الزماں اور مقدس فارقلیط کی نسبت حضرت مسیح کی زبانی کی گئی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی سخت نافرمانی ہوگی کہ جس ہادی جلیل اور مصلح عظیم کے متعلق حضرت مسیحؑ یہ فرمائیں کہ جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں سچائی کی ساری راہیں بتائے گی۔ اسی کی تکذیب پر کمر بستہ ہو کر اپنے لئے ابدی خسران قبول کرو۔ کیا مقدس مسیحؑ اور اس کے پروردگار کی فرمانبرداری کے یہ ہی معنی ہیں۔

۱۵۱۔ قرآن مہینے، مہینے کی تشریح: مہینے کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ امین، غالب، حاکم، محافظ و نگہبان اور ہر معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کا کتب سابقہ کے لئے مہینے ہونا صحیح ہے۔ خدا کی جو امانت تورات و انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں ودیعت کی گئی تھی وہ مع شے زاید قرآن میں محفوظ ہے۔ جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی۔ اور جو بعض فرعی چیزیں ان کتابوں میں اس زمانہ یا ان مخصوص مخاطبین کے حسب حال تھیں ان کو قرآن نے منسوخ کر دیا اور جو حقائق نا تمام تھیں۔ ان کی پوری تکمیل فرمادی ہے اور جو حصہ اس وقت کے اعتبار سے غیر مہم تھا اسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

۱۵۲۔ یہودیوں کے نزاعات میں رسول اللہ کا فیصلہ: یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گئی تھی۔ ایک فریق جس میں ان کے بڑے بڑے مشہور علماء اور مقتدا شامل تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور فصل نزاع کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود ہمارے اختیار و اقتدار میں ہے۔ اگر آپ ﷺ فیصلہ ہمارے موافق کر دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے اسلام لانے سے جمہور یہود اسلام قبول کر لیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اور ان کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار فرمادیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر)

۱۵۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عصمت اور عصمت انبیاء: گذشتہ فائدہ میں ان آیات کی جو شان نزول ہم لکھ چکے ہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ آیت کا نزول بعد اس کے ہوا کہ آپ ﷺ ان کی خوشی اور خواہش پر چلنے سے انکار فرما چکے تھے۔ تو یہ آیات آپ ﷺ کی استقامت کی تصویب اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کے لئے نازل ہوئیں۔ جو لوگ اس قوم کی آیات کو نبی ﷺ کی شان عصمت کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ نہایت ہی قاصر الفہم ہیں۔ اول تو کسی چیز سے منع کرنا اس کی دلیل نہیں کہ جس کو منع کیا جا رہا ہے وہ اس ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معصومیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی معصیت ان

سے صادر نہیں ہو سکتی یعنی کسی کام کو یہ سمجھتے ہوئے کہ خدا کو ناپسند ہے ہرگز اختیار نہیں کر سکتے۔ اور اگر اتفاقاً کسی وقت بھول چوک یارائے و اجتہاد کی غلطی سے راجح و افضل کی جگہ مرجوح و مفضول کو اختیار کر لیں یا غیر مرضی کو سمجھ کر عمل کر گزریں جس کو اصطلاح میں زلہ کہتے ہیں تو اس طرح کے واقعات مسئلہ، عصمت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ حضرت آدمؑ اور بعض دیگر انبیاءؑ کے واقعات شاہد ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ اور وَاحْذَرُهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ اور اسی طرح کی دوسری آیات کا مطلب سمجھنے میں کوئی خلجان نہیں رہتا۔ کیونکہ ان میں صرف اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ ان ملعونوں کی تلمیح اور سخن سازی سے قطعاً متاثر نہ ہوں اور کوئی ایسی رائے قائم نہ فرمائیں جس میں بلا قصد ان کی خواہشات کے اتباع کی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً اسی قصہ میں جو ان آیات کی شان نزول ہے یہود نے کیسی عیارانہ اور پرفریب صورت حضور ﷺ کے سامنے پیش کی تھی کہ اگر آپ ﷺ ان کے حسب منشاء فیصلہ کر دیں تو سب یہود مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز آپ ﷺ کے نزدیک محبوب اور عزیز نہیں۔ ایسے موقع پر امکان تھا کہ بڑے سے بڑا مستقیم انسان بھی یہ رائے قائم کر لے کہ ان کی ایک چھوٹی سے خواہش کے قبول کر لینے میں جب کہ اتنی عظیم الشان دینی منفعت کی توقع ہو کیا مضائقہ ہے۔ اس طرح کے خطرناک اور مزلہ الاقدام موقع پر قرآن کریم پیغمبر ﷺ کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو بھول کر بھی کوئی ایسی رائے قائم نہ کر لیجیے جو آپ ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہ ہو۔ حضور ﷺ کا کمال تقویٰ اور انتہائی فہم و تدبر تو نزول آیت سے پہلے ہی ان ملائین کے مکرو فریب کو رد کر چکا تھا۔ لیکن فرض کر لیجئے اگر ایسا نہ ہو چکا ہوتا تب بھی آیت کا مضمون جیسا کہ ہم تقریر کر چکے ہیں حضور ﷺ کی شان عصمت کے اصلاً مخالف نہیں۔

۱۵۴۔ شریعتوں کے اختلاف کی حقیقت: یعنی خدا نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اس کے احوال و استعداد کے مناسب جدا گانہ رکھا ہے اور باوجودیکہ تمام انبیاء اور ملل سماویہ اصول دین اور مقاصد کلیہ میں جن پر نجات ابدی کا مدار ہے باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدق رہے ہیں۔ پھر بھی جزئیات و فروع کے لحاظ سے ہر امت کو ان کے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص احکام و ہدایات دی گئیں۔ اس آیت میں اس فرعی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو سب انبیاء کو علانی بھائی فرمایا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں اس کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ اصول سب کے ایک ہیں اور فروع میں اختلاف ہے اور چونکہ بچہ کو تولید میں باپ فاعل و مفیض اور ماں قابل اور محل افاضہ بنتی ہے اس سے نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت و استعداد پر مبنی ہے ورنہ مبداء فیاض میں کوئی اختلاف و تعدد نہیں۔ سب شرائع و ادیان سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اور اس کا علم ازلی ہے۔

۱۵۵۔ یعنی کون تم میں سے خدا کی مالکیت مطلقہ، علم محیط اور حکمت بالغہ پر یقین کر کے ہر نئے حکم کو حق و صواب سمجھ کر بطوع و رغبت قبول کرتا ہے اور ایک وفادار غلام کی طرح ہر جدید حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔

۱۵۶۔ یعنی شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر خواہ مخواہ کی قیل و قال اور کج بحثیوں میں پڑ کر وقت نہ گنواؤ۔ وصول الی اللہ کا ارادہ کرنے والوں کو عملی زندگی میں اپنی دوڑ دھوپ رکھنی چاہئے اور جو عقائد، اخلاق اور اعمال کی خوبیاں شریعت سماویہ پیش کر رہی ہے ان کے لینے میں چستی دکھلانی چاہئے۔

۱۵۷۔ تو انجام کا خیال کر کے حسنات و خیرات کی تحصیل میں مستعدی دکھاؤ۔ اختلافات کی سب حقیقت وہاں جا کر کھل جائے گی۔

۱۵۸۔ یعنی آپس کے اختلافات میں خواہ دنیا کیسی ہی دست و گریباں رہے آپ ﷺ کو یہ ہی حکم ہے کہ ما انزل اللہ کے موافق حکم دیتے رہیں اور کسی کے کہنے سننے کی کوئی پروا نہ کریں۔

۱۵۹۔ گناہوں کی کچھ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے: پوری سزا تو قیامت میں ملے گی لیکن کچھ تھوڑی سی سزا دے کر یہاں بھی مجرم کو یاد دوسرے دیکھنے والوں کو ایک گونہ تنبیہ کر دی جاتی ہے۔



۱۶۰۔ یعنی آپ ﷺ ان لوگوں کے اعراض و انحراف سے زیادہ ملول نہ ہوں۔ دنیا میں فرمانبردار بندے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں و مَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ (یوسف-۱۰۳)

۱۶۱۔ یعنی جو لوگ خدا کی شہنشاہیت رحمت کاملہ اور علم محیط پر یقین کامل رکھتے ہیں ان کے نزدیک دنیا میں کسی کا حکم خدا کے حکم کے سامنے لائق التفات نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا یہ لوگ احکام الہیہ کی روشنی آجانے کے بعد ظنون و اہواء اور کفر و جاہلیت کے اندھیرے ہی کی طرف جانا پسند کرتے ہیں۔

۵۱۔ اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست [۱۶۲] وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے [۱۶۳] اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں ہے [۱۶۴] اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو [۱۶۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾

۵۲۔ اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے دوڑ کر ملتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی [۱۶۶] سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرماوے فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے [۱۶۷]

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۗ فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنفُسِهِمْ نَدِمِينَ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں برباد گئے ان کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں

بِاللَّهِ جَهَدَ آيَاتِهِمْ ۗ إِنَّهُمْ لَبَعَكُمْ ۗ حَبِطَتْ

أَعْمَالُهُمْ فَاصْبَحُوا خَسِرِينَ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ اے ایمان والو جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ انکو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۗ أَذَلَّةٌ

زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے [۱۶۸] یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار [۱۶۹]

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكُفْرَانِ  
يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ  
لَا أَيْمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ  
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۳﴾

۵۵۔ تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں [۱۷۰]

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ  
يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رُكْعُونَ ﴿۵۵﴾

۵۶۔ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے [۱۷۱]

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ  
حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۶﴾

۵۷۔ اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جو کتاب دیے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو [۱۷۲] اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے [۱۷۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا  
دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ  
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾

۵۸۔ اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں [۱۷۴]

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هُزُؤًا وَلَعِبًا  
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۵۸﴾

۱۶۲۔ اہل کتاب سے موالات کی ممانعت: اولیاء ولی کی جمع ہے ولی دوست کو بھی کہتے ہیں قریب کو بھی ناصر اور مددگار کو بھی غرض یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ بلکہ تمام کفار سے جیسا کہ سورہ نساء میں تصریح کی گئی ہے مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ موالات مروت و حسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل و انصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر

سے صلح اور عہد و پیمانہ مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (انفال-۶۱) عدل و انصاف کا حکم جیسا کہ گذشتہ آیات سے معلوم ہو چکا مسلم و کافر ہر فرد بشر کے حق میں ہے۔ مروت اور حسن سلوک یا رواداری کا برتاؤ ان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ جیسا کہ سورہ ممتحنہ میں تصریح ہے۔ باقی موالات یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت و معاونت تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات جو آلا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقْمَةً (آل عمران-۲۸) کے تحت میں داخل ہو اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی برا اثر نہ پڑے اس کی اجازت ہے۔ بعض خلفائے راشدین سے اس بارہ میں جو غیر معمولی تشدید و تہذیب منقول ہے اس کو محض سد ذرائع اور مزدی احتیاط پر مبنی سمجھنا چاہئے۔

۱۶۳۔ کفار تمام ایک دوسرے کے دوست ہیں: یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض و عداوت کے باوجود باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں یہودی یہودی کا، نصرانی نصرانی کا دوست بن سکتا ہے اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں۔ الکفر ملۃ واحده۔

۱۶۴۔ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کا کفر: یعنی ان ہی کے زمرہ میں شامل ہے یہ آیتیں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے باب میں نازل ہوئی تھیں۔ یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا اس کا گمان تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی اور پیغمبر ﷺ کی جماعت مغلوب ہو گئی تو یہود سے ہماری یہ دوستی کام آئے گی۔ اسی واقعہ کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تو فی الحقیقت یہود کے ساتھ منافقین کی موالات کا اصلی منشا یہ تھا کہ یہود جماعت اسلام کے مد مقابل اور مذہب اسلام کے بدترین دشمن تھے ظاہر ہے کہ جو شخص یہود و نصاریٰ یا کسی جماعت کفار کے ساتھ اس نیت اور حیثیت سے موالات کرے کہ وہ دشمن اسلام ہے۔ اس کے کفر میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ منافقین میں کچھ لوگ اور بھی تھے جنہوں نے جنگ احد میں لڑائی کا پانسہ بدلا ہوا دیکھ کر کہنا شروع کیا تھا کہ ہم تو اب فلاں یہودی یا فلاں نصرانی سے دوستانہ گانٹھیں گے اور ضرورت پیش آنے پر ان ہی کا مذہب اختیار کر لیں گے اس قماش کے لوگوں کی نسبت بھی وَ مَن يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ کا ظاہری مدلول علانیہ صادق ہے۔ رہے وہ مسلمان جو اس قسم کی نیت اور منشا سے خالی ہو کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں چونکہ ان کی نسبت بھی قوی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کفار کی حد سے زیادہ ہم نشینی اور اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ ان ہی کا مذہب اختیار کر لیں۔ یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے کارہ اور نفور نہ رہیں۔ اس اعتبار سے فائدہ منہم کا اطلاق ان کے حق میں بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث المرأ مع من احب نے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۱۶۵۔ یعنی جو لوگ کہ دشمنان اسلام سے موالات کر کے خود اپنی جان پر اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جماعت اسلام کے مغلوب و مقہور ہونے کا انتظار کر رہے ہیں ایسی بد بخت معاند اور دغا باز قوم کی نسبت یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کبھی راہ ہدایت پر آئے گی۔

۱۶۶۔ منافقین اور یہود کے تعلقات: یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں اسی لئے دوڑ دوڑ کر کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح سے متمتع ہو سکیں۔ اور ان کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں ان سے محفوظ رہیں۔ نَحْشِي أَنْ نُصِيبَنَّآ دَابِرَةً کے یہ ہی معنی ان کے دلوں میں مکنون تھے۔ لیکن یہ ہی الفاظ نَحْشِي أَنْ نُصِيبَنَّآ دَابِرَةً جب پیغمبر ﷺ اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض و دام لے لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے۔ ان ہی خیالات کا جواب آگے دیا گیا ہے۔

۱۶۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کی پیشگوئی: یعنی وہ وقت نزدیک ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے اور مکہ معظمہ میں بھی جو تمام عرب کا مسلمہ مرکز تھا حضور ﷺ کو فاتحانہ داخل کرے یا اس کے ماسوا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور امور برروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو اور انہیں منکشف ہو جائے کہ دشمنان اسلام کی موالات کا نتیجہ دنیوی ذلت اور رسوائی اور اخروی عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ جب فضیحت و خسران کے یہ نتائج سامنے آجائیں گے اس وقت ہجر پچھتانے اور کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ الا ان قد ندمت وما ینفخ الندم چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام کے عام غلبہ اور فتح مکہ وغیرہ کو دیکھ کر تمام اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہو گئے۔ بہت سے یہود مارے گئے۔ بہت سے جلاوطن ہوئے۔ منافقین کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا مسلمانوں کے سامنے صریح طور پر جھوٹے ثابت ہوئے موالات یہود میں جو کوششیں کی تھیں وہ اکارت گئیں اور خسران دنیوی اور ہلاکت ابدی کا طوق لگے میں پڑا۔ اگلی آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

۱۶۸۔ اسلام کی بقا اور حفاظت کی پیشگوئی: اس آیت میں اسلام کی ابدی بقا اور حفاظت کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی کی گئی ہے۔ پچھلی آیات میں کفار کی موالات سے منع کیا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی شخص یا قوم موالات کفار کی بدولت صریحاً اسلام سے پھر جائے جیسا کہ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنكُمْ فَإِنَّهُ مِنَّهُمْ میں تنبیہ کی گئی ہے قرآن کریم نے نہایت قوت اور صفائی سے آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگ اسلام سے پھر کر کچھ اپنا ہی نقصان کریں گے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے حق تعالیٰ مرتدین کے بدلے میں یا ان کے مقابلہ پر ایسی قوم لے آئے گا جن کو خدا کا عشق ہو اور خدا ان سے محبت کرے وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہوں گے۔ یہ پیشین گوئی بحول اللہ و قوتہ ہر قرن میں پوری ہوتی رہی۔ ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے دور میں پھیلا۔ کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی جرأت اور اعلیٰ تدبیر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدمات اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور سارے عرب کو متحد کر کے از سر نو اخلاص و ایمان کے راستہ پر گامزن کر دیا۔ آج بھی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب کبھی چند جاہل اور طامع افراد اسلام کے حلقہ سے نکلنے لگتے ہیں تو ان سے زیادہ اور ان سے بہتر تعلیم یافتہ اور محقق غیر مسلموں کو اسلام فطری کشش سے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے خدا ایسے وفادار اور جان نثار مسلمانوں کو کھڑا کرتا ہے جنہیں خدا کے راستہ میں کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پروا نہیں ہوتی۔

۱۶۹۔ انسان پر بڑی سعادت اور اس پر خدا کا بڑا فضل یہ ہے کہ وہ فتنہ کے وقت خود جاہد حق پر ثابت قدم رہ کر دوسروں کو ہلاکت سے بچانے کی فکر کرے۔ خدا جن بندوں کو چاہے اس سعادت کبریٰ اور فضل عظیم سے حصہ وافر عطا فرماتا ہے۔ اس کا فضل غیر محدود ہے اور وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون سا بندہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔

۱۷۰۔ مسلمانوں کے اصلی دوست: پچھلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی موالات اور رفاقت سے مسلمانوں کو منع کیا گیا تھا جس کو سننے کے بعد طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کے تعلقات محبت و داد اور معاملات رفاقت کن سے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں بتلادیا گیا کہ ان کا رفیق اصلی خدا اور پیغمبر ﷺ اور مخلص مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

۱۷۱۔ کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد کو دیکھتے ہوئے ممکن تھا کہ کوئی ضعیف القلب اور ظاہر بین مسلمان اس تردد میں پڑ جاتا کہ تمام دنیا سے موالات منقطع کرنے اور چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کر لینے کے بعد غالب ہونا تو درکنار کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقا کی حفاظت بھی دشوار ہے ایسے لوگوں کی تسلی کے لئے فرمادیا کہ مسلمانوں کی قلت اور ظاہری بے سروسامانی پر نظر مت کرو۔ جس طرف خدا اور اس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہوں گے وہ ہی پلہ بھاری رہے گا۔ یہ آیتیں خصوصیت سے حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی منقبت میں نازل

ہوئی ہیں۔ یہود بنی قینقاع سے ان کے بہت زیادہ دوستانہ تعلقات تھے۔ مگر خدا اور رسول کی موالات اور مومنین کی رفاقت کے سامنے انہوں نے اپنے سب تعلقات منقطع کر دیے۔

۱۷۲۔ کفار سے مراد یہاں مشرکین ہیں۔ جیسا کہ عطف سے ظاہر ہے۔

۱۷۳۔ کفار سے ترک موالات کی وجہ: گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالات کفار سے منع فرمایا تھا۔ اس آیت میں ایک خاص موثر عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہو سکتی۔ لہذا اسے بتایا گیا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن و استہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ کفار کی ان احقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فرد مسلم جس کے دل میں خشمیہ الہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستانہ راہ و رسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کے لئے گوارا کرے گا۔ اگر ان کے کفر و عناد اور عداوت اسلام سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو دین قیم کے ساتھ ان کا یہ تمسخر و استہزاء ہی علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے۔

۱۷۴۔ اذان کے ساتھ استہزاء: ”یعنی جب اذان کہتے ہو تو اس سے جلتے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہیں جو ان کی کمال حماقت اور بے عقلی کی دلیل ہے۔ کلمات اذان میں خداوند قدوس کی عظمت و کبریٰ کا اظہار، توحید کا اعلان، نبی کریم ﷺ جو تمام انبیاء سابقین اور کتب سماویہ کے مصدق ہیں ان کی رسالت کا اقرار، نماز جو تمام اوضاع عبودیت کو جامع اور غایت درجہ کی بندگی پر دال ہے اس کی طرف دعوت، فلاح دارین اور اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے لئے بلاوا ان چیزوں کے سوا اور کیا ہوتا ہے پھر ان میں کون سی چیز ہے جو ہنسی اڑانے کے قابل ہو۔ ایسی نیکی اور حق و صداقت کی آواز پر مسخر اپن کرنا اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کا دماغ عقل سے یکسر خالی ہو اور جسے نیک و بد کی قطعاً تمیز باقی نہ رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی جب اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ سنتا تو کہتا ”قد حرق الکاذب“ (جھوٹا جل گیا یا جل جائے) اس کی نیت تو ان الفاظ سے جو کچھ ہو مگر یہ بات بالکل اس کے حسب حال تھی کیونکہ وہ خبیث جھوٹا تھا اور اسلام کا عروج و شیوع دیکھ کر آتش حسد میں جل جاتا تھا اتفاقاً ایک شب میں کوئی چھو کری آگ لے کر اس کے گھر میں آئی وہ اور اس کے اہل و عیال سو رہے تھے ذرا سی چنگاری نادانستہ اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ جس سے سارا گھر مع سونے والوں کے جل گیا۔ او اس طرح خدا نے دکھلادیا کہ جھوٹے لوگ دوزخ کی آگ سے پہلے ہی دنیا کی آگ میں کس طرح جل جاتے ہیں۔ اذان کے ساتھ استہزاء کرنے کا ایک اور واقعہ صحیح روایات میں منقول ہے وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ میں حضرت بلالؓ نے اذان کہی، چند نو عمر لڑکے جن میں ابو محذورہ بھی تھے۔ اذان کی ہنسی اور نقل کرنے لگے آپ ﷺ نے سب کو پکڑ کر بلوایا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ابو محذورہ کے دل میں خدا نے اسلام ڈال دیا اور حضور ﷺ نے ان کو مکہ کا موذن مقرر فرما دیا۔ اس طرح خدا کی قدرت نقل سے اصل بن گئی۔

۵۹۔ تو کہہ اے کتاب والو کیا ضد ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں [۱۷۵]

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِبُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمَّا  
بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَ

أَنْ أَكْثَرُكُمْ فَسِقُونَ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں کس کی بری جزا ہے اللہ کے ہاں وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سور اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بیکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے [۱۴۶]

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ ذَلِكُمْ مَثُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ  
مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ  
الْقِرَادَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۗ أُولَٰئِكَ شَرٌّ

مَكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور حالت یہ ہے کہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائے ہوئے تھے [۱۴۷]

قَدْ خَرَّ جُوبَاهُ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾

۱۴۶۔ یہودی مغضوب اور ملعون ہیں: یعنی اگر ایمان باللہ پر مستقیم ہونا اور ہر اس چیز کی جو خدا کی طرف سے کسی زمانہ میں نازل ہو سچے دل سے تصدیق کرنا ہی تمہارے زعم میں مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی برائی ہے اور اسی وجہ سے تم ان کو مور و طعن و بلام بناتے ہو۔ تو آؤ میں تم کو ایک ایسی قوم کا پتہ بتلاؤں جو اپنی شرارت اور گندگی کی وجہ سے بدترین خلایق ہے۔ جن پر خدا کی لعنت اور غضب کا اثر آج بھی نمایاں طور پر آشکارا ہے۔ جس کے بہت سے افراد اپنی مکاری اور بے حیائی اور حرص دنیا کی سزائیں بندر اور سور بنائے چاچکے ہیں اور جس نے خدا کی بندگی سے نکل کر شیطان کی غلامی اختیار کر لی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ بدترین خلایق اور گم کردہ راہ قوم ہی اصلی معنی میں تمہارے طعن و استہزاء کی مستحق ہو سکتی ہے اور وہ خود تم ہی ہو۔

۱۴۷۔ یہود و نصاریٰ کی سیاہ کاریاں: یہاں ان ہی استہزاء کرنے والوں کے بعض مخصوص افراد کا بیان ہے جو غائبانہ تو مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے لیکن جب نبی کریم ﷺ یا مخلص مسلمانوں سے ملتے تو ازراہ نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے حالانکہ شروع سے آخر تک ایک منٹ کے لئے بھی انہیں اسلام سے تعلق نہیں ہوا نہ پیغمبر ﷺ کے ربانی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر انہوں نے قبول کیا۔ کیا محض لفظ ایمان و اسلام زبان سے بول کر وہ خدا کو معاذ اللہ دھوکہ دے سکتے ہیں۔ اگر اس "عالم الغیب والشہادۃ" کی نسبت جو ہر قسم کے ضماؤں و سراؤں پر مطلع ہے ان کا گمان یہ ہو کہ محض لفظی ایمان سے اسے خوش کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر کون سی حرکت قابل استہزاء و تمسخر ہو سکتی ہے۔ گویا اس آیت سے یہود و نصاریٰ کے ان مضحکہ انگیز افعال و حرکات کا بیان شروع ہوا۔ جن پر متنبہ کیے جانے کے بعد مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے بجائے انہیں خود اپنا استہزاء کرنا چاہئے۔ اگلی آیات میں بھی اسی مضمون کی تہمتیں و تکمیل ہے۔

۶۲۔ اور تو دیکھے گا بہتوں کو ان میں سے کہ دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم اور حرام کھانے پر بہت برے کام ہیں جو کر رہے ہیں [۱۴۸]

وَ تَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَ  
الْعُدْوَانِ وَ أَكْلِهِمُ السُّحْتِ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا

يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ کیوں نہیں منع کرتے انکے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو کر رہے ہیں [۱۷۹]

لَوْ لَا يَنْهَاهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَ الْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ  
الْإِثْمَ وَ أَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا

يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾

۱۷۸۔ غالباً ”اثم“ سے لازمی اور ”عدوان“ سے متعدی گناہ مراد ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بہت شوق اور رغبت سے ہر قسم کے گناہوں کی طرف جھپٹے ہیں۔ خواہ ان کا اثر اپنی ذات تک محدود ہو یا دوسروں تک پہنچے۔ جن کی اخلاقی حالت ایسی زبوں ہو اور حرام خوری ان کا شیوہ ٹھہر گیا ہو، ان کی برائی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ تو ان کے عوام کا حال تھا۔ آگے خواص کا بیان کیا گیا ہے۔

۱۷۹۔ یہودی علماء کو سرزنش: ”جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے تو اس کے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہو جاتے ہیں اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا حال یہ ہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات و شہوات میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کے قوانین اور احکام کو بھلا بیٹھے۔ اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انہوں نے ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ کا فریضہ ترک کر دیا۔ کیونکہ دنیا کی حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے۔ مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ اسی سکوت اور مدابہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔ اسی لئے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص میں بہت ہی سخت تاکید و تہدید کی گئی ہے کہ کسی وقت اور کسی شخص کے مقابلہ میں اس ”فرض امر بالمعروف“ کے ادا کرنے سے تغافل نہ برتیں۔

۶۳۔ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا [۱۸۰] انہی کے ہاتھ بند ہو جاویں [۱۸۱] اور لعنت ہے انکو اس کہنے پر بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں [۱۸۲] خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے [۱۸۳] اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور انکار [۱۸۴] اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر قیامت کے دن تک [۱۸۵] جب کبھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لئے اللہ اس کو بچھا دیتا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے ہوئے اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو [۱۸۶]

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ ۗ غَلَتْ أَيْدِيهِمْ

وَلَعِنُوا بِمَا قَالُوا ۗ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ۖ يُنفِقُ

كَيْفَ يَشَاءُ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ

إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۗ وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ

الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ كُلَّمَا

أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۗ وَيَسْعُونَ فِي

الْأَرْضِ فَسَادًا ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

۶۵۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے نعمت کے باغوں میں [۱۸۷]

۶۶۔ اور اگر وہ قائم رکھتے تو ریت اور انجیل کو اور اس کو جو کہ نازل ہوا ان پر ان کے رب کی طرف سے [۱۸۸] تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے [۱۸۹] کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھی راہ پر [۱۹۰] اور بہت سے ان میں برے کام کر رہے ہیں

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ

سَيِّئَاتِهِمْ وَلَادْخُلْنَهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿١٨٧﴾

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ

إِلَيْهِمْ مِّنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ

أَرْجُلِهِمْ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ

سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾

۶۷۔ اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو [۱۹۱]

يَأْتِيهَا الرُّسُولُ بَدْعٌ مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ط

وَ إِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط وَاللَّهُ

يَعَصِبُكَ مِنَ النَّاسِ ط إِنْ اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨٩﴾

۱۸۰۔ حق تعالیٰ کی شان میں یہودیوں کی گستاخیاں: ”نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت اہل کتاب کے قلوب انکی شرارت، کفر و طغیان، بدکاری، حراخوری وغیرہ کی ممارست سے اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ بارگاہ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی ان کو کچھ باک نہ ہوتا تھا خداوند قدوس کا رتبہ انکے یہاں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زیادہ نہ رہا تھا۔ حق تعالیٰ کی جناب میں بے تکلف ایسے واہی تباہی کلمات بک دیتے تھے جنہیں سکر انسان کے روٹھے کھڑے ہو جائیں۔ کبھی کہتے ”ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء“ کبھی یہ الفاظ منہ سے نکالتے ”ید اللہ مغلولہ“ (خدا اکا ہاتھ بند ہو گیا) اس سے مراد یا تو وہ ہی ہو گی جو ”ان اللہ فقیر“ سے تھی کہ خدا معاذ اللہ تنگ دست ہو گیا۔ اس کے خزانہ میں کچھ رہا نہیں اور یا ”غل ید“ مننا یہ بخل و امساک سے ہو یعنی تنگ دست تو نہیں مگر آج کل بخل کرنے لگا ہے (العیاذ باللہ) بہر حال کوئی معنی لو اس کلمہ کفر کا منشاء یہ تھا کہ جب ترمذ و طغیان کی پاداش میں حق تعالیٰ نے ان ملائین پر ذلت و کتبت، ضیق عیش، بد حالی اور تنگ میدانی مسلط فرمادی تو بجائے اس کے کہ اپنی سیہ کاریوں اور شرارتوں پر متنبہ اور نادم ہوتے الٹے حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگے۔ شاید یہ خیال ہوا ہو گا کہ ہم تو پیغمبروں کی اولاد بلکہ خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے تھے۔ پھر یہ کیا معاملہ ہونے لگا کہ آج بنی اسمعیل تو دنیا میں پھیلنے جا رہے ہیں۔ زمینی فتوحات اور آسمانی برکات ان پر کشادہ کر دی گئی ہیں اور ہم بنی اسرائیل کہ خدا صرف ہمارا اور ہم اس کے تھے۔ اس طرح ذلیل و مغلوب اور تنگ حال ہو کر در بدر



بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ہم تو وہی اسرائیل کی اولاد اور "ابناء اللہ و احبابہ" آج بھی ہیں جو پہلے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس خدا کی ہم اولاد اور محبوب تھے (معاذ اللہ) اس کے خزانے میں کمی آگئی یا آج کل بخل و امساک نے اس کا ہاتھ بند کر دیا ہے۔ احمق اتنا تو نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کے خزانے تو لامحدود اور اس کے کمالات غیر متبدل اور غیر متناہی ہیں۔ اگر معاذ اللہ اس کے خزانہ میں کچھ نہ رہتا یا مخلوق کی تربیت و اعانت سے وہ ہاتھ کھینچ لیتا تو دنیا کا نظام کس طرح قائم رہ سکتا تھا اور جو روز افزوں عروج و فروغ پیغمبر ﷺ اور ان کے رفقا کا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ یہ کس کے خزانہ اور دست کرم کا رہن منت ہوتا۔ لہذا تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا ہاتھ بند نہیں ہو البتہ گستاخیوں اور شرارتوں کی نحوست سے خدا کی جو لعنت اور پھٹکار تم پر پڑی ہے اس نے تمہارے حق میں خدا کی زمین باوجود وسعت کے تنگ کر دی ہے اور آئندہ اور زیادہ تنگ ہونے والی ہے۔ اپنی تنگ حالی کو خدا کی تنگ دستی سے منسوب کرنا تمہاری انتہائی سفاہت ہے۔"

۱۸۱۔ یہ دعا کے رنگ میں پیشین گوئی یا ان کی حالت واقعی کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ واقع میں بخل و جبن نے ان کے ہاتھ بالکل بند کر دیے تھے۔  
۱۸۲۔ حق تعالیٰ کے اعضائے جسمانی کی نسبت: حق تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ پاؤں، آنکھ وغیرہ نعوت ذکر کی گئی ہیں ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضائے جسمانی رکھتا ہے۔ بس جس طرح خدا کی ذات اور وجود، حیات، علم وغیرہ تمامی صفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا بیان نہیں ہو سکتی۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم      وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

منزل تمام گشت و پیاپیاں رسید عمر      ماہمچناں در اول و صف تو مانده ایم

اسی طرح ان نعوت و صفات کو خیال کرو۔ خلاصہ یہ کہ جیسے خدا کی ذات بے چون و بیچگون ہے۔ اس کے سمع، بصر، ید وغیرہ نعوت و صفات کے معانی بھی اس کی ذات اور شان اقدس کے لائق اور ہمارے کیف و کم اور تعبیر و بیان کے احاطہ سے بالکل وراء الوراء ہیں لیس گیشلہ شیء و ہُو السَّیِّعُ الْبَصِیْرُ (شوریٰ-۱۱) حضرت شاہ عبد القادر نے ان آیات پر جو فائدہ لکھا ہے اس میں دو ہاتھوں سے مراد "مہر" کا اور "قہر" کا ہاتھ لیا ہے۔ یعنی آج کل خدا کی مہر کا ہاتھ "امت محمدیہ" پر اور قہر کا بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیتوں میں اشارہ فرمایا۔

۱۸۳۔ یعنی اس کو وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس وقت کس پر کس قدر خرچ کیا جائے۔ کبھی ایک وفادار کو امتحان یا اصلاح حال کی غرض سے تنگی اور عسرت میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اس کی وفاداری کے صلہ میں نعمائے آخرت سے پہلے دنیوی برکات کے دروازے بھی کھول دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل ایک مجرم متمرّد پر کبھی آخرت کی سزا سے پہلے تنگ حالی، ضیق عیش اور مصائب و آفات دنیوی کی سزا بھیجتا ہے۔ اور کسی وقت دنیوی ساز و سامان کو فراغ کر کے مزید مہلت دیتا ہے کہ یا خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر اپنے فسق و فجور پر کچھ شرمائے اور یا اپنی شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر کے انتہائی سزا کا مستحق ہو ان مختلف احوال و اغراض اور متنوع حکمتوں کی موجودگی میں کسی شخص کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ خدا کی اطلاع یا قرآن و احوال خارجیہ کی بناء پر کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح ایک چور کا ہاتھ کاٹا جائے، یا ڈاکٹر کسی مریض کا ہاتھ کاٹے، دونوں کی نسبت ہم احوال خارجہ اور قرآن سے سمجھ لیتے ہیں کہ ایک بطور سزا اور دوسرا ازراہ شفقت و علاج کاٹا گیا ہے۔

۱۸۴۔ ان کی گستاخی کا جواب دیا جا چکا ہے لیکن قرآن کے ایسے حکیمانہ جوابات سے ان معاندین اور سفہاء کو تسکین نہیں ہو گی بلکہ یہ کلام الہی سن کر شرارت اور انکار میں اور زیادہ ترقی کریں گے۔ اگر غذائے صالح ایک بیمار کے معده میں پہنچ کر اس کے مرض کو زیادہ کر دیتی ہے تو اس میں غذا کا قصور نہیں۔ مریض کے مزاج کی خرابی ہے۔

۱۸۵۔ اگرچہ قریب میں خاص یہود کا مقولہ نقل کیا تھا۔ لیکن اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمْ سے مراد غالباً وہ اور ان کے بھائی بند سب ہیں یعنی یہود و نصاریٰ سب اہل کتاب کا حال بیان فرمایا ہے جیسا کہ پہلے اسی سورۃ میں گذر چکا اور اگلی آیت میں بھی سب اہل کتاب کو خطاب فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہوا

کہ جوں جوں ان کی شرارت اور انکار کو ترقی ہوگی اسی قدر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور منصوبے گانٹھیں گے اور لڑائی کی آگ سلگانے کے لئے تیار ہوں گے۔ لیکن ان کے آپس میں پھوٹ پڑ چکی ہے جو مٹ نہیں سکتی۔ اس سبب سے اسلامی برادری کے خلاف ان کی جنگی تیاریاں کامیاب نہیں ہوں گی۔

۱۸۶۔ اہل کتاب کی فتنہ پروری: اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں جب تک باہمی محبت اور اخوت مستحکم رہے گی اور رشد و صلاح کے طریق پر گامزن ہو کر فتنہ اور فساد سے مجتنب رہنے کا اہتمام رہے گا جیسا کہ صحابہؓ میں تھا۔ اس وقت تک اہل کتاب کی سب کو ششیں ان کے مقابلہ میں بیکار ثابت ہوں گی۔

۱۸۷۔ یعنی باوجود ایسے شدید جرائم اور سخت شرارتوں کے اگر اب بھی اہل کتاب اپنے رویہ سے تائب ہو کر نبی کریم ﷺ اور قرآن پر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو دروازہ توبہ کا بند نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ کمال فضل و رحمت سے ان کو اخروی و دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرما دیتا۔ اس کی رحمت بڑے سے بڑے مجرم کو بھی جب وہ شرمسار اور معترف ہو کر آئے مایوس نہیں کرتی۔

۱۸۸۔ قرآن پر عمل تورات و انجیل پر عمل ہے: یعنی قرآن کریم جو تورات و انجیل کے بعد ان کی تنبیہ اور ہدایت کے لئے نازل ہوا اس کو قائم کرتے کیونکہ اس کی تسلیم کے بدون تورات و انجیل کی بھی صحیح معنی میں اقامت نہیں ہو سکتی بلکہ تورات و انجیل اور جملہ کتب سماویہ کی اقامت کا مطلب ہی اب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ جو کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق بھیجے گئے ہیں۔ ان کو قبول کیا جائے گا یا اقامت تورات و انجیل کو حوالہ دے کر آگاہ فرما دیا کہ اگر قرآن کو انہوں نے قبول نہ کیا تو اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ اپنی کتابوں کے قبول کرنے سے بھی منکر ہو گئے۔

۱۸۹۔ یعنی تمام ارضی و سماوی برکات سے ان کو متمتع کیا جاتا۔ اور ذلت بد حالی اور ضیق عیش کی جو سزا ان کے عصیان و تمرد پر دی گئی تھی وہ اٹھا لی جاتی۔

۱۹۰۔ یہ وہ معدود افراد ہیں جنہوں نے فطری سعادت سے توسط و اعتدال کی راہ اختیار کی اور حق کی آواز پر لبیک کہا۔ مثلاً عبد اللہ بن سلام اور ملک حبشہ نجاشی وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

۱۹۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم اور وعدہ حفاظت: ”پچھلی آیات میں اہل کتاب کی شرارت کفر اور سیہ کاریوں کا ذکر کر کے تورات، انجیل، قرآن اور کل کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی۔ آئندہ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس اقامت کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر اور لاشے محض ہے۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَدِّعْ مَا نَزَّلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الخ میں اسی دو ٹوک اعلان کے لئے حضور کو تیار کیا گیا ہے۔ یعنی آپ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ بے خوف و خطر اور بلا تامل پہنچاتے رہیں۔ اگر بفرض محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدائی پیغامبر) ہونے کے رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے سمجھا جائے گا کہ آپ نے اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کے حق میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی پر بیش از بیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی موثر عنوان نہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جافشانی، مسلسل جد و کد اور صبر و استقلال سے فرض رسالت و تبلیغ کو ادا کیا وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت و بلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔ حضور کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام و مثبت کی تاکید کے موقع پر موثر ترین عنوان یہ ہی ہو سکتا تھا کہ حضور کو يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بفرض محال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے

ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں لہذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں۔ عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے۔ یا تو اسے اپنے فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو۔ یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچنے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام تردد و طغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے شمر اور منج ہونے سے مایوسی ہو پہلی وجہ کا جواب یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ مِنْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ تَحْتِ دُورِ سَرِي كَا وَاللّٰهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ فِي اور تیسری كَا إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ فِي میں دے دیا گیا۔ یعنی تم اپنا فرض ادا كئے جاؤ خدا تعالیٰ آپ کی جان اور عزت و آبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلائے گا، باقی ہدایت و ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ایسی قوم جس نے کفر و انکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑو۔ نبی کریم ﷺ نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔ نوع انسانی کے عوام و خواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی آپ نے بلا کم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی اور وفات سے دو ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمان اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا آپ نے علی رؤس الاشہاد اعلان فرمایا کہ ”اے خدا تو گواہ رہ میں (تیری امانت) پہنچا چکا۔“

۶۸۔ کہہ دے اے کتاب والو تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اترا تمہارے رب کی طرف سے [۱۹۲] اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور کفر سو تو افسوس نہ کر اس قوم کفار پر [۱۹۳]

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا

التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ

وَلِيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ

رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ

الْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ بیشک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہوں گے [۱۹۳]

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِئُونَ وَ

النَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ

صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

۱۹۲۔ یعنی کل کتب سماویہ جن کا خاتم اور مہمیں قرآن کریم ہے۔ پچھلے رکوع میں اس آیت کی تفسیر گذر چکی۔

۱۹۳۔ یعنی اس غم اور افسوس میں پڑ کر تنگدل نہ ہوں اپنا فرض امن و اطمینان سے ادا فرماتے رہیں۔

۱۹۴۔ فلاح و کامیابی کا دائمی معیار: "یعنی جو قوم مسلمان کہلاتی ہے یا یہود یا نصاریٰ یا صابی (یا اور کچھ تمثیلاً چند مشہور مذاہب کا ذکر کیا گیا) کوئی شخص ان ناموں کی بدولت یا نسل، رنگ، پیشہ، وطن وغیرہ احوال و خصائص کے لحاظ سے حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ کامیاب اور مامون و مصنون ہونے کا ایک اور صرف ایک معیار ہے یعنی ایمان و عمل صالح جس قوم کو اپنے مقرب الہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ ہو وہ اسی کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لے۔ اگر اس میں کھری اترے تو بے خوف و خطر مفلح اور کامیاب ہے۔ ورنہ ہر وقت اپنے کو خدا کے غضب و قہر کے نیچے سمجھے۔ پچھلی آیات میں خاص اہل کتاب کو تبلیغ تھی اس آیت میں تمام اقوام و ملل کے سامنے بلا رورعایت ایسا عجیب و غریب، معقول اور منصفانہ قانون پیش کیا گیا ہے جس کے بعد کسی سلیم الفطرت انسان کو اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص جب تک خدا (یعنی اس کے وجود، وحدانیت، صفات کمالیہ، نشاںہائے قدرت، تمام احکام و قوانین، کل ناسئین و سفراء) پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور نیکی اختیار نہ کرے کیا عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ وہ نعیم دائم رضائے حق اور سرور ابدی سے ہمکنار ہو سکے گا۔ ایمان باللہ کے تحت میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ فرض کرو ایک شخص روشن دلائل نبوت کی موجودگی میں کسی پیغمبر کی توہین کرتا ہے (اور اس کو دعویٰ نبوت میں جھوٹا کہنا یہی اس کی توہین ہے) تو کیا کسی حکومت کے سفیر کی توہین اور اس کے صاف و صریح اسناد سفارت کی تکذیب اس حکومت کی توہین و تکذیب نہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی ایک سچے پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے اور اس کو قبول نہیں کرتا وہ فی الحقیقت خدا کے ان صاف و صریح نشانات و دلائل کو جھٹلا رہا ہے جو اس نے تصدیق نبوت کے لئے اتارے تھے۔ فَإِنَّهُمْ لَا يَكْتُمُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بَابِئِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ (انعام- ۳۳) کیا اللہ کی آیات اور صریح و علانیہ نشانات کو جھٹلانے کے بعد بھی "ایمان باللہ" کا دعویٰ رہ سکے گا۔ قرآن کریم نے جن تفصیلات کی طرف "ایمان باللہ و عمل صالح" کے اجمالی عنوان سے یہاں اشارہ فرمایا ہے دوسرے مواضع میں وہ شرح و بسط سے مذکور ہیں۔

صائبین کون تھے: میرے نزدیک زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ صائبین عراق میں ایک فرقہ تھا جن کے مذہبی اصول عموماً حکمائے اشراقیین اور فلاسفہ طبعیین کے اصول سے ماخوذ تھے۔ یہ لوگ روحانیت کے متعلق نہایت غلو رکھتے بلکہ ان کی پرستش کرتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ ارواح مجردہ اور مدبرات فلکیہ وغیرہ کی استعانت و استمداد سے ہی ہم رب الارباب (یعنی بڑے معبود تک پہنچ سکتے ہیں لہذا ریاضات شاقہ اور کسر شہوات سے روح میں تجرد اور صفائی پیدا کر کے عالم روحانیت کے ساتھ ہم کو اپنا رشتہ پیدا کرنا چاہئے۔ پھر ان کی خوشنودی اور دستگیری سے خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اتباع انبیاء کی ضرورت نہیں۔ کواکب کی ارواح مدبرہ اور اسی طرح دوسری روحانیت کو اپنے سے خوش رکھنے کے لئے ہیاکل بناتے تھے اور انہی ارواح کے لئے نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حنفاء کے مقابلہ میں صائبین کی جماعت تھی جن کا سب سے بڑا حملہ نبوت اور اس کے لوازم و خواص پر ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم حنیف کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابی العقیدہ تھی جس کے رد و ابطال میں خدا کے خلیلؑ نے جان بازی دکھلائی۔

۷۰۔ ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے [۱۹۵] اور بھیجے ان کی طرف رسول جب لایا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم جو خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کر ڈالتے تھے [۱۹۶]

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَارْتَسَلْنَا  
إِلَيْهِمْ رُسُلًا ط كَلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى  
أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿۱۹۶﴾

۱۔ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی سو وہ اندھے ہو گئے اور بہرے پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی پھر اندھے اور بہرے ہوئے ان میں سے بہت [۱۹۷] اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں [۱۹۸]

وَ حَسِبُوا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةً فَعَمُوا وَ صَبُّوا ثُمَّ تَابَ

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَ صَبُّوا كَثِيْرًا مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ

بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

۱۹۵۔ گذشتہ آیت میں جو معیار قبول عند اللہ کا بیان ہوا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح۔ یہاں یہ دکھانا ہے کہ یہود اس معیار پر کہاں تک پورے اترتے ہیں۔

۱۹۶۔ غلام کی وفاداری کا امتحان اس میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کر گذرے اور اپنی رائے یا خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنا دے۔ ورنہ صرف ان چیزوں کا مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں، یہ کونسا کمال ہے۔

۱۹۷۔ یہودیوں کی اللہ سے غداری: یعنی پختہ عہد و پیمان توڑ کر خدا سے غداری کی اس کے سفر ا میں سے کسی کو جھٹلایا کسی کو قتل کیا۔ یہ تو ان کے ایمان باللہ اور عمل صالح کا حال تھا۔ ایمان بالیوم الآخر کا اندازہ اس سے کر لو کہ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کا ارتکاب کر کے بالکل بے فکر ہو بیٹھے۔ گویا ان حرکات کا کوئی خمیازہ بھگتتا نہیں پڑے گا اور ظلم و بغاوت کے خراب نتائج کبھی سامنے نہ آئیں گے۔ یہ خیال کر کے خدائی نشانات اور خدائی کلام کی طرف سے بالکل ہی اندھے اور بہرے ہو گئے اور جو ناکردنی کام تھے وہ کئے حتیٰ کی بعض انبیاء کو قتل اور بعض کو قید کیا۔ آخر خدا تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط فرمایا۔ پھر ایک مدت دراز کے بعد بعض ملوک فارس نے بخت نصر کی قید ذلت در سوائی سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کو واپس کیا اس وقت ان لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوئے۔ خدا نے توبہ قبول کی۔ لکین کچھ زمانہ کے بعد پھر وہی شرارتیں سوچیں اور بالکل اندھے بہرے ہو کر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کے قتل کی جرات کی اور حضرت عیسیٰ کے قتل پر تیار ہو گئے۔

۱۹۸۔ یعنی وہ اگرچہ خدا کے غضب و قہر کی طرف سے اندھے ہو گئے ہیں لیکن خدا ان کی تمام حرکات کو برابر دیکھتا رہا ہے چنانچہ ان حرکات کی سزا اب امت محمدیہ کے ہاتھوں سے دلو رہا ہے۔

۷۲۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی رب ہے میرا اور تمہارا بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا [۱۹۹]

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ

مَرْيَمَ ۗ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يَبْنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ۗ اِنَّهُ مِّنْ يُشْرِكِ بِاللّٰهِ

فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَا وُجِدَ النَّارُ ۗ وَ

مَا لِالْظٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

۷۳۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک [۲۰۰] حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے اور اگر نہ باز آویں گے اس بات سے کہ کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو عذاب دردناک

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ

لَيَسََّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۳﴾

۷۴۔ کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۲۰۱]

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونََّهُ ۗ وَاللَّهُ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۷۴﴾

۷۵۔ نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول گذر چکے اس سے پہلے بہت رسول [۲۰۲] اور اسکی ماں ولی ہے [۲۰۳] دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسے بتلاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں اٹے جا رہے ہیں [۲۰۴]

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ

قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۗ كَانَا يَأْكُلِن

الطَّعَامَ ۗ أَنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظُرْ

أَنِّي يُؤْفَكُونَ ﴿۷۵﴾

۷۶۔ تو کہہ دے کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا [۲۰۵]

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَبْدِكُمْ لَكُمْ

ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۗ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۷۶﴾

۱۹۹۔ نصاریٰ کافر و شرک: یہاں سے نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت دکھلائی گئی ہے کہ وہ کہاں تک حقانیت کے اس معیار پر پورے اترے۔ ان کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ عقل کے خلاف فطرت سلیمہ کے خلاف اور خود حضرت مسیح کی تصریحات کے خلاف مسیح ابن مریم کو خدا بنا دیا۔ "ایک تین اور تین ایک" کی بھول بھلیاں تو محض برائے نام ہے۔ حقیقتاً سارا زور و قوت صرف حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیح خدا کے رب ہونے اور دوسرے آدمیوں کی طرح اپنے مرئوس ہونے کا علانیہ اعتراف فرما رہے ہیں۔ اور جس شرک میں ان کی امت مبتلا ہونے والی تھی اس کی برائی کس زور و شور سے بیان کر رہے ہیں پھر بھی ان اندھوں کو عبرت نہیں ہوتی۔

۲۰۰۔ یعنی حضرت مسیح، روح القدس اور اللہ، یا مسیح، مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں (العیاذ باللہ) ان میں کا ایک حصہ دار اللہ ہوا۔ پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین ہیں۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ یہ ہی ہے اور اس خلاف عقل و بداہت عقیدہ کو عجیب گول مول اور پیچیدار عبارتوں سے ادا کرتے

ہیں اور جب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو ایک ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے کہ یصلح العظائم ما افسد کالدہر  
۲۰۱۔ نصاریٰ کا کفر و شرک: یہ اسی غفور رحیم کی شان ہے کہ ایسے ایسے باغی اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اور اصلاح کا عزم کر کے  
حاضر ہوں تو ایک منٹ میں عمر بھر کے جرائم معاف فرما دیتا ہے۔

۲۰۲۔ یعنی اسی مقدس و معصوم جماعت کے یہ بھی ایک فرد ہیں انہیں خدا بنا لینا تمہاری سفاہت ہے۔

۲۰۳۔ حضرت مریم نبی نہیں تھیں: جمہور امت کی تحقیق یہ ہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی۔ یہ منصب رجال ہی کے لئے مخصوص رہا ہے۔ وَ  
مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ مِنَ أَهْلِ الْقُرَىٰ (یوسف-۱۰۹) حضرت مریم بتول بھی ایک ولی نبی تھیں۔ نبی نہیں۔

۲۰۴۔ الوہیت مسیح علیہ السلام و مریم کا ابطال: غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج  
ہے۔ زمین، ہوا، پانی، سورج، حیوانات حتیٰ کہ میلے اور کھاد سے بھی اسے استغنا نہیں ہو سکتا۔ غلہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال  
کرنا بالواسطہ یا بلاواسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے پھر کھانے سے جو اثرات و نتائج پیدا ہوں گے ان کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے۔ احتیاج و افتقار  
کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح و مریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کر سکتے ہیں کہ مسیح و مریم اکل و  
شراب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو اکل و شرب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر بن سکتی ہے۔ یہ ایسی  
قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے۔ اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ  
سارے فرشتے خدا بن جائیں معاذ اللہ۔

۲۰۵۔ یعنی جب مسیح کو خدا کہا تو لازم ہے کہ معبود بھی کہو۔ مگر معبود بننا صرف اسی ذات کے ساتھ مختص ہے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک اور  
پورا با اختیار ہو۔ کیونکہ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے اور انتہائی تذلل اسی کے سامنے اختیار کر سکتے ہیں جو انتہائی عزت اور غلبہ رکھنے والا ہر آن  
سب کی سننے والا اور سب کے احوال کا پوری طرح جاننے والا ہو۔ اس میں تثلیث کے عقیدہ شریک کے ساتھ تمام مشرکین کا رد ہو گیا۔

۷۷۔ تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے دین کی  
بات میں ناحق کا [۲۰۶] اور مت چلو خیالات پر ان لوگوں  
کے جو گمراہ ہو چکے پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک  
گئے سیدھی راہ سے [۲۰۷]

أَضَلُّوا كَثِيرًا وَ ضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۷۷﴾

۷۸۔ ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے داؤد کی زبان  
پر اور عیسیٰ بیٹے مریم کے یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور  
حد سے گذر گئے تھے [۲۰۸]

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى  
لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا

وَ كَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۷۸﴾

۷۹۔ آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے [۲۰۹] کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا

كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۷۹﴾

۸۰۔ تو دیکھتا ہے ان میں کہ بہت سے لوگ دوستی کرتے ہیں کافروں سے [۲۱۰] کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہو ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں [۲۱۱]

تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ط

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ

عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۸۰﴾

۸۱۔ اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی پر اترا تو کافروں کو دوست نہ بناتے [۲۱۲] لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں [۲۱۳]

وَكَوْكَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ

مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ

فَسِقُونَ ﴿۸۱﴾

۲۰۶۔ نصاریٰ کا غلوئی الدین: عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولود بشری کو خدا بنا دیا اور عمل میں غلو وہ ہے جسے رہبانیت کہتے ہیں۔ وَذَهَبَانِيَّةٌ ابْتَدَأَتْ عُوقَهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (المحید۔ ۲۷) یہود کی جو قبائح بیان کی جا چکیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پرستی میں غرق ہونے کی وجہ سے دین اور دینداروں کی ان کے یہاں کوئی عظمت و وقعت نہ تھی۔ حتیٰ کہ انبیاء کی اہانت و قتل وغیرہ ان کا خاص شعار تھا۔ برخلاف اس کے نصاریٰ نے تعظیم انبیاء میں اس قدر غلو کیا کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اور ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔

۲۰۷۔ یعنی اصل انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں اس عقیدہ شریک کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بعد میں یونانی بت پرستوں کی تقلید میں پولوس نے ایجاد کیا اسی پر سب چل پڑے اور اسی پر جے رہے۔ ایسی اندھی تقلید سے نجات کی توقع رکھنا کسی عاقل کو زیبا نہیں۔

۲۰۸۔ یہودیوں پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لعنت: یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان و تمرد میں حد سے گذر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا اور نہ غیر مجرم مجرم کو روکتا تھا بلکہ شیر و شکر ہو کر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بنے ہوئے تھے۔ منکرات و فواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترش روئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا۔ تب خدا نے حضرت داؤد اور حضرت مسیح کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ جیسے گناہوں پر ان کی جسارت حد سے گذر چکی تھی۔ یہ لعنت کہ جو ایسے جلیل القدر انبیاء کے توسط سے کی گئی۔ غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔ غالباً اسی لعنت کے نتیجے میں ان میں کے بہت سے افراد ظاہراً اواباطاً بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے اور باطنی مسخ کا دائرہ تو اس قدر وسیع ہوا کہ ان کے بہت سے لوگ آج بھی ان مسلمانوں کو چھوڑ کر جو خدا کی تمام کتب سماویہ تمام انبیاء کی تصدیق و تعظیم کرتے ہیں مشرکین مکہ سے جو خالص بت پرست اور نبوت وغیرہ سے جاہل محض ہیں مسلمانوں کے خلاف دوستی گانٹھتے ہیں۔ اگر ان اہل کتاب کو خدا پر،



نبی پر اور وحی الہی پر واقعی اعتقاد ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس قوم کی ضد میں جو ان تمام چیزوں کو مکمل طور پر مانتے ہیں بت پرستوں سے ساز باز کرتے۔ یہ بے حسی، بد مذاتی اور خدا پرستوں سے بھاگ کر بت پرستوں سے دوستی کرنا، اسی لعنت اور پھٹکار کا اثر ہے جس نے انہیں خدا کی رحمت عظیمہ سے کوسوں دور پھینک دیا ہے۔ پچھلی آیات میں ان کی گذشتہ کفریات اور جرائم کو بیان کر کے غلوفی الدین اور گمراہوں کی کورانہ تقلید سے منع فرمایا تھا تاکہ اب بھی اپنی ملعون حرکات سے تائب ہو کر حق و صداقت کے راستہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ اس رکوع میں ان کی موجودہ حالت پر متنبہ کرتے ہوئے بتلایا کہ جو لعنت داؤد اور مسیح کی زبانی ہوئی تھی اس کے آثار آج تک موجود ہیں۔ اہل اللہ اور عارفین سے نفرت و عداوت اور جاہل مشرکوں سے محبت یہ کھلی دلیل اس کی ہے کہ ان کے قلوب خدائی لعنت کے اثر سے بالکل مسموم ہو چکے ہیں۔ اگر اب بھی انہوں نے اپنی حالت کو نہ سنبھالا اور حق کی طرف رجوع نہ کیا تو ایسی شدید لعنت کے مورد بنیں گے جو خدا تعالیٰ سید الانبیاء خاتم الرسل ﷺ کی زبان سے ان پر بھیجے گا۔

۲۰۹۔ برائی سے نہ روکنا بڑا جرم ہے: “لَا يَتَّخِذُونَكَ دَعْوَىٰ لَهُمْ” کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) “نہیں رکتے تھے” (کمانی روح المعانی (۲) “نہیں روکتے تھے

ایک دوسرے کو” کما ہوا المشہور۔ جب بدی کسی قوم میں پھیلے اور کوئی روکنے والے بھی نہ ہو تو عذاب عام کا اندیشہ ہے۔

۲۱۰۔ کافروں سے مراد مشرکین ہیں اور ان آیات کا مصداق یہود مدینہ تھے۔ جنہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ سازش کر کے مسلمانوں سے لڑائی کی ٹھانی تھی۔

۲۱۱۔ یعنی جو ذخیرہ اعمال کا کرنے سے پہلے آخرت کے لئے بھیج رہے ہیں وہ ایسا ہے جو ان کو غضب الہی اور عذاب ابدی کا مستحق بناتا ہے۔

۲۱۲۔ “النبی” سے بعض مفسرین نے حضرت مولیٰ کو اور بعض نے رسول کریم ﷺ کو مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ان یہود کو واقع یقین حضرت مولیٰ کی صداقت اور تعلیمات پر ہوتا تو نبی آخر الزماں کے مقابلہ میں جن کی بشارت خود مولیٰ دے چکے ہیں مشرکین سے دوستی نہ کرتے یا یہ کہ اگر نبی کریم ﷺ پر مخلصانہ ایمان لے آتے تو ایسی حرکت ان سے سرزد نہ ہوتی کہ دشمنان اسلام سے ساز باز کریں۔ اس دوسری تقدیر پر آیت منافقین یہود کے حق میں ہوگی۔

۲۱۳۔ خدا کی اور خود اپنے تسلیم کردہ پیغمبر کی نافرمانی کرتے کرتے یہ حالت ہو گئی کہ اب موحدین پر مشرکین کو ترجیح دیتے ہیں افسوس کہ آج ہم بہت سے نام نہاد مسلمانوں کی حالت بھی یہ ہی پاتے ہیں کہ مسلمان اور کفار کے مقابلہ کے وقت کافروں کو دوست بناتے اور انہی کی حمایت و کالت کرتے ہیں۔

۸۲۔ تو پاوے گاسب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پاوے گاسب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا

الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۗ وَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم

مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَايُ

ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ أَنَّهُمْ لَا

يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٨٢﴾

۸۳۔ اور جب سنتے ہیں اس کو جو اتر رسول پر تو دیکھے تو ان کی آنکھوں کو کہ اہل حق ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ

وَإِذَا سَبَعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ  
تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ  
يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾

۸۴۔ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور اس چیز پر جو پہنچی ہم کو حق سے اور توقع رکھیں اسکی کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ  
وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾

۸۵۔ پھر انکو بدلے میں دیے اللہ نے اس کہنے پر ایسے باغ کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہی اور یہ ہے بدلانیکی کرنے والوں کا

فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَذَلِكَ جَزَاءُ  
الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾

۸۶۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہمای آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے رہنے والے ﴿۲۱۴﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾

۲۱۴۔ نصاریٰ یہود اور مشرکین سے بہتر ہیں: ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود کا مشرکین سے دوستی کرنا محض اسلام اور مسلمانوں کی عداوت و بغض کی وجہ سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جن اقوام سے زیادہ سابقہ پڑتا تھا ان میں یہ دونوں قومیں یہود اور مشرکین علی الترتیب اسلام و مسلمین کی شدید ترین دشمن تھیں۔ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیاں تو اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن ملعون یہود نے بھی کوئی کمینہ سے کمینہ حرکت اٹھا کر نہیں رکھی۔ حضور ﷺ کو بے خبری میں پتھر کی چٹان گرا کر شہید کرنا چاہا کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی، سحر اور ٹونکے کرائے غرض غضب اور لعنت پر لعنت حاصل کرتے رہے۔ اس کے بالمقابل نصاریٰ باوجودیکہ وہ بھی کفر میں مبتلا تھے اسلام سے جلتے تھے مسلمانوں کا عروج ان کو ایک نظر نہ بھاتا تھا تاہم ان میں قبول حق کی استعداد ان دونوں گروہوں سے زیادہ تھی ان کے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبتاً جلد مائل ہو جاتے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک عیسائیوں میں علم دین کا چرچا دوسری قوموں سے زائد تھا اپنے طریقہ کے موافق ترک دنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے ان میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ نرم دلی اور تواضع ان کی خاص صفت تھی۔ جس قوم میں یہ خصال کثرت سے پائی جائیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اس میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ قبول حق سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں جہل، حب دنیا یا حسد و تکبر وغیرہ۔ نصاریٰ میں قسسیں کا وجود جہل کو، رہبان کی کثرت حب دنیا کو،

زرمی دل اور تواضع کی صفت کبر و نخوت وغیرہ کو کم کرتی تھی۔ چنانچہ قیصر روم، مقوقس مصر اور نجاشی ملک حبشہ نے جو کچھ برتاؤ نبی کریم ﷺ کے پیغام رسالت کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد ہے کہ اس وقت نصاریٰ میں قبول حق اور مودۃ مسلمین کی صلاحیت نسبتاً دوسری قوموں سے زائد تھی۔ مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر جب ایک جماعت صحابہؓ نے حبشہ کو ہجرت کی اور مشرکین نے وہاں بھی ملک حبشہ کے دربار تک اپنا پروپیگنڈا نہ چھوڑا تو بادشاہ نے ایک روز مسلمانوں کو بلا کر کچھ سوالات کئے اور حضرت مسیحؑ کی نسبت بھی ان کا عقیدہ دریافت کیا، حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی آیات پڑھیں اور اپنا عقیدہ صاف صاف بیان فرمایا۔ بادشاہ بے انتہا متاثر ہوا اور اقرار کیا کہ جو کچھ قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کی نسبت عقیدہ ظاہر کیا ہے وہ بلا کم و کاست صحیح ہے۔ اس نے کتب سابقہ کی بشارات کے موافق حضور پر نور ﷺ کو نبی آخر الزماں تسلیم کیا۔ قصہ طویل ہے۔

عیسائیوں کے وفد پر قرآن کی اثر انگیزی: انجام کار ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر نو مسلم عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور قرآن کریم کے سماع سے لذت اندوز ہوئے تو کلام الہی سن کر گریہ و بکا ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر ربَّنَا اَمَّنَّا الخ یہ کلمات جاری تھے۔ ان آیات میں اسی جماعت کا حال بیان فرمایا ہے۔ قیامت تک کے لئے کوئی خبر نہیں دی گئی کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود و مشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام و مسلمین کے ساتھ یہ ہی رہے گی۔ آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان میں کتنے قسسیں و رہبان اور متواضع و منکسر المزاج ہیں اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الہی سن کر آنسو ٹپک پڑتے ہیں جب اقربم مودۃ کی علت ہی جو ذلک بَانَ مِنْهُمْ قِنَبِيسَيْنَ وَرُهَبَانًا سے بیان کی گئی ہے، موجود نہیں تو معلول یعنی ”قرب مودت“ کیوں موجود ہو گا۔ بہر حال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود و مشرکین کے بیان ہوئے، وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہوں گے، اسی نسبت سے اسلام و مسلمان کی محبت و عداوت کو خیال کر لیا جائے۔

۸۷۔ اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾

۸۸۔ اور کھاؤ اللہ کے دیے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو [۲۱۵]

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

۲۱۵۔ اسلام کا بے نظیر اعتدال: آغاز سورت میں ایفائے عہود کی تاکید کے بعد حلال و حرام کا بیان شروع ہوا تھا۔ اسی ضمن میں خاص خاص مناسبات سے جن کا ذکر موقع بہ موقع ہم کر چکے ہیں دوسرے مفید مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ”الشیء بالشیء یذکر“ بات میں سے بات نکلتی رہی۔ تام استطرادی مضامین کو تمام کر کے اس پارہ کے پہلے رکوع سے پھر اصل موضوع بحث کی طرف عود کیا گیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس رکوع سے متصل پہلے رکوع میں جو مضمون گذرا اس سے بھی رکوع حاضر کا مضمون پوری طرح مربوط ہے۔ کیونکہ پچھلے رکوع میں یہود و نصاریٰ

کی جو فضائے بیان کی گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں یعنی یہود کا لذات و شہوات دنیا اور حرام خوری میں انہماک جو تقریباً فی الدین کا سبب ہو اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر منتہی ہوا۔ بلاشبہ رہبانیت جسے دینداری یا روحانیت کا ہیضہ کہنا چاہئے، نیت اور منشاء اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہو سکتی تھی اسی لئے ذلک بآن منہم قسبیبین و دھبانا کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔ لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد و ترک دنیا اس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مرعی رکھا ہے۔ اس لئے وہ عالمگیر مذہب جو ابدی طور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح دارین اور اصلاح معاش و معاد کا متکفل ہو کر آیا ہے ضروری تھا کہ اس طرح کے مبتدعانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے۔ آسمانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش نہیں کر سکتی، جو قرآن کریم نے ان دو آیتوں میں پیش کی ہے۔

۸۹۔ نہیں پکڑتا اللہ تم کو تمہاری بیہودہ قسموں پر [۲۱۶]  
لیکن پکڑتا ہے اس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا سو  
اس کا کفارہ کھانا دینا ہے دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا  
جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو [۲۱۷] یا کپڑا پہنا دینا دس  
محتاجوں کو [۲۱۸] یا ایک گردن آزاد کرنی [۲۱۹] پھر جس کو  
میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے [۲۲۰] یہ کفارہ  
ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو اور حفاظت رکھو اپنی  
قسموں کی [۲۲۱] اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے  
اپنے حکم تاکہ تم احسان مانو [۲۲۲]

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْبَانِكُمْ وَلَكِنْ  
يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْبَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ  
إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ  
أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۗ فَمَنْ لَّمْ  
يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَلِكُمْ كَفَّارَةٌ لِّأَيْبَانِكُمْ  
إِذَا حَلَفْتُمْ ۗ وَاحْفَظُوا أَيْبَانَكُمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾

۲۱۶۔ بیہودہ قسموں کا بیان: یعنی ان پر دنیا میں کفارہ نہیں۔ جیسا کہ یمن منعقدہ میں واجب ہے لغو و بیہودہ قسم کی تفسیر پارہ سبقتوں کے اواخر میں  
گذر چکی چونکہ اوپر تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم یمن بھی ہے اس لئے یمن کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔  
۲۱۷۔ کفارہ یمن: یعنی قسم توڑنے کے بعد یہ کفارہ دیا جائے گا۔ کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ دس مساکین کو گھر بٹھلا کر کھانا کھلا دے یا صدقہ  
فطر کے برابر ہر مسکین کو غلہ یا اس کی قیمت ادا کر دے۔

۲۱۸۔ اس قدر جس سے بدن کا اکثر حصہ ڈھک جائے۔ مثلاً کرتہ اور پاجامہ یا لنگی اور چادر۔

۲۱۹۔ یعنی ایک بردہ آزاد کرنا۔ اس میں مومن ہونا شرط نہیں۔

۲۲۰۔ یعنی متواتر روزے تین دن کے رکھے اور میسر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ صاحب نصاب نہ ہو کمافی روح المعانی۔

۲۲۱۔ قسموں کی حفاظت یہ ہے کہ بے ضرورت بات بات پر قسمیں نہ کھائے۔ یہ عادت بھلی نہیں۔ اور اگر قسم کھائی تو تا مقدور پوری کرے۔  
اور اگر کسی وجہ سے توڑے تو کفارہ ادا کرے۔ یہ سب چیزیں حفاظت یمن میں داخل ہیں۔

۲۲۲۔ کتاب ۱۱ احسان ہے کہ ہم نے طیبات سے گریز کیا تو اس گریز سے منع فرمایا۔ اور اگر کسی نے غلطی سے طیبات کو اپنے اوپر حرام ہی کر لیا تو اس کو حفاظت یمین کے ساتھ اس سے حلال ہونے کا طریقہ بھی بتلادیا۔

۹۰۔ اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جو اور بت اور پانسے [۲۲۳] سب گندے کام ہیں شیطان کے سوان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ [۲۲۴]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ  
الْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾

۹۱۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور پیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سواب بھی تم باز آؤ گے [۲۲۵]

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ  
وَالْبُغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ

اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿٩١﴾

۹۲۔ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر [۲۲۶]

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِن  
تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا عَلٰى رَسُولِنَا الْبَلٰغُ

الْبَيِّنُ ﴿٩٢﴾

۲۲۳۔ ”انصاب“ و ”ازلام“ کی تفسیر اسی سورت کی ابتداء میں وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصَبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ کے تحت میں گزر چکی۔

۲۲۴۔ شراب کی حرمت: اس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اول یہ آیت نازل ہوئی۔ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا آكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (بقرہ-۲۱۹) گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے سن کر کہا اللھم بیین لنا بیانا شافیا اس کے بعد دوسری آیت آئی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَهَىٰ (نساء-۴۳) اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا ذکر تھا کہ غالباً یہ چیز عنقریب کلیہ حرام ہونے والی ہے۔ مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعہ چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے اللھم بیین لنا بیانا شافیا آخر کار ”ماندہ“ کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَهَىٰ تک نازل کی گئیں۔ جس میں

صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فَمَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهَوْنَ سُنْتَهُ بِهِيَ جَلَا اٹھے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا لوگوں نے شراب کے منگے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیے۔ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔ سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت و اطاعت نبویؐ کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور ﷺ کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے اتنی شدت سے روکھا تھا آج سب سے بڑے شراب خوار ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں اللہ الحمد والمنة۔

۲۲۵۔ شیطانی کام: شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑ پڑتے ہیں حتیٰ کہ نشہ اترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ یہ ہی حال بلکہ کچھ بڑھ کر جوئے کا ہے اس میں ہارجیت پر سخت بھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں۔ جس سے شیطان کو اودھم مچانے کا خوب موقع ملتا ہے۔ یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادت الہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ شطرنج کھیلنے والوں ہی کو دیکھ لو۔ نماز تو کیا کھانے پینے اور گھربار کی بھی خبر نہیں رہتی۔ جب یہ چیز اس قدر ظاہری و باطنی نقصانات پر مشتمل ہے تو کیا ایک مسلمان اتنا سن کر بھی باز نہ آئے گا۔

۲۲۶۔ اگر کسی چیز کے منافع و مضار کا احاطہ نہ کر سکتے ہیں خدا اور رسول کے احکام امتثال کرو اور قانون کی خلاف ورزی سے بچتے رہو۔ اگر نہ بچو گے تو ہمارے پیغمبر تم کو قانون و احکام الہی کھول کر پہنچا چکے۔ نتیجہ خلاف ورزی کا خود سوچ لو کیا ہو گا؟

۹۳۔ جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کئے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جب کہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور عمل نیک کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو [۲۲۷]

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾

۹۴۔ اے ایمان والو البتہ تم کو آزماوے گا اللہ ایک بات سے اس شکار میں کہ جس پر پہنچے ہیں ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے [۲۲۸] تاکہ معلوم کرے اللہ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے [۲۲۹] پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ  
الصَّيْدِ تَنَالَهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ  
مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ

فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۴﴾

۹۵۔ اے ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام میں [۲۳۰] اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر [۲۳۱] تو اس پر بدلا ہے اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے جو تجویز کریں دو آدمی معتبر تم میں سے اس طرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز پہنچایا جاوے کعبہ تک یا اس پر کفارہ ہے چند محتاجوں کو کھلانا یا اس کے برابر روزے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی [۲۳۲] اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا [۲۳۳] اور جو کوئی پھر کرے گا اس سے بدلے گا اللہ اور اللہ زبردست ہے بدل لینے والا [۲۳۴]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَبِدًا فَأَجْرٌ ۗ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدِيًّا بَدِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةً طَعَامٍ مَّسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذِكِّ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۗ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

۹۶۔ حلال ہوا تمہارے لئے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ کے واسطے اور سب مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم جمع ہو گے [۲۳۵]

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِسَيَّارَةٍ ۚ وَحُرْمَ عَلَیْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرْمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

۲۲۷۔ شراب کے بارے میں ایک سوال کا جواب: نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم خمر کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان مسلمانوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ جو جنگ احد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں ان کے لئے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی نضال سے متصف ہوں پھر ان نضال میں برابر ترقی کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدرج تقویٰ و ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے ہوں جو ایک مومن کے لئے روحانی ترقیات کا انتہائی مقام ہو سکتا ہے جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خصوصی محبت کرتا ہے۔ وفی حدیث جب ریل الاحسان ان تعبد اللہ کانت تراہ پس جو پاکباز صحابہ ایمان و تقویٰ میں عمر گزار کر اور نسبت احسان حاصل کر کے خدا کی راہ میں شہید ہو چکے ان کی نسبت اس طرح کے خلیجان اور توہمات پیدا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ایک ایسی چیز کا استعمال کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو اس وقت حرام نہیں تھی مگر بعد کو حرام ہوئی۔

صحابہ کے فضائل: محققین نے لکھا ہے کہ تقویٰ (یعنی مضار دینی سے مجتنب ہونے کے) کئی درجے ہیں اور ایمان و یقین کے مراتب بھی بلحاظ

قوت و ضعف متفاوت ہیں تجربہ اور نصوص شرعیہ سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی ذکر و فکر، عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں ترقی کرتا ہے اسی قدر خدا کے خوف اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے قلب معمور اور ایمان و یقین مضبوط و مستحکم ہوتا رہتا ہے مراتب سیر الی اللہ کی اسی ترقی و عروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کی تکرار سے اشارہ فرمایا اور سلوک کے آخری مقام "احسان" اور اس کے ثمرہ پر بھی تشبیہ فرمادی۔ اور جن حضرات صحابہ کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس کا جواب ایک عام و تمام ضابطہ بیان فرما کر ایسے عنوان سے دے دیا گیا جس میں ان مرحومین کی فضیلت و منقبت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہو گیا۔ ذخیرہ احادیث صحیحہ میں دو مواقع ایسے ہیں جہاں صحابہؓ نے اس قسم کا سوال کیا ہے۔ ایک موقع تو یہی تحریم نمر کے متعلق ہے اور دوسرا تحویل قبلہ کے وقت سوال کیا گیا تھا کہ یا رسول اللہ جو لوگ حکم تحویل سے پہلے وفات پا گئے اور ایک نماز بھی کعبہ کی طرف نہیں پڑھی ان کی نمازوں کا کیا حال ہو گا۔ اس پر آیت وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ آيَاتِنَا إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَكَرِيمٌ (البقرہ-۱۲۳) نازل ہوئی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہی دو مسئلے ایسے تھے جن میں صاف صاف دو ٹوک حکم نازل ہونے سے پہلے نہایت ہی واضح آثار و قرائن ایسے موجود تھے جن کو دیکھ کر صحابہؓ ہر آن نزول حکم صحیح کا انتظار کر رہے تھے۔ نمر کے متعلق تو ابھی چند فوائد پہلے ہم ایسی روایات نقل کر چکے ہیں جن سے ہمارے اس دعوے کا کافی سے زائد ثبوت ملتا ہے۔ اور تحویل قبلہ کے باب میں قرآن کریم کی آیات قَدْ نَزَّي نَقْلَبْ وَجْهَكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُؤَيِّنَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا (البقرہ-۱۲۴) جو سيقول کے شروع میں گذریں خبر دے رہی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت منتظر تھے کہ کب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے واضح حالات صحابہ پر مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے تحویل قبلہ کا حکم جب ایک آدمی نے کسی محلہ کی مسجد میں جا کر سنایا تو سارے نمازی محض خبر واحد کو سن کر بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے۔ حالانکہ بیت المقدس کا استقبال قطعی طور پر انہیں معلوم تھا اور خبر واحد ظنی قطعی کے لئے ناسخ نہ ہو سکتی تھی اس لئے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ یہ خبر واحد محفوف بالقرائن ہونے کی وجہ سے قطع سمجھی گئی پس جو قرآن و آثار حتمی طور پر خبر دے رہے تھے کہ تحریم نمر یا تحویل قبلہ کا حکم امروز فردا میں پہنچنے والا ہے۔ گویا وہ ایک طرح سے صحابہ کو نزول حکم سے پہلے مرضی الہی پر فی الجملہ مطلع کر رہے تھے اسی لئے ان دو مسئلوں میں نزول حکم سے قبل کی حالت کے متعلق سوال کرنا محل استبعاد نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً نمر کی نسبت جس کی ممانعت کے نہایت واضح اشارات وَإِنَّهُمْ أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (البقرہ-۲۱۹) وغیرہ میں موجود تھے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲۸۔ احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت: پچھلے رکوع میں تحریم طیبات اور اعتداء سے منع فرما کر بعض چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا تھا جو دائمی طور پر حرام ہیں اس رکوع میں بعض ایسی اشیاء کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے جن کی حرمت دائمی نہیں بلکہ بعض احوال و اوضاع سے مخصوص ہے، یعنی بحالت احرام شکار کرنا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے مطوع و فرمانبردار بندوں کا یہ امتحان ہے کہ وہ حالت احرام میں جبکہ شکار ان کے سامنے ہو اور بسہولت اس کے مارنے یا پکڑنے پر بھی قادر ہوں کون ہے جو بن دیکھے خدا سے ڈر کر اس کے حکم کا امتثال کرتا اور اعتداء (احکام خداوندی سے تجاوز کرنے) کی خدائی سزا سے خوف کھاتا ہے۔ اصحاب سبت کا قصہ سورہ بقرہ میں گذر چکا کہ ان کو حق تعالیٰ نے خاص شبہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت فرمائی تھی۔ مگر انہوں نے مکاری اور حیلہ بازی سے اس حکم کی مخالفت کی اور حد سے تجاوز کر گئے۔ خدا نے ان پر نہایت رسوا کن عذاب نازل فرمایا اسی طرح حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کا تھوڑا سا امتحان اس مسئلہ میں لیا کہ حالت احرام میں شکار نہ کریں۔ حدیبیہ کے موقع پر جب یہ حکم بھیجا گیا تو شکار اس قدر کثیر اور قریب تھا کہ ہاتھوں اور نیزوں سے مار سکتے تھے۔ مگر اصحاب رسول اللہ ﷺ نے ثابت کر دیا کہ خدا کے امتحان میں ان کے برابر دنیا کی کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکی۔

۲۲۹۔ ليعلم الله کے لفظ سے جو حدوٹ علم باری کا وہم گذرتا ہے اس کے ازالہ کے لئے پارہ سيقول کے شروع میں إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ

الرَّسُولِ (البقرہ-۱۲۳) کا فائدہ ملاحظہ کرو۔



۲۳۰۔ اس کے متعلق بعض احکام سورہ ماندہ کے شروع میں گزر چکے۔

۲۳۱۔ احرام میں شکار کرنے کی سزا: "جان کرمانے کا یہ مطلب ہے کہ اپنا محرم ہونا یاد ہو اور یہ بھی مستحضر ہو کہ حالت احرام میں شکار جائز نہیں۔ یہاں صرف "متعمد" کا حکم بیان فرمایا کہ اس کے فعل کی جزا یہ ہے اور خدا جو انتقام لے گا وہ الگ رہا۔ جیسا کہ وَهَنْ عَادَ فَيَسْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ سے تشبیہ فرمائی۔ اور اگر بھول کر شکار کیا تو جزا تو یہ ہی رہے گی یعنی ہدی یا طعام یا صیام البتہ خدا اس سے انتقامی سزا اٹھالے گا۔

۲۳۲۔ احرام میں شکار کرنے کی سزا: حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر احرام میں شکار پکڑا تو فرض ہے کہ چھوڑ دے۔ اگر مار دیا تو دو صاحب بصیرت اور تجربہ کار معتبر آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگوائے۔ اسی قدر قیمت کا مواشی میں سے ایک جانور لے کر (مثلاً بکری، گائے، اونٹ وغیرہ) کعبہ کے نزدیک یعنی حدود حرم میں پہنچا کر ذبح کرے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔ یا اسی قیمت کا غلہ لے کر محتاجوں کو فی محتاج صدقہ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یا جس قدر محتاجوں کو پہنچتا، اتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لے۔

۲۳۳۔ یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس سے اب خدا تعرض نہیں کرتا۔ حالانکہ اسلام سے پہلے بھی عرب حالت احرام میں شکار کو نہایت برا جانتے تھے اس لئے اس پر مواخذہ ہونا بے جا نہ تھا کہ جو چیز تمہارے زعم کے موافق جرائم میں داخل تھی اس کا ارتکاب کیوں کیا گیا۔

۲۳۴۔ یعنی نہ کوئی مجرم اس کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ اور بہ مقتضائے عدل و حکمت جو جرائم سزا دینے کے قابل ہیں نہ خدا ان سے درگزر کرنے والا ہے۔

۲۳۵۔ احرام میں دریا کے شکار کی اجازت: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں احرام میں دریا کا شکار یعنی مچھلی حلال ہے اور دریا کا کھانا یعنی جو مچھلی پانی سے جدا ہو کر مر گئی اس نے نہیں پکڑی وہ بھی حلال ہے۔ فرمایا یہ تمہارے فائدہ کو رخصت دی پھر کوئی نہ سمجھے کہ حج کے طفیل سے حلال ہے فرمایا کہ اور سب مسافروں کے فائدہ کو مچھلی اگرچہ تالاب میں ہو وہ بھی شکار دریا ہے۔ یہ حکم شکار کا معلوم ہو احرام کے اندر اور احرام میں قصد ہے مکہ کا اس شہر مکہ اور گرد و پیش میں ہمیشہ شکار مارنا حرام ہے بلکہ شکار کو ڈرانا اور بھگانا بھی۔

۹۷۔ اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے اور بزرگی والے مہینوں کو اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جنکے گلے میں پٹہ ڈال کر لیجاویں کعبہ کو [۲۳۶] یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے [۲۳۷]

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيًّا

لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ

ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا

فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾

۹۸۔ جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۲۳۸]

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَحِيمٌ ﴿٩٨﴾

۹۹۔ رسول کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو [۲۳۹]

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا

تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۹۹﴾

۱۰۰۔ تو کہہ دے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ سے اسے عقلمند و تاکہ تمہاری نجات ہو [۲۴۰]

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ  
كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۱۰۰﴾

۲۳۶۔ کعبہ کے قیام للناس ہونے کا مطلب: "کعبہ شریف دینی اور دنیوی دونوں حیثیت سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حج و عمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے۔ لیکن نماز کے لئے بھی استقبال قبلہ شرط ہے اس طرح کعبہ لوگوں کی دینی عبادات کے قیام کا سبب ہو گیا۔ پھر حج وغیرہ کے موقع پر تمام بلاد اسلامیہ سے لاکھوں مسلمان جب وہاں جمع ہوتے ہیں تو بے شمار تجارتی سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے اس جگہ کو "حرم آمن" بنایا۔ اس لئے انسانوں بلکہ بہت جانوروں تک کو وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں جبکہ ظلم و خونریزی اور فتنہ و فساد محض معمولی بات تھی ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی حرم شریف میں تعرض نہ کر سکتا تھا مادی حیثیت سے انسان یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اتنی افراط سے سامان خورد و نوش اور نفیس قسم کے پھل اور میوے کہاں سے کھنچے چلے آتے ہیں یہ سب حیثیات قِیَمًا لِلنَّاسِ میں معتبر ہو سکتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسان کے لئے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا اور مصلح اعظم سید کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کے مولد و مسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہو گا۔ ان سب وجوہ سے کعبہ کو قِیَمًا لِلنَّاسِ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ کعبہ تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق، تکمیل روحانیت اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے اور کسی چیز کا قیام اپنے مرکز کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ محققین کے نزدیک قِیَمًا لِلنَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقاء کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اسی وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے جس وقت خدا کا ارادہ یہ ہو گا کہ کارخانہ عالم کو ختم کیا جائے تو سب کاموں سے پہلے اسی مبارک مکان کو جسے بیت اللہ شریف کہتے ہیں اٹھالیا جائے گا جیسا کہ بنانے کے وقت بھی زمین پر سب سے پہلا مکان یہ ہی بنایا گیا تھا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ (آل عمران۔ ۹۶) اربع بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک سیاہ فام حبشی (جسے ذوالسویقتین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) عمارت کعبہ کا ایک پتھر اکھیڑ کر ڈال دے گا۔ جب تک خدا کو اس دنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو ہدم کرنا ہو اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اصحاب فیل کا قصہ تو ہر شخص نے سنا ہے لیکن ان کے بعد بھی ہر زمانہ میں کتنی قوموں اور شخصوں نے ایسے منصوبے باندھے ہیں اور باندھتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدائی حفاظت اور اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ باوجود سامان و اسباب ظاہرہ کے فقدان کے آج تک کوئی شخص اس اہلسانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا اور جب عمارت کعبہ کے گرا دینے میں قدرت کی طرف

سے مزاحمت نہ رہے گی تو سمجھ لو کہ عالم کی ویرانی کا حکم آن پہنچا۔ دنیا کی حکومتیں اپنے دارالسلطنت اور قصر شاہی کی حفاظت کے لئے لاکھوں سپاہی کٹوا دیتی ہیں۔ لیکن اگر کبھی خود ہی قصر شاہی کو کسی مصلحت سے تبدیل یا ترمیم کرنا چاہیں تو معمولی مزدوروں سے اس کے گرا دینے کا کام لے لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے امام بخاریؒ نے باب جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس لایۃ میں ”ذوالسویقتین“ کی حدیث درج کر کے قیاماً للناس کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ (نبہ علیہ شیخنا المترجم قدس اللہ روحہ، فی دروس البخاری) بہر حال آیت زیر بحث میں احکام ”محرم“ بیان فرمانے کے بعد کعبہ شریف کی عظمت و حرمت بیان کرنا مقصود ہے پھر کعبہ اور احرام کی مناسبت سے شہر حرام اور ہدی و قلائد کا بھی ذکر فرمادیا۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں غَیْرِ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرْمٌ (المائدہ-۱) کے ساتھ اَلَا تَحِلُّوْا شَعَابِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْاَهْدَىٰ وَلَا الْاَقْلَابِیْدَ (المائدہ-۲) الخ کو ملحق فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۳۷۔ یعنی کعبہ وغیرہ کے قیاماً للناس بنانے میں جن مصالِح دینی و دنیوی کی رعایت فرمائی اور بظاہر بالکل خلاف قیاس جو عظیم الشان پیشین گوئی کی گئی وہ اس کی دلیل ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز حق تعالیٰ کے غیر محدود علم کے احاطہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔

۲۳۸۔ یعنی جو احکام حالت احرام یا احترام کعبہ وغیرہ کے متعلق دیے گئے اگر ان کی عمداً خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔ اور بھول چوک سے کچھ تقصیر ہو جائے پھر کفارہ وغیرہ سے اس کی تلافی کر لو تو بیشک وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔

۲۳۹۔ پیغمبر ﷺ نے خدا کا قانون اور پیغام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو چکی اب ظاہر و باطن میں جیسا عمل کرو گے وہ سب خدا کے سامنے ہے۔ حساب و جزا کے وقت ذرہ ذرہ تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

۲۴۰۔ اس رکوع سے پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ طیبات کو حرام مت ٹھہراؤ بلکہ ان سے اعتدال کے ساتھ تمتع کرو۔ ”اس مضمون کی تکمیل کے بعد نحر وغیرہ چند ناپاک اور خبیث چیزوں کی حرمت بیان فرمائی۔ اسی سلسلے میں محرم کے شکار کو حرام کیا یعنی جس طرح نحر، میتہ وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو سمجھو۔ محرم کی مناسبت سے چند ضمنی چیزوں کا بیان فرمانے کے بعد اب متنبہ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوری چیز اگر طیب و حلال ہو وہ بہت سی خبیث و حرام چیز سے بہتر ہے عقلمند کو چاہئے کہ ہمیشہ طیب و حلال کو اختیار کرے گندی اور خراب چیزوں کی طرف خواہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اٹھائے۔

۱۰۱۔ اے ایمان والو مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی [۲۳۱] اللہ نے ان سے درگزر کی ہے [۲۳۲] اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِن تُبَدِّلْكُمْ تَسْؤُكُمْ ۚ وَإِن تَسْأَلُوا عَنْهَا حِثَّ يَنْزِلَ الْقُرْآنُ تُبَدِّلْكُمْ ۗ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۲۔ ایسی باتیں پوچھ چکی ہے ایک جماعت تم سے پہلے پھر ہو گئے ان باتوں سے منکر [۲۳۳]

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا

كُفْرَيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۳۔ نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی و لیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر بہتان اور ان میں اکثروں کو عقل نہیں [۲۳۳]

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ<sup>۱</sup> وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ<sup>۲</sup> وَآكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ<sup>۳</sup>

۲۳۱۔ بے ضرورت سوالات کی ممانعت: "پچھلے دور کو ع کا حاصل احکام دینیہ میں غلو اور تساہل سے روکنا تھا یعنی جو طیبات خدا نے حلال کی ہیں انکو اپنے اوپر حرام مت ٹھہراؤ۔ اور جو چیزیں خبیث و حرام ہیں خواہ دائمی طور پر یا خاص احوال و اوقات میں ان سے پوری طرح اجتناب کرو۔ ان آیات میں تنبیہ فرمادی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول اور دورازکار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائے گا۔ بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریح کا بات مفتوح ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے۔ پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نبھانہ سکیں۔ سنت اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ شقوق و احتمالات نکالے جائیں تو ادھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں کہ گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم ملے گا اس کے اٹھانے کے لئے وہ بہمہ وجوہ تیار ہیں۔ اس قسم کا دعویٰ جو بندہ کے ضعف و اقتدار کے مناسب نہیں مستحق بنا دیتا ہے کہ ادھر سے حکم میں کچھ سختی ہو اور جتنا یہ اپنے کو قابل ظاہر کرتا ہے اسی کے موافق امتحان بھی سخت ہو چنانچہ بنی اسرائیل کے "ذبح بقرہ" والے قصہ میں ایسا ہی ہوا حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یا رسول اللہ فرمایا اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادانہ کر سکتے۔ جس چیز میں تم کو آزاد چھوڑ دوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو ایک حدیث میں مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سوالات کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی۔ بہر حال یہ آیت احکام شرعیہ کے باب میں اس طرح کے دورازکار اور بے ضرورت سوالات کا دروازہ بند کرتی ہے۔ باقی بعض احادیث میں جو یہ مذکور ہے کہ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ سے جزئی واقعات کے متعلق لغو سوال کرتے تھے ان کو روکا گیا وہ ہماری تقریر کے مخالف نہیں۔ ہم لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ فِي "اشیاء" کو عام رکھتے ہیں جو واقعات و احکام دونوں کو شامل ہے اور "تسؤم" میں بھی جو برا لگنے کے معنی پر مشتمل ہے تعیم رکھی جائے۔ حاصل یہ ہو گا کہ نہ احکام کے باب میں فضول سوالات کیا کرو اور نہ واقعات کے سلسلہ میں کیونکہ ممکن ہے جو جواب آئے وہ تم کو ناگوار ہو مثلاً کوئی سخت حکم آیا یا کوئی قید بڑھ گئی یا ایسے واقعہ کا اظہار ہوا جس سے تمہاری فضیحت ہو یا بیہودہ سوالات پر ڈانٹ بتلائی گئی یہ سب احتمالات تسؤم کے تحت میں داخل ہیں۔ باقی ضروری بات پوچھنے یا شبہ ناشی عند دلیل کے رفع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲۳۲۔ یا تو مراد یہ ہے کہ ان اشیاء سے درگزر کی یعنی جب خدا نے انکے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان ان کے بارہ میں آزاد ہے خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا۔ چنانچہ اسی سے بعض علمائے اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یہ ہے کہ ان فضول سوالات سے جو

پہلے کر چکے ہو اللہ نے درگذر کی آئندہ احتیاط رکھو۔

۲۴۳۔ حدیث صحیح میں ہے کہ پہلی تو میں کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بدولت ہلاک ہوئیں۔

۲۴۴۔ جاہلیت کے بعض رسوم و شعائر کا رد: ”بجیرہ، سائبہ، وصدید، حامی یہ سب زمانہ جاہلیت کے رسوم و شعائر سے متعلق ہیں۔ مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت اختلاف کیا ہے۔ ممکن ہے ان میں سے ہر ایک لفظ کا اطلاق مختلف صورتوں پر ہوتا ہو ہم صرف سعید بن المسیب کی تفسیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں۔ ”بجیرہ“ جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ ”سائبہ“ جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈھ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ”وصدید“ جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ ”حامی“ نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ یہ چیزیں شعائر شرک میں سے تھیں جس جانور کے گوشت یا دودھ یا سواری وغیرہ سے منتفع ہونے کو حق تعالیٰ نے جائز رکھا اس کی حلت و حرمت پر اپنی طرف سے قیود لگانا گویا اپنے لئے منصب تشریح تجویز کرنا تھا اور بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنی ان مشرکانہ رسوم کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ تصور کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ نے ہرگز یہ رسوم مقرر نہیں کیں۔ ان کے بڑوں نے خدا پر یہ بہتان باندھا اور اکثر بے عقل عوام نے اسے قبول کر لیا۔ الغرض یہاں تشبیہ کی گئی کہ جس طرح فضول و بیکار سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کرنا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کی یہ جرم ہے کہ بدون حکم شارع کے محض اپنی آراء و اہواء سے حلال و حرام تجویز کر لئے جائیں۔

۱۰۴۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اسکی طرف جو کہ اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر انکے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے [۲۴۵]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ  
الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا  
أُولَٰئِكَ كَانَ أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۵۔ اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر [۲۴۶]  
اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے تم سب کو پھر وہ جتنا دے گا تمکو جو کچھ تم کرتے تھے [۲۴۷]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ  
مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ  
جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾

۲۴۵۔ آباء کی اندھی تقلید: ”جاہلوں کی سب سے بڑی حجت یہ ہی ہوتی ہے کہ جو کام باپ دادا سے ہوتا آیا ہے اس کا خلاف کیسے کریں۔ ان کو بتلایا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قعر ہلاکت میں جا گرے ہوں تو کیا پھر بھی تم ان ہی کی راہ چلو گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”باپ کا حال معلوم ہو کہ حق کا تابع اور صاحب علم تھا تو اس کی راہ پڑے نہیں تو عبث ہے۔“ یعنی کیف ما تلقیٰ ہر کسی کی کورانہ تقلید جائز نہیں۔

۲۴۶۔ مسلمانوں کو ایک نصیحت: یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ اور آباء اجداد کی اندھی تقلید سے باوجود اس قدر نصیحت و فہمائش کے باز نہیں آتے تو تم زیادہ اس غم میں مت پڑو۔ کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو۔ سیدھی راہ یہ ہی ہے کہ آدمی

ایمان و تقویٰ اختیار کرے خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے۔ پھر بھی اگر لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ جب ایک شخص اپنا نماز روزہ ٹھیک کر لے تو ”امر بالمعروف“ چھوڑ دینے سے اسے کوئی مضرت نہیں ہوتی، سخت غلطی ہے لفظ ”اہتداء“ امر بالمعروف وغیرہ تمام وظائف ہدایت کو شامل ہے۔ اس آیت میں گورے سخن بظاہر مسلمانوں کی طرف ہے۔ لیکن ان کفار کو بھی متنبہ کرنا ہے جو باپ دادا کی کورانہ تقلید پر اڑے ہوئے تھے۔ یعنی اگر تمہارے باپ دادا راہ حق سے بھٹک گئے تو ان کی تقلید میں اپنے کو جان بوجھ کر کیوں ہلاک کرتے ہو۔ انہیں چھوڑ کر تم اپنی عاقبت کی فکر کرو۔ اور نفع و نقصان کو سمجھو۔ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد ان کے خلاف راہ حق پر چلنے لگے تو آباؤ اجداد کی یہ مخالفت اولاد کو قطعاً مضرت نہیں۔ یہ خیالات محض جہالت کے ہیں کہ کسی حال بھی آدمی باپ دادا کے طریقہ سے قدم باہر نہ رکھے۔ رکھے گا تو ناک کٹ جائے۔ عقلمند کو چاہیے کہ انجام کا خیال کرے سب اگلے پچھلے جب خدا کے سامنے اکٹھے پیش ہوں گے تب ہر ایک کو اپنا عمل اور انجام نظر آجائے گا۔“

۲۴۷۔ یعنی جو گمراہ رہا اور جس نے راہ پائی سب کے نیک و بد اعمال اور ان کے نتائج سامنے کر دیے جائیں گے۔

۱۰۶۔ اے ایمان والو گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو تم میں موت و وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں [۲۴۸] تم میں سے [۲۴۹] یا دو شاہد اور ہوں تمہارے سوا [۲۵۰] اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی تو کھڑا کرو ان دونوں کو بعد نماز کے [۲۵۱] وہ دونوں قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں کہ ہم نہیں لیتے قسم کے بدلے مال اگرچہ کسی کو ہم سے قربت بھی ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم بیشک گنہگار ہیں [۲۵۲]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ  
أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ  
مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي  
الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ  
تَحْسِبُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمِنِ بِاللَّهِ  
إِنْ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ  
وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّبِئْسَ الْأَشْيَاءَ

۱۰۷۔ پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں ان کی جگہ [۲۵۳] ان میں سے کہ جن کا حق دبا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے پھر قسم کھاویں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے اور ہم نے زیادتی نہیں کی نہیں تو ہم بیشک ظالم ہیں [۲۵۴]

فَإِنْ عَثَرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّ إِثْمًا فَأَخْرَجَ  
يَقُومُنَ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ  
الْأَوْلَىٰ فَيُقْسِمِنِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ  
شَهَادَتِهِمَا وَمَا عَدَدَيْنَا ۗ إِنَّا إِذًا لَّبِئْسَ الظَّالِمِينَ

۱۰۸۔ اس میں امید ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر اور ڈریں کہ الٹی پڑے گی قسم ہماری ان کی قسم کے بعد [۲۵۵] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو اور اللہ نہیں چلاتا سیدھی راہ پر نافرمانوں کو [۲۵۶]

ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَّاتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَّجْهٍ اَوْ  
يَخَافُوْا اَنْ تَرُدَّ اَيْمَانُهُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ  
وَاسْعَوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۙ

۲۴۸۔ وصیت کے احکام: یعنی بہتر یہ ہے۔ باقی اگر دونہ ہوں یا معتبر نہ ہوں تب بھی وصی بنا سکتا ہے اور گواہ سے مراد یہاں وصی ہے اس کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر فرمادیا۔

۲۴۹۔ یعنی مسلمانوں میں سے۔

۲۵۰۔ یعنی غیر مسلم۔

۲۵۱۔ یعنی نماز عصر کے بعد کہ وہ وقت اجتماع اور قبول کا ہے شاید ڈر کر جھوٹی قسم نہ کھائیں۔ یا کسی نماز کے بعد یا وصی جس مذہب کے ہوں ان کی نماز کے بعد۔

۲۵۲۔ یعنی جب خدا کے پاس سب کو جانا ہے تو جانے سے پہلے سب کام ٹھیک کر لو۔ اسی میں سے ایک اہم کام ضروری امور کی وصیت اور اس کے متعلقات ہیں۔ ان آیات میں وصیت کا بہترین طریقہ تلقین فرمایا ہے۔ یعنی مسلمان اگر مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالہ کرے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کرے۔ مسلمان اگر نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہو جاتا ہے تو دو کافروں کو وصی بنائے۔ پھر اگر وارثوں کو شبہ پڑ جائے کہ ان شخصوں نے کچھ مال چھپایا اور وارث دعویٰ کر دیں اور دعویٰ کے ساتھ شاہد موجود نہ ہو تو وہ دونوں شخص قسم کھائیں کہ ہم نے نہیں چھپایا اور ہم کسی طمع یا قرابت کی وجہ سے جھوٹ نہیں کہہ سکتے اگر کہیں تو گنہگار ہیں۔

۲۵۵۔ یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اول ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں۔ یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں۔ جانیں کہ آخر ہماری قسم الٹی پڑے گی۔ کذافی موضح القرآن۔

۲۵۶۔ خدا کی نافرمانی کرنے والا انجام کار رسوا اور ذلیل ہی ہوتا ہے حقیقی کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھتا۔

۲۵۳۔ ایک ہوتب بھی مضائقہ نہیں۔

۲۵۴۔ آیات وصیت کی شان نزول: "یعنی اگر قرآن و آثار سے اوصیاء کی قسم کا جھوٹ ہونا معلوم ہو اور وہ بذریعہ شہادت شرعی اپنی سچائی ثابت نہ کر سکیں تو میت کے وارثوں کو قسم دی جائے گی کہ ان کو اوصیاء کے دعویٰ کی واقعیت کا کوئی علم نہیں اور یہ کہ ان کی گواہی اوصیاء کی گواہی سے زیادہ حق بالقبول ہے۔ ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص "بدیل" نامی جو مسلمان تھا۔ دو شخصوں تیمم وعدی کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے۔ بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی رفقا کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش و نگار تھے اس میں سے نکال لیا۔ وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں کچھ خرچ ہو اہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آخر معاملہ نبی کریم ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو

ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی نہ کوئی چیز اس کی چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سناہ کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لئے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے۔ میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مراقبہ کیا اب پہلی صورت کے برعکس اوصیاء خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا۔ (ایک ہزار درہم) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

۱۰۹۔ جس دن اللہ جمع کرے گا سب پیغمبروں کو پھر کہے گا تم کو کیا جواب ملا تھا [۲۵۷] وہ کہیں گے ہم کو خبر نہیں [۲۵۸] تو ہی ہے چھپی باتوں کو جاننے والا

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجِبْتُمْ  
قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۰۹﴾

۱۱۰۔ جب کہے گا اللہ [۲۵۹] اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان جو ہوا ہے تجھ پر اور تیری ماں پر [۲۶۰] جب مدد کی میں نے تیری روح پاک سے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور تہہ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا تھا گارے سے جانور کی صورت میرے حکم سے پھر پھونک مارتا تھا اسمیں تو ہو جاتا اڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا مردوں کو میرے حکم سے [۲۶۱] اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تولے کر آیا انکے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں اور کچھ نہیں یہ تو جادو ہے صریح [۲۶۲]

إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي  
عَلَيْكَ وَ عَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ  
الْقُدُسِ ۖ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ  
عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرَةَ وَ  
الْإِنْجِيلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ  
بِأِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِأِذْنِي وَ تَبْرِئُ  
الْأَكْمَةَ وَ الْآبْرَصَ بِأِذْنِي ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْبُوتِيَ  
بِأِذْنِي ۚ وَ إِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ  
جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ  
إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۰﴾

۲۵۷۔ یہ سوال مشر میں امتوں کے روبرو پیغمبروں سے کیا جائے گا کہ دنیا میں جب تم ان کے پاس پیغام حق لے کر گئے تو انہوں نے کیا جواب



دیا اور کہاں تک دعوت الہی کی اجابت کی؟ گذشتہ رکوع میں بتلایا تھا کہ خدا کے یہاں جانے سے پہلے بذریعہ وصیت وغیرہ یہاں کا انتظام ٹھیک کر لو۔ اب متنہ فرماتے ہیں کہ وہاں کی جو ابد ہی کے لئے تیار رہو۔

۲۵۸۔ حشر میں انبیاء سے اللہ کا سوال: "محشر کے ہولناک دن میں جب خدائے قہار کی شان جلالی کا انتہائی ظہور ہو گا اکابر و اعظم کے ہوش بجا نہ رہیں گے اولوالعزم انبیاء کی زبان پر نفسی نفسی ہو گا۔ اس وقت انتہائی خوف و خشیت سے حق تعالیٰ کے سوال کا جواب لا عِلْمَ لَنَا (ہمیں کچھ خبر نہیں) کے سوانہ دے سکیں گے۔ پھر جب نبی کریم ﷺ کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف و رحمت ہو گی تب کچھ عرض کرنے کی جرأت کریں گے۔ حسن و مجاہد وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے۔ لیکن ابن عباس کے نزدیک لا عِلْمَ لَنَا کا مطلب یہ ہے کہ خداوند! تیرے علم کامل و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔ گویا یہ الفاظ "تاؤب مع اللہ" کے طور پر کہے۔ ابن جریج کے نزدیک لا عِلْمَ لَنَا سے یہ مراد ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کچھ کیا۔ ہم صرف ان ہی افعال و احوال پر مطلع ہو سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہری طور پر پیش آئے تھے۔ بوطن و سرائر کا علم علام الغیوب ہی کو ہے۔ آئندہ رکوع میں حضرت مسیحؑ کی زبانی جو جواب نقل فرمایا ہے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا لِّاٰلِ اٰسِ سِ اٰخِرٰی سے آخری معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب حوض پر بعض لوگوں کی نسبت حضور فرمائیں گے هٰؤلَاءِ اصحابی توجواب ملے گا لا تدری ما احد ثوابعدک یعنی آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پیچھے انہوں نے کیا حرکات کیں۔

۲۵۹۔ حشر میں انبیاء سے اللہ کا سوال: غالباً یہ پورا رکوع آنے والے رکوع کی تمہید ہے۔ احسانات یاد دلا کر وہ سوال ہو گا جو آئندہ رکوع میں مذکور ہے۔

۲۶۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کا خطاب: اول تو اولاد پر احسان کرنا من وجہ ماں پر احسان ہے۔ دوسرے ظالم لوگ جو تہمت مریم صدیقہ پر لگاتے تھے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ان کی برات و نزاہت کے لئے برہان مبین بنا دیا اور تولد مسیحؑ سے پہلے اور بعد عجیب و غریب نشانات حضرت مریم کو دکھائے جو ان کی تقویت و تسکین کا باعث ہوئے۔ یہ احسانات بلا واسطہ ان پر تھے۔

۲۶۱۔ روح القدس کی تائید: "گود میں جو کلام کیا اس کا ذکر" سورہ مریم "میں آئے گا۔ اِنِّیْ عِبْدُ اللّٰهِ اَتٰنِی الْکِتٰبَ (مریم۔ ۳۰) الی آخرہ تعجب ہے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کے تکلم فی المہد کا کچھ ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں یہود کے سامنے انہوں نے ایسی حکیمانہ دلائل و براہین بیان فرمائیں کہ تمام علماء عاجز و مبہوت رہ گئے اور سامعین عیش عیش کرنے لگے۔ یوں تو روح القدس سے حسب مراتب سب انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض مومنین کی بھی تائید ہوتی ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ کو جن کا وجود ہی نفعہ جبریل سے ہو کوئی خاص قسم کی فطری مناسبت اور تائید حاصل ہے جسے تفصیل انبیاء کے صد میں بیان فرمایا گیا۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاَتَيْنَا عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَنِیْنَ وَاٰیٰتِنَا بِرُوحِ الْقُدُسِ (بقرہ۔ ۲۵۳) روح القدس کی مثال عالم ارواح میں ایسی سمجھو جیسے عالم مادیات میں قوت کهربائیہ (بجلی) کا خزانہ، جس وقت اس خزانہ کا مدبر معین اصول کے موافق کرنٹ چھوڑتا اور جن اشیاء میں بجلی کا اثر پہنچاتا ہے۔ ان کا کنکشن درست کر دیتا ہے تو فوراً خاموش اور ساکن مشینیں بڑے زور سے گھومنے لگتی ہیں اگر کسی مریض پر بجلی کا عمل کیا گیا تو مشمول اعضاء اور بے حس ہو جانے والے اعصاب میں بجلی کے پہنچنے سے حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات ایسے بیمار کے حلقوم میں جس کی زبان بالکل بند ہو گی ہو قوت کهربائیہ کے پہنچانے سے قوت گویائی واپس کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض غالی ڈاکٹروں نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ ہر قسم کی بیماری کا علاج قوت کهربائیہ سے کیا جاسکتا ہے (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جب اس معمولی مادی کهربائیہ کا حال یہ ہے تو اندازہ کر لو کہ عالم ارواح کی کهربائیہ میں جس کا خزانہ روح القدس ہے کیا کچھ طاقت ہو گی حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے

کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبہ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان کا “روح اللہ” سے ملقب ہونا، بچپن، جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا کے حکم سے افاضہ حیات کے قابل کا لہد خاکی تیار کر لینا، اس میں باذن اللہ روح حیات پھونکنا مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو باذن اللہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کارآمد اور بے عیب بنادینا، حتیٰ کہ مردہ لاشہ میں باذن اللہ دوبارہ روح حیات کو واپس لے آنا، بنی اسرائیل کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا کر آپ کا آسمان پر اٹھالیا جانا اور آپ کی حیات طیبہ پر اس قدر طول عمر کا کوئی اثر نہ ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب آثار اسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوئے ہیں جو رب العزت نے کسی مخصوص نوعیت و اصول سے آپ کے اور روح القدس کے مابین قائم فرمایا ہے ہر پیغمبر کے ساتھ کچھ امتیازی معاملات خدا تعالیٰ کے ہوتے ہیں، ان کے علل و اسرار کا احاطہ اسی علام الغیوب کو ہے ان ہی امتیازات کو علماء کی اصطلاح میں فضائل جزئیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایسی چیزوں سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ الوہیت ثابت ہو۔ “واذ تخلق من الطین” میں خلق کا لفظ محض صوری اور حسی لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے ہے ورنہ خالق حقیقی احسن الخالقین کے سوا کوئی نہیں۔ اسی لئے باذنی کا بار بار اعادہ کیا گیا اور آل عمران میں حضرت مسیح کی زبان سے باذن اللہ کی تکرار کرائی گئی۔ بہر حال جو خوارق ان آیات میں اور ان سے پہلی آل عمران میں حضرت مسیح کی طرف منسوب ہوئے ہیں ان کا انکار یا تحریف صرف اسی لحد کا کام ہو سکتا ہے جو آیات اللہ کو اپنی عقل شخصی کے تابع کرنا چاہے۔ باقی جو لوگ قانون قدرت کا نام لے کر معجزات و خوارق کا انکار کرنا چاہتے ہیں ان کا جواب ہم نے ایک مستقل مضمون میں دیا ہے اس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔

۲۶۲۔ معجزات اور فوق العادت تصرفات کو جادو کہنے لگے اور انجام کار حضرت مسیح کے قتل کے درپے ہوئے۔ حق تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے حضرت مسیح کو آسمان پر اٹھالیا۔ اس طرح یہود کو ان کے ناپاک مقصد میں کامیاب ہونے سے روک دیا گیا۔

۱۱۱۔ اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي

قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾

۱۱۲۔ جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تیرا رب کر سکتا ہے [۲۶۳] کہ اتارے ہم پر خون بھرا ہوا آسمان سے [۲۶۴] بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے [۲۶۵]

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ

يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ

السَّمَاءِ ۗ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

۱۱۳۔ بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اس میں سے اور مطمئن ہو جاویں ہمارے دل اور جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا اور ہیں ہم اس پر گواہ [۲۶۶]

قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَ

نَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا وَ نَكُونُ عَلَيْهَا مِنَ

الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾

۱۱۴۔ کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہماری پہلوں اور رچھلوں کے واسطے [۲۶۷] اور نشانی ہو تیری طرف سے [۲۶۸] اور روزی دے ہم کو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا [۲۶۹]

۱۱۵۔ کہا اللہ نے میں بیشک اتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے گا اس کے بعد تو میں اس کو وہ عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دوں گا جہاں میں [۲۷۰]

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا

مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا

وَآيَةً مِنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾

قَالَ اللَّهُ إِنَّي مُنْزِلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ

مِنْكُمْ فَإِنِّي أَعْدِبُهَا عَذَابًا لَّا أَعْدِبُهَا أَحَدًا مِّنَ

الْعَالَمِينَ ﴿١١٥﴾

۲۶۳۔ ”کر سکتا ہے“ اس لئے کہا کہ آپ کی رعایت اور دعا سے ہمارے لئے بطور خرق عادت نہ معلوم ایسا کرے یا نہ کرے۔“

۲۶۴۔ یعنی آسمان کی طرف سے بے محنت روزی پہنچ جایا کرے۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ خوان جنت ہی کا ہو۔

۲۶۵۔ یعنی ایماندار بندہ کو لائق نہیں کہ ایسی غیر معمولی فرمائشیں کر کے خدا کو آزمائے خواہ اس کی طرف سے کتنی ہی مہربانی کا اظہار ہو روزی ان ہی ذرائع سے طلب کرنا چاہئے جو قدرت نے اس کی تحصیل کے لئے مقرر فرمادے ہیں۔ بندہ جب خدا سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرے اور اسی پر ایمان و اعتماد رکھے تو حق تعالیٰ ایسی جگہ سے اس کو رزق پہنچائے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اِنْ (طلاق۔ ۲، ۳)

۲۶۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ماندہ کا مطالبہ: یعنی آزمانے کو نہیں مانگتے بلکہ برکت کی امید پر مانگتے ہیں کہ غیب سے بے محنت روزی ملتی رہے تا اطمینان قلب اور دلجمعی سے عبادت میں لگے رہیں۔ اور آپ نے جو غیبی خبریں نعمائے جنت وغیرہ کے متعلق دی ہیں، ایک چھوٹا سا نمونہ دیکھ کر ان کا بھی یقین کامل ہو جائے۔ اور ایک عینی شاہد کے طور پر ہم اس کی گواہی دیں جس سے یہ معجزہ ہمیشہ مشہور رہے۔ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسیح نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم خدا کے لئے تیس دن کے روزے رکھ کر جو کچھ طلب کرو گے وہ دیا جائے گا۔ حواریین نے روزے رکھ لئے اور ماندہ طلب کیا وَتَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا سے یہ ہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۶۷۔ نزول ماندہ کی دعاء: یعنی وہ دن جس میں ماندہ آسمانی نازل ہو، ہمارے اگلے پچھلے لوگوں کے حق میں عید ہو جائے کہ ہمیشہ ہماری قوم اس دن کو بطور یادگار تہوار منایا کرے۔ اس تقریر کے موافق تَكُونُ لَنَا عِيدًا کا اطلاق ایسا ہو جیسا کہ آیة اَلْيَوْمِ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدہ۔ ۳) کے متعلق بخاری میں یہود کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔ انکم تقرؤن آية لوزلت فينا لا اتخذنا عيدا جس طرح آية کو عید بنانے کا مطلب اس کے یوم نزول کو عید بنانا ہے۔ کما ہو مصرح فی الروایات الاخر۔ اسی پر ماندہ کے عید ہونے کو بھی قیاس کر لو کہتے ہیں کہ وہ خوان اتار کو جو نصاریٰ کے یہاں ہفتہ کی عید ہے جیسے مسلمانوں کے یہاں جمعہ۔

۲۶۸۔ یعنی تیری قدرت کی اور میری نبوت و صداقت کی نشانی ہو۔

۲۶۹۔ یعنی بدون تعب و کسب کے روزی عطا فرمائے۔ آپ کے یہاں کیا کمی ہے اور کیا مشکل ہے۔

۲۷۰۔ ناشکروں کے لئے عذاب کی دھمکی: جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہوگی تو اس کی شکر گزاری کی تاکید بھی معمول سے بہت بڑھ کر ہونی چاہئے اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔ موضح القرآن میں ہے "بعضے کہتے ہیں وہ خوان اتر چالیس روز تک پھر بعضوں نے ناشکری کی۔ یعنی حکم ہوا تھا کہ فقیر اور مریض کھائیں۔ مظلوظ اور چنگے بھی لگے کھانے۔ پھر قریب اسی آدمی کے سورا اور بندر ہو گئے۔ یہ عذاب پہلے یہود میں ہوا تھا۔ پیچھے کسی کو نہیں ہوا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ نہیں اتر۔ یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے، نہ مانگا، لیکن پیغمبر کی دعاء عبث نہیں اور اس کلام میں نقل کرنا بے حکمت نہیں۔ شاید اس دعاء کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی امت میں آسودگی مال ہمیشہ رہی جو کوئی ان میں ناشکری کرے۔ یعنی دل کے اطمینان سے عبادت میں نہ لگے بلکہ گناہ میں خرچ کرے تو شاید آخرت میں سب سے زیادہ عذاب پاوے۔ اس میں مسلمانوں کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا خرق عادت کی راہ سے نہ چاہے کہ پھر اس کی شکر گزاری بہت مشکل ہے۔ اسباب ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔ اس قصہ میں بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کے آگے حمایت پیش نہیں جاتی۔

۱۱۶۔ اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہر الو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوا اللہ کے [۲۷۱] کہا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھ کو ضرور معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا [۲۷۲]

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ ۗ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۗ تَعَلَّمَ مَا فِي نَفْسِي ۗ وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۷۔ میں نے کچھ نہیں کہا انکو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا [۲۷۳] اور میں ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا ان کی اور تو ہر چیز سے خبردار ہے [۲۷۴]

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا إِلَهًا رَبِّيَ وَرَبِّكُمْ ۗ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۗ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۗ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۸۔ اگر تو انکو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا [۲۷۵]

إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَلَا تَعْذِبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۗ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾

۲۷۱۔ حق تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال: پچھلا رکوع حقیقت میں اس رکوع کی تمہید تھی۔ پچھلے رکوع کی ابتدا میں یَوْمَ یَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ (المائدہ-۱۰۹) اِخْ فرما کر آگاہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تمام مرسلین سے ان کی امتوں کے مواجہ میں علیٰ رؤس الاشهاد سوال وجواب ہوں گے۔ پھر ان میں سے خاص حضرت مسیح کا ذکر فرمایا جن کو کروڑوں آدمیوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے کہ ان سے بالخصوص اس عقیدہ باطلہ کی نسبت دریافت کیا جائے گا لیکن اول وہ عظیم الشان احسانات اور ممتاز انعامات یاد دلائیں گے جو ان پر اور ان کی والدہ ماجدہ پر فائز ہوئے۔ بعدہ ارشاد ہو گا: اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ اِخْ (کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود مانو) حضرت مسیحؑ اس سوال پر کانپ اٹھیں گے اور وہ عرض کریں گے جو آگے آتا ہے۔ آخر میں ارشاد ہو گا: هٰذَا یَوْمٌ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ہذا اشارہ اسی یوم کی طرف ہے جو یَوْمَ یَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ (المائدہ-۱۰۹) میں مذکور تھا۔ بہر حال یہ سب واقعہ روز قیامت کا ہے۔ جسے متیقن الوقوع ہونے کی وجہ سے قرآن حدیث میں بصیغہ ماضی (قال) تعبیر فرمایا ہے۔

۲۷۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب: یعنی میں ایسی گندی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔ آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ الوہیت وغیرہ میں کسی کو اس کا شریک کیا جائے۔ اور جس کو آپ پیغمبری کا منصب جلیل عطا فرمائیں، اس کی یہ شان نہیں کہ کوئی ناحق بات منہ سے نکالے۔ پس آپ کی سبوحیت اور میری عصمت دونوں کا اقتضاء یہ ہے کہ میں ایسی ناپاک بات کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اور سب دلائل کو چھوڑ کر آخری بات یہ ہے کہ آپ کے علم محیط سے کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اگر فی الواقع میں ایسا کہتا تو آپ کے علم میں ضرور موجود ہوتا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میں نے خفیہ یا علانیہ کوئی ایسا حرف منہ سے نہیں نکالا۔ بلکہ میرے دل میں اس طرح کے گندے خیال کا خطور بھی نہیں ہوا۔ آپ سے میرے یا کسی کے دل کے چھپے ہوئے ہوا جس و خواطر بھی پوشیدہ نہیں۔

۲۷۳۔ میں نے آپ کے حکم سے سرمو تجاوز نہیں کیا۔ اپنی الوہیت کی تعلیم تو کیسے دے سکتا تھا۔ اس کے بالمقابل میں نے ان کو صرف تیری بندگی کی طرف بلایا اور کھول کھول کر بتلادیا کہ میرا اور تمہارا سب کارب (پروردگار) وہ ہی ایک خدا ہے جو تمہا عبادت کے لائق ہے۔ چنانچہ آج بھی بائبل میں صریح نصوص اس مضمون کی بکثرت موجود ہیں۔

۲۷۴۔ نہ صرف یہ کہ میں نے مخلوق کو تیری توحید اور عبودیت کی طرف دعوت دی، بلکہ جب تک ان کے اندر قیام پذیر رہا، برابر ان کے احوال کی نگرانی اور خبر گیری کرتا رہا کہ کوئی غلط عقیدہ یا بے موقع خیال قائم نہ کر لیں البتہ ان میں قیام کرنے کی جو مدت آپ کے علم میں مقدر تھی، جب وہ پوری کر کے آپ نے مجھ کو ان میں سے اٹھالیا (کما یظہر من مادة التونی و مقابله مادمت فیہم) تو پھر صرف آپ ہی ان کے احوال کے نگران اور خبر دار ہو سکتے تھے، میں اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا (تنبیہ) حضرت مسیحؑ کی موت یا رفع الی السماء وغیرہ کی بحث آل عمران میں زیر فائدہ: اِنَّهُ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَاٰعَلَکَ اِلَیَّ (آل عمران-۵۵) ملاحظہ کیجئے۔ مترجم محقق قدس سرہ نے یہاں فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کَا جوترجمہ ”تو نے مجھ کو اٹھالیا“ سے کیا یہ باعتبار محاورات ”موت“ اور ”رفع الی السماء“ دونوں پر صادق آسکتا ہے۔ گویا متنبہ کر دیا کہ نہ لفظ ”تونی“ کے لئے موت لازم ہے اور نہ خاص تونی بصورت موت کو مضمون زیر بحث میں کسی قسم کا مدخل ہے حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کی نسبت میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح بندہ صالح (عیسیٰ) نے کہا: وَ کُنْتُ عَلَیْہِم شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِم فَ لَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتُ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِم اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا کہ حضور ﷺ کی اور حضرت مسیحؑ کی ”تونی“ بھی بہمہ وجوہ یکساں اور ہمرنگ ہونی چاہیے، عربیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے مشرکین مکہ ایک درخت (ذات انماط) پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی ”ذات انماط“ مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہاں ہے۔ آپ نے فرمایا ہذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الہا کما لہم الہة (یہ تو ایسا ہو جیسے موسیٰ کی قوم نے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود تجویز کر دو جیسا ان بت پرستوں کا ہے) کیا کوئی

مسلمان اس تشبیہ کو سن کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ نے معاذ اللہ بت پرستی کی درخواست کی تھی؟ اس طرح کی تشبیہات سے نصوص محکمہ اور اجماع امت کے مخالف عقائد پر تمسک کرنا صرف اسی جماعت کا حصہ ہو سکتا ہے جن کی نسبت یہ ارشاد ہو ائی قُلُوبِهِمْ زَيِّغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ (آل عمران-۷)۔

۲۷۵- ایک مفید نکتہ: یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بے جا سختی نہیں کر سکتے اس لئے اگر ان کو سزا دیں گے تو عین عدل و حکمت پر مبنی ہوگی اور فرض کیجئے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی ازرہ عجز و سفہ نہ ہوگی۔ چونکہ آپ ”عزیز“ (زبردست اور غالب) ہیں اس لئے کوئی مجرم آپ کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اس پر قابو نہ پاسکیں۔ اور چونکہ ”حکیم“ (حکمت والے) ہیں اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یوں ہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہر حال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہو گا۔ حضرت مسیحؑ کا یہ کلام چونکہ مشر میں ہو گا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہو سکتی، اسی لئے حضرت مسیحؑ نے عزیز و حکیم کی جگہ غفور رحیم وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا۔ برخلاف اس کے حضرت ابراہیمؑ نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا۔ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (ابراہیم-۳۶) (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرے تابع ہو اوہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آئندہ ان کو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرمادے۔

۱۱۹- فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کے ان کا سچ [۲۷۶] انکے لئے ہیں باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں گے انہی میں ہمیشہ اللہ راضی ہو ا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی بڑی کامیابی [۲۷۷]

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ

لَهُمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾

۱۲۰- اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [۲۷۸]

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾

۲۷۶- جو لوگ اعتقاداً اور قولاً و عملاً سچے رہے ہیں (جیسے حضرت مسیحؑ) ان کی سچائی کا پھل آج ملے گا۔

۲۷۷- بڑی کامیابی حق تعالیٰ کی رضا ہے اور جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضائے الہی ہے۔

۲۷۸- یعنی ہر وفادار اور مجرم کے ساتھ وہی معاملہ ہو گا۔ جو ایک شہنشاہ مطلق کی عظمت و جلال کے مناسب ہے۔

ایاتھا ۱۶۵

سُورَةُ الْأَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ ۵۵

رکوعاتھا ۲۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ [۱] سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی یہ کافر اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کئے دیتے ہیں [۲]

الْحَدُّ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ  
جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ۗ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ  
يَعْدِلُونَ ﴿۱﴾

۲۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کر دیا ایک وقت اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم ٹیک کرتے ہو [۳]

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ۗ  
أَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهُ ۗ ثُمَّ أَنْتُمْ تَنْتَرُونَ ﴿۲﴾

۳۔ اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں [۴] جانتا ہے تمہارا اچھا اور کھلا اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو [۵]

وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ ۗ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ  
جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ﴿۳﴾

۴۔ اور نہیں آتی انکے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر کرتے ہیں اس سے تعافل [۶]

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا  
عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴﴾

۵۔ سو بیٹک جھٹلایا انہوں نے حق کو جب ان تک پہنچا سو اب آئی جاتی ہے انکے آگے حقیقت اس بات کی جس پر ہنستے تھے [۷]

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۗ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ  
أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۵﴾

۱۔ سورہ انعام کا نزول: یہ سورت مکی ہے۔ صرف چند آیات کو بعض علماء نے مستثنیٰ کیا ہے۔ روایات میں ہے کہ پوری سورت بیک وقت بے شمار فرشتوں کے جلو میں نازل ہوئی۔ مگر ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں ان روایات کی صحت سے انکار کیا ہے جو پوری سورت کے دفعۃً نزول پر وال ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابواسحاق اسفرائینی کہتے ہیں کہ توحید کے تمام اصول و قواعد پر یہ سورت مشتمل ہے۔

۲۔ توحید کے دلائل تخلیق کائنات: ”مجوس“ دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں۔ ”یزداد“ جو خالق خیر ہے اور ”اہرمن“ جو خالق شر ہے۔ اور دونوں کو نور ظلمت سے ملقب کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک تینتیس کروڑ دہوتاؤں کے قائل ہیں۔ آریہ سماج باوجود ادعائے توحید ”مادہ“ اور ”روح“ کو خدا کی طرح غیر مخلوق اور انادی کہتے اور خدا کو اپنی صفت تکوین و تخلیق وغیرہ میں ان دونوں کا محتاج بتلاتے ہیں۔ عیسائیوں کو باپ بیٹے کا توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے آخر تین ایک اور ایک تین کا مشہور عقیدہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف اس کا ہمسر بلکہ اس سے برتر ہو سکتا ہے عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ شاید ان کے نزدیک پہاڑ کا ہر پتھر، نوع انسانی کا معبود بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر، حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا اور عبادت و استعانت وغیرہ کے وقت اسے خدا کے برابر نہ بٹھایا ہو حالانکہ وہ ذات پاک جو تمام صفات کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کا منبع ہونے کی وجہ سے سب تعریفوں اور ہر طرح کی حمد و ثناء کی بلا شرکت غیرے مستحق ہے جس نے آسمان و زمین یعنی کل علویات و سفلیات کو پیدا کیا اور رات دن، اندھیرا، اجالا علم و جہل، ہدایت و ضلالت، موت و حیات، غرض مستقبل کیفیات اور متضاد احوال ظاہر فرمائے اسے اپنے افعال میں نہ کسی حصہ دار یا مددگار کی ضرورت ہو سکتی ہے نہ بیوی اور اولاد کی نہ اس کی معبودیت اور الوہیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے نہ ربوبیت میں نہ اس کے ارادہ پر کوئی غالب آ سکتا ہے اور نہ اس پر کسی کا دباؤ اور زور چل سکتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ ان حقائق کو سمجھنے کے بعد بھی کس طرح لوگ کسی چیز کو خدائی کا مرتبہ دے دیتے ہیں۔

۳۔ تخلیق انسانی: اوپر ”عالم کبیر“ کی پیدائش کا ذکر تھا یہاں ”عالم صغیر“ (انسان) کی خلقت کو بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو شروع میں بے جان مٹی سے آدم کا پتلا تیار کر کے کس طرح حیات اور کمالات انسانی فائض کئے اور آج بھی مٹی سے غذائیں نکلتی ہیں، غذاؤں سے نطفہ اور نطفہ سے انسان بنتے رہتے ہیں۔ غرض اس طرح تم کو عدم سے وجود میں لائے پھر ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر کر دیا جبکہ آدمی دوبارہ اسی مٹی میں جا ملتا ہے جس سے پیدا کیا گیا تھا۔ اسی پر قیاس کر سکتے ہو کہ ”عالم کبیر“ کی فنا کا بھی ایک وقت مقرر ہے جسے ”قیامت کبریٰ“ کہتے ہیں۔ ”قیامت صغریٰ“ یعنی شخصی موتیں چونکہ ہمیں پیش آتی رہتی ہیں۔ ان کا علم بھی لوگوں کو ہوتا رہتا ہے لیکن ”قیامت کبریٰ“ کی ٹھیک مدت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے تعجب ہے کہ ”عالم صغیر“ یعنی انسانوں میں زندگی اور فنا کا سلسلہ دیکھتے ہوئے بھی ”عالم کبیر“ کی فنا میں کوئی آدمی تردد کرتا ہے۔

۴۔ اللہ کی قدرت اور علم کا بیان: یعنی تمام آسمانوں اور زمینوں میں تنہا وہ ہی معبود، مالک بادشاہ، متصرف اور مدبر ہے اور یہ نام مبارک (اللہ) بھی صرف اسی کی ذات متعالیٰ الصفات کے لئے مخصوص رہا ہے۔ پھر اوروں کے لئے استحقاق معبودیت کہاں سے آیا۔

۵۔ جب تمام زمین و آسمان میں اسی کی حکومت ہے اور وہ بلا واسطہ ہر کھلی چھپی چیز اور انسان کے ظاہر و باطن اور چھوٹے بڑے عمل پر مطلع ہے تو عابد کو اپنی عبادت و استعانت وغیرہ میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی ضرورت نہیں رہتی مشرکین جو مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر-۳) کہا کرتے تھے۔ یہ ان کا اور ان کے ہمنواؤں کا جواب ہوا۔ اور پہلے وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَنَا سے جو قیامت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہاں سلسلہ مجازات پر متنبہ فرمادیا کہ زمین و آسمان میں حکومت ہماری ہے اور تمہارے سب کھلے چھپے نیک و بد اعمال بھی ہمارے علم میں موجود ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم یوں ہی مہمل چھوڑ دیے جاؤ۔

۶۔ ”آیات“ میں احتمال ہے کہ تکوینی آیات مراد ہوں یا تنزیلی۔

۷۔ مکذبین اور ان کا انجام: حق سے مراد غالباً قرآن کریم ہے۔ جو نشانہائے قدرت سے تغافل برتننے والوں کی بد انجامی اور دنیوی و اخروی سزا کو بیان کرتا ہے۔ اسے سن کر منکرین تکذیب و استہزاء کرتے تھے۔ انہیں جتلا دیا کہ جس بات پر تم ہنستے اور آوازے کتے ہو وہ حقیقت ثابتہ بن کر عنقریب تمہارے سامنے آجائے گی۔ آگے ان اقوام کا حوالہ دیا جو آیات اللہ کی تکذیب و استہزاء اور بد اعمالیوں کی بدولت ہلاک کی گئیں۔



۶۔ کیا دیکھتے نہیں کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے امتیں جن کو جمادیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان کو لگا تار برستا ہوا اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے انکو انکے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد اور امتوں کو [۸]

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنُّهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُكِنِّ لَكُمْ وَ أَرْسَلْنَا السَّيَّءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا ۖ وَ جَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٨﴾

۷۔ اور اگر اتاریں ہم تجھ پر لکھا ہوا کاغذ میں پھر چھو لیویں وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے البتہ کہیں گے کافر یہ نہیں ہے مگر صریح جادو [۹]

وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٩﴾

۸۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اترا اس پر کوئی فرشتہ [۱۰] اور اگر ہم اتاریں فرشتہ تو طے ہو جاوے قصہ پھر ان کو مہلت بھی نہ ملے [۱۱]

وَ قَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَ لَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ﴿١٠﴾

۹۔ اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور انکو اسی شبہہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں [۱۲]

وَ لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا ۖ وَ لَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ ﴿١١﴾

۱۰۔ اور بلاشبہ ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھبر لیا ان سے ہنسی کرنے والوں کو اس چیز نے کہ جس پر ہنسا کرتے تھے [۱۳]

وَ لَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٢﴾

۱۱۔ تو کہہ دے کہ سیر کرو ملک میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا [۱۴]

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿١٣﴾

۸۔ عاد و ثمود ہلاکت: یعنی عاد و ثمود وغیرہ جن کو تم سے بڑھ کر طاقت اور سامان دیا گیا تھا۔ بارشوں اور نہروں کی وجہ سے ان کے باغ اور کھیت شاداب تھے، عیش و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جب انہوں نے بغاوت و تکذیب پر کمر باندھی اور نشانہائے قدرت کی ہنسی اڑانے لگے، تو ہم نے ان کے جرموں کی پاداش میں ایسا پکڑا کہ نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا پھر ان کے بعد دوسری امتیں پیدا کیں اور منکرین و مکذبین کے ساتھ یہ ہی سلسلہ جاری رہا کیا۔ مجرمین تباہ ہوتے رہے اور دنیا کی آبادی میں کچھ خلل نہیں پڑا۔

۹۔ مشرکین مکہ کے قرآن پر شبہات: بعض مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ اگر آپ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب لے آئیں اور اس کے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں جو ہمارے سامنے ہو کر گواہی دیں کہ بیشک یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ تو ہم ایمان لے آئیں گے اس کا جواب دیا کہ جو لوگ بحالت موجودہ قرآن کو جادو اور اس کے لانے والے کو جادوگر بتلاتے ہیں اگر واقعی ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی آسمان سے اتار دیں جسے یہ ہاتھوں سے چھو کر معلوم کر لیں کہ کوئی تخیل یا نظر بندی نہیں ہے۔ تب بھی یہ ہی کہیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے جس بد بخت کے حصہ میں ہدایت نہیں ہوتی اس کا شبہ کبھی نہیں مٹتا۔

۱۰۔ فرشتہ بھیجنے کا مطالبہ: یعنی جو ہمارے روبرو ہو کر ان کے صدق کی گواہی دیتا۔

۱۱۔ مشرکین کے مطالبوں کو پورا نہ کرنے کی حکمت: اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لئے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء ہی کا ظرف ہوتا ہے جو اصلی صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے عمر میں دو مرتبہ حضرت جبرئیل کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں۔ دوسرے اگر ان لوگوں کی ایسی عظیم الشان خارق عادت فرمائش پوری کر دی جائے اور اس پر بھی نہ مانے جیسا کہ ان کے معاندانہ احوال و طور سے ظاہر ہے تو سنت اللہ کے موافق پھر قطعاً مہلت نہ دی جائے گی اور ایسا عذاب آئے گا جو فرمائش کرنے والوں کو بالکل نیست و نابود کر دے گا۔ اس لحاظ سے اس طرح کی فرمائشوں کا پورا نہ کرنا بھی عین رحمت سمجھنا چاہئے۔

۱۲۔ چونکہ فرشتہ کو اصلی صورت میں بھیجنے کی نفی تو پہلی آیت میں ہو چکی اب دوسرے احتمال کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں بھیجا جائے کیونکہ اسی صورت میں مجانست صوری کی بناء پر لوگ اس کے نمونہ اور تعلیم سے منتفع ہو سکتے ہیں لیکن اس تقدیر پر منکرین کے شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ جو شکوک و شبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے تھے وہ ملک بصورت بشر آنے پر بھی بدستور کرتے رہیں گے۔

۱۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: معاندین کی فرمائشوں کا جواب دینے کے بعد حضور ﷺ کی تسلی کی جاتی ہے کہ آپ ان کے استہزاء اور تمسخر سے دلگیر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ انبیاء سابقین کو بھی ان ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ پھر جو ان کے مکذبین اور دشمنوں کا حشر ہوا سب کے سامنے ہے۔ ان کو بھی خدا اسی طرح سزا دے سکتا ہے جو اگلے مجرموں کو دی گئی۔

۱۴۔ سیاحت کا مقصد: یعنی ملک کی سیر و سیاحت اور تباہ زدہ اقوام کے آثار کا ملاحظہ کرنے کے بعد اگر نظر عبرت سے واقعات ماضیہ کو دیکھو گے تو انبیاء کی تکذیب کرنے والی قوموں کو جو انجام دنیا میں ہوا وہ صاف نظر آجائے گا اسی سے قیاس کر لو کہ جب تکذیب کرنے والوں کا یہ حشر ہوا تو استہزاء کرنے والوں کا کیا حشر ہو گا۔

۱۲۔ پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین  
میں کہہ دے اللہ کا ہے اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی  
البتہ تم کو اکٹھا کر دے گا قیامت کے دن تک کہ اس میں  
قُلْ لِّسَنُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ  
كُتِبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ لِيَجْعَلَكُمْ إِلَى يَوْمِ

کچھ شک نہیں جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو  
وہی ایمان نہیں لاتے [۱۵]

الْقَيْبَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ <sup>ط</sup> الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٦﴾

۱۳۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں  
اور دن میں اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الْإِيلِ وَالنَّهَارِ <sup>ط</sup> وَهُوَ السَّيِّعُ

الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾

۱۴۔ تو کہہ دے کیا اور کسی کو بناؤں اپنا مددگار اللہ کے سوا  
جو بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا [۱۶] اور وہ سب کو  
کھلاتا ہے اور اسکو کوئی نہیں کھلاتا [۱۷] کہہ دے مجھ کو حکم  
ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں [۱۸] اور تو ہر گز نہ ہو  
شرک والا

قُلْ أَعْبُدُوا اللَّهَ اتَّخِذُوا لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ <sup>ط</sup> قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ

أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ قیامت برحق ہے: جب تمام آسمان وزمین میں اسی خدا کی حکومت ہے جیسا کہ مشرکین کو بھی اقرار تھا تو مکذبین و مستہزئین کو فوری سزا  
سے کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ یہ صرف اس کی رحمت عامہ ہے کہ جرائم کو دیکھ کر فوراً سزا جاری نہیں کرتا اور قیامت کے دن بھی جو بلاشبہ آنے  
والا ہے محض ان ہی بد بختوں کو بے ایمانی کی سزا دے گا جو با اختیار خود جان بوجھ کر اپنے کو نقصان و ہلاکت کے گڑھے میں ڈال چکے ہیں۔

۱۶۔ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں: قُلْ لَيْسَ مَعِيَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فِي الْمَكَانِ كِي تَعِيمُ تَحَى لَهٗ مَا سَكَنَ فِي الْإِيلِ وَالنَّهَارِ میں زمانہ کے اعتبار  
سے تعیم ہے یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اسی کی حکومت اور قبضہ و اقتدار ہے۔ ہر وہ چیز جو رات میں یادوں میں آرام سے زندگی بسر کرتی اور  
کتنے معلوم و نامعلوم دشمنوں سے مامون و محفوظ رہتی ہے۔ یہ اسی کی رحمت کاملہ کے آثار میں سے ہے قُلْ مَنْ يَمْلِكُكُمْ بِالْأَيْلِ وَالنَّهَارِ مِنْ  
الرَّحْمَنِ (انبیاء۔ ۴۲) وہ ہی ہے جو دن کے شور و غل اور رات کے اندھیرے اور سنٹے میں ہر ایک کی پکار سنتا اور سب کی حوائج و ضروریات کو  
بخوبی جانتا ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ ایسے پروردگار کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد طلب کرنا کہاں تک موزوں ہو گا۔

۱۷۔ کھلانا اشارہ ہے سامان بقاء کی طرف یعنی ایجاد و ابقاء دونوں میں اسی کے سب محتاج ہیں اس کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں بھی ہماری احتیاج  
نہیں پھر اس سے علیحدہ ہو کر کسی کو مددگار بنانا انتہائی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت کا حکم: ایسے پروردگار کے احکام کے سامنے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں ضروری ہے کہ سب  
بندے بلا شرکت غیرے گردن ڈال دیں اور سب سے پہلے اس اکمل ترین بندہ کو انتہائی انقیاد و تسلیم کو حکم ہے جو تمام دنیا کے لئے نمونہ طاعت  
و عبودیت بنا کر بھیجا گیا تھا صَلَّيْنَا عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

۱۵۔ تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی  
ایک بڑے دن کے عذاب سے [۱۹]

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ

عَظِيمٍ ﴿١٥﴾

۱۶۔ جس پر سے ٹل گیا وہ عذاب اس دن تو اس پر رحم کر دیا اللہ نے اور یہی ہے بڑی کامیابی [۲۰]

مَنْ يُصِرْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۗ وَذَلِكَ

الْفَوْزُ الْبُيِّنُ ﴿١٦﴾

۱۷۔ اور اگر پہنچاوے تجھ کو اللہ کچھ سختی تو کوئی اسکو دور کرنے والا نہیں سوا اسکے اور اگر تجھ کو پہنچاوے بھلائی تو وہ ہر چیز پر قادر ہے

وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بَضْرًا فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۗ وَ

إِنْ يَسْأَلْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا [۲۱]

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۗ وَ هُوَ الْحَكِيمُ

الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾

۱۹۔ تو پوچھ سب سے بڑا کون ہے کہہ دے اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان [۲۲] اور اترا ہے مجھ پر یہ قرآن تاکہ تم کو اس سے خبردار کر دوں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں تو کہہ دے میں تو گواہی نہ دوں گا کہہ دے وہی ہے معبود ایک اور میں بیزار ہوں تمہارے شرک سے [۲۳]

قُلْ أَىٰ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۗ قُلِ اللَّهُ ۙ شَهِيدٌ

بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ ۗ وَ أُوْحِيَٰ إِلَىٰ هَذَا الْقُرْآنِ

لَا نُذِرْكُمْ بِهِ وَ مَنْ بَدَعَ ۗ أَيِّنْكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ

مَعَ اللَّهِ إِلَهَةً أُخْرَىٰ ۗ قُلْ لَا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا

هُوَ اللَّهُ وَ أَحَدٌ وَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اسکو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے [۲۴]

الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ

أَبْنَاءَهُمْ ۗ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر یا جھٹلا دے اسکی آیتوں کو بلاشک بھلائی نصیب نہیں ہوتی ظالموں کو [۲۵]

وَ مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا أَوْ

كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْدِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢١﴾

۱۹۔ یہ آپ ﷺ پر رکھ کر اوروں کو سنایا گیا ہے یعنی بفرض محال اگر خدا کے معصوم و برگزیدہ ترین بندے سے بھی کسی طرح کا عصیان سرزد ہو تو عذاب الہی کا اندیشہ ہوتا ہے پھر کسی دوسرے کو کب لائق ہے کہ باوجود شرک و کفر اور تکذیب انبیاء وغیرہ ہزاروں طرح کے جرائم میں مبتلا ہونے کے عذاب الہی سے بے فکر اور مامون ہو کر بیٹھ رہیں۔

۲۰۔ اللہ کے عذاب سے مامون ہونا ہی اصل کامیابی ہے: جنت اور رضائے الہی کے اعلیٰ مدارج کا حاصل کرنا تو بہت اونچا مقام ہے۔ اگر آدمی سے قیامت کے دن کا عذاب ٹل جائے تو یہ ہی بہت بڑی کامیابی سمجھو۔ کما قال عمرؓ کفألاً لالی ولا علی۔

۲۱۔ نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے: دنیا یا آخرت میں جو تکلیف یا راحت خدا کسی کو پہنچانا چاہے، نہ کوئی مقابلہ کر کے روک سکتا ہے اور نہ اس کے غلبہ و اقتدار کے نیچے سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ وہ ہی پوری طرح خبردار ہے کہ کس بندے کے کیا حالات ہیں اور ان حالات کے مناسب کس قسم کی کارروائی قرین حکمت ہوگی۔

۲۲۔ جب یہ فرمایا کہ خدا ہی سب نفع و ضرر کا مالک تمام بندوں پر غالب و قاہر اور رتی رتی سے خبردار ہے تو اس کی شہادت سے زبردست اور بے لوث شہادت کس کی ہو سکتی ہے۔ پس میں بھی اپنے تمہارے درمیان اس کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ کیونکہ میں نے دعویٰ رسالت کر کے جو کچھ اس کے پیغامات تم کو پہنچائے اور جو کچھ تم نے اس کے جواب میں میرے ساتھ اور خود پیغام ربانی کے ساتھ برتاؤ کیا وہ سب اس کی آنکھ کے سامنے ہے وہ خود اپنے علم محیط کے موافق میرا اور تمہارا فیصلہ کر دے گا۔

۲۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرک سے برأت کا اعلان: یعنی اگر سمجھو تو میرے صدق پر خدا کی یقینی اور کھلی ہوئی شہادت یہ قرآن موجود ہے جو اپنے کلام الہی ہونے پر خود ہی اپنی دلیل ہے آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ میرا کام یہ ہے کہ تم کو اور ہر اس شخص کو جسے یہ کلام پہنچے خدائی پیغام سے خبردار کر دوں جس میں توحید و معاد وغیرہ تمام اصول دین کی ہدایت کی گئی ہے کیا اس قدر اتمام حجت ہو چکے اور ایسا قطعی اور صریح پیغام توحید سننے کے بعد بھی تم یہ ہی کہتے رہو گے کہ خدا کے سوا اور بھی معبود ہیں۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو کہو۔ میں تو کبھی ایسا حرف زبان پر نہیں لا سکتا بلکہ صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ لائق عبادت صرف وہ ہی ایک خدا ہے۔ باقی جو کچھ تم شرک کرتے ہو میں اس سے قطعاً بیزار اور نفرت کا اظہار کرتا ہوں۔ (تنبیہ) وَمَنْ يَدْعُ نِيًّا لَدُنِّي لَيَكْفُرُنَّ بِمَا يَدْعُونَ وَيَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ أَسْوَءُ مَا يَكْفُرُونَ لَدُنِّي إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَمَّا كَانُوا مِن قَبْلُ لَعْنَةُ اللَّهِ الْفٰكِرِينَ ﴿۲۳﴾

۲۴۔ اہل کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین: یعنی اس کے علاوہ کہ میری صداقت کا خدا گواہ ہے اور قرآن کریم اس کی ناطق اور ناقابل تردید شہادت دے رہا ہے وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی جن کی طرف کتب سماویہ کا عالم سمجھ کر تم میرے معاملہ میں رجوع کرتے ہو اپنے دلوں میں پورا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ میں وہ ہی نبی آخر الزماں ہوں جس کی بشارت انبیائے سابقین دیتے چلے آئے ہیں۔ ان کو جس طرح بہت سے بچوں میں سے اپنی اولاد کو شناخت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ایسے ہی نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت کے معلوم کرنے میں بھی کوئی شبہ اور دھوکہ نہیں ہے۔ البتہ حسد، کبر، تقلید آباء اور حب جاہ و مال وغیرہ اجازت نہیں دیتے کہ مشرف بہ ایمان ہو کر اپنی جانوں کو نقصان دائمی اور ہلاکت ابدی سے بچائیں۔

۲۵۔ یعنی نبی نہ ہو اور خدا پر افتراء کر کے دعویٰ نبوت کر بیٹھے یا سچے نبی سے جس کی صداقت کے دلائل واضح موجود ہوں خدائی پیام سن کر تکذیب پر کمر بستہ ہو جائے ان دونوں سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور سنت اللہ یہ ہے کہ ظالم کو انجام کار کامیابی اور بھلائی نصیب نہیں ہوتی۔ پس اگر فرض کرو۔ معاذ اللہ میں مفسری ہوں تو ہرگز کامیاب نہ ہوں گا اور تم مکذب ہو جیسا کہ دلائل سے ظاہر ہے تو تمہاری خیریت نہیں۔ لہذا حالات میں غور کر کے اور انجام سوچ کر عاقبت کی فکر کرو۔ اور اس دن سے ڈرو جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ابن کثیر نے آیت کے یہ ہی معنی لئے ہیں اور بعض مفسرین نے افتراء علی اللہ سے مشرکین کا شرک مراد لیا جیسا کہ آگے وَصَلَّاهُمْ مَّا كَانُوا يَعْتَدُونَ میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۲۔ اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم کو دعویٰ تھا [۲۶]

وَيَوْمَ نَحْشُهُمْ جَبِيْعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِيْنَ اٰسْرٰكُوْا  
اَيْنَ شُرَآكٰوْكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ پھر نہ رہے گا انکے پاس کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم نہ تھے شرک کرنے والے [۲۷]

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا  
كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں ان سے وہ باتیں جو بنایا کرتے تھے [۲۸]

اَنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ  
مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور بعضے ان میں کان لگائے رہتے ہیں تیری طرف اور ہم نے ان کے دلوں پر ڈال رکھے ہیں پردے تاکہ اس کو نہ سمجھیں اور رکھ دیا انکے کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیاں تو بھی ایمان نہ لاویں ان پر [۲۹] یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس تجھ سے جھگڑنے کو تو کہتے ہیں وہ کافر نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی

وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّسْتَبِعُ اِلَيْكَ وَ جَعَلْنَا عَلٰى  
قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِىْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَ  
اِنْ يَّرُوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰى اِذَا  
جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا  
اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور یہ لوگ روکتے ہیں اس سے اور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے [۳۰]

وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْعَوْنَ عَنْهُ وَاِنْ يُهْلِكُوْنَ  
اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ آخرت میں مشرکین کی حالت: یعنی جن کی نسبت تم کو دعویٰ تھا کہ وہ خدائی کے حصہ دار اور شدا اند میں تمہارے شفیع و مددگار ہیں، آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت کہاں چلے گئے کہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آتے۔

۲۷۔ یعنی جزا انکار واقعات کے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے گی۔ باطل معبودین کی جس عقیدت و محبت میں مفتوں ہو رہے تھے۔ اس کی حقیقت صرف اتنی رہ جائے گی کہ ساری عمر کے عقیدے اور تعلق سے بھی انکار کر بیٹھیں گے۔

۲۸۔ یعنی اس صریح جھوٹ سے مشرکین کی انتہائی بدحواسی اور شرکاء کی غایت بے چارگی اور درماندگی کا اظہار ہو گا۔ کاش مشرکین اس رسوا

کن انجام کو دنیا ہی میں سمجھ لیں۔

۲۹۔ معترفین کی ہدایت سے محرومی: یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بغرض اعتراض و عیب جوئی قرآن کریم اور حضور ﷺ کی باتوں کی طرف کان لگاتے تھے۔ ہدایت سے متنفع ہونا اور حق کو قبول کرنا مقصود نہ تھا۔ نصیحت و ہدایت سے ممتد اعراض اور کائنات کی مسلسل تعطیل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل و قوی انجام کار ماؤف ہو کر رہ گئے۔ حق کے سمجھنے سے ان کے دل محروم کر دیے گئے۔ پیغام ہدایت کا سننا کانوں کو بھاری معلوم ہونے لگا آنکھیں نظر عبرت سے ایسے خالی ہو گئیں کہ ہر قسم کے نشانات دیکھ کر بھی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حالت موت پر قانع و مسرور بھی ہیں۔ بلکہ فخر کے لہجے میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ سورہ لحم السجدہ میں ہے فَاعْرَضُوا كَثْرَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ وَفِيْ اَذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّا عَابِدُونَ (حم السجدہ۔ ۵، ۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سماع آیات سے متنفع نہ ہونا اور دلوں پر پردہ پڑ جانا خود ان کے اعراض کا نتیجہ تھا اور یہ اعراض ہی اس کیفیت کے حدوث کا سبب ہوا ہے۔ وَ اِذَا تَنَادَلْتُمْ عَلَيْهِ اٰيٰتِنَا وَاَنْتُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعُوْهَا كَاَنْ فِىْ اُذُنَيْهِمْ وَقُرْاٰنًا (لقمان۔ ۷) اسباب پر مسیبتات کا مرتب کرنا چونکہ خالق جل علا کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا اسی لئے آیت حاضرہ وَ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً مِّنْ يَّسْمَعُوْنَ وَاَعْرَضْنَا عَنْ قُلُوْبِهِمْ لَعَلَّ يَذَّكَّرُوْنَ کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر دی گئی۔

۳۰۔ مشرکین نا سمجھ ہیں: یعنی ان میں نہ فہم رہا ہے نہ انصاف۔ ایمان لانا اور ہدایت ربانی سے متنفع ہونا تو کجا، ان کی غرض تو حضور ﷺ کی خدمت میں آنے سے صرف مجادلہ (جھگڑنا) اور پھبتیاں اڑانا ہے۔ چنانچہ قرآنی حقائق و بیانات کو معاذ اللہ اساطیر الاولین کہتے ہیں۔ پھر اس تکذیب اور جدل و تمسخر پر اکتفاء نہیں کوشش یہ ہے کہ دوسروں کی طرف بھی اپنی بیماری کا تعدیہ کریں چنانچہ لوگوں کو حق سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں تاکہ انہیں دیکھ کر دوسرے قبول حق سے نفور و بیزار ہو جائیں مگر ان تمام ناپاک کوششوں سے نہ بچد اللہ دین حق کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے وہ تو غالب ہو کر رہے گا اور نہ رسول اللہ ﷺ کو کہ ان کی عصمت و رفعت کا تکفل حق تعالیٰ فرما چکا ہے۔ ہاں یہ احمق خود اپنے لئے ہلاکت ابدی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے بھی نہیں کہ ہم اپنے ہاتھ سے خود اپنے پاؤں پر کھاڑی مار رہے ہیں۔

۲۷۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جاویں گے وہ دوزخ پر پس کہیں گے اے کاش ہم پھر بھی جہنم جاویں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جاویں ہم ایمان والوں میں [۳۱]

وَلَوْ تَرَى اِذْ وَقَفُوْا عَلٰی النَّارِ فَقَالُوْا اٰلَيْتِنَا نَارُ وَاَنْتُمْ لَا تُكٰذِبُوْنَ اٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ کوئی نہیں بلکہ ظاہر ہو گیا جو چھپاتے تھے پہلے [۳۲] اور اگر پھر بھیجے جاویں تو پھر بھی وہی کام کریں جس سے منع کئے گئے تھے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں [۳۳]

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَاَنْتُمْ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا اِلَيْهَا نُهًا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ اور کہتے ہیں ہمارے لئے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں زندہ ہونا [۳۴]

وَقَالُوْا اِنْ هٰی اِلَّا حٰیٰتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جاویں گے اپنے رب کے سامنے فرمائے گا کیا یہ سچ نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے اپنے رب کی فرمائے گا تو چکھو عذاب بدلے میں اپنے کفر کے [۳۵]

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ط قَالَ أَيْسَ هَذَا  
بِالْحَقِّ ط قَالُوا بَلَىٰ وَ رَبَّنَا ط قَالَ فَذُوقُوا  
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا یہاں تک کہ جب آپنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی ہم نے اس میں کی اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھائیں گے [۳۶]

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ط حَتَّىٰ إِذَا  
جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَحْسِرُ تَنَا عَلَىٰ مَا  
فَرَّطْنَا فِيهَا ۗ وَ هُمْ يَحْسِلُونَ أَوْ ذَارَهُمْ عَلَىٰ  
ظُهُورِهِمْ ط أَلَسَاءَ مَا يَرْزُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بھلانا اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے [۳۷]

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ ۗ وَ لَلْآخِرَةُ  
الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۲﴾

۳۱۔ آخرت میں مشرکین کا افسوس و ندامت: یعنی آیات اللہ کی تکذیب و استہزاء وغیرہ ساری فوں فال اس وقت تک ہے جب تک خدائی سزا کا ہولناک و ہوشربا منظر سامنے نہیں۔ جس وقت دوزخ کی ذرا سی ہوا بھی لگ جائے گی تو ساری شیخی کر کر رہی ہو جائے گی اور ہزار تمنا یہ درخواست کریں گے کہ ہم کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے۔ تاکہ آئندہ کبھی اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور پکے ایماندار بن کر رہیں۔ "الآن قد ندمت ولم ينفع الندم"

۳۲۔ آخرت میں مشرکین کا افسوس و ندامت: یعنی اب بھی دنیا میں واپس جانے کی تمنا عزم صحیح اور ایمانی رغبت و شوق سے نہیں بلکہ جب مجازا و مکافات عمل کا وہ منظر سامنے آگیا جسے باوجود وضوح ادلہ انکار کے پردہ میں چھپایا کرتے تھے عذاب الہی کو آنکھوں سے دیکھ لیا تمام اعمال شنیعہ کا جو چھپ چھپ کر کئے جاتے تھے راز فاش ہو گیا، ابھی ابھی جو وَاللّٰهُ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ کہہ چکے تھے اس جھوٹ کی بھی قلبی کھل گئی۔ غرضیکہ بدی کے جو اثرات مخفی اور غیر مرئی طور پر اندر ہی اندر ان نالائقوں کے دلوں میں پرورش پا رہے تھے وہ دردناک عذاب کی صورت میں ممشل ہو کر سامنے آگئے۔ تو محض جان بچانے کے لئے دوبارہ دنیا میں واپس کئے جانے کی تمنا کرنے لگے۔

۳۳۔ مشرکین جھوٹے ہیں: یعنی اب بھی جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں واپس ہو کر پکے ایماندار بن جائیں گے اور ہرگز آیات اللہ کی تکذیب نہ کریں گے یہ اشقیاء اگر دنیا میں واپس کر دیے جائیں تو بدی اور شرارت کی جو قوتیں ان میں رکھی ہیں پھر انہی کو کام میں لائیں گے اور جس مصیبت سے گھبرا کر واپس جانے کی تمنا کر رہے ہیں اسے خواب و خیال کی طرح فراموش کر دیں گے۔ جیسا کہ بسا اوقات دنیوی مصائب و مہالک میں پھنس کر آدمی اناہت و توبہ اختیار کر لیتا ہے پھر جہاں چند روز گزرے کچھ بھی یاد نہیں رکھتا کہ اس وقت کیا عہد و پیمانہ کئے تھے۔ کان



لم يدعنا الى ضمره۔

۳۴۔ یعنی خوب مزے اڑالو۔ دنیوی عیش کو خواہ مخواہ فکر آخرت سے منغض مت کرو۔ یہ ہی حال آج کل یورپ کے مادہ پرستوں کا ہے۔

۳۵۔ یعنی جب حقیقت آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور ”بعث بعد الموت“ وغیرہ کے اقرار سے چارہ نہ رہے گا تب کہا جائے گا کہ انکار حقیقت اور ”کفر بالمعاد“ کا مزہ چکھو۔

۳۶۔ انسان کی بڑی شقاوت اور بد بختی یہ ہے کہ ”لقاء اللہ“ سے انکار کرے اور زندگی کے اس بلند ترین مقصد کو جھوٹ سمجھے۔ یہاں تک کہ جب موت یا قیامت سر پر آکھڑی ہو تب بے فائدہ کف افسوس ملتا رہ جائے کہ ہائے میں نے اپنی دنیوی زندگی میں یا یوم قیامت کے لئے تیاری کرنے میں کیسی ناقابل تلافی کوتاہی کی اس وقت اس افسوس و حسرت سے کچھ نہ ہو گا۔ جرموں اور شرارتوں کے بارگراں کو جس سے اس کی پشت خمیدہ ہوگی یہ ناوقت کا تاسف و تحسّر ذرا بھی ہلکانہ کر سکے گا۔

۳۷۔ کفار تو یہ کہتے تھے کہ دنیوی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فانی اور مکرر زندگی حیات اخروی کے مقابلہ میں محض بچ اور بے حقیقت ہے۔ یہاں کی زندگی کے صرف ان ہی لمحات کو زندگی کہا جاسکتا ہے جو آخرت کی درستی میں خرچ کئے جائیں بقیہ تمام اوقات جو آخرت کی فکر و تیاری سے خالی ہوں ایک عاقبت اندیش کے نزدیک لہو لعب سے زائد وقعت نہیں رکھتے۔ پرہیز گار اور سمجھدار لوگ جانتے ہیں کہ ان کا اصلی گھر آخرت کا گھر اور ان کی حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

۳۳۔ ہم کو معلوم ہے کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزَنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا  
يَكْذِبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر یہاں تک کہ پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے [۳۸]

وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولًا مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ  
مَا كَذَّبُوا وَآؤذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ  
لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۗ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَايِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾

۳۵۔ اور اگر تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لاوے انکے پاس ایک معجزہ اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی راہ پر سو تو مت ہو نادانوں میں [۳۹]

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ  
أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْبًا فِي السَّمَاءِ  
فَتَاتِيهِمْ بِآيَةٍ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَىٰ

الهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرے گا اللہ پھر اسکی طرف لائے جاویں گے [۳۰]

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْعُونَ<sup>ط</sup> وَالْمَوْتَى  
يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر کوئی نشانی اسکے رب کی طرف سے [۳۱] کہہ دے کہ اللہ کو قدرت ہے اس بات پر کہ اتارے نشانی لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے [۳۲]

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ<sup>ط</sup> قُلْ إِنَّ  
اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا  
يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری طرح ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر سب اپنے رب کے سامنے جمع ہوں گے [۳۳]

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَيْرٍ يُطِيرُ  
بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ<sup>ط</sup> مَا فَرَّطْنَا فِي  
الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ اور جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں [۳۴] جسکو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے ڈال دے سیدھی راہ پر [۳۵]

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ<sup>ط</sup>  
مَنْ يَشَأِ اللَّهُ يُضِلَّهُ<sup>ط</sup> وَمَنْ يَشَأِ يُجْعَلْهُ عَلَىٰ  
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر تم سچے ہو

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ  
أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ<sup>ج</sup> إِنْ كُنْتُمْ  
صَادِقِينَ ﴿٤٠﴾

۴۱۔ بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کے لئے اسکو پکارتے ہو اگر چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جسکو شریک کرتے تھے [۳۶]

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ  
شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾

۳۸۔ خلاق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت: خلاق کے حال پر شفقت و ہمدردی سارے جہان سے زیادہ نبی کریم ﷺ کے دل میں ڈالی گئی تھی۔ آپ ﷺ ان بد بختوں کی تکذیب و اعراض، مستقبل کی تباہی اور مشرکانہ و ملحدانہ کلمات سے سخت رنج اور صدمہ محسوس فرماتے تھے۔ ان آیات میں آپ ﷺ کو تسلی اور ان اشقیاء کو دھمکی دی گئی ہے کہ آپ ﷺ ان کے اعراض و تکذیب سے اس قدر دلگیر اور بے چین نہ ہوں یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں فی الحقیقت آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کو تو پہلے سے بالاتفاق صادق و امین سمجھتے تھے بلکہ خدا کی آیات و نشانات کا جو پیغمبر ﷺ کی تصدیق و تبلیغ کے لئے بھیجی گئی ہیں جان بوجھ کر ازراہ ظلم و عناد انکار کر رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ بھی ان ظالموں کا معاملہ خدا کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائیے۔ وہ خود ان کے ظلم اور آپ ﷺ کے صبر کا پھل دینے والا ہے۔ انبیائے سابقین کے ساتھ بھی جن کے کچھ حالات آپ کو سنائے جا چکے ہیں ان کی قوموں نے تکذیب و ایذا رسانی کا برتاؤ کیا جس پر خدا کے معصوم پیغمبر نہایت اولوالعزمی سے صبر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ حسب وعدہ خدا کی مدد پہنچی اور بڑے زبردست مستکبرین کے مقابلہ میں ان کو مظفر و منصور کیا گیا۔ آپ ﷺ سے جو نصر و ظفر کے وعدے کئے گئے ہیں ایک ایک کر کے پورے ہوں گے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر خدا کا وعدہ نہیں ٹل سکتا۔ کس کی طاقت ہے جو خدا کی باتوں کو بدل ڈالے یعنی جو اس نے کہا ہے اسے واقع نہ ہونے دے۔ مکذبین کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی جنگ حقیقتاً محمد ﷺ کی ذات سے نہیں بلکہ رب محمد ﷺ سے ہے جس نے ان کو اپنا سفیر اعظم بنا کر کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا ہے محمد ﷺ کی تکذیب ان خدائی نشانات کی تکذیب ہے۔

۳۹۔ کفار کا مطالبہ معجزات: کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسا نشان رہنا چاہئے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ تمام دنیا کی ہدایت پر حریص تھے شاید آپ ﷺ کے دل نے چاہا ہو گا کہ ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے، اس لئے حق تعالیٰ نے یہ تربیت فرمائی کہ تلوینیات میں مشیت الہی کے تابع رہو۔ تلوینی مصالح اس کو مقتضی نہیں کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے ورنہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ بدون توسط پیغمبروں اور نشانوں کے شروع ہی سے سب کو سیدھی راہ پر جمع کر دیتا۔ جب خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھلانے کو مقتضی نہیں تو مشیت الہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین یا آسمان میں سے سرنگ یا سیڑھی لگا کر ایسا فرمائشی اور مجبور کن معجزہ نکال کر دکھلا دے۔ خدا کے قوانین حکمت و تدبیر کے خلاف کسی چیز کے وقوع کی امید رکھنا نادانوں کا کام ہے۔

۴۰۔ یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانیں گے جن کے دل کان بہرے ہو گئے وہ سنتے ہی نہیں۔ پھر مانیں کس طرح؟ ہاں یہ کافر جو قلبی و روحانی حیثیت سے مردوں کی طرح ہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے اور ان چیزوں کو مانیں گے۔ جن کا انکار کرتے تھے۔

۴۱۔ یعنی ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری جن کی وہ فرمائش کرتے تھے۔ کافی قولہ تعالیٰ وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَنْفَجِرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَافَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كَمَا تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْبَلْغَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرَفٍ أَوْ تَنْزِي فِي السَّمَاءِ وَ لَنْ نُؤْمِنَ بِرُؤْيَيْكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مَّرْسُولًا (بنی اسرائیل - ۹۳-۹۰) ورنہ ویسے تو آپ پر بے شمار علمی و عملی معجزات و نشانات بارش کی طرح اترتے رہتے تھے۔

۴۲۔ یعنی خدا فرمائشی معجزات دکھلانے سے عاجز نہیں۔ لیکن جن قوانین حکمت و رحمت پر نظام تکوین کی بنیاد ہے، تم میں سے اکثر ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان قوانین کا اقتضایہ ہی ہے کہ تمام فرمائشی معجزات نہ دکھلائے جائیں۔

۴۳۔ فرمائشی معجزات نہ دکھلانے کی حکمت: ان آیات میں بعض حکمتوں پر متنبہ کیا گیا ہے جو فرمائشی نشانات نہ دکھلائے جانے میں مرعی ہیں۔

یعنی تمام حیوانات خواہ زمین پر ریگتے ہوں یا ہوا میں اڑتے ہوں وہ بھی انسانوں کی طرح ایک امت ہیں ان میں سے ہر نوع کو حق تعالیٰ نے ایک خاص وضع اور فطرت پر پیدا کیا جو ان کے معین خواص و افعال کے دائرہ میں کام کرتی ہے۔ کوئی جانور اپنے افعال و حرکات کے محدود حلقہ سے جو قدرت نے باعتبار اس کی فطرت و استعداد کے مشخص کر دیے ہیں ایک قدم باہر نہیں نکال سکتا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی حیوان نے اپنی نوع کے محدود دائرہ عمل میں کسی طرح کی ترقی نہیں کی اسی طرح ہر چیز کی استعداد و فطرت کو خیال کر لیجئے حق تعالیٰ کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں تمام انواع و اجناس کی تدبیر و تربیت کے اصول و فروع منضبط ہیں۔ کوئی چیز نہ اس زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد اس مکمل انضباط و انتظام سے باہر جاسکتی ہے انسان جنس حیوان میں "بااختیار اور ترقی کن" حیوان ہے اسی کسب و اختیار اور ترقی کن عقل و تمیز کی موجودگی نے اس کے نظام تکوینی اور قانون حیات کو دوسرے تمام حیوانات سے ایسا اعلیٰ اور ممتاز بنا دیا ہے کہ اب اسے حیوان کہتے بھی شرم آتی ہے۔ وہ برخلاف باقی حیوانات کے دیکھنے سننے اور پوچھنے سے نئی نئی معلومات حاصل کرتا اور قوت فکریہ سے ان کو ترتیب دے کر حیات جدید کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے وہ نیک و بد میں تمیز کرنے، نافع و ضار کے پہنچانے، آغاز و انجام سمجھنے پر قادر اور کسی عمل کے کرنے یا چھوڑنے میں فی الجملہ آزاد ہے۔ اسی لئے اس کو خدا کی جانب سے ایسے نشانات دکھائے جاتے ہیں جن میں غور و فکر کرنے کا موقع مل سکے اور فکر و کسب کی فطری آزادی کو سلب کرنے والے نہ ہوں۔ اور اگر وہ خدا کے دیئے ہوئے قوائے عقلیہ سے ٹھیک طور پر ان میں غور کرے تو اسے حق و باطل اور نیک و بد کی تمیز کرنے میں کچھ دقت نہ ہو۔ پس ایسے فرمائشی نشانات و معجزات کی درخواست کرنا جو بہم و وجہ ایمان لانے پر مجبور کر دیں، انسان کی فطری آزادی اور اس کے نظام ترکیبی کو تباہ کرنے بلکہ انسان کو عام حیوانات کی صف میں اتار لانے کا مرادف ہے۔ اور اگر فرمائشی نشان بہم و وجہ مجبور کن نہ ہوں تو ان کا دکھانا بیکار ہے۔ کیونکہ ان میں بھی وہی غیر ناشی عن دلیل شکوک و شبہات پیدا کر لئے جائیں گے جو ہزاروں غیر فرمائشی نشانات میں کئے جاسکتے۔

۴۴۔ نہ کہنے والے کی سنتے ہیں نہ خود دوسرے سے پوچھتے ہیں اور نہ اندھیرے میں کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ جب سب قوی اپنی بے اعتمادیوں سے بیکار کر لئے تو حق کی تصدیق و قبول کا کیا ذریعہ ہو؟

۴۵۔ مگر اہ کرنا اسی کو چاہتا ہے جو خود ذرائع ہدایت کو اپنے اوپر مسدود کر لیتے ہیں وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهَا وَلَٰكِنَّهَا أَخْلَدَتْ إِلَى الْأَرْضِ وَاسْتَبْتَمَ هَوٰیةُ (الاعراف-۱۷۶)

۴۶۔ مشرکین مصیبت میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں: جب اندھے بہرے گونگے ہو کر آیات اللہ کو جھٹلایا اور گمراہی کے عمیق غار میں جا پڑے۔ اس پر اگر دنیا میں یا قیامت میں خدا کا سخت عذاب نازل ہو تو سچ بچ بتلاؤ کہ خدا کے سوا اس وقت کسے پکارو گے۔ دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں بھی جب گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر اسی خدائے واحد کو پکارتے ہو اور سب شرکاء کو بھول جاتے ہو فَادَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (العنكبوت-۶۵) جس پر اگر خدا چاہتا ہے تو اس مصیبت کو دور بھی کر دیتا ہے۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ نزل عذاب یا ہول قیامت سے بچانے والا بجز خدا کے اور کون ہو سکتا ہے پھر یہ کس قدر حماقت اور اندھا پن ہے کہ اس خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر کے اس کی نازل کی ہوئی آیات کی تکذیب اور فرمائشی آیات کا مطالبہ کرتے ہو۔

۴۲۔ اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت سی امتوں پر تجھ سے پہلے پھر ان کو پکڑا ہم نے سختی میں اور تکلیف میں

تاکہ وہ گڑ گڑاویں

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَآخَذْنٰهُمْ

بِالْبِاسِ وَالظَّمِّ اَلَعَلَّهُمْ يَتَضَمَّرُوْنَ ﴿۲۲﴾

۴۳۔ پھر کیوں نہ گڑ گڑائے جب آیا ان پر عذاب ہمارا  
لیکن سخت ہو گئے دل انکے اور بھلے کر دکھائے ان کو  
شیطان نے جو کام وہ کر رہے تھے

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَمَّرُوا وَلَكِنْ  
قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا  
يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾

۴۴۔ پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو انکو کی گئی تھی  
کھول دیے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ  
جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر جو انکو دی گئیں پکڑ لیا ہم  
نے انکو اچانک پس اس وقت وہ رہ گئے ناامید [۴۴]

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ  
كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِهَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ  
بَغْتَةً فَاذَاهُمْ مُبْلِسُونَ ﴿۳۴﴾

۴۵۔ پھر کٹ گئی جڑ ان ظالموں کی اور سب  
تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے  
جہان کا [۴۵]

فَقَطِّعَ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ  
رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۵﴾

۴۷۔ پچھلی امتوں کا انجام: گذشتہ آیت میں عذاب آنے کا احتمال بیان ہوا تھا اب واقعات کا حوالہ دیتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں اس طرح کے  
عذاب آچکے ہیں۔ نیز متنبہ فرمادیا کہ جب مجرم کو ابتداً ہلکی تنبیہ کی جائے تو اس کو معاذ خدا کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ سخت دلی اور اغوائے  
شیطانی سے اسے ہلکانہ سمجھے موضح القرآن میں ہے کہ گنہگار کو اللہ تعالیٰ تھوڑا سا پکڑتا ہے اگر وہ گڑ گڑایا اور توبہ کی توجیح گیا اور اگر اتنی پکڑ نہ مانی تو  
پھر بھلا دیا اور وسعت عیش کے دروازے کھولے۔ جب نعمتوں کی شکر گزاری اور انعام و احسان سے متاثر ہونے کے بجائے خوب گناہ میں  
غرق ہو اتو دفعتاً بے خبر پکڑا گیا یہ ارشاد ہے کہ آدمی کو گناہ پر تنبیہ پہنچے تو شتاب توبہ کر لے۔ یہ راہ نہ دیکھے کہ اس سے زیادہ پہنچے تو یقین کروں۔  
۴۸۔ ظالموں کا استیصال بھی اس کی ربوبیت عامہ کا اثر اور مجموعہ عالم کے لئے رحمت عظیم ہے اسی لئے یہاں حمد و شکر کا اظہار فرمایا۔

۴۶۔ تو کہہ دیکھو تو اگر چھین لے اللہ تمہارے کان اور  
آنکھیں اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر [۴۶] تو کون ایسا  
رب ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ چیزیں لادوے [۴۷] دیکھ  
ہم کیونکر طرح طرح سے بیان کرتے ہیں باتیں پھر بھی وہ  
کنارہ کرتے ہیں

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَ  
أَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ  
يَأْتِيكُمْ بِهِ ۗ أَنْظِرْ كَيْفَ نَصَرَفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ  
يَصْدِفُونَ ﴿۳۶﴾

۴۷۔ تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا اچانک [۵۱] یا ظاہر ہو کر تو کون ہلاک ہو گا ظالم لوگوں کے سوا [۵۲]

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾

۴۸۔ اور ہم رسول بھیجے مگر خوشی اور ڈر سنانے کو پھر جو کوئی ایمان لایا اور سنور گیا تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ ۚ فَمَنْ أَمِنَ وَأَصْدَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾

۴۹۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو انکو پہنچے گا عذاب اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے [۵۳]

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَسْتَهْمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۳۹﴾

۴۹۔ کہ نہ تم سن سکو نہ دیکھ سکو نہ دل سے سمجھ سکو۔

۵۰۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ”یعنی توبہ میں دیر نہ کرے۔ جو کان اور آنکھ اور دل اس وقت ہے شاید پھر نہ ملے“ اور اس لئے توبہ و استغفار کی توفیق نہ ہو سکے۔

۵۱۔ ”اچانک“ یعنی وہ عذاب جس کی کچھ علامات پہلے سے ظاہر نہ ہوں۔ ولہذا جَهْرَةً سے مراد وہ عذاب ہو گا جسکے آنے سے قبل علامات ظاہر ہونے لگیں۔

۵۲۔ یعنی توبہ میں دیر نہ کرنا چاہیے۔ شاید اس دیر میں عذاب پہنچ جائے جس کا خمیازہ صرف ظالموں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر پہلے ہی ظلم و عدوان سے توبہ کر چکا ہو گا تو اس عذاب سے بچ رہے گا۔

۵۳۔ بعثت انبیاء کا مقصد: یعنی تم جو عذاب الہی سے نڈر اور بے فکر ہو کر بے ہودہ فرمائشیں اور دراز کار سوالات کر کے پیغمبر ﷺ کو دق کرتے اور ان کی تصدیق کے لئے خود ساختہ معیار تراشتے ہو خوب سمجھ لو کہ پیغمبر دنیا میں اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ تمہاری ایسی واپسی تباہی فرمائشیں پوری کرتے رہا کریں۔ ان کی بعثت کی غرض صرف ”بشیر و انداز“ اور ”تبلیغ و ارشاد“ ہے۔ وہ خدا کی طرف سے اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ فرمانبرداروں کو بشارات سنائیں اور نافرمانوں کو ان کے انجام بد پر متنبہ کر دیں آگے ہر شخص کی کمائی اس کے ساتھ ہے جس نے انبیاء کی باتوں پر یقین کیا اور اعتقاداً او عملاً اپنی حالت درست کر لی حقیقی امن اور چین اس کو نصیب ہوا اور جس نے خدا کی آیات کو جھٹلا کر ہدایت الہی سے روگردانی کی وہ نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے سخت تباہی اور عذاب عظیم کے نیچے آگیا۔ العیاذ باللہ۔

۵۰۔ تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں [۵۳] میں تو اسی پر چلتا

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا

ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے تو کہہ دے کب برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا سو کیا تم غور نہیں کرتے [۵۵]

مَا يُؤْحَىٰ إِلَىٰ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَ  
الْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٥﴾

۵۵۔ اور خبردار کر دے اس قرآن سے ان لوگوں کو جن کو ڈر ہے اسکا کہ وہ جمع ہونگے اپنے رب کے سامنے اس طرح پر کہ اللہ کے سوانہ کوئی انکا حمایتی ہو گا اور نہ سفارش کرنے والا [۵۶] تاکہ وہ بچتے رہیں [۵۷]

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ  
لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ  
يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾

۵۴۔ منصب رسالت کی حقیقت: اس آیت میں منصب رسالت کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہاد پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو وہ فوراً بتلا دیا کرے۔ یا نوع بشر کے علاوہ وہ کوئی اور نوع ہے جو لوازم و خواص بشریہ سے اپنی برأت و نزاہت کا ثبوت پیش کرے۔ جب ان باتوں میں سے وہ کسی چیز کا مدعی نہیں تو فرمائش معجزات اس سے طلب کرنا یا ازراہ تعنت و عناد اس قسم کا سوال کرنا کہ "قیامت کب آئے گی"۔ یا یہ کہنا کہ "یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے جاتے ہیں" اور ان ہی امور کو معیار تصدیق و تکذیب ٹھہرانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔"

۵۵۔ نبی اور غیر نبی کا فرق: یعنی اگرچہ پیغمبر نوع بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں۔ لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں علمی و عملی۔ قوت علمیہ کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں اعلیٰ و بصیر (اندھے اور سوانکھے) کا تفاوت سمجھنا چاہئے۔ نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیات الہی اور تجلیات ربانی کے دیکھنے کے لئے کھلی رہتی ہیں جس کے بلا واسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں۔ اور قوت عملیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول و فعل اور ہر ایک حرکت و سکون میں رضائے الہی اور حکم خداوندی کے تابع و منقاد ہوتے ہیں و وحی سماوی اور احکام الہیہ کے خلاف نہ کبھی ان کا قدم اٹھ سکتا ہے نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ ان کی مقدس ہستی اخلاق و اعمال اور کل واقعات زندگی میں تعلیمات ربانی اور مرضیات الہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور و فکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔

۵۶۔ یعنی جو لوگ فرمائش معجزات دکھلائے جانے پر اپنے ایمان کو موقوف رکھتے اور ازراہ تعنت و عناد آیات اللہ کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں ان سے قطع نظر کیجئے۔ کیونکہ تبلیغ کا فرض ادا ہو چکا اور ان کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں اب وحی الہی (قرآن) کے ذریعہ سے ان لوگوں کو متنبہ کرنے کا مزید اہتمام فرمائیے جن کے دلوں میں محشر کا خوف اور عاقبت کی فکر ہے۔ کیونکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ نصیحت سے متاثر اور ہدایات قرآنی سے منتفع ہوں۔

۵۷۔ یعنی یہ سن کر گناہ سے بچتے رہیں۔

۵۲۔ اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور چاہتے ہیں اسی کی رضا [۵۸] تجھ پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو دور کرنے لگے پس ہو جاوے گا تو بے انصافوں میں [۵۹]

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعضے لوگوں کو بعضوں سے تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو [۶۰]

وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو کہہ دے تو سلام ہے تم پر لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو کہ جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جائے توبات یہ ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ أَنَّهُ مَنِ عَبَا مِنْكُمْ سَوْءٌ أَبْجَهَالَةٍ ۖ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ ۖ وَأَصْلَحَ ۚ فَاِنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥٤﴾

۵۵۔ اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو اور تاکہ کھل جاوے طریقہ گنہگاروں کا [۶۱]

وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِيَتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٥٥﴾

۵۸۔ یعنی رات اور دن اس کی عبادت میں حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔

۵۹۔ یعنی جب ان کا ظاہر حال یہ بتلا رہا ہے کہ شب و روز خدا کی عبادت اور رضا جوئی میں مشغول رہتے ہیں تو اسی کے مناسب ان سے معاملہ کیجئے۔ ان کا باطنی حال کیا ہے یا آخری انجام کیا ہو گا اس کی تفتیش و محاسبہ پر معاملات موقوف نہیں ہو سکتے۔ یہ حساب نہ آپ کا ان کے ذمہ ہے نہ ان کا آپ کے۔ لہذا اگر بالفرض آپ دو تمندوں کی ہدایت کی طمع میں ان غریب مخلصین کو اپنے پاس سے ہٹانے لگیں تو یہ بات بے انصافی کی ہو



گی۔ موضح القرآن میں ہے کافروں میں بعض سرداروں نے حضرت ﷺ سے کہا کہ تمہاری بات سننے کو ہمارا دل چاہتا ہے لیکن تمہارے پاس بیٹھے ہیں رذیل لوگ۔ ہم ان کے برابر نہیں بیٹھ سکتے اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی خدا کے طالب اگرچہ غریب ہیں۔ ان ہی کی خاطر مقدم ہے۔

۶۰۔ یعنی دولت مندوں کو غریبوں سے آزمایا ہے کہ ان کو ذلیل دیکھتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ کیالائق ہیں اللہ کے فضل کے اور اللہ ان کے دل دیکھتا ہے کہ اللہ کا حق مانتے ہیں۔

۶۱۔ مومنین کو خوشخبری: پہلے فرمایا تھا کہ پیغمبر تبشیر و انذار کے لئے آتے ہیں چنانچہ اس رکوع کے شروع میں وَانذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ اِلٰهَكَ سے شان انذار کا استعمال تھا۔ اب مومنین کے حق میں شان تبشیر کا اظہار ہے یعنی مومنین کو کامل سلامتی اور رحمت و مغفرت کی بشارت سنا دیجئے تاکہ ان غریبوں کا دل بڑھے اور دولت مند متکبرین کے طعن و تشنیع اور تحقیر آمیز برتاؤ سے شکستہ خاطر نہ رہیں۔ اسی لئے ہم احکام و آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ نیز اس لئے کہ مومنین کے مقابلہ میں مجرمین کا طریقہ بھی واضح ہو جائے (تنبیہ) یہ جو فرمایا کہ ”جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے“ اس سے شاید یہ غرض ہو کہ مومن جو برائی اور معصیت کرتا ہے خواہ نادانستہ ہو یا جان بوجھ کر وہ فی الحقیقت اس برائی اور گناہ کے انجام بد سے ایک حد تک ناواقف اور بے خبر ہی ہو کر کرتا ہے۔ اگر گناہ کے تباہ کن نتائج کا پوری طرح اندازہ اور استحضار ہو تو کون شخص ہے جو اس پر اقدام کی جرأت کرے گا۔

۵۶۔ تو کہہ دے مجھ کو روکا گیا ہے اس سے کہ بندگی کروں انکی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر بیشک اب تو میں بہک جاؤں گا اور نہ رہوں گا ہدایت پانے والوں میں [۶۲]

قُلْ اِنِّي نُهَيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ قُلْ لَا اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۗ قَدْ ضَلَلْتُمْ اِذَا وَاٰ مَا اَنَامِنِ السُّهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾

۵۷۔ تو کہہ دے کہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اسکو جھٹلایا [۶۳] میرے پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو [۶۴] حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے بیان کرتا ہے حق بات اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

قُلْ اِنِّي عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ۗ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ۗ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۗ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۗ يَقْضُ الْحَقَّ وَ هُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿٥٧﴾

۵۸۔ تو کہہ اگر ہوتی میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو طے ہو چکا ہوتا جھگڑا درمیان میرے اور درمیان تمہارے [۶۵] اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقَضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظٰلِمِيْنَ ﴿٥٨﴾

۶۲۔ مشرکین کو انذار: گذشتہ آیت میں وہ چیزیں بیان ہوئیں جو مومنین سے کہنے کے لائق ہیں۔ اس رکوع میں ان امور کا تذکرہ ہے جو مجرمین اور مکذبین کے حق میں قابل خطاب ہیں۔ یعنی آپ فرمادیجئے کہ میرا ضمیر، میری فطرت، میری عقل میرا نور شہود اور وحی الہی جو مجھ پر اترتی ہے یہ سب مجھ کو اس سے روکتے ہیں کہ میں توحید کامل کے جادہ سے ذرا بھی قدم ہٹاؤں۔ خواہ تم کتنے ہی حیلے اور تدبیریں کرو میں کبھی تمہاری

خوشی اور خواہش کی پیروی نہیں کر سکتا۔ بفرض محال اگر پیغمبر کسی معاملہ میں وحی الہی کو چھوڑ کر عوام کی خواہشات کا اتباع کرنے لگیں تو خدا نے جنہیں ہادی بنا کر بھیجا تھا معاذ اللہ وہ ہی خود بہک گئے پھر ہدایت کا بیج دنیا میں کہاں رہ سکتا ہے۔

۶۳۔ یعنی میرے پاس خدا کی صاف و صریح شہادت اور واضح دلائل پہنچ چکے جن کے قبول سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا۔ تم اس کو جھٹلاتے ہو تو اس کا انجام سوچ لو۔

۶۴۔ یعنی عذاب الہی چنانچہ کفار کہتے تھے اللہمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ اَنْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيمٍ (الانفال۔ ۳۲) (اگر یہ حق ہے جس کی ہم تکذیب کر رہے ہیں تو آپ آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش کر دیجئے یا ہم پر اور کوئی سخت عذاب بھیج دیجئے)

۶۵۔ عذاب دینا اور فیصلہ کرنا رسول کا کام نہیں: یعنی جس پر چاہے جب چاہے اور جس قسم کا چاہے عذاب بھیجے یا نہ بھیجے ویسے ہی توبہ کی توفیق مرحمت فرمادے یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ کسی کا حکم اور زور اس کے سوا نہیں چلتا وہ دلائل و براہین کے ساتھ حق کو بیان کر دیتا ہے۔ پھر جو نہ مانیں ان کے متعلق بہترین فیصلہ کرنے والا بھی وہ ہی ہے۔ اگر ان کا فیصلہ کرنا یا سزا دینا میرے قبضہ اختیار میں ہوتا۔ اور یہ نزول عذاب میں جلدی چاہنے والے مجھ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تو اب تک کبھی کا جھگڑا ختم ہو چکا ہوتا۔ یہ تو خدا ہی کے علم محیط، حلم عظیم، حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا پر تو ہے کہ بے شمار مصالح و حکم کی رعایت کرتے ہوئے باوجود پوری طرح جاننے اور قدرت رکھنے کے ظالموں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ آئندہ آیات میں اس کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو کہ تاخیر عذاب جہل یا عجز کی بناء پر نہیں۔

۵۹۔ اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ انکو کوئی نہیں جانتا اسکے سوا اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اسکو اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے [۶۶]

وَ عِنْدَا مَفَاتِحِ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمَهَا اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ

وَ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٥٩﴾

۶۰۔ اور وہ ہی ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں [۶۷] اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر چکے ہو دن میں [۶۸] پھر تم کو اٹھا دیتا ہے اُس میں تاکہ پورا ہو وہ وعدہ جو مقرر ہو چکا ہے [۶۹] پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے پھر خبر دے گا تم کو اس کی جو کچھ تم کرتے ہو [۷۰]

وَ هُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ اَجَلٌ مُّسَمًّى ج  
ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان [۴۱] یہاں تک کہ جب آپہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضہ میں لے لیتے ہیں اسکو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے [۴۲] اور وہ کوتاہی نہیں کرتے [۴۳]

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً  
ط حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ

هُم لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾

۶۲۔ پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی طرف جو مالک انکا ہے سچا سن رکھو حکم اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے [۴۴]

ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ط اَلَا لَهُ الْحُكْمُ

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

۶۲۔ اللہ کا علم ازلی اور لوح محفوظ: یعنی لوح محفوظ میں ہے۔ اور لوح محفوظ میں جو چیز ہوگی وہ علم الہی میں پہلے ہوگی اس اعتبار سے مضمون آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عالم غیب و شہادت کی کوئی خشک و تراور چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہو سکتی۔ بناءً علیہ ان ظالموں کے ظاہری و باطنی احوال اور ان کی سزا دہی کے مناسب وقت و محل کا پورا پورا علم اسی کو ہے (تنبیہ) ”مفاتیح“ کو جن علماء نے مفتوح بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے انہوں نے ”مفاتیح الغیب“ کا ترجمہ ”غیب کے خزانوں“ سے کیا اور جن کے نزدیک مفتوح بکسر المیم کی جمع ہے وہ ”مفاتیح الغیب“ کا ترجمہ مترجم کے موافق کرتے ہیں یعنی ”غیب کی کنجیاں“ مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پاسکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کر لے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو۔ تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو ”مفاتیح غیب“ کہنا چاہیے حق تعالیٰ نے اپنے ہی لئے مخصوص رکھا ہے۔

۶۷۔ معاد کا بیان: یعنی شب میں سوتے وقت ظاہری احساس و شعور باقی نہیں رہتا۔ اور آدمی اپنے گرد و پیش بلکہ اپنے جسم کے احوال تک سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ گویا اس وقت یہ قوتیں اس سے لے لی گئیں۔

۶۸۔ یعنی دن میں جو کچھ چلنا پھرنا، نقل و حرکت اور کسب و اکتساب واقع ہوتا ہے وہ سب کامل تفصیل کے ساتھ خدا کے علم میں موجود ہے۔

۶۹۔ یعنی اگر وہ چاہتا تو تم سوتے کے سوتے رہ جاتے لیکن موت کا وعدہ پورا ہونے تک ہر نیند کے بعد تم کو بیدار کرتا رہتا ہے۔

۷۰۔ اعمال کی نگرانی: دن میں کاروبار کر کے رات کو سونا پھر سو کر اٹھنا یہ روزمرہ کا سلسلہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے دنیا کی زندگی پھر موت پھر دوبارہ زندہ کئے جانے کا۔ اسی لئے نیند اور بیداری کے تذکرہ کے ساتھ مسئلہ معاد پر متنبہ کر دیا گیا۔

۷۱۔ یعنی وہ فرشتے جو تمہاری اور تمہارے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۷۲۔ یعنی جو فرشتے روح قبض کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔

۷۳۔ یعنی جس وقت اور جس طرح جان نکالنے کا حکم ہوتا ہے اس میں وہ کسی طرح کی رعایت یا کوتاہی نہیں کرتے۔

۷۴۔ یعنی ایک لحظہ میں آدمی کی عمر بھر کی بھلائی برائی واضح کر دے۔

۶۳۔ تو کہہ کون تم کو بچا لاتا ہے جنگل کے اندھیروں سے اور دریا کے اندھیروں سے اس وقت میں کہ پکارتے ہو تم اسکو گڑا گڑا کر اور چپکے سے کہ اگر ہم کو بچا لیوے اس بلا سے تو البتہ ہم ضرور احسان مانیں گے

قُلْ مَنْ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّيِّنًا أَنْجِنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ تو کہہ دے اللہ تم کو بچاتا ہے اس سے اور ہر سختی سے پھر بھی تم شرک کرتے ہو [۴۵]

قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيْكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾

۴۵۔ مشرکین کی ناشکری: یعنی حق تعالیٰ باوجود علم محیط اور قدرت کاملہ کے جس کا بیان اوپر ہوا تمہاری بد اعمالیوں اور شرارتوں کی سزا فوراً نہیں دیتا۔ بلکہ جب مصائب و شدائد کی اندھیروں میں پھنس کر تم اس کو عاجزی سے پکارتے ہو اور پختہ وعدے کرتے ہو کہ اس مصیبت سے نکلنے کے بعد کبھی شرارت نہ کریں گے اور ہمیشہ احسان کو یاد رکھیں گے تو بسا اوقات وہ تمہاری دستگیری کر کے ان مہالک اور ہر قسم کی سختیوں سے نجات دے دیتا ہے لیکن تم پھر بھی اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتے اور مصیبت سے آزاد ہوتے ہی بغاوت شروع کر دیتے ہو۔

۶۵۔ تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب [۴۶] اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑادے تم کو مختلف فرقی کر کے اور چکھاوے ایک کو لڑائی ایک کی [۴۴] دیکھ کس کس طرح ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ وہ سمجھ جاویں [۴۸]

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْضِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ أَنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ اور اسکو جھوٹ بتلایا تیری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے تو کہہ دے کہ میں نہیں تم پر دروغ

وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۗ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور قریب ہے کہ اس کو جان لو گے [۴۹]

لِكُلِّ نَبَأٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ یعنی خدا کے امہال و درگزر کو دیکھ کر مامون اور بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ جس طرح وہ شدائد و مصائب سے نجات دے سکتا ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ کسی قسم کا عذاب تم پر مسلط کر دے۔

۷۷۔ پچھلی امتوں اور اس امت کے عذاب میں فرق: اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ (۱) جو اوپر سے آئے جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش (۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ۔ یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب ہیں جو اگلی قوموں پر مسلط کئے گئے۔ حضور ﷺ کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گذشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہو گا۔ جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں تو اسکی نفی نہیں ہاں تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہیے۔ اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔ واضح القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا۔ یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور ان کو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضرت نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہ ہی ہو گا۔ اکثر عذاب الیم اور عذاب مہین اور عذاب شدید اور عذاب عظیم ان ہی باتوں کو فرمایا ہے۔ اور آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔

۷۸۔ یعنی قرآن کو یا عذاب کے آنے کو۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں عذاب وغیرہ کچھ نہیں آتا۔

۷۹۔ یعنی میرا یہ منصب نہیں کہ تمہاری تکذیب پر خود عذاب نازل کر دوں یا اس کے وقت اور نوعیت وغیرہ کی تفصیل بتلاؤں میرا کام صرف باخبر اور منتہب کر دینا ہے۔ آگے ہر چیز کے وقوع کا علم الہی میں ایک وقت مقرر ہے۔ جب وقت آجائے گا تم خود جان لو گے کہ میں جس چیز سے ڈراتا تھا وہ کہاں تک سچ ہے۔

۶۸۔ اور جب تو دیکھے ان لوگوں کہ کہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ [۸۰]

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَتِنَا فَأَعْرِضْ

عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ وَإِمَّا

يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ

مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ اور پرہیز گاروں پر نہیں ہے جھگڑنے والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن انکے ذمہ نصیحت کرنی ہے تاکہ وہ ڈریں [۸۱]

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَٰكِنْ ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ اور چھوڑ دے انکو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشاً [۸۲] اور دھوکا دیا انکو دنیا کی زندگی نے [۸۳] اور نصیحت کر انکو قرآن سے تاکہ گرفتار نہ ہو جاوے کوئی اپنے کئے میں کہ نہ ہو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر بدلے میں

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا ۖ وَلَهُمْ ۗ

غُرَّتُهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكَرَ بِهٖ أَنْ تُبْسَلَ

نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۗ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ

دے سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے [۸۳] وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں انکو پینا ہے گرم پانی اور عذاب ہے دردناک بدلے میں کفر کے [۸۵]

وَلَا شَفِيعٌ ۚ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذُ  
مِنْهَا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِسَابِقَدِيمِهِمْ  
شَرَابٌ مِّنْ حَبِيمٍ ۚ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ بَا كَانُوا  
يَكْفُرُونَ ﴿٤١﴾

۱۔ تو کہہ دے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع پہنچا سکیں ہم کو اور نہ نقصان اور کیا پھر جاویں ہم اٹنے پاؤں اسکے بعد کہ اللہ سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو مثل اس شخص کے کہ رستہ بھلا دیا ہو اسکو جنوں نے جنگل میں جبکہ وہ حیران ہے اس کے رفیق بلاتے ہیں اسکو رستہ کی طرف کہ چلا آ ہمارے پاس [۸۶] تو کہہ دے کہ اللہ نے جو راہ بتلائی وہی سیدھی راہ ہے [۸۷] اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ تابع رہیں پروردگار عالم کے

قُلْ أَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا  
يَضُرُّنَا وَنُرُدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ  
كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيْطَانُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ  
لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَىٰ ائْتِنَا ۚ قُلْ إِنَّ  
هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۚ وَأَمْرًا نُنْسِلِمَ لِرَبِّ  
الْعَالَمِينَ ﴿٤٢﴾

۲۔ اور یہ کہ قائم رکھو نماز کو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کے سامنے تم سب اکٹھے ہو گے

وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّقُوا ۚ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ  
تُحْشَرُونَ ﴿٤٣﴾

۳۔ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر اور جس دن کہے گا کہ ہو جا [۸۸] تو وہ ہو جائے گا اسی کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن پھونکا جائے گا صور [۸۹] جاننے والا چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا [۹۰]

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ وَ  
يَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ  
الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ وَ  
الشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٤٤﴾

۸۰۔ استہزاء کرنے والوں کے ساتھ مت بیٹھو: یعنی جو لوگ آیات اللہ پر طعن و استہزاء اور ناحق کی نکتہ چینی میں مشغول ہو کر اپنے کو مستحق عذاب بنا رہے ہیں تم ان سے خلط ملط نہ کرو کہیں تم بھی ان کے زمرہ میں داخل ہو کر مورد عذاب نہ بن جاؤ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ أَحَدًا مِّنْكُمْ فِي غَيْرِ مَوَاقِفِهِمْ لَتَقَاضِيَهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔ اسی میں اپنی عاقبت کی درستی، دین کی سلامتی اور طعن و استہزاء کرنے والوں کے لئے عملی نصیحت اور تنبیہ ہے۔

۸۱۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر پرہیزگار لوگ جھگڑنے اور طعن کرنے والوں کی مجلس سے اٹھ کر چلے آئے تو طاعنین کے گمراہی میں پڑے رہنے کا کوئی مواخذہ اور ضرور ان متیقن پر عائد نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان کے ذمہ بقدر استطاعت اور حسب موقع نصیحت کرتے رہنا ہے۔ شاید بد بخت نصیحت سن کر اپنے انجام سے ڈر جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ پرہیزگار اور محتاط لوگوں کو اگر کسی واقعی معتدبہ دینی یا دنیوی ضرورت سے ایسی مجلس میں جانے کا اتفاق ہو جائے تو ان کے حق میں طاعنین کے گناہ اور باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ ہاں ان کے ذمہ بشرط قدرت نصیحت کر دینا ہے ممکن ہے کسی وقت ان پر بھی نصیحت کا اثر پڑ جائے۔

۸۲۔ یعنی اپنے اس دین کو جس کا قبول کرنا ان کے ذمہ فرض تھا اور وہ مذہب اسلام ہے۔

۸۳۔ دنیا کی لذتوں میں مست ہو کر عاقبت کو بھلا بیٹھے۔

۸۴۔ یعنی ایسے لوگوں کو جو تکذیب و استہزاء کی کوتوت میں پکڑے گئے ہوں نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے زبردستی عذاب الہی سے چھڑالے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہو گا جو سعی و سفارش سے کام نکال دے۔ اور نہ کسی قسم کا ندیہ اور معاوضہ قبول کیا جائے گا اگر بالفرض ایک مجرم دنیا بھر کے معاوضے دے کر چھوٹنا چاہے تو نہ چھوٹ سکے گا۔

۸۵۔ گذشتہ آیت میں خاص اس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم تھا جہاں آیات اللہ کے متعلق طعن و استہزاء اور ناحق کے جھگڑے کئے جا رہے ہوں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی عام مجالست و صحبت ترک کر دینے کا ارشاد ہے۔ مگر ساتھ ہی حکم ہے کہ ان کو نصیحت کر دیا کرو۔ تاکہ وہ اپنے کئے کے انجام سے آگاہ ہو جائیں۔

۸۶۔ مسلمان کی شان: یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ گمراہوں کو نصیحت کر کے سیدھی راہ پر لائے اور جو خدا سے بھاگ کر غیر اللہ کی چوکھٹ پر سر رکھے ہوئے ہیں ان کو خدائے واحد کے سامنے سر بسجود کرنے کی فکر کرے۔ اس سے یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی ایسی ہستی کے آگے سر جھکائے گا جس کے قبضہ میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ یا اہل باطل کی صحبت میں رہ کر توحید و ایمان کی صاف سڑک چھوڑ دے گا اور شرک کی بھول بھلیاں کی طرف لٹے پاؤں پھرے گا۔ اگر معاذ اللہ ایسا ہو تو اس کی مثال اس مسافر کی سی ہوگی جو اپنے راہ جاننے والے رفقائے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا کہ ناگاہ غول بیابانی (خبیث جنات) نے اسے بہکا کر راستہ سے الگ کر دیا۔ وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے اور اس کے رفقائے ازراہ خیر خواہی اسے آوازیں دے رہے ہیں کہ ادھر آؤ راستہ اس طرف ہے۔ مگر وہ حیران و محجوب الحواس ہو کر نہ کچھ سمجھتا ہے نہ ادھر آتا ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ مسافر آخرت کے لئے سیدھی راہ اسلام و توحید کی ہے اور جن کی رفاقت و معیت میں یہ سفر طے ہوتا ہے وہ پیغمبر اور اس کے متبعین ہیں۔ جب یہ بد بخت شیاطین و مضلین کے پنجہ میں پھنس کر صحرائے ضلالت میں بھٹکتا پھرتا ہے اس کے ہادی اور رفقائے ازراہ ہمدردی جاہد حق کی طرف بلا رہے ہیں مگر یہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ تو اسے گروہ اشار کیا تمہاری یہ غرض ہے کہ ہم اپنی ایسی مثال بنا لیں یہ آیت ان مشرکین کے جواب میں اتری ہے جنہوں نے مسلمانوں سے ترک اسلام کی درخواست کی تھی۔

۸۷۔ ہم سے یہ امید مت رکھو کہ اسے چھوڑ کر ہم شیطان کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلیں گے۔

۸۸۔ یعنی حشر ہو جا۔

۸۹۔ یعنی اس روز ظاہری اور مجازی طور پر بھی خدا کے سوا کسی کی سلطنت نہ رہے گی۔ لَيِّنَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن-۱۶)  
 ۹۰۔ جو خدا یہ صفات رکھتا ہے جن کا ذکر ان دو تین آیات میں ہوا وہ ہی اس لائق ہے کہ ہم اس کے تابع فرمان ہوں اس کے سامنے انتہائی  
 عبودیت اختیار کریں اور ہر آن اس سے ڈرتے رہیں۔ اسی کا ہم کو حکم ہوا ہے۔ جس سے ہم کسی حال منہ نہیں موڑ سکتے۔

۷۴۔ اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے [۹۱] اپنے باپ آزر  
 کو [۹۲] تو کیا مانتا ہے بتوں کو خدا میں دیکھتا ہوں کہ تو اور  
 تیری قوم صریح گمراہ ہیں [۹۳]

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَصْنَامًا  
 الْهَيْهَاتَ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٣﴾

۷۵۔ اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو  
 عجائبات آسمانوں اور زمینوں کے اور تاکہ اس کو یقین آ  
 جاوے [۹۳]

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَ  
 الْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٤٤﴾

۷۶۔ پھر جب اندھیرا کر لیا اس پر رات نے دیکھا  
 اس نے ایک ستارہ بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہو  
 گیا تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہو جانے والوں کو [۹۵]

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا ﴿٤٥﴾ قَالَ هَذَا رَبِّي  
 فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴿٤٦﴾

۷۷۔ پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا پھر  
 جب وہ غائب ہو گیا بولا اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو رب  
 میرا تو بیشک میں رہوں گا گمراہ لوگوں میں [۹۶]

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا ﴿٤٦﴾ قَالَ هَذَا رَبِّي ﴿٤٧﴾ فَلَمَّا أَفَلَ  
 قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ  
 الضَّالِّينَ ﴿٤٨﴾

۷۸۔ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا  
 یہ سب سے بڑا ہے [۹۷] پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اے  
 میری قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے  
 ہو [۹۸]

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً ﴿٤٧﴾ قَالَ هَذَا رَبِّي ﴿٤٨﴾ هَذَا  
 أَكْبَرُ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا  
 تُشْرِكُونَ ﴿٤٩﴾

۷۹۔ میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس  
 نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں  
 نہیں ہوں شرک کرنے والا [۹۹]

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَ  
 الْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٥٠﴾



۸۰۔ اور اس سے جھگڑا کیا اسکی قوم نے بولا کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے ایک ہونے میں اور وہ مجھ کو سمجھا چکا [۱۰۰] اور میں ڈرتا نہیں ہوں ان سے جنکو تم شریک کرتے ہو اس کا مگر یہ کہ میرا رب ہی کوئی تکلیف پہنچانی چاہے احاطہ کر لیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا کیا تم نہیں سوچتے [۱۰۱]

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۗ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۸۰﴾

۸۱۔ اور میں کیونکر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ شریک کرتے ہو اللہ کا انکو جسکی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل [۱۰۲] اب دونوں فرقوں میں کون مستحق ہے دل جمعی کا بولو اگر تم سمجھ رکھتے ہو

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ هُوَ

تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾

۹۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ: گذشتہ آیات میں جو توحید کا اثبات، شرک کی نفی اور مسلمانوں کے ارتداد سے مایوس کیا گیا تھا۔ یہاں موحد اعظم حضرت ابراہیم کے واقعہ سے اسکی تاکید مقصود ہے اور ضمنہ مسلمانوں کو یہ بھی سمجھنا ہے کہ کمذہبیں و معاندین کو کس طرح نصیحت و فہمائش کی جائے، کس طرح ان سے علیحدگی اور بیزاری کا اظہار ہونا چاہئے اور کس طرح ایک مومن قانت کو خدا پر اور صرف اکیلے خدا پر بھروسہ رکھنا اسی سے ڈرنا اور اسی کا تابع فرمان ہونا چاہئے۔

۹۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام: علمائے انساب نے حضرت ابراہیم کے باپ کا نام ”تارخ“ لکھا ہے ممکن ہے ”تارخ“ نام اور ”آزر“ لقب ہو۔ ابن کثیر نے مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ”آزر“ بت کا نام تھا شاید اس بت کی خدمت میں زیادہ رہنے سے خود ان کا لقب آزر پڑ گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۹۳۔ اس سے زیادہ صریح و صاف گمراہی کیا ہوگی کہ اکرم المخلوقات انسان اپنے ہاتھ سے تراشے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سربسجود ہو جائے اور انہی سے مرادیں مانگنے لگے۔

۹۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کائنات کے عجائبات کا علم: یعنی جس طرح بت پرستی کی شاعت و فحہم نے ابراہیم پر ظاہر کر کے اس کی قوم کو قائل کیا اسی طرح علویات و سفلیات کے نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام ترکیبی کی گہرائیوں پر بھی اس کو مطلع کر دیا تاکہ اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کے وجود وحدانیت وغیرہ پر اور تمام مخلوقات سماوی و اراضی کے محکومانہ عجز و بیچارگی پر استدلال اور اپنی قوم کے عقیدہ کو اکب پرستی وہیاکل سازی کو علی وجہ البصیرت رد کر سکے۔ اور خود بھی حق الیقین کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو۔ بلاشبہ عالم کا یہ اکمل و احکم اور بہترین نظم و نسق ہی ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر بلبداہت اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کا بنانے اور چلانے والا۔ اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترین و سلیقہ

سے جوڑنے والا اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز پر اس کی حفاظت کرنے والا بڑا زبردست حکیم و قدیر صانع ہے۔ جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ و اقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ باہر نہیں جاسکتا۔ یہ کام یوں ہی بخت و اتفاق یا بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے نہیں ہو سکتا یورپ کا مشہور و معروف حکیم نیوٹن کہتا ہے کہ ”کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض عام قوت جاذبہ کے فعل کا نتیجہ ہوں۔ یہ قوت جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کہ کوئی خدائی ہاتھ ہو۔ جو باوجود قوت جاذبہ کی عام کشش کے ان کو اپنے مدارات پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبیعی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگاتے وقت ہمیشہ معین مدارات پر اور ایک خاص جہت ہی

میں حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے۔ کوئی سبب طبعی نہیں جس سے ہم ان منظم و محفوظ نوابس کو وابستہ کر سکیں ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم و علیم کے ماتحت ہے جو ان تمام سماویہ کے مواد اور ان کی کمیات سے پورا پورا واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوت جاذبہ صادر ہوگی۔ اسی نے اپنے زبردست انداز سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تضاد و تزامن نہ ہو۔ اور عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جائے۔ ہر چھوٹا بڑا سیارہ نہایت مضبوط نظام کے ماتحت معین وقت پر طلوع و غروب ہوتا ہے۔ جب کوئی ستارہ غروب ہو کر دنیا کو اپنے اس فیض و تاثیر سے محروم کر دے جو طلوع کے وقت حاصل تھا۔ تو نہ اس ستارہ کی اور نہ کسی مخلوق کی قدرت میں ہے کہ ایک منٹ کے لئے اسے واپس لے آئے یا غروب سے روک دے۔ یہ رب العالمین ہی کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے افاضہ سے عاجز نہیں۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔ وَالْقَمَرَ قَدَّزْنَهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ۔ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الْبِلَاقُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یس۔ ۳۰-۳۸) یہ علویات کا حال ہے تو سفلیات کا اسی سے اندازہ کر لو۔ یہ ہی تکوینی عجائب اور ملکوت السموات والارض ہیں جن کے دیکھنے سے ابراہیمؑ کی زبان پر لآ اِحْبُ الْاَفْلَاقِیْنَ۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ الْاَرْضَ بَاسْمِہٖ جَارِی ہو گیا۔ جو اگلی آیات میں مذکور ہے (کمال تدل علیہ الفاء فی قولہ تعالیٰ فلما جن الخ)

۹۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نجوم سے توحید پر استدلال: کہ انہیں اپنا رب بنا لوں۔ کیا ایک مجبور قیدی اور بیگاری کو شہنشاہی کے تخت پر بٹھلانا کوئی پسند کر سکتا ہے۔ باقی ابراہیمؑ کا ہڈا ربی کہنا یا تو استفہام انکاری کے لہجہ میں ہے یعنی کیا یہ ہے رب میرا؟ اور یا بطریق تہکم و تبکیت ہے۔ یعنی یہ ہے رب میرا تمہارے عقیدہ اور گمان کے موافق جیسے موسیٰؑ نے فرمایا وَانظُرْ اِلَیَّ اِلٰهَکَ الَّذِیْ فَطَرَ عَاکِفًا (طہ۔ ۹۷)۔ اس کے سوا مفسرین کے اور اقوال بھی ہیں مگر ہمارے خیال میں یہ ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۶۔ چاند چونکہ بہت حسین اور چمکدار سیارہ ہے۔ اگر خدا دستگیر ہی نہ فرمائے تو بیشک انسان اسی کی چمک دمک پر مفتون ہو کر رہ جائے۔

۹۷۔ یعنی نظام فلکی میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ فیض رسا سیارہ ہے۔ شاید ہی عالم مادی کی کوئی چیز اس کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض تاثر سے مستثنیٰ ہو؟

۹۸۔ یہ تو سب خدا کے مزدور ہیں جو وقت معین پر آتے اور چلے جاتے ہیں۔ ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر قادر نہیں پھر ان کو خدائی کے حقوق میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابل نفرت فعل ہے۔

۹۹۔ یعنی ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف خالق جل و علا کا دروازہ پکڑ لیا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں سب علویات و سفلیات ہیں۔

۱۰۰۔ یعنی جس کو خدا سمجھا چکا اور ملکوت السموات والارض کی علیٰ وجہ البصیرت سیر کر اچکا کیا اس سے یہ امید رکھتے ہو کہ وہ تمہارے جھگڑنے اور

بیہودہ جدول و بحث کرنے سے بہک جائے گا کبھی نہیں۔

۱۰۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم کہتی تھی کہ تم جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہو۔ ڈرتے رہو کہیں اس کے وبال میں تم معاذ اللہ مجنون اور پاگل نہ بن جاؤ یا اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ اس کا جواب دیا کہ میں ان سے کیا ڈروں گا جن کے ہاتھ میں نفع و نقصان اور تکلیف و راحت کچھ بھی نہیں۔ ہاں میرا پروردگار مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس سے دنیا میں کون مستثنیٰ ہے۔ وہ ہی اپنے علم محیط سے جانتا ہے کہ کس شخص کو کن حالات میں رکھنا مناسب ہو گا۔

۱۰۲۔ یعنی میں تمہارے معبودوں سے کیوں ڈروں حالانکہ نہ ان کے قبضہ میں نفع و ضرر ہے اور نہ توحید کو اختیار کرنا کوئی جرم ہے۔ جس سے اندیشہ ہو۔ ہاں تم خدا کے باغی اور مجرم بھی ہو اور خدا مالک نفع و ضرر بھی ہے لہذا تم کو اپنے جرائم کی سزا سے ڈرنا چاہئے۔

۸۲۔ جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دل جمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر [۱۰۳]

الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ  
أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾

۸۳۔ اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کے چاہیں تیرا رب حکمت والا ہے جاننے والا [۱۰۴]

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ  
دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾

۸۴۔ اور بخشا ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب سب کو ہم نے ہدایت دی [۱۰۵] اور نوح کو ہدایت کی ہم نے ان سب سے پہلے [۱۰۶] اور اسکی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب اور یوسف کو اور موسیٰ اور ہارون کو [۱۰۷] اور ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو

وَ هَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ ۗ كُلًّا هَدَيْنَا وَ  
نُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ  
سُلَيْمَانَ وَ أَيُّوبَ وَ يُوسُفَ وَ مُوسَىٰ وَ هَارُونَ ۗ وَ

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾

۸۵۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو سب ہیں نیک بختوں میں

وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيَىٰ وَ عِيسَىٰ وَ إِلْيَاسَ ۗ كُلٌّ مِّنْ  
الصَّٰلِحِينَ ﴿٨٥﴾

۸۶۔ اور اسمعیل اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے جہان والوں پر [۱۰۸]

وَ إِسْمَاعِيلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُونُسَ وَ لُوطًا ۗ وَ كُلًّا  
فَضَّلْنَا عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾

۸۷۔ اور ہدایت کی ہم نے بعضوں کو انکے باپ دادوں میں سے اور انکی اولاد میں سے اور بھائیوں میں سے اور انکو ہم نے پسند کیا اور سیدھی راہ چلایا

وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ  
وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۸۷﴾

۸۸۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر چلاتا ہے جسکو چاہے اپنے بندوں میں سے [۱۰۹] اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا [۱۱۰]

ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ  
عِبَادِهِ ۗ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبَطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا  
يَعْمَلُونَ ﴿۸۸﴾

۸۹۔ یہ لوگ تھے جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں مکہ والے تو ہم نے ان باتوں کے لئے مقرر کر دیے ہیں ایسے لوگ جو ان سے منکر نہیں [۱۱۱]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَ  
النُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا  
قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾

۱۰۳۔ احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی جیسا کہ سورہ لقمان میں ہے إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان-۱۳) گویا ظلم کی تنوین عظیم کے لئے ہوئی۔ تو حاصل مضمون یہ ہو گا کہ مامون و مہتدی صرف وہ ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو یقین لائے اس طرح کہ اس میں شرک کی ملاوٹ بالکل نہ ہو۔ اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرع ہے نہ اس کے ذریعہ سے امن و ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔ وہو کما قال وَمَا يُؤْمِنُ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف-۱۰۶) چونکہ ایمان و شرک کا جمع ہونا باظہار مستبعد تھا اس لئے مترجم محقق قدس سرہ نے بغرض تسہیل و تفہیم ایمان کا ترجمہ یقین سے اور ظلم کا نقصان سے کیا جو لغت عرب کے عین مطابق ہے۔ کمافی قولہ تعالیٰ لَمْ تَظْلِمْنَا مِنْهُ شَيْئًا (الکہف-۳۳) اور اس نقصان سے مراد شرک ہی لیا جائے گا۔ جیسا کہ احادیث میں تصریح ہو چکی اور خود نظم کلام میں لفظ لبس اس کا قرینہ ہے۔ اس کی مفصل تحقیق خود مترجم مقدمہ میں فرما چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

۱۰۴۔ یعنی ابراہیمؑ کو ایسے دلائل قاہرہ دے کر ان کی قوم پر غالب فرمانا اور دنیا و آخرت میں سر بلند کرنا اسی علیم و حکیم کا کام ہو سکتا ہے جو ہر شخص کی استعداد و قابلیت کو جانتا ہے اور اپنی حکمت سے ہر چیز کو اس کے مناسب موقع و مقام پر رکھتا ہے۔

۱۰۵۔ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ: یعنی نہ صرف یہ کہ ہم نے ابراہیمؑ کو ذاتی علم و فضل سے سرفراز کیا بلکہ بڑھاپے میں اسحق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ یعقوب وہ ہی اسرائیل ہیں جن کی طرف دنیا کی ایک عظیم الشان قوم ”بنی اسرائیل“ منسوب ہیں جن میں سے ہزاروں نبی اٹھائے گئے بلکہ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ مذکور ہے ابراہیمؑ کے بعد حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے ان ہی کی نسل میں نبوت اور پیغمبری رکھ دی۔

۱۰۶۔ پہلے ابراہیمؑ کے بعض فروع کا ذکر تھا اب بعض اصول کو ذکر فرمایا کیونکہ نوحؑ حضرت ابراہیمؑ کے اجداد میں سے ہیں اور جس طرح ابراہیمؑ کے بعد نبوت و کتاب کا انحصار صرف ان کی ذریت میں کر دیا گیا تھا اسی طرح نوحؑ کے بعد نوع انسانی کا انحصار نوحؑ کی نسل میں ہو گیا۔ گویا

طوفان کے بعد وہ دنیا کے لئے آدم ثانی ہوئے۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ (الطفت۔ ۷۷)۔

۱۰۷۔ "ظاہری ملک و سلطنت کے اعتبار سے انبیاء میں داؤد و سلیمان ہم رنگ ہیں اور مصائب و شداید پر صبر کرنے کے لحاظ سے ایوب و یوسف میں خاص مشابہت ہے باقی موسیٰ اور ہارون کے قریبی تعلقات کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ خود حضرت موسیٰ نے ہارون کو بطور اپنے وزیر کے حق تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ان میں سے ہر دونوں کے بعد لفظ "کو" لاکر شاید اسی قسم کے لطائف پر متنبہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۸۔ یعنی اپنے اپنے زمانہ کے جہان والوں پر۔

۱۰۹۔ یعنی خالص توحید اور معرفت و اطاعت خداوندی کا راستہ ہی وہ ہے جس پر حق تعالیٰ اپنے فضل و توفیق سے مقبول بندوں کو چلاتا ہے۔ پھر اس کے صلہ میں حسب استعداد درجات بلند کرتا ہے۔

۱۱۰۔ یہ ہم کو سنایا گیا کہ شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے۔ اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے اگر بفرض محال انبیاء و مقررین سے معاذ اللہ ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔

۱۱۱۔ اگر مکہ کے کافر یا دوسرے منکرین ان باتوں (کتاب، شریعت اور نبوت) سے انکار کریں تو خدا کا دین ان پر موقوف نہیں، ہم نے دوسری قوم یعنی مہاجرین و انصار اور ان کے اتباع کو ان چیزوں کی تسلیم و قبول اور حفاظت و ترویج کے لئے مسلط فرما دیا ہے جو ہماری کسی بات سے بھی منہ موڑنے والے نہیں۔

۹۰۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقہ پر [۱۱۲] تو کہہ دے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کو [۱۱۳]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْتَدِرُهُ

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِن هُوَ إِلَّا ذِكْرًا

لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾

۹۱۔ اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو پورا پہچانا جب کہنے لگے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز [۱۱۳] پوچھ تو کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آیا تھا روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے جس کو تم نے ورق ورق کر کے لوگوں کو دکھلایا اور بہت سی باتوں کو تم نے چھپا رکھا اور تم کو سکھلا دیں جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے [۱۱۵] تو کہہ دے کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے ان کو اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں [۱۱۶]

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ

اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ ۖ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ

الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا ۖ وَهُدًى لِّلنَّاسِ

تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ

كَثِيرًا ۚ وَعُلَّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ

قُلِ اللَّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩١﴾

۹۲۔ اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جو کہ ہم نے اتاری برکت والی تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلی ہیں [۱۱۷] اور تاکہ تو ڈرا دے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو [۱۱۸] اور جن کو یقین ہے آخرت کا وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ہیں اپنی نماز سے خبردار [۱۱۹]

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبْرَكٌ مُّصَدِّقٌ لِّلَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لِيُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ۗ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩٢﴾

۹۳۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا کہے مجھ پر وحی اتری اور اس پر وحی نہیں اتری کچھ بھی اور جو کہے کہ میں بھی اتارتا ہوں مثل اسکے جو اللہ نے اتارا [۱۲۰] اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں [۱۲۱] اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں [۱۲۲] آج تم کو بدلے میں ملے گا زلت کا عذاب [۱۲۳] اس سبب سے کہ تم کہتے تھے اللہ پر جھوٹی باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے [۱۲۴]

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ ۗ وَمَنْ قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ ۚ أَخْرَجُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ أَلْيَوْمَ تُجْرُونَ عَذَابَ الْهُونِ ۚ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾

۹۴۔ اور البتہ تم ہمارے پاس آگے ایک ایک ہو کر جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے تم کو دیا تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے [۱۲۵] اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارش والوں کو جن کو تم بتلایا کرتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے البتہ منقطع ہو گیا تمہارا علاقہ اور جاتے رہے جو دعویٰ کہ تم کیا کرتے تھے [۱۲۶]

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَ تَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۚ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۗ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾

۱۱۲۔ تمام انبیاء کا طریقہ ایک ہی ہے: تمام انبیاء علیہم السلام عقائد، اصول دین، اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں، سب کا دستور اساسی ایک ہے ہر نبی کو اسی پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریقہ مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیائے سابقین کے راستہ سے جدا نہیں۔ رہا فروع کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت و استعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔ (فائدہ) علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو وہ اس امت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اس پر کئی یا جزئی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔

۱۱۳۔ یعنی اگر تم نہیں مانتے تو میرا کوئی نفع فوت نہیں ہوتا کیونکہ میں تم سے کسی طرح کے اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو خدا کے یہاں ثابت ہے۔ ہاں تم نصیحت سے انحراف کر کے خود اپنا نقصان کرو گے۔ سارے جہان میں سے ایک نہیں تو دوسرا نصیحت کو قبول کرے گا۔ جو انکار کرے گا اسے اپنی محرومی اور بدبختی کا ماتم کرنا چاہئے۔

۱۱۴۔ کفار کا نزول وحی سے انکار: پچھلے رکوع میں منصب نبوت اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کا نام بنام تذکرہ تھا اور یہ کہ نبی عربی ﷺ بھی توحید و معرفت کی اسی صراط مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں جس پر انبیائے سابقین کو چلایا گیا تھا۔ پیغمبروں کا ہدایت خالق اللہ کے لئے بھیجنا حق تعالیٰ کی قدیم عادت رہی ہے۔ آیات حاضرہ میں ان جاہلوں اور معاندوں کا رد کیا گیا ہے جو بد فہمی جہل و غباوت یا نبی کریم ﷺ کی عداوت کے جوش اور غصہ میں بے قابو ہو کر حق تعالیٰ کی اس صفت ہی کا انکار کرنے لگے کہ وہ کسی انسان کو اپنی وحی و مکالمہ خاص سے مشرف فرمائے۔ گویا انزال کتب و ارسال رسل کے سلسلہ ہی کی سرے سے نفی کر دی گئی۔

۱۱۵۔ تورات کے وجود سے استدلال: یعنی اگر واقعی خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری تو تورات مقدس جیسی عظیم الشان کتاب جو احکام و مریضات الہیہ پر بندوں کو مطلع کرتی اور رشد و ہدایت کی عجیب و غریب روشنی اپنے اندر رکھتی اور ان چیزوں کا علم تم کو عطا کرتی تھی جنہیں تم اور تمہارے باپ دادا بلکہ کل بنی آدم بھی بدون اعلام الہی محض اپنی عقل و حواس سے دریافت نہیں کر سکتے تھے وہ کہاں سے آگئی اور کس نے مولیٰ پر اتاری۔ مانا کہ آج تم اسے ورق ورق اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں کو اپنی خواہش کے موافق دکھاتے اور اس کے بہت سے اخبار و احکام کو چھپائے بیٹھے ہو۔ اور اس طرح اس کی اصل روشنی تم نے باقی نہیں چھوڑی۔ تاہم جو حصہ آج باقی رہ گیا ہے وہ ہی پتہ دے رہا ہے کہ جس محل کے کھنڈرات یہ ہیں وہ اپنے زمانہ عروج میں کیسا عظیم الشان ہو گا۔

۱۱۶۔ یعنی ایسا نور و ہدایت بجز خدا کے اور کس خزانہ سے آسکتا ہے؟ اگر ایسی صاف اور بدیہی چیز کو بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ تبلیغ و تنبیہ کر کے سبکدوش ہو جائیے۔ اور ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی خرافات اور لہو و لعب میں مشغول رہیں جب وقت آئے گا خدا خود ان کو بتلا دے گا۔

۱۱۷۔ یعنی اگر خدا نے کوئی چیز نہیں اتاری تو یہ مبارک کتاب کہاں سے آئی جس کا نام قرآن ہے اور جو تمام پچھلی کتابوں کے مضامین کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اگر یہ آسمانی کتاب نہیں تو بتلاؤ کس کی تصنیف ہے جس کا مثل لانے پر جن و انس قادر نہ ہوں کیا اسے ایک اُمی کی تصنیف کہہ سکتے ہیں۔

۱۱۸۔ اُم القریٰ: ”اُم القریٰ“ بستیوں کی اصل اور جڑ کو کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ تمام عرب کا دینی و دنیوی مرجع تھا اور جغرافیائی حیثیت سے بھی قدیم دنیا کے وسط میں مرکز کی طرح واقع ہے اور جدید دنیا (امریکہ) اس کے نیچے ہے اور روایات حدیثیہ کے موافق پانی سے زمین بنائی گئی تو اول یہ ہی جگہ کھلی تھی۔ ان وجوہ سے مکہ کو ”اُم القریٰ“ فرمایا۔ اور آس پاس سے مراد یاعرب ہے کیونکہ دنیا میں قرآن کے اول مخاطب وہ ہی تھے ان کے ذریعہ سے باقی دنیا کو خطاب ہوا اور یاسارا جہان مراد ہو جیسے فرمایا لِيُعَلِّمُنَا لِقَدِيرًا (الفرقان - ۱)۔

۱۱۹۔ جسے آخرت کی زندگی پر یقین اور بعد الموت کا خیال ہو گا اسی کو ہدایت اور طریق نجات کی تلاش ہو گی وہ ہی پیغام الہی کو قبول اور نماز وغیرہ عبادت کی حفاظت کرے گا۔

۱۲۰۔ ظالموں پر موت کی سختی: خدا پر بہتان باندھنے سے شاید یہ مراد ہے کہ خدا کی طرف ان باتوں کی نسبت کرے جو اس کی شان رفیع کے لائق نہیں۔ مثلاً کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے یا بیوی بچے تجویز کرے یا یوں کہے ”ما انزل اللہ علی بشر من شیء“ یعنی اس نے بندوں کی ہدایت کو کوئی سامان نہیں کیا۔ ایسا کہنے والا سخت ظالم ہے اسی طرح جو شخص نبوت و پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کرے یا یہ ڈینگ مارے کہ خدا کے جیسا کلام تو میں لاسکتا ہوں۔ جیسے بعض مشرکین کہتے تھے لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا (الانفال-۳۱) یہ سب باتیں انتہائی ظلم اور دیدہ دلیری کی ہیں جس کی سزا کا تھوڑا سا حال آگے مذکور ہے۔

۱۲۱۔ یعنی موت کی باطنی اور روحانی سختیوں میں۔

۱۲۲۔ آخرت میں کفار کا حال: یعنی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مزید تشدید اور اظہار غیظ کے لئے کہتے جاتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں (جنہیں بہت دنوں سے با انواع حیل بچاتے پھرتے تھے)

۱۲۳۔ یعنی سخت تکلیف کے ساتھ ذلت و رسوائی بھی ہوگی۔

۱۲۴۔ یعنی ازراہ تکبر آیات اللہ کو جھٹلاتے تھے۔

۱۲۵۔ یعنی نہ سر پہ ٹوپی نہ پاؤں میں جوتی تھی دست چلے آرہے ہو اور جس ساز و سامان پر فخر و ناز تھا اسے ہمراہ نہیں لائے کہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

۱۲۶۔ یعنی جن کو تم سمجھتے تھے کہ آڑے وقت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے اور مصیبت میں ساتھ ہوں گے وہ کہاں چلے گئے آج ہم ان کو تمہاری سفارش اور حمایت پر نہیں دیکھتے۔ حمایت و نصرت کے وہ علاقے آج ٹوٹ گئے اور جو لمبے چوڑے دعوے تم کیا کرتے تھے سب رنو چکر ہو گئے۔

۹۵۔ اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور کٹھلی نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور نکالنے والا ہے زندہ سے مردہ یہ ہے اللہ پھر تم کہ ہر بے کسے جاتے ہو [۱۲۷]

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوْمِ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذِكْرُ اللَّهِ

فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ ﴿۹۵﴾

۹۶۔ پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی کا [۱۲۸] اور اسی نے رات بنائی آرام کو اور سورج اور چاند حساب کے لئے یہ اندازہ رکھا ہوا ہے زور آور خبر دار کا [۱۲۹]

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۹۶﴾

۹۷۔ اور اسی نے بنا دیے تمہارے واسطے ستارے کہ انکے وسیلہ سے راستے معلوم کرو اندھیروں میں جنگل اور دریا کے [۱۳۰] البتہ ہم نے کھول کر بیان کر دیے پتے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

يَعْلَمُونَ ﴿۹۷﴾



۹۸۔ اور وہی ہے جس نے تم کو سب کو پیدا کیا ایک شخص سے [۱۳۱] پھر ایک تو تمہارا ٹھکانہ ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ [۱۳۲] البتہ ہم نے کھول کر سنا دیے پتے اس کو جو سوچتے ہیں

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾

۱۲۷۔ توحید کے دلائل: یعنی زمین میں دبائے جانے کے بعد گھٹلی اور دانہ کو پھاڑ کر سبز پودا اگانا یا جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالنا (مثلاً آدمی کو نطفہ سے، نطفہ کو آدمی سے پیدا کرنا) اسی خدا کا کام ہے۔ پھر اسے چھوڑ کر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟ کیا اور کوئی ہستی تمہیں ایسی مل سکتی ہے جو ان کاموں کو انجام دے سکے۔

۱۲۸۔ یعنی رات کی تاریکی میں سے جو پہلی پھٹ کر صبح صادق نمودار ہوتی ہے اس کا نکلنے والا بھی وہی ہے۔

۱۲۹۔ نجوم سے راستوں کا علم: رات دن اور چاند سورج کا جو حکیمانہ نظام اور ان کی رفتار کا جو حساب مقرر فرما دیا اس میں ذرا بھی تخلف یا کم و بیش نہیں ہوتا۔

۱۳۰۔ یعنی بلا واسطہ ان سے راستہ معلوم کرو یا بواسطہ۔ مثلاً قطب نما کے ذریعہ سے۔

۱۳۱۔ یعنی حضرت آدمؑ سے۔

۱۳۲۔ انسانوں کے ٹھکانے: ”مستقر“ ٹھہرنے کی جگہ جسے ٹھکانا کہا۔ اور مستودع سپرد کئے جانے اور امانت رکھے جانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ تو لغوی معنی ہوئے۔ آگے دونوں کے مصداق کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے موضح القرآن میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم کو پسند ہے یعنی ”اول سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ میں کہ آہستہ آہستہ دنیا کے اثر پیدا کرے پھر آکر ٹھہرتا ہے دنیا میں پھر سپرد ہو گا قبر میں کہ آہستہ آہستہ اثر آخرت کے پیدا کرے پھر جا ٹھہرے گا جنت میں یا دوزخ میں۔“

۹۹۔ اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز [۱۳۳] پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے [۱۳۴] اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی [۱۳۵] دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اسکے پکنے کو [۱۳۶] ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے [۱۳۷]

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرَجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَ الرُّمَانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ أَنْظُرُوا إِلَىٰ شَرِيحِ إِذْ آتَا شَرَّ وَيُنْعِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

يُؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ اس نے انکو پیدا کیا ہے [۱۳۸] اور تراشتے ہیں اسکے واسطے بیٹے اور بیٹیاں جہالت سے [۱۳۹] وہ پاک ہے اور بہت دور ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں [۱۴۰]

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۱۔ نئی طرح پر بنانے والا آسمان اور زمین کا [۱۴۱] کیونکر ہو سکتا ہے اسکے بیٹا حالانکہ اس کی کوئی عورت نہیں اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے [۱۴۲]

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنۡىۤ يَكُوْنُ لَهُۥ وَلَدٌ ۗ وَلَٰكِنَّ لَّمۡ تَكُنۡ لَّهٗ صٰحِبَةً ۗ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۲۔ یہ اللہ تمہارا رب ہے نہیں ہے کوئی معبود سوا اسکے پیدا کرنے والا ہر چیز کا سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کار ساز ہے [۱۴۳]

ذٰلِكُمۡ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۗ فَاعْبُدُوْهُ ۗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾

۱۳۳۔ نباتات سے توحید کے دلائل: یعنی آسمان کی طرف سے بادل برسایا جو سبب ہے نباتات کے اگانے کا۔

۱۳۴۔ یعنی بسبب بوجھل ہونے کے نیچے کو جھکے ہوئے۔

۱۳۵۔ یعنی صورت شکل، مقدار، رنگ، بو اور مزہ کے اعتبار سے بعضے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، بعضے نہیں۔

۱۳۶۔ یعنی ابتداً جب پھل آتا ہے تو کچا بد مزہ اور ناقابل انتفاع ہوتا ہے۔ پھر پکنے کے بعد کیسا لذیذ خوش ذائقہ اور کارآمد بن جاتا ہے۔ یہ سب خدا کی قدرت کا ظہور ہے۔

۱۳۷۔ انسان کی جسمانی اور روحانی کفالت: اس رکوع میں حق تعالیٰ کے جن افعال و صفات اور مظاہر قدرت کا بیان ہوا ان سے خدا کے وجود وحدانیت اور کامل الصفات ہونے پر استدلال تو واضح ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو وحی و نبوت کا مسئلہ بھی بڑی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ہماری دنیوی زندگی اور مادی حوائج کے انتظام و انصرام کے لئے اس قدر اسباب ارضی و سماوی مہیا فرمائے ہیں تو یہ کہنا کس قدر لغو اور غلط ہو گا کہ ہماری حیات اخروی اور روحانی ضروریات کے انجام پانے کا اس نے کوئی سامان نہیں کیا۔ یقیناً جس رب کریم نے ہماری جسمانی غذاؤں کی نشوونما کے لئے آسمان سے پانی اتارا ہے۔ ہمارے روحانی تغذیہ کے لئے بھی اسی نے سہاہائے نبوت سے وحی و الہام کی بارش نازل فرمائی۔ جب وہ بر و بحر کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے ظاہری رہنمائی کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ باطنی رہنمائی کے لئے اس نے ایک ستارہ بھی آسمان روحانیت پر روشن نہ کیا ہو۔ رات کی تاریکی کے بعد اس نے صبح صادق کا اجالا کیا اور مخلوق کو موقع دیا کہ وہ اپنے دنیوی کاروبار میں چاند اور سورج کی روشنی سے ایک معین حساب کے ماتحت منتفع و مسفید ہوتی رہے پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ کفر و شرک، ظلم و عدوان اور فسق و فجور کی شب دیجور میں اس کی طرف سے کوئی چاند نہ چمکا، نہ صبح صادق کا نور پھیلا، نہ رات ختم ہو کر کوئی آفتاب طلوع ہوا؟

خدا کی ساری مخلوق ابد الابد کے لئے جہل و ضلالت کی گھٹا ٹوپ اندھیری میں پڑی چھوڑ دی گئی۔ کیا گیہوں کے دانہ اور کھجور کی گٹھلی کو پھاڑ کر خدائے کریم سرسبز درخت اگاتا ہے پر انسان کے قلب میں معرفت ربانی کی استعداد کا جو بیج فطرتاً بکھیرا گیا تھا وہ یوں ہی بیکار ضائع کر دیا گیا کہ نہ ابھرانہ پھلانہ پکانہ تیار ہوا۔ جب جسمانی حیثیت سے دنیا میں حی و میت کا

سلسلہ قائم ہے خدا زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتا رہتا ہے تو روحانی نظام میں خدا کی اس عادت کا کیوں انکار کیا جائے بیشک روحانی طور پر بھی وہ بہت دفعہ ایک زندہ قوم سے مردہ اور مردہ قوم سے زندہ افراد پیدا کرتا ہے۔ اور جس طرح اس نے ہماری دنیوی زندگی کے مستقر و مستودع کا حکیمانہ بندوبست کیا ہے حیات اخروی کے مستقر و مستودع کے سامان اس سے کہیں بڑھ کر مہیا فرمائے۔ فلله الحمد والمنة وبہ التوفیق والعصمۃ یہیں سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح ہم خدا تعالیٰ کو اس کے کاموں سے پہچانتے ہیں یعنی جو کام وہ اپنی قدرت کاملہ سے کرتا ہے کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ ویسا کام کر سکے۔ ٹھیک اسی طرح اس کے کلام کو بھی ہم اسی معیار پر جانچ سکتے ہیں کہ خدا کا کلام وہ ہی ہو سکتا ہے کہ اس جیسا کلام ساری مخلوق مل کر بھی نہ بنا سکے۔ پھر "سازنل مثل ما نزل اللہ" کا ادعا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ گویا اس رکوع میں حق تعالیٰ کی صفات و افعال بیان کر کے ان تمام مسائل کی حقیقت پر متنبہ کر دیا گیا جن کی تغلیط گذشتہ رکوع میں کی گئی تھی۔

۱۳۸۔ جنوں کو شریک ٹھہرانے کا مطلب: یا تو جن سے مراد یہاں شیاطین ہیں چونکہ کفر و شرک کا ارتکاب شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اس لئے اس کے اغواء و اضلال سے غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا اسی کی عبادت ہوئی۔ ابراہیمؑ نے بت پرستی کا رد کرتے ہوئے فرمایا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ (مریم۔ ۲۴) دوسری جگہ ارشاد ہے اَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ (یس۔ ۶۰) ملائکہ قیامت میں فرمائیں گے۔ قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَرَبُّنَا مِنْ دُونِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ (سبأ۔ ۲۱) اور یا جن سے مراد قوم جن لی جائے جنکے بعض سرداروں سے اہل جاہلیت استعانت و تعوذ کیا کرتے تھے۔ وَ أَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا (جن۔ ۶) بہر حال وہ خود ہماری طرح خدا کی عاجز مخلوق ہے پھر مخلوق ہو کر خالق کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

۱۳۹۔ نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو بعض یہود حضرت عزیزؑ کو خدا کا بیٹا اور مشرکین ملائکہ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

۱۴۰۔ یعنی پاک ہے شرکت سے اور اس کی شان بہت بلند ہے ترکیب و تحلیل سے پھر باپ بیٹے کا تصور وہاں کیسے ہو سکتا ہے۔

۱۴۱۔ اللہ شرکت سے پاک ہے: جس نے تنہا تمام آسمان و زمین بدون کسی نمونہ اور توسط آلات وغیرہ ایسے انوکھے طرز پر پیدا کر دیئے آج اس کو شرکاء کی امداد اور بیٹے پوتے کا سہارڈھونڈے کی کیا ضرورت ہے۔

۱۴۲۔ تعجب ہے کہ جب کسی مخلوق کو تم حقیقتاً خدا کی اولاد قرار دیتے ہو تو ان بچوں کی ماں کسے تجویز کرو گے اور اس ماں کا تعلق خدا کے ساتھ کس قسم کا مانو گے۔ عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ لیکن یہ جسارت وہ بھی نہیں کر سکے کہ مریم صدیقہ کو (العیاذ باللہ) خدا کی بیوی قرار دے کر تعلقات زنا شوقی کے قائل ہو جائیں۔ جب ایسا نہیں تو مریمؑ کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ خدا کا بیٹا کیونکر بن گیا۔ دنیا کے دوسرے بچوں کو بھی خدا تعالیٰ ان کی ماؤں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے اور وہ معاذ اللہ خدا کی نسلی اولاد نہیں کہلاتے۔ یہ فرق کہ کوئی بچہ محض نطفہ جبریلیہ سے بدون توسط اسباب عادیہ کے پیدا کر دیا جائے اور دوسروں کو عام اسباب کے سلسلہ میں پیدا فرمائیں، ابوت و نبوت کے مسئلہ پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسباب و مسببات ہوں یا خوارق عادات، سب کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت کس طرح پیدا کرنا مصلحت و حکمت ہے۔

۱۴۳۔ اس کی عبادت اس لئے کرنی چاہئے کہ مذکورہ بالا صفات کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر استحقاق معبود بننے کا رکھتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمام مخلوق کی کار سازی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۱۰۳۔ نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پاسکتا ہے  
آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے [۱۳۳]

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ

اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾

۱۰۴۔ تمہارے پاس آنچکیں نشانیاں تمہارے رب کی  
طرف سے پھر جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے اور جو اندھا  
رہا سو اپنے نقصان کو اور میں نہیں تم پر نگہبان [۱۳۴]

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَانْزَرُوا

فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَنِ فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا

عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾

۱۰۵۔ اور یوں طرح طرح سے سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور  
تاکہ وہ کہیں کہ تو نے کسی سے پڑھا ہے اور تاکہ واضح کر  
دیں ہم اسکو واسطے سمجھ والوں کے [۱۳۵]

وَكَذَلِكَ نَضْرِبُ الْأَيَاتِ وَيَقُولُوا دَرَسْتَ

لِنَبِيِّنَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٥﴾

۱۰۶۔ تو چل اس پر جو حکم تجھ کو آوے تیرے رب کا کوئی  
معبود نہیں سوا اسکے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے [۱۳۶]

اتَّبِعْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

أَعْرَضَ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٦﴾

۱۰۷۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ شرک نہ کرتے [۱۳۷]  
اور ہم نے نہیں کیا تجھ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہے تو ان  
پر دروغہ [۱۳۸]

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَا جَعَلْنَا عَلَيْهِمْ

حَفِيظًا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿١٠٧﴾

۱۳۴۔ رویت باری تعالیٰ: حضرت شاہ صاحب نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ لے ہاں وہ خود ازراہ لطف و  
کرم اپنے کو دکھانا چاہے تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی پیدا فرمادے گا مثلاً آخرت میں مومنین کو حسب مرادت رویت ہوگی جیسا کہ نصوص  
کتاب و سنت سے ثابت یا بعض روایات کے موافق نبی کریم ﷺ کو لیلۃ الاسراء میں رویت ہوئی علی اختلاف الاقوال۔ باقی مواضع میں چونکہ  
کوئی نص موجود نہیں لہذا عام قاعدہ کی بناء پر نفی رویت ہی کا اعتقاد رکھا جائے۔ مفسرین سلف میں سے بعض نے ادراک کو احاطہ کے معنی میں لیا  
ہے یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ آخرت میں بھی رویت ہوگی احاطہ نہ ہوگا۔ ہاں اس کی شان یہ ہے کہ وہ تمام البصار و مبصرات کا  
احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس وقت لطیف کا تعلق لا تدرکہ سے اور خمیر کا وہویدرکہ سے ہوگا۔

۱۳۵۔ یعنی اگرچہ خدا ہمیں دکھائی نہیں دیتا مگر اس کے بصیرت افروز نشانات و دلائل ہمارے سامنے ہیں۔ جو آنکھ کھول کر دیکھے گا خدا کو پالے  
گا اور جو اندھا بن گیا اس نے اپنا نقصان کیا۔ میرے ذمہ یہ نہیں کہ کسی کو دیکھنے پر مجبور کر دوں۔

۱۳۶۔ یعنی اپنی آیتوں کو مختلف پہلوؤں اور عجیب و غریب انداز سے اس لئے سمجھاتے ہیں کہ آپ سب لوگوں کو پہنچادیں اور ان میں استعداد و احوال کے اختلاف سے دو فریق ہو جائیں۔ ضدی اور بد فہم تو یہ کہیں کہ ایسے علوم و معارف اور موثر مضامین ایک امی سے کیسے بن پڑتے ضرور مختلف اوقات میں کسی سے سیکھتے رہے ہوں گے۔ پھر پڑھ پڑھا کر ہمارے سامنے پیش کر دیئے لیکن سمجھدار اور انصاف پسند لوگوں پر حق واضح ہو جائے گا اور شیطانی شکوک و شبہات زائل ہو جائیں گے۔

۱۳۷۔ آپ خدائے واحد پر بھروسہ کر کے اس کے حکم پر چلتے رہیں اور مشرکین کے جہل و عناد کی طرف خیال نہ فرمائیں جو ایسے روشن دلائل و بیانات سننے کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے۔

۱۳۸۔ یعنی حق تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ وہ ساری دنیا کو زبردستی مومن بنا دے۔ بیشک وہ چاہتا تو روئے زمین پر ایک مشرک کو باقی نہ چھوڑتا۔ لیکن شروع سے انسانی فطرت کا نظام ہی اس نے ایسا رکھا ہے کہ آدمی کو شش کرے تو یقیناً ہدایت قبول کر سکے۔ تاہم قبول کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو۔ پہلے اس مسئلہ کی تقریر گذر چکی۔

۱۳۹۔ آپ کا فرض تبلیغ اور احکام الہی کا اتباع ہے۔ ان کے اعمال کے ذمہ دار اور جوابدہ آپ نہیں ہیں۔

۱۰۸۔ اور تم لوگو! برانہ کہو ان کو جتنکی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے [۱۵۰] اسی طرح ہم نے مزین کر دیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں انکے اعمال کو پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس پہنچانا ہے تب وہ جتلاوے گا انکو جو کچھ وہ کرتے تھے [۱۵۱]

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيْنَابُ لِكُلِّ

أُمَّةٍ عَلَيْهِمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

۱۰۹۔ اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے کہ اگر آوے انکے پاس کوئی نشانی تو ضرور اس پر ایمان لاویں گے [۱۵۲] تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تم کو اے مسلمانو! کیا خبر ہے کہ وہ نشانیاں آئیں گی تو یہ لوگ ایمان لے ہی آویں گے [۱۵۳]

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيْبَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ

آيَةٌ لَّيُؤْمِنَنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَ

مَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾

۱۱۰۔ اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے کہ ایمان نہیں لائے نشانیوں پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں گے انکو انکی سرکشی میں بہکتے ہوئے [۱۵۴]

وَنَقَلْبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَ أَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ نَذَرَهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾

۱۱۱۔ اور اگر ہم اتاریں ان پر فرشتے اور باتیں کریں ان سے مردے اور زندہ کر دیں ہم ہر چیز کو ان کے سامنے تو بھی یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن ان میں اکثر جاہل ہیں [۱۵۵]

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيَوْمٍ مِّنْهُوَ

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾

۱۱۲۔ اور اسی طرح کر دیا ہم نے [۱۵۶] ہر نبی کے لئے دشمن شریعہ آدمیوں کو اور جنوں کو جو کہ سکھلاتے ہیں ایک دوسرے کو ملع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لئے اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور انکا جھوٹ [۱۵۷]

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطِينِ الْإِنْسِ

وَ الْجِنَّ يُوحَىٰ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

عُرُورًا ۚ وَ لَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا

يَفْتَرُونَ ﴿١١٢﴾

۱۱۳۔ اور اس لئے کہ مائل ہوں ان کی ملع کی باتوں کی طرف ان لوگوں کے دل جنکو یقین نہیں آخرت کا اور وہ اسکو پسند بھی کر لیں اور کئے جاویں جو کچھ برے کام کر رہے ہیں [۱۵۸]

وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُونَ ﴿١١٣﴾

۱۵۰۔ دوسروں کے معبودوں کو برانہ کہو: یعنی تم تبلیغ و نصیحت کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے۔ اب جو کفر و شرک یہ لوگ کریں اس کے خود ذمہ دار ہیں۔ تم پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ تم اپنی جانب سے بلا ضرورت ان کے مزید کفر و تعنت کا سبب نہ بنو۔ مثلاً فرض کیجئے ان کے مذہب کی تردید یا بحث و مناظرہ کے سلسلہ میں تم غصہ ہو کر ان کے معبودوں اور مقتداؤں کو سب و شتم کرنے لگو جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جواب میں تمہارے معبود برحق اور محترم بزرگوں کی بے ادبی کریں گے اور جہالت سے انہیں گالیاں دیں گے۔ اس صورت میں اپنے واجب التعظیم معبود اور قابل احترام بزرگوں کی اہانت کا سبب تم بنے۔ لہذا اس سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیئے۔ کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقہ سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اس کی کمزوری اور رکاکت پر تحقیقی و الزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جدا گانہ چیز ہے۔ لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔

۱۵۱۔ یعنی دنیا چونکہ دار لامتحان ہے۔ اس کا نظام ہم نے ایسا رکھا ہے اور ایسے اسباب جمع کر دیئے ہیں کہ یہاں ہر قوم اپنے اعمال اور طور طریقوں پر نازاں رہتی ہے، انسانی دماغ کی ساخت ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف سچائی کے قبول اور پسند کرنے پر مجبور ہو غلطی کی طرف گنجائش ہی نہ رکھے۔ ہاں خدا کے یہاں جا کر جب تمام حقائق سامنے ہوں گے، پتہ چلے جائے گا کہ جو کام دنیا میں کرتے تھے وہ کیسے تھے۔

۱۵۲۔ یعنی بعض فرمائشی نشانیاں کوہ صفا خالص سونے کا بن جائے۔

۱۵۳۔ فرمائشی معجزات کا مطالبہ اور اس کا جواب: بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اچھا ہو اگر ان کی یہ حجت بھی پوری کر دی جائے۔ اس پر فرما

دیا کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ یہ سرکش ضدی لوگ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر سنت اللہ کے موافق اس کے مستحق ہوں گے کہ فوراً تباہ کر دیئے جائیں۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

۱۵۴۔ یعنی جب کفر و سرکشی میں تہمتی ہوگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے پھر حق کے سمجھنے اور دیکھنے کی توفیق نہ ملے گی۔ موضح القرآن میں ہے کہ ”اللہ جن کو ہدایت دیتا ہے اول ہی حق سن کر انصاف سے قبول کرتے ہیں اور جس نے پہلے ہی ضد کی اگر نشانیاں بھی دیکھے تو کچھ حیلہ بنالے۔“

۱۵۵۔ فرمائشی معجزات کا مطالبہ اور اس کا جواب: یعنی اگر ان کی فرمائش کے موافق بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرض کیجئے آسمان سے فرشتے اتر کر آپ کی تصدیق کریں اور مردے قبروں سے اٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور تمام امتیں جو گذر چکی ہیں دوبارہ زندہ کر کے ان کے سامنے لا کھڑی کی جائیں تب بھی سوء استبداد اور تعنت و عناد کی وجہ سے یہ لوگ حق کو ماننے والے نہیں۔ بیشک اگر خدا چاہے تو زبردستی منوا سکتا ہے۔ لیکن ایسا چاہنا اس کی حکمت اور تکوینی نظام کے خلاف ہے جس کو ان میں سے اکثر لوگ اپنے جہل کی وجہ سے نہیں سمجھتے۔ اس کی تشریح پچھلے فوائد میں گذر چکی۔

۱۵۶۔ یعنی پیدا کر دیا، ہم نے۔

۱۵۷۔ خیر و شر کے وجود میں حکمت ہے: چونکہ خدا کی حکمت بالغہ تکویناً اسی کو مقتضی ہے کہ نظام عالم کو جب تک قائم رکھنا منظور ہے خیر و شر کی قوتوں میں سے کوئی قوت بھی بالکل مجبور اور نیست و نابود نہ ہو۔ اس لئے نیکی بدی اور ہدایت و ضلالت کی حریفانہ جنگ ہمیشہ سے قائم رہی ہے۔ جس طرح آج یہ مشرکین و معاندین آپ کو بہود فرمائشوں سے دق کرتے اور بانواع حیل لوگوں کو جادہ حق سے ڈمگانا چاہتے ہیں اسی طرح ہر پیغمبر کے مقابل شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں کہ پیغمبروں کو ان کے پاک مقصد (ہدایت خلق اللہ) میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اسی غرض فاسد کے لئے شیاطین الجن اور شیاطین الانس باہم تعاون کرتے اور ایک دوسرے کو فریب دہی اور ملمع سازی کی چکنی چڑی باتیں سکھاتے ہیں اور ان کی یہ عارضی آزادی اسی عام حکمت اور نظام تکوینی کے ماتحت ہے جو تخلیق عالم میں حق تعالیٰ نے مرعی رکھی ہے اس لئے آپ اعداء اللہ کی فتنہ پردازی اور مغویانہ فریب دہی سے زیادہ فکر و غم میں نہ پڑیں۔ ان سے اور ان کے کذب و افتراء سے قطع نظر کر کے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔

۱۵۸۔ شیاطین کی پر فریب باتیں: یعنی شیاطین ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی فریب کی باتیں اس لئے سکھلاتے ہیں کہ انہیں سن کر جو لوگ دنیا کی زندگی میں غرق ہیں اور دوسری زندگی کا یقین نہیں رکھتے ان ابلہ فریب باتوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ اور ان کو دل سے پسند کرنے لگیں اور پھر کبھی برے کاموں اور کفر و فسق کی دلدل سے نکلنے نہ پائیں۔

۱۱۳۔ سو کیا اب اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اسی نے اتاری تم پر کتاب واضح اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے ٹھیک سو تو مت ہو شک کرنے والوں میں سے

أَفَعَيِّرَ اللَّهُ أَتَّبَعِي حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ  
الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۖ وَالَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ  
يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ

مِنَ الْمُبْتَدِلِينَ ﴿١١٣﴾

۱۱۵۔ اور تیرے رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو اور وہی ہے سننے والا جاننے والا [۱۵۹]

وَتَبَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا  
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۶۔ اور اگر تو کہنا مانے گا ان لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وہ سب تو چلتے ہیں اپنے خیال پر اور سب اٹکل ہی دوڑاتے ہیں [۱۲۰]

وَإِنْ تَطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۷۔ تیرا رب خوب جاننے والا ہے اس کو جو بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہی خوب جاننے والا ہے انکو جو اس کی راہ پر ہیں

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۗ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

۱۵۹۔ مومن شیاطین کی باتوں میں نہیں آتے: یعنی "شیاطین الانس والجن" کی تلبیس و تلمیح پر بد عقیدہ اور جاہل ہی کان دھر سکتے ہیں۔ ایک پیغمبر یا اس کے تبعین جو ہر مسئلہ اور ہر معاملہ میں خدائے واحد ہی کو اپنا منصف اور حکم مان چکے ہیں کیا ان سے یہ ممکن ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی چکنی چڑی باتوں کی طرف کان لگائیں۔ یا معاذ اللہ غیر اللہ کے فیصلے کے آگے گردن جھکا دیں۔ حالانکہ ان کے پاس خدا کی طرف سے ایسی معجز اور کامل کتاب آچکی جس میں تمام اصولی چیزوں کی ضروری توضیح و تفصیل موجود ہے جس کی نسبت علمائے اہل کتاب بھی کتب سابقہ کی بشارات کی بناء پر خوب جانتے ہیں کہ یقیناً یہ آسمانی کتاب ہے جس کی تمام خبریں سچی اور تمام احکام معتدل اور منصفانہ ہیں جن میں کسی کی طاقت نہیں کہ تبدیل و تحریف کر سکے ایسی کتاب اور محفوظ و مکمل قانون کی موجودگی میں کیسے کوئی مسلمان وسواس و اوہام یا محض عقلی قیاسات کی مغویانہ مغالطات کا شکار ہو سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو ہم نے اپنا حکم اور جس کی کتاب میں کدستور العمل تسلیم کیا ہے وہ ہماری ہر بات کو سننے والا اور ہر قسم کے مواقع و احوال اور ان کے مناسب احکام و نتائج کی موزونیت کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

۱۶۰۔ حق کے معاملے میں اکثریت کا اعتبار نہیں: مشاہدہ اور تاریخ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ فہیم، محقق اور با اصول آدمی تھوڑے رہے ہیں۔ اکثریت ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو محض خیالی، بے اصول اور اٹکل پچو باتوں کی پیروی کرنے والے ہوں۔ اگر تم اسی اکثریت کا کہنا ماننے لگو اور بے اصول باتوں پر چلنا شروع کر دو تو خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ سے یقیناً بہک جاؤ گے۔ یہ آپ پر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔

۱۱۸۔ سو تم کھاؤ اس جانور میں سے جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اگر تم کو اس کے حکموں پر ایمان ہے [۱۲۱]

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ  
مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۹۔ اور کیا سبب کہ تم نہیں کھاتے اس جانور میں سے کہ

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ



جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اور وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ کہ اس نے تم پر حرام کیا ہے مگر جب کہ مجبور ہو جاؤ اسکے کھانے پر [۱۶۲] اور بہت لوگ بہکاتے پھرتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو [۱۶۳]

فَصَلِّ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ<sup>ط</sup>  
وَأَنَّ كَثِيرًا يَلْضَلُونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ  
هُوَ أَعْلَمُ بِالْبُعْتَدِينَ ﴿١١٦﴾

۱۲۰۔ اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب سزا پائیں گے اپنے کئے کی [۱۶۳]

وَذُرُوا ظَاهِرَ الْأَثَمِ وَبَاطِنَهُ ۗ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ  
الْإِثْمَ سَيَجْزُونَ بِمَا كَانُوا يَاقْتَرُونَ ﴿١٢٠﴾

۱۲۱۔ اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا [۱۶۵] اور یہ کھانا گناہ ہے اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے انکا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہوئے [۱۶۶]

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ  
لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِيُوحِيَ إِلَىٰ آوْلِيَائِهِمْ  
لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾

۱۶۱۔ اللہ کے نام کا ذبیحہ: جاہل عوام کی ان ہی بے اصول اور انکل پچو باتوں میں سے ایک وہ تھی جو انہوں نے ذبیحہ کے مسئلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو جانور طبعی موت سے مر جائے (یعنی میت) اسے مسلمان حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو خود ان کے ہاتھ کا مارا ہو اواسے حلال سمجھتے ہیں یہ عجیب بات ہے اس کا جواب اگلی آیتوں میں فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ مِنْهُ دیا گیا۔ حضرت شاہ صاحب موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ ”یہ کئی آیتیں اس پر اتریں کہ کافر کہنے لگے مسلمان اپنا مارا کھاتے ہیں اور اللہ کا مارا نہیں کھاتے، فرمایا کہ ایسی ملع فریب کی باتیں انسانوں کو شبہ میں ڈالنے کے لئے شیطان سکھاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو حلال و حرام وغیرہ میں حکم اللہ کا چلتا ہے۔ محض عقلی ڈھکوسلوں کا اعتبار نہیں۔ آگے کھول کر سمجھا دیا کہ مارنے والا سب کا اللہ ہے لیکن اس کے نام کو برکت ہے جو اس کے نام پر ذبح ہو اوسو حلال ہے جو بغیر اس کے مر گیا سوسو مردار ”تبغیر بسیر۔

۱۶۲۔ یعنی اضطرار اور مجبوری کی حالت کو مستثنیٰ کر کے جو چیزیں حرام ہیں ان کی تفصیل کی جا چکی۔ ان میں وہ حلال جانور داخل نہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے پھر اس کے نہ کھانے کی کیا وجہ؟

۱۶۳۔ ذبیحہ اور مردار کا فرق: مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کو بلا واسطہ یا بلا واسطہ خدا ہی پیدا کرتا اور خدا ہی مارتا ہے۔ پھر جس طرح اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں بعض کا کھانا ہم کو مرغوب اور مفید ہے جیسے سیب انگور وغیرہ اور بعض چیزوں سے ہم نفرت کرتے ہیں یا مضر سمجھتے ہیں جیسے ناپاک گندی چیزیں اور سٹکھیا وغیرہ۔ اسی طرح اس کی ماری ہوئی چیزیں بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن سے فطرت سیلہ نفرت کرے یا ان کا کھانا ہماری بدنی یا روحی صحت کے لئے خدا کے نزدیک مضر ہو۔ مثلاً وہ حیوان دموی جو اپنی طبعی موت سے مرے اور اس کا خون وغیرہ گوشت میں جذب ہو کر رہ جائے۔ دوسرے وہ حلال و طیب جانور جو باقاعدہ خدا کے نام پر ذبح ہو یہ بھی خدا ہی کا مارا ہوا ہے جس پر مسلمان کی چھری

کے توسط سے اس نے موت طاری کی۔ مگر عمل ذبح اور خدا کے نام کی برکت سے اس کا گوشت پاک و صاف ہو گیا۔ پس جو شخص دونوں قسموں کو ایک کرنا چاہے ہو وہ معتدی (حد سے بڑھنے والا) ہو گا۔

۱۶۴۔ یعنی کافروں کے بہکانے پر نہ ظاہر میں عمل کرو نہ دل میں شبہ رکھو۔ کذافی موضح القرآن۔

۱۶۵۔ یعنی نہ حقیقتاً نہ حکماً۔ حنفیہ متروک التسمیہ عمداً کے مسئلہ میں ذکر حکمی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۱۶۶۔ احکام کا شرک: یعنی شرک فقط یہ ہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے۔ بلکہ شرک حکم میں بھی ہے کسی چیز کی تحلیل و تحریم میں مستند شرعی کو چھوڑ کر محض آراء و اہواء کا تابع ہو جائے۔ جیسا کہ اِتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ (التوبہ-۳۱) کی تفسیر میں مرفوعاً منقول ہے کہ اہل کتاب نے وحی الہی کو چھوڑ کر صرف احبار و رہبان ہی پر تحلیل و تحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا۔

۱۲۲۔ بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اسکے کہ جس کا حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح مزین کر دیے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام [۱۶۴]

أَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا  
يَّسِيرًا فِيهِ فِي النَّاسِ كَنُورٍ مِّثْلَهُ فِي الظُّلُمَاتِ  
لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۗ كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾

۱۶۷۔ مومن اور کافر کا فرق: پہلے فرمایا تھا کہ شیطان اپنے رفقاء کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ مسلمان سے جھگڑا کریں یعنی بحث و جدل تلبیس و تلمیح اور وسوسہ اندازی کر کے ان کو طریق حق سے ہٹادیں۔ لیکن ان کو یہ ہوس خام اپنے دلوں سے نکال دینا چاہیے وہ گروہ یا وہ شخص جو جہل و ضلال کی موت سے مرچکا تھا۔ پھر اس کو حق تعالیٰ نے ایمان و عرفان کی روح سے زندہ کیا اور قرآن کی روشنی عطا فرمائی جسے لے کر وہ لوگوں کے جہوم میں بے تکلف راہ راست پر چل رہا ہے کیا اس کا حال اغواء شیطانی کے قبول کرنے میں ان اولیاء الشیطان جیسا ہو سکتا ہے جو جہل و ضلالت کی اندھیرویوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ کیونکہ اسی ظلمت کو نور اور برائی کو بھلائی سمجھتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

۱۲۳۔ اور اسی طرح کئے ہیں ہم نے ہر بستی میں گنہگاروں کے سردار کہ حیلے کیا کریں وہاں اور جو حیلہ کرتے ہیں سو اپنی ہی جان پر اور نہیں سوچتے [۱۶۸]

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُّجْرِمِيهَا  
لِيُبْكَرُوا فِيهَا وَمَا يَبْكَرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا

يَشْعُرُونَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۴۔ اور جب آتی ہے انکے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ نہ دیا جاوے ہم کو جیسا کچھ کہ دیا گیا ہے اللہ کے رسولوں کو اللہ خوب جانتا ہے

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ  
مَا أُوتِيَ رَسُولُ اللَّهِ ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ

اس موقع کو کہ جہاں بھیجے اپنے پیغام عنقریب پہنچے گی گنہگاروں کو ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے [۱۶۹]

۱۲۵۔ سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اسکے سینہ کو واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے کر دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر [۱۷۰] اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب کو ایمان نہ لانے والوں پر

رِسَالَتَهُ<sup>ط</sup> سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَكْرُمُونَ ﴿١٦٩﴾

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ<sup>ج</sup> وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَانُنَا يُصْعَدُ فِي السَّمَاءِ<sup>ط</sup> كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧٥﴾

۱۶۸۔ کفار کی تدابیر خود ان کے خلاف ہوتی ہیں: یعنی کچھ آج روسائے مکہ ہی نہیں ہمیشہ کافروں کے سردار حیلے نکالتے رہے ہیں تاکہ عوام الناس پیغمبروں کے مطیع نہ ہو جائیں۔ جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر کے زور سے سلطنت لینا چاہتا ہے۔ لیکن ان کے یہ حیلے اور داؤ پیچ بجز اللہ کے ایمانداروں پر نہیں چلتے حیلہ کرنے والے اپنی عاقبت خراب کر کے خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں جس کا احساس انہیں اس وقت نہیں ہوتا۔

۱۶۹۔ کفار کا گستاخانہ مطالبہ: ان کی مکاری اور متکبرانہ حیلہ جوئی کی ایک مثال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق کا جب کوئی نشان دیکھتے تو کہتے کہ ہم ان دلائل و نشانات کو نہیں جانتے۔ ہم تو اس وقت یقین کر سکتے ہیں جب ہمارے اوپر فرشتے نازل ہوں اور پیغمبروں کی طرح ہم بھی خدا کا پیغام سنیں یا خود حق تعالیٰ ہی ہمارے سامنے آجائیں۔ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلِيكَةُ أَوْ نَرَى رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا (فرقان۔ ۲۱) خیر یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کہ منصب پیغمبری پر سرفراز کیا جائے اور اس عظیم الشان امانت الہیہ کا حامل بن سکے۔ یہ نہ کوئی کبھی چیز ہے کہ دعایا ریاضت یا دنیوی جاہ و دولت وغیرہ سے حاصل ہو سکے اور نہ ہر کس و ناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جاسکتا ہے۔ ہاں ایسے گستاخ، متکبر، حیلہ جو مکاروں کو آگاہ رہنا چاہئے کہ عنقریب اس معزز منصب کی طلب کا جواب ان کو سخت ذلت اور عذاب شدید کی صورت میں دیا جائے گا۔

۱۷۰۔ یعنی زور سے آسمان پر چڑھنا چاہتا ہے مگر چڑھ نہیں سکتا اس لئے سخت تنگ دل ہوتا ہے۔

۱۲۶۔ اور یہ رستہ ہے تیرے رب کا سیدھا ہم نے واضح کر دیا نشانوں کو غور کرنے والوں کے واسطے [۱۷۱]

وَهَذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا<sup>ط</sup> قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٧٦﴾

۱۲۷۔ انہی کے لئے ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا

اور وہ انکا مددگار ہے بسبب انکے اعمال کے [۱۴۲]

يَعْمَلُونَ ﴿١٢٤﴾

۱۲۸۔ اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو فرمائے گا اے جماعت جنات کی تم نے بہت کچھ تابع کر لئے اپنے آدمیوں میں سے [۱۴۳] اور کہیں گے ان کے دوستدار آدمیوں میں سے اے رب ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے اور ہم پہنچے اپنے اس وعدہ کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا [۱۴۴] فرماوے گا آگ ہے گھر تمہارا رہا کرو گے اسی میں مگر جب چاہے اللہ [۱۴۵] البتہ تیرا رب حکمت والا خبر دار ہے [۱۴۶]

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَبِيْعًا يَبْعَثُ الْجِنَّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيُوْهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَ بَلَّغْنَا اَجَلَنَا الَّذِيْ اَجَلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

عَلَيْمٌ ﴿١٢٨﴾

۱۔ ہدایت و اضلال اللہ کے ہاتھ میں ہے: ”جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے ان پر اسی طرح عذاب اور تباہی ڈالی جاتی ہے کہ رفتہ رفتہ ان کا سینہ اس قدر تنگ کر دیا جاتا ہے کہ اس میں حق کے گھسنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی۔ پھر یہ ہی ضیق صدر عذاب ہے جو قیامت میں بشکل محسوس سامنے آجائے گا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ”ر جس“ کا ترجمہ جو عذاب سے کیا ہے اس کے موافق یہ تقریر ہے عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے ”ر جس“ کے معنی عذاب ہی کے لئے ہیں۔ مگر ابن عباس نے یہاں ”ر جس“ سے مراد شیطان لیا ہے۔ شاید اس لئے کہ ”ر جس“ ناپاک کو کہتے ہیں اور شیطان سے بڑھ کر کون ناپاک ہو گا۔ بہر حال اس تفسیر پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ جس طرح خدا تعالیٰ ایمان سے گھبرانے والوں کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان پر بے ایمانیوں کی وجہ سے شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے کہ کبھی رجوع الی الحق کی توفیق نہیں ہوتی حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”اول فرمایا تھا کہ کافر قسمیں کھاتے ہیں کہ آیت دیکھیں تو البتہ یقین لاویں اور اب فرمایا کہ ہم نہ دیں گے ایمان تو کیونکر لاویں گے۔ بیچ میں مردہ حلال کرنے کے حیلے نقل کئے اب اس بات کا جواب فرمایا کہ جس کی عقل اس طرف چلے کہ اپنی بات نہ چھوڑے جو دلیل دیکھے کچھ حیلہ بنا لے وہ نشان ہے مگر ابی کا اور جو کوئی عقل چلے انصاف پر اور حکم برداری پر وہ نشان ہدایت ہے۔ ان لوگوں میں نشان ہیں مگر ابی کے ان پر کوئی آیت اثر نہ کرے گی۔“ باقی اللہ تعالیٰ کی طرف ارادہ ہدایت و اضلال کی نسبت کرنا اس کے متعلق متعدد مواضع میں ہم کلام کر چکے ہیں اور آئندہ بھی حسب موقع لکھا جائے گا۔ مگر یہ مسئلہ طویل الذیل اور معرکہ الآراء ہے اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے وباللہ التوفیق۔

۱۲۲۔ یعنی جو اسلام و فرمانبرداری کے سیدھے راستہ پر چلے گا وہ ہی سلامتی کے گھر پہنچے گا۔ اور خدا اس کا ولی و مددگار ہو گا۔ یہ حال تو ان کا ہوا جن کا ولی خدا ہے (یعنی اولیاء الرحمن) آگے اولیاء الشیطان کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

۱۳۳۔ شیاطین جن سے خطاب: یعنی اے شیاطین الجن تم نے بہت سے بد بخت انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اپنی راہ پر لگایا۔

۱۳۴۔ اطاعت شیاطین کا انجام: دنیا میں جو انسان بت وغیرہ پوجتے ہیں وہ فی الحقیقت خبیث جن (شیاطین) کی پوجا ہے۔ اس خیال پر کہ وہ

ہمارے کام نکالیں گے ان کو نیازیں چڑھاتے ہیں اور ویسے بھی بہت سے اہل جاہلیت تشویش و اضطراب کے وقت جنوں سے استعانت کرتے تھے۔ جیسا کہ سورہ جن میں اشارہ کیا گیا ہے اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے روایت نقل کی ہے جب آخرت میں وہ شیاطین الجن اور انسان برابر پکڑے جائیں گے اور حقائق کا انکشاف ہو گا تب مشرک لوگ یوں عذر کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے پوجا نہیں کی۔ لیکن آپس میں وقتی کارروائی کرنی تھی اور موت کا وعدہ آنے سے پہلے پہلے دنیوی کاروبار میں ہم ایک دوسرے سے کام نکالنے کی کچھ ترکیب کر لیا کرتے تھے ان کی عبادت مقصود نہ تھی۔

۱۷۵۔ الاما شاء اللہ کا مطلب: یہ جو فرمایا، مگر جب چاہے اللہ ”اس واسطے کہ دوزخ کا عذاب دائم ہے تو اسی کے چاہنے سے ہے وہ جب چاہے موقوف کرنے پر قادر ہے۔ لیکن ایک چیز چاہ چکا اور اس کی خبر پیغمبروں کی زبانی دی جا چکی وہ اب ٹل نہیں سکتی۔

۱۷۶۔ یعنی مجرموں کے جرائم، سے پوری طرح خبردار ہے اور حکمت بالغہ سے ہر جرم کی بر محل اور مناسب سزا دیتا ہے۔

۱۲۹۔ اور اسی طرح ہم ساتھ ملاویں گے گنہگاروں کو ایک کو دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب [۱۷۷]

وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا

يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾

۱۳۰۔ اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تمہی میں سے کہ سناتے تھے تم کو میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے پیش آنے سے [۱۷۸] کہیں گے کہ ہم نے اقرار کر لیا اپنے گناہ کا اور ان کو دھوکا دیا دنیا کی زندگی نے [۱۷۹] اور قائل ہو گئے اپنے اوپر اس بات کے کہ وہ کافر تھے [۱۸۰]

يُبْعَثَمَ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اَلَمْ يَاتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

يَقْضُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنذِرُوْنَكُمْ لِقَآءِ

يَوْمِكُمْ هٰذَا ۗ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰى اَنْفُسِنَا وَ

غَرَبْتُمْ اَلْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ

اَنْهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾

۱۳۱۔ یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستوں کو انکے ظلم پر اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَ

اَهْلَهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾

۱۳۲۔ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں انکے عمل کے اور تیرا رب پیغمبر نہیں ان کے کام سے [۱۸۱]

وَلِكُلِّ دَرَجٰتٍ مِّمَّا عَمِلُوْا ۗ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾

۱۷۷۔ دوزخ میں ظالموں کے طبقات: جیسے تم نے شیاطین الجن اور ان کے اولیاء انسی کا حال سنا۔ اسی طرح تمام ظالموں اور گنہگاروں کو ان کے ظلم اور سیئہ کاریوں کے تناسب سے دوزخ میں ہم ایک دوسرے کے قریب کر دیں گے۔ اور جو جس درجہ کا ظالم و گنہگار ہو گا اس کو اسی کے طبقہ عصاة میں ملا دیں گے۔

۱۷۸۔ ایک اشکال اور اس کا جواب: اوپر جن وانس کی شرارتوں اور سزا کا بیان تھا اور اولیاء الجن کی زبانی فی الجملہ معذرت بھی نقل کی گئی تھی۔ اب بتلایا جاتا ہے کہ ان کا کوئی عذر معقول اور قابل سماعت نہیں۔ دنیا میں خدا کی حجت تمام ہو چکی تھی جس کا خود انہیں بھی اقرار کرنا پڑے گا۔ یہ خطاب یَبْعَثُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ کا قیامت کے دن ہو گا اور مخاطب جن وانس کا یعنی کل مکلفین کا مجموعہ ہے ہر جماعت الگ الگ مخاطب نہیں جو یہ اعتراض ہو کہ رسول تو ہمیشہ انسانوں میں آئے قوم جن میں سے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ پھر دُسُّلٌ مِّنْكُمْ (رسول تم ہی میں کے) کہنا کیسے صحیح ہو گا۔ اصل یہ کہ مجموعہ مخاطبین میں سے اگر کسی نوع میں بھی ایقان رسل متحقق ہو جائے جس کی غرض تمام مخاطبین کو بلا تخصیص فائدہ پہنچانا ہو تو مجموعہ کو خطاب کرنے میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی یہ کہے "اے عرب و عجم کے باشندو اور پورب کچھم کے رہنے والو کیا تم ہی میں سے خدا نے محمد ﷺ جیسے کامل انسان کو پیدا نہیں کیا۔" اس عبارت کا مطلب کسی کے نزدیک یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک محمد ﷺ تو عرب میں پیدا کئے گئے اور دوسرے عجم میں ہونے چاہئیں اسی طرح پورب کے علیحدہ اور کچھم کے علیحدہ محمد ہوں تب یہ عبارت صحیح ہوگی، علی ہذا القیاس یہاں سمجھ لیجئے کہ یَبْعَثُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اَلَمْ یَاْتِكُمْ اَلْحٰکِمُ لَدُلُو لٌ صَرَفِ اس قدر ہے کہ جن وانس کے مجموعہ میں سے پیغمبر بھیجے گئے۔ باقی یہ تحقیق کہ ہر نوع میں سے الگ الگ آئے یا ہر ایک پیغمبر کل افراد جن وانس کی طرف مبعوث ہوا یہ آیت اس کے بیان سے ساکت ہے دوسری نصوص سے جمہور علماء نے یہ ہی قرار دیا ہے کہ نہ ہر ایک پیغمبر کی بعثت عام ہے اور نہ کسی جن کو اللہ نے مستقل رسول بنا کر بھیجا۔

جنات انسان کے تابع بنائے گئے ہیں: اکثر معاشی و معادی معاملات میں ان کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے تابع بنا رکھا ہے جیسا کہ سورہ جن کی آیات اور نصوص حدیثیہ وغیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ کوئی ضابطہ نہیں کہ مخلوق کی ہر نوع کے لئے اسی نوع کا کوئی شخص رسول ہو کر رہے باقی انسانوں کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے سے جو قرآن کے متعدد مواضع میں انکار کیا گیا ہے اس کا اصلی منشاء یہ ہے کہ عام انسان بہنیت الاصلیہ اس کی رویت کا تحمل نہیں کر سکتے اور بے اندازہ خوف و ہیبت کی وجہ سے مستفید نہیں ہو سکتے اور بصورت انسان آئیں تو بے ضرورت التباس رہتا ہے۔ اسی پر قیاس کر لو کہ اگر قوم جن میں منصب نبوت کی اہلیت ہوتی تو بھی انسانوں کے لئے مبعوث نہیں کئے جاسکتے تھے۔ کیونکہ وہاں بھی یہ ہی اشکال تھا۔ ہاں رسول انسی کا جن کی طرف مبعوث ہونا اس لئے مشکل نہیں کہ جنوں کے حق میں انسان کی رویت نہ تو ناقابل تحمل ہے اور نہ انسان کا صوری خوف و رعب استفادہ سے مانع ہو سکتا ہے۔ ادھر پیغمبر کو حق تعالیٰ وہ قوت قلبی عطا فرمادیتا ہے کہ اس پر جن جیسی بیستناک مخلوق کا کوئی رعب نہیں پڑتا۔

۱۷۹۔ یعنی دنیا کی لذات و شہوات نے انہیں آخرت سے غافل بنا دیا۔ کبھی خیال بھی نہ آیا کہ اس احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے جو ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔

۱۸۰۔ کفار کا آخرت میں اقرار کفر: اس سورت میں اوپر مذکور ہوا کہ اول کافر اپنے کفر کا انکار کریں گے۔ پھر حق تعالیٰ تدبیر سے ان کو قائل کرے گا۔

۱۸۱۔ یعنی خدا کی یہ عادت نہیں کہ بدون آگاہ اور خبردار کئے کسی کو اس کے ظلم و عصیان پر دنیا یا آخرت میں پکڑ کر ہلاک کر دے اسی لئے رسول اور نذیر بھیجے کہ وہ خوب کھول کر تمام جن وانس کو ان کے بھلے برے اور آغاز و انجام سے خبردار کر دیں۔ پھر جس درجہ کا کسی کا عمل ہو گا حق تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔

۱۳۳۔ اور تیرا رب بے پرواہ ہے رحمت والا اگر چاہے تو تم کو لے جاوے اور تمہارے پیچھے قائم کر دے جس کو چاہے جیسا تم کو پیدا کیا اوروں کی اولاد سے

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَ  
يَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ

مِنْ ذُرِّيَّةٍ قَوْمٍ آخَرِينَ ۖ

۱۳۴۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے [۱۸۲]

إِنَّ مَا تُوْعَدُونَ لَأَتِي ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِبُعْزِينَ ۖ

۱۳۵۔ تو کہہ دے اے لوگو تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں سو عنقریب جان لو گے تم کہ کس کو ملتا ہے عاقبت کا گھر بالیقین بھلا نہ ہو گا ظالموں کا [۱۸۳]

قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ۖ إِنَّي عَامِلٌ ۚ  
فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۗ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ

إِنَّهُ لَا يُفْدِحُ الظَّالِمُونَ ۖ

۱۳۶۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور رمواشی میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کی طرف کیا ہی برا انصاف کرتے ہیں [۱۸۴]

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا  
فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَّاكِنَا ۖ فَمَا كَانَ

لِشُرَّاكِبِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ

يَصِلُ إِلَى شُرَّاكِبِهِمْ ۖ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۖ

۱۸۲۔ بندوں کے کفر و ایمان سے اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے: خدا نے رسول بھیج کر اپنی حجت تمام کر دی۔ اب اگر تم نہ مانو اور سیدھے راستہ پر نہ چلو گے تو وہ غنی ہے اسے تمہاری کچھ پرواہ نہیں۔ وہ چاہے تو تم کو ایک دم میں لے جائے اور اپنی رحمت سے دوسری قوم کو تمہاری جگہ کھڑا کر دے جو خدا کی مطیع و وفادار ہو اور تم کو لے جا کر دوسری قوم کا لے آنا خدا کے لئے کیا مشکل ہے۔ آج تم اپنے جن آباء و اجداد کے جانشین بنے بیٹھے ہو۔ آخر ان کو اٹھا کر تم کو دنیا میں اسی خدا نے جگہ دی ہے۔ بہر حال خدا کا کام رک نہیں سکتا۔ تم نہ کرو گے دوسرے کھڑے کئے جائیں گے۔ یہاں یہ سوچ رکھو کہ یہ ہی بغاوت و شرارت رہی تو خدا کا عذاب اٹل ہے تم اگر سمجھو کہ بھاگ کر یا کسی کی پناہ لے کر سزا سے بچ جاؤ گے تو یہ محض حماقت ہے۔ خدا کو ساری مخلوق مل کر بھی اس کی مشیت کے نفاذ سے عاجز نہیں کر سکتی۔

۱۸۳۔ یعنی ہم سب نیک و بد اور نفع و ضرور سے آگاہ کر چکے۔ اس پر بھی اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آئے تو تم جانو۔ تم اپنا کام کئے جاؤ میں اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔ عنقریب کھل جائے گا کہ اس دنیا کا آخری انجام کس کے ہاتھ رہتا ہے بلاشبہ ظالموں کا انجام بھلا نہیں ہو

سکتا۔ آگے ان کے چند اعتقادی اور عملی ظلم بیان کئے جاتے ہیں جو ان میں رائج تھے اور سب سے بڑا ظلم وہ ہی ہے جسے فرمایا۔ إِنَّ الْبِئْمَةَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمن-۱۳)

۱۸۲۔ مشرکین کے جاہلانہ عقائد: حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”کافر اپنی کھیتی میں سے اور مواشی کے بچوں میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعضا جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا تو بتوں کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کی طرف کا اللہ کی طرف نہ کرتے اس سے زیادہ ڈرتے۔“ اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے اگر بتوں کے نام کا اتفاقاً اللہ کے حصہ میں مل گیا تو پھر جدا کر کے بتوں کی طرف لوٹا دیتے اور اللہ نام کا بتوں کے حصہ میں جا پڑا تو اسے نہ لوٹاتے۔ بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا کم ہو جائے تو کیا پرواہ ہے بخلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں تماشہ یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو معبود و مستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلندی ہے۔ بہر حال ان آیات میں سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ سے مشرکین کی اس تقسیم کار دیکھا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی وغیرہ میں سے اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔

۱۳۷۔ اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں ان کی اولاد کے قتل کو انکے شریکوں نے تاکہ ان کو ہلاک کریں اور رلاملا دیں ان پر انکے دین کو [۱۸۵] اور اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور انکا جھوٹ [۱۸۶]

وَ كَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤَهُمْ لِيُرُدُّوهُمْ وَ لِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۗ وَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۸۔ اور کہتے ہیں کہ یہ مواشی اور کھیتی ممنوع ہے اس کو کوئی نہ کھاوے مگر جس کو ہم چاہیں انکے خیال کے موافق اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر چڑھنا حرام کیا اور بعض مواشی کے ذبح کے وقت نام نہیں لیتے اللہ کا اللہ پر بہتان باندھ کر عنقریب وہ سزا دے گا انکو اس جھوٹ کی [۱۸۷]

وَ قَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَ حَرَّتْ حِجْرٌ ۗ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَّشَاءَ بِزَعْمِهِمْ وَ أَنْعَامٌ حَرَّمَتْ طُهُورُهَا وَ أَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۹۔ اور کہتے ہیں جو بچہ ان مویشی کے پیٹ میں ہے اس کو تو خاص ہمارے مرد ہی کھاویں اور وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر اور جو بچہ مردہ ہو تو اس کے کھانے میں سب برابر ہیں وہ سزا دے گا ان کو ان تقریروں کی وہ حکمت والا جاننے والا ہے [۱۸۸]

وَ قَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۗ وَ إِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۗ سَيَجْزِيهِمْ وَ صَفَّهُمْ ۗ ط



إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۰۔ بیشک خراب ہوئے جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے اور حرام ٹھہرا لیا اس رزق کو جو اللہ نے انکو دیا بہتان باندھ کر اللہ پر بیشک وہ گمراہ ہوئے اور نہ آئے سیدھی راہ پر [۱۳۹]

قَدْ خَسِمَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ط

قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۵۔ قتل اولاد: یہاں ”شُرکاء“ کی تفسیر مجاہد نے ”شیاطین“ سے کی ہے۔ مشرکین کی انتہائی جہالت اور سنگدلی کا ایک نمونہ یہ تھا کہ بعض اپنی بیٹیوں کو سرسرنے کے خوف سے اور بعض اس اندیشہ پر کہ کہاں سے کھلائیں گے حقیقی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض اوقات منت مانتے تھے کہ اگر اتنے بیٹے ہو جائیں گے یا فلاں مراد پوری ہوگی تو ایک بیٹا فلاں بت کے نام پر ذبح کریں گے۔ پھر اس ظلم و بے رحمی کو بڑی عبادت اور قربت سمجھتے تھے۔ شاید یہ رسم شیطان نے سنت خلیل اللہ کے جواب میں سجھائی ہوگی۔ یہود میں بھی مدت تک قتل اولاد کی رسم بطور عبادت و قربت کے جاری رہی ہے جس کا انبیاء بنی اسرائیل نے بڑی شد و مد سے رد کیا۔ بہر حال اس آیت میں قتل اولاد کی ان تمام صورتوں کی شاعت بیان فرمائی ہے جو جاہلیت میں رائج تھیں۔ یعنی شیاطین قتل اولاد کی تلقین و ترغیب اس لئے کرتے ہیں کہ اس طرح لوگوں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ تباہ و برباد کر کے چھوڑیں اور ان کے دین میں گڑبڑ ڈال دیں کہ جو کام ملت ابراہیمی و اسماعیلی کے بالکل مضاد و منافی ہے اسے ایک دینی کام اور قربت و عبادت باور کرائیں والعیاذ باللہ کجا سنت ابراہیمی و کجا یہ حماقت و جہالت؟

۱۳۶۔ اسی طرح کی آیت ”ولواننا“ کے شروع میں گزر چکی۔ وہاں جو کچھ ہم نے لکھا ہے نیز اسی مضمون کی دوسری آیات کے تحت میں لکھا گیا ہے۔ اسے ملاحظہ کیا جائے۔

۱۳۷۔ مزید جاہلانہ عقائد: مثلاً مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا صرف مہنت کھاسکیں جو بت خانوں کے مجاور تھے۔ یہ قیود اپنے خیال میں بعض مواشی اور کھیتوں کے متعلق عائد کر رکھی تھیں جو بتوں کے نام پر وقف کئے جاتے تھے اسی طرح بعض جانوروں کی پیٹھ پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے بعض جانوروں کی نسبت یہ قرار دیا تھا کہ ذبح کرنے یا سواری لینے یا دودھ نکالنے کے وقت ان پر خدا کا نام نہ لیا جائے کہیں بتوں کی چیز میں خدا کی شرکت نہ ہو جائے۔ پھر غضب یہ تھا کہ ان خرافات اور جہالتوں کو خدا کی طرف نسبت کرتے تھے گویا اس نے معاذ اللہ یہ احکام دیے ہیں اور ان ہی طریقوں سے اس کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایسی بد عنوانیوں کے ساتھ یہ افترا و بہتان۔ عنقریب ان گستاخیوں کی سزا سے ان کو دوچار ہونا پڑے گا۔

۱۳۸۔ ایک مسئلہ یہ بنا رکھا تھا کہ بحیرہ اور سائبہ کو اگر ذبح کیا اور اس کے پیٹ میں سے زندہ بچہ نکلا تو اسے مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں اور مردہ نکلے تو سب کھا سکتے ہیں۔ اس طرح کے بے سند مسئلے گھڑنے والوں کے جرائم سے خدا بے خبر نہیں۔ ہاں وہ اپنی حکمت کے موافق مناسب وقت میں ان کو مناسب سزا دے گا۔

۱۳۹۔ اس سے بڑی خرابی، گمراہی اور نقصان و خسران کیا ہو گا کہ بیٹھے بٹھائے بلا وجہ دنیا میں اپنی اولاد و اموال سے محروم اور سنگدلی بد اخلاقی و جہل میں مشہور ہوئے اور آخرت کا دردناک عذاب سر پر رکھا۔ نہ عقل سے کام لیا نہ شرع کو پہچانا پھر سیدھی راہ پر آتے تو کیسے آتے۔

۱۴۱۔ اور اسی نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے [۱۹۰] اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں انکے پھل اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا بھی [۱۹۱] کھاؤ انکے پھل میں سے جس وقت پھل لاویں اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو اور بیجا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے [۱۹۲]

وَ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوسَاتٍ وَغَيْرِ  
مَّعْرُوسَاتٍ وَ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَلْوَانًا  
الزَّيْتُونَ وَ الرُّمَانَ مُتَشَابِهًا وَ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ  
كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَ اتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ

وَ لَا تَسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۳۱﴾

۱۴۲۔ اور پیدا کئے مواشی میں بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے [۱۹۳] کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے صریح [۱۹۴]

وَ مِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَ فَرَشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ  
اللَّهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

مُبِينٌ ﴿۱۳۲﴾

۱۹۰۔ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں مثلاً انگور وغیرہ اور جو ایسے نہیں مثلاً کھجور، آم وغیرہ تادار درخت یا خر بوزہ وغیرہ جن کی نیل بدون کسی سہارے کے زمین پر پھیلتی ہے۔

۱۹۱۔ یعنی صورت شکل میں ملتے جلتے، مزہ میں جدا جدا۔

۱۹۲۔ پھلوں اور غلوں کے احکام: یعنی جو نلے اور پھل حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں ان کے کھانے سے بدون سند کے مت رکواں دو باتوں کا خیال رکھو، ایک یہ کہ کاٹنے اور اتارنے کے ساتھ ہی جو اللہ کا حق اس میں ہے وہ ادا کر دو۔ دوسرے فضول اور بے موقع خرچ مت کرو۔ اللہ کے حق سے یہاں کیا مراد ہے، اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن کثیرؒ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدا مکہ معظمہ میں کھیتی اور باغ کی پیداوار میں سے کچھ حصہ نکالنا واجب تھا جو مساکین و فقراء پر صرف کیا جائے مدینہ طیبہ پہنچ کر ۲ ہجری میں اس کی مقدار وغیرہ کی تعیین و تفصیل کر دی گئی۔ یعنی بارانی زمین کی پیداوار میں (بشرطیکہ خراجی نہ ہو) دسواں حصہ اور جس میں پانی دیا جائے بیسواں حصہ واجب ہے۔

۱۹۳۔ بوجھ اٹھانے والے جیسے اونٹ وغیرہ اور زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قد و قامت کے جانور جسے بھیڑ بکری۔

۱۹۴۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے منتفع ہونا چاہیے۔ شیطان کے قدموں پر چلنا یہ ہے کہ ان کو خواہی نخواستہ ہی بدون حجت شرعی کے حرام کر لیا جائے یا شرک و بت پرستی کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ شیطان کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی دشمنی کیا ہوگی کہ ان نعمتوں سے تم کو دنیا میں محروم رکھا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔

۱۴۳۔ پیدا کئے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو [۱۹۵] اور بکری میں سے دو پوچھ تو کہ دونوں نر اللہ نے حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے بتلاؤ مجھ کو سنا اگر تم سچے ہو [۱۹۶]

ثَنِيَّةَ اَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّانِ اِثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَعْرِ  
اِثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءَاذَكَرَيْنِ حَرَامٍ اَمْ الْاُنثَيَيْنِ اَمَّا  
اَسْتَمَلْتُ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنثَيَيْنِ ۗ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ  
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۴۴۔ اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پوچھ تو دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بلا تحقیق پیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو [۱۹۷]

وَمِنَ الْاِبِلِ اِثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اِثْنَيْنِ ۗ قُلْ  
ءَاذَكَرَيْنِ حَرَامٍ اَمْ الْاُنثَيَيْنِ اَمَّا اَسْتَمَلْتُ  
عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنثَيَيْنِ ۗ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ  
وَضَعْنٰهُ لِهٰذَا ۗ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلٰى  
اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا  
يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

۱۹۵۔ یعنی ایک نر ایک مادہ اس طرح ہر نوع میں دو دوزج ہوئے اور مجموعہ آٹھ ہو گیا۔

۱۹۶۔ اشیاء کی تحلیل و تحریم اللہ کا کام ہے: یعنی کسی چیز کو حلال و حرام کہنا صرف اللہ کے حکم سے ہو سکتا ہے۔ پھر ان میں سے نر کو یا مادہ کو یا بچہ کو جو مادہ کے پیٹ میں ہے اگر تم سب آدمیوں کے یا بعض کے حق میں حرام کہتے ہو جیسا کہ پچھلی آیات میں گذرا اس کی سند تمہارے پاس کیا ہے۔ جب خدائی حکم ہونے کی کوئی سند نہیں رکھتے تو محض آراء و اہوا سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو حلال یا حرام کہنا اس کا مرادف ہے کہ خدائی کا منصب معاذ اللہ تم اپنے لئے تجویز کرتے ہو یا خدا پر جان بوجھ کر افتراء کر رہے ہو۔ دونوں صورتیں تباہ کن اور مہلک ہیں۔

۱۹۷۔ اشیاء کی تحلیل و تحریم اللہ کا کام ہے: اشیاء کی تحلیل و تحریم محض خدا کے حکم سے ہو سکتی ہے اور خدا کا حکم یا بواسطہ انبیاء پہنچے گا یا بلا واسطہ حق تعالیٰ کسی کو مخاطب فرمائے تو اسے معلوم ہو۔ یہاں دونوں صورتیں منفی ہیں۔ پہلی شق کے انثناء پر نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ الخ میں اور دوسری کی نفی پر اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَضَعْنٰهُ الخ میں متنبہ فرمایا ہے۔ پھر مشرکین کے دعاوی میں افتراء و اضلال کے سواء اور کیا چیز باقی رہ گئی۔ بلاشبہ اس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو خدا پر بہتان باندھے اور علم و تحقیق سے تہی دست ہونے کے باوجود لوگوں کو باطل اور غلط مسائل بیان کر کے گمراہ کرتا پھرے۔ جس شخص نے اس قدر ڈھٹائی اختیار کر لی اور ایسے ظلم عظیم پر کمر باندھ لی، اس کے ہدایت پانے کی توقع رکھنا فضول ہے۔

۱۳۵۔ تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہو خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر نام پکارا جاوے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جاوے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو تیرا رب بڑا معاف کرنے والا ہے نہایت مہربان [۱۹۸]

قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۶۔ اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ایک ناخن والا جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ان کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا انتڑیوں پر یا جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے انکو سزا دی تھی انکی شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں [۱۹۹]

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا إِلَّا مَا حَصَلَتْ ظُهُورُهُمْ أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِغَيْرِهِمْ ۗ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۷۔ پھر اگر تجھ کو جھٹلاویں تو کہہ دے کہ تمہارے رب کی رحمت میں بڑی وسعت ہے اور نہیں ٹلے گا اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے [۲۰۰]

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۗ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳۷﴾

۱۹۸۔ حرام جانوروں کی تفصیل: "حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے ان میں سے یہ ہی حرام ہے"۔ اس آیت میں کفار کو یہ بتلانا ہے کہ جو چیزیں اوپر مذکور ہوئیں حلال تھیں جن کو تم نے حرام بنا لیا اب وہ چیزیں بتلائی جاتی ہیں جو واقعی حرام ہیں اور تم ان کو حلال سمجھتے ہو۔ باقی مضمون آیت کی تفسیر و توضیح سورہ ماندہ کے شروع میں حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ (المائدہ-۳) الخ کے نیچے گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۱۹۹۔ یہودیوں پر احکام میں سختی کی سزا: یعنی اصلی حرمت تو ان چیزوں میں ہے جو اوپر مذکور ہوئیں البتہ وقتی مصلحت سے بعض چیزیں عارضی طور پر بعض اقوام پر پہلے حرام کی جا چکی ہیں۔ مثلاً یہود پر ان کی شرارتوں کی سزا میں ہر ناخن (کھر) والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بٹخ وغیرہ حرام کیا گیا تھا۔ نیز گائے بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر نہ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو ان پر حرام کر دی گئی تھی جیسے گردہ کی چربی۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ غلط ہے کہ یہ چیزیں ابراہیمؑ و نوحؑ کے زمانہ ہی سے مستمر طور پر حرام چلی آتی ہیں۔ سچی بات یہ

ہے کہ ان میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی۔ یہود کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے یہ سب چیزیں حرام ہوئیں جو کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرے جھوٹا ہے۔ جیسے پارہ ”لن تتالوا“ کے شروع میں قُلْ فَاتَّبُوا بِالنُّزُولِ فَاتَّبُوهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (آل عمران- ۹۳) سے ان دعویٰ کرنے والوں کو چیلنج دیا گیا ہے۔

۲۰۰۔ یعنی رحمت کی سمائی سے تم اب تک بچے ہو نہ جانو کہ عذاب ٹل گیا کذافی موضح القرآن۔

۱۴۸۔ اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شرک نہ کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم حرام کر لیتے کوئی چیز اسی طرح جھٹلایا کئے ان سے اگلے یہاں تک کہ انہوں نے چکھا ہمارا عذاب تو کہہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس کہ اس کو ہمارے آگے ظاہر کرو تم تو نزی اٹکل پر چلتے ہو اور صرف تخمینہ ہی کرتے ہو

سَيَقُولُ الَّذِينَ اَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَاَبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذٰقُوا بِاَسْنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۹۔ تو کہہ دے بس اللہ کا الزام پورا ہے سوا گردہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا تم سب کو [۲۰۱]

قُلْ فِدْلِهِ الْحُجَّةُ الْبٰبِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۵۰۔ تو کہہ کہ لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں اس بات کی اللہ نے حرام کیا ہے ان چیزوں کو پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں بھی تو تو نہ اعتبار کر ان کا اور نہ چل ان کی خوشی پر جنہوں نے جھٹلایا ہمارے حکموں کو اور جو یقین نہیں کرتے آخرت کا اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اوروں کو [۲۰۲]

قُلْ هَلَمْ شُهَدَاكُمْ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوْا بِاٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

۲۰۱۔ مشرکین کا استدلال: ”گذشتہ رکوع میں مشرکین سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ جن حلال و طیب چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرا لیا ہے اور اس تحریم کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو اس کی سند اور دلیل لاؤ۔ یہاں ان کی دلیل بیان کی گئی ہے جو وہ پیش کرنے والے تھے۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو اس کو قدرت تھی کہ ہم کو اور ہمارے اسلاف کو اس تحریم سے بلکہ تمام مشرکانہ افعال و اقوال سے روک دیتا۔ جب نہ روکا اور یوں ہی ہوتا چلا آیا تو ثابت ہوا کہ اس کے نزدیک ہماری یہ کارروائیاں پسندیدہ ہیں ناپسند ہوتیں تو ان کے کرنے میں ہم کو اب تک کیوں آزاد چھوڑتا سمجھنے کی

بات یہ ہے کہ ایک نیک نام اور مدبر گورنمنٹ کسی باغیانہ تحریک میں حصہ لینے والے کو باوجود یقینی اطلاع اور کافی قدرت کے پہلے ہی دن پکڑ کر پھانسی نہیں دے دیتی۔ وہ اس کی حرکات کی نگرانی رکھتی ہے کبھی رویہ درست رکھنے کی ہدایت کرتی ہے اور موقع دیتی ہے کہ آدمی ایسی حرکات کا انجام سوچ کر خود سنبھل جائے۔ کبھی اصلاح سے مایوس ہو کر ڈھیل چھوڑتی ہے کہ اس کی بغاوت کا ایسا باضابطہ اور مکمل مواد فراہم ہو جائے جس کے بعد اس کی انتہائی مجرمانہ غداری قانونی حیثیت سے علی روس الاشہاد ثابت کی جاسکے۔ ان تمام صورتوں میں مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے اور فوراً سزا نہ دینے سے کیا یہ ثابت ہو گا کہ گورنمنٹ کی نظر میں وہ کارروائی جرم و بغاوت نہیں ہے۔ گورنمنٹ کی نگاہ میں ان افعال کا جرم ہونا اول تو اس کے شائع کئے ہوئے قانون سے ظاہر ہے۔ دوسرے جب یہ مجرم مہلت پوری ہونے پر عدالت کے کٹہرے میں لایا جائے گا۔ اور باضابطہ اثبات و اظہار جرم کے بعد پھانسی یا جس دوام کی سزا بھگتے گا۔ تب برآی العین مشاہدہ ہو جائے گا کہ گورنمنٹ کی نظر میں یہ کتنا بڑا جرم تھا۔

مشرکین کو مہلت دینے کی حکمت: بہر حال گورنمنٹ کا کسی جرم پر باوجود علم و قدرت رکھنے کے کسی مصلحت سے فوری سزا جاری نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ جرم کو جرم نہیں سمجھتی۔ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ وہ احکم الحاکمین ابتدائے آفرینش سے آج تک بتوسط اپنے صادق القول اور پاکباز نائبین کے ہر قسم کے قوانین و احکام سے بندوں کو مطلع فرماتا رہا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ کونسی بات اس کے یہاں پسندیدہ اور کونسی ناپسند ہے کبھی پے بہ پے اور کبھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان احکام و ہدایات کی یاد دہانی بھی ہوتی رہی۔ اس دوران میں خلاف ورزی کرنے والوں سے مسامحت کی حد تک مسامحت کی گئی۔ معمولی تنبیہات کی ضرورت ہوئی تو وقتاً فوقتاً انہیں بھی کام میں لایا گیا۔ اور جن کی شقاوت کا بیاناہ لبریز ہونے والا تھا انہیں ڈھیل دی گئی کہ وہ صاف اور علانیہ طور پر اپنے کو خدا کی انتہائی سزا کا مستحق ٹھہرا کر کیفر کردار کو پہنچیں۔ چنانچہ بہت سی قومیں اپنے جرائم کی پاداش کا دنیا میں تھوڑا تھوڑا مزہ چکھ چکی ہیں۔ پھر ان حالات کی موجودگی میں کسی قوم کے چند روز جرائم میں مبتلا رہنے اور فوراً پکڑے جانے سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ وہ جرائم (معاذ اللہ) خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ ورنہ خدا انہیں ایک گھنٹہ کی بھی مہلت نہ دیتا۔

مشرکین کا دوسرا استدلال اور جواب: رہا یہ سوال کہ خدا نے انسان کی ساخت ہی ابتداء سے ایسی کیوں نہ بنا دی کہ وہ برائی کی طرف قطعاً نہ جا سکتا اور اس طرح فطرتاً سے مجبور کر دیا جاتا کہ نیکی اور بھلائی کے سوا کوئی چیز اختیار نہ کر سکے۔ اگر غور کیا جائے تو اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایسا کیوں نہ پیدا کر دیا گیا کہ انسان ہی نہ رہتا یا تو اینٹ پتھر بن جاتا جو ادراک و شعور اور کسب و اختیار سے یکسر خالی ہو۔ یا گدھے گھوڑے وغیرہ جانوروں کی طرح جزئی احساس و ارادہ رکھنے والا حیوان ہو تا جو ازل سے ابد تک اپنے مخصوص و متناہیہ افعال و احوال کے محدود دائرہ میں چکر لگاتا رہے اور یا بہت عزت دی جاتی تو فرشتوں کی صفوں میں بٹھلا دیا جاتا جو محض طاعت و عبادت کے اختیار کرنے پر مجبور و مفلور ہیں۔ الحاصل یہ کلی ادراکات اور عظیم الشان کسی تصرفات رکھنے والی ترقی کن نوع ہی صفحہ ہستی پر نہ لائی جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی انسان اپنے شرف و کرامت کا بلند بانگ دعویٰ رکھتے ہوئے ایسی جرأت نہ کرے گا کہ سرے سے اپنی نوع کے وجود ہی کا مخالف ہو جائے۔ پھر اگر نوع انسانی کا مع اس کی عقلی و عملی قوتوں اور کسب و اختیار کی موجود آزادی کے پیدا کرنا نظام عالم کی تکمیل کے لئے ضروری تھا تو اس نظام تکوینی کے آثار و نتائج کا قبول کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مادی اور معاشی زندگی کے شعبوں میں تو انسانوں کی عقلی و کسب و اختیار کی بدولت بے شمار انواع و اقسام کے مختلف مظاہر سامنے آئیں۔ لیکن معادی و روحانی میدانوں میں وہ ہی دل دماغ اور کسب و اختیار کی قوتیں رکھنے والے انسان سب کے سب ایک ہی پگڈنڈی پر چلنے کے لئے مجبور ہو جائیں اور کوئی ایک قدم ادھر ادھر ہٹانے کی قدرت نہ رکھے۔ پس اگر نوع انسان کا بحقیقت الوجودہ مجموعہ عالم میں پایا جانا ضروری ہے تو نیک و بد کا اختلاف بھی لابدی ہو گا اور یہ ہی اختلاف کا وجود بڑی دلیل اس کی ہے کہ ہر وہ

فعل جو وقوع میں آئے ضروری نہیں کہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو ورنہ مختلف و متضاد افعال کی موجودگی میں ماننا پڑے گا کہ مثلاً خوش اخلاقی بھی خدا کو پسند ہو اور بد اخلاقی بھی۔ ایمان لانا بھی پسند ہو اور نہ لانا بھی جو صریحاً باطل ہے۔ بیشک خدا اگر چاہتا تو انسان کی ساخت ایسی بنا سکتا تھا کہ سب ایک ہی راستہ پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتے لیکن جب ایسا واقع نہیں ہوا تو یہی حجت بالغہ اور پورا الزام ان لوگوں پر ہے جو لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا کہہ کر مشیت و رضائے الہی میں تلازم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس قدر شدید اختلافات کی موجودگی میں ان کے اصول کے موافق کہنا پڑے گا کہ مثلاً توحید خالص بھی اللہ کے نزدیک صحیح اور مرضی ہو اور اس کی نقیض شرک جلی بھی و قس علیٰ ہذا ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مشرکین کا یہ استدلال لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا لَخِمْضُ لَعْنُو اور پادر ہوا ہے۔ کوئی علمی اصول ان کے پاس نہیں ہے جسے عقلمندوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ محض اٹکل کے تیر اور تخمینہ باتیں ہیں جن کو خدا کی حجت بالغہ بکلی رد کرتی ہے جس کی طرف فَلَوْ شَاءَ لَهَدَّيْتُكُمْ أَجْمَعِينَ میں اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت ایسی نہیں بنائی گئی کہ سب کے سب راہ ہدایت پر چل پڑیں۔ اس کو کسب و اختیار کی وہ آزادی حق جل و علانے عطا فرمائی ہے جس کا عطا کیا جانا کسی مخلوق کے لئے ممکن تھا۔ اس لئے لازم ہے کہ اس آزادی کے استعمال کے وقت راہیں مختلف ہو جائیں۔ کوئی نیکی کو اختیار کر لے کوئی بدی کو کوئی حق تعالیٰ کی رضا و رحمت کا مظہر بن جائے کوئی غضب کا۔ اس طرح وہ آخری مقصد جو خالق کائنات نے آفرینش عالم سے ارادہ کیا ہے یعنی اپنی صفات جمال و جلال کا اظہار علی الوجہ الاتم پورا ہو یَجْلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (ہود۔ ۷) ورنہ اگر تمام عالم ایک ہی حال پر فرض کر لیا جائے تو بعض صفات الہیہ کا ظہور ممکن ہو گا اور دوسری بعض کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملے گا۔ یہاں تک جو کچھ ہم نے کہا وہ اس تقدیر پر تھا کہ مشرکین کے قول لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا سے یہ غرض ہو کہ وہ اپنے خرافات و کفریات کا استحسان ثابت کرنا چاہتے تھے جیسا کہ ان کے احوال سے ظاہر ہے اور اگر کلام مذکور سے ان کی غرض صرف معذرت ہو کہ جو کچھ خدا چاہتا ہو ہم سے کراتا ہے اچھا ہو یا برا بہر حال اس کی مشیت سے ہے۔ پھر مشیت الہی کے مقابلہ میں انبیاء و رسل ہم سے کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور عذاب الہی کا ڈرا و کیوں سناتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس خدا کی مشیت سے تم ان افعال شنیعہ کا کسب کرتے ہو اسی کی مشیت سے انبیاء و رسل تمہاری مزاحمت کرتے ہیں اور وہ ہی مشیت تمہارے کسب پر مناسب عذاب بھیجتی ہے جس طرح قدرت نے سانپ کو پیدا کیا اور وہ ہی مار گزیدہ کے حق میں ہلاکت کا اثر مرتب کرتی ہے خواہ سانپ کے کاٹنے میں مار گزیدہ کے فعل و اختیار کو کچھ دخل ہو یا نہ ہو اسی طرح تمہارے شرک و کفر میں ہلاکت دائمی کی اور ایمان و عمل صالح میں نجات ابدی کی تاثیرات رکھ دینا بھی اسی کی قدرت و مشیت ایزدی کا کام ہے جس سے تمام سلسلہ و مسببات کی تخلیق ہوئی ہے۔ پس اگر تم اپنے مشرکانہ اطوار سے باز نہ آنے میں مشیت کے عموم سے احتجاج کر سکتے ہو تو ارسال رسل اور انزال عذاب وغیرہ امور کو بھی اسی مشیت کی کار فرمائی کا نتیجہ سمجھ کر خدا کی حجت بالغہ کو تمام سمجھو۔ بے شک خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا۔ لیکن اس نے تمہاری سوء استعداد کی وجہ سے ایسا نہیں چاہا۔ آخر تمہارے سوء اختیار سے جو افعال صادر ہوئے ان کا طبعی اثر عذاب کی صورت میں مرتب ہو کر رہا۔ والعیاذ باللہ۔

۲۰۲۔ یعنی دلیل عقلی کا حال تو اوپر معلوم ہو چکا اب اگر اس من گھڑت تحریم پر کوئی نقلی دلیل رکھتے ہو تو وہ لاؤ کیا تمہارے پاس ایسے گواہ موجود ہیں جو یہ بیان کریں کہ ہاں ان کے روبرو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسے واقعی گواہ کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر دوچار گستاخ جھوٹے بے حیا یہ ہی گواہی دینے کو کھڑے ہو جائیں تو ایسوں کی بات پر کان نہ دھرو اور نہ ان کی خواہشات کی پروا کرو یہاں تک ان چیزوں کا بیان تھا جنہیں مشرکین نے محض اپنی رائے و اہوا سے حرام ٹھہرا رکھا تھا، پھر اس تحریم کے لئے حیلے اور باطل عذر پیش کرتے تھے۔ آگے وہ چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔ جنہیں خدا نے حرام کیا اور ہمیشہ سے حرام رہی ہیں لیکن یہ مشرکین ان میں مبتلا ہیں۔

۱۵۱۔ تو کہہ تم آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اسکے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو [۲۰۳] اور پاس نہ جاؤ بیچائی کے کام کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو [۲۰۴] اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر [۲۰۵] تم کو یہ حکم کیا ہے تاکہ تم سمجھو [۲۰۶]

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ أَمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا مَبْطِنًا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾

۱۵۲۔ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو یہاں تک کہ پہنچ جاوے اپنی جوانی کو [۲۰۷] اور پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جسکی اسکو طاقت ہو [۲۰۸] اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو [۲۰۹] اور اللہ کا عہد پورا کرو [۲۱۰] تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْدُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْكَيْلِ وَالْبِيزَانِ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾

۱۵۳۔ اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستے سے [۲۱۱] یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو

وَ أَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾

۲۰۳۔ مفلسی کے ڈر سے اولاد کا قتل: عرب مفلسی کی وجہ سے بعض اوقات اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ خود ہی کھانے کو نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رزق دینے والا تو خدا ہے تم کو بھی اور تمہاری اولاد کو بھی۔ دوسری جگہ بجائے مِمَّنْ اِمْلَاقٍ، حَشِيَّةٌ اِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل۔ ۳۱) فرمایا ہے یعنی مفلسی کے ڈر سے قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ ان کا ذکر ہو گا جو فی الحال مفلس نہیں مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ



ہونگے تو کہاں سے کھلائیں گے۔ چونکہ پہلے طبقہ کو عیال سے پہلے اپنی روٹی کی فکر تارہی تھی اور دوسرے کو زیادہ عیال کی فکر نے پریشان کر رکھا تھا۔ شاید اسی لئے یہاں املاق کے ساتھ نَزُّقُكُمْ وَاِيَّاكُمْ اور اس آیت میں حَشِيَّةٌ اِمْلَاقٍ کے ساتھ نَزُّقُكُمْ وَاِيَّاكُمْ ارشاد فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۲۰۴۔ بری نظر ڈالنے کی مذمت: ”پاس نہ جاؤ“ سے شاید یہ مراد ہو کہ ایسے کاموں کے مبادی و وسائل سے بھی بچنا چاہئے مثلاً زنا کی طرح نظر بد سے بھی اجتناب لازم ہے۔“

۲۰۵۔ الابالٰحق کا استثناء ضروری تھا۔ جس میں قاتل عمد، زانی محسن اور مرتد عن الاسلام کا قتل داخل ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہو چکی اور ائمہ مجتہدین اس پر اجماع کر چکے ہیں۔

۲۰۶۔ حرام کاموں کی تفصیل: اس آیت سے ان چیزوں کا حرام ہونا ثابت ہوا (۱) شرک باللہ (۲) والدین کے ساتھ بد سلوکی (۳) قتل اولاد (۴) سب بے حیائی کے کام مثلاً زنا وغیرہ (۵) کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔

۲۰۷۔ مال یتیم کی حفاظت: یتیم کے مال میں بیجا تصرف کرنا حرام ہے۔ ہاں بہتر و مشروع طریقہ سے احتیاط کے ساتھ اس میں ولی یتیم تصرف کر سکتا ہے۔ جب یتیم جوان ہو جائے اور اپنے فرائض کو سنبھال سکے تو اس کے حوالہ کر دیا جائے۔

۲۰۸۔ یعنی اپنی طاقت کے موافق ان احکام کی بجا آوری میں کوشش کرو۔ اسی کے تم مکلف ہو۔ خدا کسی کو اس کی مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

۲۰۹۔ یعنی حق و انصاف کی بات کہنے میں کسی کی قربت و محبت مانع نہ ہونی چاہئے۔

۲۱۰۔ اس کے اوامر و نواہی پر پابندی سے عمل کرو۔ خدا کے لئے جو نذر مانو یا قسم کھاؤ بشرطیکہ غیر مشروع بات کہ نہ ہو اسے پورا کرنا چاہئے۔

۲۱۱۔ صراط مستقیم: یعنی احکام مذکورہ بالا کی پابندی اور خدا کے عہد کو اعتقاداً و عملاً پورا کرنا یہی صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے جس کی طلب سورہ فاتحہ میں تلقین کی گئی تھی۔ یہ راہ تم کو دکھلا دی گئی اب چلنا تمہارا کام ہے۔ جو کوئی اس کے سوا دوسرے راستے پر چلا وہ خدا کے راستے سے بھٹکا۔

۱۵۳۔ پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے نعمت کے نیک کام والوں پر اور واسطے تفصیل ہر شے کے اور ہدایت اور رحمت کے لئے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں [۲۱۲]

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلاً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٣﴾

۱۵۵۔ اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت والی سو اس پر چلو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو [۲۱۳]

وَ هَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَ اتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٥٥﴾

۱۵۶۔ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو ان ہی دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم کو تو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی [۲۱۴]

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابُ عَلَي طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَفِيلِينَ ﴿١٥٦﴾

۱۵۷۔ یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر اتنی کتاب تو ہم تو راہ پر چلتے ان سے بہتر سو آچکی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت [۲۱۵] اب اس سے زیادہ ظالم کون جو جھٹلاوے اللہ کی آیتوں کو اور ان سے کتراوے ہم سزا دیں گے ان کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں برا عذاب بدلے میں اس کترانے کے [۲۱۶]

أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً ۚ فَبِمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ

اٰتِنَا سُوَّ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

۲۱۲۔ پچھلی شریعتوں میں یہی احکام: معلوم ہوتا ہے کہ جو احکام اوپر قُلْ تَعَالَوْا اٰتِلْ مَا سَخَّرَ لَكُمْ عَلَيْنَا سے پڑھ کر سنائے گئے یہ ہمیشہ سے جاری تھے۔ تمام انبیاء اور شرايع کا ان پر اتفاق رہا کیا۔ بعدہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر تورات اتاری جس میں احکام شرع کی مزید تفصیل درج تھی۔ تورات عطا فرما کر اس زمانہ کے نیک کام کرنے والوں پر خدا نے اپنی نعمت پوری کر دی۔ ہر ضروری چیز کو شرح و بسط سے بیان فرمادیا۔ اور ہدایت و رحمت کے ابواب مفتوح کر دیے۔ تاکہ اسے سمجھ کو لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کا کامل یقین حاصل کریں۔

۲۱۳۔ قرآن کریم کا اتباع: یعنی تورات تو تھی ہی جیسی کچھ تھی، لیکن ایک یہ کتاب ہے (قرآن کریم) جو اپنے درخشاں اور ظاہر و باہر حسن و جمال کے ساتھ تمہارے سامنے ہے۔ اس کی خوبصورتی اور کمال کا کیا کہنا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس کی ظاہری و باطنی برکات اور صوری و معنوی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے یہاں عالم حسن دل و جاں تازہ میدارد۔ برنگ اصحاب صورت رابہ بواریاب معنی را۔ اب دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا کی رحمت سے حظ وافر لینا چاہتے ہو تو اس آخری اور مکمل کتاب پر چل پڑو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کتاب کے کسی حصہ کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

۲۱۴۔ قرآن پوری دنیا کے لئے حجت ہے: یعنی اس مبارک (قرآن کریم) کے نزول کے بعد عرب کے امین کے لئے یہ کہنے کا بھی موقع نہیں چھوڑا گیا کہ پیشتر جو آسمانی کتابیں شرايع الہیہ کو لے کر آئیں وہ تمہارے علم کے موافق انہی دو فرقوں (یہود و نصاریٰ) پر آئیں بیٹک وہ لوگ آپس میں اسے پڑھتے پڑھاتے تھے اور بعض اس کا ترجمہ بھی عربی میں کرتے تھے مثلاً ورتہ بن نوفل وغیرہ اور بہت سے مدت تک اس دہن میں لگے رہے کہ عرب کو یہودی یا نصرانی بنالیں۔ لیکن ہمیں ان کی تعلیم و تدریس سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اس سے بحث نہیں کہ یہود و نصاریٰ جو کچھ پڑھتے پڑھاتے تھے وہ چیز کہاں تک اپنی اصلی سماوی صورت میں محفوظ تھی۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ ان شرايع و کتب کی اصلی مخاطب فقط قوم بنی اسرائیل تھی۔ خواہ اس تعلیم کے بعض اجزاء مثلاً توحید اور اصول دینیہ کی دعوت کو وسعت دے کر بنی اسرائیل کے سوا دوسری اقوام کے حق میں بھی عام کر دیا گیا ہوتا تاہم جو شریعت اور کتاب سماوی بہیات مجموعی کسی خاص قوم پر اسی کے مخصوص فائدہ کے لئے اتاری ہو اس کی درس و تدریس سے اگر دوسری اقوام خصوصاً عرب جیسی غیور و خوددار قوم کو دلچسپی اور لگاؤ نہ ہو تو کچھ مستبعد نہیں بنا بریں وہ کہہ سکتے تھے کہ کوئی آسمانی کتاب و شریعت ہماری طرف نہیں آئی اور جو کسی مخصوص قوم کے لئے آئی اس سے ہم نے چنداں واسطہ نہیں رکھا پھر ہم ترک شرايع پر کیوں مانوڈ ہوں گے۔ مگر آج ان کے لئے اس طرح کے حیلے حوالوں کا موقع نہیں رہا۔ خدا کی حجت اس کی روشن کتاب

اور ہدایت و رحمت عامہ کی بارش خاص ان کے گھر میں اتاری گئی۔ تاکہ وہ اولاً اس سے مستفید ہوں۔ پھر اس امانت الہیہ کو تمام احمر و اسود اور مشرق و مغرب کے باشندوں تک حفاظت و احتیاط کے ساتھ پہنچادیں۔ کیونکہ یہ کتاب کسی خاص قوم و ملک کے لئے نہیں اتاری گئی۔ اس کا مخاطب تو سارا جہان ہے۔ چنانچہ خدا کے فضل و توفیق سے عرب کے ذریعہ سے خدا کا یہ عام اور آخری پیغام آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

۲۱۵۔ یعنی پہلی امتوں کا حال سن کر شاید تم کو ہوس ہوتی اور دل میں ولولہ اٹھتا کہ ہمارے پاس خدا کی کتاب آتی تو ہم دوسروں سے بڑھ کر عمل کر کے دکھلاتے۔ سو تم کو ان سے بہتر کتاب دے دی گئی۔

۲۱۶۔ اب ایسی بے مثال روشن کتاب آنے کے بعد اگر اس کی آیتوں کو کوئی جھٹلائے اور اس کے احکام قبول کرنے سے کترائے یا دوسروں کو روکے، اس سے بڑا ظالم کون ہو گا۔ (تنبیہ) صَدَفَ عَنْهَا کے دونوں معنی سلف سے منقول ہیں ”روکنا“ اور ”اعراض کرنا“ مترجم علام نے دوسرے معنی لے کر ”کترائے“ ترجمہ کیا ہے۔

۱۵۸۔ کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ ان پر آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی کام نہ آئے گا کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی تو کہہ دے تم راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں [۲۱۷]

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِي رَبُّكَ أَوْ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيبَانُهَا لَمْ تَكُنْ أَمِنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيبَانِهَا خَيْرًا ط

قُلِ انْتَضِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۲۱۸﴾

۲۱۷۔ سورج کر مغرب سے طلوع ہونا: ”یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت کی جو حد تھی وہ پوری ہو چکی، انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اتریں کتابیں آئیں حتیٰ کہ اللہ کی آخری کتاب بھی آچکی، تب بھی نہیں مانتے تو شاید اب اس کے منتظر ہیں کہ اللہ آپ آئے یا فرشتے آئیں یا قدرت کو کوئی بڑا نشان (مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت) ظاہر ہو، تو یاد رہے کہ قیامت کے نشانوں میں سے ایک نشان وہ بھی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہو گا نہ عاصی کی توبہ۔ صحیحین کی احادیث بتلاتی ہیں کہ یہ نشان آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا ہے۔ یعنی جب خدا کا ارادہ ہو گا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبیعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق و قوع میں آئیں گے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ غالباً اس حرکت میں مقلوبی اور رجعت قہقری سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ جو قوانین قدرت اور نوا میں طبیعیہ دنیا کے موجودہ نظم و نسق میں کار فرما تھے، ان کی میعاد ختم ہونے اور نظام شمسی کے الٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آپہنچا۔ گویا اس وقت سے عالم کبیر کے نزع اور جاگنی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اور جس طرح عالم صغیر (انسان) کی جاگنی کے وقت کا ایمان اور توبہ مقبول نہیں کیونکہ وہ حقیقت میں اختیاری نہیں ہوتا، اسی طرح طلوع الشمس من المغرب کے بعد مجموعہ عالم کے حق میں یہ ہی حکم ہو گا کہ کسی کا ایمان اور توبہ معتبر نہ ہو۔ بعض روایات میں طلوع الشمس من مغربہا کے ساتھ چند دوسرے

نشانات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً خروج دجال، خروج دابہ وغیرہ۔ ان روایات کی مراد یہ معلوم ہوتی کہ جب ان سب نشانات کا مجموعہ متحقق ہوگا اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ طلوع الشمس من المغرب بھی متحقق ہو، تو دروازہ توبہ کا بند کر دیا جائے گا الگ الگ ہر نشان پر یہ حکم متفرع نہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض ملحدین جو ہر غیر معمولی واقعہ کو استعارہ کارنگ دینے کے خوگر ہیں وہ طلوع الشمس من المغرب کو بھی استعارہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ غالباً ان کے نزدیک قیامت کا آنا بھی ایک طرح کا استعارہ ہی ہوگا۔ (تنبیہ) یہ جو کہا کہ ”آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب“ اس کی تفسیر ”سب قول“ کے نصف پر آیت هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْعَمَامِ (البقرہ-۲۱۰) کے تحت میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے اور جملہ اَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا کا عطف امنت من قبل پر ہے۔ اور تقدیر عبارت کی ابن المنیر وغیرہ محققین کے نزدیک یوں ہے۔ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا یعنی جو پہلے سے ایمان نہیں لایا اس وقت اس کا ایمان نافع نہ ہوگا اور جس نے پہلے سے کسب خیر نہ کیا اس کا کسب خیر نافع نہ ہوگا۔ (یعنی توبہ قبول نہ ہوگی)

۱۵۹۔ جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہی جتلائے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے [۲۱۸]

إِنَّ الَّذِينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۗ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۵۹﴾

۱۶۰۔ جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اسکے لئے اس کا دس گنا ہے اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سزا پائے گا اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا [۲۱۹]

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۰﴾

۲۱۸۔ دین میں فرقہ بندی: ”پچھلے رکوع میں قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ الخ سے بہت سے احکام بیان فرما کر ارشاد ہوا تھا وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ يَعْنِي صِرَاطُ مُسْتَقِيمٍ (دین کی سیدھی راہ) ہمیشہ سے ایک رہی ہے اس سے ہٹ کر گمراہی کے راستے بہت ہیں۔ تمام انبیاء و مرسلین اصولی حیثیت سے اسی ایک راہ پر چلے اور لوگوں کو بلاتے رہے۔ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (شوریٰ-۱۳) اصول دین میں ان کے باہم کوئی تفریق نہیں۔ زمان و مکان اور خارجی احوال کے اختلاف سے فروع شرعیہ میں جو تفاوت ہو اوہ تفرق نہیں۔ بلکہ ہر وقت کے مناسب رنگ میں ایک ہی مشترک مقصد کے ذرائع حصول کا تنوع ہے۔ جو دین انبیائے سابقین لے کر آئے، مولیٰ کی کتاب بھی اس کی مخالفت کے لئے نہیں بلکہ اس کی تکمیل و تفصیل کی غرض سے اتاری گئی۔ سب کے آخر میں قرآن آیا جو تمام کتب سابقہ کی تہمید و تصدیق اور ان کے علوم و معارف کی حفاظت کرنے والا ہے۔ درمیان میں ان کتب و شرائع سے اعراض کرنے والوں کا حال بیان کر کے إِنَّ الدِّينَ فَرقُوا دِينَهُمْ سے پھر اصل مطلب کی طرف عود کیا گیا یعنی دین الہی کا راستہ (صراط مستقیم) ایک ہے جو لوگ اصل دین میں پھوٹ ڈال

کر جدا جدا راہیں نکالنے اور فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا وہ مدعیان اسلام جو مستقبل میں عقائد دینیہ کی چادر کو پھاڑ کر پارہ پارہ کرنے والے تھے، ان لوگوں سے آپ کو کچھ واسطہ اور سروکار نہیں۔ یہ سب فَتَقَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ میں داخل ہیں آپ ان سے بیزاری اور برأت کا اظہار کر کے خدا کے اسی ایک راستہ (صراطِ مستقیم) پر چمے رہئے اور ان کا انجام اللہ کے حوالے کیجئے، وہ ان کو دنیا یا آخرت میں جتلا دے گا۔ جو کچھ دین میں گڑبڑی کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فَتَقَرَّقُوا دِينَهُمْ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جو باتیں یقین لانے کی ہیں۔ (اصول دین) ان میں فرق نہ چاہئے اور جو کرنے کی ہیں۔ (فروع دین) ان کے طریقے کئی ہوں تو برا نہیں۔

۲۱۹۔ نیکی اور برائی کی جزا: ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ میں ان کے افعالِ شنیعہ کی مجازات پر متنبہ کیا گیا تھا، ساتھ ہی ہر نیک و بد کی مجازات کا عام قانون بتلا دیا کہ بھلائی کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے برائی کا زائد از زائد اس کے برابر یعنی جس نے ایک نیکی کمائی تو کم از کم ایسی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا زائد کی حد نہیں وَاللَّهُ يُضْعِفُ بَعْدَ يَشَاءَ (البقرہ۔ ۲۶۱) اور جو ایک بدی کا مرتکب ہوا تو ایسی ایک بدی کی جس قدر سزا مقرر ہے۔ اس سے آگے نہ بڑھیں گے، تخفیف کر دیں یا بالکل معاف فرمادیں، یہ اختیار ہے۔ پھر جہاں وفود رحمت کی یہ کیفیت ہو وہاں ظلم کا کیا امکان ہے۔

۱۶۱۔ تو کہہ دے مجھ کو بھائی میرے رب نے راہ سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا [۲۲۰] اور نہ تھا شرک والوں میں [۲۲۱]

قُلْ اِنِّىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ دِيْنًا قِيًّا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنْ

الشُّرٰكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۲۔ تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے

قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَ نُسُكِىْ وَ مَحْيَاىِ وَ مَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۳۔ کوئی نہیں اس کا شریک [۲۲۲] اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں [۲۲۳]

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ

المُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۴۔ تو کہہ کیا اب میں اللہ کے سوا تلاش کروں کوئی رب اور وہی ہے رب ہر چیز کا [۲۲۴] اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سو وہ اس کے ذمہ پر ہے اور بوجھ نہ اٹھائے گا ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے سو وہ جتلائے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے [۲۲۵]

قُلْ اَعٰىدِ اللّٰهَ اَبِغٰى رَبًّا وَ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۗ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلٰىهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اٰخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ

بِمَا كُنْتُمْ فِىْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۵۔ اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں [۲۲۶] اور بلند کر دیے تم میں درجے ایک کے ایک پر [۲۲۷] تاکہ آزمائے تم کو اپنی دیئے ہوئے حکموں میں تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہی سختی والا مہربان ہے [۲۲۸]

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَيفَةَ الْأَرْضِ وَ رَفَعَ  
بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ  
إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۗ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

ع  
۱۶۵

۲۲۰۔ یعنی ایک خدا ہی کا ہو رہا تھا۔

۲۲۱۔ یعنی تم دین میں جتنی چاہو راہیں نکالو اور جس قدر معبود چاہو ٹھہرا لو۔ مجھ کو تو میرا پروردگار صراطِ مستقیم بتلا چکا اور وہ ہی خالص توحید اور ادیان سماویہ غایت عظمت و احترام سے لیتے ہیں۔

۲۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام توحید و تقویٰ: اس آیت میں توحید و تقویٰ کے سب سے اونچے مقام کا پتہ دیا گیا ہے جس پر ہمارے سید و آقا محمد رسول اللہ ﷺ فائز ہوئے۔ نماز اور قربانی کا خصوصیت سے ذکر کرنے میں مشرکین پر جو بدنی عبادت اور قربانی غیر اللہ کے لئے کرتے تھے۔ تصریحاً رد ہو گیا۔

۲۲۳۔ عموماً مفسرین و اناؤں المسلمین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمدیہ کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں۔ لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں اولیت زمانی مراد نہ ہو۔ بلکہ تقدم رتبہ مراد ہو۔ یعنی میں سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں۔ شاید مترجم محقق قدس سرہ نے ترجمہ میں ”سب سے پہلا فرمانبردار ہوں“ کی جگہ ”سب سے پہلے فرمانبردار ہوں“ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہو۔ کیونکہ محاورات کے اعتبار سے یہ تعبیر اولیت رتبہ کی ادا کرنے میں زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۲۴۔ پہلے توحید فی الالوہیت کا ذکر تھا اب توحید فی الربوبیت کی تصریح فرمائی۔ یعنی جس طرح معبود اس کے سوا کوئی نہیں، مستعان بھی کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ استعانت ربوبیت عامہ پر متفرع ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔

۲۲۵۔ ہر شخص اپنے عمل کا جو بدلہ ہے: کفار مسلمانوں سے توحید وغیرہ میں جھگڑتے اور کہتے تھے کہ تم توحید کی راہ چھوڑ کر ہمارے راستہ پر آ جاؤ۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہمارے سر و قال الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ (العنكبوت- ۱۲) یہاں اس کا جواب دے دیا کہ ہر ایک کا گناہ اسی کے سر ہے کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ باقی تمہارے جھگڑے اور اختلافات خدا کے یہاں جا کر سب طے ہو جائیں گے۔ یہ دنیا فیصلہ کی جگہ نہیں، امتحان و آزمائش کا گھر ہے جیسا کہ اگی آیت میں آگاہ فرمایا۔

۲۲۶۔ انسان اللہ کا نائب ہے: یعنی خدا نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا کہ تم اس کے دیئے ہوئے اختیارات سے کام لے کر کیسے کیسے حاکمانہ تصرفات کرتے ہو، یا تم کو باہم ایک دوسرے کا نائب بنایا کہ ایک قوم جاتی ہے تو دوسری قوم اس کی جانشین ہوتی ہے۔

۲۲۷۔ انسانوں میں فرق مراتب: یعنی تمہارے آپس میں بے حد فرق مدارج رکھا۔ چنانچہ شکل و صورت، رنگت، لہجہ، اخلاق و ملکات محاسن و

مساوی، رزق، دولت، عزت و جاہ وغیرہ میں افراد انسانی کے بے شمار درجات ہیں۔  
 ۲۲۸۔ یعنی ظاہر ہو جائے کہ ان حالات میں کون شخص کہاں تک خدا کا حکم مانتا ہے۔ ابن کثیرؒ نے فی مآ اتکم سے وہ مختلف احوال و درجات مراد لئے ہیں جن میں حسب استعداد و لیاقت ان کو رکھا گیا ہے۔ اس تقدیر پر آزمائش کا حاصل یہ ہو گا کہ مثلاً غنی حالت غناء میں رہ کر کہاں تک شکر کرتا ہے اور فقیر حالت فقر میں کس حد تک صبر کا ثبوت دیتا ہے و قس علیٰ ہذا۔ بہر حال اس آزمائش میں جو بالکل نالائق ثابت ہوا۔ حق تعالیٰ اس کے حق میں سریع العقاب اور جس سے قدرے کوتاہی رہ گئی اس کے حق میں غفور اور جو پورا اتراس کے لئے رحیم ہے۔

تمت سورۃ الانعام بعون اللہ الملک العلام

آیاتها ۲۰۶

&lt; سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹

رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْبَصِّ ۱

۱۔ البص

۲۔ یہ کتاب اتنی ہی ہے تجھ پر سوچا ہے کہ تیرا جی تنگ نہ ہو اس کے پہنچانے سے [۱] تاکہ تو ڈرائے اس سے اور نصیحت ہو ایمان والوں کو [۲]

كِتَابٌ أَنْزَلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ

مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱﴾

۳۔ چلو اسی پر جو اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اسکے سوا اور رفیقوں کے پیچھے تم بہت کم دھیان کرتے ہو [۳]

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا

مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿۲﴾

۴۔ اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں کہ پہنچان پر ہمارا عذاب راتوں رات یاد پھر کو سوتے ہوئے

وَكَم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا

أَوْ هُمْ قَائِلُونَ ﴿۳﴾

۵۔ پھر یہی تھی ان کی پکار جس وقت کہ پہنچان پر ہمارا عذاب کہ کہنے لگے بیشک ہمیں تھے گنہگار [۴]

فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا

إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۴﴾

۶۔ سو ہم کو ضرور پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول بھیج گئے تھے اور ہم کو ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے [۵]

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ

الْمُرْسَلِينَ ﴿۵﴾

۷۔ پھر ہم انکو احوال سنائیں گے اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے [۶]

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ﴿۶﴾

۱۔ ابن عباس نے حرج کی تفسیر شک سے کی ہے گویا فلا یکن فی صدرك حرج۔ فلا تگونق من المتترین کے ہم معنی ہو گا۔ یعنی پیغمبر جس پر



خدا نے اپنی کتاب نازل فرمائی اس کی شان یہ نہیں کہ ذرا سا بھی کھٹکا یا شک و شبہ کتاب کے احکام و اخبار کے متعلق اس کے دل میں راہ پائے۔ دوسرے مفسرین نے ان الفاظ کو ان کے ظاہر پر رکھا۔ جیسا کہ مترجم محقق نے اختیار فرمایا ہے۔ یعنی تمام خلائق میں سے چین کر جس پر خدا نے اپنی کتاب اتاری اسے لائق نہیں کہ احمقوں اور معاندین کے طعن و تشنیع یا یہودہ سوالات سے متاثر ہو کر اس کتاب کے کسی حصہ کی تبلیغ سے منقبض اور تنگ دل ہو فَلَعَلَّكَ تَارِكًا بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَصَابِقًا بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كِتَابٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ (ہود۔ ۱۲) اگر فرض محال خود پیغمبر کے دل میں کتاب اور اس کے مستقبل کی طرف سے نہایت کامل وثوق و انشراح حاصل نہ ہو، تو وہ اپنے فرض انذار و تذکیر کو کس طرح قوت و جرأت کے ساتھ ادا کر سکے گا۔

۲۔ نزول قرآن کی غرض و غایت: یعنی کتاب کے اتارنے سے غرض یہ ہے کہ تم ساری دنیا کو اس کے مستقبل سے آگاہ کر دو۔ اور ہدیٰ کے انجام سے ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کے حق میں خاص طور پر یہ ایک موثر پیغام نصیحت ثابت ہو۔

۳۔ آدمی اگر حق تعالیٰ کی تربیت عظیم، اپنے آغاز و انجام اور طاعت و معصیت کے نتائج پر پوری طرح دھیان کرے تو اس کو کبھی جرأت نہ ہو کہ اپنے رب کریم کی اتاری ہوئی ہدایات کو چھوڑ کر شیاطین الانس والجن کی رفاقت میں انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے۔ گذشتہ اقوام میں سے جنہوں نے خدا کی کتابوں اور پیغمبروں کے مقابلہ پر ایسا رویہ اختیار کیا، ان کو جو دنیوی سزا ملی، وہ آگے مذکور ہے۔

۴۔ گذشتہ اقوام پر عذاب کا حال: یعنی جب ان کے ظلم و عدوان اور کفر و عصیان کی حد ہو چکی، تو دنیا کی لذات و شہوات میں منہمک اور عذاب الہی سے بالکل بے فکر ہو کر خواب استراحت کے مزے لینے لگے کہ یکایک ہمارے عذاب نے آدبوچا۔ پھر ہلاکت آفرینیوں کے اس دہشتناک منظر اور ہنگامہ دار و گیر میں ساری طمطراق بھول گئے چاروں طرف سے اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ کی چیخ و پکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ گویا اس وقت انہیں واضح ہوا اور اقرار کرنا پڑا کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا، ہم خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (تنبیہ) فَجَاءَهَا بِأَسْنَا كِي "فاء" میں مفسرین کے کئی قول ہیں، غالباً مترجم محقق قدس سرہ نے اس کو "اھلکنا" کی تفسیر و تفصیل قرار دیا ہے۔ جیسے کہا جائے "توضا فضل وجہ" و ذرا عیبہ "فلاں شخص نے وضو کیا تو دھوپا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ) اس مثال میں منہ ہاتھ دھونا وضو کرنے ہی کی تفصیل و تفسیر ہے اسی طرح یہاں ہلاک کرنے کی تفسیر و تفصیل کیفیت عذاب کے بیان سے ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

۵۔ آخرت میں تمام امتوں سوال ہو گا: جن امتوں کی طرف پیغمبر مبعوث ہوئے، ان سے سوال ہو گا مَاذَا آجَبْتُمْ الْمُرْسَلِينَ (القصص۔ ۶۵) تم نے ہمارے پیغمبروں کی دعوت کو کہاں تک قبول کیا تھا؟ اور خود پیغمبروں سے پوچھیں گے مَاذَا آجَبْتُمْ تَمَّ كَوَامْتِ كِي طَرَفِ سِ كِي كِيَا جَوَابِ مَلَا تَهَا؟

۶۔ یعنی تمہارا کوئی جلیل و حقیر اور قلیل و کثیر عمل یا ظاہری و باطنی حال ہمارے علم سے غائب نہیں۔ ہم بلا توسط غیرے ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں۔ اپنے اس علم ازلی محیط کے موافق سب اگلے پچھلے احوال تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیں گے۔ ملائکتہ اللہ کے لکھے ہوئے اعمال نامے بھی علم الہی کے سر موخلاف نہیں ہو سکتے ان کے ذریعہ سے اطلاع دینا محض ظابطہ کی مراعات اور نظام حکومت کا مظاہرہ ہے، ورنہ خدا اپنے علم میں ان ذرائع کا (معاذ اللہ) محتاج نہیں ہو سکتا۔

۸۔ اور تول اس دن ٹھیک ہو گی پھر جس کی تویس بھاری وَ الْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ

ہوئیں سو وہی ہیں نجات پانے والے

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾

۹۔ اور جس کی تولیس ہلکی ہوئیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا [۴] اس واسطے کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے [۸]

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا

أَنفُسَهُمْ بَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾

۱۰۔ اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور مقرر کر دیں اس میں تمہارے لئے روزیاں تم بہت کم شکر کرتے ہو [۹]

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا

مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾

۷۔ وزن اعمال اور میزان: ”قیامت کے دن سب لوگوں کے اعمال کا وزن دیکھا جائے گا۔ جن کے اعمال قلبیہ و اعمال جو ارج وزنی ہوں گے وہ کامیاب ہیں اور جن کا وزن ہلکا رہا وہ خسارہ میں رہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں۔ ایک ہی کام ہے، اگر اخلاص و محبت سے حکم شروع کے موافق کیا۔ اور بر محل کیا، تو اس کا وزن بڑھ گیا، اور دکھاوے کو یاریں کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا۔ آخرت میں وہ کاغذ تلیں گے، جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگزر ہو اور ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا۔“ بعض علماء کا خیال ہے کہ اعمال جو اس وقت اعراض ہیں۔ وہاں اعیان کی صورت میں مجسد کر دیے جائیں گے اور خود ان ہی اعمال کو تولا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال تو غیر قائم بالذات اعراض ہیں جن کا ہر جزو وقوع میں آنے کے ساتھ ہی ساتھ معدوم ہوتا رہتا ہے۔ پھر ان کا جمع ہونا اور تکرار کیا معنی رکھتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اگر اموفون میں آج کل لمبی چوڑی تقریریں بند کی جاتی ہیں۔ کیا وہ تقریریں اعراض میں سے نہیں؟ جن کا ایک حرف ہماری زبان سے اس وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس سے پہلا حرف نکل کر فنا ہو جائے۔ پھر یہ تقریر کا سارا مجموعہ اگر اموفون میں کس طرح جمع ہو گیا؟ اسی سے سمجھ لو کہ جو خدا اگر اموفون کے موجد کا بھی موجد ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ ہمارے کل اعمال کے مکمل ریکارڈ تیار رکھے جس میں سے ایک شوشہ اور ذرہ بھی غائب نہ ہو۔ رہا ان کا وزن کیا جانا تو نصوص سے ہم کو اس قدر معلوم ہو چکا ہے کہ وزن ایسی میزان (ترازو) کے ذریعہ سے ہو گا جس میں کفنتین اور لسان وغیرہ موجود ہیں۔ لیکن وہ میزان اور اس کے دونوں پلے کس نوعیت و کیفیت کے ہونگے اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہو گا؟ ان باتوں کا احاطہ کرنا ہماری عقل و افہام کی رسائی سے باہر ہے۔ اسی لئے ان کے جاننے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ بلکہ ایک میزان کیا اس عالم کی جتنی چیزیں ہیں بجز اس کے کہ ان کے نام ہم سن لیں اور ان کا کچھ اجمالی سا مفہوم جو قرآن و سنت نے بیان کر دیا ہو عقیدہ میں رکھیں، اس سے زائد تفصیلات پر مطلع ہونا ہماری حد پر واز سے خارج ہے کیونکہ جن قوانین و قوانین کے ماتحت اس عالم کا وجود اور نظم و نسق ہو گا۔ ان پر ہم اس عالم میں رہتے ہوئے کچھ دسترس نہیں پاسکتے اسی دنیا کی میزانوں کو دیکھ لو کتنی قسم کی ہیں۔ ایک میزان وہ ہے جس سے سونا چاندی یا موتی ملتے ہیں۔ ایک میزان سے غلہ اور سوختہ وزن کیا جاتا ہے۔ ایک میزان عام ریلوے اسٹیشنوں پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تولتے ہیں۔ ان کے ”سوا“ ”مقیاس الہوا“ ”یا“ ”مقیاس الحرارة“ وغیرہ بھی ایک طرح کی میزانیں ہیں جن سے ہوا اور حرارت وغیرہ کے درجات معلوم ہوتے ہیں۔ تھرمامیٹر ہمارے بدن کی اندرونی حرارت جو اعراض میں سے ہے تول کر بتلاتا ہے کہ اس وقت ہمارے جسم میں اتنے ڈگری حرارت پائی جاتی ہے۔ جب دنیا میں بیسیوں قسم کی جسمانی میزانیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں جس سے اعیان و اعراض کے اوزان و درجات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے تو اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک ایسی حسی میزان قائم کر دے جس سے ہمارے اعمال کے اوزان و درجات کا تفاوت صورثاً و حسیاً ظاہر ہوتا ہو۔

۸۔ اللہ نے روزیاں مقرر کیں: اور آیات کا انکار کرنا ہی ان کی حق تلفی ہے جسے یَطْلُوْنَ سے ادا فرمایا۔

۹۔ یہاں سے بعض آیات آفاقیہ و انفسیہ کا بیان شروع کیا ہے جس سے ایک طرف حق تعالیٰ کے وجود پر کارخانہ عالم کے حکیمانہ نظم و نسق سے استدلال اور احسانات و انعامات الہیہ کا تذکرہ فرما کر اس کی شکرگزاری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسری طرف نبوت کی ضرورت، انبیاء کی آمد، ان کی سیرت، انکے متبعین و مخالفین کا انجام جو اس سورت کا اصلی موضوع معلوم ہوتا ہے اس کے بیان کے لئے یہ آیات بطور توطیہ و تمہید کے مقدم کی گئی ہیں۔

۱۱۔ اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر حکم کیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا سب نے مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۙ فَسَجَدُوْۤا اِلَّا اِبْلِیْسَ ۗ لَمْ یَّكُنْ

مِّنَ السَّٰجِدِیْنَ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۗ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۗ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ کہا تو اتر یہاں سے [۱۰] تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں پس باہر نکل تو ذلیل ہے [۱۱]

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَّكِبَ ۗ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصَّٰغِرِیْنَ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ بولا کہ مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں

قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی [۱۲]

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ بولا تو جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا انکی تاک میں تیری سیدھی راہ پر [۱۳]

قَالَ فِیْۤ اَنْظِرْتَنِیْ لَاقِعِدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ پھر ان پر آؤں گا ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے [۱۴] اور نہ پائے گا تو اکثریوں کو ان میں شکر گزار [۱۵]

ثُمَّ لَا تَیْنَنَّهُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ وَّ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَّ عَنْ شَمَالِهِمْ ۗ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ

## شکراين ﴿۱۷﴾

۱۸۔ کہا نکل یہاں سے برے حال سے مردود ہو کر جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور بھر دوں گا دوزخ کو تم سب سے [۱۷]

مِنْهُمْ لَا مَلَائِكَةَ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْعَلِينَ ﴿۱۸﴾

۱۰۔ حق تعالیٰ سے ابلیس کا مکالمہ: ”یعنی تمہاری تخلیق سے پہلے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان کیا۔ پھر تمہارا مادہ پیدا فرمایا۔ پھر اس مادہ کو ایسا دلکش نقشہ اور حسین و جمیل صورت عطا کی جو کسی دوسری مخلوق کو عطا نہ کی گئی تھی۔ پھر اس تصویر خاکی کو وہ روح اور حقیقت مرحمت ہوئی جس کی بدولت تمہارے باپ آدم جن کا وجود تمام افراد انسانی کے وجود پر اجمالاً مشتمل تھا ”خلیفۃ اللہ“ و ”مسجود ملائکہ“ بنے۔ پھر جس نے اس وقت سجد تعظیمی سے سرتابی کی وہ مردود ازلی ٹھہرا، کیونکہ وہ سجد خلافت الہیہ کے نشان کے طور پر تھا۔ ”ملائکہ اللہ“ جو بحث و تمحیص اور صریح امتحان کے بعد آدم کی علمی فضیلت اور روحانی کمالات پر مطلع ہو چکے تھے حکم الہی سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور اس طرح خلیفۃ اللہ کے روبرو اپنے پروردگار حقیقی کی کامل وفا شعاری اور اطاعت پذیری کا ثبوت دیا۔ اور ابلیس لعین جو ناری الاصل جنی مگر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے زمرہ ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا، آخر کار اپنی اصل کی طرف لوٹا۔ اس کی نظر آدم کی مادی ساخت سے نَفَعْتُ فِيهِ مِنْ دُوْحِي (الحجر-۲۹) کے راز تک تجاوز نہ کر سکی۔ اسی لئے صریح حکم الہی کے مقابلہ پر اَنَا حَيُّ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ کا دعویٰ کرنے لگا۔ آخر اسی اباہ و استکبار اور نص صریح قطع کو محض رائے و ہوی سے رد کر دینے اور خدا سے بحث و مناظر ٹھان لینے کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے مرتبہ قرب سے نیچے گرا دیا اور رحمت الہیہ سے بہت دور پھینک دیا گیا۔ فی الحقیقت جس چیز پر اسے بڑا فخر تھا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے وہی اس کی ہلاکت ابدی کا سبب ہوئی آگ کا خاصہ خفت و حدت و سرعت و طیش اور علو و فساد ہے بخلاف مٹی کے کہ اس میں مستقل مزاجی، متانت اور متواضعانہ حلم و تثبت پایا جاتا ہے۔ ابلیس جو ناری الاصل تھا سجدہ کا حکم سن کر آگ بگولا ہو گیا اور رائے قائم کرنے میں تیزی اور جلد بازی دکھائی آخر تکبر و تعلیٰ کی راہ سے آتش حسد میں گر کر دوزخ کی آگ میں جا پڑا۔ برخلاف اس کے آدم سے جب غلطی ہوئی تو عنصر خاکی نے خدا کے آگے فرو تہی، خاکساری اور انقیاد و استکانت کی راہ دکھائی۔ چنانچہ ان کی استقامت و انابت نے ”ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ و ہدیٰ“ کا نتیجہ پیدا کیا۔ اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ ابلیس لعین نے مادی و عنصری لحاظ سے بھی اپنی تفضیل کے دعویٰ میں ٹھوکر کھائی۔ چنانچہ حافظ شمس الدین ابن القیم نے بدائع الفوائد میں پندرہ وجوہ سے مٹی کا آگ سے افضل ہونا ثابت کیا ہے۔ من شاء فلیراجعہ۔“

۱۱۔ جنت سے ابلیس کا خروج: یعنی جنت میں یا آسمانوں پر خدا کی وہ مخلوق رہ سکتی ہے جو خدا کی پوری مطیع و فرمانبردار ہونا فرمان متکبروں کے لئے وہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال ابلیس لعین عزت کے اس مقام سے جس پر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے اب تک فائز تھا، بڑا بول بولنے کی بدولت نیچے دکھیل دیا گیا۔ (تنبیہ) ابلیس کے مدت دراز تک زمرہ ملائکہ میں شامل رکھنے سے متنبہ کر دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے مکلفین میں کسی کی فطرت حتیٰ کی شیطان کی بھی ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف بدی کی طرف جانے کے لئے مجبور و مضطر ہو جائے بلکہ خبیث سے خبیث ہستی بھی اصل فطرت کے اعتبار سے اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اپنے کسب و اختیار سے نیکی اور پرہیزگاری میں انتہائی ترقی کر کے زمرہ ملائکہ میں جا لے۔

۱۲۔ ابلیس کو عمر دراز دینے کی حکمت: ”یعنی جب تو نے یہ درخواست کی تو سمجھ لے کہ یہ پہلے سے علم الہی میں طے شدہ ہے کہ تجھ کو مہلت دی جائے جب حکمت الہیہ مقتضی ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنی صفات کمالیہ و شہنشاہانہ عظمت و جبروت کا مظاہرہ کرے تو اس نے عالم کو پیدا فرمایا۔ اللہ

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (الطلاق-۱۲) یعنی زمین و آسمان کی تخلیق اور ان کے کل نظم و نسق سے مقصد یہ ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ اور علم محیط وغیرہ صفات کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔ اسی معرفت الہیہ کو آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات-۵۶) میں بعض سلف کی تفسیر کے موافق عبادت سے تعبیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تخلیق عالم سے یہ غرض بوجہ اتہم جب ہی پوری ہو سکتی ہے کہ مخلوقات میں اس کی ہر قسم کی صفات و کمالات کا اظہار ہو، اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ عالم میں مطیع و وفادار اور باغی و مجرم ہر قسم کی مخلوق موجود ہو۔ نیز اعداء اللہ کو پوری زور آزمائی اور ان کے پیدائشی اختیار و قوت کے تمام وسائل استعمال کرنے کی آخری حد تک مہلت و آزادی دی جائے۔ پھر انجام کار حکومت الہیہ کا لشکر غالب ہو۔ دشمن اپنے کینہ کردار کو پہنچیں اور بعد امتحان آخری کامیابی دوستوں کے ہاتھ رہے۔ اس کے بدون کل صفات کمالیہ کے ظاہر ہونے کی کوئی صورت نہیں پس خیر و شر اور منع خیر و شر کا پیدا کرنا، اسی حکمت سے ہے کہ جو غرض تخلیق عالم کی ہے یعنی “صفات کمالیہ کا مظاہرہ” وہ بغیر اس کے پوری نہ ہو سکتی تھی۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَبِذَلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود-۱۱۸-۱۱۹) اسی لئے ضروری ہوا کہ عدا و اکبر ابلیس لعین کو جو منع شر ہے پوری مہلت دی جائے کہ وہ تاقیام قیامت اپنے قوی و وسائل کو جی کھول کر استعمال کرے۔ لیکن یہ چیز ظاہر ہے کہ براہ راست اس محیط کل اور قادر مطلق کے مقابلہ پر ممکن نہ تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ خدا کی طرف سے بطور نیابت و خلافت ایک ایسی مخلوق مقابلہ پر لائی جائے جس سے ابلیس لعین کو آزادی کے ساتھ جنگ آزمائی کا موقع مل سکے۔ وَاجْلِبْ عَلَيْهِمُ بِخَبِيلِكَ وَرَجِّلِكَ وَشَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَدَّهُمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (بنی اسرائیل-۶۳) اور پھر جب تک وہ مخلوق حق نیابت اور وظیفہ خلافت ادا کرتی رہے، خاص شاہی فوج (ملائکہ) سے اس کو کمک پہنچائی جائے اور باوجود ضعف و قلت کے اپنے فضل و رحمت سے انجام کار دشمنوں کے مقابلہ میں مظفر و منصور کیا جائے پس خوب سمجھ لو کہ یہ زمین ابلیس اور آدم کا میدان جنگ ہے اور چونکہ پوری طرح جان توڑ مقابلہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ دونوں حریف ایک دوسرے سے خار کھائے ہوں اس لئے تکیوں بنا دو صورتیں ایسی پیش آگئیں جن سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی دشمنی جاگزیں ہو جائے۔ ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے کی بناء پر نیچے گرایا گیا اور آدم کو ابلیس کی وسوسہ اندازی کی بدولت جنت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ ان واقعات سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی عداوت کی جڑ قائم ہو کر معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ “والحرب سجال وانما العبرة للخوا تيم”

۱۳۔ انسان سے ابلیس کی دشمنی: یعنی رہزنیوں کی طرح ان کے ایمانوں پر ڈاکہ ماروں گا۔ جن کے سبب مجھے یہ روز بد دکھنا پڑا۔

۱۴۔ یعنی ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہوں گا۔ جہات اربعہ کا ذکر تعمیم جہات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

۱۵۔ یہ ابلیس لعین کا تخمینہ تھا جو صحیح نکلا۔ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (السبا-۲۰)۔

۱۶۔ “یعنی اکثر آدمی ناشکرے ہوں گے، تو ہمارا کیا بگاڑیں گے۔ انجام کار ان ہی تھوڑے وفاداروں کے لئے کامیابی اور فلاح ہو گی۔ اور ناشکروں کی کثرت دوزخ کی نذر ہو جائے گی۔ گویا اس طرح واضح کر دیا جائے گا کہ جنود الشیطان کی اس قدر کثرت بھی “خليفة الله” کے قلیل التعداد لشکر کو مغلوب و مقہور نہیں کر سکی۔

۱۹۔ اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ

جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ

گے گنہگار [۱۴]

وَيَادِمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ

حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا

## مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ پھر بہکایا ان کو شیطان نے تاکہ کھول دے ان پر وہ چیز کہ انکی نظر سے پوشیدہ تھی انکی شرمگاہوں سے اور وہ بولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اسی لئے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتہ یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے

فَوَسَّسَ لَهَا الشَّيْطَانُ يَبْدِي لَهَا مَا وَرَىٰ عَنْهَا مِنْ سَوَاتِحِهَا وَقَالَ مَا نَهَا رَبُّكَ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا

## مِنَ الخَالِدِينَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور انکے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا دوست ہوں

وَقَاسَمَهَا أَنِي لَكُمْ ابْنِ النَّصِيحِينَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ پھر مائل کر لیا انکو فریب سے [۱۸] پھر جب چکھا ان دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں ان پر شرمگاہیں انکی [۱۹] اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے [۲۰] اور پکارا انکو انکے رب نے کیا میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے

فَدَلَّسَهَا بَغْرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهَا سَوَاتِحُهَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۗ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ ۖ وَأَقُلُّ لَكُمْ إِنِّي الشَّيْطَانُ لَكُمْ عَدُوٌّ

## مُبِينٌ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ۖ وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ فرمایا تم اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے [۲۱] اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک

قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ فرمایا اسی میں تم زندہ رہو گے [۲۲] اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ وَ مِنْهَا

تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

۱۷۔ آدم علیہ السلام وحوالیہ السلام اور شجر ممنوعہ: ”آدم وحواء کو اجازت تھی کہ بلاروک ٹوک جو چاہیں کھائیں پیئیں۔ بجز ایک معین درخت کے جس کا کھانا ان کی بہشتی زندگی اور استعداد کے مناسب نہ تھا، اسے فرمادیا کہ اس کے پاس نہ جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ میرے نزدیک یہاں فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا ”پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے“ ظلم کے معنی نقصان اور کمی و کوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ وَكَمْ تَظْلِمُ مِنْهُ شَيْئًا (کہف-۲۳) میں۔

۱۸۔ آدم علیہ السلام وحوالیہ السلام کو اغوائے شیطانی: ”آدم وحواء شیطان کی قسموں سے متاثر ہوئے کہ خدا کا نام لے کر کون جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ شاید وہ سمجھے کہ وہ واقعی اس کے کھانے سے فرشتے بن جائیں گے یا پھر کبھی فنا نہ ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ نے جو نبی فرمائی تھی، اس کی تعلیل یا تاویل کر لی ہو گی۔ لیکن غالباً فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ اور اِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجُكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْفَى (طہ-۱۱۷) وغیرہ سے نسیان ہوا، اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب وہ مسجد ملائکہ بنائے جا چکے، پھر ملک بننے کی کیا ضرورت رہی۔ فَتَنَسَى وَكَمْ نَجِدُ لَدَا عَزَمًا (طہ-۱۱۵) واضح ہو کہ امر و نہی کبھی تو تشریحاً ہوتے ہیں اور کبھی شفقتاً اس کو یوں سمجھو کہ مثلاً ایک توریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنے کی ممانعت ہے، یہ تو قانونی حیثیت رکھتی ہے جس کا اثر کمپنی کے حقوق پر پڑتا ہے اور ایک جو گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے کہ ”مت تھو کو اس سے بیماری پھیلتی ہے“ یہ نہیں شفقتاً ہے جیسا کہ بیماری پھیلنے کی تعلیل سے ظاہر ہے۔ اسی طرح خدا کے اوامر و نواہی بعض تشریحی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم سمجھا جاتا ہے اور جن کا ارتکاب کرنا ان حقوق کے منافی ہے جن کی حفاظت کرنا تشریح کا منشاء تھا۔ دوسرے وہ اوامر و نواہی ہیں جن کا منشاء تشریح نہیں محض شفقت ہے جیسا کہ طب نبوی وغیرہ کی بہت سی احادیث میں علماء نے تصریح کی ہے۔ شاید آدم نے اکل شجرہ کی ممانعت کو نہی شفقت سمجھا، اسی لئے شیطان کی وسوسہ اندازی کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنے کو زیادہ بھاری خیال نہ کیا مگر چونکہ انبیاء کی چھوٹی سی لغزش بھی ان کے مرتبہ قرب کے لحاظ سے عظیم و ثقیل بن جاتی ہے اس لئے اپنی غلطی کا ظاہری نقصان اٹھانے کے علاوہ مدت دراز تک توبہ و استغفار میں مشغول گریہ و بکا رہے۔ آخر کار ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدَاهِ (طہ-۱۲۲) کے نتیجہ پر پہنچ گئے بود آدم دیدہ نور قدیم۔ موے دریدہ بود کوہ عظیم۔“

۱۹۔ جنت کے لباس کا اترا نا: ”یعنی عدول حکمی کر اگر لباس بہشتی ان پر سے اترا دیا۔ کیونکہ جنتی لباس حقیقت میں لباس تقویٰ کی ایک محسوس صورت ہوتی ہے کسی ممنوع کے ارتکاب سے جس قدر لباس تقویٰ میں رخنہ پڑے گا اسی قدر جنتی لباس سے محرومی ہو گی۔ غرض شیطان نے کوشش کی کہ عصیان کر کر آدم کے بدن سے بطریق مجازات جنت کا خلعت فاخرہ اترا دے۔ یہ میرا خیال ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے نزع لباس کو اکل شجرہ کے ایک طبعی اثر کے طور پر لیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ”حاجت استنجا اور حاجت شہوت جنت میں نہ تھی ان کے بدن پر کپڑے تھے جو کبھی اترتے نہ تھے کیونکہ حاجت اتارنے کی نہ ہوتی تھی۔ آدم وحواء اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے جب یہ گناہ ہوا تو لازم بشری پیدا ہوئے اپنی حاجت سے خبردار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے ”گویا اس درخت کے کھانے سے جو پردہ انسانی کمزوریوں پر تھا وہ اٹھ گیا سو آقا کے لغوی معنی میں بہت وسعت ہے قابیل ہابیل کے قصہ میں سَوَاءٌ اَخِيهِ فرمایا اور حدیث میں ہے اِخْدَى سَوَاءٌ تِلْكَ يَا مَقْدَاد اب تک آدم کی

نظر میں صرف اپنی سادگی اور معصومیت تھی اور ابلیس کی نظر میں صرف اس کی خلقی کمزوریاں تھیں لیکن اکل شجرۃ کے بعد آدم کو اپنی کمزوریاں پیش نظر ہو گئیں اور جب اس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ و انابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو ان کے اعلیٰ کمال اور انتہائی نجابت و شرافت کا مشاہدہ ہو گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ مخلوق لغزش کھا کر بھی میری مار کھانے والی نہیں۔ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر-۴۲) شاید اسی لحاظ سے تورات میں ابن قتیبہ صاحب معارف کی نقل کے موافق اس درخت کو ”شجرۃ علم الخیر والشر“ سے موسوم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔“

۲۰۔ یعنی برہنہ ہو کر شرمائے اور پتوں سے بدن ڈھانپنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آدمی پیدائش کے وقت نگاہ ہوتا ہے مگر فطری حیالنگ ہے کہ نگار ہے۔

۲۱۔ ہبوط آدم علیہ السلام: مفسرین کے نزدیک یہ خطاب آدم و حوا اور ابلیس سب کو ہے کیونکہ اصل عداوت آدم اور ابلیس کی ہے اور اس عداوت کا دنگل ہماری زمین بنائی گئی جس کی خلافت آدم کے سپرد ہوئی تھی۔

۲۲۔ ایک اشکال اور اس کا جواب: یعنی عموماً تمہارا مسکن اصلی و معتاد یہ ہی زمین ہے۔ اگر خرق عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لئے اس سے اوپر اٹھالیا جائے مثلاً حضرت مسیح، تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لئے زمین سے جدا ہو کر ہوئی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجئے وہیں مر جائے وہ فیہا تَحْمِيْوْنَ وَ فِيْہَا تَمُوْتُوْنَ کے خلاف ہو گا؟ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ مِنْہَا خَلَقْنٰکُمْ وَ فِيْہَا نُعِيْدُکُمْ وَ مِنْہَا نُخْرِجُکُمْ (طہ-۵۵) جو اموات زمین میں مدفون نہ ہوں ان کو فیہا نُعِيْدُکُمْ الخ میں کیسے داخل کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے قضا یا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوئے۔

۲۶۔ اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے [۲۳] اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے [۲۴] یہ نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی تاکہ وہ لوگ غور کریں [۲۵]

يٰۤاِبْنٰی اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوَاتِکُمْ وَ رِیْشًا ۙ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیْرٌ ۗ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّہُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۷۔ اے اولاد آدم کی نہ بہکائے تم کو شیطان جیسا کہ اس نے نکال دیا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے اتروائے ان سے ان کے کپڑے [۲۶] تاکہ دکھلائے انکو شرمگاہیں انکی وہ دیکھتا ہے تم کو اور اسکی قوم جہاں سے تم انکو نہیں دیکھتے [۲۷] ہم نے کر دیا شیطانوں کو رفیق ان لوگوں کا جو ایمان نہیں لاتے [۲۸]

يٰۤاِبْنٰی اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَا اَخْرَجَ اٰبَیْکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْہُمَا لِبَاسَہُمَا لِیُرِیَہُمَا سَوَاتِہُمَا ۗ اِنَّہُ یَرِکُمُ هُوَ وَ قَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیْطٰنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾



۲۳۔ لباس اور پوشاک کا نزول: اتارنے سے مراد اس کا مادہ پیدا کرنا اور اس کے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے۔ گو اتارنے کا لفظ اکثر اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے۔ مگر بہت دفعہ اس سے مکانی فوق و تحت مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ جو مرتبہ کے اعتبار سے اونچا ہو، اس کی طرف سے کوئی چیز نیچے والوں کو عطا کئے جانے پر بھی یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا وَ أَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَلَاثِينَ أَزْوَاجًا يَا أَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ (الحديد۔ ۲۵)

۲۴۔ روحانی لباس تقویٰ: یعنی اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن کا استریا تزیین ہوتا ہے۔ ایک معنوی پوشاک بھی ہے جس سے انسان کی باطنی کمزوریاں جن کے ظاہر کرنے کی اس میں استعداد پائی جاتی تھی پر وہ اخفا میں رہتی ہیں، منصرہ ظہور و فعلیت پر نہیں آنے پاتیں اور یہ ہی معنوی پوشاک جسے قرآن نے لباس التقویٰ فرمایا، باطن کی زینت و آرائش کا ذریعہ بنتی ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اسی باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لئے شرعاً مطلوب ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ دشمن نے جنت کے کپڑے تم سے اتروائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں تدبیر لباس کی سکھادی اب وہ ہی لباس پہنو جس میں پرہیز گاری ہو۔ یعنی مرد لباس ریشمی نہ پہنے اور دامن دراز نہ رکھے اور جو منع ہوا ہے سونہ کرے اور عورت بہت باریک نہ پہنے کہ لوگوں کو بدن نظر آئے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔

۲۵۔ یعنی ان نشانات میں غور کر کے حق تعالیٰ کے قادرانہ انعام و اکرام کے معترف اور شکر گزار ہوں۔

۲۶۔ اخراج و نزاع کی اضافت ان کے سبب کی طرف کی گئی۔ یعنی آدم و حوا کو جنت سے علیحدہ کرنے اور کپڑے اتارے جانے کا سبب وہ ہوا، اب تم اس کے فریب میں مت آؤ اور اس کی مکاریوں سے ہشیار رہو۔

۲۷۔ شیطان سے حفاظت کا طریقہ: ”یعنی جو دشمن ہم کو اس طرح دیکھ رہا ہو کہ ہماری نظر اس پر نہ پڑے اس کا حملہ سخت خطرناک اور مدافعت سخت دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے تم کو بہت مستعد و بیدار رہنا چاہیے۔ ایسے دشمن کا علاج یہ ہی ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کی پناہ میں آجائیں جو اسے دیکھتی ہے پر وہ اسے نہیں دیکھتا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الانعام۔ ۱۰۳) (تنبیہ) إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ قَضِيَةٌ مَلَطَقَهُ دَائِمَةٌ نَهَيْتُمْ۔ یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت بھی کوئی شخص کسی صورت میں ان کو نہ دیکھ سکے۔ پس آیت سے ”رویت جن کی بالکلیہ نفی پر استدلال کرنا کوتاہ نظری ہے۔“

۲۸۔ یعنی جب انہوں نے اپنی بے ایمانی سے خود شیطاں کی رفاقت کو اپنے لئے پسند کر لیا۔ جیسا کہ چند آیات کے بعد آ رہا ہے إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيْطَانَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنََّّهُمْ مُّهْتَدُونَ تو ہم نے بھی اس انتخاب میں مزاحمت نہیں کی۔ جس کو انہوں نے اپنا رفیق بنا نا چاہا اسی کو رفیق بنا دیا گیا۔

۲۸۔ اور جب کرتے ہیں کوئی برا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا اسی طرح کرتے اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے بھی ہم کو یہ حکم کیا ہے تو کہہ دے کہ اللہ حکم نہیں کرتا برے کام کا کیوں لگاتے ہو اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں [۲۹]

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَ  
اللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ط

أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم کر دیا ہے انصاف کا [۳۰] اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اسکو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر [۳۱] جیسا تم کو پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی پیدا ہو گے [۳۲]

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ لَكُمْ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ ایک فرقہ کو ہدایت کی اور ایک فرقہ پر مقرر ہو چکی مگر ابھی انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں [۳۳]

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيْطَانَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ وَ يَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اے اولاد آدم کی لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور بیجا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے [۳۳]

يُبْنِي آدَمَ خُدُودًا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَ كُلُوا وَ اشْرَبُوا وَ لَا تُسْرِفُوا ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾

۲۹۔ فواحش کی مذمت: یعنی برے اور بے حیائی کے کام مثلاً مرد و عورت کا برہنہ طواف کرنا، جو ان آیات کی شان نزول ہے، جن سے عقل سلیم اور فطرت صحیحہ نفرت کرتی ہے۔ خدائے قدوس کی شان نہیں کہ ان کی تعلیم دے۔ وہ تو پاکی اور حیا کا سرچشمہ ہے۔ گندے اور بے حیائی کے کاموں کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔ اصل میں بے حیائی اور برائی کی تعلیم دینے والے وہ شیاطین ہیں جن کو انہوں نے اپنا رفیق بنا رکھا ہے۔ دیکھو تمہارے سب سے پہلے ماں باپ کو شیطان نے فریب دے کر برہنہ کرایا۔ مگر وہ شرم و حیا کے مارے درختوں کے پتے بدن پر لپٹنے لگے معلوم ہوا کہ برہنگی شیطان کی جانب سے اور تتر کی کوشش تمہارے باپ کی طرف سے ہوئی۔ پھر برہنہ طواف کرنے پر باپ دادوں کی سند لانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز بقول حضرت شاہ صاحبؒ سن چکے کہ پہلے باپ نے شیطانوں کا فریب کھایا پھر باپ کی کیوں سند لاتے ہو یہ کس قدر بے حیائی کی بات ہے کہ جو کام شیطان کے حکم سے ہو رہا ہے اسے کہا جائے کہ ہم کو خدانے یہ حکم دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۳۰۔ روح المعانی میں ہے القسط علی ما قال غیر واحد العدل وهو الوسط من کل شیء المتجانی عن طرفی الافراط والتفریط آیت کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے ہر کام میں توسط و اعتدال پر رہنے اور افراط و تفریط سے بچنے کی ہدایت کی ہے پھر بھلا فواحش کا حکم کیسے دے سکتے ہیں۔

۳۱۔ اخلاص کا حکم: "مترجم محقق نے مسجد کو غالباً مصدر میمی بمعنی سجدے کر تجوزاً نماز کا ترجمہ کیا ہے اور "وجوہ" کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے۔ یعنی نماز ادا کرنے کے وقت اپنا منہ سیدھا (کعبہ کی طرف) رکھو۔ مگر دوسرے بعض مفسرین و اَقِیْمُوا وُجُوهَكُمْ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ خدا کی

عبادت کی طرف ہمیشہ استقامت کے ساتھ دل سے متوجہ رہو۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادات میں سیدھے رہو۔ جو راستہ پیغمبر ﷺ کا ہے اس سے ٹیڑھے ترچھے نہ چلو۔ عبادت کی مقبولیت دوہی چیزوں پر موقوف تھی خدا کے لئے ہو۔ جس کو آگے فرمادیا۔ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اور اس مشروع طریق کے موافق ہو جو انبیاء و مرسلین نے تجویز فرمایا ہے۔ اس کو اَقْبِيْمُوا وُجُوْهُكُمْ میں ادا کیا گیا۔ بہر حال اس آیت میں اوامر شریعہ کی تمام انواع کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو بندوں کے معاملات سے متعلق ہیں وہ سب ”قسط“ میں آگئے اور جن کا تعلق خدا سے ہے اگر قلبی ہیں تو اَقْبِيْمُوا وُجُوْهُكُمْ میں اور قلبی ہیں تو وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ میں مندرج ہو گئے۔

۳۲۔ یعنی انسان کو اعتدال، استقامت اور اخلاص کی راہوں پر چلنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ موت کے بعد دوسری زندگی ملنے والی ہے جس میں موجودہ زندگی کے نتائج سامنے آئیں گے اس کی فکر ابھی سے ہونی چاہیے۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر-۱۸)۔

۳۳۔ یعنی جن پر گمراہی مقرر ہو چکی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست اور رفیق ٹھہرا لیا ہے۔ اور تماشا یہ ہے کہ اس صریح گمراہی کے باوجود سمجھتے یہ ہیں کہ ہم خوب ٹھیک چل رہے ہیں اور مذہبی حیثیت سے جو روش اور طرز عمل ہم نے اختیار کر لیا ہے وہ ہی درست ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ اَلَّذِيْنَ صَلَّى سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (کہف-۱۰۴) (تنبیہ) آیت کے عموم سے ظاہر ہوا کہ کافر معاند کی طرح کافر منطقی بھی جو واقع اپنی غلط فہمی سے باطل کو حق سمجھ رہا ہو فَرِيْقًا هٰذَا وَفَرِيْقًا حَقٌّ عَلَيْهِمُ الصَّلٰةُ میں داخل ہے، خواہ یہ غلط فہمی پوری طرح غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے ہو، یا اس لئے کہ گو اس نے بظاہر پوری قوت غور و فکر میں صرف کر دی، لیکن ایسے صریح اور واضح حقائق تک نہ پہنچنا خود بتلاتا ہے کہ فی الحقیقت اس سے قوت فکر و استدلال کے استعمال میں کوتاہی ہوئی ہے۔ گویا جن چیزوں پر ایمان لانا مدار نجات ہے وہ اس قدر روشن اور واضح ہیں کہ ان کے انکار کی بجز عناد یا تصور فکر و تامل کے اور کوئی صورت نہیں۔ بہر حال کفر شرعی ایک ایسا سنگھیا (زہر) ہے جو جان بوجھ کر یا غلط فہمی سے کسی طرح بھی کھایا جائے انسان کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ ”اہل السنن والجماعت“ کا مذہب یہ ہی ہے اور ”روح المعانی“ میں جو بعض اختلاف اس مسئلہ میں نقل کیا ہے، اس بعض سے مراد جاحظ و عنبری ہیں جو اہل السنن والجماعت میں داخل نہیں بلکہ باوجود ”معتزلی“ کہلائے جانے کے خود معتزلی کو بھی ان کے اسلام میں کلام ہے۔ اسی لئے صاحب روح المعانی نے ان کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھ دیا۔ ”وللہ تعالیٰ الحجة البالغة والتزام ان کل کافر معاند بعد البعثت و ظہور امر الحق کفار علی علم اھ“

۳۴۔ لباس کی ضرورت و اہمیت: ”یہ آیات ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئیں جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اسے بڑی قربت اور پرہیزگاری سمجھتے تھے۔ اور بعض اہل جاہلیت ایام حج میں سدر مق سے زائد کھانا اور گھی یا چکنائی وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیتے تھے۔ بعضوں نے بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کر رکھا تھا۔ ان سب کو بتلادیا کہ یہ کوئی نیکی اور تقویٰ کی باتیں نہیں۔ خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تندر اور آرائش ہے اس کی عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابل استعمال ہے تاکہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اس کی نعمتوں کا اثر لے کر حاضر ہو، خدا نے جو کچھ پہننے اور کھانے پینے کو دیا ہے اس سے تمتع کرو۔ بس شرط یہ ہے کہ اسراف نہ ہونے پائے۔“ اسراف کے معنی ہیں۔ ”حد سے تجاوز کرنا“ جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً حلال کو حرام کر لے، یا حلال سے گذر کر حرام سے بھی تمتع ہونے لگے۔ یا اناپ شناپ بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گر پڑے، یا بدون اشتہا کے کھانے لگے، یا ناوقت کھائے۔ یا اس قدر کم کھائے جو صحت جسمانی اور قوت عمل کے باقی رکھنے کے لئے کافی نہ ہو، یا مضر صحت چیزیں استعمال کرے وغیرہ ذلک۔ لفظ ”اسراف“ ان سب

امور کو شامل ہو سکتا ہے۔ بیجا خرچ کرنا بھی اس کی ایک فرد ہے۔ اسی تعیم کے لحاظ سے بعض سلف نے فرمایا کہ ”جمع اللہ الطب کله فی نصف آية“ (خدا نے ساری طب آدھی آیت میں اکٹھی کر دی)

۳۲۔ تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں قیامت کے دن اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیتیں انکے لئے جو سمجھتے ہیں [۳۵]

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَ الطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نَفِصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ تو کہہ دے میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بیجائی کی باتوں کو جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو [۳۶] اور ناحق زیادتی کو اور اس بات کو کہ شریک کرو اللہ کا ایسی چیز کو کہ جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور اس بات کو کہ لگاؤ اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں [۳۷]

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ وَ الْإِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ أَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَ أَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور ہر فرقے کے واسطے ایک وعدہ ہے پھر جب آ پہنچے گا ان کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے [۳۸]

وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَ لَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ دنیا کی نعمتیں مومنین کے لئے ہیں: ”عالم کی تمام چیزیں اسی لئے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی ان سے مناسب طریقہ سے متفع ہو کر خالق جل و علا کی عبادت، وفاداری اور شکر گزاری میں مشغول ہو اس اعتبار سے دنیا کی تمام نعمتیں اصل میں مومنین و مطیعین ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ البتہ کافروں کو بھی ان چیزوں سے روکا نہیں گیا وہ بھی اپنے اعمال و تدابیر سے دنیاوی مفاد حاصل کر لیتے ہیں بلکہ جب اہل ایمان قوت ایمان و تقویٰ میں کمزور ہوں تو یہ غاصبین اپنی عملی تگ و دو میں بظاہر زیادہ کامیاب معلوم ہوتے ہیں، جسے کچھ تو کفار کے اعمال فانیہ کا ثمرہ سمجھنا چاہئے اور کچھ مومنین کے حق میں تنبیہ و توبیح من کان یرید الحیوة الدنیا و زینتها نوف الیہم اعبالہم فیہا و ہم فیہا لا یبصسون۔ اُولَئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِیْهَا وَ بَطِلَ مَا كَانُوا یَعْمَلُونَ (ہود۔ ۱۶-۱۵) رہی آخرت کی نعماء وہ خالص اہل ایمان کا حصہ ہے۔ بعض علماء نے خالصتہ یوم القیامۃ کے معنی یہ لئے ہیں کہ دنیوی نعمتیں خالص نہیں کیونکہ ان کے ساتھ بہت سے غم و فکر اور

کلفتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ آخرت کی نعمتیں ہر قسم کی کدورات سے خالی ہوں گی۔ اور ابن عباس سے ”در منثور“ میں آیت کے معنی یہ نقل کئے ہیں کہ دنیوی نعمتیں اس شان سے کہ آخرت میں وبال نہ بنیں صرف مومنین کے لئے ہیں کفار کے حق میں یہاں کا تعتم ان کے کفر و حق ناشناسی کی وجہ سے عذاب و وبال بن جائے گا۔

۳۶۔ ”اثم“ سے عام گناہ مراد ہیں اور بعض مخصوص گناہوں کو مناسبت مقام یا اہمیت کی وجہ سے بیان فرما دیا اور بعض کے نزدیک ”اثم“ وہ گناہ ہے جس کا تعلق گناہ کرنے والے کے سوا دوسرے لوگوں سے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔“

۳۷۔ جیسا کہ فحشاء کے متعلق کہتے تھے ”واللہ امرنا ہا“

۳۸۔ ایک شبہ اور اس کا جواب: ”بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ جب وعدہ کا وقت آپہنچا تو تاخیر کا امکان عقلی تھا اس لئے نفی ضروری ہوئی مگر تقدیم تو عقلاً ممکن ہی نہیں۔ اس کی نفی سے کیا فائدہ ہے۔ اسی شبہ کی وجہ سے بعض مفسرین نے لَا يَسْتَقْدِمُونَ کا عطف شرطیہ إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ الخ پر مانا ہے اور بعض نے جَاءَ أَجْلُهُمْ سے قرب و دنومراد لیا ہے میرے نزدیک ان تکلفات کی حاجت نہیں۔ محاورات میں کسی ایسی چیز کو جس کے مقابل دو طرفیں ہوں، زور اور تاکید سے ثابت کرنے کے لئے بسا اوقات ایک طرف کی جو محتمل الثبوت ہو۔ نفی مقصود ا کی جاتی ہے اور دوسری طرف کی جو پہلے سے غیر محتمل ہے، نفی کو محض مبالغہ تاکید اور تھمسن کلام کے طور پر استطراد ذکر کر دیتے ہیں۔ ایک خریدار دوکاندار سے کسی چیز کی قیمت معلوم کر کے کہتا ہے کہ ”کچھ کم و بیش“ وہ دوکاندار بھی کہہ دیتا ہے کہ ”کم و بیش نہیں ہو سکتا“ دونوں جگہ ”کم“ کا ذکر مقصود ہے اور ”بیش“ کا لفظ محض تعین قیمت کی تاکید و مبالغہ کے لئے استطراد ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں غرض اصلی کلام سے یہ ہے کہ خدا کا وعدہ جب آپہنچے تو پھر اٹل ہے ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ مقصود تاخیر کی نفی کرنا ہے۔ تقدیم جو پہلے سے ظاہر الانقضاء تھی اس کی نفی کرنا محض وعدہ کے اٹل ہونے پر زور ڈالنے کا ایک پیرایہ ہے۔ یعنی خدا پر افترا کرنے والے اور اس کی طرف نسبت کر کے حرام کو حلال بنانے والے خدا کی ڈھیل پر مغرور و بے فکر نہ ہوں، ہر امت اور ہر فرد کی خدا کے یہاں ایک معین مدت ہے، جب سزا کی گھڑی آجائے گی پھر اٹل نہ سکے گی۔

۳۵۔ اے اولاد آدم کی اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں کے کہ سنائیں تم کو آئیں میری توجہ کوئی ڈرے اور نیکی پڑے تو نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

يُبْنَىٰ اٰدَمَ اِمَّا يٰتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقْضُونَ  
عَلَيْكُمْ اٰيَاتِي ۗ فَمِنَ اتَّقَىٰ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے وہی ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے [۳۹]

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا  
اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا جھٹلائے اسکے حکموں کو [۴۰] وہ لوگ ہیں کہ ملے گا ان کو جو انکا حصہ لکھا ہوا ہے کتاب میں [۴۱] ہاں تک کہ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا وَاَوْ كَذَّبَ  
بِآيٰتِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۗ ط

جب پہنچیں ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے انکی جان لینے کو تو کہیں کیا ہوئے وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے سو اللہ کے بولیں گے وہ ہم سے کھوئے گئے اور اقرار کر لیں گے اپنے اوپر کہ بیشک وہ کافر تھے [۳۲]

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۖ قَالُوا آيِنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿٣٢﴾

۳۸۔ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ہمراہ اور امتوں کے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں جن اور آدمیوں میں سے دوزخ کے اندر [۳۳] جب داخل ہو گی ایک امت تو لعنت کرے گی دوسری امت کو [۳۴] یہاں تک کہ جب گر چکیں گے اس میں سارے تو کہیں گے انکے پچھلے پہلوں کو اے رب ہمارے ہم کو انہی نے گمراہ کیا سو تو انکو دے دونا عذاب آگ کا فرمائے گا کہ دونوں کو دو گنا ہے لیکن تم نہیں جانتے [۳۵]

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْدِكُمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۗ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا ۗ حَتَّىٰ إِذَا دَارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا ۗ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولِهِمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَاتِهِمْ عَذَابًا ۗ ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۗ قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٍ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ اور کہیں گے ان کے پہلے پچھلوں کو پس کچھ نہ ہوئی تم کو ہم پر بڑائی اب چکھو عذاب بسبب اپنی کمائی کے [۳۶]

وَقَالَتْ أُؤْلَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فذوقوا العذاب بما كنتم تكسبون ﴿٣٩﴾

۳۹۔ دنیا میں پیغمبروں کی بعثت کا وعدہ: ابن جریر نے ابو یسار سلمیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یٰبَنِيَّ اٰدَمَ اِمَّا يٰتَيْنٰكُمْ الخ کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ قُلْنَا اٰهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا يٰتَيْنٰكُمْ مِّنِّيْ هٰذِي (البقرہ۔ ۳۸) الخ اور بعض محققین کے نزدیک جو خطاب ہر زمانہ میں ہر قوم کو ہوتا رہا، یہ اس کی حکایت ہے میرے نزدیک دور کو پہلے سے جو مضمون چلا آ رہا ہے اس کی ترتیب و تنسیق خود ظاہر کرتی ہے کہ جب آدم و حوا اپنے اصلی مسکن (جنت) سے جہاں ان کو آزادی و فراخی کے ساتھ بلا روک ٹوک زندگی بسر کرنے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ عارضی طور پر محروم کر دیے گئے تو ان کی مخلصانہ توبہ و انابت پر نظر کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس حرمان کی تلافی اور تمام اولاد آدم کو اپنی آبائی میراث واپس دلانے کے لئے کچھ ہدایات کی جائیں۔ چنانچہ ہبوط آدم کا قصہ ختم کرنے کے

بعد مَعَايِينِيۡ اَدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْنٰكَ لِبَاسًا اَلْح سے خطاب شروع فرما کر تین چار رکوع تک ان ہی ہدایات کا مسلسل بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں کل اولاد آدم کو گویا ایک وقت موجود تسلیم کر کے عام خطاب کیا گیا ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد ہم نے بہشتی لباس و طعام کی جگہ تمہارے لئے زمینی لباس و طعام کی تدبیر فرمادی جو جنت کی خوشحالی اور بے فکری یہاں میسر نہیں تاہم ہر قسم کی راحت و آسائش کے سامان سے منتفع ہونے کا تم کو موقع دیا تاکہ تم یہاں رہ کر اطمینان سے اپنا مسکن اصلی اور آبائی ترکہ واپس لینے کی تدبیر کر سکو۔ چاہئے کہ شیطان لعین کے مکر و فریب سے ہشیار رہو۔ کہیں ہمیشہ کے لئے تم کو اس میراث سے محروم نہ کر دے بیچینی اور اٹم وعدوان سے بچو۔ اخلاص و عبودیت کا راستہ اختیار کرو۔ خدا کی نعمتوں سے تمتع کرو مگر جو حدود و قیود مالک حقیقی نے عائد کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ پھر دیکھو ہر قوم اپنی اپنی مدت موعودہ پوری کر کے کس طرح اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جاتی ہے اس اثناء میں اگر خدا کسی وقت تم ہی میں سے اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے جو خدا کی آیات پڑھ کر سنائیں جن سے تم کو اپنے باپ کی اصلی میراث (جنت) حاصل کرنے کی ترغیب و تذکیر ہو اور مالک حقیقی کی خوشنودی کی راہیں معلوم ہوں، ان کی پیروی اور مدد کرو۔ خدا سے ڈر کر برے کاموں کو چھوڑو اور اعمال صالح اختیار کرو۔ تو پھر تمہارا مستقبل بالکل بے خوف و خطر ہے۔ تم ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں سکھ اور امن و اطمینان کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہاں اگر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کر کے ان پر عمل کرنے سے کترائے تو مسکن اصلی اور آبائی میراث سے دائمی محرومی اور ابدی عذاب و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ بہر حال جو لوگ اس آیت سے ختم نبوت کی نصوص قطعیہ کے خلاف قیامت تک کے لئے انبیاء و رسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں ان کے لئے اس جگہ کوئی موقع اپنی مطلب براری کا نہیں۔

۴۰۔ ہبوط آدم علیہ السلام: یعنی ان سچے پیغمبروں کی تصدیق کرنا ضروری ہے جو واقعی خدا کی آیات سناتے ہیں باقی جو شخص پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کرے اور جھوٹی آیات بنا کر خدا پر افتراء کرے یا کسی سچے پیغمبر کو اور اس کی لائی ہوئی آیات کو جھٹلائے ان دونوں سے زیادہ ظالم کوئی نہیں۔

۴۱۔ یعنی دنیا میں عمر و رزق وغیرہ جتنا مقدر ہے یا یہاں کی ذلت و رسوائی جو ان کے لئے لکھی ہے وہ پہنچے گی۔ پھر مرتے وقت اور مرنے کے بعد جو گت بنے گی اس کا ذکر آگے آتا ہے اور اگر نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ سے دنیا کا نہیں عذاب آخروی کا حصہ مراد لیا جائے تو حَقِّيۡ اِذَا جَاءَتْهُمْ سے اس پر تنبیہ ہوگی کہ اس عذاب کے مبادی کا سلسلہ اسی دنیوی زندگی کے آخری لمحات سے شروع ہو جاتا ہے۔

۴۲۔ یعنی جب فرشتے نہایت سختی سے ان کی روح قبض کر کے برے حال سے لے جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ خدا کے سوا جن کو تم پکارا کرتے تھے وہ کہاں گئے جو اب تمہارے کام نہیں آتے، انہیں بلاؤ تاکہ اس مصیبت سے تمہیں چھڑائیں۔ اس وقت کفار کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہم سخت غلطی میں پڑے تھے کہ ایسی چیزوں کو معبود و مستعان بنا یا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ آج ہماری اس مصیبت میں ان کا کہیں پتہ نہیں لیکن یہ ناوقت کا اقرار و ندامت کیا نفع دے سکتا ہے۔ حکم ہو گا اِذْ خُلُوۡا فِيۡٓ اٰمِهٖمۡ اَلْحٰبِقِۡ بَاقِیۡ بَعْضِ مَوَاضِعِۢمِۡنَ جَوَٰرِدِہٖۡ کہ وہ اپنے کفر و شرک سے انکار کریں گے، اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ قیامت میں مواقف اور احوال مختلف ہونگے اور جماعتیں بھی بے شمار ہوں گی۔ کہیں ایک موقف یا ایک جماعت کا ذکر ہے کہیں دوسری کا۔

۴۳۔ یعنی آگے پیچھے سب کفار کو دوزخ ہی میں داخل ہونا ہے۔

۴۴۔ دوزخ میں امتوں کی ایک دوسرے پر لعنت: یعنی اس مصیبت میں باہم ہمدردی تو کیا ہوتی، دوزخی ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔ شاید اتباع اپنے سرداروں سے کہیں کہ تم پر خدا کی لعنت ہو تم اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبے اور سردار اتباع سے کہیں کہ ملعونو! اگر ہم گڑھے میں گر پڑے تھے تو تم کیوں اندھے بن گئے۔ وغیر ذلک۔

۴۵۔ یعنی ایک حساب سے پہلوں کا گناہ دگنا کہ خود گمراہ ہوئے اور دوسرے آنے والوں کے لئے راہ ڈالی۔ اور ایک طرح پچھلوں کو دگنا کہ خود

بہکے اور پہلوں کا حال دیکھ سن کر عبرت حاصل نہ کی۔ یا چونکہ ہر دوزخی کا عذاب اپنے اپنے درجہ کے موافق و متناسباً بڑھتا رہتا ہے گا اس لئے فرمایا کہ ہر ایک کا عذاب دگنا ہوتا چلا جائے گا۔ ابھی آغاز تعذیب میں تمہیں انجام کی خبر نہیں یعنی پہلوں کا عذاب دگنا کر دینے سے تم پچھلوں کو کوئی شفاء اور راحت نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ لکل ضعف سے دونوں مراد لئے جائیں۔ لیکن ابن کثیر کے نزدیک اس آیت میں پچھلوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ بیشک ہم نے پہلوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے درجہ کے موافق دگنا ہی عذاب رکھا ہے جیسا کہ دوسری جگہ خبر دی ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوا عَنِ سَبِيْلِ اللّٰهِ زٰنِهِيْنَ عَدٰۤاِبًا فَوْقَ الْعَدٰۤاِبِ (نحل-۸۸) وَ لِيَحٰۤسِبُنَّ اَلْاِنۡفٰلٰةَ مَعۡ اَلۡاِنۡفٰلِيۡهِمْ (عنکبوت-۱۳) وَ مِّنۡ اٰزۡرٰۤاۡرِ الَّذِيۡنَ يُضِلُّوۡنَهُمْ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ (نحل-۲۵)

۴۶۔ یعنی ہماری سزا میں اضافہ کی درخواست کر کے تمہیں کیا مل گیا؟ کیا تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہوگئی؟ نہیں تم کو بھی اپنی کر توت کا مزہ چکھنا ہے۔

۴۰۔ بیشک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان کے مقابلہ میں تکبر کیا نہ کھولے جائیں گے انکے لئے دروازے آسمان کے [۴۷] اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں [۴۸] اور ہم یوں بدلا دیتے ہیں گنہگاروں کو

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِآيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوۡا عَنْهَا لَا تُفۡتَحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمٰۤاِءِ وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يۡدۡبَجَ الْجَبَلُ فِيۡ سَمِّ الْخِيَاۡطِ ط وَ كَذٰلِكَ

نَجۡزِيۡ الْمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾

۴۱۔ انکے واسطے دوزخ کا بچھونا ہے اور اوپر سے اوڑھنا [۴۹] اور ہم یوں بدلا دیتے ہیں ظالموں کو

لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَ مِّنۡ فَوْقِهِمۡ غَوَاشٍ ط وَ

كَذٰلِكَ نَجۡزِيۡ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۲۔ اور جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر مگر اس کی طاقت کے موافق وہی ہیں جنت میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے [۵۰]

وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ هُمۡ

فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۳۔ اور نکال لیں گے ہم جو کچھ ان کے دلوں میں خفگی تھی [۵۱] بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں اور وہ کہیں گے شکر اللہ کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ ہدایت کرتا ہم کو اللہ بیشک لائے تھے

وَ نَزَعْنَا مَا فِيۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِيۡ مِّنۡ تَحۡتِهِمۡ الْاَنْهٰرُ ؕ وَقَالُوۡا الْحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ هَدٰنَا



رسول ہمارے رب کے سچی بات [۵۲] اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے بدلے میں اپنے اعمال کے [۵۳]

لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ  
لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَنْ تَتَّكُمُ

الْجَنَّةُ أَوْ رِثْتُمْوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾

۴۷۔ کفار کی ارواح: یعنی نہ زندگی میں ان کے اعمال کے لئے آسمانی قبول و رفعت حاصل ہے۔ نہ موت کے بعد ان کی ارواح کو آسمان پر چڑھنے کی اجازت ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ “بعد موت کافر کی روح کو آسمان کی جانب سے سحین کی طرف دھکے دیے جاتے ہیں اور مومن کی روح ساتویں آسمان تک صعود کرتی ہے” مفصل احوال کتب احادیث میں ملاحظہ کرو۔

۴۸۔ کفار جنت میں داخل نہیں ہو سکتے: یہ تعلق بالحال کے طور پر فرمایا۔ ہر زبان کے محاورات میں ایسی امثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے حال ہونے کو دوسری حال چیز پر معلق کر کے ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اونٹ اپنی اسی ایسی کلانی اور جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ اور چھوٹا ہو۔ اس کے باوجود اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح ان کمذہبین و مستکبرین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے کیونکہ حق تعالیٰ جہنم میں ان کے “خلود” کی خبر دے چکا ہے اور علم الہی میں یہ ہی سزا ان کے لئے ٹھہر چکی ہے۔ پھر خدا کے علم اور اخبار کے خلاف کیسے وقوع میں آسکتا ہے۔

۴۹۔ یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہوگی، کسی کروٹ چین نہ ملے گا۔

۵۰۔ آخرت میں مومنین کا حال: لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا جملہ معترضہ ہے جس سے درمیان میں متنبہ فرمادیا کہ ایمان و عمل صالح جس پر اتنا عظیم الشان صلہ مرحمت ہوتا ہے کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جو انسان کی طاقت سے باہر ہو، یا یہ مطلب ہے کہ ہر آدمی سے عمل صالح اسی قدر مطلوب ہے جتنا اس کی مقدرت اور طاقت میں ہو، اس سے زائد کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا۔

۵۱۔ نَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غَلِيٍّ سے مراد یا تو یہ ہے کہ باہم جنتیوں میں نعمائے جنت کے متعلق کسی طرح کا رشک و حسد نہ ہو گا ہر ایک اپنے کو اور دوسرے بھائی کو جس مقام میں ہے دیکھ کر خوش ہو گا۔ بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کو لعن و طعن کریں گے جیسا کہ پہلے گذرا۔ اور یا یہ مراد ہے کہ صالحین کے درمیان جو دنیا میں کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی طرف سے انقباض پیش آتا ہے وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پیشتر دلوں سے نکال دیا جائے گا۔ وہاں سب ایک دوسرے سے سلیم الصدور ہوں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: “مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم انہی لوگوں میں سے ہوں گے” مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ کیا ہے۔

۵۲۔ یعنی خدا کی توفیق و دستگیری اور رسولوں کی سچی رہنمائی سے اس اعلیٰ مقام پر پہنچنا نصیب ہو اور نہ ہم کہاں اور یہ مرتبہ کہاں۔

۵۳۔ جنت کے وارث مومنین ہیں: یہ آواز دینے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہو گا۔ یعنی آج ساری عملی جدوجہد ٹھکانے لگ گئی اور تم نے کوشش کر کے خدا کے فضل سے اپنے باپ آدم کی میراث ہمیشہ کے لئے حاصل کر لی۔ حدیث میں ہے کہ “کسی شخص کا عمل ہر گز اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا”۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا حقیقی سبب نہیں۔ فقط ظاہری سبب ہے۔ دخول جنت کا حقیقی سبب خدا کی رحمت کاملہ ہے جیسا کہ اسی حدیث میں “الا انہ يتقدمني اللہ برحمته” کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ہاں بندہ پر رحمت الہیہ کا نزول اسی قدر ہوتا ہے

جس قدر عمل کی روح اس میں موجود ہو۔ مترجمؒ زبانی فرمایا کرتے تھے کہ گاڑی تو رحمت الہیہ کے زور سے چلتی ہے۔ عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارہ پر چلاتے اور روکتے ہیں۔

۴۴۔ اور پکاریں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ ہم نے پایا جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہمارے رب نے سچا سو تم نے بھی پایا اپنے رب کے وعدہ کو سچا وہ کہیں گے کہ ہاں پھر پکارے گا ایک پکارنے والا انکے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی ان ظالموں پر

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ  
وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا  
وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ۖ فَاذْنِ مُؤَدِّئِهِمْ  
بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٣٤﴾

۴۵۔ جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے تھے اس میں کچی اور وہ آخرت سے منکر تھے [۵۴]

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا  
عُوجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كُفِرُونَ ﴿٣٥﴾

۴۶۔ اور دونوں کے بیچ میں ہوگی ایک دیوار [۵۵] اور اعراف کے اوپر مرد ہوں گے کہ پہچان لیں گے ہر ایک کو اس کی نشانی سے اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلامتی ہے تم پر وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ امیدوار ہیں [۵۶]

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۖ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ  
يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيئِهِمْ ۖ وَنَادُوا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ  
سَلِّمْ عَلَيَّكُمْ ۖ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْبَعُونَ ﴿٣٦﴾

۴۷۔ اور جب پھرے گی ان کی نگاہ دوزخ والوں کی طرف تو کہیں گے اے رب ہمارے مت کر ہم کو گنہگار لوگوں کے ساتھ [۵۷]

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ  
قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٣٧﴾

۴۸۔ اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو کہ انکو پہچانتے ہیں انکی نشانی سے [۵۸] کہیں گے نہ کام آئی تمہارے جماعت تمہاری اور جو تم تکبر کیا کرتے تھے [۵۹]

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ  
بِسِيئِهِمْ قَالُوا مَا آغْنِي عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا  
كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٨﴾

۴۹۔ اب یہ وہی ہیں کہ تم قسم کھایا کرتے تھے کہ نہ پہنچے گی ان کو اللہ کی رحمت چلے جاؤ جنت میں نہ ڈرہے تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے [۲۰]

أَهْوَلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ  
ط اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ

تَحْزَنُونَ ﴿۳۹﴾

۵۴۔ اہل جنت اور اہل دوزخ کا مکالمہ: ان آیات میں ان مخاطبات و مکالمات کا ذکر ہے جو جنتیوں اور دوزخیوں یا ان دونوں اور اصحاب اعراف میں ہوں گے۔ پہلی اور آخری گفتگو جو ”اصحاب الجنة“ اور ”اصحاب النار“ میں ادھر سے یا ادھر سے ہوگی۔ صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ مخاطبات جنت یا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کے ہیں۔ اس لئے نظم کلام کا مقتضی یہ ہے کہ اصحاب اعراف کی درمیانی گفتگو کو بھی اس کے بعد ہی مانا جائے۔ بہر حال جنتی جنت میں پہنچ کر اپنے حال پر اظہار مسرت اور دوزخیوں کی تفریح و نکایت کے لئے کہیں گے کہ جو کچھ وعدے حق تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبانی ہم سے فرمائے تھے کہ ایمان لانے والوں کو نعيم دائم ملے گی، ہم تو انہیں سچا پارہے ہیں۔ اے اہل جہنم! تم بولو کہ تمہارے کفر و عصیان پر جو دھمکیاں دی گئی تھیں تم نے بھی ان کو سچا پایا؟ ظاہر ہے جواب میں بجز ”نعم“ کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس وقت خدا کا ایک منادی دونوں کے درمیان کھڑا ہو کر پکارے گا کہ (یوں تو گنہگار بہت سے ہیں مگر) خدا کی بڑی پھٹکار ان ظالموں پر ہے جو خود گمراہ ہوئے اور آخرت کے انجام سے بالکل بے فکر ہو کر دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے اور اپنی کج بختیوں سے رات دن اسی فکر میں تھے کہ صاف اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔

۵۵۔ حجاب کے معنی پردہ اور آڑ کے ہیں۔ یہاں پردہ کی دیوار مراد ہے۔ جس کی تصریح سورہ حدید میں کی گئی ہے ”فغضب بینہم بسور لہ باب“ یہ دیوار جنت کی لذتوں کو دوزخ تک اور دوزخ کی کلفتوں کو جنت تک پہنچنے سے مانع ہوگی اس کی تفصیلی کیفیت کا ہم کو علم نہیں۔

۵۶۔ اعراف اور اصحاب اعراف: اسی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہو گا اس کو ”اعراف“ کہتے ہیں اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟ قرطبی نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں راجح وہی قول ہے جو حضرت حذیفہ، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اکثر سلف و خلف سے منقول ہے۔ یعنی وزن اعمال کے بعد جن کے حسنات بھاری ہوں گے وہ جنتی ہیں اور جن کے سنایات غالب ہوئے وہ دوزخی۔ اور جن کے حسنات و سنایات بالکل مساوی ہوں گے وہ اصحاب اعراف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار اصحاب اعراف جنت میں چلے جائیں گے یہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ عصاة مومنین جن کے سنایات غالب تھے، جہنم سے نکل کر آخر کار جنت میں داخل ہوں گے۔ تو اصحاب اعراف جن کے حسنات اور سنایات برابر ہیں وہ ان سے پہلے داخل ہونے چاہئیں۔ گویا اصحاب اعراف کو اصحاب الیمین کی ایک کمزور قسم سمجھنا چاہئے جس طرح ”سابقین مقررین“ فی الحقیقت اصحاب الیمین کی ایک ایسی قسم ہے جو اپنی اولوالعزمیوں کی بدولت عام اصحاب الیمین سے آگے نکل گئے ہیں اس کے بالمقابل اصحاب اعراف گری ہوئی قسم ہے جو اپنے اعمال کی کثافت کی وجہ سے عام اصحاب الیمین سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں یہ لوگ اہل جہنم اور اہل جنت کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے دونوں طبقے کے لوگوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی اور بدروقتی سے۔ بہر حال جنت والوں کو دیکھ کر سلام کریں گے جو بطور مبارکباد ہو گا اور چونکہ خود اہل جنت میں داخل نہیں ہو سکے اس کی طمع اور آرزو کریں گے جو آخر کار پوری کر دی جائے گی۔

۵۷۔ جنت و دوزخ کے درمیان ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی حالت خوف ورجاء کے بیچ میں ہوگی ادھر دیکھیں گے تو امید کریں گے اور ادھر نظر پڑے گی تو خدا سے ڈر کر پناہ مانگیں گے کہ ہم کو ان دوزخیوں کے زمرہ میں شامل نہ کیجئے۔

۵۸۔ یعنی علاوہ دوزخ میں معذب ہونے کے ان کے چہروں سے دوزخی ہونے کی علامات ہوید اہوں گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کو اصحاب اعراف نے دنیا میں دیکھا ہوگا۔ اس لئے وہاں صورت دیکھ کر پہچان لیں گے۔

۵۹۔ یعنی اس مصیبت کے وقت تمہاری وہ جماعتیں اور جتھے کہاں گئے اور دنیا میں جو بڑھ بڑھ کر بیخیاں مارتے تھے، وہ اب کیا ہوں۔

۶۰۔ یہ اہل جنت کی طرف اشارہ کر کے دوزخیوں سے کہیں گے کہ وہ ٹوٹے پھوٹے مساکین اور ضعیف الحال جن کو تم حقیر سمجھ کر کہا کرتے تھے کہ کیا خدا کی مہربانی سب کو چھوڑ کر ان جیسوں پر ہو سکتی ہے اَهُؤْلَاءِ مِّنْ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا (انعام۔ ۵۳) ان کو تو آج کہہ دیا گیا کہ اُدْخِلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ اِلَّا (چلے جاؤ جنت میں بے خوف و خطر) حالانکہ تم اس عذاب میں مبتلا ہو۔

۵۰۔ اور پکاریں گے دوزخ والے جنت والوں کو کہ بہاؤ ہم پر تھوڑا سا پانی یا کچھ اس میں سے جو روزی تم کو دی اللہ نے کہیں گے اللہ نے ان دونوں کو روک دیا ہے کافروں سے

وَنَادَىٰ اَصْحَابُ النَّارِ اَصْحَابَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوا اِنَّ

اللّٰهُ حَرَّمَهَا عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ جنہوں نے ٹھہر ایا اپنا دین تماشا اور کھیل اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے سو آج ہم انکو بھلا دیں گے جیسا انہوں نے بھلا دیا اس دن کے ملنے کو اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے منکر تھے [۵۱]

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا دِيْنََهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمْ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَاَلْيَوْمَ نُنَسِّهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ

يَوْمِهِمْ هٰذَا وَّمَا كَانُوْا بِاٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ اور ہم نے ان لوگوں کے پاس پہنچا دی ہے کتاب جس کو مفصل بیان کیا ہے ہم نے خبر داری سے راہ دکھانے والی اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے [۵۲]

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدٰى وَّ

رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ کیا اب اسی کے منتظر ہیں کہ اس کا مضمون ظاہر ہو جائے جس دن ظاہر ہو جائے گا اس کا مضمون کہنے لگیں گے وہ لوگ جو اس کو بھول رہے تھے پہلے سے بیشک لائے تھے ہمارے رب کے رسول سچی بات سوا ب کوئی ہماری سفارش والے ہیں تو ہماری سفارش کریں یا ہم لوٹا دیے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاوِيْلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَاوِيْلُهُ يَقُوْلُ

الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا

بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفْعَاءٍ فَيَشْفَعُوْا لَنَا اَوْ

جائیں تو ہم عمل کریں خلاف اس کے جو ہم کر رہے تھے بیشک تباہ کیا انہوں نے اپنے آپ کو اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افترا کیا کرتے تھے [۶۳]

رُزْدٌ فَفَعَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ قَدْ خَسِرُوا  
أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵۳﴾

۶۱۔ اہل دوزخ کی اہل جنت سے فریاد: دوزخی بدحواس اور مضطرب ہو کر اہل جنت کے سامنے دست سوال دراز کریں گے کہ ہم جلے جاتے ہیں، تھوڑا سا پانی ہم پر بہاؤ یا جو نعمتیں تم کو خدا نے دے رکھی ہیں کچھ ان سے ہمیں بھی فائدہ پہنچاؤ جو اب ملے گا کہ کافروں کے لئے ان چیزوں کی بندش ہے۔ یہ کافروہ ہی تو ہیں جو دین کو کھیل تماشہ بناتے تھے اور دنیا کے تتم پر پھولے ہوئے تھے۔ سو جیسا ان کو دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی آخرت کا خیال نہیں آیا آج ہم بھی ان کا کچھ خیال نہ کریں گے اور جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا آج ہم بھی ان کی درخواست منظور کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

۶۲۔ آخرت میں کفار کا پچھتاوا: قرآن جیسی کتاب کی موجودگی میں جس میں تمام ضروریات کی عالمانہ تفصیل موجود ہے اور ہر بات کو پوری آگاہی سے کھول کر بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ ایمان والے اس سے خوب منتفع ہو رہے ہیں، غضب ہے کہ ان متکبر معاندوں نے کچھ بھی اپنے انجام پر غور نہ کیا۔ پھر اب پچھتانے سے کیا حاصل۔

۶۳۔ کتاب اللہ میں جو دھمکیاں عذاب کی دی گئی ہیں کیا یہ اس کے منتظر ہیں کہ جب ان دھمکیوں کا مضمون (مصدق) سامنے آجائے تب حق کو قبول کریں۔ حالانکہ وہ مضمون جب سامنے آجائے گا یعنی عذاب الہی میں گرفتار ہوں گے تو اس وقت کا قبول کرنا کچھ کام نہ دے گا اس وقت تو سفارشیوں کی تلاش ہوگی جو خدا کی سزا سفارش کر کے معاف کرادیں اور چونکہ ایسا سفارشی کافروں کو کوئی نہ ملے گا تو یہ تمنا کریں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج کر امتحان کر لیا جائے کہ اس مرتبہ اپنے جرائم کے خلاف ہم کیسی نیکی اور پرہیزگاری کے کام کرتے ہیں۔ لیکن اب اس تمنا سے کیا حاصل جبکہ پہلے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو برباد کر چکے اور جو جھوٹے خیالات پکار کھے تھے وہ سب رنوجر ہو گئے۔

۵۴۔ بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین [۶۴] چھ دن میں [۶۵] پھر قرار پکڑا عرش پر [۶۶] اور ڈھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اسکے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا اور پیدا کئے سورج اور چاند اور تارے [۶۷] تا بعد از اپنے حکم کے [۶۸] سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا [۶۹]

إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فِي  
سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ يُغْشَى  
الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۗ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ  
الْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۵۴﴾

۶۴۔ زمین و آسمان کی تخلیق چھ دن میں: گذشتہ آیت میں معاد کا ذکر تھا اس رکوع میں مبداء کی معرفت کرائی گئی ہے۔ وہاں قَدْ جَاءَتْ دُؤْلُ رَبَّنَا بِالْحَقِّ سے بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء و رسل سے منحرف رہتے تھے ان کو بھی قیامت کے دن پیغمبروں کی سچائی کی ناچار تصدیق

کرنی پڑے گی۔ یہاں نہایت لطیف پیرایہ میں خدا کی حکومت یاد دلانے اور انبیاء و رسل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے احوال و واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ انکی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں کیا انجام ہوا گویا یہ رکوع آنے والے کئی رکوعات کی تمہید ہے۔

۶۵۔ یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا پیدا کیا کیونکہ یہ متعارف دن اور رات تو آفتاب کے طلوع و غروب سے وابستہ ہیں جب اس وقت آفتاب ہی پیدا نہ ہوا تھا تو دن رات کہاں سے ہوتا۔ یا یہ کہا جائے کہ عالم شہادت کے دن رات مراد نہیں، عالم غیب کے دن رات مراد ہیں۔ جیسے کسی عارف نے فرمایا ہے غیب را برے و آئے دیگر است۔ آسمان و آفتابے دیگر است۔ پہلی صورت میں پھر علماء کا اختلاف ہے کہ یہاں چھ دن سے ہمارے چھ دن کی مقدار مراد ہے۔ یا ہزار برس کا ایک ایک دن جسے فرمایا ہے وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (الحج ۴۷) میرے نزدیک یہ آخری قول راجح ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہوا کہ آسمان و زمین دفعۃً بنا کر نہیں کھڑے کئے گئے۔ شاید اول ان کا مادہ پیدا فرمایا ہو۔ پھر اس کی استعداد کے موافق بتدریج مختلف اشکال و صورتوں میں منتقل کرتے رہے ہوں۔ حتیٰ کہ چھ دن (چھ ہزار سال) میں وہ بچھ متعلقاً تمہا موجودہ مرتب شکل میں موجود ہوئے۔ جیسا کہ آج بھی انسان اور کل حیوانات و نباتات وغیرہ کی تولید و تخلیق کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے۔ اور یہ اس کی شان ”کن فیکون“ کے منافی نہیں۔ کیونکہ ”کن فیکون“ کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ خدا جس چیز کو وجود کے جس درجہ میں لانا چاہے اس کا ارادہ ہوتے ہی وہ اس درجہ میں آجاتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی چیز کو وجود کے مختلف مدارج سے گزارنے کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ ہر شے کو بدون توسط اسباب و علل کے دفعۃً موجود کرتا ہے۔

۶۶۔ استوی علی العرش کی تفسیر: ”خدا تعالیٰ کی صفات و افعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ نصوص قرآن و حدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے مثلاً خدا کو ”حی“ ”سمیع“ ”بصیر“ ”متکلم“ کہا گیا اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کئے گئے، تو ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع و بصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوں گی۔ ایک وہ آلہ جسے آنکھ کہتے ہیں اور جو دیکھنے کا مبداء اور ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض و غایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رویت بصری سے حاصل ہوا۔ مخلوق کو جب ”بصیر“ کہا تو یہ مبداء اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوں گی۔ اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کر لیں۔ لیکن یہ ہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال کیا گیا تو یقیناً و مبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں ہو سکتیں جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہو گا کہ البصیر (دیکھنے) کا مبداء اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہو سکتا ہے اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبداء کیسا ہے اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (شوریٰ-۱۱) نہ صرف سمیع و بصیر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبداء و غایت کے ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کے مابعد عقل حقائق میں غرض کر کے پریشان ہو۔ اس کا کچھ حصہ خلاصہ ہم سورہ مائدہ میں زیر فائدہ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ (المائدہ-۶۴) بیان کر چکے ہیں۔ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ کو بھی اسی قاعدہ سے سمجھ لو۔ ”عرش“ کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں۔ ”استواء“ کا ترجمہ اکثر محققین نے ”استقرار و تمکن“ سے کیا ہے (جسے مترجم نے قرار پکڑنے سے تعبیر فرمایا) گویا یہ لفظ تخت حکومت پر ایسی طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطہ نفوذ و اقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ و تسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑ پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک مبداء اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض و غایت یعنی ملک پر پورا تسلط و اقتدار اور نفوذ و تصرف کی قدرت حاصل ہونا۔ حق تعالیٰ کے اسْتَوَى

عَلَى الْعَرْشِ فِيهَا حَقِيقَتُ اور غرض و غایت بدرجہ کمال موجود ہے یعنی آسمان و زمین (کل علویات و سفلیات) کو پیدا کرنے کے بعد ان پر کامل قبضہ و اقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ و شہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک ٹوک اسی کو حاصل ہے جیسا کہ دوسری جگہ **ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ** کے بعد **يَدْبُرُ الْأُمُورَ** وغیرہ الفاظ اور یہاں **يُعْثِبِي الْيَلِيلَ النَّهَارَ** سے اسی مضمون پر متنبہ فرمایا ہے۔ رہا **اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ** کا مبداء اور ظاہری صورت، اس کے متعلق وہ ہی عقیدہ رکھنا چاہئے جو ہم ”سمیع و بصیر“ وغیرہ صفات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی جس میں صفات مخلوقین اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو۔ پھر کیسی ہے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و ہم۔ وزہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم۔ منزل تمام گشت و پہایاں رسید عمر۔ ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم۔ **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ**

۶۷۔ چاند سورج اور دن رات کی تخلیق: یعنی رات کے اندھیرے کو دن کے اجالے سے یادن کے اجالے کو رات کے اندھیرے سے ڈھانپتا ہے اس طرح کہ ایک دوسرے کا تعاقب کرتا ہوا تیزی سے چلا آتا ہے۔ ادھر رات ختم ہوئی ادھر دن آمو جو وہاں یادن تمام ہوا تو فورا رات آگئی۔ درمیان میں ایک منٹ کا وقفہ بھی نہیں ہوتا۔ شاید اس پر بھی تنبیہ فرمادی کہ اسی طرح کفر و ضلالت اور ظلم و عدوان کی شب و بجور جب عالم پر محیط ہو جاتی ہے اس وقت خدا تعالیٰ ایمان و عرفان کے آفتاب سے ہر چہار طرف روشنی پھیلا دیتا ہے۔ اور جب تک آفتاب عالمتاب کی روشنی نمودار نہ ہو تو نبوت کے چاند تارے رات کی تاریکی میں اجالا اور رہنمائی کرتے ہیں۔

۶۸۔ کوئی سیارہ اس کے حکم کے بدون حرکت نہیں کر سکتا۔

۶۹۔ پیدا کرنا ”خلق“ ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریحی احکام دینا یہ ”امر“ ہے اور دونوں اسی کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ اس طرح وہ ہی ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہوا۔

۵۵۔ پکارو اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے [۴۰] اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے [۴۱]

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾

۵۶۔ اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے [۴۲] بیشک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کرنے والوں سے

خَوْفًا وَطَبَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّن

الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

۵۰۔ اللہ کو پکارنے کا طریقہ: جب ”عالم خلق و امر“ کا مالک اور تمام برکات کا منبع وہ ہی ذات ہے تو اپنی دنیوی و اخروی حوائج میں اسی کو پکارنا چاہئے۔ الحاح و اخلاص اور خشوع کے ساتھ بدون ریاکاری کے آہستہ آہستہ اس سے معلوم ہوا کہ دعاء میں اصل اخفاء ہے اور یہی سلف کا معمول تھا۔ بعض مواضع میں جہر و اعلان کسی عارض کی وجہ سے ہو گا۔ جس کی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں ہے۔

۱۔ یعنی دعاء میں حد ادب سے نہ بڑھے۔ مثلاً جو چیزیں عادتاً یا شرعاً محال ہیں وہ مانگنے لگے یا معاصی اور لغو چیزوں کی طلب کرے یا ایسا سوال کرے جو اس کی شان و حیثیت کے مناسب نہیں، یہ سب ”اعتماد فی الدعاء“ میں داخل ہے۔

۷۲۔ پچھلی آیتوں میں ہر حاجت کے لئے خدا کو پکارنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ اس آیت میں مخلوق اور خالق دونوں کے حقوق کی رعایت سکھلائی یعنی جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑی نہ ڈالو اور خوف و رجا کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول رہو۔ نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اس کے عذاب سے مامون اور بے فکر ہو کر گناہوں پر دلیر بنو۔ میرے نزدیک یہ ہی راجح ہے کہ یہاں وَاذْعُوهُ الرِّيحَ میں دعاء سے عبادت مراد لی جائے۔ جیسا کہ صلوٰۃ تہجد کے بارہ میں فرمایا۔ تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (السجدہ-۱۶)

۷۷۔ اور وہی ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی مینہ سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھالاتی ہیں بھاری بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں ہم اس بادل کو ایک شہر مردہ کی طرف پھر ہم اتارتے ہیں اس بادل سے پانی پھر اس سے نکالتے ہیں سب طرح کے پھل اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم غور کرو

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ  
حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَهُ لِبَدَلٍ مِّمَّتِ  
فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ

كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

۷۸۔ اور جو شہر پاکیزہ ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے اس میں نہیں نکلتا مگر ناقص یوں پھیر پھیر کر بتلاتے ہیں ہم آیتیں حق ماننے والے لوگوں کو ﴿۵۷﴾

وَالْبَدَلُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۗ  
الَّذِي خُبِّرَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۗ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُشْكِرُونَ ﴿٥٨﴾

۷۳۔ کائنات میں حق تعالیٰ کا تصرف: ”پچھلی آیات میں ”استواء علی العرش“ کے ساتھ فلکیات (چاند سورج وغیرہ) میں جو خدائی تصرفات ہیں ان کا بیان تھا، درمیان میں بندوں کو کچھ مناسب ہدایات کی گئیں اب سفلیات اور ”کائنات الجو“ کے متعلق اپنے بعض تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ معلوم کر لیں کہ آسمان زمین اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کی کل حکومت صرف اسی رب العالمین کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہوائیں چلانا، مینہ برسانا، قسم قسم کے پھول، پھل پیدا کرنا۔ ہر زمین کی استعداد کے موافق کھیتی اور سبزہ اگانا، یہ سب اسی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نشان ہیں۔ اسی ذیل میں مردوں کا موت کے بعد جی اٹھنا اور قبروں سے نکلتا بھی سمجھا دیا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”ایک تو مردوں کا نکلتا قیامت میں ہے اور ایک دنیا میں یعنی جاہل ادنیٰ لوگوں میں (جہالت و ذلت کی موت سے مرچکے تھے) عظیم الشان نبی بھیجا اور انہیں علم دیا اور دنیا کا سردار کیا، پھر ستھری استعداد والے کمال کو پہنچے اور جن کی استعداد خراب تھی ان کو بھی فائدہ پہنچ رہا ناقص سا“ گویا اس پورے رکوع میں بتلادیا گیا کہ جب خدا اپنی رحمت و شفقت سے رات کی تاریکی میں ستارے، چاند، سورج سے روشنی کرتا ہے اور خشکی کے وقت زمین کو سرسبز و شاداب کرنے اور انسان و حیوانات کی زندگی کا سامان مہیا فرمانے کے لئے اوپر سے بارش بھیجتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسا مہربان خدا اپنی مخلوق کو جہل و ظلم کی اندھیریوں سے نکلنے کے لئے کوئی چاند اور سورج پیدا نہ کرے اور بنی آدم کی روحانی غذا تیار کرنے اور قلوب کی کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے باران رحمت نازل نہ فرمائے۔ بلاشبہ اس نے ہر زمانہ کی ضرورت اور اپنی حکمت کے موافق پیغمبروں کو بھیجا جن کے منور سینوں سے دنیا میں روحانی روشنی پھیلی اور وحی الہی کی لگاتار بارشیں ہوئیں۔ چنانچہ آئندہ کئی



رکوع میں ان ہی پیغمبروں کے بھیجے کا ذکر کیا گیا ہے اور جیسا کہ بارش اور زمین کی مثال میں اشارہ کیا گیا کہ مختلف زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہیں، اسی طرح سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام جو خیر و برکت لے کر آتے ہیں، اس سے منتفع ہونا بھی حسن استعداد پر موقوف ہے۔ جو لوگ ان سے انتفاع نہیں کرتے یا پورا انتفاع نہیں کرتے، انہیں اپنی سوء استعداد پر رونا چاہئے یا راں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔ در باغ لاله روید و در شوبوم خس۔

۵۹۔ بیشک بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف پس اس نے کہا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا میں خوف کرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

اللَّهِ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۗ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ بولے سردار اس کی قوم کے ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بھکا ہوا [۷۳]

قَالَ الْبَلَاءُ مِنْ قَوْمِهِ ۖ إِنَّا لَنَرُكَ فِي ضَلٰلٍ

مُبِينٍ ﴿۶۰﴾

۶۱۔ بولا اے میری قوم میں ہرگز بھکا نہیں و لیکن میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے پروردگار کا

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّي رَسُوْلٌ مِّنْ

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

۶۲۔ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمکو اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے [۷۵]

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلَتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۳۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم بچو اور تاکہ تم پر رحم ہو [۷۶]

اَوْ عَجِبْتُمْ اَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلٰى

رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَاَلْتَقُوا وَاَعْلَمُ لَكُمْ

تَرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۴۔ پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا پھر ہم نے بچا لیا اسکو

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَلَّذِيْنَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَاَعْلَمُ

اور انکو کہ جو اسکے ساتھ تھے کشتی میں اور غرق کر دیا انکو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو بیشک وہ لوگ تھے

اندھے [۷۷]

أَعْرَضْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

عَمِينَ ﴿٧٧﴾

۷۷۔ بت پرستی کی ابتداء: ”آدم کا قصہ ابتداءے سورت میں گذر چکا ان کے بعد نوح پہلے اولو العزم اور مشہور رسول ہیں زمین والوں کی طرف مشرکین کے مقابلہ میں بھیجے گئے۔ گو باعتبار اپنی خاص شریعت کے ان کی بعثت خاص اپنی قوم کی طرف مانی جائے۔ تاہم ان اساسی اصول کے اعتبار سے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں مشترک ہیں کہا جاسکتا ہے کہ تمام انسان ہر نبی کے مخاطب ہوتے ہیں۔ مثلاً توحید اور اقرار معاد کی تعلیم پر سارے پیغمبر متفق اللسان ہیں، تو ایسی چیزوں کی تکذیب کرنا فی الحقیقت تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ بہر حال نوح نے توحید وغیرہ کی عام دعوت دی کہتے ہیں کہ آدم کے بعد دس قرن ایسے گزرے کہ ساری اولاد آدم کلمہ توحید پر قائم تھی۔ بت پرستی کی ابتداء ابن عباس کے بیان کے موافق یوں ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام وڈ، سواع، یغوث، یعوق، نسر تھے، جو سورہ نوح میں مذکور ہیں۔ لوگوں نے ان کی تصویریں بنالیں تاکہ ان کے احوال و عبادات وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے موافق مجسمے تیار کر لئے۔ حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد انکی عبادت ہونے لگی۔ اور یہ بت انہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام: جب بت پرستی کی وبا پھیل گئی تو حق تعالیٰ نے حضرت نوح کو بھیجا۔ انہوں نے طوفان سے پہلے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک توحید و تقویٰ کی طرف بلایا اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔ مگر لوگوں نے ان کی تضریر و تجہیل کی اور کوئی بات نہ سنی۔ آخر طوفان کے عذاب نے سب کو گھیر لیا۔ اور جیسا کہ نوح نے دعا کی تھی لَا تَذَرْنِي مَعَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح-۲۶) روئے زمین پر کوئی کافر عذاب الہی سے نہ بچا۔ بستانی نے ”دايرة المعارف“ میں یورپین محققین کے اقوال طوفان اور عموم طوفان سے متعلق نقل کئے ہیں۔

۷۵۔ یعنی میں تو ذرا بھی نہیں بہکا۔ ہاں تم بہک رہے ہو کہ خدا کے پیغام کو نہیں پہنچاتے جو نہایت فصاحت سے خدائی پیغام تم کو پہنچا رہا ہے اور تمہاری بھلائی چاہتا ہے تم کو عمدہ نصیحتیں کرتا ہے اور خدا کے پاس سے وہ علوم و ہدایت لے کر آیا ہے جن سے تم جاہل ہو۔

۷۶۔ یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ تم ہی میں سے خدا کسی ایک فرد کو اپنی پیغام رسانی کے لئے چن لے۔ آخر اس نے ساری مخلوق میں سے منصب خلافت کے لئے آدم کو کسی مخصوص استعداد کی بناء پر چن لیا۔ تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ اولاد آدم میں سے بعض کامل الاستعداد لوگوں کو منصب نبوت و رسالت کے لئے انتخاب کر لیا جائے۔ تاکہ وہ لوگ براہ راست خدا سے فیض پا کر دوسروں کو ان کے انجام سے آگاہ کریں اور یہ اس پر آگاہ ہو کر بدی سے بچ جائیں۔ اور اس طرح خدا کے رحم و کرم کے مورد بنیں۔

۷۷۔ یعنی حق و باطل اور نفع نقصان کچھ نہ سوچا۔ اندھے ہو کر برابر سرکشی اور تکذیب و بغاوت پر قائم رہے اور بت پرستی وغیرہ حرکات سے باز نہ آئے، تو ہم نے معددے چند مومنین کو بچا کر جو نوح کے ہمراہ کشتی پر سوار ہوئے تھے، باقی سب مکذبین کا بیڑہ غرق کر دیا۔ اب جس قدر انسان دنیا میں موجود ہیں وہ ان ہی اہل سفینہ بلکہ صرف نوح کی ذریت ہیں۔

۷۵۔ اور قوم عاد کی طرف بھیجا انکے بھائی ہود کو [۷۸] بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود

وَالِى عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا ۖ قَالَ يُقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ

اسکے سوا سو کیا تم ڈرتے نہیں [۷۹]

۶۶۔ بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں اور ہم تو تجھ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں [۸۰]

۶۷۔ بوالا اے میری قوم میں کچھ بے عقل نہیں لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا

۶۸۔ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اطمینان کے لائق [۸۱]

۶۹۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت سے ہے تاکہ تمکو ڈرائے اور یاد کرو جبکہ تم کو سردار کر دیا پیچھے قوم نوح کے [۸۲] اور زیادہ کر دیا تمہارے بدن کا پھیلاؤ [۸۳] سو یاد کرو اللہ کے احسان تاکہ تمہارا بھلا ہو [۸۴]

۷۰۔ بولے کیا تو اس واسطے ہمارے پاس آیا کہ ہم بندگی کریں اللہ اکیلے کی اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے پس تو لے آہمارے پاس جس چیز سے تو ہم کو ڈراتا ہے اگر تو سچا ہے [۸۵]

۷۱۔ کہا تم پر واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ [۸۶] کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے ان ناموں پر کہ رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں [۸۷]

مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٥﴾

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ

فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾

قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَإِنَّا لَكُم نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٢٨﴾

أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ

مِّنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۖ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ

بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ ۖ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصُطَةً ۗ فَاذْكُرُوا

الْآءَ اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿٢٩﴾

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ

يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَاتَّبَابًا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ

الصَّادِقِينَ ﴿٣٠﴾

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ

أَتَجَادِلُونَنِي فِي أَسْبَاءِ سَيِّئَاتِهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ

مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۖ فَانْتَظِرُوا إِنِّي

## مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۸۱﴾

۷۲۔ پھر ہم نے بچالیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے اور جڑ کاٹی ان کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو اور نہیں مانتے تھے [۸۸]

فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا

## مُؤْمِنِينَ ﴿۸۲﴾

۸۱۔ قوم عاد: ”عاد“ حضرت نوحؑ کے پوتے ارم کی اولاد میں ہیں۔ یہ قوم انہی کی طرف منسوب ہے۔ ان کی سکونت ”احقاف“ (بین) میں تھی۔ حضرت ہودؑ اسی قوم سے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ان کے قومی اور وطنی بھائی ہوئے۔

۸۲۔ حضرت ہود علیہ السلام: ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔ روزی دینے، مینہ برسانے، تندرست کرنے اور مختلف مطالب و حاجات کے لئے الگ الگ دیوتا بنا رکھے تھے جن کی پرستش ہوتی تھی۔ ہودؑ نے اس سے روکا اور اس جرم عظیم کی سزا سے ان کو ڈرایا۔

۸۰۔ یعنی معاذ اللہ تم بے عقل ہو کہ باپ دادا کی روش چھوڑ کر ساری برادری سے الگ ہوتے ہو اور جھوٹے بھی ہو کہ اپنے اقوال کو خدا کی طرف منسوب کر کے خواہ مخواہ عذاب کا ڈراوادیتے ہو۔

۸۱۔ یعنی میری کوئی بات بے عقلی کی نہیں۔ جو منصب رسالت مجھ کو خدا کی طرف سے تفویض ہوا ہے اس کا حق ادا کرتا ہوں۔ یہ تمہاری بے عقلی ہے کہ اپنے حقیقی خیر خواہوں کو جن کی امانت و دیانت پہلے سے لائق اطمینان ہے، بے عقل کہہ کہ خود اپنا نقصان کرتے ہو۔

۸۲۔ یعنی قوم نوحؑ کے بعد دنیا میں تمہاری حکومتیں قائم کیں اور اس کی جگہ تم کو آباد کیا شاید یہ احسان یاد دلا کر اس پر بھی متنبہ کرنا ہے کہ بت پرستی اور تکذیب رسول کی بدولت جو حشران کا ہوا وہ کہیں تمہارا نہ ہو۔

۸۳۔ جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔

۸۴۔ جو احسانات مذکور ہوئے وہ اور ان کے علاوہ خدا کے دوسرے بے شمار احسانات یاد کر کے اس کے شکر گزار اور فرمانبردار بننا چاہئے، نہ یہ کہ منعم حقیقی سے بغاوت کرنے لگو۔

۸۵۔ یعنی جس عذاب کی ہم کو دھمکی دیتے ہیں، اگر آپ سچے ہیں تو وہ لے آئیے۔

۸۶۔ یعنی جب تمہاری سرکشی اور گستاخانہ بے حیائی اس حد تک پہنچ چکی تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب اور غضب تم پر نازل ہی ہو چکا اس کے آنے میں اب کچھ دیر نہیں۔

۸۷۔ حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ: بتوں کو جو کہتے تھے کہ فلاں رزق دینے والا ہے اور فلاں مینہ برسانے والا اور فلاں بیٹا عطا کرنے والا و علیٰ ہذا القیاس، یہ محض نام ہی نام ہیں جن کے نیچے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں۔ خدائی صفات بتھروں میں کہاں سے آئیں۔ پھر ان نام کے معبودوں کے پیچھے جن کی معبودیت کی کوئی عقلی یا نقلی سند نہیں، بلکہ کل عقلی و نقلی دلائل جسے مردود ٹھہراتے ہیں، تم دعویٰ توحید میں مجھ سے جھگڑے اور بحثیں کرتے ہو۔ جب تمہارے جبل اور شقاوت و عناد کا پیمانہ اس قدر لبریز ہو چکا ہے، تو انتظار کرو کہ خدا ہمارے تمہارے ان جھگڑوں کا فیصلہ کر دے۔ میں بھی اسی فیصلہ کا منتظر ہوں۔

۸۸۔ عاد کا انجام: ”یعنی ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل آندھی کا طوفان آیا جس سے تمام کفار نکلا نکلا کر اور ٹپک ٹپک کر ہلاک کر

دیے گئے۔ یہ تو ”عاد اولیٰ“ کا انجام ہوا۔ اور اسی قوم کی دوسری شاخ (ثمود) جسے ”عاد ثانیہ“ کہتے ہیں اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۷۳۔ اور ثمود کی طرف بھیجا انکے بھائی صالح کو بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اسکے سوا تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے [۸۹] یہ اونٹنی اللہ کی ہے تمہارے لئے نشانی سوا اس کو چھوڑ دو کہ کھائے اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح پھر تم کو پکڑے گا عذاب دردناک [۹۰]

وَإِلَىٰ شُؤدَّ آخَاهُمْ صُلِحًا ۚ قَالَ يُقَوْمِ اعْبُدُوا  
اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۗ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ  
مِّنْ رَبِّكُمْ ۗ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا  
تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَسُوهَا بِسُوءٍ  
فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٣﴾

۷۴۔ اور یاد کرو جبکہ تم کو سردار کر دیا عاد کے پیچھے اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں کہ بناتے ہو نرم زمین میں محل اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت مچلتے پھر زمین میں فساد [۹۱]

وَإِذْ كُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَ  
بَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهولِهَا قُصُورًا وَ  
تَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا الْآءَ اللَّهِ وَلَا  
تَعْتَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٤٣﴾

۷۵۔ کہنے لگے سردار جو متکبر تھے اس کی قوم میں غریب لوگوں کو کہ جو ان میں ایمان لا چکے تھے کیا تم کو یقین ہے کہ صالح کو بھیجا ہے اس کے رب نے بولے ہم کو تو جو وہ لے کر آیا اس پر یقین ہے

قَالَ الْبَلَاءُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ  
اسْتَضْعَفُوا لِبَنِّ أَمِنْ مِنْهُمْ اتَّعَلَبُونَ أَنَّ  
صُلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَبِّهِ ۗ قَالُوا إِنَّا بِنَا أُرْسِلَ بِهِ  
مُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾

۷۶۔ کہنے لگے وہ لوگ جو متکبر تھے جس پر تم کو یقین ہے ہم اسکو نہیں مانتے [۹۲]

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ  
كُفْرُونَ ﴿٤٥﴾

۸۹۔ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام: یعنی جو دلیل تم مانگ رہے تھے وہ پہنچ گئی۔ صالح کی قوم نے ان سے عہد و قرار کیا تھا کہ آپ پتھر کی ایک ٹھوس چٹان میں سے حاملہ اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ خدا نے حضرت صالح کی دعا سے ویسا ہی کر دیا، ان کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارا فرماؤںشی معجزہ تو خدا نے دکھلادیا، اب ایمان لانے میں کیا تامل ہے۔

۹۰۔ یعنی یہ اونٹنی خدا کی قدرت اور میری صداقت کی نشانی ہے، جو میری دعا پر غیر معتاد طریقہ سے خدا نے پیدا کی، اس کے حقوق کی رعایت کرو۔ مثلاً خدا کی زمین میں مباح گھاس کھانے اور اس کی باری میں پانی پینے سے نہ روکو۔ غرض خدا کے اس نشان کے ساتھ جو تم نے خود مانگ کر حاصل کیا ہے۔ برائی سے پیش مت آؤ۔ ورنہ تمہاری بھی خیر نہیں۔

۹۱۔ یعنی احسان فراموشی اور شرک و کفر کر کے زمین میں خرابی مت پھیلاؤ۔

۹۲۔ قوم میں جو بڑے بڑے متکبر سردار اور معاندین تھے، وہ غریب اور کمزور مسلمانوں سے استہزاء کہتے تھے کہ (کیا بڑے آدمی تو آج تک نہ سمجھے؟ مگر) تمہیں معلوم ہو گیا کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ (معلوم ہونا کیا معنی۔ معلوم تو تم کو بھی ہے) ہاں ہم دل سے قبول کر کے اس پر ایمان بھی لائے ہیں۔ متکبرین اس حکیمانہ جواب سے کھسیانے ہو کر بولے کہ جس چیز کو تم نے مان لیا ہے ہم ابھی تک اسے نہیں مانتے۔ پھر بھلا تمہارے جیسے چند خستہ حال آدمیوں کا ایمان لے آنا کون سی بڑی کامیابی ہے۔

۷۷۔ پھر انہوں نے کاٹ ڈالا اونٹنی کو اور پھر گئے اپنے رب کے حکم سے [۹۳] اور بولے اے صالح لے آہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا اگر تو رسول ہے [۹۴]

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصِدِّحُ

اِتِّتَابًا بَاتِعِدْنَا إِنْ كُنْتِ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾

۷۸۔ پس آپ کو ڈرا انکو زلزلہ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اندھے پڑے [۹۵]

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ

جُثَيِّنَ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ پھر صالح الٹا پھر ان سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تمکو محبت نہیں خیر خواہوں سے [۹۶]

فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰ قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ

رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ

النَّصِيحِينَ ﴿٧٩﴾

۹۳۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی: ”کہتے ہیں کہ وہ اونٹنی اس قدر عظیم الجثہ اور ڈیل ڈول کی تھی کہ جس جنگل میں چرتی دوسرے مویشی ڈر کر بھاگ جاتے اور اپنی باری کے دن جس کنوئیں سے پانی پیتی کنواں خالی کر دیتی۔ گویا جیسے اس کی پیدائش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی۔ لوازم و آثار حیات بھی غیر معمولی تھے۔ آخر لوگوں نے غیظ میں آکر اس کے قتل پر اتفاق کر لیا۔ اور بد بخت ”قذار“ نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ بعدہ خود حضرت صالح کے قتل پر بھی تیار ہونے لگے اور اس طرح خدا کے احکام کو جو ”صالح“ اور ”ناقہ“ کے متعلق تھے پس پشت ڈال دیا۔

۹۴۔ ایسے کلمات انسان کی زبان سے اس وقت نکلتے ہیں جب خدا کے قہر و غضب سے بالکل بے خوف ہو جاتا ہے۔ ”عاد اولی“ کی طرح ”ثمود“

بھی اس مرتبہ پر پہنچ کر عذاب الہی کے مورد بنے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۹۵۔ ثمود کی ہلاکت: ”دوسری آیت میں ان کا ”صیحہ“ (چٹخ) سے ہلاک ہونا بیان فرمایا ہے۔ شاید نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ہولناک آواز ہوئی ہوگی۔

۹۶۔ کہتے ہیں کہ حضرت صالحؑ قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے ان کی لاشوں کے انبار دیکھ کر یہ خطاب فرمایا، تو اسی طرح جیسے آنحضرت ﷺ نے مقتولین بدر کو فرمایا تھا اور یا محض بطور تحسّر فرضی خطاب تھا۔ جیسے شعراء دیار و اطلال (کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب ہلاکت سے پہلے تھا۔ اس صورت میں بیان میں ترتیب واقعات مرعی نہ ہوگی۔ بہر حال اس خطاب میں دوسروں کو سنانا تھا کہ اپنے معتبر خیر خواہوں کی بات ماننی چاہئے۔ جب کوئی شخص خیر خواہوں کی قدر نہیں کرتا تو ایسا نتیجہ دیکھنا پڑتا ہے۔

۸۰۔ اور بھیجا لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی کہ تم سے پہلے نہیں کیا اس کو کسی نے جہان میں [۹۷]

وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا

سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾

۸۱۔ تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ ہو حد سے گذرنے والے [۹۸]

إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۗ

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾

۸۲۔ اور کچھ جواب نہ دیا اس کی قوم نے مگر یہی کہا کہ نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ بہت ہی پاک رہنا چاہتے ہیں

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾

۸۳۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اسکے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہ گئی وہاں کے رہنے والوں میں [۹۹]

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۗ كَانَتْ مِنَ

الْغَابِرِينَ ﴿٨٣﴾

۸۴۔ اور برسایا ہم نے انکے اوپر مینہ یعنی پتھروں کا [۱۰۰] پھر دیکھ کیا ہوا انجام گنہگاروں کا [۱۰۱]

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۗ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٨٤﴾

۹۷۔ حضرت لوط علیہ السلام: لوطؑ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں جو ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لائے اور خدا کی طرف سے سدوم اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے تاکہ ان کی اصلاح فرمائیں اور ان گندے، خلاف فطرت اور

بے حیائی کے کاموں سے باز رکھیں جن میں وہاں کے لوگ مبتلا تھے۔ نہ صرف مبتلا بلکہ اس بے حیائی کے موجد تھے ان سے پیشتر عالم میں اس بیماری سے کوئی واقف نہ تھا۔ اولاً یہ ملعون حرکت شیطان نے سدوم والوں کو سمجھائی اور وہیں سے دوسرے مقامات میں پھیلی۔ حضرت لوطؑ نے اس ملعون و شنیع حرکت کے عواقب پر متنبہ کیا اور گندگی کو دنیا سے مٹانا چاہا۔ موجودہ بائبل کے جمع کرنے والوں کی شرمناک جسات پر ماتم کرنا پڑتا ہے کہ ایسے پاکباز اور معصوم پیغمبر کی نسبت جو دنیا کو بے حیائی اور گندگی سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا ایسی سخت ناپاک حرکات منسوب کیں جن کے سننے سے حیا دار آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۗ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (کہف-۵)

۹۸۔ یعنی صرف یہ ہی نہیں کہ ایک گناہ کے تم مرتکب ہو رہے ہو بلکہ اس خلاف فطرت فعل کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو۔

۹۹۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی: “یعنی آخری بات انہوں نے یہ کہی کہ جب ہم سب کو یہ گندہ سمجھتے ہیں اور آپ پاک بننا چاہتے ہیں تو گندوں میں پاؤں کا کیا کام۔ لہذا انہیں اپنی بستی ہی سے نکال دینا چاہئے کہ یہ روز روز کی رکاوت ختم ہو خیر وہ ملعون تو کیا نکالتے۔ ہاں حق تعالیٰ نے لوط اور ان کے متعلقین کو عزت و عافیت کے ساتھ صحیح و سالم ان بستیوں سے نکال لیا اور ان بستیوں پر عذاب مسلط کر دیا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ لوط کے متعلقین میں سے صرف ان کی بیوی آپ سے علیحدہ رہی اور معذبین کے ساتھ ہلاک ہوئی کیونکہ اس کا ساز باز ان معذبین سے تھا۔ لوط کے یہاں جو مہمان وغیرہ آتے ان کی اطلاع یہ ہی کیا کرتی اور ان کو بدکاری کی ترغیب دیتی تھی۔ یا جیسا کہ بعض نے لکھا ہے مردوں کی طرح عورتوں میں بھی “مساحقہ” کارواج ہو گیا تھا، یہ عورت اس میں مبتلا تھی۔ بہر حال عذاب ان سب پر آیا جو اس مہلک مرض میں مبتلا تھے اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ نبی کا مقابلہ اور تکذیب کرتے تھے، یا جو کفر و فحش کے سٹم میں ان کے معین و مددگار تھے۔

۱۰۰۔ قوم لوط علیہ السلام کا عذاب: دوسری جگہ مذکور ہے کہ بستیاں الٹ دی گئیں اور پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ بعض ائمہ کے نزدیک آج بھی لوطی کی سزا یہ ہے کہ کسی پہاڑ وغیرہ بلند مقام سے اسے گرایا جائے اور اوپر سے پتھر مارے جائیں اور سخت بدبودار گندی جگہ میں مقید کیا جائے۔

۱۰۱۔ یعنی گناہ کرتے وقت اس کا بد انجام سامنے نہیں آتا۔ عاجل شہوت و لذت کے غلبہ میں وہ بات کر گزرتا ہے جو عقل و انسانیت کے خلاف ہے لیکن عقلمند کو چاہئے کہ دوسروں کے واقعات سن کر عبرت حاصل کرے اور بدی کے انجام کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

۸۵۔ اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو [۱۰۲]

بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اسکے سوا تمہارے پاس پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے [۱۰۳] سو پوری کرو ماپ اور تول اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو [۱۰۴]

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَقَوْمِ اَعْبُدُوا  
اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۗ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ  
مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْبِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا  
النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ  
إِصْلَاحِهَا ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۸۵﴾

۸۶۔ اور مت بیٹھو راستوں پر کہ ڈراؤ اور روکو اللہ کے

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ



راستہ سے اس کو جو کہ ایمان لائے اس پر اور ڈھونڈو اس میں عیب [۱۰۵] اور یاد کرو جبکہ تھے تم بہت تھوڑے پھر تم کو بڑھادیا اور دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا [۱۰۶]

سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبَعُونَهَا عِوَجًا وَ  
اذْكُرُوا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَرْتُمْ ۗ وَانظُرُوا كَيْفَ

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨٦﴾

۸۷۔ اور اگر تم میں سے ایک فرقہ ایمان لایا اس پر جو میرے ہاتھ بھیجا گیا اور ایک فرقہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے درمیان ہمارے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے [۱۰۷]

وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ  
بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُّؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ

اللّٰهُ بَيْنَنَا ۗ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

۱۰۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم: ”قرآن میں دوسری جگہ حضرت شعیب کا“ اصحاب ایکہ ” کی طرف مبعوث ہونا مذکور ہے اگر اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم ہے فیہا و نعمت۔ اور دو جداگانہ قومیں ہیں تو دونوں کی طرف مبعوث ہوئے ہونگے اور دونوں میں کم تولنے ناپنے کا مرض مشترک ہوگا۔ بہر حال حضرت شعیب نے علاوہ توحید و غیرہ کی عام دعوت کے خاص معاشرتی معاملات کی اصلاح اور حقوق العباد کی حفاظت کی طرف بڑے زور سے توجہ دلائی جیسا کہ آئندہ آیات میں مذکور ہے۔ حضرت شعیب کو کمال فصاحت کی وجہ سے ”خطیب الانبیاء“ کہا جاتا ہے۔

۱۰۳۔ یعنی میری صداقت کی دلیل ظاہر ہو چکی۔ اب جو نصیحت کی بات تم سے کہوں اسے قبول کرو اور جن خطرناک عواقب پر متنبہ کرو ان سے ہشیار ہو جاؤ۔

۱۰۴۔ ناپ تول میں کمی: بندوں کے حقوق کی رعایت اور معاملات باہمی کی درستگی جس کی طرف ہمارے زمانہ کے پرہیزگاروں کو بھی بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ خدا کے نزدیک اس قدر اہم چیز ہے کہ اسے ایک جلیل القدر پیغمبر کا مخصوص وظیفہ قرار دیا گیا، جس کی مخالفت پر ایک قوم تباہ کی جا چکی۔ ان آیات میں حضرت شعیب کی زبانی آگاہ فرمادیا کہ لوگوں کو ادنیٰ ترین مالی نقصان پہنچانا اور ملک میں اصلاحی حالت قائم ہو چکنے کے بعد خرابی اور فساد پھیلانا خواہ کفر و شرک کر کے یا ناحق قتل و نہب وغیرہ سے۔ یہ کسی ایماندار کا کام نہیں ہو سکتا۔

۱۰۵۔ راستوں پر بیٹھنا دو وجہ سے تھا۔ راہگیروں کو ڈرا دھمکا کر ظلماً مال وصول کریں اور مومنین کو شعیب کے پاس جانے اور خدا کا دین اختیار کرنے سے روکیں اور خدائی مذہب کے متعلق نکتہ چینی اور عیب جوئی کی فکر میں رہیں۔

۱۰۶۔ یعنی تعداد اور دولت دونوں میں کم تھے۔ خدا نے دونوں طرف تم کو بڑھایا مردم شماری بھی بڑھ گئی اور دولت مند بھی ہو گئے۔ خدا کے ان احسانات کا شکر ادا کرو۔ اور وہ جب ہی ادا ہو سکتا ہے کہ خدا کے اور بندوں کے حقوق پہچان کر عملی درستگی اور اصلاح میں مشغول رہو اور ان نعمتوں پر مغرور نہ ہو بلکہ خرابی اور فساد مچانے والوں کا جو انجام پہلے ہو چکا ہے اسے پیش نظر رکھ کر خدائی گرفت سے ڈرتے رہو۔

۱۰۷۔ یعنی جو چیزیں میں لے کر آیا ہوں اگر تم متفقہ طور پر قبول نہیں کرتے بلکہ اختلاف ہی کی ٹھان رکھی ہے تو تھوڑا صبر کرو۔ یہاں تک کہ آسمان ہی سے میرے تمہارے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے۔

۸۸۔ بولے سردار جو تکبر تھے اس کی قوم میں ہم ضرور نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور ان کو جو کہ ایمان لائے تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں [۱۰۸] بولا کیا ہم بیزار ہوں تو بھی [۱۰۹]

قَالَ الْبَلَاءُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ  
لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَكَ مِنْ  
قَرْيَتِنَا اَوْ نَتَّعِدَنَّ فِي مِلَّتِنَا ۗ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا  
كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾

۸۹۔ بیشک ہم نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا اگر لوٹ آئیں تمہارے دین میں [۱۱۰] بعد اس کی کہ نجات دے چکا ہم کو اللہ اس سے [۱۱۱] اور ہمارا کام نہیں کہ لوٹ آئیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ رب ہمارا گھیرے ہوئے ہے ہمارا پروردگار سب چیزوں کو اپنے علم میں اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا اے ہمارے رب فیصلہ کر ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے [۱۱۲]

قَدْ افترينا على الله كذبا ان عدنا في ملتكم  
بعد اذ نجنا الله منها وما يكون لنا ان نعود  
فيها الا ان يشاء الله ربنا وسع ربنا كل شئ  
علما على الله توكلنا ربنا افتح بيننا وبين  
قومنا بالحق وانت خير الفتحين ﴿۸۹﴾

۹۰۔ اور بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں اگر پیروی کرو گے تم شعیب کی تو تم بیشک خراب ہو گے [۱۱۳]

وَقَالَ الْبَلَاءُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِن  
اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذَا الْخُسُوفُ ﴿۹۰﴾

۹۱۔ پھر آ پکڑا ان کو زلزلہ نے پس صبح کو رہ گئے اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے [۱۱۴]

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ  
جُثِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۲۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی بسے ہی نہ تھے وہاں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے خراب [۱۱۵]

الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا لَمَّ يَغْنَوْنَ فِيهَا  
الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

۹۳۔ پھر الٹا پھر ان لوگوں سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کر چکا تمہاری اب کیا افسوس کروں کافروں پر [۱۱۶]

فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يٰ قَوْمٍ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلَتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ

كٰفِرِيْنَ

۱۰۸۔ قوم شعیب کا حال: ”عود“ کے معنی کسی چیز سے نکل کر دوبارہ اس کی طرف جانے کے ہیں۔ حضرت شعیبؑ کے ساتھیوں کی نسبت تو یہ لفظ حقیقۃً صادق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ باقی خود حضرت شعیبؑ کی نسبت یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ پہلے (معاذ اللہ) ملت کفار میں داخل تھے، پھر مسلمان ہوئے۔ لامحالہ یا تو ان کے اعتبار سے یہ خطاب تغلیباً ہو گا۔ یعنی عام مومنین کے حق میں جو الفاظ استعمال ہوئے اکثریت غالبہ کو مرخ سمجھ کر حضرت شعیبؑ کے لئے علیحدہ الفاظ اختیار نہیں کئے۔ اور یا یہ لفظ ان کے حق میں کفار کے زعم کے موافق کہا گیا۔ کیونکہ بعثت سے پہلے جب تک حضرت شعیبؑ نے دعوت و تبلیغ شروع نہ کی تھی اہل مدین کی کفریات کے متعلق ان کی خاموشی دیکھ کر شاید وہ یہ ہی گمان کرتے ہوں کہ یہ بھی ہمارے شامل حال اور ہمارے طور و طریق پر راضی ہیں اور یا عود کو مجازاً بمعنی مطلق صیورت کے لیا جائے۔ مکالمہ بعض المفسرین۔

۱۰۹۔ یعنی دلائل و براہین کی روشنی میں تمہاری ان مہلک کفریات سے خواہ ہم کتنے ہی بیزار اور کارہ ہوں کیا تم پھر بھی یہ زہر کا پیالہ ہمیں زبردستی پلانا چاہتے ہو۔

۱۱۰۔ باطل اور جھوٹے مذہب کو سچا کہنا ہی خدا پر افتراء کرنا اور بہتان باندھنا ہے۔ پھر بھلا ایک جلیل القدر پیغمبر اور اس کے مخلص تابعین سے یہ کب ممکن ہے کہ وہ معاذ اللہ سچائی سے نکل کر جھوٹ کی طرف واپس جائیں اور جو سچے دعوے اپنی حقانیت یا مامور من اللہ ہونے کے کر رہے تھے، ان سب کا جھوٹ اور افتراء ہونا تسلیم کریں۔

۱۱۱۔ کسی کو تو ابتداءً نجات دے چکا کہ اس میں داخل ہی نہ ہونے دیا جیسے حضرت شعیبؑ اور بعضوں کو داخل ہونے کے بعد اس سے نکالا جیسے عامہ مومنین۔

۱۱۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا: یعنی اپنے اختیار یا تمہارے اکراہ و اجبار سے ممکن نہیں کہ ہم معاذ اللہ کفر کی طرف جائیں۔ ہاں اگر فرض کرو خدا ہی کی مشیت ہم میں سے کسی کی نسبت ایسی ہو جائے تو اس کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اگر اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہو تو وہاں کوئی نہیں بول سکتا۔ کیونکہ اس کا علم تمام مصالح اور حکمتوں پر محیط ہے۔ بہر حال تمہاری دھمکیوں سے ہم کو کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا بالکل اعتماد اور بھروسہ اپنے خدائے واحد پر ہے۔ کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جو گا اسی کی مشیت اور علم محیط کے تحت میں ہو گا۔ اسی لئے ہم اپنے اور تمہارے فیصلہ کے لئے بھی اسی سے دعا کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے قادر اور علیم و حکیم سے بہتر کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت شعیبؑ کے ان الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے قلوب حق تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عبودیت و اقتدار کے کس قدر عظیم و عمیق احساس سے معمور ہوتے ہیں اور کس طرح ہر آن اور ہر حال میں ان کا توکل و اعتماد تمام وسائط سے منقطع ہو کر اسی وحدہ لا شریک لہ پر پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور غیر متزلزل ہوتا ہے۔

۱۱۳۔ یعنی باپ دادا کا مذہب چھوٹا، یہ تو دین کی خرابی ہوئی اور تجارت میں ناپ تول ٹھیک رکھی، یہ دنیا کا نقصان ہوا۔

۱۱۴۔ قوم شعیب علیہ السلام پر تین طرح کے عذاب: متعدد آیات کے جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر نڈھ، صیحہ، رجنہ تین طرح کے عذاب آئے یعنی اول بادل نے سایہ کر لیا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں۔ پھر آسمان سے سخت ہولناک اور جگر پاش آواز ہوئی اور نیچے سے زلزلہ آیا۔ (ابن کثیر)

۱۱۵۔ انہوں نے شعیب اور ان کے ہمراہیوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ سو وہ ہی نہ رہے نہ ان کی بستیاں رہیں۔ اور وہ جو کہتے تھے کہ شعیب کے اتباع کرنے والے خراب ہوں گے سو خود ہی خراب اور خائب و خاسر ہو کر رہے۔

۱۱۶۔ یعنی اب ہلاک ہوئے پیچھے ایسی قوم پر افسوس کرنے سے کیا حاصل، جس کو ہر طرح سمجھایا جا چکا۔ موثر نصیحتیں کی گئیں آنے والے عواقب و نتائج سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ مخلص خیر خواہوں سے دست و گریبان ہی رہے۔

۹۴۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا ہو ہم نے وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑ گڑائیں

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا  
بِالْبِئْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضْمَرُونَ ﴿٩٤﴾

۹۵۔ پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ پہنچتی رہی ہے ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پھر پکڑا ہم نے ان کو ناگہان اور ان کو خبر نہ تھی [۱۱۷]

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا  
وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ  
فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾

۹۶۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم کھول دیتے ان پر نعمتیں آسمان اور زمین سے لیکن جھٹلایا انہوں نے پس پکڑا ہم نے ان کو ان کے اعمال کے بدلے [۱۱۸]

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا  
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَٰكِن  
كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾

۹۷۔ اب کیا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ آپہنچے ان پر آفت ہماری راتوں رات جب سوتے ہوں

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا  
وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾

۹۸۔ یا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس بات سے کہ آپہنچے ان پر عذاب ہمارا دن چڑھے جب کھیلتے ہوں [۱۱۹]

أَوْ آمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى  
وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾

۹۹۔ یا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے  
اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے [۱۲۰]

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا  
الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾

۱۱۷۔ انبیاء کو جھٹلانے والوں کی آزمائش: "پیغمبروں کی بعثت کے وقت جب عموماً لوگ تکذیب و مقابلہ سے پیش آتے ہیں، تو خدا کی طرف سے ابتدائی تنبیہ کے طور پر بیماری، قحط اور مختلف قسم کی سختیاں اور تکلیفیں مسلط کی جاتی ہیں تاکہ کمذبین تازیانے کھا کر شرارتوں سے باز آجائیں اور بارگاہ الہی کی طرف جھکیں۔ جب ان تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتے تو سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر ان پر فریخت اور عیش و خوشحالی وغیرہ بھیجی جاتی ہے۔ کہ یا احسانات سے متاثر ہو کر کچھ شرمائیں اور حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ ہوں یا عیش و ثروت کے نشہ میں چور ہو کر بالکل ہی غافل و بد مست بن جائیں۔ گویا جہاں تک صحت، اولاد اور دولت و حکومت بڑھتی جائے اسی کے ساتھ ان کی نخوت و غفلت میں بھی ترقی ہو جاتی ہے کہ پچھلی سختیوں کو یہ کہہ کر فراموش کر دیں کہ تکلیف و راحت کا سلسلہ تو پہلے ہی سے چلا آتا ہے۔ ہمارے کفر و تکذیب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ورنہ اب خوشحالی کیوں حاصل ہوتی۔ یہ سب زمانہ کے اتفاقات ہیں جو ہمارے اسلاف کو بھی اسی طرح پیش آتے رہے ہیں۔ اس حد تک پہنچ کر ناگہاں خدا کا عذاب آدباتا ہے۔ جس کی اپنے عیش و آرام میں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا خوب لکھا ہے کہ "بندہ کو دنیا میں گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو امید ہے کہ توبہ کرے اور جب گناہ راست آگیا تو یہ اللہ کا بہلاوا ہے۔ پھر ڈر ہے ہلاکت کا جیسے کسی نے زہر کھایا یا گل دے تو امید ہے اور اگر چنچ گیا تو کام آخر ہوا۔"

۱۱۸۔ انبیاء کی اطاعت خوشحالی لاتی ہے: یعنی ہم کو بندوں سے کوئی ضد نہیں جو لوگ عذاب الہی میں گرفتار ہوتے ہیں یہ ان ہی کی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ لوگ ہمارے پیغمبروں کو مانتے اور حق کے سامنے گردن جھکاتے اور کفر و تکذیب وغیرہ سے بچ کر تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کو آسمانی و زمینی برکات سے مالا مال کر دیتے۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ برکات کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی تو خیر باقی و دائم کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی کثرت آثار فاضلہ پر یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ لہذا آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر ان آسمانی و زمینی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جاتے جو دائمی اور غیر منقطع ہوں یا جن کے آثار فاضلہ بہت کثرت سے ہوں۔ ایسی خوشحالی نہیں جو کمذبین کو چند روز کے لئے بطور امہال و استدراج حاصل ہوتی ہے۔ اور انجام کار دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی وبال جان بنتی ہے۔

۱۱۹۔ جھٹلانے والوں کو عید: یعنی جب عیش و آرام میں غافل پڑے سو رہے ہوں یا دنیا کے کاروبار اور لہو و لعب میں مشغول ہوں اس وقت خدا کا عذاب ان کو دفعہ آگھیرے۔ اس بات سے یہ لوگ نڈر اور بے فکر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جن اسباب کی بناء پر گذشتہ اقوام پر عذاب آئے ہیں، وہ ان میں بھی موجود ہیں۔ یعنی کفر و تکذیب اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ و محاربہ۔

۱۲۰۔ دنیوی خوشحالی اور عیش کے بعد جو خدا کی ناگہانی پکڑ ہے، اسی کو مکر اللہ (خدا کا داؤ) فرمایا عیش و تتم میں پڑ کر وہ ہی لوگ خدا کی ناگہانی گرفت سے بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت اعمال نے انہیں دھکا دے دیا ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی حال میں خدا کو نہ بھولے۔

ظفر اس کو آدمی نہ جائے گا  
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی  
گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا  
جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا۔

۱۰۰۔ کیا نہیں ظاہر ہوا ان لوگوں پر جو وارث ہوئے  
زمین کے وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد کہ  
اگر ہم چاہیں تو ان کو پکڑ لیں ان کے گناہوں پر [۱۲۱] اور  
أَوْ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ  
أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَنُطْبِعُ

ہم نے مہر کر دی ہے انکے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ یہ بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم تجھ کو ان کے کچھ حالات اور بیشک ان کے پاس پہنچ چکے ان کے رسول نشانیاں لے کر پھر ہرگز نہ ہوا کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے یوں مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر [۱۲۲]

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۗ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۗ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۗ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ

قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اور نہ پایا ان کے اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کا نباہ اور اکثر ان میں پائے نافرمان [۱۲۳]

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۗ وَإِن وَجَدْنَا

أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿۱۰۳﴾

۱۲۱۔ جیسے پہلوں کو پکڑ لیا، تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

۱۲۲۔ گذشتہ واقعات سے عبرت: یعنی جس چیز کا ایک دفعہ انکار کر بیٹھے، پھر کتنے ہی نشان دیکھیں دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے، ممکن نہیں کہ اس کا اقرار کر لیں۔ جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے، تب عادتاً اصلاح حال و قبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ یہ ہی صورت دلوں میں مہر لگ جانے کی ہوتی ہے۔ یہاں واضح فرما دیا کہ اللہ کی طرف سے دلوں پر مہر لگانے کا کیا مطلب ہے۔ (تنبیہ) وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ سے معلوم ہو گیا کہ جو انبیاء علیہم السلام قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، اہل مدین کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ سب بینات (واضح نشان) دے کر بھیجے گئے۔ پس ہوئی قوم کا یہ کہنا یٰہُوذُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَاتٍ لِّمُحْضِ تَعْنَتٍ وَعِنَادٍ كِی رَاہ سے تھا۔ ۱۲۳۔ ”عہد“ سے ممکن ہے عام عہد مراد ہوں یا خاص ”عہد الست“ کا ارادہ کیا گیا ہو، یا وہ عہد جو مصائب اور سختیوں کے وقت کرتے تھے کہ فلاں سختی اٹھالی جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ جیسے فرعونوں نے کہا تھا لَیِّنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَكَذُو سَلْنَا مَعَكَ بِنِعْ إِسْمَاعِيلَ۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ آجَلٍ هُمْ بِلِغْوِهِ إِذَا هُمْ يَنْكُشُونَ (اعراف۔ ۱۳۵، ۱۳۴)

۱۰۳۔ پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے [۱۲۴] موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس پس کفر کیا انہوں نے انکے مقابلہ میں سو دیکھ کیا انجام ہوا مفسدوں کا [۱۲۵]

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

وَمَلَآئِيهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۗ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں رسول ہوں

وَ قَالَ مُوسَىٰ يٰ فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ

الْعَلْبَيْنِ ﴿۱۰۳﴾

پروردگار عالم کا

۱۰۵۔ قائم ہوں اس بات پر کہ نہ کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی [۱۲۶] سو بھیجے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو [۱۲۷]

حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ ۗ  
قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي

إِسْرَائِيلَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۶۔ بولا اگر تو آیا ہے کوئی نشانی لے کر تو لا اس کو اگر تو سچا ہے

قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَآتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ

مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۷۔ تب ڈال دیا اس نے اپنا عصا تو اسی وقت ہو گیا اژدھا صریح [۱۲۸]

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۸۔ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آنے لگا دیکھنے والوں کو [۱۲۹]

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۹۔ بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ تو کوئی بڑا واقف جادو گر ہے [۱۳۰]

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ

عَلَيْهِمْ ﴿۱۰۹﴾

۱۱۰۔ نکالنا چاہتا ہے تم کو تمہارے ملک سے اب تمہاری کیا صلاح ہے [۱۳۱]

يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَآذًا

تَأْمُرُونَ ﴿۱۱۰﴾

۱۲۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مناظرہ: "یعنی جن انبیاء کا پہلے ذکر ہوا (نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام) موسیٰ ان سب کے بعد تشریف لائے۔ ان پیغمبروں کا ذکر فرمانے کے بعد درمیان میں "سنت اللہ" بیان فرمائی تھی جو مکذبین کے متعلق جاری رہی ہے جس کے ضمن میں موجودہ جماعت کفار کو متنبہ فرما دیا گیا۔ اس درمیانی مضمون سے فارغ ہو کر پھر سلسلہ بعثت رسل کی ایک عظیم الشان کڑی کا ذکر شروع کرتے ہیں۔

۱۲۵۔ اس سے زیادہ مفسد کون ہو گا جو خدا کے سفراء کو جھٹلائے، آیات اللہ کی تکذیب اور حق تلفی کرے، مخلوق خدا سے اپنی پرستش کرائے آگے ضروری واقعات ذکر فرما کر اس انجام کی تفصیل کی گئی ہے۔

۱۲۶۔ اکثر مفسرین نے ”حقیق“ کے معنی جدیر (لاق) کے لئے ہیں۔ اسی لئے ”علیٰ“ کو بمعنی ”باء“ لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہ ہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں۔ بعض نے ”حقیق“ کو بمعنی ”حریص“ لیا ہے۔ لیکن مترجم محقق نے ”حقیق“ کو ”قائم و ثابت“ کے معنی میں لیا۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں خدا کا پیام بلا کم و کاست تم کو پہنچا دوں۔ اور تمہاری تکذیب و تحریف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔

۱۲۷۔ بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ: یوں تو حضرت موسیٰ نے فرعون کو کئی طرح کی نصیحتیں کیں جیسا کہ دوسری آیات میں مذکور ہیں فَكَلَّمْنَا لَكَ اِلٰى اَنْ تَزُوْجِيْ - وَ اِهْدِيْكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى (النازعات۔ ۱۹، ۱۸) مگر ایک بڑی اہم چیز یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو جو انبیائے کرام کی اولاد میں سے تھے اور جنہیں فرعونوں نے ذلیل جانوروں کی طرح غلام بنا رکھا تھا، مظالم و شدائد سے نجات دلائیں اس موقع پر فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے اسی چیز کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کو اپنی قید و بیگاری سے نجات دے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں اور میرے ساتھ اپنے وطن مالوف (ملک شام) میں چلے جائیں کیونکہ ان کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق سے ہجرت کر کے شام ہی میں قیام فرمایا تھا۔ بعدہ حضرت یوسفؑ کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔ اب چونکہ یہاں کی قوم قبٹیوں نے ان پر طرح طرح کے مظالم کر رکھے ہیں، ضرورت ہے کہ ان کو قبٹیوں کی ذلیل غلامی سے آزادی دلا کر آبائی وطن کی طرف واپس کیا جائے۔

۱۲۸۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کا اڑدھا بننا: جس کے اڑدھا ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ اڑدھا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا۔ آخر فرعون نے بدحواس ہو کر موسیٰ سے اس کے پکڑنے کی درخواست کی۔ موسیٰ کا ہاتھ لگانا تھا کہ پھر عصا بن گیا۔

۱۲۹۔ ید بیضا کا معجزہ: یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل میں دبا کر نکالا تو لوگوں نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ غیر معمولی طور پر سفید اور چمکدار تھا۔ یہ روشنی اور چمک کسی مرض برص وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب منور کی روشنی بطریق اعجاز ہاتھ میں سرایت کر جاتی تھی۔

۱۳۰۔ آل فرعون پر وصیت: معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے موسیٰ کے معجزات سے ہیبت زدہ ہو کر پبلک کو جمع کیا اور پہلے اس نے بذات خود (کمانی الشعراء) پھر اس کی طرف سے بڑے بڑے لیڈروں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ موسیٰ (معاذ اللہ) کوئی بڑے ماہر جادو گر معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو خوارق موسیٰ سے ظاہر ہوئے ان کی حیات کے موافق جادو سے بہتر انکی کوئی توجیہ نہ ہو سکتی تھی۔

۱۳۱۔ یعنی عجیب و غریب ساحرانہ کرشمے دکھلا کر مخلوق کو اپنی طرف مائل کر لے اور انجام کار ملک میں اثر و اقتدار پیدا کر کے اور بنی اسرائیل کی حمایت و آزادی کا نام لے کر قبٹیوں کو جو یہاں کے اصلی باشندے ہیں، ان کے ملک و وطن (مصر) سے بے دخل کر دے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہئے۔

۱۱۱۔ بولے ڈھیل دے اس کو اور اسکے بھائی کو اور بھیج پر گنوں میں جمع کرنے والوں کو

قَالُوْا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْبَدَاۤئِنِ

حَسْبٰٓئِنَ

۱۱۲۔ کہ جمع کر لائیں تیرے پاس جو ہو کامل جادو گر [۱۳۲]

يَاۤتُوْكَ بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيْمٍ



۱۱۳۔ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس بولے ہمارے لئے کچھ مزدوری ہے اگر ہم غالب ہوئے [۱۳۳]

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿١١٣﴾

۱۱۴۔ بولا ہاں اور بیشک تم مقرب ہو جاؤ گے [۱۳۴]

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَبِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾

۱۱۵۔ بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ڈالتے ہیں [۱۳۵]

قَالُوا يٰمُوسَىٰ اِمَّا اَنْ تَلْتَمِئَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُونَ نَحْنُ الْمُلْتَمِينَ ﴿١١٥﴾

۱۱۶۔ کہا ڈالو [۱۳۶] پھر جب انہوں نے ڈالا باندھ دیا لوگوں کی آنکھوں کو اور ان کو ڈرا دیا اور لائے بڑا جادو [۱۳۷]

قَالَ الْقَوْمُ فَلَمَّا آلَقُوا سَحَرًا وَاَعْيَنَ النَّاسِ وَاَسْتَرْهَبُوهُمْ وَاَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾

۱۱۷۔ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا سو وہ جیسی لگانگنے جو سانگ انہوں نے بنایا تھا

وَاَوْحَيْنَا اِلَىٰ مُوسَىٰ اَنْ اَلِقْ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١١٧﴾

۱۱۸۔ پس ظاہر ہو گیا حق اور غلط ہو گیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا

فَوْقَ الْحَقِّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٨﴾

۱۱۹۔ پس ہار گئے اس جگہ اور لوٹ گئے ذلیل ہو کر

فَغَلَبُوا هُنَالِكَ وَاَنْقَلَبُوا صٰغِرِينَ ﴿١١٩﴾

۱۲۰۔ اور گر پڑے جادوگر سجدہ میں [۱۳۸]

وَالْقَى السَّحَرَةُ سٰجِدِينَ ﴿١٢٠﴾

۱۲۱۔ بولے ہم ایمان لائے پروردگار عالم پر

قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٢١﴾

۱۲۲۔ جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا [۱۳۹]

رَبِّ مُوسَىٰ وَهٰرُونَ ﴿١٢٢﴾

۱۳۲۔ مقابلے کے لئے ساحرین کو دعوت: مشاورت باہمی کے بعد یہ پاس ہوا کہ فرعون سے درخواست کی جائے کہ وہ ان دونوں (موسیٰ و ہارون) کے معاملہ میں جلدی نہ کرے۔ ان کا بہترین توڑ اور موثر جواب یوں ہو سکتا ہے کہ چہر اسی بھیج کر تمام قلمرو میں سے فن سحر کے جاننے والے جو ان سے بھی بڑھ کر اس فن کے ماہر (سحار) ہوں جمع کر لئے جائیں، ان سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔

۱۳۳- جادو گروں کا مطالبہ اجرت: ساحرین فرعون نے اِنَّ لَنَا لَآجْرًا كَهْمَا كَرِهُلْهُ هِي قَدَمٌ پَر جِتْلَا دِيَا كَه انبياء عليهم السلام جن كا پہلا لفظ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِي اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (شعراء-۱۰۹) ہوتا ہے، کوئی پیشہ ور لوگ نہیں ہوتے۔

۱۳۴- یعنی مزدوری کیا چیز ہے وہ تو ملے گی، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ہمارے مقررین بارگاہ اور مصاحبین خاص میں داخل کر لئے جاؤ گے۔

۱۳۵- یہ شاید اس بناء پر کہا کہ پیشتر حضرت موسیٰ فرعون کے روبرو عصا ڈال کر باذن اللہ اژدھا بنا چکے تھے۔

۱۳۶- مقابلے کا آغاز: یعنی جب تم کو یہ مقابلہ ہی منظور ہے اور اسی پر آخری فیصلہ کا انحصار کرتے ہو تو پہلے تم ہی ڈال کر پوری قوت آزمائی کر لو۔ کیونکہ باطل کی پوری نمائش اور زور آزمائی کے بعد جو حق کا غلبہ مشاہدہ ہو گا، وہ امید ہے کہ زیادہ موثر اور اوقع فی النفوس ہو۔ تو فی الحقیقت یہ موسیٰ کی طرف سے سحر کے ساتھ معجزہ کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ دو صورتوں میں سے ایک ایسی صورت کا انتخاب تھا جو باطل کے خمود اور حق کے غلبہ و وضوح کی موثر ترین صورت ہو سکتی تھی۔

۱۳۷- ساحرین کی طرف سے جادو کا مظاہرہ: یعنی جادو کے زور سے نظر بندی کر کے مجمع پر چھاگئے اور لوگوں کو مرعوب کر لیا۔ دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں جس سے زمین پر سانپ ہی سانپ دوڑتے معلوم ہونے لگے۔ يَخْتَلِلُ الْاَيْتِه مِنْ سِحْرِهِمْ اَنْهَا تَسْعٰى (طہ-۶۶) ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اس وقت جو شعبہ دکھلایا تھا اس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا۔ بلکہ وہ محض تخیل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں، شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰ کو دبا لیں گے۔ اور کچھ گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس سحر عظیم سے بھی بڑا کوئی سحر اعظم دکھلاتے، مگر اعجاز موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی، آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

۱۳۸- عصائے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ: یعنی عصائے موسیٰ سانپ بن کر ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا، اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ جس سے ساحرین کو متنبہ ہوا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے۔ آخر فرعون کے لوگ بھرے مجمع میں شکست کھا کر اور ذلیل ہو کر میدان مقابلہ سے لوٹے اور ساحرین خدائی نشان دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ و ہارون نے ظہور حق پر سجدہ شکر ادا کیا۔

ساحرین کا قبول اسلام: اسی وقت ساحرین بھی سر بسجود ہو گئے۔ اَنْتَقَى السَّحْرَةَ كَلْفًا يَتَلَاتَا هَبْ كَه كُوْنِي اَيْسَا قُوِي حَالِ اِن پَر طَارِي هُوَا حَسْ كَه بَعْدُ بَجَوْ خَضُوْع وَاِسْتِسْلَام كُوْنِي چَارَه نَبِيْ رَهَا۔ رَحْمَتِ الْهَيْه كَا كِيَا كَهْنَا كَه جَو لُوْگ اَبْجِي اَبْجِي پَنْبِيْمِر خَدَا سَه نَبْر دَ آزْمَانِي كَر رَهْ تَهْ سَجْدَه سَه سَر اُٹْھَا تَهْ هِي اَوْلِيَاءِ اللّٰه اَوْر عَارْفِ كَا مَل بَن كُنْے۔

۱۳۹- چونکہ فرعون بھی اپنی نسبت اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰى (النازعات-۲۴) کہتا تھا، شاید اس لئے رَبِّ الْعَالَمِينَ کے ساتھ رَبِّ مُؤْمِنِي وَ هُرُوْدُنْ كَهْنَه کی ضرورت ہوئی اس میں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ بیشک جہاں کا پروردگار وہ ہی ہو سکتا ہے جس نے موسیٰ و ہارون کو اپنی خاص ربوبیت سے بدون توسط اسباب ظاہرہ دنیا کے متکبروں پر علی رؤس الاشهاد اس طرح غالب کر کے دکھلادیا۔

۱۴۳- بولا فرعون کیا تم ایمان لے آئے اس پر میری اجازت سے پہلے یہ تو مکر ہے جو بنایا تم سب نے اس شہر میں تاکہ نکال دو اس شہر سے اسکے رہنے والوں کو سواب

تم کو معلوم ہو جائے گا [۱۴۰]

قَالَ فِرْعَوْنُ اَمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اُذِنَ لَكُمْ اِنَّ

هٰذَا لَكُمْ مَكْرَتُوْهُ فِي الْبَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا

مِنْهَا اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

۱۲۴۔ میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں پھر سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو

لَا قَطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَ أَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ

لَا صَلْبَنَكُمْ أَجْعَبِينَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۵۔ وہ بولے ہم کو تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے [۱۲۴]

قَالُوا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾

۱۲۶۔ اور تجھ کو ہم سے یہی دشمنی ہے کہ مان لیا ہم نے اپنے رب کی نشانیوں کو جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے رب دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان [۱۲۶]

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ تَوَفَّنَا

مُسْلِمِينَ ﴿١٢٦﴾

۱۲۷۔ اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے تو موسیٰ کو اور اسکی قوم کو کہ اودھم مچائیں ملک میں [۱۲۷] اور موقوف کر دے تجھ کو اور تیرے بتوں کو [۱۲۸] بولا اب ہم مار ڈالیں گے انکے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے انکی عورتوں کو اور ہم ان پر زور آور ہیں [۱۲۹]

وَ قَالَ الْبَلَاءُ مِنْ قَوْمٍ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَى وَ قَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ آلِهَتِكَ ط قَالَ سَنُقْتِلُ آبْنَاءَهُمْ وَ نَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ ج وَ

إِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾

۱۳۰۔ فرعون کا غیظ و غضب: یعنی یہ تم سب جادو گروں کی ملی بھگت ہے، غالباً موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہو گا۔ اس کو آگے بھیج دیا پھر سب نے اپنی مغلوبیت کا اظہار کر دیا۔ تاکہ عام لوگ متاثر ہو جائیں۔ اس گہری سازش سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کرو اور خود مصر کی سلطنت پر قبضہ کر لو۔ یہ تقریر فرعون نے اپنی کھلی شکست پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو الو بنانے کی غرض سے کی تھی۔ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاطَاعُوهُ (زخرف- ۵۴) مگر جس چیز سے فرعون اور فرعونی ڈر رہے تھے، آخر تقدیر الہی سے وہ ہی پیش آئی وَ نُرِي فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ (القصص- ۶)

۱۳۱۔ مومن ساحرین کا ایمان و استقامت: ساحرین توحید اور تمنائے لقاء اللہ کی شراب سے مخمور ہو چکے تھے، جنت و دوزخ گویا آنکھوں کے سامنے تھیں۔ بھلا وہ ان دھمکیوں کی کیا پروا کر سکتے تھے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں، جو کرنا ہو کر گذر۔ پھر ہم کو اپنے خدا کے پاس جانا ہے۔ تیرے سر ہو کر سہی۔ وہاں کے عذاب سے یہاں کی تکلیف آسان ہے اور اس کی رحمت و خوشنودی کے راستہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی تکالیف و مصائب کا برداشت کر لینا بھی عاشقوں کے لئے سہل ہے ہنسیاً لا رباب النعیم نعیبہم۔ وللعاشق المسکین مایتجرع

۱۳۲۔ یعنی جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں، اسی رب سے ہماری دعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں

پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرتے دم تک اسلام پر مستقیم رکھے ایسا نہ ہو کہ گھبرا کر کوئی بات تسلیم و رضاء کے خلاف کر گزریں۔  
۱۲۳۔ جب حق کے نشان دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کا ساتھ دینا شروع کر دیا بلکہ بعض قبیلوں کا میلان بھی ان کی طرف ہونے لگا تو فرعونی لیڈر گھبرائے اور فرعون کو یہ کہہ کر تشدد پر آمادہ کرنے لگے کہ موسیٰ اور اس کی قوم بنی اسرائیل کو یہ موقع نہ دینا چاہئے کہ وہ آزاد رہ کر ملک میں اودھم مچاتے پھریں اور عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں اور آئندہ تیری اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی پرستش ملک سے موقوف کرادیں۔

۱۲۴۔ فرعون کے تجویز کردہ خدا: "فرعون اپنے کو" رب اعلیٰ "بڑا پروردگار کہتا تھا۔ غالباً اسی" اعلیٰ "کو نباہنے کے لئے کچھ ادنیٰ پروردگار بھی تجویز کئے ہوں گے۔ ان کو یہاں اَلْهَيْتَكَ کہا بعض نے کہا کہ وہ گائے وغیرہ کی مجسم تصویریں تھیں۔ بعض نے سورج اور ستاروں کا ارادہ کیا ہے بعض کے نزدیک خود فرعون نے اپنی تصویر کے مجسمے پرستش کے لئے تقسیم کر دیے تھے۔ کچھ سہی بہر حال بڑا معبود اپنے ہی کو کہلواتا تھا اور مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهِ غَيْرِي (القصص۔ ۳۸) کہہ کر خدا کے وجود کی نفی کرتا تھا۔ العیاذ باللہ۔

۱۲۵۔ بنی اسرائیل پر مظالم کا ارادہ: موسیٰ کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کر رکھا تھا، کہ لڑکوں کو قتل کر دیتا۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ وہ ہی اسرائیلی نہ ہو جس کے ہاتھ پر اس کی سلطنت کے زوال کی خبر منجمن نے دی تھی اور لڑکیوں کو خدمت وغیرہ کے لئے زندہ رہنے دیتا۔ اب موسیٰ کا اثر دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی تربیت و اعانت سے بنی اسرائیل زور نہ پکڑ جائیں اس لئے انہیں خوف زدہ اور عاجز کرنے کے لئے اپنے زور و قوت کے نشہ میں پھر اسی پرانی اسکیم پر عمل کرنے کی ٹھہرائی۔ بنی اسرائیل اس سفاکانہ تجویز کو سن کر طبعی طور پر پریشان اور دہشت زدہ ہوئے ہوں گے۔ اس کا علاج موسیٰ نے آئندہ آیت میں بتلایا۔

۱۲۸۔ موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین ہے اللہ کی اس کا وارث کر دے جسکو وہ چاہے اپنے بندوں میں اور آخر میں بھلائی ہے ڈرنے والوں کے لئے [۱۲۶]

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا  
اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾

۱۲۹۔ وہ بولے ہم پر تکلیفیں رہیں تیرے آنے سے پہلے اور تیرے آنے کے بعد [۱۲۷] کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو اور خلیفہ کر دے تم کو ملک میں پھر دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو [۱۲۸]

قَالُوا اُوذِينَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاتِيَنَا وَ مِنْ  
بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۗ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ

عَدُوُّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ

تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾

۱۳۰۔ اور ہم نے پکڑ لیا فرعون والوں کو قحطوں میں اور

وَلَقَدْ اَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَ نَقْصٍ مِّنْ

میوؤں کے نقصان میں تاکہ وہ نصیحت مانیں

الشَّرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَدْكَرُونَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۱۔ پھر جب پہنچی انکو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے لائق اور اگر پہنچی برائی تو نحوست بتلاتے موسیٰ کی اور اسکے ساتھ والوں کی سن لو ان کی شومی تو اللہ کے پاس ہے پر اکثر لوگ نہیں جانتے [۱۳۹]

فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ إِلَّا إِنَّمَا تَطَّيَّرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۲۔ اور کہنے لگے جو کچھ تو لائے گا ہمارے پاس نشانی کہ ہم پر اسکی وجہ سے جادو کرے سو ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے [۱۵۰]

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ: یعنی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا، ملک اسی کا ہے جس کو مناسب جانے عطا فرمائے۔ لہذا ظالم کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگو۔ اسی پر نظر رکھو، اسی سے ڈرو، صبر و تقویٰ کی راہ اختیار کرو۔ اور یقین رکھو کہ آخری کامیابی صرف متقین کے لئے ہے۔

۱۳۷۔ یعنی ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے۔ تمہاری تشریف آوری سے قبل ہم سے ذلیل بیگاری جاتی تھی اور ہمارے لڑکے قتل کئے جاتے تھے۔ تمہارے آنے کے بعد طرح طرح کی سختیاں کی جا رہی ہیں۔ اور قتل ابناء کے مشورے ہو رہے ہیں دیکھئے کب ہماری مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔

۱۳۸۔ حضرت موسیٰ نے تسلی دی کی زیادہ مت گھبراؤ۔ خدا کی مدد قریب آگئی ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ تمہارا دشمن ہلاک کر دیا جائے گا اور تم کو ان کے اموال و املاک کا مالک بنا دیا جائے گا۔ تاکہ جس طرح آج سختی و غلامی میں تمہارا امتحان ہو رہا ہے، اس وقت خوشحالی اور آزادی دے کر آزما یا جائے کہ کہاں تک اس کی نعمتوں کی قدر اور احسانات کی شکر گزاری کرتے ہو۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کے سنانے کو نقل فرمایا، یہ سورت کی ہے، اس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے۔ "گفتہ آید در حدیث دیگران" کے رنگ میں یہ بشارت ان کو پہنچائی۔

۱۳۹۔ آل فرعون کی پکڑ اور ان کی ہٹ دھرمی: "گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ قریب ہے خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے۔" یہاں سے اسی ہلاک موعود کے بعض مبادی کی تفصیل شروع کی گئی ہے۔ یعنی اس سنت اللہ کے موافق جس کا بیان اسی پارہ کے شروع میں آیت وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ (اعراف-۹۴) الخ کے تحت میں گذر چکا، خدا تعالیٰ نے فرعونوں کو ابتدائی تنبیہ کے طور پر قحط، خشک سالی وغیرہ معمولی تکالیف اور سختیوں میں مبتلا کیا۔ تاکہ وہ خواب غفلت سے چونکیں اور موسیٰ کی پیغمبرانہ نصیحتوں کو قبول کریں۔ مگر وہ ایسے کاہے کو تھے۔ انہوں نے ان تنبیہات کی کچھ پروا نہ کی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ ڈھیٹ اور گستاخ ہو گئے۔ چنانچہ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ (اعراف-۹۵) کے قاعدہ سے جب قحط وغیرہ دور ہو کر ارزانی اور خوشحالی حاصل ہوتی تو کہنے لگتے کہ دیکھو ہماری خوش طالعی اور اقبال مندی کے لائق تو یہ حالات ہیں۔ پھر اگر درمیان میں کبھی کسی ناخوشگوار اور بری حالت سے دوچار ہونا پڑ جاتا تو کہتے کہ یہ سب (معاذ اللہ) موسیٰ اور اس کے رفقاء کی شومی تقدیر اور نحوست ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا إِلَّا إِنَّمَا تَطَّيَّرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ الخ یعنی اپنی بد سختی

اور نحوست کو مقبول بندوں کی طرف کیوں نسبت کرتے ہو۔ تمہاری اس نحوست کا واقعی سبب تو خدا کے علم میں ہے اور وہ تمہارا ظلم و عدوان اور بغاوت و شرارت ہے۔ اسی سبب کی بناء پر خدا کے یہاں سے کچھ حصہ نحوست کا واقعی سزا اور تنبیہ کے طور پر تم کو پہنچ رہا ہے۔ باقی تمہارے ظلم و کفر کی اصلی شومی و نحوست یعنی پوری پوری سزا تو وہ ابھی اللہ کے پاس محفوظ ہے جو دنیا میں یا آخرت میں اپنے وقت پر تم کو پہنچ کر رہے گی۔ جس کی ابھی اکثر لوگوں کو خبر نہیں۔

۱۵۰۔ یہ مولیٰ کے معجزات و نشانات دیکھ کر کہتے تھے کہ خواہ کیسا ہی جادو آپ ہم پر چلائیں اور اپنے خیال کے موافق کتنے ہی نشان دکھلائیں، ہم کسی طرح تمہاری بات ماننے والے نہیں۔ جب انہوں نے یہ آخری فیصلہ سنا دیا اور قبول حق کے سب دروازے اپنے اوپر بند کر لئے، تب خدا نے ان پر چند قسم کی عظیم الشان بلائیں یکے بعد دیگرے مسلط کر دیں۔ جنکی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے۔

۱۳۳۔ پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان [۱۵۱] اور ٹڈی اور چچڑی [۱۵۲] اور مینڈک اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہگار [۱۵۳]

فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالِدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَ

كَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿١٣٣﴾

۱۳۴۔ اور جب پڑتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے مولیٰ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا کہ اس نے بتلا رکھا ہے تجھ کو [۱۵۴] اگر تو نے دور کر دیا ہم سے یہ عذاب تو بیشک ہم ایمان لے آئیں گے تجھ پر اور جانے دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يُوسَىٰ اذْعُ لَنَا رَبِّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٣٤﴾

۱۳۵۔ پھر ہم نے اٹھا لیا ان سے عذاب ایک مدت تک کہ ان کو اس مدت تک پہنچنا تھا اسی وقت عہد توڑ ڈالے [۱۵۵]

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِلُغْوِهِمْ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿١٣٥﴾

۱۳۶۔ پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے سوڈ بودیا ہم نے انکو دریا میں اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے تغافل کرتے تھے [۱۵۶]

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِآيَاتِنَا كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٣٦﴾

۱۵۱۔ آل فرعون پر طرح طرح کے عذاب: یعنی بارش اور سیلاب کا طوفان یا طاعون کی وجہ سے موت کا طوفان علیٰ اختلاف الاقوال۔

۱۵۲۔ ”تمل“ سے مراد چچڑیاں ہیں، جیسا کہ مترجم نے اختیار کیا۔ یا جوئیں یا گہیوں وغیرہ غلہ میں جو کیڑا لگ جاتا ہے جس سے غلہ خراب ہو جاتا ہے۔ یعنی بدن اور کپڑوں میں چچڑیاں اور جوئیں پڑ گئیں۔ غلہ میں گہن لگ گیا۔

۱۵۳۔ یعنی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ یہ سب آیات دکھلائی گئیں۔ مگر وہ کچھ ایسے متکبر، جرائم پیشہ اور پرانے گنہگار تھے کہ کسی طرح مان کرنے دیا۔ سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ کے مطالبہ (بنی اسرائیل کی آزادی) کو تسلیم نہ کیا تو حق تعالیٰ نے بارش کا طوفان بھیجا، جس سے کھیتوں وغیرہ کی تباہی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر گھبرا کر حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ تم اپنے خدا سے کہہ کر یہ بلا طوفان دور کر دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی دے کر تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ موسیٰ کی دعا سے بارش بند ہو گئی اور بجائے نقصان کے پیداوار بہت کثرت سے ہوئی۔ فرعون عذاب سے بے فکر ہو کر اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے تیار کھیتوں پر ٹڈی دل بھیج دیا جسے دیکھ کر پھر گھبرائے کہ یہ نئی آفت کہاں سے آگئی۔ پھر موسیٰ سے دعا کی درخواست کی اور پختہ وعدے کئے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ جب یہ عذاب بھی اٹھالیا گیا تو پھر مطمئن ہو گئے اور سب وعدے فراموش کر دیے۔ آخر جس وقت غلہ اٹھا کر مکانوں میں بھر لیا تو خدا کے حکم سے غلہ میں گھن لگ گیا۔ پھر موسیٰ سے دعا کرائی اور بڑے پکے عہد و ایمان کئے، لیکن جہاں وہ حالت ختم ہوئی بدستور سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگے تو خدا نے ان کا کھانا اور پینا بے لطف کر دیا مینڈک اس قدر کثرت سے پیدا کر دیئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جب بولنے یا کھانے کے لئے منہ کھولتے، مینڈک جست کر کے منہ میں پہنچتا تھا اور ویسے بھی اس جانور کی کثرت نے رہنا سہنا مشکل کر دیا۔ ادھر پینے کے لئے جو پانی لینا چاہتے تھے وہ ہی خدا کے حکم سے برتنوں میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ غرض کھانے پینے تک سے عاجز ہو رہے تھے۔ اس پر بھی شیخی اور اکڑفوں وہ ہی تھی۔

۱۵۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست: "یعنی اس نے دعا کا جو موثر طریقہ تجھ کو بتلا رکھا ہے، اسی طرح دعا کر دیجئے۔ یا بِنَا عَهْدٍ عِنْدَكَ كَايَهِ مَطْلَبُ هَيْهَ كَه "نبی اللہ" ہونے کی حیثیت سے دعا فرمادیجئے۔ گویا "عہد" کا اطلاق نوبت پر ہوا، کیونکہ خدا اور نبی کے درمیان ایک طرح کا معاہدہ ہوتا ہے کہ خدا نبی کو خلعت اکرام و اعانت سے سرفراز فرمائے گا اور نبی اس کی پیغام رسانی میں کوئی کوتاہی نہ کرے گا۔ اور ممکن ہے بِنَا عَهْدٍ عِنْدَكَ سے وہ عہد مراد ہو جو بتوسط انبیاء علیہم السلام، اقوام سے کیا جاتا ہے کہ اگر تم کفر و تکذیب سے باز آ جاؤ گے تو عذاب الہی اٹھالیا جائے گا واللہ اعلم۔

۱۵۵۔ اس مدت سے یا تو موت اور غرق ہونے تک کی مدت مراد ہے۔ یا ممکن ہے ایک بلا کے بعد دوسری بلا کے آنے تک کا وقت مراد ہو۔

۱۵۶۔ آل فرعون کا غرق ہونا: "رجز" سے بعض مفسرین کے نزدیک طاعون مراد ہے جیسا کہ بعض احادیث میں یہ لفظ طاعون پر اطلاق کیا گیا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین ان آیات کو پچھلی آیات ہی کا بیان قرار دیتے ہیں موضع القرآن میں ہے کہ "یہ سب بلائیں ان پر آئیں ایک ایک ہفتہ کے فرق سے۔ اول حضرت موسیٰ فرعون کو کہہ آتے کہ اللہ تم پر یہ بلا بھیجے گا۔ وہ ہی بلا آتی۔ پھر مضطر ہوتے حضرت موسیٰ کی خوشامد کرتے، ان کی دعا سے دفع ہوتی۔ پھر منکر ہو جاتے، آخر کو وبا پڑی۔ نصف شب کو سارے شہر میں ہر شخص کا پہلا بیٹا مر گیا، وہ لگے مردوں کے غم میں، حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ پھر کئی روز کے بعد فرعون پیچھے لگا۔ دریائے قلزم پر جا پکڑا۔ وہاں یہ قوم سلامت گذر گئی اور فرعون ساری فوج سمیت غرق ہوا۔

۱۳۷۔ اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے [۱۵۴] اس زمین کے مشرق اور مغرب کا کہ جس میں برکت رکھی ہے ہم نے [۱۵۸] اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب انکے صبر کرنے کے اور خراب کر دیا ہم نے جو کچھ بنایا تھا فرعون اور اسکی

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ  
مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۗ  
تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۗ

قوم نے اور جو اونچا کر کے چھایا تھا [۱۵۹]

بِمَا صَبَرُوا<sup>ط</sup> وَ دَمَرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ

قَوْمَهُ وَ مَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۸۔ اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو  
پہنچے ایک قوم پر جو پوجنے میں لگے رہتے تھے اپنے بتوں  
کے [۱۶۰] کہنے لگے اے موسیٰ بنادے ہماری عبادت کے  
لئے بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں کہا تم لوگ تو جہل  
کرتے ہو [۱۶۱]

وَ جُودْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ

يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ<sup>ج</sup> قَالُوا يَا يُوسَى اجْعَلْ

لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ<sup>ط</sup> قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ

تَجْهَلُونَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۹۔ یہ لوگ تباہ ہونے والی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے  
ہوئے ہیں اور غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں [۱۶۲]

إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَّبِعُونَ مَا هُمْ فِيهِ وَ بَطِلٌ مَا كَانُوا

يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾

۱۴۰۔ کہا کیا اللہ کے سوا ڈھونڈوں تمہارے واسطے کوئی  
اور معبود حالانکہ اس نے تمکو بڑائی دی تمام جہان پر [۱۶۳]

قَالَ أَغْيَرَ اللَّهُ ابْغِيكُمْ إِلَهًا وَ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى

الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۱۔ اور وہ وقت یاد کرو جب نجات دی ہم نے تم کو  
فرعون والوں سے کہ دیتے تھے تم کو برا عذاب کہ مار  
ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور جیتا رکھتے تھے تمہاری  
عورتوں کو اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا [۱۶۴]

وَ إِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ

الْعَذَابِ<sup>ج</sup> يَقْتُلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ

وَ فِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ<sup>ط</sup> مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾

۱۵۷۔ یعنی بنی اسرائیل کو۔

۱۵۸۔ بنی اسرائیل کو مصر و شام کی وراثت: "اکثر مفسرین کے نزدیک اس زمین سے مراد ملک شام ہے جس میں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و  
باطنی برکات و دیعت کی ہیں۔ ظاہری تو یہ ہی کہ نہایت سرسبز و شاداب، سیر حاصل، خوش منظر اور زرخیز ملک ہے۔ اور باطنی اس لئے کہ بہت  
سے انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن بنایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر ایک عرصہ تک صحرائے تیبہ میں سرگرداں پھرتے رہے۔ جیسا  
کہ پہلے گزر چکا، بعدہ حضرت یوشع کے ساتھ ہو کر "عمالقه" سے جہاد کیا اور اپنے آبائی وطن ملک شام کے وارث بنے۔ بعض مفسرین نے اس



زمین سے مصر مراد لیا ہے۔ یعنی فرعونوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو مصر کی دولت کا وارث بنا دیا کہ آزادی کے ساتھ اس سے متمتع ہوں کما قال تعالیٰ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّتٍ وَعَيْوُنٍ - وَرُزُوعٍ وَ مَقَامٍ كَرِيمٍ - وَ نَعْمَةً كَانُوا فِيهَا فَكِهِينَ - كَذَلِكَ ۙ وَ اَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (دخان - ۲۸-۲۵) وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّبْنِيَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتَضَعُّوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اٰيَةً ۙ وَ نَجْعَلَهُمُ الْاُوْدِيَيْنَ - وَ نُنَكِّسُ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ نُرِيَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا يَحْذَرُوْنَ (القصص - ۵، ۶) اس تقدیر پر مصر کی ظاہری برکات تو ظاہر ہیں۔ باطنی اس حیثیت سے ہوں گی کہ حضرت یوسفؑ وہیں مدفون ہوئے، حضرت یعقوبؑ وہاں تشریف لے گئے اور آخر میں حضرت موسیٰؑ نے بچپن سے لے کر بڑی عمر تک طویل مدت اسی ملک میں گذاری۔ امام بغوی نے مفسرین کے دونوں قول جمع کر کے اس جگہ مصر و شام دونوں کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔"

۱۵۹۔ یعنی بنی اسرائیل نے جب فرعونوں کے سخت تباہ کن شداوند پر صبر کیا، موسیٰؑ کی ہدایت کے موافق خدا سے استعانت کی اور پیغمبر خدا کا ساتھ دیا تو خدا نے جو نیک وعدہ ان سے کیا تھا عسی رَبُّكُمْ اَنْ يُهْلِكَ عَدُوْكُمْ الْاَخِ اور نُرِيْدُ اَنْ نَّبْنِيَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتَضَعُّوْا الْاَخِ وہ پورا کر دکھایا۔ فرعون اور اس کی قوم نے اپنے اپنے کبر و نخوت کے اظہار کے لئے جو ڈھونگ بنا رکھا تھا وہ سب تباہ و برباد ہو گیا۔ اور ان کی اونچی اونچی عمارتیں تہ و بالا کر دی گئیں سچ ہے اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْا هَا وَ جَعَلُوْا اَعْرَاقَ اَهْلِهَا اَدْلَةً (النمل - ۳۴)

۱۶۰۔ بنی اسرائیل کا جابلانہ مطالبہ: بعض نے کہا کہ یہ قبیلہ نعم کے لوگ تھے اور بعض نے کنعانی عمالقہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ ان کے بت گائے کی شکل پر تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۱۔ "یعنی حق تعالیٰ کی عظمت شان اور تنزیہ و تقدیس سے تم بالکل جاہل معلوم ہوتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ مدت دراز تک مصری بت پرستوں کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا میلان بار بار اس طرح کے افعال و رسوم شرکیہ کی طرف ہوتا تھا۔ یہ بیہودہ جابلانہ درخواست بھی مصر کی آب و ہوا اور وہاں کے بت پرستوں کی صحبت کے تاثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کی عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی۔ ان کو بھی یہ ہوس آئی آخر کار سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا۔"

۱۶۲۔ قوم کو حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی نصیحت: یعنی ان کا بت پرستی کا مذہب میرے اور اہل حق کے ہاتھوں سے آئندہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور جو کچھ سوانگ یہ اب تک بناتے رہے ہیں وہ محض باطل، غلط، بیکار اور بے حقیقت ہے۔

۱۶۳۔ یعنی خدا کے انعامات عظیمہ کی شکر گذاری اور حق شناسی کیا یہ ہی ہو سکتی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کر کے اللہ سے بغاوت کی جائے۔ پھر بڑی شرم کا مقام ہے کہ جس مخلوق کو خدا نے سارے جہان پر فضیلت دی وہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کے سامنے سر بسجود ہو جائے کیا مفضول افضل کا معبود بن سکتا ہے؟

۱۶۴۔ اس کی تفسیر پارہ الم کے ربح کے بعد ملاحظہ کی جائے۔ یہ مضمون وہاں گذر چکا ہے۔ یعنی جس خدا نے ابھی ابھی تم پر ایسا عظیم الشان احسان فرمایا، کیا اسے چھوڑ کر لکڑیوں اور پتھروں کے سامنے جھکتے ہو؟

۱۴۲۔ اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰؑ سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو اور دس سے پس پوری ہو گئی مدت تیرے رب کی چالیس راتیں [۱۶۵] اور کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ [۱۶۶]

وَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِيْنَ لَيْلَةً ۙ وَ اَتَمْنَاهَا بِعَشْرِ ۙ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۙ وَقَالَ مُوسَىٰ لِاٰخِيهِ هَارُوْنَ اٰخُلْفِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ ۙ وَلَا

## تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۳۲﴾

۱۶۵۔ کوہ طور پر چالیس راتوں کا وعدہ: جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ سے درخواست کی کہ اب ہمارے لئے کوئی آسمانی شریعت لائیے جس پر ہم دلجمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰ نے ان کا معروضہ بارگاہ الہی میں پیش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے ان سے کم از کم تیس دن اور زائد از زائد چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے، تو تم کو تورات شریف عنایت کی جائے گی۔ دو مدتیں (کم اور زیادہ) ٹھہرانے کا شاید یہ مطلب تھا کہ اگر اثنائے ریاضت میں وظائف عبودیت اور آداب تقرب ادا کرنے کے اعتبار سے کسی قسم کی کوتاہی اور تقصیر ظاہر نہ کی تو اقل مدت تیس دن کافی ہوں گے ورنہ اکثر الا جلیں چالیس روز پورے کرنے پڑیں گے۔ یا شروع سے تیس دن ضروری و لازمی میعاد کے طور پر ہوں اور چالیس دن پورے کرنا اختیاری و استجابی حیثیت سے اصل میعاد کی تکمیل و تنمیم کے طور پر رکھے گئے ہوں۔ جیسے شعیبؑ نے موسیٰؑ کو اپنی بیٹی دیتے وقت فرمایا تھا عَلَيَّ اَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَبَبٍ فَإِنْ اَنْتَبَتْ عَشْرًا فَبِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ (القصص - ۲۷) اور ہمارے زمانہ کے بعض مصنفین نے یہ کہا ہے کہ اصلی میعاد چالیس ہی دن کی تھی جیسا کہ سورہ بقرہ میں مذکور ہے اور یہاں بھی فَتَمَّ مِيعَاتُ رَبِّهِ فِي اَشْرَافِهَا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اس چالیس دن کے بیان کا ایک پیرایہ ہے کہ ہم نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا جن کا تمہ دس دن اور تھے تاکہ اشارہ ہو جائے کہ ایک مہینہ سالم (ذیقعدہ) پورا کر کے دوسرے مہینہ (ذی الحجہ) میں سے دس دن اور بڑھائے گئے۔ اس طرح یکم ذی القعدہ سے شروع ہو کر ۱۰ ذی الحجہ کو پورا ہوا جیسا کہ اکثر سلف سے منقول ہے۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے کہ ”حق تعالیٰ نے وعدہ دیا۔ حضرت موسیٰؑ کو کہ پہاڑ پر تیس رات خلوت کرو کہ تمہاری قوم کو ”تورات“ دوں اس مدت میں انہوں نے ایک دن مسواک کی۔ فرشتوں کو ان کے منہ کی بوسے خوشی تھی، وہ جاتی رہی، اس کے بدلے دس رات اور بڑھا کر مدت پوری کی۔“

۱۶۶۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو نیابت کی ذمہ داری: یعنی میری غیبت میں میرے حصہ کا کام بھی تم ہی کرو۔ گویا حکومت و ریاست کے جو اختیارات موسیٰؑ کے ساتھ مخصوص تھے، وہ ہارونؑ کو تفویض کر دیے گئے اور چونکہ بنی اسرائیل کی تلون مزاجی اور سست اعتقادی کا پورا تجربہ رکھتے تھے، اس لئے بڑی تصریح و تاکید سے ہارونؑ کو متنبہ کر دیا کہ اگر میرے پیچھے یہ لوگ کچھ گڑبڑ چاہیں تو تم اصلاح کرنا اور میرے طریق کار پر کاربند رہنا، مفسد پردازوں کی راہ پر مت چلنا۔ خدا کی مشیت کہ موسیٰؑ یہ وصیت کر کے ادھر گئے۔ ادھر بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ مگر حضرت ہارونؑ نے موجودہ بائبل نویسوں کے علی الرغم یَقَوْمًا اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَاَطِيعُوْا اَمْرِي (طہ - ۹۰) کہہ کر ان کی گمراہی اور اپنی بیزاری کا صاف صاف اعلان کر دیا اور وصیت موسوی کے موافق اصلاح حال کی امکانی کوشش کی۔

۱۳۳۔ اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اس سے اسکے رب نے بولا اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں [۱۶۷] فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا [۱۶۸] لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا ہا تو تو مجھ کو دیکھ لے گا [۱۶۹] پھر جب تجلی کی اسکے رب نے پہاڑ کی طرف کر دیا اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش ہو کر [۱۷۰] پھر جب ہوش میں آیا بولا تیری

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِبِيعَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ اٰرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۗ قَالَ لَنْ تَرٰنِيْ وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اَسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرٰنِيْ ۗ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ

ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں سب سے پہلے یقین لایا [۱۴۱]

صَعِقًا فَلَمَّا آفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَ

أَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ فرمایا اے مولیٰ میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا سولے جو میں نے تجھ کو دیا اور شاکر رہ [۱۴۲]

قَالَ يٰٓيُوسَىٰ اِنِّىۤ اِصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ  
بِرِسَالَتِي وَّ بِكَلَامِي ۗ فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ

الشُّكْرٰٓيِنَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ اور لکھ دی ہم نے اس کو تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی [۱۴۳] سو پکڑ لے انکو زور سے اور حکم کر اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں عنقریب میں تم کو دکھلاؤں گا گھر نافرمانوں کا [۱۴۴]

وَ كَتَبْنَا لَهُۥ فِى الْاَلْوٰحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَ  
تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۗ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ

بِاِخْذِهَا بِاِحْسٰنٍ ۗ سَاُوْرِيْكُمْ دٰرَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار حق تعالیٰ کی درخواست: چالیس دن کی میعاد پوری ہو چکنے پر حق تعالیٰ نے موسیٰ کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف مکالمہ بخشا۔ اس وقت حضرت موسیٰ کو بلا واسطہ کلام الہی سننے کی لذت بے پایاں حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے متکلم کے دیدار کی آرزو کرنے لگے۔ اور بے ساختہ درخواست کر دی رَبِّ اَرِنِّىۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے پروردگار! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اور موانع اٹھا دیجئے اور وجہ انور بے حجاب سامنے کر دیجئے کہ ایک نظر دیکھ سکوں۔

۱۳۶۔ کوہ طور پر حق تعالیٰ کی تجلی: یعنی دنیا میں کسی مخلوق کا یہ فانی وجود اور فانی قومی اس ذوالجلال الاکرام لم یزل ولایزال کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں کسی کاموت سے پہلے دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہونا شرعاً ممنوع ہے۔ گو عقلاً ممکن ہو۔ کیونکہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے، تو موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک محال عقلی کی درخواست کرتے۔ اہل السنۃ والجماعت کا یہ ہی مذہب ہے کہ رویت باری دنیا میں عقلاً ممکن، شرعاً ممنوع الوقوع ہے اور آخرت میں اس کا وقوع نصوص قطعہ سے ثابت ہے۔ ربی رسول اللہ ﷺ کی رویت شب معراج میں، وہ اختلافی مسئلہ ہے جس کا ذکر انشاء اللہ سورہ نجم میں آئے گا۔

۱۳۷۔ یعنی تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، ہم اپنے جمال مبارک کی ایک ذرا سی جھلک اس پر ڈالتے ہیں۔ اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت کر سکی تو ممکن ہے تم کو بھی اس کا تحمل کرادیا جائے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے، کسی انسان کی مادی ترکیب اور جسمانی آنکھیں اسے کیسے برداشت کر سکتی ہیں۔ اگرچہ قلبی اور روحانی طاقت کے اعتبار سے زمین، آسمان، پہاڑ، سب چیزوں سے انسان فائق ہو۔ اور اسی لئے موسیٰ جس وحی الہی کے حامل تھے بلکہ دوسرے انسان بھی جس امانت عظیمہ کے حامل ہیں، پہاڑ وغیرہ اس کے اٹھانے پر قادر

نہیں۔ فَآيِبِينَ أَنْ يَخْبِتْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (احزاب۔ ۷۲) لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْنَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِمَّنْ خَشِيََةَ اللَّهِ (الحشر۔ ۲۱) تاہم جس چیز کا تعلق ظاہری آنکھوں یا بدن کی مالی قوت سے ہو، اس میں انسان دوسری عظیم الخلق چیزوں سے بہت کمزور واقع ہوا ہے لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْكَبِيرِ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (المومن۔ ۵۷) وَخَلْقِ الْإِنْسَانِ ضَعِيفًا (نساء۔ ۲۸) اس جگہ موسیٰ کو انسانی وجود کی اسی کمزوری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۷۰۔ حق تعالیٰ کی تجلیات بہت طرح کی ہیں اور یہ خدا کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے تجلی فرمائے۔ پہاڑ پر جو تجلی ہوئی اس نے مٹا پہاڑ کے خاص حصہ کو ریزہ ریزہ کر ڈالا، اور موسیٰ چونکہ محل تجلی سے قریب تھے، ان پر اس قرب محل اور پہاڑ کے بیستناک منظر دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بلا تشبیہ یوں سمجھ لیجئے کہ بجلی جس چیز پر گرتی ہے اسے جلا کر ایک آن میں کس طرح خاک سیاہ کر دیتی ہے اور جو لوگ اس مقام کے قریب ہوتے ہیں، بسا اوقات انہیں بھی کم و بیش صدمہ پہنچ جاتا ہے۔

۱۷۱۔ یعنی پاک ہے اس سے کہ کسی مخلوق کے مشابہ ہو اور یہ فانی آنکھیں اس کے دیدار کا تحمل کر سکیں۔ تیری پاکی اور برتری کا اقتضاء یہ ہے کہ کسی چیز کی طلب تیری اجازت کے بدون نہ کی جائے۔ میں توبہ کرتا ہوں کہ فرط اشتیاق میں بدون اجازت کے ایک نازیبا درخواست کر گذرا۔ میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے پہلے تیری عظمت و جلال کا یقین رکھتا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جسے ذوقی و عیانی طریق پر منکشف ہوا کہ خداوند قدوس کی رویت دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے واقع نہیں ہو سکتی۔

۱۷۲۔ یعنی دیدار نہ ہو سکا نہ سہی، یہ شرف و امتیاز کیا تھوڑا ہے کہ ہم نے تجھ کو پیغمبر بنایا اور تورات عطا کی اور بلا واسطہ کلام فرمایا۔ سو جس قدر بخشش ہماری طرف سے ہوئی۔ اسے پلے باندھو اور ان بندوں میں شامل رہو جنہیں خدا نے ”شا کرین“ کے امتیازی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

۱۷۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں کا عطیہ: بعض کہتے ہیں کہ تورات شریف ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی اور بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تختیاں تورات کے علاوہ تھیں جو نزول تورات سے پہلے مرحمت ہوئیں۔ بہر حال دیدار نہ ہو سکنے سے جو شکستگی موسیٰ کو ہوئی اس کی تلافی اور جبر مافات کے طور پر الواح عطا کی گئیں۔ جن میں ہر قسم کی نصیحتیں اور تمام ضروری احکام کی تفصیل تھی (ابن کثیر)۔

۱۷۴۔ یعنی خود بھی ان الواح کو مضبوطی اور احتیاط سے پکڑے رہو کہیں ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں اور اپنی قوم کو سمجھاؤ کہ وہ ان الواح کی بہترین ہدایات پر چٹنگی سے عمل کرتے رہیں اور ایسی اچھی چیز کو ہاتھ سے نہ دیں۔ (تنبیہ) لفظ أَحْسَنِيهَا سے یا تو اس پر متنبہ فرمانا ہے کہ ان میں ”احسن“ کے سوا اور کچھ نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو احکام دیے گئے تھے یوں تو سب فی حد ذاتہ ”حسن“ ہیں۔ مگر بعض بعض سے احسن ہوتے ہیں۔ مثلاً ظالم سے بدلہ لینا جائز اور حسن ہے۔ لیکن صبر کرنا اور معاف کر دینا عزیزیت اور احسن ہے۔ گویا بنی اسرائیل کو اس پر آمادہ کرنا تھا کہ عزائم و مندوبات کے اکتساب میں سعی کریں اور خدا کے کامل فرمانبردار بنیں۔ اگر نافرمانی کریں گے تو انہیں نافرمانوں کا گھر دکھلا دیا جائے گا۔ یعنی آخرت میں دوزخ اور دنیا میں تباہی و رسوائی۔ اعاذنا اللہ منہا (ابن کثیر و بغوی) اور بعض نے نافرمانوں کے گھر سے شام یا مصر مراد لیا ہے۔ جو نافرمان عمالقمہ یا فرعونوں کا ملک تھا۔ اس صورت میں یہ آیت بنی اسرائیل کے لئے بشارت ہو گی کہ اگر پوری طرح فرمانبرداری کرو گے تو نافرمانوں کے ملک تم کو دے دیے جائیں گے۔ والراجہ الاول کما رجہ ابن کثیر۔

۱۴۶۔ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے انکو جو تکبر کرتے

ہیں زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ

لائیں ان پر اور اگر دیکھیں رستہ ہدایت کا تو نہ ٹھہرائیں

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كَلًّا آيَةً لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَ

اس کو راہ اور اگر دیکھیں رستہ گمراہی کا تو اس کو ٹھہرا لیں  
راہ یہ اس لئے کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو  
اور رہے ان سے بے خبر [۱۷۵]

إِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ  
وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الغَىِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۗ ذٰلِكَ  
بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِينَ ﴿١٧٦﴾

۱۳۷۔ اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور  
آخرت کی ملاقات کو برباد ہوئیں ان کی محنتیں وہی بدلا  
پائیں گے جو کچھ عمل کرتے تھے [۱۷۶]

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَ لِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ  
أَعْمَالُهُمْ ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧٧﴾

۱۳۸۔ اور بنالیاموسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور  
سے بچھڑا [۱۷۷] ایک بدن کہ اسمیں گائے کی آواز تھی  
کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا  
ور نہیں بتلاتا رستہ معبود بنالیا اس کو اور وہ تھے ظالم [۱۷۸]

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ  
عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۗ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ  
وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۚ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظٰلِمِينَ ﴿١٧٨﴾

۱۳۹۔ اور جب پچھٹائے اور سمجھے کہ ہم بیشک گمراہ ہو گئے تو  
کہنے لگے اگر نہ رحم کرے ہم پر ہمارا رب اور نہ بخشنے ہم کو  
تو بیشک ہم تباہ ہوں گے [۱۷۹]

وَلَمَّا سَقَطَ فِيْ أَيْدِيهِمْ وَ رَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا  
قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرِحْ حَنَارِبُنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ  
مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿١٧٩﴾

۱۵۰۔ اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا  
ہوا افسوسناک [۱۸۰] بولا کیا بری نیابت کی تم نے میری  
میرے بعد [۱۸۱] کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم  
سے [۱۸۲] اور ڈالیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا  
کھینچنے اس کو اپنی طرف [۱۸۳] وہ بولا کہ اے میری ماں کے  
جنے لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھ کو  
مار ڈالیں سومت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار  
لوگوں میں [۱۸۴]

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ اِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ اَسْفًا ۗ قَالَ  
بِسَبَا خَلَفْتُوْنِيْ مِنْ بَعْدِي ۚ اَعْجَلْتُمْ اَمْرًا  
رَّبِّكُمْ ۗ وَ اتَّقَى الْاُلُوْحَ وَاخَذَ بِرَاسِ اَخِيْهِ يَجْرُهُ  
اِلَيْهِ ۗ قَالَ ابْنُ اُمَّرٍ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّوْنِيْ وَ  
كَادُوْا يَقْتُلُوْنِيْ ۗ فَلَا تُشْبِثْ بِي الْاَعْدَاءَ وَ لَا

## تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٥٠﴾

۱۵۱۔ بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے [۱۸۵]

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ لِأَخِي وَ ادْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ

وَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

۱۵۵۔ تکبر کی سزا: جو لوگ خدا اور پیغمبروں کے مقابلہ میں ناحق کا تکبر کرتے ہیں اور نخوت و غرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الہی کو قبول کریں ہم بھی ان کے دل اپنی آیات کی طرف سے پھیر دیں گے کہ آئندہ ان سے منتفع ہونے کی توفیق نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خواہ کتنے ہی نشان دیکھیں اور کتنی ہی آیتیں سنیں ٹس سے مس نہ ہوں ہدایات کی سڑک کیسی ہی صاف اور کشادہ ہو، اس پر نہ چلیں ہاں گمراہی کے راستہ پر نفسانی خواہشات کی پیروی میں دوڑے چلے جائیں۔ تکذیب کی عادت اور غفلت کی تہادری سے جب دل مسخ ہو جاتا ہے۔ اس وقت آدمی اس حالت کو پہنچتا ہے۔

۱۵۶۔ یعنی احکام الہیہ پر چلنے کی توفیق نہ ہوگی۔ اور جو کچھ کام اپنی عقل سے کریں گے وہ خدا کے یہاں قبول نہ ہوگا۔ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ باقی ان کی بے جان اور مردہ نیکیوں کا جو بدلہ ملنا ہو گا دنیا میں مل رہے گا۔

۱۵۷۔ زیور اور چھڑا: یہ زیور جسے گلا کر اور ڈھال کر چھڑا بنایا اصل میں فرعون کی قوم قبیلوں کا تھا۔ ان کے پاس سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا۔ جیسا کہ سورہ ط میں ہے حَبَلْنَا أَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ (ط۔ ۸۷)

۱۵۸۔ چھڑے کی بے معنی آواز: سورہ ط میں اس چھڑے کا مفصل قصہ آئے گا، یہاں ان کی حماقت و سفاهت پر متنبہ فرمایا ہے کہ ایک خود ساختہ ڈھانچے میں سے گائے کی آواز سن لینے پر مفتوں ہو گئے اور چھڑے کو خدا سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ اس کی بے معنی آواز میں نہ کوئی کلام و خطاب تھا نہ دینی یا دنیوی رہنمائی اس سے ہوتی تھی۔ اس طرح کی صوت محض کسی چیز کو انسانیت کے درجہ تک بھی نہیں پہنچا سکتی، چہ جائیکہ خالق جل و علا کے مرتبہ پر پہنچا دے۔ یہ کتابڑا ظلم اور بے موقع کام ہے کہ ایک معمولی جانور کی صورت کو خدا کہہ دیا جائے یہ ہے کہ اس قوم کو پہلے ہی سے ایسی بے موقع باتیں کرنے کی عادت تھی۔ چنانچہ پیشتر اجْعَلْ لَّنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ کی درخواست موسیٰ سے کر چکے تھے۔

۱۵۹۔ بنی اسرائیل کی ندامت: اپنی بد عقلی اور کج روی سے انہوں نے ایسا بے ڈھنگا اور بھونڈا کام کیا تھا کہ موسیٰ کی تنبیہ کے بعد جب باطل کا جو ش ٹھنڈا ہوا اور عقل و ہوش کچھ ٹھکانے ہوئے تو خود بھی اپنی حرکت پر بہت شرمائے گویا مارے ندامت کے ہاتھ کاٹنے لگے اور خوف و ہراس کی وجہ سے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ گھبرا کر کہنے لگے اب کیسے بنے گی اگر خدا نے ہم پر رحم فرما کر توبہ اور مغفرت کی کوئی صورت نہ نکالی، تو یقیناً ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑیں گے۔

۱۸۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غم و غصہ: کیونکہ حق تعالیٰ نے ظور ہی پر اطلاع دے دی تھی کہ سامری نے تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر موسیٰ سخت متاسف اور غضبناک ہوئے۔

۱۸۱۔ یہ خطاب عبّادِ عجل (گوسالہ پرستوں) کو تھا۔ یعنی میرے پیچھے تم نے خوب میری قائم مقامی کی۔ جس بات پر میں سب سے زیادہ زور دیتا تھا (خدا کی توحید و تفرید) اس کی جگہ تم نے چھڑے کی پوجا یہ کہہ کر کھڑی کر دی کہ هَذَا إِلَهُكُمْ وَاللَّهُ مُوسَىٰ (ط۔ ۸۸) (نی الحقیقت یہ ہی تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے) اور ممکن ہے خطاب ہارون کو بھی ہو کہ تم نے میری نیابت کا حق جو اٰخُلْفِي فِي قَوْمِي کہہ کر سپرد کر گئے تھے۔

اچھی طرح ادا نہ کیا کہ ان کو روکتے اور مضبوطی سے اس فتنہ کا مقابلہ کرتے، جیسا کہ سورہ طہ میں مفصل آئے گا۔

۱۸۲۔ یعنی میں پروردگار سے تمہارے لئے احکام ہی لینے تو گیا تھا اور چالیس روز کی میعاد بھی خدا نے مقرر کر دی تھی تم نے خدا کی مقرر کی ہوئی مدت پوری ہونے اور اس کے احکام لے آنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ کچھ بہت زمانہ تو نہیں گذر گیا تھا جو تم نے گھبرا کر اس قدر جلد خدا کے قہر و غضب کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی۔ اَفْطَالَ عَلَیْكُمْ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ عَذَابٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ (طہ-۸۶)۔

۱۸۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت ہارون علیہ السلام سے باز پرس: "حضرت موسیٰ اس مشرکانہ ڈھونگ کر دیکھ کر ہارون کی نرمی و تساہل کا گمان کر کے اس قدر فروختہ اور دینی حمیت و غیرت کے جوش سے اس قدر بے قابو ہو رہے تھے کہ ہارون کی طرف لپکے اور حرارت ایمانی کے بے اندازہ جوش میں ان کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے۔ معاذ اللہ ہارون کی اہانت کی نیت سے نہیں کیونکہ ہارون خود مستقل نبی اور عمر میں موسیٰ سے تین سال بڑے تھے۔ پھر ایک اولوالعزم پیغمبر سے یہ کیسے ممکن تھا کہ دوسرے نبی کی جو اس کا بڑا بھائی بھی ہو ذرہ برابر توہین کا ارادہ کرے۔ نہیں موسیٰ کی طرف سے یہ معاملہ اس وقت ہوا جبکہ وہ قوم کی سخت بد عنوانی کی بنا پر بغض فی اللہ اور غصہ سے بے اختیار ہو رہے تھے۔ حضرت ہارون کی نسبت یہ خیال گذر رہا تھا کہ شاید انہوں نے اصلاح حال کی پوری کوشش نہیں کی۔ حالانکہ ان کو اصلاح کی بڑی تاکید کر گئے تھے۔ بیشک ہارون نبی اور عمر میں بڑے تھے مگر تہ میں موسیٰ ان سے بڑے تھے اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ہارون کو ان کا وزیر اور تابع بنایا گیا تھا اس موقع پر موسیٰ کی شان سیادت و حکومت کا ظہور ہوا۔ گویا ان کی طرف سے یہ دارو گیر اور سخت باز پرس حضرت ہارون کی تقصیر مظنون پر ایک قسم کی فعلی ملامت تھی۔ جس سے قوم کو بھی پوری طرح متنبہ کر دیا گیا کہ پیغمبر کا قلب نشہ توحید سے کس قدر سرشار اور دسیبہ شرک و کفر سے کس قدر نفور و بیزار ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ادنیٰ ترین تساہل یا خاموشی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے حتیٰ کہ ایک نبی کی نسبت اگر ایسا وہم ہو جائے کہ اس نے شرک کے مقابلہ پر آواز بلند کرنے میں ذرا سی کوتاہی کی ہے تو اس کی بزرگی اور وجاہت عند اللہ بھی ایسی سخت باز پرس سے ان کو نہیں روک سکتی۔ بہر حال موسیٰ اس حالت میں شرعاً معذور تھے۔ اسی فرط غضب اور ہنگامہ دارو گیر میں الواح (وہ تختیاں جو خدا کی طرف سے مرحمت ہوئی تھیں) ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ جسے عدم تحفظ کی وجہ سے تغلیظاً "القاء" سے تعبیر فرمایا کیونکہ بظاہر "خذھا بقوة" کا اتنا لہ نہ کر سکے۔ یا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے ہارون کی طرف بڑھتے وقت ہاتھ خالی کرنے کے لئے بہت تیزی اور عجلت کے ساتھ تختیاں ایک طرف رکھ دیں۔ مگر چونکہ ان دونوں معاملات کی سطح جو ہارون یا الواح کے متعلق ظہور میں آئے صورت پسندیدہ نہ تھی گو موسیٰ نبیہ معذور تھے اس لئے آئندہ رَبِّ اغْفِرْ لِحَالِیْ کہہ کر حق تعالیٰ سے عفو کی درخواست کی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸۴۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا جواب اور معذرت: گو ہارون حضرت موسیٰ کے عینی بھائی ہیں۔ مگر ماں کی طرف نسبت کرنے سے ان کو نرمی اور شفقت پر آمادہ کرنا تھا اس آیت میں ہارون کی معذرت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں اپنے مقدور کے موافق ان کو سمجھا چکا۔ لیکن انہوں نے میری کچھ حقیقت نہ سمجھی۔ اٹلے مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہونے لگے۔ اب آپ ایسا معاملہ کر کے ان کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے اور عتاب و غصہ کا اظہار کرتے وقت مجھ کو ظالموں کے ذیل میں شامل نہ کیجئے۔

۱۸۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استغفار: یعنی شدت غضب میں جو بے اعتدالی یا اجتہادی غلطی مجھ سے ہوئی خواہ میں اس میں کتنا ہی نیک نیت ہوں آپ معاف فرما دیجئے اور میرے بھائی ہارون سے اگر ان کے درجہ اور شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی طرح کی کوتاہی قوم کی اصلاح میں ہوئی اس سے بھی در گذر فرمائیے۔

۱۵۲۔ البتہ جنہوں نے مچھڑے کو معبود بنا لیا ان کو پہنچے گا غصہ ان کے رب کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو [۱۸۶]

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ  
مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَكَذَلِكَ  
نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾

۱۵۳۔ اور جنہوں نے کئے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے تو بیشک تیرا رب توبہ کے پیچھے البتہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۸۷]

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَ  
آمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾

۱۵۴۔ اور جب تھم گیا موسیٰ کا غصہ تو اس نے اٹھالیا تختیوں کو اور جو ان میں لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت اور رحمت تھی ان کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

وَلَسَّا سَكَّتْ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَابَ ۗ وَ  
فِي نُسُخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ  
يَرْتَبُونَ ﴿١٥٤﴾

۱۵۵۔ اور جن لئے موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے وقت پر لانے کو پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑا تو بولا اے رب میرے اگر تو چاہتا تو پہلے ہی ہلاک کر دیتا انکو اور مجھ کو کیا ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا ہماری قوم کے احمقوں نے یہ سب تیری آزمائش ہے بچلا دے اس میں جسکو تو چاہے اور سیدھا رکھے جس کو چاہے تو ہی ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش دے ہم کو اور رحمت کر ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے [۱۸۸]

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّبَيِّنَاتِنَا ۖ  
فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ  
أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ  
السُّفَهَاءُ مِنَّا ۚ إِنَّ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۗ تُضِلُّ بِهَا  
مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۗ أَنْتَ وَلِيُّنَا  
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿١٥٥﴾

۱۵۶۔ اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں ہم نے رجوع کیا تیری طرف فرمایا میرا عذاب ڈالتا ہوں میں اسکو جس پر چاہوں اور میری رحمت

وَكَتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ  
إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۗ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَن



شامل ہے ہر چیز کو سواں کو لکھ دوں گا ان کے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں [۱۸۹]

أَشَاءُ ج وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط فَسَاكُنْتُمُهَا  
لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَ يُوْتُونَ الزَّكَاةَ وَ الَّذِينَ هُمْ

بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵۶﴾

۱۸۶۔ گو سالہ پرستوں کی سزا اور قتل مرتد: یہ غضب وہ ہی ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ میں رابع پارہ الم کے بعد گذر چکا۔ یعنی گو سالہ پرستوں کو وہ لوگ قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت نہیں کی اور دوسروں کو روکنے میں حصہ بھی نہ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا دنیا میں قتل ہے۔  
۱۸۷۔ یعنی بر اکام حتیٰ کہ شرک و کفر کر کے پھر توبہ کر لے اور ایمان لے آئے تو غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کے یہاں رحمت اور معافی کی کچھ کمی نہیں یہ معافی وغیرہ آخرت سے متعلق ہے۔ گویا اشارہ فرما دیا کہ گو سالہ پرستوں کو جو سزائے قتل دی گئی وہ ان کے حق میں شرط قبول توبہ سمجھی گئی تھی فَتَوْبُوا اِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ (بقرہ۔ ۵۴) اب ان پر اخروی مواخذہ باقی نہیں رہا۔ دنیوی سزا کے بعد اخروی حالت کا بیان اس جگہ ایسا ہی ہے۔ جیسے دوسری جگہ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ۔ ۳۸) الخ کے بعد فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَ اصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ۔ ۳۹) فرما دیا گیا۔

۱۸۸۔ ستر سرداروں کے ساتھ کوہ طور پر حاضری: راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ میقات اس میقات کے علاوہ ہے جو موسیٰ کو تورات عطا فرمانے کے لئے مقرر ہوا تھا۔ نیز آیات حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گو سالہ پرستی اور سزایابی کے بعد پیش آیا۔ لیکن سورہ نساء کی آیت فَكَأَلَوْا اَرْنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاحْذَرْتُمْ الضُّعْفَةَ بِظُلْمِهِمْ ط ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ (نساء۔ ۱۵۴) الخ زیادہ صفائی سے بتلاتی ہے کہ گو سالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس واقعہ کا خلاصہ سورہ بقرہ میں رابع پارہ الم کے بعد گذر چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ تمہاری باتیں اس وقت تسلیم کر سکتے ہیں جب خدا تعالیٰ سے خود سن لیں۔ حضرت موسیٰ ان میں سے ستر آدمیوں کو جو سردار تھے منتخب کر کے طور پر لے گئے۔ آخر انہوں نے حق تعالیٰ کا کلام سن لیا کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے بے حجاب دیکھ نہ لیں ہم کو یقین نہیں آسکتا۔ اس گستاخی پر نیچے سے سخت بھونچال آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک ہوئی، آخر کانپ کر مر گئے یا مردوں کی سی حالت کو پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰ کی موثر دعا: موسیٰ نے اپنے آپ کو ان کے ساتھ نتھی کر کے نہایت موثر انداز میں دعا کی جس کا حاصل یہ تھا کہ خداوند اگر تو ہلاک کرنا ہی چاہتا تو ان سب کو بلکہ ان کے ساتھ مجھ کو بھی کہ میں ہی انہیں لے کر آیا یہاں بلانے اور کلام سنانے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا کسی کی مجال تھی کہ آپ کی مشیت کو روک سکتا؟ جب آپ نے ایسا نہیں چاہا بلکہ مجھے لانے کی اور ان کو کلام الہی سننے کے لئے یہاں آنے کی اجازت دی تو یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اپنے یہاں بلا کر محض بعض بے وقوفوں کی حماقت کی سزا میں ہم سب کو ہلاک کر دینا چاہیں یقیناً یہ (رجفہ و صاعقہ کا) منظر سب آپ کی طرف سے ہماری آزمائش و امتحان ہے اور ایسے سخت امتحانات میں ثابت قدم رکھنا یا نہ رکھنا بھی آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اس قوم کے خطرناک اور مزلت الاقدام مواقع میں آپ ہی ہمارے تھامنے اور دستگیری کرنے والے ہیں اور صرف آپ ہی کی ذات منبع الخیرات سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ ہم سب کی گذشتہ تقصیرات اور بے اعتدالیوں سے درگذر فرمائیں۔ اور آئندہ اپنی رحمت سے ایسی خطاؤں اور غلطیوں کا شکار نہ ہونے دیں۔ حضرت موسیٰ کی اس دعا پر وہ لوگ بخشنے لگے اور خدا نے ان کو از سر نوزندگی مرحمت فرمائی کما قال ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ۔ ۵۶)

۱۸۹۔ کوہ طور پر امت محمدیہ کے حق میں اللہ کا ایک وعدہ: حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”شاید حضرت موسیٰ نے اپنی امت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی مراد یہ تھی کہ سب امتوں پر مقدم اور فائق رہیں دنیا اور آخرت میں جو ابا خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب اور رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں سو عذاب تو اسی پر ہے جس کو اللہ چاہے اور رحمت عامہ سب مخلوق کو شامل ہے لیکن وہ رحمت خاص جو تم طلب کر رہے ہو لکھی ہے ان کے نصیب میں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اموال میں زکوٰۃ ادا کرتے یا نفس کا تزکیہ کرتے ہیں اور خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ یعنی آخری امت کہ سب کتابوں پر ایمان لاوے گی سو حضرت موسیٰ کی امت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لائے وہ پہنچے اس نعمت کو اور حضرت موسیٰ کی دعا ان کو لگی۔“

۱۵۔ وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے [۱۹۰] کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں [۱۹۱] وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کام سے اور حلال کرتا ہے انکے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیوں جو ان پر تھیں [۱۹۲] سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اسکی رفاقت کی اور اس کی مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو اسکے ساتھ اتر ہے [۱۹۳] وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي  
يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْ  
انجِيلِ يُأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ  
الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي  
كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۗ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ  
وَنَصَرُوهُ ۗ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۗ  
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٤﴾

۱۹۰۔ لفظ امی کی تشریح: امی یا تو ام (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے۔ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا نبی کریم ﷺ نے ساری عمر کسی مخلوق کے سامنے زانوئے تملذتہ نہیں کیا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ جن علوم و معارف اور حقائق و اسرار کا آپ نے افاضہ فرمایا۔ کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اس کا عشر عشر پیش کر سکے۔ پس ”نبی امی“ کا لقب اس حیثیت سے آپ کے لئے مایہ صد افتخار ہے اور یامی کی نسبت ”ام القری“ کی طرف ہو جو مکہ معظمہ کا لقب ہے جو آپ کا مولد شریف تھا۔

۱۹۱۔ تورات و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ: یعنی آپ کی تشریف آوری کی بشارات اور نعوت و صفات کتب سماویہ سابقہ میں مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ اس وقت سے لے کر آج تک ساڑھے تیرہ سو برس کی کاٹ چھانٹ کے بعد بھی موجودہ بائبل میں بہت سی بشارات و اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن کو ہر زمانہ کے علماء بحوالہ کتب دکھلاتے چلے آئے ہیں۔ ولله الحمد علی ذلک۔

۱۹۲۔ آنحضرت کا دین آسان ہے: یعنی یہود پر جو سخت احکام تھے اور کھانے کی چیزوں میں ان کی شرارتوں کی وجہ سے تنگی تھی فَبِظُلْمٍ مِّن

الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ (نساء-۱۶۰) اس دین میں وہ سب چیزیں آسان ہوئیں اور جو ناپاک چیزیں مثلاً لحم خنزیر یا گندی باتیں مثلاً سود خوری وغیرہ انہوں نے حلال کر رکھی تھیں۔ ان کی حرمت اس پیغمبر نے ظاہر فرمائیں۔ غرض ان سے بہت سے بوجھ ہلکے کر دیے اور بہت سی قیدیں اٹھادی گئیں۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔ بعثت بالحنيفة السمحة  
۱۹۳۔ نور سے مراد وحی ہے متلو ہو یا غیر متلو۔ یعنی قرآن و سنت۔

۱۵۸۔ تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے سوا ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اسکے سب کلاموں پر اور اسکی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ [۱۹۳]

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا  
الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
يُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ  
الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَتِهِ وَاتَّبِعُوهُ  
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾

۱۵۹۔ اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے جو راہ بتلاتے ہیں حق کی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں [۱۹۵]

وَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٍ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَ بِه  
يَعْدِلُونَ ﴿١٥٩﴾

۱۹۴۔ آنحضرت کی نبوت عالمگیر ہے: یعنی آپ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے امین یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے آپ اس کے رسول مطلق ہیں۔ اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ لے کے آئے ہیں۔ یہ ہی پیغمبر ہیں جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔

۱۹۵۔ گو اکثر یہود سرکشی اور ناانصافی کی راہ اختیار کر رہے ہیں تاہم کچھ ایسی سعید رو حیں بھی ہیں جو دوسروں کو حق کی طرف دعوت دیتی ہیں اور بذات خود حق و انصاف کے راستوں پر گامزن ہیں۔ مثلاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔

۱۶۰۔ اور جدا جدا کر دیئے ہم نے ان کو بارہ دادوں کی اولاد بڑی بڑی جماعتیں [۱۹۶] اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو جب پانی مانگا اس سے اس کی قوم نے کہ مار اپنی لاٹھی اس پتھر پر تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قبیلہ نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر ابر کا اور اتارا ہم

وَ قَطَعْنَاهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۗ  
أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمَهُ أَنْ  
اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

نے ان پر من اور سلوی کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن اپنا ہی

نقصان کرتے رہے

عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ وَ  
ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّٰ وَ  
السَّلْوٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا  
ظَلَمْنَا وَلٰكِن كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾

۱۶۱۔ اور جب حکم ہوا ان کو کہ بسواس شہر میں [۱۹۷] اور کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو اور کہو ہم کو بخش دے اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے تو بخش دیں گے ہم تمہاری خطائیں البتہ زیادہ دیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو [۱۹۸]

وَإِذ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا  
حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا  
نَّعْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتِكُمْ ۖ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾

۱۶۲۔ سو بدل ڈالا ظالموں نے ان میں سے دوسرا لفظ اسکے سوا جو ان سے کہہ دیا گیا تھا پھر بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بسبب ان کی شرارت کے [۱۹۹]

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي  
قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ  
بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

۱۹۶۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے: یعنی اصلاح و انتظام کے لئے ان کی بارہ جماعتیں جو بارہ دادوں کی اولاد تھی۔ الگ الگ کر دی گئی تھیں۔ پھر ہر ایک جماعت کا ایک نقیب مقرر فرما دیا جو اس کی نگرانی اور اصلاح کا خیال رکھے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (المائدہ۔ ۱۲) ۱۹۷۔ اس شہر سے مراد اکثر نے ”اریحا“ لیا ہے۔

۱۹۸۔ وادی تیبہ کے واقعات کا اعادہ: یعنی ابھی ایک شہر فتح ہوا۔ آگے سارا ملک ملے گا۔ کذافی الموضوع۔ یا یہ مطلب ہے کہ خطا معاف کر کے نیکو کاروں کے اجر و ثواب بڑھائیں گے کذافی عامۃ الکتب۔

۱۹۹۔ یہ واقعات ”وادی تیبہ“ کے ہیں۔ جن کا بیان سورہ بقرہ ربع پارہ الم کے بعد گذر چکا وہاں کے فوائد میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔

۱۶۳۔ اور پوچھ ان سے حال اس بستی کا جو تھی دریا کے کنارے [۲۰۰] جب حد سے بڑھنے لگے ہفتہ کے حکم میں جب آنے لگیں انکے پاس مچھلیاں ہفتہ کے دن پانی کے

وَسَأَلُهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ  
إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ

اوپر اور جس دن ہفتہ نہ ہو تو نہ آتی تھیں اس طرح ہم نے ان کو آزمایا اس لئے کہ وہ نافرمان تھے [۲۰۱]

سَبْتِهِمْ شُرَعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ

كَذِبِكَ نَبَلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

۱۶۳۔ اور جب بولا ان میں سے ایک فرقہ کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنکو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا ان کو عذاب دے سخت [۲۰۲] وہ بولے الزام اتارنے کی غرض سے تمہارے رب کے آگے اور اسلئے کہ شاید وہ ڈریں [۲۰۳]

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا لَّا

مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۗ قَالُوا

مَعْدِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾

۱۶۵۔ پھر جب وہ بھول گئے اس کو جو انکو سمجھایا تھا تو نجات دی ہم نے ان کو جو منع کرتے تھے برے کام سے اور پکڑا گنہگاروں کو برے عذاب میں بسبب ان کی نافرمانی کے [۲۰۴]

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ

عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ

بَيِّسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾

۱۶۶۔ پھر جب بڑھنے لگے اس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے تو ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل [۲۰۵]

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا

قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾

۲۰۰۔ یعنی اپنے زمانہ کے یہود سے بطور تنبیہ و توبیخ اس بستی میں رہنے والے یہود کا قصہ دریافت کیجئے جو داؤد کے عہد میں پیش آیا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس بستی سے شہر "ایلہ" مراد ہے جو بحر قلزم کے کنارے مدین اور طور کے درمیان واقع تھا۔ وہاں کے لوگ دریا کے قرب کی وجہ سے مچھلی کے شکار کی عادت رکھتے تھے۔

۲۰۱۔ سبت کے حکم سے یہود کی خلاف ورزی: حق تعالیٰ نے یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام کیا تھا۔ باشندگان ایلہ کو عدول حکمی اور نافرمانی کی عادت تھی۔ خدا کی طرف سے سخت آزمائش ہونے لگی کہ ہفتہ کے دن دریا میں مچھلیوں کی بے حد کثرت ہوتی۔ جو سطح دریا کے اوپر تیرتی تھیں باقی دنوں میں غائب رہتیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ صریح حکم الہی کے خلاف حیلہ کرنے لگے۔ دریا کا پانی کاٹ لائے جب ہفتہ کے دن مچھلیاں ان کے بنائے ہوئے حوض میں آجاتیں تو نکلنے کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو چا پکڑ لاتے۔ تاکہ ہفتہ کے دن شکار کرنا صادق نہ آئے۔ گویا اس حرکت سے معاذ اللہ خدا کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ آخر دنیا ہی میں اس کی سزا بھگتی کہ مسخ کر کے ذلیل بند بنا دیے گئے اس سے ظاہر ہوا کہ حیلہ سازی اور مکاری خدا کے آگے پیش نہیں جاتی۔

۲۰۲۔ ناصحین کا امر بالمعروف: معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حکم الہی کے خلاف حیلہ بازی شروع کی تو شہر کے باشندے کئی قسموں پر

منقسم ہو گئے۔ جیسا کہ عموماً ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے اس حیلہ کی آڑ لے کر صریح حکم الہی کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے نصیحت کرنے والے جو اخیر تک فہمائش اور امر بالمعروف میں مشغول رہے۔ تیسرے جنہوں نے ایک آدھ مرتبہ نصیحت کی پھر مایوس ہو کر اور ان کی سرکشی سے تھک کر چھوڑ دی۔ چوتھے وہ ہوں گے جو نہ اس عمل شنیع میں شریک ہوئے اور نہ منع کرنے کے لئے زبان کھولی بالکل علیحدہ اور خاموش رہے۔ موخر الذکر دو جماعتوں نے انتھک نصیحت کرنے والوں سے کہا ہو گا کہ ان متمر دین کے ساتھ کیوں مغر زنی کر کے دماغ کھپاتے ہو جن سے کوئی توقع قبول حق کی نہیں۔ ان کی نسبت تو معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور پیش آنے والی ہے۔ یا خدا ان کو بالکل تباہ و ہلاک کر دے اور یا کسی سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے۔ کیونکہ یہ لوگ اب کسی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔ ۲۰۳۔ یعنی شاید سمجھاتے رہنے سے کچھ ڈر جائیں اور اپنی حرکات شنیعہ سے باز آجائیں۔ ورنہ کم از کم ہم پروردگار کے سامنے عذر تو کر سکتے ہیں کہ خدایا ہم نے آخر دم تک نصیحت و فہمائش میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ نہ مانے تو ہم پر اب کیا الزام ہے؟ گویا یہ نا صحیحین اول تو بالکل مایوس نہ تھے دوسرے ”عزیمت“ پر عمل کر رہے تھے کہ مایوسی کے باوجود بھی ان کا تعاقب نہیں چھوڑتے تھے۔

۲۰۴۔ نا صحیحین کی نجات اور نافرمانوں پر عذاب: یعنی جب ان نالائقوں نے تمام نصیحتوں کو بالکل ایسا بھلا دیا گویا سنا ہی نہیں تو ہم نے نا صحیحین کو بچا کر ظالمین کو سخت عذاب میں گرفتار کر دیا۔ اَلَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ عَمَّوْمِ الْفَاظِ دَلَالَتْ كَرْتَاہِ كَ جُو نَصِيْحَتٍ سَع تَهْكُ كَر لِمَ تَعْظُوْنَ قَوْمًا اَلْحٰكِمِيْنَ لَگے اور جنہوں نے اخیر تک سلسلہ وعظ و نصیحت کا جاری رکھا ان دونوں کو نجات ملی۔ صرف ظالم پکڑے گئے۔ یہ ہی عکرمہ سے منقول ہے۔ اور ابن عباس نے ان کے فہم کی داد دی ہے۔ باقی جو لوگ اول سے آخر تک بالکل ساکت رہے خدا نے بھی ان کے ذکر سے سکوت فرمایا۔ ابن کثیر نے خوب لکھا ہے ”ففس علی نجاۃ الناصحین و هلاک الظالمین و سکت عن الساکتین لان الجزاء من جنس العمل فہم لایستحقون مدحا فیمدحو اولاء ربکوا فیذموا“ (ابن کثیر ص ۵۷۶) ورنج بعد ذلک قول عکرمہ واللہ اعلم۔

۲۰۵۔ نافرمانوں کا بندر بنا دیا جانا: شاید پہلے کچھ اور عذاب آیا ہو گا جب بالکل حد سے گذر گئے تب ذلیل بندر بنائے گئے یا فَلَمَّا عَتَوْا اَلْحٰكِمٰی كَ گزشتہ آیت فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ اَلْحٰكِمٰی كَ کی تفسیر قرار دیا جائے یعنی وہ ”عذاب“ نہیں ”یہ ہی بندر بنا دینا تھا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”منع کرنے والوں نے شکار والوں سے ملنا چھوڑ دیا اور بیچ میں دیوار اٹھائی، ایک دن صبح کو اٹھے تو دوسروں کی آواز نہ سنی دیوار پر سے دیکھا ہر گھر میں بندر تھے۔ وہ آدمیوں کو پہچان کر اپنے قرابت والوں کے پاؤں پر سر رکھنے لگے اور رونے لگے۔ آخر برے حال سے تین دن میں مر گئے۔“

۱۶۷۔ اور اس وقت کو یاد کرو جب خبر کر دی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے ان کو برا عذاب [۲۰۶] بیشک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے [۲۰۷]

وَاِذْ تَاذَنَ رَبُّكَ لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ  
مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سَوْءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعٌ  
الْعِقَابِ ۗ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾

۱۶۸۔ اور متفرق کر دیا ہم نے ان کو ملک میں فرتے فرتے [۲۰۸] بعضے ان میں نیک اور بعضے اور طرح کے اور ہم نے انکی آزمائش کی خوبیوں میں اور برائیوں میں تاکہ

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَّمًا مِّنْهُمْ الصّٰلِحُوْنَ وَ  
مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۗ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ

السَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾

وہ پھر آئیں [۲۰۹]

۱۶۹۔ پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے لے لیتے ہیں اسباب اس ادنیٰ زندگانی کا اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہو جائے گا اور اگر ایسا ہی اسباب انکے سامنے پھر آئے تو اسکو لے لیوں [۲۱۰] کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے اور انہوں نے پڑھا ہے جو کچھ اسمیں لکھا ہے اور آخرت کا گھر بہتر ہے ڈرنے والوں کے لئے کیا تم سمجھتے نہیں [۲۱۱]

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ  
يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ  
لَنَا وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۗ أَلَمْ  
يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَن لَّا يَقُولُوا عَلَىٰ  
اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَالذَّارُ الْأَخِرَةُ  
خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦٩﴾

۲۰۶۔ یہود کی دائمی محکومی: یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہود اگر احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک و قناتون قناتان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ برا عذاب یہاں محکومانہ زندگی کو فرمایا۔ چنانچہ قوم یہود کبھی یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی۔ کبھی "بخت نصر" وغیرہ کے شدید کا تختہ مشق بنی۔ آخر میں نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی جاگزار رہی۔ پھر مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط فرما دیا۔ غرض اس وقت سے آج تک ان کو من حیث القوم عزت و آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے اکثر ملوک و حکام کی طرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اٹھاتے رہتے۔ ان کا مال و دولت وغیرہ کوئی چیز اس غلامی و محکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی اور نہ قیامت تک دے سکے گی۔ آخر میں جب یہ لوگ دجال کے مددگار ہو کر نکلیں گے تو حضرت مسیح کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں سے تہ تیغ کئے جائیں گے۔ کماور فی الحدیث۔

۲۰۷۔ یعنی جو شرارت سے باز نہ آئے بعض اوقات اس پر جلدی دنیا ہی میں عذاب بھیجنا شروع کر دیتا ہے اور کیسا ہی کٹر مجرم توبہ کر لے اور نادم ہو کر خدا کی طرف رجوع ہو تو اس کی بخشش و رحمت بھی بے پایاں ہے معاف کرتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی۔

۲۰۸۔ یہود کی فرقہ بازی: یہود کی دولت برہم ہوئی تو آپس کی مخالفت سے ہر طرف نکل گئے کوئی اجتماعی قوت و شوکت نہ رہی اور مذہب مختلف پیدا ہوئے۔ یہ احوال اس امت کو عبرت کے لئے سنائے جا رہے ہیں۔

۲۰۹۔ یعنی کچھ افراد ان میں نیک نام بھی تھے۔ مگر اکثریت کافروں اور فاسقوں کی تھی۔ ان اکثریوں کے لئے بھی ہم رجوع و انابت الی اللہ کے مواقع بہم پہنچاتے رہے۔ کبھی ان کو عیش و تنعم میں رکھا کبھی سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ ممکن ہے احسان مان کر یا سختیوں سے ڈر کر توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع ہوں۔

۲۱۰۔ یہود کی تحریف اور خوش فہمی: یعنی اگلوں میں تو کچھ صالحین بھی تھے۔ پچھلے ایسے ناخلف ہوئے کہ جس کتاب (تورات شریف) کے وارث و حامل بنے تھے دنیا کا تھوڑا سا سامان لے کر اس کی آیات میں تحریف و ستمان کرنے لگے اور رشوتیں لے کر احکام تورات کے خلاف فیصلے

دینے لگے۔ پھر اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی نالائق اور پاجیانہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ عقیدہ اور دعویٰ رکھتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم کو مضرت کا کچھ اندیشہ نہیں۔ ہم تو خدا کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ کچھ بھی کریں وہ ہماری بے اعتدالیوں سے ضرور درگزر کرے گا۔ اسی عقیدہ کی بناء پر تیار رہتے ہیں کہ آئندہ جب موقع ہو پھر رشوت لے کر اسی طرح کی بے ایمانی کا اعادہ کریں۔ گویا بجائے اس کے کہ گذشتہ حرکات پر نادم ہوتے اور آئندہ کے لئے عزم رکھتے کہ ایسی حرکات کا اعادہ نہ کریں گے مگر اللہ سے مامون ہو کر ان ہی شرارتوں اور بے ایمانیوں کے اعادہ کا عزم رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ حماقت اور بے حیائی کیا ہوگی۔

۲۱۱۔ تورات کے بارے میں اللہ کا عہد: یعنی تورات میں جو عہد لیا گیا تھا کہ ”خدا کی طرف سچ کے سوا کسی چیز کی نسبت نہ کریں“ کیا وہ انہیں معلوم نہیں جو اس کی کتاب اور احکام میں قطع و برید کر کے اس پر افتراء کرنے لگے حالانکہ ”کتاب اللہ“ (تورات) کو یہ لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کا مضمون انہیں معلوم نہیں یا یاد نہیں رہا۔ حقیقت وہ ہی ہے کہ دنیا کی فانی متاع کے عوض انہوں نے دین و ایمان بیچ ڈالا اور آخرت کی تکلیف و راحت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنا نہ سمجھے کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے آخرت کا گھر اور وہاں کا عیش و تنعم دنیا کی خوشحالی سے کہیں بہتر اور فائق ہے۔ کاش کہ اب بھی انہیں عقل آجائے۔

۱۷۰۔ اور جو لوگ خوب پکڑ رہے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں نماز کو بیشک ہم ضائع نہ کریں گے ثواب نیکی والوں کا [۲۱۲]

وَالَّذِينَ يُسْكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۷۰﴾

۱۷۱۔ اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا ہم نے کہا پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے زور سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم بچتے رہو [۲۱۳]

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ خُذُوا مَا آتَيْنَكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۱﴾

۲۱۲۔ یعنی توبہ اور اصلاح کا دروازہ اب بھی کھلا ہے جو لوگ شریروں کی راہ چھوڑ کر تورات کی اصلی ہدایات کو تھامے رہیں اور اسی کی ہدایات و پیشین گوئی کے موافق اس وقت قرآن کریم کا دامن مضبوط پکڑے رہیں اور خدا کی بندگی (نماز وغیرہ) کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔ غرض اپنی اور دوسروں کی اصلاح پر متوجہ ہوں۔ خدا ان کی محنت ضائع نہ کرے گا وہ بلاشبہ اپنی محنت کا میٹھا پھل چکھیں گے۔

۲۱۳۔ رفع جبل کا واقعہ: یعنی جو ”بیثاق الكتاب“ (عہد و اقرار) انہیں یاد دلایا جا رہا ہے وہ ایسے اہتمام سے لیا گیا تھا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لٹکا دیا گیا اور کہا گیا کہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے (تورات وغیرہ) اسے پوری مضبوطی اور عزم سے تھامو اور جو نصیحتیں کی گئیں انہیں ہمیشہ یاد رکھو۔ ورنہ بصورت انکار سمجھ لو کہ خدا تم پر یہ پہاڑ گر کر ہلاک کر سکتا ہے۔ اس قدر اہتمام اور تحویف و تاکید سے جو قول و اقرار لیا گیا تھا افسوس ہے وہ بالکل فراموش کر دیا گیا۔ یہ ”رفع جبل“ کا قصہ سورہ بقرہ میں ربع پارہ الم کے بعد گزر چکا ہے ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۷۲۔ اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی بیٹیوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب بولے ہاں ہے ہم اقرار

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۗ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۚ



کرتے ہیں کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی

بِرَبِّكُمْ ۚ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا ۗ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ

الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غٰفِلِينَ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۳۔ یا کہنے لگو کہ شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے انکی اولاد ان کے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا مگر اہوں نے [۲۱۴]

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۗ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

الْبٰطِلُونَ ﴿۱۴۳﴾

۱۴۴۔ اور یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں باتیں تاکہ وہ پھر نہیں [۲۱۵]

وَكَذٰلِكَ نَفْصَلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

۲۱۴۔ ربوبیت الہی کا عقیدہ انسان کی سرشت میں داخل ہے: "بیثاق خاص" کے بعد یہاں سے "بیثاق عام" کا ذکر کرتے ہیں تمام عقائد حقہ اور ادیان ساویہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو مذہب ہی میدان میں عقل و فکر کی رہنمائی اور انبیاء و مرسلین کی ہدایات کچھ نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ اگر پورے غور و تامل سے دیکھا جائے تو آسمانی مذہب کے تمام اصول و فروع بالآخر خدا کی "ربوبیت عامہ" کے اسی عقیدہ پر منتهی ہوتے بلکہ اسی کی تہ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ عقل سلیم اور وحی والہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبداء و منبسطی اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیے عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی والہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان و توحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی وجوہی عقیدہ کا حل ناخن عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے جیسا کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ فکر و استدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوتی ہیں۔ اس لئے قدرت نے جہاں غور و فکر کی قوت اور نوروحی والہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے ان کو فطرتاً بہرہ ور کیا جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل منطوی و مندج تھی۔ اور جس کے بدون مذہب کی عمارت کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ اسی ازلی خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ اور جن معدود افراد نے کسی عقلی و روحی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے ایک بخار وغیرہ کا مریض لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ و بد مزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ اور طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق و اجماع اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول و افکار کی دوا دوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلا واسطہ تلقین فرمایا گیا ورنہ فکر و استدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً نامکن تھا۔ قرآن کریم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے آیات حاضرہ میں عقیدہ کی اس فطری یکسانیت کے اصلی راز پر روشنی ڈالی۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ اس بنیادی

عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی۔ تاہم جس طرح ایک لیکچرار اور انشاء پرداز کو یقین ہے کہ ضرور اس کو ابتدائے عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھائے جس سے ترقی کر کے آج اس رتبہ کو پہنچا۔ گو پہلا لفظ سکھانے والا اور سکھانے کا وقت مکان اور دیگر خصوصیات مقامی بلکہ نفس سکھانا بھی یاد نہیں۔ تاہم اس کے موجودہ آثار سے یقین ہے کہ ایسا واقع ضرور ہوا ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا علی اختلاف الاقوام والاجیال ”عقیدہ ربوبیت الہی“ پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز بدء فطرت میں کسی معلم کے ذریعہ سے ان تک پہنچی ہے۔ باقی تعلیمی خصوصیات و احوال کا محفوظ نہ رہ سکتا اس کی تسلیم میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اسی ازلی و فطری تعلیم نے جس کا نمایاں اثر آج تک انسانی سرشت میں موجود چلا آتا ہے ہر انسان کو خدا کی حجت کے سامنے ملزم کر دیا ہے۔ جو شخص اپنے الحاد و شرک کو حق بجانب قرار دینے کے لئے غفلت بے خبری یا آباء و اجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے اس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجۃ قاطعہ جس میں اصل فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا۔ پھر پشت میں داخل کیا۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ خدا کے رب مطلق ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت کرتا ہے۔ باپ کی تقلید نہ چاہئے۔ اگر باپ شرک کرے بیٹے کو چاہئے ایمان لاوے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا پھر کیا حاصل؟ تو یوں سمجھے کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں ہے اور ہر زبان پر مشہور ہو رہا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے سارا جہان قائل ہے اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا ہے سو اپنی عقل ناقص کے دخل سے پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے۔“

۲۱۵۔ موضح القرآن میں ہے کہ یہ قصہ یہود کو سنایا کہ وہ بھی عہد سے پھرے ہیں جیسے مشرک پھرتے ہیں۔

۱۷۵۔ اور سنادے ان کو حال اس شخص کا جسکو ہم نے دی تھیں اپنی آیتیں پھر وہ انکو چھوڑ نکلا پھر اس کے پیچھے لگا شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں

وَ اتُّلِّ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿١٧٥﴾

۱۷۶۔ اور ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہورہا زمین کا اور پیچھے ہو لیا اپنی خواہش کے تو اس کا حال ایسا جیسے کتا اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو سو بیان کر یہ احوال تاکہ وہ دھیان کریں [۲۱۶]

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ اٰخَذَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَهُ هُوَهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْبَلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ اَوْ تَتْرٰكُهُ يَلْهَثُ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا فَاقْصِصِ الْقٰصَصَ

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾

۱۷۷۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی کہ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے [۲۱۷]

سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَ اَنْفُسُهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾

۲۱۶۔ بلعم بن باعوراء کا عبرتناک واقعہ: "اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیات بلعم بن باعوراء کے حق میں نازل ہوئیں جو ایک عالم اور صاحب تصرف درویش تھا بعدہ اللہ کی آیات و ہدایات کو چھوڑ کر عورت کے اغواء اور دولت کے لالچ سے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لئے تیار ہو گیا۔ آخر موسیٰ کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا خود مردود ابدی بنا آیات اللہ کا جو علم بلعم کو دیا گیا تھا اگر خدا چاہتا تو اس کے ذریعہ سے بہت بلند مراتب پر اس کو فائز کر دیتا۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ اسے اپنے علم پر چلنے اور آیات اللہ کا اتباع کرنے کی توفیق ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ وہ خود آسمانی برکات و آیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات و لذات کی طرف جھک پڑا وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا اور شیطان اس کا پیچھا (تعاقب) کرتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پکے کجروں اور گمراہوں کی قطار میں جا داخل ہوا۔ اس وقت اس کا حال کتے کی طرح ہو گیا۔ جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور برابر بانپ رہا ہو اگر فرض کرو اس پر بوجھ لادیں یا ڈانٹ بتلائیں یا کچھ نہ کہیں آزاد چھوڑ دیں بہر صورت بانپتا اور زبان لٹکائے رہتا ہے۔ کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے گرم ہوا کے باہر پھینکنے اور سرد تازہ ہوا کے اندر کھینچنے پر بسہولت قادر نہیں ہے۔ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے "آیات اللہ" کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہو گئیں۔ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (البقرہ-۶) حرص دنیا سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی۔ اور ترک آیات کی نحوست سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ "براہر بانپتے رہنے" کی مثال میں ظاہر ہوا۔ ممکن ہے کہ "بلعم" کی باطنی و معنوی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے صرف ایک مثال کے طور پر یہ مضمون اِنْ تَحِبَّ عَلَيَّهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتَزَكَّرْهُ يَلْهَثْ ذکر کیا گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ دنیا یا آخرت میں اس کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی ہو کہ ظاہری وحسی طور پر کتے کی طرح زبان باہر نکل پڑے اور ہمیشہ پریشان و بدحواس اور خوفزدہ آدمی کی طرح بانپتا رہے العیاذ باللہ۔ آیات کی شان نزول کچھ ہو بہر حال یہاں ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا ہے جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکام الہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پروا نہ کریں۔ گویا یہود کو بھی متنبہ فرما دیا کہ صرف کتاب کا علم کچھ نافع نہیں ہو سکتا۔ جب تک صحیح معنی میں اس کا اتباع نہ ہو مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا الثَّوَابَةَ ثُمَّ لَمْ يُحْمَلُوا بِهَا كَمَثَلِ الْجِبَارِ يَظُنُّ بَاطِلًا (الجمعة-۵) علمائے سوء کے لئے ان آیات میں بڑا عبرتناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔

۲۱۷۔ مشرکین و غیر ہم کے رد میں جا بجا قرآن نے عنکبوت، ذباب (مکڑی، مکھی) وغیرہ کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ مگر ان لوگوں کی مثال ایسی بری ہے کہ کوئی غیرت مند آدمی حتیٰ المقدور اس کو اپنے پر چسپاں نہیں ہونے دے گا۔ اور جو بے حیاء اور اپنے احوال پر چسپاں ہونے دیتا ہے وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

۱۷۸۔ جس کو اللہ رستہ دے وہی رستہ پاوے اور جس کو وہ بچلا دے سو وہی ہیں ٹوٹے میں [۲۱۸]

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِىٌّ وَمَنْ يُضِلِّ

فَأُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۹۔ اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی [۲۱۹] انکے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا

زیادہ بیراہ وہی لوگ ہیں غافل [۲۲۰]

يُبْصِرُونَ بِهَا<sup>ط</sup> وَ لَهُمْ اِذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا

اُولٰٓئِكَ كَاٰلَانْعَامٍ بَلْ هُمْ اَضَلُّ<sup>ط</sup> اُولٰٓئِكَ هُمُ

الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٤٩﴾

۲۱۸۔ محض علم کسی کام کا نہیں: علم و فضل بھی انسان کو جب ہی کام دیتا ہے کہ خدا کی ہدایت و دستگیری سے علم صحیح کے موافق چلنے کی توفیق ہو۔ جسے وہ سیدھے راستے پر چلنے کے لئے موافق نہ کرے تو کتنی ہی بڑی علمی فضیلت قابلیت رکھتا ہو، سمجھ لو کہ ٹوٹے اور خسارے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس لئے انسان اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو بلکہ دائمًا خدا سے ہدایت و توفیق کا طلبگار رہے۔

۲۱۹۔ ایک اشکال کا جواب: یہ آیت بظاہر آیہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات۔ ۵۶) کے معارض معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے بعض مفسرین نے وہاں لِيَعْبُدُونِ میں "لام غایت" اور یہاں لِيَجْهَنَّمَ میں "لام عاقبت" مراد لیا ہے۔ یعنی سب کے پیدا کرنے سے مطلوب اصلی تو عبادت ہے۔ لیکن بہت سے جن وانس چونکہ اس مطلب کو پورا نہ کریں گے اور انجام کار دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ اس انجام کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئے۔ کما فی قولہ تعالیٰ فَانْتَقَطَ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا (قصص۔ ۸) باقی محققین کے نزدیک اس تکلف کی حاجت نہیں۔ وہ دونوں جگہ "لام غایت" ہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر لِيَعْبُدُونِ میں "غایت تشریحی" اور یہاں لِيَجْهَنَّمَ میں "غایت تلوینی" بیان کی گئی ہے۔

۲۲۰۔ جھٹلانے والے چوپائے کی طرح ہیں: یعنی دل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں۔ لیکن نہ دل سے "آیات اللہ" میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق و اعتبار مطالعہ کرتے ہیں اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں۔ جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بیکھی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں یہ ہی حال ان کا ہے کہ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لئے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ غور کیا جائے تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے پھر جانور اپنے فطری قوی سے وہ ہی کام لیتے ہیں جو قدرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں روحانی و عرفانی ترقیات کی جو فطری قوت و استعداد ودیعت کی گئی تھی اسے مہلک غفلت اور بے راہ روی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع اور معطل کر دیا گیا۔

۱۸۰۔ اور اللہ کے لئے ہیں سب نام اچھے سوا سکو پکارو وہی نام کہہ کر اور چھوڑ دو انکو جو کج راہ چلتے ہیں اس کے ناموں

میں وہ بدلہ پارہیں گے اپنے کئے کا [۲۲۱]

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا<sup>ص</sup>

وَ ذَرُوْا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَائِهِ<sup>ط</sup> سَيُجْزَوْنَ

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾

۲۲۱۔ اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا کا حکم: غافلین کا حال ذکر کر کے مومنین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا۔ غفلت دور کرنے والی چیز خدا کی یاد ہے سو تم ہمیشہ اس کو اچھے ناموں سے پکارو اور اچھی صفات سے یاد کرو جو لوگ اس کے اسماء و صفات کے بارہ میں کج روش اختیار کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔ خدا کے ناموں اور صفوں کے متعلق کج روی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی اور جو حق تعالیٰ کی تعظیم و اجلال کے لائق نہیں۔ یا اس کے مخصوص نام اور صفت کا اطلاق غیر اللہ پر کرے، یا ان کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تامل اور کھینچ تان کرے۔ یا ان کو معصیت (مثلاً سحر وغیرہ) کے مواقع میں استعمال کرنے لگے۔ یہ سب کج روی ہے۔

۱۸۱۔ اور ان لوگوں میں کہ جنکو ہم نے پیدا کیا ہے ایک جماعت ہے کہ راہ بتلاتے ہیں سچی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں [۲۲۲]

وَمِنْ خَلْقِنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ

يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾

۱۸۲۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں سے انکو خبر بھی نہ ہوگی

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ

حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾

۱۸۳۔ اور میں انکو ڈھیل دوں گا بیشک میرا داؤ پکا ہے [۲۲۳]

وَأُمْلِي لَهُمْ ۗ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

۱۸۴۔ کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو کچھ بھی جنون نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے صاف

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ إِنْ

هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾

۱۸۵۔ کیا انہوں نے نظر نہیں کی سلطنت میں آسمان اور زمین کی اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے ہر چیز سے اور اس میں کہ شاید قریب آگیا ہو ان کا وعدہ [۲۲۴] سو اس کے پیچھے کس بات پر ایمان لائیں گے [۲۲۵]

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۗ وَأَنْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ

قَدْ اقْتَرَبَ أَجْلُهُمْ ۗ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ

يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾

۲۲۲۔ یہ جماعت امت محمدہ مرحومہ ہے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ جس نے ہر قسم کی افراط و تفریط اور کج روی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف و اعتدال کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دیتی ہے۔ آگے اس امت کے مخالفین اور حق کی تکذیب کرنے

والوں کا ذکر ہے۔

۲۲۳۔ کذبین کے لئے استدرج اور ڈھیل: جھٹلانے والے مجرموں کو بسا اوقات فوراً سزا نہیں ملتی۔ بلکہ دنیوی عیش اور فراخی کے دروازے کھول دے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدائی سزا سے بے فکر ہو کر ارتکاب جرائم پر اور زیادہ دلیر بن جاتے ہیں۔ اس طرح جو انتہائی سزا ان پر جاری کرنی ہے رفتہ رفتہ اپنے کو علانیہ اور کامل طور پر اس کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ ہی خدا کی ڈھیل اور استدرج ہے وہ حماقت اور بے حیائی سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے اور حقیقت میں انتہائی عذاب کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ خدا کا ”کید“ (داؤ یا خفیہ تدبیر) اسی کو کہا کہ ایسی کارروائی کی جائے جس کا ظاہر رحمت اور قہر و عذاب ہو۔ بیشک خدا کی تدبیر بڑی مضبوط اور پختہ ہے جس کی کسی حیلہ اور تدبیر سے مدافعت نہیں ہو سکتی۔

۲۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حقانیت کی دلیل ہے: یعنی آخر آیات اللہ کو جھٹلانے اور اس کے بد انجام سے غافل رہ جانے کا سبب کیا ہے ان آیات کا لانے والا معاذ اللہ کوئی بے عقل و مجنون نہیں۔ وہ ساری عمر تمہارے پاس رہا اس کے چھوٹے بڑے حال سے تم واقف ہو اس کی عقل و دانش اور امانت و دیانت پہلے سے مسلم و معروف ہے جس کے پاس سے لایا وہ تمام جہان کا مالک شہنشاہ مطلق اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے نہایت ہی محکم و مضبوط نظام سلطنت بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز میں جو اس نے پیدا کی ہے غور کرو تو یہ ”آیات تکوینیہ“ آیات تنزیلیہ کی تصدیق کریں گی۔ پھر آیات اللہ کی تسلیم میں کیا عذر باقی ہے۔ انہیں سمجھنا چاہئے کہ شاید ان کی موت و ہلاکت کا وقت قریب آگیا ہو۔ لہذا بعد الموت کے لئے جو تیاری کرنی ہے جلد کرنا چاہئے۔

۲۲۵۔ یعنی اگر آیات قرآنیہ پر ایمان نہ لائے تو دنیا میں اور کون سی بات اور کون سا کلام ہے جس پر ایمان لانے کی امید کی جاسکتی ہے۔ سمجھ لو کہ ان بد بختوں کے لئے دولت ایمان مقدور ہی نہیں۔

۱۸۶۔ جس کو اللہ بچلائے اس کو کوئی نہیں راہ دکھلانے والا اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے انکو ان کی شرارت میں سرگرداں [۲۲۶]

مَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ<sup>ط</sup> وَيَذَرُهُمْ فِي

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٦﴾

۱۸۷۔ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو کہ کب ہے اسکے قائم ہونے کا وقت تو کہہ اسکی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی کھول دکھائے گا اس کو اسکے وقت پر وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں جب تم پر آئے گی تو بیخبر آئے گی [۲۲۷] تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں کہ گویا تو اسکی تلاش میں لگا ہوا ہے تو کہہ دے اس کی خبر ہے خاص اللہ کے پاس لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے [۲۲۸]

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسُهَا<sup>ط</sup> قُلْ إِنَّمَا

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي<sup>ج</sup> لَا يُجَلِّئُهَا يَوْقِثَهَا إِلَّا هُوَ<sup>ط</sup>

ثَقَلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ<sup>ط</sup> لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً<sup>ط</sup>

يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ خَفِيٌّ عَنْهَا<sup>ط</sup> قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا

عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٧﴾

۲۲۶۔ ہدایت و ضلالت ہر چیز خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو سارے سامان ہدایت کے رکھے رہ جائیں آدمی کہیں سے بھی منفع نہ ہو۔ ہاں عادتاً وہ جب ہی ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ جب بندہ خود اپنے کسب و اختیار سے اس راستہ پر چلنا چاہے۔ باقی جو دیدہ و دانستہ اور شرارت ہی کی

ٹھان لے تو خدا بھی رستہ دکھلانے کے بعد اسی حال میں اسے چھوڑ دیتا ہے۔

۲۲۷۔ قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے: پہلے عَسَىٰ اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اَقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ میں خاص اس قسم کی اجل (موت) کا ذکر تھا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں کب آجائے۔ یہاں تمام دنیا کی اجل (قیامت) کے متعلق متنبہ فرمادیا کہ جب کسی کو خاص اپنی موت کا علم نہیں کب آئے پھر کل دنیا کی موت کو کون بتلا سکتا ہے کہ فلاں تاریخ اور فلاں سنہ میں آئے گی۔ اس کے تعین کا علم بجز خدائے علام الغیوب کسی کے پاس نہیں۔ وہ ہی وقت معین و مقدر پر اسے واقع کر کے ظاہر کر دے گا کہ خدا کے علم میں اس کا یہ وقت تھا آسمان و زمین میں وہ بڑا بھاری واقعہ ہو گا اور اس کا علم بھی بہت بھاری ہے جو خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ گو اس واقعہ کی امارت (بہت سی نشانیاں) انبیاء خصوصاً ہمارے پیغمبر آخر الزماں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے بیان فرمائی ہیں تاہم ان سب علامات کے ظہور کے بعد بھی جب قیامت کا وقوع ہو گا تو بالکل بے خبری میں اچانک اور دفعۃً ہو گا۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ کی احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔

۲۲۸۔ ان لوگوں کے طرز سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ آپ کی نسبت یوں سمجھتے ہیں کہ آپ بھی اسی مسئلہ کی تحقیق و تفتیش اور کھوج لگانے میں مشغول رہے ہیں اور تلاش کے بعد اس کے علم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں حالانکہ یہ علم حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ انبیاء اس چیز کے پیچھے نہیں پڑا کرتے جس سے خدا نے اپنی مصلحت کی بناء پر روک دیا ہو۔ نہ ان کے اختیار میں ہے کہ جو چاہیں کوشش کر کے ضرور ہی معلوم کر لیا کریں۔ ان کا منصب یہ ہے کہ جن بے شمار علوم و کمالات کا خدا کی طرف سے افاضہ ہو نہایت شکر گذاری اور قدر شناسی کے ساتھ قبول کرتے رہیں۔ مگر ان باتوں کو اکثر عوام کا لانعام کیا سمجھیں۔

۱۸۸۔ تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی [۲۲۹] میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایماندار لوگوں کو

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ  
اللَّهُ ۗ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْتَرْتُ مِنْ  
الْخَيْرِ ۗ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ ۗ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ

بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۹۔ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا تاکہ اسکے پاس آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل تو چلتی پھرتی رہی اسکے ساتھ پھر جب بو جھل ہو گئی تو دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو کہ اگر تو ہم کو بخشے چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّ اَحَدَةٍ ۗ وَ جَعَلَ  
مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۗ فَلَمَّا تَغَشَّهَا  
حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَرَّتْ بِهِ ۗ فَلَمَّا اَثْقَلَتْ  
دَعَا اللّٰهُ رَبَّهَا لِيْنِ اَتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ

مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

۱۹۰۔ پھر جب ان کو دیا چنگا بھلا تو بنانے لگے اسکے لئے شریک اسکی بخشی ہوئی چیز میں سوا اللہ برتر ہے انکے شریک بنانے سے [۲۳۰]

فَلَبَّآ اٰتٰهُمَا صٰلِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَآءَ فِیْبَآ اٰتٰهُمَا

فَتَعَلٰی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

۱۹۱۔ کیا شریک بناتے ہیں ایسوں کو جو پیدا نہ کریں ایک چیز بھی اور وہ پیدا ہوئے ہیں [۲۳۱]

اِیْشُرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

۱۹۲۔ اور نہیں کر سکتے ہیں ان کی مدد اور نہ اپنی مدد کریں

وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَا اَنْفُسُهُمْ

یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

۱۹۳۔ اور اگر تم ان کو پکارو رستہ کی طرف تو نہ چلیں تمہاری پکار برابر ہے تم پر کہ ان کو پکارو یا چپکے رہو

وَ اِنْ تَدْعُوهُمْ اِلٰی الْهُدٰی لَا یَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ

عَلَیْكُمْ اَدْعَوْتُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صٰمِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

۲۲۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہیں تھا: اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو نہ اپنے اندر "اختیار مستقل" رکھتا ہے نہ "علم محیط" سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے۔ ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں۔ مگر جس قدر اللہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے۔ اور اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آیا کرتی۔ مثلاً "انک" کے واقعہ میں کتنے دنوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نہ آنے کی وجہ سے اضطراب و قلق رہا۔ حجۃ الوداع میں تو صاف ہی فرما دیا لَوَاسْتَقْبَلْتُ مِنْ اٰمِرٍ مَا اسْتَنْدَبْتُ لَبَزْتُ لِمَا سُفِّتُ الْهُدٰی (اگر میں پہلے سے اس چیز کو جانتا جو بعد میں پیش آئی تو ہرگز ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی روک تھام "علم محیط" رکھنے کی صورت میں نہایت آسانی سے ممکن تھی۔ ان سب سے بڑھ کر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ "حدیث جبرئیل" کی بعض روایات میں آپ نے تصریح فرمایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرئیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرئیل تھے۔ یہ واقعہ بتصریح محدثین بالکل آخر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر ما السُّعُوْلُ عَنَهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ ارشاد فرمایا ہے۔ گویا بتلادیا گیا کہ "علم محیط" خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور "علم غیب" تو درکنار محسوسات و مبصرات کا پورا علم بھی خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت نہ چاہے تو ہم محسوسات کا بھی اور ادراک نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلادیا گیا کہ "اختیار مستقل" یا "علم محیط" نبوت کے لوازم میں سے نہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے تھے۔ ہاں شریعت کا علم جو انبیاء کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہئے اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بیشار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔



۲۳۰۔ حضرت آدم علیہ السلام وحوالیہ السلام۔ اور شرک: خدا نے سب انسانوں کو آدم سے پیدا کیا۔ آدم کے انس اور سکون و قرار حاصل کرنے کے لئے اسی کے اندر سے اس کا جوڑا (حوا) بنایا۔ پھر دونوں سے نسل چلی۔ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی تو عورت حاملہ ہوئی حکم کی ابتدائی حالت میں کوئی گرانی نہ تھی۔ عورت حسب معمول چلتی پھرتی اور اٹھتی بیٹھتی رہی۔ جب پیٹ بھر گیا اور یہ کون جان سکتا تھا کہ اس کے اندر کیا چیز پوشیدہ ہے۔ تب مرد و عورت دونوں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اگر آپ اپنے فضل سے بھلا چنگا کار آمد بچہ عنایت فرمائیں گے تو ہم دونوں (بلکہ ہماری نسل بھی) تیرا شکر ادا کرتی رہے گی۔ خدا نے جب ان کی یہ تمنا پوری کر دی تو ہماری دی ہوئی چیز میں اوروں کے حصے لگانے شروع کر دیے مثلاً کسی نے عقیدہ جمالیہ کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ مخلوق نے ہم کو دی ہے کسی نے اس عقیدہ سے نہیں تو عملاً اس کی نذر و نیاز شروع کر دی یا بچہ کی پیشانی اس کے سامنے ٹیک دی یا بچہ کا نام ایسا رکھا جسے سے شرک کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً عبد العزیٰ یا عبد الشمس وغیرہ۔ غرض جو حق منعم حقیقی کا تھا وہ اعتقاداً یا فعلاً یا قولاً دوسروں کو دے دیا گیا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ تمام انواع و مراتب شرک سے بالا و برتر ہے۔ ان آیات میں حسن بصری وغیرہ کی رائے کے موافق خاص آدم و حوا کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بیشک ابتداءً هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا فِي بطنٍ مُتَمِيمٍ لِيُظَاهِرَ مِنْكُمْ مَنْ كَانَ كَافِرًا كَمَا كُنْتُمْ كَافِرِينَ فَالَّذِينَ آمَنُوا هُمْ رِجَالٌ مِمَّنْ خَلَقْنَا إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ حَكِيمٌ (المائدہ-۱۱) اس تفسیر کے موافق جیسے وَقَدْ زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ (الملک-۵) میں جن سیاروں کو “مصباح” فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے “رجم شیطان” ہوتا ہے مگر شخص “مصباح” سے جنس “مصباح” کی طرف کلام کو منتقل کر دیا گیا۔ اس تفسیر کے موافق جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِي سَمَاوَاتٍ مُتَبَعَاتٍ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَٰكِنْ لَا يَأْتِيهِمْ مِنَ السَّمَاءِ شَيْءٌ سَائِبٌ وَلَا يَخَافُ السُّعُودَ (الحج-۱۷) میں صرف آدم و حوا کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں ابلیس ایک نیک مخلوق کی صورت میں حوا کے پاس آیا اور فریب دے کر ان سے وعدہ لے لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام عبد الحارث رکھیں۔ حوا نے آدم کو بھی راضی کر لیا۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے عبد الحارث نام رکھا (حارث ابلیس کا نام تھا جس سے وہ گروہ ملا نہ کہ میں پکارا جاتا تھا) ظاہر ہے کہ اسے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے اور ہوں بھی تو “عبد” کی اضافت “حارث” کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ “حارث” کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے۔ ایک مہمان نواز آدمی کو عرب “عبد الضیف” کہہ دیتے ہیں۔ (یعنی مہمان کا غلام) اس کا مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے پس اگر “عبد الحارث” نام رکھنے کا یہ واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آدم نے معاذ اللہ حقیقتاً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء کی شان عصمت کے منافی ہے۔ ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبہ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیاء مقررین کی چھوٹی سے لغزش اور ادنیٰ ترین زلت کو “حسنات الابراہیم المقربین” کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے۔ جیسے یونس کے قصہ میں فرمایا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ (انبیاء-۸۸) یا فرمایا حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا (یوسف-۱۱۰) علی توجیہ بعض المفسرین۔ اسی طرح یہاں بھی آدم کے رتبہ کے لحاظ سے اس موہم شرک کو تسمیہ تغلیطاً ان الفاظ میں ادا فرمایا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا أَنْتَهُمَا (خدا کی دی ہوئی چیز میں حصہ دار بنانے لگے) یعنی ان کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس کی سطح سے شرک کا وہم ہوتا ہے۔ گو حقیقتاً شرک نہیں۔ شاید اسی لئے فقہ اشراک وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا أَنْتَهُمَا وَاللَّهُ اعْلَمُ۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتلایا ہے کہ عبد الحارث نام رکھنے کی حدیث مرفوع جو ترمذی میں ہے وہ تین وجہ سے معلول ہے۔ رہے آثار، وہ غالباً اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہیں واللہ اعلم۔

۲۳۱۔ پہلے ایک طرح کے شرک کا ذکر تھا اس کی مناسبت سے ان آیات میں بت پرستی کا رد فرماتے ہیں۔ یعنی جو کسی کو پیدا نہ کر سکے بلکہ خود تمہارا بنایا ہو او وہ تمہارا خدا یا معبود کیسے بن سکتا ہے۔

۱۹۳۔ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے بھلا پکارو تو ان کو پس چاہیے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر تم سچے ہو

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ  
أَمْثَلَكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

صَادِقِينَ ﴿١٩٣﴾

۱۹۵۔ کیا انکے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا ان کے آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں تو کہہ دے کہ پکارو اپنے شریکوں کو پھر برائی کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو [۲۳۲]

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْتَطِشُونَ  
بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ  
يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا

فَلَا تُنظَرُونَ ﴿١٩٥﴾

۱۹۶۔ میرا حمایتی تو اللہ ہے جس نے اتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی [۲۳۳]

إِنَّ وَلِيَ اللَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۗ وَهُوَ يَتَوَلَّى

الصَّالِحِينَ ﴿١٩٦﴾

۱۹۷۔ اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا وہ نہیں کر سکتے تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکتیں

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٧﴾

۱۹۸۔ اور اگر تم ان کو پکارو رستہ کی طرف تو کچھ نہ سنیں اور تو دیکھتا ہے انکو کہ تک رہے ہیں تیری طرف اور وہ کچھ نہیں دیکھتے [۲۳۴]

وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۗ وَتَرَاهُمْ

يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾

۲۳۲۔ بتوں کی پوجا خلاف عقل ہے: جن بتوں کو تم نے معبود ٹھہرایا ہے اور خدائی کا حق دیا ہے وہ تمہارے کام تو کیا آتے خود اپنی حفاظت پر بھی قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دوسری پر تفوق و امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ گو ان کے ظاہری ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان سب کچھ تم بناتے ہو لیکن ان اعضاء میں وہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جاسکے۔ نہ تمہارے پکارنے سے مصنوعی پاؤں سے چل کر آسکتے ہیں۔ نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، نہ کانوں سے کوئی بات سنتے ہیں۔ اگر

پکارتے پکارتے تمہارا گلہ پھٹ جائے گا تب بھی وہ تمہاری آواز سننے والے اور اس پر چلنے والے یا اس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم ان کے سامنے چلاؤ یا خاموش رہو، دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ نہ اس سے فائدہ نہ اس سے نفع تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک و مخلوق ہونے میں تم ہی جیسی عاجز و درماندہ بلکہ وجود و کمالات وجود میں تم سے بھی گئی گزری ہوں انہیں خدا بنا لیا جائے اور جو اس کا رد کرے اسے نقصان پہنچنے کی دھمکیاں دی جائیں۔ آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی دھمکیاں: چنانچہ مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی بے ادبی کرنا چھوڑ دیں ورنہ نہ معلوم وہ کیا آفت تم پر نازل کر دیں وَ يُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ (زمر-۳۶) اسی کا جواب قُلِ اذْعُوْا شُرَكَاءَكُمْ اَنْ تَخْشَوْا سُبْحَانَكَ وَ يَخَافُكَ كَمَا خَافُكَ اَبْنَاؤُكُمْ يَوْمَ يَكْفُرُونَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (مائدہ-۱۷) شُرَكَاءُ كُوپکارو اور میرے خلاف اپنے سب منصوبے اور تدبیریں پوری کر لو، پھر مجھ کو ایک منٹ کی مہلت بھی نہ دو۔ دیکھو تم میرا کیا بگاڑ سکو گے۔

۲۳۳۔ یعنی جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور منصب رسالت پر فائز کیا، وہ ہی ساری دنیا کے مقابلہ میں میری حمایت و حفاظت کرے گا۔ کیونکہ اپنے نیک بندوں کی حفاظت و اعانت وہ ہی کرتا ہے۔

۲۳۴۔ یعنی بظاہر آنکھیں بنی ہوئی ہیں، پر ان میں بینائی کہاں؟

۱۹۹۔ عادت کر در گذر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے

خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ أَعْرِضْ عَنِ

الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾

۲۰۰۔ اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا ﴿۲۰۰﴾

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نِزْغٌ فَاسْتَعِذْ

بِاللّٰهِ اِنَّهُ سَبِغٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٠٠﴾

۲۰۱۔ جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آ جاتی ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طِيفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ

تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ ﴿٢٠١﴾

۲۰۲۔ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ انکو کھینچتے چلے جاتے ہیں مگر ابھی میں پھر وہ کی نہیں کرتے ﴿۲۰۲﴾

وَ اِحْوَانُهُمْ يَبُدُّوْنَهُمْ فِي الدُّغٰنِ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾

۲۳۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنف و در گذر کا حکم: خُذِ الْعَفْوَ کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ اکثر کا حاصل یہ ہے کہ سخت گیری اور تند خوئی سے پرہیز کیا جائے اسی کو مترجم محقق نے در گذر کی عادت سے تعبیر فرمایا ہے۔ گذشتہ آیات میں بت پرستوں کی جو تمحیق و تجہیل کی گئی تھی، بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اس پر برہم ہو کر کوئی ناشائستہ حرکت کرتے یا بر الفاظ زبان سے نکالتے، اس لئے ہدایت فرمادی کہ عنف و در گذر کی عادت رکھو نصیحت کرنے سے مت رکو معقول بات کہتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کرو۔ یعنی ان کی جہالت آمیز حرکتوں پر روز روز الجھنے کی ضرورت نہیں۔ جب وقت آئے گا ذرا سی دیر میں ان کا سب حساب بے باق ہو جائے گا۔ اور اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت ان کی کسی نالائق حرکت پر غصہ آجائے اور شیطان لعین چاہے کہ دور سے چھیڑ چھاڑ کر کے آپ کو ایسے معاملہ پر آمادہ کر دے جو خلاف مصلحت ہو یا آپ کے

خلق عظیم اور حلم و متانت کے شایاں نہ ہو تو آپ فوراً اللہ سے پناہ طلب کیجئے آپ کی عصمت و وجاہت کے سامنے اس کا کوئی کید نہیں چل سکتا۔ کیونکہ خداوند قدیر جو ہر مستعید کی بات سننے والا اور ہر حالت کا جاننے والا ہے، اسی نے آپ کی صیانت کا تکفل فرمایا ہے۔

۲۳۶۔ متقین کی ایک خاص صفت: پہلے تو تنہا حضور ﷺ کو خطاب تھا گو حکم استعاذہ میں سب شامل تھے اب عام متقین (خدا ترس پرہیز گاروں) کا حال بیان فرماتے ہیں۔ یعنی عام متقین کے حق میں یہ محال نہیں کہ شیطان کا گذران کی طرف ہو اور کوئی چر کہ لگا جائے البتہ متقین کی شان یہ ہوتی ہے کہ شیطان کے اغواء سے ممتد غفلت میں نہیں پڑتے بلکہ ذرا غفلت ہوئی اور خدا کو یاد کر کے چونک پڑے، ٹھوکر لگی اور معاً سنبھل گئے سنبھلتے ہی آنکھیں کھل گئیں، غفلت کا پردہ اٹھ گیا۔ نیکی، بدی کا انجام سامنے نظر آنے لگا اور بہت جلد نازیبا کام سے رک گئے۔ باقی غیر متقین (جن کے دل میں خدا کا ڈر نہ ہو اور جنہیں شیطان کی برادری کہنا چاہئے) ان کا حال یہ ہے کہ شیاطین ہمیشہ انہیں گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں اور رگیدنے میں ذرا کمی نہیں کرتے۔ ادھر یہ لوگ ان کی اقتداء و پیروی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اور اس طرح ان شیاطین کے غرور و سرکشی کو اور زیادہ بڑھاتے رہتے ہیں۔ بہر حال متقی کی شان یہ ہے کہ جب شیطان دق کرے، فوراً خدا سے پناہ مانگے دیر نہ کرے۔ ورنہ غفلت میں تبادی ہو کر رجوع الی اللہ کی توفیق بھی نہ رہے گی۔

۲۰۳۔ اور جب تو لیکر نہ جائے انکے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کیوں نہ چھانٹ لایا تو کچھ اپنی طرف سے تو کہہ دے میں تو چلتا ہوں اس پر جو حکم آئے میری طرف میرے رب سے یہ سوچ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کو جو مومن ہیں [۲۳۷]

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بَآيَةٌ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ

إِنَّمَا اتَّبَعُ مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَذَا بَصَآئِرٌ

مِنْ رَبِّيكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾

۲۰۴۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو [۲۳۸]

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَبِعُوا لَهُ وَانصِتُوا

لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾

۲۳۷۔ وحی کی تاخیر پر کفار کا تمسخر کرنا: جب کبھی وحی کے آنے میں تاخیر ہوتی، تو کفار اذراہ تمسخر کہتے تھے کہ اب کوئی آیت کیوں گھڑ کر نہیں لے آتے۔ آخر سارا قرآن تم نے بنایا ہے (العیاذ باللہ) اسی طرح کبھی دق کرنے کے لئے بعض ایسے نشان (معجزات) طلب کرتے جن کے دکھلانے کو خدا کی حکمت مقتضی نہ تھی۔ جب آپ دکھلانے سے انکار کرتے تو کہتے لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا یعنی اپنے خدا سے کہہ کر ہمارا مانگا ہوا نشان کیوں چھانٹ کر نہ لے آئے۔ دونوں باتوں کے جواب میں فرمایا قُلْ إِنَّمَا اتَّبَعُ مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي یعنی ان سے کہدو کہ (نبی کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے خدا پر افترا کرے یا لوگوں کے کہنے سننے پر اقدارم کر کے خدا سے وہ چیز مانگے جس کا دینا اس کی حکمت کے منافی ہے یا جس کے طلب کرنے کی اجازت نہیں ہے) اس کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ خدا وحی بھیجے قبول کرے اس پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دے باقی آیات تنزیلیہ یا تکوینیہ جو مجھ سے طلب کرتے ہو تو قرآن سے بڑھ کر کوئی آیات ہوں گی۔ اور اس سے زیادہ عظیم الشان معجزہ کو نسا ہو گا جو سارے جہان کے لئے بصیرت افروز حقائق و مواعظ کا خزانہ اور ایمان لانے والوں کے لئے خاص قسم کی ہدایت و رحمت کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہے اسی کو تم کب ماننے کے لئے تیار ہوئے ہو جو فرمائشی آیات کو تسلیم کرو گے۔

۲۳۸۔ جب قرآن ایسی دولت بے بہا اور علم و ہدایت کی کان ہے تو اس کی قراءت کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر و توجہ سے ادھر کان لگائیں، اس کی ہدایات کو سمع قبول سے سنیں اور ہر قسم کی بات چیت، شور و شغب اور ذکر و فکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں۔ اگر کافر اس طرح قرآن سنے تو کیا بعید ہے کہ خدا کی رحمت سے مشرف بایمان ہو جائے اور پہلے سے مسلمان ہے تو ولی بن جائے۔ یاکم از کم اس فعل کے اجر و ثواب سے نوازا جائے۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ نماز میں جب امام قراءت کرے تو مقتدی کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے جیسا کہ ابو موسیٰ اور ابو ہریرہ کی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعْ لَهُ (جب نماز میں امام قراءت کرے تو چپ رہو) یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ صحیح مسلم کی شرح میں ہم نے نہایت شرح و بسط سے اس کے مالہ و ماعلیہ پر بحث کی ہے۔

۲۰۵۔ اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑ گڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو [۲۳۹] صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت رہ بے خبر

وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خِيفَةً وَ دُونَ

الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاَصَالِ وَ لَا تَكُنْ

مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿۲۰۵﴾

۲۰۶۔ پینک جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اس کی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اسکی پاک ذات کو اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں [۲۴۰]

اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ

عِبَادَتِهِ وَيَسَبِّحُوْهُ وَ لَهُ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

۲۳۹۔ ذکر اللہ کے آداب: بڑا ذکر تو قرآن کریم ہے اس کا ادب بیان ہو چکا۔ اب عام ذکر اللہ کے کچھ آداب بیان فرماتے ہیں یعنی ذکر اللہ کی اصلی روح یہ ہے کہ جو زبان سے کہے دل سے اس کی طرف دھیان رکھے تاکہ ذکر کا پورا نفع ظاہر ہو اور زبان و دل دونوں عضو خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔ ذکر کرتے وقت دل میں رقت ہونی چاہئے۔ سچی رغبت و رہبت سے خدا کو پکارے۔ جیسے کوئی خوشامد کرنے والا ڈرا ہوا آدمی کسی کو پکارتا ہے۔ ذکر کے لہجہ میں آواز میں اور ہیبت میں تضرع و خوف کا رنگ محسوس ہونا چاہئے۔ ذکر و مذکور کی عظمت و جلال سے آواز کا پست ہونا قدرتی چیز ہے۔ وَ حَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (طہ۔ ۱۰۸)۔ اسی لئے زیادہ چلانے کی ممانعت آئی ہے۔ دھیمی آواز سے سر آیا جبر آخدا کا ذکر کرے تو خدا اس کا ذکر کرے گا۔ پھر اس سے زیادہ عاشق کی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

۲۴۰۔ یعنی رات دن خصوصاً صبح و شام کے اوقات میں اس کی یاد سے غافل مت رہ۔ جب مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے عار نہیں، بلکہ ہمہ وقت اسی کی یاد میں لگے رہتے ہیں، اسی کو سجدہ کرتے ہیں، تو انسان کو اور بھی زیادہ ضرور ہے کہ اس کے ذکر اور عبادت و سجدہ سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

تم سورة اعراف

## ایاتھا ۵

## ۸ سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸

## رکوعاتھا ۱۰

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ [۱] تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ دے کے مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا سوڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اگر تم ایمان رکھتے ہو

اَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾

۱۔ سورہ انفال کا تعارف: یہ سورت مدنی ہے جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی سیزدہ ۱۳ سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجزہ نما استقامت و لہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے۔ قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اٹھا کر نہ رکھی۔ تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ صبر و تحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن عزیز و اقارب، اہل و عیال مال و دولت سب چیزوں کو خیر باد کہہ کر خالص خدا اور رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔ جب مشرکین کا ظلم و تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بے کسی حد سے گذر گئی۔ ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن و قوم، زن و فرزند، مال و دولت، غرض ہر ایک "ماسوی اللہ" کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا اور رسول کی محبت اور دولت توحید و اخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے کہ گویا غیر اللہ کی ان میں گنجائش ہی نہ رہی۔

جہاد قتال کی اجازت: تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سے رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے۔ ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی اِذِْنِ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۔ اَلَّذِيْنَ اٰخِرًا جُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ (الحج۔ ۴۰، ۳۹) مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداءً وہاں چڑھ کر جائیں، اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی سلسلوں جو شام و یمن وغیرہ سے قائم تھے شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال "ابواء" بواط، عیشیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا جن کی تفصیل کتب احادیث و سیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ ۲ ہجری میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔

غزورہ بدر کے اسباب: ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے؟ طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی۔ کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا

جس کے لئے بڑا اجتماع و اہتمام کیا جائے۔ دوسرے ”انصار“ کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نصرت و حمایت کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتداءً اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابو بکر و عمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزا تقریریں کیں آخر حضور ﷺ تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے ٹڈ بھٹھ ہونے کی توقع نہ تھی اس لئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسی لئے بخاری کی روایت میں حضرت کعب بن مال فرماتے ہیں کہ ”جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور ﷺ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی ”ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کاشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور ﷺ مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے ائمہ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آجانے پر آپ ﷺ نے صحابہ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور ﷺ اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابو بکر و عمر اور مقداد بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دئے اور اخیر میں حضرت سود بن معاذ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہر شجاعت دکھائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی۔ کافروں کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔ اس سورہ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلقات کا بیان ہوا ہے۔

جہاد میں اقدام و دفاع کا مسئلہ: جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضور ﷺ شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو مدینہ پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا، تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث و سیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار محاربین جن کی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئینہ بچنے کی توقع تھی، ان کو جانی و بدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب و انسانیت ہو۔ یعنی ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں۔ گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ (ص۔ ۵) باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں ان پر مسلمانوں کو از خود حملہ کرنا جائز نہیں کیونکہ وَ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (البقرہ۔ ۱۹۰) کے خلاف ہو گا قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے۔ بلکہ اس بارہ میں ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں۔ فی نفسہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں اتی تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ ”حملہ آوروں کی مدافعت کرو“ یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل میرے عزیز مولوی یحییٰ سلمہ نے جو تحریر فوائد میں میرے معین ہیں۔ اپنے رسالہ ”الجهاد الكبير ۲“ میں لکھی ہے۔ اور احقر نے کچھ خلاصہ رسالہ ”الاشہاب“ میں درج کیا ہے اور موقع بہ موقع فوائد میں بھی لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

۲۔ ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں

إِنَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِدَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾

۳۔ وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہم نے جو انکو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣﴾

۴۔ وہی ہیں سچے ایمان والے انکے لئے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور معافی اور روزی عزت کی [۱]

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾

۲۔ مال غنیمت کس کا حق ہے: ”بدر“ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس کے متعلق صحابہ میں نزاع تھی۔ نوجوان جو آگے بڑھ کر لڑے تھے، وہ کل مال غنیمت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ پرانے لوگ جو نوجوانوں کی پشت پر تھے، ان کا یہ کہنا تھا کہ ہمارے سہارا لگانے سے فتح ہوئی۔ لہذا غنیمت ہم کو ملنی چاہیے۔ ایک جماعت جو نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کرتی رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔ ان آیات میں بتلادیا کہ فتح صرف اللہ کی مدد سے ہے۔ کسی کا سہارا اور زور پیش نہیں جاتا۔ سو مال کا مالک خدا ہے۔ پیغمبر اس کے نائب ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی معرفت حکم دے، اسی کے موافق غنیمت تقسیم ہونی چاہئے۔ (اس حکم کی تفصیل آگے آئے گی) پکے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں۔ سچے مومنوں کی صفات: آپس میں صلح و آشتی سے رہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں اپنی آراء و جذبات سے قطع نظر کر کے محض خدا اور رسول کا حکم مانیں جب خدا کا نام درمیان میں آجائے ہیبت و خوف سے کانپ اٹھیں آیات و احکام الہی سن کر ان کا ایمان و یقین زیادہ مضبوط ہوتا رہے۔ اس قدر مضبوط و قوی ہو جائے کہ ہر معاملہ میں ان کا اصلی بھروسہ اور اعتماد بجز خدا کے کسی پر باقی نہ رہے۔ اسی کے سامنے سر عبودیت جھکائیں۔ اسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں۔ غرض عقیدہ، خلق، عمل اور مال ہر چیز سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں رہیں ایسے ہی لوگوں کو سچا اور پکا ایماندار کہا جاسکتا ہے، جو خدا کے یہاں اپنے اپنے درجہ کے موافق بڑے بڑے مقامات و مراتب قرب پر فائز ہوں گے، جنہیں معمولی کوتاہیوں سے درگزر کر کے عزت کی روزی سے سرفراز کیا جائے گا۔ رزق اللہ منہ بفضله ومنہ۔

۵۔ جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكٰرِهُونَ ﴿٥﴾



۶۔ وہ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات میں اسکے ظاہر ہو چکنے کے بعد گویا وہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے [۳]

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَانَبَا  
يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ

۳۔ غزوہ بدر میں اختلاف آراء ایک علمی جائزہ: "یعنی سوچو کہ اس جنگ (بدر) میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک و تائید اور امداد و توفیق مسلمانوں کے حق میں کار فرما رہی۔ خدا ہی تھا جو نصرت دین اسلام کے حق (سچے) وعدے کر کے اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا جبکہ ایک جماعت مسلمانوں کی لشکر قریش سے نبرد آزمائی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی سچی اور طے شدہ چیز میں پس و پیش کر رہے اور جتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی فرمائی ہوئی اٹل بات ہے (یعنی اسلام و پیروان اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا ان کو اس قدر شاق اور گراں تھا۔ جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے منہ میں جانا مشکل ہے تاہم خدا اپنی توفیق سے ان کو میدان جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفر و منصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے اول تا آخر یہ مہم سر ہوئی، مال غنیمت بھی اسی کا سمجھنا چاہئے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے جہاں بتلائے وہاں خرچ کرو۔ (تنبیہ) كَمَا آخَرَجَكَ الْحُكْمُ كَمَا آخَرَجَكَ الْحُكْمُ (البقرہ-۱۹۸) میں علماء نے تصریح کی ہے۔ اور آخَرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ إِلَى آخِرِ الْآيَاتِ کے مضمون کو میں نے الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ کا ایک سبب قرار دیا ہے ابو حیان کی طرح آخَرَجَكَ اللَّهُ وغيره مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب "روح المعانی" کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ آخَرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ میں صرف آن خروج من البيت مراد نہیں۔ بلکہ خروج من البيت سے دخول فی الجہاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے جس میں وَإِنْ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُرِهُونَ۔ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ وغيره سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیت تو عین خروج من المدینہ ہی کے وقت ظاہر ہو گئی جسے ہم صحیح مسلم اور طبری کے حوالہ سے سورۃ الانفال کے پہلے فائدہ میں بیان کر چکے ہیں اور مجادلہ کی صورت غالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقام صفراء میں پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض مبطلین کے مغالطات کا استیصال ہو جائے گا۔

۷۔ اور جس وقت تم سے وعدہ کرتا تھا اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کائنات لگے وہ تم کو ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ ڈالے جڑ کا فروں کی

اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ

الْكَافِرِينَ

۸۔ تاکہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کر دے جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گنہگار [۳]

يُحِقُّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلُ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ

## الْبُجْرُمُونَ ﴿۸﴾

۹۔ جب تم گلے فریاد کرنے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں مدد بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے لگاتار آنے والے

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿۹﴾

۱۰۔ اور یہ تودی اللہ نے فقط خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ زور آور ہے حکمت والا [۵]

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

## عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

۲۔ بدر میں لشکر کفار سے مقابلہ کی حکمت: "مسلمان چاہتے تھے کہ" تجارتی قافلہ" پر حملہ ہو کہ کاٹھانہ چھبے اور بہت سامان ہاتھ آجائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سرو سامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پر شوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفار کے کی جڑ کاٹ ڈالے۔ تاکہ اس طرح اس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے۔ جن میں ابو جہل بھی تھا۔ اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ فلله الحمد والمنة۔

۵۔ مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ کا نزول: اسی طرح کی آیت "آل عمران" پارہ "لن تنالوا" کے ربع پر گذر چکی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔ البتہ اس جگہ فرشتوں کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک بیان کی گئی تھی اگر واقعہ ایک ہے تو کہا جائے گا کہ اول ایک ہزار کا دستہ آیا ہو گا۔ پھر اس کے پیچھے دوسرے دستے آئے ہوں۔ جن کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک پہنچی۔ شاید لفظ "مردفین" میں اسی طرح اشارہ ہو۔

۱۱۔ جس وقت کہ ڈال دی اس نے تم پر اوگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کر دے اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدم [۱]

إِذْ يُغَشِّبُكُمُ النَّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَ لِيُرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَ يَثِّبَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت رکھو مسلمانوں کے

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا

میں ڈال دوں گا دل میں کافروں کے دہشت سو مارو  
گردنوں پر اور کاٹوان کی پور پور

الَّذِينَ آمَنُوا سَأَلْتَنِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا

الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوا مِنْهُمْ

كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ یہ اس واسطے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اسکے  
رسول کے اور جو کوئی مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا  
تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ مَنْ يَشَاقِقِ

اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے ہے  
عذاب دوزخ کا [۴]

ذُكُومٍ فَذُوقُوهُ وَ أَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ

النَّارِ ﴿۱۴﴾

۶۔ میدان بدر میں اللہ کی نعمتیں: ”بدر“ کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ  
تعداد میں تھوڑے تھے، بے سر و سامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے، مقابلہ پر ان سے تنگنی تعداد کا لشکر تھا۔ جو پورے ساز و سامان  
سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا۔ مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکڑ تھی پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے  
سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان نشیب میں تھے ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھستے تھے۔ گردوغبار نے  
الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضو کی تکلیف دوسری طرف تشنگی ستار رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ  
بعض آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف  
ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ذات کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی  
ریت جم گئی غسل و وضو کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہو گئی گردوغبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا  
پھر نادشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیوں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا  
خوف و ہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ رات بھر ”عریش“ میں مشغول دعا رہے اخیر میں حضور ﷺ  
پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبریل تمہاری مدد کو آرہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو  
سَيِّهْرَمُ الْجَمْعِ وَ يُؤَلُّونَ الدُّبَيْرَ (القمر۔ ۴۵) زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہر حال اس باران رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان  
کے وساوس سے پاک کر دیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔

۷۔ بدر میں شیاطین اور ملائکہ کے لشکر: جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم  
سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں ممثل ہو کر ابو جہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا میں

اور میرا سابقہ تمہارے ساتھ ہے ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبریل و میکائیل کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں مشکل ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو) تم مظلوم و ضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ ادھر تم ان کی ہمت بڑھاؤ گے ادھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب جہنمی کافروں نے مل کر خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے۔ سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔ روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر کبھی شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہل حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے توفیق و غلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت و قدرت سے انجام پاتا ہے۔ اسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو ان کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے یہاں تو عالم تکلیف و اسباب میں ذرا سی تنبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا اور بس۔

۱۵۔ اے ایمان والو جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو ان سے پیٹھ [۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا

رَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾

۱۶۔ اور جو کوئی ان سے پھیرے پیٹھ اس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں سو وہ پھر اللہ کا غضب لے کر اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا برا ٹھکانہ ہے [۹]

وَمَنْ يُؤَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ

أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَ

مَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾

۱۷۔ سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان بیشک اللہ ہے سننے والا جاننے والا [۱۰]

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۗ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ

رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ

بَلَاءً حَسَنًا ۗ إِنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾

۱۸۔ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سست کر دے گا تدبیر کافروں کی [۱۱]

ذُلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنٌ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو پہنچ چکا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر پھر یہی کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کریں گے اور کچھ کام نہ آئے گا تمہارے تمہارا جتھا اگرچہ بہت ہوں اور جان لو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے [۱۳]

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ  
تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُدُّوا نَعْدُ وَلَنْ  
تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ

مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

۸۔ جہاد میں پیڑھ دکھانے کا مسئلہ: فہارِ مِنَ الزَّحْفِ (جہاد میں سے نکل کر بھاگنا اور لڑائی میں کفار کو پیڑھ دکھانا) بہت سخت گناہ اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اگر کافر تعداد میں مسلمانوں سے دگنے ہوں اس وقت تک فقہاء نے پیڑھ پھیرنے کی اجازت نہیں دی۔

۹۔ یعنی اگر پسپائی کسی جنگی مصلحت سے ہو مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ موثر ہے یا ایک جماعت سپاہیوں کی مرکزی فوج سے جدا ہو گئی وہ اپنے بچاؤ کے لئے پسپا ہو کر مرکز سے ملنا چاہتی ہے، تو ایسی پسپائی جرم نہیں۔ گناہ اس وقت ہے جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو۔

۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکریاں پھینکنا: جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضور ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں لشکر کفار کی طرف پھینکیں اور تین مرتبہ ”شاہت الوجوہ“ فرمایا۔ خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا، آخر بہت سے کفار کھیت رہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ گو بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادتاً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیے، تم بے سرو سامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے منڈ مارے جاتے، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اتارا ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور ان میں وہ فوق العادہ قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے یہ اس لئے کیا گیا کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور خوب طرح احسان کیا جائے۔ بیشک خدا مومنین کی دعا و فریاد کو سنتا اور ان افعال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ مقبول بندوں پر کس وقت کس عنوان سے احسان کرنا مناسب ہے۔

۱۱۔ یعنی اس وقت بھی خدا نے کفار مکہ کے سب منصوبے خاک میں ملا دیے اور آئندہ بھی ان کی تدبیروں کو سست کر دیا جائے گا۔

۱۲۔ کفار سے خطاب: یہ خطاب کفار مکہ کو ہے وہ ہجرت سے پہلے حضور ﷺ سے کہا کرتے تھے وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (سجدہ ۲۸) یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہو گا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہو گا۔ مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزائی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آ جاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعاء کی تھی کہ خدا وندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ و اکرم ہو اسے فتح دے اور فساد مچانے والے کو مغلوب کر فقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ میں اس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی ”اعلیٰ و افضل“ تھے ان کو فتح مل گی اور مفسد ذلیل و رسوا ہوئے۔

۲۰۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اور اس سے مت پھرو سن کر [۱۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْعُونَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور ان جیسے مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں [۱۴]

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَبِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ بیشک سب جانداروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے [۱۵]

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سنا دیتا اور اگر ان کو اب سنا دے تو ضرور بھاگیں گے منہ پھیر کر [۱۶]

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْعَهُمْ ۗ وَلَوْ أَسْعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے [۱۷] اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو اور یہ کہ اسی کے پاس تم جمع ہو گے [۱۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾

۱۳۔ مسلمانوں کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم: پہلے فرمایا تھا کہ ”اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے“ اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا اور رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق ہوں۔ سو بتلادیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرمانبردار ہو۔ احوال و حوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا۔ تو قولاً و فعلاً کسی حال ان سے منہ نہ پھیرے۔

۱۴۔ کفار کی حالت: یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سننا ہی کیا۔ جو آدمی سیدھی سی بات کو سن کر سمجھے نہیں۔ یا سمجھ کر قبول نہ کرے۔ پہلے یہودیوں نے موسیٰ سے کہا تھا سَبِعْنَا وَعَصَيْنَا (البقرہ۔ ۹۳) ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں مگر کین مکہ کا قول آگے آتا ہے۔ قَدْ سَبِعْنَا نَوْ نَشَاءً لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا یعنی جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے۔ اور دل سے اسی طرح منکر رہے بہر حال مومن صادق کی شان ان یہود اور مشرکین و منافقین کی طرح نہ ہونی چاہئے اس کی شان یہ ہے کہ دل سے زبان سے عمل سے حاضر و غائب احکام الہیہ اور

فرامین نبویہ پر نثار ہوتا ہے۔

۱۵۔ بدترین جانور: جنہیں خدا نے بولنے کو زبان سننے کو کان اور سمجھنے کو دل و دماغ دئے تھے۔ پھر انہوں نے یہ سب قوتیں معطل کر دیں نہ زبان سے حق بولنے اور حق کو دریافت کرنے کی توفیق ہوئی نہ کانوں سے حق کی آواز سنی نہ دل و دماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کی۔ غرض خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اس اصلی کام میں صرف نہ کیا جس کے لئے فی الحقیقت عطا کی گئی تھیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

۱۶۔ ان کفار میں قبول حق کی استعداد نہیں ہے: یعنی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اس وقت ملتی ہے جب اس کے دل میں طلب حق کی سچی تڑپ اور نور و ہدایت قبول کرنے کی لیاقت ہو جو قوم طلب حق کی روح سے یکسر خالی ہو چکی اور اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اس میں قبول حق کی لیاقت و استعداد بھی نہیں رہتی اسی کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبول خیر و ہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی، اگر ان میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو اپنی آیتیں سنا کر سمجھا دیتا۔ باقی بحالت موجودہ اگر انہیں آیات سنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدی اور معاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم اور قبول کرنے والے نہیں۔

۱۷۔ جہاد میں زندگی ہے: یعنی خدا اور رسول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اس میں از سر تا پا تمہاری بھلائی ہے ان کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے۔ پس مومنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہیں۔ جس وقت اور جہد وہ بلائیں سب اشغال چھوڑ کر ادھر ہی پہنچیں۔

۱۸۔ اطاعت میں دیر کرنے سے دل ہٹ جاتے ہیں: یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو۔ شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتداءً نہیں روکتا نہ اس پر مہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سستی اور کاہلی کرتا ہے تو اس کی جزاء میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنا لے تو مہر کر دیتا ہے۔ کذافی الموضح۔ بعض نے یَحُولُ بَيْنَ النَّبِيِّ وَقَلْبِهِ کو بیان قرب کے لئے لیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا دل بھی اتنا قریب نہیں۔ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق-۱۶) تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو۔ خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال و سراز پر مطلع ہے۔ خیانت اس کے آگے نہیں چل سکتی گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے کمونٹات و سراز رکھول کر رکھ دئے جائیں گے۔

۲۵۔ اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے [۱۹]

وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانہ دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو سٹھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو [۲۰]

وَ اذْكُرُوا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُونَ اَنْ يَّتَخَفَكُمُ النَّاسُ فَاْوَكُمُ وَ اَيَّدَكُمُ بِنَصْرِهِ وَ رَزَقَكُمُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اے ایمان والو خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں میں جان کر [۲۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَ

تَخُونُوا أَمْنَتَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور اولاد خرابی میں ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے [۲۲]

وَأَعْلَمُوا أَنَّ مَوَالِكُمْ وَأَوْلَادَكُمْ فَتَنَةٌ ۖ وَأَنَّ

اللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾

۱۹۔ نصیحت کرنے کی اہمیت: یعنی فرض کیجئے ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وتیرہ اختیار کر لیا، کچھ لوگ جو اس سے علیحدہ رہے انہوں نے مد اہنت برتی نہ نصیحت کی نہ اظہار نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے جس کی لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مد اہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئے گا تو حسب مراتب سب اس میں شامل ہوں گے کوئی نہ بچے گا۔ اس تفسیر کے موافق آیت سے مقصود یہ ہو گا کہ خدا اور رسول کی حکم برداری کے لئے خود تیار رہو اور نافرمانوں کو نصیحت و فہمائش کرو۔ نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو۔ باقی حضرت شاہ صاحب نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فساد (گناہ) سے بالخصوص بچنا چاہئے جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کا حکم ماننے میں ادنی تاخیر اور کاہلی نہ کرے۔ کہیں دیر کرنے کی وجہ سے دل نہ ہٹ جائے۔ اب تشبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں گے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے۔ تو رسم بد پھیلے گی۔ اس کا وبال سب پر پڑے گا۔ جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں۔ پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔

۲۰۔ نعمتوں پر شکر کرنے کا حکم: یعنی اپنی قلت و ضعف کو خیال کر کے خدا کا حکم (جہاد) ماننے میں سستی مت دکھلاؤ۔ دیکھو ہجرت سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی، سامان بھی نہ تھا۔ تمہاری کمزوری کو دیکھ کر لوگوں کو طمع ہوتی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں۔ تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنان اسلام کہیں کوچ کھسوٹ کر نہ لے جائیں۔ مگر خدا نے تم کو مدینہ میں ٹھکانا دیا، انصار و مہاجرین میں عدیم نظیر رشتہ مواخات قائم کر دیا۔ پھر معرکہ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد پہنچائی۔ کفار کی جڑ کاٹ دی تم کو فتح الگ دی، مال غنیمت اور دیا اساری الگ دیا۔ غرض حلال طیب ستھری چیزیں اور انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ تاکہ اس کے شکر گزار بندے بنے رہو۔

۲۱۔ امانتوں میں خیانت کی ممانعت: خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں۔ یا جس کام پر خدا اور رسول نے مامور کیا ہو اس میں وغل فصل کیا جائے۔ یا مال غنیمت میں چوری کی جائے۔ و نحو ذلک۔ بہر حال ان تمام امانتوں میں جو خدا اور رسول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں۔ خیانت سے بچو۔ اس میں ہر قسم کے حقوق اللہ و حقوق العباد آگئے۔

حضرت ابو لبابہ اور بنی قریظہ: روایات میں ہے کہ یہود بنی قریظہ نے جب حضور ﷺ سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے ساتھ وہ ہی معاملہ کیا جائے جو بنی النضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حکم بنا لو جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کر دیں وہ منظور ہونا چاہئے۔ انہوں نے حضرت ابو لبابہ کو حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی حکیم منظور کریں یا نہ کریں۔ ابو لبابہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے اس لئے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی اگر سعد بن معاذ کی حکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ



گے۔ ابولبابہ اشارہ تو کر گزرے مگر معاً متنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔ واپس آکر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتیٰ کہ موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ سات آٹھ دن یوں ہی بندھے رہے فاتحہ سے غشی طاری ہو گئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم ﷺ اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔ آپ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا۔ الی آخر القصة (ابن عبد البر کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بناء پر پیش آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۲۔ مال و اولاد فتنہ ہیں: آدمی اکثر مال و اولاد کی خاطر خدا کی اور بندوں کی چوری کرتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرمایا کہ امانتداری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے، وہ یہاں کے مال و اولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

۲۹۔ اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلہ [۲۳] اور دور کر دے گا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا اور اللہ کا فضل بڑا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَ

اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید میں کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے [۲۴]

وَ إِذْ يَبْكُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُشْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَبْكُونَ وَيَبْكُ اللَّهُ

وَاللَّهُ خَيْرُ الْبَاكِينَ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اور جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم سن چکے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں ایسا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر احوال ہیں انگوں کے [۲۵]

وَ إِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَبَعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ

الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾

۳۲۔ اور جب وہ کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر برسادے پتھر آسمان سے یا لاہم پر کوئی عذاب دردناک [۲۶]

وَ إِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِن عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ

أُتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ط وَمَا كَانَ

۳۳۔ اور اللہ ہر گز نہ عذاب کرتا ان پر جب تک تو رہتا ان میں [۲۷] اور اللہ ہر گز نہ عذاب کرے گا ان پر جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے [۲۸]

اللَّهُ مُعَذِّبُهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾

۲۳۔ تقویٰ کے برکات: یعنی اگر خدا سے ڈر کو راہ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دے گا۔ دنیا میں بھی کہ تم کو عزت دے گا اور ان کو ذلیل یا ہلاک کرے گا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعيم دائم میں رہو گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ وَامْتَأْتُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (بقرہ-۵۹) هَذَا يَوْمُ الْقَضَاءِ (المرسلات-۳۸) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے اس کے علاوہ ایک بات حضرت شاہ صاحب نے لکھی ہے کہ "شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے حضرت سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ میں نہ ستاویں، سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جاوے گا۔ تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔"

۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار مکہ کی تدبیر اور انکا انجام: ہجرت سے پیشتر کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کیا جائے۔ انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کر لیں جس کا مقابلہ دشوار ہو۔ اس وقت رائیں مختلف تھیں، کوئی کہتا تھا قید کیا جائے اور خوب زخمی کئے جائیں کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خرخشہ سے نجات ملے۔ اخیر میں ابو جہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آن و احد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کر سکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے۔ یہاں تو وہ اشتیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے ادھر ان کی ٹوڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ نے اطلاع کی۔ آپ اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا کر اسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپ کے قتل کے لئے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ کا اور حضرت علیؓ کا بال بینکانہ ہوا اور دشمن خائب و خاسر رہے پھر جنہوں نے آپ کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہ ہی قتل کئے گئے اس سے بتلا دیا کہ جب خدا سنا تھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور جس طرح اس نے اپنے پیغمبر کو بچایا، تمہارے گھر بار اور اہل و عیال کی بھی جو مکہ میں ہیں حفاظت کر سکتا ہے۔ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تراست۔

۲۵۔ کفار مکہ کا جہل و شقاوت: نضر بن الحارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا لائیں۔ اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے۔ مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی بات پر رکھتا تھا۔ پھر چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا تھا کہ میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے، مگر چلتا ہی نہیں۔ بہر حال پچھلی قوموں کے احوال سن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے، وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا۔

۲۶۔ ابو جہل کی دعاء: اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوند اگر واقعی یہ ہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس قدر شد و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا بندہ کیوں نہیں برسا دیا جاتا؟ یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا کہتے ہیں کہ یہ دعاء ابو جہل نے مکہ سے نکلتے وقت کعبہ کے سامنے کی۔ آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا۔ وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور اور بے سروسامان

مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ستر سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے۔ اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ بیشک قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے۔ لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو خدا تعالیٰ نے محمد ﷺ کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔

۲۷۔ سنت اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ خدا نے جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے بدر کے عذاب میں پکڑے گئے۔

۲۸۔ مشرکین پر عذاب کیوں نہیں آیا؟: نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں ایک ان کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا۔ دوسرے استغفار۔ یعنی مکہ میں حضرت کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا۔ اب ان پر عذاب آیا۔ اسی طرح جب تک گنہگار نام رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ گنہگاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں۔ ایک میرا وجود اور دوسرے استغفار کذافی الموضح۔ (تنبیہ) وَ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ كَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ جو معنی مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے کئے بعض مفسرین کے موافق ہیں لیکن اکثر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس قسم کا خارق عذاب طلب کر رہے تھے۔ جو قوم کا دفعۃً استیصال کر دے۔ ان پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں ایک حضور ﷺ کا وجود باوجود کہ اس کی برکت سے اس امت پر خواہ ”امت دعوتہ“ ہی کیوں نہ ہو ایسا خارق عادت مستاصل عذاب نہیں آتا۔ یوں کسی وقت افراد و آحاد پر آجائے وہ اس کے منافی نہیں۔ دوسرے استغفار کرنے والوں کی موجودگی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم جیسا کہ منقول ہے کہ مشرکین مکہ بھی تلبیہ و طواف وغیرہ میں ”غفرانک، غفرانک“ کہا کرتے تھے۔ باقی غیر خارق معمولی عذاب (مثلاً قحط یا دبا یا قتل کثیر وغیرہ) اس کا نزول پیغمبر یا بعض مستغفرین کی موجودگی میں بھی ممکن ہے آخر جب وہ لوگ شرارتیں کریں گے تو خدا کی طرف سے تنبیہ کیوں نہ کی جائے گی۔ آگے اسی کو بیان فرمایا ہے۔

۳۳۔ اور ان میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ کرے ان پر اللہ اور وہ تو روکتے ہیں مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار والے نہیں اس کے اختیار والے تو وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن ان میں اکثروں کو اس کی خبر نہیں [۲۹]

وَمَا لَهُمْ آلَا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنِ أَوْلِيَاءُ مَا إِلَّا الْيَتَامُونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

۳۵۔ اور ان کی نماز نہیں تھی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بچانی اور تالیاں سوچکھو عذاب بدلا اپنے کفر کا [۳۰]

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ بیشک جو لوگ کافر ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے [۳۱] سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہو گا وہ ان پر افسوس اور آخر مغلوب ہوں گے اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے [۳۲]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ

حَسَمَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ

يُحْشَرُونَ ﴿۳۲﴾

۳۷۔ تاکہ جدا کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے اور رکھے ناپاک کو ایک کو ایک پر پھر اس کو ڈھیر کر دے اکٹھا پھر ڈال دے اسکو دوزخ میں [۳۳] وہی لوگ ہیں نقصان میں [۳۴]

لِيَبَيِّرَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ

الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكَبُهُ جَبِيْعًا

فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۳۳﴾

۳۸۔ تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آجائیں تو معاف ہو ان کو جو کچھ ہو چکا [۳۵] اور اگر پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے راہ انگوں کی [۳۶]

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ

سَلَفَ ۗ اِنْ يَّعُودُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

۲۹۔ کعبہ کے متولی کون ہیں: یعنی عذاب کا نہ آنا دوسب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آجانا چاہئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے۔ بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لئے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گزار بندے یہاں نہ آنے پائیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لئے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی بااعتبار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں۔ یہ ہمارا حق ہے حالانکہ اول تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے۔ دوسرے حق تولیت ان کو پہنچتا بھی نہیں حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں مشرک اور بد معاش اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں کے اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولاد ابراہیم سے ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں۔ تولیت کعبہ کا حق موروثی حق ہے جس کے لئے کوئی خاص شرط و قید نہیں۔ سو بتلادیا کہ اولاد ابراہیم میں جو پرہیزگار ہو۔ اسی کا حق ہے ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا۔

۳۰۔ کفار مکہ کی نماز اور انفاق مال: یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود ان کی نماز کیا ہے؟ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا جیسے آج بھی بہت سی قومیں گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں۔ غرض نہ خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ان بے معنی اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے۔ بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لئے ہوتا تھا یا ازراہ استہزاء و تمسخر ایسا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۔ بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ دس اونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کئے جاتے تھے۔ پھر جب شکست ہو گئی تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابو سفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے۔ وہ سب محمد ﷺ سے انتقام لینے میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ سب اس پر راضی ہو گئے۔ اسی طرح کے خرچ کرنے کا یہاں ذکر ہے۔

۳۲۔ جب دنیا میں مغلوب و مقہور اور آخرت میں معذب ہوں گے تب افسوس و حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ اول بدر میں پھر احد وغیرہ میں سب مالی اور جسمی طاقتیں خرچ کر دی گئیں کچھ نہ کر سکے آخر ہلاک یا رسوا ہوئے یا نادام ہو کر کفر سے توبہ کی۔

۳۳۔ موضح القرآن میں ہے کہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کرے گا۔ اس درمیان میں کافر اپنا جان و مال کا زور خرچ کر لیں گے۔ تا نیک و بد جدا ہو جاوے۔ یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکتھے دوزخ میں جائیں۔

۳۴۔ یعنی دنیوی و اخروی دونوں قسم کا نقصان اور خسارہ اٹھایا۔

۳۵۔ یعنی اگر اب بھی کفر و طغیان اور عداوت اسلام سے باز آجائیں اور پیغمبر علیہ السلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر لیں تو پہلے حالت کفر میں جو گناہ کر چکے وہ سب معاف کر دیے جائیں گے۔ اَلَا سَلَامًا مَّرِيهًا مَّا كَانَ قَبْلَهُ (حقوق العباد معاف نہ ہوں گے ان کا مسئلہ علیحدہ ہے)

۳۶۔ یعنی جس طرح اگلے لوگ پیغمبروں کی تکذیب و عداوت سے تباہ ہوئے ان پر بھی تباہی آئے گی یا یہ مطلب ہے کہ جیسے بدر میں ان کے بھائی بندوں کو سزا دی گئی انہیں بھی سزا دی جائے گی۔

۳۹۔ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد [۳۴]  
اور ہو جائے حکم سب اللہ کا [۳۸] پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے کام کو دیکھتا ہے [۳۹]

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ  
لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بَالِغُ الْأَمْرِ بِصِيرَةٍ

۴۰۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار [۴۰]

وَإِن تَوَلَّوْا فاعلموا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ نِعَمَ  
الْمَوْلَىٰ وَنِعَمَ النَّصِيرِ

۳۷۔ جہاد کے مقاصد: یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولت ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو۔ (چنانچہ فتنہ کی یہ ہی تفسیر ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے)

۳۸۔ یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (التوبہ۔ ۳۳) خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہ ہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے جیسے نزول مسیح کے وقت ہو گا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجو یا دفاعی مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لئے حدیث میں آگیا۔ اَلْجِهَادُ مَا ضَىٰ اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (جہاد کے احکام و شرائط کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے)

۳۹۔ یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آجائیں ان سے قتال نہیں۔ ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد کیا جائے گا۔ جیسا کام وہ کریں گے خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کر سکتے مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ ونی الحدیث اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا اِلَّا اِلَهًا اِلَّا اللهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَبُوا مَتْنِيْ دِمَاءِهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

۴۰۔ یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں۔ کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں۔ جیسے جنگ بدر میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔

وَاعْلَمُوا أَنبَا غَنِيمَتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ حُمْسَهُ  
وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَ  
ابْنِ السَّبِيلِ ۗ إِن كُنْتُمْ أَمْنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا  
أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ  
الْجَبْعِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اسکے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے [۳۱] اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلہ کے دن [۳۲] جس دن بھڑگئیں دونوں فوجیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۳۳]

۳۱۔ مال غنیمت کے احکام و مصارف: "آغاز سورت میں فرمایا تھا قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ يِهٰذَا اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس میں کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات پر، اپنے ان قرابت داروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مدد کو وغیرہ سے لینا ان کے لئے حرام ہوا، یتیموں پر، حاجت مندوں پر، مسافروں پر پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے وہ لشکر پر تقسیم کئے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حضور ﷺ کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے "حنفیہ" کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد حضور ﷺ کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو ان کو حضور ﷺ کی نصرت قدیمہ کی بناء پر ملتا تھا۔ البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور ﷺ کے قرابت دار مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہئے۔ بعض علماء کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد امیر المؤمنین کو اپنے مصارف کے لئے خمس الخمس ملنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ جب غنیمت میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم ﷺ اس میں کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لئے نکالتے تھے۔ بعض فقہانے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید ہے، وہاں مساجد کے لئے نکالنا چاہئے۔

۳۲۔ یوم بدر فیصلہ کا دن: "فیصلہ کے دن" سے مراد "یوم بدر" ہے جس میں حق و باطل کی کشمکش کا کھلا ہوا فیصلہ ہو گیا۔ اس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر فتح و نصرت اتاری۔ فرشتوں کی امداد کی کمک بھیجی۔ اور سکون و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی۔ تو جو لوگ خدا پر اور اس کی تائید غیبی پر ایمان رکھتے ہیں ان کو غنیمت میں سے خدا کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا بھاری نہیں ہو سکتا۔

۳۳۔ جیسے اس دن تم کو مظفر و منصور کیا، وہ قادر ہے کہ آئندہ بھی تم کو غلبہ اور فتوحات عنایت فرمائے۔

۳۲۔ جس وقت تم تھے ور لے کنارہ پر اور وہ پر لے کنارہ پر [۳۴] اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے [۳۵] اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدہ پر ایک ساتھ [۳۶] لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک کام کو جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ  
وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۗ لَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَأَخْتَلَفْتُمْ  
فِي الْبَيْعِ ۗ وَلَكِنَّ لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ

قیام حجت کے بعد [۳۷] اور بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۳۸]

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۷﴾

۳۳۔ جب اللہ نے وہ کافر دکھلائے تجھ کو تیری خواب میں تھوڑے [۳۹] اور اگر تجھ کو بہت دکھلا دیتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچالیا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں [۵۰]

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ط وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ط إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۸﴾

۳۴۔ اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچتا ہے ہر کام [۵۱]

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّكْوِيْمِ فِيْٓ أَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ط وَإِلَىٰ اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۳۹﴾

۳۴۔ غزوہ بدر کی مزید تفصیلات: ”ورلے کنارے“ سے مراد میدان جنگ کی وہ جانب ہے جو مدینہ طیبہ سے قریب تھی۔ اسی طرح ”پرلا کنارہ“ وہ ہو گا جو مدینہ سے بعید تھا۔

۳۵۔ یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ نیچے کی طرف ہٹ کر سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ قافلہ اور مسلمانوں کے درمیان قریش کی فوج حائل ہو چکی تھی۔

۳۶۔ یعنی اگر فریقین پہلے سے لڑائی کا کوئی وقت ٹھہرا کر جانا چاہتے تو ممکن تھا اس میں اختلاف ہوتا یا وعدہ کے وقت پہنچنے میں ایک فریق پس و پیش کرتا۔ کیونکہ ادھر مسلمان کفار کی تعداد اور ظاہری ساز و سامان سے خائف تھے۔ ادھر کفار مسلمانوں کی حقانیت، خدا پرستی اور بے جگری سے مرعوب رہتے تھے دونوں کو جنگ کی ذمہ داری لینے یا شرکت کرنے میں تردد اور تقاعد ہو سکتا تھا۔

۳۷۔ یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ پر حملہ کرنے کو، قافلہ بچ گیا اور دونوں فریقوں کے دو کناروں پر آپڑیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی۔ اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پینمبر کا کھل گیا۔ جو مرادہ بھی یقین جان کر مر اور جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر تا اللہ کا الزام پورا ہو۔ کذافی الموضح۔ اور ممکن ہے مرنے اور جینے سے کفر و ایمان مراد ہوں یعنی اب جو ایمان لائے اور جو کفر پر جما رہے دونوں کا ایمان یا کفر و صوح حق کے بعد ہو۔

۳۸۔ یعنی اللہ کمزور مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس طریقہ سے ان کی مدد کی جائے۔ دیکھو بدر میں مسلمانوں کی فریاد کیسی سنی اور کیسی مدد فرمائی۔

۳۹۔ یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے جنگ

بدر میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔

۵۰۔ یعنی انہیں زیادہ سمجھ کر کوئی لڑنے کی ہمت نہ کرتا۔ اس طرح اختلاف ہو کر کام میں کھنڈت پڑ جاتی۔ لیکن خدا نے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں تھوڑی تعداد دکھلا کر اس بزدلی اور نزاع باہمی سے تم کو بچا لیا وہ خوب جانتا کہ کس چیز سے دلوں میں ہمت و شجاعت پیدا ہوتی ہے اور کس بات سے جبن و نامردی۔

۵۱۔ رسول اللہ کا خواب: پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت، تاجرات سے لڑیں۔ پیغمبر کا خواب غلط نہیں ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے اکثر وہ تھے جو پیچھے مسلمان ہوئے۔ اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مقصود ان کی مغلوبیت کا اظہار ہو۔ باقی کفار کی نظر میں جو مسلمان تھوڑے دکھائی دیے تو وہ واقعی تھوڑے تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب دونوں فوجیں اول آمنے سامنے ہوئیں۔ پھر جب مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کئے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچ اس وقت کفار کو مسلمان دگنے نظر آنے لگے کما فی آل عمران وَاٰخِرٰی كَافِرًا تَّيِّبًا لَّهُمْ مَثَلِهِمْ رَاٰی الْعَيْنِ (آل عمران- ۱۳)

۴۵۔ اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو [۵۲] تاکہ تم مراد پاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَ

اذْكُرُوا وَاللَّهُ كَثِيرٌ أَلْعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾

۴۶۔ اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا [۵۳] اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے [۵۴]

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ

الصَّابِرِينَ ﴿٣٦﴾

۴۷۔ اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اترتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں [۵۵]

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطْرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ

بِأَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٣٧﴾

۵۲۔ جہاد اور ذکر اللہ: اس میں نماز، دعا، تکبیر، اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔ "ذکر اللہ" کی تاثیر یہ ہے کہ ذکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے صحابہؓ کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہی تھا الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (رعد- ۲۸)

۵۳۔ یعنی ہوا خیزی ہو کر اقبال و رعب کم ہو جائے گا۔ بدر عسی کے بعد فتح و ظفر کیسے حاصل کر سکو گے۔

۵۴۔ صبر و استقامت کامیابی کی کنجی ہیں: "جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو ہمت نہ ہارو،



مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے اس آیت میں مسلمانوں کو بتلادیا گیا کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ دولت، لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی، صبر و استقلال، قوت و طمانیت قلب، یاد الہی، خدا و رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور باہمی اتفاق و اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ اس موقع پر بیساختہ جی چاہتا ہے کہ صحابہؓ کے متعلق ”ابن کثیرؒ“ کے چند الفاظ نقل کر دوں جو اخلاص و ایمان کی انتہائی گہرائی سے نکلے ہوئے ہیں۔ وَقَدْ كَانَ لِلصَّحَابَةِ فِي بَابِ الشُّجَاعَةِ وَالْإِثْبَارِ بِمَا أَمَرَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ بِهِ وَأَمْتِنَالِ مَا أَرْسَدَهُمْ إِلَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْأُمَمِ وَالْقُرُونِ قَبْلَهُمْ وَلَا يَكُونُ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِمْ فَإِنَّهُمْ بِبَرَكَاتِ الرَّسُولِ وَطَاعَتِهِ فِيْمَا أَمَرَهُمْ فَتَحُوا الْقُلُوبَ وَالْأَقَالِيمَ شَرَفًا وَعَزَابًا فِي الْبُدَاةِ الْبَيْسِيَّةِ مَعَ قَلَّةٍ عَدَدِهِمْ بِالنِّسْبَةِ إِلَى جُيُوشِ سَائِرِ الْأَقَالِيمِ مِنَ الرُّومِ وَالْفَرَسِ وَالتُّرْكِ وَالصَّفَالِيَّةِ وَالتَّبَزَّرِ الْجِيُوشِ وَأَصْنَافِ السُّودَانِ وَالْقَبْطِ وَطَوَائِفِ بَنِي أَدَمَ قَهَرُوا الْجَبِيَمَ حَتَّى عَلَتْ كَلِمَةُ اللَّهِ وَظَهَرَ دِينُهُ عَلَى سَائِرِ الْأَدْيَانِ وَأَمْتَدَّتِ السَّمَالِكُ الْإِسْلَامِيَّةُ فِي مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَعَارِبِهَا فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثِينَ سِنَةً فَرَضَى اللَّهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ أَجْمَعِينَ وَحَشَرْنَا فِي زُمْرَتِهِمْ إِنَّهُ كَرِيمٌ تَوَّابٌ۔

۵۵۔ کفار مکہ کا غرور و نمائش: ابو جہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا تاکہ مسلمان مرعوب ہو جائیں۔ اور دوسرے قبائل پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے۔ راستہ میں اس کو ابوسفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے۔ اب تم مکہ کو لوٹ جاؤ۔ ابو جہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جاسکتے ہیں جبکہ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کر لیں۔ گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں۔ شراہیں پیئیں۔ مزے اڑائیں اور تین روز تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں تاکہ یہ دن عرب میں ہمیشہ کے لئے ہماری یاد گار رہے۔ اور آئندہ بھی ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں کہ پھر کبھی یہ ہمارے مقابلہ کہ جرات نہ کریں۔ اسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبہ باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے قابو میں ہیں۔ چلنے دے یا نہ چلنے دے۔ بلکہ چاہے تو انہی پر الٹ دے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا۔ محفل سرود و نشاط تو منعقد نہ کر سکے ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں ”بدر“ سے ”مکہ“ تک بچھ گئیں۔ جومال تقاخر و نمائش میں خرچ کرنا چاہتے تھے وہ مسلمانوں کے لئے لقمہ غنیمت بنا۔ ایمان و توحید کے دائمی غلبہ کا بنیادی پتھر بدر کے میدان میں نصب ہو گیا۔ گویا ایک طرح اس چھوٹے سے قطعہ زمین میں خدا تعالیٰ نے روئے زمین کی ملل و اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ فرمادیا۔ بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جہاد محض ہنگامہ کشت و خون کا نام نہیں بلکہ عظیم الشان عبادت ہے عبادت پر اتراوے یاد کھانے کو کرے تو قبول نہیں لہذا تم فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال مت چلو۔

۳۸۔ اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے انکی نظروں میں ان کے عملوں کو اور بولا کہ کوئی بھی غالب نہ ہو گا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے [۵۶]

وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتَيْنِ نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ

اللَّهُ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ

۴۹۔ جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے حکمت والا [۵۷]

إِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ  
غَرَّاهُمْ آلَاءُ دِينِهِمْ ۗ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ

اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۹﴾

۵۶۔ کفار کو شیطان کا دھوکہ: قریش اپنی قوت و جمعیت پر مغرور تھے، لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں۔ فوراً شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابو جہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد و حمایت پر ہیں۔ کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کارن پڑا اور شیطان کو جبریل وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابو جہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا۔ ابو جہل نے کہا سراقہ! عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں۔ (یعنی فرشتے) خدا کے (یعنی اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں۔ کہیں کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں قتادہ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا اس کے دل میں خدا کا ڈر نہ تھا۔ ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے۔ کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے تابعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جایا کرتا ہے۔ اسی کے موافق یہاں بھی کیا۔ یَعِدُّهُمْ وَيُؤْتِيهِمْ ۗ وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (نساء۔ ۱۲۰) كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ الْكُفْرَ ۖ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكَ إِنَّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ (الحشر۔ ۱۶) وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقِّ ۖ وَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۗ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۚ فَلَا تَلُمُونِي وَلَا مَنُومًا أَنْفُسَكُمْ ۗ مَا أَنَا بِبَصِيرَةٍ وَمَا أَنْتُمْ بِبَصِيرَةٍ ۗ إِنَّي نَكَفْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (ابراہیم۔ ۲۲)

۵۷۔ مسلمانوں کی شجاعت اور منافقین: مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور بے سرو سامان اور اس پر ایسی دلیری و شجاعت کو دیکھتے ہوئے منافقین اور ضعیف القلب کلمہ گو کہنے لگے کہ یہ مسلمان اپنے دین اور حقانیت کے خیال پر مغرور ہیں جو اس طرح اپنے کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرور نہیں، توکل ہے۔ جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ اُدھر سے ہو گا عین حکمت و صواب ہو گا وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔

۵۰۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا [۵۸]

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ  
وُجُوهُهُمْ وَأَذْبَارَهُمْ ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ یہ بدلا ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر [۵۹]

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ ۖ وَ أَنَّ اللَّهَ لَيْسَ

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر بیشک اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا [۶۰]

كَذٰبِ الْفِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْۤا  
بَايٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ

قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہر گز بدلنے والا نہیں اس نعمت کو جو دی تھی اس نے کسی قوم کو جب تک وہی نہ بدل ڈالیں اپنے جیوں کی بات اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۶۱]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى  
قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْۤا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ

سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾

۵۸۔ کفار کی حالت موت کے وقت: یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو۔ اور عذاب جہنم کا مزہ آئندہ چکھنا۔ بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے یعنی اس وقت جو کافر مارے جاتے تھے ان کے ساتھ فرشتوں کا یہ معاملہ تھا۔ مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہو گا کہ دنیا میں ان کافروں کی یہ گت بنی۔ برزخ میں یہ ہو گا اور آخرت کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

۵۹۔ یعنی یہ سب تمہاری کروت کی سزا ہے ورنہ خدا کے یہاں ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر معاذ اللہ ادھر سے ترقی برابر ظلم کا امکان ہو تو پھر وہ اپنی عظمت شان کے لحاظ سے ظالم نہیں ظلام ہی ٹھہرے کیونکہ کامل کی ہر صفت کامل ہی ہونی چاہئے۔

۶۰۔ یعنی قدیم سے یہ ہی دستور رہا ہے کہ جب لوگ آیات اللہ کی تکذیب و انکار یا انبیاء سے جنگ کرنے پر مصر ہوئے تو اللہ نے ان کو کسی نہ کسی عذاب میں پکڑ لیا۔

۶۱۔ قوموں کی ہلاکت انکی اپنی وجہ سے ہوتی ہے: "یعنی جب لوگ اپنی بے اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کے فطری قوی اور استعداد کو بدل ڈالتے ہیں اور خدا کی بخشی ہوئی داخلی یا خارجی نعمتوں کو اس کے بتلائے ہوئے کام میں ٹھیک موقع پر خرچ نہیں کرتے بلکہ الٹے اس کی مخالفت میں صرف کرنے لگے ہیں تو حق تعالیٰ اپنی نعمتیں ان سے چھین لیتا ہے اور شان انعام کو انتقام سے بدل دیتا ہے وہ بندوں کی تمام باتوں کو سنتا اور تمام احوال کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پردہ میں نہیں۔ لہذا جس سے جو معاملہ کرے گا نہایت ٹھیک اور بر محل ہو گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "نیت اور اعتقاد جب تک نہ بدلے تو اللہ کی بخشی ہوئی نعمت چھینی نہیں جاتی گویا مَا بِاَنْفُسِهِمْ سے خاص نیت اور اعتقاد مراد لیا ہے۔ جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔"

۵۴۔ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ انہوں نے جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی پھر ہلاک کر دیا ہم نے انکو انکے گناہوں پر اور ڈبو دیا ہم نے فرعون والوں کو اور سارے ظالم تھے [۶۲]

كَذٰبِ الْفِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْۤا  
بَايٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاَعْرَقْنٰ الْ

فِرْعَوْنَ ۗ وَكُلُّهُمْ كَانُوْۤا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

۵۵۔ بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں ایمان لاتے

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۵﴾

۵۶۔ جن سے تو نے معاہدہ کیا ہے ان میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے [۶۳]

الَّذِينَ عٰهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿۵۶﴾

۵۷۔ سو اگر کبھی تو پائے ان کو لڑائی میں تو انکو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پیچھے تاکہ ان کو عبرت ہو

فَإِمَّا تَثَقَفَنَّاهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَدْكُرُونَ ﴿۵۷﴾

۵۸۔ اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے انکا عہد انکی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز [۶۴]

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿۵۸﴾

۶۲۔ فرعونوں اور ان سے پہلی قوموں کو ان کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ فرعونوں کا بیڑہ غرق کر دیا۔ یہ سب اس وقت ہوا جب انہوں نے خدا سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کئے۔ ورنہ خدا کو کسی مخلوق سے ذاتی عداوت نہیں۔

۶۳۔ کفار بدترین جانور ہیں: جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر تل گئے اور انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بد عہدی کے خوگر ہو رہے ہیں۔ وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ فرعونوں کا حال بد عہدی اور غداری میں یہ ہی تھا۔ وَكُنَّا وَفَّعَ عَلَيْهِمُ الرَّجْزَ قَالُوا يٰمُوسَىٰ اذْعُ لَنَا رَبِّكَ بِمَا عٰهَدَ عِنْدَكَ ۗ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرَّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَكَذٰلِكَ سَلَّمَ مَعَكَ بَنِي إِسْرٰءِيْلَ۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرَّجْزَ اٰلِي اَجَلٍ هُمْ بِلُغُوٰةِ اِذٰهَمْ يَنْكُثُوْنَ (اعراف ۱۳۵، ۱۳۴) اور حضور ﷺ کے زمانہ میں یہود بنی قریظہ وغیرہ کی یہ ہی خصلت تھی۔ آپ سے عہد کر لیتے کہ ہم مشرکین مکہ کو مدد نہ دیں گے پھر ان کی امداد کرتے اور کہہ دیتے کہ ہم کو عہد یاد نہ رہا تھا۔ بار بار ایسا ہی کرتے تھے۔ آگے بتلایا ہے کہ ایسے غداروں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے۔

۶۴۔ عہد شکنوں کے ساتھ معاہدے کے احکام: "یعنی اگر یہ دغا باز غدار معاہدوں کو علانیہ پس پشت ڈال کر آپ کے مقابل میدان جنگ میں آ جائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں اور اگر ایک قوم نے علانیہ دغا بازی نہیں کی ہاں آثار و قرآن بتا رہے ہیں کہ عہد شکنی پر آمادہ ہے تو آپ کو اجازت ہے کہ مصلحت سمجھیں تو ان کا عہد واپس کر دیں اور معاہدہ سے دست برداری کی اطلاع کر کے مناسب کارروائی کریں تاکہ فریقین پیچھے معاہدات کی نسبت شک و اشتباہ میں نہ رہیں۔ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ و بیدار ہو کر اپنی تیاری اور حفاظت میں مشغول ہوں۔ آپ کی جانب سے کوئی

چوری اور خیانت نہ ہو سب معاملہ صاف صاف ہو۔ حق تعالیٰ خیانت کی کارروائی کو خواہ کفار کے ساتھ ہو پسند نہیں کرتا۔ سنن میں روایت ہے کہ امیر معاویہؓ اور روم میں میعاد میعادہ تھا۔ میعاد کے اندر اندر امیر معاویہؓ نے اپنی فوجوں کو روم کی سرحد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی سرحد سے اس قدر قریب اور پہلے سے تیار رہیں کہ میعاد میعاد گذرتے ہی فوراً ادھاوا بول دیا جائے۔ جس وقت یہ کارروائی جاری تھی ایک شیخ سواری پر یہ کہتے ہوئے آئے۔ ”اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لاغدرًا“ یعنی عہد پورا کرو۔ عہد شکنی مت کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو کوئی گروہ نہ کھولی جائے نہ باندھی جائے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت پوری ہو جائے۔ یا فریق ثانی کو مساویانہ حیثیت میں معاہدہ واپس کیا جائے۔ معاویہؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو اٹلے واپس آگئے پھر جو دیکھا تو وہ شیخ حضرت عمرو بن عبسہؓ تھے۔

۵۹۔ اور یہ نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے وہ ہرگز تھکا نہ سکیں گے ہم کو [۶۵]

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ اور تیار کرو انکی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے [۶۶] کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے [۶۷] اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا [۶۸]

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۶۰﴾

۶۱۔ اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا [۶۹]

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۱﴾

۶۲۔ اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو کافی ہے اللہ اسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا [۷۰]

وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ط هُوَ الَّذِي آتَىٰكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۲﴾

۶۵۔ مسلمانوں کی تسلی: نبذ عہد کا جو حکم اوپر مذکور ہوا ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر حمل کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت و غد ر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے۔ اس کا

جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب و رسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں سزا دینا چاہے گا تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے۔ نہ اس کے احاطہ قدرت و تسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔

۶۶۔ دائمی اسباب اور توکل: "یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے۔ نہیں مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب و ضرب تیار ہوں، ان شاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں باقی گھوڑے کی نسبت تو آپ خود ہی فرما چکے اَلْخَيْلُ مَعْقُودَةٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ لِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ کہ قیامت تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے اور احادیث میں ہے کہ "جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے اس کے کھانے پینے بلکہ ہر قدم اٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اس کی خوراک وغیرہ تک قیامت کے دن ترازو میں وزن کی جائے گی۔"

۶۷۔ دائمی اسباب اور توکل: "یعنی یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے۔ باقی فتح و ظفر کا اصلی سبب تو خدا کی مدد ہے جو پہلے بیان ہو چکا۔ اور وہ لوگ جن کو بالیقین تم نہیں جانتے منافقین ہیں جو مسلمانی کے پردہ میں تھے یا یہودی "بنی قریظہ" یا روم فارس وغیرہ وہ سب قومیں جن سے آئندہ مقابلہ ہونے والا تھا۔

۶۸۔ مالی جہاد: یہ مالی جہاد کی طرف اشارہ ہے یعنی جہاد کی تیاری میں جس قدر مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یعنی ایک درہم کے سات سو درہم وَاللّٰهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ (البقرہ۔ ۶۶۱) اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ معاوضہ مل جاتا ہے۔

۶۹۔ کفار سے صلح کی اجازت: مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھادیں۔ کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے اگر بدون خونریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواستہ خون بہانے کی کیا حاجت ہے۔ اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پرواہ نہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھئے وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اس کی حمایت کے سامنے ان کی بد نیتی نہ چل سکے گی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔

۷۰۔ اگر صلح کر کے وہ لوگ دغا بازی اور عہد شکنی کا ارادہ کر لیں تو فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کے سب فریب و خدایاں بیکار کر دے گا۔ اسی نے بدر میں آپ کی غیبی امداد فرمائی اور ظاہری طور پر جان نثار و سرفروش مسلمانوں سے آپ کی تائید کی۔

۶۳۔ اور الفت ڈالی انکے دلوں میں اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا [۷۱]

وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۗ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ

جَبِيْعًا مَا اَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اِلَهَ اَلْفَ

بَيْنَهُمْ ۗ اِنَّهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾

۶۳۔ اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور جتنے تیرے ساتھ ہیں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

## الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٣﴾

مسلمان [۶۳]

۶۵۔ اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر ہوں تم میں  
بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر  
اور اگر ہوں تم میں سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر  
اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے [۶۴]

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ  
إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا  
مِائَتِينَ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا  
مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں  
سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے  
والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں ہزار تو  
غالب ہوں دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے  
ثابت قدم رہنے والوں کے [۶۴]

الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا  
فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ  
وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفِينَ بِإِذْنِ اللَّهِ

## وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٦٦﴾

۱۔ عربوں میں اتحاد والفت: "اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں  
ٹکراتے رہتے تھے دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی مدینہ کے دو زبردست قبیلوں  
"اوس" و "خزرج" کی حریفانہ نبرد آزمائی اور دیرینہ عداوت و بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور عزت و  
آبرو کا بھوکا تھا۔ ان حالات میں آسمانے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے لوگوں  
نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرا لیا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے  
لئے حضور ﷺ کی ذات قدسی صفات کو مطمع نظر بنا لیا۔ وہ آپ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی  
کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور شراب توحید کا متوالا بنا کر سب کو  
ایک دم اخوت و الفت باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم ناخریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے  
ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی۔ بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جاسکتا تھا جو اللہ کی رحمت و اعانت  
سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی۔ اور پھر سب کی الفتوں  
کا اجتماعی مرکز حضور انور ﷺ کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو دفعۃً ایسا پلٹ دینا خدا کی زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت  
کے وقت سب کو محبت و الفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔

۷۲۔ مسلمانوں کے لئے اللہ کافی ہے: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اکثر سلف کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اے پیغمبر! خدا تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو کافی ہے۔ یعنی قلت عدد اور بے سروسامانی وغیرہ سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اور بعض علماء نے یہ معنی لئے ہیں کہ اے پیغمبر! تجھ کو کافی الحقیقت اکیلا خدا کافی ہے اور ظاہر اسباب کے اعتبار سے مخلص مسلمانوں کی جماعت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو کافی ہے۔ پہلے جو فرمایا تھا اَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ گویا یہ اسی کا خلاصہ ہوا۔

۷۳۔ دس گناہ تعداد پر غلبہ کا وعدہ: "یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں۔ خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کے لئے ہے۔ وہ خدا کی اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید بزدلی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لئے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے محض حقیر اور فانی اغراض کے لئے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناءً علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہئے۔ اگر مسلمان بیس ہوں تو دوسو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔ (تنبیہ) بیس اور سو دو عدد شاید اس لئے بیان فرمائے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے "سریہ" میں کم از کم بیس اور "جیش" میں ایک سو سپاہی ہوتے ہوں گے۔ اگلی آیت مدت کے بعد اتری اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اس لئے سریہ کم از کم ایک سو کا اور جیش ایک ہزار کا ہو گا۔ دونوں آیتوں میں بیان نسبت کے وقت اعداد کا تفاوت یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی۔

۷۴۔ اس حکم میں تخفیف دو گنی تعداد پر غلبہ کا وعدہ: "بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری۔ اَلَّذِیْنَ حَقَّقَ اللّٰهُ الْخٰلِقِیْنَ خَدَانِی تہماری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا۔ اب صرف اپنے سے دو گنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔ ابتداءً ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلاوت معلوم تھی کچھ مدت کے بعد ان میں کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جو نئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت استقامت اور تسلیم و تقویٰ نہ تھی اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور "توکل علی اللہ" میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے۔ اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے۔ لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے تب بھی حکم ہوا کہ دو گنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے۔ لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں۔" غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ محمد اللہ بھری پڑی ہے۔



۶۷۔ نبی کو نہیں چاہئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کر لے ملک میں تم چاہتے ہو اسباب دنیا اور اللہ کے ہاں چاہئے آخرت اور اللہ زور آور ہے حکمت والا [۷۵]

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُشْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا عذاب [۷۶]

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ سو کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستر اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۷۷]

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾

۷۵۔ بدر کے قیدیوں کے مسئلہ پر مسلمانوں کی غلطی: "بدر کی لڑائی سے ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں۔ قتل کر دینا، یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا، اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لئے پیش کرنا امتحان و آزمائش کے طریقہ پر تھا کہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے اور طبیعت سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے ازواج مطہرات کو دو صورتوں میں تخییر دی گئی تھی۔ اِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنِ اٰلِیٰ اٰخِرَ الْاٰیَةِ (الاحزاب۔ ۲۸) یا معراج میں آپ کے سامنے خمر و لبن (دودھ اور شراب) کے دو برتن پیش کئے گئے تھے آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ جبریل نے کہا کہ اگر بالفرض آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت بہک جاتی۔ بہر حال آپ نے صحابہ سے اس معاملہ میں رائے طلب کی۔ ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ سب قیدی اپنے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس نرم سلوک و احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد و اتباع ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال بالفعل ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔ باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہو جائیں تو مضائقہ نہیں درجہ شہادت ملے گا۔ نبی کریم ﷺ کا میلان بھی فطری رحمہ لی اور شفقت و صلہ رحمی کی بناء پر اسی رائے کی طرف تھا۔ بلکہ صحابہ کی عام رائے اسی جانب تھی۔ بہت سے تو ان ہی وجوہ کی بناء پر جو ابو بکر نے بیان فرمائیں اور بعض محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ (کما یظہر من قولہ تعالیٰ تَرِیْدُوْنَ عَرَصَ الدُّنْيَا صرَحَ بِه الحافظ ابن حجر وابن القیم رحمہما اللہ) حضرت عمر اور سعد ابن معاذ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں۔ (ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر و شرک کا سر ٹوٹ جائے گا، تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے گی آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا) اور خدا کے آگے مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت و بغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور

مالی فوائد کی کچھ پروا نہیں کی اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز و قریب ہو وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ الغرض بحث و تحقیق کے بعد ابو بکرؓ کے مشورہ پر عمل ہوا۔ کیونکہ کثرت رائے ادھر تھی اور خود نبی کریم ﷺ طبعی رافت و رحمت کی بناء پر اسی طرف مائل تھے اور ویسے بھی اخلاق اور کلی حیثیت سے عام حالت میں وہ ہی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اسلام اس وقت جن حالات میں سے گذر رہا تھا ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت کمر شکن کارروائی کی جائے۔ تیرہ سال کے ستم کشوں کو طاغوت کے پرستاروں پر یہ ثابت کر دینے کا پہلا موقع ملا تھا کہ تمہارے تعلقات قرابت، اموال، جتنے اور طاقتیں اب کوئی چیز تم کو خدا کی شمشیر انتقام سے پناہ نہیں دے سکتی۔ ابتداءً ایک مرتبہ ظالم مشرکین پر رعب و ہیبت بٹھلا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لئے آئندہ بہترے مواقع باقی رہتے تھے ادھر ستر مسلمانوں کے آئندہ قتل پر راضی ہو جانا معمولی بات نہ تھی اسی لئے اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور ہنگامی حیثیت سے حق تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہ ہو اما کان لنبیٰ ان یشکر لہ انما یحییٰ فی الذلٰلۃ میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہؓ کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی۔ اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر تَرْیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا سے خطاب کیا گیا یعنی تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہئے۔ خدا کی حکمت مقتضی ہو تو وہ تمہارا کام اپنے زور قدرت سے ظاہری سامان کے بدون بھی کر سکتا ہے۔ بہر حال فدیہ لے کر چھوڑ دینا وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری غلطی قرار دی گئی۔ اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ روایات سے حضور ﷺ کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلہ رحمی اور رحمدلی کی بناء پر آپ کارحمان اس رائے کی طرف تھا۔ البتہ صحابہ میں بعض صرف مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر اور اکثر حضرات دوسری مصالح دینیہ اور اخلاقی داعیہ کے ساتھ مالی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے پیش کر رہے تھے گویا صحابہ کے مشورہ میں کلاً یا جزاً مالی حیثیت ضرور زیر نظر تھی۔ کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے بغض فی اللہ میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد "جہاد" سے غفلت برتنا اور ستر مسلمانوں کے قتل کئے جانے پر اپنے اختیار سے رضامند ہو جانا صحابہ جیسے مقررین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لئے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لڑائی میں ایک شخص کے سر پر زخم آیا، اسے غسل کی حاجت ہوئی۔ پانی سر پر استعمال کرنا سخت مہلک تھا۔ ساتھیوں سے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ پانی کی موجودگی میں ہم تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ اس نے غسل کر لیا اور فوت ہو گیا۔ حضور ﷺ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا قَتَلُوْا فَمَاتُوْهُمْ اللهُ الْحَدِیْث۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اجتہادی غلطی اگر زیادہ واضح اور خطرناک ہو تو اس پر عتاب ہو سکتا ہے۔ گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجتہد نے پوری قوت اجتہاد صرف کرنے میں کوتاہی کی۔

۶۷۔ متوقع عذاب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نظارہ: یعنی یہ غلطی تو فی حد ذاتہ ایسی تھی کہ سخت سزا ان لوگوں کو دی جاتی جنہوں نے دنیوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا۔ مگر سزا دہی سے وہ چیز مانع ہے جو خدا پہلے سے لکھ چکا اور طے کر چکا ہے۔ اور وہ کئی باتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) مجتہد کو اس قسم کی اجتہادی خطا پر عذاب نہیں ہوگا (۲) جب تک خدا امراً و نہیاً کسی چیز کا صاف حکم بیان نہ فرمائے اس وقت تک اس کے مرتکب کو عذاب نہیں دیتا (۳) اہل بدر کی خطاؤں کو خدا معاف فرما چکا ہے (۴) غلطی سے جو رویہ قبل از وقت اختیار کر لیا گیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اسکی اجازت ہو جائے گی۔ فَاِمَّا مِّنَّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً (محمد-۴) یہ بھی طے شدہ ہے کہ جب تک پیغمبر علیہ السلام ان میں موجود ہیں یا لوگ صدق دل سے استغفار کرتے ہیں۔ عذاب نہ آئے گا (۶) ان قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔ الغرض اس قسم کے مواقع اگر نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم و ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہئے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس قولی تنبیہ کے بعد وہ عذاب جو اس طرح کی خوفناک غلطیوں پر آسکتا تھا آپ کے سامنے نہایت قریب کر کے پیش

کیا گیا۔ گویا یہ قوی تشبیہ کو زیادہ مؤثر بنانے کی ایک صورت تھی۔ آپ اس منظر کو دیکھ کر وقف گریہ و بکا ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے سب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے ان کا عذاب پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جس کا آنا ان پر ممکن تھا اگر موانع مذکورہ بالا نہ ہوتے یا درکھنا چاہئے کہ آپ کے سامنے یہ پیش کرنا اسی قسم کا تھا جیسے صلوٰۃ کسوف ادا کرتے وقت آپ کے سامنے جنت و دوزخ دیوار قبلہ میں ممتثل کر دی گئی تھی یعنی اس متوقع عذاب کا نظارہ کرنا تھا اور بس۔

۷۷۔ مال غنیمت حلال و طیب ہے: پچھلے عتاب و تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مال غنیمت کو جس میں فدیہ اساری بھی شامل ہے اب ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ اس آیت میں تسلی فرمادی کہ وہ اللہ کی عطاء ہے خوشی سے کھاؤ۔ ہاں جہاد کے سلسلہ میں مال غنیمت وغیرہ کو مطمع نظر بنانا یا اس قدر اہمیت دینا نہیں چاہئے کہ مقاصد عالیہ اور مصالح کلیہ سے انماض ہونے لگے۔ بیشک وقتی حالات و مصالحوں کے اعتبار سے تم نے ایک غلط طریق کار اختیار کیا۔ مگر نفس مال میں کوئی خبث نہیں۔ خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ اپنی رحمت سے غلطیوں کو معاف فرمادے گا۔

۷۸۔ اے نبی کہہ دے ان سے جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھین گیا اور تم کو بخشے گا اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّسَنِي فِي أَيِّدِيكُمْ مِّنَ الْأَسْمَاءِ  
إِن يُعَلِّمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِيكُمْ خَيْرًا مِّمَّا  
أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ اور اگر چاہیں گے تجھ سے دعا کرنی سو وہ دعا کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے پھر اس نے انکو پکڑا دیا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۷۸]

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ  
قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٧٩﴾

۷۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قیدیوں سے خطاب: بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (مثلاً حضرت عباسؓ وغیرہ) ان سے کہا گیا کہ اللہ دیکھے گا کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان و تصدیق موجود ہے تو جو کچھ زرفدیہ اس وقت تم سے وصول کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا اور پچھلی خطاؤں سے درگزر کرے گا۔ اور اگر اظہار اسلام سے صرف پیغمبر کو فریب دینا مقصود ہے یا دغا بازی کرنے کا ارادہ ہے تو بیشتر خدا سے جو دغا بازی کر چکے ہیں یعنی فطری عہد السنت کے خلاف کفر و شرک اختیار کیا یا بعض ”بنی ہاشم“ جو ابوطالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت ﷺ کی حمایت پر متفق ہوئے تھے اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں۔ آئندہ بھی دغا بازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”خدا کا وعدہ پورا ہوا، ان میں جو مسلمان ہوئے۔ حق تعالیٰ نے بے شمار دولت بخشی جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہو گئے۔“

۷۹۔ جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان لائے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ  
أَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا

اور گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے انکی مدد کرنی مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے [۷۹]

أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَ  
لَمْ يَهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِّنْ وَلَا يَتِيهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ  
يُهَاجِرُوا ۗ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ  
فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ  
مِيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٢﴾

۷۳۔ اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم یوں نہ کرو گے تو فتنہ پھیلے گا ملک میں اور بڑی خرابی ہوگی [۸۰]

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ إِلَّا  
تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٤٣﴾

۷۴۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور انکی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان انکے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی [۸۱]

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجِرُوا وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ  
السُّومُونَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤٤﴾

۷۵۔ اور جو ایمان لائے اسکے بعد اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہی میں ہیں اور رشتہ دار آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں [۸۲] تحقیق اللہ ہر چیز سے خبردار ہے [۸۳]

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجِرُوا وَجَاهِدُوا  
مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۖ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ  
أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ  
عَلِيمٌ ﴿٤٥﴾

۷۹۔ دار الحرب کے مسلمانوں کے احکام: قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے مگر حضرت کے ساتھ مکہ سے ہجرت نہ کر سکے اور بادل ناخواستہ کفار کے ساتھ ہو کر بدر میں آئے۔ ان آیات میں یہ بتلانا ہے کہ ایسے مسلمانوں کا حکم کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حضرت کے اصحاب دو فرقے تھے ”مہاجرین“ اور ”انصار“۔ مہاجرین کنبہ اور گھر چھوڑنے والے اور انصار جگہ دینے والے اور مدد کرنے

والے۔ ان دونوں میں آنحضرت ﷺ نے مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کر دیا تھا، آیت کا مضمون یہ ہوا کہ جتنے مسلمان حضرت کے ساتھ حاضر ہیں ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے ایک کا موافق سب کا موافق ایک کا مخالف سب کا مخالف بلکہ آغاز ہجرت میں رشتہ مواخاۃ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اور جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو یعنی دارالہرب سے ہجرت نہ کی ان کی صلح و جنگ میں دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان (مہاجرین و انصار) شریک نہیں۔ اگر دارالہرب کے مسلمانوں نے صلح و معاہدہ کسی جماعت کفار سے کر لیا ہے تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے بلکہ ان سے حسب مصلحت جنگ کر سکتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ دارالہرب کے مسلمان جس وقت دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدر کے موافق مدد کرنا چاہئے۔ مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں تابقائے عہد دارالہرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جا سکتی۔ نیز توریث باہمی کا سلسلہ جو مہاجرین و انصار میں قائم کیا گیا تھا اس میں بھی دارالہرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔

۸۰۔ کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں: یعنی کافر و مسلم میں نہ حقیقی رفاقت ہے نہ ایک دوسرے کا وارث بن سکتا ہے۔ ہاں کافر، کافر کا رفیق و وارث ہے بلکہ سب کفار تم سے دشمنی کرنے کو آپس میں ایک ہیں جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے اس کے بالمقابل اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ ہوں گے یا کمزور مسلمان اپنے کو آزاد مسلمانوں کی معیت و رفاقت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ پیا ہو جائے گا۔ یعنی ضعیف مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان تک خطرہ میں ہو گا۔

۸۱۔ یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار کے ساتھ والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھنے والوں سے۔ آخرت میں ان کے لئے بڑی بھاری بخشش ہے اور دنیا میں عزت کی روزی یعنی غنیمت اور دوسرے فائق حقوق۔

۸۲۔ مہاجرین و انصار کے فضائل: یعنی مہاجرین میں جتنے بعد کو شامل ہوتے جائیں وہ سب باعتبار احکام ”مہاجرین اولین“ کی برادری میں منسلک ہیں ہجرت کے تقدم و تاخر کی وجہ سے صلح و جنگ یا توریث وغیرہ کے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اگر قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار پیچھے مسلمان ہو یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ رفاقت قدیم اوروں سے ہے۔

۸۳۔ وہی جانتا ہے کس کا کس قدر حق ہونا چاہئے۔ لہذا اس کے احکام سراسر علم و حکمت پر مبنی ہیں۔

تم سورۃ انفال

## رکوعاتها ۱۶

## ۹ سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳

## آیاتها ۱۲۹

۱۔ (اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اس کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں) [۱] صاف جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اسکے رسول کی ان مشرکوں کو جن سے تمہارا عہد ہوا تھا

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ  
مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١﴾

۲۔ سو پھر لو اس ملک میں چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو [۲]

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ  
غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ﴿٢﴾

۳۔ اور سنا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی لوگوں کو دن بڑے حج کے [۳] کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول سو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم ہرگز نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور خوشخبری سنا دے کافروں کو عذاب دردناک کی [۴]

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ  
الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۗ وَرَسُولُهُ ۗ  
فَإِنْ تَبَتُّمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا  
أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا  
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣﴾

۴۔ مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر انہوں نے کچھ تصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور مدد نہ کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی سوان سے پورا کر دو ان کا عہد ان کے وعدہ تک بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے [۵]

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ  
يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَ لَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا  
فَاتَّبِعُوا إِلَيْهِمْ وَعَاهَدُهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ  
يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾

۵۔ پھر جب گذر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ  
حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَ

تو چھوڑ دو ان کا رستہ بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۴]

اقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوا وَاقَامُوا  
الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

۱۔ سورہ توبہ اور سورہ انفال کا تعلق: سورہ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورہ براءۃ اور آخر ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی عادت یہ تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتی ہیں فرمادیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق (جنہیں اب سورہ ”توبہ“ یا براءۃ” کہا جاتا ہے) آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جز نہیں۔ لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لئے ”بسم اللہ“ آتی تھی۔ سورہ توبہ کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہ آئی۔ جو مشعر ہے کہ یہ جداگانہ سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اور اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جز ہونا۔ باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انفال نزول میں مقدم ہے بلا خاص وجہ کے مؤخر کیوں کی جاتی اور دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و مستسق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو ”انفال“ کا تتمہ اور تکملہ کہا جاسکتا ہے۔ سورہ انفال تمام تر غزوہ بدر اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ یوم بدر کو قرآن نے یوم الفرقان کہا۔ کیونکہ اس نے حق و باطل اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر کے دکھلادیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الہی کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (الانفال-۷۳) کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف انفال کے خاتمہ پر اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (الانفال-۷۴) کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے، انفال کے اخیر میں یہ بھی جتلا بتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (الانفال-۷۲) ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالاتہ و اخوة اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں اور اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ یعنی تقریباً سارے جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے، جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز بروز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی۔ اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستمانیوں سے پورا مومن و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔ اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا۔ جو آخر کار ۸ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتهی ہوا۔ جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے۔ فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔ لیکن ضرورت تھی کہ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنُ فِتْنَةٌ

(الانفال-۳۹) کے انتقال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الہیہ کے مستقر (جزیرۃ العرب) کو فتنہ کے جراثیم سے بالکل صاف کر دیا جائے تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یکجان و یکزبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیات کے رنگ میں رنگین ہو۔ اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔ سورہ براءۃ کے مضامین کا یہ حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے وساوس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا۔ فلله الحمد علی ذلک الغرض سورہ انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی، سورہ توبہ (براءۃ) میں اس کی انتہاء ہے۔ اسی لئے ”اول باختر نسبتے دارد“ کے موافق ”بر آہ“ ”کو“ انفال کے ساتھ بطور تکملہ ملحق کر دیا گیا۔ اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

۲۔ کفار و مشرکین کے چار ماہ کی مہلت: ۶ ہجری میں بمقام ”حدیبیہ“ جب نبی کریم ﷺ اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ بنی بکر نے معاہدہ کی پروا نہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی۔ اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے جس کے جواب میں ۸ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعاد یا غیر میعاد معاہدہ تھا۔ جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس سورۃ کی مختلف آیات مختلف قبائل کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ شروع کی آیات میں غالباً ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعاد نہ تھا۔ ان کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے۔ چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو اور یا جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے۔ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔ تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔ باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا ممکن ہے انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو یہ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔

۳۔ حج کو حج اکبر اس لئے کہا کہ عمرہ حج اصغر ہے اور یَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ سے دسویں تاریخ عید الاضحیٰ کا دن یا نویں تاریخ عرفہ کا دن مراد ہے۔

۴۔ عہد شکن قبائل کے لئے کھلا اعلان: یہ اعلان غالباً ان قبائل کے حق میں تھا۔ جنہوں نے میعاد معاہدہ کیا پھر خود ہی عہد شکنی کی (مثلاً بنی بکر یا قریش وغیرہ ہم) یعنی ایسے لوگوں سے کوئی معاہدہ اب باقی نہیں رہا۔ اگر یہ سب لوگ شرک و کفر سے توبہ کر لیں تو ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ نہیں تو خدا کا جو کچھ ارادہ ہے (تظہیر جزیرۃ العرب کا) وہ پورا ہو کر رہے گا۔ کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر و بد عہدی کی سزا مل کر رہے گی (تنبیہ) ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح کیا گیا۔ تاہم ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی اعلان عام کر لیا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔

۵۔ یہ استثناء ان قبائل کے لئے ہے جن کا معاہدہ میعاد تھا پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفاء عہد میں نہیں کی نہ بذات خود کوئی



کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بد عہدوں کو مدد پہنچائی (مثلاً بنیِ ضمرہ و بنیِ مدلج) ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے۔ میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں۔ اس وقت ان کے لئے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔

۶۔ مہلت کے بعد کفار کے قتل کا حکم: استثناء سے فارغ ہو کر پھر مستثنیٰ منہ کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ان عہد شکنی کرنے والوں سے اگرچہ اب کوئی معاہدہ باقی نہ رہا اور اس لئے علی الفور جنگ کی جاسکتی ہے تاہم ”شہرِ حرم“ کی رعایت مانع ہے کہ فوراً ان پر حملہ کیا جائے خواہ اس لئے کہ اس وقت تک اشہرِ حرم میں ابتداءً قتال کرنا ممنوع ہو گا یا مصلحتاً کہ تھوڑی سے بات کے لئے عام لوگوں میں کیوں تشویش پیدا کی جائے کیونکہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت ان کے یہاں معروف و مسلم چلی آتی تھی۔ بہر حال ماہِ محرم کے ختم تک ان کو مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندوبست کر لیں۔ اس کے بعد تطہیرِ جزیرۃ العرب کی خاطر جنگ سے چارہ نہیں۔ جو کچھ برتاؤ جنگ میں ہوتا ہے (مارنا، پکڑنا، گھیرنا، داؤ لگانا، گھات میں رہنا) وہ سب ہو گا البتہ اگر بظاہر کفر سے توبہ کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں جس کی بڑی علامت نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے تو پھر مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے اور ان کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں۔ رہا باطن کا معاملہ وہ خدا کے سپرد ہے مسلمانوں کا معاملہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر ہو گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان اس کا راستہ روک سکتے ہیں۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارکِ صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے۔ (امام احمدؒ کے نزدیک ردۃ اور مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک حد و تعزیراً) امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زد و کوب کرے اور قید میں رکھے حتیٰ بیوت اویتوب (حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کرے) بہر حال تخلیہ سبیل کسی کے نزدیک نہیں۔ رہے مانعین زکوٰۃ ان کے اموال میں سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آمادہ پیکار ہوں تو راہِ راست پر لانے کے لئے جنگ کی جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ پر جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔

۶۔ اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے یاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا پھر پہنچا دے اسکو اسکی امن کی جگہ یہ اس واسطے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے [۴]

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ  
حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۗ ذَٰلِكَ  
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

۷۔ کیونکہ وہ مشرکوں کے لئے عہد اللہ کے نزدیک اور اسکے رسول کے نزدیک مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجدِ حرام کے پاس سوجب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ  
رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ  
الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۗ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾

۸۔ کیونکر رہے صلح اور اگر وہ تم پر قابو پائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قربت کا اور نہ عہد کا تم کو راضی کر دیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے اور انکے دل نہیں مانتے اور اکثر ان میں بد عہد ہیں<sup>[۸]</sup>

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا  
وَلَا ذِمَّةً<sup>ط</sup> يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ  
وَآكْثَرُهُمْ فَسِقُونَ ﴿٨﴾

۹۔ بیچ ڈالے انہوں نے اللہ کے حکم تھوڑی قیمت پر پھر روکا اس کے رستے سے برے کام ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں<sup>[۹]</sup>

اِسْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ  
سَبِيلِهِ<sup>ط</sup> إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩﴾

۱۰۔ نہیں لحاظ کرتے کسی مسلمان کے حق میں قربت کا اور نہ عہد کا اور وہی ہیں زیادتی پر<sup>[۱۰]</sup>

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَالًّا وَلَا ذِمَّةً<sup>ط</sup> وَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْبُعْتَدُونَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ سو اگر توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شریعت میں<sup>[۱۱]</sup> اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں حکموں کو جاننے والے لوگوں کے واسطے

فَإِنْ تَابُوا وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ  
فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ<sup>ط</sup> وَ نَفَّصْنَا لِقَوْمٍ  
يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

۷۔ کفار کو پناہ دینے کا حکم: پہلے فرمایا تھا کہ اگر اپنی کفریات سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائیں تو مومن ہیں۔ ممکن تھا کہ کسی شخص کو اصول سلام سے آگاہی نہ ہو وہ تحقیق و رفع شکوک کی غرض سے مسلمانوں کے پاس آنا چاہے، اس کی نسبت فرما دیا کہ اپنی پناہ اور حفاظت میں لے کر خدا کا کلام اور اسلام کے حقائق و دلائل سناؤ۔ اگر قبول نہ کرے تو اس کو قتل مت کرو بلکہ کہیں ٹھکانے پر امن کی جگہ پہنچا دو جہاں پہنچ کر وہ مومن و مطمئن ہو جائے۔ اس کے بعد وہ سب کافروں کے برابر ہے۔ یہ امن دینے کا حکم اس لئے ہے کہ اسلامی اصول و حقائق سے ان لوگوں کو آگاہی نہیں ہے۔ لہذا ان کے سامنے حق خوب طرح واضح کر دینا چاہئے۔ اگر اس کے بعد بھی عناد برتے تو تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ۔ ۲۵۶) کے بعد دین میں کوئی اکراہ نہیں۔

۸۔ بد عہدوں کا معاملہ: پچھلی آیات میں جو براءۃ کا اعلان کیا گیا تھا، یہاں اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ان مشرکین عرب سے کیا عہد قائم رہ سکتا ہے اور آئندہ کیا صلح ہو سکتی ہے جن کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا قابو تم پر حاصل کر لیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قربت کا مطلق لحاظ کریں اور نہ قول و قرار کا۔ چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے اس لئے محض زبانی عہد و پیمانہ کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد پر راضی نہیں ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش

کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ عدا اور بد عہد ہیں اگر کوئی اکاد کا وفائے عہد کا خیال بھی کرتا ہے تو کثرت کے مقابلہ میں اس کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بہر حال ایسی دغا باز بد عہد قوم سے خدا اور رسول کا کیا عہد ہو سکتا ہے۔ البتہ جن قبائل سے تم بالخصوص مسجد حرم کے پاس معاہدہ کر چکے ہو سو تم ابتداء کر کے نہ توڑو۔ جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر سیدھے چلیں تم بھی ان سے سیدھے رہو اور بڑی احتیاط رکھو کہ کوئی حقیر سے حقیر بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے داغدار ہو۔ خدا کو وہ ہی لوگ محبوب ہیں جو پوری احتیاط کرتے ہیں۔ چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے بد عہدی نہ کی تھی۔ مسلمانوں نے نہایت دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اعلان براءۃ کے وقت ان کے معاہدہ کی میعاد منقضہ ہونے میں نومینے باقی تھے۔ ان میں معاہدہ کی کامل پابندی کی گئی۔

۹۔ یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی تھوڑی سی طمع اور اپنی اغراض و اہواء کی خاطر خدا کے احکام و آیات کو رد کر دیا۔ اس طرح خود بھی خدا کے رستہ پر نہ چلے اور دوسروں کو بھی چلنے سے روکا۔ جو ایسے بدترین اور نالائق کاموں میں پھنسے ہوں اور خدا سے نہ ڈریں وہ عہد شکنی کے وبال سے کیا ڈریں گے اور اپنے قول و قرار پر کیا قائم رہیں گے۔

۱۰۔ یعنی کچھ تمہارے ہی ساتھ ہیں بلکہ مسلمان نام سے ان کو بیر ہے۔ کوئی مسلمان ہو موقع پانے پر اس کو نقصان پہنچانے کے لئے سب تعلقات قرابت اور قول و قرار اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اس بارہ میں ان کی ظلم و زیادتی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔

۱۱۔ کفار اگر توبہ کر لیں تو تمہارے بھائی ہیں: یعنی اب بھی اگر کفر سے توبہ کر کے احکام دینیہ (نماز و کوفۃ وغیرہ) پر عمل پیرا ہوں تو نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لئے محفوظ و مامون ہو جائیں گے بلکہ اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے دوسرے مسلمان مستحق ہیں۔ جو کچھ بد عہدیاں اور شرارتیں پہلے کر چکے ہیں سب معاف کر دی جائیں گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ جو فرمایا کہ بھائی ہیں حکم شریعت میں۔ اس سے سمجھ لیں کہ جو شخص قرآن سے معلوم ہو کہ ظاہر میں مسلمان ہے اور دل سے یقین نہیں رکھتا اس کو حکم ظاہری میں مسلمان گنیں مگر معتمد اور دوست نہ بنائیں۔

۱۲۔ اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے بیشک انکی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آئیں [۱۲]

وَ اِنْ نَكَثُوا اٰيٰتِنَا مِنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا  
فِيْ دِيْنِنَا فَمَقَاتِلُوْا اٰيَةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اٰيٰنَ  
لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ کیا نہیں لڑتے ایسے لوگوں سے جو توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے کیا تم ان سے ڈرتے ہو سو اللہ کا ڈر چاہئے تم کو زیادہ اگر تم ایمان رکھتے ہو [۱۳]

اَلَا تَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَكَثُوْا اٰيٰتِنَا وَ هُمُوْا  
بِاٰخِرِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَّءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ  
اَتَخَشَوْنَهُمْ ۗ فَاَللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ  
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ لڑوان سے تاعذاب دے اللہ انکو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل مسلمانوں کے

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِيهِمْ وَيُنْصِرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور نکالے ان کے دل کی جلن اور اللہ توبہ نصیب کرے گا جس کو چاہے گا [۱۴] اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۵]

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾

۱۶۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے اور نہیں پکڑا انہوں نے سوا اللہ کے اور اسکے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی اور اللہ کو خبر ہے جو تم کر رہے ہو [۱۶]

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِجَنَّةٍ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بَا

تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

۱۲۔ بد عہد کفار سے قتال: یعنی اگر عہد و پیمان توڑ ڈالا (جیسے بنی بکر نے خلاف عہد خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے حملہ آوروں کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئے بلکہ دین حق کے متعلق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہے تو سمجھ لو کہ اس طرح کے لوگ "ائمۃ الکفر" (کفر کے سردار اور امام) ہیں۔ کیونکہ ان کی حرکات دیکھ کر اور باتیں سن کر بہت سے کجرو اور بیوقوف پیچھے ہولیتے ہیں۔ ایسے سرغنوں سے پورا مقابلہ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمان باقی نہیں رہا۔ ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت و سرکشی سے باز آجائیں۔ ۱۳۔ قریش نے قسمیں اور معاہدے توڑ دیے تھے کیونکہ خلاف عہد خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کی اور ہجرت سے پہلے پیغمبر علیہ السلام کو وطن مقدس (مکہ معظمہ) سے نکالنے کی تجاویز سوچیں۔ اور وہ ہی نکلنے کا سبب بنے اِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ (توبہ۔ ۴۰) مکہ میں بے قصور مسلمانوں پر بیٹھے بٹھائے مظالم کی ابتداء کی۔ جب ابوسفیان کا تجارتی قافلہ بچ نکلا تو ازراہ نخوت و رعونت بدر کے میدان میں مسلمانوں سے جنگ کی چھیڑ کرنے کے لئے گئے اور صلح حدیبیہ کے بعد بھی اپنی جانب سے عہد شکنی کی ابتداء کی کہ مسلمانوں کے حلیف خزاعہ کے مقابلہ پر بنو بکر کی پیٹھ ٹھونکتے رہے اور اسلحہ وغیرہ سے ان کی امداد کرتے رہے۔ آخر کار مسلمان ان سے لڑے اور مکہ معظمہ کو مشرکین کے قبضہ سے پاک کیا اَلَا تَنْفَعُ التَّلَوْنَ قَوْمًا لَمْ يَلْحَقُوا بِاللَّحْمِ يَمْشُونَ (توبہ۔ ۱۰) یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو کوئی قوم اس طرح کے احوال رکھتی ہو اس سے جنگ کرنے میں مسلمانوں کو کسی وقت کچھ تامل نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ان کی طاقت و جمعیت اور ساز و سامان کا خوف ہو تو مؤمنین کو سب سے بڑھ کر خدا کا خوف ہونا چاہئے۔ خدا کا ڈر جب دل میں آجائے پھر سب ڈر نکل جاتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ خدا کی نافرمانی سے ڈرے اور اس کے قہر و غضب سے لرزاں و ترساں رہے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی مخلوق ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر بدون اس کی مشیت کے قادر نہیں۔

۱۴۔ مشروعیت جہاد کی حکمت: اس آیت میں مشروعیت ”جہاد“ کی اصلی حکمت پر متنبہ فرمایا۔ قرآن کریم میں اقوام ماضیہ کے جو قصے بیان فرمائے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاء کی تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جاتی تھی تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب ان پر نازل کیا جاتا تھا جس سے ان کے سارے مظالم اور کفریات کا دفعہ خاتمہ ہو جاتا تھا۔ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنَّا أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنَّا خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنَّا غَرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (عنکبوت۔ ۴۰) کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اقسام بہت سخت مہلک اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرت ناک تھیں۔ لیکن ان صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت و رسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا اور نہ آئندہ کے لئے توبہ و رجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا۔ مشروعیت جہاد کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ مکذبین و متعنتین کو حق تعالیٰ بجائے بلا واسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص و فادار بندوں کے ہاتھ سے سزا دلوائے سزا دہی کی اس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے و فادار بندوں کا نصرت و غلبہ علانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر و ناتواں سمجھ کر ظلم و ستم اور استہزاء و تمسخر کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھے، آج خدا کی تائید و رحمت سے انہی کے رحم و کرم یا عدل و انصاف پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ کفر و باطل کی شوکت و نمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف و مظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل ہی دل میں غیظ کھا کر چپ ہو رہتے تھے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے ان کے قلوب تسکین پاتے تھے اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی سزا دہی کا یہ طریقہ نسبتاً زیادہ نافع ہے کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی رجوع و توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے چنانچہ حضور پر نور ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الہی کا حلقہ بگوش بن گیا۔

۱۵۔ یعنی ہر ایک کی حالت کو جان کر حکمت کا معاملہ کرتا ہے اور ہر زمانہ میں اس کے مناسب احکام بھیجتا ہے۔

۱۶۔ جہاد کی ایک اور حکمت: مشروعیت جہاد کی یہاں ایک اور حکمت بیان فرمائی۔ یعنی ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کرنے والے تو بہت ہیں لیکن امتحان کی کسوٹی پر جب تک کسانہ جائے کھر اور کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔ جہاد کے ذریعہ سے خدا دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان و مال نثار کرنے کو تیار ہیں اور خدا اور رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ یہ معیار ہے جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر عمل بھی جو کچھ کیا جائے اس کی خبر خدا کو ہے کہ صدق و اخلاص سے کیا یا نمود و ریا سے جیسا عمل ہو گا ادھر سے اسی کے موافق پھل ملے گا۔

۱۷۔ مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں اور تسلیم کر رہے ہوں اپنے اوپر کفر کو وہ لوگ خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ  
شٰهِدِينَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۗ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ

أَعْبَالُهُمْ ۗ وَفِي النَّارِهِمْ خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور دیتا ہاز کلوۃ اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے سو امیدوار ہیں وہ لوگ کہ ہوویں ہدایت والوں میں [۱۷]

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا  
اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۸﴾

۱۷۔ مساجد کی آبادی کا مفہوم: پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان بدون امتحان کے یونہی نہیں چھوڑے جاسکتے، بلکہ بڑے بڑے عزائم اعمال (مثلاً جہاد وغیرہ) میں ان کی ثابت قدمی دیکھی جائے گی اور یہ کہ تمام دنیا کے تعلقات پر کس طرح خدا اور رسول کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں اس رکوع میں یہ بتلایا کہ خدا کی مساجد (عبادت گاہیں) حقیقتاً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں۔ مساجد کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ ان میں خدائے واحد کی عبادت اس کی شان کے لائق ہو۔ “ذکر اللہ” کرنے والے کثرت سے موجود ہوں جو بے روک ٹوک خدا کو یاد کریں۔ لغویات و خرافات سے ان پاک مقامات کو محفوظ رکھا جائے۔ یہ مقصد کفار و مشرکین سے کب حاصل ہو سکتا ہے؟ دیکھئے مشرکین مکہ بڑے فخر سے اپنے کو “مسجد حرام” کا متولی اور خادم کہتے تھے۔ مگر ان کی بڑی خدمات گزاری یہ تھی کہ پتھر کی سینکڑوں مورتیاں کعبہ میں رکھ چھوڑی تھیں ان ہی کی نذر و نیاز کرتے اور منٹیں مانتے تھے۔ بہت سے لوگ ننگے طواف کرتے تھے، ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور خدائے واحد کے سچے پرستاروں کو وہاں تک پہنچنے کی اجازت نہ دیتے تھے لے دے کر ان کی بڑی عبادت یہ تھی کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیل لگا دی یا حرم شریف میں چراغ جلا دیا۔ یا کعبہ پر غلاف چڑھایا یا کبھی ضرورت ہوئی تو شکست و ریخت کی مرمت کرادی مگر یہ اعمال محض بے جان اور بے روح تھے۔ کیونکہ مشرک کو جب خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں تو کسی عمل میں اس کا قبلہ توجہ اور مرکز اخلاص خدائے وحدہ لا شریک لہ کی ذات منبع الکلمات نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے کافر کا کوئی عمل خدا کے نزدیک زندہ اور معتد بہ عمل نہیں ہے (اسی کو حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ سے تعبیر فرمایا) الغرض کفار و مشرکین جو اپنے حال و قال سے اپنے کفر و شرک پر ہر وقت شہادت دیتے رہتے ہیں، اس لائق نہیں کہ ان سے مساجد اللہ خصوصاً مسجد حرام کی حقیقی تعمیر (آبادی) ہو سکے یہ کام صرف ان لوگوں کا ہے جو دل سے خدائے واحد اور آخری دن پر ایمان لاپکے ہیں جو ارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں، اموال میں سے باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اسی لئے مساجد کی صیانت و تطہیر کی خاطر جہاد کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ایسے مومنین جو دل زبان ہاتھ پاؤں، مال و دولت ہر چیز سے خدا کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ان کا فرض منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔

۱۹۔ کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسا نا برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ رستہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو [۱۸]

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَهَدَ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ ۗ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي  
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾

۲۰۔ جو ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے ان کے لئے بڑا درجہ ہے اللہ کے ہاں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرًا عِنْدَ  
اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ خوشخبری دیتا ہے انکو پروردگار انکا اپنی طرف سے مہربانی کی اور ضامندی کی اور باغوں کی کہ جن میں انکو آرام ہے ہمیشہ کا

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ  
لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾

۲۲۔ رہا کریں ان میں مدام بیشک اللہ پاس بڑا ثواب ہے [۱۹]

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ  
عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ اے ایمان والو مت پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان سے اور جو تم میں انکی رفاقت کرے سو وہی لوگ ہیں گنہگار [۲۰]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ  
أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّ اسْتَحْبُوبًا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۗ وَمَنْ

يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾

۱۸۔ سب سے افضل عمل ایمان باللہ اور جہاد: مشرکین کہ کو اس پر بڑا فخر و ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے انہیں پانی پلاتے کھانا کھڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا کسوۃ کعبہ یا تیل بتی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس عبادت کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت عباسؓ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں اسی طرح کی بحث کی تھی، بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ چند مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ میرے نزدیک اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں۔ دوسرے نے کہا میرے خیال میں اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے (مثلاً جھاڑو دینا روشنی وغیرہ کرنا) تیسرا ابولا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل و اشرف ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹا کہ تم ”جمعہ“ کے وقت منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر اس طرح بحثیں کر رہے ہو۔ ذرا صبر کرو۔ جب حضور جمعہ سے فارغ ہو جائیں گے آپ سے یہ چیز دریافت کر لی جائے گی۔ چنانچہ جمعہ کے بعد حضور سے سوال کیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لِعَنِ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا (افضل ہونا تو کجا؟) یہاں جہاد کے ساتھ ایمان باللہ کا ذکر آیا تو اس لئے کیا کہ مشرکین کے فخر و غرور کا جواب بھی ہو جائے کہ تمام عبادت کی روح ایمان باللہ ہے، اس روح کے

بدون پانی پلانا یا مسجد حرام کی خدمت کرنا محض مردہ عمل ہے تو یہ بے جان اور مردہ عمل ایک زندہ جاوید عمل کی برابری کیسے کر سکتا ہے۔ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (فاطر- ۲۲) اور اگر صرف مومنین کے اعمال کا باہمی موازنہ کرنا ہے تو ایمان باللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کی تمہید کے طور پر ہو گا۔ اصل مقصود جہاد وغیرہ عزائم اعمال کی افضلیت کو بیان فرمانا ہے۔ ایمان کے ذکر سے تشبیہ فرمادی کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا کوئی عمل ایمان کے بغیر ہیچ اور لاشے محض ہے۔ ان عزائم اعمال (جہاد و ہجرت وغیرہ) کا تقویم بھی ایمان باللہ سے ہوتا ہے اور اس نکتہ کو وہ ہی لوگ سمجھتے ہیں جو فہم سلیم رکھتے ہوں۔ ظالمین (بے موقع کام کرنے والوں) کی ان حقائق تک رسائی نہیں ہوتی۔

۱۹۔ ایمان جہاد اور ہجرت کے انعامات: یعنی اس کے یہاں ثواب اور درجات کی کیا کمی ہے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے۔ پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا۔ ایمان، جہاد، ہجرت ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی۔ رحمت، رضوان، خلود فی الجنۃ۔ ابو حیان نے لکھا ہے ”رحمت“ ایمان پر مرتب ہے۔ ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اور ”رضوان“ (جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے) جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی خطوط و تعلقات ترک کر کے خدا کے رستہ میں جان و مال نثار کرتا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے۔ لہذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہئے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضاء کا مقام ہے۔ باقی ہجرت وہ خدا کے لئے وطن مالوف اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لئے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا۔ جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش و راحت سے رہنا ہو گا جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

۲۰۔ پچھلی آیات میں بتلایا تھا کہ جہاد و ہجرت اعظم و افضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں خویش و اقارب، کنبہ اور برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے فرمادیا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے۔ ایک مومن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ ان سے رفاقت اور دوستی کا دم بھرے حتیٰ کہ یہ تعلقات اس کو جہاد و ہجرت سے مانع ہو جائیں ایسا کرنے والے گنہگار بن کر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

۲۳۔ تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جسکے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جنکو پسند کرتے ہو تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اسکے رسول سے اور لڑنے سے اسکی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور اللہ رستہ نہیں دیتا نا فرمان لوگوں کو [۲۱]

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

۲۱۔ جہاد کی اہمیت اور ضرورت: یعنی اگر خدا اور رسول کے احکام کا امتثال اور ہجرت یا جہاد کرنے سے یہ خیال مانع ہو کہ کنبہ برادری چھوٹ جائے



گی اموال تلف ہوں گے، تجارت مندی پڑ جائے گی یا بند ہو جائے گی۔ آرام کے مکانوں سے نکل کر بے آرام ہونا پڑے گا تو پھر خدا کی طرف سے حکم سزا کا انتظار کرو۔ جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے۔ جو لوگ مشرکین کی موالات یا دنیوی خواہشات میں پھنس کر احکام الہیہ کی تعمیل نہ کریں ان کو حقیقی کامیابی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نکل نہ سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ۔

۲۵۔ مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ  
إِذْ أَعْجَبَتْكُم كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَ  
صَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحَبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ

مُدَبِّرِينَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں کہ جنکو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں کو اور یہ سزا ہے منکروں کی ﴿۲۶﴾

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى  
الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ  
الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ پھر توبہ نصیب کرے گا اللہ اس کے بعد جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۷﴾

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۗ وَ

اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٧﴾

۲۲۔ غزوہ حنین میں مسلمانوں کی مدد: "پچھلی آیت میں تمہیہ کی گئی تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مومنین کو کنبہ، برادری، اموال و املاک وغیرہ کسی چیز پر نظر نہ ہونی چاہئے یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت و کثرت پر گھمٹ نہ کرنا چاہئے۔ نصرت و کامیابی اکیلے خدا کی مدد سے ہے۔ جس کا تجربہ پیشتر بھی بہت سے میدانوں میں تم کر چکے ہو۔ بدر، قرینطہ و نصیر اور حدیبیہ وغیرہ میں جو کچھ نتائج رونما ہوئے، وہ محض امد الہی و تائید غیبی کا کرشمہ تھا۔ اور اب اخیر میں غزوہ حنین کا واقعہ تو ایسا صریح اور عجیب و غریب نشان آسمانی نصرت و امداد کا ہے جس کا اقرار سخت معاند دشمنوں تک کو کرنا پڑا ہے۔ فتح مکہ کے بعد فوراً آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن و ثقیف وغیرہ بہت سے قبائل عرب نے ایک لشکر جہاد تیار کر کے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مہاجرین و انصار کی فوج گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کے لئے مدینہ سے ہمراہ آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کر دیا۔ دو ہزار طلقاء بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے

تھے آپ کے ہمراہ تھے یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان جہاد میں نکلے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ مردان توحید کی زبان سے نکلتا "بارگاہ احدیت" میں ناپسند ہوا۔ ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں لشکر مقابل ہو گئے۔ فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں بچوں کو ساتھ لے کر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے پوری تیاری سے نکلے تھے۔ اونٹ، گھوڑے، مواشی اور گھروں کا کل اندوختہ کوڑی کوڑی کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تھے۔ ہوازن کا قبیلہ تیر اندازی کے فن میں سارے عرب میں شہرت رکھتا تھا۔ اس کے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وداہی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ صحیحین میں براء بن عازب کی روایت ہے کہ پہلے معرکہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی، وہ بہت سامان چھوڑ کر پسا ہو گئے یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ اول طلقاء میں بھاگ پڑی۔ آخر سب کے پاؤں اکھڑ گئے، زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی حضور پر نور ﷺ مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نزعہ میں تھے۔ ابو بکر، عمر، عباس علی، عبد اللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً سوا سی صحابہ بلکہ بعض اہل سیر کی تصریح کے موافق کل دس نفوس قدسیہ (عشرہ کاملہ) میدان جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے۔ یہ خاص موقع تھا جبکہ دنیائے پیغمبرانہ صداقت و توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک مہر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا آپ سفید خچر پر سوار ہیں عباس ایک رکاب ابوسفیان بن الحارث دوسری رکاب تھا مے ہوئے ہیں۔ چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے، ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ ساتھی منتشر ہو چکے ہیں۔ مگر رفیق اعلیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ ربانی تائید آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپ پر اور آپ کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے۔ جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے جدھر سے ہوازن و ثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے آپ کی سواری کا منہ اس وقت بھی اسی طرف ہے ادھر ہی آگے بڑھنے کے لئے خچر کو مہمیز کر رہے ہیں۔ دل سے خدا کی طرف لو لگی ہے اور زبان پر نہایت استغناء و اطمینان کے ساتھ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ جاری ہے۔ یعنی بیشک میں سچا پیغمبر ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد ہوں اسی حالت میں آپ نے صحابہ کو آواز دی اَللّٰهُمَّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشَرًا مِّمَّنْ بَدَا فِيْهَا لِقَاءُ رُسُلِكِ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ! ادھر آؤ۔ یہاں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر آپ کی ہدایت کے موافق حضرت عباس نے (جو نہایت جہیر الصوت تھے) اصحاب سمرہ کو پکارا جنہوں نے درخت کے نیچے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی۔ آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ بھاگنے والوں نے سواریوں کا رخ میدان جنگ کی طرف پھیر دیا۔ جس کے اونٹ نے رخ بدلنے میں دیر کی وہ گلے میں زرہ ڈال کر اونٹ سے کو دپڑا اور سواری چھوڑ کر حضور ﷺ کی طرف لوٹا۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر لشکر کفار کی طرف پھینکیں جو خدا کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑی۔ ادھر حق تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں بھیج دیں جن کا نزول غیر مرئی طور پر مسلمانوں کی تقویت و ہمت افزائی اور کفار کی مرعوبیت کا سبب ہوا۔ پھر کیا تھا۔ کفار کنکریوں کے اثر سے آنکھیں ملتے رہے، جو مسلمان قریب تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ آٹا فائیاں مطع صاف ہو گیا بہت سے بھاگے ہوئے مسلمان لوٹ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا لڑائی ختم ہو چکی۔ ہزاروں قیدی آپ کے سامنے بندھے کھڑے ہیں اور مال غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ یَبْدِیْ مَلٰئِکَٰتِہٖٓ کُلِّ مَیْمٰنٍ (یس۔ ۸۳)

اس طرح کافروں کو دنیا میں سزا دی گئی۔

۲۳۔ غزوہ حنین میں مسلمانوں کی مدد: چنانچہ ہوازن وغیرہ کو اس کے بعد توبہ نصیب ہوئی اور اکثر مسلمان ہو گئے۔

۲۸۔ اے ایمان والو! مشرک جو ہیں سو پلید ہیں سو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد [۲۴] اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آئندہ غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۲۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا الْبَشَرُ كُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

إِنْ شَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾

۲۴۔ حدود حرم میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت: جب حق تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا صدر مقام (مکہ معظمہ) فتح کر دیا اور قبائل عرب جو جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب ۹ ہجری میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ ان کے قلوب شرک و کفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ اس سب سے بڑے مقدس مقام اور مرکز توحید ایمان میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ اس کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب کے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ حکم عملاً نافذ ہوا۔ اب بطور استیلاء یا توطن کفار کے وہاں رہنے پر مسلمانوں کو رضامند ہونا جائز نہیں۔ بلکہ تطہیر جزیرۃ العرب بقدر استطاعت ان کا فریضہ ہے۔ ہاں حنفیہ کے نزدیک کوئی کافر مسافر اندہ عارضی طور پر امام کی اجازت سے وہاں جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ امام اتنی اجازت دینا خلاف مصلحت نہ سمجھے۔ باقی حج و عمرہ کی غرض سے داخل ہونے کی کسی کافر کو اجازت نہیں۔ کمادرنی الحدیث الآلا یُحْجَبَنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكًا۔

۲۵۔ حرم میں مشرکین کی آمد و رفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ اور جو سامان تجارت یہ لوگ لاتے تھے وہ نہیں آئے گا۔ اس لئے تسلی کر دی کہ اس سے مت گھبراؤ، تم کو غنا عطا فرمانا محض اس کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ چاہے گا تو کچھ دیر نہ لگے گی۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ خدا نے سارا ملک مسلمان کر دیا۔ مختلف بلاد و امصار سے تجارتی سامان آنے لگا۔ بارشیں خوب ہوئیں جس سے پیداوار بڑھ گئی، فتوحات و غنائم کے دروازے کھول دیے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقوم وصول ہونے لگیں، غرض مختلف طرح سے حق تعالیٰ نے اسباب غناء جمع کر دیے۔ بیشک خدا کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

۲۹۔ لڑوان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جاننے ہیں اسکو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اسکے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر [۲۶]

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا  
يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے [۲۷] اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی [۲۸] ہلاک کرے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں [۲۹]

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى  
الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۗ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ  
يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۗ قَتَلَهُمُ

اللَّهُ نَجِيًّا أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾

۲۶۔ اہل کتاب پر جزیہ کا حکم: جب مشرکین کا قصہ پاک ہو گیا اور ملکی سطح ذرا ہموار ہوئی تو حکم ہوا کہ "اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی قوت و شوکت کو توڑو مشرکین کے وجود سے تو بالکل عرب کو پاک کر دینا مقصود تھا لیکن یہود و نصاریٰ کے متعلق اس وقت صرف اسی قدر مطمح نظر تھا کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں زور نہ پکڑیں اور اس کی اشاعت و ترقی کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ اس لئے اجازت دی گئی کہ اگر یہ لوگ ماتحت رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں تو کچھ مضائقہ نہیں، قبول کر لو، پھر حکومت اسلامیہ ان کے جان و مال کی محافظ ہوگی، ورنہ ان کا علاج بھی وہ ہی ہے جو مشرکین کا تھا۔ (یعنی مجاہدانہ قتال) کیونکہ یہ بھی اللہ اور یوم آخرت پر جیسا چاہئے ایمان نہیں رکھتے نہ خدا اور رسول کے احکام کی کچھ پروا کرتے ہیں رسول کریم ﷺ کی تو کجا اپنے تسلیم کردہ نبی حضرت مسیحؑ کی سچی پیروی نہیں کرتے، محض اہواء و آراء کا اتباع کرتے ہیں، جو سچا دین پہلے آیا یعنی حضرت مسیحؑ و غیرہ کے زمانہ میں، اور جو اب نبی آخر الزماں ﷺ لے کر آئے، کسی کے قائل نہیں۔ بلکہ جیسا کہ عنقریب آتا ہے ان کو شش میں لگے رہتے ہیں کہ خدا کا روشن کیا ہوا چراغ اپنی پھونکوں سے گل کر دیں۔ ایسے بد باطن نالائقوں کو اگر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو ملک میں فتنہ و فساد اور کفر و تمرد کے شعلے برابر بھڑکتے رہیں گے۔

۲۷۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی ابنیت کا دعویٰ: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ عام یہود کا نہ تھا۔ اور زمانہ مابعد میں تو بعض علماء نے لکھا ہے اب کوئی یہودی اس عقیدہ کا باقی نہیں رہا۔ اگر عہد نبوی ﷺ میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس وقت یہود قرآن کی حکایت کی تغلیط کرتے جیسا کہ اِتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ رُءُفًا بِأَبْنَاءِ مَن دُونِ اللَّهِ كَمَا نَبَى جِدَّيْهِمْ بَنِي إِسْرٰءِيلَ وَمَا كَانُوا بِآيَاتِهِ لَمَّاعِينَ۔ پس ابنیت عزیر کے عقیدہ کا ان کی طرف نسبت کرنا اور ان کا اعتراف و انکار کہیں منقول نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ ضرور اس وقت اس خیال کے لوگ موجود تھے۔ ہاں جیسے مروردہ دور سے بہت سے مذاہب اور فرقے مٹ مٹا گئے، وہ بھی نابود ہو گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔ باقی ہم سے ایک نہایت ثقہ بزرگ (حاجی امیر شاہ خاں مرحوم) نے بیان کیا کہ سیاحت فلسطین وغیرہ کے دوران میں مجھے بعض یہود اس خیال کے ملے جن کو اسی عقیدہ کی نسبت سے عزیر ہی کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۸۔ یعنی ابنیت یا الوہیت مسیحؑ وغیرہ کا عقیدہ پرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے۔ بلکہ ان ہی کی تقلید میں یہ اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کے فوائد میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

۲۹۔ یعنی خدا ان کو غارت کرے توحید کی صاف اور تیز روشنی پہنچے کے بعد کہ ہر اندھیرے میں چلے جا رہے ہیں۔

۳۱۔ ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر [۳۰] اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی اور انکو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک معبود کی کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے

اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ چاہتے ہیں کہ بھجا دیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور اللہ نہ رہے گا بدوں پورا کئے اپنی روشنی کے اور پڑے برا مانیں کافر [۳۱]

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّآ أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا مشرک [۳۲]

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اے ایمان والو بہت سے عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے [۳۳] اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسکو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سوا انکو خوشخبری سنا دے عذاب دردناک کی [۳۴]

يَأْيِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَآكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا ينفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب چکھو مزہ اپنے گاڑھنے کا [۳۵]

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتَكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنْزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿۳۵﴾

۳۰۔ اہل کتاب کے علماء مشائخ کا حال: ان کے علماء مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بنا دیتے خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہہ دیتے اسی کو سند سمجھتے کہ بس خدا کے ہاں ہم کو چھکارا ہو گیا۔ کتب سماویہ سے کچھ سر و کار نہ رکھا تھا محض اخبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے۔ اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا۔ جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکور ہے۔ پس جو منصب خدا کا تھا (یعنی حلال و حرام کی تشریح) وہ علماء مشائخ کو دے دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرا لیا۔ نبی کریم ﷺ نے عدی بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے اور حضرت حذیفہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں “عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے۔ جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہا، یا طمع وغیرہ سے کہا، پھر سند نہیں۔”

۳۱۔ اسلام کا غلبہ وعدہ: یعنی توحید خالص اور اسلام کا آفتاب جب چمک اٹھا پھر یہ دوغلی باتیں اور مشرکانہ دعاوی کہاں فروغ پاسکتے ہیں۔ یہ کوشش کہ بے حقیقت اور بے مغز باتیں بنا کر اور فضول بحث و جدل کر کے نور حق کو مدھم کر دیں، ایسی ہے کہ کوئی بے وقوف منہ سے پھونکیں مار کر چاند یا سورج کی روشنی کو بجھانا اور ماند کرنا چاہے یاد رکھو خواہ یہ کتنے ہی جلیں مگر خدا نور اسلام کو پوری طرح پھیلا کر رہے گا۔

۳۲۔ اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بجز اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہو گا جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے، یہ نزول مسیح کے بعد قریب قیامت کے ہونے والا ہے۔

۳۳۔ اہل کتاب کے علماء کی بے دینی: یعنی روپیہ لے کر احکام شریعیہ اور اخبار الہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ ادھر عوام الناس نے انہیں جیسے پہلے گزرا خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے۔ جو کچھ غلط سلط کہہ دیں وہ ہی ان کے نزدیک حجت ہے۔ اس طرح یہ علماء و مشائخ نذرانے وصول کرنے، نکلے بٹورنے اور اپنی سیادت و ریاست قائم رکھنے کے لئے عوام کو مکرو فریب کے جال میں پھنسا کر راہ حق سے روکتے رہتے ہیں۔ کیونکہ عوام اگر ان کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کر لیں تو ساری آمدنی بند ہو جائے۔ یہ حال مسلمانوں کو سنایا تاکہ متنبہ ہو جائیں کہ امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب و بے راہ ہونا اور اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ہے علماء مشائخ اور اغنیاء و رؤسا۔ ان میں سے دو کا ذکر تو ہو چکا۔ تیسری جماعت (رؤسا) کا آگے آتا ہے۔ ابن المبارک نے خوب فرمایا وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمَلُوكُ وَأَحْبَارُ سُوءِ وَدُهْبَانُهَا۔

۳۴۔ جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوٰۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں) ان کی یہ سزا ہے تو اسی سے ان اخبار و رہبان کا انجام معلوم کر لو جو حق کو چھپا کر یا بدل کر روپیہ بٹورتے ہیں۔ اور ریاست قائم رکھنے کی حرص میں عوام کو خدا کے راستہ سے روکتے پھرتے ہیں۔ بہر حال دولت وہ اچھی ہے جو آخرت میں وبال نہ بنے۔

۳۶۔ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین ان میں چار مہینے ہیں ادب کے یہی ہے سیدھا دین <sup>[۳۶]</sup> سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے <sup>[۳۷]</sup>

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا

يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ

الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے سو بڑھائی ہوئی بات ہے کفر کے عہد میں گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر حلال کر لیتے ہیں اُس مہینہ کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں دوسرے برس تاکہ پوری کر لیں گنتی ان مہینوں کی جو اللہ نے ادب کے لئے رکھے ہیں پھر حلال کر لیتے ہیں جو مہینہ کہ اللہ نے حرام کیا بھلے کر دیئے گئے انکی نظر میں ان کے برے کام اور اللہ راستہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو [۳۸]

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِّئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيَحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زَيْنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

۳۶۔ اشہر حرم اور نسی کی رسم: میرے نزدیک اوپر سے سلسلہ مضمون کا یوں ہے کہ گذشتہ رکوع میں مشرکین کے بعد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ پھر رکوع حاضر کے شروع میں بتلایا کہ ان کے عقائد اور طور و طریق بھی مشرکین سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کا عزیز و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین "ملائکتہ اللہ" کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، بلکہ نصاریٰ میں "ابنیت مسیح" کا عقیدہ مشرکین کی تقلید سے آیا ہے۔ وہ بتوں کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں، انہوں نے مسیح و روح القدس کو خدا ٹھہرا لیا۔ باوجود دعوائے کتاب کے احبار و رہبان کے احکام کو شریعت الہیہ کا بدل تجویز کر لیا۔ یعنی احبار و رہبان رشوتیں لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو حلال یا حرام کر دیتے، احکام سماوی کی جگہ ان ہی کو قبول کر لیا جاتا۔ ان کا یہ طریقہ ٹھیک مشرکین کے طریقہ سے مشابہ ہے۔ ان کے سرکردہ بھی جس چیز کو چاہتے حلال و حرام ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت کر دیتے تھے جس کا ذکر "انعام" میں مفصل گزر چکا، اور یہاں بھی اس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے "اشہر حرم" خاص ادب و احترام کے مہینے ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب۔ ان میں خونریزی اور جدال و قتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ حج و عمرہ اور تجارتی کاروبار کے لئے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا تھا۔ بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ "اشہر حرم" قرار دئے گئے تھے۔ اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا، تو "نسی" کی رسم نکالی۔ یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہو تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کے تعین میں حسب خواہش رد و بدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیرؒ کی تحقیق کے موافق "نسی" (مہینہ آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی۔ اور اس کی وہ ہی صورت تھی جو اوپر مرقور ہوئی۔ امام مغازی محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی "قلیس" کنانی تھا۔ پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا۔ آخر میں اسی کی نسل سے "ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی" کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ امسال محرم حرم میں داخل رہے گا یا صفر۔ اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا۔

اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ گویا عہد جاہلیت میں کافروں کے کفر و گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کی خدا کے حلال یا حرام کئے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہوں نے تحلیل و تحریم کی باگ طامع اور غرض پرست احبار و رہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ دونوں جماعتوں کی مشابہت ظاہر کرنے کے لئے، نسی ”کی رسم کا یہاں ذکر کیا گیا اور إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ الْخِاسِرَاتُ اس کی رد کی۔

تمہید ہے۔ یعنی آج سے نہیں۔ جب سے آسمان و زمین پیدا کئے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں جن میں سے چار اشہر حرم (ادب کے مہینے) ہیں۔ جن میں گناہ و ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ ہی سیدھا دین (ابراہیم کا) ہے۔ ۳۷۔ اشہر حرم میں جہاد کا مسئلہ: ”حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے۔ چنانچہ ”غزوہ تبوک“ جس کا آگے ذکر آتا ہے ماہ رجب میں ہوا اور آپس میں ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے۔ ان مہینوں میں زیادہ۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہی ہے لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اس سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔

۳۸۔ یعنی برے کام کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔ جب سمجھ الٹ جائے تو بھلائی کا رستہ کہاں ملے۔ اس آیت میں جو رسم نسی کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل گذشتہ آیت کے فوائد زیر آیت ذَلِكِ الدِّينُ الْقَيِّمُ گذر چکی۔ (تنبیہ) بعض اقوام جو اپنے مہینوں کا حساب درست رکھنے کے لئے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال بڑھاتی ہیں وہ نسی میں داخل نہیں۔ اور بعض اکابر سلف سے جو نسی کے تحت میں یہ منقول ہے کہ عرب جاہلیت میں سال کے مہینوں کا عدد بدل ڈالتے تھے، مثلاً بارہ کے چودہ مہینے بنائے یا حساب میں ایسی گڑبڑی کی کہ جو ذوالقعدہ تھا وہ ذوالحجہ بن گیا۔ حتیٰ کہ ۹ ہجری میں ابو بکرؓ کا حج بھی ان کے حساب سے ذیقعدہ میں ہوا۔ اور حدیث إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيئَتِهِ الْحَاقِی کی تقریر بھی اسی اصول کے موافق کی گئی۔ ان سب چیزوں پر حافظ ابن کثیرؒ نے تعقب کیا ہے من شاء فليراجعہ۔ یہاں اس پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں۔ اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی توفیق ہوئی جیسا کہ ارادہ ہے تو وہاں تفصیلی کلام کیا جائے گا۔

۳۸۔ اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر کیا خوش ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا [۳۹]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَّعَ

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو عذاب دردناک اور بدلے میں لائے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑ سکو گے تم اس کا اور اللہ سب چیز پر قادر ہے [۴۰]

إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾



۳۰۔ اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھایا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اسکی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا [۳۱]

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَ أَيْدَاهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ نکلو ہلکے اور بوجھل [۳۲] اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے [۳۳]

إِنْفِرُوا خِفَافًا وَ ثِقَالًا وَ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَ أَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٣١﴾

۳۲۔ اگر مال ہو تا نزدیک اور سفر ہلکا تو وہ لوگ ضرور تیرے ساتھ ہو لیتے لیکن لمبی نظر آئی ان کو مسافت [۳۴] اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور چلتے تمہارے ساتھ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں [۳۵]

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَ سَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَ لَكِن بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَ اللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٣٢﴾

۳۹۔ غزوہ تبوک کے لئے جہاد کی تاکید: یہاں سے غزوہ تبوک کے لئے مومنین کو ابھارا گیا ہے گذشتہ رکوع سے پہلے رکوع میں قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالنَّبِيِّمْ اذْخِرُوا الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں جو ذیلی مضامین آئے ان کا ربط موقع بہ موقع ظاہر ہوتا رہا ہے گویا وہ سب رکوع حاضر کی تمہید تھی۔ اور رکوع حاضر غزوہ تبوک کے بیان کی تمہید ہے۔ فتح مکہ و غزوہ حنین کے بعد ۹ ہجری میں نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ شام کا نصرانی بادشاہ (ملک عسنان) قیصر روم کی مدد سے مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔

حضور ﷺ نے مناسب سمجھا کہ ہم خود حدود شام پر اقدام کر کے اس کا جواب دیں۔ اس کے لئے آپ نے عام طور پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں۔ گرمی سخت تھی۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی، سایہ خوشگوار تھا۔ پھر اس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا، اور نہ صرف ملک غسان بلکہ قیصر روم کی باقاعدہ اور سر و سامان سے آراستہ افواج سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشانہ تھا۔ ایسی مہم میں مومنین مخلصین کے سوا کس کا حوصلہ تھا کہ جان بازانہ قدم اٹھا سکتا۔ چنانچہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش کر کھسکنے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت میں اس طویل و صعب سفر سے کترارہے تھے جن میں بہت تو آخر کار ساتھ ہوئے اور گئے چنے آدمی رہ گئے جن کو کسل و تقاعد نے اس شرف عظیم کی شرکت سے محروم رکھا۔ نبی کریم ﷺ تقریباً تیس ہزار سر فروش مجاہدین کا لشکر جرار لے کر حدود شام کی طرف روانہ ہو گئے اور مقام تبوک میں ڈیرے ڈال دیے۔ ادھر قیصر روم کے نام نامہ مبارک لکھا جس میں اسلام کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ حضور ﷺ کی صداقت اس کے دل میں گھر کر گئی مگر قوم نے موافقت نہ کی اس لئے قبول اسلام سے محروم رہا۔ شام والوں کو جب حضور ﷺ کے ارادے کی اطلاع ہوئی قیصر روم سے ظاہر کیا۔ اس نے مدد نہ کی ان لوگوں نے اطاعت کی مگر اسلام نہ لائے۔ تھوڑی مدت کے بعد حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں تمام ملک شام فتح ہوا۔ جب حضور ﷺ تبوک سے غالب و منصور واپس تشریف لائے اور خدانے بڑی بڑی سلطنتوں پر اسلام کی دھاک بٹھلا دی تو منافقین مدینہ بہت فضیحت ہوئے۔ نیز چند سچے مسلمان جو محض سستی اور کسل کی بناء پر نہ گئے تھے بیحد نادوم و متحسر تھے۔ اس رکوع کے شروع سے بہت دور تک ان ہی واقعات کا ذکر ہے۔ مگر زیادہ منافقین کی حرکات بیان ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں مسلمانوں کو خطاب اور ان کے احوال سے تعرض کیا گیا ہے۔ آیت حاضرہ میں مسلمانوں کو بڑی شدت سے جہاد کی طرف ابھارا اور بتلایا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام میں پھنس کر جہاد کو چھوڑنا گویا بلندی سے پستی کی طرف گر جانے کا مرادف ہے۔ مومن صادق کی نظر میں دنیا کے عیش و آرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت پر پشہ کی برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔

۴۰۔ یعنی خدا کا کام تم پر موقوف نہیں۔ تم اگر سستی کرو گے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کسی دوسری قوم کو دین حق کی خدمت کے لئے کھڑا کر دے گا۔ تم اس سعادت سے محروم رہو گے جو تمہارے ہی نقصان کا موجب ہے۔ منت منہ کہ خدمت سلطانا ہی کئی۔ منت ازوشناس کہ بخدمت گذاشت۔

۴۱۔ غار ثور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار حضرت ابو بکرؓ کا واقعہ: یعنی بالفرض اگر تم نبی کریم ﷺ کی مدد نہ کرو گے نہ سہی۔ ان کا منصور و کامیاب ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں ایک وقت پہلے ایسا آچکا ہے۔ جب ایک یار غار کے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ معدودے چند مسلمان مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت کر گئے تھے۔ آخر آپ ﷺ کو بھی ہجرت کا حکم ہوا۔ مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ پر تلواروں کی ضرب لگائیں تاکہ خون بہا دینا پڑے تو سب قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ خون کے انتقام میں سارے عرب سے لڑائی مول لیں۔ جس شب میں اس ناپاک کارروائی کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی حضور ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا تاکہ لوگوں کی امانتیں احتیاط سے آپ ﷺ کے بعد مالکوں کے حوالہ کر دیں اور حضرت علیؓ کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال بیکانہ ہو گا پھر خود بنفس نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے "شاهت الوجوه" فرماتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے صاف نکل آئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غار ثور میں قیام فرمایا۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے۔ جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا۔ وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا۔ صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا۔ اول حضرت ابو بکرؓ نے اندر جا کر اسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کئے

کہ کوئی کیڑا کاٹنا گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک سوراخ باقی تھا اس میں اپنا پاؤں اڑا دیا۔ سب انتظام کر کے حضور ﷺ سے اندر تشریف لانے کو کہا آپ ﷺ صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابو بکرؓ کا پاؤں ڈس لیا۔ مگر صدیقؓ پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے، مبادا حضور ﷺ کی استراحت میں خلل پڑے۔ جب آپ ﷺ کی آنکھ کھلی اور قصہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے لعاب مبارک صدیقؓ کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً شفا ہو گئی۔ ادھر کفار ”قائف“ کو ہمراہ لے کر جو نشان ہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا۔ حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ اس نے غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی، مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا تن لیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیے۔ یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد ﷺ کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح و سالم رہ سکتے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے۔ انہیں فکر تھی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لئے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑ جائیں۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو دیکھ پائیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و اطمینان حضور ﷺ کے قلب مبارک پر اور آپ ﷺ کی برکت سے ابو بکرؓ کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت و تائید کی۔ یہ اسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے ”اوہن الیبوت“ بتلایا ہے، بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعہ تحفظ بن گیا۔ اس طرح خدا نے کافروں کی بات نیچی کی اور ان کی تدابیر خاک میں ملادیں۔ آپ ﷺ تین روز غار میں قیام فرما کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ بیشک انجام کار خدا ہی کا بول بالا رہتا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (تنبیہ) بعض نے ذَا یَکِّیْ کَا بِجْنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا سے بدر و حنین وغیرہ میں جو نزول ملا مکہ ہو اوہ مراد لیا ہے مگر ظاہر سیاق سے وہ ہی ہے۔ جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم۔

۴۲۔ یعنی پیادہ اور سوار، فقیر اور غنی جو ان اور بوڑھے جس حالت میں ہوں نکل کھڑے ہوں نفیر عام کے وقت کوئی عذر پیش نہ لائیں۔

۴۳۔ یعنی دنیوی اور اخروی ہر حیثیت سے۔

۴۴۔ منافقین کے حیلے بہانے: یہ منافقین کو فرمایا کہ اگر سفر ہلکا ہوتا اور بے محنت مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہوتی تو جلدی سے ساتھ ہو لیتے۔ لیکن ایسی کٹھن منزلوں کا طے کرنا ان سے کہاں ممکن ہے؟

۴۵۔ یا تو نکلنے سے پہلے قسمیں کھا کر طرح طرح کے حیلے حوالے کریں گے کہ آپ ﷺ ان کو مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت دے دیں اور یا آپ ﷺ کی واپسی کے بعد جھوٹی قسمیں کھا کر باتیں بنائیں گے تاکہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالیں۔ حالانکہ خدا سے ان کا جھوٹ اور نفاق پوشیدہ نہیں رہ سکتا یہ نفاق و فریب دہی اور جھوٹی قسمیں کھانا انجام کار انہی کے حق میں وبال جان ہو گا۔

۴۳۔ اللہ بخشتے تجھ کو کیوں رخصت دے دی تو نے انکو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تجھ پر سچ کہنے والے اور جان لیتا تو جھوٹوں کو [۴۶]

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَ لَكَ

الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعَلَّمَ الْكٰذِبِينَ ﴿۲۳﴾

۴۴۔ نہیں رخصت مانگتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اس سے کہ لڑیں اپنے مال اور جان سے اور اللہ خوب جانتا ہے ڈر والوں کو

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ط

اللَّهُ عَلَيْهِمُ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۲۴﴾

۴۵۔ رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ہیں دل ان کے سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں [۴۷]

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿٣٥﴾

۴۶۔ اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا انکو اور حکم ہوا کہ بیٹھے رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے [۴۸]

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَا عُدَّةَ لَهُمْ وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٣٦﴾

۴۷۔ اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ کروانے کی تلاش میں [۴۹] اور تم میں بعضے جاسوس ہیں انکے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو [۵۰]

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُوْضِعُوا خِلَّامَكُمْ بِبَغْوَكَمُ الْفِتْنَةِ ۚ وَفِيكُمْ سَعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٣٧﴾

۴۸۔ وہ تلاش کرتے رہے ہیں بگاڑ کی پہلے سے اور اٹتے رہے ہیں تیرے کام یہاں تک کہ آپہنچا سچا وعدہ اور غالب رہا حکم اللہ کا اور وہ ناخوش ہی رہے [۵۱]

لَقَدْ ابْتَغَوْا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿٣٨﴾

۴۹۔ اور بعضے ان میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور گمراہی میں نہ ڈال سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑ چکے ہیں اور بیشک دوزخ گھیر رہی ہے کافروں کو [۵۲]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ ائْذِنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي ۗ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَبُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ اگر تجھ کو پہنچے کوئی خوبی تو وہ بری لگتی ہے انکو اور اگر پہنچے کوئی سختی تو کہتے ہیں ہم نے تو سنبھال لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور پھر کرجائیں خوشیاں کرتے [۵۳]

إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ

## يَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾

۵۱۔ تو کہہ دے ہم کو ہر گز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے وہی ہے کارساز ہمارا اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ کریں مسلمان

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

۵۲۔ تو کہہ دے تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں [۵۳]

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا أَحَدَى الْحُسَيْنِ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ

## مُتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

۳۶۔ منافقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت: منافقین جھوٹے عذر کر کے جب مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت طلب کرتے تو آپ ﷺ ان کے کید و نفاق سے اغماض کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں، اجازت دیتے تھے اس کو فرمایا کہ اگر آپ ﷺ اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ اس وقت ظاہر ہو جاتا کہ انہوں نے اپنے نہ جانے کو کچھ آپ ﷺ کی اجازت پر موقوف نہیں رکھا ہے۔ جانے کی توفیق تو انہیں کسی حال نہ ہوتی۔ البتہ آپ ﷺ کے روبرو ان کا جھوٹ سچ کھل جاتا۔ پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا البتہ نہ دینا مصالح حاضرہ کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہوتا۔ اس اعلیٰ و اکمل صورت کے ترک کی وجہ سے خطاب کو عَفَا اللَّهُ عَنْكَ سے شروع فرمایا۔ عفو کا لفظ ضروری نہیں کہ گناہ ہی کے مقابلہ میں ہو۔ بعض محققین نے عَفَا اللَّهُ عَنْكَ اس جملہ کو صدر کلام میں محض دعاء و تعظیم کے طور پر لیا ہے جیسا کہ عرب کے محاورات میں شائع تھا مگر سلف سے وہ ہی منقول ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔ اور لفظ لِمَ أُذِنْتَ لَهُمْ اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۷۔ جہاد سے منہ پھیرنے والے مومن نہیں ہیں: "یعنی جن کے دلوں میں ایمان و تقویٰ کا نور ہے، ان کی یہ شان نہیں کہ جہاد سے الگ رہنے کی اس طرح بڑھ بڑھ کر اجازت حاصل کریں۔ ان کا حال تو وہ ہے جو اس پارہ کے آخر میں بیان ہوا ہے۔ تَوَلَّوْا وَ آخِیْنَهُمْ تَفْیِضُ مِنَ الدَّمِ حَرْنَا إِلَّا یَجِدُوا مَا یُنْفِقُونَ (التوبہ۔ ۹۲) یعنی بے سروسامانی وغیرہ کے عذر سے اگر "جہاد فی سبیل اللہ" کے شرف سے محروم رہ جائیں تو اس فضل کے فوت ہو جانے پر ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ بے حیا بن کر جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا انہی کا شیوہ ہے جن کو خدا کے وعدوں پر یقین نہیں نہ آخرت کی زندگی کو سمجھتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسلام و مسلمین کے غالب و منصور ہونے کی جو خبریں دی ہیں ان کے متعلق ہمیشہ شک و شبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔

۳۸۔ منافقین کی حالت: ان کا ارادہ ہی گھر سے نکلنے کا نہیں۔ ورنہ اس کا کچھ تو سامان کرتے، حکم جہاد سنتے ہی جھوٹے عذر نہ لے دوڑتے واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ان کی شرکت کو پسند ہی نہیں کیا۔ یہ جاتے تو وہاں فتنے اٹھاتے۔ نہ جانے کی صورت میں انہیں پتہ لگ جائے گا کہ مومنین کو خدا

کے فضل سے ایک تیکے کے برابر ان کی پروا نہیں۔ اسی لئے خدا نے صفوف مجاہدین میں شامل ہونے سے روک دیا اس طرح کہ رکنے کا وبال انہی کے سر پر رہے۔ گویا انکو تکویناً کہہ دیا گیا کہ جاؤ، عورتوں بچوں اور اپناج آدمیوں کے ساتھ گھر میں گھس کر بیٹھ رہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کے اعذار کا ذبہ کے جواب میں جو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دی، یہ بھی ایک طرح خدا ہی کا فرما دینا ہے۔ اس لئے تکویناً کی قید بھی ضروری نہیں۔

۴۹۔ یعنی اگر تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنے جن و نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی سست کر دیتے اور آپس میں لگا بچھا کر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے اور جھوٹی افواہیں اڑا کر ان کو دشمنوں سے ہیبت زدہ کرنا چاہتے غرض ان کے وجود سے بھلائی میں تو کوئی اضافہ نہ ہوتا ہاں برائی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا۔ ان ہی وجہ سے خدا نے ان کو جانے کی توفیق نہ بخشی۔

۵۰۔ یعنی اب بھی ان کے جاسوس یا بعض ایسے سادہ لوح افراد تم میں موجود ہیں جو ان کی بات سنتے اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے ہیں (ابن کثیر) گو ویسافتنہ و فساد پرانہیں کر سکتے جو ان شریروں کے وجود سے ہو سکتا تھا۔ بلکہ ایک حیثیت سے ایسے جو اسیس کا ہمراہ جانا مفید ہے کہ وہ پچشم خود مسلمانوں کی اولوالعزمی، بے جگری وغیرہ دیکھ کر ان سے نقل کریں تو ان کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی ہیبت قائم ہوگی۔

۵۱۔ جس وقت حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے یہود اور منافقین مدینہ آپ ﷺ کے خلاف طرح طرح کی فتنہ انگیزیاں کرتے رہے اور اسلام کی روز افزوں ترقیات کا تختہ الٹنے کے لئے بہت کچھ الٹ پھیر کی۔ مگر بدر میں جب کفر و شرک کے بڑے بڑے ستون گر گئے اور حیرت انگیز طریقہ پر اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا تو عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ كِه يِهْ چيز تو اب رکنے والی معلوم نہیں ہوتی چنانچہ بہت سے لوگ خوف کھا کر محض زبان سے کلمہ اسلام پڑھنے لگے۔ مگر چونکہ دل میں کفر چھپا ہوا تھا اس لئے جوں جوں اسلام و مسلمین کی کامیابی اور غلبہ دیکھتے دل ہی دل میں جلتے اور غیظ کھاتے تھے۔ غرض ان کی فتنہ پر دازی اور مکاری کوئی نئی چیز نہیں۔ شروع سے ان کا یہ ہی و تیرہ رہا ہے۔ جنگ احد میں یہ لوگ اپنی جماعت کو لے کر راستہ سے لوٹ آئے تھے۔ مگر آخر دیکھ لیا کہ حق کس طرح غالب ہو کر رہتا ہے اور باطل کیسے ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔

۵۲۔ ایک بڑے منافق جد بن قیس نے کہا کہ حضرت مجھے تو یہیں رہنے دیجئے۔ روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں میں انہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔ تو مجھے وہاں لے جا کر گمراہی میں نہ ڈالئے۔ فرمایا کہ یہ لفظ کہہ کر اور اپنے جن و کفر پر جھوٹی پرہیز گاری کا پردہ ڈال کر وہ گمراہی کے گڑھے میں گر چکا ہے۔ اور آگے چل کر کفر و نفاق کی بدولت دوزخ کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔ بعض نے آیت کو عام منافقین کے حق میں رکھا ہے اور لَا تَفْتِنِيْ كِه مَطْلَب يِه لِيَا يِهْ كِه ہم کو ساتھ لجا کر اموال وغیرہ کے نقصان میں مبتلا نہ کیجئے۔ اس کا جواب آلا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا سے دیا۔

۵۳۔ منافقین کی عادت تھی جب مسلمانوں کو غلبہ کامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے۔ اور اگر کبھی کوئی سختی کی بات پیش آگئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح ہو گئے۔ تو فخر یہ کہتے کہ ہم نے ازراہ دور اندیشی پہلے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ ہی حشر ہونے والا ہے لہذا ان کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ غرض ڈینگیں مارتے ہوئے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اپنی مجلسوں سے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

۵۴۔ منافقین کو جواب: یعنی سختی یا زری جو جس وقت کے لئے مقدر ہے تو تو ٹل نہیں سکتی نہ دنیا میں اس سے چارہ ہے مگر ہم چونکہ ظاہر و باطن سے خدا کو اپنا حقیقی مولا اور پروردگار سمجھتے ہیں لہذا ہماری گردنیں اس کے فیصلے اور حکم کے سامنے پست ہیں کوئی سختی اس کی فرماں برداری سے باز نہیں رکھتی۔ اور اسی پر ہم کو بھروسہ ہے کہ وہ عارضی سختی کو آخرت میں بالیقین اور بسا اوقات دنیا میں بھی راحت و خوشی سے تبدیل کر دے گا۔ اندریں صورت تم ہماری نسبت دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کی ضرور امید کر سکتے ہو اگر خدا کے راستہ میں مارے گئے تو شہادت و

جنت اور واپس آئے تو اجر یا نعمت ضرور مل کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں حق تعالیٰ نے مجاہد کی نسبت ان چیزوں کا تکفل فرمایا ہے برخلاف اس کے تمہاری نسبت ہم منتظر ہیں کہ دو برائیوں میں سے ایک برائی ضرور پہنچ کر رہے گی یا نفاق و شرارت کی بدولت بلا واسطہ قدرت کی طرف سے کوئی عذاب تم پر مسلط ہو گا یا ہمارے ہاتھوں سے خدا تم کو سخت سزا دلوائے گا جو رسوا کر کے تمہارے نفاق کا پردہ فاش کر دے گی۔ بہر حال تم اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کا انجام دیکھنے کے لئے منتظر رہنا چاہئے۔ آخر معلوم ہو جائے گا کہ دونوں میں زیادہ انجام میں اور دور اندیش کون تھا۔

۵۳۔ کہہ دے کہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہر گز قبول نہ ہو گا تم سے بیشک تم نافرمان لوگ ہو [۵۵]

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ

إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَسِقِينَ ﴿۵۳﴾

۵۴۔ اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا مگر اسی بات پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اسکے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو مگر ہارے جی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے [۵۶]

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقَبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ

كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ

كَسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿۵۴﴾

۵۵۔ سو تو تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے یہی چاہتا ہے اللہ کہ انکو عذاب میں رکھے ان چیزوں کی وجہ دنیا کی زندگی میں اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں [۵۷]

فَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ

اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ

أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ كَاِفِرُونَ ﴿۵۵﴾

۵۶۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں ہیں اور وہ تم میں نہیں لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں تم سے

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَ

لَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿۵۶﴾

۵۷۔ اگر وہ پائیں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سرگھسانے کو جگہ تو اٹے بھاگیں اسی طرف رسیاں تڑاتے [۵۸]

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَعْرَتًا أَوْ مُدْخَلًا لَوَلَّوْا

إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْحَدُونَ ﴿۵۷﴾

۵۸۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْتَمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا

خیرات بانٹنے میں سواگران کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ ملے تو جہی وہ ناخوش ہو جائیں [۵۹]

۵۹۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو دیا انکو اللہ نے اور اسکے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ وہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کار رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیے [۶۰]

رَضُوا وَإِنْ لَّمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا

حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۗ

إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿۵۹﴾

۵۵۔ منافقین کے نفقات قبول نہیں: جد بن قیس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ کر کے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت میں بذات خود نہیں جاسکتا۔ لیکن مالی اعانت کر سکتا ہوں۔ اس کا جواب دیا کہ بے اعتقاد کا مال قبول نہیں خواہ خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے یعنی خوشی سے خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی ان کو توفیق کہاں وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كُرْهُونَ تاہم اگر بالفرض خوشی سے بھی خرچ کریں تو خدا قبول نہ کرے گا۔ اس کا سبب اگلی آیت میں بتایا ہے۔

۵۶۔ عدم قبول کا اصلی سبب تو ان کا کفر ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اشارہ کر چکے کہ کافر کا ہر عمل مردہ اور بے جان ہوتا ہے۔ باقی نماز میں ہارے جی سے آنا، یا بے دل سے خرچ کرنا یہ سب کفر کے ظاہری آثار ہیں۔

۵۷۔ کفار کی ظاہری خوشحالی کی وجہ: شبہ گذر سکتا تھا کہ جب یہ ایسے مردود ہیں تو ان کو مال و اولاد وغیرہ نعمتوں سے کیوں نوازا گیا ہے۔ اس کا جواب دیا کہ یہ نعمتیں ان کے حق میں بڑا عذاب ہے۔ جس طرح ایک لذیذ اور خوشگوار غذا تندرست آدمی کی صحت و قوت کو بڑھاتی ہے اور فاسد الاخلاق مریض کو ہلاکت سے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہ ہی حال ان دنیوی نعمتوں (مال و اولاد وغیرہ) کا سمجھو ایک کافر کے حق میں یہ چیزیں سوئے مزاج کی وجہ سے زہر ہلاہل ہیں۔ چونکہ کفار دنیا کی حرص و محبت میں غریق ہوتے ہیں، اس لئے اول اس کے جمع کرنے میں بے حد کوفت اٹھاتے ہیں۔ پھر ذرا نقصان یا صدمہ پہنچ گیا تو جس قدر محبت ان چیزوں سے ہے اسی قدر غم سوار ہوتا ہے اور کوئی وقت اس کے فکر و اندیشہ اور ادھیڑ بن سے خالی نہیں جاتا پھر جب موت ان محبوب چیزوں سے جدا کرتی ہے اس وقت کے صدمے اور حسرت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ غرض دنیا کے عاشق اور حریص کو کسی وقت حقیقی چین اور اطمینان میسر نہیں۔ چنانچہ یورپ و امریکہ وغیرہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے اقوال اس پر شاہد ہیں۔ باقی مومنین جو دولت اور اولاد کو معبود اور زندگی کا اصلی نصب العین نہیں سمجھتے چونکہ ان کے دل میں حب دنیا کا مرض نہیں ہوتا اس لئے یہ ہی چیزیں ان کے حق میں نعمت اور دین کی اعانت کا ذریعہ بنتی ہیں اس کے علاوہ اکثر کفار کثرت مال و اولاد پر مغرور ہو کر کفر و طغیان میں اور زیادہ شدید ہو جاتے ہیں جو اس کا سبب بنتا ہے کہ اخیر دم تک کافر ہی رہیں۔ نیز منافقین مدینہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں، ان کا حال یہ تھا کہ بادل ناخو استہ جہاد وغیرہ کے مواقع پر ریا و نفاق سے مال خرچ کرتے تھے اور ان کی اولاد میں بعض لوگ مخلص مسلمان ہو کر نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ یہ دونوں چیزیں منافقین کے منشائے قلبی کے بالکل خلاف تھیں۔ اس طرح اموال و اولاد ان کے لئے دنیا میں عذاب بن گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”یعنی یہ تعجب نہ کر کہ بے دین کو اللہ نے نعمت کیوں دی، بے دین کے حق میں اولاد اور مال وبال ہے کہ ان کے پیچھے دل پریشان رہے اور ان کی فکر سے چھوٹے نہ پائے مرتے دم تک، تا تو بہ کرے یا نیکی اختیار کرے۔“



۵۸۔ منافقین کے نفاق کی وجہ: یعنی محض اس خوف سے کہ کفر ظاہر کریں تو کفار کا معاملہ ان کے ساتھ بھی ہونے لگے گا قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو تمہاری ہی جماعت (مسلمین) میں شامل ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر آج ان کو کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا کسی غار میں چھپ کر زندگی بسر کر سکیں یا کم از کم ذرا سرگھسانے کی جگہ ہاتھ آجائے غرض حکومت اسلامی کا خوف نہ رہے تو سب دعوے چھوڑ کر بے تحاشا اسی طرف بھاگنے لگیں چونکہ نہ اسلامی حکومت کے مقابلہ کی طاقت ہے نہ کوئی پناہ کی جگہ ملتی ہے اس لئے قسمیں کھا کھا کر جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔

۵۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منافقین کا طعن: بعض منافقین اور بعض اعراب (بدو) صدقات و غنائم کی تقسیم کے وقت دنیوی حرص اور خود غرضی کی راہ سے حضور ﷺ کی نسبت زبان طعن کھولتے تھے کہ تقسیم میں انصاف کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ اعتراض اسی وقت تک تھا جب تک ان کی خواہش کے موافق صدقات وغیرہ میں حصہ نہ دیا جائے۔ اگر انہیں خوب جی بھر کر خواہش و حرص کے موافق دے دیا گیا تو خوش ہو جاتے اور کچھ اعتراض نہیں رہتا تھا۔ گویا ہر طرح مال و دولت کو قبلہ مقصود ٹھہرا رکھا تھا۔ آگے بتلاتے ہیں کہ ایک مدعی ایمان کا مطمح نظر یہ نہیں ہونا چاہئے۔

۶۰۔ یعنی بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ خدا پیغمبر کے ہاتھ سے دلوائے اس پر آدمی راضی و قانع ہو اور صرف خدا پر توکل کرے اور سمجھے کہ وہ چاہے گا تو آئندہ اپنے فضل سے بہت کچھ مرحمت فرمائے گا۔ غرض دنیا کی متاع فانی کو نصب العین نہ بنائے۔ صرف خداوند رب العزت کے قرب و رضا کا طالب ہو اور جو ظاہری و باطنی دولت خدا اور سول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور و مطمئن ہو۔

۶۰۔ زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلوسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پر چانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۶۱]

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَبْدِيِّنَ  
عَلَيْهَا وَالْمَوْلَفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَ  
الْغُرَمِيِّنَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ  
فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ زکوٰۃ کے مصارف: چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر پر طعن کیا گیا تھا، اس لئے متنہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ آپ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے۔ کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیے ہیں جو آٹھ ہیں۔“ فقراء ” (جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو)“ عالمین ” (جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں)“ مَوْلَفَةِ الْقُلُوبِ ” (جن کے پاس کچھ نہ ہو) (جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیرہ ذالک من الانواع، اکثر علماء کے نزدیک حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی)“ رِقَابِ ” (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے۔ یا خرید کر آزاد کئے جائیں۔ یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں)“ غَرَمِيِّنَ ” (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے)“ سَبِيلِ اللَّهِ ” (جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے)“ ابْنِ السَّبِيلِ ” (مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو، گو مکان پر دولت رکھتا ہو)“ حَفْنِيَّةِ ” کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقر شرط ہے۔ تفصیل فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

۶۱۔ اور بعضے ان میں بد گوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو کان ہے تو کہہ کان ہے تمہارے بھلے کے واسطے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مسلمانوں کی بات کا اور رحمت ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور جو لوگ بد گوئی کرتے ہیں اللہ سے رسول کی ان کے لئے عذاب ہے دردناک [۶۲]

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ<sup>ط</sup>

قُلْ أُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ يُؤْمِنُ

لِلْمُؤْمِنِينَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ<sup>ط</sup> وَ

الَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾

۶۲۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کر راضی کریں اور اللہ کو اور اسکے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر وہ ایمان رکھتے ہیں [۶۳]

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيَرْضَوْكُمْ<sup>ج</sup> وَ اللَّهُ وَ رَسُولَهُ

أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْا إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ کیا وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اسکے رسول سے تو اسکے واسطے ہے دوزخ کی آگ سدا رہے اس میں یہی ہے بڑی رسوائی [۶۴]

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ فَانَّهُ

نَارُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ ڈرا کرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل ہو مسلمانوں پر ایسی سورت کہ جنادے اٹھو جو انکے دل میں ہے تو کہہ دے ٹھٹھے کرتے رہو اللہ کھول کر رہے گا اس چیز کو جس کا تم کو ڈر ہے [۶۵]

يَحْذَرُ الْبُنْفِقُونَ أَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ

تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ<sup>ط</sup> قُلِ اسْتَهِزَّوْا<sup>ج</sup> إِنْ

اللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ اور اگر تو ان سے پوچھے تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی [۶۶] تو کہہ کیا اللہ سے اور اسکے حکموں سے اور اسکے رسول سے تم ٹھٹھے کرتے تھے [۶۷]

وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا نُحْزَنُ وَ نَلْعَبُ

قُلْ أ بِاللَّهِ وَ آيَاتِهِ وَ رَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے اظہار ایمان کے پیچھے اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو اس سبب سے کہ وہ گنہگار تھے [۶۸]

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ<sup>ط</sup> إِنْ نَعَفُ

عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبُ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا

مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾

۶۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منافقین کی بدگوئی: منافقین آپس میں بیٹھ کر اسلام و پیغمبر اسلام کے متعلق بدگوئی کرتے۔ جب کوئی کہتا کہ ہماری یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام تک پہنچ جائیں گی تو کہتے، کیا پروا ہے۔ ان کے سامنے ہم جھوٹی تاویلیں کر کے اپنی برأت کا یقین دلادیں گے کیونکہ وہ تو کان ہی کان ہیں جو سنتے ہیں فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان کو باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ بات یہ تھی کہ حضرت اپنے حیا و قار اور کریم النفسی سے جھوٹے کا جھوٹ پہچانتے تب بھی نہ پکڑتے۔ خلق عظیم کی بنا پر مسامحت اور تغافل برتتے اور وہ بے وقوف جانتے کہ آپ ﷺ نے سمجھا ہی نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اگر وہ کان ہی ہیں تو تمہارے بھلے کے واسطے ہیں۔ نبی کی یہ خود تمہارے حق میں بہتر ہے نہیں تو اول تم پکڑے جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ کی اس چشم پوشی اور خلق عظیم پر کسی وقت مطلع ہو کر تمہیں ہدایت ہو جائے۔ تمہاری جھوٹی باتوں پر نبی علیہ السلام کا سکوت اس لئے نہیں کہ انہیں واقعی تمہارا یقین آجاتا ہے۔ یقین تو ان کو اللہ پر ہے اور ایمانداروں کی بات پر۔ ہاں تم میں سے جو دعویٰ ایمان رکھتے ہیں ان کے حق میں آپ کی خاموشی و انماض ایک طرح کی رحمت ہے کہ فی الحال منہ توڑ تکذیب کر کے ان کو رسوا نہیں کیا جاتا۔ باقی منافقین کی حرکات شنیعہ خدا سے پوشیدہ نہیں۔ رسول کی بیٹھ پیچھے جو بدگوئی کرتے ہیں یا ہُو اذُن کہہ کر آپ ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں اس پر سزائے سخت کے منتظر رہیں۔

۶۳۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”کسی وقت حضرت ان کی دغا بازی پکڑتے تو مسلمانوں کے روبرو قسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بری نیت نہ تھی۔ تاکہ ان کو راضی کر کے اپنی طرف کر لیں۔ نہ سمجھے کہ یہ فریب بازی خدا اور رسول کے ساتھ کام نہیں آتی“ اگر دعویٰ ایمان میں واقعی سچے ہیں تو دوسروں کو چھوڑ کر خدا اور رسول کو راضی کرنے کی فکر کریں۔

۶۴۔ یعنی جس رسوائی سے بچنے کے لئے نفاق اختیار کیا ہے اس سے بڑی رسوائی یہ ہے۔

۶۵۔ منافقین کا نفاق کھولا جائے گا: منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کی بدگوئی کرتے مومنین صادقین پر آوازے کستے مہمات دین کا مذاق اڑاتے پھر جب خیال آتا کہ ممکن ہے یہ باتیں حضور ﷺ تک پہنچ جائیں تو کہتے کیا مضائقہ ہے وہ تو کان ہی کان ہیں ہم ان کے سامنے جو تاویل و تلمیح کر دیں گے سن کر اسی کو قبول کر لیں گے۔ مگر چونکہ بسا اوقات وحی الہی کے ذریعے سے ان کے نفاق و بدباطنی کی قلبی کھلتی رہتی تھی اس لئے یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ کوئی سورت قرآن میں ایسی نازل نہ ہوئے جو ہمارے مخاطبات سر یہ و نیات خفیہ کا پردہ فاش کر دے۔ اصل یہ ہے کہ منافقین کا قلب جن و کمزوری سے کسی ایک طرف قائم نہ ہوتا تھا۔ ان کے دل ہر وقت دگدا میں رہتے تھے۔ کبھی آنحضرت ﷺ کی شان انماض و کریم النفسی کو دیکھ کر کچھ تسلی حاصل کرتے مگر صائقہ قرآنی کی گرج سے پھر دہلنے لگتے تھے اسی لئے فرمایا کہ بہتر ہے تم ٹھٹھے کرتے رہو اور استہزاء و تمسخر کا عمل جاری رکھو اور پیغمبر کی نسبت ہُو اذُن کہہ کر تسلی کر لو۔ لیکن خدا اس چیز کو ضرور کھول کر رہے گا جس کا تم کو ڈر لگا ہوا ہے وہ تمہارے مکرو خدا کا تار تار بکھیر کر رکھ دے گا۔

۶۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین سے باز پرس: تبوک میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے ازراہ تمسخر کہا۔ اس شخص (محمد ﷺ) کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے شہروں کو فتح کر لینے کا خواب دیکھتا ہے۔ انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رومیوں میں بندھے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ یہ ہمارے قراء (صحابہ رضی اللہ عنہم) پیٹو، جھوٹے اور نامردے کیا روم کی باقاعدہ فوجوں سے جنگ کریں گے وغیرہ ذلک من الہفوات۔ اس قسم کے مقولے جو مسلمانوں کو روم سے مرعوب و ہیبت زدہ کرنے اور شکستہ خاطر بنانے کے لئے کہہ رہے تھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نقل ہوئے۔ آپ ﷺ نے بلا کر باز پرس کی تو کہنے لگے کہ حضرت! کہ ہم کہیں سچ مچ ایسا اعتقاد تھوڑا ہی رکھتے ہیں؟ محض خوش و قی و دل لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے کہ باتوں میں سفر آسانی سے کٹ جائے۔

۶۷۔ اللہ کی آیات سے استہزاء: یعنی کیا دل لگی اور خوش وقتی کا موقع و محل یہ ہے کہ اللہ و رسول اور ان کے احکام کے ساتھ ٹھٹھا کیا جائے؟ خدا و رسول کا استہزاء اور احکام الہیہ کا استخفاف تو وہ چیز ہے کہ اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر کیا جائے وہ بھی کفر عظیم ہے چہ جائیکہ منافقین کی طرح ازراہ شرارت و بدباطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔

۶۸۔ یعنی جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں۔ جن کو نفاق و استہزاء کی سزا ملنی ہے مل کر رہے گی۔ ہاں جو اب بھی صدق دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے، انہیں خدا معاف کر دے گا، جو پہلے ہی سے باوجود کفر و نفاق کے اس طرح کی فتنہ انگیزی اور استہزاء سے علیحدہ رہے ہیں، انہیں استہزاء و تمسخر کی سزا یہاں نہ ملے گی۔

۶۷۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے  
سکھائیں بات بری اور چھڑائیں بات بھلی اور بند رکھیں  
اپنی مٹھی بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا انکو تحقیق منافق  
وہی ہیں نافرمان [۶۹]

الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ  
يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ  
وَأَقْبَضُوا أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ

الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ وعدہ دیا ہے اللہ نے منافق مرد اور منافق عورتوں کو  
اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا پڑے رہیں گے اس میں  
وہی بس ہے انکو [۷۰] اور اللہ نے انکو پھینکا دیا اور انکے لئے  
عذاب ہے برقرار رہنے والا [۷۱]

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ  
جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعْنَهُمُ  
اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ جس طرح تم سے اگلے لوگ زیادہ تھے تم  
سے زور میں اور زیادہ رکھتے تھے مال اور اولاد پھر فائدہ اٹھا  
گئے اپنے حصہ سے [۷۲] پھر فائدہ اٹھایا تم نے اپنے حصہ  
سے جیسے فائدہ اٹھا گئے تم سے اگلے اپنے حصہ سے اور تم  
بھی چلتے ہو انہی کی سی چال [۷۳] وہ لوگ مٹ گئے ان کے  
عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے نقصان  
میں [۷۴]

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً  
وَكَانُوا أَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَبْتَعُوا  
بِخَلْقِهِمْ فَاسْتَبْتَعْتُمْ بِخَلْقِكُمْ كَمَا  
اسْتَبْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلْقِهِمْ وَخُضْتُمْ  
كَالَّذِي خَاضُوا أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي  
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٦٩﴾

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ کیا پہنچی نہیں انکو خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے قوم نوح کی اور عاد کی اور ثمود کی اور قوم ابراہیم کی اور مدین والوں کی اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئی تھیں [۷۵] پہنچے انکے پاس انکے رسول صاف حکم لے کر سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے [۷۶]

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ  
وَّعَادٍ وَثَمُودَ ۗ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ  
وَالْمُؤْتَفِكِ ۗ أَتْتَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا  
اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾

۶۹۔ اللہ نے منافقین کو بھلا دیا: یعنی سب سے بڑے نافرمان یہ ہی بد باطن منافق ہیں جن کے مرد و عورت زبانی اقرار و اظہار اسلام کے باوجود شب و روز اسی تک و دو میں لگے رہتے ہیں کہ ہر قسم کے حیلے اور فریب کر کے لوگوں کو اچھی باتوں سے بیزار اور برے کاموں پر آمادہ کریں۔ خرچ کرنے کے اصلی موقعوں پر مٹھی بند رکھیں۔ غرض کلمہ پڑھتے رہیں لیکن نہ ان کی زبان سے کسی کو بھلائی پہنچے نہ مال سے۔ جب یہ خدا کو ایسا چھوڑ بیٹھے تو خدا نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ چھوڑ کر کہاں گرایا؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

۷۰۔ یعنی یہ ایسی کافی سزا ہے جس کے بعد دوسری سزا کی ضرورت نہیں رہتی۔

۷۱۔ اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں سکھاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم پر چلتے ہیں اللہ کے اور اسکے رسول کے وہی لوگ ہیں جن پر رحم کرے گا اللہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا [۷۴]

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ  
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَأُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ  
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

۷۲۔ وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں اور ستھرے مکانوں کا رہنے کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی ان سب سے بڑی ہے یہی ہے بڑی کامیابی [۷۸]

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي  
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٍ  
طَيِّبَةٍ فِي جَنَّتِ عَدْنٍ ۗ وَرِضْوَانٍ مِّنَ اللَّهِ الْكَبِيرِ ۗ  
ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ

۷۳۔ اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ

ہے [۷۹]

عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ط وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ﴿۷۳﴾

۷۱۔ شاید یہ مطلب ہو کہ دنیا میں بھی خدا کی پھینکار (لعنت) کا اثر برابر پہنچتا رہے گا۔ یا پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۲۔ یعنی دنیوی لہذا لہذا جو حصہ ان کے لئے مقدر تھا اس سے فائدہ اٹھا گئے اور آخری انجام کا خیال نہ کیا۔

۷۳۔ یعنی تم بھی ان کی طرح آخری انجام کے تصور سے غافل ہو کر دنیا کی متاع فانی سے جتنا مقدر ہے حصہ پارہے ہو اور ساری چال ڈھال انہی کی سی رکھتے ہو تو سمجھ لو جو حشر ان کا ہو اوہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے ان کے پاس مال و اولاد اور جسمانی قوتیں تم سے زائد تھیں پھر انتقام الہی کی گرفت سے نہ بچ سکے تو تم کو کاہے پر بھروسہ ہے جو خدائی سزا سے اس قدر بے فکر ہو بیٹھے ہو۔

۷۴۔ یعنی کوئی دنیوی و آخروی برکت و کرامت انہیں نصیب نہ ہوئی۔ باقی دنیوی لہذا لہذا جو حصہ بظاہر ملا۔ وہ فی الحقیقت ان کے حق میں استدراج اور عذاب تھا جیسا کہ دور کو ع پہلے فَلَا تُعْجِبْكَ أَهْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ الخ کے فوائد میں گذر چکا اور اس سے پیشتر بھی کئی مواقع میں لکھا جا چکا ہے۔

۷۵۔ پچھلے انبیاء کی تکذیب کا انجام: قوم نوح طوفان سے، عاد آندھی سے، ثمود صحیحہ (چٹخ) سے ہلاک ہوئے۔ ابراہیم کی حق تعالیٰ نے عجیب و غریب خارق عادت طریقتہ سے تائید فرمائی۔ جنہیں دیکھ کر ان کی قوم ذلیل و ناکام ہوئی ان کا بادشاہ نمرود نہایت بد حالی کی موت مارا گیا۔ اصحاب مدین صحیحہ (چٹخ) رجفہ (زلزلہ) وغیرہ سے تباہ ہوئے۔ قوم لوط کی بستیاں الٹ دی گئیں اور اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ان سب اقوام کا قصہ (جز قوم ابراہیم کے) سورہ اعراف میں گذر چکا۔

۷۶۔ یعنی خدا کسی کو بلا وجہ اور بے موقع سزا نہیں دیتا۔ لوگ خود ایسے جرائم کار تکاب کرتے ہیں۔ جن کے بعد عذاب الہی کا آنا گزیر ہے۔

۷۷۔ مومنین کی صفات: ابتدائے رکوع میں منافقین کے اوصاف بیان ہوئے تھے۔ یہاں بطور مقابلہ مومنین کی صفات ذکر کی گئیں۔ یعنی جبکہ منافقین لوگوں کو بھلائی سے روک کر برائی کی ترغیب دیتے ہیں۔ مومنین بدی کو چھڑا کر نیکی کی طرف آمادہ کرتے ہیں منافقین کی مٹھی بند ہے۔ مومنین کا ہاتھ کھلا ہوا ہے۔ وہ بخل کی وجہ سے خرچ کرنا نہیں جانتے یہ اموال میں سے باقاعدہ حقوق (زکوٰۃ وغیرہ) ادا کرتے ہیں انہوں نے خدا کو بالکل بھلا دیا یہ پانچ وقت خدا کو یاد کرتے اور تمام معاملات میں خدا اور رسول کے احکام پر چلتے ہیں۔ اسی لئے وہ مستحق لعنت ہوئے اور یہ رحمت خصوصی کے امیدوار ٹھہرے۔

۷۸۔ اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے بڑی ہے: "یعنی تمام نعمائے دنیوی و آخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الہی کا مقام ہے۔ حق تعالیٰ مومنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی نعمتیں اور مسرتیں عطا فرمائے گا۔ مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہوگی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا جنتی "لبیک" کہیں گے۔ دریافت فرمائے گا هَلْ رَضِيْتُمْ یعنی اب تم خوش ہو گئے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار! خوش نہ ہونے کی کیا وجہ؟ جبکہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہو گا هَلْ أُعْطِيْتُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ یعنی جو کچھ اب تک دیا گیا ہے کیا اس سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو؟ جنتی سوال کریں گے کہ اے

پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اس وقت فرمائیں گے اُحِلَّ عَلَیْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا اَسْحَطُ عَلَیْكُمْ بَعْدَ ذَا اَبَدًا اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں جس کے بعد کبھی خفگی اور ناخوشی نہ ہوگی رزقنا اللہ وسائر المومنین هذه الکرامۃ العظیمة الباہیة۔

۷۹۔ منافقین سے سختی کا حکم: جہاد کے معنی ہیں کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا۔ یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے کبھی زبان سے کبھی قلم سے کبھی کسی اور طریق سے منافقین (جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں) ان کے مقابلہ میں جہاد بالسیف جمہور امت کے نزدیک مشروع نہیں نہ عہد نبوت میں ایسا واقع ہوا۔ اسی لئے جہاد کا لفظ اس آیت میں عام رکھا گیا ہے۔ یعنی تلوار سے، زبان سے، قلم سے، جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر منافقین کا نفاق بالکل عیاں ہو جائے تو ان پر بھی جہاد بالسیف کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال غزوہ تبوک نے چونکہ منافقین کا نفاق بہت آشکارا کر دیا تھا۔ اس لئے اس آیت میں ان کی نسبت ذرا سخت رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔ نبی کریم ﷺ فطری طور پر نہایت نرم خو واقع ہوئے تھے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۗ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا لَّفُتْنَا مِن مَّحَدِكَ (آل عمران ۱۵۹) پھر حق تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا وَ اَحْفِضْ جَنَاحَكَ لِیِّنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (شعراء ۲۱۵) چونکہ منافقین بھی بظاہر مومنین کے زمرہ میں شامل رہتے تھے اسی لئے حضور ﷺ ان کے ساتھ بھی درگزر، چشم پوشی اور نرم خوئی کا معاملہ فرماتے تھے۔ تبوک کے موقع پر جب منافقین نے کھلم کھلا بے حیائی، عناد اور دشمنی کا انداز اختیار کر لیا تو حکم ہوا کہ اب ان کے معاملہ میں سختی اختیار کیجئے یہ شریر خوش اخلاقی اور نرمی سے ماننے والے نہیں ہیں۔

۷۴۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ ہم نے نہیں کہا اور بیشک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر [۸۰] اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو ان کو نہ ملی [۸۱] اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دو تمند کر دیا ان کو اللہ نے اور اسکے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کر لیں تو بھلا ہے ان کے حق میں اور اگر نہ مانیں گے تو عذاب دے گا انکو اللہ عذاب دردناک دنیا اور آخرت میں اور نہیں ان کا روئے زمین پر کوئی حمایتی اور نہ مددگار [۸۲]

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ۗ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هُمْ اِبْرٰهٖمَ يَنْتٰلُوا ۗ وَ مَا نَقَبُوا اِلَّا اَنْ اٰغْنٰهُمْ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ ۗ مِنْ فَضْلِهِ ۗ فَاِنْ يَتُوبُوْا يَكْ خَيْرًا لّٰهُمْ ۗ وَ اِنْ يَتَوَلَّوْا يَعْذِبْهُمْ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۗ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۗ وَ مَا لَهُمْ فِى

الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٤٣﴾

۷۵۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں اور ہو رہیں ہم نیکی والوں میں

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهُ لَیْنِ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ ۗ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿٤٥﴾

۷۶۔ پھر جب دیا انکو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے تھلا کر [۸۳]

فَلَبَّآ اَتَهُم مِّنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَ تَوَلَّوْا وَ هُمْ

مُعْرِضُونَ ﴿٤٦﴾

۷۷۔ پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق انکے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ [۸۴]

فَاعْتَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ اِلَى يَوْمٍ يَلْقَوْنَهُ بِمَا

اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٤٧﴾

۷۸۔ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو [۸۵]

اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوَاهُمْ وَ اَنَّ

اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾

۸۰۔ منافقین کے کفر کی تصدیق: منافقین پیچھے بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام کی اور دین اسلام کی اہانت کرتے جیسا کہ سورہ منافقون میں آئے گا جب کوئی مسلمان حضور ﷺ تک ان کی باتیں پہنچا دیتا تو اس کی تکذیب کرتے اور قسمیں کھا لیتے کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ حق تعالیٰ نے مسلمان راویوں کی تصدیق فرمائی کہ بیشک انہوں نے وہ باتیں زبان سے نکالی ہیں۔ اور دعویٰ اسلام کے بعد مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام کی نسبت وہ کلمات کہے ہیں جو صرف منکرین کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔

۸۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوشش: غزوہ تبوک سے واپسی میں آنحضرت ﷺ لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ کو تشریف لے جا رہے تھے۔ تقریباً بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرا دیں۔ حضور ﷺ کے ساتھ حدیفہ اور عمار تھے۔ عمار کو انہوں نے گھیر لیا تھا مگر حدیفہ نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے منہ پھیر دیے۔ چونکہ چہرے چھپائے ہوئے تھے۔ حدیفہ وغیرہ نے ان کو نہیں پہچانا۔ بعدہ آنحضرت ﷺ نے حدیفہ و عمار رضی اللہ عنہما کو نام بنام ان کے پتے بتا دیے۔ مگر منع فرمایا کہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اسی واقعہ کی طرف وَهَبُوا بِسَاتِمَ يَتَنَاؤُا میں اشارہ ہے کہ جو ناپاک قصد انہوں نے کیا خدا کے فضل سے پورا نہ ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی موقع پر لشکر اسلام میں کچھ خانہ جنگی ہو گئی تھی منافقین نے انہوں کو اغوا کر کے مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ حضرت نے اصلاح فرمادی جیسا کہ سورہ منافقون میں آئے گا۔

۸۲۔ یعنی حضور ﷺ کی دعا سے خدا نے انہیں دو لٹمنہ کر دیا قرضوں کے بار سے سبکدوش ہوئے مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہنے کی وجہ سے غنائم میں حصہ ملتا رہا، حضور ﷺ کی برکت سے پیداوار اچھی ہوئی ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ خدا اور رسول کے ساتھ دعا بازی کرنے لگے اور ہر طرح پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو ستانے پر کمر باندھ لی۔ اب بھی اگر توبہ کر کے شرارتوں اور احسان فراموشیوں سے باز آجائیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ ورنہ خدا دنیا و آخرت میں وہ سزا دے گا جس سے بچانے والا روئے زمین پر کوئی نہ ملے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ ”جلاس“



نامی ایک شخص یہ آیات سن کر صدق دل سے تائب ہوا۔ اور آئندہ اپنی زندگی خدمت اسلام میں قربان کر دی۔

۸۳۔ ثعلبہ بن حاطب کا واقعہ: ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرے حق میں دو لٹمنہ ہو جانے کی دعا فرمادیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو خدا کا شکر ادا کرے اس بہت چیز سے اچھی ہے جس کے حقوق ادا نہ کر سکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقش قدم پر چلے۔ آپ ﷺ کے انکار پر اس کا اصرار بڑھتا رہا اس نے وعدہ کیا کہ اگر خدا مجھ کو مال دے گا میں پوری طرح حقوق ادا کروں گا۔ آخر حضور ﷺ نے دعا فرمائی اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی اور اتنا پھیلاوا ہوا کہ ان میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ جمعہ و جمعات بھی ترک کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد حضور ﷺ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے محصل پہنچے تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ دو ایک دفعہ ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، ”وح ثعلبہ“ اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب اس کے بعض اقارب نے اس کی خبر پہنچائی تو بادل ناخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ یہ سن کر اس نے بہت ہائے واویلا کی کیونکہ حضور ﷺ کا زکوٰۃ قبول نہ کرنا اس کے لئے بڑی عار کی بات تھی۔ بدنامی کے تصور سے سر پر خاک ڈالتا تھا۔ مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور ﷺ کے بعد ابو بکرؓ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی دونوں نے انکار فرمایا۔ ہر ایک یہ ہی کہتے تھے کہ جو چیز نبی کریم ﷺ نے رد کر دی ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آخر اسی حالت نفاق پر حضرت عثمانؓ کے عہد میں اس کا خاتمہ ہوا۔

۸۴۔ یعنی خدا سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولتے رہنے کی سزا میں ان کے بغل و اعراض کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے نفاق کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہو گئی جو موت تک نکلنے والی نہیں۔ اور یہ ”سنت اللہ“ ہے کہ جب کوئی شخص اچھی یا بری خصلت خود اختیار کر لیتا ہے تو کثرت و مزاولت و ممارست سے وہ دائمی بن جاتی ہے۔ بری خصلت کے اسی دوام و استحکام کو کبھی کبھی ختم و طبع (مہر لگانے) سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

۸۵۔ یعنی خواہ کیسے ہی وعدے کریں، باتیں بنائیں یا مجبور ہو کر مال پیش کریں۔ خدا ان کے ارادوں اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اور اپنے ہم مشربوں کے ساتھ بیٹھ کر جو مشورے کرتے ہیں ان سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لَنْصَدَّقَنَّ وَ لَنْكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کا وعدہ اور گھبراکر زکوٰۃ حاضر کرنا کس دل اور کیسی نیت سے تھا۔

۷۹۔ وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے [۸۶]

الَّذِينَ يَلْبِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي  
الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ  
فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾

۸۰۔ تو انکے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا انکو اللہ یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو [۸۴]

اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

۸۶۔ منافقین کا استہزاء اور طعن: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چار ہزار (دینار یا درہم) حاضر کر دیے۔ عاصم بن عدی نے ایک سو سو تھوڑی (جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی) پیش کیں۔ منافقین کہنے لگے کہ ان دونوں نے دکھاوے اور نام و نمود کو اتنا دیا ہے۔ ایک غریب صحابی ابو عقیل حجاب نے جو محنت و مشقت سے تھوڑا سا کما کر لائے اس میں ایک صاع تمر صدقہ کیا تو مذاق اڑانے لگے کہ یہ خواہ مخواہ زور آوری سے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بھلا اس کی ایک صاع کھجوریں کیا کار کریں گی۔ غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی ان کی زبان سے بچتا نہ تھا۔ کسی پر طعن کسی سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ (اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے) یعنی ان کے طعن و تمسخر کا بدلہ دیا، بظاہر تو وہ چند روز کے لئے مسخر اپن کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیے گئے ہیں، لیکن فی الحقیقت اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جا رہی ہیں۔ اور عذاب الیم ان کے لئے تیار ہے۔

۸۷۔ منافقین کے لئے استغفار عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ: یعنی منافقین کے لئے آپ ﷺ کتنی ہی مرتبہ استغفار کیجئے ان کے حق میں بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے۔ خدا ان بد بخت کافروں اور نافرمانوں کو کبھی معاف نہ کرے گا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ میں رئیس منافقین عبد اللہ بن ابی کا انتقال ہوا۔ آپ ﷺ نے قمیص مبارک کفن میں دیا، لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔ نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ حضرت عمرؓ اس معاملہ میں آڑے آتے تھے اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ وہی خمیٹ تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی نالائق حرکات کیں۔ ہمیشہ کفر و نفاق کا علمبردار رہا۔ کیا حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ! مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں۔ یہ خدا کا فعل ہے کہ ان کو معاف نہ کرے۔ یعنی ان کے حق میں میرا استغفار نافع نہ ہو (سوان کے حق میں نہ سہی ممکن ہے دوسروں کے حق میں میرا یہ طرز عمل نافع ہو جائے دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں نبی کے اس وسعت اخلاق اور وفور رحمت و شفقت کو دیکھ کر اسلام و پیغمبر کے گرویدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا) صحیح بخاری کی ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا ”گویا اس جملہ میں حضور ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ حضرت عمرؓ کی طرح آپ ﷺ بھی اس کے حق میں استغفار کو غیر مفید تصور فرما رہے تھے۔ فرق اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر ”بغض فی اللہ“ کے جوش میں صرف اسی نقطہ پر مقصور تھی اور نبی کریم ﷺ میت کے فائدہ سے قطع نظر فرما کر عام پیغمبرانہ شفقت کا اظہار اور احیاء کے فائدہ کا خیال فرما رہے تھے۔ لیکن آخر کار وحی الہی و لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ نے صریح طور پر منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے اہتمام دفن و کفن وغیرہ میں حصہ لینے کی ممانعت کر دی۔ کیونکہ اس طرز عمل سے منافقین کی ہمت افزائی اور مومنین کی دل شکستگی کا احتمال تھا۔ اس وقت سے حضور ﷺ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

۸۱۔ خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہو کر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں [۸۸] اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں [۸۹] تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی [۹۰]

فَرِحَ الْخَلْفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَ كَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿٨١﴾

۸۲۔ سو وہ ہنس لیوں تھوڑا اور روویں بہت سابدلا اس کا جو وہ کماتے تھے [۹۱]

فَلْيُضْحَكُوا قَلِيلًا وَ لْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

۸۳۔ سو اگر پھر لے جائے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے [۹۲] پھر اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تو کہہ دینا کہ تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار سو بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ [۹۳]

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَ لَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَلْفِينَ ﴿٨٣﴾

۸۸۔ منافقین کی سزا: یہ ان منافقین کے متعلق ہے جو غزوہ تبوک کی شرکت سے علیحدہ رہے۔ یعنی منافقین کا حال یہ ہے کہ برائی اور عیب کے کام کر کے خوش ہوتے ہیں نیکی سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے گذرا نیکی کرنے والوں پر طعن کرتے اور آوازے کستے ہیں۔ ایسی قوم کو نبی کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہاں سے گنہگار اور بد اعتقاد کا فرق نکلتا ہے۔ گناہ ایسا کون سا ہے جو پیغمبر کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (نساء۔ ۶۴) لیکن بد اعتقاد کو پیغمبر کا ستر مرتبہ استغفار فائدہ نہ دے۔

۸۹۔ یا تو منافقین آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے اور یا بعض مومنین سے کہتے ہوں گے کہ ان کی ہمتیں سست ہو جائیں۔  
۹۰۔ یعنی اگر سمجھ ہوتی تو خیال کرتے کہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس گرمی کی طرف جارہے ہو وہ کہیں زیادہ سخت ہے یہ تو وہی مثال ہوئی کہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لی جائے۔ حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ تیز ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

۹۱۔ یعنی چند روز اپنی حرکات پر خوش ہو لو اور ہنس لو۔ پھر ان کر تو توں کی سزا میں ہمیشہ کو رہنا ہے۔

۹۲۔ حضور ﷺ تبوک میں تھے اور منافقین مدینہ میں۔ ممکن تھا کہ بعض منافقین آپ ﷺ کی واپسی سے قبل مرجائیں۔ اس اِلٰی طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فرمایا۔

۹۳۔ منافقین کو جہاد میں شرکت کرنے کی ممانعت: یعنی اب اگر یہ لوگ دوسرے غزوہ میں ساتھ چلنے کی اجازت مانگیں تو فرمادیتے کہ بس! تمہاری ہمت و شجاعت کا بھانڈا پھوٹ چکا اور تمہارے دلوں کا حال پہلی مرتبہ کھل چکا نہ تم کبھی ہمارے ساتھ نکل سکتے ہو اور نہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں بہادری دکھا سکتے ہو لہذا اب تم کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں عورتوں اور بچوں اپنا بیچ اور ناتواں بڑھوں کے ساتھ گھر میں گھسے بیٹھے رہو اور جس چیز کو پہلی دفعہ تم نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے مناسب ہے کہ اسی حالت پر مرو۔ تاکہ اچھی طرح عذاب الہی کا مزہ چکھو۔

۸۴۔ اور نماز نہ پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر [۹۴] وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اسکے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان [۹۵]

وَلَا تَصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۗ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تُوَاوَوْا

وَهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۴﴾

۹۴۔ یعنی دعا و استغفار کے لئے یا اہتمام دفن کے لئے۔

۹۵۔ یہ آیت عبد اللہ بن ابی کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی جیسا کہ چند آیات پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کا جنازہ پڑھانا قطعاً ممنوع ہو گیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ احتیاطاً ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جس کی نماز میں حضرت حذیفہ شریک نہ ہوں۔ کیونکہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بہت سے منافقین کا نام بنام علم کر دیا تھا۔ اسی لئے ان کا لقب "صاحب سر رسول اللہ ﷺ" ہوا۔

۸۵۔ اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں رکھے انکو ان چیزوں کے باعث دنیا میں اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں [۹۶]

وَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۗ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ

أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۸۵﴾

۸۶۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو اسکے رسول کے ساتھ ہو کر جو تجھ سے رخصت مانگتے ہیں مقدور والے انکے اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے کہ رہ جائیں ساتھ بیٹھنے والوں کے

وَإِذَا أَنْزَلْتَ سُورَةً أَنْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ

قَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَعْدِیْنَ ﴿۸۶﴾

۸۷۔ خوش ہوئے کہ رہ جائیں پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ [۹۷] اور مہر کر دی گئی ان کے دل پر سو وہ نہیں سمجھتے [۹۸]

رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾

۸۸۔ لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ساتھ اسکے وہ لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے اور انہی کے لئے ہیں خوبیاں اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے

لَكِنَّ الرِّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾

۸۹۔ تیار کر رکھے ہیں اللہ نے انکے واسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے انکے نہریں رہا کریں ان میں یہی ہے بڑی کامیابی [۹۹]

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾

۹۶۔ چار رکوع پہلے اسی مضمون کی آیت گزر چکی اس کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۹۷۔ جہاد سے جان چرانا: یعنی قرآن کی کسی سورت میں جب تشبیہ کی جاتی ہے کہ پوری طرح خلوص و پختگی سے ایمان لاؤ۔ جس کا بڑا اثر یہ ظاہر ہونا چاہئے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہو کر خدا کے راستہ میں جہاد کریں۔ تو یہ منافقین جان چرانے لگتے ہیں اور ان میں سے استطاعت و مقدر والے بھی جھوٹے عذر تراش کر اجازت طلب کرنے آتے ہیں کہ حضرت! ہمیں تو یہیں مدینہ میں رہنے دیجئے۔ گویا کمال بے غیرتی اور نامردی سے اس پر راضی ہیں کہ لڑائی یا خطرہ کا نام سنتے ہی خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں۔ ہاں جس وقت جنگ وغیرہ کا خطرہ نہ رہے اور امن و اطمینان کا زمانہ ہو تو باتیں بنانے اور قینچی کی طرح زبان چلانے میں سب سے پیش پیش ہوتے ہیں فَاِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (الاحزاب-۱۹)۔

۹۸۔ یعنی کذب و نفاق، نکول عن الجہاد اور تخلف عن الرسول ﷺ کی شامت سے ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی کہ اب موٹے موٹے عیب نظر نہیں آتے اور انتہائی بے غیرتی و بزدلی پر بجائے شرمانے کے نازاں و فرحاں ہوتے ہیں۔

۹۹۔ مومنین کے فضائل: منافقین کے بالمقابل مومنین مخلصین کا بیان فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں خدا کے وفادار بندے۔ جو اس کے راستہ میں نہ جان سے ہٹتے ہیں نہ مال سے کیسا ہی خطرہ کا موقع ہو اسلام کی حمایت اور پیغمبر اسلام کی معیت میں ہر قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ پھر ایسوں کے لئے فلاح و کامیابی نہ ہوگی تو اور کس کے لئے ہوگی۔

۹۰۔ اور آئے بہانہ کرنے والے گنوار تاکہ انکو رخصت مل جائے اور بیٹھ رہے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ سے اور اسکے رسول سے اب پہنچے گا انکو جو کافر ہیں ان میں

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ

عذاب دردناک [۱۰۰]

## الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۰﴾

۱۰۰۔ معذروں اور قاعدوں: یعنی جس طرح مدینہ کے رہنے والوں میں منافقین بھی ہیں اور مخلصین بھی۔ اسی طرح دیہاتی گنواروں میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے یہاں دو قسموں کا ذکر فرمایا۔ مخلص دیہاتیوں کا ذکر اس رکوع کے خاتمہ پر وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ الخ میں آئے گا۔ یہاں دیہاتیوں کی جن دو جماعتوں کا ذکر ہے (معذروں اور قاعدوں) ان میں سے پہلی جماعت (معذروں) کے مصداق میں مفسرین سلف کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد جھوٹے بہانے بنانے والے منافق ہیں۔ (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے) یا سچے عذر کرنے والے مسلمان جو واقعی جہاد کی شرکت سے معذور تھے اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو آیت میں منافقین کی دو قسموں کا بیان ہو گا۔ معذروں تو وہ ہوئے جو باوجود نفاق کے محض ظاہر داری نبانے کے لئے جھوٹے حیلے بنا کر حضور ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے۔ اور قاعدوں سے وہ منافقین مراد ہوں گے جنہوں نے اول دعوائے ایمان میں جھوٹ بولا۔ پھر ظاہر داری کی بھی پروا نہیں کی۔ جہاد کا نام سن کر گھروں میں بیٹھ رہے، بالکل بے باک و بے حیا ہو کر عذر کرنے بھی نہ آئے اس تقدیر پر سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا دُونُ جَمَاعَتِهِمْ كَمَا كَانُوا سَنَ كَرَّهَرُوں میں بیٹھ رہے، بالکل بے باک و بے حیا ہو کر عذر کرنے بھی نہ آئے اس تقدیر پر سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا دُونُ جَمَاعَتِهِمْ كَمَا كَانُوا ہو گا۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ دونوں جماعتوں میں سے اپنے کفر پر اخیر تک قائم رہیں گے ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔ جن کو توبہ کی توفیق ہو جائے گی وہ اس وعدہ کے نیچے داخل نہیں۔ اور اگر معذروں سے مراد مومنین مخلصین لئے جائیں جو واقعی معذور تھے تو قاعدوں سے مراد منافقین ہوں گے۔ اور سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ کی وعید صرف ان ہی کے حق میں ہوگی۔ پہلی جماعت کا ذکر گویا قبول عذر کے طور پر ہو گا۔

۹۱۔ نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جنکے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ گناہ جبکہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ نہیں ہے نیکی والوں پر الزام کی کوئی راہ [۱۰۱] اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۰۲]

لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ مَا عَلَى الْحُسَيْنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۗ وَ

اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۱﴾

۹۲۔ اور نہ ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تاکہ تو ان کو سواری دے تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کر دوں تو اٹلے پھرے اور انکی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں [۱۰۳]

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّاتَحَبَلَهُمْ قُلَّتْ لَآ اَجِدُ مَا أَحْبَبْتُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا ۗ وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿۹۲﴾

۹۳۔ راہ الزام کی تو ان پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے اور وہ مالدار ہیں خوش ہوئے اس بات سے کہ رہ جائیں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کر دی اللہ نے انکے دلوں پر سو وہ نہیں جانتے [۱۰۴]

إِنَّا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ  
أَغْنِيَاءٌ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ  
طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

۱۰۱۔ مسلمان معذورین کا عذر: جھوٹے عذر کرنے والوں کے بعد سچے معذورین کا بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ عذر کبھی تو شخصی طور پر لازم ذات ہوتا ہے مثلاً بڑھاپے کی کمزوری جو عادتاً کسی طرح آدمی سے جدا نہیں ہو سکتی اور کبھی عارضہ ہوتا ہے پھر عارضی یا بدنی ہے جیسے بیماری وغیرہ یا مالی جیسے افلاس و فقدان اسباب سفر۔ چونکہ غزوہ تبوک میں مجاہدین کو بہت دور دراز مسافت طے کر کے پہنچنا تھا اس لئے سواری نہ ہونے کا عذر بھی معتبر و مقبول سمجھا گیا۔ جیسے آگے آتا ہے۔

۱۰۲۔ یعنی جو لوگ واقعی معذور ہیں اگر ان کے دل صاف ہوں اور خدا اور رسول کے ساتھ ٹھیک ٹھیک معاملہ رکھیں (مثلاً خود نہ جاسکتے ہوں تو جانے والوں کی ہمتیں پست نہ کریں) بلکہ اپنے مقدر کے موافق نیکی کرنے اور اخلاص کا ثبوت دینے کے لئے مستعد رہیں ان پر جہاد کی عدم شرکت سے کچھ الزام نہیں۔ ایسے مخلصین سے اگر بمقتضائے بشریت کوئی کوتاہی ہو جائے تو حق تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے توقع ہے کہ وہ درگزر فرمائے گا۔

۱۰۳۔ معذور صحابہ کا بے مثال شوق جہاد: سبحان اللہ۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت نے صحابہ کے دلوں میں عشق الہی کا وہ نشہ پیدا کیا تھا۔ جس کی مثال کسی قوم و ملت کی تاریخ میں موجود نہیں۔ مستطیع اور مقدر والے صحابہ کو دیکھو تو جان و مال سب کچھ خدا کے راستہ میں لٹانے کو تیار ہیں اور سخت سے سخت قربانی کے وقت بڑے ولولہ اور اشتیاق سے آگے بڑھتے ہیں۔ جن کو مقدر نہیں وہ اس غم میں رو رو کر جان کھوئے لیتے ہیں کہ ہم میں اتنی استطاعت کیوں نہ ہوئی کہ اس محبوب حقیقی کی راہ میں قربان ہونے کے لئے اپنے کو پیش کر سکتے۔ حدیث صحیح میں آپ نے مجاہدین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم مدینہ میں ایک ایسی قوم کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہر قدم پر تمہارے اجر میں شریک ہے تم جو قدم خدا کے راستہ میں اٹھاتے ہو یا کوئی جنگل قطع کرتے ہو یا کسی پگڈنڈی پر چلتے ہو، وہ قوم برابر ہر موقع پر تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں واقعی مجبور یوں نے تمہارے ہمراہ چلنے سے روکا۔ حسن کے ”مرسل“ میں ہے کہ یہ مضمون بیان فرما کر آپ ﷺ نے یہ ہی آیت وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا آتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ أُلْحُوتًا وَمَالِي

۱۰۴۔ یعنی باوجود قدرت و استطاعت جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اور نہایت بے حمیت سے یہ عار گوارا کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح گھر میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں۔ گناہ کی ممارست (پریکٹس) سے آدمی کا قلب ایسا مسخ اور سیاہ ہو جاتا ہے کہ اسے بھلے برے اور عیوب و ہنر کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی جب بے غیرتی کرتے کرتے کوئی شخص اس قدر پاگل ہو جائے کہ نادم و متاسف ہونے کی جگہ اس پر الٹا نازاں اور خوش ہو تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر خدائی مہر لگ چکی ہے۔ الیعاذ باللہ۔

۹۴۔ بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ بہانے مت بناؤ ہم ہر گز نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے اللہ تمہارے احوال اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کی سو وہ بتائے گا تم کو جو تم کر رہے تھے [۱۰۵]

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۗ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَأْنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۗ وَ سَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ۗ ثُمَّ تَرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۴﴾

۹۵۔ اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تاکہ ان سے درگزر کرو سو تم درگزر کرو ان سے بیشک وہ لوگ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے بدلا ان کے کاموں کا [۱۰۶]

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَتُعَرِّضُوا عَنْهُمْ ۗ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۗ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ جَزَاءً ۖ بَاطِلًا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۵﴾

۹۶۔ وہ لوگ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم راضی ہو گئے ان سے تو اللہ راضی نہیں ہوتا تا فرما ان لوگوں سے [۱۰۷]

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لَتَرْضُوا عَنْهُمْ ۗ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۹۶﴾

۱۰۵۔ منافقین کا عذر قبول نہیں: یعنی جیسے تبوک کی طرف روانہ ہونے کے وقت منافقین نے طرح طرح کے حیلے بہانے بنائے جب تم مدینہ واپس آؤ گے اس وقت بھی یہ لوگ اعذار باطلہ پیش کر کے تم کو مطمئن بنانا چاہیں گے اور قسمیں کھائیں گے کہ حضرت ہمارا قصد مصمم تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ چلیں مگر فلاں فلاں موانع و عوائق پیش آجانے کی وجہ سے مجبور رہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ جھوٹی باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تمہارے سب اعذار لغو اور بے کار ہیں۔ ہم کو حق تعالیٰ تمہارے کذب و نفاق پر مطلع کر چکا۔ پھر کس طرح ہم تمہاری لغویات کو باور کر سکتے ہیں۔ اب پچھلے قصہ کو چھوڑو آئندہ تمہارا طرز عمل دیکھا جائے گا کہ اپنے دعوے کو کہاں تک نباہتے ہو سب جھوٹ سچ ظاہر ہو کر رہے گا اور بہر حال اس عالم الغیب والشہادۃ سے تو کوئی راز اور عمل یا نیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اسی کے یہاں سب کو جانا ہے وہ جزا دینے کے وقت تمہارا ہر چھوٹا بڑا ظاہری و باطنی عمل کھول کر رکھ دے گا اور اسی کے موافق بدلہ دیا جائے گا۔

۱۰۶۔ تبوک سے واپسی کے بعد منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر جو عذر پیش کرتے تھے اس کی غرض یہ تھی کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو اپنی قسموں اور ملمع سازیوں سے راضی و مطمئن کر دیں تاکہ بارگاہ رسالت سے ان پر کوئی عتاب و ملامت اور دارو گیر نہ ہو۔ سابق کی طرح یوں ہی معاملہ ابہام میں رہے مسلمان ان سے کچھ تعرض نہ کریں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ان سے تعرض مت کرو۔ لیکن یہ اغماض و تغافل (تعرض



نہ کرنا) راضی و مطمئن ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے نہایت پلید اور شریر ہونے کے وجہ سے ہے یہ لوگ اس قدر گندے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے پاک و صاف ہونے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ لہذا اس غلاظت کی پوٹ کو دور پھینک دینا اور اس سے علیحدہ رہنا ہی بہتر ہے۔ خدا خود ان کو ٹھکانے لگا دے گا۔

۱۰۷۔ منافقین سے مسلمانوں کا معاملہ: بڑی کوشش یہ ہے کہ مکرو فریب اور کذب و دروغ سے مسلمانوں کو خوش کر لیں فرض کیجئے اگر چکنی چڑی باتوں سے مخلوق راضی ہو جائے تو کیا نفع پہنچ سکتا ہے جبکہ خدا ان سے راضی نہ ہو۔ خدا کے آگے تو کوئی چالاکی اور دغا بازی نہیں چل سکتی۔ گویا متنبہ فرما دیا کہ جس قوم سے خدا راضی نہ ہو کوئی مومن قانت کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ لہذا جھوٹی باتوں سے پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کو خوش کر لینے کا خط انہیں دماغوں سے نکال دینا چاہئے اگر ان کے ساتھ تغافل و اعراض کا معاملہ کیا گیا ہے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ مسلمان ان سے خوش اور مطمئن ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ”جس شخص کا حال معلوم ہو کہ منافق ہے اس کی طرف سے تغافل روا ہے۔ لیکن دوستی اور محبت و یگانگت روا نہیں۔“

۹۷۔ گنوار بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر [۱۰۸] اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۰۹]

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَ نِفَاقًا وَ أَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا  
حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾

۹۸۔ اور بعضے گنوار ایسے ہیں کہ شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر زمانہ کی گردشوں کا ان ہی پر آئے گردش بری اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۱۱۰]

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَ  
يَتَرَبَّصُّ بِكُمْ الدَّوَابِرَ ۗ عَلَيْهِمْ ذَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَ  
اللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾

۹۹۔ اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو نزدیک ہونا اللہ سے اور دعا یعنی رسول کی سنتا ہے وہ ان کے حق میں نزدیک ہے داخل کرے گا انکو اللہ اپنی رحمت میں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۱۱]

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ  
وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَ صَلَوَاتِ  
الرَّسُولِ ۗ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَاتٌ لَّهُمْ ۗ سَيَدْخِلُهُمُ اللَّهُ  
فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾

۱۰۸۔ اعراب منافقین کا حال: یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مومنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے تھے اب کچھ حال دیہاتی بدوؤں کا ذکر

کرتے ہیں کہ ان میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں۔ کفار، منافقین اور مخلص مسلمان چونکہ دیہاتی لوگ قدرتی طور پر عموماً تند خو اور سخت مزاج ہوتے ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا) اور مجالس علم و حکمت سے دور رہنے کی وجہ سے تہذیب و شائستگی کا اثر اور علم و عرفان کی روشنی بہت کم قبول کرتے ہیں اس لئے ان کا کفر و نفاق شہری کفار و منافقین سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ان کو ایسے مواقع دستیاب نہیں ہوتے کہ اہل علم و صلاح کی صحبت میں رہ کر دیانت و تہذیب کے وہ قانون اور قاعدے معلوم کر لیں جو خدا تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر نازل کئے۔ علم و معرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی اور مہذب بناتی ہے۔ جو لوگ اس قدر جہالت میں غرق ہیں۔ ضرور ہے کہ ان کے دل سخت ہوں اور کفر و نفاق کے جس راستے پر پڑ جائیں۔ بہائم اور درندوں کی طرح اندھا دھند بڑھے چلے جائیں۔ اعراب کی سنگدلی کا ذکر متعدد احادیث میں ہے ہر ایک حدیث میں ہے کہ کسی اعرابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ لوگ اپنے بچوں کا پیار لیتے ہیں خدا کی قسم میں نے کبھی اپنی اولاد کا پیار نہیں لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر خدا نے تیرے دل میں سے اپنی رحمت کو نکال لیا ہے۔

۱۰۹۔ اعراب منافقین کا حال: "یعنی اس کا علم بنی آدم کے تمام طبقات پر محیط ہے وہ اپنی حکمت سے ہر ایک طبقہ کے ساتھ اس کی استعداد و قابلیت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اعراب کی طبیعت میں بے حکمی غرض پرستی اور جہالت شدید ہوتی ہے سو اللہ حکمت والا ہے ان سے وہ مشکل کام بھی نہیں چاہتا اور درجے بلند بھی نہیں دیتا۔

۱۱۰۔ یعنی اعراب منافقین میں وہ لوگ بھی ہیں جنہیں اگر کسی وقت خدا کے راستے میں کچھ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے تو ایسی کراہیت سے خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی جرمانہ اور تاوان ادا کرتا ہو۔ وہ ابھی تک اس کے منتظر ہیں کہ مسلمان حوادث دہر سے کسی گردش اور آفت میں پھنس جائیں تو ہم خوب شادیاں بچائیں۔ یہ خبر نہیں کہ انہیں کی قسمت گردش میں آرہی ہے۔ اسلام تو غالب و فائق ہو کر رہے گا اور یہ منافقین سخت ذلیل و رسوا ہوں گے۔ خدا ہر ایک کی باتیں اور دعائیں سنتا ہے اور جانتا ہے کہ کون عزت و کامیابی کا اہل ہے اور کون لوگ ذلت و رسوائی کے مستحق ہیں۔

۱۱۱۔ اعراب مومنین کا بیان: یہاں قرآن کریم کی معجزانہ تاثیر اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم کا حیرت انگیز کرشمہ دکھلایا ہے کہ ان ہی درشت مزاج، سنگدل، تند خونواروں میں جو کفر و نفاق اور جہل و طغیان کی وجہ سے اس لائق ہی نہ تھی کہ خدا کے بتلائے ہوئے ادب اور قاعدے سمجھ سکیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیم اور قرآن کریم کی آواز نے ایسے عارف اور مخلص افراد پیدا کر دیے جو مبداء و معاد سب چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں خالص قرب الہی حاصل کرنے اور پیغمبر علیہ السلام کی دعائیں کی غرض سے کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ بیشک وہ اپنی امیدوں میں حق بجانب ہیں۔ یقیناً ان کو وہ چیز مل کر رہے گی جس کی نیت کی ہے (یعنی قرب الہی) اور خدا ضرور ان کو اپنی رحمت میں جگہ دے گا۔ رہی پیغمبر علیہ السلام کی دعا سے تو وہ اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص صدقہ وغیرہ لے کر حاضر ہوتا ہے تو حضور ﷺ اس کو دعائیں دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کی اس دعا کا ثمرہ بھی وہ ہی رحمت و قرب الہی ہے۔ جس کا وعدہ پہلے ہو چکا۔

۱۰۰۔ اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو انکے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہو ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے انکے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی [۱۱۳]

وَالسَّبِقُونَ الْأُولُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰۰﴾

۱۱۲۔ سابقین اولین کے فضائل: ”اعراب مومنین“ کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ زعماء و اعیان مومنین کا کچھ ذکر کیا جائے۔ یعنی جن مہاجرین نے ہجرت میں سبقت و اولیت کا شرف حاصل کیا اور جن انصار نے نصرت و اعانت میں پہل کی غرض جن لوگوں نے قبول حق اور خدمت اسلام میں جس قدر آگے بڑھ کر حصے لئے پھر جو لوگ نیکو کاری اور حسن نیت سے ان پیش روان اسلام کی پیروی کرتے رہے ان سب کو درجہ بدرجہ خدا کی خوشنودی اور حقیقی کامیابی حاصل ہو چکی۔ جیسے انہوں نے پوری خوش دلی اور انشراح قلب کے ساتھ حق تعالیٰ کے احکام تشریحی اور قضاء تکوینی کے سامنے گردنیں جھکا دیں اسی طرح خدا نے ان کو اپنی رضاء و خوشنودی کا پروانہ دے کر غیر محدود انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔ (تنبیہ) مفسرین سلف کے اقوال اَلْسَابِقُونَ الْاَوَّلُونَ کے تعین میں مختلف ہیں بعض نے کہا ہے کہ وہ مہاجرین و انصار مراد ہیں جو ہجرت سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ بعض کے نزدیک وہ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں (کعبہ و بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھی۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ بدر تک کے مسلمان ”سابقین اولین“ ہیں۔ بعض حدیبیہ تک اسلام لانے والوں کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ تمام مہاجرین و انصار اطراف کے مسلمانوں اور پیچھے آنے والی نسلوں کے اعتبار سے ”سابقین اولین“ ہیں۔ ہمارے نزدیک ان اقوال میں چنداں تعارض نہیں ”سبقت“ و ”اولیت“ اضافی چیزیں ہیں۔ ایک ہی شخص یا جماعت کسی کے اعتبار سے سابق اور دوسرے کی نسبت سے لاحق بن سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ”فائدہ“ میں اشارہ کیا۔ جو شخص یا جماعت جس درجہ میں سابق و اول ہوگی اسی قدر رضائے الہی اور حقیقی کامیابی سے حصہ پائے گی۔ کیونکہ سبقت و اولیت کی طرح رضاء و کامیابی کے بھی مدارج بہت سے ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۰۱۔ اور بعض تمہارے گرد کے گوار منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تو انکو نہیں جانتا ہم کو وہ معلوم ہیں [۱۱۳] انکو ہم عذاب دیں گے دو بار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف [۱۱۴]

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۗ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَىٰ النَّفَاقِ ۗ لَا تَعْلَمُهُمْ ۗ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۗ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ

يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾

۱۱۳۔ اہل مدینہ اور اعراب منافقین: پہلے سے دیہاتی عربوں کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ درمیان میں اعراب و مومنین کے تذکرہ سے مہاجرین و انصار کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ اب اس آیت میں خاص مدینہ اور اس کے آس پاس رہنے والوں کا بیان ہے یعنی بعض اہل مدینہ اور گرد و پیش کے رہنے والے نفاق کے خوگر ہو چکے اور اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نفاق اس قدر عریق و عمیق ہے کہ ان کے قرب مکانی اور نبی کریم ﷺ کی کمال فطانت و فراست کے باوجود آپ بھی بالنعین اور قطعی طور پر محض علامات و قرآن سے ان کے نفاق پر مطلع نہیں ہو سکتے ان کا ٹھیک ٹھیک تعین صرف خدا کے علم میں ہے۔ جس طرح عام منافقین کا پتہ چہرہ لب و لہجہ اور بات چیت سے لگ جاتا تھا۔ وَلَوْ نَشَاءُ لَكُنَّا مُرْسِلِينَ فَكَلَعْنَا مِنْهُمُ بَسِيسَهُمْ ۗ وَكَلَعْنَا مِنْهُمْ فِي لَعْنِ الْقَوْلِ (محمد۔ ۳۰) ان کا نفاق اتنا گہرا ہے کہ اس قسم کی ظاہری علامات ان کا پردہ فاش نہیں کرتیں۔

۱۱۴۔ منافقین کے لئے بڑا عذاب: بڑا عذاب دوزخ کا ہے إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (نساء۔ ۱۴۵) اس سے قبل کم از کم دو بار ضرور عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ ایک عذاب قبر دوسرا عذاب جو اسی دنیوی زندگی میں پہنچ کر رہے گا مثلاً ابن عباس کی ایک روایت کے موافق حضور ﷺ نے جمعہ کے روز ممبر پر کھڑے ہو کر تقریباً پچھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا اُحْمَرُجُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ یعنی تو منافق ہے

مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم عذاب کی تھی۔ یا پہلے اسی سورت میں گذرا کہ ان کے اموال و اولاد کو حق تعالیٰ نے ان کے حق میں عذاب بنا دیا۔ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (توبہ-۵۵) الخ یا ان میں کے بعض بھوک وغیرہ آفات ارضی و سماوی میں مبتلا ہو کر ذلت کی موت مرے یا اسلام کی ترقی و عروج کو دیکھ کر غیظ کھانا اور دانت پینا یہ بھی ان کے حق میں سواہن روح تھا۔ میرے نزدیک یہ سب قسموں کے عذاب مرتین کے احاطہ میں داخل ہیں۔ اور دو کا عدا دیا تو مطلق تعدد کے لئے ہے جیسے ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَمَا تَبَيَّنَ (الملك-۴) میں۔ اور یادو بار سے مراد نوعی اثنینیت ہے۔ یعنی عذاب قبر اور عذاب قبل الموت واللہ اعلم۔

۱۰۲۔ اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دو سرا بد قریب ہے کہ اللہ معاف کرے انکو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۱۵]

وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا  
وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ  
اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٠٢﴾

۱۰۳۔ لے انکے مال میں سے زکوٰۃ [۱۱۶] کہ پاک کرے تو انکو اور بابرکت کرے تو انکو اسکی وجہ سے اور دعا دے انکو بیشک تیری دعا ان کے لئے تسکین ہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے [۱۱۷]

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا  
وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ  
سَبِيحٌ عَلَيْهِمْ ﴿١٠٣﴾

۱۰۴۔ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوٰۃ اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے [۱۱۸]

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ  
عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ  
الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾

۱۰۵۔ اور کہہ کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان اور تم جلد لوٹائے جاؤ گے اسکے پاس جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے پھر وہ جتا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے [۱۱۹]

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ  
وَالْمُؤْمِنُونَ وَ سَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَ  
الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

۱۰۶۔ اور بعضے اور لوگ ہیں کہ انکا کام ڈھیل میں ہے حکم

وَآخِرُونَ مَرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا

## يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾

پر اللہ کے یادہ انکو عذاب دے اور یا انکو معاف کرے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿۱۰۶﴾

۱۱۵۔ تبوک میں رہ جانے والے مسلمان: اہل مدینہ میں اگر ایک طرف یہ منافقین متمردين ہیں جو اپنی شرارتوں اور جرموں کو پردہ نفاق میں چھپاتے اور ان پر سختی سے اڑے رہتے ہیں تو دوسری جانب بعض وہ مسلمان ہیں جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا و قصور سرزد ہو جائے تو نادم ہو کر بے تامل اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور برائی مخلوط (رلی ملی) ہے۔ برائی تو مثلاً یہ ہی کہ نفیر عام کے باوجود نبی کریم ﷺ کی دعوت پر غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہوئے۔ بعدہ اس غیر حاضری پر دل سے پشیمان و متاسف ہونا اور ظاہر و باطناً توبہ کرنا اور دوسرے اعمال صالح (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یا دوسرے غزوات کی شرکت وغیرہ) بجالانا یہ سب ان کی بھلائیوں کی فہرست میں داخل ہیں ایسے حضرات کو حق تعالیٰ نے معافی کی امید دلائی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ اور ان کے چند ہمراہیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو محض کسل اور تن آسانی کی وجہ سے تبوک میں حاضر نہ ہوئے۔ لیکن جب تبوک سے حضرت کی واپسی معلوم ہوئی تو غایت ندامت سے ان سب نے اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک نبی کریم ﷺ اپنے ان مجرموں کو معاف کر کے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے اسی طرح بندھے کھڑے رہیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا۔ واللہ جب تک خدا ان کے کھولنے کا حکم نہ دے میں ان کو نہیں کھول سکتا۔ آخر یہ آیات نازل ہوئیں۔ تب آپ ﷺ نے کھولا اور قبول توبہ کی بشارت دی۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کھلنے کے بعد تکمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر ہوئے کہ خدا کی راہ میں تصدق کریں اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

۱۱۶۔ صدقات کا بیان: صدقہ کا ترجمہ مترجم محقق نے زکوٰۃ کیا ہے۔ لیکن اگر لفظ صدقہ کو عام رکھا جاتا جو زکوٰۃ و صدقات نافلہ سب کو شامل ہو تو بہتر تھا۔ کیونکہ اکثر روایات کے موافق یہ آیت ان ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو بعد معافی تکمیل توبہ کے طور پر صدقہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابھی پچھلے فائدہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ہاں عموم الفاظ کو دیکھتے ہوئے حکم کو مورد نص پر مقصود رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے سلف مسئلہ زکوٰۃ میں بھی اس آیت کو پیش کرتے رہے ہیں۔

۱۱۷۔ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ یعنی اس پر مواخذہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک قسم کی روحانی کدورت و ظلمت وغیرہ جو گناہ کا طبعی اثر ہے وہ ممکن ہے باقی رہ جاتی ہو جو بالخصوص صدقہ اور عموماً حسنات کی مباشرت سے زائل ہوتی ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ گناہوں کے اثرات سے پاک و صاف کرتا اور اموال کی برکت بڑھاتا ہے۔ “زکوٰۃ کے لغوی معنی نماء یعنی بڑھنے کے ہیں” اور ایک بڑا فائدہ صدقہ کرنے میں یہ تھا کہ صدقہ کرنے والوں کو حضور ﷺ دعائیں دیتے تھے جن سے دینے والے کا دل بڑھتا اور سکون حاصل کرتا تھا۔ بلکہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت دینے والے کی اولاد در اولاد تک پہنچتی تھی اب بھی ائمہ کے نزدیک مشروع ہے کہ جو شخص صدقہ لائے امام مسلمین بحیثیت وارث نبی ہونے کے اس کے لئے دعا کرے۔ البتہ جمہور کے نزدیک لفظ “صلوٰۃ” کا استعمال نہ کرے۔ جو حضور ﷺ کا مخصوص حق تھا۔

۱۱۸۔ یعنی توبہ اور صدقات کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کس نے اخلاص قلب اور شرائط قبول کی رعایت کے ساتھ توبہ کی یا صدقہ دیا۔ چنانچہ پہلے بعضوں پر عتاب ہو چکا کہ ہمیشہ کے لئے ان کی زکوٰۃ لینی موقوف ہوئی اور منافقین کے صدقات کو مردود ٹھہرایا گیا اور ان کے حق میں دعاء و استغفار کو بھی بے سود بتلایا۔ بلکہ جنازہ پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے ان کی توبہ قبول کی اور صدقات قبول کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ حضور ﷺ ان کے حق میں (حیاً و میتاً) دعا کریں۔

۱۱۹۔ توبہ اور صدقات: یعنی توبہ وغیرہ سے گذشتہ تفصیلات معاف ہو گئیں۔ لیکن آگے دیکھا جائے گا کہ تم کہاں تک صدق و استقامت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہو۔ اس جہاد میں قصور ہو تو آئندہ اور جہاد ہوں گے۔ پیغمبر علیہ السلام کے یا خلفاء کے روبرو ان میں امتحان ہو گا کہ کیسا عمل

کرتے ہو پھر خدا کے یہاں جا کر ہر عمل کا پورا بدلہ مل جائے گا۔ کیونکہ وہ ہی تمام کھلی چھپی چیزوں اور ظاہری عمل اور باطنی نیتوں پر مطلع ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی واقع حالت کے موافق معاملہ کرے گا (آیت کی یہ تقریر حضرت شاہ صاحبؒ کے مذاق پر کی گئی ہے کیونکہ اوفق بالسائق ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۰۔ بعض متخلفین تبوک کی معافی کا معاملہ: اہل مدینہ میں سے یہاں ایک اور چھوٹی سی جماعت کا ذکر فرمایا ہے اصل یہ ہے کہ متخلفین عن تبوک (یعنی تبوک میں نہ شریک ہونے والے) تین قسم کے تھے۔ ایک منافقین جو ازراہ شک و نفاق علیحدہ رہے۔ دوسرے بعض مومنین جو محض سستی اور تن آسانی کی بدولت شریک جہاد نہ ہوئے۔ پھر ان میں دو قسمیں تھیں۔ اکثر وہ تھے جنہوں نے واپسی کی اطلاع پا کر اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ ان کا ذکر پچھلی آیات میں گذر چکا۔ صرف تین شخصوں کی جماعت وہ تھی جنہوں نے نہ اپنے کو ستونوں سے بندھوایا نہ کوئی عذر تراشا۔ بس جو واقعہ تھا اور جو قصور ہوا تھا صاف صاف بلا کم و کاست آنحضرت ﷺ کے سامنے عرض کر دیا۔ ان کے بارہ میں یہ آیت وَ اٰخِرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِذْ نازل ہوئی۔ یعنی ان کا معاملہ ابھی ڈھیل میں ہے چند روز خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ خواہ ان کو سزا دے یا معاف کرے۔ جو اس کے علم و حکمت کا اقتضاء ہو گا کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے تانزول حکم الہی ادب دینے کے لئے مسلمانوں کے تعلقات ان تینوں سے منقطع کر دیے۔ پچاس دن تک یہ ہی معاملہ رہا۔ پھر معافی ہوئی۔ ان واقعات کی اور تینوں کے ناموں کی تفصیل اگلے رکوع کے خاتمہ پر بیان ہوگی۔

۱۰۷۔ اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات لگانے کو اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اسکے رسول سے پہلے سے اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں [۱۲۱]

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۸۔ تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جسکی بنیاد دھری گئی پر ہیزگاری پر اول دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو [۱۲۲]

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لِّمَسْجِدٍ اُسِّسَ عَلٰى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۹۔ بھلا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور اسکی رضا مندی پر وہ بہتر یا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک کھائی کے جو گرنے کو ہے پھر

اَفَبَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مِّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰى شَفَا

اسکو لیکر ڈھے پڑا دوزخ کی آگ میں [۱۲۳] اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو [۱۲۴]

جُرْفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۹﴾

۱۱۰۔ ہمیشہ رہے گا اس عمارت سے جو انہوں نے بنائی تھی شبہ انکے دلوں میں مگر جب ٹکڑے ہو جائیں انکے دل کے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۲۵]

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

۱۲۱۔ مسجد ضرار اور منافقین کی سازش: پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے بظاہر ایک برا کام ہو گیا (تخلف عن الجہاد) مگر صحت اعتقاد اور اعتراف خطا کی بدولت معافی مل گئی۔ یہاں ایسی جماعت کا بیان ہے جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا (تعمیر مسجد) لیکن بد اعتقادی کی وجہ سے وبال بن گیا۔ واقعی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر آئے تو اول مدینہ سے باہر بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں فروکش ہوئے۔ پھر چند روز بعد شہر (مدینہ) میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی تعمیر کی۔ اس محلہ میں جہاں آپ ﷺ پیشتر نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کر لی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ﷺ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور بڑی فضیلت اس کی بیان فرماتے تھے۔ بعض منافقین نے چاہا کہ پہلوں کی ضد پر اسی کے قریب اور مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں۔ اپنی جماعت جدا ٹھہرائیں اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجد قبا سے ہٹا کر ادھر لے آئیں۔ فی الحقیقت اس ناپاک تجویز کا محرک اصلی ایک شخص ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج اس کے زہد و درویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے قدم میمنت لزوم سے جب مدینہ میں ایمان و عرفان کا آفتاب چمکا تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا۔ بھلا نور آفتاب کے سامنے چراغ مردہ کو کون پوچھتا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں ٹھیٹھ ملت ابراہیم لے کر آیا ہوں کہنے لگا کہ یہ میں پہلے سے اسی پر قائم ہوں۔ لیکن تم نے اپنی طرف سے ملت ابراہیمی میں اس کے خلاف چیزیں داخل کر دی ہیں۔ حضور ﷺ نے بہت زور سے اس کی تردید فرمائی۔ آخر اس کی زبان سے نکلا کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو خدا اس کو وطن سے دور کرے و تنہا غربت و بیکسی کی موت مارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”خدا ایسا ہی کرے۔ جنگ بدر کے بعد جب اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور مسلمانوں کا عروج و فروغ حاسدوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ ابو عامر کو تاب نہ رہی۔ بھاگ کر مکہ پہنچا۔ تاکفار مکہ کو حضور ﷺ کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے۔ چنانچہ معرکہ احد میں قریش کے ساتھ خود آیا۔ مبارزہ شروع ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر انصار مدینہ کو جو عہد جاہلیت میں اس کے بڑے معتقد تھے خطاب کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ احمق یہ نہ سمجھا کہ پیغمبر انہ نصرف کے سامنے اب وہ پرانا جادو کہاں چل سکتا ہے۔ آخر انصار نے جو اسے پہلے راہب کہہ کر پکارتے تھے جواب دیا کہ اوفاسق دشمن خدا تیری آنکھ کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔ کیا رسول خدا کے مقابل میں ہم تیرا ساتھ دیں گے؟ انصار کا مایوس کن جواب سن کر کچھ حواس درست ہوئے اور غیظ میں آ کر کہنے لگا کہ اے محمد! ﷺ آئندہ جو قوم بھی تیرے مقابلہ کے لئے اٹھے گی میں برابر اس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ جنگ حنین تک ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ احد میں اسی کی شرارت سے حضور ﷺ کو چشم زخم پہنچا۔ دونوں صفوں کے درمیان اس نے پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھدوا دیے تھے۔ وہیں چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا حنین کے بعد

جب ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو بھاگ کر ملک شام پہنچا اور منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار محمد ﷺ کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دے گا اور مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑے گا (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنا لو۔ جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اسلام کے خلاف ہر قسم، کے سازشی مشورے ہو سکیں۔ اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے اور میں بذات خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو یہ خبیث مقاصد تھے جن کے لئے مسجد ضرار تعمیر ہوئی اور حضور ﷺ کے روبرو بہانہ یہ کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہماری نیت بری نہیں بلکہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں ناتوانوں اور ارباب حوائج کو مسجد قبا تک جانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مسجد بنائی گئی ہے تا نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجد قبا میں تنگی مکان کی شکایت نہ رہے۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لئے موجب برکت و سعادت ہو۔ یہ اس لئے کہ حضور ﷺ کا طرز عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلمان حسن ظن کی بنا پر ان کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ ﷺ اس وقت تبوک جانے کے لئے پابہ رکاب تھے فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو وہی پر ایسا ہو سکے گا۔ جب حضور ﷺ تبوک سے واپس ہو کر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے تب جبریل یہ آیات لے کر آئے جن میں منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا گیا۔ آپ ﷺ نے مالک بن دخیل اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام ازراہ خدایع و لفریب مسجد رکھا تھا) گر کر پوند زمین بنا دو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا اس طرح منافقین اور ابو عامر فاسق کے سب ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دعا اور حضور ﷺ کی آمین کے موافق قنسرین (ملک شام) میں تنہا سخت بے کسی کی موت مرا۔ فَّقَطَعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (انعام-۳۵) آیت میں مَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

۱۲۲۔ مسجد قبا کی فضیلت: یعنی اس مسجد میں جس کی بنیاد محض، ضد، کفر و نفاق، عداوت اسلام اور مخالفت خدا اور رسول پر رکھی گئی۔ آپ ﷺ کبھی نماز کے لئے کھڑے نہ ہوں۔ آپ ﷺ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ اور پرہیز گاری پر قائم ہوئی (خواہ مسجد نبوی ہو یا مسجد قبا) اس کے نمازی گناہوں اور شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر و باطن پاک و صاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی لئے خدائے پاک ان کو محبوب رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اہل قبا سے دریافت کیا کہ تم طہارت و پاکیزگی کا کیا خاص اہتمام کرتے ہو جو حق تعالیٰ نے تمہاری تطہیر کی مدح فرمائی انہوں نے کہا کہ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں یعنی عام طہارت ظاہری و باطنی کے علاوہ وہ لوگ اس چیز کا معتاد سے زائد اہتمام رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں مسجد قبا کا ذکر ہے۔ لیکن بعض روایات صریح ہیں کہ مَسْجِدُ اَسَسَ عَلَيَّ الشَّقْوَى سے مسجد نبوی مراد ہے۔ علماء نے اس پر بہت کچھ کلام کیا ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کے متعلق اپنا ناقص خیال ظاہر کر کے روایات میں تطبیق دی ہے۔ یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں۔

۱۲۳۔ یعنی جس کام کی بنیاد تقویٰ، یقین و اخلاص اور خدا کی رضا جوئی پر ہو وہ نہایت مستحکم اور پائدار ہوتا ہے برخلاف اس کے جس کام کی بنا شک و نفاق اور مکر و خداع پر ہو، وہ اپنی ناپائنداری، بودے پن اور انجام بد کے لحاظ سے ایسا ہے جیسے کوئی عمارت ایک کھائی کے کنارہ پر کھڑی کی جائے کہ دراز زمین سر کی یا پانی کی تھپڑ کنارہ کو لگی، ساری عمارت دھڑام سے نیچے آ رہی اور آخر کار دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچی۔

۱۲۴۔ یعنی بظاہر کوئی نیک عمل بھی کریں (جیسے مسجد بنانا) ظلم و انصافی کی شامت سے بن نہیں پڑتا۔

۱۲۵۔ ربیبہ کی تفسیر: ”ربیبہ“ کا ترجمہ کیا ہے ”شبه“ جس سے مراد نفاق ہے۔ یعنی اس عمل بد کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ ان کے دلوں میں (جب تک موت انہیں پارہ پارہ نہ کر ڈالے) نفاق قائم رہے گا۔ جیسے اسی سورت میں پہلے گزر چکا فَاعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ اِلٰى يَوْمٍ يَلْقَوْنَہٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْا وَبِئْسَا كَاٰبَاتُ الْكَٰفِرِيْنَ بعض مترجمین نے ”ربیبہ“ کے معنی کئے ہیں ”کھٹلنا“ یعنی جو عمارت انہوں نے ناپاک مقاصد کے لئے بنائی



تھی مگر حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مطلع کر کے ان کے تمام پلید مقاصد کا خاتمہ کر دیا اس کا خیال ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا سا کھٹکتا رہے گا۔  
والرأح عند السلف هو الاول كما حكى ابن كثير<sup>۱۱۱</sup>

۱۱۱۔ اللہ نے خریدی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ انکے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا اسکے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے اور یہ یہی ہے بڑی کامیابی<sup>[۱۲۶]</sup>

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ق فَعَدَا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ط وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ط وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۲۔ وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے<sup>[۱۲۷]</sup> رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے<sup>[۱۲۸]</sup> اور حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو<sup>[۱۲۹]</sup>

التَّائِبُونَ الْعِبَادُونَ الْحَدِيثُونَ ط السَّابِحُونَ ط الرُّكُّوعُونَ ط السُّجِدُونَ ط الْأَمْرُونَ ط بِالْمَعْرُوفِ وَ النََّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ط

بَشِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾

۱۲۶۔ مؤمنین کی نفع بخش تجارت: اس سے زیادہ سود مند تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہوگی کہ ہماری حقیر سی جانوں اور فانی اموال کا خداوند قدوس خریدار بنا۔ ہماری جان و مال کو جو فی الحقیقت اسی کی مملوک و مخلوق ہے محض ادنیٰ ملاہست سے ہماری طرف نسبت کر کے ”بیع“ قرار دیا جو ”عقد بیع“ میں مقصود بالذات ہوتی ہے۔ اور جنت جیسے اعلیٰ ترین مقام کو اس کا ثمن بتلایا جو بیع تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں وہ نعمتیں ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر ان کی کیفیات کا خطور ہو۔ اب خیال کرو کہ جان و مال جو برائے نام ہمارے کہلاتے ہیں انہیں جنت کا ثمن نہیں بنایا نہ یہ کہا کہ حق تعالیٰ بائع اور ہم مشتری ہوتے تلافی و نوازش کی حد ہوگی کہ اس ذرا سی چیز کے (حالانکہ وہ بھی فی الحقیقت اسی کی ہے) معاوضہ میں جنت جیسی لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص کر دیا جیسا کہ ”بالجنۃ“ کی جگہ ”بأن لهم الجنة“ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے نیم جاں بستا من و صد جاں دہد۔ انچہ دروہمت نیاید آل دہد۔ پھر یہ نہیں کہ ہمارے جان و مال خرید لئے گئے تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں صرف اس قدر مطلوب ہے کہ جب موقع پیش آئے جان

و مال خدا کے راستہ میں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں۔ دینے سے بخل نہ کریں خواہ وہ لیں یا نہ لیں۔ اسی کے پاس چھوڑے رکھیں۔ اسی لئے فرمایا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ یعنی مقصود خدا کی راہ میں جان و مال حاضر کر دینا ہے بعدہ ماریں یا مارے جائیں۔ دونوں صورتوں میں عقد بیع پورا ہو گیا اور یقینی طور پر ثمن کے مستحق ٹھہر گئے۔ ممکن ہے کہ کسی کو سوسہ گذر تا کہ معاملہ تو بیشک بہت سود مند اور فائدہ بخش ہے۔ لیکن ثمن نقد نہیں ملتا۔ اس کا جواب دیا وَعَدَا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوَلَّى وَالْإِنْجِيلِ وَالنَّعْمَانِ یعنی زر ثمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے بہت تاکید و اہتمام سے پختہ دستاویز لکھ دی ہے جس کا خلاف ناممکن ہے۔ کیا خدا سے بڑھ کر صادق القول، راستباز اور وعدہ کا پکا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ لہذا اس کا ادھار بھی دوسروں کے نقد سے ہزاروں درجہ بہتر ہو گا۔ پھر مومنین کے لئے خوش ہونے اور اپنی قسمت پر نازاں ہونے کا اس سے بہتر کوئی ناموقع ہو گا کہ خود رب العزت ان کا خریدار بنے اور اس شان سے بنے۔ سچ فرمایا عبد اللہ رواح نے کہ یہ وہ بیع ہے جس کے بعد اقاتل کی کوئی صورت ہم باقی رکھنا نہیں چاہتے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے ہم ناتوانوں کو ان مومنین کے زمرہ میں محشور فرمائے۔ آمین۔

۱۲۷۔ مومنین کی صفات۔ سائحون کا مفہوم: بعض نے سائحون سے مراد روزہ دار لئے ہیں۔ کیونکہ روزہ دار کھانے پینے وغیرہ لذائذ و مرغوبات سے بے تعلق ہو کر روحانی مدارج اور ملکوتی مقامات کی سیر کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس لفظ کا مصداق مہاجرین ہیں جو گھر بار سے بے تعلق ہو کر دارالاسلام میں سکونت پذیر ہوتے ہیں۔ بعض نے مجاہدین کا ارادہ کیا ہے کہ مجاہد اپنی جان تک سے بے تعلق ہو کر خدا کے راستہ میں قربان ہونے کے لئے نکلتا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ لفظ طلبہ علوم کے لئے ہے جو وطن، کنبہ، راحت و آسائش وغیرہ سب کو خیر باد کہہ کر طلب علم کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ بہر حال مترجم محقق نے جو ترجمہ کیا اس میں ان سب اقوال کی گنجائش ہے مگر اکثر سلف کے نزدیک پہلی تفسیر مختار ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ شاید بے تعلق رہنے سے مراد یہ ہو کہ دنیا میں دل نہ لگائے۔

۱۲۸۔ یعنی خود درست ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی درست کرتے ہیں۔ گویا ان کا کام ہے عبادت حق، اور خیر خواہی۔

۱۲۹۔ یعنی نیکی بدی کی جو حدود حق تعالیٰ نے معین فرمادی ہیں ان سے تجاوز نہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ بے حکم شرع کوئی قدم نہ اٹھائے۔ یہ سب صفات ان مومنین کی ہوں گی۔ جو جان و مال سے خدا کے ہاتھ پر بک چکے ہیں۔

۱۱۳۔ لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اور اگرچہ وہ ہوں قرابت والے جب کہ کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں دوزخ والے [۱۳۰]

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا  
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا

تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سونہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا اس سے پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے بیزار ہو گیا بیشک ابراہیم بڑا نرم دل تھا تحمل کرنے والا [۱۳۱]

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ  
مَوْعِدَةٍ وَعَدَّهَا أَيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ

لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۖ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

۱۳۰۔ مشرک آباء کے لئے استغفار کی ممانعت: مومنین جب جان و مال سے خدا کے ہاتھ بچ ہو چکے تو ضروری ہے کہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں۔ اعداء اللہ سے جن کا دشمن خدا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو۔ محبت و مہربانی کا واسطہ نہ رکھیں۔ خواہ یہ دشمنان خدا ان کے ماں باپ، چچا، تایا اور خاص بھائی بند ہی کیوں نہ ہوں۔ جو خدا کا باغی اور دشمن ہے وہ اس کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔ پس جس شخص کی بابت پتہ چل جائے کہ بالیقین دوزخی ہے۔ خواہ وحی الہی کے ذریعہ سے یا اس طرح کہ علانیہ کفر و شرک پر اس کو موت آچکی ہو اس کے حق میں استغفار کرنا اور بخشش مانگنا ممنوع ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے حق میں اتری۔ اور بعض نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے چاہا کہ اپنے آباء مشرکین کے لئے جو مرچکے تھے استغفار کریں۔ اس آیت میں ان کو منع کیا گیا۔ بہر حال شان نزول کچھ ہو حکم یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے حق میں جن کا خاتمہ کفر و شرک پر معلوم ہو جائے استغفار جائز نہیں۔ (تنبیہ) حضور ﷺ کے والدین کے بارہ میں علمائے اسلام کے اقوال بہت مختلف ہیں۔ بعض نے ان کو مومن و ناجی ثابت کرنے کے لئے مستقل رسائل لکھے ہیں اور شرح حدیث نے محدثانہ متکلمانہ بحثیں کی ہیں۔ احتیاط و سلامت روی کا طریقہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ زبان بند رکھی جائے۔ اور ایسے نازک مباحث میں خوض کرنے سے احتراز کیا جائے۔ حقیقت حال کو خدا ہی جانتا ہے اور وہ ہی تمام مسائل کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔

۱۳۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار: سورہ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم کے باپ نے قبول حق سے اعراض کیا اور جد و عناد سے حضرت ابراہیم کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا تو آپ نے والدین کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا سَلِّمْ عَلَیْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ۗ إِنَّهُ كَانَ بِحَفِیَّتِیْ (مریم۔ ۴۷) یعنی میں خدا سے تیرے لئے استغفار کروں گا اس وعدہ کے موافق آپ برابر استغفار کرتے رہے۔ چنانچہ دوسری جگہ وَاعْفِرْ لِیْ فَرَمَانِیْ کی تصریح ہے اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ابراہیم ایک مشرک کی حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے۔ نہیں غرض یہ تھی کہ اس کو توفیق دے کہ حالت شرک سے نکل کر آغوش اسلام میں آجائے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ اِنَّ الْاِسْلَامَ رِیْہِدُ مَا كَانَ قَبْلَهُ اِبْرٰہِیْمُ کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں اس کا جواب حق تعالیٰ نے دیا کہ ابراہیم نے وعدہ کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لئے استغفار کیا۔ جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو ابراہیم اس سے بالکل بیزار ہو گئے اور دعا و استغفار وغیرہ ترک کر دیا۔ پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعا کرتے تھے۔ جب توبہ و رجوع کے احتمالات منقطع ہو گئے تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھالیا۔ اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں ابراہیم عرض کریں گے کہ خداوند! تیرا وعدہ ہے کہ مجھے رسوا نہ کرے گا۔ مگر اس سے زیادہ کیار سوائی ہو گی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے۔ اسی وقت ان کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضعیف (کفتار) کی سی ہو جائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے شاید یہ اس لئے ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دار و مدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی ہے پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔

۱۱۵۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جبکہ ان کو راہ پر لا چکا جب تک کھول نہ دے ان پر جس سے انکو

بچنا چاہئے بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے [۱۳۲]

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ

لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۶۔ اللہ ہی کی ہے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا کوئی نہیں اللہ کے سوا حمایتی اور نہ مددگار [۱۳۳]

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ  
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٦﴾

۱۳۲۔ اللہ کی طرف سے اتمام حجت ضرور ہوتا ہے: یعنی اتمام حجت اور اظہار حق سے پہلے خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ گمراہی یہ ہے کہ جب خدا اپنے احکام صاف کھول کر بیان کر چکا پھر امتثال نہ کیا جائے گویا اشار کر دیا کہ جو لوگ ممانعت سے قبل مشرکین کے لئے استغفار کر چکے ہیں ان پر مواخذہ نہیں۔ لیکن اب اطلاع پانے کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔

۱۳۳۔ جب اس کی سلطنت ہے تو اسی کا حکم چلانا چاہئے۔ وہ علم محیط اور قدرت کاملہ سے جو احکام نافذ کرے۔ بندوں کا کام ہے کہ بے خوف و خطر تعمیل کریں۔ کسی کی رو رعایت کو دخل نہ دیں۔ کیونکہ خدا کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں۔

۱۱۷۔ اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں [۱۳۴] بعد اسکے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا [۱۳۵]

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَ  
الْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسَاةِ مِنْ  
بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ  
عَلَيْهِمْ إِنََّّهُ بِهَمِّ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١١٧﴾

۱۱۸۔ اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا [۱۳۶] یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اس کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا [۱۳۷]

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا طَّ حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ  
عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحَبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ  
أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ط  
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ط إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ  
الرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾

۱۱۹۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے [۱۳۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُونُوا مَعَ  
الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾

۱۳۴- تبوک کے شرکاء کی فضیلت: مشکل کی گھڑی سے مراد غزوہ تبوک کا زمانہ ہے جس میں کئی طرح کی مشکلات جمع تھیں۔ سخت گرمی طویل مسافت کھجور کا موسم اس زمانہ کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلہ پر فوج کشی پھر ظاہری بے سروسامانی ایسی کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں پر تقسیم ہوتی تھی۔ اخیر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ بہت سے مجاہدین ایک ہی کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ پھر پانی کے فقدان سے اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آگئی۔ سواری کا اتنا قحط تھا کہ دس دس آدمی ایک ایک اونٹ پر اترتے چڑھتے چلے جا رہے تھے۔ یہ ہی وہ جذبہ ایثار و فدکاری تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو تمام دنیا کی قوموں پر غالب کر دیا۔ فللا الحمد والمند۔

۱۳۵- خدا کی مہربانیاں پیغمبر علیہ السلام پر بے شمار ہیں۔ اور آپ ﷺ کی برکت سے مہاجرین و انصار پر بھی حق تعالیٰ کی مخصوص توجہ اور مہربانی رہی ہے کہ ان کو ایمان و عرفان سے مشرف فرمایا۔ اتباع نبوی، جہاد فی سبیل اللہ اور عزائم امور کے سر انجام دینے کی ہمت و توفیق بخشی۔ پھر ایسے مشکل وقت میں جبکہ بعض مومنین کے قلوب بھی مشکلات اور صعوبتوں کا نجوم دیکھ کر ڈمگانے لگے تھے اور قریب تھا کہ رفاقت نبوی سے پیچھے ہٹ جائیں۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ مہربانی اور دستگیری فرمائی کہ ان کو اس قسم کے خطرات و وساوس پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور مومنین کی ہمتوں کو مضبوط اور ارادوں کو بلند کیا۔

۱۳۶- غزوہ تبوک میں رہ جانے والے تین صحابی: یہ تین شخص کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع ہیں۔ جو باوجود مومن مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کی بنا پر بدون عذر شرعی کے تبوک کی شرکت سے محروم رہے۔ جب حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو نہ انہوں نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کئے اور نہ بعض صحابہ کی طرح اپنے کو ستونوں سے باندھا۔ جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا اور اپنی کوتاہی اور تقصیر کا علانیہ اعتراف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان کے بواطن کو خدا کے سپرد کیا گیا۔ "اصحاب سواری" کی (یعنی جو مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے تھے) توبہ قبول کر لی گئی۔ اور ان تینوں کا فیصلہ تادیباً کچھ مدت کے لئے ملتوی رکھا گیا۔ پچاس دن گزرنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی پیچھے رکھے جانے کا یہ ہی مطلب ہے۔ جیسا کہ بخاری میں خود کعب بن مالک سے نقل کیا ہے۔"

۱۳۷- حضرت کعب بن مالک کا واقعہ: "ان تین میں سے حضرت کعب بن مالک نے اپنا واقعہ نہایت شرح و بسط سے عجیب موثر طرز میں بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں اس کے بعض اجزاء نقل کئے جاتے ہیں کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ تبوک کی مہم چونکہ بہت سخت اور دشوار گذر تھی حضور ﷺ نے صحابہ کو عام حکم تیاری دیا۔ لوگ مقدور و استطاعت کے موافق سامان سفر درست کرنے میں مشغول تھے۔ مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا فوراً تیار ہو کر ساتھ چلا جاؤں گا۔ کیونکہ بفضل ایزدی اس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میسر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت کے نشہ میں رہا۔ ادھر نبی کریم ﷺ نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا۔ مجھے اب بھی یہ خیال تھا کہ حضور روانہ ہو گئے تو کیا ہے اگلی منزل پر آپ سے جا ملوں گا۔ آج چلوں کل چلوں اسی امر و فرمایاں وقت نکل گیا۔ حضور ﷺ نے تبوک پہنچ کر فرمایا مَا فَعَلَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ (کعب بن مالک کو کیا ہوا) بنی سلمہ کا ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ! اس کی عیش پسندی اور اعجاب و غرور نے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ معاذ بن جبل نے کہا کہ تونے بری بات کہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ حضور ﷺ یہ گفتگو سن کر خاموش رہے۔ کعب کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تشریف بری کے بعد بہت زیادہ وحشت اس سے ہوتی تھی کہ سارے مدینہ میں پکے منافق یا معذور مسلمان کے سوا مجھے کوئی مرد نظر نہ پڑتا تھا۔ بہر حال اب دل میں طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کئے کہ آپ ﷺ کی واپسی پر فلاں عذر کر کے جان بچالوں گا۔ مگر جس وقت معلوم ہوا کہ حضور ﷺ خیر و عافیت سے واپس تشریف لے آئے دل سے سارے جھوٹ فریب محو ہو گئے اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اس بار گاہ میں

نجات دلانے والی نہیں۔ حضور ﷺ مسجد میں رونق افروز تھے اصحاب کا مجمع تھا۔ منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے کہ میں حضور ﷺ کے سامنے آیا۔ میرے سلام کرنے پر آپ ﷺ نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ ﷺ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے کو صاف بچالیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات مقدس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کر لوں تو تھوڑی دیر کے بعد خدا اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دے گا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو تھوڑی دیر کے لئے آپ ﷺ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی لیکن میں امید کرتا ہوں کہ خدا کی طرف سے اس کا انجام بہتر ہو گا۔ اور آخر کار سچ بولنا ہی مجھے خدا اور رسول کے غصہ سے نجات دلائے گا۔ یا رسول اللہ ﷺ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں جس وقت حضور ﷺ کی ہمرکابی کے شرف سے محروم ہوا اس وقت سے زیادہ فرانخی اور مقدرت کبھی مجھ کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ میں مجرم ہوں آپ ﷺ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا جاؤ اور خدائی فیصلہ کا انتظار کرو۔

تینوں صحابیوں سے معاشرتی مطالبہ: میں اٹھا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ (ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الریح) یہ دو شخص بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ ہم تینوں کے متعلق آپ ﷺ نے حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے۔ سب علیحدہ رہیں۔ چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے شب دروز گھر میں وقف گر یہ بکار رہتے تھے۔ میں ذرا سخت اور قوی تھا۔ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا۔ حضور ﷺ کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب میں حضور ﷺ کی طرف دیکھتا آپ ﷺ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز ایک شخص نے بادشاہ "غسان" کا خط مجھے دیا۔ جس میں میری مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اس کے ملک میں آجاؤں۔ وہاں میری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ میں نے پڑھ کر کہا کہ یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط میں نے نذر آتش کر دیا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد بارگاہ رسالت سے جدید حکم پہنچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں۔ چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ نہ ہو وہیں ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی تو حضور ﷺ میرا جنازہ نہ پڑھیں گے۔ اور فرض کیجئے ان دنوں میں آپ ﷺ کی وفات ہوگی تو مسلمان ہمیشہ یہ ہی معاملہ مجھ سے رکھیں گے۔ میری میت کے قریب بھی کوئی نہ آئے گا۔ غرض پچاس دن اسی حالت میں گزرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فرانخی کے تنگ تھی بلکہ عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی۔ کہ یکایک جبل سلع سے آواز آئی "یا کعب بن مالک! ابشر" (اے کعب بن مالک خوش ہو جا) میں سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ اخیر شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ قبول ہے آپ ﷺ نے بعد نماز فجر صحابہ کو مطلع فرمایا۔ ایک سوار میری طرف دوڑا کہ بشارت سنائے۔ مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے لاکارا۔ اس کی آواز سوار سے پہلے پہنچی اور میں نے اپنے بدن کے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیے۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ جوق جوق آتے اور مجھے مبارک باد دیتے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے تیری توبہ قبول فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ اس توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنا کل مال و جائداد خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب نہیں کچھ اپنے لئے روکنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے خیبر کا حصہ الگ کر کے باقی مال صدقہ کر دیا۔ چونکہ محض سچ بولنے سے مجھ کو نجات ملی تھی اس لئے عہد کیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ اس عہد

کے بعد بڑے سخت امتحانات پیش آئے۔ مگر الحمد للہ میں سچ کہنے سے کبھی نہیں ہٹا۔ اور نہ انشاء اللہ تازہ سب سے ہٹوں گا۔ یہ واقعہ ہے جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ گویا ان تینوں پر خدا کی پہلی مہربانی تو یہ ہی تھی کہ ایمان و اخلاص بخشنا نفاق سے بچایا۔ اب نئی مہربانی یہ ہوئی کہ توبہ نصوح کی توفیق دے کر پھر اپنی طرف کھینچ لیا اور کوتاہیوں کو معاف فرمادیا۔

۱۳۸۔ سچوں کی صحبت: یعنی سچوں کی صحبت رکھو اور انہی جیسے کام کرو۔ دیکھ لو یہ تین شخص سچ کی بدولت بخشے گئے اور مقبول ٹھہرے منافقین نے جھوٹ بولا اور خدا کا ڈر دل سے نکال دیا تو ”درک اسفل“ کے مستحق بنے۔

۱۲۰۔ نہ چاہئے مدینہ والوں کو اور انکے گرد کے گنواروں کو کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ کے ساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے [۱۳۹] یہ اس واسطے کہ جہاد کرنے والے نہیں پہنچتی انکو پیاس اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے کہ خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے اسکے بدلے نیک عمل پیشک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنے والوں کا [۱۴۰]

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۗ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نِيلاً إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْحَسَنِينَ ﴿١٢٠﴾

۱۲۱۔ اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا اور نہ طے کرتے ہیں کوئی میدان مگر لکھ لیا جاتا ہے انکے واسطے [۱۴۱] تاکہ بدلا دے ان کو اللہ بہتر اس کام کا جو کرتے تھے [۱۴۲]

وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾

۱۳۹۔ حضرت ابو خبیثہ کا واقعہ: ”یعنی رسول ﷺ تو تکلیفیں اٹھائیں اور ہم آرام سے بیٹھے رہیں ایسا نہیں چاہئے حدیث میں ہے کہ ابو خبیثہؓ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور ﷺ کی روانگی کے بعد باغ میں گئے وہاں خوشگوار سایہ تھا حسین و جمیل بیوی سامنے تھی اس نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کر دیا چٹائی کا فرش کیا۔ تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے اور سرد و شیریں پانی حاضر کیا۔ یہ سامان عیش دیکھ کر دفعۃً ابو خبیثہؓ کے دل میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ بولے تف ہے اس زندگی پر کہ میں تو خوش گوار سائے ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹ رہا ہوں اور خدا کا محبوب پیغمبر ایسی سخت لو اور گرمی و تشنگی کے عالم میں کوہ و بیابان طے کر رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی سواری منگائی، تلوار

حمائل کی، نیزہ سنبھالا اور حضور ﷺ کے نقش قدر پر چل نکلے۔ اونٹنی تیز ہوا کی طرح چل رہی تھی، آخر لشکر کو جا پکڑا۔ حضور ﷺ نے دور سے دیکھ کر کہ کوئی اونٹنی سوار ریت کے ٹیلے قطع کر تا چلا آ رہا ہے، فرمایا، ”کن ابا خثیمہ“ (ہو جا ابو خثیمہ) تھوڑی دیر میں سب نے دیکھ لیا کہ وہ ابو خثیمہ ہی تھے۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابة رضوا عنه۔

۱۲۰۔ یعنی باوجودیکہ ان میں سے اکثر چیزیں (مثلاً بھوک، پیاس لگنا، یا تکلیف پہنچنا) اختیاری کام نہیں ہیں، تاہم نیت جہاد کی برکت سے ان غیر اختیاری چیزوں کے مقابلہ میں اعمال صالحہ ان کی فرد حسنات میں درج کر دیے جائیں گے جن پر خدا اجر نیک مرحمت فرمائے گا۔

۱۲۱۔ خرچ کرنا یا میدان طے کرنا، خود عمل صالح اور اختیاری افعال ہیں۔ اسی لئے یہاں اَلَا كُتِبَ لَهُمْ بہ عَمَلٍ صَالِحٍ نہیں ارشاد ہوا۔ نہ علیہ بن کثیرؒ۔

۱۲۲۔ یعنی بہترین عمل کی بہترین جزا دے گا۔

۱۲۲۔ اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں [۱۳۳]

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۖ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۳۔ گذشتہ رکوعات میں ”جہاد“ میں نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت تھی۔ ممکن تھا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمانوں پر نکلنا فرض عین ہے اس آیت میں فرمادیا کہ نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے، نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان ایک دم جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں مناسب یہ ہے کہ ہر قبیلہ اور قوم میں سے ایک جماعت نکلے، باقی لوگ دوسری ضروریات میں مشغول ہوں۔ اب اگر نبی کریم ﷺ بنفس نفیس جہاد کے لئے تشریف لے جا رہے ہوں تو ہر قوم میں سے جو جماعت آپ کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہ کر اور سینکڑوں حوادث و واقعات میں سے گذر کر دین اور احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرے گی اور واپس آ کر اپنی باقی ماندہ قوم کو مزید علم و تجربہ کی بناء پر بھلے برے سے آگاہ کرے گی اور فرض کیجئے اگر حضور ﷺ خود مدینہ میں رونق افروز رہے تو باقی ماندہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور ﷺ کی خدمت سے مستفید ہو کر دین کی باتیں سیکھیں گے۔ اور مجاہدین کی غیبت میں جو وحی و معرفت کی باتیں سنیں گے ان سے واپسی کے بعد مجاہدین کو خبردار کریں گے۔ آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے اعتبار سے دونوں احتمال ہیں۔ ”کما“ فی روح المعانی ”وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”ہر قوم میں سے چاہئے بعضے لوگ پیغمبر کی صحبت میں رہیں تا علم دین سیکھیں اور پچھلوں کو سکھائیں۔ اب پیغمبر ﷺ اس دنیا میں موجود نہیں لیکن علم دین اور علماء موجود ہیں۔ طلب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد بھی فرض کفایہ ہے۔ البتہ اگر کسی وقت امام کی طرف سے نفیر عام ہو جائے تو ”فرض عین“ ہو جاتا ہے۔ تبوک میں یہ ہی صورت تھی اس لئے پیچھے رہنے والوں سے باز پرس ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ابو حیان کے نزدیک یہ آیت جہاد کے لئے نہیں، طلب علم کے بارہ میں ہے۔ جہاد اور طلب علم کی آیات میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں خرد و جہاد فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء و اعلائے دین ہے۔ ایک میں تلوار سے دوسرے میں زبان وغیرہ سے۔



۱۲۳۔ اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے [۱۳۳] اور چاہئے کہ ان پر معلوم ہو تمہارے اندر سختی [۱۳۵] اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈروالوں کے [۱۳۶]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ  
الْكَفَّارِ وَلِيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۖ وَعَلِمُوا أَنَّ

اللَّهُ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۴۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعضے ان میں کہتے ہیں کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان سو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں

وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً فَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ  
رَأَيْنَاهَا هِيَ آيَاتُنَا ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

فَرَأَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا ۖ وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾

۱۲۵۔ اور جنکے دل میں مرض ہے سو انکے لئے بڑھادی گندگی پر گندگی اور وہ مرنے تک کافر ہی رہے [۱۳۷]

وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا

إِلَى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿١٢٥﴾

۱۲۶۔ کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر برس میں ایک بار یا دو بار پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں [۱۳۸]

أَوْ لَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ

مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

۱۲۷۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو دیکھنے لگتا ہے ان میں ایک دوسرے کی طرف کہ کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی مسلمان پھر چل دیتے ہیں [۱۳۹] پھر دیے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے [۱۴۰]

وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ

هَلْ يَرَاكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۖ صَرَفَ اللَّهُ

قُلُوبَهُمْ بَأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾

۱۴۴۔ حصول علم کی ضرورت و اہمیت: "جہاد فرض کفایہ ہے جو ترتیب طبعی کے موافق اول ان کفار سے ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں بعدہ ان کے قریب رہنے والوں سے اسی طرح درجہ بدرجہ حلقہ جہاد کو وسیع کرنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے "دفاعی جہاد" میں بھی فقہاء نے یہ ہی ترتیب رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر۔ وہ کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہیں۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا۔

۱۴۵۔ دشمن کے مقابلے میں سختی: مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنان خدا اور رسول کے معاملہ میں سخت و شدید ہو۔ تاکہ اس کی نرمی اور ڈھیلا پن دیکھ کر دشمن جری نہ ہو جائے۔ اَذَلَّةً عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعْتَقَ عَلَى الْكُفْرَانِ (ماندہ۔ ۵۴) وَالَّذِينَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفح۔ ۲۹) جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ۔ ۷۳) وَفِي الْحَدِيثِ اِنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا الْفُحُوْكَ الْقَتْلَانِ

۱۴۶۔ تقویٰ غلبہ کا سبب ہے: یعنی خدا سے ڈرنے والے کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دہنے کی کوئی وجہ نہیں جب تک اور جس قدر مسلمان خدا سے ڈرتے رہے اسی وقت تک اور اسی قدر ان کو کفار پر غلبہ حاصل ہو تا رہا۔ حق تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنا ڈر پیدا کر دے۔

۱۴۷۔ مسلمانوں سے منافقین کا استہزاء: جب کوئی سورہ قرآنی نازل ہوتی تو منافقین آپس میں ایک دوسرے سے یا بعض سادہ دل مسلمانوں سے ازراہ استہزاء و تمسخر کہتے کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کس کا ایمان اس سورت نے بڑھایا۔ مطلب یہ تھا کہ (معاذ اللہ) اس سورت میں رکھا ہی کیا ہے۔ کون سے حقائق و معارف ہیں جو ایمان و یقین کی ترقی کا موجب ہوں۔ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ بیشک کلام الہی سن کر مومنین کے ایمان میں تازگی اور ترقی ہوتی ہے قلوب مسرور و منشرح ہوتے ہیں۔ ہاں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کی بیماری اور گندگی ہے ان کی بیماری و گندگی میں اضافہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ یہ بیماری ان کی جان ہی لے کر چھوڑتی ہے یا ان کے در لطافت طبعش خلاف نیست۔ درباگ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔ حضرت شاہ صاحب نے دوسری طرح آیت کی تقریر کی ہے یعنی کلام الہی جس مسلمان کے دل کے خطرہ سے موافق پڑتا وہ خوش ہو کر بول اٹھتا کہ سبحان اللہ۔ اس آیت نے میرا ایمان و یقین اور زیادہ کر دیا اسی طرح جب کسی سورت میں منافقین کے پوشیدہ عیوب ظاہر کئے جاتے، تو وہ بھی شرمندگی سے کھسیانے ہو کر کہتے کہ بیشک اس کلام نے ہمارے یقین کو بڑھادیا۔ لیکن یہ کہنا چونکہ خوشی اور انشراح سے نہ تھا، محض فرخِ خجالت کے لئے کہہ دیتے تھے اس لئے یہ توفیق نہ ہوتی تھی کہ آئندہ توبہ کر کے سچے دل سے حق کی پیروی کریں۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اپنے عیب چھپانے کی فکر و تدبیر کرتے تھے یہ ہی ہے گندگی پر گندگی۔ عیب دار کو لازم ہے کہ نصیحت سن کر اپنی اصلاح کرے نہ یہ کہ الٹا صحیح سے چھپانے لگے۔

۱۴۸۔ اللہ کی طرف سے منافقین کی آزمائش: یعنی ہر سال کم از کم ایک دو مرتبہ ان منافقین کو فتنہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ مثلاً قحط، بیماری وغیرہ کسی آفت ارضی و سماوی میں مبتلا ہوتے ہیں یا پیغمبر علیہ السلام کی زبانی ان کا نفاق علانیہ ظاہر کر کے رسوا کیا جاتا ہے یا جنگ و جہاد کے وقت ان کی بزدلی اور تیرہ باطنی بے نقاب کر دی جاتی ہے مگر وہ ایسا بے حیا اور بد باطن واقع ہوئے ہیں کہ تازیانے کھا کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے نہ پچھلی خطاؤں سے توبہ کرتے ہیں نہ آئندہ کو نصیحت پکڑتے ہیں۔

۱۴۹۔ جس وقت وحی نازل ہوتی اور منافقین مجلس میں موجود ہوتے تو کلام الہی کا سننا ان پر بہت شاق گذرتا تھا خصوصاً وہ آیات جن میں ان کے عیوب کھولے جاتے تھے۔ اس وقت ایک دوسرے کی طرف کن اکھیوں سے اشارے کرتے اور ادھر ادھر دیکھتے کہ مجلس میں کسی مسلمان نے ہم کو پر کھانا ہو۔ پھر نظر بچا کر شتاب مجلس سے کھسک جاتے تھے۔

۱۵۰۔ یعنی مجلس نبوی سے کیا پھرے۔ خدا نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کہ وہ اپنی جہل و حماقت سے ایمان و عرفان کی باتوں کو سمجھنا اور قبول کرنا نہیں چاہتے۔

۱۲۸۔ آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا [۱۵۱] بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے [۱۵۲] حریص ہے تمہارے بھلائی پر [۱۵۳] ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے [۱۵۴]

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ

رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾

۱۲۹۔ پھر بھی اگر منہ پھیریں تو کہہ دے کہ کافی ہے مجھ کو اللہ کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی مالک ہے عرش عظیم کا [۱۵۵]

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

۱۵۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات: جس کے حسب و نسب، اخلاق و اطوار اور دیانت و امانت سے تم خوب واقف ہو۔  
۱۵۲۔ جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ ان پر بہت بھاری ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے آپ یہ ہی چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو اور دنیوی و اخروی عذاب سے محفوظ رہے۔ اسی لئے جو دین آپ ﷺ لائے وہ بھی سہل اور نرم ہے۔ اور عمال کو آپ یہ ہی نصیحت فرماتے تھے۔ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا (آسانی کرو سختی مت کرو)۔

۱۵۳۔ یعنی تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ لوگ دوزخ کی طرف بھاگتے ہیں، آپ ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر ادھر سے ہٹاتے ہیں آپ کی بڑی کوشش اور آرزویہ ہے کہ خدا کے بندے اصلی بھلائی اور حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ جہاد وغیرہ کا مقصد بھی خونریزی نہیں بلکہ بحالت مجبوری سخت آپریشن کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے فاسد و مسموم اعضاء کو کاٹ کر اور خراب جراثیم کو تباہ کر کے امت کے مزاج عمومی کو صحت و اعتدال پر رکھنا ہے۔

۱۵۴۔ جب آپ تمام جہان کے اس قدر خیر خواہ ہیں تو خاص ایمانداروں کے حال پر ظاہر ہے کس قدر شفیق و مہربان ہوں گے۔  
۱۵۵۔ اس آیت کی فضیلت: گر آپ کی عظیم الشان شفقت، خیر خواہی اور دل سوزی کی لوگ قدر نہ کریں، تو کچھ پروا نہیں۔ اگر فرض کیجئے۔ ساری دنیا آپ سے منہ پھیر لے تو تنہا خدا آپ کو کافی ہے جس کے سوانہ کسی کی بندگی ہے نہ کسی پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کی سلطنت اور ”عرش عظیم“ (تخت شہنشاہی کا) مالک وہ ہی ہے۔ سب نفع و ضرر، ہدایت و ضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ فائدہ ابو داؤد میں ابو الدرداء سے روایت کی ہے کہ جو شخص صبح و شام سات سات مرتبہ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ پڑھا کرے، خدا اس کے تمام ہموم و غموم کو کافی ہو جائے گا۔ باقی عرش کی عظمت کے متعلق اگر تفصیل دیکھنا ہو تو ”روح المعانی“ زیر آیت حاضرہ ملاحظہ کیجئے۔

تم سورۃ التوبہ بفضل اللہ و حسن توفیقہ۔ اللهم تب علی واجعل لی براۃ من النار انک انت التواب الرحیم۔

آیاتها ۱۰۹

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ ۵۱

رکوعاتها ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی [۱]

الرَّ ۱۰ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾

۲۔ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ وحی بھیجی ہم نے ایک مرد پر ان میں سے یہ کہ ڈر سنا دے لوگوں کو اور خوشخبری سنا دے ایمان لانے والوں کو کہ ان کے لئے پاپیہ سچا ہے اپنے رب کے یہاں [۲] کہنے لگے منکر بیشک یہ تو جادو گر ہے صریح [۳]

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

۳۔ تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں [۴] پھر قائم ہوا عرش پر [۵] تدبیر کرتا ہے کام کی [۶] کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد [۷] وہ اللہ ہے رب تمہارا سوا سکی بندگی کرو کیا تم دھیان نہیں کرتے [۸]

اِنَّ رَبَّكُمْ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ یَدْبِرُ الْاَمْرَ ۗ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۗ ذٰلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

۴۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو [۹] وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی پیدا کرتا ہے اول بار پھر دوبارہ کرے گا اس کو تاکہ بدلا دے انکو جو ایمان لائے تھے اور کئے تھے کام نیک انصاف کے ساتھ [۱۰] اور جو کافر ہوئے ان کو پینا ہے کھولتا پانی اور عذاب ہے دردناک اس لئے کہ کفر کرتے تھے

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ۗ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا ۗ اِنَّهٗ یَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۗ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۗ بَا ۙ كَانُوْا

## يَكْفُرُونَ ﴿٣﴾

۱۔ کتاب حکیم: یہ آیتیں ایسی مضبوط و محکم کتاب کی ہیں جس کی ہر بات سچی ہے۔ الفاظ اس لئے کہ ہمیشہ تبدیل و تحریف سے محفوظ رہیں گے علم اس لئے کہ تمام عقل و حکمت کے موافق ہیں۔ احکام اس وجہ سے کہ آئندہ کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں۔ اخبار و قصص اس طرح کہ ٹھیک و ٹھیک واقع کے مطابق ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خدائے علیم و حکیم نے اس کو اپنے علم کامل کے زور سے اتارا ہے۔

۲۔ اللہ کے نزدیک مومنین کا مرتبہ: یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ انسانوں کی اصلاح و ہدایات کے لئے حق تعالیٰ ایک انسان ہی کو مامور فرمادے اور اس کی طرف وہ پیغام بھیجے جس کی دوسروں کو بلا واسطہ خبر نہ ہو وہ تمام لوگوں کو خدا کی نافرمانی کے مہلک نتائج و عواقب سے آگاہ کرے۔ اور خدا کی بات ماننے والوں کو بشارت پہنچائے کہ رب العزت کے یہاں اعمال صالح کی بدولت ان کا مرتبہ کتنا اونچا اور کیسا بلند پایہ ہے۔ اور کیسی سعادت و فلاح ازل سے ان کے لئے لکھی جا چکی ہے۔

۳۔ یعنی وحی قرآنی کو فوق العادت مؤثر و بلیغ ہونے کی وجہ سے جادو، اور اس کے لانے والے کو جادو گر کہتے ہیں۔

۴۔ چھ دن میں زمین و آسمان کی پیدائش: یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا اور ایک دن ابن عباس کی تفسیر کے موافق ایک ہزار سال کا لیا جائے گا۔ گویا چھ ہزار سال میں زمین و آسمان وغیرہ تیار ہوئے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ قادر تھا کہ آن واحد میں ساری مخلوق کو پیدا کر دیتا۔ لیکن حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کی تدریجاً پیدا کیا جائے۔ شاید بندوں کو سبق دینا ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کام سوچ سمجھ کر تائی اور متانت سے کیا کریں۔ نیز تدریجی تخلیق کی بہ نسبت دفعۃً پیدا کرنے کے اس بات کا زیادہ اظہار ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل بلا اضطراب نہیں۔ بلکہ ہر چیز کا وجود بالکل اس کی مشیت و اختیار سے وابستہ ہے جب چاہے جس طرح چاہے پیدا کرے۔

۵۔ سورہ اعراف کے ساتویں رکوع کے شروع میں اسی طرح کی آیت گزر چکی۔ اس کا فائدہ ملاحظہ کیا جائے۔

۶۔ یعنی مخلوق کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۷۔ یعنی شریک اور حصہ دار تو اس کی خدائی میں کیا ہوتا، سفارش کے لئے بھی اس کی اجازت کے بدون لب نہیں ہلا سکتا۔

۸۔ یعنی دھیان کرو کہ ایسے رب کے سوا جس کی صفات اوپر بیان ہوئیں دوسرا کون ہے جس کی بندگی اور پرستش کی جاسکے۔ پھر تم کو کیسے جرات ہوتی ہے کہ اس خالق و مالک شہنشاہ مطلق اور حکیم برحق کے پیغاموں اور پیغامبروں کو محض ادھام و ظنون کی بنا پر جھٹلانے لگو۔

۹۔ یعنی اسی سے تم سب کا آغاز ہوا اور اسی کی طرف انجام کار سب کو جانا ہے۔ پھر اس کے احکام و سفراء سے سرتابی کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی ضائع نہ ہو۔

۵۔ وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک (چمکتا) اور چاند کو چاندنا<sup>[۱۱]</sup> اور مقرر کیں اسکے لئے منزلیں<sup>[۱۲]</sup> تاکہ پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب<sup>[۱۳]</sup> یوں ہی نہیں بنایا اللہ نے یہ سب کچھ مگر تدبیر سے<sup>[۱۴]</sup> ظاہر کرتا ہے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جن کو سمجھ ہے<sup>[۱۵]</sup>

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَ الْقَمَرَ نُورًا وَ قَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَ الْحِسَابَ ۗ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ

يُقْصَلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾

۶۔ البتہ بدلنے میں رات اور دن کے اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں [۱۶]

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿٦﴾

۱۱۔ نور اور ضیاء کا فرق: بعض کے نزدیک ”نور“ عام ہے ”ضیاء“ سے۔ ”ضیاء“ خاص اس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو۔ بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد ہو، وہ ”نور“ ہے۔ سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ ”نور“ مطلق روشنی کو کہتے ہیں۔ ”ضیاء“ اور ”ضوء“ اس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے۔ سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے اس لئے ”ضیاء“ سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

۱۲۔ یعنی روزانہ بتدریج گھٹتا بڑھتا ہے۔ وَالْقَمَرَ قَدَّزْنَهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ (یس۔ ۳۹) علمائے ہیئت نے اس کے دورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں۔ جو بارہ بروج پر منقسم ہیں۔ قرآن میں خاص ان کی مصطلحات مراد نہیں مطلق سیر و مسافت کے مدارج مراد ہیں۔

۱۳۔ شمس و قمر کے بعض فوائد: یعنی برسوں کی گنتی اور مہینوں اور دنوں کے چھوٹے موٹے حساب سب چاند سورج کی رفتار سے وابستہ کر دیے ہیں۔ اگر چاند سورج نہ ہوں تو دن رات، قمری اور شمسی مہینے اور سال وغیرہ کیسے متعین ہوں۔ حالانکہ علاوہ دنیوی زندگی اور معاشی کاروبار کے بہت سے احکام شرعیہ میں بھی تعین اوقات کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ یعنی فلکیات کا سلسلہ یوں ہی کیسا اتفق نہیں۔ بلکہ بڑے عظیم الشان نظام و تدبیر کے ماتحت اور ہزار ہا فوائد و حکم پر مشتمل ہے۔

۱۵۔ یعنی سمجھ دار لوگ مصنوعات کے اس نظام کو دیکھ کر خداوند قادر و حکیم کی ہستی کا سراغ پاتے ہیں اور مادیات کے انتظام سے روحانیت کے متعلق بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ وہاں کی دنیا میں کیسے کیسے چاند سورج خدا نے پیدا کئے ہوں گے۔ انہی کو انبیاء و مرسلین کہہ لیجئے۔

۱۶۔ دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں: بلاشبہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں خدا کی ہستی اور وحدانیت کے دلائل موجود ہیں وَفِي كُلِّ شَيْءٍ آيَةٌ تِلْكَ عَلَىٰ آتِهِ وَاحِدٌ۔ سورہ بقرہ میں پارہ سيقول کے رُبع کے قریب ایک آیت گذر چکی جس میں زیادہ بسط و تفصیل سے ان نشانہائے قدرت کا بیان ہوا ہے۔

۷۔ البتہ جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانوں (قدرتوں) سے بے خبر ہیں [۱۷]

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غٰفِلُونَ ﴿٧﴾

۸۔ ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلا اس کا جو کھاتے تھے [۱۸]

أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾

۹۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے ہدایت کرے گا انکو رب ان کا ان کے ایمان سے [۱۹] بہتی ہیں ان

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ

کے نیچے نہریں باغوں میں آرام کے

رَبُّهُمْ بِأَيَّانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي

جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿٦﴾

۱۰۔ ان کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات ہے تیری  
یا اللہ [۲۰] اور ملاقات ان کی سلام [۲۱] اور خاتمہ انکی  
دعا کا اس پر کہ سب خوبی اللہ کو جو پروردگار سارے جہان  
کا [۲۲]

دَعْوُهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

سَلَامٌ وَأٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾

۷۔ اللہ کی نشانیوں سے غفلت: یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی۔ اسی چند روزہ حیات کو مقصود و معبود بنا لیا۔ اور قدرت کی جو نشانیاں اوپر بیان ہوئیں، ان میں کبھی غور و تامل نہ کیا۔ کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار نہیں بنایا گیا۔ ضرور اس سارے کارخانہ کا کوئی خاص مقصد ہو گا۔ پھر جس نے پہلی مرتبہ ایسی عجیب و غریب مخلوقات پیدا کر دی، اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

۱۸۔ یعنی دل و دماغ سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں سے، جو کچھ انہوں نے کمائی کی اس کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔

۱۹۔ یعنی ایمان کی بدولت اور اس کی روشنی میں حق تعالیٰ مومنین کو مقصد اصلی (جنت) تک پہنچائے گا۔

۲۰۔ اہل بہشت کی دعا: جنتی جنت کی نعمتوں اور خدا کے فضل و احسان کو دیکھ کر سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ پکاریں گے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگنے کی خواہش ہو گی مثلاً کوئی پرندہ یا پھل دیکھا اور ادھر رغبت ہوئی تو سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہیں گے۔ اتنا سنتے ہی فرشتے وہ چیز فوراً حاضر کر دیں گے۔ گویا یہ ہی ایک لفظ تمام دعاؤں کے قائم مقام ہو گا۔ دنیا میں بھی بڑے آدمیوں کے یہاں دستور ہے کہ مہمان اگر کسی چیز کو پسند کر کے صرف تعریف کر دے تو غیور میزبان کو شش کرتا ہے کہ وہ چیز مہمان کے لئے مہیا کرے۔

۲۱۔ اہل جنت کا سلام: جنتی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کریں گے جیسے دنیا میں مسلمانوں کا دستور ہے۔ نیز فرشتوں کا جنتیوں کو سلام کرنا، بلکہ خود خداوند رب العزت کی طرف سے تحفہ سلام کا آنا قرآن میں منصوص ہے۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ (یس۔ ۵۸) وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (الرعد ۲۴، ۲۳)۔

۲۲۔ اہل جنت کا شکر: جنت میں پہنچ کر جب دنیوی تفکرات و کدورات کا خاتمہ ہو جائے گا اور محض سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہنے پر ہر چیز حسب خواہش ملتی رہے گی تو ان کی ہر دعا کا خاتمہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر ہو گا اور طبعاً ایسا ہی ہونا چاہئے۔

۱۱۔ اور اگر جلدی پہنچا دے اللہ لوگوں کو برائی جیسے کہ جلدی مانگتے ہیں وہ بھلائی تو ختم کر دی جائے انکی عمر سوہم چھوڑے رکھتے ہیں انکو جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْجَلَهُمْ

بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجْلُهُمْ ۗ فَنذَرُ الَّذِينَ لَا

انکی شرارت میں سرگرداں [۲۳]

۱۲۔ اور جب پہنچے انسان کو تکلیف پکارے ہم کو پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا پھر جب ہم کھول دیں اس سے وہ تکلیف چلا جائے گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر اسی طرح پسند آیا ہے بیباک لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں [۲۴]

يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِبًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّ مَسَّهُ ۗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ

لِلنَّاسِ فَيَن مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور البتہ ہم ہلاک کر چکے ہیں جماعتوں کو تم سے پہلے جب ظالم ہو گئے حالانکہ لائے تھے انکے پاس رسول انکے کھلی نشانیاں اور ہر گز نہ تھے ایمان لانے والے یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگاروں کو [۲۵]

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ لَبَّا ظَلَمُوا ۗ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۗ

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْجٰرِمِينَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو [۲۶]

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال [۲۷] تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے [۲۸]

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ

لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّا بُرْءَانِ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدَّلَهُ

قُلْ مَا يَكُونُ لِيٰ أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تَلْقَائِي نَفْسِي ۚ

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ إِنِّي أَخَافُ إِنْ

عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾

۱۶۔ کہہ دے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ



اس کو تمہارے سامنے اور نہ وہ تم کو خبر کرتا اسکی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں سوچتے [۲۹]

بِهِ ۙ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمْرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۶﴾

تَعْقِلُونَ ﴿۶۶﴾

۷۱۔ پھر اس سے بڑا ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو بیشک بھلا نہیں ہوتا گنہگاروں کا [۳۰]

فَبِمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ

بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُغْفِرُ الْمَجْرِمُونَ ﴿۶۷﴾

۲۳۔ بدکاروں کے لئے اللہ کی ڈھیل: دو آیت پہلے فرمایا تھا کہ جو لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ خدا ایسے مجرموں کو دنیا میں فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ حالانکہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ کبھی بے باک و بے حیا بن کر خود اپنے اوپر جلد عذاب آنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں اللہم ان كان هذا هو الحق من عندك فأمطرنا حجارة من السماء (انفال۔ ۳۲) کبھی دنیوی حوادث سے تنگ آکر اپنے یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بد دعائیں کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہے۔ اب اگر خدا تعالیٰ ان کی درخواست و دعاء کے موافق فوراً ہاتھوں ہاتھ کوئی عذاب یا برائی اس قدر جلد ان کو پہنچا دے جتنی جلد وہ بھلائی کے پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں، تو بدی کے وبال سے ایک منٹ بھی فرصت نہ پائیں اور رشتہ حیات اسی وقت منقطع ہو جائے۔ مگر خدا کے یہاں نیکی یا بدی دونوں میں حسب مصلحت تاخیر و تحمل ہوتا ہے، تا نیک لوگ تربیت پائیں اور بدکار غفلت میں پڑے رہ کر پیمانہ شرارت لبریز کر لیں۔

۲۴۔ انسان کی بے باکی اور غفلت: یعنی انسان اول بے باکی سے خود عذاب طلب کرتا اور برائی اپنی زبان سے مانگتا ہے۔ مگر کمزور اور بودا اتنا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی، گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ جب تک مصیبت رہی کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں خدا کو پکارتا رہا۔ پھر جہاں تکلیف ہٹالی گئی، سب کہا سنا بھول گیا۔ گویا خدا سے کبھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ ہی غرور و غفلت کا نشہ، وہ ہی اکڑ فوں رہ گئی جس میں پہلے مبتلا تھا۔ حدیث میں ہے کہ تو خدا کو اپنے عیش و آرام میں یاد رکھ، خدا تجھ کو تیری سختی اور مصیبت میں یاد رکھے گا۔ مومن کی شان یہ ہے کہ کسی وقت خدا کو نہ بھولے۔ سختی پر صبر اور فریاد پر خدا کا شکر ادا کرتا رہے۔ یہ ہی وہ چیز ہے جس کی توفیق مومن کے سوا کسی کو نہیں ملتی۔

۲۵۔ انسان کی بے باکی اور غفلت: یعنی اگر ان کی درخواست کے موافق جلدی عذاب نہ آئے یا تکلیف و مصیبت آکر ٹل جائے تو بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ ظلم و شرارت اور بے ایمانی کی سزا جلد یا بدیر مل کر رہے گی۔ سنت اللہ قدیم سے یہ ہی ہے کہ جب لوگ انبیاء و مرسلین کے کھلے نشان دیکھنے کے بعد بھی ظلم و تکذیب پر کمر بستہ رہے اور کسی طرح ایمان و تسلیم کی طرف نہ جھکے تو آسمانی عذاب نے ان کو ہلاک کر ڈالا، ہمیشہ مجرموں کو کسی نہ کسی رنگ میں سزا ملتی رہی۔

۲۶۔ یعنی پہلوں کی جگہ اب تم کو زمین پر بسایا۔ تاکہ دیکھا جائے کہ تم کہاں تک خالق و مخلوق کے حقوق پہنچانتے ہو۔ اور خدا کے پیغمبروں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو۔ نیک و بد جیسے عمل کرو گے اسی کے مناسب تم سے برتاؤ کیا جائے گا۔ آگے اس معاملہ کا ذکر ہے جو قرآن کریم یا پیغمبر علیہ السلام یا خداوند قدوس کے ساتھ انہوں نے کیا۔

۲۷۔ دوسرے قرآن کا مطالبہ: قرآن کی عام پند و نصیحت تو بہت سے پسند کرتے۔ لیکن بت پرستی یا ان کے مخصوص عقائد و رسوم کا رد ہوتا تو وحشت کھاتے اور ناک بھوں چڑھا کر رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ اپنے خدا سے کہہ کر یا تو دوسرا قرآن لے آئے جس میں یہ مضامین نہ ہوں اور اگر یہ ہی قرآن رہے تو اتنے حصہ میں ترمیم کر دیجئے جو بت پرستی وغیرہ سے متعلق ہے۔ جن لوگوں نے پتھر کی مورتیوں پر خدائی

اختیارات تقسیم کر رکھے تھے ان کی ذمیت سے کچھ مستبعد نہیں کہ ایک پیغمبر کو اس طرح کے تصرفات و اختیارات کا مالک فرض کر لیں۔ یا یہ کہنا بھی محض الزام و استہزاء کے طور پر ہو گا۔ بہر حال اس کا تحقیقی جواب آگے مذکور ہے۔

۲۸۔ کفار کے مطالبے کا جواب: یعنی کسی فرشتے یا پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے کلام الہی میں ترمیم کر کے ایک شوشہ بھی تبدیل کر سکے۔ پیغمبر کا فرض یہ ہے کہ جو وحی خدا کی طرف سے آئے بلا کم و کاست اس کے حکم کے موافق چلتا رہے۔ وہ خدا کی وحی کا تابع ہوتا ہے۔ خدا اس کا تابع نہیں ہوتا کہ جیسا کلام تم چاہو، خدا کے یہاں سے لا کر پیش کر دے۔ وحی الہی میں ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف اور قطع و برید کرنا بڑی بھاری معصیت ہے۔ پھر جو معصوم بندے سب سے زیادہ خدا کا ڈر رکھتے ہیں (انبیاء علیہم السلام) وہ ایسی معصیت و نافرمانی کے قریب کہاں جاسکتے ہیں۔ اِنَّ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَّوْمٍ عَظِيْمٍ میں گویا ان بے ہودہ فرمائش کرنے والوں پر تعریض ہو گئی کہ ایسی سخت نافرمانی کرتے ہوئے تم کو بڑے دن کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

۲۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل: یعنی جو خدا چاہتا ہے وہ ہی میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے میرے ذریعہ سے تم کو خبر دار کرتا ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف چاہتا تو میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اس کی طرف منسوب کر دیتا۔ آخر میری عمر کے چالیس سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گذرے۔ اس قدر طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا میرا صدق و عفاف، امانت و دیانت وغیرہ اخلاق حسنہ تم میں ضرب المثل رہے۔ میرا امی ہونا اور کسی ظاہری معلم کے سامنے زانوئے تملذت نہ کرنا ایک معروف و مسلم واقعہ ہے۔ پھر چالیس برس تک جس نے نہ کوئی قصیدہ لکھا ہو نہ مشاعروں میں شریک ہوا ہو، نہ کبھی کتاب کھولی ہو نہ قلم ہاتھ میں لیا ہو، نہ کسی درس گاہ میں بیٹھا ہو دفعۃً ایسا کلام بنالائے جو اپنی فصاحت و بلاغت، شوکت و جزالت، جدت اسلوب اور سلاست و روایتی سے جن و انس کو عاجز کر دے۔ اس کے علوم و حقائق کے سامنے تمام دنیا کے معارف ماند پڑ جائیں۔ ایسا مکمل اور عالمگیر قانون ہدایت نوع انسان کے ہاتھوں میں پہنچائے، جس کے آگے سب پچھلے قانون ردی ہو جائیں۔ بڑی بڑی قوموں اور ملکوں کے مردہ قالب میں روح تازہ پھونک کر ابدی حیات اور نئی زندگی کا سامان بہم پہنچائے۔ یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ تم کو سوچنا چاہئے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو، کیا وہ ایک دم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند قدوس پر جھوٹ باندھنے اور افترا کرنے لگے؟ ناچار ماننا پڑے گا کہ جو کلام الہی تم کو سناتا ہوں اس کے بنانے یا پہنچانے میں مجھے اصلاً اختیار نہیں۔ خدا جو کچھ چاہتا ہے میری زبان سے تم کو سناتا ہے۔ ایک نقطہ یا زیر زبر تبدیل کرنے کا کسی مخلوق کو حق حاصل نہیں۔

۳۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل: یعنی گنہگاروں اور مجرموں کو حقیقی کامیابی اور بھلائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ ظالم و مجرم کون ہے۔ اگر (بفرض محال) میں جھوٹ بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہوں تو مجھ سا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا لیکن گذشتہ آیت میں جو دلیل بیان کی گئی، اس سے ثابت ہو چکا کہ یہ احتمال بالکل باطل ہے۔ پس جب میرا سچا ہونا ثابت ہے اور تم جہل یا عناد سے خدا کے کلام کو جھٹلا رہے ہو تو اب زمین کے پردہ پر تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔

۱۸۔ اور پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس [۳۱] تو کہہ کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اسکو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جسکو شریک کرتے ہیں [۳۲]

قُلْ أَتَنْبِئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي

الْأَرْضِ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾

۱۹۔ اور لوگ جو ہیں سو ایک ہی امت ہیں پیچھے جدا جدا ہو گئے اور اگر نہ ایک بات پہلے ہو چکتی تیرے رب کی تو فیصلہ ہو جاتا ان میں جس بات میں کہ اختلاف کر رہے ہیں [۳۳]

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۗ وَ

لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا

فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٩﴾

۲۰۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اتری اس پر ایک نشانی اس کے رب سے سو تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں [۳۴]

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ

إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا ۗ إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ

الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٨٠﴾

۳۱۔ بتوں کی سفارش کا عقیدہ: وہ معاملہ تو خدا اور پیغمبر کے ساتھ تھا۔ اب ان کی خدا پرستی کا حال سنئے کہ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے قبضہ قدرت میں نفع و ضرر کچھ بھی نہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ بیشک بڑا خدا تو ایک ہے جس نے آسمان زمین پیدا کئے، مگر ان اصنام (بتوں) وغیرہ کو خوش رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ سفارش کر کے بڑے خدا سے دنیا میں ہمارے اہم کام درست کرادیں گے اور اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہو تو وہاں بھی ہماری سفارش کریں گے باقی چھوٹے موٹے کام جو خود ان کے حدود اختیار میں ہیں ان کا تعلق تو صرف ان ہی سے ہے۔ بناء علیہ ہم کو ان کی عبادت کرنی چاہئے۔

۳۲۔ یعنی بتوں کا شفیق ہونا اور شفیق کا مستحق عبادت ہونا دونوں دعوے غلط اور بے اصل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کے علم میں وہ ہی چیز ہوگی جو واقعی ہو۔ لہذا تعلیم الہی کے خلاف ان غیر واقعی اور خود تراشیدہ اصول کو حق بجانب ثابت کرنا، گویا خدا تعالیٰ کو ایسی چیزوں کے واقعی ہونے کی خبر دینا ہے جن کا وقوع آسمان و زمین میں کہیں بھی اسے معلوم نہیں۔ یعنی کہیں ان کا وجود نہیں، ہوتا تو اس کے علم میں ضرور ہوتا۔ پھر اس سے منع کیوں کرتا۔

۳۳۔ حق کی نشانی کا مطالبہ: ممکن تھا مشرکین کہتے کہ خدا نے تمہارے دین میں منع کیا ہو گا ہمارے دین میں منع نہیں کیا۔ اس کا جواب دے دیا کہ اللہ کا دین ہمیشہ سے ایک ہے۔ اعتقادات حقہ میں کوئی فرق نہیں۔ درمیان میں جب لوگ بہک کر جدا جدا ہو گئے۔ خدا نے ان کے سمجھانے اور دین حق پر لانے کو انبیاء بھیجے۔ کسی زمانہ اور کسی ملت میں خدا نے شرک کو جائز نہیں رکھا۔ باقی لوگوں کے باہمی اختلافات کو زبردستی اس لئے نہیں مٹایا گیا کہ پہلے سے خدا کے علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ دنیا دار عمل (موقع واردات) ہے قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں۔ یہاں انسانوں کو کسب و اختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جو چاہیں راہ عمل میں اختیار کریں۔ اگر یہ بات پیشتر طے نہ

ہو چکی ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ ایک دم کر دیا جاتا۔

۳۴۔ یعنی جن نشانوں کی وہ فرمائش کرتے تھے، ان میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری جو اب کا حاصل یہ ہے کہ صداقت کے نشان پہلے بہتیرے دیکھ چکے ہو۔ فرمائشی نشان دکھانا ضروری نہیں نہ چنداں مفید ہے۔ آئندہ جو خدا کی مصلحت ہوگی وہ نشان دکھلائے گا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے کہ مستقبل میں کس شان اور نوعیت کے نشان ظاہر کرے گا۔ سو تم منتظر رہو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ ”موضح القرآن“ میں ہے یعنی اگر کہیں کہ ہم کا ہے سے جائیں کہ تمہاری بات سچ ہے، فرمایا کہ آگے دیکھو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالفت ذلیل ہوں گے۔ برباد ہو جائیں گے سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے۔ حالانکہ فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں۔

۲۱۔ اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو مزا اپنی رحمت کا بعد ایک تکلیف کے جو ان کو پہنچی تھی اسی وقت بنانے لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں حیلہ بازی تمہاری [۳۵]

وَ إِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءٍ مَّسَّتْهُمْ إِذَا لَّهُمْ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْمَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَكْرُمُونَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ وہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں اور لے کر چلیں وہ لوگوں کو اچھی ہو اسے اور خوش ہوئے اس سے آئی کشتیوں پر ہوا تند اور آئی ان پر موج ہر جگہ سے اور جان لیا انہوں نے کہ وہ گھر گئے پکارنے لگے اللہ کو خالص ہو کر اس کی بندگی میں اگر تو نے بچا لیا ہم کو اس سے تو بیشک ہم رہیں گے شکر گزار

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَ فَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَ جَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَ ظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ لَئِنِ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ پھر جب بچا دیا ان کو اللہ نے لگے شرارت کرنے اسی وقت زمین میں ناحق کی [۳۶] سنو لوگو تمہاری شرارت ہے تمہی پر نفع اٹھا لو دنیا کی زندگانی کا پھر ہمارے پاس ہے تم کو لوٹ کر آنا پھر ہم بتلا دیں گے جو کچھ کہ تم کرتے تھے [۳۷]

فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا بَعِثْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعًا الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا

مَرْجِعُكُمْ فَنَنْبِئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾

۲۳۔ دنیا کی زندگانی کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس سے سبزہ زمین کا جو کہ کھائیں آدمی اور جانور [۳۸] یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے رونق اور مزین ہو گئی اور خیال کیا زمین والوں نے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی [۳۹] ناگاہ پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یادن کو پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل یہاں نہ تھی آبادی اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانوں کو ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں [۴۰]

إِنَّا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۗ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازْبَيَّتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُونَ عَلَيْهَا ۗ أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَعْنِ بِالْأَمْسِ ۗ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۳﴾

۳۵۔ اہل مکہ کا حیلہ و فریب: اہل مکہ پر حق تعالیٰ نے سات سال کا قحط مسلط کیا۔ جب ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے آپ ﷺ کی دعا سے خدا نے سماں کو دیا قحط کی بلا دور ہوئی۔ تو پھر وہ ہی شرارتیں کرنے لگے، خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اس کی قدرت و رحمت پر نظر نہ رکھتے۔ بلکہ انعامات الہیہ کو ظاہری اسباب و حیل اور محض بے اصل خیالات و اوہام کی طرف نسبت کرنے لگتے۔ اس کا جواب دیا کہ اچھا تم خوب مکر و فریب اور حیلہ بازی کر لو۔ مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جا رہی ہیں۔ وہ سارا دفتر قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر جب تمہاری کوئی حیلہ بازی فرشتوں سے مخفی نہیں، خدا کے علم محیط سے کہاں باہر رہ سکتی ہے۔ تم اپنے مکر و حیلہ سازی پر مغرور ہو حالانکہ خدا کا جوابی مکر (تدبیر خفی) تمہارے مکر و تدبیر سے کہیں تیز اور سریع الاثر ہے وہ مجرم کی باگ اتنی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ مجرم کو نشہ غفلت میں چور ہو کر سزا کا تصور بھی نہیں آتا جب پیمانہ شقاوت لبریز ہو جاتا ہے تو دفعہ پکڑ کر ٹینٹو اباد دیتا ہے۔ لہذا عقل کو چاہئے کہ خدا کی نرمی، بردباری اور خوش کن حالات کو دیکھ کر مغرور نہ ہو، نہ معلوم نرمی کے بعد کیسی سختی آنے والی ہے۔ جیسے آگے بحری سفر کی مثال میں بیان فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے جہاں سخت گھڑی گذری اور کام بن گیا پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آ رہتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا ایک سبب کھڑا کر دے۔ اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے چنانچہ آگے دریائی سفر کی مثال میں اس کی ایک صورت بیان فرمائی۔

۳۶۔ بحری طوفان اور کفار: "یعنی ابتداء میں ہوا خوشگوار اور موافق تھی۔ مسافر ہنستے کھیلتے آرام سے چلے جا رہے تھے کہ یکایک ایک زور کا طوفانی جھکڑ چلنے لگا اور چاروں طرف سے پانی کے پہاڑ اٹھ کر کشتی (یا جہاز) سے ٹکرانے لگے۔ جب سمجھ لیا کہ ہر طرف سے موت کے منہ میں

گھرے ہوئے ہیں۔ بھاگے اور نکلنے کی کوئی سبیل نہیں، تو سارے فرضی معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو پکارنے لگے جو اصل فطرت انسانی کا تقاضا تھا ہر چیز سے مایوس ہو کر خالص خدا کی بندگی اختیار کی اور بڑے پکے عہد و پیمانہ باندھے کہ اگر اس مصیبت سے خدا نے نجات دی تو ہمیشہ اس کے شکر گزار رہیں گے۔ کوئی بات کفرانِ نعمت کی نہ کریں گے۔ لیکن جہانِ ذرا امن نصیب ہو اس حال پر قدم رکھتے ہی شرارتیں اور ملک میں اودھم مچانا شروع کر دیا، تھوڑی دیر بھی عہد پر قائم نہ رہے (تنبیہ) اس آیت میں ان مدعیانِ اسلام کے لئے بڑی عبرت ہے جو جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ: فتح مکہ کے بعد ابوجہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان نہ ہوا تھا مکہ سے بھاگ کر بحری سفر اختیار کیا۔ تھوڑی دور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا، ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ ایک خدا کو پکارو۔ یہاں تمہارے معبود کچھ کام نہ دیں گے عکرمہ نے کہا کہ یہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف محمد ﷺ ہم کو بلا تے ہیں۔ اگر دریا میں رب محمد کے بدون نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اس کی دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا! اگر تو نے اس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس ہو کر محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے اخلاق کریمہ سے میری تقصیرات کو معاف فرمائیں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳۷۔ یعنی تمہاری شرارت کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ اگر چند روز شرارتیں کر کے فرض کر دو کچھ دنیا کا نفع حاصل کر ہی لیا تو انجام کار پھر خدا کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں تمہارا سب کیا دھرا آگے آئے گا۔ خداوند رب العزت سزا دے کر بتلا دے گا کہ تمہارے کر توت کیسے تھے۔

۳۸۔ دنیا کی زندگی کی مثال: بعض نے فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْاَرْضِ کے معنی کثرت پیداوار کے لئے ہیں۔ کیونکہ جب زمین کی پیداوار زیادہ قوی ہوتی ہے تو گنجان ہو کر ایک جزء دوسرے سے مل جاتا اور لپٹ جاتا ہے بعض نے ”بیہ“ کی ”باہ“ کو مصاحبت کے لئے لے کر یہ معنی کئے ہیں کہ زمین کا سبزہ پانی کے ساتھ رل مل جاتا ہے۔ کیونکہ نباتات اجزائے مائیکہ کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں، جس طرح کھانا انسان کا جزو بدن بنتا ہے۔ ایسے ہی پانی، گویا نباتات کی غذا بنتی ہے۔ مترجم کے صنیع سے مترشح ہوتا ہے کہ اختلاط سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ زمین اور پانی کے ملنے سے جو سبزہ نکلتا ہے اس میں آدمی کی اور جانوروں کی خوراک مخلوط (رلی ملی) ہوتی ہے مثلاً گیہوں کے درخت میں دانہ ہے جو انسان کی غذا بنتی ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک ہے۔ اسی طرح درختوں میں پھل اور پتے لگتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے کھانے والے علیحدہ ہیں۔

۳۹۔ یعنی مختلف الوان و اشکال کی نباتات نے زمین کو پر رونق اور مزین کر دیا اور کھیتی وغیرہ ایسی تیار ہو گئی کہ مالکوں کو کامل بھروسہ ہو گیا کہ اب اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا وقت آ گیا ہے۔

۴۰۔ یعنی ناگہاں خدا کے حکم سے دن میں یارات میں کوئی آفت پہنچی (مثلاً بگولا آگیا، یا اولے پڑ گئے یا ٹڈی دل پہنچ گیا۔ و علیٰ ہذا القیاس) اس نے تمام زراعت کا ایسا صفایا کر ڈالا، گویا کبھی یہاں ایک تنکا بھی نہ اگا تھا۔ ٹھیک اسی طرح حیاتِ دنیا کی مثال سمجھ لو کہ خواہ کتنی ہی حسین اور تروتازہ نظر آئے۔ حتیٰ کہ بے وقوف لوگ اس کی رونق و دلربائی پر مفتوں ہو کر اصل حقیقت کو فراموش کر دیں لیکن اس کی یہ شادابی اور زینت و بہجت محض چند روزہ ہے جو بہت جلد زوال و فنا کے ہاتھوں نسیانمیا ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے۔ یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی، کالبد خاکی میں مل کر قوت پکڑی، دونوں کے ملنے سے آدمی بنا، پھر کام کئے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے۔ جب ہر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا، ناگہاں موت آپہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ پھر ایسا بے نام و نشان ہوا گویا کبھی زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا۔ (فائدہ) لَيْلًا اَوْ نَهَارًا (رات کو یا دن کو) شاید اس لئے فرمایا کہ رات کا وقت غفلت کا ہے اور دن میں لوگ عموماً بیدار ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب خدا کا حکم آپہنچے، پھر سوتا

ہو یا جاگتا، غافل ہو یا بیدار، کوئی شخص کسی حالت میں اس کو روک نہیں سکتا۔

۲۵۔ اور اللہ بلا تاہے سلامتی کے گھر کی طرف اور دکھلاتا ہے جس کو چاہے راستہ سیدھا [۳۱]

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ ۖ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ جنہوں نے کی بھلائی انکے لئے ہے بھلائی اور زیادتی [۳۲] اور نہ چڑھے گی ان کے منہ پر سیاہی اور نہ رسوائی وہ ہیں جنت والے وہ اسی میں رہا کریں گے [۳۳]

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور جنہوں نے کمائیں برائیاں بدلانے برائی کا اس کے برابر [۳۴] اور ڈھانک لے گی انکو رسوائی کوئی نہیں انکو اللہ سے بچانے والا گویا کہ ڈھانک دیے گئے انکے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے [۳۵] وہ ہیں دوزخ والے وہ اسی میں رہا کریں گے

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۖ وَتَرَهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَانَتْ أَعْيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک [۳۶] پھر تڑا دیں گے ہم آپس میں انکو اور کہیں گے ان کے شریک تم ہماری تو بندگی نہ کرتے تھے

وَيَوْمَ نَحْشُهُمْ جَبِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ ۖ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ سو اللہ کافی ہے شاہد ہمارے اور تمہارے بیچ میں ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی [۳۷]

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِيلِينَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو اس نے پہلے کیا تھا اور رجوع کریں گے اللہ کی طرف جو سچا مالک ہے ان کا اور

هٰنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ ۗ وَرُدُّوْا

جاتا ہے گانگے پاس سے جو جھوٹ باندھا کرتے تھے [۳۸]

إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمْ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا

يَفْتَرُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے [۳۹] یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا [۵۰] اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے [۵۱] اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی [۵۲] سو بول اٹھیں گے کہ اللہ تو تو کہہ پھر ڈرتے نہیں ہو

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أَمَّنْ

يَسْبِكُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُدَبِّرُ

الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر بھٹکنا سو کہاں سے لوٹے جاتے ہو [۵۳]

فَذِكْرُ اللَّهِ رَبُّكُمْ الْحَقُّ فَبَاذِبْ عَدَا الْحَقِّ إِلَّا

الضَّلُّ فَإِنِّي تَصْرَفُونَ ﴿۳۲﴾

۳۱۔ دارالسلام کی دعوت: یعنی دنیا کی زائل و فانی زندگی پر مت ریحجو۔ دارالسلام (جنت) کی طرف آؤ۔ خدا تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھاتا رہا ہے۔ وہ ہی گھر ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج و غم، پریشانی، تکلیف، نقصان، آفت اور فنا و زوال وغیرہ سے صحیح و سالم رہیں گے۔ فرشتے ان کو اسلام کریں گے خود رب العزت کی طرف سے تحفہ سلام پہنچے گا۔

۳۲۔ دیدار الہی کی نعمت: بھلے کام کرنے والوں کو وہاں بھلی جگہ ملے گی۔ (یعنی جنت) اور اس سے زیادہ بھی کچھ ملے گا۔ یعنی حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار۔ ”زیادہ“ کی تفسیر ”دیدار مبارک“ سے کی احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے اور بہت سے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا۔ ”اے اہل جنت! تمہارے لئے ایک وعدہ خدا کا باقی ہے جو اب پورا کرنا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا خدا نے اپنے فضل سے ہماری حسنت کا پلہ ہماری نہیں کر دیا۔ کیا اس نے ہمارے چہروں کو سفید اور نورانی نہیں بنایا؟ کیا اس نے ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت جیسے مقام میں نہیں پہنچایا؟ (یہ سب کچھ تو ہو چکا آگے کون سی چیز باقی رہی) اس پر حجاب اٹھا دیا جائے گا۔ اور جنتی حق تعالیٰ کی طرف نظر کریں گے۔ پس خدا کی قسم کوئی نعمت جو ان کو عطا ہوئی ہے دولت دیدار سے زیادہ محبوب نہ ہو گی نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گی۔ رزق اللہ سبحانہ و تعالیٰ بمنہ و فضلہ۔

۳۳۔ آخرت میں کفار کے چہرے: یعنی عرصات محشر میں جس طرح کفار فجار کے چہروں پر سخت ذلت و ظلمت چھائی ہو گی۔ جنتیوں کے چہرے اس کے خلاف ہوں گے۔ سیاہی اور رسوائی کیسی وہاں تو نور ہی نور اور رونق ہی رونق ہو گی۔

۳۴۔ یعنی بدی سے زائد نہ ہو گا۔ کم سزادیں یا بعض برائیوں کو بالکل معاف کر دیں ان کو اختیار ہے۔



۴۵۔ یعنی ان کے چہرے اس قدر سیاہ و تاریک ہوں گے گویا اندھیری رات کی تہیں ان پر جمادی گئی ہیں۔ (اعاذنا اللہ منہا)

۴۶۔ یعنی جن کو تم نے اپنے خیال میں خدا کے شریک ٹھہرا رکھا تھا، یا جن کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے تھے، مثلاً مسیحؑ جو نصاریٰ کے نزدیک "ابن اللہ" بلکہ "عین اللہ" تھے یا "ملائکتہ اللہ" یا "احبار" و "رہبان" کہ انہیں بھی ایک حیثیت سے خدائی کا منصب دے رکھا، یا اصنام و اوثان جن پر مشرکین نے خدائی کے اختیارات تقسیم کر رکھے تھے، سب کو حسب مراتب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہونے کا حکم ہو گا۔

۴۷۔ باطل معبودوں کی کفار سے بیزاری: یعنی اس وقت عجب افراتفری اور نفسی نفسی ہو گی۔ عابدین و معبودین میں جدائی پڑ جائے گی اور دنیا میں اپنے اوہام و خیالات کے موافق جو رشتے جوڑ رکھے تھے، سب توڑ دیے جائیں گے۔ اس ہولناک وقت میں جبکہ مشرکین کو اپنے فرضی معبودوں سے بہت کچھ توقعات تھیں، وہ صاف جواب دے دیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلق۔ تم جھوٹ بکتے ہو کہ ہماری بندگی کرتے تھے۔ (تم اپنے عقیدہ کے موافق جس چیز کو پوجتے تھے۔ اس کے لئے وہ خدائی صفات تجویز کرتے تھے، جو فی الواقع اس میں موجود نہیں تھیں۔ تو حقیقت میں وہ عبادت اور بندگی واقعی "مسیح" یا ملائکہ کی نہ ہوئی اور نہ حقیقت میں بے جان مورتوں کی پوجا تھی۔ محض اپنے خیال اور وہم یا شیطان لعین کی پرستش کو فرشتے، یا نبی یانیک انسان یا کسی تصویر وغیرہ کے نامزد کر دیتے تھے) خدا گواہ ہے کہ ہماری رضایا اذن سے تم نے یہ حرکت نہیں کی۔ ہم کو کیا خبر تھی کہ انتہائی حماقت و سفاہت سے خدا کے مقابلہ میں ہمیں معبود بنا ڈالو گے۔ (تنبیہ) یہ گفتگو اگر حضرت "مسیح" وغیرہ ذوی العقول مخلوق کی طرف سے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں۔ اور "اصنام" (بتوں) کی جانب سے ہو تو کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ مشرکین کی انتہائی مایوسی اور حسرت ناک در ماندگی کے اظہار کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے پتھر کی مورتوں کو گویا دے قَائِلًا اَنْطَقْنَا اللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (لحم السجدة-۲۱)۔

۴۸۔ یعنی جھوٹے اور بے اصل توہمات سب ر فو چکر ہو جائیں گے۔ ہر شخص بہ راى العین مشاہدہ کر لے گا کہ اس سچے مالک کے سوار جوع کرنے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اور ہر ایک انسان کو اپنے تمام برے بھلے اعمال اندازہ ہو جائے گا کہ کتنا وزن رکھتے ہیں۔

۴۹۔ آسمان کی طرف سے بارش اور حرارت شمس وغیرہ پہنچتی ہے اور زمینی مواد اس کے ساتھ ملتے ہیں تب انسان کی روزی مہیا ہوتی ہے۔

۵۰۔ یعنی ایسے عجیب و غریب مجیر العقول طریقہ سے کس نے کان اور آنکھ پیدا کی۔ پھر ان کی حفاظت کا سامان کیا۔ کون ہے جو ان تمام قوی انسانی کا حقیقی مالک ہے کہ جب چاہے عطا فرمادے اور جب چاہے چھین لے۔

۵۱۔ مثلاً "نطفہ" یا "بیضہ" سے جاندار کو، پھر جاندار سے نطفہ اور بیضہ کو نکالتا ہے۔ یاروحانی اور معنوی طور پر جو شخص یا قوم مردہ ہو چکی اس میں سے زندہ دل افراد پیدا کرتا ہے اور زندہ قوموں کے اخلاف پر ان کی بد بختی سے موت طاری کر دیتا ہے۔

۵۲۔ یعنی دنیا کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام کون کرتا ہے۔

۵۳۔ اللہ خالق و مالک اور مدبر الامور ہے: مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو ماننے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اس کے سوا اور دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو خالق کل، مالک الملک، رب مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔ اس کا اقرار کر کے کہاں الٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

۳۳۔ اسی طرح ٹھیک آئی بات تیرے رب کی ان نافرمانوں پر کہ یہ ایمان نہ لائیں گے [۵۴]

اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو پیدا کرے خلق کو پھر دوبارہ زندہ کرے تو کہہ اللہ پیدا کرتا ہے پھر اس کو دہرائے گا سو کہاں سے پلٹے جاتے ہو [۵۵]

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدُوَ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ قُلِ اللَّهُ يَبْدُوَ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ فَانِي تُوَفُّوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو راہ بتلائے صحیح تو کہہ اللہ راہ بتلاتا ہے صحیح تو اب جو کوئی راہ بتائے صحیح اسکی بات ماننی چاہئے یا اسکی جو آپ نہ پائے راہ مگر جب کوئی اور اسکو راہ بتلائے سو کیا ہو گیا تم کو کیسا انصاف کرتے ہو [۵۶]

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۗ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَبَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ ۚ فَبِأَلَيْكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور وہ اکثر چلتے ہیں محض اٹکل پر سو اٹکل کام نہیں دیتی حق بات میں کچھ بھی [۵۷] اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۗ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾

۵۴۔ یعنی اللہ نے ازل سے ان متمرّد سرکشوں کی قسمت میں ایمان نہیں لکھا۔ جس کا سبب علم الہی میں ان کی سرکشی اور نافرمانی ہے۔ اس طرح خدا کی لکھی ہوئی بات ان پر فسق و نافرمانی کی وجہ سے راست آئی۔

۵۵۔ مبداء و معاد کا اثبات: یہاں تک ”مبداء“ کا ثبوت تھا اب ”معاد“ کا ذکر ہے۔ یعنی جب اعتراف کر چکے کہ زمین، آسمان، سمع و بصر موت و حیات سب کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا وہ ہی ہے تو ظاہر ہے کہ مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور دہرا دینا بھی اسی کا فعل ہو سکتا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی زبانی جب وہ خود اس دہرانے کی خبر دیتا ہے تو اس کی تسلیم میں کیا عذر ہے۔ ”مبداء“ کا اقرار کر کے ”معاد“ کی طرف سے کہاں پلٹے جاتے ہو۔

۵۶۔ ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہے: ”مبداء“ و ”معاد“ کے بعد درمیانی وسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح اول پیدا کرنے والا اور دوبارہ جلانے والا وہ ہی خدا ہے، ایسے ہی ”معاد“ کی صحیح راہ بتلانے والا بھی کوئی دوسرا نہیں۔ خدا ہی بندوں کی صحیح اور سچی رہنمائی کر سکتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، سب اسی کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ اسی کی ہدایت و رہنمائی پر سب کو چلنا چاہیئے بت مسکین تو کس شمار میں ہیں جو کسی کی رہنمائی سے بھی چلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے مقررین (انبیاء و ملائکہ علیہم السلام) بھی برابر یہ اقرار کرتے آئے ہیں کہ خدا کی ہدایت و دستگیری کے بدون ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی رہنمائی بھی اسی لئے بندوں کے حق میں قابل قبول ہے کہ خدا بلا واسطہ ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔ پھر یہ کس قدر نا انصافی ہے کہ انسان اس ہادی مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے۔ یا مثلاً اخبار و رہبان پر

برہمنوں اور ہننتوں کی رہنمائی پر اندھا دھند چلنے لگے۔

۵۷۔ توحید کے علاوہ ہر نظریہ ظن و تخمین ہے: جب معلوم ہو چکا کہ ”مبدی“ و ”معید“ اور ہادی وہ ہی اللہ ہے تو اس کے خلاف شرک کی راہ اختیار کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کے ہاتھ میں کوئی دلیل و برہان ہے جس کی بناء پر ”توحید“ کے مسلک قوم و قدیم کو چھوڑ کر ضلالت کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے پاس سوا ظنون و اوہام اور اٹکل پچو باتوں کے کوئی چیز نہیں۔ بھلا اٹکل کے تیر حق و صداقت کی بحث میں کیا کام دے سکتے ہیں۔

۳۷۔ اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا [۵۸] اور لیکن تصدیق کرتا ہے اگلے کلام کی [۵۹] اور بیان کرتا ہے ان چیزوں کو جو تم پر لکھی گئیں جس میں کوئی شبہ نہیں پروردگار عالم کی طرف سے [۶۰]

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
وَلَكِنْ تَصَدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ  
الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ کیا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنا لیا ہے تو کہہ دے تم لے آؤ ایک ہی سورت ایسی اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو [۶۱]

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۗ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَ  
ادْعُوا مَنِ اسْتَعْظَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ  
صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا [۶۲] اور ابھی آئی نہیں اسکی حقیقت [۶۳] اسی طرح جھٹلاتے رہے ان سے اگلے سو دیکھ لے کیا ہوا انجام گنہگاروں کا

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعَلَمِهِ وَكَلَّا يَأْتِهِمْ  
تَأْوِيلُهُ ۗ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ  
فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ اور بعضے ان میں یقین کریں گے قرآن کا اور بعضے یقین نہ کریں گے اور تیرا رب خوب جانتا ہے شرارت والوں کو [۶۴]

وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۗ  
وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾

۵۸۔ قرآن اللہ کے سوا کوئی نہیں بنا سکتا: پچھلی آیات میں فرمایا تھا کہ مشرکین محض ظن و تخمین کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ پیروی کے قابل اس کی بات ہے جو صحیح راستہ بتلائے۔ اسی مناسبت سے یہاں قرآن کریم کا ذکر شروع کیا کہ آج دنیا میں وہ ہی ایک کتاب صحیح راستہ بتلانے والی اور ظنون و اوہام کے مقابلہ میں سچے حقائق پیش کرنے والی ہے۔ اس کے علوم و معارف، احکام و قوانین، اور معجزانہ فصاحت و جزالت پر نظر کر کے کہنا پڑتا ہے کہ یہ قرآن وہ کتاب نہیں جو خداوند قدوس کے سوا کوئی دوسرا شخص بنا کر پیش کر سکے۔ پورا قرآن تو بجائے خود رہا اس کی

ایک سورت کا مثل لانے سے بھی تمام جن وانس عاجز ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔

۵۹۔ قرآن کا کلام الہی ہونا اس سے ظاہر کہ وہ تمام کتب ساویہ سابقہ کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا، ان کے اصل مضامین کی حفاظت اور ان کی پیشین گوئیوں کی صداقت کا علانیہ اظہار کرتا ہے۔

۶۰۔ یعنی احکام الہیہ اور ان حقائق و معارف کو جو پچھلی کتابوں میں نہایت اجمالی طور پر مذکور تھیں کافی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب میں عاقل کے لئے شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ ایسا جامع، بلوغ، پر حکمت اور نور و صداقت سے بھر اہو اکلام رب العالمین ہی کا ہو سکتا ہے۔

۶۱۔ کفار کو قرآن کریم کا چیلنج؛ یعنی اگر میں بنالایا ہوں تو تم بھی میری طرح بشر ہو سب مل کر ایک سورت جیسی سورت بنا لاؤ۔ ساری مخلوق کو دعوت دو، جن وانس کو جمع کر لو، تمام جہان کے فصیح و بلیغ پڑھے لکھے اور ان پڑھ اکٹھے ہو کر ایک چھوٹا سا کلام قرآن کی مانند پیش کر دو تو سمجھ لیا جائے کہ قرآن بھی کسی بشر کا کلام ہے۔ جس کا مثل دوسرے لوگ لاسکتے ہیں۔ مگر محال ہے کہ ابد الابد تک کوئی مخلوق ایسا حوصلہ کر سکے۔

قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس میں تہذیب اخلاق، تمدن و معاشرت، حکومت و سیاست، معرفت و روحانیت، تزکیہ نفوس، تنویر قلوب، غرضیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیہ خلافت کے وہ تمام قوانین و طریق موجود ہیں، جن سے آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے۔ اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و ہدایات کا تکفل کرنے کے ساتھ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و موثر اور دلربا طرز بیان، دریا کا سا متوج، سہل ممنوع سلاست و روانی آسالیب کلام کا تقضن اور اس کی لذت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شکوہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑے زور شور اور بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے۔

جس وقت قرآن کے جمال جہاں آراء نے غیب کی نقاب الٹی اور اولاد آدم کو اپنے سے روشناس کیا، اس کا برابر یہ ہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے، اسی طرح خدا کے قرآن ایسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ سازشیں کریں گے، مگر گانٹھیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مریں گے، اپنی مدد کے لئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے، کوئی حیلہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اٹھانہ رکھیں گے۔ اپنے کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے سارے مصائب و دواہی کا تکل ان کے لئے ممکن ہو گا مگر قرآن کی چھوٹی سی سورت کا مثل لانا ممکن نہ ہو گا۔ ”قُلْ لِّیْنَ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ کُوْنُوْا مِنْهُمْ لِبَعْضٍ ظٰہِرِیْنَ (بنی اسرائیل-۸۸) اس مسئلہ پر ہم نے ”عجاز القرآن“ کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جسے شوق ہو ملاحظہ کر لے۔

۶۲۔ قرآن کی تکذیب محض نافرمانی اور تعصب کی وجہ سے ہے: یعنی قرآن کو ”مفتری“ کہنا سمجھ کر نہیں، محض جہل و سفاہت اور قلت تدبر سے ہے۔ تعصب و عناد انہیں اجازت نہیں دیتا کہ ٹھنڈے دل سے قرآن کے حقائق اور وجوہ اعجاز میں غور کریں۔ بد فہمی یا قوی فکر یہ کے ٹھک استعمال نہ کرنے کی وجہ سے جب قرآن پاک کے دلائل و عجائب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، تو جھٹلانا شروع کر دیا۔

۶۳۔ بعض مفسرین نے ”تاویل“ کے معنی ”تفسیر“ کے لئے ہیں۔ یعنی مطالب قرآن ان کے دماغ میں نہیں اترے اور بعض نے قرآنی پیش گوئیاں مراد لی ہیں۔ یعنی تکذیب کی ایک وجہ بعض سادہ لوحوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ مستقبل کے متعلق قرآن نے جو خبریں دی ہیں، ان کے وقوع کا ابھی وقت نہیں آیا۔ لہذا وہ منتظر ہیں کہ ان کا ظہور کب ہوتا ہے۔ مگر سوچنا چاہئے کہ یہ وجہ تکذیب کی کیسے ہو سکتی ہے؟ زائد از زائد توقف کی وجہ ہو تو ہو۔

۶۴۔ یعنی آگے چل کر ان میں کچھ لوگ مسلمان ہونے والے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر جو باقی لوگ شرارت پر قائم رہیں گے، خدا سب کو خوب جانتا

ہے موقع پر مناسب سزا دے گا۔

۴۱۔ اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو کہہ میرے لئے میرا کام اور تمہارے لئے تمہارا کام تم پر ذمہ نہیں میرے کام کا اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو [۶۵]

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلكُمْ عَمَلِكُمْ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٦٥﴾

۴۲۔ اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں تیری طرف کیا تو سنائے گا بہروں کو اگرچہ ان کو سمجھ نہ ہو

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَعْبُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسَبِّعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٦﴾

۴۳۔ اور بعضے ان میں نگاہ کرتے ہیں تیری طرف کیا تو راہ دکھائے گا اندھوں کو اگرچہ وہ سوچ نہ رکھتے ہوں [۶۶]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾

۴۴۔ اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ بھی لیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں [۶۷]

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٦٧﴾

۶۵۔ آنحضرت کو کفار سے بیزاری کا حکم: یعنی اگر ایسے دلائل و براہین سننے کے بعد بھی یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجئے کہ ہم اپنا فرض ادا کر چکے، تم سمجھانے پر نہیں مانتے تو اب میرا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو میں اپنے عمل کا۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا ثمرہ مل کر رہے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ (معاذ اللہ) ”اگر اللہ کا حکم غلط پہنچاؤں تو میں گنہگار ہوں، اور میں سچ لاؤں تم نہ مانو تو گناہ تم پر ہے۔ بہر حال ماننے میں کسی طرح تمہارا نقصان نہیں۔“

۶۶۔ کفار اندھے اور بے عقل ہیں: بعض لوگ بظاہر قرآن شریف اور آپ کا کلام مبارک سنتے ہیں اور آپ کے معجزات و کمالات دیکھتے ہیں مگر دیکھنا سننا وہ نافع ہے جو دل کے کانوں اور دل کی آنکھوں سے ہو۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں کہ آپ دل کے بہروں کو اپنی بات سنا دیں بحالیکہ وہ سخت بہرہ پن کی وجہ سے قطعاً کسی کلام کو نہ سمجھ سکتے ہوں یا دل کے اندھوں کو راہ حق دکھلا دیں جبکہ انہیں کچھ بھی نہ سوچتا ہو۔ ”موضح القرآن“ میں ہے۔ ”یعنی کان رکھتے ہیں یا نگاہ کرتے ہیں اس توقع پر کہ آپ ہمارے دل پر تصرف کر دیں جیسا بعضوں پر ہو گیا، سو یہ بات اللہ کے ہاتھ ہے؛ بعض مفسرین نے لَا يَعْقِلُونَ سے مطلق عقل کی اور لَا يُبْصِرُونَ سے بصیرت کی نفی مراد لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے اندھے بہرے جو علاوہ سننے اور نہ دیکھنے کے ہر قسم کی سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔ ان کو آپ کس طرح سنا اور دکھا کر منوا سکتے ہیں۔“

۶۷۔ یعنی جن کے دل میں اثر نہیں ہوتا یہ ان ہی کی تفسیر ہے۔ خود اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے انہوں نے قوائے ادر اکیہ کو تباہ کر لیا ہے۔ ورنہ اصل فطرت سے ہر آدمی کو خدا نے سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد بخشی ہے۔

۴۵۔ اور جس دن انکو جمع کرے گا گویا وہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی دن [۶۸] ایک دوسرے کو پہچانیں گے [۶۹] بیشک خسارے میں پڑے جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو اور نہ آئے وہ راہ پر [۷۰]

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۗ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۳۵﴾

۴۶۔ اور اگر ہم دکھائیں گے تجھ کو کوئی چیز ان وعدوں میں سے جو کئے ہیں ہم نے ان سے یا وفات دیں تجھ کو سو ہماری ہی طرف ہے ان کو لوٹنا پھر اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو کرتے ہیں [۷۱]

وَأَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾

۴۷۔ اور ہر فرقہ کا ایک رسول ہے پھر جب پہنچانکے پاس رسول ان کا فیصلہ ہو ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں ہوتا [۷۲]

وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

۴۸۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۷۳]

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾

۴۹۔ تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے برے کا نہ بھلے کا مگر جو چاہے اللہ ہر فرقہ کا ایک وعدہ ہے جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے [۷۴]

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر آپہنچے تم پر عذاب اس کاراتوں رات یا دن کو تو کیا کر لیں گے اس سے پہلے گنہگار [۷۵]

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْجُرْمُونَ ﴿۴۰﴾

۵۱۔ کیا پھر جب عذاب واقع ہو چکے گا تب اس پر یقین کرو گے اب قائل ہوئے اور تم اسی کا تقاضا کرتے

أَتُمْ إِذَا مَا وَقَعَ آمْنْتُمْ بِهِ ۗ آلَئِنَّ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهِ

تھے [۷۶]

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ پھر کہیں گے گنہگاروں کو پکھتے رہو عذاب ہیٹنگی کا وہی بدلاتا ہے جو کچھ کماتے تھے [۷۷]

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

هَلْ تَجْزُونَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ اور تجھ سے خبر پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات تو کہہ البتہ قسم میرے رب کی یہ سچ ہے اور تم تھکانہ سکو گے [۷۸]

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ

لَحَقُّ ۗ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۳﴾

۵۴۔ اور اگر ہو ہر شخص گنہگار کے پاس جتنا کچھ ہے زمین میں البتہ دے ڈالے اپنے بدلے میں [۷۹] اور چھپے چھپے پکھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب اور ان میں فیصلہ ہو گا انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہو گا [۸۰]

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ

بِهِ ۗ وَأَسْرَأُ وَالنَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ

بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾

۵۵۔ سن رکھو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سن رکھو وعدہ اللہ کا سچ ہے [۸۱] پر بہت لوگ نہیں جانتے [۸۲]

الْآنَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَلَا إِنَّ وَعْدَ

اللَّهِ حَقٌّ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾

۵۶۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے [۸۳]

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۶﴾

۶۸۔ دنیوی زندگی کی حقیقت: یعنی محشر کے ہولناک احوال و حوادث کو دیکھ کر عمر بھر کا عیش و آرام اس قدر حقیر و قلیل نظر آئے گا گویا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرے ہی نہ تھے۔ اور افسوس کریں گے کہ ساری عمر کیسی فضول اور بے کار گذری، جیسے آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ یوں ہی گپ شپ میں بیکار گزار دیتا ہے۔ نیز وہاں کی زہرہ گداز مصائب کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ گویا دنیا میں کچھ مدت قیام ہی نہ ہو جو یہ وقت آ لیا۔ گھڑی دو گھڑی ٹھہرے اور یہاں آ پھنسے۔ کاش وہاں کی مدت قیام کچھ طویل ہوتی تو یہ دن اس قدر جلد نہ دیکھنا پڑتا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ برزخ (قبر) میں ٹھہرنے کی مدت کو ایک گھڑی کے برابر سمجھیں گے۔ واللہ اعلم۔

۶۹۔ مگر کچھ مدد نہ کر سکیں گے۔ نفسی نفسی پڑی ہو گی۔ بھائی بھائی کے اور بیٹا باپ کے کام نہ آئے گا۔ فَلَا أُنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ ۚ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (المومنون۔ ۱۰۱) يَوْمَ يَفْعَلُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۚ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۚ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (عس۔ ۳۶، ۳۵، ۳۴)

۷۰۔ باقی جنہوں نے لقاء اللہ کی تصدیق کی اور سیدھی راہ پر چلے وہ سراسر فائدہ میں ہیں۔

۷۱۔ آنحضرت سے کئے گئے وعدوں کا ایفاء: یعنی ہم نے کفار کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب و منصور کرنے کے جو وعدے کئے ہیں، خواہ ان میں سے بعض وعدے کسی حد تک آپ کی موجودگی میں پورے کر کے دکھادیے جائیں، جیسے ”بدر“ وغیرہ میں دکھلادیا۔ یا آپ کی وفات ہو جائے۔ اس لئے آپ کے سامنے ان میں سے بعض کا ظہور نہ ہو۔ بہر صورت یہ یقین ہے کہ وہ سب پورے ہو کر رہیں گے۔ اگر کسی مصلحت سے دنیا میں ان کفار کو مزائد دی گئی تو آخرت میں ملے گی۔ ہم سے بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور ان کے تمام اعمال ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ غلبہ اسلام کچھ حضرت کے روبرو ہوا اور باقی آپ کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے۔ گویا تَوَفَّيْتَنكَ میں اس طرف اشارہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۲۔ ہر امت کے لئے رسول بھیجا گیا: پہلے اس امت اور اس کے رسول اکرم ﷺ کا ذکر تھا۔ اب عام اقوام و امم کا ضابطہ بتلاتے ہیں کہ ہر جماعت اور ہر فرقہ کے پاس خدا کے احکام پہنچانے والے بھیجے گئے ہیں جن کو ”رسول“ کہتے۔ تاکہ خدا کی حجت تمام ہو اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ لوگ عمل پہلے سے کرتے ہیں۔ مگر دنیا میں ان کو سزا رسول پہنچنے اور حجت تمام کرنے کے بعد دی جاتی ہے خدا کے یہاں یہ ظلم اور اندھیر نہیں کہ بدون پیشتر سے آگاہ کرنے اور ملزم ثابت ہونے کے مجرموں کو فیصلہ سنا دیا جائے۔ قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہوگی، فرد جرم لگائیں گے، گواہ پیش ہوں گے، ہر قوم کے ساتھ ان کے پیغمبر موجود ہوں گے ان کے بیانات وغیرہ کے بعد نہایت انصاف سے فیصلہ ہوگا۔ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَتْ بِالسَّابِقِ وَالشَّاهِدِ وَالْقَضَىٰ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (الزمر-۶۹) مجاہد وغیرہ نے آیت کو قیامت کے احوال پر حمل کیا ہے۔

۷۳۔ یعنی عذاب آنے کی جو دھمکیاں دیتے ہو محض جھوٹ اور بے اصل ہیں۔ اگر واقعی تم سچے ہو تو لے کیوں نہیں آتے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

۷۴۔ یعنی عذاب وغیرہ بھیجنا خدا کا کام ہے، میرے قبضہ اور اختیار میں نہیں۔ میں خود اپنے نفع نقصان کا صرف اسی قدر مالک ہوں جتنا اللہ چاہے۔ پھر دوسروں پر کوئی بھلائی برائی وارد کرنے کا مستقل اختیار مجھے کہاں سے ہوتا۔ ہر قوم کی ایک مدت اور میعاد خدا کے علم میں مقرر ہے۔ جب میعاد پوری ہو کر اس کا وقت پہنچ جائے گا۔ ایک سیکنڈ کا تخلف نہ ہو سکے گا۔ غرض عذاب کے لئے جلدی مچانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے علم میں جو وقت طے شدہ ہے اس سے ایک منٹ آگے پیچھے نہیں سرک سکتے۔ زمخشری کے نزدیک لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ اس سے کنایہ ہے کہ عذاب کا اپنے وقت معین پر آنا ٹل ہے۔ کنایہ میں حقیقت تقدم و تاخر کا نفی یا اثباتاً اعتبار نہیں۔ فتنہ لہ۔

۷۵۔ کفار کا مطالبہ عذاب احمقانہ ہے: یعنی رات کو سوتے ہوئے یادن میں جب تم دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو، اگر اچانک خدا کا عذاب آدبائے تو مجرم جلدی کر کے کیا بچاؤ کر سکیں گے؟ جب بچاؤ نہیں کر سکتے پھر وقت پوچھنے سے کیا فائدہ؟ مترجم نے مَاذَا أَيْسَتَعَجِلُ مِنْهُ النَّجْرِيُّونَ کا یہ ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ کے مذاق کے موافق کیا ہے۔ عموماً مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ عذاب الہی کے آنے میں کونسی ایسی خوشی اور مزے کی بات ہے جس کی وجہ سے مجرمین جلدی طلب کر رہے ہیں یا یہ کہ تعجب کا مقام ہے کہ مجرمین کیسی سخت خوفناک چیز کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ حالانکہ ایک مجرم کے لائق تو یہ تھا کہ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ اٹھا اور ڈر کے مارے ہلاک ہو جاتا۔ (المحر المحیط)۔

۷۶۔ مطالبہ عذاب کہ وجہ: یعنی عذاب کے لئے جلدی کرنا اس بناء پر ہے کہ انہیں اس کے آنے کا یقین نہیں۔ اس وقت یقین ہوتا تو فائدہ ہو سکتا تھا کہ بچنے کی کوشش کرتے۔ عذاب آچکنے کے بعد یقین آیا تو کیا فائدہ ہوگا۔ اس وقت خدا کی طرف سے کہہ دیا جائے گا کہ اچھا اب قائل ہوتے ہو، اور پہلے سے جھٹلاتے رہے۔ کیونکہ تقاضا کرنا بھی جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی نیت سے تھا۔ اس وقت اقرار کرنے سے کچھ نفع نہیں۔



فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَاهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سَبَّتَ اللَّهُ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِمَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُونَ (المومن-۸۵، ۸۴)۔

۷۷۔ جو کفر و شرک اور تکذیب کرتے رہے تھے اب ہمیشہ اس کا مزہ چکھتے رہو۔ یہ قیامت میں کہا جائے گا۔  
 ۷۸۔ حیات بعد المات یقین: یعنی غفلت کے نشہ میں چور ہو کر تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ ہم موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ کیا واقعہ ریزہ ریزہ ہو کر اور خاک میں مل کر پھر از سر نو ہم کو موجود کیا جائے گا؟ آپ فرمادیتے ہیں کہ تعجب کی کیا بات ہے، یہ چیز تو یقیناً ہونے والی ہے۔ تمہارا مٹی میں مل جانا اور پارہ پارہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ پہلے کی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کر دے اور شرارتوں کا مزہ چکھائے۔ ممکن نہیں کہ اس کے قبضہ سے نکل بھاگو اور فرار ہو کر (معاذ اللہ) اسے عاجز کر سکو۔ (تنبیہ) اس آیت کے مشابہ دو آیتیں قرآن کریم میں ہیں ایک سورہ ”سبا“ میں وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ (سبا-۳) دوسری ”تغابن“ میں ”مِثْلَ رَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (تغابن-۷) یہ دونوں قیامت اور معاد کے متعلق ہیں۔ ان ہی کی مناسبت سے حافظ ابن کثیر نے آیت حاضرہ کو معاد کے متعلق رکھا ہے۔

۷۹۔ یعنی اگر روئے زمین کے خزانے فرض کرو اس کے قبضہ میں ہوں تو کوشش کرے کہ یہ سب دے کر خدا کے عذاب سے اپنے کو بچالے۔  
 ۸۰۔ آخرت میں کفار کا پچھتاوا: دل میں اپنی حرکتوں پر پشیمان ہوں گے اور چاہیں کہ لوگوں پر پشیمانی کا اظہار نہ ہو۔ مگر تاکہ کچھ دیر آثارِ ندامت ظاہر نہ ہونے دیں گے۔ آخر بے اختیار ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اس وقت کہیں گے۔ يُخَسِّمُنِي عَلَىٰ مَا فَرَطْتُ فِي جَنَّةِ اللَّهِ (زمر-۵۶) اور يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرْنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (الانبیاء-۹۷)

۸۱۔ یعنی سارے جہان میں حکومت صرف اللہ کی ہے۔ انصاف ہو کر رہے گا۔ کوئی مجرم نہ کہیں بھاگ سکتا ہے نہ رشوت دے کر چھوٹ سکتا ہے۔  
 ۸۲۔ یعنی سوء استعداد بد فہمی اور غفلت سے اکثر لوگ ان حقائق کو نہیں سمجھتے۔ اسی لئے جو زبان پر آئے بک دیتے ہیں۔ اور جو جی میں آئے کرتے ہیں۔

۸۳۔ جلانا اور ماناجب اسی کا فعل ہے تو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔

۵۷۔ اے لوگو تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے واسطے [۸۴]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۗ وَ هُدًى وَ رَحْمَةٌ

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾

۵۸۔ کہہ اللہ کے فضل سے اور اسکی مہربانی سے سو اسی پر انکو خوش ہونا چاہئے [۸۵] یہ بہت ہے ان چیزوں سے جو جمع کرتے ہیں [۸۶]

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْعُونَ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اتاری تمہارے واسطے روزی پھر تم نے ٹھہرائی اس میں سے کوئی حرام اور کوئی حلال کہہ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو یا اللہ پر افترا کرتے ہو [۸۷]

قُلْ أَرَعَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا ط قُلْ اللَّهُ أَدْنٰكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ اور کیا خیال ہے جھوٹ باندھنے والوں کا اللہ پر قیامت کے دن [۸۸] اللہ تو فضل کرتا ہے لوگوں پر اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے [۸۹]

وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۰﴾

۶۱۔ اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے حاضر تمہارے پاس جب تم مصروف ہوتے ہو اس میں اور غائب نہیں رہتا تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا جو نہیں ہے کھلی ہوئی کتاب میں [۹۰]

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ط وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۶۱﴾

۸۲۔ قرآن کریم کی بعض اہم صفات: یہ سب صفات قرآن کریم کی ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک نصیحت ہے، جو لوگوں کو مہلک اور مضرتوں سے روکتا ہے۔ دلوں کی بیماریوں کے لئے نسخہ شفاء ہے۔ وصول الی اللہ اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت میں رحمت الہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک اس آیت میں نفس انسانی کے مراتب کمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص قرآن کریم سے تمسک کرے ان تمام مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ (۱) اپنے ظاہر کو نالائق افعال سے پاک کرنا۔ لفظ ”موعظہ“ میں اس کی طرف اشارہ ہے (۲) باطن کو عقائد فاسدہ اور ملکات ردیہ سے خالی کرنا جو شِفَاءً لِمَا فِي الصُّدُورِ سے منہوم ہوتا ہے۔ (۳) نفس کو عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا، جس کے لئے لفظ ”ہدیٰ“ زیادہ مناسب ہے۔ (۴) ظاہر و باطن کی درستگی کے بعد انوار رحمت الہیہ کا نفس پر فائز ہونا جو لفظ ”رحمت“ کا مدلول ہے۔ امام فخر الدین رازی نے جو تقریر کی ہے اس میں ان چار لفظوں سے شریعت، طریقت، حقیقت، اور نبوت و خلافت کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اور نہ اس قسم کے مضامین خالص تفسیر کی مد میں آسکتے ہیں۔

۸۵۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہونا: ”فرح“ (خوش ہونا) محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ کسی نعمت پر اس حیثیت سے خوش ہونا کہ اللہ کے فضل و رحمت سے ملی ہے، محمود ہے۔ جیسے یہاں فرمایا قَبْلِكَ فَلْيَتَفَرَّحُوا اور حطام دنیا پر خوش ہونا اور اکڑنا خصوصاً یہ خیال کر کے کہ ہم کو اپنی لیاقت سے حاصل ہوئی ہے، سخت مذموم ہے۔ قارون اپنے مال و دولت کی نسبت کہتا تھا۔ اِنَّمَا اُوتِيْتُهُ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِي (القصص۔ ۷۸) اس کو فرمایا لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔ وَابْتَغِ فِیْ سَبَا اَتَمَّكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص۔ ۷۷، ۷۸) الخ

۸۶۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہونا: یعنی اصلی چیز خدا کا فضل و رحمت ہے۔ انسان کو اسی کی تلاش کرنی چاہئے۔ مال و دولت، جاہ و حشم، سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

۸۷۔ حلت و حرمت صرف اللہ کا کام ہے: یعنی قرآن جو نصیحت، شفاء اور ہدایت و رحمت بن کر آیا ہے وہ ہی استناد اور تمسک کرنے کے لائق ہے۔ احکام الہیہ کی معرفت اور حلال و حرام کی تمیز اسی سے ہو سکتی ہے۔ یہ کیا وہابیات ہے کہ خدا نے تو تمہارے انتفاع کے لئے ہر قسم کی روزی پیدا کی۔ پھر تم نے محض اپنی آراء و اہواء سے اس میں سے کسی چیز کو حلال، کسی کو حرام ٹھہرا لیا۔ بھلا تحلیل و تحریم کا تم کو کیا حق ہے۔ کیا تم یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ایسا حکم دیا، یا یوں ہی خدا پر افتراء کر رہے ہو۔ اگلی آیت میں صاف اشارہ کر دیا کہ بجز افتراء علی اللہ کے اور کچھ نہیں۔ (تنبیہ) جن چیزوں کو حلال و حرام کیا تھا ان کا مفصل تذکرہ سورہ مائدہ اور انعام میں گذر چکا۔

۸۸۔ یعنی یہ لوگ روز قیامت کے متعلق کیا خیال کر رہے ہیں کہ کیا معاملہ ان کے ساتھ ہو گا۔ سخت پکڑے جائیں گے یا ستے چھوٹ جائیں گے۔ عذاب بھگتتا پڑے گا یا نہیں۔ کن خیالات میں پڑے ہیں۔ یاد رکھیں جو دردناک سزا ملنے والی ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔

۸۹۔ یعنی خدا اپنے فضل سے دنیا میں بہت کچھ مہلت دیتا ہے۔ بہت سی تقصیرات سے درگزر کرتا ہے۔ لیکن بہت لوگ نرمی اور اغماض کو دیکھ کر بجائے شکر گزار ہونے کے اور زیادہ دلیر اور بے خوف ہو جاتے ہیں۔ آخر سزا دینی پڑتی ہے۔

حلم حق با تو ماسا ہا کند چو نواز حد بگذری رسوا کند

۹۰۔ اللہ کو ہر ذرہ کا علم ہے: پہلے قرآن کریم کے اوصاف بیان کئے تھے کہ وہ سراپا نور ہدایت، شفاء قلوب، نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ ہے پھر اشارہ کیا کہ ہدایت و بصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر لوگ اپنے اوہام و خیالات کے اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور خدا پر افتراء کر کے اس کے فضل و انعام کی ناقدری کرتے ہیں۔ اس آیت میں متنبہ کیا کہ لوگ کس حال میں ہیں۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی کیا شان ہے۔ آپ شب و روز مالک حقیقی کی وفاداری اور ہمدردی خلاق کی جن شئون عظیمہ کے مظہر بنتے ہیں خصوصاً آپ کی جو امتیازی شان قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے یعنی قرآن کے ذریعہ سے جو جہاد آپ کر رہے ہیں وہ سب خدا کے حضور میں ہے اور لوگ جو کچھ اچھا یا برا معاملہ کرتے ہیں وہ سب بھی خدا کی نظر کے سامنے ہے۔ جس وقت مخلوق کوئی کام شروع کرتی اور اس میں مشغول و منہمک ہو جاتی ہے۔ خواہ اسے خدا کا تصور نہ آئے لیکن خدا اس کو برابر دیکھ رہا ہے۔ فَاِنَّ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ زَمِيْنَ و آسمان میں کہیں ایک ذرہ برابر یا اس سے چھوٹی بڑی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کے علم محیط سے غائب ہو۔ بلکہ علم الہی سے نیچے اتر کر تمام ”ماکان وما یکون“ کا حال ”کتاب مبین“ (لوح محفوظ) میں ثبت ہے جسے ”تدبیر“ میں صحیفہ علم الہی کہنا چاہئے۔ جب حق تعالیٰ پر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پوشیدہ نہیں تو ان مکذبین و معاندین کے معاملات و احوال کیسے مخفی رہ سکتے ہیں پھر روز جزا کی کارروائی کے متعلق یہ کیا خیال کر رہے ہیں۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ ان کی ہر چھوٹی بڑی حرکت خدا کے سامنے ہے وہاں کوئی خیانت اور چوری نہیں چل سکے گی۔ ہر عمل کی سزا مل کر رہے گی اور جس طرح دشمنوں کے معاملات اس کے سامنے ہیں، ان کے بالمقابل دو ستوں کا ذرہ ذرہ حال بھی اس کے علم میں ہے اگلی آیات میں ان کو بشارت سنائی گئی۔

۶۲۔ یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۹۱]

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ جو لوگ کہ ایمان لائے اور ڈرتے رہے [۹۲]

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ ان کے لئے ہے خوشخبری دنیا کی زندگانی میں اور آخرت میں [۹۳] بدلتی نہیں اللہ کی باتیں [۹۳] یہی ہے بڑی

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۗ لَا

تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۗ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

کامیابی

۹۱۔ اولیائے اللہ کی خوف و حزن سے حفاظت: ابن کثیر نے روایات حدیثیہ کی بنا پر اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”اولیاء اللہ“ (خدا کے دوستوں) کو آخرت میں احوال کا کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوں گے۔ بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہو گا نہ آخرت میں اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں گویا خوف حق یا غم سے غم آخرت کی نفی مراد نہیں بلکہ دنیا میں دنیوی خوف و غم کی نفی مراد ہے جس کا احتمال مخالفت اعداء وغیرہ سے ہو سکتا ہے وہ مومنین کا ملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اعتماد اللہ پر ہوتا ہے اور تمام واقعات تکوینیہ کے خالی از حکمت نہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس اعتماد و اعتقاد کے استحضار سے انہیں خوف و غم نہیں ستاتا۔ میرے نزدیک لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کا مطلب یہ لیا جائے کہ اولیاء اللہ پر کوئی خوفناک چیز (ہلاکت یا معتدبہ نقصان) دنیا و آخرت میں واقع ہونے والی نہیں۔ اگر فرض کیجئے دنیا میں صورتاً کوئی نقصان پیش بھی آئے تو چونکہ نتیجہ وہ ان کے حق میں نفع عظیم کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے اس کو معتدبہ نقصان نہیں کہا جاسکتا۔ رہا کسی سبب دنیوی یا اخروی کی وجہ سے ان کو کسی وقت خوف لاحق ہونا وہ آیت کی اس تقریر کے منافی نہ ہو گا کیونکہ آیت نے صرف یہ خبر دی ہے کہ ان پر کوئی خوفناک چیز نہ پڑے گی یہ نہیں کہا کہ انہیں کسی وقت خوف لاحق نہ ہو گا۔ شاید لَا يَحْزَنُونَ کے مناسب لَا يَحْزَنُونَ نہ فرمانے اور لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کی تعبیر اختیار کرنے میں یہ ہی نکتہ ہو۔ باقی ”لَا يَحْزَنُونَ“ کا تعلق میرے خیال میں مستقبل سے ہے۔ یعنی موت کے وقت اور موت کے بعد غمگین نہ ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَتَخَفُوا وَلَا تَحْزَنُوا (الحج السجدہ۔ ۳۰) اور فرمایا لَا يَحْزَنُهُمُ الْقَوْمُ الْكَاذِبُونَ وَتَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ (الانبیاء۔ ۱۰۳) واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ۔

۹۲۔ اولیاء کی تعریف: یہ ”اور اولیاء اللہ“ کی تعریف فرمائی یعنی مومن متقی خدا کا ولی ہوتا۔ پہلے کئی مواقع میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایمان و تقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں۔ پس جس درجہ کا ایمان و تقویٰ کسی میں موجود ہو گا اس درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لئے ثابت ہو گا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس سو، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی۔ لیکن عرف عام میں دس بیس روپیہ کے مالک کو ”مالدار“ نہیں کہا جاتا۔ جب تک معتدبہ مقدار مال و دولت کی موجود نہ ہو۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایمان و تقویٰ کسی مرتبہ میں ہو، وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے سب مومنین فی الجملہ ”ولی“ کہلائے جاسکتے ہیں۔ لیکن عرف میں ”ولی“ کہا جاتا ہے جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ ایمان و تقویٰ کا پایا جاتا ہو، احادیث میں کچھ علامات و آثار اس ولایت کے ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً ان کو دیکھنے سے خدا یاد آنے لگے یا مخلوق خدا سے ان کو بے لوث محبت ہو، عارفین نے اپنے مذاق کے موافق ولی کی تعریفیں کی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

۹۳۔ اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں مثلاً حق تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی جو لا حَوفَ عَلَيْهِمْ وَغیرہ کی بشارت دی ہے یا فرشتے موت کے قریب ان کو کہتے ہیں۔ اَيْسُهُ وَاِبَانَجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (الحج السجدہ۔ ۳۰) یا کثرت سے سچے اور مبارک خواب انہیں نظر آتے ہیں یا ان کی نسبت دوسرے بندگان خدا کو دکھائی دیتے ہیں جو حدیث صحیح کے موافق نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ یا ان کے معاملات میں خدا کی طرف سے خاص قسم کی تائید و امداد ہوتی ہے یا خواص میں اور کبھی خواص سے گذر کر عوام میں بھی ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اور لوگ ان کی مدح و ثنا اور ذکر خیر کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں دیوی بشارت کے تحت میں درجہ بدرجہ آسکتی ہیں۔ مگر اکثر روایات میں لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی تفسیر روئے صالحہ سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ رہی بشارت اخروی وہ خود قرآن میں منصوص ہے۔

بُشْرَاكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (الحمدید۔ ۱۲) اور حدیث میں بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

۹۴۔ یعنی اللہ کی باتیں اور اس کے وعدے سب پختہ اور اٹل ہیں۔ جو بشارتیں دی ہیں ضرور پہنچ کر رہیں گی۔

۶۵۔ اور رنجِ مت کر ان کی بات سے اصل میں سب زور اللہ کے لئے ہے وہی ہے سننے والا جاننے والا [۹۵]

وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ

السَّيِّعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ سنتا ہے بیشک اللہ کا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور جو کوئی ہے زمین میں اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں اللہ کے سوا شریکوں کو پکارنے والے سو یہ کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر انگلیں دوڑاتے ہیں [۹۶]

الْآنَ إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَمَا

يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ اِنَّ

يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾

۹۵۔ اوپر سے اعدائے کذبین کا ذکر چلا آتا تھا ان کے بالمقابل دوستوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کو دارین میں محفوظ رہنے کی بشارت سنائی۔ اسی سلسلہ میں حضور ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ ﷺ احمقوں اور شیروں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، غلبہ اور زور سب خدا کے لئے ہے وہ اپنے زور تائید سے حق کو غالب و منصور اور مخالفین کو ذلیل و رسوا کر کے چھوڑے گا وہ ان کی سب باتیں سنتا اور سب حالات جانتا ہے۔

۹۶۔ یعنی کل زمین و آسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے۔ سب جن و انس اور فرشتے اسی کے مملوک و مخلوق ہیں۔ مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنا اور انہیں خدائی کا حصہ دار بنانا، محض انکل کے تیر اور واہی تباہی خیالات ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ حجت و برہان، خالی اوہام و ظنون کی اندھیریوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

۶۷۔ وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ چین حاصل کرو اس میں اور دن دیا دکھلانے والا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں [۹۷]

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ

مُبْصِرًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ کہتے ہیں ٹھہرا لیا اللہ نے بیٹا وہ پاک ہے وہ بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں نہیں تمہارے پاس کوئی سند اس کی کیوں جھوٹ کہتے ہو اللہ پر جس بات کی تم کو خبر نہیں [۹۸]

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ هُوَ الْغَنِيُّ ۗ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا اَنْتَقُوْلُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ کہہ جو لوگ باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ بھلائی نہیں پاتے

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكٰذِبُ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ تھوڑا سا نفع اٹھالینا دنیا میں پھر ہماری طرف ہے ان کو لوٹنا پھر چکھائیں گے ہم انکو سخت عذاب بدلا ان کے کفر کا [۹۹]

مَتَاعٍ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نَذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

۹۷۔ دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں: دن رات اور اندھیرے اجالے کا پیدا کرنے والا وہی ایک خدا ہے۔ اسی سے خیر و شر اور تمام متقابل اشیاء کی پیدائش کو سمجھ لو۔ اس میں مجوس کے شرک کا رد ہو گیا۔ اور ادھر بھی لطیف اشارہ کر دیا کہ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد خدا روز روشن کو لاتا ہے اور دن کے اجالے میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو شب کی ظلمت میں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ ایسے ہی مشرکین کے اوہام و فطنون کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اس نے قرآن کریم کا آفتاب چمکایا جو لوگوں کو وصول الی اللہ کا ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔

۹۸۔ عیسائیوں کے شرک کا رد: اس میں عیسائیوں کے شرک کا رد ہے جو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے تھے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ واقعی طور پر ”مسیح“ کو خدا کا صلیبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہوگی۔ خداوند قدوس بالبدہتہ بیوی بچوں سے پاک ہے۔ اور اگر بیٹے سے مراد متنبی ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو متنبی بنائے۔ کیا معاذ اللہ اسے اولاد کی حسرت اور بیٹانہ ہونے کا غم تھا؟ یا یہ فکر تھی کہ اس کے بعد مال و دولت کا وارث اور اس کا نام رشن کرنے والا کون ہوگا؟ یا یہ کہ بڑھاپے اور حرج مرج میں کس سے سہارا ملے گا؟ (العیاذ باللہ) وہ تو سب سے بے نیاز ہے اور سب ہر وقت اس کے محتاج ہیں۔ اسے بیٹے پوتے یا متنبی وغیرہ کی احتیاج کہاں ہو سکتی ہے؟ سب چیزیں اس کی مملوک و مخلوق ہیں۔ پھر مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کے درمیان ان نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے۔ یہ بڑی سخت بات ہے کہ خدا کی نسبت محض جہالت سے ایسی جھوٹی اور بے سند باتیں کہی جائیں۔

۹۹۔ عیسائیوں کے شرک کا رد: یعنی خدا پر جھوٹ باندھنے والے خواہ دنیا میں کیسی ہی طاقت رکھتے ہوں اور اپنے ساز و سامان پر مغرور ہوں لیکن انہیں حقیقی بھلائی اور کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ تھوڑے دن دنیا کے مزے اڑالیں انجام کار انکا معاملہ خدا کی طرف رجوع ہوگا۔ جہاں سے اپنے جرائم کی پاداش میں نہایت سخت عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

۷۱۔ اور سنا ان کو حال نوح کا [۱۰۰] جب کہا اپنی قوم کو اے

وَ اٰتٰلُ عَلَيْهِمْ نَبَا نُوْحٍ ۗ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يُقَوْمِ اِنِّ

قوم اگر بھاری ہوا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا اور نصیحت کرنا اللہ کی آیتوں سے تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اب تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کرو اپنے شریکوں کو پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ پھر کر گذرو میرے ساتھ اور مجھ کو مہلت نہ دو [۱۰۱]

كَانَ كَبْرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَ تَذَكِيرِي بِآيَةِ اللَّهِ  
فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجِيعُوا أَمْرَكُمْ وَ شَاكَاكُمْ  
ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا  
تُنظِرُونِ ﴿٤١﴾

۴۲۔ پھر اگر منہ پھیرو گے تو میں نے نہیں چاہی تم سے مزدوری میری مزدوری ہے اللہ پر اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں فرمانبردار [۱۰۲]

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا  
عَلَى اللَّهِ وَ أَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾

۴۳۔ پھر اس کو جھٹلایا سو ہم نے بچا لیا اسکو اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو قائم کر دیا جگہ پر اور ڈبا دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام ان کا جن کو ڈرایا تھا [۱۰۳]

فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَ مَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِكِ وَ  
جَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَ وَ أَعْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا  
فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذِرِينَ ﴿٤٣﴾

۱۰۰۔ واقعہ نوح سے عبرت: یعنی اہل مکہ کو نوح اور اس کی قوم کا حال سنا۔ تاکہ معلوم ہو کہ مکذبین و مفترین کو حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کی اچھل کود اور چمک دمک محض چند روزہ ہے جو انجام کار ہلاکت ابدی پر منتہی ہوتی ہے۔ اہل مکہ کو قوم نوح کا قصہ سن کر عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ اگر وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و عداوت اور اپنی شرکیات سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی سوویسا ہی ہو سکتا ہے۔ جو نوح کی تکذیب کرنے والوں کا ہوا۔ نیز اس واقعہ کے بیان کرنے میں پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان لوگوں کی دشمنی اور شرارت سے زیادہ دلگیر نہ ہوں۔ ہر نبی کو اس قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ پھر آخر میں حق ہی غالب ہو کر رہا اور حق و صداقت کے دشمن تباہ و برباد کر دیے گئے۔ عام سامعین کو ان واقعات کے ایسے مفصل بیان سے یہ سبق ملتا ہے کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود امی ہونے اور کسی مخلوق کے سامنے ایک منٹ کے لئے بھی زانوئے تلمذتہ نہ کرنے کے پچھلی قوموں کے اس قدر صحیح اور پختہ احوال بیان فرماتے ہیں جو بظاہر بدون تعلیم اور طویل استفادہ کے ممکن نہیں، ناچار ماننا پڑے گا کہ آپ کا معلم کوئی انسان نہیں بلکہ سب انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ تو آپ کی سچائی کی ایک دلیل ہوگی۔

۱۰۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کا پیغمبرانہ یقین: یعنی تمہاری خوشی ناخوشی یا موافقت و مخالفت کی مجھے ذرہ برابر پروا نہیں۔ تمام پیغمبروں کی طرح میرا بھروسہ صرف خدائے واحد پر ہے۔ اگر تم میری نصیحت و فہمائش سے برامانو تو مانا کرو۔ میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں قصور نہیں

کر سکتا۔ تم برامان کر مجھ سے دشمنی کرو اور نقصان پہنچانا چاہو تو یہ چیز میرے ارادوں پر قطعاً اثر ڈالنے والی نہیں۔ جو کچھ تمہارے امکان میں ہے شوق سے کر گذرو میرے خلاف مشورہ کر کے کوئی تجویز پختہ کر لو۔ اپنے رفقاءے کار بلکہ فرضی معبودوں کو بھی جمع کر کے ایک غیر مشکوک اور غیر مشتبہ رائے پر قائم ہو جاؤ۔ پھر متفقہ طاقت سے اسے جاری کر ڈالو، ایک منٹ کی مہلت بھی مجھ کو نہ دو۔ پھر دیکھ لو کہ پیغمبرانہ استقامت و توکل کا پہاڑ تمام دنیا کی طاقتوں اور تدبیروں کو کچل کر کس طرح پاش پاش کر ڈالتا ہے۔

۱۰۲۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں نہ جانی و بدنی تکالیف سے گھبراتا ہوں اور نہ مالی نقصان کی کوئی فکر ہے کیونکہ میں نے خدمات تبلیغ و دعوت کا کچھ معاوضہ تم سے کبھی طلب نہیں کیا جو یہ اندیشہ ہو کہ تمہاری ناخوشی سے میری تنخواہ بند ہو جائے گی یا کم از کم تم کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ میری ساری جدوجہد مال کی حرص اور روپیہ کے لالچ سے تھی میں جس کا کام کر رہا اور حکم بجالارہا ہوں اسی کے ذمہ میری اجرت ہے جب میں اس کا فرمانبردار ہوں اور خدمت مفوضہ بے خوف و خطر انجام دیتا ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے فضل و رحمت کے دروازے مجھ پر نہ کھولے رکھے۔

۱۰۳۔ یعنی جس کے پاس چشم عبرت ہو وہ دیکھ لے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ان لوگوں کو سینکڑوں برس نوحؑ نے نصیحت کی، نفع و ضرر سے آگاہ کیا، جب کوئی بات موثر نہ ہوئی بلکہ الثاعناد و فرار بڑھتا گیا۔ اس وقت خدا نے سخت طوفان پانی کا بھیجا۔ سب مکذبین غرقاب کر دیے گئے۔ صرف نوحؑ اور چند نفوس جو ان کے ساتھ کشتی پر سوار تھے، محفوظ رہے۔ انہی سے آگے نسل انسانی چلی۔ اور ڈوبنے والوں کی جگہ یہ ہی آباد ہوئے۔ نوحؑ کا کچھ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا۔

۴۴۔ پھر بھیجے ہم نے نوح کے بعد کتنے پیغمبر ان کی قوم کی طرف پھر لائے انکے پاس کھلی دلیلیں سو ان سے یہ نہ ہوا کہ ایمان لے آئیں اس بات پر جسکو جھٹلا چکے تھے پہلے سے [۱۰۴] اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں دلوں پر حد سے نکل جانے والوں کے [۱۰۵]

۴۵۔ پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر پھر تکبر کرنے لگے اور وہ تھے لوگ گنہگار [۱۰۶]

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَبَاءُواهُمْ  
بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ  
قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿٤٤﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمُ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ  
وَ مَلَائِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَ كَانُوا قَوْمًا  
مُجْرِمِينَ ﴿٤٥﴾

۴۶۔ پھر جب پہنچی ان کو سچی بات ہمارے پاس سے کہنے لگے یہ تو جادو ہے کھلا [۱۰۷]

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا  
لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٦﴾



۷۷۔ کہا موسیٰ نے کیا تم یہ کہتے ہو حق بات کو جب وہ پہنچے تمہارے پاس کیا یہ جادو ہے اور نجات نہیں پاتے جادو کرنے والے [۱۰۸]

۷۸۔ بولے کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اس رستہ سے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو اور تم دونوں کو سرداری مل جائے اس ملک میں اور ہم نہیں ہیں تم کو ماننے والے [۱۰۹]

۷۹۔ اور بولا فرعون لاؤ میرے پاس جو جادو گر ہو پڑھا ہوا [۱۱۰]

۸۰۔ پھر جب آئے جادو گر کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو [۱۱۱]

۸۱۔ پھر جب انہوں نے ڈالا موسیٰ بولا کہ جو تم لائے ہو سو جادو ہے [۱۱۲] اب اللہ اسکو بگاڑتا ہے بیشک اللہ نہیں سنوارتا شیروں کے کام [۱۱۳]

۸۲۔ اور اللہ سچا کرتا ہے حق بات کو اپنے حکم سے اور پڑے برامانیں گنہگار

قَالَ مُوسَىٰ اَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ اَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْدِحُ السِّحْرُونَ ﴿٧٧﴾

قَالُوا اَجِئْتَنَا بِتِلْفِئِنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا وَتَكُوْنُ لَكُمُ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْاَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمُ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾

وَقَالَ فِرْعَوْنُ اَنْتُوْنِيْ بِكُلِّ سِحْرٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾

فَلَمَّا جَاءَ السِّحْرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰ اَلْقُوا مَا اَنْتُمْ مُّلقُونَ ﴿٨٠﴾

فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُّوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهٖ السِّحْرُ اِنَّ اِلٰهَ سَيِّبِطُلَهٗ اِنَّ اِلٰهَ لَا يُصْدِحُ عَمَلُ الْبٰفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾

وَيُحِقُّ اِلٰهُ الْحَقِّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾

۱۰۴۔ دوسرے پیغمبروں کی تکذیب: یعنی نوحؑ کے بعد ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ، ابراہیمؑ، شعیبؑ وغیرہ انبیاء کو اپنی اپنی قوم کی طرف کھلے ہوئے نشانات دے کر بھیجا۔ لیکن جس جہالت اور کفر کی حالت میں وہ لوگ اپنے اپنے پیغمبر کی بعثت سے پہلے تھے اور جن چیزوں کو پیشتر سے جھٹلاتے چلے آ رہے تھے، یہ توفیق نہ ہوئی کہ انبیاء کے تشریف لانے اور سمجھانے کے بعد ان کو مان لیتے۔ بلکہ جن اصول صحیحہ کی تکذیب پہلے قوم نوحؑ کر چکی تھی، ان سبھوں نے بھی ان کے ماننے سے انکار کر دیا اور جب پہلی مرتبہ منہ سے ”نہ نکل گئی، ممکن نہ تھا کہ پھر کبھی“ ہاں ”نکل سکے اسی بے ایمانی اور تکذیب حق پر آخر تک اڑے رہے۔

۱۰۵۔ دلوں پر مہر لگنے کے اسباب: جو لوگ تکذیب وعداوت حق میں حد سے نکل جاتے ہیں ان کے دلوں پر مہر لگنے کی یہ ہی صورت ہوتی ہے کہ اول تکذیب کرتے ہیں، پھر اس پر ضد اور اصرار کرتے کرتے محض دشمنی اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ دل کی کلیں بگڑ

جاتی ہیں اور قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔

۱۰۶۔ یعنی جرائم پیشہ لوگ تھے، نافرمانی کی خو قبول حق کی اجازت کہاں دیتی۔ تکبر مانع ہوا کہ خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کے سفر اے کے سامنے گردن جھکائیں۔ وَجَعَدْنَا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (النمل-۱۰۶) یہ ہی تکبر تھا جس نے فرعون سے یہ الفاظ کہلوائے۔ اَلَمْ نُزَبِّكَ فِيْنَا وَرَبِّدًا اَوْ كَبَشْتًا فِيْنَا مِنْ عَمْرِكَ سِنِينَ (شعراء-۱۸)۔

۱۰۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال: یعنی عصا اور ید بیضا وغیرہ کے معجزات دیکھ کر اور موسیٰ کی نہایت پر تاثیر باتیں سن کر کہنے لگے کہ یہ سب کھلا ہوا جادو ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں تمام فوق العادت چیزوں کا آخری درجہ ”جادو“ ہی ہو سکتا تھا۔

۱۰۸۔ یعنی حق کو جادو کہتے، کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ اور کیا جادو کرنے والے نبوت کا دعویٰ کر کے حق و باطل کی کشمکش سے کامیاب نکل سکتے ہیں۔ سحر اور معجزہ میں تمیز نہ کر سکتا ان کو تاہم فہموں کا کام ہے جو سونے اور پیتل میں تمیز نہ کر سکیں پیغمبر کے روشن چہرے، پاکیزہ اخلاق، نور تقویٰ، پر شوکت و عظمت احوال میں بدیہی شہادت اس کی موجود ہوتی ہے کہ جادو گری اور شعبہ بازی سے انہیں کوئی دور کی نسبت بھی نہیں پھر پیغمبر کو ساحر کہنا کس درجہ بے حیائی یا دیوانگی ہے۔

۱۰۹۔ یعنی معاذ اللہ تم دنیا کے حریص اور بدنیت ہو ایک سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہو۔ تمہاری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذہبی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم برپا کر کے اس ملک میں اپنی حکومت اور سرداری جماؤ۔ اور یہاں کے قدیم سرداروں (قبیلوں) کو برطرف کر دو۔ سویا دہے کہ یہ خواہش پوری ہونے والی نہیں۔ ہم لوگ ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے نہ تمہاری بزرگی کبھی تسلیم کریں گے۔

۱۱۰۔ جادو اور معجزہ کا فرق: یہ موسیٰ کی تقریر کا جواب تھا۔ یعنی رہا سحر اور معجزہ کا جھگڑا اس کا عملاً تصفیہ کئے دیتے ہیں کہ اس ملک کے بڑے بڑے ماہر جادو گر اکٹھے کئے جائیں، آپ پھر ان کے خوارق کے مقابل اپنے معجزات دکھلائیں۔ دنیا مشاہدہ کر لے گی کہ تم پیغمبر ہو یا (معاذ اللہ) جادو گر ہو۔ اس کے لئے فرعون نے تمام ملک میں گشتی جاری کر دی اور آدمی بھیج دیے کہ مشاق اور ماہر جادو گر جہاں کہیں ہوں فوراً حاضر کئے جائیں۔ اس کا مفصل واقعہ سورہ اعراف میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۱۱۔ دوسری جگہ مذکور ہے کہ ساحرین نے موسیٰ سے دریافت کیا تھا کہ اپنا کرتب دکھلانے میں تم پہل کرتے ہو یا ہم کریں اس کے جواب میں موسیٰ نے فرمایا کہ جو تم کو دکھلانا ہے دکھلاؤ کیونکہ باطل کی پوری زور آزمائی اور نمائش کے بعد حق کا آنا اور باطل کو نچا دکھا کر ملیا میٹ کر دینا زیادہ موثر اور غلبہ حق کو زیادہ واضح کرنے والا ہے۔

۱۱۲۔ ساحرین کا جادو: ساحرین نے اپنی لٹھیاں اور رسیاں زمین پر پھینک دیں اور تخیل و نظر بندی سے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا تمام میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ جادو یہ ہے وہ جادو نہ تھا جسے فرعون اور اس کے خوشامدیوں نے جادو کہا تھا۔

۱۱۳۔ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے: یعنی بس تم اپنی قوت صرف کر چکے اب سنبھل جانا کہ خدا اپنی قدرت و رحمت سے یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑتا ہے جو میرے مقابلہ میں پھر کبھی نہیں سنو سکے گا۔ کیونکہ خدا کی عادت و حکمت کے خلاف ہے کہ مصلح و مفسد کے مقابلہ کے وقت جبکہ اس سے مقصود خالص تمام حجت ہو مفسدوں اور شریروں کی بات سنو کر دے اور کلمہ حق کو پست و مغلوب کر دے۔

۸۳۔ پھر کوئی ایمان نہ لایا موسیٰ پر مگر کچھ لڑکے اس کی

قوم کے [۱۱۴] ڈرتے ہوئے فرعون سے اور انکے سرداروں

سے کہ کہیں انکو بچلانہ دے [۱۱۵] اور فرعون چڑھ رہا ہے

ملک میں اور اس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے [۱۱۶]

فَمَا أَمَّنَ لِيُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّتُهُ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ

مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ ۗ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ

لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهٗ لِبَنِ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾

۸۳۔ اور کہا موسیٰ نے اے میری قوم اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو تم فرمانبردار [۱۱۷]

وَ قَالَ مُوسَىٰ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللهِ

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِبِيْنَ ﴿٨٤﴾

۸۵۔ تب وہ بولے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے رب ہمارے نہ آزما ہم پر زور اس ظالم قوم کا [۱۱۸]

فَقَالُوْا عَلٰى الله تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً

لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٥﴾

۸۶۔ اور چھڑا دے ہم کو مہربانی فرما کر ان کافر لوگوں سے [۱۱۹]

وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾

۱۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے: بنی اسرائیل فرعون کی ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلت اٹھا رہے تھے اور پرانی پیشین گوئیوں کے مطابق منتظر تھے کہ فرعون کے مظالم کا خاتمہ کرنے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹنے والا اسرائیلی پیغمبر مبعوث ہو۔ موسیٰ ٹھیک اسی شان سے تشریف لائے جس کا انہیں انتظار تھا۔ اس لئے تمام بنی اسرائیل قدرتی طور پر موسیٰ کی بعثت کو نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے وہ دل سے حضرت موسیٰ کو سچا جانتے اور ان کی عزت کرتے تھے۔ مگر اکثر آدمی فرعون اور فرعون کی سرداروں سے خوفزدہ تھے اسی لئے ابتداء میں شرعی طور پر ایمان نہیں لائے وقت کے منتظر رہے کہ جس وقت حق کا غلبہ ہو گا مسلمان ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے تھوڑے سے نوجوانوں نے ہمت کر کے باوجود فرعون کی مخالفت سے خائف ہونے کے اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کر دیا۔ چند گنے چنے قبیلے بھی جو فرعون کی قوم سے تھے، مشرف بایمان ہوئے۔ اخیر میں جب موسیٰ کا اثر اور حق کا غلبہ بڑھتا گیا تب پوری قوم بنی اسرائیل کی جو تقریباً چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی مسلمان ہو گئی۔ یہاں ابتداء کا قصہ بیان ہوا ہے۔

۱۱۵۔ ان کے سرداروں سے مراد یا تو فرعون کے حکام و عمال ہیں یا بنی اسرائیل کے وہ سردار مراد ہیں جو خوف یا طمع وغیرہ کی وجہ سے اپنے ہم قوموں کو فرعون کی مخالفت سے ڈراتے دھمکاتے تھے اور بچلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ فرعون ایمان لانے کی خبر سن کر سخت ایذا میں پہنچائے جن سے گھبر کر ممکن ہے بعض ضعیف القلب راہ حق سے بچل جائیں۔

۱۱۶۔ یعنی ان کا خوف کھانا بھی کچھ بیجانہ تھا، کیونکہ اس وقت ملک میں فرعون کی مادی طاقت بہت بڑھ چڑھ کر تھی اور اس کا ظلم و عدوان اور کفر و طغیان حد سے متجاوز ہو چکا تھا۔ کمزوروں کو ستانے کے لئے اس نے بالکل ہاتھ چھوڑ رکھا تھا۔

۱۱۷۔ یعنی گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ ایک فرماں بردار مومن کا کام اپنے مالک کی طاقت پر بھروسہ کرنا ہے جسے خدا کی لامحدود قدرت و رحمت پر یقین ہو گا، وہ یقیناً ہر معاملہ میں خدا پر اعتماد کرے گا اور اس اعتماد کا اظہار جب ہی ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے کو بالکل خدا کے سپرد کر دے اسی کے حکم پر چلے اور تمامی جدوجہد میں صرف اسی پر نظر رکھے۔

۱۱۸۔ موسیٰ کی نصیحت پر انہوں نے اخلاص کا اظہار کیا کہ بیشک ہمارا بھروسہ خالص خدا پر ہے اسی سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان ظالموں کا تختہ مشق نہ بنائے اس طرح کہ یہ ہم پر اپنے زور و طاقت سے ظلم ڈھاتے رہیں۔ اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ ایسی صورت میں ہمارا دین بھی خطرہ

میں ہے اور ان ظالموں یا دوسرے دیکھنے والوں کو یہ ڈینگ مارنے کا موقع ملے گا اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو تم پر ایسا تسلط و تفوق کیوں حاصل ہوتا اور تم اس قدر پست و ذلیل کیوں ہوتے۔ یہ خیال ان گمراہوں کو اور زیادہ گمراہ کر دے گا۔ گویا ایک حیثیت سے ہمارا وجود ان کے لئے فتنہ بن جائے گا۔

۱۱۹۔ یعنی ان کی غلامی اور محکومیت سے ہم کو نجات دے اور دولت آزادی سے مالا مال فرما۔

۸۷۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو اور اسکے بھائی کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر [۱۲۰] اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو اور قائم کرو نماز [۱۲۱] اور خوشخبری دے ایمان والوں کو [۱۲۲]

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى وَ اٰخِيهِ اَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا  
بِصَرَ بِيُوتًا وَ اجْعَلُوا بِيُوتِكُمْ قِبْلَةً وَ اتَّبِعُوا  
الصَّلٰوةَ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾

۸۸۔ اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں [۱۲۳] اے رب اس واسطے کہ بہکائیں تیری راہ سے [۱۲۴] اے رب مٹا دے ان کے مال اور سخت کر دے ان کے دل کہ نہ ایمان لائیں جب تک دیکھ لیں عذاب دردناک [۱۲۵]

وَ قَالَ مُوسٰى رَبَّنَا اِنَّكَ اَتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَآئِهٖ  
زَيْنَةً وَ اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا  
عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا طَبَسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَ اَشْدُدْ  
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوْا الْعَذَابَ  
الْاٰلِيْمَ ﴿٨٨﴾

۸۹۔ فرمایا قبول ہو چکی دعا تمہاری [۱۲۶] سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو راہ انکی جو ناواقف ہیں [۱۲۷]

قَالَ قَدْ اُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ فَاَسْتَقِيْمَا وَ لَا  
تَتَّبِعَنَّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

۹۰۔ اور پار کر دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اور اس کے لشکر نے شرارت سے اور تعدی سے یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا بولا یقین کر لیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر کہ ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں

وَ جُوْرْنَا بِبَنِيْ اِسْرٰٓءِيْلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ  
فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغِيًّا وَ عَدُوًّا حَتّٰى اِذَا اَدْرَكَهُ  
الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىْ اٰمَنْتُ

## بِهِ بَنُو إِسْمَاعِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٦٠﴾

۹۱۔ اب یہ کہتا ہے اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور رہا مگر ابوں میں [۱۲۸]

الْكَانَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ

## الْمُفْسِدِينَ ﴿٦١﴾

۱۲۰۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو حکم ہوا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو ان میں شامل نہ رکھو۔ اپنا محلہ جدا بساؤ کہ آگے ان پر آفتیں آنے والی ہیں اس وقت تمہاری قوم ظاہری طور پر بھی آفتوں سے الگ تھلگ رہے ”مفسرین نے تَبَوَّأَ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ يُبُوتًا سے مراد یہ لی ہے کہ اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو اور ان میں سے بعض کو عبادت کے لئے مخصوص کر لو۔

۱۲۱۔ بنی اسرائیل کو نماز کا حکم: فرعون نے مسجدیں اور عبادت گاہیں خراب کر دی تھیں۔ کوئی باہر نکل کر خدا کی عبادت نہ کر سکتا تھا۔ بحالت مجبوری حکم ہوا کہ مکان میں کوئی جگہ نماز کے لئے رکھو جو قبلہ رو ہو۔ نماز ترک مت کرو کہ اسی کی برکت سے خدا کی مدد آتی ہے وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (البقرہ-۳۵) ہجرت سے پہلے مکہ میں ایسا ہی حال مسلمانوں کا تھا۔

۱۲۲۔ دنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں نجات و رضائے الہی کی۔

۱۲۳۔ یعنی ہر قسم کا سامان رونق و آسائش کا دیا۔ مثلاً حسن صورت، سواری، عمدہ پوشاک، اثاث البیت وغیرہ اور مال و دولت کے خزانے، سونے چاندی وغیرہ کی کانیں عطا فرمائیں۔

۱۲۴۔ فرعون کے مال و حکومت کی حکمت: اگر لِيُفْضِلُوا میں لام تغلیل لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر یہ سامان ان نابکاروں کو اس لئے دیا گیا کہ مغرور ہو کر خود گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں خرچ کریں۔ بڑی آزادی سے دل کھول کر زور لگائیں آخر میں دیکھ لیں گے کہ وہ کچھ بھی کام نہ آیا۔ جب خالق خیر و شر کا اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ ”خلق شر“ میں بھی مجموعہ عالم کے اعتبار سے کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ وہ ہی حکمت شریروں کو اس قدر سامان دیے جانے میں سمجھ لیجئے۔ كَلَّا تَبَدُّهُمُ لِقَوْلِهِمْ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ (بنی اسرائیل-۲۰) اِنَّا نُنزِلُ لَهُمْ يَزْدَادُوا اِثْمًا (آل عمران-۱۷۸) بعض مفسرین نے لِيُفْضِلُوا میں ”لام عاقبہ“ لیا ہے جیسے فَانْتَقَطَهُ الْاِنْفِرَادُ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَرَمًا (القصص-۸) میں ”لام عاقبہ“ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ یہ سامان دیا تو اس لئے تھا کہ امور خیر میں خرچ کریں اور نعمتوں کو لے کر منعم حقیقی کو پہچانیں۔ اس کے شکر گزار بندے بنیں۔ مگر اس کے برخلاف انہوں نے اپنی بد بختی سے خدا کی نعمتوں کو لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے میں ایسا بے دریغ خرچ کیا گویا وہ اسی کام کے لئے ان کو دی گئی تھیں اس تفسیر پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

۱۲۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا: جب موسیٰ مدت دراز تک ہر طرح ہدایت کر چکے اور عظیم الشان معجزات دکھلا چکے مگر معاندین کا جہود و عناد بڑھتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ تجربہ اور طول صحبت یا وحی الہی سے پوری طرح ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ کبھی ایمان لانے والے نہیں، تب ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی تا ان کی گندگی سے دنیا جلد پاک ہو اور دوسروں کے لئے ان کی بد انجامی درس عبرت بنے۔ آپ نے بد دعا کی کہ خداوند! ان کے اموال کو تباہ اور ملیا میٹ کر دے۔ اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے جن میں کبھی ایمان و یقین نفوذ نہ کرے۔ بس اسی وقت یقین

حاصل ہو جب اپنی آنکھوں سے عذاب الیم کا مشاہدہ کر لیں یہ دعا ان کے حق میں ایسی سمجھو جیسے ابلیس کو ”لعنہ اللہ“ یا کفار کو ”خذلہم اللہ“ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی ملعونیت و خذلان کا قطعی فیصلہ پیشتر سے کیا جا چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کی تفسیر دوسری طرز سے کی ہے، فرماتے ہیں ”سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے اس میں عذاب تھم جاتا کام فیصلہ نہ ہوتا۔ دعا اس واسطے مانگی کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں دل ان کے سخت رہیں تا عذاب پڑ چکے اور کام فیصلہ ہو۔“

۱۲۶۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ دعا کرتے تھے اور ہارونؑ ”آمین“ کہتے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے دَعْوَتُکُمَا فرمایا۔

۱۲۷۔ یعنی اپنا کام استقلال اور ثابت قدمی سے انجام دیتے رہو۔ اگر قبول دعا کے آثار دیر سے ظاہر ہوں تو نادان لوگوں کی طرح شتابی مت کرو وقت مقدر پر یہ ہی ہو کر رہے گا۔ گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں۔

۱۲۸۔ غرق کے وقت فرعون کا کلمہ ایمان: موسیٰؑ کو لاکھ لاکھ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلے، فرعون کو خبر ہوئی تو ایک لشکر جرار لے کر تعاقب کیا۔ تا اس کے پنجہ ظلم سے چھوٹے نہ پائیں۔ بنی اسرائیل جب بحر قلزم کے کنارے پہنچے، تو سخت پریشان ہوئے آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر دبا تا چلا آ رہا تھا موسیٰؑ نے تسلی دی اور حق تعالیٰ کے حکم سے لاٹھی دریا پر ماری۔ سمندر کا پانی ادھر ادھر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خدا نے بارہ راستے خشک بنا دیے۔ یہ پار ہوئے، ادھر فرعون لشکر سمیت سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ خشک راستے دیکھ کر سب نے اسی میں گھوڑے ڈال دیے۔ جب ایک ایک کر کے تمام فوج دریا کے وسط میں پہنچی، پانی کو حکم ہوا کہ مل جائے تو فوراً پانی کے طبقات مل گئے، سب لشکر اور سامان موجدوں کی نذر ہو گیا۔ فرعون نے دیکھا کہ اب ڈوبتا ہوں اس وقت گھبرا کر ایمان و اسلام کا لفظ زبان پر لایا کہ شاید بنی اسرائیل کا خدا ایمان کا لفظ سن کر دریا کی موجوں سے باہر نکال دے۔ اس پر خدا کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اَللّٰن وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ اَنْ لِّعْنِي سَارِي عَمْرٍ مَخْلَفٌ هُوَ كَرَّمِ اَبِي بَهِيْلًا تَاوُرْ شَرَارَتِيْنَ كَرْتَارِهَ اَبْ عَذَابٍ دِيْكَهْ كَرْتَارِيْنَ لَا يَا اَسْ وَ قَت كَالْيَقِيْنَ كِيَا مَعْتَبِرْ هِيْ فَدَمَّ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْسَانُهُمْ لِيْسَارَاوَا اَبَا سَنَا سُنَّتْ اَللّٰهُ اَلْحَيُّ قَدْ خَلَقَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۞ وَ حَسِبَا هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المومن-۸۵)۔ (تمبیہ) قبض روح اور معائنہ عذاب کے وقت ایمان لانا ”ایمان غرہ“ ”یا“ ”ایمان باس“ ”یا“ ”ایمان یاس“ ”کہلاتا ہے۔ جو“ اہل السنۃ والجماعت ”کے نزدیک نافع نہیں شیخ عبدالوہاب شعرانی نے ”کتاب الیواقیت و لجاہر“ میں ”فتوحات مکتبیہ“ سے عبارت نقل کی ہے۔ جس میں ایمان فرعون کی بابت یہ ہی تصریح ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ ”فتوحات“ کے نسخوں میں طہرین و زنادقہ نے بہت سی عبارتیں موسوس کر دی ہیں میرے پاس جو نہایت مستند و معتبر نسخہ ”فتوحات“ کا ہے اس میں ان عبارتوں کا پتہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ (فائدہ) اخیر وقت میں فرعون سے لفظ اَمَنْتُ کہلا کر حضرت موسیٰؑ کی دعا فَلَآ يُّؤْمِنُوْا حَتّٰى يَّرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ کی مقبولیت کا خدا نے مشاہدہ کر دیا۔

۹۲۔ سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تاکہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی اور بیشک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے [۱۲۹]

وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنِ اٰيَاتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

۹۳۔ اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پسندیدہ جگہ اور کھانے کو دیں سٹھری چیزیں [۱۳۰] سو ان میں پھوٹ نہیں پڑی یہاں تک کہ پہنچی ان کو خبر بیشک تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا قیامت کے دن جس بات میں کہ ان میں

وَ لَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيْ اِسْرٰٓءِيْلَ مَبْوَاً صٰدِقٍ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اٰخْتَلَفُوْا حَتّٰى

بھوٹ پڑی [۱۳۱]

جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۖ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ سو اگر تو ہے شک میں اس چیز سے کہ اتاری ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے پیشک آئی ہے تیرے پاس حق بات تیرے رب سے سو تو ہر گز مت ہو شک کرنے والا

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْأَلِ

الَّذِينَ يَقْرَأُونَ الْكُتُبَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ لَقَدْ جَاءَكَ

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَ مِنَ الْمُبْتَرِينَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور مت ہو ان میں جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو پھر تو بھی ہو جائے خرابی میں پڑنے والا

وَلَا تَكُونَ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

فَتَكُونَ مِنَ الْخُسْرَيْنِ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ جن پر ثابت ہو چکی بات تیرے رب کی وہ ایمان نہ لائیں گے

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا

يُؤْمِنُونَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ اگرچہ پہنچیں انکو ساری نشانیاں جب تک نہ دیکھ لیں عذاب دردناک [۱۳۲]

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ سو کیوں نہ ہوئی کوئی ہستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا انکو ایمان لانا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے انکو ایک وقت تک [۱۳۳]

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرِيَّةً أَمْنَتْ فَنَفَعَهَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ

يُونُسَ ۗ لَبَّآ أَمْنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۹۸﴾

۱۲۹۔ فرعون کی لاش کو عبرت بنایا گیا: ”موضح القرآن“ میں ہے کہ جیسا بے وقت ایمان لایا، بے فائدہ، ویسا ہی اللہ نے مرے پیچھے اس کا بدن دریا میں سے نکال کر ٹیلے پر ڈال دیا کہ بنی اسرائیل دیکھ کر شکر کریں اور پیچھے آنے والے اس کے حال سے عبرت پکڑیں۔ ورنہ اس کو بدن کے بچنے سے کیا فائدہ۔ جیسا بے فائدہ ایمان تھا ویسی ہی بے فائدہ نجات مل گئی۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آتی ہے لیکن الفاظ قرآنی کی صحت اس کے ثبوت پر موقوف نہیں۔ (اتفاق) بنی اسرائیل کے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ عاشورہ کے دن ہوا۔ اور اتفاق سے آج بھی جب بندہ یہ سطرین لکھ رہا ہے۔ یوم عاشورہ ۱۳۴۸ ہجری ہے خدا ہم کو دنیا و آخرت میں اپنے

عذاب سے محفوظ رکھے اور دشمنان دین کا بیڑہ غرق کرے۔ آمین۔

۱۳۰۔ یعنی فرعونوں کو ہلاک کر کے اول ملک مصر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد عمالقہ کو نکال کر ملک شام دیا گیا۔ دونوں ملک سرسبز و شاداب ہیں جہاں ستھری اور لذیذ چیزوں کی افراط ہے۔ غرضیکہ بنی اسرائیل حلال و طیب نعمتوں سے مالا مال کر دیے گئے۔

۱۳۱۔ بنی اسرائیل میں اختلاف اور فرقہ بندی: یعنی مادی انعام و اکرام کے ساتھ دینی و روحانی نعمت سے سرفراز فرمایا کہ تورات شریف کا علم دیا۔ جس میں دین کے اصول و فروع بیان ہوئے تھے۔ اور اگلے پچھلوں کے متعلق خبریں تھیں ان واضح حقائق سے خبردار ہونے کے بعد لائق نہ تھا کہ ایسی صاف چیزوں میں اختلاف کر کے آپس میں پھوٹ ڈالیں۔ اور فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہوں۔ مگر باوجود علم صحیح اور خبر صادق پہنچ جانے کے طرح طرح کے اختلافات پیدا کئے اور پھوٹ ڈال کر رہے۔ بعض احکام میں اپنے پیغمبر (موسیٰ) سے بھی کٹ جتنی کی جیسا کہ ذن بقر کے واقعہ میں گذرا۔ بعد میں آنے والے پیغمبروں خصوصاً خاتم النبیین ﷺ کی بعض نے تصدیق اور اکثروں نے تکذیب کی حالانکہ ان کے متعلق بہت سی پیشین گوئیوں پر مطلع ہو چکے تھے۔ بلکہ بعثت محمدی سے پہلے نبی آخر الزماں کی آمد کے منتظر تھے اور مشرکین سے کہتے تھے کہ ہم پیغمبر آخر الزماں کے ساتھ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ نہ صرف اسی مسئلہ میں اختلاف ہوا بلکہ خود اپنے مذہب میں تحریف کر کے اصول و فروع بدل ڈالے اور رفتہ رفتہ بیسیوں فرقے پیدا ہو گئے۔ مسیح سے تین سو برس بعد قسطنطین اعظم جو ایک فلسفی مزاج بادشاہ تھا ازراہ نفاق دین نصرانیت میں داخل ہوا تو پادریوں نے اس کی خاطر جدید قوانین وضع کئے اور نئی شریعت بنائی اس نے ان کے لئے بڑے بڑے گرجا اور معابد و مشاہد تعمیر کرائے اور اس نئے دین مسیحی کو جو اصلی مسیحیت کو بگاڑ کر تیار کیا گیا تھا خوب اشاعت ہوئی۔ بجز چند تارک الدنیا راہبوں کے جو بستیوں سے الگ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا رہے تھے، کوئی شخص اصلی دین مسیحی پر قائم نہ رہا تھا۔ صلیب کی پرستش، مشرق کی طرف نماز پڑھنا، کلیساؤں میں مسیح و مریم وغیرہ کی تصاویر پوجنا، خنزیر وغیرہ کو حلال کرنا اور اسی طرح کی تحریفات نے حقیقی مسیحیت کو بالکل مسح کر ڈالا۔ اور یہ ہی مسخ شدہ مسیحیت ساری دنیا پھیل گئی۔ یہ زمانہ تھا۔ جب ملک شام بیت المقدس، جزیرہ اور بلاد روم پر "نصاری" کا تسلط تھا۔ تا آنکہ فاروق اعظم کے عہد میں صحابہؓ نے ان ممالک کو نصاریٰ کے قبضہ سے نکالا۔ واللہ الحمد والمنة۔

۱۳۲۔ قرآن کی حقانیت: بظاہر یہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کو ہے لیکن حقیقت میں آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے۔ جو ایک امی کی زبان سے ایسے عظیم الشان حقائق و واقعات سن کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے اور جہل و تعصب کی وجہ سے ان کی واقفیت میں شک و تردد کا اظہار کرنے لگتے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ آپ خود اپنی لائی ہوئی چیزوں میں کیسے شک و شبہ کر سکتے تھے اور جس کی طرف تمام دنیا کو دعوت دیتے اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط یقین سننے والوں کے قلوب میں پیدا کر دیتے تھے، اسی کو خود اپنی زبان سے کیسے جھٹلاتے۔ چند آیات کے بعد صاف فرما دیا قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي أَلْحِ بِهٖ آيَاتِ صَاف بتلا رہی کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے جن کے مقابلہ میں آپ اپنے غیر مترزل اور اٹل عقیدہ کا اعلان کر رہے ہیں۔ بہر حال ان آیات میں پیغمبر کی زبان سے قرآن کے ہر ایک مخاطب کو متنبہ کیا کہ کفر و تکذیب کی بیماری شک سے شروع ہوتی ہے۔ اگر تم کو قرآن کے بیان کردہ واقعات میں شک و شبہ پیدا ہو تو اس کا فوراً علاج کرو۔ یعنی جو لوگ کتب سابقہ کا علم رکھتے ہیں ان سے تحقیق کر لو۔ آخر ان میں کچھ آدمی سچے اور انصاف پسند بھی ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ نبی امی نے جو کچھ بیان فرمایا کہاں تک درست ہے۔ بلاشبہ جو کچھ آپ لائے وہ سچ کے سوا کچھ نہیں، وہ پروردگار کا اتارا ہوا ہے جس میں شک و تردد کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اگر بے ہودہ شکوک کا علاج نہ کیا جائے تو چند روز میں شک ترقی کر کے امتراء (جدل) اور امتراء ترقی کر کے تکذیب کی حد تک جا پہنچے گا جس کا نتیجہ خسران و خرابی کے سوا کچھ نہیں۔ تکذیب کے بعد ایک اور درجہ ہے۔ جہاں پہنچ کر دل پر مہر لگ جاتی ہے تکذیب کرتے کرتے قبول حق کی استعداد بھی برباد ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص اگر دنیا جہان کے سارے نشان دیکھ لے تب بھی ایمان نہ لائے۔ اسے عذاب الیم دیکھ کر ہی یقین آئے



گا۔ جبکہ اس یقین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ (فائدہ) کلمۃ ربک (رب کی بات) سے مراد غالباً وہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا۔ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (ہود۔ ۱۱۹) یعنی دوزخ کو جن وانس سے بھروں گا۔ جن لوگوں پر بد بختی، سوء استعداد اور شامت اعمال سے یہ بات علم الہی میں ثابت ہو چکی۔ یہاں ان کا ذکر ہے۔

۱۳۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا: یعنی جتنی بستیاں تکذیب انبیاء اور شرارتوں کی وجہ سے مستوجب عذاب ٹھہریں ان میں سے کسی کو ایسی طرح ایمان لانے کی نوبت نہ آئی جو عذاب الہی سے نجات دیتا۔ صرف یونسؑ کی قوم کی ایک مثال ہے جس نے ایمان لا کر اپنے کو آسمانی عذاب سے بال بال بچا لیا جو بالکل ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ خدا نے ایمان کی بدولت دنیوی زندگی میں ان پر سے آنے والی بلائیں دی اور جس وقت تک انہیں رہنا تھا یہاں کے فوائد و برکات سے منتفع کیا۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت یونسؑ سرزمین ”موصل“ میں اہل موصل کی طرف مبعوث ہوئے۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونسؑ لگاتار سات سال تک پند و نصیحت کرتے رہے۔ انہوں نے ایک نہ سنی یونانیوں کا انکار و تکذیب بڑھتا رہا۔ آخر حضرت یونسؑ نے تنگ آ کر ان کو آگاہ کیا کہ (باز نہ آئے تو) تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسری شب آئی یونسؑ آدھی رات گزرنے پر بستی سے نکل کھئے ہوئے صبح ہوتے ہی آثار عذاب کے نظر آنے لگے۔ آسمان پر نہایت ہولناک اور سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا۔ وہ ان کے مکانوں سے قریب ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی چھتیں بالکل تاریک ہو گئیں۔ یہ آثار دیکھ کر جب انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا تو یونسؑ کی تلاش ہوئی۔ وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مویشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے۔ چاروں طرف آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور کہتے جاتے تھے کہ اٰمَنَّا بِمَا جَاءَ بِهٖ يٰيُونسُ جو کچھ یونسؑ لائے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے تضرع و بکار پر رحم فرمایا اور آثار عذاب جو ہویدا ہو چکے تھے اٹھائے گئے۔ یہاں پہنچ کر علمائے سلف کے دو قول ہیں اکثر علماء کہتے ہیں کہ ابھی اصلی عذاب کا معائنہ ان کو نہ ہوا تھا۔ صرف علامات و آثار نظر آئے تھے۔ ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ ایمان باس جو معتبر و مقبول نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ عین عذاب کو دیکھ کر اور اس میں پھنس کر ایمان لائے جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا۔ بعض علماء کے نزدیک قوم یونسؑ کا ایمان بھی فرعون کی طرح ایمان باس تھا جو عام ضابطہ کے موافق نافع نہ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے خلاف قاعدہ بطور استثناء اس قوم کا یہ ایمان معتبر رکھا۔ فرعون کے ایمان کی طرح رد نہیں فرمایا۔ پھر اختلاف ہوا ہے کہ آیا ان کے ایمان کا معتبر ہونا صرف دنیوی زندگی تک محدود تھا کہ دنیا میں آنے والا عذاب ٹل گیا۔ یا آخرت میں بھی موجب نجات ہو گا۔ ”ابن کثیر“ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے یعنی دنیا و آخرت دونوں جگہ مفید و معتبر ہو گا۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت لطیف و دقیق طرز میں آیت کی تفسیر کی ہے۔ یعنی دنیا میں عذاب دیکھ کر یقین لانا کسی کو کام نہیں آیا۔ مگر قوم یونسؑ کو اس واسطے کہ ان پر حکم عذاب نہ پہنچا تھا۔ حضرت یونسؑ کی شبابی سے محض صورت عذاب کی نمودار ہوئی تھی (تا ان کی نظر میں حضرت یونسؑ کی بات جھوٹی نہ ہو) وہ ایمان لائے پھر نجات گئے اور صورت عذاب ہٹائی گئی۔ اسی طرح مشرکین مکہ کے فتح مکہ میں فوج اسلام ان پر پہنچی قتل و غارت کے لئے۔ لیکن ان کا ایمان قبول ہو گیا اور امان ملی ”حضرت یونسؑ کے قصہ کا بقیہ سورہ صافات وغیرہ میں آئے گا۔“

۹۹۔ اور اگر تیرا رب چاہتا بیشک ایمان لے آتے جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے تمام اب کیا تو زبردستی

کرے گا لوگوں پر کہ ہو جائیں با ایمان [۱۳۴]

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَبِيحًا

أَفَأَنْتَ تُكْمِرُهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۹۹﴾

۱۰۰۔ اور کسی سے نہیں ہو سکتا کہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ ڈالتا ہے گندگی ان پر جو نہیں سوچتے [۱۳۵]

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَ

يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۰﴾

۱۳۴۔ یعنی آپ کو یہ قدرت نہیں کہ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اتار دیں۔ خدا چاہتا تو بیشک سب آدمیوں کے دلوں میں ایمان ڈال سکتا تھا۔ مگر جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں تقریر کی جا چکی ہے، ایسا کرنا اس کی تکوینی حکمت و مصلحت کے خلاف تھا، اس لئے نہیں کیا۔

۱۳۵۔ اللہ کی توفیق کے بغیر ایمان نہیں ملتا: خدا کی مشیت و توفیق اور حکم تکوینی کے بدون کوئی ایمان نہیں لاسکتا۔ اور یہ حکم و توفیق ان ہی کے حق میں ہوتی ہے جو خدا کے نشانات میں غور کریں۔ اور عقل و فہم سے کام لیں۔ جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے انہیں خدا تعالیٰ کفر و شرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

۱۰۱۔ تو کہہ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو جو نہیں مانتے [۱۳۶]

قُلِ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

تُعْجِبُ الْآيَاتِ وَالنُّذُرِ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۲۔ سواب کچھ نہیں جس کا انتظار کریں مگر انہی کے سے دن جو گذر چکے ہیں ان سے پہلے تو کہہ اب راہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں [۱۳۷]

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا

مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانظُرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ

الْبُنْتِظِرِينَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۳۔ پھر ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لائے اسی طرح ذمہ ہے ہمارا بچا دیں گے ایمان والوں کو [۱۳۸]

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ حَقًّا

عَلَيْنَا نَجِّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾

۱۳۶۔ یعنی سوچنے اور غور کرنے والوں کے لئے آسمان و زمین میں خدا کی قدرت و حکمت اور توحید و تفرید کے کیا کچھ نشان موجود ہیں۔ بلکہ ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ اس کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو کسی بات کو ماننا اور تسلیم کرنا نہیں چاہتے ان کے لئے یہ سب نشانات و دلائل بے کار ہیں۔ اور ڈرانے والے پیغمبروں کی تنبیہ و تحذیف بھی غیر موثر ہے۔

۱۳۷۔ ایسی ضدی اور معاند قوم کے لئے جو کسی دلیل اور نشان کو نہ مانے، اور کچھ باقی نہیں بجز اس کے کہ گذشتہ مکذبین پر جو آفات و حوادث نازل ہوئے ہیں ان کا یہ بھی انتظار کریں۔ سو بہتر ہے تم اور ہم دونوں مل کر اس وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ تاکہ صادق و کاذب کا آخری فیصلہ سامنے آجائے۔

۱۳۸۔ یعنی جیسے پہلی قوموں کے ساتھ ہماری عادت رہی ہے کہ مکذبین کو ہلاک کر کے پیغمبروں اور مومنین کو بچایا۔ اسی طرح موجود اور آئندہ مومنین کی نسبت ہمارا وعدہ ہے کہ ان کو نجات دیں گے آخرت میں عذاب الیم سے اور دنیا میں کفار کے مظالم اور سختیوں سے ہاں شرط یہ ہے

کہ مومنین مومنین ہوں۔ یعنی صفات و خصال رکھتے ہیں جو قرآن و حدیث میں مومنین کی بیان ہوئی ہیں۔

۱۰۴۔ کہہ دے اے لوگو اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو میں عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اور لیکن میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو کھینچ لیتا ہے تم کو اور مجھ کو حکم ہے کہ رہو ایمان والوں میں

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي  
فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن  
أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ  
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۵۔ اور یہ کہ سیدھا کر منہ اپنا دین پر حنیف ہو کر اور مت ہو شرک والوں میں

وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ وَلَا تَكُونَنَّ  
مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۶۔ اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا پھر اگر تو ایسا کرے تو تو بھی اس وقت ہو ظالموں میں [۱۰۶]

وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ  
فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۷۔ اور اگر پہنچا دیوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو بھانے والا اس کے سوا اور اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھرنے والا نہیں اس کے فضل کو پہنچائے اپنا فضل جس پر چاہے اپنے بندوں میں اور وہی ہے بخشنے والا مہربان [۱۰۷]

وَأِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَ  
إِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۗ يُصِيبُ بِهِ مَن  
يَشَاءُ مِّن عِبَادِهِ ۗ وَهُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے توحید کی تعلیم و تاکید: یعنی اگر میرا طریقہ اور مسلک دینی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے اس کی نسبت شکوک و شبہات میں پھنسے ہوئے ہو تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں کی عبادت سے سخت نفور اور بیزار ہوں جس کے اختیار کرنے کا امکان بھی کبھی میری طرف سے دل میں نہ لانا۔ میری عبادت خالص اس خداوند قدوس کے لئے ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سب کی جانیں ہیں۔ کہ جب تک چاہے انہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے گویا موت و حیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اسی کی ہو سکتی ہے نہ صرف یہ کہ جو ارح سے اس کی بندگی کی جائے ضروری ہے کہ دل میں اس کی توحید و تفرید پر پورا یقین و ایمان ہو اور ظاہر و باطن میں اسی دین حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرک جلی و خفی کا تمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔ جس طرح عبادت صرف اسی کی

کریں۔ استعانت کے لئے بھی اسی کو پکاریں کیونکہ ہر قسم کا نفع نقصان اور بھلائی برائی تنہا اسی کے قبضہ میں ہے مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع نقصان کے مالک نہ ہوں سخت بے موقع بات بلکہ ظلم عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو ان کی عظیم الشان شخصیت کو لحاظ کرتے ہوئے ظلم اعظم ہو گا۔

۱۴۰۔ جب ان چیزوں کے پکارنے سے منع کیا جن کے قبضہ میں تمہارا بھلا برا کچھ نہیں تو مناسب ہو کہ اس کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے جو تکلیف و راحت اور بھلائی برائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار اور قبضہ رکھتا ہے جس کی سمجھی ہوئی تکلیف کو دنیا میں کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ اور جس پر فضل و رحمت فرمانا چاہے کسی کی طاقت نہیں کہ اسے محروم کر سکے۔

۱۰۸۔ کہہ دے اے لوگو پہنچ چکا حق تم کو تمہارے رب سے اب جو کوئی راہ پر آئے سو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو اور جو کوئی بہکا پھرے سو بہکا پھرے گا اپنے برے کو اور میں تم پر نہیں ہوں مختار [۱۴۱]

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ

فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ

۱۰۹۔ اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور صبر کر جب تک فیصلہ کرے اللہ اور وہ ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا [۱۴۲]

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ

اللَّهُ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ

۱۴۱۔ یعنی حق واضح طور پر دلائل و براہین کے ساتھ پہنچ کا جس کے قبول نہ کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں خدا کی آخری حجت بندوں پر تمام ہو گئی۔ اب ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے گا دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گا۔ جو اسے چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرے گا خود پریشان اور ذلیل و خوار رہے گا۔ اپنے بھلے برے کو خوب سمجھ کر ہر شخص اپنے مستقبل کا انتظام کر لے اور جو راستہ پسند ہو اختیار کرے۔ پیغمبر کوئی مختار بنا کر نہیں بھیجے گئے جو تمہارے افعال کے ذمہ دار اور جواب دہ ہوں ان کا کام صرف آگاہ کر دینے کا ہے۔ اس پر چلنا، چلنے والے کے اختیار میں ہے۔

۱۴۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہ کریں تو اپنے کو ان کے غم میں نہ گھلائیں۔ آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے رہئے اور تبلیغ وغیرہ کے کام میں لگے رہئے۔ اور جو شدا اند اس راستہ میں پہنچیں ان پر صبر کیجئے مخالفین کی ایذا رسانیوں کو تحمل کرتے رہنا چاہئے۔ یہاں تک خدا آپ کے اور ان کے درمیان بہترین فیصلہ کر دے یعنی حسب وعدہ آپ ﷺ کو منصور و غالب کرے یا جہاد کا حکم بھیج دے۔

تم سورۃ یونس بمنہ تعالیٰ وفضلہ۔ فلله الحمد علی ذلک۔

آیاتها ۱۳۳

سُورَةُ هُودٍ مَكِّيَّةٌ ۵۲

رکوعاتها ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱- یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اسکی باتوں کو پھر کھولی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے [۱]

الرَّ كِتَبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾

۲- کہ عبادت نہ کرو مگر اللہ کی [۲] میں تم کو اسی کی طرف سے ڈر اور خوشخبری سنا تا ہوں [۳]

اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ۚ اِنِّیْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِيْرٌ وَّ

بَشِيْرٌ ﴿۲﴾

۳- اور یہ کہ گناہ بخشو اور اپنے رب سے پھر رجوع کرو اسکی طرف کہ فائدہ پہنچائے تم کو اچھا فائدہ ایک وقت مقرر تک [۴] اور دیوے ہر زیادتی والے کو زیادتی اپنی [۵] اور اگر تم پھر جاؤ گے تو میں ڈر تا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے [۶]

وَاَنْ اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوْا اِلَيْهِ يَتَّعَمَّ

مَتَاعًا حَسَنًا اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُوْتِ كُلَّ ذِي

فَضْلٍ فَضْلَهُ ۗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ

عَذَابَ یَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾

۴- اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

اِلٰی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳﴾

۵- سنتا ہے وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے تاکہ چھپائیں اس سے سنتا ہے جس وقت اوڑھتے ہیں اپنے کپڑے جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ تو جاننے والا ہے دلوں کی بات [۴]

اَلَّا اِنَّهُمْ یَشْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لَیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۗ

اَلَا حِیْنَ یَسْتَعْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ

وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾

۱۔ قرآن کی عظمت و شرف: یعنی یہ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر حیثیت سے نہایت چچی تلی باون تولہ پاؤرتی ہیں۔ نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن اصول و فروع، اخلاق و اعمال اور قیمتی بند و نصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل و براہین اثبات دعاوی کے لئے استعمال کی گئی ہیں۔ وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلی ہوئی ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسی مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کر کے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات و حوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح ماندہ قرآنی کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لئے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو۔ ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال و ابہام کی وجہ سے کتاب معمرہ اور چیتاں بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بموقع دلائل توحید، احکام، مواظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ نزولی حیثیت میں بھی یہ حکمت مرعی رہی ہے کہ پورا قرآن ایک دم نہیں اتارا۔ بلکہ وقتاً فوقتاً موقع و مصلحت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ آیات کا نزول ہوتا رہا۔ قرآن میں ان تمام باریکیوں کو مجتمع دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے مگر حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر حکیم مطلق اور خمیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کلام میں توقع کی جاسکتی ہے۔

۲۔ یعنی اس محکم و مفصل کتاب کے نازل کرنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو صرف خدائے واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جائے۔ اور اس کے طریقے سکھائے جائیں۔ اسی عظیم و جلیل مقصد کے لئے پہلے انبیاء تشریف لائے تھے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْ ذُن (الانبیاء۔ ۲۵) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل۔ ۳۶)۔

۳۔ یعنی جو کتاب کو مانے اور شرک چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرے اسے فلاح دارین کی خوشخبری سناتے ہیں۔ جو نہ مانے اور کفر و شرک اختیار کرے اس کو عذاب الہی سے ڈراتے ہیں۔

۴۔ رجوع الی اللہ کے فوائد: جو پچھلی تفصیلات معاف کرائے اور آئندہ کے لئے خدا کی طرف دل سے رجوع ہو تو دنیا کی زندگی اچھی طرح گزرے کیونکہ مومن قانت خواہ کسی حال میں ہو۔ مگر خدا کے فضل و کرم کی بڑی بڑی امیدیں رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور مستقبل کی عظیم الشان خوشحالی کے تصور میں اس قدر گمن رہتا ہے کہ یہاں کی بڑی بڑی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتا وہ جب خیال کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے فرائض صحیح طور پر انجام دے رہا ہوں جس کا صلہ مجھ کو ضرور ایک دن عرش والی سرکار سے ملنے والا ہے تو اپنی کامیابی اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد کر کے اس کا دل جوش مسرت سے اچھلنے لگتا ہے۔ اسے دنیا کی تھوڑی سے پونجی میں وہ سکون قلبی اور راحت باطنی نصیب ہوتی ہے جو بادشاہوں کو بیٹھارہ سالانوں اور اموال و خزانوں سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ بعض اوقات یہاں کی چند روزہ تکلیفوں اور سختیوں میں وہ

ذلت پاتے ہیں جو اغنیاء و ملوک اپنے عیش و تنعم میں محسوس نہیں کرتے۔ ایک محب وطن سیاسی قیدی کو اگر فرض کیجئے یقین ہو جائے کہ میری اسیری سے ملک اجنبیوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا اور مجھے قید سے نکلنے ہی ملک کی جمہوریہ کا صدر بنا دیا جائے گا۔ تو کیا اسے جیل خانہ کی بند کوٹھری میں سرور و اطمینان کی کیفیت اس بادشاہ سے زیادہ حاصل نہ ہوگی؟ جس کے لئے ہر قسم کے سامان عیش و طرب فراہم ہیں مگر اندیشہ لگا ہوا ہے کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ تخت شاہی سے اتارا جانے والا ہے۔ اسی پر دنیا کے جیل خانہ میں ایک مومن قانت کی زندگی کو قیاس کر لو۔

۵۔ جو جس قدر زیادہ بڑھ کر عمل کرے گا اسی قدر خدا کے فضل سے زیادہ حصہ پائے گا۔ آخرت میں اجر و ثواب اور دنیا میں مزید طمانیت حاصل ہوگی۔

۶۔ یعنی میری بات نہ مانو گے تو قیامت کو عذاب یقینی ہے، باقی یہ فرمانا کہ ”میں ڈرتا ہوں“ اس سے مقصود حضور کی عام شفقت و ہمدردی خلاق کا اظہار کرنا ہے۔

۷۔ سزا دینے کے لئے ضروری ہے کہ مجرم حاضر ہو حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو۔ مجرمین کی کل کارروائیاں اس کے علم میں ہوں۔ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ میں بتلادیا کہ مجرم و غیر مجرم سب کو خدا کے یہاں حاضر ہونا ہے۔ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ میں قدرت و اختیار کا عموم بیان فرمایا اور اَلَا اِنَّهُمْ يَشْتُوْنَ صُدُوْرَهُمْ سے بِذَاتِ الصُّدُوْرِ تک اس کے علم محیط کی وسعت کو ظاہر کیا کہ خدا ہر کھلی چیز کو یکساں جانتا ہے حتیٰ کہ دلوں کی تہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر بھی مطلع ہے پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کس طرح اس سے مخفی رکھ کر نجات پاسکتا ہے۔

صحابہ کرام کا ایمان کامل اور حیا: تمبیہ: ان آیات کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ صحیح ترین روایت ابن عباس کی بخاری میں ہے کہ بعض مسلمانوں پر حیا کا اس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ استنجایا جماع کے وغیرہ ضروریات بشری کے وقت کسی حصہ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبہ حیا سے جھکے جاتے اور شرمگاہ کو چھپانے کے لئے سینہ کو دہرا کئے لیتے تھے۔ اس طرح کے آثار کبھی کبھی غایت تادب مع اللہ اور غلبہ حیا سے ناشی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگ ”صوفیہ“ کی اصطلاح میں ”مغلوب الحال“ کہلاتے ہیں چونکہ صحابہؓ کا کسی مسئلہ میں ایسا غلو اور تعق آئندہ امت کو ضیق میں مبتلا کر سکتا تھا اس لئے قرآن نے اَلَا حِیْنَ یَسْتَعْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ الخ سے انکی اصلاح فرمادی۔ یعنی اگر بوقت ضرورت بدن کھولنے میں خدا سے حیا آتی ہے اس لئے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر و باطن کیا خدا کے سامنے نہیں ہے؟ جب انسان اس سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا پھر ضرورت بشریہ کے متعلق اسقدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ واضح ہو کہ ربط آیات کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہو، سبب نزول سے مناسب رکھنا ضروری نہیں۔

۶۔ اور کوئی نہیں ہے چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی [۸] اور جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے [۹] سب کچھ موجود ہے کھلی کتاب میں [۱۰]

وَمَامِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَ  
يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلُّ فِي كِتَابٍ

مُبِينٍ ﴿٦﴾

۷۔ اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں [۱۱] اور تھا اس کا تخت پانی پر [۱۲] تاکہ آزمائے تم کو کہ کون تم میں اچھا کرتا ہے کام [۱۳] اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد تو البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے کھلا ہوا [۱۴]

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ  
أَيَّامٍ وَ كَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْبَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ  
أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ

بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا

سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾

۸۔ اور اگر ہم روکے رکھیں ان سے عذاب کو ایک مدت معلوم تک تو کہنے لگیں کس چیز نے روک دیا عذاب کو سنتا ہے جس دن آئے گا ان پر نہ پھیرا جائے گا ان سے اور گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس پر ٹھٹھے کیا کرتے تھے [۱۵]

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ  
لَيَقُولَنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ

مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ

يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨﴾

۸۔ اللہ تعالیٰ تمام جانداروں کو رزق پہنچاتا ہے: پہلے علم الہی کی وسعت بیان ہوئی تھی۔ یہ اسی مضمون کا تکملہ ہے۔ یعنی زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی احتیاج لاحق ہو، اس کو روزی پہنچانا خدا نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے۔ جس قدر روزی جس کے لئے مقدر ہے یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ جو وسائل و اسباب بندہ اختیار کرتا ہے، وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں۔ اگر آدمی کی نظر اسباب و تدابیر اختیار کرتے وقت مسبب الاسباب پر ہو، تو یہ توکل کے منافی نہیں۔ البتہ خدا کی قدرت کو ان اسباب عادیہ میں محصور و مقید نہ سمجھا جائے۔ وہ گاہ بگاہ سلسلہ اسباب کو چھوڑ کر بھی روزی پہنچاتا یا اور کوئی کام کر دیتا ہے۔ بہر حال جب تمام جانداروں کی حسب استعداد غذا اور معاش مہیا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے تو ضروری ہے کہ اس کا علم ان سب پر محیط ہو۔ ورنہ ان کی روزی کی خبر گیری کیسے کر سکے گا۔



۹- مستقر اور مستودع کے معانی: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”مستقر (جہاں ٹھہرتا ہے) بہشت و دوزخ اور مستودع (جہاں سونپا جاتا ہے) اس کی قبر ہے۔ پہلے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلٰی میں دنیوی زندگی کا بیان تھا۔ یہاں برزخ اور آخرت کا بیان ہوا مطلب یہ ہوا کہ خدا ابتداء سے انتہاء تک تمہاری ہستی کے تمام درجات کا علم رکھتا ہے۔“ مستقر ”و“ مستودع ”کی تعین میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں پہلے سورہ انعام میں بھی ہم کچھ لکھ چکے ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ زمین میں جہاں تک چلے پھرے اس کے منتہائے سیر کو مستقر اور پھر پھر کر جس ٹھکانے پر آئے اسے مستودع کہتے ہیں۔ ابن عباس کے نزدیک اس زندگی میں جہاں رہے وہ مستقر اور موت کے بعد جہاں دفن کیا جائے وہ مستودع ہے۔ مجاہد نے مستقر سے رحم مادر اور مستودع سے صلب پدر مراد لی ہے۔ عطاء نے اس کے عکس کا دعویٰ کیا۔ بعض متفسرین کا خیال ہے کہ زمین میں حیوانات کا جو مسکن بالفعل ہے اسے مستقر اور وجود (فعلی سے پہلے جن مواد و مقار میں رہ کر آئے انہیں مستودع کہا گیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ ان تمام مختلف مواد اور اطوار و ادوار کا عالم ہے جن میں سے کوئی حیوان گذر کر اپنی موجود ہیئت کڈائی تک پہنچا ہے۔ وہ ہی اپنے علم محیط سے ہر مرتبہ وجود میں اس کی استعداد کے مناسب وجود و کمالات وجود فائض کرتا ہے۔

۱۰- یعنی لوح محفوظ میں جو صحیفہ علم الہی ہے پھر علم الہی میں ہر چیز کیسے موجود نہ ہوگی۔

۱۱- یہ علم کے بعد قدرت کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر سورہ اعراف کے ساتویں رکوع میں گذر چکی۔

۱۲- زمین و آسمان سے پہلے پانی کی تخلیق: یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہوا جو آئندہ اشیاء کا مادہ حیات بننے والا تھا۔ وَجَعَلْنَا مِنَ

النَّارِ كُلِّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء-۳۰) اس وقت عرش خداوندی اسی کے اوپر تھا جیسے اب سموات کے اوپر ہے گویا یہ ایک صورت تھی جو اس حقیقت کو ظاہر کر رہی تھی کہ کائنات کا مادہ اور ذریعہ حیات بالکل یہ رب العرش کے تسلط و تصرف اور قیومیت مطلقہ کے ماتحت ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳- تخلیق کی غرض و غایت: یعنی اس سارے نظام کی تخلیق و ترتیب سے مقصود تمہارا یہاں بسانا اور امتحان کرنا ہے۔ کہ کہاں تک اس عجیب و غریب نظام اور سلسلہ مصنوعات میں غور کر کے خالق و مالک کی صحیح معرفت حاصل کرتے اور مخلوقات ارضی و سماوی سے منتفع ہو کر محسن شناسی اور سپاس گذاری کا فطری فرض بجالاتے ہو۔ یہ مقام تمہاری سخت آزمائش کا ہے۔ مالک حقیقی دیکھتا ہے کہ تم میں سے کونسا غلام صدق و اخلاص اور سلیقہ مندی سے اچھا کام کرتا اور فرائض بندگی انجام دیتا ہے۔

۱۴- جب یہ دنیا امتحان و آزمائش کی وجہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کے بعد مجازات (انعام و انتقام) کا سلسلہ ہوتا تھا کہ کفرین و کافرین کو اپنے اپنے کئے کا پھل ملے۔ اسی لئے یہاں بعث بعد الموت کا ذکر کیا گیا۔ یعنی کفار مکہ کو یقین نہیں آتا کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور اپنے جرائم کی سزا بھگتیں گے۔ جب وہ قرآن میں یا حضور کی زبان سے بعث بعد الموت کا نہایت مؤثر بیان سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کا یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و مسحور کر لیا۔ مگر یاد رکھئے ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں۔ (ابن کثیر)۔

۱۵- یعنی جب ان کی شرارتوں پر عذاب الہی سے ڈرایا جاتا ہے مگر خدا کی حکمت ایک مدت معین تک عذاب کو روکے رکھتی ہے تو تکذیب و استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے، آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اسے پکڑ رکھا ہے فرماتے ہیں کیا مذاق کرتے ہو۔ وقت معین پر جب عذاب آئے گا کسی کے ٹالے نہ ٹالے گا۔ اور ہر طرف سے گھیر کر تباہ و برباد کر کے چھوڑے گا۔

۹- اور اگر ہم چکھادیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت پھر

وہ چھین لیں اس سے تو وہ ناامید نا شکر ہوتا ہے [۹]

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِّنْ اَرْحَمَةٍ ثُمَّ نَزَعْنَاهَا

مِنْهُ اِنَّهُ لَيَكْفُرُۙ

۱۰۔ اور اگر ہم چکھویں اسکو آرام بعد تکلیف کے جو پہنچی تھی اسکو تو بول اٹھے دور ہوئیں برائیاں مجھ سے وہ تو اترانے والا شیخی خور ہے [۱۷]

۱۱۔ مگر جو لوگ صابر ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں انکے واسطے بخشش ہے اور ثواب بڑا [۱۸]

۱۲۔ سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کچھ چیز ان میں سے جو وحی آئی تیری طرف اور تنگ ہو گا اس سے تیرا جی اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتر اس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اسکے ساتھ فرشتہ تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہے ہر چیز کا ذمہ دار [۱۹]

۱۳۔ کیا کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے تو قرآن کو کہہ دے تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی بنا کر اور بلا لو جس کو بلا اسکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے

۱۴۔ پھر اگر نہ پورا کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ قرآن تو اترا ہے اللہ کی وحی سے اور یہ کہ کوئی حاکم نہیں اسکے سوا پھر اب تم حکم مانتے ہو [۲۰]

۱۶۔ آدمی کی ناشکری اور شیخی: یعنی اب تو کہتے ہیں عذاب کہاں ہے کیوں نہیں آتا لیکن آدمی بودا اور تھڑ دلا اتنا ہے کہ اگر خدا چند روز اپنی مہربانی سے عیش و آرام میں رکھنے کے بعد تکلیف میں مبتلا کر دے تو پچھلی مہربانیاں بھی بھلا دیتا ہے اور ناامید ہو کر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھتا ہے۔ گذشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی، یہ ہی اس کی زندگی کا حاصل ہے۔

۱۷۔ یعنی مصیبت کے بعد اگر خدا آرام و آسائش نصیب کرے تو سمجھتا ہے کہ گویا اب ہمیشہ کے لئے مصائب و تکالیف کا خاتمہ ہو چکا، پچھلی

وَلَيْنِ اَذَقْنَهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لِيَقُولَنَّ

ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۗ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿۱۰﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ وَضٰلِقٌ بِهٖ

صَدْرِكَ اَنْ يَقُوْلُوْا لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ

مَعَهُ مَلَكٌ ۗ اِنَّا اَنْتَ نَذِيْرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ

شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾

اَمْ يَقُوْلُوْنَ اِفْتَرٰهُ ۗ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهٖ

مُفْتَرِيْتٍ وَّاَدْعُوْا مَنْ اَسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

فَاَلَمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا اِنَّا اَنْزَلْنَا بِعِلْمِ اللّٰهِ

وَاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

کیفیت کبھی لوٹ کر آنے والی نہیں۔ اس وقت غافل و مغرور ہو کر شیخیاں مارتا اور اترا پھرتا ہے حالانکہ چاہئے تھا کہ پچھلی حالت یاد کر کے خدا کا شکر ادا کرتا اور اس کے احسان کے سامنے جھک جاتا۔

۱۸۔ یعنی جو حال اوپر عام انسانوں کا بیان ہوا۔ اس سے اللہ کے وہ بندے مستثنیٰ ہیں جو تکلیف و مصیبت کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرتے اور امن و راحت کے وقت شکر گزاری کے ساتھ عمل صالح میں مستعدی دکھاتے ہیں۔ ایسے اولوالعزم و فاداروں کی جماعت ہی عظیم الشان بخشش و انعام کی مستحق ہے۔

۱۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال عزیمت: مشرکین مکہ شرک و بت پرستی کی تردید سے بہت غیظ کھاتے تھے مشرکانہ خرافات پر جس قدر ان کی تحقیق و تجہیل کی جاتی اسی قدر ان کے غصہ کی آگ بھڑکتی تھی۔ کبھی کوشش کرتے تھے کہ آپ کو اس معاملہ میں ذرا ڈھیلا کر دیں اور اس سب سے بڑے اور بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی اور تساہل برتنے پر آمادہ کریں جب ادھر سے مایوس ہوتے تو محض دق کرنے کو عجیب بیہودہ فرمائشیں کرنے لگتے مثلاً یہ کہتے کہ آپ سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہو کر آئے ہیں تو آپ کے ساتھ خدا کے یہاں سے مال و دولت کا بڑا خزانہ آنا چاہئے تھا۔ یا آسمان سے ایک فرشتہ آتا جو آپ کے ہمراہ تصدیق کے لئے ہر طرف جایا کرتا۔ لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ لَكُنَّا مِنَ الْغَائِبِينَ (ہود۔ ۱۲) گویا جب آپ کی بات منوانے کے لئے نہ مادی طاقت ساتھ ہے نہ روحانی پھر ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپ ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت مغموم اور دلگیر ہوتے تھے۔ ممکن ہے کبھی ایسا خیال بھی دل میں گذرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے، تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ شاید زیادہ مؤثر اور مفید ہو یا جو فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں ان کی یہ ضد بھی کسی حد تک پوری کر دی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان ہو جائیں۔ بہر حال وہ ایسا نازک اور پرخطر وقت تھا کہ تمام دنیا باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی صرف ایک مقدس ہستی تھی جس کے حلقوم سے حق کی آواز نکل کر باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی۔ آپ چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے نرغہ میں گھر رہے تھے۔ کوئی جھٹلاتا کوئی طعن کرتا کوئی مذاق اڑاتا تھا۔ اس ماحول کا تصور کرو۔ اور اس مبلغِ اعظم کی قوت قلب اور ہمت مردانہ کا اندازہ لگاؤ، جس کا تمام تر اعتماد و انکال ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے وعدوں پر تھا۔ آپ جب محزون و دلگیر ہوتے تو صرف اپنے پروردگار کی آواز سے ہی تسلی پاتے اور دنیا کے مقابلہ میں تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اسی سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی بیہودہ خرافات اور فرمائشوں کی وجہ سے اس قدر فکر مند اور غمگین نہ ہوں نہ اپنے دل میں ان لوگوں کی مراعات کا خیال لائیں۔ کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی الہی نے جو چیزیں آپ کو سکھائی ہیں اور جس بے خوف و خطر تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کے بعض حصہ کو ان لوگوں کی خرافات سے تنگ دل ہو کر چھوڑ بیٹھیں۔ جب یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزمی مانع ہے تو تنگدل ہونے سے کیا فائدہ۔ آپ کا کام صرف بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے ان کی ہدایت کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ خدا تعالیٰ جس کے سپرد ہر چیز ہے ان کا معاملہ بھی اسی کے سپرد کیجئے اور صبر و استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ثابت قدم رہئے۔

۲۰۔ قرآن جیسی دس سورتیں بنالاء۔ کفار کو چیلنج: "یعنی فرمائشی معجزے طلب کرتے ہیں، جن کا دیا جانا مصلحت نہیں۔ اور جو سب سے بڑا معجزہ (قرآن) ان کے سامنے ہے، اسے مانتے نہیں، کہتے ہیں یہ تو (معاذ اللہ) تمہاری بنائی ہوئی گھڑنت ہے۔ اس کا جواب دیا کہ تم بھی آخر عرب ہو، فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو، سب مل کر ایسی ہی دس سورتیں گھڑ کر پیش کر دو اور اس کام میں مدد دینے کے لئے تمام مخلوق کو بلکہ اپنے ان معبودوں کو بھی بلا لاء جنہیں خدائی کا شریک سمجھتے ہو۔ اگر نہ کر سکو اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے۔ جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام ہے جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اتارا ہے بیشک جس کے کلام کا مثل نہیں ہو

سکتا اس کی ذات و صفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ کیا ایسے واضح دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار بننے میں کسی چیز کا انتظار ہے (تنبیہ) اعجاز قرآن کی کچھ تفصیل سورہ ”یونس“ میں گذر چکی۔ ابتداء میں پورے قرآن سے تحدی کی گئی تھی۔ پھر دس سورتوں سے ہوئی۔ پھر ایک سورت سے جیسا کہ بقرہ اور یونس میں گذرا۔ گویا ان کا عجز بتدریج نمایاں کیا گیا۔

۱۵۔ جو کوئی چاہے دنیا کی زندگانی اور اسکی زینت بھگتا دیں گے ہم انکو ان کے عمل دنیا میں اور انکو اس میں کچھ نقصان نہیں [۲۱]

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ

إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾

۱۶۔ یہی ہیں جن کے واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے سوا [۲۲] اور برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں اور خراب گیا جو کمایا تھا [۲۳]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۗ

وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَ بَطُلٌ مَّا كَانُوا

يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ بھلا ایک شخص جو ہے صاف رستہ پر اپنے رب کے اور اس کے ساتھ ساتھ ہے ایک گواہ اللہ کی طرف سے اور اس سے پہلے گواہ تھی موسیٰ کی کتاب رستہ بتلاتی اور بخشواتی (اور وہی برابر ہے) [۲۴] یہی لوگ مانتے ہیں قرآن کو اور جو کوئی منکر ہو اس سے سب فرقوں میں سے سو دوزخ ہے ٹھکانہ اس کا [۲۵] سو تو مت رہ شبہ میں اس سے بیشک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور پر بہت سے لوگ یقین نہیں کرتے [۲۶]

أَفَبُنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ

مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَ رَحْمَةً ۖ

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَ مَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِّن

الْأَحْزَابِ فَاَلنَّارُ مَوْعِدُهُ ۗ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ

مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِّنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾

۲۱۔ کفار کی نیکیوں کی جزا دنیا میں: یعنی ایسے واضح ثبوت کے بعد جو شخص قرآن پر ایمان لاتا، یا اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر نہیں چلتا بلکہ دنیا کی چند روزہ زندگی اور فانی ٹیپ ٹاپ ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا کر عملی جدوجہد کرتا ہے۔ اگر بظاہر کوئی نیک کام مثلاً خیرات وغیرہ کرتا ہے تو اس سے بھی آخرت کی بہتری اور خدا کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی محض دنیوی فوائد کا حاصل کر لینا پیش نظر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی بابت خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا منافقین یا دنیا پرست ریاکار مسلمان۔ بتلادیا کہ دنیا ہی میں ان کا بھگتان کر دیا جائے گا۔ جو اعمال اور کوششیں وہ

حصول دنیا کے لئے کریں گے ان کے کم و کیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے جس قدر مناسب جانے گا اور دینا چاہے گا۔ یہیں عطا فرمادے گا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر جو خیرات وغیرہ کے کام کرے اس کی یہ فانی اور صوری حسنات جو روح ایمان سے یکسر خالی ہیں، دنیا میں رائیگاں نہیں جاتیں ان کے بدلہ میں خدا تعالیٰ تندرستی، مال، اولاد، عزت و حکومت وغیرہ دے کر سب کھاتا بے باق کر دیتا ہے۔ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کوئی چیز اس کے کام آنے والی نہیں۔ جس کافر کے لئے جس درجہ کی سزا تجویز ہو چکی ہے وہ کبھی اس سے ٹلنے یا کم ہونے والی نہیں۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مِنْ مُمْمَاتٍ مَذْهُورًا (بنی اسرائیل- ۱۸) ریاکار اور دنیا پرست عالم، متصدق اور مجاہد کے حق میں جو وعید آئی ہے۔ اس کا حاصل بھی یہ ہی ہے کہ ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ جس غرض کے لئے تو نے علم سکھلایا، یا صدقہ و جہاد کیا وہ دنیا میں حاصل ہو چکی، اب ہمارے پاس تیرے لئے کچھ نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہو گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ (اعادتا اللہ منہا)

۲۲۔ یعنی ان اعمال پر دوزخ کے سوا اور کسی چیز کے مستحق نہیں۔ کفار ابدی طور پر اور ریاکار مسلمان محدود مدت کے لئے۔ ہاں خدا تعالیٰ بعض مومنین کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادے، وہ الگ بات ہے۔

۲۳۔ یعنی دنیا میں جو کام دنیوی اغراض کے لئے کئے تھے، آخرت میں پہنچ کر ظاہر ہو گا کہ وہ سب برباد ہوئے اور ریاکاری یا دنیا پرستی کے سلسلہ میں بظاہر جو نیکیاں کمائی تھیں، سب یوں ہی خراب گئیں، یہاں کوئی کام نہ آئی۔

۲۴۔ شاہد کی تفسیر: یعنی یہ شخص اور وہ ریاکار دنیا پرست جن کا ذکر پہلے ہوا، کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ”بینہ“ (صاف رستہ) سے مراد وہ رستہ ہے جس پر انسان اپنی اصلی اور صحیح فطرت کے موافق چلنا چاہتا ہے۔ بشرطیکہ گرد و پیش کے حالات و خیالات سے متاثر نہ ہو۔ اور وہ توحید، اسلام اور قرآن کا راستہ ہے۔ فَأَقَمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَوِيمُ (روم- ۳۰) وفی الحدیث کُلُّ مَوْلُودٍ يُوَدُّ عَلَى الْفِطْرِ فَآبَاؤُهُ أَوْ يَتَمِّمُونَهُ أَوْ يُنَسِّبُونَهُ أَوْ يُجَسِّمُونَهُ (گواہ اللہ کی طرف سے) قرآن عظیم ہے جو گواہی دیتا ہے کہ ”دین فطرت“ (توحید و اسلام) پر چلنے والا بیشک ٹھیک راستہ پر چل رہا ہے اور وہ قرآن اپنی حقانیت کا بھی خود گواہ ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ چونکہ قرآن کے لانے والے جبریل امین اور لینے والے محمد ﷺ ہیں اس اعتبار سے ان کو بھی شاہد کہہ سکتے ہیں بلکہ حضور ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات، معجزات، زبان مبارک، چہرہ نورانی ہر چیز سے شہادت ملتی ہے کہ جس دین کے آپ حامل ہیں وہ بالکل سچا دین ہے۔ آگے وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبْنَا لِلنَّبِيِّ إِمَامًا وَأَرْحَمَةً كَمَا مَطَّلَبُ يَهْدِيهِ إِلَى الْبَيْتِ الْحَرَامِ لِيُخْبِرَهُمْ بِاتِّفَاقِهِمْ عَلَيْهِ لِقَاءِ رَبِّهِمْ فِي سَبْعِينَ يَوْمًا مِنْ قَبْلِهِ يُخْبِرُهُمْ رَبُّهُ لِيَلْعَنَ السَّافِهِينَ (تواریخ) اتاری گئی قرآن سے پیشتر اسے ایک بڑا بھاری شاہد ان لوگوں کی حقانیت کا کہنا چاہئے جو دین فطرت کے صاف راستہ پر چلتے ہیں۔

۲۵۔ نجات کا واحد راستہ قرآن ہے: یعنی یہود، نصاریٰ، بت پرست، مجوس، عرب، عجم، یورپ، ایشیا، کسی فرقہ جماعت اور ملک و ملت سے تعلق رکھتا ہو جب تک قرآن کو نہ مانے گا نجات نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی بعض احادیث میں آپ ﷺ نے بہت تصریح و تعمیم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

۲۶۔ یہ خطاب ہر شخص کو ہے جو قرآن سنے یا حضور ﷺ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ قرآن کی صداقت اور ”من اللہ“ ہونے میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ نہیں مانتے وہ احمق ہیں یا معاند۔

۱۸۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ [۲۷] وہ لوگ روبرو آئیں گے اپنے رب کے اور کہیں گے گواہی دینے والے یہی ہیں جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اپنے رب پر [۲۸] سن لو پھٹکار ہے اللہ کی ناانصاف لوگوں پر

۱۹۔ جو کہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہی ہیں آخرت سے منکر [۲۹]

۲۰۔ وہ لوگ نہیں تھکانے والے زمین میں بھاگ کر اور نہیں انکے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی [۳۰] دونا ہے ان کے لئے عذاب [۳۱] نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ دیکھتے تھے [۳۲]

۲۱۔ وہی ہیں جو کھو بیٹھے اپنی جان اور گم ہو گیا ان سے جو جھوٹ باندھا تھا [۳۳]

۲۲۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے زیادہ نقصان میں

۲۳۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک اور عاجزی کی اپنے رب کے سامنے وہ ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں رہا کریں گے [۳۴]

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۗ أُولَٰئِكَ

يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ

كَذَّبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمُ ۚ آلَاءُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا

عُوجًا ۗ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿١٩﴾

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ

لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۗ يُضَعِفُ لَهُمْ

العَذَابُ ۗ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا

كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

لَا جَرَمَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْآخِسُونَ ﴿٢٢﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ

رَبِّهِمْ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۗ هُمْ فِيهَا

خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک تو اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال پھر کیا تم غور نہیں کرتے [۳۵]

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرِ وَالسَّبْعِ ط هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا ط أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾

۲۷۔ یعنی قرآن جھوٹ اور افتراء نہیں۔ خدا کا سچا پیغام ہے جس کو قبول کرنا ضروری ہے خوب سمجھ لو کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ مثلاً اس کا کلام نہ ہو اور کہہ دے کہ اس کا کلام ہے یا واقعی اس کا ہو اور خدا بار بار فرمائے کہ میرا کلام ہے مگر باوجود روشن دلائل کے جھٹلاتا رہے اور کہتا رہے کہ اس کا نہیں۔

۲۸۔ یعنی محشر میں خدا کے سامنے علیٰ رؤس الاشهاد پیش ہوں گے اور ان کی شرارتوں کے دفتر کھولے جائیں گے اس وقت گواہی دینے والے (ملائکہ، انبیاء، صالحین بلکہ خود ان کے ہاتھ پاؤں) کہیں گے کہ یہ وہ بد بخت ظالم ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ بکا تھا۔

۲۹۔ یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یعنی جو لوگ ظلم اور نا انصافی سے خدا کے کلام کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر آخرت کے منکر ہیں دوسروں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکتے اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ ایسے ظالموں پر خدا کی خصوصی لعنت ہے۔

۳۰۔ یعنی اتنی وسیع زمین میں نہ کہیں بھاگ کر خدا سے چھپ سکتے ہیں اور نہ کوئی مددگار اور حمایتی مل سکتا ہے جو خدا کے عذاب سے بچا دے۔

۳۱۔ کیونکہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

۳۲۔ یعنی دنیا میں ایسے اندھے بہرے بنے کہ نہ حق بات سننے کی تاب تھی نہ خدا کے نشانوں کو دیکھتے تھے جنہیں دیکھ کر ممکن تھا راہ ہدایت پالیتے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ پر جھوٹ بولا، بے اصل اور غلط باتیں اس کی طرف منسوب کیں۔ کہاں سے لائے؟ غیب سے سن نہ آتے تھے، غیب کو دیکھتے نہ تھے پھر ان کا ماخذ کیا ہے۔

۳۳۔ جان کا کھو بیٹھنا، یہ کہ ابدی عذاب میں گرفتار ہوئے اور سب جھوٹے دعوے وہاں پہنچ کر گم ہو گئے۔

۳۴۔ منکرین کی بد انجامی کے بالمقابل مومنین کا انجام نیک بیان فرمایا۔ ان کی عاجزی خدا کو پسند آئی اس لئے اپنی دائمی خوشنودی کا مقام عطا فرمایا۔

۳۵۔ کفار اور مومنین کا فرق: یعنی منکرین تو اندھے بہرے ہیں جیسا کہ دو تین آیت پہلے فرمایا تھا مَا كَانُوا يَسْمَعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ پھر جسے نہ خود نظر آئے نہ دوسرے کی سن سکے، اس کا آغاز و انجام کیسے ان روشن ضمیر ایمانداروں کے برابر ہو سکتا ہے جو بصیرت کی آنکھوں سے حق و باطل اور بھلے برے میں تمیز کرتے اور اپنے ہادیوں کی باتیں بگوش ہوش سنتے ہیں۔ غور کرو کہ دونوں کا انجام یکساں کس طرح ہو سکتا ہے؟ آگے حضرت نوح کی قوم کا قصہ اسی مضمون کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

۲۵۔ اور ہم نے بھیجنا نوح کو اسکی قوم کی طرف کہ میں تم کو ڈر کی بات سناتا ہوں کھول کر [۳۶]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ

مُبِينٌ ﴿۲۵﴾

۲۶۔ کہ نہ پرستش کرو اللہ کے سوا [۳۷] میں ڈرتا ہوں تم پر دردناک دن کے عذاب سے [۳۸]

أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

عَذَابَ يَوْمِ آيَاتِنَا ﴿۲۶﴾

۲۷۔ پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم کے ہم کو تو تو نظر نہیں آتا مگر ایک آدمی ہم جیسا اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا ہو تیرا مگر جو ہم میں بیخ قوم ہیں بلا تامل اور ہم نہیں دیکھتے تم کو اوپر اپنے کچھ بڑائی بلکہ ہم کو تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو [۳۹]

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرِكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرِكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِادِي الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا

مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَنْظُنُّكُمْ كَذِبِينَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ بولا اے قوم دیکھو تو اگر میں ہوں صاف راستہ پر اپنے رب کے اور اس نے بھیجی مجھ پر رحمت اپنے پاس سے پھر اس کو تمہاری آنکھ سے مخفی رکھا تو کیا ہم تم کو مجبور کر سکتے ہیں اس پر اور تم اس سے بیزار ہو [۴۰]

قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ فَعَبَيْتُ عَلَيْكُمْ

أَنْزَلْتُ مُكُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كِرَاهُونَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ اور اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو ان کو ملنا ہے اپنے رب سے [۴۱] لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو [۴۲]

وَيَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ

مُلْقُوا رَبَّهُمْ وَالْكِفَىٰ أَرَكُمُ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور اے قوم کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو بانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے [۴۳]

وَيَقَوْمِ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ أَفَلَا

تَذَكَّرُونَ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اور میں نہیں کہتا تم کو کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دے گا ان کو اللہ بھلائی اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ انکے جی میں ہے یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں [۴۴]

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ

تَزَدِرْنَ أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۗ اللَّهُ

أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۗ إِنِّي إِذًا لِّلنَّاطِلِينَ ﴿٣١﴾



۳۲۔ بولے اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا اب لے آجو تو وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر تو سچا ہے [۳۵]

قَالُوا يٰنُوحُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَاكْثَرْتَ جِدَالِنَا فَاتِنَا

بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ کہا کہ لائے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا اور تم نہ تھکا سکو گے بھاگ کر [۳۶]

قَالَ اِنَّا يٰاَيُّكُمْ بِهٖ اللّٰهُ اِنْ شَاءَ وَا مَا اَنْتُمْ

بِعٰجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور نہ کارگر ہوگی تم کو میری نصیحت جو چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہو گا کہ تم کو گمراہ کرے وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے [۳۷]

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ اِنْ اَرَدْتُ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ

كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُغْوِيَكُمْ ۗ هُوَ رَبُّكُمْ ۗ وَاِلَيْهِ

تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ کیا کہتے ہیں کہ بنالایا قرآن کو [۳۸] کہہ دے اگر میں بنالایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو [۳۹]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ ۗ قُلْ اِنْ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيْ

اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ یعنی نہایت وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں بتلاتا ہوں جن کے ارتکاب پر مہلک عذاب نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔ یا جو اس عذاب سے محفوظ رہنے کے ذرائع ہیں۔

۳۷۔ یعنی وڈ، صواع، یغوث، یغوث، نسر کی جن کا ذکر سورہ نوح میں آئے گا۔

۳۸۔ یعنی غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت عذاب آنے کا ڈر ہے۔ دردناک دن سے وہ دن مراد ہے جس میں المناک اور درد انگیز حوادث کا وقوع ہو۔ مثلاً قیامت کا دن یا وہ دن جس میں قوم نوح غرقاب کی گئی۔

۳۹۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مناظرہ: یعنی رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز ہونا چاہئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہماری طرح جنس بشر سے ہو۔ آسمان کے فرشتے نہیں۔ جس کے سامنے خواہ مخواہ انسانوں کی گردنیں جھک جائیں۔ پھر بشر بھی ایسے نہیں جسے کوئی خاص تفوق اور بڑائی ہم پر حاصل ہوتی مثلاً بڑے دولت مند یا جاہ و حکومت کے مالک ہوتے، جو لوگ تمہارے پیرو ہوئے وہ بھی ماشاء اللہ سب مفلس، رذیل، پست اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے شریفوں کے لئے ننگ و عار کا موجب ہے۔ تو کیا ساری خدائی میں سے تم ہی ملے تھے جنہیں خدا نے اپنے منصب سفارت پر مامور فرمایا۔ آخر ہم تم سے حسب نسب، مال و دولت، خلق و خلق کس بات میں کم تھے؟ جو ہمارا انتخاب اس عہدہ کے لئے نہ ہو گیا۔ کم از کم آپ کا اتباع کرنے والے ہی کوئی معزز اور بڑے آدمی ہوتے۔ بھلا ان موچیوں اور جاموں کا تابع ہو جانا آپ کے لئے کیا موجب فضل و شرف ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح صداقت کی دلیل بن سکتی ہے؟ ایسے سطحی لوگوں کا

جن کی پستی اور رذالت بالکل عیاں ہے۔ بے سوچے سمجھے اور بدون غور و تامل کے ظاہری اور سرسری طور پر ایمان لے آنا آپ کا کونسا کمال ہے؟ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی سب جھوٹے ہو۔ تم نے ایک بات بنائی اور چند بے وقوفوں نے ہاں میں ہاں ملا دی۔ تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک اٹھا کر کوئی امتیاز اور بزرگی حاصل کر لیں۔ یہ ان ملعونوں کی تقریر کا حاصل تھا۔ نوحؑ نے جو جواب دیا آگے آتا ہے۔

۴۰۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تقریر: یعنی یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہونا چاہئے۔ لیکن وہ امتیاز مال و دولت ملک و حکومت اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں، بلکہ اعلیٰ اخلاق، بہترین ملکات، تقویٰ، خدا ترسی، حق پرستی، درد مندی خلاق اور ان صریح آیات و نشانات پیش کرنے سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے جو حق تعالیٰ بطور اتمام حجت و اکمال نعمت ان کے اندر قائم کرتا یا ان کے ذریعہ سے ظاہر فرماتا ہے وہ وحی الہی اور ربانی دلائل و براہین کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتے ہیں اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں ان پر بارش کی طرح برستی ہیں نوحؑ نے فرمایا کہ اگر یہ سب چیزیں مجھ میں کھلے طور پر موجود ہوں اور یقیناً موجود ہیں۔ لیکن جس طرح اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی، تمہاری آنکھیں بھی اس نور الہی کے دیکھنے سے قاصر رہیں، تو کیا ہم زبردستی مجبور کر کے تم سے اس نور اور رحمت کا اقرار کر سکتے ہیں جس سے تم اس قدر نفور و بیزار ہو کہ آنکھ کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ میری بزرگی و برتری جو تم کو نظر نہیں آتی، یہ اس لئے ہے کہ تمہارے دل کی آنکھیں اندھی ہیں یا بند ہیں۔

۴۱۔ یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا، جو مالی خود غرضی کا شبہ ہو۔ میں اپنے پروردگار کا نوکر ہوں اسی کے یہاں سے مزدوری ملے گی۔ بھم اللہ نہ مجھے تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت۔ پھر غریبوں کو چھوڑ کر مالداروں کی طرف کیوں جھکوں۔ اگر تم میرے اتباع کو محض ان کے افلاس یا پیشہ کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں جو دولت ایمان کے سرمایہ داروں کو ظاہری خستہ حالی کی بناء پر جانوروں کی طرح دھکے دے کر نکال دوں انہیں ایک روز اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ وہ میری شکایت اس کے دربار میں کریں گے کہ آپ کے پیغمبر نے متکبر دنیا داروں کی خاطر ہم غریب و فاداروں کو نکال دیا تھا۔ میں ظاہر حال کے خلاف یہ کیونکر سمجھ لوں کہ ان کا ایمان محض ظاہر اور سرسری ہے۔ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں۔ یہ پروردگار کے یہاں پتہ چلے گا کہ ان کے دلوں کی کیا حالت تھی۔

۴۲۔ یعنی جہل و حماقت سے انجام پر نظر نہیں کرتے، صرف انکی ظاہری شکستگی دیکھ کر حقیر سمجھتے ہو۔ اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم تمہارے پاس آئیں۔ کیا غربت اور کسب حلال کوئی عیب ہے؟ یہ ہی چیز تو ہے جو حق کے قبول کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی عموماً دولت و جاہ کا نشہ انسان کو قبول حق سے محروم رکھتا ہے۔ اسی لئے ہر قل کی حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء کے تابعین ضعیف ہوتے ہیں بہر حال تم نہیں جانتے کہ سب کو خدا کے پاس جمع ہونا ہے، وہاں پہنچ کر ظاہر ہو گا کہ اپنے کو ان سے بہتر سمجھنا تمہارا جابلانہ غرور تھا۔

۴۳۔ یعنی میں تمہارے کبر و غرور اور جہالت سے متاثر ہو کر اپنا نقصان کیسے کروں۔ اگر تمہاری رعایت سے میں نے خدا کے مخلص بندوں کو دھکے دیدیے تو اس کی سزا اور گرفت سے مجھ کو کون بچا سکے گا۔

۴۴۔ کفار نے نوحؑ کو کہا تھا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو جتھے اور دولت کے اعتبار سے بھی کچھ امتیاز نہیں رکھتے اس کا جواب نہایت متانت و انصاف کے ساتھ دیتے ہیں کہ بیشک جیسا امتیاز تم دیکھنا چاہتے ہو اس کا ہم دعویٰ نہیں رکھتے۔ بلاشبہ میں ایک بشر ہوں، فرشتہ نہیں نہ خدا نے اپنے سارے خزانے میرے تصرف و اختیار میں دیدیے ہیں، نہ تمام غیب کی باتوں پر مطلع کیا گیا ہوں، لیکن ان تمام باتوں کے اعتراف کے ساتھ تمہاری طرح یہ کبھی نہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نگاہ میں معیوب و حقیر ہیں (یعنی میں اور میرے رفقاء) ان کو خدا ہرگز کوئی خیر (جہلائی) نہیں دے سکتا۔ مثلاً ان میں سے کسی کو نبوت و حکمت عطا فرمادے اور باقیوں کو ایمان و عرفان کی دولت سے بہرہ ور کرے۔ خوب سمجھ لو حق تعالیٰ ان کے دلوں کی استعدادات و کیفیات کو پوری طرح جانتا ہے۔ ہر ایک کی استعداد کے مناسب فیض پہنچاتا اور باطنی احوال و کیفیات کے

موافق برتاؤ کرتا ہے۔ اس نے جو خاص مہربانی مجھ پر یا میرے ساتھیوں پر کی ہے، وہ تمہاری آنکھ سے پوشیدہ ہے۔ اگر میں یہ کہنے لگوں کہ جو تمہیں بظاہر شکستہ حال اور حقیر دکھائی دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی جو بوطن کا جاننے والا ہے انہیں کوئی عزت و شرف نہیں بخشا، تو نہایت بے اصول اور ناانصافی کی بات ہوگی۔ (تنبیہ) اس آیت کے ابتدائی تین جملے سورہ انعام میں گذر چکے۔ وہاں کے فوائد میں دیکھ لئے جائیں۔

۳۵۔ عذاب کا مطالبہ: حضرت نوحؑ قبل از طوفان ساڑھے نو سو برس ان میں رہے۔ شب و روز سزا و اعلانیۃً انہیں نصیحت کرتے ہر شبہ کا جواب دیتے، تبلیغ و تفہیم اور بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسی جھگڑے میں صدیاں گذر گئیں۔ کفار نے ان کی حقانی بحثوں اور شب و روز کی روک ٹوک سے عاجز ہو کر کہا کہ اب یہ سلسلہ بند کیجئے۔ بس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کی دھمکیاں دیتے رہے ہو وہ فوراً لے آؤ۔ تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔

۳۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کا جواب: یعنی یہ چیز میرے قبضہ میں نہیں۔ خدا جس وقت اپنی حکمت کے موافق چاہے گا عذاب نازل کر دے گا ہمارا فرض صرف آگاہ کر دینا تھا۔ باقی عذاب تو ایسی ہولناک اور عظیم الشان چیز ہے جس کا لے آنا اور دفع کر دینا دونوں پہلو توائے بشریہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ جب مشیت الہی ہوگی تو کہیں بھاگ کر پناہ نہ لے سکو گے۔ ایسا کون ہے جو خدا کو (معاذ اللہ) تھکا کر عاجز کر سکے۔

۳۷۔ یعنی کفر پر اس قدر اصرار و ضد اور انتہائی شوخ چٹشی سے نزول عذاب کی استدعا پتہ دیتی ہے کہ خدا کا ارادہ یہ ہی ہے کہ تم کو گمراہی میں پڑا رہنے دے اور آخر کار ہلاک کر دے۔ پس اگر تمہاری بد کرداری کے سبب سے خدا نے یہ ہی چاہا تو میں کتنا ہی نصیحت و خیر خواہی کر کے تم کو نفع پہنچانا چاہوں، کچھ نافع اور موثر نہ ہو گا۔ تمہارا رب وہ ہی ہے جس کے ملک و تصرف میں ہر چیز ہے۔ جیسا جس کے ساتھ معاملہ کرے کوئی روک نہیں سکتا۔ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ ہی سب کے اعمال کی جزاء سزا دینے والا ہے (ربط) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں “یہاں تک جتنے سوالات و اعتراضات اس قوم کے تھے، وہ ہی تھے حضرت کی قوم کے، گویا یہ سب جو اب ان کو ملے۔ ایک ان کا نیا دعویٰ تھا، اسے آگے قصہ کے درمیان میں بیان فرماتے ہیں۔

۳۸۔ واقعہ نوح علیہ السلام پر کفار مکہ کا اعتراض: یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھی کہ قرآن آپ خود بنالائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے۔ حضرت نوحؑ کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ (کذابی الموضح) لیکن بعض مفسرین نے اس آیت کو بھی نوحؑ کے قصہ کا جزو بتلایا ہے۔ یعنی ان کی قوم نے کہا کہ جن باتوں کو نوحؑ خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ خود ان کی گھڑنت ہیں۔ بعض نے کہا کہ گفتگو تو اہل مکہ کی حضور سے ہے مگر اس کا تعلق خاص نوحؑ کے قصہ سے تھا۔ گویا وہ کہتے تھے کہ یہ داستان آپ نے جھوٹ بنالی ہے۔ واقع میں ان قصوں کی کوئی اصل نہیں۔

۳۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب: قرآن کو مفتریٰ کہنے کا تحقیقی جواب اسی سورت میں ایک رکوع پہلے گذر چکا۔ یہاں آخری بات فرمائی یعنی قرآن کا کلام الہی ہونا نہایت واضح و محکم دلائل سے بار بار ثابت کیا جا چکا ہے۔ ایسی روشن چیز کی تکذیب کر کے جو گناہ تم سمیٹ رہے ہو۔ اس کا وبال تم ہی پر پڑے گا۔ اُس کی فکر کرو۔ میں کافی تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا ہوں۔ اب جو غلطیاں تم کرو اس کا میں ذمہ دار نہیں۔ ہاں بفرض محال اگر میں نے افتراء کیا ہو تو اس کا گناہ مجھ پر پڑ سکتا ہے۔ سو حمد اللہ ایسا ہوا نہیں۔

۳۶۔ اور حکم ہوا طرف نوح کی کہ اب ایمان نہ لائے گا تیری قوم میں مگر جو ایمان لاچکا سو غمگین نہ رہ ان کاموں پر جو کر رہے ہیں [۵۰]

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ



قَدْ أَمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

۳۷۔ اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کر مجھ سے ظالموں کے حق میں یہ بیشک غرق ہوں گے [۵۱]

۳۸۔ اور وہ کشتی بناتا تھا [۵۲] اور جب گذرتے اس پر سردار اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے [۵۳] بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو [۵۴]

۳۹۔ اب جلد جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اسکو اور اترتا ہے اس پر عذاب دائمی [۵۵]

۴۰۔ یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے [۵۶] کہا ہم نے چڑھالے کشتی میں ہر قسم سے جوڑا دو عدد [۵۷] اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس پر پہلے ہو چکا ہے حکم [۵۸] اور سب ایمان والوں کو اور ایمان نہ لائے تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے [۵۹]

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِينَا وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿۳۷﴾

وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۚ وَكَلَّمَآ مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۗ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۳۸﴾

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۹﴾

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۗ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۗ وَمَا آمَنَ مَعَهُ

إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۴۰﴾

۵۰۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اور اس کا جواب: جب قوم کی ایذا میں حد سے گذر گئیں۔ تو نوح نے سینکڑوں برس ظالموں کی زہرہ گداز جھانسیں جھیلنے کے بعد خدا کے آگے شکوہ کیا اِنَّهُ مَغْلُوبٌ فَانْتَصِمَ (القمر۔ ۵۴) کہ میں مغلوب و ضعیف ہوں۔ آپ ان سے بدلہ لیجئے۔ ارشاد ہوا کہ جن گنے چنے افراد کی قسمت میں ایمان لانا تھا، لاپچھے۔ آئندہ ان میں کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے لہذا اب آپ ان کی عداوت و تکذیب اور ایذا رسانی سے زیادہ غمگین نہ رہیں۔ عنقریب خدا کی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے جو سب شرارتوں اور شریروں کا خاتمہ کر ڈالے گی۔

۵۱۔ کشتی بنانے کا حکم: حق تعالیٰ نے نوح سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے روبرو (یعنی ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم و الہام کے موافق تیار کرو۔ کیونکہ عنقریب پانی کا سخت خوفناک طوفان آنے والا ہے جس میں یہ سب ظالمین و مکذبین یقیناً غرق کئے جائیں گے ان کے حق میں اب یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ آپ کسی ظالم کی سفارش وغیرہ کے لئے ہم سے کوئی بات نہ کریں۔ آنے والا عذاب بالکل اٹل ہے۔ حضرت ابراہیم نے جب قوم لوط کے حق میں جھگڑنا شروع کیا تھا۔ ان کو بھی اسی طرح کا ارشاد ہوا تھا۔ یَاٰیُّہِیْمُ اعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّكَ قَدْ جِآءَ

أَمْرًا رَبِّكَ وَأَنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ (ہود-۷۶)

۵۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی: کہتے ہیں کشتی ساہا سال میں تیار کی۔ کشتی کیا تھی بڑا جہاز تھا۔ جس میں الگ الگ درجے تھے۔ مفسرین نے اس کی تفصیل میں بہت سی مبالغہ آمیز اور عجیب و غریب روایات بیان کی ہیں جن میں اکثر اسرائیلیات ہیں۔

۵۳۔ قوم کا استہزاء: کہ دیکھو! پیغمبر سے بڑھتی بن گئے کبھی ایک عجیب سی چیز دیکھ کر نوح سے پوچھتے کہ یہ کیا بنا رہے ہو؟ آپ فرمادیتے کہ ایک گھر بنا تا ہوں جو پانی پر چلے گا اور ڈوبنے سے بچائے گا۔ وہ سن کر ہنسی اڑاتے کہ خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہے ہیں۔

۵۴۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”وہ ہنستے تھے کہ خشک زمین پر غرق کا بچاؤ کرتا ہے۔ یہ ہنستے تھے اس پر کہ موت سر پر کھڑی ہے اور یہ ہنستے ہیں ”اسی تفسیر کے موافق مترجم محقق نے فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَرْتَابُونَ بصیغہ حال کیا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ نَسْخَرُ مِنْكُمْ میں استقبال کے معنی مراد لیتے ہیں۔ یعنی آج تم ہمیں احمق بناتے اور ہنستے ہو۔ لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ اس کے جواب میں تمہاری حماقت و سفاهت پر ہم کو ہنسنے کا موقع ملے گا، جب تم اپنے جرائم کی پاداش میں سزایاب ہو گے۔

۵۵۔ یعنی اب زیادہ تاخیر نہیں۔ جلد آشکارا ہو جائے گا کہ دنیا کارسوا کن اور آخرت کا دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟

۵۶۔ تور سے پانی کا ابلنا: ”یعنی نوح کشتی تیار کرتے رہے یہاں تک کہ وعدہ کے موافق خدا کا حکم پہنچ گیا۔“ بادلوں ”کو کہ برس پڑیں اور زمین کو کہ ابل پڑے، اور فرشتوں کو کہ تعذیب وغیرہ کے متعلق اپنے فرائض منصبی کا سرانجام کریں۔ آخر اوپر سے بارش آئی اور نیچے زمین کی سطح سے چشموں کی طرح جوش مار کر پانی ابلنے لگا۔ حتیٰ کہ روٹی پکانے کے توروں میں جہاں آگ بھری ہوتی ہے، پانی ابل پڑا (تنبیہ) ”تور“ کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض مطلق روٹی پکانے کا تور مراد لیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک تور حضرت حوا سے منتقل ہوتے ہوتے حضرت نوح کے پاس پہنچا تھا وہ ان کے گھر میں طوفان کا نشان ٹھہرایا گیا تھا۔ کہ جب اس سے پانی ابلے کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بعض کے نزدیک تور کوئی خاص چشمہ ”کوفہ“ یا ”بزیرہ“ میں تھا۔ بعض نے دعویٰ کیا ہے تور صبح کے اجالے اور روشنی کو کہا ہے۔ یعنی صبح کی روشنی خوب چمکنے لگے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ ”فالتور ممکن ہے۔“ ظہور عذاب ”اور شدت ہول“ سے کننا یہ ہو جیسے ”حمی الوطیس“ شدت حرب سے کننا یہ ہے۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ تور کے معنی وجہ ارض (سطح زمین) کے ہیں۔ ہم نے اوپر جو تفسیر کی مقدم اسی معنی کو رکھا ہے اشارہ بعض دوسرے معانی کی طرف بھی کر دیا۔ حافظ ابن کثیر یہی تفسیر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ و ہذا قول جمہور السلف و علماء الخلف واللہ اعلم۔“

۵۷۔ کشتی کے سوار: یعنی جن جانوروں کی ضرورت ہے اور نسل باقی رہنی مقدر ہے، ان میں سے ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ دونوں) لے کر کشتی پر سوار کر لو۔

۵۸۔ یعنی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے غرق کئے جائیں گے وَلَا تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوا اِنَّهُمْ مُّعَذَّبُوْنَ (المومنون-۲۷) اس سے مراد ہے نوح کا بیٹا ”یام“ جس کا لقب کنعان تھا اور کنعان کی والدہ ”واعلہ“ گھر والوں میں سے یہ دونوں علیحدہ رہے اور غرق ہوئے۔

۵۹۔ یعنی اسی مرد یا کم و بیش۔

۴۱۔ اور بولا سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان [۴۰]

مُرْسَهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ اور وہ لئے جا رہی تھی انکو لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا کنارے اے بیٹے سوار ہو جاسا تھ ہمارے اور مت رہ ساتھ کافروں کے [۳۱]

وہی تجری بہم فی موج کالجبالؑ ونادی نوحؑ

ابنہ وکان فی معزل یبنی اربکب معنا ولا

تکن مع الکفرین ﴿۳۲﴾

۳۳۔ بولا جا لگوں گا کسی پہاڑ کو جو بچالے گا مجھ کو پانی سے [۳۲] کہا کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہی رحم کرے اور حائل ہو گئی دونوں میں موج پھر ہو گیا ڈوبنے والوں میں [۳۳]

قال ساویٰ الی جبل یعصنی من الباءؑ قال

لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحمہ و

حال بینہما الموجؑ فکان من المغرقین ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور حکم آیا اے زمین نکل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جو دی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم ظالم [۳۴]

وقیل یا ارض ابدعی ماءک و یسماء اقلعی و

غیض الباءؑ وقضی الامر و استوت علی

الجودی و قیل بعد اللقوم الظلین ﴿۳۴﴾

۶۰۔ سوار ہونے کی دعا: "نوحؑ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ بنام خدا کشتی پر سوار ہو جاؤ، کچھ فکر مت کرو اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب خدا کے اذن و حکم اور اس کے نام کی برکت سے ہے۔ غرقابی کو کوئی اندیشہ نہیں۔ میرا پروردگار مومنین کی کوتاہیوں کو معاف کرنے والا اور ان پر بے حد مہربان ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہم کو صحیح سلامت اتارے گا۔ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کشتی وغیرہ پر سوار ہوتے وقت "بسم اللہ" کہنا چاہئے۔

۶۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو سمجھانا: یعنی کشتی پہاڑ جیسی موجوں کو چیرتی پھاڑتی بے خوف و خطر چلی جا رہی تھی۔ سوار ہونے کے بعد نوحؑ نے اپنے بیٹے یام (کنعان) کو جو اپنے باپ بھائی وغیرہ سارے کنبہ سے کنارے ہو کر کافروں کی صحبت میں تھا آواز دی کہ ان بد بخت کافروں کی معیت چھوڑ کر ہمارے ساتھ سوار ہو جا! تا اس مصیبت عظمیٰ سے نجات پاسکے۔ (تنبیہ) یا تو نوحؑ اسے مومن خیال کرتے تھے، اس لئے آواز دی خواہ واقع میں مومن نہ ہو۔ یا کافر جانتے ہوں مگر یہ توقع ہو گی کہ ان ہولناک نشانات کو دیکھ کر مسلمان ہو جائے گا۔ یا و اھلک کے عموم میں داخل سمجھ کر شفقت پداری کے جوش سے ایسا کیا ہو اور الا من سبق علیہ القول کو مجمل ہونے کی وجہ سے اس پر منطبق نہ سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۶۲۔ وہ اپنے جہل و غبادت سے ابھی یہ خیال کر رہا تھا کہ جس طرح معمولی سیلابوں میں بعض اوقات کسی بلندی پر چڑھ کر آدمی جان بچا لیتا ہے میں بھی کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ کر جان بچا لوں گا۔

۶۳۔ یعنی کس خط میں پڑا ہے۔ یہ معمولی سیلاب نہیں۔ عذاب الہی کا طوفان ہے۔ پہاڑ کی کیا حقیقت کوئی چیز آج عذاب سے نہیں بچا سکتی ہاں

خدا ہی کسی پر رحم کرتے تو بیچ سکتا ہے مگر اس ہنگامہ دار و گیر اور مقام انتقام میں کٹر مجرموں پر رحم کیسا ہے؟ باپ بیٹے کی یہ گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ پانی کی ایک موج نے درمیان میں حائل ہو کر ہمیشہ کے لئے دونوں کو جدا کر دیا۔

۶۴۔ طوفان اور اس کا خاتمہ: "ایک مدت تک اس قدر پانی برسا گویا آسمان کے دھانے کھل گئے۔ اور زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ درخت اور پہاڑیاں تک پانی میں چھپ گئیں۔ اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوحؑ نے دعا کی تھی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْاَرْضَ مِنَ الْكُفْرَيْنِ ذِيَارًا (نوح-۲۶) غرق ہوئے۔ اس وقت خداوند قدوس نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نکل جا! اور بادل کو فرمایا کہ تھم جا! پھر کیا مجال تھی کہ دونوں اس کے انتقال حکم میں ایک لمحہ کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا۔ کشتی "جو دی" پہاڑ پر جا لگی جو بعض کے نزدیک موصل میں تھا۔ اور جو کام خدا نے چاہا (یعنی مجرمین کو سزا دینا) وہ پورا ہو چکا ظالموں کے حق میں کہہ دیا گیا کہ خدا کی رحمت سے دور ہو کر ہمیشہ کے لئے مصیبت و ہلاکت کے غار میں پڑے رہو۔ (تنبیہ) اس میں اختلاف ہے کہ طوفان نوح تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں۔ اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں۔ مگر یاد رہے کہ "دائرة المعارف" میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کئے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔ جو لوگ عام طوفان کے قائل ہیں ان میں سے اکثر کے نزدیک موجودہ دنیا کے کل انسان نوحؑ کے تین بیٹوں سام، حام، یافث کی اولاد ہیں۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ (الصافات-۷۷) طوفان سے جو بچے اور حیوانات ہلاک ہوئے، ان کا اہلاک بطور تعذیب نہ تھا بلکہ جیسے خدا دوسرے اسباب طبعیہ کے ذریعہ سے ان پر موت وارد کرتا ہے اور وہ ظلم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں ان کی موت اس ذریعہ سے اس واقع ہوئی آخر اب بھی جو سیلاب اور طوفان آتے ہیں ان میں کتنے جانور اور بچے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

۴۵۔ اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے

وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكِيمِينَ ﴿٣٥﴾

۴۶۔ فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اس کے کام ہیں خراب سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں [۳۵]

قَالَ يٰنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۗ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٦﴾

۴۷۔ بولا اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو [۳۶] اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں نقصان والوں میں [۳۷]

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۗ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخُسِرَاءِ ﴿٣٧﴾

۴۸۔ حکم ہوا اے نوح اتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر اور ان فرقوں پر جو تیرے ساتھ ہیں اور دوسرے فرقے ہیں کہ ہم فائدہ دیں گے انکو پھر پہنچے گا ان کو ہماری طرف سے عذاب دردناک [۶۸]

قِيلَ يٰ نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَ  
عَلَىٰ اٰمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ ۗ وَ اٰمَمٌ سَنُنَتِّعُهُمْ ثُمَّ  
يَمْسُهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿۳۸﴾

۴۹۔ یہ باتیں مجملہ غیب کی خبروں کی ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف نہ تجھ کو ان کی خبر تھی اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے [۶۹] سو تو صبر کر البتہ انجام بھلا ہے ڈرنے والوں کا [۷۰]

تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ ۗ مَا  
كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۗ  
فَاصْبِرْ ۗ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۹﴾

۶۵۔ اپنے بیٹے کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے اسباب: نوحؑ نے یہ کس وقت عرض کیا کنعان کے غرق ہونے سے پہلے یا غرق ہونے کے بعد دونوں احتمال ہیں۔ نیز کنعان کو اس کی منافقانہ اوجاع و اطوار دیکھ کر غلط فہمی سے مومن سمجھ رہے تھے یا کافر سمجھتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں یہ گزارش کی۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔ اگر مومن سمجھ کر غرقابی سے پہلے عرض کیا تھا تو مقصود اپنی اضطرابی کیفیت کا اظہار اور خدا سے کہہ کر اس کے بچاؤ کا انتظام کرنا تھا۔ اور اگر غرقابی کے بعد یہ گفتگو ہوئی تو محض معاملہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے اپنا خلجان یا اشکال پیش کیا۔ یعنی خداوند! تو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کنعان مومن ہونے کی وجہ سے اَلَا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ النُّقُولُ کے استثناء میں بظاہر داخل نہیں۔ پھر اس کی غرقابی کاراز کیا ہے؟ بلاشبہ آپ کا وعدہ سچا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں گذر سکتا کہ معاذ اللہ وعدہ خلافی کی ہو۔ آپ احکم الحاکمین اور شہنشاہ مطلق ہیں۔ سمجھ میں آئے یہ نہ آئے، کسی کو حق نہیں کہ آپ کے فیصلہ کے سامنے دم مار سکے، یا آپ کو وعدہ خلافی پر مجبور کر دے نہ کسی کا یہ منصب ہے کہ آپ کے حکم ناطق کے متعلق کسی قسم کی تکتہ چینی کر سکے فقط قلبی اطمینان کے لئے بطریق استعلام و استفسار اس واقعہ کاراز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملایہ ان گھر والوں میں سے نہیں جن کے بچانے کا وعدہ تھا بلکہ اَلَا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ النُّقُولُ میں شامل ہے۔ کیونکہ اس کے عمل خراب ہیں۔ تم کو اس کے کفر و شرک کی خبر نہیں۔ مقام عجب ہے کہ پیغمبرانہ فراست کی روشنی میں صریح آثار کفر کے باوجود ایک کافر کا حال مشتبه رہے۔ جس شخص کا واقعہ حال تمہیں معلوم نہیں اس کے بارہ میں ہم سے ایسی نامناسب رعایت یا اس طرح کی کیفیت مت طلب کرو۔ مقررین کو لائق نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ آیت کی یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ نوحؑ کنعان کو مومن سمجھتے ہوں اور اگر کافر سمجھتے تھے تو شاید اس درخواست یا سوال کا منشاء یہ ہو کہ انجاء کے ذکر میں اہل کو چونکہ عام مومنین سے الگ کر کے بیان فرمایا تھا، اس سے نوحؑ نے یہ خیال کیا کہ میرے اہل کو اس دنیوی عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے ایمان شرط نہیں اور اَلَا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ النُّقُولُ مجمل تھا۔ اس لئے اس کے مصداق کی تعیین نہیں کر سکے۔ بناءً علیہ شفقت پدری کے جوش میں عرض کیا کہ اللہ العالمین! میرا بیٹا یقیناً میرے اہل میں داخل ہے جس کے بچانے کا آپ وعدہ فرما چکے ہیں۔ پھر یہ کیوں غرق کیا جا رہا ہے یا غرق کر دیا گیا۔ جواب ملا کہ تمہارا پہلا ہی مقدمہ (ان ابنی من ابلی) غلط ہے۔ جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اس میں یہ



داخل نہیں کیونکہ اس کے کرتوت بہت خراب ہیں۔ نیز اَلَا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ کے مصداق کا تم کو کچھ علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں پھر جس چیز کا علم تم نہیں رکھتے اس کی نسبت ایسے محاجہ کے رنگ میں سوال یاد رخواست کرنا تمہارے لئے زیانہیں۔

۶۶۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”آدمی وہ ہی پوچھتا ہے جو معلوم نہ ہو۔ لیکن مرضی معلوم ہونی چاہئے یہ کام جاہل کا ہے کہ بڑے کی مرضی پوچھنے کی نہ دیکھے۔ پھر پوچھے ”مرضی کیوں نہ تھی؟ اسے ہم فائدہ گذشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

۶۷۔ حضرت نوح علیہ السلام کی توبہ: حضرت نوحؑ کا نپ اٹھے اور توبہ کی، لیکن یہ نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کروں گا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندہ کو کیا مقدر ہے۔ چاہئے اسی کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر نہ ہو اور دل میں عزم نہ کرنے کا رکھے۔ حضرت آدمؑ اور یونسؑ وغیرہ کی توبہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں ان میں یہ ہی ادب ملحوظ رہا ہے۔

۶۸۔ سلامتی اور برکت کا وعدہ: یعنی کشتی سے جو دی پر۔ پھر جو دی سے زمین پر اترے۔ برکتیں اور سلامتی آئندہ تم پر اور ان اقوام پر رہے گی۔ جو تمہارے ساتھیوں سے پیدا ہونے والی ہیں۔ فی الحال جو زمین طوفان سے بالکل اجڑ گئی ہے خدا دوبارہ آباد کر دے گا اور اس کی رونق و برکت پھر عود کر آئے گی۔ ”سلامت“ کے لفظ سے گویا حق تعالیٰ نے تسلی فرمادی کہ پھر ساری نوع انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئے گی۔ مگر بعضے فرقے ہلاک ہوں گے۔

۶۹۔ یعنی یہ دلائل نبوت میں سے ہے کہ ایک اٹی کی زبان سے امم سابقہ کے ایسے مستند و مفصل واقعات سنوائے جائیں۔

۷۰۔ جیسے نوحؑ اور ان کے رفقاء کے انجام بھلا ہوا آپ کے ساتھیوں کا مستقبل بھی نہایت تابناک اور کامیاب ہے۔ آپ کفار کی ایذاؤں پر صبر کریں، گھبرا کر تنگدل نہ ہوں۔ جیسے نوحؑ نے ساڑھے نو سو برس صبر کیا۔

۵۰۔ اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا انکے بھائی ہود کو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا حاکم نہیں سوائے اس کے تم سب جھوٹ کہتے ہو [۴۱]

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۖ قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلَهِ غَيْرُهُ ۖ إِنِّي أَنُتَمِ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

۵۱۔ اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا اس پر مزدوری میری مزدوری اسی پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا [۴۲] پھر کیا تم نہیں سمجھتے [۴۳]

يَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنِّي أُجْرِي إِلَّا عَلَىٰ الَّذِي فَطَرَنِي ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾

۵۲۔ اور اے قوم گناہ بخشو! اپنے رب سے پھر رجوع کرو اسکی طرف [۴۴] چھوڑے گا تم پر آسمان سے دھاریں [۴۵] اور زیادہ دے گا تم کو زور پر زور اور روگردانی نہ کرو گنہگار ہو کر [۴۶]

وَيَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۖ وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ بولے اے ہود تو ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں

قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْنَا بِبَيِّنَةٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي

آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھاکروں (معبودوں) کو تیرے کہنے سے اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے [۷۷]

۵۴۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو آسیب پہنچایا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں (معبودوں) نے بری طرح [۷۸] بولا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ ہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو

۵۵۔ اس کے سوا سو برائی کرو میرے حق میں تم سب مل کر پھر مجھ کو مہلت نہ دو

۵۶۔ میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں زمین پر پاؤں دھرنے والا مگر اللہ کے ہاتھ میں ہے چوٹی اسکی بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ پر [۷۹]

۵۷۔ پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو میں پہنچا چکا تم کو جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تمہاری طرف اور قائم مقام کرے گا میرا رب کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکو گے اللہ کا کچھ تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان [۸۰]

۵۸۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو لوگ ایمان لائے تھے اس کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بچا دیا انکو ایک بھاری عذاب سے [۸۱]

۵۹۔ اور یہ تھے عاد کہ منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانا اسکے رسولوں کو اور مانا حکم انکا جو سرکش تھے مخالف [۸۲]

الْهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾

إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۖ

قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا

تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾

مِنْ دُونِهِ فَكَيْدُونِي جَبِيْعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۖ مَا مِنْ دَابَّةٍ

إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۖ إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ

مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۖ وَ

يَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَصْرُوهَا شَيْئًا ۖ

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا

مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۖ وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾

وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَادُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ ۖ وَعَصَوْا رُسُلَهُ

وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

۶۰۔ اور پیچھے سے آئی انکو اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن بھی [۸۳] سن لو عاد منکر ہوئے اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی [۸۴]

۶۱۔ اور شمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح [۸۵] بولا اے قوم ہندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اس کے سوا اسی نے بنایا تم کو زمین سے [۸۶] اور بسایا تم کو اس میں سو گناہ بخشاؤ اس سے اور رجوع کرو اسکی طرف تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنے والا [۸۷]

۶۲۔ بولے اے صالح تجھ سے تو ہم کو امید تھی اس سے پہلے کیا تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جنکی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو توشبہ ہے اس میں جس کی طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں مانتا [۸۸]

۶۳۔ بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ مل گئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے مجھ کو دی رحمت اپنی طرف سے پھر کون بچائے مجھ کو اس سے اگر اسکی نافرمانی کروں [۸۹] سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے [۹۰]

۶۴۔ اور اے قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی سو چھوڑ دو اسکو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور مت ہاتھ لگاؤ اس کو بری طرح پھر تو آپکڑے گاتم کو عذاب بہت جلد

وَأْتَبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط

الْآنَ إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ط أَلَا بَعْدَ الْعَادِ قَوْمٌ هُودٌ ع

وَ إِلَى شُودٍ أَحَاهُمْ صِدْحًا قَالِ يَقَوْمِ اعْبُدُوا

اللَّهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ط هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ

الْأَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوا لَهُ ثُمَّ

تُوبُوا إِلَيْهِ ط إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ع

قَالُوا يَصِدِّحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا

أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي

شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ع

قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي

وَ اتَّبَعْتُمْ مِنِّي مِنْهُ رَحْمَةً فَبِمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ

عَصَيْتُهُ ط فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ع

وَ يَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةٌ اللَّهُ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي

أَرْضِ اللَّهِ وَ لَا تَسْؤُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ

قَرِيبٌ ع

۶۵۔ پھر اسکے پاؤں کاٹے تب کہا فائدہ اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہو گا [۹۱]

فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَبَتُّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ<sup>ط</sup>

ذٰلِكَ وَعَدُّ غَيْرٍ مَّكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو ایمان لائے اسکے ساتھ اپنی رحمت سے اور اس دن کی رسوائی سے [۹۲] بیشک تیرا رب وہی ہے زور والا زبردست [۹۳]

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ

هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ اور پکڑ لیا ان ظالموں کو ہولناک آواز نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے

وَ أَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي

دِيَارِهِمْ جُثِيْنٍ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ جیسے کبھی رہے ہی نہ تھے وہاں [۹۴] سن لو شمود منکر ہوئے اپنے رب سے سن لو پھٹکا رہے شمود کو [۹۵]

كَأَنَّ لَّهُمْ يَغْنَوْنَ فِيهَا<sup>ط</sup> إِلَّا إِنَّ شَوْدًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ<sup>ط</sup>

إِلَّا بُعْدًا لِلشُّوْدِ ﴿٦٨﴾

۱۔ کہ پتھر کے بت بھی با اختیار حاکم بلکہ معبود ہیں۔ سورہ اعراف میں قوم ہود کا قصہ گزر چکا۔

۲۔ قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ: یعنی تمہارے مال کی مجھے ضرورت نہیں۔ میرا پیدا کرنے والا ہی تمام دنیوی ضروریات اور آخروی اجر و ثواب کا کفیل ہے۔ یہ بات ہر ایک پیغمبر نے اپنی قوم سے کہی تاکہ نصیحت بے لوث اور مؤثر ہو۔ لوگ انکی محنت کو دنیوی طمع پر محمول نہ کریں۔

۳۔ یعنی اس قدر غبی ہو، اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک شخص بے طمع بے غرض، محض درد مندی اور خیر خواہی سے تمہاری فلاح دارین کی بات کہتا ہے۔ تم اسے دشمن اور بدخواہ سمجھ کر دست و گریباں ہوتے ہو۔

۴۔ اسی سورت کے شروع میں اس جملہ کی تفسیر گزر چکی۔

۵۔ یعنی موقع بہ موقع خوب بارشیں دے گا۔ وہ قوم چونکہ کھیتی، باغ لگانے سے بڑی دلچسپی رکھتی تھی اس لئے ایمان لانے کے ظاہری فوائد و برکات وہ بیان کئے جو ان کے حق میں خصوصی طور پر موجب ترغیب ہوں۔ لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تین سال سے خشک سالی اور امساک باراں کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ ہوڈ نے وعدہ کیا کہ ایمان لا کر خدا کی طرف رجوع ہو گے تو یہ مصیبت دور ہو جائے گی۔

۶۔ یعنی مالی اور بدنی قوت بڑھائے گا اولاد میں برکت دے گا۔ خوشحالی میں ترقی ہوگی، اور مادی قوت کے ساتھ روحانی و ایمانی قوت کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس کی اطاعت سے مجرموں کی طرح روگردانی نہ کرو۔

۷۷۔ قوم عاد کا ایمان لانے سے انکار: یہ ان کی کھلی ہٹ دھرمی تھی جو کہتے تھے کہ آپ کوئی واضح سند اور دلیل اپنی صداقت کی نہیں لائے خدا جسے پیغمبری کے عہدہ پر فائز کرے، ضرور ہے کہ اس کو تقرر کی سند اور پروانہ عطا فرمائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو نبی مبعوث ہوا اس کے ساتھ ایسے واضح نشان بھیجے گئے جس پر آدمی ایمان لانا چاہیں تو لاسکتے ہیں۔ اس لئے بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ ہوڈ نے نشان پیش کئے ہوں گے مگر وہ لوگ ہٹ دھرمی اور بے حیائی سے یہ ہی کہتے رہے کہ آپ کوئی کھلا ہوا نشان نہیں لائے (شاید یہ مراد ہو کہ ایسا نشان نہ لائے جو سب کی گردنیں پکڑ کر ایمان لانے پر مجبور کر دے) بہر حال ہم محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ نہ کبھی تیری رسالت پر ایمان لاسکتے ہیں۔

۷۸۔ حضرت ہود علیہ السلام پر آسیب کا الزام: یعنی یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور سارے جہان کو بیوقوف بتلا کر اپنا دشمن بنا رہے ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسیب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو ان کی عبادت سے روکتے اور برا بھلا کہتے تھے، انہوں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔

۷۹۔ حضرت ہود علیہ السلام کا جواب: یعنی وہ بیچاری پتھر کی مور تیں تو مجھے کیا گزند پہنچا سکتیں، تم سب جو بڑے شہ زور، تو مند اور طاقتور نظر آتے ہو اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر اور مجھ جیسے یکہ و تنہا پر پوری قوت سے بیک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ سنو میں خدا کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعاً بیزا ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو برائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ۔ نہ ذرا کوتاہی کرو نہ ایک منٹ کی مجھے مہلت دو۔ اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھر وسہ خدائے وحدہ لا شریک لہ پر ہے جو میرا رب ہے اور وہ ہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے۔ گو بد فہمی سے تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز جو زمین پر چلتی ہے خالص اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے گویا ان کے سر کے بال اس کے ہاتھ میں ہیں جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے قبضہ و اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں نہ سچے اس کی پناہ میں رہ کر سوا ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ میرا پروردگار عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہے۔ اس کے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام، اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اس نے بتلائی، بیشک اسی پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لئے خود ہر وقت وہاں موجود ہے۔

۸۰۔ یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں۔ میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا۔ تم اپنی فکر کر لو ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصب و عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے۔ خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہو گی، وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال و غیرہ کا وارث بنا دے گا۔ تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اس کے پیغمبروں کا کچھ نہیں بگڑتا نہ اس کا ملک خراب ہوتا ہے۔ جب وہ ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت کے سامان اپنی قدرت کاملہ سے کر دے گا۔

۸۱۔ قوم ہود علیہ السلام پر عذاب: یعنی سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورہ اعراف میں ہم ذکر کر چکے ہیں مکان گر گئے، چھتیں اڑ گئیں، درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہو ایسی مسموم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر نیچے سے نکل جاتی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی۔ اس ہولناک عذاب سے ہم نے ہوڈ اور ان کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے۔ بالکل محفوظ رکھا اور ایمان و عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی ان کو نجات دے دی۔

۸۲۔ یعنی ان کے کھنڈرات کو چشم عبرت سے دیکھو کہ یہ وہ قوم عاد تھی جن کے بڑوں نے بہت طمطراق سے اپنے پروردگار کی باتوں کا مقابلہ کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ اور چھوٹوں نے بڑے شیطانوں کی بیروی کی۔ آخر دونوں تباہ و برباد ہوئے۔ (تنبیہ) ”رسولہ“ شاید اس لئے فرمایا کہ ایک کی تکذیب سب پیغمبروں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ توحید و غیرہ اصول دین میں سب متفق اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں یعنی خدا کی لعنت (پھسکار) دنیا میں ان کے پیچھے لگا دی گئی کہ جہاں جائیں ساتھ جائے۔ اور قیامت تک جہاں ان کا ذکر ہو لعنت کے ساتھ ہو۔

۸۳۔ بلکہ قیامت کے بعد بھی وہ ان کا پچھانہ چھوڑے گی لعنت کا طوق ہمیشہ ان کے گلے میں پڑا رہے گا۔  
 ۸۴۔ عاد اور قوم ہود پر لعنت: "بعض مفسرین نے کہا کہ قیامت کے دن یوں پکارا جائے گا۔ اَلَا اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا (ہود۔ ۶۰) الخ (تنبیہ) عاد کے ساتھ قوم ہود کا لفظ یا تو اس لئے بڑھایا کہ دونوں کا تصور سننے والے کے دماغ میں ساتھ ساتھ آئے۔ یعنی ہود کا کیا حال تھا اور یہ اسی کی قوم تھی جس کا حشر یہ ہوا۔ اور ممکن ہے اس پر تنبیہ کرنا ہو کہ عاد دو ہیں "اولیٰ" اور "آخریٰ" اسی لئے ایک جگہ فرمایا وَ اِنَّآ اَهْلَكْنَا عَادًا الْاُولٰٓئِ (النجم۔ ۵۰) یہاں عاد اولیٰ مراد ہے جس کی طرف ہود مبعوث ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

۸۵۔ ان کا قصہ اعراف میں گذر چکا۔

۸۶۔ حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب: یعنی اول آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر زمین سے غذائیں پیدا کیں جن سے نطفہ وغیرہ بنتا ہے جو مادہ ہے آدمی کی پیدائش کا۔

۸۷۔ یعنی پیدا کر کے باقی رکھا۔ بقاء کا سامان کیا۔ زمین کے آباد کرنے کی ترکیبیں بتلائیں تدابیر الہام فرمائیں، جب وہ ایسا منعم و محسن ہے تو چاہئے آدمی اسی کی طرف ایمان و طاعت کے ساتھ رجوع کرے اور کفر و شرک وغیرہ جو گناہ کر چکا ہے ان کی معافی چاہے، وہ ہم سے بالکل نزدیک ہے، ہر بات خود سنتا ہے اور جو توبہ و استغفار صدق دل سے کیا جائے اسے سن کر قبول کرتا ہے۔

۸۸۔ قوم کا اعتراض اور شبہ: یعنی تجھ سے امید تھی کہ آگے چل کر بڑا فاضل اور نیک مرد ہو گا جس کو معزز بزرگوں کا جانشین سمجھ کر قوم سر پر بٹھائے گی۔ تیری پیشانی سے رشد و صلاح کے آثار ہو ئے تھے۔ سب کو توقع تھی کہ مستقبل قریب میں بڑا فائدہ تجھ سے پہنچے گا۔ رائے و تدبیر، صلاح و مشورہ سے اپنے قومی بھائیوں کی رہنمائی اور نہایت قوت قلب کے ساتھ آبائی مذہب کی حمایت و تائید کرے گا یہ درست ہے کہ ابتدا سے تجھ کو بت پرستی مغبوض تھی اور عام قومی مذہب سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ تاہم تیری سمجھ اور فطری قابلیت پر اعتماد کر کے ہم کو امید رہی کہ آگے چل کر عقل و تجربہ کی پختگی کے بعد یہ روش نہ رہے گی۔ لیکن افسوس یک بیک تو ایسی باتیں کرنے لگا جس نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر کے سب توقعات خاک میں ملا دیں کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم ایک خدا کو لے کر سارے پرانے دیوتاؤں کو چھوڑ بیٹھیں۔ ہمارے نزدیک بزرگوں کی روش کے خلاف ایسا مسلک اختیار کرنا سخت شبہ کی چیز ہے۔ جسے ہمارا دل کسی طرح نہیں مانتا۔" موضع القرآن "میں ہے" یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادے کی راہ روشن کرے گا۔ تو لگا مٹانے۔"

۸۹۔ حضرت صالح علیہ السلام کا جواب: یعنی تمہارے شک و شبہ کی وجہ سے میں ایک صاف راستہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ خدا نے مجھ کو سمجھ دی اور اپنی رحمت عظیمہ سے منصب پیغمبری عطا کیا۔ اب اگر فرض کیجئے میں اس کی نافرمانی کرنے لگوں اور جن چیزوں کے پہنچانے کا حکم ہے نہ پہنچاؤں تو مجھ کو اس کی سزا سے کون بچالے گا۔

۹۰۔ اونٹنی کا نشان: یعنی بجائے اس کے کہ اپنے سچے خیر خواہ اور محسن کی قدر کرتے مجھے فرائض و دعوت و تبلیغ سے رک جانے کا مشورہ دے کر ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔ بعض سلف نے اس جملہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ تمہاری گفتگو سے مجھ میں کوئی چیز نہیں بڑھتی بجز اس یقین کے کہ تم اپنا سخت نقصان کر رہے ہو۔ مگر سیاق کے مناسب پہلے معنی ہیں۔

۹۱۔ قوم کی نافرمانی: حضرت صالح سے قوم نے معجزہ طلب کیا تھا۔ وہ انہیں دکھلادیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل اور الفاظ کی تشریح سورہ اعراف میں آٹھویں پارہ کے ختم پر گذر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۹۲۔ یعنی جب حکم عذاب پہنچا تو ہم نے صالح اور ان کے ساتھیوں کو بچا دیا۔ اور کاہے سے بچا دیا؟ اس دن کی رسوائی سے وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمَئِذٍ نَّجَّيْنَا كٰى شَرْحٍ وَ تَفْصِيْلٍ ہے۔

۹۳۔ یعنی جسے چاہے ہلاک کر دے اور جسے چاہے بچا دے۔

۹۴۔ قوم صالح علیہ السلام پر عذاب: "یعنی بے نام و نشان ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ان پر عذاب آیا اس طرح کہ رات کو پڑے سوتے تھے۔ فرشتہ نے چنگھاڑ ماری۔ سب کے جگر پھٹ گئے "بعض آیات میں رجفة کا لفظ آیا ہے۔ یعنی زلزلہ یا کپکپی سے ہلاک ہوئے سورہ اعراف میں ہم اس کے متعلق تطبیق کی صورت لکھ چکے ہیں۔

۹۵۔ یعنی جو اپنے پروردگار کی آیات و احکام سے منکر ہو اس کی یہ گت بنتی ہے اور ایسی پھٹکار پڑتی ہے۔ سن کر عبرت حاصل کرو۔

۶۹۔ اور البتہ آپکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا سلا ہوا<sup>[۹۶]</sup>

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا  
سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ

حَنِيدٌ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ پھر جب دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر تو کھٹکا اور دل میں ان سے ڈرا<sup>[۹۷]</sup> وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط کی<sup>[۹۸]</sup>

فَلَمَّارًا أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكَمَهُمْ وَأَوْجَسَ  
مِنْهُمْ خِيَفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ

قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ اور اس کی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اسکو اسحق کے پیدا ہونے کی اور اسحق کے پیچھے یعقوب کی<sup>[۹۹]</sup>

وَأَمْرَاتُهُ قَابَةَ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَقَ ۗ وَ  
مِنْ وَّرَآءِ إِسْحَقَ يَعْقُوبَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ بولی اے خرابی کیا میں بچے جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا<sup>[۱۰۰]</sup> یہ تو ایک عجیب بات ہے<sup>[۱۰۱]</sup>

قَالَتْ يُوَيْلَتِي ۖ أَيْدٍ وَ أَنَا عَجُوزٌ ۖ وَ هَذَا بَعْلِي  
شَيْخًا ۖ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ وہ بولے کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی رحمت ہے اور برکتیں تم پر اے گھر والو تحقیق اللہ ہے تعریف کیا گیا بڑائیوں والا<sup>[۱۰۲]</sup>

قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتُ اللَّهِ وَ بَرَكَتُهُ  
عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۖ إِنَّهُ حَبِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾

۹۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان فرشتے: اس سورت کے قصص کی ترتیب "اعراف کی ترتیب" کے موافق ہے۔ صرف قوم لوط کے

قصہ سے پہلے یہاں ابراہیمؑ کا تھوڑا سا قصہ بیان فرمایا ہے۔ مگر تعبیر ایسی رکھی جو ظاہر کرتی ہے کہ مقصود اصلی لوٹ کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چونکہ اس میں اور ابراہیمؑ کے قصہ میں کی طرح کی مناسبت اور تعلق پایا جاتا تھا اس لئے بطور تمہید و توطیہ ابراہیمؑ کا قصہ مذکور ہوا۔ لوٹ حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی ہیں جو آپ کے ہمراہ عراق سے ہجرت کر کے آئے۔ ایک ہی جماعت فرشتوں کی دونوں کے پاس بھیجی گئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوٹ کی ہلاکت کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث کی جو آگے آتی ہے۔ یہ فرشتے نہایت حسین و جمیل نوجوانوں کی شکل میں لوٹ کی طرف جاتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا ہے اور اس بڑھاپے میں حضرت سارہ کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ نیز یہ کہ قوم لوٹ کے بد معاشوں اور ظالموں کے وجود سے عنقریب دنیا پاک کر دی جائے گی۔

۹۷۔ فرشتوں کا کھانے سے انکار: "کہ آخر یہ کون ہیں، کس غرض سے آئے ہیں؟ ہم کھانا پیش کرتے ہیں، یہ اسے ہاتھ نہیں لگاتے اس وقت کے دستور کے موافق جو مہمان کھانے سے انکار کرتا، سمجھا جاتا تھا کہ یہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ ابراہیمؑ گھبرائے کہ اگر آدمی ہیں تو کھانے سے انکار کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے اور فرشتے ہیں تو نہ معلوم کس مطلب کے لئے بھیجے گئے ہیں آیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی یا میری قوم کے حق میں کوئی ناخوشگوار چیز لے کر آئے۔ اسی حیرت و بیس میں زبان سے اظہار بھی کر دیا۔ اِنَّا مِّنْكُمْ وَجِلُونَ (حجر - ۵۲) یعنی ہم کو تم سے اندیشہ ہے۔ عموماً مفسرین نے ابراہیمؑ کے خوف کی یہ ہی توجیہات بیان کی ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے نزدیک نہایت لطیف توجیہ کی "کہ فرشتوں کے ساتھ جو عذاب الہی تھا اور شان و غضب و انتقام کے مظہر بن کر قوم لوٹ کی طرف جارہے تھے اس کا طبعی اثر یہ تھا کہ ابراہیمؑ کے قلب پر ایک طرح کے خوف و خشیت کی کیفیت طاری ہوئی۔ جس کا اظہار انہوں نے "انا منکم و جلون" کہہ کر کیا۔ یعنی ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۸۔ یعنی ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہم فرشتے ہیں جو قوم لوٹ کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ کچھ اندیشہ ضرر کا نہ کیجئے۔

۹۹۔ حضرت سارہ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت: یعنی حضرت سارہ جو مہمانوں کی خدمت گزاری یا اور کسی کام کے لئے وہاں کھڑی تھیں اس ڈر کے رفع ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں۔ حق تعالیٰ نے خوشی پر اور خوشیاں سنائیں کہ تجھ کو اس عمر میں بیٹا ملے گا۔ (اسحقؑ) اور اس کی نسل سے ایک پوتا یعقوب عطا ہو گا۔ جس سے ایک بڑی بھاری قوم بنی اسرائیل اٹھنے والی ہے یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اس لئے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹا (اسمعیلؑ) حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی موجود تھا۔ سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ مگر بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھیں۔ اس وقت یہ بشارت ملی۔ بعض علماء نے حضرت سارہ کے ہنسنے کی اور بھی توجیہات کی ہیں مگر ظاہر وہ ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ علماء نے وَمِنْ وَّرَاءِ اسْحٰقَ یَعْقُوْبَ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحقؑ "ذبیح" نہ تھے اسمعیلؑ تھے (راجع ابن کثیر)

۱۰۰۔ یہاں یُوْیَدِلْتٰی کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورات میں عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ میں "گلوڑی" کیا اس بڑھاپے میں اولاد جنوں گی حضرت سارہ کی عمر کہتے ہیں اس وقت ننانوے سال تھی اور حضرت ابراہیمؑ سو سال یا اس سے بھی متجاوز تھے۔

۱۰۱۔ حضرت سارہ علیہ السلام کا تعجب اور اس کا جواب: یعنی ایسا ہو تو بالکل انوکھی اور عجیب و غریب بات ہو گی۔

۱۰۲۔ یعنی جس گھرانے پر خدا کی اس قدر رحمتیں اور برکیتیں نازل ہو رہی ہیں اور جنہیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا، کیا ان کے لئے یہ کوئی تعجب کا مقام ہے؟ ان کا تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔ انہیں لائق ہے کہ بشارت سن کر تعجب کی جگہ خدا کی تمجید و تمجید کریں کہ سب بڑائیاں اور خوبیاں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ (تنبیہ) بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔



۷۴۔ پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے ڈر اور آئی اس کو خوشخبری جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى  
يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴿٤٣﴾

۷۵۔ البتہ ابراہیم تحمل والا لازم دل ہے رجوع رہنے والا

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ﴿٤٤﴾

۷۶۔ اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا اور ان پر آتا ہے عذاب جو لوٹا یا نہیں جاتا [۱۰۳]

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ  
رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ لَاتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٤٥﴾

۷۷۔ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس غمگین ہوا نکلے آنے سے اور تنگ دل ہو ادل میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے [۱۰۴]

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَاءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ  
ذُرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٤٦﴾

۷۸۔ اور آئی اس کے پاس قوم اسکی دوڑتی بے اختیار اور آگے سے کر رہے تھے برے کام [۱۰۵] بولا اے قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو ان سے سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک چلن [۱۰۶]

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا  
يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۖ قَالَ يُقَوْمُهُ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ  
أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ  
أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ﴿٤٧﴾

۷۹۔ بولے تو تو جانتا ہے ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں اور تجھ کو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں [۱۰۷]

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَ  
إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿٤٨﴾

۸۰۔ کہنے لگا کاش مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں [۱۰۸]

قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٤٩﴾

۸۱۔ مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک [۱۰۹] سولے نکل اپنے لوگوں کو کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ  
بِأهلكِ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ

مگر عورت تیری کہ اس کو پہنچ کر رہے گا جو ان کو پہنچے گا [۱۱۰] ان کے وعدہ کا وقت ہے صبح کیا صبح نہیں ہے نزدیک [۱۱۱]

إِلَّا أَمْرَاتَكَ ط إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ط إِنَّ

مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ط أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿۸۱﴾

۸۲۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائے ہم نے اس پر پتھر کنکر کے [۱۱۲] تہہ بہ تہہ [۱۱۳]

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا

عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ط مَنصُودٍ ﴿۸۲﴾

۸۳۔ نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس [۱۱۴] اور نہیں ہے وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور [۱۱۵]

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ط وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ

بَبَعِيدٍ ﴿۸۳﴾

۱۰۳۔ فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ: یعنی ادھر سے مطمئن ہوئے تو فوراً قوم لوط کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث شروع کر دی۔ جس کا خلاصہ سورہ عنکبوت میں بیان فرمایا کہ فرشتوں نے ابراہیم کو مطلع کیا کہ ہم ان بستیوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں ابراہیم بولے کہ ان میں تو خود لوط موجود ہیں (ایک پیغمبر کے ان میں موجود ہوتے ہوئے کیسے ہلاک کئے جاسکتے ہیں؟) فرشتوں نے کہا ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ لوط اور اس کے متعلقین کو وہاں سے علیحدہ کر کے عذاب نازل کیا جائے گا۔ تفاسیر میں اس بحث کی جو تفصیل بیان ہوئی ہیں اللہ جانے کہاں تک صحیح ہیں۔ بہر حال اسی بحث کو مبالغہ لفظ يُجَادِلُنَا سے تعبیر فرمایا۔ جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ابراہیم اپنی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحم دلی سے اس قوم پر ترس کھا کر حق تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے اسی کا جواب دیا کہ اس خیال کو چھوڑیے۔ ان ظالموں کا بیاناہ لبریز ہو چکا ہے اب خدا کا حکم واپس نہیں ہو سکتا۔ عذاب آکر رہے گا جو کسی سفارش یا دعا وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔

۱۰۴۔ فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا: فرشتے نہایت حسین و جمیل بے ریش و برت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ ابتداءً حضرت لوط نے نہ پہچانا کہ فرشتے ہیں۔ معمولی مہمان سمجھے۔ ادھر اس قوم کی بے حیائی اور خوئے بد معلوم تھی۔ سخت فکر مند اور تنگ دل ہوئے کہ یہ بد معاش ان مہمانوں کا پیچھا کریں گے۔ مہمانوں کو چھوڑنا بھی مشکل اور ان خمیشوں کے ہاتھوں سے چھڑانا بھی دشوار، گویا ساری قوم سے لڑائی مول لینا ہے۔

۱۰۵۔ قوم لوط کی بے حیائی: یعنی اس قوم کو نامعقول حرکتوں اور خلاف فطرت فواحش کی جو عادت پڑی ہوئی تھی کہاں چین سے بیٹھنے دیتی وہ ایسے خوب صورت لڑکوں کی خبر پاتے ہی نہایت بے حیائی کے ساتھ لوط کے مکان پر اندھا دھند چڑھ دوڑھے اور پوری قوت و شدت سے مطالبہ کیا کہ مہمان ان کے حوالے کر دیے جائیں کیونکہ ہم پہلے ہی منع کر چکے ہیں کہ تم کسی مرد کو اپنا مہمان نہ بنایا کرو۔ یہاں آنے والے مہمانوں کو ہم پر چھوڑ دو ہم جو چاہیں کریں۔

۱۰۶۔ قوم کو حضرت لوط علیہ السلام کی فہمائش: حضرت لوط نے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لئے ہر قسم کی کوشش کی۔ آخری بات اس شہوت پرست قوم سے یہ کہی کہ ظالمو! یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے حاضر ہیں۔ نکاح ہو جانے پر ان سے بطریق حلال تمتع کر سکتے ہو جو نہایت پاکیزہ اور شائستہ طریقہ ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے کہ پاک اور مشروع طریقہ کو چھوڑ کر ایسے خلاف فطرت گندے کاموں میں مبتلا ہوتے ہو۔ کم از کم میری

ہی رعایت کرو کہ میں ان مقدس مہمانوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ ہوں۔ مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہے۔ کیا تم میں ایک شخص بھی نہیں جو سیدھی سیدھی باتوں کو سمجھ کر نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔ (تنبیہ) ھُوْلَاءِ بِنَاتٍ سے مراد عام طور پر اس قوم کی لڑکیاں ہیں جن کو تجوڑا بیٹیاں کہا گیا۔ کیونکہ پیغمبر امت کے حق میں روحانی باپ ہوتا ہے اور ویسے بھی محاورات میں قوم کے بڑے بوڑھے سب کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ اور اگر خاص لوط کی بیٹیاں مراد ہوں تو شاید ان میں سے بعض ممتاز لوگوں کے نکاح کے لئے پیش کی ہوں گی اس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لوط کا مقصود اس قول سے نکاح وغیرہ کچھ نہ تھا۔ بلکہ ان کی زیادتیوں سے عاجز ہو کر مہمانوں کی آبرو بچانے کی دھن میں انتہائی تواضع سے یہ لفظ کہے۔ تاکہ ان میں غیرت و حیا کا کچھ شائبہ اور آدمیت کا کوئی ذرہ بھی موجود ہو تو یہ لفظ سن کر جھینپ جائیں اور نرمی اختیار کر لیں۔ مگر وہ ایسے حیا دار کاہے کو تھے؟ کان پر جوں بھی نہ رہینگے۔ پہلے سے زیادہ بے باک ہو کر بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

۱۰۷۔ پھر اتنی حجت و تکرار کیوں کر رہا ہے۔ ہم اپنا ناپاک ارادہ پورا کئے بدون نہ ہٹیں گے۔

۱۰۸۔ حضرت لوط علیہ السلام کی گھبراہٹ: لوط کی زبان سے انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی میں بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ "کاش مجھ میں بذات خود تم سب سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا کوئی طاقتور اور مضبوط پناہ دینے والا ہوتا۔ یعنی میرا کنبہ اور جتھا یہاں ہوتا۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا یَرْحَمُ اللّٰهُ لَوْطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي اِلٰى دُكَّانٍ شَدِيْدٍ خَدِ اللّٰهُ لَوْطًا بِرَحْمٍ فَرَمَاءُ، بیشک وہ مضبوط و مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے۔ یعنی خداوند قدوس کی۔ مگر اس وقت سخت گھبراہٹ اور بیحد ضیق کی وجہ سے ادھر خیال نہ گیا۔ بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی۔ لوط کے بعد جو انبیاء مبعوث ہوئے سب بڑے جتھے اور قبیلہ والے تھے۔

۱۰۹۔ حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں کی تسلی: جب لوط کے اضطراب و قلق کی حد ہو گئی، تب مہمانوں نے کہا کہ حضرت! آپ کس فکر میں ہیں مطلق پریشان نہ ہوں، ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو ان کو بتا دہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خبیث ہمارا تو کیا بگاڑ سکتے آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ تقاسیر میں ہے کہ وہ شریرو لوگ دروازہ توڑ کر یاد پورا پھاند کر اندھے جاتے تھے، تب جبریلؑ نے خدا سے اجازت لے کر لوط کو علیحدہ بٹھا دیا اور ایک ذرا بازوان ملعونوں کی طرف ہلایا جو سب کے سب نیٹ اندھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ بھاگو! لوط کے مہمان تو بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔

۱۱۰۔ عذاب الہی کی خبر: یعنی صبح کو عذاب آنے والا ہے، تھوری رات رہے آپ اپنے متعلقین کو لے کر یہاں سے تشریف لے جائیے اور اپنے ہمراہیوں کو ہدایات کر دیجئے کہ جلدی کریں اور کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے ہاں تیری عورت کہ وہ ساتھ نہ جائے گی یا پیچھے پھر کر دیکھے گی۔ اس طرح اسی عذاب کی لپیٹ میں آجائے گی جو سب قوم کو پہنچنے والا ہے۔ کہتے ہیں اسی عورت نے قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کیا تھا۔

۱۱۱۔ یعنی خوش ہو جائے اب ان ظالموں کے ہلاک ہونے میں کچھ دیر نہیں ہے۔ صبح ہوتے ہی سب کا صفایا ہو جائے گا۔

۱۱۲۔ قوم لوط پر ذلت و ہلاکت کا عذاب: جبریلؑ نے ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے پٹک دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہ و بالا ہو گئیں۔ پھر ان کی نکایت اور ذلت و رسوائی کی پوری تکمیل کے لئے اوپر سے جھانوں اور پتھر برسائے گئے۔ شہر کی آبادی سے الگ جو افراد اس قوم کے جس جگہ تھے وہیں پتھروں سے ہلاک کئے گئے (العیاذ باللہ) (تنبیہ) جو سزا اس قوم کو اوپر نیچے کرنے کی ملی وہ ان کی شرمناک حرکت سے ظاہری مناسبت بھی رکھتی ہے۔

۱۱۳۔ "منضود" کے معنی مترجم محقق نے "تہ بہ تہ" کئے ہیں۔ بعض نے یہ معنی لئے کہ پتھر مسلسل یکے بعد دیگرے برس رہے تھے۔

۱۱۴۔ نشان زدہ پتھر: یعنی کوئی خاص علامت ان پر تھی جو عام پتھروں سے ممتاز کر کے ظاہر کرتی تھی کہ یہ عذاب الہی کے پتھر ہیں۔ بعض کہتے

ہیں کہ ہر پتھر پر اس کا نام درج تھا جس کی ہلاکت کا وہ سبب بنا۔ واللہ اعلم۔

۱۱۵۔ یعنی باعتبار زمانہ کے بھی قریب ہے کیونکہ عاد و ثمود اور قوم نوح کے وغیرہ کے بعد یہ واقعہ ہوا۔ اور باعتبار مکان کے بھی کیونکہ ان کی بستیاں مدینہ اور شام کے درمیان میں تھیں۔ گزرنے والے قافلے وہاں کھنڈرات مشاہدہ کرتے تھے۔ یا اس جملہ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دور نہیں۔ ہمیشہ خدا کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ (تنبیہ) اس قصہ کے بعض اجزا ۱۱ عرف میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کئے جائیں۔

۸۲۔ اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو بولا اے میری قوم ہنگامی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوائے اور نہ گھٹا و ماپ اور تول کو [۱۱۶] میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال اور ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک گھیر لینے والے دن کے [۱۱۷]

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا  
اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۗ وَلَا تَنْقُصُوا  
الْبِكْيَالَ وَالْبِيزَانَ ۗ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي  
أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٣﴾

۸۵۔ اور اے قوم پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے [۱۱۸] اور نہ گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں [۱۱۹] اور مت مجاوزین میں فساد [۱۲۰]

وَيَقَوْمِ أَوْفُوا بِالْقِسْطِ ۗ وَلَا  
تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ  
مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾

۸۶۔ جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم ایمان والے [۱۲۱] اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان [۱۲۲]

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۗ وَمَا  
أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾

۸۷۔ بولے اے شعیب کیا تیرے نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دیں کرنا جو کچھ کہتے ہیں اپنے مالوں میں تو ہی بڑا باوقار ہے نیک چلن [۱۲۳]

قَالُوا يٰشُعَيْبُ أَصَلُوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرَكَ مَا  
يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۗ  
إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٧﴾

۸۸۔ بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ آگئی اپنے رب

قَالَ يٰقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيْتِنَا مِّنْ رَبِّي وَ

کی طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی [۱۲۳] اور میں یہ نہیں چاہتا کہ بعد کو خود کروں وہ کام جو تم سے چھڑاؤں [۱۲۴] میں تو چاہتا ہوں سنو ارنا جہاں تک ہو سکے اور بن آنا ہے اللہ کی مدد سے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے [۱۲۵]

رَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنهَكُمْ عَنْهُ ۗ إِنِّي أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۸۸﴾

۸۹۔ اور اے قوم نہ کماؤ میری ضد کر کے یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ کہ پڑ چکا قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور ہی نہیں [۱۲۶]

وَيَقَوْمٍ لَا يُجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿۸۹﴾

۹۰۔ اور گناہ بخشو! اپنے رب سے اور رجوع کرو اسکی طرف البتہ میرا رب ہے مہربان محبت والا [۱۲۷]

وَاسْتَغْفِرْ لِوَأَرْبُكُمْ ثُمَّ تَوَبُّوا إِلَيْهِ ۗ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿۹۰﴾

۹۱۔ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے [۱۲۸] اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو ہم میں کمزور ہے [۱۲۹] اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھ کو تو ہم سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں [۱۳۰]

قَالُوا يَشْعِيبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرُوكَ فِينَا ضَعِيفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بَعِزٌّ ﴿۹۱﴾

۹۲۔ بولا اے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے اللہ سے اور اس کو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے بھلا کر تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کچھ کرتے ہو [۱۳۱]

قَالَ يَقَوْمِ أَرْهَطِي ۗ أَعْرَضْتُ عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاتَّخَذْتُ سُوهُ ۗ وَرَأَيْكُمْ ظَهْرِيًّا ۗ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۹۲﴾

۹۳۔ اور اے میری قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کر لو گے کس پر آتا ہے عذاب رسوا کرنے والا اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ تاک رہا ہوں [۱۳۳]

وَيَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ اِنِّي عَامِلٌ ۗ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۗ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۗ وَاذْتَقِبُوا اِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿٩٣﴾

۹۴۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو ایمان لائے تھے اسکے ساتھ اپنی مہربانی سے اور آپکڑا ان ظالموں کو کڑک نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے

وَلَمَّا جَاءَ اٰمُرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الصَّيْحَةَ فَاصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جُثِيْنَ ﴿٩٤﴾

۹۵۔ گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے [۱۳۴] سن لو پھٹکارے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی تھی ثمود کو [۱۳۵]

كَانَ لَكُمْ يَغْنَوْنَ فِيْهَا ۗ اِلَّا بُعْدًا لِّمَدِيْنَ كَمَا بَعَدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾

۱۱۶۔ یہ قصہ بھی سورہ اعراف میں گذر چکا۔

۱۱۷۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی اپنی قوم کو تبلیغ: یعنی خدا نے فراغت اور آسودگی عنایت کی تو ڈرتے رہو کہیں نافرمانی سے چھین نہ جائے اور آسائش و خوشحالی سلب ہو کر دنیوی یا اخروی عذاب مسلط نہ کر دیا جائے۔

۱۱۸۔ یعنی اب تک جو ظلم وعدوان کا معیار و قانون تھا اس کی اصلاح کرو۔

۱۱۹۔ یعنی صرف ماپ تول میں نہیں بلکہ کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف مت کرو۔

۱۲۰۔ یعنی شرک و کفر سے یا کم ناپنے تولنے سے یا دوسری طرح اتلاف حقوق اور ظلم و ستم کر کے زمین میں فساد مت مچاؤ۔ کہتے ہیں وہ لوگ ڈکیتی ڈالتے تھے اور امانت میں خیانت کرتے تھے۔

۱۲۱۔ حلال مال میں برکت: ایک ایماندا کے لئے اللہ کا دیا ہوا جو ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کر کے بچ رہے گو قلیل ہو اس کثیر سے بہتر ہے جو حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا جس میں لوگوں کے حقوق مارے جائیں۔ مال حلال میں جو ٹھیک ماپ تول کر لیا دیا جائے فی الحال برکت ہوتی ہے اور خدا کے یہاں اجر ملتا ہے۔

۱۲۲۔ یعنی میں نے تم کو نصیحت کر دی۔ آگے اس کا ذمہ دار نہیں کہ تم سے زبردستی عمل کرا کے چھوڑوں۔

۱۲۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے قوم کا استہزاء: یہ بطور استہزاء و تمسخر کہہ رہے تھے کہ بس زیادہ بزرگ نہ بننے کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقلمند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ باقی ہم اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے؟ حضرت شعیب نماز بہت کثرت سے پڑھتے تھے کہنے لگے کہ شاید آپ کی نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم سے باپ دادوں کا پرانا دین چھڑوادیں اور ہمارے اموال میں ہمارا مالکانہ اختیار نہ رہنے

دیں۔ بس آپ اپنی نماز پڑھے جائیے، ہمارے مذہبی و دنیوی معاملات اور ماپ تول کے قصوں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ”جاہلوں کا دستور ہے کہ نیکوں کے کام آپ نہ کر سکیں تو انہی کو چڑانے لگیں۔ یہ ہی خصلت ہے کفر کی“۔ بعض مفسرین نے کو استہزاء پر نہیں۔ واقعیت پر حمل کیا ہے۔ یعنی تو ایک سمجھدار، باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔ پھر ایسی بے موقع اِنَّكَ لَكُنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ باتیں کیوں کرنے لگا۔ جیسے صالح کو کہا تھا۔ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا اَتْنَهْنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْْبُدُ اَبَاؤُنَا (ہود۔ ۶۲) الخ۔

۱۲۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب: یا تو ظاہری روزی مراد ہے یعنی ماپ تول میں کمی بیشی کئے بدون حلال و طیب طریق سے روزی مرحمت فرمائی یا باطنی روزی یعنی علم و حکمت اور نبوت عطاء کی، خلاصہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھ کو فہم و بصیرت دے کر وہ صاف راستہ دکھلا دیا جو تم کو نظر نہیں آتا اور اس دولت سے مالا مال کیا جس سے تمہیں حصہ نہیں ملا، تو کیا اس کا حق یہ ہے کہ میں ”معاذ اللہ“ تمہاری طرح اندھا بن جاؤں اور خدا کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں، یا تمہارے استہزاء و تمسخر سے گھبرا کر نصیحت کرنا اور سمجھانا چھوڑ دوں؟ ہرگز نہیں۔

۱۲۵۔ یعنی جن بری باتوں سے تم کو روکتا ہوں میری یہ خواہش نہیں کہ تم سے علیحدہ ہو کر خود ان کا ارتکاب کروں مثلاً تمہیں تارک الدنیا بناؤں اور خود دنیا سمیٹ کر گھر میں بھر لوں، نہیں جو نصیحت تم کو کرتا ہوں میں تم سے پہلے اس کا پابند ہوں، تم یہ الزام مجھ پر نہیں رکھ سکتے کہ میری نصیحت کسی خود غرضی اور ہوا پرستی پر محمول ہے۔

۱۲۶۔ میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ تمہاری دینی و دنیوی حالت درست ہو جائے۔ موجودہ ردی حالت سے نکل کر بام ایمان و عرفان پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اس مقصد اصلاح کے سوا دوسرا مقصد نہیں، جسے میں اپنے مقدور و استطاعت کے موافق کسی حال نہیں چھوڑ سکتا، باقی یہ کہ میری بات بن آئے اور اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں، یہ سب خداوند قدوس کے قبضہ میں ہے۔ اسی کی امداد و توفیق سے سب کام انجام پاسکتے ہیں، میرا بھروسہ اسی پر ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۱۲۷۔ یعنی میری ضد اور عداوت کے جوش میں ایسی حرکتیں مت کرنا جو تم کو گذشتہ اقوام کی طرح سخت تباہ کن عذاب کا مستحق بنا دیں، نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کی امتوں پر تکذیب و عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ پوشیدہ نہیں۔ اور لوٹ کی قوم کا قصہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے اس کی یاد تمہارے حافظہ میں تازہ ہوگی ان نظائر کو فراموش مت کرو۔

۱۲۸۔ کیسا ہی پرانا اور کٹر مجرم ہو جب صدق دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے۔ بلکہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

۱۲۹۔ قوم شعیب علیہ السلام کی ہٹ دھرمی: سمجھتے سب کچھ تھے لیکن عناد اور حق پوشی سے ایسا کہتے تھے کہ تیری بات کچھ نہیں سمجھتے نہ معلوم کیا مجذوبوں کی بڑھانک رہا ہے (العیاذ باللہ) اور اگر واقعہ ایسی سیدھی اور صاف باتیں بے توجہی یا غبات کی وجہ سے سمجھتے نہ تھے تو یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہو گا۔

۱۳۰۔ یعنی ایک کمزور اور بے حقیقت آدمی خواہ مخواہ سارے جہان کو اپنا دشمن بنا رہا ہے اسے چاہئے اپنے حال پر رحم کھائے، بیٹھے بٹھائے اپنے کو موت کے منہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے (تنبیہ) بعض سلف سے ”ضعیف“ کے معنی ”ضریر البصر“ (نا بینا) کے منقول ہیں۔ شاید کسی خاص وقت میں عارضی طور پر ظاہری بینائی جاتی رہی ہو۔ جیسے یوسفؑ کے فراق میں حضرت یعقوبؑ کا حال ہوا تھا۔ مفسرین نے بعض روایات نقل کی ہیں کہ حضرت شعیبؑ روتے بہت تھے، حتیٰ کہ نگاہ جاتی رہی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شعیب! اس قدر کیوں روتا ہے؟ جنت کے شوق میں یاد و زخ کے ڈر سے؟ عرض کیا پروردگار! تیری لقا کا خیال کر کے روتا ہوں کہ جس وقت آپ کا دیدار ہو گا نہ معلوم میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ ارشاد ہوا تجھ کو ہماری لقا (دیدار) مبارک ہو، اے شعیب! اسی لئے میں نے اپنے کلیم موسیٰ ابن عمران کو تیری خدمت کے لئے کھڑا کر دیا

ہے، کہتے ہیں خدا نے انکی پینائی واپس کر دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بصحتہ۔

۱۳۱۔ یعنی تیرے کنبہ کے لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں ان کا خیال آتا ہے ورنہ اب تک تجھے سنگسار کر ڈالتے۔

۱۳۲۔ یعنی افسوس اور تعجب ہے کہ خاندان کی وجہ سے میری رعایت کرتے ہو، اس وجہ سے نہیں کرتے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور صاف و صریح نشانات اپنی سچائی کو دکھلا رہا ہوں۔ گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عزت اور اس کا دباؤ خداوند قدوس سے زیادہ ہے۔ خدا کی عظمت و جلال کو ایسا بھلا دیا کہ کبھی تمہیں تصور بھی نہیں آتا۔ جو قوم خدا تعالیٰ کو بھلا کر (معاذ اللہ) پس پشت ڈال دے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے تمامی افعال و اعمال خدا تعالیٰ کے علم و قدرت کے احاطہ میں ہیں تم کوئی کام کرو اور کسی حالت میں ہو، ایک آن کے لئے بھی اس کے قابو سے باہر نہیں۔

۱۳۳۔ قوم کو عذاب کی خبر: یعنی اچھا تم اپنی ضد اور ہٹ پر جھے رہو، میں خدا کی توفیق سے راہ ہدایت پر ثابت قدم ہوں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کس کو خدا کا عذاب فضیحت کرتا ہے اور کون جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اور تم دونوں آسمانی فیصلہ کا انتظار کرتے ہیں۔

۱۳۴۔ قوم شعیب علیہ السلام پر اللہ کا عذاب: یہاں قوم شعیب کا کڑک (فرشتہ کی چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور اعراف میں ”رجفہ“ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔ اور سورہ شعراء میں عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ (شعراء۔ ۱۸۹) آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے بدلے سائبان کی طرح ان پر محیط ہو گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے عذاب اس قوم کے حق میں جمع کر دیے گئے تھے۔ پھر ہر سورت میں وہاں کے سیاق کے مناسب عذاب کا ذکر کیا گیا۔ اعراف میں تھا کہ ان لوگوں نے شعیب سے کہا کہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی سر زمین سے نکال دیں گے۔ وہاں بتلا دیا کہ جس زمین سے نکالنا چاہتے تھے، اسی کے زلزلہ سے ہلاک ہوئے یہاں ان کے سخت گستاخانہ مقالات کا ذکر تھا، اس لئے بالمقابل آسمانی ”صیحہ“ (کڑک) کا ذکر فرمایا۔ گویا عذاب الہی کی ایک کڑک میں ان کی سب آوازیں گم ہو گئیں، سورہ شعراء میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (شعراء۔ ۱۸۷) یعنی اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے، اس کے مقابلہ میں عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ کا تذکرہ فرمایا

۱۳۵۔ یعنی دونوں ”صیحہ“ سے ہلاک ہوئے۔

۹۶۔ اور البتہ بھیج چکے ہیں ہم مولیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر [۱۳۶]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾

۹۷۔ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی [۱۳۷]

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا

أَمْرَ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾

۹۸۔ آگے ہو گا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے انکو آگ پر اور براگھاٹ ہے جس پر پہنچے [۱۳۸]

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۗ وَ

بِئْسَ الْوِرْدُ الْبُورُودُ ﴿٩٨﴾

۹۹۔ اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برا نعام ہے جو ان کو ملا [۱۳۹]

وَ اتَّبَعُوا فِي هٰذِهِ لَعْنَةً ۗ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِئْسَ

الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿٩٩﴾



۱۰۰۔ یہ تھوڑے سے حالات ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو بعض ان میں سے اب تک قائم ہیں اور بعض کی جڑکٹ گئی [۱۳۰]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقَّصْتُ عَلَيْكَ مِنْهَا قٰٓئِمٌ وَّحٰصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۱۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن ظلم کر گئے وہی اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے ان کے ٹھاکر (معبود) جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے کسی چیز میں جس وقت پہنچا حکم تیرے رب کا [۱۳۱] اور نہیں بڑھایا انکے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے [۱۳۲]

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اِلٰهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۗ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ

تَتَّبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۳۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشانیاں اور معجزات: نشانوں سے غالباً معجزات اور وہ نو آیتیں مراد ہیں، جن کا ذکر وَ لَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍ (بنی اسرائیل-۱۰۱) میں ہوا ہے۔ ان میں سے معجزہ عصا جو جو نہایت ظاہر و قاہر معجزہ تھا شاید سُلْطٰنِ مُّبِيْنٍ (واضح سند) فرمایا۔ یا سُلْطٰنِ مُّبِيْنٍ سے وہ رشن دلائل مراد ہوں جو حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کے وجود و توحید وغیرہ کے متعلق پیش کئے جن کا ذکر دوسرے مقامات میں آئے گا۔ اور ممکن ہے سُلْطٰنِ مُّبِيْنٍ سے اس کے لغوی معنی (یعنی کھلا ہوا غلبہ) مراد لئے گئے ہوں، کیونکہ فرعونوں کے مقابلہ پر بار بار حضرت موسیٰ کو نمایاں غلبہ اور فتح مبین حاصل ہوتی رہی۔

۱۳۷۔ فرعون کی حالت: یعنی کھلے کھلے نشان دیکھ کر بھی فرعونوں نے پیغمبر خدا کی بات نہ مانی، اسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے۔ حالانکہ اس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہ تھی، جسے مان کر انسان بھلائی حاصل کر سکتا۔

۱۳۸۔ جس طرح یہاں کفر و تکذیب میں ان کا امام تھا، قیامت کے دن بھی امام رہے گا۔ جو لوگ دنیا میں اس کی اندھی تقلید کر رہے تھے، وہ اس کے پیچھے پیچھے آخری منزل (جہنم) تک پہنچ جائیں گے، یہ ہی وہ گھاٹ جہاں ٹھنڈے پانی کی جگہ بھسم کر دینے والی آگ ملے گی۔

۱۳۹۔ یعنی رہتی دنیا تک لوگ فرعون اور فرعونوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ پھر قیامت میں ملائکہ اللہ اور اہل موقف کی طرف سے لعنت پڑے گی۔ غرض لعنت کا سلسلہ لگاتار ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔ گویا یہ انعام ہے جو ان کے کارناموں پر دیا گیا۔

۱۴۰۔ یعنی پچھلی قوموں کے قصے جو تم کو سنائے گئے کہ کس طرح انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب اور گستاخیاں کیں، پھر کس طرح تباہ ہوئے۔ ان میں سے بعض کی بستیاں ابھی آباد ہیں جیسے ”مصر“ جو فرعون کا مقام تھا اور بعض اجڑ گئیں۔ مگر ان کے کچھ کھنڈر باقی ہیں۔ جیسے قوم لوط کی بستیاں اور بعض کا نشان بھی صفحہ ہستی پر باقی نہ رہا۔

۱۴۱۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت کے اسباب: یعنی خدا نے کسی کو بے تصور نہیں پکڑا جو ظلم کا وہم ہو سکے، جب وہ جرائم کے ارتکاب میں حد سے نکل گئے اور اس طرح اپنے کو کھلم کھلا سزا کا مستحق ٹھہرا دیا تب خدا کا عذاب آیا۔ پھر دیکھ لو جن معبودوں (دیوتاؤں) کا انہیں بڑا سہارا تھا اور جن سے بڑی بڑی توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ بھی کام نہ آئے۔

۱۳۲۔ باطل معبود کام کیا آتے؟ اٹلے ہلاکت کا سبب بنے۔ جب انہیں نفع و ضرر کا مالک سمجھا، امیدیں قائم کیں، چڑھاوے چڑھائے۔ تعظیم اور ڈنڈوت کی، تو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ تکذیب انبیاء وغیرہ کا جو عذاب ہوتا، شرک و بت پرستی کا عذاب اس پر مزید رہا۔

۱۰۲۔ اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بیشک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی [۱۳۳]

وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۖ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۳۔ اس بات میں نشانی ہے اس کو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے [۱۳۴] وہ ایک دن ہے جس میں جمع ہوں گے سب لوگ اور وہ دن ہے سب کے پیش ہونے کا [۱۳۵]

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّبَنِّ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ۖ ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْبُوعٌ لِّلنَّاسِ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۴۔ اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کے لئے جو مقرر ہے [۱۳۶]

وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۵۔ جس دن وہ آئے گا بات نہ کر سکے گا کوئی جاندار مگر اسکے حکم سے سو ان میں بعضے بد بخت ہیں اور بعضے نیک بخت [۱۳۷]

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلِّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِآذِنِهِ ۖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۶۔ سو جو لوگ بد بخت ہیں وہ تو آگ میں ہیں انکو وہاں چیخنا ہے اور دھاڑنا

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَمِنَ النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۷۔ ہمیشہ رہیں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کرڈالتا ہے جو چاہے

خُلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالأَرْضُ ۖ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۗ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۸۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو جنت میں ہیں ہمیشہ رہیں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا [۱۳۸]

وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فَمِنَ الْجَنَّةِ خُلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالأَرْضُ ۖ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۗ

عَطَاءٌ غَيْرِ مَجْدُودٍ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۹۔ سو تو نہ رہ دھوکے میں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہیں یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی جیسا کہ پوجتے تھے انکے باپ دادے اس سے پہلے اور ہم دینے والے ہیں انکو انکا حصہ یعنی عذاب سے بلا نقصان [۱۴۹]

فَلَا تَكُ فِي مَرِيَّةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هُوَ لَآءِ مَّا يَعْبُدُونَ  
إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوفُونَ  
نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ۚ

۱۱۰۔ اور البتہ ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ پہلے فرما چکا تھا تیرا رب تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور ان کو اس میں شبہ ہے کہ مطمئن نہیں ہونے دیتا [۱۵۰]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۚ وَلَوْ  
لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقَضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ  
لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۚ

۱۱۱۔ اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا (بھگتا دے گا) دے گارب تیرا ان کو ان کے اعمال اس کو سب خبر ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں [۱۵۱]

وَإِنَّ كَلِمَةً لَّبَّالِيُوْفِيْنَهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِبِأْسِ  
يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۚ

۱۴۳۔ یعنی ظالموں کو بڑی حد تک مہلت دی جاتی ہے جب کسی طرح باز نہیں آتے تو پکڑ کر گلا دبا دیا جاتا ہے مجرم چاہے کہ تکلیف کم ہو، یا اس کی پکڑ سے چھوٹ کر بھاگ نکلے، اس خیال است و محال است و جنوں۔

۱۴۴۔ ان واقعات سے عبرت پکڑو: "یعنی دنیا جو" دار عمل "ہے جب اس میں شرک و کفر اور تکذیب انبیاء پر سزائیں ملتی ہیں اور اس قدر سخت ملتی ہیں تو یہ ایک نشان اس بات کے معلوم کرنے کا ہے کہ آخرت میں جو خالص دار جزاء ہے کیا کچھ سزا ان جرائم پر ملے گی؟ اور کیا صورت رستگاری کی ہوگی۔ عقلمند آدمی کے لئے جو اپنے انجام کو سوچ کر ڈرتا رہتا ہے اس چیز میں بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

۱۴۵۔ ان واقعات سے عبرت پکڑو: یعنی تمام دنیا کا بیک وقت فیصلہ اسی دن ہوگا جب سارے اولین و آخرین اکٹھے کئے جائیں گے اور کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ گویا خدا کی عدالت کی سب سے بڑی پیشی کا دن وہی ہوگا۔

۱۴۶۔ یعنی اللہ کے علم میں جو میعاد مقرر ہے وہ پوری ہو جائے گی۔ تب وہ دن آئے گا، تاخیر سے یہ گمان مت کرو کہ یہ محض فرضی اور وہمی باتیں ہیں۔

۱۴۷۔ یعنی کوئی شخص ایسی بات جو مقبول و نافع ہو بدون حکم الہی کے نہ کر سکے گا اور محشر کے بعض مواقف میں تو مطلقاً ایک حرف بھی اذن و اجازت کے بدون منہ سے نہ نکال سکیں گے۔

۱۴۸۔ ایک اشکال اور اس کا جواب: ان آیات کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان و زمین دنیا میں باقی رہے اتنی مدت تک اشقیاء و دوزخ میں اور سعداء جنت میں رہیں گے۔ مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب وہ اسی کو معلوم ہے۔ کیونکہ ہم جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہی خیال میں آتی ہے۔ اسی لئے مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ غَيْرِهَا الْفٰظِ مَحٰوِرَاتِ عَرَبِ

میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں۔ باقی دوام و ابدیت کا اصلی مدلول جسے لامحدود زمانہ کہنا چاہئے وہ حق تعالیٰ ہی کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے جس کو مَا شَاءَ رَبُّكَ سے ادا کیا۔ دوسرے معنی آیات کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ کو کنایہ دوام سے مانا جائے۔ یا آسمان و زمین سے آخرت کا زمین و آسمان مراد لیا جائے۔ جیسے فرمایا يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ (ابراہیم۔ ۴۹) مطلب یہ ہو کہ اشقیاء دوزخ اور سعداء جنت میں اس وقت تک رہیں گے جب تک آخرت کے زمین و آسمان باقی رہیں، یعنی ہمیشہ مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کر دے ہاں ہمیشہ نہ رہنے دے۔ کیونکہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے لیکن وہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب کبھی موقوف نہ ہو گا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ۔ ۱۶۷) اور يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا (مائدہ۔ ۳۷) اور لَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ (بقرہ۔ ۱۶۲) اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (نساء۔ ۴۸) اسی پر تمام اہل اسلام کا اجماع رہا ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد مفسرین نے جو کچھ اس کے خلاف چیزیں پیش کی ہیں وہ یا روایت ضعیفہ و موضوعہ ہیں یا اقوال غریبہ ماولہ۔ یا بعض آیات و احادیث ہیں جن کا مطلب کوتاہ نظری یا بد فہمی سے غلط سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر خدا کی توفیق سے مستقل تفسیر لکھنے کی نوبت آئی، اس میں مفصل کلام کیا جائے گا۔ اختصار کی وجہ سے یہاں گنجائش نہیں، رہا عصاة موحدین کا مسئلہ یعنی جو مسلمان گناہوں کی بدولت دوزخ میں ڈالے جائیں گے (العیاذ باللہ) ان کے متعلق احادیث صحیحہ نے ہم کو خدا کی مشیت پر مطلع کر دیا ہے کہ ایک دن ضرور ان کو نکال کر جنت میں پہنچائیں گے۔ جہاں سے کسی جنتی کو کبھی نکلنا نہیں۔ شاید اسی لحاظ سے جنتیوں کے ذکر میں عَطَاءٌ غَيْرٌ مَجْدُوْدٌ اور اشقیاء کے ذکر میں اِنَّ رَبَّكَ فَعٰلٌ لِّمَا يُّرِيْدُ ارشاد ہوا۔ تا معلوم ہو جائے کہ بعض اشقیاء دوزخ سے نکالے جائیں گے مگر سعید کوئی جنت سے خارج نہ کیا جائے گا۔ (تنبیہ) اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ سے متنبہ فرمادیا کہ خدا کے ہمیشہ رہنے اور مخلوق کے ہمیشہ رہنے میں فرق ہے کسی مخلوق کا ہمیشہ رہنا۔ بہم وجہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے فنا کر سکتا ہے۔ نیز یہ بتلادیا کہ جزاء و سزاء دینا اس کے اختیار و مشیت کے تابع ہے “آریہ سماج” وغیرہ کے عقیدہ کے موافق وہ اس پر مجبور نہیں۔

۱۴۹۔ یعنی اتنی مخلوق کا شرک و بت پرستی کے راستہ پر پڑ لینا اور اب تک سزا یا نہ ہونا، کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دھوکہ کھا کر آدمی شبہ میں پڑ جائے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی کورانہ تقلید کر رہے ہیں وہ جھوٹے معبودان کے کیا کام آئے، جو ان کے کام آئیں گے؟ یقیناً ان سب کو آخرت میں عذاب کا پورا حصہ ملے گا۔ جس میں کوئی کمی نہ ہوگی یا کبھی کم نہ کیا جائے گا۔ گویا لفظ غَيْرٌ مَنقُوصٌ، عَطَاءٌ غَيْرٌ مَجْدُوْدٌ کے مقابل ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دنیا میں رزق وغیرہ کا جو حصہ مقدر ہے وہ پورا ملے گا۔ پھر شرک کی پوری سزا جھگتیں گے۔

۱۵۰۔ خیر و شر کے اختلاف کی حکمت: موسیٰ کو تورات دے کر بھیجا تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی، کسی نے قبول کیا کسی نے نہ کیا۔ جس طرح آج قرآن عظیم کے متعلق یہ ہی اختلاف ہو رہا ہے۔ بیشک خدا کو قدرت تھی کہ یہ اختلاف و تفریق پیدا نہ ہونے دیتا یا پیدا ہو چکنے بعد تمام ملذبین کا فوزا استیصال کر کے سارے جھگڑے ایک دم میں چکا دیتا۔ مگر اس کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہ ہوئی۔ ایک بات اس کے یہاں پہلے سے طے شدہ ہے کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے آیا خالق و مخلوق کا ٹھیک ٹھیک حق پہچان کر خدا کی رحمت و کرامت کو مستحق بنتا ہے یا کجروی اور غلط کاری سے فطرت صحیحہ کی رہنمائی کو خیر باد کہہ کر اپنے کو غضب و سخط کا مظہر ٹھہراتا ہے۔ لِيَجْزِيَكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ہود۔ ۷) اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ نیکی یا بدی کے اختیار کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر و شر اور نیک و بد کی باہمی آویزش جاری رہے بعدہ مرحوم و مغضوب علیحدہ کئے جائیں۔ تَا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کے ساتھ لَا مَلَكَ مِنْ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ والی بات بھی پوری ہو۔ غالباً یہ ہی وہ کلمہ (لفظ) ہے جو اگر

نہ فرما چکا ہوتا تو سب اختلافات کا ایک دم خاتمہ کر دیا جاتا۔ عام لوگ ان حکمتوں کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی ان اختلافات کا فیصلہ ہو گا یا نہیں۔

۱۵۱۔ یعنی ابھی وقت نہیں آیا کہ ہر ایک کے عمل کا پورا بھگتان کیا جائے۔ لیکن جب وقت آئے گا تو یقیناً ذرہ ذرہ کا حساب کر دیا جائے گا تاخیر عذاب سے یہ نہ سمجھو کہ اسے تمہارے اعمال کی خبر نہیں۔

۱۱۲۔ سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو بیشک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو [۱۵۲]

فَاسْتَقِمْ كَمَا أَمَرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا<sup>ط</sup>

إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾

۱۱۳۔ اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے [۱۵۳]

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۗ وَ

مَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا

تَنْصُرُونَ ﴿١١٣﴾

۱۵۲۔ اوامر پر استقامت کا حکم: آپ ان مشرکین کی جھنجھٹ میں نہ پڑیے۔ آپ کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے کفر وغیرہ سے توبہ کر کے آپ کی معیت اختیار کر لی اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، احکام الہیہ پر نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ ہمیشہ جمے رہنا چاہئے۔ عقائد اخلاق، عبادات، معاملات، دعوت و تبلیغ وغیرہ ہر چیز میں افراط و تفریط سے علیحدہ ہو کر توسط و استقامت کی راہ پر سیدھے چلے جاؤ۔ کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کی جانب اختیار کر کے حد سے نہ نکلو، اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ ہر آن تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

۱۵۳۔ پہلے لَا تَطْغَوْا میں حد سے نکلنے کو منع کیا تھا۔ اب بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں، ان کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو۔ ان کی موالات، مصاحبت، تعظیم و تکریم، مدح و ثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپٹ تم کو نہ لگ جائے۔ پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملے گا اور نہ خدا کی طرف سے کچھ مدد پہنچے گی۔

۱۱۴۔ اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے [۱۵۴] البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو یہ یاد گاری ہے یاد رکھنے والوں کو [۱۵۵]

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ

الْحَسَنَاتِ يُذْهِبَنَّ السَّيِّئَاتِ ط ذٰلِكَ ذِكْرٰى

لِلذِّكْرِ اِنَّ ﴿١١٤﴾

۱۱۵۔ اور صبر کر البتہ اللہ ضائع نہیں کرتا ثواب نیکی کرنے والوں کا [۱۵۶]

وَأَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٥﴾

۱۱۶۔ سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے کہ جن کو ہم نے بچا لیا ان میں سے اور چلے وہ لوگ (اور پیچھے پڑے رہے ظالم اسی چیز کے جس میں ان کو عیش ملا) جو ظالم تھے وہی راہ جس میں عیش سے رہتے تھے اور تھے گنہگار [۱۵۷]

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾

۱۱۷۔ اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں [۱۵۸]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ ۖ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾

۱۱۸۔ اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راستہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾

۱۱۹۔ مگر جن پر حم کیا تیرے رب نے [۱۵۹] اور اسی واسطے انکو پیدا کیا ہے اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی کہ البتہ بھر دوں گا دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے [۱۶۰]

إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَيَذُكَ خَلَقَهُمْ ۖ وَتَنَبَّأَهُمْ كَلِمَةً رَبِّكَ لَا مُلْكَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

۱۲۰۔ اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق بات اور نصیحت اور یادداشت ایمان والوں کو [۱۶۱]

وَكَلَّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُنَبِّئُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ ۖ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾

۱۲۱۔ اور کہہ دے ان کو جو ایمان نہیں لاتے کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر ہم بھی کام کرتے ہیں

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ۚ إِنَّا عَمِلُونَ ﴿١٢١﴾

## وَأَنْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں [۱۲۲]

۱۲۳۔ اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف رجوع ہے سب کام کا سوا اسی کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ رکھ اور تیرا رب پیغمبر نہیں جو کام تم کرتے ہو [۱۲۳]

## بِعَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

۱۵۴۔ نمازوں کے اوقات: ظالموں کی طرف مت جھکو۔ بلکہ خدائے وحدہ لا شریک لہ کی طرف جھکو۔ یعنی صبح و شام اور رات کی تاریکی میں خشوع و خضوع سے نمازیں ادا کرو کہ یہ ہی بڑا ذریعہ خدا کی مدد حاصل کرنے کا ہے۔ (تنبیہ) دن کے دونوں طرف یعنی طلوع و غروب سے پہلے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ یا ایک طرف فجر اور دوسری طرف مغرب کو رکھا جائے۔ کہ وہ بھی بالکل غروب کے متصل ہوتی ہے۔ اور بعض سلف کے نزدیک اس میں فجر اور ظہر و عصر تینوں نمازیں داخل ہیں۔ گویا دن کے دو حصے کر کے پہلے حصہ میں فجر کو اور دوسرے حصہ میں جو نصف النہار سے شروع ہو کر غروب پر ختم ہوتا ہے، دونوں نمازوں (ظہر و عصر) کو شمار کر لیا۔ اور زُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ سے فقط "عشاء" یا "مغرب و عشاء" دونوں مراد ہیں ابن کثیر نے یہ احتمال بھی لکھا ہے کہ طَهْرَتِي النَّهَارِ سے فجر و عصر اور زُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ سے فجر مراد ہو۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں یہ ہی تین نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ بعدہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اور باقی دو کے ساتھ تین کا اضافہ کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۵۔ نماز کے فوائد: یعنی نمازوں کا قائم رکھنا، خدا کی یاد گاری ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (طہ۔ ۱۳) یا یہ مطلب ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ کا ضابطہ یاد رکھنے والوں کے لئے یاد رکھنے کی چیز ہے۔ جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے مومن کو نیکیوں کی طرف خاص ترغیب ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو تین طرح، جو نیکیاں کرے اس کی برائیاں معاف ہوں، اور جو نیکیاں اختیار کرے اس سے خوبرائیوں کی چھوٹے، اور جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو وہاں ہدایت آئے اور گمراہی مٹے، لیکن تینوں جگہ وزن غالب چاہئے۔ جتنا میل اتنا صابون۔"

۱۵۶۔ صبر اور صلوة کا تعلق: "قرآن کریم میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد و اعانت حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے۔ "صلوة" اور صبر وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (بقرہ۔ ۴۵) یہاں بھی "صلوة" کے بعد صبر کا حکم فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ مومن خدا کی عبادت و فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے اور کسی دکھ درد کی پروا نہ کرے، تب خدا کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے اس کے یہاں کسی نیکو کار کا اجر ضائع نہیں ہوتا، بلکہ اندازہ سے زائد ملتا ہے۔

۱۵۷۔ مصلحین کی ضرورت اور اہمیت: یہ پچھلوں کا حال سنا کر امت محمدیہ کو ابھارا گیا ہے کہ ان میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرنے والے بکثرت موجود رہنے چاہئیں۔ گذشتہ قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ عام طور پر لوگ عیش و عشرت کے نشہ میں چور ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتے رہے اور بڑے بااثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر کا باقی تھا، انہوں نے منع کرنا چھوڑ دیا، اس طرح کفر و عصیان اور ظلم و طغیان سے دنیا کی جو حات بگڑ رہی تھی۔ اس کا سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ چند گنتی کے آدمیوں نے "امر بالمعروف" کی کچھ آواز بلند کی مگر نفاق خانہ میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے عذاب سے محفوظ رہے باقی سب قوم تباہ ہو گئی۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں "نیک لوگ غالب

ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے ” حدیث صحیح میں ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہ روکا جائے اور لوگ ” امر بالمعروف و نہی عن المنکر ” ترک کر بیٹھیں، تو قریب ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا عام عذاب بھیجے جو کسی کو نہ چھوڑے (العیاذ باللہ)۔

۱۵۸۔ یعنی جس بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں، نیکی کو رواج دیں، ظلم و فساد کو روکیں، تو خداوند قدوس کی یہ شان نہیں کہ خواہ مخواہ انہیں زبردستی پکڑ کر ہلاک کر دے۔ عذاب اسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر و عصیان یا ظلم و طغیان میں حد سے نکل جائیں۔

۱۵۹۔ یعنی جیسا کہ بارہا پہلے لکھا جا چکا ہے خدا تعالیٰ کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہیں ہوتی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا اسی لئے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا۔ مگر فی الحقیقت اختلاف اور پھوٹ ڈالنے والے وہ لوگ جنہوں نے صاف و صریح فطرت کے خلاف حق کو جھٹلایا۔ اگر فطرت سلیمہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لئے اَلَا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ سے متنبہ فرمادیا کہ جن پر خدا نے ان کی حق پرستی کی بدولت رحم کیا وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۶۰۔ تخلیق عالم کی غرض و غایت: ”یعنی دنیا کی آفرینش سے غرض یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی ”صفات جمالیہ“ و ”تہریرہ“ کا ظہور ہو اس لئے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے تاکہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و غفران کا مظہر بنے۔ جو اَلَا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت و غداری سے اس کی صفت عدل و انتقام کا مظہر بن کر جس دوام کی سزا بھگتے۔ جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو لَا مَلَكٌ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ بہر حال آفرینش عالم کا تشریحی مقصد عبادت ہے وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات-۵۶) اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریحی مقصد کو اپنے کسب و اختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف و تہریر کے مورد مظہر بن سکیں درکار خانہ عشق از کفرناگزیر است۔ دوزخ کراہوسوز دگر بولہب نہ باشند۔ پھر لطف و کرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد و عمل کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔ گہمائے رنگ رنگ سے ہے رونق دمن۔ اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے۔

۱۶۱۔ قصص قرآن کی حکمت اور فوائد: اوپر بہت سے انبیاء و رسل کے قصص مذکور ہوئے تھے، اب ختم سورت پر ذکر قصص کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ یعنی گذشتہ اقوام و رسل کے واقعات سن کر پیغمبر کا قلب بیش از بیش ساکن و مطمئن ہوتا ہے۔ اور امت کو تحقیقی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن میں نصیحت و تذکیر کا بڑا سامان ہے۔ آدمی جب سنتا ہے کہ میرے ابنائے نوح پہلے فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہو چکے ہیں تو ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے سے پچھلوں کو نجات ملی تو طبعاً اس کی طرف دوڑتا ہے فی الحقیقت قرآن کریم میں قصص کا حصہ اس قدر موثر و مذکور واقع ہوا ہے کہ کوئی شخص جس میں تھوڑا سا آدمیت کا جز ہو اور خوف خدا کی ذرا سی ٹیس دل میں رکھتا ہو انہیں سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باقی قصص یا بعض دوسرے مضامین کی تکرار جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہے اس پر ہم نے رسالہ ”القاسم“ کے ابتدائی دور میں ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۶۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توکل کا حکم: اس مضمون کی آیات پہلے اسی سورت میں گذر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میری بات نہیں مانتے تو بہتر ہے تم اپنی ضد پر جمے رہو، میں اپنے مقام پر مستقیم ہوں۔ نیز تم میرے لئے حوادث دہر کا انتظار کرتے رہو، میں تمہارے انجام بد کا منتظر ہوں۔ چند روز میں پتہ چل جائے گا کہ ظالموں کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ يَتَرَبَّصُّ بِكُمْ الدَّوَابُّ عَلَيْهِمْ ذَاتُ السُّوءِ (توبہ-۹۸)۔

۱۶۳۔ یعنی آپ ان کے کفر و شرارت سے دلگیر نہ ہوں اپنا کام کئے جائیں اور ان کا فیصلہ خدا کے حوالہ کریں، اس سے آسمان و زمین کی کوئی بات چھپی نہیں، سب معاملات ہر پھر کراہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہاں ان کو پتہ لگ جائے گا کہ وہ کس خط میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ تو دل



وجان سے اپنے پروردگار کی بندگی اور فرمانبرداری میں لگے رہئے۔ اور تنہا اسی کی اعانت پر بھروسہ رکھے۔ وہ تمہارے مخلصانہ اعمال سے بے خبر نہیں ان کے مناسب تم سے معاملہ کرے گا۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد آگئے؟ فرمایا شیببثنی ہود و احوائہا سورہ ہود اور اس کی بہنوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورہ ہود کی جس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا یہ تھی۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (ہود-۱۲) رزقنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ الاستقامۃ علی دینہ و سنتہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تم سورۃ ہود بفضلہ ومنہ۔

ایاتھا ۱۱۱

سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ ۵۳

رکوعاتها ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الرَّ ۱۱ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۱﴾

۱۔ یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی [۱]

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾

۲۔ ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو [۲]

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءٰنِ ۗ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۳﴾

۳۔ ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بیخبروں میں [۳]

الْغٰفِلِیْنَ ﴿۳﴾

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاٰیٓتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَّ الْقَمَرَ رَاٰیْتَهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ﴿۴﴾

۴۔ جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے انکو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے [۴]

قَالَ یٰۤبُنٰی لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰی اِخْوَتِكَ فِیَكِیْدُوْا لَكَ كِیْدًا ۗ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسٰنِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۵﴾

۵۔ کہا اے بیٹے مت بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھر وہ بنا لیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن [۵]

عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۵﴾

وَ كَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَّ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَّ یُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَیْكَ وَّ عَلٰی اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَا اَتٰنَهَا عَلٰی اَبُوْیْكَ مِنْ قَبْلُ

۶۔ اور اسی طرح ہرگز یادہ کرے گا تجھ کو تیرا رب [۶] اور سکھائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا [۷] اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر [۸] جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحاق پر [۹] البتہ تیرا رب خبر دار ہے حکمت والا [۱۰]

## اِبْرَاهِيمَ وَاسْحَقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

۱۔ جس کا من عند اللہ ہونا بالکل واضح ہے اور جن احکام و شرائع یا مواضع و نصاب پر وہ مشتمل ہے نہایت روشن اور صاف ہیں۔  
 ۲۔ عربی میں قرآن کے نزول کی حکمت: یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پر شوکت زبان ہے، نزول قرآن کے لئے منتخب کی گئی۔ جب خود پیغمبر عربی ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کے اولین مخاطب عرب ہوں گے۔ پھر عرب کے ذریعہ سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔ اسی کی طرف لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری زبان میں اتارنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جو پیغمبر کی قوم ہو اول اس کے علوم و معارف کا مزہ چکھو پھر دوسروں کو چکھاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ اُنزِلَ اَشْرَافُ الْكُتُبِ بِاَشْرَافِ اللُّغَاتِ عَلٰى اَشْرَافِ الرُّسُلِ بِسَفَارَةِ اَشْرَافِ الْمَلَائِكَةِ وَكَانَ ذٰلِكَ فِي اَشْرَافِ بَقَاعِ الْاَرْضِ وَابْتَدَا اِنْزَالَهُ فِي اَشْرَافِ شَهْوَرِ السَّنَةِ وَهُوَ رَهْمَانٌ۔ فَكُنْ مِنْ كُلِّ الْوَجُوهِ۔

۳۔ احسن القصص کی وجہ نزول: "یعنی اس وحی کے ذریعہ سے جو قرآن کی صورت میں تم پر نازل ہوتی ہے۔ ہم ایک نہایت اچھا بیان نہایت حسین طرز میں تم کو سناتے ہیں۔ جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بے خبر تھے۔ گو یہ واقع کتب تاریخ اور بائبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا۔ قرآن کریم نے اس کے ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور بلیغ و موثر انداز میں بیان فرمایا جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطلع کیا بلکہ موقع بہ موقع نہایت ہی اعلیٰ نتائج کی طرف رہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم و ہدایات کے ابواب مفتوح کر دئے۔ یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت دنیوی و اخروی کامیابی کی کلید ہے، حسد و عداوت کا انجام خذلان و نقصان کے سوا کچھ نہیں، عقل انسانی بڑا شریف جو ہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنا لیتا ہے۔ اخلاقی شرافت اور پاکدامنی انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بے شمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے اس سورت کی شان نزول میں کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ سب کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحان کیا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد تو شام میں رہتی تھی، پھر "بنی اسرائیل" مصر میں کیسے پہنچ گئے جو مولیٰ کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصارت و بر سے معلوم ہونے کا اشتیاق ہوا ہو گا۔ ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا، وہ کئی طرح نبی کریم ﷺ اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت ﷺ کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ تا پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوبؑ) اور ان کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسفؑ کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں ان کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰؑ نے آکر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انہیں نجات دلائی۔

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب: یعنی گیارہ ستارے اور چاند سورج میرے آگے جھک رہے اور پست ہو رہے ہیں۔ یہ خواب لڑکپن میں دیکھا تھا۔ سچ ہے "ہو نہار بروے کے چکنے چکنے پات"

۵۔ یعنی شیطان ہر وقت انسان کی گھات میں لگا ہے۔ وسوسہ اندازی کر کے بھائیوں کو تیرے خلاف اکسا دے گا۔ کیونکہ خواب کی تعبیر بہت

ظاہر تھی، اور یوسف کے بھائیوں کو جو بہر حال خاندان نبوت میں سے تھے، ایسے واضح خواب کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہ تھے کہ گیارہ ستارے گیارہ بھائی ہیں اور چاند سورج ماں باپ ہیں گویا یہ سب کسی وقت یوسف کی عظمت شان کے سامنے سر جھکائیں گے۔

برادران یوسف: چنانچہ آخر سورت میں یَا بَتِّ هَذَا تَأْوِيلُ دُعَائِي مِنْ قَبْلِ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا (یوسف-۱۰۰) کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ خواب سے پیشتر ہی یہ محسوس کرتے تھے کہ یوسف کے ساتھ باپ کی خصوصی محبت کو دیکھ کر اس کے علاقائی بھائی دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے خیال کیا کہ اگر کہیں یہ خواب سن پائے تو شیطان حسد کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا دے گا اور جوش حسد میں آنکھیں بند کر کے ممکن ہے وہ کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو یوسف کی اذیت اور خود ان کی رسوائی اور بد انجامی کو موجب ہو۔ اس لئے آپ نے یوسف کو منع فرما دیا کہ اپنا خواب بھائیوں کے روبرو ظاہر نہ کریں۔ یوسف کا ایک حقیقی بھائی ”بنیامین“ تھا۔ اس کے سامنے ذکر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، گو اس سے برائی کا کچھ اندیشہ نہ تھا، لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ سن کر بے احتیاطی سے دوسروں کے سامنے تذکرہ کر دے۔ اور اس طرح یہ خبر لوگوں میں شائع ہو جائے (تنبیہ) حافظ ابن تیمیہ نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے کہ قرآن لغت، اور عقلی اعتبارات میں سے کوئی چیز اس خیال کی تائید نہیں کرتی کہ برادران یوسف انبیاء تھے، نہ رسول کریم ﷺ نے اس کی خبر دی نہ صحابہؓ میں کوئی اس کا قائل تھا بھلا عقوق والدین، قطع رحم، مسلمان بھائی کے قتل پر اقدام کرنا، اس کو غلام بنا کر بیچ ڈالنا اور بلاد کفر کی طرف بھیج دینا، پھر صریح جھوٹ اور حیلے بنانا، وغیرہ ایسی حرکات شنیعہ کیا کسی نبی کی طرف (خواہ قبل از بعثت ہی سہی) منسوب کی جاسکتی ہیں (العیاذ باللہ) جن لوگوں نے برادران یوسف کی نبوت کا خیال ظاہر کیا ہے، ان کے پاس لفظ ”اسباط“ کے سوا کوئی دلیل نہیں۔ حالانکہ ”اسباط“ خاص صلیبی اولاد کو نہیں بلکہ اقوام و امم کو کہتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کی اسباط پر تقسیم حضرت موسیٰ کے عہد میں ہوئی۔

۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کی پیشگوئی: یعنی جس طرح ایسا اچھا خواب دکھلایا، اسی طرح محض جاذبہ رحمت سے اپنی بارگاہ قرب میں تجھ کو خصوصی مقام عطاء فرمائے گا۔ چنانچہ نبوت عطاء فرمائی اور طرح طرح کی ظاہری و باطنی نوازشیں کیں۔

۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا علم: مثلاً تعبیر رویا، یعنی خواب سن کر اس کے اجزا کو ذہانت و فراست سے ٹھکانے لگا دینا۔ یا ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا، اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً پرکھ لینا۔ یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات اقوام و امم کے قصص اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہ تک پہنچ جانا۔ یہ سب چیزیں ”تاویل الاحادیث کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں۔

۸۔ یعنی اخروی نعمتوں کے ساتھ دنیوی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ نبوت کے ساتھ! بادشاہت میں حصہ دے گا اور شہداء و محن سے نجات دے کر خوشحالی و فراغ بالی کی زندگی نصیب کرے گا۔

۹۔ یعقوب کے گھرانے کو دنیوی کمزوریاں اور مادی تکلیفوں سے رہائی دے گا اور آئندہ ان کی نسل سے بڑے بڑے پیغمبر اور بادشاہ پیدا کرے گا۔ حضرت یعقوب نے تو اضعاف اپنا نام نہیں لیا۔ اپنے والد حضرت اسحاق اور ان کے والد حضرت ابراہیم کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم کو خدا نے اپنا خلیل اور نبی بنایا، ان کے دشمن نمرود کا ہلاک کیا، آگ کے شعلوں کو ان کے لئے گلزار بنا دیا، حضرت اسحاق کو نبوت عطا کی، پھر ان کے سلب سے حضرت یعقوب جیسا نبی پیدا کیا۔ جس سے تمام انبیاء بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا۔ حدیث صحیح میں ہے۔ ”الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم“ (تنبیہ ۹ حضرت یعقوب نے جو پیشگوئی کی اس کا کچھ حصہ تو غالباً حضرت یوسف کے خواب سے سمجھے اور اس سے کہ اتنی چھوٹی عمر میں ایسا موزوں و مبارک خواب دیکھا۔ اور کچھ حضرت یوسف کے خصائل و شمائل سے یا وحی الہی کے ذریعہ سے مطلع ہوئے ہوں گے۔

۱۰۔ یعنی وہ ہر ایک کی مناسبت و استعداد سے باخبر ہے اپنی حکمت سے اسی کے مناسب فیض پہنچاتا ہے۔

۷۔ البتہ ہیں یوسف کے قصہ میں اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کے لئے [۱۱]

۸۔ جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ان سے قوت والے لوگ ہیں البتہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے [۱۲]

۹۔ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی [۱۳] اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ [۱۴]

۱۰۔ بولا ایک بولنے والا ان میں مت مار ڈالو یوسف کو اور ڈال دو اس کو گنہگار کنوئیں میں کہ اٹھالے جائے اس کو کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے [۱۵]

۱۱۔ بولے اے باپ کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اسکے خیر خواہ ہیں [۱۶]

۱۲۔ بھیج اسکو ہمارے ساتھ کل کو خوب کھائے اور کھیلے اور ہم تو اسکے نگہبان ہیں [۱۷]

۱۳۔ بولا مجھ کو غم ہوتا ہے اس سے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھاجائے اسکو بھیڑیا اور تم اس سے پیچر ہو [۱۸]

۱۴۔ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں وقت ورتو تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا [۱۹]

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِّلسَّابِقِينَ ﴿٧﴾

إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا وَ

نَحْنُ عَصَبَةٌ ۚ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨﴾

أَقْتُلُوا يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ

أَبْيَكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا ضَالِحِينَ ﴿٩﴾

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوْهٗ فِي

غَيْبَتِ الْجَبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ ۚ إِنَّ

كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿١٠﴾

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَ إِنَّا

لَهُ لَنَصِحُونَ ﴿١١﴾

أَرْسَلَهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ وَ إِنَّا لَهُ

لَحَافِظُونَ ﴿١٢﴾

قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذَهَبُوا بِهِ وَ أَخَافُ أَنْ

يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ أَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ﴿١٣﴾

قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عَصَبَةٌ ۚ إِنَّا إِذَا

لَلْخٰسِرُونَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ پھر جب لیکر چلے اس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اسکو گنم کنویں میں اور ہم نے اشارہ کر دیا اسکو کہ تو جتائے گا انکو ان کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے [۲۰]

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غِيَّبَتِ  
الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ

هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٥﴾

۱۶۔ اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے [۲۱]

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس پھر اس کو کھا گیا بھیڑیا [۲۲] اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم سچے ہوں [۲۳]

قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ  
عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّبُّ ۚ وَمَا أَنْتَ بِسُؤْمِنٍ

لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ [۲۴] بولا یہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو [۲۵]

وَجَاءُوا عَلَى قَبْرِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۖ قَالَ بَلْ  
سَوَّيْتُ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَبِيلٌ ۗ وَاللَّهُ

الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا اس نے لٹکایا اپنا ڈول کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا [۲۶] اور چھپا لیا اس کو تجارت کا مال سمجھ کر [۲۷] اور اللہ خوب جانتا ہی جو کچھ وہ کرتے ہیں [۲۸]

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَةً  
قَالَ يَبْشَىٰ هَذَا غُلْمٌ ۖ وَأَسْرُوهُ بِيْضَاعَةً ۗ وَاللَّهُ

عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور بیچ آئے اسکو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چوٹیاں [۲۹] اور ہو رہے تھے اس سے بیزار [۳۰]

وَشَرَوْهُ بِثَنٍّ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا

فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾

۱۱۔ قصہ یوسف علیہ السلام میں نشانیاں ہیں: "یعنی جو لوگ اس طرح کے واقعات دریافت کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں ان کے لئے یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کی سرگذشت میں ہدایت و عبرت کی بہت سے نشانیاں موجود ہیں۔ اس قصہ کو سن کر لوگوں میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت کا نقش جم جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صداقت کا یقین ثبوت ملتا ہے کہ آپ باوجود اسی ہونے اور کسی کتاب یا معلم سے استفادہ نہ کرنے کے ایسے منصف و منضبط تاریخی حقائق کا انکشاف فرما رہے ہیں جن کے بیان کی بجز اعلام ربانی کے کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً قریش مکہ کے لئے (جو یہود کے اکسانے سے اس قصہ کے متعلق حضور ﷺ سے سوال کر رہے تھے) اس واقع میں بڑا عبرت آمیز سبق ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے گھر سے نکالا، زارہہ حسد قتل یا جلا سطن کرنے کے مشورے کئے۔ طرح طرح سے ایذا میں پہنچا دیں۔ اہانت و استخفاف میں کوئی دقیقہ اتھانہ نہ رکھا آکر ایک دن آیا کہ یوسفؑ کی طرح نادم و محتاج ہو کر آئے۔ یوسفؑ کو خدا نے دین و دنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور انہوں نے اپنے عروج و اقتدار کے وقت بھائیوں کے جرائم سے چشم پوشی کی اور نہایت دریا دلی سے سب کے قصور معاف کر دیے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی برادری نے آپ کے متعلق ناپاک منصوبے باندھے۔ دکھ پہنچا دیے، عزت و آبرو پر حملے کئے، حتیٰ کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن جلد وہ دن آنے والا تھا جب وطن سے علیحدہ ہو کر آپ کی کامیابی اور رفعت شان کا آفتاب چمکا، اور چند سال کے بعد فتح مکہ کا وہ تاریخی دن آپ پہنچا جبکہ آپ نے اپنے قومی اور وطنی بھائیوں کی گذشتہ تفصیلات پر بیعت حضرت یوسفؑ والے کلمات "لا تثریب علیکم ایوم" فرما کر قلم غفو کھینچ دیا۔

۱۲۔ برادران یوسف علیہ السلام کا حسد: حضرت یعقوبؑ یوسفؑ اور ان کے عینی بھائیوں بنیامین سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں اپنے علاقائی بھائیوں سے چھوٹے تھے، والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور خاص حضرت یوسفؑ کی نسبت اپنے نور فرست یا الہام ربانی سے سمجھ چکے تھے کہ ان کا مستقبل نہایت درخشان ہے اور نبوت کا خاندانی سلسلہ ان کی ذات سے وابستہ ہونے والا ہے۔ خود یوسفؑ کا حس صورت و سیرت اور کمال ظاہری و باطنی پدر بزرگوار کی محبت خصوصی کو اپنی طرف جذب کرتا تھا۔ دوسرے بھائیوں کو یہ چیز ناگوار تھی۔ وہ کہتے تھے کہ وقت پر کام آنے والے تو ہم ہیں۔ ہمارا ایک طاقتور جتھا ہے جو باپ کی ضعیفی میں کام آسکتا ہے ان چھوٹے لڑکوں سے کیا امید وہ سکتی ہے؟ ان ہی خیالات کے ماتحت اپنے والد بزرگوار کی نسبت کہتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں سخت غلطی اور صریح خطا پر ہنسیں۔ اپنے نفع و نقصان کا صحیح موازنہ نہیں کرتے۔

۱۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ: یعنی رشک و حسد کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ آخر آپس میں مشورہ کیا کہ یوسفؑ کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ والد بزرگوار کی خصوصی محبت و توجہ کو ہم اپنی طرف کھینچ سکیں، اس لئے یوسفؑ کا قصہ ہی یہاں سے ختم کر دینا چاہئے خواہ قتل کر دیا کسی دور دراز ملک کی طرف پھینک دو جہاں سے واپس نہ آسکے۔ جب وہ نہ رہیں گے تو باپ کی ساری توجہات اور مہربانیوں کے ہم ہی تنہا حقدار رہ جائیں گے۔ بنیامین کے معاملہ کو غالباً ان کے یہاں کوئی اہمیت نہیں تھی، گویا اس کی محبت کو یوسفؑ کی محبت کا ضمیمہ سمجھتے تھے۔

۱۴۔ یعنی ایک مرتبہ قتل وغیرہ کا گناہ کرنا پڑے گا۔ اس سے فارغ ہو کر توبہ کر لیں گے اور خوب نیک بن جائیں گے گویا، رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ بعض مفسرین نے وَ تَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ کے معنی یہ لئے ہیں کہ یوسفؑ کے بعد ہمارے سب کام ٹھیک اور درست ہو جائیں گے کیونکہ پدر بزرگوار کا دست شفقت یوسفؑ سے مایوس ہو کر صرف ہمارے ہی سروں پر رہا کرے گا۔

۱۵۔ یہود کی تجویز: یہ کہنے والا یہود تھا۔ یعنی قتل کرنا بہت سخت بات ہے اور ہمارا مقصد بدون اس کے بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر تم یوسفؑ کو یہاں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ اس کو بستی سے دور کسی گمنام کنویں میں ڈال دو۔ ابو حیان نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ "غیابت الحب" اس طاقتور وغیرہ کو کہتے ہیں جو کنویں (بادلی) میں پانی سے ذرا اوپر بنا ہوا ہو۔ غرض یہ تھی کہ ہم خواہی نخواستہ عداً ہلاک کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔ ایسے کنویں میں ڈال دینے کے بعد ممکن ہے کوئی مسافر ادھر سے گذرے اور خبر پا کر کنویں سے نکال لے

جائے۔ اس صورت میں ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اور خون ناحق میں ہاتھ رنگین نہ کرنے پڑیں گے گویا سانپ مر جائے گا اور لاٹھی نہ ٹوٹے گی۔

۱۶۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی باپ سے اس قسم کی درخواست کر چکے تھے مگر ان کا دل انکے ساتھ بھیجے پر مطمئن نہیں ہوا۔

۱۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی درخواست: یعنی ایسے خوبصورت بچے کے قوی گھر میں خالی پڑے رہنے سے بیکار ہونے جاتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ہمارے ساتھ اس کو بکریاں چرانے کے لئے جنگل بھیج دیجئے۔ وہاں جنگل کے پھل میوے خوب کھائے گا اور کھیل کود سے جسمانی ورزش بھی ہو جائے گی۔ کہتے ہیں ان کا کھیل بھاگ دوڑ اور تیر اندازی تھی۔ اور ویسے بھی بچوں کے لئے مناسب حد تک کھیلنا جیسا کہ ابو حیان نے کہا ہے نشاط و شگفتگی کا موجب ہے۔ غرض یعقوب سے یوسف کو ساتھ لے جانے کی پرزور درخواست کی اور نہایت موکد طریقہ سے اطمینان دلایا کہ ہم برابر اس کی حفاظت کریں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ خود یوسف کو بھی جداگانہ طور پر ساتھ چلنے اور باپ سے اجازت لینے کی ترغیب دی۔

۱۸۔ یعنی یوسف کی جدائی اور تمہارے ساتھ جانے کا تصور ہی مجھے نمگین بنائے دیتا ہے اس پر یہ خوف مزید رہا کہ بچہ ہے۔ تمہاری بے خبری اور غفلت میں بھیڑیا وغیرہ کوئی درندہ نہ پھاڑ کھائے۔ لکھا ہے کہ اس جنگل میں بھیڑیے کثرت سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”ان کو آگے چل کر بھیڑیے کا بہانہ کرنا تھا وہ ہی ان کے دل میں خوف آیا۔“ بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ ”أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الدِّبُّ“ فرمانا حضرت یعقوب جیسے پیغمبر کے درجہ توکل و تفویض سے ذرا نازل بات تھی۔ اس کا جواب یہ ملا کہ لڑکوں نے گویا ان کے منہ میں سے بات پکڑ لی۔ جو اندیشہ ظہار کیا تھا وہ ہی واقعہ بنا کر لے آئے۔

۱۹۔ یعنی اگر ہماری جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم بالکل ہی گئے گزرے ہوئے اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہو گا کہ دس گیارہ تو مند بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے سے ایک کمزور بچہ بھیڑیے کے منہ میں پہنچ جائے۔ ایسا ہو تو کہنا چاہئے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔

۲۰۔ مفسرین نے بہت سے درمیانی قصے نہایت درد انگیز اور رقت خیز پیرایہ میں نقل کئے ہیں جنہیں سن کر پتھر کا کلیجہ موم ہو جائے۔ خدا جانے وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ قرآن کریم اپنے خاص نصب العین کے اعتبار سے اس قسم کی تفصیل کو زیادہ درخور اعتناء اور لائق ذکر نہیں سمجھتا کیونکہ ان اجزاء سے کوئی مہم مقصد متعلق نہیں ہے۔ قرآن کریم اپنے سامعین کے دلوں میں وہ رقت پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا منشاء خاص ایمان و عرفان ہو۔ عام رقت جو ہر کافر و مومن بلکہ حیوانات تک میں طبعا مشترک ہے اس پر عام خطباء کی طرح زور ڈالنا قرآن کی عادت نہیں۔ یہاں بھی اس نے درمیانی واقعات حذف کر کے آخری بات بتلا دی کہ برادران یوسف یوسف کو باطنف الجبل باپ کے پاس سے لے گئے اور ٹھہری ہوئی قرار داد کے موافق کنویں میں ڈالنے کا تہیہ کر لیا۔ اس وقت ہم نے یوسف کو اشارہ کیا جس کی دوسروں کو مطلق خبر نہیں ہوئی کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آیا چاہتا ہے کہ یہ سب کارروائیاں تم ان کو یاد دلاؤ گے اور اس وقت تم ایسے بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ پر ہو گے کہ یہ تم کو پہچان نہ سکیں گے یا طول عہد کی وجہ سے تم کو شناخت نہ کر سکیں گے۔ یہ خدائی اشارہ خواب میں ہوا یا بیداری میں، بطریق الہام ہوا یا فرشتہ کے ذریعہ سے، اس کی تفصیل قرآن میں نہیں۔ البتہ ظاہر الفاظ کو دیکھ کر کہا گیا ہے کہ وحی کا آنا چالیس برس کی عمر پر موقوف نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف اس وقت بہت کم عمر تھے۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے بھائیوں کا گریہ: یا تو گھر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا یا جان بوجھ کر اندھیرے سے آئے کہ دن کے اجالے میں باپ کو منہ دکھانا زیادہ مشکل تھا اور رات کی سیاہ چادر بے حیائی، سنگدلی اور جھوٹی آہ و بکا کی کسی حد تک پردہ داری کر سکتی تھی۔ اعمش



نے خوب فرمایا کہ برادران یوسف کا گریہ و بکا سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشم اشکبار سے سچا نہیں سمجھ سکتے۔

۲۲۔ بھائیوں کی جھوٹی کہانی: یعنی ہم نے حفاظت میں کچھ کوتاہی نہیں کی ہمارے کپڑے لٹے وغیرہ قابل حفاظت چیزیں جہاں رکھی تھیں وہیں یوسف کو بٹھلایا اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو بھاگ دوڑ شروع کی۔ بس ذرا آنکھ سے او جھل ہونا تھا کہ بھیڑیے نے یوسف کو آدبوچا۔ اس موقع پر اتنی ذرا سی دیر میں احتمال بھی نہ تھا کہ بھیڑیا پہنچ کر فوراً یوسف کو شکار کر لے گا۔

۲۳۔ یعنی یوسف کے معاملہ میں پہلے ہی سے آپ کو ہماری طرف بدگمانی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ہم بالکل سچے بھی ہوں تب بھی اس معاملہ خاص میں کسی طرح ہماری بات کا یقین نہیں کر سکتے۔

۲۴۔ ایک بکری یا ہرن وغیرہ ذبح کر کے اس کا خون یوسف کی قمیض پر چھڑک لائے تھے وہ جھوٹا خون پیش کر کے باپ کو یقین دلانے لگے کہ بھیڑیے نے زخمی کرنے سے یہ کرتے خون آلود ہو گیا۔

۲۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود کرتے: "بھلا جس کو شام میں بیٹھ کر مصر سے یوسف کے کرتے کی خوشبو آتی تھی وہ بکری کے خون پر یوسف کے خون کا گمان کب کر سکتا تھا۔ انہوں نے سنتے ہی جھٹلایا۔ اور جیسا کہ بعض تفسیر میں ہے کہنے لگے کہ وہ بھیڑیا واقع بڑا حلیم و متین ہو گا جو یوسف کو لے گیا اور خون آلود کرتے کو نہایت احتیاط سے صحیح و سالم اتار کر رکھ گیا۔ سچ ہے "دروغ گورا حافظہ نہ باشد"۔ خون کے چھینٹے تو دیے مگر یہ خیال نہ رہا کہ قمیض کو بے ترتیبی سے نوچ کر اور پھاڑ کر پیش کرتے۔ حضرت یعقوب نے صاف طور پر فرما دیا کہ یہ سب تمہاری سازش اور اپنے دلوں سے تراشی ہوئی باتیں ہیں۔ بہر حال میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں جس میں نہ کسی غیر کے سامنے شکوہ ہو گا نہ تم سے انتقام کی کوشش۔ صرف اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے اور اپنی اعانت غیبی سے جو باتیں تم ظاہر کر رہے ہو، ان کی حقیقت اس طرح آشکارا کر دے کہ سلامتی کے ساتھ یوسف سے دوبارہ ملنا نصیب ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ جس امتحان میں وہ مبتلا کئے گئے ہیں وہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت معین کے بعد اس مصیبت سے نجات ملے گی۔ فی الحال ڈھونڈھنے یا انتقامی تدابیر اختیار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یوسف ابھی ملیں گے نہیں۔ ہاں دوسرے بیٹے ساری دنیا میں رسوا ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ طیش میں آکر خود یعقوب کو ایذا پہنچانے کی کوشش کریں۔ کذا قال الامام الرازی فی الکبیر۔ واللہ اعلم۔

۲۶۔ کنویں میں حضرت یوسف علیہ السلام کے تین دن: کہتے ہیں تین روز تک یوسف کنویں میں رہے۔ قدرت الہی نے حفاظت کی۔ ایک بھائی یہودا کے دل میں ڈال دیا کہ وہ ہر روز کنویں میں کھانا پہنچاتا تھا۔ ویسے بھی سب بھائی خبر رکھتے تھے کہ مرین نہیں۔ کسی دوسرے ملک کا مسافر نکال لے جائے تو ہمارے درمیان میں سے یہ کاٹنا کھل جائے۔ سچ ہے گل است سعدی و در چشم دشمنان خارا است۔ آخر مدین سے مصر کو جانے والا ایک قافلہ ادھر سے گذرا، انہوں نے کنواں دیکھ کر اپنا آدمی پانی بھرنے کو بھیجا، اس نے ڈول پھانسا تو حضرت یوسف چھوٹے تو تھے ہی ڈول میں ہو بیٹھے اور رسی ہاتھ سے پکڑ لی کھینچنے والے نے ان کا حسن و جمال دیکھ کر بے ساختہ خوشی سے پکارا کہ یہ تو عجیب لڑکا ہے بڑی قیمت کو بکے گا۔

۲۷۔ یعنی کھینچنے والے نے اس واقعہ کو دوسرے ہمراہیوں سے چھپانا چاہا کہ اوروں کو خبر ہوگی تو سب شریک ہو جائیں گے۔ شاید یہ ظاہر کیا کہ یہ غلام اس کے مالکوں نے مجھ کو دیا ہے تا مصر کے بازار میں فروخت کروں۔

۲۸۔ یعنی بھائی بے وطن کرنا چاہتے تھے اور قافلہ والے بیچ کر دام وصول کرنے کا ارادہ کر رہے تھے اور خدا تعالیٰ خزان مصر کا ملک بنانا چاہتا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو ان کارروائیوں کو ایک سینکڑ میں روک دیتا، لیکن اس کی مصلحت تاخیر میں تھی، اس لئے سب چیزوں کو جاننے اور دیکھتے ہوئے انہیں ڈھیل دی گئی۔

۲۹۔ بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا: بھائیوں کو خبر ہوئی کہ قافلہ والے نکال لے گئے۔ وہاں پہنچے اور ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام

بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لئے ہم رکھنا نہیں چاہتے، تم خریدو تو خرید سکتے ہو۔ مگر بہت سخت نگرانی رکھنا کہیں بھاگ نہ جائے۔ کہتے ہیں اٹھارہ درہم یا کم و بیش میں بیچ ڈالا، اور نو بھائیوں نے دو دو درہم (تقریباً آٹھ آٹھ آنے) بانٹ لئے۔ ایک بھائی یہودانے حصہ نہیں لیا۔

۳۰۔ یعنی اس قدر ارزاں بیچنے سے تعجب مت کرو۔ وہ اتنے بیزار تھے کہ مفت ہی دے ڈالتے تو مستعد نہ تھا۔ جو پیسے مل گئے غنیمت سمجھا بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں اس بیچ کا ذکر ہے جو قافلہ والوں نے مصر پہنچ کر کی۔ اگر ایسا ہو تو کہا جائے گا کہ پڑی ہوئی چیز کی قدر نہ کی۔ اور یہ اندیشہ رہا کہ پھر کوئی آکر دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ نیز آبق (بھگوڑا) ہونے کا عیب سن چکے تھے، اس لئے سستے داموں بیچ ڈالا۔ والظاہر ہو الال۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ اور کہا جس شخص نے خرید کیا اسکو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید ہمارے کام آئے یا ہم کر لیں اسکو بیٹا [۳۱] اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے کہ اسکو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کو [۳۲] اور اللہ در رہتا ہے اپنے کام میں و لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے [۳۳]

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِمْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۗ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا يُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۗ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۗ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اسکو حکم اور علم [۳۴] اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو [۳۵]

وَلَمَّا بَدَعْ اَشْدَدًا اَتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۗ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ اور پھسلا یا اسکو اس عورت نے جسکے گھر میں تھا اپنا بی بی تھانے سے اور بند کر دیئے دروازے اور بولی شتابی کر [۳۶] کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو بیشک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہوں [۳۷]

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهٖ ۗ وَغَلَقَتْ الْاَبْوَابَ ۗ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۗ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْ اَحْسَنُ مَثْوَاىَ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾

۳۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے یہاں: کہتے ہیں مصر پہنچ کر نیلام ہوا۔ عزیز مصر جو وہاں کا مدار المہام تھا، اسی کی بولی پر معاملہ ختم ہوا۔ اس نے اپنی عورت (زلیخا یا راعیل) سے کہا کہ نہایت پیارا۔ قبول صورت، اور ہونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو پوری عزت و آبرو سے رکھو۔ غلاموں کا معاملہ مت کرو۔ شاید بڑا ہو کر ہمارے کام آئے۔ ہم اپنا کاروبار اس کے سپرد کر دیں یا جب اولاد نہیں ہے تو بیٹا بنالیں۔

۳۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو عطائے تمکین: یعنی ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور تدبیر لطیف سے یوسف کو بھائیوں کی حاسدانہ سختیوں اور کنویں کی قید سے نکال کر عزیز مصر کے یہاں پہنچا دیا۔ پھر اس کے دل میں یوسف کی محبت و وقعت القا فرمائی اس طرح ہم نے ان کو مصر میں ایک معزز جگہ دی اور اہل مصر کی نظروں میں ان کو وجہیہ و محبوب بنا دیا۔ تاہم چیز آئندہ ترقیات اور سر بلند یوں کا پیش خیمہ ہو اور بنی اسرائیل کو

مصر میں بسانے کا ذریعہ بنے۔ ساتھ ہی یہ بھی منظور تھا کہ عزیز مصر کے یہاں رہ کر بڑے سرداروں کی صحبت دیکھیں تا سلطنت کے رموز و اشارات سمجھنے اور تمام باتوں کو ان کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل ہو (تنبیہ) اسی سورت کے پہلے رکوع میں ”تاویل الاحادیث“ کا لفظ گزر چکا ہے۔ اس کی تفسیر وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۳۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا علم و حکمت: یعنی بھائیوں نے یوسف کو گرانا چاہا۔ خدا نے ان کو آسمان رفعت پر پہنچا دیا۔ اکثر لوگ کوتاہ نظری سے دیکھتے نہیں کہ انسانی تدبیروں کے مقابلہ میں کس طرح خدا کا بند و بست غالب آتا ہے۔

۳۴۔ یعنی جب یوسف کے تمام قوی حد کمال کو پہنچ گئے تو خدا کے یہاں سے عظیم الشان علم و حکمت کا فیض پہنچا۔ نہایت مشکل عقدے اپنی فہم رسا سے حل کرتے، بڑی خوبی اور دانائی سے لوگوں کے نزاعات چکاتے دین کی باریکیاں سمجھتے، جو زبان سے کہتے وہ کر کے دکھاتے۔ سفیہانہ اخلاق سے قطعاً پاک و صاف اور علم شراعی کے پورے ماہر تھے۔ تعبیر روایا کا علم تو ان کا مخصوص حصہ تھا۔

۳۵۔ جو لوگ فطرت کی رہنمائی یا تقلید صالحین اور توفیق ازلی سے فوائب و حوادث پر صابر رہ کر عمدہ اخلاق اور نیک چال چلن اختیار کرتے ہیں حق تعالیٰ ان پر ایسے ہی انعام فرماتا ہے۔

۳۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کڑا امتحان: ”ادھر تو الطاف غیبیہ حضرت یوسف کی عجیب و غریب طریقہ سے تربیت فرما رہے تھے۔ ادھر عزیز کی بیوی (زیلخا) نے ان کے سامنے ایک نہایت ہی مزلہ الاقدام موقع امتحان کا کھڑا کر دیا۔ یعنی حضرت یوسف کے حسن و جمال پر زیلخا مفتون ہو گئی اور دلکشی و ہوشربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف کے دل کو ان کے قابو سے باہر کر دے۔ ایک عیش و نشاط کے سامان، نفسانی جذبات پورے کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں، یوسف کا ہر وقت زیلخا کے گھر میں موجود رہنا، اس کا نہایت محبت اور پیار سے رکھنا تنہائی کے وقت خود عورت کی طرف سے ایک خواہش کا بیتابانہ اظہار، کسی غیر کے آنے جانے کے سبب دروازے بند، دوسری طرف جوانی کی عمر، قوت کا زمانہ، مزاج کا اعتدال، تجربہ کی زندگی، یہ سب دواعی و اسباب ایسے تھے جن سے ٹکرا کر بڑے سے بڑے زاہد کا تقویٰ بھی پاش پاش ہو جاتا مگر خدا نے جس کو محسن قرار دے کر علم و حکمت کے رنگ میں رنگین کیا اور پیغمبرانہ عصمت کے بلند مقام پر پہنچایا، اس پر کیا مجال تھی کہ شیطان کا قابو چل جاتا۔ اس نے ایک لفظ کہا ”معاذ اللہ“ (خدا کی پناہ) اور شیطانی جال کے سارے حلقے توڑ ڈالے کیونکہ جس نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وار چل سکتا ہے؟

۳۷۔ آپ کی ثابت قدمی اور پاکبازی: یعنی خدا کی پناہ میں ایسی فتیح حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟ علاوہ بریں ”عزیز میرا مربی ہے جس نے مجھے ایسی عزت و راحت سے رکھا، کیا میں اپنے محسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ ایسی محسن کشی اور بے انصافی کرنے والے کبھی بھلائی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ نیز جب ظاہری مربی کا ہم کو اس قدر پاس ہے تو سمجھ لو کہ اس پروردگار حقیقی سے ہمیں کس قدر شرمانا اور حیا کرنا چاہئے۔ جس نے محض اپنے فضل سے ہماری تربیت فرمائی اور اپنے بندوں کو ہماری خدمت و راحت رسانی کے لئے کھڑا کر دیا۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے اِنَّ رَبِّيَّ كِي ضَمِيرِ اللّٰهِ تَعَالٰی كِي طَرَفِ رَاجِعِ كِي هِے۔

۲۴۔ اور البتہ عمت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا [۳۸] اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی [۳۹] یوں ہی ہوا تا کہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں [۴۰]

## مِنْ عِبَادِنَا الْبُحْلَصِينَ ﴿۲۳﴾

۳۸۔ زیلجا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی رغبت "ہم" کافرق: یعنی عورت نے پھانسنے کی فکر کی اور اس نے فکر کی کہ عورت کا داؤ چلنے نہ پائے اگر اپنے رب کی حجت و قدرت کا معائنہ نہ کرتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے وَهَمَّ بِهَا کو وَلَقَدْ هَمَّتْ بِه سے علیحدہ کر کے لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّه سے متعلق کیا ہے۔ جیسے إِنَّ كَادَتْ لَتُبْدِي بِه لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا (القصص۔ ۱۰) کی ترکیب ہے۔ اس وقت مقصود یوسفؑ کے حق میں "ہم" کا ثابت کرنا نہیں بلکہ نفی کرنا ہے۔ ترجمہ یوں ہو گا۔ کہ عورت نے یوسفؑ کا ارادہ کیا اور یوسفؑ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے پروردگار کی قدرت و حجت نہ دیکھ لیتا۔ بعض نے وَهَمَّ بِهَا میں لفظ هَمَّ کو بمعنی میلان و رغبت کے لیا ہے۔ یعنی یوسفؑ کے دل میں کچھ رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہوا۔ جیسے روزہ دار کو گرمی میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعاً رغبت ہوتی ہے لیکن نہ وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے نہ یہ بے اختیاری رغبت کچھ مضر ہے۔ بلکہ باوجود رغبت طبعی کے اس سے قطعاً محترز رہنا مزید اجر و ثواب کا موجب ہے اسی طرح سمجھ لو کہ ایسے اسباب و دواعی قویہ کی موجودگی سے طبع بشری کے موافق بلا اختیار و ارادہ یوسفؑ کے دل میں کسی قسم کی رغبت و میلان کا پاجانا نہ عصمت کے منافی ہے نہ ان کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ اگر بندہ کا میلان کسی برائی کی طرف ہو لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے فرد حسنات میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اس نے (باوجود رغبت و میلان) میرے خوف سے اس برائی کو ہاتھ نہ لگایا۔ بہر حال باوجود اشتراک لفظی کے زیلجائے "ہم" اور یوسفؑ کے "ہم" میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے اسی لئے قرآن کریم نے دونوں "ہم" کو ایک ہی لفظ میں جمع نہیں کیا اور نہ زیلجائے "ہم" کی طرح یوسفؑ کے "ہم پر" لام "اور" قد" داخل کیا گیا۔ بلکہ سیاق و الحاق میں بہت سی دلائل یوسفؑ کی طہارت و نزہت پر قائم فرمائیں۔ جو غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تفصیل "روح المعانی" اور "کبیر" وغیرہ میں موجود ہے۔

۳۹۔ اللہ کی برہان: "برہان" دلیل و حجت کو کہتے ہیں۔ یعنی اگر یوسفؑ اس وقت اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو قلبی میلان پر چل پڑتے۔ دلیل کیا تھی؟ زنا کی حرمت و شاعت کا وہ عین الیقین جو حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا۔ یادہ ہی دلیل جو خود انہوں نے زیلجائے کے مقابلہ میں إِنَّه رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّه لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ کہہ کر پیش کی۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے اس وقت حضرت یعقوبؑ نظر آئے کہ انگلی دانتوں میں دبائی سامنے کھڑے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کوئی غیبی تحریر نظر پڑی جس میں اس فعل سے روکا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

۴۰۔ یعنی یہ برہان دکھانا اور ایسی طرح ثابت قدم رکھنا اس لئے تھا کہ یوسفؑ ہمارے برگزیدہ بندوں میں ہیں۔ لہذا کوئی چھوٹی بڑی برائی خواہ ارادہ کے درجہ میں ہو یا عمل کے، ان تک نہ پہنچ سکے۔

۲۵۔ اور دونوں دوڑے دروازہ کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازہ کے پاس [۲۱] بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک [۲۲]

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَالْفِيَا سِيدَهَا لَدَا الْبَابِ ط قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾

۲۶۔ یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں

قَالَ هِيَ رَأودَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ

اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے [۳۳] اگر ہے کرتا اس کا پھٹا آگے سے تو عورت چگی ہے اور وہ ہے جھوٹا

أَهْلَهَا إِنْ كَانَ قَبِيصُهُ قَدْ مِنْ قَبْلِ فَصَدَقَتْ  
وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢١﴾

۲۷۔ اور اگر ہے کرتا اس کا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے

وَإِنْ كَانَ قَبِيصُهُ قَدْ مِنْ دُبْرِ فَكَذَبَتْ وَهُوَ  
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾

۲۸۔ پھر جب دیکھا عزیز نے کرتا اس کا پھٹا ہوا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا البتہ تمہارا فریب بڑا ہے

فَلَمَّا رَا قَبِيصَهُ قَدْ مِنْ دُبْرِ قَالَ إِنَّهُ مِنْ  
كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ یوسف جانے دے اس ذکر کو اور عورت تو بخشتا اپنا گناہ بیشک تو ہی گنہگار تھی [۳۴]

يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هٰذَا ۖ وَاسْتَعْفَرِيْ لِذَنْبِكِ ۗ  
إِنَّكَ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ﴿٢٩﴾

۳۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا بھانگنا: آگے یوسف تھے کہ جلدی دروازہ کھول کر نکل جائیں۔ اور پیچھے زلیخا انہیں روکنے کے لئے تعاقب کر رہی تھی۔ اتفاقاً یوسف کے قمیص کا پچھلا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ کھینچتا ہی میں کرتے پھٹ گیا۔ مگر یوسف جوں توں کر کے مکان سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر یہ دونوں آگے پیچھے دروازہ پر پہنچے، ادھر عورت کا خاوند عزیز مصر بھی پہنچ گیا۔ عورت نے فوراً بات بنانی شروع کی۔

۳۲۔ زلیخا کا الزام: عورت نے الزام یوسف پر رکھا کہ اس نے مجھ سے برا ارادہ کیا۔ ایسے شخص کی سزا یہ ہونی چاہئے کہ جیل خانہ بھیجا جائے یا کوئی اور سخت مار پڑے۔

۳۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی صفائی: اب یوسف کو واقعہ ظاہر کرنا پڑا کہ عورت نے میرے نفس کو بے قابو کرنا چاہا۔ میں نے بھاگ کر جان بچائی۔ یہ جھگڑا بھی چل رہا تھا کہ خود عورت کے خاندان کا ایک گواہ عجیب طریقہ سے یوسف کے حق میں گواہی دینے لگا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیر خواجہ تھا، جو خدا کی قدرت سے حضرت یوسف کی براءت و وجاہت عند اللہ ظاہر کرنے کو بول پڑا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ بچہ نہیں کوئی مرد دانا تھا جس نے ایسی پتہ کی بات کہی۔ واللہ اعلم۔

۳۴۔ ایک شخص کی دانائی اور گواہی: اگر گواہ شیر خواجہ تھا جیسا کہ بعض معتبر روایات میں ہے تب تو اس کا بولنا اور ایسی گواہی دینا جو انجام کار یوسف کے حق میں مفید ہو، خود مستقل دلیل یوسف کی سچائی کی تھی۔ کرتے کا آگے یا پیچھے سے پھٹا ہونا شہادت سے زائد بطور ایک علامت اور قرینہ کے سمجھنا چاہئے۔ اور اگر گواہ کوئی مرد دانا تھا تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خارجی طریقہ سے حقیقت حال پر مطلع ہو چکا تھا مگر اس نے نہایت دانائی سے ایسے پیرایہ میں شہادت جو دفعۃً کسی کی جانبداری پر بھی محمول نہ ہو اور آخر کار یوسف کی براءت ثابت کر دے۔ جو پیرایہ

اظہار واقعہ کا اس نے اختیار کیا وہ غیر جانبداروں کے نزدیک نہایت معقول تھا۔ کیونکہ اگر عورت کے دعویٰ کے موافق یوسفؑ نے (معاذ اللہ) اس کی طرف اقدام کیا تو ان کا چہرہ عورت کی طرف ہو گا تو ظاہر یہ ہے کہ کشمکش میں کرتے بھی سامنے سے پھٹے اور اگر یوسفؑ کا کہنا صحیح ہے کہ عورت مجھ کو اپنی طرف بلاتی تھی، میں دروازہ کی طرف بھاگا، اس نے پکڑنے کے لئے میرا تعاقب کیا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ کرتے پیچھے سے پھٹا ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں یوسفؑ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے بلکہ ادھر سے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے۔ بہر حال جب دیکھا گیا کہ کرتے آگے سے نہیں پیچھے سے پھٹا ہے۔ تو عزیز نے سمجھ لیا کہ یہ سب عورت کا مکرو فریب ہے، یوسفؑ تصور وار نہیں۔ چنانچہ اس نے صاف کہہ دیا کہ زلیخا کی پر فریب کارروائی اسی قسم کی ہے جو عموماً عورتیں کیا کرتی ہیں اس نے یوسفؑ سے استدعا کی کہ جو ہونا تھا ہو چکا۔ آئندہ اس کا ذکر مت کرو کہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے۔ اور عورت کو کہا کہ یوسفؑ سے یا خدا سے اپنے تصور کی معافی مانگ، یقیناً تصور تیرا ہی تھا۔

۳۰۔ اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اسکے جی کو فریفتہ ہو گیا اس کا دل اسکی محبت میں ہم تو دیکھتے ہیں اسکو صریح خطا پر [۳۵]

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْبَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ پھر جب سنا اس نے ان کا فریب [۳۶] بلوا بھیجا انکو اور تیار کی انکے واسطے ایک مجلس اور دی انکو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری اور بولی یوسف نکل آئے سامنے پھر جب دیکھا اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ [۳۷] اور کہنے لگیں حاشا للہ نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ [۳۸]

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾

۳۲۔ بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو اسکے واسطے [۳۹] اور میں نے لینا چاہا تھا اس سے اس کا جی پھر اس نے تمام رکھا [۴۰] اور بیشک اگر نہ کرے گا جو میں اسکو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور ہو گا بے عزت [۴۱]

قَالَتْ فذٰلِكُنَّ الَّذِي لُبْتِنِّي فِيهِ ۗ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۗ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرْتُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَيَكُونًا مِّنَ الصَّغِيرِينَ ﴿٣٢﴾

۳۳۔ یوسف بولا اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۗ

سے جسکی طرف مجھ کو بلاتی ہیں اور اگر تو نہ دفع کرے گا  
مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا انکی طرف اور ہو  
جاؤں گا بے عقل [۵۲]

وَالَا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنَّ

مِّنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے پھر  
دفع کیا اس سے ان کا فریب [۵۳] البتہ وہی ہے سننے والا  
خبردار [۵۴]

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ

هُوَ السَّبِيْعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ پھر یوں سمجھ آیا لوگوں کی ان نشانیوں کے دیکھنے پر  
کہ قید رکھیں اسکو ایک مدت [۵۵]

ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيْسَجُنَّهُ

حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ شہر کی عورتوں میں چرچا: یعنی شدہ شدہ عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی۔ چاہتی ہے کہ اس  
کے نفس کو بے قابو کر دے۔ غلام کی محبت اس کے دل کی تہ میں پیوست ہو چکی ہے۔ حالانکہ ایسے معزز عہدہ دار کی بیوی کے لئے یہ سخت  
شرمناک بات ہے کہ وہ ایک غلام پر گرنے لگے، ہمارے نزدیک اس معاملہ میں وہ علانیہ غلطی پر ہے۔

۳۶۔ عورتوں کی گفتگو کو مکر (فریب) اس لئے کہا کہ مکاروں کی طرح چھپ چھپ کر یہ باتیں کرتی تھیں۔ اور زلیخا پر طعن کر کے گویا اپنی  
پارسائی کا اظہار مقصود تھا۔ حالانکہ یوسف کے بے مثال حسن و جمال کا شہرہ جس عورت کے کان میں پڑتا تھا، اس کی دید کا اشتیاق دل میں  
چٹکیاں لینے لگتا تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ زلیخا پر طعن و تشنیع اور نکتہ چینی کرنے والیوں کے دلوں میں یہ ہی غرض پوشیدہ ہو کہ زلیخا کو غصہ دلا کر کسی  
ایسی حرکت پر آمادہ کر دیں جو یوسف کے دیدار کا سبب بن جائے۔ یا زلیخا کے دل میں اس کی نفرت بٹھا کر اپنی طرف مائل کرنے کا موقع نکالیں  
اور یہ بھی ممکن ہے کہ زلیخا نے بعض عورتوں کو اس معاملہ میں اپنا رازدار بنایا ہو۔ اس نے رازداری کی جگہ پردہ دری اور خوردہ گیری شروع کر  
دی بہر حال ان کی گفتگو کو لفظ "مکر" سے ادا کرنے میں یہ سب احتمالات ہیں۔

۳۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا بے مثال حسن: یعنی دعوت کر کے ان عورتوں کو بلوا بھیجا اور کھانے پینے کی ایک مجلس ترتیب دی۔ جس میں  
بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں۔ چنانچہ کھانے اور میوے وغیرہ ان کے سامنے چن کر ہر ایک عورت کے ہاتھ میں ایک چاقو دے  
دیا۔ تا تراشنے کے قابل چیزوں کے کھانے میں کسی کو کلفت انتظار اٹھانا نہ پڑے۔ یہ سب سامان درست کر کے اس نے حضرت یوسف کو جو  
کہیں قریب ہی موجود تھے آواز دی کہ ادھر نکل آئے۔ نکلتا تھا کہ بجلی سی کوند گئی۔ تمام عورتیں یوسف کے حسن و جمال کا دفتہ مشاہدہ کرنے  
سے ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ اور مدہوشی کے عالم میں چہریوں سے پھلوں کی جگہ ہاتھ کاٹ لئے۔ گویا قدرت نے یہ ایک مستقل دلیل یوسف  
کی نزاہت و صداقت پر قائم فرمادی کہ جس کے جمال بے مثال کی ذرا سی جھلک نے دیکھنے والی عورتوں کے حواس گم کر دیے۔ بحالیکہ یوسف نے  
آنکھ اٹھا کر بھی ان کے حسن و خوبی کی طرف نہ دیکھا۔ تو یقیناً واقعہ یوں ہی ہوا ہو گا۔ کہ زلیخا اس کے جمال ہوش را کو دیکھ کر ہوش و خرد کھو بیٹھی۔  
اور وہ معصوم فرشتہ کی طرح اپنا دامن عفت بچاتا ہوا صاف نکل گیا۔

۳۸۔ یعنی حسن و جمال اور نورانی صورت کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ قَوْمٌ إِذَا قُوْبِلُوا كَانُوا مَلَائِكَةً حُسْنًا وَإِنْ

قُوْتَلُوْا كَاثُوْا عَفَا رِيْتَنَا - یا حیاء و عفت اور پاکدامنی جو چہرہ اور چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی اسے دیکھ کر کہا کہ یہ آدمی نہیں کوئی معصوم فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔

۴۹۔ اب زیلخا کو موقع ملا کہ عورتوں کے طعن و تشنیع کا تیر ان ہی کی طرف لوٹا دے۔ گویا اس وقت فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيْهِ کہہ کر وہ اس شعر کا خلاصہ ادا کر رہی تھی۔ اس است کہ خوں خوردہ دل بردہ بسے را۔ بسم اللہ اگر تاب نظم ہست کسے را۔

۵۰۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی: مجمع کارنگ دیکھ کر زیلخا بالکل ہی کھل پڑی اور واقعہ کا صاف صاف اظہار کر دیا کہ بیشک میں نے ان کا دل لینا چاہا تھا۔ مگر اس بندہ خدا نے ایسا مضبوط تھامے رکھا کہ کسی طرح نہ دیا۔ یہ خدا تعالیٰ نے شہر کی عورتوں کے مجمع میں حضرت یوسفؑ کی کمال عصمت و عفت اور غایت نزہت و طہارت کا اقبالی ثبوت پیش کر دیا۔ زیلخا کا حال اس وقت وہ ہی تھا جو کسی نے کہا ہے لائتخف ما صنعت بک الا شواق۔ و اشرح هواک فکلنا عشاق۔

۵۱۔ زیلخا کی اس گفتگو میں کچھ تو عورتوں پر اپنی معذوری اور نامرادی کا اظہار تھا، تا ان کی ہمدردی حاصل کر سکے۔ اور کچھ یوسفؑ کو تحکمانہ دھمکیوں سے مرعوب کرنا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر آئندہ اس کی مطلب براری پر آمادہ ہو جائیں۔ حالانکہ عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں۔ کانبجا ہمیشہ بادید سستت دام را۔

۵۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا: معلوم ہوتا ہے کہ زیلخا کا مایوسانہ غصہ اور مظلومانہ انداز بیان اس کی ہم جنسوں پر اثر کر گیا۔ یا پہلے ہی سے کچھ ملی بھگت ہوگی۔ بہر حال لکھا ہے کہ اب عورتوں نے یوسفؑ کو سمجھنا شروع کیا کہ تم کو اپنی محسنہ اور سیدہ کا کہنا ماننا چاہئے۔ آخر اس غریب پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو، پھر یہ بھی سوچ لو کہ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہو گا خواہ مخواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا فائدہ۔ کہتے ہیں کہ بظاہر زبان سے وہ زیلخا کی سفارش کر رہی تھیں مگر دل ہر ایک کا یوسفؑ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔ یوسفؑ نے جب دیکھا کہ یہ عورت بے طرح پیچھے پڑی ہے اور شیطان ہر طرف اپنا جال بچھانے لگا ہے تو نہایت عزم و استقلال اور پیغمبرانہ استقامت سے بارگاہ احدیت میں درخواست کی کہ مجھے ان کے مکر و فریب سے بچائے۔ اگر اس سلسلہ میں قید ہونا پڑے تو میں قید کو ارتکاب معصیت پر ترجیح دیتا ہوں۔ اگر آپ میری دستگیری نہ فرمائیں گے تو ڈر ہے کہ بے عقل ہو کر ان کی ابلہ فریبوں کی طرف نہ جھک نہ پڑوں۔ یہاں یوسفؑ کی زبانی یہ جملہ دیا کہ انبیاء کی عصمت بھی حق تعالیٰ کی دستگیری سے ہے اور یہ کہ وہ اپنی عصمت پر مغرور نہیں ہوتے۔ بلکہ عصمت کا جو منشاء ہے (حفاظت و صیانت الہی) اسی پر نظر رکھتے ہیں۔

۵۳۔ یعنی ان کو عصمت و عفت پر پوری طرح ثابت قدم رکھنا ہی کافریب چلنے نہ دیا۔

۵۴۔ اللہ سے ہمیشہ اچھی چیز مانگنی چاہئے: یعنی سب کی دعائیں سنتا ہے اور خبر رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مانگنے سے قید میں پڑے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی قبول فرمایا کہ ان کا فریب دفع کر دیا، باقی قید ہونا تھا قسمت میں۔ آدمی کو چاہئے کہ گھبرا کر اپنے حق میں برائی نہ مانگے، پوری بھلائی مانگے گو ہو گا وہی جو قسمت میں ہے۔" ترمذی میں ہے کہ ایک شخص کو حضور ﷺ نے یہ دعا مانگنے سنا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الصَّبْرَ (اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَاسْأَلْهُ الْعَافِيَةَ (تو نے اللہ سے بلا طلب کی کیونکہ صبر تو بلا پر ہو گا، اب تو اس سے عافیت مانگ)۔

۵۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید: یعنی باوجودیکہ حضرت یوسفؑ کی براءت و نزہت کے بہت سے نشان دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی ان کی مصلحت یہ ہوئی کہ یوسفؑ کو ایک مدت تک قید میں رکھا جائے۔ تاکہ عام لوگ سمجھیں کہ قصور یوسفؑ ہی کا تھا۔ عورت بچاری مفت میں بدنام ہوئی۔ گویا عورت نے قید کی جو دھمکی دی تھی اسے پورا کر کے چھوڑا۔ ان لوگوں کی غرض تو یہ ہوگی کہ عورت سے یہ بدنامی زائل ہو، نیز ایک مدت تک یوسفؑ اس کی نظر سے دور رہیں، اور عورت کا مطلب یہ ہو گا کہ شاید قید کی سختیاں اٹھا کر یوسفؑ کچھ نرم پڑ جائیں۔ اس طرح اپنا مطلب نکال سکوں۔



۳۶۔ اور داخل ہوئے قید خانہ میں اسکے ساتھ دو جوان کہنے لگا ان میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھارہ رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے بتلا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا [۵۶]

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِمُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أُحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۗ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ بولانہ آنے پائے گاتم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکوں گاتم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں [۵۷]

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيهِ إِلَّا نَبَأُتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذِكْرًا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۖ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ احسان نہیں مانتے [۵۸]

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي ۖ اِبْرَاهِيمَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۗ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اے رفیقو قید خانہ کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست [۵۹]

يٰصَاحِبِ السِّجْنِ ۗ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

۴۰۔ کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند [۶۰] حکومت نہیں ہے کسی کی

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ ۗ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَبَّيْتُمُوهَا ۗ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ ۗ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۗ اِنْ

سوائے اللہ کے اس نے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو [۶۱] یہی ہے راستہ سیدھا پر بہت لوگ نہیں جانتے [۶۲]

الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۖ ذٰلِكَ

الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۰﴾

۴۱۔ اے رفیقو قید خانہ کے ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلائے گا اپنے خاوند (مالک) کو شراب اور دوسرا جو ہے سو سولی دیا جائے گا (چڑھے گا) پھر کھائیں گے جانور اس کے سر میں سے فیصل ہو اوہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے [۶۳]

يُصَاحِبِي السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ

خَمْرًا ۚ وَأَمَّا الْآخَرَ فَيُصَلِّبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ

رَأْسِهِ ۚ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ﴿۶۱﴾

۴۲۔ اور کہہ دیا یوسف نے اسکو جسکو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں میرا ذکر کرنا اپنے خاوند (مالک) کے پاس [۶۴] سو بھلا دیا اسکو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند (مالک) سے پھر رہا قید میں کئی برس [۶۵]

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ

رَبِّكَ ۚ فَأَنَسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي

السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿۶۲﴾

۵۶۔ دو قیدیوں کے خواب: یعنی اسی زمانہ میں دونوں جوان قیدی جیل خانہ میں لائے گئے۔ جن میں ایک بادشاہ مصر (ریان بن الولید) کا نان بانی اور دوسرا ساقی (شراب پلانے والا) تھا۔ دونوں بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ تھے۔ قید خانہ میں یوسف کی مروت و امانت، راست گوئی، حسن اخلاق، کثرت عبادت، معرفت تعبیر اور ہمدردی خلاق کا چرچا تھا۔ یہ دونوں قیدی حضرت یوسف سے بہت مانوس ہو گئے اور بڑی محبت کا اظہار کرنے لگے۔ ایک روز دونوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ساقی نے کہا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں، نان بانی نے کہا کہ میرے سر پر کئی ٹوکے ہیں جس میں سے پرندے نوح کرکھار رہے ہیں۔ یوسف کو بزرگ دیکھ کر تعبیر مانگی۔

۵۷۔ قیدیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تبلیغ: یوسف نے اول ان کو تسلی دی کہ بیشک خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہو اچاہتی ہے روزمرہ جو کھانا تم کو ملتا ہے اس کے آنے سے پیشتر میں تعبیر بتلا کر فارغ ہو جاؤں گا۔ لیکن تعبیر خواب سے زیادہ ضروری اور مفید ایک چیز پہلے تم کو سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ تعبیر وغیرہ کا یہ علم مجھ کو کہاں سے حاصل ہوا۔ سویا درکھو کہ میں کوئی پیشہ ور کا ہنر نہیں بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہام ربانی ہے جو مجھ کو حق تعالیٰ نے اس کی بدولت عطا فرمایا کہ میں نے ہمیشہ سے کافروں اور باطل پرستوں کے دین و ملت کو چھوڑے رکھا اور اپنے مقدس آباؤ اجداد (حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب) جیسے انبیاء مرسلین کے دین توحید پر چلا اور ان کا اسوہ حسنہ اختیار کیا۔ ہمارا سب سے بڑا اور مقدم مطمح نظر یہ ہی رہا کہ دنیا کی کسی چیز کو کسی درجہ میں بھی خدا کا شریک نہ بنائیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ ربوبیت و معبودیت میں۔ صرف اسی کے آگے جھکیں، اسی سے محبت کریں، اسی پر بھروسہ رکھیں اور اپنا جینا مناسب اسی ایک پروردگار کے حوالہ کر دیں۔ بہر حال یوسف نے موقع مناسب دیکھ کر نہایت موثر طرز میں ان قیدیوں کو ایمان و توحید کی طرف آنے کی ترغیب دی پیغمبروں کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ حق کا کوئی مناسب موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ یوسف نے دیکھا کہ ان قیدیوں کے

دل میری طرف متوجہ اور مجھ سے مانوس ہیں۔ قید کی مصیبت میں گرفتار ہو کر شاید کچھ نرم بھی ہوئے ہوں گے۔ لاؤ ان حالات سے فرض تبلیغ کے ادا کرنے میں فائدہ اٹھائیں اول ان کو دین کی باتیں سکھلائیں۔ پھر تعبیر بھی بتلا دیں گے یہ تسلی پہلے کر دی کہ کھانے کے وقت تک تعبیر معلوم ہو جائے گی تا وہ نصیحت سے اکتائیں نہیں۔ (تنبیہ) بہت سے مفسرین نے لَا يَأْتِيَكُنَّ طَعَامٌ تُزْزِقْنَهُ لَخِ كَعْنِي يَه لَهٗ يَهٗن كَهٗبِي كَهٗنَا تمہارے پاس نہیں آتا ہے مگر میں آنے سے پہلے اس کی حقیقت پر تم کو مطلع کر دیا کرتا ہوں۔ یعنی آج کیا کھانا آئے گا، کس قسم کا ہو گا۔ پھر تعبیر بتلانا کیا مشکل ہے۔ گویا اول حضرت یوسف نے معجزہ کی طرف توجہ دلا کر انہیں اپنی نبوت کا یقین دلانا چاہا، تاکہ آئندہ جو نصیحت کریں زیادہ موثر واقع فی النفس ہو۔ اس تقدیر پر یوسف کا یہ معجزہ ایسا ہی ہو گا جیسے حضرت مسیح نے فرمایا تھا۔ وَأَنْتُمْ كُنْتُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْرُخُونَ فِي بُيُوتِكُمْ (آل عمران-۴۹)۔ مگر مترجم محقق نے پہلی تفسیر اختیار کی ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے قید میں یہ حکمت رکھی کہ ان کا دل کافروں کی محبت سے (یعنی کافر جوان کی محبت و مدارات کرتے تھے اس سے) ٹوٹا تو دل پر اللہ کا علم روشن ہوا۔ چاہا کہ اول ان کو دین کی بات سنادیں پیچھے تعبیر کو اب کہیں۔ اس واسطے تسلی کر دی تانہ گھبرائیں کہا کہ کھانے کے وقت تک وہ بھی بتا دوں گا۔

۵۸۔ قیدیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تبلیغ: یعنی ہمارا خالص توحید اور ملت ابراہیمی پر قائم رہنا نہ صرف ہمارے حق میں بلکہ سارے جہان کے حق میں رحمت و فضل ہے، کیونکہ خاندان ابراہیمی ہی کی شمع سے سب لوگ اپنے دلوں کے چراغ روشن کر سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ بہت سے لوگ خدا کی اس نعمت عظیمہ کی قدر نہیں کرتے۔ چاہئے یہ تھا کہ اس کا احسان مان کر راہ توحید پر چلتے وہ الٹی ناشکری کر کے شرک و عصیان کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔

۵۹۔ یعنی مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے لو لگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کھلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے نہ کسی کا حکم چل سکتا ہے نہ اختیار، نہ اسے کوئی بھاگ کر ہرا سکتا ہے نہ مقابلہ کر کے مغلوب کر سکتا ہے۔ خود سوچو کہ سرعبدیت ان میں سے کس کے سامنے جھکایا جائے۔

۶۰۔ یعنی یوں ہی بے سند اور بے ٹھکانے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کے نیچے حقیقت ذرہ برابر نہیں۔ ان ہی نام کے خداؤں کی پوجا کر رہے ہو۔ ایسے جہل پر انسان کو شرمانا چاہئے۔

۶۱۔ یعنی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کی زبانی یہ ہی حکم بھیجتا رہا کہ خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو۔ وَسَأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَنْعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ (زخرف-۴۵)

۶۲۔ یعنی توحید خالص کے راستے میں ایچ پیچ کچھ نہیں۔ سیدھی اور صاف سڑک ہے جس پر چل کر آدمی بے کھٹکے خدا تک پہنچتا ہے لیکن بہت لوگ حماقت یا تعصب سے ایسی سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

۶۳۔ قیدیوں کے خواب کی تعبیر: فرض تبلیغ ادا کرنے کے بعد یوسف نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمادی۔ کہ جس نے خواب میں شراب پلاتے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہی ہے کہ وہ بیداری میں بادشاہ کو شراب پلائے گا۔ اور جس نے سر پر سے جانوروں کو روٹیاں کھاتے دیکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سولی دیا جائے گا۔ پھر جانور اس کے سر سے نوج نوج کر کھائیں گے۔ قضاء و قدر کا فیصلہ یہ ہی ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ جو بات تم پوچھتے تھے وہ میں بتلا دی۔ یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔ جس میں تخلف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساتی زہر خورانی کی تہمت سے بری ہو گیا اور خباز (نان بائی) کو جرم ثابت ہونے کی وجہ سے سزائے موت دی گئی۔

۶۴۔ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے جیسے الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ (البقرہ-۴۶) میں۔ یعنی یوسف کو دونوں میں سے جس شخص کی بابت یقین تھا کہ بری ہو جائے گا جب وہ قید خانہ سے نکلا تو فرمایا اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک ایسا شخص بے تصور قید خانہ

میں برسوں سے پڑا ہے۔ مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ میری جو حالت تم نے مشاہدہ کی ہے بلا کم و کاست کہدینا۔

۶۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو عتاب آمیز تشبیہ: "یعنی شیطان نے چھوٹے والے قیدی کے دل میں مختلف خیالات و وساوس ڈال کر ایسا غافل کیا کہ اسے بادشاہ کے سامنے اپنے محسن بزرگ (یوسفؑ) کا تذکرہ کرنا یاد ہی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوسفؑ کو کئی سال اور قید میں رہنا پڑا۔ مدت دراز کے بعد جب بادشاہ نے ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی تب اس شخص کو یوسفؑ یاد آئے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنْ يَجْعَلَ لِي مِثْلَ مَا كُنْتُ عَلَيْهِ وَكَانَ لِيَ مِثْلُ مَا كُنْتُ عَلَيْهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرْكَ (کہف-۶۳) لیکن ہر ایک شر میں حق سببتا ہے نسیان کا۔ حضرت موسیٰ کے رفیق سفر نے کہا تھا۔ وَمَا أَسْنَيْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرْكَ (کہف-۶۳) لیکن ہر ایک شر میں حق تعالیٰ کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے۔ یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تشبیہ ہو گئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ بلکہ ابن جریر اور بغوی وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ فَانْسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ کی ضمیر یوسفؑ کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسفؑ کو عارض ہوئی۔ انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے۔ بے شک کشف شداوند کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کے مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے۔ لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات بن جاتی ہیں۔ جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے منصب عالی کے اعتبار سے وہ ہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان و ابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں، انتہائی عزیمت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسفؑ کا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اس لئے عتاب آمیز تشبیہ ہوئی کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی اور اسی لئے "انسا" کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ زیادہ تفصیل روح المعانی میں ہے۔

۳۳۔ اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی انکو کھاتی ہیں سات گائیں دہلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی [۶۶] اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے [۶۷]

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سَوَانٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عِجَافٍ وَ سَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرًا وَأُخَرَ يَبْسُتٌ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِن كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ

۳۴۔ بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں [۶۸]

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ج وَ مَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَلِيَيْنَ

۳۵۔ اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں سے اور یاد آ گیا اس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو [۶۹]

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ

۴۶۔ جا کر کہا اے یوسف اے سچے [۴۰] حکم دے ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی انکو کھائیں سات دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی تاکہ لے جاؤں میں لوگوں کے پاس شاید انکو معلوم ہو [۴۱]

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ  
سَيَّانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَ سَبْعِ سُنْبُلَاتٍ  
خُضْرٍ وَأُخَرَ يَبْسُتُ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ  
لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾

۴۷۔ کہا تم کھیتی کرو گے سات برس جم کر سوجو کاٹو اس کو چھوڑ دو اس کی بال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابًّا فَمَا حَصَدْتُمْ  
فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلَةٍ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٣٧﴾

۴۸۔ پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے کھا جائیں گے جو رکھا تم نے انکے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے بچ کے واسطے

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا  
قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَحْصِنُونَ ﴿٣٨﴾

۴۹۔ پھر آئے گا اس کے پیچھے ایک برس اس میں مینہ برسے گا لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے [۴۲]

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ  
وَفِيهِ يَعْصَرُونَ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس پھر جب پہنچا اس کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے خاوند (مالک) کے پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے [۴۳] میرا رب تو ان کافر یہ سب جانتا ہے [۴۴]

وَ قَالَ الْمَلِكُ انْتُونِي بِهِ فَلَبَّآ جَاءَهُ الرَّسُولُ  
قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسَأَلَهُ مَا بَالَ النِّسْوَةِ الَّتِي  
قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾

۶۶۔ بادشاہ کا خواب: وہ سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹی ہیں اور انہیں خشک کر دیتی ہیں۔ یہ خواب بادشاہ مصر "ریان ابن الولید" نے دیکھا جو آخر کار حضرت یوسف کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔ یوسف کے قصہ میں جا بجا اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ خدا جب کوئی بات چاہتا ہے غیر متوقع طریقہ سے اس کے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جن کی طرف آدمی کا خیال نہیں جاتا۔"

۶۷۔ یعنی اگر اس فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتلاؤ۔

۶۸۔ معرین کا جھوٹا عذر: معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس فن سے جاہل تھے۔ اپنے جہل کا صاف لفظوں میں اقرار کرنے سے شرمائے تو یوں بات بنادی کہ یہ کوئی خواب نہیں، محض پریشان خیالات ہیں، بسا اوقات انسان کو نیند میں ایسی صورتیں مخیل ہو جاتی ہیں جو لائق اعتناء نہیں، نہ ہم ایسے خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ علم رؤیا کے اصول کے ماتحت نہیں ہوتے۔

۶۹۔ بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ: اب خواب کے سلسلہ میں ساتی کو جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا مدت کے بعد حضرت یوسف یاد آئے اس نے بادشاہ اور اہل دربار سے کہا کہ اگر مجھے ذرا جانے کی اجازت دو تو میں اس خواب کی تعبیر لاسکتا ہوں۔ قید خانہ میں ایک مقدس بزرگ فرشتہ صورت موجود ہے جو فن تعبیر کا ماہر ہے (ممکن ہے اس نے اپنے خواب کا قصہ بھی ذکر کیا ہو) میں تعبیر لینے کے لئے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ چنانچہ اجازت دی گئی۔ اس نے یوسف کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ عرض کیا جو آگے آتا ہے۔

۷۰۔ قید خانے میں ساتی کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات: اٰیُّهَا الصّٰدِیْقُ کہنے سے یہ غرض تھی کہ آپ مجسم سچ ہیں۔ جو بات کبھی آپ کی زبان سے نکلی سچ ہو کر رہی امید ہے جو تعبیر اس خواب کی دیں گے ہو بہ ہو پوری ہو کر رہے گی۔ یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق و دیانت کا نقش کس طرح عام و خاص کے قلوب پر بیٹھ جاتا ہے۔

۷۱۔ یعنی خواب کی تعبیر اور اس کے ذریعہ سے آپ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔

۷۲۔ بادشاہ کے خواب کی تعبیر اور بشارت: یوسف نے تعبیر بتلانے میں دیر نہ کی نہ کوئی شرط لگائی، نہ اس شخص کو شرمندہ کیا کہ تجھ کو اتنی مدت کے بعد اب میرا خیال آیا۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے اخلاق و مروت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر وہ صرف خواب کی تعبیر مانگتا تھا۔ آپ نے تین چیزیں عطا فرمائیں۔ تعبیر، تدبیر، تبشیر آپ کے کلام کا حاصل یہ تھا کہ سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں سات برس ہیں۔ جن میں متواتر خوشحالی رہے گی، کھیتوں میں خوب پیداوار ہوگی، حیوانات و نباتات خوب بڑھیں گے۔ اس کے بعد سات سال قحط ہوگا جس میں سارا بچھلا اندوختہ کھا کر ختم کر ڈالو گے۔ صرف آئندہ تخم ریزی کے لئے کچھ تھوڑا سا باقی رہ جائے گا۔ یہ سات سال دہلی گائیں اور سوکھی بالیں ہیں جو موٹی گایوں اور ہری بالوں کو ختم کر دیں گی۔ تعبیر بتلانے کے دوران میں حضرت یوسف نے ازراہ شفقت و ہمدردی غلاق ایک تدبیر بھی تلقین فرما دی کہ اول سات سال میں جو پیداوار ہو اسے بڑی حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے اٹھاؤ کھانے کے لئے جس قدر غلہ کی ضرورت ہو اسے الگ کر لو اور تھوڑا تھوڑا احتیاط سے کھاؤ۔ باقی غلہ بالوں میں رہنے دو۔ تا اس طرح کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔ اور سات سال کی پیداوار چودہ سال تک کام آئے۔ ایسا نہ کرو گے تو قحط کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگا۔ یہ تعبیر و تدبیر بتلانے کے بعد انہیں بشارت سنائی جو غالباً آپ کو وحی سے معلوم ہوئی ہوگی یعنی سات سال قحط رہنے کے بعد جو سال آئے گا اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے فریاد رسی ہوگی اور خوب مینہ برسے گا، کھیتی باڑی، پھل میوے نہایت افراط سے پیدا ہوں گے، جانوروں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے انگور وغیرہ نچوڑنے کے قابل چیزوں سے لوگ شراب کشید کریں گے۔ یہ آخری بات سائل کے حسب حال فرمائی۔ کیونکہ وہ یہی کام کرتا تھا۔

۷۳۔ رہائی کا حکم اور حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر و تحمل: "بادشاہ کچھ تو پہلے ہی ساتی کے تذکرے سے حضرت یوسف کا معتقد ہو گیا تھا۔ اب جو ایسی موزوں و دلنشین تعبیر اور رعایا کی ہمدردی کی تدبیر سنی تو ان کے علم و فضل، عقل و دانش اور حسن اخلاق کا سکہ اس کے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ، تا اس کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوں اور اس کے مرتبہ اور قابلیت کے موافق عزت کروں قاصد پیام شاہی لے کر حضرت یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسف کی نظر میں اپنی دینی و اخلاقی پوزیشن کی برتری اور صفائی اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی عزت و وجاہت سے زیادہ مہم تھی۔ آپ جانتے تھے کہ پیغمبر خدا کی نسبت لوگوں کی ادنیٰ بدگمانی بھی ہدایت و ارشاد کے کام میں بڑی بھاری رکاوٹ ہے۔ اگر آج میں بادشاہی فرمان کے موافق چپ چاپ قید خانہ سے نکل گیا اور جس جھوٹی تمہت کے سلسلہ میں ساہا سال قید و بند کی مصائب اٹھائیں اس کا قطعی طور پر استیصال نہ ہو تو بہت ممکن ہے کہ بہت سے ناواقف لوگ میری عصمت کے متعلق تردد اور شبہ میں

پڑے رہ جائیں اور حاسدین کچھ زمانہ کے بعد ان ہی بے اصل اثرات سے فائدہ اٹھا کر کوئی اور منصوبہ میرے خلاف کھڑا کر دیں۔ عورتوں کے واقعہ کی تحقیق پر اصرار: ان مصالحوں پر نظر کرتے ہوئے آپ نے حکم شاہی کے امتثال میں جلدی نہ کی بلکہ نہایت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاصد کو کہا کہ تو اپنے مالک (بادشاہ) سے واپس جا کر دریافت کر کہ تجھ کو ان عورتوں کے قصہ کی کچھ حقیقت معلوم ہے جنہوں نے دعوت کے موقع پر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو ان عورتوں کے ناموں کی تفصیل کہاں معلوم ہوگی۔ کہ خیال کیا ہو گا کہ ایسا واقعہ ضرور عام شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے واقعہ کے ایک ممتاز جز (ہاتھ کاٹنے) کو ظاہر کر کے بادشاہ کو توجہ دلائی کہ اس مشہور و معروف قصہ کی تفتیش و تحقیق کرے۔ غالباً اب وہ عورتیں بتلا دیں گی کہ تفصیر کس کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحیحین کی حدیث میں حضرت یوسفؑ کے کمال صبر و تحمل کی اس طرح داد دی ہے۔ لَوْ كَيْفَتْ فِي السِّجْنِ مَا لَيْبَتْ يَوْسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ (اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنا یوسفؑ رہے تو بلانے والے کی اجابت کرتا یعنی فوراً ساتھ ہولیتا) محققین کہتے ہیں کہ اس میں حضرت یوسفؑ کے صبر و تحمل کی تعریف اور لطیف رنگ میں اپنی عبودیت کا ملکہ کا اظہار ہے۔ ہم نے اس مضمون کی تفصیل شرح صحیح مسلم میں کی ہے یہاں اختصار کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔

۷۴۔ رہائی کا حکم اور حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر و تحمل: "حضرت یوسفؑ نے" سب کا فریب" فرمایا، اس واسطے کہ ایک کا فریب تھا اور سب اس کی مددگار تھیں اور اصل فریب والی کا نام شاید حق پرورش کی وجہ سے نہیں لیا۔ حیا کی وجہ سے گول مول فرمایا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اصل حقیقت آخر کھل کر رہے گی۔ کذافی الموضع۔

۵۱۔ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلا یا یوسف کو اسکے نفس کی حفاظت سے [۷۵] بولیں حاشا اللہ ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی بولی عورت عزیز ان کے حصص الحق اناراودتہ عن نفسه وانه لئن الصدقين [۷۶]

۵۲۔ یوسف نے کہا یہ اس واسطے کہ عزیز معلوم کر لیوے کہ میں نے اسکی چوری نہیں کی چھپ کر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا (چلنے نہ دیتا) فریب دغا بازوں کا [۷۷]

۷۵۔ بادشاہ نے دریافت کرنے کا ایسا عنوان اختیار کیا گویا وہ پہلے سے خبر رکھتا ہے تا یہ دیکھ کر انہیں جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہو۔ نیز یوسفؑ کی استقامت و صبر کا اثر پڑا ہوگا۔ کہ بدون اظہار برائت کے جیل سے نکلنا گوارا نہیں کرتے۔ اور اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِيْنَ عَلِيْمٌ کہہ کر ان کے "کید" کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ادھر ساتی وغیرہ نے واقعات سنائے ہوں گے ان سے بھی یوسفؑ کی نزاہت اور عورتوں کے مکائد کی تائید ملی ہوگی۔

۷۶۔ زیبا کا اقرار جرم: سب عورتوں کی متفقہ شہادت کے بعد زلیخانے بھی صاف اقرار کر لیا کہ قصور میرا ہے۔ یوسفؑ بالکل سچے ہیں بیشک میں نے ان کو اپنی جانب مائل کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ ایسے کاہے کو تھے کہ میرے داؤ میں آجاتے۔

۷۷۔ یعنی اتنی تحقیق و تفتیش اس لئے کرائی کہ پیغمبرانہ عصمت و دیانت بالکل آشکارا ہو جائے اور لوگ معلوم کر لیں کہ خائون اور دغا بازوں کا فریب اللہ چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چلا۔ آخر حق، حق ہو کر رہا۔

۵۳۔ اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بیشک جی تو سکھاتا ہے برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے بیشک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان [۷۸]

۵۴۔ اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اسکو اپنے کام میں [۷۹] پھر جب بات چیت کی اس سے کہا واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر [۸۰]

۵۵۔ یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا [۸۱]

۵۶۔ اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا [۸۲] پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلا بھلائی والوں کا

۵۷۔ اور ثواب آخرت کا بہتر ہے انکو جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری میں [۸۳]

وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ

إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥٣﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصُهُ لِنَفْسِي ۚ فَلَبَّأَ

كَلِمَةً قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي حَفِيظٌ

عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾

وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ يَتَّبِعُونَ

حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا

نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا

يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

۷۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اعلان براءت: چونکہ حضرت یوسفؑ نے اپنی براءت پر بہت زیادہ زور دیا۔ ممکن تھا کوئی سطحی آدمی اس سے فخر و ناز اور غرور و عجب کا شبہ کرنے لگتا اس لئے اپنی نزاہت کی حقیقت کھول دی کہ میں کوئی شیخی نہیں مارتا نہ پاک صاف رہنے میں اپنے نفس پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ محض خدا کی رحمت و اعانت ہے جو کسی نفس کو برائی سے روکتی ہے۔ یہ ہی رحمت خصوصی عصمت انبیاء علیہم السلام کی کفیل و ضامن ہے۔ ورنہ نفس انسانی کا کام عموماً برائی کی ترغیب دینا تھا۔ خدا تعالیٰ کی خصوصی توفیق و دستگیری نہ ہوتی تو میرا نفس بھی دوسرے نفوس بشریہ کی طرح ہوتا اِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ سے اشارہ کر دیا کہ نفس امارہ جب توبہ کر کے ”بن جائے تو خدا اس کی پچھلی تقصیرات معاف فرمادیتا ہے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اپنی مہربانی سے ”نفس مطمئنہ“ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ (تنبیہ) حافظ ابن تیمیہ اور ابن کثیر ذلک لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اَحْنُهٗ سے غَفُورٌ رَحِيمٌ تک زینجا کا مقولہ قرار دیا ہے یعنی زینجانے اَنَا زَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِيہ کا اقرار کر کے کہا کہ اس اقرار و اعتراف سے عزیز کو یہ معلوم کرانا ہے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے کوئی بڑی خیانت نہیں کی۔ بیشک یوسفؑ کو پھسلانا چاہا تھا۔ مگر میری مراد ان پر کارگر



نہیں ہوئی۔ اگر میں نے مزید خیانت کی ہوتی تو ضرور اس کا پردہ فاش ہو کر رہتا۔ کیونکہ خدا خائنوں کے مکرو فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ہاں میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، جتنی غلطی مجھ سے ہوئی اس کا اقرار کر رہی ہوں دوسرے آدمیوں کی طرح نفس کی شرارتوں سے میں بھی پاک نہیں۔ ان سے تو یوسف جیسا پاکباز انسان ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ جس پر خدا کی خاص مہربانی اور رحمت ہے۔ ابو حیان نے بھی اس کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ لیکن لیعلم اور لَمْ أَخْنُہ کی ضمیریں بجائے عزیز کے یوسف کی طرف راجع کی ہیں۔ یعنی اپنی خطا کا صاف اقرار اس لئے کرتی ہوں کہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی غلط بات نہیں کہی نہ اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم۔

۷۹۔ یعنی میرا مشیر خاص رہے گا۔

۸۰۔ عزیز مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کی گفتگو: کچھ پہلے سے معتقد ہو چکا تھا۔ بالمشافہ باتیں سن کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور حکم دے دیا کہ آج سے آپ ہمارے پاس نہایت معزز و معتبر ہو کر رہیں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”اب عزیز کا علاقہ موقوف کیا اپنی صحبت میں رکھا۔“

۸۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام مالیات کے سربراہ: یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری کروں گا اور اس کی آمد و خرچ کے ذرائع اور حساب و کتاب سے خوب واقف ہوں یوسف نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے سر لیا۔ تا اس ذریعہ سے عامہ خلاق کو پورا نفع پہنچا سکیں۔ خصوصاً آنے والے خوفناک قحط میں نہایت خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری اور حکومت کی مالی حالت کو مضبوط رکھ سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی عقل بھی کامل رکھتے ہیں اور یہ کہ ہمدردی خلاق کے لئے مالیات کے قصوں میں پڑنا نشان نبوت یا بزرگی کے خلاف نہیں سمجھتے۔ نیز ایک آدمی اگر نیک نیتی سے یہ سمجھے کہ فلاں منصب کا میں اہل ہوں اور دوسروں سے یہ کام اچھی طرح بن نہ پڑے گا تو مسلمانوں کی خیر طلبی اور نفع رسانی کی غرض سے اس کی خواہش یا درخواست کر سکتا ہے اور اگر حسب ضرورت اپنے بعض خصال حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرنا پڑے تو یہ ناجائز مدح سرائی میں داخل نہیں۔ عبدالرحمن بن سمرہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص از خود امارت طلب کرے تو اس کا بار اسی کے کندھوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ (نبی اعانت مددگار نہیں ہوتی) یہ اس وقت ہے جب طلب کرنا محض نفس پروری اور جاہ پسندی وغیرہ اغراض کی بناء پر ہو۔ واللہ اعلم۔

۸۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت: جہاں چاہتے اترتے اور جو چاہتے تصرف کرتے۔ گویا ریان بن الولید برائے نام بادشاہ تھا حقیقت میں یوسف بادشاہی کر رہے تھے اور ”عزیز“ کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بادشاہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ نیز اسی زمانہ میں عزیز مصر کا انتقال ہوا تو اس کی عورت زلیخا نے آپ سے شادی کر لی۔ واللہ اعلم۔ محدثین اس پر اعتماد نہیں کرتے۔

۸۳۔ آخرت کا اجر بہتر ہے: جو بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے خدا اس کو دنیا میں بھی میٹھا پھل دیتا ہے۔ خواہ ثروت و حکومت یا بالذات عیش، حیات طیبہ، اور غنائے قلبی، حضرت یوسف کو یہ سب چیزیں عنایت فرمائیں۔ رہا آخرت کا اجر، سو وہ ایک ایماندار و پرہیزگار کے لئے دنیا کے اجر سے کہیں بہتر ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یہ جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولاد ابراہیم اس طرح ”شام“ سے آئی مصر میں اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے حضرت یوسف کو گھر سے دور پھینکا تا ذلیل ہو۔ اللہ نے عزت دی۔ اور ملک پر اختیار دیا۔ ایسا ہی ہوا ہمارے حضرت کو۔“

۵۸۔ اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اسکے پاس تو اس نے پہچان لیا انکو اور وہ نہیں پہچانتے [۸۴]

هُم لَكَ مُنْكَرُونَ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ اور جب تیار کر دیا انکو ان کا اسباب کہا لے آئیؤ  
وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ قَالِ اتُّنُونِي بِأَخِي لَكُم

میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ماپ اور خوب طرح اتارتا ہوں مہمانوں کو [۸۵]

۵۹

مِّنْ أَبِيكُمْ ؕ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوْنِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ

۶۰۔ پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لئے بھرتی نہیں میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آئیو [۸۶]

فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا

۶۰

۶۱۔ بولے ہم خواہش کریں گے اس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے [۸۷]

قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ

۶۲۔ اور کہہ دیا اپنے خدمت گاروں کو رکھ دو انکی پونجی انکے اسباب میں شاید اس کو پہچانیں جب پھر کر پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں [۸۸]

وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

۶۲

۸۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی بھائیوں سے ملاقات اور مدارات: موضح القرآن میں ہے ”جب حضرت یوسف ملک ”مصر“ پر مختار ہوئے خواب کے موافق سات برس خوب آبادی کی اور ملک کا اناج بھرتے گئے۔ پھر سات برس کے قحط میں ایک بھاؤ میاں باندھ کر بکوا یا اپنے ملک والوں کو اور پردیسیوں کو سب کو برابر مگر پردیسی کو ایک اونٹ سے زیادہ نہ دیتے تھے۔ اس میں خلق بچی قحط سے اور خزانہ بادشاہ کا بھر گیا۔ ہر طرف خبر تھی کہ مصر میں اناج سستا ہے ان کے بھائی خریدنے کی غرض سے آئے۔“ ان کے تن و توش، ہیات، وضع قطع میں چنداں تغیر نہ ہوا تھا۔ ادھر حضرت یوسف برابر اپنے بھائیوں کا تفقد کرتے رہے ہوں گے اور وہاں پہنچنے پر ان کا نام و نشان بھی دریافت کر لیا ہو گا جیسا کہ سلاطین و اعیان سے ملاقات کرنے میں عموماً ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض تفاسیر میں ہے کہ انہوں نے یوسف سے اپنا نام و نسب وغیرہ بیان کیا۔ ہاں یوسف جدائی کے وقت چونکہ بہت چھوٹے تھے اور بھائیوں کو پہلے سے ادھر خیال بھی تھا۔ نہ بادشاہوں کے یہاں عام آدمیوں کی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ ان کا نام و نسب وغیرہ دریافت کریں۔ اس لئے وہ یوسف کو نہ پہچان سکے۔

۸۵: بنیامین کو لانے کا حکم: حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کی خوب مدارات اور مہانداری کی۔ ایک ایک اونٹ فی کس غلہ دیا۔ یہ خاص مہربانی اور اخلاق دیکھ کر کہتے ہیں انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ایک علاقے بھائی (بنیامین) کو بوڑھے غمزدہ باپ نے تسکین خاطر کے لئے اپنے پاس روک لیا ہے۔ کیونکہ اس کا دوسرا عینی بھائی (یوسف) جو باپ کو بے حد محبوب تھا۔ مدت ہوئی کہیں جنگل میں ہلاک ہو چکا ہے۔ اگر بنیامین کے حصہ کا غلہ بھی ہم کو مرحمت فرمائیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ یوسف نے فرمایا کہ اس طرح غائب کا حصہ دینا خلاف قاعدہ ہے۔ تم پھر آؤ تو بنیامین کو ساتھ لاؤ تب اس کا حصہ پاسکو گے۔ میرے اخلاق اور مہمان نوازی کو تم خود مشاہدہ کر چکے ہو۔ کیا اس کے بعد تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کے لانے میں کچھ تردد ہو سکتا ہے؟

۸۶۔ یعنی نہ لائے تو سمجھا جائے گا کہ تم جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر خلاف قاعدہ ایک اونٹ زیادہ لینا چاہتے تھے۔ اس کی سزا یہ ہوگی کہ آئندہ خود تمہارا حصہ بھی سوخت ہو جائے گا۔ بلکہ میرے پاس یا میرے قلمر میں آنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

۸۷۔ یعنی گو باپ سے اس کا جدا کرنا سخت مشکل ہے۔ تاہم ہماری یہ کوشش ہوگی کہ باپ کو کسی تدبیر سے راضی کر لیں امید ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہیں گے۔

۸۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں پر احسان: یعنی جو پونجی دے کر غلہ خریدا تھا، حکم دیا کہ وہ بھی خفیہ طور پر ان کے اسباب میں رکھ دو تاگھر پہنچ جب اسباب کھولیں اور دیکھیں کہ غلہ کے ساتھ قیمت بھی واپس دے دی گئی تو دوبارہ ادھر آنے کی ترغیب مزید ہو کہ ایسے کریم بادشاہ کہاں ملتے ہیں۔ اور ممکن ہے قیمت نہ موجود ہونے کی بناء پر دوبارہ آنے سے مجبور رہیں اس لئے قیمت واپس کر دی۔ بعض نے کہا یوسفؑ نے بھائیوں سے قیمت لینا مروت و کرم کے خلاف سمجھا۔

۶۳۔ پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس بولے اے باپ روک دی گئی ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ بھرتی لے آئیں اور ہم اسکے نگہبان ہیں [۸۹]

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا  
الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانًا نُّكْتَلُ وَ إِنَّا لَهُ  
لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ کہا میں کیا اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان [۹۰]

قَالَ هَلْ أَمْنَكُمُ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ  
أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَ هُوَ أَرْحَمُ  
الرَّحِيمِينَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی اپنی پونجی کہ پھیر دی گئی انکی طرف بولے اے باپ ہم کو اور کیا چاہیے یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبر داری کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی [۹۱] وہ بھرتی آسان ہے [۹۲]

وَلَبَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَ جَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ  
إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا  
رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَ نَبِيرُ أَهْلِنَا ۖ وَ نَحْفَظُ آخَانًا ۖ وَ  
نَزِدَادُ كَيْلٍ بَعِيرٍ ۖ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيرٌ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ کہا ہر گز نہ بھیجوں گا اسکو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے اسکو میرے پاس

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنْ

مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب پھر جب دیا اسکو سب نے عہد بولا اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے [۹۳]

اللَّهُ لَتَأْتِنَنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَبَّآ اتَّوَهُ

مَوْتِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾

۸۹۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیٹوں کی درخواست: یعنی یوسفؑ کی طرح اس کے متعلق کچھ تردد نہ کیجئے۔ اب ہم جو کہنے ہو گئے ہیں پوری طرح حفاظت کریں گے۔

۹۰۔ یعنی یہ ہی الفاظ وَإِنَّا لَهُ لَنَحْفِظُوكُمْ نے یوسف کے ساتھ لجاتے وقت کہے تھے۔ پھر تمہارے وعدہ پر کیا اعتبار ہو۔ ہاں اس وقت ضرورت شدید ہے۔ جس سے انماض نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے تمہارے ساتھ بھیجنا گزیر معلوم ہوتا ہے۔ سو میں اس کو خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ وہ ہی اپنی مہربانی سے اسکی حفاظت کرے گا۔ اور مجھ کو یوسفؑ کی جدائی کے بعد دوسری مصیبت سے بچائے گا۔

۹۱۔ یعنی بنیامین کا حصہ۔

۹۲۔ یعنی ایسی آسان بھرتی کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ جس طرح ہو۔ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ بعض نے ذلک گینا یسید کا اشارہ پہلے جو غلہ لائے تھے اس کی طرف کیا ہے اور "یسیر" کو بمعنی قلیل لیا ہے۔ یعنی جو پہلے لائے ہیں وہ حاجت کے اعتبار سے تھوڑا ہے قحط کے زمانہ میں کہاں تک کام دے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ جس طرح بن پڑے ہم دوبارہ جائیں اور سب کا حصہ لے کر آئیں۔

۹۳۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں سے عہد: یعنی اگر تقدیر الہی سے کوئی ایسا حادثہ آجائے جس میں تم سب گھر جاؤ اور نکلنے کی کوئی سبیل نہ رہے تب تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اپنے مقدور اور زندگی بھر بنیامین کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو گے۔ یہ پختہ عہد و پیمان اور قسمیں لے کر زیادہ تاکید و اہتمام کے طور پر فرمایا اللہ علیٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ یعنی جو کچھ عہد و پیمان ہم اس وقت کر رہے ہیں وہ سب خدا کے سپرد ہیں۔ اگر کسی نے خیانت اور بد عہدی کی وہ ہی سزا دے گا۔ یا یہ کہ قول و قرار تو اپنے مقدور کے موافق پختہ کر رہے ہیں۔ لیکن ان باتوں سے جو مقصد اصلی ہے وہ خدا کی حفاظت و نگہبانی سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ خدا نہ چاہے تو سارے اسباب و تدابیر رکھی رہ جائیں کچھ نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "ظاہری اسباب بھی پختہ کر لئے اور بھروسہ اللہ پر رکھا۔ یہی حکم ہے ہر کسی کو۔"

۶۷۔ اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو [۹۴]

وَقَالَ يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَاَدْخُلُوا

مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ

مِنْ شَيْءٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ

عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا انکے باپ نے [۹۵] کچھ نہ بچا سکتا تھا انکو اللہ کی کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو پوری کر چکا اور وہ

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ

يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي

تو خبردار تھا جو کچھ ہم نے اس کو سکھایا لیکن بہت لوگوں کو  
خبر نہیں [۹۲]

نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۗ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا  
اپنے بھائی کو کہا تحقیق میں ہوں بھائی تیرا سو نمگین مت ہو  
ان کاموں سے جو انہوں نے کئے ہیں [۹۴]

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي

أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾

۹۴۔ بیٹوں کو نصیحت: برادران یوسف پہلی مرتبہ جو مصر گئے تھے عام مسافروں کی طرح بلا امتیاز شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن یوسف کی  
خاص توجہات و الطاف کو دیکھ کر یقیناً وہاں کے لوگوں کی نظریں ان کی طرف اٹھنے لگی ہوں گی۔ اب دوبارہ جانا خاص شان و اہتمام سے بلکہ کہنا  
چاہئے کہ ایک طرف یوسف کی دعوت پر تھا۔ بنیامین جس کی حفاظت و محبت حضرت یعقوب یوسف کے بعد بہت کرتے تھے، بھائیوں کے ہمراہ  
تھے۔ یعقوب کو خیال گذرا کہ ایک باپ کے گیارہ وجہہ و خوش رویوں کا خاص شان سے بھیأت اجتماعی شہر میں داخل ہونا خصوصاً اس برتاؤ کے  
بعد جو عزیز مصر (یوسف) کی طرف سے لوگ پہلے مشاہدہ کر چکے تھے، ایسی چیز ہے جس کی طرف عام نگاہیں ضرور اٹھیں گی۔ ”العین حق“ نظر  
لگ جانا ایک حقیقت ہے (اور آج کل مسمریزم کے عجائبات تو عموماً اسی قوت نگاہ کے کرشمے ہیں) یعقوب نے بیٹوں کو نظر بد اور حسد وغیرہ  
مکروہات سے بچانے کے لئے یہ ظاہری تدبیر تلقین فرمائی کہ متفرق ہو کر معمولی حیثیت سے شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوں تاکہ  
خوابی نخواستہ ہی پبلک کی نظریں ان کی طرف نہ اٹھیں ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں کوئی تدبیر کر کے قضاء و قدر کے فیصلوں کو نہیں روک  
سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف خدا کا چلتا ہے۔ ہمارے سب انتظامات حکم الہی کے مقابلہ میں بیکار ہیں۔ ہاں تدبیر کرنا بھی اسی نے سمجھایا ہے  
اور جائز رکھا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ بچاؤ کی تدبیر کر لے مگر بھروسہ خدا پر رکھے گویا لڑکوں کو سنایا کہ میری طرح تم بھی تہ دل سے خدا کی  
حفاظت پر بھروسہ رکھو۔ تدابیر پر مغرور نہ بنو۔

۹۵۔ یعنی مختلف دروازوں سے علیحدہ علیحدہ۔

۹۶۔ تقدیر اور تدبیر کو جمع کرنا: یعنی جس طرح کہا تھا داخل ہوئے۔ تو اگرچہ نظریا ٹوک نہ لگی۔ لیکن تقدیر اور طرف سے آئی۔ (بنیامین کو  
الزام سرقہ کے سلسلہ میں روک لیا گیا) تقدیر دفع نہیں ہوتی۔ سو جن کو علم ہے ان کو تقدیر کا یقین اور اسباب کا بچاؤ دونوں حاصل ہو سکتے ہیں  
لیکن بے علم سے ایک ہو تو دوسرا نہ ہو، یا ہمہ تن اسباب پر اتکا کر کے تقدیر کا انکار کر بیٹھتا ہے یا تقدیر پر یقین رکھنے کے یہ معنی سمجھ لیتا ہے کہ  
اسباب کو معطل کر دیا جائے۔ البتہ عارف اور باخبر لوگ تقدیر و تدبیر کو جمع کرتے اور ہر ایک کو اس کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

۹۷۔ بنیامین سے حضرت یوسف علیہ السلام کا خصوصی معاملہ: حضرت یوسف نے بنیامین کے ساتھ ممتاز معاملہ کیا۔ اور خلوت میں آہستہ سے آگاہ  
کر دیا کہ میں تیرا حقیقی بھائی (یوسف) ہوں۔ جو مظالم ان علاقائی بھائیوں نے ہم پر کئے کہ مجھے باپ سے جدا کر کے کنویں میں ڈالا، غلام بنا کر بیچا۔  
اور ہمارے باپ بھائی وغیرہ کو فراق کے صدمہ میں مبتلا کیا یا اب یہاں آتے ہوئے تمہارے ساتھ کوئی سختی کی، ان باتوں سے نمگین مت ہو۔ وقت  
آ گیا ہے کہ ہمارے سب غم غلط ہو جائیں اور سختیوں کے بعد حق تعالیٰ راحت و عزت نصیب فرمائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ اس بھائی کو جو  
یوسف نے آرزو سے بلایا اوروں کو حسد ہوا۔ اس سفر میں اس کو بات بات پر جھڑکتے اور طعنے دیتے۔ اب حضرت یوسف نے تسلی کر دی۔

۷۰۔ پھر جب تیار کر دیا انکے واسطے اسباب انکار کھ دیا پینے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو [۹۸]

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتَهَا الْعِيبُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٤٠﴾

۷۱۔ کہنے لگے منہ کر کے انکی طرف تمہاری کیا چیز گم ہو گئی [۹۹]

قَالُوا وَقَبِلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٤١﴾

۷۲۔ بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیپانہ اور جو کوئی اس کو لائے اسکو ملے ایک بوجھ اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن [۱۰۰]

قَالُوا نَفَقْدُ صَوَاعِمَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٤٢﴾

۷۳۔ بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے [۱۰۱]

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنَفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٤٣﴾

۷۴۔ بولے پھر کیا سزا ہے اسکی اگر تم نکلے جھوٹے [۱۰۲]

قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ﴿٤٤﴾

۷۵۔ کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اسکے بدلے میں جائے ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو [۱۰۳]

قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤٥﴾

۷۶۔ پھر شروع کیں یوسف نے انکی خرچیاں دیکھنی اپنے بھائی کی خرچی سے پہلے آخر کو وہ برتن نکالا اپنے بھائی کی خرچی سے [۱۰۴] یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو [۱۰۵] وہ ہر گز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین (قانون) میں اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ [۱۰۶] ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں [۱۰۷] اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا [۱۰۸]

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ ۖ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَن نَّشَاءُ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٤٦﴾

۹۸۔ بھائیوں پر چوری کا الزام: یعنی جب یوسفؑ کے حکم سے ان کا غلہ لدرایا اور سامان سفر تیار کیا گیا تو ایک چاندی کا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے اسباب میں بلا اطلاع رکھ دیا۔ جس وقت قافلہ روانہ ہونے لگا۔ محافظین کو پیالہ کی تلاش ہوئی۔ آخر ان کا شبہ اسی قافلہ پر گیا۔ قافلہ تھوڑی دور نکلا تھا کہ محافظین میں سے کسی نے آواز دی کہ ٹھہرو۔ تم لوگ یقیناً چور معلوم ہوتے ہو۔ (تنبیہ) اگر یہ لفظ یوسفؑ کے حکم سے کہے گئے تو مطلب ہو گا کہ کوئی مال چراتا ہے، تم وہ ہو جنہوں نے باپ کی چوری سے بھائی کو بیچ ڈالا۔

۹۹۔ یعنی ہم کو خواہ مخواہ چور کیوں بناتے ہو اگر تمہاری کوئی چیز گم ہوئی ہے وہ بتلاؤ، ہم ابھی کہیں گئے نہیں ہمارے اسباب میں تلاش کر لو۔  
۱۰۰۔ محافظین نے کہا، بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ یا غلہ نانپنے کا پیمانہ گم ہو گیا ہے۔ اگر بدون حیل و حجت کے کوئی شخص حاضر کر دے گا تو غلہ کا ایک اونٹ انعام پائے گا۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

۱۰۱۔ یعنی مصر میں ہمارا چال چلن عام طور پر معلوم ہے کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں کبھی کچھ شرارت کی؟ نہ ہم شرارتوں کے لئے یہاں آئے۔ اور نہ چوروں کے خاندان سے ہیں۔

۱۰۲۔ محافظین نے کہا کہ تم فضول جنتیں کر رہے ہو۔ اگر مال مسروقہ تمہارے پاس سے برآمد ہو گیا تو کیا کرو گے۔

۱۰۳۔ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا: یہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا تھی یعنی جس کے پاس سے چوری نکلے وہ ایک سال تک غلام ہو کر رہے۔ برادران یوسفؑ نے اپنے قانون شرعی کے موافق بے تامل سزا کا ذکر کر دیا کیونکہ انہیں پورا یقین تھا کہ ہم چور نہیں۔ نہ چوری کا مال ہمارے پاس سے برآمد ہو سکتا ہے۔ اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے۔

۱۰۴۔ بھائیوں کی تلاشی: یعنی اس گفتگو کے بعد محافظین ان کو ”عزیز مصر“ (یوسفؑ) کے پاس لے گئے اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے تفتیش کا حکم دیا۔ پہلے دوسرے بھائیوں کی خرجیاں (زنبیلیں اور بیگ وغیرہ) دیکھے گئے، پیالہ برآمد نہ ہوا۔ اخیر میں بنیامین کے اسباب کی تلاشی ہوئی، چنانچہ پیالہ اس میں سے نکل آیا۔  
۱۰۵۔ یایوں تدبیر کی ہم نے یوسفؑ کے لئے۔

۱۰۶۔ بنیامین کو روکنے کی تدبیر: یعنی بھائیوں کی زبان سے آپ ہی نکلا کہ جس کے پاس مال نکلے غلام بنا لو۔ اس پر پکڑے گئے ورنہ حکومت مصر کا قانون یہ نہ تھا۔ اگر ایسی تدبیر نہ کی جاتی کہ وہ خود اپنے اقرار میں بندہ جائیں تو ملکی قانون کے موافق کوئی صورت بنیامین کو روک لینے کی نہ تھی۔  
۱۰۷۔ یعنی جسے چاہیں حکمت و تدبیر سکھلائیں۔ یا اپنی تدبیر لطیف سے سر بلند کریں۔ دیکھو وہ ہی لوگ جنہوں نے باپ کی چوری سے یوسفؑ کو چند درہم میں بیچ ڈالا تھا آج یوسفؑ کے سامنے چوروں کی حیثیت میں کھڑے ہیں۔ شاید اس طرح ان کی پچھلی غلطیوں کا کفارہ کرنا ہو گا۔

۱۰۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے توریہ کی حقیقت: یعنی دنیا میں ایک آدمی سے زیادہ دوسرا دوسرے سے زیادہ تیسرا جاننے والا ہے مگر سب جاننے والوں کے اوپر ایک جاننے والا اور ہے جسے ”عالم الغیب والشہادہ“ کہتے ہیں۔ (تنبیہ) واضح ہو کہ اس تمام واقعہ میں حضرت یوسفؑ کی زبان سے کوئی لفظ خلاف واقع نہیں نکلا۔ نہ کوئی حرکت خلاف شرع ہوئی زیادہ سے زیادہ انہوں نے توریہ کیا۔ ”توریہ“ کا مطلب ہے ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے دیکھنے سننے والے کے ذہن میں ایک ظاہری اور قریبی مطلب آئے، لیکن متکلم کی مراد دوسری ہو جو ظاہری مطلب سے بعید ہے۔ اگر یہ ”توریہ“ کسی نیک اور محمود مقصد کے لئے کیا جائے تو اس کے جائز بلکہ محمود ہونے میں شبہ نہیں۔ اور کسی مذموم و فحش غرض کے لئے ہو تو وہ ”توریہ“ نہیں، دھوکہ اور فریب ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ یعقوبؑ کے ابتلاء و امتحان کی تکمیل کر دی جائے۔ یوسفؑ کے بعد بنیامین بھی ان سے جدا ہوں۔ ادھر مدت کے پچھڑے ہوئے دو یعنی بھائی آپس میں مل کر رہیں۔ یوسفؑ کو امتحان کی گھاٹیوں سے نکالنے کے بعد اول علاقہ بھائیوں پھر یعنی بھائی پھر والد برزگوار اور سب کنبہ سے بتدریج ملائیں۔ دوسری طرف برادران یوسفؑ سے جو غلطیاں ہوئی تھیں

کچھ ٹھوکریں کھا کر وہ بھی عفو و رحمت کے دروازہ پر پہنچ جائیں۔ اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوں گی جن کی وجہ سے یوسف کو تھوڑا سا ”تور یہ“ کرنے کی ہدایت ہوئی۔ انہوں نے پیالہ اپنے بھائی کے اسباب میں رکھا۔ پھر نہ کسی پر اس کی چوری کا الزام لگایا نہ یہ کہا کہ ہم فلاں کو چوری کی سزا میں پکڑتے ہیں۔ صورتیں ایسی پیدا ہوتی چلی گئیں جن سے آخر میں بنیامین کے لئے اپنے بھائی کے پاس عزت و راحت کے ساتھ رہنے کی سبیل نکل آئی۔ مصلیٰ بعض ایسے الفاظ بیشک استعمال کئے جن کے معنی متبادر مردانہ تھے یا بعض چیزوں پر سکوت کیا جن کی نسبت اگر کچھ بولتے تو راز فاش ہو کر اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔

۷۷۔ کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اسکے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے [۱۰۹] تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنے جی میں اور انکو نہ بتایا کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو [۱۱۰]

قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلِهِ  
فَأَسْرَاهَا يَوْسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ  
أَنْتُمْ شَرُّ مَكَّانًا ۝ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾

۷۸۔ کہنے لگے اے عزیز اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا [۱۱۱]

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ  
أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز [۱۱۲] تو تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے [۱۱۳]

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا  
مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ ﴿٧٩﴾

۸۰۔ پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو بولا ان میں کا بڑا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق (قصہ) میں سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا [۱۱۳]

فَلَبَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۗ قَالَ  
كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ  
مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ  
فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ  
اللَّهُ لِي ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٠﴾

۸۱۔ پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے باپ تیرے

إِرْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ



بیٹے نے تو چوری کی اور ہم نے تو وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا [۱۱۵]

وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَ مَا كُنَّا لِنَلْغِيبِ

حَفِظِينَ ﴿۸۱﴾

۸۲۔ اور پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں [۱۱۶]

وَسَأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعَيْرَ الَّتِي

أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۸۲﴾

۱۰۹۔ یہ اشارہ یوسف کی طرف تھا۔ اپنی پاکبازی جتانے کے لئے محض ناحق کوشی اور عناد سے بنیامین کے جرم کو پختہ کر دیا اور اتنی مدت کے بعد بھی یوسف معصوم پر جھوٹی تمہت لگانے سے نہ شرمائے مفسرین نے اس موقع پر کئی قصے بیان کئے ہیں جن کی طرف برادران یوسف نے چوری کے لفظ میں اشارہ کیا تھا۔ ان کے نقل کی یہاں حاجت نہیں۔

۱۱۰۔ بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام: یعنی ایسا سخت لفظ سن کر بھی یوسف بے قابو نہیں ہوئے۔ کیونکہ مصلحت خداوندی افشائے راز کو مستقضى نہ تھی۔ یوسف نے بات کو دل میں رکھا۔ جواب دے کر ان کے اتہام کی حقیقت نہ کھولی۔ اپنے جی میں کہا اَنْتُمْ سَمَاءٌ مَّكَانًا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ یعنی الٹا چور کو تو ال کو ڈانٹتے مجھے چور بناتے ہو؟ حالانکہ تم نے ایسی چوری کی کہ بھائی کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا۔ باقی میری چوری کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ بعض مفسرین نے اَنْتُمْ سَمَاءٌ مَّكَانًا لٰن کا مطلب یہ لیا ہے کہ یوسف نے ان کو خطاب کر کے کہا کہ تم بڑے ہی بدترین لوگ ہو۔ ابھی تو کہہ رہے تھے وَمَا كُنَّا لَنُرْقِيَنَ ہم چوروں میں کے نہیں۔ جب ایک بھائی کے اسباب میں سے مال برآمد ہوا تو اس کے ساتھ دوسرے غیر حاضر بھائی کو بھی ملوث کرنے لگے گویا چوری کرنا تمہارا خاندانی پیشہ ہے (العیاذ باللہ) خدا خوب جانتا ہے کہ تم اپنے بیان میں کہاں تک سچے ہو۔ وہ ہی تم کو غلط بیانیوں کی سزا دے گا۔

۱۱۱۔ بھائیوں کی درخواست اور اس کا جواب: یعنی بوڑھے باپ کو بڑا صدمہ پہنچے گا۔ وہ ہم سب سے زیادہ اس کو اور اس کے بھائی یوسف کو چاہتے تھے۔ یوسف کے بعد اب اسی سے اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں۔ آپ اگر اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ ہمیشہ مخلوق پر احسانات کرتے ہیں اور ہم پر خصوصی احسان فرماتے رہے ہیں۔ امید ہے ہم کو اپنے کرم سے مایوس نہ فرمائیں گے۔

۱۱۲۔ یعنی خدا اپناہ میں رکھے، کہ ہم کسی کو بے سبب دوسرے کے بدلے پکڑنے لگیں۔ ہم تو صرف اسی شخص کو روکیں گے جس کے پاس سے اپنی چیز ملی ہے۔ (وہ بنیامین ہے جو عینی بھائی ہونے کی حیثیت سے ہمارے پاس رہے گا) یہاں بھی اَلَّا مَنَّ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَكَ اَلَا مَنَّ سَمَّاقٍ نہیں فرمایا جو مختصر تھا۔ کیونکہ واقع کے خلاف ہوتا۔

۱۱۳۔ یعنی مجرم کے بدلہ میں بے قصور کو پکڑیں۔ تو تمہارے خیال اور قانون کے موافق ہم بے انصاف ٹھہریں گے۔

۱۱۴۔ بھائیوں کا آپس میں مشورہ: جب حضرت یوسف کا جواب سن کر مایوس ہو گئے تو مجمع سے ہٹ کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ اکثروں کی رائے ہوئی کہ وطن واپس جانا چاہئے۔ ان میں جو عمر یا عقل وغیرہ کے اعتبار سے بڑا تھا، اس نے کہا کہ باپ کے سامنے ہم کیا منہ لے کر جائیں گے، جو عہد ہم سے لیا تھا اس کا کیا جواب دیں گے۔ ایک تقصیر تو پہلے یوسف کے معاملہ میں کر چکے ہیں جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ اب بنیامین کو چھوڑ کر سب کا چلا جانا سخت بے حمیت ہوگی۔ سو واضح رہے کہ بندہ تو کسی حال یہاں سے ٹلنے والا نہیں۔ الا یہ کہ خود والد بزرگوار مجھ کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیں یا اس درمیان میں قدرت کی طرف سے کوئی فیصلہ ہو جائے مثلاً تقدیر سے میں یہیں مر جاؤں یا کسی تدبیر سے

بنیامین کو چھڑالوں۔ (تنبیہ) یہ کہنے والا غالباً وہ ہی بھائی تھا۔ جس نے یوسف کے معاملہ میں بھی نرم مشورہ دیا تھا۔ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ۔

۱۱۵۔ یعنی مجھے چھوڑ دو اور تم سب جا کر باپ سے عرض کرو کہ ایسا واقعہ پیش آیا جس کی کوئی توقع نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یعنی تم کو قول دیا تھا اپنی دانست پر۔ یہ کیا خبر تھی کہ بنیامین چوری کر کے پکڑا جائے گا۔ یا ہم نے چور کر پکڑ رکھنا بتایا اپنے دین کے موافق۔ یہ نہ معلوم تھا کہ بھائی چور ہے۔“

۱۱۶۔ یعنی آپ معتبر آدمی بھیج کر اس بستی والوں سے تحقیق کر لیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ نیز دوسرے قافلہ والوں سے دریافت فرمائیں جو ہمارے ساتھ رہے اور واپس آئے ہیں آپ کو ثابت ہو جائے گا کہ ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔

۸۳۔ بولا کوئی نہیں بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات اب صبر ہی بہتر (کام آئے، بن پڑے) ہے شاید اللہ لے آئے میرے پاس ان سب کو وہی ہے خرد دار حکمتوں والا [۱۱۷]

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَبِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَبِيلاً

إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۸۳﴾

۸۴۔ اور الٹا پھرا انکے پاس سے اور بولا اے افسوس یوسف پر [۱۱۸] اور سفید ہو گئیں آنکھیں اسکی غم سے [۱۱۹] سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا [۱۲۰]

وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَى عَلَى يُّوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۸۴﴾

۸۵۔ کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یوسف کی یاد کو جب تک کہ گھل جائے یا ہو جائے مردہ

قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتُوا تَذَكُرُ يُّوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿۸۵﴾

۸۶۔ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے [۱۲۱]

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾

۸۷۔ اے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اسکے بھائی کی اور ناامید مت ہو اللہ کے فیض سے بیشک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں [۱۲۲]

لَا تَأْيِسُوا مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۸۷﴾

رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۸۷﴾

۱۱۷۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر و استقامت: پہلی باریکی بے اعتباری سے اس مرتبہ بھی حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کا اعتبار نہ کیا۔ لیکن نبی کا کلام جھوٹ نہیں۔ بیٹوں کی بنائی بات تھی۔ حضرت یوسفؑ بھی بیٹے تھے ”کذافی الموضح“۔ گویا ”لکم“ کا خطا:جنس ابناء کی طرف ہوا۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم یہاں سے حفاظت کے کیسے وعدے کر کے اصرار کے ساتھ لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اتنا بھی نہ کہا کہ اس کے اسباب میں سے پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہوگی، شاید کسی اور نے چھپا دیا ہو۔ مدافعت تو کیا کرتے یہ کہہ کر کہ پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی اس کے جرم کو پختہ کر دیا۔ تمہارے دل میں کھوٹ نہ ہوتا تو یہ طرز عمل اختیار نہ کرتے۔ اب باتیں بنانے کے لئے آئے ہو۔ بہر حال میں تو اس پر بھی صبر ہی کروں گا۔ کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤں گا۔ خدا کی قدرت و رحمت سے کیا بعید ہے کہ یوسف، بنیامین اور وہ بھائی جو بنیامین کی وجہ سے رہ گیا ہے سب کو میرے پاس جمع کر دے وہ سب کے احوال سے خبردار ہے اور ہر ایک کے ساتھ اپنی حکمت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کے یاس انگیز احوال اور مرد ہور کے بعد بھی انبیاء کے قلوب مایوس نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمیشہ خدا کی رحمت و اسعہ پر اعتماد کرتے اور الطاف و منن کے امیدوار رہے ہیں۔

۱۱۸۔ نیاز خم کھا کر پرانا زخم ہر اہو گیا۔ بے اختیار پکار اٹھے یَا سَفَى عَلٰی یُوسُفَ (ہائے افسوس یوسف)۔

۱۱۹۔ یعنی بے رونق یا بے نور ہو گئیں۔ علی اختلاف القولین۔

۱۲۰۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش: حدیث میں ہے نَحْنُ مَعَاہِرُ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ اَلَا مَثَلٌ فَاَلَا مَثَلٌ یعنی انبیاء کی جماعت حق تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے۔ پھر امتحان کی اقسام ہیں۔ ہر نبی کو حق تعالیٰ اپنی حکمت اور اس کی استعداد کے موافق جس قسم کے امتحان میں چاہے مبتلا کرتا ہے۔ یعقوبؑ کے قلب میں یوسفؑ کی فوق العادہ محبت ڈال دی۔ پھر ایسے محبوب اور ہونہار بیٹے کو جو خدا ندان ابراہیمی کا چشم و چراغ تھا، ایسے دردناک طریقے سے جدا کیا گیا۔ غزدہ اور زخم خوردہ یعقوبؑ کے جگر کو اس روح فرسا صدمہ نے کھالیا تھا۔ وہ کسی مخلوق کے سامنے نہ حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے۔ غم کی بات منہ سے نہ نکلتی۔ ہاں جب اپنے کو بہت گھونٹتے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا۔ بیسیوں برس تک چشم گریاں اور سینہ بریاں کے باوجود ادائے فرائض و حقوق میں کوئی خلل نہ پڑنے دیا۔ ان کا دل جتنا یوسفؑ کے فراق میں روتا تھا۔ اتنا ہی خدا کے حضور میں زیادہ گڑ گڑاتا تھا۔ درد و غم کی شدت اور اشکباری کی کثرت جس قدر ان کی بصارت کو ضعیف کرتی اسی قدر نور بصیرت کو بڑھا رہی تھی۔ بیتابی و اضطراب کا کیسا ہی طوفان اٹھتا، دل پکڑ اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے زبان سے اف نہ نکالتے بنیامین کی جدائی سے جب پرانے زخم میں نیا چر کہ لگا تو اس وقت بے اختیار یَا سَفَى عَلٰی یُوسُفَ صرف اتنا لفظ زبان سے نکلا۔ بقول حضرت شاہ صاحبؒ ایسا درد اتنی مدت دبار کھنا پیغمبر کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔“

۱۲۱۔ موضح القرآن میں ہے ”یعنی کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے؟ بے صبر وہ ہے جو مخلوق کے آگے خالق کے بھیجے ہوئے درد کی شکایت کرے۔ میں تو اسی سے کہتا ہوں جس نے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ (یوسف زندہ ہے، ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا) یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھو کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔“

۱۲۲۔ بیٹوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاش کا حکم اور نصیحت: یعنی حق تعالیٰ کی مہربانی اور فیض سے ناامید ہونا کافروں کا شیوہ ہے۔ جنہیں اس کی رحمت و اسعہ اور قدرت کاملہ کی صحیح معرفت نہیں ہوتی۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر پہاڑ کی چٹانوں اور سمندر کی موجوں کے برابر مایوس کن حالات پیش آئیں۔ تب بھی خدا کی رحمت کا امیدوار رہے اور امکانی کوشش میں پست ہمتی نہ دکھلائے۔ جاؤ۔ کوشش کر کے یوسفؑ کا کھوج لگاؤ اور اس کے بھائی بنیامین کے چھڑانے کو کوئی ذریعہ تلاش کرو۔ کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ ہم سب کو پھر جمع کر دے۔ تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لئے نہیں کیا کہ وہ باختیار خود محض بنیامین کی وجہ سے رکا ہے۔ بنیامین چھوٹ جائے تو وہ کیوں پڑا رہے گا۔

۸۸۔ پھر جب داخل ہوئے اسکے پاس بولے اے عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو [۱۲۳]

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۗ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي

الْبِتَّصِدِّقِينَ ﴿٨٨﴾

۸۹۔ کہا کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اسکے بھائی سے [۱۲۴] جب تم کو سمجھ نہ تھی [۱۲۵]

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾

۹۰۔ بولے کیا سچ تو ہی ہے یوسف [۱۲۶] کہا میں یوسف ہوں اور یہ ہے میرا بھائی [۱۲۷] اللہ نے احسان کیا ہم پر [۱۲۸] البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق نیکی والوں کا [۱۲۹]

قَالُوا عَرَانِكَ لَأَنْتَ يُّوسُفُ ۗ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۗ إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾

۹۱۔ بولے قسم اللہ کی البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تجھے چوکنے والے [۱۳۰]

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَشْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَ إِنَّ كُنَّا لَخَطِيئِينَ ﴿٩١﴾

۹۲۔ کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو [۱۳۱] اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان [۱۳۲]

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۗ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَ هُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٩٢﴾

۱۳۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھائیوں کا سوال: باپ کے فرمانے پر مصر کو پھر روانہ ہوئے۔ کیونکہ یوسف کا پتہ معلوم نہ تھا یہ خیال کیا ہو گا کہ جس کا پتہ معلوم ہے (بنیامین) پہلے اس کی فکر کریں اور قحط کی وجہ سے غلہ کی ضرورت ہے، عزیز کو ادھر بھی توجہ دلائیں۔ اگر دینے لینے کا معاملہ میں کچھ نرم پایا تو بنیامین کے متعلق گفت و شنید کریں گے۔ چنانچہ پہلی بات انہوں نے حضرت یوسف سے یہ ہی کہی کہ اے عزیز مصر! آج کل قحط و نامداری کی وجہ سے ہم پر اور ہمارے گھر پر بڑی سختی گذر رہی ہے، سب اسباب گھر کا بک گیا۔ کچھ نکمی اور حقیر سی پونجی رہ گئی ہے وہ غلہ خریدنے کے لئے ساتھ لائے ہیں آپ کے مکارم اخلاق اور گذشتہ مہربانیوں سے امید ہے کہ ہماری ناقص چیزوں کا خیال نہ فرمائیں گے اور

تھوڑی قیمت میں غلہ کی مقدار گزشتہ کی طرح پوری دلوادیں گے۔ یہ رعایت حقیقت میں ایک طرح کی خیرات ہوگی جو آپ ہم پر کریں گے یا اس کے علاوہ ہم کو بطور خیرات ہی کچھ دے دیجئے۔ خدا آپ کا بھلا کرے گا۔ حضرت یوسفؑ یہ حال سن کر رو پڑے، شفقت و رحم دلی کا چشمہ دل میں جوش مار کو آنکھوں سے ابل پڑا۔ اس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے اپنے تئیں ظاہر کیا کہ میں کون ہوں اور تم نے میرے ساتھ جو معاملہ کیا تھا اس کے بعد میں کس مرتبہ پر پہنچا ہوں۔ اگلی آیت میں اسی اظہار کی تمہید ہے (تنبیہ) بعض نے تصدق کے معنی مطلق احسان کرنے کے لئے ہیں۔ جیسے ”قصر صلوة“ کی حدیث میں صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ۔

۱۲۴۔ یعنی دونوں میں جدائی ڈالی اور دونوں سے بیر رکھا۔

۱۲۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر و مروت: اللہ اکبر۔ صبر اور مروت و اخلاق کی حد ہوگئی کہ تمام عمر بھائیوں کی شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ لائے۔ اتنا سوال بھی اس لئے کیا کہ وہ لوگ اپنے ذہنوں میں بیسیوں برس پہلے کے حالات کو ایک مرتبہ مستحضر کر لیں تا ماضی و حال کے موازنہ سے خدا تعالیٰ کے ان احسانات کی حقیقت روشن ہو، جو یوسفؑ پر ان مصائب و حوادث کے بعد ہوئے۔ جن کی طرف آگے ”قدمن اللہ علینا“ میں اشارہ ہے پھر سوال کا پیرایہ ایسا نرم اختیار کیا۔ جس میں ان کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو نمایاں ہے یعنی جو حرکت اس وقت تم سے صادر ہوئی۔ ناسمجھی اور بے وقوفی سے ہوگی۔ تمہیں کیا معلوم تھا کہ یوسفؑ کا خواب پورا ہو کر اور ہلال ایک روز بدر بن کر رہے گا۔

۱۲۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچانا: ممکن ہے اس سوال سے گھبرائے ہوں کہ اتنی مدت کے بعد یہ کون گھر کا بھیدی نکل آیا۔ پھر عزیز مصر کو یوسفؑ کے قصہ سے کیا مطلب۔ غیر معمولی مہربانیاں اور بنیامین کے ساتھ خصوصی برتاؤ پہلے سے دیکھ رہے تھے۔ اس سوال نے دفعۃً ان کا ذہن ادھر منتقل کر دیا ہو کہ کہیں یوسفؑ جسے ہم نے مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا، یہ ہی تو نہیں ہے۔ جب ادھر توجہ ہوئی تو غور دیکھا ہو گا اور ممکن ہے یوسفؑ نے خود بھی اپنے کو اس دفعہ زیادہ واضح طور پر پیش کیا ہو۔ یا تصریحاً کہہ دیا ہو کہ میں یوسفؑ ہوں۔ غرض وہ سخت متعجب و حیرت زدہ ہو کر بول اٹھے إِنَّكَ لَا تَذْكُرُ يُوسُفَ (سچ بتاؤ کیا تم ہی یوسفؑ ہو؟)

۱۲۷۔ یعنی جس سے مجھ کو جدا کیا تھا آج میرے پاس بیٹھا ہے۔

۱۲۸۔ جدائی کو ملاپ سے، ذلت کو عزت سے، تکلیف کو راحت سے، تنگی کو عیش سے بدل دیا۔ جو غلام بنا کر چند دراہم میں فروخت کیا گیا تھا، آج خدا نے اسے ملک مصر کی حکومت بخشی۔

۱۲۹۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”جس پر تکلیف پڑے اور وہ شرع سے باہر نہ ہو اور گھبرائے نہیں تو آخر بلا سے زیادہ عطا ہو۔“

۱۳۰۔ بھائیوں کی ندامت: یعنی تجھ کو ہر حیثیت سے ہم پر فضیلت دی اور تو اسی لائق تھا ہماری غلطی اور بھول تھی کہ تیری قدر نہ پہچانی آخر تیرا خواب سچا اور ہمارا حسد بیکار ثابت ہوا۔

۱۳۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا عفو و درگزر: یوسفؑ بھائیوں سے اتنا بھی سنا نہیں چاہتے تھے۔ فرمایا، یہ تذکرہ مت کرو آج میں تمہیں کوئی الزام نہیں دیتا۔ تمہاری سب غلطیاں معاف کر چکا ہوں۔ جو لفظ میں نے کہے محض حق تعالیٰ کا احسان اور صبر و تقویٰ کا نتیجہ ظاہر کرنے کی نیت سے کہے آج کے بعد تمہاری تقصیر کا ذکر بھی نہ ہو گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ تم نے جو خطائیں خدا تعالیٰ کی کی ہیں، وہ بھی معاف کر دے۔

۱۳۲۔ میری مہربانی بھی اسی کی مہربانی کا ایک پر تو ہے۔

۹۳۔ لیجاؤ یہ کرتا میرا اور ڈالو اسکو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا [۱۳۳]

اَذْهَبُوا بِقَبِيصِي هَذَا فَالْقَوْلُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَاتِ

بَصِيرًا وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْعَلِينَ ﴿٩٣﴾

۹۴۔ اور جب جدا ہوا قافلہ کہا انکے باپ نے میں پاتا ہوں  
بو یوسف کی [۱۳۴] اگر نہ کہو مجھ کو کہ بوڑھا بہک گیا [۱۳۵]

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعَيْرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ  
يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تَفْنَدُونِ ﴿٩٣﴾

۹۵۔ لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں  
ہے [۱۳۶]

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾

۹۶۔ پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا اس نے وہ کرتا اس  
کے منہ پر پھر لوٹ کر ہو گیا دیکھنے والا [۱۳۷] بولا میں نے  
نہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم  
نہیں جانتے [۱۳۸]

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ  
بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا  
لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

۹۷۔ بولے اے باپ بخشو ہمارے گناہوں کو بیشک ہم  
تھے چوکنے والے [۱۳۹]

قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا  
خَاطِئِينَ ﴿٩٧﴾

۹۸۔ کہادم لو بخشو اؤں گاتم کو اپنے رب سے وہی ہے بخشنے  
والا مہربان [۱۴۰]

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ  
الرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾

۹۹۔ پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس جگہ دی اپنے  
پاس ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل  
جہمی سے [۱۴۱]

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوْىٰ إِلَيْهِ أَبُوْيِهِ وَقَالَ  
ادْخُلُوا مِصْرًا إِن شَاءَ اللَّهُ أَمْنِينَ ﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب  
گرے اس کے آگے سجدہ میں [۱۴۲] اور کہا اے باپ یہ  
بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا اس کو میرے رب نے  
سچ کر دیا [۱۴۳] اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا  
قید خانہ سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد اس کے کہ  
جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں  
میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے بیشک وہی ہے

وَرَفَعَ أَبُويِهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۚ وَ  
قَالَ يَا بَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۚ قَدْ  
جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي  
مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ

خبردار حکمت والا [۱۳۳]

نَزَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۖ إِنَّ رَبِّي

لَطِيفٌ لِّبَايَسَاءٍ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۰﴾

۱۳۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی کرامت: "عنی میں بحالت موجودہ شام کا سفر نہیں کر سکتا۔ تم جاؤ والدین اور اپنے سب متعلقین کو یہاں لے آؤ۔ چونکہ والد بزرگوار کی نسبت وحی سے یا بھائیوں کی زبانی معلوم ہوا ہو گا کہ بینائی نہیں رہی یا نگاہ میں فرق آگیا، اس لئے اپنا قمیص دے کر فرمایا کہ یہ ان کی آنکھوں کو لگا دینا بینائی بحال ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ہر مرض کی اللہ کے ہاں دوا ہے۔ آنکھیں گئی تھیں ایک شخص کے فراق میں، اسی کے بدن کی چیز ملنے سے چنگی ہوئیں۔ یہ کرامت تھی حضرت یوسف کی"۔ اور کرامت نہ کہیں تب بھی آج کل واقعات و مشاہدات کی بناء پر یہ بات مان لی گئی ہے کہ کسی سخت صدمہ یا غیر معمولی خوشی کے اثر سے بعض نابینا دفعۃً بینا ہو گئے ہیں۔

۱۳۴۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو: خدا کی قدرت یوسف مصر میں موجود ہیں۔ کبھی نہ کہا کہ یوسف کی خوشبو آتی ہے۔ کیونکہ خدا کو امتحان پورا کرنا تھا۔ اب بلانے کی ٹھہری تو ادھر قافلہ یوسف کا قمیص لے کر مصر سے نکلا ادھر پیرا ہن یوسف کی خوشبو یعقوب کے مشام جان کو معطر کرنے لگی۔ ایک یہ کیا پورا واقعہ ہی عجائب قدرت کا ایک مرقع ہے۔ یعقوب جیسے مشہور و معروف پیغمبر شام میں رہیں اور یوسف جیسی جلیل القدر شخصیت مصر میں بادشاہت کرے، یوسف کے بھائی کئی مرتبہ مصر آئیں، خود یوسف کے مہمان بنیں، اس کے باوجود خداوند قدوس کی حکمت غامضہ اور مشیت قاہرہ کا ہاتھ باپ کو بیٹے سے بیسیوں برس تک علیحدہ رکھے اور خون کے آنسو رلا کر امتحان کی تکمیل کر لائے جَلَّتْ قُدْرَتُهُ وَعَزَّ سُلْطَانُهُ۔

۱۳۵۔ یعنی یہ بات کہتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ کیونکہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ کہ دو گے، بڈھا سٹھیا گیا ہے۔

۱۳۶۔ یعنی یوسف کی محبت، اس کے زندہ ہونے اور دوبارہ ملنے کا یقین تیرے دل میں جاگزیں ہے۔ وہ ہی پرانے خیالات ہیں جو یوسف کی خوشبو بن کر دماغ میں آتے ہیں۔

۱۳۷۔ بینائی کی بحالی: یعنی بینائی واپس آگئی، دوبارہ حسب سابق نظر آنے لگا۔

۱۳۸۔ یعنی میں نے کہا نہ تھا یوسف کی خوشبو آرہی ہے آخر سچ ہوا یا بیٹوں کو کہا تھا کہ یوسف کو تلاش کرو۔ اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ ہم سب کو پھر اکٹھا کر دے۔ دیکھ لو وہ ہی صورت ہوئی۔

۱۳۹۔ بیٹوں کی ندامت اور معافی: یعنی توجہ اور دعا کر کے خدا سے ہمارے گناہ معاف کرائیے۔ ہم سے بڑی بھاری خطائیں ہوئی ہیں مطلب یہ تھا کہ پہلے آپ معاف کر دیں۔ پھر صاف دل ہو کر بارگاہ رب العزت سے معافی دلوائیں۔ کیونکہ جو خود نہ بخشے وہ خدا سے کہاں بخشوائے گا۔

۱۴۰۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا استقبال: یعنی قبول کی گھڑی آنے دو، اس وقت اپنے مہربان خدا کے آگے تمہارے لئے ہاتھ اٹھاؤں گا۔ کہتے ہیں جمعہ کی شب یا تہجد کے وقت کا انتظار تھا۔

۱۴۱۔ شہر سے باہر استقبال کو نکلے۔ ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی۔ (اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ پیشتر وفات پا چکی تھیں جیسا کہ سابق فوائد میں گذر چکا، یہاں خالہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ والدہ حیات تھیں۔ اور حضرت یعقوب کے ساتھ مصر تشریف لائی تھیں) سب کو فرمایا شہر میں چلو۔ قحط وغیرہ کا اب کچھ اندیشہ مت کرو۔ انشاء اللہ بالکل دلجمعی اور راحت و اطمینان سے رہو گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ الفاظ شہر میں پہنچ کر کہے۔ گویا اذْخُلُوا مَصْرًا لَّح کے معنی ہوئے مصر میں قیام کر دے کھٹکے۔

۱۴۲- باپ بیٹوں کا سجدہ تعظیمی: یوسف نے اپنی طرف سے والدین کی تعظیم کی، تخت پر بٹھلایا لیکن خدا کو یوسف کی جو تعظیم کرانی تھی اسے یوسف سب روک سکتے تھے۔ اس وقت کے دستور کے موافق ماں باپ اور سب بھائی یوسف کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا جو بقول حافظ عماد الدین ابن کثیر آدم کے زمانہ سے مسیح کے عہد تک جائز رہا۔ البتہ شریعت محمدیہ نے ممنوع و حرام قرار دیا۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ عبدالقادر نے وَ أَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ (الجن-۱۸) الخ سے حرمت کا اشارہ نکالا ہے بعض مفسرین نے اس جگہ سجدہ کے معنی متبادر مراد نہیں لئے۔ محض جھک جانے کے معنی لئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سجدہ یوسف کو نہ تھا بلکہ یوسف کی عزت و عظمت دیکھ کر سب نے خدا کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس تقدیر پر وَ خَرُّوا لِلَّهِ فِي لَمٍ سَبِيحَةٍ ہو گا۔ یعنی یوسف کے عروج و اقتدار کے سبب سے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے (تنبیہ) تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیہً ممنوع نہیں، البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے۔ جس کی اجازت ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی نہیں ہوئی، نہ ہو سکتی ہے، “سجود و عبادت” یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع و ضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے۔ جس کی اجازت کبھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوئی۔ ہاں “سجود تعظیم” یعنی عقیدہ مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم و تکریم کے طور پر سر بسجود ہونا شراہ سابقہ میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بھی جڑ کاٹ دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے “حجۃ اللہ البالغہ” میں اقسام شرک پر جو دقیق بحث کی ہے اسے دیکھنا چاہئے۔

۱۴۳- یعنی میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ خواب کی تعبیر پوری ہوئی تھی وہ خدا نے پوری کر دکھائی۔

۱۴۴- حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ نعمت: خدا تعالیٰ کے احسانات ذکر فرمائے اور اس کی تدبیر لطیف کی طرف توجہ دلائی کہ کس طرح مجھ کو قید سے نکال کر ملک کا حاکم و مختار بنا دیا۔ اور اس جھگڑے کے بعد جو شیطان نے ہم بھائیوں میں ڈال دیا تھا جبکہ کوئی امید دوبارہ ملنے کی نہ رہی تھی، کیسے اسباب ہمارے ملاپ کے فراہم کر دیے۔ اس موقع پر اپنی مصائب و تکالیف کا کچھ ذکر نہ کیا نہ کوئی حرف شکایت زبان پر لائے، بلکہ بھائیوں کے واقعہ کی طرف بھی ایسے عنوان سے اشارہ کیا کہ کسی فریق کی زیادتی یا تقصیر ظاہر نہ ہونے پائے۔ مبادا بھائی سن کر مجھ کو ہوں۔ اللہ اکبر، یہ اخلاق پیغمبروں کے سوا کس میں ہوتے ہیں۔

۱۰۱- اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیرنا باتوں کا [۱۴۵] اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر [۱۴۶] اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں [۱۴۷]

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۱۰۱﴾

الْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۱۰۱﴾

۱۴۵- اسی سورت کے پہلے رکوع میں تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ کی تفسیر گزر چکی۔

۱۴۶- حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا: یا تو لقاء اللہ کے شوق میں فی الحال موت کی تمنا کی یا یہ مطلب ہے کہ جب کبھی موت آئے اسلام (یعنی کامل تسلیم و رضا) پر آئے (تنبیہ) حدیث میں آیا ہے کہ کوئی شخص کسی مصیبت اور تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب لقاء اللہ یا اور کسی غرض صالح کی وجہ سے موت کی تمنا کر سکتا ہے۔ جیسے ساحرین فرعون نے دعا کی تھی اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَدْرًا وَ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ (اعراف-۱۲۶)۔ یا حضرت مریم نے کہا تھا۔ يٰدَيَّتَنِي مَثُّ قَبْلِ هَذَا وَ كُنْتُ نَسِيًا مَّغْسِيًا (مریم-۲۳) اور معاذ کی



حدیث میں ہے۔ وَإِذَا أَرَدْتَ بِقَوْمٍ فَتْنَةً فَاغْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ اور مسند احمد میں حدیث ہے يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ حَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتَنِ۔ حضرت علیؑ نے ہجوم فتن کے وقت دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ خُذْنِيْ اِلَيْكَ فَقَدْ سَبَّحْتُهُمْ وَسَبَّحُوْنِيْ اَمَامِ بَخْرِيْ كَوْجِبِ امِيْرِ خِرَاسَانَ كَمَا سَاحَتْ جَهْلًا بِرِيْضِ اَيَاتِيْهِ دَعَا كَرْنِيْ بِرِيْ اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنِيْ اِلَيْكَ حدیث میں ہے کہ خروج دجال کے وقت ایک شخص کسی قبر پر گزرے گا اور فتن وزلازل کو دیکھ کر کہے گا۔ يَا تَيْتِيْ مَكَانَكَ كَاشَ كَمَا فِيْ تِيْرِ جَبَلٍ هُوَ تَا۔

۱۳۔ یہ لفظ ایسے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ مرض الموت میں فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْاَعْلَى۔ حضرت شاہ لکھتے ہیں، ”علم کامل پایا، دولت کامل پائی، اب شوق ہوا اپنے باپ دادا کے مراتب کا۔ گویا اَلْحَقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ سے یہ غرض ہوئی کہ میرا مرتبہ اسحاق و ابراہیم کے مراتب سے ملادے۔ حضرت یعقوبؑ کی زندگی تک ملکی انتظامات میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے اختیار سے چھوڑ دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری لاش ”شام“ لجا کر دفن کرنا چنانچہ جنازہ وہیں لے گئے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب ”بنی اسرائیل“ مصر سے نکلیں گے۔ اس وقت میری لاش بھی اپنے ہمراہ لے جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے، حضرت یوسفؑ کا تابوت بھی ساتھ لے گئے واللہ اعلم۔

۱۰۲۔ یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس اور تو نہیں تھا انکے پاس جب وہ ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے [۱۴۸]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ

لَدَيْهِمْ اِذْ اجْبَعُوْا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَسْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾

۱۰۳۔ اور اکثر لوگ نہیں ہیں یقین کرنے والے اگرچہ تو کتنا ہی چاہے [۱۴۹]

وَ مَا اَكْثَرَ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَّصْتَ بِسُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

۱۰۴۔ اور تو مانگتا نہیں ان سے اس پر کچھ بدلا یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو [۱۵۰]

وَ مَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾

۱۰۵۔ اور بہتری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گذر ہوتا رہتا ہے ان کا اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے [۱۵۱]

وَ كٰلِيْنَ مِنْ اٰيَةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَسْرُوْنَ

عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾

۱۰۶۔ اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں [۱۵۲]

وَ مَا يُّؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٦﴾

۱۰۷۔ کیا نڈر ہو گئے اس سے کہ آڈھانکے انکو ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آپنچے قیامت اچانک اور انکو خبر نہ ہو [۱۵۳]

اَفَاْمِنُوْا اَنْ تٰتِيَهُمْ غٰشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ

تٰتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٠٧﴾

۱۰۸۔ کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف  
سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے اور اللہ پاک ہے  
اور میں نہیں شریک بتانے والوں میں [۱۵۴]

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ تَقَىٰ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ  
أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ

الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾

۱۰۹۔ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی  
تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم انکو بستیوں کے رہنے والے سو  
کیا ان لوگوں نے نہیں سیر کی ملک کی کہ دیکھ لیتے کیسا ہوا  
انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر تو  
بہتر ہے پرہیز کرنے والوں کو کیا اب بھی نہیں سمجھتے [۱۵۵]

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ  
مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ۖ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا  
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَكَلَّا

الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠٩﴾

۱۳۸۔ ان واقعات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے: یعنی برادران یوسف جب ان کو باپ سے جدا کرنے اور کنوئیں میں  
ڈالنے کو مشورے اور تدبیریں کر رہے تھے آپ ان کے پاس نہیں کھڑے تھے کہ ان کی باتیں سنتے اور حالات کا معائنہ کرتے۔ پھر ایسے صحیح  
واقعات بجز وحی الہی کے آپ کو کس نے بتائے۔ آپ رسمی طور پر پڑھے لکھے نہیں، کسی ظاہری معلم سے استفادہ کی نوبت نہیں، پھر یہ حقائق  
جن کی اس قدر تفصیل بائبل میں بھی نہیں، آپ کو خدا کے سوا کس نے معلوم کرائیں۔

۱۳۹۔ یعنی باوجودیکہ آپ کی صداقت پر ایسی واضح دلائل موجود ہیں، پھر بھی اکثر لوگ وہ ہیں جو کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔

۱۵۰۔ یعنی نہیں مانتے نہ مانتیں آپ کا کیا نقصان ہے۔ کچھ تبلیغ کی تنخواہ تو آپ ان سے مانگتے نہ تھے کہ وہ بند کر لیں گے نصیحت اور فہمائش تھی سو  
ہو گئی اور ہو رہی ہے۔

۱۵۱۔ اللہ کی نشانیوں سے کفار کی غفلت: یعنی جس طرح آیات تنزیلیہ سن کر آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ایسے ہی آیات تکوینیہ دیکھ کر خدا کی  
توحید کا سبق حاصل نہیں کرتے اصل یہ ہے کہ ان کا سننا اور دیکھنا محض سرسری ہے۔ آیات اللہ میں غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ پہنچتا۔ جب  
دھیان نہیں تو ایمان کہاں سے ہو۔

۱۵۲۔ اللہ کی نشانیوں سے کفار کی غفلت: یعنی زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا  
حصہ دار بنا رہا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب ”تلبیہ“ میں یہ لفظ کہتے تھے۔ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَبَلُّكٌ وَمَا مَلَكَ  
کوئی اس کے لئے بٹی بیٹیاں تجویز کرتا ہے۔ کوئی اسے روح و مادہ کا محتاج بتاتا ہے۔ کسی نے احبار و رہبان کو خدائی کے اختیارات دیدیے ہیں۔  
بہت سے تغزیہ پرستی، قبر پرستی، پیر پرستی کے خس و خاشاک سے توحید کے صاف چشمہ کو مگر کر رہے ہیں۔ ریا اور ہوا پرستی سے تو کتنے  
موحدین ہیں جو پاک ہوں گے۔ غرض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے بہت کم ہیں جو عقیدہ یا عمل کے درجہ میں شرک جلی یا خفی کا ارتکاب نہیں  
کرتے (اعاذنا اللہ من سائر انواع الشرك)

۱۵۳۔ یعنی ایسے بے فکر و بے خوف کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا انہوں نے عذاب الہی یا قیامت کے ہولناک حوادث سے محفوظ رہنے کا کچھ انتظام کر لیا ہے۔  
 ۱۵۴۔ توحید خالص کا راستہ میرا راستہ ہے: یعنی میرا راستہ یہ ہی خالص توحید کا راستہ ہے۔ میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں سب خیالات و اوہام کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں، اس کی توحید، اس کی صفات و کمالات اور اس کے احکام و غیرہ کی صحیح معرفت صحیح راستہ سے حاصل کریں۔ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستے پر، حجت و برہان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں چل رہے ہیں۔ خدا نے مجھ کو ایک نور دیا جس سے سب ہمارے دماغ روشن ہو گئے۔ یہاں کسی کی اندھی تقلید نہیں۔ خالص توحید کا راہ ہر قدم پر اپنے باطن میں معرفت و بصیرت کی خاص روشنی اور عبودیت محض کی خاص لذت محسوس کر کے بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُسْبِحِيْنَ۔

۱۵۵۔ تمام انبیاء مرد تھے: یعنی پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا۔ انبیائے سابقین ان ہی انسانی بستوں کے رہنے والے مرد تھے۔ پھر دیکھ لو ان کے جھٹلانے والوں کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔ حالانکہ دنیا میں کافروں کو بھی بسا اوقات عیش نصیب ہو جاتا ہے۔ اور آخرت کی بہتری تو خالص ان ہی کے لئے ہے جو شرک و کفر سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ تشبیہ ہے کفار مکہ کو کہ انہوں نے احوال کے احوال سے عبرت حاصل کریں۔ (تشبیہ) اس آیت سے نکلتا ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ حضرت مریم کو بھی قرآن نے صدیقہ کا مرتبہ دیا ہے۔ نیز آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بوادی (جنگلی گنواروں) میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

۱۱۰۔ یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی انکو ہماری مدد پھر بچا دیا جنکو ہم نے چاہا اور پھر تا نہیں عذاب ہمارا قوم گنہگار سے [۱۵۶]

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيْ مَنْ نَّشَاءُ ۗ وَلَا

يُرَدُّ بِاسْنَانٍ ۗ اَلْقَوْمِ الْمَجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۱۔ البتہ انکے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو [۱۵۷] کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں [۱۵۸]

لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْقَوْمِ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۵۶۔ کفار کو تشبیہ: یعنی تاخیر عذاب سے دھوکہ مت کھاؤ۔ پہلی قوموں کو بھی لمبی مہلتیں دی گئیں۔ اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ منکرین بالکل بے فکر ہو کر بیش از بیش شرارتیں کرنے لگے۔ یہ حالات دیکھ کر پیغمبروں کو ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہی، ادھر خدا کی طرف سے انکو ڈھیل اس قدر دی گئی کہ مدت دراز تک عذاب کے کچھ آثار نظر نہ آتے تھے۔ غرض دونوں طرف کے حالات و آثار پیغمبروں کے لئے یاس انگیز تھے یہ منظر دیکھ کر کفار نے یقینی طور پر خیال کر لیا کہ انبیاء سے جو وعدے ان کی نصرت اور ہماری ہلاکت کے کئے گئے تھے سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عذاب وغیرہ کا ڈھکوسلہ صرف ڈرانے کے واسطے تھا۔

انبیاء کی ناامیدی کا مفہوم: کچھ بعید نہیں کہ ایسی مایوس کن اور اضطراب انگیز حالت میں انبیاء کے قلوب میں بھی یہ خیالات آنے لگے ہوں کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ یا وسوس و خطرات کے درجہ میں بے اختیار یہ وہم گزرنے لگے ہوں کہ ہماری نصرت اور منکرین کی ہلاکت کے جو وعدے کئے گئے تھے کیا وہ پورے نہ کئے جائیں گے؟ جیسے دوسری جگہ فرمایا وَذُلُّوا حَتَّىٰ يَغُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصُرُهُ اللَّهُ (بقرہ- ۲۲) جب مجرمین کی بے خوفی اور انبیاء کی تشویش اس حد تک پہنچ گئی اس وقت ناگہاں آسمانی مدد آئی۔ پھر جس کو خدا نے چاہا (یعنی فرمانبردار مومنین کو) محفوظ و مصون رکھا۔ اور مجرموں کی جڑ کاٹ دی۔ (تنبیہ ۱) اللہ تعالیٰ کی غیر محدود رحمت و مہربانی سے مایوس ہونا کفر ہے۔ لیکن ظاہری حالات و اسباب کے اعتبار سے ناامیدی کفر نہیں۔ یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف سے جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے مایوسی ہے لیکن حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے مایوسی نہیں۔ آیت حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ فِيهَا مَيُوسِرُونَ (تنبیہ ۲) کفر کا وسوسہ کفر نہیں نہ کسی درجہ میں ایمان یا عصمت کے منافی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ نے عرض یا رسول اللہ! ہم اپنے دلوں میں ایسی چیزیں (بے اختیار) پاتے ہیں جن کے زبان پر لانے سے ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کیا ایسا پاتے ہو؟ عرض کیا "ہاں" فرمایا "ذالک صریح الایمان" یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے۔

۱۵۷۔ قرآن کریم کے اوصاف: یعنی یہ کوئی افسانہ یا ناول نہیں۔ تاریخی حقائق ہیں جن سے عقلمندوں کو سبق لینا چاہئے۔

۱۵۸۔ یعنی قرآن کریم جس میں یہ قصص بیان ہوئے کوئی جھوٹی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ تمام پہلی سچائیوں کی تصدیق کرنے والا اور ہر ضروری چیز کو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ چونکہ ایماندار اس سے نفع اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے ان کے حق میں خاص طور پر ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔ نفعنا اللہ بعلومہ و رزقنا تلاوتہ آناء اللیل و آناء النہار واجعلہ حجۃ لئلا علینا آمین۔

تم سورۃ یوسف علیہ السلام بعون اللہ تعالیٰ۔

آیاتها ۲۳

سُورَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۶

رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اترا تجھ پر تیرے رب سے سو حق ہے لیکن بہت لوگ نہیں مانتے [۱]

الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ تِلْكَ آيَاتِ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾

۲۔ اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بغیر ستون دیکھتے ہو [۲] پھر قائم ہوا عرش پر [۳] اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے وقت مقرر پر (تک) [۴] تدبیر کرتا ہے کام کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں کہ (تا کہ) شاید تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو [۵]

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط  
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ط يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ﴿۲﴾

۳۔ اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ (پہاڑ) اور ندیاں [۶] اور ہر میوے کے رکھے اس میں جوڑے دو دو قسم [۴] ڈھاکتا ہے دن پر رات کو [۸] اس میں نشانیاں ہیں انکے واسطے جو کہ دھیان کرتے ہیں

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ط وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى الْيَلْبُوتُ النَّهَارَ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳﴾

۴۔ اور زمین میں کھیت ہیں مختلف ایک دوسرے (پاس پاس) سے متصل اور باغ ہیں انگور کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی اور بعضی بن ملی انکو پانی بھی ایک ہی دیا جاتا ہے اور ہم ہیں کہ بڑھا دیتے ہیں ان میں ایک کو ایک سے میووں میں ان چیزوں میں

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَوِّرَةٌ وَجَنَّتْ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنَوَانٌ وَغَيْرُ صِنَوَانٍ يُسْقَى بِبَاءٍ وَاحِدٍ ط وَنُفُصِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي

نشانیوں میں انکو جو غور کرتے ہیں [۹]

## الْأَكْلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳﴾

۱۔ قرآن ایک واضح حقیقت: یعنی جو کچھ اس سورت میں پڑھا جانے والا ہے وہ عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہ کتاب جو آپ پر پروردگار کی طرف سے اتاری گئی۔ یقیناً حق و صواب ہے لیکن جائے تعجب ہے کہ ایسی صاف اور واضح حقیقت کے ماننے سے بھی بہت لوگ انکار کرتے ہیں۔

۲۔ بے ستون آسمان: یعنی اس دنیا کی ایسی عظیم الشان، بلند اور مضبوط چھت خدا نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ کوئی ستون یا کھمبیا گر ڈر دکھائی نہیں دیتا جس پر اتنی بڑی ڈاٹ کھڑی کی گئی۔ جبراس کے کیا کہا جائے کہ محض قدرت کے غیر مرئی ستون کے سہارے اس کا قیام ہے۔ وَيُسَبِّحُ السَّبَّاءُ أَنْ تَقْدَمَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ (حج۔ ۶۵) کشش اجسام کا نظریہ اگر صحیح ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ کشش کو عرفاً غم نہیں کہتے اور اگر عمداً کہا جائے تو مرئی نہیں ہے۔ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْحَسَنِ وَقَتَادَةَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا لَهَا عُمْدٌ وَلَكِنْ لَا تَرَى (ابن کثیر) یعنی ان بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کے ستون ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ "استواء علی العرش" کے متعلق سورہ اعراف آٹھویں پارہ کے آخر میں کلام کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۴۔ تسخیر شمس و قمر: یعنی سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں پورا کرتا ہے یا لاجلِ مُسْتَسِيٍّ کے معنی وقت مقرر تک لئے جائیں تو یہ مطلب ہو گا کہ چاند سورج اسی طرح چلتے رہیں گے۔ قیامت تک۔

۵۔ لقائے رب کا یقین: یعنی جس نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو پیدا کیا اسے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز ایک باخبر، مدبر، بیدار مغز اور طاقتور گورنمنٹ باغیوں اور مجرموں کو ہمیشہ کے لئے یوں ہی آزاد نہیں چھوڑے رکھتی۔ نہ وفادار امن پسند رعایا کی راحت رسانی سے انعام کر سکتی ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ خداوند قدوس جو زمین و آسمان کے تخت کا تہا مالک اور اپنی تدبیر و حکمت سے تمام مخلوقات علوی و سفلی کا انتظام باحسن اسلوب قائم رکھنے والا ہے۔ مطیع و عاصی کو یوں ہی مہمل چھوڑے رکھے۔ ضرور ہے کہ ایک دن وفاداروں کو وفاداری کا صلہ ملے اور مجرم اپنی سزا کو پہنچیں۔ پھر جب اس زندگی میں مطیع و عاصی کے درمیان ہم ایسی صاف تفریق نہیں دیکھتے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جس میں سب کو آسمانی عدالت کے سامنے حاضر ہو کر عمر بھر کے اعمال کا پھل چکھنا ہو گا۔

۶۔ یعنی پہاڑ جو ایک جگہ کھڑے ہیں اور دریا جو ہر وقت چلتے رہتے ہیں۔

۷۔ پھلوں کے جوڑے: یعنی چھوٹا بڑا، کھٹا میٹھا، سیاہ سفید، گرم سرد، اور جدید تحقیق کے موافق ہر ایک میں نرمادہ بھی پائے جاتے ہیں۔

۸۔ اس کے معنی سورہ اعراف میں آٹھویں پارے کے خاتمہ پر بیان ہو چکے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۹۔ زمین کی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں: بلند آسمانوں کے مقابل پست زمین کا ذکر کیا۔ آسمان کے ساتھ چاند سورج کا بیان ہوا تھا کہ ہر ایک کی رفتار الگ ہے اور ہر ایک کا کام جداگانہ ہے۔ ایک کی گرم و تیز شعاعیں جو کام کرتی ہیں، دوسرے کی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی سے وہ بن نہیں پڑتا۔ اسی طرح یہاں زمین کے مختلف احوال اور اس سے تعلق رکھنے والی مختلف چیزوں کا ذکر فرمایا۔ کہیں پہاڑ کھڑے ہیں کہیں دریا رواں ہیں، جو میوے اور پھل پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی شکل، صورت، رنگ، مزہ چھوٹے بڑے بلکہ نرمادہ کا اختلاف ہے۔ کبھی زمین دن کے اجالے سے روشن ہو جاتی ہے کبھی رات کی سیاہ نقاب منہ پر ڈال لیتی ہے۔ پھر طرفہ تماشیا ہے کہ چند قطعات زمین جو ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ ایک پانی سے سیراب ہوتے ہیں، ایک سورج کی شعاعیں سب کو پہنچتی ہیں، ایک ہی ہوا سب پر چلتی ہے۔ اس کے باوجود اس قدر مختلف پھول پھل لاتے ہیں اور باہم پیداوار کی کمی زیادتی کا اتنا فرق ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ غور و فکر کرنے والے ان نشانیوں کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ایک ہی ابر رحمت کی آبیاری یا ایک ہی آفتاب ہدایت کی موجودگی میں انسانوں کے مادی و روحانی احوال کا اختلاف بھی کچھ

مستعد و مستنکر نہیں ہے اور یہ کہ لامحدود قدرت کا کوئی زبردست ہاتھ آسمان سے زمین تک تمام مخلوق کے نظام ترکیبی کو اپنے قبضہ قدرت میں لئے ہوئے ہے۔ جس نے ہر چیز کی استعداد کے موافق اس کے دائرہ عمل و اثر کی بہت مضبوط حد بندی کر رکھی ہے پھر ایسے لامتناہی قدرت و اختیار رکھنے والے خدا کو کیا مشکل ہے کہ ہم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے اور اس عالم کے مخلوط عناصر کی کیا وہی تحلیل کر کے ہر خیر و شر کو اس کے مستقر میں پہنچا دے۔

۵۔ اور اگر تو عجیب بات چاہے تو عجیب ہے ان کا کہنا کہ کیا جب ہو گئے ہم مٹی کیا نئے سرے سے بنائے جائیں گے [۱۰] وہی ہیں جو منکر ہو گئے اپنے رب سے اور وہی ہیں کہ طوق ہیں انکی گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ اسی میں رہیں گے برابر [۱۱]

وَإِنْ تَعَجَبُ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذْ كُنَّا تُرْبَاءَ إِنَّا  
لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
بِرَبِّهِمْ ۗ وَأُولَٰئِكَ الْأَعْلَىٰ ۗ فِيْٓ أَعْنَاقِهِمْ ۗ وَ  
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ ﴿٥﴾

۶۔ اور جلد مانگتے ہیں تجھ سے برائی کو پہلے بھلائی سے [۱۲] اور گذر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے عذاب (مثالیں) اور تیرا رب معاف بھی کرتا ہے لوگوں کو باوجود انکے ظلم کے اور تیرے رب کا عذاب بھی سخت ہے [۱۳]

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۗ وَقَدْ  
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْبَثْلُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو  
مَغْفِرَةٍ ۗ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ  
لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٦﴾

۷۔ اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اسکے رب سے [۱۴] تیرا کام تو ڈر سنا دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ہوا ہے راہ بتانے والا [۱۵]

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ  
رَّبِّهِ ۗ إِنَّا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾

۸۔ اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ [۱۶] اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز کا اس کے یہاں اندازہ ہے [۱۷]

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ  
وَمَا تَزْدَادُ ۗ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِقَدَارٍ ﴿٨﴾

۱۰۔ یعنی اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہوگی کہ جس نے اول ایک چیز بنائی وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو؟ العیاذ باللہ۔

۱۱۔ بعث بعد الموت کا انکار اور اس کی سزا: گویا یہ لوگ بعث بعد الموت کا انکار کر کے خداوند قدوس کی شہنشاہی سے منکر ہیں۔ تو ایسے باغیوں کا انجام یہ ہی ہوتا ہے کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیے جائیں جو حقیقت میں ایسے ہی

مجرموں کے لئے بنایا گیا ہے۔

۱۲۔ یعنی حق کو قبول نہیں کرتے جس سے دنیا و آخرت کی بھلائی ملے۔ کفر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں عذاب لے آؤ۔

۱۳۔ حق تعالیٰ کا حلم و تدبیر: یعنی پہلے بہتیری قوموں پر عذاب آپکے ہیں۔ تم پر لے آنا کیا مشکل تھا، بات صرف اتنی ہے کہ تیرا پروردگار اپنی شانِ حلم و عفو سے ہر چھوٹے بڑے جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے ظلم و ستم دیکھتا اور درگزر کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب مظالم اور شرارتوں کا سلسلہ حد سے گذر جاتا ہے اس وقت اس کے تباہ کن عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔

۱۴۔ یعنی جو نشانی ہم مانگتے ہیں وہ کیوں نہیں اتری، جسے دیکھ کر ہم ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔

۱۵۔ کفار کا مطالبہ اور اس کا جواب: یعنی آیات کا اتارنا آپ کے قبضہ میں نہیں، یہ تو خدا کا کام ہے جو آیت پیغمبر کی تصدیق کے لئے مناسب ہو دکھائے آپ کا فرض اسی قدر ہے کہ خیر خواہی کی بات سنا دیں اور برائی کے مہلک انجام سے لوگوں کو آگاہ کر دیں۔ پہلے بھی ہر قوم کی طرف ہادی (راہ بتانے والے اور نذیر ڈرانے والے) آتے رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ جو نشان معاندین طلب کریں گے ضرور دکھلا کر رہیں گے۔ ہاں خدا کی راہ دکھانا ان کا کام تھا وہ ہی آپ کا ہے۔ البتہ وہ خاص خاص قوم کے لئے ہادی تھے آپ دنیا کی ہر قوم کے لئے ہیں۔

۱۶۔ کہ مذکر ہے یا مونث، پورا ہے یا ادھورا، اچھا ہے یا برا، وغیرہ ذلک من الاحوال۔

۱۷۔ حمل کے مراحل اور اللہ کا علم: یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ، پورا بن چکا ہے یا ناقص ہے، تھوڑی مدت میں پیدا ہو گا یا زیادہ میں۔ غرض پیٹ گھٹنے بڑھنے کے تمام اسرار و اسباب اور اوقات و احوال کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور اپنے علم محیط کے موافق ہر چیز کو ہر حالت میں اس کے اندازہ اور استعداد کے موافق رکھتا ہے۔ اسی طرح اس نے جو آیات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے اتاری ہیں ان میں خاص اندازہ اور مصالح و حکم ملحوظ رہی ہیں۔ جس وقت جس قدر بنی آدم کی استعداد و صلاحیت کے مطابق نشانات کا ظاہر کرنا مصلحت تھا اس میں کمی نہیں ہوئی۔ باقی قبول کرنے اور منتفع ہونے کے لحاظ سے لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حوامل کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے احوال تفاوت استعداد و تربیت کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں۔

۹۔ جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا سب سے بڑا برتر [۱۸]

عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْبَتَّعَالِ ﴿٩﴾

۱۰۔ برابر ہے تم میں جو آہستہ بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو [۱۹]

مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾

۱۱۔ اسکے پہرے والے ہیں بندہ کے آگے سے پیچھے سے اسکی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے [۲۰] اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے جیوں میں ہے اور جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم پر آفت پھر وہ نہیں پھرتی اور کوئی نہیں ان کا اس کے سوا مدگار [۲۱]

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ  
مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا  
مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ

لَهُ وَمَالَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مَنِ وَالِ ﴿١١﴾



۱۲۔ وہی ہے کہ تم کو دکھلاتا ہے بجلی ڈر کو (ڈرانے کو) اور امید کو اور اٹھاتا ہے بادل بھاری [۲۲]

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ

السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور پڑھتا ہے گرج والا خوبیاں اسکی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے [۲۳] اور بھیجتا ہے کڑک بجلیاں پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی آن (پکڑ) سخت ہے [۲۴]

وَيَسِّحُ الرِّعْدُ بِحُودِهِ وَالْمَلِيكَةَ مِنْ خِيفَتِهِ ۚ

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ

يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ ۚ وَهُوَ شَدِيدُ الْحَالِ ﴿١٣﴾

۱۴۔ اسی کا پکارنا سچ ہے اور جن لوگوں کو کہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ نہیں کام آتے ان کے کچھ بھی مگر جیسے کسی نے پھیلانے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ آپہنچے اسکے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اس تک اور جتنی پکارتے کافروں کی سب گمراہی ہے [۲۵]

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۗ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا

يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفَّيْهِ إِلَى

الْمَاءِ لِيَبْدَغَ فَاؤَ ۚ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۗ وَمَا دُعَاءُ

الْكُفْرِيِّنَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں خوشی سے اور زور سے اور انکی پر چھائیاں صبح اور شام [۲۶]

وَاللَّهُ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَ

كَرْهًا وَظَلَّلَهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاَصَالِ ﴿١٥﴾

۱۸۔ حمل کے مراحل اور اللہ کا علم یہ علم الہی کی لامحدود وسعت و احاطہ کا بیان ہو یعنی دنیا کی کوئی کھلی چھپی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور تمام عالم اس کے زیر تصرف ہے۔

۱۹۔ اللہ کا علم محیط: "علم الہی کا عموم بیان کر کے بلحاظ مناسبت مقام خاص احوال مکلفین کی نسبت بتلاتے ہیں کہ تمہارے ہر قول و فعل کو ہمارا علم محیط ہے۔ جو بات تم دل میں چھپاؤ یا آہستہ کہو اور جو علانیہ پکار کر کہو، نیز جو کام رات کی اندھیری میں پوشیدہ ہو کر کرو۔ اور جو دن دہاڑے برسر بازار کرو، دونوں کی حیثیت علم الہی کے اعتبار سے یکساں ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کو تین قسم کے آدمیوں پر مشتمل بتلایا ہے۔ "من اسر القول" (جو بات کو چھپائے) من جہر بہ (جو ظاہر کرے) من هو مستخف بالليل و سارب بالنهار (جو اپنا کام رات کو چھپائے مثلاً شب کو چوری کرنا اور دن کو ظاہر کرے مثلاً دن میں نمازیں پڑھنا) اللہ تعالیٰ کو سب یکساں طور پر معلوم ہیں۔"

۲۰۔ اللہ کے پہرے دار: یعنی ہر بندہ کے ساتھ خدا کے فرشتے مامور ہیں۔ جن میں بعض اس کے سب اگلے پچھلے اعمال لکھتے ہیں اور بعض خدا کے حکم کے موافق ان بلاؤں کو دفع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جن سے حق تعالیٰ بندہ کو بچانا چاہتا ہے۔ جس طرح اس عالم میں خدا کی عام عادت

ہے کہ جو چیز پیدا کرنا چاہے اس کے ظاہری اسباب مہیا کر دیتا ہے، ایسے ہی اس نے کچھ باطنی اسباب و ذرائع پیدا کئے ہیں جن کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ لیکن مشیت الہی کی تفیضان کے واسطے سے ہوتی ہے۔

۲۱۔ قوموں کے عروج و زوال کا قانون: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نگہبانی اور مہربانی سے جو ہمیشہ اس کی طرف سے ہوتی رہتی ہے، کسی قوم کو محروم نہیں کرتا۔ جب تک وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ نہ بدلے۔ جب بدلتی ہے تو آفت آتی ہے۔ پھر کسی کے ٹالے نہیں ملتی۔ نہ کسی کی مدد اس وقت کام دیتی ہے۔ (تنبیہ) یہاں قوموں کے عروج و زوال کا قانون بتایا ہے، اشخاص و افراد کا نہیں۔ قوم کی اچھی بری حالت متعین کرنے میں اکثریت اور غلبہ کا لحاظ ہوتا ہے۔

۲۲۔ بجلی و بارش میں نشانیاں: پہلے بندوں کی حفاظت کا ذکر تھا، پھر بد اعمالیوں سے جو آفت و مصیبت آتی ہے اس کا ذکر ہوا معلوم ہوا کہ خدا کی ذات شان انعام و انتقام دونوں کی جامع ہے اسی مناسبت سے یہاں بعض ایسے نشانہائے قدرت کی طرف توجہ دلائی جن میں بیک وقت امید و خوف کی دو متضاد کیفیتیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔ یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو امید بندھتی ہے کہ بارش آئے گی۔ اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں گر کر ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ بھاری بادل پانی کے بھرے ہوئے آتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ باران رحمت کا نزول ہو گا، ساتھ ہی فکر رہتی ہے کہ پانی کا طوفان نہ آجائے، ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہیے کہ رحمت الہی کا امیدوار رہے مگر مکر اللہ سے مامون اور بے فکر نہ ہو۔

۲۳۔ تسبیح رعد کی توجیہ: "یعنی گرجنے والا بادل یا فرشتہ زبان حال "یا" قال " سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (بنی اسرائیل - ۴۴) اور تمام فرشتے ہیبت و خوف کے ساتھ اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تجمید میں مشغول رہتے ہیں (تنبیہ) "رعد" و "برق" وغیرہ کے متعلق آج کل کی تحقیق یہ ہے کہ بادلوں میں "قوت کہربائیہ" موجود ہے اور زمین میں "کہربائیہ" جو بادل زمین سے زیادہ نزدیک ہو اس میں گاہ بگاہ زمین کی "سالیب کہربائیہ" سرایت کر جاتی ہے پھر اس بادل کے اوپر بسا اوقات وہ بادل گذرتے ہیں جن میں "کہربائیہ" موجود

ہے۔ اور یہ قاعدہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ مختلف قسم کے "کہربائیہ" رکھنے والے دو جسم جب محاذی ہوں تو ہر ایک اپنے کہربائیہ کو اپنی طرف کھینچنے میں تو دونوں کے مل جانے سے شدید حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حرارت شدیدہ سے دونوں بادلوں کے حجم کے مناسب ایک آتشیں شعلہ اٹھتا ہے جو "صائقہ" کہلاتا ہے اسی صائقہ کی چمک اور روشنی "برق" کہلاتی ہے اور ہوا میں اس کے سرایت کرنے سے جو آواز نکلتی ہے وہ "رعد" ہے "کہرباء" کا یہ ہی آتشیں شرارہ کبھی بادلوں اور ہواؤں کو پھاڑ کر نیچے گرتا ہے۔ جس کے نہایت عجیب و غریب افعال و آثار مشاہدہ کئے گئے ہیں، علاوہ اس کے کہ وہ مکانوں کو گراتا، پہاڑوں کو شق کرتا اور جانداروں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس نے نہایت احتیاط سے ایک آدمی کے کپڑے اتار کر کسی درخت کی شاخ پر رکھ دیے ہیں مگر پہننے والے کے جسم کو کچھ صدمہ نہیں پہنچا۔ (دائرة المعارف فرید و جدی) جسے دیکھ کر خیال گذرتا ہے کہ بجلی کے اس آتشیں شعلہ میں کوئی ذی شعور اور ذی اختیار قوت غیر مرئی طریقہ سے کام کر رہی ہے ہم کو ضرورت نہیں کہ اوپر بیان کئے ہوئے "نظریہ" کا انکار کریں۔ لیکن یہ بیان کرنے والے خود اقرار کرتے ہیں کہ "روح" کی طرح "قوت کہربائیہ" کی اصل حقیقت پر بھی اس وقت تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے ارباب کشف و شہود کا بیان یہ ہے کہ تمام نظام عالم میں ظاہری اسباب کے علاوہ باطنی اسباب کا ایک عظیم الشان سلسلہ کار فرما ہے۔ جو کچھ ہم یہاں دیکھتے ہیں وہ صرف صورت ہے۔ لیکن اس صورت میں جو غیر مرئی حقیقت پوشیدہ ہے اس کے ادراک تک عام لوگوں کی رسائی نہیں۔ صرف آنکھ رکھنے والے اسے دیکھتے ہیں۔ آخر تم جو نظریات بیان کرتے ہو (مثلاً یہ ہی قوت کہربائیہ کا موجبہ سالبہ ہونا وغیرہ) اس کا علم بھی چند حکمائے طبعین کے سوا بلا واسطہ کس کو ہوتا ہے۔ کم از کم اتنا ہی وثوق انبیاء کے مشاہدات و تجربات پر کر لیا جائے تو بہت سے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ احادیث

سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے نوا میں طبعیہ کی طرح بادلوں اور بارشوں کے انتظامات پر بھی فرشتوں کی جماعتیں تعینات ہیں جو بادلوں کو مناسب مواقع پر پہنچانے اور ان سے حسب ضرورت و مصلحت کام لینے کی تدبیر کرتی ہیں۔ اگر تمہارے بیان کے موافق بادل اور زمین وغیرہ کی ”کہربائیہ“ کا مدبر کوئی غیر مرئی فرشتہ ہو تو انکار کی کونسی وجہ ہے؟ جس کو تم ”شرارہ کہربائیہ“ کہتے ہو چونکہ وہ فرشتہ کے خاص تصرف سے پیدا ہوتا ہے لہذا اسے ”وحی“ کی زبان میں ”مخاریق من نار“ (فرشتہ کا آتشیں کوڑا) کہدیا گیا تو کیا قیامت ہوگی۔ اس کی شدت اور سخت اشتعال سے جو گرج اور کڑک پیدا ہوئی اگر حقیقت کو لحاظ کرتے ہوئے اسے فرشتہ کی ڈانٹ سے تعبیر فرمایا تو یہ نہایت ہی موزوں تعبیر ہے۔ بہر حال ”سائنس“ نے جس چیز کی محض صورت کو سمجھا ”وحی“ نے اس کی روح اور حقیقت پر مطلع کر دیا۔ کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک دوسرے کا حریف مقابل قرار دے لیا جائے۔ علامہ محمود آلوسیؒ نے بقرہ کے شروع میں اس پر معقول بحث کی ہے۔ فلیراجع۔

۲۴۔ بجلی کی کڑک میں نشانیاں: ”ان جھگڑنے والوں پر عذاب کی بجلی نہ گرا دے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس آدمی بھیجا کہ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ قاصد نے اس کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ تجھے بلاتے ہیں کہنے لگا رسول اللہ کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ (العیاذ باللہ) تین مرتبہ یہ ہی گفتگو کی۔ تیسری مرتبہ جب وہ یہ گستاخانہ کلمات بک رہا تھا، ایک بادل اٹھا فوراً بجلی گری اور اس کی کھوپڑی سر سے جدا کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم اسلام لاتے ہیں بشرطیکہ آپ کے بعد خلافت ہم کو ملے آپ نے انکار فرما دیا۔ دونوں یہ کہہ کر اٹھے کہ ہم ”مدینہ“ کی وادی کو آپ کے مقابلہ میں پیدل اور سواروں سے بھر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اس کو روک دے گا اور ”انصار مدینہ“ روکیں گے۔ وہ دونوں چلے، راستہ میں ”اربد“ پر بجلی گری اور عامر طاعون کی گلٹی سے ہلاک ہوا۔ (فائدہ) رعد کی آواز سن کر کہنا چاہئے سَبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ اللَّهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكِ۔

۲۵۔ معبودان باطل سے دعا کی مثال: یعنی پکارنا اسی کا چاہئے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک ہے۔ عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟ اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ میں اپنا یاد و سروں کا نفع و ضرر ہے؟ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لئے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنویں کی من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ بلکہ اگر پانی اس کی مٹھی میں ہو۔ تب بھی خود چل کر منہ تک نہیں جاسکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے محض خیالات و ادہام ہیں، بعضے جن اور شیاطین ہیں، اور بعضی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں، لیکن اپنے خواص کی مالک نہیں۔ پھر ان کے پکارنے سے کیا حاصل؟“ جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں۔“

۲۶۔ مخلوقات کا اللہ کو سجدہ: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جو اللہ پر یقین لایا خوشی سے سر رکھتا ہے اس کے حکم پر اور جو نہ یقین لایا آخر اس پر بھی بے اختیار اسی کا حکم جاری ہے اور پرچھائیاں صبح اور شام زمین پر پسر جاتی ہیں یہی ہے ان کا سجدہ۔“ مطلب یہ ہے کہ جو اہر ہوں یا اعراض کوئی چیز اللہ کے حکم تکوینی سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کے نفوذ و اقتدار کے سامنے سب منقاد اور سر بسجود ہیں۔ سایہ کا گھٹنا بڑھنا، داہنے بائیں مائل ہونا سب اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ صبح شام کا ذکر شاید اس لئے کیا کہ ان وقتوں میں زمین پر سایہ کا پھیلاؤ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

۱۶۔ پوچھ کون ہے رب آسمان اور زمین کا کہدے اللہ ہے کہہ پھر کیا تم نے پکڑے ہیں اس کے سوا ایسے حمایتی جو مالک نہیں اپنے بھلے اور برے کے [۲۴] کہہ کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ قُلْ  
أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَبْلُغُونَ

اجالا<sup>[۲۸]</sup> کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے شریک کہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے پیدا کیا اللہ نے پھر مشتبہ ہو گئی پیدائش انکی نظر میں کہہ اللہ ہے پیدا کرنے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست<sup>[۲۹]</sup>

لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي  
الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۗ أَمْ هَلْ تُسْتَوَىٰ الظُّلُمَاتُ وَ  
النُّورُ ۗ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ  
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۗ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ  
شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾

۱۷۔ اتارا اس نے آسمان سے پانی پھر بہنے لگے نالے اپنی اپنی موافق پھر اوپر لے آیا وہ نالا جھاگ پھولا ہو اور جس چیز کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اسمیں بھی جھاگ ہے ویسا ہی یوں بیان (ٹھہراتا ہے) کرتا ہے اللہ حق اور باطل کو سو وہ جھاگ تو جاتا رہتا ہے سو کھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے سو باقی رہتا ہے زمین میں اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں<sup>[۳۰]</sup>

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أوديةً بِقَدَرِهَا  
فَأَحْتَبَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ۗ وَمِمَّا يُوقِدُونَ  
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ ۗ  
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۗ فَأَمَّا الزَّبَدُ  
فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ  
فِي الْأَرْضِ ۗ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾

۲۷۔ یعنی جب ربوبیت کا اقرار صرف خدا کے لئے کرتے ہو، پھر مدد کے لئے دوسرے حمایتی کہاں سے تجویز کر لئے۔ حالانکہ وہ برابر ذرہ نفع نقصان کا مستقل اختیار نہیں رکھتے۔

۲۸۔ یعنی موحد و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسے پیٹا اور ناپینا میں اور توحید و شرک کا مقابلہ ایسا سمجھو جیسے نور کا ظلمت سے۔ تو کیا ایک اندھا مشرک جو شرک کی اندھیروں میں پڑا ٹانگ ٹوٹیاں مار رہا ہو اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں ایک موحد کو پہنچنا ہے جو فہم و بصیرت اور ایمان و عرفان کی روشنی میں فطرت انسانی کے صاف راستہ پر چل رہا ہے؟ ہرگز دونوں ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

۲۹۔ یعنی جیسی مخلوقات خدا تعالیٰ نے پیدا کی، کیا تمہارے دیوتاؤں نے ایسی کوئی چیز پیدا کی ہے جسے دیکھ کر ان پر خدائی کا شبہ ہونے لگا۔ وہ تو ایک مکھی کا پر اور ایک مچھر کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے۔ بلکہ تمام چیزوں کی طرح خود بھی اسی اکیلے زبردست خدا کی مخلوق ہیں۔ پھر ایسی عاجز و مجبور چیزوں کو خدائی کے تحت پر بٹھا دینا کس قدر گستاخی اور شوخ چٹشی ہے۔

۳۰۔ حق و باطل کی مثال: آسمان کی طرف سے بارش اتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے۔ ہر نالے میں اس کے ظرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کر دیا چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہو گیا۔ پھر میل پکیل اور جھاگ پھول کر اوپر آیا۔ جیسے تیز آگ میں، چاندی، تانبا، لوہا اور دوسری معدنیات پگھلاتے ہیں تازیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں اس میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے مگر تھوری دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہ ہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔ یہ ہی مثال حق و باطل کی سمجھ لو۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوب بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں، پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں۔ تو میل ابھر آتا ہے۔ بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے۔ لیکن اس کا یہ ابال عارضی اور بے بنیاد ہے تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ خدا جانے کدھر گیا۔ جو اصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہ ہی رہ گئی۔ دیکھو! خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں کیسے موثر طرز میں سمجھایا کہ دنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو گوبرائے چندے باطل اونچا اور پھولا ہوا نظر آئے، لیکن آخر کار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر و غالب ہو کر رہے گا۔ کسی مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہئے اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اتر جائے کچھ دیر کے لئے اوہام و وساوس زور شور دکھلائیں تو گھبرانے کی بات نہیں، تھوڑی دیر میں یہ ابال بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر رہے گا۔ گذشتہ آیات میں چونکہ تو حید و شرک کا مقابلہ کیا گیا تھا، اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بتلا دی، آگے دونوں کا انجام بالکل کھول کر بیان کرتے ہیں۔

۱۸۔ جنہوں نے مانا اپنے رب کا حکم ان کے واسطے بھلائی ہے [۳۱] اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا اگر انکے پاس ہو جو کچھ کہ زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور تو سب دیویں (دے ڈالیں) اپنے بدلہ میں [۳۲] ان لوگوں کے لئے ہے برا حساب [۳۳] اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور وہ بری (برا پھوننا ہے) آرام کی جگہ ہے

لِّلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۗ وَالَّذِينَ لَمْ  
يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيعًا وَّ  
مِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْءُ  
الْحِسَابِ ۗ وَمَا وُهِمُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْبِهَادِ ۙ

۱۹۔ بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اتر اترتھ پر تیرے رب سے حق ہے برابر ہو سکتا ہے اسکے جو کہ اندھا ہے سمجھتے وہی ہیں جنکو عقل ہے [۳۴]

اَفَبَنْ يَّعْلَمُ اَنَّبَا اُنزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ  
كُنْ هُوَ اَعْلٰى ۗ اِنَّا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ۙ

۲۰۔ وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اس عہد کو [۳۵]

الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَا لَا يَنْقُضُوْنَ  
الْبَيْثَاقَ ۙ

۲۱۔ اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کو اللہ نے فرمایا ملانا [۳۶] اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا [۳۷]

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ  
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا خوشی کو اپنے رب کی [۳۸] اور قائم رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دیے میں سے پوشیدہ (چھپے) اور ظاہر (کھلے) [۳۹] اور کرتے ہیں برائی کے مقابلہ میں بھلائی [۴۰] ان لوگوں کے لئے ہے آخرت کا گھر

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا  
الصَّلَاةَ وَآتَوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَ  
يَدْرَعُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَقَبَى  
الدَّارِ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ باغ ہیں رہنے کے [۴۱] داخل ہوں گے ان میں اور جو نیک ہوئے انکے باپ دادوں میں اور جو روؤں میں اور اولاد میں [۴۲] اور فرشتے آئیں ان کے پاس ہر دروازے سے

جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ  
وَآزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ  
عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ کہیں گے سلامتی تم پر بدلے اسکے کہ تم نے صبر کیا سو خوب ملا عاقبت کا گھر [۴۳]

سَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾

۳۱۔ یعنی ایمان و عمل صالح اختیار کیا ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، حقیقی خوشی اور قلبی طمانینت و سکون ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

۳۲۔ آخرت کی پریشانی: یعنی یہاں تو خیر جس طرح گزرے، لیکن آخرت میں ان کی حالت ایسی پریشانی اور گھبراہٹ کی ہوگی کہ اگر تمام دنیا کے خزانے ان کے ہاتھ میں ہوں بلکہ اسی قدر اور بھی تو تمنا کریں گے کہ ہم یہ سب فدیہ میں دیکر اس پریشانی سے چھوٹ جائیں۔ ”وانی لخصم ذلک“

۳۳۔ یعنی حساب میں کسی قسم کی رعایت اور درگزر نہ ہوگی ایک ایک بات پر پوری طرح پکڑے جائیں گے۔

۳۴۔ مومن و کافر دونوں کا الگ الگ انجام ذکر فرمانے کے بعد متنبہ کرتے ہیں کہ ایسا ہونا عین عقل و حکمت کے موافق ہے۔ کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک نیٹ اندھا جسے کچھ نظر نہ آئے یوں ہی ان پٹ شاپ اندھیرے میں پڑا ٹھوکر میں کھا رہا ہو، اس شخص کی برابری کر سکتا ہے جس کے دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ حق کی روشنی سے مستفید ہو رہا ہے۔

۳۵۔ اہل عقل کی صفات: یعنی اللہ سے جو عہد ازل میں ہو چکا ہے (عہد الست) جس پر انسان کی فطرت خود گواہ ہے اور جو انبیاء کی زبانی عہد لئے گئے ان سب کو پورا کرتے ہیں۔ کسی کو توڑتے نہیں۔ نیز بذات خود کسی معاملہ میں خدا سے یا بندوں سے جو عہد و پیمانہ باندھتے ہیں (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

۳۶۔ یعنی صلہ رحم کرتے ہیں یا ایمان کو عمل کے ساتھ یا حقوق العباد کو حقوق اللہ کے ساتھ ملاتے ہیں، یا اسلامی اخوت کو قائم رکھتے ہیں۔ یا انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مائیں کسی کو نہ مائیں۔

۳۷۔ یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں جب ذرہ ذرہ کا حساب ہو گا۔ کیا صورت پیش آئے گی۔

۳۸۔ یعنی مصائب و شدائد اور دنیا کی مکروہات پر صبر کیا۔ کسی سختی سے گھبرا کر طاعت کے راستے سے قدم نہیں ہٹایا نہ معصیت کی طرف جھکے اور یہ صبر و استقلال محض حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دکھلایا۔ اس لئے نہیں کہ دنیا انہیں بہت صابر اور مستقل مزاج کہے۔ نہ اس لئے کہ بجز صبر کے چارہ نہ رہا تھا مجبور ہو گئے تو صبر کر کے بیٹھ رہے۔

۳۹۔ پوشیدہ کو شاید اس لئے مقدم رکھا کہ پوشیدہ خیرات کرنا افضل ہے۔ الایہ کہ کہیں مصلحت شرعی علانیہ دینے میں ہو۔

۴۰۔ یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں، سختی کے مقابلہ میں نرمی برتتے ہیں کوئی ظلم کرتا ہے یہ معاف کرتے ہیں۔ (بشرطیکہ معافی سے برائی ترقی کرنے کا اندیشہ نہ ہو) بدی سے بچ کر نیکی اختیار کرتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی برا کام ہو جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں بھلا کام (یعنی توبہ اور اس گناہ کی تلافی) کرتے ہیں۔

۴۱۔ یعنی جن میں ہمیشہ رہیں گے۔

۴۲۔ جنت میں اقرباء کی معیت: ”آباء“ کا لفظ تغلیباً کہا ہے جس میں امہات (مائیں) بھی شامل ہیں۔ یہ جنت کی بشارت کے ساتھ مزید خوشخبری سنائی کہ ایسے کالمیلین کو جن کی خصال اوپر بیان ہوئیں، جنت میں ایک نعمت و مسرت یہ حاصل ہوگی کہ وہ اور ان کے ماں باپ، اولاد، بیویاں جو اپنی نیکی کی بدولت دخول جنت کے لائق ہوں سب اکٹھے رہیں گے حتیٰ کہ ان متعلقین میں سے اگر کوئی کم رتبہ ہو گا تو حق تعالیٰ اپنی نوازش و مہربانی سے درجہ بڑھا کر اس مرد کامل سے نزدیک کر دے گا۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (طور۔ ۲۱) اس سے معلوم ہوا کہ بدون ایمان و عمل صالح کے محض کالمیلین کی قربت کافی نہیں۔ ہاں ایمان و عمل صالح موجود ہو تو تعلق قربت سے کچھ ترقی درجات ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۳۔ مومنین کالمیلین کو فرشتوں کا سلام: صحیح حدیث میں جنت کے آٹھ دروازے بیان ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کالمیلین کی تعظیم و کریم کے لئے خدا کے پاک فرشتے ہر طرف سے تحائف و ہدایا لے کر حاضر ہوں گے۔ احادیث میں ہے کہ خلق اللہ میں سے اول وہ فقراء مہاجرین جنت میں داخل ہوں گے جو سختیوں اور لڑائیوں میں سینہ سپر ہوتے اور رخنہ بندی کے وقت کام آتے تھے۔ جو حکم ان کو ملتا اس کی تعمیل کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے دنیا کی حاجتیں اور دل کے ارمان دل ہی میں لے کر یہاں سے رخصت ہو گئے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائے گا میرے وہ بندے کہاں ہیں (حاضر ہوں) جو میرے راستہ میں لڑے، میرے لئے تکلیفیں اٹھائیں اور جہاد کیا۔ جاؤ جنت میں بے کھٹکے داخل ہو جاؤ۔ پھر ملائکہ کو حکم ہو گا کہ میرے ان بندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کرو۔ وہ عرض کریں گے خداوند! ہم تیری بہترین مخلوق ہیں کیا ہم بارگاہ قرب کے رہنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان زمینی باشندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کریں۔ ارشاد ہو گا، ہاں یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے توحید پر جان دی، دنیا کے سب ارمان اپنے سینے میں لے کر چلے آئے میرے راستہ میں جہاد کیا اور ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے رہے۔ یہ سن کر فرشتے ہر طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے ”سَلِّمْ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ“ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر سال کے آغاز میں قبور شہداء پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سَلِّمْ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ یہ ہی طرز عمل ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا۔

۲۵۔ اور جو لوگ توڑتے ہیں عہد اللہ کا مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو فرمایا اللہ نے جوڑنا اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں ایسے لوگ انکے واسطے ہے لعنت اور انکے لئے ہے برا گھر [۴۳]

۲۶۔ اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے [۴۵] اور فریفتہ ہیں دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاع (مال) حقیر [۴۶]

۲۷۔ اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے کہہ دے اللہ گمراہ (بچلاتا ہے) کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ دکھلاتا ہے اپنی طرف اسکو جو رجوع ہوا [۴۷]

۲۸۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں انکے دل اللہ کی یاد سے [۴۸] سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل [۴۹]

۲۹۔ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے خوشحالی (خوبی) ہے انکے واسطے اور اچھا ٹھکانا [۵۰]

۳۰۔ اسی طرح تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ گذر چکی ہیں اس سے پہلے بہت امتیں تاکہ سنادے تو انکو جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف [۵۱] اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمن سے [۵۲] تو کہہ وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف آتا

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي

الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي

الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنَا فِيْ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَّمٌ لِّيَتْلُوْا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۗ قُلْ هُوَ رَبِّيْٓ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ



ہوں رجوع کر کے [۵۳]

## عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

۳۴۔ اشقیاء کی علامات: سعداء کے مقابل یہاں اشقیاء کی عادات و خصال اور آخری انجام بتایا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بد عہدی کریں، جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم تھا انہیں توڑیں، ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں دوسروں پر اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے نہ رکیں۔ یہ ہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے اور سب سے زیادہ برے مقام پر پہنچنے والے ہیں۔

۳۵۔ دنیا کی خوشحالی سعادت کا معیار نہیں: یعنی دنیا کے عیش و فراخی کو دیکھ کر سعادت و شقاوت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ نہ یہ ضروری ہے کہ جس کو دنیا میں خدا نے رزق اور پیسہ زیادہ دیا ہے وہ اس کی بارگاہ میں مقبول ہو۔ بہت سے مقبول بندے بطور آزمائش و امتحان یہاں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مردود مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے وہ مزے اڑاتے ہیں۔ یہ ہی دلیل اس کی ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جہاں ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا پھل مل کر رہے گا۔ بہر حال دنیا کی تنگی و فراخی مقبول و مردود ہوئے کا معیار نہیں بن سکتا۔

۳۶۔ دنیوی زندگی کی حقیقت: یعنی اسی کو مقصود سمجھ کر اترتے اور اڑتے ہیں۔ حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی محض بیچ ہے جیسے ایک شخص اپنی انگلی سے سمندر کو چھوئے تو وہ تری جو انگلی کو پہنچی ہے سمندر کے سامنے کیا حقیقت رکھی ہے۔ دنیا کی آخرت کے مقابل اتنی بھی حقیقت نہیں۔ لہذا غفلت کو چاہئے کہ فانی کو باقی پر کو مقدم رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے بذات خود مقصود نہیں۔ یہاں کے سامانوں سے اس طرح تمتع کرو جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔

۳۷۔ فرمائشی نشانوں کا مطالبہ: سینکڑوں نشان دیکھتے تھے مگر وہ ہی مرنے کی ایک ٹانگ پکڑی ہوئی تھی کہ جو ہم کہتے جائیں۔ وہ نشان دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو ذرا اپنی جگہ سے سرکا کر کھیتی باڑی کے لئے زمین وسیع کر دو۔ یا زمین کو پھاڑ کر چشمے اور نہریں نکال دو یا ہمارے پرانے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ہم سے بات چیت کر دو۔ غرض کوئی نشان ایسا دکھاؤ جو ہم کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ اس کا جواب دیا کہ بیشک خدا ایسے نشان دکھلانے پر قدرت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی حکمت و عادت مقتضی نہیں کہ تمہاری فرمائشیں پوری کیا کرے۔ پیغمبروں کی تصدیق کے لئے جس قدر ضرورت ہے اس سے زائد نشانات دکھلا چکا اور دکھلا رہا ہے دوسرے سینکڑوں معجزات سے قطع نظر کر کے اکیلا قرآن ہی کیسا عظیم الشان پیغمبر کی صداقت کا ہے۔ جب تم ان نشانوں کو دیکھ کر راہ راست پر نہ آئے اور حق کی طرف رجوع نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ قدیم قانون کے موافق خدا کی مشیت یہ ہی ہے کہ تم کو تمہاری پسند کردہ گمراہی میں چھوڑے رکھے۔ بلاشبہ اگر تم اپنے بڑے بڑے نشان دیکھ کر اس کی طرف رجوع ہوتے تو وہ اپنی عادت کے موافق تم کو آگے بڑھاتا اور حقیقی کامیابی تک پہنچنے کی راہیں دکھاتا۔ جب تم نے خود یہ نہ چاہا تو اس کی حکمت بھی اسی کو مقتضی ہے کہ تمہیں مجبور نہ کرے۔ پھر فرمائشی نشان دکھلانے کی کیا ضرورت رہی، بلکہ نہ دکھلانے میں تمہارا فائدہ ہے کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ فرمائشی نشان اسی وقت دکھلائے جاتے ہیں جب کسی قوم کا تباہ کرنا مقصود ہو۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ! اگر تم چاہو تو ہم ان کو فرمائشی نشان دکھلا دیں، اس پر بھی نہ مانیں تو ایسا عذاب بھیجا جائے گا جو دنیا میں کسی پر نہ آیا ہو۔ اور اگر تم چاہو تو رحمت و توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں۔ آپ نے دوسری شق کو اختیار فرمایا چنانچہ یہ ہی معاندانہ فرمائشیں کرنے والے بہت سے بعد کو مسلمان ہو گئے۔

۳۸۔ اللہ کے ذکر میں ہی دلوں کا چین ہے: یہ خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کا بیان ہوا۔ یعنی ان کو دولت ایمان نصیب ہوتی ہے اور ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے چین اور اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑا ذکر تو قرآن ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَكُلِّ لَحْفَظُوْنَ (الحجر-۹) جسے پڑھ کر ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ شبہات اور وساوس شیطانیہ دور ہو کر سکون و اطمینان میسر آتا ہے۔ ایک طرف اگر حق تعالیٰ کی عظمت و مہابت دلوں میں خوف و خشیت پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف لامحدود رحمت و مغفرت کا ذکر قلبی سکون و راحت کے

سامان بہم پہنچاتا ہے غرض ان کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کی طرف جم جاتا ہے اور ذکر اللہ کا نور ان کے قلوب سے ہر طرح کی دنیوی وحشت اور گبھراہٹ کو دور کر دیتا ہے۔

۴۹۔ یعنی دولت، حکومت، منصب، جاگیر یا فرمائشی نشانات کا دیکھ لینا، کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون و اطمینان سے ہم آغوش نہیں کر سکتی۔ صرف یاد الہی سے جو تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے وہ ہی ہے جو دلوں کے اضطراب و وحشت کو دور کر سکتا ہے۔

۵۰۔ "مترجم محقق نے "طوبیٰ" کے لغوی معنی لئے ہیں اسی کے اندر جنت کا وہ درخت بھی آگیا جسے حدیث صحیح میں "طوبیٰ" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔

۵۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نیا واقعہ نہیں: یعنی جس طرح ہم اپنی طرف رجوع ہونے والوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اسی طرح اس امت کی رہنمائی کے لئے ہم نے تجھے مبعوث کیا تا جو کتاب اپنی رحمت کاملہ سے تجھ پر اتاری ہے آپ ان کو پڑھ کر سنادیں آپ کا پیغمبر بنا کر بھیجا جانا کوئی انوکھی بات نہیں، پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے جا چکے ہیں جو اس وقت تکذیب کرنے والوں کا حشر ہوا ان لوگوں کو بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔

۵۲۔ رحمان سے انکار: یعنی رحمان نے اپنی رحمت کاملہ سے قرآن اتارا۔ اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْآنَ (الرَّحْمٰنُ۔ ۱، ۲) اور آپ کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا۔ مگر انہوں نے سخت ناشکری اور کفران نعمت پر کمر باندھ لی۔ رحمان کا حق ماننے سے منکر ہو گئے بلکہ اس نام سے ہی وحشت کھانے لگے۔ اسی لئے "حدیبیہ" کے صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے پر جھگڑا ہو گیا۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا مَا الرَّحْمٰنُ (فرقان۔ ۶۰)

۵۳۔ یعنی جس رحمان سے تم انکار کرتے ہو وہ ہی میرا رب ہے اور وہ ہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں قُلْ اِدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اِدْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيُّمَا مَا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل۔ ۱۱۰) میرا آغاز و انجام سب اسی کے ہاتھ میں ہے اسی پر توکل کرتا ہوں نہ تمہارے انکار و تکذیب سے مجھے ضرر کا اندیشہ ہے نہ اس کی امداد و اعانت سے مایوس ہوں۔

۳۔ اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلیں اس سے پہاڑ یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین یا بولیں (بولنے لگیں) اس سے مردے تو کیا ہوتا بلکہ سب کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں [۵۴] سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے اللہ تو راہ پر لائے سب لوگوں کو [۵۵] اور برابر پہنچتا رہے گا منکروں کو ان کے کرتوت پر صدمہ (دھڑکا) یا اترے گا انکے گھر سے نزدیک جب تک کہ پہنچے وعدہ اللہ کا بیشک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ [۵۶]

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سِيَّرَتْ بِهٖ الْجِبَالُ اَوْ قَطَّعَتْ بِهٖ  
الْاَرْضُ اَوْ كَلَّمَ بِهٖ الْمَوْتٰى ۗ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۗ<sup>ط</sup>  
اَفَلَمْ يٰۤاَيُّسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ  
لَهَدٰى النَّاسَ جَمِيْعًا ۗ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا  
تُصِيْبُهُمْ بٰسًا صٰنَعُوْا قٰرِعَةً ۗ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ  
دٰرِهِمْ حَتّٰى يٰۤاتٰى وَعَدُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

الْبَيْعٰدَ ۗ

۳۲۔ اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے پہلے سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر ان کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا بدلہ [۵۴]

۳۳۔ بھلا جو لئے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر جو کچھ اس نے کیا ہے (اوروں کی برابر ہو سکتا ہے) اور مقرر کرتے ہیں اللہ کے لئے شریک [۵۸] کہہ ان کا نام لو [۵۹] یا اللہ کو بتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں [۶۰] یا کرتے ہو اوپر ہی اوپر باتیں [۶۱] یہ نہیں بلکہ بھلے سمجھا دیے ہیں منکروں کو ان کے فریب اور وہ روک دیئے گئے ہیں راہ سے [۶۲] اور جس کو گمراہ کرے اللہ سو کوئی نہیں اسکو راہ بتانے والا [۶۳]

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرَسُولٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَامْلَيْتُ  
لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ اخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾

اَفَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَ  
جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ ۗ قُلْ سَبُّوهُمْ ۗ اَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا  
لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ ۗ اَمْ بظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ  
لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَ

مَنْ يُضِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

۵۴۔ کفار فرمائشی کتاب پر بھی ایمان نہ لاتے: یہاں قرآن سے مراد عام کتاب ہے جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں ”زبور“ پر لفظ قرآن کا اطلاق ہوا ہے یعنی اگر کوئی کتاب ایسی اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی نشان پورے ہو جاتے تو وہ بجز اس قرآن کے اور کونسی ہو سکتی تھی یہ ہی قرآن ہے جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جے ہوئے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا۔ قلوب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الہی کے چشمے جاری کر دیے۔ وصول الی اللہ کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرائے۔ مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی۔ جب ایسے قرآن سے تم کو شفاء ہدایت نصیب نہ ہوئی تو فرض کرو تمہاری طلب کے موافق اگر یہ قرآن مادی اور حسی طور پر بھی وہ سب چیزیں دکھلا دیتا جن کی فرمائش کرتے ہو۔ تب ہی کیا امید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی جہتیں اور کج بحثیاں شروع نہ کرتے، تم ایسے ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہو کہ کسی نشان کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ سب کام (ہدایت و اضلال) اللہ کے ہاتھ میں ہیں جسے وہ نہ چاہے قیامت تک ہدایت نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ اسی کو چاہتا ہے جو اپنی طرف سے قبول حق کی خواہش اور تڑپ رکھتا ہو۔“

۵۵۔ شاید بعض مسلمانوں کو خیال گذرا ہو گا کہ ایک مرتبہ ان کی فرمائش ہی پوری کر دی جائے شاید ایمان لے آئیں ان کو سمجھایا کہ خاطر جمع رکھو اگر خدا چاہے تو بدون ایک نشان دکھلائے ہی سب کو راہ راست پر لے آئے۔ لیکن یہ اس کی عادت و حکمت کے خلاف ہے۔ اس نے انسان کو ایک حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر ہدایت کے کافی اسباب فراہم کر دیے، جو چاہے ان سے منتفع ہو۔ کیا ضرورت ہے کہ ان کی فرمائشیں پوری کی جائیں باوجود کافی سامان ہدایات موجود ہونے کے اگر معاندین نہیں مانتے اور اپنے ایمان کو بیہودہ فرمائشوں پر معلق کرتے ہیں۔ تو ہم نے یہ ارادہ بھی نہیں کیا کہ ساری دنیا کو ضرور منوا ہی دیا جائے آخر لَأَمْلِكَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (السجدة-۱۳) والی بات بھی تو پوری ہو کر رہے گی۔

۵۶۔ کفار کے لئے قارعہ: یعنی یہ کفار مکہ فرمائشی نشانوں سے ماننے والے نہیں۔ یہ تو اس طرح مانیں گے کہ برابر کوئی آفت و مصیبت خود ان پر

یا ان کے آس پاس والوں پر پڑتی رہے گی۔ جسے دیکھ کر یہ عبرت حاصل کریں مثلاً جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے کچھ قتل ہوں گے کچھ قید کئے جائیں گے کچھ دوسری طرح کے مصائب کا شکار ہوں گے، یہ ہی سلسلہ رہے گا۔ جب تک خدا کا وعدہ پورا ہو یعنی مکہ فتح ہو اور ”جزیرۃ العرب“ شرک کی گندگی سے پاک و صاف ہو جائے بیشک خدا کا وعدہ اٹل ہے، پورا ہو کر رہے گا۔ بعض مفسرین نے اَوْ تَحُلُّ قَرْيَبًا مِّنْ دَارِهِمْ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف خطاب مانا ہے یعنی آپ ان کی بستی کے قریب اتریں گے جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا۔ اس وقت ”قارہ“ سے وہ سرایا مراد ہوں گے جن میں آپ بنفس نفیس شریک نہ ہوتے تھے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ آیت تمام کفار کے حق میں عام ہے۔ مکہ والوں کی تخصیص نہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۷۔ یعنی سزا ملنے میں دیر ہو تو مت سمجھو کہ چھوٹ گئے، گذشتہ مجرموں کو بھی پہلے ڈھیل دی گئی۔ پھر جب پکڑا تو دیکھ لو کیا حشر ہوا۔ آج تک انکی تباہی کی داستانیں زبانوں پر ہیں۔

۵۸۔ اللہ ہر شخص کے عمل کی نگرانی کرتا ہے: یعنی جو خدا ہر شخص کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں۔ ذرا کوئی شرارت کرے اسی وقت تنبیہ کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے۔ کیا مجرم اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں، یا اس کی مثل پتھر کی وہ مورتیاں ہو سکتی ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں۔ نہ اپنے یاد دوسرے کے نفع و ضرور کا کچھ اختیار رکھتی ہیں۔ تعجب ہے کہ ایسے خدا کی موجودگی میں انسان ایسی عاجز و حقیر مخلوق کے آگے سر جھکائے اور اس کو خدائی کے اختیارات تفویض کر دے۔ اس ظلم کی بھی کوئی انتہا ہے کہ علیم کل اور بہمہ صفت موصوف خدا کے شریک وہ ہوں جنہیں خود اپنے وجود کی خبر نہیں خوب سمجھ لو کہ جو کچھ ہم خفیہ یا علانیہ کرتے ہیں سب خدا کی آنکھ کے سامنے ہے۔ لوگوں کی ان مشرکانہ گستاخیوں سے وہ بے خبر نہیں۔ جلد یا بدیر سزا مل کر رہے گی۔

۵۹۔ اللہ کے حصہ دار کہیں موجود نہیں: یعنی ذرا آگے بڑھ کر ان شرکاء کے نام تو لو اور پتے تو بتاؤ، کیا خداوند قدوس کی یہ صفات سن کر جو اوپر بیان ہوئیں کوئی حیا دار ان پتھروں کا نام بھی لے سکتا ہے؟ اور بے حیائی سے ”لات“ و ”عزیٰ“ کے نام لینے لگو تو کیا کوئی عاقل ادھر التفات کر سکتا ہے؟

۶۰۔ یعنی خدا کو تمام روئے زمین پر اپنی خدائی کا کوئی شریک (حصہ دار) معلوم نہیں۔ (کیونکہ ہے ہی نہیں جو معلوم ہو) کیا تم اسے وہ چیز بتلاؤ گے جسے وہ نہیں جانتا؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) زمین کی قید اس لئے لگائی کہ بت پرستوں کے نزدیک شرکاء (اصنام) کی قیام گاہ یہ ہی زمین تھی۔ ابو حیان نے لَیَعْلَمَنَّ کی ضمیر ”ما“ کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی کیا خدا کو بتلاتے ہو کہ آپ کی خدائی کے حصہ دار وہ بت ہیں جو ادنیٰ ساعلم بھی نہیں رکھتے؟

۶۱۔ شرکاء کا عقیدہ صرف قول ہی قول ہے: پہلے فرمایا تھا ان شرکاء کا ذرا نام لو، پھر متنبہ فرمایا کہ جس چیز کا واقع میں ثبوت ہی نہیں اس کا نام کیا لیا جاسکتا ہے؟ اب بتلاتے ہیں کہ کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا خالی الفاظ اور صوت محض ہے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔ مجرد ظن و تخمین اور باطل اوہام سے چند بے معنی الفاظ با معنی نہیں بن جاتے۔ شاید بظاہر مِّنَ الْقَوْلِ میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ جو مشرکانہ باتیں وہ کر رہے ہیں اگر کوہانہ تقلید و متعصب سے خالی ہو کر اپنے ضمیر کی طرف رجوع کریں تو خود ان کا ضمیر بھی لغویات سے انکار کرے گا۔ اس لئے کہنا چاہئے کہ یہ سب اوپر اوپر کی باتیں ہیں۔ جن کو انسانی ضمیر اور انسانی فطرت دونوں مردود ٹھہرا چکے ہیں۔

۶۲۔ یعنی کچھ بھی نہیں۔ شرک کی حمایت میں ان کی یہ مستعدی اور توحید کے مقابلہ میں اس قدر جدوجہد خالی نفس کا دھوکہ اور شیطان کا فریب ہے اسی نے ان کو راہ حق سے روک دیا ہے۔

۶۳۔ یعنی جسے خدا ہدایت کی توفیق نہ دے اسے کون راہ پر لا سکتا ہے اور وہ اسی کو توفیق دیتا ہے جو باختیار خود ہدایت کے دروازے اپنے اوپر بند نہ کر لے۔

۳۴۔ ان کو مار پڑتی ہے دنیا کی زندگی میں [۶۴] اور آخرت کی مار تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی نہیں انکو اللہ سے بچانے والا [۶۵]

۳۵۔ حال جنت کا جس کا وعدہ ہے پرہیزگاروں سے بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں میوہ اس کا ہمیشہ ہے [۶۶] اور سایہ بھی [۶۷] یہ بدلہ ہے ان کا جو ڈرتے رہے [۶۸] اور بدلہ منکروں کا آگ ہے [۶۹]

۳۶۔ اور وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو نازل ہوا تجھ پر [۷۰] اور بعض فرقتے نہیں مانتے اسکی بعضی بات [۷۱] کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف ہے میرا ٹھکانہ [۷۲]

۳۷۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں [۷۳] اور اگر تو چلے انکی خواہش کے موافق بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچ چکا کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا [۷۴]

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَعَذَابٌ الْآخِرَةِ  
أَشَقُّ وَمَالَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿٢٣﴾

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ط تَجْرِي مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ط أَمْهَادَ آيْمٍ وَظُلْهَا ط تِلْكَ عَقْبَى  
الَّذِينَ اتَّقَوْا ط وَعَقْبَى الْكُفْرَيْنِ النَّارُ ﴿٢٥﴾

وَ الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ  
إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ ط قُلْ  
إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ط إِلَيْهِ  
أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابٍ ﴿٢٦﴾

وَ كَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ط وَلَسِنِ اتَّبَعْتَ  
أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ط مَا لَكَ مِنَ  
اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ﴿٢٧﴾

۶۴۔ مجاہدین کے ہاتھوں سے یا بلا واسطہ قدرت کی طرف سے۔

۶۵۔ یعنی بے سزا دیے چھوڑے گا نہیں۔ پھر وہاں کی سزا کا کیا پوچھنا۔

۶۶۔ جس کی کوئی نوع کبھی ختم نہ ہوگی اور ہمیشہ وہ ہی ملے گا۔ جس کی خواہش کریں گے۔ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ (واقعہ۔ ۳۳)

۶۷۔ یعنی سایہ بھی ہمیشہ آرام دہ رہے گا نہ کبھی دھوپ کی تپش ہوگی نہ سردی کی تکلیف۔ لَا يَزِدُونَ فِيهَا شَيْئًا وَلَا يُمْهَرُونَ (الدرہ۔ ۱۳)

۶۸۔ یعنی خدا سے ڈر کر شرک و کفر کو چھوڑے رکھا۔

۶۹۔ اہل حق اور اہل باطل کا انجام ایک دوسرے کے بالمقابل بیان فرمایا۔ وَيُضِدُّهَا تَتَّبِعِينَ الْأَشْيَاءَ۔

۷۰۔ نزول قرآن سے اہل کتاب اور مسلمانوں کی خوشی: "جن کو اب قرآن دیا ہے (یعنی مسلمان) اور جن کو پہلے "تورات" و "انجیل" وغیرہ دی گئی (یعنی "یہود" و "نصاری") اس چیز کو سن کو خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی۔ مسلمانوں کا خوش ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اسی کتاب کو فلاح دارین کی کلید جانتے تھے، باقی یہود و نصاریٰ میں جو لوگ اہل علم و انصاف اور فی الجملہ حق پرست تھے ان کے لئے بھی ایک طرح مسرت کا موقع تھا۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ قرآن کیسی فراخ دلی سے ان کی اصل کتابوں کی تصدیق اور ان کے انبیاء کی تعریف و تعظیم میں رطب اللسان ہے بلکہ سچے احبار و رہبان کے وجود کو بھی معرض مدح میں پیش کرتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِيْنَ وَرُهْبَانًا (المائدہ-۸۲) چنانچہ اسی قسم کے منصف و حق پرست یہود و نصاریٰ آخر کار مشرف باسلام ہوئے۔

۷۱۔ یعنی یہود و نصاریٰ یا عرب کے جاہلوں میں وہ جماعتیں بھی ہیں جو قرآن سے اس لئے ناخوش ہیں کہ انہیں اس کی بعض چیزوں سے انکار ہے اور یہ وہی چیزیں ہیں جو ان کی تحریف و تبدیل یا آراء و اہواء کے خلاف قرآن نے بیان کی ہیں۔

۷۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحیدِ حاکم کی طرف: یعنی کوئی خوش ہو یا ناخوش میں تو اسی خدائے وحدہ لا شریک لہ کی بندگی کرتا ہوں جس کو سب انبیاء اور ملل بالاتفاق مانتے چلے آئے۔ اسی کے احکام و مریضیات کی طرف ساری دنیا کو دعوت دیتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میرا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، وہیں میرا ٹھکانہ ہے۔ وہ ہی مجھ کو آخر کار غالب و منصور اور مخالفین کو مغلوب و رسوا کرے گا۔ لہذا کسی کے خلاف و انکار کی مجھے قطعاً پروا نہیں۔

۷۳۔ قرآن کا نزول عربی زبان میں: "یعنی جیسے پیشتر دوسری کتابیں اتاری گئیں اس وقت یہ قرآن اتارا جو عظیم الشان معارف و حکم پر مشتمل اور حق و باطل کا آخری فیصلہ کرنے والا ہے۔ پھر جس طرح ہر پیغمبر کو اسی زبان میں کتاب دی گئی جو اس کی قومی زبان تھی۔ ایسے ہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی قرآن دیا گیا۔ بلاشبہ قرآن جیسی معجز و جامع کتاب ایسی ہی زبان میں نازل ہونی چاہئے تھی، جو نہایت مبلغ، وسیع، جامع، منضبط، واضح، پر مغز اور پر شوکت ہونے کے وجہ سے "ام اللسنہ" اور "ملکۃ اللغات" کہلانے کی مستحق ہے۔

۷۴۔ علم عظیم کی پیروی کرو: یعنی کسی کے انکار و ناخوشی کی ذرہ بھر پروا نہ کرو۔ حق تعالیٰ نے جو علم عظیم تم کو دیا ہے اس کی پیروی کرتے رہو۔ اگر بالفرض تم ان لوگوں کی خواہشات کی طرف جھک گئے تو اس کے وبال سے کون بچا سکتا ہے۔ یہ خطاب ہر طالب حق کو ہے۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں تو آپ کے سامنے رکھ کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی نظر گذر چکیں۔

۳۸۔ اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے اور ہم نے دی تھیں انکو جو روئیں اور اولاد اور نہیں ہو کسی رسول سے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن سے ہر ایک وعدہ ہے لکھا ہوا [۷۵]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ

اَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاتِيَ بِآيَةٍ

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۲۸﴾

۳۹۔ مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب [۷۶]

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۗ وَعِنْدَہَا اُمُّ

الْكِتٰبِ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ اور اگر دکھلا دیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو ہم نے کیا ہے ان سے یا تجھ کو اٹھالیوں سو تیرا ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا [۷۷]

۳۱۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اس کے کناروں سے [۷۸] اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم [۷۹] اور وہ جلد لیتا ہے حساب [۸۰]

۳۲۔ اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب [۸۱] جانتا ہے جو کچھ کما تا ہے ہر ایک جی [۸۲] اور اب معلوم کئے لیتے ہیں کافر کہ کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر [۸۳]

۳۳۔ اور کہتے ہیں کافر تو بھیجا ہوا نہیں آیا کہدے اللہ کا فی ہے گواہ میرے اور تمہارے بیچ میں [۸۴] اور جس کو خبر ہے کتاب کی [۸۵]

وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

فَأِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَدُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٧٧﴾

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا

ط وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ ط وَهُوَ سَرِيعٌ

﴿٧٨﴾ الْحِسَابِ

وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَبَلَّاهِ الْمَكْرُ

ط جَبِيْعًا ط يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ط وَسَيَعْلَمُ

﴿٧٩﴾ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِبِيَ الدَّارِ ﴿٨٠﴾

وَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ط قُلْ كَفَى

بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ ط وَ مَنْ عِنْدَهُ

﴿٨١﴾ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٨٢﴾

۷۷۔ تمام انبیاء بشر تھے: یعنی پیغمبر عربی ﷺ کو نئی کتاب اور نئے احکام دے کر بھیجا کیا چنھے کی بات ہو گئی جو اتنی جھتیں نکالی جاتی ہیں آخر ان سے پہلے بھی ہم نے جو پیغمبر بھیجے وہ آسمان کے فرشتے نہ تھے اسی دنیا کے رہنے والے آدمی تھے۔ جو کھانا کھاتے اپنی ضروریات اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے اور بیوی بچے رکھتے تھے۔ ان میں کسی کو یہ قدرت نہ تھی کہ لوگ جو نشانی مانگتے ضرور دکھلا دیتا، بلکہ موجودہ پیغمبر کی طرح ہر چیز میں خدائی اذن کے منتظر رہتے تھے۔ وہ ہی نشان دکھاتے اور وہ ہی احکام سناتے تھے جس کا اذن خدا کے یہاں سے ہوتا۔ خدائی اذن کا حال یہ ہے کہ اس کے یہاں ہر زمانہ اور ہر قرن کے مناسب جداگانہ حکم لکھا ہوا ہے اور ایک وعدہ ٹھہرا ہوا ہے جس کو نہ کوئی نبی بدل سکتا ہے نہ فرشتہ۔ پھر جب ہر ایک پیغمبر اپنے زمانہ کے مناسب احکام لائے اور اپنی صداقت کے نشان دکھانے میں پبلک کی خواہشات کے پابند نہیں رہے نہ اپنے کو حواج بشریہ اور تعلقات معاشرت سے پاک اور برتر ظاہر کیا تو ان ہی چیزوں کا محمد رسول اللہ ﷺ میں پایا جانا انکار نبوت کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

۷۶۔ اللہ قضا و قدر کا مالک ہے: یعنی اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے جسے چاہے باقی رکھے۔ جس قوم کو چاہے مٹائے جسے چاہے اس کی جگہ جمادے۔ جن پر اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے جن کی چاہے نہ بدلے۔ جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے جو چاہے شرائط کے نہ پائے جانے کی بناء پر موقوف کر دے۔ غرض ہر قسم کی تبدیلی و تغیر، محو و اثبات نسخ و احکام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ قضا و قدر کے تمام دفاتر اسی کے قبضہ میں ہیں اور سب تفصیلات و دفاتر کی جڑ جسے ”ام الکتاب“ کہنا چاہئے اسی کے پاس ہے یعنی ”علم ازلی محیط“ جو ہر قسم کے تبدیل و تغیر سے قطعاً منزه و مبریٰ اور لوح محفوظ کا ماخذ ہے۔

تقدیر معلق اور تقدیر مبرم: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے، بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے چھپے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے، جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے۔ جب چاہے ویسی ہی رکھے۔ آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے۔ جو ہر گز نہیں بدلتا۔ اندازے کو تقدیر کہتے ہیں۔ یہ دو تقدیریں ہوں گی ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلق اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں ”جن احادیث و آثار سے بعض افاضل کو قضاء مبرم کے بدلنے کا شبہ ہوا ہے ان کے متعلق یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ انشاء اللہ مستقل تفسیر میں لکھا جائے گا۔ اگر خدا نے توفیق دی۔ وہو الموفق والمستعان۔

۷۷۔ یعنی جو وعدے ان سے کئے گئے ہیں، ہم کو اختیار ہے کہ ان میں سے بعض آپ کے سامنے پورے کر دیں یا آپ کی وفات کے بعد ظاہر کریں نہ آپ کو ان کے ظہور کی فکر میں پڑنا چاہئے اور نہ تاخیر و امہال دیکھ کر ان لوگوں کو بے فکر ہونا چاہئے۔ خدا کے علم میں ہر چیز کا ایک وقت مناسب ہے جس کے پہنچنے پر وہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گی۔ آپ اپنا فرض (تبلیغ) ادا کئے جائیے تکذیب کرنے والوں کا حساب ہم خود بے باق کر دیں گے۔

۷۸۔ اللہ کا حکم ضرور پورا ہوتا ہے: یعنی سر زمین مکہ کے آس پاس اسلام کا اثر پھیلتا جاتا اور کفر کی عملداری گھٹتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے قبائل اور اشخاص کے قلوب پر اسلام کا سکھ بیٹھ رہا ہے۔ اوس و خزرج کے دل حق و صداقت کے سامنے مفتوح ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہم آہستہ آہستہ کفر کی حکومت کو دباتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا یہ روشن آثار ان کمذبین کو نہیں بتلاتے کہ خدا فیصلہ ان کے مستقبل کے متعلق کیا ہو چکا ہے۔ ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام آج جس رفتار سے بڑھ رہا ہے وہ کسی طاقت سے رکنے والا نہیں۔ لہذا انجام بنی اسی میں ہے کہ آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھیں۔

۷۹۔ یعنی اس کا تکوینی حکم اور فیصلہ اٹل ہے۔ جب وقت آجائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لئے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے۔

۸۰۔ یعنی جہاں حساب کا وقت آن پہنچا پھر دیر نہ لگے گی۔ یا جو چیز یقیناً آنے والی ہے اسے جلد ہی سمجھو۔

۸۱۔ اللہ کی تدبیر غالب ہے: وہ نہ چاہے تو سب فریب رکھے رہ جائیں، یا یہ کہ خدا ان کے فریب کا توڑ کرتا ہے ”مکر“ اصل میں خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر برائی کے لئے کی جائے بری ہے اور برائی دور کرنے کے لئے ہو تو اچھی ہے یعنی انہوں نے چھپ چھپ کر ناپاک تدبیریں کیں لیکن خدا کی تدبیر سب پر غالب رہی، اس نے وہ تدبیریں ان ہی پر الٹ دیں وَلَا يَحِثُّنَّكَ السَّبِيُّ إِلَّا بِأَهْلِهِ (فاطر۔ ۴۳)۔

۸۲۔ یعنی جس سے کوئی حرکت و سکون اور کھلا چھپا کام پوشیدہ نہیں اس کے آگے کسی کا مکر کیا چل سکتا ہے وہ ان مکاروں کو خوب مزہ چکھائے گا۔

۸۳۔ یعنی جیسے اگلوں نے اپنے مکر کا انجام دیکھ لیا، موجودہ کفار کو بھی قدر عافیت معلوم ہو اچا ہتی ہے۔

۸۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اللہ کی گواہی: یعنی تمہارے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا، جبکہ خداوند قدوس میری صداقت کے بڑے بڑے نشان دکھلا رہا ہے قرآن جو اس کا کلام ہے، جیسے اپنے کلام الہی ہونے کی شہادت دیتا ہے اسی طرح میرے پیغمبر برحق ہونے کا



گواہ ہے۔ اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو سخت ناموافق حالات میں سچ کا اس شان سے پھیلنے جانا اور دشمنوں تک کے دلوں میں گھر کرنا اور جھوٹ کا مغلوب و مقہور ہو کر سمٹنے رہنا خدا کی طرف سے کھلی ہوئی گواہی میری حقانیت کی ہے۔

۸۵۔ اہل علم کی گواہی: یعنی جن کو قرآن کا علم اور اس کے حقائق کی خبر ہوگی ہے وہ بھی دل سے گواہ ہیں کہ میں نے کچھ جھوٹ نہیں بنایا۔ نیز جنہیں پہلی کتب سماویہ اور ان کی پیشین گوئیوں کی اطلاع ہے ان کے دل گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ ٹھیک ان پیشین گوئیوں کے مطابق تشریف لائے ہیں جو سینکڑوں برس پیشتر مولیٰ اور مسیح کرچکے تھے۔ علیہا و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام۔ اے خدا تو گواہ رہ کہ جس چیز کی گواہی تو نے اور تیری کتاب والوں نے دی، یہ عاجز خاطر بھی صدق دل سے اس کی گواہی دیتا ہے۔

تم سورة الرعد بعون اللہ و حسن توفیقہ۔

## آیاتھا ۵۲

## ۱۲ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۲

رکوعاتھا ۷

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ الرّٰیہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف انکے رب کے حکم سے [۱] رستہ (راہ) پر (کی طرف) اس زبردست خوبیوں والے

الرّٰی كَتَبْنَا نَزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾

۲۔ اللہ کہ جس کا ہے جو کچھ کہ موجود ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں [۲] اور مصیبت ہے کافروں کو ایک سخت عذاب سے [۳]

اللّٰهُ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاُولٰٓئِكَ لِيُكْفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۲﴾

۳۔ جو کہ پسند رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور تلاش کرتے ہیں (نکالنا چاہے ہیں) اس میں کبھی وہ راستہ بھول کر جا پڑے ہیں دور [۴]

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلٰى الْاٰخِرَةِ وَايْضًا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عَوْجًا اُوْلٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭٔۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾

۱۔ قرآن کی عظمت شان: یعنی اس کتاب کی عظمت شان کا اندازہ اس بات سے کرنا چاہئے کہ ہم اس کے اتارنے والے، اور آپ جیسی رفیع الشان شخصیت اس کی اٹھانے والی ہے اور مقصد بھی اس قدر اعلیٰ وارفع ہے جس سے بلند تر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ کہ خدا کے حکم و توفیق سے تمام دنیا کے لوگوں کو خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے، مزدور ہوں یا سرمایہ دار بادشاہ ہوں یا رعایا سب کو جہالت و اوہام کی گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر معرفت و بصیرت اور ایمان و ایقان کی روشنی میں کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ یعنی صحیح معرفت کی روشنی میں اس راستہ پر چل پڑیں جو زبردست و غالب، ستودہ صفات، شہنشاہ مطلق اور مالک الکل خدا کا بتایا ہوا اور اس کے مقام رضاء تک پہنچانے والا ہے۔

۳۔ یعنی جو لوگ ایسی کتاب نزال ہونے کے بعد کفر و شرک اور جہالت و ضلالت کی اندھیری سے نہ نکلے ان کو سخت عذاب اور ہلاکت خیز مصیبت کا سامنا، آخرت میں یاد نیا میں بھی۔

۴۔ کفار کی دنیا کی محبت اور گمراہی: یہ کافروں کا حال بیان فرمایا کہ ان کا اوڑھنا بچھونا یہی دنیا ہے آخرت کے مقابلہ میں اسی کو پسند کرتے اور

ترجیح دیتے ہیں۔ شب و روز اسی کی محبت میں غرق رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی چاہتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں پھنسا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے راستے سے روک دیں۔ اسی لئے یہ فکر رہتی ہے کہ خدا کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ فی الحقیقت یہ لوگ راستے سے بھٹک کر بہت ہی دور جا پڑے ہیں جن کے واپس آنے کی توقع نہیں۔ خدا کی سخت مار پڑے گی۔ تب آنکھیں کھلیں گی۔

۴۔ اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے [۵] پھر راستہ بھلاتا ہے (بھٹکاتا ہے) اللہ جس کو چاہے اور راستہ دکھلا دیتا ہے (دیتا ہے) جسکو چاہے اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا [۶]

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

مَنْ يَشَاءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴﴾

۵۔ تمام انبیاء اپنی قوم کی زبان بولتے تھے: یعنی جس طرح آپ کو ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔ پہلے بھی ہر زمانہ میں سامان ہدایات بہم پہنچاتے رہے ہیں۔ چونکہ طبعی ترتیب کے موافق ہر پیغمبر کے اولین مخاطب اسی قوم کے لوگ ہوتے ہیں جس میں سے وہ پیغمبر اٹھایا جاتا ہے اس لئے اسی کی قومی زبان میں وحی بھیجی جاتی رہی۔ تا احکام الہیہ کے سمجھنے سمجھانے میں پوری سہولت رہے نبی کریم ﷺ کی امت دعوت میں گو تمام جن و انس شامل ہیں، تاہم جس قوم میں سے آپ اٹھائے گئے اس کی زبان عربی تھی اور ترتیب طبعی کے موافق شیوع ہدایت کی یہ ہی صورت مقدر تھی کہ آپ کے اولین مخاطب اور مقدم ترین شاگرد ایسی سہولت اور خوبی سے قرآنی تعلیمات و حقائق کو سمجھ لیں اور محفوظ کر لیں کہ ان کے ذریعہ سے تمام اقوام عالم اور آنے والی نسلیں درجہ بدرجہ قرآنی رنگ میں رنگی جاسکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا عربوں نے اپنے نبی کی صحبت میں رہ کر اپنی قومی زبان میں جس سے انہیں بے حد شغف تھا، قرآنی علوم پر کافی دسترس پائی، پھر وہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے اور روم و فارس پر چھا گئے۔ اس وقت قدرت نے عجیبی قوموں میں ایسا زبردست جوش اور داعیہ کلام الہی کی معرفت اور زبان عربی میں مہارت حاصل کرنے کا پیدا فرمادیا کہ تھوڑی مدت کے بعد وہ قرآنی علوم کی شرح و تہن میں اپنے معاصر عربوں سے گئے سبقت لے گئے بلکہ عموماً علوم دینیہ و ادبیہ کا مدار ثریاتک پر واز کرنے والے جمعیوں پر رہ گیا۔ اس طرح خدا کی حجت بندوں پر تمام ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً قرآنی ہدایات سے مستفید ہونے کے اسباب فراہم ہوتے رہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ بہر حال خاتم الانبیاء ﷺ کے خاص قوم عرب میں سے اٹھائے جانے کی اگر کچھ وجوہ موجود ہیں (اور یقیناً ہیں) تو ان ہی وجوہ کے نتیجہ میں اس سوال کا جواب بھی آجاتا ہے کہ قرآن عربی زبانی میں اتار کر خداوند عالم نے عربوں کی رعایت کیوں کی؟

۶۔ یعنی تبیین و ہدایت کے سامان مکمل کر دیے پھر جس نے ان سامانوں سے منتفع ہونا چاہا اس کی دستگیری فرما کر راہ پر لگا دیا جس نے روگردانی کی اسے گمراہی میں چھوڑے رکھا۔ وہ زبردست اور غالب ہے۔ چاہے تو سب کو زبردستی راہ ہدایت پر لگا دے۔ لیکن اسکی حکمت متقضی ہوئی کہ انسان کو کسب و اختیار کی ایک حد تک آزادی دے کر رحمت و غضب دونوں کے مظاہر کو دنیا میں باقی رہنے دے۔

۵۔ اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے اجالے کی طرف اور یاد دلا انکو دن اللہ کے البتہ اس میں نشانیاں ہیں اس کو جو صبر کرنے والا ہے شکر گزار (حق ماننے والا) [۷]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۗ وَذَكَرَهُمْ بِآيِمِ اللَّهِ إِنَّ

فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۵﴾

۶۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب چھڑا دیا تم کو فرعون کی قوم سے وہ پہنچاتے تھے تم کو برا عذاب [۸] اور ذبح کرتے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تمہاری عورتوں کو اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی طرف سے بڑی [۹]

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۗ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٨﴾

۷۔ اور جب سنا دیا تمہارے رب نے اگر احسان مانو گے تو اور بھی دوں گا تم کو [۱۰] اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب البتہ سخت ہے [۱۱]

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿٩﴾

۸۔ اور کہا موسیٰ نے اگر کفر (منکر ہو گے) کرو گے تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں والا [۱۲]

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَسِيدٌ ﴿١٠﴾

۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آیات: ”نشانیاں دے کر“ یعنی معجزات دے کر جو ”آیات تسعہ“ کے نام سے مشہور ہیں، یا آیات تورات مراد ہوں۔ اور ”یاد دلا ان کو دن اللہ کے“ یعنی ان دونوں کے واقعات یاد دلاؤ، جب ان پر شدا اند و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے نجات دی اور اپنی مہربانی مبذول فرمائی۔ کیونکہ دونوں قسم کے حالات سننے سے صابر و شاکر بندوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے، کہ مصیبت کے وقت گھبرانا اور راحت کے وقت اترا نا نہیں چاہیے جو لوگ پہلے کامیاب ہوئے ہیں وہ سختیوں پر صبر اور نعمائے الہیہ پر شکر کرنے سے ہوئے ہیں وَتَكُنَّ كِبَرًا لِلْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ لِبِأَصَابِرُهُمْ وَذَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ (اعراف-۱۳۷)۔

۸۔ مثلاً تم کو غلام بنا رکھا تھا اور سخت بیگاریں لیتے تھے۔

۹۔ بنی اسرائیل کی آزمائش: ”کہ تم کو غلامی کی ذلت سے نکالا اور دولت آزادی سے مالا مال کیا۔“ بلاء کے اصل معنی آزمائش کے ہیں۔ تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں بندے کے صبر و شکر کی آزمائش ہے۔ وَتَبْلُوهُمْ بِالنَّاسِ وَالْخَيْرِ فَتَنَّا (الانبیاء-۳۵) وَبَلَّوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ (اعراف-۱۶۸) چونکہ فرعونوں سے نجات دینا بڑی نعمت تھی تو یہاں آزمائش انعام سے ہوئی جسے مترجم محقق نے بطور حاصل معنی لفظ ”مد“ سے تعبیر کیا۔ اس قسم کی آیت سورہ بقرہ اور اعراف میں گزر چکی ہے، وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۱۰۔ شکر سے نعمت بڑھتی ہے: موسیٰ کا مقولہ ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرما دیا کہ اگر احسان مان کر زبان و دل سے میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اور زیادہ نعمتیں ملیں گی جسمانی و روحانی اور دنیوی و اخروی ہر قسم کی۔

۱۱۔ موجودہ نعمتیں سلب کر لی جائیں گی اور ناشکری کی مزید سزا الگ رہی۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک سائل آیا آپ نے

ایک کھجور عنایت فرمائی اس نے نہ لی یا پھینک دی۔ پھر دوسرا سائل آیا اس کو بھی ایک کھجور دی، وہ بولا "سبحان اللہ تمہارے رسول اللہ ﷺ" یعنی رسول اللہ کا تبرک ہے۔ آپ نے جاریہ کو حکم دیا کہ ام سلمہ کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس (شکر گزار) سائل کو دلوادے۔

۱۲۔ ناشکری سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا: "یعنی کفرانِ نعمت کا ضرر تم ہی کو پہنچے گا۔ خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اسے تمہارے شکر یوں کی کیا حاجت ہے۔ کوئی شکر ادا کرے یا نہ کرے، بہر حال اس کے حمید و محمود ہونے میں کچھ کمی نہیں آتی۔ صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا "اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، جن وانس سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے متقی شخص کے نمونہ پر ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر سب اگلے پچھلے جن وانس مل کر بفرض محال ایک بدترین انسان جیسے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ) تو اس سے میرے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔"

۹۔ کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان لوگوں کی جو پہلے تھے تم سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے کسی کو انکی خبر نہیں مگر اللہ کو [۱۳] آئے انکے پاس انکے رسول نشانیاں لے کر پھر لوٹائے (اٹے دے لئے) انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں [۱۴] اور بولے ہم نہیں مانتے جو تم کو دے کر بھیجا اور ہم کو تو شبہ ہے اس راہ میں جسکی طرف تم ہم کو بلاتے ہو خلیجان میں ڈالنے والا

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۗ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۗ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۗ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِنَايَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٩﴾

۱۰۔ بولے انکے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین [۱۵] وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے [۱۶] اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے [۱۷] کہنے لگے تم تو یہی آدمی ہو ہم جیسے تم چاہتے ہو کہ روک دو ہم کو ان چیزوں سے جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے سولاؤ کوئی

سند کھلی ہوئی [۱۸]

قَالَتْ رُسُلُهُمْ إِنِّي اللَّهُ شَكُّ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۗ تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانُوا يَعْبُدُ آبَاءَنَا فَأَتُونَا بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾

۱۱۔ ان کو کہا ان کے رسولوں نے ہم تو یہی آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہے [۱۹] اور ہمارا کام نہیں کہ لے آئیں تمہارے پاس سند مگر اللہ کے

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۗ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَبْنِي عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ وَ

حکم سے اور اللہ پر بھروسہ چاہئے ایمان والوں کو [۲۰]

مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَنِ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط

عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

۱۲۔ اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسہ نہ کریں اللہ پر اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں [۲۱] اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر بھروسہ چاہئے بھروسے والوں کو [۲۲]

وَمَا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا

سُبُلَنَا ط وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَى مَا آذَيْتُمُونَا ط وَعَلَى

اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ ہمارے دین میں [۲۳] تب حکم بھیجا انکو ان کے رب نے ہم غارت کریں گے ان ظالموں کو

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ

أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا ط فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ

رَبُّهُمْ لَنُهَلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور آباد کریں گے تم کو اس زمین میں ان کے پیچھے [۲۴] یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرتا ہے کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرتا ہے میرے عذاب کے وعدہ سے [۲۵]

وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ط ذَلِكَ لِمَنْ

خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور فیصلہ (فتح) لگے ماننے پیغمبر [۲۶] اور نامراد ہوا ہر ایک سرکش ضدی (ضد کرنے والا) [۲۷]

وَأَسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿١٥﴾

۱۳۔ پچھلی قوموں کا علم صرف اللہ کو ہے: یہ موسیٰ کے کلام کا تمہ ہے۔ یا اسے چھوڑ کر حق تعالیٰ نے اس امت کو خطاب فرمایا ہے بہر حال اس میں بتلایا کہ جو بے شمار قومیں پہلے گزر چکیں ان کے تفصیلی پتے اور احوال بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں البتہ چند قومیں جو عرب والوں کے یہاں زیادہ مشہور تھیں ان کے نام لے کر اور بقیہ کو وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ میں درج کر کے متنبہ فرماتے ہیں کہ ان اقوام کا جو کچھ حشر ہوا کیا وہ تم کو نہیں پہنچا۔ تعجب ہے اتنی قومیں پہلے تباہ ہو چکیں اور ان کے حال سے ابھی تک تمہیں عبرت حاصل نہ ہوئی۔ (تنبیہ) ابن عباس نے لَا يَغْلِبُهُمْ إِلَّا اللَّهُ کو پڑھ کر فرمایا كَذَبَ النَّسَابُونَ یعنی انساب کی پوری معرفت کا دعویٰ رکھنے والے جھوٹے ہیں۔ عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی کو نہیں پایا جو معد بن عدنان سے اوپر (تحقیقی طور پر) نسب کا حال بتاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴۔ کفار کی انبیاء کے ساتھ بد سلوکی: "یعنی کفار فرط غیظ سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے جیسے دوسری جگہ ہے عَصُوا عَلَيْكُمْ إِلَّا نَامِلًا مِنَ الْعَيْظِ (آل عمران-۱۱۹) یا انبیاء کی باتیں سن کر فرط تعجب سے ہاتھ منہ پر رکھ لئے، یا ہاتھ منہ کی طرف لے جا کر اشارہ کیا بس چپ رہئے، یا ہماری اس

زبان سے اس جواب کے سوا کوئی توقع نہ رکھو، جو آگے آرہا ہے۔ یا پیغمبر کی باتیں سن کر ہنستے تھے اور کبھی ہنسی کے دبانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئیں یٰہُم کی ضمیر کفار کی طرف اور اَفْوَہِہُم کی ”رُسُل“ کی طرف راجع ہو، یعنی ملعونوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ میں اڑادئے کہ وہ بالکل بول نہ سکیں یا دونوں ضمیریں ”رسل“ کی طرف ہوں، یعنی سخت گستاخانہ طور پر انبیاء کے ہاتھ پکڑ کر انہیں کے منہ میں ٹھونس دئے بعض کے نزدیک یہاں ”ایدی“ سے مراد نعمتیں ہیں یعنی جو عظیم الشان نعمتیں انبیاء نے پیش کی تھیں مثلاً شراکع الہیہ وغیرہ ناقدری سے انہیں کی طرف لوٹادیں۔ کسی کو قبول نہ کیا جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اس کے منہ پر ماری۔ بہر حال کوئی معنی لئے جائیں سب کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے نعمت خداوندی کی ناقدری کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی ان کے ساتھ بڑی بے رخی بلکہ گستاخی سے پیش آئے۔

۱۵۔ توحید میں شبہ غیر عقلی ہے: یعنی خدا کی ہستی اور وحدانیت تو ایسی چیز نہیں جس میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش ہو۔ انسانی فطرت خدا کے وجود پر گواہ ہے۔ علویات و سفلیات کا عجیب و غریب نظام شہادت دیتا ہے کہ اس مشین کے پرزوں کو وجود کے سانچے میں ڈھالنے والا پھر انہیں جوڑ کر نہایت محکم و منظم طریقہ سے چلانے والا بڑا زبردست ہاتھ ہونا چاہئے۔ جو کامل حکمت و اختیار سے عالم کی مشین کو قابو میں کئے ہوئے ہے اسی لئے کٹر سے کٹر مشرک کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس بات کے اعتراف سے چارہ نہیں رہا کہ بڑا خدا جس نے آسمان و زمین وغیرہ کرات پیدا کئے وہ ہی ہو سکتا ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں سے اونچے مقام پر براہمان ہو۔ انبیاء کی تعلیم یہ ہے کہ جب انسانی فطرت نے ایک عظیم و حکیم قادر تو انانج الکملات خدا کا سراغ پالیا پھر اوہام و ظنون کی دلدل میں پھنس کر اس سادہ فطری عقیدہ کو کھلونا یا چیتا کیوں بنایا جاتا ہے۔ وجدان شہادت دیتا ہے کہ ایک قادر مطلق اور عالم الکل خدا کی موجودگی میں کسی پتھر یا درخت یا انسانی تصویر یا سیارہ فلکی یا اور کسی مخلوق کو الوہیت میں شریک کرنا فطرت صحیحہ کی آواز کو دبانے یا بگاڑنے کا مرادف ہے۔ کیا خداوند قدوس کی ذات و صفات میں (معاذ اللہ) کچھ کمی محسوس ہوئی جس کی مخلوق خداؤں کی جمعیت سے تلافی کرنا چاہتے ہو۔

۱۶۔ اہل عالم کو اللہ کی دعوت: یعنی ہم نہیں بلاتے۔ فی الحقیقت ہمارے ذریعہ سے وہ تم کو اپنی طرف بلا رہا ہے کہ توحید و ایمان کے راستہ پر چل کر اس کے مقام قرب تک پہنچو۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز آکر ایمان و ایقان کا طریق اختیار کر لو تو ایمان لانے سے پیشتر کے سب گناہ (بجز حقوق و زواجر کے) معاف کر دے گا۔ پھر ایمان لانے کے بعد جیسا عمل کرو گے اس کے موافق معاملہ ہو گا۔

۱۷۔ یعنی کفر و شرارت پر قائم رہنے کی صورت میں جو جلد تباہ کئے جاتے اس سے محفوظ ہو جاؤ گے اور جتنی مدت دنیا میں رہو گے سکون و اطمینان کی زندگی گزارو گے۔ یُسْتَعْمَلُ مَتَاعًا حَسَنًا (ہود۔ ۳) اور فَذُنُحِیْنٰہُ حَیْوٰۃً طَیِّبَةً (النحل۔ ۹۷) وغیرہ نصوص کے موافق۔

۱۸۔ رسالت پر کفار کے اعتراضات: یعنی اچھا خدا کی بحث کو چھوڑیے۔ آپ اپنی نسبت کہیں کیا آپ آسمان کے فرشتے ہیں؟ یا نوع بشر کے علاوہ کوئی دوسری نوع ہیں؟ جب کچھ نہیں ہم ہی جیسے آدمی ہو تو آخر کس طرح آپ کی باتوں پر یقین کر لیں آپ کی خواہش یہ ہو گی کہ ہم کو قدیم مذہب سے ہٹا کر اپنا تابع بنا لیں تو خاطر جمع رکھئے یہ کبھی نہ ہو گا۔ اگر آپ اپنا امتیاز ثابت کرنا اور اس مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو کوئی ایسا کھلا ہوا نشان یا خدائی سرٹیفیکیٹ دکھائیے جس کے سامنے خواہی نہ خواہی سب کی گردنیں جھک جائیں۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہماری فرمائش کے موافق معجزات دکھلائیں۔

۲۳۔ رسولوں کو کفار کی دھمکیاں: یعنی اپنے توکل وغیرہ کو رہنے دو، زیادہ بزرگی مت جتاؤ۔ بس اب دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی یا تم (بعثت سے پہلے کی طرح) چپ چاپ ہم میں رل مل کر رہو گے اور جن کو تم نے بہکایا ہے وہ سب ہمارے پرانے دین میں واپس آئیں گے، ورنہ تم سب کو ملک بدر اور جلاوطن کیا جائے گا۔

۲۴۔ انبیاء سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ: یعنی یہ تم کو کیا نکالیں گے ہم ہی ان ظالموں کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لئے یہاں سے نکال دیں گے کہ پھر کبھی واپس نہ آسکیں۔ اور ان کی جگہ تم کو اور تمہارے مخلص وفاداروں کو زمین میں آباد کریں گے۔ دیکھ لو کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے مکہ سے نکالنا چاہا، وہ ہی نکلتا آخر اس کا سبب بن گیا کہ وہاں اسلام اور مسلمانوں کا دائمی تسلط ہو اور کافر کا نشان باقی نہ رہے۔

۲۵۔ یعنی مذکورہ بالا کامیابی ان لوگوں کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں یہ خیال کر کے کہ وہ ہماری تمام حرکتوں کو برابر دیکھ رہا ہے اور ایک دن حساب دینے کے لئے اس کے سامنے کھڑے ہونا ہے جہاں اس کے بے پناہ عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔

۲۶۔ اللہ سے انبیاء کی استعانت: یعنی پیغمبروں نے خدا سے مدد مانگی اور فیصلہ چاہا۔ چنانچہ نوحؑ نے کہا تھا فَانْفَتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي (الشعراء-۱۱۸) الخ لو ط نے کہا رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ (الشعراء-۱۶۹) شعیبؑ نے عرض کیا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (اعراف-۸۹) موسیٰؑ نے دعا کی رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاِكَا (یونس-۸۸) الخ اور کفار نے بھی جب دیکھا کہ اتنی طویل مدت سے عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں لیکن اس کے آثار کچھ نظر نہیں آتے تو استہزاء و تمسخر سے کہنے لگے رَبَّنَا عَجَلْنَا قَوْمَنَا قِبَلْ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص-۱۶) اور اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ اُنزِلْنَا بِعَذَابٍ اَلِيمٍ (انفال-۳۲) یہ تو قریش کے مقولے ہیں، قوم نوحؑ نے کہا تھا فَاتِنَّا بِمَا تَعِدُنَا (ہود-۳۲)۔ قوم شعیبؑ نے کہا فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا (الشعراء-۱۸۷) وغیرہ ذلک۔ غرض دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی۔

۲۷۔ یعنی پیغمبروں کا خدا کو پکارنا تھا کہ مدد آئی اور ہر ایک سرکش اور ضدی نامراد ہو کر رہ گیا۔ جو کچھ خیالات پکار کھے تھے، ایک ہی پکڑ میں کافور ہو گئے نہ وہ رہے نہ ان کی توقعات رہیں۔ ایک لمحہ میں سب کا خاتمہ ہوا۔

۱۶۔ پیچھے اس کے دوزخ ہے اور پلانیں گے اس کو پانی پیپ کا [۲۸]

مِنْ وَّرَائِهِ جَهَنَّمَ وَيُسْتَقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ گھونٹ گھونٹ پیتا ہے اسکو اور گلے سے نہیں اتار سکتا [۲۹] اور چلی آتی ہے اس پر موت ہر طرف (جگہ) سے اور وہ نہیں مرتا اور اس کے پیچھے عذاب ہے سخت [۳۰]

يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِسَيِّئٍ ط وَمِنْ وَّرَائِهِ عَذَابٌ

غَلِيظٌ ﴿۱۷﴾

۲۸۔ دوزخیوں کا پانی: یعنی یہ تو یہاں کا عذاب تھا، اس کے بعد آگے دوزخ کا بھیانک منظر ہے جہاں شدت تشنگی کے وقت ان کو پیپ یا پیپ جیسا پانی پلایا جائے گا۔

۲۹۔ یعنی خوشی سے کہاں پی سکیں گے۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے لوہے کے گزر سر پر مار کر زبردستی منہ میں ڈالیں گے جس وقت منہ کے قریب کریں گے شدت حرارت سے دماغ تک کی کھال اتر کر نیچے لٹک پڑے گی، منہ میں پہنچ کر گلے میں پھنسے گا، بڑی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے حلق سے نیچے اتاریں گے پیٹ میں پہنچنا ہو گا کہ آنتیں کٹ کر باہر آجائیں گی۔ وَسُقُوا مَاءً حَمِيئًا فَقَطَّامَ اَمْعَاءَهُمْ (ممد-۱۵) وَ اِنْ يَسْتَنْعِضُوْا يُعَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ (کہف-۲۹) (اعاذ اللہ منہا و سائر المومنین)۔

۳۰۔ دوزخ کے سخت احوال: یعنی اس کا پینا کیا ہو گا ہر طرف سے موت کا سامنا کرنا ہو گا، سر سے پاؤں تک ہر عضو بدن پر سکر موت طاری



ہوں گے، شش جہت سے مہلک عذاب کی چڑھائی ہوگی۔ اس زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے۔ لیکن موت بھی نہیں آئے گی۔ جو سب تکلیفوں کا خاتمہ کر دے۔ ایک عذاب کے پیچھے دوسرا تازہ عذاب آتا رہے گا۔ **كَلِمَاتٍ نَّضِجَتْ جُلُودُهُمْ بِدَلْنِهِمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ** (نساء-۵۶) **ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ** (اعلیٰ-۱۳) سچ ہے۔ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔ **اللَّهُمَّ احْفَظْنَا**۔

۱۸۔ حال ان لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے انکے عمل ہیں جیسے وہ راکھ کہ زور کی چلے اس پر ہوا آندھی کے دن کچھ ان کے ہاتھ میں نہ ہو گا اپنی کمائی میں سے یہی ہے بہک کر دور جا پڑنا [۳۱]

۱۹۔ تو نے کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسی چاہئے اگر چاہے تم کو لیجائے اور لائے کوئی پیدائش (مخلوق) نئی

۲۰۔ اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں [۳۲]

۲۱۔ سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے [۳۳] پھر کہیں گے کمزور بڑائی والوں کو ہم تو تمہارے تابع تھے سو کیا بچاؤ گے ہم کو اللہ کے کسی عذاب سے کچھ [۳۴] وہ کہیں گے اگر ہدایت (راہ پر لانا) کرتا ہم کو اللہ تو البتہ ہم تم کو ہدایت (راہ پر لاتے) کرتے اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی [۳۵]

۲۲۔ اور بولا شیطان جب فیصل ہو چکا سب کام بیشک اللہ نے تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا پھر (سو) جھوٹا کیا اور میری تم پر کچھ حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا میری بات کو سوا الزام نہ دو مجھ کو اور الزام دو اپنے آپ کو نہ میں تمہاری فریاد کو

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ

اَشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا

كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿٧٨﴾

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ

اِنَّ يَشَآءُ يَذْهَبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿٧٩﴾

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿٨٠﴾

وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَبِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفَاۗءُ لِلَّذِيْنَ

اَسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ

عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قَالُوْۤا لَوْ هَدٰنَا

اللّٰهُ لَهَدٰیۤنٰكُمْ ۗ سَوَآءٌ عَلَيْنَا اَجْرَعْنَا اَمْ

صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ﴿٨١﴾

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَبَّآ قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَاكُمْ وَعَدَّ

الْحَقِّ ۗ وَعَدْتُمْ ۗ فَاخْلَفْتُمْ ۗ وَمَا كَانَ لِيْ عَلَيْكُمْ

مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُمْ ۗ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۗ فَلَا

پہنچوں نہ تم میری فریاد کو پہنچو میں منکر ہوں (مجھ کو قبول نہیں) جو تم نے مجھ کو شریک بنایا تھا اس سے پہلے البتہ جو ظالم ہیں انکے لئے ہے عذاب دردناک [۳۶]

تَلُمُونِي وَّلَوْمُوا اَنْفُسَكُمْ ط مَا اَنَا بِصُرَاخِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِصُرَاخِي ط اِنِّي كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط

اِنَّ الظَّالِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

۳۱۔ کفار کے اعمال کی مثال: بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ خیرات کی مد میں کئے ہماری خوش اخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی، بہتیرے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی، کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا لیا اس وقت کام نہ آئے گا؟ اس کا جواب اس تمثیل میں دیا۔ یعنی جسے خدا کی صحیح معرفت نہیں۔ محض فرضی اور وہی خدا کو پوجتا ہے اس کے تمام اعمال محض بے روح اور بے وزن ہیں۔ وہ محشر میں اسی طرح اڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں۔ اس وقت کفار نیک عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہوں گے۔ حالانکہ وہ ہی موقع ہو گا جہاں نیک عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ اکبر! یہ کیسی حسرت کا وقت ہو گا کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھے تھے وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح عین اس موقع پر بے حقیقت ثابت ہوئے جب دوسرے لوگ اپنی نیکیوں کے ثمر شیریں سے لذت اندوز ہو رہے ہیں۔ کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر۔ تہی دست رادل پر آگندہ تر۔

۳۲۔ دوسری زندگی کے دلائل: "یعنی شاید کفار کو یہ خیال گذرے کہ جب مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے۔ پھر دوبارہ زندگی کہاں۔ قیامت اور عذاب و ثواب وغیرہ سب کہانیاں ہیں، ان کو بتلایا کہ جس خدا نے آسمان و زمین کو کامل قدرت و حکمت سے پیدا کئے اسے تمہارا از سر نو دوبارہ پیدا کرنا، یا کسی دوسری مخلوق کو تمہاری جگہ لے آنا کیا مشکل ہے؟ اگر آسمان و زمین کے محکم نظام کو دیکھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا پیدا کرنا اور قائم رکھنے والا کوئی صالح حکیم ہے جیسا کہ لفظ "بالحق" میں تمبیہ فرمائی، تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اشرف المخلوقات (انسان) کو محض بے نتیجہ پیدا کیا ہو گا اور اس کی تخلیق و ایجاد سے کوئی عظیم الشان مقصد متعلق نہ ہو گا۔ یقیناً اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہونی چاہئے جس میں آدم کی پیدائش کا مقصد عظیم اکمل و اتم طریقہ سے آشکارا ہو۔

۳۳۔ یعنی سب سے بڑی عدالت میں پیشی ہوگی۔

۳۴۔ آخرت میں کفار کی اپنے بڑوں سے مدد کا سوال: یہ اتباع اپنے متبوعین سے کہیں گے یعنی دنیا میں تم بڑے بن کر بیٹھے تھے اور ہم نے تمہاری بہت تابعداری کی تھی، آج اس مصیبت کی گھڑی میں کچھ تو کام آؤ، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ عذاب الہی کے کسی حصہ کو ہم سے ذرا ہلکا کر دو۔ یہ دوزخ میں جانے کے بعد کہیں گے یا میدان حشر میں، ابن کثیر نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے لقولہ تعالیٰ وَاِذْ يَتَخَفَتُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُوْنَ الضُّعْفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا (المومن۔ ۴۷) الآیہ وغیر ذلک من الآیات۔ واللہ اعلم۔

۳۵۔ ان کا جواب: یعنی اگر خدا دنیا میں ہم کو ہدایت کی توفیق دیتا تو تم کو بھی اپنے ساتھ سیدھے راستہ پر لے چلتے۔ لیکن ہم نے ٹھوکر کھائی تو تمہیں بھی لے ڈوبے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت اگر خدا تعالیٰ ہم کو اس عذاب سے نکلنے کی کوئی راہ بتلاتا تو ہم تمہیں وہی راہ بتادیتے۔ اب تو تمہاری طرح ہم خود مصیبت میں مبتلا ہیں، اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارے کی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے فائدہ، نہ گھبرانے اور چلانے سے کچھ حاصل۔

۳۶۔ دوزخ میں شیطان کی تقریر: یعنی حساب کتاب کے بعد جب جنیتوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے اس

وقت کفار دوزخ میں جا کر یاد اخل ہونے سے پہلے ابلیس لعین کو الزام دیں گے کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کر آیا۔ اب کوئی تدبیر مثلاً سفارش وغیرہ کا انتظام کر تا عذاب الہی سے رہائی ملے۔ تب ابلیس ان کے سامنے لیکچر دے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ نے صادق القول پیغمبروں کے توسط سے ثواب و عقاب اور دوزخ و جنت کے متعلق سچے وعدے کئے تھے جن کی سچائی دنیا میں دلائل و براہین سے ثابت تھی اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے۔ میں نے اس کے بالمقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کئے۔ جن کا جھوٹ ہونا وہاں بھی ادنیٰ فکر و تامل سے واضح ہو سکتا تھا اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے۔ میرے پاس نہ حجت و برہان کی قوت تھی نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے منانے پر مجبور کر دیتا، بلاشبہ میں نے بدی میں تحریک کی اور تم کو اپنے مشن کی طرف بلا یا تم چھٹ کر خوشی سے آئے اور میں نے جدھر شہ دی ادھر ہی اپنی رضاء و رغبت سے چل پڑے اگر میں نے انغواء کیا تھا تو تم ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سنی نہ دعوے کو پرکھا آنکھیں بند کر کے پیچھے ہو لئے۔ انصاف یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو۔ میرا جرم انغواء بجائے خود رہا۔ لیکن مجھے مجرم گردان کر تم کیسے بری ہو سکتے ہو۔ آج تم کو مدد دینا تو درکنار، خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں۔ ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے موافق سزائیں پکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بہتوں نے اس کی باتوں کو ایسی طرح مانا اور اس کے احکام کے سامنے اس طرح تسلیم و انقیاد خم کیا جو خدائی احکام کے آگے کرنا چاہئے تھا) بہر حال اپنے جہل و غبات سے جو شرک تم نے کیا تھا اس وقت میں اس سے منکر اور بیزار ہوں۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَئِن لَّمْ يَكْفُرُوا لَكُمْ إِيَّائِي لَكُنْتُمْ أَكْذٰبًا**۔ یا پسا آئشہ کُفُورًا میں بائے سبیت لے کر یہ مطلب ہو کہ تم نے مجھ کو خدائی کار تبتہ دیا اس سبب سے میں بھی کافر بنا۔ اگر میری بات کوئی نہ پوچھتا تو میں کفر و طغیان کے اس درجہ میں کہاں پہنچتا۔ اب ہر ایک ظالم اور مشرک کو اپنے کئے کی سزا دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا چاہئے۔ شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ گذشتہ آیت میں ضعفاء و مستکبرین (عوام و لیڈروں) کی گفتگو نقل کی گئی تھی، اسی کی مناسبت سے یہاں دوزخیوں کے مہالیدر (ابلیس لعین) کی تقریر نقل فرمائی۔ چونکہ عوام کا الزام اور ان کی استدعاء دونوں جگہ یکساں تھی شاید اسی لئے شیطان کی گفتگو کے وقت اس کا ذکر ضروری نہیں معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ مقصود ان مکالمات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ لوگ اس افراتفری کا تصور کر کے شیاطین الانس والجن کے اتباع سے باز رہیں۔

۲۳۔ اور داخل کئے گئے جو لوگ ایمان لائے تھے اور کام کئے تھے نیک باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں (رہا کریں انہی میں) ان میں اپنے رب کے حکم سے [۳۷] انکی ملاقات ہے وہاں سلام [۳۸]

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ

رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾

۳۷۔ یہ بطور مقابلہ کفار کی سزا کے بعد مومنین کا انجام بیان فرمایا۔

۳۸۔ اہل جنت کا احوال: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ دنیا میں ”سلام“ دعا ہے سلامتی مانگنے کی، وہاں ”سلام“ کہنا مبارکباد ہے سلامتی ملنے پر۔

۲۴۔ تو نے نہ دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال [۳۹] بات ستھری [۴۰] جیسے ایک درخت ستھرا [۴۱] اسکی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنے (شاخیں) ہیں آسمان میں [۴۲]

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلْبَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ

طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۴﴾

۲۵۔ لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے [۳۳] اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ فکر کریں (سوچیں)

تُوْتِيْ اُكْلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ  
الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

۳۹۔ یعنی دیکھئے اور غور کیجئے کیسی باموقع اور معنی خیز مثال ہے۔ عقلمند جس قدر اس میں غور کرے سینکڑوں باریکیاں نکلتی چلی آئیں۔

۴۰۔ سٹھری بات “میں کلمہ توحید، معرفت الہی کی باتیں، ایمان و ایمانیت، قرآن، حمد و ثنا، تسبیح و تہلیل، سچ بولنا سب داخل ہے۔

۴۱۔ اکثر روایات و آثار میں یہاں “ستھرے درخت” کا مصداق کھجور کو قرار دیا ہے، گو دوسرے ستھرے درخت بھی اس کے تحت میں مندرج ہو سکتے ہیں۔

۴۲۔ کلمہ طیبہ کی مثال: یعنی اس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پھیلی ہوں کہ زور کا جھکڑ بھی جڑ سے نہ اکھیڑ سکے اور چوٹی آسمان سے لگی ہو۔ یعنی شاخیں بہت اونچی اور زمینی کٹانٹوں سے دور ہوں۔

۴۳۔ یعنی کوئی فصل پھل سے خالی نہ جائے۔ یا فرض کیجئے بارہ مہینے صبح و شام اس پر تازہ پھل لگا کرے۔

۲۶۔ اور مثال گندی بات کی [۳۴] جیسے درخت گندا [۳۵] اکھاڑ لیا (پھینکا) اسکو زمین کے اوپر سے کچھ نہیں اسکو ٹھہراؤ (جمائو) [۳۶]

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ اِجْتَثَّتْ  
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

۲۷۔ مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں [۳۷] اور بچلا (راہ بھلا دیتا ہے) دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو [۳۸] اور کرتا ہے اللہ جو چاہے [۳۹]

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي  
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۗ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ  
الظّٰلِمِيْنَ ۗ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ تو نے نہ دیکھا انکو جنہوں نے بدلہ کیا اللہ کے احسان کا ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں [۴۰]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحْلَوْا  
قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ جو دوزخ ہے داخل ہوں گے اس میں اور وہ برا ٹھکانہ ہے

جَهَنَّمَ ۗ يَصْلُوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾

۳۴۔ کلمہ کفر کی مثال: کلمہ کفر، جھوٹی بات اور ہر ایک کلام جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو “کلمہ خبیثہ” میں داخل ہے۔

۳۵۔ اکثر نے اس سے حنظل (اندراپن) مراد لیا ہے۔ گو عموم لفظ میں ہر خراب درخت شامل ہو سکتا ہے۔

۳۶۔ یعنی جڑ کچھ نہ ہو، ذرا اشارہ سے اکھڑ جائے۔ گویا اس کے بودے پن اور ناپائنداری کو ظاہر فرمایا، دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہوا کہ

مسلمانوں کا دعویٰ توحید و ایمان پکا اور سچا ہے۔ جس کے دلائل نہایت صاف و صحیح اور مضبوط ہیں، موافق فطرت ہونے کے وجہ سے اس کی جڑیں قلوب کی پہنائیوں میں اتر جاتی ہیں اور اعمال صالحہ کی شاخیں آسمان قبول سے جا لگتی ہیں۔ اَلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ فاطر۔ (۱۰) اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے موحدین کے کام و دہن ہمیشہ لذت اندوز ہوتے ہیں۔ الغرض حق و صداقت اور توحید و معرفت کا سدا بہار درخت روز بروز پھولتا پھلتا اور بڑی پائنداری کے ساتھ اونچا ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف جھوٹی بات اور شرک و کفر کے دعویٰ باطل کی جڑ بنیاد کچھ نہیں ہوتی۔ ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر جا چڑتا ہے۔ ناحق بات ثابت کرنے میں خواہ کتنے ہی زور لگائے جائیں۔ لیکن انسانی ضمیر اور فطرت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں دل کی گہرائی میں نہیں پہنچتیں۔ تھوڑا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتی ہے۔ اسی لئے مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی سچ کی طرح اپنے پاؤں نہیں چلتا۔ نہ اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے صوفیہ کے طرز پر ان مثالوں کے بیان میں بہت اطناب سے کام لیا ہے یہاں اس کے نقل کی گنجائش نہیں۔

۴۷۔ مومنین کی قوت کلمہ توحید میں ہے: یعنی حق تعالیٰ توحید و ایمان کی باتوں سے (جن کی مضبوطی و پائنداری پچھلی مثال میں ظاہر کی گئی) مومنین کو دنیا و آخرت میں مضبوط و ثابت قدم رکھتا ہے رہی قبر کی منزل جو دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہ ہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

۴۸۔ بے انصافوں سے مراد یہاں کفار و مشرکین ہیں، وہ دنیا میں بھی بچلے اور آخر تک بچلتے رہیں گے۔ کبھی حقیقی کامیابی کا رستہ ہاتھ نہ لگے گا۔  
۴۹۔ یعنی اپنی حکمت کے موافق جیسا معاملہ جس کے ساتھ مناسب ہوتا ہے کرتا ہے۔

۵۰۔ کفار کی ناشکری انکی تباہی ہے: اس سے کفار و مشرکین کے سردار مراد ہیں، خصوصاً رؤسائے قریش جن کے ہاتھ میں اس وقت عرب کی باگ تھی، یعنی حق تعالیٰ نے ان پر کیسے احسان کئے، ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر علیہ السلام کو بھیجا، قرآن اتارا، اپنے حرم اور بیت کا مجاور بنایا۔ عرب کی سرداری دی انہوں نے ان نعمتوں اور احسانات کا بدلہ یہ کیا کہ خدا کی ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے، اس کی باتوں کو جھٹلایا، اس کے پیغمبر سے لڑائی کی، آخر اپنی قوم کو لے کر تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔

۳۰۔ اور ٹھہرائے اللہ کے لئے مقابل کہ بہکائیں لوگوں کو اس کی راہ سے [۵۱] تو کہہ مزا اڑالو پھر تو کو لو ٹٹنا ہے طرف آگ کی [۵۲]

وَجَعَلُوا لِلَّهِ اٰنۡدَادًا لِّيُضِلُّوۡا عَنْ سَبِيۡلِهٖ ۗ قُلْ تَتَّبِعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۗ

۳۱۔ کہدے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں قائم رکھیں نماز اور خرچ کریں ہماری دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور ظاہر (چھپے اور کھلے) [۵۳] پہلے اس سے کہ آئے وہ دن جس میں نہ سودا (خرید و فروخت) ہے نہ دوستی [۵۴]

قُلْ لِّعِبَادِيَ الدِّينِ اٰمَنُوۡا يُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوۡا مِمَّا رَزَقْنٰهُمۡ سِرًّا وَ عَلٰنِيَةً مِّنۡ قَبْلِ اَنْ يَّآتِيَ يَوْمٌ لَاۡ بَيۡعُ فِيۡهِ وَ لَا خِلۡ

۳۲۔ اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی [۵۵] پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے [۵۶] اور کہنے میں کیا تمہارے کشتی کو (کام میں دیں تمہارے کشتیاں کہ چلیں) کہ چلے دریا میں اسکے حکم سے [۵۷] اور کام میں لگایا (دیں) تمہارے ندیوں (ندیاں) کو

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْأَنْهَارَ ۚ

۳۳۔ اور کام میں لگا دیا تمہارے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر اور کام میں لگا دیا تمہارے رات اور دن کو [۵۸]

وَسَخَّرَ لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآبِّينَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ

۳۴۔ اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی [۵۹] اور اگر گنوا احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو [۶۰] بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر [۶۱]

وَأَتَّكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۚ

۵۱۔ یعنی خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر منعم حقیقی کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری میں لگے۔ یہ تو نہ ہوا، لٹے بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے خدا کے مقابل دوسری چیزیں کھڑی کر دیں جن پر خدائی اختیارات تقسیم کئے اور عبادت جو خدائے واحد کا حق تھا، وہ مختلف عنوانوں سے ان کے لئے ثابت کرنے لگے، تا اس سلسلہ میں اپنے ساتھ دوسروں کی راہ ماریں اور انہیں بہکا کر اپنے دام سیادت میں پھنسائے رکھیں۔

۵۲۔ یعنی بہتر ہے۔ یہ تو فوٹوں کو جال میں پھنسا کر چند روز جی خوش کر لو اور دنیا کے مزے اڑالو، مگر تاکہ آخِر دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا ہے کیونکہ اس مزے اڑانے کا یہ ہی نتیجہ ہو گا۔ گویا یہ جملہ ایسا ہوا جیسے طیب کسی بد پر ہیز مریض کو خفا ہو کر کہے کُلِّ مَا تُرِيدُ فَإِنَّ مَصِيرَكَ إِلَى الْمَوْتِ جَو تِيرَاجِي چاہے کھا کیونکہ ایک دن یہ مرض تیری جان لے کر رہے گا۔

۵۳۔ مومنین کو نصیحت و تنبیہ: کفار کے احوال ذکر کرنے کے بعد مومنین مخلصین کو متنبہ فرماتے ہیں کہ وہ پوری طرح بیدار رہیں، وظائف عبودیت میں ذرا فرق نہ آنے دیں، دل و جان سے خالق کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کریں کہ وہ بھی بہترین عبادت ہے۔ نمازوں کو ان کے حقوق و حدود کی رعایت کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے رہیں۔ خدانے جو کچھ دیا ہے اس کا ایک حصہ خفیہ یا علانیہ مستحقین پر خرچ کریں۔ غرض کفار جو شرک اور کفرانِ نعمت پر تلے ہوئے ہیں، ان کے بالمقابل مومنین کو جان و مال سے حق تعالیٰ کی اطاعت و شکر گزاری میں مستعدی دکھلانا چاہئے۔

۵۴۔ یوم حساب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا: یعنی نماز اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ نیکیاں اس دن کام آئیں گی، بیع و شراء یا محض دوستانہ تعلقات سے کام نہ نکلے گا۔ یعنی نہ وہاں نیک عمل کہیں سے خرید کر لاسکو گے نہ کوئی ایسا دوست بیٹھا ہے جو بدو ان ایمان و عمل صالح کے محض دوستانہ تعلقات کی بناء پر نجات کی ذمہ داری کر لے (ربط) پہلے کفار کی ناشکری کا ذکر تھا، پھر مومنین کو مراسم طاعت کی اقامت کا حکم دے کر

شکر گزاری کی طرف ابھارا۔ آگے چند عظیم الشان نعمائے الہیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو ہر مومن و کافر کے حق میں عام ہیں، تا انہیں سن کر مومنین کو شکر گزاری کی مزید ترغیب ہو اور کفار بھی غور کریں تو اپنے دل میں شرمائیں کہ وہ کیسے بڑے منعم و محسن شہنشاہ سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں خدا تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت کے دلائل بھی بیان ہو گئے، ممکن ہے انہیں سن کر کوئی عاقل منصف شرکیات سے باز آجائے، یا عظمت و جبروت کے نشانات میں غور کر کے اس کی گرفت اور سزا سے ڈر جائے۔

۵۵۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات: یعنی آسمان کی طرف سے پانی اتارا، یا یہ مطلب ہو کہ بارش کے آنے میں بخارات وغیرہ ظاہری اسباب کے علاوہ غیر مرئی سماوی اسباب کو بھی دخل ہے۔ دیکھو آفتاب کی شعاعیں تمام ایشیا کی طرح آتشیں شیشہ پر بھی پڑتی ہیں لیکن وہ اپنی مخصوص ساخت اور استعداد کی بدولت انہی شعاعوں سے غیر مرئی طور پر اس درجہ حرارت کا استفادہ کرتا ہے جو دوسری چیزیں نہیں کرتیں۔ چاند سمندر سے کتنی دور ہے، مگر اس کے گھٹنے بڑھنے سے سمندر کے پانی میں مد و جزر پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر بادل بھی کسی سماوی خزانہ سے غیر محسوس طریقہ پر مستفید ہوتا ہو تو انکار کی کونسی وجہ ہے۔

۵۶۔ یعنی حق تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت و حکمت سے پانی میں ایک قوت رکھی جو درختوں اور کھیتوں کے نشوونما اور بار آور ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے پھل اور میوے ہمیں کھانے کو ملتے ہیں۔

۵۷۔ تسخیر بحر وانہار: یعنی سمندر کی خوفناک لہروں میں ذرا سی کشتی پر سوار ہو کر کہاں سے کہاں پہنچتے ہو اور کس قدر تجارتی یا غیر تجارتی فوائد حاصل کرتے ہو، یہ خدا ہی کی قدرت اور حکم سے ہے کہ سمندر کے تھپیڑوں میں ذرا سی ڈونگی کو ہم جدھر چاہیں لئے پھرتے ہیں۔

۵۸۔ تسخیر و شمس و قمر: یعنی ندیوں میں پانی کا آنا اور کہیں سے کہیں پہنچنا گو کشتی کی طرح تمہارے کہنے میں نہیں، تاہم تمہارے کام میں وہ بھی لگی ہوئی ہیں۔ اسی طرح چاند سورج جو ایک معین نظام اور ضابطہ کے موافق برابر چل رہے ہیں، کبھی تھکتے نہیں، نہ رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ یا رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے ٹھہری ہوئی عادت کے موافق ہمیشہ چلے آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں گو اس معنی سے تمہارے قبضہ میں نہیں کہ تم جب چاہو اور جدھر چاہو ان کی قدرتی حرکت و تاثیر کو پھیر دو تاہم تم بہت سے تصرفات و تدابیر کر کے ان کے اثرات سے بی شمار فوائد حاصل کرتے ہو اور انسانی تصرف و تدبیر سے قطع نظر کر کے بھی وہ قدرتی طور پر ہر وقت تمہاری کسی نہ کسی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تم سوتے ہو، وہ تمہارا کام کرتے ہیں، تم چین سے بیٹھے ہو، وہ تمہارے لئے سرگرداں ہیں۔

۵۹۔ یعنی جو چیزیں تم نے زبان قال یا حال سے طلب کیں، ان میں سے ہر چیز کا جس قدر حصہ حکمت و مصلحت کے موافق تھا مجموعی طور پر تم سب کو دیا۔

۶۰۔ اللہ کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں: یعنی خدا کی نعمتیں اتنی بے شمار بلکہ غیر متناہی ہیں کہ اگر تم سب مل کر اجمالاً ہی گنتی شروع کرو تو تھک کر اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اس موقع پر امام رازی نے نعمائے الہیہ کا بے شمار ہونا، اور علامہ ابوالسعود نے ان کا غیر متناہی ہونا ذرا بسط سے بیان فرمایا ہے اور صاحب روح المعانی نے ان کے بیانات پر مفید اضافہ کیا۔ یہاں اس قدر تطویل کی گنجائش نہیں۔

۶۱۔ اللہ کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں: یعنی جنس انسان میں بہترے بے انصاف اور ناپاس ہیں، جو اتنے بی شمار احسانات دیکھ کر بھی منعم حقیقی کا حق نہیں پہچانتے۔

۳۵۔ اور جس وقت کہا ابراہیم نے [۶۲] اے رب کر دے

اس شہر کو امن والا اور دور کر مجھ کو اور میری اولاد کو اس

بات سے کہ ہم پوجیں مورتوں کو [۶۳]

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَ

اجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اے رب انہوں نے گمراہ کیا (گمراہی میں ڈالا) بہت لوگوں کو [۳۶] سو جس نے پیروی کی میری (جو کوئی میرے رستے پر چلا) وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے [۳۷]

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضَلُّنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَسَنُتَبِعِنِّي فَإِنَّهُ مِنِّي ۚ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اے رب میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو میدان میں کہ جہاں کھیتی نہیں تیرے محترم (حرمت والے) گھر کے پاس اے رب ہمارے تاکہ قائم رکھیں نماز کو سو رکھ بعض لوگوں کے دل کہ مائل (جھکتے رہیں) ہوں ان کی طرف اور روزی دے انکو میووں سے شاید وہ شکر کریں [۳۶]

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْحَرَامِ ۚ رَبَّنَا يَتَّقُوا الصَّلَاةَ فَأَجْعَلْ أَفِيدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ اے رب ہمارے تو تو جانتا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کچھ کرتے ہیں دکھا کر (کھول کر) اور مخفی نہیں اللہ پر کوئی چیز زمین میں نہ آسمان میں [۳۷]

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۚ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ شکر ہے اللہ کا جس نے بخشا مجھ کو اتنی بڑی عمر میں اسمعیل اور اسحق پیشک میرا رب سنتا ہے دعا کو [۳۸]

وَأَسْحَقُ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ اے رب میرے کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز اور میری اولاد میں سے بھی اے رب میرے [۳۹] اور قبول کر میری دعا [۴۰]

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٤٠﴾

۴۱۔ اے ہمارے رب بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب [۴۱]

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ ۚ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾



۶۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو یاد کرو: رؤسائے قریش جن کی ناشکر گزاری اور شرک و کفر کا بیان اوپر اُمّ تَرَّالِی اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِلَیْهِمْ ہوا تھا، انہیں ابراہیم کا قصہ یاد دلا کر متنبہ کرتے ہیں کہ تم جن کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے کعبۃ اللہ اور حرم شریف کے مجاور بنے بیٹھے ہو، انہوں نے اس کعبہ کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی، ان ہی کی دعاؤں سے خدا تعالیٰ نے یہ شہر (مکہ) آباد کیا اور پتھر پیلے ریگستان میں ظاہری و باطنی نعمتوں کے ڈھیر لگا دیے۔ وہ دنیا سے یہ ہی دعائیں اور وصیتیں کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ان کی اولاد شرک کا طریقہ اختیار نہ کرے، اب تم کو سوچنا اور شرمانا چاہئے کہ کہاں تک ان کی وصایا کا پاس کیا یا ان کی دعاء سے حصہ پایا اور کس حد تک خدا تعالیٰ کے احسانات پر شکر گزار ہوئے۔

۶۳۔ "یعنی مکہ کو "حرم امن" بنا دے۔ (چنانچہ خدا نے بنادیا) نیز مجھ کو اور میری اولاد کو ہمیشہ بت پرستی سے دور رکھ۔ غالباً یہاں "اولاد" سے خاص صلبی اولاد مراد ہے۔ سو آپ کی صلبی اولاد میں یہ مرض نہیں آیا اور اگر عام ذریت مراد ہو تو کہا جائے گا کہ دعاء بعض کے حق میں قبول نہیں ہوئی۔ باوجودیکہ حضرت ابراہیم معصوم پیغمبر تھے۔

دعاء کا ایک خاص ادب: مگر یہ دعاء کا ادب ہے کہ دوسروں سے پہلے آدمی اپنے لئے دعاء کرے۔ اس قسم کی دعائیں جو انبیاء سے منقول ہوں، ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی عصمت بھی خود ان کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی حفاظت و صیانت سے ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اسی کی طرف التجا کرتے ہیں جو ان کی عصمت کا ضامن و کفیل ہوا ہے۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کے نزدیک ابراہیمؑ نے یہ دعائیں مکہ کی آبادی اور تعمیر کعبہ کے بعد کی ہیں سورہ بقرہ میں اول پارہ کے ختم پر جس دعا کا ذکر ہے وہ البتہ بنائے کعبہ کے وقت حضرت اسمعیلؑ کی معیت میں ہوئی۔ یہ دعائیں اس کے بہت زمانہ بعد پیرانہ سالی میں کی گئیں۔

۶۴۔ یعنی یہ پتھر کی مورتیاں بہت آدمیوں کی گمراہی کا سبب ہوئیں۔

۶۵۔ یعنی جس نے توحید خالص کا راستہ اختیار کیا اور میری بات مانی وہ میری جماعت میں شامل ہے۔ جس نے کہنا نہ مانا اور ہمارے راستہ سے علیحدہ ہو گیا تو آپ اپنی بخشش اور مہربانی سے اس کو توبہ کی توفیق دے سکتے ہیں۔ آپ کی مہربانی ہو تو وہ ایمان لا کر اپنے کورحمت خصوصی اور نجات ابدی کا مستحق بنا سکتا ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ آپ کو قدرت ہے اسے بھی بحالت موجودہ بخش دیں گے گو آپ کی حکمت سے اس کا وقوع نہ ہو۔ (تنبیہ) سورہ ماندہ کے آخر میں ہم نے حضرت خلیلؑ کے اس قول اور مسیحؑ کے مقولے میں فرق بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۶۶۔ چٹیل وادی میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کو چھوڑنا: یعنی اسمعیلؑ کو۔ کیونکہ دوسری اولاد حضرت اسحاقؑ وغیرہ "شام" میں تھے خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ حضرت اسمعیلؑ کو بحالت شیر خوارگی اور ان کی والدہ ہاجرہ کو یہاں چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ بعدہ قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں پہنچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمعیلؑ کی تشنگی اور ہاجرہ کی بیتابی کو دیکھ کر فرشتے کے ذریعہ سے وہاں زمزم کا چشمہ جاری کر دیا۔ جرہم کے خانہ بدوش لوگ پانی دیکھ کر اتر پڑے اور ہاجرہ کی اجازت سے وہیں بسنے لگے اسمعیلؑ جب بڑے ہوئے تو اسی قبیلہ میں ان کی شادی ہوئی۔ اس طرح جہاں آج مکہ ہے ایک بستی آباد ہوگی۔ حضرت ابراہیمؑ گاہ بگاہ ملک شام سے تشریف لایا کرتے تھے۔ اور اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لئے دعا فرماتے، کہ خداوند! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معظم و محترم گھر کے پاس لا کر بسایا ہے تا یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے، نیز ان کی روزی اور دلجمعی کے لئے غیب سے ایسا سامان فرمادے کہ (غلہ اور پانی جو ضروریات زندگی ہیں ان سے گذر کر) عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گزاری میں لگے رہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کی قبولیت: حق تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں۔ آج تک ہر سال ہزاروں لاکھوں آدمی مشرق و مغرب سے کھنچ کھنچ کر وہاں جاتے ہیں اعلیٰ قسم کے میوے اور پھلوں کی مکہ میں وہ افراط ہے جو شاید نیا کے کسی حصہ میں نہ ہو۔ حالانکہ خود مکہ میں ایک بھی شمر دار درخت موجود نہ ہوگا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ ابراہیمؑ نے دعاء میں اَفِيْدَاةً مِّنَ النَّاسِ (کچھ آدمیوں کے دل) کہا تھا ورنہ سارا جہان ٹوٹ پڑتا۔

۶۷۔ یعنی زمین و آسمان کی کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ہمارا ظاہر و باطن کیسے مخفی رہ سکتا ہے یہ جو فرمایا، جو ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کرتے ہیں دکھا کر ”اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، لیکن تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ الفاظ عام ہیں جو سب کھلی چھپی چیزوں کو شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ظاہر میں دعاء کی سب اولاد کے واسطے اور دل میں دعاء منظور تھی پیغمبر آخر الزماں کی۔

۶۸۔ یعنی بڑھاپے میں اسحقؑ سارہؑ کے اور اسمعیلؑ ہاجرہؑ کے بطن سے غیر متوقع طور پر عنایت کئے۔ جیسے آپ نے اولاد کے متعلق میری دعا “رب هب لي من الصالحين” سنی، یہ دعائیں بھی قبول فرمائے۔

۶۹۔ یعنی میری ذریت میں ایسے لوگ ہوتے رہیں جو نمازوں کو ٹھیک طور پر قائم رکھیں۔

۷۰۔ یعنی میری سب دعائیں قبول فرمائے۔

۷۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والدین کیلئے دعا کی توجیہ: یہ دعاء غالباً اپنے والد کے حالت کفر پر مرنے کی خبر موصول ہونے سے پہلے کی۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اسے اسلام کی ہدایت کر کے قیامت کے دن مغفرت کا مستحق بنا دے۔ اور اگر مرنے کی خبر ملنے کے بعد دعا کی ہے تو شاید اس وقت تک خدا تعالیٰ نے آپ کو مطلع نہیں کیا ہوگا کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوگی۔ عقلاً کافر کی مغفرت محال نہیں، سمعاً ممنوع ہے۔ سو اس کا علم سح پر موقوف ہوگا اور قبل از سح امکان عقلی معتبر رہے گا۔ بعض شیعہ نے یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں ابراہیمؑ کے باپ کو جو کافر کہا گیا ہے وہ ان کے حقیقی باپ نہ تھے بلکہ چچا وغیرہ کوئی دوسرے خاندان کے بڑے تھے۔ واللہ اعلم۔

۴۲۔ اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ بیخبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف [۴۲] ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے (چھوڑ رکھا ہے) اس دن کے لئے کہ پتھرا جائیں گی (کھلی رہ جائیں گی) آنکھیں [۴۳]

۴۳۔ دوڑتے ہوں گے اوپر اٹھائے اپنے سر پھر کر نہیں آئیں گی انکی طرف انکی آنکھیں اور دل انکے اڑ گئے ہوں گے [۴۴]

۴۴۔ اور ڈرا دے لوگوں کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب [۴۵] تب کہیں گے ظالم اے رب ہمارے مہلت دے ہم کو تھوڑی مدت تک کہ ہم قبول کر لیں تیرے بلانے کو اور پیروی کر لیں رسولوں کی [۴۶] کیا تم پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تم کو نہیں دینا سے ٹنا (کچھ زوال) [۴۷]

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۝

إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝

مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ

طَرْفُهُمْ ۚ وَأَفْدَتْهُمْ هَوَاءٌ ۝

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ

الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۚ

نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَتَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا

أَقْسَتُمْ مِّن قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّن زَوَالٍ ﴿۳۳﴾

۳۵۔ اور آباد تھے تم بستیوں میں انہی لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیسا کیا ہم نے ان سے اور بتلائے ہم نے تم کو سب قصے [۷۸]

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمْ

الْأَمْثَالَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ [۷۹] اور نہ ہو گا ان کا داؤ کہ ٹل جائیں اس سے پہلا [۸۰]

وَ قَدْ مَكَرُوا مَكَرَهُمْ وَ عِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ط وَ إِنْ

كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ سو خیال مت کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے [۸۱] بیشک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا [۸۲]

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ط إِنْ

اللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ جس دن بدلی جائے اس زمین سے اور زمین اور بدلے جائیں آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ اکیلے زبردست کے [۸۳]

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَ السَّمَوَاتُ وَ

بَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اور دیکھے تو گنہگاروں کو اس دن باہم جکڑے ہوئے زنجیروں میں [۸۴]

وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقْرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ کرتے ان کے ہیں گندھک کے [۸۵] اور ڈھانکے لیتی ہے انکے منہ کو آگ [۸۶]

سَمَا بِيْلُهُمْ مِّن قَطْرَانٍ وَ تَغْشَى وُجُوهُهُمْ النَّارُ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ تاکہ بدلہ دے اللہ ہر ایک جی کو اس کی کمائی کا بیشک اللہ جلد کرنے والا ہے حساب [۸۷]

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ط إِنْ اللَّهَ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو اور تاکہ چونک جائیں اس سے اور تاکہ جان لیں کہ معبود وہی ہے ایک ہے اور

هَذَا بَدْعٌ لِلنَّاسِ وَ لِيُنذَرُوا بِهِ وَ لِيَعْلَمُوا أَنَّمَا

تاکہ سوچ لیں عقل والے [۸۸]

هُوَ اللَّهُ وَ أَحَدٌ وَ لِيَذَّكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

۷۲۔ ایک رکوع پہلے بہت سے نعمائے عظیمہ کا ذکر کر کے فرمایا تھا۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (انسان بڑا ظالم اور ناشکر گزار ہے) بعدہ حضرت ابراہیم کا قصہ سنا کر کفار مکہ کو بعض خصوصی نعمتیں یاد دلائیں۔ اور ان کے ظلم و شرک کی طرف اشارہ کیا۔

کفار کے اعمال سے اللہ غافل نہیں ہے: اس رکوع میں متنبہ فرماتے ہیں کہ اگر ظالموں کو سزا ملنے میں کچھ دیر ہو تو یہ مت سمجھو کہ خدا ان کی حرکات سے بے خبر ہے، یاد رکھو ان کا کوئی چھوٹا بڑا کام خدا سے پوشیدہ نہیں۔ البتہ اس کی عادت نہیں ہے کہ مجرم کو فوراً پکڑ کر تباہ کر دے وہ بڑے سے بڑے ظالم کو مہلت دیتا ہے کہ یا اپنے جرائم سے باز آجائے یا ارتکاب جرائم میں اس حد پر پہنچ جائے کہ قانونی حیثیت سے اس کے مستحق سزا ہونے میں کسی طرح کا خفا باقی نہ رہے۔ (تنبیہ) لَا تَحْسَبَنَّ كَافِرًا أَنْ يَدْعَكَ بِغَيْرِ إِيمَانٍ (تنبیہ) کہ جب حضور ﷺ کو خطاب ہے تو آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہو گا۔ کہ جب حضور ﷺ کو فرمایا کہ ایسا خیال مت کرو۔ حالانکہ ایسا خیال آپ کے قریب بھی نہ آسکتا تھا۔ تو دوسروں کے حق میں اس طرح کا خیال کس قدر واجب الاحترام ہونا چاہئے۔

۷۳۔ یعنی قیامت کے دل ہول اور دہشت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

۷۴۔ محشر میں ظالموں کی حالت: یعنی محشر میں سخت پریشانی اور خوف و حیرت سے اوپر کو سر اٹھائے عٹکی باندھے گھبرائے ہوئے چلے آئیں گے۔ جدھر نظر اٹھ گئی ادھر سے ہٹے گی نہیں، ہکا بکا ہو کر ایک طرف دیکھتے ہوں گے ذرا پلک بھی نہ جھپکے گی۔ دلوں کا حال یہ ہو گا کہ عقل و فہم اور بہتری کی توقع سے یکسر خالی اور فرط دہشت و خوف سے اڑے جا رہے ہوں گے۔ غرض ظالموں کے لئے وہ سخت حسرتناک وقت ہو گا۔ رہے مومنین قانتین، سوان کے حق میں دوسری جگہ آچکا ہے۔ لَا يَحْزَنُهُمُ الْقَوْمَ الْكٰبِرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ (الانبیاء۔ ۱۰۳)

۷۵۔ یا تو قیامت کا دن اور عذاب اخروی مراد ہے یا موت کا وقت اور اس کے سكرات و قبض روح کی شدت یا نبوی عذاب سے ہلاک ہونے کا دن ارادہ کیا جائے۔

۷۶۔ کفار کا مہلت مانگنا: اگر یہ کہنا دنیا میں عذاب یا موت کی شدت دیکھ کر ہوتب تو مطلب ظاہر ہے کہ ابھی چند روز کی ہم کو اور مہلت دیجئے، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ اپنا رویہ درست کر لیں گے۔ یعنی حق کی دعوت کو قبول کر کے انبیاء کی پیروی اختیار کریں گے۔ کما قال تعالیٰ حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ۔ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا (المومنون۔ ۱۰۰، ۹۹) اور اگر ان کا یہ مقولہ قیامت کے دن ہو گا تب مہلت طلب کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کو دوبارہ تھوڑی مدت کے لئے دنیا میں بھیج دیجئے، پھر دیکھئے ہم کیسی وفاداری دکھاتے ہیں، کما قال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الْمُرْسَلُونَ تَاكْسِرُوْا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا ابْصُرْنَا وَسِعْنَا فَاَرْجِعْنَا لَعَلَّنَا صَالِحًا (السجده۔ ۱۲)۔

۷۷۔ یعنی تم وہ ہی تو ہو جن میں سے بعض مغرور و بے باک زبان قال سے اکثر زبان حال سے قسمیں کھاتے تھے کہ ہماری شان و شکوہ کو کبھی زوال نہیں۔ نہ کبھی مر کر خدا کے پاس جانا ہے۔ وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مِنْ يَّسُوْتٍ (نحل۔ ۳۸) یہ ان کے جواب میں خدا کی طرف سے کہا جائے گا۔

۷۸۔ کفار کو تنبیہ: یعنی تمہارے پچھلے ان ہی بستیوں میں یا ان کے آس پاس آباد ہوئے، جہاں اگلے ظالم سکونت رکھتے تھے اور ان ہی کی عادت و اطوار اختیار کیں، حالانکہ تاریخی روایات اور متواتر خبروں سے ان پر روشن ہو چکا تھا کہ ہم اگلے ظالموں کو کیسی کچھ سزا دے چکے ہیں اور ہم نے امم ماضیہ کے یہ قصے کتب ساویہ میں درج کر کے انبیاء علیہم السلام کی زبانی ان کو آگاہ بھی کر دیا تھا مگر انہیں ذرہ بھر عبرت نہ ہوئی اسی سرکشی، عناد اور عداوت حق پر اڑے رہے۔ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغِنِ التُّذْرُ (القدر۔ ۵)

۷۹۔ کفار کے داؤ پیچ: یعنی سب اگلے پچھلے ظالم اپنے اپنے داؤ کھیل چکے ہیں۔ انبیاء کے مقابلہ میں حق کو دبانے اور مٹانے کی کوئی تدبیر اور

سازش انہوں نے اٹھانہیں رکھی۔ ان کی سب تدبیریں اور داؤ گھات خدا کے سامنے ہیں اور ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ ہی ان کا بدلہ دینے والا ہے۔

۸۰۔ یعنی انہوں نے بہتیرے داؤ کر کے دیکھ لئے مگر خدا کی حفاظت کے آگے سب ناکام رہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ انکی مکاریاں پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ٹلا دیں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور شرائع حقہ جو پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستقیم ہوتے ہیں، ان کی مکاریوں سے ڈگمگائیں؟ حاشا و کلا۔ اس تفسیر کے موافق وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ الْخَيْرُ مِثْلُ "ان" نافیہ ہو گا۔ اور آیت کا مضمون وَلَا تَنْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (بنی اسرائیل۔ ۳۷) کے مشابہ ہو گا۔ بعض مفسرین نے ان شرطیہ اور "واؤ" کا وصلیہ لے کر آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے داؤ چلے جو حفاظت الہی کے سامنے بیچ ثابت ہوئے اگرچہ ان کے داؤ فی حد ذاتہ ایسے زبردست تھے جو ایک مرتبہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا ڈالیں۔

۸۱۔ یعنی وہ وعدہ جو اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (المومن۔ ۵۱) اور كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (المجادلہ۔ ۲۱) وغیرہ آیات میں کیا گیا ہے۔

۸۲۔ نہ مجرم اس سے چھوٹ کر بھاگ سکتا ہے نہ وہ خود ایسے مجرموں کو سزا دیے بدون چھوڑ سکتا ہے۔

۸۳۔ قیامت میں زمین و آسمان کی تبدیلی: قیامت کو یہ زمین و آسمان بہیات موجودہ باقی نہ رہیں گے، یا تو ان کی ذوات ہی بدل دی جائیں گے یا صرف صفات میں تغیر ہو گا اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ شاید متعدد مرتبہ تبدیل و تغیر کی نوبت آئے گی واللہ اعلم۔ سامنے کھڑے ہونے کا مطلب وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَبِينًا فَقَالَ الضُّعْفُؤُا الخ کے تحت میں گذر چکا ہے۔

۸۴۔ یعنی ایک ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم اکٹھے زنجیروں میں باندھے جائیں گے کما قال تعالیٰ أَحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ (صافات۔ ۲۲) وقال تعالیٰ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (نکویر۔ ۷)

۸۵۔ دوزخیوں کے کرتے: جس میں آگ بہت جلد اور تیزی سے اثر کرتی ہے اور سخت بدبو ہوتی ہے۔ پھر جیسی جہنم کی آگ ویسی ہی وہاں کی گندھک سمجھ لیجئے۔

۸۶۔ چہرہ چونکہ حواس و مشاعر کا محل اور انسان کے ظاہری اعضاء میں سب سے اشرف عضو ہے اس لئے اس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ جیسے دوسری جگہ تَطَّلَعُ عَلَى الْأَعْدَى (الہزہ۔ ۷) میں قلب کا ذکر کیا ہے۔

۸۷۔ سربح الحساب کے معنی: یعنی جس بات کا پیش آنا بالکل یقینی ہے، اسے دور مت سمجھو کما قال تعالیٰ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ (الانبیاء۔ ۱) یا یہ مطلب ہے جس وقت حساب ہو گا پھر دیر نہ لگے گی، تمام اولین و آخرین، جن و انس کے ذرہ ذرہ عمل کا حساب بہت جلد ہو جائے گا۔ کیونکہ نہ خدا پر کوئی چیز مخفی ہے نہ اس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول کرتی ہے۔ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَعْسُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ (لقمن۔ ۲۸)

۸۸۔ یعنی خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور خدا سے ڈر کر اس کی آیات میں غور کریں جس سے اس کی وحدانیت کا یقین حاصل ہو۔ اور عقل و فکر سے کام لے کر نصیحت پر کار بند ہوں۔

تم سورۃ ابراہیم ولله الحمد والمنة۔

آیات ۹۹

سُورَةُ الْحَجَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴

رکوعات ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ یہ آیتیں ہیں کتاب کی [۱] اور واضح قرآن کی [۲]

الرَّٰثِرَاتُ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ﴿۱﴾

۲۔ کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کیا اچھا ہوتا جو ہوتے مسلمان [۳]

رُبَّآيُوْدُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْاَوْ كَانُوا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾

۳۔ چھوڑ دے انکو کھالیں اور برت لیں (فائدہ اٹھالیں) اور امید میں (پر بھولے) لگے رہیں سو آئندہ معلوم کر لیں گے [۴]

ذُرَّهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَسَبَّحُوْا وَيُلْهِمُهُمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

۴۔ اور کوئی ہستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اس کا وقت لکھا ہوا تھا مقرر [۵]

وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَاَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾

۵۔ نہ سبقت کرتا ہے کوئی فرقہ اپنے وقت مقرر سے اور نہ پیچھے رہتا ہے [۶]

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَا مَا يَسْتَاخِرُوْنَ ﴿۵﴾

۱۔ یعنی یہ اس جامع اور عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب "کتاب" کہلانے کی مستحق نہیں۔

۲۔ اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کن ہیں لہذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے مخاطبین کو پوری توجہ سے سنا چاہئے۔

۳۔ کفار کو مسلمان نہ ہونے کی حسرت: یعنی آج منکرین نے قرآن و اسلام جیسی عظیم الشان نعمت الہیہ کی قدر نہیں کی لیکن ایسا وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ اپنی محرومی پر ماتم کریں گے اور دست حسرت مل کر کہیں گے کاش ہم مسلمان ہوتے وہ وقت کب آئے گا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ ہم ابن الانباری کے قول کے موافق اس کو عام رکھتے ہیں۔ یعنی دنیا و آخرت میں جو مواقع کافروں کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی پیش آتے رہیں گے، ہر موقع پر کفار کو رہ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمت اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت ہوگی۔ اس سلسلہ میں پہلا موقع تو "جنگ بدر" کا تھا، جہاں کفار مکہ نے مسلمانوں کی طرف کھلا ہوا غلبہ اور تائید غیبی دیکھ کر اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ جس اسلام نے فقراے مہاجرین اور اوس و خزرج کے کاشنکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا، انفسوس ہم اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح اسلامی فتوحات و ترقیات کی ہر ایک منزل پر کفار کو اپنی تہی دستی و حرمان پر پچھتاتے اور دل سے اشک حسرت بہانے کا موقع ملتا رہا۔ انتہائی حسرت و انفسوس کا مقام وہ ہو گا جب فرشتہ جان نکالنے کے لئے سامنے کھڑا ہے اور عالم غیب کے حقائق آنکھوں سے نظر آرہے ہیں اس وقت ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کر لیا ہوتا کہ آج عذاب بعد الموت سے محفوظ رہ سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یاس انگیز نظارہ وہ ہو گا۔ جو طبرانی کی حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے بہت سے آدمی اپنے گناہوں کی بدولت جہنم

میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے۔ بعدہ مشرکین ان پر طعن کریں گے کہ تمہارے ایمان و توحید نے تم کو کیا فائدہ دیا؟ تم بھی آج تک ہماری طرح دوزخ میں ہو، اس پر حق تعالیٰ کسی موحد کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ رَبَّنَا يَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا كَانُوا مُسْلِمِينَ۔ گویا یہ آخری موقع ہو گا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

۴۔ یعنی جب کوئی نصیحت کار گر نہیں تو آپ ان کے غم میں نہ پڑیے بلکہ چند روز انہیں بہائم کی طرح کھانے پینے دیجئے۔ یہ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی امیدیں باندھتے رہیں۔ عنقریب وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقت حال کھل جائے گی اور اگلا پچھلا کھایا بیسب نکل جائے گا۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں مجاہدین کے ہاتھوں حقیقت کھل گئی۔ اور پوری تکمیل آخرت میں ہو جائے گی۔

۵۔ ہر قوم کی ہلاکت کا وقت معین ہے: یعنی جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک کی گئیں، خدا کے علم میں ہر ایک کی ہلاکت کا ایک وقت معین تھا۔ جس میں نہ بھول چوک ہو سکتی تھی نہ غفلت اور نہ خدا کا وعدہ ٹل سکتا تھا۔ جب کسی قوم کی معیاد پوری ہوئی اور تعذیب کا وقت آپہنچا، ایک دم میں غارت کر دی گئی۔ موجودہ کفار بھی امہال و تاخیر عذاب پر مغرور نہ ہوں۔ جب ان کا وقت آئے گا خدائی سزا سے نہ بچ سکیں گے۔ جو تاخیر کی جارہی ہے اس میں خدا کی بہت حکمتیں ہیں۔ مثلاً ان میں سے بعض کا یا بعض کی اولاد کا ایمان لانا مقدر ہے۔ فوری عذاب کی صورت میں اس کے وقوع کی کوئی صورت نہیں۔

۶۔ یعنی ام مہلکہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قوم کے عروج و زوال یا موت و حیات کی جو معیاد مقرر ہے وہ اس سے ایک سینکڑ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

۶۔ اور لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص کہ تجھ پر اترا ہے قرآن (نصیحت) تو بیشک دیوانہ ہے [۴]

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ

لَبَجُنُونٌ ﴿٦﴾

۷۔ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو سچا ہے [۸]

لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْبَلَاغَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧﴾

۸۔ ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر کام پورا (ٹھیک) کر کے اور اس وقت نہ ملے گی ان کو مہلت (ڈھیل) [۹]

مَا نُنزِّلُ الْبَلَاغَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا

مُنْظَرِينَ ﴿٨﴾

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء: مشرکین مکہ یہ الفاظ محض بطریق استہزاء و استخفاف کہتے تھے یعنی آپ سب سے آگے بڑھ کر خدا کے یہاں سے قرآن لے آئے، دوسروں کو احمق و جاہل بتلانے لگے بلکہ ساری دنیا کو الٹی میٹم دیا، اس پر یہ دعویٰ ہے کہ آخر میں ہی غالب ہوں گا اور ایک وقت آئے گا کہ منکرین حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہو جاتے۔ یہ کونسی عقل و ہوش کی باتیں ہیں؟ کھلی ہوئی دیوانگی ہے اور جو پڑھ کر سناتے ہو جنہوں کی بڑے زیادہ وقعت نہیں رکھتا (العیاذ باللہ)۔

۸۔ اگر بارگاہ احدیت میں آپ کو ایسا ہی قرب حاصل ہے اور ساری قوم میں سے خدا نے منصب رسالت کے لئے آپ کا انتخاب کیا ہے تو فرشتوں کی خدائی فوج آپ کے ساتھ کیوں نہ آئی۔ جو کھلم کھلا آپ کی تصدیق کرتی اور ہم سے آپ کی بات منواتی ہے، نہ ماننے تو فوراً سزا دیتی۔

۹۔ فرشتوں کا نزول حکمت کے مطابق ہوتا ہے: یعنی ماننے والوں کے لئے اب بھی کافی سے زائد نشان موجود ہیں باقی جن کا ارادہ ہی ماننے کا نہیں

وہ فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مائیں گے، پھر ان کے اتارنے میں کیا فائدہ ہے۔ حق تعالیٰ فرشتوں کو زمین پر اپنی حکمت کے موافق کسی غرض صحیح کے لئے بھیجتے ہیں، یوں ہی بے فائدہ تماشا دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ عموماً عادت اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور سارے مراحل تفہیم و ہدایت کے طے ہو جاتے ہیں تو فرشتوں کی فوج اس کے ہلاک کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ پھر اس کو قطعاً مہلت نہیں دی جاتی۔ اگر تمہاری خواہش کے موافق فرشتے اتارے جائیں تو اس سے صرف یہ ہی ایک مقصد ہو سکتا ہے کہ تم کو بلا تاخیر ہلاک کر دیا جائے جو فی الحال حکمت الہی کے موافق نہیں کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا، یہ تو آخری صورت ہے جو سب منزلیں طے ہو چکے اور سب کام ختم کئے جانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

۹۔ ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں [۱۰]

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾

۱۰۔ حفاظت قرآن کا وعدہ الہی: "یعنی تمہارا استہزاء و تعنت اور قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا، قرآن و حامل قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا، یاد رکھو اس قرآن کے اتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، جس شان اور بینات سے وہ آتا ہے بدون ایک شوشہ یا زبر زبر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ رہے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہ بدلیں گے، زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی مویشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں، پر قرآن کی صورتی و معنوی اعجاز میں اصلاضعف و انحطاط محسوس نہ ہو گا۔ تو میں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے یا گم کر دینے میں ساعی ہوں گی۔ لیکن اس کے ایک نقطہ کو گم نہ کر سکیں گی حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدہ الہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔" میور "کہتا ہے" جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو" ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد ﷺ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں" واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، ایسا رہا کیا جس نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی، کتابوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز اداء کی، حافظوں نے اس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر زبر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جاسکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جز کار سالہ یاد کرانا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متناہات سے پر ہے، کس طرح فر فرسنادیتا ہے۔ پھر کسی مجلس میں ایک بڑے باوجاہت عالم و حافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فرو گذاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے۔ چاروں طرف سے تصحیح کرنے والے لکارتے ہیں، ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفظ قرآن کے متعلق یہ ہی اہتمام و اعتناء عہد نبوت میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی کی طرف وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ فرما کر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔

۱۰۔ اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے اگلے فرقوں میں

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی [۱۱]

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۱﴾



كَذَلِكَ نَسُئُكَ فِي قُلُوبِ الْبُجْرَمِينَ ﴿١٢﴾

۱۲۔ اسی طرح بٹھادیتے ہیں ہم اسکودل میں گنہگاروں کے [۱۲]

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾

۱۳۔ یقین نہ لائیں گے اس پر اور ہوتی آئی ہے رسم پہلوں کی [۱۳]

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ

۱۴۔ اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں

يَعْرِجُونَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ تو بھی یہی کہیں گے کہ باندھ دیا ہے ہماری نگاہ کو نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے [۱۵]

لَقَالُوا إِنَّا سَكَّرْنَا بِلَدِّ نَحْنُ قَوْمٌ

مَسْحُورُونَ ﴿١٥﴾

۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: آپ کو تسلی دی گئی کہ ان کی تکذیب و استہزاء سے دلگیر نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ منکرین کی عادت رہی ہے کہ جب کوئی پیغمبر آیا اس کی ہنسی اڑائی، کبھی مجنون کہا۔ کبھی محض دق کرنے کے لئے لغو اور دور از کار مطالبے کرنے لگے۔ فرعون نے موسیٰ کی نسبت کہا تھا۔ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُزِيلَ إِلَيْكُمْ لَنَجْجُونُ (شعراء۔ ۷۷) اور وہ ہی فرشتوں کی فوج لانے کا مطالبہ کیا جو قریش آپ سے کر رہے تھے۔ لَوْلَا أَنبَىٰ عَلَيْهِ آسُورَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِينَ۔ (زخرف۔ ۵۳)

۱۲۔ یعنی جو لوگ ارتکاب جرائم سے باز نہیں آتے ہم ان کے دلوں میں اسی طرح استہزاء و تکذیب کی عادت جاگزیں کر دیتے ہیں۔ جب ان کے دل میں کانوں کے راستے سے وحی الہی جاتی ہے تو ساتھ ساتھ تکذیب بھی چلی جاتی ہے۔

۱۳۔ یعنی ہمیشہ یوں ہی جھٹلاتے اور ہنسی کرتے آئے ہیں اور سنت اللہ یہ رہی ہے کہ متمر دین ہلاک و رسوا کئے جاتے رہے اور انجام کار حق کا بول بالا رہا۔

۱۴۔ کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی: یعنی فرشتوں کا اتارنا اس قدر عجیب نہیں، اگر ہم آسمان کے دروازے کھول کر خود انہیں اوپر چڑھادیں اور یہ دن بھر اسی شغل میں رہیں، تب بھی ضدی اور معاند لوگ حق کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس وقت کہہ دیں گے کہ ہم پر نظر بندی یا جادو کیا گیا ہے شاید ابتداء میں نظر بندی سمجھیں اور آخر میں بڑا جادو قرار دیں۔

۱۶۔ اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج [۱۶] اور رونق دی اسکودیکھنے والوں کی نظر میں [۱۶]

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَ زَيَّنَّا

لِلنَّظِيرِينَ ﴿١٦﴾

۱۵۔ آسمان میں برج: ”برجوں“ سے یہاں بڑے بڑے سیارات مراد ہیں بعض نے منازل شمس و قمر کا ارادہ کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ برج وہ آسمانی قلعے ہیں جن میں فرشتوں کی جماعتیں پہرہ دیتی ہیں۔“

۱۶۔ اہل نظر کے لئے دلائل توحید: یعنی آسمان کو ستاروں سے زینت دی، رات کے وقت جب بادل اور گرد و غبار نہ ہو۔ بیشتر ستاروں کے قہقہوں

سے آسمان دیکھنے والوں کی نظر میں کس قدر خوبصورت اور پر عظمت معلوم ہوتا ہے اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں کتنے نشان حق تعالیٰ کی صنعت کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیت مطلقہ کے پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے فرشتے اتارنے یا انکو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ماننا چاہیں تو آسمان وزمین میں قدرت کے نشان کیا تھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر سمجھدار آدمی توحید کا سبق بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے ایسے روشن نشان دیکھ کر انہوں نے کیا معرفت حاصل کی؟ جو آئندہ توقع رکھی جائے۔

۱۷۔ اور محفوظ رکھا ہم نے اسکو ہر شیطان مردود سے

وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ مگر جو چوری سے سن بھاگا سو اسکے پیچھے پڑا انگارہ

چمکتا ہوا ﴿۱۸﴾

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ ﴿۱۸﴾

۱۷۔ شیاطین اور شہاب ثاقب: "یعنی آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا۔ بلکہ بعثت محمدی ﷺ کے وقت سے ان کا گذر بھی وہاں نہیں ہو سکتا۔ اب انتہائی کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں، اس پر بھی فرشتوں کے پھرے بٹھادیے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں اوپر سے آتش بازی کی جائے نصوص قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے موافق "عنان" (بادل) میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائر لیس ٹیلی فون جا رہا ہو اسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ (شہاب ثاقب) پھٹتا ہے۔ اور ان غیبی پیغامات کو چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اسی دوا دوش اور ہنگامہ دارو گیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاہن لوگ اسی ادھوری سی بات میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں بتائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے انماض و تعافل برتا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث نے یہ واقعات بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہ ہی عالم ملکوت ہے۔ شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب و افتراء کوئی چیز نہیں۔ نیز یہ کہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتد بہ دسترس حاصل کر لے۔ باقی جو ایک آدھ جملہ ادھر ادھر کا فرشتوں سے سن بھاگتا ہے، حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کر دی جائے۔ وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا، مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اسے معلوم ہے کہ کبھی اغوا و اضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور مغویانہ اسباب و وسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی، اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔ (تنبیہ) شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا یہ انجام دیکھ کر اس مہم کو ترک نہیں کرتے اسی پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کر لو۔ یہ واضح رہے کہ قرآن و حدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ شہب کا وجود صرف رجم شیاطین ہی کے لئے ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کے وجود سے اور بہت سے مصالحوہ و ابستہ ہوں۔ اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹۔ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور رکھ دیے اس پر بوجھ (پہاڑ) اور اگائی اس میں ہر چیز اندازے سے

وَ الْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَ أَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَ  
أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور بنا دیے تمہارے واسطے اس میں معیشت کے اسباب اور وہ چیزیں جنکو تم روزی نہیں دیتے [۱۸]

وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَسْتُمْ لَهُ  
بِرِزْقِنَا ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور اتارتے ہیں ہم اندازہ معین پر (ٹھہرے ہوئے اندازہ پر) [۱۹]

وَ إِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَ مَا نُنزِّلُهُ  
إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور چلائیں ہم نے ہوائیں رس بھری (بوجھل کرنے والی ابر کی) پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا [۲۰] اور تمہارے پاس نہیں اس کا خزانہ [۲۱]

وَ أَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ  
مَاءً فَاسْقَيْنُكُمْهُ وَ مَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ اور ہم ہی ہیں جلانے والے اور مارنے والے اور ہم ہی ہیں پیچھے رہنے والے [۲۲]

وَ إِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِ وَ نُمِيتُ وَ نَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو [۲۳]

وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ  
عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور تیرا رب وہی اکٹھا کر لائے گا انکو پیشک وہی ہے حکمتوں والا خبر دار [۲۴]

وَ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

۱۸۔ یعنی نوکر چاکر، حیوانات وغیرہ، جن سے کام اور خدمت ہم لیتے ہیں اور روزی ان کی خدا کے ذمہ ہے۔

۱۹۔ اللہ کے خزانے: یعنی جو چیز جتنی مقدار میں چاہے پیدا کر دے۔ نہ کچھ تعب ہوتا ہے نہ تنکان، ادھر ارادہ کیا ادھر وہ چیز موجود ہوئی۔ گویا تمام چیزوں کا خزانہ اس کی لامحدود قدرت ہوئی جس سے ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین نظام کے ماتحت ٹھہرے ہوئے اندازہ پر بلا کم و کاست نکلی چلی آتی ہے۔

۲۰۔ پانی کا حیرت انگیز نظام: یعنی برساتی ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو پانی سے بھر کر لاتی ہیں، ان سے پانی برستا ہے جو نہروں چشموں اور کنوؤں میں جمع ہو کر تمہارے کام آتا ہے خدا چاہتا تو اسے پینے کے قابل نہ چھوڑتا، لیکن اس نے اپنی مہربانی سے کس قدر شیریں اور لطیف پانی تمہارے بارہ مہینہ پینے کے لئے زمین کے مسام میں جمع کر دیا۔

۲۱۔ پانی کا حیرت انگیز نظام۔ یعنی نہ اوپر بارش کے خزانہ پر تمہارا قبضہ ہے، نہ نیچے چشمے اور کنویں تمہارے اختیار میں ہیں۔ خدا جب چاہے بارش برسائے، نہ تم روک سکتے ہو نہ اپنے حسب خواہش لاسکتے ہو، اور اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دے یا زیادہ نیچے اتار دے کہ تمہاری دسترس سے باہر ہو جائے تو کیسے قابو حاصل کر سکتے ہو۔

۲۲۔ وارث حقیقی: یعنی دنیا فنا ہو جائے گی، ایک خدا الہی کا تمام صفات کے ساتھ باقی رہے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”ہر کوئی مر جاتا ہے اور اس کی کمائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔“

۲۳۔ یعنی اگلا پچھلا کوئی شخص یا اس کے اعمال ہمارے احاطہ علمی سے باہر نہیں، حق تعالیٰ کو ازل سے ہر چیز کا تفصیلی علم ہے، اسی کے مطابق دنیا میں پیش آتا ہے اور اسی کے موافق آخرت میں تمام کا انصاف کیا جائے گا۔ (تنبیہ) آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے۔ ولادت میں ہو یا موت میں، یا اسلام میں، یا نیک کاموں میں، صفوف صلوٰۃ میں آگے پیچھے رہنا بھی نیک کام کے ذیل میں آگیا۔

۲۴۔ اللہ کا علم و قدرت: یعنی ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ جب اس کی حکمت مقتضی ہوگی کہ سب کو بیک وقت انصاف کے لئے اکٹھا کیا جائے تو کچھ دشواری نہ ہوگی۔ قبر کی مٹی، جانوروں کے پیٹ، سمندر کی تہ، ہوائی فضا میں یا جہاں کہیں کسی چیز کا کوئی جزء ہوگا، وہ اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے جمع کر دے گا۔

۲۶۔ اور بنایا ہم نے آدمی کو کھکھناتے (بجنے والی مٹی سے) سنے (جو بنی ہے سڑے ہوئے گارے سے) ہوئے گارے سے [۲۵]

۲۷۔ اور جان (جنوں کو) بنایا ہم نے اس سے پہلے لوہی آگ سے [۲۶]

۲۸۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھکھناتے سنے ہوئے گارے سے

۲۹۔ پھر جب ٹھیک کروں اسکو اور پھونک دوں اس میں اپنی جان سے تو گر پڑو اسکے آگے سجدہ کرتے ہوئے [۲۷]

۳۰۔ تب سجدہ کیا ان فرشتوں نے سب نے مل کر

۳۱۔ مگر ابلیس نے نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے

۳۲۔ فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ ساتھ نہ ہوا سجدہ کرنے والوں کے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَبَا  
مَسْنُونٍ ﴿۲۶﴾

وَالْبَجَانِ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السُّوْمِ ﴿۲۷﴾

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ  
صَلْصَالٍ مِّنْ حَبَا مَسْنُونٍ ﴿۲۸﴾

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ  
سٰجِدِينَ ﴿۲۹﴾

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۳۰﴾

إِلَّا ابْلِيسَ ۗ أَبَىٰ أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّٰجِدِينَ ﴿۳۱﴾

قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا لَكَ إِلَّا تَكُونَ مَعَ

## السُّجْدِیْنَ ﴿۳۲﴾

قَالَ لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ

صَلْصَالٍ مِنْ حَبَا مَسْنُونٍ ﴿۳۳﴾

قَالَ فَاخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾

وَأَنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۵﴾

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۳۷﴾

إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ

لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾

قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ إِلَّا مَنْ

اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَوِيْنَ ﴿۴۲﴾

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَبُوعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۳﴾

۳۳۔ بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جسکو تو نے بنایا کھٹکھٹاتے سنے ہوئے گارے سے

۳۴۔ فرمایا تو تو نکل یہاں سے [۲۸] تجھ پر مارے [۲۹]

۳۵۔ اور تجھ پر پھٹکا رہے اس دن تک کہ انصاف ہو [۳۰]

۳۶۔ بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مردے زندہ ہوں

۳۷۔ فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی

۳۸۔ اسی مقرر وقت کے دن تک [۳۱]

۳۹۔ بولا اے رب جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھو دیا میں بھی ان سب کو بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھو دوں گا ان سب کو

۴۰۔ مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں [۳۲]

۴۱۔ فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی [۳۳]

۴۲۔ جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں مگر جو تیری راہ چلا بنکے ہوؤں میں [۳۴]

۴۳۔ اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا [۳۵]

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ ۚ

۲۴۔ اسکے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے واسطے ان

مَقْسُومٌ

۲۵۔ قصہ آدم علیہ السلام و ابلیس: "آیات آفاقیہ کے بعد بعض آیات انفسیہ کو بیان فرماتے ہیں جس کے ضمن میں شاید یہ تشبیہ بھی مقصود ہے کہ جس ذات منبع الکمالات نے تم کو ایسے انوکھے طریقہ سے اول پیدا کیا، دوبارہ پیدا کر کے ایک میدان میں جمع کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تشبیہ) آدمی کس قسم کی مٹی سے بنایا گیا: آدمی کی پیدائش کے متعلق یہاں دو لفظ فرمائے۔ "صلصال" (بجئے والی کھکناتی مٹی جو آگ میں پکنے سے اس حالت کو پہنچتی ہے اسی کو دوسری جگہ "کالفخار" فرمایا) اور حَبَا مَسْنُونٍ (سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اول سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا، پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگا، تب مختلف تطورات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے۔ روح المعانی میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں كَالَّذِي سُبْحَانَهُ أَفْرَعُ الْحَبَاءِ فَصَوَّرَ مِنْ ذَلِكَ تَبَشَّالَ إِنْسَانٍ أَجْوَفَ فَيَبْسُ حَتَّى إِذَا نَقَرَّ صَوَّتَتْ ثُمَّ غَيْرَهُ طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ حَتَّى نَفَخَ فِيهِ مِنْ رَوْحِهِ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں مٹی پانی میں ترکی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی، وہ ہی بدن ہو انسان کا۔ اس کی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں اسی طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت و خفت) جن کی پیدائش میں رہی۔ راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ حَبَا مَسْنُونٍ اور "طین لازب" وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مٹی اور پانی کو ملا کر ہوا سے خشک کیا اور "فخار" کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا یہ ہی ناری جز آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے اسی مناسبت سے ایک جگہ فرمایا خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ وَ خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن۔ ۱۵، ۱۴) راغب کا یہ مضمون بہت طویل اور دلچسپ ہے، افسوس ہے ہم اس کا خلاصہ بھی یہاں درج نہیں کر سکتے۔

۲۶۔ لو کی آگ سے جنات کی تخلیق: "یعنی لطیف آگ ہو اہلی ہوئی۔ کما قال وَ خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن۔ ۱۵) یا یوں کہو تیز ہوا جو آگ کی طرح جلانے والی ہو جسے ہمارے یہاں "لو" کہتے ہیں۔ بہر حال آدمیوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر تریابی غالب تھا اور جنوں کا باپ اس مادہ سے پیدا ہوا جس میں ناری عنصر کا غلبہ تھا، ابلیس بھی اسی قسم سے تھا۔

۲۷۔ آدم میں اللہ کی روح پھونکنے کا مطلب: یعنی آدم کا پتلا ٹھیک کر کے اس قابل کر دوں کہ روح انسانی فائض کی جاسکے پھر اس میں جان ڈال دوں جس سے ایک جماد انسان بن جاتا ہے، اس وقت تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ سب سجدہ میں گر پڑو (تشبیہ) "روح" (جان) کی اضافت جو اپنی طرف کی، یہ محض تشریف و تکریم اور روح انسانی کا امتیاز ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ یعنی وہ خاص "جان" جس میں نمونہ ہے میری صفات (علم و تدبیر وغیرہ) کا، اور جو اصل فطرت سے مجھے یاد کرنے والی اور بسبب خصوصی لطافت کے مجھ سے نسبتاً علاقہ رکھنے والی ہے۔ امام غزالی نے دوسرے عنوان سے اس اضافت پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں اگر آفتاب کو قوت گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں نے اپنے نور کا فیض زمین کو پہنچایا، تو کیا یہ لفظ (اپنا نور) غلط ہو گا؟ جب یہ کہنا صحیح ہے حالانکہ نہ آفتاب زمین میں حلول کرتا ہے نہ اس کا نور اس سے جدا ہوتا ہے، بلکہ زمین سے لاکھوں میل دور رہ کر بھی روشنی کی باگ اسی کے قبضہ میں ہے، زمین کا کچھ اختیار نہیں چلتا۔ بجز اس کے کہ اس سے بقدر اپنی استعداد کے نفع حاصل کرتی رہے، تو وراء الورداء خدا کا یہ فرمانا کہ میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی، حلول و اتحاد وغیرہ کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ "روح" کے متعلق مناسب کلام انشاء اللہ آئندہ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل۔ ۸۵) میں کیا جائے گا۔

۲۸۔ یعنی جنت سے یا آسمان سے یا اس مقام عالی سے نکل جہاں اب تک پہنچا ہوا تھا۔

۲۹۔ ابلیس کا استکبار: یعنی مردود و مطرود ہے یا ”رجیم“ سے اشارہ اسی طرف ہو جو پہلے گذرا کہ شہب سے شیاطین کا رجم کیا جاتا ہے گویا اس لفظ میں اس کے شہبہ کا جواب دیا گیا کہ تیرا سجد سے انکار کرنا شرفِ عنصری کی بناء پر نہیں۔ فضل و شرف تو اسی کے لئے ہے جسے خدا تعالیٰ سرفراز فرمائے۔ ہاں تیرے اباؤ و استکبار کا منشاء وہ شقاوت، بد بختی ہے جو تیری سوء استعداد کی وجہ سے مقدر ہو چکی ہے۔

۳۰۔ یعنی قیامت کے دن تک خدا کی پھٹکار اور بندوں کی طرف سے لعنت پڑتی رہے گی۔ اس طرح آناً فاناً خیر سے بعد تر ہوتا رہے گا۔ جب قیامت تک توفیقِ خیر کی نہ ہوگی۔ تو اس کے بعد تو کوئی موقع ہی نہیں کیونکہ آخرت میں ہر شخص وہ ہی کاٹے گا جو یہاں بویا ہے۔ یا یوں کہو کہ قیامت کے دن تک لعنت رہے گی اس کے بعد جو بے شمار قسم کے عذاب ہوں گے وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں، یا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ کا لفظ دوام سے کنایہ ہو۔

۳۱۔ ابلیس کو مہلتِ حیات: یعنی اس وقت تک تجھے ڈھیل دی جاتی ہے جی کھول کر ارمان نکال لے۔ اس واقعہ کی تفصیل ”بقرہ“ اور ”اعراف“ میں گذر چکی ہے۔ ہم نے ”اعراف“ کے دوسرے رکوع میں اس کے اجزاء پر جو کچھ کلام کیا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۳۲۔ ابلیس کا اعلانِ انتقام: یعنی دنیا کی بہاریں دکھلا کر خواہشاتِ نفسانی کے جال میں پھنساؤں گا۔ اور تیرے مخصوص و منتخب بندوں کے سوا سب کو راہِ حق سے ہٹا کر ہوں گا۔ یہ کلمات لعین نے جو شِ انتقام میں کہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا، لیکن جس کی وجہ سے میں دور پھینکا گیا ہوں۔ اپنی قدرت اور بساط کے موافق اس کی نسلوں تک سے بدلہ لے کر چھوڑوں گا۔ سورہ ”اعراف“ میں اس موضوع پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ کیا جائے۔

۳۳۔ یعنی بیشک بندگی اور اخلاص کی راہ سیدھی میرے تک پہنچتی ہے اور یہ ہی میرا صاف اور سیدھا راستہ ہے جس میں کوئی ہیر پھیر نہیں کہ جو بندے عبودیت و اخلاص کی راہ اختیار کریں گے وہ ہی شیطانِ لعین کے تسلط سے مامون رہیں گے اور جو ملعون کی پیروی کریں گے اس کے ہمراہ دوزخ میں جائیں گے۔ بعض مفسرین نے هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ کو تہدید پر حمل کیا ہے۔ یعنی اولعون! لوگوں کو صراطِ مستقیم سے گمراہ کر کے کہاں بھاگے گا وہ کونسا راستہ ہے جو ہماری طرف نہ جاتا ہو۔ پھر ہماری سزا سے بچ کر کدھر جا سکتا ہے اس وقت کلام ایسا ہو گا جیسے کہتے ہیں اَفْعَلْ مَا شِئْتَ فَطَرِ يَفُكْ عَلَيَّ اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا اِنَّ رَبَّكَ لَبِاْسٌ رَّصَادٍ (الفجر-۱۴) واللہ اعلم۔

۳۴۔ مخلصین پر ابلیس کا قابو نہیں ہو گا: یعنی بے شک چنے ہوئے بندوں پر جن کا ذکر اوپر ہوا تیرا کچھ زور نہ چلے گا یا یہ مطلب ہو کہ کسی بندے پر بھی تیری زبردستی نہیں چل سکتی ہاں جو خود ہی بہک کر اپنی جہالت و حماقت سے تیرے پیچھے ہو لیا وہ اپنے اختیار سے خراب و برباد ہوا۔ جیسے پہلے خود شیطان کا مقولہ گذر چکا و مَا كَانَ لِیْ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاَسْتَجَبْتُمْ لَیْ (ابراہیم-۲۲)۔

۳۵۔ یعنی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے دوزخ کا جیل خانہ تیار ہے۔ تم سب اسی گھاٹ اتارے جاؤ گے۔

۳۶۔ جہنم کے سات دروازے: بعض سلف نے سَبْعَةُ اَبْوَابٍ سے دوزخ کے سات طبقتے اوپر نیچے مراد لئے ہیں، چنانچہ ان کے نام ابن عباس نے یہ بتلائے ہیں۔ جہنم، سعیر، لظی، محطمہ، سقر، جحیم، ہاویہ، اور لفظ ”جہنم“ ایک خاص طبقہ اور مجموعی طبقات دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ویسے دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عمل والوں پر بانٹے ہوئے شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لئے ہے کہ بعضے موحدین نے فضل سے جنت میں جائیں گے بغیر عمل کے۔ باقی عمل میں دروازے برابر ہیں۔“

۳۷۔ متقین اور جنت کی نعمتیں: جو لوگ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب سے پرہیز کرتے ہیں، وہ حسب مراتب جنت کے باغوں میں رہیں گے جہاں بڑے قرینہ سے چشمے اور نہریں بہتی ہوں گی۔ شیطان کے تابعین کے بعد یہ عبادِ مخلصین کا انجام بیان فرمایا۔

إِنَّ الْبُتْقَيْنَ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿٣٥﴾

۳۵۔ پرہیز گار ہیں باغوں میں اور چشموں میں [۳۷]

أَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أَمِينٍ ﴿٣٦﴾

۳۶۔ کہیں گے انکو جاؤ ان میں سلامتی سے خاطر جمع سے (بے کھٹکے) [۳۸]

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غَلٍ إِخْوَانًا عَلَىٰ

۳۷۔ اور نکال ڈالی ہم نے جو انکے جیوں میں تھی خنگی بھائی ہو گئے [۳۹] تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے [۴۰]

سُرِّ مُتَقَبِلِينَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ نہ پہنچے گی انکو وہاں کچھ تکلیف اور نہ انکو وہاں سے کوئی نکالے [۴۱]

لَا يَسْأَلُهُمْ فِيهَا نَصَبٌ ۚ وَمَا هُمْ مِنْهَا

بِخُرَاجِينَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ خبر سنا دے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان

نَبِيِّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ اور یہ بھی کہ میرا عذاب وہی عذاب دردناک ہے [۴۲]

وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾

۳۸۔ یعنی فی الحال تمام آفات و عیوب سے صحیح و سالم اور آئندہ ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی فکر، پریشانی، گھبراہٹ اور خوف و ہراس سے بے کھٹکے۔  
۳۹۔ یعنی جنت میں پہنچ کر اہل جنت میں باہم کوئی گذشتہ کدورت باقی نہ رہے گی۔ بالکل پاک و صاف کر کے داخل کئے جائیں گے۔ نہ وہاں ایک کو دوسرے پر حسد ہو گا، بلکہ بھائی بھائی ہو کر انتہائی محبت و الفت سے رہیں گے، ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور و محفوظ ہو گا، اس کا کچھ بیان سورہ اعراف آٹھویں پارہ کے اخیر رقع میں گذر چکا۔

۴۰۔ یعنی عزت و کرامت کے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کریں گے، ملاقات و غیرہ کے وقت ایسی نشست نہ ہو گی جس میں کوئی آگے کوئی پیچھے ہو۔

۴۱۔ حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا، اے اہل جنت اب تمہارے لئے یہ ہے کہ ہمیشہ تندرست رہو، کبھی بیماری نہ ستائے، ہمیشہ زندہ رہو، کبھی موت نہ آئے۔ ہمیشہ آرام سے مقیم رہو، کبھی سفر کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے۔

۴۲۔ اللہ کی صفات رحمت و غضب: ”مجربین“ اور ”منتقین“ کا الگ الگ انجام بیان فرما کر یہاں تنبیہ کی ہے کہ ہر ایک صورت میں حق تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت و شان کا ظہور ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اصل سے اپنی تمام مخلوق پر بخشش اور مہربانی کرنا چاہتا ہے اور حقیقت میں اصل مہربانی اسی کی ہے، تمام دنیا کہ مہربانیاں اس کی مہربانی کا پر تو ہیں، لیکن جو شخص خود شرارت و بدکاری سے مہربانی کے دروازے اپنے اوپر بند کر لے تو پھر اس کی سزا بھی ایسی سخت ہے جس کے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں۔ سعدی نے خوب فرمایا: ہتھید گر بر کشد تیغ حکم۔ بمانند کرو بیاں صم و بکم، و گرد در دہدیک صلای کرم۔ عزازیل گوید نصیبی برم۔ آگے ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس میں فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے۔ وہ ہی فرشتے ایک جگہ خوشخبری سناتے اور دوسری جگہ پتھر برساتے تھے، تا معلوم ہو کہ خدا کی دونوں صفتیں (رحمت و غضب) پوری ہیں بندوں کو چاہئے نہ دلیر ہوں، نہ آس توڑیں۔



وَنَبَّأَهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿٥١﴾

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۗ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ

وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلْمٍ عَلَيْمِ ﴿٥٣﴾

قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فِيمِ

تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾

قَالُوا بَشْرُكَ بِالْحَقِّ فَلَاتُكُنْ مِنَ الْقَنَطِينِ ﴿٥٥﴾

قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾

إِلَّا آلَ لُوطٍ ۗ إِنَّا لَمَنْجُوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَرْنَا ۗ إِنَّمَا لَبِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّكْرَمُونَ ﴿٦٢﴾

قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بَسًا كَانُوا فِيهِ يَبْتَرُونَ ﴿٦٣﴾

۵۱۔ اور حال سنا دے انکو ابراہیم کے مہمانوں کا [۳۳]

۵۲۔ جب چلے آئے اسکے گھر میں اور بولے (کیا انہوں نے) سلام وہ بولا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے [۳۴]

۵۳۔ بولے ڈر مت ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی [۳۵]

۵۴۔ بولا کیا خوشخبری سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اب کا ہے پر خوشخبری سناتے ہو [۳۶]

۵۵۔ بولے ہم نے تجھ کو خوشخبری سنائی سچی (پکی) سو مت ہوتا نا امیدوں میں

۵۶۔ بولا اور کون آس توڑے اپنے رب کی رحمت سے مگر (وہی) جو گمراہ ہیں [۳۷]

۵۷۔ بولا پھر کیا ہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجے ہوؤ [۳۸]

۵۸۔ بولے ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر

۵۹۔ مگر لوط کے گھر والے ہم انکو بچالیں گے سب کو

۶۰۔ مگر ایک اسکی عورت ہم نے ٹھہرا لیا وہ ہے رہ جانے والوں میں [۳۹]

۶۱۔ پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے

۶۲۔ بولا تم لوگ ہو اوپرے (جن سے کھٹکا ہوتا ہے) [۴۰]

۶۳۔ بولے نہیں پر ہم لیکر آئے ہیں تیرے پاس وہ چیز جس میں وہ جھگڑتے تھے [۴۱]

۶۴۔ اور ہم لائے ہیں تیرے پاس پکی بات اور ہم سچ کہتے ہیں [۵۲]

۶۵۔ سولے نکل اپنے گھر کو کچھ رات رہے سے اور تو چل ان کے پیچھے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی [۵۳] اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے [۵۴]

۶۶۔ اور مقرر کر دی ہم نے اس کو یہ بات کہ ان کی جڑ کٹے گی صبح ہوتے [۵۵]

۶۷۔ اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے [۵۶]

۶۸۔ لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو [۵۷]

۶۹۔ اور ڈرو اللہ سے اور میری آبرو مت کھو [۵۸]

۷۰۔ بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہاں کی حمایت سے [۵۹]

۷۱۔ بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے [۶۰]

۷۲۔ قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش (نشے) ہیں [۶۱]

۷۳۔ پھر آپکڑا انکو چنگھاڑنے سورج نکلتے وقت (ہی) [۶۲]

۷۴۔ پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے اور برسائے ان پر پتھر کھگر (کنکر) کے [۶۳]

۷۵۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو [۶۴]

۷۶۔ اور وہ بستی واقع ہے سیدھی راہ پر [۶۵]

وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾

وَاقْضِنَا إِلَىٰ ذِكْرِ الْأَمْرِ أَنَّ دَابِرَ هَؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾

وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾

قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٦٨﴾

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ﴿٦٩﴾

قَالُوا أَوْلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعُلْبَيْنِ ﴿٧٠﴾

قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعَلِينَ ﴿٧١﴾

لَعَبْرِكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾

فَأَخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةَ مُشْرِقِينَ ﴿٧٣﴾

فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً

مِّنْ سَجِيلٍ ﴿٧٤﴾

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّئِينَ ﴿٧٥﴾

وَإِنَّهَا لِبِسْبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾

## إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ط

۷۷۔ البتہ اس میں نشانی ہے ایمان والوں کو (یقین کرنے والوں کو) [۶۹]

۳۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان فرشتے: ”مہمان“ اس لئے کہا کہ ابراہیم انہیں مہمان ہی سمجھے، بعد میں کھلا کہ فرشتے ہیں۔  
۳۴۔ دوسری جگہ آیا ہے وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً (ہود۔ ۷۰) یعنی خوف کو دل میں چھپایا تو کہا جائے گا کہ ابتداء میں چھپانے کی کوشش کی۔ آخر ضبط نہ کر سکے زبان سے ظاہر کر دیا۔ یا یہ مطلب ہو کہ باوجود چھپانے کے خوف کے آثار چہرہ وغیرہ پر اس قدر عیاں تھے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ یہ ڈر کس بات کا تھا؟ اس کی تفصیل سورہ ہود میں گزر چکی۔ وہاں ملاحظہ کی جائے۔ اور اس واقعہ کے دوسرے اجزا پر بھی جو کلام کیا گیا ہے ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ مراجعت کر لی جائے۔

۳۵۔ یعنی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خوش ہونے کا موقع ہے اس بڑھاپے میں ہم تم کو اولاد کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اولاد بھی کیسی؟ لڑکا، نہایت ہوشیار، بڑا عالم، جسے پیغمبرانہ علوم دے کر منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا۔ وَيَسِّرُنَا لَهَا سَبِيلًا مِّنَ الصَّالِحِينَ (صافات۔ ۱۱۲)۔

۳۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعجب: چونکہ غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوشخبری سنی، تو اپنی پیرانہ سالی کو دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب آدمی کوئی مسرت انگیز خبر خلاف توقع غیر معمولی طریقہ سے اچانک سنے تو باوجود یقین آجانے کے اسے خوب کھود کرید کر دریافت کرتا اور لہجہ تعجب کا اختیار کر لیتا ہے، تاخیر دینے والا پوری تاکید و تصریح سے خوشخبری کو دہرائے، جس میں نہ کسی قسم کی غلط فہمی کا احتمال رہے نہ تاویل والتباس کا۔ گویا اظہار تعجب سے بشارت کو خوب واضح اور پختہ کرانا اور تکرار سماع سے لذت تازہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرز میں حضرت ابراہیم نے اظہار تعجب فرمایا۔ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ ”قال متعجباً من کبرہ وکبر زوجتہ و متحققاً للوعدہ فاجابوہ مودکین لما بشر وہ بہ تحقیقاً و بشارتہ بعد بشارتہ“ چونکہ سطح کلام سے ناامیدی کا توہم ہو سکتا تھا۔ جو اکابر خصوصاً اولوالعزم پیغمبروں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے ملائکہ نے فَلَا تَكُنْ مِنَ الْكٰفِرِينَ کہہ کر تنبیہ کی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔  
”معلوم ہوا کہ کالمین بھی (کسی درجہ میں) ظاہری اسباب پر خیال رکھتے ہیں۔“

۳۷۔ اللہ سے ناامیدی گمراہی ہے: یعنی رحمت الہیہ سے ناامید تو عام مسلمان بھی نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کو معاذ اللہ یہ نوبت آئے۔ محض اسباب عادیہ اور اپنی حالت موجودہ کے اعتبار سے ایک چیز عجیب معلوم ہوئی، اس پر میں نے اظہار تعجب کیا ہے کہ خدا کی قدرت اب بڑھاپے میں مجھے اولاد ملے گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”عذاب سے نڈر ہونا اور فضل سے ناامید ہونا دونوں کفر کی باتیں ہیں۔ یعنی آگے کی خبر اللہ کو ہے ایک بات پر دعویٰ کرنا یقین کر کے یوں نہیں ہو سکتا یہ ہی کفر کی بات ہے باقی محض دل کے خیال و تصور پر پکڑ نہیں جب منہ سے دعویٰ کرے تب گناہ ہوتا ہے۔“

۳۸۔ فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال: یعنی کیا محض یہ بشارت سنانے کے لئے ہی بھیجے گئے ہو۔ یا کوئی اور مہم ہے جس پر مامور ہو کر آئے ہو۔ غالباً قرآن سے ابراہیم سمجھے کہ اصل مقصد تشریف آوری کا کچھ اور ہے۔ ممکن ہے جو خوف انہیں دیکھ کر پیدا ہوا تھا اسی سے خیال گذرا ہو کہ خالص بشارت لانے والوں کو دیکھ کر خوف کے ساتھ ضرور کوئی دوسری خوفناک چیز بھی ان کے ساتھ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۳۹۔ یعنی وہ باقی کفار کے ساتھ عذاب میں مبتلا رہے گی۔ (تنبیہ) ظاہر یہ ہے کہ قَدَرْنَا اِنَّهَا لَبِنَ الْغٰوِبِیْنَ مقولہ ملائکہ کا ہے جو عذاب لے کر آئے تھے۔ چونکہ اس وقت وہ قضاء و قدر کا فیصلہ نافذ کرنے کے لئے سرکاری ڈیوٹی پر آئے تھے اس لئے تقدیر ٹھہرانے کی نسبت نیابتاً اپنی طرف کر دی۔ اور ممکن ہے قَدَرْنَا الخ حق تعالیٰ کا کلام ہو۔ تب کوئی اشکال نہیں۔

۵۰۔ حضرت لوط علیہ السلام اور فرشتے: یا تو یہ مطلب تھا کہ تم مجھے غیر معمولی سے آدمی معلوم ہوتے ہو، جنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ دل کھلتا ہے۔

یہ شاید ویسا ہی کھٹکا ہو گا۔ جو ابراہیمؑ کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یا یہ غرض ہو کہ تم اس شہر میں اجنبی ہو، تم کو یہاں کے لوگوں کی خوئے بد معلوم نہیں دیکھتے وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں، یا یہ اس وقت فرمایا جب لوگوں نے فرشتوں کو حسین لڑکے سمجھ کر لوٹ کے مکان پر چڑھائی کی۔ لوٹ انہیں مہمان سمجھتے ہوئے امکانی مدافعت کرتے رہے حتیٰ کہ آخر میں نہایت حسرت سے فرمایا لَوْ اَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ اَوْ اِيٌّ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ (ہود۔ ۸۰) اس وقت تنگ ہو کر اور گھبرا کر ان مہمانوں سے کہنے لگے کہ تم عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہاری آبرو بچانے کے لئے خون پسینہ ایک کر رہا ہوں لیکن تم میری امداد کے لئے ذرا ہاتھ بھی نہیں ہلاتے۔

۵۱۔ یعنی گھبراؤ مت۔ ہم آدمی نہیں ہیں، ہم تو آسمان سے وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے تھے۔ یعنی مہلک عذاب جس کی تم دھمکی دیتے اور یہ انکار کرتے تھے۔

۵۲۔ یعنی اب آپ بالکل مطمئن ہو جائیے۔ یہ بالکل سچی اور اٹل بات ہے جس میں قطعاً جھوٹ کا احتمال نہیں۔

۵۳۔ یعنی جب تھوڑی رات رہے اپنے گھر والوں کو بستی سے لے کر نکل جائیے اور آپ سب کے پیچھے رہتے تاکہ پورا اطمینان رہے کہ کوئی رہ تو نہیں گیا یا راستہ سے واپس تو نہیں ہوا۔ اس صورت میں آپ کا قلب مطمئن رہے گا اور اجتماعی سے خدا کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے ہوئے رفقاء کی دیکھ بھال رکھیں گے۔ دوسری طرف آپ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے آگے چلنے والوں کو آپ کا رعب مانع ہو گا کہ پیچھے مڑ کر دیکھیں۔ اس طرح وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ کا پورا انتقال ہو سکے گا اور وہ لوگ خطرہ کے مقام سے بعید رہیں گے اور آپ کو اپنا ظاہری پشتیمان سمجھیں گے۔

۵۴۔ یعنی ملک شام میں یا اور کہیں امن کی جگہ جو خدا نے ان کے لئے مقرر کی ہوگی۔

۵۵۔ قوم لوط علیہ السلام پر عذاب کی خبر: یعنی لوط کو ملائکہ کے توسط سے ہم نے اپنا قطعی فیصلہ سنا دیا کہ عذاب کچھ دور نہیں۔ ابھی صبح کے وقت اس قوم کا بالکلہ استیصال کر دیا جائے گا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ صبح ہوتے ہی عذاب شروع ہو جائے گا اور اشراق تک سب معاملہ ختم کر دیا جائے گا کیونکہ دوسری جگہ مُصْبِحِيْنَ کے بجائے مُشْرِقِيْنَ کا لفظ آیا ہے۔

۵۶۔ یعنی جب سنا کہ لوط کے یہاں بڑے حسین و جمیل لڑکے مہمان ہیں تو اپنی عادت بد کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور دوڑتے ہوئے ان کے مکان پر آئے اور لوط سے مطالبہ کیا کہ انہیں ہمارے حوالہ کر دو۔ (تنبیہ) وَجَاءَ اَهْلُ الْاٰلِ الْاَيْمٰنِ اِلَيْهِمْ "مطلق جمع کے لئے ہیں، یہاں ترتیب واقعات بیان میں ملحوظ نہیں۔ سورہ ہود اور اعراف میں یہ قصہ گزر چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے اور وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

۵۷۔ کیونکہ مہمان کی فضیحت میزبان کی رسوائی ہے۔

۵۸۔ یعنی خدا سے ڈر کر یہ بے حیائی کے کام چھوڑ دو اور اجنبی مہمانوں کو دق مت کرو۔ آخر میں تم میں رہتا ہوں، میری آبرو کا تمہیں کچھ پاس کرنا چاہئے میں مہمانوں کی نظر میں کس قدر حقیر ہوں گا جب یہ سمجھیں گے کہ بستی میں ایک آدمی بھی ان کی عزت نہیں کرتا نہ ان کا کہا مانتا ہے۔

۵۹۔ قوم لوط علیہ السلام کی گستاخی: یعنی ہم بے آبرو نہیں کرتے آپ خود بے آبرو ہوتے ہیں۔ جب ہم منع کر چکے کہ تم کسی اجنبی کو پناہ مت دو نہ اپنا مہمان بناؤ۔ ہم کو اختیار ہے باہر سے آنے والوں کے ساتھ جس طرح چاہیں پیش آئیں۔ پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ خواہ مخواہ ان نوجوانوں کو اپنے یہاں ٹھہرا کر فضیحت ہوئے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ مسافروں کو اپنے افعال شنیعہ کا تختہ مشق بناتے ہوں گے اور حضرت لوط اپنے مقدور کے موافق غریب مسافروں کی حمایت اور ان اشقیاء کو نالائق حرکتوں سے باز رکھتے ہوں گے۔

۶۰۔ حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت: یعنی بیشک تم نے مجھ کو اجنبی لوگوں کی حمایت سے روکا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں آخر اس روکنے کا منشاء کیا ہے؟ یہ ہی نہ کہ میں تمہاری خلاف فطرت شہوت رانی کے راستہ میں حائل ہوتا ہوں۔ تو خود غور کرو کیا قضائے شہوت کے حلال مواقع تمہارے سامنے موجود نہیں جو ایسی بیہودہ حرام کاری کے مرتکب ہوتے ہو؟ یہ تمہاری بیویاں (جو میری بیٹیوں کے برابر ہیں) تمہارے گھروں

میں موجود ہیں، اگر تم میرے کہنے کے موافق عمل کرو اور فضائے شہوت کے مشروع و معقول طریقہ پر چلو، تو حاجت برابری کے لئے وہ کافی ہیں۔ یہ کیا آفت ہے کہ حلال اور سٹھری چیز کو چھوڑ کر حرام کی گندگی میں ملوث ہوتے ہو۔

۶۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی قسم: ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو ہے۔ یعنی تیری جان کی قسم، لوط کی قوم غفلت اور مستی کے نشہ میں بالکل اندھی ہو رہی تھی، وہ بڑی لاپرواہی سے حضرت لوط کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرا رہے تھے ان کو اپنی قوت کا نشہ تھا، شہوت پرستی نے ان کے دل و دماغ مسح کر دیے تھے۔ وہ بڑے امن و اطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ صبح تک کیا حشر ہونے والا ہے تباہی اور ہلاکت کی گھڑی ان کے سر پر منڈلا رہی تھی، وہ لوط کی باتوں پر ہنستے تھے اور موت انہیں دیکھ کر ہنس رہی تھی (تنبیہ) ابن عباس نے فرمایا خدا تعالیٰ نے دنیا میں کوئی جان محمد ﷺ کی جان سے زیادہ اکرم و اشرف پیدا نہیں کی۔ میں نے خدا کو نہیں سنا کہ اس نے محمد ﷺ کی جان عزیز کے سوا کسی دوسری جان کی قسم کھائی ہو۔ قرآن کریم میں جو قسمیں آئی ہیں ان کے متعلق ہم انشاء اللہ کسی دوسری جگہ ذرا مفصل کلام کریں گے۔

۶۲۔ اس کے متعلق ہم قریب ہی ذابِرْهُوَ لَآءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ کے فائدہ میں کلام کر چکے ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ہر عذاب جس سے کوئی قوم ہلاک کی جائے ”صبحہ“ اور صاعقہ کہلاتا ہے۔

۶۳۔ اس کی تفصیل سورہ ہود وغیرہ میں گذر چکی۔

۶۴۔ اہل فراست کے لئے نشانیاں: ”متوسم“ اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بعض ظاہری علامات و قرائن دیکھ کر محض فراست سے کسی پوشیدہ بات کا پتہ لگا لے۔ حدیث میں ہے اِتَّقُوا فِرَاسَتَهُ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِمُؤَدَّاتِهِ بعض روایات میں وَبِتَوْفِيقِ اللَّهِ کی زیادت ہے۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرتے رہو، وہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے نور توفیق سے دیکھتا ہے۔ شاید ”کشف“ اور ”فراست“ میں بقول امیر عبد الرحمن خان مرحوم اتنا ہی فرق ہو جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے۔ بہر حال آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھیان کرنے اور پتہ لگانے والوں کے لئے ”قوم لوط“ کے قصہ میں عبرت کے بہت نشان موجود ہیں۔ انسان سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ خدا کی قدرت عظیمہ کے سامنے ساری طاقتیں بچھ ہیں۔ ”اس کی لاشی میں آواز نہیں“ اس کی مہلت پر آدمی مغرور نہ ہو، نہ پیغمبروں کے ساتھ ضد اور عداوت باندھے، ورنہ ایسا ہی حشر ہو گا۔ وغیرہ ذلک۔

۶۵۔ مکہ سے شام کو جاتے ہوئے اس الٹی ہوئی بستی کے کھنڈر نظر آتے تھے۔ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِينَ۔ وَبِالْبَيْتِ الْأَقْلَامِ تَعْقِلُونَ (صافات۔ ۱۳۸، ۱۳۷)

۶۶۔ قوم لوط علیہ السلام کے کھنڈر: یعنی ان کھنڈرات کو دیکھ کر بالخصوص مومنین کو عبرت ہوتی ہے، کیونکہ وہ ہی سمجھتے ہیں کہ اس قوم کی بدکاری اور سرکشی کی سزا میں یہ بستیاں الٹی گئیں، مومنین کے سوا دوسرے لوگ تو ممکن ہے انہیں دیکھ کر محض بخت و اتفاق یا اسباب طبعیہ کا نتیجہ قرار دیں۔

۷۸۔ اور تحقیق تھے بن کے رہنے والے گنہگار [۶۷]

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿٤٨﴾

۷۹۔ سو ہم نے بدلہ لیا ان سے اور یہ دونوں بستیاں واقع ہیں کھلے راستہ پر [۶۸]

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا بِلِأَمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٤٩﴾

۸۰۔ اور بیشک جھٹلایا حجر والوں نے (حجر کے رہنے والوں نے) رسولوں کو [۶۹]

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٥٠﴾

۸۱۔ اور دیں ہم نے انکو اپنی نشانیاں سو رہے ان سے منہ پھیرتے (ان کو ٹالنے) [۷۰]

۸۲۔ اور تھے کہ تراشتے تھے پہاڑوں کے گھر اطمینان کے ساتھ [۷۱]

۸۳۔ پھر پکڑا انکو چنگھاڑنے صبح ہونے (ہوتے) کے وقت  
۸۴۔ پھر کام نہ آیا انکے جو کچھ کہا تھا [۷۲]

۸۵۔ اور ہم نے بنائے نہیں آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے بغیر حکمت (مدبیر) اور قیامت بیشک آنے والی ہے سو کنارہ کراچی طرح کنارہ [۷۳]

۸۶۔ تیرا رب جو ہے وہی ہے پیدا کرنے والا خبردار [۷۴]

وَاتَيْنُهُمُ الْيَتِيمَ الْيَتِيمَ فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾

وَكَانُوا يُنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا أُصْنِئَ ﴿٨٢﴾

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَبِيلِ ﴿٨٥﴾

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾

۶۷۔ اصحاب ایکہ: بن کے رہنے والے یعنی قوم شعیب شہر "مدین" میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن تھا کچھ وہاں رہتے ہوں گے بعض کہتے ہیں اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین دو جدا گانہ قومیں ہیں۔ حضرت شعیب دونوں کی طرف مبعوث ہوئے ان لوگوں کا گناہ شرک و بت پرستی، ڈاکہ اور ناپ تول میں فریب اور دھوکہ کرنا تھا۔ پہلے سورہ ہود و اعراف میں ان کا مفصل بیان ہو چکا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔  
۶۸۔ قوم شعیب علیہ السلام کی بستیاں: یعنی حجاز و شام کے جس راستہ پر قوم لوط کی بستیاں تھیں، وہیں ذرا نیچے اتر کر قوم شعیب کا مسکن تھا دونوں کے آثار رستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔

۶۹۔ اصحاب حجر: حجر والے فرمایا ثمود کو۔ ان کے ملک کا نام حجر تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے ان کی طرف حضرت صالح مبعوث ہوئے۔ ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔

۷۰۔ یعنی اونٹنی جو پتھر سے نکالی گئی۔ اور اس کے علاوہ دوسرے معجزات۔

۷۱۔ یعنی دنیوی زندگی پر مغرور ہو کر تکبر و تجبر کی نمائش کے لئے پہاڑوں کو تراش کر بڑے عالیشان مکان بناتے تھے، گویا کبھی یہاں سے جانا نہیں یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ ایسے مضبوط و مستحکم عمارتوں میں کوئی آفت کہاں پہنچ سکتی ہے۔

۷۲۔ یعنی مال و دولت، مستحکم عمارات، جسمانی قوت اور دوسرے اسباب و وسائل میں سے کوئی چیز بھی خدا کے عذاب کو دفع نہ کر سکی۔ ان کا قصہ بھی پہلے گزر چکا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تبوک جاتے ہوئے "وادی حجر" پر سے گزرے آپ نے سر ڈھانپ لیا۔ سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہؓ کو فرمایا کہ معذب قوم کی بستیوں پر مت داخل ہو مگر (خدا کے خوف سے) روتے ہوئے، اگر رونانہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنا لو۔ خدا نہ کرے وہ چیز تم کو پہنچے جو ان کو پہنچی تھی۔ یہ آپ نے مسلمانوں کو ادب سکھایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات پر

پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں و ترساں ہو، محض سیر و تماشہ نہ سمجھے۔

۷۳۔ تخلیق میں اللہ کی حکمت: "حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" پہلی امتوں کا حال سنا کر فرمایا کہ یہ جہان یوں ہی خالی نہیں پڑا۔ سر پر ایک مدبر ہے۔ ہر چیز کا تدارک کرنے والا، مکمل اور آخری تدارک کا نام قیامت ہے اور کفار سے کنارہ کرنے کو فرمایا جب خدا کا حکم پہنچا چکے، تبلیغ کا فرض ادا کر دیا اور کافر ضد پر اڑے رہے، تب حکم ہوا کہ زیادہ جھگڑنے سے فائدہ نہیں اب وعدہ کی راہ دیکھو اور ان کی تکلیف و ایذا پر صبر کرو، حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ، یہاں تک کہ خدا کا فیصلہ پہنچ جائے۔"

۷۴۔ جس کو تیرے صبر اور ان کی ایذا کی سب خبر ہے، ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس آیت میں گویا معاد کی تقریر فرمادی۔ یعنی جس نے ایک مرتبہ پیدا کیا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس چیز کے اجزا منتشر ہو گئے ہوں اس کو ہر جز کی خبر ہے، جہاں کہیں ہو گا سب کو جمع کر دے گا دوسری جگہ فرمایا اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ اَنْ يُّخَلِّقَ مِثْلَهُمْ ۗ بَلَىٰ ۗ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ (لیس۔ ۸۱)

۸۷۔ اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں و وظیفہ اور قرآن بڑے درجہ کا [۷۵]

وَ لَقَدْ اَتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْبُرْهَانِ وَالْقُرْآنِ

الْعَظِيمِ ﴿٨٧﴾

۸۸۔ مت ڈال اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان میں سے کئی طرح کے لوگوں کو [۷۶] اور نہ غم کھا ان پر اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے [۷۷]

لَا تَدْنَنَّ عَيْنَيْكَ اِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ۗ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ۗ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾

۸۹۔ اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر [۷۸]

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْبَيِّنُ ﴿٨٩﴾

۹۰۔ جیسا ہم نے بھیجا ہے ان بانٹنے والوں پر

كَمَا اَنْزَلْنَا عَلَى الْبُقَاتِسِيْنَ ﴿٩٠﴾

۹۱۔ جنہوں نے کیا ہے قرآن کو بوٹیاں [۷۹]

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِيْنَ ﴿٩١﴾

۹۲۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾

۹۳۔ جو کچھ وہ کرتے تھے [۸۰]

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

۹۴۔ سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور پر دانہ کر مشرکوں کی [۸۱]

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾

۹۵۔ ہم بس (کافی) ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو [۸۴]

الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ

۹۶۔ جو کہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے کی بندگی سو عنقریب معلوم کر لیں گے [۸۳]

يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

وَلَقَدْ نَعَلِمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرَكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

۹۷۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے انکی باتوں سے

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾

۹۸۔ سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور ہو سجدہ کرنے والوں سے [۸۴]

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

۹۹۔ اور بندگی کئے جا اپنے رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات [۸۵]

۷۵۔ سبع مثنائی کی فضیلت و عظمت: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں “یعنی یہ اتنی بڑی نعمت دیکھ جو تجھ کو عطا ہوئی اور کافروں کی ضد سے خفا نہ ہو (تنبیہ) “سبع مثنائی” کے مصداق میں اختلاف ہے۔ صحیح اور راجح یہ ہی ہے کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں اور جن کو بطور وظیفہ بار بار پڑھا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور، قرآن کسی کتاب میں اس کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ فاتحہ کو فرمایا کہ یہ ہی “سبع مثنائی” اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا۔ اس چھوٹی سی سورت کو “قرآن عظیم” (بڑا قرآن) فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے۔ اس سورت کو ام القرآن بھی لجاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے جس کی تفصیل و شرح پورے قرآن کو سمجھنا چاہئے۔ قرآن کے تمام علوم و مطالب کا اجمالی نقشہ تھا اس سورت میں موجود ہے۔ یوں “مثنائی” کا لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيًّا الخ (زمر- ۲۳) اور ممکن ہے دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے “مثنائی” کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ “سبع مثنائی” اور “قرآن عظیم” کا مصداق یہ ہی سورت (فاتحہ) ہے۔

۷۶۔ کفار کی دولت پر نظر نہ کرو: یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور دوسرے دشمنان خدا اور سول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے ان ملعونوں کو یہ سامان کیوں دے دیا گیا جس سے ان کی شقاوت و شرارت زیادہ بڑھتی ہے یہ دولت مسلمانوں کو ملتی تو اچھے راستہ میں خرچ ہوتی۔ ان کو تھوڑی دیر مزہ اڑالینے دو۔ تم کو خدا تعالیٰ نے وہ دولت قرآن دی ہے جس کے آگے سب دولتیں گرد ہیں۔ روایات میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا پھر کسی کی اور نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔

۷۷۔ غم نہ کھا مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں، معاندین کے پیچھے اپنے کو زیادہ فکر و غم میں مبتلا نہ کیجئے۔ آپ کی شفقت و ہمدردی کے مستحق مومنین ہیں ان کے ساتھ ملاطفت، نرم خوئی اور شفقت و تواضع کا برتاؤ رکھئے۔

۷۸۔ یعنی کوئی مانے یا نہ مانے۔ میں خدا کا پیام صاف صاف پہنچائے دیتا ہوں اور تکذیب و شرارت کے عواقب کو خوب کھول کر آگاہ کر رہا ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں “تیرا کام دل پھیر دینا نہیں، یہ خدا سے ہو سکتا ہے۔ جو کوئی ایمان نہ لائے تو غم نہ کھا۔



۹۔ مقتسمین کون ہیں؟ اس آیت کے معنی کئی طرح کئے گئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مقتسمین (بانٹنے والوں) سے مراد آپ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ وغیرہ ہیں، جنہوں نے قرآن کی تقسیم و تحلیل کر رکھی تھی۔ یعنی جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات یا آراء و اہواء کے موافق پڑ جائے مان لو، جو خلاف ہو نہ مانو۔ مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے تجھے ”سبع مثالی“ اور ”قرآن عظیم“ دے کر بھیجا جیسے ان لوگوں پر پہلے کتابیں نازل کی تھیں۔ آپ پر کتاب اتارنا یا وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس کا انکار کیا جائے۔ بعض نے ”مقتسمین“ سے یہود و نصاریٰ مراد لے کر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں۔ یعنی انہوں نے تحریف کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں جو بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کرتے تھے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے۔ بقرہ یا ماندہ میں لوں گا۔ عنکبوت تجھ کو دوں گا۔ ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اسے شاعری بتاتا کوئی کہانت، کوئی جادو، کوئی مجنون کی بڑ، کوئی اساطیر الاولین، ان کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں، جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے ان ٹھٹھا کرنے والوں پر۔ اس وقت اَنْزَلْنَا کی تعبیر اس لحاظ سے ہو گی کی منتقن الوقوع اور قریب الوقوع مستقبل کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ ابن کثیر نے مُفْتَسِّمِينَ کے معنی قسم کھانے والوں کے لئے ہیں یعنی وہ گذشتہ قومیں جو انبیاء کی تکذیب و مخالفت کے حلف اٹھا چکی تھیں اور جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتی تھیں۔ اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے کر دیے تھے۔ جیسا عذاب ہم نے ان پر اتارا، اسی طرح کے عذاب سے یہ ”نذیر مبین“ تم کو ڈراتا ہے۔ مُفْتَسِّمِينَ کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیر نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں۔ تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنْبِتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ (نمل-۴۹) وَاَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّيْمُوتُ (نمل-۳۸) اَوْلَمْ تَتَذَكَّرُوْنَ اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ ذَّوَالِ (ابراہیم-۴۴) اَهْوَلَاءِ الدِّينِ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنْتَهِمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ (اعراف-۴۹)۔

۱۰۔ یعنی کس کی عبادت کی تھی؟ پیغمبروں کے ساتھ کس طرح پیش آئے تھے؟ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کیوں نہ مانا تھا؟ اس کلمہ کا حق کیوں ادا نہیں کیا تھا؟ یہ اور اسی قسم کے نہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے۔

۱۱۔ یعنی کہنے میں کوتاہی نہ کیجئے خوب کھول کر خدائی پیغامات پہنچائیے۔ یہ مشرکین آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

۱۲۔ یعنی دنیا و آخرت میں ہم سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے۔ آپ بے خوف و خطر تبلیغ کرتے رہیے آپ کا بال بیکانہ ہو گا۔

۱۳۔ کفار کے استہزاء کا انجام: یعنی رسول کے ساتھ استہزاء کرنا اور خدا کے لئے شریک ٹھہرانا، دونوں باتوں کا انجام یہ لوگ دیکھ لیں گے۔

۱۴۔ یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن خدا کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہئے۔ خدا کا ذکر، نماز، سجدہ، عبادت الہی وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن و منشرح رہتا ہے اور فکر و غم دور ہوتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات فکر کی پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔

۱۵۔ یقین بمعنی موت: یعنی موت۔ یقین کا لفظ دوسری جگہ قرآن نے اسی معنی میں استعمال کیا ہے وَكُنَّا نَكْذِبُ بِمِوَاهِدِ الدِّينِ۔ حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِيْنَ (مدثر-۴۷، ۴۶) حدیث میں ایک میت کی نسبت آپ نے فرمایا اَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ وَاِنِّي لَا ذُرِّيَّةَ اِلَّا خَيْرٌ جمہور سلف نے اس آیت میں ”یقین“ کو بمعنی موت لیا ہے۔ یعنی مرتے دم تک خدا کی عبادت میں لگے رہئے۔ اندرین رہ میتراش و میخراش تادم آخر دمے فارغ مباش۔ جن بعض عارفین نے اس جگہ ”یقین“ کو کیفیت قلبیہ کے معنی میں لیا ہے، اس کی توجیہ روح المعانی میں مذکور ہے دیکھ لی جائے۔

تم سورۃ الحجر واللہ الحمد والامتد و ہو المسؤل ان یتوفانا علی اکل الاحوال واحسنہا فانہ جواد کریم

## آیاتها ۱۲۸

## رکوعاتها ۱۶

## ۱۶ سُورَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۴۰

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ آپہنچا حکم اللہ کا سوا اس کی جلدی مت کرو [۱] وہ پاک ہے اور برتر ہے انکے شریک بتلانے سے [۲]

أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ۗ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١﴾

۲۔ اتار تا ہے فرشتوں کو [۳] بھید دے کر [۴] اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں [۵] کہ خبردار کر دو کہ

يُنزِلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ

کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو [۶]

يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوْا أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا

أَنَا فَاتَّقُونِ ﴿٢﴾

۱۔ اللہ کا حکم آچکا ہے: یعنی خدا کا یہ حکم کہ، پیغمبر ﷺ کی جماعت غالب و منصور اور حق کے مخالف مغلوب و ذلیل ہوں گے۔ جنہیں دنیا میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں اور آخرت میں براہ راست احکم الحاکمین کے دربار سے شرک و کفر کی سزا ملے گی۔ اس حکم کے وقوع کا وقت قریب آ پہنچا۔ اور قیامت کی گھڑی بھی دور نہیں ہے۔ جس چیز کا آنا یقینی ہو اسے آئی ہوئی سمجھنا چاہئے۔ پھر جلدی مچانے کی کیا ضرورت ہے کفار ازراہ تکذیب و استہزاء کہا کرتے تھے کہ جس عذاب یا قیامت کے آنے کا تم وعدہ کرتے ہو۔ وہ جلد کیوں نہیں آجاتا۔ انہیں متنبہ فرمایا کہ تمہارے ایسا کہنے سے وہ ٹلنے والا نہیں۔ بلکہ حتمی اور یقینی طور پر جلد آیا چاہتا ہے جس قدر دیر لگ رہی ہے وہ بھی ایک طرح سے تمہارے حق میں مفید ہے۔ ممکن ہے بعض کو اصلاح و توبہ کی توفیق مل جائے۔ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ (عنکبوت۔ ۵۳) يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا ۗ وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ (شوری۔ ۱۸)۔

۲۔ یعنی جب حق کا غالب ہونا اور کفر و شرک پر سزا ملنا یقینی ہے تو توحید کی راہ اختیار کرو اور مشرکانہ طور و طریق سے علیحدہ ہو جاؤ۔ جنہیں تم خدائی کا شریک ٹھہراتے ہو ان میں سے کوئی خدا کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ عذاب الہی کو روک سکتا ہے۔

۳۔ یعنی فرشتوں کی جنس میں سے بعض کو جیسے حضرت جبریل یا حفصہ الوحی، جن کی طرف فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (جن۔ ۲۷) میں اشارہ کیا ہے۔

۴۔ یہاں ”روح“ سے مراد وحی الہی ہے جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق پر بطور ایک بھید کے آتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا يُنزِلُ الرُّوْحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (المومن۔ ۱۵) ایک جگہ قرآن کی نسبت فرمایا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوری۔ ۵۲)۔ قرآن یا وحی الہی کو ”روح“ سے تعبیر فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی اجسام کو نفع روح سے ظاہری حیات

حاصل ہوتی ہے، اسی طرح جو قلوب جہل و ضلال کی بیماریوں سے مردہ ہو چکے تھے وہ وحی الہی کی روح پاکر زندہ ہو جاتے ہیں۔

۵۔ انبیاء کی بعثت: وہ بندے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ ساری مخلوق میں سے اپنی حکمت کے موافق اپنے کامل اختیار سے چن لیتا ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (انعام-۲۳) اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (الحج-۷۵)۔

۶۔ یعنی توحید کی تعلیم، شرک کا رد اور تقویٰ کی طرف دعوت، یہ ہمیشہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ و منفقہ نصب العین (مشن) رہا ہے۔ گویا اثبات توحید کی یہ نقلی دلیل ہوئی۔ آگے عقلی دلائل بیان کی جاتی ہیں۔

۳۔ بنائے آسمان اور زمین ٹھیک ٹھیک وہ برتر ہے انکے شریک بتلانے سے [۷]

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾

۴۔ بنایا آدمی کو ایک بوند سے پھر جیسی ہو گیا جھگڑا کرنے والا بولنے والا [۸]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ حَصِيْمٌ

مُبِيْنٌ ﴿۴﴾

۵۔ اور چوپائے بنا دیے تمہارے واسطے ان میں جڑا دل ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو [۹]

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَّ

مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾

۶۔ اور تم کو ان سے عزت ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو [۱۰]

وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَّ حِيْنَ

تَسْرٰحُوْنَ ﴿۶﴾

۷۔ اور اٹھالے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان مار کر بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے [۱۱]

وَ تَحِبُّ اَنْفَاكُمُ اِلٰی بَدَلٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بِلِغِيْهِ اِلَّا

بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَعُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾

۸۔ اور گھوڑے پیدا کئے اور نخچریں اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے [۱۲] اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے [۱۳]

وَ الْخَيْلِ وَّ الْبِغَالِ وَّ الْحَمِيْرَ يَتَرَكَّبُوْهَا وَ زِيْنَةً

وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾

۷۔ زمین و آسمان میں توحید کے دلائل: یعنی زمین و آسمان کا نظام ایسا درست و استوار بنایا ہے جسے دیکھ کر لامحالہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ تمام کائنات کا

سلسلہ صرف ایک ہی مالک مختار کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ اگر کسی باختیار خداؤں کے ہاتھوں میں باگ ہوتی تو یہ محکم انتظام و انضباط اتنی مدت تک ہرگز قائم نہ رہتا ضرور آپس میں ٹکر ہو جاتی۔ بلکہ کئی آزاد خداؤں کی کشمکش باہمی سرے سے اس نظام عالم کو موجود ہی نہ ہونے دیتی۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء۔ ۲۲) إِذَا لَدَّاهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ (المومنون۔ ۹۱)

۸۔ تخلیق انسان میں اللہ کی نشانیاں: یعنی علویات و سفلیات کا انتظام درست کر کے تم کو پیدا کیا۔ تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعت و قدرت کا سبق ملے گا۔ تمہاری اصل کیا تھی؟ ایک قطرہ بے جان، جس میں نہ حس و حرکت تھی نہ شعور و ارادہ نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا کہ کسی معاملہ میں جھگڑ کر اپنا حق منوادے یا دوسروں پر غالب آجائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرہ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا۔ کیسی عجیب صورت عطا کی۔ اور کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس پر فائز کئے جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا جس میں ادنیٰ حس و حرکت نہ تھی، اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور جھجتنے نکالنے لگا۔ حتیٰ کی بعض اوقات مخلوق سے گذر کر خالق کے مقابلہ میں خم میں ٹھونک کر کھڑا ہو گیا، یہ بھی یاد نہ رکھا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی۔ اَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُعْطِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ۔ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یس۔ ۷۹، ۷۸، ۷۷)

۹۔ چوپایوں کی تخلیق میں دلائل: یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، تمہارے لئے پیدا کئے۔ ان میں سے بعض کے بال یا اون وغیرہ سے کمل، دسے، ڈیرے خیمے اور سردی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے۔ کسی کو بل میں چلایا جاتا ہے۔ گھی، مکھن وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔ ان کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کئے جاتے ہیں۔ جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی معتدبہ بادی یا اخلاقی مضرت نہیں ہے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے، کتنے غریبوں کی شکم پروری اس سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں ان کی تیاری میں بھی ان حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔

۱۰۔ جب ڈھور ڈنگر گھر میں بندھے کھڑے ہوں یا جنگل میں غائب ہوں، اس وقت انعام الہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب چرنے کے لئے گھر سے نکلتے یا شام کو جنگل سے شکم سیر ہو کر گھر کی طرف لوٹتے ہیں اس وقت ایک عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ مالک خود بھی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے فلاں زمیندار کو کیسا دھن دولت دیا ہے۔

۱۱۔ یعنی جہاں تم جریدہ بدون سامان و اسباب کے بڑی مشکل سے پہنچ سکتے تھے یہ جانور تم کو اور تمہارے بھاری بھاری سامانوں کو کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ یہ خدا کی کتنی بڑی شفقت اور مہربانی ہے کہ ان حیوانات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا اور ان سے کام لینے کی اجازت دی اور بڑی سخت اور مشکل مہمات ان جانوروں کے ذریعہ سے آسان کر دیں۔ اَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا مَعَدَّتٍ آيَاتٍ لِّئَلَّا يَعْلَمُوا أَنَّ الْإِنْسَانَ إِلَهٌ كَمَا يَعْلَمُونَ۔ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ (یس۔ ۷۲، ۷۱)

۱۲۔ یعنی سواری کرتے ہو اور عزت و شان ظاہر ہوتی ہے (تنبیہ) عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت تیز رفتار اور قدم باز ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے گھوڑے کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ ایک زندہ دل ہندی نے خوب کہا تھا کہ حجاز میں ”گدھا“ نہیں ”ہمارا“ ہوتا ہے۔

۱۳۔ یعنی جن حیوانات کا اوپر ذکر ہوا، ان کے علاوہ حق تعالیٰ تمہارے انتفاع کے لئے وہ چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا جسکی تمہیں فی الحال خبر بھی نہیں۔ اس میں وہ سب سواریاں بھی آگئیں جو قیامت تک بنتی رہیں گی۔

۹۔ اور اللہ تک پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعضی راہ کج بھی ہے [۱۳] اور اگر وہ چاہے تو سیدھی راہ دے تم سب کو [۱۵]

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۖ وَكُو

شَاءَ لَهْدُكُمْ أَجْبَعِينَ ﴿٩﴾

۱۳۔ باطنی سیاحت: پہلے ذکر فرمایا تھا کہ تم حیوانات کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہو اور وہ تم کو مع سامان و اسباب کے سخت اور کٹھن منزلیں طے کرا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بدنی اور حسی سیر و سفر کا حال ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اب روحانی اور معنوی سیر و سیاحت کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ یعنی جس طرح زمین راستے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتی ہو، ایسے ہی خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بھی کھلا ہوا ہے۔ جس کی سمجھ سیدھی ہو گی وہ مذکورہ بالا دلائل و بصائر میں غور کر کے حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت و جبروت پر ایمان لائے گا۔ اور توحید و تقویٰ کی سیدھی راہ چل کر بے کھلکے خدا تک پہنچ جائے گا۔ لیکن جس کی عقل سیدھی نہیں، اسے سیدھی سڑک پر چلنے کی توفیق کہاں ہو سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ اہواء و اوہام کی پیچیدار پگڈنڈیوں میں پڑا بھٹکتا رہے گا۔ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ (انعام۔ ۱۵۳)

۱۵۔ یعنی خدا کچھ اس بات سے عاجز نہیں تھا کہ ساری دنیا کو ایک ہی راہ پر لگا دیتا۔ لیکن اس کی حکمت متقنی نہیں ہوئی کہ سب کو ایک ہی ڈھنگ اختیار کرنے پر مجبور کر دے۔ جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اس کی تشریح کر چکے ہیں۔

۱۰۔ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے تمہارے لئے پانی اس سے پیتے ہو اور اسی سے درخت ہوتے ہیں جس میں چراتے ہو [۱۶]

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ

شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسَيُّونَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کو جو غور کرتے ہیں [۱۷]

يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَ

الْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾

۱۲۔ اور تمہارے کام میں لگا دیارات اور دن اور سورج اور چاند کو اور ستارے کام میں لگے ہیں اسکے حکم سے [۱۸] اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو سمجھ رکھتے ہیں

وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ

وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور جو چیزیں پھیلائیں تمہارے واسطے زمین میں رنگ برنگ کی [۱۹] اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۚ إِنَّ فِي

ذٰلِكَ لَايَةٌ لِّقَوْمٍ يِّدْكُرُونَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو اس میں سے گہنا جو پہنتے ہو اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو چلتی ہیں پانی پھاڑ کر اسمیں (دریا میں) [۲۰] اور اس واسطے کہ تلاش کرو اسکے فضل سے اور تاکہ احسان مانو [۲۱]

وَ هُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِيَتَاكَلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا  
وَّ تَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَ تَرَى  
الْفُلْكَ مَوَاجِرًا فِيهِ وَ لِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور رکھ دیے زمین پر بوجھ (پہاڑ) کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر [۲۲] اور بنائیں ندیاں [۲۳] اور راستے تاکہ تم راہ پاؤ [۲۴]

وَ اَلْقَىٰ فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَبِيدَ بِكُمْ وَ اَنْهَرَا وَ  
سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور بنائیں (رکھیں) علامتیں [۲۵] اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں [۲۶]

وَ عَلَّمَتْ ۙ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ یعنی پینے کے قابل بنایا اور اسی سے درخت، گھاس وغیرہ نباتات اگائے جس سے تمہارے جانور چرتے ہیں۔

۱۷۔ پھولوں اور میوؤں کی تخلیق: یعنی ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پھل اور میوے اگاتا رہتا ہے جن کی شکل و صورت، رنگ و بو، مزہ اور تاثیر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس میں غور کرنے والوں کے لئے خدا کی قدرت کاملہ اور صنعت غریبہ کا بڑا نشان ہے کہ ایک زمین ایک آفتاب ایک ہوا اور ایک پانی سے کیسے رنگ برنگ کے پھول پھل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

۱۸۔ رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تا دنیا کا کار بار چلے اور لوگ سکون و آرام حاصل کر سکیں۔ اسی طرح چاند سورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے اور چھپتے رہتے ہیں۔ رات، دن کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب کے ساتھ انسانوں کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بدون انسان کی زندگی محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اقتدار کامل سے چاند سورج اور کل ستاروں کو ادنیٰ مزدوروں کی طرح ہمارے کاموں پر لگا رکھا ہے۔ مجال نہیں کہ ذرا سستی یا سرتابی کر سکیں۔ لیکن چونکہ رات دن اور چاند سورج سے بالکل صریح طور پر ہمارے کام متعلق ہیں اور دوسرے ستاروں سے ہمارے فوائد و مصالح کی وابستگی اس قدر واضح نہیں ہے، شاید اس لئے ان کو جدا کر کے دوسرے عنوان سے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۱۹۔ یعنی جس بلند و برتر ہستی نے آسمانی چیزوں کو تمہارے کام میں لگایا اسی نے تمہارے فائدہ کے لئے زمین میں مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کیں جو ماہیت، شکل و صورت، رنگ و بو اور منافع و خواص میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں اس میں سب حیوانات، نباتات، جمادات بساط و مرکبات شامل ہو گئے۔

۲۰۔ سمندر کی تسخیر اور اس کے منافع: یعنی ایسے ٹھاٹھیں مارنے والے خوفناک سمندر کو بھی جسے کے سامنے انسان ضعیف البنیان کی کچھ بساط

نہیں تمہارے کام میں لگا دیا کہ اس میں بے تکلف مچھلی کا شکار کر کے نہایت لذیذ اور تروتازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔ اور اس کے بعض حصوں میں سے موتی اور مونگا نکالتے ہو جس کے قیمتی زیور تیار کئے جاتے ہیں بھلا سمندر کی موجوں کو دیکھو جن کے سامنے بڑے بڑے جہازوں کی ایک تنکہ برابر حقیقت نہیں۔ لیکن ایک چھوٹی سی کشتی کس طرح ان موجوں کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہے، یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل دی اور ایسی چیزیں تیار کر لینے کی ترکیب سمجھائی جن کے ذریعہ سے گویا سمندروں کو پایاب کر لیا گیا۔

۲۱۔ یعنی جہازوں اور کشتیوں پر تجارتی مال لاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچاؤ اور خدا کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرو، پھر خدا کا احسان مان کر اس کی نعمتوں کے شکر گزار رہو۔

۲۲۔ پہاڑوں کی تخلیق کے فوائد: یعنی خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ رکھ دیے۔ تازمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لے کر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے اس کی کپکپی بند ہوئی۔ آج کل جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے۔ بہر حال زمین کی حرکت و سکون کا مسئلہ جو حکماء میں مختلف فیہ رہا ہے اس سے آیت کا نفیاً یا اثباتاً کچھ تعلق نہیں، کیونکہ پہاڑوں کے ذریعہ سے جس حرکت کو بند کیا ہے وہ یہ دائمی حرکت نہیں جس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

۲۳۔ یعنی ندیوں اور نہروں کا سرچشمہ کہیں پہاڑوں میں ہوتا ہے لیکن وہ میدانوں اور پہاڑوں کو قطع کرتی ہوئی سینکڑوں ہزاروں میل کی مسافت پر خدا کے حکم سے ان بستیوں تک پہنچتی ہیں جن کا رزق ان کے پانی سے متعلق کیا گیا ہے۔

۲۴۔ یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک جاسکو۔

۲۵۔ یعنی پہاڑ، چشمے، درخت، ریت کے ٹیلے غرض مختلف قسم کی علایمیں قائم کر دی ہیں جن سے مسافروں کے قافلے ٹھیک راستہ کا سراغ نکال سکیں۔ میں نے خود بعض اعراب (بدوؤں) کو دیکھا کہ مٹی سو گنھ کر راستہ کا پتہ لگالیتے ہیں۔

۲۶۔ ستاروں کے فوائد: یعنی رات کے وقت دریا اور خشکی کے سفر میں بعض ستاروں کے ذریعہ سے راستہ کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ ”قطب نما“ سے جو رہنمائی ہوتی ہے وہ بھی بالواسطہ ستارہ سے تعلق رکھتی ہے۔

۱۔ بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا تم سوچتے نہیں [۲۷]

أَفَسَبْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ اور اگر شمار (گنو) کرو اللہ کی نعمتوں کو نہ پورا کر سکو گے ان کو [۲۸] بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۲۹]

وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ

لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸﴾

۱۹۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو [۳۰]

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْمُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۱۹﴾

۲۰۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوائے کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں [۳۱]

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ

شَيْئاً وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ مردے ہیں جن میں جان نہیں [۳۲] اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے [۳۳]

أَمْوَاتٌ غَيْرٌ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ ۗ أَيَّانًا

يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ معبود تمہارا معبود ہے اکیلا سو جن کو یقین نہیں آخرت کی زندگی کا ان کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں [۳۴]

الهِكْمِ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ ۚ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر (جتلاتے ہیں) کرتے ہیں بیشک وہ نہیں پسند کرتا غرور کرنے والوں کو [۳۵]

لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾

۲۷۔ پھر باطل معبودوں کی پرستش کس لئے؟ یعنی سوچنا چاہئے یہ کس قدر حماقت ہے کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ بلکہ ایک جو کا دانہ یاریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں، انہیں معبود و مستعان ٹھہرا کر خداوند قدوس کے برابر کر دیا جائے۔ جو مذکورہ بالا عجیب و غریب مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کے محکم نظام کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس گستاخی کو دیکھو اور خدا کے انعامات کو خیال کرو۔ حقیقت میں انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔

۲۸۔ یعنی جو نعمتیں اوپر بیان ہوئیں، شتہ نمونہ از خروارے ”تھیں۔ باقی خدا کی نعمتیں تو اس قدر ہیں۔ جن کا تم کسی طرح شمار نہیں کر سکتے۔  
۲۹۔ اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں: یعنی ان بیشمار نعمتوں کا شکر پوری طرح کس سے ادا ہو سکتا تھا۔ لہذا ادائے شکر میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے خدا اس سے درگزر کرتا اور تھوڑے سے شکر پر بہت سا اجر عطا فرمادیتا ہے۔ یا یہ کہ کفران نعمت کے بعد جو شخص توبہ کر کے شکر گزار بن جائے۔ حق تعالیٰ اس کی پچھلی کوتاہیوں کو بخشا اور آئندہ کے لئے رحمت مبذول فرماتا ہے۔ بلکہ ناشکری کی حالت میں بھی اپنی رحمت واسعہ سے اس کو بالکل محروم نہیں کرتا۔ ہزاروں طرح کی نعمتیں دنیا میں فائض کرتا رہتا ہے۔

۳۰۔ یعنی حق تعالیٰ تمام ظاہری و باطنی احوال سے خبردار ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کی نعمتوں پر کس حد تک دل سے اور کس حد تک جو ارح سے شکر گزار بنتا ہے اور کون ایسا ہے جس کا ظاہر و باطن ادائے حق نعمت سے خالی رہتا ہے، یا مذکورہ بالا دلائل و نعم کو سن کر کون ہے جو سچے دل سے اس پر ایمان لاتا ہے اور کون ہے جو ظاہر میں دلائل سے لاجواب ہو کر بھی حق کو قبول نہیں کرتا۔ خدا کے علم میں جس کا جو حال ہو گا اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

۳۱۔ اُنکے معبود خود مخلوق ہیں: خدا تو وہ ہے جس کے عظیم الشان اور غیر محصور انعامات کا اوپر تذکرہ ہوا۔ اب مشرکین کی حماقت ملاحظہ ہو کہ ایسے عالم الکل اور خدا کا شریک ان چیزوں کو ٹھہرا دیا۔ جو ایک گھاس کا تزکا پیدا نہیں کر سکتیں، بلکہ خود ان کا وجود بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔

۳۲۔ یعنی جن چیزوں کو خدا کے سوپوتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ دوا یا مثلاً بت۔ یا فی الحال مثلاً جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے یا انجام و مال کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیحؑ، روح القدس اور ملائکہ اللہ جنکی بعض فرشتے پرستش کرتے تھے بلکہ جن و شیطان بھی جن کو بعض مسوخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے۔ پس جس چیز کا وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو



اور وہ جب چاہے چھین لے، اسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟  
۳۳۔ یعنی یہ عجیب خدا ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور وہ خود یا ان کے پرستار کب حساب و کتاب کے لئے اٹھائے جائیں گے۔ ایسی بے جان اور بے خبر ہستیوں کو خدا ابتلانا انتہا درجہ کی حماقت اور جہل ہے۔

۳۴۔ اللہ تو ایک ہی ہے: یعنی جو دلائل و شواہد اوپر بیان ہوئے ایسے صاف اور واضح ہیں جس میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان توحید کا یقین کر سکتا ہے لیکن غور و طلب تو وہ کرے جسے اپنی عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر ہو۔ جن کو بعد الموت کا یقین ہی نہیں نہ انجام کی طرف دھیان ہے وہ دلائل پر کب کان دھرتے اور ایمان و کفر کے نیک و بد انجام کی طرف کب التفات کرتے ہیں۔ پھر دلوں میں توحید کا اقرار اور پیغمبروں کے سامنے تواضع سے گردن جھکانے کا خیال آئے تو کہاں سے آئے۔

۳۵۔ تکبر کا انجام: یعنی خوب سمجھ لو کبر و غرور کوئی اچھی اور پسندیدہ چیز نہیں، اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ توحید کا انکار جو تم دلوں میں رکھتے ہو اور غرور و تکبر جس کا اظہار تمہاری چال ڈھال اور طور و طریق سے ہو رہا ہے، سب خدا کے علم میں ہے۔ وہ ہی ہر کھلے چھپے جرم کی سزا تم کو دے گا۔

۲۴۔ اور جب کہے ان سے کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب نے تو کہیں کہانیاں ہیں پہلوں کی [۳۶]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَّاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا آسَاطِيرُ

الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ تاکہ اٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور کچھ بوجھ ان کے جن کو بھکاتے ہیں بلا تحقیق سنتا ہے برا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں [۳۷]

لِيَحْبِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِلَّا سَاءَ مَا

يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ البتہ دغا بازی کر چکے ہیں جو تھے ان سے پہلے (ان سے اگلے) پھر پہنچا حکم اللہ کا ان کی عمارت پر بنیادوں سے پھر گر پڑی ان پر چھت اوپر سے اور آیا ان پر عذاب جہاں سے ان کو خبر نہ تھی [۳۸]

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ

أَتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا ان کو اور کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن پر تم کو بڑی ضد تھی [۳۹] بولیں گے جن کو دی گئی تھی خبر بیشک رسوائی آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے [۴۰]

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِبُهُمْ وَ يَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ فِيهِمْ قَالَ

الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَ السُّوَاءَ

## عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اور وہ برا کر رہے ہیں اپنے حق میں [۳۱] تب ظاہر کریں گے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی [۳۲] کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے [۳۳]

الَّذِيْنَ تَتَوَفُّهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ  
فَالْقَوْمَ الَّذِيْنَ سَلَّمْ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍۭٓ بَلٰٓ اِنَّ

اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ سو داخل ہو دو دروازوں میں دوزخ کے رہا کرو سدا اسی میں سو کیا برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا

فَادْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط

فَلَبِئْسَ مَثْوٰى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ قرآن کریم پر کفار کا تمسخر: "یعنی ناواقف اشخاص بغرض تحقیق یا واقف لوگ ازراہ امتحان جب ان مکذبین سے کہتے ہیں یا وہ مکذبین خود آپس میں ایک دوسرے سے ازراہ تمسخر و استہزاء سوال کرتے ہیں کہ "کہو! تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟ مطلب یہ کہ قرآن جسے پیغمبر علیہ السلام خدا کا اتارا ہوا بتلاتے ہیں تمہارے نزدیک کیا چیز ہے اور محمد ﷺ اس دعوے میں کہاں تک سچے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) قرآن میں رکھا ہی کیا ہے بجز اس کے کتب سابقہ اور ملل سابقہ کی کچھ پرانی بے سند باتیں (توحید، نبوت، جنت، دوزخ وغیرہ) اور چند قصے کہانیاں نقل کر دی گئی ہیں۔

۳۱۔ یعنی اس کہنے سے غرضیہ ہے کہ (معاذ اللہ) قرن عزیز کو بے وقعت ٹھہرا کر اپنے ساتھ دوسروں کو گمراہ کرین اور اس طرح اپنے کفر و ضلال کی پوری پوٹ کے ساتھ کچھ بوجھ ان لوگوں کے اضلال و اغواء کا بھی سر پر رکھیں۔ جنہیں اپنی نادانی اور جہالت سے گمراہ کر رہے ہیں۔ خیال کرو کیس بدی کی پوٹ سر پر رکھ رہے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ وَمَنْ دَعَا اِلٰى ضَلٰلَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اِثْمِ مَنْ اَتْبَعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اِثْمِهِمْ شَيْئًا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَحْسِدُنَّ اٰتْفَالَهُمْ وَاَتْفَالًا مَّعَ اٰتْفَالِهِمْ (مککبوت-۱۳)۔

۳۲۔ پچھلی قوموں کے کفر کا انجام: یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے اور پیغام حق کو پست کرنے کی جو تدبیریں آج کی جا رہی ہیں ان سے پہلے دوسری قومیں بھی انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسی تدبیریں کر چکی ہیں انہوں نے مکرو تلبیس کے بڑے اونچے محل کھڑے کر دیے۔ پھر جب خدا کا حکم پہنچا تو اس نے پکڑ کر بنیادیں ہلا دیں آخر عذاب الہی کے ایک جھٹکے میں ان کے تیار کئے ہوئے محل ان ہی پر آپڑے جن کی چھتوں کے نیچے سب دب کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی تدبیریں خود ان ہی پر الٹ دی گئیں۔ اور جو سامان غلبہ و حفاظت کا کیا تھا وہ فنا و ہلاکت کا سبب بن گیا بلکہ بعض اقوام کی بستیاں حسی طور پر بھی تہ و بالا کر دی گئیں۔

۳۳۔ آخرت میں کفار سے خطاب: یعنی جن شرکاء کی حمایت میں ہمارے پیغمبروں سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے تھے آج وہ کہاں ہیں۔ تمہاری مدد کیوں نہیں آتے۔ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ (شعراء-۹۳) فَمَا لَكُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نٰصِرٍ (طارق-۱۰) یہ کہنا ہی ان کو رسوا کرنا ہے۔ یار سوائی سے مراد جہنم میں داخل کرنا اور ان کی خفیہ مکاریوں کا پردہ فاش کرنا ہے۔ اِنَّكَ مِنْ تٰذٰخِلِ النَّٰرِ فَفَقَدْ اٰخِرَ يَتِيْمًا (آل عمران-۱۹۲)۔

۳۰۔ یعنی وہ تو کیا جواب دے سکتے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے باخبر لوگ اس وقت ان مکار دغا بازوں کو سنا کر کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے آج کے دن ساری برائی اور رسوائی صرف منکرین حق کے لئے ہے۔

۳۱۔ یعنی شرک و کفر اختیار کر کے اپنے حق میں برا کرتے رہے۔ آخر اسی حالت میں موت کے فرشتے جان نکالنے کو آگئے۔ خلاصہ یہ کہ خاتمہ حالت کفر و شرک پر ہوا۔ العیاذ باللہ۔

۳۲۔ یعنی اس وقت ساری فوں فوں نکل جائے گی۔ جو شرارت و بغاوت دنیا میں کرتے تھے سب کا انکار کر کے اطاعت و وفاداری کا اظہار کریں گے کہ ہم نے کبھی کوئی بری حرکت نہیں کی ہمیشہ نیک چلن رہے۔ **يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ (مجادلہ-۱۸)۔**

۳۳۔ یعنی کیا جھوٹ بول کر خدا کو فریب دینا چاہتے ہو؟ جس کے علم میں تمہاری ساری حرکات ہیں آج تمہارا کوئی مکر اور جھوٹ خدائی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ وقت آگیا ہے کہ اپنے کروت کا مزہ چکھو۔

۳۰۔ اور کہا پرہیز گاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے بولے نیک بات جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں انکو بھلائی ہے [۳۴] اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیز گاروں کا [۳۵]

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۗ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَاللَّذِينَ الْأَخْرَجُوا خَيْرٌ ۗ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں وہ جائیں گے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ان کے واسطے وہاں ہے جو چاہیں [۳۶] ایسا بدلہ دے گا اللہ پرہیز گاروں کو [۳۷]

جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۗ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے اور وہ ستھری ہیں [۳۸] کہتے ہیں فرشتے سلامتی تم پر جاؤ بہشت میں [۳۹] بدلہ ہے اس کا جو تم کرتے تھے [۴۰]

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ بِاللَّيْلِ طَيِّبِينَ ۗ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۗ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ کیا کافر اب اس کے منتظر ہیں کہ آئیں ان پر فرشتے یا پہنچے حکم تیرے رب کا [۴۱] اسی طرح کیا تھا ان سے انگوٹوں نے اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر لیکن وہ خود اپنا برا کرتے رہے

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ ۗ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ پھر پڑے ان کے سران کے برے کام اور الٹ پڑا ان پر جو ٹھٹھا کرتے تھے [۵۴]

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۲۳﴾

۳۴۔ متقین سے سوال اور ان کا جواب: یہ مستکبرین کا مقابلہ میں متقین (پرہیزگاروں) کا حال بیان فرمایا کہ جب ان سے قرآن کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری تو نہایت عقیدیت و ادب سے کہتے ہیں کہ ”نیک بات جو سراپا خیر و برکت ہے“ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ جس نے بھلائی کی دنیا میں اسے بھلائی کا خوشگوار پھل مل کر رہے گا۔ خدا کے یہاں کسی کی محنت اور ذرہ برابر نیکی ضائع نہیں جاتی۔

۳۵۔ یعنی آخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ دنیا و مافیہا کی نعمتیں وہاں کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

۳۶۔ اہل جنت کی ہر خواہش پوری ہوگی: یعنی جنتی جس قسم کی جسمانی راحت اور روحانی مسرت چاہیں گے وہاں حاصل ہوگی۔ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (الزخرف-۷۱)۔

۳۷۔ یعنی ان تمام لوگوں کو جو کفر و شرک اور فسوق و عصیان سے پرہیز کرتے ہیں۔ ایسا اچھا بدلہ ملے گا۔

۳۸۔ یعنی ان کی جانیں موت کے وقت کفر و شرک کی نجاست سے پاک اور فسق و فجور کے میل کچیل سے صاف رہیں۔ اور حق تعالیٰ کی صحیح معرفت و محبت کی وجہ سے نہایت خوشدلی اور انشراح بلکہ اشیاتاق کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کی۔

۳۹۔ ایک حیثیت سے روحانی طور پر تو انسان مرنے کے بعد ہی جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہاں جسمانی حیثیت سے پوری طرح دخول، حشر کے بعد ہوگا۔ ممکن ہے اس بشارت میں دونوں قسم کے دخول کی طرف اشارہ ہو۔

۵۰۔ یعنی تمہارا عمل سبب عادی ہے دخول جنت کا۔ باقی سب حقیقی رحمت الہیہ ہے کہ حدیث میں آیا اَلَا اِنَّ يَتَعَبَّدَنِ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ

۵۱۔ کفار کو تنبیہ: جنت کی خوبیاں اور اس کا تفوق و امتیاز بیان فرمانے کے بعد ان غافلوں کو تنبیہ کی جاتی ہے جو محض دنیوی سامانوں پر مست ہو کر آخرت کو بھلائے بیٹھے ہیں اور اپنا کام سدھارنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ جس وقت فرشتے جان نکالنے کو آجائیں گے یا خدا کے حکم کے موافق قیامت قائم ہو جائے گی، یا مجرموں کی سزا دہی کا حکم پہنچ جائے گا اور جو تاسر پر پڑنے لگے گا، تب ایمان لا کر اپنی حالت درست کریں گے، حالانکہ اس وقت کا ایمان یا توبہ و رجوع کچھ نافع نہ ہوگا۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ موت سے پہلے بعد الموت کی تیاری کی جائے اور عذاب آنے سے پیشتر بچاؤ کی تدبیر کر لیں۔

۵۲۔ یعنی اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور و غفلت کے نشے میں پڑے رہے تھے، باطل پرستی میں تہادی ہوتی رہی، توبہ کے وقت توبہ نہ کی، اخیر تک انبیاء کی تکذیب و مخالفت پر تلے رہے اور ان کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے۔ آخر جو کیا تھا سامنے آیا اور عذاب الہی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان کا استہزاء و تمسخر انہی پر الٹ پرا، بھاگ کر جان بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جو بویا تھا سو کاٹا۔ خدا کو ان سے کوئی بیر نہ تھا نہ اس کے یہاں تو ظلم و تعدی کا امکان ہے ان لوگوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری۔ کسی کا کیا بگڑا، انہی کا نقصان ہوا۔

۳۵۔ اور بولے شرک کرنے والے اگر چاہتا اللہ نہ پوجتے ہم اس کے سوا کسی چیز کو اور نہ ہمارے باپ اور نہ حرام ٹھہرا لیتے ہم بدون اسکے حکم کے کسی چیز کو [۵۳] اسی طرح کیا ان سے اگلوں نے سوسولوں کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا صاف صاف [۵۴]

۳۶۔ اور ہم نے اٹھائے ہیں (بھیجے ہیں) ہر امت میں رسول [۵۵] کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑونگے سے (جھوٹے معبودوں سے) [۵۶] پھر کسی کو ان میں سے ہدایت کی (راہ سمجھائی) اللہ نے اور کسی پر ثابت ہوئی گمراہی سو سفر کرو (چلو پھر زمین میں) ملکوں میں پھر دیکھو کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

۳۷۔ اگر تو طمع کرے انکو راہ پر لانے کی تو اللہ راہ نہیں دیتا جن کو بچلاتا ہے اور کوئی نہیں ان کا مددگار [۵۷]

۳۸۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں کہ نہ اٹھائے گا اللہ جو کوئی مر جائے [۵۸] کیوں نہیں (بیشک اٹھائے گا) وعدہ ہو چکا ہے اس پر پرکا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے [۵۹]

۳۹۔ اٹھائے گا تاکہ ظاہر کر دے ان پر جس بات میں کہ جھگڑتے ہیں اور تاکہ معلوم کر لیں کافر کہ وہ جھوٹے تھے [۶۰]

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ

قَبْلِهِمْ ۗ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۗ فَمِنْهُمْ مَن هَدَى اللَّهُ وَ

مِنْهُمْ مَن حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۗ فَسِيرُوا فِي

الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿٣٦﴾

إِنْ تَحْرِصْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن

يُضِلُّ وَمَالَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾

وَاقْسُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ

مَن يَبُوتُ ۗ بَلَىٰ وَعَدَا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ فِيهِ ۗ وَلِيَعْلَمَ

الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو جا تو وہ ہو جائے [۴۱]

إِنَّا قَوْلُنَا شَيْءٌ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ

فَيَكُونُ ﴿۳۰﴾

۵۳۔ مشرکین کے دلائل کا رد: یہاں اسے ان باطل اعذار اور لچر پوچ دلائل کا رد شروع کرتے ہیں جو مشرکین اپنے شرک اور اعمال شرکیہ کا جواز و استحسان ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر اللہ کی پرستش یا بعض جانوروں (مثلاً بچیرہ سانپ وغیرہ) کو حرام ٹھہرا لینا برے اور بے سند کام ہوتے ہیں جنہیں خدا پسند نہ کرتا، تو ہم کر کرنے کیوں دیتا۔ ضرور تھا کہ جب ہم اس کی مرضی کے خلاف کام کریں تو اس سے روک دے نہ رکھیں تو فوراً سزا دے اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ دلیل ہے کہ خدا کو وہ کام ناپسند نہیں۔ آٹھویں پارہ کے دوسرے ربع آیت سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ (الانعام-۱۳۸) الخ کی جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں مشرکین کا یہ شبہ اور اس کا مفصل جواب بیان کیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۵۴۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد: یعنی مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ خدا کی طرف سے روکا نہیں گیا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک حسب ضرورت و مصلحت حق تعالیٰ انبیاء کو بھیجتا رہا ہے جن کا کام ہی یہ تھا کہ لوگوں کو شرک و اعمال شرکیہ سے روکیں اور صاف صاف اعلان کریں کہ خدا تعالیٰ کو کیا کام پسند ہیں کیا ناپسند، اور ان میں سے ہر ایک کا انجام کیا ہے۔ باقی یہ کہ لوگوں کو تکوینی طور پر مجبور کیوں نہ کر دیا گیا کہ وہ بدی کا راستہ اختیار ہی نہ کر سکتے۔ تو یہ بات اس کی حکمت کے منافی تھی جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواضع میں لکھ چکے ہیں۔ رہی یہ چیز کہ جو انبیاء کا کہنا نہ مانیں انہیں فوراً سزا دی جاتی۔ تو بہت سی قوموں کو دنیا میں عبرتناک سزائیں بھی دی گئیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ ہاں عقلاً و نقلاً یہ ضروری نہیں کہ ارتکاب جرم کے ساتھ فوراً سزا دی جائے۔ مجرم کو ایک منٹ کہ مہلت نہ ملے نہ اس کے لئے توبہ و اصلاح کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کو یہ کام برا لگتا تو کیوں کرنے دیتا۔ آخر ہر فرقے کے نزدیک بعضے کام برے ہیں۔ پھر وہ کیوں ہونے دیتا ہے (کیا ان کے روکنے سے خدا عاجز تھا؟) یہاں جواب مجمل فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں، جس کی قسمت میں ہدایت تھی اس نے پائی، جو خراب ہونا تھا خراب ہوا۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے (کہ انسان کو فی الجملہ کسب و اختیار کی قوت دے کر آزاد رکھے۔ اینٹ پتھر کی طرح مجبور یا حیوانات کی طرح اس کا دائرہ عمل محدود نہ کرے بلکہ ہر طرف بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع دے۔

۵۵۔ ہر قوم کے لئے ہدایت بھیجی گئی: یعنی اپنے اپنے وقت پر۔ پھر آخر میں پیغمبر عربی ﷺ کو رسول التقلین بنا کر بھیجا۔ (تنبیہ) اس آیت سے لازم نہیں آتا کہ ہر قوم اور بستی میں رسول بلا واسطہ بھیجا گیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کسی قوم میں اٹھایا جائے اور اس کے نائب جنہیں ”ہادی“ و ”نذیر“ کہا جاسکتا ہے دوسری اقوام میں بھیجے جائیں۔ ان کا بھیجنا گویا بالواسطہ اسی پیغمبر کا بھیجنا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۶۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ”ہر دنگا وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے کچھ سندنہ رکھے۔ ایسے کو ”طانغوت“ کہتے ہیں بت، شیطان اور زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں۔

۵۷۔ یعنی جس کو قصور استعداد اور سوائے اختیار کی بناء پر خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا نہ اسے خدائی سزا سے کوئی بچا سکتا ہے۔ آپ کا ان کی ہدایت پر حریص ہونا بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پھر آپ ان کے غم میں اپنے کو اس قدر کیوں گھلاتے ہیں۔

۵۸۔ یعنی موت کے بعد دوسری زندگی ہی نہیں پھر عذاب کا کیا ڈر۔ سب ڈھکوسلے ہیں۔

۵۹۔ کفار کی قسمیں: یعنی تمہارے انکار اور انکل پچو قسمیں کھانے سے خدا کا پکا وعدہ ٹل نہیں سکتا، وہ تو ہو کر رہے گا۔ البتہ تم ایسی حقائق ثابتہ کا

انکار کر کے اپنے جہل کا ثبوت دے رہے ہو۔ جو شخص خدا کے علم محیط اور شہون قدرت و حکمت، تکوین کے راز اور اس کی غرض و غایت سے آگاہ ہو گا وہ کبھی بعث بعد الموت کا انکار نہیں کر سکتا سچ ہے۔ الناس اعداء ما جہلوا۔

۶۰۔ دوبارہ زندگی کی حکمت: یعنی معاد (قیامت وغیرہ کا آنا) عین حکمت ہے۔ اگر موت کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو دنیا میں جو مختلف اعمال و احوال پائے جاتے ہیں ان کے صاف اور مکمل نتائج کیسے ظاہر ہونگے۔ یہاں کے جھگڑوں کا دو ٹوک فیصلہ تو وہیں ہو گا اور اس وقت منکرین معلوم کر لیں گے کہ قسمیں کھا کر جن باتوں کا انکار کرتے تھے وہ سچی تھیں اور قسم کھانے والے جھوٹے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی اس جہان میں بہت باتوں کا شبہ رہا اور کسی نے اللہ کو مانا کوئی منکر رہا تو دوسرا جہان ہونا لازم ہے کہ جھگڑے تحقیق ہوں سچ اور جھوٹ جدا ہو، اور مطیع و منکر اپنا کیا پائیں۔“

۶۱۔ پھر مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تنبیہ) کُنْ فَيَكُونُ کی بحث پارہ الم رکوع وَقَالَتِ الْيَهُودُ (الم-۱۱۳) الخ میں ملاحظہ کر لی جائے غرض صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ایک سیکنڈ کے لئے بھی مراد کا تخلف نہیں ہو سکتا۔ ارادہ کے بعد مراد کا نہایت سہولت و سرعت سے فوراً واقع ہونا اور کسی مانع و عائق کا مزاحمت نہ کر سکتا، یہ ہی خلاصہ اس جملہ کا ہے۔

۶۲۔ اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد اس کے کہ ظلم اٹھایا البتہ انکو ہم ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا [۶۲]

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا  
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۗ وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ

أَكْبَرَ ۗ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

۳۲۔ جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا [۳۲]

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۳۲﴾

۶۲۔ ہجرت کے دنیاوی اور اخروی منافع: یعنی سلسلہ مجازات (طاعت و معصیت کا پورا نتیجہ ظاہر کرنے) کے لئے بعث الموت ضروری ہے۔ بہت سے خدا کے وفادار بندے مصائب و شدائد جھیلتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، کیا ان کی قربانیاں ضائع کی جاسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں جن لوگوں نے حق کی حمایت اور خدا کی رضا جوئی کے لئے ظالموں کی سختیاں برداشت کیں اور انواع و اقسام کے ظلم و ستم اٹھائے حتیٰ کہ مجبور ہو کر گھر بار، خویش و اقارب اور عزت و راحت سب چیزوں کو خدا کے راستہ میں تہ تیغ دیا، ان کی محنت و وفاداری کا صلہ یقیناً مل کر رہے گا۔ اول تو ان میں سے جو جیتے بچیں گے دنیا ہی میں اپنی قربانیوں کا تھوڑا سا پھل چکھ لیں گے۔ یعنی گھر چھوڑنے والوں کو بہترین ٹھکانہ دیا جائے گا۔ گھر سے اچھا گھر، وطنی بھائیوں سے بڑھ کر دردمند بھائی روزی سے بہتر روزی، عزت سے زیادہ عزت ملے گی۔ بلکہ وطن سے نکالنے والوں پر غالب دنیا کے حاکم اور پرہیز گاروں کے امام بن جائیں گے۔ پھر اس سب کے بعد جو بلند مقامات اور عظیم الشان مدارج آخرت میں ملیں گے ان کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر وہاں کے اجر و ثواب کا پورا یقین ہو جائے تو دوسرے لوگ بھی جو ہجرت کی سعادت سے محروم ہیں تمام گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل کھڑے ہوں۔ (تنبیہ) آیت کے عموم الفاظ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے یہ تقریر کی ہے (وہو منقول فی روح المعانی عن بعضہم) عامہ مفسرین نے اس کو ان اسی صحابہؓ کے حق میں رکھا ہے جو کفار مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آ کر ابتداءً حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ کیونکہ اکثر کے نزدیک آیت مکی ہے جو ہجرت الی المدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ان ہجرت کرنے والوں کو آخر کار خدا تعالیٰ نے اچھا ٹھکانہ مدینہ میں دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

۶۳۔ یعنی کسی ظلم اور سختی سے نہیں گھبرائے۔ وطن محبوب اور خویش واقارب کے چھوٹے کی پروانہ کی رضائے الہی کے راستے سے ذرا قدم نہیں ڈگمگایا۔ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے ہو رہے۔ خالص اسی کی امداد اور اٹل وعدوں پر بھروسہ کیا۔ یہاں تک کہ دیکھ لیا کہ جو خدا کا ہو رہتا ہے کسی طرح خدا اس کا ہو جاتا ہے۔

۴۳۔ اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم انکی طرف سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں [۶۴]

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ  
فَسَأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۳﴾

۴۴۔ بھیجا تھا انکو نشانیاں دے کر اور وقتے (اوراق) [۶۵] اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری انکے واسطے [۶۶] تاکہ وہ غور (دھیان) کریں [۶۷]

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ  
لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اہل ذکر سے استفادہ کا حکم: "یعنی پیغمبر کے مظلوم ساتھیوں کو جب وہ صبر و توکل کی راہ میں ثابت قدم ہوں، دارین میں غالب و منصور کرنا ہماری کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی ہم نے انسانوں میں سے رسول بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ خدا کے احکام اور نیکی بدی کے انجام سے لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اب اگر تمہیں معلوم نہیں تو جاننے والوں سے جو اہم سابقہ اور ان کے پیغمبروں کے تاریخی واقعات کا علم رکھتے ہیں تحقیق کر لو کہ فی الواقع پہلے کچھ آدمی پیغمبری کے منصب پر بینات زُبر (معجزے اور کتابیں) دے کر بھیجے گئے یا نہیں۔ اور یہ کہ ان کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اہل حق صبر و توکل کی بدولت کس طرح منصور و کامیاب ہوئے۔ اور ظالم معاندین اتمام حجت کے بعد کیسے تباہ کئے گئے۔ وَتَبَيَّنَتْ لِكَلِمَتِكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ إِنَّا صَبَرْنَا ۙ وَدَمَرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ (اعراف ۱۳۷) ہم نے اہل الذکر سے خاص اہل کتاب مراد نہیں لئے بلکہ عموم لفظ کی رعایت کی ہے جس میں اہل کتاب بھی شامل ہیں۔ روح المعانی میں ہے قال الرماني والنَّجَّاح والَّذِي السَّادِ بِأَهْلِ الذِّكْرِ عَلَمَاءُ أَحْبَابِ الْأُمَّةِ السَّالِفَةِ كَابْنِ مَرْيَمَ كَانَ فَالذِّكْرُ بِمَعْنَى الْحِفْظِ الخ کا ترجمہ "یاد رکھنے والوں سے کر کے شاید اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہر حال عموم آیت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ غیر اہل علم کو اہل الذکر سے دریافت کر کے عمل کرنا چاہئے۔ بہت سے علماء اس کو تقلید ائمہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۵۔ یعنی معجزات اور وہ علوم جو اوراق میں لکھے جاتے ہیں۔

۶۶۔ قرآن کی جامعیت: "یادداشت" سے مراد ہے قرآن کریم جو اگلی امتوں کے ضروری احوال و شرائع کا محافظ انبیائے سابقین کے علوم کا جامع، اور ہمیشہ کے لئے خدائی احکام اور فلاح دارین کے طریقوں کو یاد دلانے والا اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پہلے رسول بھیجے گئے، کتابیں اتاری گئیں، آج تم کو (اے محمد ﷺ) ہم نے ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہ ہی معتبر ہے جو احادیث رسول اللہ ﷺ کے موافق ہو۔

۶۷۔ یعنی حضور ﷺ کا کام مضامین قرآن کو کھول کر بیان کرنا اور لوگوں کا کام اس میں غور و فکر کرنا ہے۔



۳۵۔ سو کیا نڈر ہو گئے وہ لوگ جو برے فریب (داؤ) کرتے ہیں اس سے کہ دھنسا دیوے اللہ ان کو زمین میں یا آپہنچے ان پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے ہوں [۲۸]

أَفَامِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ  
اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ

لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ یا پکڑ لے ان کو چلتے پھرتے سو وہ نہیں ہیں عاجز کرنے والے [۲۹]

أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ یا پکڑ لے ان کو ڈرانے کے بعد (ڈرا کر) [۴۰] سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان [۴۱]

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ ۖ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ

رَّحِيمٌ ﴿۳۷﴾

۶۸۔ کیا کفار اللہ کے عذاب سے نڈر ہو گئے؟ یعنی اگلے انبیاء اور ان کی قوموں کا حال سننے اور قرآن ایسی مکمل یادداشت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کفار مکہ حق کے مقابلہ میں اپنی مکاریوں اور داؤ فریب سے باز نہیں آتے۔ کیا یہ امکان نہیں کہ خدا انہیں قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے۔ یا ایسی طرف سے کوئی آفت بھیج دے جدھر سے انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو۔ چنانچہ ”بدر“ میں مسلمان غازیوں کے ہاتھوں سے ایسی سزا دلوائی جو اپنی قوت و جمعیت اور مسلمانوں کے ضعف و قلت کو دیکھتے ہوئے ان کے تصور میں بھی نہ آسکتی تھی۔“

۶۹۔ یعنی یہ بھی ضرورت نہیں کہ پہلے سے کچھ اہتمام کیا جائے یا فوجیں مقابلہ کے لئے روانہ کی جائیں۔ خدا تو اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں چلتے پھرتے کام کاج کرتے یا بستروں پر کروٹیں بدلتے ہوئے ایک دم پکڑ لے اور بالکل عاجز و بے بس کر دے۔ اس کو سب قدرت ہے۔ وہ تم کو عاجز کر سکتا ہے۔ تم اسے نہیں تھکا سکتے۔

۷۰۔ یعنی اچانک نہ پکڑے۔ بلکہ آگاہ کرنے اور مبادی عذاب بھیجنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑ لے جبکہ لوگ اطلاع پا کر اور آثار عذاب دیکھ کر طبعاً خوف کھا رہے ہوں یا آس پاس کے لوگوں کو آفات سماویہ میں مبتلا دیکھ کر ڈر رہے ہوں لیکن یہ خوف محض طبعی ہو۔ ندامت اور توبہ کے ساتھ نہ ہو جو دفع عذاب ہو سکتا ہے بعض نے ”تخوف“ کے معنی ”متنقص“ (آہستہ آہستہ کم کرنے) کے لئے ہیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ دفعۃً ہلاک نہ کرے۔ آہستہ آہستہ تم کو گھٹائے اور پست کرتا رہے۔

۷۱۔ عذاب کی تاخیر کی حکمت: یعنی خدا سب کچھ کر سکتا ہے مگر کیوں نہیں کرتا۔ اس کی نرمی اور مہربانی مانع ہے کہ مجرمین پر فوراً عذاب نازل کر دے، اس کی رافت و رحمت مقتضی ہے کہ مجرمین کو مہلت اور اصلاح کا موقع دیا جائے یا یہ جملہ صرف یَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ سے متعلق ہے بحالیکہ تَخَوُّفٍ کو بمعنی ”متنقص“ لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ آہستہ آہستہ کم کرنا اور دفعۃً ہلاک نہ کرنا اس کی رحمت و شفقت کی وجہ سے ہے ورنہ ایک آن میں نیست و نابود کر دیتا۔

۴۸۔ کیا نہیں دیکھتے وہ جو کہ اللہ نے پیدا کی ہے کوئی چیز کہ ڈھلتے ہیں سایے ان کے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اور وہ عاجزی میں ہیں [۴۲]

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّؤُا  
ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ

دُخْرُونَ ﴿٣٨﴾

۴۹۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے جانداروں سے اور فرشتے اور وہ تکبر نہیں کرتے [۴۳]

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ  
دَابَّةٍ وَالْبَلٰئِكَةِ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں [۴۴]

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُونَ مَا  
يُؤْمَرُونَ ﴿٤٠﴾

۵۱۔ اور کہا ہے اللہ نے مت پکڑو معبود دووہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو [۴۵]

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ إِلَّا هُوَ  
إِلٰهُ وَاحِدٌ فَايَايَ فَارْهَبُونَ ﴿٤١﴾

۵۲۔ اور اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی کی عبادت ہے (اسی کا انصاف) ہمیشہ [۴۶] سو کیا سوائے اللہ کے کسی سے ڈرتے ہو (خطرہ رکھتے ہو)

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصْبَا  
أَفْعِرِ اللَّهُ تَتَّقُونَ ﴿٤٢﴾

۵۳۔ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے نعمت سو اللہ کی طرف سے پھر جب پہنچتی ہے تم کو سختی تو اسی کی طرف چلاتے ہو (اسی سے فریاد کرتے ہو) [۴۷]

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نَّعْمَةٍ فَبِنِ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمْ  
الضُّرُّ فَالْيَهُ تَجْرُونَ ﴿٤٣﴾

۵۴۔ پھر جب کھول دیتا ہے سختی تم سے اسی وقت ایک فرقہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بتانے

ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُمْ  
بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٤٤﴾

۵۵۔ تاکہ منکر ہو جائیں اس چیز سے جو کہ ہم نے انکو دی ہے سو مزے اڑالو آخر معلوم کر لو گے [۷۸]

لِيَكْفُرُوا بِآٰتِيْنَهُمْ ۖ فَتَجْعَلُوْا ۗ فَسَوْفَ

تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۶۔ اور ٹھہراتے ہیں ان کے لئے جن کی خبر نہیں رکھتے (جن کو خبر نہیں) ایک حصہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے [۷۹] قسم اللہ کی تم سے پوچھنا ہے جو تم بہتان باندھتے ہو [۸۰]

وَيَجْعَلُوْنَ لِبَاۗءِ لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۗ

تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلَنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۷۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں وہ اس سے پاک ہے (لائق نہیں) [۸۱] اور اپنے لئے جو دل چاہتا ہے [۸۲]

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهُ ۗ وَ لَهُمْ مَّا

يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

۷۲۔ اشیاء کا سجدہ: "یعنی جب تکوینی طور پر ہر چیز خدا کے سامنے عاجز اور مطیع و منقاد ہے۔ حتیٰ کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم اور قانون قدرت کے موافق گھٹتا بڑھتا اور ادھر یا ادھر ڈھلتا رہتا ہے پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کوئی طاقت روک سکتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ باختیار خود اس کے احکام تشریحیہ کے سامنے گردن جھکا دے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ہر چیز ٹھیک دوپہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے۔ جب دن ڈھلا سایہ جھکا، پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین میں پڑ گیا۔ جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع، رکوع سے سجدہ، اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے۔ اپنے سایہ سے نماز کرتی ہے۔ کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جھکتا ہے کہیں بائیں طرف۔"

۷۳۔ جانداروں اور فرشتوں کا سجدہ: پہلے کھڑی چیزوں کا جو سایہ دار ہوں سجدہ بیان ہوا تھا، یہاں عام جانداروں بالخصوص فرشتوں کا سجدہ بیان کر کے متنہ فرمایا کہ ایسی مقرب و معظم ہستیاں بھی اس کے آگے سر بسجود ہیں کوئی شیخی یا غرور ان میں نہیں، جو اپنے مالک کے سامنے سر جھکانے سے رکے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "مغرور لوگوں کو سر رکھنا زمین پر مشکل ہوتا ہے۔ نہیں جانتے کہ بندہ کی بڑائی اسی میں ہے من تَوَاضَعُ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔"

۷۴۔ یعنی فرشتے باجوہ اس قدر قرب و وجاہت کے اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں فوراً اجالاتے ہیں موضح القرآن میں ہے کہ "ہر بندہ کے دل میں ہے کہ میرے اوپر اللہ ہے آپ کو نیچے سمجھتا ہے، یہ سجدہ فرشتوں کا بھی ہے اور سب کا۔"

۷۵۔ یعنی جب تمام آسمانی و زمینی مخلوق ایک خدا کے سامنے بے اختیار سر بسجود اور عاجز و متہور ہے، پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آگیا جو سارے جہان کا مالک و مطاع ہے تنہا اسی کی عبادت ہونی چاہئے اور اسی سے ڈرنا چاہئے۔

۷۶۔ یعنی تکوینی طور پر ہر چیز خالص اسی کی عبادت و اطاعت پر مجبور ہے اَفْعَلِيْرِدِيْنَ اللّٰهُ يَبْعُوْنَ وَ لَهُ اَسْلَمَ مَنَ فِي السَّلٰوٰتِ وَ الْاٰذٰنِ طَوْعًا وَ كَرْهًا وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران- ۸۳) یا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ اسی کی عبادت کرنا لازم ہے اَللّٰهُ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر- ۳) اور بعض نے "دین" کو "جزاء" کے معنی میں لیا۔ یعنی نیک و بد کا دائمی بدلہ اسی ایک خدا کی طرف سے ملے گا۔ واللہ اعلم۔

۷۷۔ ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہے: یعنی سب بھلائیاں اور نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور ہر ایک برائی یا سختی کا دفع کرنا بھی اسی کے قبضہ میں

ہے۔ چنانچہ جب کوئی سخت مصیبت انسان کو چھو جاتی ہے تو کٹر سے کٹر مشرک بھی اس وقت سب سہارے چھوڑ کر خدا کو پکارنے لگتا ہے گویا فطرت انسانی شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بچانا خدائے واحد کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کے قبضہ میں ہر ایک نعمت و نعمت اور ہر قسم کا نفع و ضرر ہے۔ دوسرا کون ہے جو اس کی الوہیت میں حصہ دار بن سکے یا جس سے انسان خوف کھائے اور امیدیں باندھے۔

۷۸۔ یعنی جہاں سختی دور ہوئی، منعم حقیقی کو بھلا بیٹھے۔ اور نہایت بے حیائی سے خدائی کے حصے بخرے کرنے لگے۔ شرم نہ آئی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے عاجز ہو کر کسے پکار رہے تھے۔ نہ محسن حقیقی کا احسان مانا نہ یہ اندیشہ کیا کہ ناشکری کی سزا میں پکڑے جائیں گے، یا کم از کم کفران نعمت سلب نعمت کا موجب ہو جائے گا۔ گویا خدائے وحدہ لا شریک لہ نے جو انعام فرمایا تھا بالکل اس کے انکار پر تل گئے۔ بہتر ہے، چند روز کی انہیں مہلت دی جاتی ہے۔ خوب دنیا کے مزے اڑالیں آخر معلوم ہو جائے گا کہ اس مشرک نہ کفران نعمت کی کیسی سزا ملتی ہے۔

۷۹۔ یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں، مویشی میں، تجارت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں (موضح القرآن) جیسا کہ مشرکین عرب کا دستور تھا جس کا ذکر آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گذر چکا۔ مَا لَا يَخْلُمُونَ سے مراد وہ ہی اصنام وغیرہ ہیں جنہیں مشرکین جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع و ضرر سمجھتے تھے۔ حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا سند ان کے پاس نہ تھی، پھر شرکاء بھی تجویز کئے گئے پتھر کے بت جو ہر قسم کے علم و شعور سے کورے ہیں إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ (ص۔ ۵)

۸۰۔ یعنی قیامت میں ان افتراء پردازوں کی تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ خدا کے دیے ہوئے مال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک و سہیم بناؤ (باقی کسی کو ثواب پہنچانے کا مسئلہ جدا گانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں)۔

۸۱۔ یعنی وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے اولاد ثابت کی جائے۔ خاص کر بیٹیاں۔ تعجب ہے کہ لوگ حق تعالیٰ کی نسبت ایسی جرأت کس طرح کرتے ہیں۔ اس آیت میں "بنو خزاعہ" کا رد ہوا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (العیاذ باللہ)۔

۸۲۔ اللہ کے لئے بیٹیوں کی نسبت: یعنی خود اپنے لئے بیٹیاں دیئے جانے پر رضامند نہیں جب مانگیں گے بیٹا مانگیں گے۔

۵۸۔ اور جب خوشخبری ملے ان میں کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور جی میں گھٹتا رہے [۸۳]

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَ

هُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی [۸۴] اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو داب دے مٹی میں [۸۵] سنتا ہے برا فیصلہ کرتے ہیں [۸۶]

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ  
أَيْسِرُكَ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا

سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

۶۰۔ جو نہیں مانتے آخرت کو ان کی بری مثال ہے اور اللہ کی مثال (شان) سب سے اوپر [۸۷] اور وہی ہے زبردست حکمت والا [۸۸]

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوِّءِ ۗ وَ  
لِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾

۸۳۔ یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت و غم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سے سر پر آئی۔

۸۴۔ یعنی رسمی ننگ و عار کے تصور سے کہ لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا۔ لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا ادھر ادھر چھپتا پھر تا ہے۔

۸۵۔ لڑکیوں کو زندہ گاڑنا: یعنی شب و روز ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہے اور تجویزیں سوچتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار دے، یعنی ہلاک کر ڈالے۔ جیسا کہ جاہلیت میں بہت سے سنگدل لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے یا زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے آکر اس رسم قبیح کو مٹایا اور ایسا قلع قمع کیا کہ اسلام کے بعد سارے ملک میں اس بے رحمی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی بعض نے اَیْسِبْکُ عَلٰی هُوْنِ کے معنی یوں کئے ہیں۔ ”روکے رکھے لڑکی کو ذلیل و خوار کر کے“ یعنی زندہ رہنے کی صورت میں ایسا ذلیل معاملہ کرے گویا وہ اس کی اولاد ہی نہیں۔ بلکہ آدمی بھی نہیں۔

۸۶۔ لڑکیوں کے متعلق جو ظالمانہ فیصلہ انکا تھا اس سے زیادہ بڑا فیصلہ یہ ہے کہ خدا کے لئے اولاد تجویز کریں، پھر اولاد بھی ”اناث“ جس سے خود اتنا گھبراتے ہیں۔ گویا اچھی چیز ان کے لئے اور ناقص خدا کے لئے ہے (العیاذ باللہ)۔

۸۷۔ کفار کی مثال بری ہے: یعنی مشرکین جنہیں اپنے ظلم اور گستاخیوں کے انجام پر یقین نہیں۔ بری مثال یا بری صفت و حالت ان ہی کی ہے۔ وہ ہی اولاد کے محتاج ہیں۔ دکھ اور ضعیفی وغیرہ میں کام آنے کے لئے ان کو لڑکوں کا سہارا چاہئے۔ دفع عاریا افلاس وغیرہ کے ڈر سے لڑکیوں کو ہلاک کرنا ان کا شیوہ ہے۔ آخر میں ظلم و شرک وغیرہ کا جو برا انجام ہونا چاہئے اس سے بھی وہ بچ نہیں سکتے۔ غرض ہر نچ سے بری مثال اور نقص و عیب کی نسبت ان ہی کی طرف ہونی چاہئے۔ حق تعالیٰ کی طرف ان صفات کی نسبت کرنا جو مخلوق کا خلاصہ ہیں اور (معاذ اللہ) بیٹے بیٹیاں تجویز کر کے حقیر اور پست مثالیں دنیا اس کی شان عظیم و رفیع کے منافی ہے اس کے لئے تو وہ ہی مثالیں اور صفات ثابت کی جاسکتی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر بلند چیز سے بلند تر ہوں۔

۸۸۔ یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ تمہاری گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتا ہے۔ لیکن فوراً سزا دینا اس کی حکمت کے مناسب نہیں۔ لہذا ڈھیل دی جاتی ہے کہ اب بھی باز آجائیں اور اپنا رویہ درست کر لیں۔

۶۱۔ اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وقت موعود تک پھر جب آپہنچے گا ان کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے [۸۹]

وَلَوْ يَوَّاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا  
مِنْ دَابَّةٍ وَّلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا  
جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا

يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾

۶۲۔ اور کرتے ہیں (ٹھہراتے ہیں) اللہ کے واسطے جس کو اپنا جی نہ چاہے [۹۰] اور بیان کرتی ہیں زبانیں انکی جھوٹ کہ انکے واسطے خوبی ہے [۹۱] آپ ثابت ہے

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمْ  
اَلْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ط لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ

وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾

(محقق ہو گیا) کہ انکے واسطے آگ ہے اور وہ بڑھائے جا رہے ہیں [۹۲]

تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَرِيقٌ لَّهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالُهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ

۶۳۔ قسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے مختلف فرقوں میں تجھ سے پہلے پھر اچھے کر کے دکھلائے انکو شیطان نے ان کے کام سو وہی رفیق ان کا ہے آج اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے [۹۳]

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

۶۴۔ اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سنادے تو ان کو وہ چیز کہ جس میں جھگڑ رہے ہیں [۹۴] اور سیدھی راہ سمجھانے کو اور واسطے بخشش ایمان لانے والوں کے (رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے) [۹۵]

يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾

وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾

۶۵۔ اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے [۹۶] اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سنتے ہیں [۹۷]

۸۹۔ اللہ کی ڈھیل وقت معین تک ہے: یعنی اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور نا انصافی پر دنیا میں فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کر دے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی نہیں رہ سکتی کیونکہ دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ اور چھوٹی موٹی خطا و قصور سے تو کوئی خالی ہو گا؟ کُلُّكُمْ خَطَّآءٌ نَّجَسٌ حَتَّىٰ تَطَّيَّرُوا بِمَاءٍ غَرَابِيبٍ۔ جب غلطی و بدکار فوراً اہلاک کر دیے گئے تو صرف معصوم انبیاء کے زمین پر بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ان کا ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا زیادہ موزوں ہے۔ جب نیک و بد انسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہو گا، کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ نیز فرض کیجئے خدا نے انسانوں کے ظلم و عدوان پر بارش بند کر دی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مریں گے۔ بہر حال خدا اگر بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنے حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مجرموں کو توبہ و اصلاح کا موقع دیتا ہے اور وقت موعود تک انہیں ڈھیلا چھوڑتا ہے۔ جب وقت آپہنچا، پھر ایک سیکنڈ ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ سے خاص دابہ ظالمہ مراد ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مطلب واضح ہے کوئی اشکال نہیں۔ واللہ اعلم۔

۹۰۔ یعنی جو چیزیں بری سمجھ کر اپنے لئے پسند نہیں کرتے مثلاً بیٹیاں یا اپنی ملک میں کسی اجنبی کی شرکت یا استہزاء و استخفاف کا معاملہ وہ خداوند قدوس کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

۹۱۔ کفار کے جھوٹے دعوے: یعنی باوجود ایسی گستاخوں کے زبان پر یہ جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم تو دنیا میں بھی بھلی چیزوں کے لائق ہیں۔ اور اگر آخرت وغیرہ کے قسے سچے ہوئے تو وہاں بھی خوب چین اڑائیں گے۔ وَكَيْفَ أَذْقَنَهُمْ مَّتَا مِّنْ بَعْدِ صَرَاءٍ مَّسْتَنَّةٍ لِّكَيْفُؤُنَّ هَذَا لِي ۗ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۚ وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْطَىٰ (الحم السجدہ۔ ۵۰)۔

۹۲۔ یعنی ان گستاخیوں کے ساتھ ایسی باطل آرزوئیں رکھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کے لئے کوئی خوبی اور بھلائی تو کیا ہوتی، البتہ دوزخ تیار ہے جس کی طرف وہ بڑھائے جا رہے ہیں اور جہاں پہنچ کر گویا بالکل بھلا دیے جائیں گے۔ یعنی ابد الابد تک کبھی مہربانی کی نظر ان پر نہ ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ ان کو فرمایا جو ناکارہ چیزیں اللہ کے نام دیں اور اس پر یقین کریں کہ ہم کو بہشت ملے گی۔ حالانکہ وہ روز بروز دوزخ کی طرف بڑھتے ہیں۔

۹۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: کفار مکہ کی گستاخیوں اور لغو و بیہودہ دعاوی کا ذکر کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان کی حرکتوں سے دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں لیکن ہمیشہ یہ ہی ہوا کیا کہ شیطان لعین مکذبین کو ان کے عمل اچھے کر کے دکھلاتا رہا۔ اور وہ برابر شرارت میں بڑھتے رہے۔ آج وہ سب خدائی عذاب کے نیچے ہیں اور شیطان جو ان کا رفیق ہے کچھ کام نہیں آتا۔ نہ ان کی فریاد کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ ہی انجام آپ کے مکذبین کا ہو گا۔ بعض نے فَمَوْءَلِيَّهُمُ الْيَوْمَ كَابِیہ مطلب لیا ہے کہ شیطان جس نے انگوں کو بہر کا یا تھا وہ ہی آج ان (کفار مکہ) کا رفیق بنا ہوا ہے۔ لہذا جو حشر ان کا ہو ان کا بھی ہو گا۔

۹۴۔ یعنی قرآن صرف اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید و معاد اور احکام حلال و حرام وغیرہ) ان سب کو وضاحت و تحقیق کے ساتھ بیان کر دے۔ کوئی اشکال و خفا باقی نہ رہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دو ٹوک فیصلہ سنا دیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کر دیں۔ آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے جسے توفیق ہو گی قبول کرے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

۹۵۔ یعنی فیصلہ اور بیان تو سب کے لئے ہے لیکن اس کی ہدایت سے منتفع ہونا اور رحمت الہیہ کی آغوش میں آنا انہی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور بطوع و رغبت ایمان لاتے ہیں۔

۹۶۔ یعنی خشک زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز کر دیا گویا خشک ہونا زمین کی موت اور سرسبز و شاداب ہونا حیات ہے۔

۹۷۔ یعنی اسی طرح قرآن سے جاہلوں کو عالم اور مردہ دلوں کو زندہ کر دے گا۔ اگر توجہ قلبی اور انصاف سے سنیں گے۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۗ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا  
۲۶۔ اور تمہارے واسطے چوپایوں میں سوچنے کی جگہ ہے پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے (درمیان سے) دودھ سٹھرا [۹۸] خوشگوار پینے والوں کے لئے [۹۹]

لِّلشَّرِبِیْنَ

۹۸۔ چوپایوں میں عبرت کے نشان: یعنی اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ جانور جو گھاس چارہ کھاتے ہیں۔ وہ پیٹ میں پہنچ کر تین چیزوں کی طرف مستعمل ہو جاتا ہے۔ قدرت نے ان حیوانات کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگا دی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تحلیل کر کے فضلہ

(گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر عروق میں پھیلا دیتی ہے جو ان کی حیات و بقا کا سبب بنتا ہے۔ اور اسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے ان دو گندی چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز (دودھ) تیار کرتی ہے جو نہایت پاک، طیب اور خوشگوار چیز ہے۔

۹۹۔ مشروبات کا بیان: پہلے کتاب اتارنے کی مناسبت سے پانی اتارنے کا ذکر فرمایا تھا ان آیات میں پانی کی مناسبت سے باقی انواع مشروبات کا تذکرہ ہوا ہے۔ یعنی دودھ، شراب و نبیذ، اور شہد۔ ایک دوسرے موقع پر جہاں جنت کی نہروں کا ذکر آیا ہے مشروبات کی یہ ہی چار قسمیں مذکور ہوئی ہیں۔ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّنْ حَمِيمٍ لَّدَائِقًا يُشْرَبُونَ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى (محمد-۱۵)۔ یہاں اس قسم کی چیزوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے خیال میں بڑی بڑی نعمتیں ہیں وہ سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ آدمی کس طرح منعم حقیقی کے احسانات بھلا کر دوسروں کا غلام بن جاتا ہے گویا شرک کے رد کی طرف اشارہ ہوا اور یہ بھی کہ جس طرح تمہاری جسمانی زندگی کے لئے خدا نے طرح طرح کے انتظامات اور مناسب سامان کئے ہیں ضرور ہے کہ روحانی زندگی اور باطنی ترقی کے وسائل و ذرائع بھی کافی مقدار میں مہیا کئے ہوں گے۔

۶۷۔ اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو اس سے نشہ اور روزی خاصی [۱۰۰] اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے واسطے جو سمجھتے ہیں (سوچتے ہیں) [۱۰۱]

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَ الْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَ رِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً

لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾

۱۰۰۔ پھلوں کے منافع: یعنی ان میووں سے نشہ لانے والی شراب کشید کرتے ہو۔ اور کھانے پینے کی دوسری عمدہ چیزیں مثلاً شربت، نبیذ، سرکہ اور خشک خرما یا کشمش وغیرہ ان سے حاصل کرتے ہو۔ (تنبیہ) یہ آیت مکی ہے شراب مکہ میں حرام نہ ہوئی تھی پینے والے اس وقت تک بے تکلف پیتے تھے۔ ہجرت کے بعد حرام ہوئی۔ پھر کسی مسلمان نے ہاتھ نہیں لگایا۔ تاہم اس کی آیت میں بھی "سکرًا" کے بعد وَرِزْقًا حَسَنًا فرما کر متنبہ فرما دیا کہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی ہے اس پر "رزق حسن" کا اطلاق کرنا موزوں نہیں۔

۱۰۱۔ یہاں يَعْقِلُونَ کا لفظ جو عقل سے مشتق ہے "سکرًا" کے تذکرہ سے خاص مناسبت رکھا ہے چونکہ نشہ عقل کو زائل کر دیتا ہے اس لئے اشارہ فرما دیا کہ آیات کا سمجھنا عقل والوں کا کام ہے نشہ پینے والوں کا نہیں۔

۶۸۔ اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنا لے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں [۱۰۲]

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ

بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ پھر کھاہر طرح کے میووں سے [۱۰۳] پھر چل راہوں میں (راستوں میں) اپنے رب کی صاف پڑے ہیں [۱۰۴] نکلتی ہے ان کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جسکے مختلف رنگ

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۗ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ



ہیں [۱۰۵] اس میں مرض اچھے ہوتے ہیں لوگوں کے [۱۰۶]  
اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو دھیان  
کرتے ہیں [۱۰۷]

فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ

يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

۱۰۲۔ شہد کی مکھی میں اللہ کی نشانیاں: "یعنی انگور کی بیل چڑھانے کو جو ٹٹیاں باندھتے ہیں یا جو عمارتیں لوگ تیار کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی جو باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کارگیری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے۔ ساری کھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے سردار کو "یعسوب" کہا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے۔ جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے "مسدس متساوی الاضلاع" کی شکل پر ہوتے ہیں۔ بدون مسطر و پرکار وغیرہ کے اس قدر صحت و انضباط کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ایک ہی شکل پر تمام خانوں پر رکھنا، آدمی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ مسدس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اگر اختیار کی جاتی تو لامحالہ درمیان میں کچھ جگہ فضول خالی رہتی۔ فطرت نے ایسی شکل کی طرف رہنمائی کی جس میں ذرا سا فرجہ بھی بے کار نہ رہے۔

۱۰۳۔ "کلی" اور "فاسلکی" سب اوامر تکوینیہ ہیں۔ یعنی فطرۃً اس کو ہدایت کی کہ اپنی خواہش اور استعداد مزاج کے مناسب ہر قسم کے پھلوں اور میووں میں سے اپنی غذا حاصل کرے۔ چنانچہ کھیاں اپنے چھتے سے نکل کر رنگ برنگ کے پھول پھل چوستی ہیں جن سے شہد اور موم وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔

۱۰۴۔ شہد کی مکھی کے راستے: یعنی غذا حاصل کرنے اور کھاپی کر چھتے کی طرف واپس آنے کے راستے کھلے پڑے ہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ کھیاں غذا کی تلاش میں بعض اوقات بہت دور نکل جاتی ہیں پھر بے تکلف اپنے چھتے میں واپس آ جاتی ہیں۔ ذرا راستہ نہیں بھولتیں۔ بعض نے فاسلکی سبیل ربک ذلکا کا مطلب یہ لیا ہے کہ قدرت نے تیرے عمل و تصرف کے جو فطری راستے مقرر کر دیے ہیں ان پر مطیع و منقاد بن کر چلتی رہ۔ مثلاً پھول پھل چوس کر فطری قوی و تصرفات سے شہد وغیرہ تیار کر۔

۱۰۵۔ یعنی مختلف رنگ کا شہد نکلتا ہے سفید، سرخ، زرد کہتے ہیں کہ رنگتوں کا اختلاف موسم غذا اور مکھی کی عمر وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۶۔ شہد میں شفاء ہے: یعنی بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو باذن اللہ مریضوں کی شفا یابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک شخص کو دست آرہے تھے اس کا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے شہد پلانے کی رائے دی۔ شہد پینے کے بعد اسہال میں ترقی ہو گئی۔ اس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت دست زیادہ آنے لگے فرمایا صَدَقَ اللَّهُ وَكَذَّبَ بَطْنُ أَخِيكَ (اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا بیٹ جھوٹا ہے)۔ پھر پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے بھی وہ ہی کیفیت ہوئی۔ آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا۔ آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے اور طبیعت صاف ہو گئی۔ اطباء نے اپنے اصول کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں "کیموس" فاسد ہوتا ہے جو پیٹ میں پینچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لئے دست آتے ہیں اس کا علاج یہ ہی ہے کہ مسہلات دی جائیں۔ تا وہ "کیموس فاسد" خارج ہو۔ شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ گویا حضور ﷺ کا مشورہ اسی طبی اصول کے موافق تھا۔ مامون رشید کے زمانہ میں تمامہ عیسیٰ کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانہ کے شاہی طبیب یزید بن یوحنا نے مسہل سے اس کا علاج کیا اور یہ ہی وجہ بتلائی۔ آج کل کے اطباء شہد کے استعمال کو استطلاق بطن کے علاج میں بے حد مفید بتاتے ہیں۔

۱۰۷۔ بُرُوس سے بھلوں کی تخلیق: حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں برے میں سے بھلا نکلنے کے تین پتے

بتلائے۔ جانور کے پیٹ اور خون گوبر کے مادہ سے دودھ، نشے کے مادہ (انگور کھجور وغیرہ) سے پاک روزی اور مکھی کے پیٹ سے شہد۔ تینوں میں اشارہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت جاہلوں کی اولاد میں عالم پیدا کرے گا۔ حضرت کے وقت میں یہ ہی ہوا کہ کافروں کی اولاد عارف کامل ہوئی۔

۷۰۔ اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے اور کوئی تم میں سے پہنچ جاتا ہے کئی عمر کو کہ سمجھنے کے پیچھے اب کچھ نہ سمجھے اللہ خبر دار ہے قدرت والا [۱۰۸]

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ لِنَفْسِكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُرِّ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ انسانی وجود میں نشانیاں: قدرت کے بہت سے خارجی نشان بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں کہ خود اپنے اندر رونی حالات میں غور کرے۔ وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا، پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی۔ یہ کچھ نہ کر سکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے۔ نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی، بالکل نکما ہو گیا۔ نہ کوئی بات سمجھتا ہے۔ نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس امت میں کامل پیدا ہو کر پھر ناقص پیدا ہونے لگیں گے۔ واللہ اعلم۔

۷۱۔ اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر روزی میں سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچا دیتے اپنی روزی ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں کیا اللہ کی نعمت کے منکر ہیں [۱۰۹]

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَبِالَّذِينَ فَضَّلُوا بَرَاءْدِي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِعِزَّةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت: یعنی خدا کی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لئے برابر نہیں۔ بلحاظ تفاوت استعداد و احوال کے اس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ کسی کو مالدار اور با اقتدار بنایا جس کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر و چاکر ہیں۔ جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ ایک وہ غلام ہیں جو بذات خود ایک پیسہ یا ادنیٰ اختیار کے مالک نہیں، ہر وقت آقا کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔ پس کیا دنیا میں کوئی آقا گوارا کرے گا کہ غلام یا نوکر چاکر جو بہر حال اسی جیسے انسان ہیں بدستور غلامی کی حالت میں رہتے ہوئے اس کی دولت، عزت، بیوی وغیرہ میں برابر کے شریک ہو جائیں غلام کا حکم تو شرعاً یہ ہے کہ بحالت غلامی کسی چیز کا مالک بنایا جائے تب بھی نہیں بنتا۔ آقا ہی مالک رہتا ہے اور فرض کرو آقا غلامی سے آزاد کر کے اپنی دولت وغیرہ میں برابر کا حصہ دار بنا لے تو مساوات پیشک ہو جائے گی۔ لیکن اس وقت غلام نہ رہا۔ بہر کیف غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتی۔ جب دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک و مملوک میں شرکت و مساوات نہیں ہو سکتی، پھر غضب ہے کہ خالق و مخلوق کو معبودیت وغیرہ میں برابر کر دیا جائے۔ اور ان چیزوں کو جنہیں خدا کی مملوک سمجھنے کا

اقرار خود مشرکین بھی کرتے تھے اَلَا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تُبَلِّغُهُ وَمَا مَلَكَ مَالِكَ حَقِيقِي كَا شَرِيكٍ وَ سَهِيْمٌ تَهْتَبِرُ اَدِيَا جَا عَ كِيَا مَنَعَم حَقِيقِي كِي نَعْمَتُوں كَا يِه يِه يَشْكُرِيه يِه يِه كِه جِس بَات كِه قَبُوْل كَرْنِه سِه خُوْد نَاك بَهُوُوں چُڑھَا تِه هُو اَس سِه زِيَادِه قَبِيْحٌ وَ شَتِيْعٌ صُوْرَت اَس كِه لُئِه تَجْوِيْزِي كِي جَا عَ۔ نِيْز جِس طَرَح رُوْزِي وَ غِيْرِه مِيْن حَق تَعَالَى نِه بَعْض كُو بَعْض پَر فَضِيْلَت دِي، سَب كُو اِيَك دَرَجِه مِيْن نِهِيْن رَكْهَا، اَكْر عِلْم وَ عِرْفَان اُوْر كَمَالَات نُبُوْت مِيْن كِسِي هَسْتِي كُو دُو سَرُوں سِه فَا لِق كَر دِيَا تُو خُدَا كِي اَس نَعْمَت سِه اِنْكَار كَرْنِه كِي بَجْرَهْث دَهْرِي كِه كِيَا وَجِه هُو سَكْتِي هِي۔

۷۲۔ اور اللہ نے پیدا کیں تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں [۱۱۰] اور دیے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے [۱۱۱] اور کھانے کو دیں تمکو سٹھری چیزیں [۱۱۲] سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں اور اللہ کے فضل کو نہیں مانتے [۱۱۳]

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدًا ۗ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۗ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

۷۳۔ اور پوجتے ہیں اللہ کے سوائے ایسوں کو جو مختار نہیں انکی روزی کے آسمان اور زمین میں سے کچھ بھی [۱۱۴] اور نہ قدرت رکھتے ہیں [۱۱۵]

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَبْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْئًا وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾

۷۴۔ سو مت چسپاں کرو (بٹھلاؤ) اللہ پر مثالیں [۱۱۶] بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۱۱۷]

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

۷۵۔ اللہ نے بتلائی ایک مثال ایک بندہ (غلام) پر ایسا مال نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر اور ایک جسکو ہم نے روزی دی اپنی طرف سے خاصی روزی سو وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے چھپا کر اور سب کے روبرو کہیں برابر ہوتے ہیں سب تعریف اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے [۱۱۸]

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّ مْلُوْكًَا لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ۗ وَ مَنْ رَزَقْنٰهُ مِمَّا رَزَقْنَا حَسَنًا فَهُوَ يَنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَ جَهْرًا ۗ هَلْ يَسْتَوِيْنَ ۗ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۗ

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۶۔ اور بتائی اللہ نے ایک دوسری مثال دو مرد ہیں ایک گونگا [۱۱۹] کچھ کام نہیں کر سکتا [۱۲۰] اور وہ بھاری ہے اپنے

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَبْكَمٌ لَا

صاحب (مالک) پر جس طرف اسکو بھیجے نہ کر کے لائے کچھ بھلائی [۱۲۱] کہیں برابر ہے وہ اور ایک وہ شخص جو حکم کرتا ہے انصاف سے اور ہے سیدھی راہ پر [۱۲۲]

يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا  
يُوجِّهُهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۗ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ

يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۗ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٤٦﴾

۱۱۰۔ یعنی نوح انسان ہی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ تالف و موافقت قائم رہے۔ اور تخلیق کی غرض پوری ہو۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم-۲۱)

۱۱۱۔ جو تمہاری بقاء نوعی کا ذریعہ ہیں۔

۱۱۲۔ جو بقائے شخصی کا سبب ہے۔

۱۱۳۔ یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا یا بیٹا دیا، یاروزی دی، اور یہ سب جھوٹ اور وہ جو سچ دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں۔ کذافی الموضح۔ اور شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ فانی و زائل زندگانی کی بقاء نوعی و شخصی کے اسباب کو تو مانتے ہو اور خدا کی سب سے بڑی نعمت (پیغمبر السلام کی ہدایات) کو جو بقائے ابدی اور حیات جاودانی کا واحد ذریعہ ہے، تسلیم نہیں کرتے اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَقَ اللَّهُ بَاطِلًا۔

۱۱۴۔ یعنی نہ آسمان سے مینہ برسانے کا خدائی اختیار رکھتے ہیں نہ زمین سے غلہ اگانے کا۔ پھر قادر مطلق کے شریک معبودیت میں کس طرح بن گئے؟

۱۱۵۔ یعنی نہ فی الحال اختیار حاصل ہے نہ آئندہ حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

۱۱۶۔ اللہ کے لئے کوئی مثال نہیں: مشرک کہتے تھے کہ مالک اللہ ہی ہے۔ یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں۔ ہمارے کام ان ہی سے پڑتے ہیں۔ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں ہو سکتی۔ سو یہ مثال غلط ہے جو بارگاہ احدیت پر چسپاں نہیں۔ اللہ ہر چیز آپ کرتا ہے۔ خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں رکھا جیسے سلاطین دنیا اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ و اختیار سے کیا لیکن بعد تفویض ان اختیارات کے استعمال میں ماتحت آزاد ہیں۔ کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے وقت بادشاہ یا پارلیمنٹ کو اس واقعہ اور فیصلہ کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ نہ اس وقت جزئی طور پر بادشاہ کی مشیت و ارادہ کو فیصلہ صادر کرنے میں قطعاً دخل ہے۔ یہ صورت حق تعالیٰ کے یہاں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چھوٹا بڑا کام اور ادنیٰ سے ادنیٰ جزئی خواہ بواسطہ اسباب یا بلاواسطہ اس کے علم محیط اور مشیت و ارادہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے اسی لئے لازم ہے کہ آدمی ہر کئی جزئی کا فاعل اور موثر حقیقی اعتقاد کر کے تنہا اسی کو معبود و مستعان سمجھے۔ (تنبیہ) ابن عباس وغیرہ سلف سے فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ كَمَا يَهْدِي اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ لِيُخْرِجَ مِنْهُ مِمَّا يَشَاءُ کسی کو مت ٹھہراؤ۔

۱۱۷۔ دو مثالیں: یعنی تم نہیں جانتے کہ خدا کے لئے کس طرح مثال پیش کرنی چاہئے۔ جو اصل حقیقت اور صحیح مطلب کی تفہیم میں معین ہو۔ اور اس کی عظمت و نزاہت کے خلاف شبہ پیدا نہ کرے۔ اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ انہیں غور سے سنو اور تمثیل کی غرض کو سمجھو۔

۱۱۸۔ ایک شخص وہ ہے جو آزاد نہیں۔ دوسرے کا مملوک غلام ہے، کسی طرح کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا ہر ایک تصرف میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے بدون اجازت اس کے سب تصرفات غیر معتبر ہیں۔ دوسرا آزاد اور باختیار شخص ہے جسے خدا نے اپنے فضل سے بہت کچھ مقدرت اور روزی عنایت فرمائی جس میں سے دن رات ستر او علانیۃً بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا کیا یہ دونوں شخص برابر ہو

سکتے ہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ ہر چیز کا مالک حقیقی ہے، سب تعریفیں اور خوبیاں اس کے خزانہ میں ہیں۔ جس کو جو چاہے دے۔ کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں۔ ذرہ ذرہ پر کلی اختیار اور کامل قبضہ رکھتا ہے۔ یہ کس قدر ظلم ہو گا کہ ایک پتھر کے بت کو اس کے برابر کر دیا جائے جو کسی چیز کا مالک نہیں۔ بلکہ خود پر ایما مال ہے۔ اگر مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر نہیں ہو سکتے تو کوئی مملوک محض مالک حقیقی کا شریک کیسے بن سکتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لو کہ خدائے واحد کا پرستار جسے مالک نے علم و ایمان کی دولت بخشی اور لوگوں میں شب و روز روحانی نعمتیں تقسیم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ کیا ایک پلید مشرک کو جو بت کا مملوک، اہواء و اوہام کا غلام اور عمل مقبول سے محض تہی دست ہے، اس مومن موحّد کے ساتھ برابر کھڑا کیا جاسکتا ہے؟ کلا واللہ۔

۱۱۹۔ گونگا ہے تو لازمی طور پر بہرا بھی ہو گا۔ گویا نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سن سکے۔

۱۲۰۔ کیونکہ نہ حواس رکھتا ہے نہ عقل، اور اپنا ج ہے جو چل پھر بھی نہیں سکتا۔

۱۲۱۔ یعنی مالک کے کسی کام کا نہیں۔ جدھر اسے بھیجنا چاہے یا متوجہ کرے کچھ بھلائی اور فلاح نہ پہنچا سکے۔

۱۲۲۔ یعنی خود سیدھی راہ پر قائم رہ کر دوسروں کو بھی اعتدال و انصاف کے راستہ پر لے جا رہا ہے۔ جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو ایک خود تراشیدہ پتھر کی مورتی کو (العیاذ باللہ) خدائی کا درجہ کیونکر دیا جاسکتا ہے۔ یا ایک اندھا بہرا مشرک جو خدا کی پیدا کی ہوئی روزی کھاتا ہے اور چھدام کا کام کر کے نہیں دیتا، اس مومن قانت کی ہمسری کیسے کر سکتا ہے جو خود سیدھی راہ پر ہو اور دوسروں کو اپنے ساتھ ترائے جائے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں یعنی ”خدا کی دو مخلوق ایک بت نمانہ ہل سکے نہ چل سکے جیسے گونگا غلام، دوسرا رسول جو اللہ کی راہ بتا دے ہزاروں کو اور آپ بندگی پر قائم ہے، اس کے تابع ہونا بہتر یا اس کے“۔

۱۲۳۔ اللہ تمام بھیدوں کو جانتا ہے: یعنی ساری مخلوق یکساں نہ ہوئی۔ ایک آدمی کا حال دوسرے سے بے انتہا مختلف ہو۔ سب چیزیں ایک سطح مستوی پر کھڑی نہیں کی گئیں۔ اس کا بھید اور ہر ایک کی پوشیدہ استعداد اور مخفی حالت کا علم خدا ہی کے پاس ہے۔ چنانچہ وہ اپنے علم محیط کے موافق قیامت میں ہر ایک کے ساتھ جداگانہ معاملہ کرے گا۔ اور مختلف احوال پر مختلف نتائج مرتب فرمائے گا۔

۱۲۴۔ قیامت دور نہیں: یعنی قیامت کے آنے کو مستعد مت سمجھو، خدا کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں تمام لوگوں کو جب دوبارہ پیدا کرنا چاہے گا تو لپک جھپکنے کی دیر بھی نہ لگے گی، ادھر سے ارادہ ہوتے ہی چشم زدن میں ساری دنیا دوبارہ موجود ہو جائے گی۔ (تنبیہ) كَلَّمَحِ الْبَصَرَ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ كَامَطْلَبِ يَهِي كَهَام لَوِغُوں كَهْمَحْسَوَات كَهْمَوَاقِفُ تَوَاسِ كِي سَرَعَت كُو اَنكُه جھپکنے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن واقع میں اس سے بھی کم میں قیامت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ ”لمح بصر“ بہر حال زمانی چیز ہے اور ارادہ خداوندی پر مراد کا ترتب آتی ہو گا۔

۱۲۵۔ یعنی جس کے علم و محیط کا وہ حال ہو کہ آسمان و زمین کے سارے بھید اس کے سامنے حاضر ہیں اور جس کی قدرت کاملہ ذرہ ذرہ پر محیط ہو۔ بھلا اس کا ہمسر کون ہو سکتا ہے؟ اور اس کی پوری مثال کہاں سے لاسکتے ہیں۔

۷۷۔ اور اللہ ہے کہ پاس ہیں بھید آسمانوں اور زمین کے [۱۲۳] اور قیامت کا کام تو ایسا ہے جیسے لپک نگاہ کی یا اس سے بھی قریب [۱۲۴] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۱۲۵]

وَاللّٰهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمٰحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

۷۸۔ اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو اور دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو [۱۲۶]

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ  
شَيْئًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ  
الْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۹۔ کیا نہیں دیکھے اڑتے جانور حکم کے باندھے ہوئے آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا ان کو سوائے اللہ کے [۱۲۷] اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں [۱۲۸]

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۗ مَا  
يُسْكِنُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لٰآيَاتٍ لِّقَوْمٍ  
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

۸۰۔ اور اللہ نے بنا دیئے تم کو تمہارے گھر بسنے کی جگہ [۱۲۹] اور بنا دیئے تم کو چوپاؤں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے رہتے ہیں تم پر جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں [۱۳۰] اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی بھریوں سے [۱۳۱] اور بکریوں کے بالوں سے کتنے اسباب اور استعمال کی چیزیں وقت مقرر تک [۱۳۲]

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ  
مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ  
ظَعْنِكُمْ وَّ يَوْمِ اِقَامَتِكُمْ ۗ وَمِنْ اَصْوَابِهَا وَاَوْبَارِهَا  
وَ اَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلَى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

۸۱۔ اور اللہ نے بنا دیئے تمہارے واسطے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے سائے [۱۳۳] اور بنا دیئے تمہارے واسطے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں [۱۳۴] اور بنا دیئے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی میں [۱۳۵] اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی میں [۱۳۶] اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر تاکہ تم حکم مانو [۱۳۷]

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلًّا وَّ جَعَلَ لَكُمْ  
مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَمَاوِيْلًا  
تَقِيْكُمْ الْحَرَّ وَّ سَمَاوِيْلًا تَقِيْكُمْ بَاسَكُمْ ۗ كَذٰلِكَ  
يُنِزُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۲۔ پھر اگر پھر جائیں تو تیرا کام تو یہی ہے کھول کر سنا دینا [۱۳۸]

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّا عَلَیْكَ الْبَلَدُ الْبَیِّنُ ﴿۸۲﴾

۸۳۔ پہچانتے ہیں اللہ کا احسان پھر منکر ہو جاتے ہیں اور بہت ان میں ناشکر ہیں [۱۳۹]

يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ أَكْثَرُهُمْ

الْكٰفِرُوْنَ

۱۲۶۔ اپنے وجود میں غور کرو: یعنی پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے، خدا تعالیٰ نے علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل تم کو دیے۔ جو بذات خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے متمتع ہونے کے وسائل ہیں۔ اگر آنکھ، کان عقل وغیرہ نہ ہو تو ساری ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ جوں جوں آدمی کا بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی علمی و عملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں۔ اس کی شکر گزاری یہ تھی کہ ان قوتوں کو مولیٰ کی طاعت میں خرچ کرتے، اور حق شناسی میں سمجھ بوجھ سے کام لیتے، نہ یہ کہ بجائے احسان ماننے کے الٹے بغاوت پر کمر بستہ ہو جائیں۔ اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگیں۔

۱۲۷۔ پرندوں میں نشانیاں: یعنی جیسے آدمی کو اس کے مناسب قویٰ عنایت فرمائے، پرندوں میں ان کے حالات کے مناسب فطری قوتیں ودعیت کیں، ہر ایک پرندہ اپنی اڑان میں قانون قدرت کا تابع اور خدا تعالیٰ کے تکوینی احکام سے وابستہ ہے۔ اسے کسی درسگاہ میں اڑنے کی تعلیم نہیں دی گئی، قدرت نے اس کے پر اور بازو اور دم وغیرہ کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ نہایت آسانی سے آسمانی فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کا جسم ثقیل ہوئے لطیف کو چیر پھاڑ کر بے اختیار نیچے آ پڑے۔ یا زمین کی عظیم الشان کشش انہیں اپنی طرف کھینچ لے اور طیران سے منع کر دے کیا خدا کے سوا کسی اور کا ہاتھ ہے جس نے ان کو بے تکلف فضا سے آسانی میں روک رکھا ہے۔

۱۲۸۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی ایمان لانے میں بعضے اکتلتے ہیں، معاش کی فکر سے، سو فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لاتا۔ کمائی کے اسباب کہ آنکھ، کان، دل وغیرہ ہیں، اللہ ہی دیتا ہے اور اڑتے جانور ادھر میں آخر کس کے بھروسہ رہتے ہیں۔

۱۲۹۔ یعنی اینٹ، پتھر، لکڑی وغیرہ کے مکان۔

۱۳۰۔ اللہ نے تمہارے مسکن بنائے: یعنی اینٹ، پتھر کے مکانوں کو کہیں منتقل نہیں کر سکتے تھے، اس لئے چمڑے اور اون وغیرہ کے ڈیرے خیمے بنانے سکھا دیے جو بسہولت منتقل کئے جاسکتے ہیں۔ سفر و حضر میں جہاں چاہو نصب کر لو اور جب چاہو لپیٹ کر رکھ دو۔ بعض نے یَوْمَ قَامَتِکُمْ کا یہ مطلب لیا ہے کہ چلنے کے وقت اٹھانے میں اور کسی جگہ اترتے وقت نصب کرنے میں ہلکے رہتے ہیں۔

۱۳۱۔ یعنی اونٹ کی پشت سے۔

۱۳۲۔ مختلف انعامات: یعنی ان چیزوں سے کتنے سامان رہائش اور آسائش کے تیار کئے جاتے ہیں جو ایک وقت معین یا مدت دراز تک کام دیتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ آنکھ، کان اور ترقی کرنے والادل و دماغ نہ دیتا، کیا یہ سامان میسر آسکتے تھے۔

۱۳۳۔ مثلاً بادل، درخت، مکان اور پہاڑ وغیرہ کا سایہ قانون قدرت کے موافق زمین پر پڑتا ہے جس میں مخلوق آرام پاتی ہے۔

۱۳۴۔ جہاں سر چھپا کر بارش، دھوپ یا دشمن وغیرہ سے اپنی حفاظت کر سکتے ہو۔

۱۳۵۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جن کرتوں میں گرمی کا بچاؤ ہے، سردی کا بھی بچاؤ ہے۔ پر اس ملک میں گرمی زیادہ تھی اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔"

۱۳۶۔ یعنی زرہیں جو لڑائی میں زخمی ہونے سے بچاتی ہیں۔

۱۳۷۔ جسمانی اور روحانی تربیت کا سامان: یعنی دیکھو! کس طرح تمہاری ہر قسم کی ضروریات کا اپنے فضل سے انتظام فرمایا اور کیسی علمی و عملی

قوتیں مرحمت فرمائیں جن سے کام لے کر انسان عجیب و غریب تصرفات کرتا رہتا ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ جس نے مادی اور جسمانی دنیا میں اس قدر احسانات فرمائے، روحانی تربیت و تکمیل کے سلسلہ میں ہم پر اپنا احسان نہ کرے گا۔ بیشک پورا کر چکا۔ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا (مائدہ-۳) ضروری ہے کہ سب لوگ اس کے احسان کے آگے گردنیں جھکا دیں اور اس منعم حقیقی اور محسن اعظم کے مطیع و منقاد ہو کر رہیں۔

۱۳۸۔ یعنی اس قدر احسانات سن کر بھی خدا کے سامنے نہ جھکیں تو آپ کچھ غم نہ کھائیں۔ آپ اپنا فرض ادا کر چکے، کھول کھول کر تمام ضروری باتیں سنادی گئیں۔ آگے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔

۱۳۹۔ یعنی بے شک بعضے بندے شکر گزار بھی ہیں وَ قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ (سبأ-۱۳) لیکن اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھتے اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں، مگر جب شکر گزاری اور اظہار اطاعت کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ گویا دل سے سمجھتے ہیں اور عمل سے انکار کرتے ہیں۔

۸۴۔ اور جس دن کھڑا کریں ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا پھر حکم (اجازت) نہ ملے منکروں کو اور نہ ان سے توبہ لی جائے [۱۴۰]

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَاُولَآئِكَ هُمُ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾

۸۵۔ اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پھر ہلکا نہ ہو گا ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے [۱۴۱]

وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفِّفْ عَنْهُمْ وَاُولَآئِكَ هُمُ يُنظَرُونَ ﴿۸۵﴾

۸۶۔ اور جب دیکھیں مشرک اپنے شریکوں کو بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوائے [۱۴۲] تب وہ ان پر ڈالیں گے بات کہ تم جھوٹے ہو [۱۴۳]

وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ج

فَالْقَوْلَ اِلَيْهِمْ الْقَوْلُ اِنَّكُمْ لَكَذِبُونَ ﴿۸۶﴾

۸۷۔ اور آپڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر اور بھول جائیں (جائے گی ان سے) جو جھوٹ باندھتے تھے [۱۴۴]

وَ اَلْقُوا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾

۸۸۔ جو لوگ منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں اللہ کی راہ سے انکو ہم بڑھادیں گے عذاب پر عذاب بدلہ اس کا جو شرارت کرتے تھے [۱۴۵]

الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَ صَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾



۸۹۔ اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا ان پر انہی میں کا اور تجھ کو لائیں بتلانے کو ان لوگوں پر [۱۳۶] اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا [۱۳۷] اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری حکم ماننے والوں کے لئے [۱۳۸]

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَ هُدًى وَ رَحْمَةً وَ بُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ

۱۳۰۔ کفر و ناشکری کا انجام: یہاں سے کفر و ناشکری کا انجام بتلاتے ہیں۔ یعنی یاد رکھو، وہ دن بھی آنے والا ہے جب تمام اگلی پچھلی امتیں احکم الحاکمین کی آخری عدالت میں کھڑی ہوں گی اور ہر امت کا نبی بطور گواہ کھڑا کیا جائے گا۔ تاہم اپنی امت کے نیک و بد اور مطیع و عاصی کی نسبت شہادت دے کہ کس نے کیسا معاملہ حق کے پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا ہے۔ اس وقت منکروں کو اجازت نہ ہوگی کہ کچھ لب کشائی کر سکیں۔ یا اب بعد از وقت توبہ کر کے سزا سے چھوٹ جائیں اور لب کشائی کا ہے میں کریں گے، درآنحالیکہ انہیں اپنے مجرم ہونے اور کسی قسم کی معذرت نہ چل سکنے کا پورا انکشاف ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ ”دار جزاء“ ہے ”دار عمل“ نہیں جو اب توبہ کر کے خطائیں معاف کرالیں۔

۱۳۱۔ یعنی نہ عذاب کی سختی میں کمی ہوگی اور نہ درمیان میں وقفہ ہوگا کہ تھوڑی دیر مہلت مل جائے، پھر از سر نو عذاب شروع ہو۔ بعض نے ولا یُنظَرُ ذُنُوبًا مِّنْهَا لِيَسْأَلُوا سُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسَوْنَ وَ لَمَّا تَأْتُوا السَّمَاءَ لِمِيزَانٍ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (۱۳۱)۔ یعنی نہ عذاب کی سختی میں کمی ہوگی اور نہ درمیان میں وقفہ ہوگا کہ تھوڑی دیر مہلت مل جائے، پھر از سر نو عذاب شروع ہو۔ بعض نے ولا یُنظَرُ ذُنُوبًا سے یہ مراد لیا ہے کہ جہنم کو دیکھنے کے بعد ایک منٹ کی ڈھیل نہ ملے گی۔ جہنم فوراً مجرمین کو اس طرح اچک لے گا جیسے پرندہ ایک دام دانہ اٹھا کر نگل جاتا ہے۔ گویا سرعت دخول کی طرف اشارہ ہو۔

۱۳۲۔ کفار اور انکے جھوٹے معبود: یعنی ہم تو ان کی بدولت مارے گئے۔ شاید مطلب ہو کہ ہم بذات خود بے قصور ہیں، یا یہ کہ انہیں دوہری سزا دیجئے۔

۱۳۳۔ باطل معبودوں کا جواب: یعنی جھوٹے ہو جو ہم کو خدا کا شریک ٹھہرا لیا۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ فی الحقیقت تم محض اپنے اوہام و خیالات کو پوجتے تھے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہ تھی، یا جن و شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ مگر وہاں شیطان بھی یہ کہہ کر الگ ہو جائے گا۔ وَ مَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاَسْتَجِبْتُمْ لِي فَلَا تَلْمُزُوْنِي وَ لَوْلَمْ اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم۔ ۲۲) غرض جن چیزوں کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا، سب اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اظہار کریں گے، کوئی سچ کوئی جھوٹ، پتھر کے بتوں کو تو سرے سے کچھ خبر ہی نہ تھی۔ ملائکہ اور بعض انبیاء و صالحین ہمیشہ شرک سے سخت نفرت و بیزاری اور اپنی خالص بندگی کا اظہار کرتے رہے۔ رہ گئے شیاطین سوان کا اظہار نفرت کو جھوٹ ہوگا، تاہم اس سے مشرکین کو کلی طور پر مایوسی ہو جائے گی کہ آج بڑے سے بڑا فتنہ بھی کام آنے والا نہیں۔

۱۳۴۔ یعنی ساری طمطراق اور افتراء پر دازیاں اس وقت غائب ہو جائیں گی سب عاجز و مقہور ہو کر خدا کے سامنے اپنی اطاعت و انقیاد کا اظہار کریں گے۔ اَسْبِغْ بِهٖمْ وَاَبْصُرْ يَوْمَ يَأْتُوْنَنَا (مریم۔ ۳۸)

۱۳۵۔ یعنی ایک عذاب تو انکار حق پر، دوسرا اس پر کہ اوروں کو خدا کی راہ سے روکا۔ یا ایک عذاب صدور جرم پر دوسرا اس کی عادت ڈالنے پر۔ بہر حال اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنت میں اہل جنت کے منازل و مدارج متفاوت ہوں گے جہنمیوں کا عذاب بھی کم و کیفاً و نوعاً متفاوت ہوگا۔

۱۳۶۔ آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت: یعنی وہ ہولناک دن یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر ایک پیغمبر اپنی امت کے معاملات کے متعلق بارگاہِ احدیت میں بیان دے گا اور آپ (نبی ﷺ) اس امت کی حالت بتلائیں گے۔ بلکہ بعض مفسرین کے قول کے موافق آپ ان تمام شہداء کے لئے شہادت دیں گے۔ کہ بیشک انہوں نے اپنا فرض منصبی بخوبی ادا کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور ﷺ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں آپ اعمالِ خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بد اعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔

۱۳۷۔ قرآن کریم رحمت و بشارت ہے: یعنی قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ اس میں قیامت کے یہ واقعات بھی آگئے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اندریں صورت جس پیغمبر پر ایسی جامع کتاب اتاری گئی اس کی مسئولیت اور ذمہ داری بھی بہت بھاری ہوگی۔ گویا شہیداً علیٰ ہولاء کے بعد وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فرما کر حضور ﷺ کے عظیم مرتبہ اور اسی مرتبہ کے مناسب مسئولیت کی طرف لطیف اشارہ فرما دیا۔ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (اعراف-۶) ابن کثیر نے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱۳۸۔ یعنی یہ کتاب سارے جہان کے لئے سر تا پا ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔ فرمانبردار بندوں کو شاندار مستقبل کی خوشخبری سناتی ہے۔

۹۰۔ اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قربت والوں کے (کو) دینے کا [۱۳۹] اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے [۱۴۰] تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو [۱۴۱]

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْبُغْيِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾

۱۳۹۔ قرآن کریم کی جامع ترین آیت: ”قرآن“ کو تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فرمایا تھا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے، ابن مسعود فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امر اور نہی اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہ ہی آیت تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کا ثبوت دینے کے لئے کافی تھی۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خطبہ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کر کے امت کے لئے اسوہ حسنہ قائم کر دیا۔ اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا ہے۔

عدل و احسان: عدل، احسان، ایتاء ذی القربی۔ ”عدل“ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال و انصاف کی ترازو میں تلے ہوں، افراط و تفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ ”احسان“ کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کو بھلا چاہے۔ مقام عدل و انصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل و عنو اور تملطف و ترحم کی خواہش اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع و تبرع کی طرف قدم بڑھائے۔ انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے۔ اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا۔ اِلَّا حَسْبَانُ اِنْ تَعْبَدَ اللّٰهَ كَاَنْتَ تَرٰكَ اَقْبَانَ

لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاتَّيَّرَكَ (صحیح بخاری) هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (رحمن۔ ۶۰) یہ دونوں خصالتیں (یعنی عدل و احسان یا بالفاظ دیگر انصاف و مروت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش و بیگانہ اور دوست دشمن سے متعلق تھیں۔ لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے۔ جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت و احسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے۔ صلہ رحمی ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب و ذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے۔ گویا "احسان" کے بعد ذوی القربی کا بالتخصیص ذکر کر کے متنبہ فرمادیا کہ عدل و انصاف تو سب کے لئے یکساں ہے۔ لیکن مروت و احسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت و اہتمام کے قابل ہیں۔ فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کئے ہوئے قوانین کو بھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کونسی فطری خوبی، بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ قللہ الحمد والممنہ۔

۱۵۰۔ فحشاء و منکر: منع بھی تین چیزوں سے کیا۔ فحشاء، منکر، یعنی۔ کیونکہ انسان میں تین قوتیں ہیں۔ جن کے بے موقع اور غلط استعمال سے ساری خرابیاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قوت بہیمیہ شہوانیہ، قوت وہمیہ شیطانیہ، قوت غضبیہ سبعیہ۔ غالباً "فحشاء" سے وہ بے حیائی کی باتیں مراد ہیں جن کا منشاء شہوت و بہیمیت کی افراط ہو۔ "منکر" معروف کی ضد ہے۔ یعنی نامعقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے۔ گویا قوت وہمیہ شیطانیہ کے غلبہ سے قوت عقلیہ ملکیہ دب جائے۔ تیسری چیز "بغی" ہے۔ یعنی سرکشی کر کے حد سے نکل جانا۔ ظلم و تعدی پر کمر بستہ ہو کر درندوں کی طرح کھانے پھانے کو دوڑانا، اور دوسروں کے جان و مال یا آبرو وغیرہ لینے کے واسطے ناحق دست درازی کرنا۔ اس قسم کی تمام حرکات قوت سبعیہ غضبیہ کے بے جا استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ الحاصل آیت میں تمبیہ فرمادی کہ انسان جب تک ان تینوں قوتوں کو قابو میں نہ رکھے اور قوت عقلیہ مالکیہ کو ان سب پر حاکم نہ بنائے، مہذب اور پاک نہیں ہو سکتا۔

۱۵۱۔ ابن کثم بن صفی نے اس آیت کریمہ کو سن کر اپنی قوم سے کہا "میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور کمینہ اخلاق اور اعمال سے روکتے ہیں۔ تو تم اس کے ماننے میں جلدی کرو۔ فَكُونُوا فِي هَذَا الْأَمْرِ رُؤَسَاءَ وَلَا تَكُونُوا فِيهِ أَذْنَابًا (یعنی تم اس سلسلہ میں سر بنو، دم نہ بنو) حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ اسی آیت کو سن کر میرے دل میں ایمان راسخ ہوا اور محمد ﷺ کی محبت جاگزیں ہوئی۔

۹۱۔ اور پورا کرو عہد اللہ کا جب آپس میں عہد کرو اور نہ توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد اور تم نے کیا ہے اللہ کو اپنا ضامن اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو [۱۵۲]

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا  
الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ

عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ يُعَلِّمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۹۱﴾

۹۲۔ اور مت رہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اس نے اپنا سوت کا تا ہوا محنت (مضبوط کرنے) کے بعد ٹکڑے ٹکڑے [۱۵۳] کہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دخل دینے کا بہانہ ایک دوسرے میں (آپس میں) اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو چڑھا ہوا دوسرے سے [۱۵۴] یہ تو اللہ پر کھتا ہے تمکو اس

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ

أَنْكَاشًا ۗ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ

تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبِي مِنْ أُمَّةٍ ۗ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ

سے [۱۵۵] اور آئندہ کھول دے گا اللہ تم کو قیامت کے دن جس بات میں تم جھگڑ رہے تھے [۱۵۶]

بِهِ<sup>ط</sup> وَيَبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ

تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾

۹۳۔ اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی فرقہ کر دیتا ہے لیکن راہ بھلاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے [۱۵۷] اور تم سے پوچھ ہوگی جو کام تم کرتے تھے [۱۵۸]

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ<sup>ط</sup> وَلِتَسْأَلَنَّ عَمَّا

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

۹۴۔ اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دھوکا (فریب) آپس میں کہ ڈگ نہ جائے کسی کا پاؤں جمنے کے پیچھے اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ تم نے روکا اللہ کی راہ سے اور تم کو بڑا عذاب ہو [۱۵۹]

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِنَا كَمَا تَتَّخِذُونَ آيَاتِ اللَّهِ خُلَافًا بِئِنَّكُمْ فَتَرِلَ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوَاءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنِ

سَبِيلِ اللَّهِ<sup>ع</sup> وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾

۹۵۔ اور نہ لو اللہ کے عہد پر مول (مال) تھوڑا سا بیشک جو اللہ کے یہاں ہے وہی بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم جانتے ہو [۱۶۰]

وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا<sup>ط</sup> إِنَّا عِنْدَ

اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٥﴾

۹۶۔ جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا (سورہ بنے والا ہے) [۱۶۱] اور ہم بدلے میں دیں گے صبر کرنے والوں کو ان کا حق اچھے کاموں پر جو کرتے تھے [۱۶۲]

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ<sup>ط</sup> وَ

لَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

۱۵۲۔ ایفائے عہد اور قسموں کا پورا کرنا: اوپر کی آیت میں جن چیزوں کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم تھا ان کے بعض افراد کو بالخصوص بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ایفائے عہد کی تاکید اور غدر و بد عہدی سے ممانعت کہ یہ چیز علاوہ فی نفسہ مہتمم بالشان ہونے کے اس وقت مخاطبین کے بہت زیادہ مناسب حال تھی۔ جس کا مسلم قوم کے عروج و ترقی اور مستقبل کی کامیابی پر بے انتہا اثر پڑنے والا تھا۔ اسی لئے حکم دیا کہ جب خدا کا نام لے کر اور قسمیں کھا کر معاہدے کرتے ہو تو خدا کے نام پاک کی حرمت قائم رکھو۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ "قول مردان جاں دارد"

خصوصاً جب خدا کا نام لے کر اور حلف کر کے ایک معاہدہ کیا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ قسم کھانا گویا خدا کو اس معاملہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے وہ جانتا ہے جب تم اسے گواہ بنا رہے ہو، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو۔ اگر تم نے خیانت اور بد عہدی کی۔ وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دے گا۔ کیونکہ تمہاری کسی کی کھلی چھپی دغا بازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

۱۵۳۔ عہد توڑنے کی مثال: یعنی عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر کتا کتا یا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا۔ سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول و قرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ جو قومیں قانون عدل و انصاف سے ہٹ کر محض اغراض و خواہشات کی پوجا کرنے لگی ہیں۔ ان کے یہاں معاہدات صرف توڑنے کے لئے رہ جاتے ہیں جہاں معاہدہ قوم کو اپنے سے کمزور دیکھا، سارے معاہدات ردی کی ٹوکری میں پھینک دئے گئے۔

۱۵۴۔ یعنی معاہدوں اور قسموں کو فریب و دغا، مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ۔ جس طرح اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ ایک جماعت کو اپنے سے طاقتور دیکھ کر معاہدہ کر لیا۔ پھر جس وقت کوئی جماعت اس سے بڑھ کر معزز اور طاقتور سامنے آئی، پہلا معاہدہ توڑ کر نئی جماعت سے عہد و پیمانہ گانٹھ لئے۔ پھر چند روز بعد ان حلفاء کو کمزور بنانے اور اپنے کو بڑھانے کا موقع پایا تو فوراً معاہدات توڑ ڈالے اور سب قسمیں اور حلف بالائے طاق رکھ دیے۔ بعینہ جس طرح آج پور پین اقوام کا معمول ہے۔

۱۵۵۔ قوموں کی قوت اور ضعف میں آزمائش ہے: یعنی قوت و ضعف میں اقوام کا اختلاف، ان میں سے کسی کو اوپر چڑھانا کسی کو نیچے گرانے، خدا تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے رکھا ہے اور ایفائے عہد کا حکم دینے میں بھی تمہارا امتحان ہے۔ دیکھتے ہیں کون ثابت قدم رہتا ہے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں حلفاء کی قوت و ضعف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ باقی اقبال و ادبار کسی کے بدلے سے بدلا نہیں جاتا۔ ادبار کی جگہ اقبال اور ضعف کی جگہ قوت خدا ہی لائے تو آئے۔ ہاں بد عہدی کا خیال آنا اس کی علامت ہے کہ ادبار آنے والا ہے۔

۱۵۶۔ یعنی یہاں امتحان ہے۔ نتیجہ امتحان قیامت کے دن کھل جائے گا۔ جس وقت ضعف و طاقت کے سب جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔

۱۵۷۔ یعنی اسے قدرت تھی کہ اختلاف نہ رہنے دیتا، مگر حکمت اس کو مقتضی نہ تھی۔ جیسا کہ کئی مواقع میں ہم اس کی تقریر کر چکے ہیں۔

۱۵۸۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس سے معلوم ہوا کہ کافر سے بھی غدر اور بد عہدی نہ کرے۔ کفر ان باتوں سے ہٹا نہیں۔ اور اپنے اوپر وبال آتا ہے۔"

۱۵۹۔ بد عہدی سے بچو: یعنی عہد شکنی کر کے اور قسمیں توڑ کر بد عہدی کی راہ مت نکالو۔ اور مسلمان قوم کو بدنام نہ کرو۔ کہ تمہارے خراب اور پست کیر کٹر کو دیکھ کر یقین لانے والے شک میں پڑ جائیں۔ اور غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہونے سے رکنے لگیں۔ اور تم پر خدا کی راہ سے رکنے کا گناہ چڑھے جس کی سزا بڑی سخت ہوگی۔

۱۶۰۔ اللہ کا عہد پورا کرو: پہلے مذکور تھا آپس میں قول توڑنے کا۔ اب اللہ سے قول توڑنے کا ذکر ہے۔ یعنی مال کی طمع سے خلاف شرع حکم مت کرو۔ انجام کار ایسا مال و وبال لائے گا جو موافق شرع ہاتھ لگے، تمہارے حق میں وہ ہی بہتر ہے (موضح القرآن) یا ایفائے عہد کا جو اجر خدا کے یہاں ملے گا وہ اس ثمن قلیل سے کہیں بہتر ہے ثمن قلیل اس لئے کہا کہ اگر ساری دنیا بھی مل جائے تب بھی آخرت کے مقابلہ میں قلیل و حقیر ہے۔

۱۶۱۔ پھر باقی و دائم کو چھوڑ کر فانی و زائل کا پسند کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

۱۶۲۔ یعنی جو لوگ خدا کے عہد پر ثابت قدم رہیں گے اور تمام مشکلات اور صعوبتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کریں گے، ان کا اجر ضائع

ہونے والا نہیں۔ ایسے بہترین عمل کا بدلہ ضرور ہمارے یہاں سے مل کر رہے گا۔

۹۷۔ جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ ایمان پر ہے تو اس کو ہم زندگی دیں گے ایک اچھی زندگی [۱۶۳] اور بدلے میں دیں گے ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوَةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ  
بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾

۱۶۳۔ عمل صالح اور حیات طیبہ: اوپر کی آیت میں صابریں اور ایفائے عہد کرنے والوں کے اجر کا ذکر تھا۔ یہاں تمام اعمال صالحہ کے متعلق عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی مرد یا عورت نیک کاموں کی عادت رکھے۔ بشرطیکہ وہ کام صرف صورتہ نہیں بلکہ حقیقتہ نیک ہوں۔ یعنی ایمان اور معرفت صحیحہ کی روح اپنے اندر رکھتے ہوں تو ہم اس کو ضرور پاک، ستھری اور مزیدار زندگی عنایت کریں گے۔ مثلاً دنیا میں حلال روزی قناعت و غنائے قلبی، سکون و طمانیت، ذکر اللہ کی لذت، حب الہی کا مزہ، ادائے فرض عبودیت کی خوشی، کامیاب مستقبل کا تصور تعلق مع اللہ کی حلاوت جس کا ذائقہ چکھ کر ایک عارف نے کہا تھا چوں چتر سنجر ی رخ بختم سیاہ باد۔ درد ل اگر بود ہوس ملک سنجر م، زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب۔ من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم۔ سچ ہے۔ اَهْلُ اللَّيْلِ فِي لَيْلِهِمْ اَلَّذِيْنَ اَهْلُ اللّٰهِ فِيْ لَهْوِهِمْ اِسى لے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر سلاطین کو خبر ہو جائے کہ شب بیداروں کو رات کے اٹھنے میں کیا لذت و دولت حاصل ہوتی ہے تو اس کے چھیننے کے لئے اسی طرح لشکر کشی کریں۔ جیسے ملک گیری کے لئے کرتے ہیں۔ بہر حال مومن قنات کی پاک اور مزہ دار زندگی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے قبر میں پہنچ کر اس کا رنگ اور زیادہ نکھر جاتا ہے۔ آخر انتہا، اس حیات طیبہ پر ہوتی ہے جس کے متعلق کہا ہے حَيٰوَةً طَيِّبَةً مَّوْتٍ، وَغَنِيًّا بِلَا فُقْرٍ، وَصِحَّةً بِلَا سَقَمٍ، وَمَلَكًا بِلَا هَلٰكٍ، وَسَعَادَةً بِلَا شِقَاوَةٍ رَزَقْنَا اللّٰهَ تَعَالٰى بفضله ومنه اياها۔ (تنبیہ) اس آیت نے بتلادیا کہ قرآن کی نظر میں عورت اور مرد کی نیکی اور کامیابی کا ایک ہی ضابطہ ہے۔ یعنی عورت اور مرد بلا امتیاز اپنے اپنے حسب حال نیکی کر کے پاک زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

۹۸۔ سو جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے [۱۶۳]

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ

الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

۹۹۔ اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں [۱۶۵]

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

رَبِّهٖمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

۱۰۰۔ اس کا زور تو انہی پر ہے جو اس کو رفق سمجھتے ہیں اور جو اسکو شریک مانتے ہیں [۱۶۶]

اِنَّا سُلْطٰنُهٗ عَلٰى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ

بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۶۴۔ قرآن کی تلاوت کا ایک خاص ادب: حدیث میں ہے حَیْذُكُمْ مِنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے) معلوم ہوا کہ مومن کے لئے قرأت قرآن بہترین کام ہے۔ اور پچھلی آیات میں دو مرتبہ بہتر کاموں پر اجر ملنے کا ذکر تھا اس لئے یہاں قرأت قرآن کے بعض آداب کی تعلیم فرماتے ہیں تاکہ آدمی بے احتیاطی سے اس بہتر کام کا اجر ضائع نہ کر بیٹھے۔ شیطان کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں سے روکے خصوصاً قرأت قرآن جیسے کام کو جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ کب ٹھنڈے دل سے گوارا کر سکتا ہے۔ ضرور اس کی کوشش ہوگی کہ مومن کو اس سے باز رکھے، اور اس میں کامیاب نہ ہو تو ایسی آفات میں مبتلا کر دے جو قرأت قرآن کا حقیقی فائدہ حاصل ہونے سے مانع ہوں۔ ان سب مغویانہ تدبیروں اور پیش آنے والی خرابیوں سے حفاظت کا یہ ہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ جب مومن قرأت قرآن کا ارادہ کرے، پہلے صدق دل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ میں آجائے۔ اصلی استعاذہ (پناہ میں آنا) تو دل سے ہے۔ مگر زبان و دل کو موافق کرنے کے لئے مشروع ہے کہ ابتدائے قرأت میں زبان سے بھی اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھے۔

۱۶۵۔ متوکلین پر شیطان کا زور نہیں چلتا: یعنی جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اس کی پناہ ڈھونڈی اس پر شیطان زور سے حاوی نہیں ہو سکتا اگر ایسا شخص کسی وقت محض تھوڑی دیر کے لئے بمقتضائے بشریت شیطان کے چکمہ میں آیا بھی۔ تب بھی شیطان اپنا قبضہ اور تسلط اس پر نہیں جما سکتا۔ بہت جلد اس کی آنکھ کھل جائے گی۔ اور غلفت میں تمدی نہ ہوگی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ۔ وَاِخْوَانُهُمْ يَبْتَغُوْنَ لَهُمْ فِى النَّعْيِ ثُمَّ لَا يَقْضِيْهِمْ ذَنْ (الاعراف- ۲۰۲، ۲۰۱)۔

۱۶۶۔ یعنی جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق بنا لیں اور بجائے ایک خدا پر بھروسہ کرنے کے اس پر بھروسہ رکھیں۔ گویا اس کو خدائی کا شریک ٹھہرائیں یا اس کے اغواء سے دوسری چیزوں کو شریک مانیں، انہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہے کہ جس طرح چاہتا ہے انگیوں پر نچاتا ہے۔

وَ اِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا  
يُنزِلُ قَالُوْا اِنَّا اَنْتَ مُفْتَرٍ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا  
يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

۱۰۲۔ تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلاشبہ [۱۶۸] تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری مسلمانوں کے واسطے [۱۶۹]

قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ  
لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَ بُشْرٰى

لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾

۱۰۳۔ اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھاتا ہے ایک آدمی [۱۷۰] جس کی طرف تعریض

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا يَعْلِمُهُۥ بِشَرِّ ۙ

کرتے ہیں اس کی زبان ہے عجمی اور یہ قرآن زبان عربی ہے صاف [۱۴۱]

لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَبِي ۖ وَ هَذَا

لِسَانُ عَمَّيُّ مُبِينٌ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ وہ لوگ جن کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں ان کو اللہ راہ نہیں دیتا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے [۱۴۲]

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ

اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں [۱۴۳]

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكُذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

وَأُولَئِكَ هُمُ الْكٰذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾

۱۶۷۔ نوح کی حقیقت: پہلے حکم دیا تھا کہ قرآن پڑھتے وقت شیطان رجم کے کید سے پناہ ڈھونڈو۔ کہیں وہ اس بہترین کام میں رکاوٹ اور خرابی نہ ڈالے۔ یہاں اس کی بعض رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں جو قرآن کے متعلق پیدا کرتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں، موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں۔ ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے۔ پھر دوسرے حالات کے تبدیل ہونے پر دوسرا حکم آجاتا تھا مثلاً ابتداء میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روک رکھنے کا حکم تھا۔ ایک زمانہ کے بعد اجازت دی گئی۔ یا ابتداء میں حکم تھا قُمْ الْيَلِيلَ إِلَّا قَلِيلًا نَّفْثَہُ (الزلزلہ۔ ۲، ۳) اِح تھوڑی مدت کے بعد مکہ ہی میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْا فِتْنَابَ عَلَيْنَكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (الزلزلہ۔ ۲۰) اِح کفار ایسی چیزوں کو سن کر اعتراض کرتے کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا خدا تعالیٰ نے (معاذ اللہ) پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دے دیا تھا؟ پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم اتارا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام آپ خود بنالاتے ہیں۔ ورنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہو سکتے کہ ایک دن کچھ دوسرے دن کچھ۔ اس طرح کے شبہات و وساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں کے دلوں میں القا کرے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ اعتراض محض جہالت سے ہے۔ تم کو اگر ”نوح“ کی حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے، ”نوح“ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک میعاد حکم کی میعاد پوری ہونے پر دوسرا حکم بھیجا جائے۔ کیا طبیب منضج کا نسخہ دس بیس دن پلا کر اگر مسہل تجویز کرے تو اسے طبیب کی کم علمی یا بے خبری پر محمول کیا جاسکتا ہے؟ یا جو ایسا کہ وہ خود جاہل اور بے خبر کہلائے گا۔ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جس وقت جو حکم اتارا گیا یعنی جو روحانی غذا یادوا تجویز کی گئی وہ کہاں تک مریضوں کے مزاج اور حالات کے مناسب ہے۔

۱۶۸۔ قرآن روح القدس کا لایا ہوا ہے: ”یعنی میرا کسی بشر کا بنایا ہوا کلام نہیں یہ تو وہ کلام ہے جو بلاشبہ میرے رب نے روح القدس (پاک فرشتہ جبریل امین) کے ذریعہ سے عین حکمت و مصلحت کے موافق مجھ پر نازل فرمایا گیا مِّنْ رَبِّكَ کہہ کر متنبہ فرما دیا کہ اس کی نازل کرنے والی وہ ہستی ہے جس نے خود محمد ﷺ کی اس قدر حیرت انگیز طریقہ سے ایسے اعلیٰ و اکمل اخلاق پر تربیت فرمائی جو تمہارے سامنے ہے۔ اور ”روح القدس“ کا واسطہ بیان فرما کر شاید اس طرف اشارہ کرنا ہو کہ جس کلام کا حامل ”روح القدس“ بنایا گیا، وہ روحانیت، پاکیزگی اور ملکوتی خصال کا پیکر ہونا چاہئے۔ چنانچہ دیکھ لو ان اوصاف میں اس شان کا کیا کوئی دوسرا کلام آسمان کے نیچے نظر آتا ہے۔

۱۶۹۔ یعنی موقع بہ موقع اور بتدریج احکام و آیات کا نزول دیکھ کر ایمان والوں کے دل قوی اور اعتقاد پختہ ہوتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے ہر حال اور زندگی کے ہر ایک دور سے پورا خبردار ہے اور نہایت حکمت سے ہماری تربیت کرتا ہے۔ جیسے حالات پیش آئیں، ان کے موافق ہدایت و



رہنمائی کرتا اور ہر کام پر اس کے مناسب خوشخبری سناتا ہے۔

۱۷۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احمقانہ اعتراض: یعنی قرآن شریف نہ خدا کا کلام ہے، ورنہ نسخ اس میں نہ ہوتا۔ اور نہ یہ آپ کا کلام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا امی ہونا سب کو معلوم و مسلم تھا۔ ایک امی جس نے کبھی کوئی کتاب چھوئی ہو نہ قلم ہاتھ میں پکڑا ہو بلکہ باوجود اعلیٰ درجہ کے قریشی ہونے کے چالیس برس تک ایک شعر بھی زبان سے نہ کہا ہو، جس میں عرب کی چھو کر یاں تک فطری سلیقہ اور ملکہ رکھتی تھیں، کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ بدون تعلیم و تعلم کے دفعۃً ایسی کتاب بنالائے جو اس قدر عجیب و غریب معلوم و حکم، مؤثر ہدایات اور کایا پلٹ کر دینے والے قوانین و احکام پر مشتمل ہو۔ ناگزیر کہنا پڑے گا کہ کوئی دوسرا شخص انہیں یہ باتیں سکھلاتا اور ایسا کلام بنا کر دے دیتا ہے۔ وہ شخص کون تھا جس کی بے اندازہ قابلیت سے قرآن جیسی کتاب تیار ہوئی اس کے نام میں اختلاف تھا۔ حیر، بیار، عائش، یعیش۔ کئی عجمی غلاموں کے نام لئے گئے ہیں جن میں کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی۔ بلکہ بعض کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ نصرانیت کو چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کر چکے تھے۔ کہتے ہیں حضور ﷺ گاہ بگاہ آتے جاتے ان میں سے کسی ایک کے پاس بیٹھتے تھے یا وہ حضور ﷺ کی خدمت میں کبھی حاضر ہوا کرتا تھا۔ مگر تعجب ہے، اتنے بڑے قابل انسانوں کا تو نام بھی تاریخ نے پورے تین تین و تین کے ساتھ یاد نہ رکھا۔ اور جو ان سے سیکھ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے، دنیا ان کے قدموں میں گر پڑی۔ حتیٰ کہ جنہوں نے انکو نبی نہ مانا، دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ بہر حال مشرکین کے اس سفیہانہ اعتراض سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ دعوتِ بعثت سے پہلے آپ کا امی ہونا ان کے نزدیک ایسا مسلم تھا کہ قرآنی علوم و معارف کو آپ کی امت مسلمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے۔ اسی لئے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو یہ باتیں سکھلاتا ہے۔ بلاشبہ آپ سکھلائے ہوئے تھے، لیکن سکھلانے والا کوئی بشر نہ تھا، وہ ربِ قدیر تھا جس نے فرمایا اَلرَّحْمٰنُ (الرَّحْمٰنُ - ۱، ۲)۔

۱۷۱۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت: یعنی اگر قرآن کے علوم خارقہ اور دوسری وجوہ اعجاز کو اپنی غباوت کی وجہ سے تم نہیں سمجھ سکتے تو اس کی زبان کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا ادراک تو کر سکتے ہو۔ جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جا چکا اور اعلان کیا جا چکا ہے کہ تمام جن و انس مل کر بھی اس کلام کا مثل پیش نہ کر سکیں گے پھر جس کا مثل لانے سے عرب کے تمام فصحاء بلغاء بلا استثناء احدے عاجز و در ماندہ ہوں ایک گننام عجمی بازاری غلام سے کیونکر امید کی جاسکتی ہے کہ ایسا کلام معجز تیار کر کے پیش کر دے۔ اگر تمام عرب میں کوئی شخص بالفرض ایسا کلام بنا سکتا تو وہ خود حضرت محمد ﷺ ہوتے۔ مگر قرآن کے سوا آپ کے دوسرے کلام کا ذخیرہ قرآن کے بیان کردہ موضوعات پر موجود ہے، جو باوجود انتہائی فصاحت کے کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت قرآنی کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

۱۷۲۔ یعنی کھلے دلائل کے باوجود جو شخص یہ ہی دل میں ٹھان لے کہ یقین نہیں کروں گا، خدا تعالیٰ بھی اس کو مقصد پر پہنچنے کی راہ نہیں دیتا۔ جتنا سمجھائیے کبھی نہ سمجھے گا۔ بد اعتقاد آدمی ہدایت سے محروم رہ کر آخر سخت سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

۱۷۳۔ کا ذہین: یعنی آپ کو کہتے ہیں اِنَّا اَنْتَ مُفْتَتَرٌ حَالَاکَہ آپ کی امانت و راستبازی پہلے سے مسلم اور ہر ایک چال ڈھال سے ظاہر تھی۔ کیا جھوٹ بنانے والوں کا چہرہ اور طور و طریق ایسا ہوتا ہے؟ جھوٹ بنانا تو ان اشقیاء کا شیوہ ہے جو خدا کی باتیں سن کر اور اس کے نشانات دیکھ کر بھی یقین نہ کریں۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہو گا کہ آدمی خدا کی باتوں کو جھوٹا کہے۔

۱۰۶۔ جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لانے کے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر [۱۷۴] و لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۙ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَآ وَ  
قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مِّنۡ شَمَآءَ

غضب ہے اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے

بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ وَ لَهُمْ

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۷۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے عزیز رکھا دنیا کی زندگی کو آخرت سے اور اللہ راستہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو [۱۴۵]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلٰى

الْآخِرَةِ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۸۔ یہ وہی ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دل پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اور یہی ہیں بے ہوش [۱۴۶]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاَسْعٰهُمْ

وَاَبْصَارِهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۹۔ خود ظاہر ہے کہ آخرت میں یہی لوگ خراب ہیں [۱۴۷]

لَا جَرَءَ اَنَّهُمْ فِى الْآخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۴۴۔ مرتد کون ہے؟ ایک تو وہ مجرم ہیں جو سینکڑوں دلائل و آیات سن کر بھی یقین نہ لائیں۔ مگر ان سے بڑھ کر مجرم وہ ہیں جو یقین لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شہادت و وساوس سے متاثر ہو کر صداقت سے منکر ہو جائیں۔ جیسا کہ عبد اللہ بن ابی سرح نے کیا تھا کہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ العیاذ باللہ۔ ایسے لوگوں کی سزا آگے بیان فرمائی ہے۔ درمیان میں اَلَا مَنۡ اٰكْرَهَ اِلٰحَ سے ایک ضروری استثناء کر دیا گیا۔ یعنی اگر کوئی مسلمان صدق دل سے برابر ایمان پر قائم ہے ایک لمحہ کے لئے بھی ایمانی روشنی اور قلبی طمانیت اس کے قلب سے جدا نہیں ہوئی صرف کسی خاص حالت میں بہت ہی سخت دباؤ اور زبردستی سے مجبور ہو کر شدید ترین خوف کے وقت گلو خلاصی کے لئے محض زبان سے منکر ہو جائے یعنی کوئی کلمہ اسلام کے خلاف نکال دے بشرطیکہ اس وقت بھی قلب میں کوئی تردد نہ ہو۔ بلکہ زبانی لفظ سے سخت کراہیت و نفرت ہو، ایسا شخص مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ ہاں اس سے بلند مقام وہ ہے کہ آدمی مرنا قبول کرے مگر منہ سے بھی ایسا لفظ نہ نکالے۔ جیسا کہ حضرت بلالؓ، حضرت یاسرؓ، حضرت سمیہ حضرت خبیب بن زید انصاری اور حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے واقعات تاریخوں میں موجود ہیں۔ بنظر اختصار ہم یہاں درج نہیں کر سکتے ابن کثیر میں دیکھ لیتے جائیں۔

۱۴۵۔ یعنی ایسے منکروں کو جو حیات دنیاہی کو کعبہ مقصود ٹھہرائیں، کامیابی کا رستہ کہاں ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو کوئی ایمان سے پھر اے تو دنیا کی غرض کو، جان کے ڈر سے یا برادری کی خاطر سے یا زر کے لالچ سے جس نے دنیا عزیز رکھی اس کو آخرت کہاں؟ اگر جان کے ڈر سے لفظ کہے تو چاہئے جب ڈر کا وقت جاچکے پھر توبہ و استغفار کر کے ثابت ہو جائے۔"

۱۴۶۔ یعنی دنیا طلبی اور ہوا پرستی کے نشہ میں ایسے مست و بے ہوش ہیں جن کے ہوش میں آنے کی کوئی امید نہیں خدا کی دی ہوئی قوتیں انہوں نے سب بیکار کر دیں۔ آخر کانوں سے حق کی آواز سننے، آنکھوں سے حق کے نشان دیکھنے، اور دلوں سے حق بات سمجھنے اور سوچنے کی توفیق سلب ہو گئی۔ مہر کرنے کا مطلب پہلے سورہ بقرہ وغیرہ میں گذر چکا ہے۔

۱۷۷۔ یعنی جو لوگ اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے خدا کی بخشش ہوئی تو تین تباہ کر ڈالیں اور دنیا ہی کو قبلہ مقصود بنا لیں، ان سے بڑھ کر خراب انجام کس کا ہو گا۔

۱۱۰۔ پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ انہوں نے وطن چھوڑا ہے بعد اس کے مصیبت (بچلائے گئے) اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے اور قائم رہے بیشک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے [۱۷۸]

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا  
ثُمَّ جَاهِدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ  
رَحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۱۔ جس دن آئے گا ہر جی جواب سوال کرتا اپنی طرف سے [۱۷۹] اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا [۱۸۰]

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوْفَىٰ  
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۲۔ اور بتلائی اللہ نے ایک مثال (مثل) ایک بستی تھی چین امن سے [۱۸۱] چلی آتی تھی اسکوروزی فراغت کی ہر جگہ سے [۱۸۲] پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ ان کے تن کے کپڑے ہو گئے بھوک اور ڈر بدلہ اس کا جو وہ کرتے تھے [۱۸۳]

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً  
يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ  
بِأَنْعَمَ اللَّهُ فَاذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ  
بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۳۔ اور ان کے پاس پہنچ چکا رسول انہی میں کا پھر اس کو جھٹلایا پھر آپکڑا انکو عذاب نے اور وہ گنہگار تھے [۱۸۴]

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ  
الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾

۱۷۸۔ حضرت عمار کا کلمہ کفر اور توبہ: مکہ میں بعض لوگ کافروں کے ظلم سے بچل گئے تھے یا صرف زبانی لفظ کفر کہہ لیا تھا۔ اس کے بعد جب ہجرت کی، جہاد کیا، اور بڑے استقلال و پامردی سے اسلام پر قائم رہے، اتنے کام ایمان کے کئے، وہ تقصیر بخشش گئی اور خدا کی مہربانی مبذول ہوئی۔ ایک بزرگ تھے "عمار" ان کے باپ تھے "یاسر اور ماں" سمیہ "دونوں ظلم اٹھاتے مر گئے، پر لفظ کفر نہ کہا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا خون تھا جو خدا کی راہ میں گرا بیٹے (عمار) نے خوف جاں سے لفظ کہہ دیا پھر روتے ہوئے حضرت کے پاس آئے۔ تب یہ آیتیں اتریں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۱۷۹۔ یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہ بول سکے گا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، اولاد، احباب و اقارب کوئی کام نہ دے گا۔ ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہو گا کہ کس طرح خدا کے عذاب سے مخلصی حاصل کرے۔ طرح طرح کے جھوٹے سچے عذر بر آت کے لئے تراشے گا۔ اور جواب و

سوال کر کے چاہے گا کہ رستگاری حاصل کر لے۔

۱۸۰۔ یعنی نیکی کے ثواب میں کمی نہ ہوگی اور بدی کی سزا استحقاق سے زائد نہ دی جائے گی۔

۱۸۱۔ ایک بستی کی مثال: یعنی نہ باہر سے دشمن کا کھٹکانہ اندر سے کسی طرح کی فکر و تشویش۔ خوب امن چین سے زندگی گذرتی تھی۔

۱۸۲۔ یعنی کھانے کے لئے غلے اور پھل وغیرہ کھنچے چلے آتے تھے، ہر چیز کی افراط تھی، گھر بیٹھے دنیا کی نعمتیں ملتی تھیں۔

۱۸۳۔ اس بستی کے رہنے والوں نے خدا کے انعامات کی قدر نہ پہچانی، دنیا کے مزوں میں پڑ کر ایسے غافل اور بد مست ہوئے کہ منعم حقیقی کا دھیان بھی نہ آیا۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی، آخر خدا تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور کفران نعمت کا مزہ چکھایا۔ یعنی امن چین کی جگہ خوف و ہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے ان کو اس طرح گھیر لیا، جیسے کپڑا پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے ایک دم کو بھوک اور ڈر ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔

۱۸۴۔ ظاہری نعمتوں کے علاوہ جو اوپر مذکور ہوئیں ایک بڑی بھاری باطنی نعمت بھی ان کو دی گئی تھی، یعنی انہی کی قوم و نسبت میں سے ایک رسول بھیجا گیا، جس کا اتباع کر کے وہ خدا کی خوشنودی کے بڑے اونچے مقامات حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے اتباع و تصدیق کی جگہ اس کی تکذیب و مخالفت پر کمر باندھ لی اور اس طرح پستی میں گرتے چلے گئے، آخر قدیم سنت اللہ کے موافق ظالموں اور گنہگاروں کو عذاب نے آپکڑا پھر کسی کی کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان آیات میں کسی معین بستی کا تذکرہ نہیں۔ محض بطور تمثیل کسی تباہ شدہ بستی کا اعلیٰ التعمین حوالہ دیکر یا ایک ایسی بستی کا وجود فرض کر کے کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ تم نے ایسا کیا تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہو سکتا ہے۔

کفران نعمت اور تکذیب وعداوت رسول کی سزا سے بے فکر نہ ہوں۔ بعض علماء کے نزدیک اس مثال میں بستی سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں ہر قسم کا امن چین تھا اور باوجود وادی غیر ذی روح ہونے کے طرح طرح کے پھل اور میوے کھنچے چلے آتے تھے۔ اَوْلَم نَسِئْتُمْ لَكُمْ حَرَمًا مِمَّا

يُحْيِي الْيَتِيْمَ تَمْرًا شَيْءٍ (القصص-۵۷) اہل مکہ نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی، شرک و عصیان، بے حیائی، اور اوہام پرستی میں منہمک

ہو گئے، پھر خدا تعالیٰ نے سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ کی صرت میں بھیجی، اس کے انکار و تکذیب میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ اَلَمْ تَر

اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اٰخَلُوْا قَوْمَهُمْ اِذَ الْبَوَارِ (ابراہیم-۲۸) آخر خدا تعالیٰ نے امن و اطمینان کے بجائے مسلمان مجاہدین کا

خوف اور فراخ روزی کی جگہ سات سال کا قحط ان پر مسلط کر دیا۔ جس میں کتے اور مردار تک کھانے کی نوبت آگئی۔ پھر ”در“ کے معرکہ میں

غازیان اسلام کے ہاتھوں خدا کا عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔ ادھر تو یہ ہو ادوسری طرف جو لوگ ان ظالموں کے جو رستم سے تنگ آکر گھربار چھوڑ

بھاگے تھے ان کو خدا نے بہتر ٹھکانا دیا۔ دشمنوں کے خوف سے مامون و مصون بنایا، روزی کے دروازے کھول دیے، زبردست دشمنوں پر فتح

عنایت کی، بلکہ اقلیموں کا بادشاہ اور متقیوں کا امام بنا دیا۔ شاید اسی لئے ان آیات میں مکہ والوں کا حال سنا کر اگلی آیت فَكَلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللّٰهُ اِنْ

میں مسلمانوں کا خطاب فرمایا ہے کہ تم اس قسم کی حرکات سے بچتے رہنا جن کی بدولت مکہ والوں پر مصیبت ٹوٹی۔

۱۱۴۔ سو کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک اور

شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو پوجتے ہو [۱۸۵]

فَكَلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اَشْكُرُوْا نِعْمَتَ

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاكَ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۵۔ اللہ نے تو یہی حرام کیا ہے تم پر مردار اور لہو اور سور

اِنَّا حَرَّمْنَا عَلَيْكُمُ الْبَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ

کا گوشت اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی ناچار ہو جائے نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۸۶]

الْخٰنِزِيْرِ وَمَا اٰهْلًا لِيٰغِيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنْ اٰضْطُرَّ  
غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۶۔ اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر بہتان باندھو [۱۸۷] بیشک جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر ان کا بھلا نہ ہوگا

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ السِّنْتِكُمْ الْكٰذِبَ هٰذَا  
حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ الْكٰذِبَ  
اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْكٰذِبَ لَا

يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۷۔ تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے [۱۸۸]

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۸۔ اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا جو تجھ کو پہلے سنا چکے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا پر وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے [۱۸۹]

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَمْنَا مَا قَصَّصْنَا عَلَيْكَ  
مِنْ قَبْلٍ وَّ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَّلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ

يُظَلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۹۔ پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے [۱۹۰] پھر توبہ کی اس کے پیچھے اور سنوار اپنے کام کو سو تیرا رب ان باتوں کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے [۱۹۱]

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْءَ بِجَهٰلَةٍ ثُمَّ  
تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

۱۸۵۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو: یعنی جس کو خدا کی پرستش کا دعویٰ ہو، اسے لائق ہے کہ خدا کی دی ہوئی حلال و طیب روزی سے تمتع کرے اور اس کا احسان مان کر شکر گزار بندہ بنے۔ حلال کو حرام نہ سمجھے اور نعمتوں سے منتفع ہوتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولے۔ بلکہ اس پر اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور اسی کے احکام و ہدایات کی پابندی کرے۔

۱۸۶۔ حرام چیزوں کا بیان: اس آیت کی تفسیر سورہ بقرہ اور انعام وغیرہ میں گذر چکی وہاں دیکھ لی جائے، یہاں غرض یہ ہے کہ جس طرح پہلی

آیت میں اشارہ تھا کہ حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرے، اس آیت میں تشبیہ کی گئی کہ حرام چیزوں کو حلال نہ ٹھہرائے، خلاصہ یہ کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اسی کا حق ہے۔ جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ چنانچہ آئندہ آیات میں نہایت وضاحت سے یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

۱۸۷۔ اپنی رائے سے حلال اور حرام نہ ٹھہراؤ: یعنی بدون کسی مستند شرعی کے کسی چیز کے متعلق منہ اٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جرات اور کذب و افتراء ہے۔ حلال و حرام تو وہ ہی ہو سکتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے حلال یا حرام کہا ہو۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت کرتا ہے، جیسے مشرکین مکہ کرتے تھے، جس کا ذکر سورہ انعام میں گذر چکا وہ فی الحقیقت خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ کبھی ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ جس چیز کو خدا نے حلال کیا حلال اور جس کو حرام کیا حرام سمجھیں۔ بدون ماخذ شرعی کے حلت و حرمت کا حکم نہ لگائیں۔

۱۸۸۔ اپنی رائے سے حلال اور حرام نہ ٹھہراؤ: یعنی مشرکین مکہ جو حضور ﷺ کو معاذ اللہ مفتری کہتے تھے یاد رکھیں کہ وہ خود مفتری ہیں۔ ازراہ کذب و افتراء جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کہہ کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ یہ روش اختیار کر کے کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے۔ تھوڑے دن اور دنیا کا مزہ اڑالیں، پھر دائمی جیل خانہ تیار ہے۔

۱۸۹۔ اشیاء کی تحریم میں حکمت ہے: سورہ انعام آیت ۱۴۶ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَامًا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَامًا عَلَيَّهِمْ شُحُومُهُمْ اَلْح کے فوائد میں اس کا بیان گذر چکا، ملاحظہ کر لیا جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے سب کے لئے یا کسی خاص قوم کے لئے معین وقت تک حرام کی ہے، عین حکمت ہے۔ کسی بشر کو حق نہیں کہ اس میں تصرف کر کے حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنائے۔

۱۹۰۔ نافرمانی بے عقلی ہے: مثلاً حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنایا۔ "نادانی سے" اس لئے فرمایا کہ خدا کی جو نافرمانی اور گناہ آدمی کرتا ہے خواہ جان بوجھ کر کرے، وہ فی الحقیقت نادان اور بے عقل بن کر کرتا ہے۔ اگر ذرا عقل سے کام لے اور گناہ کے بد نتائج کا تصور کرے تو ہرگز معصیت پر اقدام نہیں کر سکتا۔ سورہ نساء آیت ۱۷ اِنَّهَا تَتَوَبُّ عَلَى اللَّهِ وَلِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ اَلْح کے تحت میں جو اس کے متعلق لکھا گیا ہے اسے بھی ایک مرتبہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۹۱۔ یعنی کفریات سے توبہ کر کے مسلمان ہو جانے اور آئندہ کے لئے اپنی حالت درست کر لینے پر حق تعالیٰ تمام گذشتہ گناہ معاف فرمادیتا ہے خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔

گر کافر و گنہگار بت پرستی باز آ

باز آ باز آہر آنچہ کردی باز آ

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ایں درگہ مادرگہ نومیدی نیست

۱۲۰۔ اصل میں تو ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا فرمانبردار اللہ کا سب سے ایک طرف ہو کر اور نہ تھا شرک والوں میں [۱۹۲]

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا وَّكَم يَدُكُ

مِنَ الْمَشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۱۔ حق ماننے والا اس کے احسانوں کا [۱۹۳] اس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر [۱۹۴]

شَاكِرًا لِاٰنْعٰمِهِ اٰجْتَبَهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ

مُسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۲۔ اور دی ہم نے دنیا میں اس کو خوبی [۱۹۵] اور وہ آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے [۱۹۶]

وَأَتَيْنَهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ

لَبِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٢٢﴾

۱۲۳۔ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا وہ شرک والوں میں [۱۹۷]

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۴۔ ہفتہ کا دن جو مقرر کیا سو انہی پر جو اس میں اختلاف کرتے تھے اور تیرا رب حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں اختلاف کرتے تھے [۱۹۸]

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا

كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

۱۹۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ: مشرکین عرب کی شرکیات کا رد کر کے امام الموحدین ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یاد دلاتے ہیں کیونکہ عرب کے لوگ ان کی نسل سے تھے اور دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حالانکہ ملت ابراہیمی سے انہیں دور کی نسبت بھی نہ رہی تھی۔ انہیں بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام موحدین کے امام نیکی کے معلم، تمام دنیا کے مشرکین کے مقابلہ میں تنہا ایک امت عظیمہ کے برابر تھے جن کی ذات واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کر دیے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔ اَللّٰهُ بِسْمِئْتِكُمْ۔ اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمُ فِي وَاٰحِدٍ۔ ابراہیم خدا کا کامل مطیع و فرمانبردار بندہ تھا جو ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کا ہو رہا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ بدون حکم الہی کسی چیز کو محض اپنی طرف سے حلال یا حرام ٹھہرا دے وہ خود تو معاذ اللہ شرک کا ارتکاب کہاں کر سکتا۔ مشرکین کی جماعت اور بستی میں رہنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ پھر جو لوگ آپ کو ”حنیف“ کہتے اور دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں۔ انہیں شرم کرنی چاہئے کہ خدا پر افتراء باندھ کر حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہنا اور شرک کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑنا۔ کیا ایک ”حنیف“ اور ابراہیمی کی شان ہو سکتی ہے؟ یاد رکھو! حلال و حرام کے بیان اور اصول دین میں اصل ملت ابراہیمی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی ملت کی اقامت و اشاعت اور بسط و تفصیل کے لئے تشریف لائے ہیں اگر اصلی دین ابراہیم پر چلنا چاہو تو آپ کا طریقہ اختیار کرو۔

۱۹۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شاکر تھے: یعنی ابراہیم خدا کا شکر گزار بندہ تھا۔ تم سخت ناسپاس اور کفران نعمت کرنے والے ہو جیسا کہ وَصَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّقَوْمٍ كَانَتْ اٰمِنَةً اِلَيْهِمْ فَوَافَقَتْهُمْ رٰحٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ فَاَقْبَلُوْهُمۡ فَاَتٰوْهُمۡ بِمَوٰجِدٍ مِّنۡ حٰثِرِ اللّٰهِ فَاَصْبَحُوْا سٰمِيۡنَ ﴿١٩٣﴾

۱۹۴۔ یعنی توحید کامل اور تسلیم و رضا کی سیدھی راہ پر چلایا۔

۱۹۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دنیا اور آخرت کے انعامات: یعنی نبوت، فرخ روزی، اولاد، اور وجاہت و مقبولیت عامہ کہ تمام اہل ادیان بلا اتفاق ان کی تعظیم کرتے ہیں، اور ہر فرقہ چاہتا ہے کہ اپنا سلسلہ ابراہیم سے ملائے۔

۱۹۶۔ یعنی اس نے اپنے حق میں جو دعا کی تھی وَ الْحَقِّنِي بِالضَّلِيلِينَ (الشعراء۔ ۸۳) قبول ہوئی، بیشک وہ آخرت میں صالحین کے اعلیٰ طبقہ میں شامل ہوں گے جو انبیاء علیہم السلام کا طبقہ ہے۔

۱۹۷۔ اس کا بیان سورہ انعام آیت ۱۶۱ دِينًا قَبِيلاً مَلَّةً اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ کے تحت میں گذر چکا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ حلال و حرام اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیمؑ ہے۔ درمیان میں یہود و نصاریٰ کو ان کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیے گئے۔ آخر آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا، تا اصل ملت ابراہیمؑ کو جو غفلت اور تحریف و تصرف بیجا کی دستبرد سے ضائع ہو چکی تھی، از سر نو زندہ اور روشن کیا جائے، اور شرک کی تمام رگیں کاٹ دی جائیں۔ حدیث میں ہے۔ بُعِثْتُ بِالسَّحَةِ الْحَنِيفِيَّةِ الْبَيْضَاءِ اس کی پوری شرح و تفصیل حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں کی ہے جو قابل دید ہے۔

۱۹۸۔ یوم سبت کا حکم: یعنی اصل ملت ابراہیمؑ میں ہفتہ کا حکم نہ تھا، اس امت پر بھی نہیں ہے۔ البتہ درمیان میں یہود نے اپنے پیغمبر موسیٰؑ کے ارشاد سے اختلاف کر کے جب اپنے لئے یہ دن انتخاب کیا تو حکم ہوا کہ اچھا اسی کی تعظیم کرو اور مچھلی کا شکار اس روز مت کرو! یہ حکم کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سورا بنائے گئے۔ اور آخرت میں جو فیصلہ ہو گا وہ الگ رہا۔ ایک اسی پر کیا منحصر ہے وہاں تو سارے اختلافات اور جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کی نسبت کوئی یہودی بتلاتا تھا کوئی نصرانی حالانکہ حق تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ وہ ”حنیف مسلم“ تھے۔ بہر حال آخرت میں سب اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور ہر شخص آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ کون غلطی پر تھا کون راستی پر۔

۱۲۵۔ بلا اپنے رب کی راہ پر چکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے انکو جس طرح بہتر ہو [۱۹۹] تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے ان کو جو بھول گیا اس کی راہ اور وہی بہتر جانتا ہے انکو جو راہ پر ہیں [۲۰۰]

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ  
الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ  
هُوَ أَعْلَمُ بِبَنِي ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ  
بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾

۱۲۶۔ اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر کو تم کو تکلیف پہنچائی جائے (پہنچے) اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کو [۲۰۱]

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِبِئْسَلِ مَا عُوِّقْتُمْ بِهِ وَ  
لَيْنَ صَبْرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾

۱۲۷۔ اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو ان کے فریب سے [۲۰۲]

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ  
وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَكْمُرُونَ ﴿١٢٧﴾



۱۲۸۔ اللہ ساتھ ہے ان کے جو پرہیزگار ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں [۲۰۳]

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَ الَّذِينَ هُمْ

مُحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾

۱۹۹۔ دعوت کا بنیادی اصول: اوپر کی آیتوں میں مخاطبین کو آگاہ کرنا تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لے کر آئے ہیں۔ اگر کامیابی چاہتے ہو اور حنیف ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ اذْعُمْ اِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ الخ سے خود پیغمبر علیہ السلام کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہئے، اس کے تین طریقے بتلائے۔ حکمت، مو عظمت حسنہ، جدال بالحق ہی احسن، ”حکمت“ سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں جن کو سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے۔ دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیت و وحی الہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کر سکیں۔ ”مو عظمت حسنہ“ موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت و حسن اخلاق سے خوبصورت اور متعادل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے۔ بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں، ایک مایوس و پشمرده قوم جھرجھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے، مگر طلب حق کی چنگاری سینے رکھتے ہیں، ان میں موثر و عطا و پند سے عمل کی ایسی اسٹیج بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ سے ممکن ہیں۔ ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہا کی ہے جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں تجتیس نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں۔ نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہو بعض اوقات اہل فہم و انصاف اور طالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فرمایا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔ خواہی نخواستہ ہی دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو۔ جن سے قضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے، مقصود تفہیم اور احقاق حق ہونا چاہئے۔ خشونت، بد اخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ نہیں۔

۲۰۰۔ دعوت کا بنیادی اصول: یعنی طریق دعوت و تبلیغ میں تم کو خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہئے۔ اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا۔ نتیجہ کو خدا کے سپرد کرو۔ وہ ہی راہ پر آنے والوں اور نہ آنے والوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے جیسا مناسب ہو گا ان سے معاملہ کرے گا۔

۲۰۱۔ انتقام اور صبر: یعنی دعوت و تبلیغ کی راہ میں اگر تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچائی جائیں تو قدرت حاصل ہونے کے وقت برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، اجازت ہے، لیکن صبر کا مقام اس سے بلند تر ہے۔ اگر صبر کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اور دیکھنے والوں کے بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ہو گا۔

۲۰۲۔ یعنی مظالم و شدائد پر صبر کنا، سہل کام نہیں۔ خدا ہی مدد فرمائے تو ہو سکتا ہے کہ آدمی ظلم سہتا رہے اور اف نہ کرے۔

۲۰۳۔ اللہ متقین کے ساتھ ہے: یعنی انسان جس قدر خدا سے ڈر کر تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی اختیار کرے گا، اسی قدر خدا کی امداد و اعانت اس کے ساتھ ہوگی۔ سو ایسے لوگوں کو کفار کے مکر و فریب سے تنگ دل اور غمگین ہونے کی کوئی وجہ نہیں حق تعالیٰ اس عاجز ضعیف کو بھی متقین و محسنین کے ساتھ اپنے فضل و رحمت سے محصور فرمائے۔ تم سورۃ النحل بعونہ و توفیقہ و للہ الحمد۔

## آیاتها ۱۱۱

## سُورَةُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مَكِّيَّةٌ ۵۰

## رکوعاتها ۱۲

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ پاک ذات ہے [۱] جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک [۲] جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اُسکو کچھ اپنی قدرت کے نمونے [۳] وہی ہے سننے والا دیکھنے والا [۴]

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱﴾

۱۔ یعنی اس کی ذات نقص و قصور اور ہر قسم کے ضعف و عجز سے پاک ہے جو بات ہمارے خیال میں بے انتہا عجیب معلوم ہو اور ہماری ناقص عقلیں اسے بجد مستعد سمجھیں، خدا کی قدرت و مشیت کے سامنے وہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

۲۔ واقعہ اسری: یعنی صرف ایک رات کے محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین بندہ (محمد رسول اللہ ﷺ) کو حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض کیا تھی؟ آگے لِنُرِيَهُ مِنَ آيَاتِنَا میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا ”بیت المقدس“ سے آگے کہیں اور لے جا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب و غریب نمونے دکھانے منظور تھے۔ سورہ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ”سدرۃ المنتہیٰ“ تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات کا مشاہدہ فرمایا وَ لَقَدْ رَأَى نَزْلَةَ أَهْرَىٰ - عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ - عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ - إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى - مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى - لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى - (النجم - ۱۸ تا ۲۳)۔

واقعہ معراج کی کیفیت: علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو ”اسراء“ اور وہاں سے اوپر ”سدرۃ المنتہیٰ“ تک کی سیاحت کو ”معراج“ کہتے ہیں۔ اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ کو ایک ہی لفظ ”اسراء“ یا ”معراج“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے منقول ہیں جن میں معراج و اسراء کے واقعات بسط و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں جمہور سلف و خلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پر نور کو حالت بیداری میں بحمدہ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ واقعہ اسراء و معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ میں آگے چل کر جو لفظ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ (۶۰) الخ آتا ہے اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں سلف میں سے یہ کسی کا قول نہیں کہ معراج حالت بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض حکماء و صوفیہ کے مذاق پر تجویز کیا جاسکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے وَ كَيْفَ مَعْنَى الْأَنْبَاءِ بِالرُّوحِ الدَّهَابِ يَقْظَةٌ كَالْأَسْلَاحِ الَّذِي ذَهَبَ إِلَيْهِ الصُّوفِيَّةُ وَالْحُكْمَاءُ فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ حَارِقًا لِلْعَادَةِ وَمَحَلًّا لِلْعَجَبِ أَيْضًا إِلَّا إِنَّهُ أَمْرٌ لَا تَعْرِفُهُ الْعَرَبُ وَلَمْ يَذْهَبَ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ السَّافِرِ - بیٹک ابن قیم نے زاد المعاد میں عائشہ صدیقہ، معاویہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے۔ لیکن اس پر

کوئی نقل پیش نہیں کی، محض ظن و تخمین سے کام لیا ہے ابن اسحق وغیرہ نے جو الفاظ ان بزرگوں کے نقل کئے ہیں ان میں کہیں حالت بیداری کی تصریح نہیں۔

معراج کا واقعہ خواب نہیں تھا: بہر حال قرآن نے جس قدر اہتمام اور ممتاز و درخشناں عنوان سے واقعہ "اسراء" کا ذکر فرمایا اور جس قدر جدو مستعدی سے مخالفین اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے، حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے یہ اسکی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب و غریب خواب یا سیر روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر و انکشافات کے رنگ میں آپ کے جو دعویٰ ابتدائے بعثت سے رہے ہیں۔ دعویٰ اسراء کفار کے لئے کچھ سے بڑھ کر تعجب خیز و حیرت انگیز نہ تھا جو خصوصاً صحت پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزاء و تمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ، آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو، نہ آپ کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر و مشوش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں **ثُمَّ أَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ يَا ثُمَّ أَتَيْتُ مَكَّةَ** (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ ﷺ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے۔

اور شہاد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ "رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا، حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے تھے؟" ہمارے نزدیک **أَسْرَى بِعَبْدِ** کے یہ معنی لینا کہ "خدا اپنے بندہ کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا۔" اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص **فَأَسْرَى بِعَبْدِ** کے یہ معنی لینے لگے کہ "اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لیکر مصر سے نکل جاؤ۔ یا سورہ کہف میں جو حضرت موسیٰ کا حضرت خضر کی ملاقات کے لئے جانا اور ان کے ہمراہ سفر کرنا جس کے لئے کئی جگہ **فَانْطَلَقَا** کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہوا تھا۔ باقی لفظ "رُؤْيَا" جو قرآن میں آیا، اس کے متعلق ابن عباسؓ فرما چکے ہیں **رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** مفسرین نے کلام عرب سے اس کے شواہد پیش کئے ہیں کہ "رُؤْيَا" کا لفظ گاہ بگاہ مطلق رویت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اگر اس سے مراد یہ ہی اسراء کا واقعہ ہے تو مطلق نظارہ کے معنی لئے جائیں جو ظاہری آنکھوں سے ہوا۔ تاکہ ظواہر نصوص اور جمہور امت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو۔

**شریک کی روایت:** ہاں شریک کی روایت میں بعض الفاظ ضرور ایسے آئے ہیں جن سے "اسراء" کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے مگر محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا حافظہ خراب تھا، اس لئے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلہ میں ان کی روایت قابل استناد نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اخیر میں حدیث شریک کے اغلاط شمار کئے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کی روایت کا مطلب ایسا لیا جاسکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس قسم کی تفصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے شرح صحیح مسلم میں یہ مباحث پوری شرح و بسط سے درج کئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج و اسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بحمدہ الشریف واقع ہوا۔ ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔

**واقعہ معراج کے عقلی دلائل:** کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے کی ہوگی یا کرہ ناروز مہریر میں سے کیسے گزرے ہوں گے یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابل تسلیم ہوگا۔ لیکن آج تک کوئی دلیل اس کی پیش نہیں کی گئی کہ آسمان واقع میں کوئی شے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگوئی چیز جو ہم کو نظر آتی ہے فی الحقیقت آسمان نہیں ہے تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگوئی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہو سکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے

ہیں کہ سرعت حرکت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ بھی یقین نہیں آسکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائے گی یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کر سکیں گے۔ ”اسٹیم“ اور ”قوت کھربائیہ“ کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے۔ کرہ نار تو آج کل ایک لفظ بے معنی ہے۔ ہاں اوپر جا کر ہوا کی سخت برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیے گئے ہیں جو اڑنے والوں کی زمہیر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلا واسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ زمین یا سورج جو بیس گھنٹہ میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں۔ روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے۔ اور اس سرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پرکاشہ کی برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں کیا وہ قادر مطلق اپنے حبیب ﷺ کے براق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا جن سے حضور ﷺ بڑی راحت و تکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہو سکیں۔ شاید اسی لئے واقعہ ”اسراء“ کا بیان لفظ سُبْحَانَ الَّذِي سے شروع فرمایا تا جو لوگ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم و تخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں، کچھ اپنی گتائیوں اور عقلی ترکتازیوں پر شرمائیں۔

نہ ہر جائے مرکب تو اں تا ختن کہ جاہا سپر باید انداختن

۳۔ مسجد اقصیٰ اور برکات: یعنی جس ملک میں ”مسجد اقصیٰ“ (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میوؤں کی افراط، اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے۔ شاید نبی کریم ﷺ کو ہاں لیجانے میں یہ بھی اشارہ ہو گا کہ جو کمالات انبیاء نے بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے آپ کی ذات مقدس میں وہ سب جمع کر دیے گئے جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، ان پر اب بنی اسمعیل کو قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ ”کعبہ“ اور ”بیت المقدس“ دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی ہے۔ احادیث معراج کی تصریح ہے کہ ”بیت المقدس“ میں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ گویا حضور ﷺ کو جو سیادت و امامت انبیاء کا منصب دیا گیا تھا اس کا حسی نمونہ آپ کو اور مقررین بارگاہ کو دکھلایا گیا۔

۴۔ یعنی اصلی سننے والا اور دیکھنے والا خدا ہے۔ وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہے دکھلا دیتا ہے۔ اس نے اپنے حبیب محمد ﷺ کی مناجات کو سنا اور احوال رفیعہ دیکھا۔ آخر ”معراج شریف“ میں ”بِنِيْبُصْمَا“ والی آنکھ سے وہ آیات عظام دکھلائیں جو آپ کی استعداد کامل اور شان رفیع کے مناسب تھیں۔

۲۔ اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے [۵] کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو

کار ساز [۶]

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ

إِسْمَاعِيلَ إِلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكَيْلًا ﴿۲﴾

۳۔ تم جو اولاد ہو ان لوگوں کی جن کو چڑھایا ہم نے نوح کے ساتھ بیشک وہ تھا بندہ حق ماننے والا [۴]

ذُرِّيَّةً مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا

شَكُورًا ﴿۳﴾

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات: نبی کریم ﷺ کا فضل و شرف بیان فرما کر سلسلہ کلام حضرت موسیٰ کے ذکر کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ ”اسراء“ کے ذیل میں ”مسجد اقصیٰ“ (بیت المقدس تک جانا مذکور ہوا تھا، آگے ”مسجد اقصیٰ“ اور اس کے قدیم متولیوں (بنی اسرائیل) پر جو مختلف دور گذرے، مسلمانوں کی عبرت اور خود بنی اسرائیل کی نصیحت کے لئے ان کا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ آیت اسی کی تمہید ہے۔ واقعہ ”اسراء“ میں اشارہ تھا کہ مجازی پیغمبر کی امت ہی آئندہ اس امانت الہی کی مالک بننے والی ہے جو شام کی مبارک سرزمین میں ودیعت کی گئی تھی ان آیات میں بنی اسرائیل کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہیں تو اب پیغمبر عربی ﷺ کی پیروی کریں، حق تعالیٰ ان کے حال پر مہربانی فرمائے گا۔ ورنہ پہلے کی طرح پھر شرارتوں پر سزا ملے گی اور مسجد اقصیٰ کی تولیت سے محروم کر دئے جائیں گے۔

۶۔ یعنی تورات میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خالص توحید پر قائم رہیں اور خدا کے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھیں ہمیشہ اسی پر بھروسہ اور توکل کریں۔  
۷۔ یعنی تم ان کی اولاد ہو جو نوح کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر عذاب الہی سے بچے تھے۔ جو احسان تمہارے بڑوں پر کیا گیا اسے فراموش مت کرو۔ دیکھو نوح جن کی اولاد میں تم ہو کیسے احسان شناس اور شکر گزار بندے تھے تم کو بھی ان ہی کی راہ پر چلنا چاہئے۔

۲۔ اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دوبار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی [۸]

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ

فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٨﴾

۵۔ پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے [۹] سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا [۱۰]

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا

لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَلِ الدِّيَارِ وَ

كَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿٩﴾

۶۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری [۱۱] ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ

بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿١٠﴾

۷۔ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لئے [۱۲] پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا بھیجے اور بندے کہ ادا اس کر دیں تمہارے منہ اور گھس جائیں مسجد میں جیسے گھس گئے تھے پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی [۱۳]

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ

فَلَهَا ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسْوَعُوا وُجُوهَكُمْ

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ

لِيَتَّبِعُوا مَا عَلَوْتُمْ تَتْبِيرًا ﴿١١﴾

۸۔ بعید نہیں تمہارے رب سے کہ رحم کرے تم پر اور اگر پھر وہی کرو گے تو ہم پھر وہی کریں گے اور کیا ہے ہم نے دوزخ کو کافروں کا قید خانہ<sup>[۱۴]</sup>

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا وَ

جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿٨﴾

۸۔ تورات کی پیشگوئی: تورات میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہ قوم (بنی اسرائیل) دو مرتبہ ملک میں سخت خرابی پھیلانے لگی اور ظلم و تکبر کا شیوہ اختیار کر کے سخت تہمتوں کا مظاہرہ کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہر مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۹۔ یعنی جن کو ہم نے سزا دینے کے لئے تم پر مسلط کیا تھا۔

۱۰۔ یعنی بستی میں مکانوں کے اندر گھس کر خوب کشت و خون اور لوٹ کھسوٹ کی۔ اس طرح خدا نے سزا دی کہ جو وعدہ کیا تھا پورا ہو کر رہا۔

۱۱۔ یعنی جب تم ہماری طرف رجوع ہوئے اور توبہ و انابت کا طریقہ اختیار کیا، ہم نے پھر ایک مرتبہ تم کو دشمنوں پر غالب کیا۔

۱۲۔ یعنی بھلائی برائی کا جو کچھ نفع نقصان پہنچاتا تھا تم ہی کو پہنچاتا تھا، سو پہنچا۔

۱۳۔ بنی اسرائیل کی قوت کا خاتمہ: یعنی مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیے۔ اور ”مسجد اقصیٰ“ (بیت المقدس) میں گھس کر پہلے کی طرح اودھم مچائی ہیکل وغیرہ کو تباہ کر دیا۔ اس طرح ”بنی اسرائیل“ کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

۱۴۔ بنی اسرائیل پر دو حملے: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”تورات میں کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل دوبارہ شرارت کریں گے، اس کی جزاء میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہوں گے۔ اسی طرح ہوا ہے۔ ایک بار جالوت غالب ہوا، پھر حق تعالیٰ نے اس کو حضرت داؤد کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ پچھلے بنی اسرائیل کو اور قوت زیادہ دی۔ حضرت سلیمان کی سلطنت میں دوسری بار فارسی لوگوں میں بخت نصر غالب ہوا۔ تب سے انکی سلطنت نے قوت نہ پکڑی۔ اب فرمایا کہ اللہ مہربانی پر آیا ہے اگر اس نبی کے تابع ہو تو وہی سلطنت اور غلبہ پھر کر دے اور اگر پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم وہی کریں گے۔ یعنی مسلمانوں کو ان پر غالب کیا اور آخرت میں دوزخ تیار ہے۔“ بعض علماء نے پہلے وعدہ سے بخت نصر کا حملہ جو ولادت مسیح سے ۵۸۷ سال پہلے اور دوسرے وعدہ سے ”طیطوس رومی“ کا حملہ جو رفع مسیح سے ستر سال بعد ہوا مراد لیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں حملوں میں یہود پر تباہی آئی اور ”مقدس ہیکل“ کو برباد کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۹۔ یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں اچھے کہ ان کے لئے ہے ثواب بڑا<sup>[۱۵]</sup>

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ

الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ

أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾

۱۰۔ اور یہ کہ جو نہیں مانتے آخرت کو ان کے لئے تیار کیا ہے ہم نے عذاب دردناک

وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ

عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾

۱۱۔ اور مانگتا ہے آدمی برائی جیسے مانگتا ہے بھلائی اور ہے انسان جلد باز<sup>[۱۶]</sup>

وَيَدْعُ الْإِنْسَانَ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ

الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾

۱۵۔ قرآن ہی سب سے سیدھا راستہ ہے: یعنی یوں تو "تورات" بھی بنی اسرائیل کو راہ بتانے والی تھی جیسا کہ پہلے فرمایا ہڈی لَبْنِي (سَمَاءِ عَائِلِ) لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی، سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے۔ تمام قدیم راہیں اس "اقوام" کے تحت میں مندرج ہو گئی ہیں۔ لہذا اگر کامیابی اور نجات چاہتے ہو تو خاتم الانبیاء کی پیروی میں اسی سیدھی سڑک پر چلو۔ جو لوگ قلب و جوارح یعنی ایمان و عمل صالح سے اس صاف و کشادہ راہ پر چلیں گے قرآن ان کو دنیا میں حیات طیبہ کی اور آخرت میں جنت کی عظیم الشان بشارت سناتا ہے۔ باقی جنہیں انجام کا کچھ خیال نہیں، اندھا دھند دنیا کی لذات و شہوات میں غرق ہیں آخرت کی اصلاح نہیں رکھتے، ان کا انجام اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۶۔ انسان کی ناعاقبت اندیشی: یعنی قرآن تو لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا اجر کبیر کی بشارتیں سناتا، اور بدی کے مہلک نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کا حال یہ ہے کہ وہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اپنے لئے برائی کو اسی اشتیاق و الحاج سے طلب کرتا ہے۔ جس طرح کوئی بھلائی مانگتا ہو، یا جیسے بھلائی طلب کرنا چاہئے وہ انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بڑی تیزی کے ساتھ گناہوں اور برائیوں کی طرف لپکتا ہے بلکہ بعض بد بخت تو صاف لفظوں میں زبان سے کہہ اٹھتے ہیں۔ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ آلِيمٍ (الانفال۔ ۳۲) (خداوند! اگر پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادیجئے یا اور کوئی سخت عذاب نازل کیجئے) بعض بے وقوف غصہ سے جھنجھلا کر اپنے حق میں یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بے سوچے سمجھے بددعا کر بیٹھتے ہیں بعض دنیا کے نفع عاجل کو موجد بنا کر ہر ایک حلال و حرام طریقہ سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس لہلہاتے پودے کے نیچے سانپ بچھو بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جو انجام کار ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی جلد بازی سے کسی چیز کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ لیتا ہے، بدی کے دورس نتائج پر غور نہیں کرتا۔ بس جو بات کسی وقت سنا ہوئی فوراً کہہ ڈالی یا ایک دم کر گذرا۔ جدھر قدم اٹھ گیا بے سوچے سمجھے ادھر ہی بڑھتا چلا گیا۔ اگر جلد بازی چھوڑ کر متانت، تدبر اور انجام بینی سے کام لے تو کبھی ایسی غلطیاں نہ کرے۔

۱۲۔ اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے<sup>[۱۷]</sup> پھر مٹا دیارات کا نمونہ<sup>[۱۸]</sup> اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا<sup>[۱۹]</sup> اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب<sup>[۲۰]</sup> اور سب چیز سنائی ہم نے کھول کر<sup>[۲۱]</sup>

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحْوًا آيَةَ

الَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصَرًا لِّتَبْتَغُوا

فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَ

الْحِسَابَ ۗ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَ فَضْلِنَا تَفْصِيلًا ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور جو آدمی ہے لگا دی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھائیں گے اس کو قیامت کے

لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ﴿١٣﴾

دن ایک کتاب کہ دیکھے گا اسکو کھلی ہوئی<sup>[۲۲]</sup>

۱۴۔ پڑھ لے کتاب اپنی (لکھا اپنا) تو ہی بس (کافی) ہے

آج کے دن اپنا حساب لینے والا [۲۳]

اقْرَأْ كِتَابَكَ ۖ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ

حَسِيبًا ۝۱۳

۱۵۔ جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی بھلے کو اور جو کوئی بہکا رہا

تو بہکا رہا اپنے ہی برے کو اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ

دوسرے کا [۲۴] اور ہم نہیں ڈالتے بلا جب تک نہ سمجھیں

کوئی رسول [۲۵]

مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

فَأِنَّا يَضَلُّ عَلَيْهَا ۖ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَ

مَا كُنَّا مَعَذِبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝۱۵

۱۷۔ دن اور رات میں دو نشانیاں: رات کا اندھیرا، دن کا اجالا، دونوں میں سے کبھی اس کا کبھی اس کا چھوٹا بڑا ہونا۔ پھر رات میں چاند کی آہستہ آہستہ گھٹنے بڑھنے والی، ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی، دن میں آفتاب عالمتاب کی تیز اور گرم روشنی، یہ سب خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کے نمونے ہیں جن میں سے ہر ایک کا مستقل نظام علیحدہ ہے جس کے ساتھ سینکڑوں فوائد اور مصالح وابستہ ہیں۔ اور سب کا مجموعی نظام الگ ہے جو شروع سے اب تک نہایت مضبوط و محکم قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔

۱۸۔ یعنی رات کا نمونہ تاریک اور مٹا ہوا ہے، چاند کی روشنی سورج کے اعتبار سے دھیمی اور دھندلی ہوتی ہے۔ بلکہ خود جرم قمر بھی دیکھنے والے کو داغدار نظر آتا ہے۔

۱۹۔ یعنی دن کے وقت سورج کی روشنی میں ہر چیز صاف دکھائی دیتی ہے لوگ تازہ دم ہو کر روزی کی تلاش میں نکلتے اور مختلف قسم کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ الغرض شب میں جن چیزوں پر تاریکی کی چادر پڑی ہوئی تھی، سورج کی شعاعیں سب کو بے حجاب کر دیتی ہیں اور جو لوگ خواب گراں سے مدہوش تھے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر گشت لگانے لگتے ہیں۔

۲۰۔ یعنی لیل و نہار کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور بہت طرح کے چھوٹے بڑے حساب متعلق ہیں۔

۲۱۔ تم سمجھ لو کہ گھبرانے اور جلدی مچانے سے فائدہ نہیں۔ خدا کے یہاں ہر چیز کا خیر ہو یا شر ایک وقت اور اندازہ مقرر ہے۔ جیسے رات اور دن کسی کی جلد بازی اور شب کاری سے رات کم نہیں ہو جاتی یا دن بڑھ نہیں جاتا۔ اپنے وقت پر آپ صبح و شام ہوتی ہے، شر کے بعد خیر اور خیر کے بعد شر کا آنا بھی ایسا ہی سمجھو جیسے رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات برابر لگی چلی آتی ہے۔ دنیا کے تمام خیر و شر کا سلسلہ ایک معین طاہر اور نظام کے ماتحت ہے جس کا توڑ ڈالنا کسی کے امکان نہیں۔ اس دنیا کی مکدر و منفصل زندگی کو شب تاریک کے مشابہ سمجھو جس کے اندھیرے میں آدمی کو خیر و شر کے نتائج بالکل صاف دکھائی نہیں دیتے۔ بیشک حق تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو بھیجا کہ رات کی اندھیری میں مخلوق کو صحیح راستہ بتلائیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے اپنے درجہ کے موافق اجالا کریں جس سے لوگوں کو خیر و شر کی حقیقت اور اس کے نتائج کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن ایسا صریح اور بدیہی انکشاف جس میں کسی فرد بشر کو انکار یا شبہ کی مجال ہی باقی نہ رہے، اس وقت ہو گا جب ہماری دنیوی زندگی کی رات ختم ہو کر فردائے محشر کا دن نکل آئے گا۔ انسان کے وہی اعمال جو دنیا کی دھندلی زندگی میں ہر وقت اس کے گلے کا ہار بنے ہوئے تھے، پر غفلت جہالت وغیرہ کی تاریکی میں صاف نظر نہ آتے تھے قیامت کی صبح ہوتے ہی ایک کھلی کتاب کی شکل میں سامنے آجائیں گے جسے روز روشن کے اجالے میں ہر شخص بے تکلف پڑھ سکے گا۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (ق-۲۲) اس وقت اپنے تمام



چھوٹے بڑے اعمال کو اصلی رنگ میں دیکھ کر بول اٹھے گا۔ مَا لِهَذَا الْكِنْبِ لَا يُعَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (کہف-۴۹)۔  
۲۲۔ انسان کا نامہ اعمال: یعنی شومی قسمت اور زشتی اعمال اس کے گلے کا ہار ہے بری قسمت کے ساتھ برے عمل ہیں کہ چھوٹ نہیں سکتے وہ ہی نظر آئیں گے قیامت میں۔

۲۳۔ نامہ اعمال کی سچائی: یعنی نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے۔ جو کام عمر بھر میں کئے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرہ ذرہ عمل بلا کم و کاست اس میں موجود ہے۔ دنیا میں جو کتاب بھیجی (قرآن کریم) اور چاند سورج وغیرہ سے جو حساب متعلق ہے پہلے اس کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں قیامت کے حساب و کتاب کا ذکر فرمایا جو اسی پہلے حساب و کتاب پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

۲۴۔ ہر شخص صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہے: یعنی سیدھی راہ خدا نے سب کو بتلادی اب جو کوئی اس پر چلے یا نہ چلے، اپنا جہلا برا خود سوچ لے۔ کیونکہ اپنے طریق عمل کا نفع یا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ ایک کے گناہوں کی گٹھری دوسرے کے سر پر نہیں رکھی جائے گی۔

۲۵۔ بعثت رسول کے بغیر عذاب نہیں دیا جاتا: یعنی بلاشبہ برے عمل آفت لاتے ہیں، پر حق تعالیٰ بغیر سمجھائے نہیں پکڑتا اسی واسطے رسول بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بے خبر اور غافل نہ رہنے دیں، نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیں جن باتوں کو آدمی محض عقل و فطرت کی رہنمائی سے سمجھ سکتا ہے (مثلاً وجود باری یا توحید) ان کی مزید تشریح و توثیق پیغمبروں کی زبانی کر دی جائے اور جن چیزوں کے ادراک میں محض عقل کافی نہ ہو انہیں وحی و الہام کی روشنی میں پیش کیا جائے اسی لئے ابتدائے آفرینش سے حق تعالیٰ نے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تا آنکہ انبیاء علیہم السلام کے انوار و فیوض نے دنیا میں ایسی فضا پیدا کر دی کہ کوئی معذب قوم دنیا یا آخرت میں جہل و بے خبری کا عذر پیش کر کے عذاب الہی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں ”اصحاب فترت“ اور اطفال صغار کی تعذیب پر بحث شروع کر دی ہے ہم تطویل کے خوف سے درج نہیں کر سکتے۔

۱۶۔ اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت ہو گئی ان پر بات پھر اکھاڑ مارا ہم نے انکو اٹھا کر [۲۱]

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾

۱۷۔ اور بہت غارت کر دیئے ہم نے قرن نوح کے پیچھے [۲۴] اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ جاننے والا دیکھنے والا [۲۸]

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادٍ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾

۲۶۔ یعنی جب بد اعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی دفعۃً پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے، بلکہ اتمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے اول پیغمبر یا اس کے نائبین کی زبانی خدائی احکام ان کو پہنچائے جاتے ہیں۔ خصوصاً وہاں کے امراء اور بارسوخ لوگوں کو جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے۔ آگاہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ بڑی ناک والے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے اور کھلے بند نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسموم و مکدر بنا دیتے ہیں، اس وقت وہ بستی اپنے کو علانیہ مجرم ثابت کر کے عذاب الہی کی مستحق ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ من شرور انفسنا)

تَنْبِيهِ وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ أَنَّ الْأَمْرَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "أَمْرًا مُتَرَفِّعِيهَا" أَمْرٌ تَكْوِينِيٌّ قَدْرِيٌّ بِإِنْفِصَالِ وَقَوْلِهِ تَعَالَى "إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ" مَعْنَاهُ لَنْفَى الْأَمْرَ التَّشْرِيبِيَّ فَلَا مُنَافَاةَ - فَافْهَمْ -

۲۷- معذب قوموں کی ہلاکت: آدم و نوح کے درمیانی زمانہ میں سب آدمی اسلام پر رہے۔ پھر شرک و بت پرستی شروع ہوئی۔ نوح ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ سینکڑوں برس سمجھایا، نہ مانے، آخر سب ہلاک کئے گئے۔ اس کے بعد بہت سی قومیں (عاد و ثمود وغیرہ) تباہ ہوئیں۔ حاصل یہ کہ قوموں کے ہلاک کئے جانے کا سلسلہ بعثت نوح کے بعد سے شروع ہوا۔

۲۸- یعنی کسی کو بے قصور نہیں پکڑتا نہ غیر مناسب سزا دیتا ہے۔ بلکہ ہر ایک کے گناہوں کو دیکھ کر اور اس کے اوضاع و اطوار کو پوری طرح جان کر موزوں و مناسب برتاؤ کرتا ہے۔

۱۸- جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر جلد دے دیں ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہم نے اس کے واسطے دوزخ داخل ہو گا اسمیں اپنی برائی سنکر دھکیلا جا کر [۲۹]

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِبَنِّ نُورِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا

مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿١٨﴾

۱۹- اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے جو اس کی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی دوڑ ٹھکانے لگی ہے [۳۰]

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿١٩﴾

۲۰- ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں۔ انکو اور ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی [۳۱]

كَلَّا نُبَدُّ هُوَآءٍ وَهُوَآءٍ مِّنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۖ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿٢٠﴾

۲۱- دیکھ کیا بڑھا دیا ہم نے ایک کو ایک سے اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت [۳۲]

أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ ۖ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ﴿٢١﴾

۲۹- یعنی ضروری نہیں کہ ہر عاشق دنیا کو فوراً ہلاک کر دیا جائے، نہیں ہم ان لوگوں میں سے جو صرف متاع دنیا کے لئے سرگرداں ہیں، جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی حکمت و مصلحت کے موافق دنیا کا سامان دے دیتے ہیں تا ان کی جدوجہد اور فانی نیکیوں کا فانی پھل مل جائے۔ اور اگر آخری سعادت مقدر نہیں تو شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لہریز ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ دوزخ کے ابدی جیل خانہ میں دھکیل دئے جائیں۔

۳۰- سچے مومنین کا انعام: یعنی جس کے دل میں ایمان و یقین موجود ہو اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور ثواب اخروی کی خاطر پیغمبر کے بتلائے ہوئے راستہ پر عملی دوڑ دھوپ کرے، اس کی کوشش ہر گز ضائع ہونے والی نہیں۔ یقیناً بارگاہ احدیت میں حسن قبول سے سرفراز ہو کر

رہے گی۔

۳۱۔ یعنی حق تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے موافق بعض طالبین دنیا کو دنیا اور تمام طالبین آخرت کو آخرت عطا فرماتا ہے اس کی عطائیں کوئی مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت دنیوی امداد سے دونوں کو حسب مصلحت حصہ پہنچتا ہے۔ محض کفر و عصیان کی وجہ سے دنیوی بخشش کے دروازے بند نہیں کر دیے جاتے۔

۳۲۔ جنت کے درجات: یعنی دنیوی زندگی میں مال، دولت، عزت، حکومت، اولاد وغیرہ کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کسی قدر فضیلت ہے۔ اسی پر قیاس کر لو کہ آخرت میں تفاوت اعمال و احوال کے لحاظ سے کس قدر فرق مراتب ہو گا۔ چنانچہ نصوص سے ثابت ہے کہ درجات جنت اور درجات جہنم بیکر متفاوت ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے دو درجوں کے درمیان زمین آسمان کا تفاوت ہو گا۔ نیچے والے اوپر والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم زمین پر کھڑے ہو کر افق میں کوئی ستارہ دیکھتے ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا کہ جنت کے درجات ان ہی کو مل سکتے ہیں جو آخرت کے لئے اس کے لائق دوڑ دھوپ کریں۔ اگلی آیتوں میں دور تک آخرت کی سعی کا طریقہ بتلایا گیا ہے جس پر چلنے سے انسان کو یہ بلند مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے "تورات" کی ساری (اخلاقی) تعلیم سورہ "بنی اسرائیل" کی پندرہ آیتوں میں درج کر دی ہے۔ وہ پندرہ آیتیں اگلے رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔

۲۲۔ مت ٹھہر اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم پھر بیٹھ رہے گا تو الزام کھا کر بے کس ہو کر [۳۳]

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا  
مَّخْذُومًا ۚ

۲۳۔ اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو [۳۴] اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یادوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی [۳۵]

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ  
إِحْسَانًا ۖ إِنَّمَا يُبَلِّغُنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ  
كِلَهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنهَرْهُمَا وَقُلْ  
لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ

۲۴۔ اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیاز مندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا [۳۶]

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ  
رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۖ

۲۵۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے [۳۷]

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۖ إِنَّ تَكُونُوا صَالِحِينَ  
فَإِنَّهُ كَانَ لِلَّهِ أَوْبُنِينَ عَفُورًا ۖ

۳۳۔ شرک رسوائی اور بے کسی کا سبب ہے: یعنی شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس کے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، بلکہ دنیا کے ہر عقلمند کے نزدیک تم مذموم و ملزم ٹھہر و گے۔ چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم تھی وہ بھی دانشمندوں کی سوسائٹی میں جگہ حاصل کرنے کے لئے اپنی ترمیم و اصلاح کر کے آہستہ آہستہ توحید کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔ ہر ایک عاقل یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اشرف المخلوقات انسان کے لئے یہ چیز سخت ذلت و رسوائی کا موجب ہے کہ اپنے سے کمتر یا کسی عاجز مخلوق کے سامنے سر بسجود ہو جائے۔ خصوصاً ان چیزوں کے سامنے دست سوال دراز کرے جو خود اسی کی تراشی ہوئی ہیں جو آدمی خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے جھکتا ہے، خدائے بے نیاز حقیقی نصرت و برکت کا دروازہ اس پر بند کر کے کمزوری اور بے کسی کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ سخت کٹھن وقت میں جب کہ اسے اعانت و امداد کی بڑی ضرورت ہوگی، کوئی یار و مددگار نہ ملے گا۔ ضَعْفُ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبُ (الحج۔ ۷۳)

۳۴۔ والدین سے حسن سلوک: خدا تو حقیقتاً بچہ کو وجود عطا فرماتا ہے، والدین اس کی ایجاد کا ظاہری ذریعہ ہیں اس لئے کئی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق کے ذکر کئے گئے۔ حدیث میں ہے کہ وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان و مال سے خدمت اور دل سے تعظیم و محبت کرے۔ مرنے کے بعد ان کا جنازہ پڑھے، ان کے لئے دعاء استغفار کرے، ان کے عہد تا مقدر پورے کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم و حسن سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحم سے پیش آئے۔ وغیرہ ذالک۔

۳۵۔ بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے، جس سے بعض اوقات اہل و عیال بھی اتنا نہ لگتے ہیں زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش و حواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے۔ بڑی سعادت مند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بڑھے والدین کی خدمت گزاری و فرمانبرداری سے جی نہ ہارے قرآن نے تشبیہ کی کہ جھڑکنا اور ڈانٹنا تو کجا ان کے مقابلہ میں زبان سے ”ہوں“ بھی مت کرو۔ بلکہ بات کرتے وقت پورے ادب و تعظیم کو ملحوظ رکھو۔ ابن مسیب نے فرمایا ایسی طرح بات کرو جیسے ایک خطاوار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے۔

۳۶۔ والدین کے لئے دعا: یعنی جب میں بالکل کمزور و ناتواں تھا انہوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا۔ اپنے خیال کے موافق میرے لئے ہر ایک راحت و خوبی کی فکر کی۔ ہزار ہا آفات و حوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ بارہا میری خاطر اپنی جان جو کھوں میں ڈالی، آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے، جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی خدمت و تعظیم کرتا ہوں، لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔

۳۷۔ یعنی والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے تواضع و فروتنی صمیم قلب سے ہونی چاہئے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر فی الواقع تم دل سے نیک اور سعادت مند ہو گے اور خدا کی طرف رجوع ہو کر اخلاص و حق شناسی کے ساتھ ان کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ فرض کرو اگر کسی وقت باوجود نیک نیتی کے تنگ دلی یا تنگ مزاجی سے کوئی فرو گذاشت ہو گئی۔ پھر توبہ و رجوع کیا تو اللہ بخشنے والا ہے۔ (تشبیہ) والدین کی فرمانبرداری کن چیزوں میں ہے اور کن میں نہیں؟ اسکی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنا چاہئے۔ روح المعانی میں بھی اس پر مفید و مبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

۲۶۔ اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا بیجا (فضول) [۳۸]

وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْبِسْكَينَ وَابْنَ السَّبِيلِ

وَلَا تَبْذُرْ تَبْدِيرًا

۲۷۔ بے شک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر [۳۹]

إِنَّ الْمُبَدِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ط وَكَانَ

الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾

۳۸۔ قرابت داروں اور دوسرے لوگوں کے حقوق: یعنی قرابت والوں کے مالی و اخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو۔ محتاج مسافر کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تقویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔

۳۹۔ فضول خرچی کی ممانعت: یعنی مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملے، اس کو بجا اڑانا ناشکری ہے جو شیطان کی تحریک و اغواء سے وقوع میں آتی ہے اور آدمی ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان و اضلال میں خرچ کیا۔ اس نے بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑا لیا۔

۲۸۔ اور اگر کبھی تغافل کرے تو ان کی طرف سے انتظار میں اپنے رب کی مہربانی کے جسکی تجھ کو توقع ہے تو کہہ دے انکوبات نرمی کی [۴۰]

وَأَمَّا تَعْرِضْنَ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَبِّكَ

تَرَجُّوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ﴿٢٨﴾

۴۰۔ صدقہ و خیرات کے آداب: یعنی جو کوئی ہمیشہ سخاوت کرتا ہے اور ایک وقت اس کے پاس نہیں ہے، تو اللہ کے ہاں امید والے کا محروم جانا خوش نہیں آتا اس محتاج کی قسمت سے اللہ سخیوں کو بھیج دیتا ہے۔ سو اس واسطے اگر ایک وقت تو نہ دے سکے تو نرم اور میٹھے طریقہ سے معذرت کر دے، مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ جب خدا ہم کو دے گا انشاء اللہ ہم تمہاری خدمت کریں گے، سختی اور بد اخلاقی سے جواب دینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں اگلی خیراتیں بھی برباد نہ ہو جائیں۔

۲۹۔ اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہوا [۴۱]

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا

كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾

۳۰۔ تیرا رب کھول دیتا ہے روزی جسکے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے [۴۲] وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا [۴۳]

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ

كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٣٠﴾

۴۱۔ خرچ میں میانہ روی: یعنی سب الزام دیں کہ کنجوس کبھی چوس ہے، یا یہ کہ اتنا کیوں دیا کہ آپ محتاج رہ گیا۔ غرض ہر معاملہ میں توسط و اعتدال مرعی رکھنا چاہئے، نہ ہاتھ اس قدر کھینچے کہ گردن سے لگ جائے اور نہ طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنے میں ایسی کشادہ دستی دکھائے کہ پھر بھیک مانگنی پڑے اور ہاتھ کھلے کا کھلا رہ جائے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں فَتُعْطَىٰ فَوْقَ طَاقَتِكَ وَتُخْرَبُ أَكْثَرُ مِمَّنْ دَخَلَكَ یعنی طاقت سے بڑھ کر یا آمدنی سے زائد خرچ کرنا بھی وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ کے تحت میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (جس نے میانہ روی اختیار کی

محتاج نہیں ہوا)۔

۳۲۔ رزق میں کمی بیشی اللہ کے ہاتھ میں ہے: یعنی تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہیں ہو جاتا۔ نہ تمہاری سخاوت سے وہ غنی اور تم فقیر بن سکتے ہو۔ فقیر و غنی بنانا اور روزی کا کم و بیش کرنا محض خدا کے قبضہ میں ہے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ افسوس آج ہمارے پاس نہیں ہے، یہ فقیر جو امید لے کر آیا تھا کیا کہے گا۔ فقر و غنی کے مختلف احوال بھیجنا اسی مالک علی الاطلاق کے قبضہ میں ہے۔ تمہارا کام میانہ روی سے امتثال حکم کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”یعنی محتاج کو دیکھ کر بالکل بیتاب نہ ہو جا۔ اس کی حاجت روائی تیرے ذمہ نہیں۔ اللہ کے ذمہ پر ہے لیکن یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام کو فرمائی ہیں جو بے حد سخی واقع ہوئے تھے۔ باقی جس کے جی سے مال نہ نکل سکے اس کو پابند کیا ہے دینے کا۔ حکیم بھی گرمی والے کو سرد دوا دیتا ہے اور سردی والے کو گرم۔“

۳۳۔ غنا اور فقر میں اللہ کی حکمت: یعنی ہر ایک بندے کے ظاہری و باطنی احوال و مصالح سے خبر دار ہے۔ اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے حدیث قدسی میں فرمایا کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جن کی درستی حال فقیر رہنے میں ہے۔ اگر میں اس کو غنی کر دیتا تو اس کا دین تباہ ہو جاتا۔ اس کے برعکس بعض وہ بندے ہیں جن کو غنی بنایا، اگر فقیر بنا دیا جاتا تو دین پر قائم نہ رہ سکتے۔ اس کے علاوہ بعض اشقیاء کے حق میں غنا ظاہری محض امہال و استدرج کے طور پر یا فقر و تنگدستی عقوبت اور سزا کے طریقہ سے ہے۔ (عیاذ باللہ من ہذا وہذا) ہم پہلے کئی جگہ اسکی تقریر کر چکے ہیں۔

۳۱۔ اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے ہم روزی دیتے ہیں انکو اور تم کو [۳۴] بیشک ان کا مارنا بڑی خطاء ہے [۳۵]

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشِيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ﴿۳۱﴾

۳۲۔ بعض کا فر اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے۔ سورہ انعام میں اسی مضمون کی آیت گزر چکی، تفصیل وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۳۵۔ کیونکہ یہ بے رحمی کی حرکت نسل انسانی کے قطع کرنے کا موجب ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کو حق تعالیٰ کی رزاقی پر اعتماد نہیں۔

۳۲۔ اور پاس نہ جاؤ زنا کے [۳۶] وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے [۳۷]

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّيْنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۳۲﴾

۳۶۔ زنا اور فواحش کی مذمت: یعنی زنا کرنا تو بڑی سخت چیز ہے۔ اس کے پاس بھی مت جاؤ۔ گویا لَا تَقْرَبُوا میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی۔ مثلاً اجنبی عورت کی طرف بدون عذر شرعی نظر کرنا یا بوس و کنار وغیرہ۔

۳۷۔ زنا اور فواحش کی مذمت۔ ”کیونکہ زنا سے انساب میں گڑبڑ ہوتی ہے اور بہت طرح کی لڑائیاں اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور سب کے لئے بری راہ نکلتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”یعنی اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے، کوئی دوسرا اس کی عورت پر کرے گا۔“

مسند احمد کی ایک روایت: مسند امام احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے۔ حاضرین نے ڈانٹ بتلائی کہ (پیغمبر خدا کے سامنے ایسی گستاخی؟) خبر دار چپ رہو۔ حضور ﷺ نے اس کو فرمایا کہ میرے قریب آؤ، وہ قریب آکر

بیٹھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو یہ حرکت اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ میں سے کسی کی نسبت کرنا پسند کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا مجھ کو آپ پر قربان کرے، ہر گز نہیں۔ فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں اور خالوں کے لئے یہ فعل گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ الہی اس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کے دل کو پاک اور شرمگاہ کو محفوظ کر دے۔ ابو امامہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہو گئی کہ کسی عورت وغیرہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

۳۳۔ اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کر دیا اللہ نے مگر حق پر [۳۸] اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اسکے وارث کو زور سو حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں [۳۹] اسکو مدد ملتی ہے [۵۰]

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط  
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِرِيسِهِ سُلْطٰنًا  
فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنصُورًا ﴿۳۳﴾

۳۸۔ قتل ناحق کی ممانعت: صحیحین میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ مگر تین صورتوں میں، جان کے بدلے جان، یا زانی محسن یا جو شخص دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

۳۹۔ قتل کا بدلہ: یعنی اولیائے قتل کو اختیار ہے کہ حکومت سے کہہ کر خون کا بدلہ لیں، لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے نہ گذریں۔ مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کر لیں۔ یا قاتل کے ناک، کان وغیرہ کاٹنے اور مثلہ کرنے لگیں۔

۵۰۔ یعنی خدا نے اس کی مدد کی کہ بدلہ لینے کا حق دیا اور حکام کو امر فرمایا کہ حق دلوانے میں کمی نہ کریں بلکہ ہر کسی کو لازم ہے کہ خون کا بدلہ دلانے میں مدد کرے۔ نہ یہ کہ الٹا قاتل کی حمایت کرنے لگے۔ اور وارث کو بھی چاہئے کہ ایک کے بدلے دو نہ مارے یا قاتل کو ہاتھ نہ لگا تو اس کے بیٹے بھائی کو نہ مار ڈالے جیسے جاہلیت میں رواج تھا۔

۳۴۔ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنی جوانی کو [۵۱] اور پورا کرو عہد کو بیشک عہد کی پوجھ ہوگی [۵۲]

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ  
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشَدَّكَ ۚ وَاَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ  
كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾

۳۵۔ اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ کر دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو سے [۵۳] یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام [۵۴]

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كَلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطاسِ  
الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

۵۱۔ مال یتیم کے احکام: یعنی یتیم کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ ہاں اگر اس کی حفاظت و نگہداشت اور خیر خواہی مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ جس وقت جوان ہو جائے اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے لگے، مال اس کے حوالہ کر دو۔

۵۲۔ ایفائے عہد کی تاکید: اس میں سب عہد داخل ہیں خواہ اللہ سے کئے جائیں یا بندوں سے بشرطیکہ غیر مشروع نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کسی کو قول و قرار صلح کا دے کر بد عہدی کرنا، اس کا وبال ضرور پڑتا ہے۔

۵۳۔ ماپ تول میں کمی: یعنی جھونک نہ مارو۔ ماپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ قوم شعیبؑ کی ہلاکت کا قصہ پہلے کئی جگہ آچکا ہے۔ ان کا بڑا عملی گناہ یہ ہی بیان کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت پا کر محض خدا کے خوف سے رک جائے تو خدا تعالیٰ اسی دنیا میں آخرت سے پہلے اس کو نعم البدل عطا فرمائے گا۔

۵۴۔ یعنی دغا بازی اول چلتی ہے پھر لوگ خبردار ہو کر اس سے معاملہ نہیں کرتے۔ اور پورا حق دینے والا سب کو بھلا لگتا ہے۔ اللہ اس کی تجارت خوب چلاتا ہے۔

۳۶۔ اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی [۵۵]

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّبْعَ وَ  
الْبَصْمَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ ہنپے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر [۵۶]

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ  
الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْدُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾

۳۸۔ یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری [۵۷]

كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

۵۵۔ بے تحقیق زبان سے کوئی بات نہ نکالو: یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر، آدمی کو چاہیے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے، سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل بچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل درآمد شروع نہ کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا، یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ قیمت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہو گا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا۔

۵۶۔ اکڑ کر مت چلو: یعنی متکبروں کی چال چلنا انسان کو زیبا نہیں۔ نہ تو زور سے پاؤں مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کے برابر ہو سکتا ہے۔ پھر ایسی ضعف و عجز اور اس بساط پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچنے سے کیا فائدہ؟

۵۷۔ یعنی جن باتوں کو اوپر منع کیا ان کے کرنے میں رب کی بیزاری ہے اور جن کا حکم کیا ان کے نہ کرنے میں بیزاری ہے۔

۳۹۔ یہ ہے ان باتوں میں سے جو وحی بھیجی تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے [۵۸] اور نہ ٹھہرہا اللہ کے سوائے کسی اور کی بندگی پھر پڑے تو دوزخ میں الزام کھا کر دھکیلا جا کر [۵۹]

ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا  
تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَى فِي جَهَنَّمَ  
مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿٣٩﴾



۳۰۔ کیا تم کو چن کر دیدئے تمہارے رب نے بیٹے اور اپنے لئے کر لیا فرشتوں کو بیٹیاں تم کہتے ہو بھاری بات [۶۰]

أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُمُ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿۳۰﴾

۳۱۔ اور پھیر پھیر کر سمجھایا ہم نے اس قرآن میں تاکہ وہ سوچیں اور ان کو زیادہ ہوتا ہے وہی بد کننا [۶۱]

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿۳۱﴾

۳۲۔ کہہ اگر ہوتے اس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں [۶۲] تو نکالتے صاحب عرش کی طرف راہ [۶۳]

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ﴿۳۲﴾

۳۳۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کی باتوں سے بے نہایت

سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا [۶۴] بیشک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا [۶۵]

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۗ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنََّّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۳۴﴾

۵۸۔ یعنی اوپر جو پر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں، یہ وہ علم و حکمت اور تہذیب اخلاق کی باتیں ہیں جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ اور جو وحی کے ضمن میں نبی امی ﷺ کی طرف بلا واسطہ اور امت امیہ کی طرف بواسطہ حضور ﷺ بھیجی گئیں۔

۵۹۔ مذکورہ بالا نصائح کا بیان توحید سے شروع کیا گیا تھا۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخَذُومًا وَلَا خَاتَمَهُ پر بھی توحید یاد دلادی گئی۔ تا قاری سمجھ سکے کہ تمام حسنات کا آغاز و انجام خالص توحید کے ہونا چاہیے۔

۶۰۔ یعنی ایک تو خدا کے لئے اولاد تجویز کرنا اور اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ یہ بڑی بھاری گستاخی ہے۔  
۶۱۔ یعنی قرآن کریم مختلف عنوانوں اور رنگ برنگ کے دلائل و شواہد سے ان مشرکین کو فہمائش کرتا ہے۔ لیکن بجائے نصیحت حاصل کرنے کے یہ بد بخت اور زیادہ بدکتے اور وحشت کھا کر بھاگتے ہیں۔

۶۲۔ توحید کے عقلی دلائل: یعنی اصنام وغیرہ جنہیں خدائی کا شریک اور الوہیت کا حصہ دار بتلایا جاتا ہے۔

۶۳۔ یعنی پر ایسا محکوم رہنا کیوں پسند کرتے، سب مل کر خدا تعالیٰ کے تحت سلطنت کو الٹ ڈالتے۔ اگر کہا جائے کہ صاحب عرش کے مقابلہ میں ان کی کچھ چلتی نہیں تو ایک عاجز مخلوق کی عبادت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے، یا اگر وہ معبود خود رب العرش کو خوش رکھنا اور اس کا قرب

حاصل کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں تو ان کے پوجنے والوں کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہوا کہ خدائے اکبر کو خوش رکھنے کی فکر کریں۔ لیکن خدائے بزرگ تمام انبیاء کی زبانی اور فطرت انسانی کی معرفت شرک سے اپنی کامل بیزاری کا اظہار فرما چکا۔ پھر تعجب ہے کہ یہ احق کس راستہ پر اندھا دھند چلے جا رہے ہیں۔

۶۴۔ ہر شے پاکی بیان کرتی ہے: یعنی ہر ایک مخلوق زبان سے یا حال سے اس کی پاکی اور خوبیاں بیان کرتی ہے لیکن تم اسے سمجھتے نہیں خواہ فکر و تامل نہ کرنے کی وجہ سے یا اس قوت کے فقدان کی وجہ سے جس کے ذریعہ بعض مخلوقات کی تسبیح قالی سنی اور سمجھی جاسکتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص باوجود سمجھنے کے قبول نہ کرے یا اس کے مقتضی پر عمل نہ کرے، تو یہ سمجھنا نہ سمجھنے ہی کے حکم میں ہے۔

۶۵۔ یعنی تمام مخلوقات جس کی پاکی بیان کریں تم اس کے لئے شرکاء، اولاد، اور بیٹیاں تجویز کرو۔ یہ ایسی گستاخی تھی کہ تم کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن وہ اپنے حکم سے شتاب نہیں پکڑتا اور توبہ کر لو تو بخش دیتا ہے۔

۴۵۔ اور جب تو پڑھتا ہے قرآن کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے اور ان لوگوں کے جو نہیں مانتے آخرت کو ایک پردہ چھپا ہوا [۶۶]

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴿۳۵﴾

۴۶۔ اور ہم رکھتے ہیں ان کے دلوں پر پردہ کہ اس کو نہ سمجھیں [۶۷] اور ان کے کانوں میں بوجھ [۶۸] اور جب ذکر کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا کیلا کر کر بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر [۶۹]

وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۗ وَإِذَا ذُكِّرْتُمْ بَكَ فِي الْقُرْآنِ وَحَدَاهُ لَوْلَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ نَفُورًا ﴿۳۶﴾

۴۷۔ ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے وہ سنتے ہیں [۴۰] جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف اور جب وہ مشورت کرتے ہیں جب کہ کہتے ہیں یہ بے انصاف جس کے کہنے پر تم چلتے ہو وہ نہیں ہے مگر ایک مرد جادو کا مارا [۴۱]

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَبْعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَبْعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿۳۷﴾

۴۸۔ دیکھ لے کیسے جماتے ہیں تجھ پر مثلیں اور بہکتے پھرتے ہیں سورہہ نہیں پاسکتے [۴۲]

أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿۳۸﴾

۶۶۔ کفار اور نبی کے درمیان پردہ: جو شخص آخرت کو نہ مانے اور اپنے بھلے برے انجام کی کچھ فکر نہ رکھے وہ نصیحت کی طرف کیوں دھیان کرنے لگا۔ جب اسے نجات ہی کی فکر نہیں تو نجات دلانے والے پیغمبر کے احوال و اقوال میں غور کرنے اور بارگاہ رسالت تک پہنچنے کی کیا

ضرورت ہوگی بس یہ ہی عدم ایمان بالآخرت اور انجام کی طرف سے بے فکری وہ معنوی پردہ ہے جو اس شخص کے اور نبی (من حیث ہو نبی) کے درمیان لٹکا دیا جاتا ہے۔

۶۷۔ پہلے پیغمبر کی صداقت تک نہ پہنچ سکے کا ذکر کیا تھا۔ یہاں فہم قرآن تک رسائی حاصل نہ کر سکنے کا بیان ہے یعنی اس قرآن میں ایسی قوی تاثیر ہے، اور کافروں پر اثر نہیں ہوتا، یہ سبب ہے کہ اوٹ میں ہیں۔ آفتاب سے سارا جہاں روشن ہے لیکن اگر کوئی شخص تہ خانہ میں تمام دروازے اور تابدان بند کر کے بیٹھ جائے بلکہ آنکھیں بھی بند کر لے تو اسکے اعتبار سے آفتاب کی روشنی کہیں بھی نہیں۔

۶۸۔ کفار کے حجاب: یعنی جب بہ نیت انتفاع و استفادہ نہیں چاہتے تو گویا سنتے ہی نہیں۔ (تنبیہ) خدا تعالیٰ نے جو حجاب اور پردے وغیرہ ڈالے یہ وہ ہی ہیں جن کا وجود انہوں نے خود اپنے لئے بڑی خوشی اور فخر سے ثابت کیا تھا۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكْتُمَاتٍ مِّنْ اَنْتَ اَعْمٰنًا اِلَيْهِ وَفِيْ اَذَانِنَا وَقْتًا وَّ مِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّا غٰمِلُوْنَ (حم السجدہ-۵) آخرت پر ایمان نہ رکھنا، اور انجام سے بے فکر رہنا خدائے واحد کے ذکر سے چڑنا، پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنا، وہ چیزیں ہیں جو حجاب، کنان اور وقر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور چونکہ خالق ہر چیز کا خدا تعالیٰ ہے اس لئے ان کے خلق کی نسبت بھی اس کی طرف کی جاتی ہے۔

۶۹۔ یعنی خدائے واحد کے ذکر سے چڑتے، بدکتے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں، ہاں ان کے معبودوں کا تذکرہ آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْبَهَتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ ۗ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهِ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (زمر-۴۵)۔

۷۰۔ یعنی سنتے سے استفادہ مقصود نہیں ہوتا محض استحقاف و استہزاء مقصود ہوتا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

۷۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مسحور ہونے کا الزام: یعنی قرآن اور آپ کی باتیں سن کر گئے۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت کیا کہنا چاہئے۔ آخر کہنے لگے کہ یہ شخص جادو کا مارا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جادو کے اثر سے مجنون ہو گیا، دماغ ٹھکانے نہیں رہا (العیاذ باللہ العظیم) بعض نے ”مسحور“ کو یہاں ”ساحر“ کے معنی میں لیا ہے گویا اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے۔ (تنبیہ) لفظ ”مسحور“ سے جو مطلب وہ لیتے تھے اس کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی پر کسی قسم کا سحر کسی درجہ میں عارضی طور پر بھی اثر نہ ہو سکے۔ یہ آیت کی ہے۔ مدینہ میں آپ پر یہود کے جادو کرانے کا واقعہ صحاح میں مذکور ہے۔ جس کا اثر چند روز تک صرف اتنا رہا کہ بعض دنیوی کاموں میں کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا۔

۷۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مسحور ہونے کا الزام: یعنی کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی جادو گر، کبھی کاہن، کبھی مسحور یا مجنون۔ غرض بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کسی ایک بات پر جماؤ نہیں جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود جدوجہد کے طعن و تشنیع کا کوئی ایسا راستہ انہیں مل سکتا جس پر چل کر وہ اپنے مقصد اغواء و اضلال میں کامیاب ہو سکیں۔

۴۹۔ اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو جائیں ہڈیاں اور چوراچورا پھراٹھیں گے نئے بن کر [۴۳]

وَقَالُوا اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا اِنَّا لَبَعُوْثُوْنَ

حَلَقًا جَدِيْدًا ﴿۳۹﴾

۵۰۔ تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لویا

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾

۵۱۔ یا کوئی خلقت جس کو مشکل سمجھو اپنے جی میں [۴۴]

اَوْ حَلَقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ

پھر اب کہیں گے کون لوٹا کر لائے گا ہم کو کہہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی بار [۷۵] پھر اب مٹائیں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہو گا یہ [۷۶] تو کہہ شاید نزدیک ہی ہو گا [۷۷]

مَنْ يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ

فَسَيَنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ

قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥٦﴾

۵۲۔ جس دن تم کو پکارے گا پھر چلے آؤ گے اسکی تعریف کرتے ہوئے [۷۸] اور اٹکل کرو گے کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر تھوڑی [۷۹]

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَ تَظُنُّونَ

أَنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٧﴾

۳۔ دوسری زندگی پر تعجب: یعنی آپ پر مسحور و مجنون یا شاعر و کاہن وغیرہ کی مثالیں چسپاں کرنا تو تعجب انگیز تھا ہی، اس سے زیادہ قابل تعجب وہ دلیل ہے جو (معاذ اللہ) مسحور و مجنون ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موت کے بعد ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آدمی کا بدن گل سڑ کر سفید ہڈیاں رہ جاتی ہیں تھوڑے دنوں بعد وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ کیا کوئی ذی ہوش یہ تجویز کر سکتا ہے کہ یہ ہڈیوں کا چورہ اور خاک کے ریزے دوبارہ جی اٹھیں گے؟ اور انسانی حیات ان منتشر ذرات میں عود کر آئے گی؟ اگر پیغمبر ایسی ناممکن بات کی خبر دیتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ (العیاذ باللہ) ان کی دماغی صحت بحال نہیں ہے۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب: یعنی یہ ریزے اور چورہ تو بہر حال انسانی لاش کا ہے جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے۔ اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پید اہو جانا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تم کو اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورہ نہیں، اگر ممکن ہو تو پتھر یا لوہا بن جاؤ۔ جو آثار حیات کے قبول کرنے سے بالکل محروم نظر آتے ہیں، بلکہ کوئی ایسی سخت چیز بن کر تجربہ کر لو جس کا زندہ ہونا لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہو حتیٰ کہ مجسم موت بن کر دیکھ لو کہ پھر بھی اس قادر مطلق کو تمہارا زندہ کر دینا کس قدر آسان ہے۔

۵۔ دوسری زندگی پر عقلی دلیل: جس نے پہلی بار تم کو مٹی یا نطفہ سے پیدا کیا اور جماد لای عقل پر روح انسانی فائز کر دی، کیا اب اس میں قدرت نہیں رہی کہ خاک کے ذرات اور مردہ لاش کے اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ زندگی عنایت کر دے۔

۶۔ کفار کا استہزاء: یعنی استہزاء و تمسخر سے سر ہلا ہلا کر کہتے ہیں کہ ہاں صاحب! بوسیدہ ہڈیوں کے ریزوں میں کب جان پڑے گی۔ اور کب مردے قبروں سے حساب کے لئے اٹھائے جائیں گے۔

۷۔ قیامت اور یوم حشر: یعنی قیامت کا ٹھیک وقت حق تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ہاں اس کے مستقبل قریب میں آنے کی تم امید ظاہر کر سکتے ہو۔ گویا دنیا کی بقیہ عمر اس سے کم ہے جتنی گذر چکی ہے۔

۸۔ یعنی جس وقت خدا کی طرف سے آوزدی جائے گی ایک ڈانٹ میں سب مردے زمین سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوگی۔ ہر ایک انسان اس وقت مطیع و منقاد ہو کر خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوا حاضر ہو گا۔ گو کافر کو اس وقت کی اضطرابی حمد و ثنا سے کچھ فائدہ نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ مومنین کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ۔

۹۔ یعنی اب شتابی کرتے ہو، اس وقت اندازہ کرو گے کہ دنیا میں کچھ زیادہ دیر نہیں رہے تھے۔ پچاس سو برس ان ہزاروں برسوں کے سامنے کیا معلوم ہوں (موضح القرآن) بعض نے کہا کہ شدت ہول و خوف سے دنیا کی زندگی تھوڑی معلوم ہوگی۔ یا نطفہ اول اور نطفہ ثانی کے درمیان

چونکہ عذاب نہ رہے گا۔ اس درمیانی مدت کو قلیل خیال کر کے کہیں گے۔ مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (یس۔ ۵۲)۔

۵۳۔ اور کہہ دے میرے بندوں کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو شیطان جھڑپ کرواتا ہے ان میں شیطان ہے انسان کا دشمن صریح [۸۰]

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ

لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۵۳﴾

۵۴۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کو اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم کو عذاب دے [۸۱] اور تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر ذمہ لینے والا [۸۲]

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِنَّ يَشَاءُ يَرْحَمَكُمُ أَوْ إِن يَشَاءُ يُعَذِّبُكُمْ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿۵۴﴾

۵۵۔ اور تیرا رب خوب جانتا ہے انکو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں اور ہم نے افضل کیا ہے بعض پیغمبروں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور [۸۳]

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُدَ

زَبُورًا ﴿۵۵﴾

۸۰۔ مسلمانوں کو ایک نصیحت: مشرکین کی جہالت اور طعن و تمسخر کو سن کر ممکن تھا کوئی مسلمان نصیحت و فہمائش کرتے وقت تنگدلی برتنے لگے اور سختی پر اتر آئے اس لئے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ مذاکرہ میں کوئی سخت دل آزار اور اشتعال انگیز پہلو اختیار نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ شیطان دوسرے کو ابھار کر لڑائی کرا دیتا ہے۔ پھر مخاطب کے دل میں ایسی ضد و عداوت قائم ہو جاتی ہے کہ سمجھتا ہو تب بھی نہ سمجھے۔

۸۱۔ یعنی رحم کرے ایمان کی توفیق دے کر، یا عذاب دے حالت کفر پر مار کر۔

۸۲۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”مذاکرہ میں حق والا جھنجھلائے لگتا ہے کہ دوسرا حق صریح کو نہیں مانتا، سو فرمادیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے، جس کو چاہے راہ سمجھائے۔“

۸۳۔ بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت: یعنی ہم اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ جس کو مناسب جانا آدمیوں میں سے پیغمبر بنایا۔ پھر جس پیغمبر کو چاہا دوسرے پیغمبروں پر کلی یا جزئی فضیلت عنایت کی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یعنی بعضے نبی تھے کہ (امت کی حد سے زیادہ شرارتوں پر آخر کار) جھنجھلا گئے۔ آپ کا حوصلہ ان سے زیادہ رکھا ہے (اور سب پر فضیلت دی ہے، لہذا آپ کی خوش اخلاقی اپنے مرتبہ عالی کے موافق ہونی چاہئے) اور خصوصیت سے داؤد کا ذکر کیا کیونکہ دونوں چیزیں رکھتے تھے، جہاد بھی اور زبور بھی، سمجھانے کو (وہی الحدیث کان لایفراذالاتی) وہ بھی دونوں باتیں یہاں بھی ہیں۔“ قرآن اور جہاد۔ بعض نے کہا کہ یہاں ”زبور“ کا ذکر کر کے حضور ﷺ کی فضیلت کلیہ اور امت محمدیہ کے فضل و شرف کی طرف اشارہ فرمادیا، کیونکہ حضور ﷺ کے خاتم الانبیاء اور اس امت کے اشرف الامم

ہونے پر زبور شریف کے مضامین مشتمل تھے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (انبیاء-۱۰۵) یعنی محمدؐ اُصلی اللہ علیہ وسلم وامة المرحومہ۔

۵۶۔ کہہ پکارو جن کو تم سمجھتے ہو سوائے اس کے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف کو تم سے اور نہ بدل دیں [۸۴]

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿۵۶﴾

۵۷۔ وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کونسا بندہ بہت نزدیک ہے [۸۵] اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے [۸۶]

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۗ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿۵۷﴾

۵۸۔ اور کوئی بستی نہیں جس کو ہم خراب نہ کر دیں گے قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت [۸۷] یہ ہے کتاب میں لکھا گیا [۸۸]

وَأِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۗ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾

فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾

۸۴۔ معبودان باطل کی حقیقت: یعنی خدا تو وہ ہے کہ جس کو چاہے عذاب دے جس پر چاہے مہربانی فرمائے، جس کو جس قدر چاہے دوسروں پر فضیلت عطا کرے، اس کی قدرت کامل اور علم محیط ہو۔ اب ذرا مشرکین ان ہستیوں کو پکاریں جن کو انہوں نے خدا سمجھ رکھا یا بنا رکھا ہے۔ کیا ان میں ایک بھی ایسا مستقل اختیار رکھتا ہے کہ ذرا سی تکلیف کو تم سے دور کر سکے یا ہلکی کر دے یا تم سے اٹھا کر کسی دوسرے پر ڈال دے۔ پھر ایسی ضعیف و عاجز مخلوق کو معبود ٹھہرا لینا کیسے روا ہو گا۔

۸۵۔ بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ، مسج و عزیز وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود و مستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا بیش از بیش قرب تلاش کرتے ہیں۔ ان کی دوا دوش صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے، ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہ ہی زیادہ قرب الہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعا وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔ پس جب تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کا خدا کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کر لو کہ خدا تعالیٰ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے۔ غیر اللہ کی پرستش سے نہ خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو (تنبیہ) ”توسل“ اور ”تعبد“ میں فرق ظاہر ہے۔ پھر توسل بھی اسی حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔

۸۶۔ یعنی باوجود غایت قرب کے ان کی امیدیں محض حق تعالیٰ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یا ضرر کو روکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔

۸۷۔ قیامت سے پہلے تمام بستیوں کی ہلاکت: اسی آیت کا مطلب کئی طرح لیا جاسکتا ہے۔ (الف) دنیا کی ہر ایک بستی کو عظیم الشان گناہوں کی پاداش میں قیامت سے پہلے پہلے عذاب متواصل بھیج کر بالکلیہ تباہ و خراب کر دیا جائے گا، یا اگر گناہ انتہائی درجہ کے نہ ہوں گے تو درجہ دوئم کے جرائم کی سزا میں عام ہلاکت سے کم کوئی سخت آفت اس بستی پر نازل کی جائے گی۔ باقی ایسی بستی کہاں ہے جو ازل سے ابد تک نہ گناہ کرے نہ کسی آفت میں پھنسے۔ (ب) قیامت سے پیشتر ضروری ہے کہ ہر ایک بستی طبعی موت بھیج کر ویران کی جائے یا کسی سخت آفت و بلا میں مبتلا ہو۔ طبعی موت پر جو تغذیب کے رنگ سے خالی ہو، لفظ ”ہلاک“ کا اطلاق قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قَلْبُكَ لَنِ يَّبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا (المومن - ۳۴) و فی الحدیث كَلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ جَاءَ نَبِيٌّ آخَرٌ۔ (ج) کفار کی ہر ایک بستی یا قیامت سے پہلے اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں نابود کر دی جائے گی یا کسی نہ کسی وقت (یعنی قیامت سے پہلے یا بعد) سخت عذاب کا مزہ چکھے گی بہر حال کوئی معنی لئے جائیں، مقصود اس آیت سے تحذیر ہے۔ گویا پہلے جو فرمایا تھا إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا یہاں اس کے وقوع کی خبر دی گئی۔

۸۸۔ یعنی یہ فیصلہ بالکل حتمی اور اٹل ہے جو علم الہی میں طے ہو چکا اور لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ہر شہر کے لوگ ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اس کی رعیت ہیں اور اس کی پناہ میں ہیں، سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَجَمَ۔ (ہود - ۴۳)

۵۹۔ اور ہم نے اس لئے موقوف کیں نشانیاں بھیجی کہ انگوٹوں نے ان کو جھٹلایا<sup>[۸۹]</sup> اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی ان کے بھانے کو پھر ظلم کیا اس پر<sup>[۹۰]</sup> اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سوڈرانے کو<sup>[۹۱]</sup>

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأُولُونَ<sup>ط</sup> وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا<sup>ط</sup> وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا<sup>٥٩</sup>

۶۰۔ اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو<sup>[۹۲]</sup> اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے<sup>[۹۳]</sup> اور ایسے ہی وہ درخت جس پر پھٹکا ہے قرآن میں<sup>[۹۴]</sup> اور ہم انکو ڈراتے ہیں تو انکو زیادہ ہوتی ہے بری شرارت<sup>[۹۵]</sup>

وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ<sup>ط</sup> وَمَا جَعَلْنَا الرُّعْيَا الَّتِي أَرَيْنِكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ<sup>ط</sup> وَنُحُوفُهُمْ<sup>ط</sup> فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا<sup>٦٠</sup>

۸۹۔ فرمائشی نشانیاں نہ بھیجنے کی وجہ: حدیث میں ہے کہ اہل مکہ نے حضور ﷺ سے چند نشانیاں طلب کیں مثلاً یہ کہ کو ”صفا“ کو سونا بنا دیجئے یا پہاڑوں کو ہمارے گرد و پیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمینہوار کر دیجئے۔ وغیر ذالک۔ ایسے کرو تو ہام آپ کا مان لیں گے۔ اس کے

جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ایسے فرمائشی نشان دکھلانا کہ تعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن پہلے لگوں کو ان کی فرمائش کے مطابق نشان دکھلائے گئے تب بھی نہ مانے بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے۔ آخر سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست و نابود کر دئے غ ۴۷ اب اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں، اور خدا کے علم میں ہے بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی ماننے والے نہیں، تو سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ وہ ہی استیصال و اہلاک کلی ہونا چاہ ۴۷۔ جو اس امت کے حق میں خلاف مصلحت و حکمت ہے خدا تعالیٰ کا ارادہ اس آخری امت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام و امم کی طرح متواصل بھیج کر بالکلیہ تباہ کی جائے۔ پہلی امتوں کی فرمائشی نشان دکھلانا اس بناء پر جائز رکھا گیا کہ ان کی بالکلیہ تباہی خدا کے نزدیک اس قدر لائق التفات نہ تھی اور آخر میں آنے والی امت کو کچھ نمونے دکھلانے تھے کہ فرمائشی نشان مانگنے والوں کا کیا ہشر ایسا ہوتا ہے چنانچہ اس آیت میں ان ہی تاریخی نظائر کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا کہ اگر فرمائشی نشان دیکھنے کے بعد تکذیب کی (اور یقیناً کرو گے) تو جو حشر پہلوں کا ہوا وہ ہی تمہارا ہو گا۔ لیکن حکمت الہیہ مقتضی نہیں کہ تم کو اس طرح تباہ کیا جائے۔ لہذا فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا۔

۹۰۔ حضرت صالح علیہ السلام سے اونٹنی کی فرمائش اور اس کا انجام: قوم “شود” نے حضرت صالح سے درخواست کی تھی کہ پہاڑ کی فلاں چٹان میں سے اونٹنی نکال دیجئے۔ خدا نے نکال دی۔ مگر بجائے اس کے کہ ایسا فرمائشی معجزہ دیکھ کر آنکھیں کھلتیں اور قلبی بصیرت حاصل ہوتی اٹلے ظلم و عدوت پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ اونٹنی کو مار ڈالا اور حضرت صالح کے قتل کے منصوبے باندھنے لگے۔ آخر جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے کہنے کی ضرورت نہیں یہ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُونَ کا ایک نمونہ پیش کر دیا۔

۹۱۔ یعنی ہدایت نشانیاں دیکھنے پر موقوف نہیں۔ غیر معمولی نشانات بھیجنے سے تو مقصود یہ ہے کہ قدرت قاہرہ کو دیکھ کر لوگ خدا سے ڈریں اور ڈر کر اس کی طرف جھکیں۔ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو اور فی الحال اس قوم کو تباہ کرنا بھی مصلحت نہیں تو محض فرمائشیں پورا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ باقی عام تحریف انداز کے لئے جن آیات و نشانات کا بھیجنا مصلحت ہے وہ برابر بھیجے جاتے ہیں۔

۹۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: شاید آپ کو خیال ہوا ہو گا کہ فرمائشی نشان نہ دکھلانے پر کفار کو ہنسنے اور طعن کرنے کا موقع ملے گا کہ اگر سچے پیغمبر ہوتے تو ہماری طلب کے موافق نشان دکھلاتے، اس لئے آپ کو مطمئن کیا کہ سب لوگوں کو تیرے رب کے علم و قدرت نے گھیر رکھا ہے نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے نہ قدرت کے نیچے سے نکل کر جاسکتا ہے سب اس کے قبضہ میں ہیں آپ ان کے طعن و تشنیع کی طرف قطعاً التفات نہ کریں۔ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا کام کئے جائیے اور ان کے فیصلوں کو بالکلیہ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی یہ لوگ آپ کی بات ماننے والے نہیں تھے اور اس کے بعد ہماری سزا سے چھوٹ کر نکل بھاگنا بھی ممکن نہ تھا اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کون فی الحال تباہ کر ڈالنے کے لائق ہیں اور کن لوگوں کا باقی رکھنا مصلحت ہے۔ لہذا آپ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں۔ یہ سب ہمارے محاصرہ میں ہیں آخر مسلمان ہو کر رہیں گے۔

۹۳۔ “دکھاوے” سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے جس کے بیان سے لوگ جانچے گئے۔ سچوں نے سن کر مانا اور کچوں نے جھوٹ جانا۔

۹۴۔ دوزخ کا درخت: یعنی “ز قوم” کا درخت جسے قرآن نے فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔ ایمان والے یقین لائے اور منکروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں سبز درخت کیونکر ہو گا؟ یہ بھی جانچنا تھا۔ ان دو مثالوں سے اندازہ کر لو کہ تصدیق خوارق کے باب میں ان کی طبائع کا کیا حال ہے۔

۹۵۔ یعنی جن کے دل خوف خدا سے خالی ہوں، ڈرانے سے ڈریں نہیں، بلکہ اور زیادہ شرارت میں ترقی کریں ان سے فرمائشی نشان دیکھنے پر قبول حق کی امید رکھنا بے موقع ہے۔



۶۱۔ اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جس کو تو نے بنایا مٹی کا [۹۶]

۶۲۔ کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا اگر تو مجھ کو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اس کی اولاد کو ڈانٹنی دے لوں گا مگر تھوڑے سے [۹۷]

۶۳۔ فرمایا جا پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہو ان میں سے سو دوزخ ہے تم سب کی سزا بدلہ پورا [۹۸]

۶۴۔ اور گھبرالے ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے [۹۹] اور لے آ ان پر اپنے سوار اور پیادے [۱۰۰] اور ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں [۱۰۱] اور وعدے دے انکو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا انکو شیطان مگر دغا بازی [۱۰۲]

۶۵۔ وہ جو میرے بندے ہیں ان پر نہیں تیری حکومت اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا [۱۰۳]

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ۖ

قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۖ

قَالَ أَذْهَبُ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا ۖ

وَاسْتَفْزِرُ مِنْهُم بَصْوَتِكَ وَاجْتَبُ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجْلِكَ وَشَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدَّهُمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۖ

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۖ وَكَفَى بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۖ

۹۶۔ قصہ آدم و ابلیس سے کفار کی مناسبت: یہ قصہ کئی جگہ گزر چکا۔ یہاں اس پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا بے چون و چرا ماننا فرشتوں کا اور اس میں شبہات نکالنا شیطان کا کام ہے۔ یہ کافر بھی اسی کی چال چل رہے ہیں۔ جو بات بات میں کج بحثیاں کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ان کا انجام بھی وہی ہونے والا ہے جو ان کے امام ابلیس لعین کا ہو گا۔

۹۷۔ یعنی تھوڑے سے چھوڑ کر باقی سب کو اپنا مسخر کر لوں جیسے گھوڑے کو لگام دے کر قابو کر لیا جاتا ہے، پھر جو میرے سامنے اتنا کمزور ہے

اسے مجھ پر فضیلت دینا کس طرح جائز ہو گا؟۔

۹۸۔ یعنی جا! جتنا زور لگا سکتا ہے لگا لے۔ یہاں بھی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے واسطے جیل خانہ تیار ہے۔

۹۹۔ یعنی وہ آواز جو خدا کے عصیان کی طرف بلاتی ہو، مراد اس سے وسوسہ ڈالنا ہے اور مزامیر (باجا گاجا) بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے۔

۱۰۰۔ شیطان کے سوار اور پیادے: یعنی ساری طاقت صرف کر ڈال! اور پوری قوت سے لشکر کشی کر! خدا کی معصیت میں لڑنے والے سب شیطان کے سوار اور پیادے ہیں۔ جن ہوں یا انس۔

۱۰۱۔ یعنی دل میں ارمان نہ رکھ، ان کو ہر طرح ابھار، کہ مال و اولاد میں تیرا حصہ لگائیں، یعنی یہ چیزیں ناجائز طریقہ سے حاصل کریں اور ناجائز کاموں میں صرف کریں۔

۱۰۲۔ یعنی شیطان جو سبز باغ دکھاتا ہے اس سے فریب کھانا احمق کا کام ہے اس کے سب وعدے دغا بازی اور فریب سے ہیں۔ چنانچہ وہ خود اقرار کرے گا۔ وَوَعَدْتُمْ فَأَخْلَفْتُمْ (ابراہیم۔ ۱۰۲)۔

۱۰۳۔ مخلصین پر شیطان کا قابو نہیں چلتا: یعنی جو خدا پر اعتماد و توکل کریں وہ ان کا کام بناتا ہے اور شیطان کے جال سے نکالتا ہے۔

۶۶۔ تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں [۱۰۳] تاکہ تلاش کرو اس کا فضل [۱۰۵] وہی ہے تم پر مہربان

رَبُّكُمْ الَّذِي يُزِيحُ لَكُمْ الْغُلُكَ فِي الْبَحْرِ  
لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾

۶۷۔ اور جب آتی ہے تم پر آفت دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے اللہ کے سوائے پھر جب بچا لایا تم کو خشکی میں پھر جاتے ہو اور ہے انسان بڑا ناشکر [۱۰۶]

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّمُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ  
إِلَّا آيَاهُ فَلَمَّا نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ  
الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾

۶۸۔ سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے [۱۰۷] یا بھیج دے تم پر آندھی پتھر برسائے والی پھر نہ پاؤ اپنا کوئی نگہبان

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ  
عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾

۶۹۔ یا بے ڈر ہو گئے ہو اس سے کہ پھر لیجائے تمکو دریا میں [۱۰۸] دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت جھوکا ہوا کا پھر ڈبا دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا [۱۰۹]

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَى فَيُرْسِلَ  
عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيَغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ  
ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾

۷۰۔ اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر [۱۱۰]

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَلَّلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى

كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿۱۱۰﴾

۱۰۴۔ یہ خدا کی کارسازی کا ایک نمونہ پیش کیا ہے، جس میں ایک مشرک کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے۔

۱۰۵۔ یعنی روزی کو اکثر قرآن میں، ”فضل“ فرمایا ہے۔ ”فضل“ کے معنی زیادہ کے ہیں۔ سو مسلمان کی بندگی ہے آخرت کے واسطے اور دنیا بھلاؤ میں ملتی ہے۔

۱۰۶۔ انسان کی ناشکری: یعنی مصیبت سے نکلنے ہی محسن حقیقی کو بھول جاتا ہے۔ چند منٹ پہلے دریا کی موجوں میں خدا یاد آ رہا تھا۔ کنارہ پر قدم رکھا اور بے فکر ہو کر سب فراموش کر بیٹھا۔ اس سے بڑھ کر ناشکر گزاری کیا ہوگی۔

۱۰۷۔ یعنی سمندر کے کنارے خشکی میں دھنسا دے۔ مثلاً زلزلہ آجائے اور زمین شق ہو کر قارون کی طرح اس میں دھنس جاوے۔ خلاصہ یہ کہ ہلاک کرنا کچھ دریا کی موجوں پر موقوف نہیں۔

۱۰۸۔ یعنی کوئی ضرورت کھڑی کر دے جس کے لئے ناچار دریائی سفر کرنا پڑے۔

۱۰۹۔ یعنی خدا سے کون باز پرس کر سکتا ہے یا کس کی مجال ہے کہ پچھا کر کے اس سے مجرمین کا خون بہا وصول کرے؟

۱۱۰۔ بنی آدم کی فضیلت: یعنی آدمی کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل و حواس عنایت فرمائے جن سے دنیوی و اخروی مضار و منافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لئے کھلی ہیں۔ دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے خشکی میں جانوروں کی پیٹھ یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندر رروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے مکانات اور دنیوی آسائش و رہائش کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم کو خدا تعالیٰ نے مسجود ملائکہ اور ان کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا لہذا الَّذِي كَتَمْتَعَلَىٰ کہنا اور ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا، پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے (تنبیہ) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضل۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ ”رسول بشر“ رسول ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور رسول ملائکہ (باستثنائے رسول بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۱۔ جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ سو جس کو ملا اس کا اعمال نامہ اس کے داہنی ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا لکھا [۱۱۱] اور ظلم نہ ہو گا ان

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَبِمَا كَانُوا

كَتَبَتْهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا

پرايک تاگے کا [۱۱۲]

۷۲۔ اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے [۱۱۳]

يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤١﴾

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَ

أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾

۱۱۱۔ حشر میں اعمال ناموں کی تقسیم: یہاں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں فطری حیثیت سے انسان کو جو عزت و فضیلت بخشی تھی اس نے کہاں تک قائم رکھی اور کتنے ہیں جنہوں نے انسانی عز و شرف کو خاک میں ملا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر فرقہ اس چیز کی معیت میں حاضر ہو گا۔ جس کی پیروی اور اتباع کرتا تھا۔ مثلاً مومنین کے نبی، کتاب، دینی پیشوا یا کفار کے مذہبی سردار، بڑے شیطان اور جھوٹے معبود جنہیں فرمایا ہے - وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُذَعَّبُونَ إِلَى النَّارِ (القصص - ۴۱) اور حدیث میں ہے لَتَتَّبِعَكُمْ كُلُّ أُمَّةٍ مَّا كَانَتْ تَعْبُدُ الرَّحْمَنَ اس وقت تمام آدمیوں کے اعمال نامے ان کے پاس پہنچا دیے جائیں گے۔ کسی کا اعمال نامہ سامے سے داہنے ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ گویا یہ ایک حسی علامت ان کے مقبول یا مردود ہونے کی سمجھی جائے گی۔ "اصحاب یمن" (داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ پکڑنے والے) وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں حق کو قبول کر کے اپنی فطری شرافت اور انسانی کرامت کو باقی رکھا۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کام کئے، آخرت میں ان کی وہ احتیاط کام آئی۔ اس دن وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے، بڑے سردار انبساط سے اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے اور دوسروں کو کہیں گے هَاؤُمْرُ افْتَرَعُوا كِتَابِيَةَ (الحاقة - ۱۹) کہ آؤ میری کتاب پڑھ لو۔ باقی دوسرے لوگ یعنی "اصحاب شمال" ان کا کچھ حال اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے (بعض نے لفظ "امام" سے خود اعمال نامہ مراد لیا ہے کیونکہ وہاں لوگ اس کے پیچھے چلیں گے)۔

۱۱۲۔ یعنی کھجور کی گٹھلی کے درمیان جو ایک باریک دھاگا سا ہوتا ہے۔ اتنا ظلم بھی وہاں نہ ہو گا ہر ایک کی محنت کا پورا بلکہ پورے سے زیادہ پھل ملے گا۔ ۱۱۳۔ دنیا اور آخرت کے اندھے: یعنی یہاں ہدایت کی راہ سے اندھا رہا، ویسا ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہے۔ (موضح القرآن) یہ "اصحاب یمن" کے بالمقابل "اصحاب شمال" کا ذکر ہوا۔ بعض نے وَأَضَلُّ سَبِيلًا کا مطلب یہ لیا ہے کہ دنیا میں دو تلافی مکافات کا امکان تھا، آخرت میں اس سے بھی دور جا پڑا۔ کیونکہ اب تدارک و تلافی کا امکان ہی نہیں رہا۔

وَأِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرًا ۖ وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ

کو دوست [۱۱۴]

خَلِيلًا ﴿٤٣﴾

۷۳۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو سنبھالے رکھا تو لگ جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا [۱۱۵]

وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتُنَّكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ

شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٤٤﴾

۷۵۔ تب تو ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا [۱۱۶]

إِذَا لَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ  
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٤٥﴾

۷۶۔ اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرادیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا [۱۱۷]

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفْرِغُوا مِنْكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبَثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

۷۷۔ دستور چلا آتا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اپنے پیغمبر اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت [۱۱۸]

سُنَّةٍ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٤٧﴾

۱۱۴۔ کفار مکہ کی احمقانہ تجویز: یعنی بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے، بڑے بڑے سوا نکھوں کو بچلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کفار مکہ کی اس بے حیائی اور جسارت کو دیکھئے کہ آپ پر ڈورے ڈالتے ہیں کہ خدا نے جو احکام دیے اور وحی بھیجی اس کا ایک حصہ ان کی خاطر سے آپ (معاذ اللہ) چھوڑ دیں یا بدل ڈالیں۔ کبھی حکومت، دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ کے تابع ہو جائیں گے، قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک و بت پرستی کے رد میں ہے۔ اگر آپ (العیاذ باللہ) بفرض محال ایسا کر گذرتے تو بیشک وہ آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے۔ لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک مٹھی میں اور سورج اتار کر دوسری مٹھی میں رکھ دو تب بھی محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کے لئے خدا نے اسے کھڑا کیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنا کام پورا کرے یا اس راستہ سے گذر جائے۔

دست از طلب نہ وارم تا کام من بر آید یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

۱۱۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال ثابت قدمی: ”ترکون“ ”رکون سے ہے۔ جو ادنی جھکاؤ اور خفیف میلان قلب کو کہتے ہیں اس کے ساتھ شَيْئًا قَلِيلًا بڑھایا گیا تو ادنی سے ادنی ترین مراد ہو گا۔ پھر لَقَدْ كَذَّبْتَ فرما کر اس کے وقوع کو اور بھی گھٹا دیا۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ پیغمبر معصوم ہیں جن کی عصمت کی سنبھال حق تعالیٰ اپنے فضل خصوصی سے کرتا ہے تو ان چالاک شریروں کی فریب بازیوں سے بہت ہی تھوڑا سا ادھر جھکنے کے قریب ہو جاتے مگر انبیاء کی عصمت کا تکفل ان کا پروردگار کر چکا ہے۔ اس لئے اتنا خفیف جھکاؤ بھی نہ پایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں تقویٰ کی فطری قوت کس قدر مضبوط اور ناقابل تزلزل تھی۔

۱۱۶۔ کلمہ عتاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا بیان: اس سے بھی حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے فضل و شرف کا نہایت لطیف پیرایہ میں اظہار مقصود ہے۔ مقررین کے لئے جیسے انعامات بہت بڑے ہیں ”نزدیکایاں رایش بود حیرانی“ کے قاعدہ سے ان کی چھوٹی چھوٹی غلطی یا کوتاہی پر عتاب بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے جیسے ازواج مطہرات کو فرمایا نِسَاءَ النَّبِيِّ مِنْ بَيَاتٍ مِنْكُمْ بِغَا حَشِيَّةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَعِّفُ لَهَا الْعَدَابَ ضَعْفَيْنِ (الاحزاب۔ ۳۰) تو بتلا دیا کہ آپ کا مرتبہ معمولی نہیں۔ اگر بفرض محال ادنی سے ادنی غلطی ہو تو دنیا میں اور برزخ و آخرت میں دو گنا مزہ چکھنا پڑے مومن کو چاہئے کہ ان آیات کو تلاوت کرتے وقت دوزانو بیٹھ کر انتہائی خوف و خشیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی شان جلال و جبروت میں غور

کرے اور وہ ہی کہے جو حضور ﷺ نے فرمایا اللَّهُمَّ لَا تَكْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ (خداوند! چشم زدن کے لئے بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے) یعنی ہمیشہ اپنی ہی حفاظت و کفالت میں رکھے۔

۱۱۷۔ یعنی چاہتے ہیں کہ تجھے تنگ کر کے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ ان کے ظلم و ستم حضور ﷺ کی ہجرت کا سبب بنے آپ ﷺ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر میدان "بدر" میں نہات ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ اور اس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ کفار کی حکومت و شوکت تباہ ہو گئی اور بالآخر بہت قلیل مدت گزرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر علیہ السلام کا ایک مخالف بھی باقی نہ رہا۔

۱۱۸۔ یعنی ہمارا یہی دستور رہا ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا تو بستی والے خود نہ رہے۔

۷۸۔ قَائِمٌ رَكَعَ نَمَازٍ كُو [۱۱۹] سَورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک [۱۲۰] اور قرآن پڑھنا فجر کا [۱۲۱] بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو [۱۲۲]

اقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۷۸﴾

۷۹۔ اور کچھ رات جاگتارہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لئے [۱۲۳] قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں [۱۲۴]

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدُ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿۷۹﴾

۸۰۔ اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا [۱۲۵] اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد [۱۲۶]

وَقُلْ رَبِّ ادْخُلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

۸۱۔ اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بیشک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا [۱۲۷]

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۸۱﴾

۸۲۔ اور ہم اتار تے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے اور گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے [۱۲۸]

وَنُنزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۗ وَلَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

۱۱۹۔ یعنی ان کی منصوبہ بازیوں کی کچھ فکر نہ کیجئے۔ آپ اپنے مالک کی طرف متوجہ رہیں اور نمازوں کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھیں تعلق مع اللہ وہ چیز

ہے جو انسان کو تمام مشکلات و نوائب پر غالب کر دیتی ہے۔ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (بقرہ-۴۵)۔

۱۲۰۔ نمازوں کا بیان: اس میں چار نمازیں آنگین ظہر، عصر، مغرب، عشاء، جمع بین الصلواتین کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور اگر جمع کا اشارہ نکالا جائے تو دو نہیں چار نمازوں کے جمع کرنے کی مشروعیت اس سے نکلے گی۔ ہاں بشرط ذوق صحیح یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ ظہر میں تعجیل اور عشاء میں تاخیر مستحب ہونی چاہیے۔ الابراض۔

۱۲۱۔ یعنی نماز فجر میں۔ شاید ”قرآن الفجر“ سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہو کہ تطویل قرأت فجر میں مطلوب ہے۔

۱۲۲۔ ملائکہ لیل و نہار: حدیث میں ہے کہ فجر و عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے۔ لہذا ان دو وقتوں میں لیل و نہار کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہماری قرأت اور نماز ان کے روبرو ہوتی جو مزید برکت و سکینہ کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے یہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔

۱۲۳۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی“ نیند سے جاگ کر (تہجد میں) قرآن پڑھا کر۔ یہ حکم سب سے زیادہ تجھ پر کیا ہے کہ تجھ کو مرتبہ (سب سے) بڑا دینا ہے۔

۱۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقام محمود: ”مقام محمود“ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا۔ تب آنحضرت ﷺ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد (تعریف) ہوگی۔ اور حق تعالیٰ بھی آپ کی تعریف کرے گا۔ گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔ (تنبیہ) ”مقام محمود“ کی یہ تفسیر صحیح حدیثوں میں آئی ہے۔ اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں شفاعت کبریٰ کا نہایت مفصل بیان موجود ہے۔ شارحین نے حضور ﷺ کے لئے دس قسم کی شفاعتیں ثابت کی ہیں۔ فتح الباری میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۲۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعا کی تعلیم: یعنی جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا ہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے ہو کہ دشمن ذلیل و خوار اور دوست، شاداں و فرحان ہوں۔ اور بہر صورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔

۱۲۶۔ یعنی غلبہ اور تسلط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو۔ تاکہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں۔ دنیا میں کوئی قانون ہو، سماوی یا راضی اس کے نفاذ کے لئے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو۔ جو لوگ دلائل و براہین سننے اور آفتاب کی طرح حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد و عناد پر قائم رہیں ان کے ضرر و فساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ اسی لئے سورہ حدید میں فرمایا۔  
لَقَدْ آرَسْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ إِلَى آخِرِهِ (حدید-۲۵)۔

۱۲۷۔ غلبہ حق کی پیشگوئی: یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ میں کی گئی جہاں بظاہر کوئی سامان غلبہ حق کا نہ تھا۔ یعنی کہہ دو قرآن کریم مومنین کو بشارتیں سناتا ہوا اور باطل کو چکلتا ہوا آپہنچا پس سمجھ لو کہ اب دین حق غالب ہو اور کفر بھاگا۔ نہ صرف مکہ سے بلکہ سارے عرب سے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اس وقت کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ایک چھڑی سے سب پر ضرب لگاتے اور فرماتے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَذَهَبَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا. جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ہر ایک اوندھے منہ گر جاتا تھا۔ اس طرح قرآن کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی اور دوسری کا اعلان کیا گیا کہ جو کفر کعبہ سے نکل بھاگا ہے۔ آئندہ کبھی واپس نہ آئے

گا۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذٰلِكَ۔

۱۲۸۔ قرآن کریم شفاء و رحمت ہے: یعنی جس طرح حق کے آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے۔ قرآن کی آیات سے جو بندرتج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں دلوں سے عقائد باطلہ، اخلاق ذمیرہ اور شکوک و شبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ ”روح المعانی“ اور ”زاد المعاد“ وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال جو لوگ ایمان لائیں یعنی اس نسخہ شفا کو استعمال کریں گے، تمام قلبی و روحانی امراض سے نجات پا کر خدا تعالیٰ کی رحمت خصوصی اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ ہاں جو مریض اپنی جان کا دشمن طیب اور علاج سے دشمنی ہی کی ٹھان لے تو ظاہر ہے کہ جس قدر علاج و دوا سے نفرت کر کے دور بھاگے گا اسی قدر نقصان اٹھائے گا۔ کیونکہ مرض امتداد زمانہ سے مہلک ہوتا جائے گا جو آخر جان لے کر چھوڑے گا۔ تو یہ آفت قرآن کی طرف سے نہیں، خود مریض ظالم کی طرف سے آئی کما قال تعالیٰ وَ أَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ (توبہ۔ ۱۲۵)۔

۸۳۔ اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر تو ٹال جائے اور بچائے اپنا پہلو اور جب پہنچے اس کو برائی تو رہ جائے مایوس ہو کر [۱۲۹]

وَإِذَا أَعْنَأَ عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَاضٌ وَنَابِجَانِيهِ

وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَكُوسًا ﴿۸۳﴾

۸۴۔ تو کہہ ہر ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر سو تیرا رب خوب جانتا ہے کس نے خوب پالیا راستہ [۱۳۰]

قُلْ كُلُّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ ۖ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِبَنِي

هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ﴿۸۴﴾

۱۲۹۔ انسان کی عجیب خلعت: یعنی انسان کا عجیب حال ہے خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نعمتیں دیتا ہے تو احسان نہیں مانتا۔ جتنا عیش آرام ملے اسی قدر منعم حقیقی کی طرف سے اس کی غفلت و اعراض بڑھتا ہے اور فرائض بندگی سے پہلو بچا کر کھسکنا چاہتا ہے۔ پھر جب سخت اور برا وقت آیا تو ایک دم آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ گویا دونوں حالتوں میں خدا سے بے تعلق رہا۔ کبھی غفلت کی بناء پر کبھی مایوسی کی (نعوذ باللہ من کلا الحالین) یہ مضمون غالباً اس لئے بیان فرمایا کہ قرآن جو سب سے بڑی نعمت الہی ہے، بہت لوگ اس کی قدر نہیں پہچانتے بلکہ اس کے ماننے سے اعراض و پہلو تہی کرتے ہیں۔ پھر جب اس کفران نعمت اور اعراض و انکار کا برا نتیجہ سامنے آئے گا اس وقت قطعاً مایوسی ہوگی کسی طرف امید کی جھلک نظر نہ پڑے گی۔

۱۳۰۔ یعنی ہر ایک کافر و مومن اور معرض و مقبل اپنے اپنے طریقے، نیت، طبیعت اور مذہب پر چلتا اور اسی پر رکن رہتا ہے۔ لیکن یاد رہے خدا کے علم محیط سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہو سکتا وہ ہر ایک کے طریق عمل اور حرکات و سکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے اور کس میں کس قدر کج روی و کج راہی ہے ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کرے گا۔

۸۵۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو [۱۳۱] کہدے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو علم دیا ہے تھوڑا سا [۱۳۲]

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۵﴾



۸۶۔ اور اگر ہم چاہیں تو لیجائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لادینے کو ہم پر کوئی ذمہ دار

وَلَيْنَ شِئْنَا لَنذُهِبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ

لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ﴿٨٦﴾

۸۷۔ مگر مہربانی سے تیرے رب کی اس کی بخشش تجھ پر بڑی ہے [۱۳۳]

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ

كَبِيرًا ﴿٨٧﴾

۸۸۔ کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی [۱۳۴]

قُلْ لَّيِّنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِبِئْسَلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَآ يَأْتُونَ بِبِئْسَلِهِ وَ لَوْ

كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾

۸۹۔ اور ہم نے پھیر پھیر کو سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں ہر مثل سو نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کئے [۱۳۵]

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ

فَإِنِّي أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كَفُورًا ﴿٨٩﴾

۱۳۱۔ روح کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال: یعنی روح انسانی کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت و حقیقت کیا ہے؟ یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے آزمانے کو کیا تھا۔ اور ”سیر“ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے یہ سوال کیا۔ اسلئے آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے نزول مکرر ہوا ہو، واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہو گا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے ادھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں ازراہ تعنت و عناد جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخہ شفا سے فائدہ اٹھاتے وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا (شوریٰ- ۵۲) يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (نحل- ۲) مگر انہیں دور از کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں۔ ”روح“ کیا ہے؟ جو ہر ہے یا عرض؟ ادا ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نجات موقوف ہے نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود ”مادہ“ کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے ”روح“ جو بہر حال ”مادہ“ سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے اس کی اصل ماہیت و کنہ تک پہنچنے کی پھر کیا امید کی جاسکتی ہے۔ مشکریں کی جہالات اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی، وہ روح کی حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد و اہلیت رکھتی ہو گی؟ تو کارز میں رانکو ساختی، کہ با آسمان نیز پر داختی۔

۱۳۲۔ عالم امر اور عالم خلق کی علمی تحقیق: موضح القرآن میں ہے کہ ”حضرت کو آزمانے کو بیہودنے پوچھا، سو اللہ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ آگے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کیں۔ اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی، وہ جی اٹھا، جب نکل گئی مر گیا“ (تنبیہ) حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب و غریب اعجاز رکھتا ہے۔ روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کجبر و معاندین کے لئے کافی ہے۔ لیکن اسی سطح کے نیچے ان ہی مختصر الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارف کامل کی راہ طلب و تحقیق میں چراغ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔ روح کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا، اور نہ شاید ہو سکے۔ روح کی اصلی کنہ و حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ و حقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں۔ تاہم میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے متعلق ان چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔ (۱) انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جسے ”روح“ کہتے ہیں وہ ”عالم امر“ کی چیز ہے اور خدا کے حکم و ارادہ سے فائز ہوتی ہے۔ قُلِ الرَّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي خَلَقَهُ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (آل عمران-۵۹) ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ (المومنون-۱۳) إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (نحل-۴۰) (۲) روح کی صفات علم و شعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول کمال کے اعتبار سے بے حد تفاوت و فرق مراتب ہے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے۔ جیسے روح محمدی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پچھی۔ بشیر الیہ اضافۃ الامر الی الرب والرب الی اداء المتکلم المراد بہ ہننا محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ و قوله تعالیٰ فیما بعد قُلْ لَیْسَ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِسَلِّ هَذَا الْقُرْآنِ لَا یَاتُوْنَ بِسَلِّہِ (۳) مگر اس کے یہ کمالات ذاتی نہیں۔ وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے ہیں اور محدود ہیں۔ یدل علیہ قول تعالیٰ وَمَا اَوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ فان العلم قد اتاه من مفیض آخر وہو قلیل فی جنب علم اللہ تعالیٰ۔ کما قال تعالیٰ۔ قُلْ لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدادًا لِکَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنفَدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَاتِ رَبِّیْ (کہف-۱۰۹) وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامًا وَ الْبَحْرُ مِیْدَادًا مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَةُ اَبْحَارٍ مَا نَفَدَتْ کَلِمَاتِ اللّٰہِ (لقمان-۲۷) ویدل علی تحدید القدرۃ قولہ تعالیٰ فیما بعد رد القولہم لَنْ نُؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَنْفُجِرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوعًا اِلٰی قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا اَدْسُوْا لَوْ اَنَّ الْاِنْسَانَ خِوٰہِ عِلْمٍ وَ قَدْرَتٍ وَ غِیْرَہِ صِفَاتٍ بَارِیَہِ طَرَحٍ لَّا مَحْدُوْدٍ نَّہِیْنَ ہُوَ جَاتِیْنَ۔ اور یہ ہی بڑی دلیل اس کی ہے کہ آریوں کے عقیدہ کے موافق روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم و غیر مخلوق ہستی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ تحدید کہاں سے آئی۔ (۴) کتنی ہی بڑی کامل روح ہو، حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمالات سلب کر لے۔ گو اس کے فضل و رحمت سے کبھی ایسا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ یدل علیہ قولہ تعالیٰ وَ لَیْسَ شَیْءًا لَّنْذَہَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحٰیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِہٖ عَلَیْنَآ وَ کِیْلًا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّکَ اِنَّ فَضْلَہٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا۔ یہ چند اصول جو ہم نے بیان کئے اہل فہم کو نسیق آیات میں ادنیٰ تا مل کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں صرف ایک ”عالم امر“ کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے سمجھنے سے امید ہے روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ لفظ ”عالم امر“ قرآن کریم میں بیسیوں جگہ آیا اور اس کے معنی کی تعیین میں علماء نے کافی کلام کیا ہے لیکن میری غرض اس وقت سورہ ”اعراف“ کی آیت ۵۴ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ کی طرف توجہ دلانا ہے۔ جہاں ”عالم امر“ کو ”خلق“ کے مقابل رکھا ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مدد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک ”خلق“ ”دوسرا“ ”عالم امر“ دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کو ہم سیاق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں پہلے فرمایا۔ اِنَّ رَبَّکُمْ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتِّیْنَ اَیَّامٍ (اعراف-۵۴) یہ تو خلق ہوا۔ درمیان میں اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ کَاذِکَر

کر کے جو شان حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے فرمایا يُعْشَى الْيَلَّ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۚ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ (اعراف-۵۴) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین و محکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر و تصرف کہہ سکتے ہیں۔ یہ ”امر“ ہوا اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ (طلاق-۱۲) گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں۔ کوئی کپڑا بن رہی ہے کوئی آٹا پیس رہی ہے کوئی کتاب چھاپتی ہے کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے۔ کسی سے پتکھے چل رہے ہیں۔ وغیرہ ذلک۔ ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ کر کے ایک معین اندازے سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں۔ پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فنٹ کیا جاتا ہے۔ جب تمام مشینیں فنٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں، تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے آن واحد میں ساکن و خاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اس کی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے۔ حتیٰ کہ جو قلیل و کثیر کھربائیہ روشنی کے لیپوں اور قتموں میں پہنچتی ہے، وہاں پہنچ کر ان ہی قتموں کی ہیئت اور رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس مثال میں یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے کل پرزوں کا ٹھیک اندازہ پر رکھنا، پھر فنٹ کرنا، ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز (بجلی یا اسٹیم) اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سمجھ لو حق تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو ”خلق“ کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے ”تقدیر“ کہا گیا ہے فَقَدَرْنَا تَقْدِيرًا (الفرقان-۲) سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فنٹ کیا جسے ”تصویر“ کہتے ہیں۔ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (اعراف-۱۱) یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔ اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے۔ آخر مشین کو چالو کرنے کے لئے امر الہی ”کی بجلی چھوڑ دی گئی۔ شاید اس کا تعلق اسم ”باری“ سے ہے۔ الْخَالِقِ الْبَارِئِ الْبَصُورِ (الحشر-۲۴) وَفِي الْحَدِيثِ فَلَمَّ الْحَبَّةَ وَبَرَّ النَّسِيمَةَ وَفِي سُورَةِ الْحَدِيدِ ۲۲ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّبْرَأَهَا۔ اِي النَّفْسِ كَمَا هُوَ رَوَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَادَةَ الْاَحْسَنِ۔

کن فیکون کی علمی توجیہ: غرض ادھر سے حکم ہوا ”چل فوراً چلنے لگی۔ اسی“ امر الہی ”کو فرمایا اِنَّمَا اَمْرٌهَا اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّفْعَلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یس-۸۲) دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر ”کن“ کو خلق جس پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔ خَلَقَهُ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران-۵۹) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں كُنْ فَيَكُوْنُ کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق و ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ ”کن“ کا خطاب ”خلق“ کے بعد تدبیر و تصرف وغیرہ کے لئے ہوتا ہو گا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں ”امر“ کے معنی ”حکم“ کے ہیں اور وہ حکم یہ ہی ہے جسے لفظ ”کن“ سے تعبیر کیا گیا۔ اور ”کن“ جس کلام سے ہے حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے۔ جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات، سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللہ و کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہ ہی مسلک رکھنا چاہئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ ”روح“ کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں امر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ-۵۲) يُّلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهَا عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (المومن-۱۵) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهَا عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (النحل-۲) اور پہلے گذر چکا ہے کہ ”امر“ عبارت ہے کلمہ ”کن“ سے یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصرف اس طریقہ پر کی جائے جس پر غرض ایجاد و تکوین مرتب ہو۔ لہذا اثبات ہوا کہ ”روح“ کا مبداء حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے جو صفت علم کے ماتحت ہے۔ شاید اسی لئے نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (ص-۷۲) میں اسے اپنی طرف منسوب کیا ”کلام“ اور ”امر“ کی نسبت متکلم اور امر سے ”صادر“ و ”مصدر“ کی ہوتی ہے ”مخلوق“ و ”خالق“ کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اَلَا لَهٗ

الْخَلْقِ وَالْأَمْرِ (اعراف-۵۴) میں ”امر“ کو ”خلق“ کے مقابل رکھا۔

روح کی حقیقت: ہاں یہ امر ”کن“ باری تعالیٰ شانہ سے صادر ہو کر ممکن ہے جو ہر مجرد کے لباس میں یہ ایک ”ملک اکبر“ اور ”روح اعظم“ کی صورت میں ظہور پکڑے۔ جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم ”کہر بانیہ روحیہ“ کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔ گویا ہمیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں۔ اور اَلَّذَوَامُّ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ اَلْحُجَّہ کے بے شمار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی بے شمار مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ مشین سے اس کی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے۔ بلکہ جن لیمپوں اور قلموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے ان ہی کے مناسب رنگ و ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ رہی یہ بات کہ ”کن“ کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جو ہر مجرد دیا جس نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال و صورت دیکھتے ہیں، بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، بھیڑیے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جو اہر و اجسام کیونکر بن گئے اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازم و خواص پیدا ہو گئے۔ یہاں تک بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی ان کے آثار جدا نہیں ہوتے فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوت مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسم خیالات کو جسمی سانچے میں ڈھال لے اور ان میں وہ ہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوئے۔ ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیقہ سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصور برحق جل و علا کا امر بے کیف ”کن“ باوجود صفت قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔ وہ ارواح و ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں۔ اور ”امر الہی“ بحالہ قدیم رہے۔ امکان و حدوث کے آثار و احکام ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور ”امر الہی“ ان سے پاک و برتر ہو۔ جیسے جو صورت خیالیہ بحالہ خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور ساہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سینڈ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جو ہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) ”امر ربی“ کا مظہر ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ مظہر کے سب احکام و آثار ظاہر پر جاری ہوں کما ہوا الظاہر۔ واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں ان سے مقصود محض تسہیل و تقریب الی الفہم ہے ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو اے بروں از دہم و قال و قیل من، خاک ہر فرق من و تمثیل من۔ رہا یہ مسئلہ کہ روح جو ہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمائے قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے۔ اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم سید انور شاہ صاحب اطال اللہ بقائہ نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامی یہاں تین چیزیں ہیں۔ (۱) وہ جو اہر جن میں مادہ اور کیمت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادہ (۲) جو اہر جن میں مادہ نہیں صرف کیمت ہے جنہیں صوفیہ ”اجسام مثالیہ“ کہتے ہیں (۳) وہ جو اہر جو مادہ اور کیمت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ”ارواح“ یا حکماء جو اہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ جمہور اہل شرع جس کو ”روح“ کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ”بدن مثالی“ سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے۔ اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا جہول الکلیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے اَللّٰهُ يَتَوَقَّى اَلْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر-۴۲) کی تفسیر میں نقل کیا،

اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔

جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔ یا جیسے آج ہی میں نے اخبار میں ایک تاریخ پڑھا کہ ”حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوابازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب انگیز نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا۔ لیکن لاسکی کے ذریعہ سے منزل مقصود پر پہنچا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا مکمل ہے جیسا کہ ہواباز کی مدد سے عمل میں آتا۔“ آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔ بہر حال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اگر اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر ”امر ربی“ کی وحدت پر منتهی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔ شیخ فرید الدین عطار نے ”منطق الطیر“ میں کیا فرمایا۔ ہم زجملہ وہم پیش از ہمہ، جملہ از خود دیدہ و خویش از ہمہ۔ جاں نہاں در جسم و او در جاں نہاں، اے نہاں اندر نہاں اے جان جان۔ مذکورہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو ”کن“ کی مخاطب ہوئی، روح حیات پائی جائے۔ بیشک میں یہ ہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ہر ایک نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کے لیے وہ چیز پیدا کی گئی، ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا ”کن“ (اس کام میں لگ جا) بس یہ ہی اس کی روح حیات ہے جب تک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی۔ اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی اسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔

ہذا عندی وعند الناس ما عند ہم واللہ سبحانہ وتعالیٰ ہوا للہم للصواب۔

۱۳۳۔ یعنی قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ لاسکے۔ لیکن اس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے اسی لئے یہ نعمت عظمیٰ عنایت فرمائی، اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف قدرت عظیمہ کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اس کے سب کمالات موہوب و مستعار ہیں، ذاتی نہیں۔

۱۳۴۔ اعجاز قرآن: اعجاز قرآن کے متعلق پہلے متعدد مواضع میں کلام کیا جا چکا ہے اور اس موضوع پر ہمارا مستقل رسالہ ”اعجاز القرآن“ چھپا ہوا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۳۵۔ قرآن میں مضامین کی تکرار: یعنی ان کی خیر خواہی کے لئے عجیب و غریب مضامین بار بار مختلف پیرایوں میں قسم قسم کے عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن اکثر احمقوں کو اس کی قدر نہیں۔ بجائے احسان ماننے کے ناشکری پر تلے ہوئے ہیں۔

۹۰۔ اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ جاری کر دے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ [۱۳۶]

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ

يَنْبُوعًا ۙ ﴿۹۰﴾

۹۱۔ یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے تو اس کے بیج نہریں چلا کر

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ

الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿۹۱﴾

۹۲۔ یا اگر اُدے آسمان ہم پر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے [۱۳۷] یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے [۱۳۸]

۹۳۔ یا ہو جائے تیرے لئے ایک گھر سنہرا [۱۳۹] یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے تیرے چڑھ جانے کو جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک کتاب جس کو ہم پڑھیں [۱۴۰] تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا [۱۴۱]

۹۴۔ اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی ان کو ہدایت مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر [۱۴۲]

۹۵۔ کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر [۱۴۳]

أَوْ تُسْقَطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ

تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾

أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرَفٍ أَوْ تَرْتُقِي فِي

السَّمَاءِ ۖ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا

كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ ۗ هَلْ كُنْتُ إِلَّا

بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٣﴾

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ

إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٤﴾

قُلْ لَوْ كَانُ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّرْسُونَ

مُطَبِّئِينَ لَنُزِّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا

رَّسُولًا ﴿٩٥﴾

۱۳۶۔ کفار کی فرمائشیں: یعنی مکہ کی سرزمین سے۔ قرآن کے اعجاز سے عاجز ہو کر ایسی دوزخ کار فرمائشیں کرنے لگتے تھے۔ غرض استفادہ و انتفاع مقصود نہ تھا محض تعنت و عناد سے کام تھا۔

۱۳۷۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ اِنْ نُّشِأْنَا نَحْسِفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ (السا۔ ۹)۔

۱۳۸۔ یعنی معاذ اللہ خدا خود ہمارے سامنے آکر کہے اور فرشتے کھلم کھلا شہادت دیں کہ تم سچے ہو۔

۱۳۹۔ یعنی سونے کا نہ ہو تو کم از کم سونے کا ملمع ہو۔

۱۴۰۔ یعنی جیسے آپ معراج کا ذکر کرتے ہیں ہمارے سامنے آسمان پر چڑھے پھر وہاں سے ایک کتاب لکھی ہوئی لے کر آئے جسے ہم خود پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔

۱۴۱۔ میں ایک بشر اور رسول ہوں: جیسے پہلے پیغمبر آئے اور وہ آدمی تھے۔ کسی پیغمبر کو خدائی کے اختیارات حاصل نہیں نہ اس کی یہ شان ہے

کہ اپنے رب سے ایسی بے ضرورت فرمائشیں کرے۔ ان کا کام یہ ہے کہ جو ادھر سے ملے پہنچادیں اور اپنے ہر ایک کام کو خدائے واحد کے سپرد کردیں۔ سو میں اپنا فرض رسالت ادا کر رہا ہوں۔ فرمائش نشان دکھلانے یا نہ دکھلانے اس کی حکمت بالغہ پر محمول ہیں اور پہلے اسی سورت میں فرمائش نشان نہ دکھلانے کی بعض حکمتیں گزر چکی ہیں۔

۱۴۲۔ یعنی نور ہدایت پہنچنے کے بعد آنکھیں نہ کھلیں یہ ہی کہتے رہے کہ آدمی ہو کر رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر خدا کو پیغمبر بھیجنا تھا تو آسمان سے کوئی فرشتہ اتارتا۔

۱۴۳۔ رسولوں کے بشر ہونے کی وجہ: یعنی اگر یہ زمین آدمیوں کے بجائے فرشتوں کی بستی ہوتی تو بیشک موزوں ہوتا کہ ہم فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔ آدمیوں کی طرف اگر فرشتہ اس کی اصلی صورت میں بھیجا جائے تو آنکھیں اور دل تحمل بھی نہ کر سکیں، فائدہ اٹھانا تو الگ رہا۔ اور آدمی کی صورت میں آئے تو اشتباہ میں پڑے رہیں۔ اس کی تقریر سورہ انعام کے پہلے رکوع میں گزر چکی۔

۹۶۔ کہہ اللہ کافی ہے حق ثابت کرنے والا میرے اور تمہارے بیچ میں وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا [۱۴۳]

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ  
بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٩٦﴾

۹۷۔ اور جس کو راہ دکھلائے اللہ وہی ہے راہ پانے والا اور جس کو بھٹکائے پھر تونہ پائے انکے واسطے کوئی رفیق اللہ کے سوائے [۱۴۵] اور اٹھائیں گے ہم انکو دن قیامت کے چلیں گے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے [۱۴۶] ٹھکانا ان کو دوزخ ہے جب لگے گی بچھنے اور بھڑکادیں گے ان پر [۱۴۷]

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ  
تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ ۗ وَنَحْشُرُهُمْ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِّيًّا ۚ وَبُكْمًا ۚ وَصُمًّا  
مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۗ كُلًّا خَبِثَ رِذْنُهُمْ سَعِيرًا ﴿٩٧﴾

۹۸۔ یہ ان کی سزا ہے اس واسطے کہ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے اور بولے کیا جب ہم ہو گئے ہڈیاں چورا چورا کیا ہم کو اٹھائیں گے نئے بنا کر [۱۴۸]

ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْا اِذَا  
كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا اِنَّا لَبَعُوْثُوْنَ خَلْقًا  
جَدِيْدًا ﴿٩٨﴾

۹۹۔ کیا نہیں دیکھ چکے کہ جس اللہ نے بنائے آسمان اور زمین وہ بنا سکتا ہے ایسوں کو [۱۴۹] اور مقرر کیا ہے انکے واسطے ایک وقت بے شبہ [۱۵۰] سو نہیں رہا جاتا بے انصافوں کو بن ناشکری کے [۱۵۱]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ  
قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا  
رَيْبَ فِيْهِ ۗ فَاَبٰى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے تو ضرور بند کر رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور ہے انسان دل کا تنگ [۱۵۲]

قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَبْلُغُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذَا  
لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۗ وَ كَانَ الْإِنْسَانُ

قَتُورًا ۝

۱۴۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اللہ کی فعلی شہادت: وہ جو کہتے تھے اَوْ تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا یعنی خدا سامنے آکر تصدیق کر دے تب مانیں۔ تو فرمایا کہ خدا اب بھی اپنے فعل سے میری تصدیق کر رہا ہے۔ آخر وہ مجھ کو دیکھتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں اور میرے ظاہری و باطنی احوال سے پورا خبر دار ہے۔ اس پر بھی میرے ہاتھ اور زبان پر برابر وہ علمی نشانات ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ جو خارق عادت اور اس کے عام قانون قدرت سے کہیں بلند و برتر ہیں۔ میرے مقاصد کو یونانیوں کا میاب اور وسیع الاثر بناتا ہے۔ اور تکذیب کرنے والوں کو قدم قدم پر متنبہ کرتا ہے کہ اس رفتار سے تم فلاح نہیں پاسکتے کیا یہ خدا کی طرف سے کھلی ہوئی فعلی شہادت نہیں کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں؟ کیا ایک مفتری کے ساتھ ایسا معاملہ خدا کا ہو سکتا تھا؟

۱۴۵۔ یعنی خدا کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی راہ حق پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے جس کی بد بختی اور تعنت کی وجہ سے خدا دستگیری نہ فرمائے اسے کون ہے جو ٹھیک راستہ پر لگا سکے۔

۱۴۶۔ آخرت میں کفار کا حشر: یہ قیامت کے بعض مواطن میں ہو گا کہ کافر منہ کے بل اندھے گونگے کر کے چلائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! منہ کے بل کس طرح چلیں گے فرمایا جس نے آدمی کو پاؤں سے چلایا وہ قادر ہے کہ سر سے چلا دے۔ باقی فرشتوں کا جہنیموں کو منہ کے بل گھسیٹنا، وہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہو گا۔ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ (القمر-۴۸)۔

۱۴۷۔ یعنی عذاب معین اندازہ سے کم نہیں ہونے دیں گے۔ اگر بدن جل کر تکلیف میں کمی ہونے لگے گی تو پھر نئے چڑے چڑھا دیے جائیں گے۔ كَلَّمَآ نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا (نساء-۵۶)۔

۱۴۸۔ یعنی دنیا میں دلیل سے تو نہ مانا تھا، اب آنکھ سے بار بار دیکھ لو کہ کس طرح جل جل کر از سر نو تیار کئے جا رہے ہو۔

۱۴۹۔ حیات بعد المات کے دلائل: یعنی جس نے اتنے بڑے بڑے اجسام پیدا کئے، اسے تم جیسی چھوٹی سی چیز کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔ لَخَلْقِ السَّالْمَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن-۵۷)۔ بیشک وہ تم کو اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کر سکتا ہے۔

۱۵۰۔ یعنی شاید یہ کہو کہ آخر اتنے آدمی مر چکے ہیں وہ اب تک کیوں نہیں اٹھائے گئے۔ تو فرمادیا کہ سب کے واسطے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔ تاخیر دیکھ کر انکار کرنا حماقت ہے۔ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدَّدٍ (هود-۱۰۴)۔

۱۵۱۔ یعنی ایسے واضح مضامین و دلائل سن کر بھی ناانصافوں کے کفر و ضلال اور ناشکری میں ترقی ہی ہوتی ہے، ذرا نہیں پیچھے۔

۱۵۲۔ انسان کی تنگدلی اور بخل: گذشتہ رکوع میں فرمایا تھا۔ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۗ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَمِئَاتٍ ۖ قُلْ لِّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِسُلْطٍ هَذَا الْقُرْآنِ الْح (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ پر بہت بڑا فضل کیا ہے کہ قرآن جیسی بے مثال دولت عطا فرمائی) درمیان میں مخالفین کے تعنت و عناد، دور از کار مطالبات، اعران و تکذیب اور ان کے نتائج کا ذکر کر کے یہاں پھر اسی پہلے مضمون کی



طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور عدیم النظیر دولت سے سرفراز فرمانا، اسی جواد حقیقی اور وہاب مطلق کی شان ہو سکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں، اور کسی مستحق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو اپنے تہی دست رہ جانے کا خوف ہو، نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مد مقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبا نہ لے۔ خداوند قدوس تھڑ دلے انسان کی طرح (العیاذ باللہ) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جسے اگر فرض کرو خزانہ رحمت کا مالک و مختار بنا دیا جائے تب بھی اپنی طبیعت سے بخل و تنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی مستحق کو دینے سے اس لئے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہر حال اگر رحمت الہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کسے دینے والے تھے اور کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ و طائف کے بڑے متکبر دو لتمدنوں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ بیش بہا دولت ”بنی ہاشم“ کے ایک در یتیم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد و قابلیت دیکھی اس کے مناسب کمالات و انعامات کے خزانے انڈیل دیے۔ تمہارے تعنت و تعصب سے خدا کا فضل رکنے والا نہیں۔ محمد ﷺ کے طفیل میں جو خزانے آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اور پیغمبر علیہ السلام اور ان کے پیرو در یادلی سے اس دولت کو بنی نوع انسان پر خرچ کریں گے تمہاری طرح تنگدلی نہیں دکھائیں گے۔

۱۰۱۔ اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف پھر پوچھ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ انکے پاس [۱۵۳] تو کہا اس کو فرعون نے میری اٹکل میں تو موسیٰ تجھ پر جادو ہوا [۱۵۴]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَعَسَىٰ  
بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي

لَأَظُنُّكَ يُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿١٠١﴾

۱۰۲۔ بولا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر آسمان اور زمین کے مالک نے سچانے کو اور میری اٹکل میں فرعون تو غارت ہوا چاہتا ہے [۱۵۵]

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَابِرٍ وَ إِنِّي لَأَظُنُّكَ

يُفِرُّعُونَ مَثْبُورًا ﴿١٠٢﴾

۱۰۳۔ پھر چاہا کہ بنی اسرائیل کو چین نہ دے اس زمین میں پھر ڈبا دیا ہم نے اسکو اور اس کے ساتھ والوں کو سب کو [۱۵۶]

فَارَادَ أَنْ يَسْتَفِزَّهُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَ

مَنْ مَعَهُ جَبِيْعًا ﴿١٠٣﴾

۱۰۴۔ اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو آباد رہو تم زمین میں پھر جب آئے گا وعدہ آخرت کا لے آئیں گے ہم تم کو سمیٹ کر [۱۵۷]

وَقُلْنَا مَنْ بَعْدَهُ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿١٠٤﴾

۱۰۵۔ اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن اور سچ کے ساتھ اترا [۱۵۸] اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے سو خوشی اور ڈر سنانے کو [۱۵۹]

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَّلْ<sup>ط</sup> وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿١٠٥﴾

۱۰۶۔ اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے کہ پڑھے تو اسکو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا [۱۶۰]

وَقْرَأَانَا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ﴿١٠٦﴾

۱۰۷۔ کہہ کہ تم اس کو مانو یا نہ مانو جن کو علم ملا ہے اس کے پہلے سے جب ان کے پاس اس کو پڑھیں گرتے ہیں تھوڑیوں پر سجدہ میں

قُلْ أَمْنُوا بِهٖ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّا إِلٰهَ الْدِّينِ أَوْتُوآ الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْآذِقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾

۱۰۸۔ اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہے گا [۱۱۱]

وَيَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِن كٰن وَعْدُ رَبِّنَا لَبَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾

۱۰۹۔ اور گرتے ہیں تھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی [۱۱۲]

وَ يَخِرُّونَ لِلْآذِقَانِ يَبْكُونَ وَ يَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾

۱۵۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے: یعنی جیسے آپ کو فضل و رحمت و قرآن عظیم دیا اور بہت کچھ مہربانیاں آپ پر فرمائیں، ہم پہلے موسیٰ کو صداقت کے نو کھلے ہوئے نشانات (معجزات) ان کے مناسب حال عنایت فرما چکے ہیں۔ جبکہ وہ ”بنی اسرائیل“ کے پاس فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اگر چاہو تو ”بنی اسرائیل“ کے باخبر اور منصف مزاج علماء سے پوچھ دیکھو کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ (تمبیہ) وہ نو معجزات یہ تھے۔ ید، عصا، ستین، نقص شمرا، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، دم۔ سورہ اعراف آیت ۱۳۳ فَآرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ الخ کے فوائد میں ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں ملاحظہ کر لی جائے۔ مسند احمد اور ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے آپ سے ”تسع آیات“ کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا وہ یہ احکام ہیں شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق خون مت کرو، جادو نہ کرو، سود مت کھاؤ، بے گناہ کو مت پکڑاؤ کہ حاکم اسے قتل کر دے، عقیف عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، جہاد میں سے مت بھاگو۔ نو حکم تو یہ جن کے سب لوگ مخاطب ہو سکتے ہیں۔ دسواں حکم (اے یہود) تمہارے لئے مخصوص تھا کہ سبت (شنبہ) کے دن حد سے نہ

گزرے۔ یہود نے سن کر آپ کی تصدیق کی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نکارت ہے جو غالباً اس کے راوی عبد اللہ بن سلمہ کی طرف سے آئی ہے۔ قرآن کا نظم و سیاق ہرگز اس کو نہیں چاہتا کہ وَكَذَّبْنَا مُوسَىٰ إِذِ احْتَمَىٰ بِهَا كَتَمْنَا لُجَّتْ مِنْهَا وَكَذَّبْنَا مُوسَىٰ إِذِ احْتَمَىٰ بِهَا كَتَمْنَا لُجَّتْ مِنْهَا۔ آگے فرعون اور موسیٰ کا مکالمہ جو فَقَالَ لَهُ سے نقل فرمایا، مقتضی ہے کہ ”آیات“ سے وہ نشانات مراد ہوں جو بطور دلائل و حجج کے فرعونوں کو دکھلائے گئے تھے، چنانچہ لفظ بَصَّأَيَّرَ بھی انہی پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے اور پہلے سے اہل مکہ کے تعنت اور آیات طلب کرنے کا جو ذکر آرہا ہے اس کے مناسب بھی یہ ہی ہے کہ یہاں فرعونوں کا تعنت آیات کو نبیہ کے متعلق دکھلایا جائے بہر حال ابن کثیر کا خیال یہ ہے کہ یہود نے شاید ”تسع آیات“ کی نسبت نہیں بلکہ ان دس کلمات کی نسبت کیا ہو گا جو تورات کے شروع میں بطور وصایا لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں دس ہی چیزیں مذکور ہیں۔ راوی حدیث کو التباس و اشتباہ ہو گیا، اس نے کلمات عشر ”کی جگہ“ ”تسع آیات“ کو ذکر کر دیا۔ اور ممکن ہے سوال ”آیات“ ”تسع“ سے کیا گیا ہو۔ لیکن آپ نے جواب علی اسلوب الحکیم دیا۔ گویا تنبیہ کر دی کہ نو معجزات کا معلوم کرنا تمہارے حق میں چنداں مفید اور اہم نہیں بلکہ ان دس احکام کا یاد رکھنا زیادہ مہم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ: یعنی کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے جس سے معاذ اللہ عقل خراب ہو گئی۔ اسی لئے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ دوسری جگہ ہے إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَكَاذِبُونَ (شعراء۔ ۲۷)۔ گویا ”مسحور“ سے مراد مجنون ہے اور بعض نے مسحور کو بمعنی ساحر لیا ہے۔ واللہ اعلم۔“

۱۵۵۔ یعنی گوزبان سے انکار کرتا ہے مگر تیرا دل خوب جانتا ہے کہ یہ عظیم الشان نشان تیری آنکھیں کھولنے کے لئے اسی خدائے قادر و توانا نے دکھلائے ہیں جو آسمان و زمین کا سچا مالک ہے اب جو شخص جان بوجھ کر محض ظلم و تکبر کی راہ سے حق کا انکار کرے اس کی نسبت بجز اس کے کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ تباہی کی گھڑی اس کے سر پر آ پہنچی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ”ایمان“ جاننے کا نام نہیں، ماننے کا نام ہے۔ وَجَعَدُوا بِهَا وَاَسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (النمل۔ ۱۴)۔

۱۵۶۔ فرعون کا انجام: جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ سمجھا کہ بنی اسرائیل کہیں زور نہ پکڑ جائیں اس لئے ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا کہ یہ مصر میں امن چین سے رہنے نہ پائیں۔ آخر ہم نے اسی کو نہ رہنے دیا اور بحر قلزم میں سب ظالموں کا بیڑہ غرق کر دیا۔

۱۵۷۔ یعنی خدائے ظالم کی جڑ کاٹ دی اور تم کو غلامی سے نجات دی۔ اب مصر و شام میں جہاں چاہو آزادی سے رہو۔ جب قیامت آئے گی پھر ایک مرتبہ تم سب کو اور تمہارے تباہ شدہ دشمنوں کو اکٹھا کر کے شقی و سعید اور ہالک و نالک کا دائمی فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۱۵۸۔ نزول قرآن کا حق ہونا: موسیٰ کے معجزات وغیرہ کا ذکر فرما کر روئے سخن پھر قرآن کریم کی طرف پھیر دیا گیا۔ یعنی معجزات موسوی بجائے خود تھے، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات باہرہ عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا علمی معجزہ یہ قرآن کریم ہے جو ہم نے عین حکمت کے موافق، اپنے علم عظیم اور اعلیٰ درجہ کی سچائی پر مشتمل کر کے اتارا ہے اور ٹھیک اسی سچائی کے ساتھ وہ آپ تک پہنچ گیا۔ درمیان میں ادنیٰ ترین تغیر و تبدل بھی نہیں ہوا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَنْزَلِ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنَّ لَّآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ (ہود۔ ۱۴)۔

۱۵۹۔ یعنی ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو عذاب الہی کی دھمکی سنا دیجئے۔

۱۶۰۔ الفاظ قرآن کی اہمیت: انزال قرآن سے مقصود اصلی مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے جسے تدبر و تدکر کہتے ہیں۔ لیکن اس کے نفس الفاظ و حروف بھی نور و برکت سے خالی نہیں۔ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَ لِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (ص۔ ۲۹) اسی لئے سورتیں اور آیتیں جدا جدا رکھیں تا وظيفه کے طور پر تلاوت کرنا بھی سہل ہو اور سننے والوں کے لئے حفظ و فہم میں بھی آسانی رہے اور آہستہ

آہستہ اس لئے اتارا کہ جیسے حالات پیش آئیں ان کے مناسب ہدایات حاصل کرتے رہیں تا وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بننا تھا، ہر آیت و حکم کے موقع محل کو بخوبی ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکے اور آنے والی نسلوں کے لئے کسی آیت کے بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش نہ چھوڑے۔

۱۶۱۔ اہل علم پر قرآن کا اثر: یعنی مانویانہ مانو، قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق وہ منصف مزاج اہل علم کر رہے ہیں جنہیں کتب سابقہ کی بشارات سے آگاہی ہے، وہ اس کلام کو سن کر تھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا عجیب و غریب کلام ہے بیشک خدا کا وعدہ پورا ہونا تھا۔ جو موسیٰ کی زبانی تورات کتاب استثناء میں کیا گیا تھا کہ (اے بنی اسرائیل) میں تمہارے بھائیوں (بنی اسمعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ بلاشبہ وہ یہی کلام ہے جو محمد ﷺ کے دہن مبارک میں ڈالا گیا۔ جب اہل علم کو قرآن کی تصدیق سے چارہ نہیں رہا، اب انکار کرنا جاہل کا کام ہے۔

۱۶۲۔ یعنی قرآن کو سن کر رقت طاری ہو جاتی ہے سجدہ کرتے ہیں تو اور عاجزی بڑھتی ہے۔ اذقان (تھوڑیوں) کے لفظ میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ سجدہ میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں گویا تھوڑیاں بھی زمین سے ملا دیتے ہیں، یا محض سجدہ علی الوجہ سے کناہی ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۱۰۔ کہہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جو کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب نام خالصے [۱۶۳] اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ [۱۶۴]

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيُّمَا تَدْعُوا  
فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا

تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۱۰﴾

۱۱۱۔ اور کہہ سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار ذلت کے وقت پر اور اس کی برائی کر بڑا جان کر [۱۶۵]

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ  
لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وِلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا

كِبْرُهُ تَكْبِيرًا ﴿۱۱۱﴾

۱۶۳۔ اسم اللہ اور اسم رحمن: سجدہ و خشوع وغیرہ کی مناسبت سے یہاں دعاء (خدا کو پکارنے) کا، اور دعاء کی مناسبت سے اگلی آیت میں صلوة کا ذکر کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ناموں میں سے مشرکین عرب کے یہاں اسم "اللہ" کا استعمال زیادہ تھا۔ اسم "رحمن" سے چنداں مانوس نہ تھے۔ البتہ یہود کے یہاں اسم "رحمن" بکثرت مستعمل ہوتا تھا۔ عبرانی میں بھی یہ نام اسی طرح تھا جیسے عربی میں دوسری طرف مسلمانہ کذاب نے اپنا لقب "رحمان الیمانہ" رکھ چھوڑا تھا۔ غرض مشرکین حق تعالیٰ پر اسم "رحمان" اطلاق کرنے سے بدکتے اور وحشت کھاتے تھے۔ چنانچہ جب حضور ﷺ کی زبان سے "رحمان" سنتے تو کہتے کہ محمد ﷺ ہم کو تو دو خداؤں کے پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے سوا دوسرے خدا (رحمان) کو پکارتے ہیں۔ یہود کو یہ شکایت تھی کہ محمد ﷺ کے یہاں "رحمان" کا ذکر ایسی کثرت سے کیوں نہیں ہوتا جس طرح ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ دونوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔ کہ "اللہ" اور "رحمن" ایک ہی ذات منبع الکمالات کے دو نام ہیں۔ صفات و اسماء کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں ہوتا۔ جو یہ چیز توحید کے منافی سمجھی جائے۔ رہی یہ بات کہ کسی ایک نام کا ذکر کثرت سے کیوں نہیں

ہوتا تو سمجھ لو کہ اللہ کے جس قدر اسمائے حسنیٰ ہیں ان میں سے کوئی نام لے کر پکارو مقصود ایک ہی ہے۔ عنوانات و تعبیرات کے تنوع سے معنوں نہیں بدلتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر سخن وقتے دہر نکتہ مکانے وارد۔

عبارتِ شائستگی واحد      وکل الی ذاک الجمال بیشیر

۱۶۴۔ نمازوں کی قراءت میں اعتدال: یعنی جہری نماز میں (اور اسی طرح دعاء وغیرہ میں) بہت زیادہ چلانا بھی نہیں اور بالکل دبی آواز بھی نہیں، بیچ کی چال پسند ہے (موضح القرآن) احادیث میں ہے کہ مکہ میں جب قراءت زور سے کی جاتی تو مشرکین سن کر قرآن اور اس کے بھیجنے والے اور لانے والے کی شان میں بدزبانی کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے بہت آہستہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی نہ اس قدر زور سے پڑھو کہ مشرکین اپنی مجالس میں سنیں (تبیخ کا وقت مستثنیٰ ہے کیونکہ وہاں تو سنانا ہی مقصود ہے) اور نہ اتنا آہستہ کہ خود تمہارے ساتھی بھی سن کر مستفید نہ ہو سکیں۔ افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ اس سے قلب متاثر ہوتا ہے اور تشویش نہیں ہوتی۔

۱۶۵۔ توحیدِ خالص کا بیان: نماز کے بعد توحیدِ خالص کا ذکر فرما کر سورت کو ختم کیا۔ یعنی ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی ہر صفت و کمال میں یگانہ ہے اور ہر قسم کے عیب و قصور اور نقس و فتور سے بکلی منزہ ہے اس کی ذات میں کسی طرح کی کمزوری نہیں جس کی تلافی کے لئے دوسرے کی حاجت پڑے۔ دوسرے سے مدد لینے میں تین احتمال ہو سکتے تھے۔ چھوٹے سے مدد لے جائے۔ جیسے باپ اولاد سے لیتا ہے۔ یا مساوی سے جیسے ایک شریک کو دوسرے شریک سے مدد پہنچتی ہے، یا بڑے سے۔ جس طرح کمزور آدمی ذلت و مصیبت کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتے ہیں اس آیت میں تینوں کی نفی کر دی۔ گویا تَمَّ يَتَّخِذُ وَكَذًا میں پہلے احتمال کی تَمَّ يَكُنُّ لَكَ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ میں دوسرے کی اور تَمَّ يَكُنُّ لَكَ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا میں تیسرے کی نفی کرنے کے بعد كِبْرًا تَكْبِيرًا میں اس کی عظمت و کبریا کی طرف متوجہ فرمادیا، یعنی انسان کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے اور ہر طرح کی کمزوریوں سے رنج و برتر سمجھے۔ اور لطف یہ ہے کہ تَمَّ يَتَّخِذُ وَكَذًا میں نصاریٰ کا تَمَّ يَكُنُّ لَكَ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ میں مشرکین کا اور تَمَّ يَكُنُّ لَكَ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا میں ان یہود کا رد ہو گیا جن کے یہاں خدا تعالیٰ کشتی میں یعقوب کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکا۔ (العیاذ باللہ) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “کوئی مددگار نہیں ذلت کے وقت۔ یعنی اس پر کبھی ذلت ہی نہیں کہ مددگار چاہے۔ بادشاہوں کے ہاں امیر زبر پڑ جاتے ہیں اس لئے کہ برے وقت ان کی رفاقت کئے ہوتے ہیں۔ وہاں یہ قصہ ہی نہیں۔

تم سورة الاسراء بعون اللہ و حسن توفيقہ قللہ الحمد والمنہ۔ والصلوة والسلام علی صاحب الاسراء و علی آلہ و صحبہ

آیاتها ۱۱۰

۱۸ سُورَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۶۹

رکوعاتها ۱۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ سب تعریف اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندہ پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کچھ کمی [۱]

الْحَدُّ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۝

۲۔ ٹھیک اتاری تاکہ ڈر سنا دے ایک سخت آفت کا اللہ کی طرف سے [۲] اور خوشخبری دے ایمان لانے والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں کہ ان کے لئے اچھا بدلہ ہے

قَيِّمًا لِيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِمَّنْ لَدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۝

۳۔ جس میں رہا کریں ہمیشہ [۳]

مَا كَثِيرٌ فِيهِ آيَاتٌ ۝

۴۔ اور ڈر سنا دے انکو جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد [۴]

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝

۵۔ کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی اور نہ ان کے باپ دادوں کو کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں [۵]

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۝ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝

۶۔ سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر [۶]

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ ۝ إِنَّ لَّهُمْ

يَوْمَئِذٍ لِحَدِيثٍ أَسْفًا ۝

۷۔ ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تاکہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کرتا ہے کام [۷]

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ

أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

## وَأَنَّا لَجُعَلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ﴿۸﴾

۸۔ اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے میدان چھانٹ کر [۸]

۱۔ قرآن ہر کجی سے پاک ہے: یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہ ہی خدا ہو سکتا ہے جس نے اپنے مخصوص و مقرب ترین بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر سب سے اعلیٰ و اکمل کتاب اتاری اور اس طرح زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے مشرف و ممتاز فرمایا۔ بے شک اس کتاب میں کوئی ٹیر ہی تر چھی بات نہیں۔ عبارت انتہائی سلیس و فصیح، اسلوب بیان نہایت مؤثر و شگفتہ تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ کسی قسم کی افراط و تفریط کا اس میں نشانہ نہیں۔

۲۔ قرآن کفار کو ڈر سنانے کے لئے ہے: یعنی تکذیب کرنے والوں پر جو سخت آفت دینیا آخرت میں خداوند تبارک کی طرف سے آنے والی ہے اس سے یہ کتاب آگاہ کرتی ہے۔ (تنبیہ) قیماً کو بعض نے بمعنی ”منتقیم“ لے کر محض مضمون سابق کی تاکید قرار دی ہے۔ یعنی کتنا ہی غور کرو ایک بال برابر کجی نہیں پاؤ گے۔ مگر فراء نے اس لفظ کے معنی کئے ہیں قِيَمًا عَلٰی سَابِرِ الْكُتُبِ السَّبَاوِيَةِ یعنی تمام کتب سماویہ کی صحت و تصدیق پر مہر کرنے والی اور ان کی اصولی تعلیمات کو دنیا میں قائم رکھنے والی ”ابو مسلم نے کہا قِيَمًا بِصَالِحِ الْعِبَادِ بندوں کی تمام مصالح کی متکفل اور ان کی معاش و معاد کو درست کرنے والی ”بہر حال جو معنی بھی لئے جائیں اس کی صداقت میں شبہ نہیں۔

۳۔ بظاہر اس سے مراد آخرت کا بدلہ یعنی جنت ہے جہاں مومنین قانتین کو دائمی خوشی اور ابدی راحت ملے گی۔

۴۔ خدا کے لئے اولاد تجویز کرنے میں سب سے زیادہ مشہور اور پیش پیش تو نصاریٰ ہیں اور جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے ان ہی سے حاملین قرآن کو قیامت تک زیادہ سابقہ پڑنا ہے تاہم عموم الفاظ میں بعض فرق یہود جو عزیرؑ کو خدا کا بیٹا۔ یا بعض مشرکین جو ملائکہ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے وہ بھی داخل ہو گئے۔ گویا اس جگہ اولاد تجویز کرنے والے کافروں کو بالخصوص اور نصاریٰ کو انھیں کے طور پر متنبہ کیا گیا ہے۔

۵۔ کفار کا کذب: یعنی کوئی تحقیق اور علمی اصول ان کے ہاتھ میں نہیں نہ ان کے باپ دادوں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کی اندھی تقلید میں ایسی بھاری بات زبان سے نکال رہے ہیں۔ گویا خداوند تعالیٰ کی شان قدوسیت و سبوحیت کی ان لوگوں کو کچھ خبر نہیں جو اس کی جناب میں ایسی گستاخیاں کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ دلائل و براہین کی جگہ ان کے ذخیرہ میں یہ ہی باقی رہ گیا ہے کہ زبان سے ایک چھوٹی اور بدیہی البطلان بات کہتے جائیں اور جب ثبوت مانگو تو کہیں کہ یہ مذہب کا ایک راز ہے جس کے ادراک تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کی تسلی: یعنی اگر یہ کافر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں تو آپ ان کے غم میں اپنے کو بالکل گھلایئے نہیں۔ آپ تبلیغ و دعوت کافر ادا کر چکے اور کر رہے ہیں، کوئی نہ مانے تو آپ کو اس قدر دل میں گھٹنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ پچھتا نا مناسب ہے کہ ہم نے ایسی کوشش کیوں کی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ آپ تو بہر حال کامیاب ہیں۔ دعوت و تبلیغ اور شفقت و ہمدردی خلائق کے جو کام کرتے ہیں وہ آپ کے رفیع مراتب اور ترقی مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اشیاء اگر قبول نہ کریں تو ان ہی کا نقصان ہے۔

۷۔ احسن عملاً کون لوگ ہیں: یعنی اس کی رونق پر دوڑتا ہے یا اسے چھوڑ کر آخرت کو پکڑتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابن عمر نے سوال کیا یا رسول اللہ! احسن عملاً کون لوگ ہیں؟ فرمایا احسنکم عقلاً و اودعکم عن محارم اللہ و اسما عکم فی طاعتہ سبحانہ (جس کی سمجھ اچھی ہو، حرام سے زیادہ پرہیز کرے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف زیادہ جھپٹے)۔

۸۔ قیامت میں زمین چٹیل ہو جائے گی: یعنی ایک روز سب گھاس پھونس درخت وغیرہ چھانٹ کر زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔ جو لوگ اس کے بناؤ سنگار پر ربحہ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ زرق برق کوئی باقی رہنے والی چیز نہیں۔ دنیا کے زمینی سامان خواہ کتنے ہی جمع کر لو اور مادی ترقیات سے ساری زمین کو لالہ و گلزار بنا دو، جب تک آسمانی ہدایت اور روحانی دولت سے تہی دست رہو گے، حقیقی سرور و طمانیت اور

ابدی نجات و فلاح سے ہم آغوش نہیں ہو سکتے۔ آخری اور دائمی کامیابی صرف ان ہی کے لئے ہے جو مولائے حقیقی کی خوشنودی پر دنیا کی ہر ایک زائل و فانی خوشی کو قربان کر سکتے ہیں اور راہ حق کی جادہ پیمائی میں کسی صعوبت سے نہیں گھبراتے نہ دنیا کے بڑے بڑے طاقتور جباروں کی تحریف و ترہیب سے ان کا قدم ڈگمگاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا اور نبی کریم ﷺ کی تسلی بھی کر دی کہ آپ ان بد بختوں کے غم میں اپنے کو نہ گھلایئے۔ جس دنیا کی زندگی اور عیش و بہار پر مغرور ہو کر یہ حق کو ٹھکراتے ہیں وہ سب کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی جائے گی اور آخر کار سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہو گا۔ اس وقت سارے بھگڑے چکا دیے جائیں گے۔

۹۔ کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کھوہ کے رہنے والے ہماری قدرتوں میں عجب اچھنچھتے [۹]

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا

مِنَّا عَجَبًا ﴿٩﴾

۱۰۔ جب جا بیٹھے وہ جوان پہاڑ کی کھو میں پھر بولے اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے بخشش اور پوری کر دے ہمارے کام کی درستی

إِذْ أَوْى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾

۱۱۔ پھر تھپک دئے ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں چند برس گنتی کے [۱۰]

فَصَبَّرْنَاهُمَا عَلَىٰ إِذْنِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١١﴾

۱۲۔ پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے [۱۱]

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِئُوا أَمَدًا ﴿١٢﴾

۹۔ اصحاب کہف کا واقعہ اللہ کی قدرت کا معمولی نمونہ ہے: یعنی حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے لحاظ سے اصحاب کہف کا قصہ جو آگے مذکور ہے کوئی اچھنچا نہیں جسے حد سے زیادہ عجیب سمجھا جائے۔ زمین آسمان، چاند سورج وغیرہ کا پیدا کرنا، ان کا محکم نظام قائم رکھنا انسان ضعیف البنیان کو سب پر فضیلت دینا، انسانوں میں انبیاء کا بھیجنا، ان کی قلیل و بے سروسامان جماعتوں کو بڑے بڑے متکبرین کے مقابلہ میں کامیاب بنانا، خاتم الانبیاء اور رفیق غار حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دشمنوں کے زرعہ سے نکال کر ”غار ثور“ میں تین روز ٹھہرانا، کفار کا غار کے منہ تک تعاقب کرنا پھر ان کو بے نیل و مرام واپس لوٹانا، آخر گھر بار چھوڑنے والے مٹھی بھر بے سروسامانوں کو تمام جزیرۃ العرب بلکہ مشرق و مغرب میں اس قدر قلیل مدت کے اندر غالب و منصور کرنا، کیا یہ اور اس قسم کی بے شمار چیزیں ”اصحاب کہف“ کے قصہ سے کم عجیب ہیں؟ اصل یہ ہے کہ یہود نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ محمد ﷺ سے آزمائش کے لئے تین سوال کریں۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کا قصہ کیا تھا؟ اور ذوالقرنین کی سرگزشت کیا تھی؟ اصحاب کہف کے قصہ کو عجیب ہونے کی حیثیت سے انہوں نے خاص اہمیت دی تھی۔ اسی لئے اس آیت میں بتلایا گیا کہ وہ اتنا عجیب نہیں۔ جیسے تم سمجھے ہو، اس سے کہیں بڑھ کر عجیب و غریب نشانات قدرت موجود ہیں۔

اصحاب کہف کی جرأت و استقلال: آگے ”اصحاب کہف“ کا قصہ اول مجملاً پھر مفصلاً بیان فرمایا ہے کہتے ہیں کہ یہ چند نوجوان روم کے کسی ظالم و جبار بادشاہ کے عہد میں تھے، جس کا نام بعض نے ”دقیانوس“ بتلایا ہے۔ بادشاہ سخت غالی بت پرست تھا اور جبر و اکراہ سے بت پرستی کی اشاعت



کرتا تھا۔ عام لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چند روزہ دنیوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے لگے اس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا تعلق عمائد سلطنت سے تھا، خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے دل خشیت الہی اور نور تقویٰ سے بھر پور تھے۔ حق تعالیٰ نے صبر و استقلال اور توکل و تبتل کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ بادشاہ کے رو برو جا کر بھی انہوں نے لَنْ نَدْعُوْا مِنْ دُونِهَا لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطًا کافرہ مستانہ لگایا اور ایمانی جرات و استقلال کا مظاہرہ کر کے دیکھنے والوں کو مبہوت و حیرت زدہ کر دیا۔ بادشاہ کو کچھ ان کی نوجوانی پر رحم آیا اور کچھ دوسرے مشاغل و مصالح مانع ہوئے کہ انہیں فوراً قتل کر دے۔ چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور و نظر ثانی کر لیں۔ انہوں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جبکہ جبر و تشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا بہر حال خطرہ ہے مناسب ہو گا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں (اور واپسی کے لئے مناسب موقع کا انتظار کریں) دعا کی کہ خداوند! تو اپنی خصوصی رحمت سے ہمارا کام بنادے اور رشد و ہدایت کی جادہ پیائی میں ہمارا سب انتظام درست کر دے۔ آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر میں جایا کرے تا ضروریات خرید کر لاسکے اور شہر کے احوال و اخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے جو شخص اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری تلاش ہے اور ہمارے اقارب و اعزہ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں۔ یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے ان سب پر دفعۃً نیند طاری کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا۔ تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ میں ڈال دیے گئے تاکہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقہ سے لاپتہ ہو گئی ہے۔ ممکن ہے آگے چل کر اس کا کچھ سراغ نکلے۔ اور بعض عجیب واقعات کا انکشاف ہو۔

اصحاب کہف کون تھے: یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا کہ نصرانی یعنی اصل دین مسیحی کے پیرو تھے۔ لیکن ابن کثیر نے قرائن سے اس کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ حضرت مسیحؑ سے پہلے کا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) ”رقیم“ پہاڑ کی کھوہ کو کہتے ہیں اور بمعنی ”مرفوم“ بھی آتا ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ مسند عبد بن حمید کی ایک روایت میں جسے حافظ نے علی شرط البخاری کہا ہے، ابن عباس سے ”رقیم“ کے دوسرے معنی منقول ہیں یعنی ”اصحاب کہف“ اور ”اصحاب رقیم“ ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔ غار میں رہنے کے وجہ سے ”اصحاب کہف“ کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام و صفت وغیرہ کی تختی لکھ کر رکھ دی گئی تھی۔ اس لئے ”اصحاب رقیم“ کہلائے۔

اصحاب رقیم اور اصحاب کہف: مگر مترجم نے پہلے معنی لئے ہیں اور بہر صورت ”اصحاب کہف“ و ”اصحاب رقیم“ کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ”اصحاب رقیم“ کا قصہ قرآن میں مذکور نہیں ہوا، محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا حوالہ دے دیا گیا۔ اور فی الحقیقت اصحاب رقیم (کھوہ والے) وہ تین شخص ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہوئے تھے، اوپر سے ایک بڑا پتھر آ پڑا، جس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ اس وقت ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنی عمر کے مقبول ترین عمل کا حوالہ دے کر حق تعالیٰ سے فریاد کی اور بتدریج غار کا منہ کھل گیا۔ امام بخاری نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ان تین شخصوں کا قصہ مفصل درج کر کے شاید اسی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ”اصحاب رقیم“ یہ لوگ ہیں طبرانی اور بزاز نے باسناد حسن نعمان بن بشیر سے مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ ”رقیم“ کا ذکر فرماتے تھے اور یہ قصہ تین شخصوں کا بیان کیا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ اصحاب کہف کا واقعہ اللہ کی قدرت کا معمولی نمونہ ہے: یعنی ایسی تھپکی دی کہ برسوں غار میں پڑے سوتے رہے ادھر ادھر کی کوئی خبر ان کے کانوں میں نہیں پڑتی تھی۔

۱۱۔ اصحاب کہف کی نیند کی مدت: ساہا سال کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو جگا دیا۔ تا ظاہر ہو جائے کہ اختلاف کرنے والوں نے میں سے کس نے

ان کی مدت نوم کا زیادہ صحیح اندازہ رکھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی نوم طویل کے بعد جب بیدار ہوئے تو قدرتی طور پر خود سونے والوں میں اور دوسرے دیکھنے والوں میں بھی اختلاف اور چہ میگوئیاں ہوں گی کوئی کم مدت بتلائے گا کوئی زیادہ۔ کوئی اقرار کرے گا۔ کوئی مستعد سمجھ کر انکار کر دے گا۔ تو انہیں جگا کر یہ دیکھنا تھا کہ کونسی جماعت ٹھیک حقیقت پر پہنچتی ہے اور اس حقیقت پر پہنچ کر ”بعث بعد الموت“ کا عقدہ حل کرتی ہے جس میں اس وقت کے لوگ بھگڑ رہے تھے۔

۱۳۔ ہم سنا دیں تجھ کو ان کا حال تحقیقی وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے انکو سوچھ [۱۳]

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ

أَمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اور گرہ دی ان کے دل پر [۱۴] جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان اور زمین کا نہ پکاریں گے ہم اس کے سوائے کسی کو معبود نہیں تو کہی ہم نے بات عقل سے دور [۱۴]

وَرَبُّنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا

لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

۱۵۔ یہ ہماری قوم ہے ٹھہرا لئے انہوں نے اللہ کے سوائے اور معبود کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی سند کھلی پھر اس سے بڑا گنہگار کون جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ [۱۵]

هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَوْ لَا

يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ۖ فَمِنْ أَظْلَمٍ مِّن

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾

۱۶۔ اور جب تم نے کنارہ کر لیا ان سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے تو اب جا بیٹھو اس کھوہ میں پھیلا دے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی رحمت سے اور بنا دیوے تمہارے واسطے تمہارے کام میں آرام [۱۶]

وَإِذْ اعْتَرَزْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوَّا إِلَىٰ

الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَهَيِّئْ لَكُمْ

مِّنْ أَمْرِكُمْ مَّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

۱۲۔ یعنی ایمان سے زیادہ درجہ دیا اولیاء کا۔

۱۳۔ یعنی مضبوط و ثابت قدم رکھا کہ اپنی بات صاف کہدی۔

۱۴۔ یعنی جب ”رب“ وہ ہی ہے تو معبود کسی اور کو ٹھہرانا حماقت ہے۔ ”ربوبیت“ و ”الوہیت“ دونوں اسی کے لئے مخصوص ہیں۔

۱۵۔ جیسے موحدین توحید پر صاف صاف دلیلیں پیش کرتے ہیں، اگر مشرکین اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔

لائیں کہاں سے؟ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہو گا کہ خدا کے شریک ٹھہرائے جائیں۔

۱۶۔ اصحاب کہف کا توکل اور اس کا انعام: یعنی جب مشرکین کے دین سے ہم علیحدہ ہیں تو ظاہری طور پر بھی ان سے علیحدہ رہنا چاہئے اور جب ان کے باطل معبودوں سے کنارہ کیا تو ہر طرف سے ٹوٹ کر تنہا اپنے معبود کی طرف جھکنا اور اسی سے رحمت و تملطف کا امیدوار رہنا چاہئے۔ آپس میں یہ مشورہ کر کے پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھے۔

۷۔ اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ کر جاتی ہے ان کی کھوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے کتر جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں اس کے یہ ہے اللہ کی قدرتوں سے [۱۴] جسکو راہ دیوے اللہ وہی آئے راہ پر اور جس کو وہ بچلائے پھر تو نہ پائے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا [۱۸]

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ  
ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ  
الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ  
مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ  
تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

۱۸۔ اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں اور وہ سو رہے ہیں اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم انکو داہنے اور بائیں اور کتنا ان کا پاس رہا ہے اپنی بائیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں انکی دہشت [۱۹]

وَتَحْسَبُهُمْ آيِقَاطًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ  
الْيَمِينِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۚ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ  
ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ  
مِنْهُمْ فِرَارًا وَكَلْبُتَّ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

۱۷۔ غار کی کیفیت: یعنی خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ایسے ٹھکانے کی طرف رہنمائی کی جہاں مامون و مطمئن ہو کر آرام کرتے رہیں نہ جگہ کی تنگی سے جی گٹھے، نہ کسی وقت دھوپ ستائے۔ غار اندر سے کشادہ اور ہوادار تھا اور جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا شمال رویہ ہونے کی وجہ سے ایسی وضع وہیأت پر واقع تھا جس میں دھوپ بقدر ضرورت پہنچتی اور بدون ایذا دیے نکل جاتی تھی۔

۱۸۔ غار کی کیفیت: یعنی ظاہری باطنی رہنمائی سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ دیکھ لو جب دنیا پچل رہی تھی کس طرح اصحاب کہف کو راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھا اور ظاہری طور پر بھی کیسے عجیب غار کی راہ بتلائی۔

۱۹۔ اصحاب کہف کی نیند اور انکی ظاہری حالت: کہتے ہیں سوتے میں ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں اور اس قدر طویل نیند کا اثر ان کے ابدان پر ظاہر نہیں ہوا اس سے کوئی دیکھے تو سمجھے جاگتے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان لوگوں میں شان بیت و جلال اور اس مکان میں دہشت رکھی تا لوگ تماشہ نہ بنائیں کہ وہ بے آرام ہوں۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا۔ اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ کتا

رکھنا برا ہے لیکن لاکھ بروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ ولله السعدی الشیرازی۔

پس نوح بابتوں بنشت

خاندان بنو تاش گم شد

سگ اصحاب کھف روزے چند

پچے نیکان گرفت مردم شد

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ط قَالَ

قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ط قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ

بَعْضَ يَوْمٍ ط قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ط

فَابْعَثُوا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ

فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٦﴾

۱۹۔ اور اسی طرح ان کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں پوچھنے لگے ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ہم ٹھہرے ایک دن یا دن سے کم بولے تمہارا رب ہی خوب جانے جتنی دیر تم رہے ہو اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا اس شہر میں پھر دیکھے کونسا کھانا ستھرا ہے سولائے تمہارے پاس اس میں سے کھانا اور نرمی سے جائے اور جتنا دے تمہاری خبر کسی کو

۲۰۔ وہ لوگ اگر خبر پالیں تمہاری پتھروں سے مار ڈالیں تم کو یا لوٹالیں تم کو اپنے دین میں اور تب تو بھلا نہ ہو گا تمہارا کبھی [۲۰]

إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُئُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ

فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذَا أَبَدًا ﴿٢٠﴾

۲۰۔ اصحاب کھف کا جاگنا اور گفتگو: جس طرح اپنی قدرت سے اتنی لمبی نیند سلا یا تھا، اسی طرح بروقت جگا دیا۔ اٹھے تو آپس میں مذاکرہ کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے؟ بعض نے کہا "ایک آدھ دن" یعنی بہت کم۔ دوسرے بولے کہ (اس بے فائدہ بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟) یہ تو خدا ہی کے علم میں ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے۔ اب تم اپنا کام کرو۔ ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو کہ وہ کسی دکان سے حلال اور ستھرا کھانا دیکھ کر خرید لائے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے نہایت ہشیاری سے جانا آنا اور نرمی و تدبیر سے معاملہ کرنا چاہئے کہ کسی شہر والے کو ہمارا پتہ نہ لگے، ورنہ بڑی سخت خرابی ہوگی۔ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو ہم کو یا سنگسار کیا جائے گا یا بھرا کر راہ دین حق سے ہٹایا جائے گا۔ العیاذ باللہ! ایسا ہوا تو جو اعلیٰ کامیابی و فلاح ہم چاہتے ہیں، وہ کبھی حاصل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ دین حق سے پھر جانا گویا بھرا کر راہ دین حق سے ہٹایا جائے۔ مومنین کا کام نہیں ہو سکتا (تنبیہ) میرے نزدیک یَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ محض تقلیل مدت سے کنایہ ہے۔ نیند سے اٹھ کر اتنی طویل مدت بھی ان کو قلیل محسوس ہوئی۔ سچ ہے "مردہ اور سوتا برابر ہے"۔ یَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ کا حرف "او" کے ساتھ استعمال ایسا سمجھو جیسے سورہ مومنون میں ہے كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ۔ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِّ الْعَادِيْنَ (مومنون- ۱۱۳، ۱۱۲)۔

وَكَذَلِكَ أَعَثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ

لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں دھوکہ نہیں جب جھگڑ رہے تھے آپس میں اپنی بات پر [۲۱] پھر کہنے لگے بناؤ ان پر ایک عمارت انکارب خوب جانتا ہے ان کا حال بولے وہ لوگ جن کا کام غالب تھا ہم بنائیں گے ان کی جگہ پر عبادت خانہ [۲۲]

حَقُّ وَاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا اِذْ يَتَنَازَعُونَ  
بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْنُمْ بِنِيَانًا  
رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ط قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلٰى اَمْرِهِمْ

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿٢١﴾

۲۱۔ اہل شہر کو اصحاب کہف کا علم ہونا: ایک ان میں سے روپیہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ وہاں سب چیز اوپری دیکھی۔ اس مدت میں کئی قرن بدل چکے تھے۔ شہر کے لوگ اس روپیہ کا سکہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کس بادشاہ کا نام ہے اور کس عہد کا ہے۔ سمجھے کہ اس شخص نے کہیں سے پرانا گڑا ہوا مال پالیا ہے۔ شدہ شدہ معاملہ بادشاہ تک پہنچا۔ اس نے وہ اپنی پرانی تختی طلب کی جس پر چند نام اور پتے لکھے تھے کہ یہ لوگ دفعۃً نامعلوم طریقہ سے فلاں سنہ میں غائب ہو گئے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ یہ وہی مفقود الخیر جماعت ہے۔ اس وقت شہر میں ”بعث بعد الموت“ کے متعلق بڑا جھگڑا ہو رہا تھا کوئی کہتا تھا کہ مرنے کے بعد جینا نہیں کوئی کہتا تھا کہ محض روحانی سے بعث ہے جسمانی نہیں۔ کوئی معاد روحانی و جسمانی دونوں کا قائل تھا۔ بادشاہ وقت حق پرست اور منصف تھا، چاہتا تھا کہ ایک طرف کی کوئی ایسی نظیر ہاتھ لگے جس سے سمجھانے میں آسانی رہے اور استبعاد عقلی کم ہو۔

اس واقع سے آخرت پر استدلال: اللہ تعالیٰ نے یہ نظیر بھیج دی۔ آخر منکرین آخرت بھی یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھنے سننے کے بعد آخرت پر یقین لائے۔ یہ نظارہ خاص طور پر ان کی طبائع پر اثر انداز ہوا سمجھے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے۔ کہ یہ قصہ بھی دوسری بار جینے سے کم نہیں (تنبیہ) بعض نے اِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ کا مطلب یہ لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اصحاب کہف کے حال سے لوگوں کو اس وقت آگاہ کیا جبکہ اصحاب کہف کے متعلق چرچے اور جھگڑے ہو رہے تھے کہ وہ چند نوجوان جنہیں مدت دراز سے سنتے آتے ہیں کہ ایک بیک غائب ہو گئے تھے پھر کچھ پتہ نہ چلا کہاں گئے ہوں گے؟ کہاں ان کی نسل پھیلی ہو گی؟ اب تک زندہ تو کیا ہوتے۔ سب مر گل کر برابر ہو گئے ہوں گے؟ اس مسئلہ میں کوئی کچھ کہتا تھا۔ دوسرا کچھ خیال ظاہر کرتا تھا کہ دفعۃً حق تعالیٰ نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا۔ اور سب اختلافات ختم کر دیے۔

۲۲۔ غار کی جگہ یاد گار کی تعمیر: یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے؟ انتقال ہوا تو کب ہوا، زندہ رہے تو کب تک رہے یا کب تک رہیں گے۔ بہر حال اہل شہر نے ان کے عجیب و غریب احوال پر مطلع ہو کر فرط عقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یاد گار تعمیر کر دیں جس سے زائرین کو سہولت ہو۔ اس میں اختلاف رائے ہو اہو گا کہ کس قسم کا مکان بنایا جائے۔ اس اختلاف کی تفصیل تو خدا ہی کو معلوم ہیں اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ یہ تجویز ان کی موت کے بعد ہوئی یا اس سے قبل دوبارہ نیند طاری ہونے کی حالت میں۔ اور لوگوں کو غار تک پہنچ کر ان کی ملاقات میسر ہو سکی یا نہیں۔ تاہم جو بار سوخ اور ذی اقتدار لوگ تھے انکی رائے یہ قرار پائی کہ غار کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دی جائے اصحاب کہف کی نسبت بجز اس کے کہ پکے موحد اور متقی تھے، یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کس نبی کی شریعت کے پیرو تھے۔ لیکن جن لوگوں نے معتقد ہو کر وہاں مکان بنایا وہ نصاریٰ تھے۔ ابو حیان نے ”بجر محیط“ میں اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے لئے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ من شاء فلیراجع۔

۲۲۔ اب یہی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا بدون نشانی دیکھے پتھر چلانا [۲۳] اور یہ بھی کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھوں انکا کتا تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے ان کی گنتی ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ سومت بھگڑان کی بات میں مگر سرسری بھگڑا اور مت تحقیق کر ان کا حال ان میں کسی سے [۲۴]

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةً رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةً  
سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجَبًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةً  
وَأَثَمِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۗ قُلْ رَبِّيَ ۙ أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ مَّا  
يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تَبَارَفِيهِمْ إِلَّا مِرَآءَ  
ظَاهِرًا ۗ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۗ

۲۳۔ اصحاب کہف کی تعداد: یعنی سامعین، اصحاب کہف ”کا قصہ سن کر جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے، اٹکل کے تیر چلائیں گے، کوئی کہے گا کہ وہ تین تھے چوتھا کتا تھا، کوئی پانچ بتلا کر چھٹا کتے کو شمار کرے گا۔ لیکن یہ سب اقوال ایسے ہیں جیسے کوئی بے نشانہ دیکھے پتھر چلاتا رہے۔ ممکن ہے مختلف باتیں کہنے سے جہل کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان کرنا بھی مقصود ہو کہ دیکھیں یہ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ احتمال ہے کہ یہود نے ان کو صحیح تعداد سات کی بتلائی ہو جسکی طرف آگے قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

۲۴۔ اصحاب کی تعداد کے بارے میں ابن عباسؓ کی روایت: یعنی اس قسم کی غیر معتد بہ باتوں میں زیادہ بھگڑنا لا حاصل ہے۔ عدد کے معلوم ہونے سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں۔ جتنی بات خدا نے بتلا دی اس سے زیادہ تحقیق کے درپے ہونا یا جس قدر ترید خدا تعالیٰ کر چکا اس سے زیادہ بھگڑنا اور ترید کرنا فضول ہے۔ ابن عباس نے فرمایا میں ان قلیل لوگوں میں سے ہوں (جنہوں نے سیاق قرآنی سے معلوم کر لیا کہ) اصحاب کہف سات ہی تھے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے پہلے دو قول کو ”رَجَبًا بِالْغَيْبِ“ فرمایا، تیسرے قول کے ساتھ نہیں فرمایا اس کے علاوہ اسلوب بیان بھی بدلا ہوا ہے پہلے دونوں جملوں میں ”وَإِذْ عَطَفْنَا“ نہ تھا، تیسرے میں ”وَأَثَمِنُهُمْ كَلْبُهُمْ“ عطف کے ساتھ لانے سے گویا اس پر زور دینا ہے کہ اس قول کا قائل پوری بصیرت و وثوق کے ساتھ واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے۔ بعض نے اس کی تائید میں یہ بھی کہا ہے کہ پہلے قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ كُنْتُمْ سے ایک قائل کا ہونا، اور قَائِلٌ آيْتُنَا بِمَا نَرَى سے اس کے سوا کم از کم تین قائلین کا پھر دوسرے قَائِلٌ آيْتُنَا بِمَا نَرَى سے ان کے علاوہ تین اور قائلین کا ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح کم از کم سات آدمی ہونے چاہئیں۔ کتا ان کے علاوہ رہا۔

۲۳۔ اور نہ کہنا کسی کام کو کہ میں یہ کروں گا کل کو

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ عِزِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا ۗ

۲۴۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کر لے اپنے رب کو جب بھول جائے اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو دکھلائے اس سے زیادہ نزدیک راہ نیکی کی [۲۵]

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ وَادْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ  
عَسَى أَنْ يَهْدِيَنِّي رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَذَا رَشَدًا ۗ

۲۵۔ اور مدت گزری ان پر اپنی کھوہ میں تین سو برس اور

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا

تَسْعًا ۲۵

قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۚ لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَ  
الْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۖ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ  
مِنْ وَلِيٍّ ۚ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۚ ۲۶

۲۶۔ تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت ان پر گزری اسی کی پاس ہیں چھپے بھید آسمان اور زمین کے کیا عجیب دیکھتا اور سنتا ہے [۲۶] کوئی نہیں بندوں پر اس کے سوائے مختار اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو [۲۸]

۲۵۔ اس واقعہ کا نزول اور کلمہ ان شاء اللہ کی اہمیت: اصحاب کہف کا قصہ تاریخی کتابوں میں نادرات میں لکھا تھا۔ ہر کسی کو کہاں خبر ہو سکتی، مشرکین نے یہود کے سکھانے سے حضرت سے پوچھا۔ مقصود آپ کی آزمائش تھی، حضرت نے وعدہ کیا کہ کل بتادوں گا اس بھروسہ پر کہ جبریل آئیں گے تو دریافت کر دوں گا۔ جبریل پندرہ دن تک نہ آئے۔ حضرت نہایت غمگین ہوئے، مشرکین نے ہنسنا شروع کیا۔ آخر یہ قصہ لے کر آئے اور پیچھے نصیحت کی کہ آئندہ کی بات کے متعلق بغیر ”انشاء اللہ“ کے وعدہ نہ کرنا چاہیے۔ اگر ایک وقت بھول جائے تو پھر یاد کر کے کہہ لے۔ اور فرمایا کہ امید رکھ کہ تیرا درجہ اللہ اس سے زیادہ کرے یعنی کبھی نہ بھولے (موضح القرآن) یا اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ عجیب طور پر آپ کی حفاظت فرمائے اور کامیاب کرے جیسا کہ غار ثور کے قصہ میں ہوا۔ یا واقعہ کہف سے زیادہ عجیب واقعات و شواہد آپ کی زبان سے بیان کرائے۔

۲۶۔ نیند کی مدت: یعنی شمسی حساب سے پورے تین سو سال کھوہ میں سوتے رہے اور قمری حساب سے نو سال زیادہ ہوئے (مہینوں اور دنوں کی کسور محسوب نہیں کی گئیں) یا تین سو سال کے بعد ممکن ہے قدرے نیند سے چونکے ہوں پھر سو گئے اور نو سال تک سوتے رہے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ تین سو نو سال جاگنے کے بعد سے عہد نبوی ﷺ تک کی مدت بیان فرمائی۔ یعنی لوگوں سے مل ملا کر پھر سو رہے جس کو آپ کے زمانہ تک اتنا عرصہ گذرا۔ واللہ اعلم۔ (لطیفہ) ہمارے زمانہ میں صوبہ زیتوان میں ایک شخص دو سو باون سال کی عمر رکھتا ہے۔ چوبیسویں شادی ابھی حال میں کی ہے۔

۲۷۔ اللہ کا علم و قدرت: جتنی مدت سو کر وہ جاگے تھے، تاریخ والے کئی طرح بتاتے تھے۔ سب سے ٹھیک وہ ہی ہے جو اللہ بتائے آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ راز اسی کے علم میں ہیں۔ کوئی چیز اس کی آنکھ سے او جھل نہیں۔

۲۸۔ یعنی جس طرح اس کا علم محیط ہے، اس کی قدرت و اختیار بھی سب پر حاوی ہے۔ جیسے غیوب سموات و ارض کے علم میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اختیارات قدرت میں بھی کوئی سہیم و شریک نہیں ہو سکتا۔

وَأْتِلْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۗ  
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۗ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ  
مُلْتَحَدًا ۚ ۲۹

۲۷۔ اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے کوئی بدلنے والا نہیں اسکی باتیں اور کہیں نہ پائے گا تو اس کے سوائے چھپنے کو جگہ [۲۹]

مُلْتَحَدًا ۚ ۲۹

۲۸۔ اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اسکے منہ کے [۳۰]  
اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں انکو چھوڑ کر تلاش میں رونق  
زندگانی دنیا کی [۳۱] اور نہ کہان اس کا جس کا دل غافل کیا  
ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور  
اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا [۳۲]

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ  
بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ  
عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الدُّنْيَا  
وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا  
وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطًا ﴿٢٨﴾

۲۹۔ اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر  
جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے [۳۳] ہم نے تیار  
کر رکھی ہے گنہگاروں کے واسطے آگ کہ گھیر رہی ہیں انکو  
اسکی قاتل [۳۴] اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے  
پیپ بھون ڈالے منہ کو کیا بر اپینا ہے اور کیا برا آرام [۳۵]

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَم فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ  
وَمَن شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۗ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ  
نَارًا ۖ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۖ وَإِن يَسْتَغِيثُوا  
يُغَاثُوا بِبَآءِ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۖ بِئْسَ  
الشَّرَابُ ۖ وَسَاءَتْ مَرْتَفَعًا ﴿٢٩﴾

۳۰۔ بیشک جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں  
کھوتے بدلہ اس کا جس نے بھلا کیا کام [۳۶]

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ  
أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾

۳۱۔ ایسوں کے واسطے باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں  
ان کے نیچے نہریں پہنائے جائیں گے ان کو وہاں کنگن  
سونے کے [۳۷] اور پہنیں گے کپڑے سبز باریک اور  
گاڑھے ریشم کے [۳۸] تکیہ لگائے ہوئے ان میں تختوں پر  
کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب آرام [۳۹]

أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّاتٌ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ  
وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّن سُندُسٍ  
وَإِسْتَبْرَقٍ ۖ وَتُتَوَكَّبُونَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ  
نِعْمَ الثَّوَابُ ۖ ﴿٣١﴾



## حَسَنَتْ مُرْتَفَقًا

۲۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت وحی کا حکم: پہلے ”اصحاب کہف کے قصہ پر فرمایا تھا فَلَا تُبَارِكُ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا مطلب یہ ہے کہ بیکار چیزوں میں زیادہ الجھنے اور کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہئے۔ یعنی جو جامع و مانع اور کافی و شافی کتاب تیرے رب نے مرحمت فرمائی۔ اسے پڑھ کر سناتے رہئے۔ خدا نے جو باتیں اس میں سنائیں اور جو وعدے کئے کوئی طاقت نہیں جو انہیں بدل یا نال سکے یا غلط ثابت کر سکے۔ اگر کوئی ان باتوں کو بدلنے کے درپے ہو گیا اس کتاب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے مجرم کے لئے کہیں پناہ نہیں۔ ہاں وفاداروں کو پناہ دینے کے لئے اس کی رحمت وسیع ہے۔ دیکھ لو ”اصحاب کہف“ کو جو خدا کی باتوں پر جے رہے، کیسی اچھی جگہ اپنے فضل سے عنایت فرمائی۔

۳۰۔ بعض صحابہ کی مدح اور فضیلت: یعنی اس کے دیدار اور خوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ دائم عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مثلاً ذکر کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نمازوں پر مداومت رکھتے ہیں۔ حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں خالق و مخلوق دونوں کے حقوق پہچانتے ہیں، گودنیوی حیثیت سے معزز اور مالدار نہیں۔ جیسے صحابہ میں اس وقت عمار، صہیب، بلال، ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایسے مومنین مخلصین کو اپنی صحبت و مجالست سے مستفید کرتے رہئے۔ اور کسی کے کہنے سننے پر ان کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے۔

۳۱۔ سرداران کفار کی مذمت: یعنی ان غریب شکستہ حال مخلصین کو چھوڑ کر موٹے موٹے متکبر دنیا داروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھائیے کہ ان کے مسلمان ہو جانے سے دین اسلام کو بڑی رونق ہوگی۔ اسلام کی اصلی عزت و رونق مادی خوشحالی اور چاندی سونے کے سکوں سے نہیں۔ مضبوط ایمان و تقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہے۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح ڈھلنے والی ہے، حقیقی دولت تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ہے جسے نہ شکست ہے نہ زوال، چنانچہ اصحاب کہف کے واقعہ میں خدا کو یاد کرنے والوں اور دنیا کے طالبوں کا انجام معلوم ہو چکا۔

۳۲۔ یعنی جن کے دل دنیا کے نشہ میں مست ہو کر خدا کی یاد سے غافل اور ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں، خدا کی اطاعت میں بیٹھے اور ہوا پرستی میں آگے رہنا ان کا شیوہ، ایسے بد مست غافلوں کی بات پر آپ کان نہ دھریں خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولت مند اور جاہ و ثروت والے ہوں۔ روایات میں ہے کہ بعض صنائد قریش نے آپ سے کہا کہ ان رذیلوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے تاکہ سردار آپ کے پاس بیٹھ سکیں رذیل کہا غریب مسلمانوں کو اور سردار دولت مند کافروں کو۔ ممکن ہے آپ کے قلب مبارک میں خیال گزرا ہو کہ ان غرباء کو تھوڑی دیر علیحدہ کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ وہ تو بچے مسلمان ہیں مصلحت پر نظر کر کے رنجیدہ نہ ہوں گے اور یہ دولت مند اس صورت میں اسلام قبول کر لیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ آپ ہر گز ان متکبرین کا کہنا نہ مانئے کیونکہ یہ بیہودہ فرمائش ہی ظاہر کرتی ہے کہ ان میں حقیقی ایمان کا رنگ قبول کرنے کی استعداد نہیں۔ پھر محض موبہوم فائدہ کی خاطر مخلصین کا احترام کیوں نظر انداز کیا جائے نیز امیروں اور غریبوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے سے احتمال ہے کہ عام لوگوں کے قلوب میں پیغمبر کی طرف سے معاذ اللہ نفرت اور بدگمانی پیدا ہو جائے جس کا ضرر اس ضرر سے کہیں زیادہ ہو گا جو ان چند متکبرین کے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں تصور کیا جاسکتا ہے۔

۳۳۔ حق ظاہر ہو چکا: یعنی خدا کی طرف سے سچی باتیں سنادی گئیں، کسی کے ماننے کی اسے کچھ پروا نہیں جو کچھ نفع نقصان ہو گا صرف تمہارا ہو گا۔ ماننے اور نہ ماننے والے دونوں اپنا اپنا انجام سوچ لیں جو آگے بیان کیا جاتا ہے دنیا کہ چہل پہل محض بیچ اور فانی ہے۔ اس کا لطف جب ہی ہے کہ فلاح آخرت کا ذریعہ بنے۔ وہاں محض دنیا کا تمول کام نہ دے گا۔ بلکہ جو یہاں شکستہ حال تھے بہت سے وہاں عیش و آرام میں ہوں گے۔

۳۴۔ وہ قاتیں بھی آگ کی ہوں گی۔

۳۵۔ دوزخ کا پانی: یعنی گرمی کی شدت سے پیاس لگے گی تو لعش پکاریں گے۔ تب تیل کی تلچھٹ یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا۔ جو سخت حرارت اور تیزی کی وجہ سے منہ بھون ڈالے گا۔

۳۶۔ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی گم نہ ہوگی۔ پورا بدلہ دیا جائے گا۔

۳۷۔ اہل جنت کی نعمتیں: تاکہ دکھلا دیا جائے کہ اصلی اور دائمی دولت مند کون لوگ ہیں۔ کنگن یا ریشمی کپڑوں اور اسی طرح جنت کی تمام نعمتوں کی خاص کیفیت کو ہم دنیا میں نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ہماری محسوسات میں اس موطن کی کوئی پوری مثال موجود نہیں۔

۳۸۔ شاید ابراہامیک ریشم کا اور استر دیزر ریشم کا ہو۔ کما-لفہم من قوله تعالیٰ بَطَّأْنَهُمَا مِنْ اسْتَبْرَقٍ (رحمن- ۵۴) یادوںوں قسمیں الگ الگ استعمال کی جائیں۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے۔ حضرت نے فرمایا سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کا ملنا ہے بہشت میں۔ جو کوئی یہاں یہ چیزیں پہنے وہاں نہ پہنے گا۔

۳۹۔ یعنی مسہریوں پر تکیہ مسند لگائے نہایت عزت و آرام سے بیٹھے ہوں گے۔

۳۲۔ اور بتلا انکو مثل دو مردوں کی [۳۰] کر دیے ہم نے ان میں سے ایک کے لئے دو باغ انگور کے اور گردان کے کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی [۳۱]

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَ حَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَ

جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ﴿٣٢﴾

۳۳۔ دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہیں گھٹاتے اس میں سے کچھ [۳۲] اور بہادی ہم نے ان دونوں کے بیچ نہر [۳۳]

كُلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْهُمَا أَكْلَهَا وَ لَمْ تَظْلِمِ مِنْهُ شَيْئًا

وَ فَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا ﴿٣٣﴾

۳۴۔ اور ملا اسکو پھل [۳۴] پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اس سے میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ [۳۵]

وَ كَانَ لَهُ شَرٌّ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَ هُوَ يَحَاوِرُهُ أَنَا

أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَ أَعَزُّ نَفْرًا ﴿٣٤﴾

۳۵۔ اور گیا اپنے باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر [۳۶] بولا نہیں آتا مجھ کو خیال کہ خراب ہووے یہ باغ کبھی

وَ دَخَلَ جَنَّتَهُ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ

أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ﴿٣٥﴾

۳۶۔ اور نہیں خیال کرتا ہوں کہ قیامت ہونے والی ہے

وَ مَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَ لَئِنْ رُودْتُ إِلَىٰ رَبِّي

اور اگر کبھی پہنایا گیا میں اپنے رب کے پاس پاؤں گا بہتر  
اس سے وہاں پہنچ کر [۴۷]

۳۷۔ کہا اس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا کیا تو منکر  
ہو گیا اس سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر قطرہ سے  
پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد

۳۸۔ پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے میرا رب اور  
نہیں مانتا شریک اپنے رب کا کسی کو [۴۸]

۳۹۔ اور جب تو آتا تھا اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے جو  
چاہے اللہ سو ہو طاقت نہیں مگر جو دے اللہ [۴۹] اگر تو  
دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں

۴۰۔ تو امید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے  
بہتر [۵۰] اور بھیج دے اس پر لو کا ایک جھونکا آسمان سے  
پھر صبح کو رہ جائے میدان صاف

۴۱۔ یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک پھر نہ لاسکے تو اس کو  
ڈھونڈھ کر [۵۱]

۴۲۔ اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ  
نچاتا [۵۲] اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ گرا پڑا تھا اپنی  
چھتریوں پر [۵۳] اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا اگر میں شریک  
نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو [۵۴]

لَا جِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي  
خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّكَ

رَجُلًا ﴿٣٧﴾

لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿٣٨﴾

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا  
قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِنَّ تَرَنِّاْنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَ

وَلَدًا ﴿٣٩﴾

فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُّؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ  
عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا

زَلَقًا ﴿٤٠﴾

أَوْ يُصْبِحَ مَأْوَاهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ

طَلَبًا ﴿٤١﴾

وَ أُحِيطَ بِشَرِّهِ ۚ فَاصْبِرْ يُّقَلِّبُ كَفَيْهِ عَلَىٰ مَا  
أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ

يَلِيَّتَنِي لِمَ أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿٤٢﴾

۴۳۔ اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کی اللہ کے سوائے اور نہ ہو اوہ کہ خود بدلہ لے سکے [۵۵]

وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا

كَانَ مُنْتَصِرًا ۝۳۳

۴۴۔ یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا اسی کا انعام بہتر ہے اور اچھا ہے اسی کا دیا ہوا بدلہ [۵۶]

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۝ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ

عُقْبًا ۝۳۴

۴۰۔ دو شخصوں کی مثال: یہ کافر غنی اور مومن فقیر کی مثال بیان فرمائی، جس کے ضمن میں دنیا کی بے ثباتی، کفر و تکبر کی بد انجامی اور ایمان و تقویٰ کی مقبولیت پر متنبہ کرنا ہے۔ یہ دو شخص جن کی مثال بیان ہوئی واقعی موجود تھے؟ یا محض تفہیم کے لئے مثال فرض کر لی گئی؟ علماء کے اس میں دونوں قول ہیں اور تمثیل کا فائدہ بہر حال حاصل ہے۔

۴۱۔ یعنی باغوں کے گرد باڑھ کھجور کی لگائی اور دونوں باغوں کے درمیان میں زمین چھوڑی جس میں زراعت ہوتی تھی تاغلی اور پھل (قوت اور فواکہ) سب تیار ملیں۔

۴۲۔ یعنی یہ نہیں کہ ایک باغ پھلا دوسرا نہ پھلا۔ یا ایک درخت زیادہ آیا دوسرا کم۔

۴۳۔ یعنی باغوں کے درمیان نہر کا پانی قرینہ سے پھر رہا تھا کہ منظر فرحت بخش رہے اور بارش نہ ہو تب بھی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پائے۔

۴۴۔ یعنی جو خرچ کیا یا کمائی کی اس کا پھل خوب ملا۔ اور ہر قسم کے سامان عیش ورفاہیت جمع ہو گئے نکاح کیا تو اس کا پھل بھی اچھا پایا اولاد کثرت سے ہوئی۔

۴۵۔ مال و دولت کا نشہ: یعنی مال و دولت اور جتنا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے۔ اگر میں مشرک نہ اطور اختیار کرنے میں باطل پر ہوتا تو اس قدر آسائش اور فرانی کیوں ملتی اس کے مشرک ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آفت آنے کے بعد پچھتا کر کہتا تھا۔ يَلَيْتَنِي لَمْ أَشْرِكْ بِرَبِّيَ أَحَدًا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غریب ساتھی جو پکا موحد تھا مشرک کے باطل ہونے کا اظہار اور شرک سے تائب ہونے کی نصیحت کر رہا ہوگا۔ جس کے جواب میں یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں، جتنے میں، ہر چیز میں زیادہ ہوں کس طرح یقین کر لوں کہ میں باطل پر ہوں اور تجھ جیسا مفلس فلاں حق پر ہو۔

۴۶۔ یعنی شرک میں مبتلا تھا۔ کبر و غرور کا نشہ دماغ میں بھرا ہوا تھا، دوسروں کو حقیر جانتا تھا۔ اور خدا کی قدرت و جبروت پر نظر نہ تھی۔ نہ یہ سمجھتا تھا کہ آگے کیا انجام ہونے والا ہے بس یہ ہی باغ اس کی جنت تھی جس کو آپ خیر سے ابدی سمجھتے تھے۔

۴۷۔ مال کی وجہ سے آخرت سے انکار: یعنی اب تو آرام سے گزرتی ہے۔ اور میں نے سب انتظامات ایسے مکمل کر لئے ہیں کہ میری زندگی تک ان باغوں کے تباہ ہونے کا بظاہر کوئی کھٹکا نہیں۔ رہا بعد الموت کا قصہ، سو اول تو مجھے یقین نہیں کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ زندگی ملے گی؟ اور ہم خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے لیکن اگر ایسا ہوا تو یقیناً مجھے یہاں سے بہتر سامان وہاں ملنا چاہئے اگر ہماری حرکات خدا کو ناپسند ہوتیں تو دنیا میں اتنی کشائش کیوں دیتا۔ گویا یہاں کی فرانی علامت ہے کہ وہاں بھی ہم عیش اڑائیں گے۔

۴۸۔ اس کے مومن دوست کا جواب: یعنی جس خدا نے تیری اصل (آدم) کو بے جان مٹی سے، پھر تجھ کو زمینی پیداوار کے خلاصہ اور ایک قطرہ ناپیچ سے پیدا کر کے زندگی بخشی اور جسمانی و روحانی قوتیں دے کر ہٹا کٹا مرد بنایا، کیا تجھے انکار ہے کہ وہ تیرے مرے پیچھے دوبارہ زندہ

نہیں کر سکتا؟ یا دی ہوئی نعمت چھین نہیں سکتا؟ میرا تو یہ عقیدہ نہیں۔ بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ تنہا ہمارا رب ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں۔ پھر بھلا اس کے حکم و اختیار کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔

۴۹۔ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ كَلِمَةُ الْيَقِينِ: یعنی مال تو اللہ کی نعمت ہے۔ اس پر اترانے اور کفر بننے سے آفت آتی ہے چاہے تھا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا کی جگہ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کہتا۔ یعنی خدا جو چاہے عطا فرمائے، ہم میں جو کچھ زور و قوت ہے اسی کی امداد و اعانت سے ہے۔ وہ چاہے تو ایک دم میں سلب کر لے روایات میں ہے کہ جب آدمی کو اپنے گھر بار میں آسودگی نظر آئے تو یہ ہی لفظ کہے۔ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

۵۲۔ یعنی کف افسوس ملتا رہے گا۔

۵۳۔ باغ و اسباب کی تباہی: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “آخر اس کے باغ پر وہ ہی ہوا جو اس مرد نیک کی زبان سے نکلا تھا رات کو آفت سماوی آگ کی صورت میں آئی۔ سب جل کر ڈھیر ہو گیا۔ مال خرچ کیا تھا پونجی بڑھانے کو وہ اصل بھی کھو بیٹھا۔

۵۴۔ اپنے شرک پر ندامت: مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور یہ افسوس و ندامت بھی خدا سے ڈر کر نہیں، محض دنیوی ضرر پہنچنے کی بنا پر تھی۔

۵۵۔ یعنی نہ جتھا کام آیا، نہ اولاد، نہ فرضی معبود جنہیں خدائی کا شریک ٹھہرا رکھا تھا۔ اور نہ خود اپنی ذات میں اتنی طاقت تھی کہ خدا کے عذاب کو روک دیتا یا بدل لے سکتا۔

۵۶۔ یعنی جس عمل کا جو بدلہ کسی کو دے وہ ہی ٹھیک ہے۔ یہاں اور وہاں ہر جگہ اختیار اسی کا چلتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ میں دخل دے سکے۔

۴۵۔ اور بتلا دے ان کو مثل دنیا کی زندگی کی جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہو میں اڑتا ہوا [۵۷] اور اللہ

کو بے ہر چیز پر قدرت [۵۸]

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَثَلِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤ اَنْزَلْنٰهُ  
مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ  
هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيْحُ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ

مُقْتَدِرًا ﴿۳۵﴾

۴۶۔ مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلا اور بہتر ہے توقع [۵۹]

الْمَالِ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الدُّنْيَا ۗ وَالْبٰقِيٰتُ  
الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَ خَيْرٌ اَمَلًا ﴿۳۶﴾

۴۷۔ اور جس دن ہم چلائیں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی [۶۰] اور گھیر ملائیں ہم انکو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو [۶۱]

وَ يَوْمَ نُسِيْرُ الْجِبَالِ وَ تَرٰى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۗ وَ  
حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ تُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۳۷﴾

۴۸۔ اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھ کر آ پہنچے تم ہمارے پاس جیسے ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار نہیں تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کریں گے ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ [۲۲]

وَعَرَضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَجْعَلَ لَكُمْ

مَوْعِدًا ﴿۳۸﴾

۴۹۔ اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ پھر تو دیکھے گنہگاروں کو ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے [۶۳] اور کہتے ہیں ہائے خرابی کیا ہے یہ کاغذ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے [۶۳] اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر [۶۵]

وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَيْلَتَنَا مَا لِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَجَدُوا

مَاعَبِلُوا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴿۳۹﴾

۵۷۔ دنیا کی زندگی کی مثال: یعنی دنیا کی عارضی بہار اور فانی و سریع الزوال و تروتازگی کی مثال ایسی سمجھو کہ خشک اور مردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا، وہ یک بیک جی اٹھی، گنجان درخت اور مختلف اجزاء سے رلا ملا سبزہ نکل آیا۔ لہلہاتی کھیتی آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ مگر چند روز ہی گزرے کہ زرد ہو کر سوکھنا شروع ہو گئی۔ آخر ایک وقت آیا کہ کانٹ چھانٹ کر برابر کر دی گئی۔ پھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑائی گئی۔ یہ ہی حال دنیا کے دیدہ زیب و ابلہ فریب بناؤ سنگار کا سمجھو۔ چند روز کے لئے خوب ہری بھری نظر آتی ہے۔ آخر میں چورہ ہو کر ہوا میں اڑ جائے گی۔ اور کٹ چھٹ کر سب میدان صاف ہو جائے گا جیسا کہ آگے و بَیِّنَةٌ لِّسَيِّئِ الْمُجْرِمِينَ وَ تَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ﴿۳۸﴾ میں اشارہ کیا ہے۔

۵۸۔ یعنی جب چاہے پھر جلادے۔ (موضع القرآن) یا یہ کہ اگانا اور چورا کر کے اڑا دینا سب اسی کے دست قدرت میں ہے۔

۵۹۔ مال و اولاد اور باقی رہنے والی نیکیاں: یعنی مرنے کے بعد مال و اولاد وغیرہ کام نہیں آتے صرف وہ نیکیاں کام آتی ہیں جن کا اثر یا ثواب آئندہ باقی رہنے والا ہو۔ حدیث میں سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمامی اعمال حسنہ اس میں داخل ہیں۔ موضع القرآن میں ہے ”رہنے والی نیکیاں یہ کہ علم سکھا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم چلا جائے یا مسجد، کنواں، سرائے، باغ، کھیت وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح چھوڑ جائے، اسی قسم کے کام ہیں جن پر خدا کے ہاں بہترین بدلہ مل سکتا ہے اور انسان عمدہ توقعات قائم کر سکتا ہے۔ دنیا کی فانی و زائل خوشحالی پر لمبی چوڑی امیدیں باندھنا عقلمندی نہیں۔

۶۰۔ قیامت کے دن پہاڑ اور زمین کا حال: یعنی جب قیامت آئے گی پہاڑ جیسی سخت مخلوق بھی اپنی جگہ سے چلائی جائے گی بلکہ اس کی بھاری بھاری چٹانیں دھنی ہوئی اون کی طرح فضا میں اڑتی پھریں گی۔ غرض زمین کے سارے ابھار مٹ کر سطح ہموار اور کھلی ہوئی رہ جائے گی۔

۶۱۔ یعنی کوئی شخص خدائی عدالت سے غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔

۶۲۔ محشر میں امتوں کی صفیں: منکرین بعثت کو تفریح و تویخ کے طور پر یہ کہا جائے گا کہ تم تو قیامت وغیرہ کو محض ڈھکوسہ سمجھتے تھے آج سب

جتنا اور اتنا شہ چھوڑ کر ننگ دھڑنگ کہاں آپہنچے۔ اور ”جیسا بنایا تھا پہلی بار“ میں یہ بھی داخل ہے کہ بدن میں کچھ زخم و نقصان وغیرہ نہ رہے گا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں اسی امت محمدیہ کی ہیں۔

۶۳۔ اعمال نامے: یعنی اعمال نامہ ہر ایک کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس میں اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر مجرم خوف کھائیں گے کہ دیکھئے آج کیسی سزا ملتی ہے۔

۶۴۔ یعنی ذرہ ذرہ عمل آنکھوں کے سامنے ہو گا اور ہر ایک چھوٹی بڑی بدی یا نیکی اعمال نامہ میں مندرج پائیں گے۔

۶۵۔ محشر میں کسی پر ظلم نہیں ہو گا: حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ظلم کا بایں معنی تو امکان ہی نہیں کہ وہ غیر کی ملک میں تصرف کرے، کیونکہ تمام مخلوق اسی کی ملک ہے۔ لیکن ظاہر میں جو ظلم نظر آئے اور بے موقع کام سمجھا جائے۔ وہ بھی نہیں کرتا، نہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے نہ کسی کی ادنیٰ نیکی کو ضائع ہونے دیتا ہے۔ بلکہ اپنی حکمت بالغہ سے نیکی و بدی کے ہر ایک درخت پر وہ ہی پھل لگاتا ہے جو اس کی طبیعت نوعیہ کا اقتضاء ہو۔ گندم از گندم بروید جو جو، از مکافات عمل غافل مشوکفر و ایمان اور اطاعت و معصیت میں خالق الکل نے اسی طرح کے علیحدہ علیحدہ خواص و تاثیرات رکھ دی ہیں۔ جیسے زہر اور تریاق میں۔ آخرت میں خیر و شر کے یہ تمام خواص و آثار علانیہ ظاہر ہو جائیں گے۔

۵۰۔ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوائے اور وہ تمہارے دشمن ہیں براہاتھ لگے انصافوں کے بدلہ [۲۶]

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّا  
اِبْلِیْسَ ۗ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ ۗ<sup>ط</sup>  
اَفْتَتَخَدُوْنَہٗ وَ ذُرِّيَّتَہٗ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ

لَكُمْ عَدُوٌّ ۗ بِئْسَ لِلظَّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

۵۱۔ دکھلا نہیں لیا تھا میں نے انکو بنانا آسمان اور زمین کا اور نہ بنانا خود ان کا اور میں وہ نہیں کہ بناؤں بہکانے والوں کو اپنا مددگار [۲۷]

مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا  
خَلَقَ اَنْفُسِهِمْ ۗ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْبٰضِلِيْنَ

عَضَدًا ﴿۵۱﴾

۵۲۔ اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو [۲۸] جن کو تم مانتے تھے پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے ان کو اور کر دیں گے ہم انکے بیچ مرنے کی جگہ [۲۹]

وَ یَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَکَآءِیَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ  
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَ جَعَلْنَا بَیْنَهُمْ

مَوْبِقًا ﴿۵۲﴾

۵۳۔ اور دیکھیں گے گنہگار آگ کو پھر سمجھ لیں گے کہ ان کو پڑنا ہے اس میں اور نہ بدل سکیں گے اس سے رستہ [۴۰]

وَرَأَى الْجُرْمُونَ النَّارَ فَظُنُّوا أَنَّهُمْ مُّوَاعِقُوهَا وَكَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳

۵۴۔ اور بیشک پھیر پھیر کو سمجھائی ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر ایک مثل اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو [۴۱]

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴

۵۵۔ اور لوگوں کو جو روکا اس بات سے کہ یقین لے آئیں جب پہنچی انکو ہدایت اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے سو اسی انتظار نے کہ پہنچے ان پر رسم پہلوں کی یا آکھڑا ہوان پر عذاب سامنے کا [۴۲]

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵

۵۶۔ اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو خوشخبری اور ڈر سنانے کو [۴۳] اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جھوٹا جھگڑا کہ ملا دیں اس سے سچی بات کو [۴۴] اور ٹھہرا لیا انہوں نے میرے کلام کو اور جو ڈر سنانے گئے ٹھٹھا [۴۵]

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ ۚ وَ يُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوا آيَتِي وَ مَا أَنْذَرُوا هُزُؤًا ۝۵۶

۵۷۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اسکے رب کے کلام سے پھر منہ پھیر لیا اسکی طرف سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ [۴۶] ہم نے ڈال دیے ہیں انکے دلوں پر پردے کہ اس کو نہ سمجھیں اور انکے کانوں میں ہے بوجھ اور اگر تو ان کو بلائے راہ پر تو ہر گز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی [۴۴]

وَ مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدُهُ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۗ وَ إِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝۵۷



۵۸۔ اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے رحمت والا اگر ان کو پکڑے انکے کئے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب [۷۸] پر ان کے لئے ایک وعدہ ہے کہیں نہ پائیں گے اس سے ورے سرک جانے کو جگہ [۷۹]

وَرَبِّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ط لَوْ يُوَاخِذُهُمْ بِمَا  
كَسَبُوا لَعَجَلْ لَهُمُ الْعَذَابُ ط بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ  
يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْبِلًا ﴿٥٨﴾

۵۹۔ اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے غارت کیا جب وہ ظالم ہو گئے اور مقرر کیا تھا ہم نے انکی ہلاکت کا ایک وعدہ [۸۰]

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا  
لِسَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ﴿٥٩﴾

۶۶۔ ابلیس جن تھا: راجح یہ ہی ہے کہ ابلیس نوع جن سے تھا، عبادت میں ترقی کر کے گروہ ملائکہ میں شامل ہو گیا۔ اسی لئے فرشتوں کو جو حکم سجدہ ہوا اس کو بھی ہوا اس وقت اس کی اصلی طبیعت رنگ لائی۔ تکبر کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھاگ نکلا، آدم کے سامنے سر جھکانے میں کسر شان سمجھی۔ تعجب ہے آج آدم کی اولاد اپنے رب کی جگہ اسی دشمن ازلی اور اس کی اولاد و اتباع کو اپنا رفیق و خیر خواہ اور مددگار بنانا چاہتی ہے۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ظلم کیا ہو گا۔ یہ قصہ پہلے کی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔ یہاں اس پر متنبہ کرنے کے لئے لائے ہیں کہ دنیائے فانی کی ٹیپ ٹاپ پر مغرور ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا شیطان کی تحریک و تسویل سے ہے چاہتا ہے کہ ہم اپنے اصلی و آبائی وطن (جنت) میں واپس نہ جائیں۔ اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ دوست بن کر ہم سے پرانی دشمنی نکالے آدمی کو لازم ہے کہ ایسے چالاک دشمن سے ہشیار رہے۔ جو لوگ دنیوی متاع پر مغرور ہو کر ضعفاء کو حقیر سمجھتے اور اپنے کو بہت لمبا سمجھتے ہیں، وہ تکبر و تفاخر میں شیطان لعین کی راہ پر چل رہے ہیں۔ (تنبیہ) ابن کثیر نے بعض روایات نقل کر کے جن میں ابلیس کی اصل نوع ملائکہ میں سے بتلائی گئی ہے، لکھا ہے کہ ان روایات کا غالب حصہ اسرائیلیات میں سے ہے جنہیں بہت نظر و فکر کے بعد احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہئے اور ان میں کی بعض چیزیں تو یقیناً جھوٹ ہیں۔ کیونکہ قرآن صاف ان کی تکذیب کرتا ہے۔ آگے ابن کثیر نے بہت وزندار الفاظ میں اسرائیلیات کے متعلق جو کچھ کلام کیا ہے، دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ یہاں بخوف تطویل ہم درج نہیں کر سکتے۔

۶۷۔ شیاطین کی مذمت: یعنی زمین و آسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلایا نہ تھا کہ ذرا آکر دیکھ جائیں۔ ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی۔ غرض نہ ان سے تکوین و ایجاد عالم میں کچھ مشورہ لیا گیا نہ مدد طلب کی گئی، بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا کہ تمہیں کیسا بنانا جائے یا تمہارے دوسرے ہم جنسوں کو کس طرح پیدا کروں ذرا آکر میری مدد کرو۔ اور بالفرض مجال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بد بخت اشیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دے دیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں رفیق و مددگار بنانے لگے۔ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ عَلُوًّا كَبِيرًا (بنی اسرائیل۔ ۴۳)۔

۶۸۔ شیاطین کی مذمت: یعنی جن کو میرا شریک بنا رکھا تھا۔ بلاؤ! تا اس مصیبت کے وقت تمہاری مدد کریں۔

۶۹۔ مشرکین اور شرکاء کی حالت: اس وقت رفاقت اور دوستی کی ساری قلعی کھل جائے گی ایک دوسرے کے نزدیک بھی نہ جاسکیں گے۔ کام آنا تو درکنار دونوں کے بیچ میں عظیم و وسیع خندق آگ کی حامل ہوگی (اعاذنا اللہ منہا)۔

۷۰۔ یعنی شروع شروع میں شاید کچھ معافی کی امید ہوگی لیکن جہنم کو دیکھتے ہی یقین ہو جائے گا کہ اب اس میں گرنا ہے اور فرار کا کوئی راستہ نہیں۔  
۷۱۔ انسان جھگڑا ہو ہے: یعنی قرآن کریم کس طرح مختلف عنوانات اور قسم قسم کی دلائل و امثلہ سے سچی باتیں سمجھاتا ہے۔ مگر انسان کچھ ایسا جھگڑا واقع ہوا ہے کہ صاف اور سیدھی باتوں میں بھی کٹ جیتی کئے بغیر نہیں رہتا۔ جب دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا تو مہمل اور دور ازکار فرمائشیں شروع کر دیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تو مانوں گا۔

۷۲۔ قبول ہدایت سے اب کیا چیز مانع ہے؟: یعنی ان کے ضد و عناد کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن الہی عظیم الشان ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ان کے پاس باقی نہیں۔ آخر قبول حق میں اب کیا دیر ہے اور کاہے کا انتظار ہے۔ بجز اس کے کہ پہلی قوموں کی طرح خدا تعالیٰ ان کو بکلی تباہ کر ڈالے۔ یا اگر تباہ نہ کئے جائیں تو کم از کم مختلف صورتوں میں عذاب الہی آنکھوں کے سامنے آکھڑا ہو۔ لہذا نفہم من تفسیر ابن کثیر وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی کچھ اور انتظار نہیں رہا مگر یہ ہی کہ پہلوں کی طرح ہلاک ہوویں یا قیامت کا عذاب آنکھوں سے دیکھیں۔"

۷۳۔ ان کو یہ اختیار نہیں کہ جب تم مانگو یا جب وہ چاہیں عذاب لاکھڑا کریں۔  
۷۴۔ یعنی جھوٹے جھگڑے اٹھا کر اور کٹ جیتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز پست کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگادیں ایسا کبھی نہ ہو گا۔  
۷۵۔ یعنی کلام اللہ سے ٹھٹھا کرتے ہیں اور جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

۷۶۔ یعنی کبھی بھول کر بھی خیال نہ آیا کہ تکذیب حق اور استہزاء و تمسخر کا جو ذخیرہ آگے بھیج رہا ہے اس کی سزا کیا ہے۔  
۷۷۔ کفار کے دلوں پر پردے: یعنی ان کے جدال بالباطل اور استہزاء بالحق کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اور کانوں میں ڈاٹ ٹھونک دی۔ اب نہ حق کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بالکل مسخ ہو گئے۔ پھر حق کی طرف متوجہ ہوں تو کیسے ہوں اور انجام کا خیال کریں تو کیسے کریں۔ ایسے بد بختوں کے راہ پر آنے کی کبھی توقع نہیں۔

۷۸۔ یعنی کر توت تو ان کے ایسے کہ عذاب پہنچنے میں ایک گھنٹہ کی تاخیر نہ ہو۔ مگر حق تعالیٰ کا حلم و کرم فوراً تباہ کر ڈالنے سے مانع ہے، اپنی رحمت عامہ سے خاص حد تک درگزر فرماتا ہے اور سخت سے سخت مجرم کو موقع دیتا ہے کہ چاہے توبہ بھی کر کے پچھلی خطائیں بخشوالے اور ایمان لا کر رحمت عظیمہ کا مستحق بن جائے۔

۷۹۔ یعنی یہ تاخیر عذاب ایک وقت معین تک ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی مجرم سزا کا وعدہ آنے سے پیشتر کہیں ادھر ادھر کھسک جائے جب وقت آئے گا سب بندھے چلے آئیں گے، مجال نہیں کوئی روپوش ہو سکے۔

۸۰۔ بستیاں کی ہلاکت: یعنی عاد و ثمود کی بستیاں جن کے واقعات مشہور و معروف ہیں، دیکھ لو جب ظلم کئے کس طرح اپنے وقت معین پر تباہ و برباد کر دی گئیں اسی طرح تم کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ وقت آنے پر عذاب الہی سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔

۶۰۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا یا چلا جاؤں  
قرنوں میں [۸۱]

مَجْبَعِ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضَىٰ حُقْبًا ﴿٦٠﴾

۶۱۔ پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی  
مچھلی پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر [۸۲]

سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

۶۲۔ پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف [۸۳]

۶۳۔ بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں [۸۴] اور اس نے کر لیا اپنا رستہ دریا میں عجیب طرح

۶۴۔ کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر اٹھے پھر اپنے پیر پہچانے [۸۵]

۶۵۔ پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم [۸۶]

۶۶۔ کہا اس کو موسیٰ نے کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھلا دے کچھ جو تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ [۸۷]

۶۷۔ بولا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

۶۸۔ اور کیونکر ٹھہرے گا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیرے قابو میں نہیں اس کا سمجھنا [۸۸]

۶۹۔ کہا تو پائے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم [۸۹]

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَخْبِتُنِي أَنْ يَرَانِ فَذَرَأْتُهُمْ بِيضًا  
لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ  
الْحُوتَ وَمَا أَنْسِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ  
وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغُ ﴿٦٤﴾ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا  
قَصَصًا ﴿٦٥﴾

فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا اتَيْنَهُ رَحْمَةً مِنْ  
عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٦﴾

قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَ مِنِّي  
عِلْمَ تَرْتِيلِ الْوَقْفِ ﴿٦٧﴾

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٨﴾

وَكَيفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿٦٩﴾

قَالَ سَتَجِدُنِي إِِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي  
لَكَ أَمْرًا ﴿٧٠﴾

قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ

أُحَدِّثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٩٠﴾

۷۰۔ بولا پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا ذکر [۹۰]

۸۱۔ حضرت مولیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے کی اصل وجہ: اوپر ذکر ہوا تھا کہ مغرور کافر مفلس مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ ان کو پاس نہ بٹھائیں۔ اسی پر دو شخصوں کی کہات سنائی۔ پھر دنیا کی مثال اور ابلیس کا کبر و غرور سے خراب ہونا بیان کیا۔ اب مولیٰ اور خضر کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو آپ کو بہتر نہیں کہتے۔ اور کبھی بھول چوک سے کہہ گذریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے تادیب و تنبیہ کی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت مولیٰ اپنی قوم کو نہایت موثر اور بیش بہا نصیحتیں فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا، اے مولیٰ! کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ جواب واقع میں صحیح تھا۔ کیونکہ مولیٰ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شریعہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے، گو مراد صحیح تھی۔ تاہم عنوان جواب کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجہ اپنے کو عالم الناس خیال کرتے ہیں۔ خدا کی مرضی یہ تھی کہ جواب کو اس کے علم محیط پر محمول کرتے۔ مثلاً یہ کہتے کہ اللہ کے مقرب و مقبول بندے بہت سے ہیں، سب کی خبر اسی کو ہے۔ تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملے ہیں اس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ مجمع البحرین کی تحقیق: دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟ بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں۔ شاید ملاپ سے مراد قرب ہو گا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے۔ بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں بعض علماء کے نزدیک ”مجمع البحرین“ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر جلد اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال مولیٰ نے درخواست کی کہ مجھے اس کا پورا پورا نشان بتایا جائے تا میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں۔ حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو، وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے۔ گویا ”مجمع البحرین“ سے جو ایک وسیع قطعہ مراد ہو سکتا تھا اس کی پوری تعین کے لئے یہ علامت مقرر فرمادی۔

حضرت یوشع سے حضرت مولیٰ کا خطاب: مولیٰ نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشع کو ہمراہ لے کر سفر شروع کر دیا، اور یوشع کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا۔ میں برابر سفر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں، اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گذر جائیں گے بدون مقصد حاصل کئے سفر سے نہ ہٹوں گا۔ (تنبیہ) جو ان سے مراد حضرت یوشع ہیں جو ابتداءً مولیٰ کے خادم خاص تھے، پھر ان کے روبرو پیغمبر اور ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔

۸۲۔ مچھلی کا گم ہونا: وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا، حضرت مولیٰ سو رہے۔ یوشع نے دیکھا کہ بھی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ سی بناتی چلی گئی۔ وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا۔ یوشع کو دیکھ کر تعجب آیا۔ چاہا کہ مولیٰ بیدار ہوں تو ان سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے یوشع نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ مولیٰ نے جب ان کو مچھلی کی خبر گیری کے لئے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔

۸۳۔ حضرت مولیٰ پہلے نہیں تھکے۔ جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے مکان محسوس کیا۔

۸۴۔ یعنی مطلب کی بات بھول جانا اور عین موقع یادداشت پر ذہول ہونا۔ شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوا۔

۸۵۔ غالباً وہاں راستہ بنا ہوا نہ ہو گا۔ اس لئے اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے اٹے پاؤں پھرے۔

۸۶۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات: وہ بندہ حضرت خضرؑ تھے۔ جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیا کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضرؑ کو رسول مانا جائے یا نبی یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے۔ ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہو سکتا۔ تاہم احقر کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان کو نبی تسلیم کیا جائے اور جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے جو انبیاء جدید شریعت لے کر نہیں آتے ان کو بھی اتنا تصرف و اختیار عطا ہوتا ہے کہ مصالِحِ خصوصیہ کی بناء پر شریعت مستقلہ کے کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تفسیر یا عام ضابطہ سے بعض جزئیات کا استثناء کر سکیں۔ اسی طرح کے جزئی تصرفات حضرت خضرؑ کو بھی حاصل تھے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال مولیٰ خضرؑ سے ملے علیک سلیک کے بعد خضرؑ نے سبب پوچھا۔ مولیٰ نے آنے کا سبب بتلایا۔ خضرؑ نے کہا اے مولیٰ! بلاشبہ اللہ نے تمہاری تربیت فرمائی پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کونیا کا) مجھ کو ملا ہے جو (اتنی مقدار میں) تم کو نہیں ملا۔ اور ایک علم (اسرار تشریح کا) تم کو دیا گیا ہے جو (اتنی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا، تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے۔ جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ میں لگ گیا ہے (یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں)۔

۸۷۔ حضرت مولیٰ علیہ السلام کی درخواست: یعنی اجازت ہو تو چند روز آپ کے ہمراہ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں۔

۸۸۔ حضرت خضر علیہ السلام کی پیٹگونی: حضرت خضرؑ نے مولیٰ کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا کیونکہ وہ مامور تھے کہ واقعات کونیا کا جزئی علم پا کر اسی کے موافق عمل کریں اور مولیٰ جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریحی قوانین و کلیات سے تھا۔ بنا بریں جن جزئیات میں عوارض و خصوصیات خاصہ کی وجہ سے بظاہر عام ضابطہ پر عمل نہ ہو گا۔ حضرت مولیٰ اپنی معلومات کی بنا پر ضرور روک ٹوک کریں گے۔ اور خاموشی کا مسلک دیر تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ جدا ہونا پڑے گا۔

۸۹۔ حضرت مولیٰ علیہ السلام کا وعدہ: یہ وعدہ کرتے وقت غالباً مولیٰ کو اس کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایسے مقرب و مقبول بندہ سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائق و اخلاق کے خلاف ہو۔ غنیمت ہو کہ انہوں نے "انشاء اللہ" کہہ لیا تھا ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اولوالعزم پیغمبر کی شان کے لائق نہ ہوتا۔

۹۰۔ حضرت خضر علیہ السلام کی شرائط: یعنی کوئی بات اگر بظاہر ناحق نظر آئے تو مجھ سے فوراً باز پرس نہ کرنا، جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں۔

۱۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اس کو پھاڑ ڈالا مولیٰ بولا کیا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اسکے لوگوں کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری [۹۱]

فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا  
قَالَ آخِرُ قَتْلَاهَا يَنْغَرِقُ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا

إِمْرًا ﴿٤١﴾

۲۔ بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٤٢﴾

۳۔ کہا مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور مت ڈال مجھ پر

قَالَ لَا تَأْخُذْ بِلِسَانِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تَرْهَقْنِي مِنْ

میرا کام مشکل [۹۲]

أَمْرِي عَسَا ﴿٤٣﴾

۷۴۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے تو اسکو مار ڈالا [۹۳] موسیٰ بولا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری [۹۴] بغیر عوض کسی جان کے بیشک تو نے کی ایک چیز نامعقول [۹۵]

فَانطَلَقَا حَتَّىٰ اِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۗ قَالَ  
اَقْتَلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتُ  
شَيْئًا كُبْرًا ﴿۹۳﴾

۷۵۔ بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ [۹۶]

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۹۴﴾  
قَالَ اِنْ سَأَلْتِكِ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي  
قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ﴿۹۵﴾

۷۶۔ کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے بعد تو مجھ کو ساتھ نہ رکھیو تو اتار چکا میری طرف سے الزام [۹۷]

۷۷۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے انہوں نے نہ مانا انکو مہمان رکھیں پھر پائی وہاں ایک دیوار جو گر چاہتی تھی اسکو سیدھا کر دیا [۹۸] بولا موسیٰ اگر تو چاہتا تو لے لیتا اس پر مزدوری [۹۹]

فَانطَلَقَا حَتَّىٰ اِذَا آتَيَا اَهْلًا قَرْيَةٍ اسْتَطَعَا  
اَهْلُهَا فَاَبَوْا اَنْ يُضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا  
يُّرِيْدُ اَنْ يَنْقُضَ فَاَقَامَهُ ۗ قَالَ لَوْ شِئْتُ  
لَتَّخَذْتُ عَلَيْهِ اجْرًا ﴿۹۶﴾

۷۸۔ کہا اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ اب جتنا لے دیتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ کر سکا [۱۰۰]

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۗ سَأُنَبِّئُكَ  
بِتَاوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿۹۷﴾

۹۱۔ کشتی کا واقعہ: جب اس کشتی پر چڑھنے لگے ناؤ والوں نے خضر کو پہچان کر مفت سوار کر لیا۔ اس احسان کا بدلہ یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ کو اور زیادہ تعجب ہوا۔ لیکن کشتی پوری طرح کنارہ کے قریب پہنچ کر توڑی۔ لوگ ڈوبنے سے بچ گئے اور توڑنا یہ تھا کہ ایک تختہ نکال ڈالا۔ گویا عیب دار کر دی۔

۹۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض: یعنی اگر بھول چوک پر بھی گرفت کرو گے تو میرا تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا یہ پہلا پوچھنا حضرت موسیٰ سے بھول کر ہوا۔ اور دوسرا اقرار کرنے کو اور تیسرا رخصت ہونے کو۔

۹۳۔ لڑکے کا قتل: ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ اور چل کھڑے ہوئے بعض روایات میں اس کا نام جیسور آیا ہے۔ وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن جمہور مفسرین اس کو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹۴۔ یعنی بے گناہ۔ جب تک لڑکا بالغ نہ ہو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ لفظ بظاہر اس کے نابالغ ہونے کی تائید کرتا ہے۔ اگرچہ دوسروں کے لئے تاویل کی گنجائش ہے۔

۹۵۔ یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہ تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کو نسی ہوگی۔

۹۶۔ کیونکہ ایسے حالات و واقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر تم خاموشی کے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ آخر وہی ہوا۔

۹۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آخری درخواست: حضرت موسیٰ کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت کے تیر خیز حالات و واقعات کا چپ چاپ مشاہدہ کرتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس لئے آخری بات کہہ دی کہ اس مرتبہ اگر سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں ایسا کرنے میں آپ معذور ہوں گے اور میری طرف سے کوئی الزام آپ پر عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ تین مرتبہ موقع دے کر آپ حجت تمام کر چکے۔

۹۸۔ دیوار سیدھا کرنے کا واقعہ: یعنی ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں۔ مگر یہ سعادت ان کی قسمت میں نہ تھی، انہوں نے موسیٰ و حضرت جیسے مقررین کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ یہ معاملہ دیکھ کر چاہئے تھا کہ ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا، مگر حضرت حضرت نے غصہ کی بجائے ان پر احسان کیا۔ بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر آ رہے۔ لوگ اس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے۔ حضرت حضرت نے ہاتھ لگا کر سیدھی کر دی اور منہدم ہونے سے بچا لیا۔ (تنبیہ) ”حَتَّىٰ إِذَا اتَىٰ أَهْلَ قَرْيَةٍ” میں ”اہل“ کا لفظ شاید اس لئے لائے کہ بستی میں ان کا آنا محض مرد و عبور کے طور پر نہ تھا، نہ یہ صورت تھی کہ باشندگان شہر سے علیحدہ کسی سرانے وغیرہ میں جاتے ہوں، بلکہ قصد کر کے شہر والوں سے ملے۔ اور ”استنظما آھلھا“ میں دوبارہ لفظ ”اہل“ کی تصریح ان کی مزید تفسیح کے لئے ہے۔ یعنی جن سے مہمانی چاہی تھی وہ اہل قریہ تھے کوئی پردیسی مسافر نہ تھے جو یہ عذر کر سکیں کہ ہمارا گھر یہاں نہیں، مہمانداری کیسے کریں۔

۹۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا اعتراض: یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ مہمانی کریں، ان کی دیوار مفت بنا دینے کی کیا ضرورت تھی اگر کچھ معاوضہ لے کر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارا کھانے پینے کا کام چلتا اور ان تنگ دل بخیلوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہو جاتی، شاید اپنی بد اخلاقی اور بے مروتی پر شرماتے۔

۱۰۰۔ یعنی حسب وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہو جائیے، آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار کھول دوں۔ جن کے چکر میں پڑ کر آپ صبر و ضبط کی شان قائم نہ رکھ سکے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”اس مرتبہ موسیٰ نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو۔ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو ان کا بھلا ہو۔ حضرت حضرت کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آوے۔“

۷۹۔ وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں [۱۰۱] سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور ان کے پرے تھا ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر [۱۰۲]

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي  
الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ

يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

۸۰۔ اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کر دے زبردستی اور کفر کر کر [۱۰۳]

وَأَمَّا الْعُلْمُ فَكَانَ أَبُوهُ مُؤْمِنِينَ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهَقَهُمَا طُعْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾

۸۱۔ پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں [۱۰۴]

فَارَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَ أَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

۸۲۔ اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں اور اسکے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ تھا نیک پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا [۱۰۵] مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے [۱۰۶] یہ ہے پھیر ان چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کر سکا

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا حَرْبًا ۚ وَرَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۗ ذَلِكُمْ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

۱۰۱۔ یعنی دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔

۱۰۲۔ یعنی جدھر کشتی جانے والی تھی اس طرف ایک ظالم بادشاہ جو اچھی کشتی دیکھتا چھین لیتا، یا بیگار میں پکڑ لیتا تھا۔ میں نے چاہا کہ عیب دار کر دوں، تا اس ظالم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور ٹوٹی ہوئی خراب کشتی سمجھ کر کوئی تعرض نہ کرے۔ بعض آثار میں ہے کہ خطرہ کے مقام سے آگے نکل کر پھر حضرت خضر نے کشتی اپنے ہاتھ سے درست کر دی۔

۱۰۳۔ لڑکے کے قتل کی حکمت: گو اصل فطرت سے ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے مگر آگے چل کر خارجی اثرات سے بچپن ہی میں بعض کی بنیاد پڑ جاتی ہے جس کا پورا یقینی علم تو خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے تاہم کچھ آثار اہل بصیرت کو بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لڑکے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو آگاہ فرما دیا کہ اس کی بنیاد بری پڑی تھی۔ بڑا ہوتا تو موذی اور بدراہ ہوتا اور ماں باپ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا۔ وہ اس کی محبت میں کافر بن جاتے، اس طرح لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں، حکمت الہیہ منقضی ہوئی کہ آنے والی رکاوٹ ان کی راہ سے دور کر دی جائے۔ خضر کو حکم دیا کہ لڑکے کو قتل کر دو۔ انہوں نے خدا کی وحی پا کر امتثال امر کیا اب یہ سوال کرنا کہ لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو اس قدر شریر نہ ہونے دیتے، یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے۔ یا جن بچوں کی بنیاد ایسی پڑے کم از کم پیغمبروں کو ان سب کی فہرست دے کر قتل کر دیا کرتے۔ ان باتوں کا جمالی جواب تو یہ ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَنَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُونَ (انبیاء۔ ۲۳) اور تفصیلی جواب کے لئے مسئلہ ”خلق



خیر و شر” پر مبسوط کلام کرنے کی ضرورت ہے جو ان مختصر فوائد میں سمانہیں سکتا ہاں اتنا یاد رہے کہ دنیا میں ہر شخص سے جو اللہ کو “خالق الکل” اور “علیم” و “حکیم” مانتا ہو، تکوینیات کے متعلق اسی قسم کے ہزاروں سوالات کئے جاسکتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس بجز اعتراف عجز و تصور کے کچھ نہیں۔ یہاں حضرت کے ذریعہ سے اسی کا ایک نمونہ دکھلانا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح تکوینیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ کبھی صورت واقعہ بظاہر دیکھنے میں خراب اور قبیح یا بے موقع معلوم ہوتی ہے لیکن جسے واقعہ کی اندرونی گہرائیوں کا علم ہو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ حضرت نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا، حالانکہ انہوں نے احسان کیا تھا کہ بلا اجرت دونوں کو سوار کر لیا۔ ایک کھیلنے ہوئے بچہ کمار ڈالا جو بظاہر نہایت قبیح حرکت نظر آتی تھی۔ دیوار سیدھی کر کے اس بستی والوں پر احسان کیا جو نہایت بے مروتی سے پیش آئے تھے۔ اگر خود حضرت آخر میں اپنے ان افعال کی توجیہات بیان نہ کرتے تو ساری دنیا آج تک ورطہ حیرت میں پڑی رہتی، یا حضرت کو ہدف طعن و تشنیع بنائے رکھتی۔ ایجاز باللہ۔ ان ہی مثالوں سے حق تعالیٰ کے افعال اور انکی حکمتوں کا اندازہ کر لو۔

۱۰۴۔ لڑکے کے قتل کی حکمت: یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اس کے والدین کا ایمان محفوظ ہو گیا اور جو صدمہ انکو پہنچا۔ حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دے جو اخلاقی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو۔ ماں باپ اس پر شفقت کریں، وہ ماں باپ کے ساتھ محبت و تعظیم اور حسن سلوک سے پیش آئے کہتے ہیں اس کے بعد خدا تعالیٰ نے نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک امت چلی۔

۱۰۵۔ دیوار سیدھا کرنے کی حکمت: یعنی اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا اور بدنیت لوگ اٹھا لیتے۔ بچوں کا باپ مرد صالح تھا۔ اس کی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے میں نے اس کے حکم سے دیوار سیدھی کر دی کہ بچے جو ان ہو کر باپ کا خزانہ پاسکیں کہتے ہیں اس خزانہ میں دوسرے اموال کے علاوہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر ”محمد رسول اللہ“ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لکھا ہوا تھا۔

۱۰۶۔ یعنی جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہو اس پر مزدوری لینا مقررین کا کام نہیں (تنبیہ) اس قصہ کے شروع میں حضرت حضرت خضرؑ کی نبوت و ولایت کے متعلق جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں اس کو بیک نظر پھر مطالعہ کر لیا جائے۔ آگے ذوالقرنین کا قصہ آتا ہے۔ یہ بھی ان تین چیزوں میں سے تھا جن کی نسبت یہود کے مشورہ سے قریش نے سوالات کئے تھے۔ ”روح“ کے متعلق جو اب سورہ ”بنی اسرائیل“ میں گذر چکا۔ اصحاب کہف کا قصہ اسی سورت ”کہف“ میں آچکا۔ تیسری چیز آگے مذکور ہے۔

۸۳۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اس کا کچھ احوال

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا

عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۗ

۸۴۔ ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں اور دیا تھا ہم نے اسکو ہر چیز کا سامان [۱۰۷]

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

سَبَبًا ۗ

۸۵۔ پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے [۱۰۸]

فَاتَّبَعَهُ سَبَبًا ۗ

حَتَّىٰ إِذَا بَدَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ  
فِي عَيْنٍ حَبِئَةٍ ۖ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يٰذَا  
الْقُرْنَيْنِ اِمَّا اَنْ تَعَذَّبَ وَاِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ

حُسْنًا ﴿۸۶﴾

۸۶۔ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں [۱۰۹] اور پایا اس کے پاس لوگوں کو ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے اور یارکھ ان میں خوبی [۱۱۰]

قَالَ اِمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نَعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلَىٰ رَبِّهِ

فِي عَذَابِهِ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾

۸۷۔ بولا جو کوئی ہو گا بے انصاف سو ہم اسکو سزا دیں گے پھر لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دے گا اس کو برا عذاب

وَ اِمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صٰلِحًا فَلَهٗ جَزَآءٌ

الْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهُ مِنْ اٰمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام سوا اس کا بدلہ بھلائی ہے اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی [۱۱۱]

۱۰۷۔ ذوالقرنین کا واقعہ: اس بادشاہ کو ”ذوالقرنین“ اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پھر گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست اور دین دار بادشاہ اس سے پہلے گذرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ دلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ابراہیم کا معاصر تھا اور ان کی دعاء کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان و وسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے اس کو مشرق و مغرب کے سفر اور میجر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضرؑ اس کے وزیر تھے، شاید اسی لئے قرآن نے خضرؑ کے قصہ کے ساتھ اس کا قصہ بیان فرمایا۔ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں ”ذوالقرنین“ کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد تاریخی سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے۔ شاید اسکندر کو بھی اسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔ حال میں یورپ کے ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم سامی عربوں کی متعدد عظیم الشان سلطنتوں کا سراغ لگایا ہے جن کا تاریخی اوراق میں کوئی مفصل تذکرہ موجود نہیں۔ بلکہ بعض ممتاز و مشہور سلاطین کا نام تک کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ مثلاً بادشاہ ”حمورابی“ جو اغلباً حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں ہوا ہے اور جس کو کہا گیا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا مقلد تھا، اس کے قوانین منارہ بابل پر کندہ ملے ہیں۔ جن کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہو گیا ہے۔ پرانے کتب سے اس کی عجیب و غریب عظمت ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال ”ذوالقرنین“ ان ہی میں کا کوئی بادشاہ ہو گا۔

۱۰۸۔ یعنی سرانجام کرنے لگا ایک سفر کا۔

۱۰۹۔ مشرق و مغرب کا سفر: یعنی یوں نظر آیا جیسے سمندر میں سفر کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سورج پانی میں سے نکل رہا ہے۔ اور پانی ہی میں ڈوبتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”ذوالقرنین“ کو شوق ہوا کہ دیکھے دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے۔ سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا

کہ دلدل تھی نہ گذر آدمی کا نہ کشتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پاس کا۔

۱۱۰۔ ذوالقرنین کو ایک قوم پر اختیار: یعنی ”ذوالقرنین“ کو ان لوگوں پر ہم نے دونوں بات کی قدرت دی جیسا کہ ہر بادشاہ ہر حاکم کو نیک و بد کی قدرت ملتی ہے چاہے خلق کو ستا کر بدنام ہو چاہے عدل و انصاف اور نیکی اختیار کر کے اپنا ذکر خیر جاری رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ کافر تھے، ہم نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ چاہے ان کو قتل کر دے یا پہلے اسلام کی طرف دعوت دے۔ ذوالقرنین نے دوسری شق اختیار کی۔

۱۱۱۔ یعنی آخرت میں بھلائی ملے گی اور دنیا میں ہم اس پر سختی نہ کریں گے بلکہ اپنے کام کے لئے جب کوئی بات اس سے کہیں گے، سہولت اور نرمی کی کہیں گے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہ ہی راہ ہوتی ہے۔ بروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہ ہی چال اختیار کی۔

۸۹۔ پھر لگا ایک سامان کے پیچھے [۱۱۲]

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾

۹۰۔ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہم نے انکے لئے آفتاب سے ورے کوئی حجاب [۱۱۳]

حَتَّىٰ إِذَا بَدَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ

عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ دُونِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

۹۱۔ یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر [۱۱۴]

كَذٰلِكَ ۗ وَقَدْ احْطٰنَا بِاٰلِئِهٖ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

۱۱۲۔ مشرق کا سفر: یعنی مغربی سفر سے فارغ ہو کر مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگا۔ قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کے لئے تھے ممکن ہے محض سیر و سیاحت کے طور پر ہوں، اثنائے سفر میں ان اقوام پر بھی گزر ہوا ہو جو اس کے زیر حکومت آچکی تھی اور بعض اقوام نے ایک طاقتور بادشاہ سمجھ کر ظالموں کے مقابلہ میں فریاد کی ہو۔ جس کا ذوالقرنین نے اپنی غیر معمولی قوت سے سدباب کر دیا۔ جیسا کہ آگے ”یا جوج ماجوج“ کے قصہ میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۳۔ مشرق کی ایک وحشی قوم: یعنی انتہائے مشرق میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں یہ لوگ وحشی جانگلو ہوں گے۔ گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا ان میں دستور نہ ہو گا۔ جیسے اب بھی بہت سے خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں ہے۔

۱۱۴۔ یعنی ذوالقرنین کے سفر مشرق و مغرب کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی طرح ہے۔ جو وسائل اس کے پس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ان سب پر ہمارا علم محیط ہے تاریخ والے شاید اس جگہ کچھ اور کہتے ہوں گے اور فی الحقیقت اتنا ہے جو فرمایا۔ بعض مفسرین نے ”کذلک“ کا مطلب یہ لیا ہے کہ ذوالقرنین نے مغربی قوم کے متعلق جو روش اختیار کی تھی ویسی ہی اس مشرقی قوم کے ساتھ اختیار کی۔ واللہ اعلم۔

۹۲۔ پھر لگا ایک سامان کے پیچھے [۱۱۵]

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾

۹۳۔ یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے ان سے ورے ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات [۱۱۶]

حَتَّىٰ إِذَا بَدَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهَا

قَوْمًا ۗ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾

۹۴۔ بولے اے ذوالقرنین یہ یاجوج و ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنا دے تو ہم میں ان میں ایک آڑ [۱۱۴]

قَالُوا يَذَّالِقُنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَ مَاْجُوجَ

مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا

عَلَى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٣﴾

۹۵۔ بولا جو مقدر دیا مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنا دوں تمہارے انکے بیچ ایک دیوار موٹی [۱۱۸]

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ

أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

۹۶۔ لا دو مجھ کو تختے لوہے کے یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پھانکوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا [۱۱۹]

أَتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَى بَيْنَ

الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا

قَالَ اتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾

۹۷۔ پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ [۱۲۰]

فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوا لَهُ

نَقْبًا ﴿٩٧﴾

۹۸۔ بولا یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرا دے اس کو ڈھا کر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا [۱۲۱]

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي

جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾

۱۱۵۔ تیسرا سفر: یہ تیسرا سفر مشرق و مغرب کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین عموماً اس کو شمالی سفر کہتے ہیں قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں۔

۱۱۶۔ ایک قوم کی درخواست: یعنی ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کی بولی وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ آگے جو گفتگو نقل کی گئی ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اور ترجمان کسی درمیانی قوم میں کا ہو گا۔ جو دونوں کی زبان قدرے سمجھتا ہو۔ (تنبیہ) اس قوم اور "یاجوج ماجوج" کے ملک میں یہ دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی۔ البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں ایک درہ کھلا ہوا تھا اسی سے "یاجوج ماجوج" آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔

۱۱۷- یاجوج ماجوج کی قوم: ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب و وسائل اور قوت و حشمت کو دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف و مصائب کا سبب اس سے ہو سکے گا۔ اس لئے گزارش کی کہ ”یاجوج ماجوج“ نے ہمارے ملک میں اودھم مچا رکھی ہے۔ یہاں آکر قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کر دیں جس سے ہماری حفاظت ہو جائے تو جو کچھ اس پر خرچ آئے ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ چاہے آپ ٹیکس لگا کر ہم سے وصول کر لیں۔ (تنبیہ) ”یاجوج ماجوج“ کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین و مورخین کے اقوال رہے ہیں۔

ایک برزخی مخلوق: میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نودی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے آدم پر منتهی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حوا تک نہیں پہنچتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا، اسی قوم میں کا ہو۔ جب حضرت مسیح جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نوح لمکیہ پیدا ہوئے۔ نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کر دیں گے، اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی۔

ذوالقرنین کی آہنی دیوار کہاں ہے: اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ سو جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے، اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں، ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے، یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا جاتا۔ لہذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا۔ اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا صحیح جواب وہ ہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی و تری پر محیط ہو چکے ہیں، واجب التسلیم نہیں۔ عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانسو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا، اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جس تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں سمندر کی دیوار اعظم جو ”آسٹریلیا“ کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ آج کل برطانوی سائنس داں ڈاکٹر سی ایم بیگ کے زیر ہدایت اس کی تحقیقات جاری ہے۔ یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے۔ جس پر بے شمار مخلوق بستی ہے جو ہم اس کام کے لئے روانہ ہوئی تھی حال میں اس نے اپنی یکساں تحقیقات ختم کی ہے جس سے سمندر کے عجیب و غریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو حیرت و استعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہم کو خشکی و تری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہر حال مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشکلیں و منکرین کے علی الرغم پیش آکر رہیں گے۔ سَتُبَدِيْ لَكَ الْاَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا، وَيَا تَبِيْكَ الْاَخْبَارُ مَا لَمْ تَتَوَدَّ۔

۱۱۸- یعنی مال میرے پاس بہت ہے مگر ہاتھ پاؤں سے ہمارے ساتھ تم بھی محنت کرو۔

۱۱۹- دیوار کی تعمیر: اول لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تھیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی، لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو، جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو کر پتے لگا۔ اس وقت پگھلا ہوا تانبا اوپر سے ڈالا جو لوہے کی درزوں میں بالکل

پیوست ہو کر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خارق عادت طریقہ سے انجام پائے ہوں گے۔ جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہئے۔ یا ممکن ہے اس وقت اس قسم کے آلات و اسباب پائے جاتے ہوں جن کا ہمیں اب علم نہیں۔

۱۲۰۔ یاجوج ماجوج دیوار نہیں توڑ سکتے: یعنی حق تعالیٰ نے یاجوج ماجوج کو فی الحال یہ قدرت نہیں دی کہ دیوار پھاند کر یا توڑ کر ادھر نکل آئیں۔

۱۲۱۔ دیوار ٹوٹنے کا وقت: یعنی محض خدا کی مہربانی سے یہ روک قائم ہوگئی اور میعاد معین تک قائم رہے گی۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے نزول اور قتل دجال کے بعد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وعدہ ہے اس وقت یہ روک ہٹا دی جائے گی۔ دیوار توڑ کر اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔ حضرت مسیحؑ کو حکم ہو گا کہ میرے خاص بندوں کو لے کر ”طور“ پر چلے جائیں۔ آخر حضرت مسیحؑ بارگاہ احدیت کی طرف دست دعا دراز کریں گے۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج پر ایک ٹیپی وبامسلط ہوگی۔ سب ایک دم مرجائیں گے۔ مزید تفصیل کتب حدیث باب ”امارات الساعات“ میں دیکھنی چاہئے۔

۹۹۔ اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک ماریں گے صور میں پھر جمع کر لائیں گے ہم ان سب کو

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنَفِخَ فِي

الصُّورِ فَجَعَلْنَاهُمْ جُبَعًا ۙ

۱۰۰۔ اور دکھلا دیں ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے [۱۲۲]

وَأَعْرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرَضًا ۙ

۱۰۱۔ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اور نہ سن سکتے تھے [۱۲۳]

الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي وَ

كَانُوا لَا يَسْمَعُونَ سَعًا ۙ

۱۲۲۔ یاجوج ماجوج کا خروج: یعنی یاجوج ماجوج سمندر کی موجوں کی طرح بی شمار تعداد میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ شدت ہول و اضطراب سے ساری مخلوق رل گڈھ ہو جائے گی۔ جن و انس ایک دوسرے میں گھسنے لگیں گے پھر قیامت کا بگل ہو گا یعنی صور پھونکا جائے گا اس کے بعد سب خدا کے سامنے میدان حشر میں اکٹھے کئے جائیں گے اور دوزخ کافروں کی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔ شاید کافروں کی تخصیص اس لئے کہ اصل میں دوزخ ان ہی کے لئے تیار کیا گیا ہے اور ان کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب وہ پردہ اٹھ گیا۔

۱۲۳۔ کفار کی حالت: یعنی خود اپنی عقل کی آنکھ برابر نہ تھی کہ قدرت کے نشان دیکھ کر یقین لاتے اور خدا کو یاد کرتے اور ضد سے کسی کی بات نہ سنی جو دوسرے کے سمجھائے سمجھ لیتے۔

۱۰۲۔ اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی [۱۲۴] ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو کافروں کی مہمانی [۱۲۵]

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ

دُونِي أَوْلِيَاءَ ۗ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ

نُزُلًا ۙ

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ تو کہہ ہم بتائیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت

الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ

۱۰۴۔ وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام [۱۲۶]

يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَائِهِ

۱۰۵۔ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اسکے ملنے سے [۱۲۷] سو برباد گیا ان کا کیا ہوا پھر نہ کھڑی کریں گے ہم انکے واسطے قیامت کے دن تول [۱۲۸]

فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾

ذَلِكَ جَزَاءُ هُمُ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَ اتَّخَذُوا آيَاتِي وَ

۱۰۶۔ یہ بدلہ ان کا ہے دوزخ اس پر کہ منکر ہوئے اور ٹھہرایا میری باتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا [۱۲۹]

رُسُلِي هُزُؤًا ﴿۱۰۶﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ

۱۰۷۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام انکے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی

جَنَّتِ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

خُلْدٍ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی [۱۳۰]

۱۲۴۔ یعنی کیا منکرین یہ گمان کرتے ہیں کہ میرے خاص بندوں (سج، عزیز، روح القدس، فرشتوں) کی پرستش کر کے اپنی حمایت میں کھڑا کر لیں گے۔ کَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم-۸۲) (ہرگز نہیں! وہ خود تمہاری حرکات سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے اور تمہارے مقابل مدعی بن کر کھڑے ہوں گے)۔

۱۲۵۔ یعنی اس دھوکے میں مت رہنا! وہاں تم کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ ہاں ہم تمہاری مہمانی کریں گے۔ دوزخ کی آگ اور قسم قسم کے عذاب سے (اعاذنا اللہ منہا)۔

۱۲۶۔ سب سے زیادہ گھائے والے طالبین دنیا: یعنی قیامت کے دن سے سے زیادہ خسارہ میں وہ لوگ ہوں گے جن کی ساری دوڑ دھوپ دنیا کے لئے تھی۔ آخرت کا کبھی خیال نہ آیا، محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابیوں کو بڑی معراج سمجھتے رہے (کذٰلہم من الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ دنیاوی زندگی میں جو کام انہوں نے اپنے نزدیک اچھے سمجھ کر کئے تھے خواہ واقع میں اچھے تھے یا نہیں وہ سب کفر کی نحوست سے وہاں بیکار ثابت

ہوئے اور تمام محنت برباد گئی۔

۱۲۷۔ یعنی نہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو مانا، نہ خیال کیا کہ کبھی اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

۱۲۸۔ کفار کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا: کافر کی حسنت مردہ ہیں، اس ابدی زندگی میں کسی کام کی نہیں۔ اب محض کفریات و سینات رہ گئیں۔ سو ایک پلہ کیا تلے تولنا تو موازنہ کے لئے تھا۔ موازنہ متقابل چیزوں میں ہوتا ہے یہاں سینات کے بالمقابل حسنہ کا وجود ہی نہیں۔ پھر تولنے کا کیا مطلب۔

۱۲۹۔ جو ٹھٹھا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

۱۳۰۔ مومن صالحین پر انعامات: یعنی ہمیشہ رہنے سے اکتائیں گے نہیں۔ ہر دم تازہ بتازہ نعمتیں ملیں گی۔ کبھی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔

۱۰۹۔ تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں  
پیشک دریا خرچ ہو چکے ابھی نہ پوری ہوں میرے رب کی  
باتیں اور اگر چہ دوسرا بھی لائیں ہم ویسا ہی اسکی مدد کو [۱۳۱]

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لَّكَلَّمْتُ رَبِّي لَنْفِدَ  
الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا

بِسْئَلِهِ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

۱۱۰۔ تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے  
مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے سو پھر جس کو امید ہو  
ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے کچھ کام نیک اور شریک  
نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو [۱۳۲]

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنبَاءُ  
الْهُمَمِ إِلَهُ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ  
فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ

أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

۱۳۱۔ اللہ کے کلمات بے شمار ہیں: قریش نے یہود کے اشارہ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا۔ سورہ ہذا کی ابتداء میں "اصحاب کہف" کا اور آخر میں ذوالقرنین کا قصہ جہاں تک موضح القرآن سے متعلق تھا، بیان فرمایا۔ اور روح کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا۔ وَمَا أَوْتَيْنَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل۔ ۸۵) اب خاتمہ سورہ پر بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی باتیں بے انتہا ہیں۔ جو باتیں تمہارے ظرف و استعداد اور ضرورت کے لائق بتلائی گئیں، حق تعالیٰ کی معلومات میں سے اتنی بھی نہیں جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔ فرض کرو اگر پورے سمندر کا پانی سیاہی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں اس کے بعد دوسرا اور تیسرا ویسا ہی سمندر اس میں شامل کرتے رہو تو سمندر ختم ہو جائیں گے، پر خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ یہیں سے سمجھو کہ قرآن اور دوسری کتب سماویہ کے ذریعہ سے خواہ کتنا ہی وسیع علم بڑی سے بڑی مقدار میں کسی کو دے دیا جائے، علم الہی کے سامنے وہ بھی قلیل ہے۔ گوئی حد ذاتہ اسے کثیر کہہ سکیں۔

۱۳۲۔ پیغمبر کا علم بھی متناہی ہوتا ہے: یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، خدا نہیں، جو خود بخود ذاتی طور پر تمام علوم و کمالات حاصل ہوں، ہاں



اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے جن میں اصل اصول علم توحید ہے، اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق یا اس کے سامنے حاضر کئے جانے کا خوف ہو اسے چاہئے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہراً و باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے۔ یعنی شرک جلی کی طرح ریا و غیرہ شرک خفی سے بھی بچتا رہے کیونکہ جس عبادت میں غیر اللہ کی شرکت ہو وہ عابد کے منہ پر ماری جائے گی۔ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّنَا مِنْ شُرُوْدِ اَنْفُسِنَا اِس آیت میں اشارہ کر دیا کہ نبی کا علم بھی تنہا ہی اور عطائی ہے، علم خداوندی کی طرح ذاتی اور غیر تنہا ہی نہیں۔

تم سورة الکھف بفضل اللہ تعالیٰ ومنہ واللہ الحمد اولاً و آخراً

ایاتھا ۹۸

۱۹ سُورَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۲۲

رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ کھینچ

كَهَيْعَصَ ﴿۱﴾

۲۔ یہ مذکور ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندہ زکریا پر [۱]

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾

۳۔ جب پکارا اُس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے [۲]

اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ﴿۳﴾

۴۔ بولا اے میرے رب بوڑھی ہو گئیں میری ہڈیاں اور شعلہ نکلا سر سے بڑھاپے کا [۳] اور تجھ سے مانگ کر اے رب میں کبھی محروم نہیں رہا [۴]

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ

شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾

۵۔ اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے [۵] اور عورت میری بانجھ ہے سو بخش تو مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتْ اِمْرَاَتِیْ

عَاقِرًا فَهَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾

۶۔ جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی [۶] اور کر اُسکو اے رب من ماننا [۷]

یَّرِثْنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۗ وَ اَجْعَلْهُ رَبِّ

رَضِیًّا ﴿۶﴾

۷۔ اے زکریا ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام ہے یحییٰ نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی [۸]

یُزَکِّرِیَّا ۗ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلْمٍ اَسْمٰهُ یَحٰیی ۗ لَمْ

نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴿۷﴾

۸۔ بولا اے رب کہاں سے ہو گا مجھ کو لڑکا اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا یہاں تک کہ اکڑ گیا [۹]

قَالَ رَبِّ اَنِّیْ یَكُوْنُ لِیْ غُلْمٌ وَ كَانَتْ اِمْرَاَتِیْ عَاقِرًا

وَ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾

۹۔ کہا یونہی ہو گا [۱۰] فرما دیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور تجھ کو پیدا کیا میں نے پہلے سے اور نہ تھا تو کوئی چیز [۱۱]

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكْ شَيْئًا ﴿٩﴾

۱۰۔ بولا اے رب ٹھہرا دے میرے لئے کوئی نشانی فرمایا تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے تین رات تک صحیح تندرست [۱۲]

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ط قَالَ آيَتُكَ إِلَّا تَكَلَّمِ النَّاسُ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾

۱۱۔ پھر نکلا اپنے لوگوں کے پاس حجرہ سے تو اشارہ سے کہا اُنکو کہ یاد کرو صبح اور شام [۱۳]

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْبُحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿١١﴾

۱۲۔ اے یحییٰ اٹھالے کتاب زور سے [۱۴] اور دیا ہم نے اُسکو حکم کرنا لڑکاپن میں [۱۵]

يُحْيِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ط وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور شوق دیا اپنی طرف سے اور سترائی اور تھا پر ہیز گار [۱۶]

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً ط وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور نیکی کرنے والا اپنے ماں باپ سے اور نہ تھا زبردست خود سر [۱۷]

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور سلام ہے اُس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو زندہ ہو کر [۱۸]

وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

۱۔ حضرت زکریا علیہ السلام: حضرت زکریا علیہ السلام "بنی اسرائیل" کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ نجاری (بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ ان کا قصہ پہلے سورہ آل عمران میں گذر چکا وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۲۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا: کہتے ہیں رات کی تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے دعا کی جیسا کہ دعا کا اصل قاعدہ ہے اذْعُو رَبَّكُمْ تَضْمَعًا وَ خُفْيَةً (اعراف-۵۵) ایسی دعا ریا سے دور اور کمال اخلاص سے معمور ہوتی ہے۔ شاید یہ بھی خیال ہو کہ بڑھاپے کی عمر میں بیٹا مانگتے تھے۔ اگر نہ ملے تو سننے والے نہیں، اور ویسے بھی عموماً بڑھاپے میں آواز پست ہو جاتی ہے۔

۳۔ یعنی بظاہر موت کا وقت قریب ہے۔ سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگیں۔

۴۔ یعنی آپ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیشہ میری دعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا اب اس آخری وقت اور ضعف و پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دعا رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔ بعض مفسرین نے وَ لَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا کے معنی یوں کئے ہیں کہ اے پروردگار! آپ کی دعوت پر میں کبھی شقی ثابت نہیں ہوا۔ یعنی جب آپ نے پکارا، برابر امتثال امر اور طاعت و فرمانبرداری کی سعادت حاصل کی۔

۵۔ قرابت والوں سے اندیشہ: ان کے بھائی بند قرابت دار نااہل ہوں گے۔ ڈر یہ ہوا کہ وہ لوگ ان کے بعد اپنی بد اعمالیوں اور غلط کاریوں سے راہ نیک نہ بگاڑ دیں اور جو دینی و روحانی دولت یعقوب کے گھرانے میں منتقل ہوتی ہوئی حضرت زکریا تک پہنچی تھی اسے اپنی شرارت اور بد تمیزی سے ضائع نہ کر دیں۔

۶۔ اللہ سے اپنے وارث کی دعا: یعنی میں بوڑھا ہوں، بیوی بانجھ ہے، ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن تو اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے اولاد عطا فرما جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اٹھاسکے۔ میں اس ضعف و پیری میں کیا کر سکتا ہوں، جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے ان کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالات نبوۃ کا وارث بنے۔ (تشبیہ انبیاء کی وراثت: احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ان کی وراثت دولت علم میں چلتی ہے۔ خود شیعوں کی مستند کتاب ”کافی کلینی“ سے بھی ”روح المعانی“ میں اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں۔ لہذا متعین ہے کہ یَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ اِلِيَّ يَعْقُوبَ میں وراثت مالی مراد نہیں جس کی تائید خود لفظ ”آل یعقوب“ سے ہو رہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے تمام آل یعقوب کے اموال و املاک کا وارث تنہا حضرت زکریا کا بیٹا کیسے ہو سکتا تھا۔ بلکہ نفس وراثت کا ذکر ہی اس موقع پر ظاہر کرتا ہے کہ مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ یہ تو تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے کہ بیٹا باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے۔ پھر دعا میں اس کا ذکر کرنا محض بیکار تھا۔ یہ خیال کرنا کہ حضرت زکریا کو اپنے مال و دولت کی فکر تھی کہ کہیں میرے گھر سے نکل کر بنی اعمام اور دوسرے رشتہ داروں میں نہ پہنچ جائے، نہایت پست اور ادنیٰ خیال ہے انبیاء کی شان یہ نہیں ہوتی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت دنیا کی متاع حقیر کی فکر میں پڑ جائیں کہ ہائے یہ کہاں جائے گی اور کس کے پاس رہے گی۔ اور لطف یہ ہے کہ حضرت زکریا بڑے دولت مند بھی نہ تھے، بڑھئی کا کام کر کے محنت سے پیٹ پالتے تھے بھلا انکو بڑھاپے میں کیا غم ہو سکتا تھا کہ چار پیسے رشتہ داروں کے ہاتھ نہ پڑ جائیں۔ العیاذ باللہ۔

۷۔ اللہ سے اپنے وارث کی دعا: یعنی ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے میری اور تیری اور اچھے لوگوں کی پسند کا ہو۔

۸۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت: یعنی دعا قبول ہوئی اور لڑکے کی بشارت پہنچی۔ جس کا نام (یحییٰ) قبل از ولادت حق تعالیٰ نے تجویز فرما دیا۔ نام بھی ایسا انوکھا جو ان سے پہلے کسی کا نہ رکھا گیا تھا۔ بعض سلف نے یہاں ”سمی“ کے معنی ”شبیبہ“ کے لئے ہیں یعنی اس شان و صفت کا کوئی شخص ان سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے کوئی ایسا لڑکا اس وقت تک پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ یا بعض خاص احوال و صفات (مثلاً وقت قلب اور غلبہ بکا وغیرہ) میں ان کی مثال پہلے نہ گذری ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۹۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا تعجب: آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب غیر متوقع اور غیر معمولی خوشخبری سنے تو مزید طمانیت و استئذاز کے لئے بار بار پوچھتا اور کھود کرید کر کیا کرتا ہے۔ اس تحقیق و تفتیش سے لذت تازہ حاصل ہوتی اور بات خوب پکی ہو جاتی ہے یہ ہی منشا حضرت زکریا کے سوال کا تھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ”انوکھی چیز مانگتے تعجب نہ آیا۔ جب سنا کہ ملے گی تب تعجب کیا۔

۱۰۔ تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ان ہی حالات میں اولاد مل جائے گی اور مشیت ایزدی پوری ہو کر رہے گی۔

۱۱۔ اللہ کی قدرت کاملہ: یہ فرشتہ نے کہا۔ یعنی تمہارے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو تو خدا کے یہاں مشکل نہیں اس

کی قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہستی ہی کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کوئی چیز نہ تھی اس کا نام و نشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردہ عدم سے وجود میں لایا۔ پھر جو قادر مطلق لاشے محض کو شے بنا دے۔ کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اس پر تو بطریق اولیٰ قدرت ہونی چاہیے۔

۱۲۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان بندی: یعنی باوجود تندرست ہونے کے جب کامل تین رات دن لوگوں کے ساتھ زبان سے بات چیت نہ کر سکے اس وقت سمجھ لینا کہ حمل قرار پا گیا ہے۔ اس کے متعلق مفصل کلام ”آل عمران“ کے فوائد میں گذر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۳۔ قوم کو وعظ و نصیحت: یعنی جب وہ وقت آیا تو زبان گفتگو کرنے سے رک گئی۔ حجرہ سے باہر نکل کر لوگوں کو اشارہ سے کہا کہ صبح و شام اللہ کو یاد کیا کرو۔ نمازیں پڑھو۔ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہو۔ یہ کہنا یا تو حسب معمول سابق وعظ و نصیحت کے طور پر ہو گا یا نعمت الہیہ کی خوشی محسوس کر کے چاہا کہ دوسرے بھی ذکر و شکر میں ان کے شریک حال ہوں۔ کیونکہ جیسا ”آل عمران“ میں گذرا حضرت زکریا کو حکم تھا کہ ان تین دن میں خدا کو بہت کثرت سے یاد کریں۔ اور خاص تسبیح کا لفظ شاید اس لئے اختیار کیا ہو کہ اکثر عجیب و غریب سماں دیکھنے پر آدمی ”سبحان اللہ“ کہا کرتا ہے۔

۱۴۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب پر عمل کا حکم: یعنی تورات اور دوسرے آسمانی صحیفوں کو جو تم پر یاد دوسرے انبیاء پر نازل کئے گئے ہوں، خوب مضبوطی اور کوشش سے تھامے رکھو۔ ان کی تعلیمات پر خود عمل کرو اور دوسروں سے کراؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یعنی علم کتاب لوگوں کو سکھانے لگا زور سے۔ یعنی باپ ضعیف تھے اور یہ جوان۔“

۱۵۔ بچپن میں نبوت: یعنی لڑکپن ہی میں ان کو حق تعالیٰ نے فہم و دانش علم و حکمت فراست صادقہ، احکام کتاب اور آداب عبودیت و خدمت کی معرفت عطا فرمادی تھی۔ لڑکوں نے ایک مرتبہ انہیں کھیلنے کو بلایا، کہا ہم اس واسطے نہیں بنائے گئے۔ بہت سے علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے عام عادت کے خلاف ان کو لڑکپن ہی میں نبوت بھی مرحمت فرمادی۔ واللہ اعلم۔

۱۶۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا محبت و تقویٰ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو شوق و ذوق، رحمت و شفقت، رقت و نرم دلی، محبت و محبوبیت عنایت فرمائی تھی۔ اور صاف ستھرا، پاکیزہ رو، پاکیزہ خو، مبارک و سعید متقی و پرہیزگار بنایا، حدیث میں ہے کہ یحییٰ نے نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ خدا کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام۔

۱۷۔ یعنی متکبر، سرکش اور خود سر نہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی آرزو کے لڑکے اکثر ایسے ہو کرتے ہیں۔ وہ ویسا نہ تھا۔“

۱۸۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ کا سلام: اللہ جو بندہ پر سلام بھیجے محض تشریف و عزت افزائی کے لئے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر کچھ گرفت نہیں یہاں یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا سے غرض تعیم اوقات و احوال ہے۔ یعنی ولادت سے لیکر موت تک اور موت سے قیامت تک کسی وقت اس پر خوردہ گیری نہیں۔ خدا کی پکڑ سے ہمیشہ مامون و مصون ہے۔

۱۶۔ اور مذکور کہ کتاب میں مریم کا جب جدا ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں [۱۹]

وَ اذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مَرْیِمَ ۙ اِذْ اَنْتَبَدَتْ مِنْ

اَهْلِهَا مَکَانًا شَرْقِیًّا ﴿۱۶﴾

۱۷۔ پھر پکڑ لیا ان سے ورے ایک پردہ پھر بھیجا ہم نے اُسکے پاس اپنا فرشتہ پھر بن کر آیا اُسکے آگے آدمی پورا [۲۰]

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۗ فَاَرْسَلْنَا اِلَیْهَا

رُوحَنَا فَتَبَثْ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴿۱۷﴾

۱۸۔ بولی مجھ کو رحمن کی پناہ تجھ سے اگر ہے تو ڈر رکھنے والا [۲۱]

قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتُ

تَقِيًّا ﴿۱۸﴾

۱۹۔ بولا میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستر [۲۲]

قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ ۗ لِاَهَبَ لَكَ غُلٰمًا

زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

۲۰۔ بولی کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور چھو انہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہیں تھی [۲۳]

قَالَتْ اَنۡیْ یُّکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمَسَّ سِنِیْ بِشَرٍّ وَّ لَمْ

اَكْ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾

۲۱۔ بولا یونہی فرما دیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے [۲۴] اور اُسکو ہم کیا چاہتے ہیں لوگوں کیلئے نشانی اور مہربانی اپنی طرف سے اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا [۲۵]

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰی هٰیۡنٍ ﴿۲۱﴾

وَّ لِنَجْعَلَهٗ اٰیةً لِلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَّ كَاۡنَ

اَمْرًا مَّقْضٰیًّا ﴿۲۱﴾

۱۹۔ حضرت مریم کی شرم و عفت: یعنی غسل حیض کرنے کو یہ ہی پہلا حیض تھا۔ تیرہ برس کی عمر تھی یا پندرہ برس کی۔ شرم کے مارے مجمع سے الگ ہو کر ایک مکان میں چلی گئیں جو "بیت المقدس" سے مشرق کی طرف تھا۔ اس لئے نصاریٰ نے مشرق کو اپنا قبلہ بنا لیا۔

۲۰۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد: یعنی حضرت جبریلؑ خوبصورت مرد کی شکل میں پہنچے، جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عموماً خوش منظر صورتوں میں متمثل ہوتے ہیں۔ اور ممکن ہے یہاں حضرت مریم کی انتہائی عفت و پاکبازی کا امتحان بھی مقصود ہو کہ ایسے زبردست دواعی و محرکات بھی اس کے جذبات عفاف و تقویٰ کو ادنیٰ ترین جنبش نہ دے سکے۔

۲۱۔ مریم نے اول وہلہ میں سمجھا کہ کوئی آدمی ہے۔ تنہائی میں دفعۃً ایک مرد کے سامنے آجانے سے قدرتی طور پر خوفزدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چہرہ پر تقویٰ و طہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمن کی پناہ میں آتی ہوں۔ اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہو گا (جیسا کہ پاک و نورانی چہرہ سے روشن تھا) تو میرے پاس سے چلا جائے گا اور مجھ سے کچھ تعرض نہ کرے گا۔

۲۲۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی بشارت: یعنی گھبراؤ نہیں۔ میری نسبت کوئی برا خیال آیا ہو تو دل سے نکال دو۔ میں آدمی نہیں، تیرے اسی رب کا (جس کی تو پناہ ڈھونڈتی ہے) بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ اس لئے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تجھ کو ایک پاکیزہ، صاف ستھرا اور مبارک و مسعود لڑکا عطا کروں غُلَامًا زَكِيًّا (پاکیزہ لڑکا) کہنے میں اشارہ ہو گیا کہ وہ حسب و نسب اور اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے بالکل پاک و صاف ہو گا۔

۲۳۔ حضرت مریم کا تعجب: مریم کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے، مگر تعجب ہوا کہ جس عورت کا شوہر نہیں جو اس کو حلال طریقہ سے چھو سکتا، اور بدکار بھی نہیں کہ حرام طریقہ سے بچہ حاصل کر لے، اس کو بحالت راہنہ پاکیزہ اولاد کیونکر مل جائے گی، جیسا کہ حضرت زکریا نے اس سے کم عجیب بشارت پر سوال کیا تھا۔

۲۴۔ یہ وہ ہی جواب ہے جو حضرت زکریا کو دیا گیا تھا۔ گذشتہ رکوع میں دیکھ لیا جائے۔

۲۵۔ یعنی یہ کام ضرور ہو کر رہے گا، پہلے سے طے شدہ ہے، تخلف نہیں ہو سکتا۔ ہماری حکمت اسی کو منقضی ہے کہ بدون مس بشر کے محض عورت کے وجود سے بچہ پیدا کیا جائے۔ اور وہ دیکھنے اور سننے والوں کے لئے ہماری قدرت عظیمہ کی ایک نشانی ہو کیونکہ تمام انسان مرد و عورت کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ آدم دونوں کے بدون پیدا ہوئے اور حوا کو صرف مرد کے وجود سے پیدا کیا گیا۔ چوتھی صورت یہ ہے جو حضرت مسیحؑ میں ظاہر ہوئی کہ مرد کے بدون صرف عورت کے وجود سے ان کا وجود ہوا۔ اس طرح پیدائش کی چاروں صورتیں واقع ہو گئیں۔ پس حضرت مسیحؑ کا وجود قدرت الہیہ کا ایک نشان اور حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے لئے بڑی رحمت کا سامان ہے۔

۲۲۔ پھر پیٹ میں لیا اسکو [۲۶] پھر یکسو ہوئی اسکو لیکر ایک بعید مکان میں [۲۷]

فَحَلَّتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾

۲۳۔ پھر لے آیا اسکو دردزہ ایک کھجور کی جڑ میں بولی کسی طرح میں مرچکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی بھولی بسری [۲۸]

فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ

يَلِيَّتَنِي مَتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا ﴿٢٣﴾

۲۴۔ پس آواز دی اسکو اسکے نیچے سے کہ نمگین مت ہو کر دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ

تَحْتِكَ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور ہلا اپنی طرف کھجور کی جڑ اُس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں [۲۹]

وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكِ

رُطْبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ [۳۰] پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے رحمن کا روزہ سوبات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے [۳۱]

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَرَقِي عَيْنًا فَمَا تَرِينَ مِنْ

الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا

فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنسِيًّا ﴿٢٦﴾

۲۶۔ قرار حمل: کہتے ہیں فرشتہ نے پھونک ماری حمل ٹھہر گیا۔ وفی البحر وذکرہ وان جبریل نفخ فی جیب درعہا اوفیہ وفی کہہا۔ والظاہر ان

السنند اليه النفخ هو الله تعالى لقوله فنفخنا (ص ۶-۱۸۱) كما قال في آدم و نفخت فيه من روحي والله اعلم -

۲۷- یعنی جب وضع حمل کا وقت قریب آیا شرم کے مارے سب سے علیحدہ ہو کر کسی بعید مکان میں چلی گئی۔ شاید وہ ہی جگہ ہے جسے "بیت اللحم" کہتے ہیں۔ یہ مقام "بیت المقدس" سے آٹھ میل ہے ذکرہ ابن کثیر عن وہب۔

۲۸- دروزہ کی شدید تکلیف: یعنی دروزہ کی تکلیف سے ایک کھجور کی جڑ کا سہارا لینے کے لئے اس کے قریب جا پہنچی اس وقت درد کی تکلیف۔ تنہائی و بیکسی، سامان ضرورت و راحت کا فقدان، اور سب سے بڑھ کر ایک مشہور پاکباز عقیفہ کو دینی حیثیت سے آئندہ بدنامی اور رسوائی کا تصور سخت بے چین کئے ہوئے تھا۔ حتیٰ کہ اسی کرب و اضطراب کے غلبہ میں کہہ اٹھی یَلَيْتَنِي مَثُّ قَبْلِ هَذَا وَكُنْتُ سَنِيًا مِّنْسِيًا (کاش میں اس وقت کے آنے سے پہلے ہی مر چکی ہوتی کہ دنیا میں میرا نام و نشان نہ رہتا اور کسی کو بھولے سے بھی یاد نہ آتی) شدت کرب و اضطراب میں گذشتہ بشارات بھی جو فرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئیں۔

۲۹- فرشتے کی بشارت: وہ مقام جہاں حضرت مریم کھجور کے نیچے تشریف رکھتی تھیں قدرے بلند تھا، اس کے نیچے سے پھر اسی فرشتے کی آواز سنائی دی کہ غمگین و پریشان مت ہو، خدا کی قدرت سے ہر قسم کا ظاہری و باطنی اطمینان حاصل کر نیچے کی طرف دیکھ اللہ تعالیٰ نے کیسا چشمہ یا نہر جاری کر دی ہے۔ یہ تو پینے کے لئے ہوا، کھانے کے لئے اسی کھجور کو ہلاؤ، پکی اور تازہ کھجوریں ٹوٹ کر گریں گی (تنبیہ) بعض سلف نے "سری" کے معنی "عظیم الشان سردار" کے لئے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ تجھ سے ایک بڑا سردار پیدا کرنے والا ہے۔ جنہوں نے "سری" کے معنی چشمہ یا نہر کے لئے ظاہر یہ ہے کہ وہ چشمہ بطور خرق عادت نکالا گیا اور کھجوریں بھی خشک درخت پر بے موسم لگ گئیں۔ اس خوارق کا دیکھنا مریم کی تسکین و اطمینان اور تفریح کا سبب تھا اور جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اس حالت میں یہ چیزیں مریم کے لئے مفید تھیں اور انہیں ضرورت بھی ہوگی۔

۳۰- یعنی تازہ کھجوریں کھا کر چشمہ کے پانی سے سیراب ہو اور پاکیزہ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر آگے کا غم نہ کھا خدا تعالیٰ سب مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔

۳۱- یعنی اگر کوئی آدمی سوال کرے تو اشارہ وغیرہ سے ظاہر کر دینا کہ میں روزہ سے ہوں مزید گفتگو نہیں کر سکتی۔ انکے دین میں یہ نیت درست تھی کہ نہ بولنے کا بھی روزہ رکھتے تھے ہماری شریعت میں ایسی نیت درست نہیں "اور کہیو میں نے مانا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کی نذر کر کے ایسا کہہ دینا "إِنِّي" کی قید شاید اس لئے لگائی کہ فرشتہ سے بات کرنا منع نہ تھا۔

۲۷- پھر لائی اسکو اپنے لوگوں کے پاس گود میں وہ اسکو کہنے لگے اے مریم تونے کی یہ چیز طوفان کی [۳۲]

جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾

۲۸- اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار [۳۳]

يَأُخْتِ هُرُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ أَمْرًا سَوْءٍ وَمَا

كَانَتْ أُمَّكَ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾

۲۹- پھر ہاتھ سے بتلایا اُس لڑکے کو [۳۴] بولے ہم کیونکر بات کریں اُس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا [۳۵]

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي

الْبَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾



۳۰۔ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اُس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اُس نے نبی کیا [۳۶]

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۙ آتَنِي الْكِتَابَ وَ جَعَلَنِي

نَبِيًّا ۙ

۳۱۔ اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ [۳۷]

وَ جَعَلَنِي مُبْرَكًا ۙ أَيْنَ مَا كُنْتُ ۙ وَ أَوْصَانِي

بِالصَّلَاةِ ۙ وَ الزَّكَاةِ ۙ مَا دُمْتُ حَيًّا ۙ

۳۲۔ اور سلوک کرنے والا اپنی ماں سے [۳۸] اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بد بخت [۳۹]

وَ بَرًّا ۙ بِوَالِدَتِي ۙ وَ لَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۙ

۳۳۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروا اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر [۴۰]

وَ السَّلَامُ عَلَيَّ ۙ يَوْمَ وُلِدْتُ ۙ وَ يَوْمَ أَمُوتُ ۙ وَ يَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۙ

۳۲۔ یعنی جب بچہ گو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے سامنے آئی تو لوگ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہنے لگے مریم تو نے غضب کر دیا، یہ بناوٹ کی چیز کہاں سے لے آئی اس سے زیادہ جھوٹ طوفان کیا ہو گا کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعویٰ کرے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔

۳۳۔ یعنی بدگمان ہو کر کہنے لگے کہ تیرے ماں باپ اور خاندان والے ہمیشہ سے نیک رہے ہیں، تجھ میں یہ بری خصلت کدھر سے آئی؟ بھلوں کی اولاد کا برا ہونا محل تعجب ہے (تنبیہ) مریم کو یَا نُحْتٰهُ هُوْدُوْنَ اس لئے کہا کہ حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی نسل سے تھی گویا اخت ہارون سے مراد "اخت قوم ہارون" ہوئی جیسے "اَذْكُرْ اَخَا عَادِ (الاحقاف- ۲۱) میں ہوڈ کو عاد کا بھائی کہا ہے حالانکہ "عاد" ان کی قوم کے مورث اعلیٰ کا نام تھا اور ممکن ہے اخت ہارون کے ظاہری معنی لئے جائیں جیسا کہ بعض احادیث صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی مریم کے بھائی کا نام ہارون تھا جیسے ہمارے زمانہ میں رواج ہے اس وقت بھی لوگ انبیاء و صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مریم کا وہ بھائی ایک مرد صالح تھا تو حاصل کلام یہ ہوا کہ تیرا باپ پاکباز تھا۔ ماں پارسا تھی، بھائی ایسانیک ہے اوپر جا کر تیرا نسب ہارون پر منتہی ہوتا ہے۔ پھر یہ حرکت تجھ سے کیونکر سرزد ہوئی۔

۳۴۔ یعنی مریم نے ہاتھ سے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ خود اس سے دریافت کرو۔

۳۵۔ حضرت مریم کا بچہ کی طرف اشارہ: یعنی اس شرمناک حرکت پر یہ ستم ظریفی؟ کہ بچہ سے پوچھ لو۔ بھلا ایک گود کے بچہ سے ہم کیسے سوال و جواب کر سکتے ہیں (تنبیہ) مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا مِّنْ كَانَ كَالْفِطْرِ اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً (بنی اسرائیل- ۳۲) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرًا لِّبَنِيْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْتَمَعُ السَّمْعُ وَ هُوَ شَهِيدٌ (ق- ۳۷) میں کان کا استعمال ایسے مضمون کے لئے ہوا ہے جس کا سلسلہ زمانہ ماضی کے گزرنے کے ساتھ منقطع نہیں ہوا اور یہاں مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ کہنے والوں نے نفی تکلم کو ایک ضابطہ کے رنگ میں پیش کیا یعنی نہ صرف عیسیٰ بلکہ ہر اس شخص سے جو گود میں بچہ ہو کلام کرنا عادتہ محال ہے۔

۳۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزانہ طور پر کلام کرنا: قوم کی طرف سے یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ خود مسیح کو حق تعالیٰ نے گویا کر دیا۔ آپ نے اس وقت جو کچھ فرمایا اس میں تمام غلط اور فاسد خیالات کا رد تھا جو آئندہ انکی نسبت قائم ہونے والے تھے ”میں بندہ ہوں اللہ کا“ یعنی خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں جیسا کہ اب نصاریٰ کا عقیدہ ہے چنانچہ اسی عقیدہ کی تردید کے لئے پہلے حضرت مسیح کی ولادت وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے۔ اور ”مجھ کو خدا نے نبی بنایا۔“ یعنی مفتری اور کاذب نہیں جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں۔ (تنبیہ) سورہ ”آل عمران“ اور ”مائدہ“ میں حضرت مسیح کے تکلم فی المہد کے متعلق کلام کیا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جن تین بچوں کے مہد میں کلام کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں ایک حضرت مسیح بن مریم ہیں۔ آج جو لوگ قرآن و حدیث کے خلاف حضرت مسیح کے تکلم فی المہد کا انکار کرتے ہیں انکے ہاتھ میں نصاریٰ کی کورانہ تقلید کے سوا کچھ نہیں۔

۳۷۔ ایک علمی وضاحت: یعنی جب تک زندہ رہوں جس وقت اور جس جگہ کے مناسب جس قسم کی صلوة و زکوٰۃ کا حکم ہو۔ اسکی شروط و حقوق کی رعایت کے ساتھ برابر ادا کرتا رہوں جیسے دوسری جگہ مومنین کی نسبت فرمایا اَلَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ (المعارج-۲۳) اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر آن اور ہر وقت نمازیں پڑھتے رہتے ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ جس وقت جس طرح کی نماز کا حکم ہو ہمیشہ پابندی سے تعمیل حکم کرتے ہیں اور اس کی برکات و انوار ہمہ وقت انکو محیط رہتی ہیں کوئی شخص کہے کہ ہم جب تک زندہ ہیں نماز، زکوٰۃ، روزہ حج وغیرہ کے مامور ہیں کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ہر ایک مسلمان مامور ہے کہ ہر وقت نماز پڑھتا رہے، ہر وقت زکوٰۃ دیتا رہے (خواہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو) ہر وقت روزے رکھتا رہے، ہر وقت حج کرتا رہے حضرت مسیح کے متعلق بھی وَمَا دُمْتُ حَيًّا كَايَا هِيَ مُطْلَبٌ سَمْعًا جَابِيَةً۔ یاد رہے کہ لفظ ”صلوة“ کچھ اصلاحی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں قرآن نے ملائکہ اور بشر سے گذر کر تمام جہان کی طرف صلوة کی نسبت کی ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرِ صٰفَّٰتٍ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلٰتَهُ وَتَسْبِيحَهُ (نور-۴۱) اور یہ بھی بتلادیا کہ ہر چیز کی تسبیح و صلوة کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی صلوة و تسبیح کس رنگ کی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے معنی بھی اصل میں طہارت، نماء، برکت و مدح کے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک معنی کا استعمال قرآن و حدیث میں اپنے اپنے موقع پر ہوا ہے۔ اسی رکوع میں حضرت مسیح کی نسبت غُلَبًا ذِكِّيًّا كَالْفَرْجِ كَزُكُوٰةٍ سے مشتق ہے۔ اور یٰكِيًّا كُوَفِّرَايَا وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزُكُوٰةٍ سورہ کہف میں ہے حَيٰوًا مِّنْهُ زُكُوٰةٌ وَّ اَقْرَبَ رَحْمًا (۸۱) اسی طرح کے عام معنی یہاں بھی زکوٰۃ کے لئے جاسکتے ہیں۔ اور ممکن ہے اَوْضَعِيْنَ بِالصَّلٰوةِ وَ الزُّكُوٰةِ سے اَوْضَعِيْنَ بِاَنْ اُمَرَ بِالصَّلٰوةِ وَ الزُّكُوٰةِ مراد ہو۔ جیسے اسماعیل کی نسبت فرمایا وَ كَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَ الزُّكُوٰةِ پھر لفظ ”اَوْضَعِيْنَ“ اپنے مدلول لغوی کے اعتبار سے اس کو متقاضی نہیں کہ وقت ایصاء ہی سے اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے۔ نیز بہت ممکن ہے کہ مَا دُمْتُ حَيًّا سے یہ ہی زمینی حیا مراد لے لی جائے۔ جیسے ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ جابر کے والد کو اللہ نے شہادت کے بعد زندہ کر کے فرمایا کہ ہم سے کچھ مانگ اس نے کہا کہ مجھے دوبارہ زندہ کر دیجئے کہ دوبارہ تیرے راستہ میں قتل کیا جاؤں۔ اس زندگی سے یقیناً زمینی زندگی مراد ہے ورنہ شہدائے لئے نفس حیات کی قرآن میں اور خود اسی حدیث میں تصریح موجود ہے۔ یہ ہی مطلب حیا کا لَوْ كَانَ مَوْسٰی وَ عِيسٰی حَيِّينِ الخ میں سمجھو۔ اگر بالفرض اس کا حدیث ہونا ثابت ہو جائے۔ ”بالفرض“ ہم نے اس لئے کہا کہ اس کی اسناد کا کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۸۔ چونکہ باپ کوئی نہ تھا اس لئے صرف ماں کا نام لیا۔

۳۹۔ یہ سب جملے جو بصیغہ ماضی لائے گئے بے شک اس کے معنی ماضی ہی کے لئے جائیں گے۔ لیکن اس طرح کہ مستقبل متیقن الوقوع کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ جیسے اَنَّىٰ اَمْرٌ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل-۱) میں۔ اس طرح مسیح نے بچپن میں ماضی کے صیغہ استعمال کر کے متنبہ کر دیا

کہ ان سب چیزوں کا آئندہ پایا جانا ایسا قطعی اور یقین ہے کہ اسے یہ ہی سمجھنا چاہئے کہ گویا پائی جا چکی۔ حضرت مسیح کی اس خارق عادت گفتگو سے اور ان اوصاف و خصال سے جو بیان کئے نہایت بلاغت کے ساتھ اس ناپاک تہمت کا رد ہو گیا جو ان کی والدہ ماجدہ پر لگائی جاتی تھی۔ اول تو ایک بچہ کا بولنا، اور ایسا جامع و موثر کلام طبعا دشمنوں کو خاموش کرنے والا تھا پھر جس ہستی میں ایسی پاکیزہ خصال پائی جائیں ظاہر ہے وہ العیاذ باللہ ولد الزنا کیسے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ خود ان کے اقرار مَّا كَانَ اَبُوكَ اَمْرًا سَوِيًّا وَمَا كَانَتْ اُمُّكَ بَغِيًّا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فروع کو اصول کے موافق دیکھنا چاہتے تھے۔

۳۰۔ اس جملہ کے ہم معنی جملہ پہلے حضرت یحییٰ کے ذکر میں گزر چکا فرق اتنا ہے کہ وہاں خود حق تعالیٰ کی طرف سے کلام تھا۔ یہاں حق تعالیٰ نے مسیح کی زبان سے وہ ہی بات فرمائی۔ نیز ”سلام“ اور ”السلام“ کا فرق بھی قابل لحاظ ہے۔

۳۳۔ یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا سچی بات جس میں لوگ جھگڑتے ہیں [۳۱]

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ

يَسْتَرْوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۵۔ اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد وہ پاک ذات ہے جب ٹھہر لیتا ہے کسی کام کا کرنا سو یہی کہتا ہے اسکو کہ ہو وہ ہو جاتا ہے [۳۲]

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهُ ۗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّا يٰقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور کہا بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اُسکی بندگی کرو یہ ہے راہ سیدھی

وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاَعْبُدُوْهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ پھر جدی جدی راہ اختیار کی فرقوں نے ان میں سے سو خرابی ہے منکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا [۳۳]

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۗ فَوَيْلٌ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ کیا خوب سنتے اور دیکھتے ہونگے جس دن آئیں گے ہمارے پاس پر بے انصاف آج کے دن صریح بہک رہے ہیں [۳۴]

اَسْبِعْ بِهٖمْ وَاَبْصُرْ ۗ يَوْمَ يٰتُوْنَنَا لِكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اور ڈر سنا دے اُنکو اُس بچتاوے کے دن کا جب فیصل ہو چکے گا کام [۳۵] اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے [۳۶]

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسٰمَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾

۴۰۔ ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر اور وہ ہماری طرف پھر آئیں گے [۴۰]

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِنَّا يُرْجَعُونَ

۴۱۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم: یعنی حضرت مسیح کی شان و صفت یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ ایک سچی اور کھلی ہوئی بات میں لوگوں نے خواہ مخواہ جھگڑے ڈال لئے۔ اور طرح طرح کے اختلافات کھڑے کر دیے۔ کسی نے ان کو خدا بنا دیا کسی نے خدا کا بیٹا۔ کسی نے کذاب و مفتری کہا کسی نے نسب وغیرہ پر طعن کیا۔ سچی بات وہ ہی ہے جو ظاہر کر دی گئی۔ کہ خدا انہیں، خدا کے مقرب بندے ہیں جھوٹے مفتری نہیں۔ سچے پیغمبر ہیں ان کا حسب نسب پاک و صاف ہے۔ خدا نے ان کو، کلمۃ اللہ ”فرمایا ہے اور ممکن ہے“ قول الحق ”کے معنی بھی یہاں“ کلمۃ اللہ ”کے ہوں۔

۴۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت کا رد: جس کے ایک ”کن“ (ہو جا) کہنے میں ہر چیز موجود ہو اسے بیٹے پوتوں کی کیا ضرورت لاحق ہو گی۔ کیا (العیاذ باللہ) اولاد ضعیفی میں سہارا دے گی؟ یا مشکلات میں ہاتھ بٹائے گی؟ یا اس کے بعد نام چلائے گی؟ اور اگر شبہ ہو کہ عموماً آدمی ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر حضرت مسیح کا باپ کسے کہیں؟ اس کا جواب بھی اسی جملہ ”کن فیکون“ میں آگیا۔ یعنی ایسے قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک بچہ کو بن باپ پیدا کر دے۔ اگر عیسائی خدا کو باپ اور مریم کو ماں کہتے ہیں تو کیا (معاذ اللہ) دوسرے تعلقات زناشوی کا بھی اقرار کریں گے؟ باپ مان کر بھی بہر حال تخلیق کا طریقہ وہ تو نہ ہو گا جو عموماً والدین میں ہوتا ہے۔ پھر بدو ن باپ کے پیدا ہونے میں کیا اشکال ہے۔

۴۳۔ توحید خالص کی تعلیم: یہ کس نے کہا؟ بعض کے نزدیک یہ حضرت مسیح کا مقولہ ہے۔ گویا پیشتر حضرت مسیح کی جو گفتگو قال اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ سے نقل کی گئی تھی، یہ اس کا تکرار ہوا۔ درمیان میں مخاطبین کی تشبیہ کے لئے ذَلِکَ عِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ سے حق تعالیٰ کا کلام تھا میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس کو وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ الخ کے ساتھ لگایا جائے۔ یعنی (اے محمد ﷺ) کتاب میں مریم و مسیح کا حال سنا کر جو مذکور ہو چکا، کہدو کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ تمہا اسی کی بندگی کرو۔ بیٹے، پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحید خالص کی ہے جس میں کچھ ایچ پیچ نہیں۔ سب انبیاء اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے۔ لیکن لوگوں نے بہت سے فرقے بنا لئے اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں، انہیں بڑے ہولناک دن (روز قیامت) کی تباہی سے خبردار رہنا چاہئے جو یقیناً پیش آنے والی ہے۔

۴۴۔ آخرت میں کفار کا دیکھنا سننا: یعنی آج تو جبکہ سننا اور دیکھنا مفید تھا، بالکل اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا، آنکھیں اور کان خوب کھل جائیں گے اس وقت وہ باتیں سنیں گے جن سے جگر پھٹ جائیں اور وہ منظر دیکھیں گے جس سے چہرے سیاہ ہو جائیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

۴۵۔ کافروں کو پچتانے کے بہت مواقع پیش آئیں گے۔ آخری موقع وہ ہو گا جب موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت و دوزخ کے درمیان سب کو دکھا کر ذبح کیا جائے گا اور ند آئے گی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہ پڑے، اس کے بعد کسی کو موت آنے والی نہیں۔ اس وقت کافر بالکل ناامید ہو کر حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے لیکن اب پچتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

۴۶۔ کفار کی غفلت: یعنی اس وقت انہیں یقین نہیں کہ واقعی ایسا دن آنے والا ہے وہ غفلت کے نشہ میں مخمور ہیں اور بڑی بھاری بھول میں پڑے ہیں۔ کاش اس وقت آنکھیں کھولتے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھتے اس دن پچتانے سے حسرت و افسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اَلَّذِیْنَ قَدْ نَدِمْتُ وَمَا یَنْفَعُ النَّدْمِیْنَ۔

۴۷۔ یعنی کسی کا مالک یا مالک باقی نہ رہے گی۔ ہر چیز براہ راست مالک حقیقی کی طرف لوٹ جائے گی۔ وہ ہی بلا واسطہ حاکم و متصرف علی الاطلاق ہو

گا۔ جس چیز میں جس طرح چاہے گا اپنی حکمت کے موافق تصرف کرے گا دنیا کے جن سامانوں نے تم کو غفلت میں ڈال رکھا ہے سب کا ایک ہی وارث باقی رہ جائے گا۔ ملک و ملک کے لیے چوڑے دعوے رکھنے والے سب فنا کے گھاٹ اتار دیے جائیں گے۔

۴۱۔ اور مذکور کتاب میں ابراہیم کا [۴۸] بیشک تھا وہ سچا نبی [۴۹]

وَ اذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِبْرٰهٖمَ ۙ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا

نَبِیًّا ﴿۴۱﴾

۴۲۔ جب کہا اپنے باپ کو اے باپ میرے کیوں پوجتا ہے اسکو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تیرے کچھ [۵۰]

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا

یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا ﴿۴۲﴾

۴۳۔ اے باپ میرے مجھ کو آئی ہے خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل دکھلا دوں تجھ کو راہ سیدھی [۵۱]

یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جِآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یٰۤاَتِکَ

فَاتَّبِعَنِ ۙ اَھْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ﴿۴۳﴾

۴۴۔ اے باپ میرے مت پوج شیطان کو بیشک شیطان ہے رحمن کا نافرمان [۵۲]

یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ

لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ﴿۴۴﴾

۴۵۔ اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں کہیں آگے تجھ کو ایک آفت رحمن سے پھر تو ہو جائے شیطان کا ساتھی [۵۳]

یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّیْسَکَ عَذَابٌ مِّنَ

الرَّحْمٰنِ فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وِلِیًّا ﴿۴۵﴾

۴۶۔ وہ بولا کیا تو پھر اہوا ہے میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر تو باز نہ آئے گا تو تجھ کو سنسار کروں گا اور دور ہو جا میرے پاس سے ایک مدت [۵۴]

قَالَ اَرَاغِبُ اَنْتَ عَنِ الْہٰتِیْ یٰۤاِبْرٰهٖمُ ۚ لَیْسَ لَکُمْ

تَنْتَہِ لَا رُجُوبَ لَکَ وَ اَھْجُرُنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾

۴۷۔ کہا تیری سلامتی رہے [۵۵] میں گناہ بخشواؤں گا تیرا اپنے رب سے بیشک وہ ہے مجھ پر مہربان [۵۶]

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْکَ ۚ سَأَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ ۙ اِنَّہٗ کَانَ

بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾

۴۸۔ اور چھوڑتا ہوں تم کو اور جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اور میں بندگی کروں گا اپنے رب کی امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی کر کر محروم [۵۷]

وَاعْتَرِزْكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴿۲۸﴾

۴۹۔ پھر جب جدا ہوا ان سے اور جنکو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہم نے اُسکو اسحق اور یعقوب اور دونوں کو نبی کیا [۵۸]

فَلَمَّا اعْتَرَزَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ط وَكَلَّمَا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۲۹﴾

۵۰۔ اور دیا ہم نے انکو اپنی رحمت سے اور کہا اُنکے واسطے سچا بول اونچا [۵۹]

وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۳۰﴾

صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۳۰﴾

۴۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے نبی تھے: گذشتہ رکوع میں حضرت مسیح و مریم کا قصہ بیان فرما کر نصاریٰ کا رد کیا گیا تھا جو ایک آدمی کو خدا بنا رہے ہیں۔ اس رکوع میں مشرکین مکہ کو شرمانے کے لئے حضرت ابراہیم کا قصہ سنایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ تک کو کس طرح شرک و بت پرستی سے روکا اور آخر کار وطن و اقارب کو چھوڑ کر خدا کے واسطے ہجرت اختیار کی۔ مشرکین مکہ کا دعویٰ تھا کہ وہ ابراہیم کی اولاد میں اور اسی کے دین پر ہیں۔ انہیں بتلایا گیا کہ بت پرستی کے متعلق تمہارے باپ ابراہیم کا رویہ کیا رہا ہے۔ اگر آباؤ اجداد کی تقلید کرنا چاہتے ہو تو ایسے باپ کی تقلید کرو۔ اور مشرک باپ دادوں سے اسی طرح بیزار ہو جاؤ جیسے ابراہیم ہو گئے تھے۔

۴۹۔ ”صدیق“ کے معنی ہیں ”بہت زیادہ سچ کہنے والا، جو اپنی بات کو عمل سے سچا کر دکھائے۔ یادہ راستباز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ و اکمل استعداد موجود ہو۔ جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقف اس کے دل میں اتر جائے۔ شک و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ابراہیم ہر ایک معنی سے صدیق تھے۔ اور چونکہ صدیقیت کے لئے نبوت لازم نہیں اس لئے آگے صِدِّيقًا کے ساتھ نَبِيًّا فرما کر نبوت کی تصریح کر دی یہیں سے معلوم ہو گیا کہ کذبات ثلاثہ کی حدیث اور نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيمَ وغیرہ روایات میں کذب و شک کے وہ معنی مراد نہیں جو سچ کلام سے مفہوم ہوتے ہیں۔

۵۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کو تبلیغ: یعنی جو چیز دیکھتی سنتی ہو اور مشکلات میں کچھ کام آسکے مگر واجب الوجود نہ ہو، اسکی عبادت بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک پتھر کی بے جان مورتی جو نہ سنے نہ دیکھے نہ ہمارے کسی کام آئے، خود ہمارے ہاتھ کی تراشی ہوئی۔ اس کو معبود ٹھہر لینا کسی عاقل اور خوددار کا کام نہیں ہو سکتا۔

۵۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو توحید و معاد وغیرہ کا صحیح علم دیا اور حقائق شریعت سے آگاہ کیا ہے۔ اگر تم میری پیروی کرو گے تو سیدھی راہ پر لے چلوں گا۔ جو رضائے حق تک پہنچانے والی ہے اس کے سوا سب راستے ٹیڑھے ترچھے ہیں جن پر چل کر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

۵۲۔ بتوں کو پوجنا شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اور شیطان اس حرکت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بتوں کی پرستش گویا شیطان کی پرستش ہوئی۔ اور نافرمان کی پرستش رحمن کی انتہائی نافرمانی ہے۔ شاید لفظ ”عصی“ میں ادھر بھی توجہ دلائی ہو کہ شیطان کی پہلی نافرمانی کا اظہار اس وقت ہوا تھا جب تمہارے باپ آدم کے سامنے سر بسجود ہونے کا حکم دیا گیا، لہذا اولاد آدم کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ رحمن کو

چھوڑ کر اپنے اس قدیم ازلی دشمن کو معبود بنا لیں۔

۵۳۔ یعنی رحمن کی رحمت عظیمہ تو چاہتی ہے کہ تمام بندوں پر شفقت و مہربانی ہو، لیکن تیری بد اعمالیوں کی شامت سے ڈر ہے کہ ایسے حلیم و مہربان خدا کو غصہ نے آجائے اور تجھ پر کوئی سخت آفت نازل نہ کر دے جس میں پھنس کر تو ہمیشہ کے لئے شیطان کا ساتھی بن جائے۔ یعنی کفر و شرک کی مزاولت سے آئندہ ایمان و توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو اور اولیاء الشیطان کے گروہ میں شامل کر کے دائمی عذاب میں دھکیل دیا جائے عموماً مفسرین نے یہ ہی معنی لئے ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”یعنی کفر کے وبال سے کچھ آفت آئے اور تو مد مانگنے لگے شیطان سے یعنی بتوں سے، اکثر لوگ ایسے ہی وقت شرک کرتے ہیں۔“ واللہ اعلم۔

۵۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا غصہ: باپ نے حضرت ابراہیمؑ کی تقریر سن کر کہا، ”معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے معبودوں سے بد عقیدہ ہے۔ بس اپنی بد اعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دے، ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا بلکہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے ایک مدت (عمر بھر) کے لئے دور ہو جا۔ میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں یہاں سے روانہ ہو جا۔“

۵۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے جدائی: یہ رخصت یا متارکت کا سلام ہے۔ جیسے ہمارے محاورات میں ایسے موقع پر کہہ دیتے ہیں کہ ”فلاں بات یوں ہے تو ہمارا سلام لو“۔ دوسری جگہ فرمایا ”وَإِذَا سَبَعُوا اللَّغْوَ اعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَّا آغْمَانُنَا وَكَلَّمْنَاكُمْ سَلْمًا عَلَيْنَا لَوْلَا رَبُّنَا الَّذِي أَلَمَّ الْأَبْرَارَ“ (القصص-۵۵) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”معلوم ہوا اگر دین کی بات سے ماں باپ ناخوش ہوں اور گھر سے نکلنے لگیں اور بیٹا ماں باپ کو میٹھی بات کہہ کر نکل جائے وہ بیٹا عاق نہیں۔“

۵۶۔ والد کے لئے استغفار کا وعدہ: امید ہے اپنی مہربانی سے میرے باپ کے گناہ معاف فرمادے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے استغفار کا وعدہ ابتداً کیا تھا۔ چنانچہ استغفار کرتے رہے جب اللہ کی مرضی نہ دیکھی تب موقوف کیا۔ یہ بحث سورہ توبہ (براءۃ) میں مَآكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلنَّاسِ كَمَا سَبَّحُوا لِلَّهِ كَمَا سَبَّحُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَئِنْ عُدْتُمْ عَدُوًّا لَأُضَاعِفَنَّ لَهُمْ سَعْدًا فَتَضَاعَفَتِ عَذَابُهُمْ كَمَا كَانُوا يُضَاعِفُونَ لِمَا كَانُوا يكَفُرُونَ“ (توبہ-۸۴) میں ملاحظہ کر لی جائے۔

۵۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت: یعنی میری نصیحت کا جب کوئی اثر تم پر نہیں، بلکہ اللہ مجھے دھمکیاں دیتے ہو، تو اب میں خود تمہاری بستی میں رہنا نہیں چاہتا۔ تم کو اور تمہارے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر وطن سے ہجرت کرنا ہوں تاکہ یکسو ہو کر اطمینان سے خدائے واحد کی عبادت کر سکو حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے کامل امید ہے کہ اس کی بندگی کر کے میں محروم و ناکام نہیں رہوں گا۔ غربت و بے کسی میں جب اس کو پکاروں گا، ادھر سے ضرور اجابت ہوگی۔ میرا خدا پتھر کی مورتی نہیں کہ کتنا ہی چیخو چلاؤ سن ہی نہ سکے۔

۵۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات: یعنی اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور انہوں سے دور پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اپنے دیے تاکہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور انس و سکون حاصل کریں۔ شاید حضرت اسمعیل کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ ان کے پاس نہیں رہے بچپن ہی میں جدا کر دیے گئے تھے۔ نیز ان کا مستقل تذکرہ آگے آنے والا ہے (تنبیہ) حضرت اسحاقؑ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے اور حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے ہیں۔ ان ہی سے سلسلہ بنی اسرائیل کا چلا۔ جن میں سینکڑوں نبی ہوئے۔

۵۹۔ یعنی اپنی رحمت خاصہ سے ان کو بڑا حصہ عنایت فرمایا اور دنیا میں بول بالا کیا اور ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ چنانچہ تمام مذاہب و ملل ان کی تعظیم و توصیف کرتے ہیں اور امت محمدیہ دائماً اپنی نمازوں میں پڑھتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ فِی الْحَقِیْقَةِ یٰہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا وَاجْعَلْ لِّی لِسَانَ صِدِّقٍ فِی الْاٰخِرٰیۤنِ (الشعراء-۸۴) کی مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

۵۱۔ اور مذکور کتاب میں موسیٰ کا [۶۰] بیشک وہ تھا چنا ہوا اور تھار سول نبی [۶۱]

وَ اذْکُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلِصًا وَّ كَانَ

رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

۵۲۔ اور پکارا ہم نے اُسکو داہنی طرف سے طور پہاڑ کی اور نزدیک بلایا اُسکو بھید کہنے کو [۶۲]

وَ نَادَيْنٰهٗ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَّ قَرَّبْنٰهٗ

نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

۵۳۔ اور بخشا ہم نے اُسکو اپنی مہربانی سے بھائی اُس کا ہارون نبی [۶۳]

وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا اٰخَاهُ هٰرُونَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

۵۴۔ اور مذکور کتاب میں اسمعیل کا وہ تھا وعدہ کا سچا اور تھار سول نبی [۶۴]

وَ اذْکُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ

الْوَعْدِ وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾

۵۵۔ اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوٰۃ کا [۶۵] اور تھا اپنے رب کے یہاں پسندیدہ [۶۶]

وَ كَانَ يٰمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۗ وَ كَانَ

عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

۵۶۔ اور مذکور کتاب میں ادریس کا وہ تھا سچا نبی [۶۷]

وَ اذْکُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرِيسَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا

نَبِيًّا ﴿۵۶﴾

۵۷۔ اور اٹھالیا ہم نے اسکو ایک اونچے مکان پر [۶۸]

وَ رَفَعْنٰهٗ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

۵۸۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر انعام کیا اللہ نے پیغمبروں میں آدم کی اولاد میں اور اُن میں جنکو سوار کر لیا ہم نے نوح کے ساتھ اور ابراہیم کی اولاد میں اور اسرائیل کی [۶۹] اور اُن میں جنکو ہم نے ہدایت کی اور پسند کیا [۷۰] جب اُنکو سنائے آیتیں رحمن کی گرتے ہیں سجدہ میں اور روتے ہوئے [۷۱]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ

مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ وَ مِمَّنْ

ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ ۚ وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا وَ

اجْتَبَيْنَا ۗ اِذَا تَتْلٰى عَلَيْهِمْ آيٰتُ الرَّحْمٰنِ



## خَرُّوا سَجْدًا وَبِكِيًّا

۶۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تذکیر: یعنی قرآن کریم میں جو حال موسیٰ کا بیان کیا جا رہا ہے، لوگوں کے سامنے ذکر کیجئے۔ کیونکہ وہ اسحق و یعقوب کی نسل سے اسرائیلی سلسلہ کے اولاد العزم پیغمبر اور مشرع اعظم ہوئے ہیں۔ اور جس طرح حضرت یحییٰ و عیسیٰ کے تذکرہ میں خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کی اصلاح اور ابراہیمؑ کے ذکر میں مشرکین مکہ کو متنبہ کرنا مقصود تھا، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تذکروں سے شاید ”یہود“ کو بتانا ہو کہ قرآن کس قدر کشادہ دلی سے ان کے مقتدائے اعظم کے واقعی کمالات و محاسن کا اعلان کرتا ہے۔ یہود کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی صریح پیشین گوئی کے موافق اسمعیلی نبی (محمد ﷺ) کی رسالت و نبوت کا کھلے دل سے اعتراف کریں۔ شاید اسی لئے حضرت کے بعد روئے سخن حضرت اسمعیلؑ کی طرف پھیر دیا گیا۔

۶۱۔ رسول اور نبی کا فرق: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے وہ ”نبی“ ہے۔ انبیاء میں سے جن کو خصوصی امتیاز حاصل ہو، یعنی مکذبین کے مقابلہ پر جداگانہ امت کی طرف مبعوث ہوں یا نئی کتاب اور مستقل شریعت رکھتے ہوں، وہ ”رسول نبی“ یا ”نبی رسول“ کہلاتے ہیں۔ شریعت میں جزئی تصرف مثلاً کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقييد وغیرہ رسول کے ساتھ مخصوص نہیں عام انبیاء بھی کر سکتے ہیں۔ باقی غیر انبیاء پر رسول یا مرسل کا اطلاق جیسا کہ قرآن کے بعض مواضع میں پایا جاتا ہے وہ اس معنی مصطلح کے اعتبار سے نہیں۔ وہاں دوسری حیثیات معتبر ہیں۔ واللہ اعلم۔

۶۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کا کلام: یعنی موسیٰ جب آگ کی چمک محسوس کر کے ”طور“ پہاڑ کی اس مبارک و میمون جانب میں پہنچ گئے جو ان کے دائیں ہاتھ مغرب کی طرف واقع تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پکارا اور ہم کلامی کا شرف بخشا۔ تفصیل سورہ ”طہ“ میں آئے گی کہتے ہیں کہ موسیٰ اس وقت ہر جہت اور ہر بن موسیٰ سے خدا کا کلام سن رہے تھے جو بدون توسط فرشتے کے ہو رہا تھا۔ اور روحانی طور پر اس قدر قرب و علوم حاصل تھا کہ نبی قلموں کی آواز سنتے تھے جن سے تورات نقل کی جا رہی تھی وحی کو ”بھید“ اس لئے فرمایا کہ اس وقت کوئی بشر استماع میں شریک نہ تھا۔ گو بعد میں اوروں کو بھی خبر کر دی گئی۔ واللہ اعلم۔

۶۳۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر اللہ کی رحمت: یعنی ہارونؑ حضرت موسیٰ کے کام میں مددگار ہوئے جیسا کہ انہوں نے خود درخواست کی تھی۔ وَ اٰخِي هَارُونَ هُوَ اَفْصَحُ مِثِّي لِسَانًا فَاَرْسَلْنَاهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي (القصص - ۳۴) اور وَ اجْعَلْ لِي وَ زِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ - هٰرُوْنَ اَخِيْ (طہ - ۲۹، ۳۰) حق تعالیٰ نے درخواست قبول فرمائی اور ہارونؑ کو نبی بنا کر ان کی اعانت و تقویت کے لئے دے دیا ویسے عمر میں حضرت ہارونؑ بڑے تھے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی نے اپنے بھائی کے لئے اس سے بڑی شفاعت نہیں کی جو موسیٰ نے حضرت ہارونؑ کے لئے کی تھی۔

۶۴۔ حضرت اسمعیلؑ کی مدح اور حضرت اسحقؑ پر فضیلت: اس سے حضرت اسمعیلؑ کی فضیلت حضرت اسحقؑ پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کو صرف نبی فرمایا اور اسمعیلؑ کو رسول نبی کہا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰنِيْ مِنْ وَاٰلِهِيْمُ اِسْمَاعِيْلُ (ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اللہ نے اسمعیلؑ کو چن لیا) حضرت اسمعیلؑ عرب حجاز کے مورث اعلیٰ اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے اجداد میں سے ہیں جو ابراہیمی شریعت دے کر ”بنی جرم“ کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔ خدا سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا پورا کر کے دکھلایا ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو آئے میں اسی جگہ رہوں گا۔ کہتے ہیں وہ ایک برس نہ آیا، یہ وہیں رہے نبی ﷺ سے بھی منقول ہے کہ قبل از بعثت آپ سے عبد اللہ بن ابی الحساء نے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریے میں ابھی آتا ہوں۔ آپ تین دن تک اسی جگہ رہے۔ جب وہ واپس آیا تو فرمایا کہ تو نے ہم کو تکلیف دی میں حسب وعدہ تین دن سے یہیں ہوں۔ حضرت اسمعیلؑ کے وعدہ کی انتہائی سچائی اس وقت ظاہر ہوئی جب اپنے باپ

ابراہیم سے کہا تھایا بکتِ افعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ (صافات- ۱۰۲) اور اسی طرح کر کے دکھایا۔

۶۵۔ حضرت اسمعیل کی گھر والوں کو تبلیغ: کیونکہ گھر والے قریب ہونے کی وجہ سے ہدایت کے اول مستحق ہیں۔ ان سے آگے کو سلسلہ چلتا ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا وَ أَمْرًا هَلَكًا بِالصَّلَاةِ وَ أَصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طہ- ۱۰۲) اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَ أَهْلِيكُمْ نَارًا (تحریم- ۶) خود نبی کریم ﷺ کو بھی یہ ہی ارشاد ہوا۔ وَ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (شعراء- ۲۱۳) بعض کہتے ہیں کہ یہاں ”اہل“ سے ان کی ساری قوم مراد ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود کے مصحف میں ”اَہْلَہُ“ کی جگہ ”قومہ“ تھا۔ واللہ اعلم۔

۶۶۔ یعنی دوسروں کو ہدایت کرنا اور خود اپنے اقوال و افعال میں پسندیدہ مستقیم الحال اور مرضی الخصال تھا۔

۶۷۔ حضرت ادریس علیہ السلام: راجح یہ ہے کہ ادریس حضرت آدم اور نوح کے درمیانی زمانہ میں گزرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں نجوم و حساب کا علم، قلم سے لکھنا، کپڑا سینا، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا اول ان سے چلا۔ واللہ اعلم۔ شب معراج میں نبی کریم ﷺ کی چوتھے آسمان پر ان سے ملاقات ہوئی۔

۶۸۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا مقام رفعت: یعنی قرب و عرفان کے بہت بلند مقام اور اونچی جگہ پر پہنچایا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کی طرح وہ بھی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اب تک زندہ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ آسمان پر لے جا کر روح قبض کی گئی۔ انکے متعلق بہت سی اسرائیلیات مفسرین نے نقل کی ہیں۔ ابن کثیر نے ان پر تنقید کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۹۔ یہی لوگ انعام والے ہیں: یعنی جن انبیاء کا ابتدائے سورۃ سے یہاں تک ذکر ہوا۔ اسی قسم کے لوگوں پر حق تعالیٰ نے اپنے انعامات کی بارش کی ہے۔ یہ سب آدم کی اولاد ہیں اور ادریس کے سوا باقی سب انکی اولاد بھی ہیں جنہیں نوح کے ساتھ ہم نے کشتی پر سوار کیا تھا اور بعض ابراہیم کی ذریت میں ہیں۔ مثلاً اسحاق، یعقوب، اسمعیل علیہم السلام اور بعض اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ مثلاً موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم السلام۔

۷۰۔ یعنی طریق حق کی طرف ہدایت کی اور منصب نبوت و رسالت کے لئے پسند کر لیا۔

۷۱۔ تلاوت قرآن کا ادب: یعنی باوجود اس قدر علو مقام اور معراج کمال پر پہنچنے کے شان عبودیت و بندگی میں کامل ہیں۔ اللہ کا کلام سن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کر نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اس کو یاد کر کے روتے ہیں اسی لئے علماء کا اجماع ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہئے۔ تا ان مقربین کے طرز عمل کو یاد کر کے ایک طرح کی مشابہت ان سے حاصل ہو جائے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمر نے سورہ مریم پڑھ کر سجدہ کیا اور فرمایا هَذَا السُّجُودُ فَآيُنَ الْبِكِي (یہ تو سجدہ ہوا، آگے بکاء کہاں ہے) بعض مفسرین نے یہاں ”آیات الرحمن“ سے خاص آیات سجود اور ”سُجَّدًا“ سے سجود تلاوت مرالیا ہے۔ مگر ظاہر وہی ہے جو تقریر ہم پہلے کر چکے ہیں حدیث میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ، اگر رونانہ آئے تو (کم از کم) رونے کی صورت بنا لو۔

۵۹۔ پھر انکی جگہ آئے ناخلف کھو بیٹھے نماز اور پیچھے پڑ گئے  
مزدوں کے سو آگے دیکھ لیں گے مگر اہی کو [۷۲]

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَ

اتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيَابًا ﴿٥٩﴾

۶۰۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کی نیکی سو وہ لوگ

إِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ

جائیں گے بہشت میں اور ان کا حق ضائع نہ ہو گا کچھ [۴۳]

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿٦٠﴾

۶۱۔ باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ کیا ہے رحمن نے اپنے بندوں سے اُنکے بن دیکھے بیشک ہے اُس کے وعدہ پر پہنچنا [۴۴]

بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا ﴿٦١﴾

۶۲۔ نہ سنیں گے وہاں بک بک سوائے سلام [۴۵] اور اُنکے لئے ہے اُنکی روزی وہاں صبح اور شام [۴۶]

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ

فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًا ﴿٦٢﴾

۶۳۔ یہ وہ بہشت ہے جو میراث دیگئے ہم اپنے بندوں میں جو کوئی ہو گا پر ہیز گار [۴۷]

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ

تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

۷۲۔ نماز ضائع کرنے والوں کو سزا: وہ تو اگلوں کا حال تھا۔ یہ پچھلوں کا ہے کہ دنیا کے مڑوں اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو گئے نماز جو اہم العبادات ہے اسے ضائع کر دیا۔ بعض تو فرضیت ہی کے منکر ہو گئے۔ بعض نے فرض جانا مگر پڑھی نہیں بعض نے پڑھی تو جماعت اور وقت وغیرہ شرط و حقوق کی ریاعت نہ کی ان میں سے ہر ایک درجہ بدرجہ اپنی گمراہی کو دیکھ لے گا کہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور کس طرح کی بدترین سزا میں پھنساتی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کو جہنم کی اس بدترین وادی میں دھکیلا جائے گا۔ جس کا نام ہی ”غی“ ہے۔

۷۳۔ توبہ کرنے والوں کی فضیلت: یعنی توبہ کا دروازہ ایسے مجرموں کے لئے بھی بند نہیں جو گناہگار سچے دل سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر لے اور اپنا چال چلن درست رکھے بہشت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ توبہ کے بعد جو نیک اعمال کرے گا سابق جرائم کی بناء پر اس کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی نہ کسی قسم کا حق ضائع ہو گا۔ حدیث میں ہے۔ اَلْتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا) اَللّٰهُمَّ تُبِّ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

۷۴۔ جنت کے انعامات: جب یہ بندے اُن دیکھی چیزوں پر پیغمبروں کے فرمانے سے ایمان لائے، بن دیکھے خدا کی عبادت کی، تو اللہ نے ان سے جنت کی ان دیکھی نعمتوں کا وعدہ فرمایا۔ جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ خدا کے وعدے بالکل حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔

۷۵۔ یعنی جنت میں لغو و بیکار باتیں اور بیہودہ شور و شغب نہ ہو گا۔ ہاں فرشتوں اور مومنین کی طرف سے ”سلام علیک“ کی آوازیں بلند ہوں گی۔

۷۶۔ صبح و شام سے جنت کی صبح و شام مراد ہے وہاں دنیا کی طرح طلوع و غروب نہ ہو گا۔ جس سے رات دن اور صبح و شام مقرر کی جائے بلکہ

خاص قسم کے انوار کا تورا دو تنوع ہو گا۔ جس کے ذریعہ سے صبح و شام کی تحدید و تعیین کی جائے گی۔ حسب عادت و معمول صبح و شام جنت کی

روزی پہنچے گی۔ ایک منٹ کے لئے بھوک کی تکلیف نہیں ستائے گی وہ روزی کیا ہو گی؟ اس کی کیفیت خدا ہی جانے۔ حدیث میں ہے یُسَبِّحُونَ

اللَّهُ بُكْرَةً وَعَشِيًّا (جنتی صبح و شام حق تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے) گویا جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی ملتی رہے گی۔

۷۷۔ جنت متقین کی میراث ہے: یعنی میراث آدم کی کہ اول ان کو بہشت ملی ہے۔ اور شاید لفظ میراث اس لئے اختیار فرمایا ہو کہ اقسام تملیک میں یہ سب سے زیادہ اتم و احکم قسم ہے جس میں نہ فسح کا احتمال نہ لوٹائے جانے کا نہ ابطال و اقالہ کا۔

۶۳۔ اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اسکے پیچ میں ہے اور تیرا رب نہیں ہے بھولنے والا [۷۸]

وَمَا تَنْزِيلُ الْإِلَهِ بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٣﴾

۶۵۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو انکے پیچ میں ہے سو اسی کی بندگی کر اور قائم رہ اسکی بندگی پر [۷۹] کسی کو پہچانتا ہے تو اسکے نام کا [۸۰]

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَيًّا ﴿٦٥﴾

۶۶۔ اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مر جاؤں تو پھر نکلوں گا زندہ ہو کر [۸۱]

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

۶۷۔ کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اسکو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا [۸۲]

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

۶۸۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بلائیں گے انکو اور شیطانوں کو [۸۳] پھر سامنے لائیں گے گرد دوزخ کے گھٹنوں پر گرے ہوئے [۸۴]

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيْطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِنَهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

۶۹۔ پھر جدا کر لیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے جو نساؤں میں سے سخت رکھتا تھا حُجْن سے اکڑ

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

۷۰۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو بہت قابل ہیں اُس میں داخل ہونے کے [۸۵]

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

۱۔ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر

وَأِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْبًا

مَقْضِيًّا ﴿۶۱﴾

۲۔ پھر بچائیں گے ہم انکو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے [۸۹]

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَ نَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا

حِثًّا ﴿۶۲﴾

۸۔ حضرت جبریل علیہ السلام کا نزول بھی اللہ کے حکم کے تابع ہے: ایک مرتبہ جبریل کئی روز تک نہ آئے۔ آپ منقبض تھے، کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد ﷺ کو اس کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے اور آپ زیادہ دلگیر ہوئے۔ آخر جبریل تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مَا يَسْتَعْلِكُ أَنْ تَزُودَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُودُنَا (جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟) اللہ تعالیٰ نے جبریل کو سکھلایا کہ جواب میں یوں کہو وَمَا نَنْتَزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ الْخُ يَه كَلَامُ هُوَ اللَّهُ كَا جَبْرِيْلُ كِي طَرْفِ سَعِي سَا اِيَاكَ نَعْبُدُ وَايَاكَ نَسْتَعِينُ میں ہم کو سکھلایا ہے حاصل جواب یہ ہے کہ ہم خالص عبد مامور ہیں، بدون حکم الہی ایک پر نہیں ہلا سکتے۔

ہمارا چڑھنا اتنا سب اس کے حکم و اذن کے تابع ہے وہ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے، کیونکہ ہر زمانہ (ماضی، مستقبل، حال) اور ہر مکان (آسمان زمین اور ان کے درمیان کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔ مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے۔ خدا کا ہر کام بر محل اور بروقت ہے۔ بھول چوک یا نسیان غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جبریل کا جلد یا بدیر آنا بھی اسی کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے (تنبیہ اول) ہمارے آگے پیچھے، کہا آسمان و زمین کو اترتے ہوئے زمین آگے، آسمان پیچھے، چڑھتے ہوئے وہ پیچھے یہ آگے، اور اگر آگے پیچھے سے تقدم و تاخر زمانی مراد ہو تو زمانہ مستقبل آگے آنے والا اور زمانہ ماضی پیچھے گذر چکا ہے اور زمانہ حال دونوں کے بیچ میں واقع ہے (تنبیہ دوم) پہلے فرمایا تھا کہ جنت کے وارث القیام (خدا سے ڈرنے والے پرہیزگار) ہیں۔ اس آیت میں بتلادیا کہ ڈرنے کے لائق وہ ہی ذات ہو سکتی ہے جس کے قبضہ میں تمام زمان و مکان ہیں۔ اور جس کے حکم و اجازت کے بدون بڑے سے بڑا فرشتہ بھی پر نہیں ہلا سکتا۔ انسان کو چاہئے اگر وہ جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو فرشتوں کی طرح حکم الہی کا مطیع و منقاد بن جائے۔ اور ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جو خدا اپنے مخلص بندوں کو یہاں نہیں بھولتا، وہاں بھی نہیں بھولے گا ضرور جنت میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ ہاں ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ جنت میں ہر ایک کا نزول بھی اپنے اپنے وقت پر ہو گا۔ اور جیسے یہاں پیغمبر کے پاس فرشتے حکم الہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں، جنت میں جنیتوں کی غذا روحانی و جسمانی بھی صبح و شام اوقات مقرر پر آئے گی۔

۹۔ یعنی کسی کے کہنے سننے کی پروامت کر۔ اپنے دل کو خدا کی بندگی پر جمائے رکھ جو سارے جہان کا رب ہے اور سب سے نرالی صفات رکھتا ہے۔

۱۰۔ اللہ کے نام اس کی صفات ہیں۔ یعنی کوئی ہے اس کی صفت کا؟ جس میں اس جیسی صفات موجود ہوں؟ جب کوئی نہیں تو بندگی کے لائق اور کون ہو سکتا ہے؟

۸۱۔ بحث بعد الموت پر شہادت: گذشتہ رکوع میں نیکوں اور بدوں کا انجام بیان فرمایا تھا جو مرنے کے بعد ہو گا جو لوگ مر کر زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں یہاں ان کے شہادت کا جواب دیا جاتا ہے یعنی آدمی انکار و تعجب کی راہ سے کہتا ہے کہ مر گل کر جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن گئے۔ کیا اس کے بعد پھر ہم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ اور پردہ عدم سے نکل کر پھر منصفہ وجود پر جلوہ گر ہوں گے۔

۸۲۔ اس شبہ کا جواب: یعنی آدمی ہو کر اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتا کہ چند روز پہلے وہ کوئی چیز نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے نابود سے بود کیا۔ کیا وہ ذات جو لاشے کو شے اور معدوم محض کو موجود کر دے، اس پر قادر نہیں کہ ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر سکے۔ آدمی کو اپنی پہلی ہستی کی کیفیت یاد نہیں رہی جو دوسری ہستی کا مذاق اڑاتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي يَبْدُؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ (الرؤم-۲۷)

۸۳۔ یعنی یہ منکرین ان شیاطین کی معیت میں قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے جو اغواء کر کے انہیں گمراہ کرتے تھے ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔

۸۴۔ کفار پر جہنم کی دہشت: یعنی مارے دہشت کے کھڑے سے گر پڑیں گے اور چین سے بیٹھ بھی نہ سکیں گے۔ یہ ہی ہوا گھٹنوں پر گرنا۔  
۸۵۔ یعنی منکرین کے ہر فرقہ میں جو زیادہ بد معاش، سرکش، اور اکڑ باز تھے، انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا پھر ان میں جو بھی بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہو گا وہ خدا کے علم میں ہے اس کو دوسرے مجرموں سے پہلے آگ میں جھونکا جائے گا۔

۸۶۔ دوزخ پر ہر انسان کا گذر ہو گا: یعنی ہر نیک و بد، مجرم و بری، اور مومن و کافر کے لئے حق تعالیٰ قسم کھا چکا اور فیصلہ کر چکا ہے کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گذر ہو گا، کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ ہی دوزخ پر سے ہو کر گیا ہے جسے عام محاورات میں ”پل صراط“ کہتے ہیں اس پر لا محالہ سب کا گذر ہو گا، خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گذر جائیں گے اور گنہگار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے (العیاذ باللہ) پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق نیز انبیاء، ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے، اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی مہربانی سے وہ سب گنہگار جنہوں نے سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا، دوزخ سے نکالے جائیں گے صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں ہر شخص کو داخل کیا جائے گا مگر صالحین پر وہ آگ بر دو سلام بن جائے گی۔ وہ بے کھلکے اس میں سے گذر جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں اس دخول کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں۔ فلیراجع۔

۷۳۔ اور جب سنائے انکو ہماری آیتیں کھلی ہوئی کہتے ہیں جو لوگ کہ منکر ہیں ایمان والوں کو دونوں فرقوں میں کس کا مکان بہتر ہے اور کس کی اچھی لگی ہے مجلس [۸۷]

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بِيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أُمِّي الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا

وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٤٣﴾

۷۴۔ اور کتنی ہلاک کر چکے ہیں ہم پہلے ان سے جماعتیں وہ ان سے بہتر تھے سامان میں اور نمود میں [۸۸]

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاًا وَ

رَعِيًّا ﴿٤٣﴾

۷۵۔ تو کہہ جو رہا بھگتا سو چاہئے اُسکو کھینچ لیجائے رحمن  
لنبا<sup>[۸۹]</sup> یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ ہوا تھا ان  
سے یا آفت اور یا قیامت سوتب معلوم کر لیں گے کس کا  
براہے مکان اور کس کی فوج کمزور ہے<sup>[۹۰]</sup>

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَلَةِ فَلْيَبْذُ لَهُ الرِّحْلَ  
مَدًّا ۖ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَ  
إِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَ

أَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

۷۶۔ اور بڑھاتا جاتا ہے اللہ سو جھنے والوں کو سو جھ<sup>[۹۱]</sup> اور  
باقی رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے یہاں  
بدلہ اور بہتر پھر جانے کو جگہ<sup>[۹۲]</sup>

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۖ وَالْبُقَيْتُ  
الصَّلِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

۸۷۔ قرآن کریم پر کفار کا استہزاء: یعنی کفار قرآن کی آیتیں سن کر جن میں ان کا برا انجام بتلایا گیا ہے ہنستے ہیں اور بطور استہزاء و تقاضا غریب  
مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تمہارے زعم کے موافق آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا دونوں فریق کی موجودہ حالت اور دنیوی پوزیشن پر منطبق  
نہیں ہوتا۔ کیا آج ہمارے مکانات، فرنیچر اور بودوباش کے سامان تم سے بہتر نہیں اور ہماری مجلس (یا سوسائٹی) تمہاری سوسائٹی سے معزز  
نہیں۔ یقیناً ہم جو تمہارے نزدیک باطل پر ہیں، تم اہل حق سے زیادہ خوشحال اور جتھے والے ہیں۔ جو لوگ آج ہم سے خوف کھا کر کوہ صفا کی  
گھاٹی میں نظر بند ہوں، کیا گمان کیا جاسکتا ہے کہ کل وہ چھلانگ مار کر جنت میں جا پہنچیں گے اور ہم دوزخ میں پڑے جلتے رہیں گے؟

۸۸۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت سے عبرت: یہ ان کی بات کا جواب دیا کہ پہلے ایسی بہت قومیں گزر چکی ہیں۔ جو دنیا کے ساز و سامان اور شان و نمود  
میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ لیکن جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکبر و تقاضا کو اپنا شعار بنا لیا، خدا تعالیٰ نے ان کی جڑ  
کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہا پس آدمی کو چاہئے کہ دنیا کی فانی ٹیپ ٹاپ اور عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھائے۔ عموماً  
متکبر و دلتمند ہی حق کو ٹھکر کر نہنگ ہلاکت کا لقمہ بنا کرتے ہیں۔ مال اولاد یا دنیوی خوشحالی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں۔

۸۹۔ دنیا میں عمل کی آزادی: یعنی جو خود گمراہی میں جا پڑا، اسے گمراہی میں جانے دے۔ کیونکہ دنیا جانچنے کی جگہ ہے۔ یہاں ہر ایک کو عمل کی فی  
الجملہ آزادی دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کی عادت اور حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ جو اپنے کسب و ارادہ سے کوئی راستہ اختیار کر لے اس کو نیک و بد سے  
خبردار کر دینے کے بعد اسی راستہ پر چلنے کے لئے ایک حد تک آزاد چھوڑ دے۔ اسی لئے جو بدی کی راہ چل پڑا اس کے حق میں دنیا کی مرفہ الحالی اور  
درازی عمر وغیرہ تباہی کا پیش خیمہ سمجھنا چاہئے نیک و بد یہاں رلے ملے ہیں۔ آخرت میں پوری طرح جدا ہوں گے۔ اصلی بھلائی برائی وہاں ملے گی۔  
۹۰۔ کفار کو تنبیہ: یعنی کفار مسلمانوں کو ذلیل و کمزور اور اپنے کو معزز و طاقتور سمجھتے ہیں۔ اپنے عالیشان محلات اور بڑی بڑی فوجوں اور جتھوں پر  
اتراتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے ابھی ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے جس وقت گلا دیا جائے گا خواہ دنیوی عذاب کی صورت میں یا قیامت کے بعد،  
تب پتہ لگے گا کہ کس کا مکان برا ہے اور کس کی جمعیت کمزور ہے۔ اس موقع پر تمہارے سامان اور لشکر کچھ کام نہ آئیں گے۔

۹۱۔ مومنین کی ہدایت میں زیادتی: یعنی جیسے گمراہوں کو گمراہی میں لنبا چھوڑ دیتا ہے، ان کے بالمقابل جو سو جھ بوجھ کر راہ ہدایت اختیار کر لیں  
ان کی سو جھ بوجھ اور فہم و بصیرت کو اور زیادہ تیز کر دیتا ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے راستوں پر بگ ٹٹ اڑے چلے جاتے ہیں۔

۹۲۔ یعنی دنیا کی رونق رب کے ہاں کام کی نہیں نیکیاں سب رہیں گے اور دنیا نہ رہے گی۔ آخرت میں ہر نیکی کا بہترین بدلہ اور بہترین انعام ملے گا۔

۷۷۔ بھلا تو نے دیکھا اُسکو جو منکر ہو اہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد [۹۳]

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا

وَوَلَدًا ط

۷۸۔ کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہے رحمن سے عہد [۹۴]

أَطَّلَعَ الْغَيْبِ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ط

۷۹۔ یہ نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اسکو عذاب میں لنبأ [۹۵]

كَلَّا ط سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَنصُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ

مَدًّا ط

۸۰۔ اور ہم لے لیں گے اُسکے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا [۹۶]

وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ط

۸۱۔ اور پکڑ رکھا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود تاکہ وہ ہوں اُنکے لئے مدد ہر گز نہیں [۹۷]

وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ

عِزًّا ط

۸۲۔ وہ منکر ہونگے اُنکی بندگی سے اور ہو جائیں گے اُنکے مخالف [۹۸]

كَلَّا ط سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ

ضِدًّا ط

۹۳۔ ایک مسلمان مزدور اور کافر کا واقعہ: یعنی کفر کے باوجود آپ نے یہ جرأت دیکھی، ایک کافر مالدار ایک مسلمان لوہار کو کہنے لگا تو مسلمان سے منکر ہو تو تیری مزدوری دوں۔ اس نے کہا اگر تو مرے اور پھر جئے تو بھی میں منکر نہ ہوں اس نے کہا اگر مر کر پھر جیوں گا تو یہ ہی مال و اولاد وہاں بھی ہو گا، تجھ کو مزدوری وہاں دے دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی وہاں دولت ملتی ہے ایمان سے، کافر چاہے کہ یہاں کی دولت وہاں ملے، یا کفر کے باوجود اخروی عیش و تنعم کے مزے اڑائے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

۹۴۔ کافر کا دعویٰ بے بنیاد ہے: یعنی ایسے یقین و وثوق سے جو دعویٰ کر رہا ہے کیا غیب کی خبر پالی ہے؟ یا خدا سے کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔ ایک گندے کافر کی کیا بساط کہ وہ اس طرح کی غیبت تک رسائی حاصل کر لے؟ رہا خدا کا وعدہ، وہ ان لوگوں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے اپنا عہد پورا کر کے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور عمل صالح کی امانت خدا کے پاس رکھ دی ہے۔

۹۵۔ یعنی یہ قول بھی شامل مسل کر لیا جائے گا اور مال و اولاد کی جگہ اس کی سزا بڑھادی جائے گی۔

۹۶۔ قیامت میں اکیلا آئے گا: ”جو بتلا رہا ہے“ یعنی مال اور اولاد۔ چنانچہ اس کافر کے دونوں بیٹے مسلمان ہوئے (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب



ہے کہ یہ چیزیں اس سے الگ کر لی جائیں گے قیامت میں اکیلا حاضر ہو گا نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ساتھ دے گی۔

۹۷۔ یعنی مال و اولاد سے بڑھ کر اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں بڑے بڑے درجے دلائیں گے۔ حالانکہ ہرگز ایسا ہونے والا نہیں۔ محض سودائے خام ہے جو اپنے دماغوں میں پکارے ہیں۔

۹۸۔ یعنی وہ معبود مدد تو کیا کرتے، خود ان کی بندگی سے بیزار ہوں گے۔ اور ان کے مد مقابل ہو کر بجائے عزت بڑھانے کے اور زیادہ ذلت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ (الاحقاف۔ ۶)

۸۳۔ تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر اچھالتے ہیں انکو ابھار کر

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيْطَانَ عَلَى الْكُفْرِينَ

تَوَزَّهُمْ أَزْوَاجًا ﴿۸۳﴾

۸۴۔ سو تو جلدی نہ کر ان پر ہم تو پوری کرتے ہیں  
انکی گنتی [۹۹]

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

۸۵۔ جس دن ہم اکٹھا کر لائیں گے پرہیزگاروں کو رحمن کے پاس مہمان بلائے ہوئے

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

۸۶۔ اور ہانک لیجائیں گے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف  
پیاس سے [۱۰۰]

وَنَسُوقُ الْجُرْمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَرِدًّا ﴿۸۶﴾

۸۷۔ نہیں اختیار رکھتے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا  
ہے رحمن سے وعدہ [۱۰۱]

لَا يَبْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

الرَّحْمَنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

۹۹۔ اللہ کی طرف سے کفار کو ڈھیل: یعنی شیطان انہی بد بختوں کو گمراہی کا بڑھاوا دیتا اور انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے۔ جنہوں نے خود کفر و انکار کا شیوہ اختیار کر لیا۔ اگر ایسے اشفیاء شیطان کی تحریص و اغواء سے گمراہی میں لنبے جائیں تو جانے دیجئے، آپ ان کی سزا دی میں جلدی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے، تا ان کی زندگی کے گئے ہوئے دن پورے ہو جائیں۔ ان کی ایک ایک سانس، ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل ہمارے یہاں گنا جا رہا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی ہمارے احاطہ علمی اور دفاتر اعمال سے باہر نہیں ہو سکتی۔ تمام عمر کے اعمال ایک ایک کر کے ان کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔

۱۰۰۔ کفار پیاسے ہانکے جائیں گے: جس طرح ڈھور ڈنگر پیاس کی حالت میں گھاٹ کی طرف جاتے ہیں اسی طرح مجرموں کو دوزخ کے گھاٹ اتارا جائے گا۔

۱۰۱۔ مومنین کی شفاعت: یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا وعدہ دیا مثلاً ملائکہ، انبیاء، صالحین وغیرہ ہم وہ ہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے بدون اجازت کسی کو زبان ہلانے کی طاقت نہ ہوگی اور سفارش بھی ان ہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے حق میں سفارش کئے جانے کا وعدہ دے چکے۔ کافروں کے لئے شفاعت نہ ہوگی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۗ

۸۸۔ اور لوگ کہتے ہیں رحمن رکھتا ہے اولاد [۱۰۲]

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۗ

۸۹۔ بیشک تم آچھنے ہو بھاری چیز میں

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَ

۹۰۔ ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور ٹکڑے ہو  
زمیں اور گر پڑیں پہاڑ ڈھے کر

تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۗ

۹۱۔ اس پر کہ پکارتے ہیں رحمن کے نام پر اولاد [۱۰۳]

أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۗ

۹۲۔ اور نہیں پھبتا رحمن کو کہ رکھے اولاد [۱۰۴]

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۗ

۹۳۔ کوئی نہیں آسمان اور زمین میں جو نہ آئے رحمن کا  
بندہ ہو کر [۱۰۵]

إِنَّ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِيَ الرَّحْمَنِ

عَبْدًا ۗ

۹۴۔ اُسکے پاس اُنکی شمار ہے اور گن رکھی ہے اُنکی گنتی

لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۗ

۹۵۔ اور ہر ایک اُن میں آئے گا اُسکے سامنے قیامت کے  
دن اکیلا [۱۰۶]

وَ كُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۗ

۹۶۔ البتہ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں اُنہوں نے نیکیاں  
اُنکو دے گا رحمن محبت [۱۰۷]

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ

لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۗ

۹۷۔ سو ہم نے آسان کر دیا یہ قرآن تیری زبان میں اسی  
واسطے کہ خوشخبری سنادے تو ڈرنے والوں کو اور ڈرادے  
جھگڑالو لوگوں کو [۱۰۸]

فَأَنبَأَ يَسْمَنُهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَ

تُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ۗ

۹۸۔ اور بہت ہلاک کر چکے ہم اُن سے پہلے جماعتیں  
آہٹ پاتا ہے تو اُن میں کسی کی یا سنتا ہے اُنکی جھنک [۱۰۹]

وَ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِسُّ

مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْنًا ۗ

۱۰۲۔ اللہ کے لئے اولاد کا بہتان: بہت آدمیوں نے تو غیر اللہ کو معبود ہی ٹھہرایا تھا، لیکن ایک جماعت وہ ہے جس نے خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کی۔ مثلاً نصاریٰ نے مسیح کو بعض یہود نے عزیز کو بیٹا کہا۔ اور بعض مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ العیاذ باللہ۔

۱۰۳۔ یہ عقیدہ شدید گستاخی ہے: یعنی یہ ایسی بھاری بات کہی گئی اور ایسا سخت گستاخانہ کلمہ منہ سے نکالا گیا جسے سن کر اگر آسمان زمین اور پہاڑ مارے ہول کے پھٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں۔ اس گستاخی پر اگر غضب الہی بھڑک اٹھے تو عالم تہ وبالا ہو جائے اور آسمان و زمین کے پرچے اڑ جائیں۔ محض اس کا حل مانع ہے کہ ان یہود کیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کرتا۔ جس خداوند قدوس کی توحید پر آسمان، زمین، پہاڑ غرض ہر علوی و سفلی چیز شہادت دے رہی ہے انسان کی یہ جسارت کہ اس کے لئے اولاد کی احتیاج ثابت کرنے لگے۔ العیاذ باللہ۔

۱۰۴۔ اسکی شان تقدیس و تزییہ اور کمال غناء کے منافی ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ نصاریٰ جس غرض کے لئے اولاد کے قائل ہوئے ہیں یعنی کفارہ کا مسئلہ، خدا تعالیٰ کو ”مان کر اس کی ضرورت نہیں رہتی۔“

۱۰۵۔ یعنی سب خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اور بندے ہی بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے پھر بندہ بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جس کے سب محکوم و محتاج ہوں اسے بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۱۰۶۔ اسکی بندگی سے کوئی باہر نہیں: یعنی ایک فرد بشر بھی اسکی بندگی سے باہر نہیں ہو سکتا۔ سب کو خدا کے سامنے جریدہ حاضر ہونا ہے۔ اس وقت تمام تعلقات اور ساز و سامان علیحدہ کر لئے جائیں گے۔ فرضی معبود اور بیٹے پوتے کام نہ دیں گے۔

۱۰۷۔ مقبول مومنین کی علامات: یعنی ان کو اپنی محبت دے گا، یا خود ان سے محبت کرے گا، یا خلق کے دل میں ان کی محبت ڈالے گا احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اول جبریل کو آگاہ کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی کر، وہ آسمانوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ آسمانوں سے اترتی ہوئی اس کی محبت زمین پر پہنچ جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندہ کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے۔ یعنی بے تعلق لوگ جن کا کوئی خاص نفع و ضرر اس کی ذات سے وابستہ نہ ہو، اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے حسن قبول کی ابتداء مومنین صالحین اور خدا پرست لوگوں سے ہوتی ہے ان کے قلوب میں اول اس کی محبت ڈالی جاتی ہے بعدہ قبول عام حاصل ہو جاتا ہے۔ ورنہ ابتداء محض طبقہ عوام میں حسن قبول حاصل ہونا اور بعد میں بعض خدا پرست صالحین کا بھی کسی غلط فہمی وغیرہ سے اس کی طرف جھکنا، مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں۔ خوب سمجھ لو (تنبیہ) یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں جن مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا، تھوڑے دنوں بعد ایسی طرح پورا ہوا کہ دنیا حیرت زدہ ہو گئی۔ حق تعالیٰ نے انکی وہ محبت و الفت اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کر دی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

۱۰۸۔ قرآن کی بشارت اور انداز: یعنی قرآن کریم نہایت سہل و صاف زبان میں کھول کھول کر پرہیزگاروں کو بشارت سناتا اور جھگڑالو لوگوں کو بد کرداریوں کے خراب نتائج سے خبردار کرتا ہے۔

۱۰۹۔ پچھلی قوموں کا بے نشان ہونا: یعنی کتنی ہی بد بخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جا چکیں۔ جن کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان کی لہر تازیوں کی ذرا سی جھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔ پس جو لوگ اس وقت نبی کریم ﷺ سے برسر مقابلہ ہو کر آیات اللہ کا انکار و استہزار کر رہے ہیں، وہ بے فکر نہ ہوں۔ ممکن ہے انکو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آگھیرے جو چشم زدن میں تہس نہس کر ڈالے۔

تم سورۃ مریم بحسن توفیقہم و نصرہ فلہ الحمد والمآلہ

## آیاتھا ۱۳۵

## ۲۰ سُوْرَةُ طه مَكِّيَّةٌ ۲۵

## رکوعاتھا ۸

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طہ ﴿۱﴾

۱۔ طہ۔

مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی ﴿۲﴾

۲۔ اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے

اِلَّا تَذْكِرًاۙ لِّسَنٍ یُّحْشٰی ﴿۳﴾

۳۔ مگر نصیحت کے واسطے اُسکی جو ڈرتا ہے ﴿۱﴾

تَنْزِیْلًاۙ مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ﴿۴﴾

۴۔ اتارا ہوا ہے اُس کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے ﴿۲﴾

الرَّحْمٰنِ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ﴿۵﴾

۵۔ وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا ﴿۳﴾

لَهُۥ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَاۙ

۶۔ اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور اُن دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے ﴿۴﴾

مَا تَحْتَ الثَّرٰی ﴿۶﴾

۷۔ اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اُسکو تو خبر ہے چھپی ہوئی بات کی اور اُس سے بھی چھپی ہوئی کی ﴿۵﴾

وَاِنْ تَجَهَّرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاخْفٰی ﴿۷﴾

۸۔ اللہ ہے جسکے سوا بندگی نہیں کسی کی اُسی کے ہیں سب نام خاصے ﴿۶﴾

اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ﴿۸﴾

۱۔ قرآن مشقت کے لئے نہیں: یعنی قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جسکے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں، وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔ یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کر کے خواہ مخواہ تم کو کسی محنت شاقہ اور تکلیف شدید میں مبتلا کیا جائے، نہ وہ ایسی چیز ہے جس کا حاصل و عامل کبھی محروم و ناکام رہے۔ آپ تکذیب کرنے والوں کی باتیں سن کر ملول اور تنگ دل نہ ہوں نہ ان کے پیچھے پڑ کر زیادہ تکلیف اٹھائیں۔ حق کا علمبردار ہی آخر کامیاب ہو کر رہے گا۔ آپ تو سب کے ساتھ عبادت کرتے رہئے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابتداً نبی ﷺ شب کو نماز میں کھڑے ہو کر بہت زیادہ قرآن پڑھتے تھے۔ کفار آپ کی محنت و ریاضت دیکھ کر کہتے کہ قرآن کیا اترا، بیچارے محمد ﷺ سخت تکلیف اور محنت میں پڑ گئے۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا گیا کہ فی الحقیقت قرآن محنت و شقاء نہیں۔ رحمت و نور ہے، جس کو جتنا آسان ہو اسی قدر نشاط کے ساتھ پڑھنا چاہئے فَاقْرَءْ ذٰلِكَ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (مزل۔ ۳۰)۔

۲۔ قرآن خالق کاکلام ہے: اس لئے ضروری ہے کہ مخلوق نہایت خوشی کے ساتھ اس کو اپنے سر آنکھوں پر رکھے اور شہنشاہانہ احکام کی خلاف ورزی نہ کرے۔

۳۔ عرش الہی: استواء علی العرش کا مفصل بیان سورہ "اعراف" کے فوائد میں دیکھ لیا جائے "عرش" کے متعلق نصوص سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پائے ہیں اور خاص فرشتے اٹھانے والے ہیں اور آسمانوں کے اوپر قبہ کی طرح ہے۔ صاحب روح المعانی نے "عرش" اور "استواء علی العرش" پر اس آیت کے تحت میں نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ من شاء فلیراجع۔

۴۔ اللہ کی حکومت: یعنی وہی ایک خدا بلا شرکت غیرے آسمانوں سے زمین تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اسی کی تدبیر و انتظام سے کل سلسلے قائم ہیں۔ (تنبیہ) آسمان و زمین کی درمیانی مخلوق سے یا تو کائنات جو مراد ہیں جو دائم دونوں کے درمیان ہی رہتی ہیں۔ مثلاً ہوا، بادل وغیرہ اور یا وہ چیزیں بھی اس میں شامل ہوں جو اکثر ہوا میں پرواز کرتی ہیں جیسے پرند جانور اور "شری" (گیلی زمین) سے زمین کے نیچے کا طبقہ مراد ہے جو پانی کے قرب و اتصال کی وجہ سے تر رہتا ہے۔

۵۔ علم الہی کی وسعت: پہلے عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا۔ اس آیت میں علم الہی کی وسعت کا تذکرہ ہے۔ یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اس علم الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی خبر ہے۔ جو بات تہائی میں آہستہ کہی جائے، اور جو دل میں گزرے اور ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گزری آئندہ گزرنے والی ہو، حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ اسی لئے بلا ضرورت بہت زور سے چلا کر ذکر کرنے کو بھی علمائے شریعت نے منع کیا ہے۔ جن مواقع میں ذکر با آواز بلند منقول ہے یا بعض مصالح معتبرہ کی بناء پر تجربہ کاروں کے نزدیک نافع سمجھا گیا ہے، وہ عموم نہیں سے مستثنیٰ ہوں گے۔

۶۔ اللہ کے اسمائے حسنی: آیات بالا میں جو صفات حق تعالیٰ کی بیان ہوئی ہیں (یعنی اس کا خالق الکل، مالک علی الاطلاق، رحمن، قادر مطلق اور صاحب علم محیط ہونا) ان کا اقتضاء یہ ہے کہ الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو بجز اس کے کسی دوسرے کے آگے سرعہ دیت نہ جھکا یا جائے۔ کیونکہ نہ صرف صفات مذکورہ بالا بلکہ کل عمدہ صفات اور اچھے نام اسی کی ذات منبع الکملات کے لئے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسری ہستی اس شان و صفت کی موجود نہیں جو معبود بن سکے۔ نہ ان صفتوں اور ناموں کے تعدد سے اس کی ذات میں تعدد آتا ہے۔ جیسا کہ بعض جہال عرب کا خیال تھا کہ مختلف ناموں سے خدا کو پکارنا دعولے توحید کے مخالف ہے۔

۹۔ اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی [۴]

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿٩﴾

۱۰۔ جب اُس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس اُس میں سے سلا کر یا پاؤں آگ پر پہنچ کر رستہ کا پتہ

إِذْ رَأَيْنَا فَكَّالٍ لِّأَهْلِهِ اَمْكُثُوا اِنِّي اَنْسُتُ نَارًا  
لَّعَلِّي اْتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجْدُ عَلَي النَّارِ

هُدَىٰ ﴿١٠﴾

۱۱۔ پھر جب پہنچا آگ کے پاس آواز آئی اے موسیٰ [۸]

فَلَمَّا اَتَاهَا نُودِيَ يٰمُوسَىٰ ﴿١١﴾

۱۲۔ میں ہوں تیرا رب سوا تارڈال اپنی جو تیاں تو ہے پاک  
میدان طویٰ میں [۹]

إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَأَخَذَ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ

الْمُقَدَّسِ طَوًى ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور میں نے تجھ کو پسند کیا ہے سو تو سننا رہ جو حکم ہو [۱۰]

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَبِعْ لِبَايُوحَىٰ ﴿١٣﴾

۱۴۔ میں جو ہوں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوا میرے  
سو میری بندگی کر اور نماز قائم رکھ میری یاد گاری کو [۱۱]

إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ

الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾

۱۵۔ قیامت بیشک آنے والی ہے میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں  
اُسکو [۱۲] تاکہ بدلہ ملے ہر شخص کو جو اُس نے کمایا ہے [۱۳]

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ

نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾

۱۶۔ سو کہیں تجھ کو نہ روک دے اُس سے وہ شخص جو یقین  
نہیں رکھتا اُس کا اور پیچھے پڑ رہا ہے اپنے مزوں کے پھر تو  
بھی پٹکا جائے [۱۴]

فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ

هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾

۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ اور اس کا ربط: یہاں سے حضرت موسیٰ کا قصہ بہت بسط و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ  
سامعین سمجھ جائیں کہ نبی کریم ﷺ کی طرف قرآن کی وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس طرح پیشتر موسیٰ کو وحی مل چکی ہے، آپ کو  
بھی ملی، جیسے موسیٰ کی وحی توحید وغیرہ کی تعلیم پر مشتمل تھی، آپ کی وحی میں بھی ان ہی اصول پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے تبلیغ حق  
میں جو صعوبات و شداید برداشت کیں، آپ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح انکو آخر کار کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مقہور و  
مخزول ہوئے، آپ بھی یقیناً غالب و منصور ہوں گے اور آپ کے دشمن تباہ و ذلیل کئے جائیں گے۔ چونکہ سورت کا آغاز انزال قرآن کے ذکر  
سے کیا گیا تھا اس کے مناسب نبوت موسوی کے آغاز کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

۸۔ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ کا نظر آنا: اس قصہ کے مختلف اجزاء سورہ قصص، سورہ طہ اور سورہ اعراف میں سے جمع کئے جاسکتے  
ہیں۔ یہاں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا واقعہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیب کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ کا نکاح ہو گیا تھا۔ کئی  
سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ حاملہ بیوی ہمراہ تھی، رات اندھیری تھی، سردی کا شباب تھا، بکریوں کا گلہ  
بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے بکریاں متفرق ہو گئیں اور بیوی کردردہ شروع ہو گیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان  
تھے سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی چنمق مارنے سے بھی آگ نہ نکلی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعۃً دور سے ایک آگ نظر

آئی۔ وہ حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی۔ اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا (جس کا ذکر مسلم کی حدیث میں آیا ہے) موسیٰ نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں یا وہاں پہنچ کر کوئی راستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے۔ کہتے ہیں کہ اس پاک میدان میں پہنچ کر عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک درخت میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے۔ اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی و شادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھالائیں، لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی۔

حق تعالیٰ کا خطاب: اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ گویا وہ درخت بلا تشبیہ اس وقت غیبی ٹیلی فون کا کام دے رہا تھا۔ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے جب ”یا موسیٰ“ سنا تو کئی بار ”لیک“ کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے۔ آواز آئی۔ ”میں تیرے اوپر ہوں تیرے ساتھ ہوں تیرے سامنے ہوں تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہوں۔“ کہتے ہیں کہ موسیٰ ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔

۹۔ وادی طوی: ”طوی“ اس میدان کا نام ہے۔ شاید وہ میدان پہلے سے متبرک تھا یا اب ہو گیا۔ موسیٰ کی جو تیاں ناپاک تھیں اس لئے اتر وادی گئیں۔ باقی موزہ یا جوتہ پاک ہو تو اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں پورا مسئلہ فقہ میں دیکھنا چاہیے۔

۱۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام الہی: ”پسند کیا ہے“ یعنی تمام جہان میں سے نبوت و رسالت اور شرف مکالمہ کے لئے چھانٹ لیا اس لئے آگے جو احکام دیے جائیں انہیں غور و توجہ سے سنو۔

۱۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز کا حکم: اس میں خالص توحید اور ہر قسم کی بدنی و مالی عبادت کا حکم دیا۔ نماز چونکہ اہم العبادات تھی اس کا ذکر خصوصیت سے کیا تھا اور اس پر بھی متنہ فرمایا گیا کہ نماز سے مقصود اعظم خدا تعالیٰ کی یاد گاری ہے۔ گویا نماز سے غافل ہونا خدا کی یاد سے غافل ہونا ہے اور ذکر اللہ (یا خدا) کے متعلق دوسری جگہ فرمایا۔ وَ اذْکُرْ رَبَّکَ اِذَا اَنْسیتَ یعنی کبھی بھول چوک ہو جائے تو جب یاد آجائے اسے یاد کرو۔ یہ ہی حکم نماز کا ہے کہ وقت پر غفلت و نسیان ہو جائے تو یاد آنے پر قضا کر لے فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَکَرْتَهَا۔

۱۲۔ قیامت کی گھڑی کا اخفاء: یعنی اس کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں، حتیٰ کہ اگر خود اپنے سے چھپانا ممکن ہوتا تو اپنے سے بھی مخفی رکھتا، لیکن یہ ممکن ہی نہیں۔ و فیہ من المبالغۃ کما فی الحدیث لَا تَعْلَمُ سِیَّالَہُ مَا تُنْفِقُ بِیْہِیْنُہُ و کما قال الشاعر۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم  
گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

اور اگر بہت سے مصالح باعث اظہار نہ ہوتیں تو جتنا اجمالی اظہار کیا گیا یہ بھی نہ کیا جاتا۔

۱۳۔ قیامت اعمال کی جزا کے لئے ہے: یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد کا بدلہ ملے اور مطیع و عاصی میں کوئی التباس و اشتباہ باقی نہ رہے یہ توحید و عبادت کے بعد عقیدہ معاد کی تعلیم ہوئی۔

۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بری صحبت سے بچنے کا حکم: نہ روک نہ دے اس سے یعنی قیامت پر یقین رکھنے سے یا نماز سے۔ اللہ نے موسیٰ کو برے کی صحبت سے منع کیا تو اور کوئی کس شمار میں ہے۔ کذافی الموضح۔ غرض یہ ہے کہ دنیا پرست کافر کی چالپوسی یا زیادہ نرمی اور مداہنت اختیار نہ کی جائے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ آدمی بلند مقام سے نیچے پلک دیا جائے العیاذ باللہ۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿١٦﴾

قَالَ هِيَ عَصَاىَ اَتَوَكَّلُ عَلَيْهَا وَاَهْشُ بِهَا عَلٰى

عَنۡبِىْ وَّلِىِّ فِىهَا مَارِبُ اٰخِرٰى ﴿١٧﴾

قَالَ اَلْقَهَا يٰمُوسٰى ﴿١٨﴾

فَاَلْقَهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾

قَالَ خُذْهَا وَاَلَّا تَخَفُ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا

الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾

وَاضْمُ يَدِكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيِّضًا مِّنْ

غَيْرِ سُوِّ اَيَّةٍ اٰخِرٰى ﴿٢٢﴾

لِنُرِيْكَ مِّنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طٰغٰى ﴿٢٤﴾

۱۔ اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ [۱۵]

۱۸۔ بولا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر اور میرے اس میں چند کام ہیں اور بھی [۱۶]

۱۹۔ فرمایا ڈال دے اُسکو اے موسیٰ

۲۰۔ تو اُسکو ڈال دیا پھر اسی وقت وہ تو سانپ ہو گیا دوڑتا ہو [۱۷]

۲۱۔ فرمایا پکڑ لے اُسکو اور مت ڈر ہم ابھی پھیر دیں گے اُسکو پہلی حالت پر [۱۸]

۲۲۔ اور ملا لے اپنا ہاتھ اپنی بغل سے کہ نکلے سفید ہو کر بلا عیب [۱۹] یہ نشانی دوسری

۲۳۔ تاکہ دکھاتے جائیں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی [۲۰]

۲۴۔ جاطر فرعون کے کہ اُس نے بہت سراٹھایا

۱۵۔ لاٹھی کے بارے میں سوال: یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ چونکہ معجزات دیکر فرعون کی طرف بھیجے جانے والے تھے اس لئے اولاً معجزہ عصا کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہ سوال کہ تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے، اس غرض سے تھا کہ موسیٰ اپنی لاٹھی کی حقیقت اور اس کے منافع کو خوب مستحضر کر لیں تا جو خارق عادت چیز پیش آنے والی تھی اس کا معجزہ ہونا پوری طرح واضح، مستحکم اور واقع فی النفس ہو۔ یعنی اس وقت خوب دیکھ بھال کر اور جانچ تول کر بتلاؤ، تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ مبادا سانپ بن جانے پر وہم کرنے لگو کہ شاید میں غلطی سے ہاتھ میں لاٹھی نہ لایا ہوں کچھ اور لے آیا ہوں۔ اللہ اکبر ولہ الحمد۔

۱۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب: یعنی اس میں شبہ کیا ہے۔ وہ ہی لاٹھی ہے جسے ہمیشہ ہاتھ میں رکھتا ہوں، اس پر ٹیک لگاتا ہوں، بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، دشمن کو اور موذی جانوروں کو دفع کرتا ہوں اور بہت سی ضرورتوں میں لاٹھی کا کام لیتا ہوں۔

۱۷۔ لاٹھی کا سانپ بن جانا: یعنی لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ لاٹھی کی جگہ ایک اڑدھا نظر آیا۔ جو پتلے سانپ کی طرح تیزی سے دوڑتا تھا۔ موسیٰ



ناگہاں یہ انقلاب دیکھ کر بمقتضائے بشریت خوفزدہ ہو گئے۔

۱۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طبعی خوف: یعنی ہاتھ میں آکر پھر لاٹھی ہو جائے گی۔ کہتے ہیں ابتداء میں موسیٰ کو پکڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی آخر کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر پکڑنے لگے۔ فرشتہ نے کہا ”موسیٰ! کیا خدا اگر بچانا نہ چاہے تو یہ چیتھڑا تجھے بچا سکتا ہے؟“ موسیٰ نے کہا۔ ”نہیں لیکن میں کمزور مخلوق ہوں اور ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں۔“ پھر حضرت موسیٰ نے ہاتھ سے کپڑا ہٹا کر اژدھے کے منہ میں دے دیا۔ ہاتھ ڈالنا تھا کہ وہی لاٹھی ہاتھ میں دیکھی۔

۱۹۔ ید بیضاء: یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔ اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی نہ ہوگی جو عیب سمجھی جائے۔

۲۰۔ یعنی عصا اور ید بیضاء کے معجزے ان نشانیوں میں سے دو ہیں جن کا دکھانا تم کو منظور ہے۔

۲۵۔ بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ [۲۱]

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور آسان کر میرا کام [۲۲]

وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور کھول دے گہ میری زبان سے

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ﴿٢٧﴾

۲۸۔ کہ سمجھیں میری بات [۲۳]

يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾

۲۹۔ اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا

وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾

۳۰۔ ہارون میرا بھائی [۲۴]

هُرُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اُس سے مضبوط کر میری کمر

اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾

۳۲۔ اور شریک کر اُسکو میرے کام میں [۲۵]

وَاشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِي ﴿٣٢﴾

۳۳۔ کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم بہت سا

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾

۳۴۔ اور یاد کریں ہم تجھ کو بہت سا [۲۶]

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾

۳۵۔ تو تو ہے ہم کو خوب دیکھتا [۲۷]

إِنَّكَ كُنْتَ بِنَاظِرًا ﴿٣٥﴾

## قَالَ قَدْ أُوتِيَتْ سُؤْلَكَ يَا مُوسَى

۳۶۔ فرمایا ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ [۲۸]

۲۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: یعنی حلیم و بردبار اور حوصلہ مند بنادے کہ خلاف طبع دیکھ کر جلد خفا نہ ہوں اور ادائے رسالت میں جو سختیاں پیش آئیں ان سے نہ گھبرائوں بلکہ کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے برداشت کروں۔

۲۲۔ یعنی ایسے سامان فراہم کر دے کہ یہ عظیم الشان کام آسان ہو جائے۔

۲۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: زبان لڑکپن میں جل گئی تھی (جس کا قصہ تفسیر میں ہے) صاف نہ بول سکتے تھے، اس لئے یہ دعا کی۔

۲۴۔ یہ عمر میں حضرت موسیٰ سے بڑے تھے۔

۲۵۔ یعنی دعوت و تبلیغ کے کام میں ایک دوسرے کا معین و مددگار ہو۔

۲۶۔ یعنی دونوں مل کر دعوت و تبلیغ کے موقع پر بہت زور شور سے تیری پاکی اور کمالات بیان کریں۔ اور مواضع دعوت سے قطع نظر جب ہر ایک کو دوسرے کی معیت سے تقویت قلب حاصل ہوگی تو اپنی خلوتوں میں نشاط و طمانیت کے ساتھ تیرا ذکر بکثرت کر سکیں گے۔

۲۷۔ یعنی ہمارے تمام احوال کو دیکھ رہا ہے اور جو دعائیں کر رہا ہوں یہ بھی تجھے خوب معلوم ہے کہ اس کا قبول فرمانا ہمارے لئے کہاں تک مفید ہو گا اگر تجھے ہمارے حال و استعداد کی پوری خبر نہ ہوتی تو نبوت و رسالت کے لئے ہم کو منتخب ہی کیوں کرتا اور ایسے سخت دشمن (فرعون) کی طرف کیوں بھیجتا یقیناً جو کچھ آپ نے کیا خوب دیکھ بھال کر کیا ہے۔

۲۸۔ دعا کی قبولیت: یعنی جو کچھ تم نے مانگا خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو دیا گیا۔

## وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى

۳۷۔ اور احسان کیا تھا ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی [۲۹]

## إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ

۳۸۔ جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں [۳۰]

۳۹۔ کہ ڈال اُسکو صندوق میں پھر اُسکو ڈال دے دریا میں پھر دریا اُسکو لے ڈالے کنارے پر اٹھالے اُسکو ایک دشمن

میرا اور اُس کا [۳۱] اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے [۳۲] اور تاکہ پرورش پائے تو میری آنکھ کے

سامنے [۳۳]

أَنْ أَقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ

فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَا خُذْهُ عَدُوِّي وَعَدُوِّ

لَهُ ۗ وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۗ وَلِتُصْنَعَ

## عَلَىٰ عَيْنِي

۴۰۔ جب چلنے لگی تیری بہن اور کہنے لگی میں بتاؤں تمکو ایسا شخص جو اُسکو پالے پھر پہنچا دیا ہم نے تجھ کو تیری ماں

کے پاس کہ ٹھنڈی رہے اُسکی آنکھ اور غم نہ کھائے [۳۴]

إِذْ تَسْتَشِيءُ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَنْ

يَكْفُلُهُ ۗ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا

اور تو نے مار ڈالا ایک شخص کو پھر بچا دیا ہم نے تجھ کو اُس  
غم سے [۳۵] اور جانچا ہم نے تجھ کو ایک ذرا جانچنا [۳۶] پھر  
ٹھہرا رہا تو کئی برس مدین والوں میں پھر آیا تو تقدیر سے  
اے موسیٰ [۳۷]

تَحْزَنَ ۙ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَجَجِنِكَ مِنَ الْغَمِّ وَ  
فَتَنَّاكَ فُتُونًا ۗ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۗ

ثُمَّ جِئْتَنَا عَلَىٰ قَدَرٍ يُّوسَىٰ ۗ

وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۗ

۳۱۔ اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے [۳۸]

۳۲۔ جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لیکر اور سستی نہ کریو  
میری یاد میں [۳۹]

إِذْ هَبُّ آنتَ وَ أَخُوكَ بِآيَتِي وَ لَا تَنِيَانِي ذِكْرِي ۗ

۳۳۔ جاؤ طرف فرعون کی اُس نے بہت سراٹھایا [۴۰]

إِذْ هَبَّ آ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۗ

۳۴۔ سو کہو اُس سے بات نرم شاید وہ سوچے یا ڈرے [۴۱]

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۗ

۲۹۔ یعنی ہم تو پہلے ایک مرتبہ بے مانگے تجھ پر بڑا بھاری احسان کر چکے ہیں، پھر اب ایک مناسب چیز مانگنے پر کیوں نہ دیں گے۔

۳۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا قصہ: یعنی خواب میں یا بیداری میں بطور الہام کے یا اس زمانہ کے کسی نامعلوم الہام نبی کی زبانی تیری ماں کو وہ حکم بھیجا۔ جس کا بھیجا جانا مناسب تھا۔ (اس کی تفصیل آگے مذکور ہے اِنْ اِقْنِ فِيْهِ اِلْح (تنبیہ) لفظ "ایساء" سے حضرت موسیٰ کی والدہ کا نبیہ ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ تقریر بالا سے ظاہر ہے۔ نبی وہ ہے جس کی طرف احکام کی وحی آئے اور ان کی تبلیغ کا مامور ہو۔ یہاں یہ تعریف صادق نہیں آتی۔

۳۱۔ بچہ کو دریا میں ڈالنے کا حکم: یعنی موسیٰ کو (جو اس وقت نوزائیدہ بچہ تھے) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا کو ہمارا حکم ہے کہ اسے بحفاظت تمام ایک خاص کنارہ پر لگائے گا جہاں سے اس کو وہ شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچہ کا بھی واقعہ یہ ہے کہ فرعون اس سال منجموں کے کہنے سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو چن چن کر قتل کر رہا تھا۔ جب موسیٰ پیدا ہوئے ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تدبیر الہام ہوئی۔ موسیٰ کی والدہ نے صندوق نہر میں ڈال دیا۔ دریا کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں گذرتی تھی اس میں سے ہو کر صندوق کنارے جا لگا، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے (جو نہایت پاکباز اسرائیلی خاتون تھی) بچہ کو اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا کہ آؤ ہم تم سے بیٹا بنالیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آئی۔ گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا (جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوا ہے) مگر آسیہ کی خاطر سے بیٹوں کی طرح پرورش کیا اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا ظہور ہوا۔ (تنبیہ) فرعون کو خدا کا دشمن اس لئے کہا کہ وہ حق کا دشمن تھا اور خدا کے بالمقابل خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور موسیٰ کا دشمن اس لئے فرمایا کہ فی الحال تمام اسرائیلی بچوں کے ساتھ سخت دشمنی کر رہا تھا۔ اور آئندہ چل کر خاص موسیٰ کے ساتھ علانیہ دشمنی کا اظہار کرنے والا تھا۔

۳۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر القائے محبت: یعنی ہم نے اپنی طرف سے اس وقت مخلوق کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ جو دیکھے محبت اور پیار کرے یا اپنی ایک خاص محبت تجھ پر ڈال دی کہ تو محبوب خدا بن گیا۔

۳۳۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دینا اس غرض سے تھا کہ ہماری نگرانی و حفاظت میں تیری پرورش کی جائے۔ ایسے سخت دشمن کے گھر میں تربیت پاتے ہوئے بھی کوئی تیرا بال بیگانہ کر سکے۔

۳۴۔ ماں اور بچے کا یکجا ہونا: پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ صندوق نہر میں چھوڑنے کے بعد بمقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا، معلوم نہیں زندہ ہے یا جانوروں نے کھا لیا۔ حضرت موسیٰ کی بہن کو کہا کہ تو خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا کہ حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی اناہیں بلائی گئیں، کامیابی نہ ہوئی۔ موسیٰ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھی، بولی کہ میں ایک عورت کو لاسکتی ہوں، امید ہے کہ وہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا ابلاد۔ وہ موسیٰ کی والدہ کو لے کر پہنچی۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ موسیٰ کی والدہ نے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی اجازت دو کہ اپنے گھر لے جاؤں اور پوری حفاظت و اہتمام سے بچہ کو پرورش کروں آخر فرعون کی طرف سے بطور دایہ کے بچہ کی تربیت پر مامور ہو کر اپنے گھر لے آئیں اور شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ موسیٰ کی تربیت میں لگی رہیں۔

۳۵۔ قبطی کا مارا جانا: یہ پورا قصہ سورہ قصص میں آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جوان ہونے کے بعد موسیٰ کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تھا، موسیٰ ڈرے کہ دنیا میں پکڑا جاؤں گا اور آخرت میں بھی مانوڑ ہوں گا۔ دونوں قسم کی پریشانی سے خدا تعالیٰ نے نجات دی اخروی پریشانی سے اس طرح کہ توبہ کی توفیق بخشی جو قبول ہوگئی اور دنیوی سے اس طرح کہ موسیٰ کو مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا جہاں حضرت شعیب کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہو گیا۔ پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔

۳۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرح جانچا جس میں تم کھرے ثابت ہوئے۔ (تنبیہ) اس موقع پر مفسرین نے حدیث الفتون کے عنوان سے ایک نہایت طویل روایت ابن عباس کی نقل کی ہے جس کے متعلق حافظ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ وَهُوَ مَوْقُوفٌ مِنْ كَلَامِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبِئْسَ فِيهِ مَرْفُوعٌ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُ وَكَانَ تَلَقَّاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ مِمَّا أُبِيحَ نَقْلُهُ مِنَ الْأَسْئِلِيَّاتِ مِنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ وَغَيْرِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَسَعَتْ شَيْخَانَا الْحَافِظُ أَبُو الْحَجَّاجِ الْبَزْزِيُّ يَقُولُ ذَلِكَ أَيْضًا۔

۳۷۔ تقدیر کا غالب آنا: یعنی اب مدین سے نکل کر راستہ بھولا اور تقدیر سے یہاں پہنچ گیا جس کا تجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ سچ ہے خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال۔ کہ لینے آگ کو جائیں پیبری مل جائے۔

۳۸۔ یعنی اپنی وحی و رسالت کے لئے تیار کر کے اپنے خواص و مقربین میں داخل کیا اور جس طرح خود چاہا تیری پرورش کرائی۔

۳۹۔ ذکر اللہ کی تاکید: یعنی جس کام کے لئے بنائے گئے ہو، وقت آ گیا ہے کہ اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر اس کے لئے نکل کھڑے ہو اور جو دلائل و معجزات تم کو دیے گئے ہیں ضرورت کے وقت ظاہر کرو۔ چونکہ موسیٰ پیشتر دعا کرتے وقت کہہ چکے تھے اِنَّ نُسَبِحُكَ كَيْدًا۔ وَ نَذْكُرُكَ كَيْدًا یہاں وَلَا تَنْبِيَانِي ذِكْرِي کہہ کر وہ بات یاد دلا دی۔ یعنی اللہ کے نام کی تبلیغ میں پوری مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال و اوقات میں عموماً اور دعوت و تبلیغ کے وقت خصوصاً اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ کہ اہل اللہ کے لئے کامیابی کا بڑا ذریعہ اور دشمن کے مقابلہ میں بہترین ہتھیار یہی ہے۔ حدیث میں ہے وَاِنَّ عَبْدِي كُلَّ عَبْدِي الَّذِي يَذْكُرُنِي وَهُوَ مُنَاجِزٌ قَرْنَهُ۔

۴۰۔ فرعون کی طرف بھیجا جانا: پہلے جانے کا حکم دیا تھا۔ اب مقام بتلا دیا۔ کہ کہاں کس کے پاس جانا ہے اور جملہ آگے آنے والے کلام کی تمہید ہے۔

۴۱۔ فرعون سے نرم گفتگو کی تعلیم: یعنی دعوت تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے وقت نرم، آسان رقت انگیز اور بلند بات کہو۔ گو اس کے تمر و طغیان کو

دیکھتے ہوئے قبول کی امید نہیں۔ تاہم تم یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کر لے یا اللہ کے جلال و جبروت کو سن کر ڈر جائے اور فرمانبرداری کی طرف جھک پڑے۔ گفتگو نرمی سے کرو۔ اس سے دعا ہے کہ مبلغین کے لئے بہت بڑا ستور العمل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے۔ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّوعِظَةَ الْحَسَنَةَ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نحل-۱۲۵)

۴۵۔ بولے اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبک پڑے ہم پر یا جوش میں آجائے [۴۲]

قَالَ رَبَّنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى

۴۶۔ فرمایا نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں [۴۳]

قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَأَرَى

۴۷۔ سو جاؤ اُسکے پاس اور کہو ہم دونوں بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے سو بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور مت ستا اُنکو [۴۴] ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لیکر تیرے رب کی [۴۵] اور سلامتی ہو اُسکی جو مان لے راہ کی بات

فَاتِيهِ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تَعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى

۴۸۔ ہم کو حکم ملا ہے کہ عذاب اُس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ پھیر لے [۴۶]

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى

۴۹۔ بولا پھر کون ہے رب تم دونوں کا اے موسیٰ [۴۷]

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يُوسُفَى

۵۰۔ کہا رب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اُسکی صورت پھر راہ بھائی [۴۸]

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى

۴۲۔ حضرت موسیٰ و ہارون کا اندیشہ: یعنی اس کے ڈرنے کی امید تو بعد کو ہوگی، فی الحال اپنی بے سرو سامانی اور اس کے جاہ و جلال پر نظر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ وہ ہماری بات سننے کے لئے آمادہ بھی ہو گیا نہیں۔ ممکن ہے ہماری پوری بات سننے سے پہلے ہی وہ بھبک پڑے یا سننے کے بعد غصہ میں پھر جائے اور تیری شان میں زیادہ گستاخی کرنے لگے۔ یا ہم پر دست درازی کرے جس سے اصل مقصد فوت ہو جائے (تنبیہ) موسیٰ کے اس خوف اور شرح صدر میں کچھ منافات نہیں۔ کالمین بلاء کے نزول سے پہلے ڈرتے ہیں اور استعاذہ کرتے ہیں۔ لیکن جب آپڑتی ہے اس وقت پورے حوصلہ اور کشادہ دلی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

۳۳۔ حق تعالیٰ کی معیت: یعنی جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں میں کسی وقت تم سے جدا نہیں، میری حمایت و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

۳۴۔ فرعون کو پیغام دعوت: اس میں تین چیزوں کی طرف دعوت دی گئی۔ (۱) فرعون کا اور سب مخلوقات کا کوئی رب ہے جو رسول بھیجتا ہے (۲) ہم دونوں اس کے رسول ہیں لہذا ہماری اطاعت اور رب کی عبادت کرنی چاہیے۔ گویا اس جملہ میں اصل ایمان کی دعوت دی گئی اسی کو "نازعات" میں اس طرح ادا کیا ہے۔ فَقُلْ هَلْ لَكَ اِلٰى اَنْ تَزُوْجِيْ - وَ اَهْدِيْكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى (۱۸، ۱۹) آگے (۳) تیسری چیز وہ ہے جس کی اس وقت خاص ضرورت تھی۔ یعنی بنی اسرائیل کو فرعونوں کی ذلت آمیز اور درد انگیز غلامی سے نجات دلانا۔ مطلب یہ ہے کہ اس شریف و نجیب الاصل خاندان پر ظلم و ستم مت توڑ اور ذلیل ترین غلامی سے آزادی دے کر ہمارے ساتھ کر دے۔ جہاں چاہیں آزادانہ زندگی بسر کریں۔

۳۵۔ یعنی ہمارا دعویٰ رسالت بے دلیل نہیں۔ بلکہ اپنی صداقت پر خدائی نشان لیکر آئے ہیں۔

۳۶۔ یعنی جو ہماری بات مان کر سیدھی راہ چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں سلامتی ہے۔ اور جو تکذیب یا اعتراض کرے گا اس کے لئے عذاب یقینی ہے۔ خواہ صرف آخرت میں یا دنیا میں بھی۔ اب تم اپنا انجام سوچ کر جو راستہ چاہو اختیار کر لو۔

۳۷۔ فرعون کا سوال: یعنی تم اپنے کو جس رب کا بھیجا ہوا بتلاتے ہو وہ رب کون ہے اور کیسا ہے (اس سوال سے مترشح ہوتا ہے کہ فرعون دہری عقیدہ کی طرف مائل ہو گیا محض دق کرنے کے لئے ایسا سوال کیا ہو)۔

۳۸۔ وجود صالح کی تقریر: یعنی ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق شکل صورت، قوی، خواص وغیرہ عنایت فرمائے۔ اور کامل حکمت سے جیسا بنانا چاہئے تھا بنایا۔ پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود و بقا کے لئے جن سامانوں کی ضرورت تھی۔ مہیا کئے اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامانوں سے کام لینے کی راہ سمجھائی۔ پھر ایسا محکم نظام دکھلا کر ہم کو بھی ہدایت کر دی کہ مصنوعات کے وجود سے صالح کے وجود پر کس طرح استدلال کرنا چاہئے۔ فله الحمد والمنة حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی کھانے پینے کو ہوش دیا۔ بچہ کو دودھ پینا وہ نہ سکھائے تو کوئی نہ سکھائے۔"

۵۱۔ بولا پھر کیا حقیقت ہے اُن پہلی جماعتوں کی

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿٥١﴾

۵۲۔ کہا اُنکی خبر میرے رب کے پاس لکھی ہوئی ہے نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے [۴۹]

قَالَ عَلَيْهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا

يَنْسِي ﴿٥٢﴾

۵۳۔ وہ ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے زمین کو بچھونا اور چلائیں تمہارے لئے اُس میں راہیں [۵۰] اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اُس سے طرح طرح کی سبزی [۵۱]

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَ سَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا

بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ﴿٥٣﴾

۵۳۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو [۵۳] البتہ اُس میں نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو [۵۳]

كُلُوا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لٰاٰيٰتٍ لِّاُولِي

النُّهٰى ﴿۵۳﴾

۵۵۔ اسی زمین میں ہم نے تمکو بنایا اور اسی میں تمکو پھر پہنچادیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تمکو دوسری بار [۵۳]

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا

نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اٰخَرٰى ﴿۵۵﴾

۵۶۔ اور ہم نے فرعون کو دکھلا دیں اپنی سب نشانیاں پھر اُس نے جھٹلایا اور نہ مانا [۵۵]

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

۵۷۔ بولا کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اے موسیٰ [۵۶]

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ

يٰمُوسٰى ﴿۵۷﴾

۵۸۔ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا لے ہمارے اور اپنے بیچ میں ایک وعدہ نہ ہم خلاف کریں اُس کا اور نہ تو ایک میدان صاف میں [۵۷]

فَلنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ

بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا

سُوٰى ﴿۵۸﴾

۵۹۔ کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ جمع ہوں لوگ دن چڑھے [۵۸]

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ

صُحٰى ﴿۵۹﴾

۲۹۔ فرعون کے سوال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب: یعنی اگر خدا تعالیٰ کے وجود پر ایسی روشن دلیلیں قائم ہو چکی ہیں اور جس چیز کی طرف تم بلا تے ہو، وہ حق ہے تو گذشتہ اقوام کے متعلق کچھ بیان کرو، آخر ان میں سے بہتوں نے ایسے واضح دلائل کی موجودگی میں حق کو کیوں قبول نہ کیا؟ اور قبول نہ کرنے کی صورت میں کیا وہ سب کی سب تباہ کر دی گئیں۔ اگر تم پیغمبر ہو تو سب اقوام کے تفصیلی حالات تم کو ضرور معلوم ہونے چاہئیں یہ سب لایعنی اور دور از کار قصے فرعون نے اس لئے چھیڑے کے حضرت موسیٰ کے مضامین ہدایت کو ان فضول باتوں میں رلا دے۔ حضرت موسیٰ نے فرما دیا کہ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا ضروری نہیں ہر قوم کے حالات کا تفصیلی علم حق تعالیٰ کو ہے جو بعض مخفی مصاح کی بناء پر کتاب (لوح محفوظ) میں ثبت بھی کر دیا گیا۔ اللہ کے علم سے نہ کوئی چیز ابتداءً غائب ہو سکتی ہے اور نہ علم میں آئی ہوئی چیز کو ایک سینکڑ کے لئے بھول سکتا ہے۔ جو اعمال کسی قوم نے کسی وقت کئے ہیں سب کا ذرہ ذرہ حساب لکھا ہوا موجود ہے جو وقت پر پیش کر دیا جائے گا۔

- ۵۰۔ یعنی وادیوں و دریاؤں اور پہاڑوں کے بیچ میں سے زمین پر راہیں نکال دیں جن پر چل کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکتے ہو۔
- ۵۱۔ وجود باری تعالیٰ اور توحید کی تبلیغ: یعنی پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کی سبزیاں، غلے اور پھول پھل پیدا کر دیے۔
- ۵۲۔ یعنی عمدہ غذائیں تم کھاتے ہو، جو تمہارے کام کی نہیں وہ اپنے مویشیوں کو کھلاتے ہو جن کی محنت سے ساری پیداوار حاصل ہوئی ہے۔
- ۵۳۔ یہ فرمایا ہے دہریوں کی آنکھ کھولنے کو۔ یعنی اس کی تدبیریں اور قدرتیں دیکھو۔ اگر عقل ہے تو سمجھ لو گے کہ یہ مضبوط و محکم انتظامات یوں ہی بخت و اتفاق سے قائم نہیں ہو سکتے۔ گویا ان آیات میں وجود باری اور توحید کی طرف توجہ دلائی۔ آگے معاد کا ذکر ہے۔
- ۵۴۔ انسان کا آغاز و انجام: سب کے باپ آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی سے نکلتی ہیں، مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو جلد یا بدیر مٹی میں مل جانا ہے۔ اسی طرح حشر کے وقت بھی ان اجزاء کو جو مٹی میں مل گئے تھے دوبارہ جمع کر کے از سر نو پیدا کر دیا جائے گا اور جو قبروں میں مدفون تھے وہ ان سے باہر نکالے جائیں گے۔
- ۵۵۔ فرعون کے لئے اتمام حجت: یعنی جو آیات اس کو دکھانا منظور تھیں، سب دکھلا دیں۔ مثلاً القائے عصاء اور ید بیضاء وغیرہ مع اپنے متعلقات و تفصیل کے۔ اس پر بھی بد بخت نہ مانا اور جود و تکذیب پر اڑا رہا۔
- ۵۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کا مناظرہ: فرعون نے یہ بات اپنی قوم ”قبط“ کو موسیٰ کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لئے کہی۔ یعنی موسیٰ کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جادو کے زور سے ہم کو نکال باہر کرے اور ساحرانہ ڈھونگ بنا کر عوام کی جمعیت اپنے ساتھ کر لے اس طرح قبٹیوں کے تمام املاک و اموال پر قابض ہو جائے۔
- ۵۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مقابلے کی دعوت: یعنی تو اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہمارے یہاں بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں۔ بہتر ہو گا کہ ان سے مقابلہ ہو جائے۔ پس جس دن اور جس جگہ مقابلہ کرنا چاہے تجھے اس کی تعیین کا اختیار دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ جو وقت معین ہو جائے اس سے کوئی فریق گریز نہ کرے اور جگہ ایسی ہو جہاں فریقین کو آنے اور بیٹھنے میں یکساں سہولت حاصل ہو۔ نشست وغیرہ میں راعی و رعایا، یا حاکم و محکوم اور بڑے چھوٹے کا کوئی سوال نہ ہو، ہر ایک فریق آزادی سے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکے اور میدان بھی کھلا ہو ہموار اور صاف ہو کہ تماشا دیکھنے والے سب بے تکلف مشاہدہ کر سکیں۔
- ۵۸۔ مقابلے کی تاریخ: پیغمبروں کے کام میں کوئی تلبیس و تلمیح نہیں ہوتی، ان کا معاملہ کھلم کھلا صاف صاف ہوتا ہے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ بہتر ہے جو بڑا میلہ اور جشن تمہارے یہاں ہوتا ہے اسی روز جب دن چڑھ جائے اس وقت میدان مقابلہ قائم ہو۔ یعنی میلہ میں جہاں زیادہ سے زیادہ مخلوق جمع ہوگی اور دن کے اجالے میں یہ کام کیا جائے، تا دیکھنے والے بکثرت ہوں اور روز روشن میں کسی کو اشتباہ و التباس نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”دنگل میں مقابلہ کرنے سے دونوں کی غرض تھی۔ وہ چاہے کہ ان کو ہر ادے سب کے روبرو، یہ چاہیں کہ وہ ہارے۔ جشن کا دن سارے مصر کے شہروں میں مقرر تھا فرعون کی ساگرہ کا۔“

۶۰۔ پھر اُلٹا پھر افرعون پھر جمع کئے اپنے سارے داؤد پھر

آیا [۵۹]

فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدًا ثُمَّ أَتَىٰ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ کہا اُنکو موسیٰ نے کم بختی تمہاری جھوٹ نہ بولو اللہ پر

پھر غارت کر دے تمکو کسی سخت آفت سے اور مراد کو

نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا [۶۰]

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَيَّ اللَّهُ كَذِبًا

فَيُسْحِتْكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ﴿٦١﴾



۶۲۔ پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کیا مشورہ [۶۱]

۶۳۔ بولے مقرر یہ دونوں جادو گر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمکو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور موقوف کرادیں تمہارے اچھے خاصے چلن کو [۶۲]

فَتَنَّا عَمَّا مَرْهُمُ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَى ﴿٦٢﴾

قَالُوا إِنَّ هَذَيْنِ لَسِحْرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ

الْبُشَىٰ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ سو مقرر کر لو اپنی تدبیر پھر آؤ قطار باندھ کر اور جیت گیا آج جو غالب رہا [۶۳]

فَاجْبِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ اتُّوْا صَفًّا وَ قَدْ أَفْلَحَ

الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے

قَالُوا يٰمُوسَىٰ اِمَّا اَنْ تُلْقَىٰ وَ اِمَّا اَنْ نُّكُوْنَ اَوَّلَ

مَنْ اَلْقَىٰ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ کہا نہیں تم ڈالو [۶۴] پھر تبھی انکی رسیاں اور لاٹھیاں اُسکے خیال میں آئیں اُنکے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں [۶۵]

قَالَ بَلْ اَلْقُوا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيَّهُمْ يُخَيَّلُ

اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اِنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسیٰ [۶۶]

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ ہم نے کہا تو مت ڈر مقرر تو ہی رہے گا غالب [۶۷]

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلَىٰ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ اور ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے کہ نکل جائے جو کچھ انہوں نے بنایا [۶۸] اُن کا بنایا ہوا فریب ہے جادو گر کا اور بھلا نہیں ہوتا جادو گر کا جہاں ہو [۶۹]

وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّا صَنَعُوْا كَيْدُ سِحْرٍ ط وَلَا يُغْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ

اَتَىٰ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ پھر گر پڑے جادوگر سجدہ میں بولے ہم یقین لائے  
رب پر ہارون اور موسیٰ کے [۷۰]

مُوسَىٰ ﴿۷۰﴾

۷۱۔ بولا فرعون تم نے اُسکو مان لیا میں نے ابھی حکم  
نہ دیا تھا وہی تمہارا بڑا ہے جس نے سکھلایا تمکو جادو [۷۱] سو  
اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے  
پاؤں [۷۲] اور سولی دوں گا تمکو کھجور کے تنار پر [۷۳] اور  
جان لو گے ہم میں کس کا عذاب سخت ہے اور دیر تک  
رہنے والا [۷۴]

فَالْتَمَى السَّحْرَةَ سُبْحًا قَالُوا أَمَّا بِرَبِّ هَرُونَ وَ

قَالَ أَمْنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرٌ كُمْ

الَّذِي عَلَيْكُمُ السِّحْرُ فَلَا قَطْعَنَّ أَيَّدِيكُمْ وَ

أَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا صَلِّبَنَّكُمْ فِي جُدُوعِ

النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَى ﴿۷۱﴾

۷۲۔ وہ بولے ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اُس چیز سے جو  
بچتی ہم کو صاف دلیل اور اُس سے جس نے ہم کو پیدا کیا  
سو تو کر گذر جو تجھ کو کرنا ہے تو یہی کرے گا اس دنیا کی  
زندگی میں

قَالُوا لَنْ نُؤْتِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَ

الَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّا تَقْضِي

هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾

۷۳۔ ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر تاکہ بخشے ہم کو  
ہمارے گناہ اور جو تو نے زبردستی کروایا ہم سے یہ جادو [۷۵]  
اور اللہ بہتر ہے اور سدا باقی رہنے والا [۷۶]

إِنَّا أَمَّا بِرَبِّنَا لَنَبْتَغِفِرَ لَنَا خَطِيئَتَنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا

عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴿۷۳﴾

۷۴۔ بات یہی ہے کہ جو کوئی آیات کے پاس گناہ لیکر سو  
اُس کے واسطے دوزخ ہے نہ مرے اُس میں نہ جے [۷۷]

إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا

يُؤْتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ﴿۷۴﴾

۷۵۔ اور جو آیا اُسکے پاس ایمان لیکر نیکیاں کر کر سوان  
لوگوں کیلئے ہیں درجے بلند

وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ

لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ﴿۷۵﴾

۷۶۔ باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں اُنکے نیچے سے نہریں  
ہمیشہ رہا کریں گے اُن میں [۷۸] اور یہ بدلہ ہے اُس کا جو  
پاک ہوا [۷۹]

جَنَّتْ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى

۵۹۔ فرعون کی تیاریاں: یعنی یہ طے کر کے فرعون مجلس سے اٹھ گیا اور ساحروں کو جمع کرنے اور مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ہر قسم کی تدبیریں اور داؤ گھات کرنے لگا۔ اور آخر کار مکمل تیاری کے بعد پوری طاقت کے ساتھ وقت معین پر میدان مقابلہ میں حاضر ہو گیا۔ ساحروں کی بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی، انعام و اکرام کے وعدے ہو رہے تھے اور ہر طرح مولیٰ کو شکست دینے اور حق کو مغلوب کر لینے کی فکر تھی۔

۶۰۔ مقابلے کے دن حضرت مولیٰ علیہ السلام کی نصیحت: معلوم ہوتا ہے کہ اس مجمع میں حضرت مولیٰ نے ہر شخص کو اس کے حسب حال نصیحت فرمائی۔ چونکہ جادو گر حق کا مقابلہ جادو سے کرنے والے تھے، ان کو تنبیہ کر دی کہ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو خدا کے نشانوں اور انبیاء کے معجزات کو سحر بتلانا اور بے حقیقت چیزوں کو ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں پیش کرنا گویا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ جھوٹ باندھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ ایسے لوگوں پر کوئی آسمانی آفت آپڑے جو ان کی بیخ و بنیاد تک نہ چھوڑے۔

۶۱۔ ساحروں کے باہمی مشورے: مولیٰ کی تقریر نے ساحروں کی جماعت میں کھلبلی ڈال دی۔ آپس میں جھگڑنے لگے کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے۔ اس کی باتیں ساحروں ایسی معلوم نہیں ہوتیں۔ غرض باہم بحث و مناظرہ کرتے رہے اور سب سے الگ ہو کر انہوں نے مشورہ کیا۔ آخر اختلاف و نزاع کے بعد فرعون کے اثر سے متاثر ہو کر وہ کہا جو آگے مذکور ہے۔

۶۲۔ یعنی تمہارا جو دین اور رسوم پہلے سے چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا دین اور طور و طریق رائج کر دیں اور جادو کے فن کو بھی جس سے ملک میں تمہاری عزت اور کمائی ہے، چاہتے ہیں کہ دونوں بھائی تم سے لے اڑیں اور تن تنہا خود اس پر قابض ہو جائیں۔

۶۳۔ مقابلے کا عزم: یعنی موقع کی اہمیت کو سمجھو، وقت کو ہاتھ سے نہ دو، پوری ہمت و قوت سے سب مل کر ان کے گرانے کی تدبیر کرو۔ اور دفعۃً ایسا متفقہ حملہ کر دو کہ پہلے وار میں ان کے قدم اکھڑ جائیں کہ آج کا معرکہ فیصلہ کن معرکہ ہے، آج کی کامیابی دائمی کامیابی ہے۔ جو فریق آج غالب رہے گا وہ ہمیشہ کے لئے منصور و مفلح سمجھا جائے گا۔

۶۴۔ مقابلے کا آغاز: مولیٰ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ نہیں، تم پہلے اپنے حوصلے نکال لو اور اپنے کرتب دکھا لو۔ تا باطل کی زور آزمائی کے بعد حق کا غلبہ پوری طرح نمایاں ہوں۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گزر چکا وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۶۵۔ سحر کی حقیقت: یعنی ساحرین کی نظر بندی سے مولیٰ کو یوں خیال ہونے لگا کہ گویا رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں۔ اور واقع میں ایسا نہ تھا۔

۶۶۔ حضرت مولیٰ علیہ السلام کا اندیشہ: کہ جادو گروں کا یہ سوانگ دیکھ کر کہیں بے وقوف لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور سحر و معجزہ میں فرق نہ کر سکیں۔ ایسی صورت میں حق کا غلبہ واضح نہ ہو گا۔ خوف کا یہ مطلب آگے جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔

۶۷۔ یعنی ڈر کو دل سے نکال دو۔ اس قسم کے وسوسے مت لاؤ، اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور سر بلند رکھنے والا ہے۔

۶۸۔ عصاء کو زمین پر ڈالنے کا حکم: یعنی اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو۔ جو ان کے بنائے ہوئے سوانگ کا ایک دم لقمہ کر جائے گی۔

۶۹۔ جادو گر فلاح نہیں پاتا: یعنی جادو گر کے ڈھکوسلے چاہے کہیں ہوں اور کسی حد تک پہنچ جائیں، حق کے مقابل کامیاب نہیں ہو سکتے نہ جادو گر کبھی فلاح پاسکتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ساحر کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔

۷۰۔ جادو گر کا ایمان لانا: ساحرین فن کے جاننے والے تھے۔ اصول فن کے اعتبار سے فوراً سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں ہو سکتا یقیناً سحر سے اوپر کوئی اور حقیقت ہے۔ دل میں ایمان آیا اور سجدہ میں گر پڑے۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا۔

۷۱۔ فرعون کی بیچارگی اور غصہ: یعنی ہم سے بے پوچھے ہی ایمان لے آئے۔ ہمارے فیصلہ کا بھی انتظار نہ کیا۔ معلوم ہو گیا کہ یہ تمہاری اور موسیٰ کی ملی بھگت ہے۔ جنگ زرگری کر کے عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہو جیسا کہ سورہ اعراف میں گذرا۔

۷۲۔ یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں، بایاں ہاتھ داہنا پاؤں۔

۷۳۔ تاکہ تمہارا حال دیکھ کر سب عبرت حاصل کریں۔

۷۴۔ فرعون کی دھمکیاں: یعنی تم ایمان لا کر سمجھتے ہو کہ ہم ہی ناجی ہیں۔ اور دوسرے لوگ (یعنی فرعون اور اس کے ساتھی) سب ابدی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ سوا بھی تم کو معلوم ہوا چاہتا ہے کہ کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیر تک رہنے والا ہے۔

۷۵۔ جادو گر کا ثبات و استقامت: یعنی ہم ایسے صاف دلائل کو تیری خاطر سے نہیں چھوڑ سکتے اور اپنے خالق حقیقی کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری کچھ پروا نہیں کر سکتے۔ اب جو تو کر سکتا ہے کر گذر۔ تیرا بڑا زور یہ ہی چل سکتا ہے کہ ہماری اس فانی زندگی کو ختم کر دے۔ سو کچھ مضائقہ نہیں ہم پہلے ہی دارالفنا کے مقابلہ میں دارالقرار کو اختیار کر چکے ہیں۔ ہم کو اب یہاں کے رنج و راحت کی فکر نہیں۔ تمنا صرف یہ ہے کہ ہمارا مالک ہم سے راضی ہو جائے اور ہمارے عام گناہوں کو خصوصاً اس گناہ کو جو تیری حکومت کے خوف سے زبردستی کرنا پڑا (یعنی حق کا مقابلہ جادو سے) معاف فرمادے۔ کہتے ہیں کہ جادو گر حضرت موسیٰ کے نشان دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ یہ جادو نہیں۔ مقابلہ نہ کرنا چاہئے پھر فرعون کے ڈر سے کیا۔

۷۶۔ یعنی جو انعام و اکرام تو ہم کو دیتا اس سے کہیں بہتر اور پائدار اجر مومنین کو خدا کے ہاں ملتا ہے۔

۷۷۔ اللہ کی نافرمانی کا انجام: یعنی انسان کو چاہئے کہ اول آخرت کی فکر کرے۔ لوگوں کا مطیع بن کر خدا کا مجرم نہ بنے۔ اس کے مجرم کا ٹھکانہ بہت برا ہے جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ دنیا کی تکلیفیں کتنی ہی شاق ہوں موت آکر سب کو ختم کر دیتی ہے۔ لیکن کافر کو دوزخ میں موت بھی نہیں آئے گی جو تکالیف کا خاتمہ کر دے اور جینا بھی جینے کی طرح کا نہ ہو گا، زندگی ایسی ہو گی کہ موت کو ہزار درجہ اس پر ترجیح دے گا، العیاذ باللہ۔

۷۸۔ مومنین کے انعامات: مجرمین کے بالمقابل یہ مطیعین کا انجام بیان فرما دیا۔

۷۹۔ یعنی پاک ہو اگندے خیالات، فاسد عقائد، رذیل اخلاق، اور برے اعمال سے۔

۷۷۔ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ لے نکل میرے بندوں کو رات سے پھر ڈال دے اُنکے لئے سمندر میں رستہ سو کھانہ خطرہ کر آپکڑنے کا اور نہ ڈر ڈوبنے سے

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اسْرِ بِعِبَادِي  
فَاصْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفُ

دَرَكًا وَلَا تَخْشَى ﴿٤٤﴾

۷۸۔ پھر پیچھا کیا اُن کافر فرعون نے اپنے لشکروں کو لیکر پھر ڈھانپ لیا اُنکو پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا [۸۰]

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ

مَا غَشِيَهُمْ ﴿٤٥﴾

وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَاهَدَى ﴿۷۹﴾

۷۹۔ اور بہکایا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا [۸۱]

۸۰۔ اے اولاد اسرائیل چھڑا لیا ہم نے تمکو تمہارے دشمن سے اور وعدہ ٹھہرایا تم سے داہنی طرف پہاڑ کی اور اتارا تم پر من اور سلویٰ

يُبْنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكَ مِنْ عَدُوِّكَ وَ  
وَعَدْنَاكَ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ

الْمَنَّ وَالسَّلْوَى ﴿۸۰﴾

۸۱۔ کھاؤ ستھری چیزیں جو روزی دی ہم نے تمکو اور نہ کرو اُس میں زیادتی [۸۲] پھر تو اتارے گا تم پر میرا غصہ اور جس پر اترا میرا غصہ سو وہ پکا گیا [۸۳]

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيهِ  
فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۚ وَ مَنْ يَحِلِّ عَلَيْهِ

غَضَبِي فَقَدْ هَوَى ﴿۸۱﴾

۸۲۔ اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لائے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے [۸۴]

وَ إِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ

اهْتَدَى ﴿۸۲﴾

۸۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کا حکم: جب فرعونوں نے میدان مقابلہ میں شکست کھائی، ساحرین مشرف بایمان ہو گئے۔ بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ اور موسیٰ نے سالہا سال تک اللہ تعالیٰ کی آیات باہرہ دکھلا کر ہر طرح حجت تمام کر دی۔ اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ تب حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ تا اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو۔ راستہ میں سمندر (بحر قلزم) حائل ہو گا لیکن تم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے راستہ میں سمندر کی موجیں حائل نہیں ہونی چاہئیں۔ ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو۔ جس سے گذرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آپکڑے۔

سمندر کے درمیان خشک راستہ: چنانچہ موسیٰ نے اسی ہدایت کے موافق سمندر میں لاٹھی ماری جس سے پانی پھٹ کر راستہ نکل آیا۔ خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ زمین کو فوراً خشک کر دے۔ چنانچہ آنا فانا سمندر کے بیچ میں خشک راستہ تیار ہو گیا جس کے دونوں طرف پانی کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے فَأَنْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْعَوْنَ كَالظُّوْدِ الْعَظِيمِ (الشعراء۔ ۶۳) بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گذر گئے۔

فرعون کا تعاقب اور ہلاکت: پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا آ رہا تھا۔ خشک راستہ دیکھ کر ادھر ہی گھس پڑا۔ جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستہ کے بیچوں بیچ پہنچا خدا تعالیٰ نے سمندر کو ہر طرف سے حکم دیا کہ ان سب کو اپنی آغوش میں لے لے۔ پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا۔

۸۱۔ یعنی دعویٰ تو زبان سے بہت کیا کرتا تھا وَمَا أَهْدَيْكُمُ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ (المومن۔ ۴۰) لیکن اس نے اپنی قوم کو کیسا اچھا راستہ بتلایا۔ وہ ہی مثال سچی کر دی کہ ”ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔“ جو حال دنیا میں ہوا تھا وہ ہی آخرت میں ہو گا۔ یہاں سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا تھا وہاں سب کو ساتھ لے کر جہنم میں گرے گا يُقَدِّمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ (هود۔ ۹۸)

۸۲۔ بنی اسرائیل کو نصیحت: یہ حق تعالیٰ بنی اسرائیل کو نصیحت فرماتے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم پر کیسے کیسے احسان و انعام کئے چاہئے کہ ان کا حق ادا کرو۔ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ ایسے سخت جابر و قاہر دشمن کے ہاتھوں سے تم کو نجات دی اور اس کو کیسے عبرت ناک طریقہ سے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا۔ پھر بتوسط حضرت موسیٰ کے تم سے وعدہ ٹھہرا کہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے کوہ ”طور“ کا جو مبارک و میمون حصہ دہنے ہاتھ پڑتا ہے وہاں آؤ تو تم کو ”تورات“ عطا کی جائے گی۔ ”تبیہ“ کے لقب و دوق میدان میں تمہارے کھانے کے لئے من و سلویٰ اتارا گیا۔ (جس کا ذکر سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے) ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال طیب لذیذ اور ستھری چیزیں عنایت فرمائی ہیں انہیں شوق سے استعمال کرو۔ لیکن اس معاملہ میں حد سے نہ گزرو مثلاً ناشکری یا فضول خرچی کرنے لگے یا اس فانی تنعم پر اترنے لگو یا اس میں سے حقوق واجبہ ادا نہ کرو۔ یا اللہ کی دی ہوئی دولت معاصی میں خرچ کرنے لگو۔ یا جہاں اور جس وقت جوڑ کر رکھنے کی ممانعت ہے وہاں جوڑنے کے پیچھے پڑ جاؤ۔ غرض خدا کی نعمتوں کو طغیان و عصیان کا آلہ نہ بناؤ۔

۸۳۔ یعنی زیادتی کرو گے تو اللہ کا غضب تم پر نازل ہو گا اور ذلت و عذاب کے تاریک غاروں میں پلک دیے جاؤ گے۔

۸۴۔ مغضوبین کے بالمقابل یہ مغفورین کا بیان ہوا۔ یعنی کتنا ہی بڑا مجرم ہو اگر سچے دل سے تائب ہو کر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر لے اور اسی پر موت تک مستقیم رہے تو اللہ کے یہاں بخشش اور رحمت کی کمی نہیں۔

۸۳۔ اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ

وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسَىٰ ﴿۸۳﴾

۸۴۔ بولا وہ یہ آرہے ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف اے میرے رب تاکہ تو راضی ہو [۸۵]

قَالَ هُمْ أَوْلَاءِ عَلٰی اَثْرِيْ وَ اَعَجَلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ

بِتَرْضٰی ﴿۸۴﴾

۸۵۔ فرمایا ہم نے بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا انکو سامری نے [۸۶]

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمْ

السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾

۸۶۔ پھر الٹا پھر موسیٰ اپنی قوم کے پاس غصہ میں بھرا پچھتاہوا کہا اے قوم کیا تم سے وعدہ نہ کیا تھا تمہارے رب نے اچھا وعدہ کیا طویل ہو گئی تم پر مدت یا چاہا تم نے کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کا اس لئے خلاف کیا تم نے میرا وعدہ [۸۷]

فَرَجَعَ مُوسٰى اِلٰى قَوْمِهِ غَضْبَانَ اَسْفَاہًا قَالَ

يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا اَفْطَالَ

عَلَيْكُمْ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ

مَنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ﴿۸۶﴾

۸۷۔ بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے و لیکن اٹھوایا ہم سے بھاری بوجھ قوم فرعون کے زیور کا سو ہم نے اُسکو چھینک دیا پھر اس طرح ڈھالا سامری نے [۸۸]

فَكَذَبْتَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

۸۸۔ پھر بنا نکالا اُنکے واسطے ایک مچھڑا ایک دھڑ جسمیں آواز گائے کی پھر کہنے لگے یہ معبود ہے تمہارا اور معبود ہے موسیٰ کا سو وہ بھول گیا [۸۹]

إِلَهُكُمْ وَاللَّهُ مُوسَىٰ فَانْسَىٰ ﴿۸۸﴾

۸۹۔ بھلا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب تک نہیں دیتا اُنکو کسی بات کا اور اختیار نہیں رکھتا اُنکے برے کا اور نہ بھلے کا [۹۰]

لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

۸۵۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عجلت: حضرت موسیٰ حسب وعدہ نہایت اشتیاق کے ساتھ کوہ طور پہنچے۔ شاید قوم کے بعض نقباء کو بھی ہمراہ لیجانے کا حکم ہو گا۔ وہ ذرا پیچھے رہ گئے۔ حضرت موسیٰ شوق میں آگے بڑھے چلے گئے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ! ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری خوشنودی کے لئے جلد حاضر ہو گیا اور قوم بھی کچھ زیادہ دور نہیں یہ میرے پیچھے چلی آرہی ہے۔ کذافی التفاسیر و یحتمل غیر ذلک واللہ اعلم۔

۸۶۔ قوم کو سامری کا بہکانا: یعنی تم تو ادھر آئے اور ہم نے تیری قوم کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا، جس کا سبب عالم اسباب میں سامری بنا ہے۔ کیونکہ اسی کے اغواء و اضلال سے بنی اسرائیل نے موسیٰ کی غیبت میں مچھڑا پوجنا شروع کر دیا تھا۔ جس کا قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا ہے۔ (تنبیہ) سامری کا نام بھی بعض کہتے ہیں موسیٰ تھا۔ بعض کے نزدیک یہ اسرائیلی تھا بعض کے نزدیک قبلی بہر حال جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص حضرت موسیٰ کے عہد کا منافق تھا اور منافقین کی طرح فریب اور چال بازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ ابن کثیر کی روایت کے موافق کتب اسرائیلیہ میں اس کا نام ہارون ہے۔

۸۷۔ قوم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ: یعنی میرے اتباع میں تم کو دینی و دنیوی ہر طرح کی بھلائی پہنچے گی۔ چنانچہ بہت سی عظیم الشان بھلائیاں ابھی ابھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو اور جو باقی ہیں وہ بھی عنقریب ملنے والی ہیں کیا اس وعدہ کو بہت زیادہ مدت گذر گئی تھی کہ تم پچھلے احسانات کو بھول گئے اور اگلے انعامات کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے ہو؟ یا جان بوجھ کر تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟ اور دین توحید پر قائم نہ رہ کر خدا کا غضب مول لیا۔ (کذا فرسہ ابن کثیر) یا یہ مطلب لیا جائے کہ تم سے حق تعالیٰ نے تیس چالیس روز کا وعدہ کیا تھا کہ اتنی مدت موسیٰ طور پر معتکف رہیں گے، تب تورات شریف ملے گی۔ تو کیا بہت زیادہ مدت گذر گئی کہ تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے؟ اور گوسالہ

پرستی اختیار کر لی، یا عمداً یہ حرکت کی ہے تا غضب الہی کے مستحق بنو۔ اور اَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي سے مراد وہ وعدہ ہے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کیا تھا کہ آپ ہم کو خدا کی کتاب لادیتے ہم اسی پر عمل کیا کریں گے۔ اور آپ کے اتباع پر مستقیم رہیں گے۔

۸۸۔ زیورات اور سونے کا چھڑا: یعنی ہم نے اپنے اختیار سے از خود ایسا نہیں کیا، یہ حرکت ہم سے سامری نے کرائی۔ صورت یہ ہوئی کہ قوم فرعون کے زیورات کا جو بوجھ ہم پر لدا ہوا تھا اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیا کریں۔ وہ ہم نے باہمی مشورہ کے بعد اپنے سے اتار پھینکا۔ اس کو آگ میں پگھلا کر سامری نے ڈھال لیا اور چھڑے کی صورت بنا کر کھڑی کر دی۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا ہے وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تنبیہ) قوم فرعون کے یہ زیورات کس طرح بنی اسرائیل کے ہاتھ آئے تھے؟ یا ان سے مستعار لئے تھے یا مال غنیمت کے طور پر ملے یا اور کوئی صورت ہوئی۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی صورت بھی ہو، بنی اسرائیل ان کا استعمال اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن غضب ہے کہ اس کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

۸۹۔ یعنی موسیٰ سے بھول ہوئی کہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے طور پر گئے۔ خدا تو یہاں موجود ہے۔ یعنی یہ ہی چھڑا۔ ایجاز باللہ۔ شاید یہ قول انہیں سے سخت غالیوں کا ہو گا۔

۹۰۔ یعنی اندھوں کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سو جھتی کہ جو مورتی نہ کسی سے بات کر سکے نہ کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچانے کا اختیار رکھے، وہ معبود یا خدا کس طرح بن سکتی ہے۔

۹۰۔ اور کہا تھا انکو ہارون نے پہلے سے اے قوم بات یہی ہے کہ تم بہک گئے اس چھڑے سے اور تمہارا رب تو رحمن ہے سو میری راہ چلو اور مانو بات میری [۹۱]

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يُقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ <sup>ج</sup> وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَ

أَطِيعُوا أَمْرِي ﴿٩٠﴾

۹۱۔ بولے ہم برابر اسی پر لگے بیٹھے رہیں گے جب تک لوٹ کر نہ آئے ہمارے پاس موسیٰ [۹۲]

قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عُكْفَيْنَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا

مُوسَىٰ ﴿٩١﴾

۹۲۔ کہا موسیٰ نے اے ہارون کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تھا تو نے کہ وہ بہک گئے

قَالَ يَهُرُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ﴿٩٢﴾

۹۳۔ کہ تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا میرا حکم [۹۳]

أَلَا تَتَّبِعَنِ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿٩٣﴾

۹۴۔ وہ بولا اے میری ماں کے جنے نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر [۹۴] میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے بنی

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي <sup>ج</sup> إِنِّي

اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات [۹۵]

خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَ



## لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿۹۳﴾

۹۱۔ قوم کو حضرت ہارون کی تنبیہ: یعنی حضرت ہارونؑ نرمی سے زبانی فہمائش کر چکے تھے کہ جس بچھڑے پر تم مفتون ہو رہے ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ تمہارا پروردگار اکیلا رحمن ہے۔ جس نے اب تک خیال کرو کس قدر رحمتوں کی بارش تم پر کی ہے۔ اسے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو۔ میں موسیٰ کا جانشین ہوں اور خود نبی ہوں۔ اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ میری راہ چلو اور میری بات مانو۔ سامری کے انغواء میں مت آؤ۔

۹۲۔ قوم کی ضد: یعنی موسیٰ کے واپس آنے تک تو ہم اس سے ٹلتے نہیں ان کے آنے پر دیکھا جائے گا جو کچھ مناسب معلوم ہو گا کریں گے۔

۹۳۔ حضرت ہارون علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باز پرس: یعنی میں تم کو اپنا خلیفہ بنا کر اور حکم کر کے گیا تھا کہ میری غیبت میں ان کی اصلاح کرنا اور مفسدین کے راستہ پر نہ چلنا۔ پھر تم نے کیا اصلاح کی؟ کیوں اپنے موافقین کو ساتھ لے کر ان کو سالہ پرستوں کا سختی سے مقابلہ نہ کیا؟ اگر یہ نہ ہو سکتا تھا تو ان سے منقطع ہو کر میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ غرض تم نے ایسی صریح گمراہی کو دیکھ کر میرے طریق کار کی پیروی کیوں نہیں کی؟

۹۴۔ حضرت موسیٰ نے فرط جوش میں ہارونؑ کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے تھے۔ اس کی مفصل بحث سورہ اعراف کے فوائد میں گذر چکی۔

۹۵۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت: یعنی میری سمجھ میں یہ ہی آیا کہ تمہارے آنے کا انتظار اس سے بہتر ہے کہ تمہارے پیچھے کوئی ایسا کام کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر مقابلہ یا انقطاع ہوتا تو کچھ لوگ میرے ساتھ ہوتے اور بہت سے مخالف رہتے۔ مجھے ڈر ہوا کہ تم آکر یہ الزام نہ دو کہ میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ اور قوم میں ایسا تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ چلتے وقت موسیٰ ہارونؑ کو نصیحت کر گئے تھے کہ سب کو متفق رکھیو۔ اس لئے انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ نہ کیا۔ زبان سے البتہ سمجھایا وہ نہ سمجھے بلکہ ان کے قتل پر تیار ہونے لگے وَكَادُؤا يَفْعَلُوْنَ فِی (اعراف۔ ۱۵۰)۔

۹۵۔ کہا موسیٰ نے اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری [۹۶]

## قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

۹۶۔ بولا میں نے دیکھ لیا جو اوروں نے نہ دیکھا پھر بھرلی میں نے ایک مٹھی پاؤں کے نیچے سے اُس بھیجے ہوئے کے پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی صلاح دی مجھ کو میرے جی نے [۹۷]

مِنْ آثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّكْتُ لِي

## نَفْسِي ﴿۹۶﴾

۹۷۔ کہا موسیٰ نے دور ہو تیرے لئے زندگی بھر تو اتنی سزا ہے کہ کہا کرے مت چھیڑو [۹۸] اور تیرے واسطے ایک وعدہ ہے وہ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہو گا [۹۹] اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تمام دن تو متکلف رہتا تھا ہم اسکو جلا دیں گے پھر بکھیر دیں گے دریا میں اڑا کر [۱۰۰]

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ وَانظُرْ إِلَى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُْحَرِّقَنَّهُ

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٤﴾

۹۸۔ تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سب چیز ساگئی ہے اُسکے علم میں [۱۰۱]

إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ

شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

۹۶۔ سامری سے باز پرس: ادھر سے فارغ ہو کر موٹئی نے سامری کو ڈانٹ بتلائی اور فرمایا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر۔ یہ حرکت تو نے کس وجہ سے کی؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے۔

۹۷۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے پاؤں تلے کی مٹی: سامری نے کہا کہ مجھ کو ایک ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔ یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ (جبریل) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ شاید یہ اس وقت ہوا ہو جب بنی اسرائیل دریا میں گسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا اس حالت میں جبریل دونوں جماعتوں کے درمیان میں کھڑے ہو گئے تا ایک کو دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بناء پر سمجھ لیا کہ یہ جبریل ہیں ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹی اٹھالی۔ وہ ہی اب سونے کے پچھڑے میں ڈال دی۔ کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاک پامیں یقیناً کوئی خاص تاثیر ہو گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے، اس میں مٹی پڑی برکت کی، حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کی روح اور آواز اس میں ہو گئی۔ ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہئے۔ اسی سے بت پرستی بڑھتی ہے۔ (تنبیہ) آیت کی جو تفسیر اوپر بیان ہوئی۔ صحابہ و تابعین اور علمائے مفسرین سے یہ ہی منقول ہے بعض زانغین نے اس پر جو طعن کئے ہیں اور آیت کی دور از صواب تاویلیں کی ہیں، ان کا کافی جواب صاحب روح المعانی نے دیا ہے یہاں اس قدر بسط کا موقع نہیں۔ من شاء فلیراجع۔

۹۸۔ سامری کی سزا: یعنی مجھے ہاتھ مت لگاؤ مجھ سے علیحدہ رہو، چونکہ اس نے پچھڑے کا ڈھونگ بنایا تھا جب جاہ و ریاست سے کہ لوگ اس کے ساتھ ہوں اور سردار مانیں اس کے مناسب سزائی کہ کوئی پاس نہ پھٹکے، جو قریب جائے وہ خود دور رہنے کی ہدایت کر دے۔ اور دنیا میں بالکل ایک ذلیل، اچھوت، اور وحشی جانور کی طرح زندگی گزارے۔

۹۹۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ دنیا میں اسکو یہ ہی سزائی کہ لشکر بنی اسرائیل سے باہر الگ رہتا۔ اگر وہ کسی سے ملتا یا کوئی اس سے تو دونوں کو تپ چڑھتی، اسی لئے لوگوں کو دور دور کرتا۔ اور یہ جو فرمایا کہ ایک وعدہ ہے جو خلاف نہ ہو گا۔ شاید مراد عذاب آخرت ہے اور شاید دجال کا نکلنا۔ وہ بھی یہود میں سامری کے فساد کی تکمیل کرے گا جیسے ہمارے پیغمبر مال بانٹتے تھے، ایک شخص نے کہا انصاف سے بانٹو فرمایا، اسکی جنس کے لوگ نکلیں گے ”وہ خارجی نکلے کہ اپنے پیشواؤں پر لگے اعتراض پکڑنے جو کوئی دین کے پیشواؤں پر طعن کرے ایسا ہی ہے۔

۱۰۰۔ یعنی تیری سزا تو یہ ہوئی۔ اب تیرے جھوٹے معبود کی قلعی بھی کھولے دیتا ہوں جس پچھڑے کو تو نے خدا بنایا اور دن بھر وہاں دل جمائے بیٹھا رہتا تھا، ابھی تیری آنکھوں کے سامنے توڑ پھوڑ کر اور جلا کر راکھ کر دوں گا۔ پھر راکھ کو دریا میں بہا دوں گا۔ تا اس کے پجاریوں کو خوب واضح ہو جائے کہ وہ دوسروں کو تو کیا نفع نقصان پہنچا سکتا۔ خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔

۱۰۱۔ باطل کو مٹانے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ قوم کو حق کی طرف بلاتے جاتے ہیں۔ یعنی پچھڑا تو کیا چیز ہے کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی سچا معبود تو وہ ہی ایک ہے۔ جس کے سوا کسی کی بندگی عقلاً و نفلاً و فطرۃً روا نہیں اور جس کا لامحدود علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔

۹۹۔ یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو اُنکے احوال جو پہلے گذر چکے [۱۰۲] اور ہم نے دی تجھ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب [۱۰۳]

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَ  
قَدْ اَتَيْنَكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۙ ﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ جو کوئی منہ پھیر لے اُس سے وہ اٹھائے گا دن قیامت کے ایک بوجھ

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهُ يَحْتَلِبُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ  
وِزْرًا ۙ ﴿١٠٠﴾

۱۰۱۔ سدا رہیں گے اس میں اور برا ہے اُن پر قیامت میں وہ بوجھ اٹھانے کا [۱۰۴]

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۗ وَسَاَءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ ﴿١٠١﴾

۱۰۲۔ جس دن پھونکیں گے صور میں اور گھبر لائیں گے ہم گناہگاروں کو اُس دن نیلی آنکھیں [۱۰۵]

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْجُرِمِيْنَ يَوْمَ يَمْذِبُ  
زُرْقًا ۙ ﴿١٠٢﴾

۱۰۳۔ چپکے چپکے کہتے ہونگے آپس میں تم نہیں رہے مگر دس دن [۱۰۶]

يَتَخَفَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۙ ﴿١٠٣﴾

۱۰۴۔ ہم کو خوب معلوم ہے جو کچھ کہتے ہیں [۱۰۷] جب بولے گا اُن میں اچھی راہ روشن والا تم نہیں رہے مگر ایک دن [۱۰۸]

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً  
اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۙ ﴿١٠٤﴾

۱۰۵۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال سو تو کہہ اُنکو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ  
نَسْفًا ۙ ﴿١٠٥﴾

۱۰۶۔ پھر کر چھوڑے گا زمین کو صاف میدان

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۙ ﴿١٠٦﴾

۱۰۷۔ نہ دیکھے تو اُس میں موڑ اور نہ ٹیلا [۱۰۹]

لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَا اَمْتًا ۙ ﴿١٠٧﴾

۱۰۸۔ اُس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے ٹیڑھی نہیں جسکی بات [۱۱۰] اور دب جائیں گی آوازیں رحمن کے ڈر سے پھر تو نہ سنے گا مگر گھس گھسی آواز [۱۱۱]

يَوْمَ يَمْذِبُ يَتَّبِعُوْنَ الدّٰعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۗ وَخَشَعَتِ  
الْاَصْوَاتُ لِلرّٰحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَبْسًا ۙ ﴿١٠٨﴾

۱۰۹۔ اُس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جسکو اجازت  
رحمن نے دی اور پسند کی اسکی بات [۱۱۱]

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ

الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾

۱۱۰۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ہے اُنکے آگے اور پیچھے اور یہ قابو  
میں نہیں لاسکتے اُسکو دریافت کر کر [۱۱۲]

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا

يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

۱۱۱۔ اور رگڑتے ہیں منہ آگے اس جیتے ہمیشہ رہنے والے  
کے [۱۱۳] اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا [۱۱۵]

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ

حَصَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

۱۱۲۔ اور جو کوئی کرے کچھ بھلائیاں اور وہ ایمان بھی رکھتا  
ہو سو اُسکو ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ نقصان پہنچنے کا [۱۱۶]

وَمَنْ يَعْصِلْ مِنَ الصَّلٰحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا

يَخْفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْبًا ﴿١١٢﴾

۱۱۳۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے قرآن عربی زبان کا اور  
پھیر پھیر کر سنائی ہم نے اُس میں ڈرانے کی باتیں تاکہ وہ  
پرہیز کریں یا ڈالے اُنکے دل میں سوچ [۱۱۷]

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَصَرَفْنَا فِيْهِ

مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحَدِثُ لَهُمْ

ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

۱۱۴۔ سو بلند درجہ اللہ کا اُس سچے بادشاہ کا [۱۱۸] اور تو  
جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک کہ پورا نہ ہو چکے  
اُس کا اثرنا اور کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ [۱۱۹]

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ

مِنْ قَبْلِ اَنْ يُقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهُ ۗ وَقُلْ رَبِّ

زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

۱۰۲۔ پچھلے واقعات سنانے کی حکمت: یعنی موسیٰ و فرعون کی طرح اور بہت سی گذشتہ اقوام کے واقعات ہم تجھ کو اور تیرے ذریعہ سے تمام دنیا  
کو سناتے رہتے ہیں جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً علم کی توقیر، معجزات کی تکثیر، پیغمبر اور مسلمانوں کی تسلی عقلمندوں کے لئے عبرت و تذکرہ،

اور معاندین کے حق میں تہدید و ترہیب کا سامان ہوتا ہے۔

۱۰۳۔ یعنی قرآن کریم جو ان عبرت آموز واقعات و حقائق پر مشتمل ہے۔

۱۰۴۔ یعنی اعراض و تکذیب سے جو گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان پر لا دیا جائے گا، کبھی ہلکانہ ہو گا۔ ہمیشہ اس کے نیچے دبے رہیں گے پھر اس کا اٹھانا کوئی ہنسی کھیل نہیں جب اٹھائیں گے تو پتہ چلے گا کہ کیسے برے اور سخت بوجھ کے نیچے دبائے گئے ہیں۔

۱۰۵۔ محشر میں مجرمین کی حالت: یعنی محشر میں لائے جانے کے وقت اندھے ہوں گے۔ یا شاید یوں ہی آنکھیں نیلی ہوں بد نمائی کے واسطے بہر حال اگر پہلے معنی لئے جائیں تو یہ ایک خاص وقت کا ذکر ہے۔ پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تاکہ دوزخ وغیرہ کو دیکھ سکیں وَرَأَى الْجَحْرِمُونَ النَّارَ الْآتِيَةَ (الکہف- ۵۳) اَسْبَغَ بِهِمْ وَاَبْصَرُ يَوْمَ يَأْتُونََنَا (مریم- ۳۸)

۱۰۶۔ دنیا کی زندگی پر ندامت: یعنی آخرت کا طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر دنیا میں یا قبر میں رہنا اتنا کم نظر آئے گا گویا ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں رہے۔ بڑی جلدی دنیا ختم ہو گئی یہاں کے مزے اور لمبی چوڑی امیدیں سب بھول جائیں گے بیہودہ عمر ضائع کرنے پر ندامت ہو گی۔ یا شاید معذرت کے طور پر ایسا کہیں گے۔ یعنی دنیا میں بہت ہی کم ٹھہرنا ہوا۔ موقع نہ ملا کہ آخرت کے لئے کچھ سامان کرتے جیسے دوسری جگہ فرمایا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْجَحْرِمُونَ مِمَّا كَانُوا يَعْبُدُونَ سَاعَةَ اٰلِ اٰخِرِهِ (روم- ۵۵)

۱۰۷۔ یعنی چپکے کہنا ہم سے نہیں چھپتا۔ وہ آپس میں جو سرگوشیاں کریں گے ہم کو خوب معلوم ہیں۔

۱۰۸۔ یعنی جو ان میں زیادہ عقلمند، صائب الرائے اور ہشیار ہو گا وہ کہے گا کہ میاں دس دن بھی کہاں؟ صرف ایک ہی دن سمجھو۔ اس کو زیادہ عقلمند اور اچھی راہ روش والا اس لئے فرمایا کہ دنیا کے زوال و فنا اور آخرت کی بقاء و دوام اور شدت ہول کو اس نے دوسروں سے زیادہ سمجھا۔

۱۰۹۔ قیامت کے دن پہاڑوں کی حالت: یعنی قیامت کے ذکر پر منکرین حشر استہزاء کہتے ہیں کہ ایسے ایسے سخت اور عظیم الشان پہاڑوں کا کیا حشر ہو گا کیا یہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے؟ اس کا جواب دیا کہ حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے ان سب کو ذرا سی دیر میں کوٹ پیس کر ریت کے ذرات اور دھنی ہوئی روٹی کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف و ہموار کر دی جائے گی جس میں کچھ ایچ پیچ اور اونچ نیچ نہ رہے گی پہاڑوں کی رکاوٹیں ایک دم میں صاف کر دی جائیں گی۔

۱۱۰۔ یعنی جدھر فرشتہ آواز دے گا یا جہاں بلائے جائیں گے سیدھے تیر کی طرح ادھر دوڑے جائیں گے۔ نہ بلانے والے کی بات ٹیڑھی ہو گی اور نہ دوڑنے والوں میں کچھ ٹیڑھا تر چھاپا رہے گا۔ کاش یہ لوگ دنیا میں اللہ کے داعی کی آواز پر اسی طرح سیدھے جھپٹتے تو وہاں کام آتا۔ پر یہاں اپنی بد بختی اور کج روی سے ہمیشہ ٹیڑھی چال چلتے رہے۔

۱۱۱۔ رحمن کے ڈر سے آوازوں کا پست ہونا: یعنی محشر کی طرف چلنے کی کھسکھاہٹ کے سوا اس وقت رحمن کے خوف و ہیبت کے مارے کسی کی آواز نہ سنائی دے گی، اگر کوئی کچھ کہے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کا نا پھوسی کرتے ہوں۔

۱۱۲۔ کوئی سفارش کام نہیں آئے گی: یعنی اس کی سفارش چلے گی جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سفارش کی اجازت ملے اس کا بولنا خدا کو پسند ہو۔ اور بات ٹھکانے کی کہے اور ایسے شخص کی سفارش کرے جس کی بات (لا الہ الا اللہ) خدا کو پسند آپسکی ہے کافر کے حق میں کوئی سعی سفارش نہیں چلے گی۔

۱۱۳۔ یعنی خدا کا علم سب کو محیط ہے لیکن بندوں کا علم اس کو یا اس کی معلومات کو محیط نہیں۔ اس لئے وہ اپنے علم محیط سے جانتا ہے کس کو کس کے لئے شفاعت کا موقع دینا چاہئے۔

۱۱۴۔ متکبرین کے سر جھک جائیں گے: یعنی اس روز بڑے بڑے سرکش متکبروں کے سر بھی علانیہ اسی جی و قیوم کے سامنے ذلیل قیدیوں کی

طرح جھکے ہوں گے جنہوں نے کبھی خدا کے آگے پیشانی نہ ٹیکی تھی اس وقت بڑی عاجزی سے گردن جھکائے چلے آئیں گے۔  
۱۱۵۔ یعنی ظالم کا حال کچھ نہ پوچھو کیا خراب ہو گا۔ ظلم کے لفظ میں شرک اور دوسرے معاصی بھی داخل ہیں جیسے فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان- ۱۳) اور وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ اَلْح (آل عمران- ۱۳۵) ہر ایک ظالم کی خرابی اس کے درجہ میں ظلم کے موافق ہوگی۔

۱۱۶۔ بے انصافی یہ کہ کوئی نیکی ضائع کر دی جائے یا ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔ اور نقصان پہنچنا یہ کہ استحقاق سے کم بدلہ دیا جائے۔  
۱۱۷۔ قرآن کریم کی تشبیہ صاف ہے: یعنی جیسے یہاں محشر کے احوال اور نیک و بد کے نتائج صاف صاف سنا دیے اسی طرح ہم نے پورا قرآن صاف زبان عربی میں نازل کیا۔ تاجو لوگ اس کے اولین مخاطب ہیں اس کو پڑھ کر خدا سے ڈریں اور تقویٰ کی راہ اختیار کریں، اور اتنا نہ ہو تو کم از کم ان کے دلوں میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ سوچ تو پیدا ہو جائے ممکن ہے یہ ہی سوچ اور غور و فکر آگے بڑھتے بڑھتے ہدایت پر لے آئے۔ اور ان کے ذریعہ سے دوسروں کو ہدایت ہو۔

۱۱۸۔ جس نے ایسا عظیم الشان قرآن اتارا، اور اپنی رعایا کو ایسی سچی اور کھری باتیں ان کے فائدے کے لئے سنائیں۔  
۱۱۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعا کی تعلیم: یعنی جب قرآن ایسی مفید و عجیب چیز ہے تو جس طرح ہم اس کو بتدریج آہستہ آہستہ اتارتے ہیں، تم بھی اس کو جبریل سے لینے میں جلدی نہ کیا کرو۔ جس وقت فرشتہ وحی پڑھ کر سنائے تم عجلت کر کے اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو ہم ذمہ لے چکے ہیں کہ قرآن تمہارے سینے سے نکلنے نہ پائے گا۔ پھر اس فکر میں کیوں پڑتے ہو کہ کہیں بھول نہ جاؤں اس فکر کے بجائے یوں دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائے۔ دیکھو آدمؑ نے ایک چیز میں بے موقع تعجیل کی تھی اس کا انجام کیا ہوا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ “جبریل جب قرآن لاتے حضرت انکے پڑھنے کے ساتھ آپ بھی پڑھنے لگتے کہ بھول نہ جاؤں، اس کو پہلے منع فرمایا تھا۔ سورہ قیامت میں لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَتَّعَبَلَ بِهِ۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (۱۶، ۱۷) اور تسلی کر دی تھی کہ اس کا یاد رکھنا اور لوگوں تک پہنچانا ہمارے ذمہ ہے۔ لیکن بندہ بشر ہے، شاید بھول گئے ہوں اس لئے پھر اس آیت سے تقید کیا۔ اور بھولنے پر آگے مثل بیان فرمائی آدمؑ کی۔”

۱۱۵۔ اور ہم نے تاکید کر دی تھی آدمؑ کو اُس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اسمیں کچھ ہمت [۱۲۰]

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلَىٰ اٰدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسِيَ وَاَنْتَ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝۱۱۵

۱۱۶۔ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدمؑ کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر نہ مانا ابلیس نے

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ ۝۱۱۶

۱۱۷۔ پھر کہہ دیا ہم نے اے آدمؑ یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا سونگوانہ دے تمکو بہشت سے پھر تو پڑ جائے تکلیف میں [۱۲۱]

فَقُلْنَا يَا اٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوُّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ۝۱۱۷

۱۱۸۔ تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۹۔ اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں اور نہ دھوپ [۱۲۲]

وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ ﴿۱۱۹﴾

۱۲۰۔ پھر جی میں ڈالا اُسکے شیطان نے کہا اے آدم میں بتاؤں تجھ کو درخت سدا زندہ رہنے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو [۱۲۳]

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ

عَلَىٰ شَجَرَةٍ الْخُلْدِ وَمَلِكٍ لَا يَبُلَىٰ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۱۔ پھر دونوں نے کھا لیا اُس میں سے پھر کھل گئیں اُن پر انکی بری چیزیں اور لگے گانٹھے اپنے اوپر پتے بہشت کے [۱۲۴] اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتَ لَهَا سَوَاتِحُهَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَعَصَىٰ آدَمُ

رَبَّهُ فَعَوَىٰ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۲۔ پھر نواز دیا اُسکو اُسکے رب نے پھر متوجہ ہوا اُس پر اور راہ پر لایا [۱۲۵]

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۳۔ فرمایا اترو یہاں سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن [۱۲۶] پھر اگر پہنچے تمکو میری طرف سے ہدایت [۱۲۷] پھر جو چلا میری بتلائی راہ پر سونہ وہ ہیکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا [۱۲۸]

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَبِيحًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى ۖ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ

فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْغَىٰ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۴۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اُسکو ملنی ہے گذران تنگی کی [۱۲۹] اور لائیں گے ہم اُسکو دن قیامت کے اندھا [۱۳۰]

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا

وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۵۔ وہ کہے گا اے رب کیوں اٹھالایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھنے والا [۱۳۱]

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿۱۲۵﴾

۱۲۶۔ فرمایا یونہی پہنچی تھیں تجھ کو میری آیتیں پھر تو نے انکو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے [۱۳۲]

قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَلِكَ

الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ﴿۱۲۶﴾

وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ

۱۲۷۔ اور اسی طرح بدلہ دیں گے ہم اُسکو جو حد سے نکلا اور یقین نہ لایا اپنے رب کی باتوں پر [۱۳۳] اور آخرت کا عذاب سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا [۱۳۴]

رَبِّهِ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ

۱۲۰۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بھول: وہ ہی جو دانہ کھالیا تھا۔ بھول گئے، یعنی قائم نہ رہے آگے اس قصہ کی قدرے تفصیل ہے۔

۱۲۱۔ ظاہر ہے بہشت کا آرام دوسری جگہ کہاں مل سکتا ہے۔ آخر کھانے پینے، رہنے سہنے کی تدبیریں کرنی پڑیں گی۔

۱۲۲۔ انسان کی یہ ہی بڑی ضرورتیں ہیں، کھانا، پینا، پہننا اور رہنے کے لئے مکان جس میں دھوپ بارش کا بچاؤ ہو، جنت میں اس طرح کی کوئی تکلیف نہیں۔ ہر طرح راحت ہی راحت ہے بہشت آنجا کہ آزارے نباشد۔ یہاں راحت کا ذکر نہیں کیا۔ صرف تکلیفوں کی نفی کی شاید متنبہ کرنے کے لئے کہ یہاں سے نکلے تو ان سب چیزوں کی تکلیف اٹھاؤ گے۔

۱۲۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کا انغواء: یعنی ایسا درخت بتاؤں جس کے کھانے سے کبھی موت نہ آئے اور لازوال بادشاہت ملے۔

۱۲۴۔ یہ سب قصہ سورہ اعراف میں مفصل گزر چکا ہے۔ وہاں کے فوائد میں ہم اس کے اجزاء پر نہایت کافی و شافی کلام کر چکے ہیں۔

۱۲۵۔ یعنی جب حکم الہی کے امتثال میں غفلت و کوتاہی ہوئی تو اپنی شان کے موافق عزم و استقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے اسی کو غوایت و عصیان سے تغلیظاً تعبیر فرمایا ہے بقاعدہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ النَّفَرَاتِ اِس کی بحث بھی پہلے گزر چکی۔ یعنی شیطان کا تسلط نہیں ہونے دیا، بلکہ فوراً توبہ کی توفیق بخشی، خلعت قبول سے نوازا، اور بیش از بیش مہربانی سے اسکی طرف متوجہ ہوا اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر قائم کر دیا۔

۱۲۶۔ جنت سے نکلنے کا حکم: اگر یہ خطاب صرف آدم و حوا کو ہے تو یہ مراد ہوگی کہ ان کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کی دشمن رہے گی۔ جیسا رفاقت کر کے گناہ کیا تھا اس رفاقت کا بدلہ یہ ملا کہ اولاد آپس میں دشمن ہوئی۔ اور اگر خطاب آدم و ابلیس کو ہے تو یہ مطلب ہو گا کہ دونوں کی ذریت میں یہ دشمنی برابر قائم رہے گی۔ شیاطین ہمیشہ بنی آدم کو ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

۱۲۷۔ یعنی نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ سے۔

۱۲۸۔ یعنی نہ جنت کے راستہ سے بہکے گناہ اس سے محروم ہو کر تکلیف اٹھائے گا۔ جس وطن اصلی سے نکل کر آیا تھا، بے کھٹکے پھر وہیں جا پہنچے گا۔

۱۲۹۔ اللہ سے غفلت دنیوی زندگی میں تنگی لاتی ہے: جو آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا کی فانی زندگی ہی کو قبلہ مقصود سمجھ بیٹھا ہے، اس کی گذران ملکہ اور تنگ کر دی جاتی ہے۔ گودیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامان عیش و عشرت نظر آئیں۔ مگر اس کا دل قناعت و توکل سے خالی ہونے کی بنا پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے۔ کسی وقت ننانوے کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا، موت کا یقین اور زوال دولت کے خطرات الگ سوہان روح رہتے ہیں۔ یورپ کے اکثر تسمین کو دیکھ لیجئے۔ کسی کو رات دن میں دو گھنٹے اور کسی خوش قسمت کو تین چار گھنٹے سونا نصیب ہوتا ہو گا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی دنیا کے مخلصوں سے تنگ آکر موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اس نوع کی خودکشی کی بہت مثالیں پائی گئی ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الہی کے حاصل نہیں ہو سکتا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد-۲۸) لیکن ”ذوق ابن بادہ ندانی بخدا تا منہ چشی“ بعض مفسرین نے مَعِيْشَةٌ صَنَعًا کے معنی لئے ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہو سکے۔ گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بد مست ہے اس کا سامان و دولت اور سامان عیش و تنعم آخر کار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو۔ اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے۔ بعض مفسرین نے مَعِيْشَةٌ صَنَعًا سے قبر کی برزخی زندگی مراد



لی ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے اس پر سخت تنگی کا ایک دور آئے گا جبکہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائے گی۔ مَعِيشَةً ضَنْكًا کی تفسیر عذاب قبر سے بعض صحابہ نے کی ہے بلکہ بزار نے باسناد جید ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بہر حال مَعِيشَةً ضَنْكًا کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۳۰۔ حشر میں اندھا اٹھایا جائے گا: یعنی آنکھوں سے اندھا کر کے محشر کی طرف لایا جائے گا۔ اور دل کا بھی اندھا ہو گا کہ کسی حجت کی طرف رستہ نہ پائے گا۔ یہ ابتدائے حشر کا ذکر ہے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی۔ تادوزخ وغیرہ اہوال محشر کا معائنہ کرے۔

۱۳۱۔ یعنی جو کافر دنیا میں ظاہری آنکھیں رکھتا تھا تعجب سے سوال کرے گا کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا جو آنکھیں چھین لی گئیں۔

۱۳۲۔ یعنی دنیا میں ہماری آیات دیکھ سن کر یقین نہ لایا نہ ان پر عمل کیا۔ ایسا بھولا رہا کہ سب سنی ان سنی کر دی۔ آج اسی طرح تجھ کو بھلایا جا رہا ہے جیسے وہاں اندھا بنا رہا تھا، یہاں اسی کے مناسب سزا ملنے اور اندھا کر کے اٹھائے جانے پر تعجب کیوں ہے۔

۱۳۳۔ یعنی اسی طرح ہر ایک مجرم کو اس کے مناسب حال سزا دی جائے گی۔

۱۳۴۔ اس لئے بڑی حماقت ہو گی کہ یہاں کی تکلیف سے گھبرائیں اور وہاں کے عذاب سے بچنے کی فکر نہ کریں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں

”یعنی یہ عذاب اندھا ہونے کا حشر میں ہے اور دوزخ میں اور زیادہ۔“

۱۲۸۔ سو کیا انکو سمجھ نہ آئی اس بات سے کہ کتنی غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں یہ لوگ پھرتے ہیں انکی جگہوں میں [۱۳۵] اس میں خوب نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ  
يَئِسُونَ فِي مَسْكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي

النُّهَى  
﴿۱۲۸﴾

۱۲۹۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات کہ نکل چکی تیرے ب کی طرف سے تو ضرور ہو جاتی مٹھ بھینٹ اور اگر نہ ہوتا وعدہ مقرر کیا گیا [۱۳۶]

وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ آجَلًا

مُسَيِّئًا  
﴿۱۲۹﴾

۱۳۰۔ سو تو سہتا رہ جو وہ کہیں [۱۳۷] اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے [۱۳۸] اور کچھ گھڑیوں میں رات کی پڑھا کر [۱۳۹] اور دن کی حدوں پر [۱۴۰] شاید تو راضی ہو [۱۴۱]

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ  
طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ

فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ  
﴿۱۳۰﴾

۱۳۱۔ اور مت پہاں اپنی آنکھیں اُس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے ان طرح طرح کے لوگوں کو رونق دنیا کی زندگی کی اُنکے جانچے کو اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا  
مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَ

بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والی [۱۳۲]

رَزُقْ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴿۱۳۱﴾

۱۳۲۔ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی قائم رہ اُس پر [۱۳۳] ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو اور انجام بھلا ہے پر ہیز گاری کا [۱۳۴]

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ

رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ﴿۱۳۲﴾

۱۳۳۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب سے [۱۳۵] کیا پہنچ نہیں چکی اُنکو نشانی اگلی کتابوں میں کی [۱۳۶]

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّنْ رَبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ

بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۴۔ اور اگر ہم ہلاک کر دیتے اُنکو کسی آفت میں اس سے پہلے تو کہتے اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک کسی کو پیغام دیکر کہ ہم چلتے تیری کتاب پر ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے

وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا

لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَتِكَ مِنْ

قَبْلِ أَنْ نُنذِلَ وَنُخَيَّي ﴿۱۳۴﴾

۱۳۵۔ تو کہہ ہر کوئی راہ دیکھتا ہے سو تم بھی راہ دیکھو اور آئندہ جان لوگے کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے راہ پائی [۱۳۷]

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ

أَصْحَبُ الصِّمَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ تاریخ سے عبرت: یعنی آخرت میں جو سزا ملے گی اگر اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے ان ہی مکہ والوں کے آس پاس کتنی تو میں اپنے کفر و طغیان کی بدولت تباہ کی جا چکی ہیں جن کے افسانے لوگوں کی زبان پر باقی ہیں اور جن میں سے بعض کے کھنڈرات پر ملک شام وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے خود انکا گذر بھی ہوتا ہے۔ جنہیں دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی یاد تازہ ہو جانا چاہئے کہ کس طرح انہی مکانوں میں چلتے پھرتے ہلاک کر دیے گئے۔

۱۳۶۔ اللہ کے ڈھیل دینے کی مصلحت: یعنی حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سابق ہے۔ اسی لئے مجرم کو دیر تک اصلاح کا موقع دیتے ہیں اور پوری طرح اتمام حجت کے بدون ہلاک نہیں کرتے۔ بلکہ اس امت کے متعلق تو یہ بھی فرما دیا ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (الانفال۔ ۳۳) الخ اور اپنی خاص مہربانی سے عذاب عام مستاصل کو اس امت سے اٹھالیا ہے۔ یہ بات ہے جو تیرے رب کی طرف سے نکل چکی اگر یہ نہ ہوتی اور ہر ایک مجرم قوم کے عذاب کا ایک خاص وقت مقرر نہ ہوتا تو لازمی طور پر ان کو عذاب آگھیرتا کیونکہ ان کا کفر و شرارت اسی کو مقتضی ہے کہ فوراً ہلاک کر دیے جائیں۔ صرف مصالح مذکورہ بالا مانع ہیں جن سے اس قدر توقف ہو رہا ہے۔ آخر قیامت میں عذاب عظیم کا مزہ پکھنا پڑے گا۔ اور جب وقت آئے گا تو دنیا میں بھی گھمسان کا نمونہ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ بدر میں مسلمانوں سے مڈ بھیڑ ہوئی تو تھوڑا سا

نمونہ دیکھ لیا۔

۱۳۷۔ صبر کی تلقین: یعنی عذاب اپنے وقت پر ہو کر رہے گا۔ تاخیر و امہال کو دیکھ کر یہ لوگ جو کچھ کہیں کہیں دو۔ آپ فی الحال ان کی باتوں کو سہتے رہئے اور صبر و سکون سے آخری نتیجہ کا انتظار کیجئے۔ ان کے کلمات کفر پر حد سے زیادہ مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔

۱۳۸۔ فجر اور عصر کی نمازیں: یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہوں۔ یعنی احمقوں اور شریروں کی باتوں پر دھیان نہ کرو۔ صبر و سکون کے ساتھ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ کیونکہ خدا کی مدد صبر و صلوة دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (القبرہ۔ ۴۵)۔

۱۳۹۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں: اس میں مغرب و عشا بلکہ بعض تفاسیر کے موافق نماز تہجد بھی داخل ہے۔

۱۴۰۔ ظہر کی نماز: یہ ظہر کی نماز ہوئی، کیونکہ اس وقت دن کے نصف اول اور نصف آخر کی حدیں ملتی ہیں۔ بلکہ صبح و قاموس وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ ”طرف“ طائفۃ من الشیء یعنی کسی شے کے حصہ کو کہتے ہیں۔ خاص حد اور کنارہ کے معنی نہیں۔ اس صورت میں نہار کو جنس مان کر ہر دن کا ایک خاص حصہ مراد ہو سکتا ہے جہاں دن کی تنصیف ہوتی ہے۔

۱۴۱۔ یعنی ایسا طرز عمل رکھو گے تو ہمیشہ دنیا و آخرت میں راضی رہو گے۔ اس عمل کا بڑا بھاری اجر ملے گا اور امت کی مدد ہوگی دنیا میں اور بخشش ہوگی آخرت میں آپ کی سفارش سے جسے دیکھ کر آپ خوش ہوں گے۔

۱۴۲۔ کفار کے اسباب عیش پر نظر نہ کیجئے: یعنی دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین، مجوس وغیرہ کو ہم نے عیش و تنعم کے جو سامان دیے ہیں ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے (جیسے اب تک نہیں دیکھا) یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے (اے پیغمبر!) آپ کے لئے مقدر کی ہے مثلاً قرآن کریم، منصب رسالت، فتوحات عظیمہ، رفع ذکر، اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان کی دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور بذات خود یا اپنے اثر کے اعتبار سے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے بہر حال آپ نہ انکی تکذیب و اعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز و سامان اور مال و دولت کی طرف نظر التفات اٹھائیں۔

۱۴۳۔ نماز کی تاکید: یعنی اپنے متعلقین اور اتباع کو بھی نماز کی تاکید فرماتے رہئے۔ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو (عادت ڈالنے کے لئے) نماز پڑھاؤ۔ جب دس برس کا ہو تو مار کر پڑھاؤ۔

۱۴۴۔ کسب معاش اور نماز: دنیا میں مالک غلاموں سے روزی کواتے ہیں۔ وہ مالک بندگی چاہتا ہے اور غلاموں کو روزی آپ دیتا ہے (کذانی الموضح) غرض ہماری نماز سے اس کا کچھ فائدہ نہیں، البتہ ہمارا فائدہ ہے کہ نماز کی برکت سے بے غائلہ روزی ملتی ہے وَ مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (طلاق۔ ۲، ۳) اسی لئے اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض ہو تو اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتا کہ کسب معاش کے مقابلہ میں نماز ترک کر دو۔ نماز بہر حال ادا کرنی ہے۔ روزی پہنچانے والا وہ ہی خدا ہے جس کی نماز پڑھتے ہیں۔ الحاصل کسب معاش کے ان ذرائع کا خدا تعالیٰ نے حکم نہیں دیا جو ادائے فرائض عبودیت میں مخل و مزاحم ہوں۔ انسان کو چاہئے کہ پرہیزگاری اختیار کرے۔ انجام کار دیکھ لے گا کہ خدا کس طرح اس کی مدد کرتا ہے۔

۱۴۵۔ یعنی کوئی ایسی کھلی نشانی کیوں نہیں دکھلاتے جس کے بعد ہم کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ورنہ اس روز روزی کی تہدید و تحویف سے کیا فائدہ۔

۱۴۶۔ کفار کا مطالبہ معجزات: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی اگلی کتابوں میں خبر ہے رسول آخر الزماں کی۔ یا یہ معنی کہ پہلے پیغمبروں کی نشانی کافی ہے۔ یہ پیغمبر بھی اصولاً ان ہی باتوں کا تقید کرتا ہے۔ کوئی انوکھی بات نہیں کہتا۔ یا یہ نشانی کہ اگلی کتابوں کے موافق واقعات بیان کرتا ہے اور بہترین تفسیر میرے نزدیک وہ ہے جو ابن کثیر وغیرہ نے اختیار کی۔ یعنی یہ لوگ ہٹ دھرمی سے کہتے ہیں کہ کوئی نشان کیوں نہیں لاتا۔ کیا

اور سینکڑوں نشانات کے علاوہ ان سب سے بڑا عظیم الشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آچکا جو اگلی کتابوں کے ضروری مضامین کا محافظ اور انکی صداقت کے لئے بطور حجت اور گواہ کے ہے اور جس کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ۔ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرًا لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (عنکبوت۔ ۵۱، ۵۰)

۱۳۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کفار کے لئے حجت ہے: یعنی ایسا عظیم الشان نشان دیکھنے کے بعد تو کہتے ہیں کہ کوئی نشان کیوں نہ لایا۔ اور فرض کرو ہم یہ نشانی نہ دکھاتے یعنی قرآن نازل نہ کرتے، بس انزال کتاب اور ارسال رسول سے پہلے ہی کفر و شرک کی سزا میں انکو دھر گھسیٹتے تو شور مچاتے کہ صاحب! سزا دینے سے پیشتر ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا تو بھیجنا تھا کہ ہم کو ذلت و رسوائی اٹھانے سے قبل آگاہ کر دیتا۔ پھر دیکھتے کہ ہم آپ کے کہنے پر کیسا چلتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یوں کہتے اب آیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں۔ فضول حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔ سو خیر ان سے کہہ دو کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں کہ عنقریب پردہ غیب سے کیسا مستقبل سامنے آتا ہے اس وقت سب حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ کس جماعت کا راستہ سیدھا ہے؟ اور کون اس راستہ پر ٹھیک چل رہا ہے؟

تم سورہ طہ توفیقہ و عونہ فلہ الحمد اولاً و آخراً۔ و علی نبیہ الصلوٰۃ و التسلیم و افرامہ تکاثراً

آیاتها ۱۱۲

## سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ ۳

رکوعاتها

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ نزدیک آگیا لوگوں کے اُنکے حساب کا وقت اور وہ پیغمبر  
ٹلا رہے ہیں [۱]

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِي غَفْلَةٍ

مُعْرَضُونَ ﴿۱﴾

۲۔ کوئی نصیحت نہیں پہنچتی اُنکو اُنکے رب سے نئی مگر اُسکو  
سننے میں کھیل میں لگے ہوئے

مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ اِلَّا

اَسْتَعْوَجُوْهُ وَ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۲﴾

۳۔ کھیل میں پڑے ہیں دل اُنکے [۲] اور چھپا کر مصلحت  
کی بے انصافوں نے یہ شخص کون ہے ایک آدمی ہے تم ہی  
جیسا پھر کیوں بھنستے ہو اُسکے جادو میں آنکھوں دیکھتے [۳]

لَا هِيَّةَ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَسْرَاوُ النَّجْوٰى ۗ الَّذِيْنَ

ظَلَمُوْا ۗ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاتُوْنَ

السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۳﴾

۴۔ اُس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی آسمان میں  
ہو یا زمین میں اور وہ ہے سننے والا جاننے والا [۴]

قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۗ وَ هُوَ

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۴﴾

۵۔ اُسکو چھوڑ کر کہتے ہیں بیہودہ خواب ہیں نہیں جھوٹ  
باندھ لیا ہے نہیں شعر کہتا ہے پھر چاہیے لے آئے  
ہمارے پاس کوئی نشانی جیسے پیغام لیکر آئے ہیں پہلے [۵]

بَلْ قَالُوْا اَضْعَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰهُ بَلْ هُوَ

شَاعِرٌ ۗ فَلْيَاْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾

۶۔ نہیں مانا اُن سے پہلے کسی بستی نے جنکو غارت کر دیا ہم  
نے کیا اب یہ مان لیں گے [۶]

مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفْهَمْ

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

۷۔ اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر یہی مردوں کے ہاتھ وحی بھیجتے تھے ہم انکو سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے [4]

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ  
فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾

۸۔ اور نہیں بنائے تھے ہم نے اُنکے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہ جانے والے [8]

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَ مَا  
كَانُوا خَالِدِينَ ﴿٨﴾

۹۔ پھر سچا کر دیا ہم نے اُن سے وعدہ سو بچا دیا انکو اور جسکو ہم نے چاہا اور غارت کر دیا حد سے نکلے والوں کو [9]

ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَ  
أَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿٩﴾

۱۰۔ ہم نے اتاری ہے تمہاری طرف کتاب کہ اُس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم سمجھتے نہیں [۱۰]

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا  
تَعْقِلُونَ ﴿١٠﴾

۱۔ یوم حساب سے غفلت: یعنی حساب و کتاب اور مجازات کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ لیکن یہ لوگ (مشرکین وغیرہ) سخت غفلت و جہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کوئی تیاری قیمت کی جو ابد ہی کے لئے نہیں کرتے۔ اور جب آیات اللہ سنا کر خواب غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سن کر نہایت لاپرواہی کے ساتھ ٹلا دیتے ہیں۔ گویا کبھی ان کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور حساب دینا ہی نہیں۔ سچ ہے اَلنَّاسُ فِيْ غَفْلَاتِهِمْ وَرَحَى الْمَنِيَّةِ تَطْحَنُ۔

۲۔ یعنی قرآن کی بڑی بیش قیمت نصیحتوں کو محض ایک کھیل تماشہ کی حیثیت سے سنتے ہیں جن میں اگر اخلاص کے ساتھ غور کرتے تو سب دین و دنیا درست ہو جاتی۔ لیکن جب ہی ادھر سے غافل ہیں اور کھیل تماشہ میں پڑے ہیں تو غور کرنے کی نوبت کہاں سے آئے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار کے مشورے: جب نصیحت سنتے سنتے تنگ آگئے تو چند بے انصافوں نے خفیہ میٹنگ کر کے قرآن اور پیغمبر کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ پیغمبر تو ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں، نہ فرشتہ ہیں، نہ ہم سے زیادہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتے ہیں۔ البتہ ان کو جادو آتا ہے۔ جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں وہ ہونہ ہو جادو کا کلام ہے۔ پھر تم کو کیا مصیبت نے گھیرا کہ آنکھوں دیکھے ان کے جادو میں پھنسے ہو۔ لازم ہے کہ انکے قریب نہ جاؤ۔ قرآن کو جادو شناسد اس کی قوت تاثیر اور حیرت انگیز تصرف کو دیکھ کر کہا۔ اور خفیہ میٹنگ اس لئے کی کہ آئندہ حق کے خلاف جو تدابیر کرنے والے تھے یہ اس کی تمہید تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ہشیار دشمن اپنی معاندانہ کارروائیوں کو قبل از وقت طشت از باج کرنا پسند نہیں کرتا اندر ہی اندر آپس میں پروپیگنڈا کیا کرتا ہے۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار مکہ کو جواب: پیغمبر نے فرمادیا کہ تم کتنے ہی چھپا کر مشورے کرو، اللہ کو سب خبر ہے وہ تو آسمان وزمین کی ہر بات کو جانتا ہے پھر تمہارے راز اور سازشیں اس سے کہاں پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

۵۔ قرآن کے سامنے کفار کی بیچارگی اور بدحواسی: قرآن سنکر ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے بدحواس ہو جاتے تھے کہ کسی ایک رائے پر قرار نہ تھا، کبھی اسے جادو بتاتے، کبھی پریشان خواہیں کہتے، کبھی دعویٰ کرتے کہ آپ اپنے جی سے کچھ باتیں جھوٹ گھڑ لائے ہیں۔ جن کا نام قرآن رکھ دیا ہے۔ نہ صرف یہ ہی بلکہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مؤثر اور مسجع عبارات میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر واقع میں ایسا نہیں تو چاہئے کہ آپ کوئی ایسا کھلا معجزہ دکھلائیں جیسے معجزات پہلے پیغمبروں نے دکھلائے تھے۔ یہ کہنا بھی محض عناد سے دق کرنے کے لئے تھا کیونکہ اول تو مکہ کے یہ جاہل مشرک پہلے پیغمبروں اور ان کے معجزات کو کیا جانتے تھے، دوسرے آپ کے بیسیوں کھلے کھلے نشان دیکھ چکے تھے جو انبیائے سابقین کے نشانات سے کسی طرح کم نہ تھے۔ جن میں سب سے بڑھ کر یہ ہی قرآن کا معجزہ تھا۔ وہ دل میں سمجھتے تھے کہ نہ یہ جادو کی مہمل عبارتیں ہیں، نہ یہودہ خواہیں نہ شاعری ہے۔ اسی لئے جب کوئی ایک بات چسپاں نہ ہوتی تو اسے چھوڑ کر دوسری بات کہنے لگتے تھے۔ اَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَتِيْبُوْنَ سَبِيْلًا (فرقان - ۹)

۶۔ یعنی پہلی قوموں کو فرمائشی نشان دکھلائے گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بھی نہ مانے آخر سنت اللہ کے موافق ہلاک کئے گئے۔ اگر ان مشرکین مکہ کی فرمائشیں پوری کی جائیں تو ظاہر ہے یہ ماننے والے تو ہیں نہیں۔ لامحالہ حق تعالیٰ کی عام عادت کے موافق تباہ کئے جائیں گے اور ان کی بالکل تباہی مقصود نہیں۔ بلکہ حکمت الہیہ فی الجملہ ان کے باقی رکھنے کو مقتضی ہے۔

۷۔ پچھلے انبیاء بھی بشر تھے: یہ ان کے قول ہنْ هَذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا جواب ہوا۔ یعنی پہلے بھی جو پیغمبر آئے جن کی مانند نشانیاں دکھلانے کا آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کرتے ہو، وہ آنحضرت کی طرح بشر تھے، فرشتے نہ تھے۔ اگر اتنی مشہور و مستفیض بات کی بھی اپنی جہالت کی وجہ سے تم کو خبر نہیں، تو خبر رکھنے والوں سے دریافت کر لو آخر یہود و نصاریٰ اہل کتاب سے تمہارے تعلقات ہیں، اتنی موٹی بات ان سے ہی پوچھ لینا کہ پہلے زمانوں میں جو انبیاء و رسل تشریف لائے وہ بشر تھے یا آسمان کے فرشتے۔

۸۔ یعنی بشری خصائص ان میں موجود تھیں، نہ فرشتوں کی طرح ان کا بدن ایسا تھا کہ کبھی کھانا نہ کھا سکتے نہ وہ خدا تھے کہ کبھی موت اور فنا نہ آئے ہمیشہ زندہ رہا کریں۔

۹۔ پچھلی قوموں کے حالات سے عبرت: ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لئے کھڑے کئے گئے تھے خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سرو سامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت و نصرت کے وعدے کرتا تھا۔ چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ ان کو مع رفقاء کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جو ان سے ٹکرائے تباہ و غارت کر دیے گئے۔ بیشک محمد ﷺ بھی بشر ہیں۔ لیکن اسی نوع کے بشر ہیں جن کی اعانت و حمایت ساری دنیا کے مقابلہ میں کی جاتی ہے۔ ان کے مخالفین کو چاہئے کہ اپنا انجام سوچ رکھیں اور پہلی قوموں کی مثالوں سے عبرت حاصل کریں۔ کہیں آخرت کے حساب سے پہلے دنیا ہی میں حساب شروع نہ کر دیا جائے۔

۱۰۔ قرآن کریم کی اہمیت: یعنی قرآن کے ذریعہ سے تم کو ہر قسم کی نصیحت و فہمائش کر دی گئی اور سب برا بھلا انجام سمجھا دیا گیا۔ اگر کچھ بھی عقل ہوگی تو عذاب الہی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو گے اور قرآن کی قدر پہچانو گے جو فی الحقیقت تمہارے مجد و شرف کی ایک بڑی دستاویز ہے۔ کیونکہ تمہاری زبان میں اور تمہاری قوم کے ایک فرد کامل پر اترا اور دنیا میں تم کو شہرت دائمی عطا کی۔ اگر اپنے ایسے محسن کو نہ مانو گے تو دنیا میں ذلیل ہو گے اور آخرت کا عذاب الگ رہا آگے ان قوموں کا دنیوی انجام بیان فرماتے ہیں جنہوں نے انبیاء سے دشمنی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کئے تھے۔

۱۱۔ اور کتنی پیس ڈالیں ہم نے بیتاں جو تھیں گنہگار اور اٹھا کھڑے کئے اُنکے پیچھے اور لوگ [۱۱]

وَكَمْ قَصْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا

بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾

۱۲۔ پھر جب آہٹ پائی انہوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے ایڑ کرنے

فَلَبَّآ أَحْسُوا أَبَاسًا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ ایڑ مت کرو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے گھروں میں شاید کوئی تمکو پوچھے [۱۲]

لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَ

مَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ کہنے لگے ہائے خرابی ہم تھے بیشک گنہگار

قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ پھر برابر یہی رہی اُنکی فریاد یہاں تک کہ ڈھیر کر دیے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے [۱۳]

فَمَا زِلْتَ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا

خٰصِدِينَ ﴿١٥﴾

۱۱۔ یعنی یہ نہیں کہ ان کے نیست و نابود کر دینے سے اللہ کی زمین اجڑ گئی۔ وہ گئے دوسروں کو ان کی جگہ بسا دیا گیا۔

۱۲۔ عذاب کے وقت کا پچھتانا: یعنی جب عذاب الہی سامنے آ گیا تو چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگیں اور بھاگ کر جان بچالیں۔ اس وقت تکوینی طور پر کہا گیا کہ بھاگتے کہاں ہو، ٹھہرو، اور ادھر ہی واپس چلو جہاں عیش کئے تھے اور جہاں بہت سے سامان تنعم جمع کر رکھے تھے۔ شاید وہاں کوئی تم سے پوچھے کہ حضرت! وہ مال و دولت اور زور و قوت کا نشہ کیا ہوا؟ وہ سامان کدھر گئے؟ اور جو نعمتیں خدا نے دے رکھی تھیں انکا شکر کہاں تک ادا کیا تھا؟ یا یہ کہ آپ بڑے آدمی تھے جن کی ہر موقع پر پوچھ ہوتی تھی، اب بھی وہیں چلے۔ بھاگنے کی ضرورت نہیں تالوگ اپنے مہمات میں آپ سے مشورے کر سکیں، اور آپ کی رائیں دریافت کر سکیں؟ (یہ سب باتیں تھمنا کہی گئی ہیں)۔

۱۳۔ عذاب دیکھ کر جرائم کا اعتراف: یعنی جب عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تب اپنے جرموں کا اعتراف کیا اور برابر یہ ہی چلاتے رہے کہ بیشک ہم ظالم اور مجرم ہیں۔ لیکن "اب پچھتائے کا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" یہ وقت قبول توبہ کا نہ تھا۔ اعتراف و ندامت اس وقت سب بیکار چیزیں تھیں۔ آخر اس طرح ختم کر دیے گئے جیسے کھیتی ایک دم میں کاٹ کر ڈھیر کر دی جاتی ہے یا آگ میں جلتی ہوئی لکڑی بجھ کر راکھ رہ جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

۱۶۔ اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے کھیتے ہوئے [۱۴]

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَ الْأَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا

لِعِبِينَ ﴿١٦﴾



۱۷۔ اگر ہم چاہتے کہ بنائیں کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے پاس سے اگر ہم کو کرنا ہوتا

لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِنَّ كُنَّا فَعِلِينَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ یوں نہیں پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اُس کا سر پھوڑ ڈالتا ہے پھر وہ جاتا رہتا ہے اور تمہارے لئے خرابی ہے اُن باتوں سے جو تم بتلاتے ہو [۱۵]

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں [۱۶] اور جو اُسکے نزدیک رہتے ہیں سرکشی نہیں کرتے اُسکی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے [۱۷]

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اور معبود زمین میں کہ وہ جلا اٹھائیں گے اُنکو [۱۸]

أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے [۱۹] سو پاک ہے اللہ عرش کا مالک اُن باتوں سے جو یہ بتلاتے ہیں [۲۰]

لَوْ كَانَ فِيهَا إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ اُس سے پوچھنا نہ جائے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے [۲۱]

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اُس سے ورے اور معبود تو کہہ لاؤ اپنی سند [۲۲] یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور یہی بات ہے مجھ سے پہلوں کی کوئی نہیں پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے سچی بات سوٹا رہے ہیں [۲۳]

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلُوبًا بِرُهَانِكُمْ هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعِي وَذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِي بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اُسکو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کرو [۲۴]

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيَنَّ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور کہتے ہیں رحمن نے کر لیا کسی کو بیٹا وہ ہرگز اس لائق نہیں [۲۵] لیکن وہ بندے ہیں جنکو عزت دی ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُۥٓ ۗ بَلْ عِبَادٌ

مُكْرَمُونَ ﴿۲۶﴾

۲۷۔ اس سے بڑھ کر نہیں بول سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں [۲۶]

لَا يَسْبِقُونَهُۥٓ بِالْقَوْلِ ۗ وَهُمْ بِأَمْرِهِۦٓ يَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ اُسکو معلوم ہے جو اُنکے آگے ہیں اور پیچھے [۲۷] اور وہ

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ ۚ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا

سفارش نہیں کرتے مگر اُسکی جس سے اللہ راضی ہو [۲۸] اور وہ اُسکی ہیبت سے ڈرتے ہیں [۲۹]

يَشْفَعُونَ ۗ إِلَّا لِمَنۢ ارْتَضَىٰ ۚ وَهُمْ مِّنۢ خَشِيَّتِهِۦ

مُشْفِقُونَ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ اور جو کوئی اُن میں کہے کہ میری بندگی ہے اس سے ورے سو اسکو ہم بدلہ دیں گے دوزخ یونہی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو [۳۰]

وَمَنۢ يَّقُلۡ مِّنْهُمْ اِنِّيۤ اِلٰهٌ مِّنۡ دُوْنِهٖۙ فَذٰلِكَ

نَجْرِيْهِۦٓ جَهَنَّمَ ۗ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

۱۴۔ زمین و آسمان کی تخلیق کو کھیل نہ سمجھو: یعنی جس میں کوئی معتد بہ حکمت اور غرض صحیح نہ ہو۔ اس لئے عقلمند کو چاہئے کہ آفرینش عالم کی غرض کو سمجھے اور دنیا کو محض کھیل تماشہ سمجھ کر انجام سے غافل نہ ہو، بلکہ خوب سمجھ لے کہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ہر نیک و بد کی جزا ملنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔

۱۵۔ حق باطل پر غالب آتا ہے: یعنی اگر ایسے لہو و لعب کے کام بالفرض ہماری شان کے لائق ہوتے اور ہم ارادہ بھی کرتے کہ یوں ہی کوئی مشغلہ اور کھیل تماشہ بنا کر کھڑا کر دیں تو یہ چیز ہم بذات خود اپنی قدرت سے کر گذرتے تمہاری دار و گیر اور پکر دکھڑ سے اس کو کچھ سروکار نہ ہوتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیا محض کھیل تماشہ نہیں بلکہ میدان کارزار ہے۔ جہاں حق و باطل کی جنگ ہوتی ہے۔ حق حملہ آور ہو کر باطل کا سر پچل ڈالتا ہے۔ اسی سے تم اپنی مشرکانہ اور سفہیانہ باتوں کا انجام سمجھ لو کہ حق و صداقت کا گولا جب پوری قوت سے تم پر گرے گا اس وقت کیسی خرابی اور بربادی تمہارے لئے ہوگی۔ اور کونسی طاقت بچانے آئے گی۔ (تنبیہ) لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهٗوًا اِلٰیٰٓ اٰخِرَهٗۙ كَيْ تَقْرِیٰٓرُ كَيْ طَرَحَ كَيْ گئی ہے۔ ہمارے نزدیک سبق و لحاق کے اعتبار سے جو معنی زیادہ قریب اور صاف تھے وہ اختیار کئے ہیں۔ اور مِّنۢ لَّدُنَّا اور اِنْ كُنَّا فَعٰلِمِيْنَ کی قیود کے فوائد کی طرف لطیف اشارے کر دیے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶۔ پھر وہ تباہ کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کہاں پناہ مل سکتی ہے۔

۱۷۔ فرشتوں کی عبادت: یعنی فرشتے باوجود مقربین بارگاہ ہونے کے ذرا شیخی نہیں کرتے۔ اپنے پروردگار کی بندگی اور غلامی کو فخر سمجھتے ہیں، و ظائف عبودیت کے ادا کرنے میں کبھی سستی یا کاہلی کو راہ نہیں دیتے۔ شب و روز اس کی تسبیح اور یاد میں لگے رہتے ہیں۔ نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔ بلکہ تسبیح و ذکر ہی ان کی غذا ہے۔ جس طرح ہم ہر وقت سانس لیتے ہیں اور دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں، یہی کیفیت انکی تسبیح و ذکر کی

سمجھو۔ وہ کسی کام پر مامور ہوں، کسی خدمت کو بجالارہے ہوں ایک منٹ ادھر سے غافل نہیں ہوتے۔ جب معصوم و مقرب فرشتوں کا یہ حال ہے تو خطا کار انسان کو کہیں زیادہ اپنے رب کی طرف جھکنے کی ضرورت ہے۔

۱۸۔ اللہ کے سوا کون معبود ہو سکتا ہے: یعنی آسمان والے فرشتے تو اس کی بندگی سے کتراتے نہیں بلکہ ہمہ وقت اس کی یاد اور بندگی میں مشغول رہتے ہیں، پھر کیا زمین میں کچھ ایسی ہستیاں ہیں جن کو خدا کے بالمقابل معبود ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ اور جب خدا ان کے پجاریوں کو اپنے عذاب سے مار ڈالے تو وہ ان کو پھر جلا اٹھائیں یا ہلاکت سے بچالیں؟ ہرگز نہیں۔

۱۹۔ ایک سے زیادہ خداؤں کا وجود عقلاً ممکن نہیں ایک اہم دلیل: تعدد اللہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذلک۔ اور کامل تذلک صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو، اسی کو ہم ”اللہ“ یا ”خدا“ کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے اب اگر فرض کیجئے آسمان وزمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہوں گے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلافات بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر تھا ایک سارے عالم کا کامل طور پر سرانجام کر سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اسی لئے ماننا پڑا ہے کہ اس کے ماننے بدون چارہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں یا ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا۔ وہ خدا نہ رہا۔ اور یادوں بالکل مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔ اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان وزمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔ ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہونا لازم آتا ہے جو خلاف مفروض ہے۔

۲۰۔ جو عرش (تخت شاہی) کا اکیلا مالک ہے، اس کے ملک میں شرکت کی گنجائش ہی نہیں۔ دو خود مختار بادشاہ جب ایک اقلیم میں نہیں سما سکتے جن کی خود مختاری بھی مجازی ہے تو دو مختار کل اور قادر مطلق خدا ایک قلمرو میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

۲۱۔ اللہ قادر مطلق اور مختار کل ہے: یعنی ”خدا“ تو اس ہستی کا نام ہے جو قادر مطلق اور مختار کل ہو اس کی قدرت و مشیت کو روکنا تو کجا کوئی پوچھ پاچھ بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے فلاں کام اس طرح کیوں کیا۔ ہاں اسکو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے مواخذہ اور باز پرس کر سکتا ہے۔

۲۲۔ شرک پر کوئی دلیل نہیں: پہلے توحید پر دلیل عقلی قائم کی گئی تھی۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے۔ یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کئے ہیں ان کا اثبات کس دلیل عقلی یا نقلی سے ہوا۔ اگر موجود ہو تو پیش کرو۔ ظاہر ہے ان کے پاس بجز اوہام و ظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی تھی، نہ نقلی جسے پیش کر سکتے۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ پہلے ان معبودوں کو فرمایا تھا جن کو خدا کے برابر کوئی سمجھے کہ ایسے دو حاکم ہوتے تو جہان خراب ہو جاتا۔ اب ان کا ذکر فرماتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بطور نائیبین اور ماتحت حکام کے ٹھہراتے ہیں۔ سوان کو مالک کی سند چاہئے۔ سند بغیر نائب کیوں کر بن سکتے ہیں۔ اگر سند ہے تو پیش کرو۔

۲۳۔ توحید تمام انبیاء میں مشترک ہے: یعنی میری امت اور پہلی خدا پرست امتوں کی یہ ہی ایک بات ہے کہ اس رب العرش کے سوا کوئی

دوسرا خدا نہیں۔ جس کی عقلی دلیل پہلے بیان ہو چکی۔ تم اگر ملل سماویہ کے اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل رکھتے ہو تو پیش کرو۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ یہ امت اور پہلی امتیں اس امت کی کتاب (قرآن کریم) اور پہلی امتوں کی آسمانی کتابیں (تورات و انجیل وغیرہ) سب اس دعویٰ توحید پر متفق رہی ہیں۔ چنانچہ آج بھی باوجود بے شمار تحریفات کے پہلی کتابوں کی ورق گردانی کرو تو توحید کا اعلان اور شرک کا رد صاف صاف پاؤ گے مگر یہ جاہل اس بات کو کیا سمجھیں، اگر سمجھ ہوتی تو حق بات کو سن کر ہرگز نہ ٹلاتے۔

۲۴۔ تمام انبیاء کا ایک ہی پیغام ہے: یعنی تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدہ توحید پر رہا ہے۔ کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ ہمیشہ یہ ہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے۔ ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعویٰ توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔

۲۵۔ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے: عرب کے بعض قبائل ملائکہ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، سو بتلادیا کہ یہ خدا کی شان رفیع کے لائق نہیں کہ بیٹے بیٹیاں بنائے۔ اسی میں نصاریٰ کا رد بھی ہو گیا جو حضرت مسیح کو "ابن اللہ" کہتے ہیں۔ نیز یہود کے اس فرقہ کا جو حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔

۲۶۔ وہ اللہ کے بیٹے نہیں مقبول بندے ہیں: یعنی جن برگزیدہ ہستیوں کو تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں۔ ہاں اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز و مقرب ہونے کے ان کے ادب و اطاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور جازت نہ پائیں اس کے سامنے خود آگے بڑھ کر لب نہیں ہلا سکتے اور نہ کوئی کام اس کے حکم کے بدون کر سکتے ہیں۔ گویا کمال عبودیت و بندگی ہی ان کا طغرائے امتیاز ہے۔

۲۷۔ حق تعالیٰ کا علم ان کے تمام ظاہری و باطنی احوال کو محیط ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی قول و فعل اس سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ مقرب بندے اسی حقیقت کو سمجھ کر ہمہ وقت اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں کہ کوئی حالت اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

۲۸۔ یعنی اس کی مرضی معلوم کئے بدون کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے۔ چونکہ مومنین موحدین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لئے ان کے حق میں دنیا و آخرت میں استغفار کرنا ان کا وظیفہ ہے۔

۲۹۔ پھر ان کو خدا کیسے کہا جاسکتا ہے۔ جب خدا نہیں تو خدا کے بیٹے یا بیٹیاں بھی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ صحیح اولاد جنس والدین سے ہونی چاہئے۔

۳۰۔ اللہ کے اقتدار سے وہ بھی باہر نہیں ہیں: یعنی جن کو تم خدا کی اولاد یا خدا بنا رہے ہو اگر بضر محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت (معاذ اللہ) ایسی بات کہہ گذرے تو وہ ہی دوزخ کی سزا جو حد سے گذرنے والے ظالموں کو ملتی ہے، ہم انکو بھی دیں گے۔ ہمارے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جاسکتے، پھر بھلا خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

۳۰۔ اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے انکو کھول دیا [۳۱] اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے [۳۲] پھر کیا یقین نہیں کرتے [۳۳]

أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۗ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ  
شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ اور رکھ دیے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ کبھی انکو لے کر جھک پڑے [۳۴] اور رکھیں اُس میں کشادہ راہیں تاکہ وہ راہ پائیں [۳۵]

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَ  
جَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۗ وَهُمْ عَنْ

أَيَّتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ<sup>[۳۶]</sup> اور وہ آسمان کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے<sup>[۳۷]</sup>

۳۳۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند<sup>[۳۸]</sup> سب اپنے اپنے گھر میں پھرتے ہیں<sup>[۳۹]</sup>

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ تخلیق کا ابتدائی مادہ: ”رتق“ کے اصل معنی اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں۔ ابتداءً زمین و آسمان دونوں ظلمت عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے، پھر وجود کے ابتدائی مراحل میں بھی دونوں خلط ملط رہے، بعدہ قدرت کے ہاتھ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا، اس تمیز کے بعد ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنے، اس پر بھی منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے روئیدگی، آخر خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دونوں کے منہ کھول دیئے، اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا، نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے۔ اسی زمین میں سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے، آسمان کو کتنے بیشمار ستاروں سے مزین کر دیا جن میں سے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدی رکھی۔

۳۲۔ زندگی کی ابتدا پانی سے: یعنی عموماً جاندار چیزیں جو تم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ و بلاواسطہ پانی سے بنائی گئیں پانی ہی ان کا مادہ ہے الا کوئی ایسی مخلوق جس کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اس کی پیدائش میں پانی کو دخل نہیں وہ مستثنیٰ ہوگی۔ تاہم لاکثر حکم الکل کے اعتبار سے یہ کلیہ صادق رہے گا۔

۳۳۔ یعنی قدرت کے ایسے کھلے نشان اور محکم انتظامات کو دیکھ کر بھی کیا لوگوں کو خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین نہیں آتا۔

۳۴۔ اس کی تقریر سورہ نحل میں گذر چکی۔

۳۵۔ پہاڑوں میں کشادہ راستے: یعنی ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک والوں سے مل سکیں۔ اگر پہاڑ ایسے ڈھب پر پڑتے کہ راہیں بند ہو جاتیں تو یہ بات کہاں ہوتی (کذا فی الموضح) ان ہی کشادہ راہوں کو دیکھ کر انسان حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور توحید کی طرف راہ پا سکتا ہے۔

۳۶۔ آسمان کی تخلیق: یعنی نہ گرے نہ ٹوٹے نہ بدلی جائے، اور شیاطین کے استراق سمع سے بھی محفوظ ہے اور چھت اس لئے کہا کہ دیکھنے میں چھت کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

۳۷۔ کہ کیسی مضبوط و محکم اور وسیع و بلند چھت اتنی مدت سے بدون ستون اور کھمبے کے کھڑی ہے، ذرا سا رنگ و روغن اور پلاسٹر بھی نہیں جھڑتا۔

۳۸۔ یہ ان ہی آسمانی نشانیوں کی قدرے تفصیل ہوئی۔

۳۹۔ فلکی سیاروں کا خلا میں تیرنا: یعنی سورج چاند بلکہ ہر سیارہ اپنے مدار پر پڑا چکر کھا رہا ہے۔ یَسْبَحُونَ کے لفظ سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیارات اللہ کے حکم سے بذات خود چلتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۴۔ اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ کیلئے زندہ رہنا پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ جائے گا

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۗ أَفَأَن

مَّتَّ فَهُمْ الْخُلْدُونَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ ہرجی کو چکھنی ہے موت [۳۰] اور ہم تمکو جانچتے ہیں  
برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو [۳۱] اور ہماری طرف  
پھر کر آجاؤ گے [۳۲]

۳۶۔ اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے تو کوئی کام نہیں اُنکو  
تجھ سے مگر ٹھٹھا کرنا کیا یہی شخص ہے جو نام لیتا ہے  
تمہارے معبودوں کا اور وہ حُسن کے نام سے منکر ہیں [۳۳]

۳۷۔ بنا ہے آدمی جلدی کا اب دکھلاتا ہوں تمکو اپنی  
نشانیوں سے مجھ سے جلدی مت کرو [۳۴]

۳۸۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۳۵]

۳۹۔ اگر جان لیں یہ منکر اُس وقت کو کہ نہ روک سکیں  
گے اپنے منہ سے آگ اور نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ اُنکو مدد  
پہنچے گی

۴۰۔ کچھ نہیں وہ آئے گی اُن پر ناگہاں پھر انکے ہوش  
کھو دیگی پھر نہ پھیر سکیں گے اُسکو اور نہ اُنکو فرصت ملے  
گی [۳۶]

۴۱۔ اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر  
الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر اُن میں سے وہ چیز جس کا  
ٹھٹھا کرتے تھے [۳۷]

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَ نَبَلُوكُم بِالشَّرِّ وَا  
الْخَيْرِ فِتْنَةً ۗ وَا لِيُنَازِعُوْنَ ۝۳۵

وَ اِذَا رَاكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّتَّخِذُوْكَ اِلَّا هُزُوًا  
ۗ اٰهٰذَا الَّذِيْ يَدُّكُمْ اِلٰهَتِكُمْ ۗ وَ هُمْ بِذِكْرِ  
الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۗ سَاوْرِيْكُمْ اِيْتِيْ فَلَآ  
تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۳۷

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸  
لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكْفُوْنَ عَنْ  
وُجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَ لَا هُمْ  
يُنصَرُوْنَ ۝۳۹

بَلْ تَاتِيْهِمْ بُعْتَةٌ فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ  
رَدَّهَا وَ لَا هُمْ يُنظَرُوْنَ ۝۴۰

وَ لَقَدْ اسْتَهْزِئْ بِرِسْلِ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ  
سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِئُوْنَ ۝۴۱

۳۲۔ تو کہہ کون نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمن سے [۳۸] کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں [۳۹]

۳۳۔ یا اُنکے واسطے کوئی معبود ہیں کہ اُنکو بچاتے ہیں ہمارے سوا وہ اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے اور نہ اُنکی ہماری طرف سے رفاقت ہو [۵۰]

قُلْ مَنْ يَكْفُرُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ  
بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾

أَمْ لَهُمُ إِلَهَةٌ تَنْعَهُمْ مِنْ دُونِنَا لَا  
يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنْنَا  
يُصْحَبُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ کوئی نہیں پر ہم نے عیش دیا اُنکو اور اُنکے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بڑھ گئی اُن پر زندگی [۵۱] پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اُسکے کناروں سے اب کیا وہ جیتنے والے ہیں [۵۲]

بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ  
الْعُرُ طُ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ  
أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ تو کہہ میں جو تمکو ڈراتا ہوں سو حکم کے موافق اور سنتے نہیں بہرے پکارنے کو جب کوئی اُنکو ڈر کی بات سنائے [۵۳]

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ  
الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور کہیں پہنچ جائے اُن تک ایک بھاپ تیرے رب کے عذاب کی تو ضرور کہنے لگیں ہائے کم بختی ہماری بیشک ہم تھے گنہگار [۵۴]

وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ  
يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہو گا کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہو گا برابر رائی کے دانہ کی تو ہم لے آئیں گے اُسکو [۵۵] اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو [۵۶]

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ  
نَفْسٌ شَيْئًا ط وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ  
خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ ﴿۳۷﴾

۴۰۔ ہر نفس کے لئے موت یقینی ہے: یعنی جس طرح مذکورہ مخلوقات کا وجود حق تعالیٰ کی ایجاد سے ہوا۔ تمام انسانوں کی زندگی بھی اسی کی عطا کردہ ہے جس وقت چاہے گا چھین لے گا موت ہر ایک پر ثابت کر دے گی کہ تمہاری ہستی تمہارے قبضہ میں نہیں۔ چند روز کی چہل پہل تھی جو ختم ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کافر حضور کی باتیں سن کر کہتے تھے کہ یہ ساری دھوم محض اس شخص کے دم تک ہے یہ دنیا سے رخصت ہوئے پھر کچھ نہیں۔ اس سے اگر ان کی غرض یہ تھی کہ موت آنا نبوت کے منافی ہے تو اس کا جواب دیا۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ یعنی انبیاء مرسلین میں سے کون ایسا ہے جس پر کبھی موت طاری نہ ہو ہمیشہ زندہ رہے۔ اور اگر محض آپ کی موت کے تصور سے اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہی مقصود تھا تو اس کا جواب أَفَأَبْنٍ مَّتَّ فَهُمْ الْخُلْدُ ذُنَّ میں دے دیا۔ یعنی خوشی کا ہے کی؟ کیا آپ کا انتقال ہو جائے تو تم کبھی نہیں مرو گے، قیامت کے بورے سمیٹو گے؟ جب تم کو بھی آگے پیچھے مرنا ہے تو پیغمبر کی وفات پر خوش ہونے کا کیا موقع ہے۔ اس راستہ سے تو سب کو گذرنا ہے کون ہے جس کو کبھی موت کا مزہ اچکھنا نہیں پڑے گا۔ گویا توحید اور دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد اس آیت میں مسئلہ نبوت کی طرف روئے سخن پھیر دیا گیا۔

۴۱۔ خیر و شر کے ذریعے آزمائش: یعنی دنیا میں سختی نرمی، تندرستی بیماری، تنگی فراخی اور مصیبت و عیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون سختی پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور کتنے لوگ ہیں جو مایوسی یا شکوہ شکایت اور ناشکری کے مرض میں مبتلا ہیں۔

۴۲۔ جہاں تمہارے صبر و شکر اور ہر نیک و بد عمل کا پھل دیا جائے گا۔

۴۳۔ کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء اور اس کا جواب: یعنی انجام سے بالکل بے فکر ہو کر یہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور ان سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ استہزاء و تحقیر سے کہتے ہیں اِهَذَا الَّذِي يَذُكُّكُمْ اَلِهَتِكُمْ کیا یہ ہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے۔ انہیں شرم نہیں آتی کہ خود حقیقی معبود کے ذکر اور ”رحمن“ کے نام تک سے چڑتے ہیں اس کی سچی کتاب کے منکر ہیں، اور جھوٹے معبودوں کی برائی سن کر چیں بچیں ہوتے ہیں۔ اندریں صورت ہنسی کے قابل انکی حالت ہوئی یا فریق مقابل کی؟

۴۴۔ انسان کی فطرت میں جلد بازی: شاید کفار کے سفیہانہ استہزاء و تمسخر کو سن کر بعضوں کا جی چاہا ہو گا کہ ان بے حیاؤں پر فوراً عذاب آ جائے تو اچھا ہو، اور خود کفار بھی بطور استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے کہ اگر واقعی ہم تمہارے نزدیک مستحق عذاب ہیں تو وہ عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے۔ دونوں کو بتلایا کہ انسان بڑا جلد باز ہے گویا اس کے خمیر میں جلدی پڑی ہے، چاہئے کہ تھوڑا سا صبر کرو۔ عنقریب میں اپنے قہر و انتقام کی نشانیاں تم کو دکھلا دوں گا۔

۴۵۔ یعنی کہتے رہتے ہو کہ قیامت آئے گی اور سب کافر ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلیں گے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر سچے ہو تو قیامت اور جہنم کو ابھی کیوں نہیں بلا لیتے۔

۴۶۔ کفار آگ کی حقیقت سے بے خبر ہیں: یعنی اگر ان پر حقیقت منکشف ہو جائے اور اس ہولناک گھڑی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں تو کبھی ایسی درخواست نہ کریں۔ یہ باتیں اس وقت بے فکری میں سو جھ رہی ہیں، جب وہ وقت سامنے آ جائے گا کہ آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی تو نہ کسی طرف سے اسکو دفع کر سکیں گے، نہ کہیں سے مدد پہنچے گی، نہ مہلت ملے گی، نہ پہلے سے اس کا کامل اندازہ ہو گا۔ اس کے اچانک سامنے آ جانے سے ہوش باختہ ہو جائیں گے تب پتہ چلے گا کہ جس چیز کی ہنسی کرتے تھے وہ حقیقت ثابتہ تھی۔

۴۷۔ پچھلے انبیاء سے استہزاء اور اس کا انجام: یعنی جس چیز سے ٹھٹھا کرتے تھے اس کی سزا نے گھیر لیا اور ان کی ہنسی ان ہی پر الٹ دی گئی۔

۴۸۔ رحمن سے کفار کی غفلت: یعنی رحمن کے غصہ اور عذاب سے تمہاری حفاظت کرنے والا دوسرا کون ہے، محض اس کی رحمت واسعہ ہے جو



فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ لیکن ایسے رحمت والے حلیم و بردبار کے غصہ سے ڈرنا بھی بہت چاہئے۔ نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔  
۴۹۔ یعنی رحمن کی حفاظت کا ان کو احساس و اعتراف نہیں۔ عیش و تنعم اور پر امن زندگی نے پروردگار حقیقی کی یاد سے غافل کر رکھا ہے اسی لئے جب اس کی طرف سے کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ یہ کہاں کی باتیں شروع کر دیں۔

۵۰۔ فرضی معبودوں کی حقیقت: یعنی کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت خیال ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں؟ اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے؟ سو وہ مسکین ان کی مدد اور حفاظت تو درکنار، خود اپنے وجود کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے، اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کچھ چیز ان کے پاس سے چھین کر لے جائے تو اتنی قدرت نہیں کہ مدافعتہ تحفظ کے لئے خود ہاتھ پاؤں ہلا سکیں یا اپنے بچاؤ کی خاطر ہماری مدد اور فاقہ حاصل کر لیں۔

۵۱۔ کفار کی غفلت اور غرور کی وجہ: یعنی رحمن کی کلاہت و حفاظت اور بتوں کا ججز و بچاؤ کی ایسی چیز نہیں جس کو یہ لوگ سمجھ نہ سکیں بات یہ ہے کہ پشت ہاپشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ کوئی جھٹکا عذاب الہی کا نہیں لگا اس پر مغرور ہو گئے اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر حق تعالیٰ کا پیغام اور پیغمبروں کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا۔

۵۲۔ کفار کے مغلوب ہونے کے قرآن: یعنی عرب کے ملک میں اسلام پھیلنے لگا ہے اور کفر گھٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ ان کی حکومتیں اور سرداریاں ٹوٹی جا رہی ہیں۔ کیا ایسے کھلے ہوئے آثار و قرآن دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا۔ اور کیا ان مشاہدات کے باوجود وہ اسی کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں پر ہم غالب ہوں گے۔ اگر چشم عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرآن و احوال سے مستقبل کا اندازہ کریں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گرد و پیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب و عداوت کی سزا میں تباہ کی جا چکی ہیں اور ہمیشہ آخر کار خدا کے وفاداروں کا مشن کامیاب رہا ہے پھر سید المرسلین اور مومنین کا ملین کے مقابلہ میں غالب آنے کی انکو کیا توقع ہو سکتی ہے۔ وَ لَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَولَكُمْ مِّنَ الْاَنْفِی وَ صَرَفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (احقاف-۲۷) (تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورہ "زعد" کے آخر میں گزری ہے وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

۵۳۔ کفار بہرے ہیں کہ دعوت حق نہیں سنتے: یعنی ہمارا کام وحی الہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کر دینا ہے۔ دل کے بہرے اگر اس پکار کو نہ سنیں تو ہمارا قصور نہیں۔ وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے۔

۵۴۔ یعنی یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں، صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں۔ اگر عذاب الہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑ گئی یا خدا کے قہر و انتقام کی ادنیٰ بھاپ بھی ان کو چھو گئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے اس وقت بدحواس ہو کر چلائیں گے کہ بیشک ہم بڑے بھاری مجرم تھے جو ایسی کم سختی آئی۔

۵۵۔ انصاف کی میزان اور وزن اعمال: یعنی رائی کے دانہ کے برابر کسی کا عمل ہو گا وہ بھی میزان میں تلے گا، ادھر ادھر ضائع نہ ہو گا نہ کسی پر ظلم و زیادتی کی جائے گی۔ رتی رتی کا حساب برابر کر دیا جائے گا۔ (تنبیہ) "موازن" میزان کی جمع ہے۔ شاید بہت سی ترازوئیں ہوں یا ایک ہی ہو مگر مختلف اعمال و اعمال کے اعتبار سے کئی قرار دے دی گئیں۔ واللہ اعلم۔ وزن اعمال اور میزان کے متعلق پہلے سورہ "اعراف" میں کلام کیا جا چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔

۵۶۔ یعنی ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہو گا۔ جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کسی مددگار کی ضرورت ہے۔ آگے بتلایا کہ انذار و تحویف کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے آج جن باتوں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ڈراتے ہیں انبیائے سابقین بھی ان سے ڈراتے چلے آتے ہیں۔

۳۸۔ اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو قبیضے چکانے والی کتاب اور روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کو [۵۷]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَ

ذِكْرًا لِلْمُتَّقِينَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں [۵۸]

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِّنَ

السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی جو ہم نے اتاری سو کیا تم اُسکو نہیں مانتے [۵۹]

وَ هَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ۗ أَفَأَنْتُمْ لَهُ

مُنْكَرُونَ ﴿٥٠﴾

۵۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو تورات دی گئی: یعنی تورات شریف جو حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور حلال و حرام کے قبیضے چکانے والی اور جہل و غفلت کی اندھیروں میں روشنی پہنچانے والی اور خدا سے ڈرنے والوں کو نصیحت سنانے والی کتاب تھی۔

۵۸۔ مومنین کی خشیت: قیامت کا خطرہ بھی اسی لئے رکھتے ہیں کہ ان کے دل میں خدا کا ڈر ہے۔ ہر وقت دل میں کھکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں کیا صورت پیش آئے گی۔ کہیں العیاذ باللہ حق تعالیٰ کی ناراضی اور عذاب کے مورد نہ بن جائیں۔ ظاہر ہے ایسے ہی لوگ نصیحت سے منتفع ہوتے ہیں۔

۵۹۔ قرآن مبارک ذکر ہے: یعنی ایک نصیحت کی کتاب یہ قرآن تمہارے سامنے موجود ہے جس کا جلیل القدر، عظیم النفع اور کثیر الخیر ہونا، تورات سے بھی زیادہ روشن ہے۔ کیا ایسی واضح اور روشن کتاب کے تم منکر ہوتے ہو جہاں انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

۵۱۔ اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اُسکی نیک راہ [۶۰]  
اور ہم رکھتے ہیں اُسکی خبر [۶۱]

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ

عَلِيمِينَ ﴿٥١﴾

۵۲۔ جب کہا اُس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو یہ کیسی مور تیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو [۶۲]

إِذ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي

أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرتے [۶۳]

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ بولا مقرر ہے تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں [۶۴]

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥٤﴾

۵۵۔ بولے تو ہمارے پاس لایا ہے سچی بات یا تو کھلاڑیاں کرتا ہے [۶۵]

۵۶۔ بولا نہیں رب تمہارا وہی ہے رب آسمان اور زمین کا جس نے انکو بنایا اور میں اسی بات کا قائل ہوں [۶۶]

۵۷۔ اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جاچکو گے پیٹھ پھیر کر [۶۷]

۵۸۔ پھر کر ڈلا انکو ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا کہ شاید اُسکی طرف رجوع کریں [۶۸]

۵۹۔ کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ وہ تو کوئی بے انصاف ہے [۶۹]

۶۰۔ وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان جو بتوں کو کچھ کہا کرتا ہے اُسکو کہتے ہیں ابراہیم [۷۰]

۶۱۔ وہ بولے اُسکو لے آؤ لوگوں کے سامنے شاید وہ دیکھیں [۷۱]

۶۲۔ بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کیساتھ اے ابراہیم

۶۳۔ بولا نہیں پر یہ کیا ہے اُنکے اس بڑے نے سو اُن سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں [۷۲]

قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّعِبِينَ ﴿٥٥﴾

قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي

فَطَرَهُنَّ ۗ وَأَنَا عَلَىٰ ذِكْمِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٦﴾

وَ تَاللَّهِ لَا كَيْدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا

مُدْبِرِينَ ﴿٥٧﴾

فَجَعَلَهُمْ جُذُذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ

يَرْجِعُونَ ﴿٥٨﴾

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِإِهْتِنَا إِنَّهُ لَبِن

الظَّالِمِينَ ﴿٥٩﴾

قَالُوا سَبَعْنَا فَتَىٰ يَذُكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ

إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٠﴾

قَالُوا فَاتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ

يَشْهَدُونَ ﴿٦١﴾

قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِإِهْتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٢﴾

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ ۗ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَسْأَلُوهُمْ إِنْ

كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿٦٣﴾

۶۳۔ پھر سوچے اپنے جی میں پھر بولے لوگو تم ہی بے انصاف ہو [۷۳]

فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٦٣﴾

۶۵۔ پھر اوندھے ہو گئے سر جھکا کر [۷۴] تو تو جانتا ہے جیسا یہ بولتے ہیں [۷۵]

ثُمَّ نَكَّسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے ایسے کو جو تمہارا کچھ بھلا کرنے نہ برا

قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ بیزار ہوں میں تم سے اور جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے کیا تم کو سمجھ نہیں [۷۶]

أَفِ لَكُمْ وَ لِيَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ بولے اسکو جلاؤ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر کچھ کرتے ہو [۷۷]

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَ انصُرُوا إِلَهِتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور آرام کر ابراہیم پر [۷۸]

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَ سَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ اور چاہنے لگے اُس کا برا پھر انہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں [۷۹]

وَ ارَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْآخِسِينَ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ اور بچا نکالا ہم نے اُسکو اور لوط کو اُس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے [۸۰]

وَ نَجَّيْنَاهُ وَ لُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ اور بخشا ہم نے اُسکو اسحق اور یعقوب دیا انعام میں [۸۱] اور سب کو نیک بخت کیا [۸۲]

وَ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ نَافِلَةً وَ كَلَّمَا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾

وَجَعَلْنَهُمْ آيَةً يُهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور انکو کیا ہم نے پیشوا راہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے [۸۳] اور کہلا بھیجا ہم نے انکو کرنا نیکیوں کا اور قائم رکھنی نماز اور دینی زکوٰۃ [۸۴] اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے ہوئے [۸۵]

۶۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رشد و ہدایت: یعنی حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ سے پیشتر ہم نے ابراہیم کو اس کی اعلیٰ قابلیت و شان کے مناسب رشد و ہدایت دی تھی، بلکہ جو انی سے پہلے ہی بچپن میں اس نیک راہ پر ڈال دیا تھا جو ایسے اولوا العزم انبیاء کے شایان شان ہو۔  
۶۱۔ یعنی اس کی استعداد و اہلیت اور کمالات علمیہ و عملیہ کی پوری خبر ہم ہی رکھتے ہیں۔ اسی لئے جو رشد و ہدایتی اس کے حسب حال تھی ہم نے عطا کر دی۔  
۶۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت: یعنی ذرا ان کی اصلیت اور حقیقت تو بیان کرو۔ آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں۔  
۶۳۔ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید: یعنی عقل و فطرت اور نقل معتد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے نہ سہی لیکن بڑی بھاری دلیل بت پرستی کے حق و صواب ہونے کی یہ ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا ان ہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔  
۶۴۔ یعنی اس دلیل سے تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہ ہوئی، ہاں یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے جن کی کورانہ تقلید میں تم تباہ ہو رہے ہو۔

۶۵۔ تمام قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم کی ایسی سخت گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہو گیا کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا خیال اور عقیدہ یہ ہی ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کرتا ہے۔

۶۶۔ دعوت توحید: یعنی میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور پورے یقین و بصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا تمہارا سب کا رب وہ ہی ایک خدا ہے جس نے آسمان زمین پیدا کئے اور ان کی دیکھ بھال رکھی۔ کوئی دوسری چیز اس کی خدائی میں شریک نہیں ہو سکتی۔

۶۷۔ کفار کا اضطراب: یہ بات ذرا آہستہ کہی، کہ بعض نے سنی، بہتوں نے نہ سنی، جنہوں نے سنی اس کی کچھ پروا نہ کی، کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ تمہارا ایک نوجوان ساری قوم کے معبودوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

۶۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا: جب وہ لوگ شہر سے باہر ایک میلہ میں گئے تب ابراہیم نے بت خانہ میں جا کر بتوں کو توڑ ڈالا۔ صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم و تکریم کے ان کے نزدیک سب سے بڑا تھا، اور جس کلباڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے کے گلے میں لٹکادی، تاہم لوگ جب واپس آکر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو یا الزام اس کی طرف رجوع کر آیا جاسکے۔

۶۹۔ کفار کا غصہ: یعنی یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کی۔ یقیناً جس نے یہ کام کیا بڑا ظالم اور شریر ہے (استغفر اللہ) یہ شاید ان لوگوں نے کہا ہو گا جن کے کان تک تَالِدُّهُ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ كِيًّا آواز نہ پہنچی تھی۔

۷۰۔ یہ کہنے والے وہ لوگ ہوں گے جو حضرت ابراہیم کے جملے سن چکے تھے۔ یعنی وہ ہی ایک شخص ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے، یقیناً یہ کام اسی نے کیا ہو گا۔

۷۱۔ مجمع عام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے باز پرس: یعنی اس کو بلا کر بر ملا مجمع عام میں بیان لیا جائے۔ تا معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر اور خود

اس کی باتیں سن کر گواہ رہیں کہ جو سزا اس کو قوم کی طرف سے دی جائے گی۔ بیشک وہ اس کا مستحق تھا۔ یہ تو ان کی غرض تھی اور حضرت ابراہیمؑ کا مقصود بھی یہ ہی ہو گا کہ مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ مشرکین کو عاجز و مہبوت کریں اور علیٰ رؤس الاشهاد غلبہ حق کا اظہار ہو۔

۷۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرانہ جواب اور شرک کا ابطال: یعنی مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ فرض کر لیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے، یہ کام کیا ہو گا۔ لیجئے بحث و تحقیق کے وقت بطور الزام و تبکیت میں یہ دعویٰ کئے لیتا ہوں کہ بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے۔ اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں، اس لئے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے ان معبودوں سے دریافت کر لو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا۔ اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دیں گے؟ (تنبیہ) ہماری تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا کہنا خلاف واقعہ خبر دینے کے طور پر نہ تھا جسے حقیقت جھوٹ کہا جائے بلکہ ان کی تحقیق و تجزیل کے لئے ایک فرضی احتمال کو بصورت دعویٰ لے کر بطور تعریض و الزام کلام کیا گیا تھا جیسا کہ عموماً بحث و مناظرہ میں ہوتا ہے، اس کو جھوٹ نہیں کہہ سکتے، ہاں بظاہر صورت جھوٹ کی معلوم ہوتی ہے اسی لئے بعض احادیث میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق صورتاً کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کی توجیہ میں اور بھی کئی محمل بیان کئے ہیں، مگر ہمارے نزدیک یہ ہی تقریر زیادہ صاف، بے تکلف اور اقرب الی الروایات ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۳۔ کفار کی شرمندگی: یعنی سمجھے کہ بیکار پتھر پوجنے سے کیا حاصل یا یہ مطلب ہو کہ تم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا کہ باوجود ابراہیمؑ کی دھمکی سننے کے یوں ہی لا پرواہی سے بت خانہ کھلا چھوڑ کر چلے گئے اپنے معبودوں کی حفاظت کا کوئی سامان کر کے نہ گئے۔ کذا قال ابن کثیر۔

۷۴۔ یعنی شرمندگی سے آنکھ نہیں ملا سکتے۔

۷۵۔ کفار کا جواب: یعنی جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے۔ کہیں پتھر بھی بولے ہیں؟

۷۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملامت: یعنی پھر تم کو ڈوب مرنا چاہئے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے، کسی آڑے وقت کام نہ آسکے، ذرہ برابر نفع و نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو، اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے، کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔

۷۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلانے کا فیصلہ: یعنی بحث و مناظرہ میں تو اس سے جیت نہیں سکتے۔ اب صرف ایک ہی صورت ہے کہ (جو معبود ہماری بلکہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے) ہم ان کی مدد کریں اور ان کے دشمن کو سخت ترین سزا دیں۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو ہم نے کچھ کام نہ کیا چنانچہ اس مشورہ کے موافق حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کی سزا تجویز ہوئی۔ گویا جس طرح ابراہیمؑ نے بت توڑ کر ان کے دل جلانے تھے یہ انکو آگ میں جلا ڈالیں۔ آخر ظالموں نے جمع ہو کر نہایت اہتمام اور بے رحمی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کو سخت بھڑکتی ہوئی آگ کی نذر کر دیا۔

۷۸۔ آگ کو ٹھنڈا ہونے اور سلامتی کا حکم: یعنی تکویناً آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو جا۔ لیکن اس قدر ٹھنڈی نہیں کہ برودت سے تکلیف پہنچنے لگے۔ ایسی معتدل ٹھنڈک ہو جو جسم و جان کو خوشگوار معلوم ہونے لگے۔ (تنبیہ) آگ کا ابراہیمؑ پر ٹھنڈا ہو جانا ان کا معجزہ تھا۔ معجزہ کی حقیقت یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی عام عادت کے خلاف سبب عادی کو مسبب سے یا مسبب کو سبب سے جدا کر دے یہاں احراق کا سبب (آگ) موجود تھی، مگر مسبب اس پر مرتب نہ ہوا۔ معجزہ وغیرہ کے متعلق مفصل کلام ہم نے ایک مستقل تحریر میں کیا ہے جو رسالہ ”المحمود“ کے کئی نمبروں میں چھپ چکا۔ فلیراجع۔

۷۹۔ حق کی صداقت کا اظہار: یعنی ابراہیمؑ کا برا چاہتے تھے، لیکن خود ناکامی، ذلت، اور خسارہ میں پڑ گئے۔ حق کی صداقت بر ملا ظاہر ہوئی اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔ قال فی ”البحر المحیط“ ”قَدْ أَكْثَرُ النَّاسِ فِي حِكَايَةِ مَا جَرَى لِأَبْرَاهِيمَ - وَالَّذِي صَحَّ هُوَ مَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ“

الَّتِي فِي النَّارِ فَجَعَلَهَا اللَّهُ عَلَيْهِ بَرْدًا وَسَلَامًا۔

۸۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی شام کی طرف ہجرت: یعنی حضرت ابراہیم کو مع حضرت لوط کے صحیح سالم ملک شام میں لے گئے جہاں بہت سے ظاہری و باطنی برکات و دیعت کی گئی ہیں۔

۸۱۔ یعنی بڑھاپے میں بیٹا مانگا تھا، ہم نے پوتا بھی دے دیا۔ یعنی یعقوب۔

۸۲۔ یعنی ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں ہیں کیونکہ سب نبی ہوئے اور انبیاء سے بڑھ کر نیکی کس میں ہو سکتی ہے۔

۸۳۔ یعنی ایسے کامل تھے کہ دوسروں کی تکمیل بھی کرتے تھے۔

۸۴۔ یعنی ان کی طرف وحی بھیجی جس میں ان امور کی تاکید تھی۔ یہ ان کا کمال علمی ہوا۔

۸۵۔ آل ابراہیم علیہ السلام کی مناقب: یعنی شب و روز ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے کسی دوسری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ یہ

ہی انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ ان کا ہر کام خدا کی بندگی کا پہلو لئے ہوتا ہے۔ یہ عملی کمال ہوا۔

۷۴۔ اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ [۸۶] اور بچا نکالا اُسکو اس بستی سے جو کرتے تھے گندے کام وہ تھے لوگ

بڑے نافرمان [۸۷]

وَلَوْطًا اتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ  
الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ ط إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ

فَسَقِيْن

۷۵۔ اور اُسکو لے لیا ہم نے اپنی رحمت میں وہ ہے نیک بختوں میں [۸۸]

وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ط إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ

۸۶۔ یعنی حکمت و حکومت اور علم و فہم جو انبیاء کی شان کے لائق ہو۔

۸۷۔ قوم لوط کی بستی: بستی سے مراد ”سدوم“ اور اس کے ملحقات ہیں۔ وہاں کے لوگ خلاف فطرت افعال کے مرتکب اور بہت سے گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ ان کا قصہ پہلے کئی جگہ گذر چکا۔

۸۸۔ حضرت لوط علیہ السلام پر رحمت: یعنی جب لوط کی قوم پر عذاب بھیجا تو لوط اور اس کے ساتھیوں کو ہم نے اپنی مہربانی اور رحمت کی چادر میں ڈھانپ لیا۔ تانیکوں کا اور بدوں کا انجام الگ الگ ظاہر ہو جائے۔

۷۶۔ اور نوح کو جب اُس نے پکارا اُس سے پہلے [۸۹] پھر قبول کر لی ہم نے اُس کی دعا سو بچا دیا اُسکو اور اسکے گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ سے

وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ

۷۷۔ اور مدد کی اُسکی اُن لوگوں پر جو جھپٹاتے تھے ہماری آیتیں وہ تھے برے لوگ پھر ڈبا دیا ہم نے اُن سب کو [۹۰]

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ط إِنَّهُمْ

كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِيْنَ

۸۹۔ یعنی ابراہیم اور لوط سے پہلے۔

۹۰۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کرب عظیم سے نجات: نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک قوم کو سمجھاتے رہے۔ اتنی طویل مدت میں سخت زہرہ گداز سختیاں اٹھائیں، آخر دعا کی آتی مغلوبٌ فانتصمہ (قمر۔ ۱۰) اور رَبِّ لَا تَذَرْنَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح۔ ۲۶) حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ کافروں کو طوفان سے غرق کر دیا اور نوح کو ہمراہیوں کے طوفان کی گھبراہٹ اور کفار کی ایذا دہی سے بچا لیا۔ ان کا مفصل قصہ پہلے گزر چکا۔

۷۸۔ اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصل کرنے کھیتی کا جھگڑا جب روند گئیں اُسکو رات میں ایک قوم کی بکریاں اور سامنے تھا ہمارے اُن کا فیصلہ

وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَمَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ [۹۱] اور تابع کیے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ تسیج پڑھا کرتے اور اڑتے جانور [۹۲] اور یہ سب کچھ ہم نے کیا [۹۳]

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَ كَلَّمْنَا هَارُونَ وَ عَلَّمْنَا دَاوُدَ مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحُنَ وَ الطَّيْرَ وَ كُنَّا فاعِلِينَ ﴿٧٩﴾

۸۰۔ اور اُسکو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تمکو لڑائی میں [۹۴] سو کچھ تم شکر کرتے ہو [۹۵]

وَ عَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾

۸۱۔ اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی اسکے حکم سے اُس زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے [۹۶] اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے [۹۷]

وَ لِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ﴿٨١﴾

۸۲۔ اور تابع کئے کتنے شیطان جو غوطہ لگاتے اُسکے واسطے اور بہت سے کام بناتے اسکے سوائے [۹۸] اور ہم نے اُنکو تھام رکھا تھا [۹۹]

وَ مِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَغْوُصُونَ لَهُ وَ يَعْمَلُونَ عَبَادًا وَنَ ذَلِكُمْ وَ كُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿٨٢﴾



۹۱۔ دربار داؤد علیہ السلام میں مقدمہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکیمانہ فیصلہ: حضرت داؤد اللہ کے پیغمبر تھے۔ حضرت سلیمان ان کے صاحبزادے ہیں، اور خود نبی ہیں دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت، قوت فیصلہ اور علم و حکمت عنایت فرمائے تھے۔ حضرت سلیمان بچپن ہی میں اس قدر غیر معمولی سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جائیں حضرت داؤد کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں آگھسیں کھیتی کا نقصان ہوا، حضرت داؤد نے یہ دیکھ کر کہ بکریوں کی قیمت اس مالیت کے برابر ہے۔ جس کا کھیت والے نے نقصان اٹھایا تھا، یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ میرے نزدیک کھیتی والا بکریاں اپنے پاس رکھے اور دودھ پئے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی اور تردد کریں جب کھیتی جیسی تھی ویسی ہو جائے تو بکریاں لوٹادیں اور کھیتی لے لیں اس میں دونوں کا نقصان نہ ہو گا۔ حضرت داؤد نے بھی یہ فیصلہ سن کر تحسین فرمائی اور اپنے اجتہاد سے رجوع کیا۔ گویا اصول فقہ کی اصطلاح میں سلیمان کے استحسان کو اپنے قیاس کے مقابلہ میں قبول فرمایا۔ باپ بیٹے دونوں نے جو فیصلہ شرکائے مقدمہ کے حق میں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھا اور دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی قوت اور سمجھ عنایت کی تھی۔ لیکن اصل گر کی بات اس نے سلیمان کو سمجھادی وہ اس نتیجے پر پہنچے جو اللہ کے نزدیک اِصْلِحْ وَاصْوَبْ تھا اور جسے آخر کار داؤد نے بھی قبول کیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بادشاہ ہو کر بھی مخلوق کے چھوٹے چھوٹے معاملات کی طرف اسی قدر توجہ فرماتے ہیں۔ جیسے بڑے مہم کاموں کی طرف۔

۹۲۔ لُحْنِ دَاوُدِی کی معجزانہ تاثیر: حضرت داؤد بے انتہا خوش آواز تھے اس پر پیغمبرانہ تاثیر، حالت یہ ہوتی تھی کہ جب جوش میں آکر زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح و تحمید کرتے تو پہاڑ اور پرند جانور بھی ان کے ساتھ آواز سے تسبیح پڑھنے لگتے تھے۔

۹۳۔ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کی دلیل: یعنی تعجب نہ کرو کہ پتھر اور جانور کیسے بولتے اور تسبیح پڑھتے ہوں گے۔ یہ سب کچھ ہمارا کیا ہوا تھا، بھلا ہماری لامحدود قدرت کے لحاظ سے یہ باتیں کیا مستبعد سمجھی جاسکتی ہیں۔

۹۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زہر ہیں بنانا: حق تعالیٰ نے حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا موم کر دیا تھا۔ اسے موڑ کر نہایت ہلکی، مضبوط، جدید قسم کی زرہیں تیار کرتے تھے جو لڑائی میں کام دیں۔

۹۵۔ یعنی تمہارے فائدہ کے لئے ہم نے داؤد کے ذریعہ سے ایسی عجیب صنعت نکال دی، سوچو کہ تم اس قسم کی نعمتوں کا کچھ شکر ادا کرتے ہو۔

۹۶۔ ہوا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت: حضرت سلیمان نے دعا کی تھی۔ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَخِيذٍ مِّنْ بَعْدِي (ص ۳۵) اللہ تعالیٰ نے ہو اور جن ان کے لئے مسخر کر دئے۔ حضرت سلیمان نے ایک تخت تیار کرایا تھا۔ جس پر مع اعیان دولت بیٹھ جاتے اور ضروری سامان بھی بار کر لیا جاتا، پھر ہوا آتی، زور سے اس کو زمین سے اٹھاتی، پھر اوپر جا کر نرم ہوا ان کی ضرورت کے مناسب چلتی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا رُحَاءٌ حَيْثُ أَصَابَ (ص ۳۶) یمن سے شام کو اور شام سے یمن کو مہینہ کی راہ دوپہر میں پہنچا دیتی۔ تعجب ہے کہ آج عجیب و غریب ہوئی جہازوں کے زمانہ میں بھی بہت سے زالغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک سے کر سکتا ہے خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کر سکتا۔

۹۷۔ کہ کس کو کس قسم کا امتیاز دینا مناسب ہے اور ہوا وغیرہ عناصر سے کس طرح کام لیا جاسکتا ہے۔

۹۸۔ سرکش جنات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت: شیاطین سے مراد سرکش جن ہیں، ان سے حضرت سلیمان دریا میں غوطہ لگواتے تا موتی اور جواہر اس کی تہ میں سے نکالیں اور عمارت میں بھاری کام کرواتے اور حوض کے برابر تانبے کے لگن اور بڑی عظیم الشان دیگیں جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں بنوا کر اٹھواتے تھے اور سخت سخت کام ان سے لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کے حیرت انگیز کام اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مادی قوتوں سے کرائے ہیں اس وقت مخفی اور روحی قوتوں سے کرائے جاتے تھے۔

۹۹۔ جنات کی تسخیر اللہ کی طرف سے تھی: یعنی ہم نے اپنے اقتدار کامل سے ان شیاطین کو سلیمان کی قید میں اس طرح تھام رکھا تھا کہ جو چاہتے ان سے بیگار لیتے تھے اور وہ کوئی ضرر سلیمان کو نہیں پہنچا سکتے تھے۔ ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں کر لے اور زنجیروں میں جکڑ کر رکھ چھوڑے۔ **وَآخِرَآئِنَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (ص-۳۸)**

۸۳۔ اور ایوب کو جس وقت پکارا اُس نے اپنے رب کو کہ مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم کرنے والا

**وَإِيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ**

۸۴۔ پھر ہم نے سن لی اُسکی فریاد سو دور کر دی جو اُس پر تھی تکلیف اور عطا کئے اُسکو اسکے گھر والے اور اتنے ہی اور اُنکے ساتھ [۱۰۰] رحمت اپنی طرف سے اور نصیحت بندگی کرنے والوں کو [۱۰۱]

**فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرًا لِلْعَبِيدِينَ**

۱۰۰۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف اور دعا: حضرت ایوب کو حق تعالیٰ نے دنیا میں سب طرح آسودہ رکھا تھا، کھیت، مویشی، لونڈی غلام اولاد صالح، اور عورت مرضی کے موافق عطا کی تھی۔ حضرت ایوب بڑے شکر گزار بندے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مویشی مر گئے، اور اولاد اکھٹی دب مری، دوست آشنا الگ ہو گئے، بدن میں آبلے پڑ کر کیڑے پڑ گئے، ایک بیوی رفیق رہی، آخر میں وہ بے چاری بھی اکتانے لگی۔ مگر حضرت ایوب جیسے نعمت میں شاکر تھے ویسے ہی بلا میں صابر رہے۔ جب تکلیف و اذیت اور دشمنوں کی شہانت حد سے گذر گئی۔ بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے۔ جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی، تب دعا کی **رَبِّهٖٓ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ** رب کو پکارنا تھا کہ دریاے رحمت امنڈ پڑ اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اولاد سے دگنی اولاد دی، زمین سے چشمہ نکالا۔ اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوئے۔ بدن کا سارا روگ جاتا رہا۔ اور جیسا کہ حدیث میں ہے سونے کی ٹڈیاں برسائیں۔ غرض سب طرح درست کر دیا۔

۱۰۱۔ ہر ابتلاء غضب نہیں ہوتا: یعنی ایوب پر یہ مہربانی ہوئی اور تمام بندگی کرنے والوں کے لئے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہو گئی کہ جب کسی نیک بندے پر دنیا میں برا وقت آئے تو ایوب کی طرح صبر و استقلال دکھانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ اس پر نظر عنایت فرمائے گا۔ اور محض ایسے ابتلاء کو دیکھ کر کسی شخص کی نسبت یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے۔

۸۵۔ اور اسلمعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یہ سب ہیں صبر والے [۱۰۲]

**وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ**

۸۶۔ اور لے لیا ہم نے اُنکو اپنی رحمت میں وہ ہیں نیک بختوں میں

**وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ**

۱۰۲۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، اور ذوالکفل علیہ السلام: یعنی ان سب نیک بندوں کو یاد کرو۔ اسمعیل اور ادریس کا ذکر پہلے سورہ "مریم" میں گذر چکا۔ ذوالکفل کی نسبت اختلاف ہے کہ نبی تھے۔ جیسا کہ انبیاء کے ذیل میں تذکرہ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے یا محض ایک مرد صالح تھے کہتے ہیں ایک شخص کے ضامن ہو کر کی برس قید رہے اور اللہ یہ محنت اٹھائی۔ (تنبیہ) مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں ایک شخص کا قصہ آتا ہے جو پہلے سخت بدکار اور فاسق و فاجر تھا، بعدہ تائب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی بشارت اسی دنیا میں لوگوں کو سنادی، اس کا نام حدیث میں "کفل" آیا ہے۔ بظاہر یہ وہ "ذوالکفل" نہیں جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا۔ واللہ اعلم۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ "ذوالکفل" وہ ہی ہیں جن کو "حزقیل" کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۷۔ اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر [۱۰۳] پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اُسکو [۱۰۴] پھر پکارا اُن اندھیروں میں [۱۰۵] کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے [۱۰۶]

وَذَا النُّونِ اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ

عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ اَنْ لَّا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ

سُبْحٰنَكَ ۙ اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

۸۸۔ پھر سن لی ہم نے اُسکی فریاد اور بچا دیا اُسکو اُس گھٹنے سے اور یوں ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو [۱۰۷]

فَاَسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الغَمِّ ۗ وَكَذٰلِكَ

نُنَجِّي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ: "مچھلی والا" فرمایا حضرت یونس کو۔ ان کا مختصر قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہر نینوی کی طرف (جو موصل کے مضافات میں سے ہے) مبعوث فرمایا تھا۔ یونس نے ان کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا وہ ماننے والے کہاں تھے، روز بروز ان کا عناد و تمرد ترقی کرتا رہا۔

حضرت یونس کی بدعا: آخر بد دعا کی اور قوم کی حرکات سے خفا ہو کر غصہ میں بھرے ہوئے شہر سے نکل گئے حکم الہی کا انتظار نہ کیا اور وعدہ کر گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ ان کے نکل جانے کے بعد قوم کو یقین ہوا کہ نبی کی بددعا خالی نہیں جائے گی کچھ آثار بھی عذاب کے دیکھے ہوں گے۔ گھبرا کر سب لوگ بچوں اور جانوروں سمیت باہر جنگل میں چلے گئے ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا میدان میں پہنچ کر سب نے رونا چلانا شروع کیا۔ بچے اور ماہیں، آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

قوم یونس کی توبہ اور عذاب کا ٹٹا: تمام بستی والوں نے سچے دل سے توبہ کی۔ بت توڑ ڈالے، خدائے تعالیٰ کی اطاعت کا عہد باندھا اور حضرت یونس کو تلاش کرنے لگے کہ ملیں تو ان کے ارشاد پر کاربند ہوں۔ حق تعالیٰ نے آنے والا عذاب ان پر سے اٹھا لیا۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةً اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اٰيِسَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَبَا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْغُرْبٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حَيٰتِنِ۔ (یونس۔ ۹۸) ادھر یونس بستی سے نکل کر ایک جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے، وہ کشتی غرق ہونے لگی کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کا ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے (یا اپنے مفروضات کے موافق یہ سمجھے کہ کشتی میں کوئی غلام مولا سے بھاگا ہوا ہے) بہر حال اس آدمی کے تعیین کے لئے قرعہ ڈالا۔ وہ یونس کے نام پر نکلا۔ دو تین مرتبہ قرعہ اندازی کی ہر دفعہ یونس کے نام پر نکلتا رہا۔ یہ دیکھ کر یونس دریا میں کود پڑے۔

مچھلی کا حضرت یونسؑ کو نکلنا: فوراً ایک مچھلی آکر نکل گئی اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونسؑ کو اپنے پیٹ میں رکھ، اس کا ایک بال بینکانہ ہو۔ یہ تیری روزی نہیں بلکہ تیرا پیٹ ہم نے اس کا قید خانہ بنایا ہے۔ اس کو اپنے اندر حفاظت سے رکھنا۔

حضرت یونسؑ کی دعا اور رہائی: اس وقت یونسؑ نے اللہ کو پکارا۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ ۗ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** اپنی خطا کا اعتراف کیا کہ بیشک میں نے جلدی کی کہ تیرے حکم کا انتظار کئے بدون بستی والوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ گو یونسؑ کی یہ غلطی اجتہادی تھی جو امت کے حق میں معاف ہے، مگر انبیاء کی تربیت و تہذیب دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ جس معاملہ میں وحی آنے کی امید ہو۔ بدون انتظار کئے قوم کو چھوڑ کر چلا جانا ایک نبی کی شان کے لائق نہ تھا۔ اسی نامناسب بات پر دار و گیر شروع ہو گئی۔ آخر توبہ کے بعد نجات ملی۔ مچھلی نے کنارہ پر آکر اگل دیا۔ اور اسی بستی کی طرف صحیح سالم واپس کئے گئے۔

۱۰۴۔ حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی غلطی کی حقیقت: یعنی یہ خیال کر لیا کہ ہم اس حرکت پر کوئی دار و گیر نہ کریں گے، یا ایسی طرح نکل کر بھاگا جیسے کوئی یوں سمجھ کر جائے کہ اب ہم اس کو پکڑ کر واپس نہیں لاسکیں گے۔ گویا بستی سے نکل کر ہماری قدرت سے ہی نکل گیا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونسؑ فی الواقع ایسا سمجھتے تھے۔ ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ صورت حال ایسی تھی جس سے یوں مترشح ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ کالمیلین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کی جگہ لکھ چکے ہیں اور اس سے کالمیلین کی تنقیض نہیں ہوتی بلکہ جلالت شان ظاہر ہوتی ہے کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگذاشت بھی کیوں کرتے ہیں۔

۱۰۵۔ یعنی دریا کی گہرائی مچھلی کے پیٹ اور شب تاریک کے اندھیروں میں۔

۱۰۶۔ یعنی میری خطا کو معاف فرمائے۔ بیشک مجھ سے غلطی ہوئی۔

۱۰۷۔ اس دعا کی فضیلت: یعنی یونسؑ کے ساتھ مخصوص نہیں، جو ایماندار لوگ ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو بلاؤں سے نجات دیں گے احادیث میں اس دعا کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اور امت نے شدائد و نوائب میں ہمیشہ اس کو مجرب پایا ہے۔

۸۹۔ اور زکریا کو جب پکارا اُس نے اپنے رب کو اے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا [۱۰۸] اور تو ہے سب سے بہتر وارث [۱۰۹]

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا ۗ وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۸۹﴾

۹۰۔ پھر ہم نے سن لی اُسکی دعا اور بخشا اُسکو بچھی اور اچھا کر دیا اُسکی عورت کو [۱۱۰] وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو تو قلع سے اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے عاجز [۱۱۱]

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۗ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ ۗ وَأَصْلَحْنَاهُ ۗ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۗ وَيَدْعُونَ نَارَ عِبَادِ رَبِّهِمْ وَأَكْثَرُ الْوَالِدِينَ ﴿۹۰﴾

۱۰۸۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا: یعنی اولاد دے جو میرے بعد قوم کی خدمت کر سکے اور میری تعلیم کو پھیلانے جیسا کہ سورہ "مریم" کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے۔

۱۰۹۔ وارث طلب کر رہے تھے یَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوبَ (مریم-۶) اسی کے مناسب نام سے اللہ کو یاد کیا۔

۱۱۰۔ یعنی بانجھ عورت کو ولادت کے قابل کر دیا۔

۱۱۱۔ متصفین کی ایک غلطی: بعض متصفین کہا کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کو پکارے تو قے سے یا ڈر سے وہ اصلی محب نہیں۔ یہاں سے ان کی غلطی ظاہر ہوئی۔ انبیاء سے بڑھ کر خدا کا محب کون ہو سکتا ہے۔

۹۱۔ اور وہ عورت جس نے قابو میں رکھی اپنی شہوت [۱۱۳]

پھر پھونک دی ہم نے اُس عورت میں اپنی روح [۱۱۳] اور

کیا اُسکو اور اُسکے بیٹے کو نشانی جہاں والوں کے واسطے [۱۱۴]

وَ اَلَّتِيْ اٰحْصٰنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ

رُوحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَاِبْنَهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾

۱۱۲۔ یعنی حلال و حرام دونوں طریقوں سے محفوظ تھی۔

۱۱۳۔ یعنی عیسیٰ کو جو ”روح اللہ“ کے لقب سے ملقب ہیں اس کے پیٹ میں پرورش کیا۔

۱۱۴۔ ان کا ”نشانی“ ہونا سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۲۔ یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور

میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو [۱۱۵]

اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّ اٰحِدَةً ۗ وَاَنَا رَبُّكُمْ

فَاعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾

۹۳۔ اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا

کام [۱۱۶] سب ہمارے پاس پھر آئیں گے [۱۱۷]

وَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۗ كُلُّ اِلٰٓئِنَّا رٰجِعُوْنَ ۙ

۹۴۔ سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ رکھتا ہو

ایمان سو اکارت نہ کریں گے اُسکی سعی کو اور ہم اُسکو لکھ

لیتے ہیں [۱۱۸]

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا

كُفْرَانَ لِّسَعْيِهِ ۗ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٣﴾

۹۵۔ اور مقرر ہو چکا ہر بستی پر جس کو غارت کر دیا ہم نے

کہ وہ پھر کر نہیں آئیں گے [۱۱۹]

وَ حٰرَمٌ عَلٰٓى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا

يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٤﴾

۹۶۔ یہاں تک کہ جب کھول دئے جائیں یا جوج اور ماجوج

اور وہ ہر اوچان سے پھسلتے چلے آئیں [۱۲۰]

حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يٰٓاُجُوْبٌ وَّمَا جُوْبٌ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ

حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٥﴾

۹۷۔ اور نزدیک آگے سچا وعدہ پھر اس دم اوپر لگی رہ جائیں منکروں کی آنکھیں ہائے کینجی ہماری ہم بے خبر رہے اس سے [۱۲۱] نہیں پر ہم تھے گنہگار [۱۲۲]

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا<sup>ط</sup> يُؤِيلِنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ  
هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾

۹۸۔ تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ایندھن ہے دوزخ کا تمکو اُس پر پہنچنا ہے [۱۲۳]

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ  
أَنْتُمْ لَهَا وَرِدُونَ ﴿٩٨﴾

۹۹۔ اگر ہوتے یہ بت معبود تو نہ پہنچتے اُس پر اور سارے اُس میں سدا پڑے رہیں گے [۱۲۴]

لَوْ كَانَ هُوَ آلهَةً مَّا وَرَدُّهَا<sup>ط</sup> وَكُلٌّ فِيهَا  
خِلْدُونَ ﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ اُنکو وہاں چلانا ہے اور اُس میں کچھ نہ سنیں گے [۱۲۵]

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

۱۰۱۔ جنکے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اُس سے دور رہیں گے [۱۲۶]

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ  
عَنَّا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾

۱۰۲۔ نہیں سنیں گے اُسکی آہٹ اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے [۱۲۷]

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا<sup>ط</sup> وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ  
أَنفُسُهُمْ خِلْدُونَ ﴿١٠٢﴾

۱۰۳۔ نہ غم ہو گا اُنکو اس بڑی گھبراہٹ میں [۱۲۸] اور لینے آئیں گے اُنکو فرشتے آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا [۱۲۹]

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ<sup>ط</sup>  
هَذَا يَوْمَكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾

۱۰۴۔ جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ [۱۳۰] جیسا سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار پھر اُسکو دہرائیں گے وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر ہم کو پورا

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ<sup>ط</sup> كَمَا  
بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ<sup>ط</sup> وَعَدَّا عَلَيْنا<sup>ط</sup> إِنَّا كُنَّا

کرنا ہے [۱۳۱]

فَعِلِينَ ﴿۱۰۳﴾

۱۵۔ اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ  
آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے [۱۳۲]

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ

الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۵﴾

۱۱۵۔ توحید تمام امتوں میں مشترک ہے: یعنی خدا بھی ایک اور تمہارا اصل دین بھی ایک ہے۔ تمام انبیاء اصول میں متحد ہوتے ہیں جو ایک کی تعلیم ہے وہ ہی دوسروں کی ہے۔ رہا فروع کا اختلاف، وہ زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے عین مصلحت و حکمت ہے۔ اختلاف مذموم وہ ہے جو اصول میں ہو۔ پس لازم ہے کہ سب مل کر خدا کی بندگی کریں اور جن اصول میں تمام انبیاء متفق رہے ہیں ان کو متحدہ طاقت سے پکڑیں۔  
۱۱۶۔ خود ساختہ اختلافات: ہم نے تو اصول کے اعتبار سے ایک دین دیا تھا۔ لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے آپس میں پھوٹ ڈال دی۔

۱۱۷۔ یعنی ہمارے پاس آکر تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا جب ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔ آگے اس جزا کی تفصیل ہے۔

۱۱۸۔ مومن کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی: یعنی کسی کی محنت اکارت نہ جائے گی، نیکی کا میٹھا پھل مومن کو مل کر رہے گا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہ ہوگی ہر چھوٹا بڑا عمل ہم اس کے اعمال نامہ میں مثبت کر دیتے ہیں جو قیامت کے دن کھول دیے جائیں گے۔

۱۱۹۔ معذب قوموں کی ابدی محرومی: پہلے نجات پانے والے مومنین کا ذکر تھا، اس کے بالمقابل اس آیت میں ہلاک ہونے والے کافروں کا مذکور ہے۔ یعنی جن کے لئے ہلاک اور غارت ہونا مقدر ہو چکا وہ کبھی اپنے کفر و عصیان کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہونے والے نہیں۔ نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کئے جاسکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آکر گذشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کر لیں پھر ان کو نجات و فلاح کی توقع کدھر سے ہو سکتی ہے۔ ان کے لئے تو صرف ایک ہی وقت ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کریں گے۔ اور اپنی زیادتیوں کے معترف ہو کر پشیمان ہوں گے۔ مگر اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی، وہ وقت قیامت کا ہے جس کے مبادی قریبہ میں سے ہے خروج "یا جوج ماجوج" آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

۱۲۰۔ یا جوج اور ماجوج کا خروج: یعنی قیامت کے قریب نزول عیسیٰ کے بعد سد ذوالقرنین توڑ کر یا جوج ماجوج کا لشکر ٹوٹ پڑے گا۔ یہ لوگ اپنی کثرت و ازدحام کی وجہ سے تمام بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو ان ہی کا جھوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور رفتار سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یہ معلوم ہو گا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی اور لڑھکتی چلی آرہی ہیں۔ سورہ "کہف" کے آخر میں اس قوم کے متعلق ہم جو کچھ لکھ چکے ہیں اس کا ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔

۱۲۱۔ قیامت میں کفار کی دہشت: یعنی جزاء سزا کا وعدہ جب نزدیک آگے گا اس وقت منکروں کی آنکھیں مارے شدت ہول کے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اور اپنی غفلت پر دست حسرت ملیں گے کہ افسوس آج کے دن سے ہم کیسے بے خبر رہے جو ایسی کم سختی آئی۔ کاش ہم دنیا میں اس آفت سے بچنے کی فکر کرتے۔

۱۲۲۔ یعنی بے خبری بھی کیسے کہیں، آخر انبیاء علیہ السلام نے کھول کھول کر آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن ہم نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ انکا کہانا مانا اور برابر شرارتوں اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔

۱۲۳۔ دوزخ کا ایندھن: یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے جو بت پوجتے تھے، یعنی تم اور تمہارے یہ معبود سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے وَقُوذُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (بقرہ- ۲۴) اس کے معنی یہ نہیں کہ اصنام (بت) معذب ہوں گے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ بت پرستوں پر حجت زیادہ لازم ہو۔ جیسا کہ آگے فرمایا۔ لَوْ كَانَ هُوَ لِآيَةِ إِلَهَةٍ مَا وَرَدُوهَا اور ان کی حسرت بڑھے اور حماقت زیادہ واضح ہو کہ جن سے خیر کی توقع رکھتے تھے وہ آج خود اپنے کو نہ بچا سکے پھر ہماری حفاظت کیا کر سکتے ہیں۔ (تمبیہ) وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ سے مراد یہاں صرف اصنام ہیں۔ کیونکہ خطاب ان ہی کے پرستاروں سے ہے۔ لیکن اگر "ما" کو عام رکھا جائے تو "بشرط عدم المانع" کی قید معتبر ہوگی۔ یعنی جن فرضی معبودوں میں کوئی مانع دخول نار سے نہ ہو وہ اپنے عابدین کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔ مثلاً شیاطین و اصنام۔ باقی حضرت مسیح و عزیر اور ملائکہ اللہ جن کو بہت لوگوں نے معبود ٹھہرا لیا ہے۔ ان حضرات کی مقبولیت و وجاہت مانع ہے کہ (معاذ اللہ) اس عموم میں شامل رکھے جائیں۔ اسی لئے آگے تصریحاً فرمادیا إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ۔

۱۲۴۔ یعنی سب عابد و معبود ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔

۱۲۵۔ دوزخ میں کفار کی حالت: یعنی شدت ہول اور عذاب کی سخت تکلیف اور اپنے چلانے کے شور سے کچھ سنائی نہ دے گا۔ اور ابن مسعود سے منقول ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ہر دوزخی کو ایک لوہے کے صندوق میں بند کر کے اوپر میخیں ٹھونک دی جائیں گی۔ اور جہنم کی تہ میں چھوڑ دیے جائیں گے شاید کچھ نہ سن سکن اس وقت کا حال ہو۔

۱۲۶۔ اہل جنت کا دوزخ سے بُعْد: یعنی ایک بار پل صراط پر سے گذر کر پھر ہمیشہ دور رہیں گے اور اس پر سے گذرتے ہوئے بھی دوزخ کی تکلیف و الم سے قطعاً دوری ہوگی۔

۱۲۷۔ جنتیوں کو دوزخ سے اس قدر بعد ہو گا کہ اس کی آہٹ تک محسوس نہ کریں گے اور نہایت عیش و آرام کے ساتھ ہمیشہ جنت کے مزے لوٹیں گے۔

۱۲۸۔ یعنی اس دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کو رنج و غم سے محفوظ رکھے گا۔

۱۲۹۔ اہل جنت کے فرشتوں کا استقبال: یعنی قبروں سے اٹھنے یا جنت میں داخل ہونے کے وقت فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت و راحت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔

۱۳۰۔ قیامت میں آسمانوں کا لپیٹنا: یعنی جب قیامت آئے گی آسمانوں کی صفیں لپیٹ دی جائیں گی۔ جس طرح دستاویز کا لکھا ہوا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ (الزمر- ۶۷) بعض روایات میں جو نبی کریم ﷺ کے ایک کاتب کا نام "سجل" بتلایا گیا ہے، اس کو حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے ضعیف بلکہ موضوع قرار دیا ہے کما صرح ابن کثیر فَلَإِيَعْتَبَرُوا بِتَخْرِيجِ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ فِي سَنَنِهَا۔

۱۳۱۔ دوبارہ تخلیق: یعنی جیسی سہولت سے دنیا کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دی جائے گی۔ یہ حتمی وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

۱۳۲۔ مومنین سے وعدہ الہی: کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائے گا۔ چنانچہ فرمایا۔ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (اعراف- ۱۲۸) اور إِنَّا لَنَنْصُرُكُمْ سَلْمًا وَالْأَرْضَ كَمَا اسْتَخْلَفْنَا فِي الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ۔ (مومن- ۵۱) اور وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفْنَا فِي الدُّنْيَا مِن قَبْلِهِمْ وَكَيَبَدِّلَنَّهُمْ مَن دَرَبُهُمْ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ (نور- ۵۵) یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شریعہ اور کتب قدریہ میں دی "لوح محفوظ" اور "ام الکتاب" میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کر لیا۔ داؤد کی کتاب "زبور" ۳۷-۲۹ میں ہے کہ "صادق زمین کے وارث ہوں گے" چنانچہ اس امت میں کے کامل وفادار اور صادق بندے مدت



دراحتک زمین کے وارث رہے شرق و غرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی، عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیے دین حق کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا۔ اور نبی کریم ﷺ کی یہ پیشین گوئی ان کے ہاتھوں پر پوری ہوئی إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى زَوْجِي لِي الْأَرْضِ فَهَآئِثُ مَشَارِقِهَا وَمَغَارِبِهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلَدُنَّ مَلَكَهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا اور اسی قسم کی دوسری پیشین گوئی امام مہدی اور حضرت مسیح کے زمانہ میں پوری ہو کر رہے گی۔

۱۰۶۔ اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں لوگ بندگی والے [۱۳۳]

إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عِبِدِينَ ۝۱۰۶

۱۰۷۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہاں کے لوگوں پر [۱۳۴]

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝۱۰۷

۱۰۸۔ تو کہہ مجھ کو تو حکم بھی آیا ہے کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے پھر کیا ہو تم حکم برداری کرنے والے [۱۳۵]

قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَوَاحِدٌ فَهَلْ

أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝۱۰۸

۱۰۹۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تو کہدے میں نے خبر کر دی تمکو دونوں طرف بار بار [۱۳۶] اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا دور ہے جو تم سے وعدہ ہوا [۱۳۷]

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي

أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدٌ مَّا تَوْعَدُونَ ۝۱۰۹

۱۱۰۔ وہ رب جانتا ہے جو بات پکار کر کرو اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو [۱۳۸]

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا

تَكْتُمُونَ ۝۱۱۰

۱۱۱۔ اور میں نہیں جانتا شاید تاخیر میں تمکو جانچنا ہے اور فائدہ دینا ہے ایک وقت تک [۱۳۹]

وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ إِلَىٰ

حِينٍ ۝۱۱۱

۱۱۲۔ رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا [۱۴۰] اور رب ہمارا رحمن ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں اُن باتوں پر جو تم بتلاتے ہو [۱۴۱]

قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَ رَبَّنَا الرَّحْمَنُ

الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝۱۱۲

۱۳۳۔ یعنی اس قسم کی بشارات سن کر خدائے واحد کی بندگی کرنے والے اپنے مطلب کو پہنچتے ہیں، یا اس قرآن کریم میں جو ایسی عظیم بشارات و ہدایات پر مشتمل ہے بندگی کرنے والوں کے لئے کافی منفعت اور کامیابی ہے۔

۱۳۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں: یعنی آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بد بخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالمتاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے۔ لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی۔ آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں تو رحمت للعالمین کا حلقہ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب و انسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم و کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام و متصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لئے سراسر رحمت تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی ایک حدیث میں ہے۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا قَتَلْتَهُمْ وَلَا صَلَبْتَهُمْ وَلَا هَدَيْتَهُمْ وَهُمْ كَارِهُونَ إِنِّي رَحْمَةٌ بَعْثَيْتُ اللَّهَ وَلَا يَتَوَقَّانِي حَتَّى يُظْهِرَ اللَّهُ دِينَهُ (ابن کثیر) ان الفاظ سے آپ کے ”رحمت للعالمین“ ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔

۱۳۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید: یہ رسالت کے ساتھ توحید کا بیان ہوا۔ یعنی جو رحمت لیکر آپ تشریف لائے ہیں اس کا لباب توحید کامل ہے اور یہ ایسا صاف و واضح مضمون ہے جس کے قبول کرنے میں آدمی کو کچھ پس و پیش نہ ہونا چاہئے۔ پس کیا تم حکم ماننے اور حق کے سامنے گردن ڈال دینے کے لئے تیار ہو؟ اگر ہو تو فہما و نعمت، ورنہ میں تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا۔ تم اپنا انجام سوچ لو۔

۱۳۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتمام حجت: یعنی اس قدر اتمام حجت کے بعد بھی نہ مانو، تو میں تم کو خبر کر چکا کہ اب میں تم سے بیزار اور تم مجھ سے علیحدہ تمہارا عمل تمہارے ساتھ اور میرا عمل میرے ساتھ۔ ہر ایک کا جو نتیجہ ہو گا سامنے آ جائے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”دونوں طرف برابر یعنی ابھی تم دونوں بات کر سکتے ہو (قبول کرو یا رد کرو) ایک طرف کا زور نہیں آیا۔“

۱۳۷۔ یعنی تمہارے نہ ماننے پر جو عذاب کا وعدہ ہے وقوع تو اس کا ضرور بالضرور ہو کر رہے گا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ جلد ہو گا یا دیر۔

۱۳۸۔ وہ ہی ہر ایک کھلی چھپی بات کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کس بات کی کیا جزا ملنی چاہئے۔ اور کب ملنی چاہئے۔

۱۳۹۔ تاخیر عذاب کی حکمت اللہ کو معلوم ہے: یعنی تاخیر عذاب میں ممکن ہے تم کو جانچنا ہو کہ اس مدت میں کچھ سمجھ لو اور شرارتوں سے باز آ جاؤ۔ یا محض ڈھیل دینا ہو کہ ایک مدت تک دنیا میں پھنس کر شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر لو۔

۱۴۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: یعنی جیسے ہر معاملہ کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا آپ کی شان ہے، اسی کے موافق میرے اور میری قوم کے درمیان جلدی فیصلہ فرما دیجئے۔

۱۴۱۔ یعنی اسی سے ہم فیصلہ چاہتے ہیں اور کافروں کی خرافات کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اسی طرح کی دعا انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ (اعراف-۸۹) کیونکہ اپنی حقانیت و صداقت اور حق تعالیٰ کے عدل و انصاف پر پورا وثوق و اعتماد ہوتا تھا۔

تم سورۃ الانبیاء وللہ الحمد والمنة۔

## آیاتها ۷

## سُورَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳

## رکوعاتها ۱۰

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ  
شَيْءٌ عَظِيمٌ ﴿١﴾

۱۔ لوگو ڈرو اپنے رب سے بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی چیز ہے

يَوْمَ تَرُؤْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَ  
تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ  
سُكْرًا ۖ وَمَا هُمْ بِسُكْرًا ۖ وَلَكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ  
شَدِيدٌ ﴿٢﴾

۲۔ جس دن اُسکو دیکھو گے بھول جائیگی ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلانے کو اور ڈال دیگی ہر پیٹ والی اپنا پیٹ اور تو دیکھے لوگوں پر نشہ اور اُن پر نشہ نہیں پر آفت اللہ کی سخت ہے [۱]

۱۔ قیامت کے زلزلے اور ان کی شدت: قیامت کے عظیم الشان زلزلے (بھونچال) دو ہیں۔ ایک عین قیامت کے وقت یا نفلہ ثانیہ جسکے بعد دوسرا قیامت سے کچھ ہیٹھرتشر جو علامات قیامت میں سے ہے اگر یہاں دوسرا مراد ہو تو آیت اپنے ظاہر معنی پر رہے گی اور پہلا مراد ہو تو دونوں احتمال ہیں، حقیقت زلزلہ آئے اور دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتیں اپنی اسی ہیئت پر محسوس ہوں۔ یا زلزلہ سے مراد وہاں کے اہوال و شدائد ہوں اور یَوْمَ تَرُؤْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ الْح کو تمثیل پر حمل کیا جائے۔ یعنی اس قدر گھبراہٹ اور سختی ہوگی۔ کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو مارے گھبراہٹ اور شدت ہول کے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں۔ اس وقت لوگ اس قدر مدہوش ہوں گے کہ دیکھنے والا شراب کے نشہ کا گمان کرے حالانکہ وہاں نشہ کا کیا کام۔ خدا کے عذاب کا تصور اور اہوال و شدائد کی سختی ہوش گم کر دے گی۔ (تنبیہ) اگر یہ گھبراہٹ سب کو عام ہو تو لَا يَحْزَنُهُمُ الْقَوْمَ الْاَكْبَرُ (الانبیاء۔ ۱۰۳) میں نفی باعتبار اکثر احوال کے اور یہاں اثبات باعتبار ساعت قلیلہ کے لیا جائے گا۔ اور اگر آیت حاضرہ اکثر ناس کے حق میں ہو، سب کے حق میں نہ ہو تو سرے سے اشکال ہی نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ  
يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿٣﴾

۳۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بیخبری سے [۲] اور پیروی کرتا ہے ہر شیطان سرکش کی [۳]

۴۔ جس کے حق میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اُسکا رفیق ہو سو وہ اُسکو بہکائے اور لیجائے عذاب میں دوزخ کے [۴]

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ

إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٤﴾

۵۔ اے لوگو اگر تمکو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تمکو بنایا [۵] مٹی سے پھر قطرہ سے [۶] پھر جے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی سے اور بدون نقشہ بنی ہوئی سے [۷] اس واسطے کہ تم کو کھول کر سنا دیں [۸] اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک وقت معین تک [۹] پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے پھر چلایا جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے [۱۰] اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی پھر جہاں ہم نے اتارا اُس پر پانی تازی ہو گئی اور ابھری اور اگائیں ہر قسم قسم رونق کی چیزیں [۱۱]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا

خَلَقْنَاكُمْ مِّن تُّرَابٍ ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّن عِلْقَةٍ

ثُمَّ مِّن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ

لَكُمْ ۖ وَنُقَرِّئُ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُمْ

مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُرِّ

لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۗ وَتَرَىٰ الْأَرْضَ

هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

وَانْبَتَّتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿٥﴾

۶۔ یہ سب کچھ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے محقق اور وہ جلاتا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥﴾

۷۔ اور یہ کہ قیامت آنی ہے اُس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا قبروں میں پڑے ہوؤں کو [۱۲]

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ ۖ لَا رَيْبَ فِيهَا ۗ وَأَنَّ اللَّهَ

يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴿٦﴾

۸۔ اور بعضا شخص وہ ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بغیر جانے اور بغیر دلیل اور بدون روشن کتاب کے [۱۳]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا

هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ﴿٨﴾

۹۔ اپنی کروٹ موڑ کر [۱۴] تاکہ بہکائے اللہ کی راہ سے اُسکے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اُسکو قیامت کے دن جلن کی مار [۱۵]

ثَانِي عَطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي

الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنَذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ

الْحَرِيقِ ﴿٩﴾

۱۰۔ یہ اُسکی وجہ سے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور اُس وجہ سے کہ اللہ نہیں ظلم کرتا بندوں پر [۱۶]

ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتَ يَدَكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

لِّلْعَبِيدِ ﴿١٠﴾

۲۔ اللہ کی باتوں میں جھگڑنے والے: یعنی اللہ تعالیٰ جن باتوں کی خبر دیتا ہے ان میں یہ لوگ جھگڑتے اور کج بحثیاں کرتے ہیں اور جہل و بے خبری سے عجیب احقمانہ شبہات پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ قیامت، بعثت بعد الموت اور جزاء و سزا وغیرہ پر ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جب آدمی مر کر گل سڑ گیا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو گئیں تو یہ کیسے سمجھ میں آئے کہ وہ پھر زندہ ہو کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے گا۔

۳۔ ہر شیطان کی پیروی کرنے والے: یعنی جن یا آدمیوں میں کا جو شیطان اس کو اپنی طرف بلائے یہ فوراً اسی کے پیچھے چل پڑتا ہے گویا گمراہ ہونے کی ایسی کامل استعداد رکھتا ہے کہ کوئی شیطان کسی طرف پکارے یہ اس پر لبیک کہنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

۴۔ یعنی شیطان مرید کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ جو اس کی رفاقت اور پیروی کرے وہ اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبتا ہے اور گمراہ کر کے دوزخ سے ورے نہیں چھوڑتا۔

۵۔ دوبارہ زندگی پر شبہ اور جواب: یعنی اگر یہ دھوکا لگ رہا ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے تو خود اپنی پیدائش میں غور کرو کس طرح ہوئی ہے۔

۶۔ تخلیق انسانی کے مختلف مراحل: یعنی اول تمہارے باپ آدم کو مٹی سے، پھر تم کو قطرہ مٹی سے بنایا، یا یہ مطلب ہے کہ مٹی سے غذا نکالی جس سے کئی منزلیں طے ہو کر نطفہ بنا، پھر نطفہ سے کئی درجے طے کر کے تمہاری تشکیل و تخلیق ہوئی۔

۷۔ یعنی نطفہ سے جما ہوا خون اور خون سے گوشت کا لو تھڑا بنتا ہے۔ جس پر ایک وقت آتا ہے کہ آدمی کا پورا نقشہ (ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ) بنا دیا جاتا ہے۔ اور ایک وقت ہوتا ہے کہ ابھی تک نہیں بنایا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بعض کی پیدائش مکمل کر دی جاتی ہے اور بعض یونہی ناقص صورت میں گر جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض بے عیب ہوتا ہے بعض عیب دار۔

۸۔ کہ خود تمہاری اصل کیا تھی اور کتنے روز گزرنے کے بعد آدمی بنے ہو۔ اسی کو سمجھ کو بہت سے حقائق کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ اور بعثت بعد الموت کا امکان بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔

۹۔ یعنی جتنی مدت جس کو رحم مادر میں ٹھہرانا مناسب ہوتا ہے ٹھہراتے ہیں۔ کم از کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس یا چار برس علی اختلاف الاقوال۔

۱۰۔ انسانی عمر کے مختلف مراحل: یعنی جس طرح اندر رہ کر بہت سے مدارج طے کئے ہیں، باہر آکر بھی تدریجاً بہت منازل میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ ایک بچپن کا زمانہ ہے جب آدمی بالکل کمزور و ناتوان ہوتا ہے اور اس کی تمام قوتیں چھپی رہتی ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ کامن (پوشیدہ) قوتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جسمانی حیثیت سے ہر چیز کمال شباب کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر بعض توجوانی ہی میں مر جاتے ہیں اور بعض اس عمر کو پہنچتے ہیں جہاں پہنچ کر آدمی کے اعضاء و قویٰ جواب دے دیتے ہیں وہ سمجھ دار بننے کے بعد ناسمجھ اور کار آمد ہونے کے بعد نکما ہو جاتا ہے۔ یاد کی ہوئی چیزیں بھول جاتا ہے اور جانی ہوئی چیزوں کو کچھ نہیں جانتا۔ گویا بوڑھا ہو کر پھر بچہ بن جاتا ہے۔

۱۱۔ مردہ زمین کا زندہ ہو جانا: یعنی زمین مردہ پڑی تھی، رحمت کا پانی پڑتے ہی جی اٹھی اور تروتازہ ہو کر لہلہانے لگی۔ قسم قسم کے خوش منظر فرحت بخش اور نشاط افزا پودے قدرت نے اگا دیے۔

۱۲۔ وجود صالح آخرت اور بعث بعد الموت کا اثبات: انسان کی پیدائش اور کھیتی کی مثالوں سے جو اوپر مذکور ہوئیں چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ یقیناً اور بالتحقیق اللہ موجود ہے ورنہ ایسی منظم متنقن اور حکیمانہ صنعتیں کہاں سے ظاہر ہوئیں۔ (۲) یہ کہ خدا تعالیٰ مردہ اور بے جان چیزوں کو زندہ اور جاندار بنا دیتا ہے۔ چنانچہ مشیت خاک یا قطرہ آب سے انسان بنا دینا اور افتادہ زمین میں روح نباتی پھونک دینا اس پر شاہد ہے، پھر دوبارہ پیدا کر دینا اس کو کیا مشکل ہے (۳) یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر ہر چیز اس کی قدرت کے نیچے نہ ہوتی تو ہرگز یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ (۴) یہ کہ قیامت ضرور آئی چاہئے اور اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ضرور ملنی چاہئے کیونکہ اتنے بڑے انتظامات یوں ہی لغو اور بیکار نہیں ہو سکتے۔ جس حکیم مطلق اور قادر علی الاطلاق نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے انسان کو ایسی عجیب و غریب صفت کے ساتھ پیدا کیا، کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اس کی زندگی بیکار بنائی ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ یقیناً انسان کی یہ محدود زندگی جس میں سعادت و شقاوت نیکی بدی اور رنج و راحت باہم مخلوط رہتے ہیں اور امتحان و انتقام کی صورتیں ایک دوسرے سے مکمل اور نمایاں طور پر متمیز نہیں ہوتیں، اس کو مقتضی ہے کہ کوئی دوسری زندگی ہو جہاں سعید و شقی مجرم و وفادار صاف طور پر الگ الگ ہوں اور ہر ایک اس مقام پر پہنچایا جائے جہاں پہنچنے کے لئے بنایا گیا ہے اور جس کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے۔ مادی حیثیت سے منی کے جن اجزاء میں نطفہ بننے کی استعداد تھی ان سے نطفہ بنا، اسی طرح نطفہ کی پوشیدہ قوتیں علقہ میں، علقہ کی مضغہ میں مضغہ کی طفل میں آئیں اور جوانی کے وقت ان کا پورا ظہور ہو۔ یا زمین کی پوشیدہ قوتیں بارش کا چھینٹا پڑنے سے ظہور پذیر ہوئیں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ انسان میں سعادت و شقاوت کی جو روحانی قوتیں ودیعت کی گئیں یا نیکی اور بدی میں پھولنے پھلنے کی جو زبردست استعداد رکھی ہے وہ اپنے پورے شباب کو پہنچے، اور کامل ترین اشکال و صورتیں ظاہر ہوں۔ اسی کا نام بعث بعد الموت ہے۔ جو دنیا کی زندگی کا موجودہ دورہ ختم کرنے کے بعد وقوع پذیر ہوگا۔

۱۳۔ منکرین کے اوہام ظنون: یعنی ایسے واضح دلائل و شواہد سننے کے بعد بھی کجرو اور ضدی لوگ اللہ کی باتوں میں یوں ہی بے سند جھگڑے کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی علم ضروری ہے نہ دلیل عقلی نہ دلیل سمعی، محض اوہام و ظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

۱۴۔ یعنی اعراض و تکبر کے ساتھ۔

۱۵۔ دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب: یعنی جو شخص بدون حجت و دلیل محض عناد سے خدا کی باتوں میں جھگڑتا ہے اور غرض یہ ہو کہ دوسرے لوگوں کو ایمان و یقین کی راہ سے ہٹا دے اس کو دنیا میں خدا تعالیٰ ذلیل کرے گا اور آخرت کا عذاب رہا سوا لگ۔

۱۶۔ یعنی جب سزا دیں گے تو کہا جائے گا کہ خدا کی طرف سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں تیرے ہاتھوں کی کر توت ہے۔ جس کا مزہ آج چکھ رہا ہے۔

۱۱۔ اور بعضا شخص وہ ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچی اُسکو بھلائی تو قائم ہو گیا اُس عبادت پر اور اگر پہنچ گئی اُسکو جانچ پھر گیا الٹا اپنے منہ پر گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا صریح [۱۷]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ  
أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ  
انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۗ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۗ

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ پکارتا ہے اللہ کے سوائے ایسی چیز کو کہ نہ اُس کا نقصان کرے اور نہ اُسکا فائدہ کرے یہی ہے دور جا پڑنا گمراہ ہو کر [۱۸]

يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ۗ

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ پکارے جاتا ہے اُسکو جس کا ضرر پہلے پہنچے نفع سے [۱۹] بیشک برادوست ہے اور برار فیک [۲۰]

يَدْعُوا لِمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۗ لَبِئْسَ

الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

۱۷۔ مذہب بین کی حالت: یعنی بعض آدمی محض دنیا کی غرض سے دین کو اختیار کرتا ہے اور اس کا دل مذہب رہتا ہے اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھے، بظاہر بندگی پر قائم رہے اور تکلیف پائے تو چھوڑ دے، ادھر دنیا کی ادھر دین گیا، کنارے پر کھڑا ہے یعنی دل ابھی اس طرف ہے نہ اس طرف، جیسا کہ کوئی مکان کے کنارے کھڑا ہو جب چاہے نکل بھاگے۔

۱۸۔ غیر اللہ کو پکارنا: یعنی خدا کی بندگی چھوڑی دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے۔ اب پکارتا ہے ان چیزوں کو جن کے اختیار میں نہ ذرہ برابر بھلائی ہے نہ برائی۔ کیا خدا نے جو چیز نہیں دی تھی وہ پتھروں سے حاصل کرے گا؟ اس سے بڑھ کر حماقت کیا ہوگی۔

۱۹۔ شرک کا ضرر: یعنی بتوں سے نفع کی تو امید موموں سے (بت پرستوں کے زعم کے موافق) لیکن انکو پوجنے کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے فائدہ کا سوال تو بعد کو دیکھا جائے گا، نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔

۲۰۔ جب قیامت میں بت پرستی کے نتائج سامنے آئیں گے تو بت پرست بھی یہ کہیں گے لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ یعنی جس سے بڑی امداد و رفاقت کی توقع تھی وہ بہت ہی برے رفیق اور مددگار ثابت ہوئے کہ نفع تو کیا پہنچاتے الٹا ان کے سبب سے نقصان پہنچ گیا۔ مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا، موم سمجھا تھا تیرے دل کو سو پتھر نکلا۔

۱۴۔ اللہ داخل کرے گا اُنکو جو ایمان لائے اور کہیں بھلائیاں باغوں میں بہتی ہیں نیچے اُنکے نہریں [۲۱] اللہ کرتا ہے جو چاہے [۲۲]

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ إِنَّ اللَّهَ

## يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۳﴾

۱۵۔ جسکو یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اُسکی اللہ دنیا میں اور آخرت میں تو تان لے ایک رسی آسمان کو پھر کاٹ ڈالے اب دیکھے کچھ جاتا رہا اُسکی اس تدبیر سے اُس کا غصہ [۲۳]

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَبَدُّ سَبَبًا إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ

## فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يَغِيظُ ﴿۱۴﴾

۱۶۔ اوریوں اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سمجھا دیتا ہے جسکو چاہے [۲۴]

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي

## مَنْ يُرِيدُ ﴿۱۵﴾

۲۱۔ مومنین کا انجام: منکرین مجادلین اور مذہبذین کے بعد یہاں مومنین مخلصین کا انجام نیک بیان فرمایا۔

۲۲۔ جس کو مناسب جانے مزادے اور جس پر چاہے انعام فرمائے۔ اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

۲۳۔ حاسدین کا غصہ اللہ کی نصرت کو نہیں روک سکتا: لَنْ يَنْصَرَهُ میں ضمیر مفعول نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے جن کا تصور قرآن پڑھنے

والے کے ذہن میں گویا ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ کیونکہ آپ ہی قرآن کے اولین مخاطب ہیں گویا مومنین کا انجام ذکر کرنے کے بعد یہ ان

کے پیغمبر کے مستقبل کا بیان ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسول سے دنیوی اور اخروی فتح و نصرت کے جو وعدے کر چکا ہے وہ ضرور

پورے ہو کر رہیں گے، خواہ کفار و حاسدین کتنا ہی غیظ کھائیں اور نصرت ربانی کے روکنے کی کبھی ہی تدبیریں کر لیں، لیکن حضور ﷺ کی

نصرت و کامیابی کسی طرح رک نہیں سکتی یقیناً آکر رہے گی۔ اگر ان کفار و حاسدین کو اس پر زیادہ غصہ ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کوشش سے

خدا کی مشیت کو روک سکیں گے تو اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے دیکھ لیں، حتیٰ کہ ایک رسی اوپر چھت میں لٹکا کر گلے میں ڈال لیں اور خود

پھانسی لے کر غیظ سے مرجائیں، یا ہو سکتا ہو تو آسمان میں رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے آسمانی امداد کو منقطع کر آئیں، پھر دیکھیں کہ ان

تدبیروں سے وہ چیز آنی بند ہو جاتی ہے۔ جس پر انہیں اس قدر غصہ اور بیچ و تاب ہے۔ اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ لیکن

حضرت شاہ صاحب نے آیت کو وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ اِلْحٰی کے مضمون سے مربوط کر کے نہایت لطیف تقریر فرمائی ہے۔ ان

کے نزدیک مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصَرَهُ اِلْحٰی میں ضمیر مفعول مَنْ کی طرف لوٹتی ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تکلیف میں جو کوئی خدا سے ناامید

ہو کر اس کی بندگی چھوڑ دے اور جھوٹی چیزیں پوجنے لگے وہ اپنے دل کے ٹھہرانے کو یہ قیاس کر لے جیسے ایک شخص اونچی لکٹی رسی سے لٹک رہا

ہے، اگر چڑھ نہیں سکتا تو قیاس ہے کہ رسی اوپر کھنچے تو چڑھ جائے۔ جب رسی توڑ دی تو کیا توقع رہی۔ کیا خدا کی رحمت سے ناامید ہو کر کامیابی

حاصل کر سکے گا؟ گویا ”رسی“ کہا اللہ کی امید کو، اس کا کاٹ دینا ناامید ہو جانا اور آسمان سے مراد بلندی ہے واللہ اعلم۔

۲۴۔ یعنی کیسی صاف صاف مثالیں اور کھلی باتیں ہیں۔ مگر سمجھتا وہ ہی ہے جسے خدا سمجھ دے۔



۷۔ جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس [۲۵] اور جو شرک کرتے ہیں مقرر اللہ فیصلہ کرے گا اُن میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہے ہر چیز [۲۶]

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِئِينَ وَ  
النَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ  
يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٤﴾

۱۸۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت آدمی [۲۷] اور بہت ہیں کہ اُن پر ٹھہر چکا عذاب [۲۸] اور جسکو اللہ ذلیل کرے اُسے کوئی نہیں عزت دینے والا اللہ کرتا ہے جو چاہے [۲۹]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن  
فِي الْأَرْضِ وَالشَّشُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَ  
الْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالذَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ  
ط وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط وَمَن يُهِنِ اللَّهُ  
فَمَا لَهُ مِن مَّكْرَمٍ ط إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ

السجدة  
ط  
﴿١٨﴾

۲۵۔ مجوس کا عقیدہ: مجوس آگ پوجتے ہیں اور دو خالق مانتے ہیں ایک خیر کا خالق جس کا نام ”یزداں“ ہے، دوسرا شر کا جس کو ”اہرمن“ کہتے ہیں اور کسی نبی کا نام بھی لیتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ پیچھے بگڑے ہیں یا سرے سے غلط ہیں۔ شہرستانی نے ”ملک و نخل“ میں ان کے مذہب پر جو کلام کیا ہے اسے دیکھا جائے ”صابئین“ وغیرہ کا ذکر پہلے گذر چکا۔

۲۶۔ قیامت کے دن فیصلہ ہو گا: یعنی تمام مذاہب و فرق کے نزاعات کا عملی اور دو ٹوک فیصلہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے قیامت کے دن ہو گا۔ سب جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچادئے جائیں گے اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کس مقام یا کس سزا کا مستحق ہے۔

۲۷۔ مخلوقات کا اللہ کو سجدہ: ایک سجدہ ہے جس میں آسمان وزمین کی ہر ایک مخلوق شامل ہے وہ یہ کہ اللہ کی قدرت کے آگے ٹکونیا سب مطیع و منقاد اور عاجز و بے بس ہیں۔ خواہی نخواستہ سب کو اس کے سامنے گردن ڈالنا اور سر جھکانا پڑتا ہے دوسرا سجدہ ہے ہر چیز کا جدا۔ وہ یہ کہ جس چیز کو جس کام کے لئے بنایا اس کام میں لگے۔ یہ بہت آدمی کرتے ہیں بہت نہیں کرتے۔ مگر آدمیوں کو چھوڑ کر اور ساری خلقت کرتی ہے۔ بناءً عمیلہ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ الخ میں ہر چیز کا اپنی شان کے لائق سجدہ مراد ہو گیا مَن فِي الْأَرْضِ کے بعد دوسرا یَسْجُدُ کا مقدر نکالا جائے گا (تنبیہ) پہلی آیت سے ربط یہ ہوا کہ مختلف مذاہب کے لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں حالانکہ دوسری تمام مخلوق خدا کی مطیع و منقاد ہے، انسان جو ساری

مخلوق سے زائد عاقل ہے، چاہئے تھا کہ اس کے کل افراد اوروں سے زیادہ متفق ہوتے۔

۲۸۔ یعنی سجدہ سے انکار و اعراض کرنے کی بدولت عذاب کے مستحق ہوئے۔

۲۹۔ یعنی خدا تعالیٰ جس کو اس کی شامت اعمال سے ذلیل کرنا چاہے اسے ذلت کے گڑھے سے نکال کر عزت کے مقام پر کون پہنچا سکتا ہے؟

۱۹۔ یہ دو مدعی ہیں بھگڑے ہیں اپنے رب پر [۳۰] سو جو منکر ہوئے اُنکے واسطے بیونٹے ہیں کپڑے آگ کے [۳۱] ڈالتے ہیں اُنکے سر پر جلتا پانی

هُذِنِ خَصْنِ اِخْتَصَوْا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ

رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾

۲۰۔ گل کر نکل جاتا ہے اُس سے جو کچھ اُنکے پیٹ میں ہے اور کھال بھی

يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور اُنکے واسطے ہٹوڑے ہیں لوہے کے [۳۲]

وَلَهُمْ مَّقَامِعٌ مِّنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾

۲۲۔ جب چاہیں کہ نکل پڑیں دوزخ سے گھٹنے کے مارے پھر ڈال دیے جائیں اُسکے اندر اور چکھتے رہو جلنے کا عذاب [۳۳]

كَلْبًا اَرَادُوا اَنْ يَّخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اَعِيدُوا فِيهَا وَذُقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ بیشک اللہ داخل کرے گا اُنکو جو یقین لائے اور کہیں بھلائیاں بانوں میں بہتی ہیں اُنکے نیچے نہریں گہنا پہنائیں گے اُنکو وہاں کنگن سونے کے اور موتی [۳۴] اور اُنکی پوشاک ہے وہاں ریشم کی [۳۵]

اِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَّلِبَاسَهُمْ فِيْهَا

حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ اور راہ پائی انہوں نے سٹھری بات کی [۳۶] اور پائی اُس تعریفوں والے کی راہ [۳۷]

وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَّ هُدُوْا اِلَى

صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾

۳۰۔ دو فریق کون ہیں؟ یعنی پہلے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِغِيْنَ اِلَى آخِرِهِمْ جِنِّ فِرْعَوْنَ كَاذِبُوْنَ اِنَّ سَبَّ كُوْحٍ وَ بَاطِلٍ

ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مومنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من و عن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سر بسجود رہتا ہے۔ دوسرے کفار کا مجمع جس میں یہود، نصاریٰ، مجوس، مشرکین، صابئین وغیرہ ہم سب شامل ہیں۔ جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکاتے، یہ دونوں فریق دعاوی میں، بحث و مناظرہ میں اور جہاد و قتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے مد مقابل رہتے ہیں۔ جیسا کہ ”بدر“ کے میدان مبارزہ میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم تین کافروں (عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، اور ولید بن عتبہ) کے مقابلہ پر نکلے تھے۔ آگے دونوں فریق کا انجام بتلاتے ہیں۔

۳۱۔ آگ کے لباس: یعنی جس طرح لباس آدمی کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے، جہنم کی آگ اسی طرح ان کو محیط ہوگی۔ یا کسی ایسی چیز کے کپڑے پہنائے جائیں گے جو آگ کی گرمی سے بہت سخت اور بہت جلد تپنے والے ہوں۔

۳۲۔ دوزخ کی سزائیں۔ لوہے کے ہتھوڑے: دوزخیوں کے سر کو ہتھوڑے سے پکل کر کھولتا ہو پانی اوپر سے ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے سب انتڑی اور جھڑی کٹ کٹ کر نکل پڑے گی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی مس کرے گا تو بدن کا چمڑا گل کر گر پڑے گا۔ پھر اصلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بار بار یہ ہی عمل ہوتا رہے گا۔ **كَلَّمَا نَضَجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (نساء- ۵۶)** اللہم اعذنا من غضبک و عذابک۔

۳۳۔ یعنی دوزخ میں گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ کہیں کو نکل بھاگیں، آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے پھر فرشتے آہنی گزمار کر نیچے دھکیل دیں گے اور کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس سے نکلتا کبھی نصیب نہ ہو گا۔ العیاذ باللہ۔

۳۴۔ اہل جنت کے زیور اور ننگن: یعنی بڑی آرائش اور زیب و زینت سے رہیں گے اور ہر ایک عنوان سے تجل اور تعتم کا اظہار ہو گا۔

۳۵۔ اہل جنت کا لباس: پہلے **قَطَعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ** میں دوزخیوں کا لباس مذکور ہوا تھا، اس کے بالمقابل یہاں جنتیوں کا پہناوا بیان فرماتے ہیں کہ ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یہ جو فرمایا کہ وہاں گہنا اور وہاں پوشاک معلوم ہو ایہ دونوں (چیزیں مردوں کے لئے) یہاں نہیں۔ اور گہنوں میں سے ننگن اس واسطے کے غلام کی خدمت پسند آتی ہے تو کڑے ہاتھ میں ڈالتے ہیں (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ جو مرد یہاں ریشم کا لباس پہنے گا آخرت میں نہیں پہنے گا۔ اگر وہ پہنے والا کافر ہے تب تو ظاہر ہے کہ وہ جنت میں داخل ہی نہ ہو گا کہ جنتیوں کا لباس پہنے۔ ہاں اگر مومن ہے تو شاید کچھ مدت تک اس لباس سے محروم رکھا جائے پھر ابد الابد تک پہنتا رہے اور اس لامتناہی مدت کے مقابلہ میں یہ قلیل زمانہ غیر معتبر سمجھا جائے۔

۳۶۔ اہل جنت کی پاکیزہ گفتگو: دنیا میں بھی کہ لا اِلهَ اِلاَّ اللہ کہا، قرآن پڑھا، خدا کی تسبیح و تحمید کی، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا اور آخرت میں بھی کہ فرشتے ہر طرف سے سلام کریں گے اور جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ستھری باتیں کرتے ہوں گے بک بک جھک جھک نہ ہوگی اور نعمائے جنت پر شکر خداوندی بجالائیں گے۔ مثلاً کہیں گے۔ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقْنَا وَعَدَاۗءَا وَوَرَّثَنَا الْاَرْضَ نَتَّبِعُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ (الزمر- ۷۴)** سورہ فاطر میں ہے۔ **يُحَلَّلُوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسْوَدٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّلَوْوُۡاۗءٌ وَّلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌۙ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اٰذْهَبَ عَنَّا الْخَرْنَ الْاَيِّ (فاطر- ۳۴، ۳۵)**۔ اس سے آیت حاضرہ کی تفسیر ہوتی ہے۔ نبہ علیہ فی الروح۔

۳۷۔ یعنی اللہ کی راہ پائی جس کا نام اسلام ہے یہ راہ خود بھی حمید ہے اور راہ والا بھی حمید ہے۔ یار راہ پائی اس جگہ کی جہاں پہنچ کر آدمی کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔

۲۵۔ جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا [۳۸] اور جو اُس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھائیں گے ایک عذاب دردناک [۳۹]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَ  
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً  
الْعَاكِفِ فِيهِ وَالْبَادِ ۗ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ  
بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝

۳۸۔ اللہ کی راہ سے روکنے والے: پہلے ہڈنِ حَضَنِ احْتَصَمُوا الخ میں مومنین اور کفار کے اختصام (جھگڑے) کا ذکر تھا۔ اسی اختصام کی بعض صورتوں کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایک وہ لوگ ہیں جو خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں سے مزاحم ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے راستہ پر نہ چلے۔ حتیٰ کہ جو مسلمان اپنے پیغمبر کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ جا رہے تھے ان کا راستہ روک دیا۔ حالانکہ مسجد حرام (یا حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادت و مناسک کا تعلق ہے) سب کے لئے یکساں ہے۔ جہاں مقیم و مسافر اور شہری و پردیسی کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ ہاں وہاں سے نکالے جانے کے قابل اگر ہیں تو وہ لوگ جو شرک اور شرارتیں کر کے اس بقعہ مبارکہ کی بے تعظیمی کرتے ہیں۔ (تنبیہ) بیوت مکہ کی ملکیت اور بیع و شراء وغیرہ کا مسئلہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی کافی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں کی گئی ہے۔ یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں۔

۳۹۔ حرم شریف میں گناہوں کی سزا: یعنی جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بالارادہ بے دینی اور شرارت کی کوئی بات کرے گا اس کو اس سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی جو دوسری جگہ ایسا کام کرنے پر ملتی۔ اسی سے ان کا حال معلوم کر لو جو ظلم و شرارت سے مومنین کو یہاں آنے سے روکتے ہیں۔

۲۶۔ اور جب ٹھیک کر دی ہم نے ابراہیم کو جگہ اُس گھر کی [۴۰] کہ شریک نہ کرنا میرے ساتھ کسی کو [۴۱] اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے واسطے اور کھڑے رہنے والوں کے اور رکوع و سجود والوں کے [۴۲]

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ  
بِي شَيْئًا وَطَهَّرْ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَ  
الرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝

۲۷۔ اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دور سے [۴۳]

وَإِذْ نَادَىٰ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَا تُوَكَّيْرِبَا أَجْمَعَيْنِ  
أَنِ اعْبُدُونِي ۚ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامِ  
الْحَجِّ لِذِكْرِ اسْمِهِ فِي أَيَّامِ الْحَجِّ ۚ

۲۸۔ تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر [۴۴] اور پڑھیں

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامِ  
الْحَجِّ لِذِكْرِ اسْمِهِ فِي أَيَّامِ الْحَجِّ ۚ

اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں ذبح پر چوپایوں مواشی کے جو اللہ نے دیے ہیں انکو [۳۵] سوکھاؤ اُس میں سے اور کھلاؤ برے حال کے محتاج کو [۳۶]

مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ پھر چاہیے کہ ختم کر دیں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا [۳۷]

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُوفُوا نُدُورَهُمْ وَلِيُطَوَّفُوا

بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ خانہ کعبہ کی جگہ: کہتے ہیں کعبہ شریف کی جگہ پہلے سے بزرگ تھی، پھر مدتوں کے بعد نشان نہ رہا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ بیت اللہ تعمیر کرو۔ اس معظم جگہ کا نشان دکھلایا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمعیلؑ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ (تنبیہ) ”مسجد حرام“ کا ذکر پہلے آیا تھا اس کی مناسبت سے کعبہ کی بناء کا حال اور اس کے متعلق بعض احکام دور تک بیان کئے گئے ہیں۔

۳۱۔ کعبہ کی بنیاد توحید پر: یعنی اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھو، کوئی شخص یہاں آکر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرک نہ رسوم نہ بجالائے کفار مکہ نے اس پر ایسا عمل کیا کہ وہاں تین سو ساٹھ بت لاکر کھڑے کر دیے۔ العیاذ باللہ جن کی گندگی سے ہمیشہ کے لئے خاتم الانبیاء ﷺ نے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ فله الحمد والمنہ۔

۳۲۔ یعنی خالص ان ہی لوگوں کے لئے رہے اور سب سے پاک کیا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”پہلی امتوں میں رکوع نہ تھا یہ خاص اسی امت محمدیہ کی نماز میں ہے۔ تو خبر دی کہ آگے لوگ ہوں گے اس کے آباد کرنے والے“ و فیہ نظر قائل۔

۳۳۔ حج کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار: جب کعبہ تعمیر ہو گیا تو ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے پکارا کہ لوگو! تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے حج کو آؤ۔ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچا دی (بلا تشبیہ جیسے آج کل ہم امریکہ یا ہندوستان میں بیٹھ کر لندن کی آوازیں سن لیتے ہیں) جس کے لئے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہ ہی شوق کی دہی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں آدمی پایادہ تکلیفیں اٹھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور بہت سے اتنی دور سے سوار ہو کر آتے ہیں کہ چلتے چلتے اونٹنیاں تھک جاتی اور دہلی ہو جاتی ہیں، بلکہ عموماً حاجیوں کو عمدہ سانڈنیاں کہاں ملتی ہیں ان ہی سوکھے دبلے اونٹوں پر منزلیں قطع کرتے ہیں۔ یہ گویا اس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی فَاجْعَلْ أَفِيدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ (ابراہیم۔ ۳۷)

۳۴۔ منافع حج: اصل مقصد توحیدی و اخروی فوائد کی تحصیل ہے مثلاً حج و عمرہ اور دوسری عبادات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور روحانی ترقیات کے بلند مقامات پر فائز ہونا۔ لیکن اس عظیم الشان اجتماع کے ضمن میں بہت سے سیاسی، تمدنی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ کمالاتی۔

۳۵۔ ایام معلومات میں ذکر اللہ: ”ایام معلومات“ سے بعض کے نزدیک ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور بعض کے نزدیک تین دن تک قربانی کے مراد ہیں۔ بہر حال ان ایام میں ذکر اللہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسی ذکر کے تحت میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی داخل ہے کہ قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا جائے۔ ان دنوں میں بہترین عمل یہ ہی ہے اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

۳۶۔ قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت: بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہ کھانا چاہیے، اس کی اصلاح فرمادی کہ شوق سے کھاؤ، دوستوں کو دو اور مصیبت زدہ محتاجوں کو کھلاؤ۔

۳۷۔ بیت اللہ کا طواف: جہاں سے لبیک شروع کرتے ہیں حجامت نہیں بنواتے، ناخن نہیں لیتے، بالوں میں تیل نہیں ڈالتے بدن پر میل اور گردوغبار چڑھ جاتا ہے زیادہ مل دل کر غسل نہیں کرتے، ایک عجیب عاشقانہ و مستانہ حالت ہوتی ہے، اب دسویں تاریخ کو سب قصے تمام کرتے ہیں، حجامت بنوا کر غسل کر کے سہلے ہوئے کپڑے پہن کر طواف زیارت کو جاتے ہیں، جس کو ذبح کرنا ہو پہلے ذبح کر لیتا ہے اور اپنی منیتیں پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ اپنی مرادوں کے واسطے جو منیتیں مانی ہوں ادا کریں۔ اصل منت اللہ کی ہے اور کسی کی نہیں بعض کے نزدیک ”نذر“ کے لفظ سے مناسک حج یا واجبات حج مراد ہیں۔ اور یہ ہی اقرب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) ”عتیق“ کے معنی قدیم پرانے کے ہیں، اور بعض کے نزدیک ”بیت عتیق“ اس لئے کہا کہ اس گھر کو برباد کرنے کی غرض سے جو طاقت اٹھے گی حق تعالیٰ اس کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔ تاکہ خود اس کا اٹھالینا منظور ہو۔

۳۰۔ یہ سن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی سو وہ بہتر ہے اُسکے لئے اپنے رب کے پاس [۴۸] اور حلال ہیں تمکو چوپائے [۴۹] مگر جو تمکو سناتے ہیں [۵۰] سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے [۵۱] اور بچتے رہو جھوٹی بات سے [۵۲]

ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمِ حُرْمَتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لِّهِ عِنْدَ رَبِّهِ ۗ وَاَحَلَّتْ لَكُمْ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يَتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ ایک اللہ کی طرف ہو کر نہ کہ اُسکے ساتھ شریک بنا کر [۵۳] اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اُچکتے ہیں اُسکو اڑنے والے مردار خوار یا جاڈالا اُسکو ہوانے نے کسی دور مکان میں [۵۴]

حُنْفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرٍ مُّشْرِكِينَ بِهِ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخَطَفَهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوٰى بِهٖ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے [۵۵]

ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ تمہارے واسطے چوپایوں میں فاندے ہیں ایک مقرر وعدہ تک پھر اُنکو پہنچنا اُس قدیم گھر تک [۵۶]

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

۳۸۔ حرمت اللہ کی تشریح: یعنی حرام چیزوں کو بھاری سمجھ کر چھوڑ دینا یا اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنا

بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے جس کا انجام نہایت اچھا ہو گا۔ محترم چیزوں میں قربانی کا جانور، بیت اللہ صفا مودہ، منیٰ، عرفات، مسجدیں، قرآن، بلکہ تمام احکام الہیہ آجاتے ہیں۔ خصوصیت سے یہاں مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے کہ خدائے واحد کے پرستاروں کو وہاں آنے سے نہ روکیں نہ قربانی کے آئے ہوئے جانوروں کو واپس جانے پر مجبور کریں بلکہ قیمتی اور موٹے تازے جانور قربان کریں۔

۴۹۔ حلال جانوروں کی قربانی: یعنی ان کے ذبح کرنے کا حکم تعظیم حرمت اللہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ جس مالک نے ایک چیز کی حرمت بتلائی تھی اسی کی اجازت سے اور اسی کے نام پر وہ قربان کی جاتی ہے۔

۵۰۔ یعنی جن جانوروں کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً تم کو سنایا جاتا رہا ہے جیسا کہ سورہ ”انعام“ میں تفصیلاً گزر چکا، وہ حلال نہیں۔

۵۱۔ غیر اللہ کی قربانی سے اجتناب: یعنی جانور اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں، اس کی اجازت سے اسی کے نام پر ذبح کئے جاسکتے ہیں اور اسی کے کعبہ کی نیاز ہو سکتے ہیں، جو جانور کسی بت یا دیوی دیوتا کے استھان پر ذبح کیا گیا وہ مردار ہوا۔ ایسی شریکیات اور گندے کاموں سے بچنا ضروری ہے۔

۵۲۔ جھوٹی بات سے بچنے کا حکم: جھوٹی بات زبان سے نکالنا، جھوٹی شہادت دینا، اللہ کے پیدا کئے ہوئے جانور کو غیر اللہ کے نام نامزد کر کے ذبح کرنا کسی چیز کو بلا دلیل شرع حلال و حرام کہنا، سب ”قول الزور“ میں داخل ہے۔ ”قول الزور“ کی برائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو یہاں شرک کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ ”وَأَنْ تَشْكُرُوا بِاللَّهِ مَا لَكُمْ يَنْزِلُ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ (اعراف-۳۳) احادیث میں بڑی تاکید و تشدید سے آپ نے اس کو منع فرمایا ہے۔

۵۳۔ یعنی ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے ہو کر رہو۔ تمہارے تمام افعال و نیت بالکلیہ بلا شرکت غیرے خالص خدا کے لئے ہونے چاہئیں۔

۵۴۔ شرک کی مثال: یہ شرک کی مثال بیان فرمائی، خلاصہ یہ ہے کہ توحید نہایت اعلیٰ اور بلند مقام ہے۔ اس کو چھوڑ کر جب آدمی کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو خود اپنے کو ذلیل کرتا اور آسمان توحید کی بلندی سے پستی کی طرف گراتا ہے ظاہر ہے اس قدر اونچے سے گر کر زندہ بچ نہیں سکتا۔ اب یا تو ہوا و افکار و رویہ کے مردار خوار جانور چاروں طرف سے اس کی بوٹیاں نوچ کر کھائیں گے یا شیطان لعین ایک تیز ہوا کے بھکڑ کی طرح اس کو اڑالے جائے گا اور ایسے گہرے کھڈ میں پھینکے گا جہاں کوئی بڑی پسلی نظر نہ آئے۔ یایوں کہو کہ مثال میں دو قسم کے مشرکوں کا الگ الگ حال بیان ہوا ہے۔ جو مشرک اپنے مشرک میں پوری طرح پکا نہیں مذذب ہے کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے۔ کبھی دوسری طرف، وہ فَتَخَطَفُهُ الطَّيْرُ کا، اور جو مشرک اپنے مشرک میں پختہ، مضبوط اور اٹل ہو، وہ تَهْوِي بِه الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيحٍ کا مصداق ہے یا تَخَطَفُهُ الطَّيْرُ سے مراد لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور تَهْوِي بِه الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيحٍ سے طبعی موت مرنا مراد ہو، اکثر مفسرین نے وجہ تشبیہ کے بیان میں اسی طرح کے احتمالات ذکر کئے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جس کی نیت ایک اللہ پر ہے وہ قائم ہے اور جہاں نیت بہت طرف گئی وہ سب اس کو (پریشان کر کے) راہ میں سے اچک لیں گی۔ یا سب سے منکر ہو کر دہری ہو جائے گا۔

۵۵۔ شعائر اللہ کی تعظیم: یعنی شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔ جس کے دل میں پرہیز گاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہو گا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اس کی طرف منسوب ہو جائے۔

۵۶۔ جانوروں میں انسان کے منافع: قدیم گھر بیت اللہ شریف ہے اور یہاں شاید تو سنا سارا حرم مراد ہو، یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ سے تم بہت فوائد حاصل کر سکتے ہو، مثلاً سواری کرو، دودھ پیو، نسل چلاؤ، اون وغیرہ کو کام میں لاؤ، مگر یہ اس وقت کہ ان کو ہدی نہ بنائیں۔ ”ہدی“ بننے کے بعد اس قسم کا انتفاع (بدون شدید ترین ضرورت کے) نہیں کر سکتے۔ اب تو اس کا عظیم الشان اخروی فائدہ یہ ہی ہے کہ کعبہ کے پاس لے جا کر خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کر دو۔

۳۴۔ اور ہر امت کے واسطے ہم نے مقرر کر دی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام ذبح پر چوپایوں کے جو انکو (اللہ نے دیے) سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی کے حکم میں رہو [۵۷] اور بشارت سنادے عاجزی کرنے والوں کو [۵۸]

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيَّةٍ الْأَنْعَامِ ۗ فَالَهُمْ اللَّهُ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿۳۳﴾

۳۵۔ وہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا ڈر جائیں انکے دل اور سہنے والے اُسکو جو اُن پر پڑے [۵۹] اور قائم رکھنے والے نماز کے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں [۶۰]

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ ۗ وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور کعبہ کے چڑھانے کے اونٹ ٹھہرائے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے نام کی تمہارے واسطے اس میں بھلائی ہے سو پڑھو اُن پر نام اللہ کا قطار باندھ کر پھر جب گر پڑے اُنکی کروٹ تو کھاؤ اُس میں سے [۶۱] اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے کو اور بیقراری کرتے کو [۶۲] اسی طرح تمہارے بس میں کر دیا ہم نے اُن جانوروں کو تاکہ تم احسان مانو [۶۳]

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَاطْعَمُوا الْقَانِعَ ۗ وَالْبُعْتَرَّ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ اللہ کو نہیں پہنچتا اُن کا گوشت اور نہ اُن کا لہو لیکن اُسکو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب [۶۴] اسی طرح اُنکو بس میں کر دیا تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس بات پر کہ تم کوراہ سجھائی اور بشارت سنادے نیکی والوں کو [۶۵]

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدٰكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْحَسِنِينَ ﴿۳۷﴾

۵۷۔ ہر امت میں قربانی عبادت تھی: یعنی اللہ کی نیاز کے طور پر مواشی قربان کرنا ہر دین سماوی میں عبادت قرار دی گئی ہے۔ اگر یہ عبادت غیر اللہ کی نیاز کے طور پر کرو گے تو شرک ہو جائے گا جس سے بہت پرہیز کرنا چاہئے موحد کا کام یہ ہے کہ قربانی اکیلی اسی خدا کے لئے کرے جس کے نام پر قربان کرنے کا تمام شرائع میں حکم رہا ہے۔ اس کے حکم سے باہر نہ ہو۔



۵۸۔ مومنین کے لئے خوشخبری: یعنی ان لوگوں کو رضائے الہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال و جبروت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

۵۹۔ محبتین کے اوصاف: یعنی مصائب و شدائد کو صبر و استقلال سے برداشت کریں، کوئی سختی اٹھا کر راہ حق سے قدم نہ ڈمگائے۔

۶۰۔ بیت اللہ تک پہنچنے میں بہت مصائب و شدائد پیش آتے ہیں، سفر میں اکثر نمازوں کے فوت ہونے یا قضا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، مال بھی کافی خرچ کرنا پڑتا ہے، شاید اسی مناسبت سے ان اوصاف و خصال کا یہاں ذکر فرمایا۔

۶۱۔ قربانی کے اونٹوں کی تعظیم اور نحر کا طریقہ: پہلے مطلق شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم تھا۔ اب تصریحاً بتلادیا کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ جن کی ذوات میں اور جن کو ادب کے ساتھ قربان کرنے میں تمہارے لئے بہت سی دنیوی و اخروی بھلائیاں ہیں۔ تو عام ضابطہ کے موافق چاہئے کہ اللہ کا نام پاک لے کر ان کو ذبح کرو۔ بالخصوص اونٹ کے ذبح کا بہترین طریقہ نحر ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کر کے اور ایک ہاتھ داہن یا بائیں باندھ کر سینہ پر زخم لگائیں۔ جب سارا خون نکل چکا وہ گر پڑتا تب ٹکڑے کر کے استعمال کریں اور بہت اونٹ ہوں تو قطار باندھ کر کھڑا کر لیں۔

۶۲۔ یہ محتاج کی دو قسمیں بتلائیں ایک جو صبر سے بیٹھا ہے، سوال نہیں کرتا، تھوڑا مل جائے تو اسی پر قناعت کرتا ہے دوسرا جو بے قرار ہو کر سوال کرتا پھرتا ہے کچھ مل جائے تب بھی قرار نہیں۔

۶۳۔ انسان کے لئے جانور کی تسخیر: یعنی ایسے بڑے بڑے جانور جو تم سے جشہ میں اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں، تمہارے قبضہ میں کر دیے کہ تم ان سے طرح طرح کی خدمات لیتے ہو اور کیسی آسانی سے ذبح بھی کر لیتے ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ یہ کہ شرک کر کے الٹی ناشکری کرو۔

۶۴۔ قربانی کی روح اور فلسفہ: اس میں قربانی کا اصل فلسفہ بیان فرمایا۔ یعنی جانور کو ذبح کر کے محض گوشت کھانے کھلانے یا اس کا خون گرانے سے تم اللہ کی رضا کبھی حاصل نہیں کر سکتے نہ یہ گوشت اور خون اٹھ کر اس کی بارگاہ تک پہنچتا ہے اس کے یہاں تو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب پہنچتا ہے کہ کیسی خوشدلی اور جوش محبت کے ساتھ ایک قیمتی اور نفیس چیز اس کی اجازت سے اس کے نام پر اس کے بیت کے پاس لے جا کر قربان کی۔ گویا اس قربانی کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا کہ ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں، بس یہ ہی وہ تقویٰ ہے جس کا ذکر وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَىٰ الْقُلُوبِ میں کیا گیا تھا۔ اور جس کی بدولت خدا کا عاشق اپنے محبوب حقیقی کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

۶۵۔ ذبح کرنے کے وقت کی تکبیر: یعنی بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ کہہ کر ذبح کرو۔ اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنی محبت و عبودیت کے اظہار کی کیسی اچھی راہ سجدی، اور ایک جانور کی قربانی کو گویا خود تمہاری جان قربان کرنے کے قائم مقام بنا دیا۔

۳۸۔ اللہ دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے [۲۶] اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغا باز ناشکر [۲۷]

إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا

يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ

۶۶۔ حج و عمرہ کی رکاوٹیں دور ہو جائیں گی: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الحج ۲۵) الخ میں ان کفار کا ذکر تھا جو مسلمانوں کو حرم شریف کی زیارت اور حج و عمرہ وغیرہ سے روکتے تھے۔ درمیان میں مسجد حرام اور اس کے متعلقات کی تعظیم و ادب کے

احکام بیان فرمائے، اب پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمان مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ عنقریب دشمنوں سے ان کا راستہ صاف کر دے گا۔ مسجد حرام تک پہنچنے اور اس کے متعلق احکام کی تعمیل کرنے میں کوئی مخالفانہ رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ بے خوف و خطر حج و عمرہ ادا کریں گے۔ گویا وَيَسِّرُ الْمُحْسِنِينَ میں جو بشارت دینے کا امر تھا اس کا ایک فرد یہ خوشخبری ہوئی۔

۶۷۔ یعنی دغا باز ناشکر گزاروں کو اگر ایک خاص میعاد تک مہلت دی جائے تو یہ مت خیال کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش آتے ہیں۔ یہ مہلت بعض مصالِح اور حکمتوں کی بناء پر ہے۔ آخری انجام یہ ہی ہونا ہے کہ اہل حق غالب ہوں اور باطل پرستوں کو راستہ سے چھانٹ دیا جائے۔

۳۹۔ حکم ہوا اُن لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہوا [۶۸] اور اللہ اُنکی مدد کرنے پر قادر ہے [۶۹]

اِنَّ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

۴۰۔ وہ لوگ جنکو نکالا اُنکے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اسکے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے [۴۰] اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکتے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مقرر مدد کرے گا اُسکی جو مدد کرے گا اُسکی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا [۴۱]

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهَدَمَتْ صَوَامِعُ وَبِيْعٌ وَصَلُوْتُ وَ مَسْجِدُ يُذَكِّرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

۴۱۔ وہ لوگ کہ اگر ہم اُنکو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کر دیں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے [۴۲] اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا [۴۳]

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَ اتُّوْا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللّٰهُ عَاقِبَةُ الْاُمُوْر ﴿۴۱﴾

۶۸۔ کفار سے قتال کا حکم: جب تک آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے، حکم تھا کہ کفار کی سختیوں پر مسلمان صبر کریں اور ہاتھ روکے رکھیں چنانچہ انہوں نے کامل تیرہ سال تک سخت زہرہ گداز مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ جب مدینہ دارالاسلام بن گیا اور مسلمانوں کی قلیل سی جمعیت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ پر تلوار اٹھائیں۔ اور اپنی جماعت اور مذہب کی حفاظت کریں اس قسم کی کئی آیتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔

۶۹۔ مسلمانوں کی امداد کا وعدہ: یعنی اپنی قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر

غالب کر سکتا ہے فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت و امداد کا وعدہ تھا جیسے دنیا میں بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شان و قار و استغناء دکھانے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں تمہارا فلاں کام ہم کر سکتے ہیں۔ شاید یہ عنوان اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ مخاطب سمجھ لے کہ ہم ایسا کرنے میں کسی سے مجبور نہیں ہیں جو کچھ کریں گے اپنی قدرت و اختیار سے کریں گے۔

۷۰۔ مہاجرین کی مدح: یعنی مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا، بجز اس کے کہ وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں۔ اینٹ پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا اور سنگین الزام اگر لگایا جاسکتا ہے تو یہ ہی کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے کیوں ہو رہے۔

۷۱۔ جہاد کی حکمت: یعنی اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی سخت خلاف ورزی ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے جنگ کرتی رہے اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یاد گاریں ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد، مدرسہ، محفوظ نہ رہ سکتا۔

قانون حفاظت و مدافعت: بناءً علیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں، قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔ اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنان حق و صداقت پر غالب کرے بلاشبہ وہ ایسا قوی اور زبردست ہے کہ اس کی اعانت و امداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی بڑی طاقتور ہستیوں کو شکست دے سکتی ہے۔ بہر حال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی اجازت دینا اسی قانون قدرت کے ماتحت تھا۔ اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اگر مدافعت و حفاظت کا یہ قانون نہ ہو تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کے صومعے (کوٹھہروں) قائم رہتے نہ نصاریٰ کے گرجے نہ یہود کے عبادت خانے نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر اور ڈھا کر برابر کر دی جاتیں۔ پس عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقت مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

۷۲۔ مہاجرین کی فضیلت اور ان کے اقتدار کی پیشگوئی: یہ ان ہی مسلمانوں کا بیان ہے جن پر ظلم ہوئے اور جن کو گھروں سے نکالا گیا۔ یعنی خدا ان کی مدد کیوں نہ کرے گا جبکہ وہی ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ بذات خود بدنی و مالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیشین گوئی کی گئی تھی حرف بحرف سچی ہوئی۔ فلله الحمد علی ذلک۔ اس آیت سے صحابہؓ خصوصاً مہاجرین اور ان میں انحصار خصوص کے طور پر حضرات خلفائے راشدینؓ کی حقانیت اور مقبولیت و منقبت ثابت ہوئی۔

۷۳۔ یعنی گو آج مسلمان کمزور اور کافر غالب و قوی نظر آتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ آخر کار انہیں منصور و غالب کر دے یا یہ مطلب کہ یہ امت خدا کا دین قائم کرے گی ایک مدت تک آخر اللہ ہی جانے کیا ہوگا۔

۷۴۔ اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے  
وَأِنْ يُّكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَ  
نوح کی قوم اور عاد اور ثمود

عَادٌ وَثَمُودٌ

وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٣٣﴾

۳۳۔ اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم

۳۳۔ اور مدین کے لوگ [۷۴] اور موسیٰ کو جھٹلایا [۷۵] پھر میں نے ڈھیل دی منکروں کو پھر پکڑ لیا انکو تو کیسا ہوا میرا انکار [۷۶]

وَ أَصْحَابُ مَدْيَنَ ۚ وَ كَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمَلَيْتُ

لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتَهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٣٤﴾

۳۴۔ سو کتنی بستیاں ہم نے غارت کر ڈالیں اور وہ گنہگار تھیں اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر [۷۷] اور کتنے کونئیں نکلے پڑے اور کتنے محل گچ کاری کے [۷۸]

فَكَأَيُّ مَنٍّ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ

خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَ قَصَصِ

مَشِيدِ ﴿٣٥﴾

۳۵۔ کیا سیر نہیں کی ملک کی جو انکے دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے [۷۹] سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں [۸۰]

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ

يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يُّسْمَعُونَ بِهَا ۚ فَإِنَّهَا لَا

تَعَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي

الْصُّدُورِ ﴿٣٦﴾

۳۶۔ اور تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہر گز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ [۸۱] اور ایک دن تیرے رب کے یہاں ہزار برس کے برابر ہوتا ہے جو تم گنتے ہو [۸۲]

وَ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ

وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا

تَعُدُّونَ ﴿٣٧﴾

۳۷۔ اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے انکو ڈھیل دی اور وہ گنہگار تھیں پھر میں نے انکو پکڑا اور میری طرف پھر کر آنا ہے [۸۳]

وَ كَأَيُّ مَنٍّ مِّنْ قَرْيَةٍ أَمَلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ

أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَى الْبَصِيرِ ﴿٣٨﴾

۳۸۔ تو کہہ اے لوگو میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں تمکو کھول کر [۸۴]

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا آتَاكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ سو جو لوگ یقین لائے اور کہیں بھلائیاں اُنکے گناہ بخش دیتے ہیں اور اُنکو روزی ہے عزت کی [۸۵]

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ

رِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ اور جو دوڑے ہماری آیتوں کے ہر آنے کو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ

أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۵۱﴾

۷۴۔ جن کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔

۷۵۔ یعنی مصر کے قبطیوں نے۔

۷۶۔ سابقہ حالات سے کفار کو تشبیہ: یعنی مسلمانوں کے غلبہ و نصرت کے جو عدے کئے جا رہے ہیں، کفار اپنی موجودہ کثرت و قوت کو دیکھتے ہوئے ان کی تکذیب نہ کریں، یہ خدا کی ڈھیل ہے۔ پہلی قوموں نے بھی خدا کی چند روزہ ڈھیل سے دھوکہ کھا کر اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔ آخر جب پکڑے گئے تو دیکھ لو انکا حشر کیسا ہوا۔ اور خدا نے اپنے عذاب سے ڈرا کر ان کی شرارتوں پر جو انکار فرمایا تھا وہ کس طرح سامنے آگیا۔ اگلی آیت میں اسی کی تفصیل ہے۔

۷۷۔ یعنی بنیادیں ہلنے سے اول چھتیں گر پڑیں پھر دیواریں اور سارا مکان گر کر چھت کے ڈھیر پر آ رہا یہ ان کے تہ و بالا ہونے کا نقشہ کھینچا ہے۔

۷۸۔ عبرت کے اسباق: یعنی کنویں جن پر پانی کھینچنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی، آج ان میں کوئی ڈول پھانسنے والا نہ رہا۔ اور بڑے بڑے بختہ، بلند عالیشان، قلعی چونے کے محل ویران کھنڈر بن کر رہ گئے۔ جن میں کوئی بسنے والا نہیں۔

۷۹۔ عبرت کے اسباق: یعنی ان تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر دیکھ کر غور و فکر نہ کیا، ورنہ ان کو سچی بات کی سمجھ آ جاتی اور کان کھل جاتے۔

۸۰۔ یعنی آنکھوں سے دیکھ کر اگر دل سے غور نہ کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ گو اس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہ ہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ)

۸۱۔ یعنی عذاب اپنے وقت پر یقیناً آ کر رہے گا۔ استہزاء و تکذیب کی راہ سے جلدی مچانا فضول ہے۔

۸۲۔ آخرت کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہے: یعنی تمہارے ہزار برس اس کے یہاں ایک دن کے برابر ہیں۔ جیسے مجرم آج اس کے قبضہ میں ہے ہزار برس گزرنے کے بعد بھی اسی طرح اس کے قبضہ و اقتدار کے نیچے ہے۔ کہیں بھاگ کر نہیں جاسکتا۔ یا یہ مطلب کہ ہزار برس کا کام وہ ایک دن میں کر سکتا ہے۔ مگر کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت و مصلحت کے موافق ہو۔ کسی کے جلدی مچانے سے وہاں کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ یا یوں کہا جائے کہ اخروی عذاب کا وعدہ ضرور آ کر رہے گا۔ یعنی قیامت آئے گی اور تم کو پوری سزا ملے گی۔ آگے قیامت کے دن کا بیان ہوا کہ وہ ایک دن اپنی شدت و ہول کے لحاظ سے ہزار سال کے برابر ہو گا۔ پھر ایسی مصیبت کو بلانے کے لئے کیوں جلدی مچاتے ہو۔

۸۳۔ اللہ کی ڈھیل پر بے فکر نہ ہوں: یعنی کیا ڈھیل دینے سے وہ کہیں نکل کر بھاگ گئیں آخر سب کو لوٹ کر ہماری ہی طرف آنا پڑا۔ اور ہم نے ان کو پکڑ کر تباہ کر دیا۔

۸۴۔ رسول اللہ کا فرض منصبی: یعنی میرا کام آگاہ و ہشیار کر دینا ہے۔ عذاب کالے آنا میرے قبضہ میں نہیں خدا ہی کے قبضہ میں ہے کہ سب مطیع و عاصی کا فیصلہ کرے اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جگہ پر پہنچائے۔

۸۵۔ یعنی جنت میں میوے پھل اور عمدہ عمدہ الوان نعمت اور حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا۔

۵۲۔ اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اُسکے خیال میں پھر اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کا ملا یا ہوا پھر پکی کر دیتا ہے اپنی باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا [۸۶]

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَنَبَّأَ النَّبِيُّ الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ أَيْتَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ اس واسطے کہ جو کچھ شیطان نے ملا یا اس سے جانچے اُنکو کہ جنکے دل میں روگ ہیں اور جنکے دل سخت ہیں اور گنہگار تو ہیں مخالفت میں دور جا پڑے

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ اور اس واسطے کہ معلوم کر لیں وہ لوگ جنکو سمجھ ملی ہے کہ یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر اس پر یقین لائیں اور نرم ہو جائیں اُسکے آگے اُنکے دل اور اللہ سمجھانے والا ہے یقین لانے والوں کو راہ سیدھی [۸۷]

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٤﴾

۵۵۔ اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اُس میں دھوکا جب تک کہ آ پہنچے اُن پر قیامت بنجری میں یا آ پہنچے اُن پر آفت ایسے دن کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی [۸۸]

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مَرِيَةٍ مِنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾

۵۶۔ راج اُس دن اللہ کا ہے اُن میں فیصلہ کرے گا [۸۹] سو جو یقین لائے اور کیں بھلائیوں نعمت کے باغوں میں ہیں

الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۗ يُحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۗ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾

## وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ

لئے ہے ذلت کا عذاب

### عَذَابٌ مُّهِينٌ

۸۶- آیات وحی میں شیطانی شبہات: آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اپنے پیشرو حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی روش اختیار فرمائی ہے جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی ”حجتہ اللہ البالغہ“ کے آخر میں اشارہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ”موضح القرآن“ میں لکھتے ہیں ”نبی کو ایک حکم (یا ایک خبر) اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ اس میں ہر گز ذرہ بھر تفاوت نہیں ہو سکتا۔ اور ایک اپنے دل کا خیال (اور رائے کا اجتہاد) ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے کبھی نہیں۔ جیسے حضرت ﷺ نے خواب میں دیکھا (اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) کہ آپ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خیال میں آیا کہ شاید امسال ایسا ہو گا (چنانچہ عمرہ کی نیت سے سفر شروع کیا۔ لیکن درمیان میں احرام کھولنا پڑا) اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔ یا وعدہ ہوا کہ کافروں پر غلبہ ہو گا۔ خیال آیا کہ اب کی لڑائی میں۔ اس میں نہ ہوا، بعد کو ہوا۔ پھر اللہ جتلا دیتا ہے کہ جتنا حکم یا وعدہ تھا اس میں سر مو تفاوت نہیں۔ ”ہاں نبی کے ذاتی خیال و اجتہاد میں تفاوت ہو سکتا ہے گو نبی اصل پیشین گوئی کے ساتھ ملا کر اپنے ذاتی خیال کی اشاعت نہیں کرتا بلکہ دونوں کو الگ رکھتا ہے۔ باقی اس صورت میں ”القاء“ کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہوگی جیسے وَمَا أُنسِنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (کہف- ۶۳) میں ”انساء“ کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ احقر کے نزدیک بہترین اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی مختصر اصل سلف سے منقول ہے۔ یعنی ”تمنی“ کو بمعنی قرأت و تلاوت یا تحدیث کے اور ”انیت“ کو بمعنی متلو یا حدیث کے لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے۔ یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً نبی نے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اٰنْسِيَتُهُ (المائدہ- ۳) الخ پڑھ کر سنائی، شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں۔ یا آپ نے اَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء- ۹۸) پڑھا۔ اس نے شبہ ڈالا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اٰنْسِيَتُهُ (النساء- ۱۷۱) شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت مسیحؑ کی انیت و اولوہیت ثابت ہوتی ہے۔ اس القاء شیطان کے ابطال رد میں پیغمبر ﷺ اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی کچی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔

آیات محکمات سے شیطانی شبہات کا علاج: گویا ”تثابہات“ کی ظاہری سطح کو لے کر شیطان جو اغواء کرتا ہے ”آیات محکمات“ اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں جنہیں سن کر تمام شکوک و شبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہ دو قسم کی آیتیں کیوں اتاری جاتی ہیں؟ شیطان کو اتنی وسوسہ اندازی اور تصرف کا موقع کیوں دیا جاتا ہے؟ اور آیات کا جو احکام بعد کو کیا جاتا ہے ابتداء ہی سے کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ یہ سب امور حق تعالیٰ کی غیر محدود علم و حکمت سے ناشی ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو علماً و عملاً دار امتحان بنایا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی کارروائی میں بندوں کی جانچ ہے کہ کون شخص اپنے دل کی بیماری یا سختی کی وجہ سے پادر ہوا شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور کون سمجھدار آدمی اپنے علم و تحقیق کی قوت سے ایمان و اخبات کے مقام بلند پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آدمی نیک نیتی اور ایماندار سے سمجھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرما کر اس کو سیدھی راہ پر قائم فرمادیتے ہیں۔ رہے منکرین و مشککین ان کو قیامت تک اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ہر چہ گیر دعلتی علت شود۔

ہماری اس تقریر میں دور تک کئی آیتوں کا مطلب بیان ہو گا۔ سمجھدار آدمی اس کے اجزا کو آیات کے اجزاء پر بے تکلف منطبق کر سکتا ہے۔ یہ آیات جیسا کہ ہم نے سورہ “آل عمران” کے شروع میں بیان کیا تھا۔ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ (آل عمران-۷) الخ سے بہت مشابہ ہیں۔ چنانچہ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى آتَى الشَّيْطَانَ فِي أَمْنِيَّتِهِ میں “تتا بہات” کا اور ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ أَيْتَهُمْ میں “حکمات” کا ذکر ہوا۔ اور لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّهُمْ كَانُوا يُفْسِدُونَ الخ میں زانغین کی دو قسمیں مذکور ہوئیں۔ جن میں لِّلَّذِينَ آمَنُوا فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ کا کام ابتداء تاویل، اور انْقِلَابِيَّةٌ قُلُوبِهِمْ کی غرض ابتداء فتنہ ہے آگے لِيُعَلِّمَ الَّذِينَ آمَنُوا الْعِلْمَ الخ کو آیت وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ (آل عمران-۷) الخ کی جگہ سمجھو اور وہاں جو دعائے تَزْرَعُوا قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران-۸) سے کی تھی یہاں اس کی اجابت کا ذکر انَّ اللَّهَ لَهُدٍ الْذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ میں کیا گیا۔ اور رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ (آل عمران-۹) کے مناسب۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ أَلِي تُولَى - يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ هُوَ (تنبيه) آیت حاضرہ کے تحت میں مفسرین نے جو قصہ “غرائق” کا ذکر کیا ہے اس پر بحث کا یہاں موقع نہیں۔ شاید سورہ نجم میں کچھ لکھنے کی نوبت آئے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت بسط سے اس پر کلام کیا ہے۔ بہر حال آیت کا مطلب سلف کی تفسیر کے موافق بلکل صاف ہے گویا یہ تفصیل اس کی ہوئی جو اوپر وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ میں ابطال آیات اللہ کی سعی کا ذکر تھا۔

۸۷۔ اہل باطل کی آزمائش: “موضح القرآن” میں ہے “یعنی اس میں گمراہ بھکتے ہیں سوان کا کام ہے بہکنا، اور ایمان والے اور زیادہ مضبوط ہوتے ہیں کہ اس کلام میں بندہ کا دخل نہیں۔ اگر ہوتا تو یہ بھی بندہ کے خیال کی طرح کبھی صحیح کبھی غلط نکلتا۔ اور جس کی نیت اعتقاد پر ہو، اللہ اس کو یہ بات سمجھاتا ہے”۔ حضرت شاہ صاحب نے یہ فائدہ اپنے مذاق کے موافق لکھا ہے۔ ہمارا جو خیال ہے اس کی تقریر گذشتہ فائدہ میں گذر چکی۔ واللہ اعلم۔

۸۸۔ منکرین قیامت تک دھوکے میں رہیں گے: یعنی نفس قیامت کا ہولناک حادثہ اچانک آ پھنچے یا اسی قیامت کے دن کا عذاب سامنے آ جائے۔ اور ممکن ہے عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ سے دنیا کا عذاب مراد ہو۔ یعنی دنیا ہی میں سزا مل جائے جس سے کوئی رستگاری کی شکل نہیں۔

۸۹۔ یعنی قیامت کے دن اکیلے خدا کی بادشاہت کام کرے گی۔ کسی کی ظاہری و مجازی حکومت برائے نام بھی باقی نہ رہے گی۔ اس وقت سب دنیا کا بیک وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا۔ جس کی تفصیل آگے مذکور ہے۔

۵۸۔ اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ انکو دے گا اللہ روزی خاصی اور اللہ ہے

سب سے بہتر روزی دینے والا

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُو

خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ البتہ پہنچائے گا انکو ایک جگہ جسکو پسند کریں گے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے تحمل والا ﴿٩٠﴾

لِيَدْخِلَنَّهُمْ مَدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ

حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾



۹۰۔ اللہ کے لئے ہجرت کرنے والوں کے انعامات: مومنین کا انجام پہلے بتلایا تھا، یہاں ان میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا۔ یعنی جو لوگ خدا کے راستے میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت سے مریں دونوں صورتوں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی۔ کھانا، پینا، رہنا، سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہوگا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوں گے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کن لوگوں نے خالص اس کے راستے میں اپنا گھر بار ترک کیا ہے۔ ایسے مہاجرین و مجاہدین کی فروگذاشتوں پر حق تعالیٰ تحمل کرے گا۔ اور شانِ عفو سے کام لے گا یا ”علیم“ و ”حلیم“ کی صفات اس غرض سے ذکر کیں کہ اللہ سب کو جانتا ہے۔ ان کو بھی جنہوں نے ایسے مخلص بندوں کو تکلیفیں دے کر گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن اپنی بردباری کی وجہ سے فوراً سزا نہیں دیتا۔

۶۰۔ یہ سن چکے اور جس نے بدلہ لیا جیسا کہ اُسکو دکھ دیا تھا پھر اُس پر کوئی زیادتی کرے تو البتہ اُسکی مدد کرے گا اللہ [۹۱] بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے [۹۲]

ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِبِئْسَ مَا عُوِّقَ بِهِ ثُمَّ بَغِيَ عَلَيْهِ لِيُنْصَرَنَّهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ یہ اس واسطے کہ اللہ لے لیتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں [۹۳] اور اللہ سنتا دیکھتا ہے [۹۴]

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُوْجِبُ الْيَلَّ فِي النَّهَارِ وَيُوْجِبُ النَّهَارَ فِي الْيَلِّ وَأَنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾

۶۲۔ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے صحیح اور جسکو پکارتے ہیں اُسکے سوائے وہی ہے غلط اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا [۹۵]

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زمین ہو جاتی ہے سرسبز [۹۶] بیشک اللہ جانتا ہے چھپی تدبیریں خبردار ہے [۹۷]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً إِنَّ اللَّهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ وہی ہے بے پروا تعریفوں والا [۹۸]

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے بس میں کر دیا تمہارے جو کچھ ہے زمین میں اور کشتی کو جو چلتی ہے دریا میں اُسکے حکم سے اور تمہارے رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ گر پڑے زمین

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَ يُسِّكُ السَّمَاءَ أَنْ

پر مگر اُسکے حکم سے بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا مہربان ہے [۹۹]

تَقَعَّ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ

لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ اور اسی نے تمکو جلایا پھر مارتا ہے پھر زندہ کرے گا [۱۰۰] بیشک انسان ناشکر ہے [۱۰۱]

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

۹۱۔ مظلوم کی مدد کا وعدہ: یعنی مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے۔ پھر از سر نو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہر گیا، حق تعالیٰ پھر مدد کرے گا جیسا کہ اس کی عادت ہے کہ مظلوم کی آخر حمایت کرتا ہے۔ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيَسِّرُ لَكَهَا وَبَيْنَ يَدَيْكَ جِبَابٌ۔ ترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن، اجابت از در حق بہر استقبال می آید۔

۹۲۔ یعنی بندوں کو بھی چاہئے کہ اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفو و درگزر کی عادت سیکھیں۔ ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یعنی واجبی بدلہ لینے والے کو خدا عذاب نہیں کرتا اگرچہ بدلہ نہ لینا بہتر تھا“ بدر ”کی لڑائی میں مسلمانوں نے بدلہ لیا کافروں کی ایذا کا۔ پھر کافر“ احد“ و“ احزاب“ میں زیادتی کرنے کو آئے۔ پھر اللہ نے پوری مدد کی۔“

۹۳۔ اللہ کی قدرت کاملہ: یعنی وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کالٹ پلٹ کر نا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے، کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پیچھے سے نکال دے بلکہ ان پر غالب و مسلط کر دے۔ پہلے مسلمان مہاجرین کا ذکر تھا اس آیت میں اشارہ فرمادیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سر زمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔

۹۴۔ یعنی مظلوم کی فریاد سنتا اور ظالم کے کرتوت دیکھتا ہے۔

۹۵۔ یعنی اللہ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہ ہی ایک ہے باقی اسکو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلانے گئے ہیں سب غلط، جھوٹ اور باطل ہیں۔ اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔

۹۶۔ اسی طرح کفر کی خشک و ویران زمین کو اسلام کی بارش سے سبزہ زار بنا دے گا۔

۹۷۔ اللہ کی تدبیر اور تصرف: وہ ہی جانتا ہے کہ کس طرح بارش کے پانی سے سبزہ اگ آتا ہے۔ قدرت اندر ہی اندر ایسی تدبیر و تصرف کرتی ہے کہ خشک زمین پانی وغیرہ کے اجزاء کو اپنے اندر جذب کر کے سرسبز و شاداب ہو جائے۔ اسی طرح وہ اپنی مہربانی، لطیف تدبیر و تربیت، اور کمال خبرداری و آگاہی سے قلوب بنی آدم کو فیوض اسلام کا مینہ برساکر سرسبز و شاداب بنا دے گا۔

۹۸۔ یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزیں جب اسی کی مملوک و مخلوق ہیں اور سب کو اس کی احتیاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں تو ان میں جس طرح چاہے تصرف اور ادل بدل کرے، کوئی مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا۔ البتہ باوجود غنائے تام اور اقتدار کامل کے کرتا وہ ہی ہے جو سراپا حکمت و مصلحت ہو۔ اس کے تمام افعال محمود ہیں اور اس کی ذات تمام خوبیوں اور صفات حمیدہ کی جامع ہے۔

۹۹۔ بحر و بر کی تسخیر: یعنی اس کو تمہاری یا کسی کی کیا پروا تھی۔ محض شفقت و مہربانی دیکھو کہ کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے قابو میں کر دیا۔ پھر اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو اس فضائے ہوائی میں بدون کسی ظاہری کھبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ ورنہ گر کر اور ٹکرا کر تمہاری زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ جب تک اس کا حکم نہ ہو یہ گرات یوں ہی اپنی جگہ قائم رہیں گے مجال نہیں کہ ایک انچ سرک جائیں۔ اِلَّا بِاِذْنِهِ کا استثناء محض اثبات قدرت کی تاکید کے لئے ہے۔ یا شاید قیامت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۔ اسی طرح کفر و جہل سے جو قوم روحانی موت مر چکی تھی، ایمان و معرفت کی روح سے اس کو زندہ کر دے گا۔

۱۰۱۔ انسان ناشکر ہے: یعنی اتنے احسانات و انعامات دیکھ کر بھی اس کا حق نہیں مانتا۔ منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔

۶۷۔ ہر امت کے لئے ہم نے مقرر کر دی ایک راہ بندگی کی کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں بندگی سوچا ہے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف بیشک تو ہے سیدھی راہ پر سو جھ والہ

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَكَ فِي الْأَمْرِ وَاذْعُرْ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ

هُدَىٰ مُسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ اور اگر تجھ سے جھگڑنے لگیں تو تو کہہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو

وَأِنْ جَدَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن جس چیز میں تمہاری راہ جدا جاتا تھی [۱۰۲]

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ

تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں یہ اللہ پر آسان ہے [۱۰۲]

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

۱۰۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور دعوت کا حکم: تمام انبیاء اصول دین میں متفق رہے ہیں۔ البتہ ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بندگی کی صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف مقرر کی ہیں جن کے موافق وہ امتیں خدا کی عبادت بجالاتی رہیں۔ اس امت محمدیہ کے لئے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی لیکن اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا۔ بجز اللہ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی۔ اس لئے توحید وغیرہ کے ان متفق علیہ کاموں میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال زیبا نہیں۔ جب ایسی کھلی ہوئی چیز میں بھی جھگڑتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پروا نہ کریں۔ آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلائے رہئے۔ اور خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ خدائے واحد کے سپرد کیجئے وہ خود ان کی تمام حرکات سے خوب واقف ہے قیامت کے دن ان کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کر دے گا۔ آپ دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر کے ان کی فکر میں زیادہ در دوسری نہ اٹھائیں۔ ایسے ضدی معاندین کا علاج خدا کے پاس ہے (تنبیہ) فَلَا يُنَازِعُنَكَ فِي الْأَمْرِ کا مطلب یہ

بھی ہو سکتا ہے کہ جب ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جداگانہ دستور العمل مقرر کیا ہے۔ پھر اس پیغمبر کی امت کے لئے نئی شریعت آئی تو جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ بعض مفسرین نے مَنَّسک کے معنی ذن و قربانی کے لئے ہیں، مگر اقرب وہ ہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۳۔ اللہ تعالیٰ کا علم محیط: یعنی کچھ ان کے اعمال پر منحصر نہیں، اللہ تعالیٰ کا علم تو زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو محیط ہے اور بعض مصاحح اور حکمتوں کی بنا پر اسی علم کے موافق تمام واقعات "لوح محفوظ" میں اور بنی آدم کے تمام اعمال ان کے اعمال ناموں میں لکھ بھی دئے گئے ہیں اسی کے موافق قیامت کے دن فیصلہ ہو گا۔ اور اتنی بیشمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اسی کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا، ان میں سے کوئی بات اللہ کے ہاں مشکل نہیں۔ جس میں کچھ تکلیف یا دقت اٹھانی پڑے۔

۱۔ اور پوجتے ہیں اللہ کے سوائے اس چیز کو جسکی سند نہیں اتاری اُس نے اور جسکی خبر نہیں اُنکو [۱۰۳] اور بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار [۱۰۵]

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ

مِنْ نُّصَيْرٍ ﴿٤١﴾

۲۔ اور جب سنائے اُنکو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے تو منکروں کے منہ کی بری شکل نزدیک ہوتے ہیں کہ حملہ کر پڑیں اُن پر جو پڑھتے ہیں اُنکے پاس ہماری آیتیں [۱۰۶] تو کہہ میں تمکو بتلاؤں ایک چیز اس سے بدتر وہ آگ ہے اس کا وعدہ کر دیا ہے اللہ نے منکروں کو اور وہ بہت بری ہے پھر جانے کی جگہ [۱۰۷]

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بِيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْبُنْكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا ۖ قُلْ أَفَأَنْبِئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَلِكَُمْ ۖ النَّارُ ۖ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ﴿٤٢﴾

۳۔ اے لوگو ایک مثل کہی ہے سو اس پر کان رکھو [۱۰۸] جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہر گز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے اُن سے مکھی چھڑانہ سکیں وہ اس سے بودا ہے چاہنے والا اور جنکو چاہتا ہے [۱۰۹]

يَأْيِيهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ ۖ فَاسْتَبِعُوا لَهُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَبَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۖ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ

## الْبَطْلُوبُ ﴿۴۳﴾

۷۴۔ اللہ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اُسکی قدر ہے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست [۱۱۰]

## عَنْبِرٌ ﴿۴۳﴾

۱۰۴۔ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید: محض باپ دادوں کی کورانہ تقلید میں ایسا کرتے ہیں، کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہیں رکھتے۔  
۱۰۵۔ سب سے بڑا ظلم اور بے انصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ سو ایسے ظالم اور بے انصاف لوگ خوب یاد رکھیں کہ ان کے شرکاء مصیبت پڑنے پر کچھ کام نہ آئیں گے نہ اور کوئی اس وقت مدد کر سکے گا۔

۱۰۶۔ آیات قرآن پر کفار کا غیظ و غضب: یعنی قرآن کی آیتیں (جو توحید وغیرہ کے صاف بیانات پر مشتمل ہیں) سن کر کفار و مشرکین کے چہرے بگڑ جاتے اور مارے ناخوشی کے تیوریاں بدل جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ شدت غیظ و غضب سے پاگل ہو کر چاہتے ہیں کہ آیات سنانے والوں پر حملہ کر دیں چنانچہ بعض اوقات کر بھی گزرتے ہیں۔

۱۰۷۔ یعنی تمہارے اس غیظ و غضب اور ناگواری سے بڑھ کر جو آیات اللہ کے پڑھے جانے پر پیدا ہوتی ہے، ایک سخت بری ناگواری اور چیز ہے جس پر کسی طرح صبر ہی نہ کر سکو گے۔ وہ دوزخ کی آگ جس کا وعدہ کافروں سے کیا جا چکا ہے۔ دونوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لو کہ کونسا تلخ گھونٹ پینا تم کو نسبتاً آسان ہو گا۔

۱۰۸۔ شرک کی مثال: یہ توحید کے مقابلہ میں شرک کی شاعت و فتح ظاہر کرنے کے لئے مثال بیان فرمائی جسے کان لگا کر سننا اور غور و فکر سے سمجھنا چاہئے۔ تا ایسی رکیک و ذلیل حرکت سے باز رہو۔

۱۰۹۔ شرکاء اور مشرکین کمزور ہیں: یعنی مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے۔ جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کر دیں، یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کوئی چیز لیجائے تو اس سے واپس لے سکیں ان کو "خالق السماوات والارضین" کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود و حاجت روا بنا لیا۔

۱۱۰۔ اللہ قوت والا اور زبردست ہے: سمجھتے تو ایسی گستاخی کیوں کرتے۔ کیا اللہ کی شان رفیع اور قدر و منزلت اتنی ہے کہ ایسی کمزور چیزوں کو اس کا ہمسر بنا دیا جائے؟ (العیاذ باللہ) اس کی قوت و عزت کے سامنے تو بڑے بڑے مقرب فرشتے اور پیغمبر بھی مجبور و بے بس ہیں۔ آگے ان کا ذکر کیا ہے۔

۷۵۔ اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں [۱۱۱] اللہ سنتا دیکھتا ہے [۱۱۲]

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ

إِنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۴۵﴾

۷۶۔ جانتا ہے جو کچھ اُنکے آگے ہے اور جو کچھ اُنکے پیچھے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ

تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۴۶﴾

اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی [۱۱۳]

۷۷۔ اے ایمان والو! کوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلائی کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو [۱۱۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا

رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۱۳﴾

۷۸۔ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہئے اُسکے واسطے محنت [۱۱۵] اس نے تم کو پسند کیا [۱۱۶] اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل [۱۱۷] دین تمہارے باپ ابراہیم کا [۱۱۸] اسی نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس قرآن میں [۱۱۹] تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر [۱۲۰] سو قائم رکھو نماز اور دینے رہو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کو وہ تمہارا مالک ہے سو خوب مالک ہے اور خوب مددگار [۱۲۱]

وَاجْتَبِكُمْ وَ

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ

أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۖ هُوَ سَبَّكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۗ مِنْ

قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ

وَ تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۗ فَأَقِيبُوا

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۖ هُوَ

مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۱۔ فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ کے پیغمبر: یعنی بعض فرشتوں سے پیغامبری کا کام لیتا ہے (مثلاً جبریل) اور بعض انسانوں سے جن کو خدا اس منصب کے لئے منتخب فرمائے گا ظاہر ہے ان کا درجہ تمام خلائق سے اعلیٰ ہونا چاہئے۔

۱۱۲۔ یعنی ان کی تمام باتوں کو اور ان کے ماضی و مستقبل کے تمام احوال کو دیکھتا ہے اس لئے وہ ہی حق رکھتا ہے کہ جس کے احوال و استعداد پر نظر کر کے منصب رسالت پر فائز کرنا چاہے فائز کر دے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (انعام-۱۲۳) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی ساری خلق میں بہتر وہ لوگ ہیں پیغام پہنچانے والے، فرشتوں میں بھی وہ فرشتے اعلیٰ ہیں ان کو (یعنی ان کی ہدایات کو) چھوڑ کر بتوں کو مانتے ہو" کس قدر بے تکی بات ہے۔

۱۱۳۔ یعنی وہ بھی اختیار نہیں رکھتے، اختیار ہر چیز میں اللہ کا ہے (کذا فی الموضح)۔

۱۱۴۔ مومنین کو عبادت کا حکم: شرک کی تفسیح اور مشرکین کی تفسیح کے بعد مومنین کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم اکیلے اپنے رب کی بندگی پر لگے رہو اسی کے آگے جھکو، اسی کے حضور میں پیشانی ٹیکو، اور اسی کے لئے دوسرے بھلائی کے کام کرو۔ تاکہ دنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا ہو۔

۱۱۵۔ مومنین کو مجاہدہ کا حکم: اپنے نفس کو درست رکھنے اور دنیا کو درستی پر لانے کے لئے پوری محنت کرو جو اتنے بڑے اہم مقصد کے شایان شان ہو۔ آخر دنیوی مقاصد میں کامیابی کے لئے کتنی محنتیں اٹھاتے ہو۔ یہ تو دین کا اور آخرت کی دائمی کامیابی کا راستہ ہے جس میں جس قدر محنت برداشت کی جائے انصافاً تھوڑی ہے (تنبیہ) لفظ "مجاہدہ" میں ہر قسم کی زبانی، قلبی، مالی، بدنی کوشش شامل ہے اور "جہاد" کی تمام قسمیں

(جہاد مع النفس، جہاد مع الشیطان، جہاد مع الکفار، جہاد مع البغاة جہاد مع المبتطلین) اسکے نیچے مندرج ہیں۔

۱۱۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت: کہ سب سے اعلیٰ و افضل پیغمبر دیا اور تمام شرائع سے اکمل شریعت عنایت کی، تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے تم کو چھانٹ لیا اور سب امتوں پر فضیلت بخشی۔

۱۱۷۔ دین میں کوئی تنگی نہیں: دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح کی رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم خود اپنے اوپر ایک آسان چیز کو مشکل بنا لو۔

۱۱۸۔ ابراہیمؑ چونکہ حضور ﷺ کے اجداد میں ہیں اس لئے ساری امت کے باپ ہوئے، یا یہ مراد ہو کہ عربوں کے باپ ہیں کیونکہ اولین مخاطب قرآن کے وہ ہی تھے۔

۱۱۹۔ تمہارا دینی نام مسلم ہے: یعنی اللہ نے پہلے کتابوں میں اور اس قرآن میں تمہارا نام مُسْلِم رکھا (جس کے معنی حکم بردار اور وفا شعار کے ہیں) ابراہیمؑ نے پہلے تمہارا یہ نام رکھا تھا جبکہ دعائیں کہاؤں میں دُرِّبْتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (بقرہ-۱۲۸) اور اس قرآن میں شاید ان ہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو۔ بہر حال تمہارا نام "مسلم" ہے گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ تمہارا ہی ٹھہرا ہے سو اس کی لاج رکھنی چاہئے۔

۱۲۰۔ امت محمدیہ کی فضیلت: یعنی پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور امتوں کو سکھاؤ اور رسول تم کو سکھائے اور یہ امت جو سب سے پیچھے آئی یہ ہی غرض ہے کہ تمام امتوں کی غلطیاں درست کرے اور سب کو سیدھی راہ بتائے۔ گویا جو مجد و شرف اس کو ملا ہے اسی وجہ سے ہے کہ یہ دنیا کے لئے معلم اور تبلیغی جہاد کرے۔ (تنبیہ) دوسرے مفسرین نے "شہید" اور "شہداء" کو بمعنی گواہ لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری امتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے گواہ مانگے جائیں گے تو وہ امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے۔ یہ امت گواہی دے گی کہ بیشک پیغمبروں نے دعوت و تبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کر دی تھی۔ جب سوال ہو گا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ جو ابدیں گے کہ ہمارے نبی نے اطلاع کی جس کی صداقت پر خدا کی محفوظ کتاب (قرآن کریم) گواہ ہے۔ گویا یہ فضل و شرف اس لئے دیا گیا کہ تم کو ایک بڑے عظیم الشان مقدمہ میں بطور معزز گواہ کے کھڑا ہونا ہے۔ لیکن تمہاری گواہی کی سماعت اور وقعت بھی تمہارے پیغمبر کے طفیل میں ہے کہ وہ تمہارا تزکیہ کریں گے۔

۱۲۱۔ مسلمانوں کو عبادت اور اتحاد کا حکم: یعنی انعامات الہیہ کی قدر کرو، اپنے نام و لقب اور فضل و شرف کی لاج رکھو، اور سمجھو کہ تم بہت بڑے کام کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ اس لئے اول اپنے کو نمونہ عمل بناؤ۔ نماز، زکوٰۃ (بالفاظ دیگر بدنی و مالی عبادات) میں کوتاہی نہ ہونے پائے، ہر کام میں اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ ذرا بھی قدم جاہد حق سے ادھر ادھر نہ ہو۔ اس کے فضل و رحمت پر اعتماد رکھو تمام کمزور سہارے چھوڑ دو، تنہا اسی کو اپنا مولا اور مالک سمجھو، اس سے اچھا مالک و مددگار اور کون ملے گا؟ رَبِّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّقْبِلِي الصَّلَاةِ وَمُؤْتِي الزَّكَاةِ وَالْمُعْتَصِمِينَ بِكَ وَالْمُسْتَوَكِّلِينَ عَلَيْكَ فَانْتَ مَوْلَانَا وَنَا صِرْنَا فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ أَنْتَ وَنِعْمَ النَّصِيرُ۔

تم سورۃ الحج بفضله ومنه فله الحمد وعلی نبیہ الصلوٰۃ والتسلیم

آیاتها ۱۱۸

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ ۲۳

رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾

۱۔ کام نکال لے گئے ایمان والے

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ ﴿٢﴾

۲۔ جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں [۱]

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾

۳۔ اور جو کلمی بات پر دھیان نہیں کرتے [۲]

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ ﴿٤﴾

۴۔ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں [۳]

وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوٰجِهِمْ حٰفِظُونَ ﴿٥﴾

۵۔ اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں

اِلَّا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

۶۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو  
اُن پر نہیں کچھ الزام

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٦﴾

۷۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اسکے سوا سو وہی ہیں حد سے  
بڑھنے والے [۴]

فَمَنْ اَبْتٰغٰی وَّرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُونَ ﴿٧﴾

۸۔ اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے قرار سے خبردار ہیں [۵]

وَالَّذِينَ هُمْ لِاٰمَنَتِهِمْ وَّعٰهَدِهِمْ رٰعُونَ ﴿٨﴾

۹۔ اور جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں [۶]

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلٰوةِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾

۱۰۔ وہی ہیں میراث لینے والے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُونَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ جو میراث پائیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے [۴] وہ اسی  
میں ہمیشہ رہیں گے

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْغُرٰدِيسَ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُونَ ﴿١١﴾

۱۔ خشوع کی تعریف: "خشوع" کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا چنانچہ ابن عباس نے خَشِعُونَ کی تفسیر



”خائفون ساکنون“ سے کی ہے۔ اور آیت تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ بھی دلالت کرتی ہے کہ ”خشوع“ میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں ”خشوع“ کو وجوہ، البصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ فِي قَلْبِ كَيْفِيَّتِهِ بتلائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضاء بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔ جب نماز میں قلب خاشع و خائف اور ساکن و پست ہو گا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں پھریں گے، ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے۔ پھر خوف و ہیبت اور سکون و خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے۔ مثلاً بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا ادھر ادھر نہ تاننا، کپڑے یاد اڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹکانا اور اسی قسم کے بہت افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔

صحابہ کرام کی نماز: احادیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح و مقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوة کے لئے شرط نہیں۔ ہاں قبول صلوة کے لئے شرط ہے۔ میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہو گا کہ حسن قبول کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ احیاء العلوم اور اس کی شرح میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔ بہر حال انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی ان ہی مومنین کو حاصل ہو گی جو خشوع و خضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان اوصاف سے موصوف ہیں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ لغو باتوں سے اعراض: یعنی فضول و بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں، ان کو وظائف عبودیت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسانیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو      چو بگذشت بر عارف جنگجو  
گرای مدعی دوست بشناختے      بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

۳۔ ادائے زکوٰۃ کا اہتمام: یعنی ان کی عادت ہے کہ ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی دی کبھی نہ دی، غالباً اسی لئے یُؤَدُّونَ الزَّكَاةَ کی جگہ لِلزَّكَاةِ فِعْلُونَ کی ترکیب اختیار فرمائی۔ گویا بتلادیا کہ زکوٰۃ ادا کرنا ان کا مستمر کام ہے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ”دیا کرتے ہیں“ کہہ کر ادھر اشارہ کر دیا۔ بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو ”طہارت“ (پاکیزگی) یا تزکیہ نفس کے معنی میں لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (الاعلیٰ-۱۳) اور قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (اللیل-۹) کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اس کے مفہوم کو عام رکھا جائے جس میں بدن کا، دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہو۔ زکوٰۃ و صدقات بھی ایک قسم کی مالی تطہیر ہے۔ حُذِّمْنَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ-۱۰۳) یہ کہنا کہ آیت کی ہے اور مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی ابن کثیر نے اس کا جواب دیا ہے کہ اصل زکوٰۃ کی مشروعیت مکہ میں ہو چکی تھی، ہاں مقادیر و نصاب وغیرہ کی تشخیص مدینہ پہنچ کر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۴۔ شر مگاہوں کی حفاظت: یعنی اپنی منکوحہ عورت یا باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت اور استمناء بالید وغیرہ سب صورتیں آگئیں۔ بلکہ بعض مفسرین نے حرمت متعہ پر بھی اس سے استدلال کیا ہے۔ و فیہ کلام طویل لایسع المقام۔ راجع روح المعانی تحت ہذہ الآیۃ الکریمہ۔

۵۔ عہد و امانت کے محافظ: یعنی امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بد عہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملہ میں نہ بندوں کے۔

۶۔ نمازوں کی حفاظت: نمازیں اپنے اوقات پر آداب و حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الہی

سے غافل نہیں ہوتے۔ یہاں تک مومنین مفلحین کی چھ صفات و خصال بیان کیں۔ (۱) خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھنا، یعنی بدن اور دل سے اللہ کی طرف جھکنا۔ (۲) باطل لغو اور نکمی باتوں سے علیحدہ رہنا (۳) زکوٰۃ یعنی مالی حقوق ادا کرنا یا اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھنا (۴) شہوات نفسانی کو قابو میں رکھنا (۵) امانت و عہد کی حفاظت کرنا گویا معاملات کو درست رکھنا (۶) اور آخر میں پھر نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا کہ اپنے وقت پر آداب و شروط کی رعایت کے ساتھ ادا ہوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ ہے اور کس قدر مہتمم بالشان چیز ہے کہ اس سے شروع کر کے اسی پر ختم فرمایا۔

۷۔ جنت کے میراث ہونے پر پہلے کسی جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔

۱۲۔ اور ہم نے بنایا آدمی کو چینی ہوئی مٹی سے [۸]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَّةٍ مِّنْ طِينٍ ﴿١٢﴾

۱۳۔ پھر ہم نے رکھا اُسکو پانی کی بوند کر کے ایک جے ہوئے ٹھکانہ میں [۹]

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾

۱۴۔ پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جے ہوئے سے گوشت کی بوٹی پھر بنا لیں اُس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ہڈیوں پر گوشت [۱۰] پھر اٹھا کھڑا کیا اُسکو ایک نئی صورت میں [۱۱] سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے [۱۲]

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكَسَوْنَا الْعِظَمَ لَحْمًا ۖ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۖ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ

أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ پھر تم اسکے بعد مرو گے [۱۳]

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَكَيْتُونَ ﴿١٥﴾

۱۶۔ پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے [۱۴]

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے اوپر سات رستے [۱۵] اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر [۱۶]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۗ وَ مَا كُنَّا

عَنِ الْخَلْقِ غَفِيلِينَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر [۱۷] پھر اُسکو ٹھہرا دیا زمین میں [۱۸] اور ہم اُسکو لیجائیں تو لیجا سکتے ہیں [۱۹]

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي

الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ پھر اگا دیے تمہارے واسطے اُس سے باغ کھجور اور انگور کے تمہارے واسطے ان میں میوے ہیں بہت اور انہی میں سے کھاتے ہو [۲۰]

فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ  
لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اگتا ہے تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے [۲۱]

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ  
بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلَّالِكِينَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور تمہارے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تمکو اُنکے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے اُن میں بہت فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو [۲۲]

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي  
بُطُونِهَا وَلكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ ۖ وَمِنْهَا  
تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور اُن پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو [۲۳]

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

۸۔ مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب: کیونکہ سب کے باپ حضرت آدمؑ منتخب مٹی سے پیدا ہوئے اور ویسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ ہے۔

۹۔ یعنی رحم مادر میں جہاں سے کہیں بل نہ سکے۔

۱۰۔ انسانی تخلیق کے مراحل: "یعنی کچھ حصہ گوشت کا سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر پھر گوشت پوست منڈھ دیا۔ سورہ حج" میں اس کے قریب کیفیت تخلیق انسان کی بیان ہو چکی ہے۔

۱۱۔ یعنی روح حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جس پر آگے چل کر بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کے بہت سے احوال و ادوار گذرتے ہیں۔

۱۲۔ جس نے نہایت خوبصورتی سے تمام اعضاء و قویٰ کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور اس کی ساخت عین حکمت کے موافق نہایت موزوں و متناسب بنائی۔

۱۳۔ وجود انسانی کا بقاء و فنا: یعنی تمہارا وجود ذاتی اور خانہ زاد نہیں، مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے۔ چنانچہ موت آکر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ تم اس وقت اس کے زبردست پنجے سے اپنی ہستی کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً کوئی اور قاہر طاقت تمہارے اوپر ہے جس نے وجود کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے۔

۱۴۔ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہ ہی دوبارہ بنا کر کھڑا کرے گا۔ تا پہلے وجود کی مستور قوتیں اور اعمال کے نتائج اپنی کامل ترین صورتوں میں ظاہر ہو کر ثابت کر دیں کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ کوئی بے کار اور بے نتیجہ ڈھونگ نہیں بنایا گیا تھا۔

۱۵۔ سات راستوں کی تخلیق: ”طرائق“ کے معنی بعض مفسرین و لغویین کے نزدیک طبقات کے ہیں۔ یعنی آسمان کے سات طبقے اور نیچے بنائے فیہذا کما قال کینف خلق اللہ سبع سبلوت طباقاً (نوح۔ ۱۵) اور بعض نے طرائق کو راستوں کے معنی میں لیا ہے یعنی سات آسمان بنائے جو فرشتوں کی گذر گاہیں ہیں۔ بعض معاصر مصنفین نے ”سبع طرائق“ سے سات سیاروں کے مدارات مراد لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۶۔ خلق کی نگرانی: ہر چیز پورے انتظام و احکام اور خبرداری سے بنائی ہے اور اس کی حفاظت و بقاء کے طریقوں سے ہم پورے باخبر ہیں۔ اجرام سماویہ اور مخلوقات سفلیہ میں کوئی چیز نہیں جو ہمارے احاطہ علم و قدرت سے باہر ہو، ورنہ سارا انتظام ہی درہم و برہم ہو جائے یَعْلَمُ مَا يَلِدُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا الْح (حدید۔ ۴۰)

۱۷۔ پانی کے ذخائر: نہ اس قدر زیادہ کہ دنیا بے وقت اور بے موقع تباہ ہو جائے اور نہ اتنا کم کہ ضروریات کو کافی نہ ہو۔

۱۸۔ یعنی بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔

۱۹۔ یعنی نہ اتارنا چاہیں تو نہ اتاریں اور اتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکو، یا خشک کر کے ہو امیں اڑادیں، یا کھار اور کڑوا کر دیں، تو ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

۲۰۔ پھل اور باغات: یعنی ان کی بہار دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور بعض کو بطور تفلہ اور بعض کو بطور غذا استعمال کرتے ہو۔

۲۱۔ زیتون کا فضل و شرف: یعنی زیتون کا درخت جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور بہت ملکوں کے لوگ سالن کی جگہ اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔ کیونکہ اس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے، اسی لئے سورہ ”تین“ میں اس کی قسم کھائی گئی۔ جبل طور کی طرف نسبت کرنا بھی اس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ وہاں اسکی پیداوار زیادہ ہوتی ہوگی۔

۲۲۔ چوپایوں کی تخلیق میں انسان کے فوائد: نباتات کے بعد یہ حیوانات کا ذکر ہوا، یعنی جانوروں کا دودھ ہم اپنی قدرت سے تم کو پلاتے ہیں۔ اور بہت کچھ فائدے تمہارے لئے ان کی ذات میں رکھ دیے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا۔

۲۳۔ یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہو۔ اور بڑے بڑے وزنی سامان ان پر بار کرتے ہو کشتی کی مناسبت سے آگے نوح کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے کشتی بنوائی جو طوفان عظیم کے وقت مومنین کی نجات کا ذریعہ بنی۔ پھر نوح کی مناسبت سے بعض دوسرے انبیاء کے واقعات بھی ذکر فرمادیے۔ شاید یہاں ان قصص کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہو گا کہ جس طرح اوپر کی آیات میں تمہاری جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور تھا اسی طرح خداوند رحمن نے تمہاری روحانی حوائج و ضروریات کا سرانجام کرنے کے لئے ابتدائے دنیا سے وحی و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرمادیا۔ یا یوں کہہ لو کہ اوپر قدرت کے نشانات بیان فرما کر توحید کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس کی تکمیل کے لئے یہاں سے سلسلہ نبوت کا بیان شروع کر دیا۔ جس کے ضمن میں انبیاء اور ان کے تبعین کی خوش انجامی اور مکذبین و معاندین کی بد انجامی بھی ذہن نشین کر دی گئی۔

۲۳۔ اور ہم نے بھیجا نوح کو اُسکی قوم کے پاس تو اُس نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اُسکے سوائے کیا تم ڈرتے نہیں

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا

اللَّهُ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ تب بولے سردار جو کافر تھے اُسکی قوم میں یہ کیا ہے آدمی ہے جیسے تم [۲۳] چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا تو اتار تا فرشتے [۲۵] ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں [۲۶]

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا  
إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۗ  
لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۗ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي  
آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٣﴾

۲۵۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اسکو سودا ہے سوراہ دیکھو اسکی ایک وقت تک [۲۷]

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فْتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ  
حِينٍ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ بولا اے رب تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا [۲۸]

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ پھر ہم نے حکم بھیجا اسکو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور ابلے تور تو تو ڈال لے کشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو اور اپنے گھر کے لوگ [۲۹] مگر جسکی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات [۳۰] اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک اُنکو ڈوبنا ہے [۳۱]

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلَكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ  
وَحِينًا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ ۖ فَاسْلُكْ  
فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ  
سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۗ وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي  
الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھڑایا، ہمکو گنہگار لوگوں سے [۳۲]

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِكِ  
فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ  
الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾

وَقُلْ رَبِّ انزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبْرَكًا وَ أَنْتَ خَيْرُ

۲۹۔ اور کہہ اے رب اتار مجھ کو برکت کا اتارنا اور تو ہے  
بہتر اتارنے والا [۳۳]

الْمُنزِلِينَ ﴿۲۹﴾

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے [۳۴]

۲۴۔ حضرت نوح علیہ السلام پر کفار کے اعتراضات: یعنی اس میں اور تم میں فرق کیا ہے جو یہ رسول بن جائے تم نہ بنو۔

۲۵۔ یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے ورنہ خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہی اس کام کے لئے رہ گیا تھا۔ کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا۔

۲۶۔ یعنی ہم نے ایسی عجیب بات کبھی نہیں سنی کہ ایک ہماری طرح کا معمولی آدمی خدا کا رسول بن جائے اور تمام دیوتاؤں کو ہٹا کر تنہا ایک خدا کی حکومت منوانے لگے۔

۲۷۔ حضرت نوح علیہ السلام پر جنون کا الزام: معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب کا دماغ چل گیا۔ بھلا ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان سے نکالنا جو کوئی شخص باور نہ کر سکے کھلا جنون نہیں تو اور کیا ہو گا۔ بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو، شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آجائے اور جنون کے دورہ سے آفاقہ ہو یا یوں ہی مر مر کر قصہ ختم ہو جائے۔ (العیاذ باللہ)

۲۸۔ حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد: یعنی جب نوح کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو خدا سے فریاد کی کہ اب اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمائے۔ کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ اور وہ لوگ بھی خراب کریں گے۔

۲۹۔ طوفان نوح: یہ قصہ پہلے سورہ "ہود" وغیرہ میں گذر چکا ہے وہاں ان الفاظ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

۳۰۔ یعنی کافروں کو، خواہ تیرے کنبہ کے ہوں سوار مت کر۔

۳۱۔ ظالموں کی سفارش نہ کرو: یعنی حکم قطعی عذاب کا ہو چکا۔ یہ فیصلہ اٹل ہے، ضرور ہو کر رہے گا۔ اب ظالموں میں سے کسی کو بچانے لئے ہم سے سعی سفارش نہ کرنا۔

۳۲۔ یعنی ہم کو ان سے علیحدہ کر کے عذاب سے مامون رکھا۔

۳۳۔ سواری سے اترنے کی دعا: یعنی کشتی میں اچھی آرام کی جگہ دے اور کشتی سے جہاں اتارے جائیں وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اور ہر جگہ تیری رحمت و برکت شامل حال رہے۔

۳۴۔ کہ کون ان نشانوں کو سن کر عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔ کما قال تعالیٰ وَ لَقَدْ تَرَكْنَهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ (قمر-۱۵)

۳۱۔ پھر پیدا کی ہم نے ان سے پیچھے ایک جماعت اور [۳۵]

ثُمَّ انشأنا من بعدهم قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ان میں [۳۶] کہ

بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اُسکے سوائے پھر کیا

تم ڈرتے نہیں

فَارْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ

مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ اور بولے سردار اُسکی قوم کے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا انکو ہم نے دنیا کی زندگی میں [۳۷] اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو [۳۸]

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا  
بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ لَا يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ  
مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بیشک خراب ہوئے [۳۹]

وَلَيْنِ اطَّعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا  
لَخُسِرَاُونَ ﴿٣٤﴾

۳۵۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ اور ہو جاؤ مٹی اور ہڈیاں تو تم کو نکلتا ہے

أَيَعِدْكُمْ أَنْكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا  
أَنْكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے [۴۰]

هِيَ هَاتِ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمکو پھر اٹھنا نہیں [۴۱]

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا  
نَحْنُ بِبَعُوثِينَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ [۴۲] اور اُسکو ہم نہیں ماننے والے

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا  
نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ بولا اے رب میری مدد کر کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا [۴۳]

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونَ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جائیں گے پچھتاتے [۴۴]

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لِيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾

۳۱۔ پھر پکڑا انکو چنگھاڑنے تحقیق [۳۵] پھر کر دیا ہم نے انکو کوڑا [۳۶] سو دور ہو جائیں گنہگار لوگ [۳۷]

فَاخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً

فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۳۱﴾

۳۵۔ یہ ذکر ”عاد“ کا ہے یا ”شمود“ کا۔

۳۶۔ یعنی ہو دیا حضرت صالح علیہا السلام۔

۳۷۔ یعنی اس کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک خدا سے ملنا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

۳۸۔ یعنی بظاہر کوئی بات اس میں تم سے سوا نہیں۔

۳۹۔ یعنی اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم و مطاع ٹھہرا لیا جائے۔

۴۰۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا: یعنی کس قدر بعید از عقل بات کہتا ہے کہ ہڈیوں کے ریزے مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے؟ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔

۴۱۔ کفار کا عقیدہ: یعنی کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہ ہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہ ہی ایک مرنا اور جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہو گیا۔ آگے کچھ نہیں۔

۴۲۔ رسول کے دعوے کی تکذیب: کہ میں اس کا پیغمبر ہوں اور وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب و ثواب دے گا۔ یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے اور دوسری کرنے سے کیا فائدہ۔

۴۳۔ یعنی آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے ناامید ہو کر دعا کی۔

۴۴۔ یعنی عذاب آیا چاہتا ہے جس کے بعد بچتائیں گے، اور وہ بچتانا نفع نہ دے گا۔

۴۵۔ اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ یہ قصہ ”شمود“ کا ہے کہ وہ چنگھاڑ سے مرے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۴۶۔ جیسے سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے، اس طرح عذاب الہی کے سیل میں بے چلے چلے گئے۔

۴۷۔ یعنی خدا کی رحمت سے۔

۴۲۔ پھر پیدا کیں ہم نے ان سے پیچھے جماعتیں اور

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿۳۲﴾

۴۳۔ نہ آگے جائے کوئی قوم اپنے وعدہ سے اور نہ پیچھے رہے [۳۸]

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۳۳﴾

۴۴۔ پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگا تار جہاں پہنچا کسی امت کے پاس ان کا رسول اُسکو جھٹلایا پھر چلاتے گئے

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَسُولُهَا

ہیں ہم ایک کے پیچھے دوسرے اور کر ڈالا انکو کہانیاں [۳۹] سو دو ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے [۵۰]

كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ

أَحَادِيثَ ۖ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۴﴾



۴۵۔ پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اُسکے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں دیکر اور کھلی سند

ثُمَّ ارْسَلْنَا مُوسَىٰ وَ أَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَ

سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۵﴾

۴۶۔ فرعون اور اُسکے سرداروں کے پاس پھر لگے بڑائی کرنے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے [۵۱]

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلٰٓئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا

عٰیِبِيْنَ ﴿۳۶﴾

۴۷۔ سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو آدمیوں کو اور انکی قوم ہمارے تابع رہیں [۵۲]

فَقَالُوْۤا اَنْتُمْ مِّنْ لِّبَشٰرِيْنَ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهٗمَا لَنَا

عِبٰدُوْنَ ﴿۳۷﴾

۴۸۔ پھر جھٹلایا اُن دونوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْۤا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۳۸﴾

۴۹۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ راہ پائیں [۵۳]

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اُسکی ماں کو ایک نشانی [۵۴] اور اُنکو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نھرا [۵۵]

وَ جَعَلْنَا اِبْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗآ اٰیَةً وَ اَوَيْنَهُمَا اِلٰى

رَبْوَةٍ ذٰتِ قَرَارٍ وَ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

۴۸۔ یعنی ہر ایک قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی، جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔

۴۹۔ رسولوں کی آمد کا پیغمبر سلسلہ: یعنی رسولوں کا تانتا باندھ دیا کیے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور مکذبین میں بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا اور ادھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کر دی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔ آج ان کی داستاںیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔

۵۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔

۵۱۔ اس لئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے۔ کبر و غرور کے نشہ نے ان کے دماغوں کو بالکل مختل کر رکھا تھا۔

۵۲۔ فرعون کا کبر و غرور: یعنی موسیٰ و ہارون کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری غلامی کر رہی ہے ان میں کے دو آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔

۵۳۔ یعنی فرعون کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات شریف مرحمت کی تا لوگ اس پر چل کر جنت اور رضائے الہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔

۵۴۔ یعنی قدرت الہیہ کی نشانی ہے کہ تمہاں سے بدون باپ کے حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا، جیسا کہ ”آل عمران“ اور سورہ ”مریم“ میں اس کی تقریر کی جا چکی۔

۵۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش: شاید یہ وہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ چنانچہ سورہ مریم کی آیات فَنَادَاهُمَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْبَرْنَ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۔ وَهَذِي إِلَيْكَ بِجِدْعِ النَّخْلَةِ تَسْقُطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا (مریم۔ ۲۵، ۲۴) دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہ رہی تھی۔ اور کھجور کا درخت نزدیک تھا (کذا فرسہ ابن کثیر) لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیر دوس نامی نجومیوں سے سن کر کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو لے کر مصر چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ ”انجیل متی“ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ”ماء معین“ رود نیل ہے۔ بعض نے ”رَبْوَة“ (اونچی جگہ سے مرداشام یا فلسطین لیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

رَبْوَة سے مراد کشمیر نہیں: بہر حال اہل اسلام میں کسی نے ”رَبْوَة“ سے مراد کشمیر نہیں لیا۔ نہ حضرت مسیح کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض زانغین نے ”رَبْوَة“ سے مراد کشمیر لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰ کی قبر بتلائی جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں۔ محض کذب و دروغبانی ہے۔ محلہ ”خان یار“ شہر سری نگر میں جو قبر ”یوز آسف“ کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت ”تاریخ اعظمی“ کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ ”لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا“ اس کو حضرت عیسیٰ کی قبر بتانا پرلے درجہ کی بے حیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی انکل پچو قیاس آرائیوں سے حضرت مسیح کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خطا اور جنون کے کچھ نہیں۔ اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ ”یوز آسف“ کون تھا جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اسی موضوع پر نہایت تحقیق اور تدقیق سے لکھا گیا ہے اور جس میں اس مہمل خیال کی دجھیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔

۵۱۔ اے رسولو کھاؤ سٹھری چیزیں اور کام کرو بھلا [۵۶] جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں [۵۷]

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا

صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥٦﴾

۵۲۔ اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب سو مجھ سے ڈرتے رہو

وَ إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ

فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ پھر پھوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے [۵۸] ہر فرقہ جو انکے پاس ہے اُس پر سمجھ رہے ہیں [۵۹]

فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا

لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾

فَذَرَهُمْ فِي غُيُوبِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ سو چھوڑ دے تو انکو انکی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت  
یہیں [۵۳]

أَيَحْسَبُونَ أَنَّنَا نُنزِّلُهُم بِهٖ مِنْ مَّآلٍ وَبَنِينَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم انکو دیے جاتے  
ہیں مال اور اولاد

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۗ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم انکو بھلائیوں [۵۶] یہ  
بات نہیں وہ سمجھتے نہیں [۵۶]

۵۶۔ انبیاء کو اکل حلال اور عمل صالح کا حکم: یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی امتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامہ مؤمنین کو دیا گیا ہے۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰؑ کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے جس کا کھانا، پینا، پہننا حرام کا ہو، اسے اپنی دعا کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے آگاہ ہو، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ العیاذ باللہ۔

۵۷۔ یعنی حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام کھلے چھپے احوال و افعال سے باخبر ہے اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ یہ رسولوں کو خطاب کر کے امتوں کو سنایا۔

۵۸۔ تمام انبیاء کا دین و ملت ایک ہے: یعنی اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین و ملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے۔ جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ اس طرح آراء و اہواء کا اتباع کر کے سینکڑوں فرقے اور مذہب بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھائی۔ ان کے ہاں ازمنہ و امکانہ وغیرہ کے اختلاف سے صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصول دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”ہر پیغمبر کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے جو اس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اس کا سنوار فرمایا۔ پیچھے لوگوں نے جانان کا حکم جدا جدا ہے۔ آخر ہمارے پیغمبر کی معرفت سب بگاڑ کا سنوار (اور سب خرابیوں کا علاج) اکٹھا بنا دیا اب سب دین مل کر ایک دین ہو گیا۔“ اور سب تو میں ایک جھنڈے تلے جمع کر دی گئیں۔

۵۹۔ فرقوں کی غلط فہمی: یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔

۶۰۔ کفار کو ڈھیل دی گئی: یعنی جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنہ ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد و خیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے۔ کسی طرح اس سے ہٹنا نہیں چاہتا خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں، تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیے۔ بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ یہ اپنی غفلت و جہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آپنچے جب ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ یعنی موت یا عذاب الہی ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔

۶۱۔ کفار کے مال و اولاد کی حقیقت: یہ ہی خیال ان کا تھا۔ چنانچہ کہتے تھے نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ (سب ۳۵) یعنی ہم اگر خدا کے ہاں مردود و مبغوض ہوتے تو یہ مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی بہتات کیوں ہوتی۔

۶۲۔ یعنی سمجھتے ہی نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط ان کی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں امہال و استدراج کی بناء پر ہے۔ جتنی ڈھیل دی جا رہی

ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ - وَ أُمَلِّقْ لَهُمْ ۖ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (اعراف-۱۸۳، ۱۸۴)

۵۷۔ البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں [۶۳]

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشِيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾

۵۸۔ اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے ہیں [۶۴]

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾

۵۹۔ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے [۶۵]

وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ اور جو لوگ کہہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں وہ اور اُنکے دل ڈر رہے ہیں اس لئے کہ انکو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جاننا ہے [۶۶]

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾

۶۱۔ وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچنے سب سے آگے [۶۷]

أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۶۱﴾

۶۲۔ اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اسکی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھا ہوا ہے جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہوگا [۶۸]

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَّنطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۲﴾

۶۳۔ مومنین کی خشیت: یعنی باوجود ایمان و احسان کے کفار و مغرورین کی طرح "مکر اللہ" سے مامون نہیں۔ ہمہ وقت خوف خدا سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں استدراج تو نہیں۔ حسن بصریؒ کا مقولہ ہے إِنَّ الْمُؤْمِنَ جَبَمٌ أَحْسَنًا وَ شَفِيقَةٌ وَإِنَّ الْكُفَّارَ جَبَمٌ أَسَافٌ وَأَمَنَّا (مومن نیکی کرتا اور ڈر تارہتا ہے اور منافق بدی کر کے بے فکر ہوتا ہے۔)

۶۴۔ یعنی آیات کو نبیہ و شرعیہ دونوں پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ ادھر سے پیش آئے عین حکمت اور جو خبر دی جائے بالکل حق اور جو حکم ملے وہ بہمہ وجوہ صواب و معقول ہے۔

۶۵۔ یعنی خالص ایمان و توحید پر قائم ہیں۔ ہر ایک عمل صدق و اخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ شرک جلی یا خفی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔

۶۶۔ یعنی کیا جانے وہاں قبول ہوا یا نہ ہوا، آگے کام آئے یا نہ آئے، اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یہ کھکا لگا رہتا ہے، اپنے پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔

۶۷۔ خیرات کا اصل مفہوم: دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کما قال تعالیٰ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ﴿۶۷﴾۔ (آل

عمران-۱۳۸) تودر حقیقت اصلی بھلائی اعمال صالحہ، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ میں ہوئی نہ کہ اموال و اولاد میں جیسے کفار کا گمان تھا۔

۶۸۔ شریعت کا کوئی حکم انسانی طاقت سے باہر نہیں: یعنی اوپر جو اعمال و خصال بیان کئے گئے کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تکلیف مالا یطاق دی جائے یہ سب باتیں وہ ہیں جن کو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔ اور جو

لوگ سابقین کا ملین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے انہیں بھی اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اسی کے مکلف ہیں۔ ہمارے یہاں صحائف اعمال میں درجہ بدرجہ ہر ایک کے اعمال لکھے ہوئے موجود ہیں جو قیامت کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیے جائیں گے اور ان ہی کے موافق جزا دی جائے گی۔ جس میں رتی برابر ظلم نہ ہو گا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی۔ نہ اجر کم کیا جائے گا، نہ بے وجہ بے قصور دوسرے کا بوجھ اس پر ڈالا جائے گا۔

۶۳۔ کوئی نہیں انکے دل بیہوش ہیں اس طرف اور انکو اور کام لگ رہے ہیں اسکے سوائے کہ وہ انکو کر رہے ہیں [۶۹]

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ

دُونَ ذَلِكَ هُمْ لَهَا عَابِدُونَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم انکے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے چلانے

حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ

يَجْرُونَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکو گے [۷۰]

لَا تَجْعَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تَنْصَرُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ تم کو سنائی جاتی تھیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر اٹکے بھاگتے تھے۔

قَدْ كَانَتْ آيَتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ

أَعْقَابِكُمْ تَنْكُصُونَ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ اس سے تکبر کر کے [۷۱] ایک قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے [۷۲]

مُسْتَكْبِرِينَ ۖ بِهِ سِيرَاتُهُمْ جُرُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ سو کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں [۷۳] یا آئی ہے ان کے پاس ایسی چیز جو نہ تھی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس [۷۴]

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ

أَبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے پیغام لانے والوں کو سو وہ اس کو اوپر سمجھتے ہیں [۷۵]

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ یا کہتے ہیں ان کو سوا ہے کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس سچی باتے اور ان بہتوں کو سچی بات بری لگتی ہے [۷۶]

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلْ جَاءَهُمُ بِالْحَقِّ وَ

أَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ اور اگر سچا رہ چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے [۷۱] کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو ان کی نصیحت [۷۲] سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے [۷۳]

وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۗ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ محصول سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا [۸۰]

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ اور تو بلا تا ہے ان کو سیدھی راہ پر

وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾

۷۴۔ اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں [۸۱]

وَأِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَ ﴿٧٤﴾

۷۵۔ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی ان کو تو بھی برابر لگے رہیں گے اپنی شرارت میں بہکے ہوئے [۸۲]

وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلْجُوفِ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾

۷۶۔ اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ عاجزی کی اپنے رب کے آگے اور نہ گڑگڑائے [۸۳]

وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَمَّرُونَ ﴿٧٦﴾

۷۷۔ یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی [۸۴]

حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٧﴾

۶۹۔ آخرت سے غفلت: یعنی آخرت کے حساب و کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں۔ جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دل شک و تردد اور غفلت و جہالت کی تاریک موجوں میں

غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا، باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ سمیٹ رہے ہیں۔ ایک دم کو ان سے جدا نہیں ہوتے، اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام ان کی سوء استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لامحالہ ان کا تمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔

۷۰۔ اللہ کی پکڑ کے وقت کفار کی چیخ و پکار: یعنی جب دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہو گا کہ چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ و پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو بدر میں دکھلایا گیا، جہاں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہو گئے۔ عورتیں ہسنیوں تک انکا نوحہ کرتی رہیں، سر کے بال کٹوا کر ماتم کئے گئے۔ روئے پیٹے، چھینے چلائے کچھ بن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ جب حضور ﷺ نے مظالم سے تنگ آ کر بد دعا فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا۔ مردار کی ہڈیاں اور چڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آگئی آخر رحمۃ اللعالمین سے رحم کا واسطہ دے کر دعا کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اٹھایا۔ اس وقت نہ ”لات و منات“ کام آئے نہ ہبل و نائل۔

۷۱۔ کفار کو تنبیہ: یعنی اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب خدا کے پیغمبر آیات پڑھ کر سنا تے تھے تو تم اٹھ پھاڑتے تھے سنا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔

۷۲۔ یعنی پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے یا سبیراً تَهَجُّرُونَ کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کریم کی نسبت باتیں بناتے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری، کوئی کہانت، کوئی کچھ اور۔ اسی طرح کی بکواس اور بیہودہ ہذیان کیا کرتے تھے۔ آج اس کا مزہ چکھو۔ چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔

۷۳۔ قرآن میں غور و فکر کی اہمیت: یعنی قرآن کی خوبیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ورنہ حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہ کا ہے جس میں ان کی بیماریوں کا صحیح علاج بتلایا گیا ہے۔

۷۴۔ قرآن کا نزول کوئی نیا واقعہ نہیں ہے: یعنی نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں، پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے آسمانی کتابیں بھی بار بار اترتی رہی ہیں۔ کبھی کہیں کبھی کہیں۔ سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس کا نمونہ پیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین و اشرف ترین کتاب اب آئی اس شان و مرتبہ کی پہلے نہ آئی تھی۔ تو اس کا مقتضی یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس کی آواز پر لبیک کہتے۔ جیسا کہ صحابہ نے کہی۔ (تنبیہ) شاید یہاں آباء اولین سے آباء البعدين مراد ہوں۔ اور سورہ ”یس“ میں جو آیا ہے لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ (یس۔۶) وہاں آباء اقرین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۷۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کا اعراض انکی ضد کی وجہ سے ہے: یعنی کیا اس لئے اعراض و تکذیب پر تلے ہوئے ہیں کہ ان کو پیغمبر کے احوال سے آگاہی نہیں، حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور عقیف و پاکباز تھے۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے بادشاہ حبشہ کے سامنے، حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے نائب کسریٰ کے آگے اور ابوسفیان نے بحالت کفر قیصر روم کے دربار میں اسی چیز کا اظہار کیا۔ پھر ایسے مشہور و معروف راستباز بندہ کی نسبت کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔

۷۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق کے مبلغ ہیں: یعنی سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بھی محض زبان سے کہتے تھے، دل ان کا جانتا تھا کہ بیشک جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے، پر حق بات چونکہ ان کی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی۔ اس لئے بری لگتی تھی اور قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔

۷۷۔ یعنی سچی بات بری لگتی ہے تو لگنے دو۔ سچائی ان کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی اگر سچا خدا ان کی خوشی اور خواہش ہی پر چلا کرے تو وہ خدا ہی کہاں رہے۔ معاذ اللہ بندوں کے ہاتھ میں ایک کٹ پتی بن جائے۔ ایسی صورت میں زمین و آسمان کے یہ محکم انتظامات

کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے، وہ بھی چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت۔ کیونکہ عام خواہشات نظام عقلی کے مزاحم اور باہم دیگر بھی متناقض واقع ہوئی ہیں۔ عقل و ہوا کی کشمکش اور ہوائے مختلفہ کی لڑائی میں سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔

۷۸۔ جس کی و تمنا کیا کرتے تھے لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ - لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ (صافات- ۱۶۹، ۱۷۸)

۷۹۔ جب آگئی اور ایسی آئی جس سے اُن کو قومی حیثیت سے عظیم الشان فخر و شرف حاصل ہوا، تو اب منہ پھیرتے اور ایسے اعلیٰ فضل و شرف کو ہاتھ سے گنوارہے ہیں۔

۸۰۔ نبی کی دعوت بے لوث ہے: یعنی آپ دعوت و تبلیغ اور نصیحت و خیر خواہی کر کے ان سے کسی معاوضہ کے طلب گار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو مرحمت فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔

۸۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت صراطِ مستقیم کی طرف ہے: یعنی آپ کے صدق و امانت کا حال سب کو معلوم ہے۔ جو کلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ معاذ اللہ آپ کو خلل دماغ نہیں، ان سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، جس راستہ کی طرف آپ بلا تے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے۔ کوئی ایچ پیچ نہیں۔ ٹیڑھا تر چھان نہیں۔ ہاں اس پر چلنا ان ہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بد انجامی سے ڈرتے ہوں، جسے انجام کا ڈر اور عاقبت کی فکر ہی نہیں وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا، یقیناً ٹیڑھا رہے گا۔ اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کج روی سے کج بنا لے گا۔

۸۲۔ یعنی تکلیف سے نکال کر آرام دیں تب بھی احسان نہ مانیں اور شرارت و سرکشی سے باز نہ آئیں۔ حضرت کی دعا سے ایک مرتبہ مکہ والوں پر قحط پڑا تھا، پھر حضرت ہی کی دعا سے کھلا۔ شاید یہ اسی کو فرمایا یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم اپنی رحمت سے ان کے نقصان دور کر دیں یعنی قرآن کی سمجھ دیدیں تب بھی یہ لوگ اپنے ازلی خسران اور سوء استعداد کی وجہ سے اطاعت و انقیاد اختیار کرنے والے نہیں کما قال تعالیٰ وَكَوْعَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّآسَعَهُمْ وَكَوْأَسَعَهُمْ لَتَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ (انفال- ۲۳)

۸۳۔ مثلاً قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی۔

۸۴۔ کفار پر آفت: اس سے یا تو آخرت کا عذاب مراد ہے یا شاید وہ دروازہ لڑائیوں کا کھلا جس میں تھک کر عاجز ہوئے۔

۷۸۔ اور اسی نے بنا دئے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو [۸۵]

وَ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ

الْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾

۷۹۔ اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے [۸۶]

وَ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾

۸۰۔ اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنارت اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں [۸۷]

وَ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَ

النَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾



۸۱۔ کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾

۸۲۔ کہتے ہیں کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے

قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا

لَبْعُوثُونَ ﴿۸۲﴾

۸۳۔ وعدہ دیا جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے اور کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی [۸۸]

لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا

إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾

۸۴۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو

قُلْ لَيْسَ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ

تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾

۸۵۔ اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں [۸۹]

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾

۸۶۔ تو کہہ کون ہے مالک ساتوں آسمان کا اور مالک اس بڑے تخت کا

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ

الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾

۸۷۔ اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں [۹۰]

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾

۸۸۔ تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو

قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا

يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾

۸۹۔ اب بتائیں گے اللہ کو [۹۱] تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے [۹۲]

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ﴿۸۹﴾

۹۰۔ کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچایا سچ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں [۹۳]

بَلْ آتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۹۰﴾

۹۱۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے یوں ہوتا تو یجاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک [۹۴] اللہ نرالا (پاک) ہے ان کی بتلائی باتوں سے [۹۵]

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ  
إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى  
بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۹۱﴾

۹۲۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جسکو یہ شریک بتلاتے ہیں [۹۶]

عَلِيمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۹۲﴾

۸۵۔ انسانوں کی ناشکری: کانوں سے اس کی آیات تزیلیہ کو سنو اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ کو دیکھو اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو ان کے کام میں لاتے لیکن ایسا نہ ہوا۔ اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بیجا خرچ کیا۔

۸۶۔ وہاں ہر ایک کو شکرگذاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ جس نے پھیلا یا اس کو سمیٹا کیا مشکل ہے۔

۸۷۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ: زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ، یا اندھیرے سے اجالا اور اجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے اور آنکھوں کے آگے سے ظلمتِ جہل کے پردے اٹھا دے۔ جس کے بعد حقائق اشیاء ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائیں، جیسا کہ قیامت میں ہو گا۔ فَبَصَّرَكُمُ الْيَوْمَ حَدِيدًا (ق-۲۲)۔

۸۸۔ مرد کو دوبارہ زندہ ہونے پر کفار کے احمقانہ شکوک: یعنی عقل و فہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے چلے جا رہے ہیں، وہ ہی دقینوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیشرو کیا کرتے تھے، یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ ایسی دور از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جا رہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کہی گئی تھیں۔ لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بننے نہ دیکھا۔ ہونہ ہو یہ سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے۔ اور اب ان ہی کی نقل کی جا رہی ہے۔

۸۹۔ اللہ کی حاکمیت کا بیان: کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے، کیا تمہاری مشیت خاک اس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟  
۹۰۔ کہ اتنا بڑا شہنشاہ تمہاری ان گستاخیوں اور نافرمانیوں پر تم کو دھر گھسیٹے۔ کیا یہ انتہائی گستاخی نہیں کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ بے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔

۹۱۔ یعنی ہر چیز پر اسی کا اختیار چلتا ہے جس کو چاہے وہ پناہ دے سکتا ہے۔ لیکن کوئی دوسرا اس کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتا۔  
۹۲۔ جس سے مسحور ہو کر تم ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہو کہ ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے۔ جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہ ہی ہو اور ہر چیز اسی کے زیر تصرف و اقتدار ہوئی، تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اس کے قبضہ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ ان پر وہ قادر مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا۔

۹۳۔ یعنی دلائل و شواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جا رہا ہے موبو صحیح اور حق ہے اور وہ لوگ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔

۹۴۔ توحید کے مشاہداتی دلائل: یعنی زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تمہارا مالک و مختار وہ ہی ہے، نہ اسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی، نہ اس کی

حکومت و فرمانروائی میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ ایسا ہوتا تو ہر ایک باختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کر کے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اور عالم کا یہ مضبوط و محکم نظام چند روز بھی قائم نہ رہ سکتا۔ سورہ حج کی آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (الحج۔ ۲۳) کے فوائد میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے۔ ملاحظہ کر لی جائے۔

۹۵۔ توحید کے مشاہداتی دلائل: کیا خدا کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے آگے کوئی دم مار سکے یا ایک ذرہ اس کے حکم سے باہر ہو سکے۔

۹۶۔ یعنی جس کی قدرت عامہ و تامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا، اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر و باطن اور غیب و شہادت اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہو گئی جن کی قدرت اور علم وغیرہ سب صفات محدود و مستعار ہیں؟ استغفر اللہ۔

۹۳۔ تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو ان سے وعدہ ہوا ہے

قُلْ رَبِّ إِمَّا تُرِيدُنِي مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾

۹۴۔ تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں [۹۴]

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٩٤﴾

۹۵۔ اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو ان سے وعدہ کر دیا ہے

وَأِنَّا عَلَىٰ أَنْ نُزِيرَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدِيرُونَ ﴿٩٥﴾

۹۶۔ بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں [۹۶]

إِذْفَعُ بِآيَاتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ ۗ نَحْنُ أَعْلَمُ

بِمَا يَصِفُونَ ﴿٩٦﴾

۹۷۔ اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے [۹۷]

وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ﴿٩٧﴾

۹۸۔ اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں [۹۸]

وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾

۹۹۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو موت کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیج دو

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿٩٩﴾

﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ شاید کچھ میں بھلا کام کر لوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا [۱۰۰] ہر گز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا

لَعَلِّيَ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا

ہے [۱۰۲] اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں [۱۰۳]

كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ

يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾

۹۷۔ مومنین کو ایک دعا کی ہدایت: یعنی حق تعالیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی کی جاتی ہے تو یقیناً کوئی سخت آفت آکر رہے گی۔ اس لئے ہر مومن کو ہدایت ہوئی کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر یہ دعائیں مانگے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الہی مجھ کو اس کے ذیل میں شامل نہ کرنا جیسا کہ حدیث میں آیا وَإِذَا أَرَدَتْ بِغَوْمٍ فِتْنَةً فَتَنَوْنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ۔ مطلب یہ ہے کہ خداوند اہم کو ایمان و احسان کی راہ پر مستقیم رکھ۔ کوئی ایسی تفسیر نہ ہو کہ العیاذ باللہ تیرے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً (انفال۔ ۲۵) یہاں حضور ﷺ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا ہے اور یہ قرآن کریم کی عام عادت ہے۔

۹۸۔ برائی کا جواب بھلائی سے: یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دیدیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو۔ اور ان کی بیہودہ کو اس سے مشتعل نہ ہوں اس کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی۔ آپ کے اغماض اور نرم برتاؤ کا اثر یہ ہو گا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف جھکیں گے اور دعوت و اصلاح کا مقصود حاصل ہو گا۔

۹۹۔ شیطان سے استعاذہ: پہلے شیاطین الانس کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ لیکن شیاطین الجن اس طریقہ سے متاثر نہیں ہو سکتے کوئی تدبیر یا نرمی ان کو رام نہیں کر سکتی۔ اس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجانا، تا وہ قادر مطلق ان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہی ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے۔ اسی پر فرمایا کہ برے کا جواب دے اس سے بہتر۔

۱۰۰۔ یعنی کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔

۱۰۱۔ نزع کے وقت کفار کا پچھتاوا۔ یعنی آپ ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقہ سے دفع کرتے رہئے۔ اور جو باتیں یہ بناتے ہیں ان کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آچنپے اور نزع کی حالت میں مبادی عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو اس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار! قبر کی طرف لیجانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو۔ تا گزشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کر سکیں۔ آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ کما قال تعالیٰ وَ اتَّقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولُ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْتُ وَأَكُنُّ مِنَ الصَّالِحِينَ (منافقون۔ ۱۰)

۱۰۲۔ نزع کے وقت کفار کا پچھتاوا: یعنی اجل آجانے کے بعد اس کام کے لئے ہرگز واپس نہیں کیا جاسکتا۔ اور بالفرض واپس کر دیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا، وہ ہی شرارتیں پھر سوچیں گی وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا اِلَيْنَا لِهٰٓؤُلَاٰئِهِمْ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام۔ ۲۸) یہ محض اُس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے اور غلبہ حسرت و ندامت کی وجہ سے خاموش نہیں رہ سکتا۔ وہ ہی اپنی طرف سے یہ بات کہتا ہے، کہتا ہے، ہمارے یہاں شنوائی نہیں ہو گی۔

۱۰۳۔ عالم برزخ: یعنی ابھی کیا دیکھا ہے، موت ہی سے اس قدر گھبر آ گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔

۱۰۱۔ پھر جب پھونک ماریں صورتوں میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے [۱۰۳]

فَاِذَا نَفَخَ فِي الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ

وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۲۔ سو جسکی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے

۱۰۳۔ اور جس کی ہلکی نکلی تول سو وہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے  
اپنی جان دوزخ ہی میں رہا کریں گے

۱۰۴۔ مجلس دے گی انکے منہ کو آگ اور وہ اس میں بد  
شکل ہو رہے ہوں گے [۱۰۵]

۱۰۵۔ کیا تم کو سنائی نہ تھیں ہماری آیتیں پھر تم ان کو  
جھٹلاتے تھے [۱۰۶]

۱۰۶۔ بولے اے رب زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور  
رہے ہم لوگ بیکے ہوئے

۱۰۷۔ اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر  
ہم پھر کریں تو ہم گنہگار [۱۰۷]

۱۰۸۔ فرمایا پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ  
سے نہ بولو

۱۰۹۔ ایک فرقہ تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے  
رب ہمارے ہم یقین لائے سو معاف کر ہم کو اور رحم کر  
ہم پر اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے [۱۰۸]

۱۱۰۔ پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھول  
گئے انکے پیچھے میری یاد اور تم ان سے ہنتے رہے [۱۰۹]

۱۱۱۔ میں نے آج دیا ان کو بدلہ انکے صبر کرنے کا کہ وہی  
ہیں مراد کو پہنچنے والے [۱۱۰]

فَبِمَنْ ثَقَلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا  
أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿١٠٣﴾

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿١٠٤﴾

أَلَمْ تَكُنْ أُمَّتِي تَتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا  
تُكذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا  
ضَالِّينَ ﴿١٠٦﴾

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾

قَالَ احْسَبُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا  
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿١٠٩﴾

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوَكُم ذِكْرِي وَ  
كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾

إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا إِنَّهُمْ هُمُ  
الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾

۱۱۲۔ فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی گنتی سے

قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾

۱۱۳۔ بولے ہم رہے ایک یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے گنتی والوں سے [۱۱۱]

قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِّ

الْعَادِينَ ﴿١١٣﴾

۱۱۴۔ فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے [۱۱۲]

قُلْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْتُمْ كُنْتُمْ

تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾

۱۱۵۔ سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے [۱۱۳]

أَفَحَسِبْتُمْ أَنبَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنْتُمْ إِيْنَا لَا

تَرْجِعُونَ ﴿١١٥﴾

۱۰۴۔ قیامت میں ایک دوسرے سے بیزاری: یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہو گا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا۔ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے، کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا یَوْمَ يَفْرُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ - وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ - وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ - لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (عس۔ ۳۳ تا ۳۷) اس کے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قرابتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَا أَلْتَنَّهُمْ مِنْ شَيْءٍ (طور۔ ۲۱) (تنبیہ)

قیامت میں حضور ﷺ کے نسبی اور صہری تعلق کا فائدہ: بعض احادیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے) "إِلَّا نَسَبِي وَ صَهْرِي" (جز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں، ہر ایک سے اس کے عمل کا حساب ہے۔"

۱۰۵۔ دوزخ کی ہولناک سزا: جلتے جلتے بدن سو ج جائے گا، نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا اور زبان باہر نکل کر زمین میں لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے۔ (اللهم احفظنا منہ ومن سائر انواع العذاب)

۱۰۶۔ کفار کو انکی تکذیب پر تنبیہ: یعنی اس وقت ان سے یوں کہیں گے۔ گویا جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟

۱۰۷۔ کفار کا اعتراف گناہ اور پچھتاوا: یعنی اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بد بختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستہ سے بہک کر اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ ازراہ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے۔ پھر کبھی ایسا کریں تو گنہگار، جو سزا چاہے دیجئے گا۔

۱۰۸۔ کفار کو حق تعالیٰ کا جواب: یعنی بک بک مت کرو، جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد پھر فریاد منقطع ہو جائے گی۔ بجز فیرو شہیق کے کچھ کلام نہ کر سکیں گے۔ العیاذ باللہ۔

۱۰۹۔ یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تو تم کو ہنسی سو جھتی تھی۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور ان کی نیک خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت ان حرکتوں پر نوٹس لے اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔

۱۱۰۔ صبر کرنے والوں کا اجر: بیچارے مسلمانوں نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا، آج دیکھتے ہو تمہارے بالمقابل ان کو کیا پھل ملا، ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں۔

۱۱۱۔ دنیا کی زندگی کی حقیقت: یعنی فرشتوں سے جنہوں نے ہر نیکی بدی گن رکھی ہے یہ بھی گنا ہو گا۔ ”زمین میں رہنا“ یعنی قبر میں رہنا دنیا کی عمر یہ بھی وہاں تھوڑی نظر آئے گی۔ یہ پوچھنا اس واسطے کہ دنیا میں عذاب کی تشابہ کیا کرتے تھے، اب جانا کہ شابہ ہی آیا۔ کذافی موضح القرآن۔  
۱۱۲۔ یعنی واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہی تھی۔ لیکن اگر اس بات کو پیغمبروں کے کہنے سے دنیا میں سمجھ لیتے تو کبھی اس متاع فانی پر مغرور ہو کر انجام سے غافل نہ ہوتے اور وہ گستاخیاں اور شرارتیں نہ کرتے جن کا دنیا کی زائل و فانی لذتوں میں پڑ کر ارٹکاب کیا۔

۱۱۳۔ دوسری زندگی کے بغیر حیات دنیا بے مقصد ہے: یعنی دنیا میں تو نیکی بدی کا پورا نتیجہ نہیں ملتا۔ اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشہ اور بے نتیجہ تھا۔ سو حق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ اسکی نسبت ایسا رکیک خیال کیا جائے۔

۱۱۶۔ سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے مالک اس عزت کے تخت کا [۱۱۶]

فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ

الْعَرْشِ الْكَبِيرِ ﴿١١٦﴾

۱۱۷۔ اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اس کے پاس سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک [۱۱۷] بیشک بھلا نہ ہو گا منکروں کا

بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْدِحُ

الْكُفْرُونَ ﴿١١٧﴾

۱۱۸۔ اور تو کہہ اے رب معاف کر اور رحم کر اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے [۱۱۸]

وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿١١٨﴾

۱۱۴۔ جب وہ بالا و برتر، شہنشاہ، مالک علی الاطلاق ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وفاداروں اور مجرموں کو یوں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔

۱۱۵۔ یعنی وہاں حساب ہو کر مقدار جرم کے موافق سزا دی جائے گی۔

۱۱۶۔ ایک استغفار کی تعلیم: یعنی ہماری تقصیرات سے درگزر فرما اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں سرفراز کر۔ تیری رحمت بے نہایت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

ان آیات کی فضیلت: اَفَحَسِبْتُمْ سَے ختم سورت کی یہ آیتیں بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں، جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوا ہے۔ اور مشائخ نے تجربہ کیا ہے۔ چاہئے کہ ان آیات کا ورد رکھا جائے خاتمہ پر دعاء تبرکات و تقاضا نقل کرتا ہوں جو رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو تلقین فرمائی کیونکہ اس کے الفاظ ان آیات کے مناسب ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَاِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَاَرْحَمِنِ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَفُوْدُ الرَّحِیْمُ۔

تم سورۃ المؤمنون بفضلہ و منہ و حسن توفیقہ و نرجو منہ اکمال بقیہ الفوائد۔



آیاتها ۶۴

۲۲ سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲

رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف تاکہ تم یاد رکھو [۱]

سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١﴾

۲۔ بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو دڑے [۲] اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر [۳] اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان [۴]

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَلَيَشْهَدُ عَذَابُهُمْ طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾

۱۔ سورہ نور کی فضیلت کا بیان: یہ سورت بعض نہایت ضروری احکام و حدود، امثال و مواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات و اصلاحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے جس کا تعلق قصہ ”افک“ سے ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہو گئی تھی۔ جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہؓ کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ مجدد شرف تک پہنچتا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لئے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایسی ٹھوک نہ کھائیں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ رفیع یا امہات المؤمنین کی پاک و متحرم حیثیت ایسی نہیں جس کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی ذرا سہارا ہل روارکھے۔ شاید اسی لئے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا اَلْحٰتٰا مٰخٰطِیْبِیْنَ سَمٰجِیْ لِیْنَ كَه اس كے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ اور جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرز جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لئے اس سے غفلت نہ رکھے۔ ورنہ دین و دنیا کی تباہی ہے۔

۲۔ زنا کرنے والوں کی سزا: یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح کرنے کے بعد ہم بستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو اس کے پچاس دڑے لگتے ہیں، اس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رکوع کے ختم پر مذکور ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں۔

محسن کون ہے؟ اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں (حریت، بلوغ، عقل، نکاح اور ہم بستری سے فراغ) ایسے شخص کو ”محسن“ کہتے ہیں۔ اس کی سزا ”رجم“ (سنگسار کرنا) ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں ”تورات“ کے حوالہ سے فرمایا وَكَيْفَ يُحْكِمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوَلُّدُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ (المائدہ-۴۳) الخ اور وہ حکم اللہ رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوجد میں گزر چکا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسی کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا اللَّهُمَّ إِنِّي أَوَّلُ مَنْ أَحْيَا أَمْرَكَ إِذَا مَاتُوا (خدا یا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف ان یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں زانی محسن کو آپ نے یہی رجم کی سزا دی، اور آپ کے بعد صحابہؓ کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ بلکہ اہل السنۃ والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلادیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے۔ جیسا کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تَهَا وَكُنْتُمْ بَارِبِهَا أَنْ النَّفْسِ بِالنَّفْسِ (المائدہ-۴۵) الخ اور مرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورہ ”بقرہ“ میں بیان کیا گیا ہے۔ فَتَوْبًا إِلَى بَارِبِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (البقرہ-۵۴) پھر ان ہی احکام کو امت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا۔ شاید رجم محسن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت و تاکید سے ترک حکم بما انزل اللہ کی برائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا وَاتَّوَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّبًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ (المائدہ-۴۸) الخ اس سے یہ ہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء و آراء کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ نہ آپ نے پروا کی نہ آپ کے خلفاء نے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کو جب رجم محسن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض زانغین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانہ کے ایک مسوخ فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ و تابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شد و مد سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محسن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا۔ (تنبیہ) کسی آیت کا محض منسوخ التلاوت ہونا اور حکم باقی رہنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی تحقیق ان مختصر فوائد میں درج نہیں ہو سکتی۔ انشاء اللہ العزیز اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی نوبت آئی تو وہاں لکھا جائے گا۔

۳۔ مجرم پر ترس کھا کر سزاؤں میں تبدیلی کرنے کی ممانعت: یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو۔ یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم مجموعہ عالم کے حق میں حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کے احکام و حدود کے اجراء میں کوتاہی کرو گے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی۔

۴۔ منظر عام پر سزا دینے کا حکم: یعنی سزا انتہائی میں نہیں، مسلمانوں کے مجمع میں دینی چاہئے کیونکہ اس رسوائی میں سزا کی تکمیل و تشہیر اور دیکھنے سننے والوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ اور شاید یہ بھی غرض ہو کہ دیکھنے والے مسلمان اس کی حالت پر رحم کھا کر عفو و مغفرت کی دعا کریں گے۔ واللہ اعلم۔

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرْمَةُ ذَلِكَ

۳۔ بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا مشرک والی سے اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک<sup>[۵]</sup> اور یہ حرام ہو ہے ایمان والوں پر<sup>[۶]</sup>

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

۵۔ فعل زنا کی شاعت: زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت و شاعت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عقیف مسلمان سے ان کا تعلق ازدواج و ہم بستری قائم کیا جائے۔ ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار و تباہ حال مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک و مشرکہ سے ان کا تعلق ہو۔

زانی اور زانیہ کا نکاح: کما قال تعالیٰ اَللَّحْبِیْثُ لِلَّحْبِیْثِیْنَ وَ اَللَّحْبِیْثُوْنَ لِلَّحْبِیْثِیْنَ وَ اَلطَّیِّبُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ اَلطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبِیْنَ (النور-۶۶) کند ہم جنس باہم پر واز، کبوتر با کبوتر باز باباز۔ ان کی حرکت کا اصلی اقتضاء تو یہ ہی تھا۔ اب یہ جداگانہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح و حکم کی بناء پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک و مشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا۔ یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا (تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں لَا یُنْکِحُکُمْ کے معنی وہ لئے گئے جو اَلسُّلْطَانُ لَا یُنْکِحُکُمْ وغیرہ محاورات میں لئے جاتے ہیں۔ یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دیدی گئی۔ فافہم واستنعم۔

۶۔ یعنی زنا مومن پر حرام ہے: ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کرے گا۔ حدیث میں ہے۔ لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَ هُوَ مُؤْمِنٌ یَا یہ مطلب ہو کہ زانیہ سے نکاح کرنا ان پاکباز مردوں پر حرام کیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومنین کہلانے کے مستحق ہیں۔ یعنی تکوینی طور پر ان کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت حُرْمَتِ کے معنی وہ ہوں گے جو حُرْمَتًا عَلَیْهِ الْمَرَامِعَ (القصص-۱۲) میں یَا حَرَامٌ عَلٰی قَوْمِیْۤ اَهْلَکُنْہَا (الانبیاء-۹۵) میں لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۔ اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو (پاکدامنوں کو) پھر نہ لائے چار مرد شاہد<sup>[۴]</sup> تو ماروان کو اسی درے اور نہ مانوان کی گواہی کبھی<sup>[۸]</sup> اور وہی لوگ ہیں نافرمان<sup>[۹]</sup>

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْبُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَأْتُوا بِاَرْبَعَةِ

شُهَدَاءَ فَاَجْلِدُوْهُمُ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا

لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳﴾

۵۔ مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس کے پیچھے اور سنور گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے<sup>[۱۰]</sup>

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْحٰوْا فَاِنَّ

اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾

۷۔ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت کا بیان: یعنی ایسی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں جن کا بدکار ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اس کی سزا بیان فرماتے ہیں اور یہ ہی حکم پاکباز مردوں پر تہمت لگانے کا ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک عورت کے قصہ میں نازل ہوئیں اس لئے ان ہی کا ذکر فرمایا، اگر چار گواہ پیش کر دیے اور ان کی شہادت بقاعدہ شریعت پوری اتری تو مقذوف یا مقذوفہ پر حد زنا جاری کی جائے گی۔

۸۔ حد زنا کا بیان: یہ سزا قاذف (تہمت لگانے والے) کی ہوئی کہ (مقذوف کے مطالبے پر) اسی درے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے (معاملات) میں مرد و شہادت قرار دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جاسکتی۔

۹۔ تہمت ثابت نہ کرنے والے فاسق ہیں: اگر واقع میں جان بوجھ کر جھوٹی تہمت لگائی تھی تب تو ان کا فاسق و نافرمان ہونا ظاہر ہے اور اگر

واقعی سچ بیان کیا تھا لیکن جانتے تھے کہ چار گواہوں سے ہم اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکیں گے تو ایسی بات کا اظہار کرنے سے بجز ایک مسلمان کی آبروریزی اور پردہ دری سے کیا مقصود ہوا جو بجائے خود ایک مستقل گناہ ہے اور علماء نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے۔

۱۰۔ یعنی توبہ اور اصلاح حال کے بعد اللہ کے نافرمان بندوں میں اس کا شمار نہ رہے گا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادت پھر بھی رہے۔ یہ ہی مذہب سلف میں سے قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول، عبدالرحمن بن زید بن جابر، حسن بصری، محمد بن سیرین اور سعید ابن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔ کمانی الدر المنثور وابن کثیر۔

۶۔ اور جو عیب لگائیں اپنی جو روؤں کو<sup>[۱۱]</sup> اور شاہد نہ ہوں انکے پاس سوائے انکی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر مقرر وہ شخص سچا ہے

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ  
شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ  
شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٦﴾

۷۔ اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ  
الْكَذِبِينَ ﴿٧﴾

۸۔ اور عورت سے ٹل جائے ماریوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی اللہ کی قسم کھا کر مقرر وہ شخص جھوٹا ہے

وَيَدْرُؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ  
بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَذِبِينَ ﴿٨﴾

۹۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے<sup>[۱۲]</sup>

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ  
الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾

۱۰۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اسکی رحمت اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا<sup>[۱۳]</sup>

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ  
تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

۱۱۔ بیویوں پر تہمت: یعنی زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کو کہے کہ میرے نطفہ سے نہیں۔

۱۲۔ لعان کا قانون: یعنی جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے اگر پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لاسکا تو اس کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے (یعنی جو تہمت اپنی بیوی

پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا) گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ ”اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار“ اگر الفاظ مذکورہ بالا کہنے سے انکار کرے تو جس کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، تو حد قذف لگے گی جو اوپر گزری۔ اور پانچ مرتبہ وہ ہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ ”یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ“ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو ”تا وقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اس کو قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا اس پر جاری ہوگی، اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے۔ اگر اس نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور ”لعان“ سے فراغت ہوئی تو اس عورت سے صحبت اور دواعی صحبت سب حرام ہو گئے پھر اگر مرد نے اس عورت کو طلاق دے دی فہا ورنہ قاضی ان میں تفریق کر دے۔ گو دونوں رضامند نہ ہوں یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی۔ اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔ (تنبیہ) زوجین سے اس طرح الفاظ کہلوانے کو شریعت میں لعان کہتے ہیں اور لعان صرف قذف ازواج کے ساتھ مخصوص ہے عام محسنات کے قذف کا وہ ہی حکم ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہو چکا۔

۱۳۔ لعان کا حکم اللہ کا بڑا فضل ہے: یعنی اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو قذف کے عام قاعدہ کے موافق زوج پر حد قذف آتی اور یاساری عمر خون کے گھونٹ پیتا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو۔ بخلاف غیر شوہر کے کہ وہ اظہار میں مضطر نہیں، اس لئے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضرور نہیں دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہو جایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی۔ حالانکہ ممکن ہے وہ ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بڑی سمجھ لیا جاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہو جاتی باوجودیکہ اس کے صادق ہونے کا بھی مساوی احتمال موجود ہے۔ پس ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ سب کی رعایت رہے یہ اثر ہے حق تعالیٰ کے فضل و رحمت اور حکمت کا، کیونکہ فریقین میں سے جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کر لے۔ پھر اس کی توبہ کا قبول کر لینا یہ اثر صفت توابیت کا ہوا۔

۱۱۔ جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان [۱۴] تمہیں میں ایک جماعت ہیں [۱۵] تم اس کو نہ سمجھو برا اپنے حق میں بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں [۱۶] ہر آدمی کے لئے ان میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ اس کے واسطے بڑا عذاب ہے [۱۷]

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا  
تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ  
أَمْرٍ مِّنْهُمْ مَّا كَتَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي

تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾

۱۲۔ کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا یہ صریح طوفان ہے [۱۸]

لَوْ لَا إِذْ سَبَعْتُمْ هُوَ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ

بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾

۱۳۔ کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے  
شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے [۱۹]

۱۴۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اسکی رحمت دنیا اور  
آخرت میں تو تم پر پڑ جاتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت  
بڑی [۲۰]

۱۵۔ جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے  
اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو  
اسکو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی بات ہے [۲۱]

۱۶۔ اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں  
لا اقل کہ منہ پر لائیں یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان  
ہے [۲۲]

۱۷۔ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم  
ایمان رکھتے ہو [۲۳]

۱۸۔ اور کھولتا ہے اللہ تمہارے واسطے پتے کی باتیں اور اللہ  
سب جانتا ہے حکمت والا ہے [۲۴]

۱۹۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان  
والوں میں [۲۵] انکے لئے عذاب ہے دردناک دنیا اور  
آخرت میں [۲۶] اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۲۷]

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا

بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَ

الْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ

عَظِيمٌ ﴿١٤﴾

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالسِّنْتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا

لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۗ وَهُوَ

عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ

نَتَكَلَّمَ بِهَذَا ۗ سُبْحٰنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾

يَعْظُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِبِشْرِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾

وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي

الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ

الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اسکی رحمت اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے مہربان تو کیا کچھ نہ ہوتا [۲۸]

۲۱۔ اے ایمان والو نہ چلو قدموں پر شیطان کے اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے سو وہ تو یہی بتلائے گا بیجائی اور بری بات [۲۹] اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنو تا تم میں ایک شخص بھی کبھی و لیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے [۳۰]

۲۲۔ اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے اس پر کہ دیں قراہتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۳۱]

۲۳۔ جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں پیغمبر ایمان والیوں کو ان کو پھٹکارا ہے دنیا میں اور آخرت میں اور انکے لئے ہے بڑا عذاب [۳۲]

۲۴۔ جس دن کہ ظاہر کر دیں گی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے تھے [۳۳]

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۰﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط  
وَ مَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ  
بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ  
رَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا ۗ وَلَكِنَّ  
اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۱﴾

وَ لَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ أَنْ  
يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْبُهَجِرِينَ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَ لِيَعْفُوا وَ لِيَصْفَحُوا ط أَلَا تُحِبُّونَ  
أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۲﴾

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ  
الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ ۗ وَ لَهُمْ  
عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَ أَيُّدِيهِمْ وَ  
أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾

۲۵۔ اس دن پوری دے گا انکو اللہ ان کی سزا جو چاہئے اور جان لیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا [۳۴]

يَوْمَئِذٍ يُوفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ

أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے [۳۵] وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں [۳۶] انکے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی [۳۷]

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ

لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ

لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ

مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

۱۲۔ واقعہ افک: یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ۶ ہجری میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمال ہودہ کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہؓ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں، وہاں اتفاق سے ان کا ہارٹوٹ گیا۔ اس کی تلاش میں دیر لگ گئی یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ جمال حسب عادت اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے اور اس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہؓ اس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا کیونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا چھلا تھا۔ غرض جمالوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو ہمیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہو اوہیں لیٹ گئیں۔

حضرت صفوان بن معطلؓ: حضرت صفوان بن معطلؓ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہؓ ہیں (کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ (البقرہ۔ ۱۵۶) پڑھا جس سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھلا دیا۔ یہ اس پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی تکمیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ میں جا ملایا۔

عبد اللہ بن ابی کی شرات: عبد اللہ بن ابی بڑا خبیث بد باطن اور دشمن رسول اللہ ﷺ تھا، اسے ایک بات ہاتھ آئی اور بد بخت نے وہی تباہی بنا کر شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح اور عورتوں میں سے حضرت حمہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوسناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول کریم ﷺ کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہ ہی چرچا رہا حضور سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے مگر دل میں خفا رہتے۔ ایک ماہ بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی شدت غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و



روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگو میں ہوئیں جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہؓ کی برأت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورہ "نور" کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِاِلْفِكَ (النور- ۱۱) الخ سے دور تک نازل فرمائیں۔ جس پر عائشہ صدیقہؓ فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کرتی تھیں تو تھا۔

۱۵۔ سازش کرنے والے تمہاری ہی جماعت کے لوگ ہیں: یعنی طوفان اٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ اسلام کا نام لیتے اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں ان میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ انکی عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے تاہم خدا کا احسان ہے کہ جمہور مسلمان ان کے جال میں نہیں پھنسے۔

۱۶۔ مسلمانوں کی تسلی: یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص عائشہ صدیقہؓ اور ان کا گھرانہ کہ ظاہر ہے وہ سخت غمزدہ اور پریشان تھے۔ یعنی گو بظاہر یہ چرچا بہت مکروہ، رنجیدہ اور ناخوشگوار تھا۔ لیکن فی الحقیقت تمہارے لئے اس کی تہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔ آخر اتنی مدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جاسکتا ہے۔ کیا یہ شرف توڑا ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمہاری نزہت و برأت اتاری۔ اور دشمنوں کو رسوا کیا اور قیامت تک کے لئے تمہارا ذکر خیر قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ اور مسلمانوں کو پیغمبر علیہ السلام کی ازواج و اہل بیت کا حق پہچاننے کے لئے ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو سکے۔ فلله الحمد علی ذلک۔

۱۷۔ عبد اللہ بن ابی کیلئے عذاب عظیم: یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا۔ مثلاً بعض خوش ہو کر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے بعض اظہار افسوس کے طرز میں، بعض چھیڑ کر مجلس میں چرچا اٹھا دیتے، اور آپ خود چپکے سنا کرتے۔ بعض سن کر تردد میں پڑ جاتے، بہت سے خاموش رہتے اور بہت سے سن کر جھٹلا دیتے۔ ان پچھلوں کو پسند فرمایا اور سب کو درجہ بدرجہ کم و بیش الزام دیا۔ اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے۔ یہ ہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب تو ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔

۱۸۔ بے ثبوت بہتان کی تصدیق: "مسلمان کو چاہئے کہ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ حسن ظن رکھے۔ اور جب سنے کہ لوگ ایک نیک شخص پر یوں ہی رجماً بالغیب بری تہمتیں لگاتے ہیں تو اپنے دل میں ایسے خیالات کو راہ نہ دے بلکہ انکو جھٹلائے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی پیٹھ پیچھے بھائی مسلمان کی مدد کرے۔ اللہ پیٹھ پیچھے اس کی مدد کرے گا۔ بے تحقیق تہمتیں تراشا ایمان سے بعید ہے۔ چاہئے کہ آدمی خود اپنی آبرو پر دوسروں کی آبرو کو قیاس کر لے۔ جیسا کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ نے قصہ "افک" میں کیا ایک روز ان کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ صدیقہؓ کی نسبت ایسا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں۔ کیا ایسا کام تو کر سکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (صدیق کی بیٹی اور نبی کی بیوی) عائشہ صدیقہؓ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک و صاف اور طاہر و مطہر ہیں، ان کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔

۱۹۔ بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کرنا: یعنی اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں۔ اور بدو کا کافی ثبوت کے ایسی سنگین بات زبان سے کہتے پھریں۔

۲۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پیغمبر کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔ (موضح القرآن) نیز تم میں سے مخلصین کو توبہ کی توفیق دے کر خطا معاف کر دی ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے (العیاذ باللہ)۔

۲۱۔ بلا تحقیق بہتان کا چرچا جرم عظیم ہے: یعنی عذاب عظیم کے مستحق کیوں نہ ہوتے جبکہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک

دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے۔ اور زبان سے وہ انکل پچو باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ ایسی سخت بات کو (یعنی کسی محسنہ خصوصاً پیغمبر علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا) جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے، محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔

۲۲۔ مسلمانوں کو کہنا چاہیے تھا کہ یہ بہتان عظیم ہے: یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گذرنے پائے جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا۔ لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی دل میں کوئی برا وسوسہ گذرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہئے کہ اس وقت مومن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہدے کہ ایسی بے سروپا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا۔ اے اللہ! تو پاک ہے۔ کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں۔ بھلا جس پاکباز خاتون کو تو نے سید الانبیاء اور اس المنتقین کی زوجیت کے لئے چنا، کیا وہ (معاذ اللہ) خود بے آبرو ہو کر پیغمبر کی آبرو کو بٹھ لگائے گی (حاشا ہاشم حاشا ہا) ہونہ ہو دشمنوں نے ایک بے تصور پر بہتان باندھا ہے۔

۲۳۔ آئندہ ایسا نہ کرنے کی نصیحت: یعنی مومنین کو پوری طرح چوکس اور ہشیار رہنا چاہئے۔ بد باطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔ ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ رکھیں۔

۲۴۔ یعنی پتہ اس کا کہ یہ طوفان اٹھایا کس نے۔ معلوم ہوا کہ منافقین نے جو ہمیشہ دشمن تھے۔ اگلی آیت میں پتہ بتلا دیا۔ (کذافی الموضح) عموماً مفسرین نے آیات سے مراد احکام، نصح، حدود اور قبول توبہ وغیرہ کے مضامین لئے ہیں۔ اس وقت صفات علم و حکمت کے ذکر سے یہ غرض ہو گی کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کی ندامت قلبی کا حال خوب جانتا ہے۔ اس لئے توبہ قبول کی اور چونکہ حکیم مطلق ہے اس لئے نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ تمہاری سیاست کی گئی۔

۲۵۔ بے حیائی پھیلانے والوں کی سزا: یعنی بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلیں۔ یہ چاہنے والے منافقین تھے۔ لیکن انکا تذکرہ کر کے مومنین کو بھی متنبہ فرمادیا کہ اگر فرض کرو کسی کے دل میں ایک بری بات کا خطرہ گذرا اور بے پروائی سے کوئی لفظ زبان سے بھی کہہ گذرا تو چاہئے کہ اب ایسی مہمل بات کا چرچا کرنا نہ پھرے۔ اگر خواہی نہ خواہی کسی مومن کی آبروریزی کرے گا تو خوب سمجھ لے کہ اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔ حق تعالیٰ اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ کما فی الحدیث احمد رحمہ اللہ۔

۲۶۔ دنیا میں حد قذف، رسوائی اور قسم قسم کی سزائیں اور آخرت میں دوزخ کی سزا۔

۲۷۔ یعنی ایسے فتنہ پردازوں کو خدا خوب جانتا ہے گو تم نہ جانتے ہو۔ اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔ (تنبیہ) حب شیوع فاحشہ، حسد و کینہ وغیرہ کی طرح اعمال قلبیہ میں سے ہے مراتب قصد میں سے نہیں۔ اس لئے اس پر ماخوذ ہونے میں اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ فتنہ لہ۔

۲۸۔ مسلمانوں پر اللہ کی رحمت اور فضل: یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نذر ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تم میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی۔

۲۹۔ شیطان بے حیائی کی تعلیم دیتا ہے: یعنی شیطان کی چالوں سے ہشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھ لو شیطان نے ذرا سا چر کہ لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اس کے قدم پر چل پڑے۔

۳۰۔ یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستے پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

۳۱۔ حضرت ابو بکرؓ کی قسم: حضرت عائشہؓ پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطحؓ تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔ قصہ ”افک“ سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ کی امداد اور خبرگیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہؓ کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطحؓ کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ بڑی جو امر دی تو یہ ہی ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دستکش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اس کا کفارہ ادا کرو۔

عفو و درگزر کی تعلیم: تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے انماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہ ہی نحو اختیار کرنی چاہئے۔ گویا اس میں تخلیق باخلاق اللہ کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب سنا اَلَا تُحِبُّونَ اَنْ يَّغْفَرَ اللهُ لَكُمْ (کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟) تو فوراً بول اٹھے۔ بَلَى يَا رَبَّنَا اِنَّا نَحِبُّ (بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطحؓ کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرمادی بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ۔

۳۲۔ ازواج مطہرات پر تہمت لگانے والے اسلام سے خارج ہیں: صحیحین کی حدیث میں ہے۔ اِجْتَنِبُوا السَّبَّحَ الْمَوْبِقَاتِ الشِّرْكَ بِاللّٰهِ وَقَتْلِ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاكْلِ الرِّبَا وَاكْلِ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلَّى يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْعَافِلَاتِ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قذف محصنات مطہرات مہلکات میں سے ہے۔ پھر ان میں سے بھی ازواج مطہرات بالخصوص ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قذف تو کس درجہ کا گناہ ہو گا علماء نے تصریح کی ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد جو شخص عائشہ صدیقہؓ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر، مکذب قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور طبرانی کی ایک حدیث میں ہے۔ قَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ (محصنہ پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھادیتا ہے) العیاذ باللہ۔

۳۳۔ حشر میں ہاتھ پاؤں اور زبان کی گواہی: یعنی مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا۔ مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس کے ذریعے سے کیا گیا تھا۔ (لطیفہ) قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی اور چار گواہوں کا اس سے مطالبہ تھا جو پورا نہ کر سکا۔ اس کے بالمقابل یہاں بھی پانچ چیزیں ذکر ہوئیں۔ ایک زبان جو قذف کا اصلی آلہ ہے اور چار ہاتھ پاؤں جو اس کی شرارت کے گواہ ہوں گے۔

۳۴۔ جو رتی رتی عمل کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جس کا حساب بالکل صاف ہے۔ اس کے ہاں کسی طرح کا ظلم و تعدی نہیں۔ یہ مضمون قیامت کے دن سب کو مکشوف و مشہود ہو جائے گا۔

۳۵۔ گندے مرد گندی عورتوں کیلئے اور پاک مرد پاک عورتوں کیلئے: یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں۔ اسی

طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو۔ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک اور بدکاروں سے کیا مطلب۔ ابن عباس نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتا ہے۔ نقلہ فی موضح القرآن۔ (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب تو ترجمے کے موافق ہوا۔ مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ اَلْخَيْبِثُ اور الطَّيِّبُ سے یہاں عورتیں مراد نہیں۔ بلکہ اقوال و کلمات مراد ہیں۔ یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق ہیں۔ اور ستھری باتیں ستھرے آدمیوں کے۔ پاکباز اور ستھرے مرد و عورت ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے اُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ سے ظاہر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ گندی باتیں گندوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں۔ تو جنہوں نے کسی پاکباز کی نسبت گندی بات کہی، سمجھ لو کہ وہ خود گندے ہیں۔

۳۶۔ یعنی ستھرے آدمی ان باتوں سے بری ہیں جو یہ گندے لوگ بکتے پھرتے ہیں۔

۳۷۔ یعنی برا کہنے سے وہ برے نہیں ہو جاتے، بلکہ جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو یہ چیز ان کی خطاؤں یا لغزشوں کا کفارہ بنتی ہے۔ اور یہاں مفسد لوگ جس قدر ان کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں وہاں اس کے بدلہ میں عزت کی روزی ملتی ہے۔

۲۷۔ اے ایمان والو مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے جب تک بول چال نہ کر لو اور سلام کر لو ان گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے حق میں تاکہ تم یاد رکھو [۳۸]

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ پھر اگر نہ پاؤ اس میں کسی کو تو اس میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو [۳۹] اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لئے [۴۰] اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے [۴۱]

اٰزٰلٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری [۴۲] اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو [۴۳]

مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا

تُبَدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

۳۸۔ دوسرے گھروں میں داخلے کی اجازت کا حکم اور آداب: یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہ گھس جائے کیا جانے وہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی، حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر

تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان ان مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں ان ہی سے سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں (ربط) شروع سورت سے احکام زنا و کذب وغیرہ بیان ہوئے تھے۔ چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں چلا جانا ان امور کی طرف مفضی ہو جاتا ہے، اس لئے ان آیات میں مسائل استئذان کو بیان فرمادیا۔

۳۹۔ اگر یہ معلوم ہو اہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تب بھی دوسرے کے گھر میں بدون مالک و مختار کی اجازت کے مت جاؤ۔ کیونکہ ملک غیر میں بدون اجازت تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آجائے۔ ہاں صراحۃً یا دلالتاً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۴۰۔ اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ: یعنی ایسا کہے سے براندہ مانو۔ بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں ہو تو تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔

۴۱۔ وہ تمہارے تمام اعمال قلبیہ و قابلیہ سے باخبر ہے جیسا کچھ کرو گے اور جس نیت سے کرو گے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔ اور اس نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیے ہیں۔

۴۲۔ اجازت سے مستثنیٰ مکانات: یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ۔ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو چندے اس کے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں جاسکتے ہو۔ اس کے لئے استئذان کی ضرورت نہیں اس طرح کے مسائل کی تفصیل فقہ میں دیکھی جائے۔

۴۳۔ اس نے تمہارے تمام چھپے کھلے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ و فساد کے مداخل کو بند کرنا ہے مومن کو چاہے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عمل کرے۔

۳۰۔ کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذری اپنی آنکھیں [۳۴] اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو [۳۵] اس میں خوب ستھرائی ہے انکے لئے بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں [۳۶]

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ

۳۱۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھائیں اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے [۳۷] اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر [۳۸] اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے [۳۹] یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُرُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ

عورتوں کے [۵۰] یا اپنے ہاتھ کے مال کے [۵۱] یا کاربار کرنے والوں کے (خدمت میں مشغول رہنے والوں کے) جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے [۵۲] یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو [۵۳] اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگھار [۵۴] اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو تاکہ تم بھلائی پاؤ [۵۵]

أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ  
بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي  
أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوْ  
التَّبَعِينَ غَيْرِ أَوْلِيِ الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوْ  
الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَتِ النِّسَاءِ  
وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ  
زِينَتِهِنَّ ۗ وَ تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ

الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ نظریں نیچی رکھنے کا حکم: بد نظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے بد کاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ بد نظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہو گا۔ جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار و ارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ پہلی مرتبہ دفعۃً جو بیساختہ نظر پڑتی ہے۔ ازراہ شہوت و نفسانیت نہیں ہوتی۔ اس لئے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ شاید یہاں بھی مِنْ أَبْصَارِهِمْ میں مِنْ کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔

۳۲۔ ستر کی حفاظت: یعنی حرام کاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ إِلَّا عِنْدَ مَنْ أَبَاحَهُ الشَّارِعُ مِنَ الْأَزْوَاجِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ۳۲۔ یعنی آنکھ کی چوری اور دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال اس کو سب معلوم ہے۔ لہذا اس کا خیال کر کے بد نگاہی اور ہر قسم کی بد کاری سے بچو۔ ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔ يَعْْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (مومن ۱۹) حضرت شاہ صاحب نے مَا يَصْنَعُونَ سے مرد اغالبہ جاہلیت کی بے اعتدالیوں کی ہیں۔ یعنی جو بے اعتدالیوں پہلے سے کرتے آ رہے ہو اللہ کو سب معلوم ہے اسی لئے اب اس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے یہ احکام جاری کئے تا تمہارا تزکیہ ہو سکے۔

۳۳۔ عورتوں کے پردے کے احکام: سنگار عرف میں خارجی اور کسی آرائش کو کہتے ہیں جو مثلاً لباس یا زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں “زینت کا ترجمہ” سنگار کے بجائے “زیبائش” کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا۔ زیبائش کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور کسب زینت

کو شامل ہے، خواہ وہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو کسی قسم کی خلقی یا کبھی زیبائش کا اظہار بجز محارم کے جن کا ذکر آگے آتا ہے، کسی کے سامنے جائز نہیں۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اسکے ظہور کو بسبب عدم قدرت یا ضرورت کے روک نہیں سکتی، اس کے بجزوری یا بضرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو)۔ حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کفین (ہتھیلیاں) اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ میں داخل ہیں۔ کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ آگے فقہاء نے قد میں کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے اور جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات مثلاً انگوٹھی، چھلا، یا مہندی، کاجل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا۔ لیکن واضح رہے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے صرف عورتوں کو بضرورت ان کے کھلا رکھنے کی اجازت ہوئی۔ نامحرم مردوں کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ آنکھیں لڑا یا کریں اور ان اعضاء کا نظارہ کیا کریں۔ شاید اسی لئے اس اجازت سے پیشتر ہی حق تعالیٰ نے غص بصر کا حکم مومنین کو سنا دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک طرف سے کسی عضو کے کھولنے کی اجازت اس کو مستلزم نہیں کہ دوسری طرف سے اس کو دیکھنا بھی جائز ہو۔ آخر مرد جن کے لئے پردہ کا حکم نہیں اسی آیت بالا میں عورتوں کو ان کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔ نیز یاد رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر، عورت کو کس حصہ بدن کا کس کے سامنے کن حالات میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ باقی مسئلہ ”حجاب“ یعنی شریعت نے اس کو کن حالت میں گھر سے باہر نکلنے اور سیر و سیاحت کرنے کی اجازت دی، یہاں مذکور نہیں۔ اس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ سورہ احزاب میں آئیگی۔ اور ہم نے فتنہ کا خوف نہ ہونے کی جو شرط بڑھائی وہ دوسرے دلائل اور قواعد شرعیہ سے ماخوذ ہے جو ادنیٰ تا مل اور مراجعت نصوص سے دریافت ہو سکتی ہیں۔

۴۸۔ اوڑھنی کا حکم اور طریقہ: بدن کی خلقی زیبائش میں سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے، اس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔ جاہلیت میں عورتیں خمار اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکالیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی۔ یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے بتلا دیا کہ اوڑھنی کو سر پر سے لاکر گریبان پر ڈالنا چاہئے تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور رہے۔

۴۹۔ محرم لوگوں کی تفصیل: چچا اور ماموں کا بھی یہی حکم ہے اور ان محارم میں پھر فرق مراتب ہے۔ مثلاً جو زینت خاوند کے آگے ظاہر کر سکتی ہے دوسرے محارم کے سامنے نہیں کر سکتی۔ ابدائے زینت کے درجات ہیں جن کی تفصیل تفاسیر اور کتب فقہ میں دیکھنی چاہئے۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ جس قدر تستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا اتنا محارم سے نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو ان میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے۔

۵۰۔ یعنی جو عورتیں اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہیں بشرطیکہ نیک چلن ہوں بدرہا عورتوں کے سامنے نہیں۔ اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔

۵۱۔ یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر قرآن سے اسی کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہور ائمہ اور سلف کا یہ مذہب نہیں۔

۵۲۔ یعنی کیرے خد متزگار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے میں غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فائز العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں، محض کھانے پینے میں گھروالوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

۵۳۔ یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی سرائی کی کوئی تمیز نہیں، نہ نفسانی جذبات رکھتے ہیں۔

۵۴۔ عورتوں کے چلنے پھرنے کے آداب: یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو ادھر میلان اور توجہ ہو۔ بسا اوقات اس قسم کی آواز صورت دیکھنے سے بھی زیادہ نفسانی جذبات کے لئے محرک ہو جاتی ہے۔

۵۵۔ توبہ کا حکم: یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں انابت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔

۳۲۔ اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر [۵۶] اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں [۵۷] اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ ان کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے [۵۸] اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے [۵۹]

وَ أَنْكِحُوا الْيَتَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ  
عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۗ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ  
اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ اور اپنے آپ کو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا جب تک کہ مقدور دے ان کو اللہ اپنے فضل سے [۶۰] اور جو لوگ چاہیں لکھت آزادی کی مال دے کر ان میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں (جن کے مالک ہیں تمہارے ہاتھ) تو انکو لکھ کر دیدو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی [۶۱] اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے [۶۲] اور نہ زبردستی کرو اپنی چھو کر یوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا کہ تم کمانا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا [۶۳] اور جو کوئی ان پر زبردستی کرے گا تو اللہ ان کی بے بسی کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے [۶۴]

وَلَيْسْتَغْفِرِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ  
يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ  
الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ  
عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۗ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ  
الَّذِي آتَاكُمْ ۗ وَلَا تَكْرِهُوا فَتِيكُمُ عَلَى  
الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لَتَبْتُّنَّ عَرَضَ  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَنْ يُكْرِهَنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ  
بَعْدِ أَيْمَانِهِمْ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۳﴾

۵۶۔ دوسرے نکاح کا حکم: اوپر استنذان، غض بصر اور تسر وغیرہ کے احکامات بیان ہوئے تھے، تاہم بیانی اور بدکاری کی روک تھام کی جائے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہو یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو، نماز فرض کا جب وقت آجائے، جنازہ جب موجود ہو، اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے۔" جو تو میں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔



۵۷۔ یعنی لونڈی غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ حقوق زوجیت ادا کر سکیں اور نکاح ہو جانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا بھی نکاح کر دو۔

۵۸۔ افلاس کی وجہ سے نکاح کو مت چھوڑو: بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس و پیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا۔ انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا معلوم ہے کہ خدا چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر و افلاس کو مستلزم ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: **وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْنَكُمْ فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ شَاءَ**۔ (توبہ۔ ۲۸) اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہ چیز معقول ہے کہ نکاح کر لینے یا ایسا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بڑھ کر کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ ادھر بیوی اور اولاد ہو جائے تو وہ بلکہ بعض اوقات بیوی کے کنبہ والے بھی کسب معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ بہر حال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تاجر پر موقوف نہیں۔ پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں ہو۔

۵۹۔ جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشائش کر دیتا ہے۔

۶۰۔ نکاح ہونے تک پاکدامن رہیں: یعنی جن کو فی الحال اتنا بھی مقدر نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لاسکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدر دے چاہے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں۔ اور عقیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبط نفس اور عفت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرمادے۔

۶۱۔ مکاتب کا حکم: یعنی کسی کا غلام یا لونڈی کہے یا مزید توثیق کے لئے لکھوانا چاہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر مال تجھ کو کمادوں تو مجھے آزاد کر دے، تو مالک کو چاہئے کہ قبول کر لے اور لکھ دے (اس معاملہ کو "مکاتبہ" کہتے ہیں۔ اور یہ غلاموں کے آزاد کرانے کی ایک خاص صورت ہے) لیکن یہ مالک کو اس وقت قبول کرنا چاہئے جبکہ وہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہوگی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بد معاشیاں کرنا نہ پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو بیشک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہئے۔ تا وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدانوں میں خوب ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو بااختیار خود نکاح کر لے۔ غلامی کی وجہ سے میدان تنگ نہ ہو۔

۶۲۔ غلاموں کی مالی امداد: یہ دو متمند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسی لونڈی غلام کی مالی امداد کرو۔ خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات وغیرہ سے تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کر سکیں، اور اگر مالک بدل کتابت کا کوئی حصہ معاف کر دے، یہ بھی بڑی امداد ہے۔ (تنبیہ) مصارف زکوٰۃ میں جو **وَفِي الرِّقَابِ** کا ایک مد لکھا ہے وہ ان ہی غلاموں کے آزاد کرانے کا فنڈ ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی امداد ہوتی تھی۔

۶۳۔ لونڈیوں سے بدکاری کرنا: جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کرتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کر کر روپیہ حاصل کرتا تھا۔ ان میں بعض مسلمان ہو گئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ ملعون زد و کوب کرتا تھا۔ یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ اور اسی شان نزول کی رعایت سے مزید تصحیح کے لئے **إِنْ أَرَادَنْ تَحِصُّنَا** اور **لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** کی قیود بڑھائی ہیں۔ ورنہ لونڈیوں سے بدکاری کرنا بہر حال حرام ہے اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے خواہ لونڈیاں یہ کام رضا و رغبت سے کریں یا زبردستی اور ناخوشی سے۔ ہاں اگر لونڈیاں نہ چاہیں اور یہ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لئے زبردستی مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی دلیل ہے۔

۶۴۔ یعنی زنا ایسی بری چیز ہے جو جبر و اکراہ کے بعد بھی بری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرمہ کی بے بسی اور بیچارگی کو دیکھ کر درگزر فرماتا ہے۔ اس صورت میں بکرہ (زبردستی کرنے والے) پر سخت عذاب ہو گا اور مکرمہ پر (جس پر زبردستی کی گئی) رحم کیا جائے گا۔

۳۴۔ اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال انکا جو ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت ڈرنے والوں کو [۶۵]

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا  
مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً  
لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۳﴾

۳۵۔ اللہ روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی [۶۶] مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہو تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ روشنی پر روشنی اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب چیز کو جانتا ہے [۶۷]

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ  
كَشُكُوَّةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ط أَلْبِصْبَاحٍ فِي زُجَاجَةٍ ط  
الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ  
مُّبْرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ  
زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ ط  
يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ط وَيَضْرِبُ اللَّهُ  
الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا انکو بلند کرنے کا [۶۸] اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا [۶۹] یاد کرتے ہیں اسکی وہاں صبح و شام [۷۰]

فِي بُيُوتٍ أُذِنَ لِلَّهِ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا  
اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے [۷۱] ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں [۷۲]

رِجَالٌ لَا تُلْهِيمُهُمْ تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَن ذِكْرِ اللَّهِ  
وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَآيْتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا  
تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ تاکہ بدلہ دے انکو اللہ انکے بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے انکو اپنے فضل سے [۴۳] اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار [۴۴]

۳۹۔ اور جو لوگ منکر ہیں ان کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اس کو پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اسکو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب [۴۵]

۴۰۔ یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک [۴۶] جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو وہ سوچے [۴۷] اور جسکو اللہ نے نہ دی روشنی اسکے واسطے کہیں نہیں روشنی [۴۸]

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَبَلُوا وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٨﴾

وَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّنُّ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَ وَّجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٩﴾

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ ظُلُمَتْ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدِ يَرَاهَا ۗ وَمَنْ لَّمْ

يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ ﴿٣٠﴾

۶۵۔ قرآن کریم میں گزشتہ اقوام کے حالات: یعنی قرآن کریم میں سب کچھ نصیحتیں احکام اور گزشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کر دیے گئے ہیں۔ تاخدا کا ڈر رکھنے والے سن کر نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں یا مثلاً مِنَ الَّذِينَ خَلَوْا سے مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کئے گئے تھے جو اس صورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اس قصہ ”انک“ کے مشابہ پیش آئے جو سورہ ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے برأت ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیق کی برأت اور بزرگی بھی تاقیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔

۶۶۔ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے: یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین و آسمان کو اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القرآن) سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء و اولیاء میں جو ظاہری و باطنی روشنی ہے، اسی منبع النور سے مستفاد ہے۔ ہدایت و معرفت کا جو چکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے۔ تمام علویات و سفلیات اس کی آیات تکوینیہ و تزیلیہ سے منور ہیں۔ حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اس کے وجہ منور اور ذات مہاک کے جمال و کمال کا ایک پر تو ہے۔ سیرت ابن



مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْغِيَاثُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي يَقَعْنَ فِيهَا الْحُ

۶۸۔ مسجد کی تعظیم و تطہیر: ان کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا یعنی ان کی خبر گیری کی جائے اور ہر قسم کی گندگی اور لغو افعال و اقوال سے پاک رکھا جائے مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔

۶۹۔ تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن وغیرہ سب اذکار اس میں شامل ہیں۔

۷۰۔ یعنی تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ ”غدو“ سے صبح کی نماز مراد ہے اور ”آصال“ میں باقی چاروں نماز میں داخل ہیں۔ کیونکہ اصیل زوالِ شمس سے صبح تک کے اوقات پر بولا جاتا ہے۔

۷۱۔ رجال اللہ کبھی غافل نہیں ہوتے: یعنی معاش کے دھندے انکو اللہ کی یاد اور احکام الہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید و فروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ہی شان تھی۔

۷۲۔ یعنی اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے، قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی، کبھی ہلاکت کا خوف۔ اور آنکھیں کبھی دانے کبھی بائیں دیکھیں گی کہ دیکھے کس طرف سے پکڑے جائیں یا کس جانب سے اعمال نامہ ہاتھ میں دیا جائے۔

۷۳۔ یعنی اچھے کاموں کا جو صلہ مقرر ہے وہ ملے گا۔ اور حق تعالیٰ کے فضل سے اور زیادہ دیا جائے گا۔ جسکی تفصیل و تعین ابھی نہیں کی جاسکتی۔

۷۴۔ یعنی اس کے ہاں کیا کمی ہے، اگر جنتیوں کو بیحد و حساب عنایت فرمائے تو کچھ مشکل نہیں۔

۷۵۔ کفار کے اعمال کی مثال: کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے، حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول و معتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا، دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب و حسرت کے وقت اللہ نے اس کا سب حساب ایک دم میں چکا دیا۔ کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتانا کر دیا گیا۔ دوسرے وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل و کفر، ظلم و عصیان کی اندھیروں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں ان کی مثال آگے بیان فرمائی، ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والے کو نظر آتی تھی۔ یہ لوگ خالص اندھیروں اور تہ برتہ ظلمات میں بند ہیں۔ کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ۔

۷۶۔ یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک چڑھی آتی ہیں پھر سب کے اوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیروں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

۷۷۔ یعنی اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے قریب کر کے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں پہنچانتا۔

۷۸۔ اوپر مومنین کے ذکر میں جو یٰھٰی اللّٰہُ لِنُورِہٖ مِّنْ یَّسَّاءَ فرمایا تھا، یہ جملہ اس کے مقابل ہو یعنی جس کو خدا تعالیٰ نور توفیق نہ دے اسے اور کون روشنی پہنچا سکتا ہے۔ ان کی استعداد خراب تھی توفیق نہ ملی۔ اور دریا کی تہ میں گر کر انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لئے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔

۳۱۔ کیا تو نے دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے [۸۹] ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد [۸۹] اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں [۸۹]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتٍ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے [۸۲]

وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ تو نے نہ دیکھا اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر انکو ملا دیتا ہے پھر انکو رکھتا ہے تہہ برتہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے نیچے سے [۸۳] اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے [۸۴] ابھی اس کی بجلی کی کوند لیجائے آنکھوں کو [۸۵]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَّامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۗ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو [۸۶] اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو [۸۷]

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو ایک پانی سے [۸۸] پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر [۸۹] اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر [۹۰] اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر [۹۱] بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے [۹۲]

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلَىٰ آرَبَعٍ ۗ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۵﴾

۷۹۔ مخلوقات اور پرندوں کی تسبیح: شاید اڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لئے کیا کہ وہ اس وقت آسمان اور زمین کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔

۸۰۔ یعنی حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت و بندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے۔ لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غرور و غفلت اور ظلمت جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے وظیفہ عبودیت سے بے بہرہ ہیں (تنبیہ) مخلوقات کی تسبیح کے متعلق پندرہویں پارہ میں ربیع کے قریب کچھ مضمون گذر چکا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹوں کو تسبیح کی وصیت کی اور فرمایا **وَإِنَّهَا لِصَلْوَةُ الْخَلْقِ** (یہ ہی باقی مخلوق کی نماز ہے)۔

۸۱۔ یعنی ان کی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو، لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔

۸۲۔ اللہ کی حکومت ہر شے پر حاوی ہے: یعنی جیسے اس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام علویات و سفلیات پر حاوی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔

۸۳۔ بادلوں کے نظام میں اللہ کی نشانیاں: یعنی ابتداء میں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھتے ہیں پھر مل کر بڑا بادل بن جاتا ہے۔ پھر تہہ پرتہ جمادی جاتی ہے۔

۸۴۔ پہاڑ اور اولے: یعنی جیسے زمین میں پتھروں کے پہاڑ ہیں، بعض سلف نے کہا کہ اسی طرح آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے اسی کے موافق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن زیادہ راجح اور قوی یہ ہے کہ ”سما“ سے بادل مراد ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں، اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اولے کی چھال بیل کے ایک سینگ پر پڑتی ہے اور دوسرا سینگ خشک رہ جاتا ہے۔

۸۵۔ برق کی چمک: یعنی بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے۔

۸۶۔ دن اور رات کی تبدیلی: یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اسی کی قدرت سے آتا ہے۔ وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور ان کی گرمی کو سردی سے، سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے۔

۸۷۔ قدرت کے ان مظاہر کا مطالبہ: یعنی چاہئے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت و عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات و تقلبات کی باگ ہے۔

۸۸۔ اس کے لئے ستر ہوں پارہ کے تیسرے رکوع میں آیت **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ** (الانبیاء۔ ۳۰) کا فائدہ دیکھنا چاہئے۔

۸۹۔ جیسے سانپ اور مچھلی۔

۹۰۔ جیسے آدمی اور طیور۔

۹۱۔ جیسے گائے بھینس وغیرہ۔

۹۲۔ یعنی کسی جانور کو چاروں طرف سے زائد پاؤں دیے ہوں تو بعید نہیں، اس کی لامحدود قدرت و مشیت کو کوئی محصور نہیں کر سکتا۔

۴۶۔ ہم نے اتاریں آیتیں کھول کھول کر بتلانے والی اور اللہ چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ پر [۹۳]

لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

۳۶

۴۷۔ اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آگئے پھر پھر جاتا ہے ایک فرقہ ان میں سے اس کے پیچھے اور وہ لوگ نہیں ماننے والے [۹۳]

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ

بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٤﴾

۴۸۔ اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ ان میں قضیہ چکائے تبھی ایک فرقہ کے لوگ ان میں منہ موڑتے ہیں

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٣٨﴾

۴۹۔ اور اگر ان کو کچھ پہنچتا ہو تو چلے آئیں اس کی طرف قبول کر کر [۹۵]

وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ کیا انکے دلوں میں روگ ہے [۹۶] یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ اور اس کا رسول کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں [۹۷]

أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٠﴾

۵۱۔ ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلائیے انکو اللہ اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو ان میں تو کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا اور وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے [۹۸]

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَبِعْنَا وَ أَطَعْنَا ؕ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٤١﴾

۵۲۔ اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اسکے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچکر چلے اس سے سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے [۹۹]

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٤٢﴾

۵۳۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ حکم برداری چاہئے جو دستور ہے البتہ اللہ کو

وَاقْسُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيَانِهِمْ لِيُنْ أَمْرَتَهُمْ لِيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تُقْسُوا طَاعَةَ مَعْرُوفَةً إِنَّ



خبر ہے جو تم کرتے ہو [۱۰۰]

اللَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر [۱۰۱]

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنبَاءَ عَلَيْهِ مَأْحِلٌ مِّمَّا حَبَلْتُمْ وَإِن تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ

السِّبِينُ ﴿۵۳﴾

۹۳۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے: یعنی آیات تکوینیہ و تزیلیہ تو اس قدر واضح ہیں کہ انہیں دیکھ کر اور سن کر چاہئے کہ کوئی آدمی نہ ہیکے لیکن سیدھی راہ پر چلتا وہ ہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں آدمی یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں پر نتیجہ کے اعتبار سے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

۹۴۔ منافقین کا بیان: یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ زبان سے دعویٰ ایمان و اطاعت کا کیا کرتے تھے اور جب عمل کا وقت آتا تو پھر جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شروع سے ایمان و انقیاد موجود ہی نہ تھا۔ جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا امتحان و ابتلاء کے وقت اس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔

۹۵۔ منافقین کی ہوا پرستی: یعنی اگر ان کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں، اس وقت اگر دوسرا فریق کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کر لو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ یقیناً بلا رور رعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم اللہ و رسول پر ایمان لانے اور ان کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا۔ ہاں فرض کیجئے اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور کی ذات مبارک پر کر دیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں عدالت سے ہمارے موافق فیصلہ ہو گا۔ تو یہ ایمان و اسلام کیا ہوا، محض ہوا پرستی ہوئی۔

۹۶۔ روگ یہ کہ خدا اور رسول کو سچ مانا لیکن حرص نہیں چھوڑتی کہ کہے پر چلیں۔ جیسے بیمار چاہتا ہے چلے اور پاؤں نہیں اٹھتا۔

۹۷۔ یعنی خدا اور رسول کی بابت کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور حضور ﷺ کی صداقت یا اللہ کے وعدہ و وعید میں کوئی شک و شبہ ہے؟ یا یہ گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملات کا خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے ان کی عدالت میں مقدمہ لیجانے سے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم و بے انصافی کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چاہتے ہیں کہ اپنا حق پورا وصول کر لیں اور دوسروں کو ایک پیسہ نہ دیں۔ اسی لئے ان معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں جن میں سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہو گا۔ یہ تو منافقین کا ذکر تھا آگے ان کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں۔

۹۸۔ مومنین کا طریقہ: یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلا یا جائے خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان۔ ایک منٹ کا توقف نہ کریں فی الفور ”سمعاً و طاعة“ کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمحل ہے۔

۹۹۔ یعنی جو فی الحال فرمانبردار ہو، گذشتہ تفسیرات پر نام نہ ہو کر اور خدا سے ڈر کر توبہ کرے اور آئندہ برے راستے سے بچ کر چلے، اسی کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

۱۰۰۔ منافقوں کی جھوٹی قسمیں: یعنی منافقین بڑی سخت تاکید کی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستے میں نکل جانے کے لئے تیار ہیں ذرا حضور ﷺ اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستے میں لٹا کر الگ ہو جائیں اس پر فرمایا کہ اس قدر منہ بھر کر لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت سب معلوم ہو چکی کہ زبان سے دعوے بہت کیا کرتے ہو۔ اور عمل کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جاتے ہو۔ چاہئے کہ سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکم برداری کر کے دکھاؤ زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ فرض کرو تم قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین دلادو لیکن اللہ کے آگے کسی کی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا۔ وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ آگے چل کر تمہاری مکاری اور نفاق کا پردہ فاش کر دے گا۔

۱۰۱۔ قبول حق کی ذمہ داری پوری کرو: یعنی پیغمبر پر خدا کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے، سو اس نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا وہ تصدیق و قبول حق کا ہے، اور یہ کہ اس کے ارشاد کے موافق چلو۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو کامیابی دارین کی راہ پاؤ گے اور دنیا و آخرت میں خوش رہو گے ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں۔ تمہاری شرارت و سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عند اللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔

۵۵۔ وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا انکو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جمادے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا انکے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو [۱۰۲] اور جو کوئی ناشکری کرے گا اسکے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان [۱۰۳]

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَ لِيَبْكَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي  
ارْتَضَى لَهُمْ ۖ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا  
يَعْبُدُونََنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ  
ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٥٥﴾

۵۶۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو [۱۰۴]

وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرُّسُلَ  
لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾

۵۷۔ نہ خیال کر کہ یہ جو کافر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ

## وَمَا أُولَئِكَ بِمُعْجِزِينَ ۚ وَمَا آتَاكَ بِشَيْءٍ مِّنَ النَّارِ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

ملک میں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور وہ بری جگہ ہے پھر  
جانے کی [۱۰۵]

۱۰۲۔ صحابہ کرام سے حکومت کا وعدہ: یہ خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو ان میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد ان کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے ان کے ہاتھوں سے دنیا میں اس کو قائم کرے گا۔ گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔ بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی و تری میں اس کا سکہ بٹھائیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا۔ وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہو گا۔ ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہو گی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہو گی۔ شرک جلی کا توہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی ان کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے، اسی سے ڈریں گے اسی سے امید رکھیں گے۔ اسی پر بھروسہ کریں گے اسی کی رضائیں ان کا عینا اور مرنا ہو گا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف و ہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔

اس وعدے کا ایفاء: الحمد للہ کہ یہ وعدہ الہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب و غریب بشارات سنائی گئی ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے اسلام کا کلمہ بلند کریں گے۔

خلفائے اربعہ کی فضیلت: اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی فضیلت و منقبت نکلتی ہے ابن کثیرؒ نے اس کے تحت عہد نبوت سے لیکر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے اور آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں وَجِبِي الْخَرَاجُ مِنَ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِلَى حَضْرَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَذَلِكَ بِبَدَاةِ تِلَاوَتِهِ وَدَرَّاسَتِهِ وَجَمْعِهِ الْأُمَّةِ عَلَى حِفْظِ الْقُرْآنِ وَلِهَذَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ ذُو لِي الْأَرْضِ فَمَأْتِيَتْ مَشَارِقُهَا وَمَغَارِبُهَا وَسَيَبْدُلُ مَلِكُ أُمَّتِي مَا رَوَى لِي مِنْهَا فَهَذَا نَحْنُ نَتَقَلَّبُ فِيهَا وَعَدْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَسَسَّالَ اللَّهُ الْإِيْمَانَ بِهِ وَبِرَسُولِهِ وَالْقِيَامَ بِشُكْرِهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي يُرِضِيهِ عَنَّا۔

۱۰۳۔ صحابہ کرام سے حکومت کا وعدہ: یعنی ایسے انمات عظیمہ کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور ہیکل مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت (اور ان کے فضل و شرف) سے منکر ہو ان الفاظ سے اس کا حال سمجھا گیا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

۱۰۴۔ حصول رحمت کا طریقہ: یعنی خدا کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو تو تم بھی ان ہی مقبول بندوں کی روش اختیار کرو۔ وہ روش یہ ہی ہے نمازیں قائم کرنا، زکوٰۃ دینے رہنا اور تمام شعبہ زندگی میں رسول کے احکام پر چلنا۔ اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا مَتَابَعَةَ رَسُولِكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوْفِقْنَا عَلَيْهِ وَالْحَقِّقْنَا بِالصَّالِحِينَ۔ آمین۔

۱۰۵۔ کفار کا ٹھکانہ: یہ نیک بندوں کے بالمقابل مردود و مغضوب لوگوں کا انجام بتلایا۔ یعنی جبکہ نیکیوں کو ملک کی حکومت اور زمین کی خلافت عطا کی جاتی ہے، کافروں اور بدکاروں کی ساری مکاریاں اور تدبیریں شکست ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر تمام

خدائی میں ادھر ادھر بھاگتے پھریں تب بھی وہ خدائی سزا سے اپنے کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً ان کو جہنم کے جیل خانہ میں جانا پڑے گا۔

۵۸۔ اے ایمان والو! اجازت لیکر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں [۱۰۶] اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں تمہارے [۱۰۷] کچھ تنگی نہیں تم پر اور ان پر ان وقتوں کے پیچھے پھر ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس [۱۰۸] یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ  
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ  
مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۖ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ  
حِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ  
صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۗ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ  
عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۖ طُفُوفُونَ  
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ  
لَكُمْ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ اور جب پہنچیں لڑکے تم میں کے عقل کی حد کو تو انکو ویسی ہی اجازت لینی چاہئے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے [۱۰۹] یوں کھول کر سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

وَإِذَا بَدَعَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا  
كَأَاسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ  
اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾

۶۰۔ اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جنکو توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے انکے لئے [۱۱۰] اور اللہ سب باتیں سننا جانتا ہے [۱۱۱]

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا  
فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ  
مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۗ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۗ  
وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾

۱۰۶۔ اجازت لینے کا مسئلہ: یعنی لونڈی غلام، چار رکوع پہلے مسئلہ استیذان (اجازت لینے) کا ذکر تھا۔ یہ اسی کا تتمہ ہے درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دوسرے مضامین آگئے۔

۱۰۷۔ ان تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اتار دیے جاتے ہیں یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کیا جاتا ہے اور بیوی کے ساتھ مخالطت بھی بیشتر ان ہی اوقات میں ہوتی ہے کبھی فجر سے قبل یا دوپہر کے وقت آدمی غسل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی مطلع نہ ہو۔ اس لئے حکم دیا کہ ان تین وقتوں میں نابالغ لڑکوں اور لونڈی غلام کو بھی اجازت لے کر آنا چاہئے۔ باقی وقتوں میں ان کو اجنب کی طرح اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ الایہ کہ کوئی شخص اپنی مصلحت سے دوسرے اوقات میں بھی استیذان کی پابندی عائد کر دے۔

۱۰۸۔ استیذان سے مستثنیٰ اوقات: یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادتاً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں ان میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

۱۰۹۔ نابالغ لڑکوں کا حکم: یعنی لڑکا جب تک نابالغ ہے تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بلا اجازت لئے آ جاسکتا ہے۔ جس وقت حد بلوغ کو پہنچا پھر اس کا حکم ان ہی مردوں جیسا ہو گا جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں۔ اور جن کا حکم پیشتر آیت یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا (النور-۲۷) میں گذر چکا ہے۔

۱۱۰۔ بوڑھی عورتوں کا پردہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو درست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر“ اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم آیت وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ (النور-۳۱) الخ میں دیا جا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو ان عورتوں کے تستر کے متعلق قرآن کریم کا منشاء کیا ہے۔

۱۱۱۔ اللہ پر دے کی باتیں بھی جانتا ہے: یعنی یہ توفیقہ کی روک تھام کے ظاہری انتظامات ہیں باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں اور نکتے اٹھائے جاتے ہیں، یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان سب کو سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

۶۱۔ نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف [۱۱۲] اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھانا اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے [۱۱۳] نہیں گناہ تم پر کہ کھانا آپس میں مل کر یا جدا ہو کر پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے اپنی باتیں تاکہ تم سمجھ لو [۱۱۴]

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْبَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْوَابِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ

مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقُكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ  
تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۖ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا  
فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ  
مُبْرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ  
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾

۱۱۲۔ معذوروں کیلئے احکام میں رعایت: یعنی جو کام تکلیف کے ہیں وہ ان کو معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت اور ایسی چیزیں۔ (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور و محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ جاہلیت میں اس قسم کے محتاج و معذور آدمی اغنیاء اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے رکتے تھے انہیں خیال گزرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات و اوضاع سے ایذا پہنچتی ہو، اور واقعی بعضوں کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی۔

معذوروں کے ساتھ صحابہ کرام کا متقیانہ طریقہ: نیز بعض مومنین کو غایت انقاء سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے۔ اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے۔ بیمار کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ دوسری ایک اور صورت پیش آتی تھی کہ یہ معذور و محتاج لوگ کسی کے پاس گئے، وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا، ازراہ بے تکلفی ان کو اپنے بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ کسی عزیز و قریب کے گھر لے گیا۔ اس پر ان حاجتمندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے اس کے پاس، یہ دوسرے کے ہاں لے گیا۔ کیا معلوم ہو ہمارے کھلانے سے کارہ اور ناخوش تو نہیں۔ ان تمام خیالات کی اصلاح آیت حاضرہ میں کر دی گئی کہ خواہی نہ خواہی اس طرح کے اہام و وساوس میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعت دے رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔"

۱۱۳۔ یعنی تمہارے زیر تصرف دیدیا گیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بقدر معروف اس میں سے کھانے پینے کی اجازت دے دی۔

۱۱۴۔ گھر والوں کے ساتھ کھانے پینے کے آداب: یعنی اپنائیت کے علاقوں میں کھانے کی چیز کو ہر وقت پوچھنا ضرور نہیں۔ نہ کھانے والا حجاب کرے نہ گھر والا در بے کرے۔ مگر عورت کا گھر اگر اس کے خاوند کا ہو۔ اس کی مرضی حاصل کرنی چاہئے۔ اور مل کر کھاؤ یا جدا یعنی اس کی تکرار دل میں نہ رکھے کہ کس نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ سب نے مل کر پکایا سب نے مل کر کھایا۔ اور اگر ایک شخص کی مرضی نہ ہو تو پھر کسی کی چیز کھانی ہر گز درست نہیں۔ اور تقید فرمایا اسلام کا آپس کی ملاقات میں۔ کیونکہ اس سے بہتر دعاء نہیں جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا۔ بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا یہ غلو ہے۔ البتہ اگر کوئی کھانے والے ہوں اور کھٹے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے مکار و فی الحدیث۔

۶۲۔ ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو [۱۱۵] پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو ان میں سے تو چاہے اور معافی مانگ انکے واسطے اللہ سے اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۱۶]

إِنَّا الْبُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۗ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٧﴾

۶۳۔ مت کو لو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اسکے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو [۱۱۷] اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے جو شک جاتے ہیں آنکھ بچا کر [۱۱۸] سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا اس سے کہ آپڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب دردناک [۱۱۹]

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۗ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٨﴾

۶۴۔ سنتے ہو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اس کو معلوم ہے جس حال پر تم ہو اور جس دن پھیرے جائیں گے اس کی طرف تو بتائے گا ان کو جو کچھ انہوں نے کیا اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے [۱۲۰]

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ ۗ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۗ وَ يَوْمَ يَرْجِعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٩﴾

۱۱۵۔ صحابہ کرام کو اجازت دینے کا حکم: اوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت استیذان (اجازت طلب کرنے) کا ذکر تھا۔ یہاں جانے کے وقت استیذان کی ضرورت بتلائی ہے۔ یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ تو بدون اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے۔ یہ ہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔

۱۱۶۔ یعنی غور و فکر کرنے کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دیدیں۔ اور چونکہ اس اجازت پر عمل کرنا بھی فی الجملہ صحبت نبوی سے حرمان اور صورتاً تقدیم الدین کا شانہ اپنے اندر رکھتا ہے، اس لئے ان مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں۔ تاکہ آپ کے استغفار کی برکت سے اس نقص کا تدارک ہو سکے۔

۱۱۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو بلانا: یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ کا بلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اس پر "لبیک" کہے یا نہ کہے۔ اگر حضور ﷺ کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعاء سے ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ آپ کی دعاء معمولی انسانوں جیسی نہیں۔ نیز مخاطبات میں حضور ﷺ کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کا خاص ادب: عام لوگوں کی طرح "یا محمد" وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ "یا نبی اللہ" اور "یا رسول اللہ" جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت کے بلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلائیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ وہاں سے بے اجازت اٹھ کر چلے نہ جائیں۔ اب بھی سب مسلمانوں کو اپنے سرداروں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا چاہیے۔

۱۱۸۔ مجلس نبوی میں منافقین کا رویہ: یہ منافقین تھے جن کو مجلس نبوی میں بیٹھنا اور پند و نصیحت سننا شاق گذرتا تھا وہ اکثر موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس سے بلا اجازت کھسک جاتے تھے۔ مثلاً کوئی مسلمان اجازت لے کر اٹھا، یہ بھی اس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیے اس کو فرمایا کہ تم پیغمبر سے کیا چھپاتے ہو، خدا تعالیٰ کو تمہارا سب کا حال معلوم ہے۔

۱۱۹۔ مجلس نبوی میں منافقین کا رویہ: یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے بڑھ نہ پکڑ جائے۔ اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ)

۱۲۰۔ اللہ کا علم محیط: یعنی ممکن ہے مخلوق سے آنکھ بچا کر کوئی کام کر گزرو۔ لیکن حق تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اس کی زمین و آسمان میں سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہو۔ وہ جس طرح تمہارے احوال سے باخبر ہے ایسے ہی اس دن کی کیفیت مجازات سے بھی پورا آگاہ ہے۔ جب تمام مخلوق حساب و کتاب کے لئے اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر ایک کے سامنے اس کا ذرہ ذرہ عمل کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ ایسے علیم الکل اور مالک الکل کی سزا سے مجرم کس طرح اپنے کو بچا سکتا ہے۔

تم سورۃ النور بفضل اللہ توفیقہ

اللهم نور قلوبنا بالایمان والاحسان ونور قبورنا واتم لنا نورنا و اغفر لنا انک علی کل شیء قدير وبالاجابہ جدیر



ایاتہا &gt;&gt;

رکوعاتہا ۶

## ۲۵ سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ بڑی برکت ہے اسکی جس نے اتاری فیصلہ کی کتاب [۱] اپنے بندہ پر [۲] تاکہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا [۳]

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لَیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴿۱﴾

۲۔ وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اسکو ماپ کر [۴]

الَّذِیْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَكَدًا وَ لَمْ یَكُنْ لَهُ شَرِیْكٌ فِی الْبُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾

۳۔ اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور وہ خود بنائے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے حق میں برے کے اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے [۵]

وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِہِ الْہِیۡةَ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَسْلُکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمُ ضَرًّا وَ لَا نَفْعًا وَ لَا یَسْلُکُوْنَ مَوْتًا وَ لَا حَیۡوَةً وَ لَا نُسُوْرًا ﴿۳﴾

۱۔ قرآن فرقان ہے: ”فرقان“ (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق و باطل کا آخری فیصلہ اور حرام و حلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ یہ ہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان، علوصفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و رافت کو انتہائی شکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت و اصلاح کا تکفل اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔

۲۔ یعنی اپنے اس کامل و اکمل بندہ (محمد رسول اللہ ﷺ) پر جن کا ممتاز لقب ہی کمال عبودیت کی وجہ سے ”عبد اللہ“ ہو گیا۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔

۳۔ قرآن عالمین کیلئے نذیر ہے: یعنی قرآن کریم سارے جہان کو کفر و عصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے چونکہ سورت ہذا میں مکذبین و معاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے شاید اسی لئے یہاں صفت ”نذیر“ کو بیان فرمایا۔ ”بشیر“ کا ذکر نہیں کیا۔ اور ”للعالمین“ کے لفظ سے بتلادیا کہ یہ قرآن صرف عرب کے اُمیوں کے لئے نہیں اترا بلکہ تمام جن و انس کی ہدایت و اصلاح کے واسطے آیا ہے۔

۴۔ تخلیق میں فطری موزونیت: یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اس سے وہ ہی خواص و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی نہ اپنی حدود میں عمل و تصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا ماپ تول کر پیدا فرمایا کہ اسی کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار ان کو یہ ہی کہنا پڑتا ہے صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِي اَنْفَعَنُ كُلَّ شَيْءٍ (النمل-۸۸) اور تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون-۱۴)۔

۵۔ مشرکین کا شرک غیر فطری ہے: یعنی کس قدر ظلم اور تعجب و حیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق، مالک الکل، حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے، جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالانکہ ان بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا ان کے قبضے میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز و مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاهت اور بے حیائی ہے۔ (ربط) یہ قرآن نازل کرنے والے کی صفات و شئون کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزی کر رہے تھے اسکی تردید تھی۔ آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینوں کا جواب ہے۔

۴۔ اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں ہے یہ مگر طوفان باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے سو آگے بے انصافی اور جھوٹ پر [۴]

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ هٰذَا اِلَّا افْكٌ اَفْتَرٰهُ وَ  
اَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُونَ ۗ فَقَدْ جَاءُوْا ظُلْمًا وَ

زُورًا ﴿۳﴾

۵۔ اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جنکو اس نے لکھ رکھا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح اور شام [۸]

وَقَالُوا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اَكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰٓ  
عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاٰصِيْلًا ﴿۵﴾

۶۔ تو کہہ اسکو اتارا ہے اس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں اور زمین میں [۹] بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۰]

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ  
الْاَرْضِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾

۷۔ اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں [۱۱] کیوں نہ اترا اسکی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَسْهٰٓ  
فِي الْاَسْوَاقِ ۗ لَوْلَا اَنْزَلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنُ مَعَهٗ

نٰذِيْرًا ﴿۷﴾

۸۔ یا آپڑتا اسکے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے [۱۲] اور کہنے لگے بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی [۱۳]

أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا  
وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٨﴾

۹۔ دیکھ کیسی بھلاتے ہیں تجھ پر مثلیں سو بہک گئے اب پانہیں سکتے راستہ [۱۴]

أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا  
يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿٩﴾

۶۔ کفار کا قرآن پر بے سرو پا اعتراض: یعنی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ معاذ اللہ محمد (ﷺ) نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کر لیا اور اس کو جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر ان کے ساتھی لگے اس کی اشاعت کرنے بس کل حقیقت اتنی ہے۔

۷۔ یعنی اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہو گا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت و صداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے، کذب و افتراء کہا جائے۔ کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جاسکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح و بلیغ عالم و حکیم بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں اور جس کے علوم و معارف کی تھوڑی سے جھلک بڑے بڑے عالی دماغ عقلاء و حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کر دے۔

۸۔ قرآن پر کفار کا ایک اور اعتراض: یعنی محمد (ﷺ) نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں یا کسی سے نوٹ کر لی ہیں۔ وہ ہی شب و روز ان کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے ان ہی کا الٹ پھیر رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”اول نماز کے دو وقت مقرر تھے صبح اور شام مسلمان حضرت کے پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اترا ہو تاکہ لکھ لیتے یاد کرنے کو۔ اس کو کافریوں کہنے لگے۔“

۱۰۔ یعنی اپنی بخشش اور مہر سے ہی یہ قرآن اتارا (موضح القرآن) پھر جو لوگ ایسی روشن حقیقت کے منکر ہیں باوجود ان کے جرائم کا تفصیلی علم رکھنے کے فوراً سزا نہیں دیتا۔ یہ بھی اس کی بخشش اور مہر ہی کا پرتو ہے۔

۹۔ قرآن خود اپنی دلیل ہے: یعنی کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ اس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطہ علمی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، علوم و معارف اخبار غیبیہ، احکام و قوانین اور وہ اسرار مکنونہ جنکی تہ تک بدون توفیق الہی کے عقل و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کھانے پینے سے اعتراض: یعنی جب ہماری طرح کھانا کھائے اور ہماری طرح خرید و فروخت کے لئے بازاروں میں جائے، تو ہم میں اس میں فرق کیا رہا۔ اگر واقعی رسول تھا تو چاہئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتا۔

۱۲۔ نبوت پر کفار کے جاہلانہ شبہات: یعنی اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم خدا کا ایک آدھ فرشتہ ان کو سچا ثابت کرنے اور رعب بجانے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کو خواہ مخواہ لوگوں کو جھلکانا پڑتا۔ یہ کیا کہ کسمپرسی کی حالت میں اکیلے دعویٰ کرتے پھر رہے ہیں۔ یا اگر فرشتے بھی ہمراہ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بیدار بلوغ مال خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے اور خیر یہ بھی نہ سہی، معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگور کجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہد جلیلہ پر معاذ اللہ ایسی معمولی حیثیت کے آدمی کو مامور کیا ہے۔

۱۳۔ یعنی میاں کی یہ پوزیشن اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ عقل کھوئی گئی ہے یا کسی نے جادو کے زور سے دماغ مختل کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

۱۴۔ کفار کی حیرانی اور ابدی گمراہی: یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں۔ کبھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن کبھی شاعر، کبھی مجنون، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لئے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔

۱۰۔ بڑی برکت ہے اسکی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر باغ کہ نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں اور کر دے تیرے واسطے محل [۱۵]

تَبْرَكَ الَّذِيٰ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ  
جَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۗ وَيَجْعَلُ لَكَ

قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

۱۱۔ کچھ نہیں وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اسکے واسطے کہ جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ [۱۶]

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۗ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَبَ  
بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾

۱۲۔ جب وہ دیکھے گی ان کو دور کی جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجھانا اور چلانا [۱۷]

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَبِعُوْا لَهَا تَغِيْظًا وَّ  
زَفِيْرًا ﴿۱۲﴾

۱۳۔ اور جب ڈالے جائیں گے اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک زنجیر میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اس جگہ موت کو [۱۸]

وَ اِذَا الْاُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقْرَنِيْنَ دَعُوْا  
هُنٰلِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾

۱۴۔ مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو [۱۹]

لَا تَدْعُوْا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّ اِحْدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا  
كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾

۱۵۔ تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہو چکا پر ہمیں گاروں سے [۲۰] وہ ہو گا ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ

قُلْ اٰذِلْكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةٌ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ  
الْمُتَّقُوْنَ ۗ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَّ مَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

۱۶۔ انکے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں [۲۱] رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ مانگامتا [۲۲]

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خُلْدِينَ ط كَانَ عَلَى رَبِّكَ

وَعَدًا مَسْئُولًا ﴿١٦﴾

۱۷۔ اور جس دن جمع کر بلائے گا انکو اور جنکو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے پھر ان سے کہے گا کیا تم نے بہکا یا میرے ان بندوں کو یا وہ آپ بھکے راہ سے [۲۳]

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ

ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑ لیں کسی کو تیرے بغیر رفیق [۲۴] لیکن تو ان کو فائدہ پہنچاتا رہا اور انکے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھلا بیٹھے تیری یاد اور یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے [۲۵]

قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَ

أَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ ۖ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾

۱۹۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں [۲۶] اب نہ تم لوٹا سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو [۲۷] اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب [۲۸]

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۖ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَظْلِم مِّنْكُمْ نَذِقْهُ

عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں [۲۹] اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت بھی رہتے ہو [۳۰] اور تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے [۳۱]

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لِيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ط وَ

جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ط أَتَصْبِرُونَ ۚ وَ

كَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾

۱۵۔ یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا، بہت سے باغ اس سے بہتر عنایت فرمادے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور و قصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کر دے۔ لیکن حکمت الہی

بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔ اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کر دی جائیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہیں۔ باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و معجزات پیش کئے جا چکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔

۱۶۔ قیامت کا آنا اٹل ہے: یعنی یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں، فی الحقیقت طلب حق کی نیت نہیں۔ محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزاء پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا، قیامت آکر رہے گی اور ان کمذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا۔

۱۷۔ کفار کیلئے دوزخ کا جوش و غضب: یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبانگ آوازیں اور خوفناک پھکاروں سے بڑے بڑے دلبروں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔

۱۸۔ کفار زنجیروں میں بندھے ہونگے: یعنی دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا۔ اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آکر ہمارے ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔

۱۹۔ بار بار کی موت: یعنی ایک بار مرے تو چھوٹ جائیں۔ دن میں ہزار بار مرنے سے بدتر حال ہوتا ہے۔ (موضح القرآن)

۲۰۔ یعنی کمذبین کا انجام سن لیا۔ اب خود فیصلہ کر لو کہ یہ پسند ہے یا وہ جس کا وعدہ مومنین متیقن سے کیا گیا۔

۲۱۔ اور چاہیں گے وہ ہی جو ان کے مرتبہ کے مناسب ہو گا۔

۲۲۔ مومنین کے انعامات: وَعَدَا مَسْعُورًا سے مراد حتمی وعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض فضل و عنایت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا۔ یا یہ مطلب کہ اس وعدہ کا ایفاء کا متیقن سوال کریں گے۔ جو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ جیسا کہ دعائیں ہے رَبَّنَا وَاتَّعَدْنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ۔

۲۳۔ باطل معبودوں سے سوال: یعنی عابدین کو سنا کر معبودوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان کو شرک کی اور اپنی پرستش کرانے کی ترغیب دی تھی یا یہ خود اپنی حماقت و جہالت اور غفلت و بے توجہی سے گمراہ ہوئے۔

۲۴۔ یعنی ہماری کیا مجال تھی کہ تجھ سے ہٹ کر کسی دوسرے کو اپنا رفیق و مددگار سمجھتے۔ پھر جب ہم اپنے نفس کے لئے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تھے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔

۲۵۔ باطل معبودوں کا جواب: یعنی اصل یہ ہے کہ یہ بد بخت اپنی سوء استعداد سے خود ہی تباہ ہونے کو پھر رہے تھے ہلاکت ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ظاہری سبب اس کا یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپکی یاد کو بھلا بیٹھے، کسی نصیحت پر کان نہ دھرا، پیغمبروں کی ہدایت و ارشاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے، آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر انکو اور انکے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے، یہ اسی قدر غفلت و نسیان میں ترقی کرتے گئے چاہئے تو یہ تھا کہ انعامات الہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گزاری اختیار کرتے، اٹے مغرور و مفتوں ہو کر کفر و عصیان پر تل گئے۔ گویا جو امرت تھا بد بختی سے ان کے حق میں زہر بن گیا۔

۲۶۔ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ لو! جن کی اعانت پر تمکو بڑا بھروسہ تھا وہ خود تمہارے دعاوی کو جھٹلا رہے اور تمہاری حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

۲۷۔ یعنی اب نہ عذاب الہی کو پھیر سکتے ہونہ بات کو پلٹ سکتے ہونہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو جسکو جو سزا ملنے والی ہے اسکا پڑے مزہ چکھتے رہو۔

۲۸۔ شاید ظلم سے مراد یہاں شرک ہو، اور ممکن ہے ہر قسم کا ظلم و گناہ مراد لیا جائے۔

۲۹۔ تمام انبیاء بشر تھے: یہ جواب ہوا مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ اِنْ كَانَتْ لِحَاظِ الْبَشَرِ مِنْكُمْ اَنْ تَكْفُرُوا بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ۔ پہلے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے اور معاشی ضروریات کے لئے بازار بھی جاتے تھے انکو فرشتہ بنا کر نہیں بھیجا جو کھانے پینے اور حوائج بشریہ سے مستغنی ہوں

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے بازاروں میں پھر نشانِ تقدس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر بازار نہ جانے کا منشاء کبر و خود بینی ہو تو یہ بزرگی کے خلاف ہے۔

۳۰۔ تم ایک دوسرے کیلئے آزمائش ہو: یعنی پیغمبر ہیں کافروں کا ایمان جانچنے کو۔ اور کافر ہیں پیغمبروں کا صبر جانچنے کو۔ اب دیکھیں کافروں کے سفیہانہ طعن و تشنیع اور لغو اعتراضات سن کر تم کس حد تک صبر و استقلال دکھاتے ہو۔

۳۱۔ یعنی کافروں کا کفر و ایذا دہی اور صابروں کا صبر و تحمل سب اس کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل دے کر رہے گا۔

۲۱۔ اور بولے وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو [۳۲] بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں [۳۳]

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ

عَلَيْنَا الْمَلِكَةُ أَوْ نَرَى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا

فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿٢١﴾

۲۲۔ جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو کچھ خوشخبری نہیں اس دن گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روک دی جائے کوئی آڑ [۳۴]

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ

لِّلْجُرْمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾

۳۲۔ کفار کی جاہلانہ فرمائشیں: یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے روبرو حاضر ہو کر حساب و کتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہم کلام کیوں نہ ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لئے آجاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید و تصدیق کر رہا ہے کمانی موضع آخر۔ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ (انعام۔ ۱۲۴) و فی سورة الاسراء۔ اَوْ تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْبَلَدِ قَبِيلًا (بنی اسرائیل۔ ۹۲)

۳۳۔ کفار کا بدترین تکبر: یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ شرارت و سرکشی کی حد ہو گئی کہ باوجود ایسی سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔

۳۴۔ آخرت میں کفار کی حالت: یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے، لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہوگی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت حِجْرًا مَّحْجُورًا کہہ کر پناہ طلب کریں گے اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن خدا کا فیصلہ کب رک سکتا ہے۔ فرشتے بھی حِجْرًا مَّحْجُورًا کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت و کامیابی ہمیشہ کے لئے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلِكَةَ يَصْرَبُونَ وَجُوهُهُمْ وَأَذْبَابَهُمْ (انفال۔ ۵۰) وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلِكَةُ بَاسِطُوًا أَيْدِيهِمْ أَخْرَجُوا أَنفُسَهُمْ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ (انعام۔ ۹۳) گویا یہ کیفیت اس کے بالمقابل ہوگی۔ جو دوسری جگہ مومنین کی بیان ہوئی ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا

رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ الخ (حم السجدہ-۳۰) اور ممکن ہے یہاں قیامت کے دن کا ذکر ہو، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳۔ اور ہم پہنچے انکے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اسکو خاک اڑتی ہوئی [۳۵]

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ  
هَبَاءً مَّنْشُورًا ﴿٢٣﴾

۲۴۔ بہشت کے لوگوں کا اس دن خوب ہے ٹھکانا اور خوب ہے جگہ دوپہر کے آرام کی [۳۶]

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ  
مَقِيلًا ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور جس دن بھٹ جائے گا آسمان بادل سے اور اتارے جائیں فرشتے تار لگا کر [۳۷]

وَيَوْمَ تَشْقُقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ  
تَنْزِيلًا ﴿٢٥﴾

۲۶۔ بادشاہی اس دن سچی ہے رحمن کی اور ہے وہ دن منکروں پر مشکل [۳۸]

الْبَلْكَ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ ۗ وَكَانَ يَوْمًا  
عَلَى الْكٰفِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش کے میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ رستہ [۳۹]

وَيَوْمَ يَعِضُ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَلِيَّتَنِي  
اِتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اے خرابی میری کاش کے نہ پکڑا ہوتا میں نے فلاں کو دوست [۴۰]

يُوِيلَتِي لِيَتَنِي لِمَ اِتَّخَذْتُ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾

۲۹۔ اس نے تو بہر کا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے (بعد) اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دعا دینے والا [۴۱]

لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ  
الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسٰنِ خَدُوْلًا ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک [۴۲]

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا  
الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾



۳۱۔ اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے [۳۳] اور کافی ہے تیرا ب راہ دکھانے اور مدد کرنے کو [۳۴]

وَكذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمَجْرِمِينَ ط

وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًّا وَنَصِيرًا ﴿٣١﴾

۳۵۔ کفار کے اعمال کی حقیقت: یعنی وہ ہم کو بلاتے تھے تو ہم بھی آپہنچے، مگر ان کی عزت بڑھانے کو نہیں، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کے موافق جو بھلے کام کئے تھے جن پر بڑا بھروسہ تھا انہیں ہم قطعاً ملیا میٹ کر دیں اور اس طرح بے حقیقت کر کے اڑادیں جیسے خاک کے حقیر ذرات ہو، میں ادھر ادھر اڑ جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعمال روح اخلاص و ایمان سے یکسر خالی یا طریق حق کے بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں

قال تعالیٰ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم-۱۸) وغیرہ ذلک من الآیات۔

۳۶۔ یعنی یہ لوگ تو اس روز مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ جنت میں خوب عیش و آرام کے مزے لوٹیں گے۔

۳۷۔ حق تعالیٰ کے چتر شاہی اور ملائکہ کا نزول: قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح کی ایک چیز اترتی نظر آئے گی۔ جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی اسے ہم چتر شاہی سے تعبیر کئے لیتے ہیں شاید یہ وہی چیز ہو جسے ابو زرین کی حدیث میں عَمَاء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غِیَابَةُ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے ساتھ بے شمار فرشتوں کا ہجوم ہو گا اور آسمانوں کے فرشتے اس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ دوسرے پارہ کے نصف کے قریب آیت هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْعَمَامِ وَالسَّيِّكَةِ (البقرہ-۲۱۰) الخ میں بھی اسی طرح کا مضمون گذر چکا ہے۔

۳۸۔ رحمن کی بادشاہی: یعنی ظاہر و باطن، صورت و معنی، من کل الوجوه اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی اور صرف اسی کا حکم چلے گا۔ لَيْسَ الْبُلْدُ الْيَوْمَ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن-۱۶) پھر جب رحمن کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں ان کے لئے رحمت کی کیا کمی، بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے۔ مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہو گا۔

کہ بازار چنداں کہ آگند تر  
تہی دست رادل پر آگندہ تر

۳۹۔ کافر کی انتہائی حسرت و ندامت: یعنی مارے حسرت و ندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آگیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

۴۰۔ یعنی جن کی دوستی اور انخواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو واقعہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اس پر مقصور کیا جائے۔ ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے۔

۴۱۔ یعنی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی۔ جو ہدایت کے لئے کافی تھی، اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کر لے۔ مگر اس کمبخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو ادھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا غاباز ہے۔ آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور بری طرح رسوا کرتا ہے۔

۴۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت: یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر نے بارگاہ الہی میں شکایت کی کہ خدواند! میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تا کوئی شخص سن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشیاء نے قرآن جیسی قابل قدر

کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔ (تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تذبذب نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ فَكَسَّأَلُ اللَّهِ الْكَايِمِ الْبَثَانِ الْفَعَادِرَ عَلَى مَا يَشَاءُ أَنْ يُخْلَصَنَا مِمَّا يُسْخِطُهُ وَيَسْتَعْبِلُنَا فِيمَا يُرِضِيهِ مِنْ حِفْظِ كِتَابِهِ وَفَهْمِهِ وَالْقِيَامِ بِمَقْتَضَاهُ أَنْاءَ اللَّيْلِ وَأَطْرَافِ النَّهَارِ عَلَى الْوَجْهِ الذِّئِيِّ يَحِبُّهُ وَيَرْضَاهُ اللَّهُ كَرِيمٌ وَهَابٌ۔

۳۳۔ ہر نبی کے دشمن ضرور ہوئے ہیں: جو نبی کی بات ماننے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔

۳۴۔ یعنی کافر پڑے بہر کیا کریں، جس کو اللہ چاہے گاراہ پر لے آوے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ جس کو چاہے گاہدایت کر دے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی ان کے سب کے مقابلے میں تیری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ تیری مدد کر کے مقام مطلوب تک پہنچا دے گا۔ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو سکے گی۔

۳۲۔ اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر [۳۵] اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اسکو ٹھہر ٹھہر کر [۳۶]

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ

جُزْءًا وَاحِدَةً كَذَّبْتُمْ بِهٖ فَوَادِكُمْ وَ

رَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً ﴿٣٢﴾

۳۵۔ قرآن کے یکبارگی نازل نہ ہونے پر کفار کے شبہات: یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا، برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، کیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا اس سے توشبہ ہوتا ہے کہ خود محمد ﷺ سوچ سوچ کر بناتے ہیں۔ پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سنا تے رہتے ہیں۔

۳۶۔ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی حکمت: یعنی یہ کیا ضرور ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا اس سبب سے ہو جو تم نے سمجھا۔ اگر غور کرو گے تو اس طرح نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعہ نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے۔ مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا اور جن مصاحح و حکم کی رعایت اس میں کی گئی تھی، لوگ موقع بموقع ان کی تفصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت کی جداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اور ہر آیت کے نزول پر گویا دعویٰ اعجاز کی تجدید ہوتی رہی اس سلسلہ میں جبریل کا بار بار آنا جانا ہوا جو ایک مستقل برکت تھی، وغیر ذلک من الفوائد۔ ان ہی میں سے بعض فوائد کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

۳۳۔ اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر [۳۷]

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ

تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾

۳۴۔ جو لوگ کہ گھیر کر لائے جائیں گے اوندھے پڑے ہوئے اپنے منہ پر دوزخ کی طرف انہی کا برادر جہ ہے اور بہت بیکے ہوئے ہیں راہ سے [۳۸]

الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ  
أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۳۴﴾

۳۵۔ اور ہم نے دی مولیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اس کا بھائی ہارون کام ہٹانے والا

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَہٗ أَخَاهُ  
هَارُونَ وَزِيرًا ﴿۳۵﴾

۳۶۔ پھر کہا ہم نے دونوں جاؤ ان لوگوں کے پاس جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو [۳۹] پھر دے مارا ہم نے ان کو اکھاڑ کر

فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا  
فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿۳۶﴾

۳۷۔ قرآن میں تمام شبہات کا جواب: یعنی کفار جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو قرآن اس کے جواب میں ٹھیک ٹھیک بات بتلا دیتا ہے۔ جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف واضح، معتدل اور بے غل و غش بات ہوتی ہے۔ ہاں جنگی عقل اوندھی ہو گئی ہو وہ سیدھی راہ اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھیں، یہ الگ چیز ہے ایسوں کا انجام اگلی آیت میں بیان فرمایا۔

۳۸۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کی عقل اوندھی ہو گئی اور علویات کو چھوڑ کر سفلی خواہشات پر جھک پڑے۔ آگے ایسی چند اقوام کا جو حشر ہوا عبرت کے لئے اس کو بیان فرماتے ہیں۔

۳۹۔ یعنی آیات تکوینیہ کو جو اللہ کی توحید و غیرہ پر دال ہیں اور انبیائے سابقین کے متفقہ بیانات کو جن کا تھوڑا بہت چرچا پہلے سے چلا آتا تھا، جھٹلا کر خدائی کے دعوے کرنے لگے تھے۔

۳۷۔ اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو [۴۰] ہم نے انکو ڈبا دیا اور کیا ان کو لوگوں کے حق میں نشانی اور تیار کر رکھا ہے ہم نے گنہگاروں کے واسطے عذاب دردناک

وَقَوْمِ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَ  
جَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ  
عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو [۴۱] اور اس کے بچے میں بہت سی جماعتوں کو

وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرِّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ  
ذٰلِكَ كَثِيرًا ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے مثالیں اور سب کو کھو دیا ہم نے غارت کر کر [۴۲]

وَكُلًّا ضَرَبْنَاهُ الْأُمْتَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿۳۹﴾

۴۰۔ اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اس ہستی کے پاس جن پر برسا برسا برساؤ [۵۳] کیا دیکھتے نہ تھے اس کو [۵۴] نہیں پر امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی [۵۵]

وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطْرَتْ مَطَرٌ  
السَّوِءُ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا  
يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿۲۰﴾

۴۱۔ اور جہاں تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں انکو تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہ ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دے کر

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوعًا ۚ أَهَذَا الَّذِي  
بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿۲۱﴾

۴۲۔ یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ جئے رہتے ان پر [۵۶] اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کہ کون بہت بچلا ہوا ہے راہ سے [۵۷]

إِن كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ الْهَيْتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا  
عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ  
مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾

۴۳۔ بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ [۵۸]

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هُوَهُ ۚ أَفَأَنْتَ تَكُونُ  
عَلَيْهِ وَكَيْلًا ﴿۲۳﴾

۴۴۔ یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت سے ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بےکے ہوئے ہیں راہ سے [۵۹]

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ  
إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۲۴﴾

۵۰۔ ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ اصول دین میں سب انبیاء متحد ہیں۔

۵۱۔ اصحاب الرّس کون تھے: "اصحاب الرّس" (کنوئیں والے) کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے۔ "روح المعانی" میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے و ملخص الاقوال انهم قوم اهلكهم الله بتكذيب من اُرسل اليهم (یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبر کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ایک امت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر ان پر عذاب آیات ہوا" رسول خلاص ہوا۔

۵۲۔ یعنی پہلے سب کو اچھی طرح سمجھایا۔ جب کسی طرح نہ مانا تو تختہ الٹ دیا۔

۵۳۔ یعنی قوم لوٹ کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے مکہ والے "شام" کے سفر میں گذرتے تھے۔

۵۴۔ یعنی کیا ان کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہ دیکھا۔

۵۵۔ یعنی عبرت کہاں سے ہوتی جب ان کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے عبرت تو وہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔

۵۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء: یعنی بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ پیغمبر سے ٹھٹھا کیا کریں چنانچہ آپ کو دیکھ کر استہزاء کہتے ہیں کہ کیا یہ ہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ جھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں سے یہ ہی اکیلے رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ آخر کوئی بات تو ہواں یہ ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قوت فصاحت اور زور تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں وہ تو ہم پکے ہی ایسے تھے کہ برابر جے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے (العیاذ باللہ)۔

۵۷۔ یعنی عذاب الہی کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ چلے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا۔

۵۸۔ خواہش انکا خدا ہے: یعنی آپ ایسے ہو اپرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جن کا معبود محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے۔ جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔

۵۹۔ کفار چوپایوں سے بھی بدتر ہیں: یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنائیں، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر، انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ۔ چوپائے تو بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں، نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچاننا اس کے احسانات کو سمجھنا نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمہ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تہذیبہ اور اصول دین کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

۴۵۔ تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا رکھتا پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کا راہ بتانے والا

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ

سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾

۴۶۔ پھر کھینچ لیا ہم نے اسکو اپنی طرف سچ سچ سمیٹ کر ﴿۲۰﴾

ثُمَّ قَبْضْنَاهُ إِلَىٰ نَاقِضَاتٍ مِّمَّا يَمِيرَاتٍ ﴿٢٠﴾

۴۷۔ اور وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن کو بنا دیا اٹھ نکلنے کے لئے ﴿۲۱﴾

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِباسًا وَالنُّوْمَ

سُبَاتًا ۚ وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٢١﴾

۴۸۔ اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے آگے اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿٢٨﴾

۴۹۔ کہ زندہ کر دیں اس سے مرے ہوئے دیں کو اور پلائیں اس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو ﴿۲۹﴾

لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنْ آسَى كَثِيرًا ﴿٢٩﴾

۵۰۔ اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اس کو انکے بیچ میں تادھیان رکھیں پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ بدون ناشکری کے ﴿۳۰﴾

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا ۚ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٥٠﴾

۵۱۔ اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿٥١﴾

۵۲۔ سو تو کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر ان کا اسکے ساتھ بڑے زور سے ﴿۳۱﴾

فَلَا تُطِعِ الْكُفْرَيْنِ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾

۵۳۔ اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ بیٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری ہے کڑوا اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردا اور آڑ روکی ہوئی ﴿۳۲﴾

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَ هَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَ

حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٥٣﴾

۵۴۔ اور ہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کے لئے جد اور سسرال اور تیرا ب سب کچھ کر سکتا ہے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۚ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾

۵۵۔ اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز جو نہ بھلا کرے ان کا نہ برا اور ہے کافر اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا ﴿۳۳﴾

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۚ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَى رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لئے

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ

۵۷۔ تو کہہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے اپنے رب کی طرف راہ [۶۴]

يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۵۷﴾

وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ

۵۸۔ اور بھروسہ کر اوپر اس زندہ کے جو نہیں مرتا [۶۸]  
اور یاد کر اسکی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے  
گناہوں سے خبردار [۶۹]

بِحَمْدِهِ ۗ وَكَفَىٰ بِهِ بَدُنُوبٍ عِبَادَةٍ خَيْرًا ﴿۵۸﴾

الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

۵۹۔ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ انکے بیچ  
میں ہے چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر [۷۰] وہ بڑی  
رحمت والا سو پوچھ اس سے جو اسکی خبر رکھتا ہو [۷۱]

فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۗ الرَّحْمَنُ

فَسَأَلْ بِهِ خَيْرًا ﴿۵۹﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا

۶۰۔ اور جب کہیے ان سے سجدہ کرو رحمن کو کہیں رحمن  
کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جسکو تو فرمائے اور بڑھ جاتا  
ہے ان کا بدن [۷۲]

الرَّحْمَنُ أَنْ سَجَدُوا لَنَا وَمَا نُنْفِئُكَ ﴿۶۰﴾

تَبْرَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ

۶۱۔ بڑی برکت ہے اسکی جس نے بنائے آسمان میں  
برج [۷۳] اور رکھا اس میں چراغ [۷۴] اور چاند اجالا کرنے  
والا

فِيهَا سِجًّا وَقَمَرًا مِّنِيرًا ﴿۶۱﴾

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّبَنِي آدَمَ

۶۲۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے  
سد لیتے [۷۵] اس شخص کے واسطے کہ چاہو دھیان رکھنا یا  
چاہے شکر کرنا [۷۶]

أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿۶۲﴾

۶۰۔ سائے اور روشنی میں قدرت کے دلائل: صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہ ہی  
سایہ قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ اگر دھوپ نہ

آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہ سکتے۔ کیونکہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ قُلْ اَرَاۤءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ اٰیٰتًا سَمًا مَّذٰ اِلٰی یَّوْمِ الْقٰیْمَةِ مَنِ اللّٰهُ غَیْبٌ اَللّٰهُ یَاۤتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اِلٰخ (نقص۔ ۷۱) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”اول ہر چیز کا سایہ لنباطا ہے۔ پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ ہٹتا جاتا ہے جب تک کہ جڑ میں آگے۔“ اپنی طرف کھینچ لیا ”کایہ مطلب ہے کہ اپنی اصل کو جا لگتا ہے۔ سب کی اصل اللہ ہے“ (موضح القرآن) پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر نہار میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ یہ ہی مثال دنیا کی ہستی کی سمجھو۔ اول عدم تھا، پھر نور وجود آیا، پھر آخر کار کتم عدم میں چلی جائے گی۔ اور اسی جسمانی نور و ظل کے سلسلہ پر روحانی نور و ظلمت کو قیاس کر لو۔ اگر کفر و عصیان اور جہل و طغیان کی ظلمات میں آفتاب نبوت کی روشنی اللہ تعالیٰ نہ بھیجتا تو کسی کو معرفت صحیحہ کا راستہ ہاتھ نہ آتا۔

۶۱۔ لیل و نہار سے قیامت کا استدلال: یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کار و بار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اجالا ہوتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہان دوبارہ اٹھ کھڑا ہو گا اور یہ ہی حالت اس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء علیہم السلام وحی و الہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں، تو جہل و غفلت کی نیند میں سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھتی ہے۔

۶۲۔ ہواؤں اور پانی میں اللہ کی نشانیاں: یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے۔ اور کتنے جانور اور آدمی باش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اسی طرح جو دل جہل و عصیان کی موت سے مر چکے تھے، وحی الہی کی آسمانی بارش ان کو زندہ کر دیتی ہے۔ جو روحیں پلیدی میں پھنس گئی تھیں، روحانی بارش کے پانی سے دھل کر پاک و صاف ہو جاتی ہیں اور معرفت و وصول الی اللہ کی پیاس رکھنے والے اسی کو پی کر سیراب ہوتے ہیں۔

۶۳۔ پانی کی حکیمانہ تقسیم: یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ کہیں جلد کہیں بدیر، جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تالوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار و حکیم کے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اٹلے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنی استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔

۶۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: یعنی نبی کا آنا تعجب کی چیز نہیں اللہ چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کر دے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو۔ مگر اس کو منظور ہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجے۔ سو آپ کافروں کے احقانہ طعن و تشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن ہاتھ میں لے کر منکرین کا مقابلہ زور شور کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔

۶۵۔ بیٹھے اور کھاری پانی کے دریاؤں کا سگم: بیان القرآن میں دو معتبر رنگی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ”ارکان“ سے ”چائگام“ تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دودر یا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے۔ اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ۔ اور مجھ سے ”باریسال“ کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ”ضلع“ ”باریسال“ میں دو





زیادہ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔

۴۳۔ آسمان میں برجوں کی تخلیق: یعنی بڑے بڑے ستارے، یا آسمانی قلعے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ یا ممکن ہے سورج کی بارہ منزلیں مراد ہوں جو اہل ہیأت نے بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آسمان کے بارہ حصے، ان کا نام برج، ہر ایک پر ستاروں کا پتہ، یہ حدیں رکھی ہیں حساب کو۔ (موضح)۔

۴۴۔ یعنی سورج، شاید نور و حرارت کے جمع ہونے اور صفت احراق رکھنے کی وجہ سے اس کو چراغ فرمایا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسُ سِرًّا اجا (نوح-۱۶)۔

۴۵۔ گھٹنے بڑھنے یا آنے کو بدلنا سدلنا فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے۔ مثلاً دن کا کام رہ گیا، رات کو کر لیا، رات کا وظیفہ رہ گیا، دن میں پورا کر دیا۔ کماورد فی الحدیث۔

۴۶۔ لیل و نہار کی تبدیلی اللہ کی معرفت کیلئے ہے: یعنی چاند سورج وغیرہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لئے ہے کہ اس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات و تغلیبات عظیمہ اسی کے دست قدرت کی کارسازیاں ہیں۔ اور رات دن کے فوائد و انعامات کو دیکھ کر اس کی شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رحمن کے مخلص بندے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ایسا ہی کرتے ہیں۔

۶۳۔ اور بندے رحمن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں [۴۴] اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت [۴۸]

۶۴۔ اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے [۴۹]

۶۵۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے

۶۶۔ وہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بری جگہ رہنے کی [۸۰]

۶۷۔ اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بیجا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گذران [۸۱]

۶۸۔ اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہئے [۸۲] اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَشُؤْنَ عَلَى الْأَرْضِ

هُونًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ﴿٦٣﴾

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ

إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَ

كَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا

يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا

کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں [۸۳]

۶۹۔ دونا ہو گا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر [۸۴]

۷۰۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سوان کو بدل دے گا، اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۸۵]

۷۱۔ اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ [۸۶]

۷۲۔ اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں [۸۷] اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ [۸۸]

۷۳۔ اور وہ لوگ کہ جب انکو سمجھائیں انکے رب کی باتیں نہ پڑیں ان پر بہرے اندھے ہو کر [۸۹]

۷۴۔ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک [۹۰] اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا [۹۱]

۷۵۔ ان کو بدل ملے گا کو ٹھوں کی جھروکے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے ان کو وہاں دعا و سلام کہتے ہوئے [۹۲]

يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا

يُضَعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ

مُهَانًا

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ

اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ

مَتَابًا

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ

مَرُّوا كَرِيمًا

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخْرُوْا عَلَيْهَا

صَبًّا وَعُيُنًا

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَ

ذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ

فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا

۷۶۔ سدا رہا کریں ان میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ رہنے کی [۹۳]

خُلِدِينَ فِيهَا حَسَنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٤٦﴾

۷۷۔ تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری اگر تم اس کو نہ پکارا کرو [۹۴] سو تم تو جھٹلا چکے اب آگے کو ہونی ہے مٹھ بھیر [۹۵]

قُلْ مَا يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٤٧﴾

۷۷۔ رحمن کے بندے اور انکے اوصاف: یعنی مشرکین کی طرح رحمن کا نام سن کر ناک بھویں نہیں چڑھاتے، بلکہ ہر فعل و قول سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں ان کی چال ڈھال سے تواضع، متانت، خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے، متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریا و تصنع سے بیماروں کی طرح قدم اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضور کی جو رفتار احادیث میں منقول ہے، اسکی تائید نہیں کرتی۔

۷۸۔ جہلاء کی بات کا جواب نرمی سے: یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو و صفح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں ان کا شیوہ وہ نہیں جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا۔ اَلَا يَجْهَلُونَ اَحَدًا عَلَيْنَا، فَجْهَلًا فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِينَ۔ یہ تو رحمان کے ان مخلص بندوں کا دن تھا، آگے رات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔

۷۹۔ رحمن کے بندوں کی رات: یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گذارتے ہیں۔ رکوع چونکہ قیام و سجد کے درمیان واقع ہے، شاید اس لئے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آگیا۔

۸۰۔ خوفِ جہنم: یعنی اتنی عبادت پر اتنا خوف بھی ہے۔ یہ نہیں کہ تجہ کی آٹھ رکعت پڑھ کر خدا کے عذاب و قہر سے بے فکر ہو گئے۔

۸۱۔ خرچ میں میانہ روی: یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ نہ مال کی محبت نہ اس کی اضاعت، کما قال تعالیٰ وَلَا

تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل۔ ۲۹)

۸۲۔ قتل کی جائز صورتیں: مثلاً قتل عمد کے بدلہ قتل کرنا، یا بدکاری کی سزا میں زانی محسن کو سنگسار کرنا، یا جو شخص دین چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے، اس کو مار ڈالنا، یہ سب صورتیں اِلَّا بِالْحَقِّ میں شامل ہیں۔ کما ورد فی الحدیث۔

۸۳۔ جہنم کی وادیِ آتام: یعنی بڑا سخت گناہ کیا جس کی سزا مل کر رہے گی۔ بعض روایات میں آیا کہ ”آتام“ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہی ہولناک عذاب بیان کئے گئے ہیں۔ اعاذنا اللہ منها

۸۴۔ یعنی اور گناہوں سے یہ گناہ بڑے ہیں۔ عذاب بھی ان پر بڑا ہو گا۔ اور دم بدم بڑھتا رہے گا۔

۸۵۔ توبہ کرنے والوں پر اللہ کا انعام: یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور کفر کے گناہ معاف کرے گا۔ یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے مناسبت نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ کما بیظہر من بعض الاحادیث۔

۸۶۔ پہلے ذکر تھا کافر کے گناہوں کا جو پیچھے ایمان لے آیا۔ یہ ذکر ہے اسلام میں گناہ کرنے کا۔ وہ بھی جب توبہ کرے یعنی پھرے برے کام سے تو اللہ کے یہاں جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ سورہ نساء میں جو فرمایا وَمَنْ يَفْتُلْهُ مُؤْمِنًا مُتَعَبِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمَ خَلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَ لَعْنَةُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (نساء۔ ۹۳) وہ غیر تابع کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۷۔ جھوٹی شہادت: یعنی نہ جھوٹ بولیں نہ جھوٹی شہادت دیں نہ باطل کاموں کے اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔

۸۸۔ لغو کاموں سے اعراض: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”یعنی گناہ میں شامل نہیں اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں۔“

۸۹۔ بلکہ نہایت فکر و تدبر اور دھیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں۔ مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔

۹۰۔ مومنین کا ملین کی دعا: یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو۔ اور ظاہر ہے مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہو گا جب اپنے اہل و عیال کو اطاعت الہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول پائے۔ دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔

۹۱۔ جنت میں انکا مقام: یعنی ایسا بنا دے کہ لوگ ہماری اقتداء کر کے متقی بن جایا کریں۔ حاصل یہ کہ ہم نہ صرف بذات خود مہندی، بلکہ دوسروں کے لئے ہادی ہوں۔ اور ہمارا خاندان تقویٰ و طہارت میں ہماری پیروی کرے۔

۹۲۔ یعنی جنت میں اوپر کے درجے ملیں گے اور فرشتے دعا و سلام کہتے ہوئے انکا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہ ہی کلمات سلام و دعاء ان کی تکریم و عزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔

۹۳۔ یعنی ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے۔ ان کا تو وہ گھر ہو گا۔

۹۴۔ یعنی تمہارے نفع و نقصان کی باتیں سمجھا دیں۔ بندہ کو چاہئے مغرور اور بے باک نہ ہو، خدا کو اس کی کیا پرواہ ہاں اس کی التجا پر رحم کرتا ہے، نہ التجا کرو گے اور بڑے بنے رہو گے تو مٹھ بھینٹ کے لئے تیار ہو جاؤ جو عنقریب ہونے والی ہے۔

۹۵۔ کفار کی تکذیب کا انجام: یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے۔ یہ تکذیب عنقریب ان کے گلے کا ہار بنے گی اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہو گا۔ آخرت کی ابدی ہلاکت تو ہے ہی دنیا میں بھی اب جلد مٹھ بھینٹ ہونے والی ہے۔ یعنی لڑائی جہاد۔ چنانچہ غزوہ بدر ”میں اس مٹھ بھینٹ کا نتیجہ دیکھ لیا۔“

تم سورۃ الفرقان ولله الحمد والمنة

آیاتها ۲۲

رکوعاتها ۱۱

## ۲۶ سُورَةُ الشَّعْرَاءِ مَكِّيَّةٌ ۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ طسم۔

طسّم ﴿۱﴾

۲۔ یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی [۱]

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿۲﴾

۳۔ شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے [۲]

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۳﴾

۴۔ اگر ہم چاہیں اتاریں ان پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی [۳]

إِنْ نَشَأْ نُزِّلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ

أَعْنَاقَهُمْ لَهَا خُضَعِينَ ﴿۴﴾

۵۔ اور نہیں پہنچتی ان کے پاس کوئی نصیحت رحمن سے نئی جس سے منہ نہیں موڑتے [۴]

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثٍ إِلَّا

كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿۵﴾

۶۔ سو یہ تو جھٹلا چکے اب پہنچے گی ان پر حقیقت اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے [۵]

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ

يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۶﴾

۷۔ کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے اس میں ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں

أَوْلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ

زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿۷﴾

۸۔ اس میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے [۶]

إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً ط وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾

۹۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا [۷]

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۹﴾

- ۱۔ یعنی اس کتاب کا اعجاز کھلا ہوا ہے۔ احکام واضح ہیں اور حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے۔
- ۲۔ کفار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شفقت: یعنی ان بد بختوں کے غم میں اپنے کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کیا ان کے پیچھے آپ اپنی جان کو ہلاک کر کے رہیں گے۔ دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔
- ۳۔ اللہ اختیار کو سلب نہیں کرنا چاہتا: یعنی یہ دنیا ابتلاء کا گھر ہے جہاں بندوں کے انقیاد و تسلیم اور سرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی لئے حکمت الہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کر لیا جائے۔ ورنہ خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسانی نشان دکھاتا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ بڑے بڑے سرداروں کو بھی انکار و انحراف کی قدرت باقی نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے تو ایسا نہیں کیا، ہاں وہ نشان بھیجے جنہیں دیکھ کر آدمی حق کو سمجھنا چاہے تو آسانی سمجھ سکے۔ اور کبھی بھی مغلوب ہو کر گردن جھکانے سے مفر نہ ملے۔
- ۴۔ پند و نصیحت سے اعراض: یعنی آپ جن کے غم میں پڑے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ رحمان اپنی رحمت و شفقت سے جب ان کی بھلائی کے لئے کوئی پند و نصیحت بھیجتا ہے یہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ منہ پھیر کر بھاگتے ہیں گویا کوئی بہت بری چیز سامنے آگئی۔
- ۵۔ پند و نصیحت سے اعراض: یعنی صرف معمولی اعراض ہی نہیں، تکذیب و استہزاء بھی ہے۔ سو عنقریب دنیا اور آخرت میں اپنی کر توت کی سزا بھگتیں گے۔ تب اس چیز کی حقیقت کھلے گی جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔
- ۶۔ کیا یہ زمین میں غور و غوض نہیں کرتے: یعنی یہ مکذبین اگر ایک پیش پا افتادہ زمین ہی کے احوال میں غور کرتے تو مبد آ و معاد کی معرفت حاصل کرنے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اسی کر کری اور حقیر مٹی سے کیسے عجیب و غریب رنگ برنگ پھول پھول اور قسم قسم کے غلے اور میوے ایک مضبوط نظام تکوین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت و حکمت رکھنے والے صالح نے اس پر رونق چمن کی گلکاریاں کی ہیں جس کے قبضہ میں وجود کی باگ ہے۔ اور وہ ہی جب چاہے اسے ویران کر سکتا ہے اور ویرانی کے بعد دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر ان آیات تکوینیہ کو سمجھ لینے کے بعد آیات تزیلیہ کی تصدیق میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ ہاں ماننا ہی منظور نہ ہو تو الگ بات ہے۔
- ۷۔ یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا تھا، مگر رحم کھا کر تاخیر کرتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔ آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں۔ جن سے ظاہر ہو گا کہ خدا نے ان کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ و برباد کیا۔ ان میں پہلا قصہ قوم فرعون کا ہے جو پیشتر سورہ "اعراف" اور "طہ" وغیرہ میں بالتفصیل گزر چکا۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۱۰۔ اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اس قوم گنہگار کے پاس

وَإِذْ نَادَى رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنْ أَنْتَ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ قوم فرعون کے پاس کیا وہ ڈرتے نہیں [۸]

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۖ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾

۱۲۔ بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور رک جاتا ہے میرا جی اور نہیں چلتی میری زبان سو پیغام دے ہارون کو [۹]

وَيُضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ

هُرُونَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور انکو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ [۱۰] سوڈر تا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں [۱۱]

۱۵۔ فرمایا کبھی نہیں تم دونوں جاؤ لیکر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں [۱۲]

۱۶۔ سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا

۱۷۔ یہ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو [۱۳]

۱۸۔ بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکاسا [۱۴] اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس [۱۵]

۱۹۔ اور کر گیا تو اپنی وہ کرتوت جو کر گیا [۱۶] اور تو ہے ناشکر [۱۷]

۲۰۔ کہا کیا تو تمہا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا [۱۸]

۲۱۔ پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا [۱۹]

۲۲۔ اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو [۲۰]

۲۳۔ بولا فرعون کیا معنی پروردگار عالم کا [۲۱]

۲۴۔ کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے اگر تم یقین کرو [۲۲]

وَلَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿١٣﴾

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبْ بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَبْعُونَ ﴿١٥﴾

فَاتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

أَنْ أَرْسِلُ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٧﴾

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلْيَدَا وَوَلَيْسَتْ فِينَا مِنْ

عُمرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾

وَفَعَلْتَ فَعَلْتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَ أَنْتَ مِنَ

الْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٢٠﴾

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَ

جَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾

وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَبُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي

إِسْرَائِيلَ ﴿٢٢﴾

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾

قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ

كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٢٤﴾



قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَبْعُونَ ﴿٢٥﴾

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَجُنُّونٌ ﴿٢٧﴾

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ

كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾

قَالَ لِمَنِ اتَّخَذَتِ الْهَاءُ غَيْرِي لَا جَعَلَنَّكَ مِنْ

الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾

قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾

قَالَ فَاتِّبِعْهُ إِنَّ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾

فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿٣٢﴾

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾

۸- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ: تم جا کر انہیں خدا کے غصہ سے ڈراؤ۔

۹- حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنانے کی درخواست: یعنی پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیں گے اور مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہو گا۔ ممکن ہے اس وقت ملول اور حزیں ہو کر طبیعت رک جائے۔ دل نہ کھلے، اور زبان میں کچھ لکنت پہلے ہی سے ہے۔ تنگ دل ہو کر بولنے میں زیادہ رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔ اس لئے میری تقویت و تائید کے لئے اگر ہارون کو جو مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں، میرا شریک حال کر دیا جائے تو بڑی مہربانی ہو۔

۱۰- یعنی ایک قبلی کے خون کا دعویٰ جس کی تفصیل سورہ قصص میں آئے گی۔

۱۱- یعنی دعوت و تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام نہ کر دیں کہ یہ وہی شخص ہے جو ہمارے آدمی کا خون کر کے بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں فرض تبلیغ کس طرح ادا ہو گا۔

۲۵- بولا اپنے گرد والوں سے کیا تم نہیں سنتے ہو [۲۳]

۲۶- کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا [۲۴]

۲۷- بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے [۲۵]

۲۸- کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو [۲۶]

۲۹- بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوائے تو مقرر (ضرور) ڈالوں گا تجھ کو قید میں [۲۷]

۳۰- کہا اور اگر لیکر آیا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی [۲۸]

۳۱- بولا تو وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے

۳۲- پھر ڈال دیا اپنا عصا سواسی وقت وہ اژدھا ہو گیا صریح

۳۳- اور اندر (بغل) سے نکالا اپنا ہاتھ سواسی وقت وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے سامنے

۱۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنا: یعنی کیا مجال ہے کہ ہاتھ لگا سکیں۔ جاؤ اپنی استدعاء کے موافق ہارون کو بھی ساتھ لو اور ہمارے دئے ہوئے معجزات و نشانات لے کر وہاں پہنچو۔ ان نشانات کے ساتھ ہوتے ہوئے تم کو کیا ڈر۔ اور نشان کیا ہم خود ہر موقع پر تمہارے ساتھ ہیں اور فریقین کی گفتگو سن رہے ہیں۔

۱۳۔ بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ: ”بنی اسرائیل ”کا وطن حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسفؑ کے سبب سے مصر میں آ رہے، وہاں ایک مدت گزری۔ اب انکو حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا، فرعون ان کو نہ چھوڑتا تھا۔ کیونکہ ان سے غلاموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰ نے ان کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔

۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ: یعنی تو وہ ہی نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز و نعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے اتنا بڑا کیا اب تیرا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتا اور اپنی بزرگی منواتا ہے۔

۱۵۔ اتنے برسوں تک کبھی یہ دعویٰ نہ کئے، اب یہاں سے نکلتے ہی رسول بن گئے۔

۱۶۔ یعنی جو کراوت کر کے بھاگا تھا (قبطی کا خون) اسے ہم بھولے نہیں۔

۱۷۔ یعنی ہمارے سب احسانات بھلا کر لگا پیغمبری کے دعوے کرنے، اس وقت تو بھی (العیاذ باللہ) ان ہی میں کا ایک تھا جن کو آج کافر بتلاتا ہے۔

۱۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب: یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا، مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے میں جو تادیب کے لئے تھا۔ اس کا دم نکل جائے گا۔ فَوَكِّنْهُ مُوسَىٰ فَقَطَّىٰ عَلَيْهِ (قصص۔ ۱۵)

۱۹۔ یعنی بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے بھاگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت و حکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو، پھر اس طرح بے خوف و خطر تنہا تمہارے سامنے آکر ڈٹ جائے۔

۲۰۔ یعنی بچپن میں میری پرورش کا احسان جتنا ناچھے زیب نہیں دیتا۔ کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ تو نے اس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بچہ کی تربیت بھی خود تیرے زہرہ گداز مظالم کے سلسلہ ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ نہ تو ”بنی اسرائیل“ کے بچوں کو ذبح کرتا، نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ تابوت میں رکھ کر مجھے دریا میں چھوڑتی، نہ تیرے مجلسر اتک رسائی ہوتی، ان حالات کا تصور کر کے تجھ کو ایسا احسان جتلاتے ہوئے شرمنا چاہئے اور صاف بات یہ ہے کہ جس پروردگار نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

۲۱۔ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ فرعون کا سوال: یعنی موسیٰ نے فَقَوْلًا اِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ کے امتثال میں اپنے کو رَبِّ الْعَالَمِينَ کا پیغمبر کہا، اس پر فرعون جود، تعنت اور ہٹ دھرمی کی راہ سے بولا کہ (العیاذ باللہ) رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے، میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس شتی کا زلی دعویٰ تو اپنی قوم کے روبرو یہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِي (القصص۔ ۳۸) (میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا) اور اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی (النازعات۔ ۲۴) (تمہارا بڑا پروردگار میں ہوں) چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل و بلاد سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔ گودل میں اس ملعون کو بھی خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ جیسا کہ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا اَنْزَلْنَا هٰؤُلَاءِ اِلَّا رِبُّ السَّلٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصٰیِرٌ (بنی اسرائیل۔ ۱۰۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب: یعنی آسمان وزمین کی سب چیزیں جس کے زیر تربیت ہیں وہ ہی رب العالمین ہے۔ اگر تمہارے قلوب

میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرت انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔

۲۳۔ فرعون کا بات کو نالنا: فرعون جان بوجھ کر بات کو رانا چاہتا تھا اپنے حوالی کو ابھارنے اور موسیٰ کی بات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے گا، سنتے

ہو، موسیٰ کیسی دور از کار باتیں کر رہے ہیں۔ کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا آسمان و زمین میں کوئی اور رب ہے؟

۲۴۔ یعنی اواحق! میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ اور جب تمہارا بیچ بھی

نہ تھا اس وقت زمین و آسمان کی تربیت و تدبیر کر رہا تھا۔

۲۵۔ فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جنون کا الزام: یعنی (العیاذ باللہ) کس دیوانہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جو ہماری اور

ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے اور ہماری شوکت و حشمت کو دیکھ کر ذرا نہیں جھجکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے۔

۲۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل توحید: حضرت موسیٰ نے پھر ایک بات کہی جس طرح کی حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے سامنے آخر

میں کہی تھی۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب کا مالک اور تمام سیارات کی طلوع و غروب کی تدبیر ایک محکم و مضبوط نظام کے موافق

کرنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتلا سکتے ہو کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا بجز خدا کے کون ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کو قدرت

ہے کہ اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک سیکنڈ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون بالکل مہبوت ہو گیا اور بحث و

جدال سے گذر کر دھمکیوں پر اتر آیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”حضرت موسیٰ ایک بات کہتے جاتے تھے اللہ کی

قدرتیں بتانے کو اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو ابھارتا تھا کہ ان کو یقین نہ آجائے۔“

۲۷۔ فرعون کا دعویٰ الوہیت: اس مرتبہ فرعون نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں ”مصر“ میں کوئی اور خدا نہیں۔ اگر میرے سوا کسی اور

معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو قید خانہ تیار ہے۔

۲۸۔ معجزات نبوت کا مظاہرہ: یعنی فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا جواب تھا۔ اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ

تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہ ہی رہے گا۔

۳۲۔ بولا اپنے گرد کے سرداروں سے یہ تو کوئی جادوگر

ہے پڑھا ہوا

قَالَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾

۳۵۔ چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے دیس سے اپنے

جادو کے زور سے سواب کیا حکم دیتے ہو [۲۹]

يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَا

ذَاتَامْرُونَ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ بولے ڈھیل دے اسکو اور اسکے بھائی کو اور

بھیج دے شہروں میں نقیب

قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْبَدَايِنِ

حُشَمَائِنِ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ لے آئیں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا ہوا

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سِحْرٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾

فَجِبَعِ السَّحْرَةَ لِبَيِّقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۲۸﴾

۳۸۔ پھر اکٹھے کئے جادوگر وعدہ پر ایک مقرر دن کے [۳۰]

وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَبِعُونَ ﴿۲۹﴾

۳۹۔ اور کہہ دیا لوگوں کو کیا تم بھی اکٹھے ہو گئے

لَعَلَّنَا تَتَّبِعُ السَّحْرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَلْبِينَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ شاید ہم راہ قبول کر لیں جادوگروں کی اگر ہو ان کو غلبہ [۳۱]

فَلَمَّا جَاءَ السَّحْرَةَ قَالُوا الْفِرْعَوْنَ أَيْنَ لَنَا أَجْرًا

۳۱۔ پھر جب آئے جادوگر کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا حق بھی ہے اگر ہو ہم کو غلبہ

إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَلْبِينَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ بولا البتہ (ہاں) (اور تم اس وقت مقربوں (مصاحبوں) میں ہو گے [۳۲])

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَبِئَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو [۳۳]

قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہماری ہی فتح ہے [۳۴]

فَالْقَوْمَا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ

إِنَّا لَنَحْنُ الْغَلْبُونَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا پھر تبھی وہ نگٹنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا [۳۵]

فَالْقَى مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

يَأْفِكُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں

فَالْقَى السَّحْرَةَ سُجِدِينَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ بولے ہم نے مان لیا جہان کے رب کو

قَالُوا أَمَّا بِرَبِّ الْعَلْبِينَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا

رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ بولا تم نے اسکو مان لیا ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو مقرر (بیٹیک) وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھلایا جادو [۳۹] سو اب معلوم کر لو گے البتہ کاٹوں گا تمہارے

قَالَ أَمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنُ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ

الَّذِي عَلَّمَكُمُ السَّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تم سب کو

لَا قَطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَ أَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَ

لَا وَصَلَبَنَّاكُمْ أَجْعَبِينَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ بولے کچھ ڈر نہیں ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ﴿۳۹﴾

قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخش دے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے ﴿۳۸﴾

إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا إِنَّ كُنَّا أَوَّلَ

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۱﴾

۲۹۔ فرعون کا حواس باختہ ہونا: یا تو خدائی کے دعوے تھے، یا اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہو گیا کہ اپنے غلاموں اور پرستاروں کے احکام پر چلنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

۳۰۔ جادو گروں کا اکٹھا ہونا: یعنی عید کے دن چاشت کے وقت۔

۳۱۔ یعنی سب کو اکٹھا ہونا چاہئے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادو گر غالب آئیں گے۔ اس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھلانے کے لئے اپنے ساحرین کی راہ پر چلیں گے۔ گویا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس میں ہماری کوئی خود غرضی نہیں۔ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو انصافاً کسی کو ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔

۳۲۔ جادو گروں کا فرعون سے مطالبہ اور فرعون کا وعدہ: یعنی نہ صرف مالی انعام و اکرام، بلکہ تم میرے خاص مصاحبوں میں رہو گے۔ ان آیات کا مفصل بیان "اعراف" اور "طہ" میں گزر چکا ہے۔

۳۳۔ ساحرین کا مظاہرہ: یعنی جب ساحرین نے کہا کہ موسیٰ تم پہلے اپنی لاشی ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں اسکے جواب میں فرمایا کہ تم ہی اپنی قوت خرچ کر دیکھو۔

۳۴۔ بعض نے بَعِزَّةٌ فِرْعَوْنَ کو قسم کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی غالب ہو کر رہیں گے۔

۳۵۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کا سانپوں کو نکلنا: شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں جو سانپوں کی صورتیں انہوں نے بنائیں تھیں موسیٰ کا عصا ان کو نکل گیا۔

۳۶۔ یعنی موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے، آپس میں سازش کر کے آئے ہو کہ تم یہ کرنا، ہم یوں کہیں گے اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "تمہارا بڑا کہا رب کو، یعنی موسیٰ اور تم ایک استاد کے شاگرد ہو" واللہ اعلم۔

۳۷۔ ساحرین کا قبول ایمان: یعنی بہر حال مر کر خدا کے یہاں جانا ہے اس طرح مر میں گے، شہادت کا درجہ ملے گا۔ یہ سب مضامین سورہ "اعراف" وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

۳۸۔ ساحرین کی استقامت اور حوصلہ: یعنی موسیٰ کی دعوت و تبلیغ کے بعد بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے روبرو سب سے پہلے ہم نے قبول حق کا اعلان کیا۔ اس سے امید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری گذشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔

وَ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ مُوسَىٰ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِي اِنَّكُمْ

۵۲۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل  
میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے [۳۹]

مُتَّبِعُونَ ﴿۵۲﴾

فَاَرْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَشِرًا ﴿۵۳﴾

۵۳۔ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب [۴۰]

اِنَّ هُوَ لَآءِ كَشِرٍ ذِمَّةً قَلِيلُونَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ یہ لوگ جو ہیں سوا ایک جماعت ہے تھوڑی سی [۴۱]

وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں [۴۲]

وَ اِنَّا لَجَبِيْعٌ حٰذِرُونَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور ہم سارے ان سے خطرہ رکھتے ہیں [۴۳]

فَاٰخِرَ جُنُھُمْ مِّنْ جَنَّتٍ وَ عِيُوْنٍ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو بانوں اور چشموں سے

وَ كُنُوْرًا مَّقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح [۴۴]

كَذٰلِكَ ۙ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيَّ اِسْرٰءِيْلَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کے [۴۵]

فَاتَّبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ پھر پیچھے پڑے ان کے سورج کے نکلنے کے وقت

فَلَمَّا تَرٰآءَ الْجَبْعِيْنَ قَالِ اَصْحَبُ مُوسَىٰ اِنَّا

۶۱۔ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰ  
کے لوگ ہم تو پکڑے گئے [۴۶]

لَبَدْرُكُوْنَ ﴿۶۱﴾

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ  
بتلائے گا [۴۷]

فَاَوْحَيْنَا اِلَىٰ مُوسَىٰ اِنْ اَضْرَبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۙ

۶۳۔ پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا  
کو پھر دریا پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانگ جیسے بڑا پہاڑ [۴۸]

فَاَنْفَلَقَ فَاَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾

وَأَزَلْفُنَا شَمَّ الْآخِرِينَ ﴿٦٣﴾

۶۳۔ اور پاس پہنچا دیا ہم نے اسی جگہ دوسروں کو

وَأَنْجَيْنَا مُوسَى وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾

۶۵۔ اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ تھے اس کے ساتھ سب کو

ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ﴿٦٦﴾

۶۶۔ پھر ڈبا دیا ہم نے ان دوسروں کو [۴۹]

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾

۶۷۔ اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ ان میں ماننے والے [۵۰]

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾

۶۸۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا [۵۱]

۳۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے ہجرت کا حکم: یعنی جب ایک مدت تک سمجھانے اور آیات دکھلاتے رہنے کے بعد بھی فرعون نے حق کو قبول نہ کیا اور "بنی اسرائیل" کا ستانا نہ چھوڑا، تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کر لے کر رات میں یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور دیکھنا فرعونی لوگ تمہارا پیچھا کریں گے (گھبرا نا نہیں)۔

۴۰۔ تعاقب کی تیاری: تا تمام قبطیوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کرے۔

۴۱۔ فرعون کا قوم سے خطاب: یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برا ہو سکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لئے کہیں۔

۴۲۔ یاہم کو غصہ دلانے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کی کم بختی نے دھکا دیا ہے۔

۴۳۔ فرعون کا قوم سے خطاب: تو اس روز روز کے خطرہ کا قلع قمع ہی کر دو۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ہماری بڑی جمعیت ہے جو محتاط یا مسلح ہے تو یہ الفاظ دل بڑھانے کے لئے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۴۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب: یعنی اس طرح قبطی گھربار، مال و دولت، باغ اور کھیتیاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے۔ جنہیں پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے انکو نکال باہر کیا۔

۴۵۔ بنی اسرائیل کو خزانوں کا انعام: یا تو اسکے بعد ہی یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمان کے عہد میں جب ملک مصر بھی انکی سلطنت میں شامل ہوا۔ واللہ اعلم پہلے اسکے متعلق اختلاف گذر چکا ہے۔

۴۶۔ بنی اسرائیل کی گھبراہٹ: یعنی بحر قلزم کے کنارہ پر پہنچ کر بنی اسرائیل پار ہونے کی فکر کر رہے تھے کہ پیچھے سے فرعونی لشکر نظر آیا گھبرا کر موسیٰ سے کہنے لگے کہ اب انکے ہاتھ سے کیسے بچیں گے۔ آگے سمندر حائل ہے اور پیچھے سے دشمن دبائے چلا آ رہا ہے۔

۴۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسلی: یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اسکی حمایت و نصرت میرے ساتھ ہے۔ وہ یقیناً ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دیگا۔ ناممکن ہے کہ دشمن ہمکو پکڑ سکے۔

۴۸۔ دریا میں بارہ راستے: پانی بہت گہرا تھا۔ بارہ جگہ سے پھٹ کر خشک راستے بن گئے۔ بارہ قبیلے بنی اسرائیل کے الگ الگ ان میں کو گذرے اور بیچ میں پانی کے پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ (کذانی موضح القرآن)

۴۹۔ غرق فرعون: یعنی فرعون لشکر بھی قریب آگیا اور دریا میں راستے بنے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعد بے سوچے سمجھے گھس پڑا جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آگیا، فوراً خدا کے حکم سے پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ یہ قصہ پہلے گذر چکا ہے۔

۵۰۔ یعنی جب اکثروں نے حق کو قبول نہ کیا تو آخر میں قدرت نے یہ نشان دکھلایا۔ جس سے صادقین اور کاذبین کے انجام کا دنیا ہی میں الگ الگ پتہ چل جاتا ہے۔

۵۱۔ یہ سنایا ہمارے حضرت ﷺ کو مکہ کے فرعون بھی مسلمانوں کے پیچھے نکلیں گے لڑائی کو۔ پھر وطن سے باہر تباہ ہوں گے ”بدر“ کے دن جیسے فرعون تباہ ہوا۔ (موضح القرآن)

۶۹۔ اور سنا دے ان کو خبر ابراہیم کی

وَ اتلُّ عَلَيْهِمْ نَبَأَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو [۵۲]

اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں [۵۳]

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَنْظِلُّ لَهَا عَكْفِيْنَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو [۵۴]

قَالَ هَلْ يَسْعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا [۵۵]

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾

۷۴۔ بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے [۵۶]

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

۷۵۔ کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو

قَالَ اَفَرَأٰيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾

۷۶۔ تم اور تمہارے باپ دادے اگلے [۵۷]

اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾

۷۷۔ سو وہ میرے غنیم ہیں [۵۸] مگر جہان کارب [۵۹]

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾

۷۸۔ جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے [۶۰]

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾

۸۰۔ اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾



وَالَّذِي يُبَيِّنُ لِي شَيْئًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَنِّي لَشَاكِرٌ لَهُ  
 ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلانے گا [۶۱]

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ  
 الدِّينِ  
 ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن [۶۲]

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَارْحَمْنِي بِالصَّلَاحِ  
 ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکیوں میں [۶۳]

وَأَجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ  
 ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور رکھ میرا بول سچا چھلوں میں [۶۴]

وَأَجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ  
 ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے [۶۵]

وَاعْفُرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ  
 ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھراہ بھولے ہوؤں میں [۶۶]

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ  
 ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور رسوائی نہ کر مجھ کو کہ جس دن سب جی کر اٹھیں گے

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ  
 ﴿۸۸﴾

۸۸۔ جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے

إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ  
 ﴿۸۹﴾

۸۹۔ مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لیکر دل چنگا [۶۷]

وَأُزِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ  
 ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اور پاس لائیں بہشت کو واسطے ڈروالوں کے

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَوِينَ  
 ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اور نکالیں دوزخ کو سامنے بے راہوں کے [۶۸]

وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ  
 ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور کہیں ان کو کہاں ہیں جن کو تم پوجتے تھے

مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ  
 ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اللہ کے سوائے کیا کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں [۶۹]

فَكَبِجُوا فِيهَا هُمْ وَالْعَاوَنَ  
 ﴿۹۴﴾

۹۴۔ پھر اوندھے ڈالیں اس میں انکو اور سب بے راہوں کو

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْعُونَ ﴿٩٥﴾

۹۵۔ اور ابلیس کے لشکر کو سبھوں کو

قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾

۹۶۔ کہیں گے جب وہ وہاں باہم جھگڑنے لگیں

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾

۹۷۔ قسم اللہ کی ہم تھے صریح غلطی میں

اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٩٨﴾

۹۸۔ جب ہم تم کو برابر کرتے تھے پروردگار عالم کے

وَمَا اَضَلَّنَا اِلَّا الْبُجْرْمُوْنَ ﴿٩٩﴾

۹۹۔ اور ہم کو راہ سے بہکا یا سوان گنہگاروں نے

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ﴿١٠٠﴾

۱۰۰۔ پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے

وَلَا صَدِیْقٍ حَبِیْمٍ ﴿١٠١﴾

۱۰۱۔ اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا [۴۰]

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿١٠٢﴾

۱۰۲۔ سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم ہوں ایمان والوں میں [۴۱]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿١٠٣﴾

۱۰۳۔ اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ ان میں نہیں ماننے والے [۴۲]

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿١٠٤﴾

۱۰۴۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

۵۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ: یعنی یہ کیا چیز ہے جسے تم پوجتے ہو؟

۵۳۔ یعنی تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں، جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان صورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت و عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن بجا کر ان ہی کو لگے بیٹھے رہتے ہیں۔

۵۴۔ دعوت توحید: یعنی اتنا پکارنے پر کبھی تمہاری بات سنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے (جیسا کہ ان کے جماد ہونے سے ظاہر ہے) تو پکارنا فضول ہے۔

۵۵۔ یعنی کیا پوجنے سے کچھ نفع یا نہ پوجنے سے کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے جو اپنے اوپر سے مکھی تک نہ اڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکیں گے؟ پھر ایسی عاجز و لایعقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

۵۶۔ کفار کی آباء پرستی: یعنی ان منطقی بحثوں اور کٹ جھتیوں کو ہم نہیں جانتے، نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے۔ کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔

۵۷۔ کفار کی آباء پرستی: یعنی ان کا پوجنا ایک پرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو اسکی عبادت کیسی؟

۵۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں سے دشمنی کا اعلان: یعنی لو! میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے۔ میں ان کی گت بنا کر رہوں گا۔ وَتَاللّٰهِ لَآ كَيْدَ لَنَا اَصْنَامُكُمْ بَعْدَ اَنْ تَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ (انبیاء۔ ۵۷) اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال تعالیٰ فی موضع آخر۔ وَآآخَافُ مَا تُشْعِرُكُمْ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبِّيْ شَيْئًا اَلَا يَتَّبِعُ الْاٰیٰتِ (انعام۔ ۸۰) وقال نُوْحٌ فَاَجْبِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ (یونس۔ ۷۱) وقال هُوْدٌ فَكَيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُوْنِ (ہود۔ ۵۵) اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ نہایت موثر و لطیف پیرایہ میں مشرکین پر تعریض ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کر رہے ہو میں ان کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اگر نعوذ باللہ ان کی پرستش کروں تو سراسر نقصان ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی ان کی عبادت کر کے نقصان اٹھا رہے ہو۔

۵۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکیر نعمت: کہ وہ ہی میرا معبود، دوست اور مددگار ہے۔

۶۰۔ یعنی فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد و منافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۶۱۔ یعنی کھلانا پلانا، مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا، سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

۶۲۔ یعنی کسی معاملہ میں بھول چوک یا اپنے درجہ کے موافق خطا و تقصیر ہو جائے تو اسی کی مہربانی سے معافی کی توقع ہو سکتی ہے۔ کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ آگے حق تعالیٰ کے کمالات اور مہربانیوں کا ذکر کرتے کرتے حضرت ابراہیمؑ نے غلبہ حضور ﷺ سے دعا شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے۔

۶۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: یعنی مزید علم و حکمت اور درجات و قبول مرحمت فرما اور اعلیٰ درجہ کے نیکیوں کے زمرہ میں (جو انبیاء علیہم السلام ہیں) شامل رکھ۔ کما قال نبینا ﷺ اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیْقِیْ الْاَعْلٰی اِسْ دَعَا سَ اِبْنِیْ کَامِلِ اِحْتِیٰجِ اُوْر حَقِّ تَعَالٰی کِیْ غِنَا کَا ظَهْرٍ مَّقْصُوْدِیْ۔ یعنی نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کسی کے معاملہ میں مجبور و مضطر نہیں۔ ہمہ وقت اس کے فضل و رحمت سے کام چلتا ہے۔

۶۴۔ قول صدق عطا فرما: یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور امت ہو، اور میرا دین تازہ کریں چنانچہ یہ ہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو دنیا میں قبول عطا فرمایا اور ان کی نسل سے خاتم الانبیاء ﷺ کو مبعوث کیا جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور فرمایا کہ میں ابراہیمؑ کی دعا ہوں آج بھی ابراہیمؑ کا ذکر خیر اہل ملل کی زبانوں پر جاری ہے اور امت محمدیہ توہر نماز میں گماصلت علیٰ اِبْرٰہِیْمِ اور گما بارکات علیٰ اِبْرٰہِیْمِ پڑھتی ہے۔

۶۵۔ یعنی جنت کا جو آدم کی میراث ہے۔

۶۶۔ باپ کیلئے مغفرت کی دعا: ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعا باپ کی موت کے بعد کی۔ مگر دوسری جگہ تصریح آئی کہ جب اس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو برأت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰہِیْمَ لِاَبِیْہِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَا اٰیٰا کُ فَلَئِمَّا تَبَيَّنَ لَکَ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰہِ تَبَيَّرَ مِنْہُ (توبہ۔ ۱۱۳) اور اگر اِنَّہُ كَانَ مِنَ الضَّالِّیْنَ میں کان کا ترجمہ ”تھا“ کے بجائے ”ہے“ سے کیا جائے، پھر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا۔ تو دعا کا حاصل یہ ہے کہ الہی اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرمادے۔ اس کی قدرے مفصل تحقیق پہلے کسی جگہ گذر چکی ہے۔ فلیراجع۔

۶۷۔ یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر و نفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہو گا وہ ہی وہاں کام دے گا۔ نرے مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے اگر

کافر چاہے کہ قیامت میں مال و اولاد فدیہ دے کر جان چھڑالے، تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات و خیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔

۶۸۔ محشر میں جنت و دوزخ کی قربت: یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش و زیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی مسرور ہوں گے۔ اسی طرح دوزخ کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا داخل ہونے سے پیشتر ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔  
۶۹۔ اب فرضی معبود کہاں گئے؟ یعنی اب وہ فرضی معبود کہاں گئے، کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

۷۰۔ آخرت میں کفار کا اعتراف گناہ: یعنی بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر، سب کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دے گا اور آخر کار اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ تمکو (یعنی بتوں کو یا دوسری چیزوں کو جنہیں خدائی کے حقوق و اختیارات دے رکھے تھے) رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے وہ خود ہی دوزخ کے کندھے بن رہے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی و ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ سچ ہے اَلْاٰخِلَآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (زخرف۔ ۶۷)۔

۷۱۔ دوبارہ دنیا میں بھیجنے کی درخواست: یعنی اگر ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع دیا جائے تو اب وہاں سے پکے ایماندار بن کر آئیں لیکن یہ کہنا بھی جھوٹ ہے۔ وَکُوْرُدُّوْا لِعٰدُوْا لِمَا نُهَوٰۤا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ (انعام۔ ۲۸)۔

۷۲۔ یعنی ابراہیم کے اس قصہ میں توحید و غیرہ کے دلائل اور مشرکین کا عبرتناک انجام دکھلایا گیا ہے مگر لوگ کہاں مانتے ہیں۔

۱۰۵۔ جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحٍ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۶۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں

اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۷۔ میں تمہارے واسطے پیغام لانے والا ہوں

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۸۔ معتبر سوڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو [۷۳]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۹۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا

عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۱۰۔ سوڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو [۷۴]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۱۔ بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کینے [۷۵]

۱۱۲۔ کہا مجھ کو کیا جانتا ہے اس کو جو کام وہ کر رہے ہیں

۱۱۳۔ ان کا حساب پوچھنا میرے رب کا ہی کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو

۱۱۴۔ اور میں ہاکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو [۷۶]

۱۱۵۔ میں تو بس یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر [۷۷]

۱۱۶۔ بولے اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح تو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا [۷۸]

۱۱۷۔ کہا اے رب میری قوم نے تو مجھ کو جھٹلادیا

۱۱۸۔ سو فیصلہ کر دے میرے انکے بیچ میں کسی طرح کا فیصلہ [۷۹] اور بچالے میرے ساتھ ہیں ایمان والے [۸۰]

۱۱۹۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی ہوئی کشتی میں

۱۲۰۔ پھر ڈبا دیا ہم نے اس کے پیچھے ان باقی رہے ہوؤں کو [۸۱]

۱۲۱۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ہیں ماننے والے

۱۲۲۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

۷۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت: یعنی نہایت صدق و امانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام بلا کم و کاست تم کو پہنچاتا ہوں۔ لہذا واجب ہے کہ

قَالُوا أَنْتُمْ لَكُمْ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾

قَالَ وَمَا عَلِيَّ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾

إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾

وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾

إِنِّي أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١١٥﴾

قَالُوا لَيْنَ لَمْ تَنْتَه يَنْوُحْ لَتَكُونَنَّ مِنَ

الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾

قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾

فَأَفْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾

فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾

ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾

پیغام الہی سکر خدا سے ڈرو۔ اور میرا کہا مانو۔

۷۴۔ یعنی بے غرض اور بے لوٹ آدمی کی بات ماننی چاہئے۔

۷۵۔ یعنی تھوڑے سے کینے اور بیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہو گئے ہیں، بھلا یہ کیا اونچے کام کریں گے اور ہمارا فضل و شرف کب اجازت دے سکتا ہے کہ ان کینوں کے دوش بدوش تمہاری مجلس میں بیٹھا کریں، پہلے تو آپ ان کو اپنے یہاں سے کھسکائیے، پھر ہم سے بات کرنا۔

۷۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کا جواب: یعنی مجھے ان کا صدق و ایمان قبول ہے، ان کے پیشے یا نیت اور اندرونی کاموں کے جاننے سے کیا مطلب اس کا فیصلہ اور حساب تو پروردگار کے یہاں ہو گا۔ باقی میں تمہاری خاطر سے غریب ایمانداروں کو اپنے پاس سے دھکے نہیں دے سکتا۔

۷۷۔ یعنی میرا فرض تم کو آگاہ کر دینا تھا سو کرچکا، تمہاری لغو فرمائشیں پوری کرنا میرے ذمہ نہیں۔

۷۸۔ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم کی دھمکی: یعنی بس اب ہم کو اپنی نصیحت سے معاف رکھو، اگر اس روش سے باز نہ آئے تو سنگسار کئے جاؤ گے۔

۷۹۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا: یعنی میرے اور ان کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے۔ اب انکے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

۸۰۔ یعنی مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو الگ کر کے ان کا بیڑا غرق کر۔

۸۱۔ اس قصہ کی تفصیل پہلے کئی جگہ گزر چکی۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْبُرْسُلِينَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۳۔ جھٹلایا عادی نے پیغام لانے والوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَحُوهُمْ هُوْدٌ أَلَّا تَتَّقُونَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۳۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی ہو دنے کیا تم کو ڈر نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾

۱۲۵۔ میں تمہارے پاس پیغام لانے والا معتبر ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿١٢٦﴾

۱۲۶۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا

۱۲۷۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے مالک پر

عَلَى رَبِّ الْعَالِيْنَ ﴿١٢٧﴾

۱۲۸۔ کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾

۱۲۹۔ اور بناتے ہو کار نیگیاں شاید تم ہمیشہ رہو گے [۸۴]

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾

۱۳۰۔ اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجرہ مارتے ہو ظلم سے

وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو [۸۳]

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو

أَمَدَّكُمْ بِالنَّعَامِ وَبَنِينَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے

وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ اور باغ اور چشمے

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے [۸۴]

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ

۱۳۶۔ بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے تو نصیحت کرنے والا

الْوَعَّظِينَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۷۔ اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی

إِنْ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۸۔ اور ہم پر آفت نہیں آنے والی [۸۵]

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۹۔ پھر اسکو جھٹلانے لگے تو ہم نے انکو غارت کر دیا [۸۶]  
اس بات میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا

كَانَ أَكْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

۱۴۰۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۰﴾

۸۲۔ قوم عاد کے واقعہ کی تذکیر: ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے، مگر نام ہو جائے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف سے بناتے تھے مال ضائع کرنے کو۔ ان میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے تھے گویا یہ سمجھتے تھے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یاد گاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی۔ (لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں)۔

۸۳۔ حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت: یعنی ظلم و ستم سے زبردستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے۔ گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا خدا کی ضعیف مخلوق کو جبر و تعدی کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو، ظلم و تکبر سے باز آؤ، اور میری بات مانو۔

۸۴۔ یعنی اتنا سوچو کہ آخر یہ مسلمان تم کو کس نے دیے ہیں؟ کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں۔ اگر تمہاری یہ ہی شرارت اور سرکشی

رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ دیکھو میں تم کو نصیحت کر چکا۔ اپنے انجام کو خوب سوچ لو۔  
 ۸۵۔ قوم عاد کی ضد اور ہٹ دھرمی: یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے۔ یہ جادو ہم پر چلنے والا نہیں۔ قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ نبی بن کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں اور مرنے جینے کا سلسلہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے تو اس سے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے رہا جو طریقہ ہمارا ہے وہ ہی ہمارے اگلے باپ دادوں کا تھا ہم اس سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں۔ نہ عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں لاسکتے ہیں۔  
 ۸۶۔ قوم عاد کی ہلاکت: یعنی سخت آندھی بھیج کر۔ ان کا قصہ بھی پہلے "اعراف" وغیرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔

۱۴۱۔ جھٹلایا شمود نے پیغام لانے والوں کو

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطُغْيَانٍ  
۱۴۱

۱۴۲۔ جب کہا ان کو انکے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں

اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ اَلَا تَتَّقُونَ  
۱۴۲

۱۴۳۔ میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ  
۱۴۳

۱۴۴۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہانا نو

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ  
۱۴۴

۱۴۵۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے پالنے والے پر

وَمَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی  
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ  
۱۴۵

۱۴۶۔ کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھلے

اَتَتْرَکُوْنَ فِیْ مَا هٰهٰنَا اَمِیْنِیْنَ  
۱۴۶

۱۴۷۔ باغوں میں اور چشموں میں

فِیْ جَنَّتٍ وَّعِیُوْنَ  
۱۴۷

۱۴۸۔ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے

وَزُرُوْعٍ وَّنَخْلِ طَلْعَهَا هٰضِیْمٌ  
۱۴۸

۱۴۹۔ اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف کے

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فَرِیْدِیْنَ  
۱۴۹

۱۵۰۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہانا نو [۸۷]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ  
۱۵۰

۱۵۱۔ اور نہ مانو حکم بیباک لوگوں کا

وَلَا تُطِيعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ  
۱۵۱

۱۵۲۔ جو خرابی کرتے ہیں ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے [۸۸]

الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ  
۱۵۲



قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسْحَرِينَ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَأْتِ بَيِّنَاتٍ إِنْ كُنْتَ

۱۵۴۔ تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم [۸۹] سولے آکھ  
نشانی اگر تو سچا ہے [۹۰]

مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۵۴﴾

قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ

۱۵۵۔ کہانیہ اونٹنی ہے اسکے لئے پانی پینے کی ایک باری اور  
تمہارے لئے باری ایک دن کی مقرر [۹۱]

مَعْلُومٍ ﴿۱۵۵﴾

وَلَا تَسُّوْهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ

۱۵۶۔ اور مت چھیڑو اس کو بری طرح سے پھر پکڑ لے تم  
کو آفت ایک بڑے دن کی [۹۲]

عَظِيمٍ ﴿۱۵۶﴾

فَعَقَرُوهَا فَاصْبَحُوا نَدِمِينَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷۔ پھر کاٹ ڈالا اس اونٹنی کو پھر کل کورہ گئے پچھتاتے [۹۳]

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ

۱۵۸۔ پھر آ پکڑا ان کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی  
ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

أَكْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۵۸﴾

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵۹﴾

۱۵۹۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم کرنے والا

۸۷۔ قوم ثمود کی تکذیب اور حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت: یعنی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے؟ اور پہاڑوں کو تراش کر جو تکلف کے مکان تیار کئے ہیں ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گی؟ اس سووائے خام کو دل سے نکال ڈالو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہا مانو۔ میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔

۸۸۔ یہ عوام کو فرمایا کہ تم ان بڑے مفسد شیطانوں کے چھپے چل کر تباہ نہ ہو۔ یہ زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں۔ اصلاح کرنے والے اور نیک صلاح دینے والے نہیں۔

۸۹۔ یعنی ہم سے کون سی بات تجھ میں زائد ہے جو نبی بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی۔ (العیاذ باللہ)

۹۰۔ معجزے کا مطالبہ: یعنی اگر نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کر کوئی ایسا نشان دکھلا جسے ہم بھی تسلیم کر لیں پھر فرمائش کی اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالحؑ نے دعا فرمائی حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشان دکھلایا۔

۹۱۔ اونٹنی کا معجزہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت سے، حضرت صالحؑ کی دعا سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مواشی بھاگ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہر ا دیا کہ ایک دن اس پانی پر وہ جائے۔ ایک دن اوروں کے مواشی جائیں۔“

۹۲۔ یعنی اونٹنی کے ساتھ برائی سے پیش نہ آنا ورنہ بڑی سخت آفت ہوگی۔

۹۳۔ اونٹنی کے پاؤں کو کاٹنے کا جرم: ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک آشنا کو اکسایا، اس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیے، اس کے تین دن بعد عذاب آیا (موضح القرآن) یہ قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا۔

۱۶۰۔ جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾

۱۶۱۔ جب کہا ان کو انکے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾

۱۶۲۔ میں تمہارے لئے پیغام لانے والا ہوں معتبر

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾

۱۶۳۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿١٦٣﴾

۱۶۴۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجِرِيَ إِلَّا

عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾

۱۶۵۔ کیا تم دوڑتے ہو جہان کے مردوں پر [۹۴]

أَتَاتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾

۱۶۶۔ اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنا دی ہیں تمہارے رب نے تمہاری جو روئیں بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے [۹۵]

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ بَدَلًا

أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾

۱۶۷۔ بولے اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکال دیا جائے گا [۹۶]

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ

الْبُخَارِيِّنَ ﴿١٦٧﴾

۱۶۸۔ کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں [۹۷]

قَالَ إِنِّي لِعَيْبِكُمْ مِنَ الْقَائِلِينَ ﴿١٦٨﴾

۱۶۹۔ اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو  
ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں [۹۸]

۱۷۰۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور اس کے گھر والوں کو سب کو

۱۷۱۔ مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں [۹۹]

۱۷۲۔ پھر اٹھا مارا ہم نے ان دوسروں کو

۱۷۳۔ اور برسایا ان پر ایک برساً سو کیا برا برساً تھا ان  
ڈرائے ہوؤں کا [۱۰۰]

۱۷۴۔ البتہ اس میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں  
تھے ماننے والے

۱۷۵۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

رَبِّ نَجْنِي وَ أَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾

فَنَجِّنُهُ وَ أَهْلَهُ أَجْعَلِينَ ﴿١٧٠﴾

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْعُبْرِينَ ﴿١٧١﴾

ثُمَّ دَمَرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾

وَ أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا فَسَاءً مَطْرُ

الْبُنْدَرِيِّنَ ﴿١٧٣﴾

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً ط وَ مَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾

وَ إِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾

۹۴۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت: یعنی سارے جہان میں سے مرد ہی تمہاری شہوت رانی کے لئے رہ گئے، یا یہ کہ سارے جہان میں سے تم  
ہی ہو جو اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو۔

۹۵۔ یعنی یہ خلاف فطرت کام کر کے آدمیت کی حد سے بھی نکل چکے ہو۔

۹۶۔ یعنی یہ وعظ و نصیحت رہنے دو۔ اگر آئندہ ہمیں تنگ کرو گے تو تم کو بستی سے نکال باہر کریں گے۔

۹۷۔ اس لئے ضرور اس پر اظہار نفرت کروں گا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا۔

۹۸۔ یعنی ان کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچاؤ اور انہیں غارت کر۔

۹۹۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی ہلاکت: یہ ان کی بیوی تھی جو ان بد معاشوں سے مل رہی تھی۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی ہلاک ہوئی۔

۱۰۰۔ قوم لوط پر عذاب: یعنی ان کی بستیاں الٹ دیں اور آسمان سے پتھروں کا برساً کیا۔ سو ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ ان کا قصہ بھی مفصل اعراف  
وغیرہ میں گذر چکا۔

۱۷۶۔ جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام لانے  
والوں کو [۱۰۱]

۱۷۷۔ جب کہا ان کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں

كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٦﴾

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸۔ میں تم کو پیغام پہنچانے والا ہوں معتبر

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا عَمْرًا ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

۱۸۰۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸۰﴾

۱۸۱۔ پورا بھر کر دو ماپ اور مت ہو نقصان دینے والے

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۲۔ اور تو لو سیدھی ترازو سے [۱۰۲]

وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَسْبَغِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۳۔ اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت دوڑو ملک میں خرابی ڈالتے ہوئے [۱۰۳]

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي

الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۴۔ اور ڈرو اس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأُولَىٰ ﴿۱۸۴﴾

۱۸۵۔ بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۶۔ اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے [۱۰۴]

وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ

الْكٰذِبِينَ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۷۔ سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا اگر تو سچا ہے [۱۰۵]

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ

الصّٰدِقِينَ ﴿۱۸۷﴾

۱۸۸۔ کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو [۱۰۶]

قَالَ رَبِّيَّ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۹۔ پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑ لیا ان کو آفت نے سائبان والے دن کی بیشک وہ تھا عذاب بڑے دن کا [۱۰۷]

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾

۱۹۰۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ط وَ مَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾

۱۹۱۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾

۱۰۱۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اصحاب ایکہ: ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ”اصحاب ایکہ“ وہ ہی قوم مدین ہے۔ ”ایکہ“ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے، اسی نسبت سے ”الایکہ“ کہا گیا۔ اور اسی لئے شعیب کو ”اخوہم“ سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کی اخوت محض قومی و نسبی تعلقات پر مبنی تھی۔ اگر ”مدین“ کہتے تو ”اخوہم“ کہنا موزوں تھا جب ”اصحاب الایکہ“ کہہ کر ایک مذہبی نسبت سے ذکر کیا تو اس حیثیت سے ”اخوہم“ فرمانا حضرت شعیب کی شان کے مناسب نہ تھا۔ بہر حال ”مدین“ اور ”اصحاب ایکہ“ ایک قوم ہے اور شعیب اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ پہلے بھی اس کے متعلق کچھ بحث گذر چکی۔

۱۰۲۔ ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو: یعنی معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو۔ جس طرح لینے کے وقت پوناپ تول کر لیتے ہو دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کر دو۔

۱۰۳۔ یعنی ملک میں ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق نہ مارو۔

۱۰۴۔ یعنی دعوائے نبوت میں اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں۔

۱۰۵۔ قوم شعیب علیہ السلام کی گستاخی: اگر سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا گروا کر ہم کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

۱۰۶۔ یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ کس جرم پر کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہئے۔ عذاب دینا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام ہشیار کر دینا تھا، سو کر چکے۔

۱۰۷۔ قوم شعیب علیہ السلام پر سائبان کا عذاب: سائبان کی طرح ابر آیا اس میں سے آگ برسی، نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی، اس طرح سب قوم تباہ ہو گئی۔ ان کا قصہ بھی پہلے مفصل گذر چکا ہے ایک نظر وہاں کے فوائد پر ڈال لی جائے۔

۱۹۲۔ اور یہ قرآن ہے اتارا ہوا پروردگار عالم کا

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾

۱۹۳۔ لیکر اترا ہے اسکو فرشتہ معبر

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾

۱۹۴۔ ترے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا [۱۰۸]

عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾

۱۹۵۔ کھلی عربی زبان میں [۱۰۹]

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾

۱۹۶۔ اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں [۱۱۰]

أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ مَعَهُمْ فِي السَّمَوَاتِ

۱۹۷۔ کیا انکے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اسکی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے [۱۱۱]

إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾

۱۹۸۔ اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری (دوسری) زبان والے پر

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَبِينَ ﴿١٩٨﴾

۱۹۹۔ اور وہ اسکو پڑھ کر سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے [۱۱۲]

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾

۲۰۰۔ اسی طرح گھسا دیا ہم نے اس انکار کو گنہگاروں کے دل میں

كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾

۲۰۱۔ وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک [۱۱۳]

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرُوا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾

۲۰۲۔ پھر آئے ان پر اچانک اور انکو خبر بھی نہ ہو

فِيَاتِيَهُمُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾

۲۰۳۔ پھر کہنے لگیں کچھ بھی ہم کو فرصت ملے گی [۱۱۴]

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

۲۰۴۔ کیا ہمارے عذاب کو جلد مانگتے ہیں

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾

۲۰۵۔ بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچاتے رہیں ہم انکو برسوں

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾

۲۰۶۔ پھر پہنچے ان پر جس چیز کا ان سے وعدہ تھا

ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾

۲۰۷۔ تو کیا کام آئے گا ان کے جو کچھ فائدے اٹھاتے رہے [۱۱۵]

مَا آغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَسْتَعُونُ ﴿٢٠٧﴾

۲۰۸۔ اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لئے نہیں تھے ڈر سنا دینے والے

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذَرُونَ ﴿٢٠٨﴾

۲۰۹۔ یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا [۱۱۶]

ذِكْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٠٩﴾

وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيْطَانُ ﴿٢١٠﴾

۲۱۰۔ اور اس قرآن کو نہیں لیکر اترے شیطان

وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾

۲۱۱۔ اور نہ ان سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں [۱۱۷]

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُولُونَ ﴿٢١٢﴾

۲۱۲۔ ان کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے [۱۱۸]

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ

۲۱۳۔ سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پھر تو  
پڑے عذاب میں [۱۱۹]

الْبَعْدِيِّينَ ﴿٢١٣﴾

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

۲۱۴۔ اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو [۱۲۰]

وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾

۲۱۵۔ اور اپنے بازو نیچے رکھ انکے واسطے جو تیرے ساتھ  
ہیں ایمان والے [۱۲۱]

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾

۲۱۶۔ پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں بیزار  
ہوں تمہارے کام سے [۱۲۲]

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾

۲۱۷۔ اور بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پر [۱۲۳]

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾

۲۱۸۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے

وَتَقَلَّبَكَ فِي السُّجُودِ ﴿٢١٩﴾

۲۱۹۔ اور تیرا پھر نا نمازیوں میں [۱۲۴]

إِنَّهُ هُوَ السَّبِيْعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾

۲۲۰۔ بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا

هَلْ أَنْبَأَكُمْ عَلَى مَنْ تَنْزَلُ الشَّيْطَانُ ﴿٢٢١﴾

۲۲۱۔ میں بتلاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان

تَنْزَلُ عَلَى كُلِّ آفَاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾

۲۲۲۔ اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر [۱۲۵]

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ كَذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾

۲۲۳۔ لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت ان میں  
جھوٹے ہیں [۱۲۶]

۲۲۳۔ اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں [۱۲۷]

۲۲۵۔ تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سہ مارے پھرتے ہیں [۱۲۸]

۲۲۶۔ اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے [۱۲۹]

۲۲۷۔ مگر وہ لوگ جو یقین لائے اور کام کئے اچھے اور یاد کی اللہ کی بہت اور بدلہ لیا اس کے پیچھے کہ ان پر ظلم ہوا [۱۳۰] اور اب معلوم کر لیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ لٹتے ہیں [۱۳۱]

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ط

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهِيئُونَ ل

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ط

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ط وَسَيَعْلَمُ

الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ع

۱۰۸۔ قرآن کریم کا نزول قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر: "آغاز سورت میں قرآن کریم کا ذکر تھا اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی گئی تھی، درمیان میں مکذبین حق کے واقعات بیان ہوئے یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی قرآن کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اتارا، جبریل امین لیکر اترے اور تیرے پاک و صاف قلب پر اتاری گئی، کیونکہ یہ ہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا، چنانچہ وحی قرآنی آئی۔ اور سیدھی تیرے دل میں اترتی چلی گئی۔ تو نے اس کو اپنے سارے دل سے سنا اور سمجھا اور محفوظ رکھا، شاید عَلَى قَلْبِكَ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی "صلصۃ الجرس" کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آکر بات کرنا) ان میں سے قرآن کی وحی انقباضاً پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی۔ کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے متخلع ہو کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا۔ گویا اس وقت آلات جسدانیہ کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے۔ دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی الہی قوتوں سے ان علوم کی تلفی کرتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے بخلاف دوسری حالت کہ اس میں فرشتہ کو ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا، اس وقت پیغمبر ان ہی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی ظاہری کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا ہے کہ هُوَ اَشَدُّ عَلَيَّ (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں آپ کو بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰۹۔ الفاظ اور معانی دونوں وحی کئے گئے: یعنی اتارنا نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ یہاں سے معلوم ہوا عَلَى قَلْبِكَ سے مراد یہ نہیں کہ صرف مضامین قرآن کے آپ کے دل میں اتار دیے پھر آپ نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ بلکہ الفاظ اور مضامین سب وحی ربانی سے قلب مبارک پر القا کئے گئے۔

۱۱۰۔ پچھلی کتابوں میں قرآن کی خبر: یعنی قرآن کی اور اس کے لانے والے کی خبر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ انبیائے سابقین برابر پیغمبری کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریف و تبدیل کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا پایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین اجمالاً یا تفصیلاً اگلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً قصص، توحید، رسالت، معاد



وغیرہ مضامین جن پر تمام کتب سادیہ اور انبیاء و مرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

۱۱۱۔ علمائے بنی اسرائیل کی گواہی: یعنی علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب اور پیغمبر ہے جس کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے علانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجلسوں میں امر حق کا اقرار کیا ہے اور بعض انصاف پسند اسی علم کی بناء پر مسلمان ہو گئے، مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ غرض ایک منصف فہم کے لئے جس کا دل حق کی طلب رکھتا اور خدا سے ڈرتا ہو، اس چیز میں بڑی نشانی ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء بھی اپنے دلوں میں قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اقرار کی جرأت نہ کر سکیں۔

۱۱۲۔ عجیبی پر قرآن نازل ہوتا تو کبھی نہ مانتے: یعنی آپ تو فصحاء عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ یوں کہیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کر لیا ہو گا (حالانکہ قرآن اس حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے جس کا مثل تمام جن وانس بھی بنا کر نہیں لاسکتے) تاہم کہنے کو یہ احتمال پیدا کر سکتے ہیں، لیکن ان کی ہٹ دھرمی، شقاوت اور بد بختی کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ قرآن فرض کرو ہم کسی غیر فصیح عرب یا عجیبی انسان پر اتارتے جو ایک حرف عربی بولنے پر قادر نہ ہوتا، بلکہ بفرض محال کسی حیوان لایعقل پر اتارا جاتا، تب بھی یہ لوگ اسکے ماننے والے نہ تھے اس وقت کچھ اور احتمالات پیدا کرتے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں، اس نبی کی زبان بھی عربی ہے شاید آپ ہی کہہ لاتا ہو۔ اگر غیر زبان والے پر عربی قرآن اتارتا تو یقین کرتے، فرمایا کہ دھوکہ والے کاجی کبھی نہیں ٹھہرتا، تب اور شبہ نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے۔ (موضح القرآن)

۱۱۳۔ قرآن کے کلام الہی ہونے کا کفار کو یقین ہے: یعنی جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قویٰ کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتا ہے اور اس کے دل میں انکار و تکذیب کے اثر کو جاگزیں کر دیتا ہے۔ یہ تقریر ترجمہ کے موافق ہوئی، لیکن بہت سے مفسرین نے سنکٹنہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے۔ یعنی قرآن کو ہم نے اس طرح مجرمین کے دل میں گھسا دیا ہے کہ وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لاسکتے اور تکذیب کئے چلے جاتے ہیں۔ تا آنکہ دنیا یا آخرت میں دردناک عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں، اس وقت مانیں گے کہ ہاں پیغمبر سچے تھے اور جو کتاب لائے تھے وہ سچی تھی، مگر اس وقت کا ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

۱۱۴۔ کفار کا مہلت طلب کرنا: یعنی جب عذاب الہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں تھوڑی سے مہلت دی جاسکتی ہے کہ اب توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں اور پیغمبروں کا اتباع کر کے دکھلائیں۔ دنیا میں تو عذاب کی جلدی مچا رہے تھے اب مہلت طلب کرنے لگے۔

۱۱۵۔ یعنی ساہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو دی گئی تھی اس وقت کچھ کام نہ آئے گی اس وقت یہ برسوں کی مہلت کا عدم ہوگی اور سمجھیں گے کہ واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے گا نھم یدمر یدر ذنھالہم ینلبشوا الا عشیۃ اذ ضلھا (نازعات۔ ۴۶)

۱۱۶۔ کسی کو مہلت دے بغیر عذاب نہیں دیا گیا: یعنی کسی قوم کا تختہ یوں ہی ایک دم نہیں الٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور ہشیار کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں، جب کسی طرح نہ مانے آخر غارت کئے گئے۔ العیاذ باللہ۔

۱۱۷۔ قرآن کسی جن کا لایا ہوا نہیں ہے: درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون دیا: إِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ کی تکمیل و تنمیت فرماتے ہیں۔ یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبریل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھائی ہوئی چیز نہیں۔ جلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد، اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک

رشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاکباز، صادق خدا ترس اور خدا پرست جماعت نہیں۔ تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اٹھاسکیں۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَاٰیْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (حشر- ۲۱) روایات میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی جن آکر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور ﷺ کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

۱۱۸۔ شیاطین کو دور کر دیا گیا ہے: یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے ہیں کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے نہ ایک حرف اچک سکتے ہیں کما قال تعالیٰ وَ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدًا لِلسَّبْحِ فَمَنْ يَسْتَنْبِحِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا (جن- ۹) وقال تعالیٰ فَانَّهُ يَنْزِلُكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (جن- ۲۷) وقال تعالیٰ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلًا مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (حم السجدہ- ۴۲) (تنبیہ) شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورہ حجر کے شروع میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہئے۔

۱۱۹۔ یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو یعنی جب یہ کتاب بلا شک و شبہ خدا کی اتاری ہوئی ہے، شیطان کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو چاہئے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک و کفر اور تکذیب کی شیطانی راہ اختیار مت کرو۔ ورنہ عذاب الہی سے سنگاری کی کوئی سبیل نہیں۔

۱۲۰۔ اقرباء کو دعوت کا حکم: یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے۔ کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت و حقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری حضرت نے سارے قریش کو پکار کر سنا دیا اور اپنی پھوپھی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کو کہہ سنایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔

۱۲۱۔ اقرباء کو دعوت کا حکم: یعنی شفقت میں رکھ ایمان والوں کو، اپنے ہوں یا پرانے۔

۱۲۲۔ یعنی خلاف حکم خدا جو کرنی کرے اس سے تو بیزار ہو جا اپنا ہویا پراپنا۔ (موضح)۔

۱۲۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت کا وعدہ: یعنی نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور کتنے ہی ہوں تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سب سے بیزار ہو کر ایک خدا پر بھروسہ رکھ جو زبردست بھی ہے۔ کسی کی اس کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی اور مہربانی فرمانے والا بھی، چنانچہ اپنی مہربانی سے تیرے حال پر ہر وقت نظر عنایت رکھتا ہے۔

۱۲۴۔ یعنی جب تو تہجد کو اٹھتا ہے اور متوسلین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل (موضح) یا تو جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی نماز میں نقل و حرکت (رکوع و سجود وغیرہ) کرتا ہے اور متقدموں کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ کے آباء مراد ہیں یعنی آپ کے نور کا ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا، بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور ﷺ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۵۔ شیطان کس پر اترتے ہیں؟: یہاں پھر قرآن کے صدق اور عظمت شان پر تنبیہ فرمائی۔ یعنی ایسے ساجدین اور تہجد گزاروں کے امام کو جو اللہ کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کی کوئی پروا نہ کرے۔ اور ساری دنیا سے ٹوٹ کر اکیلے خدا پر بھروسہ رکھے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شیطان ان پر وحی لاتا تھا؟ میں تم کو بتلاؤں کہ شیطانی وحی کس قسم کے لوگوں پر آتی ہے۔ وہ آتی ہے جھوٹوں پر، بد معاشوں اور بدکاروں پر، کیونکہ شیطان سچے اور نیک آدمیوں سے بیزار ہے کہ یہ اس کو برا جانتے ہیں۔ جھوٹے دغا بازوں سے خوش ہے جو اس کی مرضی کے موافق

ہیں۔ بھلا سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکیوں سے بڑھ کر نیک انسان کو شیطانی وحی سے کیا نسبت، حضور ﷺ کا صدق و امانت، انقاء، پاکبازی، خدا ترسی، تو وہ اوصاف ہیں جو بچپن سے لیکر دعویٰ نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھے حتیٰ کہ ”الصادق الامین“ آپ کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔

۱۲۶۔ شیاطین جھوٹی خبریں لاتے ہیں: یعنی شیاطین کوئی ایک آدھ ناتمام بات امور غیبیہ جزئیہ کے متعلق جو سن بھاگتے ہیں اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں، یہ حقیقت ان کی وحی کی ہے۔ برخلاف اس کے انبیاء کی وحی کا ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ بعض نے یُفْقُونَ السَّمْعَ کے معنی یہ لئے ہیں کہ شیاطین ملائے اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں کہ کوئی نبی بھنک کان میں پڑ جائے، یا جھوٹے گنہگار شیاطین کی طرف کان جھکائے رکھتے ہیں کہ کوئی چیز ادھر سے ہاتھ آئے تو چلتی کریں۔

۱۲۷۔ شاعروں کی بات پر بے راہ چلتے ہیں: کافر لوگ پیغمبروں کو کبھی کاہن بتاتے کبھی شاعر، سو فرمایا کہ شاعری کی باتیں محض تخیلات ہوتی ہیں تحقیق سے اس کو لگاؤ نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس کی باتوں سے بجز گرمی محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہوتی حالانکہ اس پیغمبر کی صحبت میں قرآن سن سن کر ہزاروں آدمی نیکی اور پرہیزگاری پر آتے ہیں۔

۱۲۸۔ شاعر تخیل کی وادیوں میں بھٹکتے ہیں: یعنی جو مضمون پڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے گئے، کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے، پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی لئے شعر کی نسبت مشہور ہے اَلْكَذِبُ اَوْ اُحْسِنِ اَوْ۔

۱۲۹۔ شاعر جو کہتے ہیں کرتے نہیں: یعنی شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے، اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک۔ کبھی دیکھو تو ہٹے کٹے ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساکت ہو چکیں، قبض روح کا انتظار ہے حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے غرض ایک پیغمبر خدا اور وہ بھی خاتم الانبیاء کو اس جماعت سے کیا لگاؤ۔ اسی لئے فرمایا۔ وَمَا عَلَنَهُ الشَّعْرُ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یس۔ ۶۹) آپ کی جو بات تھی سچی، سچی، تلی، باون تو لے پاؤرتی تحقیق کی ترازو میں تلی ہوئی۔ پھر جو بات زبان مبارک سے سنی جاتی تھی وہی عمل میں آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ بھلا شاعر ایسے ہوتے ہیں؟ اور شاعری اسے کہتے ہیں؟ حاشا ثم حاشا۔

۱۳۰۔ کون سے شاعر اس سے مستثنیٰ ہیں: مگر جو کوئی شعر میں اللہ کی حمد کہے یا نیکی کی ترغیب دے، یا کفر کی مذمت یا گناہ کی برائی کرے یا کافر اسلام کی ہجو کریں یہ اس کا جواب دے، یا کسی نے اس کو ایذا پہنچائی اس کا جواب بحد اعتدال دیا، ایسا شعر عیب نہیں۔ چنانچہ حضرت حسان ابن ثابتؓ وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔

۱۳۱۔ يه مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا کی مناسبت سے فرمایا کہ ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن و شاعر کہہ کر جھٹلائے۔

تم سورة الشعراء

آیاتها ۹۳

۲۷ سُورَةُ النَّبْلِ مَكِّيَّةٌ ۲۸

رکوعاتها

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ طس۔ یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی

طَسَّ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿١﴾

۲۔ ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے واسطے

هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾

۳۔ جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور ان کو آخرت پر یقین ہے

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ

بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٣﴾

۴۔ جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو اچھے دکھلائے ہم نے ان کی نظروں میں انکے کام سووہ بہکے پھرتے ہیں<sup>[۱]</sup>

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيْنًا لَهُمْ

أَعْبَالَهُمْ فَهُمْ يَعْبَهُونَ ﴿٤﴾

۵۔ وہی ہیں جن کے واسطے بری طرح کا عذاب ہے اور آخرت میں وہی ہیں خراب<sup>[۲]</sup>

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي

الْآخِرَةِ هُمُ الْآخْسَرُونَ ﴿٥﴾

۶۔ اور تجھ کو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے<sup>[۳]</sup>

وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿٦﴾

۱۔ کفار دنیا کی رونقوں میں گم ہیں: یعنی جن کو انجام کی کوئی فکر اور مستقبل کا خیال نہ ہو، وہ اسی دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ان کی تمام کوششوں کا مرکز یہ ہی چند روزہ زندگی ہے جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت کی طرف توجہ دلائے، اس پر کیوں کان دھرنے لگے۔ وہ دنیا کے عشق میں غرق ہو کر ہادیوں پر آوازے کتے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں اور یہ ہی کام ہیں جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ (تنبیہ) تزئین کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس حیثیت سے کی کہ خالق ہر چیز کا وہ ہی ہے کسی سبب پر مسبب کا ترتیب بدون اس کی مشیت و ارادہ کے نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ دوسرے مواضع میں اضلال اور ختم و طبع وغیرہ کی نسبت اس کی طرف ہوئی ہے۔ سورہ ”نمل“ کی ان ابتدائی آیات کا مضمون سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہے۔ ان کو ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔

۲۔ یعنی وہاں سب سے زیادہ خسارہ میں یہ ہی لوگ ہوں گے۔

۳۔ قرآن کریم کی نعمت اللہ کا فضل عظیم ہے: یعنی ان بد بختوں کو تہ ضلالت میں بھٹکنے دو۔ جب انہوں نے قرآن میں ان کی قدر نہ پہچانی اور اس کی ہدایات و بشارات سے فائدہ نہ اٹھایا تو یہ ہی حشر ہونا تھا۔ آپ تو خدا کا شکر کیجئے کہ اس علیم و حکیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب آپ کو مرحمت کی گئی ہے جس سے ہر وقت تازہ بہ تازہ فوائد پہنچ رہے ہیں۔ جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تا سچوں کا دل مضبوط و قوی ہو اور جھوٹ کی حمایت کرنے والے اپنی بد انجامی پر مطلع ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ اور فرعونوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔

۷۔ جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے آگ [۳] اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یالاتا ہوں انگار اسلگا کر شاید تم سینکو [۵]

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَاتِيكُمْ  
مِنْهَا بِخَبْرٍ أَوْ أْتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ

تَصْطَلُونَ ﴿۷﴾

۸۔ پھر جب پہنچا اسکے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اسکے آس پاس ہے [۶] اور پاک ہے وہ ذات اللہ کی جو رب سارے جہان کا [۷]

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ  
حَوْلَهَا ۗ وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸﴾

يُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۹﴾

۹۔ اے موسیٰ وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا [۸]

۱۰۔ اور ڈال دے لاٹھی اپنی پھر جب دیکھا اسکو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سنک [۹] لوٹا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا [۱۰] اے موسیٰ مت ڈر میں جو ہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول [۱۱]

وَأَلْقِ عَصَاكَ ۗ فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ  
مُدْبِرًا ۗ وَكَمْ يُعَقِّبُ ۗ يُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا

يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ مگر جس نے زیادتی کی پھر بد لے میں نیکی کی برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں [۱۲]

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۗ ثُمَّ بَدَّلْ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي  
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱﴾

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ

۱۲۔ اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر نہ کسی برائی سے یہ دونوں ملکر نو نشانیاں لیکر جا

فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ تھے لوگ  
نا فرمان [۱۳]

سُوِّءٌ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ

كَانُوا قَوْمًا فَسِقِينَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ پھر جب پہنچیں انکے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو  
بولے یہ جادو ہے صریح

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ

مُبِينٌ ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور ان کا انکار کیا اور ان کا یقین کر چکے تھے اپنے جی  
میں بے انصافی اور غرور سے سو دیکھ لے کیا ہوا انجام  
خرابی کرنے والوں کا [۱۴]

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَ

عُلُوًّا فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کیلئے پہاڑ پر جانا: یہ ”مدین“ سے جاتے ہوئے ”وادی طوی“ کے قریب پہنچ کر کہا جبکہ سخت سردی کی  
اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے۔ مفصل واقعہ سورہ طہ کے فوائد میں گذر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۵۔ یعنی رستہ کی خبر لاتا ہوں اگر آگ کے پاس کوئی موجود ہو اور نہ کم از کم سینکنے کے لئے ایک انگارے آؤں گا۔

۶۔ تجلی الہی کی روشنی: وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ دنیا کی آگ نہیں، بلکہ نبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نور الہی ظاہر ہو رہا تھا، یا اس کی  
تجلی چمک رہی تھی۔ شاید وہ ہی ہو جس کو حدیث میں فرمایا حِبَابَةُ النَّارِ يَاجِبَابَةُ النَّوْرِ پھر غیب سے آواز آئی أَنْ بُودِكَ مَنَ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا  
یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک، آگ میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک، اور اس کے اندر یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ وہ  
سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔

۷۔ آگ میں تجلی کی حقیقت: یعنی مکان، جہت، جسم، صورت اور رنگ وغیرہ سمات حدوث سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی  
کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی؟ آفتاب عالمتاب قلعی دار آئینہ میں متجلی ہوتا ہے لیکن کون احمق کہہ سکتا  
ہے کہ اتنا بڑا کرہ شمسی چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا؟

۸۔ حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب: ”عنی اس وقت تجھ سے کلام کرنے والا میں ہوں، یہ سب واقعہ مفصلاً سورہ ”طہ“ میں گذر  
چکا۔

۹۔ عصا کو زمین پر ڈالنے کا حکم: شاید ابتداء میں پتلا ہو گا، یا سرعت حرکت میں تشبیہ ہو گی، صفر جثہ میں نہیں۔

۱۰۔ یہ خوف طبعی تھا جو منافی نبوت نہیں۔

۱۱۔ یعنی اس مقام حضور و اصطفاء میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ مرسلین کو لائق نہیں کہ ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر لاشعی یا  
سانپ یا کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون و طمانیت حاصل ہونا چاہئے۔

۱۲۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف و اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہئے جو کوئی زیادتی یا خطا تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے  
متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ

اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ مولیٰ سے چوک کر ایک کافر کا خون ہو گیا تھا اس کا ڈر تھا ان کے دل میں، ان کو وہ معاف کر دیا۔

۱۳۔ نو نشانیوں کا بیان سورہ "بنی اسرائیل" کی آیت وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ فَسْتَلَّ بِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ (بنی اسرائیل-۱۰۱) الخ کے تحت دیکھو۔

۱۴۔ معجزات دیکھ کر بھی انکار: یعنی جب وقتاً فوقتاً ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے وہ نشانیاں دکھائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ مولیٰ سچے ہیں اور جو نشان دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں۔ جادو، شعبہ اور نظر بندی نہیں۔ مگر محض بے انصافی اور غرور و تکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کر رہے تھے۔ پھر کیا ہوا، چند روز بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھالیا، کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔

۱۵۔ اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم<sup>[۱۵]</sup> اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی<sup>[۱۶]</sup> اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر<sup>[۱۷]</sup>

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا<sup>[۱۸]</sup> اور بولے اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی<sup>[۱۹]</sup> اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے<sup>[۲۰]</sup> بیشک یہی ہے فضیلت صریح

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اسکے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور پھر انکی جماعتیں بنائی<sup>[۲۱]</sup>

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر<sup>[۲۲]</sup> کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو گھس جاؤ اپنے گھروں میں نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اسکی فوجیں اور انکو خبر بھی نہ ہو<sup>[۲۳]</sup>

حَتَّىٰ إِذَا اتُّوا عَلَىٰ وَادِ النَّبْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّبْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطَبَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۸﴾

۱۹۔ پھر مسکرا کر ہنس پڑا اسکی بات سے [۲۴] اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں [۲۵]

فَتَبَسَّمْ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي  
أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى  
وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي

بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿١٩﴾

۱۵۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم عطا کیا گیا: حضرت سلیمان حضرت داؤد کے صاحبزادہ ہیں۔ باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو اسکی شان کے لائق اللہ تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا۔ شرائع و احکام اور اصول سیاست و حکمرانی وغیرہ کے علوم سب اس لفظ کے ماتحت میں داخل ہو گئے۔

۱۶۔ حق تعالیٰ نے جو علم داؤد و سلیمان علیہما السلام کو دیا تھا اسی کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے۔ کسی نعمت الہی پر شکر ادا کرنا، اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔

۱۷۔ ”بہت سے“ اس لئے کہا کہ بہت بندگان خدا کو ان پر فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام مبارک ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔

۱۸۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سچے وارث حضرت سلیمان علیہ السلام: یعنی داؤد کے بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشین حضرت سلیمان ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو ان سے قبل یا بعد کسی کو نہ ملا۔ جن، ہوا اور پرندوں کو ان کے لئے مسخر فرمایا۔ جیسا کہ سورہ ”سبا“ میں آئے گا۔

۱۹۔ پرندوں کی بولیوں کی عقلی توجیہ: اس بات کا انکار کرنا بدابہت کا انکار ہو گا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں ان میں ایک خاص حد تک افہام و تفہیم کی شان پائی جاتی ہے۔ ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بلا تا یاد نہ دینے کے لئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبر دار کرتا ہے، ان تمام حالات میں اس کی بولی اور لب و لہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال و ضروریات کے وقت بھی ان کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ و متقارب معلوم ہوں) ایسا لطیف تفاوت ہوتا ہو گا جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سننے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات و اصوات سے زیادہ وقعت نہ ہو گی لیکن ٹیلیگراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرار کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ کیونکہ وہ ان ”فقرات تلغرافیہ“ کی دلالت و وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علی ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضح حقیقی نے نعمات طیور کو بھی مختلف معانی و مطالب کے اظہار کے لئے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے، طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے بنی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبر انہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی ان کا علم عطا فرمادے۔ حیوانات کے لئے جزئی اور اکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کی حیوانات کی بولیوں کی ”ابجد“ تیار کی جا رہی ہے۔ قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ



اپنی صلوة و تسبیح سے واقف ہے۔ احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم، بلکہ جمادات محضہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ تمام مخلوقات کو خالق کی اجمالی معرفت حاصل ہے: اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں تہ نشین کر دی گئی ہے۔ پس ان کی تسبیح و تحمید یا بعض محاورات و خطابات پر بعض بندگان خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سوا عجاز و کرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز و کرامت ہی کیوں کہلائے (خوارق عادت پر ہم نے مستقل مضمون لکھا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے) بہر حال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زانغین نے عجیب طرح کی رکیک اور لچر تحریفات شروع کر دی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا، یا چوٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا ان کو سمجھ لینا یہ سب باتیں ان کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف و خلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی کچی، لغو اور بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا بلا تردید و تکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کر در کر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال ان باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرنا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطاء و تقصیر ہو سکتی ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ شب و روز کی جن محسوسات اور پیش پا افتادہ حقائق کو انسان کا بچہ جانتا ہے، وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقل مند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آئی ہو یا دہرے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الہی کا مدلول بیان کیا ہے اس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔

۲۰۔ یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت و نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ سب عطا فرمائے۔

۲۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جن وانس کے لشکر: یعنی سلیمان جب کسی طرف کوچ کرتے تو جن، انس، طیور تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسب ضرورت و مصلحت ساتھ لئے جاتے تھے۔ اور ان کی جماعتوں میں خاص نظم و ضبط قائم رکھا جاتا تھا۔ مثلاً پچھلی جماعتیں تیز چل کر یا اڑ کر اگلی جماعتوں سے آگے نہیں نکل سکتی تھیں۔ نہ کوئی سپاہی اپنے مقام اور ڈیوٹی کو چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ جس طرح آج بری، بحری اور ہوائی طاقتوں کو ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔

۲۲۔ چوٹیوں کی بستی پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا گذر: یعنی سلیمان کا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گزر ہوا جہاں چوٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی (تنبیہ) جہاں چوٹیاں مل کر خاص سلیقہ سے اپنا گھر بناتی ہیں اسے زبان عرب میں ”قریۃ النمل“ کہتے ہیں (چوٹیوں کی بستی)۔ مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں چوٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں، ان میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان کا گذر ہوا۔

۲۳۔ ایک چوٹی کی بات: ”عنی یہ ایسے تو نہیں جو جان بوجھ کر تم کو ہلاک کریں، ہاں ممکن ہے بے خبری میں پس جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”چوٹی کی آواز کوئی (آدمی) نہیں سنتا، (سلیمان) کو معلوم ہو گئی ”یہ ان کا معجزہ ہوا۔ (تنبیہ)۔

چوٹیوں کی منظم زندگی: علمائے حیوانات نے ساہا سال جو تجربے کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شہنوں بشریہ سے قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چوٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں۔ ان میں تعاون باہمی کا جذبہ، تقسیم عمل کا اصول، اور نظام حکومت کے ادارات نوع انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں۔ محققین یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چوٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں، بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ افسوس ہے ان مختصر فوائد میں ان کی گنجائش نہیں۔ محض مقام کی مناسبت سے ”دائرة المعارف المصریہ“ کے آخری جملے نقل کرتا ہوں فنبئی ذاہم عدو قریۃ للنمل اختفت العمکة و خراجت الجؤد للقتال و النصال فیخبرہم اولاً و اجد منها للاستطلاع ثم یعود مجزاً بساوی و یبعد ہنیہہ تخرب ثلاثہ اذ اذبعۃ یشبعہا عدو

كثيْفٌ مِنَ الْجَبِيْشِ بِاَدِيَّةٍ عَلَيْهِمْ عَلَابٌ مِنَ الْحَنْقِ فَتَدَعُوْهُ كُلُّ مَا صَادَ فِتْنَةٌ وَلَا تَفْلُتُ مِنْ تَدَعُوْهُ وَكَوْ قَطَعَتْ اَرْبَا اَرْبَا۔ فَاِذَا اِنْتَهَى الْقِتَالُ رَجَعَ الْفَعْلَةُ فَاَعَادُوْا بِنَاءً مَا تَهْتَدُوْنَ يَتَخَلَّلَهَا عَدُوٌّ مِنَ الْجُنُوْدِ لِحِرَاسَةِ لَا لِلْعَمَلِ خَطَّ كَشِيْدَهٗ جَمْلُوْنَ فِيْ بَنِيْ اِيْسَافَ كِهٖ خَطْرَهٗ كِيْ اِهْتِ بِاَكْر اَوَّلِ اِيْكَ چِيُونِيْ بَاہر نکلتی ہے اور واپس جا کر اپنی قوم کو اپنی معلومات سے آگاہ کرتی ہے۔ باقی سلیمان کا پتہ لگا لینا اور سلیمان کا اسکی بات پر مطلع ہو جانا بطریق خرق عادت تھا۔

۲۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تبسم اور تعجب: اس چوٹی کی بات سمجھ کر تعجب ہوا۔ اور فرط سرور و نشاط سے ادائے شکر کا جذبہ جوش میں آیا۔  
۲۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا: یعنی حیران ہوں تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں، پس آپ ہی سے التجاء کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں (جو انبیاء و مرسلین ہیں) محشور فرمائیے۔

۲۰۔ اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا بد بد کو یا ہے وہ غائب [۲۶]

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا آرِي الْهُدَىٰ ۙ

كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اس کو سزا دوں گا سخت سزا [۲۷] یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح [۲۸]

لَا عَذْبَنِيَّ عَذَابًا شَدِيدًا ۙ أَوْ لَا آذُبَحْنَهَا ۙ

لِيَأْتِيَنِي بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾

۲۲۔ پھر بہت دیر نہ کی کہ آکر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سب سے ایک خبر لیکر تحقیقی [۲۹]

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطُّ بِمَا لَمْ تَحِطْ بِهِ ۙ

جِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ میں نے پایا ایک عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اسکو ہر ایک چیز ملی ہے [۳۰] اور اس کا ایک تخت ہے بڑا [۳۱]

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ

شَيْءٍ ۙ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ میں نے پایا کہ وہ اور اسکی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے اور بھلے دکھلا رکھے ہیں ان کو شیطان نے انکے کام پھر روک دیا ہے انکو راستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے [۳۲]

وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّيْءِ مِنْ

دُونِ اللَّهِ ۙ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْيَابَهُمْ فَصَدَّهُمْ

عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز  
آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو  
ظاہر کرتے ہو [۳۳]

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبَاءَ فِي  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا  
تُعْلِنُونَ ﴿۲۵﴾

۲۶۔ اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوائے پروردگار  
تحت بڑے کا [۳۴]  
۲۷۔ سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا  
ہے [۳۵]

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۶﴾  
قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ  
الْكَاذِبِينَ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ لیجا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان کے  
پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں [۳۶]

إِذْ هَبُّ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِيهِ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ  
فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾

۲۶۔ ہد ہد کے بارے میں سوال: کسی ضرورت سے سلیمان نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا۔ ہد ہد ان میں نظر نہ پڑا۔ فرمایا کیا بات ہے ہد ہد کو میں  
نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟ (تنبیہ) پرندوں سے حضرت سلیمان مختلف کام لیتے تھے  
مثلاً ہوائی سفر میں ان کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے جانا، یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا، یا نامہ بری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے  
اس وقت ہد ہد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہد ہد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ اور یہ کچھ  
مستبعد نہیں کہ حق تعالیٰ کسی جانور کو کوئی خاص حائے انسانوں اور دوسرے جانوروں سے تیز عنایت فرمادے۔ اسی ہد ہد کی نسبت نہایت معتبر  
ثقافت نے بیان کیا کہ زمین میں جس جگہ مٹی کے نیچے کینچو اہو اسے محسوس کر کے فوراً نکال لیتا ہے۔ حتیٰ کہ کبھی کبھی ایک دو باشت زمین کھودتا  
ہے تب وہاں سے کینچو نکلتا ہے۔

۲۷۔ مثلاً اس کے بال و پر نوح ڈالوں گا۔

۲۸۔ یعنی اپنی غیر حاضری کا واضح عذر پیش کرے۔

۲۹۔ قوم سبا کی خبر: حضرت سلیمان کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا۔ اب پہنچا۔ سبا ایک قوم کا نام ہے ان کا وطن عرب میں تھا "یمن" کی  
طرف" (موضح القرآن) گویا ہد ہد کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی محیط نہیں ہو سکتا دیکھو جن کی  
بابت خود فرمایا تھا۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا آدَمَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ان کو ایک جزئی اطلاع ہد ہد نے کی۔

۳۰۔ ہر ایک چیز میں، مال، اسباب، فوج، اسلحہ اور حسن و جمال سب آگیا۔

۳۱۔ بلقیس کا تخت: یعنی اس ملکہ کے بیٹھنے کا تخت ایسا مکلف و مرصع اور بیش قیمت تھا کہ اس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا، مفسرین ملکہ کا نام

”بلقیس“ لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۲۔ قوم سبا کی آفتاب پرستی: یعنی وہ قوم مشرک آفتاب پرست ہے شیطان نے ان کی راہ مار دی، اور مشرکانہ رسوم و اطوار کو ان کی نظر میں خوبصورت بنا دیا۔ اسی لئے وہ راہ ہدایت نہیں پاتے۔ ہد ہد نے یہ کہہ کر گویا سلیمانؑ کو اس قوم پر جہاد کرنے کی ترغیب دی۔

۳۳۔ جانوروں کو حق تعالیٰ کی جبلی معرفت: غالباً یہ ہد ہد کے کلام کا تتمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانور اپنے خالق کی صحیح معرفت فطرۃ رکھتے ہیں۔ بطور خرق عادت اسی ہد ہد کو اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ خدا چاہے تو ایسی معرفت ایک خشک لکڑی میں پیدا کر دے۔ باقی جانوروں میں فطری طور پر اس قسم کی عقل و معرفت کا موجود ہونا جسے صدر شیرازی نے ”اسفار اربعہ“ میں ”علم حضور“ یا ”شعور بسیط“ سے تعبیر کیا ہے اس کو مستلزم نہیں کہ ان کی طرف انبیاء مبعوث ہوں۔ کیونکہ یہ فطری معرفت کسی نہیں، جبلی ہے۔ اور بعثت انبیاء کا تعلق کسبیت سے ہوتا ہے۔ نیز یہ صحیح نہیں کہ جس چیز میں کوئی درجہ عقل و شعور کو ہو وہ مکلف بھی ہو۔ مثلاً شریعت حقہ نے صبی کو مکلف قرار نہیں دیا۔ حالانکہ قبل از بلوغ اس میں خاصا درجہ عقل کا موجود ہے اسی سے حیوانات کی عاقلیت کا اندازہ کر لو۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”ہد ہد کی روزی ہے ریت سے کیڑے نکال کر کھانا۔ نہ دانہ کھائے نہ میوہ، اس کو اللہ کی اسی قدرت سے کام ہے ”ثناید اس لئے یُخْرِجُ الْخَبَاءَ کا خاص طور پر ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

۳۴۔ یعنی اس کے عرش عظیم سے بلقیس کے تخت کو کیا نسبت۔

۳۵۔ یعنی تیرے جھوٹ سچ کا امتحان کرتا ہوں۔

۳۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط: یعنی سلیمانؑ نے ایک خط لکھ کر ہد ہد کے حوالہ کیا کہ ملکہ ”سبا“ کو پہنچا دے اور جواب لے کر آ۔ اور دیکھنا خط پہنچا کر وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا۔ کیونکہ قاصد کا وہیں سر پر کھڑا رہنا آداب شاہانہ کے خلاف ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی آپ کو چھپا، لیکن وہاں کا ماجرا دیکھ، ہد ہد خط لے گیا، بلقیس جہاں اکیلی سوتی تھی۔ روزن میں سے جا کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔“ (موضح)

۲۹۔ کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط  
عزت کا

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوٓآءِ إِنِّيٓ أُلْقِيَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ كَرِيمًا ﴿٢٩﴾

۳۰۔ وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے [۳۷] اور وہ یہ ہے  
شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے  
سامنے حکم بردار ہو کر [۳۸]

اَلَّا تَعْلُوٓا عَلٰی وَاَنْتُوۡنِیْ مُسْلِمٰیۡنَ ﴿٣١﴾

۳۲۔ کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے  
کام میں میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے  
تک [۳۹]

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوٓآءِ أَفْتُونِي فِيٓ أَمْرِيٓ مَا كُنْتُ

قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُوۡنَ ﴿٣٢﴾

۳۳۔ وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی

قَالُوٓا نَحْنُ أَوْلُوٓا قُوَّةً وَّ أَوْلُوٓا بِأَسِّ شَدِيْدٍ ۗ وَ

الْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿۳۳﴾

والے اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے [۳۰]

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَ  
جَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ کہنے لگی بادشاہ جب گھتے ہیں کسی بستی میں اسکو خراب کر دیتے ہیں اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ کریں گے

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنْظُرَآ بِمَ يَرْجِعُ  
الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لیکر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے [۳۱]

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمِينَ قَالَ أَتَيْدُونَنِي بِأَلِ ثَمَنِ  
اللَّهِ خَيْرٌ مِّمَّا أَتَيْتُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

۳۶۔ پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو [۳۲]

تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾

إَرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا  
وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ پھر جان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جنکا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے [۳۳]

۳۔ بلقیس کا اہل دربار سے مشورہ: بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا، کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز و محترم بادشاہ (سلیمان) کی طرف سے آیا ہے۔ غالباً حضرت سلیمان کا نام اور ان کی بے مثال حکومت و شوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی۔

۳۸۔ خط کا مضمون: ایسا مختصر، جامع اور پر عظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہو گا۔ خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکم بردار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔

۳۹۔ یعنی مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدون تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی۔

۴۰۔ اہل دربار کا مشورہ: یعنی ہمارے پاس زور و طاقت اور سامان حرب کی کمی نہیں۔ نہ کسی بادشاہ سے دبنے کی ضرورت، تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے۔ ہماری گردن اس کے سامنے خم ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ

درباریوں کی صلاح لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ نے اس میں تعجیل مناسب نہ سمجھی اور ایک بین بین صورت اختیار کی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔  
۳۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے بلقیس کے تحفے: معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خط کی عظمت و شوکت اور دوسرے قرآن و آثار سے بلقیس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ پر ہم غالب نہیں آسکتے۔ اور کم از کم اس کا قوی احتمال تو ضرور تھا۔ اس نے بتلایا کہ ایسی شان و شکوہ رکھنے والے بادشاہوں سے لڑنا کھیل نہیں۔ اگر وہ غالب آگئے (جیسا کہ قوی امکان ہے) تو ملوک و سلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور وہ انقلاب ایسا ہو گا جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ لہذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ ان کی طاقت، طبعی رجحانات، نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ ان کی دھمکیوں کی پشت پر کون سی قوت کار فرما ہے۔ اور یہ کہ واقعی طور پر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں، اگر کچھ تحائف و ہدایا دیکر ہم آنے والی مصیبت کو اپنے سر سے ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔ ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہو جائے گا ہم اس کے مناسب کارروائی کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ”بلقیس نے چاہا کہ اس بادشاہ کا شوق دریافت کرے کس چیز سے ہے۔ مال، خوبصورت آدمی یا نادر سامان، سب قسم کی چیزیں تحفہ میں بھیجی تھیں۔

۳۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب: یعنی یہ تحفہ تمہیں ہی مبارک رہے کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال و متاع کا لالچ دیتے ہو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی و مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے ان سامانوں کی ہمیں کیا پروا۔

۳۳۔ حملے کا ارادہ: یعنی قیدی بنیں گے، جلا وطن ہوں گے اور ذلت و خواری کے ساتھ دولت و سلطنت سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں اور کسی پیغمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی، سلیمان کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا زور تھا جو یہ فرمایا۔

۳۸۔ بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکم بردار ہو کر [۳۸]

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ  
أَنْ يَأْتُونِي مُسْلَبِينَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ بولا ایک دیو جنوں میں سے میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے [۳۹] اور میں اس پر زور آور ہوں معتبر [۳۹]

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ  
تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اسکو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ [۴۰] پھر جب دیکھا اسکو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے [۴۰] میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری [۴۰] اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو میرا رب بے پروا ہے کرم والا [۵۰]

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ  
قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رآهُ مُسْتَقِرًّا  
عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي  
ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۗ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّا يَشْكُرُ

لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيَ غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ کہاروپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اسکے تخت کا سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں [۵۱]

قَالَ نَكِرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرُ أَتَهْتَدِي أَمْ

تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ بلقیس کی اطاعت و انقیاد: قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا۔ بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں ان کی قوت خدائی زور سے ہے۔ جدال و قتال سے کچھ فائدہ نہ ہو گا، نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے۔ آخر اظہار اطاعت و انقیاد کی غرض سے بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہو گئی۔ جب ملک شام کے قریب پہنچی، حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان کو کئی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت و قوت کا اظہار مقصود تھا۔ تا وہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ (تنبیہ) قَبْلِ أَنْ يَأْتُوَنِي مُسْتَلْبِينَ سے معلوم ہوا کہ اسلام و انقیاد سے پہلے حربی کا مال مباح ہے۔

۳۵۔ تخت لانے کیلئے جن کا اصرار: حضرت سلیمان کا دربار روزانہ ایک معین وقت تک لگتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھ کر جائیں، میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں، مگر اس کو پھر کچھ عرصہ لگتا۔ حضرت سلیمان اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتے تھے۔

۳۶۔ ”زور آور ہوں“ یعنی اپنی قوت بازو سے بہت جلد اٹھا کر لا سکتا ہوں، اللہ نے مجھ کو قدرت دی ہے اور ”معتبر ہوں“ یعنی اس میں خیانت نہ کروں گا۔ کہتے ہیں تخت بہت بیش قیمت تھا، سونے چاندی کا اور لعل و جواہر جڑے تھے۔

۳۷۔ ایک صحابی کا چشم زدن میں تخت لانے کا وعدہ: راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھئے، قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہو گا۔

۳۸۔ کرامت اللہ کا فعل ہے: یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا، اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے، جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گذاری عائد ہوئی، (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے۔ پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں ”مارب“ سے ”شام“ پہنچا دے۔ حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔

۳۹۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا شکر: حضرت سلیمان ہر قدم پر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہمہ وقت شکر گذاری کے لئے تیار رہتے تھے۔ گویا یہ اِعْمَلُوا الْاِلٰهَ دَاوُدَ شُكْرًا (سبا۔ ۱۳) کے حکم کی تعمیل تھی۔

۵۰۔ یعنی شکر گذاری کا نفع شاکر ہی کو پہنچتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مزید انعامات مبدول ہوتے ہیں، ناشکری کرے گا تو خدا کا کیا نقصان، وہ ہمارے شکر یوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکملات ہے ہمارے کفران نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آجاتی۔ یہ بھی اس کا کرم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ ایسے کریم کی ناشکری کرنے والا پر لے درجہ کا بیخیا اور احمق ہے۔

۵۱۔ تخت کے ذریعے بلقیس کی آزمائش: یعنی تخت کارنگ روپ تبدیل کر دو اور اس کی وضع وہیات بدل ڈالو، جسے دیکھ کر بلقیس با آسانی نہ سمجھ سکے۔ اس سے بلقیس کی عقل و فہم کو آزمانا تھا کہ ہدایت پانے کی استعداد اس میں کہاں تک موجود ہے۔

۴۲۔ پھر جب وہ آہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے [۵۲] اور ہم کو معلوم ہو چکا پہلے سے اور ہم ہو چکے حکم بردار [۵۳]

فَلَمَّا جَاءَتْ قَيْلَ أَهْكَذَا عَرُشِكَ ط قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ؕ وَأَوْتَيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۲۲﴾

۴۳۔ اور روک دیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوائے البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں [۵۴]

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ط إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۲۳﴾

۴۴۔ کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اسکو خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں [۵۵] کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے [۵۶] بولی اے رب میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے جو رب ہے سارے جہان کا [۵۷]

قِيلَ لَهَا ادْخِي الصَّرْحَ ؕ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً ۚ وَ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ط قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُسَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ۚ وَ أَسَلْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۴﴾

۵۲۔ بلقیس کی حق گوئی: نہ کہا کہ ہاں وہ ہی ہے اور نہ بالکل نفی کی، جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دی کہ تخت وہ ہی ہے مگر کچھ اوصاف میں فرق آگیا اور فرق چونکہ معتد بہ نہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ ہی ہے۔

۵۳۔ حضرت بلقیس کا قبول حق: یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی، ہم کو پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سلیمان محض بادشاہ نہیں، اللہ کے مقرب بندہ ہیں، اور اسی لئے ہم نے فرمانبرداری اور تسلیم و انقیاد کا رستہ اختیار کیا۔

۵۴۔ یعنی حق تعالیٰ یا سلیمان نے حق تعالیٰ کے حکم سے ملکہ بلقیس کو آفتاب وغیرہ کی پرستش سے روک دیا۔ جس میں وہ بمعیت اپنی قوم کے مبتلا تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہونے تک جو علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کے خیال اور قوم کفار کی تقلید و صحبت نے اس کو ایسا کرنے سے روک رکھا تھا نبی کی صحبت میں پہنچ کر وہ روک جاتی رہی۔ ورنہ سلیمان کی صداقت کا اجمالی علم اس کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

۵۵۔ یعنی پانی میں گھسنے کے لئے پانچے چڑھائے جیسے عام قاعدہ ہے کہ پانی کی گہرائی پوری طرح پر معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پانچے چڑھا لیتا ہے۔

۵۶۔ حضرت بلقیس کا ایک اور امتحان: حضرت سلیمان دیوان خانہ میں بیٹھے تھے۔ اس میں پتھروں کی جگہ شیشے کا فرش تھا۔ صاف شیشہ دور سے نظر آتا کہ پانی لہرا رہا ہے۔ اور ممکن ہے شیشہ کے نیچے واقعی پانی ہو، یعنی حوض کو شیشہ سے پاٹ دیا ہو اس نے پانی میں گھسنے کے لئے پنڈلیاں کھولیں۔



سلیمان نے پکارا کہ یہ شیشہ کافر شہ ہے، پانی نہیں۔ اس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھیں وہ ہی صحیح ہو گا۔ اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ جس ساز و سامان پر اس کی قوم کو ناز تھا، یہاں اس سے بڑھ کر سامان موجود ہے۔ گویا سلیمان نے اس کو متنبہ فرما دیا کہ آفتاب و ستاروں کی چمک پر مفتوں ہو کر انہیں خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسے آدمی شیشہ کی چمک دیکھ کر پانی گمان کر لے۔

۵۷۔ حضرت بلقیس کی شرک سے توبہ: یعنی اے پروردگار! میں تیری حکم بردار ہو کر سلیمان کا راستہ اختیار کرتی ہوں، اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا کہ شرک و کفر میں مبتلا رہی، اب اس سے تائب ہو کر تیری بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرتی ہوں۔

۳۵۔ اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی پھر وہ تو دو فرقے ہو کر لگے جھگڑنے [۵۸]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَن

عَبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو پہلے بھلائی سے کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے شاید تم پر رحم ہو جائے [۵۹]

قَالَ يَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ

الْحَسَنَةِ ۗ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

تُرْحَمُونَ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو [۶۰] کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے [۶۱] کچھ نہیں تم لوگ جانچے جاتے ہو [۶۲]

قَالُوا أَطِيرْنَا بِكَ وَبِئْسَ مَعَكَ ۗ قَالَ طَيْرُكُمْ

عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ اور تھے اس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے ملک میں اور اصلاح نہ کرتے [۶۳]

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي

الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر اسکے گھر پر پھر کہیں گے اسکے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہو اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں [۶۴]

قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ

لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا

لَصَادِقُونَ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک

وَأَمْكُرُوا مَكْرًا ۖ وَآمَكْرُنَا مَكْرًا ۖ وَهُمْ لَا

فریب اور انکو خبر نہ ہوئی [۶۵]

يَسْعُرُونَ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ پھر دیکھ لے کیسا ہوا انجام انکے فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے انکو اور انکی قوم کو سب کو [۶۶]

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مُكْرِمِهِمْ ۗ اَنَا دَمَّرْنُهُمْ وَ

قَوْمَهُمْ اَجْعَلِينَ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ سو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ڈھیر ہوئے بسبب انکے انکار کے [۶۷] البتہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں [۶۸]

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ اور بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے [۶۹]

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۸۔ حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت: یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر، جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔ قوم "شمود" کے جھگڑنے کی قدرے تفصیل سورہ "اعرف" کی ان آیات میں گزر چکی۔ قَالَ الْمَلَا الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِيْنَ اسْتَضَعِفُوْا لِمَنْ اَمِنَ مِنْهُمْ اِلٰح (اعراف۔ ۷۵)۔

۵۹۔ قوم کو فہمائش: حضرت صالح نے ان کو بہت سمجھایا ہر طرح فہمائش کی اور آخر میں عذاب کی دھمکی دی جس پر وہ کہنے لگے يٰضَلْحُم اٰتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (اعراف۔ ۷۷) یعنی سچا ہے تو عذاب الہی ہم پر لے آدیر کس بات کی ہے حضرت صالح نے فرمایا کہ کبختو! ایمان و توبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ لٹے برائی طلب کرنے میں جلدی بچا رہے ہو۔ برا وقت آ پڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائے گی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ واستغفار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔

۶۰۔ یعنی جب سے تیرا منخوس قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع کی ہیں ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔

۶۱۔ یعنی یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں تمہاری بد قسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بد اعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔

۶۲۔ یعنی کفر کی شامت سے تم پر سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔

۶۳۔ نو (۹) مفسدین: یہ نو شخص شاید نو جماعتوں کے سردار ہوں گے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اصلاح و درستی کی طرف ان کا قدم کبھی نہ اٹھتا تھا۔ مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر کی دشمنی میں سعی رہتے تھے۔ بعض مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں۔

۶۴۔ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش: یعنی آپس میں معاہدے اور حلف ہوئے کہ سب ملکر رات کو حضرت صالح کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا ہمیں خبر نہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ اس گھر کی تباہی ہماری

آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ گویا ہم خود تو ایسی حرکت کیا کرتے اس وقت موقع پر موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے انکے حمایتی خون بہا وصول کریں۔

۶۵۔ ناسمجھی میں اپنی ہلاکت کا سامان: ان کا مکر تو وہ جھوٹی سازش تھی اور خدا کا مکر تھا ان کو ڈھیل دینا کہ خوب دل کھول کر اپنی شرارتوں کی تکمیل کر لیں۔ تا مستحق عذاب عظیم ہونے میں کوئی حجت و عذر باقی نہ رہے۔ وہ سمجھ رہے تھے۔ کہ ہم حضرت صالح کا قصہ ختم کر رہے ہیں، یہ خبر نہ تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے اور ان ہی کا قصہ ختم ہو رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے، شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی۔“

۶۶۔ نو (۹) مفسدین کی سازش اور ہلاکت: ان نو اشخاص نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں عذاب آکر رہے گا۔ تب آپس میں ٹھہرایا کہ ہم تو خیر تین دن کے بعد ہلاک کئے جائیں گے ان کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دو۔ چنانچہ شب کے وقت حضرت صالح کے گھر پر چھاپہ مارنے اور ان کو مع اہل و عیال کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نو آدمی اس ناپاک مقصد کے لئے تیار ہو کر نکلے باقی کفار ان کے تابع یا معین تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صالح کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ لگا دیا، آخر وہ تو عذاب سماوی سے تباہ ہوئے اور اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کر آیا۔

۶۷۔ ثمود کی بستیوں کے کھنڈر: مکہ والے شام کا سفر کرتے تو راستہ پر ”وادی القریٰ“ میں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر دیکھتے تھے فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ حَاوِيَةً الخ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔

۶۸۔ یعنی جانے والوں کو چاہیے کہ ان واقعات ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔

۶۹۔ مومنین کی عذاب سے حفاظت: یعنی حضرت صالح کے رفقاء جو ایمان لائے اور کفر و عصیان سے بچتے تھے، ہم نے ان کو عذاب کی لپیٹ سے بچا دیا۔ خدا کی قدرت دیکھو! مومن و کافر لے لے ایک بستی میں رہیں مگر عذاب آتا ہے تو چن چن کر کافروں کو ہلاک کرتا ہے۔ مومن کو نہیں چھو تا۔

۵۴۔ اور لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو [۴۰]

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ

تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾

۵۵۔ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر لپکا کر عورتوں کو چھوڑ کر کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو [۴۱]

أَبْنَكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ

ط بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾

۵۶۔ پھر اور کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوط کے گھر کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں سترے رہا چاہتے [۴۲]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُو آلَ

لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أَنْاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ

الْغَابِرِينَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور اسکے گھر والوں کو [۴۳] مگر  
اسکی عورت مقرر کر دیا تھا ہم نے اسکو رہ جانے والوں  
میں [۴۴]

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا فَسَاءَ مَطَرُ

الْبُنْدَارِيِّنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور برسایا ہم نے ان پر برساً پھر کیا برابر ساء تھا  
ان ڈرائے ہوؤں کا [۴۵]

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَّمَ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ

اصْطَفَىٰ اللَّهُ خَيْرًا مَّا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اس کے بندوں  
پر جن کو اس نے پسند کیا [۴۶] بھلا اللہ بہتر ہے یا جنکو وہ  
شریک کرتے ہیں [۴۷]

۷۰۔ یعنی دیکھتے ہو کیسا برابر اور گندہ کام ہے۔

۷۱۔ قوم لوط کی بے حیائی: یعنی تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے، پر لے درجہ کے جاہل اور احمق ہو۔

۷۲۔ یعنی اپنے کو بڑا پاک و صاف بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ہم ناپاکوں میں ان کا کیا کام۔

۷۳۔ یعنی انہیں تباہ کر کے انہیں بچالیا۔

۷۴۔ یعنی حضرت لوط کی بیوی جو ان بد معاشوں کی اعانت کرتی تھی، وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ڈھیر ہو گئی۔

۷۵۔ قوم لوط کا انجام ان واقعات سے عبرت: یعنی آسمان سے پتھر برسائے اور شہر کا تختہ الٹ دیا۔ حضرت شاہ صاحب مذکورہ بالا تین قصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان کے قصہ میں فرمایا، ہم لائیں گے لشکر جس کا سامنا نہ کر سکیں گے وہ ہی بات ہوئی رسول میں اور مکہ والوں میں۔ اور حضرت صالح پر نو شخص متفق ہوئے کہ رات کو جاڑیں۔ اللہ نے ان کو بچایا اور ان کو غارت کیا مکہ کے لوگ بھی یہ ہی چاہ چکے، لیکن نہ بن پڑا جس رات حضرت نے ہجرت کی، کتنے کافر حضرت کا گھر گھیر بیٹھے تھے کہ صبح کو اندھیرے میں نکلیں تو سب ملکر مار لیں۔

(کسی ایک کو خون بہانہ دینا پڑے) حضرت صاف بچ کر نکل گئے۔ ان کو نہ سوجھا۔ اور قوم لوط نے چاہا کہ پیغمبر کو شہر سے نکال دیں، یہ ہی مکہ والے بھی چاہ چکے۔ اللہ نے آپ سے نکلتا بتایا کہ خود اپنے اختیار سے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ اور اسی میں کام نکالا۔

۷۶۔ خطبہ حمد و ثناء: قصص سے فارغ ہو کر آگے آئے خَيْرًا مَّا يُشْرِكُونَ سے توحید کا بیان فرمانا ہے۔ یہ الفاظ بطور خطبہ کے تعلیم فرمائے جو بیان شروع کرنے سے قبل ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھلا دی“ (موضح) اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جو کمالات و احسانات اوپر بضمن قصص میں مذکور ہوئے ہیں ان پر پیغمبر کو حکم ہوا کہ اللہ کی حمد و ثناء کریں اور شکر بجالائیں اور اس کے مقبول بندوں پر جن میں سے بعضوں کا اوپر نام لیا گیا ہے۔ سلام بھیجیں۔

۷۷۔ توحید کا بیان: یہاں سے توحید کا وعظ شروع کیا گیا ہے۔ یعنی قصص مذکورہ بالا سن کر اور دلائل تکوینیہ و تنزیلیہ میں غور کر کے تم ہی بتلاؤ کہ ایک خدائے وحدہ لا شریک لہ کا ماننا بہتر اور نافع اور معقول ہے یا اس کی خدائی میں اس کی عاجز ترین مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ یہ مسئلہ اب کچھ ایسا مشکل تو نہیں رہا جس کا فیصلہ کرنے میں کچھ دقت ہو یا دیر لگے۔ تاہم مزید تذکیر و تنبیہ کی غرض سے آگے اللہ تعالیٰ کی بعض شئون و صفات بیان کی جاتی ہیں جو توحید پر دال ہیں۔

۶۰۔ بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتار دیا تمہارے لئے آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے اس سے باغ رونق والے تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت [۷۸] اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے ہیں [۷۹]

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا ۗ عَالِيَهُ مَعَ اللَّهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ [۸۰] اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اسکے ٹھہرانے کو بوجھ [۸۱] اور رکھا دو دریا میں پردہ [۸۲] اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں [۸۳]

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ عَالِيَهُ مَعَ اللَّهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

۶۲۔ بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اسکو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی [۸۴] اور کرتا ہے تم کو ناسب اگلوں کا زمین پر [۸۵] اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو [۸۶]

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ عَالِيَهُ مَعَ اللَّهِ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے [۸۷] اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے پہلے [۸۸] اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جسکو شریک بتلاتے ہیں [۸۹]

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيْحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ عَالِيَهُ مَعَ اللَّهِ ۗ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اسکو دہرائے گا [۹۰] اور کون روزی دیتا ہے تمکو آسمان سے اور زمین سے [۹۱] اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سدا اگر تم سچے ہو [۹۲]

أَمَّنْ يَبْدُو الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ عَالِيَهُ مَعَ اللَّهِ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾

۷۸۔ اللہ کی قدرت کے مظاہر: سرے سے درختوں کا اگانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ چہ جائیکہ اسکا پھول پھل لانا اور بار آور کرنا۔  
 ۷۹۔ مشرکین کی بے راہ روی: یعنی تمام دنیا جانتی ہے اور خود یہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش برسانا، درخت اگانا، بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں ان کا فرار و اعتراف مذکور ہے پھر یہاں تک پہنچ کر راستے سے کیوں کتر جاتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے، تو اس کی الوہیت و معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ ”عبادت“ انتہائی تذلل کا نام ہے، سو وہ اسی کی ہونی چاہئے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔

۸۰۔ یعنی آدمی اور جانوروں کی قیام گاہ ہے۔ آرام سے اس پر زندگی بسر کرتے اور اس کے محاصل سے منتفع ہوتے ہیں۔

۸۱۔ یعنی پہاڑ رکھ دے تاکہ ٹھہری رہے، کپکپائے نہیں۔

۸۲۔ اس کی تحقیق قریب ہی سورہ ”فرقان“ میں گذر چکی۔ آیت وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۸۳۔ یعنی کوئی اور با اختیار ہستی ہے جس سے یہ کام بن پڑیں اور اس بناء پر وہ معبود بننے کے لائق ہو۔ جب نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشرکین محض جہالت اور نا سمجھی سے شرک و مخلوق پرستی کے غار عمیق میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔

۸۴۔ مصیبت کو دور کرنے والا کون ہے: یعنی جب اللہ چاہے اور مناسب جانے تو بے کس اور بیقرار کی فریاد سن کر سختی کو دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ (انعام۔ ۴۱) گویا اسی نے دعاء کو بھی اسباب عادیہ میں سے ایک سبب بنایا ہے جس پر مسبب کا ترتیب بمشیت الہی استجماع شروط اور ارتفاع موانع کے بعد ہوتا ہے۔ اور علامہ طبیبی وغیرہ نے کہا کہ آیت میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو۔ پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔

۸۵۔ یعنی ایک قوم یا نسل کو اٹھالیتا اور اس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔

۸۶۔ یعنی پوری طرح دھیان کرتے تو دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ انہی پر اپنی حوائج و ضروریات اور قوموں کے ادل بدل کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ جس کے ہاتھ میں ان امور کی باگ ہے تمہا اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

۸۷۔ یعنی خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ بلا واسطہ یا بالواسطہ قطب نما وغیرہ آلات کے۔

۸۸۔ یعنی باران رحمت سے پہلے ہوا میں چلاتا ہے جو بارش کی آمد آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔

۸۹۔ یعنی کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق، جسے اسکی خدائی کا شریک بتلایا جا رہا ہے۔

۹۰۔ ابتدا پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے کہ اللہ کا کام ہے۔ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو بھی اسی سے سمجھ لو۔ منکرین ”بعث بعد الموت“ بھی اتنا سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض دوبارہ پیدا کئے گئے تو یہ کام اسی کا ہو گا جس نے اول پیدا کیا تھا۔

۹۱۔ یعنی کون ہے جو آسمانی اور زمینی اسباب کے ذریعہ سے اپنی حکمت کے موافق تم کو روزی پہنچاتا ہے۔

۹۲۔ اگر سچے ہو شرک کی دلیل لاؤ: یعنی اگر اتنے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں محض اندھی تقلید ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ (مومنون۔ ۱۱۷)

۶۵۔ تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں  
چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ [۹۳] اور ان کو خبر نہیں کب جی  
اٹھیں گے [۹۳]

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ  
إِلَّا اللَّهُ ۗ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت کے بارہ میں بلکہ  
ان کو شبہ ہے اس میں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں [۹۵]

بَلِ ادْرَاكِ عِلْمِهِمْ فِي الْآخِرَةِ ۗ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ  
مِنْهَا ۗ بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہو جائیں  
مٹی اور ہمارے باپ دادے کیا ہم کو زمین سے نکال لیں  
گے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُنَا  
أَيُّنَا لِمُخْرَجُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں  
کو پہلے سے کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں اگلوں کی [۹۶]

لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاءُنَا مِنْ قَبْلُ ۗ إِنْ  
هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ تو کہہ دے پھر و ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام کار  
گناہگاروں کا [۹۷]

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ  
عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ اور غم نہ کر ان پر اور نہ خفا ہو ان کے فریب  
بنانے سے [۹۸]

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا  
يَبْكُرُونَ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۹۹]

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ تو کہہ کیا بعید ہے جو تمہاری پیٹھ پر پہنچ چکی ہو بعضی وہ  
چیز جس کی جلدی کر رہے ہو [۱۰۰]

قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي  
تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر پر ان میں بہت لوگ شکر نہیں کرتے [۱۰۱]

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

لَا يَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾

۷۴۔ اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے انکے سینوں میں اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا

يُعْلِنُونَ ﴿۷۴﴾

۷۵۔ اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں [۱۰۲]

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي

كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۷۵﴾

۹۳۔ اللہ کی قدرت تامہ اور علم محیط: اس آیت میں مضمون سابق کی تکمیل اور مضمون لاحق کی تمہید ہے۔ شروع پارہ سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ، رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا۔ یعنی جب وہ ان صفات و شئون میں منفرد ہے تو الوہیت و معبودیت میں بھی منفرد ہونا چاہئے۔ آیت حاضرہ میں اس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جا رہا ہے۔ یعنی معبود وہ ہو گا جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل و محیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین و آسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں، اسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اس کی ذات ہوئی۔ (تنبیہ)۔

عالم الغیب کے الفاظ کا استعمال: کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں، نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الہی کے ہو سکتا ہے۔ اور نہ مفتح (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورہ "انعام" میں گذر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا، غیب کی خبر دے دی۔ لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر "عالم الغیب" یا "فلاں یعلم الغیب" کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔ اسی لئے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کئے جائیں۔ گولت صحیح ہوں کسی کا یہ کہنا کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں، سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا اتنی اکراہ الحق وَأُحِبُّ الْفِتْنَةَ وَإِفْرًا مِنَ الرَّحْمَةِ (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے دور بھاگتا ہوں) سخت مکرو اور قبیح ہے، حالانکہ باعتبار نیت و مراد کے قبیح نہ تھا اسی طرح فلاں عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو۔ اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون و تخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرآن و دلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لئے کوئی دلیل و قرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورہ انعام و اعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر لی جائے۔

۹۴۔ یعنی قیامت کب آئے گی جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس کی خبر کسی کو نہیں۔ پہلے سے مبداء کا ذکر چلا آتا تھا۔ یہاں سے معاد کا شروع ہوا۔



۹۵۔ آخرت کا ادراک: یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح) اور بعض مفسرین نے یوں تقریر کی ہے کہ آخرت کے ادراک تک ان کے علم کی رسائی نہ ہوئی اور نہ عدم علم کی وجہ سے صرف خالی الذہن رہے بلکہ اس کے متعلق شک و تردد میں پڑ گئے، اور نہ صرف شک و تردد بلکہ ان دلائل و شواہد سے بالکل آنکھیں بند کر لیں جن میں غور و تامل کرتے تو شک رفع ہو سکتا تھا۔

۹۶۔ آخرت پر کفار کا اعتراض: یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے یہ ہی وعدے کئے گئے تھے۔ جو پہلے کہہ گئے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں۔ لیکن کتنے قرن گذر چکے، ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو اور اس کو سزا ملی ہو۔

۹۷۔ یعنی کتنے مجرموں کو دنیا ہی میں عبرتناک سزائیں مل چکی ہیں اور پیغمبروں کا فرمانا پورا ہو کر رہا۔ اسی پر قیاس کر لو کہ بعث بعد الموت اور عذاب اخروی کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔ یہ کارخانہ یوں ہی بے سرائیں کہ اس پر کوئی حاکم نہ ہو، وہ اپنی رعایا کو یوں ہی مہمل نہ چھوڑے گا۔ جب سب مجرموں کو یہاں پوری سزائیں ملتی تو یقیناً کوئی دوسری زندگی ہوگی جہاں ہر ایک اپنی کیف کر دار کو پہنچے۔ اگر تمہاری یہ ہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

۹۸۔ یعنی ان کو سمجھا کر اور بدی کے انجام پر متنبہ کر کے الگ ہو جائیے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم و تاسف نہ کریں اور نہ ان کے مکرو فریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل اور خفا ہوں آپ اپنا فرض ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا۔ اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں، ان کو بھی دے گا۔

۹۹۔ یعنی آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں کب نازل ہو گا؟

۱۰۰۔ عذاب کا وعدہ قریب ہے: یعنی گھبراؤ نہیں، وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آگاہ ہو، (چنانچہ زیادہ دن نہ گزرے کہ ”میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی) رہی قیامت کبریٰ، سواس کے بھی بعض آثار و علامات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔

۱۰۱۔ یعنی حق تعالیٰ اپنے فضل سے اگر عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہئے تھا اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانی کے شکر گزار ہو کر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے۔ لیکن وہ اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔

۱۰۲۔ ہر چیز اللہ کے پاس لکھی ہوئی ہے: یعنی تمہارے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید، نیتیں، ارادے، اور زمین و آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اسی کے موافق اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی چانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الہی میں طے شدہ ہے جلد یا دیر اپنے وقت پر آئے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت و عزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

۷۶۔ یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو بہت چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں

الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾

۷۷۔ اور بیشک وہ ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے واسطے [۱۰۳]

وَأِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾

۷۸۔ تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا اپنی حکومت سے

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ

## الْعَلِيمُ

اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا [۱۰۳]

۷۹۔ سو تو بھروسہ کر اللہ پر بیشک تو ہے صحیح کھلے  
رستہ پر [۱۰۵]

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿۷۹﴾

۱۰۳۔ قرآن میں بنی اسرائیل کے اختلافات کا فیصلہ: یعنی ابھی عملی فیصلہ کا وقت نہیں آیا۔ البتہ قرآن قوی و عملی فیصلہ کے لئے آیا ہے اس وقت سماوی علوم اور مذہبی چیزوں کے سب سے بڑے عالم، بنی اسرائیل ”سمجھے جاتے تھے۔ مگر عقائد، احکام اور قصص و روایات کے متعلق ان کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ بھی قرآن نے سنایا۔ فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری پیغام پہنچایا۔ اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تالوگ اس دن کے لئے تیار کر رکھیں جبکہ ہر معاملہ کا عملی فیصلہ ہو گا۔

۱۰۴۔ یعنی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو، باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ خدائے قادر و توانا کرے گا۔

۱۰۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق پر ہونے کی گواہی: یعنی آپ کسی کے اختلاف و تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جائیں۔ جس صحیح و صاف راستہ پر آپ چل رہے ہیں اس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور خدائے واحد پر بھروسہ رکھے پھر کیا غم ہے۔

۸۰۔ البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار جب لوٹیں وہ پیٹھ پھیر کر

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ

إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿۸۰﴾

۸۱۔ اور نہ تو دکھلا سکے اندھوں کو جب وہ راہ سے  
بچلیں [۱۰۶] تو تو سناتا ہے اسکو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں  
پر سو وہ حکم بردار ہیں [۱۰۷]

وَمَا أَنْتَ بِهَدِي الْعُيَىٰ عَنْ ضَلَّتِهِمْ ۖ إِنَّ

تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْمِعُونَ ﴿۸۱﴾

۱۰۶۔ کفار اندھوں اور بہروں جیسے ہیں: یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو ان کے حق میں سود مند نہیں، یہ ہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مرچکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کہ ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں۔ ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوئے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں۔ پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔

۱۰۷۔ یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں۔ اور اثر قبول کرنا یہ ہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرمان بردار بنیں۔

۸۲۔ اور جب پڑچکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے  
آگے ایک جانور زمین سے ان سے باتیں کرے گا اس

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً

مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا

واسطے کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے [۱۰۸]

## لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۲﴾

۱۰۸۔ دابۃ الارض کا خروج اور کلام: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا چھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا۔“ (موضح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہو گا۔ قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے۔ لہذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی۔ شاید ”دابۃ الارض“ کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانے تھے، آج وہ ایک جانور کی زبانی مانی پڑ رہی ہے۔ مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں۔ صرف کمذبین کی تجہیل و تمحیق مقصود ہے۔ ماننے کا جو وقت تھا۔ گذر گیا۔ (تنبیہ) ”دابۃ الارض“ کے متعلق بہت سے رطب و یابس اقوال و روایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں۔ مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جو حضرت شاہ صاحب نے لکھا۔ واللہ اعلم۔

۸۳۔ اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم اہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو پھر انکی جماعت بندی ہوگی [۱۰۹]

وَيَوْمَ نَحْشُهُمْ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ  
بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۳﴾

۸۴۔ یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمائے گا کیوں جھٹلایا تم نے میری باتوں کو اور نہ آچکی تھیں تمہاری سمجھ میں یا بولو کہ کیا کرتے تھے [۱۱۰]

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَوْقَالُ أَكْذَبْتُمْ بآيَاتِنَا وَلَمْ تُحِطُوا  
بِهَاعِلْمًا مَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾

۸۵۔ اور پڑ چکی ان پر بات اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی تھی اب وہ کچھ نہیں بول سکتے [۱۱۱]

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا  
يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾

۸۶۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات کہ اس میں چین حاصل کریں اور دن بنایا دیکھنے کا البتہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں [۱۱۲]

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنُوا فِيهِ وَ  
النَّهَارَ مُبْصَرًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ  
يُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾

۸۷۔ اور جس دن پھونکی جائیگی صور [۱۱۳] تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں مگر

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَرِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ

جس کو اللہ چاہے [۱۱۳] اور سب چلے آئیں اسکے آگے  
عاجزی سے [۱۱۵]

مَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَ كُلُّ شَيْءٍ

دُخْرَيْنَ ﴿٨٤﴾

۸۸۔ اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں  
اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل [۱۱۶] کارگیری اللہ کی جس  
نے سادھا ہے ہر چیز کو [۱۱۷] اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے  
ہو [۱۱۸]

و تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَ هِيَ تَرْمُ مَرَّ  
السَّحَابِ طُ صُنَعَ اللَّهُ الَّذِي اتَّقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط

إِنَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾

۸۹۔ جو کوئی لیکر آیا بھلائی تو اس کو ملے اس سے بہتر [۱۱۹]  
اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن امن ہے [۱۲۰]

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَ هُمْ مِّنْ

فِرْعَ يَوْمَئِذٍ مُّؤْمِنُونَ ﴿٨٩﴾

۹۰۔ اور جو کوئی لیکر آیا برائی سوا دھسے ڈالیں ان کے منہ  
آگ میں وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے [۱۲۱]

وَ مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ط

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾

۱۰۹۔ حشر میں مکذبین کے جھٹے: ہر گناہ والوں کے جھٹے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے فہم ۱۰۹ کے معنی روکنے  
کے لئے ہیں۔ یعنی ہر امت کے مکذبین کو محشر کی طرف لے چلیں گے اور وہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روکا  
جائے گا جیسے انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لئے جاتا ہے۔

۱۱۰۔ مکذبین سے حق تعالیٰ کی باز پرس: یعنی پوری طرح سمجھنے اور تمام اطراف و جوانب پر نظر ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی، پہلے ہی جھٹلانا شروع  
کر دیا۔ یا بولو! یہ نہیں تو اور کیا کرتے تھے۔ یعنی اس کے سوا تمہارا کام ہی کیا تھا۔ اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ بے سوچے سمجھے تکذیب ہی کی  
تھی؟ یا بولو! اس کے سوا اور بھی کچھ گناہ سمیٹے تھے۔

۱۱۱۔ یعنی ان کی شرارتوں کا یقینی ثبوت ہو چکا اور خدا کی حجت تمام ہو چکی۔ اب آگے وہ کیا بول سکتے ہیں۔ باقی بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش  
کرنا مذکور ہے وہ شاید اس سے پہلے ہو چکے گا۔ بہر حال نئی اثبات کو اختلاف مواطن پر حمل کیا جائے۔

۱۱۲۔ دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں: یعنی کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھائے، پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ  
ادل بدل ہی میں غور کر لیتے تو اللہ کی توحید، پیغمبروں کی ضرورت، اور بعثت بعد الموت، سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے  
مضبوط و محکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے۔ اور جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب  
کی تاریکی کے بعد دن کا اجالا کیا، کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے اوہام و اہواء کی تاریکیوں میں معرفت و ہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات کیا

ہے؟ نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد دن آیا۔ پھر آنکھیں کھول کر ادھر ادھر پھرنے لگے۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھالے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ غرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔

۱۱۳۔ صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل ہے جو حکم الہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑا ہے۔

۱۱۴۔ بعض روایات میں ہے کہ اِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ جبریل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ اور بعض نے شہداء کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۵۔ نَفْخُ صُورٍ کَثِیْرًا ہُوَ کَا: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے، پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے۔ صور پھنکنا کئی بار ہے۔“ (موضح) اور بہت سے علماء صرف دو نفعے مانتے ہیں۔ یعنی کل دو مرتبہ پھنکے گا۔ اور سب احوال کو انہی دو میں درج کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۶۔ پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑیں گے: یعنی جن بڑے بڑے پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لئے زمین میں جے ہوئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھاسکیں گے۔ قیامت کے دن یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے اور بادل کی طرح تیز رفتار ہوں گے۔ وَ بَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا۔ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّثْبَثًا (واقعہ ۶، ۵) وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (القارعہ۔ ۵) فَكُلٌّ يَنْسِفُهَا رَبٌّ نَّسْفًا (ظہ۔ ۱۰۵) (تنبیہ) آیت ہذا کو زمین کی حرکت و سکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے۔

۱۱۷۔ یعنی جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت سے درست کیا اسی نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور ایسا مضبوط بنایا ہے اور وہ ہی ان کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ وہ اڑانا محض تباہ کرنے کی غرض سے نہ ہو گا بلکہ عالم کو توڑ پھوڑ کر اس درجہ پر پہنچانا ہو گا جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے۔ تو یہ سب اسی صالح حقیقی کی کاریگری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔

۱۱۸۔ اعمال کی خیر: یعنی اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کا حساب کتاب ہو گا۔ اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہے تو ہر ایک کو ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزا و سزا دی جائے گی نہ ظلم ہو گا نہ حق تلفی ہو گی۔ آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے۔

۱۱۹۔ نیکی کرنے والوں کا بدلہ: یعنی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے حساب سے دیا جائے گا۔ جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

۱۲۰۔ یعنی بڑی گھبراہٹ سے، کما قال تعالیٰ لَا يَخْتَرُّنَّهُمُ الْفَرَمُ الْاَكْبَرُ (انبیاء۔ ۱۰۳) اگر کم درجہ کی گھبراہٹ ہو تو اس آیت کے منافی نہیں۔

۱۲۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں۔ جو کرنا، سو بھرنا، خود کردہ راجہ علاج۔

۹۱۔ مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو حرمت دی اور اسی کی ہے ہر ایک چیز [۱۲۲]

اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم برداروں میں [۱۲۳]

اِنِّیْ اَمَرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِیْ

حَرَمَهَا وَ لَهَا کُلُّ شَیْءٍ ۚ وَ اَمَرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ

الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

۹۲۔ اور یہ کہ سنادون قرآن [۱۲۴] پھر جو کوئی راہ پر آیا سو

وَ اَنْ اَتْلُوْا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمِنْ اِهْتَدٰی فَاِنَّا

راہ پر آئے گا اپنے ہی بھلے کو اور جو کوئی بہکار ہا تو کہدے  
میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا [۱۲۵]

يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّا أَنَا مِنَ

الْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾

۹۳۔ اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو [۱۲۶] آگے دکھائے  
گاتم کو اپنے نمونے تو انکو پہچان لو گے [۱۲۷] اور تیرا رب  
بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو [۱۲۸]

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۗ وَ

مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

۱۲۲۔ شہر سے مراد ہے مکہ معظمہ۔ جسے خدا تعالیٰ نے معظم و محترم بنایا۔ اسی تخصیص و تشریف کی بناء پر رب کی اضافت اس کی طرف کی گئی ورنہ  
یوں ہر چیز کا رب اور مالک وہ ہی ہے۔

۱۲۳۔ یعنی ان لوگوں میں رہوں جو حق تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنے والے اور اپنے کو ہمہ تن اس کے سپرد کر دینے والے ہیں۔

۱۲۴۔ یعنی بذات خود اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کرتا رہوں اور دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا رستہ بتلاتا رہوں۔

۱۲۵۔ یعنی میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا، نہ سمجھو تو تمہارا ہی نقصان ہے۔

۱۲۶۔ یعنی اللہ کا ہزاراں ہزار شکر جس نے مجھ کو ہادی و مہتدی بنایا۔ فی الحقیقت تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے۔ جس کو خوبی یا کمال ملا وہیں  
سے ملا۔

۱۲۷۔ یعنی آگے چل کر حق تعالیٰ تمہارے اندر یا تم سے باہر اپنی قدرت کے وہ نمونے اور میری صداقت کے ایسے نشان دکھلائے گا جنہیں دیکھ  
کر سمجھ لو گے کہ بیشک یہ اللہ کی وہ ہی آیتیں ہیں جن کی خبر پیغمبر نے دی تھی باقی اس کا سمجھنا تم کو نافع ہو یا نہ ہو، یہ جداگانہ چیز ہے علامات  
قیامت وغیرہ سب اس کے تحت میں آگئیں۔

۱۲۸۔ یعنی جو عمل اور معاملہ تم کرتے ہو، سب اس کی نظر میں ہے۔ اسی کے موافق آخر کار بدلہ ملے گا۔ اگر سزا وغیرہ میں تاخیر ہو تو نہ سمجھو  
کہ اللہ تعالیٰ ہماری کرتوت سے بیخبر ہے۔

تم سورة النمل

آیاتها ۸۸

۲۸ سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۲۹

رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ طسم۔

طسّم ۱

۲۔ یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲

۳۔ ہم سناتے ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ اور فرعون کا تحقیقی ان لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں [۱]

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَا مُوسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ۳

۴۔ فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھا تھا وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو ان میں [۲] ذبح کرتا تھا انکے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا انکی عورتوں کو [۳] پیشک وہ تباہی ڈالنے والا [۴]

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيْعًا

يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَاءَهُمْ وَ

يَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۴

۵۔ اور ہم چاہتے ہیں کو احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور کر دیں ان کو سردار اور کر دیں ان کو قائم مقام

وَ نُرِيْدُ اَنْ نُّنَبِّئَ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتَضْعَفُوْا فِي

الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اٰيَةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ ۵

۶۔ اور جمادیں ان کو ملک میں [۵] اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو [۶] اور انکے لشکروں کو انکے ہاتھ سے جس چیز کا ان کو خطرہ تھا [۴]

وَ نُنَكِّنْ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيْ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَ

جُنُوْدَهُمْ اَمِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۶

۷۔ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اسکو دریا میں [۸] اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوسٰى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا

خَفْتِ عَلَيْهِ فَالْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا

تَحْزِنِي ۚ إِنَّا رَأَدُّوهُ إِلَىٰكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ

الْمُرْسَلِينَ ﴿۷﴾

اسکو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں سے [۹]

۸۔ پھر اٹھا لیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو ان کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے چونکہ والے [۱۰]

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۖ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِبِينَ ﴿۸﴾

۹۔ اور بولی فرعون کی عورت یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے [۱۱] اسکو مت مارو کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اسکو کر لیں بیٹا [۱۲] اور ان کو کچھ خبر نہ تھی [۱۳]

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتْ عَيْنِي لِئِذَا لَا تَقْتُلُوهُ ۗ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹﴾

۱۰۔ اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی کہ ظاہر کر دے بیتراری کو اگر نہ ہم نے گرہ دی ہوتی اس کے دل پر اس واسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں [۱۴]

وَاصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فِرْعَا ۗ إِنَّ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ رَبَّنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور کہہ دیا اس کی بہن کو پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہو کر اور ان کو خبر نہ ہوئی [۱۵]

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصَّرَتْ بِهِ عَنْ جُنْبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے پھر بولی میں بتلاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اس کو پال دیں تمہارے لئے اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں [۱۶]

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصْحُونَ ﴿۱۲﴾



۱۳۔ پھر ہم نے پہنچا دیا اس کو اسکی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور نمگین نہ ہو اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے [۱۴] پر بہت لوگ نہیں جانتے [۱۸]

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ  
لَتَعْلَمَنَّ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: یعنی مسلمان لوگ اپنا حال قیاس کر لیں ظالموں کے مقابلہ میں (موضح) جس طرح حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونوں کی طاقت کے مقابلہ میں منصور و کامیاب کیا۔ ایسے ہی مسلمان جو فی الحال مکہ میں قلیل اور ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشتر طاقتور حریفوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔

۲۔ بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم: یعنی ”مصر“ میں قبیلے بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سمیطی بھی جو ”بنی اسرائیل“ کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم و تکبر کی راہ سے ”بنی اسرائیل“ کو پھینپنے اور ابھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا سب قبیلے آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت و وقعت حاصل کر سکیں۔

۳۔ بچوں کا قتل: کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہو گی۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہئے کہ انہیں حکومت کے مقابلہ کا حوصلہ ہی نہ ہو۔ اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہئے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں، انہیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔

حضرت ابراہیمؑ کی پیشگوئی: اور ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیمؑ کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک اسرائیلی جو ان کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرے فرعون کے کانوں تک پہنچ گئے اس احمق نے قضاء و قدر کی روک تھام کے لئے ظلم و ستم کی یہ اسکیم جاری کی۔

۴۔ یعنی زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی۔ لہذا اسے ایسا ظلم و ستم کرنے میں کیا جھجھکتی ہوئی۔ بس جو دل میں آیا، اپنے کبر و غرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے کر گذرا۔

۵۔ بنی اسرائیل میں امامت کا ارادہ: یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے، اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو قوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔ جس قوم کو فرعونوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا ان ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کر اگر اس مظلوم و ستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیوی حکومت بھی اس مظلوم و مقہور قوم کے حوالے کی جائے۔

۶۔ ”ہامان“ وزیر تھا فرعون کا جو ظلم و ستم میں اس کا شریک اور آلہ کار بنا ہوا تھا۔

۷۔ حق تعالیٰ کی مشیت: یعنی جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہ ہی خطرہ ان کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اس اسرائیلی بچے سے مامون ہو جائے جس کے ہاتھ پر اس کی تباہی مقدر تھی، لیکن تقدیر الہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اس بچے کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرایا۔ اور دکھلا دیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام: ان کی ماں کو الہام ہوا یا خواب دیکھا۔ یا اور کسی ذریعہ سے معلوم کرادیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہیں، جب اندیشہ ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ سورہ ”طہ“ میں یہ قصہ گزر چکا ہے۔

۹۔ ماں کی تسلی کر دی کہ ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے، بچہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور بچہ کی جدائی سے ٹمگین بھی مت ہو ہم بہت جلد اس کو تیری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ وہ منصب رسالت پر سرفراز کیا جائے گا۔ کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں دور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس محترم بچہ کی پیدائش سے متعلق ہے۔

۱۰۔ دریا میں بچے کا صندوق: آخر ماں نے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر پانی میں چھوڑ دیا۔

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ: صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کو اس پیارے بچہ کی پیاری صورت بھلی معلوم ہوئی۔ آثار نجابت و شرافت نظر آئے۔ پالنے کی غرض سے اٹھالیا۔ مگر اس اٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونوں کا دشمن ثابت ہو اور ان کے حق میں سوہان روح بنے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون لعین کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزار ہا معصوم بچے تہ تیغ کر چکا ہوں وہ یہ ہی ہے جسے بڑے چاؤ پیار سے آج ہمارے ہاتھوں میں پرورش کرایا جا رہا ہے فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بیشمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰ کو زندہ رہنے دیا۔ لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے، کیا خدا کی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے، ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ قضاء و قدر کے فیصلوں کو سمجھے کہ انسانی تدبیروں سے روکا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ یعنی کیسا پیارا بچہ ہے، ہمارے کوئی لڑکا نہیں، لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا لک لایہ (تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں) تقدیر ازلی یہ الفاظ اس ملعون کی زبان سے کہلا رہی تھی آخر وہ ہی ہوا۔

۱۲۔ یعنی کم از کم بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا یا مناسب سمجھا تو متنبی بنالیں گے۔

۱۳۔ یعنی یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ سمجھے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ کیا ضرور ہے کہ یہ ہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے۔ پھر جب ہم پرورش کریں گے تو وہ خود ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ اس کا دوست ہو گا جو سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے اور تم چونکہ اس کے دشمن ہو اس لئے مجبور ہو گا کہ پروردگار حقیقی کے حکم سے تمہاری مخالفت کرے۔ تم اپنی ظاہری تربیت پر تو ایسی اچھی امیدیں باندھتے ہو، مگر شرم نہیں آتی کہ اس رب حقیقی کے مقابلہ میں اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی (النازعات۔ ۲۴) کی آواز بلند کر رہے ہو۔

۱۴۔ والدہ کی بیقراری: موسیٰ کی والدہ بچہ کو دریا میں ڈال تو آئیں، مگر ماں کی مانتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰ کا خیال آتا تھا۔ دل سے فرار جاتا رہا۔ موسیٰ کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی۔ قریب تھا کہ صبر و ضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ۔ لیکن خدائی الہام اِنَّا رَاَدُوْهُ اِلَيْكَ وَ جَاْعَلُوْهُ مِنْ اُمَّرٍ سَلِيْنٍ کو یاد کر کے تسلی پاتی تھی۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اس کے دل کو مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت کھلنے نہ پائے۔ اور تھوڑی دیر بعد خود موسیٰ کی والدہ کو عین الیقین حاصل ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہنا ہے۔

۱۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی نگرانی: یعنی جب فرعون کے محل سرا میں صندوق کھلا اور بچہ برآمد ہوا تو شہر میں شہرت ہو گئی۔ موسیٰ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو (جو موسیٰ کی بہن تھی) حکم دیا کہ بچہ کا پتہ لگانے کے لئے چلی جا اور علیحدہ رہ کر دیکھ کیا ماجرا ہوتا ہے۔ لڑکی ہشیار تھی، جہاں بچہ کے گرد بھیڑ لگی تھی وہاں بے تعلق اجنبی بن کر دور سے دیکھتی رہی۔ کسی کو پتہ نہ لگا کہ اس بچہ کی بہن ہے۔

۱۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آغوشِ مادر میں: یعنی فرعون کی بیوی نے اس ملعون کو بھی بچہ کی پرورش پر راضی کر لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ مگر قدرت نے پہلے ہی سے بند لگا دیا تھا کہ موسیٰ اپنی ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ پکڑے۔ سخت تشویش تھی کہ کہاں سے مرضعہ لائی جائے جس کا دودھ بچہ منہ کو لگا سکے۔ موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔ فرعون کے آدمی اسی فکر و تجسس میں تھے کہ موسیٰ کی بہن نے کہا میں تم کو ایک گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو امید ہے بچہ کو پال دیں گے اور جہاں تک ان کی طبائع کا اندازہ ہے بہت خیر خواہی اور غور و پرداخت سے پالیں گے۔ کیونکہ شریف گھرانہ ہے اور بادشاہ کے گھر سے انعام و اکرام کی بڑی توقعات ہوں گی، پھر تربیت میں کمی کیوں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ طلب کی گئیں۔ بس بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے، بڑی خوشیاں منائی گئیں اور انعام و اکرام کئے گئے۔ مرضعہ نے عذر کیا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی، اپنے گھر لیجا کر اس کی پرورش کروں گے۔ چنانچہ موسیٰ امن و اطمینان کے ساتھ پھر آغوشِ مادری میں پہنچ گئے، اور فرعون کے یہاں سے جو روزینہ ان کی ماں کا مقرر ہوا وہ مفت میں رہا۔

۱۷۔ اللہ کا وعدہ حق ہے: یعنی اِنَّا اَرَادُوْهُ اِلَيْكَ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں جو دو وعدے کئے تھے۔ ایک تو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا۔ اور دوسرے کو اسی پر قیاس کرنے کا موقع ملا کہ بلاشبہ وہ بھی اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔

۱۸۔ یعنی وعدہ اللہ کا پہنچ کر رہتا ہے۔ ہاں بیچ میں بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں۔ اس میں بہت لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں۔ (موضح)۔

۱۳۔ اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنھیل گیا دی ہم نے اس کو حکمت اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو [۱۹]

وَلَبَّابَدَغْ اَشْدَّهٗا وَاسْتَوٰى اَتَيْنَهٗ حُكْمًا وَعِلْمًا  
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۵۔ اور آیا شہر کے اندر جس وقت پیچھے ہوئے تھے وہاں کے لوگ [۲۰] پھر پائے اس نے دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اسکے رفیقوں میں اور یہ دوسرا اسکے دشمنوں میں پھر فریاد کی اس سے اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں اس کی جو تھا اس کے دشمنوں میں پھر مکامارا اسکو موسیٰ نے پھر اسکو تمام کر دیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن ہے بہرکانے والا صریح

وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا  
فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ  
شَيْعَتِهِ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۗ فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي  
مِنْ شَيْعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۗ فَوَكَرَهُ  
مُوسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ  
الشَّيْطٰنِ ۗ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ بولا اے میرے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھ کو پھر اس کو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا

قَالَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهُ ۗ

مہربان [۲۱]

إِنَّهُ هُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٦﴾

۱۷۔ بولا اے رب جیسا تو نے فضل کر دیا مجھ پر پھر میں  
کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا [۲۲]

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا

لِلْجُرْمِينَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا [۲۳]  
پھر ناگہاں جس نے کل مدد مانگی تھی اس سے آج پھر فریاد  
کرتا ہے اس سے [۲۴] کہا موسیٰ نے بیشک تو بے راہ ہے  
صریح [۲۵]

فَاصْبَحَ فِي الْبَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي

اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۗ قَالَ لَهُ

مُوسَىٰ إِنَّكَ لَعَوِيُّ مُبِينٌ ﴿١٨﴾

۱۹۔ پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو دشمن تھا ان  
دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ خون کرے  
میرا جیسے خون کر چکا ہے کل ایک جان کا [۲۶] تیرا یہی جی  
چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں اور نہیں چاہتا  
کہ ہو صلح کر دینے والا [۲۷]

فَلَبَّآ أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا ۗ

قَالَ يَهُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا

بِالْأَمْسِ ۗ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي

الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْبَصِلِحِينَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا  
کہا اے موسیٰ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھ کو  
مار ڈالیں سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں [۲۸]

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْبَدِينَةِ يَسْعَىٰ ۗ قَالَ

يَهُوسَىٰ إِنَّ الْبَلَاءَ يَأْتِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ

فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّصِيحِينَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچا  
لے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾

۱۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور علم و حکمت: یعنی موسیٰ جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے، تو ہم نے ان کو بہت حکمت کی باتیں سمجھائیں اور خصوصی علم و فہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے وہ نیک کردار تھے۔ ایسے ہونہار کو ہم اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔

۲۰۔ یعنی حضرت موسیٰ جو ان ہو کر ایک روز شہر میں پہنچے جس وقت لوگ غافل پڑے سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہو گا یا دوپہر ہو گی۔

۲۱۔ قبطی کا واقعہ: حضرت موسیٰ جب جوان ہوئے۔ فرعون کی قوم سے بسبب ان کے ظلم و کفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل ان کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ ان کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ کبھی وہاں جاتے کبھی فرعون کے گھر آتے۔ فرعون کی قوم (قبط) ان کی دشمن تھی کہ غیر قوم کا شخص ہے ایسا نہ ہو کہ زور پکڑ جائے۔ ایک روز دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں ایک اسرائیلی دوسرا قبطی، اسرائیلی نے موسیٰ کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑاؤ کہتے ہیں قبطی فرعون کے مطبخ کا آدمی تھا۔ موسیٰ پہلے ہی قبطیوں کے ظلم و ستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اس کی زیادتی دیکھ کر رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ ممکن ہے سمجھانے بھجانے میں قبطی نے موسیٰ کو بھی کوئی سخت لفظ کہا ہو جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے۔ غرض موسیٰ نے اس کی تادیب و گوشمالی کے لئے ایک گھونہ رسید کیا، ماشاء اللہ بڑے طاقتور جوان تھے، ایک ہی گھونہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔

قبطی کی موت: خود موسیٰ کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونہ میں اس کجخت کا کام تمام ہو جائے گا۔ بچتائے کہ بے قصد خون ہو گیا۔ مانا کہ قبطی کافر حربی تھا، ظالم تھا، اور موسیٰ کی نیت بھی محض داب دینے کی تھی، جان سے مار ڈالنے کی نہ تھی مگر ظاہر ہے اس وقت کوئی معرکہ جہاد نہ تھا۔ موسیٰ نے قبطی قوم کو کوئی الٹی میٹم نہیں دیا تھا۔ بلکہ مصر میں ان کی بودماند کا شروع سے جو طرز عمل رہا تھا اس سے لوگ مطمئن تھے کہ وہ یونہی کسی کی جان و مال لینے والے نہیں پھر ممکن ہے غیظ و غضب کے جوش میں معاملہ کی تحقیق بھی سرسری ہوئی ہو اور مکار تے وقت پوری طرح اندازہ نہ رہا کہ کتنی ضرب تادیب کے لئے کافی ہے ادھر اس بلا ارادہ قتل سے اندیشہ تھا کہ فرقہ دار اشتعال پیدا ہو کر دوسرے مصائب و فتن کا دروازہ نہ کھل جائے۔

حضرت موسیٰ کا استغفار: اس لئے اپنے فعل پر نادم ہوئے۔ اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک و صاف اور ان کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رور و کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے اللہ سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کر کے معافی چاہی، جو دیدی گئی اور غالباً اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہو گا۔ آخر پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔

۲۲۔ یعنی آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت، راحت، قوت عطا فرمائی اور میری تقصیرات کو معاف کیا اس کا شکریہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ شاید اس فریادی (اسرائیلی) کی بھی کچھ تقصیر معلوم ہوئی ہو گی، مجرم اسے کہا ہو۔ یا مجرمین سے کفار اور ظالم لوگ مراد ہوں۔ یعنی تیری دی ہوئی قوتوں کو آئندہ بھی کبھی ان کی حمایت و اعانت میں خرچ نہ کروں گا۔ یا مجرمین سے شیاطین مراد ہوں۔ یعنی شیاطین کے مشن میں ان کا مددگار کبھی نہ بنوں گا کہ وہ وسوسہ اندازی کر کے مجھ سے ایسا کام کرا دیں جس پر بعد کو پچھتانا پڑے۔ یا اسرائیلی کو مجرم اس حیثیت سے کہا کہ وہ وقوع جرم کا سبب بنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳۔ یعنی انتظار کرتے اور راہ دیکھتے تھے کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد لے گئے ہوں گے دیکھنے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔

۲۴۔ یعنی اسی اسرائیلی کی لڑائی آج کسی اور سے ہو رہی تھی۔

۲۵۔ اسرائیلی اور قبطی کا جھگڑا: یعنی روز ظالموں سے لہجتا ہے اور مجھ کو لڑواتا ہے۔

۲۶۔ ہاتھ ڈالنا چاہا اس ظالم پر۔ بول اٹھا مظلوم، جانا کہ زبان سے مجھ پر غصہ کیا ہے، ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے۔ وہ کل کا خون چھپا رہا تھا کہ کس نے کیا، آج اس کی زبان سے مشہور ہوا۔ (موضح)

۲۷۔ قبطی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الزام دینا: یعنی زور زبردستی سے قتل کرنا ہی آتا ہے، یہ نہیں کہ سمجھا بجا کر فریقین میں صلح کرادے۔  
۲۸۔ فرعون کے اہل دربار کا مشورہ: یعنی خون کی خبر فرعون کو پہنچ گئی۔ وہاں مشورے ہوئے کہ غیر قوم کے آدمی کا یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ شاہی قوم کے افراد اور سرکاری ملازموں کو قتل کر ڈالے۔ سپاہی دوڑائے گئے کہ موسیٰ کو گرفتار کر کے لائیں۔ شاید مل جاتے تو قتل کرتے، اس مجمع میں سے ایک نیک طبیعت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی خیر خواہی ڈال دی، وہ جلدی کر کے مختصر راستہ سے بھاگا ہوا آیا اور حضرت موسیٰ کو واقعہ کی اطلاع کر کے مشورہ دیا کہ تم فوراً شہر سے نکل جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ سنایا ہمارے پیغمبر کو کہ لوگ ان کی جان لینے کی فکر کریں گے اور وہ بھی وطن سے نکلیں گے۔ چنانچہ کافر سب اکٹھے ہوئے تھے کہ ان پر مل کر چوٹ کریں، اسی رات میں آپ وطن سے ہجرت کر گئے۔

۲۲۔ اور جب منہ کیا مدین کی سیدہ پر بولا امید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر [۲۹]

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّيَ أَنُ

يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت کو لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے [۳۰] اور پایا ان سے ورے دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں بولا تمہارا کیا حال ہے وہ بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی چرواہوں کے پھیر لیجانے تک [۳۱] اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا [۳۲]

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ

النَّاسِ يَسْتَقُونَ<sup>١</sup>هُ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ

تَذُودِنِ<sup>٢</sup> قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ

يُصْدِرَ الرَّعَاءُ<sup>٣</sup> وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ پھر اس نے پانی پلا دیا انکے جانوروں کو [۳۳] پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف بولا اے رب تو جو چیز اتارے میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں [۳۴]

فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا

أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ پھر آئی اسکے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے [۳۵] بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق اس کا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں کو [۳۶] پھر جب پہنچا اسکے پاس اور بیان کیا اس سے احوال کہا مت ڈرنا آتا تو اس قوم بے انصاف سے [۳۷]

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْسِيً۟ عَلَىٰ اسْتِحْيَاءٍ<sup>٤</sup>

قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ

نَنَا فَلَمَّا جَاءَهَا وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ<sup>٥</sup> قَالَ لَا

تَخَفُ نَفْسًا نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر جو کہ تور کھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانت دار [۲۸]

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس [۲۹] پھر اگر تو پورے کر دے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے [۳۰] اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہنا کہ بختوں سے [۳۱]

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جو کسی مدت ان دنوں میں پوری کر دوں سو زیادتی نہ ہو مجھ پر اور اللہ پر بھروسہ اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں [۳۲]

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

۲۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے روانگی: حضرت موسیٰ مصر سے نکل کھڑے ہوئے، راہ سے واقف نہ تھے، اللہ سے درخواست کی کہ سیدھی راہ پر چلائے۔ اس نے ”مدین“ کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا جہاں پہنچا کر انہیں امن و اطمینان کے ساتھ متابل بنانا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بہت دور تک کی سیدھی راہ پر لے چلانا تھا۔

۳۰۔ مدین میں آمد: ”مدین“ ”مصر“ سے آٹھ دس دن کی راہ پر ہے۔ وہاں پہنچے بھوکے پیاسے، دیکھا کنویں پر لوگ اپنے مویشی کو پانی پلا رہے ہیں۔ ۳۱۔ دو عورتیں: وہ دونوں بکریاں لے کر حیا سے کنارے کھڑی تھیں۔ اتنی قوت نہ تھی کہ مجمع کو بھادیں یا بذات خود بھاری ڈول نکال لیں شاید اوروں سے بچا ہو پانی پلاتی ہوں۔

۳۲۔ یعنی ہمارا باپ جو ان اور تو انا ہوتا تو ہم کو آنا نہ پڑتا۔ وہ خود ان مردوں سے نبٹ لیا کرتا۔ ۳۳۔ عورتوں کی مدد: پیغمبروں کے فطری جذبات و ملکات ایسے ہوتے ہیں، تھکے ماندے، بھوکے پیاسے تھے مگر غیرت آئی کہ میری موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے۔ اٹھے اور مجمع کو ہٹا کر یا ان کے بعد کنویں سے تازہ پانی نکال لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کیا۔

۳۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: ”یعنی اے اللہ کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا۔ البتہ تیری طرف سے کوئی بھلائی پہنچے اس کا ہم وقت محتاج ہوں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”عورتوں نے پہچانا کہ چھاؤں پکڑتا ہے مسافر ہے۔ دور سے آیا ہوا، تھکا، بھوکا۔ جا کر اپنے باپ سے کہا (وہ حضرت شعیبؑ تھے علی القول المشہور) ان کو درکار تھا کہ کوئی مرد ملے نیک بخت جو بکریاں تھامے اور بیٹی بھی بیاہ دیں“ (موضح)

۳۵۔ جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شرم کے مارے چہرہ چھپا کر بات کی۔  
 ۳۶۔ لڑکی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعوت دینا: حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کر رہے تھے۔ اس نے اپنے فضل سے غیر متوقع طور پر خیر بھیجی، تو قبول کیوں نہ کرتے۔ اٹھ کر عورت کے ساتھ ہوئے۔ لکھتے ہیں کہ چلتے وقت اس کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے آؤ مبادا اجنبیہ پر عمداً نظر کرنے کی نوبت آئے۔ چنانچہ وہ پیچھے پیچھے راستہ بتلاتی ان کو لے کر گھر پہنچی۔  
 ۳۷۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات اور مدد کا وعدہ: موسیٰ نے حضرت شعیبؑ کو اپنی ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ اب تو اس ظالم قوم کے پنجے سے بچ نکلا۔ انشاء اللہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا)  
 ۳۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت: یعنی موسیٰ میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ زور دیکھا ڈول نکالنے یا مجمع کو ہٹا دینے سے، اور امانت دار سمجھائے طمع اور عقیف ہونے سے۔

۳۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاہدہ مہر: شاید یہ ہی خدمت لڑکی کا مہر تھا۔ ہمارے حنفیہ کے ہاں اب بھی اگر بالغہ راضی ہو تو اس طرح کی خدمت اقارب مہر ٹھہر سکتا ہے (کذا نقلہ الشیخ الانور اطال اللہ بقائہ) یہاں صرف نکاح کی ابتدائی گفتگو مذکور ہے۔ ظاہر ہے حضرت شعیبؑ نے نکاح کرتے وقت ایک لڑکی کی تعیین اور اس کی رضامندی حاصل کر لی ہوگی۔

۴۰۔ یعنی کم از کم آٹھ برس میری خدمت میں رہنا ضروری ہو گا۔ اگر دو سال اور زائد رہے تو تمہارا تبرع ہے۔  
 ۴۱۔ یعنی کوئی سخت خدمت تم سے نہ لوں گا، تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں، میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں، بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے انس حاصل کرو گے۔  
 ۴۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاہدہ مہر: یعنی مجھے اختیار ہو گا کہ آٹھ برس رہوں یا دس برس۔ بہر حال جو معاہدہ ہو چکا خدا کے بھروسہ پر مجھے منظور ہے۔ اللہ کو گواہ بنا کر معاملہ ختم کرتا ہوں۔ احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے بڑی مدت (یعنی دس برس) پورے کئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہمارے حضرت ﷺ بھی وطن سے نکلے، سو آٹھ برس پیچھے آ کر مکہ فتح کیا۔ اگر چاہتے اسی وقت کافروں سے شہر خالی کرا لیتے لیکن اپنی خوشی سے دس برس پیچھے کافروں سے پاک کیا۔"

۲۹۔ پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لیکر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی کہ وہ طور کی طرف سے ایک آگ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر یا انکارا آگ کا تاکہ تم تا پو

فَلَبَّأَ قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ  
 مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي  
 آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ

مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ پھر جب پہنچا اسکے پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے تختہ میں ایک درخت سے [۳۳] کہ اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کارب

فَلَبَّأَ أَتَاهَا نُودِي مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي  
 الْبُقْعَةِ الْبَارِكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُّسَوِّىَ إِنِّي أَنَا



اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اسکو پھینکتے جیسے سانپ کی سٹک الٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر اے موسیٰ آگے آ اور مت ڈر تجھ کو کچھ خطرہ نہیں

وَأَنْ أَلْقِي عَصَاكَ ۗ فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا ۖ وَكَفَّ يَدَيْهِ ۖ وَيُؤَسِّى أَقْبِلُ وَلَا

تَخَفُ إِنَّكَ مِنَ الْأَمِينِينَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکل آئے سفید ہو کر نہ کہ کسی برائی سے [۳۴] اور ملا لے اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے [۳۵] سو یہ دو سندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اسکے سرداروں پر [۳۶] بیشک وہ تھے لوگ نافرمان

أَسْأَلُكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۗ وَأَضْمُ نَاصِيئَكَ إِلَى جَنَاحِكَ مِنَ الرَّهْبِ ۗ فَذُنُوبِكُمْ بِرُءُوسِهِمْ ۖ فَمَنْ هُنَّ أَمْ مَنْ هُنَّ ۗ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ بولا اے رب میں نے خون کیا ہے ان میں ایک جان کا سو ڈر تاہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں گے [۳۷]

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور میرا بھائی ہارون اس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے میں ڈر تاہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں [۳۸]

وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۗ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانوں سے تم اور جو تمہارے ساتھ ہو غالب رہو گے [۳۹]

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِأَيِّتِنَا ۗ أَنْتَبَأُ

مَنْ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ﴿۳۵﴾

۳۳۔ طور پر درخت سے آواز کا سننا: یہ وہ ہی درخت تھا جس پر آگ بھڑکتی ہوئی نظر آئی۔

۳۴۔ تجلی الہی: شروع رکوع سے یہاں تک کے مفصل واقعات سورہ ”ط“ وغیرہ میں گذر چکے۔ ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۳۵۔ یعنی بازو کو پہلو سے ملاو۔ سانپ وغیرہ کا ڈر جاتا رہے گا شاید آگے کے لئے بھی خوف زائل کرنے کی یہ ترکیب بتلائی ہو۔

۳۶۔ معجزہ عصا وید بیضاء: یعنی معجزہ ”عصا“ و ”ید بیضا“ بطور سند نبوت کے دئے گئے ہیں تا فرعون اور اسکی قوم پر اتمام حجت کر سکے۔

۳۷۔ یعنی پہنچتے ہی قتل کر دیا تو آپ کی دعوت کیسے پہنچاؤں گا۔

۳۸۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی رفاقت کی درخواست: یعنی کوئی تصدیق و تائید کرنے والا ساتھ ہو تو فطرۃ دل مضبوط و قوی رہتا ہے۔ اور ان

کے جھٹلانے پر اگر بحث و مناظرہ کی نوبت آجائے تو میری زبان کی لکنت ممکن ہے بولنے میں رکاوٹ ڈالے۔ اس وقت ہارون کی رفاقت مفید ہو

گی کیونکہ ان کی زبان زیادہ صاف اور تیز ہے۔

۳۹۔ غلبہ و نصرت کا وعدہ: یعنی دونوں درخواستیں منظور ہیں، ہارون تمہارے قوت بازو ہیں گے اور فرعونوں کو تم پر کچھ دسترس نہ ہوگی ہماری

نشانیوں کی برکت سے۔ تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب و منصور رہیں گے۔

۳۶۔ پھر جب پہنچا انکے پاس موسیٰ لیکر ہماری نشانیاں کھلی

ہوئی بولے اور کچھ نہیں یہ جادو ہے باندھا ہوا [۵۰] اور ہم

نے سنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں [۵۱]

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا

إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرَىٰ وَمَا سَعَيْنَا بِهِذَا فِي آبَائِنَا

الْأَوَّلِينَ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اور کہا موسیٰ نے میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی

لایا ہے ہدایت کی بات اس کے پاس سے اور جس کو ملے گا

آخرت کا گھر بیشک بھلا نہ ہو گا بے انصافوں کا [۵۲]

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ

عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا

يُفْدِحُ الظُّلْمُونَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ اور بولا فرعون اے دربار والو مجھ کو تو معلوم نہیں

تمہارا کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ دے اے ہامان

میرے واسطے گارے کو پھر بنا میرے واسطے ایک محل تا

کہ میں جھانک کر دیکھ لوں موسیٰ کے رب کو اور میری

انگل میں تو وہ جھوٹا ہے [۵۳]

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ

إِلٰهِ غَيْرِي ۚ فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ

فَاعْجَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطِّدِعُ إِلَىٰ إِلٰهِ مُوسَىٰ ۗ

إِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کرنے آئیں گے

وَاسْتَكْبَرَهُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمُ الْبَائِنُونَ ۚ

۴۰۔ پھر پکڑ اہم نے اسکو اور اسکے لشکروں کو پھر چھینک دیا ہم نے انکو دریا میں سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا [۵۳]

فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۚ

۴۱۔ اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف [۵۵] اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی [۵۶]

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ۚ

۴۲۔ اور پیچھے رکھ دی ہم نے ان پر اس دنیا میں پھنکار اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے [۵۷]

وَأَتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ۚ

۵۰۔ فرعونیوں کا نبوت سے انکار: یعنی معجزات دیکھ کر کہنے لگے جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے کہا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا، اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے۔ حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں۔ محض ساحرانہ تخیل و افتراء ہے۔

۵۱۔ یعنی جو باتیں یہ کرتا ہے (مثلاً ایک خدا نے ساری دنیا کو پیدا کیا اور ایک وقت سب کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کرے گا پھر حساب کتاب ہو گا، اور جھگڑو اس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، وغیرہ وغیرہ) اپنے اگلے بزرگوں سے ہمارے کانوں میں یہ چیزیں کبھی نہیں پڑیں۔

۵۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب: یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور اسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لئے انجام میرا ہی بہتر ہو گا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر ناصافی سے حق کو جھٹلاتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے انجام کار ان کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

۵۳۔ فرعون کا استہزاء: یعنی اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ اچھا اینٹوں کا ایک پڑاؤ لگو اوتا کہ پکی اینٹوں کی خوب اونچی عمارت بنا کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔ کیونکہ زمین میں تو مجھے کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہ ہی ہے کہ کوئی نہ ہو گا، تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ یہ بات ملعون نے استہزاء و تمسخر سے کہی اور ممکن ہے اس قدر بدحواس و پاگل ہو گیا ہو کہ اس طرح کی لچر پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔

۵۴۔ فرعون اور اسکی قوم کے غرور کا انجام: یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے۔ یہ نہ سمجھا کہ کوئی ان کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاء لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا۔ تا یاد گار رہے کہ بد بخت

ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہو کر تا ہے۔ غرق وغیرہ کے واقعات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۵۵۔ دوزخیوں کے امام: یعنی یہاں ضلالت و طغیان میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے وہاں بھی ان کو دوزخیوں کے

آگے امام بنا کر رکھا جائے گا۔ يَقْدُرُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ (ہود-۹۸)

۵۶۔ یعنی یہاں کے لشکر وہاں کام نہ دیں گے نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ کوئی

بچانے والا نہ ہو گا۔

۵۷۔ دنیا میں لعنت: یعنی آخرت کی برائی اور بد انجامی تو الگ رہی، دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا تک ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔

۳۳۔ اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اسکے کہ ہم غارت کر چکے پہلی جماعتوں کو [۵۸] سمجھانے والی لوگوں کو اور راہ بتانے والی اور رحمت تاکہ وہ یاد رکھیں [۵۹]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا

الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بِصَآئِرٍ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور تو نے تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو حکم [۶۰] اور نہ تھا تو دیکھنے والا

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى

الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ لیکن ہم نے پیدا کیں کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی ان پر مدت [۶۱] اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ ان کو سنا تا ہماری آیتیں پر ہم رہے ہیں رسول بھیجتے [۶۲]

وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُرُوجُ وَ

مَا كُنْتَ ثَاوِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوا عَلَيْهِمْ

آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن یہ انعام ہے تیرے رب کا [۶۳] تاکہ تو ڈر سنا دے ان لوگوں کو جنکے پاس نہیں آیا کوئی ڈر سنانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ یاد رکھیں [۶۴]

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً

مِّنْ رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ مِّنْ

قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ اور اتنی بات کے لئے کہ کبھی آن پڑے ان پر آفت ان کاموں کی وجہ سے جنکو بھیج چکے ہیں انکے ہاتھ

وَلَوْ لَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

تو کہنے لگیں اے رب ہمارے کیوں نہ بھیج دیا ہمارے پاس کسی کو پیغام دے کر تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے ایمان والوں میں [۶۵]

أَيَّدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا  
فَتَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا اس رسول کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو [۶۶] کیا ابھی منکر نہیں ہو چکے اس سے جو موسیٰ کو ملا تھا اس سے پہلے [۶۷] کہنے لگے دونوں جادو ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دونوں کو نہیں مانتے [۶۸]

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ  
مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ۗ أَوْلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ  
مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوا سِحْرَانِ تَظْهَرَانِ ۗ وَقَالُوا  
إِنَّا بِكُلِّ كَفْرٍ نُونَ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے بہتر ہو کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو [۶۹]

قُلْ فَاتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ  
مِنْهُمَا آتَّبِعُهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ پھر اگر نہ کر لائیں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نری اپنی خواہشوں پر اور اس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے اپنی خواہش پر بدون راہ بتلائے اللہ کے بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو [۷۰]

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ  
أَهْوَاءَهُمْ ۗ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ  
هُدًى مِّنْ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾

۵۱۔ اور ہم پے در پے بھیجتے رہے ہیں انکو اپنے کلام تاکہ وہ دھیان میں لائیں [۷۱]

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۱﴾

۵۸۔ نزول تورات کے بعد دنیا میں ایسے غارت کے عذاب کم آئے۔ بجائے ہلاک سماوی کے جہاد کا طریقہ مشروع کر دیا گیا۔ کیونکہ کچھ لوگ احکام شریعت پر قائم رہا کرتے۔

۵۹۔ تورات ہدایت ہے: یعنی تورات جو موسیٰ کو دی گئی تھی۔ بڑی فہم و بصیرت عطا کرنے والی، لوگوں کو راہ ہدایت پر چلانے والی، اور مستحق رحمت بنانے والی کتاب تھی تاکہ لوگ اسے پڑھ کر اللہ کو یاد رکھیں۔ احکام الہی سیکھیں، اور پند و نصیحت حاصل کریں، سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم

کے بعد ہدایت میں تورات شریف ہی کا درجہ ہے اور آج جبکہ اس کے پیروں نے اسے ضائع کر دیا، قرآن ہی اس کے ضروری علوم و ہدایات کی حفاظت کر رہا ہے۔

۶۰۔ یعنی کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ کو نبوت اور تورات ملی۔

۶۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال: یعنی تو اس وقت کے واقعات تو ایسی صحت و صفائی اور بسط و تفصیل سے بیان کر رہا ہے جیسے وہیں ”طور“ کے پاس کھڑا دیکھ رہا ہو۔ حالانکہ تمہارا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں تم امی ہو۔ کسی عالم کی صحبت میں بھی نہیں رہے۔ نہ ٹھیک ٹھیک صحیح واقعات کا کوئی جید عالم مکہ میں موجود تھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ علم کہاں سے آیا حقیقت یہ ہے کہ اقوام دنیا پر مدتیں اور قرن گذر گئے، مروردہور سے وہ علوم محرف و مندرس ہوتے جا رہے تھے اور وہ ہدایت مٹی جا رہی تھیں۔ لہذا اس علیم و خبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک امی کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں اور ان عبرتناک و موعظت آمیز واقعات کا ایسا صحیح نوٹو دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے جس پر نظر کر کے بے اختیار ماننا پڑے کہ اس کا پیش کرنے والا موقع پر موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے من و عن کیفیات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ تم تو وہاں موجود نہ تھے، بجز اس کے کیا کہا جائے کہ جو خدا آپ کی زبان سے بول رہا ہے اور جس کے سامنے ہر غائب بھی حاضر ہے یہ بیان اسی کا ہو گا۔

۶۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلے واقعات کا مکمل علم: یعنی موسیٰ کو ”مدین“ جا کر جو واقعات پیش آئے ان کا اس خوبی و صحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا اس وقت تم شان پیغمبری کے ساتھ وہیں سکونت پذیر تھے اور جس طرح آج اپنے وطن مکہ میں اللہ کی آیات پڑھ کر سنا رہے ہو، اس وقت ”مدین“ والوں کو سناتے ہو گے حالانکہ یہ چیز صریحاً منفی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا کو غفلت سے چونکاتے اور گذشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہے۔ اسی عام عادت کے موافق ہم نے اس زمانہ میں تم کو رسول بنا کر بھیجا کہ پچھلے قصے یاد دلاؤ۔ اور خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کرو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک ٹھیک واقعات کا صحیح علم تم کو دیا جائے اور تمہاری زبان سے ادا کرایا جائے۔

۶۳۔ یعنی جب موسیٰ کو آواز دی اِنِّی اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ تم وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان واقعات و حقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی نوعیت کا برتاؤ کیا جو موسیٰ کے ساتھ ہوا تھا۔ گویا ”جبل النور“ (جہاں غار حرا ہے) اور ”مکہ“ ”مدینہ“ میں ”جبل طور“ اور ”مدین“ کی تاریخ دہرا دی گئی۔

۶۴۔ یعنی عرب کے لوگوں کو یہ چیزیں بتلا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کر دیں۔ ممکن ہے وہ سن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔ (تنبیہ) مَّا اُنْذِرْ اٰبَاؤَهُمْ سے شاید آباؤ اقرین مراد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۶۵۔ رسالت اللہ کی نعمت ہے: یعنی پیغمبر کا ان میں بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ اگر بدون پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ ان کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگتا تب بھی ظلم نہ ہوتا، لیکن اس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی معقول عذر داری کا موقع نہیں چھوڑا ممکن تھا سزا دہی کے وقت کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم از کم متنبہ کر دیتا، ایک دم پکڑ کر عذاب میں دھر گھسیٹا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو دیکھ لیتے ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے۔

۶۶۔ یعنی رسول نہ بھیجتے تو کہتے رسول کیوں نہ بھیجا۔ اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان و رتبہ میں بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ صاحب! ہم تو اس وقت مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰ کی طرح ”عصا“ اور ”ید بیضا“ وغیرہ کے معجزات ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے پاس بھی تورات کی طرح ایک دم ایک کتاب اترتی یہ کیا دو دو چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔

۶۷۔ یعنی مولیٰ کے معجزات اور کتاب ہی کو کہاں سب نے مان لیا تھا؟ شہسے نکالنے والے ان کو بھی ”سحری مفتری“ کہتے رہے جیسا کہ ابھی ایک دور کو پہلے گذرا۔ بس جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔

۶۸۔ کفار مکہ کی ہٹ دھرمی: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”مکہ کے کافر حضرت مولیٰ کے معجزے سن کر کہنے لگے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے، جب ”یہود“ سے پوچھا اور ”تورات“ کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے، آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو مردار ہے (اور عرب میں ایک نبی آخر الزماں آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ) تب لگے دونوں کو جواب دینے۔ کہ ”تورات“ اور ”قرآن“ دونوں جادو اور مولیٰ و محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں جادوگر ہیں۔ (العیاذ باللہ) جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

۶۹۔ کفار کے اعتراض کا جواب: یعنی آسمانی کتابوں میں سب سے بڑی اور مشہور یہ ہی دو کتابیں تھیں جن کی ہمسری کوئی کتاب نہیں کر سکتی اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الہی پیش کر دو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آئے تو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا، لیکن تم قیامت تک نہیں لاسکتے۔ اس سے زیادہ بد بختی کیا ہوگی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آتی ہے اسے جادو کہہ کر رد کر دیتے ہو۔ جب یہ ایک انسان کا بنایا ہوا جادو ہے تو تم سارے جہان کے جادو گروں کو جمع کر کے اس سے بڑا جادو لے آتے۔ آخر جادو ایسی چیز تو نہیں کہ اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔

۷۰۔ خواہشوں کی پیروی: یعنی جب یہ لوگ نہ ہدایت کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کر سکتے ہیں تو یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں۔ محض اپنی خواہشات کی پیروی ہے، جس چیز کو دل چاہا مان لیا، جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا۔ بتلائے ایسے ہو اپرست ظالموں کو کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ اللہ کی عادت اسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور محض ہو ادھوس کو حق کا معیار نہ بنا لے۔

۷۱۔ یعنی ہماری وحی کا سلسلہ پے سے چلا آتا ہے۔ ایک وحی کی تصدیق و تائید میں دوسری وحی بار بار بھیجتے رہے ہیں۔ اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج نازل کیا ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت آتی رہی، مقصد یہ ہے کہ کافی غور کرنے اور سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔

۵۲۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے وہ اس پر یقین کرتے ہیں

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ

يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ اور جب ان کو سنائے تو کہیں ہم یقین لائے اس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہم ہیں اس سے پہلے کے حکم بردار [۴۲]

وَإِذَا تُلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا مَنَابِهَ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دوہرا اس بات پر کہ قائم رہے [۴۳] اور بھلائی کرتے ہیں برائی کے جواب میں [۴۴] اور ہمارا دیا ہو کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں [۴۵]

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَ

يَدْرَعُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ وَمَا رَزَقْنَاهُمْ

## يُنْفِقُونَ ﴿۵۳﴾

۵۵۔ اور جب سنیں نکمی باتیں اس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام سلامت رہو ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ ﴿۵۴﴾

وَإِذَا سَبَعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْبَانَا وَلكُمْ أَعْبَانُكُمْ ۚ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ ۚ لَا

## نَبَتَعِيَ الْجَاهِلِينَ ﴿۵۵﴾

۷۲۔ مومنین کا ایمان بالکتاب: یعنی ان جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو، اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ دونوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ پہلے سے تورات و انجیل پر یقین رکھتے تھے۔ جب قرآن آیا تو بول اٹھے کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے، ہمارے رب کی اتاری ہوئی، ہم اس پر اپنے یقین و اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں، ہم پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے آج بھی قبول کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزماں اور قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں۔ لہذا ان پیشین گوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے اجمالی ایمان ہوا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

۷۳۔ مومنین کیلئے دہرا اجر: یعنی مغرور و مستغنی ہو کر قبول حق سے گریز نہیں کیا بلکہ جس وقت جو حق پہنچا بے تکلف گردن تسلیم جھکا دی (تنبیہ) شیخ اکبرؒ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دومرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور تمام انبیائے سابقین کے مصدق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور پر بھی انکا ایمان دو مرتبہ ہوا۔ ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ ہر پیغمبر حضور ﷺ کی بشارات دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لئے ان لوگوں کو اجر بھی دومرتبہ ملے گا۔ باقی حدیث میں جو ثلاثُ یؤتُونَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ آیا ہے اس کی شرح کا یہاں موقع نہیں۔ ہم نے خدا کے فضل سے شرح صحیح مسلم میں اس کو تفصیل لکھا ہے اور اشکالات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔

فلله الحمد والمنه وبه التوفيق والعصمة۔

۷۴۔ لغو سے اعراض: یعنی کوئی دوسرا ان کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو یہ اس کے جواب میں مروّت و شرافت سے کام لیکر بھلائی اور احسان کرتے ہیں۔ یا یہ مطلب کہ کبھی ان سے کوئی برا کام ہو جائے تو اس کا تدارک بھلائی سے کر دیتے ہیں تاکہ حسنات کا پلہ سینات سے بھاری رہے۔

۷۵۔ یعنی اللہ نے جو مال حلال دیا ہے اس میں سے زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں اور خویش و اقارب کی خبر لیتے ہیں۔ غرض حقوق العباد ضائع نہیں کرتے۔

۷۶۔ شریر جاہلوں کی بات کا جواب: یعنی کوئی جاہل لغو و بیہودہ بات کہے تو اس سے الجھتے نہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ بس صاحب تمہاری باتوں کو ہمارا دور سے سلام۔ یہ جہالت کی پوٹ تمہی رکھو ہم کو ہمارے مشغلہ میں رہنے دو۔ تمہارا کیا تمہارے، اور ہمارا کیا ہمارے سامنے آجائے گا۔ ہم کو تم جیسے بے سمجھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں تقریباً بیس اشخاص حبشہ سے حضور ﷺ کی خبر سن کر آئے کہ تحقیق کریں کیسے شخص ہیں۔ آپ سے بات چیت کی، حضور ﷺ نے قرآن پڑھ کر سنایا، ان کی آنکھوں



سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بڑے زور سے آپ کی تصدیق کی، جب مشرف بایمان ہو کر واپس ہونے لگے تو ابو جہل وغیرہ مشرکین نے ان پر آوازے کسے کہ ایسے احمقوں کا قافلہ آج تک کہیں نہ دیکھا ہو گا۔ جو ایک شخص کی تحقیق حال کرنے آئے تھے اور اس کے غلام بن کر اور اپنا دین چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نُجَاهِلُكُمْ لَنَا مَا نَحْنُ عَلَيْكُمْ وَلكُمْ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ كَمْ نَأَلُ أَنْفُسَنَا خَيْرًا۔ (بس ہم تمکو سلام کریں، معاف رکھو، ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اس کا وہ ہی حصہ ہے ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی) اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھائے پر لگے گا اس سے کنارہ ہی بہتر ہے (موضح)۔

۵۶۔ توراہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے [۴۷] اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے [۴۸]

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

۷۷۔ ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بچا (ابوطالب) کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (موضح) یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے۔ آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا، یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے (تنبیہ) جو کچھ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابوطالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بنا لینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پرخطر مباحث میں کف لسان نہ کیا جائے۔

۷۸۔ یعنی کسی کو کسی شخص کے راہ پر لانے کا اختیار کیا ہوتا، علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہے بہر حال اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی تسلی فرمادی کہ آپ جاہلوں کی لغو گوئی اور معاندانہ شور و شغب یا اپنے خاص اعزہ و اقارب کے اسلام نہ لانے سے غمگین نہ ہوں۔ جس قدر آپ کا فرض ہے وہ ادا کئے جائیں، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہیں اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ پر لایا جائے۔

۵۷۔ اور کہنے لگے اگر ہم راہ پر آئیں تیرے ساتھ اچک لئے جائیں اپنے ملک سے [۴۹] کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو حرمت والے پناہ کے مکان میں کھینچے چلے آتے ہیں اسکی طرف میوے ہر چیز کے روزی ہماری طرف سے پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے [۸۰]

وَقَالُوا إِن نَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَفُ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَمْ نُنَبِّكَ لَهُمْ حَرَمًا مِّنَّا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ شَرْتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

۵۸۔ اپنی گذران میں اب یہ ہیں ان کے گھر آباد نہیں

وَ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا ﴿٥٨﴾

ہوئے ان کے پیچھے مگر تھوڑے [۸۱] اور ہم ہیں آخر کو اور کتنی غارت کر دیں ہم نے بستیاں جو اتر اچلی تھیں سب کچھ لینے والے [۸۲]

فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۵۸﴾

۵۹۔ اور تیرا رب نہیں غارت کرنے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے ان کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سنائے انکو ہماری باتیں [۸۳] اور ہم ہر گز نہیں غارت کرنے والے بستیوں کو مگر جب کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں [۸۴]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمَةٍ رَّسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز سو فائدہ اٹھالینا ہے دنیا کی زندگی میں اور یہاں کی رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا کیا تم کو سمجھ نہیں [۸۵]

وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَزِينَتُهَا ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ ۗ وَآبَتِي ۗ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

۷۹۔ انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں مثلاً نقصان جان و مال کا خوف، چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے کہا بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ ارد گرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور مل کر ہمارا لقمہ کر لیں گے، نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔ اس کا آگے جواب دیا ہے۔

۸۰۔ مکہ مکرمہ امن کی جگہ ہے: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”مکہ کے لوگ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں، اللہ نے فرمایا اب ان کی دشمنی سے کس کی پناہ میں بیٹھے ہو۔ یہ ہی حرم کا ادب (مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے) وہی اللہ (جس نے اس جگہ کو حرم بنایا) تب بھی پناہ دینے والا ہے۔“ (موضح) کیا شرک و کفر کے باوجود تو پناہ دی، ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر پناہ نہ دے گا۔ ہاں ایمان و تقویٰ کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا چاہئے۔ فَإِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ۔

۸۱۔ تکبر کا انجام تمہارے سامنے ہے: یعنی عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ دیکھتے نہیں کتنی قومیں گذر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا کہ آج صفحہ ہستی پر ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ یہ کھنڈر ان کی بستیوں کے پڑے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر سستانے یا قدرت الہی کا عبرتناک تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں جاترے۔

۸۲۔ یعنی سب مر مر گئے کوئی وارث بھی نہ رہا۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

۸۳۔ بغیر نبی بھیجے عذاب نہیں کیا جاتا: یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک بستیوں کو غارت نہیں کرتا۔ جب تک ان کے صدر مقام میں کوئی ہشیار

کرنے والا پیغمبر نہ بھیجے۔ (صدر مقام کی تخصیص شاید اسلئے کہ وہاں کا اثر دور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے باشندے نسبتاً سلیم و عقیل ہوتے ہیں) تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظمہ تھا۔ لَسْتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ-۷) اسی لئے وہاں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر مبعوث ہوئے۔

۸۴۔ یعنی ہشیار کرنے پر بھی جب لوگ باز نہیں آتے، برابر ظلم و طغیان میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ پکڑ کر ہلاک کرتا ہے۔  
۸۵۔ دنیا کے منافع عارضی ہیں: یعنی آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل کا مزہ کب تک اٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے، تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے، اگر وہاں کا عیش و آرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض بیچ اور لاشے ہے۔ کون عقلمند ہو گا جو ایک مکدر و منغص زندگی کو بے غل و غش زندگی پر اور ناقص و فانی لذتوں کو کامل و باقی نعمتوں پر ترجیح دے۔

۶۱۔ بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سوہ اس کو پانے والا ہے برابر ہے، اسکے جسکو ہم نے فائدہ دیا دنیا کی زندگی کا پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آیا [۸۶]

أَفَنبُ وَوَعْدَنهُ وَوَعْدًا حَسَنًا فَهوَ لَاقِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٦١﴾

۶۲۔ اور جس دن انکو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے [۸۷]

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ

كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ان کو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوجتے تھے [۸۸]

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا

إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِلَّا نَاعِبِدُونَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے انکو تو وہ جواب نہ دیں گے ان کو [۸۹] اور دیکھیں گے عذاب کا ش کہ کسی طرح وہ راہ پائے ہوئے ہوتے [۹۰]

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُم فَلَمْ

يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا

يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ اور جس دن ان کو پکارے گا تو فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ

الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ پھر بند ہو جائیں گی ان پر باتیں اس دن سو وہ آپس میں بھی نہ پوچھیں گے [۹۱]

فَعَبِثْتُ عَلَيْهِمُ الْآنُبَاءَ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا

يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ سو جس نے کہ توبہ کی اور یقین لایا اعمال کئے اچھے سو امید ہے کہ ہو چھوٹے والوں میں [۹۲]

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ

يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

۸۶۔ مومن اور کافر برابر نہیں ہیں: یعنی مومن و کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک کے لئے دائمی عیش کا وعدہ ہو یقیناً پورا ہو کر رہے گا اور دوسرے کے لئے چند روزہ عیش کے بعد گرفتاری کا وارنٹ اور دائمی جیل خانہ، العیاذ باللہ۔ ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے، خدم و حشم پرے باندھے کھڑے ہیں اور الوان نعمت دسترخوان پر چنے ہوئے ہیں جن سے لذت اندوز ہو رہا ہوں، آنکھ کھلی تو دیکھا انسپکٹر پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی ہتکڑی لئے کھڑا ہے۔ بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیش ہو کر جس دوام کی سزائے کی۔ بتلاؤ اسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ تورے کی لذت کیا یاد آئے گی۔

۸۷۔ یعنی وہ خدا کی حصہ دار کہاں ہیں ذرا اپنی تائید و حمایت کے لئے لاؤ تو سہی۔

۸۸۔ محشر میں شرکاء کا اعتراف: یعنی سوال تو مشرکین سے تھا، مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ فی الحقیقت ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے۔ اس لئے سبقت کر کے جواب دیں گے کہ خداوند! بیشک ہم نے ان کو بہکا یا اور یہ بہکانا ایسا ہی تھا جیسے ہم خود بہکے۔ یعنی جو ٹھوکر بہکنے کے وقت کھائی تھی اسی کی تکمیل بہکانے سے کی۔ کیونکہ بہکانا بھی بہکنے کی انتہائی منزل ہے۔ پس اس جرم اغواء کا تو ہمیں اعتراف ہے۔ لیکن ان مشرکین پر کوئی جبر و اکراہ ہمارا نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوالیتے فی الحقیقت ان کی ہوا پرستی تھی جو ہمارے بہکانے میں آگئے۔ اس اعتبار سے یہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنے اہواء و ظنون کی پرستش کرتے تھے ہم ان کی عبادت سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ کذا قال بعض المفسرین۔ اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”یہ شیطان بولیں گے بہکا یا تو ہے انہوں نے پر نام لے کر نیکیوں کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تنبیہ) حَقَّقْ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ مِنْ لَمَّا لَمْ يَكُنْ جَهَنَّمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (ہود۔ ۱۱۹)

۸۹۔ مشرکین کو اپنے شرکاء کو پکارنے کا حکم: یعنی کہا جائے گا کہ اب مدد کو بلاؤ، مگر وہ کیا مدد کر سکتے خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ کذا قال المفسرون۔ اور حضرت شاہ صاحب لگی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین جب نیکیوں کا نام لیں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ ان نیکیوں کو پکارو! وہ کچھ جواب نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ ان مشرکانہ حرکات سے راضی نہ تھے یا خبر نہ رکھتے تھے۔

۹۰۔ یعنی اس وقت عذاب کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں سیدھی راہ چلتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔

۹۱۔ انبیاء کے بارے میں سوال: پہلے سوالات توحید کے متعلق تھے، یہ سوال رسالت کی نسبت ہوا۔ یعنی اپنی عقل سے تم نے اگر حق کو نہ سمجھا تھا تو پیغمبروں کے سمجھانے سے سمجھا ہوتا، بتلاؤ ان کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ اس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا اور بات کرنے کی راہیں بند ہو جائیں گی۔

۹۲۔ ایمان و عمل صالح اصل کامیابی ہے: یعنی وہاں کی کامیابی صرف ایمان و عمل صالح سے ہے۔ اب بھی جو کوئی کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان لایا اور نیکی اختیار کی، حق تعالیٰ اس کی پہلی خطائیں معاف کر کے فائز المرام کرے گا۔ (تنبیہ) فَعَلَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ۔ وعدہ ہے شہنشاہانہ انداز میں۔ یعنی اس کو فلاح کی امید رکھنا چاہئے۔ گو ہم پر کسی کا دباؤ نہیں۔ کہ ناچار ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ محض فضل و کرم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

۶۸۔ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے جس کو چاہے انکے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا [۹۳] اللہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس چیز سے کہ شریک بتلاتے ہیں [۹۴]

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ  
الْخَيْرَةُ ۗ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے انکے سینوں میں اور جو کچھ کہ ظاہر میں کرتے ہیں [۹۵]

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تَكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی کے پاس پھیرے جاؤ گے [۹۶]

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْخِصْدُ فِي الْأُولَىٰ وَ  
الْآخِرَةِ ۗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک [۹۷] کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی پھر کیا تم سنتے نہیں [۹۸]

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ  
سَامِدًا ۖ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ  
يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۗ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو رات جس میں آرام کر دو پھر کیا تم نہیں دیکھتے [۹۹]

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ  
سَامِدًا ۖ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ  
يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۗ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ اور اپنی مہربانی سے بنا دے تمہارے واسطے رات اور

وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

دن کہ اس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اس کا فضل اور تاکہ تم شکر کرو [۱۰۰]

لَتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ ﴿۵۳﴾

۹۳۔ حق تعالیٰ کی مشیت و اختیار: یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔ جو اس کی مرضی ہو احکام بھیجے۔ جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز کرے۔ جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرمادے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنا دے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے۔ فیہ ارجع۔

۹۴۔ حق تعالیٰ کی مشیت و اختیار: یعنی تخلیق و تشریح اور اختیار مذکور میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ لوگوں نے اپنی تجویز و انتخاب سے جو شرکاء ٹھہرائے ہیں سب باطل اور بے سند ہیں۔

۹۵۔ اللہ تعالیٰ کا علم محیط: یعنی دل میں جو فاسد عقیدے یا بری نیتیں رکھتے ہیں اور زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سے جو کام کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ ہی ہر ایک شخص کی پوشیدہ استعداد و قابلیت سے آگاہ ہے اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

۹۶۔ یعنی جس طرح تخلیق و اختیار اور علم محیط میں وہ منفرد ہے الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔ بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسی کی ذات منبع الکمالات میں تمام خوبیوں کا جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی خواہ وہ کسی کے نام رکھ کر کی جائے حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے۔ اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تمکو پہنچتی ہیں اسی کے فضل و انعام سے ہیں۔ بلکہ خود رات اور دن کا ادل بدل کرنا بھی اس کا مستقل احسان ہے۔

۹۷۔ روشنی دینے والا کون ہے؟ مثلاً سورج کو طلوع نہ ہونے دے۔ یا اس سے روشنی سلب کر لے تو اپنے کاروبار کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لا سکتے ہو۔

۹۸۔ یعنی یہ بات ایسی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آجائے۔ تو کیا تم سنتے بھی نہیں۔

۹۹۔ رات اور اس کا آرام کس نے بنایا؟ یعنی اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت و سکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کونسی طاقت کر سکتی ہے۔ کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی (تنبیہ) أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ إِنَّ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَمَدًا کے مناسب ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھنا عادتاً روشنی پر موقوف ہے جو دن میں پوری طرح ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں چونکہ دیکھنے کی صورت نہیں، ہاں سننا ممکن ہے اس لئے إِنَّ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَمَدًا کے ساتھ أَفَلَا تَسْمَعُونَ فرمانا ہی موزوں تھا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۔ یعنی رات دن کا الٹ پھیر کر تارہتا ہے تارات کی تاریکی اور فتنگی میں سکون و راحت بھی حاصل کرو اور دن کے اجالے میں کاروبار بھی جاری رکھ سکو۔ اور روز و شب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

۷۴۔ اور جس دن ان کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ

كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٤٣﴾

۷۵۔ اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتلانے والا [۱۰۱] پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند [۱۰۲] تب جان لیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی ان سے جو باتیں وہ جوڑتے تھے [۱۰۳]

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا

بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٤٤﴾

۱۰۱۔ احوال بتلانے والا پیغمبر یا ان کے نائب یا جو نیک بخت تھے۔ (موضح) وہ بتلائیں گے کہ لوگوں نے شرائع سماویہ اور احکام الہیہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔

۱۰۲۔ شرک کی دلیل کیا ہے: یعنی خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال و حرام وغیرہ کے احکام کس ماخذ صحیح سے لئے تھے پیغمبروں کو تو تم نے مانا نہیں، پھر کس نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے یہ نہیں۔

۱۰۳۔ آخرت میں کفار کو حق کا علم: یعنی اس وقت نظر آجائے گا کہ سچی بات اللہ کی ہے اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہ ہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں اس روز سب کا فوہو جائیں گی۔

۷۶۔ قارون جو تھا سوموسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا ان پر [۱۰۴] اور ہم نے دیے تھے اسکو خزانے اتنے کہ اسکی سنجیاں اٹھانے سے تھک جاتے کئی مرد زور آور [۱۰۵] جب کہا اس کو اسکی قوم نے اترامت اللہ کو نہیں بھاتے اترانے والے [۱۰۶]

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَ

اتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ

بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٤٦﴾

۷۷۔ اور جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے کمالے پچھلا گھر [۱۰۷] اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے [۱۰۸] اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے [۱۰۹]

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا

تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا

أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ط

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤٤﴾

۷۸۔ بولا یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے [۱۱۰] کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ غارت کر چکا ہے اس سے پہلے کتنی جماعتیں جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں زور اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع [۱۱۱] اور پوچھی نہ جائیں گنہگاروں سے ان کے گناہ [۱۱۲]

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۗ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآكْثَرُ جَعًا ۗ وَلَا يُسْأَلُ

عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٥﴾

۷۹۔ پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ طالب تھے دنیا کی زندگی کے اے کاش ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے قارون کو بیشک اسکی بڑی قسمت ہے [۱۱۳]

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۗ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَلِيْت لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٤٦﴾

۸۰۔ اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے انکے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا [۱۱۴] اور یہ بات انہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں [۱۱۵]

وَقَالَ الَّذِينَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلِكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٤٧﴾

۸۱۔ پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اسکے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت جو مدد کرتی اسکی اللہ کے سوائے اور نہ وہ خود مدد لاسکا [۱۱۶]

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ ۗ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ

الْمُنْتَصِرِينَ ﴿٤٨﴾

۸۲۔ اور فجر کو لگے کہنے جو کل شام آرزو کرتے تھے اس کا سادہ ارے خرابی یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے [۱۱۷] اگر نہ

وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَتَّبَعُوا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيَكَانَنَّ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ



احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو بھی دھنسا دیتا ہے خرابی یہ تو  
چھٹکارا نہیں پاتے منکر [۱۱۸]

وَيَقْدِرُ كَوَلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا

وَيَكَانَهُ لَا يُفْدِحُ الْكُفْرُونَ

۱۰۴۔ قارون کا عبرت آموز واقعہ: رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ بعدہ ذکر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم آخرت کے بیان ہوئے۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ کا چچا زاد بھائی تھا اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا، جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنا لیتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون کو چن لیا تھا۔ قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے، اور سرداری جاتی رہی۔ اس حسد و غیظ میں حضرت موسیٰ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تورات بہت پڑھتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مگر دل صاف نہ تھا۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی ان ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تونبی اور مذہبی سردار بن جائیں۔ مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰ نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ جو احکام لائے ہم تم نے برداشت کئے۔ مگر کیا تم یہ بھی برداشت کر لو گے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اس کی تائید میں کہا، نہیں، ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰ کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب موسیٰ زناء کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ ان کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری۔ جب حضرت موسیٰ نے اس کو شدید قسمیں دیں اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل ڈرا۔ تب اس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھ کو سکھایا تھا۔ اس وقت حضرت موسیٰ کی بددعا سے وہ مع اپنے گھر اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔

۱۰۵۔ قارون کے خزانے کی کنجیاں: بعض سلف نے "مفتاح" کی تفسیر خزانے سے کی ہے۔ یعنی اس قدر روپیہ تھا کہ طاقتور مردوں کی ایک جماعت بھی اسے مشکل سے اٹھا سکتی۔ لیکن اکثر مفسرین نے مفتاح کی تفسیر کنجیوں سے کی ہے۔ یعنی مال کے صندوق اتنے تھے جن کی کنجیاں اٹھاتے ہوئے کئی زور آور آدمی تھک جائیں۔ اور یہ چنداں مستبعد نہیں جیسا کہ بعض تفاسیر میں اسکی صورت بتلائی گئی ہے۔

۱۰۶۔ قارون کو نصیحت: "یعنی اس فانی و زائل دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں پریشہ کی برابر نہیں۔ اترانے کی مذمت: خوب سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اس مالک کو نہ بھائے اس کا نتیجہ بجز تباہی و ہلاکت کے کیا ہے۔

۱۰۷۔ مال کا صحیح مصرف: یعنی خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے۔ نہ یہ کہ غفلت کے نشہ میں چور ہو کر غرور و تکبر کی چال چلنے لگے۔

۱۰۸۔ یعنی حصہ موافق کھا، پہن اور زیادہ مال سے آخرت کما۔ اور مخلوق کے ساتھ سلوک کر۔

۱۰۹۔ یعنی حضرت موسیٰ کی ضد نہ کر، خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ۔ خواہ مخواہ ملک میں اودھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔

۱۱۰۔ یہ مال میرے ہنر کا نتیجہ ہے: یعنی میں ہنر مند تھا۔ کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ اپنی لیاقت و قابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت

حاصل ہوئی۔ اللہ نے بھی میری لیاقت کو دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یونہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے کہ موسیٰ کے حکم اور تمہارے مشورہ کے موافق خدا کے نام پر خرچ کر ڈالوں۔

۱۱۱۔ پچھلے اہل مال اور اہل قوت کا انجام: یعنی دولت کمانے کی لیاقت کس نے دی۔ افسوس ہے منعم حقیقی کو بھول کر اس کی دی ہوئی دولت و لیاقت پر غرہ کرنے لگا۔ کیا اسی دولت کو اس نے اپنی نجات کا ضامن تصور کر رکھا ہے۔ اسے معلوم نہیں کتنی جماعتیں اپنی شرارت و سرکشی کی بدولت پہلے تباہ کی جا چکی ہیں۔ جن کے پاس بادشاہتیں تھیں اور اس ملعون سے زیادہ خزانوں اور لشکروں کے مالک تھے۔ ان کا انجام سن کر اسے عبرت نہ ہوئی۔

۱۱۲۔ مجرموں سے گناہوں کی باز پرس کی ضرورت نہیں ہوگی: یعنی پوچھنے کی ضرورت کیا ہوگی اللہ کو ان کے گناہ ایک ایک کر کے معلوم ہیں فرشتوں کے ہاں سب لکھے ہیں، ہاں بطور توبیح و تفریح اگر کسی وقت سوال ہو وہ دوسری بات ہے۔ یا یہ گناہیہ گناہوں کی کثرت سے۔ یعنی اتنی تعداد میں ہوں گے کہ ایک ایک جزئی کی پوچھ پاجھ کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”پوچھے نہ جائیں گے گناہ، یعنی گنہگار کی سمجھ درست ہو تو گناہ کیوں کرے۔ جب سمجھ اٹھی پڑے تو الزام دینے سے کیا فائدہ کہ یہ برا کام کیوں کرتا ہے اس کی برائی نہیں سمجھتا۔“ (موضح)۔

۱۱۳۔ قارون کے مال پر دنیا داروں کا رشک: یعنی لباس فاخرہ پہن کر بہت سے خدم و حشم کے ساتھ بڑی شان و شکوہ اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ بیشک یہ بڑا ہی صاحب اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔

۱۱۴۔ اہل علم کی لوگوں کو نصیحت: یعنی سمجھ دار اور ذی علم لوگوں نے کہا کہ کم بخنحو! اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو ریت بچھے جاتے ہو مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض تیج اور لاشے ہے۔ اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

۱۱۵۔ یہ سمجھ صرف صابرین ہی کو ملتی ہے: یعنی دنیا سے آخرت کو بہتر وہ ہی جانتے ہیں جن سے محنت سہی جاتی ہے۔ اور بے صبر لوگ حرص کے مارے دنیا کی آرزو پر گرتے ہیں۔ نادان آدمی دنیا کی آسودگی دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس کی بڑی قسمت ہے اس کی شب و روز کی فکر و تشویش، درد سری اور آخرت کی ذلت کو اور سو جگہ خوشامد کرنے کو نہیں دیکھتا اور یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا میں کچھ آرام ہے تو دس بیس برس، اور مرنے کے بعد کانٹے ہیں ہزاروں برس۔ (موضح بتغییر لیسیر)۔

۱۱۶۔ قارون کا عبرتناک انجام: یعنی نہ کوئی دوسرا اپنی طرف سے مدد کو پہنچا، نہ یہ کسی کو بلا سکا۔ نہ اپنی ہی قوت کام آئی نہ دوسروں کی۔

۱۱۷۔ لوگوں کو عبرت: یعنی جو لوگ قارون کی ترقی و ترفع کو دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا عروج حاصل ہوتا، آج اس کا یہ برا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے کسی شخص کی دنیوی ترقی و عروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے ہاں وہ کچھ عزت و وجاہت رکھتا ہے۔ یہ چیز کسی بندے کے مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس پر مناسب جانے روزی کے دروازے کھول دے جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال و دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ سچ ہے۔

وَكَمْ جَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلَقَّاهُ مَرَزُوقًا

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَدَاهِبُهُ

هَذَا الَّذِي تَرَكَ الْاَوْهَامَ حَايِرَةً وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيَّ زَنْدِيغًا

۱۱۸۔ یعنی خدا تعالیٰ کا احسان ہے اس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا، ورنہ یہ ہی گت ہماری بنتی، اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے یلکیت لَنَامِثِلُنَّ مَا أُوتِيَ قَارُونُ کی آرزو کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا۔ اور نہ ہماری حرص پر سزا دی۔ بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار فرما دیا، اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال و زر کی ترقی سے حقیقی فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ناشکر گذار منکروں کے لئے عذاب الہی سے چھٹکارا نہیں۔

۸۳۔ وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی [۱۱۹]

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجَعَلَهَا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْيُدُوْنَ  
عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۗ وَالْعَاقِبَةُ

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۴۔ جو لیکر آیا بھلائی اس کو ملنا ہے اس سے بہتر [۱۲۰] اور جو کوئی لے کر آیا برائی سو برائیاں کرنے والے ان کو وہی سزا ملے گی جو کچھ کرتے تھے [۱۲۱]

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا ۗ وَمَنْ جَاءَ  
بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ اِلَّا

مَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

۱۱۹۔ آخرت متقین کیلئے ہے: یعنی قارون کی دولت کو نادانوں نے کہا کہ اس کی بڑی قسمت ہے بڑی قسمت یہ نہیں، آخرت کا ملنا بڑی قسمت ہے سو وہ ان کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ تواضع و انکساری اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش بجائے اپنی ذات کو اونچا رکھنے کے یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں حق کا بول بالا کریں اور اپنی قوم مسلم کو ابھارنے اور سر بلند کرنے میں پوری ہمت صرف کر ڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ دنیا خود ان کے قدم لیتی ہے۔ اب سوچ لو کہ دنیا کا مطلوب کیا دنیا کے طالب سے اچھا نہیں ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ لو! وہ سب سے زیادہ تارک الدنیا تھے۔ مگر متروک الدنیا نہ تھے۔ بہر حال مومن کا مقصد اصلی آخرت ہے۔ دنیا کا جو حصہ اس مقصد کا ذریعہ بنے وہ ہی مبارک ہے۔ ورنہ بیچ۔

۱۲۰۔ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا: یعنی جو بھلائی یہاں کرے گا اس سے کہیں بہتر بھلائی وہاں کی جائے گی۔ ایک نیکی کا جو مقتضی ہو گا کم از کم اس سے دس گنا ثواب پائے گا۔

۱۲۱۔ برائی کا بدلہ: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا، وہ یقیناً ملنا ہے۔ اور برائی پر برائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی کیونکہ ممکن ہے معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرما دیا کہ اپنے کئے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

۸۵۔ جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھر لانے والا ہے

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ اِلَى مَعَادٍ

تجھ کو پہلی جگہ [۱۳۲] تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے کون لایا ہے راہ کی سوجھ اور کون پڑا ہے صریح گمراہی میں [۱۳۳]

قُلْ رَبِّيَ أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي

ضَلِيلٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾

۸۶۔ اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر مہربانی سے تیرے رب کی [۱۳۴] سو تو مت ہو مددگار کافروں کا [۱۳۵]

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْفَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً  
مِّنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾

۸۷۔ اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے بعد اس کے کہ اتر چکے تیری طرف اور بلا اپنے رب کی طرف اور مت ہو شریک والوں میں [۱۳۶]

وَلَا يَصُدُّنَكَ عَنْ آيَةِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ  
وَأَدْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾

۸۸۔ اور مت پکار اللہ کے سوائے دوسرا حکم [۱۳۷] کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ [۱۳۸] اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے [۱۳۹]

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ  
شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۗ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ

تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

۱۲۲۔ ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی: پہلے فرمایا تھا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ کہ انجام بھلا پرہیزگاروں کا ہے۔ یعنی آخرت میں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ اب بتلاتے ہیں کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی کی ہوتی ہے۔ دیکھو آج کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر تم کو مکہ چھوڑنا پڑا ہے، مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یہ آیت اتری ہجرت کے وقت، یہ تسلی فرمادی کہ پھر مکہ میں آؤ گے سو خوب طرح آئے پورے غالب ہو کر۔“ بعض مفسرین نے ”معاد“ سے مراد موت لی ہے بعض نے آخرت بعض نے جنت بعض نے سر زمین شام جہاں پہلے ایک مرتبہ آپ شب معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ان اقوال میں بہت عمیق و لطیف تطبیق دی۔ یعنی ”معاد“ سے مراد اس جگہ مکہ معظمہ ہے۔ (کمانی البخاری) مگر فتح مکہ علامت تھی قرب اجل کی جیسا کہ ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہما نے إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ آگے اجل کے بعد ”حشر“ حشر کے بعد ”آخرت“ کی انتہائی منزل جنت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اول آپ کو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر لائے گا مکہ میں، اس کے چند روز بعد اجل واقع ہوگی، پھر ارض شام کی طرف حشر ہوگا (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پھر آخرت میں بڑی شان و شکوہ سے تشریف لائیں گے اور اخیر میں جنت کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لئے پہنچ جائیں گے۔

۱۲۳۔ یعنی حق تعالیٰ میری ہدایت اور مکذبین و معاندین کی گمراہی کو خوب جانتا ہے۔ یقیناً وہ ہر ایک کے ساتھ ان کے احوال کے موافق معاملہ کرے گا۔ نہیں ہو سکتا کہ میری کوششوں کو ضائع کر دے، یا گمراہوں کو روانہ کرے۔

۱۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول اللہ کی رحمت سے ہے: یعنی آپ پہلے سے کچھ پیغمبری کے انتظار میں نہ تھے، محض رحمت و موہبت الہیہ ہے جو حق تعالیٰ نے پیغمبری اور وحی سے سرفراز فرمایا۔ وہ ہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے گا۔ لہذا اسی کی امداد پر ہمیشہ بھروسہ رکھئے۔

۱۲۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھ جنہوں نے تجھ سے یہ بدی کی (کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا) اب جو تیرا ساتھ دے وہ ہی اپنا ہے۔

۱۲۶۔ یعنی دین کے کام میں اپنی قوم کی خاطر اور رعایت نہ کیجئے اور نہ آپ کو ان میں گننے گو کہ اپنے قرابت دار ہوں۔ ہاں ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے اور خدا کے احکام پر جے رہئے۔

۱۲۷۔ یہ آپ کو خطاب کر کے دوسروں کو سنایا۔ اوپر کی آیتوں میں بھی بعض مفسرین ایسا ہی لکھتے ہیں۔

۱۲۸۔ ہر شے فانی ہے سوائے اللہ کے: یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تقریباً تمام چیزوں کو فنا ہونا ہے، خواہ کبھی ہو۔ مگر اس کا منہ یعنی وہ آپ کبھی معدوم تھا، نہ کبھی فنا ہو سکتا ہے۔ سچ ہے اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ۔ قال تعالى كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اور بعض سلف نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ سارے کام مٹ جانے والے اور فنا ہو جانے والے ہیں بجز اس کام کے جو خالصاً لوجه اللہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲۹۔ سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے: یعنی سب کو اس کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا۔ سورۃ و ظاہراً بھی کسی کا حکم و اقتدار باقی نہ رہے گا۔ اے اللہ اس وقت اس گنہگار بندہ پر رحم فرمائے اور اپنے غضب سے پناہ دیجئے۔

تم سورۃ القصص واللہ الحمد والمیز۔

آیاتها ۶۹

رکوعاتها

۲۹ سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ الم۔

الْم ﴿۱﴾

۲۔ کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے [۱]

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ

لَا يُفْتَنُونَ ﴿۲﴾

۳۔ اور ہم نے جانچا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے [۲] سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو [۳]

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ

الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ ﴿۳﴾

۴۔ کیا یہ سمجھتے ہیں جو لوگ کہہ کرتے ہیں برائیاں کہ ہم سے سچ جائیں بری بات طے کرتے ہیں [۴]

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ

يَسْبِقُونَا ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۴﴾

۵۔ جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا [۵]

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ

وَهُوَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ ﴿۵﴾

۶۔ اور جو کوئی محنت اٹھائے سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے اللہ کو پروا نہیں جہاں والوں کی [۶]

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾

۷۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ہم اتار دیں گے ان پر سے برائیاں ان کی اور بدلا دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا [۷]

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ

عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي

## كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۰﴾

۱۔ ہر مومن کا امتحان کیا جاتا ہے: یعنی زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنا کچھ سہل نہیں جو دعویٰ کرے امتحان وابتلا کے لئے تیار ہو جائے یہ ہی کسوٹی ہے جس پر کھرا کھوٹا کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے، ان کے بعد صالحین کا، پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ نیز امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے۔ جس قدر کوئی شخص دین میں مضبوط اور سخت ہو گا اسی قدر امتحان میں سختی کی جائے گی۔

۲۔ بچھلے لوگوں کیلئے امتحان و آزمائش: یعنی پہلے نبیوں کے متبعین بڑے بڑے سخت امتحانوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں فریاد کی کہ حضرت! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے اور دعا فرمائیے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر سختی اور ظلم و ستم کی انتہا کر رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر (کھڑا) گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے سر پر آہ چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چڑھا اور گوشت ادھیڑ دیا جاتا تھا۔ تاہم یہ سختیاں انکو دین سے نہ ہٹا سکیں۔

۳۔ دعویٰ ایمان میں سچ اور جھوٹ کی تمیز: یعنی اللہ تعالیٰ علانیہ ظاہر کر دے گا اور دیکھ لے گا کہ دعویٰ ایمان میں کون سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا، اسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔ (تنبیہ) فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الْحَقَّ مِنْ حُدُوثِ عِلْمِ بَارِي كَاوْهَمُ هُو تَا هِي اس کا نہایت محققانہ جواب مترجم علام قدس سرہ نے دیا ہے۔ ملاحظہ کیا جائے پارہ دوم رکوع اول إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ (البقرہ۔ ۱۲۳) کے تحت میں۔ ہم نے یہاں ان توجیہات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو مفسرین نے لکھی ہیں۔

۴۔ برائی کرنے والے اللہ سے نہیں بچ سکتے: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”پہلی دو آیتیں مسلمانوں کے متعلق تھیں جو کافروں کی ایذاؤں میں گرفتار تھے، اور یہ آیت ان کافروں سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو ستا رہے تھے۔“ (موضح) یعنی مومنین کے امتحانات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور سختیوں سے بچے رہیں گے، وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جو سخت ترین سزا ان کو ملنے والی ہے اس کے سامنے مسلمانوں کے امتحان کی سختی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی اگر اس وقت کی عارضی مہلت سے انہوں نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور سزا دہی کے وقت خدا کے ہاتھ نہ آئیں گے؟ تو حقیقت میں بہت ہی بری بات طے کی ایسا احقانہ فیصلہ آنے والی مصیبت کو روک نہیں سکتا۔

۵۔ مومنوں کا وعدہ بہت قریب ہے: یعنی جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں بات بات پر پکڑ ہوگی۔ ناکامیاب ہو تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں ڈھل جائیں گی اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہو گا۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی اللہ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے، کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔

۶۔ انسان کی طاعت و عبادت اسی کیلئے ہے: یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان۔ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی اطاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اس کا پھل دنیا و آخرت میں اسی کو ملے گا۔ پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے رستہ میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ (العیاذ باللہ) اس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدے کے لئے طاعت و ریاضت کی توفیق بخشنے۔

من نکر دم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جو دے کنم

۷۔ ایمان اور عمل صالح کی برکت: یعنی جہان سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت و شفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی ایمان کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی“ (موضح القرآن)۔

۸۔ اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں [۸] تو انکا کہنا مت مان [۹] مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں بتلا دوں گا تمکو جو کچھ تم کرتے تھے [۱۰]

وَصَيِّنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۗ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾

۹۔ اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں [۱۱]

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿۹﴾

۸۔ ماں باپ سے حسن سلوک: یعنی تمام کائنات میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو خدا کی شریک ہو سکے۔ پھر اس کی خبر کسی کو کہاں سے ہوتی۔ جو لوگ شرکاء ٹھہراتے ہیں محض جاہلانہ اوہام اور بے سند خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ واقع کی خبر انہیں کچھ بھی نہیں۔

۹۔ معصیت میں ماں باپ کی اطاعت کی ممانعت: دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں۔ پر اللہ کا حق ان سے زیادہ ہے ان کی خاطر دین نہ چھوڑے (موضح) حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی والدہ نے جو مشرک تھی بیٹے کے اسلام کی خبر سن کر عہد کیا کہ دانہ پانی کچھ نہ چکھوں گی نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی تا وقتیکہ سعد (معاذ اللہ) اسلام سے نہ پھر جائے۔ چنانچہ کھانا پینا ترک کر دیا اور بالکل نڈھال ہو گئی۔ لوگ زبردستی منہ چیز کر کھانا پانی دیتے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ گویا بتلا دیا کہ والدین کا اس طرح خلاف حق پر مجبور کرنا یہ بھی ایک ابتلاء و امتحان ہے، چاہئے کہ مومن کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہو۔

۱۰۔ یعنی سب کو عدالت میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی، اور کون حق پر تھا۔

۱۱۔ نیک اولاد کا انعام: یعنی جو اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود بھی ایمان اور نیکی کی راہ پر قائم رہے حق تعالیٰ ان کا حشر اپنے خاص نیک بندوں میں کرے گا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں یعنی اولاد نے اگر ناحق بات میں والدین کا کہنا مانا اور والدین ناحق پر قائم رہے تو اولاد کا حشر صالحین کے زمرہ میں ہوگا، ان والدین کے زمرہ میں نہ ہوگا۔ گو طبعی و نسبی تعلقات کی بنا پر وہ اس سے سب سے زیادہ قریب تھے۔ معلوم ہوا اَلْكَذِبُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ میں حب دینی مراد ہے، حب طبعی مراد نہیں۔

۱۰۔ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر پھر جب اس کو ایذا پہنچے اللہ کی راہ میں کرنے لگے لوگوں کے ستانے کو برابر اللہ کے عذاب کے [۱۲] اور اگر آپہنچے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۗ وَلَئِنْ



مدد تیرے رب کی طرف سے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں [۱۳] کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہان والوں کے [۱۴]

جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۗ  
لَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور البتہ معلوم کرے گا اللہ ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جو لوگ دغا باز ہیں [۱۵]

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَيَعْلَمَنَّ  
الْمُنْفِقِينَ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو تم چلو ہماری راہ اور ہم اٹھالیں تمہارے گناہ [۱۶] اور وہ کچھ نہ اٹھائیں گے ان کے گناہ بیشک وہ جھوٹے ہیں

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا  
سَبِيلَنَا وَ لَنَحْبِلْ خَطِيئَتَكُمْ ۗ وَمَا هُم بِحٰدِلِينَ  
مِّنْ خَطِيئَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۗ إِنَّهُمْ لَكَٰذِبُونَ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے [۱۷] اور البتہ ان سے پوچھ ہو گی قیامت کے دن جو باتیں کہ جھوٹ بناتے تھے [۱۸]

وَلَيَحْبِلَنَّ أَثْقَالُهُمْ وَ أَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۗ  
لَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳﴾

۱۲۔ ضعیف الایمان لوگوں کی حالت: یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے اپنے آپ کو مومن کہتے تھے۔ مگر دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا۔ ان کو جہاں اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچی یا دین کی وجہ سے لوگوں نے ستایا تو اس آزمائش کو خدائی عذاب سمجھنے لگے۔ جس طرح آدمی عذاب الہی سے گھبرا کر جان بچانا چاہتا ہے اور اپنے دعووں سے دست بردار ہونے لگتا ہے اور ناچار اعتراف کرتا ہے کہ میں غلطی پر تھا، یہ ہی حال ان ضعیفاء القلوب کا ہے۔ جہاں دین کے معاملہ میں کوئی سختی پہنچی بس گھبرا کر دعوے ایمان سے دست بردار ہونا شروع کر دیا اور زبان سے یا عمل سے گویا اقرار کرنے لگے کہ ہم اس دعوے میں غلطی پر تھے۔ یا ایسا دعویٰ کیا ہی نہ تھا۔

۱۳۔ یعنی اگر مسلمانوں کی کوئی کامیابی اور عروج دیکھیں تو باتیں بنانے لگیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔ خصوصاً اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور فرض کیجئے یہ لوگ کفار کا ساتھ دیتے ہوئے ان کے ہاتھ میں قید ہو جائیں، پھر تونفاق و تملق کی کوئی حد نہ رہے۔

۱۴۔ اللہ دلوں کے حال جانتا ہے: یعنی جیسے کچھ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعوے کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں؟

۱۵۔ اعمال سے مومن و منافق کی پہچان: یعنی معلوم تو اسے پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ لے گا کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغا باز منافق ہے (تنبیہ) اس قسم کے مواضع میں لَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ کے معنی لَيُبَيِّنَنَّ اللَّهُ کے لینا ابن عباس سے منقول ہے کافی تفسیر ابن کثیرؒ

۱۶۔ یعنی مسلمان کو چاہئے ایمان پر مضبوط رہے، نہ کوئی تکلیف و ایذا ہی اس کو طریق استقامت سے ہٹا سکے اور نہ کفار کی احمقانہ استمالات سے متاثر ہو۔ مثلاً کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آلو اور ہماری راہ پر چلو، تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو۔ اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھالیں گے اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے۔ کما قال الشاعر تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر۔

۱۷۔ مسلمانوں کے اعمال کی جھوٹی ذمہ داری: یعنی جھوٹے ہیں۔ تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ ہاں اپنا بوجھ بھاری کر رہے ہیں۔ ایک تو ان کے ذاتی گناہوں کا بار تھا، اب دوسروں کے اغواء و اضلال کے بار نے اس میں مزید اضافہ کر دیا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”کوئی چاہے کہ رفاقت کر کے کسی کے گناہ اپنے اوپر لے لے، یہ نہیں ہو گا۔ مگر جس کو گمراہ کیا اور اسکے بہکائے سے اس نے گناہ کیا، وہ گناہ اس پر بھی اور اس پر بھی ”(موضح) جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں جو کوئی کسی کو (ناحق) قتل کرے، اس کے گناہ کا حصہ آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کو پہنچتا ہے۔ جس نے اول یہ بری راہ نکالی۔

۱۸۔ یعنی جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں کہ ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے، یہ خود مستقل گناہ ہے جس پر ماخوذ ہوں گے۔ آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغواء اور شرارت کرتے رہے ہیں اور سچوں کو مدتوں تک امتحان و ابتلاء کے دور میں سے گذرنا پڑا ہے مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا، منکر اور شریر لوگ خائب و خاسر رہے سچے کامیاب و سر بلند ہوئے۔ اشقیاء کے تمام مکائد تار عنکبوت سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔

۱۴۔ اور ہم نے بھیجنا نوح کو اس کی قوم کے پاس پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس برس کم [۱۹] پھر پکڑا ان کو طوفان نے اور وہ گنہگار تھے [۲۰]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَ

هُم ظَالِمُونَ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور جہاز والوں کو [۲۱] اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہاں والوں کے واسطے [۲۲]

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً

لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ اور ابراہیم کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور ڈرتے رہو اس سے یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ

ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوائے یہ بتوں کے تھان اور

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ

بناتے ہو جھوٹی باتیں [۲۳] بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے وہ مالک نہیں تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو اسی کی طرف پھر جاؤ گے [۲۴]

إِنَّا كُنَّا نَعْبُدُكَ يَا رَبَّنَا فَابْتَعْنَاكَ وَاللَّهِ لَا

يُدْرِي مَا كُنَّا نَعْبُدُكَ إِلَّا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا وَأُمَّهَاتُنَا وَكُلُّ مَنزِلٍ

عَبْدُوكَ وَأَشْكُرُوكَ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٤﴾

۱۸۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرتے تم سے پہلے اور رسول کا ذمہ تو بس یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر [۲۵]

وَأَنَّ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا

عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْبَيِّنُ ﴿١٥﴾

۱۹۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال: ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت نوح چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ اور سعی و اصلاح میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا، طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔

۲۰۔ یعنی جب گناہوں اور شرارتوں سے باز نہ آئے تو طوفان سے سب کو گھیر لیا۔ بجز چند نفوس کے سب ہلاک ہو گئے۔

۲۱۔ یعنی جو آدمی یا جانور جہاز پر سوار تھے ان کو نوح کی معیت میں ہم نے محفوظ رکھا۔ سورہ "ہود" میں یہ قصہ مفصل گزر چکا۔

۲۲۔ کشتی نوح علیہ السلام نشان عبرت ہے: کہتے ہیں حضرت نوح کا جہاز مدت دراز تک "جودی" پر لگا رہا۔ تادیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے جسے دیکھ کر سفینہ نوح کی یاد تازہ ہوتی اور قدرت الہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ یا شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جس وقت یہ سورہ اتری ہے۔ حضرت کے بہت سے اصحاب کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آکر جہاز پر سوار ہو کر ملک حبشہ کی طرف گئے تھے جب حضرت مدینہ ہجرت کر آئے تب وہ جہاز والے صحابہ بھی سلامتی سے آئے" (موضح بتیغیر لیسیر) گویا نوح و سفینہ نوح کی تاریخ اس رنگ میں دہرائی گئی۔

۲۳۔ جھوٹے ادھام کی پیروی: یعنی جھوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھوٹے خیالات و ادھام کی پیروی کرتے ہو، چنانچہ اپنے ہاتھوں سے یہ بت بنا کر کھڑے کر لئے ہیں جنہیں جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔

۲۴۔ روزی اللہ کے پاس ہے: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "اکثر خلق روزی کے پیچھے ایمان دیتی ہے۔ سو جان رکھو کہ اللہ کے سوا روزی کوئی نہیں دیتا وہ ہی دیتا ہے اپنی خوشی کے موافق"۔ لہذا اس کے شکر گزار بنو اور اسی کی بندگی کرو۔ وہیں تم کو لوٹ کر جانا ہے، آخر اس وقت کیا منہ دکھاؤ گے۔

۲۵۔ رسول کے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے: یعنی جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا، میں صاف صاف تبلیغ و نصیحت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا، بھلا برا سمجھا چکا، نہ مانو گے نقصان اٹھاؤ گے جیسے "عاد" و "ثمود" وغیرہ تم سے پہلے اٹھا چکے ہیں۔

۱۹۔ کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ پیداؤں کو پھر اس کو دہرائے گا [۲۶] یہ اللہ پر آسان ہے [۲۷]

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٦﴾

۲۰۔ تو کہہ ملک میں پھر و پھر دیکھو کیونکر شروع کیا ہے  
پیدائش کو پھر اللہ اٹھائے گا پچھلا اٹھان [۲۸] بیشک اللہ ہر  
چیز کر سکتا ہے

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ  
ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ دکھ دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس پر  
چاہے [۲۹] اور اسی کی طرف پھر جاوے گا

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ  
تُقَلَّبُونَ ﴿۲۱﴾

۲۲۔ اور تم عاجز کرنے والے نہیں زمین میں اور نہ  
آسمان میں اور کوئی نہیں تمہارا اللہ سے ورے حمایتی اور نہ  
مددگار [۳۰]

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ  
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے  
ملنے سے وہ ناامید ہوئے میری رحمت سے [۳۱] اور ان کے  
لیے دردناک عذاب ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكْسِبُونَ  
مِن رَّحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾

۲۶۔ اپنی ذات میں غور کرو: یعنی خود اپنی ذات میں غور کرو، پہلے تم کچھ نہ تھے، اللہ نے تم کو پیدا کیا، اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر  
دے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”شروع تو دیکھتے ہو، دھرا انا اسی سے سمجھ لو۔“

۲۷۔ یعنی اللہ کے نزدیک تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے کہ جس نے بدون نمونہ کے اول ایک چیز کو بنایا، نمونہ قائم  
ہونے کے بعد بنانا تو اور زیادہ آسان ہونا چاہئے۔

۲۸۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو: یعنی اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو۔ اور چل پھر کر دیکھو کہ کیسی کیسی مخلوق  
خدا نے پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کر لو۔ اس کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہوگی۔

۲۹۔ یعنی دوبارہ پیدا کر کے جسے اپنی حکمت کے موافق چاہے گا سزا دے گا۔ اور جس پر چاہے گا اپنے فضل و کرم سے مہربانی فرمائے گا۔

۳۰۔ خدا کے مجرم کیلئے کوئی پناہ نہیں: یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے وہ زمین کے سوراخوں میں گھس کر سزا سے بچ سکتا ہے نہ آسمان میں اڑ  
کر، کوئی بلندی یا پستی خدا کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتی نہ کوئی طاقت اسکی حمایت اور مدد کو پہنچ سکتی ہے۔

۳۱۔ یعنی جنہوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کر دیا اور اس س ملنے کی امید نہیں رکھی (کیونکہ وہ بعثت بعد الموت کے قائل ہی نہ ہوئے) انہیں  
رحمت الہی کی امید کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہذا وہ آخرت میں بھی محروم و مایوس ہی رہیں گے۔ یہ گویا مَن كَانَ يَدْعُو لِلْعَذَابِ اللَّهُ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لِذَلِكَ  
عَكْسٌ هُوَ۔

۲۴۔ پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلا دو [۳۲] پھر اس کو بچا دیا اللہ نے آگ سے [۳۳] اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لاتے ہیں [۳۴]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور ابراہیم بولا [۳۵] جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوائے بتوں کے تھان سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگانی میں [۳۶] پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور لعنت کرو گے ایک کو ایک [۳۷] اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار [۳۸]

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَ يَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَ مَاؤُسُكُمْ النَّارُ وَمَالِكُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ پھر مان لیا اس کو لوط نے اور وہ بولا میں تو وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کی طرف بیشک وہی ہے زبردست حکمت والا [۳۹]

فَأَمِّنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور دیا ہم نے اس کو اسحق اور یعقوب [۴۰] اور رکھ دی اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب [۴۱] اور دیا ہم نے اس کو اس کا ثواب دنیا میں اور وہ آخرت میں البتہ نیکیوں سے ہے [۴۲]

وَ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَ جَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتَابَ وَ اتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَ إِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

۳۲: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زندہ جلانے کا فیصلہ: یعنی ابراہیم کی تمام معقول باتیں اور دلائل و براہین سن کر جب ان کے ہم قوم جواب سے عاجز ہوئے تو قوت کے استعمال پر اتر آئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ یا تو قتل کر کے ایک دم ان کا قصہ ہی تمام کر دو اور یا آگ میں جلاؤ۔ شاید تکلیف محسوس کر کے اپنی باتوں سے باز آجائے تو نکال لیں گے ورنہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔

۳۳۔ یعنی انہوں نے مشورہ کر کے آگ میں ڈال دیا، مگر حق تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا۔ جیسا کہ سورہ ”انبیاء“ میں مفصلاً گزر چکا ہے۔

۳۴۔ یعنی اس واقعہ سے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے بندوں کو کس طرح بچا لیتا ہے اور مخالفین حق کو کس طرح خائب و خاسر کرتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تاثیر اس کے حکم سے ہے جب حکم نہ ہو تو آگ جیسی چیز جلا نہیں سکتی۔

۳۵۔ یعنی آگ سے نکل کر پھر نصیحت شروع کر دی۔

۳۶۔ بت پرستی کی اصل غرض و غایت: یعنی بت پرستی کو کون عقلمند جائز رکھ سکتا ہے، بت پرست بھی دل میں جانتے ہیں کہ یہ نہایت مہمل حرکت ہے۔ مگر شیرازہ قومی کو جمع رکھنے کے لیے ایک مذہب ٹھہرا لیا ہے کہ اس کے نام پر تمام قوم متحد و متفق رہے اور ایک دوسرے کے دوست بنے رہیں جیسا کہ آج کل ہم یورپ کی عیسائی قوموں کا حال دیکھتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ بت پرستی کا شیوع و رواج اس بناء پر نہیں ہوا کہ وہ کوئی معقول چیز ہے بلکہ اندھی تقلید، قومی مروت و لحاظ اور تعلقات باہمی کا دباؤ اس کا بڑا سبب ہے یا یہ غرض ہو کہ بت پرستی کی اصل جڑ آپس کی محبت اور دوستی تھی۔ ایک قوم میں کچھ نیک آدمی جنہیں لوگ محبوب رکھتے تھے انتقال کر گئے، لوگوں نے جوش محبت میں ان کی تصویریں بنا کر بطور یادگار رکھ لیں پھر تصویروں کی تعظیم کرنے لگے وہی تعظیم بڑھتے بڑھتے عبادت بن گئی۔ یہ سب احتمالات آیت میں مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ اور ممکن ہے مَوَدَّةً بَيْنَكُمْ سے بت پرستوں کی اپنے بتوں سے جو محبت ہے وہ مراد ہو جیسا کہ دوسری جگہ اَنْذَا اِذَا يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۳۷۔ آخرت میں مشرکین اور شرکاء کی ایک دوسرے پر لعنت: یعنی یہ سب دوستیاں اور محبتیں چند روزہ ہیں۔ قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بنو گے اور بعض بعض کو لعنت کرو گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی وہ شیطان جن کے نام کے تھان ہیں اللہ کے روبرو منکر ہوں گے کہ ہم نے نہیں کہا کہ ہم کو پوجو۔ تب یہ پوجنے والے ان کو لعنت کریں گے کہ ہماری نذر و نیاز لے کر وقت پر پھر گئے۔“ (موضح)۔

۳۸۔ جو دوزخ کی آگ سے تم کو بچالے، جیسے میرے پروردگار نے تمہاری آگ سے مجھ کو بچا لیا۔

۳۹۔ حضرت لوط علیہ السلام کا ایمان اور ہجرت: ”حضرت لوط حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے کسی مرد نے نہ مانا۔ البتہ لوط نے فوراً بلا توقف تصدیق کی۔ دونوں کا وطن ”عراق“ میں شہر بابل تھا۔ خدا کے توکل پر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اللہ نے ملک شام میں پہنچا کر بسایا۔ (تنبیہ) وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلَيْهِمْ فِيْ دِيَارِهِمْ لِيُؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ مِمَّا يَشَاءُ وَيُؤْتِيَ مَا يَشَاءُ اللّٰهُ يُغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ“ (موضح)۔

۴۰۔ یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا دیا۔ جن کی نسل ”بنی اسرائیل“ کہلاتی ہے۔

۴۱۔ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں دائی نبوت: یعنی ابراہیمؑ کے بعد بجز ان کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی و پیغمبری نہ دی جائے گی۔ چنانچہ جس قدر انبیاء ان کے بعد تشریف لائے ان ہی کی ذریت سے تھے۔ اسی لئے ان کو ”ابوالانبیاء“ کہا جاتا ہے۔

۴۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دنیا اور آخرت کے انعامات: یعنی دنیا میں حق تعالیٰ نے مال، اولاد، عزت اور ہمیشہ کا نام نیک دیا، اور ملک شام ہمیشہ کے لئے ان کی اولاد کو بخشا۔ (کذا فی الموضح) اور آخرت میں اعلیٰ درجہ کے صالحین کی جماعت میں (جو انبیاء اولوالعزم کی جماعت ہے) شامل رکھا۔

۲۸۔ اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو بیچائی کے کام پر تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے جہان میں [۳۴]

وَلَوْ طَا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفٰحِشَةَ

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر اور راہ مارتے ہو [۳۴] اور کرتے ہو اپنی مجلس میں برا کام [۳۵] پھر کچھ جواب نہ تھا

اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے لے آہم پر عذاب اللہ کا اگر

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۗ وَ

تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْبُنٰكِمَ ط فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِۦ

تو ہے سچا [۳۶]

إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ

الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ بولا اے رب میری مدد کر ان شریر لوگوں پر [۳۷]

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اور جب بچے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے ہم کو غارت کرنا ہے اس بستی والوں کو بیشک اس کے لوگ ہو رہے ہیں گنہگار [۳۸]

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا

ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾

۳۲۔ بولا اس میں تو لوط بھی ہے [۳۹] وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے ہم بچالیں گے اسکو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہے گی رہ جانے والوں میں [۴۰]

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِبَنِّ فِيهَا  
لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ

الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾

۳۳۔ اور جب بچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس ناخوش ہوا ان کو دیکھ کر اور تنگ ہو ادل میں [۴۱] اور وہ بولے مت ڈر اور غم نہ کھا ہم بچائیں گے تجھ کو اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری رہے گی رہ جانے والوں میں

وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَاءَ بِهِمْ وَضَاقَ  
بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنْجُوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ

الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ ہم کو اتارنی ہے اس بستی والوں پر ایک آفت آسمان سے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہو رہے تھے [۴۲]

إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ

السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾

۳۵۔ اور چھوڑ رکھا ہم نے اس کا نشان نظر آتا ہوا سمجھ دار لوگوں کے واسطے [۴۳]

وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾

۴۳- حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو نصیحت: یعنی یہ فعل شنیع تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ فطرت انسانی اس سے نفور ہے۔ ایسے خلاف فطرت و شریعت کام کی بنیاد تم نے ڈالی۔

۴۴- راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زنی ہو، یہ بھی ان میں رائج ہوگی، یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اس طرف ہو کر نہ نکلیں۔ یَاتَقَطُّعُونَ السَّبِيلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر توالد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔

۴۵- قوم کی علانیہ بیچمیائی: شاید یہ ہی بدکاری علانیہ لوگوں کے سامنے کرتے ہوں گے اس بات کی شرم بھی نہ رہی تھی یا کچھ اور ٹھٹھے اور چھیڑ اور بے شرمی کی باتیں کرتے ہوں گے۔

۴۶- حضرت لوط علیہ السلام سے قوم کا استہزاء: یعنی اگر تم سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آئیے۔ دوسری جگہ فرمایا وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ (اعراف

۸۲) یعنی ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک بنا چاہتے ہیں۔ شاید قوم میں سے بعض نے یہ بعض نے وہ جواب دیا ہو گا۔ یا ایک وقت میں ایک بات اور دوسرے میں دوسری کہی ہوگی۔ مثلاً اول عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا، پھر آخری فیصلہ یہ ہو گا کہ انہیں بستی سے نکال دیا جائے۔ بہر حال ثابت ہو گیا کہ وہ قوم نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی تھی بلکہ اس کو جاری رکھنے پر اس قدر اصرار تھا کہ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہو گئے۔ ان کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی تھیں کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ دلوں میں باقی نہ رہا تھا، عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے تھے اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ تھے۔ جرم کی یہ ہی نوعیت ان کے ہلاک کرنے کے لئے کافی تھی۔ اور اگر اس کے ساتھ توحید کے بھی قائل نہ تھے تو، ”کڑوا کر یلانیم چڑھا“ سمجھیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی دعوت حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے مشتہر ہو کر پہنچ چکی ہوگی۔ اس لئے لوط خاص اسی فعل شنیع سے روکنے پر مامور ہوئے اور ممکن ہے انہوں نے توحید وغیرہ کی دعوت بھی دی ہو۔ مگر اس کو یہاں نقل نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۴۷- حضرت لوط علیہ السلام کی بددعا: یہ ان کی طرف سے مایوس ہو کر فرمایا، شاید سمجھ گئے ہوں گے کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی درست ہونے والی نہیں۔ وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔ جیسے نوحؑ نے فرمایا تَهَا إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح ۲۷) کذا قال النیشابوری فی تفسیرہ۔

۴۸- بشارت اور عذاب لانے والے فرشتے: لوط کی دعا پر فرشتوں کو اس بستی کے تباہ کرنے کا حکم ہوا۔ فرشتے اول حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچے، ان کو بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت سنائی اور اطلاع دی کہ ہم اس بستی (سدم) کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ کسی طرح اپنی حرکات شنیعہ سے باز نہیں آئے اور ان واقعات کی تفصیل سورہ اعراف ہود اور حجر وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ (تنبیہ) شاید ہلاکت کی خبر کے ساتھ بیٹے کی بشارت دینے کا مطلب یہ ہو کہ ایک قوم سے اگر خدا کی زمین خالی کی جانے والی ہے تو دوسری طرف حق تعالیٰ ایک عظیم الشان قوم “بنی اسرائیل” کی بنیاد ڈالنے والا ہے۔ نبی علیہ السلام النیشابوری فی تفسیرہ۔

۴۹- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں اندیشہ: یعنی کیا لوط کی موجودگی میں بستی کو تباہ کیا جائے گا؟ یا انہیں وہاں سے علیحدہ کر کے تعذیب کی کارروائی عمل میں لائی جائے گی؟ غالباً حضرت ابراہیمؑ کو ازراہ شفقت خیال آیا کہ اگر لوط کی آنکھوں کے



سامنے یہ آفت نازل ہوئی تو عجب نہیں کہ عذاب کا ہولناک منظر دیکھنے سے وحشت اور گھبراہٹ ہو۔ فرشتوں نے اپنے کلام میں کوئی استثناء کیا نہ تھا۔ اس سے ان کے ذہن میں یہ بھی شق آئی ہوگی کہ لوٹ کی موجودگی میں کارروائی کریں گے۔ واللہ اعلم۔

۵۰۔ فرشتوں کا جواب: یعنی فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں اور جو ان میں خدا کے مجرم ہیں تنہا لوٹ نہیں، بلکہ اس کے گھر والوں کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ سب کو عذاب کے موقع سے علیحدہ کر لیں گے صرف اس کی ایک عورت وہاں رہ جائے گی۔ کیونکہ اس پر بھی عذاب آتا ہے۔

۵۱۔ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان فرشتے: فرشتے نہایت حسین و جمیل مردوں کی شکل میں وہاں پہنچے حضرت لوط نے اول پہچانا نہیں بہت متکدل اور ناخوش ہوئے کہ اب ان مہمانوں کی عزت قوم کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں گا۔ اگر اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں تو اخلاق و مروت اور مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ ٹھہراتا ہوں تو اس بدکار قوم سے آبرو کس طرح محفوظ رہے گی۔

۵۲۔ یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈریئے مت، یہ کچھ نہیں کر سکتی اور ہمارے بچاؤ کے لئے نمگین نہ ہوں ہم آدمی نہیں، فرشتے ہیں، جو تجھ کو اور تیرے ہم مشرب گھر والوں کو بچا کر اس قوم کو غارت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ گذر چکا۔

۵۳۔ قوم لوط علیہ السلام کی تباہی کے نشانات: یعنی ان کی اٹی ہوئی بستیوں کے نشان مکہ والوں کو ملک شام کے سفر میں دکھائی دیتے تھے۔

۳۶۔ اور بھیجا مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو پھر بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن کی [۵۴] اور مت پھر زمین میں خرابی مچاتے [۵۵]

وَ اِلٰی مَدْيَنَ اٰخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْتَوْا فِي

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ پھر اس کو جھٹلایا تو پکڑ لیا انکو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

فَكَذَّبُوهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِي

دَارِهِمْ جٰثِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور ہلاک کیا عاد کو اور ثمود کو اور تم پر حال کھل چکا ہے ان کے گھروں سے [۵۶] اور فریفتہ کیا انکو شیطان نے ان کے کاموں پر پھر روک دیا ان کو راہ سے اور تھے ہوشیار [۵۷]

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدًا ۙ وَ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسْكِنِهِمْ

وَ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

السَّبِيْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اور ہلاک کیا قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هٰمٰنَ ۙ وَ لَقَدْ جَاءَهُمْ

کے پاس پہنچا موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں اور نہیں تھے ہم سے جیت جانے والے [۵۸]

مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا  
كَانُوا سَابِقِينَ ﴿٣٩﴾

۳۰۔ پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر [۵۹] پھر کوئی تھا کہ اس پر ہم نے بھیجا پتھر اوڑھو اسے [۶۰] اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑنے [۶۱] اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسا دیا ہم نے زمین میں [۶۲] اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا ہم نے [۶۳] اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے پر تھے وہ اپنا آپ ہی برا کرتے [۶۴]

فَلَا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِمْ فَبِمَنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ  
حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ  
مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ  
أَعْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا  
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾

۳۱۔ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی جیسے مکڑی کی مثال بنا لیا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی [۶۵]

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ  
الْعُنْكَبُوتِ ۖ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ  
لَبَيْتُ الْعُنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

۳۲۔ اللہ جانتا ہے جس جس کو وہ پکارتے ہیں اس کے سوائے کوئی چیز ہو [۶۶] اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا [۶۷]

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ وَ  
هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾

۳۳۔ اور یہ مثالیں بٹھلاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے [۶۸]

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنُصْرِبَهَا لِلنَّاسِ ۗ وَمَا يَعْقِلُهَا  
إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾

۴۴۔ اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسے چاہیں [۶۹] اس میں نشانی ہے یقین لانے والوں کے لئے [۷۰]

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي

ذَلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ

۵۴۔ یعنی آخرت کی طرف سے غافل نہ بنو، اکیلے خدائے واحد کی پرستش کرو۔

۵۵۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نصیحت: خرابی مچانے سے شاید مراد ہے لین دین میں دغا بازی کرنا، سود بٹہ لگانا، جیسا کہ ان کی عادت تھی۔ اور ممکن ہے رہزنی بھی کرتے ہوں، وقیل ذلک۔

۵۶۔ یعنی ان کی بستیوں کے کھنڈر تم دیکھ چکے ہو۔ ان سے عبرت حاصل کرو۔

۵۷۔ یعنی دنیا کے کام میں ہشیار تھے اور اپنے نزدیک عقلمند تھے، پر شیطان کے بہکائے سے نہ بچ سکے۔

۵۸۔ ان قوموں کے غرور کا انجام: یعنی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی حق کے سامنے نہ جھکے اور کبر و غرور نے ان کی گردن نیچے نہ ہونے دی۔ پھر نتیجہ کیا ہوا؟ کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے؟ یا العیاذ باللہ خدا کو تھکا دیا۔

۵۹۔ ان قوموں کے غرور کا انجام: یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا دی گئی۔

۶۰۔ یہ قوم لوط ہے اور بعض نے "عاد" کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

۶۱۔ یہ "ثمود" تھے اور اہل "مدین" بھی۔

۶۲۔ یعنی قارون کو، جیسا کہ سورہ قصص میں گذرا۔

۶۳۔ یہ فرعون و ہامان ہوئے اور بعض نے قوم نوح کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

۶۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ کوئی نا انصافی یا بے موقع کام کرے، اس کی بارگاہ عیوب و نقائص سے بکلی مبرا و منزہ ہے۔ ظلم تو ہاں مقصود ہی نہیں، ہاں بندے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی ایسے کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ لامحالہ ان کے حق میں برا ہے۔

۶۵۔ مشرکین کی مثال مکڑی کے گھر سے: یعنی گھر اس واسطے ہے کہ جان و مال کا بچاؤ ہو، نہ مکڑی کا جالا کہ دامن کے جھٹکے سے ٹوٹ پڑے۔ یہ ہی مثال اس کی ہے جو اللہ کے سو کسی کو اپنا بچانے والا اور محافظ سمجھے، بدون مشیت الہی کچھ بچاؤ نہیں کر سکتے۔

۶۶۔ یعنی ممکن تھا سننے والا تعجب کرے کہ سب کو ایک ہی ذیل میں کھینچ دیا کسی کو مستثنیٰ نہ کیا بعض لوگ بت کو پوجتے ہیں، بعض آگ پانی کو، بعض اولیاء یا فرشتوں کو، سو اللہ نے فرما دیا کہ اللہ کو سب معلوم ہیں۔ اگر کوئی ایک بھی ان سے مستقل قدرت و اختیار رکھتا تو اللہ سب کی ایک قلم نئی نہ کرتا۔

۶۷۔ یعنی اللہ کو کسی کی رفاقت نہیں چاہئے، وہ زبردست ہے، اور مشورہ نہیں چاہئے کیونکہ حکیم مطلق ہے۔

۳۵۔ تو پڑھ جو اتزی تیری طرف کتاب [۴۱] اور قائم رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے بیجیائی اور بری بات سے [۴۲] اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی [۴۳] اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو [۴۴]

اُتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ  
إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَ  
ذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ

۱۔ تلاوت قرآن کا حکم: یعنی قرآن کی تلاوت کرنے رہتے تادل مضبوط اور قوی رہے، تلاوت کا اجر و ثواب الگ حاصل ہو اسکے معارف و حقائق کا انکشاف بیش از بیش ترقی کرے۔ دوسرے لوگ بھی سن کر اس کے مواعظ اور علوم و برکات سے منتفع ہوں، جو نہ مانیں ان پر خدا کی جنت تمام ہو، اور دعوت و اصلاح کا فرض بحسن و خوبی انجام پاتا رہے۔

۲۔ نماز روحانی بیماریوں کا علاج ہے: "نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے ایک بطریق تسبب، یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہئے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی تاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطباء روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو۔ یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الہی میں اپنی بندگی فرمانبرداری، خضوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے، مسجد سے باہر آ کر بھی بد عہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔

برائیوں سے روکنے کا دوسرا مفہوم: گویا نماز کی ہر ایک ادا مصلیٰ کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بیجیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (نحل۔ ۹۰) پس جو بد بخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کار و کنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہو گا۔ جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو، کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأت یاد عاوتسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں موثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا۔ اسی نماز کی نسبت لَمْ يَزِدْ دُوبَهَا إِلَّا بَعْدًا کی وعید آئی ہے۔

۳۔ ذکر اللہ کی فضیلت: یعنی نماز برائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ

لِذِكْرِى (ظہ-۱۴) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا، ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ حضرت ابو درداء وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہ ہی فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کو ہے۔ یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لیجائے۔ وہ دوسری بات ہے، لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے۔ بہر حال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے اور جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہو گا۔ پس بندے کو چاہئے کہ کسی وقت خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو خصوصاً جس وقت کسی برائی کی طرف میلان ہو فوراً خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کو یاد کر کے اس سے باز آجائے۔ قرآن و حدیث میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو یاد فرماتا ہے۔ بعض سلف نے آیت کا یہ ہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اس لیے نماز بڑی چیز ہوئی۔ لیکن اس کے جواب میں جو ادھر سے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو یاد فرماتا ہے یہ سب سے بڑی چیز ہے جس کی انتہائی قدر کرنی چاہیے اور یہ شرف و کرامت محسوس کر کے اور زیادہ ذکر اللہ کی طرف راغب ہونا چاہئے۔ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اسلام کے احکام بہت ہیں، مجھے کوئی ایک جامع و مانع چیز بتلا دیجئے، فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانَكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ (تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “جتنی دیر نماز میں لگے اتنے تو ہر گناہ سے بچے، امید ہے آگے بھی بچتا رہے۔ اور اللہ کی یاد کو اس سے زیادہ اثر ہے یعنی گناہ سے بچے اور اعلیٰ درجوں پر چڑھے”۔ موضح یہ لَذِكْرِ اللَّهِ أَكْبَرُ کی ایک اور لطیف تفسیر ہوئی۔

۷۴۔ یعنی جو آدمی جس قدر خدا کو یاد رکھتا ہے یا نہیں رکھتا خدا تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ لہذا ذکر اور غافل میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی جداگانہ ہو گا۔

۴۶۔ اور جھگڑانہ کرو اہل کتاب سے مگر اس طرح  
 پر جو بہتر ہو مگر جو ان میں بے انصاف ہیں [۴۵] اور یوں کہو  
 کہ ہم مانتے ہیں جو اتر اہم کو اور اتر اتم کو [۴۶] اور بندگی  
 ہماری اور تمہاری ایک ہی کو ہے اور ہم اسی کے حکم پر  
 چلتے ہیں [۴۷]

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ  
 إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي  
 أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمْ وَالْهِنَا وَالْهَكْمُ  
 وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۲۶﴾

۴۷۔ اور ویسی ہی ہم نے اتاری تجھ پر کتاب [۴۸] سو جن  
 کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو مانتے ہیں اور ان مکہ  
 والوں میں بھی بعضے ہیں کہ اس کو مانتے ہیں اور منکر وہی  
 ہیں ہماری باتوں سے جو نافرمان ہیں [۴۹]

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ  
 الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ  
 وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿۲۷﴾

۴۸۔ اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ

لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ  
جھوٹے [۸۰]

۴۹۔ بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے  
سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ [۸۱] اور منکر نہیں ہماری  
باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں [۸۲]

۵۰۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں اس  
کے رب سے تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور  
میں تو بس سنا دینے والا ہوں کھول کر [۸۳]

۵۱۔ کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب  
کہ ان پر پڑھی جاتی ہے بیشک اس میں رحمت ہے اور  
سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں [۸۴]

۵۲۔ تو کہہ کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے بیچ گواہ جانتا  
ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں [۸۵] اور جو لوگ یقین  
لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے وہی ہیں  
نقصان پانے والے [۸۶]

۵۳۔ اور جلد مانگتے ہیں تجھ سے آفت [۸۷] اور اگر نہ ہوتا  
ایک وعدہ مقررہ تو آپہنچتی ان پر آفت اور البتہ آئے گی  
ان پر اچانک اور ان کو خبر نہ ہوگی [۸۸]

۵۴۔ جلدی مانگتے ہیں تجھ سے عذاب [۸۹] اور دوزخ گھیر  
رہی ہے مجرموں کو [۹۰]

بَيِّنِكَ إِذَا الْأَرْتَابَ الْمُبْطُلُونَ ﴿٣٨﴾

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ  
وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿٣٩﴾

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا  
الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٠﴾

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى  
عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ  
يُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

قُلْ كَفَى بِاللَّهِ بَيِّنًا وَبَيِّنَاتٍ شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا  
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ  
وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ﴿٤٢﴾

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى  
لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا  
يَشْعُرُونَ ﴿٤٣﴾

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ  
بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٤﴾

۵۵۔ جس دن گھیر لے گا ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے اور کہے گا چکھو جیسا کچھ تم کرتے تھے [۹۱]

يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾

۷۵۔ اہل کتاب سے مناظرہ میں نرمی و متانت: یعنی مشرکوں کا دین جڑ سے غلط ہے اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا، تو ان سے ان کی طرح مت جھگڑو کہ جڑ سے ان کی بات کاٹنے لگو۔ بلکہ نرمی، متانت، خیر خواہی اور صبر و تحمل سے واجبی بات سمجھاؤ۔ البتہ جو ان میں صریح بے انصافی، عناد اور ہٹ دھرمی پر متل جائے اس کے ساتھ مناسب سختی کا برتاؤ کر سکتے ہو۔ اور آگے چل کر ایسوں کو سزا دینی ہے۔ (تنبیہ) پہلے قرآن کی تلاوت کا حکم تھا، اغلب ہے کہ منکرین اسے سن کر اچھے لگیں تو بتلادیا کہ بحث کے وقت فریق مقابل کی علمی و دینی حیثت کا خیال رکھو۔ جوش مناظرہ میں صداقت و اخلاق کی حد سے نہ نکلو جہاں کہیں جتنی سچائی ہو اس کا اعتراف کرو۔

۷۶۔ اہل کتاب سے یہ بات کہو: یعنی ہمارا جیسا کہ قرآن پر ایمان ہے اس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ و مسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انبیاء پر جو کتابیں اتاریں بیشک وہ سچی تھیں۔ ایک حرف ان کا غلط نہ تھا۔ (گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت و حقیقت میں باقی نہ رہیں)۔

۷۷۔ اہل کتاب اور مسلمانوں میں فرق: یعنی اصلی معبود ہمارا تمہارا ایک ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ہم تمہاری ہی کے حکم پر چلتے ہی، تم نے اس سے ہٹ کر اوروں کو بھی خدائی کے حقوق و اختیارات دے دیے۔ مثلاً حضرت مسیح یا حضرت عزیر علیہما السلام کو یا احبار و رہبان کو۔ نیز ہم نے اس کے تمام احکام کو ماننا سب پیغمبروں کی تصدیق کی، سب کتابوں کو برحق سمجھا اس کے آخری حکم کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا۔ تم نے کچھ مانا کچھ نہ مانا اور آخری صداقت سے منکر ہو گئے۔

۷۸۔ یعنی اس کتاب میں آخر تمہاری کتابوں سے کون سی بات کم ہے جو قبول کرنے میں تردد ہے۔ جس طرح انبیائے سابقین پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اترتے رہے، پیغمبر آخر الزماں پر یہ کتاب لاجواب اتری۔ اس کے ماننے سے اتنا انکار کیوں ہے۔

۷۹۔ اہل کتاب اور کفار میں سے قرآن کو ماننے والے: یعنی جن اہل کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصافاً ماننا چاہئے۔ چنانچہ ان میں سے جو منصف ہیں وہ اس کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ صرف اہل کتاب بلکہ بعض عرب کے لوگ بھی جو کتب سابقہ کا کچھ علم نہیں رکھتے اس قرآن کو ماننے جا رہے ہیں حقیقت میں قرآن کریم کی صداقت کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ بجز سخت حق پوش نافرمان کے کوئی ان کی تسلیم سے انکار نہیں کر سکتا۔

۸۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا قرآن کی صداقت کی دلیل ہے: نزول قرآن سے پہلے چالیس سال آپ کی عمر کے ان ہی مکہ والوں میں گزرے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ کسی استاد کے پاس بیٹھے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی جگہ رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہوں گی، ان ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سنا دیتے ہیں۔ گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا، کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے، تاہم جھوٹوں کو بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جبکہ آپ کا امی ہونا مسلمانوں میں سے ہے تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی اور یوں ضدی لوگ کہنے کو تو اس پر بھی کہتے تھے۔

بُنْمَرَّةً وَآصِيْلًا (فرقان-۲۵)

۸۱۔ حفاظ قرآن کی فضیلت: یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں۔ بلکہ یہ وحی جو ان پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء و حفاظ و قراء کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے اور آسانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا اس پر افزود ہے (موضح باضافہ یسیر)۔

۸۲۔ یعنی نا انصافی کا کیا علاج۔ ایک شخص یہ ہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا۔ وہ روشن سے روشن چیز کا ابھی انکار کر دے گا۔  
۸۳۔ معجزات دکھانا میرے اختیار میں نہیں: یعنی میرے قبضہ میں نہیں کہ جو نشان تم طلب کرو وہ ہی دکھلا دیا کروں نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہو سکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ بدی کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشان چاہے دکھلا دے، یہ اس کے اختیار میں ہے۔

۸۴۔ قرآن سب سے بڑھکر معجزہ ہے: یعنی کیا یہ نشان کافی نہیں۔ جو کتاب رات دن پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان کونسا ہو گا۔ دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

۸۵۔ میری صداقت کیلئے اللہ کی گواہی کافی ہے: یعنی خدا کی زمین پر اس کے آسمان کے نیچے میں علانیہ دعویٰ رسالت کر رہا ہوں جسے وہ سنتا اور دیکھتا ہے پھر روز بروز مجھے اور میرے ساتھیوں کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا رہا ہے۔ برابر میرے دعویٰ کی فعلی تصدیق کرتا ہے۔ میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کئے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن و انس عاجز ہیں۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی یہ گواہی کافی نہیں۔

۸۶۔ گھانا پانے والے: آدمی کی بڑی شقاوت اور خسران یہ ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ کتنی ہی بدیہی البطلان ہو فوراً قبول کر لے اور سچی بات سے گو کتنی ہے صاف روشن ہوا انکار کرتا رہے۔

۸۷۔ یعنی اگر باطل پر ہیں تو ہم پر دنیا میں کوئی آفت کیوں نہیں آتی۔

۸۸۔ کفار کیلئے دنیا و آخرت کا عذاب: یعنی ہر چیز اپنے وقت معین پر آتی ہے، گھبراؤ نہیں، وہ آفت بھی آکر رہے گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس امت کا عذاب یہ ہی تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونا اور پکڑے جانا۔ سو فح مکہ میں مکہ کے لوگ بے خبر رہے کہ حضرت کاشغر سر پر آکھڑا ہوا۔

۸۹۔ یہاں عذاب سے شاید آخرت کا عذاب مراد ہو۔ جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۹۰۔ یعنی آخرت کا عذاب تو فضول مانگتے ہیں، اس عذاب میں تو پڑے ہی ہیں یہ کفر اور برے کام دوزخ نہیں تو اور کیا ہے جس نے ہر طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے۔ موت کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کس طرح جلاتی ہے جب یہ ہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے۔

۹۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کہے گا، یا وہ عذاب ہی بولے گا جیسے زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال حدیث میں آیا ہے کہ سانپ ہو کر گلے میں پڑے گا، گلے چیرے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔

۵۶۔ اے بندو میرے جو یقین لائے ہو میری زمین کشادہ ہے سو مجھی کو بندگی کرو [۹۲]

يُعِبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ

فَاعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾



۵۷۔ جو جی ہے سو چکھے گاموت پھر ہماری طرف پھر آؤ  
گے [۹۳]

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ الْيُنَاتُ رَجْعُونَ ﴿٥٧﴾

۵۸۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ان کو ہم  
جگہ دیں گے بہشت میں جھروکے نیچے بہتی ہیں ان  
کے نہریں سدا رہیں ان میں خوب ثواب ملا کام والوں کو

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ  
مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا [۹۴]

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٩﴾

۶۰۔ اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ  
روزی دیتا ہے انکو اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا جاننے  
والا [۹۵]

وَكَايِنٍ مِّنْ دَابَّةٍ لَّا تَحِبُّ رِزْقَهَا ۗ اللَّهُ يَرِزُقُهَا  
وَإِيَّاكُمْ ۗ وَهُوَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان  
اور زمین کو اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ  
نے پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں [۹۶]

وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ  
سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى  
يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾

۶۲۔ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے  
بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے جسکو چاہے [۹۷] بیشک اللہ  
ہر چیز سے خبردار ہے [۹۸]

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ  
يَقْدِرُ لَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾

۹۲۔ مومنین سے خطاب خاص: یعنی یہ مکہ کے کافر اگر تم کو تنگ کرتے ہیں تو خدا کی زمین تنگ نہیں، دوسری جگہ جا کر خدا کی عبادت کرو۔

۹۳۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جب کافروں نے مکہ میں بہت زور باندھا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا۔ چنانچہ اسی تراسی گھر حبشہ چلے گئے۔ اس کو فرمایا کہ کوئی دن کی زندگی ہے جہاں بن پڑے وہاں کاٹ دو، پھر ہمارے پاس اکٹھے آؤ گے۔ اس میں مہاجرین کی تسلی کر دی تا وطن چھوڑنا اور حضرت سے جدا ہونا دل پر بھاری نہ گذرے گویا جنتا دیا کہ وطن، خویش واقارب، رفقاء اور چھوٹے بڑے آج نہیں کل چھوٹیں گے۔ فرض کرو۔ اسوقت مکہ سے ہجرت نہ کی تو ایک روز دنیا سے ہجرت کرنا ضرور ہے مگر وہ بے اختیار ہو گا۔ بندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑ دے جو پروردگار حقیقی کی بندگی میں مزاحم اور خلل انداز ہوتی ہیں۔

۹۴۔ ہجرت کرنیوالوں کے انعامات: یعنی جو صبر و استقلال سے اسلام و ایمان کی راہ پر چلے رہے اور خدا پر بھروسہ کر کے گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے ان کو اس وطن کے بدلے وہ وطن ملے گا اور یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیے جائیں گے۔

۹۵۔ جانوروں اور انسانوں کو روزی کا وعدہ: یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کر دی کہ اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا۔ نیا دن اور نئی روزی (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ سامان معیشت ساتھ لیجانے کی فکر نہ کریں۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے، پھر بھی رزاق حقیقی ان کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے۔

۹۶۔ اللہ کو سب خالق مانتے ہیں: یعنی رزق کے تمام اسباب (سماویہ و ارضیہ) اسی نے پیدا کئے سب جانتے ہیں، پھر اس پر بھروسہ نہیں کرتے کہ وہ ہی پہنچا بھی دے گا۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا تم چاہو۔ یہ اگلی آیت میں سمجھا دیا ہے۔ (موضح)

۹۷۔ ناپ کر دیتا ہے یہ نہیں کہ بالکل نہ دے۔

۹۸۔ یعنی یہ خبر اسی کو ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہئے۔

۶۳۔ اور جو تو پوچھے ان سے کس نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے [۹۹]

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ اللَّهُ

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے زندہ رہنا اگر ان کو سمجھ ہوتی [۱۰۰]

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُمْ وَوَلَعِبٌ

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا

يَعْلَمُونَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو خالص اسی پر رکھ کر اعتقاد پھر جب بچا لایا انکو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک بنانے

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ

الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّوهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ تاکہ مکر تے رہیں ہمارے دیے ہوئے سے اور مزے اڑاتے رہیں سو عنقریب جان لیں گے [۱۰۱]

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ لِيَوْتَمَّتْ عَوَا فَسَوْفَ

يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اچکے جاتے ہیں ان کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا احسان نہیں مانتے [۱۰۲]

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّنَّا وَيَتَخَفُّ  
النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۖ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَ

بِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے سچی بات کو جب اس تک پہنچے کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں منکروں کے لئے [۱۰۳]

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ  
بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى

لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم بھادیں گے ان کو اپنی راہیں [۱۰۴] اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے [۱۰۵]

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۗ  
إِنَّ اللَّهَ لَكَبِيرُ الْمُنْسِفِينَ ﴿٦٩﴾

۹۹۔ یعنی مینہ بھی ہر کسی پر برابر نہیں برستا۔ اور اسی طرح حال بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ذرا دیر میں مفلس سے دولت مند کر دے۔

۱۰۰۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے: یعنی آدمی کو چاہئے یہاں کی چند روزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کہ اصلی و دائمی زندگی وہ ہی ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہو کر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفر آخرت کے لئے توشہ درست کرے۔

۱۰۱۔ کفار کی ناشکری کا حال: یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ آدمی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو اور آخرت کو فراموش نہ کرے۔ لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقیدت مندی سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جہاں آفت اس سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا، اللہ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ گویا غرض یہ ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔ خیر بہتر ہے۔ چند روز دل کے ارمان نکال لیں، عنقریب پتہ چل جائے گا کہ اس بغاوت و شرارت، احسان فراموشی اور ناسپاسی کا نتیجہ کیا ہے۔

۱۰۲۔ کفار مکہ پر اللہ کا انعام: مکہ کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے۔ حالانکہ سارے ملک عرب میں فساد اور کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں اللہ کا یہ سچا احسان نہیں مانتے۔

۱۰۳۔ یعنی سب سے بڑی نا انصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔ یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ یا پیغمبر جو سچائی لے کر آئے ہیں اسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو ایسی بیباکی اور بیجیائی سے عقل و انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

۱۰۴۔ اللہ کے راستے میں مجاہدہ کرنے والوں کی خاص ہدایت: یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب و رضاء یا جنت کی راہیں سمجھتا ہے۔ جوں جوں وہ

رياضات و مجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر ان کی معرفت و انکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں سوچنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔

۱۰۵۔ یعنی اللہ کی حمایت و نصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تم سورة العنكبوت فله الحمد والمنه

آیاتها ۶۰

۳۰ سُوْرَةُ الرَّوْمِ مَكِّيَّةٌ ۴

رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ الم۔

اَلَمْ

۲۔ مغلوب ہو گئے ہیں رومی

غُلِبَتِ الرَّوْمُ

۳۔ ملتے ہوئے ملک میں [۱] اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے

فِيْ اٰذْنِ الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلْبِهِمْ

سَيَغْلِبُوْنَ

۴۔ چند برسوں میں [۲] اللہ کے ہاتھ ہیں سب کام پہلے اور پچھلے [۳] اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان

فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْۢ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ

وَ يَوْمَئِذٍۭ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ

۵۔ اللہ کی مدد سے [۴] مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا [۵]

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۗ يَنْصُرُ مَنۢ يَّشَاءُ ۗ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ

الرَّحِیْمُ

۶۔ اللہ کا وعدہ ہو چکا خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا وعدہ لیکن بہت لوگ نہیں جانتے [۶]

وَ عَدَّ اللّٰهُ ۗ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَ عَدَّاهُ وَ لٰكِنۡ اَكْثَرُ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

۷۔ جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کے جینے کو اور وہ لوگ آخرت کی خبر نہیں رکھتے [۷]

يَعْلَمُوْنَ ظٰهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَ هُمْ عَنِ

الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ

۱۔ ادنی الارض کی تفسیر: اَذْنِ الْاَرْضِ (ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک) سے مراد "اذرعات" و "بصری" کے درمیان کا خطہ ہے جو "شام"

کی سرحد پر "حجاز" سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہوا ہے، یا "فلسطین" مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا یا "جزیرہ ابن عمر" جو فارس سے اقرب ہے۔ ابن حجر نے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ قرآن کی حیرت انگیز پیشینگوئی: یعنی نو سال کے اندر اندر رومی غالب ہو جائیں گے۔ کیونکہ لغت میں اور حدیث میں بضع کا اطلاق تین سے نو تک ہوا ہے۔ ان آیات میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشینگوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں "فارس" (جسے "ایران" کہتے ہیں) اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں۔ ۶۰۲ء لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا کیا، جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ ۵۷۰ء میں نبی کریم ﷺ کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں۔

روم و فارس کی جنگ: جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم ﷺ کے دعویٰ نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیئے جاتے تھے جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے مسلمانوں کو بھی طبعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب، آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، ادھر ان کو مشرکین مکہ کی شہادت کا ہدف بنا پڑے۔

فارس کی روم پر فتح: آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گزر چکے) خسرو پرویز (کیخسرو ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر ایشائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہر قل قیصر کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔

مشرکین مکہ کی خوشیاں: یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں، مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اس وقت قرآن نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شرط: اسی پیشینگوئی کی بناء پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سواونٹ تم کو دوں گا، ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنی رائے سے بضعِ سنین کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے بضع کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ ادھر ہر قل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو "حصص" سے سپید چل کر "ایلیا" (بیت المقدس) تک پہنچوں گا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشینگوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گزرنے پر) عین بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے، یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ اور اس ضمن میں مشرکین مکہ کو

مزید خذلان و خسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور مجیر العقول پیشینگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے سوانٹ مشرکین مکہ سے وصول کئے جن کے متعلق حضور ﷺ نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیئے جائیں۔ فلہ الحمد علی نعمائہ الظاہرۃ والائتہ الباہرۃ۔

۳۔ یعنی پہلے فارس کو غالب کرنا، روم کو مغلوب کرنا، اور پیچھے حالات کو الٹ دینا سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ صرف اتنی بات سے کسی قوم کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا وَتِلْكَ الْآيَاتُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

۴۔ پیشینگوئی کا سچا ہونا: یعنی ایک تو اس دن اپنی فتح کی خوشی اس پر مزید خوشی یہ ہوئی کہ رومی اہل کتاب (جو نسبہ مسلمانوں سے اقرب تھے) فارس کے مجوسیوں پر غالب آئے۔ قرآن کی پیشینگوئی کے صدقہ کا لوگوں نے مشاہدہ کر لیا۔ کفار مکہ کو ہر طرح ذلت نصیب ہوئی۔

۵۔ یعنی جسے مغلوب کرنا چاہے تو کوئی زبردستی کر کے روک نہ سکے اور جس پر مہربانی فرمانا چاہے اسے بے روک ٹوک غالب کر کے رہے۔

۶۔ لوگوں کی حقیقت سے لاعلمی: یعنی اکثر لوگ سمجھتے کہ غالب یا مغلوب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں ہیں اور یہ کہ قدرت جب کوئی کام کرنا چاہے تو سب ظاہری رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے اکثر ظاہر میں بغیر اسباب ظاہری خدا پر بھروسہ نہیں رکھتے اور کسی کا عارضی غلبہ دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ ہی اللہ کے ہاں مقبول ہو گا۔

۷۔ دنیوی زندگی کا سطحی علم: یعنی یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کی آسائش و آرائش، کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، بونا جو تنہا، پیسہ، کمانا، مزے اڑانا بس یہ ہی ان کے علم و تحقیق کی انتہائی جولانگہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے برے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دور ہے، ہمیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اس کا آخری انجام ذلت و ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

۸۔ کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں کہ اللہ نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے سو ٹھیک سادہ کر اور وعدہ مقرر پر [۸] اور بہت لوگ اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے [۹]

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللَّهُ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ  
أَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ  
رَبِّهِمْ لَكٰفِرُونَ ﴿۸﴾

۹۔ کیا انہوں نے سیر نہیں کی ملک کی جو دیکھیں انجام کیسا ہوا ان سے پہلوں کا ان سے زیادہ تھے زور میں اور جوتا انہوں نے زمین کو اور بسایا اس کو ان کے بسانے سے زیادہ اور پہنچے ان کے پاس رسول انکے لے کر کھلے حکم [۱۰] سو اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنا آپ برا کرتے

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ  
عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۗ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ  
قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَ

جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ

لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۹﴾

۱۰۔ پھر ہوا انجام برا کرنے والوں کا برا اس واسطے کہ جھٹلاتے تھے اللہ کی باتیں اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے [۱۲]

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوْءَىٰ ۚ

كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۰﴾

۸۔ کائنات کی تخلیق میں غور و فکر: یعنی عالم کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں پیدا کیا، کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرت میں نظر آئے گا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی، لیکن اس کے تغیرات و احوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہو گا اور دوسرا عالم اس کے نتیجے کے طور پر قائم کیا جائے گا۔

۹۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب و کتاب دینا پڑے۔

۱۰۔ پچھلی قوموں کے حالات سے عبرت: یعنی بڑی بڑی طاقتور قومیں (مثلاً عاد و ثمود) جنہوں نے زمین کو بوجوت کر لالاہ و گلزار بنایا، اسے کھود کر چشمے اور کانیں نکالیں، ان منکرین سے بڑھ کر تمدن کو ترقی دی، لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا۔ وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر کھلے نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو کیا نہیں سنا کہ انجام کیا ہوا۔ کس طرح تباہ و برباد کئے گئے ان کے ویران کھنڈر آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں۔ کیا ان میں ان بے فکروں کیلئے کوئی عبرت نہیں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان نہیں۔ ہاں یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بربادی ہو۔ تو یہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے عدل و رحمت کی کیفیت تو یہ ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدون پوری طرح ہشیار کیے کسی کو پکڑنا بھی نہیں۔

۱۲۔ تکذیب و استہزاء کا انجام: وہ نتیجہ تو دنیا میں دیکھا تھا پھر آخرت میں تکذیب و استہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ موجودہ اقوام کو چاہئے کہ گذشتہ قوموں کے احوال سے عبرت پکڑیں۔ کیونکہ ایک قوم کو جن باتوں پر سزا ملی سب کو وہی سزا مل سکتی ہے۔ سب کی فنا بھی ایک کی فنا سے سمجھو اور سب کی سزا بھی ایک کی سزا سے۔

۱۱۔ اللہ بناتا ہے پہلی بار پھر اس کو دہرائے گا پھر اسی کی طرف جاوے گا

اللَّهُ يَبْدُوهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ

تُرْجَعُونَ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور جس دن برپا ہوگی قیامت آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْجُرْمُونَ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ اور نہ ہوں گے ان کے شریکوں میں کوئی انکے

وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شَاكِلِهِمْ شُفَعَاؤُا وَكَانُوا



بَشْرًا كَابِهْمُ كُفْرَيْنَ ﴿۱۳﴾

سفارش کرنے والے اور وہ ہو جائیں گے اپنے شریکوں سے  
منکر [۱۳]

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِئِدِ يَتَفَرَّقُونَ ﴿۱۴﴾

۱۳۔ اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن لوگ ہوں  
گے قسم قسم [۱۴]

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي

۱۵۔ سو جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام سو باغ میں  
ہوں گے انکی آؤ بھگت ہوگی [۱۵]

رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿۱۵﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَإِقْرَآءِ

۱۶۔ اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں اور ملنا  
پچھلے گھر کا سو وہ عذاب میں پکڑے آئیں گے

الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۱۶﴾

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تَسُوْنُ وَحِيْنَ تَصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ سو پاک اللہ کی یاد کرو جب شام کرو اور جب صبح کرو

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَ

۱۸۔ اور اسی کی خوبی ہے آسمان میں اور زمین میں اور پچھلے  
وقت اور جب دوپہر ہو [۱۸]

حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

۱۹۔ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ  
سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے اور

وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۱۹﴾

اسی طرح تم نکالے جاؤ گے [۱۹]

۱۳۔ یعنی جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے جب وقت پر کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (انعام-۲۳)  
خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔

۱۴۔ یعنی نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ کر دیے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچا دیئے جائیں گے جس کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔

۱۵۔ یعنی انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت و سرور سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ یہ نیکیوں کا ٹھکانہ ہوا۔ آگے بدوں کی جگہ  
بتلائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں ایسی تفریق اور جدائی کر دی جائے گی جس سے بڑھ کر کوئی جدائی نہیں ہو سکتی۔

۱۶۔ صبح و شام ذکر اللہ کی تاکید: یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے نماز میں تینوں قسم کی یاد  
جمع کر دی گئی۔ اور اوقات فرض نماز کے یہ ہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے۔ یعنی صبح، شام، (جس میں مغرب و عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت  
(عصر) اور دوپہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں۔ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔

آفتاب عالم اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے عالم اسباب میں شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو۔ نماز کے اوقات کی حکمت: (جیسا کہ ارض النجوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اسے اپنا معبود اکبر قرار دیا تھا۔ جس کی طرف حضرت ابراہیمؑ کے قول لَهَذَا رَبِّيْ هَذَا اَكْبَرُ (انعام-۷۸) میں اشارہ ہے۔ اس کے عجز و بچاگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دوپہر ڈھلنے پر جبکہ اس کے عروج میں کمی آتی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جبکہ اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آگیا اور غروب کے بعد جب اس کی نورانی شعاعوں کے اتصال سے اس کے بچاری محروم ہو گئے۔ پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہو گئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی افق پر باقی نہ رہے۔ ان اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں۔ اور شروع صلوة ہی میں ”اللہ اکبر“ کہہ کر اس موحد اعظم (ابراہیم خلیل اللہ) کی اقتداء کرتے رہیں۔ جس نے هَذَا رَبِّيْ هَذَا اَكْبَرُ کے بعد فرمایا تَهَارِيْ وَجْهَتْ وَجْهِيْ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام-۷۹) شاید آیت ہذا میں وَلَهُ الْخُدُوْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فرما کر یہ ہی یاد دلایا ہے کہ تسبیح و تنزیہ اور یاد کرنے کے لائق وہ ہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبان حال و قال سے بیان کر رہی ہے، کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آگے اسی خدائے اکبر کی بعض شئون عظیمہ اور صفات کاملہ کا بیان ہے تا معبودیت کا استحقاق اور زیادہ واضح ہو جائے۔ اسی ضمن میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو پیدا کرنا: یعنی انسان کو نطفہ سے نطفہ کو انسان سے، جانور کو بیضہ سے اور بیضہ کو جانور سے، مومن کو کافر سے، کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے اور زمین جب خشک ہو کر مر جاتی ہے تو رحمت کے پانی سے پھر زندہ کر کے سبز و شاداب کر دیتا ہے۔ غرض موت و حیات حقیقی ہو یا مجازی، حسی ہو یا معنوی، سب کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر تم کو زندہ کر کے قبروں سے نکال کھڑا کرنا اس کے نزدیک کیا مشکل ہو گا۔

۲۰۔ اور اسکی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے [۱۸]

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ

بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ اور اسکی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو انکے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیارا اور مہربانی البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں انکے لئے جو دھیان کرتے ہیں [۱۹]

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِیْہَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَ رَحْمَةً ۗ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۲۔ اور اسکی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ اس میں بہت نشانیاں ہیں سمجھنے والوں کو [۲۰]

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اٰخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ اور اسکی نشانیوں سے ہے تمہارا سونارت اور دن میں اور تلاش کرنا اس کے فضل سے [۲۱] اس میں بہت پتے ہیں ان کو جو سنتے ہیں [۲۲]

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ  
ابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

يَسْمَعُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ اور اسکی نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہے تمکو بجلی ڈر اور امید کے لئے [۲۳] اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اس میں بہت پتے ہیں ان کے لئے جو سوچتے ہیں [۲۴]

وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِلُ  
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ کھڑا ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے [۲۵] پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین سے اسی وقت تم نکل پڑو گے [۲۶]

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۗ ثُمَّ  
إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْأَرْضِ ۖ إِذَا أَنْتُمْ

تَخْرُجُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں سب اس کے حکم کے تابع ہیں [۲۶]

وَلَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ كُلُّ لَّهُ قَانِتُونَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دھرائے گا اور وہ آسمان ہے اس پر [۲۸] اور اسکی شان سب سے اوپر ہے آسمان اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا [۲۹]

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ  
عَلَيْهِ ۗ وَلَهُ الْبَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَ

الْأَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾

۱۸۔ اللہ کی بعض نشانیاں: یعنی آدم کو مٹی سے بنایا، پھر دیکھو قدرت نے اسے کتنا پھیلا یا کہ ساری زمین پر اس کی ذریت چھا گئی اور زمین میں پھیل کر کیسی کیسی عجیب و غریب ہشیا ریاں اس مٹی کے پتلے نے دکھلائیں۔

۱۹۔ مرد و عورت کی تخلیق کی حکمت: یعنی اول مٹی سے ایک آدم کو پیدا کیا پھر اسی کے اندر اسے اس کا جوڑا نکالا تا اس سے انس اور چین پکڑے اور پیدا کنشی طور پر دونوں صنفوں (مرد و عورت) کے درمیان خاص قسم کی محبت اور پیار رکھ دیا۔ تا مقصود ازدواج حاصل ہو۔ چنانچہ دونوں

کے میل جول سے نسل انسانی دنیا میں پھیل گئی۔ کما قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (نساء۔ ۱)

۲۰۔ رنگ و زبان کا اختلاف: سب انسان ایک ماں باپ سے بنائے۔ ملا کر بسائے، پھر تمام روئے زمین پر ان کو پھیلا دیا۔ سب کی جدا جدا بولیاں کر دیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر زبان کے اعتبار سے محض اجنبی ہو گیا۔ پھر دیکھو کہ شروع دنیا سے آج تک کتنے بیشمار آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب و لہجہ، تلفظ، طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی شکل و صورت اور رنگت وغیرہ میں دوسرے سے ممتاز ہے، آواز اور لب و لہجہ بھی بالکل الگ ہے کوئی دو شخص ایسے نہ ملیں گے جنکی آواز اور رنگ، روپ میں کوئی ماہہ الاتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی نئی صورتیں اور بولنے کے نئے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ حقیقت میں یہ کتاب بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔

۲۱۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں بدلتی ہیں، سو یا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہوشیار کوئی نہیں۔ اصل تورات ہے سونے کو اور دن تلاش کو، پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔

۲۲۔ یعنی جو سن کر محفوظ رکھتے ہیں کما فی تفسیر ابن کثیر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”کہ اپنے سونے کا احوال نظر نہیں آتا سو لوگوں کی زبانی سنتے ہیں“ (موضح) یہ لفظ یَسْمَعُونَ اختیار کرنے کا نکتہ ہوا۔

۲۳۔ بجلی کی چمک اور بارش میں نشانیاں: بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈرتے ہیں کہیں کسی پر گرنے پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے جان و مال تلف ہوں۔ اور امید بھی رکھتے ہیں کہ بارش ہو تو دنیا کا کام چلے۔ مسافر کبھی اندھیرے میں اس کی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے کہ کچھ دور تک راستہ نظر آجائے۔ اور کبھی خوف کھا کر گھبراتا ہے۔

۲۴۔ یعنی اسی سے سمجھ لو کہ مرے پیچھے تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

۲۵۔ زمین و آسمان کا قیام: پہلے آسمان و زمین کا پیدا کرنا مذکور ہوا تھا۔ یہاں ان کے بقاء و قیام کو بتلایا کہ وہ بھی اسی کے حکم سے ہے مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکز ثقل سے ہٹ جائے۔ یا ایک دوسرے پر گر کر نظام کائنات کو درہم برہم کر دے۔

۲۶۔ یعنی زمین و آسمان جب تک اس کا حکم ہے قائم رہیں گے۔ پھر جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے نکلے چلے آؤ گے میدان حشر کی طرف۔

۲۷۔ یعنی آسمان و زمین کے رہنے والے سب اسی کے مملوک بندے اور اسی کی رعیت ہیں، کسی کی طاقت ہے کہ اس کے حکم تکوینی سے سرتابی کر سکے۔

۲۸۔ آخرت کی زندگی پر احمقانہ شبہ: یعنی قدرت الہی کے سامنے تو سب برابر ہیں لیکن تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اول بار پیدا کرنے سے دوسری بار دھر ادینا آسان ہونا چاہئے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ اول پیدائش پر اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو مستعد سمجھو۔

۲۹۔ اللہ کی شان سب سے اعلیٰ ہے: یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات اور اونچی سے اونچی شان اس کی ہے۔ آسمان و زمین کی کوئی چیز اپنے حسن و خوبی میں اس کی شان و صفت سے لگا نہیں کھا سکتی۔ مساوی ہونا تو کجا، وہ تو اس سے بھی بالا و برتر ہے جہاں تک مخلوق اس کے جلال و جمال کا تصور کر سکتی ہے۔ بلکہ جو خوبی کسی جگہ موجود ہے وہ اسی کے کمالات کا ادنیٰ پر تو ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”کہ آسمان کے فرشتے نہ کھائیں نہ پیئیں نہ حاجت بشری رکھیں، سوائے بندگی کے کچھ کام نہیں۔ اور زمین کے لوگ سب چیز میں آلودہ۔ پر اللہ کی صفت نہ ان سے ملے نہ ان سے، وہ پاک ذات ہے“ (موضح)۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

منزل تمام گشت و بیاباں رسید عمر

و سد دُرّ من قال۔ اے بروں از وہم و قال و قیل من

وزہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

ماہچنناں در اول وصف تو مانده ایم

خاک بر فرق من و تمثیل من

۲۸۔ بتلائی تم کو ایک مثل تمہارے اندر سے دیکھو جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں ان میں ہیں کوئی ساجھی تمہارے ہماری دی ہوئی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر ہو خطر رکھو ان کا جیسے خطرہ رکھو اپنوں کا یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں [۳۰]

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَارَزَقُكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۗ كَذَلِكَ نَفِّصُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ بلکہ چلتے ہیں یہ بے انصاف اپنی خواہشوں پر بن سمجھے [۳۱] سو کون سمجھائے جس کو اللہ نے بھٹکایا اور کوئی نہیں ان کا مددگار [۳۲]

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۗ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر [۳۳] وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو [۳۴] بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو [۳۵] یہی ہے دین سیدھا و لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے [۳۶]

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۖ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۗ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ سب رجوع ہو کر اسکی طرف [۳۴] اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَ اتَّقُوهُ ۖ وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۖ وَ لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾

۳۲۔ جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے

مِنَ الَّذِينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَ كَانُوا شِيعًا ۗ كُلُّ

ان میں بہت فرقتے ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر فریفتہ ہے [۳۸]

۳۳۔ اور جب پہنچے لوگوں کو کچھ سختی تو پکاریں اپنے رب کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے کچھ مہربانی اسی وقت ایک جماعت ان میں اپنے رب کا شریک لگی بتانے

۳۴۔ کہ منکر ہو جائیں ہمارے دیے ہوئے سے سو مزے اڑا لو اب آگے جان لو گے [۳۹]

۳۵۔ کیا ہم نے ان پر اتاری ہے کوئی سند سو وہ بول رہی ہے جو یہ شریک بتاتے ہیں [۴۰]

۳۶۔ اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو کچھ مہربانی اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر آپڑے ان پر کچھ برائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے پر تو اس توڑ بیٹھیں [۴۱]

۳۷۔ کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلا دیتا ہے روزی کو جس پر چاہے اور ماپ کر دیتا ہے جسکو چاہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں [۴۲]

۳۸۔ سو تو دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان کے لئے جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور وہی ہیں جن کا بھلا ہے [۴۳]

حَرْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۳۲﴾

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ ۖ فَتَتَّبِعُوا النَّفَّةَ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾

أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهَوْ يَتَّكُمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿۳۵﴾

وَإِذَا آذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿۳۶﴾

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يَقْدِرُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۷﴾

فَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ ۚ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّبِيلَ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اور جو دیتے ہو بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر رضامندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دونے ہوئے [۳۴]

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رَبِّا لِيَرْبُوا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ تَرْيَدُوْنَ

وَجَهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُبْضِعُوْنَ ﴿۳۹﴾

۴۰۔ اللہ وہ ہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو جلانے گا کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو کر سکے ان کاموں میں سے ایک کام وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں [۴۵]

اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَحْيِيْكُمْ ۗ هَلْ مِنْ شٰءٍ كَالِڪُمْ مِّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ

مِّنْ شَيْءٍ ۗ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

۳۰۔ شرک کی مذمت کی ایک بلوغ مثال: یعنی شرک کا بیج و بطلان سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتا ہے۔ وہ یہ کہ تمہارے ہاتھ کا مال (یعنی لونڈی غلام) جن کے تم محض ظاہری اور مجازی مالک ہو کیا اپنی روزی اور مال و متاع میں جو حق تعالیٰ نے دے رکھی، تم ان کو برابر کا شریک تسلیم کر سکتے ہو جس طرح مشترک اموال و جائداد میں اپنے بھائی بند حصہ دار ہوتے ہیں اور ہر وقت کھٹکا رہتا ہے کہ مشترک چیز میں تصرف کرنے پر برہم ہو جائیں یا تقسیم کرانے لگیں یا کم از کم سوال کر بیٹھیں کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بدون فلاں کام کیوں کیا۔ کیا ایسا ہی کھٹکا ایک آقا کو اپنے غلام یا نوکر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ جب جھوٹے مالک کا یہ حال ہے اس سچے مالک کو اپنے غلام کی کیا پروا ہو سکتی ہے جس کو تم حماقت سے اس کا سا جھی گنتے ہو۔ ایک غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہو سکے حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ مگر ایک مخلوق بلکہ مخلوق در مخلوق، خالق کی خدائی میں شریک ہو جائے؟ ایسی مہمل بات کوئی عقل مند قبول نہیں کر سکتا۔

۳۱۔ یعنی یہ بے انصاف لوگ ایسی صاف و واضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اوبام و خواہشات کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔

۳۲۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی بے انصافی اور جہل اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی اب کون طاقت ہے جو اسے سمجھا کر راہ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچالے۔ لہذا ایسوں کی طرف سے زیادہ متحسرس اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے آپ ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف توجہ کیجئے۔ اور دین فطرت پر جمے رہئے۔

۳۳۔ یعنی جو گمراہی سے کسی طرح نکلنا نہیں چاہتا اسے شرک کی دلدل میں پڑا رہنے دو اور تم ہر طرف سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو۔ اور اس کے سچے دین کو پوری توجہ اور یک جہتی سے تھامے رکھو۔

۳۴۔ انسان کی فطرت اسلام ہے: اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور بد آفطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اس کے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گرد و پیش کے احوال اور

ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار کرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ ”عہد اَلْسُنْتُ“ کے قصہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعدہ ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو ”حنفاء“ پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے انہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔ بہر حال دین حق، دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اس کی فطرت پر مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسی کی طرف بھٹکے۔ تمام انسانوں کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ فرض کرو اگر فرعون یا ابوجہل کی اصلی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت نہ ہوتی تو ان کو قبول حق کا مکلف بنانا صحیح نہ ہوتا۔ جیسے اینٹ پتھر یا جانوروں کو شرائع کا مکلف نہیں بنایا۔ فطرت انسانی کی اسی یکسانیت کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصول مہمہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں گوان پر ٹھیک ٹھیک قائم نہیں رہتے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی اللہ سب کا مالک حاکم، سب سے نرالا، کوئی اس کے برابر نہیں، کسی کا زور اس پر نہیں یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ اس پر چلنا چاہئے۔ ایسے ہی کسی کے جان و مال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا۔ ہر کوئی برا جانتا ہے ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغانہ کرنا ہر کوئی اچھا جانتا ہے۔ اس (راستہ) پر چلنا وہ ہی دین سچا ہے (یہ امور فطری تھے مگر) ان کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیا۔“

۳۵۔ یعنی اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر و تبدل نہیں۔ ہر فرد انسان کی فطرت قبول حق کے لئے مستعد بنائی ہے یا یہ مطلب کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا اس کو تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو۔ بیچ تم میں ڈال دیا ہے اسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت ہونے دو۔

۳۶۔ دین قیم: یعنی سیدھا دین یہ ہی فطرت کی آواز ہے۔ پر بہت لوگ اس نکتہ کو سمجھتے نہیں۔

۳۷۔ دین فطرت کے چند اصول: یعنی اصل دین پکڑے رہو، اس کی طرف رجوع ہو کر۔ اگر محض دنیوی مصلحت کے واسطے یہ کام کئے تو دین درست نہ ہو گا۔ آگے دین فطرت کے چند اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثلاً ابقاء (خدا سے ڈرتے رہنا) نماز قائم رکھنا شرک جلی و خفی سے بیزار اور مشرکین سے علیحدہ رہنا، اپنے دین میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

۳۸۔ دین میں فرقہ بازی: یعنی دین فطرت کے اصول سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں نے اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی، بہت سے فرقے بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب و مشرب جدا، جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کر لیا۔ ایک جماعت اسی کے پیچھے ہو گئی، تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول و عقائد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔

۳۹۔ انسان کی ناشکری: یعنی جیسے بھلے کام ہر انسان کی فطرت پہچانتی ہے، اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ وہ ہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی مگر فسوس کہ انسان اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی، پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگا۔ گویا اس کے پاس سب کچھ ان ہی کا دیا ہوا ہے! خدا نے کچھ نہیں دیا! (العیاذ باللہ) اچھا چند روز مزے اڑالے۔ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا کہ اس کفر اور ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ اس کا ضمیر جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہ ہی اس لائق ہے کہ ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔

۴۰۔ شرک عقل سلیم اور فطرت کے خلاف ہے: یعنی عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی حجت اور سند رکھتے ہیں جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اس کے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا



استحقاق کہاں سے ہوا۔

۴۱۔ خوشی و غم میں کفار کی حالت: یعنی ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب اللہ کی مہربانی اور احسان سے عیش میں ہوں تو پھولے نہ سائیں ایسے اترانے لگیں اور آپے سے باہر ہو جائیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہ رکھیں۔ اور کسی وقت شامت اعمال کی بدولت مصیبت کا کوڑا پڑا تو بالکل آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہیں گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کے دور کرنے پر قادر ہو۔ مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ عیش و راحت میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے اس کے فضل و رحمت پر خوش ہو کر زبان و دل سے شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر و تحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ کتنی ہی سخت مصیبت اور ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اس کے فضل سے سب فضا بدل جائے گی۔ (تنبیہ) ایک آیت پہلے فرمایا تھا کہ ”لوگ سختی کے وقت خالص خدا کو پکارنے لگتے ہیں۔“ یہاں فرمایا کہ برائی پہنچتی ہے تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں۔“ دونوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ پہلی حالت یعنی خدا کو پکارنا، ابتدائی منزل ہے۔ پھر جب مصیبت اور سختی میں امتداد ہوتا ہے تو آخر گھبرا کر ناامید ہو جاتا ہے یا بعض لوگوں کا وہ حال ہو بعض کا یہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۔ روزی میں تنگی اور وسعت کی حکمت: یعنی ایمان و یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا جو حال آئے بندہ کو صبر و شکر سے رضا بقضار ہونا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے اور ڈرتا رہے کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے سختیوں کو دور فرمادے گا۔

۴۳۔ اقربا و مساکین کا حق: یعنی جب فطرت کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی مالک و رب وہ ہی اللہ ہے۔ دنیا کی نعمتیں سب اسی کی عطا کی ہوئی ہیں۔ تو جو لوگ اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اس کی بقاء و دیدار کے آرزو مند ہیں چاہیے کہ اس کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ مسافر، محتاج اور غریب رشتہ داروں کی خبر لیں، اہل قربت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں ایسے ہی بندوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔

۴۴۔ سود سے مال گھٹنا اور زکوٰۃ سے بڑھتا ہے: یعنی سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے، لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا بدن ورم سے پھول جائے وہ بیماری یا پیام موت ہے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہو گا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے۔ جیسے کسی مریض کا بدل مسہل و تنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اس کا صحت ہو۔ سود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھ لو۔ **يَسْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَ يَرْبِي الصَّدَقَاتِ** (بقرہ ۲۷۶) حدیث میں ہے کہ ایک بھجور جو مومن صدقہ کرے قیامت کے دن بڑھ کر پہاڑ کے برابر نظر آئے گی۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے ”ربا“ سے یہاں سود بیاج مراد نہیں لیا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کسی کو کچھ دے اس غرض سے کہ دوسرا اس سے بڑھ کر احسان کا بدلہ کرے گا تو یہ دینا اللہ کے ہاں موجب برکت و ثواب نہیں۔ گو مباح ہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام کے حق میں تو مباح بھی نہیں۔ بقولہ تعالیٰ **وَلَا تَنْتُنُّنَّ تَسْتَكْفِرُونَ** (مذثر ۶) واللہ اعلم۔

۴۵۔ یعنی مارنا جلانا، روزی دینا سب کام تو تھا اس کے قبضہ میں ہوئے۔ پھر دوسرے شریک کدھر سے آکر الوہیت کے مستحق بن گئے۔

۴۱۔ پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہیے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا تاکہ وہ پھر آئیں [۴۶]

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي  
النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ

يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ تو کہہ پھر و ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام پہلوں کا بہت ان میں تھے شرک کرنے والے [۴۷]

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۗ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ سیدھی راہ پر [۴۸] اس سے پہلے کہ آپہنچے وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے [۴۹] اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے [۵۰]

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ

يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدِّعُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ جو منکر ہو اسو اس پر پڑے اسکا منکر ہونا [۵۱] اور جو کوئی کرے بھلے کام سو وہ اپنی راہ سنوارتے ہیں [۵۲]

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۗ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

فَلَا نَفْسِهِمْ يُبْهَدُونَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ تاکہ وہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کام کئے بھلے اپنے فضل سے [۵۳] بیشک اس کو نہیں بھاتے انکار والے [۵۴]

لَيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ

فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكُفْرِينَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ لوگوں کی بد عملی سے بحر و بر میں فساد: یعنی لوگ دین فطرت پر قائم نہ رہے کفر و ظلم دنیا میں پھیل پڑا اور اس کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل گئی نہ خشکی میں امن و سکون رہا نہ تری میں، روئے زمین کو فتنہ و فساد نے گھیر لیا۔ بحری لڑائیوں اور جہازوں کی لوٹ مار سے سمندروں میں بھی طوفان پھا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندوں کی بد اعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھادیں، ممکن ہے بعض لوگ ڈر کر راہ راست پر آجائیں۔ (تنبیہ) بندوں کی بد کاریوں کی وجہ سے خشکی و تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ لیکن جس خوفناک عموم و شمول کے ساتھ بعثت محمدی سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق و مغرب اور بر و بحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اس زمانہ کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مورخ بھی اس مشہور و معروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے (دیکھو دائرۃ المعارف فرید و جدی مادہ حمد) شاید اسی عموم فتنہ و فساد کو پیش نظر رکھ کر قادیان رحمہ اللہ نے آیت کا محمل زمانہ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔

۳۷۔ یعنی اکثروں کی شامت شرک کی وجہ سے آئی۔ بعضوں پر دوسرے گناہوں کی وجہ سے آئی ہوگی۔

۳۸۔ دنیا کے فساد کا علاج: یعنی دنیا میں فساد پھیل گیا تو تم دین قیام پر جو دین فطرت ہے ٹھیک ٹھیک قائم رہو۔ سب خرابیوں کا ایک یہ ہی علاج ہے۔

۳۹۔ یعنی اللہ کی طرف سے اس دن کا آنا اٹل ہے نہ کوئی طاقت اسے پھیر سکتی ہے نہ خود خدا ملتی کرے گا۔

۵۰۔ یعنی نیک جنت میں اور بد دوزخ میں بھیج دیے جائیں گے۔ فَمَرِّقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَمَرِّقٌ فِي السَّعِيرِ (شوریٰ۔ ۷) حضرت شاہ صاحب اس کو دنیا کے احوال پر حمل کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "یعنی دین کا غالبہ ہو سزا پانے والے الگ ہوں اور اللہ کے مقبول بندے الگ۔"

۵۱۔ یعنی انکار کا وبال اسی پر پڑے گا۔

۵۲۔ یعنی جنت میں آرام کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

۵۳۔ یعنی کتنا ہی بڑا نیک ہو اسے بھی اللہ کے فضل سے جنت ملے گی۔

۵۴۔ جو اس سچے مالک کو نہ بھائے اس کا کہاں ٹھکانا۔

۴۶۔ اور اس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ چلاتا ہے ہو انہیں خوشخبری لانے والیاں اور تاکہ چکھائے تمکو کچھ مزہ اپنی مہربانی کا [۵۵] اور تاکہ چلیں جہاز اسکے حکم سے [۵۶] اور تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو [۵۷]

۴۷۔ اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس سو پہنچے انکے پاس نشانیاں لے کر پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے جو گنہگار تھے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی [۵۸]

۴۸۔ اللہ ہے جو چلاتا ہے ہو انہیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر پھیلا دیتا ہے اس کو آسمان میں جس طرح چاہے [۵۹] اور رکھتا ہے اس کو تہہ بہ تہہ پھر تو دیکھے مینہ کو کہ نکلتا ہے اس کے بیچ میں سے پھر جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو کہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں تبھی وہ لگتے ہیں خوشیاں کرنے [۶۰]

۴۹۔ اور پہلے سے ہو رہے تھے اس کے اترنے سے پہلے ہی ناامید [۶۱]

۵۰۔ سو دیکھ لے اللہ کی مہربانی کی نشانیاں کیونکر زندہ کرتا

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَ  
لِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْغُلُكُ بِأَمْرِهِ  
وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ  
فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ  
أَجْرَمُوا ۗ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٧﴾

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا  
فَيَبْسُطُهَا فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَ يَجْعَلُهُ  
كِسْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلْفِهِ ۚ فَإِذَا  
أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ  
يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٣٨﴾

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ  
لِبُؤْسَيْنِ ﴿٣٩﴾

فَانظُرْ إِلَىٰ آثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ

ہے زمین کو اسکے مر گئے پیچھے [۶۲] بیشک وہی ہے مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے [۶۳]

بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ إِنَّ ذٰلِكَ لَبُحْيِ الْمَوْتِى ۚ وَهُوَ عَلٰی

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ اور اگر ہم بھیجیں ایک ہوا پھر دیکھیں وہ کھیتی کو کہ زرد پڑ گئی تو لگیں اس کے پیچھے ناشکری کرنے [۶۴]

وَلَيِّنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاوٰهُ مُصْفَرًا لَّا ظَلُوْا مِنْ

بَعْدِهَا يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا جب کہ پھریں پیٹھ دے کر

فَاِنَّكَ لَا تُسَبِّحُ الْمَوْتِى ۚ وَلَا تُسَبِّحُ الضَّمَمَ الدُّعَاۗءَ

اِذَا وُلُوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ اور نہ تو راہ سمجھائے اندھوں کو انکے بھٹکنے سے تو تو سنائے اسی کو جو یقین لائے ہماری باتوں پر سو وہ مسلمان ہوتے ہیں [۶۵]

وَمَا اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمٰى عَنِ ضَلٰلَتِهِمْ ۗ اِنَّ تُسَبِّحُ

اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِآيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۵۔ قدرت الہیہ: یعنی باران رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر خدا کی مہربانی سے مینہ برستا ہے۔

۵۶۔ یعنی باد بانی جہاز اور کشتیاں ہو اسے چلتی ہیں اور دخانی اسٹیروں کی رفتار میں بھی باد موافق مدد دیتی ہے۔

۵۷: نعمت کی بشارت: یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجارتی مال سمندر پار منتقل کر سکو اور اللہ کے فضل سے خوب نفع کمائے پھر ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ (تنبیہ) پہلے خشکی تری میں فساد پھیلنے کا ذکر تھا اس کے مقابل یہاں بشارت و نعمت الہی کا تذکرہ ہوا۔ شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ آندھی اور غبار پھیل جانے کے بعد امید رکھو کہ باران رحمت آیا چاہتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی ہیں جو رحمت و فضل کی خوشخبری سنار ہی ہیں کافروں کو چاہئے کہ شرارت اور کفران نعمت سے باز آجائیں اور خدا کی مہربانیوں کو دیکھ کر شکر گزار بندے بنیں۔

۵۸۔ مومنین کی مدد کا وعدہ: پہلے فرمایا تھا کہ مقبول اور مردود جدا کر دیے جائیں گے۔ منکروں پر ان کے انکار کا وبال پڑے گا۔ وہ اللہ کو اچھے نہیں لگتے۔ اب بتلاتے ہیں کہ اس کا اظہار دنیا ہی میں ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اللہ کی عادت اور وعدہ ہے کہ مجرمین و مکذبین سے انتقام لے اور مومنین کا ملین کو اپنی امداد و اعانت سے دشمنوں پر غالب کرے بیچ میں ہوا کا ذکر اس واسطے آیا کہ جیسے باران رحمت کے نزول سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں اسی طرح دین کے غلبہ کی نشانیاں روشن ہوتی جاتی ہیں۔

۵۹۔ یعنی پہلے کسی طرف، پیچھے کسی طرف، اسی طرح دین بھی پھیلائے گا۔ چنانچہ پھیلا دیا۔

۶۰۔ بارش اور بادل کا نظام: اسی طرح جو ایمانی اور روحانی بارش سے منتفع ہوں گے اور خوشیاں منائیں گے۔

۶۱۔ یعنی پہلے سے لوگ ناامید ہو رہے تھے حتیٰ کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی امید نہ تھی کہ مینہ برس کر ایسی جگہ پر لو ہو جائے گی انسان کا حال بھی عجیب ہے۔ ذرا دیر میں ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر ذرا سی دیر میں خوشی سے کھل پڑتا ہے۔

۶۲۔ اللہ کی رحمت کے آثار: یعنی چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک بے رونق اور مردہ پڑی تھا ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلد ابھار دیا۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا سمجھو، اس سے مردہ دلوں میں جان پڑے گی اور خدا کی زمین ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ والی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ ہر طرف رحمت الہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے جو قابلیتیں مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں، باران رحمت کا ایک چھینٹا ان کو ابھار کر نمایاں کر دے گا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بعثت محمدی کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا۔ ہمارے صوبہ کے شاعر حکیم نے کیا خوب کہا۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر  
ہے یہ وہ نام خاک کو پھول کرے سنوار کر  
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سا ابھار کر  
ہے یہ وہ نام اسی کا ورد تو صدق سے بیشمار کر

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ

۶۳۔ آخرت کی زندگی پر استدلال: یعنی یہاں مردہ دلوں کو روحانی زندگی عطا فرمائے گا اور قیامت کے دن مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈالے گا۔ اس کی قدرت کاملہ کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔

۶۴۔ تنگی میں ناشکری: یعنی پہلے ناامید تھے، بارش آئی، زمین جی اٹھی، خوشیاں منانے لگے۔ اب اگر اس کے بعد ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ جائیں تو یہ لوگ فوراً پھر بدل جائیں۔ اور اللہ کے سب احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں غرض انسان کا شکر اور ناشکری سب دنیوی اغراض کے تابع ہے اور یہاں اس پر فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے مراد پا کر بندہ نڈر نہ ہو جائے۔ اس کی قدرت رنگارنگ ہے۔ معلوم نہیں دی ہوئی نعمت کب سلب کر لے۔ اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ دین کی کھیتی دنیا میں سرسبز و شاداب ہونے کے بعد پھر باد مخالف کے جھوکوں سے مر جھا کر زرد پڑ جائے گی۔ اس وقت مایوس ہو کر ہمت ہارنی نہیں چاہیے۔

۶۵۔ یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مردہ کو زندہ کر دے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں سے اپنی بات منوا سکو یا بہروں کو سنادو، یا اندھوں کو دکھلا دو، خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ کریں پس آپ ان کے کفر و ناسپاسی سے ملول و غمگین نہ ہوں، آپ صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں کوئی بد بخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ کی بات وہ ہی سنیں گے جو ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم و انقیاد کی خواہش کرتے ہیں (تنبیہ) اسی قسم کی آیت سورہ ”نمل“ کے آخر میں گزر چکی، اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

سَمِعَ مَوْتِي كَمَا مَسَلَهُ: مفسرین نے اس موقع پر ”سَمِعَ مَوْتِي“ کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر اختیار خود کرے وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے اسے براہ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا یہ اس قاتل کا فعل کہلائے گا اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکر یا پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا، اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا جو دیکھ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے۔ ورنہ اس کی مشیت کے بدون گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فَتَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ اِذْ رَمَيْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى (انفال-۱۷) یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے ”قتل“ و ”رمی“ کی نفی کر کے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح اِنَّكَ لَا تُسَبِّحُ الْمَوْتِي كَمَا مَسَلَهُ سمجھو۔ یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنادو۔ کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر

معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا اسی حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہیے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لاسکتے۔ بہر حال آیت میں "اسماع" کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

۵۴۔ اللہ ہے جس نے بنایا تم کمزوری سے پھر دیا کمزوری کے پیچھے زور پھر دے گا زور کے پیچھے کمزوری اور سفید بال بناتا ہے جو کچھ چاہے اور وہ ہے سب کچھ جانتا کر سکتا [۶۶]

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَ

شَيْبَةً ط يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ج وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿۵۴﴾

۵۵۔ اور جس دن قائم ہوگی قیامت قسمیں کھائیں گے گنہگار کہ ہم نہیں رہے تھے ایک گھڑی سے زیادہ [۶۷] اسی طرح تھے اٹنے جاتے [۶۸]

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْبَجْرِمُونَ لِمَا

بِشُوا غَيْرِ سَاعَةٍ ط كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿۵۵﴾

۵۶۔ اور کہیں گے جنکو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اٹھنے کا دن پر تم نہیں تھے جانتے [۶۹]

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمُ

الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۶﴾

۵۷۔ سو اُس دن کام نہ آئے گا ان گنہگاروں کو قصور بخشوانا اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے [۷۰]

فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعذَرَتُهُمْ وَلَا

هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۵۷﴾

۵۸۔ اور ہم نے بھلائی ہے آدمیوں کے واسطے اس قرآن میں ہر ایک طرح کی مثل اور جو تولائے اُنکے پاس کوئی آیت تو ضرور کہیں وہ منکر تم سب جھوٹ بناتے ہو [۷۱]

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط

وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ

كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿۵۸﴾

۵۹۔ یوں مہر لگا دیتا ہے اللہ اُن کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے [۷۲]

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ سو تو قائم رہ بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور اکھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے [۴۳]

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ

۶۶۔ انسانی زندگی کے مختلف مراحل: یعنی بچہ شروع میں پیدائش کے وقت بچہ کمزور و ناتوان ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ قوت آنے لگی ہے حتیٰ کہ جوانی کے وقت اس کا زور انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور تمام قوتیں شباب پر ہوتی ہیں پھر عمر ڈھلنے لگتی ہے اور زور و قوت کے پیچھے کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ جس کی آخری حد بڑھا پا ہے۔ اس وقت تمام اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے اور قویٰ معطل ہونے لگتے ہیں۔ قوت و ضعف کا یہ سب اتار چڑھاؤ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس طرح چاہے کسی چیز کو بنائے۔ اور قوت و ضعف کے مختلف ادوار میں اس کو گزارے۔ اسی کو قدرت حاصل ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت تک کن حالات میں رکھنا مناسب ہے۔ لہذا اسی خدا کی اور اس کے پیغمبروں کی باتیں ہمیں سننی چاہئیں۔ شاید اس میں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ جس طرح تم کو کمزوری کے بعد زور دیا، مسلمانوں کو بھی ضعف کے بعد قوت عطا کرے گا اور جو دین بظاہر اس وقت کمزور نظر آتا ہے کچھ دنوں بعد زور پکڑے گا اور اپنے شباب و عروج کو پہنچے گا۔ اس کے بعد پھر ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ مسلمانوں کے ضعف کا آئے سو یاد رکھنا چاہئے کہ خدائے قادر و توانا ہر وقت ضعف کو قوت سے تبدیل کر سکتا ہے۔ ہاں ایسا کرنے کی خاص صورتیں اور اسباب ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۶۷۔ آخرت میں دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی: یعنی قبر میں یا دنیا میں رہنا تھوڑا معلوم ہو گا جب مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی تو کہیں گے کہ افسوس بڑی جلدی دنیا کی اور برزخ کی زندگی ختم ہو گئی۔ کچھ بھی مہلت نہ ملی جو ذرا سی دیر اور اس عذاب الیم سے بچے رہتے۔ یا دنیا میں کچھ زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع ملتا تو اس دن کے لئے تیاری کرتے یہ تو ایک دم مصیبت کی گھڑی سامنے آگئی۔

۶۸۔ یعنی جیسے اس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہو گا اسی طرح سمجھ لو کہ دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔

۶۹۔ کفار کو اہل علم کی ملامت: یعنی مومنین اور ملائکہ اس وقت ان کی تردید کریں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اور اس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آپہنچا۔ اب دیکھ لو جسے تم جانتے اور مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے اور یہاں کی مسرتیں دیکھ کر کہتے کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ بڑے انتظار و اشتیاق کے بعد آیا۔ جیسا کہ مومنین سمجھتے ہیں۔

۷۰۔ یعنی نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے جو کام آئے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کر لو، کیونکہ اس کا وقت گزر چکا اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔

۷۱۔ قرآن کی دلیلیں اور کفار کا انکار: یعنی اس وقت پچتائیں گے اور آج جبکہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع ہے قرآن کریم کیسی عجیب مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح ان کو سمجھاتا ہے، پر ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی، کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنائے یا صاف سے صاف معجزے دکھلائے وہ سن کر اور دیکھ کر یہ ہی کہہ دیتے ہیں کہ تم (پیغمبر اور مسلمان) سب مل کر جھوٹ بنا لائے ہو۔ ایک نے چند آیتیں بنا لیں دوسروں نے تصدیق کر دی۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح ملی بھگت کر کے اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہو۔

۷۲۔ دلوں پر مہر لگ جاتی ہے: یعنی جو آدمی نہ سمجھے نہ سمجھنے کو کوشش کرے اور ضد و عناد سے ہر بات کا انکار کرتا رہے اسی طرح شدہ شدہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور آخر کار ضد و عناد سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

۷۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: یعنی جب ان بد بختوں کا حال ضد و عناد کے اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ ان کی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ پیغمبرانہ صبر و تحمل کے ساتھ اپنے دعوت و اصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہے گا۔ اس میں رتی برابر تفاوت و تخلف نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے کام پر جتھے رہئے۔ یہ بد عقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔

تم سورة الروم ولله الحمد والمنه



آیاتها ۳۴

۳۱ سُوْرَةُ لُقْنَنْ مَكِيَّةٌ ۵

رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ الم۔

الم ﴿۱﴾

۲۔ یہ آیتیں ہیں کئی کتاب کی

تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ﴿۲﴾

۳۔ ہدایت ہے اور مہربانی نیکی کرنے والوں کے لئے [۱]

هُدٰی وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳﴾

۴۔ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت پر ان کو یقین ہے

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

بِالْآخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ﴿۴﴾

۵۔ انہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی طرف سے اور وہی مرد کو پہنچے [۲]

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدٰی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

۶۔ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اسی کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے [۳]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهٗوَ الْحَدِیْثِ لِیُبْضَلَ

عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۗ وَیَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۗ

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۶﴾

۷۔ اور جب سنائے اس کو ہمای آیتیں پیٹھ دیجائے غرور سے گویا ان کو سناہی نہیں گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو خوشخبری دے اس کو دردناک عذاب کی [۴]

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَّلٰی مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ

یَسْمَعْهَا كَاَنْ فِیْ اُذُنِیْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ

الْیَمِّ ﴿۷﴾

۸۔ جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ان کے واسطے ہیں نعمت کے باغ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ

النَّعِيمِ ﴿۸﴾

۹۔ ہمیشہ رہا کریں ان میں وعدہ ہو چکا اللہ کا سچا اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا [۵]

خُلْدِينَ فِيهَا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا ط وَهُوَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ ﴿۹﴾

۱۔ سورہ لقمان: یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت و ہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت و فہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت و رحمت بن کر آئی ہے۔

۲۔ مفلحین کا ذکر: سورہ "بقرہ" کے شروع میں اسی طرح کی آیات گذر چکی ہیں وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔

۳۔ لہو لہب میں رہنے والوں پر عذاب: سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ ان اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناز رنگ، کھیل تماشے، یادوسری واہیات اور خرافات میں مستغرق ہیں چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل و تفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کر دیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں۔

لہو الحدیث کی تفسیر: حضرت حسن "لہو الحدیث" کے متعلق فرماتے ہیں۔ کُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنْ عِبَادَةِ اللَّهِ وَذِكْرِهَا مِنَ السَّمْرِ وَالْأَضْحَانِ وَالنَّهْائِ وَالْغِنَاءِ وَنَحْوِهَا (روح المعانی) یعنی "لہو الحدیث" ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو۔ مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے، اور گانا بجانا وغیرہ۔

نضر بن حارث کی قرآن دشمنی: روایات میں ہے کہ نضر بن حارث جو روسائے کفار میں تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہان عجم کے قصص و تواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عادی و شہود کے قصے سناتے ہیں۔ آؤ میں تمکو رستم و اسفندیار اور شاہان ایران کے قصے سناؤں۔ بعض لوگ ان کو دلچسپ سمجھ کر ادھر متوجہ ہو جاتے۔ نیز اس نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی، جس کو دیکھتا کہ دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا، اس کے پاس بیجاتا اور کہہ دیتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا، پھر اس شخص کو کہتا کہ دیکھ یہ اس سے بہتر ہے جدھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلا تے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور جان مارو۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تنبیہ) شان نزول گو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔ جو لہو (شغل) دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو۔ حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے ہاں جو لہو کسی امر واجب کا مفوت (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح، لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ گھوڑ دوڑ، یا تیر اندازی اور نشانہ بازی یا زومین کی ملاعبت (جو حد شریعت میں ہو) چونکہ معتد بہ اغراض و مصالح شرعیہ پر مشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں۔ رہا غناء و سماع کا مسئلہ اس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنی چاہئے۔ مزامیر و ملاہی کی حرمت پر تو صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ البتہ نفس غناء کو ایک درجہ تک مباح لکھتے ہیں اس کی قیود و شروط بھی کتابوں میں دیکھ لی جائیں۔ صاحب روح المعانی نے آیت ہذا کے تحت میں مسئلہ غناء و سماع کی تحقیق نہایت شرح و بسط سے کی ہے فلیراجع۔

۴۔ یعنی غرور تکبر سے ہماری آیتیں سننا نہیں چاہتا۔ بالکل بہر ابن جاتا ہے۔

۵۔ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو گا: یعنی کوئی قوت اس کو ایفاء وعدہ سے روک نہیں سکتی، نہ کسی سے بے موقع وعدہ کرتا ہے۔

۱۰۔ بنائے آسمان بغیر ستونوں کے تم اس کو دیکھتے ہو<sup>[۴]</sup> اور رکھ دیے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے<sup>[۴]</sup> اور بکھیر دیے اس میں سب طرح کے جانور اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے<sup>[۸]</sup>

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ أَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۗ وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا

فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اس کے سوا ہیں<sup>[۹]</sup> کچھ نہیں پر بے انصاف صریح بھٹک رہے ہیں<sup>[۱۰]</sup>

هَذَا خَلَقَ اللَّهُ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۗ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۱﴾

۶۔ اس لفظ کی تفسیر سورہ ”رعد“ کے شروع میں گزر چکی۔

۷۔ پہاڑوں کا فائدہ: یعنی سمندر کی موجوں اور سخت ہوا کے جھکوں سے یا دوسرے اسباب طبعیہ سے مرتعش ہو کر جھک نہ پڑے اس کا انتظام بڑے بڑے پہاڑ قائم کر کے کر دیا گیا۔ سورہ ”نحل“ کے اوائل میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ باقی پہاڑوں کے پیدا کرنے کی حکمت کچھ اسی میں منحصر نہیں۔ دوسرے فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ کو معلوم ہیں۔

۸۔ یعنی ہر قسم کے پر رونق، خوش منظر، اور نفیس و کارآمد درخت زمین سے اگائے۔ سورہ شعراء کے شروع میں اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے۔  
۹۔ شرکاء نے کیا پیدا کیا ہے دکھاؤ؟ جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے ان کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہ ہی ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ یہاں ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔  
۱۰۔ یعنی ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ آگے شرک و عصیان کی تفسیح کے لئے حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے اللہ کی طرف سے دانائی پا کر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

۱۲۔ اور ہم نے دی لقمان کو عقل مندی<sup>[۱۱]</sup> کہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو اور جو کوئی منکر ہو گا تو اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا<sup>[۱۲]</sup>

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ ۗ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّا نُضْفِئُهُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ

غَنِيٌّ حَسِيدٌ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائو اللہ کا<sup>[۱۳]</sup> بیشک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے<sup>[۱۴]</sup>

وَ إِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۗ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اسکے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو اسکی ماں نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دوبرس میں کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے [۱۵]

۱۵۔ اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو انکا کہنا مت مان [۱۶] اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے موافق [۱۷] اور راہ چل اس کی جو رجوع ہو امیری طرف [۱۸] پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے [۱۹]

۱۶۔ اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں لاحاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے [۲۰]

۱۷۔ اے بیٹے قائم رکھ نماز اور سکھلا بھلی بات اور منع کر برائی سے [۲۱] اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے بیشک یہ ہیں ہمت کے کام [۲۲]

۱۸۔ اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف [۲۳] اور مت چل زمین پر اتراتا بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا بڑائیاں کرنے والا [۲۴]

وَصَيِّنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَبْلَتُهُ أُمُّهُ  
وَهُنَّا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِضْلُهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي  
وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَىٰ الْبَصِيرِ ﴿١٣﴾

وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ  
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا  
مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ  
مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

يُبْنِيٰ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ  
فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ  
يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿١٦﴾

يُبْنِيٰ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَامْرًا بِالْمَعْرُوفِ وَإِنَّهُ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَلِكُ مِنْ  
عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٧﴾

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَتَّبِعْ فِي الْأَرْضِ  
مَرْحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور چل بچ کی چال اور نیچی کر آواز اپنی بیشک بری سے  
بری آواز گدھے کی آواز ہے [۲۵]

## أَنْكَمَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتِ الْحَبِيرِ ۝

۱۱۔ حضرت لقمان کی نصیحت: اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک پاکباز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل و فہم اور متانت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں جو پیغمبروں کے احکام و ہدایات کے موافق تھیں۔ ان کی عاقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں رب العزت نے ایک حصہ قرآن میں نقل فرما کر ان کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا، شاید مقصود یہ جتلا نا ہو کہ شرک و غیرہ کا نتیجہ ہونا جس طرح فطرت انسانی کی شہادت اور انبیاء کی وحی سے ثابت ہے، دنیا کے منتخب عقلمند بھی اپنی عقل سے اس کی تائید و تصدیق کرتے رہے ہیں۔ پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا ضلال مبین نہیں تو اور کیا ہے۔ (تنبیہ)

حضرت لقمان کون تھے: حضرت لقمان کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کس زمانہ میں ہوئے؟ اس کی پوری تعیین نہیں ہو سکی، اکثر کا قول ہے کہ حبشی تھے اور حضرت داؤد کے عہد میں ہوئے۔ ان کے بہت قصے اور اقوال تفسیر میں نقل کئے ہیں۔ فاللہ علم بصحبتہا۔

۱۲۔ شکر کی نصیحت: یعنی اس احسان عظیم اور دوسرے احسانات پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا اور حق ماننا ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ اس حق شناسی اور شکر گذاری سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جو کچھ فائدہ ہے خود شکر کا ہے کہ دنیا میں مزید انعام اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر ناشکری کی تو اپنا نقصان کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کے شکر یہ کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ اس کی حمد و ثنا تو ساری مخلوق زبان حال سے کر رہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہو تب بھی جامع الصافات اور منبع الکملات ہونے کی بنا پر وہ بذات خود محمود ہے کسی کے حمد و شکر کرنے یا نہ کرنے سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر کی بیشی نہیں ہوتی۔

۱۳۔ بیٹے کو شرک نہ کرنے کی نصیحت: معلوم نہیں بیٹا مشرک تھا؟ سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا؟ اسے توحید پر خوب مضبوط کرنے اور جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی؟

۱۴۔ شرک ظلم عظیم ہے: اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دیدیا جائے اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر کیا ہوگا کہ اشرف المخلوقات ہو کر خسیس ترین اشیاء کے آگے سر عبودیت خم کر دے۔ لا حول و قوۃ الا باللہ۔

۱۵۔ ماں کا حق باپ سے زیادہ: یعنی ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ وہ مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھری، پھر وضع حمل کے بعد دو برس تک دودھ پلایا۔ اس دوران میں نہ معلوم کیسی کیسی تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔ اپنے آرام کو اس کے آرام پر قربان کیا۔ لہذا ضروری ہے کہ آدمی اولاً خدا تعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا خصوصاً ماں کا حق پہچانے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں بقدر استطاعت مشغول رہے جہاں تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اس کا حق سب سے مقدم ہے اور اسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔ انسان دل میں سوچ لے کہ کیا منہ لے کر وہاں جائے گا۔ (تنبیہ)

دودھ چھڑانے کی مدت: دودھ چھڑانے کی مدت جو یہاں دو سال بیان ہوئی باعتبار غالب اور اکثری عادت کے ہے۔ امام ابو حنیفہ جو اکثر مدت ڈھائی سال بتاتے ہیں ان کے پاس کوئی اور دلیل ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دو ہی سال ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۶۔ شرک میں ماں باپ کی اطاعت نہ کرو: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”شرک نہ مان جو تجھے معلوم نہیں یعنی شبہ میں بھی نہ مان اور یقین سمجھ کر تو کیوں مانے۔“

۱۷۔ یعنی دین کے خلاف ماں باپ کا کہنا نہ مان۔ ہاں دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور سلوک کرنا اسے مضمون کی آیت سورہ عنکبوت

میں گذر چکی، وہاں کا فائدہ دیکھ لیا جائے۔

۱۸۔ یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل! دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا طاعت مت کر۔

۱۹۔ یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی۔ (تنبیہ) وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ يَتِيمٍ إِلَىٰ ذِي الْقُرْبَىٰ بِرَحْمَةٍ لَّعَلَّهُ يَشْكُرُ (تنبیہ)۔ پہلے لقمان کی وصیت بیٹے کو تھی۔ اور آگے بھی یٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُنْ مِنَ الْخَائِفِينَ فَاتَّقِ اللَّهَ لَعَلَّهُ يُهَيِّئَ لَكَ بِهِ سَبِيلًا مَّا تَدْرِي (تنبیہ)۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت سے پیچھے اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرمادیا کہ بعد اللہ کے حق کے ماں باپ کا حق ہے باپ نے اللہ کا حق بتایا۔ اللہ نے باپ کا۔ باقی پیغمبر، یا مرشد و ہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اسی کے نائب ہوتے ہیں۔" (موضح بتغییر لیسیر)

۲۰۔ حضرت لقمان کی دوسری نصیحت: یعنی کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بری اگر روائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہیے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا، اللہ کے سامنے ہے۔ چنانچہ نیکی یا بدی کیسی ہی چھپ کر کی جائے اس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے جسے اہل نظر بے تکلف محسوس کر لیتے ہیں۔

۲۱۔ یعنی خود اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم ہو کر دوسروں کو بھی نصیحت کر کہ بھلی بات سیکھیں اور برائی سے رکھیں۔

۲۲۔ صبر کی نصیحت: یعنی دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں جن کا پیش آنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اغلب ہے ان کو تحمل اور ادا العزیم سے برداشت کر۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند بہادروں کا کام نہیں۔

۲۳۔ غرور نہ کر: یعنی غرور سے مت دیکھ اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات نہ کر۔ بلکہ خندہ پیشانی سے مل۔

۲۴۔ اکر کر چلنے کی ممانعت: یعنی اترانے اور شینیاں مارنے سے آدمی کی کچھ عزت نہیں بڑھتی، بلکہ ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔ سامنے نہیں تو پیچھے لوگ برا کہتے ہیں۔

۲۵۔ بول چال میں اعتدال: یعنی تواضع، متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کر، بے ضرورت مت بول، کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلا۔ اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو، وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے، مگر کس قدر کرہیہ و کرخت ہوتی ہے۔ بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سری ہو جاتی ہے۔ (ربط) لقمان کا کلام یہاں تک تمام ہوا۔ آگے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال اور احسان و انعام یاد دلا کر توحید و غیرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

۲۰۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں [۲۶] اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی [۲۷] اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں نہ سمجھ رکھیں نہ سوچھ اور نہ روشن کتاب [۲۸]

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ

عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ اور جب ان کو کہیے چلو اس حکم پر جو اتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم تو چلیں گے اس پر جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اور جو شیطان بلاتا ہو ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی [۲۹]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۖ أَوْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف اور وہ ہو نیکی پر سو اس نے پکڑ لیا مضبوط کڑا [۳۰] اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا [۳۱]

وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۗ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ اور جو کوئی منکر ہو اتو تو غم نہ کھا اسکے انکار سے ہماری طرف پھر آنا ہے انکو پھر ہم جتلا دیں گے ان کو جو انہوں نے کیا ہے البتہ اللہ جانتا ہے جو بات ہے دلوں میں [۳۲]

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزِنُكَ كُفْرُهُ ۗ ۖ إِنَّا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ کام چلا دیں گے ہم انکا تھوڑے دنوں میں پھر پکڑ بلائیں گے ان کو گاڑھے عذاب میں [۳۳]

نُنَبِّئُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور اگر تو پوچھے ان سے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے [۳۴]

وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں بیشک اللہ وہی ہے بے پروا سب خوبیوں والا [۳۵]

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اس کی سیاہی اسکے پیچھے ہوں سات سمندر نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی بیشک اللہ زبردست ہے حکمتوں والا [۳۶]

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ تم سب کا بنانا اور مرے پیچھے جلانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جی کا [۳۷] بیشک اللہ سب کچھ سنا دیکھتا ہے [۳۸]

مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كُنُفُسٍ وَأَحْدَاثٌ إِنَّ اللَّهَ سَبِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وقت تک [۳۹] اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے اسکی جو تم کرتے ہو [۴۰]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ یہ اس لیے کہا کہ اللہ وہی ہے ٹھیک اور جس کسی کو پکارتے ہیں اس کے سوائے سو وہی جھوٹ ہے [۴۱] اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا [۴۲]

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ تو نے نہ دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں اللہ کی نعمت لے کر تاکہ دکھلائے تمکو کچھ اپنی قدر تیں [۴۳] البتہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک تحمل کرنے والے احسان ماننے والے کے واسطے [۴۴]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلُكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾

۳۲۔ اور جب سر پر آئے انکے موج جیسے بادل پکارنے لگیں اللہ کو خالص کر کر اسی کے لیے بندگی [۴۵] پھر جب بچا دیا انکو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں بچ کی چال

وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَّجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَبِهِمْ مُقْتَصِدٌ ﴿٣٢﴾



پر [۳۶] اور منکر وہی ہوتے ہیں ہماری قدرتوں سے جو قوں کے جھوٹے ہیں حق نہ ماننے والے [۳۷]

وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿۳۷﴾

۲۶۔ مخلوقات پر انسان کی حکومت: یعنی آسمان و زمین کی کل مخلوق تمہارے کام میں لگا دی ہے، پھر تم اس کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔  
 ۲۷۔ کھلی نعتیں وہ جو حواس سے نم ڈرک ہوں یا بے تکلف سمجھ میں آجائیں۔ چھپی وہ جو عقلی غور و فکر سے دریافت کی جائیں۔ یا ظاہری سے مادی و معاشی اور باطنی سے روحانی و معادتی نعتیں مراد ہوں۔ گویا پیغمبر بھیجنا کتاب کا اتارنا، نیکی کی توفیق دینا، سب باطنی نعتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم۔  
 ۲۸۔ اللہ کی بات میں بے علم و ہدایت جھگڑنے والے: یعنی ایسے کھلے ہوئے انعام و احسان کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی وحدانیت میں یا اس کی شئون و صفات میں یا اس کے احکام و شرائع میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں۔ نہ کوئی علمی اور عقلی اصول ان کے پاس ہے نہ کسی ہادی برحق کی ہدایت، نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ، محض باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے جس کا ذکر آگلی آیت میں آتا ہے۔ (تنبیہ) ترجمہ سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ غالباً متحرم محقق قدس اللہ روحہ نے ”علم“ سے عقلی طور پر سمجھنا مراد لیا ہے اور ”ہدی“ سے ایک طرح کی بصیرت مراد لی ہے جو سلامتی ذوق و وجدان اور ممارست عقل و فکر سے ناشی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو نہ معمولی سمجھ ہے نہ وجدانی بصیرت حاصل ہے نہ روشن کتاب یعنی نقلی دلیل رکھتے ہیں۔ یہ معنی بہت لطیف ہیں۔ ہم نے آیت کی جو تقریر اختیار کی محض تسہیل کی غرض سے کی ہے۔

۲۹۔ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید: یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لئے جا رہا ہو، تب بھی تم ان کے پیچھے چلو گے؟ اور جہاں وہ گریں گے وہیں گرو گے؟

۳۰۔ یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا راستہ اختیار کیا اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا، سمجھ لو کہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ جب تک یہ کڑا پکڑے رہے گا، گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

۳۱۔ یعنی جس نے یہ کڑا مضبوط تھامے رکھا وہ آخر اس کے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور خدا اس کا انجام درست کر دے گا۔  
 ۳۲۔ ان کے انکار اور تکذیب کی پروانہ کرو: یعنی تم اپنا علاقہ خدا تعالیٰ سے جوڑے رکھو، کسی کے انکار و تکذیب کی پروانہ کرو۔ منکرین کو بھی بالآخر ہمارے ہاں آتا ہے۔ اس وقت سب کیا دھر اسانے آجائے گا۔ کسی جرم کو اللہ سے چھپانہ سکیں گے وہ تو دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔

۳۳۔ یعنی تھوڑے دن کا عیش اور بے فکری ہے۔ مہلت ختم ہونے پر سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ چھوٹ کر بھاگ جائیں؟  
 ۳۴۔ اللہ کی خالقیت کا اعتراف کفار کو بھی ہے: یعنی الحمد للہ اتنا تو زبان سے اعتراف کرتے ہو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا۔ بجز اللہ کے کسی کا کام نہیں تو پھر اب کونسی خوبی رہ گئی جو اس کی ذات میں نہ ہو۔ کیا ان چیزوں کا پیدا کرنا اور ایک خاص محکم نظام پر چلانا بدو ن اعلیٰ درجہ کے علم و حکمت اور زور و قدرت کے ممکن ہے؟ لا محالہ ”خالق السموات والارض“ میں تمام کمالات تسلیم کرنے پڑیں گے۔ اور یہ بھی اسی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے کہ تم جیسے منکرین سے اپنی عظمت و قدرت کا اقرار کر دیتا ہے جس کے بعد تم ملزم ٹھہرتے ہو کہ جب تمہارے نزدیک خالق تنہا وہ ہے تو معبود دوسرے کیوں ٹکرن گئے۔ بات تو صاف ہے پر بہت لوگ سمجھتے اور یہاں پہنچ کر انک جاتے ہیں۔

۳۵۔ اللہ کی خالقیت کا اعتراف کفار کو بھی ہے: یعنی جس طرح آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ایسے ہی آسمان و زمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب بلا شرکت غیرے اسی کی مخلوق و مملوک اور اسی کی طرف محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کیونکہ وجود اور تابع وجود یعنی جملہ صفات کمالیہ کا مخزن و منبع اسی کی ذات ہے۔ اس کا کوئی کمال دوسرے سے مستفادہ نہیں۔ وہ بالذات سب عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔ پھر اسے کسی

کی کیا پرواہ ہوتی؟

۳۶۔ اللہ کے کلمات غیر متناہی ہیں: یعنی اگر تمام دنیا کے درختوں کو تراش کر قلم بنالیں اور موجودہ سمندر کی سیاہی تیار کی جائے، پھر پیچھے سے سات سمندر اور اس کی مکمل پر آجائیں اور فرض کرو تمام مخلوق اپنی بساط کے موافق لکھنا شروع کرے، تب بھی ان باتوں کو لکھ کر تمام نہ کر سکیں گے جو حق تعالیٰ کے کمالات اور عظمت و جلال کو ظاہر کرنے والی ہیں، لکھنے والوں کی عمریں تمام ہو جائیں گی قلم گھس گھس کو ٹوٹ جائیں گے، سیاہی ختم ہو جائے گی پر اللہ کی تعریفیں اور اس کی خوبیاں ختم نہ ہوں گی بھلا محدود و متناہی قوتوں سے لامحدود اور غیر متناہی کا سرانجام کیونکر ہو۔ اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَشِیْتِ عَلٰی نَفْسِکَ۔

۳۷۔ اللہ کا ارادہ و قدرت: یعنی سارے جہان کا پیدا کرنا اور ایک آدمی کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے لئے دونوں برابر ہیں۔ نہ اس میں کچھ وقت نہ اس میں کچھ تعب۔ ایک ”کن“ سے جو چاہے کر ڈالے اور لفظ ”کن“ کہنے پر بھی موقوف نہیں۔ یہ ہم کو سمجھانے کا ایک عنوان ہے بس ادھر ارادہ ہوا ادھر وہ چیز موجود۔

۳۸۔ اللہ تعالیٰ کا سمع و بصر: یعنی جس طرح ایک آواز کا سننا اور بیک وقت تمام جہان کی آوازوں کو سننا، یا ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت تمام جہان کی چیزوں کا دیکھنا، اس کے لئے برابر ہے، ایسے ہی ایک آدمی کا مرنا جلانا اور سارے جہان کا مرنا جلانا اس کی قدرت کے سامنے یکساں ہے۔ پھر دوبارہ جلانے کے بعد بیک وقت تمام اولین و آخرین کے اگلے پیچھے اعمال کا ترقی رتی حساب چکا دینے میں بھی اسے کوئی دقت نہیں ہو سکتی کیونکہ ہمارے تمام اقوال کو سننا اور تمام افعال کو دیکھتا ہے۔ کوئی چھپی کھلی بات وہاں پوشیدہ نہیں۔

۳۹۔ ”مقرر وقت“ سے قیامت مراد ہے یا چاند سورج میں سے ہر ایک کا دورہ۔ کیونکہ ایک دورہ پورا ہونے کے بعد گویا از سر نو چلنا شروع کرتے ہیں۔ ۴۰۔ یعنی جو قوت رات کو دن اور دن کو رات کرتی، اور چاند سورج جیسے کرات عظیمہ کو ادنیٰ مزدور کی طرح کام میں لگائے رکھتی ہے اسے تمہارے مرے پیچھے زندہ کر دینا کیا مشکل ہو گا۔ اور جب ہر ایک چھوٹے بڑے عمل سے پوری طرح باخبر ہے تو حساب کتاب میں کیا دشواری ہو گی۔ ۴۱۔ معبود ہونے کا اہل صرف اللہ ہے: یعنی حق تعالیٰ کی یہ شئون عظیمہ اور صفات قاہرہ اس لیے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اس کی عبادت کرنا ہی ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کا موجود بالذات اور واجب الوجود ہونا جو بَآئِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ سے سمجھ میں آتا ہے اور دوسروں کا باطل و ہالک الذات ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اکیلے اسی خدا کے واسطے یہ شئون و صفات ثابت ہوں، پھر جس کے لئے یہ شئون و صفات ثابت ہوں گی وہ ہی معبود بننے کا مستحق ہو گا۔

۴۲۔ لہذا بندہ کی انتہائی پستی اور تذلل (جس کا نام عبادت ہے) اسی کے لئے ہونا چاہئے۔

۴۳۔ یعنی جہاز بھاری بھاری سامان اٹھا کر خدا کی قدرت و رحمت سے کس طرح سمندر کی موجوں کو چیرتا پھاڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔

۴۴۔ بحری سفر میں اللہ کی نشانیاں: یعنی اس بحری سفر کے احوال و حوادث میں غور کرنا انسان کے لئے صبر و شکر کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ جب طوفان اٹھ رہے ہوں اور جہاز پانی کے تھپڑوں میں گھرا ہو اس وقت بڑے صبر و تحمل کا کام ہے اور جب اللہ نے اس کشمکش موت و حیات سے صحیح و سالم نکال دیا تو ضروری ہے کہ اس کا احسان مانے۔

۴۵۔ اللہ کو پکارنا انسانی ضمیر کی آواز ہے: اوپر دلائل و شواہد سے سمجھایا تھا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ یہاں بتلایا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدت مندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہ ہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔

۴۶۔ یعنی جب خدا تعالیٰ طوفان سے نکال کر خشکی پر لے آیا۔ تو تھوڑے نفوس ہیں جو اعتدال کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا سے نکلتے ہی

شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے فِئْتَهُمْ مُّقْتَصِدًا کا ترجمہ کیا، ”تو کوئی ہوتا ہے ان میں بچ کی چال پر“۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا نہیں، مگر بالکل بھول بھی نہ جائے ایسے بھی کم ہیں نہیں تو اکثر قدرت سے منکر ہوتے ہیں۔ اپنے بچ نکلے کو تدبیر پر رکھتے ہیں یا کسی ارواح وغیرہ کی مدد پر۔

۴۷۔ قدرت الہیہ کا انکار: یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول و قرار اللہ سے کر رہے تھے سب جھوٹے نکلے۔ چند روز بھی اس کے انعام و احسان کا حق نہ مانا۔ اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔

۳۳۔ اے لوگوں بچتے ہو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی باپ اپن بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو جو کام آئے اپنے باپ کی جگہ کچھ بھی [۴۸] بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو تم کو نہ بہکائے دنیا کی زندگانی اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغا باز [۴۹]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَاكِدِهِ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَا زٍ عَنْ وَاكِدِهِ شَيْئًا ۚ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتار تا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبر دار ہے [۵۰]

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۗ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۗ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ اَرْضٍ

تَتَوْتُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

۴۸۔ قیامت میں نفسی نفسی: طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری ہوتی ہے۔ ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل غافل نہیں ہو جاتی۔ ایک دوسرے کے بچانے کی تدبیر کرتا ہے بلکہ بسا اوقات والدین کی شفقت چاہتی ہے کہ ہو سکے تو بچہ کی مصیبت اپنے سر لیکر اس کو بچالیں۔ لیکن ایک ہولناک اور ہوشربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا اور تیار بھی ہو تو یہ تجویز چل نہ سکے گی۔ چاہے کہ آدمی اس دن سے ڈر کر غضب الہی سے بچنے کا سامان کرے۔ آج اگر سمندر کے طوفان سے بچ گئے تو کل اس سے کیونکر بچو گے۔

۴۹۔ قیامت کا وعدہ ضرور پورا ہوگا: یعنی وہ دن یقیناً آکر رہے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لہذا دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا نہ کھاؤ کہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ اور یہاں آرام سے ہو تو وہاں بھی آرام کرو گے؟ نیز اس دغا باز شیطان کے انواء سے ہشیار ہو جو اللہ کا نام لے کر دھوکا دیتا ہے۔ کہتا ہے میاں اللہ غفور رحیم ہے خوب گناہ سمیٹو، مزے اڑاؤ، بوڑھے ہو کر اکٹھی توبہ کر لینا۔ اللہ سب بخش دے گا۔ تقدیر میں اگر اس نے جنت لکھ دی ہے تو گناہ کتنے ہی ہوں ضرور پہنچ کر رہو گے اور دوزخ لکھی ہے تو کسی طرح بچ نہیں سکتے پھر کاہے کے لئے دنیا کا مزہ چھوڑا۔

۵۰۔ تقدیر الہی اور تدبیر کا تعلق: یعنی قیامت آکر رہے گی۔ کب آئے گی؟ اس کا علم خدا کے پاس ہے۔ نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے۔ آدمی دنیا کے باغ و بہار اور وقتی تازگی پر ریجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مہینہ نہ برسے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ نہ سامان معیشت رہیں نہ اسباب معیشت رہیں، نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور تروتازگی پر فریفتہ ہو کر اس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی بارانِ رحمت سے اس کو تروتازہ اور پر رونق بنا رکھا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کو شش کر کے اور ایڑیاں رگڑ کر مر جاتے ہیں لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیر الہی پر بھروسہ کئے بیٹھا ہو، دنیوی جدوجہد میں تقدیر پر قانع ہو کر ذرہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہئے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوگی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں۔ یہ ہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکے میں ہرگز نہ آئیں بیشک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا کو ہے مگر عموماً اچھی یا بری تقدیر کا چہرہ، اچھی یا بری تدبیر کے آئینہ میں نظر آتا ہے۔ اس لئے تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی۔ جنتی ہے یا دوزخی، مفلس ہے یا غنی لہذا ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوتی جس سے عادتاً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہو، روزی کتنی ملے، سعید ہو یا شقی، اس کی طرف وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَدْحَامِ میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اڑالو، پھر توبہ کر کے نیک بن جانا، اس کا جواب ہے وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا الخ میں دیا ہے۔ یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لئے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آجائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کر لے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم و خبیر کو ہے۔ (تنبیہ)

اللہ کا علم غیب اور رسول اللہ کا علم غیب: یاد رکھنا چاہئے کہ مغیبات جن احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی، اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل، حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِہٖۤ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنۡ اِذْنٰتِیۡ مِنۡ رَّسُوْلِیۡ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیٰتِ (جن ۲۷، ۲۶) جس کی جزئیات کی تفصیل و تبویب اذکیائے امت نے کی، اور اکوان غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی۔ اور نبی کریم ﷺ کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔

مفتاح الغیب کا کلی علم صرف اللہ کو ہے: آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفتاح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔

فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا۔ بِاٰیِّ اَرْضٍ تَنْبُتُۢمِیۡنَ غِیۡوِبَ مَکٰنِیۡہِ۔ مَّاذَا تَكْسِبُۢ غَدًا میں زمانیہ مستقبلہ۔ مَا فِي الْاَدْحَامِ میں زمانہ حالیہ اور يُنَزَّلُ الْغَيْثَ میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔ یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی، ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا چیز ہے لڑکا یا لڑکی۔ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں

گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟ اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیوی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے۔ جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔ بہر حال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے، حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہی پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کمانی الحدیث۔

پہلے سورہ انعام اور سورہ نمل میں بھی ہم علم غیب کے متعلق کچھ لکھ چکے ہیں۔ ایک نظر ڈال لیجائے۔

تم سورۃ لقمان بمنہ و کرمہ

آياتها ۳۰

۳۲ سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۵

رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ الم۔

الم

۲۔ اتارنا کتاب کا اس میں کچھ دھوکا نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے [۱]

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ط

۳۔ کیا کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ باندھ لایا ہے کوئی نہیں وہ ٹھیک ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو ڈر سنا دے ان لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ راہ پر آئیں [۲]

اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰهُۙ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ  
تَسْتَدْرِیْقُوْا مَا اَتٰهُمْ مِنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ

لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ

۱۔ بلاشبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین نے اتاری ہے نہ اس میں کچھ دھوکا ہے نہ شک و شبہ کی گنجائش۔

۲۔ قرآن وحی الہی ہے اسکے دلائل: یعنی جس کتاب کا معجزہ اور من اللہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، کیا اس کی نسبت کفار کہتے ہیں کہ پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے اور معاذ اللہ جھوٹ طوفان خدا کی طرف نسبت کرتا ہے؟ حد ہو گئی جب ایسی روشن چیز میں بھی شبہات پیدا کئے جانے لگے، ذرا غور و انصاف کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب ٹھیک پروردگار عالم کی طرف سے آئی ہے۔ تا اس کے ذریعہ سے آپ اس قوم کو بیدار کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے پاس قرونوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی اپنی طرف سے وہ ہی چیز بنا کر لاتا ہے یا بنا سکتا ہے جس کی کوئی نظیر یا زبردست خواہش اس کے ماحول میں پائی جاتی ہو۔ کسی ملک میں ایسی بات دفعۃً منہ سے نکال دینا جو ان کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر مخالف ہو اور جس کے قبول کی ادنیٰ ترین استعداد بھی بظاہر نہ پائی جائے، کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کسی کو مامور کرے وہ الگ بات ہے۔ پس نبی امی ﷺ جن کا عقل الناس ہونا ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے جو آپ کو (معاذ اللہ) مفتری کہتے ہیں، اگر کوئی بات بنا کر لاتے تو یقیناً ایسی لاتے جو عرب کی اس فضا کے مناسب اور عام جذبات کے موافق ہوتی اور جس کا کوئی نمونہ ان کے گرد و پیش پایا جاتا۔ یہ ہی بات ایک انصاف پسند کو یقین دلا سکتی ہے کہ وہ خود اپنی ذاتی خواہش سے کھڑے نہیں ہوئے اور نہ جو پیغام لائے وہ ان کا تصنیف کیا ہوا تھا۔

۴۔ اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے چھ دن کے اندر پھر قائم ہوا عرش پر [۳] کوئی نہیں تمہارا اس کے سوائے حمایتی اور نہ سفارشی پھر تم کیا دھیان نہیں کرتے [۴]

۵۔ تدبیر سے اتار تا ہے ہر کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں [۵]

۶۔ یہ ہی جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا [۶]

۷۔ جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش ایک گارے سے

۸۔ پھر بنائی اسکی اولاد نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے [۷]

۹۔ پھر اس کو برابر کیا [۸] اور پھونکی اس میں اپنی ایک جان [۹] اور بنا دیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو [۱۰]

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ط مَا لَكُمْ مِّنْ دُونِهِ مِّنْ وَّلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ط أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٤﴾

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٥﴾

ذَٰلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٦﴾ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِنْ طِينٍ ﴿٧﴾

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ط قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٩﴾

۳۔ اس کا بیان سورہ اعراف میں آٹھویں پارہ کے اختتام کے قریب گذر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۴۔ یعنی دھیان نہیں کرتے کہ اس کے پیغام اور پیغامبر کو جھٹلا کر کہاں جاؤ گے۔ تمام زمین و آسمان میں عرش سے فرش تک اللہ کی حکومت ہے۔ اگر پکڑے گئے تو اسکی اجازت و رضاء کے بدون کوئی حمایت اور سفارش کرنے والا بھی نہ ملے گا۔

۵۔ اللہ کی تدبیر امور کا طریقہ: بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرش عظیم سے مقرر ہو کر نیچے حکم اترتا ہے۔ سب اسباب حسنی و معنوی، ظاہری و باطنی، آسمان و زمین سے جمع ہو کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں۔ آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت و حکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے۔ جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرونوں رہا یا کسی بڑی

قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح بتجیریسیر)

ہزار سال کے امور کا حکم اور اسکی تفسیر: مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القا کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں، آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرمادیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کارروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں جو سمائے دنیا کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے۔ جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جداگانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کر لے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی و اسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گذرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج و آثار اس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں بعض کے نزدیک ”یوم“ سے یوم قیامت مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہو گا۔ اس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کی برابر ہے۔ بہر حال فی بیور کو بعض نے یُدبِر کے اور بعض نے یَعْرِض کے متعلق کیا ہے اور بعض نے تنازع فَعْلَین مانا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۔ یعنی ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام و تدبیر کا قائم کرنا اسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے، زبردست اور مہربان ہو۔  
۷۔ انسانو اپنی تخلیق میں غور کرو: یعنی نطفہ جو بہت سی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔

۸۔ یعنی شکل، صورت، اعضاء موزوں و متناسب رکھے۔

۹۔ اللہ کی روح کا مطلب: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جو مخلوق ہے اسی کا مال ہے مگر جس کی عزت بڑھائی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر۔ ۴۲) حالانکہ سب خدا کے بندے ہیں کما قال ان كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا اَتِي الرَّحْمٰنِ عِبْدًا (مریم۔ ۹۳)۔ سو انسان کی جان عالم غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی۔ اس کو اپنا کہا۔ ورنہ اللہ کی جان کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مثلاً آدمی کی جان کا لیتے ہیں تو چاہے جان کسی بدن میں ہو، بدن ہو تو ترکیب آئی، ترکیب آئی تو حدوث آیا، ذات پاک کہاں رہی ” (موضح بتجیریسیر)  
۱۰۔ ان نعمتوں کا شکر یہ یہ تھا کہ آنکھوں سے اس کی آیات تکوینیہ کو بنظر امعان دیکھتے۔ کانوں سے آیات تزیلیہ کو توجہ و شوق کے ساتھ سنتے۔ دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے پھر سمجھ کر اس پر عامل ہوتے۔ مگر تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

۱۰۔ اور کہتے ہیں کیا جب ہم رل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بننا ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں [۱۱]

وَقَالُوا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِي خَلْقٍ

جَدِيْدٍ ۙ بَلْ هُمْ بِلِقَاي رَبِّهِمْ كَفِرُوْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے [۱۲]

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ

اِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۲﴾



۱۲۔ اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ منکر سر ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے [۱۳] اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو بھیج دے کہ ہم کریں بھلے کام ہم کو یقین آگیا [۱۴]

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُرْمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَبَعْنَا فَارْجِعْنَا لَعْمَلٍ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور اگر ہم چاہتے تو بھلا دیتے ہر جی کو اس کی راہ لیکن ٹھیک پڑ چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے [۱۵]

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ سواب چکھو مزہ جیسے تم نے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کے ملنے کو ہم نے بھی بھلا دیا تم کو [۱۶] اور چکھو عذاب سدا کا عوض اپنے کیے کا

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب ان کو سمجھائے ان سے گر پڑیں سجدہ کر کر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے [۱۷]

إِنبَاءٍ مِّنْ بَايِعْتَنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾

۱۶۔ جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے [۱۸] پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے [۱۹] اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھری ہے انکے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلا اس کو جو کرتے تھے [۲۰]

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ لِّبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر ہے اسکے جو نافرمان ہے نہیں برابر ہوتے [۲۱]

۱۹۔ سو وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے تو ان کے لیے باغ ہیں رہنے کے مہمانی ان کاموں کی وجہ سے جو کرتے تھے [۲۲]

۲۰۔ اور وہ لوگ جو نافرمان ہوئے سو انکا گھر ہے آگ جب چاہیں کہ نکل پڑیں اس میں سے اٹا دیے جائیں پھر اسی میں اور کہیں ان کو چکھو آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے [۲۳]

۲۱۔ اور البتہ چکھائیں گے ہم ان کو تھوڑا عذاب ورے اس بڑے عذاب سے تاکہ وہ پھر آئیں [۲۴]

۲۲۔ اور کون بے انصاف زیادہ اس سے جس کو سمجھایا گیا اسکے رب کی باتوں سے پھر ان سے منہ موڑ گیا [۲۵] مقرر ہم کو ان گنہگاروں سے بد لالینا ہے [۲۶]

۱۱۔ یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے ان کو اول مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے۔ اور شبہ یا استبعاد ہی نہیں بلکہ صاف طور پر یہ لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہو گئے۔

۱۲۔ موت کے بعد آدمی بالکل فنا نہیں ہوتا: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی تم آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل مل کر برابر ہو گئے۔ ایسا نہیں۔ تم حقیقت میں جان ہو۔ جسے فرشتہ لیجاتا ہے بالکل فنا نہیں ہو جاتے۔“ (موضح)۔

۱۳۔ یعنی ذلت و ندامت سے۔ محشر میں۔

۱۴۔ یعنی ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آ گیا۔ بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے دیکھئے کیسے نیک کام کرتے ہیں۔

۱۵۔ دوسری جگہ فرمایا وَكَوْرُدُّوْا لِعَاْدَاتِهِمْ (انعام۔ ۲۸) یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر وہی شرارتیں کریں۔ ان کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغواء کو قبول کر لیں اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگیں بیشک ہم کو قدرت تھی چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردستی اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اس طرح سب کو ایک

ہی طور و طریق اختیار کرنے کے لئے مضطر کر دینا حکمت کے خلاف تھا۔ جس کا بیان کئی جگہ پہلے ہو چکا ہے۔ لہذا وہ بات پوری ہونی تھی جو ابلیس کے دعوے لَأَعُوْبَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ (ص-۸۳، ۸۲) کے جواب میں فرمائی تھی۔ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقْوَلُ۔ لَأَمْلَكَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (ص-۸۵، ۸۴) معلوم ہوا کہ یہاں جن وانس سے مراد وہ ہی شیاطین اور ان کے اتباع ہیں۔

۱۶۔ کفار پر اب کبھی رحمت نہیں ہوگی: ہم نے بھی تم کو بھلا دیا۔ یعنی کبھی رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے۔ آگے مجرمین کے مقابلہ میں مومنین کا حال و مال بیان فرماتے ہیں۔

۱۷۔ مومنین کا خوف و خشیت: یعنی خوف و خشیت اور خشوع و خضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ زبان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، دل میں کبر و غرور اور بڑائی کی بات نہیں رکھتے جو آیات اللہ کے سامنے جھکنے سے مانع ہو۔

۱۸۔ تہجد پڑھنے والوں کی مدح: یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ مراد تہجد کی نماز ہوئی جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ اور بعض نے صبح کی یا عشاء کی نماز یا مغرب و عشاء کے درمیان کی نوافل مراد لی ہیں۔ گو الفاظ میں اس کی گنجائش ہے لیکن راجح وہی پہلی تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۹۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”اللہ سے لالچ اور ڈر برا نہیں دنیا کا یا آخرت کا۔ اور اس واسطے بندگی کرے تو قبول ہے۔ ہاں اگر کسی اور کے خوف و رجا سے بندگی کرے تو ریا ہے کچھ قبول نہیں“

۲۰۔ جنت کی خصوصی نعمت: جس طرح راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انہوں نے بے ریا عبادت کی۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں۔ ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔ (تنبیہ) سر سید وغیرہ نے اس حدیث کو لے کر جنت کی نعمائے جسمانی کا انکار کیا ہے۔ میرا ایک مضمون ”ہدیہ سنیہ“ کے نام سے چھپا ہے اس میں جواب دیکھ لیا جائے۔

۲۱۔ اگر ایک ایماندار اور بے ایمان کا انجام برابر ہو جائے تو سمجھو خدا کے ہاں بالکل اندھیرا ہے (العیاذ باللہ)۔

۲۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے عمل جنت کی مہمانی کا سبب بن جائیں گے۔

۲۳۔ جہنم میں کفار کی حالت: کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازہ کی طرف پھینکیں گے۔ اس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں۔ فرشتے پھر ادھر ہی دھکیں دیں گے کہ جاتے کہاں ہو۔ جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو۔ اَللّٰهُمَّ اَعْدِنِيْ وَ مِنَ النَّارِ وَاَجِرْنِيْ مِنْ غَضَبِكَ۔

۲۴۔ دنیا میں عذاب کا نمونہ: یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں ذرا کم درجہ کا عذاب بھیجیں گے۔ تا جسے رجوع کی توفیق ہو ڈر کر خدا کی طرف رجوع ہو جائے۔ کم درجہ کا عذاب یہ ہی دنیا کے مصائب، بیماری، قحط، قتل، قید، مال، اولاد کی تباہی وغیرہ۔

۲۵۔ یعنی سمجھنے کے بعد پھر گیا۔

۲۶۔ جب تمام گنہگاروں اور ظالم مجرموں سے بدلہ لینا ہے تو یہ ظالم کیونکر بچ سکتے ہیں۔ آگے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان کے ظلم و اعراض سے دلگیر نہ ہوں پہلے مومنوں کو ہم نے کتاب دی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی۔ اور اس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے۔ جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر آپ کی امت میں امام اور سردار اٹھیں گے۔ رہے منکر، ان کا فیصلہ حق تعالیٰ خود کرے گا۔

۲۳۔ اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ دھوکے میں اس کے ملنے سے [۲۴] اور کیا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ  
مِّنْ لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ اور کیسے ہم نے ان میں پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے [۲۸] اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے [۲۹]

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا  
صَبَرُوا ۗ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کرے گا ان میں دن قیامت کے جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے ہیں [۳۰]

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا  
كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ کیا ان کو راہ نہ سو جھی اس بات سے کہ کتنی غارت کر ڈالیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں کہ پھرتے ہیں یہ ان کے گھروں میں اس میں بہت نشانیاں ہیں کیا وہ سنتے نہیں [۳۱]

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ  
الْقُرُونِ يَيسُّونَ فِي مَسْكِنِهِمْ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ  
أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ یاد دیکھا نہیں انہوں نے کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی کو ایک زمین چٹیل کی طرف [۳۲] پھر ہم نکالتے ہیں اس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں انکے چوپائے اور خود وہ بھی پھر کیا دیکھتے نہیں [۳۳]

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْبَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ  
فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ  
أَفَلَا يُبْصِرُونَ ۗ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو [۳۴]

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ تو کہہ کہ فیصلہ کے دن کام نہ آئے گا منکروں کو انکا ایمان لانا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی [۳۵]

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ  
وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٢٩﴾

## فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَأَنْتَظِرُ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ سو تو خیال چھوڑ ان کا اور منتظر رہ وہ بھی منتظر ہیں [۳۶]

۲۷۔ یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بیشک و شبہ مولیٰ کو کتاب دی گئی۔ اور آپ کو بھی اسی طرح کی کتاب ملی اس میں کوئی دھوکا اور فریب نہیں۔ یا مولیٰ کے ذکر پر فرمادیا کہ تم جو مولیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں۔  
۲۸۔ دنیا کے شداکد اور منکرین کے جو روستم پر۔

۲۹۔ یعنی مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کر کے اپنے کام پر جے رہیں تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہ ہی معاملہ ہو گا۔ چنانچہ ہوا اور خوب ہوا۔

۳۰۔ حق و باطل کا اصل فیصلہ قیامت میں ہو گا: یعنی اہل حق اور منکرین کے درمیان دو ٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہو گا ہاں دنیا میں بھی کئی مثالیں ایسی دکھائی جا چکی ہیں کہ آدمی انہیں دیکھ کر سمجھ اور عبرت کر سکتا ہے کیا عباد و شمود کی بستوں کے تباہ شدہ کھنڈر اور نشان ان منکروں نے نہیں دیکھے؟ جن پر شام وغیرہ کے سفر میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ اور کیا ان کی ہلاکت کی داستانیں نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ وہ چیزیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ان کو تائب نہ ہوا اور نجات و فلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔

۳۱۔ یعنی نہروں اور دریاؤں کا پانی یا بارش کا۔

۳۲۔ ارض جرز: الارض الجرز سے ہر ایک خشک زمین جو نباتات سے خالی ہو مراد ہے۔ بعض نے خاص سرزمین مصر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ اور نسوق النساء سے دریائے نیل کا پانی مراد لیا ہے۔ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں لکنا ہے علیہ ابن کثیر۔

۳۳۔ یعنی ان نشانات کو دیکھ کر چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور رحمت و حکمت کے قائل ہوتے اور سمجھتے کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ نیز اللہ کی نعمتوں کے جان و دل سے شکر گزار بنتے۔

۳۴۔ قیامت پر کفار کا شبہ اور اصرار: پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس پر منکرین کہتے ہیں کہ قیامت قیامت کہے جاتے ہو، اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آچکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی دھمکیاں ہیں قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

۳۵۔ یعنی ابھی موقع ہے کہ اللہ و رسول کے کہنے پر یقین کرو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ اس کے پہنچ جانے پر نہ ایمان لانا کام دے گا نہ سزا میں ڈھیل ہو گی اور نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ۔ اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ استہزاء و تکذیب میں رائگاں مت کرو۔ جو گھڑی آنے والی ہے یقیناً آکر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہو گا۔

۳۶۔ کفار سے اعراض: یعنی جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود انتہائی مجرم اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے۔ لہذا آپ فرض دعوت و تبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑیے اور ان کی تباہی کے منتظر رہئے جیسے وہ اپنے زعم میں معاذ اللہ آپ کی تباہی کے منتظر ہیں۔

تم سورة السجدة

آیاتها ۳۷

سورة الاحزاب مدنیة ۹۰

رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اے نبی ڈر اللہ سے اور کہانہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا مقرر اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا

۲۔ اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بیشک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے

۳۔ اور بھروسہ رکھ اللہ پر اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا<sup>[۱]</sup>

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل توکل کی تعلیم: یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہانہ مانئے۔ یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا بنا لیں، سازشیں کریں، جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں، عیارانہ مشورے دیں، اپنی طرف جھکانا چاہیں۔ آپ اصلاً پروانہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانئے اسی کے آگے جھکیے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر آجائے۔ اس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے۔ وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں تمہاری اصلی بہتری ہوگی۔ جب اس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اسی پر بھروسہ رکھو گے تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنادے گا۔ تمہا اسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔ جو سارے دل سے اس کا ہو رہا، دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا۔ دوسرا دل ہو تو دوسری طرف جائے لیکن سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، “کافر چاہتے تھے اپنی طرف نرم کرنا اور منافق چاہتے تھے اپنی چال سکھانا اور پیغمبر کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے۔ اس سے زیادہ دانا کون۔”

۴۔ اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اس کے اندر اور نہیں کیا تمہاری جو روؤں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچی مائیں تمہاری اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی بجاتا ہے راہ<sup>[۲]</sup>

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِۦٓ وَمَا جَعَلَ اَرْوَاۡجَكُمْ اِلّٰی تَظْهَرُوْنَ مِنْهُنَّ اَمْهَتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ۗ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي

## السَّبِيلُ ﴿۳﴾

۵۔ پکارو لے پالکوں کو انکے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں [۳] پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں [۴] اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ جو دل سے ارادہ کرو اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۵]

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَاخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۖ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ ۖ وَلَكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۖ وَ كَانَ اللَّهُ غَفُورًا

## رَحِيمًا ﴿۵﴾

۲۔ ظہار اور متبہی کا بیان: یعنی جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دودل نہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کی حقیقتہً دو ماہیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لئے اس سے جدا ہو جاتی۔ گویا اس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لینا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے اس لفظی و مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم و مفروضات کی بڑی شد و مد سے تردید فرمائی۔ اس نے بتلایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے اگر واقعی وہ ماں بن جاتی ہے تو کیا یہ دو ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے؟ ایک وہ جس نے اول جنا تھا اور دوسری یہ جس کو ماں کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح کسی نے زید کو بیٹا بنا لیا تو ایک باپ تو اس کا پہلے سے موجود تھا جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے کیا واقعی اب یہ ماننا چاہئے کہ یہ دو باپوں سے الگ الگ پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں تو حقیقی ماں باپ اور اولاد کے احکام ان پر جاری نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ بیوی کو ماں کہنے کا حکم سورہ مجادلہ میں آئے گا۔ اور لے پالک (منہ بولے بیٹے) کا حکم آگے بیان ہوتا ہے۔ ان دو باتوں کے ساتھ تیسری بات (بطور تمہید و تشریح کے) یہ بھی سنادی کہ ایسی باتیں زبان سے کہنے کی بہتری ہیں جن کی حقیقت واقع میں وہ نہیں ہوتی جو الفاظ میں ادا کی جاتی ہے جیسے کسی غیر مستقل مزاج یا دوغلے آدمی کو یا کسی قوی الحفظ اور قوی القلب کو یا ایسے شخص کو جو ایک وقت میں دو مختلف چیزوں کی طرف متوجہ ہو کہہ دیتے ہیں کہ اس کے دودل ہیں حالانکہ سینہ چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ اسی طرح ماں کے علاوہ کسی کو ماں یا باپ کے سوا کسی کو باپ یا بیٹے کے سوا کسی کو بیٹا کہہ دینے سے واقع میں وہ نسبت ثابت نہیں ہو جاتی جو بدون ہمارے زبان سے کہے قدرت نے قائم کر دی ہے۔ لہذا مصنوعی اور حقیقی تعلقات میں خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔

۳۔ متبہی کو اصل باپ کے نام سے پکارو: یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے کسی نے “لے پالک” بنا لیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا۔ یوں شفقت و محبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکار لے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ و التباس واقع نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام میں نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ کو آزاد کر کے متبہی کر لیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انہیں زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارنے لگے جب یہ آیت نازل ہوئی سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔

۴۔ یعنی اگر باپ معلوم نہ ہو تو بہر حال تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ ان ہی القاب سے یاد کرو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ کو

فرمایا۔ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا۔

۵۔ بھول چوک پر مواخذہ نہیں: یعنی بھول کر یا نادانستہ گریخت کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں، وہ معاف ہے۔ بھول چوک کا گناہ کسی چیز میں نہیں۔ ہاں ارادہ کا ہے۔ اس میں بھی اللہ چاہے توبخش دے۔

۶۔ نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے [۶] اور اسکی عورتیں انکی مائیں ہیں [۷] اور قربت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ سب ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ کرنا چاہو اپنے رفیقوں سے احسان [۸] یہ ہے کتاب میں لکھا ہوا [۹]

النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ ۗ وَاُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِى كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلٰى اَوْلِيَٰكُمْ مَّعْرُوْفًا ۗ كَانَ ذٰلِكَ فِى

الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿٦﴾

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین جان سے زیادہ چاہتے ہیں: مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے۔ بناء بریں مومن (من حیث ہو مومن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مومنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہو گا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِبَنُوْلَةِ الْوَالِدِ اِلْحِ اور ابی بن کعب وغیرہ کی قرأت میں آیت ہذا النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ اِلْحِ کے ساتھ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ كَا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہ ہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت و شفقت طبعی اور اس سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمانی و روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا پر تو اور ظل ہوتا ہے اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی۔ لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملی ہے۔ نبی کریم ﷺ ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت و تربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا اور نہیں اور اگر نبی حکم دیدے تو فرض ہو جائے۔“ ان ہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ، بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

۷۔ ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں: یعنی دینی مائیں ہیں تعظیم و احترام میں اور بعض احکام جو ان کے لئے شریعت سے ثابت ہوں۔ کل احکام میں نہیں۔



۸۔ اولوالارحام کا حق تمام مومنین سے زیادہ ہے: حضرت کے ساتھ جنہوں نے وطن چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے، آپ نے ان مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا۔ بعدہ مہاجرین کے دوسرے قرابت دار مسلمان ہو گئے تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ نانا اس بھائی چارہ سے مقدم ہے۔ میراث وغیرہ رشتہ نانتے کے موافق تقسیم ہوگی۔ ہاں سلوک احسان ان رفیقوں سے بھی کئے جاؤ۔

۹۔ یعنی قرآن میں یہ حکم ہمیشہ کو جاری رہا۔ یا تورات میں بھی ہو گیا "کتاب" سے "لوح محفوظ" مراد ہو۔

۷۔ اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا قرار اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے جو بیٹا مریم کا اور لیا ہم نے ان سے گاڑھا قرار [۱۰]

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ

مِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْهُمُ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۰﴾

۸۔ تاکہ پوچھے اللہ سچوں سے ان کا سچ اور تیار رکھا ہے منکروں کے لیے دردناک عذاب [۱۱]

لَيَسْئَلَنَّ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ

لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۱﴾

۱۰۔ پانچ اولوالعزم پیغمبر: یعنی یہ قول و قرار کہ ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرے گا۔ اور دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے گا۔ "آل عمران" میں اس ميثاق کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "اوپر پیغمبر کے حق میں فرمایا تھا کہ مومنین پر ان کی جان سے زیادہ تصرف رکھتا ہے، یہاں اشارہ کر دیا کہ یہ درجہ نبیوں کو اس لئے ملا کہ ان پر محنت (اور ذمہ داری بھی) سب سے زیادہ ہے۔ اکیلے ساری خلق سے مقابل ہونا اور کسی سے خوف ورجاء نہ رکھنا۔" پیغمبروں کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے لئے اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ ان کی ہدایت کا اثر ہزاروں برس رہا اور جب تک دنیا ہے رہے گا۔ ان میں پہلے نام لیا ہمارے نبی کا۔ حالانکہ عالم شہادت میں آپ کا ظہور سب کے بعد ہوا ہے۔ مگر درجہ میں آپ سب سے پہلے ہیں اور وجود بھی آپ کا عالم غیب میں سب سے مقدم ہے۔ کما ثبت فی الحدیث۔

۱۱۔ منکرین کیلئے جحمت: یعنی قول و قرار کے مطابق ان پیغمبروں کی زبانی اپنے احکام خلق کو پہنچائے اور حجت تمام کر دے تب ہر ایک سے پوچھ پاچھ کرے گا، تاکہ سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ جنگ الاحزاب کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سچے پیغمبر اور مومنین اور ان کے بالمقابل جھوٹے منافقوں اور منکروں کے کچھ احوال اور انکے ظاہری ثمرات و نتائج ذکر کئے ہیں۔

۹۔ اے ایمان والو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں [۱۲] اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا [۱۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا

لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۹﴾

۱۰۔ جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے [۱۴] اور جب بدلنے لگیں آنکھیں [۱۵] اور پہنچے دل گلوں تک [۱۶] اور اٹکنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی آنکھیں [۱۷]

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾

۱۱۔ وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا [۱۸]

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَ زُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾

۱۲۔ اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا [۱۹]

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور جب کہنے لگی ایک جماعت ان میں اے یثرب والو [۲۰] تمہارے لئے ٹھکانہ نہیں سو پھر چلو اور رخصت مانگنے لگا ایک فرقہ ان میں نبی سے کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے ان کی کوئی غرض نہیں مگر بھاگ جانا [۲۱]

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَ يَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۗ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۗ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر اس کے کناروں سے پھر ان سے چاہے دین سے بچلنا تو مان لیں اور دیر نہ کریں اس میں مگر تھوڑی [۲۲]

وَ لَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سِيلُوا الْفِتْنَةَ لَا تَوَّاهَا وَ مَا تَلَبَّسُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور اقرار کر چکے تھے اللہ سے پہلے کہ نہ پھیریں گے پیٹھ اور اللہ کے فرار کی پوچھ ہوتی ہے [۲۳]

وَ لَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۗ وَ كَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾

۱۶۔ تو کہہ کچھ کام نہ آئے گا تمہارے یہ بھاگنا اگر بھاگو گے مرنے سے یا مارے جانے سے اور پھر بھی پھیل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں [۲۴]

۱۷۔ تو کہہ کون ہے کہ تم کو بچائے اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی یا چاہے تم پر مہربانی [۲۵] اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوائے کوئی حمایتی اور نہ مددگار [۲۶]

۱۸۔ اللہ کو خوب معلوم ہیں جو اٹکانے والے ہیں تم میں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کبھی [۲۷]

۱۹۔ درلغ (بخل کرتے) رکھتے ہیں تم سے [۲۸] پھر جب آئے ڈر کا وقت تو تو دیکھے ان کو کہ تکتے ہیں تیری طرف پھرتی ہیں آنکھیں ان کی جیسے کسی پر آئے بے ہوشی موت کی پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ کر بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈھکے (ٹوٹے) پڑتے ہیں مال پر [۲۹] وہ لوگ یقین نہیں لائے پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے انکے کئے کام اور یہ ہے اللہ پر آسان [۳۰]

۲۰۔ سمجھتے ہیں کہ فوجیں کفار کی نہیں پھر گئیں اور اگر آجائیں وہ فوجیں تو آرزو کریں کسی طرح ہم باہر نکلے ہوئے ہوں گاؤں میں پوچھ لیا کریں تمہاری خبریں [۳۱] اور

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَا تَبْتَغُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۗ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمَعْوِقِينَ مِنْكُمْ وَ الْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۚ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾

أَشْحَةً عَلَيْكُمْ ۗ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالسِّنَةِ حِدَادٍ أَشْحَةً عَلَى الْخَيْرِ ۗ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۗ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۗ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوْنَ لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ

اگر ہوں تم میں لڑائی نہ کریں مگر بہت تھوڑی [۳۲]

يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَاءِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا

إِلَّا قَلِيلًا ۖ

۲۱۔ تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال اسکے

لئے جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا [۳۳]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ

كَثِيرًا ۖ

۲۲۔ اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی

ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اسکے رسول نے اور سچ

کہا اللہ نے اور اسکے رسول نے اور ان کو اور بڑھ گیا یقین

اور اطاعت کرنا [۳۴]

وَلَبَّأَ رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْرَابَ ۗ قَالُوا هَذَا مَا

وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۖ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَ

مَا زَادَهُمُ إِلَّا إِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا ۖ

۲۳۔ ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا

جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا

اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک

ذرا [۳۵]

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ

عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ

يَنْتَظِرُ ۗ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۖ

۲۴۔ تاکہ بدلا دے اللہ سچوں کو انکے سچ کا اور عذاب

کرے منافقوں پر اگر چاہے یا توبہ ڈالے انکے دل پر بیشک

اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۳۶]

لَيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ ۖ وَيُعَذِّبُ

الْمُنْفِقِينَ إِنِ شَاءَ ۖ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۖ

۲۵۔ اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں

بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی [۳۷] اور اپنے اوپر لے

لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ زور آور

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۗ

وَكَفَىٰ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا

عَنْزِيلًا

زبردست [۳۸]

۲۶۔ اور اتار دیا ان کو جو ان کے پشت پناہ ہوئے تھے اہل کتاب سے ان کے قلعوں سے اور ڈال دی ان کے دلوں میں دھاک کنتوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کنتوں کو قید کر لیا [۳۹]

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا

۲۷۔ اور تم کو دلائی ان کی زمین اور انکے گھر اور ان کے مال اور ایک زمین کہ جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم اور ہے اللہ سب کچھ کر سکتا [۴۰]

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوُّهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا

۱۲۔ احزاب میں فرشتوں کا نزول: یعنی فرشتوں کی فوجیں جو کفار کے دلوں میں رعب ڈال رہی تھیں۔

۱۳۔ غزوہ خندق کے اسباب: ہجرت کے چوتھے پانچویں سال یہود بنی نضیر جو مدینہ سے نکالے گئے تھے (اس کا ذکر سورہ "حشر" میں آئے گا) ہر قوم میں پھرے۔ اور ابھار اکسا کر قریش مکہ بنی فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً بارہ ہزار کاشکر جرابورے سازو سامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چور تھا، یہود "بنی قریظہ" جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی شرقی جانب تھا پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ نضیری یہود کی ترغیب و ترہیب سے آخر کار وہ بھی معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی۔ جن میں ایک بڑی تعداد ان دغا باز منافقوں کی تھی جو سختی کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدان جنگ سے ہٹنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا آخر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا خندق کھودی گئی۔ سخت جاڑے کا موسم تھا غلہ کی گرانی تھی بھوک کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود سرور عالم ﷺ کے پیٹ کو پتھر بندھے تھے۔ مگر عشق الہی کے نشہ میں سرشار سپاہی اور ان کے سالار اعظم اس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے مجاہدین پتھر پلے زمین پر کدال مارتے اور کہتے نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا، عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا۔ ادھر سرکار محمدی ﷺ سے جواب ملتا اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ، فَاعْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالنَّبَهَاجِرَةَ خندق تیار ہو گئی تو اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جما دیے۔ تقریباً بیس بیچیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ درمیان میں خندق حائل تھی باوجود کثرت تعداد کے کفار سے بن نہ پڑا کہ شہر پر عام حملہ کر دیتے۔ البتہ دور سے تیر اندازی ہوتی تھی اور گاہ بگاہ فریقین کے خاص خاص افراد میدان مبارزت میں دو دو ہاتھ دکھانے لگتے تھے۔ مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان مسلمانوں کی جمعیت محصورین کی حیثیت رکھتی تھی تاہم انہوں نے سب عورتوں بچوں کو شہر کی مضبوط و محفوظ حویلیوں میں پہنچا کر خود بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت و مدافعت کا فرض انجام دیا۔ آخر کار نعیم ابن مسعود الاشجعی کی ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہود بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی، ادھر کفار کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا غیر مرئی لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک جھکڑ ہو اکا چلا دیا۔ پڑوا ہوا سے ریت اور سنگریزے اڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ ان کے چولھے بجھ گئے، دیکھتے زمین پر جا پڑے، کھانے پکانے

کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہوا کے زور سے خمیے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے لشکر پریشان ہو گیا، سردی اور اندھیری ناقابل برداشت بن گئی آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی طبل رحیل بجا دیا۔ ناچار سب اٹھ کر بے نیل و مرام واپس چل دیے۔ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْفِتْنَةَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيمًا یہ جنگ "احزاب" کہلاتی ہے اور "جنگ خندق" بھی کہتے ہیں۔ سخت جاڑے کے موسم اور فائدہ کشی کی حالت میں خندق کھودنا اور اتنے دشمنوں کے بیچ میں گھر کر لڑائی لڑنا، یہ وہ حالات تھے جن میں منافق دل کی باتیں بولنے لگے اور مومن ثابت قدم رہے۔ اسی جنگ میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔

۱۴۔ یعنی مدینہ کی شرقی جانب سے جو اونچی ہے اور غربی جانب سے جو نیچی ہے۔  
۱۵۔ غزوہ خندق کی سختیاں: یعنی دہشت و حیرت سے آنکھیں پھرنے لگیں اور لوگوں کے تیور بدلنے لگے۔ دوستی جتانے والے لگے آنکھیں چرانے۔  
۱۶۔ یعنی خوف و ہراس سے دل دھڑک رہے تھے گویا اپنی جگہ سے اٹھ کر گلے میں آگے۔

۱۷۔ یعنی کوئی کچھ سمجھتا تھا کوئی کچھ انگلیں لڑا رہا تھا۔ مسلمانوں نے سمجھا کہ اس مرتبہ اور سخت آزمائش آئی، دیکھئے کیا صورت پیش آئے کچے ایمان والوں نے خیال کیا کہ بس جی اب کی بار نہیں بچیں گے۔ منافقین کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آگے ان کے مقولے آرہے ہیں۔  
۱۸۔ مومنین کی آزمائش: حضرت حدیفہ کو آپ نے دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کا مفصل قصہ حدیث میں پڑھو تو اس جھڑ جھڑانے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو۔ یہاں ترجمہ کی گنجائش نہیں۔

۱۹۔ منافقین کا استہزاء: بعض منافقین کہنے لگے کہ پیغمبر صاحب کہتے تھے کہ میرا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھ کو دیے گئے ہیں، یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ مسلمان کو چاہئے اب بھی ناامیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔

۲۰۔ "یثرب" مدینہ طیبہ کا پرانا نام تھا۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے "مدینۃ النبی" ہو گیا۔  
۲۱۔ منافقین کے حیلے بہانے: یعنی سارے عرب ہمارے دشمن ہوئے تو ہم کو رہنے کا ٹھکانا کہاں۔ سب لشکر سے جدا ہو کر گھر لوٹ چلو۔ اور حضرت لشکر کے ساتھ باہر کھڑے تھے۔ شہر میں مضبوط حویلیوں کے ناکے بند کر کے زنانے ان میں رکھ دیے تھے۔ یہ بہانہ کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں کہیں چور گھس کر لوٹ نہ لیں۔ اور یہ محض جھوٹ بات بنائی تھی غرض یہ تھی کہ بہانہ کر کے میدان سے بھاگ جائیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ اجازت دیتے رہے کچھ پروا نکثیر سواد نہ کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تین سو نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ باقی رہ گئے۔

۲۲۔ منافقین کے حیلے بہانے: یعنی جھوٹے حیلے بنا رہے ہیں۔ اگر فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیمت ادھر ادھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ دین اسلام چھوڑ دو جسے بظاہر یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں، یا کہے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنے فساد برپا کرو، اس وقت ان کا جھوٹ صاف کھل جائے فوراً ان مطالبات کی تائید میں نکل پڑیں۔ نہ گھروں کے کھلے ہونے کا عذر کریں نہ لٹنے کا۔ بس بات چیت کرنے اور ہتھیار اٹھا کر لانے میں جو تھوڑی دیر لگے گی اسے مستثنیٰ کر کے ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ اسلام کے ظاہری دعوے سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ و فساد کی آگ میں کود پڑیں۔

۲۳۔ منافقین کا عہد اور خلاف ورزی: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جنگ احد کے بعد اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہ کریں گے۔ اس کی پوچھ اللہ کی طرف سے ہو گی کہ وہ قول و قرار کہاں گیا۔

۲۴۔ یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو

میدان سے بھاگنا بے سود ہے۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہی ہو گیا تو کے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔

۲۵۔ اللہ کا ارادہ پورا ہو کر رہے گا: یعنی اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف ہٹ نہ سکے۔

۲۶۔ یعنی عرب کی مخالفت سے ڈرتے ہو، اگر اللہ حکم دے تو مسلمان اب تم کو قتل کر ڈالیں۔

۲۷۔ منافقین کی منافقت: یعنی ظاہری وضعداری اور دکھاوے کو شر ماثرمی کبھی میدان میں آکھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے عیش اڑاتے اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں جہاد میں آنے سے روکتے رہتے ہیں۔

۲۸۔ یعنی مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں اور ہر قسم کی ہمدردی و بہی خواہی سے بخل ہے ہاں غنیمت کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہم ہی سمیٹ کر لیجائیں اسی احتمال پر لڑائی میں قدرے شرکت بھی کر لیتے ہیں۔

۲۹۔ یعنی آڑے وقت رفاقت سے جی چراتے ہیں، ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور فتح کے بعد آکر باتیں بناتے اور سب سے زیادہ مردانگی جتاتے ہیں اور مال غنیمت پر مارے حرص کے گر پڑتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق طعن و تشنیع سے زبان درازی کرتے ہیں۔

۳۰۔ بے ایمان کا عمل: یعنی جب اللہ و رسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ جہاں حبط اعمال کا ذکر ہے تو فرمایا کہ یہ اللہ پر آسان ہے۔ یعنی بظاہر اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے اور یہ بات بھاری معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی کی محنت کو ضائع کر دے۔ لیکن اس لئے بھاری نہیں رہتی کہ خود عمل ہی کے اندر ایسی خرابی چھپی ہوتی ہے جو کسی طرح اس کو درست نہیں ہونے دیتی۔ جیسے بے ایمان کا عمل کہ ایمان شرط اور روح ہے ہر عمل کی، بدون اس کے عمل مردہ ہے پھر قبول کس طرح ہو۔ کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔

۳۱۔ منافقین کی بزدلی: یعنی کفار کی فوجیں ناکامیاب واپس جا چکیں لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا اور فرض کیجئے کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کر دیں تو ان کی تمنایہ ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں جب تک لڑائی رہے کسی گاؤں میں رہنے لگیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے لڑائی کا نقشہ کیسا ہے۔

۳۲۔ یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتناں اور لڑائی میں زیادہ کام نہ دیں محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔

۳۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ: یعنی پیغمبر کو دیکھو، ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر ان ہی پر ہے۔ مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جنبش کھا جائے جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہئے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون، اور نشست و برخاست میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں ان کی چال سیکھیں۔

۳۴۔ صحابہ کرام کا ایمان کامل: یعنی پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذذب یا پریشان ہونے کے ان کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور ان کا یقین اللہ و رسول کے وعدوں پر اور زیادہ بڑھ گیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ و رسول نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق ان کا وعدہ ہو چکا تھا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ

تَذُلُّوا الْجَنَّةَ وَلَكِنَّا يَاْتِكُمْ مِّثْلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمِ الْجَبَّاسِ وَالصَّمَاءِ وَزُلْزَلُوْنَا حَتَّىٰ يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ مَتَىٰ

نَصْرُ اللَّهِ الْآلَانَ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ (بقرہ-۲۱۴) اور سورہ ص میں جو مکہ ہے فرمایا تَحْجُتُمْ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومًا مِنَ الْآحْزَابِ (ص-۱۱)

۳۵۔ صحابہ کرام کے ایمان و عزم کا بیان: یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا پچھلے رکوع میں گذر چکا وَ لَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلِ لَا يُؤْتُونَ الْآذِينَ اسے توڑ کر بیچھائی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ ان کے برعکس کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیمانہ سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ و رسول کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اس پر جے رہے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دیدی جیسے شہدائے بدر و احد جن میں سے حضرت انس بن النضرؓ کا قصہ بہت مشہور ہے اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہر حال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے، اور جو مشتاق شہادت ہیں) اپنے عہد و پیمانہ کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔

حضرت طلحہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد: حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہ کو فرمایا هَذَا مِثْنٌ قَضَى نَحْبَهُ (یہ ان میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا ان کو اسی زندگی میں شہید قرار دیدیا گیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کی شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

۳۶۔ یعنی جو عہد کے پکے اور قول و قرار کے سچے رہے ان کو سچ پر جے رہنے کا بدلہ ملے اور بد عہد و غابا ز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف فرمادے۔ اس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں۔

۳۷۔ کفار کی شکست: یعنی کفار کا لشکر ذلت و ناکامی سے پیچ و تاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیتا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا، نہ فتح ملی نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبدود جیسا ان کا نامور سوار جسے لوگ ایک ہزار سواروں کی برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے کھیت رہا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار لے کر اس کی لاش ہمیں دیدی جائے۔ آپ نے فرمایا وہ تم لیجاؤ، ہم مردوں کا ثمن کھانے والے نہیں۔

۳۸۔ یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کر دیا کہ کفار از خود سر اسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے، اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔

۳۹۔ بنی قریظہ کا بیان: یہ یہود “بنی قریظہ” ہیں۔ مدینہ کے شرقی جانب ان کا مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ جنگ احزاب کے موقع پر حُبی بن اخطب کے انواء سے تمام معاہدات بالائے طاق رکھ کر مشرکین کی مدد پر کھڑے ہو گئے ان میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر بزدلانہ حملہ کرنا چاہا۔ جس کا جواب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بہادری سے دیا۔ جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہو کر چلے گئے تو بنو قریظہ “اپنے مضبوط قلعوں میں جا گئے۔ نبی کریم ﷺ جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے چہرہ پر غبار کا اثر تھا۔ یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیے حالانکہ فرشتے ہنوز ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ ”پر حملہ کیا جائے فوراً منادی ہوگی کہ بنو قریظہ کے بد عہد یہودیوں پر چڑھائی ہے۔ نہایت سرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین تاب نہ لاسکے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کئے۔

بنی قریظہ کے خلاف حضرت سعد کا فیصلہ: اخیر میں ان کی طرف سے بات اس پر ٹھہری کے ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں اور “اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو حکم ٹھہراتے ہیں (کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے) جو فیصلہ ہمارے حق میں حضرت سعد کر دیں گے ہم کو منظور ہو گا۔



آنحضرت ﷺ نے بھی قبول فرمایا۔ قصہ مختصر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلم حکم کے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کر دیے جائیں اور عورتیں لڑکے سب قید غلامی میں لائے جائیں اور ان کے اموال و جائداد کے مالک مہاجرین ہوں خدا اور رسول کی مرضی اور ان کی بد عہدی کی سزا یہ ہی تھی۔ اور یہ فیصلہ ٹھیک ان کی مسلمہ آسمانی کتاب ”تورات“ کے موافق تھا چنانچہ تورات کتاب استثناء اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے ”جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے توجائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔“ اس فیصلہ کے مطابق کئی سو یہودی نوجوان قتل کئے گئے اور کئی سو عورتیں لڑکے قید ہوئے اور ان کے املاک و اموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔

۲۰۔ صحابہ کرام کو اموال و اراضی کا عطیہ: یہ زمین جو مدینہ کے قریب ہاتھ لگی حضرت نے مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ ان کے گذران کا ٹھکانہ ہو گیا اور انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور دوسری زمین سے مراد خیبر کی زمین ہے جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی اس سے حضرت کے سب اصحاب آسود ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسری زمین مکہ کی ہے۔ بعض نے فارس و روم کی زمینیں مراد لی ہیں جو آپ کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے فتح ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک جو زمینیں فتح کی جائیں سب اس میں شامل ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۸۔ اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کر دوں بھلی طرح سے رخصت کرنا

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ  
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ

أَسْرَحُكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾

۲۹۔ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اسکے رسول کو اور بچھلے گھر کو تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے انکے لئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب ﴿۳۱﴾

وَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ الدَّارَ  
الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْحَسِنَاتِ مِنْكُمْ أَجْرًا

عَظِيمًا ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اے نبی کی عورتوں کو جو کوئی کر لائے تم میں کام بے حیائی کا صریح دونا ہو اس کو عذاب دہرا اور ہے یہ اللہ پر آسان ﴿۳۲﴾

يُنِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ  
مُّبَيِّنَةٍ يُضَعَّفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۗ وَ كَانَ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اسکے رسول کی اور عمل کرے اچھے دیویں ہم اسکو اس کا ثواب دو بار اور رکھی ہے ہم نے اس کے واسطے روزی عزت کی [۳۳]

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُمْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ  
صَالِحًا نُؤْتِيهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۗ وَاعْتَدْنَا لَهَا  
رِزْقًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾

۳۲۔ اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں [۳۴] اگر تم ڈر رکھو سو تم دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول [۳۵]

يُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتِنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ ۚ إِنَّ  
التَّقِيْتْنَ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي  
قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿٣٢﴾

۳۳۔ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں [۳۶] اور قائم رکھو نماز اور دینی رہو زکوٰۃ اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی [۳۷] اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو اور سترہ کر دے تم کو ایک سترائی سے [۳۸]

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ  
الْأُولَىٰ ۚ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَاطَعْنَ  
اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۗ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ  
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾

۳۴۔ اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی کی [۳۹] مقرر اللہ ہے بھید جاننے والا خبر دار [۴۰]

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٤﴾

۴۱۔ آیت تخییر اور ازواج مطہرات: حضرت کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں۔ ان میں سے بعض نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش و ترفہ کی زندگی بسر کر سکیں۔ حضرت کو یہ باتیں شاق گذریں۔ قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے۔ صحابہ مضطرب تھے۔ ابو بکر و عمر اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے۔ انہیں زیادہ فکر اپنی صاحبزادیوں (عائشہ اور حفصہ) کی تھی۔ کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ آپ قدرے منشرح ہوئے ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اتری۔ یعنی اپنی ازواج سے صاف کہہ دو کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دو کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر (یعنی کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا) تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں (یعنی شرعی طریقہ سے طلاق دے دوں) اور اگر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اس کی کمی نہیں۔ جو آپ کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی اللہ کے ہاں اس

کے لئے بہت بڑا اجر تیار ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہیں۔

امہات المؤمنین کا فیصلہ: نزول آیت کے بعد آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے اول عائشہؓ کو خدا کا حکم سنایا انہوں نے اللہ ورسول کی مرضی اختیار کی۔ پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کی عیش و عشرت کا تصور دلوں سے نکال ڈالا۔ حضرت کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا۔ جو آتشتاب اٹھادیتے تھے۔ پھر قرض لینا پڑتا۔ اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ ”جو نیکی پر رہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔“ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہی ہیں وَ الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ (نور-۲۶) مگر حق تعالیٰ قرآن میں صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جائے خاتمہ کا ڈر لگا رہے یہ ہی بہتر ہے۔ آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہے چاہئے کہ ان کی اخلاقی اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے۔ کیونکہ علاوہ ان کی ذاتی بزرگی کے وہ امہات المؤمنین ہیں۔ مائیں اپنی اولاد کی بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لازم ہے کہ ان کے اعمال و اخلاق امت کے لئے اسوہ حسنہ بنیں۔

۴۲۔ بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے۔ اگر بالفرض تم میں کسی سے کوئی بد اخلاقی کا کام ہو جائے تو جو سزا اوروں کو اس کام پر ملتی اس سے دگنی سزا ملے گی۔ اور اللہ پر یہ آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو روک نہیں سکتی۔

۴۳۔ امہات المؤمنین سے دو گئے اجر کا وعدہ: یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اس سے دو گنا ملے گا۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یہ بڑے درجہ کا لازمہ ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور برائی کا عذاب دونا، خود پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا اِذَا لَدَقْنَاكَ ضَعُفَ الْحَيٰوَةِ وَ ضَعُفَ النَّسَاتِ (بنی اسرائیل-۷۵)

۴۴۔ امہات المؤمنین کا مقام عظمت: یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور امہات المؤمنین بنایا۔ لہذا اگر تقویٰ و طہارت کا بہترین نمونہ پیش کرو گی جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔ اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہو گا۔ اور بالفرض کوئی بری حرکت سرزد ہو تو اسی نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی عام مومنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔

۴۵۔ عورتوں کیلئے مردوں سے بات کرنے کا ادب: یعنی اگر تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے (جس کی ضرورت خصوصاً امہات المؤمنین کو پیش آتی رہتی ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے۔ لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہئے کہ حتی المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں بہ تکلف ایسا لب و لہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو اور کسی بد باطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے۔ امہات المؤمنین کو اس بارہ میں اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ احتیاط لازم ہے۔ تا کوئی بیمار اور روگی دل کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”یہ ایک ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو۔“

۴۶۔ عورتوں کیلئے گھروں میں بیٹھنے کا حکم اور پردے کا بیان: یعنی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بد اخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے۔ اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ امہات المؤمنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ موکد ہو گا۔ جیسا کہ كَسْتُنَّ كَاْحِدًا مِّنَ النِّسَاءِ کے تحت میں گذر چکا۔ باقی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بناء پر بدن زیب و زینت کے مبتذل اور ناقابل اعتناء لباس میں مستتر ہو کر احیائاً باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظہر نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت

ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بدہمتہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہر حال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ ”حجاب شرعی“ میں ہے۔ رہاستر کا مضمون یعنی عورت کے لئے کن اعضاء کو کن مردوں کے سامنے کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورہ نور میں گذر چکا۔ (تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواج مطہرات کے حق میں چونکہ ان کا تاک و اہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب ان کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک یُنِسَاءَ النَّبِيِّ مِنْ بَنَاتٍ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ سے کَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو شقیں ذکر کی تھیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اس کی روک تھام فَلَا تَخْضَعْنَ بِالنَّعْوَلِ سے تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى تک کی گئی۔ دوسری اللہ و رسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے وَاقْتَنِي الصَّلَاةَ سے أَجْرًا عَظِيمًا تک اس کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ برائی کے مواقع سے بچنا اور نیکی کی طرف سبقت کرنا سب کے لئے ضروری ہے مگر ازواج مطہرات کے لیے سب عورتوں سے زیادہ ضروری ہے۔ ان کی ہر ایک بھلائی برائی وزن میں دگنی قرار دی گئی۔ اس تقریر کے موافق بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آگئی ہوگی۔

۳۷۔ یعنی اوروں سے بڑھ کر ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی سے اقرب اور امت کے لئے نمونہ ہو۔

۳۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کیلئے اللہ کا ارادہ: یعنی اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرنا اور خوب پاک و صاف کر دے اور ان کے رتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز و فائق ہو۔ (جس کی طرف يُطَهِّرُكُمْ کے بعد تَطْهِيرًا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے) یہ تطہیر و اذہاب رجب اس قسم کی نہیں جو آیت وضوء میں وَ لَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ (ماندہ ۶) سے ”یا“ بدر کے قصہ میں لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رَجْزَ الشَّيْطَانِ (انفال - ۱۱) سے مراد ہے۔ بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو اکمل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے، ہاں محفوظ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ لَطِيفٌ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ الرِّجْسَ عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ وَ لِيُطَهِّرَهُمْ لِلْعَالَمِينَ (انفال - ۱۱) سے مراد ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں (تنبیہ)

لفظ اہل بیت کی تفسیر: نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لئے اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات ان ہی سے ہوئے ہیں۔ اور ”بیوت“ کی نسبت بھی پہلے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ میں اور آگے وَادْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ نے فرمایا اَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَ بَرَكْتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ (ہود - ۷۳) مطلقہ عورت باوجودیکہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت مستقضى ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ (طلاق - ۱) حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ”بیت“ کو زینحاک طرف منسوب کیا۔ وَرَادَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا (یوسف - ۲۳) بہر حال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً ان ہی سے ہے۔ لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہل بیت (گھر والوں) میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں احمق کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے آپ کا حضرت فاطمہ، علی، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر اَللَّهُمَّ هُوَ لَأَهْلٍ بَيْتِي وَغَيْرِهِ فرمانا حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب گذرتے ہوئے الصَّلَاةُ أَهْلَ الْبَيْتِ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ الرِّجْسَ الرِّجْسَ الرِّجْسَ سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ گویا آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور ان ہی سے مخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں۔ باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لئے

ان کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۳۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کیلئے اللہ کا ارادہ: یعنی قرآن و سنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں انہیں سیکھو، یاد کرو، دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

۵۰۔ اس کی آیتوں میں بڑے باریک بھید اور پتے کی باتیں ہیں۔ اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون اس امانت کو اٹھانے کا اہل ہے اس نے اپنے لطف و مہربانی سے محمد ﷺ کو وحی کے لئے اور تم کو ان کی زوجیت کے لئے چن لیا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے احوال و استعداد کی خبر رکھتا ہے کوئی کام یوں ہی بے جوڑ نہیں کر سکتا۔

۳۵۔ تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں [۵۱] اور دبے رہنے والے مرد اور دہی رہنے والی عورتیں [۵۲] اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا [۵۳]

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنِينَ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِغِينَ وَالصَّابِغَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرَاتِ وَالذَّكِرَاتِ

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۵﴾

۵۱۔ یعنی تکلیفیں اٹھا کر اور سختیاں جھیل کر احکام شریعت پر قائم رہنے والے۔

۵۲۔ یعنی تواضع و خاکساری اختیار کرنے والے یا نماز خشوع و خضوع سے ادا کرنے والے۔

۵۳۔ قرآن میں عورتوں کا خصوصی ذکر: بعض ازواج مطہرات نے کہا تھا کہ قرآن میں اکثر جگہ مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا کہیں نہیں اور بعض نیک بخت عورتوں کو خیال ہوا کہ آیات سابقہ میں ازواج نبی کا ذکر تو آیا عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا اس پر یہ آیت اتری۔ تا تسلی ہو جائے کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت یا کمائی اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتی۔ اور جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں۔ عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے۔ یہ طبقہ انات کی دلجمعی کے لئے تصریح فرمادی ورنہ جو احکام مردوں کے قرآن میں آئے وہ ہی عموماً عورتوں پر عائد ہوتے ہیں۔ جداگانہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں خصوصی احکام الگ بتلا دیے گئے ہیں۔

۳۶۔ اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ

اس کے رسول کی سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر [۵۴]

أَمْرِهِمْ<sup>ط</sup> وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ  
ضَلًّا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا رہنے دے اپنے پاس اپنی جو رو کو اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنا چاہتا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض [۵۵] ہم نے اسکو تیرے نکاح میں دیدیا تا نہ رہے مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینا جو رو میں اپنے لے پالکوں کی جب وہ تمام کر لیں ان سے اپنی غرض اور ہے اللہ کا حکم بجالانا [۵۶]

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَهُ<sup>ط</sup> فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا<sup>ط</sup> وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾

۳۸۔ نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو مقرر کر دی اللہ نے اسکے واسطے جیسے دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو گذرے پہلے اور ہے حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ<sup>ط</sup> سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ<sup>ط</sup> وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾

۳۹۔ وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں پیغام اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنے والا [۵۷]

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ<sup>ط</sup> وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ<sup>ط</sup> وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾

۵۴۔ حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ: حضرت زینب امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی نبی کریم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیں یہ زید اصل سے شریف عرب تھے۔ لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ حضرت خدیجہؓ نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت ﷺ کو ہبہ کر دیا۔ جب یہ ہشیار

ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب سے گذرے، وہاں ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضرت کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لے کر ہمارے حوالہ کر دیں، فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں، اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لیجاؤ۔ انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا۔ حضرت زید نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپ مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت نے ان کو آزاد کر دیا اور متنبیٰ بنا لیا۔ چنانہ لوگ اس زمانہ کے رواج کے مطابق ”زید بن محمد“ کہہ کر پکارنے لگے تا آنکہ آیت اذْعُوهُمْ لِابَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نَازِلٌ هُوَی۔ اس وقت ”زید بن محمد“ کی جگہ پھر ”زید بن حارثہ“ رہ گئے۔ چونکہ قرآن کے حکم کے موافق ان کے نام سے اس نسبت عظیمہ کا شرف جدا کر لیا گیا تھا شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں سے صرف ان کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ ان کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا۔ حضرت زید بن حارثہ کے نکاح کا حکم: بہر حال حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ بظاہر داغ غلامی اٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی نیز ان کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح کی نہ تھی۔ لیکن اللہ ورسول کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہوم تفریقات و امتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس لئے آپ نے زینبؓ اور ان کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کر لیں۔ اسی وقت یہ آیت اتری اور ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ ورسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینبؓ کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔

۵۵۔ یعنی زیدؓ نے طلاق دیدی اور عدت بھی گذر گئی، زینبؓ سے کچھ غرض مطلب نہ رہا۔

۵۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زینب کے نکاح کا واقعہ: حضرت زینبؓ کے نکاح میں آئیں تو وہ ان کی آنکھوں میں حقیر لگتا۔ مزاج کی موافقت نہ ہوئی جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زیدؓ آکر حضرت سے ان کی شکایت کرتے اور کہتے میں اسے چھوڑتا ہوں حضرت منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ ورسول کے حکم سے اس نے تجھ کو اپنی منشاء کے خلاف قبول کیا اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے خدا سے ڈر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر۔ اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتا رہ۔ جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے آپ کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بد گوئی سے اندیشہ کیا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جو روگھر میں رکھ لی۔ حالانکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے نزدیک ”لے پالک“ کو کسی بات میں حکم بیٹے کا نہیں۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس جاہلانہ خیال کو اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے عملی طور پر ہدم کر دے۔ تا مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش اور استنکاف باقی نہ رہے اس نے پیغمبر علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ میں زینب کو تیرے نکاح میں دینے والا ہوں۔ کیوں دینے والا ہوں۔

حضرت زینبؓ کا نکاح کرنے کی حکمت: اس کو خود قرآن کے الفاظ لَیْکَ لَا یُکُونُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْ اَزْوَاجِ اَدْعِیَابِهِمْ صَافٍ صَافٍ ظَاہِرٌ کر رہے ہیں۔ یعنی آپ کے نکاح میں دینے کی غرض یہ ہی تھی کہ دلوں سے جاہلیت کے اس خیال باطل کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور کوئی تنگی اور رکاوٹ آئندہ اس معاملہ میں باقی نہ رہنے پائے۔ اور شاید یہ ہی حکمت ہوگی جو اول زینب کا نکاح زید سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مدت تک باقی نہ رہے گا۔ چند مصالحہ مہمہ تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ذاتی خیال اور آسمانی پیشینگوئی کے اظہار سے عوام کے طعن و تشنیع کا خیال فرما کر شرما تے اور زید کو طلاق کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے۔ لیکن خدا کی خبر سچی ہونی تھی اور اس کا حکم نکو بنی و تشریحی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے۔ آخر کار زید نے طلاق دیدی۔ اور عدت گذر جانے پر اللہ نے زینبؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ دیا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آپ دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ یہ ہی پیشینگوئی اور اس کا خیال تھا۔ اسی کو بعد میں اللہ نے ظاہر فرما دیا۔ جیسا کہ لفظ دَوَّجُنْکُمْہَا سے ظاہر ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ بعض لوگ اس بات پر بدگمانی یا

بدگوئی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھیں یا گمراہی میں ترقی نہ کریں۔ چونکہ مصالِحِ مہمہ شرعیہ کے مقابلہ میں اس قسم کی جھجک بھی پیغمبر کی شانِ رفیع سے نازل تھی اس لئے بقاعدہ ”حسانات الابرار سنیات المقرین“ اس کو عتابِ آمیز رنگ میں بھاری کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کی ذلالت کے ذکر میں واقع ہوا ہے۔ (تنبیہ) ہم نے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نکاح کی خبر پہلے سے دیدی تھی۔ اس کی روایات فتح الباری سورہ احزاب کی تفسیر میں موجود ہیں۔ باقی جو لغو اور دور از کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین و مؤرخین نے درج کر دیے ہیں ان کی نسبت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ لَا یَنْبَغِي التَّشَاغُلُ بِهَا اور ابن کثیر لکھتے ہیں۔ أَحَبَبْنَا أَنْ نُضْرَبَ عَنْهَا صَفْحًا لَعَدَمِ صَحَّتْهَا فَلَا نُؤَرِّدُهَا۔

۵۷۔ متنبی کی بیوی سے نکاح میں کوئی حرج نہیں: یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اس کے یہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی۔ پھر پیغمبر کو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں روا ہو گیا۔ انبیاء و رسل کو اللہ کے پیغامات پہنچانے میں اس کے سوا کبھی کسی کا ڈر نہیں رہا۔ (چنانچہ آپ نے بھی پیغامِ رسائی میں آج تک کسی چیز کی پروا نہیں کی نہ کسی کے کہنے سننے کے خیال سے کبھی متاثر ہوئے) پھر اس نکاح کے معاملہ میں رکات کیوں ہو۔ حضرت داؤد کی سو بیویاں تھیں اسی طرح سلیمان کی کثرت ازواج مشہور ہے جو الزامِ سفیہاء آپ کو دے سکتے ہیں انبیاء سابقین کی لائف میں اس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں۔ لہذا اس طرح کی سفیہانہ اور جاہلانہ نکتہ چینیوں پر نظر نہیں کرنا چاہئے۔ آگے بتلایا ہے کہ زید بن حارثہ جن کو آپ نے متنبی کر لیا تھا آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ ان کی مطلقہ سے آپ نکاح نہ کر سکیں۔ اور ایک زید کیا، آپ تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ کیونکہ آپ کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں مر گئے۔ اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ زہراء کی ذریت دنیا میں پھیلی۔

۴۰۔ محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا [۵۸] اور مہر سب نبیوں پر [۵۹] اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا [۶۰]

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

شَيْءٍ عَلِيمًا

۵۸۔ یعنی کسی کو اس کا بیٹا نہ جانو۔ ہاں اللہ کا رسول ہے اس حساب سے سب اس کے روحانی بیٹے ہیں جیسا کہ ہم انَّبِیُّ اٰذٰلٰی بِاٰلِہٖمۡ مِّنۡہٗنۡ مِّنۡ اَنْفُسِہِمۡ کے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں۔

۵۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں: یعنی آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی بس جن کو ملنی تھی مل چکی۔ اسی لئے آپ کی نبوت کا دورہ سب نبیوں کے بعد رکھا جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیحؑ بھی اخیر زمانہ میں بحیثیت آپ کے ایک امتی کے آئیں گے۔ خود ان کی نبوت و رسالت کا عمل اس وقت جاری نہ ہو گا جیسے آج تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری و ساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ (زمین پر) زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے اتباع کے چارہ نہ تھا۔ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیاء سابقین اپنے اپنے عہد میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا۔ اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر



لگ کر ملی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تنبیہ) ختم نبوت کے متعلق قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سے سینکڑوں دلائل جمع کر کے بعض علمائے عصر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مطالعہ کے بعد ذرا تردد نہیں رہتا کہ اس عقیدہ کا منکر قطعاً کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے۔  
۶۰۔ یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ رسالت یا ختم نبوت کو کس محل میں رکھا جائے۔

۳۱۔ اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ذُكِّرُوا بِاللَّهِ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٣١﴾

۳۲۔ اور پاکی بولتے رہو اسکی صبح اور شام [۶۱]

وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٣٢﴾

۳۳۔ وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان [۶۲]

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۗ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٣٣﴾

۳۴۔ دعا ان کی جس دن اس سے ملیں گے سلام ہے اور تیار رکھا ہے انکے واسطے ثواب عزت کا [۶۳]

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۗ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿٣٤﴾

۳۵۔ اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا [۶۴] اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا [۶۵]

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٣٥﴾

۳۶۔ اور بلانے والا اللہ کی طرف اسکے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ [۶۶]

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو کہ ان کے لیے ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی [۶۷]

وَأَنَّ لِلْمُؤْمِنِينَ بِإِنِّ لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿٣٧﴾

۳۸۔ اور کہا مت مان منکروں کا اور دغا بازوں کا [۶۸] اور چھوڑ دے انکا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا [۶۹]

وَلَا تَطْعَمِ الْكُفْرِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَدَعَا أَذْهُمُ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٣٨﴾

۶۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیلئے اللہ کا شکر ادا کرو: یعنی حق تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان اور پیغمبروں کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ اور منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات، دن، صبح، شام ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو۔

۶۲۔ نزول ملائکہ اور نزول رحمت کا وعدہ: یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے یہ رحمت و برکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت و ضلالت کی اندھیروں سے علم و تقویٰ کے اجالے میں لاتی ہے۔ اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہو تو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔ اسی کی مہربانی سے مومنین رشد و ہدایت اور ایمان و احسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں ان کا حال ہوا، آخرت کا اعزاز و اکرام آگے مذکور ہے۔

۶۳۔ یعنی اللہ ان پر سلام بھیجے گا اور فرشتے سلام کرتے ہوئے ان کے پاس آئیں گے اور مومنین کی آپس میں بھی یہی دعا ہوگی جیسا کہ دنیا میں ہے۔  
۶۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب۔ یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا رستہ بتاتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔

۶۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب: یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

۶۶۔ آپ سراج منیر ہیں: پہلے جو فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلادیا کہ وہ اجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنی میں ہو جو سورہ ”نوح“ میں فرمایا جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرًا جَا (نوح-۱۶) (اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا) یعنی آپ آفتاب نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی۔ سب روشنیاں اسی نور اعظم میں محو و مدغم ہو گئیں۔

۶۷۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری: یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو حضرت کے طفیل سب امتوں پر بزرگی اور برتری دی۔

۶۸۔ یعنی جب اللہ نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ جماعت عنایت فرمائی تو آپ حسب معمول فریضہ دعوت و اصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہے اور اللہ جو حکم دے اس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر و منافق کی یا وہ گوئی کی پروا نہ کیجئے۔

۶۹۔ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کارساز ہے: یعنی اگر یہ بد بخت زبان اور عمل سے آپ کو ستائیں تو ان کا خیال چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ وہ اپنی قدرت و رحمت سے سب کام بنا دے گا۔ منکروں کو راہ پر لے آنا یا سزا دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے، آپ کو اس فکر اور الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ آپ طعن و تشنیع وغیرہ سے گھبرا کر اپنا کام چھوڑ بیٹھیں۔ اگر بفرض محال آپ ایسا کریں تو گویا ان کا مطلب پورا کر دیں گے اور ان کا کہا مان لیں گے۔ العیاذ باللہ۔

۴۹۔ اے ایمان والوں جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ سوان پر تم کو حق نہیں عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ سوان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح سے [۴۰]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ  
طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ  
عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمَتَّعُوهُنَّ  
وَسَرَاحُوهُنَّ سَرَاحًا جَبِيلًا

۷۰۔ مطلقہ قبل صحبت کی عدت: جو مرد اپنی عورت کو بغیر صحبت طلاق دے، اگر اس کا مہر بندھا تھا تو نصف مہر دینا ہو گا ورنہ کچھ فائدہ پہنچا کر (یعنی عرف اور حیثیت کے موافق ایک جوڑا پوشاک دے کر) خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دے۔ اور عورت اسی وقت چاہے تو نکاح کر لے۔ اس صورت میں عدت نہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ بھی صحبت کے حکم میں ہے تفصیل فقہ میں دیکھ لی جائے) یہ مسئلہ یہاں بیان فرمایا حضرت کی ازواج کے ذکر میں جس کا سلسلہ دور سے چلا آتا تھا۔ درمیان میں چند آیات ضمنی مناسبت سے آگئی تھیں۔ یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت نے ایک عورت سے نکاح کیا جب اس کے نزدیک گئے تو کہنے لگی اللہ تجھ سے پناہ دے، حضرت نے اس کو جواب دیا کہ تو نے بڑے کی پناہ پکڑ لی۔ اس پر یہ حکم فرمایا اور خطاب فرمایا ایمان والوں کو تا معلوم ہو کہ پیغمبر کا خاص حکم نہیں، سب مسلمانوں پر یہ ہی حکم ہے۔ اسی کے موافق حضرت نے اس کو جوڑا دے کر رخصت کر دیا۔ پھر وہ ساری عمر اپنی محرومی پر پچھتاتی رہی۔

۵۰۔ اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا ہے اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تیرے اللہ [۴۱] اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالوں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور جو عورت ہو مسلمان اگر بخشدے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لائے یہ خاص ہے تیرے لیے سوائے سب مسلمانوں کے ہم کو معلوم ہے جو مقرر کر دیا ہے ہم نے ان پر انکی عورتوں کے حق میں اور انکے ہاتھ کے مال میں تا نہ رہے تجھ پر تنگی اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۴۲]

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحَلَّلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي  
 آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا آفَاءَ  
 اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عِبَتِكَ وَبَنَاتِ  
 خَالِكَ وَبَنَاتِ خُلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَ  
 امْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ  
 أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ  
 دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ  
 فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ  
 عَلَيْكَ حَرَجٌ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٠﴾

۵۱۔ پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہو ان میں اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے اور جس کو جی چاہے تیرا ان میں سے جن کو کنارے کر دیا تھا تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر [۴۳] اس میں قریب ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں انکی اور غم نہ کھائیں اور راضی رہیں اس پر جو تو نے دیا ان سب کی سب

تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤَمَّرُ إِلَيْكَ مَنْ  
 تَشَاءُ ط وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ  
 عَلَيْكَ ذَلِكِ أَدْنَى أَنْ تَقْرَأَ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَنَّ

کو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا تَحْلُّ وَاللَّهِ [۴۳]

وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا

فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ﴿۵۱﴾

۵۲۔ حلال نہیں تجھ کو عورتیں اسکے بعد اور نہ یہ کہ اُنکے بدلے کر لے اور عورتیں اگرچہ خوش لگے تجھ کو اُنکی صورت [۴۵] مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا [۴۶] اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان [۴۴]

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ

بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا

مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

رَقِيبًا ﴿۵۲﴾

۱۔ یعنی لونڈیاں باندیاں جو غنیمت وغیرہ سے ہاتھ لگی ہوں۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بلا مہر نکاح کی اجازت: تیری عورتیں جن کا مہر دے چکا۔ یعنی جو اب تیرے نکاح میں ہیں خواہ قریش سے ہوں اور مہاجر ہوں یا نہ ہوں سب حلال رہیں، ان میں سے کسی کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور چچا، بھوپھی، ماموں، خالہ کی بیٹیاں یعنی قریش میں کی جو باپ یا ماں کی طرف سے قرابتدار ہوں بشرط ہجرت کے حلال ہیں ان سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور جو عورت بخشے نبی کو اپنی جان یعنی بلا مہر کے نکاح میں آنا چاہے وہ بھی حلال ہے اگر آپ اس طرح نکاح میں لانا پسند کریں۔ یہ اجازت خاص پیغمبر کے لئے ہے گو آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا (کمانی الفتح) شاید ان آراء النبی کی شرط سے اباحت مر جوہ سمجھی ہو۔ بہر حال دوسرے مسلمانوں کے لئے وہی حکم ہے جو معلوم ہو چکا کہ تَبْتَعُوا بِأَمْوَالِكُمْ (نساء۔ ۲۴) یعنی بلا مہر نکاح نہیں، خواہ عقد کے وقت ذکر آیا خواہ پیچھے ٹھہرا لیا نہ ٹھہرا یا تو مہر مثل (جو اس کی قوم کا مہر ہو) واجب ہو گا۔ پیغمبر پر سے اللہ تعالیٰ نے یہ مہر کی قید اٹھادی تھی۔ برخلاف مومنین کے کہ ان کو نہ چارے سے زائد کی اجازت نہ بدون مہر کے نکاح درست۔ (تنبیہ)

۳۔ ازواج مطہرات کی تعداد اور اسکی حکمت کا بیان: "آنحضرت ﷺ نے پچیس سال کی عمر تک جو شباب کی امتگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تہجد میں گزارے۔ پھر اقرباء کے اصرار اور دوسری جانب کی درخواست پر حضرت خدیجہؓ سے (جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں) آپ نے عقد کیا۔ تریپن سال کی عمر تک پورے سکون و طمانیت سے اسی پاکباز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہ ہی زمانہ تھا کہ آپ ساری دنیا سے الگ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ کے لئے توشہ تیار کرتی اور عبادت الہی اور سکون قلبی کے حصول میں آپ کی اعانت و امداد کیا کرتی تھی۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لئے عموماً نفسانی جذبات کی انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے اٹھ اٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے، کوئی معاند سے معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک نقطہ ایک شوشہ آپ کی پیغمبرانہ عصمت اور خارق عادت عفاف و پاکبازی کے خلاف نقل نہیں کر سکتا۔ اور واضح رہے کہ یہ اس اکمل البشر کی سیرت کا ذکر ہے جس نے خود اپنی نسبت فرمایا کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کی برابر ہے جن میں سے ایک مرد کی قوت سو کی برابر ہوگی گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کی برابر قوت حضور ﷺ کو عطا فرمائی گئی

تھی۔ اور بیشک دنیا کے اکل ترین بشر کی تمام روحانی و جسمانی قوتیں ایسے ہی اعلیٰ اور اکل پیمانہ پر ہونی چاہئیں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوتیں تو آپ کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جاسکتا تھا جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کر لے۔ لیکن اللہ اکبر! اس شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانا ہے کہ تریپن سال کی عمر اس تجر دیا زہد کی حالت میں گزار دی۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے وفات کے بعد اپنے سب سے بڑے جان نثار و وفادار رفیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عقد کیا۔ ان کے سوا آٹھ بیوائیں آپ کے نکاح میں آئیں۔ وفات کے بعد موجود تھیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن وارضائہن (ان میں پچھلی تین قریشی نہیں) دنیا کا سب سے بڑا بے مثال انسان جو اپنے فطری قوی کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار بیویوں کا مستحق ہو، کیا نو کا عدد دیکھ کر کوئی انصاف پسند اس پر کثرت ازدواج کا الزام لگا سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ریاضت و مجاہدہ: پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر تریپن سال سے متجاوز ہو چکی تھی، باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔ جو آتا اللہ کے راستہ میں دے ڈالتے، اختیاری فقر وفاقہ سے پیٹ کو پتھر باندھتے مہینوں ازدواج مطہرات کے مکانوں سے دھواں نہ نکلتا، پانی اور کھجور پر گزارہ چلتا۔ روزہ پر روزہ رکھتے، کئی کئی دن افطار نہ کرتے، راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر درم ہو جاتا، لوگ دیکھ کر رحم کھانے لگتے، عیش و طرب کا سامان تو کجا، تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو ہمارے ساتھ رہے جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔ ان حالات کے باوجود دوسری طرف دیکھا جاتا ہے کہ سب ازدواج کے حقوق ایسے اکل و احسن طریقہ سے ادا فرماتے جس کا تحمل بڑے سے بڑا طاقتور مرد نہیں کر سکتا اور میدان جنگ میں لشکروں کے مقابلہ پر جب بڑے بڑے جو انمرد دل چھوڑ بیٹھتے تھے آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے اور زبان سے فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ اور اَنَا النَّبِيُّ لَا كُذِبَ اَنْ اَبُؤُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ۔

تعداد ازدواج میں آپ ﷺ کی معجزانہ شان: بیویوں کا تعلق فرائض عبودیت و رسالت کی بجا آوری میں ذرہ برابر فرق نہ ڈالتا۔ نہ کسی سخت سخت کٹھن کام میں ایک منٹ کے لئے ضعف و تعب لاحق ہوتا، کیا یہ خارق عادت احوال اہل بصیرت کے نزدیک معجزہ سے کچھ کم ہیں۔ حقیقت میں جس طرح آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی ایک معجزہ تھی، بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی پاک زندگی کے ہر ایک دور میں پاکباز متقیوں کے لئے کچھ نمونے رکھ دیے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی عملی رہبری کر سکیں۔ ازدواج مطہرات کی جس نام نہاد کثرت پر مخالفین کو اعتراض ہے وہ ہی امت مرحومہ کے لئے اس کا ذریعہ بنی کہ پیغمبر کا اتباع کرنے والے مرد اور عورتیں ان حکموں اور نمونوں سے بے تکلف واقف ہوں جو بالخصوص باطنی احوال اور خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا کثرت ازدواج میں ایک بڑی مصلحت یہ ہوئی کہ خانگی معاشرت اور نسوانی مسائل کے متعلق نبی کے احکام اور اسوہ حسنہ کی اشاعت کافی حد تک بے تکلف ہو سکے۔ نیز مختلف قبائل و طبقات کی عورتوں کے آپ کے خدمت میں رہنے سے ان قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح ان کی وحشت و نفرت بھی کم ہوئی۔ اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاکدامنی، خوبی اخلاق، حسن معاملہ اور بے لوث کیر کٹر کوسن کو اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک و اوہام کا ازالہ ہوا، اور اس طرح خدا کے عاشقوں، آپ کے فداکاروں اور دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پرہیزگار و پاکباز کوئی جماعت (جز انبیاء کے) آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی اور جو کسی برے کیر کٹر رکھنے والی کی تربیت میں محال تھا کہ تیار ہو سکے۔

۴۔ ازدواج کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خصوصی احکام: یعنی واہبۃ النفس کے متعلق اختیار ہے قبول کرو یا نہ کرو۔ اور موجودہ

بیویوں میں سے جس کو چاہو رکھو یا طلاق دیدو۔ نیز جو بیویاں رہیں آپ پر قسم (باری باری سے رہنا) واجب نہیں، جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں۔ اور جسے کنارے کر دیا ہو اسے دوبارہ واپس لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حقوق و اختیارات آپ کو دیے گئے تھے، مگر آپ نے مدت العمر ان سے کام نہیں لیا معاملات میں اس قدر عدل و مساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ اس پر بھی قلبی میلان کسی کی طرف بے اختیار ہوتا تو فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اَقْسَمُ فِیْمَا اَمَلْتُكَ فَلَا تَلْبَسْنِیْ فِیْمَا تَبَدَّلْتُكَ وَلَا اَمَلْتُكَ (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، جو چیز صرف تیرے قبضہ میں ہے میرے اختیار میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجئے) شاید واللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا۔ میں اسی طرف اشارہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “کسی مرد کے کئی عورتیں ہوں تو اس پر باری سے سب کے پاس برابر بناوا واجب ہے، حضرت پر یہ واجب نہ تھا۔ اس واسطے کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں، تو جو دیں راضی ہو کر قبول کریں۔ (درنہ روز روزیہ ہی کشکش اور جھنجھٹ رہا کرتی، مہمات دین میں خلل پڑتا اور ازواج کی نظر بھی دنیا سے باکل یکسو ہو کر مقصد اصلی کی طرف نہ رہتی۔ اسی غم و فکر میں مبتلا رہا کرتیں) پر حضرت نے اپنی طرف سے فرق نہیں کیا سب کی باری برابر رکھی۔ ایک حضرت سودہؓ نے (جب عمر زیادہ ہو گئی) اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی۔”

۷۵۔ یعنی جتنی قسمیں اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ اَلَّتِیْ الخ میں فرمادیں، اس سے زیادہ حلال نہیں۔ اور جو اب موجود ہیں انکو بدلنا حلال نہیں۔ یعنی یہ کہ ان میں سے کسی کو اس لئے چھوڑ دو کہ دوسری اس کی جگہ کر لاؤ۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ یہ ممانعت آخر کو موقوف ہو گئی مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے نہ اس کے بعد کوئی نکاح کیا نہ ان میں سے کسی کو بدلا۔ آپ کی وفات کے وقت سب ازواج برابر موجود رہیں۔

۷۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزیں: یعنی لونڈی باندی۔ حضرت کی دو حرم مشہور ہیں ایک ماریہ قبطیہ، جن کے شکم سے صاحبزادہ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ بچپن میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ رضی اللہ عنہما۔

۷۷۔ یعنی اللہ کی نگاہ میں ہے جو اس کے احکام و حدود کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، اس کا خیال رکھ کر کام کرنا چاہئے۔

۵۳۔ اے ایمان والو! موت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے والے اس کے پکنے کی لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ [۷۸] پھر جب کھا چکو تو آپ آپ کو چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگا کر بیٹھو باتوں میں [۷۹] اس بات سے تمہاری تکلیف تھی نبی کو پھر تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں [۸۰] اور جب مانگئے جاؤ بیسیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ کے باہر سے اس میں خوب سترائی ہے تمہارے دل کو اور ان کے دل کو [۸۱] اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اسکی عورتوں سے اس کے پیچھے کبھی البتہ یہ تمہاری بات اللہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَّظِيرِينَ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيُ مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيُ مِنَ الْحَقِّ ۗ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا

کے یہاں بڑا گناہ ہے [۸۲]

فَسَلُّوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۖ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ  
لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۗ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا  
رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهَا  
اَبَدًا ۗ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝۵۳

۵۳۔ اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو یا اسکو چھپاؤ سو اللہ ہے ہر  
چیز کو جاننے والا [۸۳]

شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۵۳

۵۵۔ گناہ نہیں ان عورتوں کو سامنے ہونے کا اپنے باپوں  
سے اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ  
اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنی بہن کے بیٹوں سے اور  
نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے ہاتھ کے مال سے [۸۴] اور  
ڈرتی رہو اے عورتو اللہ سے بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر  
چیز [۸۵]

لَا جُنَاحَ عَلَيِهِنَّ فِيْ اَبَآئِهِنَّ وَلَا اَبْنَآئِهِنَّ وَلَا  
اِخْوَانِهِنَّ وَلَا اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَا اَبْنَآءِ  
اَخْوَتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ  
وَالتَّقِيْنَ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

شَهِيدًا ۝۵۵

۸۔ صحابہ کرام کو آداب النبی کی تعلیم: یعنی بدون حکم و اجازت کے دعوت میں مت جاؤ۔ اور جب تک بلائیں نہیں پہلے سے جا کر نہ بیٹھو کہ  
وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے۔ اور گھر والوں کے کام کاج میں ہرج واقع ہو۔

۹۔ یعنی کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر کا رستہ لینا چاہئے۔ وہاں مجلس جمانے سے میزبان اور دوسرے مکان والوں کو تکلیف ہوتی ہے یہ  
باتیں گونبی کے مکانوں کے متعلق فرمائی ہیں کیونکہ شان نزول کا تعلق ان ہی سے تھا۔ مگر مقصود ایک عام ادب سکھانا ہے۔ بے دعوت کسی کے  
یہاں کھانا کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا یا طفلی بن کر جانا، یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا، یا فارغ ہونے کے بعد گپ شپ لڑنا درست نہیں۔

۸۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم و حیا: یعنی آپ حیا کی وجہ سے اپنے نفس پر تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ لحاظ کی وجہ سے صاف نہیں فرماتے کہ  
اٹھ جاؤ۔ مجھے کلفت ہوتی ہے۔ یہ تو آپ کے اخلاق اور مروت کی بات ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تادیب و اصلاح میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے  
اس نے بہر حال پیغمبر ہی کی زبان سے اپنے احکام سنا دیے۔

۸۱۔ صحابہ کرام کو پردے کا حکم: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ادب سکھلائے کبھی کھانے کو حضرت کے گھر میں جمع ہوتے تو پیچھے باتیں کرنے لگ جاتے۔ حضرت کا مکان آرام کا وہ ہی تھا شرم سے نہ فرماتے کہ اٹھ جاؤ۔ ان کے واسطے اللہ نے فرمادیا، اور اس آیت میں حکم ہوا پردہ کا کہ مرد حضرت کی ازواج کے سامنے نہ جائیں ”کوئی چیز مانگی ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں جانین کے دل سترے اور صاف رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا استیصال ہو جاتا ہے۔

۸۲۔ ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں: یعنی کافر منافق جو چاہیں بکتے پھریں اور ایذا رسانی کریں، مومنین جو دلائل و براہین کی روشنی میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی راستبازی اور پاکبازی کو معلوم کر چکے ہیں، انہیں لائق نہیں کہ حضور ﷺ کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی کہیں یا کریں جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ کی ایذا کا سبب بن جائے۔ لازم ہے کہ مومنین اپنے محبوب و مقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں۔ مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے یا ایسے نالائق ارادہ کا حضور ﷺ کی موجودگی میں اظہار کرے ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں۔ کیا کسی امتی کے عقد نکاح میں آنے کے بعد ان کا یہ احترام کا محظوظ رہ سکتا ہے یا آپ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم و تلقین دین کی اس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کر سکتی ہیں جس کے لئے ہی فی الحقیقت قدرت نے نبی کی زوجیت کے لئے ان کو چنا تھا۔ اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بیخس و بے شعور انسان بھی باور کر سکتا ہے کہ سید البشر امام المتقین اور پیکر خلق عظیم کی خدمت میں عمر گزارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت و سکون حاصل کرنے کی امید رکھ سکے گی۔ خصوصاً جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا و آخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش و بہار پر لات مار کر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار کر لینے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد کیسے عدیم النظر زہد و ورع اور صبر و توکل کے ساتھ ان مقدس خواتین جنت نے عبادت الہی میں اپنی زندگیاں گزاریں اور احکام دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمات مہمہ کے لیے اپنے کو وقف کیے رکھا ان میں سے کسی ایک کو بھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا خیال نہیں آیا۔ اور کیسے آسکتا تھا جبکہ پہلے ہی حق تعالیٰ نے یُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا فرما کر ان کے تزکیہ و تطہیر کی کفالت فرمائی تھی۔ فرضی اللہ عنہن وارضاهن وجعلنا من یعظمن حق تعظیمہن فوق ما نعظم امہاتنا الٰہی ولدننا، آمین۔ اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی کتاب آب حیات میں ہے۔

۸۳۔ ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں: یعنی زبان سے کہنا تو کجا، دل میں بھی ایسا وسوسہ کبھی نہ لانا۔ اللہ کے سامنے ظاہر و باطن سب یکساں ہے دل کا کوئی بھید اس سے پوشیدہ نہیں۔

۸۴۔ محارم کی تفصیل: اوپر ازواج مطہرات کے سامنے مردوں کے جانے کی ممانعت ہوئی تھی۔ اب بتلادیا کہ محارم کا سامنے جانا منع نہیں۔ اس بارہ میں جو حکم عام مستورات کا سورہ ”نور“ میں گذر چکا وہ ہی ازواج مطہرات کا ہے۔ وَلَا نِسَاءَهُنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ کی تشریح ہم سورہ ”نور“ ۳۱ میں کر چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

۸۵۔ یعنی پردہ کے جو احکام بیان ہوئے اور جو استثناء کیا گیا پوری طرح ملحوظ رکھو ذرا بھی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ ظاہر و باطن میں حدود الہیہ محفوظ رہنی چاہئیں۔ اللہ سے تمہارا کوئی حال چھپا ہوا نہیں یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ۔



۵۶۔ اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ

کر [۸۶]

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۵۶﴾

۸۶۔ صلوٰۃ علی النبی کا مفہوم۔ ”صلوٰۃ النبی“ کا مطلب ہے ”نبی کی ثناء و تعظیم رحمت و عطاوت کے ساتھ ”پھر جس کی طرف“ صلوٰۃ ”منسوب ہو گی اسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء و تعظیم اور رحمت و عطاوت مراد لیں گے، جیسے کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح کی محبت اور مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں۔ اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اللہ بھی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں، مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔

آنحضرت ﷺ پر مومنین کی صلوٰۃ: آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ و رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہئے۔ علماء نے کہا کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت بھیجتا اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ”سلام“ کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو چکا (یعنی نماز کے تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَسْبُنَا مِنْ جَبَدٍ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَسْبُنَا مِنْ جَبَدٍ غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجو۔ نبی نے بتلادیا کہ تمہارا بھیجنا یہ ہی کہ اللہ سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابد الابد تک نبی پر نازل فرماتا رہے۔ کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہ ہی اکیلا ہے کسی بندے کی کیا طاقت تھی کہ سید الانبیاء کی بارگاہ میں ان کے رتبہ کے لائق تحفہ پیش کر سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے، اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اترتی ہیں مانگنے والے پر۔ اب جس کا جتنا جی چاہے اتنا حاصل کر لے۔ (تنبیہ) صلوٰۃ علی النبی کے متعلق مزید تفصیلات ان مختصر فوائد میں سمانہیں سکتیں۔ شرح حدیث میں مطالعہ کی جائیں۔ اور اس باب میں شیخ شمس الدین سخاویؒ کا رسالہ ”القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبيب الشفیع“ قابل دید ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بقدر کفایت لکھ دیا ہے فالحمد للہ علی ذلک۔

۵۷۔ جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکارا اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب [۸۷]

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي  
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۵۷﴾

۵۸۔ اور جو لوگ تمہت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کیے تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا [۸۸]

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ  
مَا كُتِبَ عَلَيْهِمُ فَقَدْ اٰتٰهُمْ اٰثْمًا وَ اٰثْمًا

## مُبِیِّنًا ۵۸

۸۷۔ اللہ اور اُسکے رسول کو ستانے والے ملعون ہیں: اوپر مسلمانوں کو حکم تھا کہ نبی کریم ﷺ کی ایذا کا سبب نہ بنیں بلکہ ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کریں جس کی ایک صورت صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہے۔ اب بتلادیا کہ اللہ و رسول کو ایذا دینے والے دنیا و آخرت میں ملعون و مطرود اور سخت رسوا کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ کو ستانا یہ ہی ہے کہ اس کے پیغمبروں کو ستائیں یا اسکی جناب میں نالائق باتیں کہیں۔

۸۸۔ منافقین کی ایذا رسانی: یہ منافق تھے جو پیٹھ پیچھے بد گوئی کرتے رسول کی، یا آپ کی ازواج طاہرات پر جھوٹ طوفان اٹھاتے جیسا کہ سورہ “نور” میں گذر چکا۔ آگے بعض ایذاؤں کے اسناد کا بند و بست کیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کو ان کی طرف سے پہنچتی تھی۔ روایات میں ہے کہ مسلمان مستورات جب ضروریات کے لئے باہر نکلتیں، بد معاش منافق تاک میں رہتے۔ اور چھیڑ چھاڑ کرتے پھر پکڑے جاتے تو کہتے ہم نے سمجھا نہیں تھا کہ کوئی شریف عورت ہے۔ لونڈی باندی سمجھ کر چھیڑ دیا تھا۔

۵۹۔ اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکالیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں [۸۹] اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی انکو نہ ستائے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۹۰]

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَ بَنَاتِكَ وَ نِسَاءِ  
الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ  
ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ

## غَفُورًا رَّحِيمًا ۵۹

۶۰۔ البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے [۹۱] اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں [۹۲] تو ہم لگا دیں گے تجھ کو ان کے پیچھے پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں

لِّىَنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْبُنْفُقُونَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ  
مَّرَضٌ وَ الْمُرْجِفُونَ فِي الْبَدِيْنَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهِمْ  
ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا ۗ

۶۱۔ پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے [۹۳]

مَّلْعُوْنِيْنَ ۗ اَيْنَمَا ثَقِفُوا اُخْدُوْا وَ قَتِلُوْا

## تَقْتِيْلًا ۶۱

۶۲۔ دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے ہیں اور تونہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی [۹۴]

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ

## لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۶۲

۸۹۔ عورتوں کے پردے کا حکم: یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکالیوں۔ روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپالینا چاہئے۔ لونڈی باندیوں کو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اس کا مکلف نہیں کیا۔ کیونکہ کاروبار میں حرج عظیم واقع ہوتا ہے۔

۹۰۔ آزاد عورتوں کا پردہ: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ”یعنی پہچانی پڑیں کہ لونڈی نہیں۔ بی بی ہے صاحب ناموس، بذات نہیں نیک بخت ہے تو بدنیت لوگ اس سے نہ الجھیں گے۔ گھونگھٹ اس کا نشان رکھ دیا۔ یہ حکم بہتری کا ہے۔ آگے فرمایا اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔“ یعنی باوجود اہتمام کے کچھ تقصیر ہو جائے تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے۔ (تکمیل) یہ تو آزاد عورتوں کے متعلق انتظام تھا کہ انہیں پہچان کر ہر ایک کا حوصلہ چھیڑنے کا نہ ہو، اور جھوٹ عذر کا موقع نہ رہے۔ آگے عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دی ہے خواہ بی بی سے ہو یا لونڈی سے۔

۹۱۔ یعنی جن کو بد نظری اور شہوت پرستی کا روگ لگا ہوا ہے۔

۹۲۔ جھوٹی خبریں اڑانے والے: یہ غالباً یہود ہیں جو اکثر جھوٹی خبریں اڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مراد ہوں۔

۹۳۔ یہود پر مسلمانوں کے غلبے کی خبر: یعنی اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے تا چند روز میں ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں، اور جتنے دن رہیں ذلیل و مرعوب ہو کر رہیں۔ چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقوں نے دھمکی سن کر شاید اپنا رویہ بدل دیا ہو گا۔ اس لئے سزا سے بچے رہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جو لوگ بدنیت تھے مدینہ میں عورتوں کو چھیڑتے، ٹوکتے اور جھوٹی خبریں اڑاتے مخالفوں کے زور اور مسلمانوں کے ضعف و شکست کی۔ ان کو یہ فرمایا۔“

۹۴۔ یعنی عادت اللہ یہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلانے اسی طرح ذلیل و خوار یا ہلاک کئے گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی یہ حکم ہوا ہے کہ مفسدوں کو اپنے درمیان سے نکال باہر کرو۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحب ”تورات“ سے نقل فرماتے ہیں۔

۶۳۔ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو تو کہہ اس کی خبر ہے اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو [۹۵]

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۗ قُلْ اِنَّمَا عَلِمْتُهَا عِنْدَ  
اللّٰهِ ۗ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾

۶۴۔ بیشک اللہ نے پھٹکار دیا ہے منکروں کو اور رکھی ہے انکے واسطے دہکتی ہوئی آگ [۹۶]

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾

۶۵۔ رہا کریں اسی میں ہمیشہ نہ پائیں کوئی حمایتی اور نہ مددگار

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۗ لَا يَجِدُوْنَ وٰلِيًّا وَّلَا  
نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾

۶۶۔ جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے ان کے منہ آگ میں [۹۷] کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا [۹۸]

يَوْمَ تَقْلَبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَا  
اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلًا ﴿٦٦﴾

۶۷۔ اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انہوں نے چکا دیا ہم کو راہ سے

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا

فَأَضَلُّنَا السَّبِيلَا ﴿٦٧﴾

۶۸۔ اے رب ان کو دے دونا عذاب اور پھٹکار انکو بڑی پھٹکار [۹۹]

رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَهُمْ

لَعْنَا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾

۹۵۔ قیامت کے قرب کی خبر: گو قیامت کے وقت کی ٹھیک تعیین کر کے اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا مگر یہاں اس کے قرب کی طرف اشارہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی اٹھا کر فرمایا۔ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) یعنی بیچ کی انگلی جس قدر آگے نکلی ہوئی ہے، میں قیامت سے بس اتنا پہلے آگیا ہوں۔ قیامت بہت قریب لگی چلی آرہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "شاید یہ بھی منافقوں نے ہتھکنڈا پکڑا ہو گا کہ جس چیز کا (دنیا میں کسی کے پاس) جواب نہیں وہ ہی بار بار سوال کریں۔ اس پر یہاں ذکر کر دیا۔" اور ممکن ہے پہلے جو فرمایا تھا لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا اس پر بطور تکذیب و استہزاء کے کہتے ہوں گے کہ وہ قیامت اور آخرت کب آئے گی جس کی دھمکیاں دی جاتی ہیں؟ آخر اس کا کچھ وقت تو بتاؤ۔

۹۶۔ کفار کی سزا: اسی پھٹکار کا اثر ہے کہ لا طائل سوالات کرتے ہیں، انجام کی فکر نہیں کرتے۔

۹۷۔ یعنی اوندھے منہ ڈال کر ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا۔

۹۸۔ اس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ و رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

۹۹۔ یہ شدت غیظ سے کہیں گے کہ ہمارے ان دنیوی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے دھوکے دیکر اور جھوٹ فریب کہہ کر اس مصیبت میں پھنسوایا۔ ان ہی کے اغواء پر ہم راہ حق سے بھٹکے رہے۔ اگر ہمیں سزا دی جاتی ہے تو ان کو دگنی سزا دیجئے اور جو پھٹکار ہم پر ہے اس سے بڑی پھٹکار ان بڑوں پر پڑنی چاہئے۔ گویا ان کو دو گنی سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورہ "اعراف" کے چوتھے رکوع میں گذر چکی ہے۔ وہیں ان کی اس فریاد کا جواب بھی دیا گیا ہے، ملاحظہ کر لیا جائے۔

۶۹۔ اے ایمان والو تم مت ہو ان جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو پھر بے عیب دکھلا دیا اسکو اللہ نے انکے کہنے سے اور تھا اللہ کے یہاں آبرو والا [۱۰۰]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذُوْا مُوْسٰى

فَبَرَّاهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾

۷۰۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو بات سیدھی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا

سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾

۱۷۔ کہ سنوار دے تمہارے واسطے تمہارے کام اور بخشدے تم کو تمہارے گناہ اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد [۱۰۱]

يُصَدِّحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۱۰۱﴾

۱۰۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مسلمانوں کو نصیحت: یعنی تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہارے نبی کو ایذا پہنچے۔ نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اللہ کے ہاں ان کی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو رد کر دے گا۔ ہاں تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔ دیکھو حضرت موسیٰ کی نسبت ان لوگوں نے کیسی اذیت دہ باتیں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی وجاہت و مقبولیت کی وجہ سے سب کا ابطال فرما دیا اور موسیٰ کا بے خطا اور بے داغ ہونا ثابت کر دیا۔ روایات میں ہے کہ بعضے مفسد حضرت موسیٰ کو تہمت لگانے لگے کہ حضرت ہارونؑ کو جنگل میں لجا کر قتل کر آئے ہیں۔ اللہ نے ایک خارق عادت طریقہ سے اس کی تردید کر دی۔

حضرت موسیٰ اور پتھر کا واقعہ: اور صحیحین میں ہے کہ حضرت موسیٰ حیاء کی وجہ سے (ابنائے زمانہ کے دستور کے خلاف) چھپ کر غسل کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے، برص کا داغ یا خضیہ پھولا ہوا۔ ایک روز حضرت موسیٰ اکیلے نہانے لگے۔ کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا حضرت موسیٰ عصا لیکر اس کے پیچھے دوڑے، جہاں سب لوگ دیکھتے تھے، پتھر کھڑا ہو گیا۔ سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ بے عیب ہیں کسی نے خوب کہا ہے

پوشاند لباس ہر کر ایسے دید بے عیبان را لباس عریانی داد

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون نے ایک عورت کو کچھ دے دلا کر مجمع میں کہلا دیا کہ موسیٰ (العیاذ باللہ) اس کے ساتھ مبتلا ہیں۔ حق تعالیٰ نے آخر قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور اسی عورت کی زبان سے اس تہمت کی تردید کرائی جیسا کہ سورہ "قصص" میں گذرا۔ (تنبیہ) موسیٰ کا پتھر کے تعاقب میں برہنہ چلے جانا مجبوری کی وجہ سے تھا اور شاید یہ خیال بھی نہ ہو کہ پتھر مجمع میں لجا کر کھڑا کر دے گا رہی پتھر کی یہ حرکت وہ بطور خرق عادت ہے۔ خوارق عادت پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں الجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بہر حال اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء علیہم السلام کو جسمانی و روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام ہے تا لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے تنفر اور استخفاف کے جذبات پیدا ہو کر قبول حق میں رکاوٹ نہ ہو۔

۱۰۱۔ تقویٰ اور قول سدید: یعنی اللہ سے ڈر کر درست اور سیدھی بات کہنے والے کو بہترین اور مقبول اعمال کی توفیق ملتی ہے اور تقصیرات معاف کی جاتی ہیں۔ حقیقت میں اللہ و رسول کی اطاعت ہی میں حقیقی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے جس نے یہ راستہ اختیار کیا مراد کو پہنچ گیا۔

۱۸۔ ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھالیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان [۱۰۲]

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿۱۰۲﴾

۱۹۔ تاکہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو اور عورتوں

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ

کو اور شرک والے مردوں کو اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو اور ہے اللہ

بجٹنے والا مہربان [۱۰۳]

وَالْمُؤْمِنَاتُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

۱۰۲۔ اللہ کی امانت اور انسان: یعنی ستم کر دیے جو بوجھ آسمان، زمین، اور پہاڑوں سے نہ اٹھ سکتا تھا، اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھالیا۔

آسمان بار امانت تو انست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ”یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے؟ پرانی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روک کر۔ آسمان زمین وغیرہ میں اپنی خواہشات کچھ نہیں، یا ہے تو وہ ہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اس کے۔ اس پرانی چیز (یعنی حکم) کو برخلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ اب بھی یہ ہی حکم ہے۔ کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کر دے تو بدلہ (خمنان) دینا پڑے گا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ نہیں۔“ (موضح) اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا جو اس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی و کسب اور قوت بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے تا اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون و صفات کا ظہور ہو۔ مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں ان پر انعام و اکرام کیا جائے۔ جو غفلت یا شرارت سے ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے اور جو لوگ اس بارہ میں قدرے کوتاہی کریں ان سے عفو و درگزر کا معاملہ ہو۔

امانت کیا چیز ہے؟ میرے خیال میں یہ امانت ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا جس کو ”ما بہ التکلیف“ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ اسی کی نگہداشت اور تردد کرنے سے ایمان کا درخت اگتا ہے۔ گویا بنی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں، بیج بھی اسی نے ڈال دیا ہے۔ بارش برسانے کے لئے رحمت کے بادل بھی اس نے بھیجے جن کے سینوں سے وحی الہی کی بارش ہوئی۔ آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی و جہد اور تردد و تفقد سے اس کی پرورش کرے مبادا غلٹی یا غفلت سے بجائے درخت اگنے کے بیج بھی سوخت ہو جائے اسی کی طرف اشارہ ہے حدیث کی حدیث میں إِنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ الْحَدِيثِ۔ یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے۔ جو اللہ کی طرف سے قبول رجال میں تہ نشین کیا گیا، پھر علوم قرآن و سنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اس کے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے اور اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اسی قدر درخت کے ابھرنے اور پھولنے پھلنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد ہو جائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کس میں استعداد تھی جو اس امانت عظیمہ کو اٹھانے کا حوصلہ کرتا ہر ایک نے بلسان حال یا زبان قال ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کر دیا کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ خود سوچ لو کہ بجز انسان کے کونسی مخلوق ہے جو اپنے کسب و محنت سے اس تخم ایمان کی حفاظت و پرورش کر کے ایمان کا شجر بار آور حاصل کر سکے۔ فی الحقیقت اس عظیم الشان امانت کا حق ادا کر سکتا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کر دی تھی خون پسینہ ایک کر کے باغ و بہار بنا لینا اسی ظلم و جہول انسان کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے پاس زمین قابل موجود ہے اور محنت و تردد کر کے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے۔

ظلم و جہول کی تفسیر: ”ظلم و جہول“، ”جاہل“ کا مبالغہ ہے۔ ظالم و جاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل اور علم سے خالی ہو مگر استعداد داد و

صلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدء فطرت سے علم و عدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اس سے جدا نہیں ہوئے (مثلاً ملائکتہ اللہ) یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ (مثلاً زمین و آسمان پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانت الہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ بیشک انسان کے سوا جن ”ایک نوع ہے جس میں فی الجملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اور اسی لئے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات-۵۶) میں دونوں کو جمع کیا گیا۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اداۓ حق امانت کی استعداد ان میں اتنی ضعیف تھی کہ حمل امانت کے مقام میں چنداں قابل ذکر اور درخور اعتناء نہیں سمجھے گئے۔ گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع قرار دیے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۰۳۔ میرے نزدیک اس جگہ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ الْخِ کے معنی معاف کرنے کے نہ لئے جائیں بلکہ ان کے حال پر متوجہ ہونے اور مہربانی فرمانے کے لیں تو بہتر ہے جیسے نَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ (التوبہ-۱۱۷) میں لئے گئے ہیں۔ تو یہ مؤمنین کا ملین کا بیان ہوا۔ اور كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا میں قاصرین و مقصرین کے حال کی طرف اشارہ فرمادیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ نسال اللہ تعالیٰ ان یتوب علینا ویغفر لنا ویشیبنا بالفوز العظیم۔ انہ جل جلالہ وعم نوالہ غفور الرحیم۔

تم سورة الاحزاب ولله الحمد والمنة

## آیاتها ۵۴

## سُورَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ ۵۸

## رکوعاتها ۶

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں اور وہی ہے حکمتوں والا سب کچھ جاننے والا<sup>[۱]</sup>

الْحَدِّ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ  
وَلَهُ الْحَدُّ فِی الْاٰخِرَةِ ۗ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱﴾

۲۔ جانتا ہے جو کچھ کہ اندر گھستا ہے زمین کے اور جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں<sup>[۲]</sup> اور وہی ہے رحم والا بخشنے والا<sup>[۳]</sup>

یَعْلَمُ مَا یَدْجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا  
یَنْزِلُ مِنَ السَّمٰوٰءِ وَمَا یَعْرُبُ فِیْهَا ۗ وَهُوَ

## الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾

۱۔ اللہ ہی تمام کائنات کا مالک ہے: یعنی سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو اکیلا بلا شرکت غیرے تمام آسمانی وزمین چیزوں کا مالک و خالق اور نہایت حکمت و خبرداری سے ان کی تدبیر کرتا ہے۔ اس نے یہ سلسلہ بیکار پیدا نہیں کیا۔ ایسے حکیم و داناکے نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہے کہ یہ نظام آخر میں کسی اعلیٰ نتیجے پر منتہی ہو، اسی کو آخرت کہتے ہیں۔ اور جس طرح دنیا میں وہ اکیلا تمام تعریفوں کا مستحق ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی۔ بلکہ یہاں تو بظاہر اور کسی کی بھی تعریف ہو جاتی تھی کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ اور اس کا کمال اس کے کمال حقیقی کا پر تو ہے۔ لیکن وہاں سب وسائط اور پردے اٹھ جائیں گے۔ جو کچھ ہو گا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اس لئے صورۃ و حقیقۃ ہر حیثیت سے تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف رہ جائے گی۔

۲۔ اللہ کا علم محیط ہے: یعنی آسمان و زمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے مثلاً جانور کیڑے مکوڑے، نباتات کا بیج، بارش کا پانی، مردہ کی لاش، اور جو اس کے اندر سے نکلتی ہے مثلاً کھیتی، سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو آسمان سے اترتی ہے مثلاً بارش، وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ اور جو اوپر چڑھتی ہے مثلاً روح، دعاء، عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب انواع و جزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔

۳۔ یعنی یہ سب بستی اور چہل پہل اس کی رحمت اور بخشش سے ہے ورنہ بندوں کی ناشکری اور حق ناشناسی پر اگر ہاتھوں ہاتھ گرفت ہونے لگے تو ساری رونق لمحہ میں ختم کر دی جائے۔ وَتَوْبُوْا اِخْذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهِمْ مِنْ دَاۤءِیَةِ (فاطر۔ ۴۵)۔

۳۔ اور کہنے لگے منکر نہ آئے گی ہم پر قیامت<sup>[۴]</sup> تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی البتہ آئے گی تم پر<sup>[۵]</sup> اس عالم الغیب کی غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِنَا السَّاعَةُ ۗ قُلْ  
بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۗ عَلِیْمِ الْغَیْبِ ۗ لَا یَعْرُبُ



آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں [۶]

۴۔ تاکہ بدلا دے انکو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ جو ہیں ان کے لئے ہے معافی اور عزت کی روزی

۵۔ اور جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو ان کو بلا کا عذاب ہے دردناک [۷]

۶۔ اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اترا تیرے رب سے وہی ٹھیک ہے اور سمجھاتا ہے راہ اس زبردست خوبیوں والے کی [۸]

۷۔ اور کہنے لگے منکر ہم تلائیں تمکو ایک مرد کہ تم کو خبر دیتا ہے جب تم پھٹ کر ہو جاؤ ٹکڑے ٹکڑے تم کو پھرنے سرے سے بننا ہے

۸۔ کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اسکو سودا ہے [۹] کچھ بھی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا آفت میں ہیں اور دور جا پڑے غلطی میں [۱۰]

عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧﴾

وَالَّذِينَ سَعَوْا عَلَيْنَا أَيْتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿٨﴾

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقُّ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ

الْحَبِيدِ ﴿٩﴾

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُرِّقْتُمْ كُلَّ مُمْرِقٍ ۚ إِنَّكُمْ لَعَفَىٰ خَلْقٍ

جَدِيدٍ ﴿١٠﴾

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلِيلِ

الْبَعِيدِ ﴿١١﴾

۹۔ کیا دیکھتے نہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ان کو زمین میں یا گرا دیں ان پر ٹکڑا آسمان سے [۱۱] تحقیق اس میں نشانی ہے ہر بندے رجوع کرنے والے کے واسطے [۱۲]

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ نَسْأَنُخَسِفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۗ إِنَّ فِي

ذٰلِكَ لَآيَةٌ لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنبِيٍّ ۙ

۴۔ کیوں نہیں آئے گی۔ اس کا نشان آگے آتا ہے۔ اِذَا مَرَّ قَوْمٌ مِّنْكُمْ لِنِعْمِ خَلْقِ جَدِيدٍ۔

۵۔ قیامت ضرور آئے گی: یعنی وہ معصوم و مقدس انسان جس کے صدق و امانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اس کی صداقت پوری طرح روشن ہو چکی، مگر قسم کھا کر اللہ کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ پھر تسلیم نہ کرنے کی کیا وجہ ہاں اگر کوئی محال یا خلاف حکمت بات کہتا تو انکار کی گنجائش ہو سکتی تھی، لیکن نہ یہ محال ہے نہ خلاف حکمت۔ پھر انکار کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

۶۔ کوئی ذرہ اسکے علم سے باہر نہیں: یعنی اس عالم الغیب کی قسم جس کے علم محیط سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا ذرہ سے چھوٹی بڑی کوئی چیز بھی غائب نہیں۔ شاید یہ اس لئے فرمایا کہ قیامت کے وقت کی تعیین ہم نہیں کر سکتے۔ اس کا علم اسی کو ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ ہم کو جتنی خبر دی گئی بلا کم و کاست پہنچا دی، اور اس کا جواب بھی ہو گیا جو کہتے تھے اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ اِلْح (السجده۔ ۱۰) یعنی جب ہمارے ذرات منتشر ہو کر مٹی میں مل گئے پھر کیسے دوبارہ اکٹھے کئے جائیں گے، تو بتلادیا کہ کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب نہیں۔ اور پہلے بتلایا جا چکا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز پر قبضہ اسی کا ہے، لہذا اس کو کیا مشکل ہے کہ تمہارے منتشر ذرات کو ایک دم میں اکٹھا کر دے۔ (تنبیہ) کھلی کتاب سے “لوح محفوظ” مراد ہے جس میں ہر چیز اللہ کے علم کے مطابق ثبت ہے۔

۷۔ قیامت کس لئے آئے گی: یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضرور ہے کہ لوگوں کو ان کی نیکی اور بدی کا پھل دیا جائے اور حق تعالیٰ کی جملہ صفات کا کامل ظہور ہو (تنبیہ) “جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کو ہرانے کو” یعنی ہماری آیتوں کے ابطال اور لوگوں کو قولاً وفعلاً ان سے روکنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ گویا وہ (العیاذ باللہ) اللہ کو عاجز کرنا اور ہرانا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسکے ہاتھ نہیں آئیں گے۔

۸۔ قیامت کی دوسری حکمت: یعنی اس واسطے قیامت آئی ہے کہ جن کو یقین تھا انہیں عین یقین حاصل ہو جائے اور آنکھوں سے دیکھ لیں کہ قرآن کی خبریں موبہ صحیح و درست ہیں اور بیشک قرآن ہی وہ کتاب ہے جو اس زبردست خوبوں والے خدا تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ بتاتی ہے۔ بعض مفسرین نے وَبَيِّنَاتٍ لِّلَّذِينَ اِلْح کا مطلب یہ لیا ہے کہ اَلَّذِينَ سَعَوْا عَلَيْنَا مَجِزِينَ کے برخلاف جو اہل علم ہیں (خواہ مسلمان یا اہل کتاب) وہ جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ قیامت کے متعلق قرآن کریم کا بیان بالکل صحیح ہے اور وہ آدمی کو وصول الی اللہ کے ٹھیک راستہ پر لجاتا ہے۔

۹۔ دوسری زندگی پر کفار کا استہزاء: کفار قریش نبی کریم ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کرتے تھے۔ یعنی آؤ تمہیں ایک شخص دکھلائیں جو کہتا ہے کہ تم گل سڑ کر اور ریزہ ریزہ ہو کر جب خاک میں مل جاؤ گے، پھر تم کو از سر نو بھلا چنگا بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ بھلا ایسی مہمل بات کون قبول کر سکتا ہے۔ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ شخص جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ لگاتا ہے کہ اس نے ایسی خبر دی۔ نہیں تو سودائی ہے۔ دماغ ٹھکانے نہیں دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يُجِبَالٌ أَوْبِيٌّ

مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۚ وَآتَيْنَاهُ الْحَدِيدَ ﴿۱۰﴾

أَنِ اعْمَلْ سِبْغَتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا

صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱﴾

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ

وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ

بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ

أَمْرِنَا نُنَاقِضْهُ مِنُ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۲﴾

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبٍ وَتَبَائِلٍ وَ

جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رُّسِيَّتٍ ۖ اِعْمَلُوا آلَ

دَاوُدَ شُكْرًا ۖ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُ ﴿۱۳﴾

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ

إِلَّا دَابَّةٌ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنُ سَاتِهِ ۚ فَلَمَّا خَرَّ

تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا

لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۱۴﴾

۱۰۔ اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی [۱۰] اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو اسکے ساتھ اور اڑتے جانوروں کو [۱۱] اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا

۱۱۔ کہ بنا زر ہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ کڑیاں [۱۲] اور کرو تم سب کام بھلا میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہوں [۱۳]

۱۲۔ اور مسخر کر دیا سلیمان کے آگے ہوا کو صبح کی منزل اسکی ایک مہینہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی اور بہا دیا ہم نے اسکے واسطے چشمہ گھلے ہوئے تانبے کا [۱۴] اور جنوں میں کتنے لوگ تھے جو محنت کرتے اس کے سامنے اسکے رب کے حکم سے اور جو کوئی پھرے ان میں سے ہمارے حکم سے چکھائیں ہم اسکو آگ کا عذاب [۱۵]

۱۳۔ بناتے اس کے واسطے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی [۱۶] کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے [۱۷]

۱۴۔ پھر جب مقرر کیا ہم نے اس پر موت کونہ جتلا یا ان کو اس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصا پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر خبر رکھتے ہوتے غیب کی نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں [۱۸]

۱۰۔ قرآن کا جواب: یعنی نہ جھوٹ ہے نہ جنوں، البتہ یہ لوگ عقل و دانش اور صدق و صواب کے راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑے ہیں۔

اور بیہودہ بکواس کر کے اپنے کو آفت میں پھنسا رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ بڑا عذاب ہے کہ آدمی کا دماغ اس قدر مختل ہو جائے کہ وہ خدا کے پیغمبروں کو مفتری یا مجنون کہنے لگے۔ العیاذ باللہ۔

۱۱۔ بعث بعد الموت اور قیامت کے دلائل: یعنی کیا یہ لوگ اندھے ہو گئے ہیں آسمان و زمین بھی نظر نہیں آتے جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آسکتے ہیں ان کو تو وہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے بنایا۔ پھر جس نے بنایا اسے توڑنا کیا مشکل ہے۔ اور جو ایسے عظیم الشان اجسام کو بنا سکتا اور توڑ پھوڑ سکتا ہے اسے انسانی جسم کا بگاڑ دینا اور بنانا کیا مشکل ہو گا۔ یہ لوگ ڈرتے نہیں کہ اسی کے آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر رہ کر ایسے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالیں۔ حالانکہ خدا چاہے تو ابھی ان کو زمین میں دھنسا کر آسمان سے ایک ٹکڑا اگر اکر نسبت و نابود کر دے اور قیامت کا چھوٹا سا نمونہ دکھلا دے۔

۱۲۔ یعنی جو بندے عقل و انصاف سے کام لے کر اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں، اسی آسمان و زمین میں ان کے لئے بڑی بھاری نشانی موجود ہے۔ وہ اس منتظم اور پر حکمت نظام کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ضرور یہ ایک دن کسی اعلیٰ و اکمل نتیجہ پر پہنچنے والا ہے جس کا نام ”دارالآخرہ“ ہے یہ تصور کر کے وہ بیش از بیش اپنے مالک و خالق کی طرف جھکتے ہیں اور جو آسمانی وزینی نعمتیں ان کو پہنچتی ہیں، نہ دل سے اس کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض بندوں کا ذکر آگے آتا ہے۔

۱۷۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اور تانبے کا چشمہ: حضرت سلیمانؑ کا تخت تھا جو فضا میں اڑتا، ہو اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہو اکوان کے لئے مسخر کر دیا تھا، ایک مہینہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی تھی۔ سورہ ”انبیاء“ اور سوہ نمل میں اس کا کچھ بیان گذر چکا ہے اور آگے سورہ ص میں آئے گا اور پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یمن کی طرف نکال دیا تھا۔ اس کو سانچوں میں ڈل کر جنات بڑے بڑے برتن (دیگیں اور لگن وغیرہ) تیار کرتے تھے۔ جن میں ایک لشکر کا کھانا پکاتا اور کھلایا جاتا۔

۱۸۔ جنات کا تابع ہونا: یعنی بہت سے جن جنہیں دوسری جگہ شیاطین سے تعبیر فرمایا ہے معمولی قلیوں اور خدمت گاروں کی طرح ان کے کام میں لگ رہتے تھے۔ اللہ کا حکم تھا کہ سلیمانؑ کی اطاعت کریں ذرا سرکشی کی تو آگ میں پھونک دیا جائے گا۔

۱۹۔ جنات کے کام: یعنی بڑے بڑے محل، مسجدیں اور قلعے جنات تعمیر کرتے اور مجسم تصویریں بناتے (جو ان کی شریعت میں ممنوع نہیں ہوں گی، شریعت محمدیہ نے منع کر دیا) اور تانبے کے بڑے بڑے لگن بناتے جیسے حوض یا تالاب اور دیگیں تیار کرتے جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھیں۔ ایک ہی جگہ رکھی رہتیں۔

۲۰۔ آل داؤد علیہ السلام کو شکر کا حکم: یعنی ان عظیم الشان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرتے رہو، محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے حق تعالیٰ کی شکر گزاری ٹپکتی ہو۔ بات یہ ہے کہ احسان تو خدا کم و بیش سب پر کرتا ہے لیکن پورے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ جب تھوڑے ہیں تو قدر زیادہ ہو گی۔ لہذا شکر گزار بن کر اپنی قدر و منزلت بڑھاؤ۔ یہ خطاب داؤد کے کنبے اور گھرانے کو ہے، کیونکہ علاوہ مستقل احسانات کے داؤد پر احسان من وجہ سب پر احسان ہے۔ کہتے ہیں کہ داؤد نے تمام گھر والوں پر اوقات تقسیم کر دیے تھے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب ان کے گھر میں کوئی نہ کوئی شخص عبادت الہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔

۲۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا عجیب واقعہ: حضرت سلیمانؑ جنوں کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی تجدید کر رہے تھے جب معلوم کیا کہ میری موت آپہنچی جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں در بند کر کے عبادت الہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لی اور آپ کی نعش مبارک لکڑی کے کے سہارے کھڑی رہی۔ کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا۔ وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر پوری ہو گئی جس

عصا پر ٹیک لگا رہے تھے گھن کھانے سے گرا۔ تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا۔ اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر ہوتی تو کیا اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے۔ حضرت سلیمان کی وفات کو محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیاطین وغیرہ کی تسخیر کچھ حضرت سلیمان کا کسبی کمال نہ تھا محض فضل ایزدی تھا۔ جو اللہ چاہے تو موت کے بعد ایک لاش کے حق میں بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ نیز سلیمان پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں جاری رکھا گیا۔ اور بتلادیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ تعالیٰ کس تدبیر سے پورا کرتا ہے۔ (ربط) یہاں تک بعض نیب اور شکر گزار بندوں کا ذکر تھا۔ آگے ایک معرض و ناسپاس قوم (سبا) کا ذکر کیا جاتا ہے جو بڑے عیش ورفاہیت اور خوش حالی و فارغ البالی کے بعد کفر و ناسپاسی کی سزا میں تباہ کی گئی۔ یہ قوم یمن کی بڑی دولت مند اور ذی اقتدار قوم تھی جو صدیوں تک بڑے جاہ و جلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی۔ ان ہی میں ایک وہ ملکہ تھی (بلقیس) جس کا حضرت سلیمان کی بارگاہ میں حاضر ہونا سورہ "نمل" میں گزر چکا ہے۔ شاید یہاں سلیمان کے بعد "سبا" کا ذکر اس مناسبت سے بھی ہوا ہو۔

۱۵۔ تحقیق قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی دو باغ دانے اور بائیں [۲۲] کھاؤ روزی اپنے رب کی اور اس کا شکر کرو [۲۳] شہر ہے پاکیزہ اور رب ہے گناہ بخشنے والا [۲۴]

لَقَدْ كَانَ لِسَبَا فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتِ عَنْ  
بَيْبِينَ وَشِبَالٍ ۗ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ  
بَلَدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبُّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾

۱۶۔ سو دھیان میں نہ لائے پھر چھوڑ دیا ہم نے ان پر ایک نالا زور کا اور دیے ہم نے انکو بدلے میں ان دو باغوں کے دو اور باغ جن میں کچھ میوہ کھیلا تھا اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے [۲۵]

فَاعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ  
بَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ أُكُلٍ خَطْبٍ وَ  
أَثَلٍ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾

۱۷۔ یہ بدلا دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی اور ہم یہ بدلا اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو [۲۶]

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۗ وَهَلْ نُجْزِيْ اِلَّا  
الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور رکھی تھیں ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں جہاں ہم نے برکت رکھی ہے ایسی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں اور منزلیں مقرر کر دیں ہم نے ان میں آنے جانے کی پھر ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن سے [۲۷]

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا  
قُرَى ظَاهِرَةً ۗ وَ قَدَرْنَا فِيْهَا السِّيْرَ ۗ سِيْرُوْا فِيْهَا  
لِيَالِي وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ پھر کہنے لگے اے رب دراز کر دے ہمارے سفروں کو [۲۸] اور آپ اپنا برا کیا پھر کر ڈالا ہم نے انکو کہانیاں اور کر ڈالا چیر کر ٹکڑے ٹکڑے [۲۹] اس میں پتے کی باتیں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کو [۳۰]

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ  
فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مَسْرِقٍ ط إِنَّ

فِي ذَلِكَ لَأَيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٦٩﴾

۲۲۔ قوم سبا کے دوباغ: یعنی باغوں کے دو طویل سلسلے داہنے اور بائیں میلوں تک چلے گئے تھے۔ اگر سمجھتے تو خدا کی رحمت و قدرت کی یہ یہی نشانی ایمان لانے اور شکر گزار بننے کے لئے کافی تھی۔

۲۳۔ گویا وہ نشانی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو اور اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرو۔ کفر و عصیان اختیار کر کے ناشکر مت بنو۔ یا جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے انبیاء کی زبانی اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہوگی کہتے ہیں تیرہ نبی اس قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت مسیح سے پہلے آئے ہوں گے اور ان کے وارث بعد کو بھی اس قوم کی بربادی کے وقت تک سمجھاتے رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۲۴۔ قوم سبا کی عمارتیں اور پانی کے بند۔ "مصنف" ارض القرآن "سبا" کی عمارتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "اسی سلسلہ عمارات میں ایک چیز بند آب ہے جس کو عرب حجاز "سد" اور عرب یمن "عرم" کہتے ہیں۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں۔ پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگستانوں میں خشک اور ضائع ہو جاتا ہے۔ زراعت کے مصرف میں نہیں آتا۔" سبا "مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے کام میں آئے۔ مملکت "سبا" میں اس طرح کے سینکڑوں بند تھے۔

سد مارب: ان میں سب سے زیادہ مشہور "سد مارب" ہے جو ان کے دار الحکومت "مارب" میں واقع تھا۔ شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جن کا نام کوہ ابلق ہے۔ سب نے ان دو پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۸۰ ق م میں "سد مارب" کی تعمیر کی تھی۔ یہ بند تقریباً ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی ایک دیوار ہے۔ اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے تاہم ایک ٹکٹ دیوار اب بھی باقی ہے "ارناؤ" ایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرینچ ایٹانک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے۔ اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں وہ بھی پڑھے گئے۔ اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں جو حسب ضرورت کھولی اور بند کی جاسکتی تھیں۔ "سد" کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر تین سو مربع میل میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ قرآن کریم جَنَّاتٍ عَنْ يَّسْتِیْنٍ وَشِبَّالٍ کہہ کر ان ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یونانی مورخ "اگاتھرشیدس" جو ۱۴۵ ق م میں "سبا" کا معاصر تھا بیان کرتا ہے۔ "سبا عرب کے سرسبز و آباد حصہ میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بیشمار میوے ہوتے ہیں۔ دریا کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات، دار چینی اور چھوڑے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے درختوں کی اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے۔ جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی

تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گذرتے ہیں، وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محفوظ ہوتے ہیں۔ وہ گویا آبجیات کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔ ”آرٹی میڈروس جو ”سبا“ کے عہد آخر میں تھا لکھتا ہے۔ ”سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان ”مارب“ میں ہے جو ایک پراشجار پہاڑ پر عیش و مسرت (زنانہ خوشحالی) میں واقع ہے۔ ”غرض باعتبار سرسبزی، خوشحالی، سامان عیش اور اعتماد آب و ہوا کے ”مارب“ اسی کا مصداق تھا۔ بَلَدًا طَيِّبَةً وَرَبٌّ غَفُورٌ“ رب غفور” سے ادھر اشارہ کر دیا کہ اپنی طرف سے شکر گزار بنو۔ اگر بمقتضائے بشریت کچھ تقصیر رہ جائے گی تو اللہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسا سخت نہیں پکڑتا اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ اس کی نعمتوں کا شکر کما حقہ کس سے ادا ہو سکتا ہے۔

۲۵۔ سبیل عرم کا واقعہ: یعنی نصیحتوں کو خاطر میں نہ لائے اور منعم حقیقی کی شکر گزاری سے منہ موڑے رہے۔ تب ہم نے پانی کا عذاب بھیج دیا۔ وہ بند ٹوٹا تمام باغات اور زمینیں غرقاب ہو گئیں اور ان اعلیٰ درجہ کے نفیس میووں اور پھلوں کی جگہ نکلے درخت اور جھاڑ جھنکارہ گئے جہاں انگور، چھوڑے اور قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی تھیں اب وہاں پیلو، جھاؤ، کیسلے اور بد مزہ پھل والے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ جن میں بہترین چیز تھوڑی سے جھڑیوں کو سمجھ لو۔ یہ واقعہ حضرت مسیحؑ اور نبی کریم ﷺ کے درمیانی عہد کا ہے۔ محققین آثار قدیمہ کو ابرہہ الاثرم کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سد عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے اس میں اس بند کے ٹوٹے کا ذکر ہے۔ مگر یہ غالباً اس واقعہ کے بعد ہوا جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جب اللہ نے چاہا عذاب بھیجے گھونس پیدا ہوئی اس پانی کے بند میں اس کی جڑ کید ڈالی، ایک بار پانی نے زور کیا، بند کو توڑ ڈالا۔ وہ پانی عذاب کا تھا جس زمین پر پھر گیا کام سے جاتی رہی کہتے ہیں کہ بند ٹوٹنے کی پیشینگوئی ایک کاہن نے کی تھی اس پر بہت لوگ وطن چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے، جو باقی رہے انہیں ان بانگوں کے بدلہ یہ نکی اور کڑوی کیسی چیزیں ملیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶۔ ایسی سخت سزا بڑے ناشکروں کو دیجاتی ہے۔ کفر سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی۔ سورہ ”نمل“ میں گذر چکا وَجَدْنَاهَا قَوْمًا يٰسُجُودًا لِّلشَّيْطٰنِ مِنۡ دُونِ اللّٰهِ اٰلِ (نمل۔ ۲۴) بظاہر اس قسم کا شرک اس قوم میں بلقیس کے بعد بھی باقی رہا ہوگا۔

۲۷۔ برکت والی بستیاں: برکت والی بستیاں ملک شام کی ہیں یعنی ان کے ملک سے شام تک راستے مامون تھے۔ سڑک کے کنارے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے اندازے اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا، پانی اور آرام کرنے کا موقع ملتا تھا۔ آبادیوں کے قریب ہونے اور جلد جلد نظر آنے سے مسافر کا جی نہیں گھبرا تا تھا، نہ چوروں ڈکاووں کا خوف تھا۔ سفر کیا تھا ایک طرح کی سیر تھی۔ مصنف ارض القرآن لکھتا ہے۔

قوم سبا کی دولت و ثروت: سبا کی دولت و ثروت کی اساس صرف تجارت تھی۔ یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے۔ سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن آکر اترتی تھیں، وہاں سے سبا و نٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی خشکی حجاز سے گذر کر شام و مصر لاتے تھے۔ قرآن مجید نے اس راستہ کو ”امام مبین“ (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا نام ”رحلۃ الشتاء والصیف“ رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا۔ ان تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت کے سبب یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی جہاں بے خوف و خطر سفر ہو سکتا تھا۔ ”یونانی مورخ اردو سہنسل ۱۹۴۴ م میں بیان کرتا ہے کہ ”حضرت موت“ سے سبا کے ملک تک چالیس روز کا راستہ ہے۔ اور معین سے سوداگر ستر دن میں ایلمہ (عقبہ) پہنچتے ہیں۔

۲۸۔ اہل سبا کی احمقانہ درخواست: زبان حال سے کہا ہو گا اور ممکن ہے زبان قال سے کہنے لگے ہوں کہ اے اللہ! اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا۔ منزلیں دور ہوں، آس پاس آبادیاں نہ ملیں، بھوک پیاس ستائے، تب سفر کا مزہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں آرام میں مستی آئی لگے تکلیف مانگنے کہ جیسے اور ملکوں کی خبر سنتے ہیں سفروں میں پانی نہیں ملتا، آبادی نہیں ملتی، ویسا ہم کو بھی ہو۔ یہ بڑی ناشکری ہوئی، جیسے بنی

اسرائیل نے من و سلویٰ سے اکتا کر لہسن و پیاز طلب کی تھی۔

۲۹۔ سبائی تمدن کا زوال اور عذاب: یعنی ہم نے شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے کوئی ایک طرف کوئی دوسری طرف نکل گیا۔ آبادیوں کا نام و نشان حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اب ان کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں کہ لوگ سنیں اور عبرت پکڑیں۔ ان کا وہ عظیم الشان تمدن اور شان و شکوہ سب خاک میں مل گیا۔ صاحب "ارض القرآن" ان کے زوال و سقوط کی توجیہ اس طرح کرتا ہے کہ یونانیوں اور رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ پا کر ہندوستان و افریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور خام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر و شام کے سوا حل پر اترنے لگا۔ اس طریق سفر نے یمن سے شام تک خاک اڑادی اور سب کی نو آبادیاں تباہ ہو کر رہ گئیں۔ "مصنف موصوف نے یہ توجیہ مولر کی تحریر سے اخذ کی ہے۔ ممکن ہے تباہی اور انتشار کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو۔ مگر اس پر حصر کر دینا صحیح نہیں۔

۳۰۔ قوم سبا کا حال عبرتناک ہے: یعنی ان حالات کو سن کر چاہیے عقلمند عبرت حاصل کریں۔ جب اللہ فراخی اور عیش دے خوب شکر ادا کرتے رہیں اور تکلیف و مصیبت آئے تو صبر و تحمل اختیار کر کے اللہ سے مدد مانگیں۔

۲۰۔ اور سچ کر دکھائی ان پر ابلیس نے اپنی انکل پھر اسی کی راہ چلے مگر تھوڑے سے ایمان دار [۳۱]

وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ

اِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کر لیں ہم اسکو جو یقین لاتا ہے آخرت پر جدا کر کے اس سے جو رہتا ہے آخرت کی طرف سے دھوکہ میں اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے [۳۲]

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ وَّرَبُّكَ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۲۱﴾

۳۱۔ زوال کا سبب شیطان کا اتباع تھا: پہلے دن ابلیس نے تخمینہ کر کے کہا تھا لَا حَتٰنٰنِكَ ذُرِّيَّتَهٗ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل - ۶۲) اور ثُمَّ لَا تَتَّبِعُهُمُ

مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَّمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (اعراف - ۱۷) ویسے ہی نکلے۔

۳۲۔ شیطان کو بہکانے کے علاوہ کوئی قدرت نہیں: یعنی شیطان کو یہ قدرت نہ تھی کہ لاٹھی لے کر ان کو زبردستی راہ حق سے روک دیتا۔ ہاں بہکاتا پھسلاتا ہے اور اتنی قدرت بھی اس لئے دی گئی کہ بندوں کا امتحان و ابتلاء منظور تھا، دیکھیں کون آخرت پر یقین کر کے خدا کو یاد رکھتا ہے اور کون دنیا میں پھنس کر انجام سے غافل ہو جاتا اور بیوقوف بن کر شک یاد ہو کہ میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ کی حکمت کا مقتضا ہی یہ تھا کہ دنیا میں انسان کے لئے دونوں طرف جانے کے راستے کشادہ رکھیں۔ جیسا کہ پہلے کئی جگہ اس کی تقریر ہو چکی ہے۔ ایسا نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کو خبر نہ ہو۔ بیخبری میں شیطان کسی بندے کو اچک بچائے۔ خوب سمجھ لو کہ ہر چیز اللہ کی نگاہ میں ہے اور تمام احوال و شئون کی دیکھ بھال وہ ہی ہمہ وقت کرتا ہے جس کو جتنی آزادی دے رکھی ہے وہ عجز و سفہ سے نہیں، حکمت و مصلحت کی بناء پر ہے۔



۲۲۔ تو کہہ پکارو ان کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے [۳۳] وہ مالک نہیں ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ سا جھا اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شَرِكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس مگر اس کو کہ جس کے واسطے حکم کر دے [۳۴] یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جائے ان کے دل سے کہیں کیا فرمایا تمہارے رب نے وہ کہیں فرمایا جو واجب ہے اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا [۳۵]

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فُزِعَ عَنِ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقُّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ تو کہہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے بتلا دے کہ اللہ [۳۶] اور یا ہم یا تم بیشک ہدایت پر ہیں یا پڑے ہیں مگر ایسی میں صریح [۳۷]

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًىٰ أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ تو کہہ تم سے پوچھ نہ ہوگی اسکی جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے پوچھ نہ ہوگی اسکی جو تم کرتے ہو

قُلْ لَا تَسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ تو کہہ جمع کرے گا ہم سب کو رب ہمارا پھر فیصلہ کرے گا ہم میں انصاف کا اور وہی ہے قصہ چکانے والا سب کچھ جاننے والا [۳۸]

قُلْ يَجْعَلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ تو کہہ مجھ کو دکھلاؤ تو سہی جن کو اس سے ملاتے ہو

قُلْ أَرُونِي الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ ۚ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ

## اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

ساجھی قرار دے کر<sup>[۳۹]</sup> کوئی نہیں وہی اللہ ہے زبردست حکمتوں والا<sup>[۴۰]</sup>

۳۳۔ مشرکین مکہ کو تنبیہ: یہاں سے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جنکی تنبیہ کے لئے ”سبا“ کا قصہ سنایا تھا۔ یعنی اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی گمان ہے ذرا کسی آڑے وقت میں ان کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ کیا کام آتے ہیں؟

۳۴۔ یعنی یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان وزمین میں نہ ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہے (بلکہ بتوں کو تو غیر مستقل بھی نہیں) نہ آسمان وزمین میں ان کی کچھ شرکت نہ خدا کو کسی کام میں مدد کی ضرورت، جو یہ اس کے معین و مددگار بن کر ہی کچھ حقوق جتلاتے۔ اس کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ بدون اذن و رضاء کے کسی کی نسبت ایک حرف سفارش ہی زبان سے نکال سکیں۔ انبیاء و اولیاء اور ملائکہ اللہ کی شفاعت بھی صرف انہی کے حق میں نافع ہوگی جن کے لئے ادھر سے سفارش کا حکم مل جائے۔

۳۵۔ ملائکہ پر اللہ کی ہیبت و عظمت کا اثر: یہ فرشتوں کا حال فرمایا جو ہمہ وقت اس بارگاہ کے حاضر باش ہیں۔ جب اوپر سے اللہ کا حکم اترتا ہے ایسی آواز آتی ہے جیسے صاف پھلنے پھڑپھڑ زنجیر کھینچی جائے۔ (شاید اتصال و بساطت کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے یہ تشبیہ دی گئی) فرشتے دہشت اور خوف و رعب سے تھر جاتے ہیں اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ جب یہ حالت رفع ہو کر دل کو تسکین ہوئی اور کلام اتر چکا۔ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا۔ اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ بتلاتے ہیں کہ جو اللہ کی حکمت کے موافق ہے اور آگے سے قاعدہ معلوم ہے وہ ہی حکم ہوا۔ ظاہر ہے وہاں معقول اور واجبی بات کے سوا کیا چیز ہو سکتی ہے پس جس کے علو و عظمت کی یہ کیفیت ہو کہ حکم دے تو مقربین کا مارے ہیبت و جلال کے یہ حال ہو جائے وہاں کس کی ہمت ہے کہ از خود سعی و سفارش کے لئے کھڑا ہو جائے (تنبیہ) آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں جن کی نسبت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ”و جمع ذلک مخالف لہذا الحدیث الصحیح (الذی فی البخاری) و لاحادیث کثیرة تؤیدہ (فتح الباری ۱۳-۳۸۱)۔“

۳۶۔ یعنی آسمان وزمین سے روزی کے سامان بہم پہنچانا صرف اللہ کے قبضہ میں ہے اس کا اقرار مشرکین بھی کرتے تھے لہذا آپ بتلادیں کہ یہ تم کو بھی مسلم ہے۔ پھر الوہیت میں دوسرے شریک کہاں سے ہو گئے۔

۳۷۔ کفار کی غلطی پر تنبیہ کا ایک حکیمانہ انداز: یعنی دونوں فرقے توحیح نہیں کہتے (ورنہ اجتماع نقیضین لازم آجائے) یقیناً دونوں میں ایک سچا اور ایک جھوٹا ہے تو لازم ہے کہ سوچو اور غور کر کے سچی بات قبول کرو۔ اس میں ان کا جواب ہے جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میاں! دونوں فرقے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں کیا ضرور ہے بھگڑنا۔ سو بتلادیا کہ ایک یقیناً خطار کار اور گمراہ ہے۔ باقی تعیین نہ کرنے میں حکیمانہ حسن خطاب ہے۔ یعنی لو ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بہر حال ایک تو یقیناً غلطی پر ہو گا۔ اب اوپر کے دلائل سنکر تم ہی خود فیصلہ کر لو کہ کون غلطی پر ہے گویا مخالف کو نرمی سے بات کر کے اپنے نفس میں غور کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

۳۸۔ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ یعنی ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے۔ کوئی شخص دوسرے کے قصور اور غلطی کا جو ابدہ نہ ہو گا۔ اگر اتنی صاف باتیں سننے کے بعد بھی تم اپنی حالت میں غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو یاد رکھو ہم حجت تمام کر چکے۔ اور کلمہ حق پہنچا چکے۔ اب تم اپنے اعمال کے خود جو ابدہ ہو گے۔ ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ نہ ایسی حالت میں ہمارا تمہارا کوئی واسطہ۔ خدا کے یہاں حاضر ہونے کے لئے ہر ایک اپنی اپنی فکر کر رکھے۔ وہ سب کو اکٹھا کر کے کے ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دے گا۔

۳۹۔ یعنی ذرا سامنے تو کرو کون سی ہستی ہے جو اس کی خدائی میں سا جھار کھتی؟ ہم بھی تو دیکھیں کہ اس کے کیا کچھ اختیارات ہیں۔ کیا ان پتھر کی بیجان اور خود تراشیدہ مورتوں کو پیش کرو گے۔

۳۰۔ یعنی ہر گز تم ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتے۔ وہ تو اکیلا ایک ہی خدا ہے جو زبردست، غالب و قاہر اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و دانائی رکھنے والا ہے۔ سب اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔

۲۸۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے [۳۱]

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾

۳۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں کیلئے ہے: یہ توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر کر دیا۔ یعنی آپ کا فرض اور آپ کی بعثت کی غرض یہ ہی ہے کہ نہ صرف عرب کو بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو ان کے نیک و بد سے آگاہ کر دیں سو کر دیا۔ جو نہیں سمجھتے وہ جانیں۔ سمجھدار آدمی تو اپنے نفع و نقصان کو سچ کر آپ کی بات کو ضرور مانیں گے۔ ہاں دنیا میں کثرت جاہلوں اور نا سمجھوں کی ہے۔ ان کے دماغوں میں کہاں گنجائش ہے کہ کارآمد باتوں کی قدر کریں۔

۲۹۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۳۲]

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ تو کہہ تمہارے لیے وعدہ ہے ایک دن کا نہ دیر کرو گے اس سے ایک گھڑی نہ جلدی [۳۳]

قُلْ لَكُمْ مِيعَادٌ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً

وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ اور کہنے لگے منکر ہم ہر گز نہ مانیں گے اس قرآن کو اور نہ اس سے اگلے کو [۳۴] اور کبھی تو دیکھے جبکہ گنہگار کھڑے کئے جائیں اپنے رب کے پاس ایک دوسرے پر ڈالتا ہے بات کو [۳۵] کہتے ہیں وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے بڑائی کرنے والوں کو اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار ہوتے [۳۶]

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا

بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَ لَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ

مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

الْقَوْلِ ۗ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِلَّذِينَ

اسْتَكْبَرُوا الْوَلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ کہنے لگے بڑائی کرنے والے ان سے جو کہ کمزور گئے تھے کیا ہم نے روکا تم کو حق بات سے تمہارے پاس پہنچ چکنے کے بعد کوئی نہیں تم ہی تھے گنہگار [۳۷]

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا

أَنْحُنْ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بِالْ

## كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

۳۳۔ اور کہنے لگے وہ لوگ جو کمزور گئے گئے تھے بڑائی کرنے والوں کو کوئی نہیں پر فریب سے رات دن کے جب تم ہم کو حکم کیا کرتے کہ ہم نہ مانیں اللہ کو اور ٹھہرائیں اسکے ساتھ برابر کے سا جہی [۴۸] اور چھپے چھپے پچھتائے لگے جب دیکھ لیا عذاب [۴۹] اور ہم نے ڈالے ہیں طوق گردنوں میں منکروں کے [۵۰] وہی بدلہ پاتے ہیں جو عمل کرتے تھے [۵۱]

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوا  
بَلْ مَكْرُ الْاِيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَامُرُوْنَآ اَنْ نَّكْفُرَ  
بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهُ اَنْدَادًا ۗ وَاَسْرُوْا النَّدَامَةَ لَبَّآ  
رَاَوْا الْعَذَابَ ۗ وَجَعَلْنَا الْاَعْلٰى فِيْ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ

## كَفَرُوْا ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

۴۲۔ یعنی جس گھڑی سے ڈراتے ہو وہ کب آئے گی۔ اگر سچے ہو تو جلدی لا کر دکھلا دو۔

۴۳۔ قیامت اپنے وقت پر آئے گی: یعنی گھبراؤ نہیں جس دن کا وعدہ ہے ضرور آ کر رہے گا۔ جب آئے گا تو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی جلدی مچانے کے بجائے اس کی ضرورت ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کچھ تیاری کر رکھو۔

۴۴۔ کفار کا انکار: یعنی ہم نہ قرآن کو مانیں نہ انکی کتابوں کو جنہیں تم آسمانی کتابیں بتلاتے ہو۔ مثلاً توریت و انجیل وغیرہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے جتنے بٹے ہیں۔ جہاں دیکھو وہ ہی حساب کتاب اور قیامت کا مضمون۔ سوان چیزوں کو ہم ہرگز تسلیم کرنے والے نہیں۔

۴۵۔ یعنی جیسے ناکامیابی کے وقت ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو ناکامیابی کا سبب گردانتا ہے۔ محشر میں بھی کفار ایک دوسرے کو مورد الزام بنائیں گے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

۴۶۔ کفار کا اپنے بڑوں سے مکالمہ: دنیا میں جو لوگ نیچے کے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے بڑے سرداروں کو الزام دیں گے کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسا دیا۔ تمہاری روک نہ ہوتی تو ہم ضرور پیغمبروں کی بات مان لیتے۔ اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

۴۷۔ یعنی جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی اور سمجھ میں آگئی تھی کیوں قبول نہ کی۔ کیا ہم نے زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان و یقین سے روک دیا تھا۔ چاہیے تھا کہ کسی کی پروا نہ کر کے حق کو قبول کر لیتے۔ اب اپنا جرم دوسروں کے سر کیوں رکھتے ہو۔

۴۸۔ یعنی بیشک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا۔ مگر رات دن مکر و فریب اور مغویانہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہتے تھے۔ جب ملے یہ ہی تلقین کی کہ ہم پیغمبروں کے ارشاد کے موافق خدا کو ایک نہ مانیں۔ بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں۔ آخر تمہاری شب و روز کی ترغیب و ترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا۔

۴۹۔ آخرت میں کفار کا پچھتاوا: یعنی جس وقت ہولناک عذاب سامنے آئے گا تا بعین اور متبوعین دونوں اپنے اپنے دل میں پچھتائیں گے ہر ایک محسوس کرے گا کہ واقعی میں مجرم اور قصور وار ہوں لیکن شرم کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں گے اور شدید اضطراب و خوف سے شاید بولنے کی قدرت بھی نہ ہو۔

۵۰۔ گردنوں میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوں گی۔

۵۱۔ یعنی جو عمل کیے تھے آج وہ اس سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ جیسا کرنا ویسا بھرنا۔

۳۴۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہنے لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا ہم اس کو نہیں مانتے [۵۲]

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۲۳﴾

۳۵۔ اور کہنے لگے ہم زیادہ ہیں مال اور اولاد میں اور ہم پر آفت نہیں آنے والی [۵۳]

وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَوَلَدًا وَ مَا نَحْنُ بِعَذَابٍ بَلِّغِينَ ﴿۲۵﴾

۳۶۔ تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے اور ماپ کر دیتا ہے لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے [۵۴]

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾

۳۷۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ نہیں کہ نزدیک کر دیں ہمارے پاس تمہارا درجہ پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا [۵۵] سوان کے لیے ہے بدلا دونا نکلے کیے کام کا [۵۶] اور وہ جھروکوں میں بیٹھے ہیں دلجمعی سے

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا ذُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ أَمِنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءٌ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَ هُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ﴿۲۷﴾

۳۸۔ اور جو لوگ دوڑتے ہیں ہماری آیتوں کے ہر انے کو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آتے ہیں [۵۷]

وَ الَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۲۸﴾

۵۲۔ کفار کا نشہ دولت: یہ حضور کو تسلی دی گئی کہ آپ رؤسائے مکہ کے انحراف و سرکشی سے مغموم نہ ہوں۔ ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بد بخت رکیسوں نے کیا ہے۔ دولت و ثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے وہ کسی کے سامنے گردن جھکانا اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا۔ اسی لئے انبیاء کے اول تبعین عموماً ضعیف و مسکین لوگ ہوتے ہیں۔ مکاوردنی حدیث ہر قتل۔

۵۳۔ رضائے الہی کا غلط معیار: یعنی معلوم ہوا خدا ہم سے خوش اور راضی ہے۔ ورنہ اتنا مال و اولاد کیوں دیتا۔ جب وہ خوش ہے تو ہم کو کسی آفت

کا اندیشہ نہیں۔ تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔

۵۴۔ دولت فراخی رضا کا معیار نہیں: یعنی روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھتے نہیں دنیا میں کتنے بد معاش، شریر، دہریے، ملحد (ناستک) مزے اڑاتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی مذہب بھی اچھا نہیں کہتا اور بہت سے خدا پرست پرہیزگار اور نیک بندے بظاہر فاقے کھینچتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ دولت و افلاس یا تنگی و فراخی کسی کے محبوب و مقبول عند اللہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ معاملات تو دوسری مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے مگر بہت لوگ اس نعمت کو نہیں سمجھتے۔ وَمِنَ الدَّالِیْلِ عَلَی الْقَضَاءِ وَحُكْمِهِ بُؤْسُ اللِّیْبِ وَطِیْبُ عَیْشِ الْاِحْتِی۔

۵۵۔ یعنی مال و اولاد کی کثرت نہ قرب الہی کی علامت ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں گزرا۔ اور نہ قرب حاصل کرنے کا سبب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس کافر کے حق میں زیادت بعد کا سبب بن جاتا ہے۔ ہاں مومن اگر مال و دولت کو وجوہ خیر میں صرف کرے اور اولاد کو بہترین تعلیم و تربیت دلا کر نیک اور شائستہ بنائے، ایسا مال و اولاد ایک درجہ میں قرب الہی کا سبب بنتا ہے۔ بہر حال وہاں مال و اولاد کی پوچھ نہیں۔ محض ایمان و عمل صالح کی پریشانی ہے۔

۵۶۔ مومنوں کو نفقات پر اجر عظیم: یعنی کام پر جتنے اجر کا استحقاق ہے اس سے زائد بدلہ ملے گا۔ کم از کم دس گنا اور زیادہ ہو تو سات سو گنا بلکہ اللہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ جس کی کوئی حد نہیں۔ وَاللّٰهُ یُضْعَفُ لِمَنِ یَشَاءُ (بقرہ-۲۶۱) یہاں ضعف سے مطلقاً زیادت مراد ہے۔

۵۷۔ یعنی جو بد بخت اللہ کی آیات کو رد کرتے اور ان پر طعن کر کے لوگوں کو ادھر سے روکتے ہیں گویا سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ و رسول کو ہر ادیں گے وہ سب عذاب میں گرفتار ہو کر حاضر کئے جائیں گے ایک بھی چھوٹ کر نہ بھاگ سکے گا۔

۳۹۔ تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا [۵۸]

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ  
وَيَقْدِرُ لَهُ ۗ وَ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۗ

وَهُوَ خَيْرُ الرَّزٰقِيْنَ ﴿۲۹﴾

۵۸۔ رزق کی تنگی و فراخی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ مسلمانوں کو سنایا کہ تم وجوہ خیر میں خرچ کرتے وقت تنگی اور افلاس سے نہ ڈرنا۔ خرچ کرنے سے رزق کم نہیں ہو جاتا جو مقدر ہے پہنچ کر رہے گا۔ اللہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا دینا چاہے اس میں تمہارے خرچ کرنے نہ کرنے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ وجوہ خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے خواہ مال کی صورت میں یا قناعت و غنائے قلبی کی شکل میں اور آخرت میں بدلہ ملنا تو یقینی ہے۔ غرض اس کے ہاں کچھ کمی نہیں۔ مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اس کی مرضی کے سامنے فقر و فاقہ کا اندیشہ دل میں نہ لائے۔ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذٰی الْعَرْشِ اِغْلٰلًا۔ (تنبیہ) آیت میں گویا اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ جس طرح دنیا میں تنگی اور فراخی کے اعتبار سے لوگوں کا حال متفاوت ہے، آخرت میں بھی باعتبار مراتب ثواب و عذاب کے ایسا ہی تفاوت ہو گا۔

۴۰۔ اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر کہے گا  
وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَبِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَةِ

فرشتوں کو کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے [۵۹]

أَهْوَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ وہ کہیں گے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف میں ہیں نہ انکی طرف میں نہیں پوجتے تھے جنوں کو یہ اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے [۶۰]

قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُنَا مِنْ دُونِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا

يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۚ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ سو آج تم مالک نہیں ایک دوسرے کے بھلے کے نہ برے کے [۶۱] اور کہیں گے ہم ان گنہگاروں کو چکھو تکلیف اس آگ کی جس کو تم جھوٹ بتلاتے تھے

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۗ

وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي

كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۳۲﴾

۵۹۔ ملائکہ پرستی پر ملائکہ سے سوال: بہت مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے بہت ان کے ہیاکل بنا کر پرستش کرتے تھے بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ اصنام پرستی کی ابتداء ملائکہ پرستی ہی سے ہوئی۔ اور عمرو بن لُحی یہ رسم فوج شام سے حجاز میں لایا۔ بہر حال قیامت کے دن کفار کو سنا کر فرشتوں سے سوال کریں گے کہ کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے؟ شاید مطلب یہ ہو کہ تم نے تو ان سے ایسا نہیں کہا۔ یا تم ان کے فعل سے خوش تو نہیں ہوئے۔ جیسے حضرت مسیحؑ سے سوال ہو گا۔ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي وَآلِهَيْنِ مِنِّي دُونِ اللَّهِ (مائدہ-۱۱۶) اور سورہ فرقان میں ہے ءَأَنْتُمْ أَضَلُّنْتُمْ عِبَادِي هُوَ آءِ (فرقان-۱۷)

۶۰۔ ملائکہ کا جواب: یعنی آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی کسی درجہ میں اس کا شریک ہو۔ (العیاذ باللہ) ہم کیوں ان کو ایسی بات کہنے لگے تھے یا ایسی واہیات حرکت سے خوش ہوتے۔ ہماری رضا تو آپ کی رضا کے تابع ہے۔ ہم کو ان مجرموں سے کیا واسطہ ہم تو آپ کے فرمانبردار غلام ہیں پھر یہ بد بخت تو حقیقت میں ہماری پرستش بھی نہیں کرتے تھے۔ نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش تھی فی الحقیقت ان کی عقیدہ تمندی ان ہی کے ساتھ ہے۔ شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ہیں ادھر ہی مڑ جاتے ہیں خواہ فرشتوں کا نام لے کر یا کسی نبی اور ولی کا۔ بلکہ بعض تو علانیہ شیطان ہی کو پوجتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے کسی جگہ غالباً سورہ ”انعام“ میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

۶۱۔ عابد اور معبود دونوں کی عاجزی: یعنی آج عابد اور معبود دونوں کا عجز واضح ہو گیا کہ کوئی کسی کو ذرہ بھر نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا جن معبودین کا بڑا سہارا سمجھتے تھے انہوں نے اس طرح وقت پر بیزاری ظاہر کر دی۔

۳۳۔ اور جب پڑھی جائیں انکے پاس ہماری آیتیں کھلی کھلی کہیں اور کچھ نہیں مگر یہ ایک مرد ہے چاہتا ہے کہ روک دے تم کو ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے [۶۲] اور کہیں اور کچھ نہیں یہ جھوٹ ہے باندھا ہوا [۶۳] اور کہتے ہیں منکر حق بات کو جب پہنچے ان تک اور کچھ نہیں یہ ایک جادو ہے صریح [۶۴]

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بِيْنَتٍ قَالُوا مَا هٰذَا

إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَبْصِدْكُمْ عَمَّا كَانِ يَعْبُدُ

آبَاؤَكُمْ ۚ وَقَالُوا مَا هٰذَا إِلَّا أَفْكٌ مُّفْتَرَىٰ ۗ وَقَالَ

الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۗ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ

مُبِينٌ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور ہم نے دی نہیں انکو کچھ کتابیں کہ جن کو وہ پڑھتے ہوں اور بھیجا نہیں انکے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا [۳۵]

إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور جھٹلایا ہے ان سے انگوں نے اور یہ نہیں پہنچے دسویں حصہ کو اس کے جو ہم نے انکو دیا تھا پھر جھٹلایا انہوں نے میرے بھیجے ہوؤں کو تو کیسا ہوا انکار میرا [۳۶]

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَمَا بَلَّغُوا مِعْشَارَ

مَا آتَيْنَهُمْ فَكَذَّبُوا رَسُولِي ۗ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ تو کہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو اور ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو ایک بڑی آفت کے آنے سے [۳۷]

قُلْ إِنَّمَا أَعْظُمُ بِوَاحِدَةٍ ۚ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَشْفِي

وَفَرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُونَ ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ ۗ

إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا ہو کچھ بدلا سو وہ تمہی رکھو میرا بدلہ ہے اسی اللہ پر [۳۸] اور اس کے سامنے ہے ہر چیز [۳۹]

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۗ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا

عَلَى اللَّهِ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ تو کہہ میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں [۴۰]

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَغْفِرُ بِالْحَقِّ ۗ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ تو کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ پھیر کر لائے [۴۱]

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ تو کہہ اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بہکوں گا اپنے ہی نقصان کو اور اگر ہوں سیدھے راستہ پر تو اس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب بیشک وہ سب کچھ سنتا ہے نزدیک [۴۲]

قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۗ وَإِنْ

اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحَىٰ إِلَىٰ رَبِّي ۗ إِنَّهُ سَمِيعٌ



## قریب

۶۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب: یہ رسول کریم ﷺ کی نسبت آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص نبی رسول کچھ نہیں۔ بس اتنی غرض ہے کہ ہمارے باپ دادوں کا طریقہ چھڑا کر (جس کو ہم قدیم سے حق جانتے چلے آئے ہیں) اپنے ڈھب پر لے آئے اور خود حاکم و متبوع بن کر بیٹھ جائے۔ گویا صرف حکومت و ریاست مطلوب ہے (العیاذ باللہ)۔

۶۳۔ یعنی قرآن کیا ہے (العیاذ باللہ) چند جھوٹی باتیں جو خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

۶۴۔ قرآن و نبوت پر اعتراض: یعنی یہ نبوت کا دعویٰ جس کے ساتھ چند معجزات و خوارق کی نمائش کی گئی ہے یا مذہب اسلام جس نے آکر میاں کو بیوی سے اور باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا ہے یا قرآن جس کی تاثیر لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی ہوتی ہے، صریح جادو کے سوا اور کچھ نہیں (العیاذ باللہ)۔

۶۵۔ کفار مکہ کی جہالت: یعنی محض اُمّی تھے نہ کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں تھی نہ اتنی مدت دراز سے کوئی نبی ان میں آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان پیغمبر اور ایسی جلیل القدر کتاب مرحمت فرمائی۔ چاہئے کہ اسے غنیمت جانیں اور انعام الہی کی قدر کریں۔ خصوصاً جبکہ پہلے سے خود کہا بھی کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی پیغمبر آتا یا کوئی کتاب ہم پر اتاری جاتی تو اوروں سے بڑھ کر ہم فرار ہوتے۔ اب وہ چیز آئی تو لگے انکار و استکبار کرنے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے ان کے پاس کوئی کتاب یا ہادی ایسا نہیں بھیجا جو پ کی تعلیم کے خلاف تعلیم دیتا ہو۔ پھر کس دلیل نقلی یا عقلی کی بنا پر یہ لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔

۶۶۔ یعنی جیسی لمبی عمریں، جسمانی قوتیں، مال و دولت، اور عیش وترفہ ان کو دیا گیا تمہیں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملا۔ لیکن جب انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب و مخالفت کی، دیکھ لو! کیا انجام ہوا، سب ساز و سامان دھرا رہ گیا۔ ایک منٹ بھی عذاب الہی کو روک نہ سکے۔ پھر تم اتنا کا ہے پر اترتے ہو؟ اس برتے پر یہ سنا پائی۔

۶۷۔ کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ: یعنی تعصب و عناد چھوڑ کر انصاف و اخلاص کے ساتھ اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہو۔ اور کئی کئی مل کر بحث و مشورہ کر لو اور الگ الگ تنہائی میں غور کر کے سوچو کہ یہ تمہارا رفیق (محمد رسول اللہ ﷺ) جو چالیس برس سے زیادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہا جس کے بچپن سے لیکر کہولت تک کے ذرہ ذرہ حالات تم نے دیکھے جس کی امانت و دیانت، صدق و عفاف اور فہم و دانش کے تم برابر قائل رہے۔ کبھی کسی معاملہ میں نفسانیت یا غرض پرستی کا الزام تم نے اس پر نہیں رکھا۔ کیا تم واقعی گمان کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ اسے بیٹھے بٹھائے جنون ہو گیا ہے جو خواجواہ اس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنا لیا۔ کیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنون اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور ان کی اخروی فلاح اور دنیوی ترقی کا اتنا زبردست لائحہ عمل پیش کر سکتا ہے۔ وہ تم کو سخت مہلک خطرات اور تباہی انگیز مستقبل سے آگاہ کر رہا ہے۔ قوموں کی تاریخیں سناتا ہے، دلائل و شواہد سے تمہارا بھلا برا سمجھاتا ہے یہ کام دیوانوں کے نہیں، ان اولو العزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں جنہیں احمقوں اور شریروں نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے۔

۶۸۔ کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ۔ یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو مجھے ضرورت نہیں۔ میرا صلہ تو خدا کے ہاں ہے۔ تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان و اسلام وہ صرف تمہارے نفع کی خاطر۔ اس سے زائد میری کوئی غرض نہیں۔

۶۹۔ یعنی میری سچائی اور نیت اللہ کے سامنے ہے۔

۷۰۔ حق غالب ہو کر رہے گا: یعنی اوپر سے وحی اتر رہی اور دین کی بارش ہو رہی ہے۔ موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ جس

زور سے اللہ تعالیٰ حق کو باطل کے سر پر پھینک کر مار رہا ہے اس سے اندازہ کرو کہ باطل کہاں ٹھہر سکے گا، ضرور ہے ملیا میٹ ہو کر رہے اور آفاق میں دین حق کا ڈنکا بجے اس علام الغیوب نے خوب دیکھ بھال کر عین موقع پر حق کو باطل کا سر کچلنے کے لئے بھیجا ہے۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء-۱۸)۔

۱۔ یعنی دین حق آپنچا اب اس کا زور رکنے والا نہیں۔ سب پر غالب ہو کر اور باطل کو زیر کر کے رہے گا جھوٹ کے پاؤں کہاں جو حق کے سامنے چل سکے۔ وہ تو اب کرنے کا نہ دھرنے کا۔ سمجھ لو آیا گیا ہوا۔ فتح مکہ کے دن یہ آیت آپ کی زبان پر تھی۔

۲۔ یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو گے دن چلے گا۔ اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے۔ دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا۔ (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الہی کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے۔ وہ ہمیشہ میری مدد فرمائے گا اور اپنے پیغام کو دنیا میں روشن کرے گا۔ تم مانویا نہ مانو۔

۵۱۔ اور کبھی تو دیکھے جب یہ گھبراہٹیں پھر نہ بچیں بھاگ کر اور پکڑے ہوئے آئیں نزدیک جگہ سے [۴۳]

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَافُونَ وَأَخَذُوا مِنْ مَّكَانٍ

قَرِيبٍ ﴿٥١﴾

۵۲۔ اور کہنے لگیں ہم نے اسکو یقین مان لیا اور اب کہاں انکا ہاتھ پہنچ سکتا ہے بعد جگہ سے [۴۴]

وَقَالُوا أَمَّنَّا بِهِ ؕ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَافُثُ مِنْ مَّكَانٍ

بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ اور اس سے منکر رہے پہلے سے اور پھینکتے رہے بن دیکھے نشانہ پر دور کی جگہ سے [۴۵]

وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ

مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ اور رکاوٹ پڑ گئی ان میں اور ان کی آرزو میں [۴۶] جیسا کہ کیا گیا ہے انکے طریقہ والوں کے ساتھ اس سے پہلے وہ لوگ تھے ایسے تردد میں جو چین نہ لینے دے [۴۷]

وَ حِيلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا

فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ

مُرِيبٍ ﴿٥٤﴾

۵۳۔ کفار کی حالت: یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہو گا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبراہٹیں گے اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش نہ کرنا پڑے گا۔ بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لیے جائیں گے۔

۷۴۔ آخرت میں کفار کا انعام: یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آ گیا اب ہم ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر اپنے کو بچا سکتے تھے۔ اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے جو وہاں سے ایمان کو اٹھالائیں۔ مطلب یہ کہ ایمان مقبول و منجی وہ ہے جو موت سے پہلے اس دنیا میں حاصل ہو۔ آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر سب ہی کو یقین آ جائے گا۔ اس میں کیا کمال ہو۔

۷۵۔ کفار کو جواب: یعنی پہلے جب ایمان لانے کا وقت تھا (انکار پر تلے رہے اور یوں ہی انکل کے تیر چلاتے رہے دنیا میں رہ کر ہمیشہ بے تحقیق باتیں کیں۔ سچی اور تحقیقی باتوں کو قبول نہ کیا۔ اب پچتانے سے کیا حاصل۔

۷۶۔ ابدی ناکامی: یعنی جس چیز کی آرزو رکھتے ہیں مثلاً ایمان مقبول یا نجات، یا دنیا کی طرف واپس جانا، یا دنیوی لذتیں اور عیش و آرام۔ ان چیزوں کے اور ان کفار کے درمیان سخت روک قائم کر دی گئی۔ کبھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

۷۷۔ یعنی پہلے جو اسی قماش کے لوگ گذرے ہیں جیسا معاملہ ان سے کیا تھا ان سے بھی ہوا۔ کیونکہ وہ لوگ بھی ایسے ہی مہمل شبہات اور بیجا شک و تردد میں گھرے ہوئے تھے جو کسی طرح ان کو چین نہ لینے دیتا تھا۔

تم سورۃ سبا

## آیاتہا ۲۵

## رکوعاتہا ۲

## ۳۵ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ ۲۳

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین [۱] جس نے ٹھہرایا فرشتوں کو پیغام لانے والے [۲] جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار [۳] بڑھا دیتا ہے پیدا کس میں جو چاہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے [۴]

الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِ اَجْنَحَةً مَّشْنٰی وَ ثَلٰثَ وَرُبْعًا ۙ يَزِيْدُ فِی الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

۲۔ جو کچھ کہ کھول دے اللہ لوگوں پر رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا [۵] اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اسکے سوائے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا [۶]

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكٍ لَهَا وَ مَا يُمْسِكُ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهَا ۗ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾

۳۔ اے لوگو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر کیا کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوائے روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ پھر کہاں الٹے جاتے ہو [۷]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۗ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ فَاَنۢتُمْ تُوْفِكُوْنَ ﴿۳﴾

۱۔ حمد خالق وجود ہی کیلئے ہے: یعنی آسمان و زمین کو ابتداءً عدم سے نکال کر وجود میں لایا۔ پہلے سے کوئی نمونہ اور تخلیق کا قانون موجود نہ تھا۔  
۲۔ یعنی بعض فرشتے انبیاء کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں اور بعض دوسرے جسمانی و روحانی نظام کی تدبیر و تشکیل پر مامور ہیں۔ فَاَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَمْرًا (النازعات۔ ۲۵)۔

۳۔ فرشتوں کے پر: یعنی بعض فرشتوں کے دو بازو (یاد پر) بعض کے تین بعض کے چار ہیں۔ ان بازوؤں اور پروں کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے یا جس نے دیکھے ہوں وہ کچھ بتلا سکیں۔

۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو عضو اور جو صفت چاہے اپنی حکمت کے موافق بڑھادے۔ فرشتوں کے دو، تین، چار بازو (یا پر) اسی نے بنائے چاہے تو بعض فرشتوں کے چار سے زیادہ بنا دے۔

حضرت جبریلؑ کے بازو: چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبریلؑ کے چھ سو بازو (یا پر) ہیں۔ اور جَاعِلِ الْمَلٰئِكَةِ رُسُلًا سے یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کچھ ان وساائط کا محتاج ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے۔ محض حکمت کی بناء پر یہ اسباب و وساائط کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

۵۔ رحمت جسمانی ہو مثلاً بارش، روزی وغیرہ یا روحانی جیسے انزال کتب و ارسال رسل۔ غرض جب لوگوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے، کون ہے جو بند کر سکے۔

۶۔ یعنی اپنی حکمت بالغہ کے موافق جو کچھ کرنا چاہے فوراً کر گذرے۔ ایسا زبردست ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا۔

۷۔ خالق ہی معبود ہو سکتا ہے: یعنی مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار ہے۔ پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا جو خالق و رازق حقیقی ہے وہ ہی معبود ہونا چاہئے۔

۴۔ اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام [۸]

وَاِنْ يُّكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ وَ

اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۳﴾

۵۔ اے لوگو بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو نہ بہکائے تم کو دنیا کی زندگانی اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغا باز

يَآٰيَهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ ﴿۵﴾

۶۔ تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی سمجھ رکھو اس کو دشمن وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کے ہوں دوزخ والوں میں [۹]

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّآ اِنَّمَا

يَدْعُوْا حِزْبَهُ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۶﴾

۷۔ جو منکر ہوئے ان کو سخت عذاب ہے اور جو یقین لائے اور کئے بھلے کام انکے لئے ہے معافی اور بڑا ثواب

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَالَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ۗ وَّ اَجْرٌ

كَبِيْرٌ ﴿۷﴾

۸۔ بھلا ایک شخص کو کہ بھلی سمجھائی گئی اسکو اسکے کام کی برائی پھر دیکھا اس نے اسکو بھلا کیونکہ اللہ بھٹکاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے سو تیرا جی نہ

اَفْسَنْ زِيْنٍ لَّهٗ سُوْءٌ عَمِلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۗ فَاِنَّ اللّٰهَ

يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ ۗ فَلَا

تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ  
ہیں [۱۰]

### بَيِّضُونَ ﴿۸﴾

۸۔ یعنی اس قدر سمجھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد بھی یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو غم نہ کیجئے۔ انبیائے سابقین کے ساتھ بھی یہ ہی برتاؤ ہوا ہے۔ کوئی انوکھی بات نہیں۔ متعصب اور ضدی لوگ کبھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے۔ ایسوں کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے۔ وہیں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔

۹۔ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے: یعنی قیامت آنی ہے اور یقیناً سب کو اللہ تعالیٰ کی بڑی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ اس دنیا کی ٹیپ ٹاپ اور فانی عیش و بہار پر نہ پھولو۔ اور اس مشہور دغا باز شیطان کے دھوکے میں مت آؤ۔ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ کبھی اچھا مشورہ نہ دے گا۔ یہ ہی کوشش کرے گا کہ اپنے ساتھ تم کو بھی دوزخ میں پہنچا کر چھوڑے طرح طرح کی باتیں بنا کر خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرتا رہے گا۔ چاہئے کہ تم دشمن کو دشمن سمجھو اس کی بات نہ مانو۔ اس پر ثابت کر دو کہ ہم تیری مکاری کے جال میں پھنسنے والے نہیں۔ خوب سمجھتے ہیں کہ تو دوستی کے لباس میں بھی دشمنی کرتا ہے۔

۱۰۔ نیک اور بد برابر نہیں: یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے۔ جب دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔ اللہ جس کی سوء استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے۔ اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یا الٹی بات سمجھا دے۔ بہر حال جو شخص شیطانی اغواء سے برائی کو بھلائی بدی کو نیکی اور زہر کو تریاق سمجھ لے کیا اس کے سیدھے راستے پر آنے کی کچھ توقع ہو سکتی ہے؟ جب نہیں ہو سکتی اور سلسلہ ہدایت و ضلالت کا سبب اللہ کی مشیت و حکم کے تابع ہے۔ تو آپ ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں، اس حسرت میں کہ یہ بد بخت اپنے فائدہ کی بات کو کیوں قبول نہیں کرتے کیا آپ اپنی جان دے بیٹھیں گے؟ آپ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے۔ اللہ ان کے سب کر توت جانتا ہے۔ وہ خود ان کا بھگتوان کر دے گا آپ دلیگرو غمگین نہ ہوں۔

۹۔ اور اللہ ہے جس نے چلائی ہیں ہوئیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہانک لے گئے ہم اسکو ایک مردہ دیس کی طرف پھر زندہ کر دیا ہم نے اس سے زمین کو اسکے مرجانے کے بعد اسی طرح ہو گا جی اٹھنا [۱۱]

وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا  
فَسُقْنَهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ  
بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ كَذٰلِكَ النُّشُورُ ﴿۹﴾

۱۰۔ جس کو چاہئے عزت تو اللہ کے لیے ہے ساری عزت [۱۲] اس کی طرف چڑھتا ہے کلام سٹھرا [۱۳] اور کام نیک اس کو اٹھالیتا ہے [۱۴] اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَإِلَهُ الْعِزَّةُ جَبِيعًا ۗ إِلَيْهِ  
يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۗ وَ

انکے لیے سخت عذاب ہے اور ان کا داؤہ ہے ٹوٹے کا [۱۵]

الَّذِينَ يَبْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ<sup>ط</sup>

وَمَكْرٌ أُولَٰئِكَ هُوَ يُبْوَرُ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے پھر بوند پانی سے پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے اور نہ پیٹ رہتا ہے کسی مادہ کو اور نہ وہ جنتی ہے بن خبر اس کے [۱۶] اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے [۱۷]

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ

جَعَلَكُمْ أَرْوَاجًا<sup>ط</sup> وَمَا تَحِطُ مِنْ أَنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ

إِلَّا بِعِلْمِهِ<sup>ط</sup> وَمَا يُعْزَرُ مِنْ مُعَزَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ

عُرَّةٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے خوشگوار ہے پینا اس کا اور یہ کھارا کڑوا اور دونوں میں سے کھاتے ہو گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جسکو پہنتے ہو [۱۸] اور تو دیکھے جہازوں کو اس میں کہ چلتے ہیں پانی کو پھاڑتے تاکہ تلاش کرو اسکے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو [۱۹]

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ<sup>ح</sup> هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ<sup>ط</sup> وَمِنْ كُلِّ

تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا<sup>ط</sup> وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً

تَلْبَسُونَهَا<sup>ج</sup> وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاحِرَ

لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ<sup>ط</sup> وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ رات گھساتا ہے دن میں اور دن گھساتا ہے رات میں اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وعدہ تک [۲۰] یہ اللہ ہے تمہارا رب اسی کے لئے بادشاہی ہے اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوائے وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے [۲۱]

يُؤَبِّجُ الْبَيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَبِّجُ النَّهَارَ فِي الْبَيْلِ<sup>ل</sup> وَ

سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ<sup>ط</sup> كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ

مُسَمًّى<sup>ط</sup> ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ

تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْبِيرٍ<sup>ط</sup> ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر سنیں پہنچیں نہیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے [۲۲] اور کوئی نہ بتلائے گا تجھ کو جیسا بتلائے خبر رکھنے والا [۲۳]

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْعَوْا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَعُوا مَا  
اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ  
بِشْرِكِكُمْ ۖ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۚ

۱۱۔ بارش اور بادل سے نشر پر استدلال: اللہ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور جس ملک کا رقبہ مردہ پڑا تھا۔ یعنی کھیتی و سبزہ کچھ نہ تھا، چاروں طرف خاک اڑ رہی تھی، بارش کے پانی سے اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی مرے پیچھے جلا کر کھڑا کر دے گا۔ روایات میں ہے کہ جب اللہ مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا۔ عرش کے نیچے سے ایک (خاص قسم کی) بارش ہوگی جس کا پانی پڑتے ہی مردے اس طرح جی اٹھیں گے۔ جیسے ظاہری بارش ہونے پر دانہ زمین سے اگتا ہے مزید تفصیل روایات میں دیکھنی چاہئے۔

۱۲۔ عزت اللہ کی اطاعت میں ہے: کفار نے دوسرے معبود اس لئے ٹھہرائے تھے کہ اللہ کے ہاں ان کی عزت ہوگی۔ وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهَاتٍ لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا (مریم۔ ۸۱) اور بہت لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستانہ کرتے تھے کہ اس سے انکی عزت بنی رہے گی اَلَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَيْبَتَعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (نساء۔ ۱۳۹) اس قسم کے لوگوں کو بتلایا کہ جو شخص دنیا و آخرت کی عزت چاہے، چاہئے کہ اللہ سے طلب کرے کہ عزیز مطلق تو وہ ہے، اسی کی فرمانبرداری اور یادگاری سے اصلی عزت میسر آتی ہے۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔ جس کسی کو عزت ملی یا ملے گی اس کے خزانہ سے ملی ہے یا ملے گی۔

۱۳۔ کلام طیب کی فضیلت: سحر اکلام ہے، ذکر اللہ، دعاء تلاوت القرآن، علم و نصیحت کی باتیں، یہ سب چیزیں بارگاہ رب العزت کی طرف چڑھتی ہیں اور قبول و اعناء کی عزت حاصل کرتی ہیں۔

۱۴۔ عمل صالح کی رفعت و بلندی: سحرے کلام (ذکر اللہ وغیرہ) کا ذاتی اقتضاء ہے اوپر چڑھنا۔ اس کے ساتھ دوسرے اعمال صالحہ ہوں تو وہ اس کو سہارا دے کر اور زیادہ ابھارتے اور بلند کرتے رہتے ہیں۔ اچھے کلام کو بدون اچھے کاموں کے پوری رفعت شان حاصل نہیں ہوتی۔ بعض مفسرین نے وَ انْعَمِلُ الصَّالِحِينَ يَرْفَعُهُمْ کی ضمیروں کا مرجع بدل کر یہ معنی لئے ہیں کہ سحر اکلام اچھے کام کو اونچا اور بلند کرتا ہے۔ یہ بھی درست ہے اور بعض نے يَرْفَعُهُمْ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی اللہ عمل صالح کو بلند کرتا اور معراج قبول پر پہنچاتا ہے۔ بہر حال غرض یہ ہے کہ بھلے کام اور اچھے کلام دونوں علو و رفعت کو چاہتے ہیں۔ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت کا طالب ہو وہ ان چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کرے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ”یعنی عزت اللہ کے ہاتھ ہے۔ تمہارے ذکر اور بھلے کام چڑھتے جاتے ہیں جب اپنی حد کو پہنچیں گے تب بدی پر (پورا) غلبہ (حاصل) کریں گے۔ کفر دفع ہو گا، اسلام کو عزت ہوگی ”مکاروں کے سب داؤ گھات باطل اور بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔

۱۵۔ مکاروں کیلئے عذاب: یعنی جو لوگ بری تدبیریں سوچتے اور حق کے خلاف داؤ گھات میں رہتے ہیں آخر ناکام ہو کر خسارہ اٹھائیں گے۔ دیکھو قریش نے ”دار الندوہ“ میں بیٹھ کر حضور کو قید کرنے یا قتل کرنے یا وطن سے نکلنے کے مشورے کئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ”جنگ بدر“ کے موقع پر وہ ہی لوگ وطن سے نکلے، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے اور قلب بدر میں ہمیشہ کیلئے قید کر دیے گئے۔

۱۶۔ انسان کی تخلیق: یعنی آدم کو مٹی سے پھر اس کی اولاد کو پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر مرد و عورت کے جوڑے بنا دیے جس سے نسل پھیلی۔



اس درمیان میں استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جو ادوار و اطوار گذرے سب کی خبر خدا ہی کو ہے۔ ماں باپ بھی نہیں جانتے کہ اندر کیا کیا صورتیں پیش آئیں۔

۱۷۔ ہر شے کی عمر پہلے سے لکھی ہوئی ہے: یعنی جس کی جتنی عمر ہے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور جو اسباب عمر کے گھٹنے بڑھنے کے ہیں یا یہ کہ کون عمر طبعی کو پہنچے گا۔ کون نہیں، سب اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کو ان جزئیات پر احاطہ رکھنا بندوں کی طرح کچھ مشکل نہیں۔ اس کو تو تمام ماکان و مایکون، جزئی، کلی اور غیب و شہادت کا علم ازل سے حاصل ہے۔ اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”ہر کام سچ سچ ہوتا ہے جیسے آدمی کا بننا“ اور اپنی عمر مقدر کو پہنچنا۔ اسی طرح سمجھ لو اسلام بتدریج بڑھے گا اور آخر کار کفر کو مغلوب و مقہور کر کے چھوڑے گا۔

۱۸۔ کفر و اسلام کی مثال مظاہر فطرت سے: اوپر سے دلائل توحید اور شواہد قدرت بیان ہوتے آ رہے ہیں اسی کے ضمن میں لطیف اشارے اسلام کے غلبہ کی طرف بھی ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی کفر اور اسلام برابر نہیں خدا کفر کو مغلوب ہی کرے گا اگرچہ تم کو دونوں سے فائدہ ملے گا۔ مسلمانوں سے قوت دین اور کافروں سے جزیہ خراج اور گوشت میٹھے کھاری دونوں دریاؤں سے نکلتا ہے یعنی مچھلی اور گہنا (زیور) یعنی موتی، مونگا اور جو اہر اکثر کھاری سے نکلتے ہیں۔

۱۹۔ بحری جہاز: اکثر بڑی بڑی تجارتیں جہازوں کے ذریعہ سے ہوتی ہیں۔ ان سے جو منافع حاصل ہوں یہ ہی اللہ کا فضل ہے۔ ان تمام انعامات پر انسان کو چاہئے مالک کا شکر ادا کرے۔

۲۰۔ لیل و نہار کے تغیرات: یہ مضمون پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی رات دن کی طرح کبھی کفر غالب ہے کبھی اسلام۔ اور سورج چاند کی طرح ہر چیز کی مدت بندھی ہے دیر سویر نہیں ہوتی۔“ حق کا نمایاں غلبہ اپنے وقت پر ہو گا۔

۲۱۔ باطل مجبوروں کی حقیقت: یعنی جس کی صفات و شئون اوپر بیان ہوئیں حقیقت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار اور کل زمین و آسمان کا بادشاہ۔ باقی جنہیں تم خدا قرار دیکر پکارتے ہو۔ وہ مسکین بادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اس کے بھی مالک نہیں۔

۲۲۔ یعنی جن مجبوروں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے۔ بلکہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔

۲۳۔ اللہ ہی سچی خبر دینے والا ہے۔ یعنی اللہ سے زیادہ احوال کون جانے وہ ہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائے گا۔

۱۵۔ اے لوگو تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا [۲۴]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ

الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿١٥﴾

۱۶۔ اگر چاہے تم کو لیجائے اور لے آئے ایک نئی خلقت

إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾

۱۷۔ اور یہ بات اللہ پر مشکل نہیں [۲۵]

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے کوئی بوجھل اپنا بوجھ بٹانے کو کوئی نہ اٹھائے اس میں سے ذرا بھی اگرچہ ہو قرابتی [۲۶] تو تو ڈر سنا دیتا ہے انکو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز [۲۷] اور جو کوئی سنورے گا تو یہی ہے کہ سنورے گا اپنے فائدہ کو اور اللہ کی طرف ہے سب کو پھر جانا [۲۸]

۱۹۔ اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا

۲۰۔ اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا

۲۱۔ اور نہ سایہ اور نہ نو

۲۲۔ اور برابر نہیں جیتے اور نہ مردے [۲۹] اللہ سنا تا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو

۲۳۔ تو تو بس ڈر کی خبر پہنچانے والا ہے [۳۰]

۲۴۔ ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دیکر خوشی اور ڈر سنانے والا اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈر سنانے والا [۳۱]

۲۵۔ اور اگر وہ تجھ کو جھٹلائیں تو آگے جھٹلا چکے ہیں جو لوگ کہ ان سے پہلے تھے پہنچے ان کے پاس رسول انکے لیکر کھلی باتیں اور صحیفے اور روشن کتاب [۳۲]

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِئِهَا لَا يُحْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ<sup>ط</sup>  
إِنَّا نُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَ  
أَقَامُوا الصَّلَاةَ ۗ وَ مِنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّا يَتَزَكَّىٰ  
لِنَفْسِهِ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾

وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾

وَلَا الظُّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۗ إِنَّ اللَّهَ  
يُسَبِّعُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا أَنْتَ بِسَبِّعٍ مَّن فِي  
الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾

إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۗ وَإِنْ مِنْ  
أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ  
جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتَابِ

## السَّنْبِرُ

۲۶۔ پھر پکڑا میں نے منکروں کو سو کیسا ہوا انکار میرا [۳۳]

ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ

۲۴۔ تمام انسان اللہ کے محتاج ہیں: یعنی سب لوگ اسی اللہ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں۔ کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔ پس وہ ہی مستحق عبادت و استعانت کا ہوا۔

۲۵۔ یعنی تم نہ مانو تو وہ قادر ہے کہ تم کو ہٹا کر دوسری خلقت آباد کر دے جو بہم و جودہ اس کی فرمانبردار اور اطاعت گزار ہو، جیسے آسمانوں پر فرشتے اور ایسا کرنا اللہ کو کچھ مشکل نہیں لیکن اس کی حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ زمین پر یہ سب سلسلے چلتے رہیں۔ اور آخر میں ہر ایک اپنے نیک و بد عمل کا بدلہ پائے تا اس طرح اس کی تمامی صفات کا ظہور ہو۔

۲۶۔ قیامت میں ہر شخص اپنا بوجھ اٹھائے گا: یعنی نہ کوئی از خود دوسرے کا بوجھ اپنے سر رکھے گا کہ اس کے گناہ اپنے اوپر لے لے اور نہ دوسرے کے پکارنے پر اس کا کچھ ہاتھ بٹا سکے گا خواہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ سب کو نفسی نفسی پڑی ہوگی۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ہی سے بیڑا پار ہو گا۔

۲۷۔ یعنی آپ کے ڈرانے سے وہ ہی اپنا رویہ درست کر کے نفع اٹھائے گا جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور ڈر کر اس کی بندگی میں لگا رہتا ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہی نہ ہو وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہو گا۔

۲۸۔ یعنی آپ کی نصیحت سن کر جو شخص مان لے اور اپنا حال درست کر لے تو کچھ آپ پر یا خدا پر احسان نہیں بلکہ اسی کا فائدہ ہے اور یہ فائدہ پوری طرح اس وقت ظاہر ہو گا جب سب اللہ کے ہاں لوٹ کر جائیں گے۔

۲۹۔ مومن اور کافر برابر نہیں: یعنی مومن جس کو اللہ نے دل کی آنکھیں دی ہیں، حق کے اجالے اور وحی الہی کی روشنی میں بے کھٹکے راستہ قطع کرتا ہو اجنت کے باغوں اور رحمت الہی کے سایہ میں جا پہنچتا ہے۔ کیا اس کی برابری وہ کافر کر سکے گا جو دل کا اندھا اوہام و اہواء کی اندھیروں میں بھٹکتا ہو! جہنم کی آگ اور اس کی جھلس دینے والی لوؤں کی طرف بے تحاشا چلا جا رہا ہے۔ ہر گز نہیں۔ ایسا ہو تو یوں سمجھو کہ مردہ اور زندہ برابر ہو گیا۔ فی الحقیقت مومن و کافر میں اس سے بھی زیادہ تفاوت ہے جو ایک زندہ تندرست آدمی اور مردہ لاش میں ہوتا ہے، اصلی اور دائمی زندگی صرف روح ایمان سے ملتی ہے۔ بدون اس کے انسان کو ہزار مردوں سے بدتر سمجھنا چاہئے۔

۳۰۔ اللہ مردوں کو بھی سنا سکتا ہے: یعنی اللہ چاہے تو مردوں کو بھی سنا دے یہ قدرت اوروں کو نہیں۔ اسی طرح سمجھ لو کہ پیغمبر کا کام خبر پہنچانا اور بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے۔ کوئی مردہ دل کافر انکی بات نہ سنے تو یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی سب خلق برابر نہیں۔ جنہیں ایمان دینا ہے ان ہی کو ملے گا۔ تو بہتیری آرزو کرے تو کیا ہوتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ”نہ اندھیرا نہ اجالا“ یعنی نہ اندھیرا برابر اجالے کے اور نہ اجالا برابر اندھیرے کے (یہ ”لا“ کی تکریر کا فائدہ بتلا دیا) اور فرمایا ”تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو“۔ حدیث میں آیا کہ مردوں سے سلام علیک کرو۔ اور بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سنتا۔“ یہ بحث پہلے سورہ ”نمل“ کے آخر میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔

۳۱۔ بشیر و نذیر: ڈرسانے والا خواہ نبی ہو یا نبی کا قائم مقام جو اس کی راہ کی طرف بلائے۔ اس کے متعلق سورہ ”نمل“ کے چوتھے رکوع میں کچھ لکھا جا چکا ہے۔

۳۲۔ یعنی روشن تعلیمات یا کھلے کھلے معجزات لے کر آئے۔ نیز ان میں سے بعض کو مختصر چھوٹے صحیفے دیے گئے۔ بعض کو بڑی مفصل کتابیں۔  
۳۳۔ یعنی جب تکذیب سے باز نہ آئے تو دیکھ لو انجام کیا ہوا۔ وہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

۲۷۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح کے انکے رنگ [۳۴] اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح کے انکے رنگ اور بھجنگے کالے [۳۵]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ  
فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۗ وَمِنَ  
الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ ۙ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا ۙ  
وَأَسْوَدٌ ۗ (۲۷)

۲۸۔ اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپایوں میں کتنے رنگ ہیں اسی طرح [۳۶] اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بدنوں میں جن کو سمجھ ہے تحقیق اللہ زبردست ہے بختنے والا [۳۷]

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَأَلْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ  
أَلْوَانُهُ ۗ كَذَلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ  
الْعُلُوًّا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ (۲۸)

۳۴۔ مظاہرہ قدرت: یعنی قسم قسم کے میوے۔ پھر ایک قسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا کئے۔ ایک زمین ایک پانی ایک ہوا سے اتنی مختلف چیزیں پیدا کرنا عجیب و غریب قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔

۳۵۔ یعنی سفید بھی کئی درجے (کوئی بہت زیادہ سفید کوئی کم کوئی اس سے کم) اور سرخ بھی کئی درجے۔ اور کالے بھجنگے یعنی بہت گہرے سیاہ کوئے کے پر کی طرح۔

۳۶۔ مخلوقات کے مختلف رنگ: یہ سب بیان ہے قدرت کی نیرنگیوں کا۔ پس جس طرح نباتات، جمادات، اور حیوانات میں رنگ برنگ کی مخلوق ہے، انسانوں میں بھی ہر ایک کی طرح جدا ہے۔ مومن اور کافر ایک دوسرا سا ہو جائے اور سب انسان ایک ہی رنگ اختیار کر لیں یہ کب ہو سکتا ہے۔ اس میں حضرت ﷺ کو تسلی دیدی کہ لوگوں کے اختلاف سے نمگین نہ ہوں۔

۳۷۔ اللہ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں: یعنی بندوں میں نڈر بھی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بھی مگر ڈرتے وہ ہی ہیں جو اللہ کی عظمت و جلال، آخرت کے بقاء و دوام، اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے احکام و ہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں۔ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہو گا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈرے گا۔ جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی سب آدمی ڈرنے والے نہیں۔ اللہ سے ڈرنا سمجھ والوں کی صفت ہے اور اللہ کا معاملہ بھی دو طرح ہے وہ زبردست بھی ہے کہ ہر خطا پر پکڑے، اور غفور بھی کہ گنہگار کو بخشنے"۔ پس دونوں حیثیت سے بندہ کر ڈرنا چاہئے۔ کیونکہ نفع و ضرر دونوں اسی کے قبضے میں ہوئے۔ تو جب چاہے نفع کو روک لے اور ضرر لاحق کر دے۔

۲۹۔ جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا ہوا چھپے اور کھلے امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو [۳۸]

إِنَّ الدِّينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ  
انْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْتَجُونَ  
تِجَارَةً لَّنْ تَبُورًا ﴿٢٩﴾

۳۰۔ تاکہ پورا دے انکو ثواب ان کا اور زیادہ دے اپنے فضل سے تحقیق وہ ہے بخشنے والا قادر دان [۳۹]

لِيُوفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ  
غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اور جو ہم نے تجھ پر اتاری کتاب وہی ٹھیک ہے تصدیق کرنے والی اپنے سے اگلی کتابوں کی بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار ہے دیکھنے والا [۴۰]

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ  
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ  
بَصِيرٌ ﴿٣١﴾

۳۲۔ پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لیکر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی [۴۱]

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ  
عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ  
مُقْتَدِرٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بإِذْنِ اللَّهِ  
ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾

۳۳۔ باغ ہیں بسنے کے جن میں وہ جائیں گے وہاں انکو پہنایا جائے گا کنگن سونے کے اور رموتی کے اور انکی پوشاک وہاں ریشمی ہے [۴۲]

جَنَّاتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ  
مِّنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ اور کہیں گے شکر اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے غم بیشک ہمارا رب بخشنے والا قادر دان ہے [۴۳]

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ  
رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾

۳۵۔ جس نے اتارا ہم کو آباد رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے نہ پہنچے ہم کو اس میں مشقت اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکنا<sup>[۳۳]</sup>

الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ لَّا يَسْئَلُنَا فِيهَا نَصَبٌ ۖ وَلَا يَسْئَلُنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور جو لوگ منکر ہیں انکے لئے ہے آگ دوزخ کی نہ ان پر حکم پہنچے کہ مر جائیں اور نہ ان پر ہلکی ہو وہاں کی کچھ کلفت یہ سزا دیتے ہیں ہم ہر ناشکر کو<sup>[۳۴]</sup>

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَّا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كٰفِرٍ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ اور وہ چلائیں اس میں اے رب ہم کو نکال کہ ہم کچھ بھلا کر لیں وہ نہیں جو کرتے رہے<sup>[۳۶]</sup> کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تمکو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو او رہنچا تمہارے پاس ڈرانے والا اب چکھو کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا مددگار<sup>[۳۷]</sup>

وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صٰلِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ اَوَلَمْ نُعَبِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَبٰلِغِ لِلظٰلِمِيْنَ مِنْ نَصِيْرِ ۙ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ نفع بخش تجارت کے امیدوار: یعنی جو اللہ سے ڈر کر اس کی باتوں کو ماننے اور اس کی کتاب کو عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ نیز بدنی مالی عبادات میں کوتاہی نہیں کرتے وہ حقیقت میں ایسے زبردست بیوپار کے امیدوار ہیں جس میں خسارے اور ٹوٹے کا کوئی احتمال نہیں۔ بلاشبہ جب خدا خود ان کے اعمال کا خریدار ہو تو اس امید میں یقیناً حق بجانب ہیں۔ نقصان کا اندیشہ کسی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ از سر تاپا نفع ہی نفع ہے۔  
۳۹۔ یعنی بہت سے گناہ معاف فرماتا ہے اور تھوڑی سے طاعت کی قدر کرتا ہے اور ضابطہ سے جو ثواب ملنا چاہئے بطور بخشش اس سے زیادہ دیتا ہے۔  
۴۰۔ یعنی بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے۔ ٹھیک موقع پر یہ کتاب اتاری۔

۴۱۔ قرآن کے ورثاء: یعنی پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث اس امت کو بنایا جو بہیأت مجموعی تمام امتوں سے بہتر و برتر ہے ہاں امت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمان صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یہ ظالمٌ لِنَفْسِهِ ہوئے) اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں۔ نہ گناہوں میں منہمک نہ بڑے بزرگ اور ولی (ان کو مقصد فرمایا) اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیل کمال میں مقصدین سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اور گناہ کے خوف سے مکروہ تزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو ان کو ہے۔ ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا۔ کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ گنہگار بھی اگر مومن ہے تو بہر حال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں جائے گا۔ حدیث میں فرمایا کہ ہمارا گنہگار معاف ہے، یعنی آخر کار معافی ملے گی۔ اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑے سوسب سے آگے بڑھے، اللہ

کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں۔

۳۲۔ اہل جنت کیلئے سونے کے ننگن اور ریشمی لباس: سونا اور ریشم مسلمان مردوں کے لئے وہاں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو کوئی (مرد) ریشمین (کپڑا) پہنے دنیا میں، نہ پہنے آخرت میں۔

۳۳۔ یعنی دنیا کا اور محشر کا غم دور کیا۔ گناہ بخشے اور ازراہ قدر دانی طاعت قبول فرمائی۔

۳۴۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں رہنے کا گھر اس سے پہلے کوئی نہ تھا ہر جگہ چل چلاؤ اور روزی کا غم، دشمنوں کا ڈر اور رنج و مشقت۔ وہاں پہنچ کر سب کا نور ہو گئے۔

۳۵۔ اہل دوزخ کا حال: نہ کفار کو جہنم میں موت آئے گی کہ اسی سے تکالیف کا خاتمہ ہو جائے اور نہ عذاب کی تکلیف کسی وقت ہلکی ہوگی۔ ایسے ناشکروں کی ہمارے ہاں یہی سزا ہے۔

۳۶۔ اہل دوزخ کی فریاد: یعنی اس وقت تو اسی کو بھلا سمجھتے تھے پر اب وہ کام نہ کریں گے۔ ذرا دوزخ سے نکال دیجئے تو ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوں۔

۳۷۔ حق تعالیٰ کا جواب: یہ جو اب دوزخیوں کو دیا جائے گا۔ یعنی ہم نے تم کو عقل دی تھی جس سے سمجھتے اور کافی عمر دی جس میں سوچنا چاہتے تو سب نیک و بد سوچ کر سیدھا راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ تم میں کے بہت سے تو ساٹھ ستر برس دنیا میں زندہ رہ کر مرے۔ پھر اوپر سے ایسے اشخاص اور حالات بھیجے جو برے انجام سے ڈراتے اور خواب غفلت سے بیدار کرتے رہیں۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی عذر باقی رہا اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو اور کسی طرف سے مدد کی توقع نہ رکھو۔

۳۸۔ اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں [۳۸]

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ وہی ہے جس نے کیا تمکو قائم مقام زمین میں [۳۹] پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اس پر پڑے اسکی ناشکری اور منکروں کو نہ بڑھے گی انکے انکار سے ان کے رب کے سامنے مگر بیزاری اور منکروں کو نہ بڑھے گا انکے انکار سے مگر نقصان [۵۰]

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ

فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرَهُمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرَهُمْ إِلَّا

خَسَارًا ﴿۳۹﴾

۴۰۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اپنے شریکوں کو جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے زمین میں یا کچھ ان کا سا جھا ہے آسمانوں میں [۵۱] یا ہم نے دی ہے انکو

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ

اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ

کوئی کتاب سو یہ سندر رکھتے ہیں اس کی [۵۲] کوئی نہیں  
پر جو وعدہ بتلاتے ہیں گنہگار ایک دوسرے کو سب فریب  
ہے [۵۳]

شَرِكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَى  
بَيِّنَاتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِنَّ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ  
بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿۳۰﴾

۳۱۔ تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کہ ٹل نہ  
جائیں اور اگر ٹل جائیں تو کوئی نہ تھام سکے انکو اس کے  
سوائے [۵۴] وہ ہے تحمل والا بخشنے والا [۵۵]

إِنَّ اللَّهَ يُسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَ  
لَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ  
إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۳۱﴾

۳۸۔ اللہ دلوں کی بات جانتا ہے: یعنی اسے بندوں کے سب کچھ احوال و افعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں۔ کسی کی نیت اور استعداد اس  
سے پوشیدہ نہیں اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ اب چلا رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو، پھر ایسی خطانہ کریں گے، وہ  
اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اگر ستر دفعہ لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آسکتے۔ ان کے مزاجوں کی افتاد ہی ایسی ہے۔ وَكُوذُودًا  
لَعَادُوا لِبَائِهِمْ وَعَتَاهُ وَانْتَهُمْ لَكَاذِبُونَ (انعام۔ ۲۸)

۳۹۔ یعنی اگلی امتوں کی جگہ تم کو زمین پر آباد کیا اور ان کے بعد ریاست دی۔ چاہئے اب اس کا حق ادا کرو۔  
۵۰۔ یعنی کفر و ناشکری اور اللہ کی آیات کے انکار سے اس کا کچھ نقصان نہیں۔ وہ ہمارے حمد و شکر سے مستغنی ہے۔ البتہ ناشکری کرنے والے پر  
اس کے فعل کا وبال پڑتا ہے۔ کفر کا انجام بجز اس کے کچھ نہیں کہ اللہ کی طرف سے برابر ناراضی اور بیزاری بڑھتی جائے اور کافر کے نقصان و  
خسران میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔

۵۱۔ ان معبودوں نے کیا پیدا کیا: یعنی اپنے معبودوں کے احوال میں غور کر کے مجھے بتلاؤ کہ زمین کا کونسا حصہ انہوں نے بنایا، یا آسمانوں کے  
بنانے اور تھامنے میں ان کی کس قدر شرکت ہے۔ اگر کچھ نہیں تو آخر خدا کس طرح بن بیٹھے۔ کچھ تو عقل سے کام لو۔  
۵۲۔ یعنی عقلی نہیں تو کوئی معتبر نقلی دلیل پیش کرو۔ جس کی سند پر یہ مشرکانہ دعویٰ کرتے ہو۔

۵۳۔ یعنی عقلی یا نقلی دلیل کوئی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان میں سے بڑے چھوٹوں کو اور اگلے پچھلوں کو شیطان کے انحاء سے یہ وعدہ  
بتلاتے چلے آئے کہ هُوَ لَآءِ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (یونس۔ ۱۸) (یہ بت وغیرہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع بنیں گے) اور اس کا قرب عطا کریں  
گے۔ حالانکہ یہ خالص دھوکا اور فریب ہے۔ یہ تو کیا شفیع بنتے، بڑے سے بڑا مقرب بھی وہاں کفار کی سفارش میں زبان نہیں ہلا سکتا۔

۵۴۔ زمین و آسمان کا ٹھہراؤ: یعنی اسی کی قدرت کا ہاتھ ہے جو اتنے بڑے بڑے کرات عظام کو اپنے مرکز سے ہٹنے اور اپنے مقام و نظام سے  
ادھر ادھر سرکنے نہیں دیتا اور اگر بالفرض یہ چیزیں اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو پھر بجز خدا کے کس کی طاقت ہے کہ ان کو قابو میں رکھ سکے چنانچہ  
قیامت میں جب یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ درہم برہم کرے گا، کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی۔



۵۵۔ اللہ کا علم و بردباری: یعنی لوگوں کے کفر و عصیان کا اقتضاء تو یہ ہے کہ یہ سارا نظام ایک دم میں تہ و بالا کر دیا جائے لیکن اس کے تحمل وہ بردباری سے تمہا ہوا ہے۔ اس کی بخشش نہ ہو تو سب دنیا ویران ہو جائے۔

۴۲۔ اور قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید کی قسمیں اپنی کہ اگر آئے گا نکلے پاس کوئی ڈر سنانے والا البتہ بہتر راہ چلیں گے ہر ایک امت سے پھر جب آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا اور زیادہ ہو گیا ان کا بدکنا

وَ اَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ  
نَذِيرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدٰى الْاُمَمِ ۗ فَلَمَّا  
جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نِفُوْرًا ﴿۳۲﴾

۴۳۔ غرور کرنا ملک میں اور داؤ کرنا برے کام کا اور برائی کا داؤ اٹلے گا انہی داؤں والوں پر [۵۶] پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں پہلوں کے دستور کی سو تو نہ پائے گا اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پائے گا اللہ کا دستور ملتا [۵۷]

اَسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْمَرِ السَّيِّئِ ۗ وَلَا  
يَحِيْقُ الْبٰكِرُ السَّيِّئِ اِلَّا بِاَهْلِهِ ۗ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ  
اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۗ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ  
تَبْدِيْلًا ۗ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۳۳﴾

۴۴۔ کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھ لیں کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور تھے ان سے بہت سخت زور میں اور اللہ وہ نہیں جس کو تھکائے کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہی ہے سب کچھ جانتا کر سکتا [۵۸]

اَوْ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ  
عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً  
ۗ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا  
فِي الْاَرْضِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۳۴﴾

۴۵۔ اور اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کی ان کی کمائی پر نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک بھی ہلنے چلنے والا [۵۹] پر ان کو ڈھیل دیتا ہے ایک مقرر وعدہ تک پھر جب آئے ان کا وعدہ تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے سب بندے [۶۰]

وَ لَوْ يُوْا خِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى  
ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ ۗ وَلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ  
مُّسَمًّى ۗ فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ

بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾

۵۶۔ یہودیوں کی جھوٹی قسمیں اور نبوت کی تکذیب: عرب کے لوگ جب سنتے کہ یہود وغیرہ دوسری قوموں نے اپنے نبیوں کی یوں نافرمانی کی تو کہتے کہ کبھی ہم میں ایک نبی آئے تو ہم ان قوموں سے بہتر نبی کی اطاعت و رفاقت کر کے دکھلائیں۔ جب اللہ نے نبی بھیجا جو سب نبیوں سے عظمت شان میں بڑھ کر ہے تو حق سے اور زیادہ بدکنے لگے۔ ان کا غرور و تکبر کہاں اجازت دیتا کہ نبی کے سامنے گردن جھکائیں۔ رفاقت و اطاعت اختیار کرنے کے بجائے عداوت پر کمر بستہ ہو گئے اور طرح طرح کی مکرو تدبیریں اور داؤ لگھات شروع کر دیے مگر یاد رہے کہ برادراؤ خود داؤ کرنے والوں پر اٹھے گا۔ گو چند روز عاضی طور پر اپنے دل میں خوش ہو لیں کہ ہم نے تدبیریں کر کے یوں نقصان پہنچا دیا، لیکن انجام کار دیکھ لیں گے کہ واقع میں نقصان عظیم کس کو اٹھانا پڑا فرض کرو دنیا میں ٹل بھی گیا تو آخرت میں تو یقیناً یہ مشاہدہ ہو کر رہے گا۔

۵۷۔ چاہ کن رچاہ در پیش: یعنی یہ اسی کے منتظر ہیں کہ جو گذشتہ مجرموں کے ساتھ معاملہ ہو ان کے ساتھ بھی ہو، سو بازنہ آئے تو وہ ہی ہو کر رہے گا۔ اللہ کا جو دستور مجرموں کی نسبت سزا دینے کا رہا ہے نہ وہ بدلنے والا ہے کہ بجائے سزا کے ایسے مجرموں پر انعام و اکرام ہونے لگے اور نہ ٹلنے والا کہ مجرم سے سزا ٹل کر غیر مجرم کو دے دی جائے۔

۵۸۔ اللہ کی مضبوط گرفت: یعنی بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔ یہ بیچارے تو کیا چیز ہیں خوب سمجھ لو کہ آسمان و زمین کی کوئی طاقت اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی علم اس کا محیط اور قدرت اس کی کامل پھر معاذ اللہ عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔

۵۹۔ گناہوں پر اللہ کا غنودر گذر: یعنی لوگ جو گناہ کما تے ہیں اگر ان میں سے ہر ہر جزئی پر گرفت شروع کر دے تو کوئی جاندار زمین میں باقی نہ رہے۔ نافرمان تو اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیے جائیں۔ اور کامل فرمانبردار جو عادت بہت تھوڑے ہوتے ہیں قلت کی وجہ سے اٹھالیے جائیں۔ کیونکہ نظام عالم کچھ ایسے انداز پر قائم کیا گیا ہے کہ محض معدودے چند انسانوں کا یہاں بستے رہنا خلاف حکمت ہے۔ پھر جب انسان آباد نہ رہے تو حیوانات کا ہے کے لئے رکھے جائیں گے۔ ان کا وجود بلکہ تمام عالم کی ہستی تو اسی حضرت انسان کے لئے ہے۔

۶۰۔ اللہ کی ڈھیل صرف قیامت تک ہے: یعنی ایک مقرر میعاد اور حد معین تک اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے کہ ہر ایک جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ جب وقت موعود آجائے گا تو یاد رکھو سب بندے اسی کی نگاہ میں ہیں۔ کسی کا ایک ذرہ بھر برا یا بھلا عمل اس کے علم سے باہر نہیں۔ پس ہر ایک کا اپنے علم محیط کے موافق ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرما دے گا۔ نہ مجرم کہیں چھپ سکے نہ مطیع کا حق مارا جائے۔ اَللّٰهُمَّ اجعلنا من بیطیعك واغفر لنا ذنوبنا انک انت الغفور الرحیم۔

تم سورۃ ”فاطر“ بفضل اللہ ورحمۃ

آیاتها ۸۳

۳۶ سُورَةُ یَس مَكِّيَّةٌ ۲۱

رکوعاتها ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ یس۔

یس ﴿۱﴾

۲۔ قسم ہے اس کے قرآن کی

وَالْقُرْآنِ الْحَكِیْمِ ﴿۲﴾

۳۔ تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے

إِنَّكَ لَبِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳﴾

۴۔ اوپر سیدھی راہ کے [۱]

عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴﴾

۵۔ اتارا زبردست رحم والے نے [۲]

تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۵﴾

۶۔ تاکہ تو ڈرائے ایک قوم کو کہ ڈر نہیں سنا انکے باپ دادوں نے سوان کو خبر نہیں

لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُونَ ﴿۶﴾

۷۔ ثابت ہو چکی ہے بات ان میں بہتوں پر سو وہ نہ مانیں گے [۳]

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُونَ ﴿۷﴾

۸۔ ہم نے ڈالے ہیں انکی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھرانکے سر اُل (ابھر) رہے ہیں [۴]

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ

فَهُمْ مُّقْبَحُونَ ﴿۸﴾

۹۔ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار پھر اوپر سے ڈھانک دیا سوان کو کچھ نہیں سو جھتا [۵]

وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ

سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُونَ ﴿۹﴾

۱۰۔ اور برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے یقین نہیں کریں گے [۶]

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا

یُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

إِنَّا تُنذِرُ مَنْ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ

۱۱۔ تو ڈر سنا تے اسکو جو چلے سمجھائے پر اور ڈرے رحمن سے بن دیکھے سو اسکو خوشخبری دے معافی کی اور عزت کے ثواب کی [۴]

بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِسَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ ہم تو ہیں جو زندہ کرتے ہیں مردوں کو [۸] اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان انکے پیچھے رہے [۹] اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں [۱۰]

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۗ

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿۱۲﴾

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قرآن کی گواہی: یعنی قرآن کریم اپنی اعجازی شان، پر حکمت تعلیمات، اور پختہ مضامین کے لحاظ سے بڑا زبردست شاہد اس بات کا ہے کہ جو نبی اُمی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بے شک و شبہ سیدھی راہ پر ہے۔ اس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔

۲۔ یعنی یہ دین کا سیدھا راستہ یا قرآن حکیم اس خدا کا اتارا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکر کو سزا دے بغیر نہ چھوڑے، اور رحم فرمانے والا بھی کہ ماننے والوں کو نوازش و بخشش سے مالا مال کر دے اسی لئے آیات قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف و مہر کا اور بعض شان غضب و قہر کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ انذار: یعنی بہت کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ اس قوم (عرب) کو آپ قرآن کے ذریعہ سے ہوشیار و بیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں بھیجا تھا۔ وہ جاہل و غافل قوم جسے نہ خدا کی خبر نہ آخرت کی، نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبداء پر نظر نہ منتہا پر، نیک و بد کی تمیز نہ بھلے برے کا شعور اس کو اتنی ممتد جہالت و غفلت کی اندھیروں سے نکال کر رشد و ہدایت کی صاف سڑک پر لا کھڑا کرنا کوئی معمولی اور سہل کام نہیں ہے بلاشبہ آپ پوری قوت اور زور شور کے ساتھ ان کو اس غفلت و جہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک مستقبل سے ڈرا کر فلاح و بہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے تاکہ یہ قوم اپنی اعلیٰ کامیابی سے تمام عالم کے لئے کامیابی کا دروازہ کھول دے۔ لیکن بہت افراد وہ ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔ اسی لئے ان پر شیطان پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے جو ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نگاہ میں خوشنما کر کے دکھاتا اور اگلے پچھلے سب احوال کو خواہ کتنے ہی گندے ہوں، خوبصورت بنا کر ظاہر کرتا ہے۔ آخر یہ لوگ دوسری زندگی سے بالکل منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔ اس وقت ایک طرف سے شیطان کی بات و لُغْوِيَّتَهُمْ أَجْمَعِينَ۔ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ (الحجر۔ ۴۰، ۳۹) (مخلصین کے سوا میں سب کو بہرہ کار ہوں گا) سچی ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول لَا تَمْلِكُ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (ص۔ ۸۵) (تجھ سے اور تیرے پیرووں سے دوزخ کو بھر دوں گا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے باقی علم الہی میں تو ازل سے ثابت ہے کہ فلاں قوم کے فلاں فلاں افراد اپنی بد تمیزی اور لاپرواہی سے شیطان کے اغواء میں پھنس کر عذاب الہی کے مستحق ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے راہ پر آنے اور ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ پس آپ کو سلسلہ انذار و اصلاح میں اگر ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو ملول و غمگین نہ ہوں اپنا فرض ادا کئے جائیں اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دیں۔ تقریر بالا کو سمجھنے کے لئے یہ آیات پیش نظر رکھئے۔ (۱) وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ۔ وَإِنَّهُمْ لَيَصِدُّوهُمْ عَنْ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ (زخرف۔ ۳۷، ۳۶)

شیطان کن لوگوں پر مسلط ہوتا ہے: معلوم ہوا کہ شیطان ابتداء کسی پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اندھا بن کر نصیحت سے اعراض کرتے رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کر شیطان مسلط ہو جائے۔ جیسے ہاتھ پاؤں سے مدت تک کام نہ لے تو وہ عضو بیکار کر دیا جاتا ہے۔ قال تعالیٰ فَلَمَّا رَأَوْا آذَانَ اللَّهِ قُلُوبَهُمْ (الصّف-۵) وَنُقِلَتْ أَعْيُنُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَدَّوهُمْ فِي طُعْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (انعام-۱۱۰) (ب) وَ قَيِّضْنَا لَهُمْ قُرْنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ (حم السجده-۲۵) تسلط کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے جس کا نتیجہ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ہے۔ (ج) وَالَّذِي قَالَ لِيَا أَعْدِيهِ أَفِ لَكُمْ أَنْتَعِدِنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ النُّجُودُ مِنْ قَبْلِي وَهَذَا يَسْتَفِئُونَ اللَّهَ وَيُنَادِيكَ آمِنًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ (الاحقاف-۱۸، ۱۷) ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ حَقَّ الْقَوْلُ ان لوگوں پر صادق آتا ہے جو موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں۔ بلکہ انوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کر لیتے ہیں۔ کیسے ہی معقول دلائل سنائیے اور کھلے کھلے نشان دکھائیے، سبکو جھٹلاتے رہیں اور فضول جھتیں نکالتے رہیں بظاہر ہادیوں اور پیغمبروں کی بات کی طرف کان جھکائیں مگر ایک حرف سمجھنے کی کوشش نہ کریں محض ہو او ہوس کو اپنا معبود ٹھہرائیں نہ عقل سے کام لیں نہ آنکھوں سے۔

کن لوگوں کے دلوں پر مہر لگتی ہے؟ یہ ہی لوگ ہیں جن کے اعراض و عناد کے نتیجے میں آخر کار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ ان میں خیر کے گھسنے کی پھر ذرا گنجائش نہیں رہتی۔ جیسے کوئی شخص اپنے اوپر روشنی کے سب دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے۔ یا ایک بیمار دوا پینے کی قسم کھالے، طبیب سے دشمنی کرے اور ہر قسم کی بد پرہیزی پر تیار ہو جائے تو اللہ اس کے مرض کو مہلک بنا دیتا ہے اور مایوسی کے درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔ فرماتے ہیں تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۗ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَجَاءَهُمْ لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ (اعراف-۱۰۱) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُتَعَدِينَ (يونس-۷۴) وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۗ وَلَيْنِ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولُنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطَلُونَ۔ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ فَاَصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ۔ (روم-۶۰، ۵۹، ۵۸) كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ۔ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كُتُبٌ مُقْتَنَةً عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن-۳۵، ۳۴) وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَسْبِغُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنْعَمَا ۗ أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ (محمد-۱۶) بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (نساء-۱۵۵) كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (مطففين-۱۴) أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هُوَهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ (الجماعہ-۲۳) وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۗ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۗ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا ۗ وَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا ۗ وَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (اعراف-۱۷۹) يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۗ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ (المائدہ-۴۱)۔

۴۔ یہ ان ہی لوگوں کے حق میں ہے جن کا ذکر گزشتہ فائدہ میں ہوا۔ یہ طوق عادات و رسوم، حب جاہ و مال اور تقلید آباؤ اجداد کے تھے جنہوں نے ان کے گلے سختی سے دبار کھے تھے اور نخوت و تکبر کی وجہ سے ان کے سر نیچے نہیں جھکتے تھے۔

۵۔ کفار اور ہدایت کے درمیان دیواریں: نبی کی عداوت نے انکے اور قبول ہدایت کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ جاہلانہ رسوم و اطوار اور اہواء و آرائے فاسدہ کی اندھیرویوں میں اس طرح بند تھے کہ آگ اچھا اور نشیب و فراز کچھ نظر نہ آتا تھا نہ ماضی پر نظر تھی نہ مستقبل پر، باقی ان افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ خالق خیر و شر کا وہی ہے اور اسباب پر مسببات کا ترتیب اسی کی مشیت سے ہوتا ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دلائل آفاقیہ میں غور کرنے کی نفی ہوئی جیسا کہ **فَهُمْ مُقْتَحُونَ** میں دلائل انفسیہ کی طرف ملتفت نہ ہونے کا اشارہ تھا۔ کیونکہ سراپر کو الٹ رہا ہو جھک نہ سکے تو اپنے بدن پر نظر نہیں پڑ سکتی۔

۶۔ ان کو برابر ہے لیکن آپ کے حق میں برابر نہیں۔ بلکہ ایسی سخت معاند اور سرکش قوم کو نصیحت کرنا اور اصلاح کے درپے ہونا عظیم درجات کے حصول کا سبب ہے اور کبھی یہ اخلاق دوسروں کی ہدایت کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی طرح کی آیات سورہ ”بقرہ“ کے اوائل میں گزر چکی ہیں۔ ۷۔ ڈرنے والے ہی ہدایت پاتے ہیں: یعنی ڈرانے کا فائدہ اسی کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جو نصیحت کو مان کر اس پر چلے اور اللہ کا ڈر دل میں رکھتا ہو۔ جس کو خدا کا ڈر ہی نہیں نہ نصیحت کی کچھ پروا، وہ نبی کی تنبیہ و تذکیر سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے لوگ بجائے مغفرت و عزت کے سزا اور ذلت کے مستحق ہوں گے۔ آگے اشارہ کرتے ہیں کہ فریقین کی اس عزت و ذلت کا پورا اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہو گا جس کے مبادی موت کے بعد سے شروع ہو جاتے ہیں۔

۸۔ بعث بعد الموت یقین ہے: یعنی موت کے بعد دوسری زندگی یقین ہے جہاں سب اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ قوم (عرب) جس کی روحانی قوتیں بالکل مرد ہو چکی ہیں، حق تعالیٰ کو قدرت ہے کہ پھر ان میں زندگی کی روح پھونک دے کہ وہ دنیا میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرے اور آنے والی نسلوں کے لئے اپنے آثار عظیمہ چھوڑ جائے۔

۹۔ نیک و بد اعمال کا ریکارڈ: یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات یا نشان جو پیچھے چھوڑے مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھایا، یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی نیک یا بد، سب اس میں داخل ہیں بلکہ الفاظ کے عموم میں وہ نشان قدم بھی شامل ہو سکتے ہیں جو کسی عبادت کے لیے چلتے وقت زمین پر پڑ جاتے ہیں چنانچہ بعض احادیث صحیحہ میں تصریح ہے **دِیَارُكُمْ تَكْتُبُ اَثَارَكُمْ**۔

۱۰۔ لوح محفوظ: یعنی جس طرح تمام اعمال و آثار و قوع کے بعد ضابطہ کے موافق لکھے جاتے ہیں، قبل از وقوع بھی ایک ایک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وہ لکھنا بھی محض انتظامی ضوابط و مصالح کی بناء پر ہے ورنہ اللہ کے علم قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیز پہلے سے موجود و حاضر ہے اسی کے موافق لوح محفوظ میں نقل کی جاتی ہے۔

۱۳۔ اور بیان کر انکے واسطے ایک مثل اس گاؤں کے لوگوں کی [۱۱] جبکہ آئے اس میں بھیجے ہوئے [۱۲]

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا اَصْحَابَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَاءَهَا

الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ جب بھیجے ہم نے انکی طرف دو تو ان کو کو جھٹلایا پھر ہم نے قوت دی تیسرے سے تب کہا انہوں نے ہم تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے ہوئے [۱۳]

اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا

بِثَالِثٍ فَقَالُوا اِنَّا اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ وہ بولے تم تو یہی انسان ہو جیسے ہم اور رحمن نے کچھ نہیں اتارا تم سارے جھوٹ کہتے ہو [۱۳]

قَالُوا مَا آتٰتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ

الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿١٥﴾

۱۶۔ کہا ہمارا رب جانتا ہے ہم بیشک تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں [۱۵]

قَالُوا رَبَّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ اور ہمارا ذمہ یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر [۱۶]

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ ﴿١٧﴾

۱۸۔ بولے ہم نے نامبارک دیکھا تم کو اگر تم بازنہ رہو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور تم کو پیچھے گا ہمارے ہاتھ سے عذاب دردناک [۱۷]

قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنْتَهُوا

لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَسَّسَنَكُمْ مِّنَّا عَذَابَ الْيَوْمِ ﴿١٨﴾

۱۹۔ کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے کیا اتنی بات پر کہ تم کو سمجھایا کوئی نہیں پر تم لوگ کہ حد پر نہیں رہتے [۱۸]

قَالُوا طَآئِرُكُمْ مَعَكُمْ ط إِنِ ذُكِّرْتُمْ ط بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ

مُسْرِفُونَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا [۱۹] بولا اے قوم چلو راہ پر بھیجے ہوؤں کی

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَّسْعَى قَالَ

يَقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ چلو راہ پر ایسے شخص کی جو تم سے بدلا نہیں چاہتے اور وہ ٹھیک رستہ پر ہیں [۲۰]

اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں بندگی نہ کروں اسکی جس نے مجھ کو بنایا [۲۱] اور اسی کی طرف سب پھر جاؤ گے [۲۲]

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ بھلا میں پکڑوں اس کے سوائے اوروں کو پوجنا کہ اگر مجھ پر چاہے رحمن تکلیف تو کچھ کام نہ آئے مجھ کو ان کی سفارش اور نہ وہ مجھ کو چھڑائیں

ءَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِ الْهَةِ إِنْ يُّرِدِنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا

تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ تو تو میں بھگتا رہوں صریح [۲۳]

إِنِّي إِذًا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾

إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ۝۲۵

۲۵۔ میں یقین لایا تمہارے رب پر مجھ سے سن لو [۲۴]

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۗ قَالَ يَلِيَّتَ قَوْمِي

۲۶۔ حکم ہوا چلا جا بہشت میں [۲۵] بولا کسی طرح میری قوم معلوم کر لیں

يَعْلَمُونَ ۝۲۶

۲۷۔ کہ کس بنا پر بخشا مجھ کو میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں [۲۶]

بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْبُكْرَمِينَ ۝۲۷

۲۸۔ اور اتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اس کے پیچھے کوئی فوج آسمان سے اور ہم فوج نہیں اتارا کرتے

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ

السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ۝۲۸

۲۹۔ بس یہی تھی ایک چنگھاڑ پھر اسی دم سب بچھ گئے [۲۷]

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ

خٰصِدُونَ ۝۲۹

۳۰۔ کیا افسوس ہے بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا ان کے پاس جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے

يُحْصِرَةٌ عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّن رَّسُولٍ

إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝۳۰

۳۱۔ کیا نہیں دیکھتے کتنی غارت کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں کہ وہ انکے پاس پھر کر نہیں آئیں گی [۲۸]

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ

إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝۳۱

۳۲۔ اور ان سب میں کوئی نہیں جو اکٹھے ہو کر نہ آئیں ہمارے پس پکڑے ہوئے [۲۹]

وَأِنْ كُلُّ لَبَّاسٍ جَبِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝۳۲

۱۱۔ اصحاب قریہ: یہ گاؤں اکثر کے نزدیک شہر "انطاکیہ" ہے۔ اور بائبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ کچھ تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے۔ لیکن ابن کثیر نے تاریخی حیثیت اور سیاق قرآن کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں اگر وہ صحیح ہوں تو کوئی اور بستی ماننی پڑے گی۔ واللہ اعلم۔ اس قصہ کا ذکر مومنین کے لئے بشارت اور مکذبین کے لئے عبرت ہے۔

۱۲۔ ان کے ناموں کی صحیح تعیین نہیں ہو سکتی اور نہ یقینی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا کسی پیغمبر کے



واسطہ سے حکم ہوا تھا کہ اس کے نائب ہو کر فلاں بستی کی طرف جاؤ۔ دونوں احتمال ہیں۔ گو متبادر یہ ہی ہے کہ پیغمبر ہوں۔ شاید حضرت مسیح سے پہلے مبعوث ہوئے ہوں گے۔

۱۳۔ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول: یعنی اول دو گئے پھر ان کی تائید کے لئے تیسرا بھیجا گیا انیوں نے مل کر کہا کہ ہم خود نہیں آئے، اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ لہذا جو کچھ ہم کہیں اسی کا پیغام سمجھو۔

۱۴۔ یعنی تم میں کوئی سرخاب کا پر نہیں جو اللہ تمہیں بھیجتا۔ ہم سے کس بات میں تم بڑھ کر تھے۔ بس رہنے دو خواہ مخواہ خدا کا نام نہ لو۔ اس نے کچھ نہیں اتارا۔ تینوں سازش کر کے ایک جھوٹ بنا لائے اسے خدا کی طرف نسبت کر دیا۔

۱۵۔ کفار کے اعتراضات کا جواب: یعنی اگر ہم خدا پر جھوٹ لگاتے ہیں تو وہ دیکھ رہا ہے۔ کیا وہ اپنے فعل سے برابر جھوٹوں کی تصدیق کرتا رہے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب تم سمجھو یا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں اور کوئی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ اسی لئے فعلاً ہماری تصدیق کر رہا ہے۔

۱۶۔ یعنی ہم اپنا فرض ادا کر چکے، خدا کا پیغام خوب کھول کر واضح معقول اور دلنشین طریقہ سے تم کو پہنچا دیا، اب اتمام حجت کے بعد خود سوچ لو کہ تکذیب و عداوت کا انجام کیا ہونا چاہئے۔

۱۷۔ مرسلین کی تکذیب اور ضد: شاید تکذیب مرسلین اور کفر و عناد کی شامت سے قحط وغیرہ پڑا ہو گا۔ یا مرسلین کے سمجھانے پر آپس میں اختلاف ہوا کسی نے مانا کسی نے نہ مانا اس کو نامبارک کہا۔ یعنی تمہارے قدم کیا آئے، قحط اور نا اتفاقی کی بلا ہم پر ٹوٹ پڑی۔ یہ سب تمہاری نحوست ہے۔ (العیاذ باللہ) ورنہ ہم پہلے اچھے خاصے آرام چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بس تم اپنے وعظ و نصیحت سے ہم کو معاف رکھو۔ اگر یہ روش نہ چھوڑو گے اور وعظ و نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو ہم سخت تکلیف و عذاب پہنچا کر تم کو سنگسار کر ڈالیں گے۔

۱۸۔ یعنی تمہارے کفر و تکذیب کی شامت سے عذاب آیا: اگر حق و صداقت کو سب مل کر قبول کر لیتے نہ یہ اختلاف مذموم پیدا ہوتا، نہ اس طرح مبتلائے آفات ہوتے پس نامبارک کی اور نحوست کے اسباب خود تمہارے اندر موجود ہیں۔ پھر کیا اتنی بات پر کہ تمہیں اچھی نصیحت و فہمائش کی اور بھلا برا سمجھایا، اپنی نحوست ہمارے سر ڈالنے لگے۔ اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم عقل و آدمیت کی حدود سے خارج ہو جاتے ہو۔ نہ عقل سے سمجھتے ہو نہ آدمیت کی بات کرتے ہو۔

۱۹۔ ایک مرد صالح کی حمایت اور فہمائش: کہتے ہیں کہ اس مرد صالح کا نام حبیب تھا۔ شہر کے پرلے کنارے عبادت میں مشغول رہتا۔ اور کسب حلال سے کھاتا تھا۔ فطری صلاحیت نے چپ نہ بیٹھنے دیا۔ قصہ سنتے ہی مرسلین کی تائید و حمایت اور مکذبین کی نصیحت و فہمائش کے لئے دوڑتا ہوا آیا۔ مبادا شقیاء اپنی دھمکیوں کو پورا کرنے لگیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرسلین کی آواز کا اثر شہر کے دور دراز حصوں تک پہنچ گیا تھا۔

۲۰۔ یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر آئے ہیں جو نصیحت کرتے ہیں اس پر خود کار بند ہیں اخلاق اعمال اور عادات و اطوار سب ٹھیک ہیں۔ بے غرض خیر خواہی کرتے ہیں۔ کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتے۔ پھر ایسے بے لوث بزرگوں کا اتباع کیوں نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے جو پیغام بھیجے کیوں قبول نہ کیا جائے۔

۲۱۔ ایک مرد صالح کی حمایت اور فہمائش: یہ اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔ یعنی تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اس کی بندگی نہ کرو۔

۲۲۔ یعنی یہ مت سمجھنا کہ پیدا کر کے آزاد چھوڑ دیا ہے اب کچھ مطلب اس سے نہیں رہا۔ نہیں سب کو مرے پیچھے اسی کے پاس واپس جانا ہے۔ اس وقت کی فکر رکھو۔

۲۳۔ یعنی کس قدر صریح مگر اہی ہے کہ اس مہربان اور قادر مطلق پروردگار کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی

تکلیف سے نہ بذات خود چھڑا سکیں نہ سفارش کر کے نجات دلا سکیں۔

۲۴۔ اپنے ایمان کا اعلان: یعنی مجمع میں بے کھٹکے اعلان کرتا ہوں کہ میں خدائے واحد پر ایمان لاچکا سے سب سن رکھیں شاید مرسلین کو اس لیے سنایا ہو کہ وہ اللہ کے ہاں گواہ رہیں اور قوم کو اس لیے کہ سن کر کچھ متاثر ہوں یا کم از کم دنیا ایک مومن کی قوت ایمان کا مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

۲۵۔ جنت میں داخلہ: یعنی فوراً بہشت کا پروانہ مل گیا۔ آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کر ڈالا۔ ادھر شہادت واقع ہوئی ادھر سے حکم ملا کہ فوراً بہشت میں داخل ہو جا۔ جیسا کہ ارواح شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل ہوتی ہیں۔

۲۶۔ جنت میں اپنی قوم کا خیال: قوم نے اس کی دشمنی کی کہ مار ڈالا۔ اس کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا کہ اگر میرا حال اور جو انعام و اکرام حق تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے معلوم کر لیں تو سب انعام لے آئیں۔

۲۷۔ قوم پر چنگھاڑ کا عذاب: یعنی اس کے بعد اس کی قوم کفر و ظلم اور تکذیب کی پاداش میں ہلاک کی گئی اور اس اہلاک کے لئے کوئی مزید اہتمام کرنا نہیں پڑا کہ آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیجی جاتی نہ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ قوموں کی ہلاکت کے لیے بڑی بڑی فوجیں بھیجا کریں (یوں کسی خاص موقع پر کسی خاص مصلحت کی وجہ سے فرشتوں کا لشکر بھیج دین وہ دوسری بات ہے) وہاں تو بڑے بڑے مدعیوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک ڈانٹ کافی ہے۔ چنانہ اس قوم کا حال بھی یہ ہی ہوا کہ فرشتوں نے ایک چیخ ماری اور سب کے سب اسی دم بچھ کر رہ گئے۔

۲۸۔ پچھلی قوموں کے حال سے عبرت: یعنی دیکھتے اور سنتے ہیں کہ دنیا میں کتنی قومیں پہلے پیغمبروں سے ٹھٹھا کر کے غارت ہو چکی ہیں جن کا نام و نشان مٹ چکا۔ کوئی ان میں سے لوٹ کر ادھر واپس نہیں آئی۔ عذاب کی چکی میں سب پس کر برابر ہو گئیں۔ اس پر بھی عبرت نہیں ہوتی۔ جب کوئی نیا رسول آتا ہے وہ ہی تمسخر و استہزاء شروع کر دیتے ہیں جو پہلے کفار کی عادت تھی۔ چنانچہ آج خاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھ کفار مکہ کا یہ ہی معاملہ ہے۔

۲۹۔ یعنی وہ تو دنیا کا عذاب تھا، اور آخرت کی سزا الگ رہی۔ نہ یہ سمجھو کہ ہلاک ہو کر ادھر واپس نہیں آتے تو بس قصہ ختم ہوا۔ نہیں سب کو پھر ایک دن خدا کے ہاں حاضر ہونا ہے جہاں بلا استثناء سب مجرم پکڑے ہوئے آئیں گے۔

۳۳۔ اور ایک نشانی ہے انکے واسطے زمین مردہ اسکو ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اس میں سے اناج سو اسی میں سے کھاتے ہیں

وَاٰیۃٌ لّٰہُمُ الْاَرْضُ الْبَیۡتَةُ الْحَیۡیٰنُہَا وَاٰخِرُ جَنَّا

مِنۡہَا حَبَّابِنۡہُ یَاکُلُوۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور بنائے ہم نے اس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہادیے اس میں بعضے چشمے

وَجَعَلْنَا فِیۡہَا جَنَّتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ وَّ

فَجَّرْنَا فِیۡہَا مِنَ الْعِیۡوۡنِ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ کہ کھائیں اسکے میووں سے [۳۰] اور اس کو بنایا نہیں

لِیَاکُلُوۡا مِنْ شَرۡہِہٖٓ وَ مَا عَبَلۡتَہٗ اَیۡدِیۡہِمۡۙ اَفَلَا

انکے ہاتھوں نے پھر کیوں شکر نہیں کرتے [۳۱]

یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُثْبِتُ

الْأَرْضَ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسُدُّ مِنْهُ النُّهَارَ فَإِذَا هُمْ

مُظْلِمُونَ ﴿۳۷﴾

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ۖ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ

الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۸﴾

وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ

الْقَدِيمِ ﴿۳۹﴾

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ

سَابِقُ النَّهَارِ ۗ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۴۰﴾

وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفَلَكِ

الْبَشْعُونَ ﴿۴۱﴾

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۴۲﴾

وَإِنْ نَشَاءُ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

يُنْقَذُونَ ﴿۴۳﴾

إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۴۴﴾

۳۶۔ پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو اگتائے زمین میں اور خود ان میں سے اور ان چیزوں میں کہ جن کی انکو خبر نہیں [۳۶]

۳۷۔ اور ایک نشانی ہے انکے واسطے رات کھینچ لیتے ہیں ہم اس پر سے دن کو پھر تہی یہ رہ جاتے ہیں اندھیرے میں

۳۸۔ اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے رستہ پر [۳۸] یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر نے [۳۸]

۳۹۔ اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آ رہا ہے جیسے ٹہنی پرانی [۳۹]

۴۰۔ نہ سورج سے ہو کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں پیرتے ہیں [۴۰]

۴۱۔ اور ایک نشانی ہے انکے واسطے کہ ہم نے اٹھالیا ان کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی میں

۴۲۔ اور بنا دیا ہم نے انکے واسطے کشتی جیسی چیزوں کو جس پر سوار ہوتے ہیں [۴۲]

۴۳۔ اور اگر ہم چاہیں تو انکو ڈبا دیں پھر کوئی نہ پہنچے انکی فریاد کو اور نہ وہ چھڑائے جائیں

۴۴۔ مگر ہم اپنی مہربانی سے اور انکا کام چلانے کو ایک وقت تک [۴۴]

۳۰۔ مظاہر قدرت سے استدلال: یعنی شاید شبہ گذر تاکہ مرے پیچھے پھر کس طرح زندہ ہو کر حاضر کیے جائیں گے؟ اس کو یوں سمجھا دیا کہ زمین خشک اور مرد پڑی ہوتی ہے پھر خدا اس کو زندہ کرتا ہے کہ ایک دم لہلہانے لگتی ہے کیسے کیسے باغ و بہار، غلے اور میوے اس سے پیدا ہوتے ہیں جن کو تم استعمال میں لاتے ہو۔ اسی طرح خیال کر لو کہ مردہ ابدان میں روح حیات پھونک دی جائے گی۔ بہر حال مردہ زمین ان کے لئے ایک نشانی ہے جس میں غور کرنے سے بحث بعد الموت اور حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت اور اس کے انعام و احسان کے مسائل کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں (تنبیہ) اوپر کی آیات میں ترہیب کا پہلو نمایاں تھا کہ عذاب الہی سے ڈر کر راہ ہدایت اختیار کریں۔ آیات حاضرہ میں ترغیب کی صورت اختیار فرمائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں اور یہ بھی سمجھیں کہ جو خدا مردہ زمین کو زندہ کرتا رہتا ہے وہ ایمانی حیثیت سے ایک مردہ قوم کو زندہ کر دے، یہ کیا مشکل ہے۔

۳۱۔ یعنی یہ پھل اور میوے قدرت الہی سے پیدا ہوتے ہیں، انکے ہاتھوں میں یہ طاقت نہیں کہ ایک انگور یا کھجور کا دانہ پیدا کر لیں۔ جو محنت اور تردد باغ لگانے اور اس کی پرورش کرنے میں کیا جاتا ہے اس کو بار آور کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور غور سے دیکھا جائے تو جو کام بظاہر ان کے ہاتھوں سے ہوتا ہے وہ بھی فی الحقیقت حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت و طاقت اور اسی کی مشیت و ارادہ سے ہوتا ہے۔ لہذا ہر حیثیت سے اس کی شکر گزاری اور احسان شناسی واجب ہوئی۔ (تنبیہ) مترجم محقق نے وَمَا عَمِلْتُمْ آيِدِيهِمْ میں ”ما“ کو نافیہ لیا ہے۔ کہا ہوا اب اکثر المتأخرین، لیکن سلف سے عموماً ”ما“ کا موصولہ ہونا منقول ہے اور اسی کی تائید ابن مسعود کی قرأت وَمِمَّا عَمِلْتُمْ آيِدِيهِمْ سے ہوتی ہے۔

۳۲۔ جوڑوں کی تخلیق: یعنی نباتات میں، انسانوں میں اور دوسری مخلوقات میں جن کی انہیں پوری خبر بھی نہیں اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنائے ہیں خواہ تقابل کی حیثیت سے جیسے عورت مرد، نرمادہ، کھٹا میٹھا، سیاہ و سفید، دن رات، اندھیرا اجالا، یا تماثل کی حیثیت سے جیسے یکساں رنگ اور مزہ کے پھل اور ایک شکل و صورت کے دو جانور، بہر حال مخلوقات میں کوئی مخلوق نہیں جس کا مماثل یا مقابل نہ ہو یہ صرف خدا ہی کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے نہ مماثل، کیونکہ مقابلہ یا مماثلت ان چیزوں میں ہو سکتی ہے جو کسی درجہ میں فی الجملہ اشتراک رکھتی ہوں۔ خالق و مخلوق کا کسی حقیقت میں اشتراک ہی نہیں۔

۳۳۔ دن اور رات کی تبدیلیوں میں اللہ کی نشانی: ”سبح“ کہتے ہیں جانور کی کھال اتارنے کو جس سے نیچے کا گوشت ظاہر ہو جائے۔ اسی طرح سمجھ لور ات کی تاریکی پر دن کی چادر پڑی ہوئی ہے۔ جس وقت یہ نور کی چادر اوپر سے اتار لی جاتی ہے لوگ اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں اس کے بعد پھر سورج اپنی مقررہ رفتار سے معین وقت پر آکر سب جگہ اجالا کرتا ہے۔ لیل و نہار کے ان تغلیبات پر قیاس کر کے سمجھ لو کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور بیشک وہ ہی ایک خدا الائق پرستش ہے جس کے ہاتھ میں عظیم الشان انقلابات کی باگ ہے۔ جن سے ہمکو مختلف قسم کے فوائد پہنچتے ہیں۔ نیز جو قادر مطلق رات کو دن سے تبدیل کرتا ہے، کیا کچھ بعید ہے کہ بذریعہ آفتاب رسالت کے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کر دے۔ لیکن رات دن اور چاند، سورج کے طلوع و غروب کی طرح ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔

۳۴۔ سورج کی چال اور مستقر: سورج کی چال اور رستہ مقرر ہے اسی پر چلا جاتا ہے۔ ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول ہے کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچتا ہے پہنچتا ہے۔ پھر وہاں سے باذن خداوندی نیا دورہ شروع کرتا ہے۔ قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ تا آنکہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہو گا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے ادھر سے الٹا واپس آئے یہ ہی وہ وقت ہے جب باب توبہ بند کر دیا جائے گا۔ کماورد فی الحدیث الصحیح۔ بات یہ ہے کہ اس کے طلوع و غروب کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے۔ جس کے انتظام کو کوئی دوسرا شکست نہیں کر سکتا اور نہ اس کی حکمت و دانائی پر کوئی حرف گیری کر سکتا ہے وہ خود جب چاہے اور جس طرح چاہے الٹ پلٹ کرے کسی کو مجال انکار نہیں ہو

سکتی۔ (تنبیہ) اس آیت کی تفسیر ایک حدیث میں آئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہاں اس کی تشریح کا موقع نہیں۔ اس پر ہمارا مستقل مضمون ”سجود الشمس“ کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۳۵۔ چاند کی منزلیں: سورج کی طرح چاند ہمیشہ ایک طرح نہیں رہتا بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ اس کی اٹھائیس منزلیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں۔ ان کو ایک معین نظام کے ساتھ درجہ بدرجہ طے کرتا ہے پہلی آیت میں رات دن کا بیان تھا، پھر سورج کا ذکر کیا جس سے سالوں اور فصلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اب چاند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے۔ چاند سورج مہینہ کے آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے۔ جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے۔ پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ اسی پہلی حالت پر پہنچتا اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا، خمدار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

۳۶۔ سیاروں کا مدار میں تیرنا: سورج کی سلطنت دن میں ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہو سکتا کہ چاند کی نورافشانی کے وقت سورج اس کو آدباے۔ یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑالے یارات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آجائے جس زمانہ اور جس ملک میں جو اندازہ رات، دن کا رکھ دیا ہے ان کرات کی مجال نہیں کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہو سکیں۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں پڑا چکر کھا رہا ہے اس سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتا اور باوجود اس قدر سریع حرکت اور کھلی ہوئی فضا کے نہ ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے نہ مقررہ انداز سے زیادہ تیزی سے ہوتا ہے کیا یہ اس کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور ان کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر و دانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ پھر جو ہستی رات دن اور چاند سورج کا اول بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے اور فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہوگی؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) حضرت شاہ صاحبؒ لا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ كَيْ تَعْبُرَ كَالْمَكْتَبَةِ بِيَانِ فَرَمَاتے ہیں کہ سورج چاند خیر مہینہ میں ملتے ہیں تو چاند پکڑتا ہے سورج کو۔ سورج چاند کو نہیں پکڑتا۔“ اسی لئے لا الْقَمَرَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُدْرِكَ الشَّمْسَ نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۳۷۔ یعنی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو آدمؑ کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی پر سوار کر لیا۔ جو حضرت نوحؑ نے بنائی تھی۔ ورنہ انسان کا تخم باقی نہ رہتا۔ پھر اسی کشتی کے نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز تمہارے لیے بنا دیے جن پر تم آج تک لدے پھرتے ہو۔ یا کشتیوں جیسی دوسری سواریاں پیدا کر دیں جن پر سوار ہوتے ہو۔ مثلاً اونٹ، جن کو عرب ”سفائن البر“ (خشکی کی کشتیاں) کہا کرتے تھے۔

۳۸۔ انسان کا بحری سفر: یعنی یہ مشقت استخوان انسان! دیکھو کیسے خوفناک سمندروں کو کشتی کے ذریعہ عبور کرتا ہے۔ جہاں بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکے کے برابر نہیں۔ اگر اللہ اس وقت غرق کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کون ہے جو فریاد کو پہنچے۔ مگر یہ اس کی مہربانی اور مصلحت ہے کہ اس طرح سب بحری سواریوں کو غرق نہیں کر دیتا۔ کیونکہ اس کی رحمت و حکمت مقتضی ہے کہ ایک معین وقت تک دنیا کا کام چلتا رہے۔ افسوس ہے کہ بہت لوگ ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے نہ اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں۔

۳۵۔ اور جب کہیے ان کو بچو اس سے جو تمہارے سامنے آتا ہے اور جو پیچھے چھوڑتے ہو شاید تم پر رحم ہو

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا

خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۵﴾

۳۶۔ اور کوئی حکم نہیں پہنچتا انکو اپنے رب کے حکموں سے جس کو وہ ثلاثے نہ ہوں ﴿۳۹﴾

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا

عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۳۶﴾

۴۷۔ اور جب کہیے ان کو خرچ کرو کچھ اللہ کا دیا کہتے ہیں منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلائیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اس کو کھلا دیتا [۴۰] تم لوگ تو بالکل بہک رہے ہو

صریح [۴۱]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْطَعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ

اللَّهُ أَطْعَمَهُ ۗ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ کفار کی روگردانی: سامنے آتا ہے جزاکا دن اور پیچھے چھوڑے اپنے اعمال۔ یعنی جب کہا جاتا ہے کہ قیامت کی سزا اور بد اعمالیوں کی شامت سے بچنے کی فکر کرو تا خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو۔ تو نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتے۔ ہمیشہ خدائی احکام سے روگردانی کرتے رہتے ہیں۔

۴۰۔ کفار کا استہزاء: یعنی اور احکام الہی تو کیا ماننے، فقیروں مسکینوں پر خرچ کرنا تو ان کے نزدیک بھی کار ثواب ہے لیکن یہ ہی مسلم بات جب پیغمبر اور مومنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو نہایت بھونڈے طریقے سے تمسخر کے ساتھ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم انہیں کیوں کھلائیں۔ ہم تو اللہ کی مشیت کے خلاف کرنا نہیں چاہتے اگر اس کی مشیت ہوتی تو ان کو فقیر و محتاج اور ہمیں غنی و تو نگر نہ بناتا۔

فقر و غنا کی حکمت: خیال کرو اس حماقت اور بے حیائی کا کیا ٹھکانہ ہے کیا خدا کسی کو دینا چاہے تو اس کی یہ ہی ایک صورت ہے کہ خود بلا واسطہ رزق اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ اگر وساطت سے دلانا بھی اس کی مشیت سے ہے تو تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ ان کو روٹی دینا نہیں چاہتا یہ تو اس کا امتحان ہے کہ اغنیاء کو فقراء کی اعانت پر مامور فرمایا اور ان کے توسط سے رزق پہنچانے کا سامان کیا جو اس امتحان میں ناکامیاب رہا اسے اپنی بد بختی اور شقاوت پر روننا چاہیے۔ (تنبیہ) بعض سلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بعض زنادقہ کے حق میں ہیں۔ اس صورت میں ان کے اس قول کو تمسخر پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ حقیقت پر رکھیں گے۔

۴۱۔ اگر یہ جملہ کفار کے قول کا تتمہ ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ اے گروہ مومنین تم صریح گمراہی میں پڑے ہو جو ایسے لوگوں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہو جن کا خدا پیٹ بھرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو خطاب ہے کہ کس قدر بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یہ گمراہی ہے نیک کام میں تقدیر کے حوالے کرنا اور اپنے مزے میں لالچ پر دوڑنا۔“

۴۸۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۴۲]

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾

۴۹۔ یہ تو راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی جوان کو آپکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ

يَخِصِّوْنَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ پھر نہ کر سکیں گے کہ کچھ کہہ ہی مر میں اور نہ اپنے گھر کو پھر کر جا سکیں گے [۴۳]

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ

يَرْجِعُونَ ﴿۵۰﴾

وَنفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

۵۱۔ اور پھونکی جائے صور پھر تہی وہ قبروں سے اپنے رب کی پھیل پڑیں گے [۳۳]

يُنْسَلُونَ ﴿٥١﴾

قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۗ هَذَا مَا

۵۲۔ کہیں گے اے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے [۳۴] یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے [۳۶]

وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْبُرْسُلُونَ ﴿٥٢﴾

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَبِيْعٌ

۵۳۔ بس ایک چنگھاڑ ہوگی پھر اسی دم وہ سارے ہمارے پاس پکڑے چلے آئیں گے [۳۷]

لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾

فَالْيَوْمَ لَا تُظَلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا

۵۴۔ پھر آج کے دن ظلم نہ ہو گا کسی جی پر ذرا اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے [۳۸]

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهِونَ ﴿٥٥﴾

۵۵۔ تحقیق بہشت کے لوگ آج ایک مشغلہ میں ہیں باتیں کرتے

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِنُونَ ﴿٥٦﴾

۵۶۔ وہ اور ان کی عورتیں سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیہ لگائے

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾

۵۷۔ انکے لئے وہاں ہے میوہ اور انکے لئے ہے جو کچھ مانگیں [۳۹]

سَلَّمَ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ﴿٥٨﴾

۵۸۔ سلام بولنا ہے رب مہربان سے [۴۰]

وَأَمَّا زُورًا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْبَجْرُمُونَ ﴿٥٩﴾

۵۹۔ اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گناہگارو [۴۱]

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَىٰ أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا

۶۰۔ میں نے نہ کہہ رکھا تھا تم کو اے آدم کی اولاد کہ نہ پوجو شیطان کو وہ کھلا دشمن ہے تمہارا

الشَّيْطَانَ ۗ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾

وَأَنْ اَعْبُدُونِي ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾

۶۱۔ اور یہ کہ پوجو مجھ کو یہ راہ ہے سیدھی [۵۲]

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۗ اَفَلَمْ تَكُونُوا

۶۲۔ اور وہ بہکالے گیا تم میں سے بہت خلقت کو پھر کیا تم کو سمجھ نہ تھی

تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ جا پڑو اس میں آج کے دن بدلا اپنے کفر کا [۵۳]

اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور بتلائیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کھاتے تھے [۵۴]

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ اَفْوَاهِهِمْ وَتُغْلَقُ اَيْدِيهِمْ وَ

تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں ان کی آنکھیں پھر دوڑیں رستہ پانے کو پھر کہاں سے سوچے

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا

الصِّرَاطَ فَاَنِي يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ اور اگر ہم چاہیں صورت مسخ کر دیں انکی جہاں کی تہاں پھر نہ آگے چل سکیں اور نہ وہ اٹلے پھر سکیں [۵۵]

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا

اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ اور جس کو ہم بوڑھا کریں اور نہا کریں اس کی پیدائش میں پھر کیا ان کو سمجھ نہیں [۵۶]

وَمَنْ نُّعَبِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۗ اَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾

۶۲۔ یعنی یہ قیامت اور عذاب کی دھمکیاں کب پوری ہوں گی۔ اگر سچے ہو تو جلد پوری کر کے دکھلا دو۔

۶۳۔ قیامت کا اچانک آنا: یعنی قیامت ناگہاں آپکڑے گی اور وہ اپنے معاملات میں غرق ہوں گے۔ جس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا سب ہوش و حواس جاتے رہیں گے اور آخر مر کر ڈھیر ہو جائیں گے۔ اتنی فرصت بھی نہ ملے گی کہ فرض کرو مرنے سے پہلے کسی کو کچھ کہنا چاہیں تو کہہ گذریں۔ یا جو گھر سے باہر تھے وہ گھر واپس جا سکیں۔

۶۴۔ یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور فرشتے ان کو جلد جلد دھکیل کر میدان حشر میں لیجائیں گے۔



۴۵۔ قیامت کا اچانک آنا: اید نفع اولیٰ اور نفع ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کر دی جائے۔ یا قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذاب قبر کو اہوں سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دیں گے۔ یا ”مرقد“ بمعنی ”مصحح“ کے ہو۔ نیند کی کیفیت سے تجرید کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔

۴۶۔ حق تعالیٰ کا کفار کو جواب: یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا یا مستقبل کو حاضر قرار دے کر جواب دے رہے ہیں۔ یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھادیا۔ ذرا آنکھیں کھولو۔ یہ وہ ہی اٹھانا ہے جس کا وعدہ خدا نے رحمان کی طرف سے کیا گیا تھا اور پیغمبر جس کی خبر برابر دیتے رہے تھے۔

۴۷۔ یعنی کوئی تنفس نہ بھاگ سکے گا نہ روپوش ہو سکے گا۔

۴۸۔ آخرت میں انصاف: یعنی نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی نہ جرم کی حیثیت سے زیادہ سزا ملے گی۔ ٹھیک ٹھیک انصاف ہو گا اور جو نیک و بد کرتے تھے فی الحقیقت عذاب و ثواب کی صورت میں وہ ہی سامنے آجائے گا۔

۴۹۔ اہل جنت کا حال: بہشت میں ہر قسم کے عیش و نشاط کا سامان ہو گا۔ دنیا کی مکروہات سے چھوٹ کر آج یہ ہی ان کا مشغلہ ہو گا۔ وہ اور ان کی عورتیں آپس میں گھل مل کر اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے۔ ہمہ قسم کے میوے اور پھل وغیرہ ان کے لیے حاضر ہوں گے بس خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں طلب اور تمنا ہوگی وہ ہی دی جائے گی، اور منہ مانگی مرادیں ملیں گی۔ یہ تو جسمانی لذت کا حال ہوا، آگے روحانی نعمتوں کی طرف سلمٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ سے اک ذرا سا اشارہ فرماتے ہیں۔

۵۰۔ اہل جنت کو حق تعالیٰ کا سلام: یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام بولا جائے گا۔ خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے یا جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے بلا واسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے اس وقت کی عزت و لذت کا کیا کہنا۔ اللهم ارزقنا هذه النعمة العظیمة بحرمۃ بنیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵۱۔ مجرموں کی علیحدگی: یعنی جنتیوں کے عیش و آرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ تمہارا مقام دوسرا ہے جہاں رہنا ہو گا۔

۵۲۔ یعنی اسی دن کے لیے تم کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار سمجھایا گیا تھا کہ شیطان لعین کی پیروی مت کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ جہنم میں پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اگر ابدی نجات چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پڑی ہوئی ہے اس پر چلے آؤ اور اکیلے ایک خدا کی پرستش کرو۔

۵۳۔ کفار کو ملامت: یعنی افسوس اتنی نصیحت و فہمائش پر بھی تم کو عقل نہ آئی اور اس ملعون نے ایک خلقت کو گمراہ کر چھوڑا کیا تمہیں اتنی سمجھ نہ تھی کہ دوست دشمن میں تمیز کر سکتے۔ اور اپنے نفع نقصان کو پہچانتے۔ دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہشیاری اور ذہانت دکھلاتے تھے مگر آخرت کے معاملہ میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی لیاقت نہ رہی۔ اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگتو یہ دوزخ تیار ہے جس کا بصورت کفر اختیار کرنے کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کفر کا ٹھکانہ یہ ہی ہے۔ چاہئے کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔

۵۴۔ ہاتھوں اور پاؤں کی گواہی: یعنی آج اگر یہ لوگ اپنے جرموں کا زبان سے اعتراف نہ بھی کریں تو کیا ہوتا ہے، ہم منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہاتھ پاؤں کان آنکھ حتیٰ کہ بدن کی کھال کو حکم دیا جائے گا کہ ان کے ذریعہ سے جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا بیان کریں۔ چنانچہ ہر ایک عضو اللہ کی قدرت سے گویا ہو گا اور ان کے جرموں کی شہادت دے گا۔ کما قال حَتَّىٰ اِذَا مَا جَاءَ ذٰہَا شَہِدَ عَلَیْہِمۡ سَنَعُہُمۡ وَ اَبْصَارُہُمۡ وَ جُلُوْدُہُمۡ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (حم السجدہ۔ ۲۰) وقال تعالیٰ فی موضع آخر قَوْلًا اَنْطَقْنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ (حم السجدہ۔ ۲۱)۔

۵۵۔ کفار کو حق تعالیٰ کی تشبیہ: یعنی جیسے انہوں نے ہماری آیتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں اگر ہم چاہیں تو دنیا ہی میں بطور سزا کے ان کی ظاہری بینائی چھین کر نیپٹ اندھا کر دیں کہ ادھر ادھر جانے کا راستہ بھی نہ سوجھے اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ پر چلنا نہیں چاہتے، ہم کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپناج بنا دیں کہ پھر یہ کسی ضرورت کے لئے اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں پر ہم نے ایسا نہ چاہا اور ان جو ارح و قوی سے ان کو محروم نہیں کیا۔ یہ ہماری طرف سے مہلت اور ڈھیل تھی۔ آج وہ ہی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے

کہ ان بیہودوں نے ہم کو کن نالائق کاموں میں لگایا تھا۔

۵۶۔ یعنی آنکھیں چھین لینا اور صورت بگاڑ کر اپانج بنا دینا کچھ مستعد مت سمجھو۔ دیکھتے نہیں؟ ایک تندرست اور مضبوط آدمی زیادہ بوڑھا ہو کر کس طرح دیکھنے، سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کر دیا جاتا ہے۔ گویا بچپن میں جیسا کمزور و ناتواں اور دوسروں کے سہارے کا محتاج تھا بڑھاپے میں پھر اسی حالت کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے۔ تو کیا جو خدا پیرانہ سالی کی حالت میں ان کی قوتیں سلب کر لیتا ہے، جوانی میں نہیں کر سکتا؟

۶۹۔ اور ہم نے نہیں سکھایا اسکو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف [۵۷]

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ تاکہ ڈر سنائے اس کو جس میں جان ہو اور ثابت ہو الزام منکروں پر [۵۸]

لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ کیا اور نہیں دیکھتے وہ کہ ہم نے بنا دیے انکے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی چیزوں سے چوپائے پھر وہ انکے مالک ہیں [۵۹]

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ اور عاجز کر دیا انکو انکے آگے پھر ان میں کوئی ہے انکی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں

وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ اور انکے واسطے چارپایوں میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے [۶۰]

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

۷۴۔ اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوائے اور حاکم کہ شاید ان کی مدد کریں

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿٧٤﴾

۷۵۔ نہ کر سکیں گے ان کی مدد اور یہ انکی فوج ہو کر پکڑ آئیں گے [۶۱]

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ

مُحَضَّرُونَ ﴿٧٥﴾

۵۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شاعری: یعنی اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ حقائق واقعہ ہیں۔ کوئی شاعرانہ تخیلات نہیں۔ اس پیغمبر کو ہم نے قرآن دیا ہے جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے۔ کوئی شعر و شاعری کا دیوان نہیں دیا۔ جس میں نری طبع آزمائی اور خیالی تک بندیاں ہوں، بلکہ آپ کی طبع مبارک کو فطری طور پر اس فن شاعری سے اتنا بعید رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اس وقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں۔ آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا۔ یوں رجز وغیرہ کے موقع پر کبھی ایک آدھ مرتبہ زبان مبارک سے مقفی عبارت نکل کے بے ساختہ شعر کے سانچے میں ڈھل گئی ہو وہ الگ بات ہے۔ اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں

کہتے۔ آپ خود تو کیا شعر کہتے کسی دوسرے شاعر کا شعر یا مصرع بھی زندگی بھر میں دوچار مرتبہ سے زائد نہیں پڑھا۔ اور پڑھتے وقت اکثر اس میں ایسا تغیر کر دیا کہ شعر شعر نہ رہے۔ محض مطلب شاعر ادا ہو جائے۔ غرض آپ کی طبع شریف کو شاعری سے مناسبت نہیں دی گئی تھی کیونکہ یہ چیز آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی۔ آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدون ادنیٰ ترین کذب و غلو کے روشناس کرنا تھا ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مشاعریت کا حسن و کمال کذب و مبالغہ، خیالی بلند پردازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں۔ شعر میں اگر کوئی جزء محمود ہے تو اس کی تاثیر اور دلنشینی ہو سکتی ہے۔ سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر بھی اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصلی روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح و عاقل دنگ ہو کر قرآن کو شعر یا سحر کہنے لگتے تھے۔ حالانکہ شعر و سحر کو قرآن سے کیا نسبت؟ کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر دنیا میں کبھی قومیت و روحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو۔ یہ کام شاعروں کا نہیں، پیغمبروں کا ہے کہ خدا کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ پہلے سے شاعر تھے شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے۔

۵۸۔ یعنی زندہ دل آدمی قرآن سن کر اللہ سے ڈرے اور منکروں پر حجت تمام ہو۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “جن میں جان ہو یعنی نیک اثر پکڑتا ہو۔ اس کے فائدہ کو اور منکروں پر الزام اتارنے کو۔”

۵۹۔ اللہ کی دوسری نشانیاں: آیات تزیلیہ کے بعد پھر آیات تکوینیہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ یعنی ایک طرف قرآن کی پسند و نصیحت کو سنو اور دوسری طرف غور سے دیکھو کہ اللہ کے کیسے کیسے انعام و احسان تم پر ہوئے ہیں، اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے، خچر وغیرہ جانوروں کو تم نے نہیں بنایا اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تم کو محض اپنے فضل سے ان کا مالک بنا دیا کہ جہاں چاہو بیٹھو اور جو چاہو کام لو۔

۶۰۔ چار پایوں میں انسان کے فائدے: دیکھو کتنے بڑے بڑے عظیم الجثہ، قوی ہیکل جانور انسان ضعیف البینان کے سامنے عاجز و مسخر کر دیے۔ ہزاروں اونٹوں کی قطار کو ایک خورد سال بچہ تکمیل پکڑ کر جدھر چاہے لیجائے ذرا کان نہیں ہلاتے کیسے کیسے شہزور جانوروں پر آدمی سواری کرتا ہے اور بعض کو کاٹ کر اپنی غذا بناتا ہے۔ علاوہ گوشت کھانے کے ان کی کھال، ہڈی اون وغیرہ سے کس قدر فوائد حاصل کیے جاتے ہیں، ان کے تھن کیا ہیں گویا دودھ کے چشمے ہیں۔ ان ہی چشموں کے گھاٹ سے کتنے آدمی سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔

۶۱۔ یعنی جس خدا نے یہ نعمتیں مرحمت فرمائیں اس کا یہ شکر ادا کیا کہ اس کے مقابل دوسرے حاکم اور معبود ٹھہرائے جنہیں سمجھتے ہیں کہ آڑے وقت میں کام آئیں گے اور مدد کریں گے سو یاد رکھو! وہ تمہاری تو کیا اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں جب تم کو مدد کی ضرورت ہوگی اس وقت گرفتار ضرور کرادیں گے۔ تب پتہ لگے گا کہ جن کی حمایت میں عمر بھر لڑتے رہے تھے وہ آج کس طرح آنکھیں دکھانے لگے۔

۷۱۔ اب تو نمگین مت ہو اکی بات سے ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں [۲۲]

يُعَلِّمُونَ ﴿٤٦﴾

۷۷۔ کیا دیکھتا نہیں انسان کہ ہم نے اس کو بنایا ایک قطرہ سے پھر تہی وہ ہو گیا جھگڑنے والے [۲۳]

خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٤٧﴾

۷۸۔ اور بھلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی  
پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری  
ہو گئیں [۶۳]

وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَ نَسِيَ خَلْقَهُ ۗ قَالَ مَنْ يُحْيِي  
الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۸﴾

۷۹۔ تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا انکو پہلی بار اور  
وہ سب بنانا جانتا ہے [۶۵]

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ وَ هُوَ  
بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾

۸۰۔ جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر اب تم  
اس سے سلگاتے ہو [۶۶]

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا  
أنتُمْ مِنْهُ تُوقَدُونَ ﴿۸۰﴾

۸۱۔ کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین نہیں بنا سکتا ان  
جیسے کیوں نہیں اور وہی ہے اصل بنانے والا سب کچھ  
جاننے والا [۶۷]

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ بِقَدِيرٍ  
عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۗ بَلَىٰ ۗ وَ هُوَ الْخَلْقُ  
الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾

۸۲۔ اسکا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے  
اس کو ہو وہ اسی وقت ہو جائے [۶۸]

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ  
فَيَكُونُ ﴿۸۲﴾

۸۳۔ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر  
چیز کی اور اسی کی طرف پھر کر چلے جاؤ گے [۶۹]

فَسُبْحٰنَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ إِلَيْهِ  
تُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

۶۲۔ یعنی جب خود ہمارے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو آپ ان کی بات سے غمگین و دلگیر نہ ہوں اپنا فرض ادا کر کے ہمارے حوالہ کریں۔ ہم ان  
کے ظاہری و باطنی احوال سے خوب واقف ہیں ٹھیک ٹھیک بھگتانا کر دیں گے۔

۶۳۔ انسان کی اصل: یعنی انسان اپنی اصل کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک ناچیز قطرہ تھا، خدا نے کیا سے کیا بنا دیا۔ اس پانی کی بوند کو وہ زور اور قوت  
گویائی عطا کی کہ بات بات پر جھگڑنے اور باتیں بنانے لگا۔ حتیٰ کہ آج اپنی حد سے بڑھ کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔

۶۴۔ حقیر انسان کی جرأت: یعنی دیکھتے ہو! خدا پر کیسے فقرے چسپاں کرتا ہے۔ گویا اس قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح فرض کر لیا ہے جو کہا

ہے کہ آخر جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ پرانی اور کھوکھری، تو انہیں دوبارہ کون زندہ کرے گا۔ ایسا سوال کرتے وقت اسے اپنی پیدائش یاد نہیں رہی ورنہ اس قطرہ ناچیز کو ایسے الفاظ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اپنی اصل پر نظر کر کے کچھ شرماتا اور کچھ عقل سے کام لے کر اپنے سوال کا جواب بھی حاصل کر لیتا جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔

۶۵۔ اللہ کی قدرت: یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ (وہو اٰھون علیہ) اور اس قادر مطلق کے لئے تو سب ہی چیز آسان ہے پہلی مرتبہ ہو یا دوسری، وہ ہر طرح بنانا جانتا ہے اور بدن کے اجزاء اور ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہوں ان کا ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔

۶۶۔ درخت اور ایندھن: یعنی اول پانی سے سبز و شاداب درخت تیار کیا پھر اسی تروتازہ درخت کو سکھا کر ایندھن بنا دیا جس سے اب تم آگ نکال رہے ہو۔ پس جو خدا ایسی متضاد صفات کو ادل بدل کر سکتا ہے کیا وہ ایک چیز کی موت و حیات کے الٹ پھیر پر قادر نہیں؟ (تنبیہ) بعض سلف نے ”شجر اخضر“ (سبز درخت) سے خاص وہ درخت مراد لئے ہیں جن کی شاخوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ نکلتی ہو۔ جیسے بانس کا درخت یا عرب میں مرغ اور عفار تھے۔ واللہ اعلم۔

۶۷۔ یعنی جس نے آسمان و زمین جیسے بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں اسے ان کافروں جیسی چھوٹی چیزوں کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

۶۸۔ قدرت کاملہ کا بیان: یعنی کسی چھوٹی بڑی چیز کے پہلی مرتبہ یا دوبارہ بنانے میں اسے دقت ہی کیا ہو سکتی ہے اس کے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے۔ جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا ہو جا! فوراً ہوئی رکھی ہے۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ) میرے خیال میں اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے خلق بدن کا ذکر تھا۔ یہاں نفع روح کا مطلب سمجھا دیا۔ واللہ اعلم۔ راجع فوائد سورۃ الاسراء تحت بحث الروح۔

۶۹۔ اللہ ہی حاکم مطلق ہے: یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ پاک ہے عجز و سفہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے۔

تم سورہ یس واللہ الحمد والمرتبة

## آیاتها ۱۸۲

## رکوعاتها ۵

## سُورَةُ الصَّفَّتِ مَكِّيَّةٌ ۵۶

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر [۱]

وَالصَّفَّتِ صَفًّا ۱

۲۔ پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر [۲]

فَالزُّجْرَتِ زَجْرًا ۲

۳۔ پھر پڑھنے والوں کی یاد کر کر [۳]

فَالتَّلِیْتِ ذِكْرًا ۳

۴۔ بیشک حاکم تم سب کا ایک ہے [۴]

اِنَّ الْهَکْمَ لَوَاحِدٌ ۴

۵۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے اور رب مشرقوں کا [۵]

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشْرِیْقِ ۵

۶۔ ہم نے رونق دی ور لے آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں [۶]

اِنَّا زَیْنًا السَّمٰوٰتِ الدُّنْیَا بِزَیْنَةِ الْکَوٰکِبِ ۶

۷۔ اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش سے [۷]

وَ حِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۷

۸۔ سن نہیں سکتے اوپر کی مجلس تک اور پھینکے جاتے ہیں ان پر ہر طرف سے

لَا یَسْمَعُوْنَ اِلٰی الْمَلٰٓئِیْطِ الْاَعْلٰی وَ یُقَدَفُوْنَ مِّنْ کُلِّ جَانِبٍ ۸

۹۔ بھگانے کو [۹] اور ان پر مارے ہمیشہ کو [۹]

دُحُوْرًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۹

۱۰۔ مگر جو کوئی اچک لایا جھپ سے پھر پیچھے لگا اس کے انکار اچکمتا [۱۰]

اِلَّا مَنْ خَطَفَ الْخُطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۱۰

۱۔ یعنی جو صف باندھ کر قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں، خواہ فرشتے ہوں جو حکم الہی سننے کو اپنے مقام پر درجہ بدرجہ کھڑے ہوتے ہیں یا عبادت

گزار انسان جو نماز اور جہاد وغیرہ میں صف بندی کرتے ہیں۔ (تنبیہ)

قرآن کی قسموں کی توضیح: قسم محاورات میں تاکید کے لیے ہے جو اکثر منکر کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن بسا اوقات محض ایک مضمون کو مہتمم بالشان ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ، مقسم علیہ کے لئے بطور ایک شاہد یاد لیل کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔"

۲۔ ڈانٹنے والے فرشتے: یعنی جو فرشتے شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں تا استراق سمع کے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں یا بندوں کو نیکی کی بات سمجھا کر معاصی سے روکتے ہیں۔ یا وہ نیک آدمی جو خود اپنے نفس کو بدی سے روکتے اور دوسروں کو بھی شرارت پر ڈانٹتے جھڑکتے رہتے ہیں۔ خصوصاً میدان جہاد میں کفار کے مقابلہ پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ بہت سخت ہوتی ہے۔

۳۔ یعنی وہ فرشتے یا آدمی جو اللہ کے احکام سننے کے بعد پڑھتے اور یاد کرتے ہیں ایک دوسرے کے بتانے کو۔

۴۔ بیشک آسمان پر فرشتے اور زمین پر خدا کے نیک بندے ہر زمانہ میں قولاً وفعلاً شہادت دیتے رہے ہیں کہ سب کا معبود ایک ہے۔ اور ہم اسی کی رعیت ہیں۔

۵۔ مشارق و مغارب: شمال سے جنوب تک ایک طرف مشرقین ہیں۔ سورج کی ہر روز کی جدا اور ہر ستارے کی جدا۔ یعنی وہ نقطے جن سے ان کا طلوع ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اتنی ہی مغربین ہیں۔ شاید مغرب کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا کہ مشارق سے بطور مقابلہ کے خود ہی سمجھ میں آجائیں گی اور ایک حیثیت سے طلوع و شمس و کوکب کو حق تعالیٰ کی شان حکومت و عظمت کے ثابت کرنے میں بہ نسبت غروب کے زیادہ دخل ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۔ ستاروں کی رونق: یعنی اندھیری رات میں یہ آسمان بے شمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے دیکھنے والوں کو کیسا خوبصورت، مزین اور پر رونق معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ یعنی تاروں سے آسمان کی زینت و آرائش ہے۔ اور بعض تاروں کے ذریعہ سے جو ٹوٹے ہیں شیطانوں کو روکنے اور دفع کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے یہ ٹوٹنے والے ستارے کیا ہیں۔ آیا کوکب نوریہ کے علاوہ کوئی مستقل نوع کوکب کی ہے یا کوکب نوریہ کی شعاعوں ہی سے ہوا متکثف ہو کر ایک طرح کی آتش سوزاں پیدا ہو جاتی ہے یا خود کوکب کے اجزاء ٹوٹ کر گرتے ہیں؟ اس میں علماء و حکماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بہر حال ان کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو، رجم شیاطین کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے اسکی کچھ تفصیل سورہ "حجر" کے فوائد میں گذر چکی ملاحظہ کر لیجائے۔

۸۔ ملاء علیٰ اور شیاطین: اوپر کی مجلس سے مراد فرشتوں کی مجلس ہے۔ یعنی شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی بات وحی الہی کی سن سکیں۔ جب ایسا ارادہ کر کے اوپر آسمانوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو جس طرف سے جاتے ہیں ادھر ہی سے فرشتے دھکے دے کر اور مار مار کر بھگا دیتے ہیں۔

۹۔ یعنی دنیا میں ہمیشہ یوں ہی مار پڑتی رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔

۱۰۔ شہاب ثاقب کی مار: یعنی اسی بھاگ دوڑ میں جلدی سے کوئی ایک آدھ بات اچک لایا۔ اس پر بھی شہاب ثاقب سے اس کا تعاقب کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل سورہ "حجر" کے شروع میں گذر چکی۔

۱۱۔ اب پوچھ ان سے کیا یہ بنانے مشکل ہیں یا جتنی خلقت کہ ہم نے بنائی [۱۱] ہم نے ہی انکو بنایا ہے ایک چپکتے

گارے سے [۱۲]

فَأَسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنِ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

بَلْ عَجَبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ بلکہ تو کرتا ہے تعجب اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے [۱۳]

وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور جب انکو سمجھائیے نہیں سوچتے

وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخَرُونَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور جب دیکھیں کچھ نشانی ہنسی میں ڈال دیتے ہیں

وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں یہ تو کھلا جادو ہے [۱۴]

عَ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِذَا لَبَعُوثُونَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم کو پھراٹھائیں گے

أَوْ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ کیا اور ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی [۱۵]

قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ تو کہہ کہ ہاں اور تم ذلیل ہو گے

۱۱۔ منکرین بعثت کارو: یعنی منکرین بعثت سے دریافت کیجئے کہ آسمان، زمین، ستارے، فرشتے، شیاطین وغیرہ مخلوقات کا پیدا کرنا ان کے خیال میں زیادہ مشکل کام ہے یا خود ان کا پیدا کرنا اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد ظاہر ہے جو خدا ایسی عظیم الشان مخلوقات کا بنانے والا ہے اسے ان کا دوبارہ بنادینا کیا مشکل ہو گا۔

۱۲۔ انسان کی اصلیت: یعنی ان کی اصل حقیقت ہمیں سب معلوم ہے۔ ایک طرح کے چپکتے گارے سے جس کا پتلا ہم نے تیار کیا آج اس کے یہ دعوے ہیں کہ آسمان و زمین کا بنانے والا اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں جس طرح پہلے تجھ کو مٹی سے بنایا دوبارہ بھی مٹی سے نکال کر کھڑا کر دیں گے۔

۱۳۔ یعنی تجھ کو ان پر تعجب آتا ہے کہ ایسی صاف باتیں کیوں نہیں سمجھتے اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ یہ (نبی) کس قسم کی بے سرو پا باتیں کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ)

۱۴۔ یعنی نصیحت سن کر غور و فکر نہیں کرتے اور جو معجزات و نشانات دیکھتے ہیں انہیں جادو ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔

۱۵۔ کفار کی ضد اور ہٹ: وہی مرغے کی ایک ٹانگ گائے جاتے ہیں کہ صاحب جب ہمارا بدن خاک میں مل کر مٹی ہو گیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے باپ دادا جن کو مرے ہوئے قرن گذر گئے شاید ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، ہم کس طرح مان لیں کہ یہ سب پھر از سر نوزندہ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔

۱۹۔ سو وہ اٹھانا تو یہی ہے ایک جھڑکی پھر اسی وقت یہ

لگیں گے دیکھنے [۱۶]

فَأَنبَاهِي زَجْرَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۱۹﴾



وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور کہیں گے اے خرابی ہماری یہ آگیا دن جزا کا [۱۷]

هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكذِّبُونَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ یہ ہے دن فیصلہ کا جس کو تم جھٹلاتے تھے [۱۸]

أَحْسُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا

۲۲۔ جمع کرو گنہگاروں کو اور انکے جوڑوں کو اور جو کچھ پوجتے تھے [۱۹]

يَعْبُدُونَ ﴿۲۲﴾

مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اللہ کے سوائے پھر چلاؤ ان کو دوزخ کی راہ پر [۲۰]

وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُورُونَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور کھڑا رکھو انکو ان سے پوچھنا ہے [۲۱]

مَا لَكُمْ لَا تَنصَرُونَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ کیا ہوا تم کو ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے

بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ کوئی نہیں وہ آج اپنے آپ کو پکڑواتے ہیں [۲۲]

۱۶۔ یعنی ہاں ضرور اٹھائے جاؤ گے اور اس وقت ذلیل و رسوا ہو کر اس انکار کی سزا بھگتو گے۔

۱۷۔ یعنی ایک ڈانٹ میں سب اٹھ کھڑے ہوں گے اور حیرت و دہشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے (یہ ڈانٹ یا جھڑکی کی نفخ صورت کی ہوگی)۔

۱۸۔ یعنی یہ تو سچ جج جزیاء کا دن آپہنچا جس کی انبیاء خبر دیتے اور ہم ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

۱۹۔ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہو گا۔

۲۰۔ کفار کا حشر: یہ حکم ہو گا فرشتوں کو کہ ان سب کو اکٹھا کر کے دوزخ کا راستہ بناؤ۔ (تنبیہ) ”ازواج“ (جوڑوں) سے مراد ہیں ایک قسم کے گنہگاریاں کی کافر بیویاں۔ اور مَا يَعْْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ سے اصنام و شیاطین وغیرہ مراد ہیں۔

۲۱۔ کفار کو سوال کیلئے ٹھہرانے کا حکم: حکم کے بعد کچھ دیر ٹھہرائیں گے تاکہ ان سے ایک سوال کیا جائے جو آگے مَا لَكُمْ لَا تَنصَرُونَ میں مذکور ہے۔

۲۲۔ حق تعالیٰ کا سوال: یعنی دنیا میں تو نَحْنُ جَبِيحٌ مُنْتَصِمٌ کہا کرتے تھے۔ (کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں) آج کیا ہوا کہ کوئی اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک بدون کان ہلائے ذلیل ہو کر پکڑا ہوا چلا آرہا ہے۔

۲۷۔ اور منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف لگے پوچھنے

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے [۲۳]

قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿۲۸﴾

قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ وہ بولے کوئی نہیں پر تم ہی نہ تھے یقین لانے والے

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَنِۢ بَلْ كُنْتُمْ

۳۰۔ اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا پر تم ہی تھے لوگ حد سے نکل چلنے والے

قَوْمًا طَغَيْنَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ سو ثابت ہو گئی ہم پر بات ہمارے رب کی بیشک ہم کو مزہ چکھنا ہے

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۗ إِنَّآ لَذَآئِقُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ ہم نے تم کو گمراہ کیا جیسے ہم خود تھے گمراہ [۲۴]

فَاغْوَيْنُكُمْ إِنَّا كُنَّا غُورِينَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ سو وہ سب اس دن تکلیف میں شریک ہیں [۲۵]

فَإِنَّهُمْ بِیَوْمَیْذِۢنِ الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ ہم ایسا ہی کرتے ہیں گنہگاروں کے حق میں

إِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیۡنَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ وہ تھے کہ ان سے جب کوئی کہتا کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے تو غرور کرتے [۲۶]

إِنَّهُمْ كَانُوۡۤا إِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ۙ

یَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور کہتے کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے معبودوں کو کہنے سے ایک شاعر دیوانہ کے

وَ یَقُولُونَ اٰیۡنَا نَتَّارِكُوۡۤا الْهٰتِنَا لِشَاعِرٍ

مَجْنُوۡنٍ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ کوئی نہیں وہ لیکر آیا ہے سچا دین اور سچا مانتا ہے سب رسولوں کو [۲۷]

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیۡنَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ بیشک تم کو تو چکھنا ہے عذاب دردناک

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوۡۤا الْعَذَابِ الْاَلِیۡمِ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اور وہ ہی بدلا پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے [۲۸]

وَمَا تُجْزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوۡنَ ﴿۳۹﴾

۴۰۔ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے [۲۹]

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِیۡنَ ﴿۴۰﴾

۲۳۔ کفار کا ایک دوسرے کو الزام: ”یٰٰمِیْن“ (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور و قوت زائد ہوتی ہے۔ یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرعوب کر کے۔ یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لے جائیں یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لیے۔ یہ گفتگو اتباع اور متبوعین (زبردستوں اور زیر دستوں) کے درمیان ہوگی۔

۲۴۔ متبوعین کا جواب: یعنی خود تو ایمان نہ لائے ہم پر الزام رکھتے ہو۔ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل و انصاف کی حد سے نکل گئے کہ بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکائے میں آگئے۔ اگر عقل و فہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ رہے ہم سو ظاہر ہے خود گمراہ تھے، ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے ہم نے وہ ہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا۔ لیکن تم کو کیا مصیبت نے گھیرا تھا کہ ہمارے چکموں میں آگئے بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی اور اس کی وہ ہی بات لاکُمْ لَکُمْ جَهَنَّمَ مِنْکُمْ وَ مِمَّنْ تَبِعَکَ (ص۔ ۸۵) الخ ثابت ہو کر رہی۔ آج ہم سب کو اپنی اپنی غلط کاریوں اور بد معاشیوں کا مزہ چکھنا ہے۔

۲۵۔ یعنی سب مجرم درجہ بدرجہ عذاب میں شریک ہوں گے جیسے جرم میں شریک تھے۔

۲۶۔ یعنی ان کا کبر و غرور مانع ہے کہ نبی کے ارشاد سے یہ کلمہ (لا الہ الا اللہ) زبان پر لائیں جس سے ان کے جھوٹے معبودوں کی نفی ہوتی ہے۔ خواہ دل میں اسے سچ ہی مانتے ہوں۔

۲۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے پر ملامت: یعنی شاعروں کا جھوٹ تو مشہور ہے۔ پھر اس راستباز ہستی کو شاعر کیسے کہتے ہو جو دنیا میں خالص سچائی لے کر آیا ہے اور سارے جہان کے سچوں کی تصدیق کرتا ہے۔ کیا مجنون اور دیوانے ایسے سچے صحیح اور پختہ اصول پیش کیا کرتے ہیں؟

۲۸۔ یعنی انکار توحید اور ان گستاخیوں کا مزہ چکھو گے جو بارگاہ رسالت میں کر رہے ہو۔ جو کچھ کرتے تھے ایک دن سامنے آجائے گا۔

۲۹۔ یعنی ان کا کیا ذکر۔ وہ تو ایک قسم ہی دوسری ہے جس پر حق تعالیٰ نوازش و کرم فرمائے گا۔

۳۱۔ وہ لوگ جو ہیں انکے واسطے روزی ہے مقرر

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ میوے [۳۰] اور انکی عزت ہے [۳۱]

فَوَاكِهَ ۚ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ نعمت کے باغوں میں

فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے

عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ لوگ لئے پھرتے ہیں ان کے پاس پیالہ شراب صاف کا

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ سفید رنگ مزہ دینے والی پینے والوں کو

بَيضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّرِيبِينَ ﴿۳۶﴾

۴۷۔ نہ اس میں سر پھرتا ہے اور نہ وہ اس کو پی کر بہکیں [۳۲]

۴۸۔ اور ان کے پاس ہیں عورتیں نیچی گناہ رکھنے والیاں  
بڑی بڑی آنکھوں والیاں [۳۳]

۴۹۔ گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے [۳۴]

۵۰۔ پھر منہ کیا ایک نے دوسرے کی طرف لگے پوچھنے

۵۱۔ بولا ایک بولنے والا ان میں میرا تھا ایک ساتھی

۵۲۔ کہا کرتا کیا تو یقین کرتا ہے

۵۳۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو  
جزا ملے گی [۳۵]

۵۴۔ کہنے لگا بھلا تم جھانک کر دیکھو گے [۳۶]

۵۵۔ پھر جھانکا تو اس کو دیکھا بچوں بیچ دوزخ کے

۵۶۔ بولا قسم اللہ کی تو تو مجھ کو ڈالنے لگا تھا گڑھے میں

۵۷۔ اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا  
انہیں میں جو پکڑے ہوئے آئے [۳۷]

۵۸۔ کیا اب ہم کو مرنا نہیں

۵۹۔ مگر جو پہلی بار مر چکے اور ہم کو تکلیف نہیں پہنچنے کی

۶۰۔ بیشک یہی ہے بڑی مراد ملنی

۶۱۔ ایسی چیزوں کے واسطے چاہئے محنت کریں محنت کرنے  
والے [۳۸]

لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿٣٤﴾

وَعِنْدَهُمْ قِصَصُ الطَّرْفِ عَيْنٌ ﴿٣٨﴾

كَانَهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٣٩﴾

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾

يَقُولُ أَبِنَّكَ لَبِئْسَ الْبُصْدِيقِينَ ﴿٥٢﴾

ءَا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَا إِنَّا

لَبَدِينُونَ ﴿٥٣﴾

قَالَ هَلْ أُنْتُمْ مُطَّلِعُونَ ﴿٥٤﴾

فَاطْدَعُ فَرَاهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾

قَالَ تَاللَّهِ إِنْ كِدَتْ لَتُرْدِينَ ﴿٥٦﴾

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٥٧﴾

أَفَمَا نَحْنُ بِبَيِّتِينَ ﴿٥٨﴾

إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٥٩﴾

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْغَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٠﴾

لِيُثَلَّ هَذَا فَلْيَعْمَلَ الْعَمَلُونَ ﴿٦١﴾

۳۰۔ جنت کے میوے: یعنی عجیب و غریب میوے کھانے کو ملیں گے جن کی پوری صفت تو اللہ ہی کو معلوم ہے، ہاں کچھ مختصر سی بندوں کو بھی بتلا دی ہے جیسے فرمایا لَا مَقْطُوعَةَ وَلَا مَبْنُوعَةَ (واقعہ۔ ۳۳)

۳۱۔ خدا ہی جانے کیا کیا اعزاز اور اکرام ہوں گے۔

۳۲۔ جنت کی شراب: یعنی مزہ و نشاط پورا ہو گا۔ اور دنیا کی شراب میں جو خرابیاں ہوتی ہیں ان کا نام و نشان نہ ہو گا۔ نہ سر گرانی ہو گی، نہ نشہ چڑھے گا، نہ تے آئے گی، نہ پھمپھڑے وغیرہ خراب ہوں گے، نہ اس کی نہریں خشک ہو کر ختم ہو سکیں گی۔

۳۳۔ جنت کی حوریں: یعنی شرم و ناز سے نگاہ نیچی رکھنے والی حوریں جو اپنے ازواج کے سوا کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔

۳۴۔ جنت کی عورتوں کا رنگ: یعنی صاف و شفاف رنگ ہو گا جیسے انڈا جس کو پرند اپنے پروں کے نیچے چھپائے رکھے کہ نہ داغ لگے نہ گرد و غبار پہنچے۔ یا انڈے کے اندر کی سفید تہ جو سخت چھلکے کے نیچے پوشیدہ رہتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں جو بہت خوش رنگ ہوتے ہیں۔ بہر حال تشبیہ صفائی یا خوش رنگ ہونے میں ہے سفیدی میں نہیں چنانچہ دوسری جگہ فرمایا كَأَنَّھُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ (رحمن۔ ۵۸)

۳۵۔ جنت کی مجلسیں: یعنی یاران جلسہ جمع ہوں گے اور شراب طہور کا جام چل رہا ہو گا۔ اس عیش و تنعم کے وقت اپنے بعض گذشتہ حالات کا مذاکرہ کریں گے۔ ایک جنتی کہے گا کہ میں دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا جو مجھے آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے ملامت کیا کرتا اور احمق بنایا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بالکل مہمل بات تھی کہ ایک شخص مٹی میں مل جائے اور گوشت پوست کچھ باقی نہ رہے محض بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں، پھر اسے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے از سر نو زندہ کر دیں؟ بھلا ایسی بے تکی بات پر کون یقین کر سکتا ہے۔

۳۶۔ کافر دوست کے حال کی جستجو: یعنی وہ ساتھی یقیناً دوزخ میں پڑا ہو گا۔ آؤ ذرا جھانک کر دیکھیں کس حال میں ہے۔ (یہ اس جنتی کا مقولہ ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقولہ اللہ کا ہے یعنی حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو)۔

۳۷۔ دوزخ میں اس کا حال: یعنی اس جنتی کو اپنے ساتھی کا حال دکھلایا جائے گا کہ ٹھیک دوزخ کی آگ میں پڑا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر اسے عبرت ہو گی اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان یاد آئے گا کہ بخت! تو نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا۔ محض اللہ کے احسان نے دستگیری فرمائی جو اس مصیبت سے بچالیا اور میرا قدم راہ ایمان و عرفان سے ڈگنے نہ دیا۔ ورنہ آج میں بھی تیری طرح پکڑا ہوا آتا۔ اور اس دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔

۳۸۔ دائمی زندگی پر خوشی کا اظہار: اس وقت فرط مسرت سے کہے گا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس پہلی موت کے سوا جو دنیا میں آچکی اب ہم کو کبھی مرنا نہیں اور نہ کبھی اس عیش و بہار سے نکل کر تکلیف و عذاب کی طرف جانا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت سے اسی تنعم ورفاہیت میں ہمیشہ رہیں گے بے شک بڑی کامیابی اسی کو کہتے ہیں اور یہ ہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کی تحصیل کے لیے چاہئے کہ ہر طرح کی محنتیں اور قربانیاں گوارا کی جائیں۔

۶۲۔ بھلا یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سینہ کا

أَذَلِكْ خَيْرٌ نَزَّلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ ہم نے اس کو رکھا ہے ایک بلا ناظموں کے واسطے

إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑ میں [۳۹]

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾

طَلْعَهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيْطَانِ ﴿٦٥﴾

فَأَنَّهُمْ لَا يَكُونُونَ مِنْهَا فَصَائِلُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾

ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَبِيمٍ ﴿٦٧﴾

ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾

إِنَّهُمْ الْفَوَا أَبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾

فَهُمْ عَلَىٰ أَثَرِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّنْذِرِينَ ﴿٧٢﴾

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿٧٤﴾

۶۵۔ اس کا خوشہ جیسے سر شیطان کے [۳۰]

۶۶۔ سو وہ کھائیں گے اس میں سے پھر بھریں گے اس سے پیٹ

۶۷۔ پھر ان کے واسطے اس کے اوپر ملونی ہے جلتے پانی کی [۳۱]

۶۸۔ پھر ان کو لیجانا آگ کے ڈھیر میں [۳۲]

۶۹۔ انہوں نے پایا اپنے باپ دادوں کو بھگے ہوئے

۷۰۔ سو وہ انہی کے قدموں پر دوڑتے ہیں [۳۳]

۷۱۔ اور بھگ چکے ہیں ان سے پہلے بہت لوگ اگلے

۷۲۔ اور ہم نے بھیجے ہیں ان میں ڈرسانے والے

۷۳۔ اب دیکھ کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا

۷۴۔ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے [۳۴]

۳۹۔ اہل دوزخ کیلئے زقوم کا درخت: اوپر بہشتیوں کی مہمانی کا ذکر تھا۔ یہاں سے دوزخیوں کی مہمانی کا حال سناتے ہیں۔ ”زقوم“ کسی درخت کا نام ہے جو سخت کڑوا، بد ذائقہ ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں شہر، یاسینڈ، دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک درخت اگایا ہے اس کو یہاں ”شجرۃ الزقوم“ سے موسوم کیا۔ وہ ایک بلا ہے ظالموں کے واسطے آخرت میں۔ کیونکہ جب دوزخی بھوک سے بیقرار ہوں گے تو یہ ہی کھانے کو دیا جائے گا۔ اور اس کا حلق سے اتارنا یا اتارنے کے بعد ایک خاص اثر پیدا کرنا سخت تکلیف دہ اور مستقل عذاب ہو گا اور دنیا میں بھی ایک طرح کی بلاء اور آزمائش ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر سن کر گمراہ ہوتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ سبز درخت دوزخ کی آگ میں کیونکر آگا۔ (حالانکہ ممکن ہے اس کا مزاج ہی ناری ہو جیسے آگ کا کیڑا) ”سمندر“ آگ میں زندہ رہتا ہے اور سہارنپور کے کپینی باغ میں بعض درختوں کی تربیت آگ کے ذریعہ سے ہوتی ہے) کسی نے کہا ”زقوم“ فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں انہیں سامنے رکھ کر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں گے۔

۴۰۔ یعنی سخت بدنما شیطان کی صورت، یا شیاطین کہا سانپوں کو۔ یعنی اس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہو گا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے ”ناگ پھن“ کہتے ہیں۔

۴۱۔ اہل دوزخ کے پینے کا پانی: ”ز قوم“ کھا کر پیاس لگے گی تو سخت جلتا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ کر باہر آ پڑیں گی۔ فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (محمد۔ ۱۵) اعاذنا اللہ منہا۔

۴۲۔ یعنی بہت بھوکے ہوں گے تو آگ سے ہٹا کر یہ کھانا پانی کھلا کر پلا کر پھر آگ میں ڈال دیں گے۔

۴۳۔ اندھی تقلید: یعنی پچھلے کافر اگلوں کی اندھی تقلید میں گمراہ ہوئے۔ جس راہ پر انہیں چلتے دیکھا اسی پر دوڑ پڑے کنواں کھائی کچھ نہ دیکھا۔

۴۴۔ یعنی ہر زمانہ میں انجام سے آگاہ کرنے والے اور آخرت کا ڈر سنانے والے آتے رہے۔ آخر جنہوں نے نہ سنا اور نہ مانا دیکھ لو! انکا انجام کیسا ہوا۔ بس اللہ کے وہ ہی چنے ہوئے بندے محفوظ رہے جن کو خدا کا ڈر اور عاقبت کی فکر تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”ڈر سب ہی کو سناتے ہیں ان میں نیک بچتے ہیں اور بد بچتے ہیں“۔ آگے بعض منذرین (بالکسر) اور منذرین (بالفتح) کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ مکذبین کی عبرت اور مومنین کی تسلی کے لئے۔

۷۵۔ اور ہم کو پکارا تھانوح نے سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں ہم پکار پر

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٤٥﴾

۷۶۔ اور بچا دیا اسکو اور اسکے گھر کو اس بڑی گھبراہٹ سے

وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾

۷۷۔ اور رکھا اس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٤٧﴾

۷۸۔ اور باقی رکھا اس پر پچھلے لوگوں میں

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٤٨﴾

۷۹۔ کہ سلام ہے نوح پر سارے جہان والوں میں

سَلَّمَ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٤٩﴾

۸۰۔ ہم یوں بدلا دیتے ہیں نیکی والوں کو

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٠﴾

۸۱۔ وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

۸۲۔ پھر ڈوبا دیا ہم نے دوسروں کو [۴۵]

ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ﴿٥٢﴾

۴۵۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ سے عبرت: تقریباً ہزار سال تک حضرت نوحؑ اپنی قوم کو سمجھاتے اور نصیحت کرتے رہے۔ مگر ان کی شرارت اور ایذا رسانی برابر بڑھتی رہے۔ آخر حضرت نوحؑ نے مجبور ہو کر اپنے بھیجنے والے کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔ رَبَّنَا إِنِّي مَغْلُوبٌ فَأَنْتُمْ أَغْرَبُونَ (قمر۔ ۱۰) اے پروردگار! میں مغلوب ہوں آپ میری مدد کو بھیجنے دیکھ لو کہ اللہ نے ان کی پکار کیسی سنی اور مدد کو کس طرح پہنچا۔

حضرت نوحؑ پر انعامات: نوحؑ کو مع ان کے گھرانے کے رات دن کی ایذا سے بچایا۔ پھر ہولناک طوفان کے وقت انکی حفاظت کی۔ اور تنہا اسکی اولاد سے زمین کو آباد کر دیا۔ اور رہتی دنیا تک اس کا ذکر خیر لوگوں میں باقی چھوڑا۔ چنانچہ آج تک خلقت ان پر سلام بھیجتی ہے اور سارے جہاں میں ”نوح علیہ السلام“ کہہ کر یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ تو نیک بندوں کا انجام ہو اور دوسری طرف ان کے دشمنوں کا حال دیکھو کہ سب کے سب

زبردست طوفان کی نذر کر دیے گئے۔ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ اپنی حماقتوں اور شرارتوں کی بدولت دنیا کا بیڑہ غرق کرا کر رہے۔  
(تنبیہ) اکثر علماء کا قول یہ ہی ہے کہ آج تمام دنیا کے آدمی حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں (سام، حام، یافث) کی اولاد سے ہیں۔ جامع ترمذی کی بعض احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ والتفصیل یطلب من مظانہ۔

۸۳۔ اور اسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیمؑ [۴۶]

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿۸۳﴾

۸۴۔ جب آیا اپنے رب کے پاس لیکر دل نرو گا [۴۷]

إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۸۴﴾

۸۵۔ جب کہا اپنے باپ کو اور اسکی قوم کو تم کیا پوجتے ہو

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿۸۵﴾

۸۶۔ کیا جھوٹ بنائے ہوئے حاکموں کو اللہ کے سوائے چاہتے ہو [۴۸]

أَفِعْبَا إِلَهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿۸۶﴾

۸۷۔ پھر کیا خیال کیا ہے تم نے پروردگار عالم کو [۴۹]

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸۷﴾

۸۸۔ پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں

فَنظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿۸۸﴾

۸۹۔ پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿۸۹﴾

۹۰۔ پھر پھر گئے وہ اس سے پیچھے دے کر

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿۹۰﴾

۹۱۔ پھر جاگھسا ان کے بتوں میں پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے [۵۰]

فَرَاغَ إِلَى إِلَهُهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۹۱﴾

۹۲۔ تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے [۵۱]

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿۹۲﴾

۹۳۔ پھر گھسا ان پر مارتا ہوا دابنے ہاتھ سے [۵۲]

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿۹۳﴾

۹۴۔ پھر لوگ آئے اس پر دوڑ کر گھبراتے ہوئے [۵۳]

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ﴿۹۴﴾

۹۵۔ بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿۹۵﴾

۹۶۔ اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو [۵۴]

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۹۶﴾



۹۷۔ بولے بناؤ اس کے واسطے ایک عمارت پھر ڈالو اس کو آگ کے ڈھیر میں

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُيُوتًا فَأَلْقُوهُ فِي الْبَحْرِ

۹۸۔ پھر چاہئے لگے اس پر برداؤ کرنا پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے [۹۵]

فَارَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ

۴۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ: انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب ایک راہ پر ہیں اور ہر پچھلا پہلے کی تصدیق و تائید کرتا ہے اسی لئے ابراہیم کو نوح (علیہما السلام) کے گروہ سے فرمایا۔ إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (مومنون-۵۲)۔

۴۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قلب سلیم: یعنی ہر قسم کے اعتقادی و اخلاقی روگ سے دل کو پاک کر کے اور دنیوی خرخشوں سے آزاد ہو کر انکسار و تواضع کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑا۔ اور اپنی قوم کو بھی بت پرستی سے باز رہنے کی نصیحت کی۔

۴۸۔ یعنی یہ آخر پتھر کی مورتیاں چیز کیا ہیں جنہیں تم اس قدر چاہتے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لیے۔ کیا سچ مچ ان کے ہاتھ میں جہان کی حکومت ہے؟ یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے مالک ہیں؟ آخر سچے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے حاکموں کی اتنی خوشامد اور حمایت کیوں ہے؟

۴۹۔ یعنی کیا اس کے وجود میں شبہ ہے؟ یا اس کی شان و مرتبہ کو نہیں سمجھتے جو (معاذ اللہ) پتھروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہو۔ یا اس کے غضب و انتقام کی خبر نہیں؟ جو ایسی گستاخی پر جبری ہو گئے ہو۔ آخر بتلاؤ تو سہی تم نے پروردگار عالم کو کیا خیال کر رکھا ہے۔

۵۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توریہ: ان کی قوم میں نجوم کا زور تھا۔ حضرت ابراہیم نے ان کے دکھانے کو تاروں کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں (اور ایسا دنیا میں کون ہے جس کی طبیعت ہر طرح ٹھیک رہے کچھ نہ کچھ عارض اندرونی یا بیرونی لگے ہی رہتے ہیں۔ یہ ہی تکلیف اور بد مزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی ردی حالت دیکھ کر کڑھتے تھے) یا یہ مطلب تھا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں (بیماری نام ہے مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا۔ تو موت سے پہلے ہر شخص کو یہ صورت پیش آنے والی ہے) بہر حال حضرت ابراہیم کی مراد صحیح تھی۔ لیکن ستاروں کی طرف دیکھ کر اِنِّی سَقِیْمٌ کہنے سے لوگ یہ مطلب سمجھے کہ بذریعہ نجوم کے انہوں نے معلوم کر لیا ہے کہ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ایک تہوار میں شرکت کرنے کے لئے شہر سے باہر جا رہے تھے۔ یہ کلام سن کر حضرت ابراہیم کو ساتھ جانے سے معذور سمجھا اور تنہا چھوڑ کر چلے گئے ابراہیم کی غرض یہ ہی تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔ چنانچہ بت خانہ میں جا گھسے اور بتوں کو خطاب کر کے کہا۔ ”یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں کیوں نہیں کھاتے“۔ باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں کی سی ہے۔ (تنبیہ) تقریر بالا سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کا اِنِّی سَقِیْمٌ کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا، ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا۔ اس لئے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں۔ بلکہ ”توریہ“ ہے اور اس طرح کا ”توریہ“ مصلحت شرعی کے وقت مباح ہے۔ جیسے حدیث ہجرت میں مَتَّنَ الرَّجُلُ کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا من الباء اور ابو بکر صدیقؓ نے ایک سوال کے جواب میں کہا رَجُلٌ یَّهْدِیَنِ السَّبِیْلَ ہاں چونکہ یہ توریہ بھی حضرت ابراہیم کے رتبہ بلند کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھا۔ اس لئے بقاعدہ ”حسنات الابرار سنیات المقربین“ حدیث میں اس کو ”ذنب“ قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

جب بتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگا کہ تم بولتے کیوں نہیں۔

۵۱۔ بتوں سے خطاب: یعنی اعضاء اور صورت تو تمہاری انسانوں کی سی بنا دی، لیکن انسانوں کی روح تم میں نہ ڈال سکے پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان، بے حس و حرکت انسان کے سامنے سر بسجود ہوں اور اپنی مہمات میں ان سے مدد طلب کریں؟

۵۲۔ بت شکنی: یعنی زور سے مار مار کر توڑ ڈالا۔ پہلے غالباً سورہ ”انبیاء“ میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے۔

۵۳۔ لوگ جب میلے ٹھیلے سے واپس آئے، دیکھا بت ٹوٹے پڑے ہیں قرآن سے سمجھا کہ ابراہیمؑ کے سوا کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ سب ان کی طرف جھپٹ پڑے۔

۵۴۔ قوم کو توحید کی دعوت: یعنی جس کسی نے بھی توڑا۔ مگر تم یہ احمقانہ حرکت کرتے کیوں ہو؟ کیا پتھر کی بے جان مورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر تیار کی پرستش کے لائق ہو گئی؟ اور جو اللہ تمہارا اور تمہارے ہر ایک عمل و معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے، اس سے کوئی سروکار نہ رہا؟ پیدا تو ہر چیز کو وہ کرے اور بندگی دوسروں کی ہونے لگے۔ پھر دوسرے بھی کیسے جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟

۵۵۔ آگ میں جلانے کی تجویز: جب ابراہیمؑ کی معقول باتوں کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ تجویز کی کہ ایک بڑا آتش خانہ بنا کر ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دو۔ اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت راسخ ہو جائے گی اور بیعت بیٹھ جائے گی۔ کہ ان کے مخالف کا انجام ایسا ہوتا ہے۔ آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے گا مگر اللہ نے ان ہی کو بچا دیکھا۔ ابراہیمؑ پر آگ گلزار کر دی گئی۔ جس سے علی روس الا شہاد ثابت ہو گیا کہ تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب مل کر خدائے واحد کے ایک مخلص بندے کا بال بیکانہ نہیں کر سکتے آگ کی مجال نہیں کہ رب ابراہیمؑ کی اجازت کے بدون ایک ناخن بھی جلا سکے۔

۹۹۔ اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا [۵۶]

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾

۱۰۰۔ اے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا [۵۷]

رَبِّ هَبْ لِي مِن الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾

۱۰۱۔ پھر خوشخبری دی ہم نے اسکو ایک لڑکے کی جو ہو گا تحمل والا [۵۸]

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾

۱۰۲۔ پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو کہا اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو تو کیا دیکھتا ہے بولا اے باپ کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو کوپائے گا اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا [۵۹]

فَلَمَّا بَدَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يُبْنَىٰ إِنَّي أَرَىٰ فِي

النَّمَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۗ قَالَ

يَأَبَتِ افْعَلْ مَا تَأْمُرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ

مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿١٠٢﴾

۱۰۳۔ پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھایا اسکو ماتھے کے بل [۶۰]

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾

۱۰۴۔ اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیمؑ

وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا بُرْهِيمُ ﴿١٠٤﴾

۱۰۵۔ تو نے سچ کر دکھایا خواب [۶۱] ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو

قَدْ صَدَقْتَ الرَّعْيَا إِنَّا كَذَبُكَ نَجْزِي

الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾

۱۰۶۔ بیشک یہی ہے صریح گناہ [۶۲]

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾

۱۰۷۔ اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے بڑا [۶۳]

وَفَدَيْنَهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾

۱۰۸۔ اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾

۱۰۹۔ کہ سلام ہو ابراہیم پر [۶۴]

سَلِّمْ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿١٠٩﴾

۱۱۰۔ ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو

كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٠﴾

۱۱۱۔ وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں [۶۵]

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١١﴾

۱۱۲۔ اور خوشخبری دی ہم نے اسکو اسحق کی جو نبی ہو گانیک بختوں میں [۶۶]

وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٢﴾

۱۱۳۔ اور برکت دی ہم نے اس پر اسحق پر اور دونوں کی اولاد میں نیکی والے ہیں اور بدکار بھی ہیں اپنے حق میں صریح [۶۷]

وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ط وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا

مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿١١٣﴾

۵۶۔ ارادہ ہجرت: جب قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی سختی شروع کی تو حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”شام“ کا راستہ دکھلایا۔

۵۷۔ یعنی کنبہ اور وطن چھوٹا تو اچھی اولاد عطا فرما جو دینی کام میں میری مدد کرے اور اس سلسلہ کو باقی رکھے۔

۵۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق حضرت اسمعیل علیہ السلام ہیں: یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کی دعا مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہ ہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا۔ موجودہ تورات سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پیدا ہوا وہ حضرت اسمعیلؑ ہیں۔ اور اسی لئے ان کا نام ”اسمعیل“ رکھا گیا۔ کیونکہ ”اسمعیل“ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ”سمع“ اور ”ایل“ ”سمع“ کے معنی سننے کے اور ”ایل“ کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سن لی۔ ”تورات“ میں ہے کہ خدا نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اسمعیلؑ کے بارے میں میں نے تیری سن لی۔ اس بناء پر آیت حاضرہ میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسمعیلؑ ہیں۔ حضرت اسحاقؑ نہیں۔ اور ویسے بھی ذبح

وغیرہ کا قصہ ختم کرنے کے بعد حضرت اسحاقؑ کی بشارت کا جداگانہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا لَخِ مَعْلُومِ هُوَا كِه فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ مِیْنِ اِن كِه عِلَاوَه كِی دُوسرے لڑكے كِی بشارت مذكور هے۔ نیز اسحاقؑ كِی بشارت دیتے هونے اِن كِه نبی بنائے جانے كِی بهی خوشخبری دی گئی اور سورة ”هود“ مِیْنِ اِنكے ساتھ ساتھ حضرت یعقوبؑ كا مژده بهی سنایا گیا۔ جو حضرت اسحاقؑ كِه بیٹے هون گے۔ وَ مِنْ ذُرَاةِ اِسْحَاقَ یَعْقُوبَ (هود۔ ۷۱) پھر کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ حضرت اسحاقؑ ذبح ہوں۔ گویا نبی بنائے جانے اور اولاد عطا کئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیے جائیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبح حضرت اسمعیلؑ ہیں جن کے متعلق بشارت ولادت کے وقت نہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیے جانے کا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اس کی متعلقہ رسوم بنی اسمعیلؑ میں برابر بطور وراثت منتقل ہوتی چلی آئیں۔ اور آج بھی اسمعیلؑ کی روحانی اولاد ہی (جنہیں مسلمان کہتے ہیں) ان مقدس یادگاروں کی حامل ہے۔

حضرت اسمعیلؑ کا مقام قربانی: موجودہ تورات میں تصریح ہے کہ قربانی کا مقام ”موار“ یا ”مریا“ تھا۔ یہود و نصاریٰ نے اس مقام کا پتہ بتلانے میں بہت ہی دور از کار احتمالات سے کام لیا ہے حالانکہ نہایت ہی اقرب اور بے تکلف بات یہ ہے کہ یہ مقام ”مروہ“ ہو جو کعبہ کے سامنے بالکل نزدیک واقع ہے اور جہاں سعی بین الصفا والمروة ختم کر کے معتمرین حلال ہوتے ہیں اور ممکن ہے بَدَعًا مَعَهُ السَّعْيُ مِیْنِ اِسی سعی كِی طرف ایما ہوں۔ موطا امام مالک كِی ایک روایت مِیْنِ نبی کریم ﷺ نے ”مروہ“ كِی طرف اشارہ كر كِه فرمایا کہ قربان گاہ یہ ہے۔ غالباً وہ اسی ابراہیمؑ و اسمعیلؑ علیہما السلام كِی قربان گاہ كِی طرف اشارہ ہو گا۔ ورنہ آپ كِه زمانہ مِیْنِ لوگ عموماً مكہ سے تین میل ”منی“ مِیْنِ قربانی كرتے تھے۔ جیسے آج تک كِی جاتی ہے۔ معلوم هوتا ہے کہ ابراہیمؑ كا اصل قربان گاہ ”مروہ“ تھا۔ پھر حجاج اور ذبائح كِی كثرت دیکھ کر منی تک وسعت دیدی گئی۔ قرآن کریم مِیْنِ بهی هَدْيًا بَدَعًا الْكَعْبَةَ (المائدہ۔ ۹۵) اور ثُمَّ مَحَلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ (الحج۔ ۳۳) فرمایا ہے جس سے کعبہ کا قرب ظاہر هوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت اسمعیلؑ ہی ذبح اللہ ہیں: بہر حال قرآن و آثار یہ ہی بتلاتے ہیں کہ ”ذبح اللہ“ وہ ہی اسمعیلؑ تھے جو مکہ مِیْنِ آکر رہے اور وہیں اِن كِی نسل پھیلی۔ تورات مِیْنِ بهی یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اکلوتے اور محبوب بیٹے كِه ذبح كا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلم ہے کہ حضرت اسمعیلؑ حضرت اسحاقؑ سے عمر مِیْنِ بڑے ہیں۔ پھر حضرت اسحاقؑ حضرت اسمعیلؑ كِی موجودگی مِیْنِ اکلوتے کیسے هوسکتے ہیں۔

غلامِ حلیم كِه لفظ سے استدلال: عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابراہیمؑ كِی دعا كِه جواب مِیْنِ جس لڑكے كِی بشارت ملی اسے بِغُلَامٍ حَلِيمٍ کہا گیا ہے۔ لیکن حضرت اسحاقؑ كِی بشارت جب فرشتوں نے ابتداءً خدا كِی طرف سے دی تو بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (الحجر۔ ۵۳) سے تعبیر کیا۔ حق تعالیٰ كِی طرف سے ”حلیم“ كا لفظ ان پر یا کسی اور نبی پر قرآن مِیْنِ کہیں اطلاق نہیں کیا گیا۔ صرف اس لڑكے كو جس كِی بشارت یہاں دی گئی اور اس كِه باپ ابراہیمؑ كو یہ لقب عطا هوا ہے اِنَّ اِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ اَوْ اَاهٌ مُّصِيبٌ (هود۔ ۷۵) اور اِنَّ اِبْرَاهِيمَ لَكَوَاةٌ حَلِيمٌ (توبہ۔ ۱۱۳) جس سے ظاہر هوتا ہے کہ یہ ہی دونوں باپ بیٹے اس لقب خاص سے ملقب كرنے كِه مستحق هونے۔ ”حلیم“ اور ”صابر“ كا مفہوم قریب قریب ہے۔ اسی ”غلامِ حلیم“ كِی زبان سے یہاں نقل کیا۔ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ دُوسری جگہ فرمایا وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِذْرِيسَ وَ ذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ (انبیاء۔ ۸۵) شاید اسی لئے سورة ”مریم“ مِیْنِ حضرت اسمعیلؑ كو ”صادق الوعد“ فرمایا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ كِه وعدہ كو كس طرح سچا كر دکھایا۔ بہر حال ”حلیم“ ”صابر“ ”صادق الوعد“ كِه القاب كا مصداق ایک ہی معلوم هوتا ہے۔ یعنی حضرت اسمعیلؑ۔ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهِمْ مَرْضِيًّا ”سورہ بقرہ“ مِیْنِ تعبیر کعبہ كِه وقت حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ كِی زبان سے جو دعا نقل فرمائی ہے اس مِیْنِ یہ الفاظ بهی ہیں وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمِيْنَ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ۔ ۱۲۸) یعنی اسی مسلم كِه منثیہ كو یہاں قربانی كِه ذكر مِیْنِ فَلَمَّا اَسْلَمَا اِلَى كِه لفظ سے ادا كر دیا۔ اور ان ہی دونوں كِی ذریت كو خصوصی طور پر ”مسلم“ كِه لقب سے نامزد کیا۔ بیشك اس سے بڑھ كر اسلام مِیْنِ تفویض اور

صبر و تحمل کیا ہو گا جو دونوں باپ بیٹے نے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے متعلق دکھلایا۔ یہ اسی اَسَلَمَا کا صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی ذریت کو "امہ مسلمہ" بنا دیا فلہ الحمد علی ذلک۔

۵۹۔ باپ کا بیٹے کو خواب سنانا: جب اسمعیل بڑا ہو کر اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ سکے۔ اور اس کے کام آسکے۔ اس وقت ابراہیمؑ نے اپنا خواب بیٹے کو سنایا۔ تا اس کا خیال معلوم کریں کہ خوشی سے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی کرنی پڑے گی۔ کہتے ہیں کہ تین رات مسلسل یہ ہی خواب دیکھتے رہے۔ تیسرے روز بیٹے کو اطلاع کی، بیٹے نے بلا توقف قبول کیا۔ کہنے لگا کہ ابا جان! (دیر کیا ہے) مالک کا جو حکم ہو کر ڈالیے (ایسے کام میں مشورہ کی ضرورت نہیں۔ امر الہی کے امتثال میں شفقت پدیری مانع نہ ہونی چاہئے) رہا میں! سو آپ ان شاء اللہ دیکھ لیں گے کہ کس صبر و تحمل سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں ہزاروں رحمتیں ہوں ایسے بیٹے اور باپ پر۔

۶۰۔ ذبح عظیم: تابیتے کا چہرہ سامنے نہ ہو۔ مبادا محبت پدیری جوش مارنے لگے کہتے ہیں یہ بات بیٹے نے سکھلائی۔ آگے اللہ نے نہیں فرمایا کہ کیا ماجرا گذرا۔ یعنی کہنے میں نہیں آتا جو حال گذرا اُس کے دل پر اور فرشتوں پر۔

۶۱۔ یعنی بس بس! رہنے دے، تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ مقصود بیٹے کا ذبح کرانا نہیں۔ محض تیرا امتحان منظور تھا۔ سو اس میں پوری طرح کامیاب ہوا۔

۶۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش: "یعنی ایسے مشکل حکم کر کے آزماتے ہیں، پھر ان کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ تب درجے بلند کر دیتے ہیں۔ تورات میں ہے کہ جب ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربان کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ روک لو۔ تو فرشتے نے یہ الفاظ کہے۔ "خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بٹے کو بچا نہیں رکھا۔ میں تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دوں گا" (تورات تکوین اصحاح ۲۲ آیت ۱۵)"

۶۳۔ ذبح کیلئے مینڈھے کا آنا: یعنی بڑے درجہ کا جو بہشت سے آیا، یہ بڑا قیمتی، فربہ، تیار۔ پھر یہ ہی رسم قربانی کی اسمعیلؑ کی عظیم الشان یادگار کے طور پر ہمیشہ کے لئے قائم کر دی۔

۶۴۔ آج تک دنیا ابراہیمؑ کو بھلائی اور بڑائی سے یاد کرتی ہے۔ علی نبینا وعلیہ الف الف سلام و تحیہ۔

۶۵۔ یعنی ہمارے اعلیٰ درجہ کے ایماندار بندوں میں۔

۶۶۔ معلوم ہوا وہ پہلی خوشخبری اسمعیلؑ کی تھی۔ اور سارا قصہ ذبح کا انہی پر تھا۔

۶۷۔ دونوں بیٹوں کی اولاد: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ دونوں کہا دونوں بیٹوں کو۔ دونوں سے بہت اولاد پھیلی۔ اسحاقؑ کی اولاد میں انبیاء بنی اسرائیل پیدا ہوئے۔ اور اسمعیلؑ کی اولاد میں عرب ہیں جن میں ہمارے پیغمبر مبعوث ہوئے۔ یعنی اولاد میں سب یکساں نہیں، اچھے بھی ہیں جو بڑوں کا نام روشن رکھیں اور برے بھی جو اپنی بد کاریوں کی وجہ سے ننگ خاندان کہلانے کے مستحق ہیں۔ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے وَصِنَ ذُرِّيَّتِهِمَا کی ضمیر "ابراہیمؑ" و "اسحاقؑ" کی طرف راجع کی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے "اسمعیلؑ" و "اسحاقؑ" کی طرف راجع کر کے مضمون میں زیادہ وسعت پیدا کر دی۔

۱۱۴۔ اور ہم نے احسان کیا مولیٰ اور ہارون پر

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ

۱۱۵۔ اور بچا دیا ہم نے انکو اور ان کی قوم کو اس بڑی

گھبراہٹ سے [۲۸]

وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ

۱۱۶۔ اور انکی ہم نے مدد کی تو رہے وہی غالب [۶۹]

۱۱۷۔ اور ہم نے دی انکو کتاب واضح [۷۰]

۱۱۸۔ اور سجائی انکو سیدھی راہ [۷۱]

۱۱۹۔ اور باقی رکھان پر پچھلے لوگوں میں کہ

۱۲۰۔ سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر

۱۲۱۔ ہم یوں دیتے ہیں بدلانکی کرنے والوں کو

۱۲۲۔ تحقیق وہ دونوں ہیں ہمارے ایماندار بندوں میں [۷۲]

۶۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام پر اللہ کا احسان: یعنی فرعون اور اسکی قوم کے ظلم و ستم سے نجات دی۔ اور ”بحر قلزم“ سے نہایت آسانی کے ساتھ پار کر دیا۔

۶۹۔ یعنی فرعون یوں کا بیڑا غرق کر کے بنی اسرائیل کو غالب و منصور کیا اور ہالکین کے اموال و املاک کا وارث بنایا۔

۷۰۔ یعنی تورات شریف جس میں احکام الہی بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

۷۱۔ یعنی افعال و اقوال میں استقامت بخشی۔ اور ہر معاملہ میں سیدھی راہ پر چلایا جو عصمت انبیاء کے لوازم میں سے ہے۔

۷۲۔ یعنی ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

۱۲۳۔ اور تحقیق الیاس ہے رسولوں میں

۱۲۴۔ جب اس نے کہا اپنی قوم کو کیا تم کو ڈر نہیں

۱۲۵۔ کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو [۷۳]

۱۲۶۔ جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا [۷۴]

۱۲۷۔ پھر اس کو جھٹلایا سو وہ آنے والے ہیں پکڑے ہوئے [۷۵]

وَنصَرْنُهُمْ فَكَانُوا لَهُمُ الْغُلَبِينَ ﴿١١٦﴾

وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ﴿١١٧﴾

وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١١٨﴾

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْأَخْرَافِ ﴿١١٩﴾

سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٢٠﴾

إِنَّا كَذَّبُكَ نَجْزِي الْبُحْسِنِينَ ﴿١٢١﴾

إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٢﴾

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿١٢٥﴾

اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٢٦﴾

فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٢٧﴾

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے [۷۶]

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹۔ اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں

سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ کہ سلام ہے الیاس پر [۷۷]

إِنَّا كَذَّبُكَ نَجْرَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ ہم یوں دیتے ہیں بدلائیکی کرنے والوں کو

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں

۷۳۔ حضرت الیاس علیہ السلام: حضرت الیاس بعض کے نزدیک حضرت ہارون کی نسل سے ہیں۔ اللہ نے ان کو ملک شام کے ایک شہر "بلعک" کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ "بلع" نامی ایک بت کو پوجتے تھے۔ حضرت الیاس نے ان کو خدا کے غضب اور بت پرستی کے انجام بد سے ڈرایا۔  
۷۴۔ خالق حقیقی صرف اللہ ہے: یعنی یوں تو دنیا میں آدمی بھی تحلیل و ترکیب کر کے بظاہر بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں۔ مگر بہتر بنانے والا وہ ہے جو تمام اصول و فروع، جو اہر و اعراض اور صفات و موصوفات کا حقیقی خالق ہے جس نے تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا پھر یہ کیسے جائز ہو گا کہ اس احسن الخالقین کو چھوڑ کر "بلع" بت کی پرستش کی جائے اور اس سے مدد مانگی جائے جو ایک ذرہ کو ظاہری طور پر بھی پیدا نہیں کر سکتا بلکہ اس کا وجود خود اپنے پرستاروں کا رہن منت ہے۔ انہوں نے جیسا چاہا بنا کر کھڑا کر دیا۔  
۷۵۔ یعنی جھٹلانے کی سزا مل کر رہے گی۔

۷۶۔ یعنی سب نے جھٹلایا۔ مگر اللہ کے چنے ہوئے بندوں نے تکذیب نہیں کی۔ لہذا وہ ہی سزا سے بچے رہیں گے۔

۷۷۔ الیاسین کی تفسیر: "الیاس" کو "الیاسین" بھی کہتے ہیں جیسے "طور سینا" کو "طور سینین" کہہ دیا جاتا ہے۔ یا "الیاسین" سے حضرت الیاس کے تابعین مراد ہوں۔ اور بعض نے "آل یاسین" بھی پڑھا ہے۔ "تو" یا "الیاسین" ان کے باپ کا نام ہو گا۔ یا ان ہی کا نام "الیاسین" اور لفظ آل مقم ہو جیسے کَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ مِثْلَ صَلَّيْتَ عَلَىٰ آلِ أَبِي أَدُوْنِي مِثْلَ هُوَ۔ واللہ اعلم۔

۱۳۳۔ اور تحقیق لوط ہے رسولوں میں سے

وَإِنَّ لُوطًا لِّنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ جب بچا دیا ہم نے اسکو اور اسکے سارے گھر والوں کو

إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ مگر ایک بڑھیا کہ رہ گئی رہ جانے والوں میں [۷۸]

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ پھر جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہم نے دوسروں کو [۷۹]

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۷۔ اور تم گذرتے ہو ان پر صبح کے وقت

وَأَنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۸۔ اور رات بھی پھر کیا نہیں سمجھتے [۸۰]

وَبِالْبَيْلِ ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۳۸﴾

۷۸۔ یعنی ان کی زوجہ جو معذبین کے ساتھ ساز باز رکھتی تھی۔

۷۹۔ یعنی لوط اور اس کے گھر والوں کے سوا دوسرے سب باشندوں پر بستی الٹ دی گئی یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔

۸۰۔ قوم لوط کی بستیاں: یہ مکہ والوں کو فرمایا۔ کیونکہ ”مکہ“ سے ”شام“ کو جو قافلے آتے جاتے تھے، قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں ان کے راستہ سے نظر آتی تھیں۔ یعنی دن رات ادھر گذرتے ہوئے یہ نشان دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت نہیں ہوتی۔ کیا نہیں سمجھتے کہ جو حال ایک نافرمان قوم کا ہو اوہ دوسری نافرمان اقوام کا بھی ہو سکتا ہے۔

۱۳۹۔ اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں سے

وَإِنَّ يُونُسَ لَبِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۹﴾

۱۴۰۔ جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر

إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۱۔ قرعہ ڈلوایا تو نکلا خطاوار [۸۱]

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۲۔ پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا [۸۲]

فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۳۔ پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۱۴۳﴾

۱۴۴۔ تو رہتا اسی کے پیٹ میں جس دن تک مردے زندہ ہوں [۸۳]

لَلْبَيْتِ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۴۴﴾

۱۴۵۔ پھر ڈال دیا ہم نے اس کو چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھا

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۶۔ اور اگایا ہم نے اس پر ایک درخت نیل والا [۸۴]

وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۷۔ اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا اس سے زیادہ [۸۵]

وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۸۔ پھر وہ یقین لائے پھر ہم نے فائدہ اٹھانے دیا انکو ایک وقت تک [۸۶]

فَأَمْنُوا فَتَعْنَهُمْ إِلَى حِينٍ ط ﴿۱۴۸﴾

۸۱۔ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ: کشتی دریا میں چکر کھانے لگی۔ لوگوں نے کہا اس میں کوئی غلام ہے اپنے مالک سے بھاگا ہوا۔ سب کے ناموں پر



کئی مرتبہ قرعہ ڈالا گیا۔ ہر مرتبہ ان کا نام نکلا۔ یہ قصہ سورہ یونس ” اور سورہ انبیاء ” میں مفصل گزر چکا ہے وہاں اس کی تحقیق ملاحظہ کیجئے۔  
 ۸۲۔ الزام یہ ہی تھا کہ خطائے اجتہادی سے حکم الہی کا انتظار کیے بغیر بستی سے نکل پڑے اور عذاب کے دن کی تعیین کر دی۔  
 ۸۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کی نجات کی وجہ: یعنی چونکہ مچھلی کے پیٹ میں بھی اور پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ پاک کو بہت یاد کرتا تھا اس لئے ہم نے اس کو جلدی نجات دیدی۔ ورنہ قیامت تک اس کے پیٹ سے نکلتا نصیب نہ ہوتا مچھلی کی غذا بن جاتے۔ (تنبیہ) لَكَيْتَ فِي بَطْنِهَا أَلَىٰ آخِرِهِ كَنَائِيهٖ هِيَ كَبْحِي نَهٗ نَكْلَنِي سَهٗ۔ اور یہ واقعہ دریائے فرات ”کاہے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی نے لکھا ہے کہ ہم نے خود اس دریا میں بہت بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں تعجب نہ کیا جائے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء۔ ۸۷)۔

۸۴۔ مچھلی کے پیٹ سے نجات اور کدو کی بیل: مچھلی کو حکم ہوا اس نے حضرت یونس کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا غالباً کافی غذا و ہوا وغیرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے بیمار اور نحیف ہو گئے۔ کہتے ہیں دھوپ کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا بدن پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا۔ اللہ کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل آگ آئی اس کے پتوں نے ان کے جسم پر سایہ کر لیا اور اسی طرح قدرت خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔  
 ۸۵۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی تعداد: یعنی اگر صرف عاقل بالغ گنتے تو لاکھ تھے۔ اور اگر سب چھوٹے بڑوں کو شامل گنتے تو زیادہ تھے یا یوں کہو کہ ایک لاکھ سے گزر کر دو لاکھ تک نہیں پہنچتے تھے۔ ہزار کی کسر نہ لگاؤ تو ایک لاکھ کہہ لو۔ اور کسر لگائی جائے تو لاکھ کے اوپر چند ہزار زائد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۸۶۔ قوم یونس علیہ السلام کا ایمان: یعنی ایمان و یقین کی بدولت عذاب الہی سے بچ گئے اور اپنی عمر مقدر تک دنیا کا فائدہ اٹھاتے رہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”وہ ہی قوم جس سے بھاگے تھے ان پر ایمان لارہی تھی۔ ڈھونڈتی تھی کہ یہ جا پہنچے۔ انکو بڑی خوشی ہوئی۔“ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ سورہ یونس اور سورہ انبیاء میں دیکھ لیا جائے۔

۱۴۹۔ اب ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے یہاں بیٹیاں ہیں اور انکے یہاں بیٹے

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿١٤٩﴾

۱۵۰۔ یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت اور وہ دیکھتے تھے

أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿١٥٠﴾

۱۵۱۔ سنتا ہے وہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ

أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ أَفْهِمٍ لِّيقُولُونَ ﴿١٥١﴾

۱۵۲۔ اللہ کے اولاد ہوئی اور وہ بیشک جھوٹے ہیں [۸۷]

وَلَدَ اللَّهُ ۗ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٥٢﴾

۱۵۳۔ کیا اس نے پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے

أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿١٥٣﴾

۱۵۴۔ کیا ہو گیا ہے تم کو کیسا انصاف کرتے ہو

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿١٥٤﴾

۱۵۵۔ کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو [۸۸]

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٥﴾

أَمْ لَكُمْ سُلْطَنٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶۔ یا تمہارے پاس کوئی سند ہے کھلی

فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷۔ تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے [۸۹]

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا ۗ وَقَدْ

۱۵۸۔ اور ٹھہرایا انہوں نے خدا میں اور جنوں میں ناتا اور جنوں کو تو معلوم ہے کہ تحقیق و پکڑے ہوئے آئیں گے

عَلِمَتِ الْجَنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۹۔ اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں [۹۰]

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۵۹﴾

۱۶۰۔ مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے [۹۱]

إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿۱۶۰﴾

۱۶۱۔ سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو

فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۲۔ کسی کو اس کے ہاتھ سے بہکا کر نہیں لے سکتے

مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنِينَ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۳۔ مگر اسی کو جو پہنچنے والا ہے دوزخ میں [۹۲]

إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۴۔ اور ہم میں جو ہے اس کا یک ٹھکانا ہے مقرر [۹۳]

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۵۔ اور ہم ہی ہیں صف باندھنے والے [۹۴]

وَأِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُونَ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۶۔ اور ہم ہی ہیں پاکی بیان کرنے والے [۹۵]

وَأِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۶۶﴾

۸۷۔ فرشتوں کے مؤنث ہونے کا عقیدہ: یعنی انبیاء کا حال تو سن لیا کہ حضرت نوح، ابراہیم، اسمعیل، موسیٰ، ہارون، الیاس، لوط، یونس علیہم السلام سب کی مشکلات اللہ کی امداد و اعانت سے حل ہوئیں۔ کوئی بڑے سے بڑا مقرب اس کی دستگیری سے بے نیاز نہیں۔ اب آگے تھوڑا سا فرشتوں اور جنوں کا حال سن لو۔ جن کی نسبت خدا جانے کیا کیا وہی تباہی عقیدے تراش کر رکھے ہیں۔ چنانچہ عرب کے بعض قبائل کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ جب پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے۔ اس طرح (العیاذ باللہ) خدا کا ناتا جنوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا آگے دونوں کا حال ذکر کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے پہلے بطور توطیہ و تمہید کفار عرب کے اس لچر پوچ عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائے سورت سے اپنی عظمت و وحدانیت کے دلائل اور قصص کے ضمن میں اپنی قدرت قاہرہ کے آثار بیان

کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اب ذرا ان احمقوں سے پوچھئے کیا اتنی بڑی عظمت و قدرت والا خدا۔  
اللہ کی بیٹیوں کا عقیدہ: معاذ اللہ اپنے لئے اولاد بھی تجویز کرتا تو بیٹیاں لیتا اور تم کو بیٹے دیتا۔ ایک تو یہ گستاخی کہ خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کی، پھر اولاد بھی کمزور اور گھٹیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ فرشتوں کو مؤنث (عورت) تجویز کیا۔ جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا، یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا گیا ہے۔ لاجول ولاقوۃ الا باللہ اس جہالت کا کیا ٹھکانہ ہے۔  
۸۸۔ یعنی کچھ تو سوچو۔ عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے۔ ایک غلط عقیدہ بنانا تھا تو ایسا بالکل ہی بے تکا تو نہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرو اور خدا سے بیٹیاں پسند کراؤ۔

۸۹۔ ان عقیدوں کی سند کہاں ہے: یعنی آخر یہ مہمل اور بے تکی بات نکالی کہاں سے۔ عقل و فہم اور علمی اصول سے تو اس کو لگاؤ نہیں۔ پھر کیا کوئی نقلی سند اس عقیدہ کی رکھتے ہو۔ ایسا ہے تو بسم اللہ وہ ہی دکھلاؤ۔

۹۰۔ اللہ اور جنات میں رشتہ داری کا عقیدہ: یعنی احمقوں نے جنوں کے ساتھ معاذ اللہ دامادی کا رشتہ قائم کر دیا۔ سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ موقع ملے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ آؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو پکڑے ہوئے آئیں گے کیا داماد سسرال کے ساتھ یہ ہی معاملہ ہوتا ہے۔ بعض سلف نے نسب سے مراد یہ لی ہے کہ وہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ تعالیٰ کا حریف مقابل سمجھتے تھے۔ جیسے مجوس "یزدان" اور "اہرمن" کے قائل ہیں۔ یعنی ایک نیکی کا خدا دوسرا بدی کا۔

۹۱۔ یعنی جن میں سے ہوں یا آدمیوں میں سے اللہ کے چنے ہوئے بندے ہی اس پکڑ دھکڑ سے آزاد ہیں۔ معلوم ہو اوہاں کسی کا رشتہ نانا نہیں صرف بندگی اور اخلاص کی پوچھ ہے۔

۹۲۔ جنوں کو ہدایت اور گمراہی کا کوئی اختیار نہیں: بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جنوں کے ہاتھ میں بدی کی اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی باگ ہے۔ یہ جس کو چاہیں بھلائی پہنچائیں اور خدا کا مقرب بنا دیں اور وہ جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال دیں یا گمراہ کر دیں۔ شاید ان ہی مفروضہ اختیارات کی بناء پر انہیں اولاد یا سسرال بنایا ہو گا۔ اس کا جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ تم اور جن شیطانوں کو تم پوجتے ہو سب مل کر یہ قدرت نہیں رکھتے کہ بدون مشیت ایزدی ایک متنفس کو بھی زبردستی گمراہ کر سکو۔ گمراہ وہ ہی ہو گا جسے اللہ نے اس کی سوائے استعداد کی بناء پر دوزخی لکھ دیا اور اپنی بدکاری کی وجہ سے از خود دوزخ میں پہنچ گیا۔

۹۳۔ فرشتوں کا اپنے بارے میں کلام: یہ کلام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے گویا ان کی زبان سے فرمایا۔ جیسے بہت جگہ آدمیوں کی زبان سے دعائیں فرمائیں ہیں۔ یعنی ہر فرشتہ کی ایک حد مقرر ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہاں پر فرمایا کہ کافر کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کی عورتوں سے پیدا ہوئیں۔ سو جنوں کو اپنا حال خوب معلوم ہے۔ اور فرشتے یوں کہتے ہیں۔ ان کو بھی حکم الہی سے ذرا تجاوز کرنے کی گنجائش نہیں۔

۹۴۔ یعنی اپنی اپنی حد پر ہر کوئی اللہ کی بندگی اور اس کا حکم سننے کے لئے کھڑا رہتا ہے۔ مجال نہیں آگے پیچھے سرک جائے۔

۹۵۔ یہاں تک فرشتوں کا کلام ختم ہوا۔ آگے اہل مکہ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

۱۶۷۔ اور یہ تو کہا کرتے تھے

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ

۱۶۸۔ اگر ہمارے پاس کچھ احوال ہو تا پہلے لوگوں کا

لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ

۱۶۹۔ تو ہم ہوتے بندے اللہ کے چنے ہوئے

لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْخَالِصِينَ ﴿١٦٩﴾

۱۷۰۔ سو اس سے منکر ہو گئے اب آگے جان لیں گے [۹۶]

فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٧٠﴾

۱۷۱۔ اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو کہ رسول ہیں

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾

۱۷۲۔ بیشک انہی کو مدد دیجاتی ہے

إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿١٧٢﴾

۱۷۳۔ اور ہمارا لشکر جو ہے بیشک وہی کے غالب ہے [۹۷]

وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾

۱۷۴۔ سو تو ان سے پھر آ ایک وقت تک

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٤﴾

۱۷۵۔ اور انکو دیکھتا رہ کہ وہ آگے دیکھ لیں گے [۹۸]

وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾

۱۷۶۔ کیا ہماری آفت کو جلد مانگتے ہیں

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾

۱۷۷۔ پھر جب اترے گی ان کے میدان میں تو بری صبح ہوگی ڈرائے ہوؤں کی [۹۹]

فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٧﴾

۱۷۸۔ اور پھر آن سے ایک وقت تک

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٨﴾

۱۷۹۔ اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے [۱۰۰]

وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٩﴾

۹۶۔ اہل مکہ کا اپنے قول سے انحراف: عرب لوگ انبیاء کے نام سنتے تھے ان کے علم سے خبردار نہ تھے تو یہ کہتے۔ یعنی اگر ہم کو پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوتے یا ہمارے ہاں کوئی کتاب اور نصیحت کی بات اترتی تو ہم خوب عمل کر کے دکھاتے اور معرفت و عبادت میں ترقی کر کے اللہ کے مخصوص بندوں میں شامل ہو جاتے۔ اب جو انکے اندر نبی آیا تو پھر گئے وہ قول و قرار کچھ یاد نہ رکھا سو اس انکار و انحراف کا جو انجام ہونے والا ہے عنقریب دیکھ لیں گے۔

۹۷۔ یعنی یہ بات علم الہی میں ٹھہر چکی ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مدد پہنچاتا ہے۔ اور آخر کار خدائی لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے خواہ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں۔ مگر آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کے لئے ہے۔ باعتبار حجت و برہان کے بھی اور باعتبار ظاہری تسلط و غلبہ کے بھی۔ ہاں شرط یہ ہے کہ ”جنہ فی الواقع“ جند اللہ ”ہو۔

۹۸۔ یعنی ابھی چند روز انہیں کچھ نہ کہئے۔ صبر کے ساتھ آپ ان کا حال دیکھتے رہئے اور یہ اپنا انجام دیکھ لیں گے چنانچہ دیکھ لیا۔

۹۹۔ عذاب میں عجلت کا مطالبہ: شاید فَسَوَفَ يُبْصِرُ ذُنَّ سن کر کہا ہو گا کہ پھر دیر کیا ہے ہم کو ہمارا انجام جلدی دکھلا دو اس کا جواب دیا کہ اپنے اوپر جو آفت لائے جانے کی جلدی مچا رہے ہو، جب وہ آئے گی تو بہت برا وقت ہو گا۔ عذاب الہی اس طرح آئے گا جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہوا ہو اور صبح کے وقت ایک میدان میں اتر کر چھاپہ مار جائے۔ عذاب آنے کے وقت یہ ہی حشر ان لوگوں کا ہو گا جنہیں پہلے سے ڈرنا کر ہشیار کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ وغیرہ میں ایسا ہی ہوا۔

۱۰۰۔ عذاب میں عجلت کا مطالبہ: شاید پہلا وعدہ دنیا کے عذاب کا تھا اور یہ آخرت کے عذاب کا ہو، یعنی آپ دیکھتے جائیے اب آگے چل کر آخرت میں یہ کافر کیا کچھ دیکھتے ہیں۔

۱۸۰۔ پاک ذات ہے تیرے رب کی وہ پروردگار عزت والا پاک ہے ان باتوں سے جو بیان کرتے ہیں

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۷۸۰﴾

۱۸۱۔ اور سلام ہے رسولوں پر

وَسَلَّمَ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۸۱﴾

۱۸۲۔ اور سب خوبی ہے اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ﴿۱۰۱﴾

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۸۲﴾

۱۰۱۔ خاتمہ سورت پر تمام اصولی مضامین کا خلاصہ کر دیا۔ یعنی اللہ کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک اور تمام محاسن و کمالات کی جامع ہے سب خوبیاں اسی کی ذات میں مجتمع ہیں۔ اور انبیاء و رسل پر اس کی طرف سے سلام آتا ہے۔ جو ان کی عظمت و عصمت اور سالم و منصور ہونے کی دلیل ہے۔ (تنبیہ) احادیث سے بعد نماز اور ختم مجلس پر ان آیات کے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے سورہ ہذا کے فوائد کو ان ہی آیات متبرکہ پر ختم کرتا ہوں۔ اے اللہ میرا خاتمہ بھی اسی عقیدہ محکم پر کیجیو۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَ سَلَّمَ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمت فوائد الصَّفَاتِ

ایاتہا ۸۸

۳۸ سُورَةُ صِّ مَكِّيَّةٌ ۳۸

رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ ص۔ قسم ہے اُس قرآن سمجھانے والے کی

صَّ وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ ﴿۱﴾

۲۔ بلکہ جو لوگ منکر ہیں غرور میں ہیں اور مقابلہ میں [۱]

بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا فِی عِزَّةٍ وَشِقَاقِ ﴿۲﴾

۳۔ بہت غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں پھر لگے پکانے اور وقت نہ رہا تھا خلاصی کا [۲]

کَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوا وَوَلَاتَ

حِیْنَ مَنَاصِ ﴿۳﴾

۴۔ اور تعجب کرنے لگے اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ایک ڈر سنانے والا انہی میں سے اور کہنے لگے منکر یہ جادو گر ہے جھوٹا [۳]

وَ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ

الْكَافِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾

۵۔ کیا اس نے کر دی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی یہ بھی ہے بڑے تعجب کی بات

أَجَعَلَ الْإِلَهَةَ الْهَمَّا وَاحِدًا ۗ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ

عُجَابٌ ﴿۵﴾

۶۔ اور چل کھڑے ہوئے کئی بیچ ان میں سے کہ چلو اور جے رہو اپنے معبودوں پر [۴] بیشک اس بات میں کوئی غرض ہے [۵]

وَ انْطَلَقَ الْبَلَاءُ مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلٰی

الْهَتِكُمْ ۗ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ﴿۶﴾

۷۔ یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے دین میں اور کچھ نہیں یہ بنائی ہوئی بات ہے [۶]

مَا سَبَعْنَا بِهَذَا فِی الْبَلَّةِ الْآخِرَةِ ۗ إِنَّ هَذَا إِلَّا

اِخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾

۸۔ کیا اسی پر اتری نصیحت ہم سب میں سے [۴] کوئی نہیں  
ان کو دھوکا ہے میری نصیحت میں کوئی نہیں ابھی انہوں  
نے کچھی نہیں میری مار [۸]

۹۔ کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہربانی کے  
جو کہ زبردست ہے بخشنے والا

۱۰۔ یا ان کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو  
کچھ ان کے بیچ میں ہے تو انکو چاہئے کہ چڑھ جائیں رسیاں  
تان کر [۹]

۱۱۔ ایک لشکر یہ بھی وہاں تباہ ہوا ان سب لشکروں میں [۱۰]

۱۲۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور  
فرعون مینوں والا [۱۱]

۱۳۔ اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ کے لوگ [۱۲] وہ بڑی  
بڑی فوجیں

۱۴۔ یہ جتنے تھے سب نے یہی کیا کہ جھٹلایا رسولوں کو پھر  
ثابت ہوئی میرے طرف سے سزا [۱۳]

۱۵۔ اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ مگر ایک چنگھاڑ کی جو بیچ  
میں دم نہ لے گی [۱۴]

۱۶۔ اور کہتے ہیں اے رب جلد دے ہم کو چھٹی ہماری پہلے  
حساب کے دن سے [۱۵]

ءَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۗ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ  
مِّنْ ذِكْرِي ۚ بَلْ لَّبَّيْذُوقُوا عَذَابِ ۙ

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ  
الْوَهَّابِ ۙ

أَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ  
فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۙ

جُنْدًا مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۙ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ۚ وَآدَمُ ۚ وَفِرْعَوْنُ ذُو  
الْأَوْتَادِ ۙ

وَشُعُوبٌ وَقَوْمٌ لُّوطٍ ۚ وَأَصْحَابُ لَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ  
الْأَحْزَابُ ۙ

إِنْ كُلُّ إِلَّا كَذَّبَ الرَّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۙ

وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهُمِنْ  
فَوَاقِ ۙ

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ قَبْلَ يَوْمِ  
الْحِسَابِ ۙ

۱۔ قرآن کریم نصیحت کو سمجھانے والا ہے: یعنی یہ عظیم الشان، عالی مرتبہ قرآن (جو عمدہ نصیحتوں سے پر، اور نہایت مؤثر طرز میں لوگوں کو ہدایت و معرفت کی باتیں سمجھانے والا ہے) باآواز بلند شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ قرآنی صداقت اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ قرآن کی تعلیم و تفہیم میں کچھ قصور ہے یا حضور پر نور اس کی تبلیغ و تبیین میں معاذ اللہ مقصر ہیں۔ بلکہ انکار و انحراف کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی شیخی، جاہلانہ غرور و نخوت اور معاندانہ مخالفت کے جذبات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ذرا اس دلدل سے نکلیں تو حق و صداقت کی صاف سڑک نظر آئے۔

۲۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت کی وجہ: یعنی ان کو معلوم رہنا چاہئے کہ اسی غرور و تکبر کی بدولت انبیاء اللہ سے مقابلہ ٹھان کر بہت سی جماعتیں پہلے تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ وہ لوگ بھی مدتوں خدا کے پیغمبروں سے لڑتے رہے۔ پھر جب براقت آپڑا اور عذاب الہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو گھبرا کر شور مچانے اور خدا کو پکارنے لگے۔ مگر اس وقت فریاد کرنے سے کیا بنتا۔ رہائی اور خلاصی کا موقع گذر چکا تھا، اور وقت نہیں رہا تھا کہ ان کے شور و بکا کی طرف توجہ کی جائے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار کا اعتراض: یعنی آسمان سے کوئی فرشتہ آتا تو خیر ایک بات تھی۔ ہم ہی میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر ہم کو ڈرانے دھمکانے لگے اور کہے میں آسمان والے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے اب بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ایک جادو کرنے جھوٹا ڈھونگ بنا کر کھڑا کر دیا۔ جادو کے زور سے کچھ کرشمے دکھا کر انہیں معجزہ کہنے لگے اور چند قصے کہانیاں جمع کر کے جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں۔ اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔

۴۔ توحید کے دعویٰ پر کفار کا تعجب اور اعتراض: یعنی اور لیجیے! اتنے بیٹھارے دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرونوں سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب ایک قلم موقوف کر دی جائے گویا ہمارے باپ دادے نے زے جاہل اور بے وقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابوطالب کی بیماری میں ابو جہل وغیرہ چند سرداران قریش نے ابوطالب سے آن کر حضرت ﷺ کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھائیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگے۔ وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلائیے وہ کلمہ کیا ہے، آپ ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ فرمایا زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ یہ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا۔ چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت و حمایت پر جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈا کسی ضعیف الاعتقاد کو قدیم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ ان کی انتھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر و استقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔

۵۔ کفار کا اپنے شرک پر اصرار: یعنی محمد ﷺ جو اس قدر زور و شور اور عزم و استقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ضرور اس میں ان کی کوئی غرض ہے، وہ یہ ہی کہ ایک خدا کا نام لے کر ہم سب کو اپنا محکوم اور مطیع بنالیں اور دنیا کی حکومت و ریاست حاصل کریں۔ سولازم ہے کہ اس مقصد میں ہم انکو کامیاب نہ ہونے دیں۔ بعض مفسرین نے اِنَّ هَذَا النَّصِيحَةَ يُرَادُ كَمَا مَطْلَبُ يَهِيَ كَمَا بِيَشَكُّ يَهِيَ وَهِيَ حَيْثُ جَسَّ كَامُحَمَّدٍ ﷺ ارادہ ہی کر چکے ہیں۔ کسی طرح اس سے ہٹنے والے نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ بات (معلوم ہوتا ہے) ہونیوالی ہے۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے کہ دنیا میں انقلاب ہو۔ لہذا جہاں تک ہو سکے صبر و تحمل سے اپنے قدیم دین و آئین کی حفاظت کرتے رہو۔ یا ممکن



ہے ازراہ تحقیر کہا ہو کہ بیشک محمد (ﷺ) کے ارادے سب کچھ ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ آدمی جو ارادہ اور تمنا کرے وہ پوری ہو۔ چاہئے کہ ہم ان کے مقابلہ میں قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔

۶۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”پچھلا دین کہتے تھے اپنے باپ دادوں کو۔ یعنی آگے تو سنے ہیں کہ اگلے ایسی باتیں کہتے تھے پر ہمارے بزرگ تو یوں نہیں کہہ گئے“ اور ممکن ہے پچھلے دین سے عیسائی مذہب مراد ہو۔ جیسا کہ اکثر سلف کا قول ہے۔ یعنی نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں انکو بھی ہم نے نہیں سنا کہ سب خداؤں کو ہٹا کر ایک ہی خدا رہنے دیا ہو۔ آخر وہ بھی تین خدا تو ماننے ہیں اور آنحضرت (ﷺ) کو رسول نہیں ماننے۔ اگر پہلی کتابوں میں کچھ اصل ہوتی تو وہ ضرور قبول کرتے۔ معلوم ہوا کہ محض گڑھی ہوئی بات ہے۔ العیاذ باللہ۔

۷۔ رسالت کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب پر اعتراض: یعنی اچھا قرآن کو اللہ کا کلام مان ہی لو اور یہ بھی نہ سہی کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جاتا مگر یہ کیا غضب ہے کہ ہم سب میں سے محمد (ﷺ) ہی کا انتخاب ہوا۔ کیا سارے ملک میں ایک یہ ہی اس منصب کے لئے رہ گئے تھے؟ اور کوئی بڑا رئیس مالدار خدا کو نہ ملتا تھا جس پر اپنا کلام نازل کرتا۔

۸۔ کفار کو حق تعالیٰ کی تنبیہ: یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی نامعقول یا وہ گوئی کا جواب ہوا۔ یعنی ان کی یہ خرافات کچھ نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ابھی ہماری نصیحت کے متعلق ان کو دھوکا لگا ہوا ہے وہ یقین نہیں رکھتے کہ جس خوفناک مستقبل سے آگاہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور پیش آکر رہے گا۔ کیونکہ ابھی تک انہوں نے خدا کی مار کا مزہ نہیں چکھا۔ جس وقت خدائی مار پڑے گی تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

۹۔ حکومت و خزانہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں: یعنی رحمت کے خزانے اور آسمان و زمین کی حکومت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ زبردست ہے اور بڑی بخشش والا ہے جس پر جو انعام چاہے کرے۔ کون روک سکتا ہے یا کتہ چینی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی حکمت و دانائی سے کسی بشر کو منصب نبوت و رسالت پر سرفراز فرماتا ہے تو تم دخل دینے والے کون ہو کہ صاحب اس پر یہ مہربانی فرمائی ہم پر نہ فرمائی کیا رحمت کے خزانوں اور زمین و آسمان کی حکومت کے تم مالک و مختار ہو جو اس قسم کے لغو اعتراضات کرتے ہو۔ اگر ہو تو اپنے تمام اسباب و وسائل کو کام میں لے آؤ اور رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ تاکہ وہاں سے محمد (ﷺ) پر وحی کا آنا بند کر سکو اور علویات پر قابض ہو کر اپنی مرضی و منشاء کے موافق آسمان و زمین کے انتظام و تدبیر کا کام انجام دے سکو۔ اگر اتنا نہیں کر سکتے تو آسمان و زمین کی حکومت اور خزانہ رحمت کی مالکیت کا دعویٰ عبث ہے۔ پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا بجز بیجیائی یا جنون کے اور کیا ہو گا۔ ایاز قدر خود بشناس۔

۱۰۔ کفار شکست خوردہ گروہ ہے: یعنی کچھ بھی نہیں۔ زمین و آسمان کی حکومت اور خزانوں کے مالک تو یہ بیچارے کیا ہوتے۔ چند ہزیمت خوردہ آدمیوں کی ایک بھڑ ہے جو اگلی تباہ شدہ قوموں کی طرح تباہ و برباد ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ منظر ”بدر“ سے لیکر ”فتح مکہ“ تک لوگوں نے دیکھ لیا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی اگلی قومیں برباد ہوئیں۔ اگر چڑھ جائیں تو ان میں ایک یہ بھی برباد ہوں“۔ گویا اس آیت کا ربط ماقبل سے بتلادیا۔ واللہ اعلم۔

۱۱۔ میٹوں والا فرعون: یعنی بہت زور و قوت اور لاؤ لشکر والا جس نے دنیا میں اپنی سلطنت کے کھونٹے گاڑ دیے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو چومینا کر کے مارتا تھا اس سے اس کا نام ”ذوالاتاد“ (میٹوں والا) پڑ گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۲۔ یعنی حضرت شعیب جن کی طرف مبعوث ہوئے۔

۱۳۔ یعنی یہ بڑی بڑی طاقتور فوجیں بھی رسولوں کو جھٹلا کر سزا سے نہ بچ سکیں۔ تمہاری تو حقیقت کیا ہے۔

۱۴۔ یعنی صورت کی آواز کے منتظر ہیں۔ پوری سزا اس وقت ملے گی اور ممکن ہے ”صیغہ“ سے یہیں کی ایک ڈانٹ مراد ہو۔

۱۵۔ وعدہ قیامت پر استہزاء: یعنی جب وعدہ قیامت سنتے مسخر اپن سے کہتے کہ ہم کو تو اس وقت کا حصہ ابھی دیدیتے ابھی ہم اپنا اعمال نامہ دیکھ لیں اور ہاتھ کے ہاتھ سزا جزاء سے فارغ ہو جائیں۔

۱۷۔ تو تخیل کرتا رہ اس پر جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد قوت والے کو وہ تھار جوع رہنے والا [۱۶]

إِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَادْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٧﴾

۱۸۔ ہم نے تابع کیے پہاڑ اس کے ساتھ پاکی بولتے تھے شام کو اور صبح کو [۱۷]

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحُنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور اڑتے جانور جمع ہو کر سب تھے اس کے آگے رجوع رہتے [۱۸]

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور قوت دی ہم نے اسکی سلطنت کو [۱۹] اور دی اس کو تدبیر اور فیصلہ کرنا بات کا [۲۰]

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

۱۶۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”اس جگہ ان کو (داؤد کا قصہ) یاد دلوا یا کہ انہوں نے بھی ”طالوت“ (عہد) حکومت میں بہت صبر کیا۔ آخر حکومت ان کو ملی اور (جالوت وغیرہ) مخالفوں کو جہاد سے زیر کیا۔ یہ ہی نقشہ ہوا ہمارے پیغمبر کا۔ (تنبیہ) ”ذوالاید“ کا ترجمہ حضرت شاہ صاحب نے ”ہاتھ کے بل والا“ کیا ہے۔ یعنی قوت سلطنت، یا ادھر اشارہ ہو کہ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا، یا ”ہاتھ کا بل“ یہ کہ سلطنت کا مال نہ کھاتے اپنے دست و بازو سے کسب کر کے کھاتے۔ اور ”اؤاب“ یعنی ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع رہتے تھے۔

۱۷۔ یعنی صبح و شام حضرت داؤد تسبیح پڑھتے، پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اس کے متعلق کچھ مضمون سورہ ”سبا“ میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۱۸۔ یاسب اس کے ساتھ مل کر اللہ کی طرف رجوع رہتے کما قال بعض المفسرین۔

۱۹۔ یعنی دنیا میں اس کی سلطنت کی دھاک بٹھلا دی تھی اور اپنی اعانت و نصرت سے مختلف قسم کی کثیر التعداد فوجیں دیکر خوب اقتدار جمادیا تھا۔ ۲۰۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا کمال خطابت: یعنی بڑے مدبر و دانا تھے۔ ہر بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی تھی۔ بہر حال حق تعالیٰ نے ان کو نبوت، حسن تدبیر، قوت فیصلہ اور طرح طرح کے علمی و عملی کمالات عطا فرمائے تھے۔ لیکن امتحان و ابتلاء سے وہ بھی نہیں بچے۔ جس کا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔

۲۱۔ اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی جب دیوار کو در آئے عبادت خانہ میں

وَهَلْ أَتَاكَ نَبْوُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْبَحْرَابَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ جب گھس آئے داؤد کے پاس تو ان سے گھبرایا [۲۱]

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ ففَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا

وہ بولے مت گھبراہم دو جھگڑتے ہیں زیادتی کی ہے ایک نے دوسرے پر سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ [۲۲]

تَخَفْ خَصْمِنِ بَغِي بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاِحْكَمْ  
بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تَشْطِطْ وَاهِدِنَا إِلَى سَوَاءِ

الصِّمَاتِ ۲۲

۲۳۔ یہ جو ہے بھائی ہے میرا اس کے یہاں ہیں ننانوے دنییاں اور میرے یہاں ہیں ایک دنی پھر کہتا ہے حوالہ کر دے میرے وہ بھی اور زبردستی کرتا ہے مجھ سے بات میں [۲۳]

إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعَجَةً وَإِي  
نَعَجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي

الْخِطَابِ ۲۳

۲۴۔ بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنی ملانے کو اپنی دنیوں میں [۲۴] اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کئے نیک اور تھوڑے لوگ ہیں ایسے [۲۵] اور خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گر پڑا جھک کر اور رجوع ہوا

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۗ  
وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ  
بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ  
قَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّهٗ فَاسْتَغْفَرَ

رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۚ السَّجْدَةِ ۲۴

۲۵۔ پھر ہم نے معاف کر دیا اسکو وہ کام [۲۶] اور اس کے لیے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ [۲۷]

فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكُ ۗ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ

مَابٍ ۲۵

۲۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی تقسیم اوقات: حضرت داؤد نے تین دن کی باری رکھی تھی۔ ایک دن دربار اور فصل خصومات کا، ایک دن اپنے اہل و عیال کے پاس رہنے کا، ایک دن خالص اللہ کی عبادت کا۔ اس دن خلوت میں رہتے تھے۔ دربان یا کسی کو آنے نہ دیتے۔ ایک دن عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ کئی شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس آکھڑے ہوئے داؤد باوجود اپنی قوت و شوکت کے یہ ناگہانی ماجرا دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق ہے۔ آدمی ہیں تو ناوقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو

اتنی اونچی دیواروں کو پھاندنے کی کیا سبیل کی ہوگی خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں۔ غرض اچانک یہ عجیب و مہیب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف بٹ گیا اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے، قائم نہ رہ سکی۔

۲۲۔ ایک عجیب مقدمہ: آنے والوں نے کہا کہ آپ گھبرائیے نہیں اور ہم سے خوف نہ کھائیے۔ ہم دونوں فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ہم میں منصفانہ فیصلہ کر دیجئے۔ کوئی بے راہی اور ٹالنے کی بات نہ ہو۔ ہم عدل و انصاف کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لیے آئے ہیں (شاید گفتگو کا یہ عنوان دیکھ کر حضرت داؤدؑ اور زیادہ متعجب ہوئے ہوں)۔

۲۳۔ یعنی جھگڑا یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دنییاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی کسی طرح مجھ سے چھین کر اپنی سوپوری کر لے۔ اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جیسے مال میں یہ مجھ سے زیادہ ہے بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے جب بولتا ہے تو مجھ کو دبا لیتا ہے اور لوگ بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملادیتے ہیں۔ غرض میرا حق چھیننے کے لئے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔

۲۴۔ حضرت داؤدؑ نے بقاعدہ شریعت ثبوت وغیرہ طلب کیا ہوگا۔ آخر میں یہ فرمایا کہ بیشک (اگر یہ تیرا بھائی ایسا کرتا ہے تو) اس کی زیادتی اور ناانصافی ہے۔ چاہتا ہے کہ اس طرح اپنے غریب بھائی کا مال ہڑپ کر جائے۔ (مطلب یہ کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے)۔

۲۵۔ یعنی شرکاء کی عادت ہے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی، قوی حصہ دار چاہتا ہے کہ ضعیف کو کھا جائے۔ صرف اللہ کے ایماندار اور نیک بندے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مگر وہ دنیا میں بہت ہی تھوڑے ہیں۔

۲۶۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان: یعنی اس قصہ کے بعد داؤدؑ کو تنبیہ ہوا کہ میرے حق میں یہ ایک فتنہ اور امتحان تھا۔ اس خیال کے آتے ہی اپنی خطا معاف کرنے کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ خدا کے سامنے جھک پڑے۔ آخر خدا نے ان کی وہ خطا معاف کر دی۔ داؤدؑ کی وہ خطا کیا تھی؟ جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے لمبے چوڑے قصے بیان کیے ہیں۔ مگر حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ ان کی نسبت لکھتے ہیں۔ قد ذکر البفسون لھنا قصۃ اکثرھا ماخوذ من الاسماء الیللیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یوجب اتباع۔ اور حافظ ابو محمد ابن حزم نے کتاب الفصل میں بہت شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے۔ باقی ابوحیان وغیرہ نے ان قصوں سے علیحدہ ہو کر آیات کا جو محمل بیان کیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔ ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے جو ابن عباس سے منقول ہے۔ یعنی داؤدؑ کو یہ ابتلاء ایک طرح کے عجب کی بناء پر پیش آیا۔ صورت یہ ہوئی کہ داؤدؑ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤدؑ کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (یعنی نماز یا تسبیح و تکبیر) میں مشغول نہ رہتا ہو۔ (یہ اس لئے کہا کہ انہوں نے روز و شب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تا ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے) اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں (شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی، ارشاد ہوا کہ داؤدؑ یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ اگر میری مدد نہ ہو تو تو اس چیز پر قدرت نہیں پاسکتا۔ (ہزار کوشش کرے نہیں بھاسکے گا) قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹا لوں گا۔ دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے) داؤدؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار مجھ اس کی خبر کر دیجئے بس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ (اخراج ہذا الاثر الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقربہ الذہبی فی التلخیص) یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کو نوحیت صرف اسی قدر ہونی چاہئے کہ جس وقت داؤدؑ عبادت میں مشغول ہوں باوجود پوری کوشش کے مشغول نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤدؑ کو گھبرا دیا اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا۔ بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤدؑ کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے۔ تب داؤدؑ کو خیال ہوا کہ

اللہ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا لفظ ”فتنہ“ کا اطلاق اس جگہ تقریباً ایسا سمجھو جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں قمیص پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے آرہے تھے حضور ﷺ نے ممبر پر دیکھا اور خطبہ قطع کر کے ان کو اوپر اٹھالیا اور فرمایا صدق اللہ انسا اموالکم اولادکم فتنۃ بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے کہتا ہے کہ ”اے پروردگار! میں نے یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا، میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا۔“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اور میں نے تیری مدد کی اور میں نے تجھ کو توفیق دی۔“ اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے پروردگار تو نے مدد کی، تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا۔“ تو اللہ کہتا ہے ”اور تو نے عمل کیا تو نے ارادہ کیا تو نے یہ نیکی کمائی“ (مدارج السالکین ص ۱۷۹۹) اسی سے سمجھ لو کہ حضرت داؤدؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلاتے ہوئے یہ فرمانا کہ اے پروردگار! رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں میں یا میرے متعلقین تیری عبادت میں مشغول نہ رہتے ہوں کیسے پسند آسکتا تھا۔ بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک آزمائش میں مبتلا کر دیے گئے تا متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا تدارک کریں۔ چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا۔ میرے نزدیک آیت کی بے تکلف تقریر یہ ہی ہے باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی مشہور قصہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ موضح القرآن میں دیکھ لیا جائے۔

۲۷۔ یعنی بدستور مقرب بارگاہ ہیں اس غلطی سے تقرب اور مرتبہ میں فرق نہیں آیا۔ صرف تھوڑی سی تنبیہ کر دی گئی۔ کیونکہ مقررین کی چھوٹی غلطی بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ ”حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَنِيَاتُ الْمُقَرَّبِينَ“

گرچہ یک مُوبد گنہ کر جستہ بود لیک آں مودر دودیدہ رستہ بود  
بود آدم دیدہ نور قدیم موعے در دیدہ بود کوہ عظیم

۲۶۔ اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے مقرر جو لوگ بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے ان کے لئے سخت عذاب ہے [۲۸] اسی بات پر کہ بھلایا انہوں نے دن حساب کا [۲۹]

يٰۤاٰدٰوُدْ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ

الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

۲۸۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت ارضی کی عطا: یعنی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنا لیا لہذا اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ شریعت الہی کے موافق کرتے رہو۔ کبھی کسی معاملہ میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ یہ چیز آدمی کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے۔ اور جب انسان اللہ کی راہ سے بہرے کا تو پھر ٹھکانہ کہاں۔

۲۹۔ یعنی عموماً خواہشات نفسانی کی پیروی اسی لئے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات مستحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم نہ رکھے (تنبیہ) ممکن ہے کہ یَوْمَ الْحِسَابِ کا تعلق لُحْمٌ عَذَابٌ شَدِيْدٌ کے ساتھ ہو۔ نَسُوْا کے ساتھ نہ ہو۔ یعنی اللہ کے احکام بھلا دینے کے سبب سے ان پر سخت عذاب ہو گا حساب کے دن۔

۲۷۔ اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو ان کے بچ میں ہے نکما یہ خیال ہے ان کا جو منکر ہیں سو خرابی ہے منکروں کے لیے آگ سے [۳۰]

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا  
بَاطِلًا ۗ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ  
كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ کیا ہم کر دیں گے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں برابر ان کے جو خرابی ڈالیں ملک میں کیا ہم کر دیں گے ڈرنے والوں کو برابر ڈھیٹھ لوگوں کے [۳۱]

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ  
كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تا دھیان کریں لوگ اسکی باتیں اور تا سمجھیں عقل والے [۳۲]

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ ۖ  
لِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ اس زندگی کا اصل مقصد: یعنی جس کا آگے کچھ نتیجہ نہ نکلے۔ بلکہ اس دنیا کا نتیجہ ہے آخرت، لہذا یہاں رہ کر وہاں کے لئے کچھ کام کرنا چاہئے اور کام یہ ہی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی چھوڑ کر حق و عدل کے اصول پر کار بند ہو۔ اور خالق و مخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس دنیا کی زندگی ہے۔ کھاپی کر ختم کر دیں گے۔ آگے حساب کتاب کچھ نہیں۔ یہ خیالات تو ان کے ہیں جنہیں موت کے بعد دوسری زندگی سے انکار ہے۔ سو ایسے منکروں کے لئے آگ تیار ہے۔

۳۱۔ مومن اور مفسد برابر نہیں ہو سکتے: یعنی ہمارے عدل و حکمت کا اقتضاء یہ نہیں کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کر دیں یا ڈرنے والوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنے لگیں جو ڈھیٹ اور نڈر لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اسی لئے ضرور ہوا کہ کوئی وقت حساب و کتاب اور جزا سزا کا رکھا جائے۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک اور ایماندار آدمی قسم قسم کی مصائب و آفات میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بد معاش بیحیامزے چین اڑاتے ہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی جو خبر منجر صادق نے دی ہے عین مقضائے حکمت ہے۔ وہاں ہی ہر نیک و بد کو اس کے برے بھلے کام کا بدلہ ملے گا۔ پھر ”یوم الحساب“ کی خبر کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

۳۲۔ مبارک کتاب: یعنی جب نیک اور بد کا انجام ایک نہیں ہو سکتا تو ضرور تھا کہ کوئی کتاب ہدایت مآب حق تعالیٰ کی طرف سے آئے جو لوگوں کو خوب معقول طریقہ سے ان کے انجام پر آگاہ کر دے۔ چنانچہ اس وقت یہ کتاب آئی جس کو قرآن مبین کہتے ہیں۔ جس کے الفاظ، حروف، نقوش اور معانی و مضامین ہر چیز میں برکت ہے۔ اور جو اسی غرض سے اتاری گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور عقل رکھنے والے اسکی نصیحتوں سے منتفع ہوں چنانچہ اس آیت سے پہلے ہی آیت میں دیکھ لو کس قدر، صاف، فطری اور معقول طریقہ سے مسئلہ معاد کو حل کیا ہے کہ تھوڑی عقل والا بھی غور کرے تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ (تنبیہ) شاید ”تدبر“ سے قوت عملیہ کی اور ”تذکر“ سے قوت عملیہ کی تکمیل کی

طرف اشارہ ہو۔ یہ سب باتیں حضرت داؤد کے تذکرہ کے ذیل میں آگئی تھیں۔ آگے پھر ان کے قصہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔

۳۰۔ اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان [۳۳] بہت خوب بندہ وہ ہے از رجوع رہنے والا

وَهَبْنَا لِداوُدَ سُلَيْمَانَ نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهٗ

اَوَّابٌ ۳۰

۳۱۔ جب دکھانے کو لائے اسکے سامنے شام کو گھوڑے بہت خاصے

اِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشيِّ الصُّفُنُتُ الْجِيَادُ ۳۱

۳۲۔ تو بولا میں نے دوست رکھ مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں

فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّیْ ۳۲

حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۳۲

۳۳۔ پھیر لاؤ ان کو میرے پاس پھر لگا جھاڑنے انکی پنڈلیاں اور گردنیں [۳۳]

رُدُّوْهَا عَلَیَّ ۳۳ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَ

الْاَعْنَاقِ ۳۳

۳۳۔ یعنی سلیمان بیٹا دیا جو انہی کی طرح نبی اور بادشاہ ہو۔

۳۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور جہاد کے گھوڑے: یعنی نہایت اصیل، شائستہ اور تیز و سبک رفتار گھوڑے جو جہاد کے لئے پرورش کئے گئے تھے ان کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کا معائنہ کرتے ہوئے دیر لگ گئی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ شاید اسی شغل میں عصر کے وقت کا وظیفہ بھی نہ پڑھ سکے ہوں۔ اس پر کہنے لگے کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ایک طرف ذکر اللہ (یا خدا) سے بظاہر علیحدگی رہی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی اسی کی یاد سے وابستہ ہے۔ جب جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے تو اس کے معدّات و مبادی کا تفقّد کیسے ذکر اللہ کے تحت میں داخل نہ ہو گا۔ آخر اللہ تعالیٰ جہاد اور آلات جہاد کے مہیا کرنے کی ترغیب نہ دیتا تو اس مال نیک سے ہم اس قدر محبت کیوں کرتے۔ اسی جذبہ جہاد کے جوش و افراط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر واپس لاؤ۔ چنانچہ واپس لائے گئے اور حضرت سلیمانؑ غایت محبت و اکرام سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ آیت کی یہ تقریر بعض مفسرین نے کی ہے۔ اور لفظ حُبِّ الْخَيْرِ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ گویا خیر کا لفظ اس مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو نبی کریم ﷺ نے حدیث میں فرمایا الْخَيْرُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهِ الْخَيْرُ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

اس آیت کی دوسری تفسیر: لیکن دوسرے علماء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہو کر اس وقت کی نماز یا وظیفہ سے ذہول ہو گیا (اور ذہول و نسیان انبیاء کے حق میں محال نہیں) فرمایا کہ دیکھو! مال کی محبت نے مجھ کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا حتیٰ کہ غروب آفتاب تک میں اپنا وظیفہ ادا نہ کر سکا۔ یہ مانا کہ اس مال کی محبت میں بھی ایک پہلو عبادت کا اور خدا کی یاد کا تھا۔ مگر خواص و مقررین کو یہ فکر بھی رہتی ہے کہ جس عبادت کا جو وقت مقرر ہے اس میں تخلف نہ ہو۔ اور ہوتا ہے تو صدمہ اور قلق سے بے چین ہو جاتے ہیں۔ (گو عذر سے ہو) گرزباغ دل خلالے کم بود، بردل سالک ہزاراں غم بود۔ "غزوہ خندق" میں دیکھ لو نبی کریم ﷺ کی کئی نمازیں قضا ہو

گئیں۔ باوجودیکہ آپ عین جہاد میں مشغول تھے اور کسی قسم کا کذب آپ پر نہ تھا، لیکن جن کفار کے سبب سے ایسا پیش آیا آپ ان کے حق میں مَلَا اللّٰهُ بِيَوْمَتَهُمْ وَقُبُورُهُمْ نَارًا وَغَيْرِهِ کے الفاظ سے بددعا فرما رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ بھی ایک موقت عبادت کے فوت ہو جانے سے بیتاب ہو گئے۔ حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ (جو یاد الہی کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں) جب لائے گئے تو شدت غیرت اور غلبہ حب الہی میں تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں۔ تا سبب غفلت کو اپنے سے اس طرح علیحدہ کر دیں کہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہو جائے۔ شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہوگی اور ان کے پاس گھوڑے وغیرہ اس کثرت سے ہوں گے کہ ان چند گھوڑوں کے قربان کرنے سے مقصد جہاد میں کوئی خلل نہ پڑتا ہو گا۔ اور لَفْظُ فَطَفِقَ مَسْحًا سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ سب گھوڑوں کو قتل ہی کر گزرے ہوں۔ محض اتنا ہے کہ یہ کام شروع کر دیا واللہ اعلم۔ اس تقریر کی تائید ایک حدیث مرفوعہ سے ہوتی ہے۔ جو طبرانی نے باسناد حسن ابی بن کعب سے روایت کی ہے (راجع روح المعانی وغیرہ)۔

۳۳۔ اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا [۳۵]

### جَسَدًا ثَمَّ اَنَابَ ﴿۳۳﴾

۳۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان: حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا (جو تعداد میں ستر یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتے نے القاء کیا کہ ”ان شاء اللہ“ کہہ لیجئے۔ مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا۔ صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہ ہی ادھورا بچہ ان کے تخت پر لا کر ڈال دیا۔ کہ لو! یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے (اسی کو یہاں ”جسد“ (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمانؑ ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور ”ان شاء اللہ“ نہ کہنے پر استغفار کیا۔ نزدیکان راہیں بود حیرانی۔ حدیث میں ہے کہ اگر ”ان شاء اللہ“ کہہ لیتے تو بیشک اللہ ویسا ہی کر دیتا جو ان کی تمنا تھی۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت سے بے سرو پا قسے سلیمانؑ کی انگشتی اور جنوں کے نقل کئے ہیں جسے دلچسپی ہو کتب تفسیر میں دیکھ لے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں وقد رُویت ہذا القصة مطولة عن جماعة من السلف رضی اللہ عنہم وکلہا متلقاة من قصص اهل الكتاب۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۳۵۔ بولا اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو کسی کو میرے پیچھے بیشک تو ہے سب کچھ بخشنے والا [۳۶]

### قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ پھر ہم نے تابع کر دیا اسکے ہوا کو چلتی تھی اس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتا

### اَصَابَ ﴿۳۶﴾



۳۷۔ اور تابع کر دیے شیطان سارے عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے [۳۷]

۳۸۔ بہت سے اور جو باہم جکڑے ہوئے ہیں بیڑیوں میں [۳۸]

۳۹۔ یہ ہے بخشش ہماری اب تو احسان کریا رکھ چھوڑ کچھ حساب نہ ہوگا [۳۹]

۴۰۔ اور اس کا ہمارے یہاں مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ [۴۰]

وَالشَّيْطٰنِ كُلِّ بِنَآءٍ وَّ غَوَاصٍ ﴿۳۷﴾

وَالْآخِرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾

هٰذَا عَطَاؤُنَا فَاَمْنٌ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَلْزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَّآبٍ ﴿۴۰﴾

۳۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا: یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت عنایت فرما جو میرے سوا کسی کو نہ ملے نہ کوئی دوسرا اس کا اہل ثابت ہو یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو حوصلہ نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اجابت کا وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی وہ دعا ضرور ہی قبول کریں گے۔ شاید حضرت سلیمان کی یہ وہی دعا ہو۔ آخر نبی زادے اور بادشاہ زادے تھے۔ دعائیں بھی یہ رنگ رہا۔ کہ بادشاہت ملے اور اعجازی رنگ کی ملے۔ وہ زمانہ ملوک اور جبارین کا تھا، اس حیثیت سے بھی یہ دعا مذاق زمانہ کے موافق تھی اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ملک حاصل کرنے سے اپنی شوکت و حشمت کا مظاہرہ کرنا نہیں۔ بلکہ اس دین کا ظاہر وغالب کرنا اور قانون ساوی پھیلانا ہوتا ہے۔ جس کے حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ لہذا اس کو دنیا داروں کی دعا پر قیاس نہ کیا جائے۔

۳۷۔ جنات اور ہواؤں کی تسخیر: یعنی جن ان کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور موتی وغیرہ نکالنے کے لئے دریاؤں میں غوطے لگاتے تھے۔ ہو اور جنات کے تابع کرنے کے متعلق پہلے سورہ "سبا" وغیرہ میں کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔

۳۸۔ یعنی بہت سے جنات اور تھے جن کو سرکشی اور شرارت و تمرد کی وجہ سے قید کر کے ڈال دیا تھا۔

۳۹۔ یعنی کسی کو بخشش دو یا نہ دو تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا، اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیاوی اور مختار کر دیا حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر۔"

۴۰۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تقرب: یعنی بادشاہت کے باوجود جو روحانی تقرب اور مرتبہ ہمارے ہاں حاصل ہے اور فردوس بریں میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ ٹھکانہ تیار ہے وہ بجائے خود رہا۔

۴۱۔ اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو جب اس نے پکارا اپنے رب کہ مجھ کو لگا دی شیطان نے ایذا اور تکلیف [۴۱]

۴۲۔ لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو اور ٹھنڈا اور پینے کو

۴۳۔ اور بخشے ہم نے اسکو اسکے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی طرف کی مہربانی سے اور یاد رکھنے کو عقل والوں کے [۴۳]

وَ اذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهُ اِنِّىْ مَسْنِيْ

الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ﴿۴۱﴾

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّ شَابٌ ﴿۴۲﴾

وَ وَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ

ذِكْرٰى لِاُولٰى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

۴۲۔ اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سیلنکوں کا مٹھا پھر اس سے مار لے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو [۳۳] ہم نے اس کو پایا جھیلنے والا بہت خوب بندہ تحقیق وہ ہے رجوع رہنے والا

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاصْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنُطْ إِنَّآ وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۳۳﴾

۴۱۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ: قرآن کریم کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن امور میں کوئی پہلو شر یا ایذا کا یا کسی مقصد صحیح کے فوت ہونے کا ہوان کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے مولیٰ کے قصہ میں آیَا وَمَا أَنسَنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (کہف-۶۳) کیونکہ اکثر اس قسم کی چیزوں کا سبب قریب یا بعید کسی درجہ میں شیطان ہوتا ہے۔ اسی قاعدہ سے حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری یا تکلیف یا آزار کی نسبت شیطان کی طرف کی گویا تواضعاً و تاذباً یہ ظاہر کیا کہ ضرور مجھ سے کوئی تساہل یا کوئی غلطی اپنے درجہ کے موافق صادر ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں یہ آزار پیچھے لگا۔ یا حالت مرض و شدت میں شیطان القاء و ساوس کی کوشش کرتا ہو گا اور یہ اس کی مدافعت میں تعب و تکلیف اٹھاتے ہوں گے۔ اس کو نصب و عذاب سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) حضرت ایوبؑ کا قصہ سورہ "انبیاء" میں گذر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ مگر واضح رہے کہ قصہ گوئیوں نے حضرت ایوبؑ کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کئے ہیں اس میں مبالغہ بہت ہے۔ ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استغذار کا موجب ہو انبیاء علیہم السلام کی وجاہت کے منافی ہے کما قالی تعالیٰ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ إِذْ ذُكِرُوا بِرَأْسِهِم مِّنَّا قَالُوا ؕوَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِبَتَهَا (احزاب-۶۹) لہذا اسی قدر بیان قبول کرنا چاہئے جو منصب نبوت کے منافی نہ ہو۔

۴۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام کیلئے پانی کا چشمہ: جب اللہ نے چاہا کہ انکو چنگا کرے، حکم دیا کہ زمین پر پاؤں ماریں پاؤں مارنا تھا کہ قدرت نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکال دیا۔ اسی سے نہایا کرتے اور پانی پیتے۔ وہ ہی ان کی شفاء کا سبب ہوا۔ اور ان کے گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے ان سے دگنے عطا کئے تا مقلند لوگ ان واقعات کو دیکھ کر سمجھیں کہ جو بندہ مصائب میں مبتلا ہو کر صبر کرتا اور خدائے واحد کی طرف رجوع ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کی کس طرح کفالت و اعانت فرماتے ہیں۔

۴۳۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم: حضرت ایوبؑ نے حالت مرض میں کسی بات پر خفا ہو کر قسم کھائی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے۔ وہ بی بی اس حالت کی رفیق تھی اور چنداں تصور وار بھی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے قسم سچا کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلادیا۔ جو ان ہی کے لئے مخصوص تھا۔ آج اگر کوئی اس طرح کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوگی۔ (تنبیہ) جس حیلہ سے کسی حکم شرعی یا مقصد دینی کا ابطال ہوتا ہو وہ جائز نہیں۔ جیسے اسقاط زکوٰۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں۔ ہاں جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کس معروف کا ذریعہ بنتا ہو اس کی اجازت ہے۔ والتفصیل یطلب من مظانہ۔

۴۵۔ اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے [۳۴]

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لِّإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي

الْأَيْدِيِّ وَالْأَبْصَارِ ﴿۳۵﴾

۴۶۔ ہم نے امتیاز دیا انکو ایک چینی ہوئی بات کا وہ یاد اس گھر کی [۳۵]

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۳۶﴾

۴۷۔ اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں میں

وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لِنَ الْبُصْطَفَيْنِ الْأَخْيَارِ ﴿۳۷﴾

۴۸۔ اور یاد کر اسمعیل کو اور ایسح کو اور ذوالکفل کو اور ہر ایک تھا خوبی والا [۴۸]

وَ اذْکُرْ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ ذَا الْکِفْلِ ۙ وَ کُلٌّ

مِّنَ الْاٰخِیَارِ ۙ

۴۹۔ یہ ایک مذکور ہو چکا [۴۹] اور تحقیق ڈر والوں کے لیے ہے اچھا ٹھکانا

هٰذَا ذِکْرٌ ۙ وَاِنَّ لِّلْمُتَّقِیْنَ لِحُسْنِ مَّآبٍ ۙ

۵۰۔ باغ ہیں سدا بسنے کے کھول رکھے ہیں انکے واسطے دروازے [۴۸]

جَنَّتِ عَدْنٍ مُّفْتَحَةً لَّهُمْ الْاَبْوَابُ ۙ

۵۱۔ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہیں ان میں میوے بہت اور شراب [۴۹]

مُتَّكِنِیْنَ فِیْهَا یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ ۙ وَ

شَرَابٍ ۙ

۵۲۔ اور ان کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں ایک عمر کی [۵۰]

وَ عِنْدَهُمْ قَصِرَاتُ الطَّرْفِ اَثْرَابٌ ۙ

۵۳۔ یہ وہ ہے جو تم سے وعدہ کیا گیا حساب کے دن پر

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لَیَوْمِ الْحِسَابِ ۙ

۵۴۔ یہ ہی روزی ہماری دی ہوئی اسکو نہیں نبڑنا [۵۱]

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقًا مَّا لَهٗ مِنْ نَّفَاۤءٍ ۙ

۵۵۔ یہ سن چکے [۵۲] اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے برا ٹھکانہ

هٰذَا ۙ وَاِنَّ لِّلطَّغِیْنَ لَشَرَّ مَّآبٍ ۙ

۵۶۔ دوزخ ہے جس میں انکو ڈالیں گے سو کیا بری آرام کرنے کی جگہ ہے

جَهَنَّمَ ۙ یَصْلَوْنَهَا فِیْ سُبْحٰنِ الْبِهَادِ ۙ

۵۷۔ یہ ہے اب اسکو چکھیں [۵۳] گرم پانی اور پیپ [۵۳]

هٰذَا ۙ فَلَیْذُقُوْهُ حٰیْمٌ ۙ وَ غَسَاقٌ ۙ

۵۸۔ اور کچھ اور اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں

وَ اٰخَرٌ مِّنْ سُلٰلٰةٍ اَرْوٰاۤءِ ۙ

۵۹۔ یہ ایک فوج ہے دھستی آرہی ہے تمہارے ساتھ جگہ نہ ملیو ان کو یہ ہیں گھسنے والے آگ میں

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۙ لَا مَرْحَبًا بِهُمْ اِنَّهُمْ

صَالُوْنَ النَّارِ ۙ

۶۰۔ وہ بولے بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ لیو تم کو تم ہی پیش  
لائے ہمارے یہ بلا سو کیا بری ٹھہرنے کی جگہ ہے [۵۵]

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ

قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی لایا ہمارے پیش یہ  
سو بڑھادے اسکو دو ناعذاب آگ میں [۵۶]

قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَرِذْهُ عَذَابًا ضِعْفًا

فِي النَّارِ ﴿٦١﴾

۶۲۔ اور کہیں گے کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے ان مردوں کو  
کہ ہم ان کو شمار کرتے تھے برے لوگوں میں

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ

الْأَشْرَارِ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ کیا ہم نے انکو ٹھٹھے میں پکڑا تھا یا چوک گئیں ان  
سے ہماری آنکھیں [۵۷]

أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ یہ بات ٹھیک ہونی ہے جھگڑا کرنا آپس میں دوزخیوں  
کا [۵۸]

إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقُّ تَخَاصُمِ أَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾

۴۴۔ یعنی عمل اور معرفت والے جو ہاتھ پاؤں سے بندگی کرتے اور آنکھوں سے خدا کی قدرتیں دیکھ کر یقین و بصیرت زیادہ کرتے ہیں۔

۴۵۔ حضرات انبیاء کا امتیاز: انبیاء کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے برابر خدا کو اور آخرت کو یاد رکھنے والا کوئی نہیں۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ کے  
ہاں ان کو سب سے ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔

۴۶۔ حضرت اسمعیل اور ذوالکفل کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور "الیسع" کہتے ہیں کہ حضرت الیاس کے خلیفہ تھے ان کو بھی اللہ نے نبوت عطا فرمائی۔  
۴۷۔ یعنی یہ مذکور تو انبیاء کا تھا۔ آگے عام متقین کا انجام سن لو۔

۴۸۔ جنت کے کھلے دروازے: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جب بہشت میں داخل ہوں گے ہر کوئی بدون بتائے اپنے گھر میں چلا جائے گا"  
آواز دے کر دروازہ کھلوانے کی ضرورت نہ پڑے گا۔

۴۹۔ یعنی قسم قسم کے میوے، پھل اور پینے کی چیزیں حسب خواہش علما حاضر کریں گے۔

۵۰۔ جنت کی عورتیں ہم عمر: یعنی سب عورتیں نوجوان ایک عمر ہوں گی یا شکل و شمائل خوبو میں اپنے ازواج کی ہم عمر معلوم ہوں گی۔

۵۱۔ یعنی غیر منقطع اور لازوال نعمتیں ہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا۔ رزقنا اللہ منہا بفضله وکرمہ فانہ اکرم الاکرمین وادرحم الراحمین  
۵۲۔ یعنی پرہیزگاروں کا انجام سن چکے آگے شریروں کا انجام سن لو۔

۵۳۔ یعنی لو! یہ حاضر ہے۔ اب اس کا مزہ چکھیں۔

۵۴۔ اہل دوزخ کیلئے گرم پانی اور پیپ: "غشاق" سے بعض نے کہا دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اور ان کی آلائشیں مراد ہیں جس میں سانپوں  
بچھوؤں کا زہر ملا ہو گا۔ اور بعض کے نزدیک "غشاق" حد سے زیادہ ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جس کے پینے سے سخت اذیت ہو۔ گویا "حمیم" کی

پوری ضد۔ واللہ اعلم۔

۵۵۔ اہل دوزخ کی گفتگو: یہ گفتگو دوزخیوں کی آپس میں ہوگی، جس وقت فرشتے انکو یکے بعد دیگرے لالا کر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے۔ پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا۔ بعدہ ان کے مقلدین و اتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو! یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھپتی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لئے چلی آرہی ہے۔ خدا کی ماران پر۔ یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے۔ خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کبختو! تمہی پر خدا کی مار ہو۔ خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے، تم ہی تھے جن کے اغوا و اضلال کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی۔ اب بتاؤ کہاں جائیں۔ جو کچھ ہے یہی جگہ ٹھہرنے کی ہے جس طرح ہو یہاں ہی سب مرد کھپو۔

۵۶۔ یعنی آپس میں لعن طعن کر کے پھر حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! جو اپنی شقاوت سے یہ بلا اور مصیبت ہمارے سر پر لایا۔ اسے دوزخ میں دگنا عذاب دیجئے۔ شاید سمجھیں گے کہ اس کا دگنا عذاب دیکھ کر ذرا دل ٹھنڈا ہو جائے گا۔ حالانکہ وہاں تسلی کا سامان کہاں؟ ایک دوسرے کو کوسنا اور پھٹکارنا یہ بھی ایک مستقل عذاب ہوا۔

۵۷۔ وہاں دیکھیں گے کہ سب جان پہچان والے لوگ ادنیٰ و اعلیٰ دوزخ میں جانے کے واسطے جمع ہوئے ہیں۔ مگر جن مسلمانوں کو پہچانتے تھے اور سب سے زیادہ برا جان کر مذاق اڑایا کرتے تھے وہ اس جگہ نظر نہیں آتے، تو حیران ہو کر کہیں گے کہ کیا ہم نے غلطی سے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا، وہ اس قابل نہ تھے کہ آج دوزخ کے نزدیک رہیں، یا اسی جگہ کہیں پر ہیں پر ہماری آنکھیں چوک گئیں۔ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتے۔

۵۸۔ اہل دوزخ کا آپس میں جھگڑا: یعنی بظاہر یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری میں ایک دوسرے سے جھگڑیں عذاب کا ہولناک منظر کیسے دوسری طرف متوجہ ہونے دے گا۔ لیکن یاد رکھو! ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ بالکل یقینی چیز ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت میں یہ ان کے عذاب کی تکمیل ہے۔

۶۵۔ تو کہہ میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا دباؤ والا

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو انکے بیچ میں زبردست بخشنے والا [۵۹]

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ

الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے

قُلْ هُوَ نَبَوًّا عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ کہ تم اس کو دھیان میں نہیں لاتے [۶۰]

أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ مجھ کو کچھ خبر نہ تھی اوپر کی مجلس کی جب وہ آپس

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِاللَّيْلِ الْأَعْلَىٰ إِذْ

میں تکرار کرتے ہیں

يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ اور کچھ نہیں میں تو ڈرنا دینے والا ہوں کھول کر [۶۹]

إِنْ يُوحَىٰ إِلَىٰ إِلَّا أَنَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾

۷۱۔ جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا [۷۰]

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ

طِينٍ ﴿٧١﴾

۷۲۔ پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان [۷۱] تو تم گر پڑو اسکے آگے سجدہ میں

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ

سُجَّدِينَ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سب نے اکٹھے ہو کر

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾

۷۴۔ مگر ابلیس نے [۷۲] غرور کیا اور تھا وہ منکروں میں [۷۳]

إِلَّا ابْلِيسَ ۖ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾

۷۵۔ فرمایا اے ابلیس کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے بنایا اپنے دونوں ہاتھوں سے [۷۴] یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجہ میں [۷۵]

قَالَ يَا ابْلِيسَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ

بِيَدَيَّ ۗ اسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِيْنَ ﴿٧٥﴾

۷۶۔ بولا میں بہتر ہوں اس سے مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے [۷۶]

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۗ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ

مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾

۷۷۔ فرمایا تو تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا [۷۷]

قَالَ فَاخْرِجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾

۷۸۔ اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اس جزا کے دن تک [۷۸]

وَاِنَّ عَلَيَّ لَعْنَتِيْۤ اِلَىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ بولا اے رب مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک کہ مردے جی اٹھیں [۷۹]

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے

إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اسی وقت کے دن تک جو معلوم ہے [۴۲]

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا غُيُوبَ لَهُمْ أَجْعَلِينَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ مگر جو بندے ہیں تیرے ان میں چنے ہوئے

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں [۴۳]

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

۸۵۔ مجھ کو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو ان میں تیری راہ چلے ان سب سے

أَجْعَلِينَ ﴿۸۵﴾

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ

۸۶۔ تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ بدلا اور میں نہیں اپنے آپ کو بنانے والا

الْبِتُّكْفِيَيْنِ ﴿۸۶﴾

۸۷۔ یہ تو ایک فہمائش ہے سارے جہان والوں کو

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۸۷﴾

۸۸۔ اور معلوم کر لو گے اس کا احوال تھوڑی دیر کے پیچھے [۴۴]

وَلَتَعْلَمَنَّ نَبَأَ بَعْدَ حِينٍ ﴿۸۸﴾

۵۹۔ کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشبیہ: میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اس آنے والی خوفناک گھڑی سے ہشیار کر دوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اس سے بے خبر نہ رہنے دوں۔ باقی سابقہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے تو وہ ہی اکیلا خدا ہے جس کے سامنے کوئی چھوٹا یا بڑا دم نہیں مار سکتا۔ ہر چیز اس کے آگے دبی ہوئی ہے۔ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز نہیں جو اس کے زیر تصرف نہ ہو۔ جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کر دے۔ اس عزیز و غالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔ اس کے زبردست قبضہ سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لامحدود رحمت و بخشش کو کس کی مجال ہے، محدود کر دے۔

۶۰۔ یعنی قیامت اور اس کے احوال کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی بھاری اور یقینی خبر ہے جو میں تم کو دے رہا ہوں۔ عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ۔ عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ۔ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (نبا، ۳، ۴، ۱)۔ مگر افسوس ہے تم اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ جو کچھ تمہاری خیر خواہی کو کہا جاتا ہے دھیان میں نہیں لاتے، بلکہ التامذاق اڑاتے ہو کہ کب آئے گی۔ کیونکر آئے گی اور اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے۔ اسے جلد کیوں نہیں بلا لیتے۔ وغیرہ ذلک۔

۶۱۔ ملاء اعلیٰ کی تشریح: ”ملاء اعلیٰ“ (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقررین وغیرہ ہم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الہیہ اور تصریفات کو نبیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یعنی ملاء اعلیٰ میں نظام عالم کے فنا و بقاء کے متعلق جو تدبیریں یا بخشیں اور قیل و قال ہوتی ہے۔ مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن اجزاء پر مطلع فرما دیا وہ بیان کر دے جو کچھ کہتا ہوں اسی کی وحی و اعلام سے کہتا ہوں۔ مجھ کو یہ ہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کر دوں۔ رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ انذار کے لیے اس کی ضرورت ہے نہ اس کی اطلاع کسی کو دی گئی ہے؟ ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیمؑ پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں۔ پھر سب نے حضرت موسیٰؑ پر حوالہ کیا ان کی طرف سے بھی وہ ہی جواب ملا۔ آخر سب نے حضرت مسیحؑ کی طرف رجوع کیا فرمایا، ”وجتہ السامع“ (عین قیامت کے وقوع کی گھڑی) تو مجھے بھی معلوم نہیں البتہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے الخ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے حضرت جبرئیلؑ نے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کیا۔ فرمایا مَا الْمَسْئُورُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ یعنی میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ ملاء اعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی کچھ بحث و تکرار رہتی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت مسائل ہیں جن میں ایک طرح کی تکرار اور قیل و قال ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے کئی مرتبہ سوال کرنا فِئِمَّ يَخْتَصِمُ الْمَلَاءُ الْأَعْلَىٰ اور آپ کا جواب دینا مذکور ہے۔ مگر وہاں کے مباحثات کا علم بجز وحی الہی کے اور کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ ہی ذریعہ ہے جس سے اہل نار کے متحاصم پر آپ کو اطلاع ہوئی۔ اسی سے ملاء اعلیٰ کے اختصان کی خبر لگی اور جو متحاصم ابلیس کا آدمؑ کے معاملہ میں ہوا جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ بھی اسی ذریعہ سے معلوم ہوا۔

۶۲۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ایک یہ بھی تکرار تھی فرشتوں کی جو بیان فرمایا۔

۶۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق: یعنی ڈھانچہ ٹھیک تیار کر کے اپنی طرف سے ایک روح پھونکوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”روحی“ (اپنی جان) اس لئے فرمایا کہ آب و خاک سے نہیں بنی۔ عالم غیب سے آئی۔ ”کچھ مضمون روح کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں گذرا ہے۔ وہاں روح کی اس اضافت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۶۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق: یہ قصہ سورہ ”بقرہ“ ”اعراف“ وغیرہ کئی سورتوں میں گذر چکا۔ اعراف کے فوائد میں ہم نے مفصل بحث کی ہے اسے ایک مرتبہ دیکھ لیا جائے۔

۶۵۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یہ (ابلیس اصل سے) جن تھا جو اکثر خدا کے حکم سے منکر ہیں۔ لیکن اب (اپنی کثرت عبادت وغیرہ کے سبب سے) رہنے لگا تھا فرشتوں میں۔

۶۶۔ ابلیس کے انکار پر حق تعالیٰ کا سوال: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو، غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے۔ اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی۔“ ”سورہ مائدہ“ میں پارہ ششم کے ختم کے قریب بَلْ يَدْعَاُ مَبْسُوطَتِنِ ۙ يَنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ (المائدہ۔ ۶۳)۔ کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعوت و صفات میں سلف کا مسلک ہی اقویٰ و احوط ہے۔

۶۷۔ یا جان بوجھ کر اپنے کو بڑا بنانا چاہا۔ یا واقع میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے۔

۶۸۔ سورہ اعراف میں اس کا بیان گذر چکا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آگ ہے گرم پر جوش اور مٹی سرد ہے خاموش۔ ابلیس نے آگ کو اچھا سمجھا۔ اللہ نے اس مٹی کو پسند رکھا۔



۶۹۔ یعنی بہشت میں فرشتوں کی صحبت میں جاتا تھا اب نکالا گیا۔

۷۰۔ ابلیس پر لعنت: یعنی اس وقت تک تیرے اعمال کی بدولت پھٹکار بڑھتی جائے گی۔ بعدہ کیا ہو گا؟ اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ آگے آتا ہے  
لَا مَلِكَ لَّكُمْ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ وَمِثْنٌ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (ص۔ ۸۵) وہاں جو لعنت ہو گی یہاں کی لعنتیں اس کے سامنے گرد ہو جائیں گی۔

۷۱۔ یعنی صور کے دوسرے نفع تک۔

۷۲۔ یعنی پہلے نفع کے قریب تک۔ اس کے بعد نہیں۔

۷۳۔ یعنی میری سب باتیں سچی اور ٹھیک ہوتی ہیں۔

۷۴۔ یعنی نصیحت سے غرض یہ ہے کہ اپنے دشمن اور دوست میں تمیز کرو۔ شیطان لعین جو ازلی دشمن ہے اس کی راہ مت چلو نبیوں کا کہنا مانو جو تمہاری بہی خواہی کے لیے آئے ہیں۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں مانگتا، نہ خواہ مخواہ اپنی طرف سے بنا کر کوئی بات کہتا ہوں۔ اللہ نے ایک فہمائش کی وہ تمہارے تک پہنچادی۔ تھوڑی مدت کے بعد تم خود معلوم کر لو گے کہ جو خبریں دی گئیں کہاں تک درست ہیں اور جو نصیحت کی گئی کیسی سچی اور مفید تھی۔

تم سورہ ص بعون اللہ و حسن توفیقہ وللہ الحمد والمنة۔

ایاتہا ۷

۳۹ سُورَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹

رکوعاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اتارنا ہے کتاب کا اللہ سے جو زبردست ہے حکمتوں والا [۱]

۲۔ میں نے اتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی خالص کر کر اس کے واسطے بندگی

۳۔ سنتا ہے اللہ ہی کیلئے ہے بندگی خالص [۲] اور جنہوں نے پکڑ رکھے ہیں اس سے ورے حمایتی کہ ہم تو ان کو پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں بیشک اللہ فیصلہ کر دے گا ان میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے ہیں [۳] البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اسکو جو ہو جھوٹا حق نہ ماننے والا [۴]

۴۔ اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کر لے تو جن لیتا اپنی خلق میں جو کچھ چاہتا وہ پاک ہے [۵] وہی ہے اللہ اکیلا دباؤ والا [۶]

۵۔ بنائے آسمان اور زمین ٹھیک لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر [۷] اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری ہوئی مدت پر سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا [۸]

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١﴾

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ

مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ﴿٢﴾

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۗ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ

دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى

اللَّهِ زُلْفَىٰ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ

يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذِبٌ

كَفَّارٌ ﴿٣﴾

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ

مَا يَشَاءُ ۗ سُبْحٰنَهُ ۗ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٤﴾

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يَكُوِّرُ اللَّيْلُ

عَلَى النَّهَارِ وَيَكُوِّرُ النَّهَارُ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ يَجْرِي لِاجَلٍ مُّسَمًّى ۗ أَلَا

## هُوَ الْعَزِيزُ الْعَفَّارُ ﴿٥﴾

۶۔ بنایا تم کو ایک جی سے پھر بنایا اس سے اس کا جوڑا [۹] اور اتارے تمہارے واسطے چوپاؤں سے آٹھ نرمادہ [۱۰] بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر دوسری طرح کے پیچھے [۱۱] تین اندھیروں کے بیچ [۱۲] وہ اللہ ہے رب تمہارا اسی کا راج ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو [۱۳]

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَانزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَنِيَّةً أَزْوَاجٍ ط  
يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ط ذِكْرُ اللَّهِ رَبُّكُمْ لَهُ

الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُصَوِّفُونَ ﴿٦﴾

۱۔ چونکہ زبردست ہے اس لئے اس کتاب کے احکام پھیل کر اور نافذ ہو کر رہیں گے۔ کوئی مقابل و مزاحم اس کے شیوع و نفاذ کو روک نہیں سکتا۔ اور حکیم ہے اس لئے دنیا کی کوئی کتاب اس کی خوبیوں اور حکمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۲۔ خالص اللہ کی عبادت کرو: یعنی حسب معمول اللہ کی بندگی کرتے رہئے جو شوائب شرک و ریاء وغیرہ سے پاک ہو۔ اسی کی طرف تو لاؤ و فعلا لو گوں کو دعوت دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ اللہ اسی کی بندگی قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو عمل خالی از اخلاص کی اللہ کے ہاں کچھ پوچھ نہیں۔

۳۔ مشرکین کے حیلے اور اس کا جواب: عموماً مشرک لوگ یہ ہی کہا کرتے ہیں کہ ان چھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا سے نزدیک ہو جائیں گے۔ اور وہ ہم پر مہربانی کرے گا جس سے ہمارے کام بن جائیں گے اس کا جواب دیا کہ ان لچر پوچ جیلوں سے توحید خالص میں جو بھگڑے ڈال رہے ہو اور اہل حق سے اختلاف کر رہے ہو اس کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگے چل کر ہو جائے گا۔

۴۔ یعنی جس نے دل میں یہ ہی ٹھان لی کہ کبھی سچی بات کو نہ مانوں گا، جھوٹ اور حق ہی پر ہمیشہ اڑا رہوں گا۔ منعم حقیقی کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں ہی کی بندگی کروں گا۔ اللہ کی عادت ہے کہ ایسے بدباطن کو فوز و کامیابی کی راہ نہیں دیتا۔

۵۔ اللہ کی اولاد کے عقیدے کا عقلی رد: یہاں سے ان کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں کا ایک خدا مانتے ہیں۔ یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چنتا۔ کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اسی کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں۔ پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے اور جب مخلوق و خالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہو گا۔ علاوہ بریں فرض کیجئے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا جب مخلوق میں سے انتخاب کی ٹھہری تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لئے گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے دیتا۔

۶۔ یعنی ہر چیز اس کے سامنے دبی ہوئی ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں نہ کسی چیز کی اسے حاجت، پھر اولاد بنانا آخر کس غرض سے ہو گا۔

۷۔ دن رات کی تبدیلیاں: مغرب کے وقت مشرق کی طرف دیکھو، معلوم ہو گا کہ افق سے ایک چادر تاریکی کی اٹھتی چلی آرہی ہے اور اپنے آگے سے دن کی روشنی کو مغرب کی طرف صف کی طرح لپیٹتی جاتی ہے۔ اسی طرح صبح صادق کے وقت نظر آتا ہے کہ دن کا اجالا رات کی ظلمت کو مشرق سے دھکیلتا ہوا آرہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ایک پر دوسرا چلا آتا ہے توڑا نہیں پڑتا۔

۸۔ اللہ کی قدرت کے مظاہر: یعنی اسی زبردست قدرت سے یہ انتظام قائم کیا اور تھام رکھا ہے لوگوں کی گستاخیاں اور شرارتیں تو ایسی ہیں کہ سب نظام درہم برہم کر دیا جائے۔ لیکن وہ بڑا بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے اپنی شانِ عفو و مغفرت سے ایک دم ایسا نہیں کرتا۔

۹۔ یعنی آدم اور ان کا جوڑا حضرت حوا۔

۱۰۔ یعنی تمہارے نفع اٹھانے کے لئے چوپایوں میں آٹھ نر و مادہ پیدا کئے۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری جن کا ذکر ”سورہ انعام“ میں گذر چکا۔

۱۱۔ انسان کی تخلیق: یعنی بتدریج پیدا کیا۔ مثلاً نطفہ سے علقہ بنایا، علقہ سے مضغہ بنایا، پھر ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت منڈھا، پھر روح پھونکی۔

۱۲۔ تین اندھیریاں: ایک پیٹ دوسرا رحم تیسری جھلی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے۔ وہ جھلی بچہ کے ساتھ نکلتی ہے۔

۱۳۔ توحید کی دلیل: یعنی جب خالق، رب، مالک اور ملک وہ ہی ہے تو معبود اس کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ خدائے واحد کے لئے ان صفات کا اقرار کرنے کے بعد دوسرے کی بندگی کیسی۔ مطلب کے اتنا قریب پہنچ کر کہ ہر پھرے جاتے ہو۔

۷۔ اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پر وا نہیں رکھتا تمہاری اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کا منکر ہونا<sup>[۱۳]</sup> اور اگر اس کا حق مانو گے تو اسکو تمہارے لئے پسند کرے گا<sup>[۱۵]</sup> اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا<sup>[۱۶]</sup> پھر اپنے رب کی طرف تم کو جانا ہے تو وہ جتنا لگے گا تم کو جو تم کرتے تھے مقرر اسکو خبر ہے دلوں کی بات کی<sup>[۱۷]</sup>

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ  
عِبَادَهُ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا  
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ  
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ  
الصُّدُورِ ﴿١٧﴾

۸۔ اور جب آگے انسان کو سختی پکارے اپنے رب کو رجوع ہو کر اسکی طرف پھر جب بخشے اسکو نعمت اپنی طرف سے بھول جائے اس کو کہ جس کے لئے پکار رہا تھا پہلے سے اور ٹھہرائے اللہ کی برابر اوروں کو تاکہ بہکائے اسکی راہ سے<sup>[۱۸]</sup> تو کہہ برت لے ساتھ اپنے کفر کے تھوڑے دنوں تو ہے دوزخ والوں میں<sup>[۱۹]</sup>

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ  
ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوًا  
إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ  
سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَتَّبِعُونَ كُفْرًا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مِنْ  
أَصْحَابِ النَّارِ ﴿١٨﴾

۹۔ بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہو اخطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہے [۲۰]

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِبًا يَحْذَرُ  
الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي  
الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا  
يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۙ

۱۰۔ تو کہہ اے بند و میرے [۲۱] جو یقین لائے ہو ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں انکے لئے ہی ہے بھلائی [۲۲] اور زمین اللہ کی کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا ثواب بے شمار [۲۳]

قُلْ يُعْبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۗ لِلَّذِينَ  
أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللَّهِ  
وَأَسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُؤَفِّقُ الصَّابِرُونَ ۗ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ  
حِسَابٍ ۙ

۱۲۔ یعنی کافر بن کر اس کے انعامات و حقوق کا انکار کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے، اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفر سے راضی نہیں۔ اپنے بندوں کے کافر و منکر بننے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس چیز کو ان کے لئے ناپسند کرتا ہے۔

۱۵۔ اللہ شکر گزاری پسند کرتا ہے: یعنی بندے اس کا حق مان کر مطیع و شکر گزار بنیں۔ یہ بات اس کو پسند ہے جس کا نفع انہی کو پہنچتا ہے۔

۱۶۔ یعنی ناشکری کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے، ایسا اندھیرا اس کے یہاں نہیں۔ جو کرے گا سو بھرے گا۔

۱۷۔ یعنی وہاں جا کر سب کے اچھے برے عمل سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ کوئی چھوٹا بڑا کام گم نہ ہو گا۔ کیونکہ خدا کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ دلوں کی تہ میں جو بات چھپی ہوئی ہو اسے بھی جانتا ہے۔

۱۸۔ انسان کی ناشکری کا حال: یعنی انسان کی حالت عجیب ہے مصیبت پڑے تو ہمیں یاد کرتا ہے، کیونکہ دیکھتا ہے کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔ پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے ذرا آرام و اطمینان نصیب ہو امداد و پہلی حالت کو بھول جاتا ہے جس کے لئے ابھی ابھی ہم کو پکار رہا تھا۔ عیش و تنعم کے نشہ میں ایسا مست و غافل ہو جاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

۱۹۔ یعنی اچھا۔ کافر وہ چند روز یہاں اور عیش اڑالے۔ اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہے اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے۔ جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہو گا۔

۲۰۔ فرمانبردار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے: یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا۔ کبھی اس کے سامنے دست بستہ

کھڑا رہا، کبھی سجدہ میں گرا۔ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو بیقرار کئے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے۔ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بد بخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایسا ہوتا تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بیوقوف میں کچھ فرق نہ رہا۔ مگر اس بات کو بھی وہ ہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔

۲۱۔ یعنی اللہ کی طرف سے یہ پیام پہنچا دو۔

۲۲۔ نیکی میں دنیا کی بھلائی بھی مضمحل ہے: یعنی جس نے دنیا میں نیکی کی آخرت میں اس کے لئے بھلائی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس نے نیکی کی اس کو آخرت سے پہلے اسی دنیا میں بھلائی ملے گی ظاہری یا باطنی۔

۲۳۔ ہجرت کے فضائل: یعنی اگر ایک ملک میں لوگ نیک راہ چلنے سے مانع ہوں تو خدا کی زمین کشادہ ہے، دوسرے ملک میں چلے جاؤ۔ جہاں آزادی سے اس کے احکام بجالا سکو۔ بلاشبہ اس طرح ترک وطن کرنے میں بہت مصائب برداشت کرنا پڑیں گے اور طرح طرح کے خلاف عادت و طبیعت امور پر صبر کرنا پڑے گا۔ لیکن یاد رہے کہ بے شمار ثواب بھی ملے گا تو صرف کرنے والوں ہی کو ملے گا اس کے مقابلہ میں دنیا کی سب سختیاں اور تکلیفیں بچیں۔

۱۱۔ تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں اللہ کی خالص کر کے اس کے لئے بندگی

قُلْ اِنِّىۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لّٰهُ

الدِّينِ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور حکم ہے کہ میں ہوں سب سے پہلے حکم بردار [۲۴]

وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا ایک بڑے دن کے عذاب سے [۲۵]

قُلْ اِنِّىۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىۤ عَذَابَ يَوْمٍ

عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں خالص کر کر اپنی بندگی اس کے واسطے

قُلِ اللّٰهُ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لّٰهُ دِيْنِىۤ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ اب تم پوجو جس کو چاہو اسکے سوائے [۲۶] تو کہہ بڑے بارنے والے وہ جو ہار بیٹھے اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن سنتا ہے یہی ہے صریح کٹوٹا [۲۷]

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۗ قُلْ اِنَّ

الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاٰهْلِيْهِمْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِلَّا ذٰلِكَ هُوَ الْخٰسِرَانِ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ ان کے واسطے اوپر سے بادل ہیں آگ کے اور نیچے سے بادل [۲۸] اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو اے بندو میرے تو مجھ سے ڈرو [۲۹]

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِمَّنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۗ ذَٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِ عِبَادَهُ ۗ لِيُعْبَادِ

فَاتَّقُوا ۝۱۶

۱۷۔ اور جو لوگ بچے شیطانوں سے کہ انکو پوجیں اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف انکے لئے ہے خوشخبری [۳۰] سو تو خوشی سنا دے میرے بندوں کو

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝۱۷

۱۸۔ جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس پر جو اس میں نیک ہے [۳۱] وہی ہیں جن کو رستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے [۳۲]

الَّذِينَ يَسْتَبْعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ اَحْسَنَهُ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰى اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْاُولٰٓءِ ۝۱۸

الْاَلْبَابِ ۝۱۸

۱۹۔ بھلا جس پر ٹھیک ہو چکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص کر سکے گا اسکو جو آگ میں پڑ چکا [۳۳]

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَفَاَنْتَ تُنقِذُ مَنِ فِي النَّارِ ۝۱۹

۲۰۔ لیکن جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کے واسطے ہیں جھرو کے ان کے اوپر اور جھرو کے چنے ہوئے [۳۴] اور انکے نیچے بہتی ہیں ندیاں وعدہ ہو چکا اللہ کا اللہ نہیں خلاف کرتا اپنا وعدہ

لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَةٌ ۙ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ۗ وَ عَدَّ اللّٰهُ ۗ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْبِیْعَادَ ۝۲۰

۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے فرمانبردار بندے ہیں: چنانچہ آپ عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے اللہ کے سب سے پہلے حکمبردار بندے ہیں ﷺ۔

۲۵۔ یعنی مجھ جیسا معصوم و مقرب بھی اگر بالفرض محال نافرمانی کرے تو اس دن کے عذاب سے مامون نہیں۔ تاہم اگر چہ رسد۔

۲۶۔ یعنی میں تو خدا کے حکم کے موافق نہایت اخلاص سے اسی اکیلے کی بندگی کرتا ہوں۔ تم کو اختیار ہے۔ جس کی چاہو پوجا کرتے پھرو۔ ہاں اتنا سوچ لینا کہ انجام کیا ہو گا۔ آگے اسے کھولتے ہیں۔

۲۷۔ مشرکین ہی خاسرین ہیں: یعنی مشرکین نہ اپنی جان کو عذاب الہی سے بچا سکے نہ اپنے گھر والوں کو سب کو جہنم کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ اس سے زیادہ خسارہ کیا ہوگا۔

۲۸۔ یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہوگی جیسے گھٹا چھا جاتی ہے۔

۲۹۔ یعنی سمجھ لو۔ یہ چیز ڈرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اللہ کے غضب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔

۳۰۔ یعنی جنہوں نے شیطانوں کا کہنا مانا اور سب شرکاء سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے، ان کے لئے ہے بڑی بھاری خوشخبری۔

۳۱۔ اہل انابت کو خوشخبری: یعنی سب طرح کی باتیں سنتے ہیں۔ پھر ان میں جو بات اچھی ہو اس پر چلتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ خدا کی بات سنتے ہیں اور اس میں جو ہدایات اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً ایک چیز رخصت و اباحت کی سنی، دوسری عزیمت کی، تو عزیمت کی طرف جھپٹے ہیں۔ رخصتوں کا تتبع نہیں کرتے۔ یا یوں ترجمہ کرو کہ اللہ کا کلام سن کر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی ساری باتیں بہتر ہی ہیں۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک اور طرح اس کا مطلب بیان کیا ہے۔ ”چلتے ہیں اس کے نیک پر۔ یعنی حکم پر چلنا کہ اس کو کرتے ہیں۔ اور منع پر چلنا کہ اس کو نہیں کرتے۔ اس کا کرنا نیک ہے۔ اس کا نہ کرنا نیک ہے۔“

۳۲۔ یعنی کامیابی کا راستہ ان ہی کو ملا ہے۔ کیونکہ انہوں نے عقل سے کام لے کر توحید خالص اور انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا۔

۳۳۔ یعنی جن پر ان کی ضد و عناد اور بد اعمالیوں کی بدولت عذاب کا حکم ثابت ہو چکا، کیا وہ کامیابی کا راستہ پاسکتے ہیں۔ بھلا ایسے بد بختوں کو جو شقاوت ازلی کے سبب آگ میں گر چکے ہوں، کون آدمی راہ پر لا سکتا ہے اور کون آگ سے نکال سکتا ہے۔

۳۴۔ جنت کے درجات: یہ جنت کے درجات کی طرف اشارہ ہوا۔ اور یہ کہ وہ سب تیار ہیں۔ نہ یہ کہ قیامت کے روز تیار کئے جائیں گے۔

۲۱۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلا دیا وہ پانی چشموں میں زمین کے [۳۵] پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی رنگ بدلتی اس پر [۳۶] پھر آئے تیاری پر تو تو دیکھے اس کا رنگ زرد پھر کرڈالتا ہے اسکو چوراچورا پیشک اس میں نصیحت ہے عقلمندوں کے واسطے [۳۷]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ  
يَنْبِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا  
أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُمْصِرًا ثُمَّ يَجْعَلُهُ  
حُطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾

۲۲۔ بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے سو خرابی ہے انکو جن کے دل سخت ہیں اللہ کی یاد سے وہ پڑے پھرتے ہیں بھٹکتے صریح [۳۸]

أَفَبِنُ شَرِّهِ اللَّهُ صَدْرَهُ لِإِسْلَامٍ فَهُوَ عَلَى نُورٍ  
مِّن رَّبِّهِ ۖ فَوَيْلٌ لِّلْقَسِيَّةِ قُلُوبِهِمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۖ

أُولَئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٢﴾



۲۳۔ اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب کی [۳۹] آپس میں ملتی دہرائی ہوئی [۴۰] بال کھڑے ہوئے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر [۴۱] یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اسکو کوئی نہیں سمجھانے والا [۴۲]

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا  
مَّثَانِيًّا ۖ تَفْشَعِرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ  
رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ  
ذٰلِكَ هُدًى لِّلَّذِينَ يَهْتَدُونَ بِهِ ۚ وَمَنْ يَشَاءْ ۗ

يُضِلُّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

۳۵۔ بارش اور پانی کے چشمے: یعنی بارش کا پانی پہاڑوں اور زمینوں کے مسام میں جذب ہو کر چشموں کی صورت میں پھوٹ نکلتا ہے باقی اگر چشموں کے حدوث کا کوئی اور سبب بھی ہو، اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔

۳۶۔ یا مختلف قسم کی کھیتیاں مثلاً گیہوں چاول وغیرہ۔

۳۷۔ اہل عقل کیلئے سامان ہدایت: یعنی عقلمند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے کہ جس طرح اس کی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی، پھر چوراچورا کیا گیا۔ یہ ہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہو گا۔ چاہیے کہ آدمی اس کی عارضی بہار پر مفتوں ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔ مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے۔ اور ہر ایک جزء سے منتفع ہونا بدو ان اس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء سے اس کو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچائیں۔ اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ اس میں نیکی، بدی، راحت، تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چوراچورا کج جائے۔ پھر اس میں سے ہر ایک جزء کو اس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، نیکی اور راحت اپنے مرکز و مستقر پر پہنچ جائے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے۔ غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقلمند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں نیز مضمون آیت میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کر دیے وہ ہی جنت کے ملامت میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔

۳۸۔ مسلمان کیلئے اللہ کا نور: یعنی دونوں کہاں برابر ہو سکتے ہیں ایک وہ جس کا سینہ اللہ نے قبول اسلام کے لئے کھول دیا نہ اسے اسلام کے حق ہونے میں کچھ شک و شبہ ہے نہ احکام اسلام کی تسلیم سے انقباض۔ حق تعالیٰ نے اس کو توفیق و بصیرت کی ایک عجیب روشنی عطا فرمائی جس کے اجالے میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کے راستہ پر اڑا چلا جا رہا ہے۔ دوسرا وہ بد بخت جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو، نہ کوئی نصیحت اس پر اثر کرے نہ خیر کا کوئی قطرہ اس کے اندر گھسے، کبھی خدا کی یاد کی توفیق نہ ہو۔ یوں ہی اوہام و اہوا اور رسوم و تقلید آباء کی اندھیرویوں میں بھٹکتا پھرے۔

۳۹۔ یعنی دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں۔

۴۰۔ متشابہ مثانی آیات: یعنی صحیح، صادق، مضبوط، نافع، معقول اور فصیح و بلیغ ہونے میں کوئی آیت کم نہیں۔ ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے، مضامین میں کوئی اختلاف و تعارض نہیں۔ بلکہ بہت سی آیات کے مضامین ایسے متشابہ واقع ہوئے ہیں کہ ایک آیت کو دوسری کی طرف لوٹانے

سے صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی ہے۔ القرآن یفسر بعضہ بعضًا اور ”مثانی“ یعنی دہرائی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے احکام اور مواظب و قصص کو مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تا اچھی طرح دلنشین ہو جائیں، نیز تلاوت میں بار بار آئیں دہرائی جاتی ہیں اور بعض علماء نے ”متشابہ“ و ”مثانی“ کا مطلب یہ لیا ہے کہ بعض آیات میں ایک ہی طرح کے مضمون کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے وہ متشابہ ہوں اور بعض جگہ ایک نوعیت کے مضمون کے ساتھ دوسرے جملہ میں اس کے مقابل کی نوعیت کا مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً إِنَّ الْأَبْرَارَ لَنُؤْتِيهِمْ نِعِيمًا۔ وَإِنَّ الْعُجَّارَ لَنُؤْتِيهِمْ جَحِيمًا (الانفطار۔ ۱۲، ۱۳) يَا بَنِيَّ اِعْبَادِيَ اِنِّي اَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ وَاَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيمُ (الحجر۔ ۵۰، ۴۹) يَا وَيْحَكَ رَأَيْتَ لَوْ أَنَّ لِلَّهِ رِءُوفًا بِالْعِبَادِ (آل عمران۔ ۳۰)۔ ایسی آیات کو مثانی کہیں گے کہ ان میں دو مختلف قسم کے مضمون بیان ہوئے۔

۴۱۔ قرآنی آیات کی تاثیر: یعنی کتاب اللہ سن کر اللہ کے خوف اور اس کے کلام کی عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ خوف و رعب کی کیفیت طاری ہو کر ان کا قلب و قالب اور ظاہر و باطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے اور اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے یہ حال اقویائے کاملین کا ہوا۔ اگر کبھی ضعفاء و ناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات و احوال طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔ اور نہ ان کی تفصیل ان پر لازم آتی ہے۔ بلکہ اس طرح از خود رفتہ اور بے قابو ہو جانا عموماً وارد کی قوت اور مورد کے ضعف کی دلیل ہے۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان کرتے وقت ابو ہریرہؓ پر اس قسم کے بعض احوال کا طاری ہونا مضرّح ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۲۔ یعنی جس کے لئے حکمت الہی مقتضی ہو اس طرح کامیابی کے راستے کھول دیے جاتے ہیں اور اس شان سے منزل مقصود کی طرف لے چلتے ہیں۔ اور جس کو سوء استعداد کی وجہ سے خدا تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہ دے۔ آگے کون ہے جو اس کی دستگیری کر سکے۔

۲۴۔ بھلا ایک وہ جو روکتا ہے اپنے منہ پر عذاب دن قیامت کے اور کہے گا بے انصافوں کو چکھو جو تم کھاتے تھے [۳۳]

أَفَسَنْ يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے اگلے پھر پہنچا ان پر عذاب ایسی جگہ سے کہ انکو خیال بھی نہ تھا۔

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ  
حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ پھر چکھائی انکو اللہ نے رسوائی دنیا کی زندگی میں اور عذاب آخرت کا تو بہت ہی بڑا ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی [۳۴]

فَإِذَا قَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
وَالْعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور ہم نے بیان کی لوگوں کے واسطے اس قرآن میں سب چیز کی مثل تاکہ وہ دھیان کریں

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ  
مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تاکہ وہ بچ کر چلیں [۳۵]

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۸﴾

۳۳۔ آخرت میں ظالموں پر عذاب: آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے سے کوئی حملہ ہو تو ہاتھوں پر روکتا ہے۔ لیکن محشر میں ظالموں کے ہاتھ بندھے ہوں گے، اس لئے عذاب کی تھپڑیں سیدھی منہ پر پڑیں گی۔ تو ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ اب اس کام کا مزہ چکھ جو دنیا میں کیا تھا کیا اس مومن کی طرح ہو سکتا ہے جسے آخرت میں کوئی تکلیف اور گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں، اللہ کے فضل سے مطمئن اور بے فکر ہے۔ ہرگز نہیں۔

۳۴۔ بچھلی قوموں کی تکذیب اور ہلاکت: یعنی بہت قومیں تکذیب انبیاء کی بدولت دنیا میں ہلاک اور رسوا کی جا چکی ہیں اور آخرت کا اشد عذاب جوں کا توں رہا۔ تو کیا موجودہ مکذبین مطمئن ہیں کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ ہاں سمجھ ہوتی تو کچھ فکر کرتے۔

۳۵۔ قرآن میں کوئی کجی نہیں: یعنی ان کا نہ سمجھنا اپنی غفلت اور حماقت سے ہے۔ قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں۔ قرآن تو بات بات کو مثالوں اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے تا لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں۔ قرآن ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ اس میں کوئی ٹیڑھی بات نہیں۔ سیدھی اور صاف باتیں ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ کسی طرح کا اختلاف اور کجی اس کے مضامین یا عبارات میں نہیں۔ جن باتوں کو منوانا چاہتا ہے، نہ ان کا ماننا مشکل اور جن چیزوں پر عمل کرنا چاہتا ہے نہ ان پر عمل کرنا محال، غرض یہ ہے کہ لوگ بسہولت اس سے مستفید ہوں۔ اعتقادی و عملی غلطیوں سے بچ کر چلیں۔ اور صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔

۲۹۔ اللہ نے بتلائی ایک مثل ایک مرد ہے کہ اس میں شریک ہیں کئی ضدی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کیا برابر ہوتی ہیں دونوں مثل [۳۶] سب خوبی اللہ کے لئے ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے [۳۷]

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ  
وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۗ

الْحَدُّ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ پھر مقرر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھکڑو گے [۳۸]

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ

تَخْتَصِمُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون جس نے جھوٹ بولا اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس کے پاس کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ منکروں کا [۴۹]

فَبَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ  
بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى

لِلْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ مانا جس نے اسکو وہی لوگ ہیں ڈر والے [۵۰]

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ

الْمُتَّقُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ ذَٰلِكَ جَزَاؤُ

الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ تاکہ اتار دے اللہ ان پر سے برے کام جو انہوں نے کئے تھے اور بدلہ میں دے ان کو ثواب بہتر کاموں کا جو وہ کرتے تھے [۵۱]

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ

أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ شرک اور توحید کی ایک بلخ مثال: یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہیں اور ہر حصہ دار اتفاق سے کج خلق، بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہے، چاہتا ہے کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے دوسرے شرکاء سے سروکار نہ رکھے اس کھینچ تان میں ظاہر ہے غلام سخت پریشان اور پر اگندہ دل ہو گا۔ برخلاف اس کے جو غلام پورا ایک کا ہو، اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی اور کئی آقاؤں کو خوش رکھنے کی کوشش میں گرفتار نہ ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مشرک اور موحد کو سمجھ لو۔ مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات خیالات اور دوا دوش کا ایک مرکز ہے۔ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس کے خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔ اکثر مفسرین نے اس مثال کی تقریر اسی طرح کی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”ایک غلام جو کئی کا ہو کوئی اس کو اپنا نہ سمجھے، تو اس کی پوری خبر نہ لے اور ایک غلام جو سارا ایک کا ہو، وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے یہ مثال ہے ان کی جو ایک رب کے بندے ہیں، اور جو کئی رب کے بندے ہیں۔“

۳۷۔ یعنی سب خوبی اللہ کے لئے ہے کہ کیسے اعلیٰ مطالب و حقائق کو کیسی صاف اور دلنشین امثال و شواہد سے سمجھا دیتے ہیں مگر اس پر بھی بہت بد نصیب ایسے ہیں جو ان واضح مثالوں کے سمجھنے کی توفیق نہیں پاتے۔

۳۸۔ قیامت میں لوگوں کا جھگڑا: یعنی جیسے مشرک اور موحد میں جو اختلاف ہے اس کا اثر قیامت کے دن علی رؤس الاشہاد ظاہر ہو گا جس وقت

پیغمبر اور امتی سب اکٹھے کئے جائیں گے اور کفار، انبیاء اور مومنین کے مقابلہ میں جھگڑے اور جھتیں نکالیں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “کافر منکر ہوں گے کہ ہم کو کسی نے حکم نہیں پہنچایا۔ پھر فرشتوں کی گواہی اور زمین و آسمان کی اور ہاتھ پاؤں کی گواہی سے ثابت ہو گا”۔ کہ اس ادعاء میں جھوٹے ہیں اسی طرح دوسرے تمام جھگڑوں کا فیصلہ بھی اس دن پروردگار کے سامنے ہو گا۔ بہتر یہ ہی ہے کہ لفظ “اختصاص” کو عام رکھا جائے تا احادیث و آثار کے خلاف نہ ہو۔

۳۹۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والا سب سے بڑا ظالم ہے: اللہ پر جھوٹ بولا یعنی اس کے شریک ٹھہرائے یا اولاد تجویز کی، یا وہ صفات اسکی طرف منسوب کیں۔ جو واقع میں اس کے لائق نہ تھیں۔ اور جھٹلایا اچھی بات کو جب پہنچی اس کے پاس یعنی انبیاء علیہم السلام جو سچی باتیں خدا کی طرف سے لائے انکو سنتے ہی جھٹلانے لگا۔ سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی۔ بلاشبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے اور ایسے ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا اور کہاں ہو گا۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “یعنی اگر نبی نے (معاذ اللہ) جھوٹ خدا کا نام لیا تو اس سے برا کون۔ اور اگر وہ سچا تھا اور تم نے جھٹلایا۔ تم سے برا کون”۔ گویا مہین گذاب علی اللہ و کذاب بالصدق کا مصداق الگ الگ قرار دیا۔ اور ایسا ہی آگے وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالصِّدْقِ الْخُاطِئِينَ میں آتا ہے۔

۵۰۔ متقی کون ہیں: یعنی خدا سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں، ہمیشہ سچ کی تصدیق کریں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں جو سچی بات لیکر آیا وہ نبی، اور جس نے سچ مانا وہ مومن ہے۔ گویا دونوں جملوں کا مصداق علیحدہ ہے۔

۵۱۔ محسنین کا اجر: یعنی اللہ تعالیٰ متقین و محسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو برا کام ہو گیا وہ معاف کرے گا (تنبیہ) شاید اسوٰء اور اَحْسَن (صیغہ تفصیل) اس لئے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں سے اور ادنیٰ برائی اوروں کی برائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۶۔ کیا اللہ بس نہیں اپنے بندہ کو اور تجھ کو ڈراتے ہیں ان سے جو اس کے سوائے ہیں اور جسکو راہ بھلائے اللہ تو کوئی نہیں اسکو راہ دینے والا

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۗ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ  
مِنْ دُونِهِ ۗ وَمَنْ يُضِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ

۳۷۔ اور جسکو راہ بھلائے اللہ تو کوئی نہیں اسکو بھلانے والا کیا نہیں ہے اللہ زبردست بدلہ لینے والا [۵۲]

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ  
بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۖ

۳۸۔ اور جو تو ان سے پوچھے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوائے اگر چاہے اللہ مجھ پر کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اسکی ڈالی ہوئی یا وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اسکی مہربانی کو تو کہہ مجھ کو بس ہے اللہ اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
لَيَقُولَنَّ اللَّهُ ۗ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ  
دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ  
ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ

ط قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

والے [۵۳]

۳۸

۳۹۔ تو کہہ اے قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝

۴۰۔ کس پر آتی ہے آفت کہ اس کو رسوا کرے اور اترتا ہے اس پر عذاب سدا رہنے والا [۵۴]

عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

۴۱۔ ہم نے اتاری ہے تجھ پر کتاب لوگوں کے واسطے سچے دین کے ساتھ پھر جو کوئی راہ پر آیا سو اپنے بھلے کو اور جو کوئی بہکا سو یہی بات ہے کہ بہکا اپنے برے کو اور تو ان کا ذمہ دار نہیں [۵۵]

إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّٰ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

عَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝

۵۲۔ دیوتاؤں کے مقابلے میں اللہ کافی ہے: چند آیات پہلے فَزَبَّ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ اِنْ لَّمْ يَشْكُرْ لِي شَرِكًا كَارِهًُا اور مشرکین کا جہل بیان کیا گیا تھا۔ اس پر مشرکین پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے کہ دیکھو تم ہمارے دیوتاؤں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلاؤ۔ کہیں تم کو (معاذ اللہ) بالکل خبطی اور پاگل نہ بنا دیں۔ اس کا جواب دیا کہ جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا، اسے ان عاجز اور بے بس خداؤں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اس عزیز منتقم کی امداد و حمایت اس کو کافی نہیں جو کسی دوسرے سے ڈرے یا لو لگائے یہ بھی ان مشرکین کا خبط و ضلال اور مستقل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہیں۔

ہدایت اور گمراہی صرف اللہ کی طرف سے ہے: سچ تو یہ ہے کہ ٹھیک راستہ پر لگا دینا یا نہ لگانا سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جب کسی شخص کو اس کی بد تمیزی اور کج روی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا میاں کاراستہ نہ دے، وہ اسی طرح خبطی اور پاگل ہو جاتا ہے اور موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی قوت بھی اس میں نہیں رہتی۔ کیا ان احمقوں کو اتنا نہیں سوچتا کہ جو بندہ خداوند قدوس کی پناہ میں آگیا، کونسی طاقت ہے جو اس کا بال بیٹکا کر سکے۔ جو طاقت مقابل ہوگی پاش پاش کر دی جائے گی۔ غیرت خداوندی مخلص و فاداروں کا بدلہ لئے بدون نہ چھوڑے گی۔

۵۳۔ اللہ کے نفع و ضرر کو کوئی نہیں ٹال سکتا: یعنی ایک طرف تو خداوند قدوس جو تمہارے اقرار کے موافق تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بیجان مور تیں یا عاجز مخلوق جو سب ملکر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف و راحت کو اس کی جگہ سے نہ ہٹا سکے۔ تم ہی بتاؤ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے حضرت ہوڈکی قوم نے بھی کہا تھا۔ اِنْ نَّقُولُ

إِلَّا اعْتَرَضَكَ بَعْضُ الْيَهُتِنَا بِسُوءٍ (ہود-۵۴) جس کا جواب حضرت ہود نے یہ دیا۔ اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اَشْهَدُ اَنَّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ مِنْ دُوْنِهِ فَكَيْدُوْنِ جَبِيْعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُوْنَ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مَا مِنْ دَاۤءٍ اِلَّا هُوَ اَخَذَ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود-۵۵، ۵۶، ۵۷) اور حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے فرمایا تھا وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا وَّ سَخَّرَ لِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عَلَیْنَا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ۔ وَ كَيْفَ اَخَافُ مَا اُشْرِكْتُمْ وَّ لَا تَخَافُوْنَ اَنْتُمْ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنزِلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا فَاِنَّ الْفٰرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاٰمَنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انعام ۸۱، ۸۰)

۵۴۔ غالب کون مومن یا مشرک: یعنی عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ خدائے واحد کا بندہ غالب آتا ہے یا صہادہ دروازوں کے بھکاری کامیاب ہوتے ہیں۔ واقعات جلد بتلا دیں گے کہ جو بندہ اللہ کی حمایت اور پناہ میں آیا اس کا مقابلہ کرنے والے آخر کار سب ذلیل و خوار ہوئے (تنبیہ) عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ سَے دنیا کا اور عَذَابٌ مُّقْتَبِیْمٌ سے آخرت کا عذاب مراد ہے واللہ اعلم۔

۵۵۔ انسان کا نفع اور نقصان واضح ہے: یعنی تیری زبان پر اس کتاب کے ذریعہ سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک ٹھیک بتلا دیا گیا۔ آگے ہر ایک آدمی اپنا نفع و نقصان سوچ لے نصیحت پر چلے گا تو اسی کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ تجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئے۔ صرف پیغام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا کے سپرد کر دیجئے جس کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور سلانا جگانا سب کچھ ہے۔

۴۲۔ اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو انکے مرنے کا اور جو نہیں مریں انکو کھینچ لیتا ہے انکی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو دھیان کریں [۵۶]

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

لَايَةٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٢﴾

۴۳۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اللہ کے سوائے کوئی سفارش والے [۵۷] تو کہہ اگرچہ ان کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا اور نہ سمجھ [۵۸]

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۗ قُلْ أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَبْلُغُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٣﴾

۴۴۔ تو کہہ اللہ کے اختیار میں ہے ساری سفارش اسی کا راج ہے آسمان اور زمین میں پھر اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے [۵۹]

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۗ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ ۗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤﴾

۴۵۔ اور جب نام لیجئے خالص اللہ کا رک جاتے ہیں دل

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ حُدِّثَتْ اَشْبَاظُ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا

انکے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا اور جب نام لیجے اس کے سوا اوروں کا تب وہ لگیں خوشیاں کرنے [۶۰]

يَوْمُنَّوْنَ بِالْآخِرَةِ ۚ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ

إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۳۵﴾

۵۶۔ موت اور نیند کی حقیقت: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر (واپس) بھیجتا ہے۔ یہ ہی نشان ہے آخرت کا۔ معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے۔ جیسے موت میں۔ اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی وہ ہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو (ظاہر) ہوش کہتے ہیں۔ اور ایک جان جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے سو دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھینچتی (موضح القرآن) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہ ہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع دیا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۷۔ بتوں کی سفارش ایک وہم ہے: یعنی بتوں کی نسبت مشرکین دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی ہیں۔ ان ہی کی سفارش سے کام بنتے ہیں۔ اسی لئے انکی عبادت کی جاتی ہے۔ سوا اول تو شفع ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرے شفع بھی وہ بن سکتا ہے جسے اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو اور صرف اس کے حق میں شفاعت کر سکتا ہے جس کو خدا پسند کرے۔ خلاصہ یہ کہ شفع کا ماڈون ہونا اور مشفق کا مرتضیٰ ہونا ضروری ہے۔ یہاں دونوں باتیں نہیں۔ نہ اصنام (بتوں) کا ماڈون ہونا ثابت ہے نہ کفار کا مرتضیٰ ہونا۔ لہذا ان کا دعویٰ غلط ہوا۔

۵۸۔ یعنی بتوں کو نہ اختیار ہے نہ سمجھ، پھر انکو شفع ماننا عجیب ہے۔

۵۹۔ ساری سفارش اللہ کے اختیار میں ہے: یعنی فی الحال بھی زمین و آسمان میں اسی کی سلطنت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے تو اس کی اجازت و خوشنودی کے بغیر کس کی مجال ہے جو زبان ہلا سکے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی اللہ کے روبرو سفارش ہے پر اللہ کے حکم سے، نہ تمہارے کہے سے۔ جب موت آئے کسی کے کہے سے عزرائیل نہیں چھوڑتا۔

۶۰۔ توحید کے ذکر پر مشرک کا انقباض: مشرک کا خاصہ ہے کہ گو بعض وقت زبان سے اللہ کی عظمت و محبت کا اعتراف کرتا ہے، لیکن اس کا دل اکیلے خدا کے ذکر اور حمد و ثنا سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے جس کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہی حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت و عظمت اور اس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو چہروں پر انقباض کے آثار ظاہر ہوتے ہیں مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آجائے اور جھوٹی سچی کرامات اناپ شناپ بیان کر دی جائیں وہ چہرے کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت و انبساط جوش مارنے لگتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔ فالی اللہ المشکیٰ و ہو المستعان۔

۴۶۔ تو کہہ اے اللہ پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمین کے جاننے والے چھپے اور کھلے کے تو ہی فیصلہ کرے اپنے بندوں میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے تھے [۶۱]

قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِمِ الْغَيْبِ  
وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا

فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۶﴾



۴۷۔ اور اگر گنہگاروں کے پاس ہو جتنا کچھ کہ زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اور اسکے ساتھ تو سب دے ڈالیں اپنے چھڑوانے میں بری طرح کے عذاب سے دن قیامت کے اور نظر آئے انکو اللہ کی طرف سے جو خیال بھی نہ رکھتے تھے

وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَ بَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا

يَحْتَسِبُونَ ﴿٢٤﴾

۴۸۔ اور نظر آئیں ان کو برے کام اپنے جو کما تے تھے اور الٹ پڑے ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے [۲۴]

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٢٨﴾

۴۹۔ سو جب آگتی ہے آدمی کو کچھ تکلیف ہم کو پکارنے لگتا ہے [۲۳] پھر جب ہم بخشش اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت کہتا ہے یہ تو مجھ کو ملی کہ پہلے سے معلوم تھی [۲۴] کوئی نہیں یہ جانچ ہے پر وہ بہت سے لوگ نہیں سمجھتے [۲۵]

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۗ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّا أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾

۵۰۔ کہہ چکے ہیں یہ بات ان سے اگلے پھر کچھ کام نہ آیا انکو جو کما تے تھے

قَدْ قَالهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ

مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾

۵۱۔ پھر پڑ گئیں ان پر برائیاں جو کمائی تھیں [۲۶] اور جو گنہگار ہیں ان میں سے ان پر بھی اب پڑتی ہیں برائیاں جو کمائی ہیں اور وہ نہیں تھکانے والے [۲۷]

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۗ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۗ وَمَا

هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥١﴾

۵۲۔ اور کیا نہیں جان چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے البتہ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کے واسطے جو مانتے ہیں [۲۸]

أَوْلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

۶۱۔ یعنی جب ایسی موٹی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگے اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں باقی نہ رکھا تو اب تیرے ہی سے فریاد ہے۔ تو ہی ان جھگڑوں کا عملی فیصلہ فرمائے گا۔

۶۲۔ آخرت میں مال کام نہیں آئے گا: یعنی جب قیامت کے دن ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا اس وقت جو ظالم شرک کر کے خدا تعالیٰ کی شان گھٹاتے تھے ان کا سخت برا حال ہو گا۔ اگر اس روز فرض کیجئے کل روئے زمین کے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد انکے پاس موجود ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑالیں، جو بد معاشیاں دنیا میں کی تھیں سب ایک ایک کر کے ان کے سامنے ہوں گی۔ اور ایسے قسم قسم کے ہولناک عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے خیال و گمان میں بھی نہ گذرے تھے۔ غرض توحید خالص اور دین حق سے جو ٹھٹھا کرتے تھے اس کا وبال پڑ کر رہے گا۔ اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔

۶۳۔ خوشی و تکلیف میں مشرکین کی دو عملی: یعنی جس کے ذکر سے چڑھتا تھا مصیبت کے وقت اسی کو پکارتا ہے اور جس کے ذکر سے خوش ہوتا تھا انہیں بھول جاتا ہے۔

۶۴۔ یعنی قیاس یہ ہی چاہتا تھا کہ یہ نعمت مجھ کو ملے۔ کیونکہ مجھ میں اس کی لیاقت تھی اور اس کی کمائی کے ذرائع کا علم رکھتا تھا اور خدا کو میری استعداد و اہلیت معلوم تھی، پھر مجھے کیوں نہ ملتی۔ غرض اپنی لیاقت اور عقل پر نظر کی، اللہ کے فضل و قدرت پر خیال نہ کیا۔

۶۵۔ نعمت امتحان ہے: یعنی ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ بندہ اسے لیکر کہاں تک منعم حقیقی کو پہنچاتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اگر ناشکری کی گئی تو یہ ہی نعمت نعمت بن کر وبال جان ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب کہتے ہیں ”یہ جانچ ہے کہ عقل اس کی دوڑنے لگتی ہے تا اپنی عقل پر بہکے۔ وہ ہی عقل رہتی ہے اور آفت آ پہنچتی ہے“ پھر کسی کے ٹالے نہیں ملتی۔

۶۶۔ چنانچہ قارون نے یہ ہی کیا تھا۔ اس کا جو حشر ہوا وہ پہلے گذر چکا۔

۶۷۔ یعنی جیسے پہلے مجرموں پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا، موجود الوقت مشرکین پر بھی پڑنے والا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ انکو سزا دینا چاہے گا یہ روپوش ہو کر یا اور کسی تدبیر سے اسکو تھکا نہیں سکتے۔

۶۸۔ فرانی و تنگی مقبولیت کا معیار نہیں: یعنی دنیا میں محض روزی کا کشادہ یا تنگ ہونا کسی شخص کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ نہ روزی کا ملنا کچھ عقل و ذہانت اور علم و لیاقت پر منحصر ہے۔ دیکھ لو کتنے بیوقوف یا بد معاش جین اڑا رہے ہیں، اور کتنے عقلمند اور نیک آدمی فالتے کھینچتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی عقل دوڑانے اور تدبیر کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا پھر ایک کو روزی کشادہ ہے، ایک کو تنگ۔ جان لو کہ (صرف) عقل کا کام نہیں (کہ اپنے اوپر روزی کشادہ کر لے) بلکہ یہ تقسیم رزاق حقیقی کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔“

۵۳۔ کہہ دے اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی

کہ ہے اپنی جان پر آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک

اللہ بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف کرنے

والا مہربان [۶۹]

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا

تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ

جَبِيحًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾

۵۴۔ اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اسکی

وَ أُنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَ أَسَلُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَنْ

يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٣﴾

حکبر داری کرو پہلے اس سے کہ آئے تم پر عذاب پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا [۴۰]

وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مَنْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَ أَنْتُمْ لَا

۵۵۔ اور چلو بہتر بات پر جو اتری تمہاری طرف تمہارے رب سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب اچانک اور تمکو خبر نہ ہو [۴۱]

تَشْعُرُونَ ﴿٥٤﴾

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يُحَسِبُنِي عَلَىٰ مَا فَرَطْتُ فِي

۵۶۔ کہیں کہنے لگے کوئی جی اے افسوس اس بات پر کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف سے اور میں تو ہنستا ہی رہا [۴۲]

جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتَ لِبَيْنِ السُّخْرِيَيْنِ ﴿٥٦﴾

۵۷۔ یا کہنے لگے اگر اللہ مجھ کو راہ دکھاتا تو میں ہوتا ڈرنے والوں میں [۴۳]

أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ

الْمُتَّقِينَ ﴿٥٧﴾

۵۸۔ یا کہنے لگے جب دیکھے عذاب کو کسی طرح مجھ کو پھر جانا ملے تو میں ہو جاؤں نیکی والوں میں [۴۴]

أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَاكُونَ

مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ کیوں نہیں پہنچ چکے تھے تیرے پاس میرے حکم پھر تو نے انکو جھٹلایا اور غرور کیا اور تو تھا منکروں میں [۴۵]

بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ

وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾

۶۰۔ اور قیامت کے دن تو دیکھے انکو جو جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر کہ ان کے منہ ہوں سیاہ [۴۶] کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ غرور والوں کا [۴۷]

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ اللَّهِ

وَجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ ۖ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى

لِلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾

وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَكْفُرُ اللَّهُ عَنْهُمْ وَلَهُ عَذَابُ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ  
۶۱۔ اور بچائے گا اللہ انکو جو ڈرتے رہے انکے بچاؤ کی جگہ نہ لگے انکو برائی اور نہ وہ غمگین ہوں [۷۸]

يَسْتَهْمُ السُّوءَ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦١﴾

۶۹۔ اللہ کی بے پایاں رحمت کا اعلان: یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگزر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اسیر شفا کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، بد معاش، فاسق، فاجر کوئی ہو آیت ہذا کو سننے کے بعد خدا کی رحمت سے بالکل بے مایوس ہو جانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لئے کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اللہ جس کے چاہے سب گناہ معاف کر سکتا ہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ پھر بندہ ناامید کیوں ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے دوسرے اعلانات میں تصریح کر دی گئی کہ کفر و شرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں کرے گا۔ لہذا إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا كَوَيْفَ يَشَاءُ کے ساتھ مقید سمجھنا ضروری ہے کما قال تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (نساء۔ ۴۸) اس تقلید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدون توبہ کے اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کر سکے اور نہ یہ مطلب ہو کہ کسی جرم کے لئے توبہ کی ضرورت ہی نہیں بدون توبہ کے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ قید صرف مشیت کی ہے اور مشیت کے متعلق دوسری آیات میں بتلادیا گیا کہ وہ کفر و شرک سے بدون توبہ کے متعلق نہ ہوگی۔ چنانچہ آیہ ہذا کی شان نزول بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت کے فائدے سے معلوم ہو گا۔

۷۰۔ توبہ و انابت کا حکم: مغفرت کی امید دلا کر یہاں سے توبہ کی طرف متوجہ فرمایا۔ یعنی گذشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اللہ کے بے پایاں جو دو کرم سے شرمناک کفر و عصیان کی راہ چھوڑو، اور اس رب کریم کی طرف رجوع ہو کر اپنے کو بالکل اسی کے سپرد کر دو۔ اس کے احکام کے سامنے نہایت عجز و اخلاص کے ساتھ گردن ڈال دو۔ اور خوب سمجھ لو کہ حقیقت میں نجات محض اسکے فضل سے ممکن ہے۔ ہمارا رجوع و انابت بھی بدون اس کے فضل و کرم کے میسر نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کیا۔ جو کفار دشمنی میں لگے رہے تھے سمجھے کہ لاریب اس طرف اللہ ہے۔ یہ سمجھ کر اپنی غلطیوں پر پچھتائے لیکن شرمندگی سے مسلمان نہ ہوئے کہ اب ہماری مسلمانی کیا قبول ہوگی۔ دشمنی کی، لڑائیاں لڑے اور کتنے خدا پرستوں کے خون کئے تب اللہ نے یہ فرمایا کہ ایسا گناہ کوئی نہیں جس کی توبہ اللہ قبول نہ کرے، ناامید مت ہو، توبہ کرو اور رجوع ہو، بخشے جاؤ گے مگر جب سر پر عذاب آیا یا موت نظر آنے لگی اس وقت کی توبہ قبول نہیں۔ نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔

۷۱۔ عذاب سے پہلے قرآن کی اطاعت کرو: بہتر بات سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی قرآنی ہدایات پر چل کر عذاب آنے سے پہلے اپنے مستقبل کی روک تھام کر لو، ورنہ معائنہ عذاب کے بعد کچھ تدارک نہ ہو سکے گا نہ کوئی تدمیر بن پڑے گی عذاب الہی اس طرح ایک دم آدبائے گا کہ خبر بھی نہ ہوگی کہاں سے آگیا۔

۷۲۔ محشر میں کفار کی ندامت: یعنی ہو او ہو، رسم تقلید اور دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس کے دین کی اور پیغمبروں کی اور جس ہولناک انجام سے پیغمبر ڈرایا کرتے تھے، سب کی ہنسی اڑاتا رہا۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھی۔ افسوس خدا کے پہچاننے اور اس کا حق ماننے میں نے کس قدر کوتاہی کی۔ جس کے نتیجے میں آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا۔ (یہ بات کافر محشر میں کہے گا اور اگر آیت کا مضمون کفار و عصاة کو عام رکھا جائے تو إِنَّ كُنْتُمْ لِبَيْنِ السَّنَخِرِيِّينَ کے معنی عَمَلٌ سَاخِرٌ مُسْتَهْزِئٍ کے ہوں گے۔ کما فسر بہ ابن کثیر۔)

۷۳۔ جب حسرت و افسوس سے کام نہ چلے گا تو اپنا دل بہلانے کے لئے یہ عذر لنگ پیش کرے گا کہ کیا کہوں خدا نے مجھ کو ہدایت نہ کی۔ وہ ہدایت کرنا چاہتا تو میں بھی آج متیقن کے درجہ میں پہنچ جاتا۔ اس کا جواب آگے آتا ہے۔ بَلَى قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي الْخَالِحِ اور ممکن ہے یہ کلام بطریق

اعتذار و احتجاج نہ ہو بلکہ محض اظہارِ یاس کے طور پر ہو۔ یعنی میں اپنی سوء استعداد اور بد تمیزی کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اللہ مجھ کو راہ دکھا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتا۔ اگر مجھ میں اہلیت و استعداد ہوتی اور اللہ میری دستگیری فرماتا تو میں بھی آج متیقن کے زمرہ میں شامل ہوتا۔

۴۴۔ دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا: جب حسرت اور اعتذار دونوں بیکار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا اس وقت شدتِ اضطراب سے کہے گا کہ کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو دیکھو میں کیسے نیک بن کر آتا ہوں۔

۴۵۔ کفار کی یہ تمنا بھی غلط ہے: یعنی غلط کہتا ہے۔ کیا اللہ نے راہ نہیں دکھلائی تھی اور اپنے پیغمبروں کو نشانات اور احکام دیکر نہیں بھیجا تھا مگر تو نے تو ان کی کوئی بات ہی نہیں سنی۔ جو کچھ کہا گیا غرور اور تکبر سے اسے جھٹلاتا رہتا تیری شیخی قبول حق سے مانع رہی۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ کو ازل سے معلوم تھا کہ تو اس کی آیات کا انکار کرے گا۔ اور تکبر و سرکشی سے پیش آئے گا، تیرے مزاج اور طبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے۔ اگر ہزار مرتبہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تب بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آسکتا۔ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُوَ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام-۲۸) ایسے لوگوں کی نسبت خدا کی عادت نہیں کہ انکو عروس کامیابی سے ہمکنار کرے۔

۴۶۔ قیامت میں مکذبین کے چہرے کالے ہوں گے: اللہ کی طرف سے جو سچی بات آئے اسکو جھٹلانا یہی اللہ پر جھوٹ بولنا ہے۔ کیونکہ جھٹلانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ واقع میں کہی ہے اس جھوٹ کی سیاہی قیامت کے دن ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔

۴۷۔ تکبر کا ٹھکانہ دوزخ ہے: پہلے فَكذَّبَتْ بِهَا وَاَسْتَكْبَرَتْ میں دو صفتیں کافر کی بیان ہوئی تھیں۔ تکذیب جو مشتمل ہے کذب پر اور استکبار و غرور یہاں بتلا دیا کہ کذب و دروغ سے ان کے منہ کالے ہوں گے اور غرور و تکبر کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا کہیں نہیں۔

۴۸۔ متیقن کا انجام: یعنی اللہ تعالیٰ متیقن کو انکے ازلی فوز و سعادت کی بدولت کامیابی کے اس بلند مقام پر پہنچائے گا جہاں ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ اور ہر طرح کے فکر و غم سے آزاد ہوں۔

۶۲۔ اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر چیز کا ذمہ لیتا ہے

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

وَكَوْنٌ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے [۴۹]

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بَاٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ تو کہہ اب اللہ کے سوائے کسی کو بتلاتے ہو کہ پوجوں اے نادانو! [۸۰]

قُلْ اَفَغَيْرِ اللّٰهِ تَمْرُوْنَ ۗ اَعْبُدُ اِيَّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے اگلوں کو کہ اگر تو نے شریک مان لیا تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو گا ٹوٹے میں پڑا

وَ لَقَدْ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ

لَيْسَ اَشْرٰكُتْ لِيَّحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ

الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ نہیں بلکہ اللہ ہی کو پوج اور رہ حق ماننے والوں میں [۸۱]

بَلِ اللّٰهِ فَاَعْبُدُوْكُمْ وَاَنْتُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

۶۷۔ اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے [۸۲] اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اسکی دن قیامت کے اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں اسکے داہنے ہاتھ میں وہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں [۸۳]

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيٰتٌۢ بِيَمِيْنِهِ ۗ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

۷۹۔ کفر کرنے والے ہی گھائے میں ہیں: یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد اس کی بقاء و حفاظت کا ذمہ دار بھی وہ ہی ہوا اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف و اقتدار بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ سب خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ پھر ایسے خدا کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے۔ چاہئے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے۔ کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اسی کے زیر تصرف ہیں۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی کسی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے۔

۸۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک کی دعوت اور اس کا جواب: یعنی انتہائی نادانی اور حماقت و جہالت یہ ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرے اور پیغمبر خدا سے (معاذ اللہ) یہ طمع رکھے کہ وہ اس کے راستہ پر آجائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ کو اپنے دیوتاؤں کی طرف بلایا تھا، اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

۸۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت: یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا، باقی رکھنا، اور ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اس کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور ادیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلادیا گیا ہے کہ (آخرت میں) مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان و خسران کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لہذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اس کا شکر گزار و وفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت و جلال کو سمجھے۔ عاجز و حقیر مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔ اسکو اسی طرح بزرگ و برتر مانے جیسا وہ واقع میں ہے۔

۸۲۔ مشرکین اللہ کو نہیں سمجھتے: یعنی مشرکین نے اس کی عظمت و جلال اور بزرگی و برتری کو وہاں تک نہ سمجھا اور ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے تھا۔ اس کی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا کیا عاجز و محتاج مخلوق حتیٰ کہ پتھر کی بیجان مورتیوں کو اس کا شریک تجویز کر سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ آگے اس کی بعض شون عظمت و جلال کا بیان ہے۔

۸۳۔ زمین و آسمان ایک مٹھی میں: یعنی جس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کا غذا کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے، اسکی عبادت میں بیجان یا عاجز و محتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہو گا۔ وہ شرکاء تو خود اسکی مٹھی میں پڑے ہیں۔ جس طرح چاہے ان پر تصرف کرے۔ ذرا کان یا زبان نہیں بلا سکتے۔ (تنبیہ) مَطْوِيٰتٌۢ بِيَمِيْنِهِ کے متعلق سورہ "انبیاء" کی آیت یَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ (الانبیاء۔ ۱۰۴) الخ کا حاشیہ دیکھنا چاہئے۔ اور "یمین" وغیرہ کے الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے بعض احادیث میں ہے۔ وَكَلَّمْنَا يَدِيْهِ بِبَيِّنٰتٍ (اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں) اس سے تجسّم تجیز اور جہت وغیرہ کی نفی ہوئی ہے۔

۶۸۔ اور پھونکا جائے صور میں پھر بیہوش ہو جائے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکی جائے دوسری بار تو فوراً وہ کھڑے ہو جائیں ہر طرف دیکھتے [۸۳]

وَنفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نَفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ

فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھریں دفتر اور حاضر آئیں پیغمبر اور گواہ اور فیصلہ ہو ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہو گا [۸۵]

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجَاءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ اور پورا ملے ہر جی کو جو اس نے کیا [۸۶] اور اسکو خوب خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں [۸۷]

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَبَدَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ اور ہانکے جائیں جو منکر تھے دوزخ کی طرف گروہ گروہ [۸۸] یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر کھولے جائیں اسکے دروازے [۸۹] اور کہنے لگیں انکو اسکے داروغہ [۹۰] کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں کے [۹۱] پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تھے تم کو اس تمہارے دن کی ملاقات سے بولیں کیوں نہیں پر ثابت ہوا حکم عذاب کا منکروں پر [۹۲]

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِن حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ حکم ہووے گا کہ داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے سدا رہنے کو اس میں سو کیا بری جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو [۹۳]

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾

۷۳۔ اور ہانکے جائیں وہ لوگ جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے جنت کو گروہ گروہ [۹۴] یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے اور کہنے لگیں ان کو داروغہ اس کے سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو [۹۵]

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ  
إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا  
سَلِّمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿۴۳﴾

۷۴۔ اور وہ بولیں شکر اللہ کا جس نے سچ کیا ہم سے اپنا وعدہ [۹۶] اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا [۹۷] گھر لے لیوں بہشت میں سے جہاں چاہیں [۹۸] سو کیا خوب بدلا ہے محنت کرنے والوں کا

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ  
وَأَوْثَقَنَا الْأَرْضَ نَتَّبِعُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ج  
فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَالِمِينَ ﴿۴۴﴾

۷۵۔ اور تو دیکھے فرشتوں کو گھر رہے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور فیصلہ ہوتا ہے ان میں انصاف کا اور یہی بات کہتے ہیں کہ سب خوبی ہے اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا [۹۹]

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ  
يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ج وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَ  
قِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۵﴾

۸۲۔ تیسرا نفلہ صور: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ایک بار نفلہ صور ہے عالم کے فنا کا، دوسرا ہے زندہ ہونے کا، یہ تیسرا بعد حشر کے ہے بیہوشی کا، چوتھا خبردار ہونے کا، اسکے بعد اللہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی۔ اور تبغیر یسیر۔ لیکن اکثر علمائے محققین کے نزدیک کل دومرتبہ نفلہ صور ہوگا۔ پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے۔ پھر زندے تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ بعدہ دوسرا نفلہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بیہوشوں کو افاقہ ہوگا۔ اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کر حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے۔ پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کئے جائیں گے۔ (تنبیہ) اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ سے بعض نے جبریل، میکائیل اسرافیل اور ملک الموت مراد لئے ہیں۔ بعض نے ان کے ساتھ حملۃ العرش کو بھی شامل کیا ہے۔ بعض کے نزدیک انبیاء و شہد امراد ہیں واللہ اعلم۔ بہر حال یہ استثنا اس نفلہ کے وقت ہوگا۔ اس کے بعد ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے۔ لَبِّنِ الْبُنْدُكُ الْيَوْمَ ط بِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن-۱۶)۔

۸۵۔ حساب کیلئے حق تعالیٰ کا نزول: یعنی اس کے بعد حق تعالیٰ حساب کے لئے اپنی شان کے مناسب نزول اجلال فرمائیں گے (کماوردنی بعض روایات الدر المنثور) اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور بے کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی حساب کا دفتر کھلے گا۔ سب کے اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے اور ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنایا جائے گا۔ کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہوگی۔ (تنبیہ) شہداء سے مراد علاوہ انبیاء علیہم السلام کے فرشتے، امت محمدیہ کے لوگ اور انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب ہو سکتے ہیں۔ اور حضرت شاہ صاحب نے ہر امت کے نیک آدمی مراد لئے ہیں۔



۸۶۔ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی جس کا جتنا اچھا یا برا عمل ہے سب خدا کے علم میں ہے اسی کے موافق بدلہ ملے گا۔ جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔

۸۷۔ یعنی گواہ آتے ہیں انکے الزام کو۔ ورنہ اللہ سے کیا چیز پوشیدہ ہے (کذافی الموضح)

۸۸۔ کفار کو دوزخ کی طرف ذلت سے ہانکا جائے گا: یعنی تمام کافروں کو دھکے دیکر نہایت ذلت و خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔ اور چونکہ کفر کے اقسام و مراتب بہت ہیں، ہر قسم اور ہر درجہ کے کافروں کا گروہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔

۸۹۔ جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھانک کھلا نہیں رہتا، جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے کھول کر داخل کرتے ہیں اور پھر بند کر دیتے ہیں ایسے ہی وہاں جس وقت دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے دروازے کھول کر اس میں دھکیل دیا جائے گا۔ اس کے بعد دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ عَلَيْهِمْ مَوْصَدَاتٌ (ہمزہ ۸)۔

۹۰۔ یعنی جو فرشتے دوزخ کے محافظ ہیں وہ کفار سے بطور ملامت یہ کہیں گے۔

۹۱۔ یعنی جن سے تم کو بسبب ہم جنس ہونے کے فیض لینا بہت آسان تھا۔

۹۲۔ یعنی پیغمبر کیوں نہیں آئے۔ ضرور آئے ہم کو اللہ کی باتیں سنائیں، اور آج کے دن سے بہت کچھ ڈرایا۔ لیکن ہماری بد بختی اور نالائقی کہ ہم نے ان کا کہنا مانا، آخر خدا کی اٹل تقدیر سامنے آئی اور عذاب کا حکم ہم کافروں پر ثابت ہو کر رہا۔ فَاعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ فَمَسْحَقًا لِصَحْبِ السَّعِيرِ (الملک ۱۱)

۹۳۔ یعنی تم نے شیخی اور غرور میں آکر اللہ کی بات نہ مانی۔ اب ہمیشہ دوزخ میں پڑے اس کا مزہ چکھتے رہو۔

۹۴۔ یعنی ایمان و تقویٰ کے مدارج چونکہ متفاوت ہیں ہر درجہ کے مومنین متقین کی جماعت الگ ہوگی اور ان سب جماعتوں کو نہایت شوق دلا کر جلدی جلدی جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

۹۵۔ اہل جنت کا استقبال و اکرام: یعنی جس طرح مہمانوں کے لئے ان کی آمد سے پہلے مہمان خانہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے۔ جنتی وہاں پہنچ کر جنت کے دروازے کھلے پائیں گے۔ کما قال فی موضع آخر مُفْتَتِحَةً لَهُمُ الذَّبَابُ (ص ۵۰) اور خدا کے فرشتے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ کلمات سلام و ثناء وغیرہ سے ان کا استقبال کریں گے اور جنت میں رہنے کی بشارت سنائیں گے۔

۹۶۔ اہل جنت کا شکر: یعنی خدا کا شکر جو وعدے انبیاء کی زبانی دنیا میں کئے گئے تھے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

۹۷۔ یعنی جنت کی زمین کا۔

۹۸۔ جنت میں جہاں چاہو رہو: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”ان کو حکم ہے جہاں چاہیں رہیں۔ لیکن ہر کوئی وہ ہی جگہ چاہے گا جو اس کے واسطے پہلے سے رکھی ہے۔“ اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ جنت میں سیر و ملاقات کے لئے کہیں آنے جانے کی روک ٹوک نہ ہوگی۔

۹۹۔ عرش کے گرد ملائکہ کا ہجوم: یعنی حق تعالیٰ جب حساب کتاب کے لئے نزول اجلال فرمائیں گے اس وقت فرشتے عرش کے گرد اگر دھلے باندھے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے۔ اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس پر ہر طرف سے جوش و خروش کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کا نعرہ بلند ہو گا یعنی ساری خوبیاں اس خدا کو زیبائیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے (جس نے سارے جہان کا ایسا عمدہ فیصلہ کیا) اسی نعرہ تحسین پر دربار برخواست ہو جائے گا۔ عموماً مفسرین نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے آیت کو حالت راہنہ پر حمل کیا ہے اور قُضِيَ بَيْنَهُمْ کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ”فرشتوں میں یہ فیصلہ یہ کہ ہر ایک فرشتہ (ملائے اعلیٰ میں) اپنے قاعدہ سے ایک تدبیر بولتا ہے (کما یثیر الیہ اختصاص الملائعہ علی و تفصیلہ فی حجۃ اللہ البالغہ) پھر اللہ تعالیٰ ایک کی بات جاری کرتا ہے۔ وہ ہی ہوتی ہے حکمت کے موافق۔ یہ ماجرا اب بھی ہے اور قیامت میں بھی۔“ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ تم سورۃ الزمر

آیاتها ۸۵

۲۰ سُورَةُ الْبُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰

رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اَلْحَمْدُ

حَمْدٌ

۲۔ اتارنا کتاب کا اللہ سے ہے جو زبردست ہے خبر دار

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۲﴾

۳۔ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا [۱] سخت عذاب دینے والا مقدور والا [۲] کسی کی بندگی نہیں سوائے اسکے اسی کی طرف پھر جانا ہے [۳]

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۴

ذِی الطَّوْلِ ۵ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۳﴾

۴۔ وہی جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں جو منکر ہیں [۴] سو تجھ کو دھوکا نہ دے یہ بات کہ وہ چلتے پھرتے ہیں شہروں میں [۵]

مَا يَجَادِلُ فِیْ اٰیَةِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَلَا

يَعْرِوْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ ﴿۴﴾

۵۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح کی اور کتنے فرقے ان سے پیچھے اور ارادہ کیا ہر امت نے اپنے رسول پر کہ اس کو پکڑ لیں اور لانے لگے جھوٹے جھگڑے کہ اس سے ڈگا دیں سچے دین کو پھر میں نے انکو پکڑ لیا کہو پھر کیسا ہوا میرا سزا دینا [۶]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْ

بَعْدِهِمْ ۶ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَا

جَدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهٖ الْحَقَّ

فَاْخَذْتَهُمْ ۷ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾

۶۔ اور اسی طرح ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب کی منکروں پر کہ یہ ہیں دوزخ والے [۷]

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلٰی الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اَنْهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

۷۔ جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور اس پر یقین رکھتے ہیں اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے [۸] اے پروردگار ہمارے ہر چیز سمائی ہوئی ہے تیری بخشش اور خبر میں سو معاف کر انکو جو توبہ کریں اور چلیں تیری راہ پر اور بچا انکو آگ کے عذاب سے [۹]

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ  
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ  
لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَ  
عِلْمًا فَاعْفُ رِ لِّلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَ  
قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۷﴾

۸۔ اے رب ہمارے اور داخل کر انکو سدا بسنے کے باغوں میں جنکا وعدہ کیا تو نے ان سے اور جو کوئی نیک ہو انکے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولاد میں پیشک تو ہی ہے زبردست حکمت والا [۱۰]

رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَ  
مَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ  
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۸﴾

۹۔ اور بچا انکو برائیوں سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے اس دن اس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد پانی [۱۱]

وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ  
فَقَدْ رَحِمْتَهُ ۗ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۹﴾

۱۔ توبہ کی فضیلت: یعنی توبہ قبول کر کے گناہوں سے ایسا پاک و صاف کر دیتا ہے گویا کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ اور مزید برآں توبہ کو مستقل طاعت قرار دیکر اس پر اجر عنایت فرماتا ہے۔

۲۔ یعنی بجد قدرت و وسعت اور غنا والا جو بندوں پر انعام و احسان کی بارشیں کرتا رہتا ہے۔

۳۔ جہاں پہنچ کر ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ ملے گا۔

۴۔ یعنی اللہ کی باتیں اور اس کی عظمت و قدرت کے نشان ایسے نہیں جن میں کوئی جھگڑا کیا جائے۔ مگر جن لوگوں نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ روشن سے روشن دلائل و براہین اور کھلی کھلی باتوں کا بھی انکار کیا جائے وہ ہی سچی باتوں میں ناحق جھگڑے ڈالتے ہیں۔

۵۔ منکرین کی دنیوی حالت سے دھوکا نہ کھاؤ: یعنی ایسے منکرین کا انجام تباہی اور ہلاکت ہے۔ گوئی الحال وہ شہروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے نظر آتے ہیں اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہال و استدرار ہے کہ چند روز چل پھر کر دنیا کے مزے اڑالیں، یا

تجارتیں اور سازشیں کر لیں۔ پھر ایک روز غفلت کے نشہ میں پوری طرح مغمور ہو کر پکڑے جائیں گے اگلی قوموں کا حال بھی یہ ہی ہوا۔

۶۔ پچھلی قوموں کے حال سے عبرت: یعنی ہر ایک امت کے شہیروں نے اپنے پیغمبروں کو پکڑ کر قتل کرنے یا ستانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ

جھوٹے ڈھکوسلے کھڑے کر کے سچے دین کو شکست دیں، اور حق کی آواز کو ابھرنے نہ دیں، لیکن ہم نے ان کا داؤں چلنے نہ دیا اور اس کے بجائے کہ وہ پیغمبروں کو پکڑتے ہم نے ان کو پکڑ کر سخت سزائیں دیں، پھر دیکھ لو ہماری سزا کیسی ہوئی کہ ان کی بیخ و بنیاد باقی نہ چھوڑی۔ آج بھی ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار کہیں کہیں موجود ہیں، ان ہی کو دیکھ کر انسان انکی تباہی کا تصور کر سکتا ہے۔

۷۔ موجودہ منکرین بھی اہل دوزخ ہیں: یعنی جس طرح اگلی قوموں پر عذاب آنے کی بات پوری اتر چکی، موجود الوقت منکروں پر بھی اتری ہوئی سمجھو۔ اور جس طرح پیغمبروں کے اعلان کے موافق کافروں پر دنیوی عذاب آکر رہا۔ تیرے رب کی یہ بات بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ (تنبیہ) بعض نے اَنَّهُمْ اَصْحَابُ النَّارِ کو لَانَّهُمْ کے معنی میں لے کر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ گذشتہ منکروں کا طرح موجودہ منکروں پر بھی اللہ کی بات سچی ہے کیونکہ یہ بھی اصحاب النار میں سے ہیں۔

۸۔ مومنین کیلئے فرشتوں کا استغفار: پہلی آیات میں مجرمین و منکرین کا حال زبوں بیان ہوا تھا۔ یہاں انکے مقابل مومنین تائبین کا فضل و شرف بیان کرتے ہیں۔ یعنی عرش عظیم کو اٹھانے والے اور اس کے گرد طواف کرنے والے بیشار فرشتے جنکی غذا صرف حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ہے اور جو مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان و یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے آگے مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! اس عزت افزائی اور شرف و احترام کا کیا ٹھکانا ہے کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہو گئیں ملائکہ کُرو بیہن بارگاہ احدیت میں ان کے لئے غائبانہ معافی چاہیں۔ اور جب ان کی شان میں وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ آیا تو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے۔

۹۔ فرشتوں کے استغفار کا مضمون: یہ فرشتوں کے استغفار کی صورت بتلائی۔ یعنی بارگاہ احدیت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کا علم اور رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ پس جو کوئی تیرے علم محیط میں برائیوں کو چھوڑ کر سچے دل سے تیری طرف رجوع ہو اور تیرے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہو، اگر اس سے بمقتضائے بشریت کچھ کمزوریاں اور خطائیں سرزد ہو جائیں، آپ اپنے فضل و رحمت سے اسکو معاف فرمادیں۔ نہ دنیا میں ان پر دار و گیر ہو اور نہ دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے۔ باقی جو مسلمان توبہ و انابت کی راہ اختیار نہ کرے اس کا یہاں ذکر نہیں۔ آیت ہذا اس کی طرف سے سہکت ہے بظاہر حالین عرش انکے حق میں دعا نہیں کرتے۔ اللہ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا؟ یہ دوسری نصوص سے طے کرنا چاہئے۔

۱۰۔ اہل جنت کے اقربا کیلئے فرشتوں کی دعا: یعنی اگرچہ بہشت ہر کسی کو اپنے عمل سے ملتی ہے (جیسا کہ یہاں بھی صلح کی قید سے ظاہر ہے) بدون اپنے ایمان و صلاح کے بیوی، بیٹا اور ماں باپ کام نہیں آتے لیکن تیری حکمتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک کے سبب سے کتنوں کو ان کے عمل سے زیادہ اعلیٰ درجہ پر پہنچادے۔ کما قال تعالیٰ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (طور۔ ۲۱) اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت میں وہ بھی ان ہی کے کسی عمل قلبی کا بدلہ ہو۔ مثلاً وہ آرزو رکھتے ہوں کہ ہم بھی اسی مرد صالح کی چال چلیں۔ یہ نیت اور نیکی کی حرص اللہ کے ہاں مقبول ہو جائے یا اس مرد صالح کے اکرام و مدارات ہی کی ایک صورت یہ ہو کہ اس کے ماں باپ اور بیوی بچے بھی اس کے درجہ میں رکھے جائیں۔

۱۱۔ یعنی محشر میں ان کو کوئی برائی (مثلاً گھبراہٹ اور پریشانی وغیرہ) لاحق نہ ہو۔ اور یہ عظیم الشان کامیابی صرف تیری خاص مہربانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے سمیات سے اعمال سنیہ مراد لئے ہیں یعنی آگے کو انہیں برے کاموں سے محفوظ فرمادے۔ اور ان کی خواہیسی کر دے کہ برائی کی طرف نہ جائیں۔ ظاہر ہے جو آج یہاں برائی سے بچ گیا اس پر تیرا فضل ہو گیا۔ وہ ہی آخرت میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرے گا۔ اس تفسیر پر یہ مہینہ کا ترجمہ بجائے ”اُس دن“ ”اِس دن“ ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی تیری مہربانی ہو کہ برائیوں سے بچے۔“

اپنے عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ تھوڑی بہت برائی سے کون خالی ہے۔” یہ الفاظ دونوں تفسیروں پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔

۱۰۔ جو لوگ منکر ہیں انکو پکار کر کہیں گے اللہ بیزار ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے جس وقت تمکو بلاتے تھے یقین لانے کو پھر تم منکر ہوتے تھے [۱۲]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ  
مَقَّتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ  
فَتَكْفُرُونَ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ بولیں گے اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دوبار اور زندگی دے چکا دوبار [۱۳] اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے [۱۴] پھر اب بھی ہے نکلنے کی کوئی راہ [۱۵]

قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا اِثْنَيْنِ وَاٰحْيَيْنَا  
اِثْنَيْنِ فَاَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ  
مِّنْ سَبِيلٍ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ یہ تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوتے اور جب اسکے ساتھ پکارتے شریک کو تو تم یقین لانے لگتے اب حکم وہی ہے جو کرے اللہ سب سے اوپر بڑا [۱۶]

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحَدَا كَفَرْتُمْ ۚ  
وَ اِنْ يُشٰمِكْ بِهٖ تُوْمِنُوْا ۗ فَاَلْحٰكُمُ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ  
الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ منکرین سے اللہ کی بیزاری کا اعلان: یہ قیامت کے دن کہیں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “یعنی آج تم اپنے (نفس سے بیزار ہو اور) اپنے جی کو پھٹکارتے ہو۔ دنیا میں جب کفر کرتے تھے (اس وقت) اللہ اس سے زیادہ تم کو پھٹکارتا تھا (اور تمہاری حرکات سے بیزار تھا) اسی کا بدلہ آج پاؤ گے” اور بعض مفسرین نے “مقتین” کا زمانہ ایک مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ تم کو دنیا میں بار بار ایمان کی طرف بلا یا جاتا تھا اور تم بار بار کفر کرتے تھے۔ آج اسکی سزا بھگتتے کے وقت جس قدر تم اپنی جانوں سے بیزار ہو رہے ہو اللہ اس سے زیادہ تم سے بیزار ہے۔

۱۳۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “پہلے مٹی تھے یا نطفہ، تو مر دے ہی تھے۔ پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے۔ پھر مرے، پھر زندہ کر کے اٹھائے گئے، یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔ قال تعالیٰ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (بقرہ-۲۸) و قيل غير ذلك والاظهر هو هذا۔

۱۴۔ منکرین کا دوسری موت اور حیات کا اقرار: یعنی انکار کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں۔ نہ حساب کتاب ہے نہ کوئی اور قصہ۔ اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر جری ہوتے تھے۔ اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا اور عدم سے نکال کر وجود عطا فرمایا، دوسری موت کے بعد بھی پیغمبروں کے ارشاد کے موافق دوبارہ زندگی بخشی۔ آج بعث بعد الموت کے وہ سب مناظر جن کا ہم انکار کیا کرتے تھے سامنے ہیں۔ بجز اس کے چارہ نہیں کہ ہم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کا اعتراف کریں۔

۱۵۔ تیسری حیات کی درخواست: یعنی افسوس اب تو بظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت و حیات دے چکے ہیں۔ تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیج دیں۔ تاکہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔

۱۶۔ کفار کیلئے ہلاکت کا ابدی فیصلہ: یعنی بیشک اب دنیا کی طرف واپس کئے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اب تو تم کو اپنے اعمال سابقہ کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ تمہارے متعلق ہلاکت ابدی کا یہ فیصلہ اس لئے ہوا ہے کہ تم نے اکیلے سچے خدا کی پکار پر کبھی کان نہ دھرا۔ ہمیشہ اس کا یا اس کی وحدانیت کا انکار ہی کرتے رہے۔ ہاں کسی جھوٹے خدا کی طرف بلائے گئے تو فوراً آمنا و صدقنا کہہ کر ان کے پیچھے ہو لئے۔ اس سے تمہاری خواہر طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہزار مرتبہ بھی واپس کیا جائے، پھر وہی کفر و شرک کما کر لاؤ گے۔ بس آج تمہارے جرم کی ٹھیک سزا یہ ہی جس دوام ہے جو اس بڑے زبردست خدا کی عدالت عالیہ سے جاری کی گئی۔ جس کا کہیں آگے مرافعہ (اپیل) نہیں۔ اس سے چھوٹنے کی تمنا عبث ہے۔

۱۳۔ وہی ہے تم کو دکھلاتا اپنی نشانیاں اور اتارتا ہے تمہارے واسطے آسمان سے روزی اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو [۱۷]

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّل لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ سو پکارو اللہ کو خالص کر کر اسکے واسطے بندگی اور پڑے برامانیں منکر [۱۸]

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ وہی ہے اونچے درجوں والا مالک عرش کا اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں [۱۹] تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے [۲۰]

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے [۲۱] چھپی نہ رہے گی اللہ پر انکی کوئی چیز [۲۲] کس کا راج ہے اُس دن اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا [۲۳]

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۗ لَبِنَ السُّلْكِ الْيَوْمَ ۗ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ آج بدلاطے گا ہر جی کو جیسا اس نے کمایا بالکل ظلم نہیں آج بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب

الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ اور خبر سنا دے اُنکو اس نزدیک آنے والے دن کی جس وقت دل پہنچیں گے گلوں کو تو وہ دبارہے ہوں گے [۲۳] کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ سفارشی کہ جسکی بات مانی جائے [۲۵]

وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْأَرْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ  
كَظِيمٍ ۝ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَبِيمٍ ۝ وَلَا شَفِيعٌ  
يُطَاعُ ۝

۱۹۔ وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ اور جو کچھ چھپا ہوا ہے سینوں میں

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝

۲۰۔ اور اللہ فیصلہ کرتا ہے انصاف سے [۲۶] اور جنکو پکارتے ہیں اُس کے سوائے نہیں فیصلہ کرتے کچھ بھی بیشک اللہ ہی وہی ہے سننے والا دیکھنے والا [۲۷]

وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۝ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ  
دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ  
الْبَصِيرُ ۝

۲۱۔ کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھتے انجام کیا ہوا اُنکا جو تھے اُن سے پہلے وہ تھے اُن سے سخت زور میں اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے زمین میں [۲۸] پھر اُنکو پکڑا اللہ نے اُنکے گناہوں پر اور نہ ہوا اُنکو اللہ سے کوئی بچانے والا [۲۹]

أَوْ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ  
عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ  
مِنْهُمْ قُوَّةً ۝ وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ  
بِذُنُوبِهِمْ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۝

۲۲۔ یہ اس لئے کہ اُن کے پاس آتے تھے اُن کے رسول کھلی نشانیاں لیکر پھر منکر ہو گئے تو اُن کو پکڑا اللہ نے بیشک وہ زور آور ہے سخت عذاب دینے والا [۳۰]

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ  
فَكَفَرُوا ۝ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۝ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ  
الْعِقَابِ ۝

۱۔ رزقِ رسانی میں اللہ کی نشانیاں: یعنی اس کی عظمت و وحدانیت کی نشانیاں ہر چیز میں ظاہر ہیں۔ ایک اپنی روزی ہی کے مسئلہ کو آدمی سمجھ لے جس کا سامان آسمان سے ہوتا رہتا ہے تو سب کچھ سمجھ میں آجائے۔ لیکن جب ادھر رجوع ہی نہ ہو اور غور و فکر سے کام ہی نہ لے تو کیا خاک سمجھ حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۸۔ یعنی بندوں کو چاہئے سمجھ سے کام لیں۔ اور ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکاریں، اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں۔ بیشک مخلص بندوں کے اس موحدانہ طرز عمل سے کافر و مشرک ناک بھوں چڑھائیں گے کہ سارے دیوتا اٹھا کر صرف ایک ہی خدا رہنے دیا گیا مگر پکا مُؤخّذ وہ ہی ہے جو مشرکین کے مجمع میں توحید کا نعرہ بلند کرے۔ اور ان کے برامانے کی اصلاً پروا نہ کرے۔

۱۹۔ القائے روح: بھید کی بات سے وحی مراد ہے جو اول انبیاء علیہم السلام پر اترتی ہے اور ان کے ذریعے سے دوسرے بندوں کو پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ قیامت تک اسی طرح پہنچتی رہے گی۔

۲۰۔ یعنی جس دن تمام اولین و آخرین مل کر اللہ تعالیٰ کی پیشی میں حاضر ہوں گے اور ہر ایک شخص اپنے اچھے یا برے عمل سے ملاقات کرے گا۔

۲۱۔ میدان حشر: یعنی قبروں سے نکل کر ایک کھلے کف دست میدان میں حاضر ہوں گے۔ یہاں کوئی آڑ پہاڑ حائل نہ ہو گا۔

۲۲۔ یعنی خوب سمجھ لو اس حاکم اعلیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ جس پر تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ سب ظاہر و باطن احوال کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔

۲۳۔ یعنی اس دن تمام وساائط و حُجُب اٹھ جائیں گے۔ ظاہری اور مجازی رنگ میں بھی کسی کی بادشاہت نہ رہے گی۔ اسی اکیلے شہنشاہ مطلق کاراج ہو گا جس کے آگے ہر ایک طاقت دبی ہوئی ہے۔

۲۴۔ حشر میں دلوں کی گھبراہٹ: یعنی خوف اور گھبراہٹ سے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے اور لوگ دونوں ہاتھوں سے انکو پکڑ کر دبائیں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں۔

۲۵۔ یعنی ایسا کوئی سفارشی نہیں ہو گا جسکی بات ضرور ہی مانی جائے۔ سفارش وہ ہی کر سکے گا جسکو اجازت ہو اور اسی کے حق میں کرے گا جس کے لئے پسند ہو۔

۲۶۔ اللہ دلوں کے راز اور آنکھوں کی خیانت جانتا ہے: یعنی مخلوق سے نظر بچا کر چوری چھپے سے کسی پر نگاہ ڈالی یا کن آنکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا کسی بات کا ارادہ یا خیال آیا، ان میں سے ہر چیز کو اللہ جانتا ہے اور فیصلہ انصاف سے کرتا ہے۔

۲۷۔ بت فیصلہ نہیں کر سکتے: یعنی فیصلہ کرنا اسی کا کام ہو سکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو۔ بھلا یہ پتھر کی بیجان مور تیں جنہں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گے۔ پھر جو فیصلہ بھی نہ کر سکے وہ خدا کس طرح ہو۔

۲۸۔ یعنی بڑے مضبوط قلعے، عالی شان عمارتیں اور مختلف قسم کی یاد گاریں۔

۲۹۔ یعنی جب دنیا کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکے، آخرت میں کون بچائے گا۔

۳۰۔ انبیاء کی تکذیب رسوائی اور ہلاکت ہے: یعنی تم بھی انکی طرح رسول کی تکذیب کر کے فلاح نہیں پاسکتے۔ آخر رسوا اور ہلاک ہو گے اور خداوند قدوس اپنے زور و قوت سے پیغمبر کو غالب و منصور فرمائے گا۔ اسی مناسبت سے آگے موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

۲۳۔ اور ہم نے بھیجے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکھ اور کھلی سند [۳۱]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس [۳۲] پھر کہنے

لگے یہ جادو گر ہے جھوٹا [۳۳]

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ قَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ

كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾



۲۵۔ پھر جب پہنچا انکے پاس لیکر سچی بات ہمارے پاس سے بولے مار ڈالو بیٹے انکے جو یقین لائے ہیں اسکے ساتھ اور جیتی رکھو انکی عورتیں [۳۴] اور جو داؤد ہے منکروں کا سو غلطی میں [۳۵]

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا  
أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ<sup>ط</sup>

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور بولا فرعون مجھکو چھوڑو کہ مار ڈالوں موسیٰ کو اور پڑا پکارے اپنے رب کو [۳۶] میں ڈرتا ہوں کہ بگاڑ دے تمہارا دین یا پھیلانے ملک میں خرابی [۳۷]

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِيْٓ اَقْتُلْ مُوسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ<sup>ج</sup>  
اِنَّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُظْهِرَ فِي

الْاَرْضِ الْفُسَادَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور کہا موسیٰ نے میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی ہر غرور والے سے [۳۸] جو یقین نہ کرے حساب کے دن کا [۳۹]

وَقَالَ مُوسٰى اِنِّىْٓ اَعْتَدْتُ لِذٰلِكَ وَمِنْ اِلٰهِ  
مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں جو چھپاتا تھا اپنا ایمان کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ اور اگر وہ سچا ہو گا تو تم پر پڑے گا کوئی نہ کوئی وعدہ جو تم سے کرتا ہے [۴۰] بیشک اللہ راہ نہیں دیتا اسکو جو ہے بے لحاظ جھوٹا [۴۱]

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ  
اٰيٰتِنَا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ رَبِّيْٓ اللّٰهُ وَقَدْ  
جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَبِّكُمْ<sup>ط</sup> وَاِنْ يٰكُ كٰذِبًا  
فَعَلِيْهِ كَذِبُهُ<sup>ج</sup> وَاِنْ يٰكُ صٰدِقًا يُصِْبْكُمْ بَعْضُ  
الَّذِيْٓ يَعِدْكُمْ<sup>ط</sup> اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ

مُسْرِفٌ كٰذِبٌ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ اے میری قوم تمہارا راج ہے چڑھ رہے ہو ملک میں پھر کون مدد کرے گا ہماری اللہ کی آفت سے اگر آگئی ہم پر [۴۲] بولا فرعون میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں

يُقُوْمُ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ  
فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَاسِ اللّٰهِ اِنْ جِآءَنَا<sup>ط</sup> قَالَ

تمکو جو سو جھی مجھکو اور وہی راہ بتلاتا ہوں جس میں بھلائی ہے [۳۳]

فِرْعَوْنَ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا آرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا

سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٢٦﴾

۳۰۔ اور کہا اسی ایمان دار نے اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ آئے تم پر دن اگلے فرقوں کا سا

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَئِذٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ﴿٢٧﴾

۳۱۔ جیسے حال ہوا قوم نوح کا اور عاد اور ثمود کا اور جو لوگ انکے پیچھے ہوئے اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر [۳۴]

مِثْلَ ذَٰبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ

بَعْدِهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٢٨﴾

۳۲۔ اور اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آئے دن ہانک پکارا [۳۵]

وَيَقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٢٩﴾

۳۳۔ جس دن بھاگو گے پیٹھ پھیر کر [۳۶] کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا اور جس کو غلطی میں ڈالے اللہ تو کوئی نہیں اسکو سجانے والا [۳۷]

يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ

عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٠﴾

۳۴۔ اور تمہارے پاس آچکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے جو وہ تمہارے پاس لے کر آیا یہاں تک کہ جب مر گیا لگے کہنے ہرگز نہ بھیجے گا اللہ اسکے بعد کوئی رسول [۳۸] اسی طرح جھٹکاتا ہے اللہ اُس کو جو ہو بیباک شک کرنے والا

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا

زِلْتُمْ فِي شَكِّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۗ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ

قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَلِكَ

يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴿٣١﴾

۳۵۔ وہ جو کہ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو انکو بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں اور ایمانداروں کے یہاں [۳۹] اسی طرح مہر کر دیتا ہے اللہ ہر دل پر غرور کرنے والے سرکش کے [۴۰]

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَنٍ أَتَهُمْ

كَبْرٌ مَّقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَلِكَ

يُطَبِّعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ اور بولا فرعون کے اے ہامان بنا میرے واسطے ایک اونچا محل شاید میں جا پہنچوں رستوں میں

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَهَامُنُ ابْنِ لِي صَرِحًا لَعَلِّي أَبْدُغُ

الْأَسْبَابَ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ رستوں میں آسمانوں کے پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو [۵۱] اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے [۵۲] اور اسی طرح بھلے دکھلا دیے فرعون کو اسکے برے کام اور روک دیا گیا سیدھی راہ سے [۵۳] اور جو داؤ تھا فرعون کا سو تباہ ہونے کے واسطے [۵۴]

أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَاطَّاعَ إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي

لَأُظَنُّهُ كَاذِبًا ۖ وَكَذَلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءَ عَمَلِهِ

وَصَدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۖ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي

تَبَابٍ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ اور کہا اسی ایماندار نے اے قوم راہ چلو میری پہنچا دوں تمکو نیکی کی راہ پر [۵۵]

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يِقَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ

الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ اے میری قوم یہ جو زندگی ہے دنیا کی سو کچھ برت لینا ہے اور وہ گھر جو پچھلا ہے وہی ہے جم کر رہنے کا گھر [۵۶]

يَقَوْمِ إِنَّمَا هَذِهِ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ

الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ جس نے کی ہے برائی تو وہی بدلا پائے گا اسکی برابر اور جس نے کی ہے بھلائی مرد ہو یا عورت اور وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ جائیں گے بہشت میں روزی پائیں گے وہاں بے شمار [۵۷]

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ

عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾

۴۱۔ اور اے قوم مجھکو کیا ہوا ہے بلاتا ہوں تمکو نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھکو آگ کی طرف [۵۸]

وَيَقَوْمِ مَا لِيَ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَةِ وَتَدْعُونَنِي

إِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾

۳۲۔ تم بلاتے ہو مجھکو کہ منکر ہو جاؤں اللہ سے اور شریک ٹھہراؤں اُسکا اُسکو جسکی مجھکو خبر نہیں [۵۹] اور میں بلاتا ہوں تمکو اس زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف [۶۰]

۳۳۔ آپ ہی ظاہر ہے کہ جس کی طرف تم مجھکو بلاتے ہو اس کا بلاوا کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں [۶۱] اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس اور یہ کہ زیادتی والے وہی ہیں دوزخ کے لوگ [۶۲]

۳۴۔ سو آگے یاد کرو گے جو میں کہتا ہوں تمکو [۶۳] اور میں سوچتا ہوں اپنا کام اللہ کو بیشک اللہ کی نگاہ میں ہیں سب بندے [۶۴]

۳۵۔ پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو وہ کرتے تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب [۶۵]

۳۶۔ وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں اُنکو صبح و شام [۶۶] اور جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہو گا داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں

تَدْعُونِي لِكْفَرٍ بِاللَّهِ وَاشْرَاكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاَنَا اَدْعُوكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۳۲﴾

لَا جَرَمَ اَنْتَا تَدْعُونِي اِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَاَنْ مَّرَدَّنَا اِلَى اللّٰهِ وَاَنْ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ النَّارِ ﴿۳۳﴾

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَا اَقُولُ لَكُمْ ۗ وَاَفِوْضُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۴﴾

فَوَقَّهٗ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوْا ۗ وَحَاقَ بِالْفِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿۳۵﴾

النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۗ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۗ اَدْخِلُوْا اِلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۳۶﴾

۳۱۔ سلطان مبین: ”تشانیوں“ سے معجزات اور ”کھلی سند“ سے شایدان میں کے مخصوص و ممتاز معجزات مراد ہوں۔ یا کھلی سند معجزات کے سوا دوسری قسم کے دلائل و براہین کو فرمایا یا ”آیات“ سے تعلیمات و احکام اور ”سلطان مبین“ سے معجزات مراد لئے جائیں۔ یا ”سلطان مبین“ اس قوت قدسیہ اور مخصوص تائید ربانی کا نام ہو جسکے آثار پیغمبروں میں ہر دیکھنے والے کو نمایاں طور پر نظر آیا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۲۔ ہامان وزیر تھافرعون کا اور قارون بنی اسرائیل میں سب سے بڑا مالدار اور تاجر تھا جو موسیٰ کے خلاف فرعون کی مرضی پر چلتا تھا۔ پہلے اس کا قصہ گذر چکا ہے۔

۳۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگری کا الزام: یعنی جادو گر ہے معجزات دکھانے میں اور جھوٹا ہے دعویٰ رسالت میں۔ یہ بعض نے کہا ہو

گا اور دوسروں نے اسکی تصدیق کی ہوگی۔

۳۴۔ بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم: یہ حکم دوسری مرتبہ موسیٰ کی تشریف آوری کے بعد دیا۔ تاکہ بنی اسرائیل کی تذلیل و توہین کریں، انکی تعداد گھٹائیں اور انکے دلوں میں یہ خیال جمادیں کہ یہ سب مصیبت ان پر موسیٰ کی بدولت آئی ہے۔ یہ خیال کر کے لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور دہشت انگیزی کی پالیسی کامیاب ہو جائے گی۔ آگے پتہ نہیں اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں۔

۳۵۔ یعنی ایسے داؤ بیچ اور تدبیروں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرما کر منکرین کے سب منصوبے غلط کر دیتا ہے۔

۳۶۔ فرعون کی شقاوت اور بد بختی: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں فرعون نے کہا مجھ کو چھوڑ دو۔ شاید اس کے ارکان سلطنت مار ڈالنے کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے۔ کیونکہ معجزہ دیکھ کر ڈر گئے تھے، کہیں اس کا رب بدلہ نہ لے فرعون خود بھی دل میں ڈرا ہوا اور سہا ہوا تھا۔ لیکن لوگوں پر اپنی قوت و شجاعت کا اظہار کرنے کے لئے انتہا درجہ کی شقاوت اور بیحیائی سے ایسا کہہ کر ہاتھ تالوگ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں۔ اور اس کے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

۳۷۔ فرعون کی شقاوت اور بد بختی: یعنی اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تو دینی اور دنیوی دونوں طرح کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے یہ اپنے وعظ و تلقین سے تمہارے مذہبی طور و طریق کو جو پہلے سے چلا آتا ہے بگاڑ ڈالے یا سازش وغیرہ کا جال پھیلا کر ملک میں بد امنی پھیلا دے جس کا انجام یہ ہو کہ تمہاری (یعنی قبیلوں کی) حکومت کا خاتمہ ہو کر ملک بنی اسرائیل کے ہاتھ میں چلا جائے۔

۳۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبرانہ جواب: حضرت موسیٰ کو جب ان کے مشوروں کی خبر پہنچی تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق پروا نہیں۔ فرعون اکیلا تو کیا، ساری دنیا کے متکبرین و جبارین جمع ہو جائیں تب بھی میرا اور تمہارا پروردگار ان کے شر سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ میں اپنے کو تمہا اسی کی پناہ میں دے چکا ہوں۔ وہ ہی میرا حامی و مددگار ہے۔ کما قال تعالیٰ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمْ آسِعْمُ وَ آذَى (طہ۔ ۲۶) بھلا اسکی حمایت و امداد کے بعد کسی مغرور انسان کا کیا ڈر۔

۳۹۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “جس کو حساب کا یقین ہو وہ ظلم کا ہے کو کرے گا۔”

۴۰۔ آل فرعون میں سے ایک مرد مومن کی حمایت: یعنی ایک مرد مومن جس نے فرعون اور اسکی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا۔ ذُرُونِۃً أَقْتُلُ مُؤْمِنِیۃً کے جواب میں بول اٹھا کیا تم ایک شخص کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا رب کیوں کہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے دعوے کی صداقت کے کھلے کھلے نشان تمکو دکھلا چکا اور اسکے قتل کی تمکو کچھ ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ ممکن ہے تمہارے لئے مضر ہو۔ فرض کرو! وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت ہوا تو اتنے بڑے جھوٹ پر ضرور اللہ اسکو ہلاک یار سوا کر کے چھوڑے گا۔ خدا کی عادت نہیں کہ وہ ایسے کاذب کو برابر پھولنے بھلنے دے، دنیا کو التباس سے بچانے کے لئے یقیناً ایک روز اسکی قلعی کھول دی جائے گی۔ ایسے حالات برروئے کار آئیں گے کہ دنیا علانیہ اس کی رسوائی و ناکامی اور کذب و دروغ کا تماشہ دیکھ لے گی۔ اور تمکو خواہی نخواستہ اسکی خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر واقع میں وہ سچائی پر ہے تو دنیا و آخرت کے جس عذاب سے وہ اپنے ملذبین کو ڈراتا ہے۔ یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ حصہ تمکو ضرور پہنچ کر رہے گا۔ لہذا پہلی شق پر اس کے قتل میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری شق پر اس کا قتل کرنا سراسر موجب نقصان و خسران ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “یعنی اگر جھوٹا ہے تو جس پر جھوٹ بولتا ہے وہ ہی سزا دے رہے گا۔ اور شاید سچا ہو تو اپنی فکر کرو” (تنبیہ) یہ تقریر اس صورت میں ہے جب کسی مفتری کا کذب صریحاً ظاہر نہ ہو اور اگر مدعی نبوت کا کذب و افتراء دلائل و براہین سے روشن ہو جائے تو بلاشبہ واجب القتل ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ پیغمبر عربی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا خاتم النبیین ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا، اگر کوئی شخص مدعی نبوت بن کر کھڑا ہو گا تو چونکہ اس کا یہ دعویٰ ایک قطعی الثبوت عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے، لہذا اس کے متعلق کسی قسم کے

تامل و تردد اور امہال و انتظار کی گنجائش نہ ہوگی۔

۴۱۔ آل فرعون میں سے ایک مرد مومن کی حمایت: یعنی موسیٰ اگر بالفرض جھوٹا ہوتا تو ہرگز اس کا اللہ راہ نہ دیتا کہ وہ برابر ایسے معجزات دکھاتا رہے اور کامیابی میں ترقی کرتا چلا جائے۔ اور اگر تم جھوٹے ہو کہ ایک سچے کو جھوٹا بتلا رہے ہو تو انجام کار اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل و ناکام کرے گا۔

۴۲۔ آل فرعون کو نصیحت: یعنی اپنے سامانوں اور لشکروں پر مغرور مت بنو۔ آج تمہاری یہ شان و شکوہ ہے لیکن کل اگر خدا کے عذاب نے آگیر اتو کوئی بچانے والا نہ ملے گا۔ یہ سب ساز و سامان یوں ہی رکھے رہ جائیں گے۔

۴۳۔ فرعون کا جواب: یعنی تمہاری تقریر سے میرے خیالات تبدیل نہیں ہوئے۔ جو کچھ میرے نزدیک مصلحت ہے وہ ہی تم کو سمجھا رہا ہوں۔ میرے خیال میں بہتری کا راستہ یہ ہی ہے کہ اس شخص کا قصہ پہلے ہی قدم پر ختم کر دیا جائے۔

۴۴۔ مرد مومن کی فہمائش: یعنی اگر تم اسی طرح تکذیب و عداوت پر جتے رہے تو سخت اندیشہ ہے کہ تمکو بھی کہیں وہ ہی دن دیکھنا نہ پڑے جو پہلی قومیں اپنے انبیاء کا مقابلہ کر کے دیکھ چکی ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ہاں بے انصافی نہیں۔ اگر ایسے سخت جرائم پر تمکو یا دوسری قوموں کو اس نے تباہ کیا تو وہ عین عدل و انصاف کے تقاضے سے ہو گا۔ کونسی حکومت ہے جو اپنے سفراء کو قتل اور رسوا ہوتے دیکھتی رہے اور قاتلین و معاندین سے انتقام نہ لے۔

۴۵۔ یوم التناد سے ڈرو: عموماً مفسرین یَوْمَ التَّنَادِ (ہانک پکار کے دن) سے قیامت کا دن مراد لیتے ہیں جبکہ محشر میں جمع ہونے اور حساب دینے کے لئے سب کی پکار ہوگی۔ اور اہل جنت اہل نار اور اہل اعراف ایک دوسرے کو پکاریں گے اور آخر میں ندا آئے گی۔ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ لَمْ مَوْتٌ وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ لَمْ مَوْتٌ کما ورد فی الحدیث۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے یَوْمَ التَّنَادِ سے وہ دن مراد لیا ہے جس میں فرعونوں پر عذاب آیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ”ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے۔ اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ (شاید) یہ اس مرد مومن کو کشف سے معلوم ہوا ہو گا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر عذاب اسی طرح آتا ہے۔“

۴۶۔ یعنی محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف بھگائے جاؤ گے، یا نزول عذاب کے وقت اس سے بھاگنے کی ناکام کوشش کرو گے۔

۴۷۔ یعنی میں تمکو سب نشیب و فراز پوری طرح سمجھا چکا۔ اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہاری عناد و کجروی کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی کر لیا ہے کہ تمکو تمہاری پسند کردہ غلطی اور گمراہی میں پڑا رہنے دے۔ پھر ایسے شخص کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۴۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حال سے مرد مومن کا استدلال: یعنی چلو قصہ ختم ہوا۔ نہ رسول تھانہ اب اسکے بعد کوئی رسول آنے والا ہے۔ گویا سرے سے سلسلہ رسالت ہی کا انکار ہوا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”حضرت یوسف کی زندگی میں (مصر والے انکی نبوت کے قائل نہ ہوئے۔ انکی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا (تو کہنے لگے یوسف کا قدم اس شہر پر کیا مبارک تھا۔ ایسا نبی (آئندہ) کوئی نہ آئے گا۔ یادہ انکار یا یہ اقرار۔ یہ ہی اسراف اور زیادہ گئی ہے۔“ مرد مومن کی غرض یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے۔ فی الحال تمکو موسیٰ کی قدر نہیں۔

۴۹۔ اللہ کی آیات میں جھگڑے: یعنی بدون حجت عقلیہ و نقلیہ کے اللہ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر زیادتی اور بے باکی کیا ہوگی۔ اسی لئے اللہ اور اسکے ایماندار بندے ان لوگوں سے سخت بیزار ہیں جو سبب ہے انکے انتہائی معلون ہونے کا۔

۵۰۔ مغرور لوگوں کے دلوں پر مہر: جو لوگ حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سن کر سر نیچا نہ کریں۔ آخر کار انکے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح کی مہر کر دیتا ہے کہ پھر قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

۵۱۔ فرعون کا انتہائی تمسخر: یہ اس ملعون کی انتہائی بے شرمی اور بیباکی تھی۔ حضرت موسیٰ سے شاید اللہ تعالیٰ کی صفت علو وغیرہ کو سن کر یہ قرار دیا ہو گا کہ موسیٰ کا خدا آسمان پر رہتا ہے۔ اسی پر یہ استہزاء و تمسخر شروع کر دیا۔ سچ ہے چیونٹی کی موت آتی ہے تو پر لگ جاتے ہیں سورہ "قصص" میں اس مقام کی تقریر گزرجی۔

۵۲۔ یعنی دعوتِ رسالت میں بھی اور اس دعوے میں بھی کہ سارے جہان کا کوئی اور معبود ہے۔ مجھے تو اپنے سوا دوسرا نظر نہیں آتا۔ کما قال مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي (قصص۔ ۳۸)۔

۵۳۔ برے کام کرتے کرتے آدمی کی یوں ہی عقل ماری جاتی ہے اور ایسی ہی مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگتا ہے جس کے بعد راہ پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یہ ہی حال فرعون کا ہوا۔

۵۴۔ فرعون کی ناکامی: یعنی فرعون کے جس قدر داؤ پیچ اور منصوبے یا مشورے تھے سب بے حقیقت تھے۔ خود اپنی ہی تباہی کے لئے۔ موسیٰ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

۵۵۔ آل فرعون کو مرد مومن کی دعوت: چونکہ فرعون نے کہا تھا وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ اسکے جواب میں مرد مومن نے کہا کہ "سبیل الرشاد" (جہلائی اور بہتری کا راستہ) وہ نہیں جو فرعون تجویز کرتا ہے۔ بلکہ تم میرے پیچھے چلے آؤ تا بہتری کے راستہ پر چلنا نصیب ہو۔

۵۶۔ دنیا و آخرت کی حقیقت: یعنی فانی و زائل زندگی اور چند روزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہ بھولو۔ دنیا کی زندگی بہر حال بھلی بری طرح ختم ہونے والی ہے۔ اسکے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جس کا کبھی خاتمہ نہیں۔ عاقل کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس کی درستی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

۵۷۔ نجات کا دار و مدار اعمالِ صالحہ پر ہے: یہ اخروی زندگی کی تھوڑی سے تفصیل بتلا دی کہ وہ کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایمان اور عمل صالح درکار ہیں۔ مال و متاع کو کوئی نہیں پوچھتا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اللہ کی رحمت، غضب پر غالب ہے۔ عقل مند کو چاہئے کہ موقع ہاتھ سے نہ دے۔

۵۸۔ مرد مومن کا اثر انگیز و عطا: یعنی میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایمان کے راستہ پر لگا کر خدا کے عذاب سے نجات دلاؤں۔ اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ میں دھکیل دو۔ ایک طرف سے ایسی دشمنی اور دوسری جانب سے یہ خیر خواہی۔

۵۹۔ یعنی تمہاری کوشش کا حاصل تو یہ ہے کہ میں (معاذ اللہ) خدائے واحد کا انکار کر دوں۔ اسکے پیغمبروں کو اور انکی باتوں کو نہ مانوں اور نادان جاہلوں کی طرح ان چیزوں کو خدا ماننے لگوں جن کی الوہیت کسی دلیل اور علمی اصول سے ثابت نہیں۔ نہ مجھے خبر ہے کہ کیونکر ان چیزوں کو خدا بنا لیا گیا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ اسکے خلاف پر دلائل قطعیت قائم ہیں۔

۶۰۔ یعنی میرا منشاء یہ ہے کہ کسی طرح تمہارا سر اس خدائے واحد کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست بھی ہے اور بہت زیادہ خطاؤں کا معاف کرنے والا بھی۔ (مجرم کو پکڑے تو کوئی چھڑانہ سکے اور معاف کرے تو کوئی روک نہ سکے) وہ ہی اس کا مستحق ہے کہ آدمی اسکے آگے ڈر کر اور امید باندھ کر سر عبودیت جھکائے۔ یاد رکھو میں اسی خدا کی پناہ میں آچکا ہوں جسکی طرف تمہیں بلارہا ہوں۔

۶۱۔ تمہاری دعوت کی کوئی سند نہیں آئی: یعنی ماسوا خدا کے کوئی چیز ایسی نہیں جو دنیا یا آخرت میں ادنیٰ ترین نفع و ضرر کی مالک ہو۔ پھر اُسکی

بندگی اور غلامی کا بلا و ادینا جہل و حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفْلُونَ۔ وَإِذَا حُشِمَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرَانِينَ (احقاف-۵، ۶) آخر ایسی عاجز اور بے بس چیزوں کی طرف آدمی کیا سمجھ کر دعوت دے۔ اور تماشہ یہ ہے کہ ان میں بہت چیزیں وہ ہیں جو خود بھی اپنی طرف دعوت نہیں دیتیں۔ بلکہ دعوت دینے کی قدرت بھی نہیں رکھتیں۔

۶۲۔ یعنی انجام کار ہر پھر کر اسی خدائے واحد کی طرف جانا ہے۔ وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ بتلاؤ اس سے بڑھ کر زیادتی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق کا درجہ دے دیا جائے۔

۶۳۔ بعد میں میری نصیحت یاد آئے گی: یعنی آگے چل کر جب اپنی زیادتیوں کا مزہ چکھو گے، اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے کہ ہاں ایک مرد خدا جو ہم کو سمجھایا کرتا تھا، وہ ٹھیک کہتا تھا۔ لیکن اس وقت یاد کر کے پشیمان ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

۶۴۔ مرد مومن کا خاتمہ وعظ: یعنی میں خدا کی حجت تمام کر چکا۔ اور نصیحت کی بات سمجھا چکا۔ تم نہیں مانتے تو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں۔ اب میں اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ تم اگر مجھے ستانا چاہو گے تو وہ ہی خدا میرا حامی و ناصر ہے۔ سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہا ہے۔ کسی کی کوئی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں۔ ایک مومن قانت کا کام یہ ہے کہ اپنی امکانی سعی کر چکنے کے بعد نتیجہ کو خدا کے سپرد کرے۔

۶۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات و آل فرعون کی ہلاکت: یعنی حق و باطل کی اس کشمکش کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کے ہمراہوں کو جن میں یہ مومن آل فرعون بھی تھا فرعونوں کے منصوبوں سے محفوظ رکھا کوئی داؤ ان کا چلنے نہ دیا۔ بلکہ انکے داؤ بیچ خود ان ہی پر الٹ پڑے۔ جس نے حق پرستوں کا تعاقب کیا مارا گیا اور قوم کی قوم کا بیڑا بحر قلزم میں غرق ہوا۔

۶۶۔ انکو صبح و شام دوزخ کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے: یعنی دوزخ کا ٹھکانا جس میں وہ قیامت کے دن داخل کئے جائیں گے۔ ہر صبح و شام انکو دکھلا دیا جاتا ہے۔ تانمونہ کے طور پر اس آنے والے عذاب کا کچھ مزہ چکھتے رہیں۔ یہ عالم برزخ کا حال ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانہ روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ (تنبیہ) اُیہ ہذا سے صرف فرعونوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا۔ اسکے بعد حضور ﷺ کو معلوم کرایا گیا کہ جملہ کفار بلکہ عصاة مومنین بھی برزخ میں معذب ہوتے ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کما ورد فی الاحادیث النصیحہ۔ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہداء کی روحیں ”طیور خضر“ کے ”حواصل“ میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونوں کی ارواح کو ”طیور سوء“ کے ”حواصل“ میں داخل کر کے ہر صبح و شام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ (البتہ ارواح کا مع ان کے اجساد کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا) اگر یہ صحیح ہو تو فرعونوں کے متعلق النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث عَرَضَ عَلَيْهِ مَقْعَدًا بِالْعَدَاةِ وَالْعَشِيِّ کے الفاظ کا تفاوت شاید اسی بناء پر ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۷۔ اور جب آپس میں جھگڑیں گے آگ کے اندر پھر کہیں گے کمزور غرور کرنے والوں کو ہم تھے تمہارے تابع پھر کچھ تم ہم پر سے اٹھا لو گے حصہ آگ کا [۶۷]

وَإِذْ يَتَحَاوُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعْفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ

مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ﴿۳۷﴾



۳۸۔ کہیں گے جو غرور کرتے تھے ہم سبھی پڑے ہوئے ہیں اسمیں بیشک اللہ فیصلہ کر چکا بندوں میں [۳۸]

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ

قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں دوزخ کے داروغوں کو مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کر دے ایک دن تھوڑا عذاب [۳۹]

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ

يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ وہ بولے کیا نہ آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی نشانیاں لے کر کہیں گے کیوں نہیں بولے پھر پکارو اور کچھ نہیں کافروں کا پکارنا مگر بھٹکنا [۴۰]

قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمُ رُسُلِكُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا

بَلَىٰ قَالُوا فادْعُوا<sup>ج</sup> وَمَا دُعُوا الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي

ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾

۶۷۔ دوزخ میں فرعونوں کا حال: یعنی دنیا میں ہم سے اپنی اطاعت اور اتباع کراتے رہے جس کی بدولت آج ہم پکڑے گئے۔ اب یہاں ہمارے کچھ تو کام آؤ۔ آخر بڑوں کو چھوٹوں کی تھوڑی بہت خبر لینا چاہئے۔ دیکھتے نہیں ہم آج کس قدر مصیبت میں ہیں کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس مصیبت کا کوئی جزو ہم سے ہلکا کر دو۔

۶۸۔ یعنی جو دنیا میں بڑے بنتے تھے جواب دیں گے کہ آج ہم اور تم سب اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کے جرم کے موافق سزا کا فیصلہ سنا دیا ہے جو بالکل قطعی اور اٹل ہے۔ اب موقع نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے ہم اپنی ہی مصیبت کو ہلکا نہیں کر سکتے، پھر تمہارے کیا کام آسکتے ہیں۔

۶۹۔ تخفیف عذاب کی درخواست: یعنی اپنے سرداروں کی طرف سے مایوس ہو کر ان فرشتوں سے درخواست کریں گے جو دوزخ کے انتظام پر مسلط ہیں کہ تم ہی اپنے رب سے کہہ کر کوئی دن تعطیل کا کر دو جس میں ہم پر سے عذاب کچھ ہلکا ہو جایا کرے۔

۷۰۔ فرشتوں کا جواب: یعنی اس وقت ان کی بات نہ مانی اور انجام کی فکر نہ کی جو کچھ کام چلتا۔ اب موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ کوئی سعی سفارش یا خوشامد درآمد کام نہیں دے سکتی۔ پڑے پیچھے چلاتے رہو۔ نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں، نہ تمہاری چیخ و پکار سے کوئی فائدہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”دوزخ کے فرشتے کہیں گے سفارش کرنا میرا کام نہیں۔ ہم تو عذاب دینے پر مقرر ہیں۔ سفارش کام ہے رسولوں کا، رسولوں سے تم برخلاف ہی تھے“ (تنبیہ) آئیے ہذا سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کافروں کی دعاء کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ باقی دنیا میں کافر کے مانگنے پر اللہ تعالیٰ کوئی چیز دے دیں تو وہ دوسری بات ہے جیسے ابلیس کو قیامت تک مہلت دیدی۔

۵۱۔ ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگانی میں [۴۱] اور جب کھڑے ہوں گے گواہ [۴۲]

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾

۵۲۔ جس دن کام نہ آئیں گے منکروں کو انکے بہانے اور انکو پھینکا رہے اور ان کے واسطے برا گھر [۴۳]

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذرتُهُمْ وَلَهُمُ اللّعنةُ

وَلَهُمُ سُوءُ الدّٰرِ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو راہ کی سوجھ اور وارث کیا بنی اسرائیل کو کتاب کا

وَ لَقَدْ اَتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَ اَوْرَثْنَا بَنِي

اسْمٰٓءَ اٰیِلِ الْكِتٰبِ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ سمجھانے اور سمجھانے والے عقل مندوں کو [۴۴]

هُدًى وَ ذِكْرًا لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٥٤﴾

۵۵۔ سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشو اپنا گناہ اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو اور صبح کو [۴۵]

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاَبْكَارِ ﴿٥٥﴾

۵۶۔ جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو انکو اور کوئی بات نہیں انکے دلوں میں غرور ہے کہ کبھی نہ پہنچیں گے اُس تک [۴۶] سو تو پناہ مانگ اللہ کی بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے [۴۷]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰیَةِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ

اَتَهُمْ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ

فَاَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السّٰبِقُ الْبَصِيْرُ ﴿٥٦﴾

۵۷۔ البتہ پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بڑا ہے لوگوں کے بنانے سے لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے [۴۸]

لَخَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾

۵۸۔ اور برابر نہیں اندھا اور آنکھوں والا اور نہ ایماندار جو بھلے کام کرتے ہیں اور نہ بدکار تم بہت کم سوچ کرتے ہو [۴۹]

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْبٰسِیَّۃُ ۗ قَلِيْلًا مَّا

تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ تحقیق قیامت آنی ہے اس میں دھوکا نہیں و لیکن بہت لوگ نہیں مانتے

إِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾

۶۰۔ اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچو تمہاری پکار کو [۸۰] بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر [۸۱]

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ

ذٰخِرِينَ ﴿٦٠﴾

۱۔ دنیا میں انبیاء و مومنین کی نصرت: یعنی دنیا میں ان کا بول بالا کرتا ہے۔ جس مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ کی مدد سے اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ حق پرستوں کی قربانیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ درمیان میں کتنے ہی اتار چڑھاؤ ہوں اور کیسے ہی امتحانات پیش آئیں مگر آخر ان کا مشن کامیاب ہو کر رہتا ہے علمی حیثیت سے حجت و برہان میں تو وہ ہمیشہ ہی منصور رہتے ہیں۔ لیکن ماڈی فتح اور ظاہری عزت و رفعت بھی آخر کار ان ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے۔ ان کا علو اور عروج محض ہنڈیا کا جھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجام کار مومنین قانتین کے مقابلہ میں انکو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے اولیاء کا انتقام لئے بدون نہیں چھوڑتا۔ لیکن واضح رہے کہ آیت میں جن مومنین کے لئے وعدہ کیا گیا ہے شرط یہ ہے کہ وہ حقیقی مومن اور رسولوں کے متبع ہوں۔ کما قال تعالیٰ وَ أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (ال عمران-۱۳۹) مومنین کی خصلتیں قرآن میں جا بجا مذکور ہیں۔ چاہئے کہ مسلمان اس کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لیں۔

۲۔ یعنی میدان حشر میں جبکہ اولین و آخرین جمع ہوں گے، حق تعالیٰ اپنے فضل سے علی روس الا شہاد انکی سر بلندی اور عزت و رفعت کو ظاہر فرمائے گا۔ دنیا میں تو کچھ شبہ بھی رہ سکتا ہے اور التباس ہو جاتا ہے، وہاں ذرا بھی ابہام و التباس باقی نہ رہے گا۔

۳۔ ظالموں کی معذرت کام نہیں آئے گی: یعنی انکی کوئی مدد اور دستگیری نہ ہوگی۔ یہ مقبولین کے بالمقابل مطرودین کا انجام بیان فرمادیا۔

۴۔ حضرت مولیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ سے عبرت لو: یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو کہ فرعون اور اسکی قوم کو باوجود اس قدر طاقت و جبروت کے حق کی دشمنی نے کس طرح ہلاک و برباد کر کے چھوڑا۔ اور مولیٰ کی برکت و رہنمائی سے بنی اسرائیل کی مظلوم اور کمزور قوم کو کس طرح ابھارا اور اس عظیم الشان کتاب (تورات) کا وارث بنایا جو دنیا کے علقمندوں کیلئے شمع ہدایت کا کام دیتی تھی۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور استغفار کا حکم: یعنی آپ بھی تسلی رکھیے، جو وعدہ آپ کے ساتھ ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ خداوند قدوس داریں میں آپ کو اور آپ کے طفیل میں آپ کے تبعین کو سر بلند رکھے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے شداوند و نوائب پر صبر کریں۔ اور جن سے جس درجہ کی تقصیر کا امکان ہو اس کی معافی خدا سے چاہتے رہیں۔ اور ہمیشہ رات دن صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کا قولاً و فعلاً اور درکھیں۔ ظاہر و باطن میں اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ پھر اللہ کی مدد یقینی ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر ساری امت کو سنایا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو سو بار استغفار کرتے۔ ہر بندے کی تقصیر اس کے درجہ کے موافق ہے اس لئے ہر کسی کو استغفار ضروری ہے۔“

۷۶۔ اللہ کی آیتوں میں جھگڑنے والے: یعنی جو لوگ اللہ کے دلائل توحید اور کتب سماویہ اور اسکے پیغمبروں کے معجزات و ہدایات میں خواہ مخواہ جھگڑتے اور بے سند باتیں نکال کر حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں انکے ہاتھ میں کچھ حجت و دلیل نہیں۔ نہ فی الواقع ان کھلی ہوئی چیزوں میں شک و شبہ کا موقع ہے۔ صرف شیخی اور غرور مانع ہے کہ حق کے سامنے گردن جھکائیں اور پیغمبر کا اتباع کریں۔ وہ اپنے کو بہت اونچا کھینچتے ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں۔ یا کم از کم اس کے سامنے جھکنا نہ پڑے۔ لیکن یاد رکھیں کہ وہ اس مقصد کو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ یا پیغمبر کے سامنے سر اطاعت جھکانا پڑے گا۔ ورنہ سخت ذلیل و رسوا ہوں گے۔

۷۷۔ یعنی اللہ کی پناہ مانگ کہ وہ ان مجادلین کے خیالات سے بچائے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آگے بعض مسائل کی تحقیق ہے جن میں وہ لوگ جھگڑتے تھے۔ مثلاً بعث بعد الموت (موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا) کہ اسکو وہ محال سمجھتے تھے یا توحید باری جس کا انکار کرتے تھے۔

۷۸۔ خالق کائنات: یعنی بظاہر مادی حیثیت میں آسمان و زمین کی عظمت و جسامت کے سامنے انسان کی کیا حقیقت ہے لیکن مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا وہی خداوند قدوس ہے۔ پھر جس نے اتنی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا اسے آدمیوں کا پہلی باریاد و سری بار پیدا کر دینا کیا مشکل ہو گا۔ تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کو بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

۷۹۔ نیکو کار اور بدکار برابر نہیں: یعنی ایک اندھا جسے حق کا سیدھا راستہ نہیں سوچتا، اور ایک آنکھوں والا جو نہایت بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم کو دیکھتا اور سمجھتا ہے، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یا ایک نیکو کار مومن اور کافر بدکار کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو ضرور ایک دن چاہئے جب ان کا باہمی فرق کھلے۔ اور دونوں کے علم و عمل کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہوں۔ مگر افسوس کہ تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

۸۰۔ یعنی میری ہی بندگی کرو کہ اس کی جزا دوں گا اور مجھ ہی سے مانگو کہ تمہارا مانگنا خالی نہ جائے گا۔

۸۱۔ دعا بندگی کی شرط ہے: بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا۔ نہ مانگنا غرور ہے۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے۔ یہ بات تو بیشک برحق ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بندے کی ہر دعا قبول کیا کرے۔

دعا کی فضیلت: یعنی جو مانگے وہ ہی چیز دے دے۔ نہیں اس کی اجابت کے بہت سے رنگ ہیں جو احادیث میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ کوئی چیز دینا اس کی مشیت پر موقوف اور حکمت کے تابع ہے۔ کما قال فی موضع آخر فَيَسْتَفِئُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ (انعام۔ ۴۱) بہر حال بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔

۶۱۔ اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ اس میں چین پکڑو اور دن بنایا دیکھنے کا [۸۲] اللہ تو فضل والا ہے لوگوں پر اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے [۸۳]

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾

۶۲۔ اور اللہ ہے تمہارا رب ہر چیز بنانے والا کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو [۸۴]

ذِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ

فَإِنِّي تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ اسی طرح پھرے جاتے ہیں جو لوگ کہ اللہ کی باتوں سے منکر ہوتے رہتے ہیں

كَذٰلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ

يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو عمارت [۸۵] اور صورت بنائی تمہاری تو اچھی بنائیں صورتیں تمہاری اور روزی دی تمکو ستھری چیزوں سے وہ اللہ ہے رب تمہارا سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو رب ہے سارے جہان کا [۸۶]

اللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ قَرَارًا وَ السَّمٰوٰتِ  
بِنَآءٍ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوْرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ  
الطَّيِّبٰتِ ۗ ذٰلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۗ فَتَبَرَّكْ اللّٰهُ رَبُّ

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ وہ ہے زندہ رہنے والا [۸۷] کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے سو اس کو پکارو خالص کر کر اس کی بندگی سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا [۸۸]

هُوَ الْحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ  
الدِّيْنَ ۗ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ تو کہ مجھکو منع کر دیا کہ پوجوں انکو جنکو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے جب پہنچ چکیں میرے پاس کھلی نشانیاں میرے رب سے اور مجھکو حکم ہوا کہ تابع رہوں جہان کے پروردگار کا [۸۹]

قُلْ اِنِّيْ نُهَيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ  
دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَبِّيْ ۗ وَاُمِرْتُ  
اَنْ اُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے [۹۰] پھر پانی کی بوند سے پھر خون جے ہوئے سے [۹۱] پھر تم کو نکالتا ہے بچہ پھر جب تک کہ پہنچو اپنے پورے زور کو پھر جب تک کہ ہو جاؤ بوڑھے اور کوئی تم میں ایسا ہے کہ مر جاتا ہے پہلے اس سے اور جب تک کہ پہنچو لکھے وعدے کو [۹۲] اور تاکہ تم سوچو [۹۳]

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ  
مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا  
اَسْدَٰكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شٰيْخًا ۗ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفٰى  
مِّنْ قَبْلٍ وَ لِتَبْلُغُوْا اَجَلًا مُّسَمًّى ۗ وَ لَعَلَّكُمْ

تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب حکم کرے کسی کام کو تو یہ کہے اسکو کہ ہو جاوہ ہو جاتا ہے [۹۳]

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنبَا

يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٢٨﴾

۸۲۔ دن اور رات کی نعمت: رات کی ٹھنڈ اور تاریکی میں عموماً لوگ سوتے اور آرام کرتے ہیں۔ جب دن ہوتا ہے تو تازہ دم ہو کر اس کے اجالے میں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں اس وقت دیکھنے بھالنے اور چلنے پھرنے کے لئے مصنوعی روشنیوں کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔

۸۳۔ یعنی منعم حقیقی کی حق شناسی یہ تھی کہ قول و فعل اور جان و دل سے اس کا شکر ادا کرتے بہت سے لوگ شکر کے بجائے شرک کرتے ہیں۔  
۸۴۔ یعنی رات دن کی سب نعمتیں اسکی طرف سے مانتے ہو، تو بندگی بھی صرف اسی کی ہونی چاہئے اس مقام پر پہنچ کر تم کہاں بھٹک جاتے ہو کہ مالک حقیقی تو کوئی ہو اور بندگی کسی کی کیجائے۔

۸۵۔ یعنی قبہ کی طرح بنایا۔

۸۶۔ انسان کی صورت سب سے بہتر ہے: سب جانوروں سے انسان کی صورت بہتر اور سب کی روزی سے اسکی روزی سٹھری ہے۔  
۸۷۔ جس پر کسی حیثیت سے کبھی فنا اور موت طاری نہیں ہوئی، نہ ہو سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے جب اسکی حیات ذاتی ہوئی تو تمام لوازم حیات بھی ذاتی ہوں گے۔

۸۸۔ کلمہ توحید الحمد للہ: کمالات اور خوبیاں سب وجود حیات کے تابع ہیں۔ جو حی علی الاطلاق ہے وہ ہی عبادت کا مستحق اور تمام کمالات اور خوبیوں کا مالک ہو گا۔ اسی لئے هُوَ الْحَيُّ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فرمایا۔ جیسا کہ پہلی آیت میں نعمتوں کا ذکر کر کے فَتَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ فرمایا تھا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہنا چاہیے۔ اس کا ماخذ یہ ہی آیت ہے۔

۸۹۔ یعنی کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد کیا حق ہے کہ کوئی خدائے واحد کے سامنے سر عبودیت نہ جھکائے اور خالص اسی کا تابع فرمان نہ ہو۔

۹۰۔ آدمی کی اصلیت: یعنی تمہارے باپ آدم کو، یا تم کو، اس طرح کہ نطفہ جس غذا کا خلاصہ ہے وہ خاک سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

۹۱۔ یعنی بنی آدم کی اصل ایک پانی کی بوند (قطرہ منی) ہے جو آگے چل کر جما ہو خون بنا دیا گیا۔

۹۲۔ انسانی تخلیق کے مراحل: یعنی بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے۔ اور بعض آدمی جوانی یا بوڑھاپے سے پہلے ہی گذر جاتے ہیں۔ بہر حال سب کو ایک معین میعاد اور لکھے ہوئے وعدے تک پہنچنا ہے۔ موت اور حشر سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید، ز جام دہرے کل من علیہا فان۔

۹۳۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”یعنی سوچو اتنے احوال (اور دور) تم پر گذرے۔ ممکن ہے ایک حال اور بھی گذرے۔ وہ مر کر جینا ہے۔“ آخر اسے کیوں محال سمجھتے ہو۔

۹۴۔ یعنی اس کی قدرت کاملہ اور شان کن فیکون کے سامنے یہ کیا مشکل ہے کہ بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر دے۔

۶۹۔ تو نے نہ دیکھا ان کو جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں کہاں سے پھیر جاتے ہیں

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ

يُصْرَفُونَ ﴿٢٩﴾

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ  
رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾

۷۰۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس کو  
کہ بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ سو آخر جان لیں  
گے [۹۵]

إِذَا الْأَعْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٤١﴾

۷۱۔ جب طوق پڑیں انکی گردنوں میں اور زنجیریں  
بھی [۹۶] گھسیٹے جائیں

فِي الْحَيِّمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٤٢﴾

۷۲۔ جلتے پانی میں پھر آگ میں انکو جھونک دیں [۹۷]

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾

۷۳۔ پھر انکو کہیں کہاں گئے جنکو تم شریک بتلایا کرتے تھے

مَنْ دُونِ اللَّهِ ط قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ  
نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ط كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ

۷۴۔ اللہ کے سوائے [۹۸] بولیں وہ ہم سے چوک گئے [۹۹]  
کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو [۱۰۰] اسی  
طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو [۱۰۱]

الْكَافِرِينَ ﴿٤٤﴾

۷۵۔ یہ بدلا اس کا جو تم اتراتے پھرتے تھے زمین میں  
ناحق اور اس کا جو تم اکڑتے تھے [۱۰۲]

ذَلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ

بِمَا كُنْتُمْ تَتَرَحُّونَ ﴿٤٥﴾

۷۶۔ داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے [۱۰۳] سدا  
رہنے کو اس میں سو کیا برا ٹھکانہ ہے غرور والوں کا

أَدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ

مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٤٦﴾

۷۷۔ سو تو ٹھہرا رہے بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پھر اگر ہم  
دکھلا دیں تجھ کو کوئی وعدہ جو ہم ان سے کرتے ہیں یا قبض کر  
لیں تجھ کو ہر حالت میں ہماری ہی طرف پھر آئیں گے [۱۰۴]

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ط فَمَا نُرِيدُكَ بَعْضَ

الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيْنِكَ فَاإِنَّا يُرْجَعُونَ ﴿٤٧﴾

۷۸۔ اور ہم نے بھیجے ہیں رسول تجھ سے پہلے بعضے ان میں  
وہ ہیں کہ سنایا ہم نے تجھکو ان کا احوال اور بعضے ہیں کہ  
نہیں سنایا [۱۰۵] اور کسی رسول کو مقدور نہ تھا کہ لے آتا

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ

قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے [۱۰۶] پھر جب آیا حکم اللہ کا فیصلہ ہو گیا انصاف سے اور ٹوٹے میں پڑے اس جگہ جھوٹے [۱۰۷]

ط  
وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ  
فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ

الْبُاطِلُونَ ﴿٢٨﴾

۹۵۔ کہ اس کی تکذیب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

۹۶۔ مجرموں کیلئے طوق اور زنجیریں: زنجیر کا ایک سر اطوق میں اٹکا ہوا اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہو گا۔ اس طرح مجرموں اور قیدیوں کی مانند لائے جائیں گے۔

۹۷۔ یعنی دوزخ میں کبھی جلتے پانی اور کبھی آگ کا عذاب دیا جائے گا (اعاذنا اللہ منہا)

۹۸۔ یعنی اس وقت ان میں سے کوئی کام نہیں آتا۔ ہو سکے تو ان کو مدد کے لئے بلاؤ۔

۹۹۔ دوزخ میں مجرموں سے سوال: یعنی ہم سے گئے گزرے ہوئے۔ شاید اس وقت عابدین اور معبودین الگ الگ کر دیے جائیں گے یا صَلُّوا عَنَّا کا مطلب یہ ہو کہ گو موجود ہیں، مگر جب ان سے کوئی فائدہ نہیں تو ہوئے نہ ہوئے برابر ہیں۔

۱۰۰۔ کفار کا اقرار اور انکار: اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم جنکو دنیا میں پکارتے تھے، اب کھلا کہ وہ واقع میں کچھ چیز نہ تھے گویا یہ بطور حسرت و افسوس کے اپنی غلطی کا اعتراف ہو گا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین اول منکر ہو چکے تھے کہ ہم نے شریک ٹھہرائے ہی نہیں۔ اب گھبرا کر منہ سے نکل جائے گا۔ صَلُّوا عَنَّا جس میں شریک ٹھہرانے کا اعتراف ہو گا۔ پھر کچھ سنبھل کر انکار کر دیں گے کہ ہم نے خدا کے سوا کسی کو پکارا ہی نہیں۔

۱۰۱۔ یعنی جس طرح یہاں انکار کرتے پچل گئے اور گھبرا کر اقرار کر لیا۔ یہ ہی حال ان کافروں کا دنیا میں تھا۔

۱۰۲۔ یعنی دیکھ لیا، ناحق کی شیخی اور غرور و تکبر کا انجام یہ ہوتا ہے اب وہ اکڑنوں کدھر گئی۔

۱۰۳۔ یعنی ہر قسم کے مجرم اس دروازے سے جو ان کے لئے تجویز شدہ ہے۔

۱۰۴۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے: یعنی اللہ نے انکو عذاب دینے کا جو وعدہ فرمایا ہے، وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ ممکن ہے کوئی وعدہ آپ کی موجودگی میں پورا ہو (جیسا کہ ” بدر ” اور ” فتح مکہ ” وغیرہ میں ہوا) یا آپ کی وفات کے بعد۔ بہر حال یہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ سب کا انجام ہمارے ہاتھ میں، اس زندگی کے بعد عذاب کی تکمیل اُس زندگی میں ہوگی۔ چھٹکارا کسی صورت سے نہیں۔

۱۰۵۔ قرآن میں مذکور اور غیر مذکور انبیاء: یعنی بعض کا تفصیلی حال تجھ سے بیان کیا، بعض کا نہیں کیا۔ (اور ممکن ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ان کا بھی مفصل حال بیان کر دیا ہو) بہر حال جن کے نام معلوم ہیں ان پر تفصیلاً اور جن کے نام وغیرہ معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ لَأَنْفَرُاقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ (البقرۃ۔ ۲۸۵)۔

۱۰۶۔ یعنی اللہ کے سامنے سب عاجز ہیں رسولوں کو یہ بھی اختیار نہیں کہ جو معجزہ چاہیں دکھلا دیا کریں، صرف وہ ہی نشانات دکھلا سکتے ہیں جس کی اجازت حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔

۱۰۷۔ اللہ کا فیصلہ: یعنی جس وقت اللہ کا حکم پہنچتا ہے رسولوں اور ان کی قوموں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اس وقت رسول سرخرو



اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اور باطل پرستوں کے حصہ میں ذلت و خسران کے سوا کچھ نہیں آتا۔

۷۹۔ اللہ ہے جس نے بنا دیے تمہارے واسطے چوپائے تاکہ سواری کرو بعضوں پر اور بعضوں کو کھاتے ہو

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَ  
مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾

۸۰۔ اور ان میں تمکو بہت فائدے ہیں [۱۰۸] اور تاکہ پہنچو ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو [۱۰۹] اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو [۱۱۰]

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي  
صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾

۸۱۔ اور دکھلاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں پھر کون کون سی نشانوں کو اپنے رب کی نہ مانو گے [۱۱۱]

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۖ فَآيَ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ﴿٨١﴾

۸۲۔ کیا پھرے نہیں وہ ملک میں کہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہو ان سے پہلوں کا وہ تھے ان سے زیادہ اور زور میں سخت اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر پھر کام نہ آیا ان کے جو وہ کھاتے تھے [۱۱۲]

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ  
عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ  
أَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا آغْنَى عَنْهُمْ مَّا

كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

۸۳۔ پھر جب پہنچے انکے پاس رسول انکے کھلی نشانیاں لے کر اترانے لگے اس پر جو انکے پاس تھی خبر اور الٹ پڑی ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے [۱۱۳]

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا  
عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ

يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨٣﴾

۸۴۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے اللہ اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جنکو شریک بتلاتے تھے [۱۱۴]

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَا وَ  
كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾

۸۵۔ پھر نہ ہوا کہ کام آئے انکو یقین لانا ان کا جس وقت

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْبَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ

دیکھ چکے ہمارا عذاب<sup>[۱۱۵]</sup> رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی  
اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر<sup>[۱۱۶]</sup>

سُنَّتِ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِۦٓ وَ خَسِرَ

هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

۱۰۸۔ چوپایوں کے منافع: مثلاً ان کے چمڑے، بال اور اون وغیرہ سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔

۱۰۹۔ سواری کرنا بجائے خود ایک مقصد ہے اور سواری کے ذریعہ سے انسان بہت مقاصد دینی و دنیوی حاصل کرتا ہے۔

۱۱۰۔ یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔

۱۱۱۔ اللہ کی کس کس نشانی کو جھٹلاؤ گے: یعنی اس قدر کھلے نشان دیکھنے پر بھی آدمی کہاں تک انکار ہی کرتا چلا جائے گا۔ (اور ابھی کیا معلوم اللہ اور کتنے نشان دکھلائے گا)۔

۱۱۲۔ یعنی پہلے بہت قومیں گذر چکیں جو جتھے میں اور زور و قوت میں ان سے بہت زیادہ تھیں انہوں نے ان سے کہیں بڑھ کر زمین پر اپنی یاد گاریں اور نشانیاں چھوڑیں، لیکن جب خدا کا عذاب آیا تو وہ زور و طاقت اور ساز و سامان کچھ بھی کام نہ آسکا۔ یوں ہی تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔

۱۱۳۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت سے سبق لو: یعنی وجہ معاش اور مادی ترقیات کا جو علم ان کے پاس تھا اور جن غلط عقیدوں پر دل جمائے ہوئے تھے اسی پر اترتے رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایات کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے۔ آخر ایک وقت آیا جب ان کو اپنی ہنسی مذاق کی حقیقت کھلی، اور ان کا استہزاء و تمسخر خود انہی پر الٹ پڑا۔

۱۱۴۔ قیامت میں کفار کی توبہ: یعنی جس وقت آفت آنکھوں کے سامنے آئی اور عذاب الہی کا معائنہ ہونے لگا تب ہوش آیا اور ایمان و توبہ کی سوجھی۔ اب پتہ چلا کہ اکیلے خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے جن ہستیوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا سب عاجز اور بیکار ہیں۔ ہماری سخت حماقت اور گستاخی تھی کہ ان چیزوں کو تخت خدائی پر بٹھا دیا تھا۔

۱۱۵۔ حشر میں توبہ و ندامت بے سود ہے: یعنی اب پچھتانی اور تفسیر کا اعتراف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایمان و توبہ کا وقت گذر چکا۔ عذاب دیکھ لینے پر تو ہر کسی کو بے اختیار یقین آجاتا ہے۔ مگر یہ یقین موجب نجات نہیں۔ نہ اس یقین کی بدولت آیا ہوا عذاب ٹل سکتا ہے۔ قال تعالیٰ  
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُوْبْتُ اَلَنْ وَاَلَّذِيْنَ يَمُوتُوْنَ وَهُمْ كُفٰرًا (نساء-۱۸) و قال  
فی قصہ فرعون اَلَنْ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس-۹۱) و فی الحدیث اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُعْرَضْ۔

۱۱۶۔ توبہ کے معاملے میں اللہ کی عادت: یعنی ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ لوگ اول انکار و استہزاء سے پیش آتے ہیں پھر جب عذاب میں پکڑے جاتے ہیں اس وقت شور مچاتے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ کی عادت یہ ہے کہ اس بے وقت کی توبہ کو قبول نہیں فرماتا۔ آخر منکرین اپنے جرائم کی پاداش میں خراب و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اللهم احفظنا من الخسران واحفظنا من غضبك وسخطك فی الدنیا والاخرۃ۔

تم سورة المؤمن وبلد الحمد والمدينة

آیاتها ۵۴

۲۱ سُورَةُ حَمِ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۱

رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ حم۔

حَمَّ ۱

۲۔ اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے [۱]

تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۲

۳۔ ایک کتاب ہے جدی جدی کی ہیں اس کی آیتیں [۲]  
قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کو [۳]

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ

یَعْلَمُوْنَ ۳

۴۔ سنانے والا خوشخبری اور ڈر [۴] پر دھیان میں نہ لائے  
وہ بہت لوگ سو وہ نہیں سنتے [۵]

بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۴ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا

یَسْمَعُوْنَ ۴

۵۔ اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے  
جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ  
ہے اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ ہے سو تو اپنا کام کر  
ہم اپنا کام کرتے ہیں [۶]

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ وَفِیْ

اِذْنَانَا وَاَقْرٰۤا وَّمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ

فَاعْمَلْ اِنَّا عَمِلُوْنَا ۵

۶۔ تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ  
تم پر بندگی ایک حاکم کی ہے سو سیدھے رہو اسکی طرف  
اور اس سے گناہ بخشو [۷] اور خرابی ہے شریک کرنے  
والوں کو

قُلْ اِنَّبَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنْبَا الْهٰکِمِ

اِلٰهِ وَّ اِحَدٌ فَاَسْتَقِیْمُوْا اِلَیْهِ وَاسْتَغْفِرُوْا ۷ وَ

وٰیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۶

۷۔ جو نہیں دیتے زکوٰۃ اور وہ آخرت سے منکر ہیں [۸]

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ

كُفْرُونَ ﴿۷﴾

۸۔ البتہ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ثواب

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ

ملنا ہے جو موقوف نہ ہو [۹]

غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۸﴾

۱۔ نزول قرآن اللہ کی بڑی نعمت ہے: یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بڑی مہربانی اور رحمت بندوں پر ہے جو ان کی ہدایت کے لئے ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب نازل فرمائی۔

۲۔ لفظی طور پر آیات کا جدا جدا ہونا تو ظاہر ہے، مگر معنوی حیثیت سے بھی سینکڑوں قسم کے علوم اور مضامین کی تفصیل الگ الگ آیات میں کی گئی ہے۔

۳۔ قرآن عربی میں نازل ہوا: یعنی قرآن کریم اعلیٰ درجہ کی صاف و شستہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ تا ان لوگوں کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ خود سمجھ کر دوسروں کو پوری طرح سمجھا سکیں۔ مگر اس کے باوجود بھی ظاہر ہے وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہو سکتے ہیں جو سمجھ رکھتے ہوں۔ نا سمجھ جاہل کو اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔

۴۔ یعنی قرآن اپنے ماننے والوں کو نجات و فلاح کی خوشخبری سناتا اور منکروں کو برے انجام سے ڈراتا ہے۔

۵۔ اس سے لوگوں کا اعراض تعجب خیز ہے: یعنی ان سب باتوں کے باوجود بھی تعجب ہے کہ ان میں کے بہت لوگ اس کتاب کی بیش قیمت نصائح کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ اور جب ادھر دھیان ہی نہیں تو سننا کیوں چاہیں گے۔ اور فرض کیجئے کانوں سے سن بھی لیا، لیکن گوش دل سے نہ سنا اور قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو سنا ان سنا برابر ہے۔

۶۔ کفار مکہ کہ ہٹ دھرمی: یعنی صرف اسی قدر نہیں کہ نصیحت کی طرف دھیان نہیں کرتے یا کان نہیں دھرتے، بلکہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن کو سن کر ناصح بالکلیہ مایوس ہو جائے اور آئندہ نصیحت سنانے کا ارادہ بھی ترک کر دے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو تمہاری باتوں کی طرف سے غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی بات وہاں تک پہنچتی نہیں۔ اور جب تم بات کرتے ہو ہمارے کان اونچا سننے لگتے ہیں۔ نفل سماع کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دیتا، اور ہمارے تمہارے درمیان ایسا پردہ ہے جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتا، دشمنی اور عداوت کی جو دیواریں کھڑی ہیں وہ درمیان سے اٹھ جائیں اور جو خلیج حائل ہے وہ پر ہو، تب ہم میں سے ایک دوسرے تک پہنچ سکے لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے پھر تم کیوں اپنا مغز تھکاتے ہو۔ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑو، تم اپنا کام کئے جاؤ، ہم اپنا کام کریں گے۔ اس کی توقع مت رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحتوں سے متاثر ہونے والے ہیں۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت: یعنی نہ میں خدا ہوں کہ زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکوں، نہ فرشتہ ہوں جس کے بھیجے جانے کی تم فرمائش کیا کرتے ہو نہ کوئی اور مخلوق ہوں، بلکہ تمہاری جنس و نوع کا ایک آدمی ہوں جس کی بات سمجھنا تم کو ہم جنسی کی بنا پر آسان ہونا چاہئے، اور وہ آدمی ہوں جسے حق تعالیٰ نے اپنی آخری اور کامل ترین سچی وحی کیلئے چن لیا ہے۔ بناءً علیہ خواہ تم کتنا ہی اعراض کرو اور کتنی ہی یاس

انگیز باتیں کرو، میں خدائی پیغام تم کو ضرور پہنچاؤں گا۔ مجھے بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے کہ تم سب کا معبود اور حاکم علی الاطلاق ایک ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ لہذا سب کو لازم ہے کہ تمام شتون و احوال میں سیدھے اسی خدائے واحد کی طرف رخ کر کے چلیں اس کے راستے سے ذرا ادھر ادھر قدم نہ ہٹائیں اور پہلے اگر ٹیڑھے ترچھے چلے ہیں تو اپنے پروردگار سے اس کی معافی چاہیں۔ اور اگلی پچھلی خطائیں بخشوائیں۔

۸۔ جن لوگوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ عاجز مخلوق کو اس کی بندگی میں شریک کرتے ہیں اور بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا پیسہ کسی محتاج مسکین پر خرچ کرنے کے روادار نہیں۔ ساتھ ہی انجام کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں، کیونکہ انہیں تسلیم ہی نہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی اور اچھے برے کا حساب و کتاب بھی ہو گا۔ ایسوں کا مستقبل بجز ہلاکت اور خرابی و بربادی کے اور کیا ہونا ہے۔ (تنبیہ) بعض سلف نے یہاں الزکوٰۃ سے مراد کلمہ طیبہ لیا ہے۔ اور بعض نے ”زکوٰۃ“ کے معنی پاکیزگی اور ستھرائی کے لئے ہیں۔ مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگ اپنے نفس کو عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیرہ سے پاک و صاف نہیں کرتے۔ اس میں کلمہ طیبہ کا ترک اور زکوٰۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا بھی آگیا۔ و ہذا کما قالَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (الاعلیٰ-۱۳) و قالَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ ذَكَرَهَا (الشمس-۹) و قالَ وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً (مریم-۱۳) وغیر ذلک۔ شاید یہ معنی اس لئے یہاں لئے گئے ہوں کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں یا اس لئے کہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ وغیرہ کی تشخیص مدینہ میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۹۔ مومنین کیلئے دائمی اجر: یعنی کبھی منقطع نہ ہو گا ابد الابد تک جاری رہے گا۔ جنت میں پہنچ کر نہ انکو فنا نہ انکے ثواب کو۔

۹۔ تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین دودن میں اور برابر کرتے ہو اسکے ساتھ اوروں کو وہ ہے رب جہان کا<sup>[۱۰]</sup>

قُلْ أَيْنَكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي  
يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُونَ لَهُ آندادا ٭ ذلِكَ رَبُّ

الْعَلْبِينَ ﴿٩﴾

۱۰۔ اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اسکے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُسکی<sup>[۱۱]</sup> چار دن میں پورا ہو اچھنے والوں کو<sup>[۱۲]</sup>

وَجَعَلَ فِيهَا رَواسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بَرَكَ فِيهَا وَ  
قَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ٭ سَوَاءً

لِّلسَّابِقِينَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا<sup>[۱۳]</sup> پھر کہا اسکو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے<sup>[۱۴]</sup>

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ  
لِلْأَرْضِ انْتَبِيا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ٭ قَالَتَا أَتَيْنَا

طَائِعِينَ ﴿١١﴾

۱۲۔ پھر کر دیے وہ سات آسمان دودن میں [۱۵] اور اتارا ہر آسمان میں حکم اُس کا [۱۶] اور رونق دی ہم نے سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے اور محفوظ کر دیا یہ سادھا ہوا ہے زبردست خبر دار کا [۱۷]

فَقَضَهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۗ وَزَيْنًا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِصَابِيحٍ ۗ

وَ حِفْظًا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

۱۰۔ زمین کی تخلیق دودن میں: یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کا انکار کرتے ہو اور دوسری چیزوں کو اس کے برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ کا اختیار نہیں رکھتیں۔

۱۱۔ زمین کی برکتیں: ”اور برکت رکھی اسکے اندر“ یعنی قسم قسم کی کانیں، درخت، میوے، پھل، غلے اور حیوانات زمین سے نکلتے ہیں۔ اور ”کھڑائیں اس میں خوراکیں اسکی“ یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص اندازہ اور حکمت سے زمین کے اندر رکھ دیں چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبائع اور ضروریات کے موافق خوراکیں مہیا کر دی گئی ہیں۔

۱۲۔ تخلیق کے چار دن: یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن ہوئے بدن کسر اور کمی بیشی کے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا۔ (تنبیہ) یہاں ”دونوں“ سے مراد ظاہر ہے معروف و متبادر دن نہیں ہو سکتے کیونکہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں۔ لاجمالہ ان دنوں کی مقدار ہوگی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت فرمایا ہے وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (حج۔ ۴۷) واللہ اعلم۔

۱۳۔ تخلیق آسمان: یعنی پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت سارا ایک تھا دھوئیں کی طرح۔ اس کو بانٹ کر سات آسمان کئے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے ”ذُخَان“ سے آسمانوں کے مادہ کی طرف اشارہ ہو۔

۱۴۔ زمین و آسمان کو اللہ کا حکم: یعنی ارادہ کیا کہ ان دونوں (آسمان اور زمین) کے ملاپ سے دنیا بسائے خواہ اپنی طبیعت سے ملیں یا زور سے ملیں۔ (بہر حال دونوں ملا کر ایک نظام بنانا تھا) وہ دونوں آملے اپنی طبیعت سے آسمان سے سورج کی شعاع آئی، گرمی پڑی ہوئیں انھیں ان سے گرد اور بھاپ اوپر چڑھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ہوئیں۔ اور پہلے جو فرمایا تھا کہ ”زمین میں اس کی خوراکیں رکھیں“ یعنی اس میں قابلیت ان چیزوں کے نکلنے کی رکھ دی تھی۔ واللہ اعلم۔

۱۵۔ سات آسمان کی تخلیق دودن میں: یعنی چار دن وہ تھے اور دودن میں آسمان بنائے کل چھ دن ہو گئے، جیسا کہ دوسری جگہ سِتَّةَ أَيَّامٍ کی تصریح ہے۔ (تنبیہ) جن احادیث مرفوعہ میں تخلیق کائنات کے متعلق دنوں کی تعیین و ترتیب آئی ہے کہ فلاں فلاں چیز اللہ نے ہفتہ کے دن، فلاں فلاں دن میں پیدا کی، ان میں کوئی حدیث صحیح اب تک نظر سے نہیں گذری۔ حتیٰ کہ ابو ہریرہ کی حدیث کے متعلق جو صحیح مسلم میں ہے ابن کثیر لکھتے ہیں وہومن غرائب الصحيح وقد عدله البخاری فی التاريخ فقال رواه بعضهم عن ابی ہریرة عن كعب الاحبار وهو الاصح اور روح المعانی میں نقال شافعی سے نقل کیا ہے تفرد به مسلم وقد تكلم عليه الحافظ علي ابن المديني والبخاري وغيرهما وجعلوه من كلام كعب وان اباهريرة انما سعه منه ولكن اشتبه على بعض الرواة فجعله مرفوعا۔

آسمان پہلے پیدا ہوا یا زمین: باقی قرآن کریم کی اس آیت اور سورہ ”بقرہ“ کی آیت ۳۲ ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاوَاتِ فَوَسَّوْهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ سے ظاہر

ہوتا ہے کہ سات آسمان زمین کی پیدائش کے بعد بنائے گئے۔ اور سورہ "نارعات"۔ ۳۰ میں "وَ الْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد بچھائی گئی۔ اس کے جواب کئی طرح دیے گئے ہیں۔ احقر کو ابو حیان کی تقریر پسند ہے یعنی ضروری نہیں کہ پہلی آیت میں ثَمَّ اور دوسری میں بَعْدَ ذَلِكْ تراخی زمان کے لئے ہو۔ ممکن ہے ان الفاظ سے تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبہ مراد لیں۔ جیسے ثَمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد۔ ۱۷) میں۔ یا دوسری جگہ عُنْتَلٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ (القلم۔ ۱۳) میں یہ ہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ بہر حال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا اور عظمت و قدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا ہے جس کا نکتہ ادنیٰ تا مل و تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ یہ چند الفاظ اہل علم کی تنبیہ کے لئے لکھ دیے ہیں۔

۱۶۔ ہر آسمان کو اسکے حکم کی وحی: یعنی جو حکم جس آسمان کے مناسب تھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ رب کو معلوم ہے کہ وہاں کون مخلوق بستی ہے اور انکا کیا اسلوب (اور رنگ ڈھنگ) ہے اتنی زمین میں ہزاراں ہزار کارخانے ہیں، تو اتنے بڑے آسمان کب خالی پڑے ہوں گے۔" ۱۷۔ یعنی دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ رات کو ان قدر ترقی چراغوں سے آسمان کیسا پر رونق معلوم ہوتا ہے۔ پھر محفوظ کتنا کر دیا ہے کہ کسی کی وہاں تک دسترس نہیں۔ فرشوں کے زبردست پہرے لگے ہوئے ہیں۔ کوئی طاقت اس نظام محکم میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ سب سے بڑی زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے۔

۱۳۔ پھر اگر وہ ٹلائیں تو تو کہہ میں نے خبر سنادی تمکو ایک سخت عذاب کی جیسے عذاب آیا عباد اور ثمود پر [۱۸]

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ

صَاعِقَةِ عَادٍ وَ ثَمُودَ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ جب آئے انکے پاس رسول آگے سے اور پیچھے سے [۱۹] کہ نہ پوجو کسی کو سوائے اللہ کے کہنے لگے اگر ہمارا رب چاہتا تو بھیجتا فرشتے سو ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانتے [۲۰]

إِذْ جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَ مِنْ

خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا

لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَأِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ سو وہ جو عادت تھے وہ تو غرور کرنے لگے ملک میں ناحق اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور میں [۲۱] کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ جس نے انکو بنایا وہ زیادہ ہے ان سے زور میں اور تھے ہماری نشانیوں سے منکر [۲۲]

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ

قَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ

الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ كَانُوا

بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ پھر بھیجی ہم نے ان پر ہوا بڑے زور کی کئی دن جو مصیبت کے تھے تاکہ چکھائیں انکو رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگانی میں [۲۳] اور آخرت کے عذاب میں تو پوری رسوائی ہے اور انکو کہیں مدد نہیں [۲۴]

۱۷۔ اور وہ جو شہود تھے سو ہم نے انکو راہ بتلائی پھر انکو خوش لگا اندھا رہنا راہ سو جھنے سے [۲۵] پھر پکڑ انکو کڑک نے ذلت کے عذاب کی بدلا اس کا جو کماتے تھے [۲۶]

۱۸۔ اور بچا دیا ہم نے ان لوگوں کو جو یقین لائے تھے اور بچ کر چلتے تھے [۲۷]

۱۹۔ اور جس دن جمع ہوں گے دشمن اللہ کے دوزخ پر تو انکی جماعتیں بنائی جائیں گی [۲۸]

۲۰۔ یہاں تک کہ جب پہنچیں اس پر بتائیں گے انکو انکے کان اور انکی آنکھیں اور انکے چہرے جو کچھ وہ کرتے تھے [۲۹]

۲۱۔ اور وہ کہیں گے اپنے چہروں کو تم نے کیوں بتلایا ہم کو [۳۰] وہ بولیں گے ہمکو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو [۳۱] اور اسی نے بنایا تمکو پہلی بار اور اسی کی طرف پھیرے جاتے ہو [۳۲]

۲۲۔ اور تم پر دہ نہ کرتے تھے اس بات سے کہ تم کو بتلائیں

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحْسَاتٍ لَّنَنْدِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ

لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ﴿١٦﴾

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمُ صِعْقَةٌ عَذَابِ الْهُونِ بِمَا

كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٧﴾

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٨﴾

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ

يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَعُهُمْ وَ

أَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾

وَقَالُوا لِبُجُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا

أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ



گے تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہارے  
چہرے [۳۳] پر تم کو یہ خیال تھا کہ اللہ نہیں جانتا بہت  
چیزیں جو تم کرتے ہو [۳۳]

سَعُكُمْ وَلَا أَبْصَارَكُمْ وَلَا جُلُودَكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ  
أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ اور یہ وہی تمہارا خیال ہے جو تم رکھتے تھے اپنے رب  
کے حق میں اسی نے تمکو غارت کیا پھر آج رہ گئے ٹوٹے  
میں

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ  
فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۲۳﴾

۲۴۔ پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کا گھر ہے اور اگر وہ  
منایا چاہیں تو انکو کوئی نہیں مانتا [۳۵]

فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَإِنْ  
يَسْتَعْتِبُوا فَمَا لَهُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿۲۴﴾

۲۵۔ اور لگا دیے ہم نے انکے پیچھے ساتھ رہنے والے پھر  
انہوں نے خوبصورت بنا دیا انکی آنکھوں میں اسکو جو انکے  
آگے ہو اور جو انکے پیچھے ہو [۳۶] اور ٹھیک پڑ چکی ان پر  
عذاب کی بات ان فرقوں کے ساتھ جو گذر چکے ان سے  
پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے [۳۷] بیشک وہ تھے ٹوٹے  
والے [۳۸]

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ  
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي  
أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ  
إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ﴿۲۵﴾

۱۸۔ یعنی کفار مکہ اگر ایسی عظیم الشان آیات سننے کے بعد بھی نصیحت قبول کرنے اور توحید و اسلام کی راہ اختیار کرنے سے اعراض کرتے رہیں  
تو فرما دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا انجام بھی "عاد" و "شمود" وغیرہ اقوام معذبین کی طرح ہو سکتا ہے۔

۱۹۔ یعنی ہر طرف سے۔ شاید بہت رسول آئے ہوں گے مگر مشہور یہ ہی دو رسول ہیں۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علی نبینا و علیہا الصلوٰۃ  
والسلام۔ اور یا مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد یہ ہو کہ ان کو ماضی اور مستقبل کی باتیں سمجھاتے ہوئے آئے۔ کوئی جہت اور کوئی پہلو  
نصیحت و فہمائش کا نہیں چھوڑا۔

۲۰۔ رسول اللہ کے بشر ہونے پر اعتراض: یعنی خدا کا رسول بشر کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ کو واقعی رسول بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو  
بھیجتا۔ بہر حال تم اپنے زعم کے موافق جو باتیں خدا کی طرف سے لائے ہو ہم ان کے ماننے کے لئے تیار نہیں۔

۲۱۔ قوم عاد کا غرور و تکبر: شاید رسولوں نے جو عذاب کی دھمکی دی ہو گی اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہم سے زیادہ زور آور کون ہے جس سے ہم  
خوف کھائیں کیا ہم جیسے طاقتور انسانوں پر تم اپنا رعب جما سکتے ہو؟ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ان کے جسم بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔  
بدن کی قوت پر غرور آیا۔ غرور کا دم بھرنا اللہ کے ہاں وبال لاتا ہے۔"

- ۲۲۔ یعنی دل میں ان کا حق ہونا سمجھتے تھے، مگر ضد اور عناد سے انکار کرتے چلے جاتے تھے۔
- ۲۳۔ آمدھی کا طوفان: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”ان کا غرور توڑنے کو ایک کمزور مخلوق سے ان کو تباہ کر دیا۔ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا طوفان چلتا رہا۔ درخت، آدمی، مکان، مواشی کوئی چیز نہ چھوڑی۔
- ۲۴۔ یعنی آخرت کی رسوائی تو بہت ہی بڑی ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گی، نہ وہاں کوئی مدد کر سکے گا۔ ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی محبت و ہمدردی کے بڑے بڑے مدعی آنکھیں چرائیں گے۔
- ۲۵۔ قوم شمود کا اندھا پن: یعنی نجات کا راستہ جو ہمارے پیغمبر نے بتلایا تھا اس سے آنکھیں بند کر لیں اور اندھا رہنے کو پسند کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انکی پسند کی ہوئی حالت میں انہیں پڑا چھوڑ دیا۔
- ۲۶۔ یعنی زلزلہ آیا جس کے ساتھ سخت ہولناک آواز تھی، اس آواز سے جگر پھٹ گئے۔
- ۲۷۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور بدی کے راستہ سے بچ کر چلتے تھے انکو اللہ نے صاف بچا لیا۔ نزول عذاب کے وقت ان پر ذرا آنچ بھی نہیں آئی۔
- ۲۸۔ جہنم کے قریب کفار کی جماعتیں: یعنی ہر ایک قسم کے مجرموں کی الگ جماعت ہوگی اور یہ سب جماعتیں ایک دوسرے کے انتظار میں جہنم کے قریب روکی جائیں گی۔
- ۲۹۔ کفار کے خلاف انکے اعضاء کی گواہی: دنیا میں کانوں سے آیات تنزیلیہ سنیں اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ دیکھیں مگر کسی کو نہ مانا۔ ہر بن مومن سے خدا کی نافرمانی کرتے رہے۔ یہ خبر نہ تھی کہ گناہوں کا یہ سارا ریکارڈ خود انہی کی ذات میں محفوظ ہے جو وقت پر کھول دیا جائے گا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں کفار اپنے جرائم کا زبان سے انکار کریں گے۔ اس وقت حکم ہو گا کہ ان کے اعضاء کی شہادت پیش کی جائے جن کے ذریعے سے گناہ کئے تھے۔ چنانچہ ہر ایک عضو شہادت دے گا۔ اور اس طرح زبان کی تکذیب ہو جائے گی۔ تب مہوت و حیران ہو کر اپنے اعضاء کو کہے گا (کبختو!) دور ہو جاؤ! تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑتا اور مدافعت کر رہا تھا۔ (تم خود ہی اپنے جرموں کا اعتراف کرنے لگے)
- ۳۰۔ کفار کا اپنے جسم سے خطاب: یعنی جب میں زبان سے انکار کر رہا تھا تو تم پر ایسی کیا مصیبت پڑی تھی کہ خواہ مخواہ بتلانا شروع کر دیا اور آخر یہ بولنا تمکو سکھلایا کہ نہ۔
- ۳۱۔ کفار کو اعضاء کا جواب: یعنی جسکی قدرت نے ہر ناطق چیز کو بولنے کی قوت دی، آج اسی نے ہمکو بھی گویا کر دیا نہ بولتے اور بتلاتے تو کیا کرتے۔ جب وہ قادر مطلق بلوانا چاہے تو کس چیز کی مجال ہے کہ نہ بولے جس نے زبان میں قوت گویائی رکھی، کیا ہاتھ پاؤں میں نہیں رکھ سکتا۔
- ۳۲۔ یہ مقولہ یا اللہ تعالیٰ کا ہے، یا جلو دکا ہے۔ دونوں احتمال ہیں۔
- ۳۳۔ یعنی غیر سے چھپ کر گناہ کرتے تھے۔ یہ خبر نہ تھی کہ ہاتھ پاؤں بتلا دیں گے۔ ان سے بھی پردہ کریں۔ اور کرنا بھی چاہتے تو اسکی قدرت کہاں تھی۔
- ۳۴۔ کفار کو ملامت: یعنی اصل میں تمہارے طرز عمل سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ گویا تمکو خدا تعالیٰ کے علم محیط کا یقین ہی نہ تھا سمجھتے تھے کہ جو چاہو کرتے رہو کون دیکھ بھال کرتا ہو گا۔ اگر پوری طرح یقین ہوتا کہ خدا ہماری تمام حرکات سے باخبر ہے اور اس کے ہاں ہماری پوری مسل محفوظ ہے تو ہر گز ایسی شرارتیں نہ کرتے۔
- ۳۵۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی دنیا میں بعض بلا صبر سے آسان ہوتی ہے، وہاں صبر کریں یا نہ کریں، دوزخ گھر ہو چکا۔ (جہاں سے کبھی نکلنا نہیں) اور بعض بلا منت خوشامد کرنے سے ملتی ہے۔ وہاں بہتیرا چاہیں کہ منت کریں) کوئی قبول نہیں۔

۳۶۔ کفار پر شیاطین کا تسلط: یعنی ان پر شیاطین تعینات تھے کہ انکو برے کام جو پہلے کئے یا آگے کرتے، بھلے کر کے دکھلائیں اور تباہ کن ماضی و مستقبل کو خوبصورت بنا کر انکے سامنے پیش کریں۔ اور یہ شیطانوں کا تعینات کیا جانا بھی انکے اعراض عن الذکر کا نتیجہ تھا کما قال تعالیٰ وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقِضْ لَهُ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ (زخرف-۳۶)۔

۳۷۔ یعنی وہ ہی بات جو شروع میں کہی گئی تھی۔ لَا مَلَكٌ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (هود-۱۱۹)

۳۸۔ جب آدمی کو خسارہ آتا ہے تو اسی طرح آتا ہے اور ایسے ہی سامان ہو جاتے ہیں۔

۲۶۔ اور کہنے لگے منکر مت کان دھر و اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کروا سکے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو [۳۹]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ

الْغَوٰفِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۷۔ سو ہم کو ضرور چکھانا ہے منکروں کو سخت عذاب اور ان کو بدلا دینا ہے برے سے کاموں کا جو وہ کرتے تھے [۴۰]

فَلَنْذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذٰبًا شَدِيْدًا ۗ وَ

لَنَجْزِيْنَّهُمْ اَسْوَا الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی آگ ان کا اسی میں گھر ہے سدا کو بدلا اس کا جو ہماری باتوں سے انکار کرتے تھے [۴۱]

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ

الْخُلْدِ ۗ جَزَآءٌ لِّمَنْ كَانُوْا بِآيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ اور کہیں گے وہ لوگ جو منکر ہیں اے ہمارے رب ہمکو دکھلا دے وہ دونوں جنہوں نے ہم کو بہکایا جو جن ہے اور جو آدمی کہ ہم ڈالیں انکو اپنے پاؤں کے نیچے کہ وہ رہیں سب سے نیچے [۴۲]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَا اَرِنَا الَّذِيْنَ اَضَلَّنَا

مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا

لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

۳۹۔ قرآن کی قرأت کے وقت کفار کی بک بک: قرآن کریم کی آواز بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں میں اثر کرتی تھی۔ جو سنتا فریفتہ ہو جاتا اس سے روکنے کی تدبیر کفار نے یہ نکالی کہ جب قرآن پڑھا جائے، ادھر کان مت دھر و اور اس قدر شور و غل مچاؤ کہ دوسرے بھی نہ سن سکیں اس طرح ہماری بک بک سے قرآن کی آواز دب جائے گی آج بھی جاہلوں کو ایسی ہی تدبیریں سوچھا کرتی ہیں کہ کام کی بات کو شور مچا کر سننے نہ دیا جائے۔ لیکن صداقت کی کڑک مچھروں اور مکھیوں کی جھنجھناہٹ سے کہاں مغلوب ہو سکتی ہے۔ ان سب تدبیروں کے باوجود حق کی آواز قلوب کی گہرائیوں تک پہنچ کر رہتی ہے۔

۴۰: اس سے زیادہ برا کام کونسا ہو گا کہ خود نصیحت کی بات نہ سنے اور دوسروں کو بھی سننے نہ دے۔

۴۱۔ انکار آیات کی سزا: یعنی دل میں سمجھتے تھے لیکن ضد اور تعصب و عناد سے انکار ہی کرتے رہتے تھے۔

۳۲۔ اپنے معبودوں پر کفار کا غصہ: یعنی خیر ہم تو آفت میں پھنسنے ہیں، لیکن آدمیوں اور جنوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا بہکا کر اس آفت میں گرفتار کر لیا ہے ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دیجئے کہ انکو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں۔ اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دکھیل دیں، تا انتقام لے کر ہمارا دل کچھ تو ٹھنڈا ہو۔

۳۰۔ تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا [۳۳]

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَ

أَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ ہم ہیں تمہارے رفیق دنیا میں اور آخرت میں [۳۴] اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ مانگو [۳۵]

نَحْنُ أَوْلِيُّكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَى أَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿۳۱﴾

تَدَّعُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے [۳۶]

نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں حکم بردار ہوں [۳۷]

وَ مَن أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَ عِبَلٍ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور برابر نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوستدار ہے قربت والا [۳۸]

وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ۗ اِذْفَعُ بِآلَتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۴﴾

عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ اور یہ بات ملتی ہے انہی کو جو سہارے رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اسی کو جس کی بڑی قسمت ہے [۳۹]

وَ مَا يُلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۗ وَ مَا يُلْقَاهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴿۳۵﴾

ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور جو کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوک لگانے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا [۵۰]

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ

بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّبِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۶﴾

۳۳۔ مومنین کیلئے فرشتوں کا نزول: یعنی دل سے اقرار کیا اور اس پر قائم رہے اسکی ربوبیت والوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ نہ اس یقین و اقرار سے مرتے دم تک بٹے، نہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلا۔ جو کچھ زبان سے کہا تھا اس کے مقتضایہ پر اعتقاداً اور عملاً جے رہے۔ اللہ کی ربوبیت کاملہ کا حق پہچانا۔ جو عمل کیا خواص اسکی خوشنودی اور شکرگداری کے لئے کیا، اپنے رب کے عائد کئے ہوئے حقوق و فرائض کو سمجھا اور ادا کیا۔ غرض ماسوا سے منہ موڑ کر سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی کے راستہ پر چلے ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اسکے بعد قبروں سے اٹھنے کے وقت اللہ کے فرشتے اترتے ہیں جو تسکین و تسلی دیتے اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں، کہتے ہیں کہ اب تم کو ڈرنے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ دنیائے فانی کے سب فکر و غم ختم ہوئے اور کسی آنے والی آفت کا اندیشہ بھی نہ نہیں رہا۔ اب ابدی طور پر ہر قسم کی جسمانی و روحانی خوشی اور عیش تمہارے لئے ہے۔ اور جنت کے جو وعدے انبیاء علیہم السلام کی زبانی کئے گئے تھے، وہ اب تم سے ایفاء کئے جانے والے ہیں۔ یہ وہ دولت ہے جس کے ملنے کا یقین حاصل ہونے پر کوئی فکر اور غم آدمی کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ (تنبیہ) بہت ممکن ہے کہ متقین و ابرار پر اس دنیوی زندگی میں بھی ایک قسم کا نزول فرشتوں کا ہوتا ہو جو اللہ کے حکم سے ان کے دینی و دنیوی امور میں بہتری کی باتیں الہام کرتے ہوں۔ جو ان کے شرح صدر اور تسکین و اطمینان کا موجب ہو جاتا ہے۔ جیسے ان کے بالمقابل ایک دو آیت پہلے گزر چکا ہے کہ کفار پر شیطان مسلط ہیں جو تزمین قبائح سے ان کے اغواء کا سامان کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ شیاطین کے حق میں بھی لفظ “منزل” استعمال ہوا ہے۔ قال تعالیٰ تَنْزَلُ عَلٰی كُلِّ اُمَّةٍ مِّنْ سَمَوٰتِ السَّمَٰوٰتِ اَنْزٰلٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (شعراء۔ ۲۲۳، ۲۲۲)۔ بہر حال بعض مفسرین کے نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور اس تقریر پر اگلی آیت نَحْنُ اَوْلٰیُّوْكُمْ فِی الْحٰیٰوَةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ زَیَادَةٌ چسپاں ہوتی ہے۔

۳۴۔ مومنین کیلئے فرشتوں کی تسلی: بعض نے اس کو اللہ کا کلام بتلایا ہے۔ یعنی فرشتوں کا کلام اس سے پہلے ختم ہو چکا اور اکثر کے نزدیک یہ بھی فرشتوں کا مقولہ ہے۔ گویا فرشتے یہ قول ان کے دلوں میں الہام کرتے ہیں اور انکی ہمت بندھاتے ہیں۔ ممکن ہے اس زندگی میں بعض بندوں سے مشافہتہ بھی اتنے الفاظ کہتے ہوں اور ممکن ہے موت کے قریب یا اس کے بعد کہا جاتا ہو۔ اس وقت نَحْنُ اَوْلٰیُّوْكُمْ فِی الْحٰیٰوَةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے رفیق رہے ہیں کہ اللہ کے حکم سے باطنی طور پر تمہاری اعانت کرتے تھے، اور آخرت میں بھی رفیق رہیں گے کہ وہاں تمہاری شفاعت یا اعزاز و اکرام کا انتظام کریں گے۔

۳۵۔ جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی: یعنی جس چیز کی خواہش و رغبت دل میں ہوگی یا جو زبان سے طلب کرو گے سب کچھ ملے گا۔ اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔

۳۶۔ یعنی سمجھ لو! وہ غفور رحیم اپنے مہمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا۔ اور یہ کتنی بڑی عزت و توقیر ہے کہ ایک بندہ ضعیف رب العزت کا مہمان ہو۔

۳۷۔ دعوت الی اللہ کی فضیلت: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا لَعَلَّ نَحْنُ نَشْكُرُ (سجدة ۲۶)۔ یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے، اسی کی حکمبرداری کا اعلان کرے اسی کی پسندیدہ روش پر چلے۔ اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے۔ اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی

طرف کھینچنے میں موثر ہو، جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے اس کا طفرائے قومیت صرف مذہب اسلام ہو۔ اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے جس کی دعوت دینے کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تھے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔

۳۸۔ تبلیغ کے آداب کی تعلیم: ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے۔ اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی خوب سمجھ لو نیکی، بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے، بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہذا ایک مومن قانت اور خصوصاً ایک داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو۔ برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابلہ وہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب اور شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں تم دیکھ لو گے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اور گودل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی وعداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔ کما قال عسی اللہ ان یجعل بینکم و بین الذین عادینکم منہم مودة (سورہ ممتحنہ۔ ۷) ہاں کسی شخص کی طبیعت کی افتاد ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ بہر حال دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر و استقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔

۳۹۔ تبلیغ کے آداب کی تعلیم: یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہئے کہ بری بات سہار کر بھلائی سے جواب دے۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے ہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے۔ (ربط) یہاں تک اس حریف اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرنا سکھلایا تھا جو حسن معاملہ اور خوش اخلاقی سے متاثر ہو سکتا ہو۔ لیکن ایک دشمن وہ ہے جو کسی حال اور کسی نہج سے دشمنی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کتنی ہی خوشامد یا نرمی برتو، اس کا نصب العین یہ ہے کہ تم کو ہر طرح نقصان پہنچائے ایسے کچے شیطانوں سے محفوظ رہنے کی تدبیر آگے تلقیں فرمائی ہے۔

۵۰۔ شیطانوں سے حفاظت کا طریقہ: یعنی ایسے شیطان کے مقابلہ میں نرمی اور عفو و درگزر سے کام نہیں چلتا۔ بس اس سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ خداوند قدوس کی پناہ میں آجاؤ۔ یہ وہ مضبوط قلعہ ہے جہاں شیطان کی رسائی نہیں اگر تم واقعی اخلاص و تضرع سے اللہ کو پکارو گے، وہ ضرور تم کو پناہ دے گا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ کس نے کتنے اخلاص و تضرع سے اسکو پکارا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس آیت کا پہلی آیت سے ربط ظاہر کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں۔ ”یعنی کبھی بے اختیار غصہ چڑھ آئے تو یہ شیطان کا دخل ہے“ وہ نہیں چاہتا کہ تم حسن اخلاق پر کار بند ہو کر دعوت الی اللہ کے مقصد میں کامیابی حاصل کرو۔

۳۷۔ اور اسکی قدرت کے نمونے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند [۵۱] سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا اگر تم اسی کو پوجتے ہو [۵۲]

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ

الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ پھر اگر غرور کریں تو جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں پاکی بولتے رہتے ہیں اسکی رات اور دن اور وہ نہیں تھکتے [۵۳]

فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ

لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُونَ ﴿۲۸﴾

۳۹۔ اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری بیشک جس نے اس کو زندہ کیا وہ زندہ کرے گا مردوں کو وہ سب کچھ کر سکتا ہے [۵۴]

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا

عَلَيْهَا الْبَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۖ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا

لَبُحِي الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾

۵۱۔ زمین و آسمان میں دلائل توحید: دعوت الی اللہ کے ساتھ چند دلائل ساویہ وارضیہ بیان فرماتے ہیں جن سے داعی الی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت اور بعث بعد الموت وغیرہ اہم مسائل کے سمجھانے میں مدد ملے۔ اس ضمن میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ ایک طرف خدا کے مخصوص بندے اپنے قول و عمل سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف چاند سورج اور آسمان وزمین کا عظیم الشان نظم و نسق سوچنے والوں کو اسی خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ وفی کل شیء لکۃ ایۃ تُدَلُّ عَلَیْهَا أَنَّہُ وَاحِدٌ انسان کو چاہئے کہ ان تکوینی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے جیسے بہت سی قومیں رہ گئی ہیں، بلکہ لازم ہے کہ اس لامحدود قدرت والے مالک کے سامنے سر جھکائے جس کی یہ نشانیاں ہیں۔ اور جس کے حکم سے ان کی ساری نمود ہے اور ممکن ہے اس پر بھی تشبیہ ہو کہ جس طرح رات اور دن اور ان دونوں کی نشانیاں چاند اور سورج ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں رد و بدل کرتا رہتا ہے اسی طرح اس کو قدرت ہے کہ دعوت الی اللہ کی روشنی اور داعی کی غلو، ہمت اور خوش اخلاقی کی بدولت مخاطبین کی کاپیلاٹ کر دے اور تارک فضا کو ایک روشن ماحول میں بدل دے۔

۵۲۔ سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی زبان سے یہ ہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے۔ مگر اللہ نے بتلادیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے۔ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا خدائے واحد سے بغاوت کرنے کا مرادف ہے۔

۵۳۔ یعنی اگر غرور و تکبر حق کے قبول کرنے سے مانع ہے اور باوجود دلائل توحید کے خدائے واحد کی عبادت کی طرف آنا نہیں چاہتے تو نہ آئیں، اپنا ہی نقصان کریں گے۔ اللہ کو ان کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ بھلا جس کی عظمت و جبروت کا یہ عالم ہو کہ بیٹھار ملائکہ مقرر بین شب و روز اس کی عبادت اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں، نہ کبھی تھکتے ہیں، نہ اکتاتے ہیں، اس کے سامنے یہ بیچارے کیا چیز ہیں اور ان کا غرور کیا چیز ہے۔ خواہ مخواہ کی جھوٹی شجی کر کے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔

۵۴۔ زمین میں آخرت کی زندگی کے دلائل: یعنی زمین کو دیکھو بیچاری چپ چاپ، ذلیل و خوار بوجھ میں دبی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ خشکی کے وقت ہر طرف خاک اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا، پھر اس کی تروتازگی، رونق اور ابھار قابل دید ہو جاتا ہے۔ آخر یہ انقلاب کس کے دست قدرت کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ جس خدانے اس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیا، کیا وہ مرے ہوئے انسانوں کے بدن میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتا؟ اور کیا وہ قادر مطلق مرے ہوئے دلوں کو دعوت الی اللہ کی تاثیر سے از سر نو حیات تازہ عطا نہیں کر سکتا؟ بیشک وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اسکی قدرت کے سامنے کوئی مانع و مزاہم نہیں۔

۳۰۔ جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں وہ بہتر یا ایک جو آئے گا امن سے دن قیامت کے کئے جاؤ جو چاہو پیشک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے [۵۵]

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ  
عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي  
أَمْنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۗ إِنَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے جب آئی ان کے پاس [۵۶] اور وہ کتاب ہے نادر

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۗ وَ إِنَّهُ  
لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ اُس پر جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے اور نہ پیچھے سے اتاری ہوئی ہے حکمتوں والے سب تعریفوں والے کی [۵۷]

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ  
خَلْفِهِ ۗ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ تجھے وہی کہتے ہیں جو کہہ چکے ہیں سب رسولوں سے تجھ سے پہلے تیرے رب کے یہاں معافی بھی ہے اور سزا بھی ہے دردناک [۵۸]

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدَقِيلَ لِلرَّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ  
إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ ۖ وَ ذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور اگر ہم اُسکو کرتے قرآن اوپری زبان کا تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب اور عربی لوگ [۵۹] تو کہہ یہ ایمان والوں کے لئے سوچ ہے اور روگ کا دور کرنے والا [۶۰] اور جو یقین نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ قرآن انکے حق میں اندھا پاپا ہے [۶۱] انکو پکارتے ہیں دور کی جگہ سے [۶۲]

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ  
آيَاتُهُ ۗ أَأَعْجَبِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا  
هُدًى وَ شِفَاءٌ ۗ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ  
وَقْرٌ ۗ وَ هُوَ عَلَيْهِمْ عَسَىٰ ۖ أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ  
مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۳۴﴾



۴۵۔ اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں اختلاف پڑا [۲۳] اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے نکل چکی تیرے رب کی طرف سے تو ان میں فیصلہ ہو جاتا [۲۳] اور وہ ایسے دھوکے میں ہیں اس قرآن سے جو چین نہیں لینے دیتا [۲۵]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ط وَكُو

لَا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط وَإِنَّهُمْ

لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ﴿۳۵﴾

۴۶۔ جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے اور جس نے کی برائی سو وہ بھی اسی پر اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے بندوں پر [۲۱]

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا

ط وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۳۶﴾

۵۵۔ کفار کی کوئی چال پوشیدہ نہیں: یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی زبان سے آیات تنزیلیہ سن کر اور قرطاس دہر پر خدا کی آیات کو نیوہ کو دیکھ کر بھی جو لوگ کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی سیدھی باتوں کو واہی تباہی شہادت پیدا کر کے ٹیڑھی بناتے ہیں، یا خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر ان کا مطلب غلط لیتے ہیں، یا یوں ہی جھوٹ موٹ کے عذر اور بہانے تراش کر ان آیات کے ماننے میں ہیر پھیر کرتے ہیں۔ ایسے ٹیڑھی چال چلنے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ ممکن ہے وہ لوگ اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر مغرور ہوں مگر خدا سے ان کی کوئی چال پوشیدہ نہیں۔ جس وقت سامنے جائیں گے دیکھ لیں گے۔ فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ مجرم کو ایک دم نہیں پکڑتا۔ اسی لئے آگے فرمادیا۔ اِحْمَلُوا مَا شِئْتُمْ اِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ یعنی اچھا جو تمہاری سمجھ میں آئے کئے جاؤ مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں ایک دن ان کا اکٹھا نھیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اب خود سوچ لو کہ ایک شخص جو اپنی شرارتوں کی بدولت جلتی آگ میں گرے، اور ایک جو اپنی شرافت و سلامت روی کی بدولت ہمیشہ امن چین سے رہے۔ دونوں میں کون بہتر ہے؟

۵۶۔ یعنی وہ خواہ مخواہ اپنی کجروی سے نصیحت کی بات میں شبہات پیدا کرتے ہیں حالانکہ اس میں جھوٹ کی گنجائش کسی طرف نہیں۔ وہ نصیحت کیا ہے؟ ایک صاف، واضح اور مضبوط و محکم کتاب جس کا انکار ایک احمق یا شریر آدمی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

۵۷۔ یعنی اس کی اتاری ہوئی کتاب میں جھوٹ آئے تو کدھر سے آئے۔ اور جس کتاب کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہو، باطل کی کیا مجال ہے کہ اسکے پاس پھنک سکے۔

۵۸۔ ہر زمانے کے منکرین کا یہی طریقہ رہا ہے: یعنی منکرین کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے، یہ ہی ہر زمانے کے منکرین کا پیغمبروں کے ساتھ رہا ہے۔ پیغمبروں نے ہمیشہ خیر خواہی کی ہے، انہوں نے اسکے جواب میں ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ پھر جس طرح پیغمبروں نے سختیوں پر صبر کیا، آپ بھی صبر کرتے رہیے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ کچھ لوگ توبہ کر کے راہ راست پر آجائیں گے جن کے لئے خدا کے ہاں معافی ہے اور کچھ اپنی کجروی اور ضد پر قائم رہیں گے جو آخر کار دردناک سزا کے مستوجب ہوں گے۔

۵۹۔ قرآن کے عربی میں ہونے پر کفار کا اعتراض اور جواب: یعنی ایک بات کو نہ ماننا ہو تو آدمی ہزار حیلے بہانے نکال سکتا ہے۔ کفار مکہ نے اور کچھ نہیں تو یہ ہی کہنا شروع کر دیا کہ صاحب! عربی پیغمبر کا معجزہ تو ہم اس وقت سمجھتے تھے جب قرآن عربی کے سوا کسی اور زبان میں آتا۔ لیکن فرض کیجئے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے کے لئے یوں کہنے لگتے کہ بھلا صاحب! کہیں ایسی بے جوڑ بات بھی دیکھی ہے کہ رسول عربی، اور اس کی قوم بھی جو اولین مخاطب ہے عرب، مگر کتاب بھیجی جائے ایسی زبان میں جس کا ایک حرف بھی عرب لوگ نہ سمجھ سکیں۔

۶۰۔ قرآن ہدایت اور شفاء ہے: یعنی لغور اور بیہودہ شبہات تو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ ہاں اس قدر تجربہ ہر ایک آدمی کر سکتا ہے کہ یہ کتاب مقدس اپنے اوپر ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو کیسی عجیب ہدایت و بصیرت اور سوچ بوجھ عطا کرتی اور ان کے قرونوں میں صدیوں کے روگ مٹا کر کس طرح بھلا چنگا کر دیتی ہے۔

۶۱۔ یعنی جس طرح خفاش (شپرک) کی آنکھیں سورج کی روشنی میں چندھیا جاتی ہیں، ان منکروں کو بھی قرآن کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس میں قرآن کا کیا تصور ہے۔ منکروں کو چاہئے کہ اپنی نگاہ کا ضعف و تصور محسوس کر کے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔

۶۲۔ یعنی کسی کو دور سے آواز دو تو نہیں سنتا اور سنے تو اچھی طرح سمجھتا نہیں۔ اسی طرح منکرین قرآن بھی صداقت اور منبع صداقت سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ حق کی آواز ان کے دل کے کانوں تک نہیں پہنچتی اور کبھی پہنچتی ہے تو اس کا ٹھیک مطلب نہیں سمجھتے۔

۶۳۔ یعنی جیسے آج قرآن کے ماننے اور نہ ماننے والوں میں اختلاف پڑ رہا ہے۔ پہلے تورات کے متعلق بھی ایسا ہی اختلاف پڑ چکا ہے۔ پھر دیکھ لو وہاں کیا انجام ہوا تھا۔

۶۴۔ بات وہی نکل چکی کہ فیصلہ آخرت میں ہے۔

۶۵۔ نیکی اور برائی اپنے نفس کیلئے ہے: یعنی مہمل شکوک و شبہات ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ہر وقت دل میں کھکتے رہتے ہیں۔

۶۶۔ یعنی خدا کے ہاں ظلم نہیں۔ ہر آدمی اپنے عمل کو دیکھ لے۔ جیسا کرے گا وہ ہی سامنے آئے گا۔ نہ کسی کی نیکی اس کے ہاں ضائع ہوگی نہ ایک کی بدی دوسرے پر ڈالی جائے گی۔ (ربط) چونکہ نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا، اور کفار اکثر سوال کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، اس لئے آگے اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ اِلَيْهِ يُرْدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ اَلْح

۳۷۔ اسی کی طرف حوالہ ہے قیامت کی خبر کا [۶۴] اور نہیں نکلتے کوئی میوے اپنے غلاف سے اور نہیں رہتا حمل کسی مادہ کو اور نہ وہ جنے کہ جسکی اسکو خبر نہیں [۶۸] اور جس دن انکو پکارے گا کہاں ہیں میرے شریک [۶۹] بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا ہم میں کوئی اس کا اقرار نہیں کرتا [۷۰]

اِلَيْهِ يُرْدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ شَرَاتٍ

مِّنْ اَكْبَامِهَا وَمَا تَحْبِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا

بِعِلْمِهٖ ۗ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ اَيْنَ شُرَڪَآئِىۡ قَالُوْۤا

اٰذْنٰكُ ۗ مَا مِّنَّا مِنْ شٰهِيْدٍ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور چوک گیا ان سے جو پکارتے تھے پہلے اور سمجھ گئے کہ انکو کہیں نہیں خلاصی [۷۱]

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْۤا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُوْۤا

مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ نہیں تھکتا آدمی مانگنے سے بھلائی اور اگر لگ جائے اس کو برائی تو آس توڑ بیٹھے نا امید ہو کر

لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ ۗ وَاِنْ مَّسَّهُ

الشَّرُّ فَيَكُوْسُ قَنُوْطًا ﴿۳۹﴾

۵۰۔ اور اگر ہم چکھائیں اسکو کچھ اپنی مہربانی پیچھے ایک تکلیف کے جو اسکو پہنچی تھی تو کہنے لگے یہ ہے میرے لائق اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر میں پھر بھی گیا اپنے رب کی طرف بیشک میرے لئے ہے اسکے پاس خوبی [۴۲] سو ہم جتلا دیں گے منکروں کو جو انہوں نے کیا ہے اور چکھائیں گے انکو ایک گاڑھا عذاب [۴۳]

وَلَيْنٌ اَذَقْنَهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءٍ مَّسَّتْهُ لِيَقُولَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَابِلَةًۗ لِّيَلِيْنَ رُجِعْتُ اِلَىٰ رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَآ لِلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْاۗ وَ لَنُذَيِّقَنَّهُمْ مِّنۢ عَذَابٍ غَلِيْظٍۭ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ اور جب ہم نعمتیں بھیجیں انسان پر تو مٹا جائے اور موڑ لے اپنی کروٹ اور جب لگے اسکو برائی تو دعائیں کرے چوڑی [۴۴]

وَ اِذَاۤ اَنعَمْنَا عَلٰى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَا بِجَانِبِهٖۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فذُوۡدُعَاۗءٍ عَرِيْضٍۭ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ ہو اللہ کے پاس سے پھر تم نے اس کو نہ مانا پھر اس سے گمراہ زیادہ کون جو دور چلا جائے مخالف ہو کر [۴۵]

قُلْ اَرَاۤءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْۢ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مِّنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِىۡ شِقَاۗقِۭ بَعِيْدٍۭ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ اب ہم دکھائیں گے انکو اپنے نمونے دنیا میں اور خود انکی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے [۴۶] کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے [۴۷]

سَنُرِيْهِمُ الْاٰتِنَا فِى الْاَفَاقِ وَ فِىۡ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّۗ اَوْ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهُۥ عَلٰى كُلِّ شَيْۡءٍ شٰهِيْدٌۭ ﴿۵۳﴾

۵۴۔ سنتا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے سنتا ہے وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو [۴۸]

اَلَا اِنَّهُمْ فِىۡ مِرْيَةٍ مِّنۡ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْۗ اَلَا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْۡءٍ مُّحِيْطٌۭ ﴿۵۴﴾

۶۷۔ یعنی اس کو خبر ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی اس کے وقت کی تعیین نہیں کر سکتا۔ جس سے دریافت کرو گے یہی کہے گا مَا اَلَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ السَّآئِلِ۔

۶۸۔ حق تعالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے: یعنی علم الہی ہر چیز کو محیط ہے۔ کوئی کھجور اپنے گابھے سے، اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ اپنا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جسکی خبر خدا کو نہ ہو۔ نیز کسی عورت یا کسی مادہ (جانور) کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہے اور جو چیز وہ جن رہی ہے سب کچھ اللہ کے علم سے ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کی موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی خدا ہی کو معلوم ہے کہ کب آئے گا۔ کوئی انسان یا فرشتہ اسکی خبر نہیں رکھتا۔ اور نہ اسکو خبر رکھنے کی ضرورت۔ ضرورت اس کی ہے کہ آدمی قیامت کی خبر پر اللہ کے فرمانے کے موافق یقین رکھے اور اس دن کی فکر کرے جب کوئی شریک کام نہ آئے گا اور کہیں مخلص نہ ملے گا۔

۶۹۔ یعنی جنکو میری خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اب بلاؤنا، وہ کہاں ہیں۔

۷۰۔ کفار کا شرک سے انکار: یعنی ہم تو آپ سے صاف عرض کر چکے کہ ہم میں کوئی اقبالی مجرم نہیں جو اس جرم (شرک) کا اعتراف کرنے کو تیار ہو۔ (گویا اس وقت نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کرنے لگیں گے)۔ اور بعض نے شہید کو بمعنی شاہد لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ اس وقت ہم میں سے کوئی ان شرکاء کو یہاں نہیں دیکھتا۔

۷۱۔ یعنی دنیا میں جنہیں خدا کا شریک بنا کر پکارتے تھے آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آتے۔ اور پرستاروں کے دلوں سے بھی وہ پکارنے کے خیالات اب غائب ہو گئے انہوں نے بھی سمجھ لیا کہ خدائی سزا سے بچنے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اور گلو خلاصی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ آخر آس توڑ کر بیٹھ رہے۔ اور جن کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑتے تھے آج ان سے قطعاً بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

۷۲۔ انسان کی حرص اور ناامیدی: یعنی انسان کی طبیعت عجیب طرح کی ہے۔ جب دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش آرام و تندرستی نصیب ہو، تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے۔ کسی حد پر پہنچ کر اسکی حرص کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت لے کر اپنے گھر میں ڈال لے۔ لیکن جہاں ذرا کوئی افتاد پڑنا شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی۔ اس وقت اس کا دل فوراً آس توڑ کر بیٹھ جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر صرف پیش آمدہ اسباب پر محدود ہوتی ہے۔ اس قادر مطلق مسبب الاسباب پر اعتماد نہیں رکھتا جو چاہے تو ایک آن میں سلسلہ اسباب کو الٹ پلٹ کر رکھ دے۔ اس مایوسی کے بعد اگر فرض کیجئے اللہ نے تکلیف و مصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے عیش و راحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے۔ هَذَا اِنِّیْ لَعِیْنِیْ مِیْنِ فِیْہِ تَدْبِیْرِیْ تَحِیْ، میری تدبیر اور لیاقت و فضیلت سے یوں ہی ہونا چاہئے تھا۔ اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی نہ اپنی وہ مایوسی کی کیفیت جو چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی۔ اب عیش و آرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا۔ سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا۔ اور اگر کبھی ان تاثرات کے دوران میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو خیال نہیں کرتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے۔ اور فرض کرو ایسی نوبت آہی گئی اور مجھ کو لوٹ کر اپنے رب کی طرف جاننا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے کہ وہاں میرا انجام بہتر ہو گا۔ اگر میں خدا کے نزدیک برا اور لائق ہوتا تو دنیا میں مجھکو یہ عیش و بہار کے مزے کیونکر ملتے۔ لہذا وہاں بھی توقع ہے کہ یہ ہی معاملہ میرے ساتھ ہو گا۔

۷۳۔ منکرین کیلئے عذاب شدید: یعنی خوش ہو لو کہ اس کفر و غرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے؟ وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ اور کس طرح عمر بھی کی کر توت سامنے آتی ہے۔

۷۴۔ انسان کی ناشکری اور بے صبری: یعنی اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے وقت تو نعم کی حق شناسی اور شکر گزاری سے اعراض کرتا ہے اور بالکل بے پروا ہو کر ادھر سے کروٹ بدل لیتا ہے۔ پھر جب کوئی تکلیف اور مصیبت پیش آتی ہے تو اسی خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ شرم نہیں آتی کہ اب اسے کس منہ سے پکارے۔ اور تماشا یہ ہے کہ بعض اوقات اسباب پر نظر کر کے دل اندر سے مایوس ہوتا ہے، اس حالت میں بھی بدحواس اور پریشان ہو کر دعا کے ہاتھ بے اختیار خدا کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ قلب میں ناامیدی بھی ہے

اور زبان پر یا اللہ بھی، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یہ سب بیان ہے انسان کے نقصان (وقصور) کا۔ نہ سختی میں صبر ہے نہ نرمی میں شکر“۔  
 ۷۵۔ قرآن سے انکار بڑی گمراہی ہے: اوپر انسان کی طبیعت کا عجیب و غریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت موثر انداز میں توجہ دلائی تھی۔ اب تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں پر آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے، اگر خدا کے پاس سے آئی ہو (جیسا کہ واقع میں ہے) پھر تم نے اس کو نہ مانا، اور ایسی اعلیٰ اور بیش قیمت نصائح سے منکر رہ کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی، بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے، تو کیا اس سے بڑھ کر گمراہی اور نقصان و خسارہ کچھ اور ہو سکتا ہے۔

۷۶۔ آیات آفاقیہ و انفسیہ: یعنی قرآن کی حقانیت کے دوسرے دلائل براہین تو بجائے خود رہے۔ اب ہم ان منکروں کو خود ان کی جانوں میں اور ان کے چاروں طرف سارے عرب بلکہ ساری دنیا میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلائیں گے جن سے قرآن اور حامل قرآن کی صداقت بالکل روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے۔ وہ نمونے کیا ہیں؟ وہ ہی اسلام کی عظیم الشان اور مجید العقول فتوحات جو سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل برخلاف قرآنی پیشینگوئیوں کے عین مطابق وقوع پذیر ہوئیں۔ چنانچہ معرکہ ”بدر“ میں کفار مکہ نے خود اپنی جانوں کے اندر اور ”فتح مکہ“ میں مرکز عرب کے اندر اور خلفائے راشدین کے عہد میں تمام جہان کے اندر یہ نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ”آیات“ سے عام نشانہائے قدرت مراد ہوں جو غور کرنے والوں کو اپنے وجود میں اور اپنے وجود سے باہر تمام دنیا کی چیزوں میں نظر آتے ہیں جن سے حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ جب کہ وہ ان سنن الہیہ اور نوا میں فطریہ کے موافق ثابت ہوتے ہیں۔ جو اس عالم تکوین میں کار فرما ہیں۔ اس قسم کے تمام حقائق کو نبیہ اور آیات آفاقیہ و انفسیہ کا انکشاف چونکہ لوگوں کو دفعۃً نہیں ہوتا بلکہ وقتاً فوقتاً بتدریج ان کے چہرہ سے پردہ اٹھتا رہتا ہے۔ اس لئے سُنُّرِیْہِمُ اٰیٰتِنَا سے تعبیر فرمایا۔

۷۷۔ کیا اللہ کی گواہی ناکافی ہے: یعنی قرآن کی حقانیت کو فرض کرو کوئی نہ مانے، تو اکیلے خدا کی گواہی کیا تھوڑی ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے اور ہر چیز میں غور کرنے سے اسکی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔

۷۸۔ لقائے رب سے انکار: یعنی اس دھوکہ میں ہیں کہ کبھی خدا سے ملنا اور اس کے سامنے جانا نہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کسی وقت بھی اس کے قبضہ اور احاطہ سے نکل کر نہیں جاسکتے اگر مرنے کے بعد ان کے بدن کے ذرات مٹی میں مل جائیں یا پانی میں بہ جائیں یا ہوا میں منتشر ہو جائیں تب بھی ایک ایک ذرہ پر اللہ کا علم اور قدرت محیط ہے۔ ان کو جمع کر کے از سر نو زندہ کر دینا کچھ مشکل نہیں۔

تمت سورۃ لحم السجدۃ قلہ الحمد والممتنۃ

## آیاتھا ۵۳

## ۲۲ سُورَةُ الشُّورَى مَكِّيَّةٌ ۶۲

## رکوعاتھا

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ حم۔

حَمَّ

۲۔ عسق۔

عَسَقَ

۳۔ اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف اور تجھ سے پہلوں کی طرف اللہ زبردست حکمتوں والا

كَذٰلِكَ يُوحِیْ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ

اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ

۴۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا<sup>[۱]</sup>

لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَلِیُّ

الْعَظِیْمُ

۵۔ قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اوپر سے<sup>[۲]</sup> اور فرشتے پاکی بولتے ہیں خوبیاں اپنے رب کی اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے<sup>[۳]</sup> سنا ہے وہی ہے معاف کرنے والا مہربان<sup>[۴]</sup>

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرٰنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰئِكَةُ

یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِنَّ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی

الْاَرْضِ اِلَّا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

۶۔ اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس کے سوائے رفیق اللہ کو وہ سب یاد ہیں اور تجھ پر نہیں ان کا ذمہ<sup>[۵]</sup>

وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَاءَ اللّٰهُ حَفِیْظٌ

عَلَيْهِمْ ۗ وَ مَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِیْلٍ

۷۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا کہ تو ڈر سنا دے بڑے گاؤں کو اور آس پاس والوں کو<sup>[۶]</sup>

وَ كَذٰلِكَ اَوْحٰیْنَا اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِتُنذِرَ اُمَّ

الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَیْبَ

الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَیْبَ

ایک فرقہ بہشت میں اور ایک فرقہ آگ میں [۴]

فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴿٤﴾

۸۔ اور اگر چاہتا اللہ تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ و لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں اور گنہگار جو ہیں ان کا کوئی نہیں رفیق اور نہ مددگار [۸]

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا

لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٨﴾

۹۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اُس سے ورے کام بنانے والے سو اللہ جو ہے وہ ہی ہے کام بنانے والا اور وہی جلاتا ہے مُردوں کو اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے [۹]

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٩﴾

۱۔ انبیاء پر وحی کی سنت اللہ: یعنی جس طرح یہ سورت (جو نہایت اعلیٰ و اکمل مضامین پر مشتمل ہے) آپ کی طرف وحی کی جاری ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی عادت آپ کی طرف اور دوسرے انبیاء کی طرف وحی بھیجنے کی رہی ہے۔ جس سے اسکی شان حکمت و حکومت کا اظہار ہوتا ہے۔

۲۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے: یعنی آسمان پھٹ پڑیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے زور سے، یا بیشمار فرشتوں کے بوجھ سے، یا ان کے ذکر کی کثرت سے خاص تاثیر ہو اور پھٹ پڑے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سر بسجود نہ ہو۔ اور بعض نے آیت کا مطلب یہ لیا کہ جب مشرکین خدا تعالیٰ کے لئے شریک اور بیٹے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں تو خداوند قدوس کی جناب میں یہ ایسی گستاخی ہے جس سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان اوپر والی سطح تک پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ مریم تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَّقَطْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۚ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَكَدًّا (مریم۔ ۹۱، ۹۰) مگر اللہ کی شان مغفرت و رحمت اور ملائکہ کی تسبیح و استغفار کی برکت سے یہ نظام تھما ہوا ہے۔

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کی خطا و لغزش کو معاف فرمائے اور کفار کو دنیا میں ایک دم پکڑ کر بالکل تباہ و برباد نہ کر دے۔

۴۔ یعنی اپنی مہربانی سے فرشتوں کی دعا قبول کر کے مومنین کی خطاؤں کو معاف کرتا اور کافروں کو ایک عرصہ کے لئے مہلت دیتا ہے ورنہ دنیا کا سارا کارخانہ چشم زدن میں درہم درہم برہم ہو جائے۔

۵۔ مشرکین کا انکار اللہ کے علم میں محفوظ ہے: یعنی دنیا میں مشرکین کو مہلت تو دیتا ہے لیکن یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔ ان کے سب اعمال و احوال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے۔ آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ مانتے کیوں نہیں۔ اور نہ ماننے کی صورت میں فوراً تباہ کیوں نہیں کر دیے جاتے۔ آپ ان باتوں کے ذمہ دار نہیں صرف پیغام حق پہنچا دینے کے ذمہ دار ہیں۔ آگے ہمارا کام ہے وقت آنے پر ہم ان کا سب حساب چکا دیں گے۔

۶۔ اُمّ القریٰ مکہ مکرمہ: اُمّ القریٰ (بڑا گاؤں فرمایا) مکہ معظمہ کو کہ سارے عرب کا مجمع وہاں ہوتا ہے اور ساری دنیا میں اللہ کا گھر وہیں ہے۔ اور وہی گھر روئے زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ قرار پائی۔ بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو اسی

جگہ سے پھیلا نا شروع کیا جہاں خانہ کعبہ واقع ہے۔ اور مکہ کے آس پاس سے اول ملک عرب اس کے بعد ساری دنیا مراد ہے۔  
۷۔ حشر کا دن یقینی ہے: یعنی آگاہ کر دیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب تمام اگلے پچھلے خدا کی پیشی میں حساب کے لئے جمع ہوں گے۔ یہ ایک یقینی اور طے شدہ بات ہے جس میں کوئی دھوکا، فریب اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ چاہئے کہ اس دن کے لئے آدمی تیار ہو جائے اس وقت کل آدمی دو فرقوں میں تقسیم ہوں گے ایک فرقہ جنتی اور ایک دوزخی۔ سوچ لو کہ تم کو کس فرقہ میں شامل ہونا چاہئے اور اس میں شامل ہونے کے لئے کیا سامان کرنا چاہئے۔

۸۔ مذہب و ملت کا اختلاف اللہ کی حکمت ہے: یعنی بیشک اسکو قدرت تھی اگر چاہتا تو سب کو ایک طرح کا بنا دیتا اور ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا لیکن اسکی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ اپنی رحمت و غضب دونوں قسم کی صفات کا اظہار فرمائے۔ اس لئے بندوں کے احوال میں اختلاف و تفاوت رکھا۔ کسی کو اسکی فرمانبرداری کی وجہ سے اپنی رحمت کا مورد بنا دیا اور کسی کو اس کے ظلم و عصیان کی بناء پر رحمت سے دور پھینک دیا۔ جو لوگ رحمت سے دور ہو کر غضب کے مستحق ہوئے اور حکمت الہیہ ان پر سزا جاری کرنے کو مقتضی ہوئی ان کا ٹھکانہ کہیں نہیں۔ نہ کوئی رفیق اور مددگار انکو مل سکتا ہے جو اللہ کی سزا سے بچا دے۔

۹۔ یعنی رفیق و مددگار بنانا ہے تو اللہ کو بناؤ جو سارے کام بنا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یہ بیچارے عاجز و مجبور رفیق تمہارا کیا ہاتھ بنائیں گے۔

۱۰۔ اور جس بات میں جھگڑا کرتے ہو تم لوگ کوئی چیز ہو اس کا فیصلہ ہے اللہ کے حوالے [۱۰] وہ اللہ ہے رب میرا اسی پر ہے مجھکو بھروسہ اور اسی کی طرف میری رجوع ہے [۱۱]

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى  
اللَّهِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ  
أُنِيبُ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ بنا نکلنے والا آسمانوں کا اور زمین کا بنا دیے تمہارے واسطے تمہی میں سے جوڑے اور چوپایوں میں سے جوڑے [۱۲] بکھیرتا ہے تمکو اسی طرح [۱۳] نہیں ہے اس کی طرح کا سا کوئی [۱۴] اور وہی ہے سننے والا دیکھنے والا [۱۵]

فَاطْرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ  
أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّكُمْ فِيهِ  
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی پھیلا دیتا ہے روزی جسکے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے [۱۶]

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ  
لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۲﴾

۱۰۔ اللہ کا فیصلہ قطعی ہے: یعنی سب جھگڑوں کے فیصلے اسی کے سپرد ہونے چاہئیں۔ عقائد ہوں یا احکام۔ عبادات ہوں یا معاملات جس چیز میں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے وہ دلائل کونیہ کے ذریعہ سے یا اپنی کتاب میں یا اپنے رسولوں کی زبان پر صراحتاً یا



اشارہ جس مسئلہ کا جو فیصلہ فرمادے بندہ کو حق نہیں کہ اس میں چون و چراں کرے۔ توحید جو اصل اصول ہے اللہ تعالیٰ جب قولاً وفعلاً برابر اس کا حکم دیتا رہا ہے پھر کیونکر جائز ہو گا کہ بندہ ایسے قطعی اور محکم فیصلہ میں جھگڑے ڈالے اور بیہودہ شبہات نکال کر اس کے فیصلہ سے سرتابی کرے۔

۱۱۔ یعنی میں اسی پر ہمیشہ سے بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع ہوتا رہتا ہوں۔

۱۲۔ یعنی چوپایوں میں سے انکے جوڑے نر اور مادہ بنا دیے کہ وہ بھی تمہارے کام آتے ہیں۔

۱۳۔ انسانوں اور چوپایوں کے جوڑے: یعنی آدمیوں کے الگ اور جانوروں کے الگ جوڑے بنا کر ان کی کتنی نسلیں پھیلا دیں جو تمام روئے زمین پر اپنی روزی اور معیشت کی فکر میں جدوجہد کرتی ہیں۔

۱۴۔ کوئی اللہ کے مثل نہیں: یعنی نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں، نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے نہ اسکے دین کی طرح کوئی دین ہے، نہ اس کا کوئی جوڑا ہے نہ ہمسر نہ ہم جنس۔

۱۵۔ یعنی بیشک ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے، مگر اس کا دیکھنا سنتا بھی مخلوق کی طرح نہیں۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں، پر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے۔ کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکل پاک اور مقدس و منزہ ہے۔ پھر اسکی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ آئے۔

۱۶۔ اللہ تمام خزانوں کا مالک ہے: تمام خزانوں کی کھیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اسی کو قبضہ اور اختیار حاصل ہے کہ جس خزانہ میں سے جسکو چھتا چاہے مرحمت فرمائے۔ تمام جانداروں کو وہ ہی روزی دیتا ہے، لیکن کم و بیش کی تعیین اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کون کون کتنی عطا کی مستحق ہے اور اسکے حق میں کس قدر دینا مصلحت ہو گا۔ جو حال روزی کا ہے وہ ہی دوسری عطایا میں سمجھو۔

۱۳۔ راہ ڈال دی تمہارے لئے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو [۱۴] یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں [۱۸] بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جسکی طرف تو انکو بلاتا ہے اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جسکو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے [۱۹]

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالدِّينَ  
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَ  
عِيسَىٰ أَنْ اٰقِمْو الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ  
عَلَى الشُّرِكِيْنَ مَا تَدْعُوهُمْ اِلَيْهِ ۗ اللّٰهُ يَجْتَبِيْ

اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اور جنہوں نے اختلاف ڈالا سو سمجھ آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکلی ہے تیرے رب سے ایک مقررہ وعدہ تک تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور جسکو ملی ہے کتاب ان کے پیچھے وہ البتہ اسکے دھوکے میں ہیں جو چین نہیں آنے دیتا [۲۰]

وَمَا تَفَرَّقُوا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا  
بَيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ اَلَكِمَّةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ اِلَىٰ اٰجَلٍ  
مُّسَيِّ لَقَضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰذِيْنَ اُوْرثُوْا

الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَنْ نَشْكَ مِنْهُ مَرِيْبًا ﴿۱۳﴾

۱۵۔ سو تو اسی طرف بلا اور قائم رہ جیسا کہ فرما دیا ہے تجھکو اور مت چل انکی خواہشوں پر اور کہہ میں یقین لایا ہر کتاب پر جو اتاری اللہ نے اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ میں اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا ہم کو ملیں گے ہمارے کام اور تمکو تمہارے کام کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں اللہ اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف پھر جانا ہے ﴿۱۳﴾

فَلِذَلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَقُلْ أَمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۴﴾

۱۷۔ سب سے پہلے شارع حضرت نوح علیہ السلام: آدم کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوح ہیں۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ فی الحقیقت تشریح احکام کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا۔ اور آخری نبی حضور ﷺ ہیں جن پر سلسلہ رسالت و نبوت منتهی ہوا۔ درمیان میں جو انبیاء و رسول آئے ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، یہ تین زیادہ مشہور ہوئے جن کے نام لیوا ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہا کئے ان پانچوں کو اولوالعزم کہتے ہیں۔ بہر حال اس جگہ حق تعالیٰ نے صاف طور پر بتلادیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ کیونکہ عقائد، اخلاق، اور اصول دیانات میں تمام متفق رہے ہیں۔ البتہ بعض فروع میں حسب مصلحت زمانہ کچھ تفاوت ہو اور دین کے قائم کرنے کے طور و طریق ہر وقت میں اللہ نے جدا اٹھہرادیے ہیں۔ جس کو دوسری جگہ فرمادیا۔ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِيعَةً وَمِنْهَا جَا (المائدہ-۳۸)۔

۱۸۔ یعنی سب انبیاء اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دین الہی کو اپنے قول و عمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کی تفریق و اختلاف کو روانہ رکھیں۔

۱۹۔ مشرکین پر توحید بہت بھاری ہے: یعنی آپ جس دین توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، مشرکین پر وہ بہت بھاری ہے گویا آپ کوئی نبی اور انوکھی چیز پیش کر رہے ہیں جو کسی نے پہلے پیش نہیں کی تھی، بھلا توحید جیسی صاف، معقول اور متفق علیہ چیز بھی جب بھاری معلوم ہونے لگی اور اس میں بھی لوگ اختلاف ڈالے بدون نہ رہے، تو جہالت اور بد بختی کی حد ہو گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت وغیرہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے وہ چاہے بندوں میں سے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور اپنی رحمت و مہربت سے مقام اقرب و اصطفاء پر فائز فرمادے۔ اور جو لوگ اپنی حسن استعداد سے اسکی طرف رجوع ہوتے اور محنتیں کرتے ہیں انکی محنت کو ٹھکانے لگانا اور دستگیری کر کے کامیاب فرمانا بھی اسی کا کام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ (القصص-۶۸) وقال اللہ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (حج-۷۵) وقال وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت-۶۹) بہر حال حکمت الہی جس کی ہدایت کو مقتضی ہو وہ ہی ہدایت پاسکتا اور فائز المرام ہو سکتا ہے۔

۲۰۔ اختلاف عقائد کی تکوینی مصلحت: یعنی توحید اور اصول دین میں جنہوں نے اختلاف ڈالا اور کتب سماویہ میں تحریف کی وہ کچھ غلط فہمی یا

اشتباه کی وجہ سے نہ تھی۔ ایسی صاف و صریح اور مجمع علیہ تعلیمات میں اشتباہ و التباس کیا ہو سکتا تھا۔ محض نفسانیت، ضد، عداوت اور طلب مال و جاہ وغیرہ اسباب ہیں جو فی الحقیقت اس تفریق و اختلاف مذموم کا باعث ہوئے ہیں۔ بعدہ جب اختلاف قائم ہو گئے اور مختلف مذاہب نے الگ الگ مورچے بنا لئے تو پیچھے آنے والی نسلیں عجیب خبط اور دھوکہ میں پڑ گئیں اور ایسے شکوک و شبہات پیدا کر لئے گئے جو کسی حال ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بندوں کو ڈھیل دی۔ اگر وہ چاہتا تو سارے اختلافات کو ایک دم میں ختم کر دیتا لیکن ایسا کرنا تکوین کی غرض اصلی کے منافی تھا۔ اس کی حکمت بالغہ اسی کو مقتضی تھی کہ ان اختلافات کا عملی اور دو ٹوک فیصلہ ایک وقت معین پر زندگی کے دوسرے دور میں جائے۔ اگر یہ بات پہلے سے نہ نکل چکی ہوتی تو سب جھگڑے قصے فوڑا ہاتھوں ہاتھ ختم کر دیے جاتے۔

۲۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت حق کا حکم: یعنی جب دین حق کے متعلق تفریق و اختلافات کے طوفان چاروں طرف سے اٹھ رہے ہیں تو آپ کا فرض یہ ہے کہ غیر متزلزل عزم کے ساتھ اسی دین و آئین کی طرف لوگوں کو بلائے رہیں جسکی دعوت آدم و نوح اور ان کے بعد تمام انبیاء دیتے چلے آئے ہیں۔ آپ اپنے پروردگار کے حکم سے ذرا ادھر ادھر نہ ہوں۔ قولاً و فعلاً اور علماً و حالاً اسی راستہ پر گامزن رہیں جس پر اب تک رہے ہیں۔ مکذبین و معاندین کی خواہشات کی ذرا پروا نہ کریں اور صاف اعلان کر دیں کہ میں اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر خواہ وہ تورات ہو یا انجیل یا قرآن یا کوئی صحیفہ جو کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوا ہو سچے دل سے یقین رکھتا ہوں میرا کام پہلی صد امتوں کو جھٹلانا نہیں بلکہ سب کو تسلیم کرنا اور باقی رکھنا ہے۔ اور مجھ کو حکم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ جو اختلافات تم نے ڈالے ہیں ان کا منصفانہ فیصلہ دوں۔ اور تبلیغ احکام و شرائع یا فصل خصومات میں عدل و مساوات کا اصول قائم رکھوں۔ ہر وہ سچائی جو کسی جگہ یا کسی مذہب میں ملے اسے بے تکلف تسلیم کروں۔ جس طرح تم کو خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کی طرف بلاؤں۔ تم سے پہلے میں خود احکام الہی کی پوری تعمیل کر کے اس کا کامل فرمانبردار بندہ ہونا ثابت کروں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے۔ اس لئے ہم سب کو اسی کی خوشنودی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہمارا تم سے کچھ تعلق نہیں۔ ہم دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر کے سبکدوش ہو چکے ہم میں سے کوئی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں۔ ہر ایک کا عمل اسکے ساتھ ہے۔ وہ ہی اس کے آگے آئے گا۔ چاہئے کہ اس کے نتائج برداشت کرنے کے لئے تیار رہے۔ آگے ہم کو تم سے جھگڑنے اور بحث و تکرار کی ضرورت نہیں۔ سب کو خدا کی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ وہاں جا کر ہر ایک کو پورا پورا پتہ لگ جائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کچھ کما کر لایا ہے (تنبیہ) یہ آیات کی ہیں۔ قتال کی آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔

۱۶۔ اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کی بات میں جب لوگ اس کو مان چکے ان کا جھگڑا باطل ہے ان کے رب کے یہاں پر اور ان پر غصہ ہے اور انکو سخت عذاب ہے [۲۲]

وَ الَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا

اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ

عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾

۱۷۔ اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی [۲۳] اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید وہ گھڑی پاس ہو [۲۳]

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَاتِ وَ

مَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿١٧﴾

۱۸۔ جلدی کرتے ہیں اس گھڑی کی وہ لوگ کہ یقین نہیں رکھتے اس پر اور جو یقین رکھتے ہیں انکو اس کا ڈر ہے اور جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے سنتا ہے جو لوگ جھگڑتے ہیں اس گھڑی کے آنے میں وہ بہک کر دور جا پڑے [۲۵]

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا<sup>ج</sup> وَ  
الَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا<sup>ل</sup> وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا  
الْحَقُّ<sup>ط</sup> أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يَبَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي

صَلَّىٰ بَعِيدٍ ﴿١٨﴾

۲۲۔ یعنی اللہ کے دین، اس کی کتاب، اور اسکی باتوں کی سچائی جب علانیہ ظاہر ہو چکی، حتیٰ کہ بہت سے سمجھدار لوگ اسکو قبول کر چکے اور بہترے قبول نہ کرنے کے باوجود ان کی سچائی کا اقرار کرنے لگے۔ اس قدر ظہور و وضوح حق کے بعد جو لوگ خواہ مخواہ جھگڑے ڈالنے یاماننے والوں سے الجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخت عذاب کے مستوجب ہیں اور انکے سب جھگڑے جھوٹے اور سب بخشش پادرو اور باطل ہیں۔

۲۳۔ نزول میزان: اللہ نے مادی ترازو بھی اتاری جس میں اجسام تلتے ہیں اور علمی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفت عدل و انصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی ترازو دین حق ہے جو خالق و مخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے اور جس میں بات پوری ملتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔

۲۴۔ یعنی اپنے اعمال و احوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کی ترازو میں تول کر دیکھ لو، کہاں تک کھرے اور پورے اترتے ہیں۔ کیا معلوم ہے کہ قیامت کی گھڑی بالکل قریب ہی آگئی ہو، پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔ جو فکر کرنا ہے اس کے آنے سے پہلے کر لو۔

۲۵۔ قیامت کے بارے میں منکرین کا استہزاء: یعنی جن کو قیامت پر یقین نہیں وہ ہنسی مذاق کے طور پر نہایت بے فکری سے کہتے ہیں کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ آخر دیر کیا ہے؟ جلدی کیوں نہیں آجاتی؟ لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و یقین سے بہرہ ور کیا ہے، وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے لرزتے اور کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے، کسی کے ٹلائے ٹل نہیں سکتی۔ اسی لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ ان جھگڑنے والے منکرین کا حشر کیا ہونا ہے۔ جب ایک شخص کو قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں وہ تیاری کیا خاک کرے گا۔ ہاں جتنا اس حقیقت کا مذاق اڑائے گا گر اہی میں اور زیادہ ہوتا چلا جائے گا۔

۱۹۔ اللہ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر [۲۶] روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور وہی ہے زور آور زبردست [۲۷]

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ<sup>ج</sup> وَهُوَ

الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿١٩﴾

۲۰۔ جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی زیادہ کریں ہم اسکے واسطے اسکی کھیتی [۲۸] اور جو کوئی چاہتا ہو دنیا کی کھیتی اس کو دیوں ہم کچھ اس میں سے اور اسکے لئے نہیں آخرت میں کچھ حصہ [۲۹]

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ<sup>ج</sup>

وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا

لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ﴿٢٠﴾

۲۶۔ یعنی باوجود تکذیب و انکار کے روزی کسی کی بند نہیں کرتا۔ بلکہ بندوں کے باریک سے باریک احوال کی رعایت کرتا اور نہایت نرمی اور تدبیر لطف سے ان کی تربیت فرماتا ہے۔

۲۷۔ جس کو چاہے، جتنی چاہے دے۔

۲۸۔ نیکی کا دس سے سات سو گنا ثواب: ایک نیکی کا دس گنا ثواب دیں، بلکہ سات سو گنا، اور اس سے بھی زیادہ۔ اور دنیا میں ایمان و عمل صالح کی برکت سے جو فراخی و برکت ملے وہ الگ رہی۔

۲۹۔ دنیا کا اجر محنت کے مطابق ملتا ہے: دنیا کے واسطے جو محنت کرے موافق قسمت کے ملے، پھر اس محنت کا فائدہ آخرت میں کچھ نہیں۔ كما قال تعالى عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ (بنی اسرائیل-۱۸)۔

۲۱۔ کیا ان کے لئے اور شریک ہیں کہ راہ ڈالی ہے انہوں نے انکے واسطے دین کی کہ جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے [۳۰] اور اگر نہ مقرر ہو چکی ہوتی ایک بات فیصلہ کی تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور بیشک جو گنہگار ہیں انکو عذاب ہے دردناک [۳۱]

۲۲۔ تو دیکھے گا گنہگاروں کو کہ ڈرتے ہوں گے اپنی کمائی سے اور وہ پڑ کر رہے گا ان پر [۳۲] اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے باغوں میں ہیں جنت کے اور ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہی ہے بڑی بزرگی [۳۳]

۲۳۔ یہ ہے جو خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے ایماندار بندوں کو جو کرتے ہیں بھلے کام [۳۴] تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ بدلا مگر دوستی چاہئے قرابت میں [۳۵] اور جو کوئی کمائے گا نیکی ہم اسکو بڑھادیں گے اس کی خوبی بیشک اللہ معاف کرنے والا حق ماننے والا ہے [۳۶]

أَمْ لَهُمْ شُرَكَوَا شَاعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنُ بِهِ اللَّهُ ۖ وَلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ نَقْضِي بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّةِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٢٢﴾

ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۖ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٢٣﴾

۳۰۔ مشرکین کا باطل راستہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا اور دین حق کا راستہ بتلا دیا۔ کیا اسکے سوا کوئی اور ہستی ایسی ہے جسے کوئی

دوسرا راستہ مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرا دے۔ پھر آخر ان مشرکین نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء علیہم السلام نے بتلائی تھی دوسری راہیں کہاں سے نکال لیں۔

۳۱۔ یعنی فیصلہ کا وعدہ ہے اپنے وقت پر۔

۳۲۔ یعنی اپنی کر توت کے نتائج سے خواہ آج نہ ڈریں مگر اس دن ڈرتے ہوں گے اور یہ ڈران پر ضرور پڑ کر رہے گا۔ کوئی سبیل رہائی اور فرار کی نہ ہوگی۔

۳۳۔ جنت کی نعمتیں: یعنی جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی راحتیں اور اپنے رب کا قرب، یہ ہی بڑا فضل ہے۔ دنیا کے عیش اسکے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

۳۴۔ یعنی اللہ جو خوشخبری دے وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔

۳۵۔ میں اس دعوت پر کوئی اجر نہیں مانگتا: یعنی قرآن کریم جیسی دولت تمکو دے رہا ہوں اور ابدی نجات و فلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہوں۔ یہ سب محض لوجہ اللہ ہے۔ اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نبی و خاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو۔ آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے، بسا اوقات انکی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو۔ میرا کہنا یہ ہے کہ تم اگر میری بات نہیں مانتے، نہ مانو، میرا دین قبول نہیں کرتے یا میری تائید و حمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی۔ لیکن کم از کم قربت و رحم کا خیال کر کے ظلم و اذیت رسانی سے باز رہو، اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچاتا رہوں۔ کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں (تنبیہ) آیت کے یہ معنی حضرت ابن عباس سے صحیحین میں منقول ہیں۔ بعض سلف نے إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی محبت کرو اور حق قربت کو پہچانو۔ اور بعض نے ”قربانی“ سے اللہ کا قرب اور نزدیکی مراد لی ہے یعنی ان کاموں کی محبت جو خدا سے قریب کرنے والے ہوں مگر صحیح اور راجح تفسیر وہ ہی ہے جو ہم نے اول نقل کی ہے بعض علماء نے ”مودۃ فی القربی“ سے اہل بیت نبوی کی محبت مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا، بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو۔ کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت اور اقارب نبی کریم ﷺ کی محبت و تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم و واجب اور جزء ایمان ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور ﷺ کی محبت پر متفرع ہے لیکن آیت ہذا کی تفسیر اس طرح کرنا شان نزول اور روایت صحیحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ حضور ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۳۶۔ نیکی کو بڑھایا جاتا ہے: یعنی انسان بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کو بڑھاتا ہے، آخرت میں تو اجر و ثواب کے اعتبار سے اور دنیا میں نیک خوئی فرما کر اور ایسے آدمی کی لغزشوں کو بھی معاف فرماتا ہے۔ شاید یہاں اس مضمون کا ذکر اس لئے فرمایا کہ کم از کم قربت کی محبت مطلوب ہے جس کا حاصل ایذاء اور ظلم سے روکنا تھا۔ لیکن جو اس سے زائد نیکی دکھلائے وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی، بلکہ بڑھتی رہتی ہے۔

۲۴۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر اور مٹاتا ہے اللہ جھوٹ کو اور ثابت کرتا ہے سچ کو اپنی باتوں سے اُس کو معلوم ہے جو دلوں میں ہے [۳۴]

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ فَإِنْ يَشَاءِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۖ وَيَهْجُرُ اللَّهُ الْبَاطِلَ ۚ وَيُحِقُّ

الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۴﴾

۲۵۔ اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی اور معاف کرتا ہے برائیاں اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو

عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور دعا سنتا ہے ایمان والوں کی جو بھلے کام کرتے ہیں اور زیادہ دیتا ہے انکو اپنے فضل سے [۳۸] اور جو منکر ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ  
يَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ

شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾

۳۔ حق کو ثابت اور جھوٹ کو محو کیا جاتا ہے: یعنی بفرض محال اگر کوئی بات بھی خدا کی نسبت جھوٹ بنا کر کہدے تو اللہ کو قدرت ہے کہ تیرے دل پر مہر کر دے، پھر فرشتہ یہ کلام معجز لے کر تیرے قلب پر نہ اتر سکے اور سلسلہ وحی کا بند ہو جائے بلکہ پہلا دیا ہوا بھی سلب کر لیا جائے کما قال وَلَيَنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا - إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كِثِيرًا (بنی اسرائیل - ۸۷، ۸۶) مگر چونکہ واقع میں قطعاً کذب و افتراء کا شائبہ نہیں۔ اس لئے محض بد بختوں کی قدر ناشناسی اور طعن و تشنیع کی بناء پر یہ فیض منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بیشک اللہ اسکو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری کون ہے اور کس کے دل پر اللہ نے فی الواقع مہر لگا دی ہے کہ خیر کے اترنے اور حق کے قبول کرنے کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔ رہا یہ سوال کہ اللہ کی وہ باتیں کیا ہیں جن سے جھوٹ ملیا میٹ ہو اور حق ثابت ہو جائے، تو میرے نزدیک وہ ہی دلائل و براہین ہیں جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت پر اس نے قائم کی ہیں۔ بالخصوص وہ آیات انفسیہ و آفاقیہ جن کا ذکر سورہ "حم السجدہ - ۵۳" کے آخر پر سُنُوْهُمْ اٰیٰتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَّبِعُوْنَ لَهُمْ اِنَّهُ الْحَقُّ كَيْفَ شِئْنَا بِمَنْ يُرٰى" کے آیت ہذا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں۔ بندہ کے نزدیک بے تکلف یہ ہی مطلب ہے جو اوپر عرض کیا۔ اس تفسیر پر وَيَنْحِ اللَّهُ الْبَاطِلَ جملہ متنافہ ہوا۔ جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور اکثر محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ البتہ مضارع کے معنی مترجم رحمہ اللہ نے حال کے لئے ہیں جو بالکل صحیح ہیں، مگر بندہ کے خیال میں یہاں استقبال لینا زیادہ چسپاں ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ و يَنْحِ اللَّهُ الْبَاطِلَ کا عطف يَخْتِمُ عَلَى قَلْبِكَ پر کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "یعنی اللہ اپنے اوپر کیوں جھوٹ بولنے دے۔ دل کو بند کر دے کہ مضمون ہی نہ آئے جسکو باندھ سکے اور چاہے تو کفر کو مٹا دے بے پیغام بھیجے۔ مگر وہ اپنی باتوں سے دین کو ثابت کرتا ہے اس واسطے نبی پر اپنا کلام بھیجتا ہے۔"

۳۸۔ مومنین پر اللہ کے انعامات: یعنی نبی خدا کا پیغام پہنچاتا ہے، تم جھوٹ سمجھو یا سچ، اسکے بعد بندوں کا سارا معاملہ خدا سے ہے ہر ایک بندہ سے دنیا اور آخرت میں اسکے حال و استعداد کے موافق معاملہ ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور باوجود سب کچھ جاننے کے کتنی برائیوں سے درگزر کرتا ہے جو ایماندار اور نیک بندے اسکی بات سنتے ہیں وہ انکی دعائیں سنتا اور انکی طاعات کو شرف قبول بخشتا ہے اور جس قدر اجر و ثواب کے وہ عام ضابطہ سے مستحق ہوں اپنے فضل سے اس سے کہیں زائد مرحمت فرماتا ہے۔ رہ گئے منکر اور پکے کافر جنکو مرتے دم تک رجوع و توبہ کی توفیق میسر نہیں ہوئی انکا انجام اگے جملہ میں مذکور ہے۔

۲۷۔ اور اگر پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو دھوم اٹھادیں ملک میں ولیکن اتارتا ہے ماپ کر جتنی چاہتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے دیکھتا ہے [۳۹]

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ  
وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۗ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ

بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اور وہی ہے جو اتارتا ہے مینہ بعد اسکے کہ آس توڑ چکے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہی ہے کام بنانے والا سب تعریفوں کے لائق [۴۰]

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَ  
يُنشُرُ رَحْمَتَهُ ۗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ اور ایک اسکی نشانی ہے بنانا آسمانوں کا اور زمین کا [۴۱] اور جس قدر بکھیرے ہیں ان میں جانور [۴۲] اور وہ جب چاہے ان سب کو اکٹھا کر سکتا ہے [۴۳]

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَابَّةٍ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ جَنَعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ

قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلا ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ [۴۴]

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ  
أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اور تم تھکا دینے والے نہیں بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوائے کام بنانے والا اور نہ مددگار [۴۵]

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ  
دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٣١﴾

۳۲۔ اور ایک اسکی نشانی ہے کہ جہاز چلتے ہیں دریا میں جیسے پہاڑ [۴۶]

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٣٢﴾

۳۳۔ اگر چاہے تو تھام دے ہوا کو پھر رہیں سارے دن ٹھہرے ہوئے اس کی پیٹھ پر [۴۷] مقرر اس بات میں پتے ہیں ہر قائم رہنے والے کو جو احسان مانے [۴۸]

إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ  
ظَهْرِهَا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣٣﴾



۳۴۔ یا تاہ کر دے انکو بسبب انکی کمائی کے اور معاف بھی کرے بہتوں کو [۳۹]

أَوْ يُؤْتِيَهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ اور تاکہ جان لیں وہ جو جھگڑتے ہیں ہماری قدرتوں میں کہ نہیں اُنکے لئے بھاگنے کی جگہ [۵۰]

وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ

مَحِيصٍ ﴿۳۵﴾

۳۹۔ غنا کو عام نہ کرنے کی حکمت: خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر چاہے تو اپنے تمام بندوں کو غنی اور تو نگر بنا دے۔ لیکن اسکی حکمت مقتضی نہیں کہ سب کو بے اندازہ روزی دیکر خوش عیش رکھا جائے۔ ایسا کیا جاتا تو عمومًا لوگ طغیان و تمرد اختیار کر کے دنیا میں اودھم مچا دیتے۔ نہ خدا کے سامنے جھکتے نہ اسکی مخلوق کو خاطر میں لاتے، جو سامان دیا جاتا کوئی اس پر قناعت نہ کرتا حرص اور زیادہ بڑھ جاتی جیسا کہ ہم بحالت موجودہ بھی عموماً مرقہ الحال لوگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ جتنا آجائے اس سے زیادہ کے طالب رہتے ہیں، کوشش اور تمنائیہ ہوتی ہے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں ظاہر ہے کہ ان جذبات کے ماتحت غنا اور خوشحالی کی صورت میں کیسا عام اور زبردست تصادم ہوتا اور کسی کو کسی سے دبنے کی کوئی وجہ نہ رہتی۔ ہاں دنیا کے عام مذاق اور رجحان کے خلاف فرض کیجئے کسی وقت غیر معمولی طور پر کسی مصلح اعظم اور مامور من اللہ کی نگرانی میں عام خوشحالی اور فارغ البالی کے باوجود باہمی آویزش اور طغیان و سرکشی کی نوبت نہ آئے اور زمانہ کے انقلاب عظیم سے دنیا کی طبائع ہی میں انقلاب پیدا کر دیا جائے وہ اس عادی اور اکثری قاعدہ سے مستثنیٰ ہو گا۔ بہر حال دنیا کو بحالت موجودہ جس نظام پر چلانا ہے اس کا مقتضی یہ ہی ہے کہ غنا عام نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کو اسکی استعداد و احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو جانچ تول کر دیا جائے۔ اور یہ خدا ہی کو خبر ہے کس کے حق میں کیا صورت ا صلح ہے۔ کیونکہ سب کے اگلے اور پچھلے حالات اسی کے سامنے ہیں۔

۴۰۔ اللہ کی طرف سے باران رحمت: یعنی بہت مرتبہ ظاہری اسباب و حالت پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہو جاتے ہیں، اس وقت حق تعالیٰ باران رحمت نازل فرماتا اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ تابندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جیسے وہ روزی ایک خاص اندازہ سے عطا کرتا ہے، بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں مرحمت فرماتا ہے۔ بات یہ ہے کہ سب کام اسی کے اختیار میں ہیں اور جو کچھ وہ کرے عین حکمت و صواب ہے کیونکہ تمام خوبیوں اور کمالات اسکی ذات میں جمع ہیں اور ہر قسم کی کار سازی اور اعانت و امداد وہیں سے ہو سکتی ہے۔ (تنبیہ) اللہ کی رحمت و قدرت کی طرف سے مایوس ہو جانا کافروں کا شیوہ ہے لیکن ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیر ہو سکتا ہے جیسے فرمایا فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا (یوسف۔ ۸۰) اور حَتَّىٰ اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ (یوسف۔ ۱۱۱)۔

۴۱۔ ہر مخلوق اللہ کے قبضہ میں ہے: یعنی جس طرح رزق پہنچانا اور اسکے اسباب (بارش وغیرہ کا) مہیا کرنا اس کے قبضہ میں ہیں ان اسباب کے اسباب سماویہ و ارضیہ اور انکے آثار و نتائج بھی اسی کی مخلوق ہیں۔

۴۲۔ آسمان کی جانور مخلوق: آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔

۴۳۔ یعنی جس نے بکھیرے وہ ہی سب کو اکٹھا کر سکتا ہے۔ اور یہ قیامت کے دن ہو گا۔

۴۴۔ ہر مصیبت اعمال بد کا نتیجہ ہوتی ہے: یعنی جیسے نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں، مصائب کا نزول بھی خاص اسباب و ضوابط کے ماتحت ہوتا ہے۔ مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے

بعض اعمال و افعال ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا۔ بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض اوقات والدہ کی بد پرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے، یا کبھی کبھی ایک محلہ والے یا شہر والے کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ اور شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ ہی حال روحانی اور باطنی بد پرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لو۔ گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے۔ اور مستقبل میں انکے لئے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت گناہوں سے درگزر کرتی ہے اگر ہر ایک جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی باقی نہ رہتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یہ خطاب عاقل بالغ لوگوں کو ہے گنہگار ہوں یا نیک۔ مگر نبی اس میں داخل نہیں (اور چھوٹے بچے بھی شامل نہیں) ان کے واسطے اور کچھ ہو گا۔ اور سختی دنیا کی بھی آگئی اور قبر کی اور آخرت کی۔“

۳۵۔ یعنی محض اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے ورنہ جس جرم پر سزا دینا چاہے، مجرم بھاگ کر کہیں روپوش نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے سوا کوئی دوسرا حمایت و امداد کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے۔

۳۶۔ یعنی جیسے زمین کی سطح پر پہاڑ ابھرے ہوئے ہیں سمندر کی سطح پر بڑے بڑے جہاز ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۳۷۔ ہواؤں پر حکومت: یعنی ہوا بھی اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اگر ہوا ٹھہرا رکھے چلنے نہ دے تو تمام جہاز دریا کی پیٹھ پر جہاں کے تہاں کھڑے رہ جائیں۔ غرض پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔

۳۸۔ دریائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لئے بہت ضرورت ہے کہ انسان موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا ہو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کو پہچانے۔

۳۹۔ مصائب اعمال کا نتیجہ ہیں: یعنی چاہے تو مسافروں کے بعض اعمال کی پاداش میں جہازوں کو تباہ کر ڈالے اور اس تباہی کے وقت بھی بعض کو معاف فرمادے۔

۵۰۔ یعنی تباہ اس لئے کئے جائیں کہ ان کے بعض اعمال کا بدلہ ہو اور بڑے بڑے جھگڑالو بھی دیکھ لیں کہ ہاں خدائی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”جو لوگ ہر چیز اپنی تدبیر سے سمجھتے ہیں اس وقت عاجز رہ جائیں گے۔“ کوئی تدبیر نہ بن پڑے گی۔

۳۶۔ سو جو کچھ ملا ہے تمکو کوئی چیز ہو سو وہ برت لینا ہے دنیا کی زندگانی میں اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے بہتر ہے اور باقی رہنے والا واسطے ایمان والوں کے جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں [۵۱]

فَمَا أُوْتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ

مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اٰتٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَّ عَلٰى

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲۶﴾

۳۷۔ اور جو لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بیحیائی سے اور جب غصہ آوے تو وہ معاف کر دیتے ہیں [۵۲]

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبِيْرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَّ

اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

۳۸۔ اور جنہوں نے کہ حکم مانا اپنے رب کا اور قائم کیا نماز

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَّ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ

کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے [۵۳] اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۖ وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

يُنْفِقُونَ ﴿۲۸﴾

۳۹۔ اور وہ لوگ کہ جب ان پر ہووے چڑھائی تو وہ بدلا لیتے ہیں [۵۴]

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۲۹﴾

۴۰۔ اور برائی کا بدلا ہے برائی ویسی ہی [۵۵] پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے سو اس کا ثواب ہے اللہ کے ذمہ بیشک اللہ کو پسند نہیں آتے گنہگار [۵۶]

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ

فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۳۰﴾

۴۱۔ اور جو کوئی بدلہ لے اپنے مظلوم ہونے کے بعد سو ان پر بھی نہیں کچھ الزام [۵۷]

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ

مِّنْ سَبِيلٍ ﴿۳۱﴾

۴۲۔ الزام تو ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر [۵۸] اور دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں ناحق ان لوگوں کے لئے ہے عذاب دردناک

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَ

يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۲﴾

۴۳۔ اور البتہ جس نے سہا اور معاف کیا بیشک یہ کام بہت کے ہیں [۵۹]

وَلَمَنِ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۳۳﴾

۵۱۔ آخرت کی نعمتیں بہتر اور پائیدار ہیں: یعنی یہ تمام باتیں سننے کے بعد انسان کو چاہئے کہ اللہ کو راضی رکھنے کی فکر کرے۔ اس چند روزہ زندگانی اور عیش فانی پر مغرور نہ ہو۔ اور خوب سمجھ لے کہ ایمانداروں کو جو عیش و آرام اللہ کے ہاں ملے گا۔ وہ اس دنیا کے عیش و آرام سے بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ نہ اس میں کسی طرح کی کدورت ہوگی نہ فناء و زوال کا کھٹکا ہوگا۔

۵۲۔ مومنین کی بعض صفات: اس کا بیان سورہ ”نساء“ کی آیت ”إِنْ تَجُنَّبُوا كِبَارَهُ مَا تَنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفَرْنَا عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ (النساء۔ ۳۱) کے فوائد میں گذر چکا وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ شاید یہاں ”کبار الاثم“ سے وہ بڑے گناہ مراد ہوں جو قوت نظریہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً عقائد بدعیہ اور ”نواحش“ وہ گناہ جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالی کو دخل ہو۔ آگے ”وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ“ میں تو ظاہر ہے کہ قوت غضبیہ کی روک تھام کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۳۔ مشورہ کی اہمیت: مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے دین کا ہویا دنیا کا۔ نبی کریم ﷺ مہمات امور میں برابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ

فرماتے تھے اور صحابہ آپس میں مشورہ کرتے تھے، حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل و احکام کی نسبت بھی۔ بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت ان کاموں میں ہے جو مہتمم بالشان ہوں اور جو قرآن و سنت میں منصوص نہ ہوں۔ جو چیز منصوص ہو اس میں رائے و مشورہ کے کوئی معنی نہیں۔ اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ہوا کرے تو کوئی کام نہ ہو سکے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ ایسے شخص سے لیا جائے جو عاقل و عابد ہو۔ ورنہ اسکی بوقونی یا بددیانتی سے کام خراب ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔

۵۴۔ مومنین کا عفو و بدلہ: یعنی جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے۔ مثلاً ایک شخص کی حرکت پر غصہ آیا اور اس نے ندامت کے ساتھ اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر لیا، انہوں نے معاف کر دیا، یہ محمود ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو، مثلاً کوئی شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے اور ظلم و زور سے دبانے کی کوشش کرے، یا جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا ہماری شخصی حیثیت سے قطع نظر کر کے دین کی اہانت یا جماعت مسلمین کی تذلیل ہوتی ہے، ایسی حالت میں بدلہ لیتے ہیں، وہ بھی بقدر اس کی زیادتی کے۔ جرم سے زائد سزا نہیں دیتے۔

۵۵۔ بدلہ کے طور پر جو برائی کی جائے وہ حقیقتاً نہیں محض صورتاً برائی ہوتی ہے۔ ”سپیئر“ کا اطلاق اس پر مشاکلہ کیا گیا۔

۵۶۔ عدل کے ساتھ انتقام کی اجازت: یعنی ظلم اور زیادتی تو اللہ کے ہاں کسی حالت میں پسند نہیں۔ بہترین خصلت یہ ہے کہ آدمی جتنا بدلہ لے سکتا ہے اس سے بھی درگزر کرے۔ بشرطیکہ درگزر کرنے میں بات سنورتی ہو۔

۵۷۔ یعنی مظلوم ظالم سے بدلہ لینا چاہے تو اس میں الزام اور گناہ کچھ نہیں۔ ہاں معاف کر دینا افضل و احسن ہے۔

۵۸۔ یعنی ابتداءً ظلم کرتے ہیں یا انتقام لینے میں حد استحقاق سے بڑھ جاتے ہیں۔

۵۹۔ معاف کر دینا ہمت کا کام ہے: یعنی غصہ کو پی جانا اور ایذائیں برداشت کر کے ظالم کو معاف کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس بندہ پر ظلم ہو اور وہ محض اللہ کے واسطے اس سے درگزر کرے تو ضرور ہے کہ اللہ اسکی عزت بڑھائے گا اور مدد کرے گا۔

۴۴۔ اور جسکو راہ نہ بھجائے اللہ تو کوئی نہیں اسکا کام بنانے والا اسکے سوا [۲۰] اور تو دیکھے گنہگاروں کو جس وقت دیکھیں گے عذاب کہیں گے کسی طرح پھر جانے کی بھی ہوگی کوئی راہ [۲۱]

وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۗ وَ تَرَى الظَّالِمِينَ لَبَّارًا وَّالْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلِ ۚ

۴۵۔ اور تو دیکھے انکو کہ سامنے لائے جائیں آگ کے آنکھیں جھکائے ہوئے ذلت سے دیکھتے ہوں گے چھپی نگاہ سے [۲۲] اور کہیں وہ لوگ جو ایماندار تھے مقرر ٹوٹے والے وہی ہیں جنہوں نے گنوا یا اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن [۲۳] سنتا ہے گنہگار پڑے ہیں سدا کے عذاب میں

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعِينَ مِنَ الذَّلِيلِ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخُسِيَّاتِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَاهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ

۴۶۔ اور کوئی نہ ہوئے انکے حمایتی جو مدد کرتے انکی اللہ کے سوائے اور جسکو بھٹکائے اللہ اسکے لئے کہیں نہیں راہ [۶۴]

۴۷۔ مانو اپنے رب کا حکم اُس سے پہلے کہ آئے وہ دن جسکو پھرنا نہیں اللہ کے یہاں سے [۶۵] نہیں ملے گا تمکو بچاؤ اُس دن اور نہیں تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا [۶۶]

۴۸۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر نگہبان تیرا ذمہ تو بس یہی ہے پہنچا دینا [۶۷] اور ہم جب چکھتے ہیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت اس پر پھولا نہیں سماتا اور اگر پہنچتی ہے انکو کچھ برائی بدلے میں اپنی کمائی کے تو انسان بڑا ناشکر ہے [۶۸]

۴۹۔ اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کرتا ہے جو چاہے بخشتا ہے جسکو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جسکو چاہے بیٹے۔

۵۰۔ یا انکو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جسکو چاہے بانجھ وہ ہی سب کچھ جانتا کر سکتا [۶۹]

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِّنْ دُونِ

اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٣٦﴾

اَسْتَجِيبُوا لِلرَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِي يَوْمٌ لَا مَرَدٍّ

لَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَا يَوْمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمْ

مِّنْ نَّكِيرٍ ﴿٣٧﴾

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۗ اِنْ

عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلْغُ ۗ وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِمَّا

رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۗ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٣٨﴾

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۗ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ

يَهْبُ لِمَنْ يَّشَاءُ ۗ اِنَّا وَاِنَّآ وَا يَهْبُ لِمَنْ يَّشَاءُ

الذُّكُوْرُ ﴿٣٩﴾

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرًا وَّاُنْثٰى ۗ وَاِنَّا وَاِنَّآ وَا يَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ

عَقِيْبًا ۗ اِنَّهُ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾

۶۰۔ یعنی اللہ کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی کو عدل و انصاف اور صبر و غفر کی اعلیٰ خصلتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہ ان بہترین اخلاق کی طرف راہ نہ دے تو کون ہے جو ہاتھ پکڑ کر اخلاقی پستی اور رسوائی کے گڑھے سے ہم کو نکال سکے۔

۶۱۔ ظالموں کا حال آخرت میں: یعنی کوئی ایسی سبیل بھی ہے کہ ہم دنیا کی طرف پھر واپس کر دیے جائیں اور اس مرتبہ وہاں سے خوب نیک بن

کر حاضر ہوں۔

۶۲۔ یعنی ایک سہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف اور ذلت کے مارے نیچی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ کسی سے پوری طرح آنکھ نہیں ملا سکیں گے۔

۶۳۔ کفار نے اپنے گھر والوں کو بھی تباہ کیا: یعنی بد بخت اپنے ساتھ اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی لے ڈوبے۔ سبھی کر تباہ و برباد کر کے چھوڑا۔

۶۴۔ یعنی نہ دنیا میں ہدایت کی، نہ آخرت میں نجات کی۔

۶۵۔ یعنی جیسے دنیا میں عذاب مؤخر ہوتا اور ملتا چلا جاتا ہے، اس دن نہیں ملے گا۔

۶۶۔ یعنی مکر جانے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اور ابن کثیر نے یوں معنی کئے ہیں کہ کوئی موقع ایسا نہ ملے گا جو تم پہنچانے نہ جاؤ۔

۶۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے صرف تبلیغ ہے: یعنی آپ ذمہ دار نہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا فرض پیغام الہی پہنچا دینا ہے۔ وہ آپ ادا کر رہے ہیں۔ یہ نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔

۶۸۔ انسان ناشکر ہے: یعنی ان کے اعراض سے آپ غمگین نہ ہوں۔ انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے اِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ (النمل۔ ۸۷) کہ اللہ انعام و احسان فرمائے تو اکڑنے اور اترانے لگتا ہے۔ پھر جہاں اپنی کر توت کی بدولت کوئی افتاد پڑگی، بس سب نعمتیں بھول جاتا ہے اور ایسا ناشکر بن جاتا ہے گویا کبھی اس پر اچھا وقت آیا ہی نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ فراخی اور عیش کی حالت ہو یا تنگی اور تکلیف کی۔ اپنی حد پر قائم نہیں رہتا۔ البتہ مومنین قانتین کا شیوہ یہ ہے کہ سختی پر صبر اور فراخی کی حالت میں منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی حال اسکے انعامات و احسانات کو فراموش نہیں کرتے۔

۶۹۔ اولاد دینے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت: یعنی سختی ہو یا نرمی سب احوال خدا کے بھیجے ہوئے ہیں آسمان و زمین میں سب جگہ اسی کی سلطنت اور اسی کا حکم چلتا ہے، جو چیز چاہے پیدا کرے اور جو چیز جسکو چاہے دے، جسکو چاہے نہ دے۔ دنیا کے رنگارنگ حالات کو دیکھ لو۔ کسی کو سرے سے اولاد نہیں ملتی، کسی کو ملتی ہے تو صرف بیٹیاں، کسی کو صرف بیٹے، کسی کو دونوں جڑواں یا الگ الگ۔ اس میں کسی کا کچھ دعویٰ نہیں۔ وہ مالک حقیقی ہی جانتا ہے کہ کس شخص کو کس حالت میں رکھنا مناسب ہے اور وہ ہی اپنے علم و حکمت کے موافق تدبیر کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ کو روک دے یا اس کی تخلیق و تقسیم پر حرف گیری کر سکے عاقل کا کام یہ ہے کہ ہر قسم کے نرم و گرم حالات میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ اپنی ناچیز حقیقت کو پیش نظر رکھ کر تکبر یا کفرانِ نعمت سے باز رہے۔

۵۱۔ اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغمبر لانے والا پھر پہنچا دے اسکے حکم سے جو ہو چاہے [۴۰] تحقیقی وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا [۴۱]

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ  
وَرَأْيٍ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآدَانِهِ مَا

يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ

۵۲۔ اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ ایجے حکم سے [۴۲] تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان [۴۳] و لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا  
كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ

سجھا دیتے ہیں جسکو چاہیں اپنے بندوں میں [۴۳] اور بیشک تو  
سجھاتا ہے سیدھی راہ [۴۵]

بَعَلْنَهُ نُورًا نُّهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ راہ اللہ کی اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین  
میں [۴۶] سنتا ہے اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام [۴۷]

صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي

الْأَرْضِ ۗ أَلَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿۵۳﴾

۵۰۔ کوئی بشر اللہ سے براہ راست بات نہیں کر سکتا: کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند  
قدوس اس دنیا میں اسکے سامنے ہو کر مشافہہ کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے۔ اسی لئے کسی بشر سے اس کے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں ہیں۔  
کلام الہی کی تین صورتیں:

الف۔ بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے، یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لطف اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار  
سے متمتع نہ ہو سکیں۔ جیسے حضرت موسیٰ کو طور پر اور خاتم الانبیاء ﷺ کو لیلۃ الاسراء میں پیش آیا۔

ب۔ بواسطہ فرشتہ کے حق تعالیٰ کلام فرمائے مگر فرشتہ متعجب ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے۔ بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے  
اور قلب ہی سے ادراک فرشتہ کا اور صوت کا ہوتا ہو۔ حواس ظاہر کو چنداں دخل نہ رہے میرے خیال میں یہ صوت ہے جس کو عائشہ صدیقہؓ کی  
حدیث میں یاتینی فی مثل صلصلة الجرس سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور صحیح بخاری کے ابواب بدء الخلق میں وحی کی اس صورت میں بھی اتیان  
ملک کی تصریح موجود ہے۔ اسی کو حدیث میں وَهُوَ أَشَدُّ كَاغْلِيَّ فرمایا۔ اور شاید وحی قرآنی بکثرت اسی صورت میں آتی ہو جیسا کہ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ  
الْأَمِينُ۔ عَلَي قَلْبِكَ (الشعراء۔ ۱۹۳، ۱۹۴) اور فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرة۔ ۹۷) میں لفظ قَلْبِكَ سے اشارہ ہوتا ہے۔ اور  
چونکہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتا تھا، پیغمبر کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہ آتی تھی اور نہ اس طرح کلام ہوتا تھا جیسے  
ایک آدمی دوسرے سے بات کرتا ہو کہ پاس بیٹھنے والے سامعین بھی سمجھ لیں اس لئے اس قسم کو خصوصیت کے ساتھ آیت ہذا میں لفظ وَحْيًا  
سے تعبیر کیا۔ کیونکہ لغت میں ”وحی“ کا لفظ انحاء اور اشارہ سر یعہ پر دلالت کرتا ہے۔

ج۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متعجب ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا کا کلام و پیام پہنچا دے جیسے ایک آدمی دوسرے سے  
خطاب کرتا ہے۔ چنانچہ جبریل ایک دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ اور اکثر مرتبہ حضرت وحیہ کلبیؓ کی صورت  
میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی تشریف لائے ہیں۔ اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان انکی آواز کو سنتے  
تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی بعض اوقات گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے۔ عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں جو دو قسمیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے یہ  
دوسری صورت ہے۔ اور میرے خیال میں اسی کو آہ ہذا میں اَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِي بِلَاذِنِهِ مَا يَشَاءُ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم  
بالصواب۔ باقی تجاب والی صورت چونکہ بالکل نادر بلکہ اندر تھی اس لئے عائشہؓ کی حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔

۱۔ یعنی اس کا علومانع ہے کہ بے تجاب کلام کرے اور حکمت منقضی ہے کہ بعض صورتیں ہمکلامی کی اختیار کی جائیں۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر روح کا بھیجا جانا: مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اس جگہ روح سے مراد فرشتہ لیا ہے یعنی جبریل امین۔ اور  
یہ بعض مفسرین کی رائے ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں خود قرآن کریم کو روح سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ اس کی تاثیر سے مردہ قلوب زندہ

ہوتے ہیں اور انسان کو ابدی حیات نصیب ہوتی ہے۔ دیکھ لو جو قومیں کفر و ظلم اور بد اخلاقی کی موت مرچکی تھیں، کس طرح قرآن نے ان میں جان تازہ ڈال دی۔

۷۳۔ یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفصیل جو بذریعہ وحی اب معلوم ہوئیں، پہلے سے کہاں معلوم تھیں گو نفس ایمان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف تھے۔

۷۴۔ یعنی قرآن کی روشنی میں جن بندوں کو ہم چاہیں سعادت و فلاح کے راستہ پر لے چلتے ہیں۔

۷۵۔ یعنی آپ تو سب بندوں کو قرآن کریم کے ذریعہ سے اللہ تک پہنچنے کی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔

۷۶۔ یعنی سیدھی راہ وہ ہے جس پر چل کر آدمی خدائے واحد تک پہنچتا ہے۔ جو اس راہ سے بھٹکا، خدا سے الگ ہوا۔

۷۷۔ "یعنی جب سب کاموں کا انجام اسی کی طرف ہے تو چاہئے کہ آدمی شروع سے انجام کو سوچ لے اور اپنے اختیار سے ایسے راستہ پر چلے جو سیدھا اسی کی بارگاہ تک پہنچنے والا ہو۔ اللهم اهدنا الصراط المستقیم وثبتنا علیہ۔"

تم سورۃ الشوریٰ



رکوعاتھا

۴۳ سُورَةُ الزُّخْرَفِ مَكِّيَّةٌ ۶۳

آیاتھا ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ حم۔

حَمَّ

۲۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی

وَ الْكِتَابِ الْمُبِينِ

۳۔ ہم نے رکھا اسکو قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو<sup>[۱]</sup>

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

۴۔ اور تحقیق یہ قرآن لوح محفوظ ہیں ہمارے پاس ہے  
برتر مستحکم<sup>[۲]</sup>

وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اَمْرِ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلٰی حَكِيْمٌ

۵۔ کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر  
اس سبب سے کہ تم ہو ایسے لوگ کہ حد پر نہیں رہتے<sup>[۳]</sup>

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمْ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا

مُسْرِفِيْنَ

۶۔ اور بہت بھیجے ہیں ہم نے نبی پہلوں میں

وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ

۷۔ اور نہیں آتا لوگوں کے پاس کوئی پیغام لانے والا جس  
سے ٹھٹھا نہیں کرتے<sup>[۴]</sup>

وَ مَا يٰۤاْتِيْهِمْ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ

۸۔ پھر برباد کر ڈالے ہم نے اُن سے سخت زور والے اور  
چلی آئی ہے مثال پہلوں کی<sup>[۵]</sup>

فَاَهْلَكْنَا اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰی مَثَلًا

الْاَوَّلِيْنَ

۱۔ قرآن عربی زبان میں ہے: کیونکہ عربی تمہاری مادری زبان ہے اور تمہارے ذریعہ سے دنیا کی قومیں اس کتاب کو سیکھیں گی۔

۲۔ یعنی وجوہ اعجاز اور اسرار عظیمہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہایت بلند مرتبہ اور تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے۔ اس کے دلائل و براہین نہایت مضبوط اور اسکے احکام غیر منسوخ ہیں۔ کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اور تمام مضامین اصلاح معاش و معاد کی اعلیٰ ترین ہدایات پر مشتمل اور حکیمانہ خوبیوں سے مملو ہیں۔ اور قرآن کے ان تمام محاسن پر خود قرآن ہی شاہد ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ (تنبیہ) قرآن اور تمام کتب سماویہ نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی گئی ہیں۔

۳۔ تمہاری زیادتیوں کی وجہ سے وحی نہیں روکی جاسکتی: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ”اس سبب سے کہ تم نہیں مانتے کیا ہم حکم کا بھیجنا موقوف کریں گے۔“ یعنی ایسی توقع مت رکھو، اللہ کی حکمت و رحمت اسی کو مقتضی ہے کہ باوجود تمہاری زیادتیوں اور شرارتوں کے کتاب الہی کا نزول اور دعوت و نصیحت کا سلسلہ بند نہ کیا جائے۔ کیونکہ بہت سی سعید روحوں اس سے مستفید ہوتی ہیں اور منکرین پر کامل طور پر اتمام حجت ہوتا ہے۔

۴۔ یعنی پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا اور انکی تعلیمات کو جھٹلایا گیا۔ مگر اسکی وجہ سے پیغامبری کا سلسلہ مسدود نہیں ہوا۔

۵۔ پچھلی قوموں کے حالات سے عبرت: یعنی عبرت کے لئے ان مکذبین کی تباہی کی مثالیں پیش آچکیں اور پہلے مذکور ہو چکیں جو زور و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کا بے پر مغرور ہوتے ہو۔ آگے اللہ کی عظمت و قدرت اور کمال تصرف کا ذکر کرتے ہیں جو ایک حد تک ان کے نزدیک بھی مسلم تھا۔

۹۔ اور اگر تو ان سے پوچھے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں بنائے اس زبردست خبر دار نے

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

لَيَقُولَنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٩﴾

۱۰۔ وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور رکھ دیں تمہارے واسطے اُس میں راہیں تاکہ تم راہ پاؤ۔<sup>[۶]</sup>

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ

فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ اور جس نے اتارا آسمان سے پانی ماپ کر<sup>[۷]</sup> پھر ابھار کھڑا کیا ہم نے اس سے ایک دیس مردہ کو اسی طرح تمکو بھی نکالیں گے<sup>[۸]</sup>

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا

بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾

۱۲۔ اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے<sup>[۹]</sup> اور بنا دیا تمہارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو جس پر تم سوار ہوتے ہو

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ

الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ تاکہ چڑھ بیٹھو تم اسکی پیٹھ پر<sup>[۱۰]</sup> پھر یاد کرو اپنے رب کا احسان جب بیٹھ چکو اُس پر اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں کر دیا ہمارے اسکو اور ہم نہ تھے اسکو قابو میں لاسکتے<sup>[۱۱]</sup>

لَتَسْتَوْا عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا

اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَا

لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور ہمکو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے<sup>[۱۲]</sup>

وَأِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور ٹھہرائی ہے انہوں نے حق تعالیٰ کے واسطے اولاد اسکے بندوں میں سے تحقیق انسان بڑانا شکر ہے صریح

۱۶۔ کیا اس نے رکھ لیں اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تمکو دیدئے چن کر بیٹے [۱۳]

۱۷۔ اور جب ان میں کسی کو خوشخبری ملے اس چیز کی جس کو رحمن کے نام لگایا تو سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور وہ دل میں گھٹ رہا ہے [۱۴]

۱۸۔ کیا ایسا شخص کہ پرورش پاتا ہے زیور میں اور وہ جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے [۱۵]

۱۹۔ اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمن کے عورتیں [۱۶] کیا دیکھتے تھے ان کا بننا اب لکھ رکھیں گے انکی گواہی اور ان سے پوچھ ہوگی [۱۷]

۲۰۔ اور کہتے ہیں اگر چاہتا رحمن تو ہم نہ پوجتے انکو [۱۸] کچھ خبر نہیں انکو اس کی یہ سب انگلیں دوڑاتے ہیں [۱۹]

۲۱۔ کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے انکو اس سے پہلے سو انہوں نے اسکو مضبوط پکڑ رکھا ہے

۲۲۔ بلکہ کہتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انہی کے قدموں پر ہیں راہ پائے ہوئے [۲۰]

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۖ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

أَمْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفُكُمْ بِالْبَنِينَ ﴿۱۶﴾

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۱۷﴾

أَوْ مَنْ يُنشِئُوا فِي الْحَلِيَِّةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿۱۸﴾

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبُدُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا أَشْهَدُوا خَلْقَهُمْ ۖ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ﴿۱۹﴾

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۗ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۲۰﴾

أَمْ اتَّيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ ۖ فَهُمْ بِهِ مُسْتَسْكُونَ ﴿۲۱﴾

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّهْتَدُونَ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ اور اسی طرح جس کسی کو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے ڈر سنانے والا کسی گاؤں میں سو کہنے لگے وہاں کے خوشحال لوگ ہم نے تو پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انہی کے قدموں پر چلتے ہیں

وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ

أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ وہ بولا اور جو میں لا دوں تمکو اس سے زیادہ سوچھ کر راہ جس پر تم نے پایا اپنے باپ دادوں کو [۲۴] تو یہی کہنے گے ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانیں گے [۲۴]

قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِٰ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِٰ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ پھر ہم نے ان سے بدلا لیا سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الْبُكَدِيِّنَ ﴿٢٥﴾

۶۔ یعنی جہاں تک انسان بستے ہیں، آپس میں مل سکیں، ایک دوسرے تک راہ پائیں اور چل پھر کر دنیوی و اخروی مقاصد میں کامیابی کا راستہ معلوم کر لیں۔

۷۔ یعنی ایک خاص مقدار میں جو اس کی حکمت کے مناسب اور اس کے علم میں مقدر تھی۔

۸۔ دوسری زندگی پر دلائل: یعنی جس طرح مردہ زمین کو بذریعہ بارش کے زندہ اور آباد کر دیتا ہے، ایسے ہی تمہارے مردہ جسموں میں جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔

۹۔ یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متمائل یا متقابل انواع ہیں سب کو خدا ہی نے پیدا کیا۔

۱۰۔ یعنی خشکی میں بعض چوپایوں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتی پر سوار ہو۔

۱۱۔ سواری پر بیٹھنے کے آداب اور دعا: یعنی چوپایوں یا کشتی پر سوار ہوتے وقت اللہ کا احسان دل سے یاد کرو ہمکو اس نے اس قدر قوی اور ہنرمند بنا دیا کہ اپنی عقل و تدبیر وغیرہ سے ان چیزوں کو قابو میں لے آئے۔ یہ محض خدا کا فضل ہے ورنہ ہم میں اتنی طاقت اور قدرت کہاں تھی کہ ایسی چیزوں کو مسخر کر لیتے نیز دلی یاد کے ساتھ زبان سے سواری کے وقت یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِیْنَ۔ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ (زخرف۔ ۱۳، ۱۴) اور بھی اذکار و ادعیہ احادیث میں آئی ہیں جو کتب حدیث و تفسیر میں مذکور ہیں۔

۱۲۔ آخرت کے سفر کو نہ بھولو: یعنی اس سفر سے آخرت کا سفر یاد کرو۔ آنحضرت ﷺ سوار ہوتے تو یہ ہی تسبیح پڑھتے تھے۔

۱۳۔ انسان کی ناشکری اور گستاخی: یعنی چاہئے تھا اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر ادا کرے۔ یہ صریح ناشکری پر اتر آیا۔ اور اسکی جناب میں گستاخیاں کرنے لگا۔ اس سے بڑی گستاخی اور ناشکری کیا ہوگی کہ اس کے لئے اولاد تجویز کی جائے، وہ بھی بندوں میں سے اور وہ بھی بیٹیاں، اول تو اولاد باپ کے وجود کا ایک حصہ ہوتا ہے تو خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہے اور مرکب کا حادث ہونا ضروری۔ دوسرے ولد اور والد میں مجانست ہونی چاہئے، دونوں ایک جنس نہ ہوں تو ولد یا والد کے حق میں عیب ہے۔ یہاں مخلوق و

خالق میں مجانست کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ تیسرے لڑکی باعتبار قوی جسمیہ و عقلیہ کے عموماً لڑکے سے ناقص اور کمزور ہوتی ہے۔ گویا معاذ اللہ خدا نے اپنے لئے اولاد بھی رکھی تو گھٹیا اور ناقص۔ کیا تمکو شرم نہیں آتی کہ اپنے حصہ میں عمدہ اور بڑھیا چیز اور خدا کے حصہ میں ناقص اور گھٹیا چیز لگاتے ہو۔

۱۴۔ بیٹیوں کے ہونے پر کفار کا غم: یعنی جو اولاد اناٹ خدا کے لئے تجویز کر رہے ہیں وہ ان کے زعم میں ایسی عیب دار اور ذلیل و حقیر ہے کہ اگر خود انہیں اس کے ملنے کی خوشخبری سنائی جائے تو مارے رنج اور غصہ کے تیور بدل جائیں۔ اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہیں اسکی پوری تقریر سورہ "صافات" کے اخیر رکوع میں گذر چکی ہے۔

۱۵۔ عورتوں کی قوت فکریہ کا ضعف: یعنی کیا خدا نے اولاد بنانے کے لئے لڑکی کو پسند کیا ہے۔ جو عادیہ آرائش و زیبائش میں نشوونما پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہے جو دلیل ہے ضعف رائے و عقل کی، اور وہ بوجہ ضعف قوت فکریہ کے مباحثہ کے وقت قوت بیانیہ بھی نہ رکھے۔ چنانچہ عورتوں کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نہ اپنے دعوے کو کافی بیان سے ثابت کر سکیں، نہ دوسرے کے دعوے کو گرا سکیں، ہمیشہ ادھوری بات کہیں گی یا فضول باتیں اس میں ملادیں گی جن کو مطلوب میں کچھ دخل نہ ہو کہ اس سے بھی تمہیں مقصود پڑ جاتا ہے اور مباحثہ کی تخصیص اس حیثیت سے ہے کہ اس میں بوجہ بیان کی احتیاج زیادہ ہونے کے ان کا عجز زیادہ ہو جاتا ہے۔ پس ہر کلام طویل اسی کے حکم میں ہے۔ اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا مثلاً میں آئی تھی، وہ گئی تھی، قوت بیانیہ کی دلیل نہیں۔

۱۶۔ یعنی یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے کہ فرشتوں کو عورتوں کی صف میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہ عورت نہ مرد جنس ہی علیحدہ ہے۔ ۱۷۔ کفار کے اقوال اور ان کا جواب: یعنی کوئی دلیل عقلی و نقلی تو انکے پاس اس دعوے پر نہیں۔ پھر کیا اللہ نے جب فرشتوں کو بنایا تو یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ مرد نہیں عورت بنایا ہے۔ بہت اچھا! انکی یہ گواہی دفتر اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ خدائی عدالت میں جس وقت پیش ہوں گے تب اس کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کہا تھا۔ اور کہاں سے کہا تھا۔

۱۸۔ اور لیجئے اپنی ان مشرکانہ گستاخیوں کے جواز و استحسان پر ایک دلیل عقلی بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمکو اپنے سوا دوسری چیزوں کی پرستش سے روک دیتا۔ جب ہم برابر کرتے رہے اور نہ روکا تو ثابت ہوا کہ یہ کام بہتر ہیں اور اسکو پسند ہیں۔

۱۹۔ مشیت اور رضامین لزوم نہیں: یعنی یہ تو سچ ہے کہ بدون خدا کے چاہے کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس چیز کا ہمارے حق میں بہتر ہونا اس سے نہیں نکلتا۔ ایسا ہو تو دنیا میں کوئی کام اور کوئی چیز بری ہی نہ رہے۔ سارا عالم خیر محض ہو جائے۔ شر کا بیج ہی دستیاب نہ ہو۔ ہر ایک جھوٹا اور ظالم و خونخوار یہ ہی کہہ دے گا کہ خدا نہ چاہتا تو مجھے ایسا ظلم و ستم نہ کرنے دیتا۔ جب کرنے نہ دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کام سے خوش اور راضی ہے۔ بہر حال مشیت اور رضامین لزوم ثابت کرنا کوئی علمی اصول نہیں محض اٹکل کے تیر ہیں۔ جس کا بیان آٹھویں پارہ کے نصف سے پہلے آیت سَبِّحُوْا لِلّٰہِ کَمَا تَوْحٰیۡہٗاۤ اَللّٰہُ مَاۤ اَشَہَدُ کُنَّا (انعام۔ ۱۳۸) الخ کے حواشی میں گذر چکا۔

۲۰۔ عقلی دلیل کا حال تو سن چکے۔ اسے چھوڑ کر کیا کوئی نقلی دلیل اپنے دعوے پر رکھتے ہیں؟ یعنی خدا کی اتاری ہوئی کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں ہے؟ جس میں شرک کا پسندیدہ ہونا لکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی سند ان کے پاس نہیں۔ پھر آگے باپ دادا کی اندھی تقلید کے سوا کیا باقی رہ گیا۔ وہ ہی ان کی سب سے زیادہ زبردست دلیل ہے جسکو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے آئے ہیں۔ آگے اسی کا بیان ہے۔

۲۱۔ باپ دادا کی اندھی تقلید کی مذمت: یعنی پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے اچھی راہ تمکو بتلا دوں تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہو گے۔

۲۲۔ کفار کا جواب: یعنی کچھ بھی ہو، ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ اور پرانا آبائی طریقہ ترک نہیں کر سکتے۔

۲۶۔ اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور اُس کی قوم کو میں الگ ہوں اُن چیزوں سے جنکو تم پوجتے ہو

وَاذْقَالَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ اِنِّيْۤ اَبْرَآءٌۭ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۷۔ مگر جس نے مجھ کو بنایا سو وہ مجھ کو راہ بھگائے گا [۲۳]

اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْۤ اِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ اور یہی بات پیچھے چھوڑ گیا اپنی اولاد میں تاکہ وہ رجوع رہیں [۲۴]

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۭ بَاقِيَةًۭ فِيْ عَقِبِهٖۤ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ کوئی نہیں پر میں نے برتنے دیا انکو اور اُنکے باپ دادوں کو یہاں تک کہ پہنچا اُنکے پاس دین سچا اور رسول کھول کر سنا دینے والا [۲۵]

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَاءِ وَاَبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌۭ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ اور جب پہنچا اُنکے پاس سچا دین کہنے لگے یہ جادو ہے اور ہم اُسکو نہ مانیں گے [۲۶]

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌۭ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

۲۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان توحید: یعنی صرف ایک خدا سے مجھے علاقہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہ ہی مجھے منزل مقصود کے راستہ پر آخر تک لے چلے گا۔ (تنبیہ) یہاں یہ قصہ اس پر بیان کیا کہ دیکھو تمہارے مُسَلَّم پیشوا نے باپ کی راہ غلط دیکھ کر چھوڑ دی تھی۔ تم بھی وہی کرو۔ اور اگر آباء و اجداد کی تقلید ہی پر مرتے ہو تو اس باپ کی راہ پر چلو جس نے دنیا میں حق و صداقت کا جھنڈا گاڑ دیا تھا اور اپنی اولاد کو وصیت کر گیا تھا کہ میرے بعد ایک خدا کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ کما قال تعالیٰ وَوَصَّيْ بِهَا اِبْرٰهِيْمَ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبَ (بقرہ-۱۳۲)

۲۴۔ یعنی ایک دوسرے سے توحید کا بیان اور دلائل سن کر راہ حق کی طرف رجوع ہوتا رہے۔

۲۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت: یعنی افسوس ابراہیم کی ارث حاصل نہ کی اور اسکی وصیت پر نہ چلے بلکہ اللہ نے جو دنیا کا سامان دیا تھا اسکے مزوں میں پڑ کر خداوند و قدوس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے یہاں تک کہ انکو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اپنا وہ پیغمبر بھیجا جسکی پیغمبری بالکل روشن اور واضح ہے۔ اس نے سچا دین پہنچایا، قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ کے احکام پر نہایت صفائی کے ساتھ مطلع کیا۔

۲۶۔ یعنی قرآن کو جادو بتلانے لگے۔ اور پیغمبر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

۳۱۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دونوں بستیوں میں کے [۲۷]

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نَزَّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍۭ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت کو [۲۸] ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی اُن کی دنیا کی زندگانی میں اور بلند کر دیے درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو خد متنگار [۲۹] اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں [۳۰]

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحِمْتَ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْعُونَ ﴿۳۲﴾

۲۷۔ مکہ اور طائف کے سرداروں پر قرآن کیوں نہیں اترا: یعنی اگر قرآن اترا نہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار پر اترا ہوتا یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ بڑے بڑے دولتمند سرداروں کو چھوڑ کر خدا نے منصب رسالت کیلئے ایک ایسے شخص کو چن لیا جو ریاست و دولت کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔

۲۸۔ یعنی نبوت و رسالت کے مناصب کی تقسیم کیا تمہارے ہاتھ میں دیدی گئی ہے جو انتخاب پر بحث کر رہے ہو۔

۲۹۔ روزی کی تقسیم: یعنی کسی کو غنی کسی کو فقیر کر دیا۔ ایک کو بے شمار دولت دے دی، ایک کو اس سے کم۔ کوئی تابع ہے کوئی متبوع۔

۳۰۔ یعنی نبوت و رسالت کا شرف تو ظاہری مال و جاہ اور دنیوی ساز و سامان سے کہیں اعلیٰ ہے۔ جب اللہ نے دنیا کی روزی ان کی تجویز پر نہیں بانٹی، پیغمبری انکی تجویز پر کیونکر دے آگے دنیا کے مال و دولت اور مادی سامان کا اللہ کے ہاں بے وقعت اور حقیر ہونا بیان کرتے ہیں۔

۳۳۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہو جائیں ایک دین پر تو ہم دیتے ان لوگوں کو جو منکر ہیں رحمن سے اُنکے گھروں کے واسطے چھت چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لَبْنٍ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقْفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور اُن کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں

وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرًّا عَلَيْهَا يَتَكُونُونَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ اور سونے کے [۳۱] اور یہ سب کچھ نہیں ہے مگر برتنا دنیا کی زندگانی کا اور آخرت تیرے رب کے یہاں اُنہی کیلئے ہیں جو ڈرتے ہیں [۳۲]

وَزُخْرَفًا ۗ وَإِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۵﴾

۳۱۔ مال و دولت کی حقیقت اللہ کی نظر میں: یعنی اللہ کے ہاں اس دنیوی مال و دولت کی کوئی قدر نہیں۔ نہ اس کا دیا جانا کچھ قرب و وجاہت عند اللہ کی دلیل ہے۔ یہ تو ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے، چوکھٹ، قفل، اور تخت چوکیاں سب چاندی اور سونے کی بنا دیتا۔ مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کہ کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا

ہے، عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے۔ (الاماشاء اللہ) اور یہ چیز مصلحت خداوندی کے خلاف ہو گی۔ اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے بازو کی برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ بھلا جو چیز خدا کے نزدیک اس قدر حقیر ہو اسے سیادت و وجاہت عند اللہ اور نبوت و رسالت کا معیار قرار دینا کہاں تک صحیح ہو گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا، کہیں تو اس کو آرام دے، آخرت میں تو دائمی عذاب ہے۔ کہیں تو آرام ملتا ہے۔ مگر ایسا ہو تو سب ہی وہ کفر کا راستہ پکڑ لیں۔

۳۲۔ یعنی دنیا کی بہار میں تو سب شریک ہیں مگر آخرت مع اپنی ابدی نعمت و آلاء کے متقین کے لئے مخصوص ہے۔

۳۱۔ اور جو کوئی آنکھیں چرائے رحمن کی یاد سے ہم اُس پر مقرر کر دیں ایک شیطان پھر وہ رہے اس کا ساتھی [۳۱]

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِيضٌ لَهُ

شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٣١﴾

۳۷۔ اور وہ اُنکو روکتے رہتے ہیں راہ سے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں [۳۷]

وَأَنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ

أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ یہاں تک کہ جب آئے ہمارے پاس کہے کسی طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو مشرق مغرب کا سا کہ کیا برا ساتھی ہے [۳۸]

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ

الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينٌ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ اور کچھ فائدہ نہیں تمکو آج کے دن جبکہ تم ظالم ٹھہر چکے اس بات سے کہ تم عذاب میں شامل ہو [۳۹]

وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ سو کیا تو سنائے گا بہروں کو یا سمجھائے گا اندھوں کو اور صریح غلطی میں بھٹکتوں کو

أَفَأَنْتَ تُسَبِّعُ الضُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ

فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٠﴾

۴۱۔ پھر اگر کبھی ہم تجھ کو یہاں سے لیجائیں تو ہمکو ان سے بدل لینا ہے

فَأَمَّا نَدُّهُبْنَبِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِبُونَ ﴿٤١﴾

۴۲۔ یا تجھ کو دکھا دیں جو ان سے وعدہ ٹھہرایا ہے تو یہ ہمارے بس میں ہیں

أَوْ نُزِينَنكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ

مُقْتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾



۲۳۔ سو تو مضبوط پکڑے رہ اسی کو جو تجھ کو حکم پہنچا تو ہے  
بیشک سیدھی راہ پر [۳۷]

فَاسْتَمْسِكْ بِالذِّمَىٰ اَوْحَىٰ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلَىٰ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۳۳﴾

۲۴۔ اور یہ مذکور رہے گا تیرا اور تیری قوم کا [۳۸] اور  
آگے تم سے پوچھ ہوگی [۳۹]

وَ اِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۳۴﴾

۲۵۔ اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے کبھی  
ہم نے رکھے ہیں رحمن کے سوائے اور حاکم کہ پوجے  
جائیں [۴۰]

وَسْـَٔلُ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا  
اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اِلٰهَةً يُعْبَدُوْنَ ۚ ﴿۳۵﴾

۳۳۔ ذکر الہی سے اعراض کی سزا: یعنی جو شخص سچی نصیحت اور یاد الہی سے اعراض کرتا رہتا ہے اس پر ایک شیطان خصوصی طور سے مسلط کر دیا جاتا ہے جو ہر وقت اغواء کرتا اور اسکے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ یہ شیطان دوزخ تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔  
۳۴۔ یعنی شیاطین انکو نیکی کی راہ سے روکتے رہتے ہیں، مگر ان کی عقلیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ اسی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں۔ بدی اور نیکی کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی۔

۳۵۔ کفار کا شیطان پر غصہ: یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر کھلے گا کہ کیسے برے ساتھی تھے۔ اس وقت حسرت اور غصہ سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا، اور ایک لمحہ تیری صحبت میں نہ گزرتا۔ کم بخت! اب تو مجھ سے دور ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی دنیا میں شیطان کے مشورہ پر چلتا ہے اور وہاں اسکی صحبت سے بچتا ہے گا۔ اس طرح کا ساتھی شیطان کسی کو جن ملتا ہے کسی کو آدمی۔  
۳۶۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس مصیبت میں عام طور پر چھوٹے بڑے سب شریک ہوں تو کچھ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ مشہور ہے۔ ”مرگ انبوه جشنے دارو“ مگر دوزخ میں تمام شاطین الانس والجن اور تابعین و متبوعین کا عذاب میں شریک ہونا کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ اس طرح کی سطحی باتوں سے تسلی اور تحفیف نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی کافر کہیں گے کہ انہوں نے ہمکو عذاب میں ڈلوا یا، خوب ہو ایہ بھی نہ بچے، لیکن اگر دوسرا بھی پکڑا گیا تو اسکو کیا فائدہ۔“

۳۷۔ اندھوں بہروں کو ہدایت دینا آپکے اختیار میں نہیں: یعنی اندھوں کو راہ حق دکھلا دینا یا بہروں کو حق کی آواز سنا دینا اور جو صریح غلطی اور گمراہی میں پڑے بھٹک رہے ہوں انکو تاریکی سے نکال کر سچائی کی صاف سڑک پر چلا دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے آپ کی آواز میں تاثیر پیدا کر دے۔ بہر حال آپ اس غم میں نہ رہئے کہ یہ سب لوگ حق کو کیوں نہیں قبول کرتے، اور کیوں اپنا انجام خراب کر رہے ہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔ وہ ہی انکے اعمال کی سزا دے گا۔ اگر آپکی وفات کے بعد دی تب اور آپ کو دکھلا کر دی تب، بہر صورت نہ ہمارے قابو سے نکل کر جاسکتے ہیں اور نہ ہم انکو سزا دیے بدون چھوڑیں گے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جو جی آئے اور جو حکم ملے اس پر مضبوطی کے ساتھ چمے رہیں اور برابر اپنا فرض ادا کئے جائیں۔ کیونکہ دنیا کہیں اور کسی راستہ پر جائے، آپ اللہ کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں جس سے ایک قدم ادھر ادھر ہٹنے کی ضرورت نہیں نہ کسی ہو اپرست کی خواہش و آرزو کی طرف التفات کرنے کی حاجت ہے۔

۳۸۔ قرآن کریم نعمت عظمیٰ ہے: یعنی قرآن کریم تیرے اور تیری قوم کے لئے خاص فضل و شرف کا سبب ہے۔ اس سے بڑی عزت اور خوش نصیبی کیا ہوگی کہ اللہ کا کلام اور ساری دنیا کی نجات و فلاح کا ابدی دستور العمل اُنکی زبان میں اترا اور وہ اُسکے اولین مخاطب قرار پائے۔ اگر عقل

ہو تو یہ لوگ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کریں۔ اور قرآن جو ان سب کیلئے بیش بہا نصیحت نامہ ہے۔ اسکی ہدایات پر چل کر سب سے پہلے دنیوی و اخروی سعادتوں کے مستحق ہوں۔

۳۹۔ یعنی آگے چل کر پوچھ ہوگی کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی کیا قدر کی تھی؟ اور اس فضل و شرف کا کیا شکر ادا کیا تھا؟

۴۰۔ کسی نبی نے شرک کی تعلیم نہیں دی: یعنی آپ کا راستہ وہی ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کا تھا۔ شرک کی تعلیم کسی نبی نے نہیں دی نہ اللہ تعالیٰ نے کسی دین میں اس بات کو جائز رکھا کہ اس کے سوا دوسرے کی پرستش کی جائے۔ اور یہ ارشاد کہ ”پوچھ دیکھو“ یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو (جیسے شب معراج میں ہوئی) یا انکے احوال کتابوں سے تحقیق کرو۔ بہر حال جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں انکو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔

۴۶۔ اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس تو کہا میں بھیجا ہوا ہوں جہاں کے رب کا

وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَ  
مَلَائِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾

۴۷۔ پھر جب لایا انکے پاس ہماری نشانیاں وہ تو لگے ان پر بننے [۳۷]

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٣٧﴾

۴۸۔ اور جو دکھاتے گئے ہم انکو نشانیاں سو پہلی سے بڑی [۳۸] اور پکڑا ہم نے انکو تکلیف میں تاکہ وہ باز آئیں [۳۹]

وَ مَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۗ  
وَ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٣٨﴾

۴۹۔ اور کہنے لگے اے جادوگر [۴۰] پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو جیسا سکھلا رکھا ہے تجھ کو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے [۴۱]

وَ قَالُوا يَا أَيُّهُ السِّحْرُ اذْعُ لَنَا رَبِّكَ بِمَا عٰهَدَ  
عِنْدَكَ ۚ إِنَّا لَنَنهْتَدُونَ ﴿٣٩﴾

۵۰۔ پھر جب اٹھالی ہم نے ان پر سے تکلیف تھی وہ وعدہ توڑ ڈالتے [۴۲]

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ  
يَنْكُثُونَ ﴿٤٠﴾

۵۱۔ اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں بولا اے میری قوم بھلا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی اور یہ نہریں چل رہی ہیں میرے محل کے نیچے کیا تم نہیں دیکھتے [۴۳]

وَ نَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي  
مُلْكُ مِصْرَ ۚ وَ هَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۚ

أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٤١﴾

۵۲۔ بھلا میں ہوں بھی بہتر اس شخص سے جسکو کچھ عزت نہیں اور صاف نہیں بول سکتا [۴۸]

يُبَيِّنُ ﴿٥٢﴾

۵۳۔ پھر کیوں نہ آپڑے اس پر کنگن سونے کے یا آتے اسکے ساتھ فرشتے پر اباندھ کر [۴۹]

أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۗ وَلَا يَكَادُ

فَلَوْلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ آسُورَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ

مَعَهُ الْمَلِيكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ پھر عقل کھودی اپنی قوم کی پھر اسی کا کہنا مقرر وہ تھے لوگ نافرمان [۵۰]

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاطَاعُوهُ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

فَسِيقِينَ ﴿٥٤﴾

۵۵۔ پھر جب ہم کو غصہ دلایا [۵۱] تو ہم نے اُن سے بد لایا پھر ڈبو دیا اُن سب کو

فَلَبَّا أَسْفُونًا اُنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ

أَجْمَعِينَ ﴿٥٥﴾

۵۶۔ پھر کر ڈالا اُنکو گئے گزرے اور ایک نظیر پچھلوں کے واسطے [۵۲]

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿٥٦﴾

۴۱۔ یعنی معجزات کا مذاق اڑانے لگے۔

۴۲۔ یعنی ایک سے ایک بڑھ کر نشان اپنی قدرت کا اور موسیٰ کی صداقت کا دکھلایا۔

۴۳۔ یعنی آخر وہ نشان بھیجے جو ایک طرح کے عذاب کا رنگ اپنے اندر رکھتے تھے۔ جیسا کہ سورہ "اعراف" میں گذرا "فَاذْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَ الْجُرَادَ وَ النَّقْلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (اعراف- ۱۳۳) غرض یہ تھی کہ ڈر کر اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

۴۴۔ "ساحر" انکے محاورات میں عالم کو کہتے تھے۔ کیونکہ بڑا علم انکے نزدیک یہ ہی سحر تھا۔ شاید اس خوشامد اور لجاجت کی وقت حضرت موسیٰ کو بظاہر تعظیمی لقب سے پکارا ہوا اور خبث باطن سے اشارہ اس طرف بھی کیا ہو کہ ہم تجھ کو نبی اب بھی نہیں سمجھتے۔ صرف ایک ماہر جادو گر سمجھتے ہیں۔

۴۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست: یعنی تیرے رب نے جو طریقہ دعا کا بتلایا ہے اور جو کچھ تجھ سے عہد کر رکھا ہے اس کے موافق ہمارے حق میں دعا کر کہ یہ عذاب ہم سے دفع ہو۔ اگر تیری دعا سے ایسا ہو گا تو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔ اور تیری بات مان لیں گے۔

۴۶۔ یعنی جہاں تکلیف رفع ہوئی اور مصیبت کی گھڑی ختم ہوئی، ایک دم اپنے قول و قرار سے پھر گئے، گویا کچھ وعدہ کیا ہی نہ تھا۔

۴۷۔ فرعون کا اپنی قوم سے خطاب: اُس گرد و پیش کے ملکوں میں مصر کا حاکم بہت بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اور نہریں اسی نے بنائی تھی۔ دریائے نیل کا پانی کاٹ کر اپنے باغ میں لایا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ سامانوں کی موجودگی میں کیا ہماری حیثیت ایسی ہے کہ موسیٰ جیسے معمولی حیثیت والے آدمی کے سامنے گردن جھکا دیں۔

۴۸۔ یعنی موسیٰ کے پاس نہ روپیہ نہ پیسہ، نہ حکومت نہ عزت، نہ کوئی ظاہری کمال، حتیٰ کہ بات کرتے ہوئے بھی زبان پوری طرح صاف نہیں چلتی۔  
۴۹۔ فرعون کے کنگن: کہتے ہیں کہ وہ خود جو اہرات کے کنگن پہنتا تھا اور جس امیر وزیر پر مہربان ہوتا سونے کے کنگن پہناتا تھا۔ اور اسکے سامنے فوج پر اباندھ کر کھڑی ہوتی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کسی کو عزت دیتے ہیں تو ایسا کرتے ہیں۔ کیا خدا کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیجے تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کنگن اور جلو میں فرشتوں کی فوج بھی نہ ہو۔

۵۰۔ قوم فرعون کی حماقت: یعنی اپنی ابلہ فریب باتوں سے قوم کو الو بنایا وہ سب احمق اسی کی بات ماننے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی طبائع میں خدا کی نافرمانی پہلے سے رچی ہوئی تھی، اوگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ ہو گیا۔

۵۱۔ یعنی وہ کام کئے جن پر عادتاً خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔

۵۲۔ یعنی پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے ان کا قصہ ایک عبرتناک نظیر کے طور پر بیان ہوتا ہے۔

۵۷۔ اور جب مثال لائے مریم کے بیٹے کی تنہی قوم تیری اس سے چلانے لگتے ہیں

وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ

يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾

۵۸۔ اور کہتے ہیں ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ [۵۳] یہ مثال جو ڈالتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو بلکہ یہ لوگ ہیں جھگڑالو

وَقَالُوا يَا إِلَهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوكَ لَكَ إِلَّا

جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصُونَ ﴿٥٨﴾

۵۹۔ وہ کیا ہے ایک بندہ ہے کہ ہم نے اس پر فضل کیا اور کھڑا کر دیا اسکو بنی اسرائیل کے واسطے [۵۴]

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا

لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾

۶۰۔ اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے رہیں زمین میں تمہاری جگہ [۵۵]

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ

يَخْلِفُونَ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ اور وہ نشان ہے قیامت کا [۵۶] سو اس میں شک مت کرو اور میرا کہا مانو یہ ایک سیدھی راہ ہے

وَإِنَّهُ لَعَلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرَنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ

هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾

۶۲۔ ورنہ روک دے تم کو شیطان وہ تو تمہارا دشمن ہے صریح [۵۷]

وَلَا يَصِدَّنَكُمْ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ اور جب آیا عیسیٰ نشانیاں لے کر بولا میں لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں [۵۸] اور بتلانے کو بعضی وہ چیز جس میں تم جھگڑتے تھے [۵۹] سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ  
بِالْحِكْمَةِ وَابَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ  
فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

۶۴۔ بیشک اللہ جو ہے وہی ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسی کی بندگی کرو یہ ایک سیدھی راہ ہے [۶۰]

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ  
مُّسْتَقِيمٌ

۶۵۔ پھر پھٹ گئے کتنے فرقے انکے بیچ سے [۶۱] سو خرابی ہے گنہگاروں کو آفت سے دکھ والے دن کی

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ  
لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ إِلِيمٍ

۵۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر کفار کا شور: حضرت مسیح کا جب ذکر آتا تو عرب کے مشرکین خوب شور مچاتے اور قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (انبیاء۔ ۹۸) کہنے لگے نصاریٰ حضرت مسیح کی عبادت کرتے ہیں۔ اب بتاؤ! تمہارے خیال میں ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیح۔ ظاہر ہے تم مسیح کو اچھا کہو گے جب وہ ہی (معاذ اللہ) آیت کے عموم میں داخل ہوئے تو ہمارے معبود بھی سہی۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا لَيْسَ اَحَدٌ يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فِيْهِ حَيٌّ۔ کہنے لگے کیا مسیح میں بھی کوئی خیر اور بھلائی نہیں؟ ظاہر ہے کہ آیت کا اور حضور ﷺ کے ان الفاظ کا مطلب ان چیزوں سے متعلق تھا جن کی پرستش لوگ کرتے ہیں اور وہ انکو اس سے نہیں روکتے اور اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کرتے۔ مگر ان معترضین کا منشاء تو محض جھگڑے نکالنا اور کٹ جتنی کر کے رانا تھا۔ اس لئے جان بوجھ کر ایسے معنی پیدا کرتے تھے جو مراد متکلم کے مخالف ہوں۔ کبھی کہتے تھے کہ بس معلوم ہو گیا آپ بھی اسی طرح ہم سے اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں جیسے نصاریٰ حضرت مسیح کی کرتے ہیں۔ شاید کبھی یہ بھی کہتے ہوں گے کہ خود قرآن نے حضرت مسیح کی مثل یہ بیان کی ہے اِنَّ مَثَلِ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (ال عمران۔ ۵۹) اب دیکھ لو ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیح؟ انہیں کیوں بھلائی سے یاد کرتے ہو؟ اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ اور خدا جانے کیا کیا کچھ کہتے ہوں گے۔ ان سب باتوں کا جواب آگے دیا گیا ہے۔

۵۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے آئے تھے: یعنی کچھ اسی ایک مسئلہ میں نہیں ان کی طبیعت ہی جھگڑا واقع ہوئی ہے سیدھی اور صاف بات کبھی ان کے دماغوں میں نہیں اترتی۔ یوں ہی مہمل بحثیں اور دوراز کار جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔ بھلا کہاں وہ شیاطین جو لوگوں سے اپنی عبادت کراتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں یا وہ پتھر کی بے جان مور تیں جو کسی کو کفر و شرک سے روکنے پر اصلاً قدرت نہیں رکھتیں۔ اور کہاں وہ خدا کا مقبول بندہ جس پر اللہ نے خاص فضل فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے واسطے کھڑا کیا جس کو اپنے بندہ ہونے کا اقرار تھا اور جو اپنی امت کو اسی چیز کی طرف بلاتا تھا۔ کہ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاَعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (مریم۔ ۳۶) کیا اس مقبول

بندہ کو العیاذ باللہ حَصَبٌ جَهَنَّمَ يَا لَيْسَ فِيهِ حَيٌّ کہا جاسکتا ہے؟ یا یہ پتھر کی مورتیاں اس کی ہمسری کر سکتی ہیں۔ یاد رکھو! قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا۔ اس کا سارا جہاد ہی اس مضمون کے خلاف ہے۔ ہاں یہ کبھی نہیں کر سکتا کہ محض امتوں کے خدا بنا لینے سے ایک مقرب و مقبول بندہ کر پتھروں اور شریروں کے برابر کر دے۔

۵۵۔ یعنی عیسیٰ میں آثار فرشتوں کے سے تھے (جیسا کہ سورہ مائدہ، آل عمران اور کہف کے فوائد میں اشارہ کیا جا چکا ہے) اتنی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ اگر ہم چاہیں تو تمہاری نسل سے ایسے لوگ پیدا کریں یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں ہی کو لا کر زمین پر آباد کر دیں۔ ہم کو سب قدرت حاصل ہے۔

۵۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کا نشان ہیں: یعنی حضرت مسیحؑ کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا کہ بدون باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب و غریب معجزات دکھائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہو گا۔ ان کے نزول سے لوگ معلوم کر لیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آگئی ہے۔

۵۷۔ یعنی قیامت کے آنے میں شک نہ کرو۔ اور جو سیدھی راہ ایمان و توحید کی بتلا رہا ہوں اس پر چلے آؤ۔ مبادا تمہارا ازلی دشمن شیطان تم کو اس راستہ سے روک دے۔

۵۸۔ یعنی سچی باتیں دانائی اور حکمت کی۔

۵۹۔ یعنی دینی باتیں۔ یا بعض وہ چیزیں جن کو شریعت موسویہ نے حرام ٹھہرایا تھا ان کا حلال ہونا بیان کرتا ہوں۔ کما قالَ وَلَا جِلَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران۔ ۵۰)

۶۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم توحید: یہ تعلیم تھی حضرت مسیحؑ کی۔ دیکھ لو کیسی صفائی سے خدائے واحد کی ربوبیت اور معبودیت کو بیان فرمایا ہے اور اسی توحید اور ارتقاء و اطاعت رسول کو صراط مستقیم قرار دیا ہے۔

۶۱۔ یعنی اختلاف پڑ گیا۔ یہود انکے منکر ہوئے اور نصاریٰ قائل ہوئے۔ پھر نصاریٰ آگے چل کر کئی فرقے بن گئے، کوئی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتلاتا ہے۔ کوئی انکو تین خداؤں میں کا ایک کہتا ہے، کوئی کچھ اور کہتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی اصلی تعلیم پر ایک بھی نہیں۔

۶۲۔ اب یہی ہے کہ راہ دیکھتے ہیں قیامت کی کہ آکھڑی ہوان پر اچانک اور انکو خبر بھی نہ ہو [۶۲]

هُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر جو لوگ ہیں ڈروالے [۶۳]

الْمُتَّقِينَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم غمگین ہو گے [۶۴]

تَحْزَنُونَ ﴿٦٤﴾

۶۹۔ جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم بردار [۶۵]

۷۰۔ چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں کہ تمہاری عزت کریں

۷۱۔ لئے پھریں گے انکے پاس رکابیاں سونے کی اور آنجورے [۶۶] اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پائیں [۶۷] اور تم ان میں ہمیشہ رہو گے

۷۲۔ اور وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے میں ان کاموں کے جو کرتے تھے [۶۸]

۷۳۔ تمہارے واسطے ان میں بہت میوے ہیں ان میں سے کھاتے رہو [۶۹]

۷۴۔ البتہ جو لوگ گنہگار ہیں وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

۷۵۔ نہ ہلکا ہوتا ہے ان پر سے اور وہ اسی میں پڑے ہیں آس ٹوٹے [۷۰]

۷۶۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن تھے وہی بے انصاف [۷۱]

۷۷۔ اور پکاریں گے اے مالک کہیں ہم پر فیصل کر چکے تیرا رب [۷۲] وہ کہے گا تمکو ہمیشہ رہنا ہے [۷۳]

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾

أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَآزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۗ وَ فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۗ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾

إِنَّ الْجُرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾

لَا يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾

وَنَادُوا يٰئِيلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۗ قَالَ إِنَّكُمْ

مُكْشَوْنَ ﴿٧٧﴾

۶۲۔ کیا قیامت کے منتظر ہیں: ایسے ایسے کھلے بیانات اور واضح ہدایات کے باوجود بھی لوگ نہیں مانتے آخر وہ کاہے کے منتظر ہیں۔ انکے احوال کو دیکھ کر یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ بس قیامت ایک دم انکے سر پر آکھڑی ہو۔ تب مانیں گے۔ حالانکہ اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ دے گا۔

۶۳۔ قیامت کا حال: اس دن دوست دوست سے بھاگے گا کہ اس کے سبب سے کہیں میں نہ پکڑا جاؤں۔ دنیا کی سب دوستیاں اور محبتیں منقطع ہو جائیں گی۔ آدمی پچھتائے گا کہ فلاں شری آدمی سے دوستی کیوں کی تھی جو اس کے اکسانے سے آج گرفتار مصیبت ہونا پڑا۔ اس وقت بڑا اگر مجوش

محب محبوب کی صورت دیکھنے سے بیزار ہو گا۔ البتہ جن کی محبت اور دوستی اللہ کے واسطے تھی اور اللہ کے خوف پر مبنی تھی وہ کام آئے گی۔  
۶۳۔ یعنی نہ آگے کا ڈر، نہ پیچھے کا غم۔

۶۵۔ ایمان اور اسلام کا فرق: یعنی دل سے یقین کیا اور جو ارح سے اس کے حکم بردار رہے۔ یہاں سے ایمان اور اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔  
جیسا کہ حدیث جبریل میں اس کا مفصل بیان ہوا ہے۔

۶۶۔ جنت کی نعمتیں: یعنی غلمان لئے پھریں گے۔

۶۷۔ سب سے اعلیٰ چیز جس سے آنکھیں آرام پائیں گی وہ دیدار ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کا (رزقنا اللہ بفضله ومنہ)

۶۸۔ اعمال کا بدلہ جنت: یعنی تمہارے باپ آدم کی میراث واپس مل گئی، تمہارے اعمال کے سبب سے اور اللہ کے فضل سے۔

۶۹۔ یعنی جن جن کر۔

۷۰۔ اہل جہنم کا دائمی عذاب: یعنی عذاب نہ کسی وقت ملتوی ہو گا نہ ہلکا کیا جائے گا۔ دوزخی ناامید ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔

۷۱۔ جہنم کا یہ عذاب ظلم نہیں ہے: یعنی ہم نے دنیا میں بھلائی برائی کے سب پہلو سمجھا دیے تھے اور پیغمبروں کو بھیج کر جنت تمام کر دی تھی۔ کوئی معقول عذر انکے لئے باقی نہیں چھوڑا تھا۔ اس پر بھی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ ایسوں کو سزا دیجائے تو ظلم کون کہہ سکتا ہے۔

۷۲۔ داروغہ جہنم مالک: ”مالک“ نام ہے فرشتہ کا جو دوزخ کا داروغہ ہے۔ دوزخی اس کو پکاریں گے کہ ہم نہ مرتے ہی ہیں نہ چھوٹے ہیں۔ اپنے رب سے کہہ کر ایک دفعہ عذاب دے کر ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ گویا نجات سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کریں گے۔

۷۸۔ ہم لائے ہیں تمہارے پاس سچا دین پر تم بہت لوگ سچی بات سے برا مانتے ہو [۷۸]

لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ

كِرْهُونَ ﴿٧٨﴾

۷۹۔ کیا انہوں نے ٹھہرائی ہے ایک بات تو ہم بھی کچھ ٹھہرائیں گے [۷۹]

أَمْ أَبْرِمُوا أَمْ رَأَيْنَا مَبْرُمُونَ ﴿٧٩﴾

۸۰۔ کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے ان کا بھید اور ان کا مشورہ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے انکے پاس لکھتے رہتے ہیں [۸۰]

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ط

بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

۸۱۔ تو کہہ اگر ہو رحمن کے واسطے اولاد تو میں سب سے پہلے پوجوں [۸۱]

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَكَدَّ ؕ فَإِنَّا أَوْلَىٰ

الْعَبِيدِ ﴿٨١﴾

۸۲۔ پاک ذات ہے وہ رب آسمانوں کا اور زمین کا صاحب

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا



عرش کا ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں [۷۸]

يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾

۸۳۔ اب چھوڑ دے انکو بک بک کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ ملیں اپنے اس دن سے جس کا انکو وعدہ دیا ہے [۷۹]

فَذَرَّهُمْ يُخَوِّضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ

الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾

۸۴۔ اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں اور اسکی بندگی ہے زمین میں اور وہی ہے حکمت والا سب سے خبردار [۸۰]

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ وَهُوَ

الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾

۸۵۔ اور بڑی برکت ہے اسکی جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے اور اسی کے پاس ہے خبر قیامت کی [۸۱] اور اسی تک پھر کر پہنچ جاؤ گے [۸۲]

وَتَبَرَّكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهَا عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَإِلَيْهِ

تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾

۸۶۔ اور اختیار نہیں رکھتے وہ لوگ جنکو یہ پکارتے ہیں سفارش کا مگر جس نے گواہی دی سچی اور انکو خبر تھی [۸۳]

وَلَا يَبْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ

إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

۸۷۔ اور اگر تو ان سے پوچھے کہ انکو کس نے بنایا تو کہیں گے اللہ نے پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں [۸۴]

وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولَنَّ اللَّهُ فَاَنَّىٰ

يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾

۸۸۔ قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے رب یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے [۸۵]

وَقِيلَهُ يَرْبِّ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

۸۹۔ سو تو منہ پھیر لے انکی طرف سے اور کہہ سلام ہے [۸۶] اب آخر کو معلوم کر لیں گے [۸۶]

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

۷۳۔ مالک کا جواب: یعنی چلانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تمکو اسی حالت میں ہمیشہ رہنا ہے۔ کہتے ہیں دوزخی ہزار برس چلائیں گے تب وہ جواب

دے گا۔

۷۴۔ یعنی وہ سزا اس جرم پر ملی کہ تم میں کے اکثر سچائی سے چڑتے تھے اور بہت سے اندھوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے تھے۔

۷۵۔ کفار کے منصوبے: کفار عرب پیغمبر کے مقابلہ میں طرح طرح کے منصوبے گانٹھتے اور تدبیریں کرتے تھے۔ مگر اللہ کی خفیہ تدبیر ان کے سب منصوبوں پر پانی پھیر دیتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”کافروں نے ملکر مشورہ کیا کہ تمہارے تغافل سے اس نبی کی بات بڑھی آئندہ جو اس دین میں آئے اسی کے رشتہ دار اس کو مارا کر لٹا پھیریں اور جو اجنبی شخص شہر میں آئے اسکو پہلے سنا دو کہ اس شخص کے پاس نہ بیٹھے۔“ یہ بات انہوں نے ٹھہرائی اور اللہ نے ٹھہرایا انکو ذلیل و رسوا کرنا اور اپنے دین اور پیغمبر کو عروج دینا۔ آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا۔

۷۶۔ یعنی انکے دلوں کے بھید ہم جانتے اور انکے خفیہ مشورے ہم سنتے ہیں۔ اور حکومت کے انتظامی ضابطہ کے موافق ہمارے فرشتے (کرائے کا تبین) انکے سب اعمال و افعال لکھتے جاتے ہیں۔ یہ ساری مسل قیامت میں پیش ہوگی۔

۷۷۔ اگر اللہ کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلا عابد ہوتا: یعنی اس سے بڑا ظلم کیا ہو گا کہ اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی جائیں آپ کہہ دیجئے کہ اگر بفرض محال خدا کے اولاد ہو تو پہلا شخص میں ہوں جو اسکی اولاد کی پرستش کرے۔ کیونکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔ اور جسکو جس قدر علاقہ خدا کے ساتھ ہو گا اسی نسبت سے اس کی اولاد کے ساتھ ہونا چاہئے۔ پھر جب میں باوجود اول العابدین ہونے کے کسی ہستی کو اس کی اولاد نہیں مانتا تو تم کون سے اللہ کا حق ماننے والے ہو جو اس کی فرضی اولاد تک کے حقوق پچھاؤ گے۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ اگر تمہارے اعتقاد میں اللہ کی کوئی اولاد ہے تو یاد رکھو! کہ میں تمہارے مقابلہ میں اس اکیلے خدا کی عبادت کرنے والا ہوں جو اولاد و احفاد سے منزہ و مقدس ہے۔ بعض نے ”عابد“ کے معنی لغتاً جاحد (منکر) کے بتلائے ہیں۔ یعنی اس فاسد عقیدہ کا سب سے پہلا انکار کرنے اور رد کرنے والا میں ہوں۔ بعض کے نزدیک ”ان“ نافیہ ہے۔ یعنی رحمان کے کوئی اولاد نہیں۔ مگر یہ کچھ زیادہ قوی نہیں۔ اور بھی احتمالات ہیں جنکے استیجاب کا یہاں موقع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷۸۔ یعنی جن باتوں کی نسبت یہ لوگ اسکی طرف کرتے ہیں مثلاً اولاد وغیرہ، اس سے خدا تعالیٰ کی ذات برتر اور منزہ ہے۔ اسکی ذات میں یہ امکان ہی نہیں کہ معاذ اللہ کسی کا باپ یا بیٹا بنے۔

۷۹۔ یعنی غفلت و حماقت کے نشہ میں جو کچھ بکتے ہیں بکنے دیجئے، یہ لوگ چند روز اور دنیا کے کھیل تماشے میں گزار لیں، آخر وہ موعود دن آنا ہے جس میں ایک ایک کر کے ان کی گستاخیوں اور شرارتوں کا مزہ چکھایا جائے گا۔

۸۰۔ زمین و آسمان میں اللہ ہی معبود ہے: نہ آسمان میں فرشتے اور شمس و قمر معبود بن سکتے ہیں نہ زمین میں اصنام و اوثان وغیرہ۔ سب زمین و آسمان والوں کا معبود اکیلا وہ ہی خدا ہے جو فرش سے عرش تک کا مالک اور تمام عالم کون میں اپنے علم و اختیار سے متصرف ہے۔

۸۱۔ یعنی قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اسی مالک کو ہے۔

۸۲۔ یعنی وہاں پہنچ کر سب کی نیکی بدی کا حساب ہو جائے گا۔

۸۳۔ اللہ کے آگے سفارش کا حق: یعنی اتنی سفارش کر سکتے ہیں کہ جس نے انکے علم کے موافق کلمہ اسلام کہا اس کی گواہی دیں۔ بغیر کلمہ اسلام کسی کے حق میں ایک حرف سفارش کا نہیں کہہ سکتے اور اتنی سفارش بھی صالحین کریں گے جو سچائی کو جانتے اور اسکو زبان و دل سے مانتے ہیں دوسروں کو اجازت نہیں۔

۸۴۔ انکا خالق کون ہے: یعنی جب بنانے والا ایک اللہ ہے تو بندگی کا مستحق کوئی دوسرا کیونکر ہو گیا۔ عبادت نام ہے انتہائی تذلل کا۔ وہ اسی کا حق ہونا چاہئے جو انتہائی عظمت رکھتا ہے۔ عجیب بات مقدمات کو تسلیم کرتے ہیں اور نتیجہ سے انکار۔

۸۵۔ رسول اللہ کے قول کی قسم: یعنی نبی کا یہ کہنا بھی اللہ کو معلوم ہے اور اسکی اس مخلصانہ التجاء اور درد بھری آواز کی اللہ قسم کھاتا ہے کہ وہ اسکی ضرور مدد کرے گا اور اپنی رحمت سے اسکو غالب و منصور کرے گا۔

۸۶۔ یعنی غم نہ کھا، اور زیادہ ان کے پیچھے نہ پڑ۔ فرض تبلیغ ادا کر کے ادھر سے منہ پھیر لے اور کہہ دے کہ اچھا نہیں مانتے تو ہمارا سلام لو۔

۸۷۔ یعنی آخر کار انکو پتہ لگ جائے گا کہ کس غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں لگ گیا اور پوری تکمیل آخرت میں ہونے والی ہے۔

تم سورة الزخرف بعون اللہ و توفیقہ فللہ الحمد والمنة

## رکوعاتھا ۳

## ۲۲ سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۶۲

## آیاتھا ۹

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ حم۔

حَمَّ

۲۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی

وَ الْكِتَابِ الْبَيِّنِ

۳۔ ہم نے اسکو اتارا ایک برکت کی رات میں [۱] ہم ہیں کہہ سنانے والے [۲]

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبْرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنذِرِيْنَ

۴۔ اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ

۵۔ حکم ہو کر ہمارے پاس سے [۳] ہم ہیں بھیجنے والے [۴]

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ

۶۔ رحمت سے تیرے رب کی وہی ہے سننے جاننے والا [۵]

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ

۷۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے اگر تمکو یقین ہے [۶]

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ

مُوقِنِيْنَ

۸۔ کسی کی بندگی نہیں سوائے اسکے جلاتا ہے اور مارتا ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا [۷]

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِ وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اَبَائِكُمْ

الْاٰوٰلِيْنَ

۹۔ کوئی نہیں وہ دھوکے میں ہیں کھیلنے [۸]

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ

۱۔ شب قدر میں قرآن کا نزول: ”برکت کی رات“ شب قدر ہے۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر۔ ۱) جو رمضان میں واقع ہے لقولہ تعالیٰ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ (بقرہ۔ ۱۸۵) اس رات میں قرآن کریم لوح محفوظ سے سمائے دنیا پر اتارا گیا۔ پھر بتدریج تیس سال میں پیغمبر پر اترا۔ نیز اسی شب میں پیغمبر پر اسکے نزول کی ابتداء ہوئی۔

۲۔ یعنی کہہ سنانا ہمیشہ ہمارا دستور رہا ہے۔ اسی کے موافق یہ قرآن اتارا۔

۳۔ قضا و قدر کے فیصلوں کی رات: یعنی سال بھر کے متعلق قضاء و قدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں ”لوح محفوظ“ سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینات میں کام کرنے والے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعبان کی پندرہویں رات ہے جسے شب برآة کہتے ہیں۔ ممکن ہے وہاں سے اس کام کی ابتداء اور شب قدر پر انتہا ہوتی ہو۔ واللہ اعلم۔

۴۔ یعنی فرشتوں کو ہر کام پر جو ان کے مناسب ہو۔ چنانچہ جبریل کو قرآن دیکر محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔

۵۔ یعنی تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے اور انکی پکار سنتا ہے۔ اسی لئے عین ضرورت کے وقت خاتم النبیین ﷺ کو قرآن دے کر اور عالم کے لئے رحمت کبریٰ بنا کر بھیج دیا۔

۶۔ اللہ کی رُبُوبیت: یعنی اگر تم میں کسی چیز پر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلی چیز یقین رکھنے کے قابل اللہ کی رُبُوبیت عامہ ہے۔ جس کے آثار ذرہ ذرہ میں روز روشن سے زیادہ ہوید اہیں۔

۷۔ یعنی جس کے قبضہ میں مارنا جلانا اور وجود و عدم کی باگ ہو۔ اور سب اولین و آخرین جس کے زیر تربیت ہوں۔ کیا اسکے سوا دوسرے کی بندگی جائز ہو سکتی ہے؟ یہ ایک ایسی صاف حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔

۸۔ کفار دھوکے میں ہیں: یعنی ان واضح نشانات اور دلائل کا اقتضاء تو یہ تھا کہ یہ لوگ مان لیتے، مگر پھر بھی نہیں مانتے، بلکہ وہ توحید و غیرہ عقائد حقہ کی طرف سے شک میں پڑے ہیں۔ اور دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں۔ آخرت کی فکر نہیں جو حق کو طلب کریں اور اس میں غور و فکر سے کام لیں۔ یہ اس دھوکے میں ہیں کہ ہمیشہ یوں ہی رہنا ہے، خدا کے سامنے کبھی پیشی نہیں ہوگی۔ اسی لئے نصیحت کی باتوں کو ہنسی کھیل میں اڑا دیتے ہیں۔

۱۰۔ سو تو انتظار کر اس دن کا کہ لائے آسمان دھواں  
صریح

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾

۱۱۔ جو گھیر لیوے لوگوں کو یہ ہے عذاب دردناک [۹]

يَغْشى النَّاسُ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

۱۲۔ اے رب کھول دے ہم پر سے یہ عذاب ہم یقین  
لاتے ہیں [۱۰]

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ کہاں ملے انکو سمجھنا اور آچکا انکے پاس رسول کھول کر  
سنانے والا

أَنِّي لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾

۱۴۔ پھر اس سے پیڑھے پھیری اور کہنے لگے سکھایا ہوا ہے  
باؤلا [۱۱]

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿١٤﴾

۱۵۔ ہم کھولے دیتے ہیں یہ عذاب تھوڑی مدت تک تم  
پھر وہی کرو گے [۱۲]

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾

۱۶۔ جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ تحقیق ہم بدلا لینے  
والے ہیں [۱۳]

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

۹۔ دُخَانَ بُمِینَ کیا ہے: ”دھوس“ سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں سلف کے دو قول ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا۔ جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا۔ نیک آدمی کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا جس سے زکام سا ہو جائے گا۔ اور کافر و منافق کے دماغ میں گھس کر بے ہوش کر دے گا۔ وہ ہی یہاں مراد ہے شاید یہ دھواں وہ ہی ساوات کا مادہ ہو جس کا ذکر تَمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (حم السجدة۔ ۱۱) میں ہوا ہے۔ گویا آسمان تحلیل ہو کر اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرنے لگیں گے اور یہ اسکی ابتداء ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور ابن مسعودؓ زور شور کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ دھواں نہیں جو علامات قیامت میں سے ہے۔ بلکہ قریش کے تہر دو طغیان سے تنگ آ کر نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ان پر بھی سات سال کا قحط مسلط کر دے جیسے یوسفؑ کے زمانہ میں مصریوں پر مسلط ہوا تھا۔ چنانچہ قحط پڑا جس میں مکہ والوں کو مردار اور چڑے ہڈیاں کھانے کی نوبت آگئی غالباً اسی دوران میں ”یمامہ“ کے رئیس ثمامہ ابن اثالؓ مشرف باسلام ہوئے اور وہاں سے غلہ کی جو بھرتی مکہ کو جاتی تھی بند کر دی۔ غرض اہل مکہ بھوکوں مرنے لگے اور قاعدہ ہے کہ شدت کی بھوک اور مسلسل خشک سالی کے زمانہ میں جو یعنی زمین و آسمان کے درمیان دھواں سا آنکھوں کے سامنے نظر آیا کرتا ہے اور ویسے بھی مدت دراز تک بارش بند رہنے سے گرد و غبار وغیرہ چڑھ کر آسمان پر دھواں سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اسکو یہاں دُخَانَ سے تعبیر فرمایا۔ اس تقدیر پر یُعْشَى النَّاسَ میں لوگوں سے مراد مکہ والے ہوں گے۔ گویا یہ ایک پیشین گوئی تھی۔ کمیل علیہ قولہ فَازْتَقَبْ جو پوری ہوئی۔

۱۰۔ عذاب کے وقت کفار کی توبہ: یعنی اس عذاب میں مبتلا ہو کر یوں کہیں گے کہ اب تو اس آفت سے نجات دیجئے آگے کو ہماری توبہ! ہم کو اب یقین آگیا پھر شرارت نہ کریں گے۔ پکے مسلمان بن کر رہیں گے۔ آگے اس کا جواب دیا ہے۔

۱۱۔ حق تعالیٰ کا کفار کو جواب: یعنی اب موقع سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا کہاں رہا۔ اس وقت تو مانا نہیں جب ہمارا پیغمبر کھلے کھلے نشان اور کھلی کھلی ہدایات لے کر آیا تھا۔ اس وقت کہتے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ کسی دوسرے سے سیکھ کر اس نے یہ کتاب تیار کر لی ہے۔ (ابن عباس کی تفسیر پر یہ مطلب ہوا) اور ابن مسعود کی تفسیر کے موافق یہ معنی ہوں گے کہ اہل مکہ نے قحط وغیرہ سے تنگ آ کر درخواست کی کہ یہ آفت ہم سے دور کیجئے اگر ایسا ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ آپکی دعا سے بارش ہوئی اور ثمامہ نے جو غلہ روک دیا تھا وہ بھی آپ نے کھلوادیا پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ اسی کو فرماتے ہیں اَنَّى لَهُمُ الدِّكْرُ اَلْحٰی یعنی یہ لوگ ان باتوں سے ماننے والے کہاں ہیں، اس قسم کی چیزوں میں تو ہزار تا ویسے گھڑ لیں۔ جو چیز بالکل کھلی ہوئی آفتاب سے زیادہ روشن تھی یعنی آپ کی پیغمبری اسی کو نہ مانا۔ کوئی مجنون بتلانے لگا، کسی نے کہا صاحب! فلاں رومی غلام سے کچھ مضامین سیکھ آئے ہیں ان کو اپنی عبادت میں ادا کر دیتے ہیں۔ ایسے متعصب معاندین سے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۱۲۔ کفار کی ہٹ دھرمی: یعنی اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب ہٹالیں، پھر وہ ہی حرکتیں کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔ اور ابن مسعود کی تفسیر پر یہ مطلب ہو گا کہ لو! اچھا ہم تھوڑی مدت کے لئے یہ عذاب ہٹائے لیتے ہیں۔ پھر دیکھ لینا، وہ ہی کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔

۱۳۔ ابن عباس کے نزدیک بڑی پکڑ قیامت میں ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ آخرت کا عذاب نہیں ملتا۔ اور ابن مسعود کے نزدیک ”بڑی پکڑ“ سے معرکہ ”بدر“ کا واقعہ مراد ہے۔ ”بدر“ کے دن ان لوگوں سے بدلہ لے لیا گیا۔

۷۱۔ اور جانچ چکے ہیں ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو اور آیا ان کے پاس رسول عزت والا [۱۳]

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ

کَرِيمٌ

أَنْ أَدُّوْا إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ ۖ إِنَّ لَكُمْ رَسُولًا أَمِينًا ﴿١٨﴾

۱۸۔ کہ حوالے کرو میرے بندے خدا کے [۱۵] میں تمہارے پاس آیا ہوں بھیجا ہوا معتبر

وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّي أَنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطٰنٍ

۱۹۔ اور یہ کہ چڑھے نہ جاؤ اللہ کے مقابل میں لاتا ہوں تمہارے پاس سند کھلی ہوئی [۱۶]

مُبَيِّنٍ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو [۱۷]

وَأِنِّي لَمُتَمَنِّنٌ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور اگر تم نہیں یقین کرتے مجھ پر تو مجھ سے پرے ہو جاؤ [۱۸]

وَأِنْ لَّمْ تُوْمِنُوْا لِي فَاَعْتَرٰوْنِ ﴿٢١﴾

۲۲۔ پھر دعا کی اپنے رب سے کہ یہ لوگ گنہگار ہیں

فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ پھر لے نکل رات سے میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے [۱۹]

فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ اور چھوڑ جا دریا کو تمہارا البتہ وہ لشکر ڈوبنے والے ہیں [۲۰]

وَأَتْرٰكِ الْبَحْرَ رَهَوًا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے

كَمْ تَرٰكُوا مِنْ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور کھیتیں اور گھر خاصے

وَوَزْرُوعٍ ۚ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور آرام کا سامان جس میں باتیں بنایا کرتے تھے

وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فٰكِهِينَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ یونہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا ہم نے ایک دوسری قوم کے [۲۱]

كَذٰلِكَ ۗ وَأَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا آخِرِينَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ پھر نہ رویا ان پر آسمان اور زمین [۲۲] اور نہ ملی انکو ڈھیل

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ ۖ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا

مُنْظَرِينَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور ہم نے بچا نکالا بنی اسرائیل کو ذلت کی مصیبت

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرٰءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ

## السُّهَيْنِ

مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ السُّرَفِيِّنَ ﴿٣١﴾

وَلَقَدْ اخْتَرْنَهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾

وَأَتَيْنَهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾

۳۱۔ جو فرعون کی طرف سے تھی [۲۳] بیشک وہ تھا چڑھ رہا  
حد سے بڑھ جانے والا [۲۴]

۳۲۔ اور انکو ہم نے پسند کیا جان بوجھ کر جہان کے لوگوں  
سے [۲۵]

۳۳۔ اور دیں ہم نے انکو نشانیاں جن میں تھی مدد صریح [۲۶]

۱۴۔ یعنی حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے ان کا امتحان کیا گیا کہ اللہ کے پیغام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

۱۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون: یعنی خدا کے بندوں کو اپنا بندہ مت بناؤ۔ بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی دو اور میرے حوالہ کرو۔ میں جہاں چاہوں لے جاؤں۔

۱۶۔ کھلی سند ”وہ معجزات تھے جو حضرت موسیٰ نے دکھائے۔“ عصا ”اور“ ”ید بیضا“ وغیرہ۔

۱۷۔ یہ انکی دھمکیوں کا جواب دیا۔ یعنی میں تمہارے ظلم و ایذا سے خدا کی پناہ حاصل کر چکا ہوں وہ میری حمایت پر ہے اور اسی کی حفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔

۱۸۔ یعنی اگر میری بات نہیں مانتے تو کم از کم مجھے ایذا دے کر اپنے جرم کو سنگین مت کرو۔ ”مرا نخیر تو امید نیست بد مرساں“۔ اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی اپنی قوم کو لجاؤں تم راہ نہ رو کو۔

۱۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: یعنی آخر مجبور ہو کر اللہ سے فریاد کی کہ یہ لوگ اپنے جرائم سے باز آنے والے نہیں اب آپ میرے اور انکے درمیان فیصلہ کر دیجئے، وہاں کیا دیر تھی۔ حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ فرعونوں کو اطلاع کئے بدون بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے چلے جاؤ۔ کیونکہ دن ہونے پر جرب انہیں اطلاع ہوگی اس وقت تمہارا پیچھا کریں گے۔ لیکن یاد رہے راستہ میں سمندر پڑے گا۔ اس پر عصا مارنے سے پانی ادھر ادھر ہٹ جائے گا اور درمیان میں خشک و صاف راستہ نکل آئے گا اسی راستہ سے اپنی قوم کو لے کر گذر جاؤ۔

۲۰۔ یعنی اس کی فکر مت کر کہ دریا میں خدا کی قدرت سے جو راستہ بن گیا وہ باقی نہ رہے۔ اسکو اسی حالت میں چھوڑ دے۔ یہ راستہ دیکھ کر ہی تو فرعون کا لشکر اس میں گھسنے کی ہمت کریں گے۔ چنانچہ وہ سب خشک راستہ دیکھ کر اندر گھسے، اس کے بعد خدا کے حکم سے سمندر کا پانی چاروں طرف سے آکر مل گیا۔ سارا لشکر غرقاب ہوا۔

۲۱۔ مصر کے اموال بنی اسرائیل کو: یعنی بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں دیدیا۔ جیسا کہ سورہ شعراء میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کے غرق ہونے بعد مصر میں بنی اسرائیل کا دخل ہوا اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ جس قسم کے سامان فرعونوں نے چھوڑے تھے۔ اسی طرح کے ہم نے بنی اسرائیل کو دے دیے۔ واللہ اعلم۔

۲۲۔ مومن کی موت پر زمین و آسمان کا گریہ: روایات میں ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اسکی روزی اترتی تھی یا جس سے اس کا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا۔ اور زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس وہ سعادت ہم سے چھین گئی۔ کافر کے پاس عمل صالح کا بیج ہی نہیں۔ پھر اس پر آسمان یا زمین کیوں روئے بلکہ شاید خوش ہوں گے کہ چلو پاپ کٹا۔ ”خس کم جہاں پاک“۔

۲۳۔ بلکہ فرعون کا وجود ایک مجسم مصیبت تھا۔



۲۴۔ یعنی بڑا متکبر اور سرکش تھا۔

۲۵۔ بنی اسرائیل کی فضیلت: یعنی اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں بھی ہمکو معلوم تھیں تاہم انکو ہم نے اس زمانہ کے تمام لوگوں سے فضیلت دی، اور بعض فضائل جزئیہ تو وہ ہیں جو آج تک کسی قوم کو میسر نہیں ہوئے مثلاً اتنے بیشار انبیاء کا ان میں اٹھایا جانا۔

۲۶۔ یعنی حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے مثلاً ”من وسلویٰ“ کا اتارنا، بادل کا سایہ کرنا وغیر ذلک۔

۲۷۔ مشرکین کہ کی دہریت: درمیان میں حضرت موسیٰ کی قوم کا ذکر استطراد آگیا تھا۔ یہاں سے پھر حضور کی قوم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہماری آخری حالت بس یہ ہی ہے کہ موت آجائے موت کے بعد سب قصہ ختم۔ موجودہ زندگی کے سوا دوسری زندگی کوئی نہیں۔ کہاں کا حشر اور کیسا حساب کتاب۔

۳۲۔ یہ لوگ کہتے ہیں

إِنَّ هَؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿۲۲﴾

۳۵۔ اور کچھ نہیں ہمارا یہی مرنا ہے پہلا اور ہمکو پھر اٹھنا نہیں [۲۷]

إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿۲۵﴾

۳۶۔ بھلا لے تو آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو [۲۸]

فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۶﴾

۳۷۔ بھلا یہ بہتر ہیں یا تم کی قوم [۲۹] اور جو ان سے پہلے تھے ہم نے انکو غارت کر دیا بیشک وہ تھے گنہگار [۳۰]

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۗ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۲۷﴾

۳۸۔ اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین اور جو انکے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

لِعِبِينَ ﴿۲۸﴾

۳۹۔ انکو تو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر بہت لوگ نہیں سمجھتے [۳۱]

مَا خَلَقْنَاهُمْ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

يَعْلَمُونَ ﴿۲۹﴾

۴۰۔ تحقیق فیصلہ کا دن وعدہ ہے ان سب کا [۳۲]

إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۰﴾

۴۱۔ جس دن کام نہ آئے کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی اور نہ انکو مدد پہنچے [۳۳]

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَىٰ عَنْ مَوْلَىٰ شَيْئًا وَلَا هُمْ

يُنصَرُونَ ﴿۳۱﴾

۴۲۔ مگر جس پر رحم کرے اللہ بیشک وہی ہے زبردست  
رحم والا [۳۳]

إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۴۲﴾

۲۸۔ یعنی پیغمبر اور مومنین سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے عقیدہ میں سچے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو ذرا زندہ کر کے دکھا دو۔ تب ہم جائیں۔

۲۹۔ قوم نوح کی ہلاکت: ”نوح“ لقب تھا یمن کے بادشاہ کا۔ جس کی حکومت سب اور حضر موت وغیرہ سب پر تھی۔ ”نوح“ بہت گذرے ہیں۔ اللہ جانے یہاں کونسا مراد ہے۔ بہر حال اتنا ظاہر ہوا کہ اس کی قوم بہت قوت و جبروت والی تھی۔ جو اپنی سرکشی کی بدولت تباہ کی گئی ابن کثیر نے اس سے قوم سبامر ادلی ہے جس کا ذکر سورہ سبامیں گذر چکا واللہ اعلم۔

۳۰۔ عاد و ثمود کی ہلاکت: مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔ ان سب کو اللہ نے انکے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر کے چھوڑا۔ کیا تم ان سے بہتر یا ان سے زیادہ طاقتور ہو کہ تم کو ہلاک نہ کرے گا یا نہ کر سکے گا؟

۳۱۔ یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشا نہیں۔ بلکہ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے جس کا نتیجہ ایک دن نکل کر رہے گا۔ وہ ہی نتیجہ آخرت ہے۔

۳۲۔ یعنی اس دن سب کا حساب بیک وقت ہو جائے گا۔

۳۳۔ یعنی نہ کسی اور طرف سے مدد پہنچ سکے گی۔

۳۴۔ یعنی بس جس پر اللہ کی رحمت ہو جائے وہ ہی بچے گا۔ کماورد فی الحدیث اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِي اللهُ بِرَحْمَتِهِ۔

۴۳۔ مقرر درخت سپند کا

إِنَّ شَجَرَةَ الرُّقُومِ ﴿۴۳﴾

۴۴۔ کھانا ہے گنہگار کا [۳۵]

طَعَامُ الْآثِمِ ﴿۴۴﴾

۴۵۔ جیسے پگھلا ہوا اتنا بکھولتا ہے پیٹوں میں

كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿۴۵﴾

۴۶۔ جیسے کھولتا ہو اپانی

كَغَلِي الْحَبِيمِ ﴿۴۶﴾

۴۷۔ پکڑو اسکو اور دکھیل کر لیجاؤ پیچوں بیچ دوزخ کے [۳۶]

خُذُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۴۷﴾

۴۸۔ پھر ڈالو اسکے سر پر جلتے پانی کا عذاب [۳۷]

ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَبِيمِ ﴿۴۸﴾

۴۹۔ یہ چکھ تو ہی ہے بڑا عزت والا سردار [۳۸]

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمِ ﴿۴۹﴾

۵۰۔ یہ وہی ہے جس میں تم دھوکے میں پڑے تھے [۳۹]

إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ بیشک ڈرنے والے گھر میں ہیں چین کے [۴۰]

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿۵۱﴾

فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ باغوں میں اور چشموں میں

يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ پہنتے ہیں پوشاک ریشمی پتلی اور گاڑھی ایک دوسرے کے سامنے ﴿۵۳﴾

كَذَلِكَ ۚ وَزَوْجُهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اسی طرح ہو گا اور بیاہ دیں گے ہم انکو حوریں بڑی آنکھوں والیاں ﴿۵۴﴾

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ منگوائیں گے وہاں ہر میوہ دل جمعی سے ﴿۵۵﴾

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۚ وَ

۵۶۔ نہ چکھیں گے وہاں موت مگر جو پہلے آچکی ﴿۵۶﴾ اور بچایا انکو دوزخ کے عذاب سے

وَقَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۵۶﴾

۵۷۔ فضل سے تیرے رب کے یہی ہے بڑی مراد ملنی ﴿۵۷﴾

فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۵۷﴾

۵۸۔ سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے اسکو تیری بولی میں تاکہ وہ یاد رکھیں ﴿۵۸﴾

فَأَنبَأَ يَسْرَانَهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۸﴾

۵۹۔ اب تو راہ دیکھ وہ بھی راہ بتکتے ہیں ﴿۵۹﴾

فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُونَ ﴿۵۹﴾

۳۵۔ جہنم میں کفار کی عبرت تاکہ سزائیں: کسی ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے اسکو "زقوم" (سپینڈ) کہا گیا ہے۔ ورنہ دوزخ کی سپینڈ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے جیسے بعض نعمائے جنت اور نعمائے دنیوی میں اشتراک اسی ہے اسی طرح جہنم کے متعلق سمجھ لو۔

۳۶۔ یہ حکم فرشتوں کو ہو گا جو تعذیب مجرمین پر مامور ہیں۔

۳۷۔ وہ پانی دماغ سے اتر کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل آئے گا (اعاذنا اللہ منہ)۔

۳۸۔ یعنی تو وہ ہی ہے جو دنیا میں بڑا معزز و مکرم سمجھا جاتا اور اپنے کو سردار ثابت کیا کرتا تھا۔ اب وہ عزت اور سرداری کہاں گئی

۳۹۔ یعنی تم کو کہاں یقین تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔ اسی دھوکہ میں تھے کہ بس یوں ہی کھیلتے کودتے گذر جائے گی۔ آخر مٹی میں ملکر مٹی ہو جائیں گے۔ آگے کچھ بھی نہیں اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سچی تھیں جو پیغمبروں نے بیان کی تھیں۔

۴۰۔ متقین کی حالت: یعنی جو اللہ سے ڈرتے ہیں وہاں امن چین سے ہوں گے کسی طرح کا خوف اور غم پاس نہ آئے گا۔

۴۱۔ اُنکے لباس: یعنی انکی پوشاک باریک اور دبیز ریشم کی ہوگی۔ اور ایک جنتی دوسرے سے اعراض نہ کرے گا بے تکلف دوستوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھیں گے۔

۴۲۔ یعنی ان سے جوڑے ملا دیں گے۔

۴۳۔ پھل اور میوے: یعنی جس میوے کو جی چاہے گا فوراً حاضر کر دیا جائے گا۔ کوئی فکر نہ ہوگی، پوری دلجمعی سے کھائیں پئیں گے۔

- ۴۴۔ حیات ابدی: یعنی جو موت پہلے آچکی وہ آچکی، اب آگے کبھی موت نہیں، دائمًا اسی عیش و نشاط میں رہنا ہے نہ انکو فنا، نہ انکے سامانوں کو۔
- ۴۵۔ اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے کہ عذاب الہی سے محفوظ و مامون رہے اور ابد الآباد کے لئے مورد الطاف و افضال بنے۔
- ۴۶۔ قرآن آسان ہے: یعنی اپنی مادری زبان میں آسانی سے سمجھ لیں اور یاد رکھیں۔
- ۴۷۔ یعنی اگر نہ سمجھیں تو آپ چندے انتظار کیجئے۔ ان کا بد انجام سامنے آجائے گا۔ یہ تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے لیکن آپ دیکھتے جائیے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔

تم سورة الدخان بفضل اللہ ورحمته قللہ الحمد والمئة

رکوعاتها ۲

۲۵ سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۵

آياتها ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ حم۔

حَمَّ

۲۔ اتارنا کتاب کا ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمتوں والا

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿٢﴾

۳۔ بیشک آسمانوں میں اور زمین میں بہت نشانیاں ہیں ماننے والوں کے واسطے<sup>[۱]</sup>

إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾

۴۔ اور تمہارے بنانے میں اور جس قدر پھیلا رکھے ہیں جانور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین رکھتے ہیں<sup>[۲]</sup>

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٤﴾

۵۔ اور بدلنے میں رات دن کے اور وہ جو اتاری اللہ نے آسمان سے روزی<sup>[۳]</sup> پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد اور بدلنے میں ہواؤں کے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو سمجھ سے کام لیتے ہیں<sup>[۴]</sup>

وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٥﴾

۶۔ یہ باتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک پھر کونسی بات کو اللہ اور اسکی باتوں کو چھوڑ کر مانیں گے<sup>[۵]</sup>

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبَأْيٍ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

۷۔ خرابی ہے ہر جھوٹے گنہگار کے لئے

وَيُلْ لِكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٧﴾

۸۔ کہ سنتا ہے باتیں اللہ کی اسکے پاس پڑھی جاتی ہیں پھر ضد کرتا ہے غرور سے گویا سنا ہی نہیں<sup>[۶]</sup> سو خوشخبری سنا دے اسکو ایک عذاب دردناک کی

كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٨﴾

۹۔ اور جب خبر پائے ہماری باتوں میں سے کسی کی اسکو

ٹھہرائے ٹھٹھا الہیوں کو ذلت کا عذاب ہے [۴]

وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا

أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۹﴾

۱۰۔ پرے انکے دزون ہے اور کام نہ آئے گا انکے جو کمایا

تھا ذرا بھی اور نہ وہ کہ جنکو پکڑا تھا اللہ کے سوائے رفیق [۸]

اور انکے واسطے بڑا عذاب ہے

مِنْ وَّرَائِهِمْ جَهَنَّمَ ۚ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا

شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۚ وَ

لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ یہ سجھا دیا اور جو منکر ہیں اپنے رب کی باتوں سے انکے

لئے عذاب ہے ایک بلا کا دردناک [۹]

هَذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ

عَذَابٌ مِّن رَّجْزِ آيِمٍ ﴿۱۱﴾

۱۔ زمین و آسمان میں مومنین کیلئے نشانیاں: یعنی آدمی ماننا چاہے تو اسی آسمان و زمین کی پیدائش اور انکے محکم نظام میں غور کر کے مان سکتا ہے کہ ضرور کوئی ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ہے۔ جس نے کمال حکمت و خوبی سے انکو بنایا اور لامحدود قدرت سے انکی حفاظت کی۔ البعرة

تدل علی البعیر والاقدام تدل علی المسیر فکیف لا یدل هذا النظام العجیب الغریب علی الصانع اللطیف الخبیر۔

۲۔ یعنی انسان خود اپنی بناوٹ اور دوسرے حیوانات کی ساخت میں غور کرے تو درجہ عرفان و ایقان تک پہنچانے والی ہزار ہا نشانیاں اسکو ملیں۔

۳۔ یعنی پانی آسمان کی طرف سے اتارا جو مادہ ہے روزی کا۔

۴۔ اہل عقل کیلئے یہ نشانیاں کافی ہیں: یعنی ذرا بھی سمجھ سے کام لیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ امور بجز اس زبردست قادر و حکیم کے اور کسی کے بس میں نہیں۔ جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی تقریر گزر چکی۔

۵۔ اہل عقل کیلئے یہ نشانیاں کافی ہیں: یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسرا کون ہے اور اسکی باتیں چھوڑ کر کس کی بات ماننے کے قابل ہے۔ جب اس بڑے مالک کی ایسی سچی اور صاف باتیں بھی کوئی بد بخت قبول نہ کرے تو آخر کس چیز کا منتظر ہے جسے قبول کرے گا۔

۶۔ جھوٹے اور مغرور کیلئے خرابی ہے: یعنی ضد اور غرور کی وجہ سے اللہ کی بات نہیں سنتا۔ اسکی شیخی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی جہالت سے ہٹے۔ حق کو سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا سنا ہی نہیں۔

۷۔ یعنی جس طرح وہ آیات اللہ کے ساتھ اہانت و استخفاف کا معاملہ کرتا ہے، سزا بھی سخت اہانت و ذلت کی ملے گی جو آگے آرہی ہے۔

۸۔ آخرت میں کفار کی بے کسی: یعنی اموال و اولاد وغیرہ کوئی چیز اس وقت کام نہ آئے گی۔ نہ وہ کام آسکیں گے جنکو اللہ کے سوا معبود یا رفیق و مددگار بنا رکھا تھا اور جن سے بہت کچھ اعانت و امداد کی توقعات تھیں۔

۹۔ قرآن ہدایت ہے: یعنی یہ قرآن عظیم الشان ہدایت ہے جو سب طرح کی برائی بھلائی انسان کو سمجھانے کے لئے آئی ہے جو اس کو نہ مانیں وہ سخت غلیظ اور دردناک عذاب بھگتنے کے لئے تیار رہیں۔

۱۲۔ اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا کو کہ  
چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے [۱۰] اور تاکہ تلاش  
کر واسکے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو [۱۱]  
تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور کام میں لگا دیا تمہارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور  
زمین میں سب کو اپنی طرف سے [۱۲] اس میں نشانیاں ہیں  
ان لوگوں کے واسطے جو دھیان کرتے ہیں [۱۳]  
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ  
جَمِيعًا مِّنْهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ  
يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ کہہ دے ایمان والوں کو درگزر کریں ان سے جو  
امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی [۱۴] تاکہ وہ سزا دے  
ایک قوم کو بدلا اس کا جو کھاتے تھے [۱۵]  
أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾  
۱۵۔ جس نے بھلا کام کیا تو اپنے واسطے اور جس نے برا کیا  
سو اپنے حق میں [۱۶] پھر اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ  
گے [۱۷]  
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَ مَنْ أَسَاءَ  
فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾

۱۰۔ تسخیر بحر: یعنی سمندر جیسی مخلوق کو ایسا مسخر کر دیا کہ تم بے تکلف اپنی کشتیاں اور جہاز اس میں لئے پھرتے ہو۔ میلوں کی گہرائیوں کو  
پیاب کر رکھا ہے۔

۱۱۔ یعنی بحری تجارت کرو، یا شکار کھیلو، یا اسکی تہ میں سے موتی نکالو۔ اور یہ سب منافع و فوائد حاصل کرتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولو اس کا حق  
پہچانو، زبان و دل اور قلب و قالب سے شکر ادا کرو۔

۱۲۔ تسخیر ارض و سماء: یعنی اپنے حکم اور قدرت سے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا۔ یہ اسی کی مہربانی ہے کہ ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات  
انسان کی خدمت گزاری میں لگی ہوئی ہیں۔

۱۳۔ سوچنے والوں کیلئے نشانیاں: آدمی دھیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ چیز اسکے بس کی نہ تھی۔ محض اللہ کے فضل اور اسکی قدرت کاملہ سے  
یہ اشیاء ہمارے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ تو لا محالہ ہم کو بھی کسی کے کام میں لگنا چاہیے۔ وہ کام یہ ہے کہ اس منعم حقیقی اور محسن علی الاطلاق کی  
فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں اپنی حیات مستعار کے لمحات صرف کر دیں تاکہ آئندہ چل کر ہمارا انجام درست ہو۔

۱۴۔ ایام اللہ: ایام اللہ (اللہ کے دنوں) سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ اپنے دشمنوں کو کوئی خاص سزا دے، یا اپنے فرمانبرداروں کو کسی  
خصوصی انعام و اکرام سے سرفراز فرمائے۔ لہذا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ سے وہ کفار مراد ہوئے جو اسکی رحمت سے ناامید اور اسکے عذاب

سے بے فکر ہیں۔

۱۵۔ کفار: یعنی آپ ان سے بدلہ لینے کی فکر نہ کریں اللہ پر چھوڑ دیں، وہ انکی شرارتوں پر کافی سزا، اور مومنین کے صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا مناسب صلہ دے گا۔

۱۶۔ یعنی بھلے کام کا فائدہ کام کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اور بدی کرنے والا خود اپنے حق میں برا بھلا بوجہ ہے۔ ایک کی برائی دوسرے پر نہیں پڑتی۔ غرض ہر شخص اپنے نفع نقصان کی فکر کر لے۔ اور جو عمل کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا سود و زیاں اسی کی ذات کو پہنچے گا۔

۱۷۔ یعنی وہاں پہنچ کر سب برائی بھلائی سامنے آجائے گی۔ اور ہر ایک اپنی کرتوت کا پھل چکھے گا۔

۱۶۔ اور ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور پیغمبری اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں [۱۸] اور بزرگی دی انکو جہان پر [۱۹]

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى

الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ اور دیں انکو کھلی باتیں دین کی [۲۰] پھر انہوں نے پھوٹ جو ڈالی تو سمجھ آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے بیشک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں وہ جھگڑتے تھے [۲۱]

وَأَتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعْثًا بَيْنَهُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ

يَخْتَلِفُونَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر دین کے کام کے سو تو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر نادانوں کی [۲۲]

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ وہ ہر گز کام نہ آئیں گے تیرے اللہ کے سامنے ذرا بھی [۲۳] اور بے انصاف ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اللہ رفیق ہے ڈرنے والوں کا [۲۴]

إِنَّهُمْ لَكُنُ يُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ

الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾



۲۰۔ یہ سوچ کی باتیں ہیں لوگوں کے واسطے اور راہ کی اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین لاتے ہیں [۲۵]

هُذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

يُوقِنُونَ ﴿٢٠﴾

۱۸۔ بنی اسرائیل کی نعمتیں: یعنی تورات دی اور سلطنت یا قوت فیصلہ، یاد انائی کی باتیں یا دین کی سمجھ عطا کی، اور کس قدر کثرت سے پیغمبر ان میں سے اٹھائے۔ یہ تو روحانی غذا ہوئی، جسمانی غذا دیکھو تو وہ بھی بہت افراط سے دی گئی۔ حتیٰ کہ من و سلوی اتارا گیا۔

۱۹۔ یعنی اُس زمانہ میں سارے جہان پر ان کو فضیلت کلی حاصل تھی اور بعض فضائل جزئیہ کے اعتبار سے تو "اُس زمانہ" کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں۔

۲۰۔ یعنی نہایت واضح اور مفصل احکام، یا کھلے کھلے معجزات جو دین کے باب میں بطور حجت و برہان کے پیش کئے جاتے ہیں۔

۲۱۔ بنی اسرائیل میں فرقہ بندیوں: یعنی آپس کی ضد اور نفسانیت سے اصل کتاب کو چھوڑ کر بیشمار فرقے بن گئے۔ جن کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس وقت پتہ لگے گا کہ ان کا منشاء نفس پروری اور ہوا پرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔

۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و نصیحت: یعنی ان اختلافات اور فرقہ وارانہ کشمکش کی موجودگی میں ہم نے آپ کو دین کے صحیح راستے پر قائم کر دیا، تو آپ کو اور آپ کی امت کو چاہئے کہ اس راستے پر برابر مستقیم رہے۔ کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں کی خواہشات پر نہ چلے۔ مثلاً انکی خواہش یہ ہے کہ آپ ان کے طعن و تشنیع اور ظلم و تعدی سے تنگ آکر دعوت و تبلیغ ترک کر دیں یا مسلمانوں میں بھی ویسا ہی اختلاف و تفریق پڑ جائے جس میں وہ لوگ خود مبتلا ہیں۔ اندریں صورت واجب ہے کہ ان کی خواہشات کو بالکل پامال کر دیا جائے۔

۲۳۔ یعنی انکی طرف جھکنا تم کو خدا کے ہاں کچھ کام نہ دے گا۔

۲۴۔ متیقن کا ولی اللہ ہے: یعنی منصف اور راستی پسند مسلمان، ظالم اور بے راہ رو کافروں کے رفیق نہیں ہو سکتے۔ وہ تو اللہ کے مطیع بندے ہیں اور اللہ ہی ان کا رفیق و مددگار ہے۔ لازم ہے کہ اسی کی راہ چلیں، اسی پر بھروسہ رکھیں۔

۲۵۔ قرآن میں بصیرت و ہدایت: یعنی یہ قرآن بڑی بڑی بصیرت افروز حقائق پر مشتمل ہے۔ لوگوں کو کام کی باتیں اور کامیابی کی راہ سمجھاتا ہے۔ اور جو خوش قسمت اسکی ہدایات و نصائح پر یقین کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں انکے حق میں خصوصی طور پر یہ قرآن رحمت و برکت ہے۔

۲۱۔ کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے انکو برابر ان لوگوں کی جو کہ یقین لائے اور کیے بھلے کام ایک سا ہے ان کا جینا اور مرنا برے دعوے ہیں جو کرتے ہیں [۲۶]

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ

كَالَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً

مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور بنائے اللہ نے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں اور تاکہ بدلا پائے ہر کوئی اپنی کمائی کا اور ان پر ظلم نہ ہو

وَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِيَجْزِيَ

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

گا۔ [۲۴]

۲۶۔ کافر اور مومن برابر نہیں ہو سکتے: یعنی اللہ تعالیٰ کی شئون حکمت پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ ایک بد معاش آدمی، اور ایک مرد صالح کے ساتھ خداوند یکساں معاملہ کرے گا۔ اور دونوں کا انجام برابر کر دے گا؟ ہرگز نہیں نہ اس زندگی میں دونوں برابر ہو سکتے ہیں نہ مرنے کے بعد جو حیات طیبہ مومنین صالح کو یہاں نصیب ہوتی ہے اور جس نصرت اور علو و رفعت کے وعدے دنیا میں اس سے کئے گئے وہ ایک کافر بدکار کو کہاں میسر ہیں۔ اسکے لئے دنیا میں معیشت ضنک اور آخرت میں لعنت و خسران کے سوا کچھ نہیں۔ الغرض یہ دعویٰ بالکل غلط اور یہ خیال بالکل مہمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں اور بدوں کا مرنا اور جینا برابر کر دے گا۔ اسکی حکمت اسکو مقتضی نہیں۔ بلکہ ضرورت ہے کہ دونوں کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ ظاہر ہو کر رہے۔ اور ہر ایک کی نیکی یا بدی کے آثار فی الجملہ یہاں بھی مشاہد ہوں اور ان کا پوری طرح مکمل معائنہ موت کے بعد ہو۔

۲۷۔ تخلیق ارض و سما کی حکمت: یعنی زمین و آسمان کو یوں ہی بیکار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ نہایت حکمت سے کسی خاص مقصد کیلئے بنایا ہے۔ تا انکے احوال میں غور کر کے لوگ معلوم کر سکیں کہ بیشک جو چیز بنائی گئی ہے ٹھیک موقع سے بنائی اور تا اندازہ کر لیا جائے کہ ضرور ایک دن اس کارخانہ ہستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں جہاں ہر ایک کو اس کی کمائی کا پھل ملے گا اور جو بویا تھا وہ ہی کا ثمار پڑے گا۔

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو جو

۲۳۔ بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو اور راہ سے بچلا دیا اسکو اللہ نے جانتا بوجھتا [۲۸] اور مہر لگا دی اسکے کان پر اور دل پر اور ڈال دی اسکی آنکھ پر اندھیری پھر کون راہ پر لائے اسکو اللہ کے سوائے سو کیا تم غور نہیں کرتے [۲۹]

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هُوَهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَعْدِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں اور جیتتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو زمانہ سے [۳۰] اور انکو کچھ خبر نہیں اسکی محض انگلیں دوڑاتے ہیں [۳۱]

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْدِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور جب سنائی جاتیں انکو ہماری آیتیں کھلی کھلی اور کچھ دلیل نہیں انکی مگر یہی کہتے ہیں لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو [۳۲]

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بِآيَاتِنَا مَا كَانُوا حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتَّبُوا آبَاءَنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ تو کہہ کہ اللہ ہی جلاتا ہے تمکو پھر مارے گا تمکو پھر اکٹھا کرے گا تمکو قیامت کے دن تک اس میں کچھ شک نہیں پر بہت لوگ نہیں سمجھتے [۳۳]

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يَمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْعَلُكُمْ اِلٰى  
يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

۲۸۔ خواہش پرست کا عبرتناک انجام: یعنی اللہ جانتا تھا کہ اسکی استعداد خراب ہے اور اسی قابل ہے کہ سیدھی راہ سے ادھر ادھر بھٹکتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بد بخت علم رکھنے کے باوجود اور سمجھنے بوجھنے کے بعد گمراہ ہوا۔

۲۹۔ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود ٹھہرا لے، جدھر اسکی خواہش لے چلے ادھر ہی چل پڑے اور حق و ناحق کے جانچنے کا معیار اسکے پاس یہ ہی خواہش نفس رہ جائے، نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے، نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے اللہ جسکو اس کی کروت کی بدولت ایسی حالت پر پہنچا دے، کونسی طاقت ہے جو اسکے بعد اسے راہ پر لے آئے۔

۳۰۔ دہریت کا باطل عقیدہ: یعنی اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں بس یہ ہی ایک جہان ہے جس میں ہمارا مرنا اور جینا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر سبزہ زمین سے آگا، خشکی ہوئی تو سوکھ کر ختم ہو گیا۔ یہ ہی حال آدمی کا سمجھو، ایک وقت آتا ہے پیدا ہوتا ہے۔ پھر معین وقت تک زندہ رہتا ہے، آخر زمانہ کا چکر اسے ختم کر دیتا ہے یہ ہی سلسلہ موت و حیات کا دنیا میں چلتا رہتا ہے۔ آگے کچھ نہیں۔

۳۱۔ ان عقیدوں کی بنیاد محض انکل ہے: یعنی زمانہ نام ہے دہر کا۔ وہ کچھ کام کرنے والا نہیں کیونکہ نہ اس میں حس ہے نہ شعور نہ ارادہ، لامحالہ وہ کسی اور چیز کو کہتے ہوں گے جو معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن دنیا میں اس کا تصرف چلتا ہے۔ پھر اللہ ہی کو کیوں نہ کہیں جس کا وجود اور متصرف علی الاطلاق ہونا دلائل فطریہ اور براہین عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور زمانہ کالٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ زمانے کو برانہ کہو: اس معنی سے حدیث میں بتلایا گیا کہ دہر اللہ ہے اس کو برانہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ جب آدمی دہر کو برا کہتا ہے، اسی نیت سے کہتا ہے کہ حوادث دہر اسکی طرف منسوب ہیں حالانکہ تمام حوادث دہر اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہیں تو دہر کی برائی کرنے سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

۳۲۔ یعنی جب قرآن کی آیات یا باعث بعد الموت کی دلائل اسکو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ بس اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دو۔ تب ہم تسلیم کریں گے کہ بیشک موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔

۳۳۔ یعنی جس نے ایک مرتبہ زندہ کیا پھر مارا، اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سب کو ایک جگہ اکٹھا کر دے۔

۲۷۔ اور اللہ ہی کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جس دن قائم ہو گی قیامت اس دن خراب ہوں گے جھوٹے [۳۴]

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ

السَّاعَةُ يَوْمَ يَخْسَرُ الْبٰطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اور تو دیکھے ہر فرقہ کو کہ بیٹھے ہیں گھٹنوں کے بل [۳۵] ہر فرقہ بلایا جائے اپنے اپنے دفتر کے پاس آج بدلا پاؤ گے جیسا تم کرتے تھے [۳۶]

وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جٰثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى

كِتٰبِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ یہ ہمارا دفتر ہے بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک [۳۷] ہم لکھواتے جاتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے [۳۸]

هُذَا كِتْبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾

۳۰۔ سو جو لوگ یقین لائے ہیں اور بھلے کام کیے سو انکو داخل کرے گا ان کا رب اپنی رحمت میں یہ جو ہے یہی ہے صریح مراد ملنی [۳۹]

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيَدْخُلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

السَّيِّئِ ﴿٦٠﴾

۳۱۔ اور جو منکر ہوئے کیا تمکو سنائی نہ جاتی تھی باتیں میری پھر تم نے غرور کیا اور ہو گئے تم لوگ گنہگار [۴۰]

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ أَفَلَمْ تَكُنْ آيَتِي تَتْلُو عَلَيْهِمْ فَأَسْتَكَبَرْتُمْ ۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٦١﴾

۳۲۔ اور جب کہیں کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں تم کہتے تھے ہم نہیں سمجھتے کیا ہے قیامت ہم کو آتا تو ہے ایک خیال سا اور ہم کو یقین نہیں ہوتا [۴۱]

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ ۗ إِنَّ نَبْضُ الْإِنسَانِ ظَنًّا وَمَانِحُنْ بِسُتَيْقِنِينَ ﴿٦٢﴾

۳۳۔ اور کھل جائیں ان پر برائیاں ان کاموں کی جو کئے تھے اور الٹ پڑے ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے [۴۲]

وَبَدَّلَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٣﴾

۳۴۔ اور حکم ہو گا کہ آج ہم تم کو بھلا دیں گے جیسے تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس دن کی ملاقات کو [۴۳] اور گھر تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسُكُم مِّمَّا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ ﴿٦٤﴾

۳۵۔ یہ تم پر اس واسطے کہ تم نے پکڑا اللہ کی باتوں کو ٹھٹھا اور بھکے رہے دنیا کی زندگانی پر [۴۴] سو آج نہ انکو نکالنا منظور ہے وہاں سے اور نہ ان سے مطلوب ہے توبہ [۴۵]

ذَٰلِكُمْ بِأَنَّكُمْ اتَّخَذْتُمْ آيَةَ اللَّهِ هُزُوعًا ۖ وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۗ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا

هُم يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٢٥﴾

۳۶۔ سو اللہ ہی کے واسطے ہے سب خوبی جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا رب سارے جہان کا

فِيهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ

الْعَالَمِينَ ﴿٢٦﴾

۳۷۔ اور اسی کیلئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا ﴿۳۶﴾

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾

۳۴۔ اس دن ذلیل و خوار ہو کر پتہ لگے گا کہ کس دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے۔

۳۵۔ آخرت کے احوال: یعنی خوف و ہیبت سے۔

۳۶۔ اعمال نامے: یعنی اعمال نامہ کی طرف بلا یا جائے گا کہ آؤ اسکے موافق حساب دو۔ آج ہر ایک کو اسی کا بدلہ ملے گا جو اس نے دنیا میں کمایا تھا۔

۳۷۔ یعنی جو کام کیے تھے یہ اعمال نامہ ٹھیک ٹھیک وہی بتلاتا ہے۔ ذرہ بھر کی بیشی نہیں۔

۳۸۔ ضبط اعمال: یعنی ہمارے علم میں تو ہر چیز ازل سے ہے مگر ضابطہ میں ہمارے فرشتے لکھنے پر مامور تھے انکی لکھی ہوئی مکمل رپورٹ آج تمہارے سامنے ہے۔

۳۹۔ یعنی جنت میں جہاں اعلیٰ درجہ کی رحمت اور ہر قسم کی مہربانیاں ہوں گی۔

۴۰۔ یعنی ہماری طرف سے نصیحت و فہمائش اور اتمام حجت کا کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھا گیا اس پر بھی تمہارے غرور کی گردن نیچی نہ ہوئی۔ آخر کچے مجرم بن کر رہے۔ یا وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ کا مطلب یہ لیا جائے کہ تم پہلے ہی سے جرائم پیشہ تھے۔

۴۱۔ قیامت کا انکار: یعنی ہم نہیں جانتے قیامت کیسی ہوتی ہے تم جو کچھ قیامت کے عجیب و غریب احوال بیان کرتے ہو ہم کو کسی طرح ان کا یقین نہیں ہوتا۔ یوں سنی سنائی باتوں سے کچھ ضعیف سا امکان اور دھندلا سا خیال کبھی آجائے وہ دوسری بات ہے۔

۴۲۔ یعنی جب قیامت آئے گی ان کی تمام بدکاریاں اور انکے نتائج سامنے آجائیں گے اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں کا جو مذاق اڑایا کرتے تھے وہ خود ان ہی پر الٹ پڑے گا۔

۴۳۔ منکرین کو یاد نہیں رکھا جائے گا: یعنی دنیا میں تم نے آج کے دن کو یاد نہیں رکھا تھا۔ آج ہم تمکو مہربانی سے یاد نہ کریں گے۔ ہمیشہ کے لئے اسی طرح عذاب میں پڑا چھوڑ دیں گے جیسے تم نے اپنے کو دنیا کے مزوں میں پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔

۴۴۔ یعنی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خیال ہی نہ کیا کہ یہاں سے کبھی جانا اور خدا کے سامنے پیش ہونا بھی ہے۔ اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یوں سمجھ کر دل کو تسلی کر لی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے مقابل ہیں، وہاں بھی ہمارا یہی زور رہے گا۔

۴۵۔ دائمی عذاب: یعنی نہ انکو دوزخ سے نکالا جائے گا نہ یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اب خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

۴۶۔ کبریائی صرف اللہ کیلئے ہے: چاہئے آدمی اسی کی طرف متوجہ ہو۔ اسکے احسانات و انعامات کی قدر کرے اسکی ہدایات پر چلے، سب کو چھوڑ

کراسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر رکھے۔ اور اس کی بزرگی و عظمت کے سامنے ہمیشہ باختیار خود مطیع و منقاد رہے۔ کبھی سرکشی و تمرد کا خیال دل میں نہ لائے۔ حدیث قدسی میں ہے اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَحَدَّ مِنْهُمَا قَدْ فَتِنُہُ فِی النَّارِ (کبیر یا میری چادر اور عظمت میرا تہ بند ہے۔ لہذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا۔ میں اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مَطِیْعِیْنَ لِامْرَکَ وَجَنِبْنَا غَضَبَکَ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ انک سبیب قریب مجیب الدعوات۔

تم سورة الجاثیة بعونہ و صونہ  
فلله الحمد والمنہ و بہ التوفیق والعصرہ

رکوعاتھا ۴

۴۶ سُورَةُ الْأَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ ۲۶

آیاتھا ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ حَمَّ۔

حَمَّ ۱

۲۔ اتارنا کتاب کا ہے اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾

۳۔ ہم نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو انکے بیچ میں ہے سو ٹھیک کام پر اور ایک ٹھہرے وعدہ پر [۱] اور جو لوگ منکر ہیں وہ ڈر کوسن کر منہ پھیر لیتے ہیں [۲]

مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَدَّدٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا

أُنذِرُوا مُّعْرِضُونَ ﴿۲﴾

۴۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو جنکو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا ان کا کچھ سا جھا ہے آسمانوں میں [۳] لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی علم جو چلا آتا ہو اگر ہو تم سے [۴]

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ إِيْتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳﴾

۵۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون جو پکارے اللہ کے سوائے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور انکو خبر نہیں انکے پکارنے کی [۵]

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ

غَفِلُونَ ﴿۴﴾

۶۔ اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے انکے دشمن اور

وَإِذَا حُشِمَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا

ہوں گے انکے پوجنے سے منکر [۲]

## بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ ﴿٦﴾

- ۱۔ کائنات کی تخلیق کا مقصد: یعنی آسمان وزمین اور یہ سب کارخانہ اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں بنایا بلکہ کسی خاص غرض و مقصد کے لئے پیدا کیا ہے جو ایک معین میعاد اور ٹھہرے ہوئے وعدہ تک یوں ہی چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو اسی کو آخرت کہتے ہیں۔
- ۲۔ کفار کا اعتراض: یعنی برے انجام سے ڈرتے، اور آخرت کی تیاری نہیں کرتے۔ جب آخرت کی بات سنی ایک کان سنی دوسرے کان نکال دی۔
- ۳۔ ان معبودوں نے کیا پیدا کیا: یعنی خداوند قدوس نے آسمان وزمین اور کل مخلوقات بنائی۔ کیا سچے دل سے کہہ سکتے ہو کہ زمین کا ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا بنا سکتا ہے۔ پھر انکو خدا کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے۔
- ۴۔ اپنے شرک کی دلیل لاؤ: یعنی اگر اپنے دعوتے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو۔ جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو آخر اسے کیونکر تسلیم کیا جائے۔
- ۵۔ سب سے بڑی گمراہی شرک ہے: یعنی اس سے بڑی حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ خدا کو چھوڑ کر ایک ایسی بے جان یا بے اختیار مخلوق کو اپنی حاجت براری کے لئے پکارا جائے جو اپنے مستقل اختیار سے کسی کی پکار کو نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو پکارنے کی خبر بھی ہو۔ پتھر کی صورتوں کا تو کہنا ہی کیا، فرشتے اور پیغمبر بھی وہ ہی بات سن سکتے اور وہ ہی کام کر سکتے ہیں جس کی اجازت اور قدرت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔
- ۶۔ کفار کے معبودوں کی بیزاری: یعنی محشر میں جبکہ امداد و اعانت کی زیادہ حاجت ہوگی یہ بیچارے معبود اپنے عابدین کی مدد تو کیا کر سکتے۔ ہاں دشمن بن کر ان کے مقابل کھڑے ہوں گے اور سخت بیزاری کا اظہار کریں گے بلکہ یہاں تک کہہ دیں گے کہ مَا كَانُوا اِيَّانَا يَعْبُدُونَ (نقص۔ ۶۳) یہ لوگ ہماری پرستش کرتے ہی نہ تھے اس وقت سوچو کیسی حسرت و ندامت کا سامنا ہو گا۔

۷۔ اور جب سنائی جائیں انکو ہماری باتیں کھلی کھلی کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب ان تک پہنچی یہ جادوہے صریح [۴]

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بِآيَاتِنَا قَالَ الَّذِينَ

كَفَرُوا بِالْحَقِّ لُبًّا جَاءَهُمْ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾

۸۔ کیا کہتے ہیں یہ بنا لایا ہے [۸] تو کہہ اگر میں یہ بنا لایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں کر سکتے اللہ کے سامنے ذرا بھی [۹] اس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں تم لگ رہے ہو وہ کافی ہے حق بتانے والا میرے اور تمہارے بیچ [۱۰] اور وہی ہے بخشنے والا مہربان [۱۱]

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۗ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَلَا

تَبْلُكُونَ لِي مِنْ اللَّهِ شَيْئًا ۗ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا

تُفِيضُونَ فِيهِ ۗ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ

ط وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٨﴾

۹۔ تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا [۱۲] اور مجھ کو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور تم سے میں اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام تو یہ ہے ڈرنا دینا

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ ۗ وَمَا أَدْرِي مَا

يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۗ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۗ وَ



## مَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾

کھول کر [۱۳]

۱۰۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ آیا ہو اللہ کے یہاں سے اور تم نے اس کو نہیں مانا اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا ایک اسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا اور تم نے غرور کیا بیشک اللہ راہ نہیں دیتا گنہگاروں کو [۱۴]

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَأَمَنْ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

## الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾

۷۔ یعنی ان لوگوں کو فی الحال انجام کی کچھ فکر نہیں کسی نصیحت و فہمائش پر کان نہیں دھرتے بلکہ جب قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اسے جادو کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔

۸۔ قرآن پاک کو اپنی طرف سے گھڑنے کا الزام: یعنی جادو کہنے سے زیادہ قبیح و شنیع ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید آپ خود بنا لائے ہیں اور جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

۹۔ الزام کا جواب: یعنی خدا پر جھوٹ لگانا انتہائی جرم ہے۔ اگر بفرض محال میں ایسی جسارت کروں تو گویا جان بوجھ کر اپنے کو اللہ کے غضب اور اسکی سخت ترین سزا کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ بھلا خیال کرو جو شخص ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا ذرا سے معاملہ میں اللہ کے خوف سے کانپتا ہو، کیا وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایسی عظیم ترین آفت و مصیبت میں پھنسائے گا۔ جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔ اگر میں جھوٹ سچ بنا کر فرض کرو تمہیں اپنا تابع کر لوں تو کیا تم خدا کے غضب و قہر سے جو جھوٹے مدعیان نبوت پر ہوتا ہے، مجھ کو نجات دے سکو گے؟ اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا، تم میرا کچھ بھلا کر سکو گے؟ آخر میرے چہل سالہ حالات و سوانح سے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں اس قدر بے خوف اور بیباک نہیں ہوں اور نہ ایسا بے عقل ہوں کہ بعض انسانوں کو خوش کر کے خداوند قدوس کا غصہ مول لوں۔ بہر حال اگر میں معاذ اللہ کاذب و مفتزی ہوں تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا۔

۱۰۔ یعنی جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے۔ لہذا لغو اور درواز کار خیالات چھوڑ کر اپنے انجام کی فکر کرو۔ اگر خدا کے سچے رسول کو جھوٹا مفتزی کہا تو سمجھ لو اس کا حشر کیا ہو گا۔ خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے علم صحیح و محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا۔ میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں وہ اپنے قول و فعل سے بتلا رہا ہے اور آئندہ بتلا دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے، افتراء کر رہا ہے۔

۱۱۔ یعنی اب بھی باز آؤ تو بخشنے جاؤ۔ اور یہ بھی اس کی مہربانی اور بردباری سمجھو کہ باوجود جرائم پر مطلع ہونے اور کامل قدرت رکھنے کے تمکو فوراً ہلاک نہیں کر دیتا۔

۱۲۔ میں نیا رسول نہیں ہوں: یعنی میری باتوں سے اس قدر بدکتے کیوں ہو؟ میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری رہا ہے۔ وہ ہی میں کہتا ہوں کہ ان سب رسولوں کے بعد مجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جسکی خبر پہلے رسول دیتے چلے آئے ہیں۔ اس حیثیت سے بھی یہ کوئی نئی بات نہ رہی۔ بلکہ بہت پرانی بشارات کا مصداق آج سامنے آ گیا۔ پھر اس کے ماننے میں

اشکال کیا ہے۔

۱۳۔ میرا کام خبردار کرنا ہے: یعنی مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے۔ میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔ نہ میں اس وقت پوری پوری تفصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی۔ ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے۔ آگے چل کر دنیا اور آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اسکی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب۔ بندہ کا کام نتیجے سے قطع نظر کر کے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

۱۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر موسیٰ علیہ السلام کی شہادت: اس زمانہ میں عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل کے علم و فضل سے مرعوب تھے جب حضور ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس باب میں علمائے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا۔ غرض یہ تھی کہ وہ لوگ آپ کی تکذیب کر دیں تو کہنے کو ایک بات ہاتھ آجائے کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی انکی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں۔ مگر اس مقصد میں مشرکین ہمیشہ ناکام رہے۔ خدا تعالیٰ نے انہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور ﷺ کی تصدیق و تائید کرائی۔ نہ صرف اتنی بات سے کہ وہ لوگ بھی قرآن کی طرح تورات کو آسمانی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی طرح حضرت موسیٰ کو پیغمبر کہتے تھے اور اس طرح حضور ﷺ کا دعویٰ رسالت اور قرآن کی وحی کوئی انوکھی چیز نہیں رہتی بلکہ اس طرح کہ بعض علمائے یہود نے صریحاً اقرار کیا اور گواہی دی کہ بیشک ہمارے ہاں اس ملک (عرب) سے ایک عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ رسول وہ ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کتاب اسی طرح کی ہے۔ جس کی خبر دی گئی تھی۔

علمائے یہود کی پیشینگوئیاں: علمائے یہود کی یہ شہادتیں فی الحقیقت ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو باوجود ہزار ہا تحریف و تبدل کے آج بھی تورات وغیرہ میں موجود چلی آتی ہیں۔ جن سے ہویدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا گواہ (حضرت موسیٰ) ہزاروں برس پہلے خود گواہی دے چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسمعیل) میں سے اسی کی مثل ایک رسول آنے والا ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْنَكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل-۱۵) یہ ہی سبب تھا کہ بعض منصف و حق پرست احبار یہود مثلاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی اسلام لے آئے اور بول اٹھے کہ اِنَّ هٰذَا الْوَجْهَ لَيْسَ بِوَجْهِ كَاذِبٍ (یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں) انہوں نے قرآن جیسی واضح الامجاز کتاب کے حق ہونے کی گواہی دی پھر جب موسیٰ ایک چیز پر وقوع سے ہزاروں برس پہلے ایمان رکھیں، علمائے یہود اسکے صدق کی گواہی دیں۔ بعض احبار یہود زبانی و قلبی شہادت دے کر مشرف باسلام ہو جائیں، اور ان سب شہادتوں کے باوجود تم اپنی شیخی اور غرور سے اسکو قبول نہ کرو تو سمجھ لو اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہوگا۔ اور ایسے ظالم اور گنہگار کی نجات و فلاح کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۱۱۔ اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اس پر ہم سے پہلے [۱۵] اور جب راہ پر نہیں آئے اسکے بتلانے سے تو یہ اب کہیں گے یہ جھوٹ ہے بہت پرانا [۱۶]

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا  
مَا سَبَقُونَا اِلَيْهِ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهٖ

فَسَيَقُولُوْنَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ کی تھی راہ ڈالنے والی اور حمت اور یہ کتاب ہے اسکی تصدیق کرتی [۱۷] عربی زبان میں تاکہ ڈر سنائے گنہگاروں کو اور خوشخبری نیکی والوں کو

وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۗ وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانِ عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ﴿١٢﴾

۱۵۔ یعنی کمزور ذلیل اور لونڈی غلام مسلمان ہوتے ہیں۔ اگر یہ دین بہتر ہو تا تو بہتر لوگ اس کی طرف جھپٹتے۔ کیا یہ چیز اچھی ہوتی تو اس کے حاصل کرنے میں ہم جیسے عقلمند اور عزت و دولت والے ان لونڈی غلاموں سے پیچھے رہ جاتے۔

۱۶۔ یعنی ہمیشہ کچھ لوگ ایسی باتیں بناتے چلے آئے ہیں۔ شاید یہ جواب ہو گا وَشَهِدَ شَاهِدًا مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ اور مَا كُنْتُ بِدَعَاةِ الرُّسُلِ كَا۔ ۱۷۔ کفار کے اعتراضات کا جواب: یعنی یہ پرانا جھوٹ نہیں، بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تورات نے بھی اصولی تعلیم یہ ہی دی تھی جسکی انبیاء و اولیاء اقتداء کرتے رہے۔ اور اس نے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تعلیمات و اشارات سے راستی و ہدایت کی راہ ڈال دی اور رحمت کے دروازے کھول دیے اب قرآن اترا تو اسکو سچا ثابت کرتا ہوا۔ غرض دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ ہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے۔

۱۳۔ مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۱۸]

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ وہ لوگ ہیں بہشت والے سدا رہیں گے اس میں بدلا ہے ان کاموں کا جو کرتے تھے [۱۹]

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً لِّبِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور ہم نے حکم کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا [۲۰] پیٹ میں رکھا اسکو اسکی ماں نے تکلیف سے اور جنا اسکو تکلیف سے [۲۱] اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے [۲۲] یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا چالیس برس کو [۲۳] کہنے لگا اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تو راضی ہو اور مجھ کو دے نیک اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۗ حَبَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۗ وَحَبْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۗ حَتَّىٰ إِذَا بَدَغَ أَسَدُّهُ وَبَدَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۗ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ ۗ وَأَنْ

ہوں حکم بردار [۲۳]

أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْدِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۗ إِنِّي

تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾

۱۶۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے ہیں بہتر سے بہتر کام جو کئے ہیں اور معاف کرتے ہیں ہم برائیاں ان کی رہنے والے جنت کے لوگوں میں سچا وعدہ جو ان سے کیا جاتا تھا [۲۵]

أُولَئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَبِلُوا  
وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَّ

الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ اور جس شخص نے کہا اپنے مان باپ کو میں بیزار ہوں تم سے [۲۶] کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے اور گزر چکی ہیں بہت جماعتیں مجھ سے پہلے [۲۷] اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ اے خرابی تیری تو ایمان لے آ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے [۲۸] پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں پہلوں کی [۲۹]

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ افِ لَكَمَا اتَعِدْتَنِي ۗ أَنْ

أُخْرَجَ ۚ وَقَدْ خَلَتْ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِهِ ۗ وَهُمَا

يَسْتَعْجِلُنِ اللَّهَ وَيْلَكَ أَمِنْ ۗ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

حَقٌّ ۗ فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ثابت ہوئی بات عذاب کی شامل اور فرقوں میں جو گذر چکے ہیں ان سے پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے [۳۰] بیشک وہ تھے ٹوٹے میں پڑے [۳۱]

أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ

كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور ہر فرقہ کے کئی درجے ہیں اپنے کئے کاموں کے موافق [۳۲] اور تاکہ پورے دے انکو کام انکے اور ان پر ظلم نہ ہوگا [۳۳]

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَبِلُوا ۚ وَيُؤْفِيهِمْ أَعْمَالَهُمْ

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور جس دن لائے جائیں گے منکر آگ کے کنارہ پر ضائع کئے تم نے اپنے مزے دنیا کی زندگانی میں اور انکو برت چکے [۳۴] اب آج سزا پاؤ گے ذلت کا عذاب بدلا اس

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۗ أَلْهَبْتُمْ

طَيِّبَتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا ۚ وَاسْتَتَعْتُمْ بِهَا

کا جو تم غرور کرتے تھے ملک میں نالحق اور اس کا جو تم  
نافرمانی کرتے تھے [۳۵]

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ

تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ

تَفْسُقُونَ ﴿۲۰﴾

۱۸۔ اسی طرح کی آیت ”حم السجده“ چوبیسویں پارہ میں گذر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔

۱۹۔ یعنی اپنے نیک کاموں کے سبب حق تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔

۲۰۔ والدین کے حقوق: قرآن میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کا حق بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ موجد حقیقی تو اللہ ہے لیکن عالم اسباب میں والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری اور حق تعالیٰ کی شان رُبُوبیت کا مظہر خاص بنتے ہیں۔ یہاں بھی پہلے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا ذکر تھا۔ اب والدین کا حق بتلادیا۔ یعنی انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، انکی تعظیم و محبت اور خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھے۔ دوسری جگہ بتلایا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں تب بھی انکے ساتھ دنیا میں معاملہ اچھا رکھنا چاہئے۔ خصوصاً ماں کی خدمت گزاری کہ بعض وجوہ سے اس کا حق باپ سے بھی فائق ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں۔

۲۱۔ بچے کیلئے ماں کی صعوبتیں: یعنی حمل جب کئی مہینہ کا ہو جاتا ہے اس کا ثقل محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس حالت میں اور تولد کے وقت ماں کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کرتی ہے۔ پھر دودھ پلاتی اور برسوں تک اس کی ہر طرح نگہداشت رکھتی ہے۔ اپنی آسائش و راحت کو اس کی آسائش و راحت پر قربان کر دیتی ہے۔ باپ بھی بڑی حد تک ان تکلیفوں میں شریک رہتا اور سامان تربیت فراہم کرتا ہے۔ بیشک یہ سب کام فطرت کے تقاضا سے ہوتے ہیں مگر اسی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کی شفقت و محبت کو محسوس اور انکی محنت و ایثار کی قدر کرے۔ (تنبیہ) حدیث میں ماں کی خدمت گزاری کا تین مرتبہ حکم فرما کر باپ کی خدمت گزاری کا ایک مرتبہ حکم فرمایا ہے لطف یہ ہے کہ آیہ ہذا میں والد کا ذکر صرف ایک مرتبہ لفظ وَالِدِيَّة میں ہوا۔ اور والدہ کا تین مرتبہ ذکر آیا لفظ وَالِدِيَّة میں پھر حَمَلَتْهُ اُمُّهُ میں پھر وَضَعَتْهُ میں۔

۲۲۔ شاید یہ بطور عادت اکثر یہ کہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ لڑکا اگر قوی ہو تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑتا ہے اور نو مہینے میں حمل کے یایوں کہو کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے اور دو برس میں عموماً بچوں کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس طرح کل مدت تیس مہینے ہوئے مدت رضاع کا اس سے زائد ہونا نہایت قلیل و نادر ہے۔

۲۳۔ چالیس برس کی عمر میں عموماً انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت چالیس برس سے پہلے نہ ہوتی تھی۔

۲۴۔ ایک دعاء کی تعلیم: یعنی سعادت مند آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جو احسانات اللہ تعالیٰ کے اس پر اور اسکے ماں باپ پر ہو چکے ان کا شکر ادا کرنے اور آئندہ نیک عمل کرنے کی توفیق خدا سے چاہے اور اپنی اولاد کے حق میں بھی نیکی کی دعا مانگے۔ جو کوتاہی حقوق اللہ یا حقوق العباد میں رہ گئی ہو، اس سے توبہ کرے اور اذراہ تواضع و بندگی اپنی مخلصانہ عبودیت و فرمانبرداری کا اعتراف کرے۔ حضرت ابو بکرؓ کی ایک خصوصیت: صحابہؓ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ خود انکو، انکے ماں باپ کو اور اولاد کو ایمان کے ساتھ صحبت نبی ﷺ کا شرف میسر ہوا۔ صحابہ میں یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

۲۵۔ ایک دعاء کی تعلیم: یعنی ایسے بندوں کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں۔ اور ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے موافق جنت میں ہے۔

۲۶۔ نافرمان اولاد: سعادت مند اولاد کے مقابلہ میں یہ بے ادب، نافرمان اور نالائق اولاد کا ذکر فرمایا کہ ماں باپ اسکو ایمان کی بات سمجھاتے ہیں، وہ نہیں سمجھتا اور نہایت گستاخانہ خطاب کر کے ایذا پہنچاتا ہے۔

۲۷۔ انکار بعث بعد الموت: یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ بھلا کتنی قومیں اور جماعتیں مجھ سے پہلے گذر چکی ہیں۔ کوئی شخص بھی ان میں سے اب تک دوبارہ زندہ ہو کر واپس آیا؟ لوگ ہمیشہ سے یوں ہی سنتے چلے آئے ہیں مگر آج تک اس خبر کا تحقیق ہوا نہیں۔ پھر میں کیونکر اعتبار کر لوں۔

۲۸۔ یعنی اس کی گستاخیوں پر ایک طرف اللہ سے فریاد کرتے اور دعا مانگتے ہیں کہ اسے قبول حق کی توفیق ملے اور دوسری طرف اسکو سمجھاتے ہیں کہ کبخت تیرا استیلاں! اب بھی باز آ جا! دیکھ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ بعث بعد الموت کی جو خبر اس نے دی ہے۔ ضرور اپنے وقت پر پوری ہوگی۔ اس وقت تیرا یہ انکار رنگ لائے گا۔

۲۹۔ یعنی ایسی کہانیاں بہت سنی ہیں۔ پرانے وقتوں کے قصے اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں۔ اور واقع میں ان کا مصداق کچھ نہیں ہوتا۔

۳۰۔ بد بختوں کیلئے جہنم یقینی ہے: ”عذاب کی بات ”وہ ہی ہے۔ لَأَمْلِكَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (السجده۔ ۱۳) یعنی جس طرح بہت سی جماعتیں جنوں اور آدمیوں کی ان سے پہلے جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں، یہ بد بخت بھی ان ہی میں شامل ہیں۔

۳۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر آدمی کے دل میں فطری طور پر جو بیج ایمان و سعادت کا بکھیرا تھا وہ بھی ان بد بختوں نے ضائع کر دیا۔ اس سے زیادہ ٹوٹا اور خسارہ کیا ہو گا کہ کوئی شخص تجارت میں بجائے منافع حاصل کرنے کے راس المال کو ابھی اپنی غفلت و حماقت سے ضائع کر بیٹھے۔

۳۲۔ اہل جنت و دوزخ کے درجات: یعنی اعمال کے تفاوت کی وجہ سے اہل جنت کے کئی درجے ہیں اور اسی طرح اہل دوزخ کے بھی۔

۳۳۔ نہ کسی نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا نہ کسی جرم کی سزا حد مناسب سے زائد کی جائے گی۔

۳۴۔ کافروں کے نیک کام: کافر کے کسی نیک کام میں ایمان کی روح نہیں ہوتی۔ محض صورت اور ڈھانچہ نیکی کا ہوتا ہے۔ ایسی فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی ہے جو اسی زندگی میں مال، اولاد، حکومت، تندرستی، عزت و شہرت وغیرہ کی شکل میں مل جاتا ہے۔ اس کو فرمایا کہ تم اپنی صوری نیکیوں کے مزے دنیا میں لے چکے اور وہاں کی لذتوں سے تمتع کر چکے۔ جو عیش و آرام ایمان لانے کی تقدیر پر آخرت میں ملتا۔ گویا اس کی جگہ بھی دنیا میں مزے اڑا لئے۔ اب یہاں کے عیش میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحب <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> لکھتے ہیں ”جن لوگوں نے آخرت نہ چاہی فقط دنیا ہی چاہی ان کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں مل چکا۔“

۳۵۔ غرور اور نافرمانی کی سزا: یعنی آج تمہاری جھوٹی شیخی اور نافرمانیوں کی سزا میں ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا یہ ہی ایک چیز تمہارے لئے یہاں باقی ہے۔ آگے بعض زور آور اور متکبر قوموں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں انکا انجام کیا ہوا۔

۲۱۔ اور یاد کر عاد کے بھائی کو <sup>[۳۶]</sup> جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں <sup>[۳۷]</sup> اور گذر چکے تھے دڑانے والے اسکے آگے سے اور پیچھے سے کہ بندگی نہ کرو کسی کی اللہ کے سوائے میں ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک بڑے دن کی <sup>[۳۸]</sup>

وَ اذْکُمْ اَخَاعَادٍ اِذْ اَنْذَرْتُمْہُمْ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفِہِ اِلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہَ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ

۲۲۔ بولے کیا تو آیا ہے ہمارے پاس کہ پھیر دے ہم کو ہمارے معبودوں سے سولے آہم پر جو وعدہ کرتا ہے اگر ہے تو سچا [۳۹]

۲۳۔ کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو پہنچا دیتا ہوں جو کچھ بھیج دیا میرے ہاتھ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ نادانی کرتے ہو [۴۰]

۲۴۔ پھر جب دیکھا اس کو ابر سامنے آیا انکے نالوں کے بولے یہ ابر ہے ہم پر برسے گا [۴۱] کوئی نہیں یہ تو وہ چیز ہے جسکی تم جلدی کرتے تھے ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک [۴۲]

۲۵۔ اکھاڑ پھینکے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پھر کل کو رہ گئی کہ کوئی نظر نہیں آتا تھا سوائے انکے گھروں کے یوں ہم سزا دیتے ہیں گنہگار لوگوں کو [۴۳]

۲۶۔ اور ہم نے مقدر دیا تھا انکو ان چیزوں کا جن کا تم کو مقدر نہیں دیا [۴۴] اور ہم نے انکو دیے تھے کان اور آنکھیں اور دل پھر کام نہ آئے انکے کان انکے اور نہ آنکھیں انکی اور نہ دل انکے کسی چیز میں [۴۵] اس لئے کہ منکر ہوتے تھے اللہ کی باتوں سے اور الٹ پڑی ان پر جس بات سے کہ وہ ٹھٹھا کرتے تھے [۴۶]

قَالُوا أَجِئْنَا بِتَأْفِكِنَا عَنِ إِلَهِنَا فَأْتِنَا بِمَا

تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۲﴾

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ

بِهِ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۲۳﴾

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ ۖ قَالُوا

هَذَا عَارِضٌ مُّبْتَرِنًا ۖ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ

رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۴﴾

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا

مَسْكِنُهُمْ ۖ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْجٰرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾

وَلَقَدْ مَكَّنَّهُمْ فِیْهَا ۖ إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِیْهِ وَجَعَلْنَا

لَهُمْ سَمْعًا وَ أَبْصَارًا وَ أَفْئِدَةً ۖ فَبَا أَعْنٰی عَنْهُمْ

سَمْعَهُمْ وَ لَا أَبْصَارَهُمْ وَ لَا أَفْئِدَتَهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۖ إِذْ

كَانُوا یَجْحَدُونَ ۖ بِآیٰتِ اللَّهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا

بِهِ یَسْتَهْزِءُونَ ﴿۲۶﴾

۳۶۔ یعنی حضرت ہوڈجو "عاد" کے قومی بھائی تھے۔

۳۷۔ احقاف کی بستیاں: مؤلف "ارض القرآن" "بلاد الاحقاف" کے تحت میں لکھتا ہے "یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم "الدهنا" یا "ریح خالی" کے نام سے واقع ہے گو وہ آبادی کے قابل نہیں، لیکن اسکے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے

لائق تھوڑی تھوڑی زمین ہے خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیان حصہ میں "عادِ ارم" کا مشہور قبیلہ آباد تھا جسکو خدا نے اسکی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔

۳۸۔ حضرت ہود علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی دعوت توحید: یعنی ہوڈ سے پہلے اور پیچھے بہت ڈرانے والے آئے سب نے وہ ہی کہا جو حضرت ہوڈ نے کہا تھا یعنی ایک خدا کی بندگی کرو اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرو۔ ممکن ہے قوم عاد میں بھی حضرت ہوڈ کے علاوہ اور نذیر آئے ہوں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۳۹۔ کفار کی تکذیب: یعنی ہم اپنے آبائی طریقہ سے ہٹنے والے نہیں۔ اگر تو اپنی دھمکیوں میں سچا ہے تو دیر کیا ہے۔ جو زبان سے کہتا ہے کر کے دکھا دے۔

۴۰۔ حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ: یعنی اس قسم کا مطالبہ کرنا تمہاری نادانی اور جہالت ہے۔ میں خدا کا پیغامبر ہوں جو پیام میرے ہاتھ بھیجا گیا وہ پہنچا رہا ہوں۔ اس سے زائد کا نہ مجھے علم ہے نہ اختیار۔ یہ علم خدا ہی کو ہے کہ مجرم قوم کس وقت دنیوی سزا کی مستوجب ہوتی ہے اور کس وقت تک اسے مہلت ملنی چاہئے۔

۴۱۔ عذاب کا بادل: یعنی سامنے سے بادل اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ سمجھے کہ سب ندی نالے بھر جائیں گے کہنے لگے کہ بہت برس ساؤ گھٹا اٹھی ہے اب کام بن جائے گا۔ اس وقت طویل خشک سالی کی وجہ سے پانی کی بہت ضرورت تھی۔

۴۲۔ عذاب کی آمدھی: یعنی یہ برس ساؤ بادل نہیں۔ بلکہ عذاب الہی کی آمدھی ہے وہ ہی جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔

۴۳۔ آمدھی کی تباہ کاریاں: سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا وہ غضبناک طوفان چلا جس کے سامنے درخت، آدمی اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی ہر چیز ہوانے اکھاڑ پھینکی اور چاروں طرف تباہی نازل ہو گئی۔ آخر مکانوں کے کھنڈرات کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ دیکھ لیا! اللہ کے مجرموں کا حال یہ ہوتا ہے۔ چاہئے کہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آؤ۔ ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو سکتا ہے۔

۴۴۔ یعنی مال، اولاد، جتھے، اور جسمانی طاقت جو انکو دی گئی تھی، تمکو نہیں دی گئی۔ مگر جب عذاب آیا، کوئی چیز کام نہ آئی۔ پھر تم کس بات پر مغرور ہو۔

۴۵۔ یعنی نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دئے گئے تھے پر وہ کسی قوت کو کام میں نہ لائے، اندھے، بہرے اور پاگل بن کر پیغمبروں کے مقابل ہو گئے۔ آخر انجام یہ ہوا کہ یہ قوتیں سب موجود رہیں اور عذاب الہی نے آگھیرا۔ کوئی اندرونی یا بیرونی قوت اس کو دفع نہ کر سکی۔

۴۶۔ انکا تمسخران پر لوٹ گیا: یعنی جس عذاب کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ ان پر واقع ہوا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "انکو دل اور کان اور آنکھ دی تھی۔ یعنی دنیا کے کام میں عقلمند تھے۔ وہ عقل نہ آئی جس سے آخرت بھی درست ہو۔"

۲۷۔ اور ہم غارت کر چکے ہیں جتنی تمہارے آس پاس ہیں بستیاں [۴۷] اور طرح طرح سے پھیر کر سنائیں انکو باتیں تاکہ وہ لوٹ آئیں [۴۸]

الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ پھر کیوں نہ مدد پہنچی انکو ان لوگوں کی طرف فَلَوْ لَا نَصَاهُمْ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ



سے جنکو پکڑا تھا اللہ سے ورے معبود بڑے درجے پانے کو [۴۹] کوئی نہیں گم ہو گئے ان سے [۵۰] اور یہ جھوٹ تھا ان کا اور جو اپنے جی سے باندھتے تھے [۵۱]

قُرْبَانًا لِلَّهِ طَبْلٌ صَلُّوا عَنْهُمْ ۚ وَذَلِكَ اِفْكُهُمْ وَ

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۸﴾

۲۷۔ یعنی "عاد" کے سوا "قوم ثمود" اور "قوم لوط" وغیرہ کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کی جا چکی ہیں۔ جو تمہارے آس پاس واقع تھیں یہ مکہ والوں کو فرمایا۔ کیونکہ سفروں میں ان کا گذران مقامات کی طرف ہوتا تھا۔

۲۸۔ مگر اتنا سمجھانے پر بھی وہ باز نہ آئے۔

۲۹۔ اب باطل معبود کہاں گئے: یعنی جن بتوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ہم انکی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دیں اور بڑے درجے دلائیں وہ اس آڑے وقت میں کیوں کام نہ آئے۔ اب ذرا انکو بلایا ہوتا۔

۵۰۔ یعنی آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ نہ عذاب کے وقت ان کو پکارا جاتا ہے۔ آخر وہ گئے کہاں جو ایسی مصیبت میں بھی کام نہیں آتے۔

۵۱۔ یعنی ظاہر ہوا کہ بتوں کو خدا بنانا اور ان سے امیدیں قائم کرنا محض جھوٹی اور من گھڑت باتیں تھیں۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے کیسے۔ (ربط) اوپر کی آیات میں انسانوں کے تندرستوں کی داستاں تھی۔ آگے اس کے مقابل جنوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا حال سناتے ہیں تا معلوم ہو کہ جو قوم طبعی طور پر سخت تندرست اور سرکش واقع ہوئی ہے اس کے بعض افراد کس طرح اللہ کا کلام سن کر موم ہو جاتے ہیں۔

۲۹۔ اور جس وقت متوجہ کر دیے ہم نے تیری طرف کتنے اک لوگ جنوں میں سے سننے لگے قرآن پھر جب وہاں پہنچ گئے بولے چپ رہو پھر جب ختم ہوا اٹلے پھرے اپنی قوم کو ڈر سناتے ہوئے [۵۲]

وَ اِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفْرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَبِعُونَ  
الْقُرْآنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا اَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ

وَلَوْ اِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ بولے اے قوم ہماری ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے موسیٰ کے بعد [۵۳] سچا کرنے والی سب اگلی کتابوں کو [۵۴] سمجھاتی ہے سچا دین اور ایک راہ سیدھی [۵۵]

قَالُوا يَقَوْمَنَا اِنَّا سَبِعْنَا كِتَابًا اُنزِلَ مِنْ بَعْدِ  
مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي اِلَى الْحَقِّ

وَ اِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ اے قوم ہماری مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ [۵۶] کہ بخشنے تمکو کچھ تمہارے گناہ [۵۷] اور بچا

يَقَوْمَنَا اَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ

دے تمکو ایک عذاب دردناک سے

مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِزْكُمْ مِّنْ عَذَابِ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي  
الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۗ أُولَٰئِكَ فِي

۳۲۔ اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ  
تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اس کا اسکے  
سوائے مددگار [۵۸] وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح

### ضَلَّلِ مُبِينٍ ﴿۳۲﴾

۵۲۔ جنات کا قرآن سننا اور ایمان لانا: بعثت محمدی سے قبل جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب حضور پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شہب کی مار پڑنے لگی۔ جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر سخت پہرے بٹھلائے گئے ہیں۔ اسی کی جستجو کے لئے جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت ”بطن نخلہ“ کی طرف گذری۔ وہاں اتفاق سے اس وقت حضور پر نور ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن سننے کے لئے ادھر پھیر دیا۔ قرآن کی آواز انہیں بہت عجیب اور موثر و دلکش معلوم ہوئی اور اس کی عظمت و ہیبت دلوں پر چھا گئی۔ آپس میں کہنے لگے کہ چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام پاک سنو۔ آخر قرآن کریم نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ہی نئی چیز ہے جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہر حال جب حضور قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے، یہ لوگ اپنے دلوں میں ایمان و ایقان لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی۔ انکی مفصل باتیں سورہ ”جن“ میں آئیں گی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ حضور ﷺ کو انکے آنے جانے اور سننے سنانے کا پتہ نہیں لگا۔ ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ ﷺ کو دی اور مفصل حال اس کے بعد وحی کے ذریعہ سے معلوم کرایا گیا کما قال تعالیٰ قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (جن۔ ۱) بعدہ بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کے لئے انکے وفود حاضر خدمت ہوئے۔ خفاجی نے روایت کی بناء پر دعویٰ کیا ہے کہ چھ مرتبہ آپ نے جنوں سے ملاقات کی۔ اس لئے روایات میں جو اختلاف انکے عدید اور سرے امور کے متعلق معلوم ہوتا ہے اسکو تعدد و قانع پر حمل کرنا چاہئے۔

۵۳۔ جنات کی قوم کو قرآن کے بارے میں اطلاع: کتب سابقہ میں حضرت موسیٰ کی کتاب (تورات) کی برابر کوئی کتاب احکام و شرائع کو حاوی نہیں تھی۔ اسی پر انبیائے بنی اسرائیل کا عمل رہا۔ حضرت مسیحؑ نے بھی یہی فرمایا کہ میں تورات کو بدلنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ اس کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔ اور حضرت سلیمانؑ کے وقت سے جنوں میں تورات ہی مشہور چلی آتی تھی۔ اس لئے اس موقع پر انہوں نے اسی کی طرف اشارہ کیا۔ خود تورات میں جو پیشین گوئی نبی کریم ﷺ کی آئی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ ”اے موسیٰ (تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا۔“

۵۴۔ شاید اس وقت قرآن کا جو حصہ حضور ﷺ نے تلاوت فرمایا تھا اس میں ایسا مضمون آیا ہو گا۔ یا قرآن سے سمجھے ہوں گے۔

۵۵۔ یعنی سچے عقیدے اور عمل کا سیدھا راستہ۔

۶۱۔ دوزخ دیکھ کر کفار کا اقرار: یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دوزخ کا وجود اور اس کا عذاب کیا واقعی چیز نہیں؟ آخر سب ذلیل ہو کر اقرار کریں گے کہ بیشک واقعی ہے۔ (ہم غلطی پر تھے جو اس کا انکار کیا کرتے تھے)۔

۶۲۔ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ اچھا اب اس انکار و تکذیب کا مزہ چکھتے رہو۔

۵۶۔ جنات کو اسلام کی تبلیغ: یعنی اس کی بات مانو جو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اور اسکی رسالت پر یقین کرو۔

۵۷۔ یعنی جو گناہ حالت کفر میں کر چکے ہو، اسلام کی برکت سے سب معاف ہو جائیں گے۔ آئندہ سے نیا کھاتہ شروع ہو گا۔ لیکن یاد رہے کہ

یہاں ذنوب کا ذکر ہے۔ حقوق العباد کا معاف ہونا اس سے نہیں نکلتا۔

۵۸۔ یعنی نہ خود بھاگ کر خدا کی مار سے بچ سکے نہ کوئی دوسرا بچا سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ”فی الارض“ کی قید پر لکھتے ہیں کہ (شیاطین کو) اوپر سے فرشتے مارتے ہیں تو زمین ہی کو بھاگتے ہیں۔“

۳۳۔ کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور نہ تھکا انکے بنانے میں [۵۹] وہ قدرت رکھتا ہے کہ زندہ کرے مردوں کو کیوں نہیں وہ ہر چیز کر سکتا ہے [۶۰]

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْزُبْ بِخَلْقِهِنَّ بِقَدْرِ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ

السَّمَوَاتِ ۖ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور جس دن سامنے لائیں منکروں کو آگ کے کیا یہ ٹھیک نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی [۶۱] کہا تو چکھو عذاب بدلا اس کا جو تم منکر ہوتے تھے [۶۲]

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۖ قَالَ فَذُوقُوا

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ سو تو ٹھہرا رہے جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے رسول اور جلدی نہ کر انکے معاملہ میں [۶۳] یہ لوگ جس دن دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ ہے جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن کی [۶۴] یہ پہنچا دینا ہے اب وہی غارت ہوں گے جو لوگ نافرمان ہیں [۶۵]

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ ۖ لَمْ يَلْبَسُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۖ بَلَّغْ فَمَهْلُكُ

إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ ﴿۳۵﴾

۵۹۔ اللہ تھکتا نہیں ہے: اس لفظ میں ”یہود“ کے عقیدہ کا رد ہے جو کہتے تھے کہ چھ دن میں اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے ثُمَّ اسْتَرَامَ (پھر ساتویں دن آرام کرنے لگا) العیاذ باللہ۔

۶۰۔ یعنی بڑا عذاب مرنے کے بعد ہو گا اور اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ مر کر کہاں زندہ ہوتے ہیں۔ اللہ کو یہ کچھ مشکل نہیں جو آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے نہ تھکا، اس کو تمہارا دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

۶۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین: یعنی جب معلوم ہو چکا کہ منکرین کو سزا ملنی ضرور ہے۔ آخرت میں طے یاد نیا میں بھی۔ تو آپ ﷺ ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ ایک معیاد معین تک صبر کرتے رہیں جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے۔ (تنبیہ) بعض سلف نے کہا کہ سب رسول اولوالعزم (ہمت والے) ہیں اور عرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ حضرت نوحؑ،

حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ۔

۶۴۔ دنیا کی زندگی ایک گھڑی کے برابر ہے: ”ڈھیل نہ پائی تھی“۔ دنیا میں، یعنی اب تو دیر سمجھتے ہیں کہ عذاب جلد کیوں نہیں آتا اس دن جانیں گے کہ بہت شباب آیا۔ دنیا میں ایک ہی گھڑی رہے۔ یا عالم قبر کارہنا ایک گھڑی معلوم ہو گا۔ قاعدہ ہے کہ گزری ہوئی مدت تھوڑی معلوم ہو ا کرتی ہے خصوصاً سختی اور مصیبت کے وقت عیش و آرام کا زمانہ بہت کم نظر آنے لگتا ہے۔

۶۵۔ یعنی ہم نے نصیحت کی بات پہنچادی، اور سب نیک و بد سمجھا دیا۔ اب جو نہ مانیں گے وہ ہی تباہ و برباد ہوں گے۔ ہماری طرف سے حجت تمام ہو چکی اور کسی کو بے قصور ہم نہیں پکڑتے اسی کو غارت کرتے ہیں جو غارت ہونے ہی پر کمر باندھ لے۔

تم سورة الاحقاف بفضل اللہ و حسن توفيقہ۔ فلله الحمد والمنة

رکوعاتھا ۲

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ ۹۵

آیاتھا ۳۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اوروں کو اللہ کی راہ سے [۱] کھو دیے اللہ نے انکے لئے کام [۲]

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اَضَلَّ

اَعْبَالَهُمْ ﴿۱﴾

۲۔ اور جو یقین لائے اور کئے بھلے کام اور مانا اسکو جو اتر احمد پر اور وہی ہے سچا دین انکے رب کی طرف سے ان پر سے اتاریں انکی برائیاں اور سنورا انکا حال [۳]

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوا بِمَا نَزَّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ

عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾

۳۔ یہ اس لئے کہ جو منکر ہیں وہ چلے جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے انہوں نے مانی سچی بات اپنے رب کی طرف سے یوں بتلاتا ہے اللہ لوگوں کو انکے احوال [۴]

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبٰطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾

۱۔ جیسا کہ رؤسائے کفار کی عادت تھی کہ جان اور مال اور ہر طرح سے اس میں کوشش کرتے تھے۔

۲۔ ایمان کے بغیر اعمال مقبول نہیں: یعنی جن اعمال کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں بوجہ عدم ایمان کے وہ مقبول نہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض کام اور اٹے موجب عتاب ہوتے ہیں۔ جیسے لوگوں کو اسلام سے روکنے میں پیسہ خرچ کرنا۔

۳۔ امت محمدیہ پر اللہ کا انعام: یعنی برائیوں کی عادت چھڑا کر اللہ تعالیٰ ان کا حال سنوار دیتا ہے کہ یونانیوں مانگی میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اور آخرت میں ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اچھے حال میں رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”پہلے زمانہ میں ساری مخلوق ایک شریعت کی مکلف نہ تھی۔ اس وقت سب جہان کو ایک حکم ہے، اب سچا دین یہی ہے۔ اور برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی، لیکن سچا دین ماننے کو یہ قبولیت ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف، اور نہ ماننے کی یہ سزا ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔“

۴۔ یعنی اس طرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو انکے بھلے برے احوال پر متنبہ کرتا ہے۔ تاباطل پرستی کی نحوست و شامت اور حق پرستی کی برکت انکے پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۴۔ سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو انکو تو مضبوط باندھ لو قید پھر یا احسان کیجیو اور یا معاوضہ لیجیو [۵] جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار [۶] یہ سن چکے اور اگر چاہے اللہ تو بدلا لے ان سے پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو [۷] اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ ضائع کرے گا وہ انکے لئے کام

فَإِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ  
حَتَّىٰ إِذَا أَثَخْتُهُمْ فَشُدُّوا الْوَتَاقَ ۗ فَمَا  
مِنَّا بَعْدُ وَ إِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ  
أُوزَارَهَا ۗ ذَٰلِكَ ۗ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَمَا مِنْهُمْ  
وَلَكِن لِّيَبْلُوًا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿۳﴾

۵۔ انکو راہ دے گا اور سنوارے گا ان کا حال [۸]

۶۔ اور داخل کرے گا انکو بہشت میں جو معلوم کرادی ہے انکو [۹]

۷۔ اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی [۱۰] تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جمادے گا تمہارے پاؤں [۱۱]

۸۔ اور جو لوگ کہ منکر ہوئے وہ گرے منہ کے بل اور کھو دیے انکے لئے کام [۱۲]

۹۔ یہ اس لئے کہ انکو پسند نہ ہو اجواتار اللہ نے پھر اکارت کر دیے انکے لئے کام [۱۳]

۱۰۔ کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے تھے ہلاکی ڈالی اللہ نے ان پر اور منکروں کو ملتی رہی ہیں ایسی چیزیں [۱۴]

سَيَهْدِيهِمْ وَيُضِلُّهُمْ بِاللَّهِمْ ﴿۴﴾

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿۵﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَ  
يُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿۶﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسَا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿۷﴾

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ

أَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

وَاللَّكْفَرِينَ أَمْثَلَهَا ﴿۹﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَّ اَنَّ  
 الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾  
 ۱۱۔ یہ اس لئے کہ اللہ رفیق ہے ان کا جو یقین لائے اور یہ  
 کہ جو منکر ہیں ان کا رفیق نہیں کوئی [۱۱]

الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

۵۔ جہاد میں سختی کا حکم: یعنی حق اور باطل کا مقابلہ تو رہتا ہی ہے۔ جس وقت مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہئے۔ باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے شہید مارے جائیں اور انکے جتنے توڑ دیے جائیں۔ اس لئے ہنگامہ کارزار میں کسل، سستی، بزدلی اور توقف و تردد کو راہ نہ دو۔ اور دشمنان خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو۔ کافی خونریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے۔ قال تعالیٰ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ اَسْمٰى حَتّٰى يُّثْبِتَ فِي الْاَرْضِ (انفال-۶۸)۔

جہاد کے قیدی اور انکے احکام: یہ قید و بند ممکن ہے ان کے لئے تازیانہ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اپنی اور تمہاری حالت کے جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع بہم پہنچائے شدہ شدہ وہ لوگ حق و صداقت کا راستہ اختیار کر لیں۔ یا مصلحت سمجھو تو بدو ان کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے قید سے رہا کرو۔ اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے تمہارے احسان اور خوبی اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں۔ اور یہ بھی کر سکتے ہو کہ زرفدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دو اس میں کئی طرح کے فائدے ہیں۔ بہر حال اگر ان اسیران جنگ کو انکے وطن کی طرف واپس کر دو تو وہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو صورت امام کے نزدیک اصلاح ہو اختیار کر سکتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات موجود ہیں ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں۔ ڈٹی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنا لینا، یا قتل کر دینا۔ احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہو جو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہو سکتی تھی البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

۶۔ جہاد کی مشروعیت کی حکمت: یعنی یہ حرب و ضرب اور قید و بند کا سلسلہ برابر جاری رہے گا تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور جنگ موقوف ہو جائے۔

۷۔ یعنی خدا کو قدرت ہے کہ ان کافروں کو کوئی آسانی عذاب بھیج کر "عاد" و "ثمود" وغیرہ کی طرح ہلاک کر ڈالے۔ لیکن جہاد و قتال شروع کر کے اسے بندوں کا امتحان کرنا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور کفار میں سے کتنے لوگ ان تنبیہی کارروائیوں سے بیدار ہوتے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ نے دے رکھی ہے کہ پہلی قوموں کی طرح ایک دم پکڑ کر استیصال نہیں کر دیتا۔

۸۔ شہیدوں کی حقیقی کامیابی: یعنی جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے بظاہر یہاں کامیاب نظر نہ آتے ہوں۔ لیکن حقیقت وہ کامیاب ہیں۔ اللہ انکے کام ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ انجام کار انکی محنت ٹھکانے لگائے گا۔ انکو جنت کی راہ دے گا اور آخرت کی تمام منازل و مواقف میں ان کا حال درست رکھے گا۔

۹۔ جنت میں اپنے ٹھکانوں کی پہچان: یعنی جس جنت کا حال انکو انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اپنے وجدان صحیح سے معلوم ہو چکا تھا اس میں داخل کئے جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ہر جنتی اپنے ٹھکانے کو خود بخود پہچان لے گا اسکے دل کی کشش ادھر ہی ہوگی جہاں اسکو رہنا ہے۔ (تنبیہ) ابن

عباسؓ نے عَمَّا فَهَمَّ هُمْ کے معنی طَيَّبَهَا هُمْ کے لئے ہیں۔ یعنی جنت انکے لئے خوشبوؤں سے مہکادی گئی ہے۔  
۱۰۔ یعنی اللہ کے دین کی اور اسکے پیغمبر کی۔

۱۱۔ دین کی خدمت کرنے والوں کی فضیلت: یعنی جہاد میں اللہ کی مدد سے تمہارے قدم نہیں ڈگ گائیں گے اور اسلام و طاعت پر ثابت قدم رہو گے جس کے نتیجے میں "صراط" پر ثابت قدمی نصیب ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے۔ پر یہ بھی منظور نہیں۔ جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔"

۱۲۔ منکرین کی بد حالی: یعنی جس طرح مومنین کے قدم جمادیے جاتے ہیں اس کے برعکس منکروں کو منہ کے بل گرا دیا جاتا ہے اور جیسے خدا کی طرف سے مومنین کی مدد کی جاتی ہے، اس کے خلاف کافروں کے کام برباد کر دیے جاتے ہیں۔

۱۳۔ یعنی جب انہوں نے اللہ کی باتوں کو ناپسند کیا تو اللہ انکے کام کیوں پسند کرے گا اور جو چیز خدا کو ناپسند ہو وہ محض اکارت ہے۔

۱۴۔ یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو منکروں کی کسی گت بنی اور کس طرح انکے منسوبے خاک میں ملا دیے گئے۔ کیا آج کل کے منکروں کو ایسی سزائیں نہیں مل سکتیں۔

۱۵۔ اللہ مومنوں کا رفیق ہے: یعنی اللہ مومنین صالحین کا رفیق ہے جو وقت پر انکی مدد کرتا ہے۔ کافروں کا ایسا رفیق کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آسکے۔ "غزوہ احد" میں ابوسفیان نے پکارا تھانا الْعَزْمَى وَلَا عَزْمَى لَكُمْ۔ آپ نے فرمایا پکارو اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ

۱۲۔ مقرر اللہ داخل کرے گا انکو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں اور جو لوگ منکر ہیں برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کہ کھائیں چوپائے اور آگ ہے گھر ان کا [۱۶]

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ  
كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَ  
النَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور کتنی تمہیں بستیاں جو زیادہ تمہیں زور میں اس تیری بستی سے جس نے تجھ کو نکالا ہم نے انکو غارت کر دیا پھر کوئی نہیں ان کا مددگار [۱۷]

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ  
الَّتِي أَخْرَجْتِكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

۱۴۔ بھلا ایک جو چلتا ہے واضح رستہ پر اپنے رب کے برابر ہے اسکے جسکو بھلا دکھلایا اس کا برا کام اور چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر [۱۸]

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَنَّ زَيْنًا لَهُ  
سُوءُ عَمَلِهِ وَاَتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٤﴾

۱۵۔ احوال اس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا ہے ڈرنے والوں

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ



سے اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا [۱۹] اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا [۲۰] اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے [۲۱] اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتر اہوا [۲۲] اور انکے لئے وہاں سب طرح کے میوے ہیں [۲۳] اور معافی ہے انکے رب سے [۲۴] یہ برابر ہے اسکے جو سدا رہے آگ میں اور پلایا جائے انکو کھولتا پانی تو کاٹ نکالے انکی آنتیں [۲۵]

مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ اسِنَّ ۚ وَ اَنْهَرُ مِّنْ لَّبَنِ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۚ وَ اَنْهَرُ مِّنْ خَبْرِ لَّدَّةٍ لِلشُّرْبَيْنِ ۙ وَ اَنْهَرُ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۙ وَ لَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ ۗ كَنْزٌ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَ سُقُوا مَاءً حَبِيْبًا فَقَطَّعَ اَمْعَاءَهُمْ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ کفار چوپایوں کی طرح کھاتے ہیں: یعنی دنیا کا سامان برت رہے ہیں اور مارے حرص کے بہائم کی طرح اناپ شناپ کھاتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجہ کی خبر نہیں کہ کل یہ کھایا یا کس طرح نکلے گا۔ اچھا چند روز مزے اڑالیں انکے لئے آگ کا گھرتیار ہے۔

۱۷۔ اہل مکہ کو تنبیہ: یعنی دوسری قوموں کو جو زور و طاقت میں مکہ والوں سے کہیں بڑھ کر تھیں ہم نے تباہ کر چھوڑا اور کوئی انکی مدد کو نہ پہنچا۔ پھر یہ کس بات پر اترتے ہیں۔ (تنبیہ) قَهْرِيَّتِكَ اَلَّتِي اَخْرَجْتِكَ سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ وہاں کے لوگوں نے ایسی حرکات کیں کہ آپ کو وطن مالوف و محبوب چھوڑنا پڑا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے رخصت ہوتے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم تو تمام شہروں میں اللہ کے نزدیک اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اور اگر میری قوم مجھ کو تیرے اندر سے نہ نکالتی میں تجھ کو نہ چھوڑتا۔

۱۸۔ ہدایت یافتہ اور گمراہ برابر نہیں: یعنی ایک شخص نہایت شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف اور کشادہ سڑک پر بے کھٹکے چلا جا رہا ہے، اور دوسرا اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھاتا ہے، جس کو سیاہ و سفید یا نیک و بد کی کچھ تمیز نہیں۔ حتیٰ کہ اپنی بے تمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ حق تعالیٰ کی شان حکمت و عدل کے منافی نہیں ہے۔

۱۹۔ جنت کی نہریں: یعنی طول مکث یا کسی چیز کے اختلاط سے اس کی بو نہیں بدلی۔ شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ کسی طرح کے تغیر کو اسکی طرف راہ نہیں۔

۲۰۔ دودھ کی نہریں: یعنی دنیا کے دودھ پر قیاس نہ کرو۔ اتنی مدت گزرنے پر بھی اسکے مزے میں فرق نہیں آیا۔

۲۱۔ شراب کی نہریں: یعنی وہاں کی شراب میں خالص لذت اور مزہ ہی ہے نہ نشہ ہے نہ شکستگی نہ تلخی نہ سرگرانی نہ کوئی اور عیب و نقصان۔

۲۲۔ شہد کی نہریں: یعنی صاف و شفاف شہد جس میں تکدر تو کہاں ہوتا جھاگ تک نہیں (تنبیہ) یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہوا جن میں پانی تو ایسی چیز ہے کہ انسان کی زندگی اس سے ہے اور دودھ غذائے لطیف کا کام دیتا ہے اور شراب سرور و نشاط کی چیز ہے۔ اور شہد کو شِفَاءٌ لِلنَّاسِ فرمایا گیا ہے۔

۲۳۔ مشروبات کے بعد یہ ماکولات کا ذکر فرمایا۔

۲۴۔ یعنی سب خطائیں معاف کر کے جنت میں داخل کریں گے۔ وہاں پہنچ کر کبھی خطاؤں کا ذکر بھی نہ آئے گا جو انکی کلفت کا سبب بنے اور نہ

آئندہ کسی بات پر گرفت ہوگی۔

۲۵۔ جہنم میں کفار کی سزائیں: یعنی کھولتا ہوا پانی جب دوزخیوں کو پلائیں گے تو آنتیں کٹ کر باہر آپڑیں گی۔ (اعاذنا اللہ منہ)۔

۱۶۔ اور بعضے ان میں ہیں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں انکو جنکو علم ملا ہے کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی [۲۶] یہ وہی ہیں جنکے دلوں پر مہر لگا دی ہے اللہ نے اور چلے ہیں اپنی خواہشوں پر [۲۷]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَبِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا  
مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ  
أَنفًا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَ  
اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں انکو اور بڑھ گئی اس سے سوچ اور انکو اس سے ملائج کر چلنا [۲۸]

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًىٰ وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ اب یہی انتظار کرتے ہیں قیامت کا کہ آکھڑی ہو ان پر اچانک سو آچکی ہیں اسکی نشانیاں پھر کہاں نصیب ہو گا انکو جب وہ آپہنچے ان پر سمجھ پکڑنا [۲۹]

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً  
فَقَدْ جَاءَ أَشْطَاهَا ۗ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ  
ذِكْرُهُمْ ﴿۱۸﴾

۲۶۔ منافقین کا اعراض: اوپر مومنوں اور کافروں کا حال مذکور تھا۔ ایک قسم کافروں کی وہ ہے جسے منافق کہتے ہیں یعنی ظاہر میں اسلام کا دعویٰ اور باطن میں اس سے انحراف۔ اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔ یعنی یہ لوگ بظاہر پیغمبر کی بات سننے کے لئے کان رکھتے ہیں۔ مگر نہ دلی توجہ، نہ سمجھ، نہ یاد، جب مجلس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی پیغمبر علیہ السلام) نے ابھی ابھی کیا بیان کیا تھا۔ شاید اس دریافت کرنے سے مقصود ادھر تعریض کرنا ہو گا کہ ہم انکی بات کو لائق اعتناء نہیں سمجھتے نہ توجہ سے سنتے ہیں۔

۲۷۔ یعنی ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ انکے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ پھر نیکی کی توفیق قطعاً نہیں ہوتی۔ محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے۔

۲۸۔ یعنی سچائی کے راستے پر چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی روز بروز ہدایت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اسکی سوچ بوجھ اور پرہیزگاری بڑھتی جاتی ہے۔

۲۹۔ قیامت کی نشانیاں آچکی ہیں: یعنی قرآن کی نصیحتیں، گذشتہ اقوام کی عبرت ناک مثالیں اور جنت و دوزخ کے وعدہ و وعید سب سن چکے۔ اب ماننے کے لئے کس وقت کا انتظار ہے۔ یہ ہی کہ قیامت کی گھڑی انکے سر پر اچانک آکھڑی ہو۔ سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آچکیں اور جب خود قیامت آکھڑی ہوگی، اس وقت ان کے لئے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ یعنی وہ سمجھنا اور ماننا بیکار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "بڑی نشانی قیامت کی ہمارے نبی کا پیدا ہونا ہے۔ سب خاتم النبیین کی راہ دیکھتے تھے۔ جب وہ

آچھے (مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا) اب قیامت ہی باقی ہے ”حدیث میں نبی کریم ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اِنَاءَ السَّاعَةِ كَهَاتَيْنِ (میں اور قیامت اس طرح ہیں) گویا میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکل ہوئی ہے۔ شرح صحیح مسلم میں ہم نے اس کی مفصل تقریر کی ہے۔ یہاں گنجائش نہیں۔

۱۹۔ سو تو جان لے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لئے [۳۰] اور اللہ کو معلوم ہے بازگشت

تمہاری اور گھر تمہارا [۳۱]

وَمَثُوكُمْ ۱۹

۳۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی توضیح: ہر ایک کا ذنب (گناہ) اس کے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہت اچھا پہلو چھوڑ کر کم اچھا پہلو اختیار کرنا گو وہ حدود و اجواز و استحسان میں ہو، بعض اوقات مقررین کے حق میں ذنب (گناہ) سمجھا جاتا ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُتَّقِينَ کے یہ ہی معنی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دن میں سو بار استغفار فرماتے تھے (تنبیہ) فَاعْلَمَ اَنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ الخ کا خطاب ہر ایک مخاطب کو ہے۔ اور اگر خاص نبی کریم ﷺ مخاطب ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اس علم پر برابر جتنے رہیے۔ اور استغفار کرتے رہے۔ اور فَاعْلَمَ کی تفریح ماقبل پر اس طرح ہے کہ قیامت آنے کے بعد کسی کو ایمان و توبہ وغیرہ نافع نہیں تو آدمی کو چاہئے کہ اس کے آنے سے قبل صحیح معرفت حاصل کرے۔ اور ایمان و استغفار کے طریق پر مستقیم رہے۔

۳۱۔ یعنی جتنے پردوں میں پھر گے پھر بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے جو تمہارا اصلی گھر ہے۔

۲۰۔ اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتری ایک سورت [۳۲] پھر جب اتری ایک سورت جاچی ہوئی [۳۳] اور ذکر ہو اس میں لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے انکو جتنے دل میں روگ ہے تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بیہوش پڑا ہوا مرنے کے وقت سو خرابی ہے انکی [۳۴]

وَيَقُولُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لَوْلَا نَزَّلَتْ سُوْرَةٌ فَاِذَا  
اُنزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذَكَرَ فِيْهَا الْقِتَالَ  
رَاَيْتَ الَّذِينَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنظُرُوْنَ اِلَيْكَ

نَظَرَ الْمَغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۲۰

۲۱۔ حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے تو ان کا بھلا ہے [۳۵]

طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَؤَلٰى

صَدَقُوْا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۲۱

۲۲۔ پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمکو حکومت مل

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تَفْسِدُوْا فِي

جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں [۳۶]

الْأَرْضِ وَتَقَطُّوْا أَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا انکو بہر اور اندھی کر دیں انکی آنکھیں [۳۷]

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى

أَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

۲۴۔ کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں انکے قفل [۳۸]

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

۲۵۔ بیشک جو لوگ اٹے پھر گئے اپنی پیٹھ پر بعد اسکے کہ ظاہر ہو چکی ان پر سیدھی راہ شیطان نے بات بنائی انکے دل میں اور دیر کے وعدے کئے [۳۹]

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمَلَىٰ

لَهُمْ ﴿۲۵﴾

۲۶۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں سے جو بیزار ہیں اللہ کی اتاری کتاب سے ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعض کاموں میں اور اللہ جانتا ہے ان کا مشورہ کرنا [۴۰]

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَلَّذِينَ كَرِهُوا مَّا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

إِسْمَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

۲۷۔ پھر کیسا ہو گا حال جبکہ فرشتے جان نکالیں گے انکی مارتے جاتے ہوں انکے منہ پر اور پیٹھ پر [۴۱]

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهُهُمْ

وَأَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾

۲۸۔ یہ اس لئے کہ وہ چلے اس راہ جس سے اللہ بیزار ہے اور ناپسند کی اسکی خوشی پھر اس نے اکارت کر دیے انکے کیے کام [۴۲]

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَّا آسَخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا

رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

۲۹۔ کیا خیال رکھتے ہیں وہ لوگ جنکے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ظاہر نہ کر دے گا انکے کینے [۴۳]

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَنْ لَّنْ

يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

۳۰۔ اگر ہم چاہیں تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ سو تو پہچان تو چکا ہے اُنکو اُنکے چہرہ سے اور آگے پہچان لے گا بات کے ڈھب سے [۳۴] اور اللہ کو معلوم ہیں تمہارے سب کام [۳۵]

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسَبِيهِمْ ۗ وَ تَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْبَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ اور البتہ ہم تم کو جانیں گے تا معلوم کر لیں جو تم میں لڑائی کرنے والے ہیں اور قائم رہنے والے [۳۶] اور تحقیق کر لیں تمہاری خبریں [۳۷]

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْجُهْدِيْنَ مِنْكُمْ ۗ وَ الصَّابِرِيْنَ ۗ وَ نَبْلُوْا اٰخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ یعنی ایسی سورت جس میں جہاد کی اجازت ہو۔

۳۳۔ یعنی سچے تلے احکام پر مشتمل ہے جو غیر منسوخ ہیں اور ٹھیک اپنے وقت پر اترتے ہیں۔

۳۴۔ جہاد کے حکم پر منافقین کی دہشت: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”مسلمان سورت مانگتے تھے۔ یعنی کافروں کی ایذا سے عاجز ہو کر آرزو کرتے تھے کہ اللہ جہاد کا حکم دے تو جو ہم سے ہو سکے کر گذریں۔ جب جہاد کا حکم آیا تو منافق اور کچے لوگوں پر بھاری ہوا۔ خوفزدہ اور بے رونق آنکھوں سے پیغمبر کی طرف دیکھنے لگے کہ کاش ہم کو اس حکم سے معاف رکھیں۔ بچد خوف میں بھی آنکھ کی رونق نہیں رہتی۔ جیسے مرتے وقت آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے۔“

۳۵۔ یعنی ظاہر میں یہ لوگ فرمانبرداری کا اظہار اور زبان سے اسلام و احکام اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ ہے کہ عملاً خدا اور رسول کا حکم مانیں اور بات اچھی اور معقول کہیں پھر جب جہاد وغیرہ میں کام کی تاکید اور زور آپڑے اس وقت اللہ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو یہ صورت انکی بہتری اور بھلائی کی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی حکم شرع کو نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ کا حکم ہر طرح ماننا ہی چاہئے۔ پھر رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو کیوں لڑوائے۔ ہاں جب بہت ہی تاکید آپڑے اسی وقت لڑنا ضروری ہوگا۔ نہیں تو لڑنے والے بہت ہیں۔“

۳۶۔ اقتدار کی حالت میں فتنہ و فساد: یعنی حکومت و اقتدار کے نشہ میں لوگ عموماً اعتدال و انصاف پر قائم نہیں رہا کرتے۔ دنیا کی حرص اور زیادہ بڑھ جاتی ہے پھر جاہ و مال کی کشمکش اور غرض پرستی میں جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے عام فتنہ و فساد اور ایک دوسرے سے قطع تعلق۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی جان سے تنگ ہو کر جہاد کی آرزو کرتے ہو۔ اور اگر اللہ تم ہی کو غالب کر دے تو فساد نہ کرنا۔“ (تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ حکومت مل جانے سے کیا ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے۔ دوسرے علماء تَوَلَّيْتُمْ کو بمعنی اعراض لے کر یوں مطلب لیتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے دنیا میں امن و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جب دنیا میں امن و انصاف نہ رہے گا تو ظاہر ہے فساد، بد امنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا۔ اور بعض نے اس طرح تفسیر کی ہے کہ اگر تم ایمان لانے سے اعراض کرو گے تو زمانہ جاہلیت کی کیفیت عود کر آئے گی جو خرابیاں اور فساد اس وقت تھے اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر رشتے ناتے قطع ہو جاتے تھے، وہ ہی سب نقشہ پھر قائم ہو جائے گا اور اگر آیت میں خاص منافقین سے خطاب مانا جائے تو ایک

مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جہاد سے اعراض کرو گے تو تم سے یہ ہی توقع کی جا سکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤ گے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابتیں ہیں انکی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے کھلے کافروں کے مددگار بنو گے۔

۳۷۔ ظالم حکومت پر لعنت: یعنی حکومت کے غرور میں اندھے بہرے ہو کر ظلم کرنے لگے۔ پھر کسی کا سمجھایا نہ سمجھے۔ خدا کی پھینکانے بالکل ہی سنگدل بنا دیا۔ اور یہ سب کچھ ان ہی کی سوء اختیار اور قصور استعداد سے ہوا۔

۳۸۔ قرآن میں غور نہیں کرتے: یعنی منافق قرآن میں غور نہیں کرتے یا انکی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا۔ اگر قرآن کے سمجھنے کی توفیق ملتی تو باآسانی سمجھ لیتے کہ جہاد میں کس قدر دنیوی و اخروی فوائد ہیں۔

۳۹۔ منافقین کو شیطان کا دھوکہ: یعنی منافقین اسلام کا اقرار کرنے اور اسکی سچائی ظاہر ہو چکنے کے بعد وقت آنے پر اپنے قول و قرار سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جہاد میں شرکت نہیں کرتے۔ شیطان نے انکو یہ بات سمجھادی ہے کہ لڑائی میں نہ جائیں گے تو دیر تک زندہ رہیں گے۔ خواہ مخواہ جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔ اور نہ معلوم کیا کچھ سمجھاتا اور دور دراز کے لمبے چوڑے وعدے دیتا ہے۔ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (النساء۔ ۱۲۰)۔

۴۰۔ منافقوں نے یہود وغیرہ سے کہا کہ گو ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہو کر تم سے نہ لڑیں گے۔ بلکہ موقع ملا تو تمکو مدد دیں گے اور اس قسم کے کاموں میں تمہاری بات مانیں گے۔

۴۱۔ یعنی اس وقت موت سے کیونکر بچیں گے۔ بیشک اس وقت نفاق کا مزہ چکھیں گے۔

۴۲۔ یعنی اللہ کی خوشنودی کا راستہ پسند نہ کیا۔ اسی راہ پر چلے جس سے وہ ناراض ہوتا تھا۔ اس لئے موت کے وقت یہ بھیانک سماں دیکھنا پڑا۔ اور اللہ نے ان کے کفر و طغیان کی بدولت سب عمل بیکار کر دیے۔ کسی عمل نے انکو دوسری زندگی میں فائدہ نہ پہنچایا۔

۴۳۔ منافقین کی کینہ پروری ظاہر کی جائیگی: یعنی منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جو حاسدانہ عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں، کیا یہ خیال ہے کہ وہ دلوں میں پنہاں ہی رہیں گے؟ اللہ انکو طشت از بام نہ کرے گا؟ اور مسلمان انکے مکر و فریب پر مطلع نہ ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان کا خبث باطن ضرور ظاہر ہو کر رہے گا اور ایسے امتحان کی بھیٹی میں ڈالے جائیں گے جہاں کھوٹا کھرا بالکل الگ ہو جائے گا۔

۴۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی پہچان: یعنی اللہ چاہے تو تمام منافقین کو باشفا صہم معین کر کے آپ کو دکھلا دے اور نام بنام مطلع کر دے کہ مجمع میں فلاں فلاں آدمی منافق ہیں۔ مگر اسکی حکمت بالفعل اس دو ٹوک اظہار کو مقتضی نہیں۔ ویسے اللہ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کا نور فراست دیا ہے کہ ان کے چہرے بشرے سے آپ پہچان لیتے ہیں اور آگے چل کر ان لوگوں کے طرز گفتگو سے آپ کو مزید شناخت ہو جائے گی۔ کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے۔ جو زور، شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے، منافق کتنی ہی کوشش کرے اپنے کلام میں پیدا نہیں کر سکتا۔ (تمبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے فَعَرَفْتَهُمْ كَوَلَوْشَاءَ کے نیچے نہیں رکھا۔ عامہ مفسرین اسکو كَوَلَوْشَاءَ کے تحت میں رکھ کر لَا ذَرِيْنٰ كُهُمْ پر متفرع کرتے ہیں یعنی اگر ہم چاہیں تو تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ، پھر تو انکو پہچان جائے صورت دیکھ کر۔ احقر کے خیال میں مترجم رحمہ اللہ کی تفسیر زیادہ لطیف ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھادیا۔ ممکن ہے کہ وہ شناخت لَحْنِ الْقَوْلِ اور سِنِيْمَا وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو۔ یا آیہ ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپکو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل و تعیین کے ساتھ مطلع فرمادیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۴۵۔ یعنی بندوں سے کوئی بات چھپی رہے، ممکن ہے۔ مگر اللہ کے علم میں تمہارے سب کام ہیں خواہ کھل کر کر دیا چھپا کر۔

۴۶۔ جہاد امتحان کیلئے ہے: یعنی جہاد وغیرہ کے احکام سے آزمائش مقصود ہے۔ اسی سخت آزمائش میں کھلتا ہے کہ کون لوگ اللہ کے راستہ میں

لڑنے والے اور شدید ترین امتحانات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور کون ایسے نہیں۔

۳۷۔ یعنی ہر ایک کے ایمان اور اطاعت و انقیاد کا وزن معلوم ہو جائے اور سب کے اندرونی احوال کی خبریں عملاً محقق ہو جائیں (تنبیہ) حَتَّى نَعْلَمَ اِلْحَ سے جو شبہ حدوثِ علم کا ہوتا ہے اس کا مفصل جواب ”پارہ سیتول“ کے شروع میں اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ اِلْحَ کے حواشی میں ملاحظہ کیا جائے۔

۳۲۔ جو لوگ منکر ہوئے اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ سے اور مخالف ہو گئے رسول سے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی ان پر سیدھی راہ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ اور وہ اکارت کر دے گا ان کے سب کام [۳۸]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ  
شَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى  
لَنْ يَضُرُّوْا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَ سَيَحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

۳۳۔ اے ایمان والو حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے اور ضائع مت کرو اپنے کئے ہوئے کام [۳۹]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيعُوْا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوْا  
الرَّسُوْلَ ۗ وَلَا تَبْطُلُوْا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ جو لوگ منکر ہوئے اور روکا لوگوں کو اللہ کی راہ سے پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے تو ہرگز نہ بخشے گا انکو اللہ [۴۰]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ  
مَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرًاۗ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

۳۵۔ سو تم بودے نہ ہوئے جاؤ اور (کہ) لگو پکارنے صلح [۴۱] اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تمکو تمہارے کاموں میں [۴۲]

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلٰمِ ۗ وَاَنْتُمْ الْاَعْلٰوْنَ  
وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَاَنْ يَّتْرٰكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تماشا اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے دے گا تمکو تمہارا بدلہ اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے [۴۳]

اِنَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهُوْۗا ۗ وَاِنْ تُوْمِنُوْا وَ  
تَتَّقُوْا يُّوْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اگر مانگے تم سے وہ مال پھر تم کو تنگ کرے تو بخل کرنے لگو اور ظاہر کر دے تمہارے دل کی خشکیاں [۴۴]

اِنْ يَّسْئَلْكُمْ وَهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ  
اَضْعَانَكُمْ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ سنتے ہو تم لوگ تمکو بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں [۵۵] پھر تم میں کوئی ایسا ہے کہ نہیں دیتا اور جو کوئی نہ دے گا سونہ دے گا آپکو [۵۶] اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو [۵۷] اور اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہارے سوائے پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے [۵۸]

هَآئِنْتُمْ هُوَ لَآءِ تَدْعُونَ لِنُفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
فَبِنُكْمٍ مِّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلْ  
عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ  
تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا

أَمْثَالِكُمْ ﴿۲۸﴾

۳۸۔ یعنی اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کا کیا نقصان ہے۔ نہ اسکے دین اور پیغمبر کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ وہ قدرت والا انکے سارے منصوبے غلط اور تمام کام اکارت کر دے گا اور سب کو ششیں خاک میں ملادے گا۔

۳۹۔ اعمال کو ضائع نہ ہونے دو: یعنی جہاد، یا اللہ کی راہ میں اور کوئی محنت و ریاضت کرنا اس وقت مقبول ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے موافق ہو۔ محض اپنی طبیعت کے شوق یا نفس کی خواہش پر کام نہ کرو۔ ورنہ ایسا عمل یوں ہی بیکار ضائع ہو جائے گا۔ مسلمان کا کام نہیں کہ جو نیک کام کر چکا یا کر رہا ہے اسکو کسی صورت سے ضائع ہونے دے۔ نیک کام کو نہ بیچ میں چھوڑو، نہ ریاء و نمود اور اعجاب و غرور وغیرہ سے اسکو برباد کرو۔ بھلا ار تد اذکا تو ذکر کیا ہے جو ایک دم تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۵۰۔ یعنی کسی کافر کی اللہ کے ہاں بخشش نہیں۔ خصوصاً ان کافروں کی جو دوسروں کو خدا کے راستے سے روکنے میں لگے ہوئے ہیں۔

۵۱۔ جہاد کی تکلیف سے ڈر کر صلح نہ کرو: یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں۔ ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب و رسوا ہونا پڑے گا ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ آگے سورہ ”فتح“ میں آتا ہے۔ بہر حال صلح کی بناء اپنی کم ہمتی اور نامردی پر نہ ہونی چاہئے۔

۵۲۔ تم ہی غالب رہو گے: یعنی گھبرانے کی کچھ بات نہیں، اگر صبر و استقلال دکھاؤ گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا۔ اور کسی حالت میں بھی تم کو نقصان اور گھٹائے میں نہ رہنے دے گا۔

۵۳۔ ایمان و تقویٰ کے دنیاوی فوائد: یعنی آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت ایک کھیل تماشہ جیسی ہے۔ اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشہ سے ذرا بچ کر چلو گے۔ تو اللہ تمکو اس کا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا۔ اسے کیا حاجت ہے۔ وہ تو خود دینے والا ہے کمال قال مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا۔ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْبَاسِتِينَ (ذاریات۔ ۵۸، ۵۷) اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہ ہی ہے تمام مال اسی کا ہے مگر اسکے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے فائدہ کو۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”حق تعالیٰ نے ملک فتح کرا دیے مسلمانوں کو تھوڑے ہی دن (اپنی گرہ سے) پیسہ خرچ کرنا پڑا۔ پھر جتنا خرچ کیا تھا۔ اس سے سو گنا ہاتھ لگا۔ اس مطلب سے (قرآن کریم میں کئی جگہ) فرمایا ہے کہ اللہ کو قرض دو۔“



۵۴۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ سختی کے ساتھ کل مال طلب کرنے لگے جو تم کو دے رکھا ہے تو کتنے مردان خدا ہیں جو کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم پر لبیک کہیں گے۔ اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور تنگدلی کا ثبوت دیں گے اور مال خرچ کرنے کے وقت انکے دل کی خفگی باہر ظاہر ہو جائے گی۔

۵۵۔ یعنی ایک حصہ خدا کے دئے ہوئے مال کا اسکے راستہ میں اپنے نفع کی خاطر۔

۵۶۔ مال خرچ کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے: یعنی تمہارا دینا خود اپنے فائدہ کے لئے ہے۔ نہ دو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے اللہ کو تمہارے دینے نہ دینے کی کیا پروا۔

۵۷۔ اللہ کو مال کی ضرورت نہیں: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی مال خرچ کرنے کی جو تاکید سنتے ہو یہ نہ سمجھو کہ اللہ یا اس کا رسول مانگتا ہے۔ نہیں۔ یہ تمہارے بھلے کو فرماتا ہے۔ پھر ایک کے ہزار ہزار پاؤ گے۔ ورنہ اللہ کو اور اسکے رسول کو کیا پروا ہے۔

۵۸۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس حکمت و مصلحت سے بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا حاصل ہونا کچھ تم پر منحصر نہیں۔ فرض کیجئے تم اگر بخل کرو اور اسکے حکم سے روگردانی کرو گے۔ وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے گا جو تمہاری طرح بخیل نہ ہوگی۔ بلکہ نہایت فراخدلی سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور اسکی راہ میں خرچ کرے گی۔ بہر کیف اللہ کی حکمت و مصلحت تو پوری ہو کر رہے گی۔ ہاں تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔

حدیث میں اہل فارس کی تعریف: حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ دوسری قوم کون ہے جسکی طرف اشارہ ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اسکی قوم" اور فرمایا "خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جانچنے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اسکو اتار لائیں گے" الحمد للہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بے نظیر ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ انکی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی۔ تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور ایسی زبردست دینی خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بیشک حضور ﷺ کی پیشینگوئی کے موافق یہ ہی قوم تھی جو بوقت ضرورت عرب کی جگہ پر کر سکتی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ پیشینگوئی کا مصداق ہیں: ہزار ہا علماء و ائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابوحنیفہؒ کا وجود ہی اس پیشینگوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے۔ بلکہ اس بشارت عظمیٰ کے کامل اور اولین مصداق امام صاحب ہی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

تم سورۃ محمد ﷺ توفیقہ و اعانتہ فلہ الحمد والمنہ

رکوعاتھا ۴

۲۸ سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۱

آیاتھا ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿۱﴾

۲۔ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا

اور جو پیچھے رہے [۲] اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان [۳]

تَاَخَّرَ وَ يَتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيكَ صِرَاطًا

اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ [۴]

مُسْتَقِيمًا ﴿۲﴾

۳۔ اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد [۵]

وَ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَظِيمًا ﴿۳﴾

۱۔ سورہ فتح کے نزول کا پس منظر: اس سورہ کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ بغرض سہولت فہم انکو مختصراً یہاں لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

الف۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلق و قصر کیا۔ آپ ﷺ نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا۔ گو آپ نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی تھی، مگر شدت اشتیاق سے اکثروں کا خیال اس طرف گیا کہ امسال عمرہ میسر ہو گا۔ اور اتفاقاً آپ ﷺ کا قصد بھی عمرہ کا ہو گیا۔

ب۔ آپ تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو ہمراہ لے کر بغرض عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور ”ہدی“ بھی آپکے ساتھ تھی۔ یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کر لیا کہ آپ ﷺ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے۔ حالانکہ انکے ہاں حج و عمرہ سے دشمن کو بھی روکا نہیں جاتا تھا۔ بہر حال ”حدیبیہ“ پہنچ کر جو مکہ سے قریب ہے آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا حَبَسَهَا حَابِسُ الْفَيْلِ اور فرمایا کہ خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا مطالبہ کریں گے جس میں حرمت اللہ کی تعظیم قائم رہے میں منظور کروں گا۔ آخر آپ ﷺ نے وہیں قیام فرمایا (اسی مقام کو آج کل ”شمسیہ“ کہتے ہیں)۔

ج۔ واقعہ حدیبیہ: آپ ﷺ نے مکہ والوں کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، ہم کو آنے دو، عمرہ کر کے چلے جائیں گے۔ جب اس کا کچھ جواب نہ ملا تو آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو وہی پیام دے کر بھیجا اور بعض مسلمان مرد و عورت جو مکہ میں مغلوب و مظلوم تھے ان کو بشارت پہنچائی کہ اب عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہو جائے گا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش نے روک لیا۔ انکی واپسی میں جو دیر لگی یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دئے گئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع ہو جائے سب صحابہ سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی ڈر گئے اور حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا۔

د۔ پھر مکہ کے چند رؤسا بغرض صلح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلحنامہ لکھنا قرار پایا۔ اس سلسلہ میں بعض امور پر بحث و تکرار بھی ہوئی اور مسلمانوں کو غصہ اور جوش آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے لیکن آخر حضور ﷺ نے مکہ والوں کے اصرار کے موافق سب باتیں منظور فرمائیں اور مسلمانوں نے بھی بے انتہا ضبط و تحمل سے کام لیا اور صلحنامہ تیار ہو گیا۔ جس میں ایک شرط کفار کی طرف سے یہ تھی کہ آپ اس سال واپس چلے جائیے اور آئندہ سال غیر مسلح آکر عمرہ کر لیجئے۔ اور یہ کہ فریقین میں دس سال تک لڑائی نہ ہوگی۔ اس مدت میں جو مرد ہمارے ہاں سے تمہارے پاس جائے اسے آپ اپنے پاس نہ رکھیں۔ اور جو تمہارا آدمی ہمارے ہاں آئے گا ہم واپس نہ کریں گے۔ صلح کا تمام معاملہ طے ہو جانے پر آپ ﷺ نے ”حدیبیہ“ ہی میں ہدی کا جانور ذبح کیا اور حلق و قصر کر کے احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

۵۔ راستہ ہی میں یہ سورۃ (الفتح) نازل ہوئی۔ اور یہ سب واقعہ اواخر ۶ ہجری میں پیش آیا۔

۶۔ حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر اداکل ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے خیبر فتح کیا جو مدینہ سے شمالی جانب چار منزل پر شام کی سمت یہود کا ایک شہر تھا۔ اس حملہ میں کوئی شخص ان صحابہ کے علاوہ شریک نہ تھا جو ”حدیبیہ“ میں آپ کے ہمراہ تھے۔

۷۔ سال آئندہ یعنی ذیقعدہ ۷ ہجری میں آپ حسب معاہدہ عمرۃ القضاء کے لئے تشریف لے گئے اور امن و امان کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔

۸۔ عہدنامہ میں جو دس سال تک لڑائی بند رکھنے کی شرط تھی قریش نے نقض عہد کیا۔ آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور رمضان ۸ ہجری میں اسکو فتح کر لیا۔

۲۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ طرز عمل: ”حدیبیہ“ کی صلح بظاہر ذلت و مغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے۔ اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہ ہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون و مضطرب تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے۔ کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ان احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوچھل تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا۔ آپ بے مثال استغناء اور توکل و تحمل کے ساتھ انکی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو ”اللہ ورسولہ اعلم“ کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔

صلح حدیبیہ فتح مبین ہے: تا آنکہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام ”فتح مبین“ رکھا۔ لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے فرمایا ہاں بہت بڑی فتح۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر انماض اور عفو در گذر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر انکے یہودہ مطالبات پر قطعاً بے فروختہ نہ ہونا۔ یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد و رحمت کے استحباب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی و روحانی طاقت اور پیغمبر علیہ السلام کی شان پیغمبری کا سکھ بٹھارہے تھے۔ گو عہدنامہ لکھتے وقت ظاہر بیہوشی کو کفار کی جیت نظر آتی تھی۔ لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ”فتح مبین“ رکھ کر متنبہ کر دیا کہ یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری و باطنی کا دروازہ کھولتی ہے۔

صلح کے بہتر نتائج: اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاف اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا۔ کفار مسلمانوں کی زبان سے



۴۔ وہی ہے جس نے اتارا اطمینان دل میں ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ جائے انکو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ [۹] اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار حکمت والا [۹]

۵۔ تاکہ پہنچا دے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں انکے نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اور اتار دی ان پر سے انکی برائیاں [۸] اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملتی [۹]

۶۔ اور تاکہ عذاب کرے دغا باز مردوں کو اور دغا باز عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو اور شرک والی عورتوں کو [۱۰] جو انکلیں کرتے ہیں اللہ پر بری انکلیں [۱۱] انہی پر پڑے پھیر مصیبت کا [۱۲] اور غصہ ہو اللہ ان پر اور لعنت کی انکو اور تیار کی انکے واسطے دوزخ اور بری جگہ پہنچے

۷۔ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا [۱۳]

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَ لِلَّهِ جُنُودُ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَ كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۳﴾

لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ يُكْفَرُ عَنْهُمْ

سَيِّئَاتِهِمْ ۗ وَ كَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۴﴾

وَ يُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَ

الْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۗ عَلَيْهِمْ

دَايِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ

أَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۵﴾

وَ لِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَ كَانَ اللَّهُ

عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۶﴾

۶۔ صحابہ کرام کے ایمان میں زیادتی: اطمینان اتارا۔ یعنی باوجود خلاف طبع ہونے کے رسول کے حکم پر جے رہے۔ ضدی کافروں کے ساتھ ضد نہیں کرنے لگے۔ اسکی برکت سے انکے ایمان کا درجہ بڑھا اور مراتب عرفان و ایقان میں ترقی ہوئی۔ انہوں نے اول بیعت جہاد کر کے ثابت کر دیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایمان کا ایک رنگ تھا اسکے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کے جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کر لی تو انکے ایمان کا دوسرا رنگ یہ تھا کہ اپنے پر جوش جذبات و عواطف کو زور سے دبا کر اللہ و رسول کے فیصلہ کے آگے گردن انقیاد خم کر دی۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنه۔

۷۔ زمین و آسمان کے لشکر: یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ کس وقت قتال کا حکم دینا تمہارے لئے مصلحت ہے اور کس موقع پر قتال سے باز رکھنا اور صلح

کرنا حکمت ہے۔ تم کو اگر قتال کا حکم ہو تو کبھی کفار کی کثرت کا خیال کر کے پس و پیش نہ کرنا کیونکہ آسمان و زمین کے لشکروں کا مالک وہ ہی ہے جو تمہاری قلت کے باوجود اپنے غیبی لشکروں سے مدد کر سکتا ہے۔ جیسے ” بدر ” ” احزاب ” اور ” حنین ” وغیرہ میں کی۔ اور اگر صلح کرنے اور قتال سے رکنے کا حکم دے تو اسی کی تعمیل کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ افسوس صلح ہو گئی اور کفار بچ نکلے انکو سزا نہ ملی اگر قتال کا حکم ہو جاتا تو ہم انکو ہلاک کر ڈالتے۔ کیونکہ ان کا ہلاک ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں۔ ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے ہلاک کر سکتے ہیں۔ بہر حال زمین و آسمان کے لشکروں کا مالک اگر صلح کا حکم دے گا تو ضرور اسی میں بہتری اور حکمت ہوگی۔

۸۔ حدیبیہ کے شرکاء کیلئے وعدہ جنت: جب حضور ﷺ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لَخِ پڑھ کر سنائی تو انہوں نے آپ کی خدمت میں مبارکباد عرض کی اور کہا یا رسول اللہ! یہ تو آپ کے لئے ہوا۔ ہمارے لئے کیا ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی اللہ نے اطمینان و سکینہ اتار کر مومنین کا ایمان بڑھایا۔ تا انہیں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل کرے اور انکی برائیوں اور کمزوریوں کو معاف فرمادے۔ حدیث میں ہے کہ جن اصحاب نے ” حدیبیہ ” میں بیعت کی ان میں سے ایک بھی دوزخ میں داخل نہ ہو گا۔ (تنبیہ) مومنات کا ذکر تعیم کے لئے ہے۔ یعنی مرد ہو یا عورت کسی کی محنت اور ایمانداری ضائع نہیں جاتی۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اس سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھیں۔

۹۔ جنت ہی نور عظیم ہے: بعض نقال صوفی یا کوئی مغلوب الحال بزرگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جنت طلب کرنا ناقصوں کا کام ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں یہ ہی بڑا کمال ہے۔

۱۰۔ یعنی مومنین کے دلوں میں صلح کی طرف سے اطمینان پیدا کر کے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور اسلامی فتوحات و ترقیات کا دروازہ کھول دیا جو انجام کار سبب ہے کافروں اور منافقوں پر مصیبت ٹوٹنے اور انکو پوری طرح سزا ملنے کا۔

۱۱۔ کفار منافقین کے برے اندازے: ” بڑی انگلیں ” یہ کہ مدینے سے چلتے وقت منافق (بجز ایک جڈ بن قیس کے) مسلمانوں کے ساتھ نہیں آئے، بہانے کر کے بیٹھ رہے۔ دل میں سوچا کہ مڈ بھیڑ تو ضرور ہو کر رہے گی۔ یہ مسلمان لڑائی میں تباہ ہوں گے۔ ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا۔ کیونکہ وطن سے دور، فوج کم اور دشمن کا دیس ہو گا ہم کیوں انکے ساتھ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔ اور کفار مکہ نے یہ خیال کیا کہ مسلمان بظاہر ” عمرے ” کے نام سے آرہے ہیں اور فریب و دغا سے چاہتے ہیں کہ مکہ معظمہ ہم سے چھین لیں۔

۱۲۔ یعنی زمانہ کی گردش اور مصیبت کے چکر میں آکر رہیں گے کہاں تک احتیاطیں اور پیش بندیاں کریں گے۔

۱۳۔ یعنی وہ سزا دینا چاہے تو کون بچا سکتا ہے۔ خدائی لشکر ایک لمحہ میں پس کر رکھ دے۔ مگر وہ زبردست ہونے کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔ حکمت الہی متقاضی نہیں کہ فوراً ہاتھوں ہاتھ ان کا استیصال کیا جائے۔

۸۔ ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا [۱۳]

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٨﴾

۹۔ تاکہ تم لوگ یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اسکی مدد کرو اور اسکی عظمت رکھو [۱۵] اور اسکی پاکی بولتے رہو صبح اور شام [۱۶]

لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَ

تُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾

۱۰۔ تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اوپر اُنکے ہاتھ کے [۱۷] پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا [۱۸]

إِنَّ الدِّينَ يُبَايِعُكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۰﴾

۱۲۔ یعنی آپ اللہ کے فرمانبرداروں کو خوشی اور نافرمانوں کو ڈر سنا تے ہیں اور خود اپنے احوال بتلاتے ہیں جیسے اِنَّا فَتَحْنَا سَے یہاں تک تینوں قسم کے مضمون آچکے۔ اور آخرت میں بھی اپنی امت پر نیز انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دیں گے۔

۱۵۔ تُعَذِّبُهُ اور تُؤَقِّبُهُ کی ضمیریں اگر اللہ کی طرف راجع ہوں تو اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اگر رسول کی طرف راجع ہوں تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

۱۶۔ یعنی اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو۔ خواہ نمازوں کے ضمن میں یا نمازوں سے باہر۔

۱۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر صحابہ کی بیعت کی فضیلت: لوگ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے۔ اس کو فرمایا کہ نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل و تاکید بیعت کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ لہذا کما قال مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (نساء۔ ۸۰) و کما قال وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى (انفال۔ ۱۷) جب بیعت نبوی کی حقیقت یہ ہوئی تو یقیناً خدا تعالیٰ کا دست شفقت و حمایت ان کے ہاتھوں کے اوپر ہو گا۔ (تنبیہ) حضور صحابہ سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے۔ صحیح مسلم میں ”و علی الخیر“ کا لفظ آیا ہے۔ مشائخ طریقت کی بیعت اگر بطریق مشروع ہو تو اسی لفظ کے تحت میں مندرج ہوگی۔ ”حدیبیہ“ میں اس بات پر بیعت لی گئی کہ مرتے دم تک میدان جہاد سے نہیں بھاگیں گے۔

۱۸۔ بیعت کے عہد کو پورا کرنے کی فضیلت: یعنی بیعت کے وقت جو قول و قرار کیا ہے، اگر کوئی اسکو توڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ و رسول کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اسی کو عہد شکنی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے استقامت دکھلائی اور اپنے عہد و پیمان کو مضبوطی کے ساتھ پورا کیا تو اس کا بدلہ بھی بہت پورا ملے گا۔

۱۱۔ اب کہیں گے تجھ سے پیچھے رہ جانے والے گنوار ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے اور گھر والوں کے سو ہمارا گناہ بخشو [۱۹] وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے جو انکے دل میں نہیں [۲۰] تو کہہ کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے سب کاموں سے خبر دار [۲۱]

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَبْلُغُكُمْ مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ

نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۱﴾

۱۲۔ کوئی نہیں تم نے تو خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ آئے گا رسول اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور کھب گیا تمہارے دل میں یہ خیال اور اٹکل کی تم نے بری اٹکلیں اور تم لوگ تھے تباہ ہونے والے [۲۲]

بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَذُئِنَّا فِي قُلُوبِكُمْ وَ

ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۗ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿۱۲﴾

۱۳۔ اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا

لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اور اللہ کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا بختے جسکو چاہے اور عذاب میں ڈالے جسکو چاہے اور ہے اللہ بختنے والا مہربان [۲۳]

وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَعْفِرُ مَن يَشَاءُ

وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۴﴾

۱۹۔ منافقین کے حیلے بہانوں کی خبر: مدینہ سے روانہ ہوتے وقت آپ نے اپنی روانگی کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے ابھارا تھا۔ شاید قرآن سے آپ کو بھی لڑائی کا احتمال ہو۔ اس پر دیہاتی گنوار جنکے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا۔ جان چرا کر بیٹھ رہے اور آپس میں کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسی قوم کی طرف جائیں گے جو محمد ﷺ کے گھر (مدینہ) میں آکر انکے کتنے ساتھیوں کو قتل کر گئی۔ اب ہم اسکے گھر جا کر اس سے لڑیں گے؟ تم دیکھ لینا اب یہ اور انکے ساتھی اس سفر سے واپس آنے والے نہیں سب وہیں کھیت رہیں گے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے انکے نفاق کا پردہ فاش کیا ہے آپکو مدینہ پہنچنے سے قبل راستہ میں بتلا دیا کہ تمہارے صحیح و سالم واپس جانے پر وہ لوگ اپنی غیر حاضری کے جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کرتے ہوئے آئیں گے، اور کہیں گے کہ کیا کہئے ہم کو گھر بار کے دھندوں سے فرصت نہ ملی۔ کوئی ہمارے پیچھے مال اور اہل و عیال کی خبر لینے والا نہ تھا۔ بہر حال ہم سے کوتاہی ضرور ہوئی۔ اب اللہ سے ہمارا قصور معاف کر دیجئے۔

۲۰۔ یعنی دل میں جانتے ہیں کہ یہ عذر بالکل غلط ہے اور استغفار کی درخواست کرنا بھی محض ظاہر داری کے لئے ہے، سچے دل سے نہیں۔ وہ دل میں اسکو گناہ سمجھتے ہیں نہ آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

۲۱۔ منافقین کو انکے بہانوں کا جواب: یعنی ہر طرح کا نفع و نقصان اللہ کے قبضہ میں ہے جسکی مشیت و ارادہ کے سامنے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا اسکو منظور نہیں تھا کہ تم کو اس سفر مبارک کی شرکت کے فوائد نصیب ہوں۔ نہ اب یہ منظور ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں اس نے تمہاری حیلہ تراشی سے قبل ہی ہم کو ان جھوٹے اعدار پر مطلع کر دیا تھا۔ بہر حال اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے اعمال و حرکات کی بدولت “غزوہ حدیبیہ” کی گونا گوں برکات و فوائد کی طرف سے تم کو نقصان اور گھٹاؤں میں رکھے۔ اور ہاں تم کہتے ہو کہ اپنے مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے سفر میں نہ جاسکے، تو کیا خدا اگر تمہارے مال و اولاد وغیرہ میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے، تم گھر میں رہ کر اسے روک دو



گے۔ یا فرض کرو۔ اللہ تم کو کچھ فائدہ مال و عیال میں پہنچانا چاہے اور تم سفر میں ہو، تو کیا اسے کوئی روک سکتا ہے۔ جب نفع و نقصان کو کوئی روک نہیں سکتا تو اللہ اور اسکے رسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پروا کرنا محض حماقت و ضلالت ہے ان حیلوں بہانوں سے مت سمجھو کہ ہم اللہ کو خوش کر لیں گے۔ بلکہ یاد رکھو اللہ تمہارے سب کچھ اعمال و احوال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

۲۲۔ منافقین کے پیچھے رہ جانے کی اصل وجہ: یعنی واقع میں تمہارے نہ جانے کا سبب یہ نہیں تھا جو بیان کر رہے ہو بلکہ تمہارا خیال یہ تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان اس سفر سے بچ کر واپس نہ آئیں گے۔ یہ ہی تمہاری دلی آرزو تھی اور یہ غلط انگل اور تخمینہ تمہارے دلوں میں خوب جم گیا تھا۔ اسی لئے اپنی حفاظت اور نفع کی صورت تم نے علیحدہ رہنے میں سمجھی۔ حالانکہ یہ صورت تمہارے خسران اور تباہی کی تھی اور اللہ جانتا تھا کہ یہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔

۲۳۔ یعنی جسکو وہ بخشا نہ چاہے، میں کیسے بخشواؤں ہاں اسکی مہربانی ہو تو تم کو توبہ کی توفیق مل جائے اور بخشش ہو جائے۔ اس کی رحمت بہر حال غضب پر سابق ہے۔

۱۵۔ اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو چھوڑو، ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا تو کہہ دے تم ہمارے ساتھ ہر گز نہ چلو گے یونہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے [۲۴] پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے [۲۵] کوئی نہیں پروہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا [۲۶]

سَيَقُولُ الْخَلْفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمٍ  
يَتَّخِذُوهَا ذُرُوءًا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ  
يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذِٰلِكُمْ قَالَ  
اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا

بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵﴾

۱۶۔ کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر بڑے سخت لڑنے والے تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے پھر اگر حکم مانو گے دے گا تم کو اللہ بدلہ اچھا [۲۷] اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے پہلی بار دے گا تم کو ایک عذاب دردناک [۲۸]

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعُونَ إِلَىٰ  
قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۚ  
فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَإِنْ  
تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا

أَلِيمًا ﴿۱۶﴾

۱۷۔ اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ

بیمار پر تکلیف [۲۹] اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا اس کو داخل کرے گا باغوں میں جتنے نیچے بہتی ہیں نہریں اور جو کوئی پلٹ جائے اسکو عذاب دے گا دردناک [۳۰]

وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ط وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

۲۴۔ خبیر کے جہاد میں ان منافقین کو ساتھ لینے کی ممانعت: ”حدیبیہ“ سے واپس ہو کر حضور ﷺ کو ”خبیر“ پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا۔ یہاں غدار یہود آباد تھے جو بد عہدی کر کے جنگ ”احزاب“ میں کافر قوموں کو مدینہ پر چڑھالائے تھے۔ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خبر دی کہ وہ گنوار جو ”حدیبیہ“ میں نہیں گئے، اب خبیر کے معرکے میں تمہارے ساتھ چلنے کو کہیں گے۔ کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ آپ ان سے فرمادیں کہ تمہاری استدعاء سے پیشتر اللہ ہم کو کہہ چکا ہے کہ تم (اس سفر میں) ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے اندریں صورت کیا تم ہمارے ساتھ جا سکتے ہو۔ اگر جاؤ گے تو یہ معنی ہوں گے کہ گویا اللہ کا کہا بدل دیا گیا جو کسی طرح ممکن نہیں۔

۲۵۔ یعنی اللہ نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ محض یہ چاہتے ہو کہ ہمارا فائدہ نہ ہو۔ سب مال غنیمت بلا شرکت غیرے تمہارے ہی ہاتھ آجائے۔  
۲۶۔ یعنی بہت تھوڑی سمجھ ہے۔ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے زہد و قناعت کا کیا حال ہے۔ کیا وہ مال کے حریص ہیں؟ جو تم پر حسد کریں گے؟ اور پیغمبر ازراہ حسد خدا پر جھوٹ بول دے گا؟ العیاذ باللہ۔

۲۷۔ آئندہ ہونے والے معرکوں کی خبر: یعنی ذرا صبر کرو۔ اس لڑائی میں تو نہیں جا سکتے، لیکن آگے بہت معرکے پیش آنے ہیں۔ بڑی سخت جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلے ہوں گے جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک کہ وہ قومیں مسلمان ہو کر یا جزیہ وغیرہ دیکر اسلام کی مطیع ہو جائیں۔ اگر واقعی تم کو شوق جہاد ہے تو اس وقت میں آکر داد شجاعت دینا اس موقع پر خدا کا حکم مانو گے تو اللہ بہترین بدلہ گے گا۔ (تنبیہ) ”ان جنگجو قوموں“ سے ”بنو حنیفہ“ وغیرہ مراد ہیں جو ”مسلمہ کذاب“ کی قوم تھی یا ”ہوآزین“ و ”ثقیف“ وغیرہ جن سے ”حنین“ میں مقابلہ ہوا۔ یا وہ مرتدین جن پر صدیق اکبر نے فوج کشی کی۔ یا فارس و روم اور گردوغیرہ جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں بہت سے بے لڑے بھڑے مسلمان ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت آیا۔

۲۸۔ یعنی جیسے پہلے ”حدیبیہ“ جانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے اگر آئندہ ان معرکوں سے پیچھے ہٹے تو اللہ سخت دردناک سزا دے گا شاید آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ملجائے۔

۲۹۔ یعنی جہاد ان معذور لوگوں پر فرض نہیں۔

۳۰۔ یعنی تمام امور اور معاملات میں عام ضابطہ یہ ہے۔

۱۸۔ تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے [۳۱] پھر معلوم کیا جو انکے جی میں تھا [۳۲] پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا انکو ایک فتح نزدیک

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝

۱۹۔ اور بہت غنیمتیں جنکو وہ لیں گے [۳۳] اور ہے اللہ زبردست حکمت والا [۳۴]

وَمَعَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا

حَكِيمًا ﴿١٩﴾

۲۰۔ وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا کہ تم ان کو لوگے سو جلدی پہنچادی تمکو یہ غنیمت [۳۵] اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے [۳۶] اور تاکہ ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے [۳۷] اور چلائے تم کو سیدھی راہ [۳۸]

وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَعَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ

لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَ لَتَكُونَ

آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی وہ اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر چیز کر سکتا ہے [۳۹]

وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَ

كَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢١﴾

۳۱۔ بیعت رضوان: وہ کیکر کا درخت تھا حدیبیہ میں۔ غالباً لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ فَرْمَانِ كِي وَجِهَ سَ عَ سِ بَ عِ تَ كُ "بیعت الرضوان" کہتے ہیں۔ شروع سورت میں اس کا مفصل قصہ گذر چکا۔

۳۲۔ یعنی ظاہر کا اندیشہ اور دل کا توکل، حسن نیت، صدق و اخلاص اور حُب اسلام وغیرہ۔ عموماً مفسرین نے مَا فِي قُلُوبِهِمْ سے یہ ہی مراد لیا ہے۔ مگر ابو حیان کہتے ہیں کہ صلح اور شرائط صلح کی طرف سے دلوں میں جو رنج و اضطراب تھا وہ مراد ہے اور آگے فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ اس پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۳۔ نزول سکینہ اور فتح خیبر: یعنی فتح خیبر جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد فوراً مل گئی اور مال غنیمت بہت آیا جس سے صحابہ آسودہ ہو گئے۔

۳۴۔ یعنی اپنے زور و حکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی۔ اور اسی طرح کا قصہ فتح مکہ اور حنین میں ہوا۔

۳۵۔ یعنی آگے چل کر بیشمار غنیمتیں ملنے والی ہیں ان میں کا یہ ایک حصہ غزوہ خیبر میں دلوادیا۔

۳۶۔ خیبر میں مسلمانوں کی حفاظت: یعنی عام لڑائی نہ ہونے دی۔ اور حدیبیہ یا خیبر میں کفار کے ہاتھوں سے تم کو کچھ ضرر نہ پہنچنے دیا اور تمہاری غیبت میں تمہارے اہل و عیال وغیرہ پر کوئی دست درازی نہ کر سکا۔

۳۷۔ یعنی مسلمان سمجھیں کہ اللہ کی قدرت کیسی ہے اور ان کا درجہ ان کے ہاں کیا ہے اور یہ کہ اسی طرح آئندہ کے وعدے بھی پورے ہو کر رہیں گے۔

۳۸۔ یعنی اللہ کے وعدوں پر وثوق اور اسکی لامحدود قدرت پر بھروسہ ہو گا تو اور زیادہ طاعت و فرمانبرداری کی ترغیب ہوگی۔ یہ ہی سیدھی راہ ہے۔

۳۹۔ فتح مکہ کا انعام: یعنی اس بیعت کے انعام میں فتح خمیر دی۔ اور مکہ کی فتح جو اس وقت ہاتھ نہ لگی وہ بھی مل ہی چکی ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کا وعدہ کر لیا اور فی الحقیقت عالم اسباب میں وہ نتیجہ اسی صلح حدیبیہ کا ہے۔

۲۲۔ اور اگر لڑتے تم سے کافر تو پھیرتے پیٹھ پھر نہ پاتے  
کوئی حمایتی اور نہ مددگار [۴۰]

وَلَوْ قُتِلْتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ لَا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا  
يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٢﴾

۲۳۔ رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے اور تو  
ہر گز نہ دیکھے گا اللہ کی رسم کو بدلتے [۴۱]

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَنْ تَجِدَ  
لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾

۲۴۔ اور ہی ہے جس نے روک رکھا اُنکے ہاتھوں کو تم  
سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے بچ شہر مکہ کے بعد اسکے  
کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا انکو [۴۲] اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے  
ہو دیکھتا [۴۳]

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ  
بِطُنِّ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ  
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٤﴾

۲۵۔ یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو مسجد  
حرام سے اور نیاز کی قربانی کو بھی بند پڑی ہوئی اس بات  
سے کہ بچنے اپنی جگہ تک [۴۴] اور اگر نہ ہوتے کتنے ایک  
مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں ایمان والیاں جو تم کو  
معلوم نہیں یہ خطرہ کہ تم انکو پس ڈالتے پھر تم پر انکی وجہ  
سے خرابی پڑ جاتی پیغمبری سے کہ اللہ کو داخل کرنا ہے اپنی  
رحمت میں جسکو چاہے [۴۵] اگر وہ لوگ ایک طرف ہو  
جاتے تو آفت ڈالتے ہم منکروں پر عذاب دردناک کی [۴۶]

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
وَ الْهُدَىٰ مَعَكُوفًا أَنْ يُبَدِّعَ مَحِلَّهُ ۗ وَلَوْلَا رِجَالُ  
مُؤْمِنُونَ وَ نِسَاءُ مُؤْمِنَاتٍ لَّمْ تَعْلَبُوهُمْ أَنْ  
تَطَّوَّهُمْ فِتْصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ  
لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ لَوْ تَزَيَّلُوا  
لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾

۲۶۔ جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں کد نادانی کی  
ضد پھر اتارا اللہ نے اپنی طرف کا اطمینان اپنے رسول پر  
اور مسلمانوں پر [۴۷] اور قائم رکھا انکو ادب کی بات پر اور  
وہی تھے اسکے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے  
خبر دار [۴۸]

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ  
الْحَبِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى  
رَسُولِهِ ۗ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ الْزَمَهُمْ كَلِمَةَ

## التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ

### بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

۴۰۔ جنگ ہوتی تو تم غالب رہتے: یعنی لڑائی ہوتی تو تم ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے، کوئی مدد کر کے انکو آفت سے نہ بچا سکتا۔ مگر اللہ کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور اسکی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں۔

۴۱۔ اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی: یعنی جب اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن موقع پر مقابلہ ہو جائے تو آخر کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب و مقہور کئے جاتے ہیں۔ یہ ہی عادت اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے جس میں کوئی تبدیلی و تغیر نہیں ہاں یہ شرط ہے کہ اہل حق بہیات مجموعی پوری طرح حق پرستی پر قائم رہیں۔ اور بعض نے وَلَئِنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَتَّبِعِ لَآ تَبْدِيلًا کے معنی یوں کئے ہیں کہ اللہ کی عادت کوئی دوسرا نہیں بدل سکتا۔ یعنی کسی اور کو قدرت نہیں کہ وہ کام نہ ہونے دے جو سنت اللہ کے موافق ہونا چاہئے تھا۔

۴۲۔ مکہ میں مشرکین پر غلبہ: مشرکین کی کچھ ٹولیاں ”حدیبیہ“ پہنچی تھیں کہ موقع پا کر حضور ﷺ کو شہید کر دیں یا اکیلے دکیلے مسلمان کو ستائیں چنانچہ کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی بلکہ ایک مسلمان کو قتل بھی کر ڈالا اور اشتعال انگیز کلمات بکتے پھرے۔ آخر صحابہؓ نے انکو زندہ گرفتار کر کے نبی کریم ﷺ کے حضور میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے انکو معاف فرمادیا اور کچھ انتقام نہیں لیا۔ آیہ ہذا میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور يَبْطِنُ مَكَّةَ (بچ شہر مکہ کے) یعنی شہر کے قریب، گویا شہر کا بچ ہی سمجھو۔

۴۳۔ یعنی انکی شرارتیں اور تمہارا عنف و تخل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔

۴۴۔ کفار قربانی کے جانوروں کو روکنا: یعنی حرم کے اس حصہ تک قربانی کے جانور پہنچنے نہ دیے جہاں لیجا کر ذبح کرنے کا عام دستور اور معمول ہے۔ ”حدیبیہ“ ہی میں رکے پڑے رہے۔

۴۵۔ حدیبیہ کے وقت جنگ ملتوی رکھنے کی مصلحت: یعنی کچھ مسلمان مرد و عورت جو مکہ میں مظلوم و مقہور تھے اور مسلمان انکو پوری طرح جانتے نہ تھے وہ لڑائی میں بے خبری سے پیس دیے جائیں گے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو فی الحال لڑائی کا حکم دیدیا جاتا۔ لیکن ایسا ہوتا تو تم خود اس قومی نقصان پر متاسف ہوتے۔ اور کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ دیکھو! مسلمان مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اس خرابی کے باعث لڑائی موقوف رکھی گئی تا وہ مسلمان محفوظ رہیں۔ اور تم پر اس بے مثال صبر و تحمل کی بدولت خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔ نیز کافروں میں سے جن لوگوں کا اسلام لانا مقدر ہے انکو بھی لڑائی کی خطرناک گڑبڑ سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”اس تمام قصے میں ساری ضد اور کعبہ کی بے ادبی ان ہی (مشرکین) سے ہوئی۔ تم باادب رہے۔ انہوں نے عمرہ والوں کو منع کیا اور قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچنے دی۔ بیشک وہ جگہ اس قابل تھی کہ اسی وقت تمہارے ہاتھ سے فسخ کرائی جاتی، مگر بعض مسلمان مردوزن مکہ میں چھپے ہوئے تھے اور بعض لوگ جن کا مسلمان ہونا مقدر تھا، اس وقت کی فتح مکہ میں وہ پیسے جاتے آخر دو برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے کو تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے تب اللہ نے مکہ فتح کر دیا۔“

۴۶۔ مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی برکت: یعنی اگر کفار مسلمانوں سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو کیسی دردناک سزا دلاتے ہیں۔

۴۷۔ اہل مکہ کی نادانی کی ضد: نادانی کی ضد یہ ہی کہ امسال عمرہ نہ کرنے دیا اور یہ کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائے اسے پھر واپس بھیج دو۔

اگلے سال عمرہ کو آؤ تو تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہرو۔ اور ہتھیار کھلے نہ لاؤ صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھو اور بجائے محمد رسول اللہ کے صرف محمد بن عبد اللہ تحریر کرو۔ حضرت نے یہ سب باتیں قبول کیں اور مسلمانوں نے سخت انقباض و اضطراب کے باوجود پیغمبر کے ارشاد کے آگے سر تسلیم جھکا دیا اور بالآخر اسی فیصلہ پر انکے قلوب مطمئن ہو گئے۔

۳۸۔ مسلمانوں کی اطاعت اور ادب: یعنی اللہ سے ڈر کر نافرمانی کی راہ سے بچے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے قائم رہے۔ اور کیوں نہ رہتے۔ وہ دنیا میں خدائے واحد کے سچے پرستار اور کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کے زبردست حامل تھے ایک پکا موحد اور پیغمبر کا مطیع و وفادار ہی اپنے جذبات و رجحانات کو عین جوش و خروش کے وقت اللہ کی خوشنودی اور اس کے شعائر کی تعظیم پر قربان کر سکتا ہے۔ حقیقی توحید یہ ہی ہے کہ آدمی اس اکیلے مالک کا حکم سن کر اپنی ذلت و عزت کے سب خیالات بالائے طاق رکھ دے شاید اسی لئے حدیث میں ”کلمہ التقویٰ“ کی تفسیر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے کی گئی ہے۔ کیونکہ تمام تر تقویٰ و طہارت کی بنیاد یہ ہی کلمہ ہے۔ جس کے اٹھانے اور حق ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول ﷺ کو چن لیا تھا۔ اور بلاشبہ اللہ کے علم میں وہ ہی اسکے مستحق اور اہل تھے۔

۲۷۔ اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب تحقیقی کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے کھٹکے [۳۹] پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کر دی اس سے ورے ایک فتح نزدیک [۵۰]

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّعْيَا بِالْحَقِّ  
لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ  
مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ  
فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا

قَرِيبًا ﴿۲۷﴾

۲۸۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر [۵۱] تاکہ اوپر رکھے اسکو ہر دین سے [۵۲] اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا [۵۳]

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ  
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۗ وَكُنِيَ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۲۸﴾

۲۹۔ محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اسکے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر [۵۴] نرم دل ہیں آپس میں [۵۵] تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اسکی خوشی [۵۶] نشانی انکی اُنکے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے [۵۷] یہ شان ہے انکی تورات میں اور مثال انکی انجیل میں [۵۸] جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اسکی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر [۵۹] خوش لگتا ہے کھیتی

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى  
الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا  
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيَاهُمْ فِي  
وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۗ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي

والوں کو [۶۰] تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا [۶۱] وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام معافی کا اور بڑے ثواب کا [۶۲]

التَّوْبَةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۖ كَثْرٌ رَّعِ أَخْرَجَ  
شَطْرَهُ فَازَرَهُ فَاسْتَعْلَفَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوْقِهِ  
يُعِجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَّ اللَّهُ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً  
وَأَجْرًا عَظِيمًا ۚ

۴۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہوا: ابتدائے سورت میں ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں حضور ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈا کر اور بال کتر واکر حلال ہو رہے ہیں۔ ادھر اتفاق سے آپ کا قصد اسی سال عمرہ کا ہو گیا صحابہ نے عموماً یہ خیال جمالیا کہ اسی سال ہم مکہ پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے۔ جس وقت صلح مکمل ہو کر حدیبیہ سے واپسی ہوئی بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن و امان سے مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امسال ایسا ہو گا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو بیشک یوں ہی ہو کر رہے گا۔ تم امن و امان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر منڈا کر کوئی بال کتر واکر احرام کھولے گا اور وہاں جانے کے بعد کسی طرح کا کھٹکانہ ہو گا۔ چنانچہ حدیبیہ سے اگلے سال یوں ہی ہوا۔ آئیے ہذا میں اسی کو فرمایا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا۔ باقی ان شاء اللہ فرمانا ابن کثیر کے نزدیک بالتحقیق و توكید کے لئے ہے اور سیبویہ کے نزدیک اس قسم کے مواقع میں قطعی طور پر ایک چیز کا بتلانا کسی مصلحت سے مقصود نہیں ہوتا اور کرنا منظور ہوتا ہے وہاں یہ عنوان اختیار کرتے ہیں۔

۵۰۔ تعبیر خواب میں ایک سال کی تاخیر کی مصلحت: یعنی پھر اللہ نے اپنے علم محیط کے موافق واقعات کا سلسلہ قائم کیا۔ وہ جانتا تھا کہ خواب کی تعبیر ایک سال بعد ظاہر کرنے میں کس قدر مصالح ہیں جنکی تمہیں خبر نہیں۔ اس لئے خواب کا وقوع امسال نہ ہونے دیا اور اس کے وقوع سے قبل تم کو لگتے ہاتھ ایک اور فتح عنایت کر دی۔ یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ جسے صحابہ فتح مبین کہتے تھے جیسا کہ سورہ ہذا کے پہلے فائدہ میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

۵۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت اور دین حق کے رسول: یعنی اصول و فروع اور عقائد کے اعتبار سے یہ ہی دین سچا ہے اور یہ ہی راہ سیدھی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔

۵۲۔ تمام ادیان پر اسلام کا غلبہ: اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان و شکوہ سے حکومت کی۔ اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہوگی۔ باقی حجت و دلیل کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ ہی غالب رہا کیا اور رہے گا۔

۵۳۔ یعنی اللہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہ ہی اپنے فعل سے اس کو حق ثابت کرنے والا ہے۔

۵۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کفار پر سخت ہیں: یعنی کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی، جس سے کافروں پر رعب پڑتا

اور کفر سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ وَيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً (توبہ- ۱۲۳) وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ- ۷۳) وقال تعالیٰ اذَلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعْرَاقًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (المائدہ- ۵۴) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”جو تنہدی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تنہدی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ ”علماء نے لکھا ہے کہ کسی کافر کے ساتھ احسان اور سلوک سے پیش آنا اگر مصلحت شرعی ہو۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر دین کے معاملہ میں وہ تم کو ڈھیلا نہ سمجھے۔

۵۵۔ آپس میں نرم دل ہیں: یعنی اپنے بھائیوں کے ہمدرد و مہربان، اُنکے سامنے نرمی سے جھکنے والے اور تواضع و انکسار سے پیش آنے والے “حدیبیہ” میں صحابہ کی یہ دونوں شانیں چمک رہی تھیں۔ اَشِدَّاءٌ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءٌ بَيْنَهُمْ۔

۵۶۔ صحابہ کرامؓ کے صفاتِ حَسَنَة: یعنی نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو رکوع و سجد میں پڑے ہوئے اللہ کے سامنے نہایت اخلاص کے ساتھ و وظیفہ عبودیت ادا کر رہے ہیں۔ ریاء و نمود کا شائبہ نہیں۔ بس اللہ کے فضل اور اسکی خوشنودی کی تلاش ہے۔

۵۷۔ یعنی نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے اُنکے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے۔ گویا خشیت و خشوع اور حسن نیت و اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں۔ حضرت کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور منتقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔

۵۸۔ صحابہ کرامؓ کا پچھلی کتابوں میں تذکرہ: یعنی پہلی کتابوں میں خاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب اُنکے چہرے اور طور و طریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔

۵۹۔ کھیتی کی مثال اور صحابہ کرامؓ: حضرت شاہ صاحبؒ کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھا پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی حضرت کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں ”بعض علماء کہتے ہیں کہ اٰخِرَہِ شَطْرَہِ میں عہد صدیقی فاژرۃ میں عہد فاروقی فَاَسْتَعْلَظَ میں عہد عثمانی اور فَاَسْتَوَى عَلٰی سُوْقِہِ میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے وَ الْبٰیِّنِ مَعَهُ اَشِدَّاءٌ عَلٰی الْكُفَّارِ رُحَمَاءٌ بَيْنَهُمْ تَزَلُّجًا سَجْدًا كَوْعَلٰی التَّرْتِيْبِ خَلْفَاۗءِ اَرْبَعَةٍ تَقْسِيْمٌ كَرِيْمٌ مَّگَر صَحِيْحٌ يٰہے کہ یہ آیت تمام جماعت صحابہؓ کی بہت مجموعی مدح و منقبت پر مشتمل ہے۔ خصوصاً اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔“

۶۰۔ کھیتی کرنے والے چونکہ اس کام کے مبصر ہوتے ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا۔ جب ایک چیز کا مبصر اسکو پسند کرے دوسرے کیوں نہ کریں گے۔

۶۱۔ صحابہؓ سے حسد رکھنے والے: یعنی اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق و بہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ و حسد سے جلنے لگتے ہیں۔ اس آیت سے بعض علماء نے یہ نکالا کہ صحابہ سے جلنے والا کافر ہے۔

۶۲۔ مومنین سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ: ”حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں“ یہ وعدہ دیا انکو جو ایمان والے ہیں اور بھلے کام کرتے ہیں۔ حضرت کے سب اصحاب ایسے ہی تھے۔ مگر خاتمہ کا اندیشہ رکھا۔ حق تعالیٰ بندوں کو ایسی صاف خوشخبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جائیں اس مالک سے اتنی شاباشی بھی غنیمت ہے۔“

تم سورۃ الفتح بفضل اللہ ورحمۃ اللہ و الحمد والمنة



آیاتها ۱۸

۲۹ سُورَةُ الْحُجْرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اسکے رسول سے [۱] اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ سستا ہے جانتا ہے [۲]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْدِمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ  
وَرَسُوْلِهِ وَاَتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱﴾

۲۔ اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو [۳]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ  
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ  
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا  
تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾

۳۔ جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جنکے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے [۴] انکے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا [۵]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغْضُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ  
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلٰكِنْ اَللّٰهُ قَلُوْبُهُمْ لِتَتَّقُوْا  
لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾

۴۔ جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے

اِنَّ الَّذِيْنَ يٰنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجْرٰتِ  
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾

۵۔ اور اگر وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا انکی طرف تو انکے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۶]

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا  
لَّهُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و حقوق: یعنی جس معاملہ میں اللہ و رسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو۔ بلکہ حکم الہی کا انتظار کرو۔ جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرأت نہ کرو۔ جو حکم ادھر سے ملے اس پر بے چون چران اور بلاپس و پیش عامل بن جاؤ۔ اپنی اغراض اور ابواء و آراء کو ان کے احکام پر مقدم نہ رکھو۔ بلکہ اپنی خواہشات و جذبات کو احکام سماوی کے تابع بناؤ۔ (تنبیہ) اس سورت میں مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کے آداب و حقوق اور اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے سکھائے ہیں۔ اور یہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نظام کن اصول پر کاربند ہونے سے مضبوط و مستحکم رہ سکتا ہے اور اگر کبھی اس میں خرابی اور اختلال پیدا ہو تو اس کا علاج کیا ہے۔ تجربہ شہد ہے کہ بیشتر نزاعات و مناقشات خود رانی اور غرض پرستی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ و رسول کے ارشادات سے بلند کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔ ایسا کرنے میں خواہ وقتی اور عارضی طور پر کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔

۲۔ بغیر تقویٰ کے اطاعت نہیں ہو سکتی: یعنی اللہ و رسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر ہو سکتی ہے جب خدا کا خوف دل میں ہو۔ اگر دل میں ڈر نہیں تو بظاہر دعوائے اسلام کو نبانے کے لئے اللہ و رسول کا نام بار بار زبان پر لائے گا اور بظاہر ان کے احکام کو آگے رکھے گا۔ لیکن فی الحقیقت انکو اپنی اندرونی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک حیلہ اور آلہ کار بنائے گا۔ سو یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ سے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے۔ پھر اس کے سامنے یہ فریب کیسے چلے گا چاہئے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے آداب: یعنی حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو، حضور ﷺ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلاف ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے تعظیم و احترام کے لہجہ میں ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکدر پیش آئے۔ تو حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔ (تنبیہ)

بزرگان دین کے آداب: حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہئے اور قبر شریف کے پاس حاضر ہو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔ نیز آپ کے خلفاء، علمائے ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہئے۔ تا جماعتی نظام قائم رہے۔ فرق مراتب نہ کرنے سے بہت مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

۴۔ ادب و تعظیم کے ثمرات: یعنی جو لوگ نبی کی مجلس میں تواضع اور ادب و تعظیم سے بولتے ہیں اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لئے پرکھ لیا ہے اور مانجھ کر خالص تقویٰ و طہارت کے واسطے تیار کر دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ حزیہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں۔ قرآن، پیغمبر، کعبہ، نماز۔ ان کی تعظیم وہ ہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو وَ مَنْ يُعْظَمَ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج۔ ۳۲) یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام و ارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہو گا۔

۵۔ یعنی اس اخلاص و حق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔

۶۔ بزرگوں سے ملاقات کے آداب: بنی تمیم ملنے کو آئے، حضور ﷺ حجرہ مبارک میں تشریف رکھتے تھے، وہ لوگ باہر سے آوازیں دینے

لگے کہ یا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اَيْنَنَا (اے محمد باہر آئیے) یہ بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کو نہیں سمجھتے تھے۔ کیا معلوم ہے اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ یا کسی اور مہم کام میں مشغول ہوں۔ آپ کی ذات منبع البرکات تو مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور کا مرکز و ملاء تھی۔ کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جائے اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آخر پیغمبر کا ادب و احترام بھی کوئی چیز ہے۔ چاہئے تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ کے باہر تشریف لانے تک صبر کرتے۔ جب آپ باہر تشریف لا کر انکی طرف متوجہ ہوتے اس وقت خطاب کرنا چاہئے تھا۔ ایسا کیا جاتا تو انکے حق میں بہتر اور قابل ستائش ہوتا۔ تاہم بے عقلی اور نادانستگی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اسکو اپنی مہربانی سے بخشے والا ہے۔ چاہئے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہو کر آئندہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور ﷺ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پرانگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہ ہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔

۶۔ اے ایمان والو! اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جانہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر

کل کو اپنے کئے پر لگو پچھتانی [۴]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا

عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نُدْمِينَ ﴿٦﴾

۷۔ جھوٹی خبروں کی تحقیق کا حکم: اکثر نزاعات و مناقشات کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔ اس لئے اول اختلاف و تفریق کے اسی سرچشمہ کر بند کرنے کی تعلیم دی۔ یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرو۔ فرض کیجئے ایک بے راہ رو اور تکلیف دہ آدمی نے اپنے کسی خیال اور جذبہ سے بے قابو ہو کر کسی قوم کی شکایت کی۔ تم محض اسکے بیان پر اعتماد کر کے اس قوم پر چڑھ دوڑے، بعدہ ظاہر ہوا کہ اس شخص نے غلط کہا تھا، تو خیال کرو۔ اس وقت کس قدر پچھتا نا پڑے گا۔ اور اپنی جلد بازی پر کیا کچھ ندامت ہوگی اور اس کا نتیجہ جماعت اسلام کے حق میں کیسا خراب ہوگا۔

۷۔ اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے [۸] پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا اسکو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرُّشِدُونَ ﴿٧﴾

۸۔ اللہ کے فضل سے اور احسان سے [۹] اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا ہے [۱۰]

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٨﴾

۸۔ حق کو اپنی خواہشوں کا تابع نہ بناؤ: یعنی اگر رسول اللہ ﷺ تمہاری کسی خبر یا رائے پر عمل نہ کریں تو برا نہ مانو۔ حق لوگوں کی خواہشوں یا

رایوں کا تابع نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہو تو زمین و آسمان کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ وَ لَوْ اَتَّبَعِ الْحَقُّ اَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ (المؤمنون۔ ۷۱) الغرض خبروں کی تحقیق کیا کرو اور حق کو اپنی خواہش اور رائے کے تابع نہ بناؤ بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی تمہارا مشورہ قبول نہ ہو تو برا نہ مانو، رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر، اسی میں تمہارا بھلا ہے، اگر تمہاری بات مانا کرے تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے، پھر کس کس کی بات پر چلے۔“

۹۔ صحابہ کرام کی ایمان سے محبت اور کفر سے نفرت: یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری ہر بات مانا کریں تو بڑی مشکل ہوتی لیکن اللہ کا شکر کرو کہ اس نے اپنے فضل و احسان سے مومنین قانتین کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا، اور کفر و معصیت کی نفرت ڈال دی جس سے وہ ایسی بہودگی کے پاس بھی نہیں جاسکتے۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے و خواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے۔ آج گو حضور ﷺ ہمارے درمیان میں نہیں مگر حضور ﷺ کی تعلیم اور آپ کے وارث و نائب یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔

۱۰۔ یعنی وہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت سے وہ احوال و مقامات مرحمت فرماتا ہے جو اسکی استعداد کے مناسب ہوں۔

۹۔ اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑپڑیں تو ان میں ملاپ کرادو پھر اگر چڑھا چلا جائے ایک ان میں سے دوسرے پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرادو ان میں برابر اور انصاف کرو بیشک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے [۱۱]

وَ اِنْ طَافِغْتُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَقْتَتَلُوْا فَاَصْحٰوْا  
بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلٰى الْاٰخَرٰى  
فَقَاتِلُوْا الَّتٰى تَبَغٰى حَتّٰى تَفِيْءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ  
فَاِنْ فَاَتْ فَاَصْحٰوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ  
اَقْسَطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾

۱۰۔ مسلمان ہو ہیں سو بھائی ہیں سو ملاپ کرادو اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو [۱۲]

اِنَّا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْحٰوْا بَيْنَ اٰخَوِيْكُمْ وَ  
اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ مسلمانوں میں اختلاف کے وقت صحیح طرز عمل: یعنی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ اختلاف رفع ہو جائے اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو یکسو ہو کر نہ بیٹھ رہو، بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان ملکر اس سے لڑائی کریں۔ یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آئے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کر دے۔ اس وقت چاہئے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات و انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرادیں۔ کسی ایک کی طرفداری میں جاہد حق سے ادھر ادھر نہ جھکیں (تنبیہ) آیت کا نزول صحیحین کی روایات کے موافق ”انصار“ کے دو گروہوں اؤس اور خزرج کے ایک وقتی ہنگامے کے متعلق ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے انکے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرادی۔ جو لوگ خلیفہ کے مقابلہ میں بغاوت کریں وہ بھی عموم آیت میں داخل ہیں چنانچہ قدیم سے علمائے سلف

بغاوت کے مسئلہ میں اسی سے استدلال کرتے آئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات و مشاجرات کو شامل ہے۔ باقی باغیوں کے متعلق احکام شرعیہ کی تفصیل فقہ میں دیکھنا چاہیے۔

۱۲۔ مسلمان آپس میں بھائی ہیں: یعنی صلح اور جنگ کی ہر ایک حالت میں یہ ملحوظ رہے کہ دو بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت ہے۔ دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے۔ جب دو بھائی آپس میں ٹکرائیں تو یوں ہی انکے حال پر نہ چھوڑ دو۔ بلکہ اصلاح ذات البین کی پوری کوشش کرو۔ اور ایسی کوشش کرتے وقت خدا سے ڈرتے رہو کہ کسی کی بیجا فدا داری یا انتقامی جذبہ سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔

۱۱۔ اے ایمان والو! ٹھٹھانہ کریں ایک لوگ دوسروں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے [۱۳] برانام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے [۱۴] اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف [۱۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرَكُم مِّنْ قَوْمٍ

عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ

نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْبَسُوا

أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللُّقَابِ بِئْسَ الْإِسْمُ

الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ

هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾

۱۳۔ مرد و عورت ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں: اول مسلمانوں میں نزاع و اختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی تھی۔ پھر بتلایا کہ اگر اتفاقات اختلاف رونما ہو جائے تو پیر زور اور موثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے۔ لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش ہونی چاہئے کہ کم از کم جذبات منافرت و مخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا۔ بس ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزاء کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اسکو بہتر سمجھتا ہوتا ہے۔ مگر ضد و نفسانیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے۔ اور قلوب میں اس قدر بے بعد ہو جاتا ہے کہ صلح و استلاف کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ آئیے ہذا میں خداوند قدوس نے اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ مسخر اپن نہ کرے نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں نہ کھون لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے، کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی اور فتنہ و فساد کی آگ اور تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی بیش بہا ہدایت ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔

۱۴۔ برے القاب سے نہ پکارو: یعنی کسی کو برانام ڈالنے سے آدمی خود گنہگار ہوتا ہے۔ اُسے تو واقع میں عیب لگانا نہ لگا لیکن اس کا نام بد تہذیب، فاسق گنہگار، مرد آزار پڑ گیا۔ خیال کرو۔ ”مومن“ کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک

شخص ایمان لاچکا اور مسلمان ہو گیا اسکو مسلمان سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا مثلاً یہودی یا نصرانی وغیرہ کہہ کر پکارنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ اسی طرح جو شخص عیب میں مبتلا ہو اور وہ اس کا اختیاری نہ ہو، یا ایک گناہ سے فرض کیجئے توبہ کر چکا ہے، چڑانے کے لئے اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

۱۵۔ توبہ کی سہولت: یعنی جو پہلے ہو چکا ہو چکا اب توبہ کر لو۔ اگر یہ احکام و ہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم یہ ہی ہوں گے۔

۱۲۔ اے ایمان والو بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور برانہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو [۱۶] بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتا ہے تم کو اس سے [۱۷] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان [۱۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ  
إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ  
بَعْضُكُم بَعْضًا ۗ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ  
أَخِيهِ مِمَّا فَاكَّرَهُتُمْوهُ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ

تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾

۱۶۔ بدگمانی اور غیبت کی ممانعت: اختلاف و تفریق باہمی کے بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق سے ایسا بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مخالف کی کوئی بات ہو اس کا محل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو۔ ہمیشہ اس کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی اور اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمتیں اور الزام لگانا شروع کر دے گا۔ پھر نہ صرف یہ ہی کہ ایک بات حسب اتفاق پہنچ گئی، بدگمانی سے اسکو غلط معنی پہنچا دیے گئے، نہیں، اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائیں۔ اور اسکی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں۔ ان تمام خرافات سے قرآن کریم منع کرتا ہے۔ اگر مسلمان اس پر عمل کریں تو جو اختلافات بد قسمتی سے پیش آجاتے ہیں وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے۔ بلکہ چند روز میں نفسانی اختلافات کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "الزام لگانا اور بھید ٹٹولنا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا کسی جگہ بہتر نہیں۔ مگر جہاں اس میں کچھ دین کا فائدہ ہو اور نفسانیت کی غرض نہ ہو"۔ وہاں اجازت ہے جیسے رجال حدیث کی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کا معمول رہا ہے کیونکہ اس کے بدون دین کا محفوظ رکھنا محال تھا۔

۱۷۔ عمل غیبت کا گھناؤنا پن: یعنی مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نونچ نونچ کر کھائے۔ کیا اس کو کوئی انسان پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو غیبت اس سے بھی زیادہ شنیع حرکت ہے۔

۱۸۔ خاندانی اور نسبی اختلافات کی حقیقت: یعنی ان نصیحتوں پر کار بند وہی ہو گا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو۔ یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ چاہئے کہ ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے واقعی طور پر اس خداوند قہار کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوئی ہوں، اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔

۱۳۔ اے آدمیو ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسکی کو بڑی جسکو ادب بڑا [۱۹] اللہ سب کچھ جانتا ہے خبردار [۲۰]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَ  
جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ  
عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

۱۹۔ اکثر غیبت، طعن و تشنیع اور عیب جوئی کا منشاء کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا۔

اسلام کی فضیلت کا معیار: بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہو اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ شیخ، سید، مغل، پٹھان اور صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری سب کا سلسلہ آدم و حوا پر منتهی ہوتا ہے۔ یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کئے ہیں۔ بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ و معزز گھرانے میں پیدا کر دے وہ ایک مہذب و شرف ہے، جیسے کسی کو خوبصورت بنا دیا جائے، لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرا لیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے ہاں شکر کرنا چاہئے کہ اس نے بلا اختیار و کسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ اخلاق اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال مجدد شرف اور فضیلت و عزت کا اصلی معیار نسب نہیں تقویٰ و طہارت ہے اور متقی آدمی دوسروں کو حقیر کب سمجھے گا؟

۲۰۔ یعنی تقویٰ اور ادب اصل میں دل سے ہے۔ اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی اور مؤدب نظر آتا ہے وہ واقع میں کیسا اور آئندہ کیسا رہے۔ انما العبرة للخوائیم۔

۱۴۔ کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں گھنسا ایمان تمہارے دلوں میں [۲۱] اور اگر ہم پر چلو گے اللہ کے اور اسکے رسول کے کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ اللہ بخشتا ہے مہربان ہے۔ [۲۲]

قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمَّا قُلُومًا تَتُومِنُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا أَسْلَمْنَا لَكَيَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ  
وَإِنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ  
أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے [۲۳]

إِنَّا الْبُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ  
لَمْ يَرْتَابُوا وَجَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصُّدُوقُونَ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ تو کہہ کیا تم جتلاے ہو اللہ کو اپنی دینداری اور اللہ کو تو خبر ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے [۲۴]

قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے [۲۵] تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو راہ دی ایمان کی اگر سچ کہو [۲۶]

يَسْتُنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَسْتُنُوا عَلَيَّ إِلَّا بِإِيمَانِكُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ

لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو [۲۷]

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ ﴿۱۸﴾

بَصِيرٌ ﴿۱۸﴾

۲۱۔ ایمان اور اسلام کا فرق: یہاں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان و یقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جائے اور جڑ پکڑ لے اس وقت غیبت اور عیب جوئی وغیرہ کی خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں۔ جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈھنے اور آزار پہنچانے میں مبتلا ہو، سمجھ لو ابھی تک ایمان اسکے دل میں پوری طرح پوسٹ نہیں ہوا ایک حدیث میں ہے۔ يَامَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضِ الْإِيمَانَ إِلَىٰ قَلْبِهِ لَا تَعْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْدَاتِهِمْ الخ (ابن کثیر ۸-۲۴) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ایک کہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یعنی دین مسلمانی ہم نے قبول کیا۔ اسکا مضائقہ نہیں۔ اور ایک کہتا ہے کہ ہم کو پورا یقین ہے جو یقین پورا ہے تو اس کے آثار کہاں؟ جسکو واقعی پورا یقین حاصل ہو وہ تو ایسے دعوے کرنے سے ڈرتا اور شرماتا ہے (تنبیہ) اس آیت سے ایمان و اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہ ہی بات حدیث جبریل وغیرہ سے ثابت ہوئی ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔

۲۲۔ یعنی اب بھی اگر فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرو گے تو پچھلی کمزوریوں کی وجہ سے تمہارے کسی عمل کے ثواب میں کمی نہ کرے گا۔

۲۳۔ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور انکی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے۔

۲۴۔ یعنی اگر واقعہ سچا دین اور پورا یقین تم کو حاصل ہے تو کہنے سے کیا ہو گا جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے۔

۲۵۔ اعراب کا احسان جتنا: بعض گنوار آکر کہتے تھے کہ دیکھئے ہم تو بدون لڑے بھڑے مسلمان ہو گئے، گویا احسان جتلاتے تھے، اس کا جواب آگے دیتے ہیں۔

۲۶۔ تمہارا ایمان اللہ کا احسان ہے: یعنی اگر واقعی تم دعوئے اسلام و ایمان میں سچے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان



کی طرف آنے کا راستہ دیا اور دولت اسلام سے سرفراز کیا۔ اگر سچی بات کہو تو واقعہ اس طرح ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”نیکی اپنے ہاتھ سے ہو، اپنی تعریف نہیں، رب کی تعریف ہے جس نے وہ نیکی کروائی۔“ گویا خاتمہ سورت پر متنبہ کر دیا کہ اگر تم کو قرآنی ہدایات اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق ہو تو احسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ اللہ کے احسان و انعام کا شکر ادا کرو جس نے ایسی توفیق ارزانی فرمائی۔

۲۷۔ یعنی دلوں کے بھید اور ظاہر کا عمل سب کو خدا جانتا ہے۔ اسکے سامنے باتیں نہ بناؤ۔

تم سورة الحجرات بعون اللہ و حسن توفیقہ فلہ الحمد والمنة

## آیاتھا ۲۵

## ۵۰ سُورَةُ ق مَكِّيَّةٌ ۳۲

## رکوعاتھا ۳

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱- ق۔ قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی

قَ تَشَّ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ ﴿۱﴾

۲۔ بلکہ انکو تعجب ہوا کہ آیا انکے پاس ڈر سنانے والا انہی میں کا تو کہنے لگے مگر یہ تعجب کی چیز ہے

بَلْ عَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ

الْكَفِرُوْنَ هَذَا شَيْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۲﴾

۳۔ کیا جب ہم مر چکیں اور ہو جائیں مٹی یہ پھر آنا بہت دور ہے [۱]

عِزًا مِّمَّنَّا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ ﴿۳﴾

۴۔ ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین ان میں سے [۲] اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے [۳]

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا

كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ﴿۴﴾

۵۔ کوئی نہیں پر جھٹلاتے ہیں سچے دین کو جب ان تک پہنچا سو وہ پڑھے ہیں الجھی ہوئی بات میں [۴]

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِيْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ﴿۵﴾

۶۔ کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اسکو بنایا اور رونق دی اور اس میں نہیں کوئی سوراخ [۵]

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمٰوٰتِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنٰیْنَهَا

وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾

۷۔ اور زمین کو پھیلا یا اور ڈالے اس میں بوجھ اور اگائی اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز

وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوٰسِیَ وَ

اَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِیْجٍ ﴿۷﴾

۸۔ سمجھانے کو اور یاد دلانے کو اُس بندہ کے لئے جو رجوع کرے [۶]

تَبْصِرًا ۙ وَ ذِكْرًا یُّلٰکِلْ عَبْدٍ مِّنْیَّ ﴿۸﴾

۹۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا پھر اگائے ہم نے اُس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے [۸]

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبْرَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ

جَنَّتِ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ﴿٩﴾

۱۰۔ اور کھجوریں لنبی اُن کا خوشہ ہے تہ بہ تہ [۸]

وَالنَّخْلُ بُسِقَتْ لَهَا طَلْعُ نَضِيدٍ ﴿١٠﴾

۱۱۔ روزی دینے کو بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اُس سے ایک مردہ دہلیس کو یونہی ہو گا نکل کھڑے ہونا [۹]

رَزَقًا لِلْعِبَادِ ۗ وَ أَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا

كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ﴿١١﴾

۱۲۔ جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم اور کنوے والے اور شمود

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَ شَمُودُ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم [۱۰] ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو پر ٹھیک پڑا میرا ڈرانا [۱۱]

وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۗ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ

فَحَقَّ وَعَيْدِ ﴿١٤﴾

۱۵۔ اب کیا ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر کوئی نہیں اُنکو دھوکا ہے ایک نئے بنانے میں [۱۲]

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۗ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ

خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

۱۔ قرآن کی بزرگی و عظمت اور انکار کا تعجب: یعنی قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا جس نے آکر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اسرار و معارف سے دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔ یہ ہی بزرگی والا قرآن بذات خود شاہد ہے کہ اسکے اندر کوئی نقص و عیب نہیں نہ کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ہے، لیکن منکرین پھر بھی اسکو قبول نہیں کرتے اس لئے نہیں کہ انکے پاس اسکے خلاف کوئی حجت و برہان ہے بلکہ محض اپنے جہل و حماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان اور نسل کا ایک آدمی انکی طرف رسول ہو کر آیا اور بڑا بن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے۔ بھلا جب ہم مر کر مٹی ہو گئے۔ کیا ہر زندگی کی طرف واپس کئے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور امکان و عادت سے بالکل بعید ہے۔

۲۔ بدن کے تمام اجزاء اللہ کے علم میں ہیں: یعنی ساری مٹی نہیں ہو جاتی جان سلامت رہت ہے اور بدن کے اجزاء تحلیل ہو کر جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں۔ اسکو قدرت ہے کہ ہر جگہ سے اجزائے اصلیہ کو جمع کر کے ڈھانچہ کھڑا کر دے اور دوبارہ اس میں جان ڈال دے۔

۳۔ لوح محفوظ: یعنی یہ نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتیٰ کہ ان میں قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات ایک کتاب میں جو ”لوح محفوظ“ کہلاتی ہے لکھ دیے تھے اور اب تک ہمارے پاس وہ کتاب موجود چلی آتی ہے۔ پس اگر علم قدیم کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے وہ دفتر جس میں سب کچھ لکھا ہے حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے۔ یا اسکو پہلے جملہ کی تاکید سمجھو۔ کیونکہ جو چیز کسی کے علم میں ہو اور قلم بند بھی کر لیجائے وہ لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ مؤکد سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں مخاطبین کے محسوسات کے اعتبار سے متنبہ کر دیا کہ ہر چیز خدا کے علم میں ہے اور اس کے ہاں لکھی ہوئی ہے جس میں ذرا کی بیشی نہیں ہو سکتی۔

۴۔ یعنی صرف تعجب نہیں بلکہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ حضرت کی نبوت، قرآن اور بعث بعد الموت، ہر چیز کو جھٹلاتے ہیں اور عجب الجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں۔ بیشک جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے اسی طرح شک و اضطراب اور تردد و تیر کی الجھنوں میں پڑ جایا کرتا ہے۔

۵۔ آسمان کی مضبوطی اور زینت: یعنی آسمان کو دیکھ لو، نہ بظاہر کوئی کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون اتنا بڑا عظیم الشان جسم کیسا مضبوط و مستحکم کھڑا ہے۔ اور رات کو جب اس پر ستاروں کی قندیل اور جھاڑ فانوس روشن ہوتے ہیں تو کس قدر پر رونق اور خوبصورت نظر آتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گزر گئے نہ اس چھت میں کہیں سوراخ ہوا، نہ کوئی کنگرہ گرا، نہ پلاسٹر ٹوٹا، نہ رنگ خراب ہوا، آخر کونسا ہاتھ ہے جس نے یہ مخلوق بنائی اور بنا کر اسکی ایسی حفاظت کی۔

۶۔ زمین اور اسکی نعمتوں میں غور کرو: یعنی جو آدمی خدا کی طرف رجوع ہو محض ان ہی محسوسات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے اس کے لئے آسمان و زمین کی تخلیف و تنظیم میں دانائی و بینائی کے کتنے سامان ہیں جن میں ادنیٰ غور کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ اور بھولے ہوئے سبق اسکو یاد آسکتے ہیں۔ پھر خدا جانے ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں بھی یہ لوگ کیونکر حق کو جھٹلانے کی جرأت کرتے ہیں۔

۷۔ اناج وہ ہے جس کے ساتھ اس کا کھیت بھی کٹ جائے اور باغ پھل ٹوٹ کر قائم رہتا ہے۔

۸۔ یعنی بڑی کثرت اور افراط سے جن کا خوشہ دیکھنے میں بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ یعنی بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کر دیے جائیں گے۔

۱۰۔ ان اقوام کے قصے سورہ حجر، فرقان، دخان وغیرہ میں گذر چکے ہیں۔

۱۱۔ یعنی تکذیب انبیاء پر جس انجام سے ڈرایا گیا تھا وہ ہی سامنے آکر رہا۔

۱۲۔ دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے: یعنی دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرنے میں انہیں فضول دھوکا لگ رہا ہے۔ جس نے پہلی بار پیدا کیا اسے دوسری مرتبہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟ کیا یہ گمان کرتے ہو کہ (معاذ اللہ) وہ پہلی دفعہ دنیا کو بنا کر تھک گیا ہو گا؟ اس قادر مطلق کی نسبت ایسے توہمات قائم کرنا سخت جہالت اور گستاخی ہے۔

۱۶۔ اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں

آتی رہتی ہیں اُسکے جی میں [۱۳] اور ہم اُس سے نزدیک ہیں

دھڑکتی رگ سے زیادہ [۱۴]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ

نَفْسُهُ ۗ وَ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ جب لیتے لجاتے ہیں دو لینے والے دانتے بیٹھا اور بائیں

بیٹھا [۱۵]

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ

قَعِيدٌ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اُس کے پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار [۱۶]

۱۹۔ اور وہ آئی بیہوشی موت کی تحقیق [۱۷] یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا [۱۸]

۲۰۔ اور پھونکا گیا صور یہ ہے دن ڈرانے کا [۱۹]

۲۱۔ اور آیا ہر ایک جی اس کے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا ایک احوال بتانے والا [۲۰]

۲۲۔ تو پیچھے رہا اس دن سے اب کھول دی ہے ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری سو تیری نگاہ آج تیز ہے [۲۱]

۲۳۔ اور بولا فرشتہ اسکے ساتھ والا یہ ہے جو میرے پاس تھا حاضر [۲۲]

۲۴۔ ڈال دو تم دونوں دوزخ میں ہر ناشکر مخالف کو

۲۵۔ نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا شبہ ڈالنے والا [۲۳]

۲۶۔ جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور کو پوجنا سو ڈال دو اُسکو سخت عذاب میں [۲۴]

۲۷۔ بولا شیطان اُس کا ساتھی اے رب ہمارے میں نے اُسکو شرارت میں نہیں ڈالا پر یہ تمہارا کو بھولا دور پڑا ہوا [۲۵]

۲۸۔ فرمایا جھگڑانہ کرو میرے پاس اور میں پہلے ہی ڈرا چکا تھا تم کو عذاب سے [۲۶]

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ

مِنْهُ تَحِيّدٌ ﴿١٩﴾

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۗ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ﴿٢٠﴾

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَابِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿٢١﴾

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ

غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾

وَقَالَ قَرِينُهُ هٰذَا مَا لَدَىٰ عَتِيدٍ ﴿٢٣﴾

الْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلٌّ كِفَارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾

مِّنَّا لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾

الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلٰهًا آخَرَ ۗ فَالْقِيَةُ فِي

العَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْعَيْتُهُ وَلٰكِنْ كَانَ فِي

ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَىٰ وَا قَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ

بِالْوَعْدِ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں ظلم نہیں کرتا  
بندوں پر [۲۴]

مَا يَبْدُلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ

لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٩﴾

۱۳۔ اللہ کو دل کے دوسو سوں کا بھی علم ہے: یعنی اسکے ہر قول و فعل سے ہم خبر دار ہیں حتیٰ کہ جو دسواوس و خطرات اسکے دل میں گذرتے ہیں ان کا بھی ہم کو علم ہے۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الملک-۱۳)۔

۱۴۔ اللہ شہ رگ سے بھی قریب ہے: گردن کی رگ مراد ہے جسے ”شہ رگ“ کہتے ہیں اور جس کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے۔ شاید یہ کنایہ ہو جان اور روح سے مطلب یہ ہو کہ ہم (باعبار علم کے) اسکی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں۔ یعنی جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے۔ نیز علت اور منشاء کو معلول اور ناشی کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول اور ناشی کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا۔ اس کا کچھ مختصر بیان النَّبِيُّ اٰذُوۡى بِالْحَبۡشِیۡنِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب-۶) کے حواشی میں ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگ آخر باہر ہے جان سے“۔ ولنعلم ما قبل۔

جاں نہاں در جسم و ادور جاں نہاں سے نہاں اندر نہاں اے جاں جاں

۱۵۔ کراما کا تین: یعنی دو فرشتے خدا کے حکم سے ہر وقت اُس کی تاک میں لگے رہتے ہیں جو لفظ اُس کے منہ سے نکلے وہ لکھ لیتے ہیں۔ نیکی داہنے والا اور بدی بائیں والا۔

۱۶۔ یعنی لکھنے کو تیار ہے (تنبیہ) دونوں فرشتے کہاں رہتے ہیں؟ اور علاوہ اقوال کے کیا کچھ لکھتے ہیں؟ اس کی تفصیل احادیث و آثار سے ملے گی۔

۱۷۔ سکرۃ الموت: یعنی لو! ادھر مُسل تیار ہوئی، ادھر موت کی گھڑی آ پہنچی۔ اور مرنے والا نزع کی بیہوشیوں اور جان کنی کی سختیوں میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ اس وقت وہ سب سچی باتیں نظر آنا شروع ہو گئیں۔ جن کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی تھی۔ اور میت کی سعادت و شقاوت سے پردہ اٹھنے لگا۔ اور ایسا پیش آنا قطعی اور یقینی تھا۔ کیونکہ حکیم مطلق کی بہت سی حکمتیں اس سے متعلق تھیں۔

۱۸۔ یعنی آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا اور اس ناخوشگوار وقت سے بہت کچھ بھاگتا اور کتر اتار ہا پر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی۔ آخر سر پر آ کھڑی ہوئی کوئی تدبیر اور حیلہ دفع الوقتی کا نہ چل سکا۔

۱۹۔ چھوٹی قیامت تو موت کے وقت ہی آچکی تھی۔ اُسکے بعد بڑی قیامت حاضر ہے۔ بس صور پھونکا گیا اور وہ ہولناک دن آمو جو دہوا جس سے انبیاء و رسل برابر ڈراتے چلے آتے تھے۔

۲۰۔ محشر میں ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے: یعنی محشر میں اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان کے طرف دھکیلتا ہو گا اور دوسرا اعمال نامہ لئے ہو گا جس میں اسکی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ شاید یہ وہ ہی دو فرشتے ہوں جو ”کراما کا تین“ کہلاتے ہیں اور جنکی نسبت فرمایا تھا اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیۡنَ الخ اور ممکن ہے کوئی اور ہوں۔ واللہ اعلم۔

۲۰۔ یعنی محشر میں اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان کے طرف دھکیلتا ہو گا اور دوسرا اعمال نامہ لئے ہو گا جس میں اسکی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ شاید یہ وہ ہی دو فرشتے ہوں جو ”کراما کا تین“ کہلاتے ہیں اور جنکی نسبت فرمایا تھا اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیۡنَ الخ اور ممکن ہے کوئی اور ہوں۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ قیامت میں بینائی کی تیزی: یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بیخبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے

شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں۔ صحیح ہیں یا غلط۔

۲۲۔ یعنی فرشتہ اعمال نامہ حاضر کرے گا۔ اور بعض نے ”قرین“ سے مراد شیطان لیا ہے۔ یعنی شیطان کہے گا کہ یہ مجرم حاضر ہے جسکو میں نے اغواء کیا اور دوزخ کے لئے تیار کر کے لایا ہوں۔ مطلب یہ کہ اغواء تو میں نے کیا۔ مگر میرا ایسا زور و تسلط نہ تھا کہ زبردستی اس کو شرارت میں ڈال دیتا۔ یہ اپنے ارادے و اختیار سے گمراہ ہوا۔

۲۳۔ نیکی سے روکنے والے: بارگاہ ایزدی سے یہ حکم دو فرشتوں کو ہو گا کہ ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونک دو۔ اعاذنا اللہ منہا۔

۲۴۔ یعنی ایسے لوگ جہنم میں سخت ترین عذاب کے مستحق ہیں۔

۲۵۔ مشرک کا انجام: یعنی میری کچھ زبردستی اس پر نہ چلتی تھی۔ ذرا شہ دی تھی کہ یہ کبخت خود گمراہ ہو کر نجات و فلاح کے راستہ سے دور جا پڑا۔ شیطان یہ کہہ کر اپنا جرم ہلکا کرنا چاہتا ہے۔

۲۶۔ حشر میں کفار کو جواب: یعنی بک بک مت کرو۔ دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اب ہر ایک کو اُس کے جرم کے موافق سزا ملے گی جو گمراہ ہوا اور جس نے اغواء کیا، سب اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے۔

۲۷۔ یعنی ہمارے یہاں ظلم نہیں۔ جو کچھ فیصلہ ہو گا عین حکمت اور انصاف سے ہو گا۔ ”اور بات نہیں بدلتی“ یعنی کافر بخشا نہیں جاتا جہلا شیطان اکفر کی بخشش تو کہاں۔

۳۰۔ جس دن ہم کہیں دوزخ کو تو بھر بھی چکی اور وہ بولے کچھ اور بھی ہے [۲۸]

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَ تَقُولُ هَلْ

مِنْ مَّزِيدٍ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ اور نزدیک لائی جائے بہشت ڈرنے والوں کے واسطے دور نہیں [۲۹]

وَأُرْفَعَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا تم سے ہر ایک رجوع رہنے والے یاد رکھنے والے کے واسطے

هَذَا مَا تَوْعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ جو ڈرار حُمن سے بن دیکھے اور لایا دل رجوع ہونے والا

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَ جَاءَ بِقَلْبٍ

مُنِيبٍ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ چلے جاؤ اس میں سلامت [۳۰] یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا [۳۱]

أَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۗ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ اُنکے واسطے ہے وہاں جو چاہیں اور ہمارے پاس ہے کچھ دیا وہ بھی [۳۲]

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۳۵﴾

۲۸۔ جہنم کی وسعت اور پھیلاؤ: یعنی دوزخ کا پھیلاؤ اس قدر لوگوں سے نہ بھرے گا اور شدت غیظ سے اور زیادہ کافروں اور نافرمانوں کو طلب

کرے گی۔

۲۹۔ جنت متقین کے نزدیک ہے: یعنی جنت اُن سے دور نہ ہوگی، بہت قریب سے اُس کی تروتازگی اور بناؤ سنگار دیکھیں گے۔

۳۰۔ انابت اور خشیت کے بدلے جنت: یعنی جنہوں نے دنیا میں خدا کو یاد رکھا اور گناہوں سے محفوظ ہو کر اس کی طرف رجوع ہوئے، اور بے دیکھے اسکے قہر و جلال سے ڈرے اور ایک پاک و صاف رجوع ہونے والا دل لے کر حاضر ہوئے اس جنت کا وعدہ ایسے لوگوں سے کیا گیا تھا۔ وقت آ گیا ہے کہ سلامت و عافیت کے ساتھ اُس میں داخل ہوں۔ فرشتے اُنکو سلام کریں اور اُنکے پروردگار کا سلام پہنچائیں۔

۳۱۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں اُس دن جس کو جو کچھ ملا وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس سے پہلے ایک بات پر ٹھہراؤ نہ تھا۔

۳۲۔ جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی: یعنی جو چاہیں گے وہ ملے گا اور اس کے علاوہ وہ نعمتیں ملیں گی جو اُن کے خیال میں بھی نہیں۔ مثلاً دیدار الہی کی لذت بے قیاس اور ممکن ہے وَكَذَٰلِكَ مَزِيدٌ سے یہ غرض ہو کہ ہمارے پاس بہت ہیں جنتی کتنا ہی مانگیں سب دیا جائے گا۔ اللہ کے ہاں اتنا دینے پر بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ نہ اسکے لئے کوئی رکاوٹ ہے۔ پس اتنی بے حساب و بے شمار عطایا کو مستبعد نہ سمجھو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۳۶۔ اور کتنی تباہ کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں کہ انکی قوت زبردست تھی اُن سے پھر لگے کریدنے شہروں میں کہیں ہے بھاگ جانے کو ٹھکانہ [۳۳]

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ

بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ اس میں سوچنے کی جگہ ہے اُسکو جسکے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر [۳۴]

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا لِّبَنٍ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى

السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے چھ دن میں [۳۵] اور ہم کو نہ ہو اچکھ مکان [۳۶]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي

سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوبٍ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ سو تو سہتارہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور پاکی بولتارہ خوبیاں اپنے رب کی [۳۷] پہلے سورج نکلنے سے اور پہلے ڈوبنے سے

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾

۴۰۔ اور کچھ رات میں بول اسکی پاکی [۳۸] اور پیچھے سجدہ کے [۳۹]

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ آذْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾

۳۳۔ کفار کو تنبیہ: پہلے کفار کی تعذیب اُخروی کا بیان تھا۔ درمیان میں اُن کے مقابلہ پر اہل جنت کے تسبیح کا ذکر کیا تھا۔ اب پھر کفار کی سزا دہی کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ہم کتنی شریر و سرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں جو زور و قوت میں موجودہ اقوام کفار سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ اور جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے۔ پر جب عذاب الہی آیا تو بھاگ جانے کو روئے زمین پر کہیں ٹھکانا نہ ملا۔ یا یہ



مطلب ہے کہ عذاب کے وقت اپنی بستیوں میں کھوج لگانے لگے کہ کہیں پناہ ملے۔ مگر کوئی ٹھکانہ نہ پایا۔ وہذا ہوا الظاہر من الترجمہ والاوول ما اختارہ جمہور المفسرین۔ واللہ اعلم۔

۳۴۔ سمجھنے اور سننے والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں: یعنی ان عبرتناک واقعات میں غور و فکر کر کے وہ ہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جنکے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ، یا کم از کم کسی سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں۔ کیونکہ یہ بھی ایک درجہ ہے کہ آدمی خود متنبہ نہ ہو تو دوسرے کے متنبہ کرنے پر ہشیار ہو جائے جو شخص نہ خود سمجھے نہ کسی کے کہنے پر توجہ کے ساتھ کان لگائے اس کا درجہ اینٹ پتھر سے زیادہ نہیں۔

۳۵۔ اس کا بیان پہلے کی جگہ گزر چکا ہے۔

۳۶۔ اللہ نہیں تھکتا: جب پہلی مرتبہ بنانے سے نہ تھکے تو دوسری مرتبہ کیوں تھکیں گے اور تباہ و برباد کر دینا تو بنانے سے کہیں آسان ہے۔

۳۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و شکر کا حکم: یعنی ایسی موٹی باتوں کو یہ لوگ نہ سمجھیں تو آپ نمکین نہ ہوں۔ بلکہ ان کی بہبودہ بکو اس پر صبر کرتے رہیں۔ اور اپنے پروردگار کی یاد میں دل لگائے رکھیں جو تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کے بنانے اور بگاڑنے کی قدرت رکھتا ہے۔

۳۸۔ دعا اور نمازوں کے خاص اوقات: یہ وقت اللہ کی یاد کے ہیں ان میں دعا اور عبادت بہت قبول ہوتی ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں آپ پر تین ہی نمازیں فرض تھی۔ فجر، عصر اور تہجد بہر حال اب بھی ان تین وقتوں کو خصوصی فضل و شرف حاصل ہے۔ نماز یاد کرو دعاء وغیرہ سے ان اوقات کو معمور رکھنا چاہئے۔ حدیث میں ہے علیکم بالغدوۃ والروحۃ وشیء من الدلجۃ بعض نے کہا کہ قَبْلَ طُلُوعِ سَمَاءِ نَجْرٍ أَوْ قَبْلَ الْغُرُوبِ سے ظہر و عصر اور مِنَ الْيَلِيلِ سے مغرب و عشاء مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۹۔ یعنی نماز کے بعد کچھ تسبیح و تہلیل کرنا چاہئے۔ یا نوافل مراد ہوں جو فرائض کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔

۴۱۔ اور کان رکھ جس دن پکارے پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے [۴۰]

وَاسْتَبِعْ يَوْمَ يُنَادِ بُنَادٍ مِّنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۳۹﴾

۴۲۔ جس دن سنیں گے چنگھاڑ محقق وہ ہے دن نکل پڑنے کا [۴۱]

يَوْمَ يَسْعَوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ يَوْمُ

الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾

۴۳۔ ہم ہیں جلاتے اور مارتے اور ہم تک ہے سب کو پہنچنا [۴۲]

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾

۴۴۔ جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے یہ اکٹھا کرنا ہم کو آسان ہے [۴۳]

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سَرَاعًا ۗ ذٰلِكَ حَشْرٌ

عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾

۴۵۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو نہیں ہے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۗ وَاَنْتَ عَلَيْهِمْ

اُن پر زور کرنے والا سو تو سمجھا قرآن سے اُس کو جو ڈرے  
میرے ڈرانے سے [۴۳]

## بَجَبَّارٍ فَذَكَرُ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ۚ

۴۰۔ صور قریب کے مقام سے پھونکا جائے گا: کہتے ہیں صور پھونکا جائے گا بیت المقدس کے پتھر پر۔ اس لئے نزدیک کہا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اُس کی آواز ہر جگہ نزدیک لگے گی اور سب کو یکساں سنائی دے گی۔ باقی صور پھونکنے کے سوا اور بھی ندا میں حق تعالیٰ کی طرف سے اس روز ہوں گی بعض نے آیت سے وہ مراد لی ہیں۔ مگر ظاہر نفعہ صور ہے واللہ اعلم۔

۴۱۔ صور قریب کے مقام سے پھونکا جائے گا: یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے۔

۴۲۔ یعنی بہر حال موت و حیات سب خدا کے ہاتھ میں ہے اور ہر پھر کر آخر کار اُسی کی طرف سب کو جانا ہے بچ کر کوئی نہیں نکل سکتا۔

۴۳۔ قیامت میں زمین کا پھٹنا: یعنی زمین پھٹے گی اور مردے اس سے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گیں۔ خدا تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر دے گا۔ اور ایسا کرنا اُس کو کچھ مشکل نہیں۔

۴۴۔ تبلیغ میں زبردستی نہیں: یعنی جو لوگ حشر کا انکار کرتے اور وہی تباہی کلمات بکتے ہیں کبنے دو۔ اور ان کا معاملہ ہمارے سپرد کرو۔ ہم کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ آپ کا یہ منصب نہیں کہ زور زبردستی سے ہر ایک کو یہ باتیں منوا کر چھوڑیں۔ ہاں قرآن سناسنا کر بالخصوص اُنکو نصیحت اور فہمائش کرتے رہئے۔ جو اللہ کے ڈرانے سے ڈرتے ہیں۔ ان معاندین کے پیچھے زیادہ نہ پڑیے۔

تم سورۃ ق والحمد لله

رکوعاتھا ۳

۵۱ سُورَةُ الدُّرَيْتِ مَكِّيَّةٌ ۶۷

آیاتھا ۶۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم ہے اُن ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اڑا کر

وَالدُّرَيْتِ ذُرُوًّا ۱

۲۔ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو

فَالْحَبْلِتِ وَقْرًا ۲

۳۔ پھر چلنے والیاں نرمی سے

فَالْجَرِيَّتِ يُسْرًا ۳

۴۔ پھر بانٹنے والیاں حکم سے [۱]

فَالْبُقْسِبَتِ اَمْرًا ۴

۵۔ بیشک جو وعدہ کیا ہے تم سے سچ ہے

اِنَّا تَوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۵

۶۔ اور بیشک انصاف ہونا ضرور ہے [۲]

وَ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۶

۷۔ قسم ہے آسمان جالدار (جالیدار) کی [۳]

وَ السَّبَّاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۷

۸۔ تم پڑ رہے ہو ایک جھگڑے کی بات میں

اِنَّكُمْ لِنَعٰی قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۸

۹۔ اُس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا [۴]

يُؤْفِكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۹

۱۰۔ مارے پڑے اٹکل دوڑانے والے [۵]

قَتَلَ الْخَرَّصُوْنَ ۱۰

۱۱۔ وہ جو غفلت میں ہیں بھول رہے [۶]

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۱۱

۱۲۔ پوچھتے ہیں کب ہے دن انصاف کا [۷]

يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمِ الدِّیْنِ ۱۲

۱۳۔ جس دن وہ آگ پر لٹے سیدھے پڑیں گے

يَوْمَهُمْ عَلٰی النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۱۳

۱۴۔ چکھو مزا اپنی شرارت کا یہ ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے [۸]

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ط هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٣﴾

۱۵۔ البتہ ڈرنے والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾

۱۶۔ لیتے ہیں جو دیا انکو انکے رب نے [۹] وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے [۱۰]

أَخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ط إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ

مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگنے والے [۱۱]

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور انکے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا [۱۲]

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے واسطے

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ اور خود تمہارے اندر سو کیا تم کو سو جھٹا نہیں [۱۳]

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا [۱۴]

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُونَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو [۱۵]

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا

أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ﴿٢٣﴾

۱۔ ہواؤں کی قسم: یعنی اوّل زور کی ہوائیں اور آندھیاں چلتی ہیں جن سے غبار وغیرہ اڑتا ہے اور بادل بنتے ہیں، پھر ان میں پانی بنتا ہے۔ اس بوجھ کو اٹھائے پھرتی ہیں۔ پھر برسنے کے قریب نرم ہوا چلتی ہے پھر اللہ کے حکم کے موافق بارش میں جس جگہ کا جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کرتی ہیں۔ ان ہواؤں کی اللہ قسم کھاتا ہے۔ بعض علماء نے ”ذاریات“ سے ہوائیں ”حاملات“ سے بادل ”جاریات“ سے ستارے اور ”مقسمات“ سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ گویا مقسم بہ کی ترتیب نیچے اوپر کو ہوئی اور حضرت علیؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ ”ذاریات“ ہوائیں، ”حاملات“ بادل،

“جاریات” کشتیاں اور “مقسمات” فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے رزق وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

۲۔ آخرت کا وعدہ سچا ہے: یعنی یہ ہواؤں اور بارش وغیرہ کا نظام شاہد ہے کہ آخرت کا وعدہ سچا، اور انصاف ہونا ضروری ہے۔ جب اس دنیا میں ہوا تک بے نتیجہ نہیں چلتی تو کیا اتنا بڑا کارخانہ یوں ہی بے نتیجہ چل رہا ہے؟ یقیناً اس کا کوئی عظیم الشان انجام ہو گا۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں۔

۳۔ جال دار آسمان: یعنی صاف و شفاف، خوبصورت، مضبوط اور پر رونق آسمان کی قسم جس پر ستاروں کا جال بچھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جس پر ستاروں کی اور فرشتوں کی راہیں پڑی ہوئی ہیں۔

۴۔ یعنی قیامت اور آخرت کی بات میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں۔ اس کو وہ ہی تسلیم کرے گا جسے بارگاہ ربوبیت سے کچھ تعلق ہو۔ جو شخص راندہ درگاہ ہے اور خیر و سعادت کے راستوں سے پھیر دیا گیا ہے وہ اس چیز کے تسلیم اور قبول کرنے سے ہمیشہ باز رہے گا۔ حالانکہ اگر صرف آسمان کے نظم و نسق میں غور کرے تو یقین ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا محض حماقت ہے۔

۵۔ اٹکل دوڑانے والے: یعنی دین کی باتوں میں انگلیں دوڑاتے ہیں اور محض اپنے ظن و تخمین سے قطعیات کو رد کرتے ہیں۔

۶۔ یعنی دنیا کے مزوں نے آخرت سے اور خدا سے غافل کر رکھا ہے۔

۷۔ انصاف کے دن کا تمسخر: یعنی انکار اور ہنسی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ انصاف کا دن کب آئیگا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟

۸۔ حق تعالیٰ کا جواب: یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب دیا گیا۔ یعنی ذرا صبر کرو۔ وہ دن آیا چاہتا ہے۔ جب تم آگ میں لٹے سیدھے کئے جاو گے۔ اور خوب جلاتا کر کہا جائے گا کہ لو! اب اپنی شرارت اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ جس دن کی جلدی مچا رہے تھے وہ آگیا۔

۹۔ یعنی خوشی خوشی ان نعمتوں کو قبول کرتے ہیں جو ان کے پروردگار نے ارزانی فرمائی ہیں۔

۱۰۔ یعنی دنیا سے نیکیاں سمیٹ کر لائے تھے۔ آج ان کا نیک پھل مل رہا ہے۔ آگے ان نیکیوں کی قدرے تفصیل ہے۔

۱۱۔ محسنین اور متقین کی صفات: یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت الہی میں گزارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الہی حق عبودیت ادا نہ ہو سکا۔ جو کوتاہی رہی اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔ کثرت عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی۔ بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خشیت و خوف بڑھتا جاتا تھا۔

۱۲۔ “ہارا ہوا” وہ جو محتاج ہے اور مانگتا نہیں پھرتا۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے (زکوٰۃ کے علاوہ) اپنے مال میں اپنی خوشی سے سائلوں اور محتاجوں کا حصہ مقرر کر رکھا تھا جو التزام کی وجہ سے گویا ایک حق لازم سمجھا گیا۔

۱۳۔ آفاقی اور انفس کی نشانیاں: یعنی یہ شب بیداری، استغفار اور محتاجوں پر خرچ کرنا اس یقین کی بناء پر ہونا چاہیے کہ خدا موجود ہے اور اس کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی۔ اور یہ یقین وہ ہے جو آفاقی و انفسی آیات میں غور کرنے سے بسہولت حاصل ہو سکتا ہے۔ انسان اگر خود اپنے اندر یاروئے زمین کے حالات میں غور و فکر کرے تو بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ہر نیک و بد کی جزاء کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مل کر رہے گی۔ جلد یا بدیر۔

۱۴۔ سب کی روزی آسمان میں ہے: یعنی سائلوں اور محتاجوں پر خرچ کرنے سے اس لئے نہیں ڈرنا چاہیے کہ خرچ کر کے ہم کہاں سے کھائیں گے۔ اور نہ خرچ کر کے ان مساکین پر احسان جتلائے کیونکہ تمہاری سب کی روزی اور اجر و ثواب کے جو وعدے کئے گئے ہیں آسمان والے کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر ایک کی روزی پہنچ کر رہے گی کسی کے روکے نہیں رک سکتی۔ اور خرچ کرنے والوں کو ثواب بھی مل کر رہیگا۔ حضرت شاہ

صاحب لکھتے ہیں "آنیوالی جو بات ہے اس کا حکم آسمان ہی سے اترتا ہے۔"

۱۵۔ یہ سب باتیں حق ہیں: یعنی جیسے اپنے بولنے میں شبہ نہیں، ویسا ہی اس کلام میں شبہ نہیں۔ یقیناً روزی پہنچ کر رہے گی، قیامت قائم ہوگی۔ آخرت آکر رہے گی، اور خدا کے وعدے ضرور پورے ہوں گے۔ آگے وَفَىٰ أَمْوَالِهِمْ حَقًّا لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ کی مناسبت سے حضرت ابراہیم کی مہمان نوازی کا قصہ سناتے ہیں جو تمہید ہے لوط کے قصہ کی۔ دونوں قصوں سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دنیا میں محسنین کے ساتھ کیا ہے اور مکذبین کے ساتھ اس نے کیسا برتاؤ کیا۔

۲۳۔ کیا پہنچی ہے تجھ کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے [۱۶]

هَلْ أَتَكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ

الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٣﴾

۲۵۔ جب اندر پہنچے اُسکے پاس تو بولے سلام وہ بولا سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے [۱۷]

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ط قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ

مُنْكَرُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لے آیا ایک مچھڑا گھی میں تلا ہوا

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَبَاءَ بِعَجَلٍ سَبِينِ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ پھر اُنکے سامنے رکھا کہا کیوں تم کھاتے نہیں [۱۸]

فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ پھر جی میں گھبرا یا اُن کے ڈر سے بولے تو مت ڈر اور خوشخبری دی اُسکو ایک لڑکے ہوشیار کی [۱۹]

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ط قَالُوا لَا تَخَفْ وَ

بَشَرُوكَ بِغُلْمٍ عَلِيمٍ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ پھر سامنے سے آئی اسکی عورت بولتی ہوئی پھر بیٹا اپنا ماتھا اور کہنے لگی کہیں بڑھیا با نچھ [۲۰]

فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ

قَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ وہ بولے یوں ہی کہا تیرے رب نے وہ جو ہے وہی ہے حکمت والا خبردار [۲۱]

قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ ط إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ

الْعَلِيمُ ﴿٣٠﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ [۳۱]

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک گنہگار قوم پر

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ کہ چھوڑیں ہم اُن پر پتھر مٹی کے [۳۳]

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ نشان پڑے ہوئے تیرے رب کے یہاں سے حد سے نکل چلنے والوں کے لئے [۳۴]

فَاخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے [۳۶]

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ

۳۷۔ اور باقی رکھا ہم نے اُس میں نشان اُن لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں عذاب دردناک سے [۳۷]

الْأَلِيمِ ﴿۳۷﴾

وَفِي مَوْسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ

۳۸۔ اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا ہم نے اُسکو فرعون کے پاس دے کر کھلی سند [۳۸]

مُبِينٍ ﴿۳۸﴾

فَتَوَلَّىٰ بِرْكَانِهِ وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ پھر اُس نے منہ موڑ لیا اپنے زور پر اور بولا یہ جادو گر ہے یا دیوانہ [۳۹]

فَاخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ

۴۰۔ پھر پکڑا ہم نے اُسکو اور اُسکے لشکروں کو پھر پھینک دیا اُنکو دریا میں اور اُس پر لگا الزام [۴۰]

مُلِيمٌ ﴿۳۹﴾

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور نشانی ہے عاد میں جب بھیجی ہم نے اُن پر ہوا خیر سے خالی

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ

۴۲۔ نہیں چھوڑتی کسی چیز کو جس پر گزرے کہ نہ کر ڈالے اسکو جیسے چور [۴۲]

كَالرَّمِيمِ ﴿۴۱﴾

۳۳۔ اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا انکو برت لو ایک وقت تک [۳۱]

وَفِیْ شُوۡدَاۡذٍ قَبْلِ لَہُمْ تَسْتَعُوۡا حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا انکو کڑک نے اور وہ دیکھتے تھے

فَعَتَوۡا عَنِ اٰمْرِ رَبِّہِمۡ فَاخَذَتۡہُمُ الصُّعِقَةُ وَہُمْ

یَنْظُرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ پھر نہ ہو سکا ان سے کہ اٹھیں اور نہ ہوئے کہ بدلا لیں [۳۲]

فَمَا اسْتَطَاعُوۡا مِنْ قِیَامٍ وَّمَا کَانُوۡا مُنتَصِرِیۡنَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ اور ہلاک کیا نوح کی قوم کو اس سے پہلے تحقیق وہ تھے لوگ نافرمان [۳۳]

وَ قَوْمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبْلِ ؕ اِنَّہُمْ کَانُوۡا قَوْمًا

فٰسِقِیۡنَ ﴿۳۶﴾

۱۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان: یعنی فرشتے تھے جن کو ابراہیم اول انسان سمجھے ان کی بڑی عزت کی اور اللہ کے ہاں تو فرشتے معزز و کرم ہیں ہی۔ کما قال بن عبّاد مَنَّكَ مُؤْمِنٌ (الانبیاء۔ ۲۶)۔

۱۷۔ یعنی سلام کا جواب سلام سے دیا اور دل میں یا آپس میں کہا کہ یہ لوگ کچھ اوپرے سے معلوم ہوتے ہیں۔

۱۸۔ یعنی نہایت اہتمام سے مہمانی شروع کر دی اور نہایت مہذب و شائستہ پیرایہ میں کہا کہ کیوں حضرات! تم کھانا نہیں کھاتے؟ وہ فرشتے تھے، کھاتے کس طرح۔ آخر ابراہیمؑ سمجھے کہ یہ آدمی نہیں ہیں۔

۱۹۔ یہ قصہ سورۃ ہود ”اور“ حجر ”میں گزر چکا ہے۔ وہاں تفصیل ملاحظہ کر لی جائے۔

۲۰۔ حضرت سارہ کا تعجب: حضرت سارہؑ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ایک طرف گوشہ میں کھڑی سن رہی تھیں۔ لڑکے کی بشارت سن کر چلاتی ہوئی دوسری طرف متوجہ ہوئیں اور تعجب سے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ (کیا خوب) ایک بڑھیا بانجھ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی۔ اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی؟

۲۱۔ یعنی ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ بلکہ تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینا چاہیے۔ (پھر تم بیت نبوت سے ہو کر اس بشارت پر تعجب کیا کرتی ہو)۔ (تنبیہ) مجموعہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا حضرت اسحاقؑ ہیں جن کی بشارت ماں اور باپ دونوں کو دی گئی۔

۲۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کی گفتگو: یعنی ابراہیمؑ نے فرشتوں سے پوچھا کہ آخر تم کس مہم کے لئے آئے ہو۔ اندازہ سے سمجھے ہونگے کہ ضرور کسی اور اہم مقصد کے لئے ان کا نزول ہوا ہے۔

۲۳۔ یعنی قوم لوط کی سزا دہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ تاکنکر کے پتھر برسا کر ان کو ہلاک کریں۔ مِّنْ طِیۡنٍ کی قید سے معلوم ہو گیا کہ یہ اولوں کی بارش نہ تھی جس کو توسعاً پتھر کہہ دیا جاتا ہے۔

۲۴۔ قوم لوط کیلئے نشان زدہ پتھر: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پتھروں پر نشان کر دیے گئے ہیں۔ یہ عذاب کے پتھر خاص ان ہی کو لگیں گے جو عقل، دین اور فطرت کی حد سے نکل چکے ہیں۔



۲۵۔ یعنی اس بستی میں صرف ایک حضرت لوطؑ کا گھر انا مسلمانی کا گھر انا تھا۔ اس کو ہم نے عذاب سے محفوظ رکھا اور صاف بچا نکالا۔ باقی سب تباہ کر دیے گئے۔

۲۶۔ آثار عذاب سے عبرت: یعنی اب تک وہاں تباہی کے نشان موجود ہیں اور ان کی غیر معمولی ہلاکت کے قصہ میں ڈرنے والوں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔

۲۷۔ یعنی معجزات و براہین۔

۲۸۔ یعنی زور و قوت پر مغرور ہو کر حق کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور اپنی قوم اور ارکان سلطنت کو بھی ساتھ لے ڈوبا۔ کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو چالاک جادو گر ہے اور یاد یوانہ ہے۔ دو حال سے خالی نہیں۔

۲۹۔ یعنی ہم نے زیادتی نہیں کی۔ الزام اسی پر ہے کہ اس نے کفر اور سرکشی اختیار کی سمجھانے پر بھی باز نہ آیا۔ آخر جو بویا تھا وہ ہی کاٹا۔

۳۰۔ یعنی عذاب کی آندھی آئی جو خیر و برکت سے یکسر خالی تھی۔ اس نے مجرموں کی جڑ کاٹ ڈالی اور جس چیز پر گزری اس کا چورا کر کے رکھ دیا۔

۳۱۔ قوم صالح کو مہلت: یعنی حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور دنیا کے مزے اڑالو، اور یہاں کا سامان برت لو۔ آخر عذاب الہی میں پکڑے جاؤ گے۔

۳۲۔ یعنی ان کی شرارت روز بروز بڑھتی گئی۔ آخر عذاب الہی نے آلیا ایک کڑک ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور و طاقت اور متکبرانہ دعوے اور طنطنے خاک میں مل گئے کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا۔ بھلا بدلہ تو کیا لے سکتے تھے اور اپنی مدد پر کسے بلاتے۔

۳۳۔ یعنی ان اقوام سے پہلے نوحؑ کی قوم اپنی بغاوت اور سرکشی کی بدولت تباہ کی جا چکی ہے وہ لوگ بھی نافرمانی میں حد سے نکل گئے تھے۔

۴۷۔ اور بنایا ہم نے آسمان ہاتھ کے بل سے اور ہم کو سب مقدور ہے [۳۴]

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَنُوسِعُونَ ﴿۳۷﴾

۴۸۔ اور زمین کو بچھایا ہم نے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم [۳۵]

وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمُهْتَدُونَ ﴿۳۸﴾

۴۹۔ اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم دھیان کرو [۳۶]

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُونَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ سو بھاگو اللہ کی طرف میں تم کو اُسکی طرف سے ڈر سنا تا ہوں کھول کر

فَفِرُّوْا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ اور مٹ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود میں تم کو اُسکی طرف سے ڈر سنا تا ہوں کھول کر [۳۷]

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۖ إِنَّ لَكُمْ مِّنْهُ

نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا اُس کو یہی کہا کہ جادو گر ہے یا دیوانہ [۳۸]

كَذٰلِكَ مَا آتٰی الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا

قَالُوْا سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ کیا یہی وصیت کر مرے ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں [۳۹]

اَتَوٰصُوْا بِهٖۙ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طٰغُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۴۔ سو تو لوٹ آئی طرف سے اب تجھ پر نہیں ہے الزام

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾

۵۵۔ اور سمجھنا تارہ کہ سمجھنا کام آتا ہے ایمان والوں کو [۴۰]

وَذِكْرٌ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

۳۴۔ یعنی آسمان جیسی وسیع چیز اپنی قدرت سے پیدا کی اور اس سے بھی بڑی چیزیں پیدا کرے تو کیا مشکل ہے۔

۳۵۔ یعنی زمین و آسمان سب خدا کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کے قبضہ میں ہیں۔ پھر اس کا مجرم بھاگ کر کہاں پناہ لے سکتا ہے۔ نیز خالق کائنات کی عجیب و غریب کاریگری میں آدمی غور کرے تو اسی کا ہو رہے۔

۳۶۔ ہر نوع میں جوڑے پیدا کئے: یعنی نر اور مادہ جیسا کہ ابن زید نے کہا۔ اور آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے۔ اور یا ”زوجین“ سے متقابل و متضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین آسمان، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، صحت و مرض، کفر و ایمان، وغیر ذلک۔

۳۷۔ اللہ کی طرف دوڑو: یعنی جب زمین و آسمان اور تمام کائنات ایک اللہ کی پیدا کی ہوئی اور اسی کے زیر حکومت ہے تو بندہ کو چاہیے ہر جانب سے ہٹ کر اسی کی طرف بھاگے۔ اگر اس کی طرف نہ بھاگا اور رجوع نہ ہو تو یہ بہت ڈر کی چیز ہے۔ یا کسی اور ہستی کی طرف رجوع ہو گیا تو یہ بھی ڈر کی بات ہے۔ ان دونوں صورتوں کے خوفناک انجام سے میں تم کو صاف صاف ڈراتا ہوں۔

۳۸۔ ہر نبی کو جادو گر کہا گیا: یعنی ایسی صاف تشبیہ و انداز پر اگر یہ منکرین کان نہ دھریں تو غم نہ کیجئے۔ ان سے پہلے جن کافر قوموں کی طرف کوئی پیغمبر آیا، اسی طرح جادو گر یا دیوانہ کہہ کر اس کی نصیحتوں کو ہنسی میں اڑا دیا۔

۳۹۔ تکذیب انبیاء پر کفار کا اتفاق: یعنی ہر زمانہ کے کافر اس بات میں ایسے متفق اللفظ رہے کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں کہ جو رسول آئے اسے ساحر یا مجنون کہہ کر چھوڑ دینا۔ اور واقع میں وصیت تو کہاں کرتے، البتہ شرارت کے عنصر میں سب شریک ہیں۔ اور یہ ہی اشتراک پچھلے شریروں سے وہ الفاظ کہلو اتا ہے جو اگلے شریروں نے کہے تھے۔

۴۰۔ یعنی آپ فرض دعوت و تبلیغ کا حق ادا کر چکے۔ اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ماننے کا جو کچھ الزام رہیگا ان ہی معاندین پر رہیگا۔ ہاں سمجھنا آپ کا کام ہے۔ سو یہ سلسلہ جاری رکھیے جس کی قسمت میں ایمان لانا ہو گا اس کو یہ سمجھنا کام دیگا، جو ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید نفع پہنچے گا، اور منکروں پر خدا کی حجت تمام ہوگی۔

۵۶۔ اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو [۴۱]

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۷۔ میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں

مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ

يُطْعَمُونِ ﴿۵۷﴾

۵۸۔ اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط [۳۲]

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْبَتِّينِ ﴿۵۸﴾

۵۹۔ سوان گنہگاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہے جیسے ڈول بھرا اُنکے ساتھیوں کا اب مجھ سے جلدی نہ کریں [۳۳]

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِّثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ

فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ سو خرابی ہے منکروں کو اُنکے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے [۳۴]

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي

يُوعَدُونَ ﴿۶۰﴾

۴۱۔ جنوں اور انسانوں کی تخلیق عبادت کیلئے ہے: یعنی ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے ان میں خلقت ایسی استعداد رکھی ہے کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں یوں ارادہ کو تیبہ قدریہ کے اعتبار سے تو ہر چیز اس کے حکم تکوینی کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ لیکن ایک وقت آئیگا جب سب بندے اپنے ارادہ سے تخلیق عالم کی اس غرض شرعی کو پورا کریں گے۔ بہر حال آپ سمجھتے رہیں کہ سمجھانے ہی سے یہ مطلوب شرعی حاصل ہو سکتا ہے۔

۴۲۔ بندگی بندوں ہی کے فائدے کیلئے ہے: یعنی ان کی بندگی سے میرا کچھ فائدہ نہیں، ان ہی کا نفع ہے۔ میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لئے کما کر لاؤ یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے۔ میں ان سے اپنے لئے روزی کیا طلب کرتا، خود ان کو اپنے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں بھلا مجھ جیسے زور آور اور قادر و توانا کو تمہاری خدمات کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ بندگی کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ تم میری شہنشاہی اور عظمت و کبریائی کا تو لاؤ فعلاً اعتراف کر کے میرے خصوصی الطاف و مراحم کے مورد مستحق بنو۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم      بلکہ تا بر بندگاں جو دے کنم

۴۳۔ یعنی اگر یہ ظالم بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھ لو کہ دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے۔ بس اب ڈوبا چاہتا ہے۔ خواہ خواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں۔ جیسے دوسرے کافروں کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا، ان کو بھی پہنچ کر رہیگا۔

۴۴۔ یعنی قیامت کا دن۔ یا اس سے پہلے ہی کوئی دن سزا کا آجائے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کو ”بدر“ میں خاصی سزا مل گئی۔

تم سورة الذاریات ولله الحمد

آیاتھا ۲۹

۵۲ سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ ۶

رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَ الطُّورِ ﴿۱﴾

۱۔ قسم ہے طور کی [۱]

وَ كِتَابٍ مَّسْطُورٍ ﴿۲﴾

۲۔ اور لکھی ہوئی کتاب کی

فِی رَقٍّ مَّنْشُورٍ ﴿۳﴾

۳۔ کشادہ ورق میں [۲]

وَ الْبَيْتِ الْبَعُورِ ﴿۴﴾

۴۔ اور آباد گھر کی [۳]

وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ﴿۵﴾

۵۔ اور اونچی چھت کی [۴]

وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ﴿۶﴾

۶۔ اور اُبلتے ہوئے دریا کی [۵]

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾

۷۔ بیشک عذاب تیرے رب کا ہو کر رہے گا

مَّالَهُ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾

۸۔ اُسکو کوئی نہیں ہٹانے والا [۶]

يَوْمَ تَنُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ﴿۹﴾

۹۔ جس دن لرزے آسمان کپکپا کر [۷]

وَ تَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور پھریں پہاڑ چل کر [۸]

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا يَوْمَ يَدْعُوكُم إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعْوَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجَاجِذِ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴿۱۱﴾

۱۱۔ سو خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کو

الَّذِينَ هُمْ فِي حَوْضٍ يَلْعَبُونَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ جو باتیں بناتے ہیں کھیلتے ہوئے [۹]

يَوْمَ يُدْعُونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعْوَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجَاجِذِ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴿۱۳﴾

۱۳۔ جس دن کہ دھکیلے جائیں دوزخ کی طرف دھکیل کر

هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكذِّبُونَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ یہ ہے وہ آگ جسکو تم جھوٹ جانتے تھے [۱۰]

أَفْسِحْ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوچتا [۱۱]

اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ

۱۶۔ چلے جاؤ اسکے اندر پھر تم صبر کرو یا نہ صبر کرو تم کو برابر ہے وہی بدلا پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے [۱۲]

إِنَّا تَجْزُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ جو ڈرنے والے ہیں وہ باغوں میں ہے اور نعمت میں

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ میوے کھاتے ہوئے جو انکو دیے انکے رب نے اور بچایا انکے رب نے دوزخ کے عذاب سے [۱۳]

فَكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَهُمُ رَبُّهُمْ عَذَابَ

الْجَحِيمِ ﴿۱۸﴾

۱۹۔ کھاؤ اور پیو رچتا ہو ابلا ان کاموں کا جو تم کرتے تھے

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

۲۰۔ تکیہ لگائے بیٹھے تختوں پر برابر بیچھے ہوئے قطار باندھ کر [۱۴] اور بیاہ دیں ہم انکو حوریں بڑی آنکھوں والیاں

مُتَّكِيِينَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ

عِينٍ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ اور جو لوگ یقین لائے اور انکی راہ پر چلی انکی اولاد ایمان سے پہنچا دیا ہم نے ان تک انکی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ہم نے ان سے ان کا کیا ذرا بھی [۱۵] ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے [۱۶]

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ

الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ

مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِيٍّ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

۲۲۔ اور تار لگا دیا ہم نے ان پر میووں کا اور گوشت کا جس چیز کو جی چاہے [۱۷]

وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِغَاكِهِةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ جھپٹتے ہیں وہاں پیالانہ بکنا ہے اس شراب میں اور نہ گناہ میں ڈالنا [۱۸]

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا نَعْوُ فِيهَا وَلَا

تَأْتِيهِمْ ﴿۲۳﴾

۲۴۔ اور پھرتے ہیں اُنکے پاس چھو کرے اُنکے گویا وہ موتی ہیں اپنے غلاف کے اندر [۱۹]

وَ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ

مَكْنُونٌ ﴿٢٣﴾

۲۵۔ اور منہ کیا بعضوں نے دوسروں کی طرف آپس میں پوچھتے ہوئے

وَ أَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ بولے ہم بھی تھے اس سے پہلے اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچا دیا ہم کو لو کے عذاب سے

فَبَنَّا لِلَّهِ عَلَيْنَا وَقُنَّا عَذَابَ السُّومِ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ ہم پہلے سے پکارتے تھے اُسکو بیشک وہی ہے نیک سلوک والا مہربان [۲۰]

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۗ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ

الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾

۱۔ یعنی ”کوہ طور“ جس پر حضرت موسیٰ سے اللہ نے کلام کیا۔

۲۔ مخلوقات کی قسمیں: اس کتاب سے شاید لوح محفوظ مراد ہو یا لوگوں کا اعمال نامہ یا قرآن کریم یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتب سماویہ سب احتمالات ہیں۔

۳۔ بیت معمور: شاید کعبہ کو کہا یا ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کی ٹھیک محاذات میں فرشتوں کا کعبہ ہے اس کو ”بیت معمور“ کہتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

۴۔ یعنی آسمان کی قسم جو زمین کے اوپر ایک چھت کی طرح ہے اور یا ”سقف مرفوع“ عرش عظیم کو کہا جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت کی چھت ہے۔

۵۔ دنیا کے اہلنے ہوئے دریا مراد ہوں یا وہ عظیم الشان دریا مراد ہو جس کا وجود عرش عظیم کے نیچے اور آسمانوں کے اوپر روایات سے ثابت ہوا ہے۔

۶۔ قدرت الہیہ پر مخلوقات کی شہادت: یعنی یہ تمام چیزیں جن کی قسم کھائی شہادت دیتی ہیں کہ وہ خدا بہت بڑی قدرت و عظمت والا ہے۔ پھر اس کی نافرمانی کرنیوالوں پر عذاب کیوں نہیں آئیگا۔ اور کس کی طاقت ہے جو اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو الٹا واپس کر دے گا۔

۷۔ یعنی آسمان لرز کر اور کپکپا کر پھٹ پڑیگا۔

۸۔ یعنی پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔

۹۔ کفار کا انجام بد: یعنی جو آج کھیل کود میں مشغول ہو کر طرح طرح کی باتیں بناتے اور آخرت کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کے لئے اس روز سخت خرابی اور تباہی ہے۔

۱۰۔ یعنی فرشتے ان کو سخت ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور وہاں پہنچا کر کہاں جائیگا کہ یہ وہ آگ حاضر ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔

۱۱۔ یعنی تم دنیا میں انبیاء کو جادو گر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے۔ ذرا اب بتلاؤ کہ یہ دوزخ جس کی خبر انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جیسے دنیا میں تم کو کچھ سوچتا نہ تھا، اب بھی نہیں سوچتا۔

۱۲۔ یعنی دوزخ میں پڑ کر اگر گھبراؤ اور چلاؤ گے، تب کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ اور بفرضِ محال صبر کر کے چپ ہو رہو تب تم پر کوئی رحم کھانے والا نہیں۔ غرض دونوں حالتیں برابر ہیں۔ اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں۔ جو کر توت دنیا میں کئے تھے ان کی سزا یہ ہی جس دوام اور ابدی عذاب ہے۔

۱۳۔ متقین کیلئے جنت کی نعمتیں: یعنی جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے تھے۔ وہاں بالکل مامون اور بے فکر ہوں گے۔ ہر قسم کے عیش و آرام کے سامان ان کے لئے حاضر رہیں گے اور یہ ہی انعام کیا کم ہے کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔

۱۴۔ اہل جنت کی مجلس: یعنی جنتیوں کی مجلس اس طرح ہوگی کہ سب جنتی بادشاہوں کی طرح اپنے اپنے تخت پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ان کی ترتیب نہایت قرینہ سے ہوگی۔

۱۵۔ جنت میں نیک اولاد اپنے آباء کے ساتھ ہوگی: یعنی کاملوں کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں اور ان ہی کاملوں کی راہ چلیں۔ جو خدمات ان کے بزرگوں نے انجام دی تھیں یہ بھی ان کی تکمیل میں ساعی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جنت میں ان ہی کے ساتھ ملحق کر دے گا۔ گو ان کے اعمال و احوال ان کے اعمال و احوال سے کم و کیفاً فروتر ہوں۔ تاہم ان بزرگوں کے اکرام اور عزت افزائی کے لئے ان تابعین کو ان متبوعین کے جوار میں رکھا جائے گا۔ اور ممکن ہے بعض کو بالکل ان ہی کے مقام اور درجہ پر پہنچا دیا جائے جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دیدیا جائے گا۔ نہیں، یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہو گا کہ قاصرین کو ذرا اٹھا کر اوپر کاملین کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ (تنبیہ) احقر نے وَاتَّبَعْتَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ کا جو مطلب لیا ہے، صحیح بخاری کی یہ حدیث اس کے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ قَالَتْ اِلَانَصَاؤُ (يَا رَسُولَ اللّٰهِ) ! اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ اَثْبَاعًا وَاِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاكَ فَاذْمُ اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ اَثْبَاعًا مِّثْلًا۔ قَالَ النَّبِيُّ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَثْبَاعَهُمْ مِنْهُمْ۔

۱۶۔ اوپر فضل کا بیان تھا۔ یہاں عدل کا ضابطہ بتلا دیا۔ یعنی عدل کا مقتضاء یہ ہے کہ جس آدمی نے جو کچھ اچھا یا برا عمل کیا ہے، اسی کے موافق بدلہ پائے۔ آگے اللہ کا فضل ہے کہ وہ کسی کی تقصیر معاف فرمادے یا کسی کا درجہ بلند کر دے۔

۱۷۔ ہر قسم کا مرغوب گوشت اور میوے: یعنی جس قسم کا گوشت مرغوب ہو اور جس جس میوے کو دل چاہے بلا توقف لگا تار حاضر کئے جائیں گے۔

۱۸۔ یعنی شراب طہور کا درجہ چلے گا تو جنتی بطور خوش طبعی کے ایک دوسرے سے چھینا چھٹی کریں گے۔ لیکن اس شراب میں محض نشاط اور لذت ہوگی۔ نشہ، بکواس اور فتور عقل وغیرہ کچھ نہ ہو گا۔ نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی۔

۱۹۔ جنت کے غلمان: یعنی جیسے موتی اپنے غلاف کے اندر بالکل صاف و شفاف رہتا ہے گردوغبار کچھ نہیں پہنچتا۔ یہ ہی حال ان کی صفائی اور پاکیزگی کا ہوگا۔

۲۰۔ اہل جنت کا آپس میں اظہارِ اطمینان: یعنی جنتی اس وقت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے اور غایت مسرت و امتنان سے کہیں گے کہ بھائی ہم دنیا میں ڈرتے رہتے تھے کہ دیکھیے مرنے کے بعد کیا انجام ہو۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ اللہ کا احسان دیکھو کہ آج اس نے کیسا مامون و مطمئن کر دیا کہ دوزخ کی بھاپ بھی ہم کو نہیں لگی۔ ہم اپنے رب کو ڈر کر اور امید باندھ کر پکارا کرتے تھے۔ آج دیکھ لیا کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہماری پکار سنی اور ہمارے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا۔

۲۹۔ اب تو سمجھا دے کہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ جنوں سے خبر لینے والا ہے اور نہ دیوانہ [۲۱]

فَذِكْرٌ فَبَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَ لَا

مَجْنُونٌ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اُس پر گردش زمانہ کے [۲۲]

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ تو کہہ تم منتظر رہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں [۲۳]

قُلْ تَرَبَّصُوا فإني معكم من التَّارِبِينَ ﴿٣١﴾

۳۲۔ کیا اُنکی عقلیں یہی سکھاتی ہیں اُنکو یا یہ لوگ شرارت پر ہیں [۲۴]

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ

طَاغُونَ ﴿٣٢﴾

۳۳۔ یا کہتے ہیں یہ قرآن خود بنا لایا ہے کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے

أَمْ يَقُولُونَ تَقْوَلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ پھر چاہئے کہ لے آئیں کوئی بات اسی طرح کی اگر وہ سچے ہیں [۲۵]

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾

۳۵۔ کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ یا انہوں نے بنایا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے [۲۶]

أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا

يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ کیا اُنکے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی داروغہ ہیں [۲۷]

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُضَيِّطُونَ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ کیا اُنکے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر اُن آتے ہیں تو چاہیے کہ لے آئے جو سنتا ہے اُن میں ایک سند کھلی ہوئی [۲۸]

أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَبِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ

مُسْتَبِعُهُمْ بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾

۳۹۔ کیا اُنکے یہاں بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے [۲۹]

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمْ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾



۳۰۔ کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ بدلا سوان پر تاوان کا بوجھ ہے [۳۰]

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ کیا انکو خبر ہے بھید کی سو وہ لکھ رکھتے ہیں [۳۱]

أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ کیا چاہتے ہیں کہ کچھ داؤ کرنا سو جو منکر ہیں وہی آتے ہیں داؤ میں [۳۲]

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ  
الْبَكِيدُونَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ کیا اُن کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوائے وہ اللہ پاک ہے اُنکے شریک بنانے سے [۳۳]

أَمْ لَهُمْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ ۖ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا  
يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ اور اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا [۳۴]

وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا  
سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۳۴﴾

۳۵۔ سو تو چھوڑ دے اُنکو یہاں تک کہ دیکھ لیں اپنے اُس دن کو جس میں اُن پر پڑے گی بجلی کی کڑک

فَذَرَهُمْ حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ  
يُصْعَقُونَ ﴿۳۵﴾

۳۶۔ جس دن کام نہ آئے گا اُنکو اُن کا داؤ ذرا بھی اور نہ اُنکو مدد پہنچے گی [۳۶]

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ  
يُنصَرُونَ ﴿۳۶﴾

۳۷۔ اور ان گنہگاروں کے لئے ایک عذاب ہے اُس سے ورے پر بہت اُن میں کے نہیں جانتے [۳۷]

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ  
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور تو ٹھہراہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے [۳۸] اور پاکی بیان کر اپنے رب کی خوبیاں جس وقت تو اٹھتا ہے [۳۸]

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَسَبِّحْ  
بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۳۸﴾

۴۹۔ اور کچھ رات میں بول اُسکی پاکی اور پیٹھ پھیرتے وقت  
تاروں کے [۳۹]

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۴۹

۲۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہن اور مجنون نہیں ہیں: کفار حضور ﷺ کو کبھی دیوانہ کہتے، کبھی کاہن یعنی جنوں اور شیطانوں سے کچھ جھوٹی سچی خبریں لیکر چلتی کر دیتے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ آج تک کسی کاہن اور دیوانے نے ایسی اعلیٰ درجہ کی نصیحتیں اور حکیمانہ اصول، اس طرح کے صاف، شستہ اور شائستہ طرز میں بیان کئے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ آپ ان کو بھلا برا سمجھاتے رہیے اور پیغمبرانہ نصیحتیں کرتے رہیے۔ ان کی بکو اس سے دلگیر نہ ہوں۔ جب اللہ کے فضل و رحمت سے نہ آپ کاہن ہیں نہ مجنون، بلکہ اس کے مقدس رسول ہیں تو نصیحت کرتے رہنا آپ کا فرض منصبی ہے۔

۲۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر بھی نہیں ہیں: یعنی پیغمبر جو اللہ کی باتیں سناتا اور نصیحت کرتا ہے، کیا یہ لوگ اس لئے قبول نہیں کرتے کہ آپ کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ جس طرح قدیم زمانہ کے بہت سے شعراء گردش زمانہ سے یونہی مر مر کر ختم ہو گئے ہیں، یہ بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے ہاتھ میں نہیں۔ محض چند روز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔

۲۳۔ یعنی اچھا تم میرا انجام دیکھتے رہو۔ میں تمہارا دیکھتا ہوں۔ عنقریب کھل جائے گا کہ کون کامیاب ہے، کون خائب و خاسر۔  
۲۴۔ منکرین کی بے عقلی: یعنی پیغمبر کو مجنون کہہ کر گویا اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کرتے ہیں کیا ان کی عقل و دانش نے یہ ہی سکھلایا ہے کہ ایک انتہائی صادق، امین، عاقل و فزانہ اور سچے پیغمبر کو شاعر یا کاہن یا دیوانہ قرار دیکر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر شاعروں اور پیغمبروں کے کلام میں تمیز بھی نہیں کر سکتے تو کیسے عقلمند ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دل میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر محض شرارت اور کجروی سے باتیں بناتے ہیں۔

۲۵۔ منکرین قرآن کو چیلنج: یعنی کیا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سن رہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لایا؟ اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا؟ سونہ ماننے کے ہزار بہانے۔ جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کے بے سرو پا احتمالات نکالا کرتا ہے ورنہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی قرآن کا مثل نہیں لا سکتے۔ اور جیسے خدا کی زمین جیسی زمین اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں، اس کے قرآن جیسا قرآن بنانا بھی محال ہے۔

۲۶۔ کیا ان کفار کا کوئی خالق نہیں: یعنی پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے۔ کیا ان کے اوپر کوئی خدا نہیں جس کی بات ماننا ان کے ذمہ لازم ہو۔ کیا بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں؟ یا یہ خیال ہے کہ آسمان اور زمین ان کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہذا اس قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں، کوئی ان کو روکنے ٹوکنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب خیالات باطل اور مہمل ہیں۔ وہ بھی دلوں میں جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے جس نے ان کو اور تمام زمین آسمان کو نیست سے ہست کیا۔ مگر اس علم کے باوجود جو ایمان و یقین شرعاً مطلوب ہے اس سے محروم اور بے بہرہ ہیں۔

۲۷۔ کیا اللہ کے خزانے انکے پاس ہیں: یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین و آسمان گو خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے؟ یا اس کے ملک اور خزانوں پر انہوں نے زور سے تسلط اور قبضہ حاصل کر لیا ہے پھر ایسے صاحب تصرف و اقتدار ہو کر وہ کسی کے مطیع و منقاد کیوں بنیں۔

۲۸۔ یعنی کیا یہ دعویٰ ہے کہ وہ زمین لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں۔ پھر جب ان کی رسائی براہ راست اس بارگاہ تک ہو تو کسی بشر کا اتباع کرنے کی کیا ضرورت رہی۔ جس کا یہ دعویٰ ہو تو بسم اللہ اپنی سند اور حجت پیش کرے۔

۲۹۔ اللہ کیلئے بیٹیاں اور اپنے لئے بیٹے: یعنی کیا (معاذ اللہ) خدا کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ بیٹے اور بیٹیوں کی اس تقسیم سے مترشح ہوتا ہے

اور اس لئے اس کے احکام و ہدایات کے سامنے سر تسلیم جھکانا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔

۳۰۔ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لئے نہیں مانتے کہ خدا نہ کر دے آپ سے اس ارشاد و تبلیغ پر کوئی بھاری معاوضہ طلب کر رہے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں۔

۳۱۔ یعنی کیا خود ان پر اللہ اپنی وحی بھیجتا اور پیغمبروں کی طرح اپنے بھید پر مطلع کرتا ہے جسے یہ لوگ لکھ لیتے ہیں جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو آپ کی پیروی کی ضرورت نہیں۔

۳۲۔ کفار کے داؤ خود ان پر لوٹ جائیں گے: یعنی ان میں سے کوئی بات نہیں تو کیا پھر یہ ہی ارادہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں اور مکرو فریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر دیں۔ ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ داؤ پیچ سب ان ہی پر لٹنے والے ہیں عنقریب پتہ لگ جائیگا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔

۳۳۔ یعنی کیا خدا کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑے پر ان کی مدد کریں گے؟ اور جن کی پرستش نے خدا کی طرف سے ان کو بے نیاز کر رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و شیل یا مقابل و مزاحم ہو۔

۳۴۔ کفار کی تکذیب محض ضد اور عناد ہے: یعنی حقیقت میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔ صرف ایک چیز ہے ”ضد اور عناد“ جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کے جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر ان کی فرمائش کے موافق فرض کیجئے آسمان سے ایک تختہ ان پر گرا دیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی تاویل کر دیں گے۔ مثلاً کہیں گے کہ یہ آسمان سے نہیں آیا۔ بادل کا ایک حصہ گاڑھا اور منجمد ہو کر گر پڑا ہے، جیسے بڑے بڑے اولے کبھی کبھی گرتے ہیں بھلا ایسے متعصب معاندوں سے ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۳۵۔ کفار کو مہلت دیجئے: یعنی ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چھوڑ دیجئے کہ چند روز اور کھیل لیں اور باتیں بنا لیں۔ آخر وہ دن آتا ہے جب قہر الہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہیں گے۔ اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی، نہ کسی طرف سے مدد پہنچے گی (غالباً اس سے آخرت کا دن مراد ہے)۔

۳۶۔ یعنی ان میں سے اکثروں کو خبر نہیں کہ آخرت کے عذاب سے ورے دنیا میں بھی ان کے لئے ایک سزا ہے جو مل کر رہے گی۔ شاید یہ معرکہ ”بدر“ وغیرہ کی سزا ہو۔

۳۷۔ یعنی صبر و استقامت کے ساتھ اپنے رب کے حکم تکوینی و تشریحی کا انتظار کیجئے جو عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اور آپ کو مخالفین کی طرف سے کچھ بھی نقصان نہ پہنچے گا۔ کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیر حفاظت ہیں۔

۳۸۔ تسبیح و تحمید کی تاکید: یعنی صبر و تحمل اور سکون و اطمینان کے ساتھ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح و تحمید اور عبادت گزاروں میں لگے رہیئے۔ خصوصاً جس وقت آپ سو کر اٹھیں یا نماز کے لئے کھڑے ہوں، یا مجلس سے اٹھ کر تشریف لیجائیں۔ ان حالات میں تسبیح وغیرہ کی مزید ترغیب و تاکید آئی ہے۔

۳۹۔ تہجد کے وقت تسبیح: ”رات کے حصہ“ سے مراد شاید تہجد کا وقت ہو، اور تاروں کے پیٹھ پھیرنے کا وقت صبح کا وقت ہے۔ کیونکہ صبح کا اجالا ہوتے ہی ستارے غائب ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

تم سورۃ الطور

آیاتها ۶۲

۵۳ سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳

رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱۔ قسم ہے تارے کی جب گرے [۱]
- ۲۔ بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا [۲]
- ۳۔ اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے
- ۴۔ یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا [۳]
- ۵۔ اُسکو سکھایا ہے سخت قوتوں والے نے زور آورنے [۴]
- ۶۔ پھر سیدھا بیٹھا
- ۷۔ اور وہ تھا اونچے کنارے پر آسمان کے [۵]
- ۸۔ پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا
- ۹۔ پھر رہ گیا فرق دو کمان کی برابر یا اس سے بھی نزدیک
- ۱۰۔ پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا [۶]
- ۱۱۔ جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا [۴]
- ۱۲۔ اب کیا تم اُس سے جھگڑتے ہو اُس پر جو اُس نے دیکھا [۸]
- ۱۳۔ اور اُسکو اُس نے دیکھا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور بھی
- وَالنَّجْمِ اِذَا هُوَ ﴿۱﴾
- مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿۲﴾
- وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۳﴾
- اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۴﴾
- عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿۵﴾
- ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ﴿۶﴾
- وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلَىٰ ﴿۷﴾
- ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿۸﴾
- فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنَىٰ ﴿۹﴾
- فَاَوْحَىٰ اِلَىٰ عَبْدِهٖ مَا اَوْحَىٰ ﴿۱۰﴾
- مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰ ﴿۱۱﴾
- اَفْتَسِرُوْنَہٗ عَلٰی مَا يَرٰی ﴿۱۲﴾
- وَلَقَدْ رَاٰہٗ نَزْلَةً اٰخْرٰی ﴿۱۳﴾

عِنْدَ سِدْرَةِ الْبُنْتِهِ ۱۳

۱۳۔ سدرۃ المننتی کے پاس

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْبَاوِی ۱۵

۱۵۔ اُس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی [۹]

اِذْ یُعْشَى السِّدْرَةَ مَا یُعْشَى ۱۶

۱۶۔ جب چھارہا تھا اُس بیری پر جو کچھ چھارہا تھا [۱۰]

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۱۷

۱۷۔ بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی [۱۱]

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۱۸

۱۸۔ بیشک دیکھے اُس نے اپنے رب کے بڑے نمونے [۱۲]

۱۔ یعنی غروب ہو۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راست روی: ”رفیق“ سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ یعنی نہ آپ غلط فہمی کی بناء پر راستہ سے بہکے، نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر بے راہ چلے، بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لیکر غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں۔ کبھی ادھر ادھر ہٹے کا نام نہیں لیتے۔ آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر یا ادھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو ان کی بعثت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف بری کے بعد آفتاب محمدی (ﷺ) مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا نظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہیے۔ جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وحی ہیں: یعنی کوئی کام تو کیا۔ ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں وحی متلو کو قرآن اور غیر متلو کو حدیث کہا جاتا ہے۔

۴۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت: یعنی وحی بھیجنے والا تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہے لیکن جس کے ذریعہ سے وہ وحی آپ تک پہنچتی ہے اور جو بظاہر آپ کو سکھاتا ہے وہ بہت سخت قوتوں والا، بڑا زور آور حسین و وجہیہ فرشتہ ہے جسے ”جبریل امین“ کہتے ہیں۔ چنانچہ ”سورۃ النکویر“ میں جبریل کی نسبت فرمایا: اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِيْمٍ۔ ذِي قُوَّةٍ۔ (النکویر۔ ۲۰، ۱۹) الخ۔

۵۔ حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصل صورت میں: ”اونچے کنارے“ سے اکثروں نے افق شرقی مراد لیا ہے۔ جدھر سے صبح صادق نمودار ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبریل اپنی اصلی صورت میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرائے تو سورۃ ”مذثر“ اتری۔

۶۔ تو سین کا فاصلہ: یعنی جبریل اپنے اصلی مستقر سے تعلق رکھنے کے باوجود نیچے اترے۔ اور آنحضرت ﷺ سے اس قدر نزدیک ہو گئے کہ

دونوں کے درمیان دو ہاتھ یا دو کمانون سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ (محمد رسول ﷺ) پر وحی بھیجی۔ غالباً اس سے مراد سورۃ ”مدثر“ کی یہ آیات ہیں۔ **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ - قُمْ فَأَنْذِرْ (المدثر- ۱، ۲) الخ۔** یا اور کچھ احکام ہونگے۔ (تنبیہ) **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ** میں محققین کے نزدیک اَدْنَىٰ کے لئے نہیں۔ بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ زیادہ کی نفی کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی تعین کر کے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ ”قوسین“ کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم، ہاں اتنا ظاہر کر دینا ہے کہ کسی حال اور کسی طرح اس سے زائد نہ تھا۔ و فیہ اقوال اخرد کرہا المفسرون۔

۷۔ آنکھوں سے حضرت جبریل علیہ السلام کی رویت: یعنی جبریل ؑ کو آپ ﷺ نے آنکھ سے دیکھا اور اندر سے دل نے کہا کہ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبریل ؑ کو دیکھ رہی ہے، کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ ﷺ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو اطمینان کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

۸۔ یعنی وحی بھیجنے والا اللہ، لانے والا فرشتہ جس کی صورت و سیرت نہایت پاکیزہ اور فہم و حفظ وغیرہ کی تمام قوتیں کامل، پھر اتنا قریب ہو کر وحی پہنچائے پیغمبر اس کو اپنی آنکھ سے دیکھے، اس کا صاف اور روشن دل اس کی تصدیق کرے، تو کیا ایسی دیکھی بھالی چیز میں تم کو حق ہے کہ اس سے فضول بحث و تکرار کرو اور جھگڑے نکالو۔ **إِذَا لَمْ تَرَ الْهَيْلَالَ فَسَلِّمْ - لِنَاسٍ رَأَوْهُ بِالْأَبْصَارِ -**

۹۔ دوبارہ حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنا: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”دوسری بار جبریل ؑ کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا۔ معراج کی رات میں، سات آسمان سے اوپر، جہاں درخت ہے میری کا، وہ حد ہے نیچے اور اوپر کی، نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور اوپر کے نیچے نہیں اترتے، اس کے پاس بہشت کو دیکھا۔“ (تنبیہ) جس طرح جنت کے انگور، انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ محض اشتراک اسی ہے۔ اس میری کے درخت کو بھی یہاں کی بیڑیوں پر قیاس نہ کیا جائے اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ میری کس طرح کی ہوگی۔ بہر حال وہ درخت ادھر ادھر کی سرحد پر واقع ہے جو اعمال وغیرہ ادھر سے چڑھتے ہیں اور جو احکام وغیرہ ادھر سے اترتے ہیں سب کا منتظمی وہ ہی ہے۔ مجموعہ روایات سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور پھیلاؤ ساتویں آسمان میں ہو گا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ معراج میں سدرة المنتہی پر فرشتوں کا ہجوم: یعنی حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات اس درخت پر چھا رہے تھے۔ اور فرشتوں کی کثرت و ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ مَائِعِشَىٰ سنہری پروانے تھے۔ یعنی نہایت خوش رنگ جھکے دیکھے سے دل کھنچا جائے۔ اس وقت درخت کی بہار اور رونق اور اس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کر سکے۔

معراج میں رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ: شاید ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے موافق معراج میں جو اللہ کا دیدار حضور ﷺ کو ہوا اس کا بیان اسی آیت کے ابہام میں منطوی و مندرج ہو۔ کیونکہ پہلی آیتوں کے متعلق تو عائشہ صدیقہؓ کی احادیث میں تصریح ہے کہ ان سے رویت رب مرد نہیں۔ محض رویت جبریل مراد ہے۔ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے جو ابن عباسؓ کے اخص اصحاب میں سے ہیں اسی آیت کے تحت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ **كَانَ اَعْصَانُ السِّدْرَةِ لَوْلُوًا وَيَا قُوْتًا وَزَبْرَجَدًا فَرَأَاهَا مُحَمَّدٌ وَرَأَى رَبَّهُ بِقَلْبِهِ -** اور یہ رویت چونکہ صرف قلب سے نہ تھی بلکہ قلب اور بصر دونوں کو دیدار سے حصہ مل رہا تھا جیسا کہ **مَا زَاغَ الْبَصَرُ** سے ظاہر ہوتا ہے۔ شاید اسی لئے ابن عباسؓ نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا **رَأَاهُ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِقَلْبِهِ وَمَرَّةً بِبَصَرِهِ** یہاں دومرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہو کہ ایک ہی وقت میں دو طرح دیکھا۔ **كَمَا قَالُوا فِي حَدِيثِ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ بِبَكَّةَ مَرَّتَيْنِ** ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی لیکن یاد رہے کہ یہ رویت وہ نہیں جس کی نفی **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ** (انعام- ۱۰۳) میں کی گئی ہے کیونکہ اس سے غرض احاطہ کی نفی کرنا ہے۔ یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

رویت باری تعالیٰ پر ایک اشکال کا جواب: علاوہ بریں ابن عباسؓ سے جب سوال کیا گیا کہ دعویٰ رویت آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ کے مخالف ہے تو فرمایا وَيَحْكُ ذَاكَ إِذَا تَجَلَّى بِمُؤَرَّةِ الْأَيْدِي هُوَ نُورٌ (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات و انوار امتقوات ہیں۔ بعض انوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں۔ اور رویت رب فی الجملہ دونوں درجوں پر صادق آتی ہے۔ اور اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ جس درجہ کی رویت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کردی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں۔ وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ ہاں ایک خاص درجہ کی رویت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے موافق میسر ہوئی۔ اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ ﷺ کا شریک و سہیم نہیں۔ نیز ان ہی انوار و تجلیات کے تفاوت و تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ شاید وہ نئی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہوں۔ اور اسی طرح ابو ذرؓ کی روایات رَأَيْتُ نُورًا اور نُورٌ أَنَّى أَرَاكَ میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۱۔ یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا، پورے ممکن و اتقان سے دیکھا۔ نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر داہنے بائیں ہٹی نہ مبصر سے تجاوز کر کے آگے بڑھی، بس اسی چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اس کو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب ہیں۔ آپ ﷺ ان دونوں سے پاک تھے۔

۱۲۔ اِذْ يَغْشَى السُّدْرَةَ فَالْفانہ میں جو بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ جو اور نمونے دیکھے ہوں گے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔

انکوں کو ادا ماغ کہ پر سد ز باغبان

بلبل چه گفت و گل چه شنید و صبا چه کرد

۱۹۔ بھلا دیکھو تولات اور عزتیٰ کو

أَفْرَأَيْتُمُ اللَّتَّ وَالْعُزْبِيَّ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور منات تیسرے پچھلے کو [۱۳]

وَمَنْوَةَ الثَّلَاثَةِ الْآخِرَى ﴿٢٠﴾

۲۱۔ کیا تم کو تو ملے بیٹے اور اُسکو بیٹیاں

أَلَكُمُ الذِّكْرُ وَلَهُ الْأُنثَى ﴿٢١﴾

۲۲۔ یہ بانٹا تو بہت بھونڈا [۱۴]

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى ﴿٢٢﴾

۲۳۔ یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے

باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری اُنکی کوئی سند [۱۵] محض

انگل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کی امنگ ہے اور پہنچی ہے اُنکو

اُنکے رب سے راہ کی سوچھ [۱۶]

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسَاءَ سَبَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا

أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا

الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ

رَبِّهِمُ الْهُدَى ﴿٢٣﴾

أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَنَسَّى ﴿٢٣﴾

۲۳۔ کہیں آدمی کو ملتا ہے جو کچھ چاہے

فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾

۲۵۔ سو اللہ کے ہاتھ ہے سب بھلائی پچھلی اور پہلی [۱۷]

۲۶۔ اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کچھ کام نہیں آتی  
انکی سفارش مگر جب حکم دے اللہ جسکے واسطے چاہے اور  
پسند کرے [۱۸]

وَكَمْ مِنْ مَّلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ  
شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَ

يَرْضَىٰ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ جو لوگ یقین نہیں رکھتے آخرت کا وہ نام رکھتے ہیں  
فرشتوں کے زنا نے نام

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْئُونَ

الْمَلَائِكَةَ تَسْبِيَةَ الْإِنثَىٰ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اور انکو اُس کی کچھ خبر نہیں محض اٹکل پر چلتے ہیں  
اور اٹکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک بات میں [۱۹]

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۗ وَ

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾

۱۳۔ لات، عزیٰ اور منات: یعنی اس لامحدود عظمت و جلال والے خدا کے مقابلہ میں ان حقیر و ذلیل چیزوں کا نام لینے سے شرم آنی چاہیے۔  
(تنبیہ) "لات" "عزیٰ" "منات" ان کے بتوں اور دیویوں کے نام ہیں۔ ان میں "لات" "طائف والوں کے ہاں بہت معظّم تھا۔ "منات" اوس و  
خزرج اور خزاعہ کے ہاں۔ اور "عزیٰ" کو قریش اور بنی کنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول "عزیٰ" جو مکہ کے قریب  
نخلہ میں تھا۔ پھر "لات" جو طائف میں تھا۔ پھر سب سے پیچھے تیسرے درجہ میں "منات" جو مکہ سے بہت دور مدینہ کے نزدیک واقع تھا۔ علامہ  
یاقوت نے معجم البلدان میں یہ ترتیب نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے۔ وَاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ  
الثَّالِثَةَ الْاُخْرَىٰ۔ هُوَ لَاءِ الْعَرَانِيْقُ الْعُلَىٰ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتَرْتَبِي۔

غرائیق العلیٰ کے واقعہ کی توجیہ: کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا ہے جو جمہور محدثین کے اصول پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتا۔ اگر  
فی الواقع اس کی کوئی اصل ہے تو شاید یہ ہی ہوگی کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورۃ پڑھی۔ کفار کی عادت تھی کہ  
لوگوں کو قرآن سننے نہ دیں اور بیچ میں گڑبڑ مچادیں کما قال تعالیٰ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالنَّعْوِ فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَبُونَ (حم  
السجدہ۔ ۲۶) جب یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ہی کے لب و لہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیئے ہوئے گئے جو ان کی  
زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ تِلْكَ الْعَرَانِيْقُ الْعُلَىٰ الخ۔ آگے تعبیر واداء میں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا۔ ورنہ ظاہر ہے نبی کی زبان پر  
شیطان کو ایسا تسلط کب حاصل ہو سکتا ہے اور جس چیز کا ابطال آگے کیا جا رہا ہے اس کی مدح سرائی کے کیا معنی۔



۱۴۔ یا قوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کفار ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ سو اول تو خدا لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوَدَّدْ ہے اور بالفرض اولاد کا نظریہ تسلیم کیا جائے تب بھی یہ تقسیم کس قدر بھونڈی اور مہمل ہے کہ تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور خدا کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو؟ العیاذ باللہ۔

۱۵۔ ان بتوں کی کوئی سند نہیں: یعنی پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کی خدائی کی کوئی سند نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ ان کو اپنے خیال میں خواہ بیٹیاں کہہ لو، یا بیٹے یا اور کچھ محض کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ نہیں۔

۱۶۔ یعنی باوجودیکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آچکی اور وہ سیدھی راہ دکھا چکا۔ مگر یہ احق ان ہی اوہام و اہوا کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جو کچھ انکل پچو ذہن میں آگیا اور دل میں امنگ پیدا ہوئی کر گزرے۔ تحقیق و بصیرت کی راہ سے کچھ سروکار نہیں۔

۱۷۔ بتوں کی سفارش محض وہم ہے: یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے سفارشی نہیں گے۔ یہ خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ کیا انسان جو تمنا کرے وہ ہی مل جائے گا۔ یاد رہے دنیا اور آخرت کی سب بھلائی اللہ کے ہاتھ ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی بت پوجے سے کیا ملتا ہے، ملے وہ ہی جو اللہ دے۔“

۱۸۔ فرشتے بھی سفارش نہیں کر سکتے: یعنی ان بتوں کی تو حقیقت کیا ہے آسمان کے رہنے والے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی جس کے حق میں سفارش کرنے کا حکم دے اور اس سے راضی ہو تو وہاں سفارش بیشک کام دے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔

۱۹۔ فرشتوں کے متعلق باطل عقیدے: یعنی جن کو آخرت کا یقین نہیں وہ سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر ایسی گستاخیاں کرتے ہیں۔ مثلاً فرشتوں کو زنانہ قرار دیکر خدا کی بیٹیاں کہدیا۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ بھلا فرشتوں کو مرد اور عورت ہونے سے کیا واسطہ۔ اور خدا کے لئے اولاد کیسی۔ کیا سچی اور ٹھیک بات پر قائم ہونا ہو تو ایسی انکلوں اور پادر ہو اوہام سے کام چل سکتا ہے۔ اور کیا تخمینے اور انکلیں حقائق ثابتہ کے قائم مقام ہو سکتی ہیں۔

۲۹۔ سو تو دھیان نہ کر اُس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾

۳۰۔ بس یہیں تک پہنچی انکی سمجھ [۲۰] تحقیق تیرا رب ہی خوب جانے اُسکو جو بہکا اُسکی راہ سے اور وہی خوب جانے اُسکو جو راہ پر آیا [۲۱]

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۗ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِبَنِّ  
صَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِ ۗ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِبَنِّ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

۳۱۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں تاکہ وہ بدلا دے برائی والوں کو اُنکے کئے کا اور بدلا دے بھلائی والوں کو بھلائی سے [۲۲]

وَاللّٰهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ  
الَّذِيْنَ اَسَءَوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ  
اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾

۳۲۔ جو کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بیچائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی [۲۳] بیشک تیرے رب کی بخشش میں بڑی سائی ہے [۲۴] وہ تم کو خوب جانتا ہے جب بنا نکالا تم کو زمین سے اور جب تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں سو مت بیان کر اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہے اُس کو جو بچ کر چلا [۲۵]

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا  
اللَّيْمَ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۗ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ  
إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ  
أُمَّهَاتِكُمْ ۗ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۗ هُوَ أَعْلَمُ بِبَنَنِ

التقى ٤

۲۰۔ کفار کی عقلیں محدود اور ناقص ہیں: یعنی جس کا اوڑھنا بچھونا یہ ہی دنیا کی چند روزہ زندگی ہو کہ اس میں منہک ہو کر کبھی خدا کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے۔ آپ اس کی بکواس کو دھیان میں نہ لائیں۔ وہ خدا سے منہ موڑتا ہے۔ آپ اس کی شرارت اور کجروی کی طرف سے منہ پھریں۔ سمجھانا تھا سو سمجھا دیا۔ ایسے بد طینت اشخاص سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے فوری نفع نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ انکی تمام تر علمی جدوجہد صرف بہانم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت فرو کرنے کے لئے ہے۔

۲۱۔ یعنی جو گمراہی میں پڑا رہا اور جو راہ پر آیا، ان سب کو اور انکی مخفی استعدادوں کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہو کر رہیگا۔ ہزار جتن کرو، اس کے علم کے خلاف ہرگز واقع نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا۔ لہذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔

۲۲۔ جزا و سزا کا اثبات: یعنی ہر شخص کا حال اس کو معلوم اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ۔ پھر نیک و بد کا بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اس کے نتیجے میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے جہاں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔

۲۳۔ کبیرہ اور صغیرہ گناہ: گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق ”سورۃ نساء“ کے فوائد میں مفصل گزر چکا۔ لَمَّم کی تفسیر میں کی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو خیالات وغیرہ گناہ کے دل میں آئیں مگر ان کو عمل میں نہ لائے وہ لَمَّم ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لئے بعض نے کہا کہ جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اس کی عادت نہ ٹھہرائے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہے، ہمارے نزدیک بہترین تفسیر وہ ہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے سورۃ ”نساء“ کے فوائد میں اختیار کی ہے لیکن یہاں ترجمہ میں دوسرے معانی کی بھی گنجائش رکھی ہے۔

۲۴۔ اسی لئے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔ گنہگار کو مایوس نہیں ہونے دیتا۔ اگر ہر چھوٹی بڑی خطا پر پکڑنے لگے تو بندہ کا ٹھکانا کہاں۔

۲۵۔ خود ستائی کی مذمت: یعنی اگر تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو۔ اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے۔ اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔

جس کی ابتداء مٹی سے تھی، پھر بطنِ مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد کتنی جسمانی و روحانی کمزوریوں سے دوچار ہوا۔ آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں۔ جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے۔ کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہو جاتی ہے۔ اَلَا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔

اَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ بھلا تو نے دیکھا اُس کو جس نے منہ پھیر لیا ﴿۳۳﴾

وَ اَعْطٰی قَلِيْلًا وَّ اَكْثٰی ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا ﴿۳۴﴾

اَعِنْدَہٗا عِلْمٌ الْغَيْبِ فَہُوَ یَرٰی ﴿۳۵﴾

۳۵۔ کیا اُسکے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ دیکھتا ہے ﴿۳۵﴾

اَمْ لَمْ یُنْبِأْ بِہَا فِیْ صُحُفِ مُوسٰی ﴿۳۶﴾

۳۶۔ کیا اسکو خبر نہیں پہنچی اُسکی جو ہے ورقوں میں موسیٰ کے

وَ اِبْرٰہِیْمَ الَّذِیْ وَفِیْ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور ابراہیم کے جس نے کہ اپنا قول پورا اتارا ﴿۳۷﴾

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَہٗةً وَّ زُرَّ اٰخِرٰی ﴿۳۸﴾

۳۸۔ کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا ﴿۳۸﴾

وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے کمایا ﴿۳۹﴾

وَ اَنْ سَعِیْہٖ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور یہ کہ اُسکی کمائی اُسکو دکھلانی ضرور ہے

ثُمَّ یُجْزِیْہٗ الْجَزَآءَ الْاَوَّلٰی ﴿۴۱﴾

۴۱۔ پھر اُسکو بدلا ملتا ہے اُس کا پورا بدلا ﴿۴۱﴾

وَ اَنْ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچتا ہے ﴿۴۲﴾

وَ اِنَّہٗ ہُوَ اَضْحٰکٌ وَّ اَبْکٰی ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رلاتا

وَ اِنَّہٗ ہُوَ اَمَاتٌ وَّ اَحِیَا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور یہ کہ وہی ہے مارتا اور جلاتا

وَ اِنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجِیْنَ الذَّکَرِ وَّ الْاُنثٰی ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور یہ کہ اُس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ ﴿۴۵﴾

مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُنِي ۝۳۶

۳۶۔ ایک بوند سے جب ٹپکائی جائے

وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَى ۝۳۷

۳۷۔ اور یہ کہ اُس کے ذمہ ہے دوسری دفعہ اٹھانا [۳۵]

وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۝۳۸

۳۸۔ اور یہ کہ اُس نے دولت دی اور خزانہ [۳۶]

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَىٰ ۝۳۹

۳۹۔ اور یہ کہ وہی ہے رب شعرى کا [۳۷]

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۝۴۰

۴۰۔ اور یہ کہ اُس نے غارت کیا عادی پہلے کو [۳۸]

وَشَوَدًا فَمَا أَبْنَىٰ ۝۴۱

۴۱۔ اور شمود کو پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ ۖ وَ

۴۲۔ اور نوح کی قوم کو پہلے ان سے وہ تو تھے اور بھی ظالم اور شریر [۳۹]

أَطْعَىٰ ۝۴۲

۴۳۔ اور اُلٹی بستی کو پٹک دیا

وَالْبُوتَافِكَةَ أَهْوَىٰ ۝۴۳

۴۴۔ پھر آپڑا اس پر جو کچھ کہ آپڑا [۴۰]

فَعَشَاهَا مَا عَشَىٰ ۝۴۴

۴۵۔ اب تو کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائے گا [۴۱]

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَّبَارَىٰ ۝۴۵

۴۶۔ یہ ایک ڈر سنانے والا ہے پہلے سنانے والوں میں کا [۴۲]

هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِرِ الْأُولَىٰ ۝۴۶

۴۷۔ آپہنچی آنے والی

أَزِفَتِ الْأَزْفَةُ ۝۴۷

۴۸۔ کوئی نہیں اُسکو اللہ کے سوائے کھول کر دکھانے والا [۴۳]

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝۴۸

۴۹۔ کیا تمکو اس بات سے تعجب ہوا ہے

أَفَبِنُ هَذَا الْحَدِيثِ تَعَجَبُونَ ۝۴۹

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾

۶۰۔ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں

وَأَنْتُمْ سِيدُونَ ﴿٦١﴾

۶۱۔ اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو [۴۴]

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

۶۲۔ سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی [۴۵]

۲۶۔ یعنی اپنی اصل کو بھول کر خالق و مالک حقیقی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

۲۷۔ ولید بن مغیرہ کا واقعہ: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی تھوڑا سا ایمان لانے لگا پھر اس کا دل سخت ہو گیا۔" مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ حضور ﷺ کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی۔ اور کفر کی سزا سے ڈر کر قریب تھا کہ مشرف باسلام ہو جائے۔ ایک کافر نے کہا کہ ایسا تم میں تیرے سب جرائم اپنے اوپر لئے لیتا ہوں۔ تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا بشرطیکہ اس قدر مال مجھ کو دیا جائے۔ اس نے وعدہ کر لیا اور مقرر رقم کی کچھ قسط ادا کر کے باقی سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْذَى کے معنی یہ ہوں گے کہ کچھ مال دیا، پھر ہاتھ کھینچ لیا۔

۲۸۔ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھ آیا ہے کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا ملے گی اور دوسرے کو اپنی جگہ پیش کر کے چھوٹ جائے گا۔

۲۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایفائے عہد: یعنی ابراہیم اپنے قول و قرار اور عہد و پیمانہ کی پابندی میں پورا اتر اور اللہ کے حقوق پوری طرح ادا کئے اور اس کے احکام کی تعمیل میں ڈٹہ بھر تقصیر نہ کی۔

۳۰۔ یعنی مولیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا کہ خدا کے ہاں کوئی مجرم دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جوابدہی بذات خود کرنا ہوگی۔

۳۱۔ ہر شخص اپنے اعمال کا جوابدہ ہے: یعنی آدمی جو کچھ کوشش کر کے کماتا ہے وہ ہی اس کا ہے۔ کسی دوسرے کی نیکیاں لے اڑے یہ نہیں ہو سکتا۔ باقی کوئی خود اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو ادا کر دے اور اللہ اس کو منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل حدیث و فقہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۳۲۔ یعنی ہر ایک کی سعی و کوشش اس کے سامنے رکھی جائے گی اور اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

۳۳۔ یعنی تمام علوم و افکار اور سلسلہ وجود کی انتہاء اسی پر ہوتی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ وہیں سے ہر ایک کو نیکی بدی کا پھل ملے گا۔

۳۴۔ یعنی اس عالم میں تمام متضاد و متقابل احوال اسی نے پیدا کئے ہیں۔ خیر و شر کا خالق وہ ہی ہے خوشی یا غم کی کیفیات بھیجنا، ہنسانا، لانا، مارنا، جلانا اور کسی کو زکسی کو مادہ بنانا اسی کا کام ہے۔

۳۵۔ یعنی جس نے ایک قطرہ آب سے نرو مادہ پیدا کر دیئے، دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے (یہ درمیان میں ایک پیدائش سے دوسری پیدائش پر متنبہ کر دیا)۔

۳۶۔ یعنی مال، خزانہ، جائدادیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں اور بعض نے اَقْنَى کے معنی اَفْقَر کئے ہیں۔ یعنی اسی نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیر بنا دیا۔ یہ معنی پہلے سیاق کے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ متقابل چیزوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اور اگر پہلا مطلب لیا جائے تو اس کے مقابل

اہلاک کو رکھا جائے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ یعنی خزانے اور مال و دولت دے کر وہ ہی بڑی بڑی دولت مند اور طاقتور قوموں کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

۳۷۔ شعر کی ستارے کا رب بھی اللہ ہی ہے: شِعْرٰی ایک بہت بڑا ستارہ ہے جس کو بعض عرب پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ عالم کے احوال میں اس کی بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہاں بتلادیا کہ شِعْرٰی کا رب بھی اللہ ہے۔ دنیا کے تمام الٹ پھیر اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ شِعْرٰی غریب بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح اس کا حکم بجالاتا ہے۔ اس میں مستقل تاثیر کچھ بھی نہیں۔

۳۸۔ یعنی حضرت ہوؤ کی قوم۔

۳۹۔ کہ سینکڑوں برس تک خدا کے پیغمبر نوحؑ کو سخت ترین ایذائیں پہنچاتے رہے۔ جن کو پڑھ کر کلیجہ پھٹتا ہے، اور آنے والوں کے لئے بری راہ ڈال گئے۔

۴۰۔ یعنی پتھروں کا مینہ (یہ قوم لوط کی بستوں کا ذکر ہے)۔

۴۱۔ یعنی ایسے مفسد ظالموں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر بھی انسان اپنے رب کو جھٹلاتا ہی رہیگا۔

۴۲۔ یعنی حضرت محمد ﷺ مجرموں کو اسی طرح برے انجام سے ڈرانے والے ہیں جیسے ان سے پیشتر دوسرے نبی ڈرا چکے ہیں۔

۴۳۔ قیامت بہت قریب ہے: یعنی قیامت قریب ہی آگئی ہے جس کا ٹھیک وقت اللہ کے سوا کوئی کھول کر نہیں بتا سکتا۔ اور جب وقت معین آجائے تو کوئی طاقت اس کو دفع نہیں کر سکتی۔ اللہ ہی چاہے تو بٹے، مگر وہ چاہے گا نہیں۔

۴۴۔ کفار کی ہنسی: یعنی قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر چاہیے تھا خوف خدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے۔ مگر تم اس کے برخلاف تعجب کرتے اور ہنستے ہو۔ اور غافل و بے فکر ہو کر کھلاڑیاں کرتے ہو۔

۴۵۔ تمام مشرکین اور مسلمانوں کا سجدہ: یعنی عاقل کو زیبا نہیں کہ انجام سے غافل ہو کر نصیحت و فہمائش کی باتوں پر ہنسنے اور مذاق اڑائے۔ بلکہ لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرے۔ اور مطیع و منقاد ہو کر جبین نیاز خداوند قہار کے سامنے جھکا دے۔ (تنبیہ) روایات میں ہے کہ سورۃ نجم پڑھ کر آپ نے سجدہ کیا اور تمام مسلمان اور مشرک جو حاضر تھے سجدہ میں گر پڑے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت سب کو ایک غاشیہ الہیہ نے گھیر لیا تھا۔ گویا ایک غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً و کرہاً سب کو سر بسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بد بخت جس کے دل پر سخت مہر تھی اس نے سجدہ نہ کیا مگر زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اس نے بھی پیشانی کو لگالی اور کہا کہ مجھے اس قدر کافی ہے۔"

تم سورۃ النجم وللہ الحمد والمنہ

## آیاتها ۵۵

## ۵۲ سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ۳

## رکوعاتها ۳

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالنَّشَقُ الْقَمَرُ ﴿۱﴾

۱۔ پاس آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند [۱]

وَاِنْ يَّرَوْا آيَةً يُعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَبْرَهُ ﴿۲﴾

۲۔ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو غلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا [۲]

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ﴿۳﴾

۳۔ اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر کام ٹھہرا رکھا ہے وقت پر [۳]

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُرْدَجَرٌ ﴿۴﴾

۴۔ اور پہنچ چکے ہیں انکے پاس احوال جن میں ڈانٹ ہو سکتی ہے [۴]

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾

۵۔ پوری عقل کی بات ہے پھر ان میں کام نہیں کرتے ڈر سنانے والے

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ ﴿۶﴾

۶۔ سو توہٹ آ انکی طرف سے [۵] جس دن پکارے پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف [۶]

نُكْرٍ ﴿۷﴾

۷۔ آنکھیں جھکائے [۴] نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی

خُشَعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنْهُمْ ﴿۸﴾

۸۔ دوڑتے جائیں اُس پکارنے والے کے پاس [۸] کہتے جائیں منکر یہ دن مشکل آیا [۹]

جَرَادٍ مُّنتَشِرٍ ﴿۹﴾

مُهْطِعِيْنَ اِلٰى الدَّاعِ ۗ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ دوڑتے جائیں اُس پکارنے والے کے پاس [۸] کہتے جائیں منکر یہ دن مشکل آیا [۹]

عَسَىٰ ﴿۱۱﴾

۱۔ شق القمر کا واقعہ: ہجرت سے پیشتر نبی کریم ﷺ "منیٰ" میں تشریف فرما تھے کفار کا مجمع تھا، انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب کی اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔ بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا، دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ کفار کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے چاند

پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے اس معجزہ کو "شق القمر" کہتے ہیں۔ اور یہ ایک نمونہ اور نشانی تھی قیامت کی کہ آگے سب کچھ یوں ہی پھٹے گا۔ طحاوی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس واقعہ کے توازن کا دعویٰ کیا ہے۔ اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا اور محض استبعاد کی بنا پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لئے لازم ہے۔ روزمرہ کے معمولی واقعات کو "معجزہ" کون کہے گا۔ (ملاحظہ ہو ہمارا مستقل مضمون جو معجزات و خوارق عادات کے متعلق "المحمود" میں شائع ہوا ہے) باقی یہ کہنا کہ

اس واقعے کی تاریخی حیثیت: "شق القمر" اگر واقع ہوا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا وجود کیوں نہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ قصہ رات کا ہے۔ بعض ملکوں میں تو اختلاف مطالع کی وجہ سے اس وقت دن ہو گا اور بعض جگہ آدھی رات ہو گی، لوگ عموماً سوتے ہوں گے اور جہاں بیدار ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہونگے تو عادتاً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں، زمین پر جو چاندنی پھیلی ہو گی۔ بشرطیکہ مطلع صاف ہو، اس میں دو ٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے، لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور اس زمانہ میں آجکل کی طرح رصد وغیرہ کے اتنے وسیع و مکمل انتظامات اور تقاویم (جنتریوں) کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی، بہر حال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔ بایں ہمہ "تاریخ فرشتہ" وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں مہاراجہ "مالیبار" کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں۔

۲۔ یعنی اس طرح کے جادو مدعیان نبوت نے پہلے بھی کئے ہیں، پھر جس طرح وہ جاتے رہے یہ بھی جاتا ہیگا۔  
۳۔ یعنی ان کا عذاب بھی اپنے وقت پر آئیگا۔ اور اللہ کے علم میں ان کی جو گمراہی اور ہلاکت ٹھہر چکی ہے وہ کسی صورت سے ٹلنے والی نہیں۔  
۴۔ یعنی قرآن کے ذریعہ سے ہر قسم کے احوال اور تباہ شدہ قوموں کے واقعات معلوم کرائے جا چکے ہیں جن میں اگر غور کریں تو خداوند قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔

۵۔ قرآن حکمت بالغہ ہے: یعنی قرآن کریم پوری حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے۔ کوئی ذرا نیک نیتی سے توجہ کرے تو دل میں اترتی چلی جائیں، مگر افسوس اتنے سامان ہدایت کی موجودگی میں ان پر کچھ اثر نہیں۔ کوئی نصیحت و فہمائش وہاں کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ، پتھر پر جونک نہیں لگتی۔ لہذا ایسے سنگدل بد بختوں کو آپ بھی منہ نہ لگائیے۔ آپ فرض تبلیغ و دعوت باحسن اسلوب ادا کر چکے۔ اب زیادہ تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو ان کے ٹھکانے کی طرف چلنے دیں۔

۶۔ یعنی میدانِ حشر کی طرف حساب دینے کو۔  
۷۔ یعنی اس وقت خوف و ہیبت کے مارے ذلت و ندامت کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہونگے۔  
۸۔ قبروں سے انسانوں کا نکلنا: یعنی تمام اگلے پچھلے قبروں سے نکل کر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑینگے۔ اور خداوند قدوس کی عدالت میں حاضری دینے کے لئے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہونگے۔

۹۔ سختی کا دن: یعنی اس دن کے ہولناک احوال و شدائد اور اپنے جرائم کا تصور کر کے کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے۔ دیکھیے آج کیا گزریگی۔ آگے بتاتے ہیں کہ قیامت اور آخرت کا عذاب تو اپنے وقت پر آئیگا۔ بہت سے مکذبین کے لئے اس سے پہلے دنیا ہی میں ایک سخت دن آچکا ہے۔

۹۔ جھٹلا چکی ہے اُن سے پیے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا ہمارے بندے کو اور بولے دیوانہ ہے اور

جھڑک لیا اسکو [۱۰]

مَجْنُونٌ وَّارْدُجِرٍ ﴿۹﴾



فَدَعَارَبْتَهُ أَتَىٰ مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرَ ﴿١٠﴾

۱۰۔ پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں عاجز ہو گیا ہوں تو بدل لالے [۱۰]

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَرٍ ﴿١١﴾

۱۱۔ پھر ہم نے کھول دئے دہانے آسمان کے پانی ٹوٹ کر برسنے والے سے

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ

۱۲۔ اور بہا دیے زمین پر چشمے پھر مل گیا سب پانی ایک کام پر جو ٹھہر چکا تھا [۱۲]

قَدْرٍ ﴿١٢﴾

وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ الْأَوَّاحِ وَدُسِّي ﴿١٣﴾

۱۳۔ اور ہم نے اُسکو سوار کر دیا ایک تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر

تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّبَنٍ كَانِ كَفِرًا ﴿١٤﴾

۱۴۔ بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے [۱۳] بدل لینے کو اس کی طرف سے جسکی قدر نہ جانی تھی [۱۴]

وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدْكِرٍ ﴿١٥﴾

۱۵۔ اور اُسکو ہم نے رہنے دیا نشانی کے لئے پھر کوئی ہے سوچنے والا [۱۵]

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ﴿١٦﴾

۱۶۔ پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا [۱۶]

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِذِكْرِكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدْكِرٍ ﴿١٧﴾

۱۷۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا [۱۷]

۱۰۔ کہنے لگے اے نوح! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو تم کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ گویا دھمکیوں ہی میں اس کی بات رلا دی۔ اور بعض نے وَاذْكُرْ کے معنی یوں کئے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے آسیب زدہ۔ جن اس کی عقل لے اڑے ہیں۔ (العیاذ باللہ)۔

۱۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا: یعنی سینکڑوں برس سمجھانے پر بھی جب کوئی نہ پیسجا تو بددعا کی، اور کہا اے پروردگار! میں ان سے عاجز آچکا ہوں۔ ہدایت و فہمائش کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اب آپ اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیے۔

۱۲۔ زمین اور آسمان سے پانی: یعنی پانی اس قدر ٹوٹ کر برسنا، گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور نیچے سے زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ اتنا پانی ابلا گویا ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ پھر اوپر اور نیچے کا یہ سب پانی مل کر اس کام کے لئے اکٹھا ہو گیا۔ جو پہلے سے اللہ کے ہاں ٹھہر چکا تھا یعنی قوم نوح کی ہلاکت اور غرقابی۔

۱۳۔ کشتی نوح علیہ السلام کے سوار: یعنی اس ہولناک طوفان کے وقت نوح کی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں نہایت امن چین سے چلی جا رہی تھی۔

۱۴۔ یعنی حضرت نوح کی بے قدری کی اور اللہ کی باتوں کا انکار کیا، یہ اس کی سزا ملی۔

۱۵۔ کشتی نوح علیہ السلام سامانِ عبرت: یعنی سوچنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ آج کشتی کا وجود دنیا میں اس کشتی کے قصہ کو یاد دلائیے والا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے۔ اور بعض نے کہا کہ بعینہ وہ ہی کشتی نوح کے بعد مدت تک رہی۔

“جو دی پہاڑ پر نظر آتی تھی۔ اس امت کے لوگوں نے بھی دیکھی۔ واللہ اعلم۔

۱۶۔ یعنی دیکھ لیا۔ میرا عذاب کیسا ہولناک اور میرا ڈرانا کس قدر سچا ہے۔

۱۷۔ قرآن سے رہنمائی حاصل کرنا آسان ہے: ”یعنی قرآن سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے کیونکہ جو مضامین ترغیب و ترہیب اور

انذار و تبشیر سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف سہل اور موثر ہیں۔ پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ کرے تو سمجھے۔ (تشبیہ)

قرآن کے اسرار و عجائبات: آیت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے جس کے اندر کوئی دقائق و غوامض نہیں۔ اس علیم و

خبیر کے کلام کی نسبت ایسا گمان کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ جب اللہ بندوں سے کلام کرتا ہے تو معاذ اللہ اپنے غیر متناہی علوم

سے کوراہو جاتا ہے؟ یقیناً اس کے کلام میں وہ گہری حقائق اور باریکیاں ہونگی جن کا کسی دوسرے کلام میں تلاش کرنا بیکار ہے۔ اسی لئے حدیث

میں آیا ہے لَا تَمْقِضُ عَجَابَهُ (قرآن کے عجائب و اسرار کبھی ختم ہونیوالے نہیں) علمائے امت اور حکمائے ملت نے اس کتاب کے دقائق و

اسرار کا پتہ لگانے اور ہزار ہا احکام مستنبط کرنے میں عمریں صرف کر دیں، تب بھی اس کی آخری تہ تک نہیں پہنچ سکے۔

۱۸۔ جھٹلایا عادی نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا

کھڑکھڑانا

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَدَابِيَّ وَنَذِيرٍ ﴿٧٨﴾

۱۹۔ ہم نے بھیجی اُن پر ہوا تند ایک نحوست کے دن جو

چلے گی [۱۸]

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ

مُسْتَبِرٍّ ﴿٧٩﴾

۲۰۔ اکھاڑ مارا لوگوں کو گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی اکھڑی

پڑی [۱۹]

تَنْزِعُ النَّاسَ ۗ كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا

فَكَيْفَ كَانَ عَدَابِيَّ وَنَذِيرٍ ﴿٢١﴾

۲۲۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی

سوچنے والا

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ جھٹلایا شمود نے ڈر سنانے والوں کو [۲۰]

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا ہم اس کے

کہے پر چلیں گے تو تو ہم غلطی میں پڑے اور سودا میں [۲۱]

فَقَالُوا أَبَشْرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ ۗ إِنَّا إِذَا لَغِي

ضَلَّلٍ وَ سَعُرٍ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ کیا اتنی اسی پر نصیحت ہم سب میں سے کوئی نہیں یہ

جھوٹ ہے بڑائی مارتا ہے [۲۲]

ءَأَلْتَعَى الذِّكْرَ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ

أَشْرٌ ﴿٢٥﴾

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مِّنَ الْكَذَّابِ الْأَشْمِ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ اب جان لیں گے کل کو کون ہے جھوٹا بڑائی مارنے والا [۲۶]

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَ

۲۷۔ ہم بھیجتے ہیں اونٹنی اُنکے جانچنے کے واسطے [۲۷] سو انتظار کر اُن کا اور سہتارہ [۲۵]

اصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾

وَنَبِيَّهُمْ أَنَّ الْبَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۗ كُلُّ شَيْءٍ

۲۸۔ اور سنا دے اُنکو کہ پانی کا بانٹا ہے اُن میں ہر باری پر پہنچنا چاہئے [۲۸]

مُحْتَضَمٌ ﴿٢٨﴾

فَنَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾

۲۹۔ پھر پکارا انہوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا [۲۹]

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ﴿٣٠﴾

۳۰۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا

۳۱۔ ہم نے بھیجی اُن پر ایک چنگھاڑ پھر رہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑ کا نٹوں کی [۳۱]

كَهَشِيمِ الْحَتِّظِ ﴿٣١﴾

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِدِكِّكَ فَمَلُومٌ مِّنْ مَّدَكِكِ ﴿٣٢﴾

۳۲۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذْرِ ﴿٣٣﴾

۳۳۔ جھٹلایا لوط کی قوم نے ڈر سنانے والے کو [۳۳]

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۗ

۳۴۔ ہم نے بھیجی اُن پر آندھی پتھر برسانے والی سوائے لوط کے گھر کے اُنکو ہم نے بچا دیا پچھلی رات سے

نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَابٍ ﴿٣٤﴾

نِعْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا ۗ كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾

۳۵۔ فضل سے اپنی طرف کے ہم یوں بدلا دیتے ہیں اسکو جو حق مانے [۳۵]

وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَبَارَوْا بِالنُّذْرِ ﴿٣٦﴾

۳۶۔ اور وہ ڈرا چکا تھا اُنکو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈرانے کو [۳۶]

۳۷۔ اور اُس سے لینے لگے اُسکے مہمانوں کو پس ہم نے مٹا دیں اُن کی آنکھیں اب چکھو میرا عذاب اور ڈرانا [۳۲]

وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ صَيْفِهِ فَطَسَّنَا أَعْيُنَهُمْ

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنَذِرِ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور پڑا اُن پر صبح کو سویرے عذاب جو ٹھہر چکا تھا

وَلَقَدْ صَبَّبَ عَلَيْهِمْ بُكْرَةَ عَذَابٍ مُّسْتَقِرًّا ﴿۳۸﴾

۳۹۔ اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا [۳۳]

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنَذِرِ ﴿۳۹﴾

۴۰۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ﴿۴۰﴾

۴۱۔ اور پنچے فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے [۳۴]

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾

۴۲۔ جھٹلایا انہوں نے ہماری نشانیوں کو سب کو پھر پکڑا ہم نے انکو پکڑنا زبردست کا قابو میں لے کر [۳۵]

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ

مُقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

۱۸۔ قوم عادی پر نحوست کا دن: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ”یعنی نحوست نہ اٹھی جب تک تمام نہ ہو چکے۔ اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا، یہ نہیں کہ ہمیشہ کو۔“ وہ دن منحوس سمجھ لئے جائیں۔ جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے۔ اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے منحوس بن گیا ہے تو مبارک دن کو نسا رہیگا۔ قرآن کریم میں تصریح ہے کہ وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا۔ بتلائیے اب ہفتہ کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا۔

۱۹۔ ”قوم عاد“ کے لوگ بڑے تو مند اور قد آور تھے، لیکن ہوا کا جھکڑ ان کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پکٹتا تھا جیسے کھجور کا تنہ جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔

۲۰۔ قوم ثمود کی تکذیب: یعنی حضرت صالح کو جھٹلایا۔ اور ایک نبی کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ اصول دین میں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

۲۱۔ یعنی کوئی آسمان کا فرشتہ نہیں، بلکہ ہم ہی جیسا ایک آدمی اور وہ بھی اکیلا جس کے ساتھ کوئی قوت اور جتھا نہیں، چاہتا ہے کہ ہمیں دبا لے اور سب کو اپنا تابع بنا لے۔ یہ کبھی نہ ہو گا۔ اگر ہم اس پھندے میں پھنس جائیں تو ہماری بڑی غلطی اور حماقت بلکہ جنون ہو گا۔ وہ تو ہم کو ڈراتا ہے کہ مجھے نہ مانو گے تو آگ میں گر دو گے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم اس کے تابع ہو جائیں تو گویا خود اپنے کو آگ میں گر رہے ہیں۔

۲۲۔ یعنی پیغمبری کے لئے بس یہی رہ گیا تھا؟ سب جھوٹ ہے۔ خواہ مخواہ بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے اپنا رسول بنا دیا۔ اور ساری قوم کو میری اطاعت کا حکم دیا ہے۔

۲۳۔ یعنی بہت جلد معلوم ہو اچا ہوتا ہے کہ دونوں فریق میں جھوٹا اور بڑائی مارنے والا کون ہے۔

۲۴۔ اونٹنی کے ذریعے قوم ثمود کی آزمائش: یعنی ان کی فرمائش کے موافق ہم پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں اس کے ذریعہ سے جانچا جائے گا کہ کون اللہ ورسول کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے۔

۲۵۔ یعنی دیکھتارہ، کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

۲۶۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”وہ اونٹنی جس پانی پر جاتی سب جانور بھاگتے، تو اللہ نے باری ٹھہرا دی۔ ایک دن وہ جانے، اور ایک دن سب جانور۔“

۲۷۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”ایک بدکار عورت تھی اس کے مواشی بہت تھے اپنے ایک آشنا کو اکسایا۔ اس نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔“

۲۸۔ فرشتے کی چیخ: فرشتے نے ایک چیخ ماری، کلیجے پھٹ گئے۔ اور سب چوراہو کر رہ گئے۔ جیسے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں، اور چند روز کے بعد پائمال ہو کر اس کا چوراہو جاتا ہے۔

۲۹۔ یعنی حضرت لوط کو جھٹلایا۔ اور ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب ہے۔

۳۰۔ یعنی وہ پچھلی رات میں اپنے گھر والوں کو لے کر صاف نکل گئے۔ ان کو ہم نے عذاب کی ذرا بھی آج نہ لگنے دی۔ اور یہ ہی ہماری عادت ہے۔ حق شناس اور شکر گزار بندوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

۳۱۔ یعنی اس کی باتوں میں وہی تباہی شبہ اور جھگڑے کھڑے کر کے جھٹلانے لگے۔

۳۲۔ مہمان فرشتوں کے ساتھ بدسلوکی: یعنی فرشتے جو حسین لڑکوں کی شکل میں آئے تھے۔ ان کو آدمی سمجھ کر اپنی خوںے بد کی وجہ سے قبضانا چاہا۔ ہم نے ان کو اندھا کر دیا کہ ادھر ادھر دھکے کھاتے پھرتے تھے۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور کہا لو! پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔

۳۳۔ یعنی اندھا کرنے کے بعد ان کی بستیاں الٹ دی گئیں۔ اور اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔

۳۴۔ حضرت موسیٰ اور ہارون اور ان کے ڈرانیوالے نشان۔

۳۵۔ آل فرعون کا انجام: یعنی خدا کی پکڑ بڑے زبردست کی پکڑ تھی جس کے قابو سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ دیکھ لو! تمام فرعونوں کا بیڑہ کس طرح بحر قلزم میں غرق کیا کہ ایک بچ نہ نکل سکا۔

۳۳۔ اب تم میں جو منکر ہیں کیا یہ بہتر ہیں ان سب سے یا تمہارے لئے فارغ خطی لکھی گئی ورتوں میں

فِي الزُّبُرِ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ کیا کہتے ہیں ہم سب کا مجمع ہے بدلائینے والا ﴿۳۴﴾

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَبِيْعٌ مُّنتَصِمٌ ﴿٣٤﴾

۳۵۔ اب شکست کھائے گا یہ مجمع اور بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر ﴿۳۵﴾

سِيْهُمُ الْجَبْعُ وَيُولُوْنَ الدُّبُرَ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ بلکہ قیامت ہے اُنکے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی ﴿۳۶﴾

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهُىٰ وَاَمْرٌ ﴿٣٦﴾

۳۷۔ جو لوگ گنہگار ہیں غلطی میں پڑے ہیں اور سودا میں

اِنَّ الْجَرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعْرٍ ﴿٣٧﴾

۳۸۔ جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اوندھے منہ  
چکھو مزا آگ کا [۳۹]

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُقُوا

مَسَّ سَقَمًا ﴿۳۸﴾

۳۹۔ ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر [۴۰]

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ اور ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے جیسے لپک نگاہ  
کی [۴۱]

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ اور ہم برباد کر چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو پھر  
ہے کوئی سوچنے والا [۴۲]

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی درتوں میں [۴۳]

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ اور ہر چھوٹا اور بڑا لکھا جا چکا [۴۴]

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌّ ﴿۵۳﴾

۵۴۔ جو لوگ ڈرنے والے ہیں بانگوں میں ہیں اور نہروں  
میں

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۵۴﴾

۵۵۔ بیٹھے سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب  
پر قبضہ ہے [۴۵]

فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

۳۶۔ اپنے جتھوں پر غرور: گزشتہ اقوام کے واقعات سنا کر موجودہ لوگوں کو خطاب ہے یعنی تم میں کے کافر کیا ان پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں جو کفر و طغیان کی سزا میں تباہ نہیں کیے جائیں گے؟ یا اللہ کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ تم جو چاہو شرارت کرتے رہو، سزا نہیں ملے گی؟ یا یہ سمجھ ہوئے ہیں کہ ہمارا مجمع اور جتھا بہت بڑا ہے۔ اور سب مل کر جب ایک دوسرے کی مدد پر آجائیں گے تو سب سے بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور کسی کو اپنے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

۳۷۔ یعنی عنقریب ان کو اپنے مجمع کی حقیقت کھل جائے گی جب مسلمانوں کے سامنے سے شکست کھا کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ چنانچہ “بدر” اور “احزاب” میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس وقت نبی ﷺ کی زبان پر یہ آیت جاری تھی سَيَهْزِمُوا الْجَنُودَ وَيُؤْتُونَ الدُّبُرَ۔

۳۸۔ یعنی یہاں کیا شکست کھائیں گے، ان کی شکست کا اصلی وقت تو وہ ہو گا جب قیامت سر پر آکھڑی ہوگی۔ وہ بہت سخت مصیبت کا وقت ہو گا۔

۳۹۔ یعنی اس وقت غفلت کے نشہ میں پاگل بن رہے ہیں۔ یہ سودا دماغ میں سے اس وقت نکلے گا جب اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو! اب ذرا اس کا مزہ چکھو۔

۴۰۔ یعنی ہر چیز جو پیش آئی ہے اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بھی اس کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

۴۱۔ چشم زدن میں امر الہی کا وقوع: یعنی ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں ہم کو دیر نہیں لگتی نہ کچھ مشقت ہوتی ہے۔

۴۲۔ یعنی تمہاری قماش کے بہت سے کافروں کو پہلے تباہ کر چکے ہیں۔ پھر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں کہ انکے حال سے عبرت حاصل کر سکے۔

۴۳۔ اعمال نامے: یعنی ہر ایک نیکی بدی عمل کے بعد ان کے اعمال ناموں میں لکھی گئی ہے۔ وقت پر ساری مسل سامنے کر دی جائیگی۔

۴۴۔ لوح محفوظ میں ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے: یعنی اس سے قبل ہر چھوٹی بڑی چیز کی تفصیل ”لوح محفوظ“ میں لکھی جا چکی۔ تمام دفاتر باقاعدہ مرتب ہیں کوئی چھوٹی موٹی چیز بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔

۴۵۔ متقین کیلئے قرب الہی: مجرمین کے بعد یہ متقین کا انجام بیان فرمادیا کہ وہ اپنی سچائی کی بدولت اللہ ورسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک پسندیدہ مقام میں ہونگے جہاں اس شہنشاہ مطلق کا قرب حاصل ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَلِيْكُ مُقْتَدِرٍ۔ مَا تَشَاءُ مِنْ اَمْرٍ يَكُوْنُ فَاَسْعِدْ نِي فِي الدّٰرَيْنِ وَكُنْ لِيْ وَلَا تَكُنْ عَلَيَّ وَاْتِنِيْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنِيْ عَذَابَ النَّارِ۔

تم سورۃ القمر و بعد الحمد والمنة

ایاتھا ۸

۵۵ سُورَةُ الرَّحْمَنِ مَكِّيَّةٌ ۹

رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾

۱۔ رحمن نے

عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿۲﴾

۲۔ سکھلایا قرآن [۱]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾

۳۔ بنای آدمی

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

۴۔ پھر سکھلایا سکوبات کرنا [۲]

الْشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾

۵۔ سورج اور چاند کیلئے ایک حساب ہے [۳]

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿۶﴾

۶۔ اور جھاڑ اور درخت مشغول ہیں سجدہ میں [۴]

وَالسَّابَّاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْبِيْزَانَ ﴿۷﴾

۷۔ اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْبِيْزَانِ ﴿۸﴾

۸۔ کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں

وَاقْيَمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْبِيْزَانَ ﴿۹﴾

۹۔ اور سیدھی ترازو تو لو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو [۵]

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاِنَامِ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور زمین کو بچھایا واسطے خلق کے [۶]

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اس میں میوہ ہے اور کھجوریں جنکے میوہ پر غلاف

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور اُس میں اناج ہے جسکے ساتھ بھس ہے اور پھول

خوشبودار [۷]

فَبَايَ الْاِآءِ رَبِّكَمَا تُكْذِبْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں [۸]



۱۴۔ بنایا آدمی کو کھٹکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکر

۱۵۔ اور بنایا جن کو آگ کی لپٹ سے [۹]

۱۶۔ پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں [۱۰]

۱۷۔ مالک دو مشرق کا اور مالک دو مغرب کا [۱۱]

۱۸۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۱۹۔ دو دریا مل کر چلنے والے

۲۰۔ اُن دونوں میں ہے ایک پر وہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے [۱۲]

۲۱۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۲۲۔ نکلتے اُن دونوں سے موتی اور مونگا

۲۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۲۴۔ اور اُسی کے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ [۱۳]

۲۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿١٦﴾

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿١٨﴾

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿١٩﴾

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ﴿٢٠﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢١﴾

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٣﴾

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾

۱۔ اللہ ہی قرآن کا اصل معلم ہے: جو اس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سب سے اونچی نعمت و رحمت ہے، انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپید کنار کو دیکھو، بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام۔ (تنبیہ) سورۃ "النجم" میں فرمایا تھا۔ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى (النجم۔ ۵) اُنچے یہاں کھول دیا کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ ہے گو فرشتہ کے توسط سے ہو۔

۲۔ انسان میں علم بیان کی صفت: "ابجد" (وجود عطا فرمانا) اللہ کی بڑی نعمت بلکہ نعمتوں کی جڑ ہے اس کی دو قومیں ہیں۔ ایجاد ذات، اور ایجاد صفت تو اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ذات کو پیدا کیا اور اس میں علم بیان کی صفت بھی رکھی یعنی قدرت دی کہ اپنے مافی الضمیر کو نہایت صفائی اور حسن

و خوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے ذریعہ سے وہ قرآن سیکھتا سکھاتا ہے۔ اور خیر و شر، ہدایت و ضلالت، ایمان و کفر اور دنیا و آخرت کی باتوں کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔

۳۔ شمس و قمر کا حساب: یعنی دونوں کا طلوع و غروب، گھٹنا بڑھنا، یا ایک حالت پر قائم رہنا، پھر ان کے ذریعہ سے فصول و مواسم کا بدلنا اور سفلیات پر مختلف طرح سے اثر ڈالنا، یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ مجال نہیں کہ اس کے دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں۔ اور اپنے مالک و خالق کے دیئے ہوئے احکام سے روگردانی کر سکیں۔ اس نے اپنے بندوں کی جو خدمات ان دونوں کے سپرد کر دی ہیں۔ ان میں کوتاہی نہیں کر سکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔

۴۔ جھاڑیوں اور درختوں کا سجدہ: یعنی علویات کی طرح سفلیات بھی اپنے مالک کی مطیع و منقاد ہیں۔ چھوٹے جھاڑ، زمین پر پھیلی ہوئی بیلین اور اونچے درخت سب اس کے حکم تکوینی کے سامنے سر بسجود ہیں۔ بندے ان کو اپنے کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔

۵۔ آسمان اور میزان: اوپر سے دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوتے چلے آ رہے تھے۔ یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ آگے زمین کی پستی کا ذکر ہے۔ درمیان میں میزان (ترازو) کا ذکر شاید اس لئے ہو کہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان و زمین کے درمیان معلق رکھتا پڑتا ہے۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ میزان سے مراد ظاہری اور حسی ترازو ہو۔ چونکہ اس کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی۔ اس لئے ہدایت فرمادی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو، نہ دیتے وقت کم، ترازو کے دونوں پتلے اور باٹ بٹی میں کمی بیشی نہ ہو۔ نہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے، بلکہ بدون کمی بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔ (تنبیہ) اکثر سلف نے وضع میزان سے اس جگہ عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے، یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و عدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن و تناسب کے ساتھ قائم کیا ہے۔ اگر عدل و حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل و حق کے جادہ پر مستقیم رہیں۔ اور انصاف کی ترازو کو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں، نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

۶۔ کہ اس پر آرام سے چلیں پھریں اور کاروبار جاری رکھیں۔

۷۔ زمین کے مختلف میوے اور پھل: یعنی پھل میوے بھی زمین سے نکلتے ہیں اور غلہ اناج بھی۔ پھر غلہ میں دو چیزیں ہیں۔ دانہ، جو انسانوں کی غذا ہے اور بھوسہ جو جانوروں کے لئے ہے۔ اور بعض چیزیں زمین سے وہ پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام میں نہیں آتیں لیکن انکی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

۸۔ جن و انس اللہ کی نعمتوں کو نہیں جھٹلا سکتے: یعنی اے جن و انس! اوپر کی آیات میں تمہارے رب کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئیں تم ان میں سے کس کس کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے؟ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جاسکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بناء پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ سنے تو جواب دے لَا بَشِيءَ مِنِّي نَعْمِكَ رَبَّنَا تُكذِّبُ فَلَكَ النِّحْمُ (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ سب حمد و ثناء تیرے ہی لئے ہے)۔ (تنبیہ) گو جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا۔ لیکن انا میں وہ شامل ہیں۔ اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ میں دونوں کا عبادت کے لئے پیدا ہونا مذکور ہے۔ اور اس آیت کے بعد متصل ہی آدمی اور جن کی کیفیت تخلیق بتلائی گئی ہے، اور چند آیات کے بعد سَنَنْفَعُكُمْ لَكُمْ آيَةَ الشَّقَلِينَ اور يَنْعَشُمُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ میں صریحاً جن و انس کو مخاطب کیا گیا ہے، یہ قرآن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔

۹۔ جن وانس کی تخلیق مٹی اور آگ سے: یعنی سب آدمیوں کے باپ آدم کو مٹی اور جنوں کے باپ کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔  
 ۱۰۔ قرآن کریم میں تکرار کیوں ہے: الآء کا ترجمہ عموماً ”نعمت“ کیا گیا ہے لیکن ابن جریر نے بعض سلف سے ”قدرت“ کے معنی نقل کئے ہیں۔ اس لئے جس مقام پر جو معنی زیادہ چسپاں ہوں وہ اختیار کئے جائیں۔ یہاں اور اس سے پہلی آیت میں دونوں مطلب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ انس و جن کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور جماد لایعقل سے عاقل بنادینا اللہ کی بڑی نعمت ہے اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی بھی ہے۔ (تنبیہ) یہ جملہ فَبِآئِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ اس سورۃ میں اکتیس مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ کسی خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا شیون عظمت و قدرت میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس قسم کی تکرار عرب و عجم کے کلاموں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ مدت ہوئی رسالہ ”القاسم“ میں بندہ نے ایک مضمون بعنوان ”قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے“۔ چھپوایا تھا اس میں چند نظائر شعرائے عرب کے کلاموں سے پیش کی گئی ہیں اور تکرار کے فلسفہ پر بحث کی ہے یہاں اس کے بسط کا موقع نہیں۔

۱۱۔ دو مشرق اور دو مغرب: جاڑے اور گرمی میں جس جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ دو مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دو مغرب ہوئیں۔ ان ہی مشرقین اور مغربین کے تغیر و تبدل سے موسم اور فصلیں بدلتی ہیں۔ اور طرح طرح کے انقلابات ہوتے ہیں۔ زمین والوں کے ہزار ہا فوائد و مصالح ان تغیرات سے وابستہ ہیں۔ تو ان کا ادل بدل بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی قدرت عظیمہ کی نشانی ہوئی۔ (تنبیہ) آیت سے پہلے اور پیچھے دور تک دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوئے ہیں اس لئے یہاں مشرقین و مغربین کا ذکر نہایت ہی لطف دیتا ہے۔

۱۲۔ بیٹھا اور کھاری پانی: یعنی ایسا نہیں کہ بیٹھا اور کھاری پانی ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے اس کی خاصیت وغیرہ کو بالکل زائل کر دے یا دونوں مل کر دنیا کو غرق کر ڈالیں۔ اس آیت کے مضمون کے متعلق کچھ تقریر سورۃ ”فرقان“ کے اواخر میں گذر چکی ہے۔ اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔  
 ۱۳۔ یعنی کشتیاں اور جہاز گویا ہر تمہارے بنائے ہوئے ہیں مگر خود تم کو اللہ نے بنایا اسی نے وہ قوتیں اور سامان عطا کئے جن سے جہاز تیار کرتے ہو۔ لہذا تم اور تمہاری مصنوعات سب کا مالک و خالق وہ ہی خدا ہوا۔ اور یہ سب اسی کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہوئیں۔ (تنبیہ) یہ جملہ پہلے جملہ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ الْعُجَّ کے مقابل ہے، یعنی دریا کے نیچے سے وہ نعمتیں نکلتی ہیں اور اوپر یہ نعمتیں موجود ہیں۔

۲۶۔ جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ اور باقی رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا ﴿۲۷﴾

وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فَبِآئِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ اُس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ہر روز اُس کو ایک دھندا ہے ﴿۲۹﴾

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ

فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فَبِآئِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ ہم جلد فارغ ہونے والے ہیں تمہارے طرف اے  
دو بھاری قافلو

۳۲۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۳۳۔ اور گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہو  
سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل  
بھاگو نہیں نکل سکنے کے بدون سند کے [۱۶]

۳۴۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے [۱۷]

۳۵۔ چھوڑے جائیں تم پر شعلے آگ کے صاف اور  
دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے [۱۸]

۳۶۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے [۱۹]

۳۷۔ پھر جب پھٹ جائے آسمان تو ہو جائے گلابی جیسے  
زی (تیل کی تلچھٹ) [۲۰]

۳۸۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۳۹۔ پھر اُس دن پوچھ نہیں اُس کے گناہ کی کسی آدمی سے  
اور نہ جن سے [۲۱]

۴۰۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۴۱۔ پہنچانے پڑیں گے گنہگار اپنے چہرے سے [۲۲] پھر پکڑ  
اجائے گا پیشانی کے بال سے اور پاؤں سے [۲۳]

سَنَفَرُّكُمْ لَكُمْ آيَةَ الثَّقَلَيْنِ ﴿٣١﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٢﴾

يَعْتَشَمُ الْجِنُّ وَالْإِنْسُ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ  
تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا<sup>ط</sup>

لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ ﴿٣٣﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مِّنْ نَّارٍ<sup>ه</sup> وَنُحَاسٌ فَلَا  
تَنْتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٨﴾

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيَاهِمُ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي<sup>ز</sup>

وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ یہ دوزخ ہے جسکو جھوٹ بتاتے تھے گنہگار [۳۳]

يُطْفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَبِيبٍ اِنْ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ پھریں گے بیچ اُس کے اور کھولتے پانی کے [۳۴]

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۱۲۔ ہر دن اللہ کی نئی شان ہے: یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق زبان حال و قال سے اپنی حاجات اسی خدا سے طلب کرتی ہے۔ کسی کو ایک لمحہ کے لئے اس سے استغناء نہیں۔ اور وہ بھی سب کی حاجت روائی اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے۔ ہر وقت اس کا الگ کام اور ہر روز اس کی نئی شان ہے۔ کسی کو مارنا، کسی کو جلانا، کسی کو بیمار کرنا، کسی کو تندرست کر دینا، کسی کو بڑھانا، کسی کو گھٹانا، کسی کو دینا کسی سے لینا اس کی شئون میں داخل ہیں۔ و قس علیٰ ہذا۔

۱۵۔ یعنی دنیا کے یہ کام اور دھندے عنقریب ختم ہونیوالے ہیں۔ اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کریں گے جب تم دونوں بھاری قافلوں (جن وانس) کا حساب کتاب ہو گا مجرموں کی پوری طرح خبر لی جائے گی۔ اور وفاداروں کو پورا صلہ دیا جائے گا۔

۱۶۔ اللہ کی حکومت سے فرار ممکن نہیں: یعنی اللہ کی حکومت سے کوئی چاہے کہ نکل بھاگے تو بدون قوت اور غلبہ کے کیسے بھاگ سکتا ہے کیا خدا سے زیادہ کوئی قوی اور زور آور ہے؟ پھر نکل کر جائے گا کہاں، دوسری قلمرو کونسی ہے جہاں پناہ لے گا۔ نیز دنیا کی معمولی حکومتیں بدون سند اور پروانہ راہداری کے اپنی قلمرو سے نکلنے نہیں دیتیں تو اللہ بدون سند کے کیوں نکلنے دیگا۔

۱۷۔ یعنی اس طرح کھول کھول کر سمجھانا اور تمام نشیب و فراز پر متنبہ کرنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ کیا اس نعمت کی تم قدر نہیں کرو گے اور اللہ کی ایسی عظیم الشان قدرت کو جھٹلاؤ گے۔

۱۸۔ جہنم کا دھواں اور شعلے: یعنی جس وقت مجرموں پر آگ کے صاف شعلے اور دھواں ملے ہوئے شرارے چھوڑے جائیں گے کوئی ان کو دفع نہ کر سکے گا۔ اور نہ وہ اس سزا کا کچھ بدلہ لے سکیں گے۔

۱۹۔ مجرموں کو سزا دینا بھی نعمت ہے: مجرموں کو سزا دینا بھی وفاداروں کے حق میں انعام ہے اور اس سزا کا بیان کرنا تا لوگ سن کر اس جرم سے باز رہیں، یہ مستقل انعام ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”ہر آیت میں نعمت جتنی کوئی اب نعمت ہے اور کسی کی خبر دینا نعمت ہے، کہ اس سے بچیں۔“

۲۰۔ یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹے گا اور رنگ میں لال نری کی طرح ہو جائے گا۔

۲۱۔ یعنی کسی آدمی یا جن سے اس کے گناہوں کے متعلق معلوم کرنے کی غرض سے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ خدا کو پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ ہاں بطور الزام و توبیخ ضابطہ کا سوال کریں گے۔ کما قال فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (حجر- ۹۲) یا یہ مطلب ہو کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال نہ ہو گا بعد میں ہونا اس کے منافی نہیں۔

۲۲۔ مجرموں کے چہروں سے پچان: یعنی چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگونی سے مجرم خود بخود پچانے جائیں گے۔ جیسے مؤمنین کی شناخت سجدہ اور وضو کے آثار و انوار سے ہوگی۔

۲۳۔ یعنی کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کو پاؤں سے ملا دیں گے اور زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔

۲۴۔ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔

۲۵۔ کھولتے پانی کا عذاب: یعنی کبھی آگ کا اور کبھی کھولتے پانی کا عذاب ہو گا۔ (اعاذنا اللہ منہا ومن سائر انواع العذاب)۔

۴۶۔ اور جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اُسکے لئے ہیں دوباغ [۲۶]

۴۷۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۴۸۔ جن میں بہت سی شاخیں [۲۷]

۴۹۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۵۰۔ اُن دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں [۲۸]

۵۱۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۵۲۔ اُن دونوں میں ہر میوہ قسم قسم کا ہو گا

۵۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۵۴۔ تکیہ لگائے بیٹھے بچھونوں پر جن کے استر تافتے کے [۲۹] اور میوہ اُن باغوں کا جھک رہا [۳۰]

۵۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۵۶۔ اُن میں عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں نہیں قربت کی اُن سے کسی آدمی نے اُن سے پہلے اور نہ کسی جن نے [۳۱]

وَلَمِّنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ

ذَوَاتَا أَفْنَانٍ

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ

فِيهِمَا عَيْنُ تَجْرِينِ

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ

فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجِنِ

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ

مُتَّكِنِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَّائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۗ وَ

جَنَّاتٍ جَنَّاتٍ دَانٍ

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ

فِيهِنَّ قُصُصٌ الطَّرْفِ لَمْ يَطْبُحُنَّ إِنْسُ

قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ

۵۷۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۵۸۔ وہ کیسی جیسے کہ لعل اور موز کا [۳۲]

۵۹۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۶۰۔ اور کیا بدلا ہے نیکی کا مگر نیکی [۳۳]

۶۱۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۶۲۔ اور اُن دو کے سوائے اور دو باغ ہیں [۳۴]

۶۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۶۴۔ گہرے سبز جیسے سیاہ [۳۵]

۶۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۶۶۔ اُن میں دو چشمے ہیں اہلے ہوئے

۶۷۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۶۸۔ اُن میں میوے ہیں اور کھجوریں اور انار [۳۶]

۶۹۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۷۰۔ ان سب باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوبصورت [۳۷]

۷۱۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٧﴾

كَانْتَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٩﴾

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦١﴾

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ﴿٦٢﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٣﴾

مُدَّهَا مِثْنِ ﴿٦٤﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٥﴾

فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَيْنِ ﴿٦٦﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٧﴾

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٩﴾

فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ حوریں ہیں رکی رہنے والی خیموں میں [۳۸]

حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۴۲﴾

۷۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۴۳﴾

۷۴۔ نہیں ہاتھ لگایا اُنکو کسی آدمی نے اُن سے پہلے اور نہ کسی جن نے

لَمْ يَطِثْتَهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۴۴﴾

۷۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۴۵﴾

۷۶۔ تکیہ لگئے بیٹھے سبز مسندوں پر اور قیمتی پچھونے نفیس پر

مُتَّكِنِينَ عَلَى رُفُوفٍ خُضْرٍ وَعَبَقَرِيِّ حِسَانٍ ﴿۴۶﴾

۷۷۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۴۷﴾

۷۸۔ بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کے جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے [۳۹]

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَلِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۴۸﴾

۲۶۔ اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے دو باغ: یعنی جس کو دنیا میں ڈر لگا رہا کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے۔ اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہا اور پوری طرح تقویٰ کے راستوں پر چلا اس کے لئے وہاں دو عالیشان باغ ہیں جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں۔

۲۷۔ یعنی مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں نہایت پر میوہ اور سایہ دار ہوں گی۔

۲۸۔ یعنی جو کسی وقت تھمتے نہیں۔ نہ خشک ہوتے ہیں۔

۲۹۔ اہل جنت کے پچھونے: جب ان کا استر دبیز ریشم کا ہو گا تو ابرے کو اسی سے قیاس کر لو۔ کیسا کچھ ہو گا۔

۳۰۔ جس کے چننے میں کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں بے تکلف متمتع ہو سکیں گے۔

۳۱۔ جنت کی عورتیں: یعنی ان کی عصمت کو کسی نے بھی چھوا، نہ انہوں نے اپنے ازواج کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

۳۲۔ یعنی ایسی خوش رنگ اور بیش بہا۔

۳۳۔ یعنی نیک بندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ان جنتیوں نے دنیا میں اللہ کی انتہائی عبادت کی تھی۔ گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اللہ نے ان کو انتہائی بدلہ دیا۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةٍ أَعْيُنٍ (سجدہ۔ ۱۷)۔ شاید اس میں دولت دیدار کی طرف بھی اشارہ ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۴۔ جنت کے دو باغ: شاید پہلے دو باغ مقررین کے لئے تھے اور یہ دونوں اصحابِ یمن کیلئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۵۔ سبزی جب زیادہ گہری ہوتی ہے تو سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔

۳۶۔ جنت کے انار اور کھجور: مگر یہاں کے انار اور کھجوروں پر قیاس نہ کیا جائے۔ ان کی کیفیت اللہ ہی جانے۔

۳۷۔ یعنی اچھے اخلاق کی خوبصورت اور خوب سیرت۔



۳۸۔ گھروں میں رکنے والی حوریں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ذات کی خوبی گھر میں رکے رہنے ہی سے ہے۔  
 ۳۹۔ اللہ کے نام کی برکت: یعنی جس نے اپنے وفاداروں پر ایسے احسان و انعام فرمائے اور غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصلی خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے۔ اور اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ پھر سمجھ لو جس کے اسم میں اس قدر برکت ہے مسمیٰ میں کیا کچھ ہوگی  
 وَنَسْأَلُ اللّٰهَ الْكَبِيْرَیْمَ الْوَهَّابَ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَنْ یَّجْعَلَنا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْاَوْْلَیِّیْنَ۔ آمین۔

تم سورۃ الرحمن و لہ الحمد والمنہ

آیاتها ۹۶

۵۶ سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۶

رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ جب ہو پڑے ہو پڑنے والی

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾

۲۔ نہیں ہے اُسکے ہو پڑے میں کچھ جھوٹ [۱]

لَيْسَ يُوَفِّعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾

۳۔ پست کرنے والی ہے بلند کرنے والی [۲]

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾

۴۔ جب لرزے زمین کچلپا کر

إِذَا رَجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ﴿٤﴾

۵۔ اور ریزہ ریزہ ہوں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾

۶۔ پھر ہو جائیں غبار اڑتا ہوا [۳]

فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا ﴿٦﴾

۷۔ اور ہو جاؤ تین قسم پر [۴]

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ﴿٧﴾

۸۔ پھر دانے والے کیا خوب ہیں دانے والے [۵]

فَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٨﴾ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٨﴾

۹۔ اور بائیں والے کیا برے لوگ ہیں بائیں والے [۶]

وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمِ ﴿٩﴾ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمِ ﴿٩﴾

۱۰۔ اور اگاڑی والے تو اگاڑی والے

وَالسَّبِقُونَ ﴿١٠﴾ السَّبِقُونَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ وہ لوگ ہیں مقرب

أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾

۱۲۔ باغوں میں نعمت کے [۴]

فِي جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ﴿١٢﴾

۱۳۔ انبوهے پہلوں میں سے

ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأُولَىٰ ﴿١٣﴾

وَقَلِيلٌ مِّنَ الْأَخْرِيْنَ ﴿١٣﴾

۱۳۔ اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے [۸]

عَلَىٰ سُرَّرٍ مَّوْضُونَةٍ ﴿١٤﴾

۱۴۔ بیٹھے ہیں جڑاؤ تختوں پر [۹]

مُتَّكِنِينَ عَلَيْهَا مُتَّقِبِينَ ﴿١٥﴾

۱۵۔ تکیہ لگائے اُن پر ایک دوسرے کے سامنے [۱۰]

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿١٦﴾

۱۶۔ لڑے پھرتے ہیں اُنکے پاس لڑکے کے سدا رہنے والے [۱۱]

بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقٍ ۖ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿١٧﴾

۱۷۔ آنخوڑے اور کوزے اور پیالہ نتھری شراب کا

لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزَفُونَ ﴿١٨﴾

۱۸۔ جس سے نہ سرد کھے اور نہ بکواس لگے [۱۲]

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿١٩﴾

۱۹۔ اور میوہ جو نسا پسند کر لیں

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ اور گوشت اڑتے جانوروں کا جس قسم کو جی چاہے [۱۳]

وَحُورٍ عِينٍ ﴿٢١﴾

۲۱۔ اور عورتیں گوری بڑی آنکھوں والیاں

كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ جیسے موتی کے دانے اپنے غلاف کے اندر [۱۴]

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ بدلہ اُن کاموں کا جو کرتے تھے

لَّا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٤﴾

۲۴۔ نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور گناہ کی بات

إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٥﴾

۲۵۔ مگر ایک بولنا سلام سلام [۱۵]

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۖ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ اور داہنے والے کیا کہنے والے

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٧﴾

۲۷۔ رہتے ہیں بیری کے درختوں میں جن میں کانٹا نہیں [۱۶]

وَأَطْلَحِ مَنُضُودًا ﴿٢٩﴾

۲۹۔ اور کیلے تہہ پر تہہ

وَأَظِلِّ مَبْدُودًا ﴿٣٠﴾

۳۰۔ اور سایہ لنبأ [۱۷]

وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ﴿٣١﴾

۳۱۔ اور پانی بہتا ہوا

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾

۳۲۔ اور میوہ بہت

لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾

۳۳۔ نہ اُس میں سے ٹوٹا اور نہ روکا ہوا [۱۸]

وَأَفْرَاشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾

۳۴۔ اور بچھونے اونچے [۱۹]

إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾

۳۵۔ ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو ایک اچھے اٹھان پر

فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾

۳۶۔ پھر کیا انکو کنواریاں

عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾

۳۷۔ پیار دلانے والیاں ہم عمر

لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٣٨﴾

۳۸۔ واسطے دابنے والوں کے [۲۰]

ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأُولَىٰ ﴿٣٩﴾

۳۹۔ انبوهے پہلوں میں سے

وَأُثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾

۴۰۔ اور انبوهے پچھلوں میں سے [۲۱]

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ مَّا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾

۴۱۔ اور بائیں والے کیسے بائیں والے

فِي سَمُومٍ وَحَبِيمٍ ﴿٤٢﴾

۴۲۔ تیز بھاپ میں اور جلتے پانی میں

وَأَظِلِّ مِّنْ يَّحُومٍ ﴿٤٣﴾

۴۳۔ اور سایہ میں دھوئیں کے

لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ نہ ٹھنڈا اور نہ عزت کا [۳۲]

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ وہ لوگ تھے اس سے پہلے خوشحال

وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور ضد کرتے تھے اُس بڑے گناہ پر [۳۳]

وَكَانُوا يَقُولُونَ ۙ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا

۳۷۔ اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر گئے اور ہو چکے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے

عَرَانًا لَسَبْعُوثُونَ ﴿۳۷﴾

۳۸۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادے بھی [۳۴]

أَوْ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ تو کہہ دے کہ اگلے اور پچھلے

قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ سب اکٹھے ہونے والے ہیں ایک دن مقرر کے وقت پر [۳۵]

لَجُجُوعُونَ ۙ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ پھر توجو ہواے بیکے ہوؤ جھٹلانے والو

ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيْهَا الضَّالُّونَ الْمَكْذِبُونَ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ البتہ کھاؤ گے ایک درخت سینڈ کے سے

لَا تَكُونُ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُمٍ ﴿۵۲﴾

۵۳۔ پھر بھر وگے اس سے پیٹ [۳۶]

فَمَا لِيُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿۵۳﴾

۵۴۔ پھر پیو گے اُس پر ایک جلتا پانی

فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿۵۴﴾

۵۵۔ پھر پیو گے جیسے پیسے اونٹ تونے ہوئے [۳۷]

فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْهَمِيمِ ﴿۵۵﴾

۵۶۔ یہ مہمانی ہے انکی انصاف کے دن [۳۸]

هَذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۵۶﴾

۱۔ وقوع قیامت میں کوئی شبہ نہیں: یعنی قیامت جب ہو پڑگی اس وقت کھل جائے گا کہ یہ کوئی جھوٹی بات نہ تھی۔ نہ اسے کوئی ٹلا سکے گا۔ نہ واپس کر سکے گا اور لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَبْعَثُ (النحل۔ ۳۸) وغیرہ کے جھوٹے دعوے سب ختم ہو جائیں۔ کوئی شخص جھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولناک سختیوں کو گھٹانا چاہے یہ بھی نہ ہو گا۔

۲۔ قیامت بلند اور پست کر نیوالی ہے: یعنی ایک گروہ کو نیچے لے جاتی ہے اور ایک گروہ کو اوپر اٹھاتی ہے۔ بڑے بڑے متکبروں کو جو دنیا میں بہت معزز اور سر بلند سمجھے جاتے تھے اسفل السافلین کی طرف دھکیل کر دوزخ میں پہنچا دے گی اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں پست اور حقیر نظر آتے تھے، ایمان و عمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کرے گی۔

۳۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے: یعنی زمین مین سخت زلزلہ آئیگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑتے پھریں گے۔

۴۔ قیامت میں انسانوں کی تین قسمیں: یعنی وقوع قیامت کے بعد کل آدمیوں کی تین قسمیں کر دی جائیں گی۔ دوزخی، عام جنتی، اور خواص مقررین جو جنت کے نہایت اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔ آگے تینوں کا مجملاً ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان کے احوال کی تفصیل بیان ہوگی۔

۵۔ دائیں اور بائیں والے: یعنی جو لوگ عرش عظیم کے داہنی طرف ہونگے جن کو اخذ بیثاق کے وقت آدم کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا۔ اور ان کا اعمال نامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی خوبی اور یمن و برکت کا کیا کہنا، شب معراج میں حضور ﷺ نے ان ہی کی نسبت دیکھا تھا کہ حضرت آدم اپنی داہنی طرف نظر کر کے ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

۶۔ یہ لوگ آدم کے بائیں پہلو سے نکالے گئے، عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے۔ اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے دائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے، ان کی نحوست اور بد بختی کا کیا ٹھکانا۔

۷۔ سابقین اولین: یعنی جو لوگ کمالات علیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ کر اصحاب یمین سے آگے نکل گئے۔ وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب و جاہت میں بھی سب سے آگے ہیں۔ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ وَالصَّالِحُونَ وَالشُّهَدَاءُ يُكُونُونَ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِمْ عَمَّا وَجَلَّ كَمَا قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ۔

۸۔ اولین اور آخرین کی تفسیر: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”پہلے کہا، پہلی امتوں کو، اور پچھلی یہ امت (محمدیہ) یا پہلے پچھلے اسی امت کے (مراد ہوں) یعنی اعلیٰ درجہ کے لوگ پہلے بہت ہو چکے ہیں۔ پیچھے کم ہوتے ہیں۔“ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں یہ دونوں احتمال بیان کئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی اور روح المعانی میں طبرانی وغیرہ سے ایک حدیث ابو بکرہ کی بسند حسن نقل کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے آیت کے متعلق فرمایا هُنَا جَمِيعًا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ۔ واللہ اعلم۔ ابن کثیر نے ایک تیسرا مطلب آیت کا بیان کیا ہے۔ احقر کو وہ پسند ہے۔ یعنی ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقررین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں، پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔ کما قال ﷺ خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ہاں اگر ابو بکرہ کی حدیث صحیح ہو جیسا کہ روح المعانی میں ہے تو ظاہر ہے وہ ہی مطلب متعین ہو گا۔

۹۔ اہل جنت کے احوال: جو سونے کے تاروں سے بنے گئے ہیں۔

۱۰۔ یعنی نشست ایسی ہوگی کہ کسی ایک کی پیٹھ دوسرے کی طرف نہ رہے گی۔

۱۱۔ یعنی خدمت کے لئے لڑکے ہونگے جو سدا ایک حالت پر رہیں گے۔

۱۲۔ جنت کی شراب: یعنی نھری اور صاف شراب جس کے قدرتی چشمے جاری ہونگے اس کے پینے سے نہ سر گرانی ہوگی نہ بکواس لگے گی کیونکہ اس میں نشہ نہ ہو گا۔ خالص سرور اور لذت ہوگی۔

۱۳۔ یعنی جس وقت جو میوہ پسند ہو اور جس قسم کا گوشت مرغوب ہو بدون محنت و تعب کے پہنچے گا۔

۱۴۔ گوشت اور میوے: یعنی صاف موتی کی طرح جس پر گر دو غبار کا ذرا بھی اثر نہ آیا ہو۔

۱۵۔ یعنی لغو اور واہیات باتیں وہاں نہیں ہوں گی نہ کوئی جھوٹ بولے گا، نہ کسی پر جھوٹی تہمت رکھے گا۔ بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آئیں گی۔ یعنی جنتی ایک دوسرے کو اور فرشتے جنتیوں کو سلام کریں گے۔ اور رب کریم کا سلام پہنچے گا جو بہت ہی بڑے اعزاز و اکرام

کی صورت ہے اور سلام کی یہ کثرت اس کی طرف اشارہ ہے کہ اب یہاں پہنچ کر تم تمام آفات اور مصائب سے محفوظ اور صحیح و سالم رہو گے۔ نہ کسی طرح کا آزار پہنچے گا نہ موت آئی گی نہ فنا۔

۱۶۔ جو قسم قسم کے مزہ دار پھلوں سے لدے ہوں گے۔

۱۷۔ جنت کا موسم: یعنی نہ دھوپ ہو گی نہ گرمی سردی لگے گی۔ نہ اندھیرا ہو گا۔ صبح کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے جیسا درمیانی وقت ہوتا ہے ایسا معتدل سایہ سمجھو اور لنبہا پھیلا ہوا اتنا کہ بہترین تیز رفتار گھوڑا سو برس تک متواتر چلتا رہے تو ختم نہ ہو۔

۱۸۔ جنت کے پھل: بہت قسم کا میوہ، نہ پہلے اس میں سے کسی نے توڑا نہ دنیا کے موسمی میووں کی طرح آئندہ ختم ہونے اس کے لینے میں کسی قسم کی روک ٹوک پیش آئے۔

۱۹۔ جنت کے فرش: یعنی بچھ دیز اور اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی۔

۲۰۔ جنت کی عورتیں: یعنی حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں ملیں گی وہاں ان کی پیدائش اور اٹھان خدا کی قدرت سے ایسا ہو گا کہ ہمیشہ خوبصورت جوان بنی رہیں گی۔ جن کی باتوں اور طرز و انداز پر بیساختہ پیار آئے اور سب کو آپس میں ہم عمر رکھا جائے گا اور ان کے ازواج کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔

۲۱۔ یعنی اصحاب یمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بھی ان کی بہت کثرت ہو گی۔

۲۲۔ دوزخ کے مختلف احوال: یعنی دوزخ کی آگ سے کالا دھواں اٹھے گا۔ اس کے سایہ میں رکھے جائیں گے۔ جس سے کوئی جسمانی یا روحانی آرام نہ ملے گا۔ نہ ٹھنڈک پہنچے گی۔ نہ وہ عزت کا سایہ ہو گا۔ ذلیل و خوار اس کی تپش میں بھٹتے رہیں گے۔ یہ ان کی دنیوی خوشحالی کا جواب ہوا جس کے غرور میں اللہ اور رسول سے ضد باندھی تھی۔

۲۳۔ یعنی وہ بڑا گناہ کفر و شرک ہے اور تکذیب انبیاء یا جھوٹی قسمیں کھا کر یہ کہنا کہ مرنے کے بعد ہرگز کوئی زندگی نہیں۔ مکا قال تعالیٰ وَ اَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوتُ (نحل-۳۸)۔

۲۴۔ گناہ پر کفار کا اصرار: جو ہم سے بھی بہت پہلے مر چکے۔ یعنی یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

۲۵۔ یعنی قیامت کے دن جس کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے۔

۲۶۔ دوزخیوں کا کھانا: یعنی جب بھوک سے مضطرب ہو گے تو یہ درخت کھانے کو ملے گا اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑے گا۔

۲۷۔ کھولتا ہو پانی: یعنی گرمی میں تو نسا ہوا اونٹ جیسے پیاس کی شدت سے ایک دم پانی چڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہ ہی حال دوزخیوں کا ہو گا لیکن وہ گرم پانی جب منہ کے قریب پہنچائیں گے تو منہ کو بھون ڈالے گا اور پیٹ میں پہنچے گا تو آنتیں کٹ کر باہر آ پڑیں گی (العیاذ باللہ)۔

۲۸۔ یعنی انصاف کا متفقہا یہ ہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے۔

۵۷۔ ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ ماننے [۲۹]

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تَصَدَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۸۔ بھلا دیکھو تو جو پانی تم ٹپکاتے ہو

اَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَسْنُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۹۔ اب تم اُسکو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے [۳۰]

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَہَا اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

۶۰۔ ہم ٹھہرا چکے تم میں مرنا<sup>[۳۱]</sup> اور ہم عاجز نہیں

نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ

بِسَبُوقَيْنَ ﴿٦٠﴾

۶۱۔ اس بات سے کہ بدلے میں لے آئیں تمہاری طرح کے لوگ اور اٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں جہاں تم نہیں جانتے<sup>[۳۲]</sup>

عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا

تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

۶۲۔ اور تم جان چکے ہو پہلا اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے<sup>[۳۳]</sup>

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

۶۳۔ بھلا دیکھو تو جو تم بولتے ہو

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾

۶۴۔ کیا تم اُسکو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے<sup>[۳۴]</sup>

ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهَا أَمْ نَحْنُ الزُّرْعُونَ ﴿٦٤﴾

۶۵۔ اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اُسکو روندنا ہو اگھانس پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾

۶۶۔ ہم تو قرضدار رہ گئے

إِنَّا لَبُعْرَمُونَ ﴿٦٦﴾

۶۷۔ بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے<sup>[۳۵]</sup>

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾

۶۸۔ بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾

۶۹۔ کیا تم نے اتارا اُسکو بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے<sup>[۳۶]</sup>

ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْبُرْنِ أَمْ نَحْنُ الْبُنْزِلُونَ ﴿٦٩﴾

۷۰۔ اگر ہم چاہیں کر دیں اُسکو کھارا پھر کیوں نہیں احسان مانتے<sup>[۳۷]</sup>

لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾

۷۱۔ بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾

۷۲۔ کیا تم نے پیدا کیا اُس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے<sup>[۳۸]</sup>

ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٧٢﴾



۷۳۔ ہم نے ہی تو بنایا وہ درخت یاد دلانے کو [۳۹] اور برتنے کو جنگل والوں کے [۴۰]

نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا وَ مَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ﴿۷۳﴾

۷۴۔ سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا [۴۱]

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾

۲۹۔ یعنی اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ پہلے بھی اس نے پیدا کیا اور وہ ہی دوبارہ پیدا کر دے گا۔

۳۰۔ انسان کا خالق کون ہے: یعنی رحم مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے۔ وہاں تو تمہارا کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے۔

۳۱۔ یعنی جلا نا مناسب ہمارے قبضے میں ہے۔ جب وجود عدم کی باگ ہمارے ہاتھ میں ہوئی تو مرنے کے بعد اٹھا دینا کیا مشکل ہو گا۔

۳۲۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی تم کو اور جہان میں لیجائیں، تمہاری جگہ یہاں اور خلقت بسادیں۔“

۳۳۔ یعنی پہلی پیدائش کو یاد کر کے دوسری کو بھی سمجھ لو۔

۳۴۔ زمین سے تم اگاتے ہو یا ہم: یعنی بظاہر بیج زمین میں تم ڈالتے ہو لیکن زمین کے اندر اس کی پرورش کرنا پھر باہر نکال کر ایک لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے اس کے متعلق تو ظاہری اور سطحی دعویٰ بھی تم نہیں کر سکتے کہ ہماری تیار کی ہوئی ہے۔

۳۵۔ زمین سے تم اگاتے ہو یا ہم: یعنی کھیتی پیدا کرنے کے بعد اس کا محفوظ اور باقی رکھنا بھی ہمارا ہی کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے پھر تم سر پکڑا کر روؤ اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا بھاری نقصان ہو گیا۔ بلکہ سچ پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔

۳۶۔ بارش تم برساتے ہو یا ہم: یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے اور زمین کے خزانوں میں وہ پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں۔ تم کو کیا قدرت تھی کہ پانی بنا لیتے یا خوشامد اور زبردستی کر کے بادل سے چھین لیتے۔

۳۷۔ بیٹھے پانی کی نعمت: یعنی ہم چاہیں تو بیٹھے پانی کو بدل کر کھاری کڑوا بنا دیں جو نہ پی سکو نہ کھیتی کے کام آئے۔ پھر احسان نہیں مانتے کہ ہم نے بیٹھے پانی کے کتنے خزانے تمہارے ہاتھ دے رکھے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ پانی پی کر فرماتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَقَانَا هٰذَا عَذْبًا فَرَاتًا بِرَحْمَتِهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اَجَابًا بَدُنُنَا (ابن کثیر)۔

۳۸۔ عرب میں کئی درخت سبز ایسے ہیں جن کو رگڑنے سے آگ نکلتی ہے جیسے ہمارے ہاں بانس، پہلے سورہ ”یس“ میں اس کا بیان ہو چکا۔ یعنی ان درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے۔ تم نے یا ہم نے۔

۳۹۔ نصیحت پکڑو: یعنی یہ آگ دیکھ کر دوزخ کی آگ یاد کریں کہ یہ بھی اسی کا ایک حصہ اور ادنیٰ نمونہ ہے اور سوچنے والے کو یہ بات بھی یاد آسکتی ہے کہ جو خدا سبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہو گا۔

۴۰۔ جنگل والوں اور مسافروں کو آگ سے بہت کام پڑتا ہے۔ خصوصاً جاڑے کے موسم میں۔ اور یوں تو سب ہی کا کام اس سے چلتا ہے۔ (تنبیہ) بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب سمجھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کو تلاوت کرنے کے بعد کہے بِنِ اَنْتَ يَا رَبِّ۔

۴۱۔ ان نعمتوں کا شکر کرو: جس نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں اور خالص اپنے فضل و احسان سے ہم کو منتفع کیا اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور منکرین کی گھڑی ہوئی خرافات سے اس کی اور اس کے نام مبارک کی پاکی بیان کرنا چاہیے۔ تعجب ہے کہ لوگ ایسی آیات باہرہ دیکھنے کے بعد بھی اس کی قدرت و وحدانیت کو کما حقہ نہیں سمجھتے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِبَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ سو میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کی [۴۲]

وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَّعَلَّوْنَ عَظِيمٌ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ بیشک یہ قرآن ہے عزت والا

فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں

لَّا يَسُئُهُ إِلَّا الُّبْطَهَرُونَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اُس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں [۴۳]

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَلْبِيِّنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اتارا ہوا ہے اپنے پروردگار عالم کی طرف سے [۴۴]

أَفْبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اب کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو

وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْكُمْ تُكذِّبُونَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور اپنا حصہ تم بھی لیتے ہو کہ اُسکو جھٹلاتے ہو [۴۵]

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے حلق کو

وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہو

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور ہم اُسکے پاس ہیں تم سے زیادہ پر تم نہیں دیکھتے

فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ پھر کیوں نہیں اگر تم نہیں ہو کسی کے حکم میں

تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ تو کیوں نہیں پھیر لیتے اُس روح کو اگر ہو تم سچے [۴۶]

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ سو جو اگر وہ مردہ ہو امقرب لوگوں میں

فَرَوْحٌ وَرِيحَانٌ ۖ وَجَنَّاتٍ نَّعِيمٍ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغِ نعمت کا

وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَبِينِ ﴿٩٠﴾

۹۰۔ اور جو اگر وہ ہو اداہنے والوں میں

فَسَلَّمَ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَبِينِ ﴿٩١﴾

۹۱۔ تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے [۴۷]

وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ الضَّالِّينَ ﴿٩٢﴾

۹۲۔ اور جو اگر وہ ہو اچھٹلانے والوں بہکنے والوں میں سے

فَنُزِّلُ مِنْ حَبِيمٍ ﴿٩٣﴾

۹۳۔ تو مہمانی ہے جلتا پانی

وَتَصْلِيَةٌ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾

۹۴۔ اور ڈالنا آگ میں [۴۸]

إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿٩٥﴾

۹۵۔ بیشک یہ بات یہی ہے لائق یقین کے [۴۹]

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

۹۶۔ سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا ہے [۵۰]

۴۲۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موضح) یا آیات قرآن کے اترنے کی آسمان سے زمین پر، آہستہ آہستہ، تھوڑی تھوڑی۔

۴۳۔ قرآن کو چھونے کے آداب: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی فرشتے اس کتاب کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ کتاب یہ ہی قرآن لکھا ہوا ہے فرشتوں کے ہاتھوں میں یا لوح محفوظ میں۔" اور بعض نے لایسٹسہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ، یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں۔ وہ ہی اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک رسائی پاسکتے ہیں۔ یا اس قرآن کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ یعنی بدون وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اس وقت لایسٹسہ کی نفی نہی کے لئے ہوگی۔

۴۴۔ رب العالمین کا نازل کردہ کلام: یعنی یہ کوئی جادو ٹوکا نہیں نہ کاہنوں کی زٹیل اور بے سرو پابا تیں ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں بلکہ بڑی مقدس و معزز کتاب ہے، جو رب العالمین نے عالم کی ہدایت و تربیت کے لئے اتاری، جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام قائم کیا، یہ ستارے ایک اٹل قانون کے ماتحت اپنے روزانہ غروب سے اسی کی عظمت و وحدانیت اور قاہرانہ تصرف و اقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں (کما حقہ ابراہیم علی قومہ) اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ و برتر ہستی اور سلطہ غیبیہ کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہ ہی اکیلا زمین، بادل، پانی، آگ، ہوا، مٹی اور کائنات کے ذرے ذرے کا مالک و خالق ہو گا۔ کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو پہلے رکوع میں بیان ہوئے ہیں۔ اور کیا ایک عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھ سکتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی جو قرآن کریم اور اس کی آیات یا تمام کتب و صحف سماویہ سے عبارت ہے، اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت و رحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا۔ وہ ہی پاک خدا ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا۔ اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے۔ کس کی مجال ہے جو اس کو بدل سکے یا غائب کر دے۔ اس کے انوار اور شعاعیں ان ہی دلوں میں پوری طرح منعکس ہوتی ہیں جو مانجھ کر پاک و صاف کر لئے جائیں۔

۳۵۔ کفار کی تکذیب اور ناشکری: یعنی کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے منتفع ہونے میں تم سستی اور کاہلی کرو۔ اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو، جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آگیا تھا اس سے بارش ہوگی۔ گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح اس بارانِ رحمت کی قدر نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں، سخت بد بختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک نعمت کی شکر گزاری یہ ہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔

۳۶۔ کیا تم کسی کے قابو میں نہیں ہو: یعنی ایسی بے فکری اور بے خونی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو، گویا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار ہی میں نہیں، یا کبھی مرنا اور خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ اچھا جس وقت تمہارے کسی عزیز و محبوب کی جان نکلنے والی ہو، سانس حلق میں اٹک جائے، موت کی سختیاں گذر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور درماندگی کا تماشا دیکھتے ہو، اور دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے اگر تم کسی دوسرے کے قابو میں نہیں تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان کو اپنی طرف نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل ناخو استہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو دنیا کی طرف واپس لا کر اسے آئیو الی سزا سے کیوں بچا نہیں لیتے۔ اگر اپنے دعووں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ۔

۳۷۔ مقررین اور اصحابِ یمین: یعنی تم ایک منٹ کے لئے نہیں روک سکتے۔ اس کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری ہے۔ اگر وہ مردہ مقررین میں سے ہو گا تو اعلیٰ درجہ کی روحانی و جسمانی راحت و عیش کے سامانوں میں پہنچ جائے گا۔ اور "اصحابِ یمین" میں سے ہو اتب بھی کچھ کھکا نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یعنی خاطر جمع رکھ ان کی طرف سے" یا یہ مطلب ہے کہ اصحابِ یمین کی طرف سے اس کو سلام پہنچے گا۔ یا اس کو کہا جائے گا کہ تیرے لئے آئندہ سلامتی ہی سلامتی ہے، اور تو "اصحابِ یمین" میں شامل ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ موت سے پہلے ہی مر نیوالے کو یہ بشارتیں مل جاتی ہیں۔ اور اسی طرح مجرموں کو ان کی بد حالی کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔

۳۸۔ یعنی اس کا انجام یہ ہو گا اور مرنے سے پہلے اس کی خبر سنا دی جائے گی۔

۳۹۔ آخرت کی یہ تمام خبریں سچی ہیں: یعنی تمہاری تکذیب سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ اس سورت میں مؤمنین اور مجرمین کی خبر دی گئی ہے بالکل یقینی ہے، اسی طرح ہو کر رہے گا۔ خواہ مخواہ شبہ پیدا کر کے اپنے نفس کو دھوکا نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری کرو۔

۵۰۔ اللہ کی تسبیح میں مشغول رہو: یعنی تسبیح و تحمید میں مشغول رہو کہ یہ ہی وہاں کی بڑی تیاری ہے اس نیک مشغلہ میں لگ کر مکذبین کی دل آزار بیہودگیوں سے بھی یکسوئی رہتی ہے اور ان کے باطل خیالات کا رد بھی ہوتا ہے۔ یہاں سورت کے خاتمہ پر جی چاہتا ہے کہ وہ حدیث نقل کر دیجائے جس پر امام بخاری نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْبَيْزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

تم سورۃ الواقعة و اللہ الحمد والمنة

آیاتھا ۲۹

رکوعاتھا ۴

۵۷ سُورَةُ الْحَدِيدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں [۱] اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا

الْحَكِيمُ ﴿۱﴾

۲۔ اُسی کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے [۲]

هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲﴾

۳۔ وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا [۳] اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ جانتا ہے [۴]

شَيْءٍ عَلَيْهِمْ ﴿۳﴾

۴۔ وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر [۵] جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اُس سے نکلتا ہے [۶] اور جو کچھ اترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے [۴] اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اُسکو دیکھتا ہے [۸]

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۗ يُعَلِّمُ مَا يَلْبِغُ فِي الْأَرْضِ ۗ وَ

مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ ۗ وَمَا يَعْرُجُ

فِيهَا ۗ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴﴾

۵۔ اُسی کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا اور اللہ ہی تک پہنچنے ہیں سب کام [۹]

لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

الْأُمُورُ ﴿۵﴾

۶۔ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن

کورات میں [۱۰] اور اُسکو خبر ہے جیوں کی بات کی [۱۱]

يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَ

هُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٦﴾

۱۔ ہر شے تسبیح کرتی ہے: یعنی زبان حال سے یا قال سے یا دونوں سے۔

۲۔ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے: یعنی آسمان و زمین میں سب جگہ اسی کا حکم اور اختیار چلتا ہے ایجاد و اعدام کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی طاقت اس کے تصرف تکوینی کو روک نہیں سکتی۔

۳۔ جب کوئی نہ تھا، وہ موجود تھا، اور کوئی نہ رہے وہ موجود رہے گا۔

۴۔ اللہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی: ہر چیز کا وجود و ظہور اس کے وجود سے ہے۔ لہذا اس کا وجود اگر ظاہر و باہر نہ ہو تو اور کس کا ہو گا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کی کُنہ ذات اور حقائق صفات تک عقل و ادراک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کر سکتا نہ اپنے قیاس و رائے سے اس کی کچھ کیفیت بیان کر سکتا ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ بہر حال وہ اندر بھی باہر بھی، ظاہر بھی باطن بھی، کھلے اور چھپے ہر قسم کے احوال کا جاننے والا ہے۔ ظاہر (بمعنی غالب) ایسا کہ اس سے اوپر کوئی قوت نہیں۔ باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقع نہیں جہاں اس کی آنکھ سے ادجھل ہو کر پناہ مل سکے۔ ففی الحدیث وانت الظاہر فلیس فوقک شیءٌ وانت لباطن فلیس دونک شیءٌ۔

۵۔ اس کا بیان سورۃ اعراف میں آٹھویں پارے کے ختم سے کچھ پہلے گذر چکا ہے۔

۶۔ مثلاً بارش کا پانی اور بیج زمین کے اندر جاتا ہے۔ اور کھیتی درخت وغیرہ اس سے باہر نکلتے ہیں۔ اس کا بیان سورۃ "سبا" میں گذر چکا۔

۷۔ آسمان کی طرف سے اترتے ہیں فرشتے، احکام، قضاء قدر کے فیصلے، اور بارش وغیرہ اور چڑھتے ہیں بندوں کے اعمال اور ملائکہ اللہ۔

۸۔ ہر جگہ اللہ تمہارے ساتھ ہے: یعنی کسی وقت تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں ہو، وہ خوب جانتا ہے اور تمام کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔

۹۔ زمین و آسمان میں اللہ کی حکومت: یعنی اس کی قلمرو سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے۔ تمام آسمان و زمین میں اسی اکیلے کی حکومت ہے اور آخر کار سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہو گا۔

۱۰۔ اللہ کی قدرت اور علم: یعنی کبھی دن کو گھٹا کر رات بڑی کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس رات کو گھٹا کر دن بڑا کر دیتا ہے۔

۱۱۔ یعنی دلوں میں جو نیتیں اور ارادے پیدا ہوں یا خطرات و وساوس آئیں، وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

۷۔ یقیناً لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور خرچ کرو اُس میں

سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کر کر [۱۲] سو جو

لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اُنکو بڑا

ثواب ہے [۱۳]

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَانْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ

مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ

انْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿٧﴾

۸۔ اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر ہو تم ماننے والے [۱۴]

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ يَدْعُوكُمْ  
لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾

۹۔ وہی ہے جو اتار تا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا ہے مہربان [۱۵]

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ  
لِّيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ

بِكُمْ لَرَعُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۹﴾

۱۰۔ اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی کو بیخ رہتی ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں [۱۶] برابر نہیں تم میں جس نے کہ خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے [۱۷] اور لڑائی کی اُن لوگوں کا درجہ بڑا ہے اُن سے جو کہ خرچ کریں اُسکے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا [۱۸] اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو [۱۹]

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لِلَّهِ  
مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ  
مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ ۗ أُولَٰئِكَ

أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَ  
قَتَلُوا ۗ وَ كَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَاللَّهُ بِمَا

تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ کون ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو اچھی طرح پھر وہ اُسکو دونا کر دے اُسکے واسطے اور اُسکو ملے ثواب عزت کا [۲۰]

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا

فَيُضِعُّهُ لَهُ ۗ وَ لَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ تم مال کے مالک نہیں، بلکہ نائب ہو: یعنی جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے اس کا مالک اللہ ہے۔ تم صرف امین اور خزانچی ہو۔ لہذا جہاں وہ مالک بتلائے وہاں اس کے نائب کی حیثیت سے خرچ کرو۔ اور یہ بھی ملحوظ رکھو کہ پہلے یہ مال دوسروں کے ہاتھ میں تھا ان کے جانشین تم بنے۔ ظاہر ہے تمہارا جانشین کوئی اور بنایا جائے گا۔ پھر جب معلوم ہے کہ یہ چیز نہ پہلوں کے پاس رہی نہ تمہارے پاس رہے گی، تو ایسی زائل و فانی چیز سے

اتبادل لگانا مناسب نہیں کہ ضروری اور مناسب مواقع میں بھی آدمی خرچ کرنے سے کترائے۔

۱۳۔ لہذا ضروری ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفت و خصلت موجود نہیں، اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں اور ایمان کے مقتضی پر عمل رکھیں۔

۱۴۔ اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے: یعنی اللہ پر ایمان لانے یا یقین و معرفت کے راستوں پر چلتے رہنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ اور اس معاملہ میں سستی یا تقاعد کیوں ہو جبکہ خدا کا رسول تم کو کسی اجنبی اور غیر معقول چیز کی طرف نہیں، بلکہ تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا اعتقاد تمہاری اصل فطرت میں ودیعت کر دیا گیا اور جس کی ربوبیت کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ چنانچہ آج تک اس اقرار کا کچھ نہ کچھ اثر بھی قلوبِ بنی آدم میں پایا جاتا ہے۔ پھر دلائل و براہین اور ارسال و رسل کے ذریعہ سے اس ازلی عہد و پیمان کی یاد دہانی اور تجدید بھی کی گئی۔ اور انبیائے سابقین نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کا اتباع کریں گے۔ اور تم میں بہت سے وہ بھی ہیں جو خود نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر سماع و طاعت اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ امور ایمانیہ پر کار بند رہنے کا پکا عہد کر چکے ہیں۔ پس ان مبادی کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے۔

۱۵۔ قرآن کفر و جہل کے اندھیروں سے نکالنے کے لئے ہے: یعنی قرآن اتارا اور صداقت کے نشان دیئے تا ان کے ذریعہ سے تم کو کفر و جہل کی اندھیروں سے نکال کر ایمان و علم کے اجالے میں لے آئے۔ یہ اللہ کی بہت ہی بڑی شفقت اور مہربانی ہے، اگر سختی کرتا تو ان ہی اندھیروں میں پڑا چھوڑ کر تم کو ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا۔

۱۶۔ اللہ کی راہ میں کیوں خرچ نہیں کرتے: یعنی مالک فنا ہو جاتا ہے اور ملک اللہ کا بیج رہتا ہے اور ویسے تو ہمیشہ اسی کا مال تھا۔ پھر اس کے مال میں سے اس کے حکم کے موافق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہو؟ خوشی اور اختیار سے نہ دو گے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا۔ بندگی کا اقتضاء یہ ہے کہ خوشدلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر و فلاس سے نہ ڈرے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہے۔ کیا اس کے راستہ میں خوشدلی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہیگا؟ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ انْقِلَابًا۔

۱۷۔ فتح مکہ سے پہلے کے مسلمانوں کا درجہ: اور بعض نے فتح سے مراد صلح حدیبیہ لی ہے۔ اور بعض روایات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

۱۸۔ یعنی یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا یا آخرت میں دیگا، لیکن جن مقدور والوں نے ”فتح مکہ“ یا ”حدیبیہ“ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ بڑے درجے لے اڑے، بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے۔ اور دنیا کا فروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال و غنائم وغیرہ کی توقعات بہت کم۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان و مال لٹا دینا بڑے اولو العزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔ فرضی اللہ عنہم و رضوانہ و رزقنا اللہ اتبنا ہم و حسبہ۔ امین۔

۱۹۔ یعنی اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں اخلاص کا وزن کتنا ہے اپنے اسی علم کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

۲۰۔ کون ہے جو اللہ کو قرض دے: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”قرض کے معنی یہ کہ اس وقت جہاد میں خرچ کرو۔ پھر تم ہی دولتیں برتو گے (اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤ گے)۔ یہ ہی معنی ہیں دو نے کے۔ ورنہ مالک میں اور اور غلام میں سود بیان نہیں۔ جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا۔“



۱۲۔ جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو دوڑتی ہوئی چلتی ہے انکی روشنی اُنکے آگے اور ان کے داسنے [۲۱] خوشخبری ہے تم کو آج کے دن باغ ہیں کہ نیچے بہتی ہیں جگے نہریں سدا رہو اُن میں یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد یعنی [۲۲]

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ  
بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّتُ  
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾

۱۳۔ جس دن کہیں گے دغا باز مرد اور عورتیں ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری ہم بھی روشنی لے لیں تمہارے نور سے کہ کوئی کہے گالوٹ جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈ لو روشنی پھر کھڑی کر دی جائے اُنکے بیچ میں ایک دیوار جس میں ہو گا دروازہ اُس کے اندر رحمت ہو گی اور باہر کی طرف عذاب [۲۳]

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا  
انظرونا نقتبس من نوركم قيل ارجعوا  
ورآءكم فالتبسوا نورًا فضرب بينهم سورًا  
بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ

الْعَذَابُ ﴿١٣﴾

۱۴۔ یہ اُن کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ [۲۴] کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے بچا دیا اپنے آپ کو اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آپہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے اُس دغا باز نے [۲۵]

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ  
فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ  
الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿١٤﴾

۱۵۔ سو آج تم سے قبول نہ ہو گا فدیہ دینا اور نہ منکروں سے تم سب کا گھر دوزخ ہے وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جانچنے [۲۶]

فَالْيَوْمَ لَا يُوْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ  
كَفَرُوا مَأْوَاكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ

الْبَصِيرُ ﴿١٥﴾

۱۶۔ کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑ گڑائیں اُنکے دل اللہ کی یاد سے اور جو اتر ہے سچا دین [۲۷] اور نہ ہوں اُن جیسے جنکو کتاب ملی تھی اس سے پہلے پھر دراز گزری ان پر مدت پھر سخت ہو گئے اُنکے دل اور بہت اُن میں نافرمان ہیں [۲۸]

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۗ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ

فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿١٦﴾

۱۷۔ جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اُسکے مرجانے کے بعد ہم نے کھول کر سنا دیے تم کو پتے اگر تم کو سمجھ ہے [۲۹]

إِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد اور عورتیں اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح اُنکو ملتا ہے دونا اور اُنکو ثواب ہے عزت کا [۳۰]

إِنَّ الْبَصَدِيقِينَ وَالْبَصَدِيقَتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعْفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اُسکے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور لوگوں کا احوال بتلانے والے اپنے رب کے پاس اُنکے واسطے ہے اُن کا ثواب اور اُنکی روشنی [۳۱] اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں کو وہ ہیں دوزخ کے لوگ [۳۲]

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۗ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾

۲۱۔ پل صراط پر ایمان و اعمال کی روشنی: میدانِ حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے سخت اندھیرا ہو گا تب اپنے ایمان اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہوگی۔ شاید ایمان کی روشنی جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنے کیونکہ نیک عمل داہنی طرف جمع ہوتے ہیں۔ جس درجہ کا کسی کا ایمان و عمل ہو گا اسی درجہ کی روشنی ملے گی۔ اور غالباً اس امت کی روشنی اپنے نبی کے طفیل دوسری امتوں کی روشنی سے زیادہ صاف اور تیز ہوگی۔ بعض روایات سے بائیں جانب بھی روشنی کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب شاید یہ ہو گا کہ روشنی کا اثر ہر طرف پہنچے گا۔ واللہ اعلم۔

۲۲۔ کیونکہ جنت اللہ کی خوشنودی کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔

۲۳۔ مومنین اور منافقین کے درمیان دیوار: یعنی مومنین اور منافقین کے بیچ میں دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہو گا۔ اس دروازہ سے مومن جنت کی طرف جا کر منافقوں کی نظر سے اوچھل ہو جائیں گے۔ دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہو گا اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الہی کا منظر دکھائی دے گا۔

۲۴۔ منافقوں کی مومنوں سے التجا: قصہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے کافر پل صراط پر نہیں چلیں گے۔ بلکہ پہلے ہی دوزخ میں اس کے دروازوں سے دھکیل دیئے جائیں گے ہاں جو کسی نبی کی امت میں ہیں سچے یا کچے انہیں پل صراط سے گزرنے کا حکم ہو گا۔ اس پر چڑھنے سے پہلے ایک سخت اندھیری لوگوں کو گھیر لے گی۔ اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہو گی۔ منافق بھی ان کی روشنی میں پیچھے پیچھے چلنا چاہیں گے لیکن مومن جلد آگے بڑھ جائیں گے اس لئے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی۔ تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہرو، ہم کو اندھیرے میں پیچھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ تھوڑا انتظار کرو کہ ہم بھی تم سے مل جائیں اور تمہاری روشنی سے استفادہ کریں۔ آخر ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی بظاہر مسلمانوں میں ہوتا تھا اب اس مصیبت کے وقت ہم کو اندھیرے میں پڑا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا رفاقت کا حق یہ ہی ہے۔ جو اب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو وہاں سے لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے اتنے میں دیوار دونوں فریق کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ یعنی روشنی دنیا میں کمائی جاتی ہے وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے، یا پیچھے سے وہ جگہ مراد ہو جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔

۲۵۔ منافقین کو مسلمانوں کا جواب: یعنی بیشک دنیا میں بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے اور زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ لذات و شہوات میں پڑ کر تم نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نفس کو دھوکا دے کر ہلاکت میں ڈالا۔ پھر توبہ نہ کی بلکہ راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور دین کے متعلق شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ یہ ہی دھوکا رہا کہ آگے ان منافقانہ چالوں کا کچھ نمایاں جھگٹنا نہیں۔ بلکہ یہ خیالات اور امیدیں پکالیں کہ چند روز میں اسلام اور مسلمانوں کا یہ سب قصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آخر ہم ہی غالب ہوں گے۔ رہا آخرت کا قصہ، سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔ ان ہی خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور موت نے آدبا یا اور اس بڑے دغا باز (شیطان) نے تم کو بہکا کر ایسا کھو دیا کہ اب سبیل رستگاری کی نہیں رہی۔

۲۶۔ آج کوئی فدیہ قبول نہیں ہو گا: یعنی بالفرض اگر آج تم (منافق) اور جو کھلے بندوں کافر تھے کچھ معاوضہ وغیرہ دیکر سزا سے بچنا چاہو تو اس کے منظور کئے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ بس تم سب کو اب اسی گھر میں رہنا ہے۔ یہ ہی دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے اور یہ ہی رفیق ہے کسی دوسرے سے رفاقت کی توقع مت رکھو۔

۲۷۔ دلوں کے گڑ گڑانے کا وقت آ گیا ہے: یعنی وقت آ گیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں۔ اور نرم ہو کر گڑ گڑانے لگیں۔

۲۸۔ اہل کتاب کی قساوتِ قلبی: یعنی ایمان وہ ہی ہے کہ دل نرم ہو۔ نصیحت اور خدا کی یاد کا اثر جلد قبول کرے۔ شروع میں اہل کتاب یہ باتیں پیغمبروں کی صحبت میں پاتے تھے۔ مدت کے بعد غفلت چھاتی گئی۔ دل سخت ہو گئے وہ بات نہ رہی۔ اکثروں نے سخت سرکشی اور نافرمانیاں شروع کر دیں۔ اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع لڑ کر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور اس مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچی تھی۔

۲۹۔ یعنی عرب لوگ جاہل اور گمراہ تھے جیسے مردہ زمین۔ اب اللہ نے ان کو ایمان اور علم کی روح سے زندہ کیا۔ اور ان میں سب کمال پیدا کر دیئے۔ غرض کسی مردہ سے مردہ انسان کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ سچی توبہ کر لے تو اللہ پھر اس کے قالب میں روح حیات پھونک دے گا۔

۳۰۔ اللہ کے لئے خرچ کرنے والوں کا اجر: یعنی جو اللہ کے راستہ میں خالص نیت سے اس کی خوشنودی کی خاطر خرچ کریں اور غیر اللہ سے کسی بدلہ یا شکر یہ کے طلبگار نہ ہوں گویا وہ اللہ کو قرض دیتے ہیں۔ سو اطمینان رکھیں کہ ان کا دیا ہوا ضائع نہ ہو گا۔ بلکہ کی گنا کر کے لوٹایا جائے گا۔

۳۱۔ سچے ایمان والوں کی شہادت: مترجم محقق نے بظاہر ”الشہداء“ کا عطف ”الضد یقون“ پر مانا ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر پوری طرح یقین لائے (اور اس یقین کا اثر ان کے اعمال و احوال میں ظاہر ہونا چاہیے) تو سچے اور پکے ایماندار یہ ہی ہیں۔ اور اللہ کے ہاں یہ ہی حضرات بطور گواہ کے دوسرے لوگوں کا حال بتلائیں گے۔ کما قال وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ (بقرہ - ۱۴۳) آخرت میں ان سچے ایمان داروں کو اپنے عمل اور درجہ ایمان کے موافق ثواب اور روشنی عطا ہوگی (آیت کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے مگر رعایت اختصار ان کے نقل کی اجازت نہیں دیتی۔)

۳۲۔ یعنی دوزخ اصل میں ان ہی کے لئے بنی ہے۔

۲۰۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی گنی یہی ہے کھیل اور تماشیا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتیت ڈھونڈنی مال کی اور اولاد کی جیسے حالت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اُس کا سبزہ پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہو گیا پھر ہو جاتا ہے روندنا ہوا گھاس اور آخرت میں سب عذاب ہے اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے مال دغا کا [۳۴]

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَ الْأَوْلَادِ ط  
كَشَلٍ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ط وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ط وَ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ رِضْوَانٌ ط  
مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف کو اور بہشت کو [۳۴] جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا [۳۵] تیار رکھی ہے واسطے اُنکے جو یقین لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر یہ فضل اللہ کا ہے دے اُسکو جسکو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے [۳۶]

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ رُسُلِهِ ط ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ط وَ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۱﴾

۳۳۔ حیاتِ نبوی کی مثال: آدمی کو اول عمر میں کھیل چاہئے، پھر تماشیا، پھر بناؤ سنگار (اور فیشن) پھر ساکھ بڑھانا اور نام و نمود حاصل کرنا پھر موت کے دن قریب آئیں تو مال و اولاد کی فکر کہ پیچھے میرا گھر بار بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے۔ مگر یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی اور زائل

ہیں۔ جیسے کھیت کی رونق و بہار چند روزہ ہوتی ہے پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اسکوروند کر چور کر دیتے ہیں۔ اس شادابی اور خوبصورتی کا نام و نشان نہیں رہتا۔ یہ ہی حال دنیا کی زندگانی اور اسکے ساز و سامان کو سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اسکی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں۔ وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا۔ یعنی ایمان اور عمل صالح۔ جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا، سمجھو بیڑا پار ہے۔ آخرت میں اسکے لئے مالک کی خوشنودی و رضامندی اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر و عصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اسکے لئے سخت عذاب۔ اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اسکے لئے جلد یادیر دھکے مکے کھا کر معافی ہے۔ دنیا کا خلاصہ وہ تھا آخرت کا یہ ہوا۔

۳۴۔ بخشش اور جنت کی طرف دوڑو: یعنی موت سے پہلے وہ سامان کر لو جس سے کوتاہیاں معاف ہوں اور بہشت ملے۔ اس کام میں سستی اور دیر کرنا مناسب نہیں۔

۳۵۔ یعنی آسمان اور زمین دونوں کو اگر ملا کر رکھا جائے تو اسکے برابر جنت کا عرض ہو گا۔ طول کتنا ہو گا؟ یہ اللہ ہی جانے۔

۳۶۔ یعنی ایمان و عمل بیشک حصول جنت کے اسباب ہیں۔ لیکن حقیقت میں ملتی ہے اللہ کے فضل سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو سزا سے چھوٹنا ہی مشکل ہے۔ جنت ملنے کا تو ذکر کیا۔

۲۲۔ کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اُسکو دنیا میں [۳۷] بیشک یہ اللہ پر آسان ہے [۳۸]

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِك عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اُس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ شیخی کیا کرو اُس پر جو تم کو اُس نے دیا [۳۹] اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اتزانے والا بڑائی مارنے والا

لَيَكِيلًا تَأْسُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ وہ جو کہ آپ نہ دیں اور سکھلائیں لوگوں کو بھی نہ دینا [۴۰] اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پروا سب خوبیوں کے ساتھ موصوف [۴۱]

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ مَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾

۳۷۔ ہر شے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے: ملک میں جو عام آفت آئے مثلاً قحط، زلزلہ وغیرہ اور خود تم کو جو مصیبت لاحق ہو مثلاً مرض وغیرہ وہ سب اللہ کے علم میں قدیم سے طے شدہ ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اسی کے موافق دنیا میں ظہور ہو کر رہے گا ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔

۳۸۔ یعنی اللہ کو ہر چیز کا علم ذاتی ہے کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا۔ پھر اپنے علم محیط کے موافق تمام واقعات و حوادث کو قبل از وقوع کتاب (لوح محفوظ) میں درج کر دینا اسکے لئے کیا مشکل ہے۔



ظالم و کجبر و معاندین پر اللہ و رسول کے احکام کا وقار و اقتدار قائم رکھا جائے۔ اس وقت شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنا اور ایک خالص دینی جہاد میں اسی لوہے سے کام لینا ہو گا۔ اس وقت کھل جائے گا کہ کونسے وفادار بندے ہیں جو بن دیکھے خدا کی محبت میں آخرت کے غائبانہ اجر و ثواب پر یقین کر کے اسکے دین اور اسکے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔

۳۶۔ یعنی جہاد کی تعلیم و ترغیب اسلئے نہیں دی گئی کہ اللہ کچھ تمہاری امداد و اعانت کا محتاج ہے۔ بھلا اس زو آور اور زبردست ہستی کو کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہو سکتی تھی۔ ہاں تمہاری وفاداری کا امتحان مقصود ہے۔ تاکہ جو بندے اس میں کامیاب ہوں انکو اعلیٰ مقامات پر پہنچایا جائے۔

۲۶۔ اور ہم نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو اور ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب [۴۷] پھر کوئی ان میں راہ پر ہے اور بہت ان میں نافرمان ہیں [۴۸]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَ

كَثِيرٌ مِنْهُمْ فُسِقُونَ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ پھر پیچھے بھیجے اُنکے قدموں پر اپنے رسول [۴۹] اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو اور اسکو ہم نے دی انجیل [۵۰] اور رکھ دی اُس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی [۵۱] اور ایک ترک کرنا دنیا کا جو انہوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے نہیں لکھا تھا یہ اُن پر مگر کیا چاہنے کو اللہ کی رضامندی پھر نہ نبایا اسکو جیسا چاہئے تھا نبایا [۵۲] پھر دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو اُن میں ایماندار تھے اُنکا بدلا اور بہت اُن میں نافرمان ہیں [۵۳]

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ ۗ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافَةً ۖ وَرَحْمَةً ۗ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ

مِنْهُمْ فُسِقُونَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اُسکے رسول پر دے گا تم کو دو حصے اپنی رحمت سے اور رکھ دے گا تم میں روشنی جس کو لئے پھر و اور تم کو معاف کرے گا اور اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان [۵۴]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَتَشَوَّنَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾

۲۹- تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پانہیں سکتے کوئی چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے جسکو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے [۵۵]

لَيْلًا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ  
مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ

مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

۴۷- نبوت اور حضرت نوح علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام کی ذریت: یعنی پیغمبری اور کتاب کیلئے ان دونوں کی نسل کو چن لیا کہ انکے بعد یہ دولت انکی ذریت سے باہر نہ جائے گی۔

۴۸- یعنی جن لوگوں کی طرف وہ بھیجے گئے تھے یا یوں کہو کہ ان دونوں کی اولاد میں سے بعضے راہ پر رہے اور اکثر نافرمان ثابت ہوئے۔

۴۹- یعنی پچھلے رسول ان ہی پہلوں کے نقش قدم پر تھے۔ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی۔

۵۰- یعنی آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ کو انجیل دیکر بھیجا۔

۵۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کی نرم دلی اور مہربانی: یعنی حضرت مسیح کے ساتھ جو واقعی انکے طریقہ پر چلنے والے تھے انکے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی، وہ خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔

۵۲- رہبانیت کی بدعت: یعنی آگے چل کر حضرت مسیح کے متبعین نے بے دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے منحصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی، جس کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا۔ مگر نیت انکی یہ ہی تھی کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ پھر اسکو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یہ فقیری اور تارک الدنیا بننا، نصاریٰ نے رسم نکالی، جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھے۔ نہ جو رو رکھتے نہ بیٹا، نہ کما تے نہ جوڑتے، محض عبادت میں لگے رہتے، خلق سے نہ ملتے، اللہ نے بندوں کو یہ حکم نہیں دیا (کہ اس طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھ رہیں) مگر جب اپنے اوپر ترک دنیا کا نام رکھا، پھر اس پر دے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے۔“ شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ و تعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستے میں نکلتا ہے۔ (تنبیہ) ”بدعت“ کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو۔ اور اسکو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔

۵۳- یعنی ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ اسی لئے خاتم الانبیاء ﷺ پر باوجود دل میں یقین رکھنے کے ایمان نہیں لاتے۔

۵۴- اتباع رسول کے ثمرات و انعامات: یعنی اس رسول کے تابع رہو کہ یہ نعمتیں پاؤ۔ گذشتہ خطاؤں کی معافی اور ہر عمل کا دونا ثواب، اور روشنی لئے پھرو۔ یعنی تمہارا وجود ایمان و تقویٰ سے نورانی ہو جائے۔ اور آخرت میں یہ ہی نور تمہارے آگے اور داہنی طرف چلے۔ (تنبیہ) احقر کے خیال میں یہ خطاب ان اہل کتاب کو ہے جو حضور ﷺ پر ایمان لاچکے تھے۔ اس تقریر پر وَاهِنُوا بِرَسُولِهِ سے ایمان پر ثبات و مستقیم رہنا مراد ہوگا۔ باقی اہل کتاب کو دونا ثواب ملنے کا کچھ بیان سورہ ”قصص“ میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۵۵- یعنی اہل کتاب پہلے پیغمبروں کے احوال سن کر پچھتاتے کہ افسوس ہم ان سے دور پڑ گئے۔ ہم کو وہ درجے ملنے محال ہیں جو نبیوں کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ سو یہ رسول، اللہ نے کھڑا کیا، اسکی صحبت میں پہلے سے دونا کمال اور بزرگی مل سکتی ہے۔ اور اللہ کا فضل بند نہیں ہو گیا۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحب نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ لیکن اکثر سلف سے یہ منقول ہے یہ یہاں لَيْلًا يَعْلَمَ بمعنی لَيْلًا يَعْلَمَ کے



ہے۔ یعنی تاکہ جان لیں۔ اہل کتاب (جو ایمان نہیں لائے) کہ وہ دسترس نہیں رکھتے اللہ کے فضل پر۔ اور فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے جس پر چاہے کر دے۔ چنانچہ اہل کتاب میں سے جو خاتم الانبیاء پر ایمان لائے ان پر یہ فضل کر دیا کہ انکو دگنا اجر ملتا ہے اور گزشتہ خطاؤں کی معافی اور روشنی مرحمت ہوتی ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے وہ ان انعامات سے محروم ہیں۔

تم سورۃ الحديد قلل الحمد والمنہ

آیاتها ۲۲

۵۸ سُورَةُ الْجَادِلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵

رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ سن لی اللہ نے بات اُس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی تھی اللہ کے آگے [۱] اور اللہ سنتا تھا سوال و جواب تم دونوں کا بیشک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے [۲]

قَدْ سَبَّحَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِي تَجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَبِیْعٌ بَصِیْرٌ ﴿۱﴾

۲۔ جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں اُنکی مائیں اُنکی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُنکو جنا اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹی [۳] اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے [۴]

الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِلَّا إِلَىٰ وِلْدَانِهِمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَ زُورًا وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿۲﴾

۳۔ اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا چاہیں وہی کام جسکو کہا ہے تو آزاد کرنا چاہئے ایک بردہ پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں [۵] اس سے تم کو نصیحت ہوگی [۶] اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو [۷]

وَ الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذِكْمُ تَوْعَظُونَ بِهِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۳﴾

۴۔ پھو جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار [۸] پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں پھر جو کوئی یہ نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کا [۹] یہ حکم اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اُسکے رسول کے [۱۰] اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی اور منکروں کے واسطے عذاب

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ط

ہے دردناک

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳﴾

۵۔ جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اُسکے رسول کی وہ خوار ہوئے جیسے کہ خوار ہوئے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے اور ہم نے اتاری ہیں آیتیں بہت صاف اور منکروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا [۱]

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كَبِتُوا كَمَا كَبَتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۵﴾

۶۔ جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر جتناے گا اُنکو اُنکے لئے کام [۲] اللہ نے وہ سب گن رکھی ہیں اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز [۳]

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَبِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ط وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۶﴾

شَهِيدٌ ﴿۶﴾

۱۔ خولہ ثعلبہ کا واقعہ: اسلام سے پہلے مرد اگر اپنی عورت کو کہتا کہ تو میری ماں ہے تو سمجھتے تھے کہ ساری عمر کے لئے اس پر حرام ہوگئی۔ پھر کوئی صورت ان کے ملنے کی نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ کے وقت میں ایک مسلمان (اوس بن الصامتؓ) اپنی عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کو یہ ہی کہہ بیٹھا۔ عورت حضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ابھی تک کوئی خاص حکم نہیں دیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی۔ اب تم دونوں کیونکر مل سکتے ہو۔ وہ شکوہ وزاری کرنے لگی کہ گھر ویران ہوتا ہے اولاد پریشان ہوتی ہے۔ کبھی حضور ﷺ سے جھگڑتی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ کبھی اللہ کے آگے رونے جھینکنے لگتی کہ اللہ! میں اپنی تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں، ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مرے گئے، اس کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی (کسپہری میں) ضائع ہو جائیں گے۔ اے اللہ! تو اپنے نبی ﷺ کی زبان سے میری مشکل کو حل کر۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور ”ظہار“ کا حکم اترا۔ (تنبیہ) حنفیہ کے نزدیک ظہار یہ ہے کہ اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ (ماں بہن وغیرہ) کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا اس کو منع ہو۔ مثلاً کہے اُنْتِ عَلِيٌّ كَظَهَرِ أُمِّي (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیڑھ) ”ظہار“ کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

۲۔ اللہ تمہاری گفتگو سنتا ہے: یعنی اللہ تو سب ہی کچھ سنتا دیکھتا ہے۔ جو گفتگو آپ ﷺ کے اور اس عورت کے درمیان ہوئی وہ کیوں نہ سنتا۔ بیشک وہ مصیبت رسہ عورت کی فریاد کو پہنچا۔ اور ہمیشہ کے لئے اس قوم کے حوادث سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ بتلادیا۔ جو آگے آتا ہے۔

۳۔ ظہار کا حکم: یعنی بیوی (جس نے اس کو جتنا نہیں) وہ اس کی واقعی ماں کیونکر بن سکتی ہے جو محض اتنے لفظ پر ہمیشہ کے لئے حقیقی ماں کی طرح حرام ہو جائے؟ ہاں آدمی جب اپنی بد تمیزی سے ایک جھوٹی نامعقول اور بیہودہ بات کہدے اس کا بدلہ یہ ہے کہ کفارہ دے، تب اس کے پاس جائے ورنہ نہ جائے۔ پر عورت اسی کی رہی، محض ظہار سے طلاق نہیں پڑگئی۔

۴۔ یعنی جاہلیت میں جو ایسی حرکت کر چکے وہ معاف ہے۔ اب ہدایت آپکنے کے بعد ایسا مت کرو۔ اگر غلطی سے کر گزرے تو توبہ کر کے اللہ

سے معاف کراؤ۔ اور عورت کے پاس جانے سے پہلے کفارہ ادا کرو۔

۵۔ یعنی یہ لفظ اَنْتِ عَلَيَّ كَظْهَرِ اُمِّي کہا صحبت موقوف کرنے کو۔ پھر صحبت کرنا چاہیں تو پہلے ایک غلام آزاد کر لیں اس کے بعد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ (تنبیہ) حنفیہ کے ہاں کفارہ دینے سے پہلے جماع اور دواعی جماع دونوں ممنوع ہیں۔ بعض احادیث میں ہے اَمْرًا اَنْ لَا يَقْرُبَهَا حَتَّىٰ يُكْفِرَ۔

۶۔ یعنی کفارہ کی مشروعیت تمہاری تنبیہ و نصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو۔ اور دوسرے بھی باز آئیں۔

۷۔ یعنی تمہارے احوال کے مناسب احکام بھیجتا ہے اور خبر رکھتا ہے کہ تم کس حد تک ان پر عمل کرتے ہو۔

۸۔ یعنی بیچ میں دم نہ لے۔

۹۔ کفارہ میں سہو لیتیں: ”برہہ“ (غلام) آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو، تب روزے رکھ سکتا ہے۔ اور روزے رکھنے سے مجبور ہو تب کھانا دے سکتا ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

۱۰۔ یعنی جاہلیت کی باتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کے احکام پر چلو، جو مومن کامل کی شان ہے۔

۱۱۔ حدود سے آگے نہ بڑھو: یعنی مومنین کا کام نہیں کہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود سے تجاوز کریں۔ باقی رہے کافر جو حدود اللہ کی پرواہ نہیں کرتے اور خود اپنی رائے و خواہش سے حدیں مقرر کرتے ہیں۔ انہیں چھوڑیے کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ایسے لوگ پہلے زمانہ میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ اللہ کی روشن اور صاف صاف آیتیں سن لینے کے بعد انکار پر جے رہنا اور خدائی احکام کا عزت و احترام نہ کرنا اپنے کو ذلت کے عذاب میں پھنسانے کا مرادف ہے۔

۱۲۔ یعنی جو کام کیے تھے ان سب کا نتیجہ سامنے آجائے گا کوئی ایک عمل بھی غائب نہ ہوگا۔

۱۳۔ یعنی ان کو اپنی عمر بھر کے بہت سے کام یاد بھی نہیں رہے، یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی۔ لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ سارا دفتر اس دن کھول کر سامنے رکھ دیا جائیگا۔

۷۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چوتھا اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چھٹا اور نہ اُس سے کم اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا اُنکے ساتھ جہاں کہیں ہوں [۴] پھر جنتا دے گا اُنکو جو کچھ انہوں نے کیا قیامت کے دن بیشک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

الْاَرْضِ ۗ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ

رٰبِعُهُمْ ۗ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ ۗ وَلَا اَدْنٰى

مِنْ ذٰلِكَ ۗ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾

۸۔ تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جنکو منع ہوئی کانا پھوسی پھر بھی وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی [۱۵] اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو وہ دعادیں جو دعائیں نہیں دی تجھ کو اللہ نے اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اُس پر جو ہم کہتے ہیں کافی ہے اُنکو دوزخ داخل ہوں گے اس میں سو بری جگہ پہنچے [۱۶]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لَهَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِيْ أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْبَصِيرُ ﴿٨﴾

۹۔ اے ایمان والو جب تم کان میں بات کرو تو مت کرو بات گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی اور بات کرو احسان کی اور پرہیزگاری کی [۱۷] اور ڈرتے رہو اللہ سے جسکے پاس تم کو جمع ہونا ہے [۱۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩﴾

۱۰۔ یہ جو ہے کانا پھوسی سو شیطان کا کام ہے تاکہ دلگیر کرے ایمان والوں کو اور وہ اُن کا کچھ نہ بگاڑے گا بدون اللہ کے حکم کے اور اللہ پر چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے [۱۹]

إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزَنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ اے ایمان والو جب کوئی تم کو کہے کہ کھل کر بیٹھو [۲۰] مجلسوں میں تو کھل جاؤ اللہ کشادگی دے تم کو [۲۱] اور جب کوئی کہے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو [۲۲] اللہ بلند کرے گا اُنکے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم اُنکے درجے [۲۳] اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

کرتے ہو [۲۴]

مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا

تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اے ایمان والو جب تم کان میں بات کہنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور بہت سسترا پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۲۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ

فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ ۖ ذَلِكَ خَيْرٌ

لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۖ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَحِيمٌ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے معاف کر دیا تم کو تو اب قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو اللہ کے اور اُسکے رسول کے اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو [۲۶]

ءَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ

صَدَقَتْ ۖ فَإِذَا لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ

فَاقْبِسُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَ

رَسُولَهُ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اللہ ہر مجلس میں موجود ہے: یعنی صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے، اللہ کے علم میں تو آسمان وزمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ کوئی مجلس، کوئی سرگوشی اور کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہو جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا۔ اور پانچ کی کمیٹی خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ کہیں ہوں، کسی حالت میں ہوں، اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط سے ان کے ساتھ ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں۔ (تمبیہ)

طاق عدد کی حکمت: مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو بصورت اختلاف ترجیح دشوار ہوتی ہے۔ اسی لئے عموماً معاملات مہمہ میں طاق عدد رکھتے ہیں۔ اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین تھا پھر پانچ۔ شاید اس لئے ان دو کو اختیار فرمایا اور آگے وَلَا أَذْنِي مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْتَرُ (المجادلة۔ ۷) سے تعیم فرمادی۔ باقی حضرت عمرؓ کا شوری خلافت کو چھ بزرگوں میں دائر کرنا (حالانکہ چھ کا عدد طاق نہیں) اس لئے ہو گا کہ اس وقت یہ ہی چھ خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے جن میں سے کسی کو چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ نیز خلیفہ کا انتخاب ان ہی چھ سے ہو رہا تھا تو ظاہر ہے جس کا نام آتا، اس کے سوائے رائے دینے والے تو پانچ ہی رہتے ہیں۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمرؓ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لئے عبد اللہ بن عمرؓ کا نام لے دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں منافقوں کی سرگوشتیاں: حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر منافق سرگوشتیاں کرتے۔ مجلس والوں کا مذاق اڑاتے۔ ان پر عیب پکڑتے۔ ایک دوسرے کے کان میں اس طرح بات کہتا اور آنکھوں سے اشارے کرتا جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ اور حضرت ﷺ کی بات سن کر کہتے ”یہ مشکل کام ہم سے کہاں ہو سکے گا“۔ پہلے سورۃ ”النساء“ میں اس طرح کی سرگوشتیوں سے منع کیا جا چکا تھا لیکن یہ موذی بے حیا پھر بھی اپنی حرکتوں اور زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔

۱۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہودیوں کی گستاخی: یعنی اللہ نے تو آپ کو دوسرے انبیاء کے ساتھ یہ دعائیں دی ہیں سَلَّمَ عَلٰی الْمُرْسَلِينَ (الصافات- ۱۸۱) اور وَ سَلَّمَ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (النمل- ۵۹) اور مومنین کی زبانوں سے اَسَلَّمَ عَالَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ مگر بعض یہود جب آپ کے پاس آتے تو بجائے اَسَلَّمَ عَالَيْكَ کے دبی زبان سے اَسَلَّمَ عَالَيْكَ کہتے جس کے معنی ہیں ”تجھے موت آئے“ گویا اللہ نے جو سلامتی کی دعا آپ کو دی تھی، اس کے خلاف بد عادیتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ واقعی رسول ہے تو اس کہنے سے ہم پر فوراً عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا جواب دیا وَصَبَّحَهُمْ جَهَنَّمَ یعنی جلدی نہ کرو۔ ایسا کافی عذاب آئیگا جس کے سامنے دوسرے عذاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ (تنبیہ) احادیث میں ”یہود کے متعلق آیا ہے کہ ”السلام“ کی جگہ ”النسام“ کہتے تھے۔ ممکن ہے بعض منافقین بھی ایسا کہتے ہوں گے۔ کیونکہ منافق عموماً یہودی تھے۔ حضور ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی یہودی یہ کہتا آپ جواب میں صرف ”وعلیک“ فرما دیتے۔ ایک مرتبہ عائشہ صدیقہ نے ”النسام علیک“ کے جواب میں یہودی کو ”علیک السام واللعنة“ کہا تو حضور ﷺ کو کمال خلق سے یہ جواب پسند نہ آیا۔

۱۷۔ سرگوشتی کے آداب: یعنی سچے مسلمانوں کو منافقین کی خوشے بچنا چاہیے۔ ان کی سرگوشتیاں اور مشورے ظلم و عدوان اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے لئے نہیں، بلکہ نیکی اور تقویٰ اور معقول باتوں کی اشاعت کیلئے ہونے چاہئیں جیسا کہ سورۃ ”النساء“ میں گذرا لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجُوهُمْ إِلَّا مَنَ امْرٍ بَصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (النساء- ۱۱۴)۔

۱۸۔ سرگوشتی کے آداب: یعنی سب کو اللہ کے سامنے جمع ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اس سے کسی کا ظاہر و باطن پوشیدہ نہیں۔ لہذا اس سے ڈر کر نیکی اور پرہیزگاری کی بات کرو۔

۱۹۔ منافقین کی سرگوشتیاں شیطان کی طرف سے ہیں: یعنی منافقین کی کانپھوسی (سرگوشتی) اسی غرض سے تھی کہ ذرا مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں کہ نہ معلوم یہ لوگ ہماری نسبت کیا منصوبے سوچ رہے ہوں گے۔ یہ کام شیطان ان سے کر رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا چیز ہے۔ نفع نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو کتنے ہی مشورے کر لیں اور منصوبے گانٹھ لیں، تمہارا بال بیکانہ ہو گا۔ لہذا تم کو غمگین و دلگیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (تنبیہ) احادیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص کا نا پھوسی کرنے لگیں۔ کیونکہ وہ تیسرا غمگین ہو گا۔ یہ مسئلہ بھی ایک طرح آئیے لکھنے کے تحت میں داخل ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں۔“

۲۰۔ مجلس میں بیٹھنے کے آداب: یعنی اس طرح بیٹھو کہ جگہ کھل جائے اور دوسروں کو بھی موقع بیٹھنے کا ملے۔

۲۱۔ یعنی اللہ تمہاری تنگیوں کو دور کریگا اور اپنی رحمت کے دروازے کشادہ کر دیگا۔

۲۲۔ یعنی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یہ آداب ہیں مجلس کے۔ کوئی آئے اور جگہ نہ پائے تو چاہیے سب تھوڑا تھوڑا ہٹیں تا مکان حلقہ کشادہ ہو جائے۔ یا (اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں اور) پرے ہٹ کر حلقہ کر لیں۔ (یا بالکل چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جائیں) اتنی حرکت میں

غرور (یا بخل) نہ کریں۔ خوئے نیک پر اللہ مہربان ہے اور خوئے بد سے بیزار۔ (تنبیہ) حضور ﷺ پر نور کی مجلس میں ہر شخص آپ ﷺ کا قرب چاہتا تھا جس سے کبھی مجلس میں تنگی پیش آتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ اکابر صحابہؓ کو حضور ﷺ کے قریب جگہ نہ ملتی۔ اس لئے یہ احکام دیئے گئے۔ تاہر ایک کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے، اور نظم و ضبط قائم رہے۔ اب بھی اس قوم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیئے۔ اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھاتا۔ بلکہ انتہائی نظم و شانستگی سکھاتا ہے۔ اور جب عام مجالس میں یہ حکم ہے تو میدانِ جہاد اور صفوفِ جنگ میں تو اس سے کہیں بڑھ کر ہو گا۔

۲۳۔ یعنی سچا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب و تہذیب سکھاتا اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم و ایمان جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں، اسی قدر جھکتے اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کے درجے اور زیادہ بلند کرتا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ۔ یہ متکبر بدین یا جاہل گنوار کا کام ہے کہ اتنی سی بات پر لڑے کہ مجھے یہاں سے کیوں اٹھادیا اور وہاں کیوں بٹھادیا۔ یا مجلس سے اٹھ کر جانے کو کیوں کہا۔ افسوس کہ آج بہت سے بزرگ اور عالم کہلانے والے اسی خیالی اعزاز کے سلسلہ میں غیر مختتم جنگ آزمائی اور مورچہ بندی شروع کر دیتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ-۱۵۶)۔

۲۴۔ یعنی ہر ایک کو اس کے کام اور لیاقت کے موافق درجے عطا کرتا ہے اور وہ وہی جانتا ہے کہ کون واقعی ایماندار اور اہل علم ہیں۔

۲۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے وقت صدقہ کا حکم: یعنی منافق بے فائدہ باتیں حضرت ﷺ سے کان میں کرتے کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں اور بعض مسلمان غیر مبہم باتوں میں سرگوشی کر کے اتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضور ﷺ سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا، یا کسی وقت آپ ﷺ خلوت چاہتے تو اس میں بھی تنگی ہوتی تھی لیکن مروت و اخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے۔ اس وقت یہ حکم ہوا کہ جو مقدرت والا آدمی حضور ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہے وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے۔ اس میں کئی فائدے ہیں۔ غریبوں کی خدمت، صدقہ کرنے والے کے نفس کا تزکیہ، مخلص و منافق کی تمیز، سرگوشی کر نیوالوں کی تقلیل، وغیر ذلک۔ ہاں جس کے پاس خیرات کرنے کو کچھ نہ ہو، اس سے یہ قید معاف ہے۔ جب یہ حکم اترا منافقین نے مارے بخل کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ کو پسند نہیں۔ اسی لئے یہ قید لگائی گئی ہے۔ آخر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ فرمادیا۔

۲۶۔ صدقہ کا حکم منسوخ: یعنی صدقہ کا حکم دینے سے جو مقصد تھا، حاصل ہو گیا۔ اب ہم نے یہ وقتی حکم اٹھالیا ہے چاہیئے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں۔ مثلاً نماز و زکوٰۃ وغیرہ اسی سے کافی تزکیہ نفس ہو جائے گا۔ (تنبیہ) فَادْنَم تَفْعَلُوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ بعض روایات میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر امت میں سے صرف میں نے عمل کیا۔

۱۴۔ کیا تو نے دیکھا ان لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اُس قوم کے جن پر غصہ ہوا ہے اللہ کا [۲۷] نہ وہ تم میں ہیں اور نہ اُن میں ہیں [۲۸] اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور اُنکو خبر ہے [۲۹]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

ط مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۗ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلٰی

الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ تیار رکھا ہے اللہ نے اُنکے لئے سخت عذاب [۳۰]

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۗ اِنَّهُمْ سَاءَ مَا



بیشک وہ برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں [۳۱]

۱۶۔ بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے تو انکو ذلت کا عذاب ہے

۱۷۔ کام نہ آئیں گے انکو انکے مال اور نہ انکی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی وہ لوگ ہیں دوزخ کے وہ اسی میں پڑے رہیں گے [۳۲]

۱۸۔ جس دن جمع کرے گا اللہ ان سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اُسکے آگے جیسے کھاتے ہیں تمہارے آگے اور خیال کرتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں [۳۳] سنتا ہے وہی ہیں اصل جھوٹے [۳۴]

۱۹۔ قابو کر لیا ہے ان پر شیطان نے پھر بھلا دی انکو اللہ کی یاد [۳۵] وہ لوگ ہیں گروہ شیطان کا سنتا ہے جو گروہ ہے شیطان کا وہی خراب ہوتے ہیں [۳۶]

۲۰۔ جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا اور اُسکے رسول کا وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں

۲۱۔ اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول بیشک اللہ زور آور ہے زبردست [۳۷]

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

اتَّخَذُوا أَيْبَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٦﴾

لَنْ تَغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنْ

اللَّهِ شَيْئًا ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا

خَالِدُونَ ﴿١٧﴾

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا

يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۗ أَلَا

أَنَّهُمْ هُمُ الْكَذِبُونَ ﴿١٨﴾

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۗ

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۗ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ

هُمُ الْخَسِرُونَ ﴿١٩﴾

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۗ أُولَٰئِكَ فِي

الْأَذْيَانِ ﴿٢٠﴾

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۗ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ

عَزِيزٌ ﴿٢١﴾

۲۲۔ تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اُسکے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے اُنکے دلوں میں اللہ نے لکھ دیا ہے ایمان [۳۸] اور اُنکی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے [۳۹] اور داخل کرے گا اُنکو باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے اُن میں اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی [۴۰] وہ لوگ ہیں جو اللہ کا سنتا ہے جو گروہ ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے [۴۱]

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ  
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ  
كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَ  
يُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ  
أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ

الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۲﴾

۲۷۔ یہ لوگ منافق ہیں اور وہ قوم یہود ہے

۲۸۔ منافقین کی حالت: یعنی منافق نہ پوری طرح تم مسلمانوں میں شامل کیونکہ دل سے کافر ہیں، اور نہ پوری طرح ان میں شریک کیونکہ بظاہر زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تھے مُذَبِّدِينَ بَيْنَ بَيْنِ ذَٰلِكَ ۗ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ (النساء-۱۴۳)۔

۲۹۔ یعنی بے خبری اور غفلت سے نہیں، جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ مسلمان سے کہتے ہیں إِنَّهُمْ كَلِمَتُكُمْ (التوبہ-۵۶) کہ وہ تم میں سے ہیں اور تمہاری طرح سچے ایماندار ہیں۔ حالانکہ ایمان سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں۔

۳۰۔ جس کو دوسری جگہ فرمایا إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (نساء-۱۴۵)۔

۳۱۔ نفاق کا انجام برا ہے: یعنی خواہ ابھی ان کو نظر نہ آئے لیکن نفاق کے کام کر کے وہ اپنے حق میں بہت برا بیخ بوری ہے۔

۳۲۔ آخرت میں منافقین کی قسمیں: یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال کو بچاتے ہیں اور اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے دوستی کے پیرا یہ میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پاسکتے۔ سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور جب سزا کا وقت آئے گا، اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، جنگی حفاظت کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں۔

۳۳۔ آخرت میں منافقین کی قسمیں: یعنی یہاں کی عادت پڑی ہوئی وہاں بھی نہ جائیگی۔ جس طرح تمہارے سامنے جھوٹ بول کر بیچ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں اور بڑی اچھی چال چل رہے ہیں، اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے کو تیار ہو جائیں گے کہ پروردگار!

ہم تو ایسے نہ تھے، ویسے تھے۔ شاید وہاں بھی خیال ہو کہ اتنا کہہ دینے سے رہائی ہو جائیگی۔  
۳۴۔ بیشک اصل اور ڈبل جھوٹا وہ ہی ہے جو خدا کے سامنے بھی جھوٹ کہنے سے نہ شرمائے۔

۳۵۔ ان پر شیطان کا قبضہ ہے: شیطان جس پر پوری طرح قابو کر لے اس کا دل و دماغ اسی طرح مسخ ہو جاتا ہے اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے۔ بھلا اللہ کی عظمت اور بزرگی و مرتبہ کو وہ کیا سمجھے۔ شاید محشر میں بھی جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بیچھائی اور حماقت کا اعلان کرنا ہو کہ اس مسموم کو اتنی سمجھ نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ کیا چلے گا۔

۳۶۔ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے۔ نہ دنیا میں ان کے منصوبے آخری کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں نہ آخرت میں عذاب شدید سے نجات پانے کی کوئی سبیل ہے۔

۳۷۔ غلبہ اللہ اور اس کے رسولوں کا ہی ہو گا: یعنی اللہ و رسول کا مقابلہ کرنے والے جو حق و صداقت کے خلاف جنگ کرتے ہیں سخت ناکام اور ذلیل ہیں۔ اللہ لکھ چکا ہے کہ آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہیگا۔ اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔ اس کی تقریر پہلے کئی جگہ گذر چکی ہے۔

۳۸۔ یعنی ایمان ان کے دلوں میں جمادیا اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا۔

۳۹۔ مؤمنین کی اللہ کی طرف سے مدد: یعنی غیبی نور عطا فرمایا جس سے قلب کو ایک خاص قسم کی معنوی حیات ملتی ہے یا روح القدس (جبریل) سے ان کی مدد فرمائی۔

۴۰۔ اللہ کی رضا: یعنی یہ لوگ اللہ کے واسطے سب سے ناراض ہوئے تو اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر جس سے اللہ راضی ہو اسے اور کیا چاہیے۔

۴۱۔ اللہ کا گروہ: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے ہوں وہ ہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کو یہ درجے ملتے ہیں۔“ صحابہ کی شان یہ ہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی، اسی سلسلہ میں ابو عبیدہؓ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ جنگ ”احد“ میں ابو بکر صدیقؓ اپنے بیٹے عبد الرحمن کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہو گئے، مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، عمر بن الخطابؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، علی بن ابی طالبؓ، حمزہ، عبیدہ بن الحارث نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ نے جو مخلص مسلمان تھے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں۔ آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ و رزقا اللہ جہم و اتبا عم و امانا تعالیٰ۔ آمین۔

تم سورة المجادلة فلله الحمد والمنا

آیاتها ۲۴

۵۹ سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۱

رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا<sup>[۱]</sup>

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾

۲۔ وہی ہے جس نے نکال دیا انکو جو منکر ہیں کتاب والوں میں انکے گھروں سے<sup>[۲]</sup> پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے<sup>[۳]</sup> تم نہ اٹکل کرتے تھے کہ نکلیں گے اور وہ خیال کرتے تھے کہ انکو بچالیں گے انکے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچان پر اللہ جہاں سے انکو خیال نہ تھا اور ڈال دی انکے دلوں میں دھاک<sup>[۴]</sup> اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں<sup>[۵]</sup> سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو<sup>[۶]</sup>

هُوَ الَّذِيْ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۗ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ

يَخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنْهُمْ مَّا نَعْتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنْ

اللّٰهِ فَاَتَتْهُمْ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَ

كَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ

بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُوْمِنِيْنَ ۗ فَاَعْتَبِرُوْا يَا اُولِ

الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾

۳۔ اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر جلا وطن ہونا تو انکو عذاب دیتا دنیا میں اور آخرت میں ہے انکے لئے آگ کا عذاب<sup>[۴]</sup>

وَلَوْ لَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلٰءَ لَعَذَّبْتَهُمْ فِي

الدُّنْيَا ۗ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾

۴۔ یہ اس لئے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اُسکے رسول سے اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کا عذاب سخت ہے<sup>[۸]</sup>

ذٰلِكَ بِاَنْهُمْ شَاقُّوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۗ وَمَنْ يُشَاقِقِ

اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴﴾

۵۔ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یار ہنہ دیا کھڑا اپنی جڑ پر سوا اللہ کے حکم سے [۹] اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو [۱۰]

مَا قَطَعْتُمْ مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِبَةً عَلَىٰ

أَصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَيَخْزِي الْفَاسِقِينَ ﴿٥﴾

۱۔ چنانچہ اس کے زبردست غلبہ اور حکمت کے آثار میں سے ایک واقعہ آگے بیان کیا جاتا ہے۔

۲۔ بنو نضیر کا اخراج: مدینہ سے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر ایک قوم یہود بستی تھی جس کو "بنی نضیر" کہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے، اپنے مضبوط قلعوں پر ان کو ناز تھا۔ حضور ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو شروع میں انہوں نے آپ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کر لیا، کہ ہم آپ کے مقابلہ پر کسی کی مدد نہ کریں گے۔ پھر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمانہ باندھا۔ آخر چند روز بعد اللہ و رسول کے حکم سے محمد بن مسلمہ نے اس عداوت کا کام تمام کر دیا۔ پھر بھی "بنی نضیر" کی طرف سے بد عہدی کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی دغا بازی سے حضور ﷺ کو چند رقیقوں کے ساتھ بلا کر اچانک قتل کرنا چاہا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ جہاں بیٹھے تھے اوپر سے بھاری چکی کا پاٹ ڈال دیا، اگر لگے تو آدمی مر جائے۔ مگر سب مواقع پر اللہ کے فضل نے حفاظت فرمائی۔ آخر حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا۔ ارادہ یہ کہ ان سے لڑیں۔ جب مسلمانوں نے نہایت سرعت و مستعدی سے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ مرعوب و خوفزدہ ہو گئے۔ عام لڑائی کو نوبت نہ آئی۔ انہوں نے گھبرا کر صلح کی التجا کی۔ آخر یہ قرار پایا کہ وہ مدینہ خالی کر دیں۔ ان کی جانوں سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ اور جو مال اسباب اٹھا کر لے جاسکتے ہیں، لے جائیں۔ باقی مکان زمین، باغ وغیرہ پر مسلمان قابض ہوئے۔ حق تعالیٰ نے وہ زمین مال غنیمت کی طرح تقسیم نہ کرائی۔ صرف حضرت کے اختیار پر رکھی۔ حضرت ﷺ نے اکثر اراضی مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ اس طرح انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور مہاجرین و انصار دونوں کو فائدہ پہنچا۔ نیز حضرت ﷺ اپنے گھر کا اور وارد و صادر کا سالانہ خرچ بھی اسی سے لیتے تھے اور جو بیچ رہتا اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے۔ اس سورت میں یہ ہی قصہ مذکور ہے۔"

۳۔ یہود کا پہلا حشر: یعنی ایک ہی ہلہ میں گھبرا گئے اور پہلی ہی ہڈ بھینچ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر نکل بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے۔ کچھ بھی ثابت قدمی نہ دکھلائی۔ (تنبیہ) "اول الحشر" سے بعض مفسرین کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اس قوم کے لئے اس طرح ترک وطن کرنے کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ قبل ازیں ایسا واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ یا "اول الحشر" میں اس طرف اشارہ ہو کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہے کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیر و غیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہو گا جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا۔ یعنی دوسرے یہود و نصاریٰ کی معیت میں یہ لوگ بھی خیر سے ملک شام کی طرف نکالے گئے جہاں آخری حشر بھی ہونا ہے۔ اسی لئے "شام" کو "ارض الحشر" بھی کہتے ہیں۔

۴۔ یہود کے دلوں پر اللہ نے رعب ڈال دیا: یعنی ان کے ساز و سامن مضبوط قلعے اور جنگجو یا نہ اطوار دیکھ کر نہ تم کو اندازہ تھا کہ اس قدر جلد اتنی آسانی سے وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور نہ ان کو خیال تھا کہ مٹھی بھر بے سرو سامان لوگ اس طرح قافیہ ننگ کر دیں گے۔ وہ اسی خواب خرگوش میں تھے کہ مسلمان (جن کے سروں پر اللہ کا ہاتھ ہے) ہمارے قلعوں تک پہنچنے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے۔ اور اس طرح گویا اللہ کے ہاتھ سے بچ نکلیں گے۔ مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت اللہ کے حکم کو نہ روک سکی۔ ان کے اوپر اللہ کا حکم وہاں سے پہنچا جہاں سے ان کو خیال و گمان بھی نہ تھا۔ یعنی دل کے اندر سے خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور بے سرو سامان مسلمانوں کی دھاک بٹھلا دی۔ ایک تو پہلے ہی اپنے سردار کعب بن اشرف کے ناگہانی قتل سے مرعوب و خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اب مسلمانوں کے اچانک حملہ نے رہے سہے حواس بھٹے کھود دیئے۔

۵۔ بنو نضیر کا اپنے گھروں کا اجازت: یعنی حرص اور غیظ و غضب کے جوش میں مکانوں کے کڑی، تختے کو اڑا کھاڑنے لگے تاکوئی چیز جو ساتھ لے جاسکتے ہیں رہ نہ جائے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگے۔ اس کام میں مسلمانوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ ایک طرف سے وہ خود گراتے تھے دوسری طرف سے مسلمان۔ اور غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ہاتھوں جو تباہی و ویرانی عمل میں آئی وہ بھی ان ہی بد بختوں کی بد عہدیوں اور شرارتوں کا نتیجہ تھی۔

۶۔ بنو نضیر کا واقعہ عبرت کا سبق ہے: یعنی اہل بصیرت کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلادیا کہ کفر، ظلم، شرارت اور بد عہدی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اور یہ کہ محض ظاہری اسباب پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غافل ہو جانا عقلمند کا کام نہیں۔

۷۔ ان کی قسمت میں جلا وطنی لکھی تھی: یعنی ان کی قسمت میں جلا وطنی کی سزا لکھی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی۔ مثلاً بنی قریظہ کی طرح مارے جاتے۔ غرض سزا سے بچ نہیں سکتے۔ یہ خدا کی حکمت ہے کہ قتل کے بجائے محض جلا وطنی پر اکتفا کیا گیا۔ لیکن یہ تخفیف صرف دنیوی سزا میں ہے آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”جب یہ قوم ملک شام سے بھاگ کر یہاں آئی تھی تو ان کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تم کو یہاں سے ویران ہو کر شام میں جانا پڑیگا۔ چنانچہ اس وقت اجڑ کر (بعض شام میں چلے گئے اور بعض) خیبر میں رہے۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وہاں سے اجڑ کر شام میں گئے۔“

۸۔ یعنی ایسے مخالفوں کو ایسی سخت سزا ملتی ہے۔

۹۔ مسلمانوں کا درختوں کا کاٹنا: یعنی جب وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے تو حضرت ﷺ نے اجازت دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں تا اس کے درد سے باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی ہوئی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے کہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں گے۔ کافروں نے طعن کرنا شروع کیا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں، کیا درختوں کا کاٹنا اور جلانا فساد نہیں؟ اس پر یہ آیت اتری یعنی یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہے۔ حکم الہی کی تعمیل کو فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حکم کے بعض مصالح اوپر بیان ہو چکیں۔

۱۰۔ یہود کی رسوائی: یعنی تاکہ مسلمانوں کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے۔ چنانچہ جو درخت چھوڑ دیئے گئے اس میں مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمان اس کو برتیں گے اور نفع اٹھائیں گے۔ اور جو کاٹے یا جلانے گئے اس میں مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی ظہور آثار غلبہ اور کفار کو غیظ و غضب میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں۔ لہذا دونوں امر جائز اور حکمت پر مشتمل ہیں۔

۶۔ اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے سو تم نے نہیں دوڑائے اُس پر گھوڑے اور نہ اونٹ و لیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے [۱]

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ

عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ

رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ﴿٦﴾

۷۔ جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستوں والوں سے سوا اللہ کے واسطے اور رسول کے [۱۲] اور قرابت والے کے [۱۳] اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دو لہندوں کے تم میں سے [۱۴] اور جو دے تم کو رسول سولے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو [۱۵] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے [۱۶]

مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَاللِّرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۗ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۗ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۹﴾

۸۔ واسطے ان مفلسوں و طن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آتے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اُسکی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اسکے رسول کی وہ لوگ وہی ہیں سچے [۱۷]

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصَرُونَ إِلَىٰ رَسُولِهِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۶۰﴾

۹۔ اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے [۱۸] وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے انکے پاس [۱۹] اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں انکو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ [۲۰] اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہ لوگ ہیں مراد پانے والے [۲۱]

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۶۱﴾

۱۰۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے اُنکے بعد [۲۲] کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بے ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان [۲۳]

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ

رَعُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ مالِ غنیمت اور فنی کا فرق: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”یہ ہی فرق رکھا ہے“ غنیمت ”میں اور“ فنی ”میں۔ جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز (جس کی تفصیل دسویں پارہ کے شروع میں گذر چکی) اور چار حصے لشکر کو تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اور جو بغیر جنگ کے ہاتھ آیا وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے (ان کی مصالِح عامہ میں) اور جو کام ضروری ہو اس پر خرچ ہو۔“ (تنبیہ) اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کر طرف مساعت کریں اور مسلمان قبول کر لیں۔ اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہونگے وہ بھی حکم ”فنی“ میں داخل ہیں۔

اموالِ فنی رسول اللہ کیلئے ہیں: نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اموال ”فنی“ خالص حضور ﷺ کے اختیار و تصرف میں ہوتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ نہ ہو جو صرف آپ کے لئے مخصوص تھا۔ جیسا کہ آیات حاضرہ میں عَلٰی رَسُوْلِهِ کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے۔ اور احتمال ہے کہ محض حاکمانہ ہو بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان اموال کے متعلق آپ کو اگلی آیت میں ہدایت فرمادی کہ جو بائند بافلاں فلاں مصارف میں صرف کئے جائیں۔ آپ ﷺ کے بعد یہ اموال امام کے اختیار و تصرف میں چلے جاتے ہیں لیکن اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا، محض حاکمانہ ہوتا ہے۔ وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کی عام ضروریات و مصالِح میں خرچ کرے گا۔ باقی اموالِ غنیمت کا حکم اس سے جداگانہ ہے۔ وہ خمس نکالے جانے کے بعد خالص لشکر کا حق ہوتا ہے۔ کماید علیہ قولہ تعالیٰ وَاعْلَمُوْا اَنْتُمْ اَنْتُمْ (انفال-۴۱) الخ لشکری اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو وہ علیحدہ بات رہی۔ البتہ شیخ ابو بکر رازی حنفی نے ”احکام القرآن“ میں نقل کیا ہے کہ یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کر دے اور مصلحت نہ سمجھے تو مصالِح عامہ کے لئے رہنے دے۔ جیسا کہ سواد عراق میں حضرت عمرؓ نے بعض جلیل القدر صحابہؓ کے مشورہ سے یہی عمل درآمد رکھا۔ اسی مسلک کے موافق شیخ ابو بکر رازی نے وَاعْلَمُوْا اَنْتُمْ اَنْتُمْ الخ کو اموال منقولہ پر اور سورۃ ”حشر“ کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا ہے۔ اس طرح کہ پہلی آیت وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ حکم ”فنی“ پر اور دوسری آیت وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْاَنْفٰی حکم ”غنیمت“ پر محمول ہے۔ اور لفظ ”غنیمت“ کو لفظ ”فنی“ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۲۔ اموالِ فنی کے مصارف: ”اہلی آیت میں صرف اموال“ ”بنی نصیر“ کا ذکر تھا۔ اب اموال ”فنی“ کے متعلق عام ضابطہ بتلاتے ہیں۔ یعنی ”فنی“ پر قبضہ رسول کا اور رسول کے بعد امام کا کہ اسی پر یہ خرچ پڑتے ہیں۔ باقی اللہ کا ذکر تبرگاہوا۔ وہ تو سب ہی کا مالک ہے۔ ہاں کعبہ کا خرچ اور مسجدوں کا بھی جو اللہ کے نامزد ہیں ممکن ہے اس میں درج ہو۔

۱۳۔ ان اموال میں اہل بیت کا حصہ: یعنی حضرت ﷺ کے قربت والوں کے۔ چنانچہ حضور ﷺ اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی



دیتے تھے۔ اور ان میں فقیر کی بھی قید نہیں تھی۔ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو دو لتمند تھے آپ ﷺ نے حصہ عطا فرمایا۔ اب آپ ﷺ کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے قرابتدار جو صاحب حاجت ہوں امام کو چاہیے کہ انہیں دوسرے محتاجوں سے مقدم رکھے۔

۱۴۔ دولت کی گردش: یعنی یہ مصارف اس لئے بتلائے کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پاسکیں۔ یہ اموال محض دو لتمندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں۔

۱۵۔ یعنی مال و جائداد وغیرہ جس طرح پیغمبر اللہ کے حکم سے تقسیم کرے اسے بخوشی و رغبت قبول کرو، جو ملے لے لو۔ جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح اس کے تمام احکام اور اوامر و نواہی کی پابندی رکھو۔

۱۶۔ یعنی رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ ڈرتے رہو کہیں رسول کی نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کوئی سخت عذاب مسلط نہ کر دے۔  
۱۷۔ مہاجرین کا حق مقدم ہے: یعنی یوں تو اس مال سے عام مسلمانوں کی ضروریات و حوائج متعلق ہیں لیکن خصوصی طور پر ان ایثار پیشہ جاں نثاروں اور سچے مسلمانوں کا حق مقدم ہے جنہوں نے محض اللہ کی خوشنودی اور رسول کی محبت و اطاعت میں اپنے گھر بار اور مال و دولت سب کو خیر باد کہا اور بالکل خالی ہاتھ ہو کر وطن سے نکل آئے تا اللہ و رسول کے کاموں میں آزادانہ مدد کر سکیں۔

۱۸۔ انصار مدینہ کے فضائل: اس گھر سے مراد ہے مدینہ طیبہ۔ اور یہ لوگ انصار مدینہ ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اور ایمان و عرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے ساتھ مستقیم ہو چکے تھے۔

۱۹۔ یعنی محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے اموال وغیرہ میں ان کو برابر کا شریک بنانے کے لئے تیار ہیں۔  
۲۰۔ انصار کا جذبہ ایثار و خلوص: یعنی مہاجرین کو اللہ تعالیٰ جو فضل و شرف عطا فرمائے یا اموال فی وغیرہ میں سے حضور ﷺ جو کچھ عنایت کریں، اسے دیکھ کر انصار کے دل تنگ نہیں ہوتے نہ حسد کرتے ہیں۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں اور ہر اچھی چیز میں ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خود سختیاں اور فاقے اٹھا کر بھی اگر ان کو بھلائی پہنچا سکیں تو دریغ نہیں کرتے۔ ایسا ہی مثال ایثار آج تک دنیا کی کس قوم نے کس قوم کے لئے دکھلایا۔

۲۱۔ بخل سے نجات فلاح ہے: یعنی بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ کی توفیق و دستگیری نے ان کے دل کے لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔ لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لئے کہاں ایثار کر سکتا ہے اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کب خوش ہوتا ہے؟  
۲۲۔ یعنی ان مہاجرین و انصار کے بعد عالم وجود میں آئے، یا ان کے بعد حلقہ اسلام میں آئے یا مہاجرین سابقین کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ والظاہر ہو الاوّل۔

۲۳۔ مسلمانوں کو ایک جامع دعا کی تعلیم: یعنی سابقین کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دل میں بیر اور بغض نہیں رکھتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”یہ آیت سب مسلمانوں کے واسطے ہے جو انگوٹوں کا حق مانیں اور انہی کے پیچھے چلیں اور ان سے بیر نہ رکھیں۔“ امام مالکؒ نے یہیں سے فرمایا کہ جو شخص صحابہؓ سے بغض رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کے لئے مال فنیٰ میں کچھ حصہ نہیں۔

۱۱۔ کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغا باز ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو کافر ہیں اہل کتاب میں سے اگر تم کو کوئی نکال دے گا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے معاملہ میں کبھی اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے [۲۴] اور اللہ گواہی

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ  
لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا

دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں [۲۵]

وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ

لَكَذِبُونَ ﴿١١﴾

۱۲۔ اگر وہ نکالے جائیں یہ نہ نکلیں گے اُنکے ساتھ اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی یہ نہ مدد کریں گے اُنکی [۲۶] اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر پھر کہیں نہ مدد پائیں

گے [۲۷]

لَيْسَ أَخْرَجُوا إِلَّا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا  
لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلِّنَنَّ الْأَدْبَارَ

ثُمَّ لَا يَنْصَرُونَ ﴿١٢﴾

۱۳۔ البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے اُنکے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اسلئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے [۲۸]

لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٣﴾

۱۴۔ لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ میں یاد پوراوں کی اوٹ میں [۲۹] اُنکی لڑائی آپس میں سخت ہے [۳۰] تو سمجھے وہ اکٹھے ہیں اور اُنکے دل جدا جدا ہو رہے ہیں یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے [۳۱]

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَبِيعًا إِلَّا فِي قَرْيٍ مُحَصَّنَةٍ أَوْ  
مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۖ

تَحْسَبُهُمْ جَبِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾

۱۵۔ جیسے قصہ اُن لوگوں کا جو ہو چکے ہیں اُن سے پہلے قریب ہی چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور اُنکے لئے عذاب دردناک ہے [۳۲]

كَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ

أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾

۱۶۔ جیسے قصہ شیطان کا جب کہے انسان کو تو منکر ہو پھر جب وہ منکر ہو گیا کہے میں الگ ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب ہے سارے جہان کا

كَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۗ فَلَبَّآ

كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ

الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

۷۔ پھر انجام دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں ہمیشہ رہیں اُسی میں اور یہی ہے سزا گنہگاروں کی [۳۳]

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا<sup>ط</sup>

وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۶۷﴾

۲۴۔ منافقین کا یہود سے خفیہ ساز باز: عبد اللہ بن ابی وغیرہ منافقین نے یہود، بنی نضیر ”کو خفیہ پیام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا مت سمجھنا۔ اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا۔ ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کریں گے۔ یہ ہمارا بالکل اٹل اور قطعی فیصلہ ہے۔ اس کے خلاف تمہارے معاملے میں ہم کسی کی بات ماننے والے اور پروا کرنے والے نہیں۔

۲۵۔ منافقین جھوٹے ہیں: یعنی دل سے نہیں کہہ رہے۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں۔ اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کریں گے۔

۲۶۔ منافقین کا جھوٹ ثابت ہو گیا: چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور ”بنی نضیر“ محصور ہو گئے۔ ایسی نازک صورت حال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا اور آخر کار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔

۲۷۔ یعنی اگر بفرض محال منافق ان کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ کیا ہو گا۔ بجز اس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے پیڑھے پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد تو کیا کر سکتے، خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ پہنچے گا۔

۲۸۔ منافقین کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب: یعنی اللہ کی عظمت کو سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا، تو کفر و نفاق کیوں اختیار کرتے۔ ہاں مسلمانوں کی شجاعت و بسالت سے ڈرتے ہیں۔ اسی لئے ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔

۲۹۔ منافقین کے بز دلانہ طریقے: یعنی چونکہ ان لوگوں کے دل مسلمانوں سے مرعوب اور خوفزدہ ہیں، اس لئے کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے۔ ہاں گنجان بستوں میں قلعہ نشین ہو کر یاد یواروں اور درختوں کی آڑ میں چھپ کر لڑ سکتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے، کہ یورپ نے مسلمانوں کی تلوار سے عاجز ہو کر قسم قسم کے آتشبار اسلحہ اور طریق جنگ ایجاد کئے ہیں۔ تاہم اب بھی اگر کسی وقت دست بدست جنگ کی نوبت آجاتی ہے تو چند ہی منٹ میں دنیا لایقاً تلوٹوٹ کر جہنم میں ڈال دی جاتی ہے۔ باقی اس قوم کا تو کہنا ہی کیا جس کے نزدیک چھتوں پر چڑھ کر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پچکاریاں چلانا ہی سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔

۳۰۔ آپس کی لڑائی میں سخت ہیں: یعنی آپس کی لڑائی میں بڑے تیز اور سخت ہیں جیسا کہ اسلام سے پہلے ”اوس“ و ”خزرج“ کی جنگ میں تجربہ ہو چکا، مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی ساری بہادری اور شجاعت کمری ہو جاتی ہے۔

۳۱۔ کفار کا اتحاد دھوکہ ہے: یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے ظاہری اتفاق و اتحاد سے دھوکہ مت کھاؤ۔ ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، ہر ایک اپنی غرض و خواہش کا بندہ، اور خیالات میں ایک دوسرے سے جدا ہے پھر حقیقی یکجہتی کہاں میسر آ سکتی ہے۔ اگر عقل ہو تو سمجھیں کہ یہ نمائشی اتحاد کس کام کا۔ اتحاد اسے کہتے ہیں جو مومنین قانتین میں پایا جاتا ہے کہ تمام اغراض و خواہشات سے یکسو ہو کر سب نے ایک اللہ کی رسی کو تھام رکھا ہے، اور ان سب کا مرناجینا اسی خدائے واحد کے لئے ہے۔

۳۲۔ پچھلے کفار کے حال سے سبق لو: یعنی ابھی قریب زمانہ میں یہود، بنی قینقاع ”اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ جب انہوں نے بد عہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر لڑائی کے بعد نکال باہر کیا۔ اور اس سے پیشتر ماضی قریب میں مکہ والے ”بدر“ کے دن سزا پا چکے ہیں، وہی انجام“ بنی نضیر“ کا دیکھ لو کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا مل چکی اور آخرت کا دردناک عذاب جوں کا توں رہا۔

۳۳۔ شیطان اور منافقین میں مناسبت: یعنی شیطان اول انسان کو کفر و معصیت پر ابھارتا ہے۔ جب انسان دام اغواء میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے (یہ کہنا بھی ریاء اور مکاری سے ہو گا) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی دوزخ کا کندہ بنا اور اسے بھی بنایا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”شیطان آخرت میں یہ بات کہے گا اور ” بدر ” کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لوگوں کو لڑواتا تھا۔ جب فرشتے نظر آئے تو بھاگا۔ جس کا ذکر سورۃ ” انفال ” میں گذر چکا ہے۔ یہی مثال منافقوں کی ہے ” وہ ” بنی نضیر ” کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دلادلا کر بھڑے پر چڑھاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے، آپ الگ ہو بیٹھے لیکن کیا وہ اس طرح اللہ کے عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ دونوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

۱۸۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے [۳۴] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو [۳۵]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ

بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

۱۹۔ اور مت ہو ان جیسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پر اللہ نے بھلا دیے انکو ان کے جی وہ لوگ وہی ہیں نافرمان [۳۶]

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۹﴾

۲۰۔ برابر نہیں دوزخ والے اور بہشت والے بہشت والے جو ہیں وہی ہیں مراد پانے والے [۳۷]

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْغٰفِرُونَ ﴿۲۰﴾

۲۱۔ اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے [۳۸] اور یہ مثالیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں [۳۹]

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خٰشِعًا

مُتَّصِدًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾

۲۲۔ وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی جانتا ہے جو پوشیدہ ہے اور جو ظاہر ہے وہ ہے بڑا مہربان رحم والا

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَ

الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم [۳۰] امان دینے والا [۳۱] پناہ میں لینے والا زبردست دباؤ والا صاحب عظمت پاک ہے اللہ ان کے شریک بتلانے سے [۳۲]

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَلْبَدُ الْقُدُّوسُ

السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّبُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ

الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۳﴾

۲۴۔ وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا [۳۳] صورت کھینچنے والا [۳۴] اسی کے ہیں سب نام خاصے (عمدہ) [۳۵] پاکی بول رہا ہے اُسکی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں [۳۶] اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا [۳۷]

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ

الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ

هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۴﴾

۳۴۔ تقویٰ اور عمل صالح کا حکم: یعنی اللہ سے ڈر کر طاعات اور نیکیوں کا ذخیرہ فراہم کرو اور سوچو کہ کل کے لئے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد وہاں پہنچ کر تمہارے کام آئے۔

۳۵۔ یعنی تمہارا کوئی کام اللہ سے پوشیدہ نہیں لہذا اس سے ڈر کر تقویٰ کا راستہ اختیار کرو اور معاصی سے پرہیز رکھو۔

۳۶۔ بھولنے والوں کی طرح مت ہو: یعنی جنہوں نے اللہ کے حقوق بھلا دیئے، اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی۔ اللہ نے خود ان کی جانوں سے ان کو غافل اور بے خبر کر دیا۔ کہ آبیوالی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر نہ کی۔ اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارے اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔

۳۷۔ اہل جنت اور اہل دوزخ برابر نہیں ہیں: یعنی چاہیے کہ آدمی اپنے کو بہشت کا مستحق ثابت کرے جس کا راستہ قرآن کریم کی ہدایات کے سامنے جھکنے کے سوا کچھ نہیں۔

۳۸۔ قرآن کی عظمت سے پہاڑ پھٹ جاتے: یعنی مقام حسرت و افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو، حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔ میرے والد مرحوم نے ایک طویل نظم کے ثمن میں یہ تین شعر لکھے تھے۔

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفل بدعات کو کان بہرے ہو گئے دل بد مزہ ہونے کو ہے

آؤ سنو! تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی پارہ جسکے لحن سے طور ہدیٰ ہونے کو ہے

حیف گر تاثیر اسکی تیرے دل پر کچھ نہ ہو کوہ جس سے خشعاً متصدعاً ہونے کو ہے

۳۹۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”یعنی کافروں کے دل برے سخت ہیں کہ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اگر پہاڑ سمجھ تو وہ بھی دب جائے“ (تنبیہ) یہ تو کلام کی عظمت کا ذکر تھا۔ آگے متکلم کی عظمت و رفعت کا بیان ہے۔

۴۰۔ صفات الہیہ کا بیان: یعنی سب نقائص اور کمزوریوں سے پاک، اور سب عیوب و آفات سے سالم، نہ کوئی برائی اس کی بارگاہ تک پہنچی نہ پہنچے۔

۴۱۔ ”مومن“ کا ترجمہ ”امان دینے والا“ کیا ہے۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک ”مصدق“ کے معنی ہیں یعنی اپنی اور اپنے پیغمبروں کی قولاً و فعلاً

تصدیق کرنے والا۔ یا مومنین کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا۔

۴۲۔ یعنی اس کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

۴۳۔ ”خالق“ و ”باری“ کے فرق کی طرف ہم نے سورۃ ”بنی اسرائیل“ کی آیت ”وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّؤْحِ ط قُلِ الرُّؤْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی

اسرائیل۔ ۸۵) الخ کے فوائد میں کچھ اشارہ کیا ہے۔

۴۴۔ یعنی جیسا کہ نطفہ پر انسان کی تصویر کھینچ دی۔

۴۵۔ یعنی وہ نام جو اعلیٰ درجہ کی خوبیوں اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۶۔ اسماء الہی: یعنی زبانِ حال سے یا قال سے بھی جس کو ہم نہیں سمجھتے۔

۴۷۔ تمام کمالات و صفاتِ الہیہ کا مرجع ان دو صفتوں ”عزیز“ اور ”حکیم“ کی طرف ہے۔ کیونکہ ”عزیز“ کمالِ قدرت پر اور ”حکیم“ کمالِ علم پر

دلالت کرتا ہے۔ اور جتنے کمالات ہیں علم اور قدرت سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں۔ روایات میں سورۃ ”حشر“ کی ان تین آیتوں (هو اللہ الذی

لا الہ الا هو سے آخر تک) کی بہت فضیلت آئی ہے۔ مومن کو چاہیے کہ صبح و شام ان آیات کی تلاوت پر مواظبت رکھے۔

تم سورۃ الحشر و اللہ الحمد والمنہ

آیاتها ۱۳

۶۰ سُورَةُ الْبُتْحَةِ مَدَنِيَّةٌ ۹۱

رکوعاتها ۲

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ [۱] اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست تم انکو پیغام بھیجئے ہو دوستی سے [۲] اور وہ منکر ہوئے ہیں اُس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین [۳] نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم ماننے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا [۴] اگر تم نکلے ہو لڑنے کو میری راہ میں اور طلب کرنے کو میری رضامندی [۵] تم انکو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے پیغام اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے [۶] اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے تو وہ بھول گیا سیدھی راہ [۷]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ ۗ إِنَّ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۗ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ ۗ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۗ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٦﴾

۲۔ اگر تم انکے ہاتھ آ جاؤ ہو جائیں تمہارے دشمن اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ اور چاہیں کہ کسی طرح تم بھی منکر ہو جاؤ [۸]

إِنْ يَشْتَقُواكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَالسِّنَنَّهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٧﴾

۳۔ ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن وہ فیصلہ کرے گا تم میں اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے [۹]

لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

### بَصِيرٌ ﴿۳﴾

۳۔ تم کو چال چلنی چاہیے اچھی ابراہیم کی اور جو اُسکے ساتھ تھے جب انہوں نے کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے اور اُن سے کہ جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے [۱۰] ہم منکر ہوئے تم سے [۱۱] اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ اللہ اکیلے پر [۱۲] مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو کہ میں مانگوں گا معافی تیرے لئے اور مالک نہیں میں تیرے نفع کا اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا [۱۳] اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف ہے سب کو پھر آنا [۱۴]

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَاهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنْبْنَا وَ

### إِلَيْكَ الْبَصِيرُ ﴿۴﴾

۴۔ اے رب ہمارے مت جانچ ہم پر کافروں کو [۱۵] اور ہم کو معاف کر اے رب ہمارے [۱۶] تو ہی ہے زبردست حکمت والا [۱۷]

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۵﴾

۵۔ البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہئے اُنکی جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ کی اور پچھلے دن کی اور جو کوئی منہ پھیرے تو اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا [۱۸]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۗ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ

### اللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۶﴾

۱۔ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط: یعنی آنحضرت ﷺ کی صلح مکہ والوں سے ہوئی تھی جس کا ذکر اِنَّا فَتَحْنَا (فتح-۱) میں آچکا۔ دو برس یہ صلح قائم رہی، پھر کافروں کی طرف سے ٹوٹی۔ تب حضرت ﷺ نے خاموشی کے ساتھ فوج جمع کر کے مکہ فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ خبروں کی بندش



کردی گئی۔ مبادا کفار مکہ آپ ﷺ کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع کر دیں۔ اور اس طرح حرم شریف میں جنگ کرنا ناگزیر ہو جائے۔ ایک مسلمان حاطب بن ابی بلتعث نے (جو مہاجرین بدر میں سے تھے) مکہ والوں کو خط بھیجا کہ محمد ﷺ کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ حضرت ﷺ کو وحی سے معلوم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ وغیرہ چند صحابہؓ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستے میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے، وہ حاصل کر کے لاؤ۔ یہ لوگ تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا۔ اس نے بہت لیت و لیل اور رڈ و کد کے بعد خط ان کے حوالے کیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعث کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے حاطبؓ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ بولے یا رسول اللہ ﷺ نہ میں نے کفر اختیار کیا ہے نہ اسلام سے پھرا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔ وہاں ان کی حمایت کرنیوالا کوئی نہیں۔ میں نے کافروں پر ایک احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ لوگ اس کے معاوضہ میں میرے اہل و عیال کی خبر لیتے رہیں اور ان سے اچھا سلوک کریں (میں نے سمجھا کہ اس سے میرا کچھ فائدہ ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا) فتح و نصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ ﷺ سے کئے ہیں وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتے۔ (چنانچہ نفس خط میں بھی یہ مضمون تھا کہ ”خدا کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ان کی مدد کریگا اور جو وعدے ان سے کئے ہیں پورے کر کے چھوڑیگا“ بلاشبہ حاطبؓ سے بہت بڑی خطا ہوئی لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا لا تقولوا للہ الا خیرا بھلائی کے سوا اس کو کچھ مت کہو۔ اور فرمایا حاطبؓ بدر میں میں سے ہے تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ نے بدر میں کی خطائیں معاف فرمادیں۔ سورۃ ہذا کا بڑا حصہ اسی قصہ میں نازل ہوا۔

۲۔ کفار سے دوستی کی ممانعت: یعنی کفار مکہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے بھی۔ ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا اور دوستانہ پیغام ان کی طرف بھیجنا ایمان والوں کو زیبا نہیں۔

۳۔ اس لئے اللہ کے دشمن ہوئے۔

۴۔ دوستی نہ کرنے کی وجہ: یعنی پیغمبر کو اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترک وطن پر مجبور کیا۔ محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا رب ہے، کیوں مانتے ہو۔ اس سے بڑی دشمنی اور ظلم کیا ہو گا۔ تعجب ہے کہ ایسوں کی طرف تم دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو۔

۵۔ یعنی تمہارا گھر سے نکلتا اگر میری خوشنودی اور میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے واسطے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہی دشمنوں سے دوستی گانٹھے کا کیا مطلب، کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ العیاذ باللہ۔

۶۔ اللہ سے کوئی چیز خفیہ نہیں: یعنی آدمی ایک کام تمام دنیا سے چھپا کر کرنا چاہے تو کیا اسکو اللہ سے چھپایا گیا؟ دیکھو! حاطبؓ نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو۔ مگر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مطلع فرمادیا۔ اور راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔

۷۔ یعنی مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس کے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔

۸۔ کفار مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے: یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے۔ وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں۔ زبان سے ہاتھ سے ہر طرح سے ایذا پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں، کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں۔ کیا ایسے شریر و بد باطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

۹۔ آخرت میں اولاد اور خاندان کام نہیں آئیں گے: یعنی حاطبؓ نے وہ خط اپنے اہل و عیال کی خاطر لکھا تھا۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ اولاد اور رشتہ

دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے اللہ تعالیٰ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے۔ اسی کے موافق فیصلہ فرمائے گا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا، اور عزیز و قریب ہٹا نہیں سکے گا۔ پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اہل و عیال کی خاطر اللہ کو ناراض کر لے۔ یاد رکھو! ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضامندی ہے۔ وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔

۱۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ حسنہ: یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر ابراہیمؑ کے ساتھ ہوتے گئے اپنے وقت پر سب نے قولاً یا فعلاً اسی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کیا۔

۱۱۔ یعنی تم اللہ سے منکر ہو۔ اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے۔ ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں۔ اور ذرہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے۔

۱۲۔ یعنی یہ دشمنی اور بیر اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں۔

۱۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے دعا کا وعدہ: یعنی صرف دعا ہی کر سکتا ہوں کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ خدا جو کچھ پہنچانا چاہے۔ اسے میں نہیں روک سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، "یعنی ابراہیمؑ نے ہجرت کی پھر اپنی قوم کی طرف منہ نہیں کیا۔ تم بھی وہی کرو۔ ایک ابراہیمؑ نے دعا چاہی تھی، باپ کے واسطے۔ جب تک معلوم نہ تھا۔ تم کو معلوم ہو چکا۔ لہذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو۔" (تنبیہ) باپ کے حق میں ابراہیمؑ کے استغفار کا قصہ سورۃ "براءہ" میں گزر چکا۔ آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِاٰبٖهٖ اِلَّا عَنْ مَّوَدَعَةٍ وَّ عَدَاۗءِ اٰیٰۤآءُ (توبہ۔ ۱۱۴) الخ کے فوائد میں دیکھ لیا جائے۔

۱۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: یعنی سب کو چھوڑ کر تجھ پر بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر تیری طرف رجوع ہوئے اور خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر کر تیری ہی طرف آنا ہے۔

۱۵۔ یعنی ہم کو کافروں کے واسطے محل آزمائش اور تنختہ مشق نہ بنا۔ اور ایسے حال میں مت رکھ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں، اسلام اور مسلمانوں پر آوازے کسیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔

۱۶۔ یعنی ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور تقصیرات سے درگزر کر۔

۱۷۔ تیری زبردست قوت اور حکمت سے یہی توقع ہے کہ اپنی وفاداروں کو دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب و مقہور نہ ہونے دیگا۔

۱۸۔ اسوہ ابراہیمی اختیار کرو: یعنی تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں، ابراہیمؑ اور اس کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیے۔ دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور سنگدل کہے، تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو جو دنیا کے موحد اعظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا۔ مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے خلاف چلو گے۔ اور خدا کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پروا ہے وہ تو بذات خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

۱۔ امید ہے کہ کر دے اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے اُن میں دوستی اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۹]

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الدِّينِ  
عَادِيْتُمْ مِنْهُمْ مَّوَدَّةً ط وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ط وَاللّٰهُ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹﴾

۸۔ اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک پیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو [۲۰]

لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي  
الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ  
وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾  
إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي  
الدِّينِ وَآخَرَجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَلَى  
إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوهُمْ ج وَ مَن يَتَوَلَّهُمْ فَاُولَئِكَ  
هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٩﴾

۹۔ اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے نکالنے میں کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار [۲۱]

۱۹۔ ترک موالات کے بارے میں مسلمانوں کی تسلی: یعنی اللہ کی قدرت و رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں کل انہیں مسلمان کر دے اور اس طرح تمہارے اور ان کے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ میں ایسا ہی ہوا تقریباً سب مکہ والے مسلمان ہو گئے اور جو لوگ ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ مکہ والوں کے مقابلہ میں یہ ترک موالات کا جہاد صرف چند روز کے لئے ہے۔ پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ چاہیے کہ بحالت موجودہ تم مضبوطی سے ترک موالات پر قائم رہو۔ اور جس کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو گئی ہو اللہ سے اپنی خطا معاف کرائے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۰۔ نرم نحو کفار سے حسن سلوک: یعنی مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہ ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پر خاش بھی نہیں رکھی، نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسر پیکار ہے، تو تمام کافروں کو بلا تمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنا حکمت و انصاف کے خلاف ہو گا۔ ضروری ہے کہ عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جوان اور معاند و مسلم میں ان کے حالات کے اعتبار سے فرق کیا جائے جس کی قدرے تفصیل سورۃ "ماندہ" اور "آل عمران" کے فوائد میں گزر چکی۔

۲۱۔ یعنی ایسے ظالموں سے دوستانہ برتاؤ کرنا بیشک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے۔ (ربط) یہاں تک کفار کے دو فریق (معاند اور مسلم) کے ساتھ معاملہ کرنے کا ذکر تھا۔ آگے بتلاتے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے جو "دار الحرب" سے "دار الاسلام" میں آئیں یا "دار الحرب" میں مقیم رہیں۔ قصہ یہ ہے کہ "صلح حدیبیہ" میں مکہ والوں نے یہ قرار دیا کہ ہمارا جو آدمی تمہارے پاس جائے اس کو واپس بھیجنا

ہوگا۔ حضرت ﷺ نے اس کو قبول فرمایا تھا۔ چنانچہ کئی مرد آئے۔ آپ ﷺ نے ان کو واپس کر دیا۔ پھر کئی عورتیں آئیں۔ ان کو واپس کرتے تو کافر مرد کے گھر مسلمان عورتیں حرام میں پڑتیں۔ اس پر یہ اگلی آیتیں اتریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد عورتوں کی واپسی پر کفار نے اصرار نہیں کیا ورنہ صلح قائم نہ رہتی۔

۱۰۔ اے ایمان والو جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو اللہ خوب جانتا ہے انکے ایمان کو [۲۲] پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو انکو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو اور دیدو ان کافروں کو جو ان کا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر لو ان عورتوں سے جب انکو دو انکے مہر [۲۳] اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے اور تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہ اللہ کا فیصلہ ہے تم میں فیصلہ کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۲۴]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ  
مُهَجِرَاتٍ فَاْمْتَحِنُوهُنَّ ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۗ  
فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى  
الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۗ وَ  
أَتُوهُنَّ مِمَّا أَنْفَقُوا ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ  
تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا أَتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۗ وَلَا  
تُسْئَلُوا بِعِصْمِ الْكُوفَرِ ۗ وَسَأَلُوا مِمَّا أَنْفَقْتُمْ  
وَلَيْسَ سَأَلُوا مِمَّا أَنْفَقُوا ۗ ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ  
بَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

۱۱۔ اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں کافروں کی طرف پھر تم ہاتھ مارو تو دیدو انکو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو یقین ہے [۲۵]

وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ  
فَعَاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا  
أَنْفَقُوا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٦١﴾

۱۲۔ اے نبی جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ  
عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا

کو نہ مار ڈالیں<sup>[۲۶]</sup> اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں<sup>[۲۷]</sup> اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں تو انکو بیعت کر لے<sup>[۲۸]</sup> اور معافی مانگ انکے واسطے اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے<sup>[۲۹]</sup>

يَزْنِينَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاتِينَ  
بِهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا  
يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايَعُهُنَّ وَ اسْتَغْفِرُ  
لَهُنَّ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶﴾

۲۲۔ مکہ کی مسلمان عورتوں کا امتحان: یعنی دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ لیکن ظاہری طور سے ان عورتوں کی جانچ کر لیا کرو۔ آیا واقعی وہ مسلمان ہیں اور محض اسلام کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیوی یا نفسانی غرض تو ہجرت کا سبب نہیں ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ کا امتحان کرتے تھے۔ اور حضور ﷺ کی طرف سے ان سے بیعت لیتے تھے۔ اور کبھی حضور ﷺ خود بہ نفس نفیس بیعت لیا کرتے تھے جو آگے یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعَنَّكَ اَلْحَمْدُ میں مذکور ہے۔

۲۳۔ ان عورتوں سے نکاح کی شرائط: یہ حکم ہوا کہ زوجین میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اختلاف دارین کے بعد تعلق نکاح قائم نہیں رہتا۔ پس اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر "دارالاسلام" میں آجائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے۔ اور اب عورت کا جو مہر قرار پائے وہ جدا اپنے ذمہ رکھے تب نکاح میں لاسکتا ہے۔

۲۴۔ مسلمانوں کی کافر بیویوں کا مسئلہ: پہلے حکم کے مقابل دوسری طرف یہ حکم ہوا کہ جس مسلمان کی عورت کافر رہ گئی ہے وہ اس کو چھوڑ دے۔ پھر جو کافر اس سے نکاح کرے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے۔ اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں۔ جب یہ حکم اترا تو مسلمان تیار ہوئے دینے کو بھی اور لینے کو بھی لیکن کافروں نے دینا قبول نہ کیا۔ تب اگلی آیت نازل ہوئی۔

۲۵۔ اسلام کی عادلانہ تعلیم: یعنی جس مسلمان کی عورت گئی اور کافر اس کا خرچ کیا ہوا نہیں پھیرتے تو جس کافر کی عورت مسلمانوں کے ہاں آئے اس کا جو خرچ دینا تھا اس کافر کو نہ دیں۔ بلکہ اسی مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے، اس مسلمان کا حق دیکر جو بچ رہے وہ واپس کر دیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کا خرچ کیا ہوا واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال سے دیا جائے۔ اللہ اکبر! کس قدر عدل و انصاف کی تعلیم ہے۔ لیکن اس پر کاربند وہ ہی ہو گا جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور اس پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتا ہو۔ (تنبیہ) فَعَاقِبْتُمْ کے دو ترجمے مترجم محقق نے کئے۔ "پھر تم ہاتھ مارو" اور "پھر تمہاری باری آئے" ہم نے دوسرے ترجمے کے لحاظ سے مطلب کی تقریر کی ہے پہلے ترجمہ کے موافق بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مالِ غنیمت کا حاصل ہونا ہے۔ یعنی مالِ غنیمت میں سے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا بیٹایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶۔ عورتوں کو بیعت کرنے کی شرائط: جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا کہ رسمی ننگ و عار کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

۲۷۔ طوفان باندھنا ہاتھ پاؤں میں، یہ کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کریں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسم کھائیں، اور ایک معنی یہ کہ بیٹا جٹا ہو کسی اور سے اور منسوب کر دیں خاوند کی طرف، یا کسی دوسری عورت کی اولاد لے کر مکر و فریب سے اپنی طرف نسبت کر لیں۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی ایک کا بیٹا دوسرے کی طرف لگائے جنت اس پر حرام ہے۔

۲۸۔ عورتوں کی بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ: پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان عورتوں کی (جو ہجرت کر کے آئیں) جانچ کی جائے۔ یہاں بتلادیا کہ ان کا جانچنا یہی ہے کہ جو احکام اس آیت میں ہیں وہ قبول کر لیں تو ان کا ایمان ثابت رکھو۔ یہ آیت بیعت کہلاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس عورتیں بیعت کرتی تھیں تو یہی اقرار لیتے تھے لیکن بیعت کے وقت کبھی عورت کے ہاتھ نے آپ ﷺ کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔

۲۹۔ عورتوں کے لئے استغفار کا حکم: یعنی ان امور میں جو کوتاہیاں پہلے ہو چکیں یا امتثال احکام میں آئندہ کچھ تفسیر رہ جائے اس کے لئے آپ انکے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔ اللہ آپ کی برکت سے ان کی تفسیر معاف فرمائے گا۔

۱۳۔ اے ایمان والو مت دوستی کرو ان لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ ان پر [۳۰] وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے آس توڑی منکروں نے قبر والوں سے [۳۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَمْسُوْا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَمْسُ الْكُفَّارُ مِنَ أَصْحَابِ الْقُبُورِ

ع ۱۳

۳۰۔ اللہ کے دشمنوں سے دوستی کی ممانعت: شروع سورت میں جو مضمون تھا، خاتمہ پر پھر یاد دلادیا یعنی مؤمن کی شان نہیں کہ جس پر خدا ناراض ہو اس سے دوستی اور رفاقت کا معاملہ کرے۔ جس پر خدا کا غصہ ہو، خدا کے دوستوں کا بھی غصہ ہونا چاہیے۔

۳۱۔ کفار کی مایوسی: یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھیں اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں۔ (تنبیہ) بعض مفسرین کے نزدیک مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح کافر جو قبر میں پہنچ چکے وہاں کا حال دیکھ کر اللہ کی مہربانی اور خوشنودی سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں اسی طرح یہ کافر بھی آخرت کی طرف سے مایوس ہیں۔

تم سورة الممتحنة

آیاتها ۱۴

۶۱ سُورَةُ الصَّفِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۹

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ

الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱﴾

۲۔ اے ایمان والو کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے

يَاۤیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾

۳۔ بڑی بیزارگی کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾

۴۔ اللہ چاہتا ہے اُن لوگوں کو جو لڑتے ہیں اُسکی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی [۱]

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهِ صَفًا

كَانَتْهُمْ بُنْیَانًا مَّرْصُورًا ﴿۴﴾

۵۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم میری کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا بھیجا آیا ہوں تمہارے پاس [۲] پھر جب وہ پھر گئے تو پھیر دیے اللہ نے انکے دل اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو [۳]

وَ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهِ یَقَوْمِ لِمَ تُوذُوْنِیْ وَ قَدْ

تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ

اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۵﴾

۶۔ اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنے والا اُس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت [۴] اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اُس کا نام ہے احمد [۵] پھر جب آیا انکے پاس کھلی نشانیاں لیکر کہنے لگے یہ جادو ہے صریح [۶]

وَ اِذْ قَالَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرٰءِیْلَ اِنِّیْ

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْ مِنْ

التَّوْرٰتِ وَ مَبَشِّرًا بِرَسُوْلِ یَّآئِیْ مِنْ بَعْدِی

اِسْمُهٗٓ اَحْمَدٌ ۗ فَلَمَّا جَاۤءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا

## سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٦﴾

۷۔ اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اُسکو بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو [۴] اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو [۸]

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

## الظَّالِمِينَ ﴿٧﴾

۸۔ چاہتے ہیں کہ بھجا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر [۹]

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٨﴾

۹۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے [۱۰]

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٩﴾

۱۔ زبانی دعویٰ کی مذمت: بندہ کو لاف زنی اور دعوے کی بات سے ڈرنا چاہیے کہ پیچھے مشکل پڑتی ہے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے، لیکن اس کا نباہنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے جو زبان سے کہے بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔ روایات میں ہے کہ ایک جگہ مسلمان جمع تھے، کہنے لگے ہم کو اگر معلوم ہو جائے کہ کونسا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو وہی اختیار کریں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یعنی دیکھو! سنبھل کر کہو، لو ہم بتلائے دیتے ہیں۔

جہاد میں دیوار کی طرح ڈٹنے والے: کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر ایک آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پگھلا دیا گیا ہے، اور جس میں کسی جگہ کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ اب اس معیار پر اپنے کو پرکھ لو۔ بیشک تم میں بہت ایسے ہیں جو اس معیار پر کامل واکمل اتر چکے ہیں مگر بعض مواقع ایسے بھی نکلیں گے جہاں بعضوں کے زبانی دعویٰ کی انکے عمل نے تکذیب کی ہے آخر جنگ احد میں وہ نینان مرصوص کہاں قائم رہی۔ اور جس وقت حکم قتال اتر تو یقیناً بعض نے یہ بھی کہا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۗ لَوْلَا آخِرُ تَتَاءِ الرَّحِّ (نساء ۷۷) بہر حال زبان سے زیادہ دعوے مت کرو۔ بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو جس سے اعلیٰ کامیابی نصیب ہو۔ مولیٰ کی قوم کو نہیں دیکھتے کہ زبان سے تعلق و تفاخر کی باتیں بہت بڑھ چڑھ کر بناتے تھے لیکن عمل کے میدان میں صرف تھے۔ جہاں کوئی موقع کام کا آیا فوراً پھسل گئے اور نہایت تکلیف دہ باتیں کرنے لگے۔ نتیجہ جو کچھ ہو اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

۲۔ حضرت مولیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم سے شکایت: یعنی روشن دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر تم دل میں یقین رکھتے ہو کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں۔ پھر سخت نازیبا اور رنجیدہ حرکتیں کر کے مجھے کیوں ستاتے ہو۔ یہ معاملہ تو کسی معمولی ناصح اور خیر خواہ کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہیے۔



چہ جائیکہ ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو۔ کیا میرے دل کو تمہاری ان گستاخانہ حرکات سے دکھ نہیں پہنچتا کہ کبھی بے جان مچھڑا بنا کر پوجنے لگے اور اس کو اپنا اور موسیٰ کا خدا بتلانے لگے۔ کبھی ”عماقہ“ پر جہاد کرنے کا حکم ہوا تو کہنے لگے ہم تو کبھی نہیں جائیں گے۔ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ وغیرہ ذلک من الخرافات۔ چنانچہ اسی سے تنگ ہو کر حضرت موسیٰ نے فرمایا رَبِّ اِنَّیْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَاَفْرِقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (المائدہ-۲۵)۔

۳۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے: بدی کرتے کرتے قاعدہ ہے کہ دل سخت اور سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ نیکی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ ہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول سے ضد ہی کرتے رہے اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے، تو آخر مردود ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا کہ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ کی یہ ہی عادت ہے۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تورات کی تصدیق کرنا: یعنی اصل تورات کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے احکام و اخبار پر یقین رکھتا ہوں اور جو کچھ میری تعلیم ہے فی الحقیقت ان ہی اصولوں کے ماتحت ہے جو تورات میں بتلائے گئے تھے۔ (تمبیہ) ابن کثیر وغیرہ نے مُصَدِّقًا لِّمَا بَیِّنَیْذِیْ اِلٰح کا مطلب یہ لیا ہے کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ کیونکہ میں ان چیزوں کا مصداق بن کر آیا ہوں جن کی خبر تورات شریف میں دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔

۵۔ انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی سے اسم احمد (صلی اللہ علیہ وسلم): یعنی پچھلے کی تصدیق کرتا ہوں اور اگلے کی بشارت سناتا ہوں۔ یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں۔ لیکن جس صراحت و وضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں۔ شاید قرب عہد کی بناء پر یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہوگی۔ کیونکہ ان کے بعد نبی آخر الزماں کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور اور معاندانہ دستبرد نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات و انجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیاء سابقین خصوصاً حضرت مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دی تھی۔ اور اسی لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے صاف و صریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے۔ تاہم یہ بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے مخرنین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اس کے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشینگوئیوں کو بالکل محو کر دیں کہ ان کا کچھ نشان باقی نہ رہے۔ موجودہ بائبل میں بھی بیسیوں مواضع ہیں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قریب تصریح کے موجود ہے اور عقل و انصاف والوں کے لئے اس میں تاویل و انکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔

فارقلیط کے معنی: اور انجیل یوحنا میں تو فارقلیط (یا پیر کلو طوس) والی بشارت اتنی صاف ہے کہ اس کا بے تکلف مطلب بجز احمد (بمعنی محمود و ستودہ) کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ بعض علماء اہل کتاب کو بھی ناگزیر اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس پیشین گوئی کا انطباق پوری طرح نہ روح القدس پر اور نہ بجز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور پر ہو سکتا ہے۔ علماء اسلام نے بحمد اللہ بشارت پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور تفسیر حقانی کے مؤلف فاضل نے ”فارقلیط“ والی بشارت اور تحریف بائبل پر سورۃ ”صف“ کی تفسیر میں نہایت مشجع بحث کی ہے۔ اللہ جزاء خیر دے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر ان کی تکذیب: یعنی حضرت مسیح کھلی نشانیاں لے کر آئے یا جنکی بشارت دی تھی حضرت احمد مجتہبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کھلے نشان لے کر آئے تو لوگ اسے جادو بتلانے لگے۔

۷۔ یعنی جب مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق کو چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو ایک طرف رہا، کتب سماویہ میں تحریف کر کے جو چیزیں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں تھیں ان کو

درج کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو گا۔

۸۔ ظالموں کو ہدایت نہیں: یعنی ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے لایقہدی میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور تحریف و تاویل کریں، خدا ان کو کامیابی کی راہ نہ دے گا۔ گویا حضور ﷺ کے متعلق جن خبروں کو وہ چھپانا یا مٹانا چاہتے ہیں، چھپ یا مٹ نہ سکیں گی چنانچہ باوجود ہزاروں طرح کی قطع و برید کے آج بھی نبی آخر الزماں کی نسبت بشارات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔

۹۔ دین حق کا غلبہ ضرور ہو گا: یعنی منکر پڑے برامانا کریں اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہیگا۔ مشیت الہی کے خلاف کوئی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے کوئی احمق نور آفتاب کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے۔ یہ ہی حال حضرت محمد ﷺ کے مخالفوں کا اور ان کی کوششوں کا ہے۔ (تنبیہ) شاید بِأَفْوَاهِهِمْ کے لفظ سے یہاں اس طرف بھی اشارہ کرنا ہو کہ بشارات کے انکار و اخفاء کے لئے جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں وہ کامیاب ہونیوالی نہیں۔ ہزار کوشش کریں کہ ”فارقلیط“ آپ نہیں ہیں، لیکن اللہ منوا کر چھوڑیگا کہ اس کا مصداق آپ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

۱۰۔ اس آیت پر سورۃ ”برآة“ کے فوائد میں کلام ہو چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

۱۰۔ اے ایمان والو میں بتلاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب دردناک سے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ

تُنَجِّيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿١٠﴾

۱۱۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی جان سے یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ

اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

۱۲۔ بخشے گا وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں [۱۱] اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر [۱۲] یہ ہے بڑی مراد ملنی

يَغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۗ

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور ایک اور چیز دے جس کو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے اور فتح جلدی [۱۳] اور خوشی سنا دے ایمان والوں کو [۱۴]

وَآخِرَىٰ تَحِبُّونَهَا ۗ نَصْرًا مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ

ط وَبَشِيرٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ  
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّنَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى  
اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَاَمْنَتْ  
طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ  
فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا

ظَهْرَيْنَ ﴿١٣﴾

۱۱۔ وہ تجارت جس میں خسارہ نہیں: یعنی اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے۔ لیکن تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اس کے راستہ میں جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ وہ سوداگری ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں، دنیا میں لوگ سینکڑوں طرح کے بیوپار اور تجارتیں کرتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ اس میں لگا دیتے ہیں محض اس امید پر کہ اس سے منافع حاصل ہونگے اور اس طرح راس المال گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائے گا۔ پھر وہ بذاتِ خود اور اس کے اہل و عیال تنگدستی و افلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن مؤمنین اپنے جان و مال کا سرمایہ اس اعلیٰ تجارت میں لگائیں گے تو صرف چند روزہ افلاس سے نہیں، بلکہ آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارہ سے مامون ہو جائیں گے اگر مسلمان سمجھے تو یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا۔ جس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔

۱۲۔ جنت کے مکانات: یعنی وہ ستھرے مکانات ان باغوں کے اندر ہوں گے جن میں مؤمنین کو آباد ہونا ہے۔ یہ تو آخرت کی کامیابی رہی۔ آگے دنیا کی اعلیٰ اور انتہائی کامیابی کا ذکر ہے۔

۱۳۔ آخرت کے علاوہ دنیا میں فتح کی خوشخبری: یعنی اصلی اور بڑی کامیابی تو وہ ہی ہے جو آخرت میں ملے گی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت کوئی چیز نہیں لیکن دنیا میں بھی ایک چیز جسے تم طبعاً محبوب رکھتے ہو، دی جائے گی وہ کیا ہے نَصْرًا مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ (اللہ کی طرف سے ایک مخصوص امداد اور جلد حاصل ہونیوالی فتح و ظفر، جن میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا تعلق رکھتی ہے) دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیسی صفائی سے پورا ہوا اور آج بھی مسلم قوم اگر سچے معنی میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم ہو جائے تو یہ ہی کامیابی ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہے۔

۱۴۔ کیونکہ یہ خوشخبری سنانا ایک مستقل انعام ہے۔

۱۵۔ اللہ کے مددگار بن جاؤ: یعنی اس کے دین اور اس کے پیغمبر کے مددگار بن جاؤ۔ اس حکم کی تعمیل خدا کے فضل و توفیق سے مسلمانوں نے ایسی کی کہ ان میں سے ایک جماعت کا تو نام ہی "انصار" پڑ گیا۔

۱۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین: ”حواریین“ (یاران مسیح) تھوڑے سے تو گئے چنے آدمی تھے جو اپنے نسب و حسب کے اعتبار سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو قبول کیا اور ان کی دعوت کو بڑی قربانیاں کر کے دیار و امصار میں پھیلا یا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”حضرت عیسیٰؑ کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کی ہیں تب ان کا دین نشر ہوا۔ ہمارے حضرت ﷺ کے پیچھے بھی خلفاء نے اس سے زیادہ کیا۔“ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مؤمنین کی مدد: یعنی ”بنی اسرائیل“ میں دو فرقے ہو گئے۔ ایک ایمان پر قائم ہوا۔ دوسرے نے انکار کیا۔ پھر حضرت مسیحؑ کے بعد آپس میں دست و گریبان رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس بحث و مناظرہ اور خانہ جنگیوں میں مؤمنین کو منکرین پر غالب کیا۔ حضرت مسیحؑ کے نام لیوا (نصاری) یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ میں سے ان کی عام گمراہی کے بعد جو نچے کچے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کے ذریعہ سے دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ حجت و برہان کے اعتبار سے بھی اور قوت و سلطنت کے حیثیت سے بھی۔ فللہ الحمد والمہم۔

تم سورة الصف ولله الحمد والمہم

## آیاتها ۱۱

## ۶۲ سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰

## رکوعاتها ۲

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں بادشاہ پاک ذات زبردست حکمتوں والا

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ

الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾

۲۔ وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے انکو اُسکی آیتیں اور انکو سنوارتا ہے اور سکھاتا ہے انکو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں [۱]

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ يَتْلُو

عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ يَزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ

الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ

مُبِیْنٍ ﴿۲﴾

۳۔ اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں [۲] اور وہی ہے زبردست حکمت والا [۳]

وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَ هُوَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾

۴۔ یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے جسکو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے [۴]

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَ اللّٰهُ ذُو

الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۴﴾

۵۔ مثال ان لوگوں کی جن پر لادی تو ریت پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے مثال گدھے کی کہ پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں [۵] بری مثال ہے ان لوگوں کی [۶] جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو [۴] اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو [۸]

مَثَلُ الَّذِيْنَ حٰبَلُوْا التَّوْرٰتَ ثُمَّ لَمْ يَحْبِلُوْهَا

كَثَلِ الْحِجَارِ يَحْبِلُ اَسْفَارًا ۗ بِئْسَ مَثَلُ

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ ۗ وَ اللّٰهُ لَا

## يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾

۶۔ تو کہہ اے یہودی ہونے والو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوائے تو مناؤ اپنے مرنے کو اگر تم سچے ہو

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦﴾

۷۔ اور وہ کبھی نہ منائیں گے اپنا مرنا ان کاموں کی وجہ سے جنکو آگے بھیج چکے ہیں اُنکے ہاتھ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں سب گنہگار [۹]

وَلَا يَتَسَوَّنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٧﴾

۸۔ تو کہہ موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے ضرور ملنے والی ہے پھر تم پھیرے جاؤ گے اس سے چھپے اور کھلے جانے والے کے پاس پھر جتلا دے گا تم کو جو تم کرتے تھے [۱۰]

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

۱۔ اُمّیین کون ہیں: اُمّیین (ان پڑھ) عرب کو کہا۔ جن میں علم و ہنر کچھ نہ تھا نہ کوئی آسمانی کتاب تھی۔ معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے۔ ان کی جہالت و وحشت ضرب المثل تھی خدا کو بالکل بھولے ہوئے تھے، بت پرستی، ادہام پرستی، اور فسق و فجور کا نام "ملت ابراہیمی" رکھ چھوڑا تھا اور تقریباً ساری قوم صریح گمراہی میں پڑی بھٹک رہی تھی۔

نبی اُمّی کی تعلیمات اور فرائض: ناگہاں اللہ تعالیٰ نے اسی قوم میں سے ایک رسول اٹھایا جس کا امتیازی لقب "نبی اُمّی" ہے۔ لیکن باوجود اُمّی ہونے کے اپنی قوم کو اللہ کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب پڑھ کر سناتا اور عجیب و غریب علوم و معارف اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھلا کر ایسا حکیم و شائستہ بناتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکیم و دانا اور عالم و عارف اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں۔ (تنبیہ) اس طرح کی آیت سورۃ بقرہ "اور" آل عمران "میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۲۔ اہل عجم کے بھی رسول ہیں: یعنی یہ ہی رسول دوسرے آنیوالے لوگوں کے واسطے بھی ہے جن کو مبد آو معاد اور شرائع سماویہ کا پورا اور صحیح علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پڑھ ہی کہنا چاہیے۔ مثلاً فارس، روم، چین اور ہندوستان وغیرہ کی قومیں جو بعد کو امّیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان ہی میں سے ہو گئیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے اول عرب پیدا کئے اس دین کے تھانے والے، پیچھے عجم میں ایسے کامل لوگ اٹھے۔" حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ سے وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَنَأْتِلْحَقُوهُمْ کی نسبت سوال کیا گیا تو سلمان فارسیؓ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر علم یا دین تریا پر جانچنے کا تو (اسکی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئیگا) شیخ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ نے

تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابو حنیفہ النعمان ہیں۔  
۳۔ اہل عجم کے بھی رسول ہیں: جس کی زبردست قوت و حکمت نے اس جلیل القدر پیغمبر کے ذریعہ قیامت تک کے لئے عرب و عجم کی تعلیم و تزکیہ کا انتظام فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۔ اس اُمت پر اللہ کا فضل: یعنی رسول کو یہ بڑائی دی اور اس اُمت کو اتنے بڑے مرتبہ والا رسول دیا۔ فلہ الحمد والمنة علی ما انعم۔ چاہیے کہ مسلمان اس انعام و اکرام کی قدر پہچانیں، اور حضور ﷺ کی شان تعلیم و تزکیہ سے مستفید و منتفع ہونے میں کوتاہی نہ کریں۔ آگے عبرت کے لئے یہود کی مثال بیان فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اور پیغمبر سے استفادہ کرنے میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی۔

۵۔ تورات پر عمل نہ کرنے والے گدھے کی مثل ہیں: یعنی یہود پر "تورات" کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے، لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات و ہدایات کی کچھ پروا نہ کی، نہ اس کو محفوظ رکھا، نہ دل میں جگہ دی، نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے فضل و انعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے۔ حکمت و ہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا، مگر جب اس سے منتفع نہ ہوئے تو وہ ہی مثال ہو گئی۔

نہ محقق شدی نہ دانشمند چار پائے برو کتابے چند

ایک گدھے پر علم و حکمت کی پچاسوں کتابیں لاد دو۔ اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔ اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا خنزف و سنگریزے۔ اگر محض اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو! میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں۔ تو یہ اور زیادہ گدھاپن ہو گا۔

۶۔ یعنی بری قوم ہے وہ جس کی مثال یہ ہے۔ اللہ ہم کو پناہ میں رکھے۔

۷۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تورات وغیرہ میں جو بشارات نبی آخر الزماں ﷺ کی دی تھیں اور جو دلائل براہین آپ ﷺ کی رسالت پر قائم کیں، ان کو جھٹلانا آیات اللہ کو جھٹلانا ہے۔

۸۔ یعنی ایسے معاند، ہٹ دھرم، بے انصاف لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

۹۔ یہود کی ولایت کا جھوٹا دعویٰ: یعنی اس گدھے پن اور جہل و حماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے کہ بلا شرکت غیرے ہم ہی اللہ کے دوست اور ولی اور تہا جنت کے حقدار ہیں بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے۔ لیکن اگر واقعی دل میں یہ ہی یقین ہے اور اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ضرور تھا کہ دنیا کے مکرر عیش سے دل برداشتہ ہر کر محبوب حقیقی کے اشتیاق اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے۔ جس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ میرا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور کوئی خطرہ نہیں۔ وہ بیشک مرنے سے خوش ہو گا اور موت کو ایک پل سمجھے گا۔ جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے اس کی زبان پر تو یہ الفاظ ہوں گے غَدَا نَلْقَى الْأَجْبَةَ مُحَمَّداً وَ حَبَابَةَ اور يَا حَبَّبَا الْجَنَّةِ وَاقْتَرَابَا، طيبة وبارد شہ ابھا حبیب جاء علی فاقۃ اور یابنی لایبالی ابوک سقط علی الموت امر سقط علیہ الموت وغیر ذلک۔

اولیاء اللہ اور موت کا اشتیاق: یہ ان اولیاء اللہ کے کلمات ہیں جو دنیا کی کسی سختی یا مصیبت سے گھبرا کر نہیں، خالص لقاء اللہ اور جنت کے اشتیاق میں موت کی تمنا رکھتے تھے، اور ان کے افعال و حرکات خود شہادت دیتے تھے کہ موت ان کو دنیا کی تمام لذائذ سے زیادہ لذیذ ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لودود انی اُقْتَلُ فی سبیل اللہ ثم اُحْیٰ ثم اُقْتَلُ اس کے بالمقابل ان جھوٹے مدعیوں کے افعال و حرکات پر نظر ڈالو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں۔ وہ مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں، اس لئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ محض اس لئے کہ دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کر توت کئے ہیں،

یہاں سے چھوٹے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ غرض ان کے تمامی افعال و اطوار سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے موت کی آرزو نہیں کر سکتے۔ اور ممکن تھا کہ اس زمانہ کے یہود قرآن کے اس دعوے کو جھٹلانے کے لئے جھوٹ موٹ زبان سے موت کی تمنا کرنے لگتے، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت بھی ان کو نہ دی۔ روایات میں ہے کہ اگر (ان میں سے) کوئی یہودی موت کی تمنا کر گزرتا تو اسی وقت گلے میں اچھو لگ کر ہلاک ہو جاتا (تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورۃ بقرہ ”میں گذر چکی ہے، اس کے فوائد دیکھ لئے جائیں بعض سلف کے نزدیک“ تمنی موت ”کا مطلب مباہلہ تھا۔ یعنی معاند یہود سے کہا گیا کہ اگر وہ واقعی اپنے اولیاء ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو باطل پر سمجھتے ہیں تو تمنا کریں کہ فریقین میں جو جھوٹا ہو، مر جائے لیکن وہ کبھی ایسا نہ کریں گے کیونکہ ان کو اپنے کذب و ظلم کا یقین حاصل ہے۔ ابن کثیر اور ابن قیم وغیرہ نے یہ ہی توجیہ اختیار کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ موت سے فرار ممکن نہیں: یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہو۔ ہزار کوشش کرو، مضبوط قلعوں میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہو، وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں۔ اور موت کے بعد پھر وہ ہی اللہ کی عدالت ہے اور تم ہو (ربط) یہودی کی بڑی خرابی یہ تھی کہ کتابیں پیٹھ پر لدی ہوئی ہیں، لیکن ان سے منتفع نہیں ہوتے دین کی بہت سی باتیں سمجھتے بوجھتے، پر دنیا کے واسطے چھوڑ بیٹھتے۔ دنیا کے دھندوں میں منہمک ہو کر اللہ کی یاد اور آخرت کے تصور کو فراموش کر دیتے، ایسی روش سے ہم کو منع کیا گیا۔ جمعہ کا تقید بھی ایسا ہی ہے کہ اس وقت دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو۔ حدیث میں ہے کہ ”جو کوئی خطبہ کے وقت بات کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں“۔ یعنی اس کی مثال یہودی کی سی ہوئی۔ العیاذ باللہ۔

۹۔ اے ایمان والو جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت [۱۱] یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے [۱۲]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ  
الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ  
خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹﴾

۱۰۔ پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت ساتا کہ تمہارا بھلا ہو [۱۳]

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَ  
ابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا  
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا متفرق ہو جائیں اُسکی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سودا گری سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا [۱۴]

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْمًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ  
قَائِبًا ۗ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهِهِ وَمِنَ  
التِّجَارَةِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱﴾



۱۱۔ اذان جمعہ کی اہمیت اور احکام: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”ہر اذان کا یہ حکم نہیں، کیونکہ جماعت پھر بھی ملے گی۔ اور جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا پھر کہاں ملیگا۔“ اور اللہ کی یاد سے مراد خطبہ ہے اور نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی ایسے وقت جائے کہ خطبہ سنے۔ اس وقت خرید و فروخت حرام ہے۔ اور ”دوڑنے“ سے مراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے۔ بھاگنا مراد نہیں۔ (تنبیہ) نُؤدِی سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلی اذان بعد کو حضرت عثمانؓ کے عہد میں صحابہؓ کے اجماع سے مقرر ہوئی ہے۔ لکین حرمت بیچ میں اس اذان کا حکم بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے۔ البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص و قطعی ہو گا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ اور نظمی رہیگا۔ اس تقریر سے تمام علمی اشکالات مرتفع ہو گئے۔ نیز واضح رہے کہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا یہاں ”عام مخصوص منہ البعض“ ہے، کیونکہ بالا جماع بعض مسلمانوں (مثلاً مسافر و مریض وغیرہ) پر جمعہ فرض نہیں۔

۱۲۔ ظاہر ہے کہ منافع آخرت کے سامنے دنیوی فوائد کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

۱۳۔ جمعہ کے بعد روزی کی تلاش: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”یہود کے ہاں عبادت کا دن ہفتہ تھا۔ سارا دن سودا منع تھا اس لئے فرما دیا کہ تم نماز کے بعد روزی تلاش کرو، اور روزی کی تلاش میں بھی اللہ کی یاد نہ بھولو“

۱۴۔ لہو و تجارت پر مسلمانوں کو تنبیہ: ایک مرتبہ جمعہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے، اسی وقت تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آ پہنچا۔ اس کے ساتھ اعلان کی غرض سے نقارہ بجاتا تھا۔ پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی۔ لوگ دوڑے کہ اس کو ٹھہرائیں (خیال کیا ہو گا کہ خطبہ کا حکم عام و عظموں کی طرح ہے جس میں سے ضرورت کے لئے اٹھ سکتے ہیں۔ نماز پھر آ کر پڑھ لینگے۔ یا نماز ہو چکی ہو گی جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت نماز جمعہ خطبہ سے پہلے ہوتی تھی۔ بہر حال خطبہ کا حکم معلوم نہ تھا) اکثر لوگ چلے گئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ آدمی (جن میں خلفاء راشدین بھی تھے) باقی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت اتری یعنی سودا گری اور دنیا کا کھیل تماشاً کیا چیز ہے، وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اور جو پیغمبر کی صحبت اور مجالس ذکر و عبادت میں ملتی ہے۔ باقی قسط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بناء پر اٹھ کر چلے گئے، سو یاد رکھو روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے۔ اس مالک کے غلام کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس تنبیہ و تادیب کے بعد صحابہؓ کی شان وہ تھی جو سورۃ ”نور“ میں ہے رَجَاءٌ لَا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللَّهِ (النور۔ ۷۳)۔ (تنبیہ) ”لہو“ کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو اللہ کی یاد سے مشغول کر دے جیسے کھیل تماشہ۔ شاید اس نقارہ کی آواز کو ”لہو“ سے تعبیر فرمایا ہو۔

تم سورۃ الجمعۃ

آیاتها ۱۱

رکوعاتها ۲

۶۳ سُورَةُ الْمُنْفِقُونَ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا<sup>[۱]</sup> اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں<sup>[۲]</sup>

إِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴿١﴾

۲۔ انہوں نے رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر<sup>[۳]</sup> پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے یہ لوگ برے کام ہیں جو کر رہے ہیں<sup>[۴]</sup>

اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢﴾

۳۔ یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر مہر لگ گئی اُنکے دل پر سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے<sup>[۵]</sup>

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٣﴾

۴۔ اور جب تو دیکھے اُنکو تو اچھے لگیں تجھ کو اُنکے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو اُنکی بات<sup>[۶]</sup> کیسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگا دی دیوار سے<sup>[۷]</sup> جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی<sup>[۸]</sup> وہی ہیں دشمن اُن سے بچتا رہ<sup>[۹]</sup> گردن مارے اُنکی اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں<sup>[۱۰]</sup>

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشْبٌ مُسْنَدَةٌ ط يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ط هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ط قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَنْ يُولَفُوكُونَ ﴿٤﴾

۵۔ اور جب کہیے اُنکو آؤ معاف کر اے تم کو رسول اللہ کا منکارتے ہیں اپنے سر اور تو دیکھے کہ وہ رکنتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں<sup>[۱۱]</sup>

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رِعْوَاهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يُصَدُّونَ وَهُمْ

## مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٥﴾

۶۔ برابر ہے اُن پر تو معافی چاہے اُنکی یا نہ معافی چاہے ہر گز نہ معاف کرے گا اُنکو اللہ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو [۱۲]

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾

## الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾

۷۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں [۱۳] اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے و لیکن منافق نہیں سمجھتے [۱۴]

هُم الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفُضُوا ۗ وَ لِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٧﴾

۸۔ کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو اور زور تو اللہ کا ہے اور اُسکے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں جانتے [۱۵]

يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا اِلَى الْبَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ اِلَاعِزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۗ وَ لِلَّهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهِ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾

۱۔ یعنی ہم دل سے اعتقاد رکھتے ہیں آپ ﷺ کے رسول ہونے پر۔

۲۔ منافقین کے کذب پر اللہ کی گواہی: یعنی جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کو دل سے اعتقاد ہے۔ واقع میں وہ آپ ﷺ کی رسالت کے قائل نہیں محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ پھر اسی ایک بات پر کیا منحصر ہے، جھوٹ بولنا ان کی امتیازی خصلت اور شعار بن چکا ہے۔ بات بات میں کذب و دروغ سے کام لیتے ہیں چنانچہ اسی سورۃ میں ایک واقعہ کا ذکر آیا چاہتا ہے جس میں انہوں نے صریح جھوٹ بولا، اور اللہ نے آسمان سے ان کی تکذیب کی۔

۳۔ منافقین کی جھوٹی قسمیں: یعنی جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے ان ہی قسموں کی آڑ پکڑتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا خوف ہوا۔ فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہو گئے۔

۴۔ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں: یعنی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت طعن و تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور لوگ ان کو بظاہر مسلمان دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں، تو ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر فساد ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ دوسروں تک

متعدی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر برکام اور کیا ہو گا (لیکن ایک شخص جب تک بظاہر ضروریات دین کا اقرار کرتا ہے خواہ جھوٹ اور فریب ہی سے کیوں نہ ہو، اسلام اس کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔

۵۔ منافقین کے قلوب پر مہر: یعنی زبان سے ایمان لائے، دل سے منکر رہے اور مدعی ایمان ہو کر کافروں جیسے کام کئے اس بے ایمانی اور انتہائی فریب و دغا کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ جن میں ایمان و خیر اور حق و صداقت کے سرایت کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ اب اس حالت پر پہنچ کر ان سے سمجھنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں سے بالکل مسخ ہو جائے پھر نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت کہاں باقی رہے گی۔

۶۔ منافقین کا ظاہر و باطن: یعنی دل تو مسخ ہو چکے ہیں لیکن جسم دیکھو تو بہت ڈیل ڈول کے، چکنے چپڑے، بات کریں تو بہت فصاحت اور چرب زبانی سے، نہایت لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا ادھر متوجہ ہو۔ اور کلام کی ظاہری سطح دیکھ کر قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

ازبروں چوں گور کافر پر خلل  
واندروں قہر خدائے عزوجل

ازبروں طعنہ زنی بر بایزید  
وازدرونت ننگ میدارد بیزید

۷۔ دیوار سے لگی خشک لکڑی کی مثال: خشک اور بیکار لکڑی جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے محض بیجان اور لایعقل، دیکھنے میں کتنی موٹی، مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کے کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آسکتی ہے۔ یہ ہی حال ان لوگوں کا ہے۔ ان کے موٹے فرہ جسم، اور تن و توش سب ظاہری خول ہیں، اندر سے خالی اور بیجان، محض دوزخ کا ایندھن بننے کے لائق۔

۸۔ منافقین کی بزدلی: یعنی بزدل، نامرد ڈرپوک، ذرا کہیں شور و غل ہو تو دل دہل جائے۔ سمجھیں کہ ہم ہی پر کوئی بلا آئی۔ سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہر وقت ان کے دل میں دغدغہ لگا رہتا ہے کہ دیکھیے کہیں ہماری دغا بازیوں کا پردہ تو چاک نہیں ہو گیا۔ یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔

۹۔ یعنی بڑے خطرناک دشمن یہ ہی ہیں ان کی چالوں سے ہشیار رہو۔

۱۰۔ یعنی ایمان کا اظہار کر کے یہ بے ایمانی، اور حق و صداقت کی روشنی آپکنے کے بعد یہ ظلمت پسندی کس قدر عجیب ہے۔

۱۱۔ توبہ سے اعراض اور تکبر: بعض دفعہ جب ان منافقوں کی کوئی شرارت صاف طور پر کھل جاتی اور کذب و خیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ (اب بھی وقت نہیں گیا، آؤ! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے اپنا قصور معاف کرالو۔ حضور ﷺ کے استغفار کی برکت سے حق تعالیٰ تمہاری خطا معاف فرمادے گا، تو غرور و تکبر سے اس پر آمادہ نہ ہوتے اور بے پروائی سے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے۔ بلکہ بعض بد بخت صاف کہہ دیتے کہ ہم کو رسول اللہ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔

۱۲۔ ان منافقین کے لئے معافی نہیں: یعنی ممکن ہے آپ غایت رحمت و شفقت سے ان کے لئے بحالت موجودہ معافی طلب کریں۔ مگر اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کر نیوالا نہیں، اور نہ ایسے نافرمانوں کو اس کے ہاں سے ہدایت کی توفیق ملتی ہے۔ اس طرح کی ایک آیت سورۃ ”براءۃ“ میں آچکی ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔

۱۳۔ عبد اللہ بن ابی کی شرارت: ایک سفر میں دو شخص لڑ پڑے ایک مہاجرین میں کا اور ایک انصار کا۔ دونوں نے اپنی حمایت کے لئے اپنی جماعت کو پکارا جس پر خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ یہ خبر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کو پہنچی کہنے لگا اگر ہم ان مہاجرین، کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو ہم سے مقابلہ کیوں کرتے تم ہی خبر گیری کرتے ہو تو یہ لوگ رسول کے ساتھ جمع رہتے ہیں، خبر گیری چھوڑ دو، ابھی خرچ سے تنگ آکر متفرق

ہو جائیں، اور سب جمع پکھڑ جائے۔ یہ بھی کہا کہ اس سفر سے واپس ہو کر ہم مدینہ پہنچیں تو جس کا اس شہر میں زور و اقتدار ہے چاہیے ذلیل بے قدروں کو نکال دے (یعنی ہم جو معزز لوگ ہیں ذلیل مسلمانوں کو نکال دیں گے) ایک صحابی زید بن ارقم نے یہ باتیں سن کر حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس نقل کر دیں۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے عبد اللہ بن اُبی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی سے جھوٹ کہہ دیا ہے۔ لوگ زید پر آوازے کئے لگے وہ بیچارے سخت مجرب اور نامد تھے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے زید کو فرمایا کہ اللہ نے تجھے سچا کیا۔

۱۴۔ زمین کے سارے خزانوں کا مالک اللہ ہے: یعنی احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان و زمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے کیا جو لوگ خالص اس کی رضا جوئی کے لئے اس کے پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں وہ ان کو بھوکوں مار دیگا، اور لوگ اگر ان کی امداد بند کر لینگے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے بند کر لیگا؟ سچ تو یہ ہے کہ جو بندے ان اللہ والوں پر خرچ کر رہے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہو تو نیک کام میں کوئی ایک پیسہ خرچ نہ کر سکے۔

۱۵۔ عزت اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے لئے ہے: یعنی منافق یہ نہیں جانتے کہ زور آور اور عزت والا کون ہے۔ یاد رکھو اصلی اور ذاتی عزت اللہ کی ہے۔ اس کے بعد اسی سے تعلق رکھنے کی بدولت درجہ بدرجہ رسول کی اور ایمان والوں کی۔ روایات میں ہے کہ عبد اللہ بن اُبی کے وہ الفاظ (کہ عزت والا ذلیل کو نکال دے گا) جب اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ کو پہنچے (جو مخلص مسلمان تھے) تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ بولے جب تک اقرار نہ کر لیگا کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے۔ زندہ نہ چھوڑو گا اور نہ مدینہ میں گھسنے دو گا۔ آخر اقرار کر کر چھوڑا۔ رضی اللہ عنہ۔ منافقین کی توبیح و تفسیح کے بعد آگے مؤمنین کو چند ہدایات کی گئی ہیں یعنی تم دنیا میں پھنس کر اللہ کی اطاعت اور آخرت کی یاد سے غافل نہ ہو جانا جس طرح یہ لوگ ہو گئے ہیں۔

۹۔ اے ایمان والو غافل نہ کر دیں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں [۱۶]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا  
أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ  
فَأُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٩﴾

۱۰۔ اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ہوا اُس سے پہلے کہ آپہنچے تم میں کسی کو موت تب کہے اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سے مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِي  
أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولُ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ  
قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْتُ وَأَكُنُّ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ اور ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی جی کو جب آپہنچا اُس کا وعدہ [۱۷] اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو [۱۸]

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۗ وَاللَّهُ  
خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

۱۶۔ مال و اولاد کی وجہ سے غفلت میں نہ پڑو: یعنی آدمی کے لئے بڑے خسارے اور ٹوٹے کی بات ہے کہ باقی کو چھوڑ کر فانی میں مشغول ہو اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنیٰ میں پھنس جائے مال و اولاد وہ ہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ کرے۔ اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں قلبی سکون و اطمینان نصیب نہ ہوا۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْلَىٰ (طہ-۱۲۳)۔

۱۷۔ موت سے پہلے انفاق کر لو: یہ شاید منافقوں کے قول لَا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ الْخٰبِطِ كَمَا جَوَابُ هُوَا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا بھلا ہے جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو، ورنہ موت سر پر آ پہنچی تو پچھتاؤ گے کہ ہم نے کیوں خدا کے راستہ میں خرچ نہ کیا۔ اس وقت (موت کے قریب) بخیل تمنا کریگا کہ اے پروردگار! چند روز اور میری موت کو ملتوی کر دیتے کہ میں خوب صدقہ خیرات کر کے اور نیک بن کر حاضر ہوتا۔ لیکن وہاں التوا کیسا؟ جس شخص کی جس قدر عمر لکھ دی اور جو میعاد مقرر کر دی ہے، اسکے پورا ہو جانے پر ایک لمحہ کی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ) ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ اس تمنا کو قیامت کے دن پر حمل کرتے ہیں یعنی محشر میں یہ آرزو کریگا کہ کاش مجھے پھر دنیا کی طرف تھوڑی مدت کے لئے لوٹا دیا جائے تو خوب صدقہ کر کے اور نیک بن کر آؤں۔

۱۸۔ اس کو یہ بھی خبر ہے کہ اگر بالفرض تمہاری موت ملتوی کر دی جائے یا محشر سے پھر دنیا کی طرف واپس کریں تب تم کیسے عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے اور سب کے ظاہری و باطنی اعمال سے پوری طرح خبر دار ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔

تم سورة المنفقون

آیاتها ۱۸

رکوعاتها ۲

## ۶۳ سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ پاکی بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اسی کا راج ہے اور اسی کی تعریف ہے [۱] اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے

۲۔ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایماندار [۲] اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے

۳۔ بنایا آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری پھر اچھی بنائی تمہاری صورت [۳] اور اُسکی طرف سب کو پھر جانا ہے

۴۔ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے جیوں کی بات

۵۔ کیا پہنچی نہیں تم کو خبر اُن لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں پہلے پھر انہوں نے چکھی سزا اپنے کام کی اور اُن کو عذاب دردناک ہے [۴]

۶۔ یہ اس لئے کہ لاتے تھے اُنکے پاس اُن کے سول نساہتیں پھر کتے کیا آدمی ہم کر راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا [۵] اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا [۶]

اَسْتَعْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ عَنِّي حَبِيْدٌ ﴿٦﴾

۷۔ دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز انکو کوئی نہ اٹھائے گا [۷]  
تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بیشک اٹھانا  
ہے پھر تم کو جتلانا ہے جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان  
ہے [۸]

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَ  
رَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكِ  
عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۷﴾

۸۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اُس نور پر جو  
ہم نے اتارا [۹] اور اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے [۱۰]

فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَ  
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۸﴾

۹۔ جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن وہ دن  
ہے ہار جیت کا [۱۱] اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے  
کام بھلا اتار دے گا اس پر سے اُسکی برائیاں [۱۲] اور داخل  
کرے گا اُسکو باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں ندیاں رہا کریں  
اُن میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی [۱۳]

يَوْمَ يَجْعَلُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكِ يَوْمُ التَّغَابِنِ  
وَ مَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكْفِرْ عَنْهُ  
سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۹﴾

۱۰۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری  
آیتیں وہ لوگ ہیں دوزخ والے رہا کریں اسی میں اور بری  
جگہ جا پہنچے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۰﴾

۱۔ اسی کارج اور اسی کی تعریف: یعنی اور جس کسی کارج دنیا میں دکھائی دیتا ہے وہ اسی کا دیا ہوا اور جس کسی کی تعریف کی جاتی ہے وہ حقیقت  
میں اسی کی تعریف ہے۔

۲۔ مسئلہ تقدیر اور اللہ کا علم و ارادہ: یعنی اسی نے سب آدمیوں کو بنایا۔ چاہئے تھا کہ سب اس پر ایمان لاتے اور اس منعم حقیقی کی اطاعت  
کرتے۔ مگر ہوا یہ کہ بعض منکر بن گئے اور بعض ایماندار۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمی میں دونوں طرف جانے کی استعداد اور قوت رکھی تھی۔ مگر  
اذلا سب کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا تھا پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر  
لی اور ان دونوں کا علم اللہ کو ہمیشہ سے تھا کہ کون اپنے ارادہ اور اختیار سے کس طرف جائے گا۔ اور پھر اسی کے موافق سزایا انعام و اکرام کا  
مستحق ہو گا۔ یہ ہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہو گا۔ اللہ کا علم محیط اس کو مستلزم نہیں کہ دنیا میں ارادہ و اختیار  
کی قوت باقی نہ رہے۔ یہ مسئلہ دقیق ہے اور ہم اس پر ایک مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق والمعين۔



۳۔ انسان کی صورت سب سے بہتر: سب جانوروں سے انسان کی خلقت اچھی ہے۔ دیکھنے میں بھی خوبصورت، اور ملکات و قویٰ میں بھی تمام عالم سے ممتاز، بلکہ سب کا مجموعہ اور خلاصہ، اسی لئے صوفیہ اسے ”عالم صغیر“ کہتے ہیں۔

۴۔ یعنی تم سے پہلے بہت قومیں ”عاد“ و ”ثمود“ وغیرہ ہلاک کی گئیں اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ یہ خطاب اہل مکہ کو ہے۔

۵۔ بشریت اور رسالت: یعنی کیا ہم ہی جیسے آدمی ہادی بنا کر بھیجے گئے۔ بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتے گویا ان کے نزدیک بشریت اور رسالت میں منافات تھی۔ اسی لئے انہوں نے کفر اختیار کیا اور رسولوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ (تنبیہ) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل و الحاد ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہدے کہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم کے بشر ہونے کا انکار کریں، تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہو گا۔

۶۔ یعنی اللہ کو کیا پروا تھی۔ انہوں نے منہ موڑ لیا تو اللہ نے ادھر سے نظر رحمت اٹھالی۔

۷۔ رسالت کی طرح بعث بعد الموت کا بھی انکار ہے۔

۸۔ دوبارہ زندہ کرنا اللہ کو آسان ہے: یعنی دوبارہ اٹھانا اور سب کا حساب کر دینا اللہ کو کیا مشکل ہے پوری طرح یقین رکھو کہ یہ ضرور ہو کر رہے گا۔ کسی کے انکار کرنے سے وہ آنے والی گھڑی ٹل نہیں سکتی۔ لہذا مناسب ہے کہ انکار چھوڑ کر اس وقت کی فکر کرو۔

۹۔ یعنی قرآن کریم پر۔

۱۰۔ یعنی ایمان کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیے۔

۱۱۔ یعنی اس دن دوزخی ہاریں گے اور جنتی جیتیں گے۔ ہارنا یہ ہی کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے راس المال بھی کھو بیٹھے اور جیتنا یہ کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے آگے اسی کی کچھ تفصیل ہے۔

۱۲۔ یعنی جو تقصیرات ہوئی ہیں ایمان اور نیک کاموں کی برکت سے معاف کر دی جائیں گی۔

۱۳۔ جو جنت میں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔ اللہ کی رضا اور دیدار کا مقام بھی وہ ہی ہے۔

۱۱۔ نہیں پہنچتی کوئی تکلیف بدون حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر وہ راہ تلائے اسکے دل کو [۱۳] اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے [۱۵]

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ

بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا کھول کر [۱۶]

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ

فَأِنَّا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَدِ الْمُبِينِ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ اللہ اسکے سوائے کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہئے بھروسہ کریں ایمان والے [۱۷]

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ اے ایمان والو تمہاری بعض جو روئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے [۱۸] سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگزر و اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۱۹]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ  
عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصْفَحُوا وَ

تَعَفَّرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴﴾

۱۵۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جانچنے کو اور اللہ جو ہے اُسکے پاس ہے ثواب بڑا [۲۰]

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۖ وَاللَّهُ عِنْدَآ

أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾

۱۶۔ سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو [۲۱] اور خرچ کرو اپنے بھلے کو [۲۲] اور جسکو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے [۲۳]

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتِطَعْتُمْ وَاسْعَوْا وَاطِيعُوا وَ

انْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ ۖ وَمَنْ يُوقِ شَحَّ نَفْسِهِ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۶﴾

۱۷۔ اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا وہ دونا کر دے تم کو اور تم کو بخشنے [۲۴] اور اللہ قدر دان ہے تحمل والا [۲۵]

إِنْ تَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضِعْفَهُ لَكُمْ وَ

يَغْفِرْ لَكُمْ ۖ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

۱۸۔ جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا بردست حکمت والا [۲۶]

عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۸﴾

۱۴۔ کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی: دنیا میں کوئی مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں پہنچتی۔ مومن کو جب اس بات کا یقین ہے تو اس پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بہر صورت مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے اور یوں کہنا چاہئے نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دو ستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اس طرح اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو صبر و تسلیم کی راہ بتلا دیتا ہے جس کے بعد عرفان و ایقان کی عجیب و غریب راہیں کھلتی ہیں۔ اور باطنی ترقیات اور قلبی کیفیات کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔"

۱۵۔ یعنی جو تکلیف و مصیبت اس نے بھیجی عین علم و حکمت سے بھیجی۔ اور وہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کی راہ پر چلا۔ اور کس کا دل کن احوال و کیفیات کا مورد بننے کے قابل ہے۔

۱۶۔ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو: یعنی نرمی و سختی اور تکلیف و راحت، غرض ہر حالت میں اللہ و رسول کا حکم مانو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خود

تمہارا ہی نقصان ہے۔ رسول سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر چکا۔ اللہ کو تمہاری طاعت و معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔  
۱۷۔ یعنی معبود اور مستعان تمہارا ہی ذات ہے۔ نہ کسی اور کی بندگی نہ کوئی دوسرا بھروسہ کے لائق۔

۱۸۔ بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں: بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضاجوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتی۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو اہل و عیال اتنے بڑے خسارے اور نقصان کا سبب بنیں۔ وہ حقیقتاً اس کے دوست نہیں کہلا سکتے بلکہ بدترین دشمن ہیں۔ جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے متنبیہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ ان کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہے۔ بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں، اور کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے باقیات صالحات بنتی ہے۔ جعلنا اللہ منہم بفضلہ ومنہ۔

۱۹۔ عفو در گذر کی تعلیم: یعنی اگر انہوں نے تمہارے ساتھ دشمنی کی اور تم کو دینی یا دنیوی نقصان پہنچ گیا تو اس کا اثر یہ نہ ہونا چاہیے کہ تم انتقام کے درپے ہو جاؤ۔ اور ان پر نامناسب سختی شروع کر دو۔ ایسا کرنے سے دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جہاں تک عقلاً و شرعاً گنجائش ہو ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں کو معاف کرو اور عفو در گذر سے کام لو۔ ان مکارم اخلاق پر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔

۲۰۔ مال و اولاد امتحان ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ مال و اولاد دے کر تم کو جانچتا ہے کہ کون ان فانی و زائل چیزوں میں پھنس کر آخرت کی باقی و دائم نعمتوں کو فراموش کرتا ہے اور کس نے ان سامانوں کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اور وہاں کے اجر عظیم کو یہاں کے حظوظ و مالوفات پر ترجیح دی ہے۔

۲۱۔ امتحان میں کامیابی پر اجر عظیم: یعنی اللہ سے ڈر کر جہاں تک ہو سکے اس جانچ میں ثابت قدم رہو اور اس کی بات سنو اور مانو۔

۲۲۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہو گا۔

۲۳۔ یعنی مراد کو وہ ہی شخص پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لالچ سے بچا دے اور حرص و بخل سے محفوظ رکھے۔

۲۴۔ اللہ کو قرض حسنہ: یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے طیب مال خرچ کرو تو اللہ اس سے کہیں زیادہ دیگا اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا۔ اس طرح کا مضمون پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے۔ وہیں ہم نے پوری تقریر کی ہے۔

۲۵۔ تھوڑے عمل پر دو گنا ثواب: قدر دانی کی بات یہ ہے کہ تھوڑے عمل پر بہت سا ثواب دیتا ہے، اور تحمل یہ کہ گناہ دیکھ کر فوراً عذاب نہیں بھیجتا۔ پھر بہت سے مجرموں کو بالکل معاف اور بہتیروں کی سزائیں تخفیف کرتا ہے۔

۲۶۔ یعنی اسی کو ظاہری اعمال اور باطنی نیتوں کی خبر ہے اپنی زبردست قوت اور حکمت سے اس کے مناسب بدلہ دیگا۔

تم سورة التغابن ولله الحمد والمنه

آیاتها ۱۲

۶۵ سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ۹۹

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو انکو طلاق دو انکی عدت پر<sup>[۱]</sup> اور گنتے رہو عدت کو<sup>[۲]</sup> اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا مت نکالو انکو انکے گھروں سے<sup>[۳]</sup> اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی<sup>[۴]</sup> اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا<sup>[۵]</sup> اُسکو خبر نہیں<sup>[۶]</sup> شاید اللہ پیدا کر دے اُس طلاق کے بعد نئی صورت<sup>[۷]</sup>

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ  
لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا  
تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ  
يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ  
وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا  
تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ﴿٦﴾

۲۔ پھر جب پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو انکو دستور کے موافق یا چھوڑ دو انکو دستور کے موافق<sup>[۸]</sup> اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے<sup>[۹]</sup> اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے<sup>[۱۰]</sup> یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائے گا جو کوئی یقین رکھتا ہو گا اللہ پر اور پچھلے دن پر<sup>[۱۱]</sup> اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اُس کا گزارہ<sup>[۱۲]</sup>

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ  
فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوْيَ عَدْلِ  
مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ  
مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ  
يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿٧﴾

۳۔ اور روزی دے اُسکو جہاں سے اُسکو خیال بھی نہ ہو<sup>[۱۳]</sup> اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اُسکو کافی ہے تحقیق اللہ پورا کر لیتا ہے اپنا کام اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ  
عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ

اندازہ [۳۴]

۴۔ اور جو عورتیں ناامید ہو گئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو انکی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا [۱۵] اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے انکی عدت یہ کہ جن لیں پیٹ کا بچہ [۱۶] اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے کہ دے وہ اُس کے کام میں آسانی

جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾

وَإِلَىٰ يَسِّنَ مِنَ الْبَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِن رُتِبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَإِلَىٰ لَمْ يَحْضَنْ وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَ

مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿۴﴾

۵۔ یہ حکم ہے اللہ کا جو اتارا تمہاری طرف اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے اتار دے اس پر سے اسکی برائیاں اور بڑا دے اُسکو ثواب [۱۷]

ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿۵﴾

۶۔ اُنکو گھر دور رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو اپنے مقدر کے موافق [۱۸] اور ایذا دینا نہ چاہو اُنکو تاکہ تنگ پکڑو اُنکو [۱۹] اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ تو اُن پر خرچ کرو جب تک جنین پیٹ کا بچہ [۲۰] پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو دو اُنکو اُن کا بدلا اور سکھاؤ آپس میں نیکی [۲۱] اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اُسکی خاطر اور کوئی عورت [۲۲]

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُوهُنَّ لِيُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلٍ فَلانْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاتُّوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأَتَرُوا بَيْنَكُمْ بِبَعْرُوفٍ وَإِنْ تَعَاَسَ رْتُمْ فَسْتَرْضِعْ لَهُنَّ أُخْرَىٰ ﴿۶﴾

۷۔ چاہیے خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق اور جسکو نی تلی ملتی ہے اُسکی روزی تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اُسکو اللہ نے اللہ کسی پر تکلیف نہیں رکھتا مگر اُسی قدر جو اُسکو دیا اب کر دے گا اللہ سختی کے پیچھے کچھ آسانی [۲۳]

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكْفِ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مِمَّا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ طلاق دینے کا صحیح طریقہ: نبی کو مخاطب بنا کر یہ ساری امت سے خطاب ہے یعنی جب کوئی شخص (کسی ضرورت اور مجبوری سے) اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ عدت پر طلاق دے۔ سورہ "بقرہ" میں آچکا کہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں (کما ہونذہب الحنفیہ) لہذا حیض سے پہلے حالت طہر میں طلاق دینا چاہیے تا سارا حیض گنتی میں آئے اگر فرض کیجئے حالت حیض میں طلاق دیا تو دو حال سے خالی نہیں۔ جس حیض میں طلاق دی ہے اس کو عدت میں شمار کریں گے یا نہ کریں گے۔ پہلی صورت میں ایقاع طلاق سے پہلے جس قدر وقت حیض کا گذر چکا وہ عدت میں سے کم ہو جائے گا۔ اور پورے تین حیض عدت کے باقی رہیں گے۔ اور دوسری صورت میں جب موجودہ حیض کے علاوہ تین حیض لیں گے تو یہ حیض تین سے زائد ہوگا۔ **طہر میں طلاق دو:** اس لئے مشروع طریقہ یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے۔ اور حدیث سے یہ قید بھی ثابت ہے کہ اُس طہر میں صحبت نہ کی ہو۔

۲۔ عدت کو نہ بھولو: یعنی مرد و عورت دونوں کو چاہیے کہ عدت کو یاد رکھیں۔ کہیں غفلت و سہو کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی اور گڑبڑ نہ ہو جائے۔ نیز طلاق ایسی طرح دیں کہ ایام عدت کی گنتی میں کمی بیشی لازم نہ آئے۔ جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں بتلایا جا چکا ہے۔

۳۔ مطلقہ کو گھر سے نہ نکالو: یعنی اللہ سے ڈر کر احکام شریعت کی پابندی رکھنی چاہیے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق نہ دیجائے اور تین طلاقیں ایک دم نہ ڈالی جائیں اور مطلقہ عورت کو اس کے رہنے کے گھر سے نہ نکالا جائے۔ وغیر ذلک۔

۴۔ بے وجہ گھر سے نہ نکلیں: یعنی عورتیں خود بھی اپنی مرضی سے نہ نکلیں۔ کیونکہ یہ سکنی محض حق العبد نہیں کہ اس کی رضاء سے ساقط ہو جائے بلکہ حق الشرع ہے، ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں یا بقول بعض علماء زبان درازی کریں اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو نکالنا جائز ہے اور اگر بے وجہ نکلیں گی تو یہ خود صریح بے حیائی کا کام ہوگا۔

۵۔ ان حدود سے تجاوز نہ کرو: یعنی گہنگار ہو کر اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ہو۔

۶۔ یعنی لا تَدْرِیْ کَا تَرْجَمُ "اس کو خبر نہیں" بصیغہ غائب کیا ہے۔ تا معلوم ہو جائے کہ خطاب اسی طلاق دینے والے کو ہے۔ نبی کریم ﷺ کو نہیں۔

۷۔ یعنی شاید پھر دونوں میں صلح ہو جائے اور طلاق پر ندامت ہو۔

۸۔ عدت ختم ہونے کے بعد کا طریقہ: یعنی طلاق رجعی میں جب عدت ختم ہونے کو آئے تو تم کو دو باتوں میں ایک کا اختیار ہے۔ یا عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دستور کے موافق رجعت کر کے اپنے نکاح میں رہنے دو یا عدت منقضی ہونے پر معقول طریقہ سے اس کو جدا کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ رکھنا ہو تب اور الگ کرنا ہو تب، ہر حالت میں آدمیت اور شرافت کا برتاؤ کرو۔ یہ بات مت کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو اور خواجواہ بطویل عدت کے لئے رجعت کر لیا کرو۔ یا رکھنے کی صورت میں اسے ایذا پہنچاؤ اور طعن و تشنیع کرو۔

۹۔ رجوع کے وقت دو گواہ: یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے اگر نکاح میں رکھنا چاہے تو رجعت پر دو گواہ کرے تالوگوں میں متہم نہ ہو۔

۱۰۔ یعنی یہ گواہوں کی ہدایت ہے کہ شہادت کے وقت ٹیڑھی ترچھی بات نہ کریں، سچی اور سیدھی بات کہنی چاہیے۔

۱۱۔ نکاح و طلاق کے جامع اصول: زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر بہت ظلم ہوتا تھا۔ ان کو گائے بھینس یا نہایت ذلیل و مجبور قیدیوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بعض لوگ عورت کو سو سو مرتبہ طلاق دیتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔ قرآن نے جاہلان و حشیانہ مظالم اور بے رحمیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اور نکاح کے حقوق و حدود پر نہایت صاف روشنی ڈالی۔ بالخصوص اس سورت میں منجملہ دوسری حکیمانہ

ہدایات و نصائح کے ایک نہایت ہی جامع مانع اور ہمہ گیر اصول فَاَمْسِكُوهُنَّ بِسَعْرٍ اَوْ فَاَرْقُوهُنَّ بِسَعْرٍ بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کو رکھو تو معقول طریقہ سے رکھو۔ اور چھوڑو تب بھی معقول طریقہ سے چھوڑو لیکن ان زریں نصیحتوں سے منتفع وہ ہی شخص ہو سکتا ہے جس کو خدا اور یوم آخرت پر یقین ہو۔ کیونکہ یہ ہی یقین انسان کے دل میں اللہ کا ڈر پیدا کرتا ہے۔ اور اس ڈر سے آدمی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جس طرح ایک کمزور عورت بخت و اتفاق سے ہمارے قبضہ و اقتدار میں آگئی ہے، ہم سب بھی کسی قہار ہستی کے قبضہ و اقتدار میں ہیں۔ یہ ہی ایک خیال ہے جو آدمی کو ہر حالت میں ظلم و تعدی سے روک سکتا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ابھارتا ہے۔ اسی لئے سورۃ ہذا میں خصوصی طور پر ابقاء (پرہیزگاری اور خدا کے خوف) پر بہت زور دیا گیا ہے۔

۱۲۔ یعنی اللہ سے ڈر کر اس کے احکام کی بہر حال تعمیل کرو۔ خواہ کتنی ہی مشکلات و شدائد کا سامنا کرنا پڑے۔ حق تعالیٰ تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیگا۔ اور سختیوں میں بھی گزارہ کا سامان کر دے گا۔

۱۳۔ اللہ کا ڈر تمام خزانوں کی کنجی ہے: اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، بے قیاس و گمان روزی ملتی ہے گناہ معاف ہوتے ہیں، جنت ہاتھ آتی ہے اجر بڑھتا ہے اور ایک عجیب قلبی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی سختی، سختی نہیں رہتی، اور تمام پریشانیوں اندر ہی اندر کافور ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمام دنیا کے لوگ اس آیت کو پکڑ لیں تو ان کو کافی ہو جائے۔

۱۴۔ یعنی اللہ پر بھروسہ رکھو، محض اسباب پر تکیہ مت کرو۔ اللہ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں۔ جو کام اسے کرنا ہو، وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اسباب بھی اسی کی مشیت کے تابع ہیں۔ ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ ہے۔ اسی کے موافق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر ہو تو متوکل کو گھبرانا نہیں چاہیے۔

۱۵۔ بوڑھی عورتوں کی عدت: یعنی مطلقہ کی عدت قرآن نے تین حیض بتلائی (کمافی سورۃ البقرۃ) اگر شبہ رہا ہو کہ جس کو حیض نہیں آیا یا بڑی عمر کے سبب موقوف ہوا، اس کی عدت کیا ہوگی تو بتلا دی کہ تین مہینے ہیں۔

۱۶۔ حاملہ کی عدت: جمہور کے نزدیک حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے خواہ ایک منٹ کے بعد ہو جائے یا کتنی ہی طویل مدت کے بعد ہو۔ اس میں مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہ دونوں کا ایک حکم ہے۔ کما ہو مصرح فی الاحادیث۔

۱۷۔ جملہ جملہ کے بعد ابقاء اور اللہ کے ڈر کا مضمون مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تا پڑھنے والا بار بار متنبہ ہو کہ عورتوں کے معاملات میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

۱۸۔ مرد کے ذمے سکنی و نفقہ: مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے (اس کو سکنی کہتے ہیں) اور جب سکنی واجب ہے تو نفقہ بھی اس کے ذمہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اسی کی وجہ سے مکان میں مقید و محبوس رہے گی۔ قرآن کریم کے الفاظ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِيَتَّضِفْنَ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنَ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ حنفیہ کے نزدیک یہ حیثیت کے موافق اپنے گھر میں رکھو۔ ظاہر ہے کہ مقدور کے موافق رکھنا اس کو بھی متضمن ہے کہ اس کے کھانے پکڑے کا مناسب بندوبست کرے۔ چنانچہ مصحف ابن مسعود میں یہ آیت اس طرح تھی اَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ مِنْ وَجْدِكُمْ حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سکنی اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے۔ رجعیہ کی قید نہیں کیونکہ پہلے سے جو بیان چلا آتا ہے مثلاً آسہ۔ صغیرہ اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پھر اس میں بلا وجہ کیوں تخصیص کی جائے۔ رہی فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکنی اور نفقہ نہیں دلا یا۔ اول تو اس حدیث میں فاروق اعظم، عائشہ صدیقہ اور

دوسرے صحابہؓ و تابعین نے انکار فرمایا۔ بلکہ فاروق اعظمؓ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا، معلوم ہوا کہ فاروق اعظمؓ کتاب اللہ سے یہ ہی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ و سکنی واجب ہے اور اس کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت بھی ان کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ طحطاوی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں۔ جن میں حضرت عمرؓ نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا۔ اور دار قطنی میں جابرؓ کی ایک حدیث بھی اس بارہ میں صریح ہے۔ گو اس کے بعد بعض رواۃ میں اور رفع و وقف میں کلام کیا گیا ہے۔

فاطمہ بنت قیس کا واقعہ: دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کے لئے سکنی اس لئے تجویز نہ کیا ہو کہ یہ اپنے سسرال والوں سے زبان درازی اور سخت کلامی کرتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ لہذا آپ ﷺ نے حکم دیدیا کہ ان کے گھر سے چلی جائے۔ پھر جب سکنی نہ رہا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا۔ جیسے ناشزہ کا (جو شوہر کی نافرمانی کر کے گھر سے نکل جائے) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، تا وقتیکہ گھر واپس نہ آئے (نبی علیہ ابو بکر الرازی فی احکام القرآن) نیز جامع ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو کھانے پینے کے لئے غلہ دیا گیا تھا اس نے اس مقدار سے زائد کا مطالبہ کیا جو منظور نہ ہوا۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ حضور ﷺ نے اس سے زائد نفقہ تجویز نہیں فرمایا جو مرد کی طرف سے دیا جا رہا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہاں یہ یاد رہے کہ نسائی، طبرانی، اور مسند احمدؓ کی بعض روایات میں فاطمہ بنت قیس نے حضور ﷺ کا صریح ارشاد نقل کیا ہے کہ سکنی اور نفقہ صرف اس مطلقہ کے لئے ہے جس سے رجعت کا امکان ہو۔ ان روایات کی سندیں زیادہ قوی نہیں۔ زلیعی نے تخریج ہدایہ میں اس پر بحث کی ہے فلیراجع۔

۱۹۔ مرد کے ذمے سکنی و نفقہ: یعنی ستاؤ نہیں۔ کہ وہ تنگ آکر نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔

۲۰۔ حاملہ کا نفقہ: حمل کی مدت کبھی بہت طویل ہو جاتی ہے اس کو خصوصیت سے بتلادیا کہ خواہ کتنی ہی طویل ہو وضع حمل تک اس کو نفقہ دینا ہو گا یہ نہیں کہ مثلاً تین مہینے نفقہ دے کر بند کر لو۔

۲۱۔ مطلقہ کو رضاعت کی اجرت: یعنی وضع حمل کے بعد اگر عورت تمہاری خاطر بچہ کو دودھ پلائے تو جو اجرت کسی دوسری اٹا کو دیتے وہ اس کو دیجائے۔ اور معقول طریقہ سے دستور کے موافق باہم مشورہ کر کے قرارداد کر لیں خواہ مخواہ ضد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کا برتاؤ رکھیں نہ عورت دودھ پلانے سے انکار کرے نہ مرد اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے پلوائے۔

۲۲۔ یعنی اگر آپس کی ضد اور تکرار سے عورت دودھ پلانے پر راضی نہ ہو تو کچھ اس پر موقوف نہیں کوئی دوسری عورت دودھ پلانیوالی مل جائیگی۔ اس کو اتنا گھمنڈ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر مرد خواہ مخواہ بچہ کو اس کی ماں سے دودھ پلوانا نہیں چاہتا تو بہر حال کوئی دوسری عورت دودھ پلانے کو آئے گی آخر اس کو بھی کچھ دینا پڑیگا۔ پھر وہ بچہ کی ماں ہی کو کیوں نہ دے۔

۲۳۔ بچہ کی تربیت و تعلیم کا خرچ باپ کے ذمے: یعنی بچہ کی تربیت کا خرچ باپ پر ہے۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے مناسب خرچ کرنا چاہیئے۔ اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو محض نپی تلی روزی اللہ نے دی ہو، وہ اسی میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کیا کرے۔ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب تنگی کی حالت میں اس کے حکم کے موافق خرچ کرو گے، وہ تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دیگا۔

۸۔ اور کتنی بستیاں کہ نکل چلیں حکم سے اپنے رب کے اور اُسکے رسولوں کے پھر ہم نے حساب میں پکڑا اُنکو سخت

حساب میں اور آفت ڈالی اُن پر بن دیکھی آفت [۲۴]

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ  
فَحَاسَبُنَهَا حِسَابًا شَدِيدًا ۱ وَ عَذَّبْنَاهَا عَذَابًا



تُكْمًا ۸

۹۔ پھر چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور آخر کو اُنکے کام میں ٹوٹا آگیا [۲۵]

فَذَاقَتْ وَ بَالَ أَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا

خُسْرًا ۹

۱۰۔ تیار رکھا ہے اللہ نے واسطے اُنکے سخت عذاب [۲۶] سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو جنکو یقین ہے [۲۷] بیشک اللہ نے اتاری ہے تم پر نصیحت [۲۸]

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۱ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۱ الَّذِينَ آمَنُوا ۱ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ

ذِكْرًا ۱۰

۱۱۔ رسول ہے جو پڑھ کر سناتا ہے تم کو اللہ کی آیتیں کھول کر سنانے والی [۲۹] تاکہ نکالے اُن لوگوں کو جو کہ یقین لائے اور کئے بھلے کام اندھیروں سے اجالے میں [۳۰] اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کچھ بھلائی اُسکو داخل کرے باغوں میں نیچے بہتی ہیں جنکے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ البتہ خوب دی اللہ نے اُسکو روزی [۳۱]

رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۱ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۱ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۱۱

۱۲۔ اللہ وہی ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی [۳۲] اترتا ہے اُس کا حکم اُنکے اندر [۳۳] تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سبائی ہے ہر چیز کی [۳۴]

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۱ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۱ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ

بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۱۲

۲۴۔ عورتوں کے حقوق کی اہمیت: یعنی احکام شریعت کی (خصوصاً عورتوں کے بارے میں) پوری پابندی رکھو۔ اگر نافرمانی کرو گے تو یاد رہے کہ کتنی ہی بستیاں اللہ و رسول کی نافرمانی کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں جس وقت وہ لوگ تکبر کر کے حد سے نکل گئے ہم نے ان کا جائزہ لیا اور سختی سے لیا کہ ایک عمل کو بھی معاف نہیں کیا۔ پھر ان کو ایسی نرالی آفت میں پھنسا یا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

۲۵۔ یعنی عمر بھر جو سودا کیا تھا آخر اس میں سخت خسارہ اٹھایا اور جو پونجی تھی سب کھو کر رہے۔

۲۶۔ پہلے دنیوی عذاب کا ذکر تھا۔ یہ اخروی عذاب بیان ہوا۔

۲۷۔ یعنی یہ عبرتناک واقعات سن کر ایمانداروں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہیں ہم سے ایسی بے اعتدالی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آجائیں۔  
العیاذ باللہ۔

۲۸۔ یعنی قرآن، یا ”ذکر“ بمعنی ”ذکر“ ہو تو خود رسول مراد ہونگے۔

۲۹۔ یعنی صاف آیتیں جن میں اللہ کے احکام کھول کھول کر سنائے گئے ہیں۔

۳۰۔ یعنی کفر و جہل کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور علم و عمل کے اجالے میں لے آئے۔

۳۱۔ جنت سے زیادہ بہتر روزی کہاں ملے گی۔

۳۲۔ سات زمینوں کی تخلیق: یعنی زمینیں بھی سات پیدا کیں، جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی احادیث میں ہے۔ ان میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں، اور احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں۔ مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ مرئج وغیرہ کی نسبت آج کل حکماء یورپ کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ دریا اور آبادیاں ہیں۔ باقی حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے وہ شاید باعتبار بعض حالات کے ہو۔ اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے فوق ہو جاتی ہوں۔ رہا ابن عباسؓ کا وہ اثر جس میں ادمہم کا دمکم وغیرہ آیا ہے، اس کی شرح کا یہ موقع نہیں۔ ”روح المعانی“ میں اس پر بقدر کفایت کلام کیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے بعض رسائل میں اس کے بعض اطراف و جوانب کو بہت خوبی سے صاف کر دیا گیا ہے۔

۳۳۔ یعنی عالم کے انتظام و تدبیر کے لئے اللہ کے احکام تکوینیہ و تشریحیہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر اترتے رہتے ہیں۔

۳۴۔ اللہ کی صفات علم و قدرت: یعنی آسمان و زمین کے پیدا کرنے اور ان میں انتظامی احکام جاری کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات علم و قدرت کا اظہار ہو (نبی علیہ ابن قیم فی بدائع الفوائد) بقیہ صفات ان ہی دو صفتوں سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھتی ہیں۔ صوفیہ کے ہاں جو ایک حدیث نقل کرتے ہیں کُنْتُ كُنْزًا مَخْفِيًا فَاحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ گو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ مگر اس کا مضمون شاید اس آیت کے مضمون سے ماخوذ و مستفاد ہو۔ واللہ اعلم۔

تم سورة الطلاق ولله الحمد والمنة

آیاتها ۱۲

۶۶ سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ [۱] اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی [۲] اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان [۳]

۲۔ مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا اور اللہ مالک ہے تمہارا اور وہی ہے سب کچھ جانتا حکمت والا [۴]

۳۔ اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات پھر جب اُس نے خبر کر دی اُسکی اور اللہ نے جتلا دی نبی کو وہ بات تو جتلائی نبی نے اُس میں سے کچھ اور تلامذی کچھ پھر جب وہ جتلائی عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتلا دی یہ کہا مجھ کو بتایا اُس خبر والے واقف نے [۵]

۴۔ اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے [۶] اور اگر تم دونوں چڑھائی کرو گی اُس پر تو اللہ ہے اُس کا رفیق اور جبرئیل اور نیک بخت ایمان والے اور فرشتے اسکے پیچھے مددگار ہیں [۷]

۵۔ اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو ابھی اُس کا رب بدلے میں دیدے اُسکو عورتیں تم سے بہتر حکم بردار یقین رکھنے والیاں نماز میں کھڑی ہونے والیاں توبہ کرنے والیاں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي

مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾

قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْبَانِكُمْ وَاللَّهُ

مَوْلِكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا

نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَ

أَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ

أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٣﴾

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ

تَطَهَّرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيْلٌ وَصَالِحٌ

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةَ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ﴿٤﴾

عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا

مِّنْكَنَّ مُسَلِّمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قُنَّاتٍ تَزِينُ

## عِدَّتِ سَیِّحَتْ تَسْبِتٍ وَ اَبْكَارًا ﴿۵﴾

بندگی بجالانے والیاں روزہ رکھنے والیاں بیابیاں اور  
کنواریاں [۸]

۱۔ ازواجِ مطہرات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کا واقعہ: سورۃ "احزاب" کے فوائد میں گزر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات عنایت فرمائیں اور لوگ آسودہ ہو گئے تو ازواجِ مطہرات کو بھی خیال آیا کہ ہم کیوں آسودہ نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مل کو حضور ﷺ سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ شروع کیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے وَهَنَّ حَوْنِي يَطْلُبُنِي النَّفَقَةَ اور بخاری کے ابواب المناقب میں ہے وحوله نسوة يكلمنه ويستكثرنه اس پر ابو بکرؓ نے عائشہؓ کو اور عمرؓ نے حفصہؓ کو ڈانٹ بتلائی۔ آخر ازواج نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم آپ ﷺ سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ ﷺ کے پاس نہیں ہے۔ پھر بھی رفتار واقعات کی ایسی رہی جس سے آپ ﷺ کو ایک ماہ کے لئے ازواج سے "ایلا کرنا پڑا۔ تا آنکہ آیہ تخییر نے جو "احزاب" میں ہے نازل ہو کر اس قصہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس درمیان میں کچھ واقعات اور بھی پیش آئے۔ جس سے حضور ﷺ کی طبع مبارک پر گرانی ہوئی۔ اصل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات کو جو محبت اور تعلق حضور ﷺ کے ساتھ تھا اس نے قدرتی طور پر آپس میں ایک طرح کی کشمکش پیدا کر دی تھی۔ ہر ایک زوجہ کی تمنا اور کوشش تھی کہ وہ زائد از زائد حضور ﷺ کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات و فیوض سے متمتع ہو۔ مرد کے لئے یہ موقع تحمل و تدبر اور خوش اخلاقی کے امتحان کا نازک ترین موقع ہوتا ہے۔ مگر اس نازک موقع پر بھی حضور ﷺ کی ثابت قدمی ویسی ہی غیر متزلزل ثابت ہوئی جس کی توقع سید الانبیاء ﷺ کی پاک سیرت سے ہو سکتی تھی۔ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کیلئے تشریف لے جاتے۔ ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا تھا اس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا پھر کئی روز یہ معمول رہا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کو تدبیر کی کہ آپ ﷺ وہاں شہد پینا چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینبؓ کے ہاں شہد پینا تھا مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ پھر نہیں پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینبؓ کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دلگیر ہو گئی۔ حفصہؓ کو منع کر دیا کہ اسکی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ اسی طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہ کے متعلق (جو آپ ﷺ کے حرم سے تھی جن کے بطن سے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے) پیش آیا، اس میں آپ ﷺ نے ازواج کی خاطر قسم کھائی کہ ماریہؓ کے پاس نہ جاؤنگا۔ یہ بات آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے کہی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ دوسروں کے سامنے اظہار نہ ہو۔ حضرت حفصہؓ نے ان واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہؓ کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمادیا۔ آپ ﷺ نے حفصہؓ کو جتلیا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہؓ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا تھا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا۔ شاید عائشہؓ کی طرف خیال گیا ہو گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا نَبَأِ الْعَلِيمِ النَّحِيذِ یعنی حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی۔ ان ہی واقعات کے سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

۲۔ اے رسولِ حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرو: حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدۃً حلال و مباح سمجھتے ہوئے عہد کر لیا تھا کہ آئندہ اس کو استعمال نہ کرونگا۔ ایسا کرنا اگر کسی سحمت صحیحہ کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے۔ مگر حضور ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کے لئے اس طرح کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ امت کے حق میں تنگی کا موجب ہو۔ اس لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ ازواج کے ساتھ بیشک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے۔ مگر اس حد تک ضرورت نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اٹھائیں۔

۳۔ کہ گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ اور آپ ﷺ سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا۔ محض اپنے درجہ میں ایک خلفِ اولیٰ بات ہوئی۔

۴۔ قسموں کا کفارہ: یعنی اس مالک نے اپنے علم و حکمت سے تمہارے لئے مناسب احکام و ہدایات بھیجے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نامناسب چیز پر قسم کھالے تو کفارہ دیکر (جس کا ذکر سورۃ ماندہ میں آچکا) اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”اب جو کوئی اپنے مال کو کہے یہ مجھ پر حرام ہے تو قسم ہوگئی۔ کفارہ دے، تو اس کو کام میں لائے، کھانا ہو یا کپڑا یا لونڈی“ (وہذا ما علیہ الخفیہ)۔

۵۔ حضرت حفصہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا افشاء: شروع سورت میں ہم شہد کا اور ماریہ قبطیہ کا قصہ لکھ چکے ہیں۔ اس آیت میں بتلادیا کہ بندے ایک بات کو چھپانے کی کتنی ہی کوشش کریں، اللہ جب ظاہر کرنا چاہے تو ہر گز مخفی نہیں رہ سکتی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ آپ خلاف طبع کارروائیوں پر کس قدر تساہل اور انماض برتتے اور کس طرح ازراہ عفو و کرم بعض باتوں کو ٹلا جاتے تھے۔ گویا شکایت کے موقع پر بھی پورا الزام نہ دیتے تھے۔ ”موضح القرآن“ میں ہے کہ بعض کہتے ہیں ”اس حرم (ماریہ قبطیہ) کا موقوف کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے کہا اور کسی کو خبر کرنے سے منع کیا۔ اور اس کے ساتھ کچھ اور بات بھی کہی تھی انہوں نے حضرت عائشہؓ کو سب خبر کر دی۔ کیونکہ دونوں باتوں میں دونوں کا مطلب تھا۔ پھر وحی سے معلوم کر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بی حفصہؓ کو حرم کی بات کا الزام دیا اور دوسری بات ذکر میں نہ لائے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ شاید یہ تھی کہ تیرا باپ عائشہؓ کے باپ کے بعد خلیفہ ہو گا۔ الغیب عند اللہ۔ جو بات اللہ اور رسول نے ملادی ہم کیا جانیں۔ اسی واسطے ملادی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہو۔ تا اور لوگ برانہ مانیں۔“ یہ مضمون خلافت کا بعض ضعیف روایات میں آیا ہے جسے بعض علماء شیعہ نے بھی تسلیم کیا۔

۶۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو توبہ کی تاکید: یہ عائشہؓ و حفصہؓ کو خطاب ہے کہ اگر تم توبہ کرتی ہو تو بیشک توبہ کا موقع ہے کیونکہ تمہارے دل جاہد اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کو جھک گئے ہیں۔ لہذا آئندہ ایسی بے اعتدالیوں سے پرہیز رکھا جائے۔

۷۔ ان دونوں ازواج کو تنبیہ: زوجین کے خانگی معاملات بعض اوقات ابتداء بہت معمولی اور حقیر نظر آتے ہیں لیکن اگر ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی اور خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرمادیا کہ دیکھو اگر تم دونوں اسی طرح کی کاروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو یاد رکھو ان سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی ہاں تم کو نقصان پہنچ جانے کا امکان ہے۔ (تنبیہ) بعض سلف نے صَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ کی تفسیر میں ابو بکر و عمر کا نام لیا ہے۔ شاید یہ عائشہؓ اور حفصہؓ کی مناسبت سے ہو گا۔ واللہ اعلم۔

۸۔ یعنی یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو پیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لئے ناگزیر ہماری سب باتیں سہی جائیں گی۔ یاد رکھو! اللہ چاہے تو تم سے بھی بہتر پیمیاں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیدا کر دے۔ اس کے ہاں کس چیز کی کمی ہے۔ (تنبیہ) ثقیب (بیواؤں) کا ذکر شاید اس لئے کیا کہ بعض حیثیات سے آدمی ان کو ابکار پر ترجیح دیتا ہے۔

۶۔ اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے جسکی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر [۹] اُس پر مقرر ہیں فرشتے تند خوز بردست [۱۰] نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے اُنکو اور وہی کام کرتے ہیں جو اُنکو حکم ہو [۱۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ  
نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ  
غِلَظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَ

يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦٦﴾

۷۔ اے منکر ہونے والو مت بہانے بتلاؤ آج کے دن وہی بدلا پاؤ گے جو تم کرتے تھے [۱۲]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۗ إِنَّا

تُجْرُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾

۹۔ اپنے گھروالوں کو حق کی تعلیم و تبلیغ: ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی دین کی راہ پر لائے سمجھا کر، ڈرا کر، پیار سے، مار سے، جس طرح ہو سکے دیندار بنانے کی کوشش کرے۔ اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کبختی، یہ بے قصور ہے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۗ كِي تَفْسِيرُ پارہ ”الم“ کے شروع میں گزر چکی۔

۱۰۔ یعنی مجرموں کو نہ رحم کھا کر چھوڑیں نہ ان کی زبردست گرفت سے کوئی چھوٹ کر بھاگ سکے۔

۱۱۔ یعنی نہ حکم الہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اسکے احکام بجالانے میں سستی اور دیر ہوتی ہے نہ امتثال حکم سے عاجز ہیں۔

۱۲۔ آخرت میں کوئی حیلہ بہانہ نہیں چلے گا: یعنی قیامت کے دن جب جہنم کا عذاب سامنے ہو گا، اس وقت منکروں سے کہا جائے گا کہ حیلے بہانے مت بتلاؤ۔ آج کوئی بہانہ چلنے والا نہیں بلکہ جو کچھ کرتے تھے اس کی پوری پوری سزا بھگتے کا دن ہے۔ ہماری طرف سے کوئی ظلم زیادتی نہیں۔ تمہارے ہی اعمال ہیں جو عذاب کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔

۸۔ اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ [۱۳] امید ہے تمہارا رب اتار دے تم پر سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گانہی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اُسکے ساتھ [۱۴] اُنکی روشنی دوڑتی ہے اُنکے آگے اور اُنکے داہنے [۱۵] کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے [۱۶]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا

ط عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَكْفِرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ

يُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ يَوْمَ

لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۚ

نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ

رَبَّنَا آتِنَا لَنَا نُورَنَا وَارْحَمْنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸﴾

۹۔ اے نبی لڑائی کر منکروں سے اور دغا بازوں سے اور سختی کر ان پر [۱۷] اور ان کا گھر دوزخ ہے اور بری جگہ جا پہنچے [۱۸]

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ

عَلَيْهِمْ ۗ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۹﴾

۱۰۔ اللہ نے بتلائی ایک مثل منکروں کے واسطے عورت نوح کی اور عورت لوط کی گھر میں تھیں دونوں دونیک بندوں کے ہمارے نیک بندوں میں سے پھر انہوں نے اُن سے چوری کی پھر وہ کام نہ آئے اُنکے اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتِ نُوحٍ وَ امْرَأَتِ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتُهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ﴿۶۰﴾

۱۱۔ اور اللہ نے بتلائی ایک مثل ایمان والوں کے لئے عورت فرعون کی [۱۹] جب بولی اے رب بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں [۲۰] اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اُسکے کام سے اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے [۲۱]

وَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتِ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۶۱﴾

۱۲۔ اور مریم بیٹی عمران کی جس نے رو کے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو [۲۲] پھر ہم نے پھونک دی اُس میں ایک اپنی طرف سے جان [۲۳] اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اُسکی کتابوں کو [۲۴] اور وہ تھی بندگی کرنے والوں میں [۲۵]

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ عَلَيْهَا مِنَ الْقَنَاتِينِ عِزٌّ ﴿۶۲﴾

۱۳۔ توبہ النصح کی تعریف: صاف دل کی توبہ یہ کہ دل میں پھر گناہ کا خیال نہ رہے۔ اگر توبہ کے بعد ان ہی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی ہے۔ اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی رزقنا اللہ منہا حظا وافر ابفضلہ وعونہ وهو علی کل شیء قدير۔

۱۴۔ یعنی نبی ﷺ کا کہنا کیا۔ اس کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہ کریگا۔ بلکہ نہایت اعزاز و اکرام سے فضل و شرف کے بلند مناصب پر سرفراز فرمائے گا۔

۱۵۔ اس کا بیان سورۃ ”حدید“ میں ہو چکا۔

۱۶۔ یعنی ہماری روشنی آخر تک قائم رکھیے، بجھنے نہ دیجئے۔ جیسے منافقین کی نسبت سورۃ ”حدید“ میں بیان ہو چکا کہ روشنی بجھ جائیگی اور اندھیرے میں کھڑے رہ جائیں گے۔ مفسرین نے عموماً یہ ہی لکھا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ اَتَيْمٌ لَنَا نُوْرُنَا کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”روشنی ایمان کی دل میں ہے، دل سے بڑھے تو سارے بدن میں، پھر گوشت پوست میں“ (سرایت کرے)۔

۱۷۔ کفار پر سختی کی تاکید: حضرت ﷺ کا خلق اور نرم خوئی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اوروں کو فرماتا ہے تحمل کرو۔ اور آپ ﷺ کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔

۱۸۔ پہلے مؤمنین کا ٹھکانا بتلایا تھا۔ یہاں ان کے بالمقابل کفار و منافقین کا گھر بتلادیا۔

۱۹۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا انجام: یعنی حضرت نوح اور حضرت لوط کیسے نیک بندے، مگر دونوں کے گھر میں ان کی بیویاں منافق تھیں۔ بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا، لیکن دل سے کافروں کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا؟ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی عذاب الہی سے نہ بچا سکا۔ ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بنت مزاحم، پکی ایماندار، ولی کامل، اور اس کا شوہر خدا کا سب سے بڑا باغی۔ وہ نیک بیوی میاں کو خدا کے عذاب سے نہ چھڑا سکی۔ نہ میاں کی شرارت و بغاوت کے جرم میں بیوی کو کچھ آج پہنچی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں “یعنی اپنا ایمان درست کرو۔ نہ خاوند بچا سکے نہ جو رو۔ یہ (قانون عام طور پر) سب کو سنا دیا ہے۔ یہ وہم نہ کیا جائے کہ (معاذ اللہ) حضرت ﷺ کی بیویوں پر کہا۔ ان کے لئے تو وہ کہا ہے (جو سورۃ “نور” میں ہے) الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ (النور- ۲۶) اور اگر بفرض محال ایسا وہم کیا جائے تو امر افرعون کی مثال کس پر چسپاں کرو گے۔” لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

۲۰۔ یعنی اپنا قرب عنایت فرما۔ اور بہشت میں میرے لئے مکان تیار کر۔

۲۱۔ فرعون کی بیوی کی فضیلت: یعنی فرعون کے بچے سے چھڑا اور اس کے ظلم سے نجات دے۔ حضرت موسیٰ کو انہوں نے پرورش کیا تھا اور ان کی مددگار تھیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون کو جب حال کھلا تو ان کو چومنا کر کے طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا۔ اس حالت میں اللہ کی طرف سے جنت کا محل ان کو دکھلایا جاتا۔ جس سے سب سختیاں آسان ہو جاتی تھیں۔ آخر فرعون نے ان کو سیسہ قتل کر دیا۔ اور جام شہادت نوش کر کے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئیں۔ حدیث صحیح میں نبی کریم ﷺ نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ اور حضرت مریم کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں اس پاک روح پر۔

۲۲۔ حضرت مریم علیہ السلام: یعنی حلال و حرام سب سے محفوظ رکھا۔

۲۳۔ یعنی فرشتہ کے ذریعہ سے ایک روح پھونک دی۔ حضرت جبریل نے گریبان میں پھونک ماری جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا، اور حضرت مسیح پیدا ہوئے۔ (تنبیہ)

نفخ روح: نفخ کی نسبت اپنی طرف اس لئے کی کہ فاعل حقیقی اور مؤثر علی الاطلاق وہی ہے۔ آخر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے۔ بعض محققین نے یہاں “فرج” کے معنی چاک گریبان کے لئے ہیں۔ اس وقت اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کے معنی یہ ہونگے کہ کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک نہیں پہنچنے دیا۔ اور یہ نہایت بلیغ کنایہ ان کی عصمت و عفت سے ہو گا۔ جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت بہت پاکدامن ہے اور عرب میں کہا جاتا ہے “نقی الجیب طاہر الذیل” اس سے عقیف النفس ہونا مراد ہوتا ہے۔ کپڑے کا دامن مراد نہیں ہوتا۔ اس تقدیر پر فَتَفَخَّنَا فِيهِ میں ضمیر لفظ “فرج” کے لغوی معنی کے اعتبار سے راجع ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۴۔ حضرت مریم علیہ السلام: یعنی رب کی باتیں وہ ہوں گی جو فرشتوں کی زبانی سورۃ آل عمران میں بیان ہوئی ہیں۔ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ (آل عمران- ۴۲) الخ۔ اور کتابوں سے عام کتب و سماویہ مراد لی جائیں۔ تخصیص کی ضرورت نہیں۔

۲۵۔ یعنی کامل مردوں کی طرح بندگی و طاعت پر ثابت قدم تھی۔ یا یوں کہو کہ قانتین کے خاندان سے تھی۔

تم سورہ التحریم وللہ الحمد والمیزوبہ التوفیق والعصرۃ



آیاتها ۳۰

۶۷ سُورَةُ الْبُكِّ مَكِّيَّةٌ ۷۷

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ بڑی برکت ہے اُسکی جس کے ہاتھ میں ہے راج اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے [۱]

تَبْرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ﴿١﴾

۲۔ جس نے بنایا مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام [۲] اور وہ زبردست ہے بخشنے والا [۳]

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ

اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُوْرُ ﴿٢﴾

۳۔ جس نے بنائے سات آسمان تہہ پر تہہ [۴] کیا دیکھتا ہے تو رحمن کے بنانے میں کچھ فرق [۵] پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو ڈراڑ [۶]

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوٰتٍ طِبَاقًا ۗ مَا تَرٰى فِي

خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفْوُتٍ ۗ فَاَرْجِعِ الْبَصَرَ ۗ هَلْ

تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿٣﴾

۴۔ پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دو بار لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر [۴]

ثُمَّ اَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ

خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيْرٌ ﴿٤﴾

۵۔ اور ہم نے رونق دی سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے [۸] اور اُن سے کر رکھی ہے ہم نے پھینک مار شیطانوں کے واسطے [۹] اور رکھا ہے اُنکے واسطے عذاب دہکتی آگ کا [۱۰]

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمٰوٰتِ الدُّنْيَا بِمَصٰبِيْحٍ وَ

جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِلشَّيْطٰنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ

عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿٥﴾

۶۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اپنے رب سے اُنکے واسطے ہے

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ

## المصير ﴿٦﴾

إِذَا الْقُوفَاءُ فِيهَا سَبَعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ﴿٦﴾

۷۔ جب اُس میں ڈالے جائیں گے سنیں گے اُس کا دھاڑنا اور وہ اچھل رہی ہوگی

تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۗ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ

۸۔ ایسا لگتا ہے کہ پھٹ پڑے گی جوش سے [۱۲] جس وقت پڑے اُس میں ایک گروہ پوچھیں اُن سے دوزخ کے داروغہ کیا نہ پہنچاتا تھا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا [۱۳]

سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾

۹۔ وہ بولیں کیوں نہیں ہمارے پاس پہنچاتا ڈر سنانے والا پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا نہیں اتاری اللہ نے کوئی چیز تم تو پڑے ہوئے ہو بڑے بہر کاوے میں [۱۴]

قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۗ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا

مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۗ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ

## كبیر ﴿٩﴾

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ

۱۰۔ اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے یا سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں [۱۵]

## السعير ﴿١٠﴾

فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ ۗ فَسُحِقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾

۱۱۔ سو قائل ہو گئے اپنے گناہ کے اب دفع ہو جائیں دوزخ والے [۱۶]

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۗ وَ

۱۲۔ جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے [۱۷] اُنکے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا

## أجرٌ كبيرٌ ﴿١٢﴾

وَأَسْرُودًا قَوْلُكُمْ أَوْ أَجْهَرُوا بِهِ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

۱۳۔ اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ خوب جانتا ہے جیوں کے بھید [۱۸]

## الصدور ﴿١٣﴾

الَّذِي يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۗ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٣﴾

۱۴۔ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبر دار [۱۹]

۱۵۔ وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب چلو پھر اُسکے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ اُسکی دی ہوئی روزی اور اُسی کی طرف جی اٹھنا ہے [۲۰]

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي  
مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۗ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾

۱۶۔ کیا تم نڈر ہو گئے اُس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھندلے تم کو زمین میں پھر تبھی وہ لرزے لگے [۲۱]

ءَأَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ  
الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَنُورُ ﴿١٦﴾

۱۷۔ یا نڈر ہو گئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ برسا دے تم پر مینہ پتھروں کا [۲۲] سو جان لو گے کیسا ہے میرا ڈرانا [۲۳]

أَمْ أَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ  
حَاصِبًا ۗ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور جھٹلا چکے ہیں جو اُن سے پہلے تھے پھر کیسا ہو امیرا انکار [۲۴]

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ  
نَكِيرِ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور کیا نہیں دیکھتے ہو اڑتے جانوروں کو اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور پر جھپکتے ہوئے اُن کو کوئی نہیں تھام رہا رحمان کے سوائے اُسکی نگاہ میں ہے ہر چیز [۲۵]

أَوْ لَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفَتْ  
وَأَقْبَضَ ۗ مَا يُبْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ ۗ إِنَّهُ  
بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾

۲۰۔ بھلا وہ کون ہے جو فوج ہے تمہاری مدد کرے تمہاری رحمن کے سوائے منکر پڑے ہیں برے بہکائے میں [۲۶]

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ  
دُونِ الرَّحْمَنِ ۗ إِنَّ الْكُفْرَ وَنَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی [۲۷] کوئی نہیں پڑھے ہیں شرارت اور بدکنے پر [۲۸]

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۗ بَلْ  
لَّجُوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾

۲۲۔ بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ پائے یا وہ شخص جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر [۲۹]

أَفَسَنْ يَبْشَىٰ مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ

يَبْشَىٰ سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنا دیے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو [۳۰]

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ

الْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ تو کہہ وہی ہے جس نے کھنڈا دیا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے [۳۱]

قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ

تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۳۲]

وَ يَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ

صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس اور میرا کام تو یہی ڈر سنا دینا ہے کھول کر [۳۳]

قُلْ إِنَّا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَإِنَّا أَنَا نَذِيرٌ

مُبِينٌ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آ لگا تو بگڑ جائیں گے منہ منکروں کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے [۳۴]

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ

قِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والو کو یا ہم پر رحم کرے پھر وہ کون ہے جو بچائے منکروں کو عذاب دردناک سے [۳۵]

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِی اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا

فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ تو کہہ وہی رحمن ہے ہم نے اُسکو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا [۳۶] سوا ب تم جان لو گے کون پڑا ہے صریح بہ کائے میں [۳۷]

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ ۗ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی نھرا [۳۸]

قُلْ اَرَعَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاوُكُمْ غَوْرًا فَنَنْ

يَاْتِيَكُمْ بِسَاءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

۱۔ یعنی سب ملک اس کا ہے اور تنہا اسی کا اختیار ساری سلطنت میں چلتا ہے۔

۲۔ موت و حیات جانچنے کے لئے ہیں: یعنی مرنے جینے کا سلسلہ اسی نے قائم کیا، ہم پہلے کچھ نہ تھے (اسے موت ہی سمجھو) پھر پیدا کیا، اس کے بعد موت بھیجی، پھر مرے پیچھے زندہ کر دیا۔ کما قال وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ يُبْيِئْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (البقرہ-۲۸) موت و حیات کا یہ سارا سلسلہ اس لئے ہے کہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے کون اچھے، اور کون اچھے سے اچھے پہلے زندگی میں یہ امتحان ہو اور دوسری زندگی میں اس کا مکمل نتیجہ دکھلادیا گیا۔ فرض کرو اگر پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون کرتا، اور موت نہ آتی تو لوگ مبداء و منتہی سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔

۳۔ یعنی زبردست ہے جس کی پکڑ سے کوئی نہیں نکل سکتا اور بخشے والا بھی بہت بڑا ہے۔

۴۔ اوپر نیچے سات آسمان: حدیث میں آیا کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا آسمان، دوسرے پر تیسرا اسی طرح سات آسمان اوپر نیچے ہیں۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے تک پانسو برس کی مسافت ہے۔ نصوص میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ اوپر جو نیلگوئی چیز ہم کو نظر آتی ہے وہی آسمان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگوئی چیز آسمان کی چھت گیری کا کام دیتی ہو۔

۵۔ اللہ کی تخلیق میں حکمت و بصیرت: یعنی قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، اجرام علویہ سبع سماوات اور تیرات تک کیسی کاریگری دکھائی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے اور بعض کو یونہی کیف مانتق، بے ٹکایا بیکار و فضول بنا دیا ہو (العیاذ باللہ) اور جہاں کسی کو ایسا وہم گذرے سمجھو اس کی عقل و نظر کا قصور ہے۔

۶۔ نظام کائنات میں کوئی کمزوری نہیں: یعنی ساری کائنات نیچے سے اوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے، کہیں درزیادڑاڑ نہیں۔ نہ کسی صنعت میں کسی طرح کا اختلال پایا جاتا ہے۔ ہر چیز ویسی ہے جیسا سے ہونا چاہئے۔ اور اگر یہ آیتیں صرف آسمان سے متعلق ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ اے مخاطب! اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا درز اور شکاف نہیں پایا گیا۔ بلکہ ایک صاف ہموار، متصل، مربوط اور منتظم چیز نظر آئیگی جس میں باوجود مرورڈھور اور تپاول ازمان کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔

۷۔ تمہاری نگاہیں تھک جائیں گی: یعنی ممکن ہے ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے، اس لئے پوری کوشش سے بار بار دیکھ، کہیں کوئی رخنہ دکھائی نہیں دیتا خوب غور و فکر اور نظر کر کہ قدرت کے انتظام میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں۔ یاد رکھ! تیری نگاہ تھک جائیگی اور ذلیل و در ماندہ ہو کر واپس آجائیگی۔ لیکن خدائی مصنوعات و انتظامات میں کوئی عیب و قصور نہ نکال سکے گی۔

۸۔ یعنی آسمان کی طرف دیکھو! رات کے وقت ستاروں کی جگہ جگہ سے کیسی رونق و شان معلوم ہوتی ہے۔ یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں۔

۹۔ یہ مضمون سورہ "حجر" وغیرہ میں کئی جگہ بہت تفصیل سے گذر چکا ہے۔

۱۰۔ یعنی دنیا میں شہاب پھینکے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے دوزخ کی آگ تیار ہے۔

۱۱۔ یعنی کافروں کا ٹھکانا بھی شیاطین کے ساتھ اسی دوزخ میں ہے۔

۱۲۔ دوزخ کی سخت آواز: یعنی اس وقت دوزخ کی آواز سخت کریہہ اور خوفناک ہوگی اور بے انتہا جوش و اشتعال سے ایسا معلوم ہوگا گویا غصہ میں آکر پھٹی پڑتی ہے (اعاذنا اللہ منہا بلطفہ و کرمہ)۔

۱۳۔ دوزخ کے فرشتوں کا سوال: یعنی یہ پوچھنا زیادہ ذلیل و مجرب کرنے کے لئے ہوگا یعنی تم جو اس مصیبت میں آکر پھنسے ہو، کیا کسی نے تم کو متنبہ نہ کیا تھا؟ اور ڈرایا نہ تھا کہ اس راستے سے مت چلو ورنہ سیدھے دوزخ میں گرو گے جہاں ایسے ایسے عذاب ہونگے۔

۱۴۔ اہل جہنم کا جواب: یعنی کھسیانے ہو کر حسرت و ندامت سے جواب دیں گے کہ بیشک ڈرانے والے آئے تھے مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی۔ برابر جھٹلایا کئے کہ تم سب غلط کہتے ہو۔ نہ اللہ نے تم کو بھیجا نہ تم پر وحی اتاری بلکہ تم عقل و فہم کے راستہ سے بہک کر بڑی سخت گمراہی میں جا پڑے ہو۔

۱۵۔ کفار کی حسرت و ندامت: یعنی کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانے والے ہی سچے نکلیں گے۔ اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سنتے یا عقل سے کام لیکر معاملہ کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقع کیوں ملتا۔

۱۶۔ اب اقرار گناہ کے کوئی فائدہ نہیں: یعنی خود اقرار کر لیا کہ بیشک ہم مجرم ہیں یوں ہی بے تصور ہم کو دوزخ میں نہیں ڈالا جا رہا لیکن اس ناوقت کے اقرار و اعتراف سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ارشاد ہوگا فَسَحَقْنَا لَصْحَابِ السَّعِيرِ (اب دفع ہو جائیں دوزخ والے) ان کے لئے جو ارحمت میں کہیں ٹھکانا نہیں۔

۱۷۔ اللہ سے ڈرنے والے: یعنی اللہ کو دیکھا نہیں، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے تھر تھراتے ہیں۔ یا "بالغیب" کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع سے الگ ہو کر خلوت و عزلت میں اپنے رب کو یاد کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

۱۸۔ یعنی گو تم اس کو نہیں دیکھتے مگر وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات خلوت میں ہو یا جلوت میں سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات گذرتے ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے، غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں۔

۱۹۔ اللہ لطیف و خبیر: یعنی تمہارا اور تمہارے افعال و اقوال ہر چیز کا خالق و مختار وہ ہے، اور خالق و مختار جس چیز کو پیدا کرے ضروری ہے کہ اس کا پورا علم اسے حاصل ہو، ورنہ پیدا کرنا ممکن نہیں، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نے بنایا وہ ہی نہ جانے۔

۲۰۔ یعنی زمین کو تمہارے سامنے کیسا پست و ذلیل اور مسخر و منقاد کر دیا کہ جو چاہو اس میں تصرف کرو تو چاہتے کہ اس پر اور اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو اور روزی کماد، مگر اتنا یاد رکھو کہ جس نے روزی دی ہے اسی کی طرف پھر لوٹ کر جانا ہے۔

۲۱۔ اللہ کی ڈھیل سے مغرور مت ہو: پہلے انعامات یاد دلائے تھے۔ اب شانِ قہر و انتقام یاد دلا کر ڈرانا مقصود ہے یعنی زمین بیشک تمہارے لئے مسخر کر دی گئی۔ مگر یاد رہے اس پر حکومت اسی آسمان والے کی ہے وہ اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے، اس وقت زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور تم اس کے اندر اترتے چلے جاؤ لہذا آدمی کو جائز نہیں کہ اس مالکِ مختار سے نڈر ہو کر شرارتیں شروع کر دے اور اس کے ڈھیل دینے پر مغرور ہو جائے۔

۲۲۔ اللہ کا عذاب کسی وقت بھی آسکتا ہے: یعنی بیشک زمین پر چلو پھرو اور روزی کماد، لیکن خدا کو نہ بھولو ورنہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھجیجے یا پتھروں کا مینہ برسا دے پھر تم کیا کرو گے ساری دوڑ دھوپ یوں ہی رکھی رہ جائیگی۔

۲۳۔ اللہ کا عذاب کسی وقت بھی آسکتا ہے۔ یعنی جس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا وہ کیسا تباہ کن اور ہولناک ہے۔

۲۴۔ پچھلے لوگوں سے عبرت حاصل کرو: یعنی "عاد" و "ثمود" وغیرہ کے ساتھ جو معاملہ ہو چکا ہے اس سے عبرت پکڑو۔ دیکھ لو! ان کی حرکات پر ہم نے انکار کیا تھا تو وہ انکار کیسے عذاب کی صورت میں ظاہر ہو کر رہا۔

۲۵۔ رحمن پرندوں کو ہوا میں تھامتاہے: پہلے آسمان وزمین کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں درمیانی چیز کا ذکر ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو پرندے زمین و آسمان کے درمیان کبھی پر کھول کر اور کبھی بازو سمیٹے ہوئے کس طرح اڑتے رہتے ہیں۔ اور باوجود جسم ثقیل مائل الی المرکز ہونے کے نیچے نہیں گر پڑتے نہ زمین کی قوت جاذبہ اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بتلاؤ رحمن کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضا میں تھام رکھا ہے۔ بیشک رحمن نے اپنی رحمت و حکمت سے ان کی ساخت ایسی بنائی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔ وہ ہی ہر چیز کی استعداد کو جانتا اور تمام مخلوق کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے۔ شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ آسمان سے عذاب بھیجے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر و شرارت سے اسکے مستحق بھی ہیں۔ لیکن جس طرح رحمن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے، عذاب بھی اسی کی رحمت سے رُکا ہوا ہے۔

۲۶۔ رحمن کے سوا منکروں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا: یعنی منکر سخت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے باطل معبودوں اور فرضی دیوتاؤں کی فوج ان کو اللہ کے عذاب اور آئیوالی آفت سے بچالگی؟ خوب سمجھ لو! رحمن سے الگ ہو کر کوئی مدد کو نہ پہنچے گا۔

۲۷۔ یعنی اللہ اگر روزی کے سامان بند کر لے تو کس کی طاقت ہے جو تم پر روزی کا دروازہ کھول دے؟

۲۸۔ یعنی دل میں یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سے الگ ہو کر نہ کوئی نقصان کو روک سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ مگر محض شرارت اور سرکشی ہے کہ توحید و اسلام کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں۔

۲۹۔ موحد اور مشرک کی مثال: یعنی ظاہری کامیابی کی راہ طے کر کے وہی مقصد اصلی تک پہنچے گا جو سیدھے راستے پر آدمیوں کی طرح سیدھا ہو کر چلے۔ جو شخص ناہموار راستے پر اوندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ یہ مثال ایک موحد اور ایک مشرک کی ہوئی۔ محشر میں بھی دونوں کی چال میں ایسا ہی فرق ہو گا۔

۳۰۔ یعنی اللہ نے سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھیں، اور سمجھنے کے لئے دل دیئے تھے کہ اس کا حق مان کر ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے، اور اس کی طاعت و فرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔ کافروں کو دیکھ لو کہ ان نعمتوں کا کیسا حق ادا کیا؟ اس کی دی ہوئی قوتیں اسی کے مقابلہ میں استعمال کیں۔

۳۱۔ یعنی ابتداء بھی اُس سے ہوئی انتہاء بھی اسی پر ہوگی، جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے۔ چاہئے تھا کہ اس سے ایک دم غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اسکی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر ایسے بندے بہت تھوڑے ہیں۔

۳۲۔ یعنی کٹھے کب کئے جائینگے؟ اور قیامت کب آئیگی اسے جلدی بلاو۔

۳۳۔ قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے: یعنی وقت کا تعیین میں نہیں کر سکتا۔ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ البتہ جو چیز یقیناً آئیوالی ہے اس سے آگاہ کر دینا اور خوفناک مستقبل سے ڈرا دینا میرا فرض تھا۔ وہ میں ادا کر چکا۔

۳۴۔ یعنی اب جلدی مچا رہے ہیں لیکن جس وقت وہ وعدہ قریب آگے گا، بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائینگے اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔

۳۵۔ کفار تمنا کرتے تھے کہ کہیں جلد مر مر اکر ان کا قصہ ختم ہو جائے (العیاذ باللہ) اس کا جواب دیا کہ فرض کرو تمہارے زعم کے موافق میں اور میرے ساتھی دنیا میں سب ہلاک کر دیئے جائیں یا ہمارے عقیدے کے موافق مجھ کو اور میرے رفقاء کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیاب و بامر ادا کرے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، مگر تم کو اس سے کیا فائدہ ہے۔ ہمارا انجام دنیا میں جو کچھ ہو، بہر حال آخرت میں بہتری ہے کہ اس کے راستہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی پر جو دردناک عذاب آنا یقینی ہے۔ اس سے کون بچا بیگا۔ ہمارا اندیشہ چھوڑ دو، اپنی فکر کرو، کیونکہ کافر کسی طرح بھی خدائی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔

۳۶۔ رحمن پر ایمان اور بھروسہ: یعنی جب ہمارا ایمان اس پر ہے تو ایمان کی بدولت نجات یقینی ہے اور جب ہم صحیح معنی میں اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں تو مقاصد میں کامیابی یقینی ہے وَ مَنْ يَتَّوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ (الطلاق-۳) تم میں دونوں چیزیں نہیں، نہ ایمان، نہ توکل، پھر تم کیسے بے فکر ہو؟

۳۷۔ یعنی ہم جیسا کہ تمہارا گمان ہے یا تم جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے۔

۳۸۔ اللہ کے سوا پانی کون لا سکتا ہے: یعنی زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو جس سے ہر چیز کی زندگی ہے، اگر فرض کرو! چشموں اور کنوؤں کا پانی خشک ہو کر زمین کے اندر اتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آجاتا ہے تو کس کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر مقدار میں مہیا کر دے جو تمہاری زندگی اور بقاء کے لئے کافی ہو۔ لہذا ایک مؤمن متوکل کو اسی خالق الکل مالک علی الاطلاق پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے، اس وقت ہدایت و معرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد ﷺ کی صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہو سکتا ہے جس نے اپنے فضل و انعام سے تمام جانداروں کی ظاہری و باطنی زندگی کے سامان پیدا کئے ہیں۔ اگر بفرض محال یہ چشمہ خشک ہو جائے، جیسا کہ اشقیاء کی تمنا ہے، تو کون ہے جو مخلوق کے لئے ایسا پاک و صاف نتھر پانی مہیا کر سکے۔

تم سورۃ الملک و اللہ الحمد والمنة



آیاتھا ۵۲

۶۸ سُورَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲

رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ ن۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿۱﴾

۲۔ تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ [۱]

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِبَجُونٍ ﴿۲﴾

۳۔ اور تیرے واسطے بدلا ہے بے انتہا [۲]

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿۳﴾

۴۔ اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر [۳]

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿۴﴾

۵۔ سواب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے

فَسْتَبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ﴿۵﴾

۶۔ کہ کون ہے تم میں جو پچل رہا ہے [۴]

بِأَيِّكُمْ الْبُفْتُونَ ﴿۶﴾

۷۔ بیشک تیرا رب وہی خوب جانے اُسکو جو بہکا اُسکی راہ سے اور وہی جانتا ہے راہ پانے والوں کو [۵]

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ وَهُوَ

أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۷﴾

۸۔ سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا

فَلَا تَطْعِ الْبُكَدِّيْنَ ﴿۸﴾

۹۔ وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلا ہوں [۶]

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿۹﴾

۱۰۔ اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا [۷]

وَلَا تَطْعَمْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ طعنے دے چغلی کھاتا پھرے

هَبَّازٍ مَّشَاءٍ بِنَيِّمٍ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ بھلے کام سے روکے حد سے بڑھے بڑا گنہگار

مِّنَّا لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾

عُتِلَّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٌ ﴿١٣﴾

۱۳۔ اُجڈان سب کے پیچھے بدنام [۸]

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿١٤﴾

۱۴۔ اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے [۹]

إِذَا تَتَلَّى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾

۱۵۔ جب سنائے اُس کو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی [۱۰]

سَنَسِبُهُ عَلَىٰ الْخُرْطُومِ ﴿١٦﴾

۱۶۔ اب داغ دیں گے ہم اُسکو سونڈ پر [۱۱]

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَوْا

۱۷۔ ہم نے اُن کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا باغ والوں کو [۱۲]  
جب اُن سب نے قسم کھائی کہ اُس کا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾

۱۸۔ اور ان شاء اللہ نہ کہا [۱۳]

وَلَا يَسْتَشْنُونَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ پھر پھیرا کر گیا اُس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ سوتے ہی رہے

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِبُونَ ﴿١٩﴾

۲۰۔ پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا [۱۴]

فَاصْبَحَتْ كَالصَّارِيمِ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ پھر آپس میں بولے صبح ہوتے

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾

۲۲۔ کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تمکو توڑنا ہے

أَنْ اَعْدُوا عَلَىٰ حَرَثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَرِمِينَ ﴿٢٢﴾

۲۳۔ پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے

فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ﴿٢٣﴾

۲۴۔ کہ اندر نہ آنے پائے اُس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج

أَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ﴿٢٤﴾

۲۵۔ اور سویرے چلے لپکتے ہوئے زور کے ساتھ [۱۵]

وَعَدُوا عَلَىٰ حَرَدٍ قَدِيرِينَ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ پھر جب اُسکو دیکھا بولے ہم تو راہ بھول آئے

فَلَبَّارًا وَّهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُونَ ﴿٢٦﴾

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی [۱۶]

قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تَسْبِيحُونَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ بولا بچلا اُن کا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی [۱۷]

قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیر وار تھے

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَتَّلَا وَمُؤْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی طرف لگے اُلہنا دینے [۱۸]

قَالُوا يٰوَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ بولے ہائے خرابی ہماری ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے

عَسٰى رَبِّنَا اَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا

۳۲۔ شاید ہمارا رب بدل دے ہمکو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں [۱۹]

رٰغِبُونَ ﴿۳۲﴾

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۗ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۗ لَوْ

۳۳۔ یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے اگر اُنکو سمجھ ہوتی [۲۰]

كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ البتہ ڈرنے والوں کو اُنکے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے [۲۱]

اَفَنْجَعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْجُرْمِيْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ کیا ہم کر دیں گے حکم برداروں کو برابر گنہگاروں کے

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ کیا ہو گیا تمکو کیسے ٹھہرا رہے ہو بات [۲۲]

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخِيْرُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اُس میں ملتا ہے تمکو جو تم پسند کر لو

اَمْ لَكُمْ اٰيٰتٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّ

۳۹۔ کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے

لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾

سَلَّمَهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ پوچھ اُن سے کونسا اُن میں اس کا ذمہ لیتا ہے [۳۰]

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۖ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا

۳۱۔ کیا انکے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہئے لے آئیں  
اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ سچے ہیں [۳۱]

صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ ۖ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ

۳۲۔ جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں  
سجدہ کرنے کو پھر نہ کر سکیں [۳۲]

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۳۲﴾

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا

۳۳۔ جھکی پڑتی ہوں گی انکی آنکھیں [۳۳] چڑھی آتی ہوگی  
اُن پر ذلت اور پہلے اُنکو بلائے رہے سجدہ کرنے کو اور وہ  
تھے اچھے خاصے [۳۴]

يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ﴿۳۳﴾

فَذَرْنِي ۖ وَ مَنْ يُكْذِبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ ۖ

۳۴۔ اب چھوڑ دے مجھ کو اور اُنکو جو کہ جھٹلائیں اس بات  
کو اب ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے اُنکو جہاں سے اُنکو پتہ  
بھی نہیں [۳۵]

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾

وَأُمْلِي لَهُمْ ۖ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور اُنکو ڈھیل دیے جاتا ہوں بیشک میرا اداؤ پکا ہے [۳۵]

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ حق سو اُن پر تاوان کا بوجھ  
پڑ رہا ہے

أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ کیا انکے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ لکھ لاتے ہیں [۳۶]

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۖ

۳۸۔ اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی  
اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا [۳۷] جب پکارا اُس نے اور وہ  
غصہ میں بھرا تھا [۳۸]

إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۳۸﴾

لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَ

۳۹۔ اگر نہ سنبھالتا اُسکو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی  
تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر [۳۹]

هُوَ مَذْمُومٌ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ پھر نوازا اسکو اسکے رب نے پھر کر دیا اسکو نیکوں میں [۳۴]

فَاجْتَبَهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۵۰﴾

۵۱۔ اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں کہ پھسلا دیں تجھ کو اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن اور کہتے ہیں وہ تو باؤلا ہے [۳۵]

وَإِنَّ يَكَاذُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيَزُلقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ

لَبَّاسِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿۵۱﴾

۵۲۔ اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سارے جہان والوں کو [۳۶]

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۵۲﴾

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جنون کے الزام کا رد: مشرکین مکہ حضور کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا، حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ کی تسلی فرمادی۔ یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے فضل و انعام ہوں جنکو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے۔ مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت و دانائی کی باتیں۔ مخالف و موافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر، اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کیا سے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں جن کو ابتداء قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے۔ مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ بیاں گ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں، اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ آج آپکو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شہیروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے۔ لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء و دوام کی مہر ثبت کی، اور ان مجنون کہنے والوں کا نام و نشان باقی نہ چھوڑا۔ قریب ہے کہ قلم اور اسکے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ کے ذکر خیر اور آپ کے بیمثال کارناموں اور علوم و معارف کو ہمیشہ کے لئے روشن رکھیں گی۔ اور آپ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہے گا۔ ایک وقت آئیگا جب ساری دنیا آپکی حکمت و دانائی کی داد دیگی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجماعی عقیدہ کے تسلیم کریگی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت و برتری کو ازل الازل میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون و مفتون کی چھتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پرلے درجہ کا مجنون یا جاہل ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے انتہا اجر: یعنی آپ نغمین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہا اجر و ثواب آپ کو یقیناً ملنے والا ہے کیا دیوانوں اور پاگلوں کا مستقبل ایسا پائدار اور شاندار کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنون کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے سنی ہے؟ پھر جس کا رتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پروا ہونی چاہئے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان اخلاق و ملکات کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ ایک دیوانے کے اقوال و افعال میں قطعاً نظم و ترتیب نہیں ہوتی، نہ اس کا کلام اسکے کاموں پر منطبق ہوتا ہے، برخلاف اس کے آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال و اخلاق قرآن کی خاموش تفسیر۔ قرآن جس نیکی، جس خوبی، اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرۃ موجود، اور جس بدی و زشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدا نشی طور پر آپکی ساخت اور

تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب و اعتدال سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنے نہیں پائی۔ آپ کا حسن اخلاق اجازت نہ دیتا تھا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن و تشنیع پر کان دھریں جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمح نظر اتنا بلند ہو، بھلا وہ کسی مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کریگا۔ آپ تو اپنے دیوانہ کہنے والوں کی نیک خواہی اور درد مندی میں اپنے کو گھلائے ڈالتے تھے جس کی بدولت فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسِكَ (الکہف-۶) کا خطاب سننے کی نوبت آتی تھی۔ فی الحقیقت اخلاق کی عظمت کا سب سے زیادہ عمیق پہلو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان حقیر ہستیوں سے معاملہ کرتے وقت خداوند قدوس کی عظیم ہستی سے غافل و ذاہل نہ ہو۔ جب تک یہ چیز قلب میں موجود رہے گی تمام معاملات عدل و اخلاق کی میزان میں پورے اترینگے۔ کیا خوب فرمایا شیخ جنید بغدادیؒ نے سنی خلقہ عظیمہ اذلم تکن لہ ہبۃ سوی اللہ تعالیٰ عاشد الخلق بخلقہ وذاہلہم بقلبہ فکان ظاہرہ مع الخلق وباطنہ مع الحق و فی وصیۃ بعض الحكماء علیک بالخلق مع الخلق وبالصدق مع الحق۔

۴۔ مفتون کون ہے: یعنی دل میں تو پہلے سے سمجھتے ہیں، لیکن عنقریب فریقین کو آنکھوں سے نظر آجایگا کہ دونوں میں سے کون ہشیار اور عاقبت اندیش تھا اور کس کی عقل ماری گئی تھی جس کی وجہ سے پاگلوں کی طرح پچلی پچلی باتیں کرتا تھا۔

۵۔ یعنی پوری طرح علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ پر آئیوالے ہیں اور کون بھٹکنے والے لیکن نتائج جب سامنے آئیگی تو سب کو نظر آجایگا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی رہبری کی بدولت ناکام و نامراد رہا۔

۶۔ کفار کے لئے ڈھیل مت دکھاؤ: یعنی راہ پر آئیوالے اور نہ آئیوالے سب اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں۔ لہذا دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں کچھ رد و رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو راہ پر آنا ہو گا آ رہے گا اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی لحاظ و مرآت سے ماننے والا نہیں۔ کفار مکہ حضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کر دیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں، ہم بھی آپ کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپ کے طور و طریق اور مسلک و مشرب سے متعرض نہ ہوں گے۔ ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو ”خلق عظیم“ پر پیدا کیا گیا ہے۔ نیک نیتی سے یہ خیال آجائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چندے نرم روش اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ اُس پر حق تعالیٰ نے متنہ فرمادیا کہ آپ ان مکذبین کا کہنا نہ مانے۔ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کرنا ہے۔ ایمان لانا اور صداقت کو قبول کرنا نہیں۔ آپ کی بعثت کی اصلی غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ آپ تو ہر طرف سے قطع نظر کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہئے۔ کسی کو منوادینے اور راہ پر لے آنے کے آپ ذمہ دار نہیں۔ (تنبیہ) ”مداہنت“ اور ”مدارات“ میں بہت باریک فرق ہے۔ اول الذکر مذموم ہے اور آخر الذکر محمود۔ فلا تغفل۔

۷۔ یعنی جس کے دل میں خدا کے نام کی عظمت نہیں، جھوٹی قسم کھالینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور چونکہ لوگ اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ اس لئے یقین دلانے کے لئے بار بار قسمیں کھا کر بے قدر اور ذلیل ہوتا ہے۔

۸۔ کافر کے اوصاف: یعنی ان خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے عالم بھی ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”کہ یہ سب کافر کے وصف ہیں آدمی اپنے اندر دیکھے اور یہ خصلتیں چھوڑے“ (تنبیہ) ذنوب کے معنی بعض سلف کے نزدیک ولد الزنا اور حرامزادے کے ہیں۔ جس کافر کی نسبت یہ آیتیں نازل ہوئیں وہ ایسا ہی تھا۔

۹۔ مال و دولت شرافت کا معیار نہیں: یعنی ایک شخص اگر دنیا میں طالع مند اور خوش قسمت نظر آتا ہے، مثلاً مال و اولاد وغیرہ رکھتا ہے تو محض اتنی بات سے اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے اخلاق و عادات ہیں۔ جس شخص میں شرافت اور خوش اخلاقی نہیں، اللہ والوں کا کام نہیں کہ اسکی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔

۱۰۔ یعنی اللہ کی باتوں کو یہ کہہ کر جھٹلاتا ہے۔

۱۱۔ ولید بن مغیرہ کی رسوائی: کہتے ہیں قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا اس میں یہ سب اوصاف مجتمع تھے اور ناک پر داغ دینے سے مراد اس کی رسوائی اور رُوسیا ہی ہے، شاید دنیا میں حتیٰ طور پر بھی کوئی داغ پڑا ہو۔ یا آخرت میں پڑیگا۔

۱۲۔ یعنی مال و اولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں، نہ اللہ کے ہاں اسکی کچھ قدر و قیمت ہے لہذا کفار مکہ اس چیز پر مغرور نہ ہوں یہ تو اللہ کی طرف سے انکی آزمائش اور جانچ ہے جیسے پہلے بعض لوگوں کی جانچ کی گئی۔

۱۳۔ تین بھائیوں کی ہوس کا انجام: کئی بھائی جن کے باپ نے ترکہ میں میوے کا ایک باغ چھوڑا تھا، اس میں کھیتی بھی ہوتی ہوگی۔ سارا گھر اسکی پیداوار سے آسودہ تھا، باپ کے زمانہ میں عادت تھی کہ جس دن میوہ توڑا جاتا یا کھیتی کٹی۔ تو شہر کے سب فقیر محتاج جمع ہو جاتے یہ سب کو تھوڑا بہت دے دیتا اسی سے برکت تھی، اس کے انتقال کے بعد بیٹوں کو خیال ہوا کہ فقیر جو اتنا مال لے جاتے ہیں، وہ اپنے ہی کام آئے تو خوب ہو۔ کیوں ہم ایسی تدبیر نہ کریں کہ کچھ دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار گھر میں آجائے۔ پھر آپس میں مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ صبح سویرے ہی توڑ کر گھر لے آئیں۔ فقیر جائینگے تو وہاں کچھ نہ پائینگے۔ اور اپنی اس تدبیر پر ایسا یقین جمایا کہ ”ان شاء اللہ“ بھی نہ کہا۔

۱۴۔ یعنی رات کو گولا اٹھا آگ لگی یا اور کوئی آفت پڑی، سب کھیت اور باغ صاف ہو رہا۔

۱۵۔ یعنی یہ یقین کرتے ہوئے کہ اب جا کر سب پیداوار اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔

۱۶۔ وہ زمین کھیتی اور درختوں سے ایسی صاف ہو چکی تھی کہ وہاں پہنچ کر پہچان نہ سکے سمجھے کہ ہم راہ بھول کر کہیں اور نکل آئے۔ پھر جب غور کیا تو سمجھے کہ نہیں، جگہ تو وہی ہے۔ مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور حق تعالیٰ کی درگاہ سے ہم محروم کئے گئے۔

۱۷۔ منجھلا بھائی ان میں زیادہ ہشیار تھا۔ اس نے مشورہ کے وقت متنبہ کیا ہو گا کہ اللہ کو مت بھولو۔ یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور فقیر محتاج کی خدمت سے دریغ نہ کرو۔ جب کسی نے اس کی بات پر کان نہ دھرا، چپ ہو رہا اور ان ہی کا شریک حال ہو گیا۔ اب یہ تباہی دیکھ کر اس نے وہ پہلی بات یاد دلائی۔

۱۸۔ اپنی غلطی کا اعتراف: اب اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے رب کی طرف رجوع ہوئے اور جیسا کہ عام مصیبت کے وقت قاعدہ ہے ایک دوسرے کو الزام دینے لگے، ہر ایک دوسرے کو اس مصیبت اور تباہی کا سبب گردانتا تھا۔

۱۹۔ آخر میں سب مل کر کہنے لگے کہ واقعی ہماری سب کی زیادتی تھی کہ ہم نے فقیروں محتاجوں کا حق مارنا چاہا اور حرص و طمع میں آکر اصل بھی کھو بیٹھے، یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصور وار ہیں، مگر اب بھی ہم اپنے رب سے ناامید نہیں کیا عجب ہے وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بہتر باغ ہم کو عطا کر دے۔

۲۰۔ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے: یعنی یہ دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسے کوئی ٹال نہ سکا۔ بھلا آخرت کی اس بڑی آفت کو تو کون ٹال سکتا ہے۔ سمجھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔

۲۱۔ جنت نعیم: یعنی دنیا کے باغ و بہار کو کیا لئے پھرتے ہو جنت کے باغ ان سے کہیں بہتر ہیں جن میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں۔ وہ خاص متقین کے لئے ہیں۔

۲۲۔ کفار کی خوش فہمی اور اس کا جواب: کفار مکہ نے غرور و تکبر سے اپنے دل میں یہ ٹھہرا رکھا تھا کہ اگر قیامت کے دن مسلمانوں پر عنایت و بخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بہتر اور بڑھ کر ہوگی۔ اور جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش ورفاہیت میں رکھا ہے وہاں بھی یہی معاملہ رہیگا۔ اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر ایسا ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ ایک وفادار غلام جو ہمیشہ اپنے آقا کی حکمرداری کے لئے تیار رہتا ہے، اور ایک جرائم پیشہ باغی دونوں کا انجام یکساں ہو جائے، بلکہ مجرم اور باغی، وفاداروں سے اچھے رہیں یہ وہ بات ہے جس کو عقل سلیم اور فطرت صحیحہ رد کرتی ہے۔

۲۳۔ کفار کے پاس کوئی سند نہیں: یعنی یہ بات کہ مسلم اور مجرم دونوں برابر کر دیئے جائیں ظاہر ہے عقل و فطرت کے خلاف ہے۔ پھر کیا کوئی نقلی دلیل اس کی تائید میں تمہارے پاس ہے؟ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ جو تم اپنے لئے پسند کر لو گے وہ ہی ملے گا؟ اور تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائیں گی۔ یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے کوئی قسم کھالی ہے کہ تم جو کچھ اپنے دل سے ٹھہرا لو گے وہ ہی دیا جائے گا؟ اور جس طرح آج عیش و رفاہیت میں ہو۔ قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے؟ جو شخص ان میں سے ایسا دعویٰ اور اس کے ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے، لاؤ، اسے سامنے کرو۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے۔

۲۴۔ یعنی اگر عقلی و نقلی دلیل کوئی نہیں، محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کئے جا رہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کر دیں گے اور یوں مرتبے دلا دیں گے، کیونکہ وہ خود خدائی کے شریک اور حصّہ دار ہیں تو اس دعوے میں ان کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہو گا جب وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ پر بلا لائیں اور اپنی من مانی کارروائی کر دیں۔ لیکن یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں۔ وہ تمہاری کیا مدد کرینگے، خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

۲۵۔ کشف ساق: اس کا قصہ حدیث شیعین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ میدان قیامت میں اپنے ساق ظاہر فرمائے گا "ساق" (پنڈلی) کو کہتے ہیں اور یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات و حقائق الہیہ میں سے جس کو کسی خاص مناسبت سے "ساق" فرمایا۔ جیسے قرآن میں "ید" (ہاتھ) "وجہ" (چہرہ) کا لفظ آیا ہے۔ یہ منہومات تشابہات میں سے کہلاتے ہیں۔ ان پر اسی طرح بلا کیف ایمان رکھنا چاہئے جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات اور سحر و بصر وغیرہ صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔

اہل ریاء و نفاق سجدہ نہیں کر سکیں گے: اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مؤمنین و مؤمنات سجدہ میں گر پڑیں گے۔ مگر جو شخص ریاء سے سجدہ کرتا تھا، اسکی کمر نہیں مڑیگی۔ تختہ سی ہو کر رہ جائیگی، اور جب اہل ریاء و نفاق سجدہ پر قادر نہ ہونگے تو کفار کا اُس پر قادر نہ ہونا بطریق اولیٰ معلوم ہو گیا۔ یہ سب کچھ محشر میں اس لئے کیا جائے گا کہ مومن و کافر اور مخلص و منافق صاف طور پر کھل جائیں اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسی طور پر مشاہد ہو جائے (تنبیہ) "تشابہات" پر پہلے کلام کیا جا چکا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس آیت "کشف ساق" کی تفسیر میں نہایت عالی اور عجیب تبصرہ تشابہات پر کیا ہے۔ فلیراجع۔

۲۶۔ یعنی ندامت اور شرمندگی کے مارے آنکھ اوپر نہ اٹھ سکے گی۔

۲۷۔ سجدہ سے محرومی کی وجہ: یعنی دنیا میں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا جس وقت اچھے خاصے تندرست تھے اور با اختیار خود سجدہ کر سکتے تھے وہاں کبھی اخلاص سے سجدہ نہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ استعداد ہی باطل ہو گئی اب چاہیں بھی تو سجدہ نہیں کر سکتے۔

۲۸۔ یعنی ان کو عذاب ہونا یقینی ہے لیکن چندے عذاب کے توقف سے رنج نہ کیجئے اور انکا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ میں خود ان سے نبٹ لوں گا اور اس طرح بتدریج آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر گن رہینگے اور اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جائیں گی۔

۲۹۔ یعنی میری لطیف اور خفیہ تدبیر ایسی پکی ہے، جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔

۳۰۔ یعنی افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ یہ لوگ اس طرح تباہی کی طرف چلے جا رہے ہیں لیکن آپ کی بات نہیں مانتے۔ آخر نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ (تنخواہ یا کمیشن وغیرہ) طلب کرتے ہیں؟ جس کے بوجھ میں وہ دے جا رہے ہیں۔ یا خود ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے؟ جسے وہ حفاظت کے لئے قرآن کی طرح لکھ لیتے ہیں۔ اسلئے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ آخر کچھ سبب تو ہونا چاہئے۔ جب ان پر کچھ بار بھی ڈالا نہیں جاتا اور اس چیز سے استغناء بھی نہیں تو نہ ماننے کا سبب بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔



۳۱۔ حضرت یونس علیہ السلام کا غصہ: یعنی مچھلی کے پیٹ میں جانو الے پیغمبر (حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرح کند بین کے معاملہ میں تنگدلی اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کیجئے۔ انکا قصہ پہلے کئی جگہ تھوڑا تھوڑا گذر چکا ہے۔

۳۲۔ یعنی قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے جھنجھلا کر شتابی عذاب کی دعا بلکہ پیشین گوئی کر بیٹھے (تنبیہ) مَكْذُومٌ کے معنی بعض مفسرین نے یہ کئے ہیں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے اور یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا۔ ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک بلا اذن صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا، ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس رہنے کا۔ اس وقت اللہ کو پکارا اور یہ دعا کی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ ۗ إِنَّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء۔ ۸۷) اس پر اللہ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔

۳۳۔ یعنی اگر قبول توبہ کے بعد اللہ کا مزید فضل و احسان دستگیری نہ کرتا تو اسی چٹیل میدان میں جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے الزام کھائے ہوئے پڑے رہتے اور وہ کمالات و کرامات باقی نہ رہنے دیئے جاتے جو محض خدا کی مہربانی سے اس ابتلاء کے وقت بھی باقی رہے۔

۳۴۔ یعنی پھر ان کا اور زیادہ رتبہ بڑھایا۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک و شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔ حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

۳۵۔ قرآن سن کر کفار کا غیظ و غضب: یعنی قرآن سن کر غیظ و غضب میں بھر جاتے ہیں اور اس قدر تیز نظروں سے تیری طرف گھورتے ہیں، جانے تجھ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے۔ زبان سے بھی آوازے کتے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہو گیا ہے۔ اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح آپ کو گھبرا کر مقام صبر و استقلال سے ڈگمگادیں۔ مگر آپ برابر اپنے مسلک پر جتے رہیں۔ اور تنگدل ہو کر کسی معاملہ میں گھبراہٹ یا جلدی یا مداہنت اختیار نہ کیجیے۔ (تنبیہ)

نظر لگنا: بعض نے لِيُذْذِرَنَّكَ بِأَبْصَارِهِمْ سے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ کو نظر لگائیں۔ چنانچہ جس وقت حضور ﷺ قرآن تلاوت فرما رہے تھے، ان میں سے ایک آیا اور پوری ہمت سے نظر لگانے کی کوشش کی۔ آپ نے ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ پڑھا اور وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ باقی نظر لگنے یا لگانے کے مسئلہ پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ اور آج کل جبکہ ”مسریزم“ ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے، اس میں مزید رد و کد کرنا بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔

۳۶۔ یعنی قرآن میں جنون اور باؤلے پن کی بات کونسی ہے۔ جس کو تم جنون کہہ رہے ہو وہ تو تمام عالم کے لئے اعلیٰ ترین پند و نصیحت کا ذخیرہ ہے۔ اسی سے بنی نوع انسان کی اصلاح اور دنیا کی کایا پلٹ ہوگی۔ اور وہ ہی لوگ دیوانے قرار پائینگے جو اس کلام کے دیوانے نہیں ہیں۔

تم سورۃ القلم ولله الحمد والمنه

آیاتها ۵۲

۶۹ سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۸

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ وہ ثابت ہو چکنے والی

الْحَاقَّةُ ﴿۱﴾

۲۔ کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی [۱]

مَا الْحَاقَّةُ ﴿۲﴾

۳۔ اور تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی [۲]

وَمَا آذُرِكَ مَا الْحَاقَّةُ ﴿۳﴾

۴۔ جھٹلایا شمود اور عاد نے اُس کوٹ ڈالنے والی کو [۳]

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾

۵۔ سو وہ جو شمود تھے سو غارت کر دیے گئے اچھا کر [۴]

فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾

۶۔ اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے ٹھنڈی سنٹے کی ہوا

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾

سے نکلی جائے ہاتھوں سے [۵]

۷۔ مقرر کر دیا اُسکو اُن پر سات رات اور آٹھ دن تک

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَّةٍ أَيَّامٍ ۚ

لگاتار پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اُس میں مچھڑ گئے گویا وہ ڈھنڈ

حُسُومًا ۚ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى ۚ كَانَهُمْ

ہیں کھجور کے کھوکھلے [۶]

أَعْبَازٍ نَّخِلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾

۸۔ پھر تو دیکھتا ہے کوئی اُن میں کابچا [۷]

فَهَلْ تَرَى لَهُم مِّنْ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾

۹۔ اور آیا فرعون اور جو اُس سے پہلے تھے اور اُلٹ جانے

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكُتْ

والی بستیاں خطائیں کرتے ہوئے

بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾

۱۰۔ پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا پھر پکڑا اُنکو پکڑنا

فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾

سخت [۸]

۱۱۔ ہم نے جس وقت پانی اُبلا لایا تم کو چلتی کشتی میں

۱۲۔ تاکہ رکھیں اُسکو تمہاری یادگاری کے واسطے اور سینت کر رکھے اُسکو کان سینت کر رکھنے والا<sup>[۹]</sup>

۱۳۔ پھر جب پھونکا جائے صور میں ایک بار پھونکنا

۱۴۔ اور اٹھائی جائے زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیے جائیں ایک بار

۱۵۔ پھر اُس دن ہو پڑے وہ ہو پڑنے والی<sup>[۱۰]</sup>

۱۶۔ اور پھٹ جائے آسمان پھر وہ اُس دن بکھر رہا ہے

۱۷۔ اور فرشتے ہوں گے اُسکے کناروں پر<sup>[۱۱]</sup> اور اٹھائیں گے تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اُس دن اٹھ شخص<sup>[۱۲]</sup>

۱۸۔ اُس دن سامنے کئے جاؤ گے چھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی چھپی بات<sup>[۱۳]</sup>

۱۹۔ سو جس کو ملا اُس کا لکھا دانہ ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیو میرا لکھا<sup>[۱۴]</sup>

۲۰۔ میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب<sup>[۱۵]</sup>

۲۱۔ سو وہ ہیں من ماننے گزاران میں

۲۲۔ اونچے باغ میں

إِنَّا لَبَّاطِعَا لِبَاءِ حَصْنِكُمْ فِي الْبَارِيَةِ ﴿١١﴾

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيهَا أَدْنُ وَأَعْيَةٌ ﴿١٢﴾

فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾

وَ حُبِلَتِ الْأَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَ دُكَّتَا دَكَّةً

وَاحِدَةً ﴿١٤﴾

فِيَوْمَ مِيدٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾

وَ انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَ هِيَ يَوْمَ مِيدٍ وَ اهِيَةٌ ﴿١٦﴾

وَ الْمَلِكُ عَلَى أَرْجَائِهَا ۖ وَ يَحْبِلُ عَرْشُ رَبِّكَ

فَوْقَهُمْ يَوْمَ مِيدٍ ثِنِّيَّةٌ ﴿١٧﴾

يَوْمَ مِيدٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَيَقُولُ هَؤُم

اقْرَأُوا كِتَابِيَةَ ﴿١٩﴾

إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلِقٌ حِسَابِيَةَ ﴿٢٠﴾

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ﴿٢١﴾

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾

تَطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ جسکے میوے جھکے پڑے ہیں [۱۶]

كُلُوا وَ اشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ

۲۴۔ کھاؤ اور پیو رنج کر بدلا اُس کا جو آگے بھیج چکے ہو  
تم پہلے دنوں میں [۱۷]

الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشَآئِلِهٖۙ فَيَقُولُ يَلِيَّتَنِي

۲۵۔ اور جس کو ملا اُس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا  
اچھا ہوتا جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا

لَمْ اُوْتِ كِتَابِيَهٗ ﴿٢٥﴾

۲۶۔ اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهٗ ﴿٢٦﴾

۲۷۔ کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی

يَلِيَّتَهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾

۲۸۔ کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال

مَا اَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهٗ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری [۱۸]

هَلَكَ عَنِّي سُلْطٰنِيَهٗ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اُسکو پکڑو پھر طوق ڈالو

خُذُوْهَا فَعَلُّوْهَا ﴿٣٠﴾

۳۱۔ پھر آگ کے ڈھیر میں اسکو ڈالو

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهَا ﴿٣١﴾

۳۲۔ پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اُسکو جکڑو [۱۹]

ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا

فَاسْلُكُوْهَا ﴿٣٢﴾

۳۳۔ وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر جو سب سے بڑا

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ اور تاکید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر [۲۰]

وَلَا يَحْضُّ عَلٰی طَعَامِ الْبٰسِكِيْنَ ﴿٣٤﴾

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَبِيمٌ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ سو کوئی نہیں آج اُس کا یہاں دوستدار [۲۱]

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور نہ کچھ ملے کھانا مگر زخموں کا دھوون

لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ کوئی نہ کھائے اُسکو مگر وہی گنہگار [۲۲]

فَلَا أَقْسِمُ بِمَا تُبْصَرُونَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ سو قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی جو دیکھتے ہو

وَمَا لَا تُبْصَرُونَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ کہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا [۲۳]

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور نہیں ہے یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو [۲۴]

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور نہیں ہے کہا پریوں والے کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو [۲۵]

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ یہ اتارا ہوا ہے جہان کے رب کا [۲۶]

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات

لَا خُذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ پھر کاٹ ڈالتے اُسکی گردن

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اُس سے بچالے [۲۷]

وَإِنَّهُ لَتَذِكْرٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور یہ نصیحت ہے ڈرنے والوں کو

وَأِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِينَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور ہمکو معلوم ہے کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں

وَإِنَّهُ لَحَسْمَةٌ عَلَى الْكُفْرَيْنِ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور وہ جو ہے پچتاوا ہے منکروں پر [۲۸]

وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور وہ جو ہے یقین کرنے کے قابل ہے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا [۲۹]

۱۔ قیامت کی گھڑی کیا ہے: یعنی وہ قیامت کی گھڑی جس کا آنازل سے علم الہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے۔ جبکہ حق باطل سے بالکل واشگاف طور پر بدون کسی طرح کے اشتباہ و التباس کے جدا ہو جائیگا اور تمام حقائق اپنے پورے کمال و سبوغ کے ساتھ نمایاں ہوں گے۔ اور اس کے وجود میں جھگڑا کرنے والے سب اس وقت مغلوب و مقہور ہو کر رہیں گے۔ جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال و کیفیات اپنے اندر رکھتی ہے۔

۲۔ معذب قوموں کی ہلاکت میں کچھ نمونہ ہے: یعنی کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کتنا ہی سوچے اور فکر کرے اس دن کے زہر گدز اور ہولناک مناظر کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا ہاں تقریباً الفہم کے لئے بطور تمثیل و تنظیر چند واقعات آگے بیان کئے جاتے ہیں جو دنیا میں اس قیامت کبریٰ کا نشان دینے میں بالکل ہی حقیر اور نا تمام نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ گویا ان چھوٹے "حاتوں" کا ذکر اس بڑے "حاقہ" کے بیان کے لئے توطیہ و تمہید ہے۔

۳۔ یعنی قوم "شمود" و "عاد" نے اس آبیو الی گھڑی کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین، آسمان، چاند سورج، پہاڑوں اور انسانوں کا کوٹ کر رکھ دیگی۔ اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کر ڈالیگی۔ پھر دیکھ لو! دونوں کا انجام کیا ہوا۔

۴۔ بھونچال: یعنی سخت بھونچال سے۔ جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا، سب تہہ بالا کر دیئے گئے۔

۵۔ آندھی: یعنی وہ ہوا اس قدر تیز و تند تھی جس پر کسی مخلوق کا قابو نہ چلتا تھا حتیٰ کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں انکے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔

۶۔ قوت کا دعویٰ کرنے والوں کا انجام: یعنی جو قوم لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں یہ کہتی ہوئی اتری تھی مَنْ أَشَدُّ مَنَاقِظًا (حم السجدہ۔ ۱۵) (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے) وہ ہماری ہوا کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بیجان تنے ہیں جن کا سر اوپر سے کٹ گیا ہو۔

۷۔ یعنی ان قوموں کا بیچ بھی باقی رہا؟ اس طرح صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں۔

۸۔ فرعون کے تکبر کا انجام: یعنی "عاد" و "شمود" کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہوا آیا اور اس سے پہلے اور کئی قومیں گناہ سمیٹتی ہوئی آئیں (مثلاً قوم نوح، قوم شعیب، اور قوم لوط جن کی بستیاں اُلٹ دی گئی تھیں) ان سبھوں نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی، اور خدا سے مقابلے باندھے۔ آخر سب کو خدا نے بڑی سخت پکڑ سے پکڑا، اس کے آگے کسی کی کچھ بھی پیش نہ چلی۔

۹۔ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں پر اللہ کا فضل: یعنی نوحؑ کے زمانہ میں جب پانی کا طوفان آیا تو بظاہر اسباب تم انسانوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکتا تھا یہ ہماری قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکروں کو غرق کر کے نوحؑ کو مع انکے ساتھیوں کے بچالیا۔ بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ لیکن ہم نے اپنی قدرت و حکمت کا کرشمہ دکھلایا۔ تالوگ رہتی دنیا

تک اس واقعہ کو یاد رکھیں اور جو کان کوئی معقول بات سن کر سمجھتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر ایک زمانہ میں یہ احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح دنیا کے ہنگامہ دار و گیر میں فرمانبرداروں کو نافرمان مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے، یہ ہی حال قیامت کے ہولناک حادثہ میں ہو گا۔ آگے اسی کی طرف کلام منتقل کرتے ہیں۔

۱۰۔ **نَفْحُ صُور:** یعنی صُور پھٹکنے کے ساتھ زمین اور پہاڑ اپنے تیز کو چھوڑ دینگے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا۔ بس وہ ہی وقت ہے قیامت کے ہو پڑنے کا۔

۱۱۔ **آسمان پھٹ جائیگا:** یعنی آج آسمان اس قدر مضبوط و محکم ہے کہ لاکھوں سال گزرنے پر بھی کہیں ذرا سا شگاف نہیں پڑا اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ اور جس وقت درمیان سے پھٹنا شروع ہو گا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائینگے۔

۱۲۔ **حالمین عرش:** اب عرش عظیم کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں جن کی بزرگی اور کلانی کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اس دن ان چار کے ساتھ چار اور لگیں گے۔ تفسیر عزیز میں اس عدد کی حکمتوں اور ان فرشتوں کے حقائق پر بہت دقیق و بسط بحث کی ہے۔ جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

۱۳۔ **اللہ کی عدالت میں پیشی:** یعنی اس دن اللہ کی عدالت میں حاضر کیے جاؤ گے اور کسی کی کوئی نیکی یا بدی مخفی نہ رہے گی، سب منظر عام پر آ جائیگی۔

۱۴۔ **اعمال نامے:** یعنی اس دن جس کا اعمال نامہ داسنے ہاتھ میں دیا گیا جو ناجی و مقبول ہونے کی علامت ہے وہ خوشی کے مارے ہر کسی کو دکھاتا پھرتا ہے کہ لو آؤ! یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔

۱۵۔ **ایمان کا انعام:** یعنی میں نے دنیا میں خیال رکھا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہونا ہے اس خیال سے میں ڈرتا رہا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا آج اس کا دل خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ خدا کے فضل سے میرا حساب بالکل صاف ہے۔

۱۶۔ جو کھڑے بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں نہایت سہولت سے چلنے جاسکتے ہیں۔

۱۷۔ **اہل جنت کے عیش و آرام:** یعنی دنیا میں تم نے اللہ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اٹھائی تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوب رچ پچ کر کھاؤ پیو، نہ طبیعت منعض ہوگی نہ بد ہضمی نہ بیماری نہ زوال کا کھٹکا۔

۱۸۔ **کفار کے اعمال نامے اور ان کی حسرت:** یعنی پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں جس کا اعمال نامہ دیا جائیگا، سمجھ لیگا کہ کمبختی آئی، اس وقت نہایت حسرت سے تمنا کریگا کہ کاش میرے ہاتھ میں اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی کہ حساب کتاب کیا چیز ہے کاش موت میرا قصہ ہمیشہ کے لئے تمام کر دیتی۔ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا۔ یا اٹھا تھا تو اب موت آکر میرا القمہ کر لیتی۔ افسوس وہ مال و دولت اور جاہ و حکومت کچھ کام نہ آئی۔ آج ان میں سے کسی چیز کا پتہ نہیں۔ نہ میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے نہ معذرت کی گنجائش ہے۔

۱۹۔ **کافر کے لئے فرشتوں کو حکم:** فرشتوں کو حکم ہو گا اسے پکڑو، طوق گلے میں ڈالو، پھر دوزخ کی آگ میں غوطہ دو اور اُس زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو، تا جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے، کہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی جلنے والا قدرے تخفیف محسوس کیا کرتا ہے، (تنبیہ) گز سے وہاں کا گز مراد ہے جس کی مقدار اللہ ہی جانے۔

۲۰۔ **کافر کی اس سزا کی وجہ:** یعنی اس نے دنیا میں رہ کر نہ اللہ کو جاننا بندوں کے حقوق پہچانے، فقیر محتاج کی خود تو کیا خدمت کر تا دوسروں کو بھی ادھر ترغیب نہ دی۔ پھر جب اللہ پر جس طرح چاہیے ایمان نہ لایا تو نجات کہاں؟ اور جب کوئی بھلائی کا چھوٹا بڑا کام بن نہ پڑا تو عذاب میں تخفیف کی بھی کوئی صورت نہیں۔

۲۱۔ یعنی جب اللہ کو دوست نہ بنایا تو آج اس کا دوست کون بن سکتا ہے جو حمایت کر کے عذاب سے بچا دے یا مصیبت کے وقت کچھ تسلی کی بات کرے۔

۲۲۔ دوزخ میں کافر کا کھانا: کھانے سے بھی انسان کو قوت پہنچتی ہے مگر دوزخیوں کو کوئی ایسا مرغوب کھانا نہ ملیگا جو راحت و قوت کا سبب ہو۔ ہاں دوزخیوں کے زخموں کی پیپ دی جائے گی جسے ان گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا اور وہ بھی بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلیگا۔ بعد کو ظاہر ہو گا کہ اس کا کھانا بھوک کے عذاب سے بڑا عذاب ہے (اعاذ اللہ من سائر انواع العذاب فی الدنیا والآخرۃ)۔

۲۳۔ یہ بیان سچا اور حق ہے: یعنی جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا، یہ کوئی شاعری نہیں نہ کاہنوں کی انکل چچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام، جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لیکر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا۔ جو آسمان سے لایا وہ، اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا، دونوں رسول کریم ہیں ایک کا کریم ہونا تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور دوسرے کی کرامت و بزرگی پہلے کریم کے بیان سے ثابت ہے۔ (تنبیہ) علم وحی کی فضیلت: عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جنکو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، عقل وغیرہ کے ذریعہ سے ان کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئیگی لیکن حکماء کے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر ہم اپنی آنکھ غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کے یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے حواس کی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو بس تمام عالم میں ایک وحی الہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں وہاں عقل کام دیتی ہے، ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھو کرین کھاتی ہے اس جگہ وحی الہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لئے یہاں بِسَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَآ تُبْصِرُوْنَ کی قسم کھائی۔ یعنی جو حقائق جنت و دوزخ وغیرہ کی پہلی آیات میں بیان ہوئی ہیں، اگر دائرہ محسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات وغیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات وغیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الہی دائرہ حس و عقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے۔ جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے۔

۲۴۔ قرآن شاعری نہیں ہے: یعنی قرآن کے کلام اللہ ہونے کی نسبت کبھی کبھی یقین کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آتی ہے، مگر بہت کم جو نجات کے لئے کافی نہیں۔ آخر اس کو شاعری وغیرہ کہہ کر اڑا دیتے ہو۔ کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہو سکتا ہے اور شعر کی قسم سے ہے۔ شعر میں وزن و بحر وغیرہ ہونا لازم ہے۔ قرآن میں اس کا پتہ نہیں۔ شاعروں کا کلام اکثر بے اصل ہوتا ہے اور اس کے اکثر مضامین محض وہمی اور خیالی ہوتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم میں تمام تر حقائق ثابتہ اور اصول محکمہ کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۲۵۔ یہ کاہن کا کلام بھی نہیں ہے: یعنی پوری طرح دھیان کرو تو معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں۔ کاہن عرب میں وہ لوگ تھے جو بھوت پریت، جنوں اور چڑیلوں سے تعلق یا مناسبت رکھتے تھے۔ وہ ان کو غیب کی بعض جزئی باتیں ایک مقفی و مسجع کلام کے ذریعہ سے بتلاتے تھے۔ لیکن جنوں کا کلام معجزہ نہیں ہوتا کہ ویسا دوسرا نہ کر سکے، بلکہ ایک جن کسی کاہن کو جو ایک بات سکھلاتا ہے دوسرا جن بھی ویسی بات دوسرے کاہن کو سکھلا سکتا ہے اور یہ کلام یعنی قرآن کریم ایسا معجزہ ہے کہ سب جن و انس مل کر بھی اس کے مشابہ کلام نہیں بنا سکتے۔ دوسرے کاہنوں کے کلام میں محض قافیہ اور مسجع کی رعایت کے لئے بہت الفاظ بھرتی کے بالکل بیکار اور بے فائدہ ہوتے ہیں، اور اس کلام معجز نظام میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں چند مبہم جزئی اور معمولی خبروں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ لیکن علوم و



حقائق پر مطلع ہونا اور ادیان و شرائع کے اصول و قوانین اور معاش و معاد کے دستور و آئین کا معلوم کر لینا اور فرشتوں کے اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں پر سے آگاہی پانا ان سے نہیں ہو سکتا۔ بخلاف قرآن کریم کے وہ ان ہی مضامین سے پر ہے۔

۲۶۔ اسی لئے سارے جہان کی تربیت کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔

۲۷۔ نبی اللہ کے کلام میں خیانت نہیں کر سکتا: حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں، "یعنی اگر جھوٹ بناتا اللہ پر تو اول اس کا دشمن اللہ ہوتا اور ہاتھ پکڑتا یہ دستور ہے گردن مارنے کا کہ جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھتا ہے تا سرک نہ جائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ تَقْوَل کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر رسول بالفرض کوئی حرف اللہ کی طرف منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے جو اللہ نے نہ کہا ہو تو اسی وقت اس پر عذاب کیا جائے (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کی تصدیق اور سچائی آیات بینات اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے ظاہر کی جا چکی ہے۔ اب اگر اس قسم کی بات پر فوراً عذاب اور سزا نہ کی جائے تو وحی الہی سے امن اٹھ جائیگا اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جائے گا جس کی اصلاح ناممکن ہو جائیگی۔ جو حکمت تشریح کے منافی ہے۔

نبوت کے جھوٹے دعوے کو اللہ چلنے نہیں دیتا: بخلاف اس شخص کے جس کا رسول ہونا آیات و براہین سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ کھلے ہوئے قرائن و دلائل علانیہ اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بھی بیہودہ اور خرافات ہے کوئی عاقل اس کو درخور اعتناء نہ سمجھے گا اور نہ محمد اللہ دین الہی میں کوئی التباس و اشتباہ واقع ہو گا۔ ہاں ایسے شخص کی معجزات وغیرہ سے تصدیق ہونا محال ہے۔ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور رسوا کرنے کے لئے ایسے امور برروئے کار لائے جو اس کے دعوے رسالت کے مخالف ہوں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح بادشاہ ایک شخص کو کسی منصب پر مامور کر کے اور سند و فرمان وغیرہ دے کر کسی طرف روانہ کرتے ہیں۔ اب اگر اس شخص سے اس خدمت میں کچھ خیانت ہوئی یا بادشاہ پر کچھ جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہو تو اسی وقت بلا توقف اس کا تدارک کرتے ہیں۔ لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑ دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ گورنمنٹ کا میرے لئے یہ فرمان ہے یا میرے ذریعہ سے یہ احکام دیئے گئے ہیں تو کون اس کی بات پر کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعووں سے تعرض کرتا ہے۔ بہر حال آیت ہذا میں حضور ﷺ کی نبوت پر استدلال نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم خالص اللہ کا کلام ہے جس میں ایک حرف یا ایک شوشہ نبی کریم ﷺ بھی اپنی طرف سے شامل نہیں کر سکتے۔ اور نہ باوجود پیغمبر ہونے کے آپ کی یہ شان ہے کہ کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں جو اس نے نہ کہی ہو۔ تو رات سفر استثناء کے اٹھارویں باب میں بیسواں فقرہ یہ ہے "لیکن وہ نبی ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو نبی ہو گا اس سے ایسا ممکن نہیں فنظیر ہذہ الآیہ قولہ تعالیٰ فی البقرة وَ لَیِّنِ اتَّبَعْتَ اٰهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ (البقرة۔ ۱۲۰)۔

۲۸۔ یعنی خدا سے ڈرنا اسے اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کریگے اور جبکہ دل میں ڈر نہیں وہ جھٹلائیں گے لیکن ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ ہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت و پشیمانی کا موجب ہو گا۔ اس وقت پہچنائیں گے کہ افسوس کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی۔

۲۹۔ یعنی یہ کتاب تو ایسی چیز ہے جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین سر تا پا سچ اور ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ لازم ہے کہ آدمی اس پر ایمان لا کر اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو۔

تم سورۃ الحاقہ و اللہ الحمد

آیاتها ۲۴

سُورَةُ الْبَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۰

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿١﴾

۲۔ منکروں کے واسطے کوئی نہیں اُسکو ہٹانے والا [۱]

لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ﴿٢﴾

۳۔ آئے اللہ کی طرف سے جو چڑھتے درجوں والا ہے [۲]

مِّنَ اللَّهِ ذِي الْبَعَارِجِ ﴿٣﴾

۴۔ چڑھیں گے اُسکی طرف فرشتے اور روح [۳] اُس دن میں جس کا لنباء پچاس ہزار برس ہے [۴]

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ

مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾

۵۔ سو تو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا [۵]

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَبِيلًا ﴿٥﴾

۶۔ وہ دیکھتے ہیں اُسکو دور

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿٦﴾

۷۔ اور ہم دیکھتے ہیں اُسکو نزدیک [۶]

وَنَرَاهُ قَرِيبًا ﴿٧﴾

۸۔ جس دن ہو گا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا [۷]

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَلِّهِلِ ﴿٨﴾

۹۔ اور ہوں گے پہاڑ جیسے اون رنگی ہوئی [۸]

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾

۱۰۔ اور نہ پوچھے گا دوستدار دوستدار کو

وَلَا يَسْأَلُ حَبِيمٌ حَبِيْبًا ﴿١٠﴾

۱۱۔ سب نظر آجائیں گے اُنکو [۹] چاہے گا گنہگار کسی طرح چھڑوائی میں دے کر اُس دن کے عذاب سے اپنے بیٹے کو

يُبْصَرُونَهُمْ ۖ يَوْدُ الْمَجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ

عَذَابِ يَوْمٍ ذِي بَنِيهِ ﴿١١﴾

وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾

۱۲۔ اور اپنی ساتھ والی کو اور اپنے بھائی کو

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾

۱۳۔ اور اپنے گھرانے کو جس میں رہتا تھا

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَبِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿١٤﴾

۱۴۔ اور جتنے زمین پر ہیں سب کو پھر اپنے آپ کو بچالے

كَلَّا إِنَّهَا لَأُنْظَىٰ ﴿١٥﴾

۱۵۔ ہرگز نہیں [۱۰] وہ تبتی ہوئی آگ ہے

نَزَاعَةً لِّلشَّوْىِ ﴿١٦﴾

۱۶۔ کھینچ لینے والی کلیجہ [۱۱]

تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾

۱۷۔ پکارتی ہے اُسکو جس نے پیٹھ پھیر لی

وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾

۱۸۔ اور پھر کر چلا گیا اور جوڑا اور سینت کر رکھا [۱۲]

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾

۱۹۔ بیشک آدمی بنا ہے جی کا کچا

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾

۲۰۔ جب پہنچے اُسکو برائی تو بے صبر ا

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾

۲۱۔ اور جب پہنچے اُسکو بھلائی تو بے توفیقاً [۱۳]

إِلَّا الْبُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ مگر وہ نمازی

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ جو اپنی نماز پر قائم ہیں [۱۴]

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ اور جنکے مال میں حصہ مقرر ہے

لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾

۲۵۔ مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا [۱۵]

وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ اور جو یقین کرتے ہیں انصاف کے دن پر [۱۶]

وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور جو لوگ کہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں [۲۷]

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ بیشک اُنکے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہئے [۲۸]

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَفِظُونَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ

۳۰۔ مگر اپنی جوڑوں سے یا اپنے ہاتھ کے مال سے سو ان پر نہیں کچھ الاہنا

غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۳۰﴾

فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اسکے سوائے سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے [۳۱]

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رِعُونَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں اور اپنے قول کو نباتتے ہیں [۳۲]

وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں [۳۳]

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں [۳۴]

أُولَٰئِكَ فِي جَنَّةٍ مَّكْرُمُونَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ وہی لوگ ہیں باغوں میں عزت سے [۳۵]

فَبِالَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلِكُمْ مَهْطَعِينَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر کیا ہوا ہے منکروں کو تیری طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں

عَنِ الْيَسِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ داہنے سے اور بائیں سے غول کے غول

أَيُّطَعُ كُلُّ امْرِيٍّ مِّنْهُمْ أَنْ يَدْخَلَ جَنَّةَ

۳۸۔ کیا طبع رکھتا ہے ہر ایک شخص اُن میں کہ داخل ہو جائے نعمت کے باغ میں

نَعِيمٍ ﴿۳۸﴾

۳۹۔ ہر گز نہیں [۳۹] ہم نے اُنکو بنایا ہے جس سے وہ بھی جانتے ہیں [۳۹]

كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

۳۰۔ سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی [۲۶] تحقیق ہم کر سکتے ہیں

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا  
لَقَادِرُونَ ﴿۳۰﴾

۳۱۔ کہ بدل کر لے آئیں اُن سے بہتر اور ہمارے قابو سے نکل نہ جائیں گے [۲۷]

عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۗ وَمَا نَحْنُ  
بَسَبُوتَيْنِ ﴿۳۱﴾

۳۲۔ سو چھوڑ دے اُنکو کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ مل جائیں اپنے اُس دن سے جس کا اُن سے وعدہ ہے [۲۸]

فَذَرَهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ  
الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۳۲﴾

۳۳۔ جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر دوڑتے جاتے ہیں [۲۹]

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِآعًا كَانْتَهُمُ إِلَىٰ  
نُصْبٍ يُوفُضُونَ ﴿۳۳﴾

۳۴۔ جھکی ہوں گی اُنکی آنکھیں چڑھی آتی ہوگی اُن پر ذلت یہ ہے وہ دن جس کا اُن سے وعدہ تھا [۳۰]

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ ذٰلِكَ الْيَوْمُ  
الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۳۴﴾

۱۔ کفار پر آنے والا عذاب ضرور آئیگا: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، "یعنی پیغمبر نے تم پر عذاب مانگا ہے وہ کسی سے نہ ہٹایا جائیگا"۔ یا عذاب مانگنے والے کفار ہوں جو کہا کرتے تھے کہ آخر جس عذاب کا وعدہ ہے وہ جلدی کیوں نہیں آتا، اے اللہ! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے۔ یہ باتیں انکار و تمسخر کی راہ سے کہتے تھے اس پر فرمایا کہ عذاب مانگنے والے ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے کسی کے روکے رک نہیں سکتی۔ کفار کی انتہائی حماقت یا شوخ چٹشی ہے جو ایسی چیز کا اپنی طرف سے مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ فرشتوں اور روحوں کے درجات: یعنی فرشتے اور مومنین کی روحیں تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کر کے اس کی بارگاہ قرب تک چڑھتی ہیں، یا اسکے بندے اسکے حکموں کی تابعداری میں جان و دل سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر قرب و وصول کے روحانی مرتبوں اور درجوں سے ترقی کرتے ہوئے اسکی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجے مسافت کی دوری اور نزدیکی میں مختلف اور متفاوت ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک پلک مارنے میں انکے سبب سے ترقی ہو سکتی ہے جیسے اسلام کا کلمہ زبان سے کہنا، اور بعض ایسے ہیں کہ ایک ساعت میں ان سے ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے نماز ادا کرنا اور بعض سے پورے ایک دن میں، جیسے روزہ، یا ایک مہینہ میں، جیسے پورے رمضان کے روزے، یا ایک سال میں جیسے حج ادا کرنا و علیٰ ہذا القیاس اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج جو کسی کام پر مقرر ہیں اس کام سے فراغت پانے کے بعد مختلف و متفاوت ہے اور اس خداوند قدوس کی تدبیر و انتظام کا اتار چڑھاؤ بیشمار درجے رکھتا ہے۔

۳۔ یعنی فرشتے اور لوگوں کی روحیں پیشی کے لئے حاضر ہوں گی۔

۴۔ پچاس ہزار سال کا دن: پچاس ہزار برس کا دن قیامت کا ہے۔ یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے وقت سے لے کر ہشتیوں کے بہشت میں، اور دوزخیوں کے دوزخ میں قرار پکڑنے تک پچاس ہزار برس کی مدت ہوگی اور کل فرشتے اور تمام قسم کی مخلوقات کی روحیں اس تدبیر میں بطور خدمتگار کے شریک ہوگی۔ پھر اس بڑے کام کے سرانجام کی مدت گزرنے پر انکو عروج ہوگا۔ (تنبیہ) حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، خدا کی قسم ایماندار آدمی کو وہ (اتنا لمبا) دن ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک نماز فرض ادا کر لیتا ہے۔

۵۔ یعنی یہ کافر اگر ازراہ انکار و تمسخر عذاب کے لئے جلدی مچائیں، تب بھی آپ جلدی نہ کریں۔ بلکہ صبر و استقلال سے رہیں، نہ تنگدل ہوں، نہ حرف شکایت زبان پر آئے آپ کا صبر اور ان کا تمسخر ضرور رنگ لائیگا۔

۶۔ یعنی انکے خیال میں قیامت کا آنا بعید از امکان اور دور از عقل ہے۔ اور ہم کو اس قدر قریب نظر آرہی ہے گویا آئی رکھی ہے۔

۷۔ قیامت کے مختلف احوال: بعض نے ”مہمل“ کا ترجمہ تیل کی تلچھٹ سے کیا ہے۔

۸۔ اُون مختلف رنگ کی ہوتی ہے اور پہاڑوں کی رنگتیں بھی مختلف ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَ مِنْ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَیضٌ وَ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَمْرٌ اَبْيَضٌ سُوْدٌ (فاطر۔ ۲۷) دوسری جگہ فرمایا كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (القارع۔ ۵) یعنی پہاڑ دھکی ہوئی اُون کی طرح اڑتے پھرینگے۔

۹۔ دوستوں کی دوستی کام نہ آئیگی: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”سب نظر آجائینگے یعنی دوستی ان کی نکمی تھی“۔ ایک دوسرے کا حال دیکھے گا۔ مگر کچھ مدد و حمایت نہ کر سکے گا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔

۱۰۔ یعنی چاہیگا کہ بس چلے تو سارے کٹم بلکہ ساری دنیا کو فدیہ میں دیکر اپنی جان بچالے۔ مگر یہ ممکن نہ ہوگا۔

۱۱۔ یعنی وہ آگ مجرم کو کہاں چھوڑتی ہے۔ وہ تو کھال اُتار کر اندر سے کیچہ نکال لیتی ہے۔

۱۲۔ یعنی دوزخ کی طرف سے ایک کشش اور پکار ہوگی۔ بس جتنے لوگ دنیا میں حق کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چلے تھے اور عمل صالح کی طرف سے اعراض کرتے اور مال سمیٹنے اور سینت کر رکھنے میں مشغول رہے تھے۔ وہ سب دوزخ کی طرف کھنچے چلے آئینگے۔ بعض آثار میں ہے کہ دوزخ اول زبان قال سے پکارے گی اَللّٰی یا کافر، اَللّٰی یا منافق، اَللّٰی یا جامع البال (یعنی اوکافر! او منافق! او مال سمیٹ کر رکھنے والے! ادھر آ) لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے۔ اسکے بعد ایک بہت لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چُن چُن کر اس طرح اٹھا لے گی جیسے جانور زمین سے دانہ اٹھا لیتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

۱۳۔ انسان کی کم ہمتی: یعنی کسی طرف پختگی اور ہمت نہیں دکھلاتا۔ فقر فاقہ، بیماری اور سختی آئے تو بے صبر ہو کر گھبرا اٹھے، بلکہ مایوس ہو جائے گویا اب کوئی سبیل مصیبت سے نکلنے کی باقی نہیں رہی اور مال و دولت تندرستی اور فراخی ملے تو نیکی کیلئے ہاتھ نہ اٹھے، اور مالک کے راستہ میں خرچ کرنے کو توفیق نہ ہو۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

۱۴۔ مومنین کے اٹھ اوصاف: یعنی گنڈے دار نہیں بلکہ مداومت و التزام سے نماز پڑھتے ہیں اور نماز کی حالت میں نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

۱۵۔ سورۃ ”المومنون“ میں اس کی تفسیر گزر چکی۔

۱۶۔ یعنی اس یقین کی بناء پر اچھے کام کرتے ہیں جو اس دن کام آئیں۔

۱۷۔ یعنی اس سے ڈر کر برائیوں کو چھوڑتے ہیں۔

۱۸۔ یعنی اللہ کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس کی طرف سے مامون اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔

۱۹۔ یعنی بیوی اور باندی کے سوا جو اور کوئی جگہ قضائے شہوت کے لئے ڈھونڈے وہ حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالتا ہے۔

۲۰۔ اللہ اور بندوں کے حقوق: اس میں اللہ کے اور بندوں کے سب حقوق آگئے۔ کیونکہ آدمی کے پاس جس قدر قوتیں ہیں سب اللہ کی امانت

ہیں۔ انکو اسی کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہیے۔ اور جو قول و قرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہیے۔

۲۱۔ یعنی ضرورت پڑے تو بلا کم و کاست اور بے رورعایت گواہی دیتے ہیں۔ حق پوشی نہیں کرتے۔

۲۲۔ یعنی نمازوں کے اوقات اور شروط و آداب کی خبر رکھتے ہیں اور اسکی صورت و حقیقت کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔

۲۳۔ نماز کی اہمیت: جنتیوں کی یہ آٹھ صفیتیں ہوئیں جنکو نماز سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا ہے۔ تا معلوم ہو کہ نماز اللہ کے ہاں کس قدر مہتمم بالشان عبادت ہے جس میں یہ صفات ہو گئی وہ ”بلوغ“ (کچے دل کا) نہ ہو گا بلکہ عزم و ہمت والا ہو گا۔

۲۴۔ کفار کا استہزاء اور جنت سے محرومی: یعنی قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر کفار ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر تیری طرف اٹھنے چلے آتے ہیں۔ پھر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں، کیا اس کے باوجود یہ بھی طمع رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کئے جائینگے؟ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم کو لوٹ کر خدا کی طرف جانا ہو تو وہاں بھی ہمارے لئے بہتری ہی بہتری ہے۔ ہر گز نہیں۔ اس خداوند عادل و حکیم کے ہاں! ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ) ابن کثیر نے ان آیات کا مطلب یہ لیا ہے کہ تیری طرف کے ان منکروں کو کیا ہوا کہ تیزی کے ساتھ دوڑے چلے جاتے ہیں دابنہ اور بائیں، غول کے غول، یعنی قرآن سن کر ایسے کیوں بدکتے اور بھاگتے ہیں۔ پھر کیا اس وحشت و نفرت کے باوجود یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ ان میں ہر شخص بے کھلے جنت میں جاگسے گا؟ ہر گز نہیں۔ وھذا لما قال تعالیٰ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ۔ کَانَهُمْ حُمْرٌ مُّسْتَنْفِرًا۔ فَزَاتٍ مِنْ قَسْوَكَةٍ (مذثر۔ ۵۱، ۵۰، ۴۹)۔

۲۵۔ انسان کی حقیقت: یعنی مٹی جیسی حقیر یا مٹی جیسی گھناؤنی چیز سے پیدا ہوا وہ کہاں لائق ہے بہشت کے۔ مگر ہاں جب ایمان کی بدولت پاک و صاف اور معظم و مکرم ہو۔ اور ممکن ہے اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ۔ سے اشارہ ہو اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا کی طرف جو چند آیات پہلے اسی سورت میں آچکا ہے یعنی وہ پیدا تو ہوا ہے ان صفات پر اور اِلَّا الْاَبْصَالِيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ اِلْحُ كِے استثناء میں اپنے کو شامل نہ کیا۔ پھر بہشت کا مستحق کیسے ہو۔ اس تقریر پر مِمَّا يَعْلَمُونَ کی ترکیب خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انبیاء۔ ۳۷) کے قبیل سے ہو گی۔

۲۶۔ مشارق و مغارب کی توجیہ: آفتاب ہر روز ایک نئے نقطہ سے طلوع ہوتا اور نئے نقطہ پر غروب ہوتا ہے۔ ان کو ”مشارق“ و ”مغارب“ کہا۔  
۲۷۔ ہم تم سے بہتر قوم لاسکتے ہیں: یعنی جب انکی جگہ اس سے بہتر لاسکتے ہیں تو خود ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل کر کہیں جاسکتے ہیں؟ یا خَيْرًا مِّنْهُمْ سے مراد ان ہی کا دوبارہ پیدا کرنا ہو۔ کیونکہ عذاب ہو یا ثواب، دوسری زندگی اس زندگی سے بہر حال اکمل ہو گی۔ یا یہ مطلب ہو کہ ان کفار مکہ کو ہنسی ٹھٹھا کرنے دیجئے، ہم خدمتِ اسلام کے لئے اس سے بہتر قوم لے آئیگی چنانچہ ”قریش“ کی جگہ اس نے ”انصار مدینہ“ کو کھڑا کر دیا۔ اور مکہ والے پھر بھی اس کے قابو سے نکل کر کہیں نہ جاسکے۔ آخر اپنی شرارتوں کے مزے چکھنے پڑے۔ (تنبیہ) مشارق و مغارب کی قسم شاید اس لئے کھائی کہ خدا ہر روز مشرق و مغرب کو بدلتا رہتا ہے اس کو تمہارا تبدیل کرنا کیا مشکل ہے۔  
۲۸۔ یعنی تھوڑے دن کی ڈھیل ہے۔ پھر سزا ہونی یقینی ہے۔

۲۹۔ قبروں سے نکل کر دوڑنا: یعنی کسی خاص نشان اور علامت کی طرف جیسے تیزی سے دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا ”نصب“ سے بت مراد ہوں جو کعبہ کے گرد کھڑے کئے ہوئے تھے۔ ان کی طرف بھی بہت عقیدت اور شوق کے ساتھ لپکتے ہوئے جاتے تھے۔

۳۰۔ یعنی قیامت کا دن۔

تم سورۃ المعارج وللہ الحمد والمنة

## آیاتها ۲۸

## ۷۱ سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ ۷۱

## رکوعاتها ۲

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ ہم نے بھیجا نوح کو اُسکی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے اُن پر عذاب دردناک [۱]

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ

قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾

۲۔ بولا اے قوم میری میں تم کو ڈر سنا تاہوں کھول کر

قَالَ يَقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

۳۔ کہ بندگی کرو اللہ کی اور اُس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو [۲]

اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقَوْهُ وَاَطِيعُوْنَ ﴿۳﴾

۴۔ تاکہ بخشتے وہ تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک مقرر وعدہ تک [۳] وہ وعدہ جو کیا ہے اللہ نے جب آپہنچے گا اُسکو ڈھیل نہ ہوگی [۴] اگر تمکو سمجھ ہے [۵]

يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُوَخِّرْكُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاءَ لَا يُوَخَّرُ لَوْ

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

۵۔ بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿۵﴾

۶۔ پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے [۶]

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۤیِیْ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

۷۔ اور میں نے جب کبھی اُنکو بلایا تاکہ تو اُنکو بخشتے ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں [۷] اور لپٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے [۸] اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور [۹]

وَ اِنِّیْ لَكَلَّامًا دَعْوَتُهُمْ لِيَتَّغِفُوْا لَهُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِیْ اُذَانِهِمْ وَ اسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ اَصْرَوْا وَ

اسْتَكْبَرُوْا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾

۸۔ پھر میں نے اُنکو بلایا بر ملا [۱۰]

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾



۹۔ پھر میں نے اُنکو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے [۱۱]

۱۰۔ تو میں نے کہا گناہ بخشو او اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا [۱۲]

۱۱۔ چھوڑ دے گا آسمان کی تم پر دھاریں

۱۲۔ اور بڑھادے گا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنادے گا تمہارے واسطے باغ اور بنادے گا تمہارے لئے نہریں [۱۳]

۱۳۔ کیا ہو ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی [۱۴]

۱۴۔ اور اسی نے بنایا تمکو طرح طرح سے [۱۵]

۱۵۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہہ پر تہہ [۱۶]

۱۶۔ اور رکھا چاند کو اُن میں اجالا اور رکھا سورج کو چراغ جلتا ہوا [۱۷]

۱۷۔ اور اللہ نے اگیا تمکو زمین سے جما کر [۱۸]

۱۸۔ پھر مکرر ڈالے گا تم کو اس میں اور نکالے گا تم کو باہر [۱۹]

۱۹۔ اور اللہ نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا

۲۰۔ تاکہ چلو اُس میں کشادہ رستے [۲۰]

۲۱۔ کہا نوح نے اے رب میرے انہوں نے میرا کہا

ثُمَّ اِنِّي اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿٩﴾

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾

يُرْسِلِ السَّيَّءَ عَلَيَّكُمْ مَدْرَارًا ﴿١١﴾

وَيُزِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَّ يَجْعَلَ لَكُمْ جَنَّٰتٍ

وَّ يَجْعَلَ لَكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٢﴾

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿١٤﴾

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

طَبَاقًا ﴿١٥﴾

وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ

سِرَاجًا ﴿١٦﴾

وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اَخْرَاجًا ﴿١٨﴾

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾

لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سَبِيْلًا فِجَا جًا ﴿٢٠﴾

قَالَ نُوحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاَتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ

نہ مانا اور مانا ایسے کا جسکو اُسکے مال اور اولاد سے اور زیادہ ہو  
ٹوٹا [۲۱]

۲۲۔ اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ [۲۲]

۲۳۔ اور بولے ہر گز نہ چھوڑیو اپنے معبودوں کو [۲۳] اور نہ  
چھوڑیو وڈ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق اور  
نسر کو [۲۴]

۲۴۔ اور بہکا دیا بہتوں کو اور تو نہ زیادہ کرنا (کریو) بے  
انصافوں کو مگر بھٹکنا [۲۵]

۲۵۔ کچھ وہ اپنے گناہوں سے دبائے گئے پھر ڈالے گئے  
آگ میں [۲۶] پھر نہ پائے اپنے واسطے انہوں نے اللہ کے  
سوائے کوئی مددگار [۲۷]

۲۶۔ اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑیو زمین پر منکروں کا  
ایک گھر بسنے والا

۲۷۔ مقرر اگر تو چھوڑ دے گا انکو بہکائیں گے تیرے  
بندوں کو اور جو جنیں گے سو ڈھیٹھ حق کا منکر [۲۸]

۲۸۔ اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور  
جو آئے میرے گھر میں ایماندار اور سب ایمان والے  
مردوں کو اور عورتوں کو [۲۹] اور گنہگاروں پر بڑھتار کھ بھی  
برباد ہونا

مَالُهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾

وَمَكْرُومًا مَّكْرًا كَبِيرًا ﴿٢٢﴾

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا

سُوعًا ۙ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾

وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۗ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا

ضَلَالًا ﴿٢٤﴾

مِمَّا خَطِيئَتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ۗ فَلَمْ

يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ

الْكُفْرَيْنِ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾

إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا

فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا

وَالِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا

تَبَارًا ﴿٢٨﴾

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ: یعنی اس سے پہلے کہ کفر و شرارت کی بدولت دنیا میں طوفان کے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہو۔  
۲۔ قوم کو تبلیغ: یعنی اللہ سے ڈر کر کفر و معصیت چھوڑو اور طاعت و عبادت کا راستہ اختیار کرو۔

۳۔ یعنی ایمان لے آؤ گے تو اس سے پہلے اللہ کے جو حقوق تلف کئے ہیں وہ معاف کر دیگا، اور کفر و شرارت پر جو عذاب آنا مقدر ہے ایمان لانے کی صورت میں وہ نہ آئیگا۔ بلکہ ڈھیل دی جائیگی کہ عمر طبعی تک زندہ رہو۔ حتیٰ کہ جانداروں کی موت و حیات کے عام قانون کے موافق اپنے مقرر وقت پر موت آئے۔ کیونکہ اس سے تو بہر حال کسی نیک و بد کو چارہ نہیں۔

۴۔ عذاب کی وعید: یعنی ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آکھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا نہ ایک منٹ کی ڈھیل دی جائیگی۔ یا یہ مطلب ہو کہ موت کا وقت معین پر آنا ضروری ہے اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ والظاہر ہو الاول۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان آیات کی تقریر ایک اور طرح کرتے ہیں۔ ”یعنی بندگی کرو کہ نوع انسان دنیا میں قیامت تک رہے۔ اور قیامت کو تو دیر نہ لگے گی اور جو سب مل کر بندگی چھوڑ دو تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ۔“ طوفان آیا تھا ایسا ہی کہ ایک آدمی نہ بچے۔ حضرت نوحؑ کی بندگی سے انکا بچاؤ ہو گیا۔  
۵۔ یعنی اگر تم کو سمجھ ہے تو یہ باتیں سمجھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔

۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اللہ سے قوم کی شکایت: یعنی نوحؑ ساڑھے نو سو برس تک ان کو سمجھاتے رہے۔ جب مُید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہو کر بارگاہِ الہی میں عرض کیا کہ بار خدا یا میں نے اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ رات کی تاریکی میں اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں تیری طرف آنے کو کہا گیا یہ بد بخت اور زیادہ ادھر سے منہ پھیر کر بھاگے اور جس قدر میری طرف سے شفقت و دلسوزی کا اظہار ہوا، ان کی جانب سے نفرت اور بیزاری بڑھتی گئی۔

۷۔ کیونکہ میری بات سننا ان کو گوارا نہیں۔ چاہتے ہیں کہ یہ آواز کان میں نہ پڑے۔

۸۔ حضرت نوح کی بات سننے سے اعراض: تا وہ میری اور میں انکی صورت نہ دیکھوں۔ نیز انگلیاں اگر کسی وقت کانوں میں ڈھیلی پڑ جائیں تو کچھ کپڑوں کی روک رہے غرض کوئی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے۔

۹۔ یعنی کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور اجازت نہیں دیتا کہ میری بات کی طرف ذرا بھی کان دھریں۔  
۱۰۔ یعنی ان کے مجموعوں میں خطاب کیا اور مجلسوں میں جا کر سمجھایا۔

۱۱۔ حضرت نوح کی بات سننے سے اعراض: یعنی مجمع کے سوا ان سے علیحدگی میں بات کی، صاف کھول کر بھی اور اشاروں میں بھی، زور سے بھی اور آہستہ بھی، غرض نصیحت کا کوئی عنوان اور کوئی رنگ نہیں چھوڑا۔

۱۲۔ اللہ سے اپنے گناہ بخشواؤ: یعنی باوجود سینکڑوں برس سمجھانے کے اب بھی اگر میری بات مان کر اپنے مالک کی طرف جھکو گے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کراؤ گے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے، پچھلے سب قصور یک قلم معاف کر دیگا۔

۱۳۔ اللہ کی نعمتیں برسیں گی: یعنی ایمان و استغفار کی برکت سے قسط و خشک سالی (جس میں وہ برسوں سے مبتلا تھے) دور ہو جائیگی اور اللہ تعالیٰ دھواں دھار برسنے والا بادل بھیج دیگا جس سے کھیت اور باغ خوب سیراب ہونگے۔ غلے، پھل، میوہ کی افراط ہوگی، مواشی وغیرہ فرہ ہو جائیں گے، دودھ گھی بڑھ جائے گا اور عورتیں جو کفر و معصیت کی شامت سے بانجھ ہو رہی ہیں اولاد ذکور جننے لگیں گی۔ غرض آخرت کے ساتھ دنیا کے عیش و بہار سے بھی وافر حصہ دیا جائے گا۔ (تنبیہ)

استقاء کی اصل رُوح: امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ استقاء کی اصل حقیقت اور روح استغفار و انابت ہے اور نماز اس کی کامل ترین صورت ہے، جو سنت صحیحہ سے ثابت ہوئی۔

۱۴۔ یعنی اللہ کی بڑائی سے امید رکھنا چاہیے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرو گے تو تم کو بزرگی اور عزت و وقار عنایت فرمائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت و جلال سے ڈرتے کیوں نہیں۔

۱۵۔ تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا: یعنی ماں کے پیٹ میں تم نے طرح طرح کے رنگ بدلے۔ اور اصلی مادہ سے لیکر موت تک آدمی کتنی پلٹیاں کھاتا ہے اور کتنے اطوار و ادوار اور اتار و چڑھاؤ ہیں جن سے گذرتا ہے۔

۱۶۔ یعنی ایک کے اوپر ایک۔

۱۷۔ آسمان اور چاند سورج پیدا کئے: سورج کا نور تیز اور گرم ہوتا ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کا فور ہو جاتی ہے۔ شاید اس لئے اس کو جلتے چراغ سے تشبیہ دی۔ اور چاند کے نور کو اسی چراغ کی روشنی کا پھیلاؤ سمجھنا چاہیے جو جرم قمر کے توسط سے ٹھنڈی ٹھنڈی اور دھیمی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۸۔ یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جماد کے ساتھ پیدا کیا اول ہمارے باپ آدم مٹی سے پیدا ہوئے، پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔

۱۹۔ یعنی مرے پیچھے مٹی میں مل جاتے ہیں پھر قیامت کے دن اسی سے نکالے جائیں گے۔

۲۰۔ یعنی اُس پر لیٹو، بیٹھو، چلو، پھرو ہر طرف کشادہ راستے نکال دیئے ہیں۔ ایک شخص چاہے اور وسائل ہوں تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے۔ راستہ کی کوئی رکاوٹ نہیں۔

۲۱۔ انہوں نے میرا کہا نہیں مانا: یعنی اپنے رئیسوں اور مالداروں کا کہا مانا جن کے مال و اولاد میں کچھ خوبی اور بہتری نہیں بلکہ وہ ان پر ٹوٹا ہے ان ہی کے سبب دین سے محروم رہے اور غایت تندر و تجربہ سے اوروں کو بھی محروم رکھا۔

۲۲۔ یعنی سب کو سمجھا دیا کہ اس کی بات نہ مانو اور طرح طرح کی ایذا رسانی کے درپے رہے۔

۲۳۔ دوسروں کو بات نہ ماننے کی وصیت: یعنی اپنے معبودوں کی حمایت پر جے رہنا، نوح کے بہکائے میں نہ آنا، کہتے ہیں کہ سینکڑوں برس تک ہر ایک اپنی اولاد اور اولاد در اولاد کو وصیت کر جاتا تھا کہ کوئی اس بڑھے "نوح" کے فریب میں نہ آئے اور اپنی آبائی دین سے قدم نہ ہٹائے۔

۲۴۔ قوم نوح علیہ السلام کے بت: یہ انکے بتوں کے نام ہیں۔ ہر مطلب کا ایک الگ بت بنا رکھا تھا۔ وہ ہی بت پھر عرب میں آئے۔ اور ہندوستان میں بھی۔ اسی قسم کے بت یشنو، برہما، اندر، شو اور ہنومان وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ اس کی مفصل تحقیق حضرت شاہ عبدالعزیز نے تفسیر عزیزی میں کی۔ بعض روایات میں ہے کہ پہلے زمانہ میں کچھ بزرگ لوگ تھے ان کی وفات کے بعد شیطان کے اغواء سے قوم نے ان کی تصویریں بطور یادگار بنا کر کھڑی کر لیں۔ پھر ان کی تعظیم ہونے لگی۔ شدہ شدہ پرستش کرنے لگے۔ (العیاذ باللہ)۔

۲۵۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کی وجہ: حضرت شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں "یعنی (بھٹکتے رہیں) کوئی تدبیر (سیدھی) بن نہ پڑے"۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ "استدراج کے طور پر بھی انکو اپنی معرفت سے آشنا نہ کر"۔ اور عامہ مفسرین نے ظاہری معنی لئے ہیں۔

یعنی اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے۔ تا جلد شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو کر عذاب الہی کے مورد بنیں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ بددعا انکی ہدایت سے بلکی مایوس ہو کر کی۔ خواہ مایوسی ہزار سالہ تجربہ کی بنا پر ہو یا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سن چکے ہونگے۔ اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ

قَدْ اٰمَنَ (ہود۔ ۳۶) بہر حال ایسی مایوسی کی حالت میں تنگدل اور غضبناک ہو کر یہ دعا کرنا کچھ مستعد نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ

جب کسی شخص یا جماعت کے راہ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جائے اور نبی ان کی استعداد کو پوری طرح جانچ کر سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلق گنجائش نہیں۔ بلکہ انکا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے جو یقیناً باقی جسم کو بھی فاسد اور مسموم کر ڈالیگا۔ تو اس

وقت انکے کاٹ ڈالنے اور صفحہ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے۔ اگر قتال کا حکم ہو تو قتال کے ذریعہ سے ان کو فنا کیا جائے یا قوت توڑ کر ان کے اثر بد کو متعدی نہ ہونے دیا جائے۔ ورنہ آخری صورت یہ ہے کہ اللہ سے دعاء کی جائے کہ وہ ان کے وجود سے دنیا کو پاک کرے اور ان کے زہریلے جراثیم سے دوسروں کو محفوظ رکھے۔ کَمَا قَالِ اِنَّكَ اِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ بِهَرْحَالِ نُوْحٍ كِي دَعَا وِر اَسِي طَرَحِ مَوْسٰى عَلِيْهَا السَّلَامِ كِي دَعَا وِر سُوْرَةِ "يُوْنُسَ" مِيں گزری اَسِي قَبِيْلَ سَ تَحِي۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۲۶۔ قوم کا انجام: یعنی طوفان آیا اور بظاہر پانی میں ڈبوئے گئے۔ لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔

۲۷۔ یعنی وہ بت (وڈ، سواع، یغوث وغیرہ) اس آڑے وقت میں کچھ بھی مدد نہ کر سکے یوں ہی کسمپرسی کی حالت میں مر کھپ گئے۔

۲۸۔ کفار کی ہلاکت کی بددعا: یعنی ایک کافر کو زندہ نہ چھوڑیے۔ ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ باقی رکھا جائے جو کوئی رہیگا۔ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اس کے نطفہ سے بھی بے حیا، ڈھیٹھ، منکر حق اور ناشکرے پیدا ہونگے اور جب تک ان میں سے کوئی موجود رہیگا خود تو راہ راست پر کیا آتا دوسرے ایمانداروں کو بھی گمراہ کریگا۔

۲۹۔ مومنین کے لئے دعا: یعنی میرے مرتبہ کے موافق مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو، اپنے فضل سے معاف کیجیے۔ اور میرے والدین اور جو میری کشتی یا میرے گھریا میری مسجد میں مومن ہو کر آئے ان سب کی خطاؤں سے درگزر فرمائیے۔ بلکہ قیامت تک جس قدر مرد اور عورتیں مومن ہوں سب کی مغفرت کیجیے۔ اے اللہ! نوح علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اس بندہ عاصی و خاطی کو بھی اپنی رحمت و کرم سے مغفور کر کے بدون تعذیب دنیوی و آخروی اپنی رضا و کرامت کے محل میں پہنچائیے۔ اِنَّكَ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ مَّجِيْبُ الدَّعَوَاتِ۔

تم سورۃ نوح و اللہ الحمد والمنة

آیاتها ۲۸

۷۲ سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۴۰

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے [۱]  
پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیبقُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا  
إِنَّا سَمِعْنَا قرآنًا عَجَبًا ﴿١﴾۲۔ کہ سمجھاتا ہے نیک راہ سو ہم بھی اُس پر یقین لائے  
اور ہرگز نہ شریک بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو [۲]يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَكُنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا  
أَحَدًا ﴿٢﴾۳۔ اور یہ کہ او انچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں رکھی اُس  
نے جو رونہ بیٹا [۳]وَأَنَّهُ تَعَلَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا  
وَلَدًا ﴿٣﴾۴۔ اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا  
تھا [۴]وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ﴿٤﴾  
وَأَنَا ظَنَنَّا أَنَّ لَنْ نقُولَ الْإِنسِ وَالْجِنُّ عَلَى۵۔ اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے آدمی اور  
جن اللہ پر جھوٹ [۵]

اللَّهِ كَذِبًا ﴿٥﴾

۶۔ اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں میں کے پناہ پکڑتے  
تھے کتنے مردوں کی جنوں میں کے پھر تو وہ اور زیادہ سر  
چڑھنے لگے [۶]وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالِ  
مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ﴿٦﴾۷۔ اور یہ کہ اُنکو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ  
اٹھائے گا اللہ کسی کو [۷]وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنَّ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ  
أَحَدًا ﴿٧﴾

۸۔ اور یہ کہ ہم نے ٹٹول کر دیکھا آسمان کو پھر پایا اُسکو بھر رہے ہیں اُس میں جو کیدار سخت اور انگارے

شَدِيدًا وَّ شُهْبًا ﴿٨﴾

۹۔ اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر جو کوئی اب سنا چاہے وہ پائے اپنے واسطے ایک انگار گھات میں [۸]

يَسْتَبِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿٩﴾

۱۰۔ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ برا ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ہے اُنکے حق میں اُنکے رب نے راہ پر لانا [۹]

بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾

۱۱۔ اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک ہیں اور کوئی اسکے سوائے ہم تھے کئی راہ پر پھٹے ہوئے [۱۰]

وَّ أَنَا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَ مِنَّا دُونَ ذَلِكَ كُنَّا

طَرَّ آتِيقٍ قَدَدًا ﴿١١﴾

۱۲۔ اور یہ کہ ہمارے خیال میں آگیا کہ ہم چھپ نہ جائیں گے اللہ سے زمین میں اور نہ تھکا دیں گے اُسکو بھاگ کر [۱۱]

وَّ أَنَا ظَنَنَّا أَنْ لَنْ نُعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ

نُعْجِزَهُ هَرَبًا ﴿١٢﴾

۱۳۔ اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اُسکو مان لیا [۱۲] پھر جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو وہ نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے [۱۳]

وَّ أَنَا لَبَّا سَبَعْنَا الْهُدَىٰ أَمْنًا بِهِ ط فَنَنْ يُؤْمِنُ

بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور یہ کہ کچھ ہم میں حکم بردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف سو جو لوگ حکم میں آگئے سو انہوں نے اٹکل کر لیا نیک راہ کو

وَّ أَنَا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَ مِنَّا الْقَاسِطُونَ ط فَنَنْ

أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن [۱۴]

وَّ أَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾

وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقِينَهُمْ

مَاءً غَدَقًا ﴿١٦﴾

۱۶۔ اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے رہے تو ہم پلاتے انکو پانی بھر کر

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۖ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ

يَسْأَلْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾

۱۷۔ تاکہ انکو جانچیں اس میں [۱۵] اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دے گا اُسکو چڑھتے عذاب میں [۱۶]

وَأَنَّ السُّجُودَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾

۱۸۔ اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو [۱۷]

وَأَنَّهُ لَبَّآ قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ

عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾

۱۹۔ اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ [۱۸] کہ اُسکو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اُس پر ٹھٹھ [۱۹]

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿٢٠﴾

۲۰۔ تو کہہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اُس کا کسی کو [۲۰]

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾

۲۱۔ تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا ہر اور نہ راہ پر لانا [۲۱]

قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ

مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾

۲۲۔ تو کہہ مجھ کو نہ بچائے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اُسکے سوائے کہیں سرک رہنے کو جگہ [۲۲]

إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۖ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَ

رَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ﴿٢٣﴾

۲۳۔ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اُسکے پیغام لانے [۲۳] اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اُسکے رسول کا سو اُسکے لئے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اُس میں ہمیشہ [۲۳]

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ

أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾

۲۴۔ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو کچھ اُن سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں تھوڑے [۲۴]



۲۵۔ تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہوا ہے یا کر دے اسکو میرا رب ایک مدت کے بعد [۲۶]

قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ مَا تُوْعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿٢٥﴾

۲۶۔ جانے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾

۲۷۔ مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے اُسکے آگے اور پیچھے جو کیدار [۲۷]

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾

۲۸۔ تاکہ جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے [۲۸] اور قابو میں رکھا ہے جو اُنکے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی [۲۹]

لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

۱: جنوں کا وجود: جنوں کے وجود اور حقیقت پر حضرت شاہ عبدالعزیز نے سورۃ ہذا کی تفسیر میں نہایت مبسوط و مفصل بحث کی ہے۔ اور عربی میں ”آکام المرجان فی احکام الجن“ اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے جس کو شوق ہو مطالعہ کرے۔ یہاں گنجائش نہیں کہ اس قسم کے مباحث درج کئے جائیں۔

۲۔ جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا: سورۃ ”احقاف“ میں گذر چکا کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے کی جن ادھر کو گذرے اور قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر سچے دل سے ایمان لے آئے۔ پھر اپنی قوم سے جا کر سب ماجرا بیان کیا۔ کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے جو (اپنی فصاحت و بلاغت، حسن اسلوب، قوت تاثیر، شیریں بیانی، طرز موعظت اور علوم و مضامین کے اعتبار سے) عجیب و غریب ہے، معرفت ربانی اور رشد و فلاح کی طرف رہبری کرتا ہے۔ اور طالب خیر کا ہاتھ پکڑ کر نیکی اور تقویٰ کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اس لئے ہم سنتے ہی بلا توقف اس پر یقین لائے اور ہم کو کچھ شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم اس کی تعلیم و ہدایت کے موافق عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اگلے اس تمام بیان کی آخر تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی فرمائی۔ اس کے بعد بہت مرتبہ جن حضور ﷺ سے آکر ملے ایمان لائے اور قرآن سیکھا۔

۳۔ جنوں کی گمراہی: یعنی جو رو، بیٹا رکھنا اس کی عظمت شان کے منافی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”جو گمراہیاں آدمیوں میں پھیلی ہوئی تھیں وہ جنوں میں بھی تھیں (عیسائیوں کی طرح) اللہ کے جو رو بیٹا بتاتے تھے۔“

۴۔ یعنی ہم میں جو بوقوف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسی لغو باتیں اپنی طرف سے بڑھا کر کہتے تھے اور ان میں سب سے بڑا بوقوف ابلیس ہے شاید خاص وہی اس جگہ لفظ ”سفیہ“ سے مراد ہو۔

۵۔ یعنی ہم کو یہ خیال تھا کہ اس قدر کثیر التعداد جن اور آدمی مل کر جن میں بڑے بڑے عاقل اور دانا بھی ہیں اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹی بات کہنے کی جرأت نہ کریں گے۔ یہی خیال کر کے ہم بھی بہک گئے اب قرآن سن کر قلعی کھلی اور اپنے پیشروؤں کی اندھی تقلید سے نجات ملی۔

۶۔ اکثر عرب جنوں کے معتقد تھے: عرب میں یہ جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی۔ جنوں سے غیب کی خبریں پوچھتے، ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے چڑھاوے چڑھاتے۔ اور جب کسی قافلہ کا گزریا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تاکہ وہ اپنے ماتحت جنوں سے ہماری حفاظت کرے۔ ان باتوں سے جن اور زیادہ مغرور ہو گئے اور سر چڑھنے لگے۔ دوسری طرف اس طرح کی شریکیت سے آدمیوں کے عصیان و طغیان میں بھی اضافہ ہوا جب انہوں نے خود اپنے اوپر جنوں کو مسلط کر لیا تو وہ ان کے اغوا میں کیا کمی کرتے۔ آخر قرآن نے آکر ان خرابیوں کی جڑ کاٹی۔

۷۔ مسلمان جنوں کا اپنی قوم سے خطاب: یعنی مسلمان جن یہ سب گفتگو اپنی قوم سے کر رہے ہیں۔ یعنی جیسا تمہارا خیال ہے، بہت آدمیوں کا بھی یہی خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو ہر گز قبروں سے نہ اٹھائیگا۔ یا آئندہ کوئی پیغمبر مبعوث نہ کریگا۔ جو رسول پہلے ہو چکے سو ہو چکے۔ اب قرآن سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو لوگوں کو بتلاتا ہے کہ تم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور رتی رتی کا حساب دینا ہو گا۔

۸۔ آسمان پر جنوں کے لئے پہرے اور انگارے: یعنی ہم اڑ کر آسمان کے قریب تک پہنچے تو دیکھا کہ آج کل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی شیطان کو غیب کی خبر سننے نہیں دیتے اور جو شیطان ایسا ارادہ کرتا ہے اس پر انگارے برستے ہیں۔ اس سے پیشتر اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی۔ جن اور شیاطین آسمان کے قریب گھات میں بیٹھ کر ادھر کی کچھ خبر سن آیا کرتے تھے۔ مگر اب اس قدر سختی تاکہ بندی اور انتظام ہے کہ جو سننے کا ارادہ کرے فوراً شہاب ثاقب کے آتشیں گولے سے اس کا تعاقب کیا جاتا ہے۔ اس کی بحث پہلے سورۃ ”حجر“ وغیرہ میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔

۹۔ یعنی یہ جدید انتظامات اور سختی تاکہ بندیاں خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں۔ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ قرآن کریم کا نزول اور پیغمبر عربی کی بعثت اس کا سبب ہوا لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہ پر آئیں گے اور اللہ ان پر اللطاف خصوصی مبذول فرمائے گا؟ یا یہی ارادہ ٹھہر چکا ہے کہ لوگ قرآنی ہدایات سے اعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کئے جائیں؟ اس کا علم اسی علام الغیوب کو ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

۱۰۔ جنوں کے مختلف فرقے: یعنی نزول قرآن سے پہلے بھی سب جن ایک راہ پر نہ تھے، کچھ نیک اور شائستہ تھے، اور بہت سے بدکار و نابخار، ان میں بھی فرقے اور جماعتیں ہوں گی۔ کوئی مشرک، کوئی عیسائی، کوئی یہودی وغیر ذلک۔ اور عملی طور پر ہر ایک کی راہ عمل جدا ہوگی۔ اب قرآن آیا جو اختلافات اور تفرقوں کو مٹانا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ ایسے کہاں ہیں کہ سب کے سب حق کو قبول کر کے ایک راستے پر چلنے لگیں۔ لامحالہ اب بھی اختلاف رہیگا۔

۱۱۔ یعنی اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر، نہ ادھر ادھر بھاگ کر، یا ہوا میں اڑ کر۔

۱۲۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے جن: یعنی ہمارے لئے فخر کا موقع ہے کہ جنوں میں سب سے پہلے ہم نے قرآن سن کر بلا توقف قبول کیا اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی۔

۱۳۔ یعنی سچے ایماندار کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائیگاں چلی جائے۔ نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سر تھوپ دیئے جائیں، غرض وہ نقصان تکلیف اور ذلت و رسوائی سب سے مامون و محفوظ ہے۔

۱۴۔ یعنی نزول قرآن کے بعد ہم میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے اللہ کا پیغام سن کر قبول کیا اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دی یہی ہیں جو تلاش حق میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنی تحقیق و تفتیش سے نیکی کے راستے پر پہنچ گئے۔ دوسرا اگر وہ بے انصافوں کا ہے جو کجروی

و بے انصافی کی راہ سے اپنے پروردگار کے احکام کو جھٹلاتا اور اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو جہنم کا کند اور دوزخ کا ایندھن کہنا چاہئے (تنبیہ) یہاں تک مسلمان جنوں کا کلام نقل فرمایا جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا۔ آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے چند نصیحت کی باتیں ارشاد فرماتے ہیں گویا: **لَوْ اسْتَقَامُوا لَخ كَاعْطَفَ اَنْتَهُ اسْتَبَدَّ نَفْرًا مِّنَ الْجِنَّ** پر ہوا۔ مترجم محقق نے ترجمہ میں اور یہ ”حکم آیا“ کے الفاظ بڑھا کر بتلادیا کہ یہاں سے اخیر تک **قُلْ اُدْعِي اِلَيْكَ** کے تحت میں داخل ہے۔

۱۵۔ ایمان کے دنیوی منافع: یعنی اگر جن وانس حق کی سیدھی راہ پر چلتے تو ہم ان کو ایمان طاعت کی بدولت ظاہری و باطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہوتی کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر بجالاتے اور طاعت میں مزید ترقی کرتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت مکہ والوں کے ظلم و شرارت کی سزا میں حضور ﷺ کی دعا سے کئی سال کا قحط پڑا تھا۔ لوگ خشک سالی سے پریشان ہو رہے تھے۔ اس لئے متنہ فرمادیا کہ اگر سب لوگ ظلم و شرارت سے باز آکر اللہ کے راستہ پر چلیں جیسے مسلمان جنوں نے طریقہ اختیار کیا ہے تو قحط دور ہو اور باران رحمت سے ملک سرسبز و شاداب کر دیا جائے۔

۱۶۔ یعنی اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہی چڑھتا چلا آتا ہے۔

۱۷۔ مساجد صرف اللہ کے لئے ہیں: یعنی یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لئے مسجد بنا دی گئی ہے۔ لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الہی کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خالص خدائے واحد کی طرف آؤ اور اس کا شریک کر کے کسی کو کہیں بھی مت پکارو خصوصاً مساجد میں جو اللہ کے نام پر تنہا اسی کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں۔ بعض مفسرین نے ”مساجد“ سے مراد وہ اعضاء لئے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں۔ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ یہ خدا کے دیئے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے اعضاء ہیں۔ جائز نہیں کہ ان کو اس مالک و خالق کے سوا کسی دوسرے کے سامنے جھکاؤ۔

۱۸۔ یعنی بندہ کامل محمد رسول ﷺ۔

۱۹۔ قرآن پڑھنے کے وقت آنحضرت کے گرد ہجوم: یعنی آپ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگ ٹھٹھ کے ٹھٹھ آپ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ مؤمنین تو شوق و رغبت سے قرآن سننے کی خاطر اور کفار عداوت و عناد سے آپ پر ہجوم کرنے کے لئے۔

۲۰۔ کفار سے آنحضرت کی دو ٹوک گفتگو: یعنی کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو، کونسی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات تو نہیں کہتا۔ صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا۔ تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کون سی بات ہے اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کے شرک سے پاک اور بے نیاز ہے۔

۲۱۔ یعنی میرے اختیار میں نہیں کہ تم کو بھی راہ پر لے آؤں۔ اور نہ آؤ تو کچھ نقصان پہنچا دوں سب بھلائی برائی اور سودوزیاں اسی خدائے واحد کے قبضہ میں ہے۔

۲۲۔ نفع و ضرر میرے قبضے میں نہیں ہے: یعنی تم کو نفع نقصان پہنچانا تو کجا، اپنا نفع و ضرر میرے قبضہ میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تفصیر کروں تو کوئی شخص نہیں جو مجھ کو اللہ کے ہاتھ سے بچالے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کر سکوں۔

۲۳۔ یعنی اللہ کی طرف سے پیغام لانا اور اس کے بندوں کو پہنچا دینا، یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔

۲۴۔ یعنی تمہارے نفع نقصان کا مالک میں نہیں۔ لیکن اللہ کی اور میری نافرمانی کرنے سے نقصان پہنچنا ضروری ہے۔

۲۵۔ یعنی تم جتھے باندھ کر ہم پر ہجوم کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اور اسکے ساتھی تھوڑے سے آدمی ہیں وہ بھی کمزور۔ تو جب وعدہ کا وقت آئے گا اس وقت پتہ لگے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور گنتی میں تھوڑے تھے۔

۲۶۔ قیامت کا علم انبیاء کو بھی نہیں: یعنی اس کا علم مجھے نہیں دیا گیا کہ وعدہ جلد آئیو الا ہے، یا ایک مدت کے بعد۔ کیونکہ قیامت کا وقت معین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ ان غیوب میں سے ہے جو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۲۷۔ پیغمبروں کا علم غلطی سے پاک ہے: یعنی اپنے بھید کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا۔ ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان و منصب کے لائق ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے۔ اس وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں کہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل کرنے نہ پائے۔ اور رسول کا اپنا نفس بھی غلط نہ سمجھے۔ یہی معنی ہیں اس بات کے کہ پیغمبروں کو (اپنے علوم و اخبار میں) عصمت حاصل ہے، اوروں کو نہیں۔ انبیاء کی معلومات میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسروں کی معلومات میں کئی طرح کے احتمال ہیں۔ اسی لئے محققین صوفیہ نے فرمایا ہے کہ ولی اپنے کشف کو قرآن و سنت پر عرض کر کے دیکھے اگر ان کے مخالف نہ ہو تو غنیمت سمجھے۔ ورنہ بے تکلف رد کر دے۔ (تنبیہ) اس آیت کی نظیر آل عمران میں ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ دُسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ (آل عمران۔ ۱۷۹) اور کئی سورتوں میں علم غیب کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہیں ہم فوائد میں اس پر مفصل کلام کر چکے ہیں۔ فلیراجع۔

۲۸۔ یعنی یہ زبردست انتظامات اس غرض سے کئے جاتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں کو یا پیغمبروں نے دوسرے بندوں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست پہنچا دیئے ہیں۔

۲۹۔ وحی الہی میں کوئی تغیر نہیں کر سکتا: یعنی ہر چیز اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وحی الہی میں تغیر و تبدل یا قطع و برید کر سکے۔ اور یہ پہرے چوکیاں بھی شان حکومت کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کے لئے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ورنہ جس کا علم اور قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں۔

تم سورۃ الجن ولله الحمد والمنة

آیاتها ۲۰

رکوعاتها ۲

## سُورَةُ الزَّمَلِ مَكِّيَّةٌ ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الزَّمَلِيُّ ﴿١﴾

۱۔ اے کپڑے میں لپٹنے والے [۱]

قُمِ الْيَلِّ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢﴾

۲۔ کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات [۲]

نُصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿٣﴾

۳۔ آدھی رات یا اُس میں سے کم کر دے تھوڑا سا

أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿٤﴾

۴۔ یا زیادہ کر اُس پر [۳] اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف [۴]

إِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴿٥﴾

۵۔ ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات وزن دار [۵]

إِنَّ نَاشِئَةَ الْيَلِّ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيَلًا ﴿٦﴾

۶۔ البتہ اٹھنارات کو سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات [۶]

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ﴿٧﴾

۷۔ البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا [۷]

وَإِذْ كَرِهَ اللَّهُ لِسْمِ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾

۸۔ اور پڑھے جانام اپنے رب کا اور چھوٹ کر آسکی طرف سب سے الگ ہو کر [۸]

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ

۹۔ مالک مشرق اور مغرب کا [۹] اُسکے سوا کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ لے اُسکو کام بنانے والا [۱۰]

وَكَيْلًا ﴿٩﴾

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا

۱۰۔ اور سہتارہ جو کچھ کہتے رہیں [۱۱] اور چھوڑ دے اُنکو بھلی طرح کا چھوڑنا [۱۲]

جَبِيلًا ﴿١٠﴾

وَذُرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْتَةِ وَمَهْلُهُمْ

۱۱۔ اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں

قَلِيلًا ﴿١٦﴾

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٧﴾

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ

كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٩﴾

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۖ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا

أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿٢٠﴾

فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِئْسَ

فَكِيفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ

الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿٢١﴾

السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۗ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿٢٢﴾

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ

سَبِيلًا ﴿٢٣﴾

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ

وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۗ وَ

اللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ عَلِمَ أَنْ لَّنْ نَّحْصُوهُ

رہے ہیں اور ڈھیل دے اُنکو تھوڑی سے [۱۳]

۱۲۔ البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر

۱۳۔ اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک [۱۴]

۱۴۔ جس دن کہ کانپے گی زمین اور پہاڑ اور ہو جائیں گے  
پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے [۱۵]

۱۵۔ ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری  
باتوں کا [۱۶] جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول [۱۷]

۱۶۔ پھر کہانا مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اُسکو  
وبال کی پکڑ [۱۸]

۱۷۔ پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اُس دن سے جو کر  
ڈالے لڑکوں کو بوڑھا [۱۹]

۱۸۔ آسمان پھٹ جائے گا اُس دن میں اُس کا وعدہ ہونے  
والا ہے [۲۰]

۱۹۔ یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے بنالے اپنے رب کی  
طرف راہ [۲۱]

۲۰۔ بیشک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی  
رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے اور کتنے

لوگ تیرے ساتھ کے [۲۲] اور اللہ مانتا ہے رات کو اور دن  
کو اُس نے جانا کہ تم اُس کو پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی

بھیج دی اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے [۲۳] جانا

کہ کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے اور لوگ پھریں گے ملک میں ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں سو پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو اُس میں سے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ [۲۳] اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا [۲۵] اور جو کچھ آگے سمجھو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اُسکو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ [۲۶] اور معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۲۷]

فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ط  
عَلِمَ أَنَّ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ ۙ وَ آخِرُونَ  
يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَ  
آخِرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ فَاقْرَءُوا مَا  
تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَ  
أَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ط وَ مَا تَقَدَّمُوا  
لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَوْ  
أَعْظَمَ أَجْرًا ط وَ اسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۙ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾

۱۔ اس سورت کے نزول کا پس منظر: یعنی یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ شروع میں جب وحی کی دہشت اور نقل سے آپ ﷺ کا بدن کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے گھر والوں سے فرمایا زملمونی زملمونی (مجھے کپڑا اڑھاؤ، کپڑا اڑھاؤ) چنانچہ کپڑا اڑھادیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اور اس سے اگلی سورت میں آپ ﷺ کو وہی نام لے کر پکارا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے ”دارالندہ“ میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ ﷺ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیے۔ کسی نے ”کاہن“ کہا کسی نے ”جادوگر“ کسی نے ”مجنون“ مگر اتفاق رائے کسی چیز پر نہ ہوا۔ اخیر میں ”ساحر“ کی طرف رجحان تھا۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے۔ جیسا کہ اکثر سوچ اور غم میں مغموم آدمی اس طرح کر لیتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے تائیس و ملاطفت کے لئے اس عنوان سے خطاب فرمایا جیسے آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک مرتبہ ”تم اب اترا ب“ فرمایا تھا جبکہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ ”اس سورت میں خرقة پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئی ہیں۔“ گویا یہ سورت اس شخص کی سورت ہے جو درویشوں کا خرقة پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ لغت عرب میں ”مزل“ اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ اور آنحضرت ﷺ کا معمول ایسا تھا کہ جب نماز تہجد اور قرآن شریف کی تلاوت کے لئے رات کو اٹھتے تھے تو ایک کمبل دراز اوڑھ لیتے تھے۔ تاسردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو و نماز کی حرکات میں کسی طرح کا حرج واقع نہ ہو۔ نیز اس عنوان کے اختیار کرنے میں ان لوگوں کو ہشیار کرنا ہے جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے رات کو آرام کر رہے ہوں کہ رات کا ایک معتد بہ حصہ اللہ کی عبادت میں گذاریں۔

۲۔ قیام لیل کا حکم: یعنی کسی رات اتفاق سے نہ ہو سکے تو معاف ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک إِلَّا قَلِيلًا کا مطلب یہ ہے کہ رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا اگر آرام کرو، تو مضائقہ نہیں۔ غالباً تھوڑے سے مراد یہاں نصف ہو گا۔ کیونکہ رات جو آرام کے لئے تھی جب آدھی عبادت میں گذردی تو اس کے اعتبار سے باقی نصف کو ”تھوڑا“ ہی کہنا موزوں تھا۔

۳۔ یعنی آدھی رات سے کچھ کم جو تہائی تک پہنچ سکتی ہے یا آدھی سے زیادہ جو دو تہائی تک ہو۔ بقرینہ قولہ تعالیٰ فِيمَا بَعْدَ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنُصْفَهُ وَثُلُثَهُ الْخَلْفِ۔

۴۔ تلاوت میں ترتیل کا حکم: یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آجائے۔ اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبیر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور ذوق و شوق بڑھتا ہے۔

۵۔ قول ثقیل: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”یعنی ریاضت کر تو بھاری بوجھ آسان ہو“۔ اور وہ بوجھ ایسا ہے کہ جس کے سامنے شب بیداری کو سہل سمجھنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد پے بہ پے قرآن تم پر نازل کرینگے جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات و لوازم کے اعتبار سے بہت بھاری اور گراں بار ہے۔

نزول قرآن کے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت: احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپ ﷺ پر بہت گرانی اور سختی گزرتی تھی۔ جاڑے کے موسم میں آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری نخل نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی فخذ مبارک زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران بوجھ سے پھٹ جائیگی۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں قرآن کی دعوت و تبلیغ اور اس کے حقوق کا پوری طرح ادا کرنا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بھی سخت مشکل اور بھاری کام تھا۔ اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ ﷺ پر بھاری تھا دوسری حیثیت سے کافروں اور منکروں پر شاق تھا۔ غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن اتر چکا ہے۔ اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔

۶۔ رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت: یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں۔ بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندنا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے۔ زبان اور دل موافق ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے شور وغل اور چیخ پکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون و قرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔

۷۔ یعنی دن میں لوگوں کو سمجھانا اور دوسرے کئی طرح کے مشاغل رہتے ہیں۔ گو وہ بھی آپ ﷺ کے حق میں بالواسطہ عبادت ہیں۔ تاہم بلاواسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لئے رات کا وقت مخصوص رکھنا چاہیے۔ اگر عبادت میں مشغول ہو کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کچھ پروا نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے۔

۸۔ ہمہ وقت ذکر اللہ کرتے رہو: یعنی علاوہ قیام لیل کے دن میں بھی (گو بظاہر ہر مخلوق سے معاملات و علاق رکھنے پڑتے ہیں لیکن) دل سے اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھیے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اسی کی یاد میں مشغول رہیے۔ غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لئے اُدھر سے توجہ کو ہٹانے دے بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے یا یوں کہہ لو کہ سب تعلقات اسی ایک تعلق میں مدغم ہو جائیں جسے صوفیہ کے ہاں ”بے ہمہ و باہمہ“ یا ”خلوت در انجمن“ سے تعبیر کرتے ہیں۔

۹۔ مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے گویا اشارہ کر دیا کہ دن اور رات دونوں کو اسی مالک مشرق و مغرب کی یاد اور رضاجوئی میں لگانا



چاہیے۔

۱۰۔ اللہ کو وکیل بناؤ: یعنی بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر ہونا چاہیے۔ جب وہ وکیل و کارساز ہو تو دوسروں سے کٹ جانے اور الگ ہونے کی کیا پرواہ ہے۔

۱۱۔ یعنی کفار آپ ﷺ کا ساحر، کاہن اور مجنون و مسحور وغیرہ کہتے ہیں۔ ان باتوں کو صبر و استقلال سے سہتے رہیے۔

۱۲۔ بھلی طرح کا چھوڑنا یہ کہ ظاہر میں ان کی صحبت ترک کرو اور باطن میں ان کے حال سے خبردار رہو کہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں اور مجھ کو کس طور سے یاد کرتے ہیں، دوسرے ان کی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے نہ کرو، نہ انتقام لینے کے درپے ہو، نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار کرو۔ تیسرے یہ کہ باوجود جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں قصور نہ کیجئے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت و رہنمائی میں سعی کرتے رہیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ”یعنی خلق سے کنارہ کر لیکن لڑ بھڑ کر نہیں، سلوک سے ”مگر یاد رہے کہ یہ آیت سنی ہے اور آیات قتال کا نزول مدینہ میں ہوا ہے۔

۱۳۔ یعنی حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش و آرام کر رہے ہیں ان کا معاملہ میرے سپرد کیجئے میں خود ان سے بٹ لوں گا۔ مگر تھوڑی سی ڈھیل ہے۔

۱۴۔ عذاب دردناک سانپوں اور بچھوؤں کا اور خدا جانے کس کس قسم کا (العیاذ باللہ)۔

۱۵۔ قیامت میں زمین کا نپے گی: یعنی اس عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گی اور وہ کانپ کر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ایسے ہو جائیں گے جیسے ریت کے تودے جن پر قدم جم نہ سکے۔

۱۶۔ یعنی یہ پیغمبر اللہ کے ہاں گواہی دیگا کہ کس نے اس کا کہنا مانا اور کس نے نہیں مانا تھا۔

۱۷۔ تورات کی پیشگوئی: یعنی حضرت موسیٰ کی طرح تم کو مستقل دین اور عظیم الشان کتاب دیکر بھیجا۔ شاید یہ اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو تورات سفر استثناء میں ہے کہ ”میں ان کے لئے بھائیوں (بنی اسمعیل) میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔“

۱۸۔ جب موسیٰ کے منکر کو ایسا سخت پکڑا تو محمد ﷺ کے منکرین کو کیوں نہ پکڑیگا۔ جو تمام انبیاء سے افضل اور برتر ہیں۔

۱۹۔ بچوں کو بوڑھا کر دینے والوں: یعنی دنیا میں اگر بچ گئے تو اس دن کیونکر بچو گے جس دن کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی، خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں لیکن اس روز کی سختی اور لمبائی کا اقتضاء یہی ہوگا۔

۲۰۔ یعنی اللہ کا وعدہ اٹل ہے ضرور ہو کر رہیگا۔ خواہ تم اس کو کتنا ہی بعید از امکان سمجھو۔

۲۱۔ یعنی نصیحت کر دی گئی اب جو اپنا فائدہ چاہے اس نصیحت پر عمل کر کے اپنے رب سے مل جائے۔ راستہ کھلا پڑا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ خدا کا کچھ فائدہ ہے۔ سمجھو تو سیدھے چلے آؤ۔ (تسمیہ) رات کے جاگنے کا حکم جو شروع سورت میں تھا تقریباً ایک سال تک رہا۔ پھر اگلی آیت سے منسوخ ہوا۔

۲۲۔ قیام لیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی محنت: یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس کے حکم کی پوری تعمیل کی۔ کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب اللہ کی عبادت میں گذاری۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہؓ کے پاؤں راتوں کو کھڑے کھڑے سوج جاتے اور پھٹنے لگتے تھے۔ بلکہ بعض تو اپنے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ نیند آئے تو جھٹکا لگ کر تکلیف سے آنکھ کھل جائے۔

۲۳۔ قیام لیل کے حکم میں تخفیف: یعنی رات اور دن کی پوری پیمائش تو اللہ کو معلوم ہے وہی ایک خاص اندازہ سے کبھی رات کو دن سے گھٹاتا

کبھی بڑھاتا اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ بندوں کو اس نیند اور غفلت کے وقت روزانہ آدھی، تہائی، اور تہائی رات کی پوری حفاظت کرنا خصوصاً جبکہ گھڑی گھنٹوں کا سامان نہ ہو، سہل کام نہیں تھا اسی لئے بعض صحابہؓ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند میں ایک تہائی رات بھی جاگنا نصیب نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معافی بھیج دی اور فرمادیا کہ تم اس کو ہمیشہ پوری طرح نباہ نہ سکو گے۔ اس لئے اب جس کو اٹھنے کو توفیق ہو، وہ جتنی نماز، اور اس میں جتنا قرآن چاہے پڑھ لے۔ اب امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض ہے نہ وقت کی یا مقدار تلاوت کی کوئی قید ہے۔

۲۴۔ حکم میں تخفیف کی حکمت و مصلحت: یعنی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ تم میں بیمار بھی ہونگے اور مسافر بھی جو ملک میں روزی یا علم وغیرہ کی تلاش کرتے پھرینگے اور وہ مرد مجاہد بھی ہونگے۔ جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے ان حالات میں شب بیداری کے احکام پر عمل کرنا سخت دشوار ہوگا۔ اس لئے تم پر تخفیف کر دی کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں نہایت اہتمام سے باقاعدہ پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہو۔ کہ ان ہی باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد اور ترقیات حاصل ہو سکتی ہیں۔ (تنبیہ)

قیام لیل کے حکم کی مصلحت: اولین صحابہؓ سے ایک سال تک بہت تاکید و تحتم کے ساتھ یہ ریاضت شاقہ شاید اس لئے کرائی کہ وہ لوگ آئندہ تمام امت کے ہادی و معلم بننے والے تھے۔ ضرورت تھی کہ وہ اس قدر منجھ جائیں اور روحانیت کے رنگ میں ایسے رنگے جائیں کہ تمام دنیا ان کے آئینہ میں کمالات محمدی (ﷺ) کا نظارہ کر سکے اور یہ نفوس قدسیہ ساری امت کی اصلاح کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

۲۵۔ اللہ کو قرض دینا: یعنی پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں اس کے احکام کے موافق خرچ کرنا یہی اس کو اچھی طرح قرض دینا ہے۔ بندوں کو اگر قرض حسن دیا جائے وہ بھی اس کے عموم میں داخل سمجھو۔ کما ثبت فضله فی الحدیث۔

۲۶۔ ہر نیکی اللہ کے پاس بہتر صورت میں موجود ہوگی: یعنی جو نیکی یہاں کرو گے۔ اللہ کے ہاں اس کو نہایت بہتر صورت میں پاؤ گے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا تو یہ مت سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ نہیں، وہ سب سامان تم سے آگے اللہ کے ہاں پہنچ رہا ہے جو عین حاجت کے وقت تمہارے کام آئے گا۔

۲۷۔ یعنی تمام احکام بجلا کر پھر اللہ سے معافی مانگو۔ کیونکہ کتنا ہی محتاط شخص ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کر دیا بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو اسی قدر اپنے کو تقصیر دار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔ اے غفور و رحیم تو اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما۔

تم سورۃ الزلزلہ واللہ الحمد والمنة

آیتها ۵۶

۴ سُوْرَةُ الْبُدْتْرِ مَكِّيَّةٌ ۴

رکوعاتها ۲

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱۔ اے لحاف میں لپٹنے والے [۱]
- ۲۔ کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے [۲]
- ۳۔ اور اپنے رب کی بڑائی بول [۳]
- ۴۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھ
- ۵۔ اور گندگی سے دور رہ [۴]
- ۶۔ اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلا بہت چاہے
- ۷۔ اور اپنے رب سے امید رکھ [۵]
- ۸۔ پھر جب بجنے لگے وہ کھوکھری چیز [۶]
- ۹۔ پھر وہ اس دن مشکل دن ہے [۴]
- ۱۰۔ منکروں پر نہیں آسان [۸]
- ۱۱۔ چھوڑ دے مجھ کو اور اُس کو جسکو میں نے بنایا انکا [۹]
- ۱۲۔ اور دیا میں نے اُسکو مال پھیلا کر
- ۱۳۔ اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے [۱۰]
- يَا أَيُّهَا الْبُدْتُرُ ﴿١﴾
- قُمْ فَأَنْذِرْ ﴿٢﴾
- وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾
- وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾
- وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾
- وَلَا تَبْنُ تَسْتَكْثِرْ ﴿٦﴾
- وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾
- فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾
- فَذَلِكِ يَوْمِئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾
- عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرٌ يَسِيْرٌ ﴿١٠﴾
- ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿١١﴾
- وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّبْدُوْدًا ﴿١٢﴾
- وَابْنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿١٣﴾

وَمَهَّدَتْ لَهُ تَهْيِئَةً ﴿١٣﴾

۱۳۔ اور تیاری کر دی اُسکے لئے خوب تیاری [۱۱]

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٤﴾

۱۴۔ پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں [۱۲]

كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِإِيْتِنَاعِنَا عَنِيدًا ﴿١٥﴾

۱۵۔ ہرگز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف [۱۳]

سَأَرْهُقُهُ صَعُودًا ﴿١٦﴾

۱۶۔ اب اسی سے چڑھو اُوں گا بڑی چڑھائی [۱۴]

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٧﴾

۱۷۔ اُس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرایا

فَقَتَلَ كَيْفَ كَانَ قَدَرًا ﴿١٨﴾

۱۸۔ سو مارا جانیو کیسا ٹھہرایا

ثُمَّ قَتَلَ كَيْفَ كَانَ قَدَرًا ﴿١٩﴾

۱۹۔ پھر مارا جانیو کیسا ٹھہرایا [۱۵]

ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ پھر نگاہ کی

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَّ ﴿٢١﴾

۲۱۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ پھر پیٹھ پھیری اور غور کیا

فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا

إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا [۱۶]

سَأُصْلِيهِ سَقَرًا ﴿٢٥﴾

۲۵۔ اب اُسکو ڈالوں گا آگ میں [۱۷]

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ اور تو کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ

لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٧﴾

۲۷۔ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے [۱۸]

لَوَاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾

٢٩۔ جلادینے والی ہے آدمیوں کو [۱۹]

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

٣٠۔ اُس پر مقرر ہیں انیس فرشتے [۲۰]

٣١۔ اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر داروغہ وہ فرشتے ہی ہیں [۲۱] اور اُنکی جو گنتی رکھی ہے سو جانچنے کو منکروں کے [۲۲] تاکہ یقین کر لیں وہ لوگ جنکو ملی ہے کتاب اور بڑھے ایمانداروں کا ایمان اور دھوکا نہ کھائیں جنکو ملی ہے کتاب اور مسلمان [۲۳] اور تاکہ کہیں وہ لوگ کہ جنکے دل میں روگ ہے اور منکر [۲۴] کیا غرض تھی اللہ کو اس مثل سے [۲۵] یوں بچلاتا ہے اللہ جسکو چاہے اور راہ دیتا ہے جسکو چاہے [۲۶] اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر خود ہی [۲۷] اور وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کے واسطے [۲۸]

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۖ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۗ لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۚ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ وَلَيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ۖ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۗ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٣١﴾

٣١۔ سچ کہتا ہوں اور قسم ہے چاند کی

كَلَّا وَالْقَبْرِ ﴿٣٢﴾

٣٢۔ اور رات کی جب پیٹھ پھیرے

وَالْيَلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾

٣٣۔ اور صبح کی جب روشن ہووے

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾

٣٤۔ وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی [۲۹]

إِنَّهَا لِأَحَدَى الْكُبْرِ ﴿٣٥﴾

٣٥۔ ڈرانے والی ہے لوگوں کو

نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾

لَبِنٌ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ جو کوئی چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے [۳۰]

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ ہر ایک جی اپنے کئے کاموں میں پھنسا ہوا ہے

إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ مگر دائیں طرف والے

فِي جَنَّتٍ يُتَسَاءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ گنہگاروں کا حال [۳۱]

مَا سَأَلَكُمْ فِي سَقَرٍ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ تم کا بے سے جا پڑے دوزخ میں [۳۲]

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے

وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمَسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو

وَكُنَّا نَحْوُ مَعَ الْخَاطِيْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور ہم تھے باتوں میں دھستے دھسنے والوں کے ساتھ

وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو

حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ یہاں تک یہ آ پہنچی ہم پر وہ یقینی بات [۳۳]

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشُّفَعِيْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ پھر کام نہ آئے گی اُنکے سفارش سفارش کرنے والوں کی [۳۴]

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ پھر کیا ہوا ہے انکو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں [۳۵]

كَانَهُمْ حُرٌّ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ بھاگے ہیں غل مچانے سے [۳۶]

۵۲۔ بلکہ چاہتا ہے ہر ایک مرد ان میں سے ایک کو اسکو ورق کھلے ہوئے [۳۷]

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتِي صُحْفًا

مُنشَرَّةً ﴿٥٢﴾

۵۳۔ ہرگز نہیں [۳۸] پروہ ڈرتے نہیں آخرت سے [۳۹]

كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾

۵۴۔ کوئی نہیں یہ تو نصیحت ہے [۴۰]

كَلَّا إِنَّهُ تَذَكَّرٌ ﴿٥٤﴾

۵۵۔ پھر جو کوئی چاہے اسکو یاد کرے [۴۱]

فَبِمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾

۵۶۔ اور وہ یاد جمی کریں کہ چاہے اللہ [۴۲] وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشنے کے لائق [۴۳]

وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ هُوَ أَهْلُ

التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْبُعْغَرَةِ ﴿٥٦﴾

۱۔ اس کے لئے سورۃ ”مزل“ کا پہلا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۲۔ انذار کا حکم: یعنی وحی کے نقل اور فرشتہ کی بیعت سے آپ ﷺ کو گھبرانا اور ڈرنا نہیں چاہیے۔ آپ ﷺ کا کام تو یہ ہے کہ سب آرام و چین چھوڑ کر دوسروں کو خدا کا خوف دلائیں۔ اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرائیں۔

۳۔ کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیے۔ بہر حال اس کے کمالات و انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار و اعلان کرنا تمہارا کام ہے۔

۴۔ کپڑوں کی ظاہری اور باطنی طہارت: اس سورت کے نازل ہونے پر حکم ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں۔ پھر نماز وغیرہ کا حکم ہوا۔ نماز کے لئے شرط ہے کہ کپڑے پاک ہوں اور گندگی سے احتراز کیا جائے۔ ان چیزوں کو یہاں بیان فرما دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کپڑوں کا حسّی و معنوی نجاستوں سے پاک رکھنا ضروری ہے تو بدن کی پاکی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ اس لئے اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بعض علماء نے کپڑوں کے پاک رکھنے سے نفس کا برے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے۔ اور گندگی سے دور رہنے کے معنی یہ لئے کہ بتوں کی گندگی سے دور رہیے۔ جیسے اب تک دور ہیں۔ بہر حال آیت ہذا میں طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے۔ کیونکہ بدون اس کے رب کی بڑائی کا محققہ و نشین نہیں ہو سکتی۔

۵۔ احسان کا بدلہ مت چاہو: یہ ہمت اور اولوالعزمی سکھلائی کہ جو کسی کو دے (روپیہ پیسہ یا علم و ہدایت وغیرہ) اس سے بدلہ نہ چاہے۔ محض اپنے رب کے دینے پر شاکر و صابر رہو اور جو شکر و عودت و تبلیغ کے راستہ میں پیش آئیں ان کو اللہ کے واسطے صبر و تحمل سے برداشت کرو اور اسی کے حکم کی راہ دیکھو کہ یہ عظیم الشان کام بدون اعلیٰ درجہ کی حوصلہ مندی اور صبر و استقلال کے انجام نہیں پائیگا۔ ان آیتوں کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے لیکن احقر کے خیال میں یہی بے تکلف ہے۔

۶۔ یعنی صور پھونکا جائے۔

۷۔ مشکل دن: یعنی اس دن کے واقعات میں سے صور کا پھونکا جانا گویا ایک مستقل دن ہے جو سرتاپا مشکلات اور سختیوں سے بھر اہو گا۔  
۸۔ یعنی منکروں پر کسی طرح کی آسانی نہ ہوگی، بلکہ اس دن کی سختی دم بدم ان پر بڑھتی جائیگی۔ بخلاف مومنین کے کہ اگر سختی بھی دیکھیں گے تو کچھ مدت کے بعد پھر آسانی کر دی جائے گی۔

۹۔ ولید بن مغیرہ: ہر انسان ماں کے پیٹ سے اکیلا اور جریدہ آتا ہے۔ مال، اولاد، فوج، لشکر، سامان وغیرہ کچھ نہیں لاتا یا "وحید" سے مراد خاص ولید بن مغیرہ ہو جس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیوی ثروت و لیاقت کے اعتبار سے عرب میں فرد اور یکتا سمجھا جاتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے منکروں کے معاملہ میں جلدی نہ کیجئے، نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگدل ہوں۔ بلکہ ان کا قصہ میرے سپرد کرو۔ میں سب کا بھگتان کر دوں گا۔ آپ کو نعمتیں و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

۱۰۔ حاضر باش بیٹوں کی نعمت: یعنی مال و اولاد کا پھیلاوا بہت ہوا۔ دسوں بیٹے ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رہتے اور محفلوں میں باپ کی توقیر بڑھاتے اور دھاک بٹھلاتے تھے۔ تجارتی کاروبار اور دوسرے کام کاج کے لئے نوکر چاکر بہت تھے۔ ضرورت نہیں تھی کہ بیٹے باپ کی نظر سے غائب ہوں۔

۱۱۔ یعنی دنیا میں خوب عزت جمادی اور مسند حکومت و ریاست اچھی طرح تیار کر دی۔ چنانچہ تمام قریش ہر مشکل کام میں اسی کی طرف رجوع کرتے اور اس کو اپنا حاکم جانتے تھے۔

۱۲۔ ولید کی حرص مال اور ناشکری: یعنی باوجود کثرت نعمت و ثروت کے کبھی حرفِ شکر زبان سے نہ نکلا۔ بلکہ ہمیشہ بت پرستی اور زیادہ مال جمع کرنے کی حرص میں منہمک رہتا اور اگر رسول کریم ﷺ کبھی اس کے سامنے بہشت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو کہتا تھا کہ اگر یہ شخص اپنے بیان میں سچا ہے تو یقین کامل ہے کہ وہاں کی نعمتیں بھی مجھے ہی ملیں گی۔ اس کو فرماتے ہیں کہ باوجود اس قدر ناشکری اور حق ناشناسی کے یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی نعمتیں اور زیادہ دے گا۔

۱۳۔ ولید کا زوال: یعنی جب وہ منعم حقیقی کی آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہر گز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی توقع باندھے اور خیالی پلاؤ پکائے۔ کہتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد پے بہ پے اس کے مال و اسباب میں نقصان ہونا شروع ہوا۔ آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مر گیا۔

۱۴۔ یعنی ابھی اس کو بہت بڑی چڑھائی اور سخت ترین مصائب میں گرفتار ہونا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ "صعود" دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس پر کافر کو ہمیشہ چڑھائیں گے اور گرائیں گے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ (تنبیہ) ولید ایک بار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے قرآن پڑھ کر سنایا۔ جس سے کسی قدر متاثر ہوا۔ مگر ابو جہل نے اس کو ورغلا یا اور قریش میں چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی ہوگی۔ غرض سب جمع ہوئے اور آپ ﷺ کے بارے میں گفتگو ہوئی کسی نے کہا شاعر ہیں کسی نے کہا ہن بتلایا، ولید بولا کہ میں شعر میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سب سنی ہیں، قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر تیری کیا رائے ہے کہنے لگا ذرا سوچ لوں۔ آخر تیوری بدل کر اور منہ بنا کر کہا کچھ نہیں جادو ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ حالانکہ پیشتر قرآن سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں نہ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض برادری کو خوش کرنے کے لئے اب یہ بات بنادی۔ آگے اسی گفتگو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۵۔ ولید کا قرآن کو جادو کہنا اور تکبر: یعنی بد بخت نے دل میں سوچ کر ایک بات تجویز کی کہ قرآن جادو ہے۔ خدا غارت کرے کیسی مہمل تجویز کی پھر خدا غارت کرے کہ اپنی قوم کے جذبات کے لحاظ سے کیسی بر محل تجویز نکالی جس کو سن کر سب خوش ہو جائیں۔



۱۶۔ ولید کے غرور و تکبر کے افعال: یعنی مجمع پر نگاہ ڈالی پھر خوب منہ بنایا۔ تادیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت اور انقباض ہے پھر پیٹھ پھیر لی۔ گویا بہت ہی قابل نفرت چیز کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے حالانکہ اس سے قبل اس کی حقانیت کا اقرار کر چکا تھا۔ اب برادری کی خوشنودی کے لئے اس سے پھر گیا۔ آخر نہایت غرور و تکبر کے انداز میں کہنے لگا۔ بس اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ اور یقیناً یہ آدمی کا کلام ہے جو جادو بن کر باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے، اور دوست کو دوست سے جدا کر دیتا ہے۔

۱۷۔ یعنی عنقریب اس کو آگ میں ڈال کر عناد و تکبر کا مزہ چکھاؤنگا۔

۱۸۔ اہل جہنم کے جسم کی حالت: یعنی دوزخیوں کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دیگی جو جلنے سے بچ جائے۔ پھر جلانے کے بعد اس حالت پر بھی نہ چھوڑیگی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹائے جائیں گے اور جلیں گے۔ یہی سلسلہ ہمیشہ جاری رہیگا۔ (العیاذ باللہ) (تمبیہ) اکثر سلف سے یہی معنی منقول ہیں۔ بعض مفسرین نے دوسری طرح توجیہ کی ہے۔

۱۹۔ کھال کی حالت: یعنی بدن کی کھال جھلس کر حیثیت بگاڑ دیگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جیسے دکھتا لوہا سرخ نظر آتا ہے آدمی کی پنڈلی پر وہ سرخی نظر آئے گی۔“

۲۰۔ دوزخ کے انیس (۱۹) داروغہ: یعنی دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہو گا اس کے افسرانہیں فرشتے ہونگے۔ جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام ”مالک“ ہے (تمبیہ) حضرت شاہ عبدالعزیز نے نہایت تفصیل سے انیس کے عدد کی حکیمتس بیان کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کو عذاب دینے کے لئے انیس قسم کے فرانس ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی۔ کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی مل کر نہیں کر سکتے۔ لیکن یاد رہے کہ ہر فرشتہ کی یہ قوت اسی دائرہ میں محدود ہے جس میں کام کرنے کے لئے وہ مامور ہوا ہے۔ مثلاً ملک الموت لاکھوں آدمیوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے۔ مگر عورت کے پیٹ میں بچے کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبریل چشم زدن میں وحی لاسکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں۔ جس طرح کان دیکھ نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی۔ اگرچہ اپنی قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کر سکتے ہیں۔ مثلاً کان ہو سکتا ہے کہ ہزاروں آوازیں سن لے اور نہ تھکے، آنکھ ہزاروں رنگ دیکھ لے اور عاجز نہ ہو۔ اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا اس سے ایک ہی قسم کا عذاب دوزخیوں پر ہو سکتا تھا۔ دوسری قسم کا عذاب جو اس کے دائرہ استعداد سے باہر ہے ممکن نہ تھا اس لئے انیس قسم کے عذابوں کے لئے (جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں ہے) انیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء نے اس عدد کے حکمتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر احقر کے نزدیک حضرت شاہ صاحب کا کلام بہت عمیق و لطیف ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ انیس کے عدد پر کفار کا استہزاء اور اس کا جواب: انیس کا عدد سن کر مشرکین ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں۔ انیس ہمارا کیا کر لیں گے۔ بہت ہواہم میں سے دس دس ان کے ایک ایک کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں گے۔ ایک پہلوان بولا کہ سترہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں، دو کا تم مل کر تیا ناچا کر لینا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی وہ انیس تو ہیں مگر آدمی نہیں فرشتہ ہیں۔ جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک فرشتہ نے قوم لوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔

۲۲۔ اس عدد میں حکمت ہے: یعنی کافروں کو عذاب دینے کے لئے انیس کی گنتی خاص حکمت سے رکھی ہے جس کی طرف عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ کے فائدہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور اس گنتی کے بیان کرنے میں منکروں کی جانچ ہے۔ دیکھتے ہیں کہ کون اس کو سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی مذاق اڑاتا ہے۔

۲۳۔ استیقان اہل کتاب: اہل کتاب کو پہلے سے یہ عدد معلوم ہو گا جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے یا کم از کم کتب ساویہ کے ذریعہ اتنا تو

جانتے تھے کہ فرشتوں میں کس قدر طاقت ہے۔ انیس بھی تھوڑے نہیں۔ اور یہ کہ انواعِ تعذیب کے اعتبار سے مختلف فرشتے دوزخ پر مامور ہونے چاہئیں یہ کام تنہا ایک کا نہیں بہر حال اس بیان سے اہل کتاب کے دلوں میں قرآن کی حقیقت کا یقین پیدا ہو گا۔ اور یہ دیکھ کر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو قرآن کے بیان میں کوئی شک و تردد نہیں رہیگا۔ نہ مشرکین کے استہزاء و تمسخر سے وہ کچھ دھوکا کھائیں گے۔

۲۴۔ الذّٰی یَنۡبِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرۡضٌ سَے منافقین یا ضعیف الایمان مراد ہیں اور اِنۡکَفِرُوۡنَ سَے کھلے ہوئے منکر۔

۲۵۔ یعنی انیس کے بیان سے کیا غرض تھی۔ بھلا ایسی بے تکی اور غیر موزوں بات کو کون مان سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

۲۶۔ یعنی ایک ہی چیز سے بد استعداد آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور سلیم الطبع راہ پالیتا ہے جسے ماننا مقصود نہ ہو وہ کام کی بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتا ہے اور جس کے دل میں خوفِ خدا اور نورِ توفیق ہو اس کے ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے۔

۲۷۔ اللہ کے لشکر: یعنی اللہ کے پیشاگر لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے۔ انیس تو صرف کارکنانِ جہنم کے افسر بتلائے ہیں۔

۲۸۔ یعنی دوزخ کا ذکر صرف عبرت و نصیحت کے لئے ہے کہ اس کا حال سن کر لوگ غضبِ الہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں۔

۲۹۔ یعنی جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہو نیوالی ہیں دوزخ ان میں کی ایک چیز ہے۔

۳۰۔ آگے بڑھے نیکی یا بہشت کی طرف اور پیچھے رہے بدی میں پھنسا ہوا دوزخ میں پڑا ہوا۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ دوزخ سب مکلفین کے حق میں برے ڈراوے کی چیز ہے اور چونکہ اس ڈرانے کے عواقب و نتائج قیامت میں ظاہر ہونگے۔ اس لئے قسم ایسی چیزوں کی کھائی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہے چنانچہ چاند کا اڈل بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ ہے اس عالم کے نشوونما اور اضمحلال و فنا کا اسی طرح اس عالم دنیا کو عالمِ آخرت کے ساتھ حقائق کے اختفاء و انکشاف میں ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ گویا اس عالم کا ختم ہو جانارات کے گذر جانے اور اس عالم کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۔ دانے ہاتھ والے: یعنی جو لوگ بیشاق کے دن حضرت آدمؑ کی پشت سے داہنی طرف سے نکلے تھے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور موقف میں بھی عرش کے داہنی طرف جدھر بہشت ہے کھڑے ہوئے اور اسی طرف روانہ ہوئے اور ان کے نامہ اعمال بھی دانے ہاتھ میں آئے وہ لوگ البتہ قید میں پھنسے ہوئے نہیں بلکہ جنت کے باغوں میں آزاد ہیں اور نہایت بے فکر اور فارغ البال ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گہنگاروں کا حال پوچھتے ہیں کہ وہ لوگ کہاں گئے جو نظر نہیں پڑتے۔

۳۲۔ اہل جنت کا اہل دوزخ سے سوال: یعنی جب سنیں گے کہ گہنگاروں کو دوزخ میں داخل کیا گیا ہے، تب ان گہنگاروں کی طرف متوجہ ہو کر یہ سوال کریں گے کہ باوجود عقل و دانائی کے تم اس دوزخ کی آگ میں کیسے آپڑے۔

۳۳۔ اہل جہنم کا جواب: یعنی نہ اللہ کا حق پہچانا نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بد صحبتوں میں رہ کر شکوک و شبہات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم کو یقین نہ ہو کہ انصاف کا دن بھی آئیگا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کیے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی اور آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین حاصل ہوا جن کی تکذیب کیا کرتے تھے۔

۳۴۔ کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کریگا اور کریگا تو قبول نہ ہوگی۔

۳۵۔ یعنی یہ مصیبتیں سامنے ہیں۔ مگر نصیحت سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ سننا بھی نہیں چاہتے۔

۳۶۔ کفار جنگلی گدھوں کی طرح ہیں: یعنی حق کا شور و غل اور شیرانِ خدا کی آوازیں سن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں۔

۳۷۔ یعنی پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان میں ہر شخص کی آرزوی یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے کھلے ہوئے صحیفے اتاریں اور پیغمبر بنایا جائے حتیٰ

نُؤْتِي مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ (انعام-۱۲۴) یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس براہ راست ایک نوشتہ خدا کی طرف سے آئے جس میں محمد ﷺ کے اتباع کا حکم دیا گیا ہو حتیٰ تَنْزِيلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُهُ (بنی اسرائیل-۹۳)۔

۳۸- یعنی ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔

۳۹- کفار کی بیہودہ درخواستیں: یعنی یہ بیہودہ درخواستیں بھی کچھ اس لئے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو واقعی مان جائیں گے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اس لئے حق کی طلب نہیں، اور یہ درخواستیں محض تعنت سے ہیں۔ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری کر دی جائیں تب بھی اتباع نہ کریں۔ کما قال تعالیٰ وَكُنَّا نَنْزِلُ عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قُرْآنٍ مُّطَهَّرٍ فَلَمَّسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (انعام-۷)۔

۴۰- یعنی ہر ایک کو الگ الگ کتاب دی جائے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک کتاب (قرآن کریم) ہی نصیحت کے لئے کافی ہے۔

۴۱- حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یعنی (یہ کتاب) ایک پر اتری تو کیا ہوا، کام تو سب کے آتی ہے۔“

۴۲- اور اللہ کا چاہنا نہ چاہنا سب حکمتوں پر مبنی ہے۔ جن کا احاطہ کوئی بشر نہیں کر سکتا۔ وہی ہر شخص کی استعداد و لیاقت کو کما حقہ جانتا ہے۔ اور اس کے موافق معاملہ کرتا ہے۔

۴۳: تقویٰ مغفرت کا سبب ہے: یعنی آدمی کتنا ہی گناہ کرے۔ لیکن پھر جب تقویٰ کی راہ چلے گا اور اس سے ڈرے گا، وہ اس کے سب گناہ بخش دے گا، اور اس کی توبہ کو قبول کریگا۔ انس ابن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس مقام پر بطور حاشیہ منہیہ کے، ایک عبارت اس آیت کی تلاوت کے بعد نقل فرمائی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں قال ربکم عزوجلّ انا اهل ان اتقى فلا يشرك بي شئ فاذا اتقاني العبد فانا اهل ان اغفرله یعنی میں اس کے لائق ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک نہ کرے، پھر جب بندہ مجھ سے ڈرا (اور شرک سے پاک ہوا) تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں۔ ”حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہم کو توحید و ایمان پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اور اپنی مہربانی سے ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ آمین۔“

تم سورة المدثر و اللہ الحمد والمنة

آیاتها ۴۰

۵۷ سُوْرَةُ الْقَيْبَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۱

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱۔ اَقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیْبَةِ ﴿۱﴾  
۱۔ قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی [۱]
- ۲۔ وَلَا اَقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَامَةِ ﴿۲﴾  
۲۔ اور قسم کھاتا ہوں جی کی کہ جو ملامت کرے برائی پر [۲]
- ۳۔ اَیْحَسِبُ الْاِنْسَانُ اَلَنْ نَّجْعَعَ عِظَامَهُ ﴿۳﴾  
۳۔ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اُسکی ہڈیاں [۳]
- ۴۔ بَلٰی قَدْرِیْنَ عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهُ ﴿۴﴾  
۴۔ کیوں نہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اُسکی پوریاں [۴]
- ۵۔ بَلٰی یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لَیْفُجِّرَ اَمَامَهُ ﴿۵﴾  
۵۔ بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ ڈھٹائی کرے اُسکے سامنے
- ۶۔ یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمِ الْقِیْبَةِ ﴿۶﴾  
۶۔ پوچھتا ہے کب ہو گا دن قیامت کا [۵]
- ۷۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾  
۷۔ پھر جب چندھیانے لگے آنکھ [۶]
- ۸۔ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾  
۸۔ اور گہرہ جائے چاند [۷]
- ۹۔ وَجِبَعِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ﴿۹﴾  
۹۔ اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند [۸]
- ۱۰۔ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَعْرُ ﴿۱۰﴾  
۱۰۔ کہے گا آدمی اُس دن کہاں چلا جاؤں بھاگ کر
- ۱۱۔ کَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾  
۱۱۔ کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ
- ۱۲۔ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾  
۱۲۔ تیرے رب تک ہے اُس دن جا ٹھہرنا [۹]
- ۱۳۔ یُنَبِّئُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاٰخِرَ ﴿۱۳﴾  
۱۳۔ بتلا دیں گے انسان کو اُس دن جو اُس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا [۱۰]

بَلِ الْإِنْسَانِ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٣﴾

۱۳۔ بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے

وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٤﴾

۱۴۔ اور پڑا اڈالے اپنے بہانے<sup>[۱۱]</sup>

لَا تَحْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَتَّعَلَ بِهِ ﴿١٥﴾

۱۵۔ نہ چلا تو اُسکے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اُسکو سیکھ لے

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٦﴾

۱۶۔ وہ تو ہمارا ذمہ ہے اُسکو جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے

فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٧﴾

۱۷۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اُسکے پڑھنے کے

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٨﴾

۱۸۔ پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اُسکو کھول کر بتلانا<sup>[۱۲]</sup>

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد آئے

وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾

۲۱۔ اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے<sup>[۱۳]</sup>

وَجُودَهُ يَوْمَ مِذْيَنَاصِرَةَ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ کتنے منہ اس دن تازہ ہیں

إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے<sup>[۱۴]</sup>

وَجُودَهُ يَوْمَ مِذْيَنَاصِرَةَ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ اور کتنے منہ اُس دن ادا اس ہیں<sup>[۱۵]</sup>

تَنْظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾

۲۵۔ خیال کرتے ہیں کہ اُن پر وہ آئے جس سے ٹوٹے کر<sup>[۱۶]</sup>

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ ہر گز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک<sup>[۱۷]</sup>

وَقَبِيلٍ مِّنْ رَّاقٍ ﴿٢٧﴾

۲۷۔ اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا<sup>[۱۸]</sup>

وَوَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾

۲۸۔ اور وہ سمجھا کہ اب آیا وقت جدائی کا<sup>[۱۹]</sup>

والتفت الساق بالساق ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی [۲۰]

إلی ربک یومئذ المساق ﴿۳۰﴾

۳۰۔ تیرے رب کی طرف ہے اُس دن کھنچ کر چلا جانا [۲۱]

فلا صدق ولا صلی ﴿۳۱﴾

۳۱۔ پھر نہ یقین لایا اور نہ نماز پڑھی

ولکن کذب وتولی ﴿۳۲﴾

۳۲۔ پھر جھٹلایا اور منہ موڑا

ثم ذهب إلی آہلہ یتطی ﴿۳۳﴾

۳۳۔ پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ہوا [۲۲]

أولیٰ لک فأولیٰ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری

ثم أولیٰ لک فأولیٰ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ پھر خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری [۲۳]

أیحسب الإنسان أن یتترک سدی ﴿۳۶﴾

۳۶۔ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید [۲۴]

ألم یک نطفة من منیٰ یبئی ﴿۳۷﴾

۳۷۔ بھلا نہ تھا وہ ایک بوند منیٰ کی جو ٹپکی [۲۵]

ثم کان علقة فخلق فسوی ﴿۳۸﴾

۳۸۔ پھر تھا ہوجما ہوا پھر اُس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا

فجعل منه الزوجین الذکر والانثی ﴿۳۹﴾

۳۹۔ پھر کیا اُس میں جوڑا اور مادہ

ألیس ذلک بقدر علیٰ أن یحیی الموتی ﴿۴۰﴾

۴۰۔ کیا یہ خدا زندہ نہیں کر سکتا مردوں کو [۲۶]

۱۔ قیامت کے دن کی قسم: یعنی قیامت کا دن جس کا ممکن ہونا عقل سے اور متیقن الوقوع ہونا ایسے مخبر صادق کی خبر سے ثابت ہو چکا ہے س کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تم یقیناً مرے پیچھے اٹھائے جاؤ گے اور ضرور بھلے برے کا حساب ہو گا۔ (تنبیہ) واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی قسم لوگ کھاتے ہیں، اپنے معبود کی، کسی معظّم و محترم ہستی کی، کسی مہتم بالشان چیز کی، کسی محبوب یا نادر شے کی اس کی خوبی یا ندرت جتانے کے لئے، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کی قسمت کی قسم کھائیے۔ پھر بلاغاً یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ کے لئے شاہد ہی گردانا جائے۔ جیسے ذوق نے کہا ہے "اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندہ احساں۔ سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا" یہاں اپنے سر کے نہ اٹھ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے۔

شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لئے حرام کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے۔ وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا واقع مہتمم بالشان ہوں، یا مقسم علیہ کے لئے بطور شاہد و حجت کے کام دے سکیں یہاں یوم قیامت کی قسم اس کے نہایت واقع و مہتمم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے کیونکہ بعث و مجازات کا ظرف ہی یوم قیامت ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ نفس لوامہ اور نفس کی دوسری اقسام: محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اس نفس کو، ”مطمئنہ“ کہتے ہیں۔ **يَأْتِيهَا النَّفْسُ النُّطْبِيَّةُ**۔ اذِجِي إِلَى رَبِّكَ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (الفجر۔ ۲۷، ۲۸) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو، ”نفس اتارہ“ کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے **وَمَا أُبْرِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي** (یوسف۔ ۵۳) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اس کو، ”نفس لوامہ“ کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں **”آدمی کا جی اول کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو، اتارہ بالسوء“** کہتے ہیں۔ پھر ہوش پکڑا نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کئے پر پچھتاتے اور ملامت کرنے لگا۔ ایسا نفس (جی) ”لوامہ“ کہلاتا ہے۔ پھر جب پورا سنور گیا، دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بیہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچنے لگی وہ نفس، ”مطمئنہ“ ہو گیا۔ اھ بتغیر یسر۔ یہاں نفس لوامہ کی قسم کھا کر اشارہ فرما دیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ و اعلیٰ ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔

۳۔ ہڈیاں جمع کر دی جائیگی: یعنی یہ خیال ہے کہ ہڈیوں تک کا چورا ہو گیا اور ان کے ریزے مٹی وغیرہ کے ذرات میں جا ملے۔ بھلا اب کس طرح اکٹھے کر کے جوڑ دیئے جائیگے؟ یہ چیز تو محال معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ انگلی کی پوریاں: یعنی ہم تو انگلیوں کی پوریاں بھی درست کر سکتے ہیں اور پوریوں کی تخصیص شاید اس لئے کی کہ یہ اطراف بدن ہیں اور ہر چیز کے بننے کی تکمیل اس کے اطراف پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ میرے پور پور میں درد ہے۔ اس سے مراد تمام بدن ہوتا ہے۔ دوسرے پوریوں میں باوجود چھوٹی ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ اور عادتاً یہ زیادہ دشوار اور باریک کام ہے۔ لہذا جو اس پر قادر ہو گا وہ آسان پر بطریق اولیٰ قادر ہو گا۔

۵۔ قیامت سے انکار کی اصل وجہ: یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے اور دوبارہ زندہ کیے جانے کو محال جانتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کے دلائل و نشانات غیر واضح ہیں۔ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے اپنی اگلی عمر میں جو باقی رہ گئی ہے بالکل بیباک ہو کر فسق و فجور کرتا رہے اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق و فجور میں اس قدر بیباکی اور ڈھٹائی اس سے نہ ہو سکے گی۔ اس لئے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا جس سے عیش منغض ہو اور لذت میں خلل پڑے بلکہ استہزاء تعنت اور سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب وہ آپ کی قیامت کب آئیگی۔ اگر واقعی آئیوالی ہے تو بتیسنہ ماہ اس کی تاریخ تو بتلائیے۔

۶۔ قیامت کے نشانات: یعنی حق تعالیٰ کی تجلی قہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور سورج بھی سر کے قریب آجائے گا۔

۷۔ چاند کا گہن: یعنی بے نور ہو جائے۔ چاند کو شاید الگ اس لئے ذکر کیا کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے کے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام تھا۔

۸۔ جمع شمس و قمر: یعنی بے نور ہونے میں دونوں شریک ہو گئے۔

۹۔ قیامت کے دن کوئی مفر نہیں: یعنی اب تو کہتا ہے کہ وہ دن کہاں ہے۔ اور اس وقت بدحواس ہو کر کہے گا کہ آج کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں۔ ارشاد ہو گا کہ آج نہ بھاگنے کا موقع ہے نہ سوال کرنے کا۔ آج کوئی طاقت تیرا بچاؤ نہیں کر سکتی، نہ پناہ دے سکتی ہے۔ آج کے دن سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اسی کی پیشی میں ٹھہرنا ہے پھر وہ جس کے حق میں جو کچھ فیصلہ کرے۔

۱۰۔ اعمال کا جتلا یا جانا: یعنی سب اگلے پچھلے اعمال نیک ہوں یا بد، اس کو جتلا دیئے جائیں گے۔

۱۱۔ انسان خود اپنے آپ پر مطلع ہو گا: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی اپنے احوال میں غور کرے تو رب کی وحدانیت جانے (اور یہ کہ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اور جو کہے میری سمجھ میں نہیں آتا، یہ سب بہانے ہیں ” لیکن اکثر مفسرین نے اس کا تعلق یَوْمَئِذٍ الْإِنْسَانُ بِیَوْمَئِذٍ الخ سے رکھا ہے یعنی جتلانے پر بھی موقوف نہیں۔ انسان اپنی حالت پر خود مطلع ہو گا گو باقتضائے طبیعت وہاں بھی بہانے بنائے اور حیلے حوالے پیش لائے جیسے کفار کہیں گے وَ اللّٰهُ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ (انعام- ۲۳) بلکہ یہاں دنیا میں بھی وہ انسان جس کا ضمیر بالکل مسخ نہ ہو گیا ہو اپنی حالت کو خوب سمجھتا ہے۔ گو دوسروں کے سامنے حیلے بہانے بنا کر اسکے خلاف ثابت کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔

۱۲۔ قرآن کریم کے الفاظ و معانی کا یاد کر دینا ہمارے ذمہ ہے: شروع میں جس وقت حضرت جبرئیل اللہ کی طرف سے قرآن لاتے، ان کے پڑھنے کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دل میں پڑھتے جاتے تھے۔ تاکہ جلد اسے یاد کر لیں اور سیکھ لیں۔ مبادا جبرئیل چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہو سکے۔ مگر اس صورت میں آپ کو سخت مشقت ہوتی تھی۔ جب تک پہلا لفظ کہیں اگلا سننے میں نہ آتا۔ اور سمجھنے میں بھی ظاہر ہے دقت پیش آتی ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت پڑھنے اور زبان ہلانے کی حاجت نہیں ہمہ تن متوجہ ہو کر سننا ہی چاہیے۔ یہ فکر مت کرو کہ یاد نہیں رہیگا۔ پھر کیسے پڑھو گا۔ اور لوگوں کو کس طرح سناؤ گا۔ اس کا تمہارے سینے میں حرف بحرف جمع کر دینا اور تمہاری زبان سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ جبرئیل جس وقت ہماری طرف سے پڑھیں آپ تو خاموشی سے سنتے رہیے۔ آگے اس کا یاد کرنا اور اس کے علوم و معارف کا تمہارے اوپر کھولنا اور تمہاری زبان سے دوسروں تک پہنچانا، ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کے ساتھ ساتھ پڑھنا ترک کر دیا۔ یہ بھی ایک معجزہ ہوا، کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک لفظ نہ دھرایا۔ لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بہ لفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدون ایک زبر زیر کی تبدیلی کے فر فرسنادی اور سمجھادی، یہ اس دنیا میں ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا یَوْمَئِذٍ الْإِنْسَانُ بِیَوْمَئِذٍ بِسَآءٍ قَدَمَرٍ وَّ آخِرٌ کا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فرو گذاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کر دے، کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے اور پچھلے اعمال جن میں سے بعض کو کرنیوالا بھی بھول گیا ہو گا سب جمع کر کے ایک وقت میں سامنے کر دے اور ان کو خوب طرح یاد دلادے۔ اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کر کے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرمادے۔ بیشک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ پر قادر ہے۔

۱۳۔ دنیا میں انہماک: یعنی تمہارا قیامت وغیرہ سے انکار کرنا ہرگز کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں، بلکہ دنیا میں انہماک اس کا سبب ہے۔ دنیا چونکہ نقد اور جلد ملنے والی چیز ہے اسی کو تم چاہتے ہو اور آخرت کو ادھار سمجھ کر چھوڑتے ہو کہ اس کے ملنے میں ابھی دیر ہے۔ انسان کی طبیعت میں جلد



بازی داخل ہے خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انبیاء۔ ۳۷) فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ پسندیدہ چیزوں کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں جس کی ایک مثال ابھی لا تَحْرَاكَ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَتَّعَجَلَ بِهٖ میں گزری اور بد تمیز آدمی اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آجائے خواہ آخر کار اس کا نتیجہ ہلاکت ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ مومنین کے چہرے تروتازہ ہوں گے: یہ آخرت کا بیان ہوا یعنی مومنین کے چہرے اس روز تروتازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے۔ اور ان کی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدار مبارک سے روشن ہوں گی۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔ اللہم لاتحرمنا من هذه النعمة التي ليس فوقها نعمة۔

۱۵۔ یعنی پریشان اور بے رونق ہوں گے۔

۱۶۔ یعنی یقین رکھتے ہیں کہ اب وہ معاملہ ہو نیوالا ہے اور وہ عذاب بھگتنا ہے جو بالکل ہی کمر توڑ دیگا۔

۱۷۔ موت کے وقت جب روح ہنسی میں آجائے گی: یعنی آخرت کو ہرگز دور مت سمجھو۔ اس سفر آخرت کی پہلی منزل تو موت ہے جو بالکل قریب ہے یہیں سے باقی منزلیں طے کرتے ہوئے آخری ٹھکانے پر جا پہنچو گے۔ گویا ہر آدمی کی موت اس کے حق میں بڑی قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ جہاں مریض کی روح سمٹ کر ہنسی تک پہنچی اور سانس حلق میں رکنے لگی سمجھو کہ سفر آخرت شروع ہو گیا۔

۱۸۔ کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا: ایسی مایوسی کے وقت طلبیوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی جب لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی سوچتی ہے۔ کہتے ہیں کہ میاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کر کے اس کو مرنے سے بچالے اور بعض سلف نے کہا کہ مَنْ رَاقٍ فَرَشْتُوں کا کلام ہے جو ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ کون اس مردے کی روح کو لے جائیگا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اس تقریر پر ”راقی“ سے مشتق ہو گا جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ “رقیہ“ سے نہ ہو گا۔ جو افسوس کے معنی میں ہے۔

۱۹۔ مرنے والے کو جدائی کا احساس: یعنی مرنیوالا سمجھ چکا کہ تمام عزیز و اقارب اور محبوب و مالوف چیزوں سے اب اسکو جدا ہونا ہے یا یہ مطلب کہ روح بدن سے جدا ہونے والی ہے۔

۲۰۔ مرنے والے پر دو سختیاں: یعنی بعض اوقات سکرات موت کی سختی سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ نیز نیچے کے بدن سے روح کا تعلق منقطع ہونے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اس لئے ایک پنڈلی دوسری پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ عرب کے محاورات میں ”ساق“ کنایہ ہے سخت مصیبت سے۔ تو آیت کا ترجمہ یوں کیا جائے گا کہ ”ملی ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ“ کیونکہ مرنے والے کو اس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں۔ پہلی سختی تو یہی دنیا سے جانا، مال و اسباب، اہل و عیال، جاہ و حشم، سب کو چھوڑنا دشمنوں کی خوشی و طعنہ زنی، اور دوستوں کے رنج و غم کا خیال آنا، اور دوسری اس سے بڑی قبر اور آخرت کے احوال کی ہے۔ جس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔

۲۱۔ رب کی طرف کھنچ کر جانا: یعنی سفر آخرت کی ابتداء یہاں سے ہے۔ گویا اب بندہ اپنے رب کی طرف کھنچا شروع ہوا۔ مگر افسوس اپنی غفلت و حماقت سے کوئی سامان سفر کا پہلے سے درست نہ کیا نہ اتنے بڑے سفر کے لئے کوئی توشہ ساتھ لیا۔

۲۲۔ یعنی بجائے سچا سمجھنے اور یقین لانے کے پیغمبروں کو جھوٹا بتلاتا رہا، اور بجائے نماز پڑھنے اور مالک کی طرف متوجہ ہونے کے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑ کر چلا۔ نہ صرف یہی بلکہ اپنی اس سرکشی اور بد بختی پر اترتا اور اکرٹا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا۔ گویا کوئی بہت بڑی بہادری اور

ہنرمندی کا کام کر کے آ رہا ہے۔

۲۳۔ یعنی ابد بخت اب تیری کبکھتی آئی، ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ اب تیرے لئے خرابی اور تباہی پر تباہی ہے۔ تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا مستحق اور کون ہو گا۔ (تنبیہ) شاید اول خرابی یقین نہ لانے اور نماز نہ پڑھنے پر، دوسری اس سے بڑھ کر جھٹلانے اور منہ موڑنے پر، تیسری اور چوتھی ان دونوں امور میں سے ہر ایک کو قابلِ فخر سمجھنے پر ہو۔ جس کی طرف ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۴۔ یعنی کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ اور امر و نہی کی کوئی قید اس پر نہ ہو گی؟ یا مرے پیچھے اٹھایا نہ جائے گا؟ اور سب نیک و بد کا حساب نہ لیں گے؟

۲۵۔ یعنی عورت کے رحم میں۔

۲۶۔ انسان کی اصل حقیقت اور انجام: یعنی نطفہ سے جسے ہوئے خون کی شکل میں آیا۔ پھر اللہ نے اس کی پیدائش کے سبب مراتب پورے کر کے انسان بنادیا اور تمام ظاہری اعضاء اور باطنی قوتیں ٹھیک کر دیں۔ ایک نطفہ بیجان سے انسان عاقل بن گیا۔ پھر اسی نطفہ سے عورت اور مرد دو قسم کے آدمی پیدا کئے۔ جن میں سے ہر ایک قسم کی ظاہری و باطنی خصوصیات جدا گانہ ہیں۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے اولاً سب کو ایسی حکمت و قدرت سے بنایا، اس پر قادر نہیں کہ دوبارہ زندہ کر دے؟ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُوْنَ۔ پاک ہے تیری ذات اے خدا! کیوں نہیں، تو بیشک قادر ہے۔

تم سورۃ القیامۃ و اللہ الحمد والمنہ

آیاتھا ۳۱

۶ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ ۹۸

رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ کبھی گزر رہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی [۱]

هَلْ آتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴿١﴾

۲۔ ہم نے بنایا آدمی کو ایک دو رنگی بوند سے [۲] ہم پلٹتے رہے اُسکو پھر کر دیا اُسکو ہم نے سننے والا دیکھنے والا [۳]

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَبِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٢﴾

۳۔ ہم نے اُسکو سجھائی راہ یا حق مانتا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے [۴]

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُوْرًا ﴿٣﴾

۴۔ ہم نے تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور آگ دکھتی [۵]

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَلْسِلًا وَّ أَعْلًا وَّ سَعِيْرًا ﴿٤﴾

۵۔ البتہ نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ جس کی ملوئی ہے کافور

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿٥﴾

۶۔ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے [۶] چلاتے ہیں وہ اُسکی نالیاں [۷]

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٦﴾

۷۔ پورا کرتے ہیں منت کو [۸] اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اُسکی برائی پھیل پڑے گی [۹]

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَّ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيْرًا ﴿٧﴾

۸۔ اور کھلاتے ہیں کھانا اُسکی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو [۱۰]

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا

وَاسِيرًا ﴿٨﴾

۹۔ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو نہ تم سے ہم چاہیں گے بدلا اور نہ چاہیں گے شکر گزاری [۱۱]

إِنَّا نَطْعِمُكُمْ لِرُوحِهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَ

لَا شُكْرًا ﴿٩﴾

۱۰۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اداسی والے کی سختی سے [۱۲]

إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَبَطِيرًا ﴿١٠﴾

۱۱۔ پھر بچا لیا اُنکو اللہ نے برائی سے اس دن کی اور ملا دی اُنکو تازگی اور خوشی و قی [۱۳]

فَوْقَهُمْ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ نَصْرًا وَ

سُرُورًا ﴿١١﴾

۱۲۔ اور بدلا دیا اُنکو اُنکے صبر پر باغ اور پوشاک ریشمی [۱۴]

وَ جَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَ حَرِيرًا ﴿١٢﴾

۱۳۔ تکیہ لگائے بیٹھیں اُس میں تختوں کے اوپر [۱۵] نہیں دیکھتے وہاں دھوپ اور نہ ٹھہر [۱۶]

مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا

شَسَا وَلَا زَمَهْرِيرًا ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور جھک رہیں اُن پر اُسکی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں اُسکے گچھے لٹکا کر [۱۷]

وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَ ذَلَّلَتْ قُطُوفُهَا

تَذِيلًا ﴿١٤﴾

۱۵۔ اور لوگ لئے پھرتے ہیں اُنکے پاس برتن چاندی کے اور آنخوڑے جو ہو رہے ہیں شیشے کے

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَ أَكْوَابٍ كَانَتْ

قَوَارِيرًا ﴿١٥﴾

۱۶۔ شیشے ہیں چاندی کے [۱۸] ماپ رکھا ہے اُن کا ماپ [۱۹]

قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ مِرْزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿١٧﴾

۱۷۔ اور انکو وہاں پلاتے ہیں پیالے جس کی بلونی ہے سونٹھ [۲۰]

عَيْنًا فِيهَا تَسْنِي سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾

۱۸۔ ایک چشمہ ہے اُس میں اُس کا نام کہتے ہیں سلسبیل [۲۱]

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ

۱۹۔ اور پھرتے ہیں انکے پاس لڑکے سدا رہنے والے [۲۲] جب تو انکو دیکھے خیال کرے کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے [۲۳]

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْشُورًا ﴿١٩﴾

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلَكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾

۲۰۔ اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی [۲۴]

عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُوعًا

۲۱۔ اوپر کی پوشاک انکی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے [۲۵] اور انکو پہنائے جائیں گے ننگن چاندی کے

أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَمَهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾

[۲۶] اور پلائے انکو انکارب شراب جو پاک کرے دل کو [۲۷]

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ

۲۲۔ یہ ہے تمہارا بدلہ اور کمائی تمہاری ٹھکانے لگی [۲۸]

مَشْكُورًا ﴿٢٢﴾

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿٢٣﴾

۲۳۔ ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سچ سچ اتارنا

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا

۲۴۔ سو تو انتظار کر اپنے رب کے حکم کا [۲۹] اور کہنا مت مان ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکر کا [۳۰]

أَوْ كَفُورًا ﴿٢٣﴾

وَإِذْ كَرِهَ اللَّهُ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَدْعُوا لِلْأَلْبَانِ

۲۵۔ اور لیتا رہ نام اپنے رب کا صبح اور شام [۳۱]

أَسْمَاءَ إِلَّا لِلْحَيِطِّ الْيَمِينِ وَإِذْ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَ

۲۶۔ اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اُسکو [۳۲] اور پاکی بول اُسکی بڑی رات تک [۳۳]

بَنِي إِسْرَائِيلَ فَأَسْبَغَتْ لَهُمْ أَلْبَانَهُمْ لِيَتَدَبَّرُوا

۲۷۔ یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو [۳۴]

الْبِلَادَ وَأَخْلَصُوا إِلَيْنَا مَا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ إِلَّا

۲۸۔ ہم نے اُنکو بنایا اور مضبوط کیا اُنکی جوڑ بندی کو اور جب ہم چاہیں بدل لائیں اُن جیسے لوگ بدل کر [۳۵]

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا

بَدَلْنَاهُمْ أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾

۲۹۔ یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ [۳۶]

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ

سَبِيلًا ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا [۳۷]

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾

۳۱۔ داخل کر لے جسکو چاہے اپنی رحمت میں [۳۸] اور جو گنہگار ہیں تیار ہے اُنکے واسطے عذاب دردناک

يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ

لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

۱۔ انسان عدم محض تھا: بے شک انسان پر ایک وقت گزر چکا ہے۔ جب اس کا کچھ نام و نشان نہ تھا۔ پھر کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا۔ وہ حالت بھی اس کی موجودہ شرافت و کرامت کو دیکھتے ہوئے اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔

۲۔ مخلوط پانی سے انسان کی تخلیق: یعنی مرد اور عورت کے دورنگے پانی سے پیدا کیا۔ (تنبیہ) آمشاج کے معنی مخلوط کے ہیں۔ نطفہ جن عداؤں کا خلاصہ ہے وہ مختلف چیزوں سے مرکب ہوتی ہیں اس لئے عورت کے پانی سے قطع نظر کر کے بھی اُس کا آمشاج کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ الٹ پھیر کے بعد دیکھنے سننے والا بنادیا: یعنی نطفہ سے جما ہوا خون، پھر اس سے گوشت کا لو تھڑا بنایا۔ اسی طرح کئی طرح کے الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا اور سب اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں (تنبیہ) نَبْتَلِيهِ کے معنی اکثر مفسرین نے امتحان و آزمائش کے لئے ہیں۔ یعنی آدمی کا بنانا اس غرض سے تھا کہ اس کو احکام کا مکلف اور امر و نہی کا مخاطب بنا کر امتحان لیا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کے احکام کی تعمیل میں وفاداری دکھلاتا ہے۔ اسی لئے اس کو سننے، دیکھنے، اور سمجھنے کی وہ قوتیں دی گئیں جن پر تکلیف شرعی کا مدار ہے۔

۴۔ ہدایت کے باوجود دو فرقتے ہو گئے: یعنی اولاً اصل فطرت اور پیدائشی عقل و فہم سے پھر دلائل عقلیہ و نقلیہ سے نیکی کی راہ سجھائی جس کا مقتضی یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ چلتے لیکن گرد و پیش کے حالات اور خارجی عوارض سے متاثر ہو کر سب ایک راہ پر نہ رہے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا، اور بعض نے ناشکری اور ناحق کوشی پر کمر باندھ لی۔ آگے دونوں کا انجام مذکور ہے۔

۵۔ منکروں کے لئے طوق اور زنجیریں: یعنی جو لوگ رسم و رواج اور اوہام و ظنون کی زنجیروں میں جکڑے رہے اور غیر اللہ کی حکومت و اقتدار کے طوق اپنے گلوں سے نہ نکال سکے۔ بلکہ حق و حاملین حق کے خلاق دشمنی اور لڑائی کی آگ بھڑکانے میں عمریں گزار دیں، کبھی بھول کر اللہ

کی نعمتوں کو یاد نہ کیا۔ نہ اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دوزخ کے طوق و سلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

۶۔ ابرار کے لئے چشمہ کافور کی شراب: یعنی جام شراب پئیں گے جس میں تھوڑا سا کافور ملایا جائیگا۔ یہ کافور دنیا کا نہیں بلکہ جنت کا ایک خاص چشمہ ہے جو خاص طور پر اللہ کے مقرب و مخصوص بندوں کو ملے گا۔ شاید اس کو ٹھنڈا، خوشبودار، مفرح اور سفید رنگ ہونے کی وجہ سے کافور کہتے ہوں گے۔

۷۔ چشمہ کاہنا عبد اللہ کے اختیار میں: یعنی وہ چشمہ ان بندوں کے اختیار میں ہو گا جہر اشارہ کریں گے اسی طرف کو اس کی نالی بہنے لگے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا اصل منبع حضور پر نور محمد رسول ﷺ کے قصر میں ہو گا۔ وہاں سے سب انبیاء و مؤمنین کے مکانوں تک اس کی نالیاں پہنچائی جائیں گی۔ واللہ اعلم۔ آگے ابرار کی حصلتیں بیان فرمائی ہیں۔

۸۔ منت کو پورا کرنے والے: یعنی جو منت مانی ہو اسے پورا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب خود اپنی لازم کی ہوئی چیز کو پورا کریں گے تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

۹۔ یعنی اس دن کی سختی اور برائی درجہ بدرجہ سب کو عام ہوگی۔ کوئی شخص بالکلیہ محفوظ نہ رہیگا۔ الا من شاء اللہ۔

۱۰۔ قیدیوں سے حسن سلوک کرنے والے: یعنی اللہ کی محبت کے جوش میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں۔ (تنبیہ) قیدی عام ہے مسلم ہو یا کافر۔ حدیث میں ہے کہ ”بدر“ کے قیدیوں کے متعلق حضور ﷺ نے حکم دیا کہ جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی رہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ چنانچہ صحابہؓ اس حکم کی تعمیل میں قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے حالانکہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بھائی کا حق تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ اور اگر لفظ اَسْبِیْرًا میں ذرا توسع کر لیا جائے تب تو یہ آیت غلام اور مدیون کو بھی شامل ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ایک طرح سے قید میں ہیں۔

۱۱۔ یہ کھلانے والے زبان حال سے کہتے ہیں اور کہیں مصلحت ہو تو زبان قال سے بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۲۔ اخلاص سے کھانا کھلانے والے: یعنی کیوں نہ کھلائیں اور کھلانے کے بعد کیونکہ بدلہ یا شکر کے امیدوار نہیں جب کہ ہم کو اپنے پروردگار کا اور اس دن کا خوف لگا ہوا ہے جو بہت سخت اداس اور غصہ سے چلیں بہ چلیں ہو گا۔ ہم تو اخلاص کے ساتھ کھلانے پلانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں۔ مبادا اخلاص وغیرہ میں کمی رہ گئی ہو اور الثامنہ پر مارا جائے۔

۱۳۔ یعنی جس چیز سے وہ ڈرتے تھے۔ اللہ نے اس سے محفوظ و مامون رکھا۔ اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا کیا۔

۱۴۔ یعنی از بسکہ یہ لوگ دنیا کی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے معاصی سے رکے اور طاعت پر جمے رہے تھے۔ اس لئے اللہ نے ان کو عیش کرنے کے لئے جنت کے باغ اور لباس ہائے فاخرہ مرحمت فرمائے۔

۱۵۔ بادشاہوں کی طرح۔

۱۶۔ جنت کا موسم: یعنی جنت کا موسم نہایت معتدل ہو گا نہ گرمی کی تکلیف نہ سردی کی۔

۱۷۔ جنت کے پھلوں کے گچھے: یعنی درختوں کی شاخیں مع اپنے پھول پھل وغیرہ کے ان پر جھکی پڑتی ہوگی اور پھلوں کے خوشے ایسی طرح لٹکے ہوں گے اور ان کے قبضہ میں کر دیئے جائیں گے کہ جنتی جس حالت میں چاہے کھڑے بیٹھے، لیٹے بے تکلف چن سکے (تنبیہ) شاید درختوں کی شاخوں کو یہاں ظلال سے تعبیر فرمایا ہے یا واقعی سایہ ہو۔ کیونکہ آفتاب کی دھوپ نہ سہی، کوئی دوسری قسم کا نور تو وہاں ضرور ہو گا۔ اس کے سایہ میں بہشتی تفتن و تفریح کی غرض سے کبھی بیٹھنا چاہیں گے۔ واللہ اعلم۔

۱۸۔ جنت کے برتن: یعنی آبخورے اصل میں چاندی کے بنے ہونگے نہایت سفید، بے داغ اور فرحت بخش، لیکن صاف و شفاف اور چمکدار ہونے میں شیشے کی طرح معلوم ہونگے۔ ان کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئیگی۔

۱۹۔ اندازے پر بھرے ہوئے: یعنی جنتی کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی ٹھیک اس کے اندازے کے موافق بھرے ہوں گے کہ نہ کمی رہے نہ بچے۔ یا بہشتیوں نے اپنے دل سے جیسا اندازہ کر لیا ہو گا بلا کم و کاست اسی کے موافق آئیگی۔

۲۰۔ سوٹھ ملے ہوئے مشروب: یعنی ایک جام شراب وہ تھا جس کی ملونی کا نور ہے۔ دوسرا وہ ہو گا جس میں سوٹھ کی آمیزش ہوگی۔ مگر یہ دنیا کی سوٹھ نہ سمجھئے وہ ایک چشمہ ہے جنت میں جس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ سوٹھ کی تاثیر گرم ہے اور وہ حرارت عزیزہ میں انتعاش پیدا کرتی ہے۔ عرب کے لوگ اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ بہر حال کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ کو زنجبیل کا چشمہ کہتے ہیں۔ ابرار کے پیالہ میں اس کی تھوڑی سے آمیزش کی جائیگی۔ اصل میں وہ چشمہ بڑے عالی لوگ مقام مقررین کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ جنت کا چشمہ سلسبیل: اس نام کے معنی ہیں پانی صاف بہتا ہوا۔ کذافی الموضح۔

۲۲۔ یعنی ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں سے کبھی چھینے نہ جائیں گے۔

۲۳۔ بکھرے موتیوں کی طرح خوبصورت لڑکے: یعنی اپنے حسن و جمال صفائی اور آب و تاب میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے ایسے خوش منظر معلوم ہونگے گویا بہت سے چمکدار خوبصورت موتی زمین پر بکھیر دیئے گئے۔

۲۴۔ جنت کی عظیم حکومت: یعنی جنت کا حال کیا کہا جائے، کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ کیسی عظیم الشان نعمت اور کتنی بھاری بادشاہت ہے جو ادنیٰ ترین جنتی کو نصیب ہوگی۔ رزقنا اللہ منہا بنہ و فضلہ۔

۲۵۔ جنت کے لباس: یعنی باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم کے لباس جنتیوں کو ملیں گے۔

۲۶۔ چاندی کے کنگن: اس سورت میں تین جگہ چاندی کے برتنوں اور زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ دوسری جگہ سونے کے بیان کئے گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی ہوں اور وہ بھی، کسی کو یہ ملیں، کسی کو وہ۔ یا کبھی یہ کبھی وہ۔

۲۷۔ پروردگار کی طرف سے شراب طہور: یعنی سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا ایک جام محبوب حقیقی کی طرف سے ملے گا، جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت، نہ سرگرانی، نہ بدبو، اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہوں گے، پینے کے بعد بدن سے پسینہ نکلے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح مہکنے والی ہوگی۔

۲۸۔ یعنی مزید اعزاز و اکرام اور تطیب قلوب کے لئے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ تمہاری کوشش مقبول ہوئی۔ اور محنت ٹھکانے لگی۔ اس کو سن کر جنتی اور زیادہ خوش ہونگے۔

۲۹۔ کفار پر صبر کیجئے: تاکہ آپ ﷺ کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں۔ اور معلوم کر لیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے۔ اگر اس طرح سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد و عناد ہی پر قائم رہیں تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جئے رہئے۔ اور آخری فیصلہ کا انتظار کیجئے۔

۳۰۔ قریش کے سرداروں کی بات نہ مانئے: عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش آپ ﷺ کو دنیوی لالچ دے کر اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر چاہتے تھے کہ فرض تبلیغ و دعوت سے باز رکھیں۔ اللہ نے متنبہ فرمادیا۔ کہ آپ ان میں سے کسی کی بات نہ مانیں۔ کیونکہ کسی گنہگار فاسق یا ناشکر کافر کا کہمانے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شریروں اور بد بختوں کی بات پر کان دھرنا نہیں چاہئے۔

۳۱۔ صبح و شام ذکر اللہ کی تاکید: یعنی ہمہ وقت اس کو یاد رکھو خصوصاً ان دو وقتوں میں سب خر خوشوں کا علاج یہی ذکر خدا ہے۔



۳۲۔ رات کی نماز: یعنی نماز پڑھ، شاید مغرب و عشاء مراد ہو یا تہجد۔

۳۳۔ تہجد کی نماز: اگر وَهِنَّ الْيَلِيلِ فَاسْجُدْ لَهُ سے تہجد مراد لیا جائے تو یہاں تسبیح سے اس کے معنی متبادر مراد لینگے۔ یعنی شب کو تہجد کے علاوہ بہت زیادہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہئے اور اگر پہلے مغرب و عشاء مراد تھی تو یہاں تسبیح سے تہجد مراد لے سکتے ہیں۔

۳۴۔ حُب دُنیا کفر کی وجہ ہے: یعنی یہ لوگ جو آپ ﷺ کی نصیحت و ہدایت قبول نہیں کرتے اس کا سبب حب دُنیا ہے۔ دُنیا چونکہ جلد ہاتھ آئی والی چیز ہے اسی کو یہ چاہتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن سے غفلت میں ہیں۔ اس کی کچھ فکر نہیں۔ بلکہ اس کے آنے کا یقین بھی نہیں سمجھتے ہیں کہ مر کر جب گل سڑ گئے پھر کون دوبارہ ہم کو ایسا ہی بنا کر کھڑا کر دیگا؟ آگے اس کا جواب دیا ہے۔

۳۵۔ یعنی اوّل پیدا ہم نے کیا اور سب جوڑ بند درست کئے۔ آج ہماری وہ قدرت سلب نہیں ہو گی۔ ہم جب چاہیں ان کی موجودہ ہستی کو ختم کر کے دوبارہ ایسی ہی ہستی بنا کر کھڑی کر دیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ نہ مانیں گے تو ہم قادر ہیں کہ جب چاہیں ان کی جگہ دوسرے ایسے ہی آدمی لے آئیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہوں گے۔

۳۶۔ اس نصیحت کو جو چاہے قبول کرے: یعنی جبر و زور سے منو ادینا آپ کا کام نہیں، قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دیجئے۔ آگے ہر ایک کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی خوشنودی تک پہنچنے کا راستہ بنا رکھے۔

۳۷۔ تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہنے سے ہے: یعنی تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہے بدون نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بندہ کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے وہ جانتا ہے کہ کس کی استعداد و قابلیت کس قسم کی ہے اسی کے موافق اس کی مشیت کام کرتی ہے۔ پھر وہ جس کو اپنی مشیت سے راہ راست پر لائے، اور جس کو گمراہی میں پڑا چھوڑ دے عین صواب و حکمت ہے۔

۳۸۔ "یعنی جن کی استعداد اچھی ہو گی ان کو نیکی پر چلنے کی توفیق دیگا۔ اور اپنی رحمت و فضل کا مستوجب بنا یگا۔"

تم سورۃ الدھر و اللہ الحمد والمنة

## آیاتها ۵

## &lt;&lt; سُورَةُ الْبُرْسَلَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۳

## رکوعاتها ۲

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- |   |                                   |
|---|-----------------------------------|
| ۱۔ قسم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی         | وَالْبُرْسَلَةِ عُرْفًا ﴿١﴾       |
| ۲۔ پھر جھونکا دیئے والیوں کی زور سے [۱]       | فَالْعَصْفِ عَصْفًا ﴿٢﴾           |
| ۳۔ پھر ابھارنے والیوں کی اٹھا کر              | وَالنُّشْرَاتِ نَشْرًا ﴿٣﴾        |
| ۴۔ پھر پھاڑنے والیوں کی بانٹ کر [۲]           | فَالْفُرْقَاتِ فَرْقًا ﴿٤﴾        |
| ۵۔ پھر فرشتوں کی جو اتار کر لائیں وحی [۳]     | فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا ﴿٥﴾      |
| ۶۔ الزام اتارنے کو یا ڈرسانے کو [۴]           | عُدْرًا أَوْ نَذْرًا ﴿٦﴾          |
| ۷۔ مقرر جو تم سے وعدہ ہو اوہ ضرور ہونا ہے [۵] | إِنبَاتُوعِدُونَ لَوَاقِعَ ﴿٧﴾    |
| ۸۔ پھر جب تارے مٹائے جائیں                    | فَإِذَا النُّجُومُ طُبِسَتْ ﴿٨﴾   |
| ۹۔ اور جب آسمان میں جھروکے پڑ جائیں [۶]       | وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ﴿٩﴾   |
| ۱۰۔ اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں [۷]             | وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿١٠﴾  |
| ۱۱۔ اور جب رسولوں کا وقت مقرر ہو جائے [۸]     | وَإِذَا الرُّسُلُ أُقْتَتَتْ ﴿١١﴾ |
| ۱۲۔ کس دن کے واسطے ان چیزوں میں دیر ہے        | لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ﴿١٢﴾     |
| ۱۳۔ اس فیصلے کے دن کے واسطے [۹]               | لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿١٣﴾           |

وَمَا آذُرِكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝۲۳

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝۲۴

الَّذِينَ هُمْ يُنْفِكُونَ ۝۲۵

ثُمَّ تَتَّبِعُهُمُ الْآخَرِينَ ۝۲۶

كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝۲۷

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝۲۸

الَّذِينَ نَخَلَقُكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝۲۹

فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝۳۰

إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝۳۱

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ۝۳۲

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝۳۳

الَّذِينَ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۝۳۴

أَحْيَاءَ وَأَمْوَاتًا ۝۳۵

وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَاهِجَاتٍ وَأَسْقَيْنُكُمْ مَاءً

فُرَاتًا ۝۳۶

۱۴۔ اور تو نے کیا بوجھا کیا ہے فیصلے کا دن

۱۵۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی [۱۰]

۱۶۔ کیا ہم نے نہیں مار کھپایا پہلوں کو

۱۷۔ پھر اُنکے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلوں کو

۱۸۔ ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں گنہگاروں کے ساتھ [۱۱]

۱۹۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۱۲]

۲۰۔ کیا ہم نے نہیں بنایا تمکو ایک بے قدر پانی سے

۲۱۔ پھر رکھا اُسکو ایک جگہ ہوئے ٹھکانے میں [۱۳]

۲۲۔ ایک وعدہ مقرر تک [۱۴]

۲۳۔ پھر ہم اُسکو پورا کر سکے سو ہم کیا خوب سکت والے  
ہیں [۱۵]

۲۴۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی [۱۶]

۲۵۔ کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی

۲۶۔ زندوں کو اور مردوں کو [۱۷]

۲۷۔ اور رکھے ہم نے زمین میں بوجھ کے لئے پہاڑ اونچے  
اور پلایا ہم نے تمکو پانی میٹھا پیاس بھانے والا [۱۸]

۲۸۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۱۹]

۲۹۔ چل کر دیکھو جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے [۲۰]

۳۰۔ چلو ایک چھاؤں میں جسکی تین پھانکیں ہیں [۲۱]

۳۱۔ نہ گہری چھاؤں اور نہ کچھ کام آئے تپش میں [۲۲]

۳۲۔ وہ آگ پھیلتی ہے چنگاریاں جیسے محل [۲۳]

۳۳۔ گویا وہ اونٹ ہیں زرد [۲۴]

۳۴۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی [۲۵]

۳۵۔ یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے [۲۶]

۳۶۔ اور نہ اُنکو حکم ہو کہ توبہ کریں [۲۷]

۳۷۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۲۸]

۳۸۔ یہ ہے دن فیصلے کا جمع کیا ہم نے تمکو اور اگلوں کو [۲۹]

۳۹۔ پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا تو چلا لو مجھ پر [۳۰]

۴۰۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی [۳۱]

۴۱۔ البتہ جو ڈرنے والے ہیں وہ سایہ میں ہیں [۳۲] اور  
نہروں میں

۴۲۔ اور میوے جس قسم کے وہ چاہیں

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٨﴾

انْطَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٩﴾

انْطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾

لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَارٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾

كَأَنَّهُ جِبَلَاتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾

هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٣٥﴾

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾

هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأُولَىٰ ۚ ﴿٣٨﴾

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوا ۚ ﴿٣٩﴾

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾

وَفَوَاكِهِ مَبَايِشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾

۴۳۔ کھاؤ اور پیو مزے سے بدلا اُن کاموں کا جو تم نے  
کئے تھے [۳۳]

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾

۴۴۔ ہم یونہی دیتے ہیں بدلائنکی والوں کو

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۴﴾

۴۵۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۳۴]

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۵﴾

۴۶۔ کھاو اور برت لو تھوڑے دنوں بیشک تم گنہگار ہو [۳۵]

كُلُوا وَتَسْتَعْتَبُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُّجْرِمُونَ ﴿۳۶﴾

۴۷۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۳۶]

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۷﴾

۴۸۔ اور جب کہیے اُن کو کہ جھک جاؤ نہیں جھکتے [۳۷]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿۳۸﴾

۴۹۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۳۸]

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۹﴾

۵۰۔ اب کس بات پر اُسکے بعد یقین لائیں گے [۳۹]

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَآ يَوْمِئِذٍ يَوْمِنُونَ ﴿۵۰﴾

۱۔ چلتی ہو اؤں کی قسم: یعنی اول ہو انزم اور خوشگوار چلتی ہے، جس سے مخلوق کی بہت سی توقعات اور منافع وابستہ ہوتے ہیں۔ پھر کچھ دیر بعد وہی ہوا ایک تند آندھی اور طوفانی جھلڑ کی شکل اختیار کر کے وہ خرابی اور غضب ڈھاتی ہے کہ لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ یہی مثال دنیا و آخرت کی سمجھو کتنے ہی کام ہیں جن کو لوگ فی الحال مفید اور نافع تصور کرتے ہیں اور ان پر بڑی بڑی امیدیں باندھتے ہیں۔ لیکن وہی کام جب قیامت کے دن اپنی اصلی اور سخت ترین خوفناک صورت میں ظاہر ہونگے تو لوگ پنا مانگنے لگیں گے۔

۲۔ ناشرات اور فاقات ہوائیں: یعنی ان ہواؤں کی قسم جو بخارات وغیرہ کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں اور ابر کو ابھار کر جو میں پھیلا دیتی ہیں پھر جہاں جہاں پہنچانا ہے اللہ کے حکم سے اس کے حصے کر کے بانٹتی ہیں اور بارش کے بعد بادلوں کو پھاڑ کر ادھر ادھر متفرق کرتی ہیں اور کچھ ابر کے ساتھ مخصوص نہیں، ہوا کی عام خاصیت یہ ہے کہ اشیاء کی کیفیات مثلاً خوشبو، بدبو وغیرہ کو پھیلانے ان کے لطیف اجزا کو جدا کر کے لے اڑے اور ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز سے جاملانے۔ غرض یہ جمع و تفرق جو ہوا کا خاصہ ہے ایک نمونہ ہے آخرت کا، جہاں حشر و نشر کے بعد لوگ جدا کئے جائیں گے اور ایک جگہ جمع ہونے کے بعد الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچا دیئے جائیں گے۔ لہذا اَيُّمُ الْفَضْلِ بَعَثْنَاكُمْ وَالْآذِلِينَ (مرسلات-۳۸)۔

۳۔ ان الفاظ کی دوسری تفسیر: حضرت شاہ عبدالعزیز نے فَاَلْمُنْقَلِبَاتِ ذِكْرًا سے بھی ہوائیں مراد لی ہیں کیونکہ وحی کی آواز کالوگوں کے کانوں تک پہنچانا بھی ہوا کے ذریعہ سے ہے۔ (تنبیہ) الْمُرْسَلَاتِ الْعَصْفَاتِ الشُّمَاتِ الْفَارِقَاتِ الْمُنْقَلِبَاتِ پانچوں کا مصداق کسی نے ہواؤں کو ٹھہرایا ہے، کسی نے فرشتوں کو، کسی نے پیغمبروں کو، اور بعض مفسرین نے پہلی چار سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے، جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور بھی اقوال ہیں جن سب کی تفصیل روح المعانی میں ملے گی۔

۴۔ وحی کفار کے لئے حجت اور مومنین کے لئے انذار ہے: حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ (وحی سے) کافروں کا الزام اتارنا منظور ہے کہ (سزا کے وقت) نہ کہیں ہم کو خبر نہ تھی اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈر سنانا تا ایمان لائیں ” اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جو کلام الہی امر و نہی اور عقائد و احکام پر مشتمل ہے۔ وہ عذر کرنے کے واسطے ہے، تا اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے لئے عذر اور دستاویز ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم کے بموجب کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے ترک کیا۔ اور جو کلام الہی قصص و اخبار وغیرہ پر مشتمل ہو وہ عموماً منکرین کو ڈرانے اور خوف دلانے کے لئے ہے اور اس سورت میں روئے سخن بیشتر مکذبین و منکرین کی طرف تھا۔ اس لئے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوائیں شاہد ہیں کہ ایک وقت ضرور آنا چاہیے جب مجرموں کو ان کی حرکات پر ملزم کیا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکل یہ مامون و بے فکر کر دیا جائے۔

۵۔ یعنی قیامت کا اور آخرت کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا وعدہ۔

۶۔ قیامت کے احوال: یعنی تارے بے نور ہو جائیں، آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹنے کی وجہ سے ان میں درپچیاں اور جھروکے سے نظر آنے لگیں۔  
۷۔ یعنی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں۔

۸۔ آخرت میں رسولوں کا مقرر وقت: تا آگے پیچھے وقت مقرر کے موافق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ رب العزت کی سب سے بڑی پیشی میں حاضر ہوں۔

۹۔ فیصلہ کے دن ہی سب فیصلے ہوں گے: یعنی جانتے ہو؟ ان امور کو کس دن کے لئے اٹھار کھا ہے؟ اس دن کے لئے جس میں ہر بات کا بالکل آخری اور دو ٹوک فیصلہ ہو گا۔ بیشک اللہ چاہتا تو ابھی ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتا۔ لیکن اس کی حکمت متقضی نہیں ہوئی کہ ایسا کیا جائے۔

۱۰۔ مکذبین کے لئے خرابی ہے: یعنی کچھ مت پوچھو، فیصلہ کا دن کیا چیز ہے۔ بس یہ سمجھ لو، کہ جھٹلانے والوں کو اس روز سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہو گا۔ کیونکہ جس چیز کی انہیں امید نہ تھی جب وہ یکایک اپنی ہولناک صورت میں آن پہنچے گی تو ہوش پراں ہو جائیں گے، اور حیرت و ندامت سے حواس باختہ ہوں گے۔

۱۱۔ قوموں سے پچھلی دنیا کی ہلاکت پر استدلال: منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ بڑی دنیا کہاں ختم ہوتی ہے؟ بھلا کون باور کریگا کہ سب آدمی بیک وقت مر جائیں گے اور نسل انسانی بالکل نابود ہو جائے گی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور بناوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا جواب دیا کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جب ہماری قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ دور حاضر کے کفار کو بھی ہم ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کر دیں گے۔ جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کر سکتی ہے، وہ اس پر کیوں قادر نہ ہو گی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کر دے۔ اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔

۱۲۔ یعنی جو قیامت کی آمد کو اس لئے جھٹلاتے تھے کہ سب انسان ایک دم کیسے فنا کر دیئے جائیں گے اور کس طرح سب مجرموں کو بیک وقت گرفتار کر کے سزا دیں گے۔

۱۳۔ قرار ملین: یعنی ایک ٹھہراؤ کی جگہ میں محفوظ رکھا۔ مراد اس سے رحم مادر ہے جسے ہمارے محاورات میں بچہ دان کہتے ہیں۔

۱۴۔ اکثر وہاں ٹھہرنے کی مدت نو مہینے ہوتی ہے۔

۱۵۔ انسان کی تخلیق میں قدرت کی نشانیاں: یعنی اس پانی کی بوند کو بتدریج پورا کر کے انسان عاقل بنا دیا۔ اس سے ہماری قدرت اور سکت کو سمجھ لو۔ تو اسی انسان کو مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے؟ (تنبیہ) بعض نے ”قدرنا“ کے معنی اندازہ کرنے کے لئے ہیں۔ یعنی ”اندازہ کیا

ہم نے ”اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں کہ اتنی مدت میں کوئی ضروری چیز رہ نہیں جاتی اور کوئی زائد و بیکار چیز پیدا نہیں ہوتی۔  
۱۶۔ جو یوں کہا کرتے تھے کہ مٹی میں مل کر جب ہماری ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، پھر کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس وقت اپنے  
ان لچر پوچ شہبات پر شرمائیں گے۔ اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔

۱۷۔ زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی زمین: یعنی زندہ مخلوق اسی زمین پر بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو  
زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانا ہوا۔ تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہو گا۔

۱۸۔ پہاڑ اور میٹھا پانی: یعنی اسی زمین میں پہاڑ جیسی وزنی اور سخت چیز پیدا کر دی جو اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہیں کھاتے اور اسی زمین میں پانی کے  
چشمے جاری کر دیئے جو نرم و سیال ہونے کی وجہ سے برابر بہتے رہتے ہیں، اور بڑی سہولت سے پینے والے کو سیراب کرتے ہیں۔ پس جو خدا اس  
حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ کیا وہ میدانِ حشر میں سختی و  
نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔ نیز جس کے قبضہ میں پیدا کرنا، ہلاک کرنا، اور حیات و بقاء کے سامان فراہم کرنا یہ سب  
کام ہوئے اس کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیونکر جائز ہو گا۔

۱۹۔ یعنی جو سمجھتے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں تمام اولین و آخرین کی اثابت و تعذیب کے اس قدر مختلف اور متضاد کام کیونکر سرانجام  
پائیں گے۔

۲۰۔ یعنی قیامت کے دن یوں کہا جائیگا۔

۲۱۔ کفار کے لئے تین شانوں والا سایہ: قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ کافروں کے سایہ کے لئے ایک دھواں دوزخ سے اٹھے گا، جو پھٹ کر کئی  
ٹکڑے ہو جائے گا کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو تین طرف سے گھیرے گا۔ ایک ٹکڑا سر کے اوپر سائبان کی طرح ٹھہریگا۔ دوسرا ٹکڑا  
داہنے اور تیسرا بائیں ہو جائے گا۔ حساب سے فارغ ہونے تک وہ لوگ اسی سایہ کے نیچے رہیں گے۔ اور ایمان دار نیک کردار عرشِ اعظم کے سایہ  
میں آرام سے کھڑے ہوں گے۔

۲۲۔ یعنی محض برائے نام سایہ ہو گا، گہری چھاؤں نہیں ہوگی۔ جس سے آفتاب کی گرمی یا آگ کی تپش سے نجات ملے یا اندر کی گرمی اور پیاس  
میں کمی ہو۔

۲۳۔ اس سائے سے عظیم انگارے گریں گے: یعنی اونچی ہوتی ہیں، چنگاریاں بڑے اونچے محل کے برابر یا اس کے انگارے کلانی میں محل کے  
برابر ہوں گے۔

۲۴۔ زرد اونٹ کے برابر چنگاریاں: یعنی اگر قصر کے ساتھ تشبیہ بلندی میں تھی تو اونٹ کے ساتھ کلانی میں ہوگی۔ اور اگر وہ تشبیہ کلانی میں ہو تو  
كَائِدًا جِهَلَّتْ صُفْرًا کا مطلب یہ ہو گا کہ ابتداءً چنگاریاں محل کے برابر ہوں گی، پھر ٹوٹ کر اور چھوٹی ہو کر اونٹ کے برابر ہو جائیں گی۔ یا اونٹ  
کے ساتھ رنگت میں تشبیہ ہو، لیکن اس صورت میں جِهَلَّتْ صُفْرًا کا ترجمہ جنہوں نے ”کالے اونٹوں“ سے کیا ہے وہ زیادہ چسپاں ہو گا۔ کیونکہ  
روایات سے جہنم کی آگ کا سیاہ و تاریک ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اور عرب کالے اونٹ کو صفر اس لئے کہتے ہیں کہ عموماً وہ زردی مائل ہوتا ہے۔  
واللہ اعلم۔

۲۵۔ جو سمجھتے تھے کہ قیامت آنے والی نہیں اور اگر آئی تو ہم وہاں بھی آرام سے رہیں گے۔

۲۶۔ کفار بول نہیں سکیں گے: یعنی محشر کے بعض موطن میں بالکل بول نہ سکیں گے اور جن موطن میں بولیں گے وہ نافع نہ ہو گا۔ اس لحاظ  
سے بولنا نہ بولنا برابر ہوا۔

۲۷۔ کیونکہ معذرت اور توبہ کے قبول ہونے کا وقت گزر گیا۔

۲۸۔ یعنی جنہوں نے دنیا کی عدالتوں پر قیاس کر کے سمجھ رکھا ہو گا کہ اگر ایسا موقع پیش آ گیا وہاں بھی زبان چلا کر اور کچھ عذر معذرت کر کے چھوٹ جائیں گے۔

۲۹۔ تاسب کو اکٹھا کر کے پھر الگ الگ کر دیں اور آخری فیصلہ سنائیں۔

۳۰۔ لو! سب کو ہم نے یہاں جمع کر دیا آپس میں مل کر اور مشورے کر کے جو داؤد تدبیر ہماری گرفت سے نکلنے کی کر سکتے ہو کر دیکھو! دنیا میں حق کو دبانے کی بہت تدبیریں کی تھیں۔ آج ان میں سے کوئی یاد کرو۔

۳۱۔ جو دوسروں پر بھروسہ کئے ہوئے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہم کو چھڑالیں گے اور بعض گستاخ تو دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس سن کر یہاں تک کہہ گذرتے تھے کہ ان میں سے سترہ کو میں اکیلا کافی ہوں۔

۳۲۔ یعنی اول عرش کے پھر جنت کے سایوں میں۔

۳۳۔ متیقن کا حال: مذبذب کے مقابل یہ متیقن کا حال بیان فرما دیا کہ الاشیاء تعرف باضدادھا۔

۳۴۔ جو دنیا میں مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے تو وہاں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے۔ اب ان کو عیش میں اور اپنے کو تکلیف میں دیکھ کر اور زیادہ جلیں گے اور ذلیل و رسوا ہوں گے۔

۳۵۔ کچھ روز اور عیش کر لو: یہ خطاب مذبذب کو ہے کہ چند روز اور مزے اڑالو۔ آخر یہ کھایا پیا بہت بری طرح نکلے گا۔ کیونکہ تم اللہ کے مجرم ہو جس کی سزا جس دوام اور عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ گویا کَلُّوا وَتَبْتَغُوا فرمانا ایسا ہو جیسے ایک مجرم کو جس کے لئے پھانسی کا حکم ہو چکا ہو، پھانسی دینے سے قبل کہہ دیتے ہیں کہ کوئی خواہش ہو تو ظاہر کرو تا اس کے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۶۔ جو دنیا کے عیش و بہار اور لذتوں پر ربح رہے تھے، یہ خبر نہ تھی کہ جس چیز کو پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈال رہے ہیں وہ کالا ناگ ہے۔

۳۷۔ یعنی نماز میں یا اللہ کے عام احکام کے سامنے۔

۳۸۔ جھکنے سے انکار کرتے ہیں: اس دن پچھتائیں گے کہ دنیا میں احکام الہی کے سامنے کیوں نہ جھکے۔ وہاں سر جھکاتے تو آج یہاں سر بلند ہوتے۔

۳۹۔ قرآن کے بعد یقین کے لئے کس چیز کا انتظار ہے: یعنی قرآن سے بڑھ کر کامل اور موثر بیان کس کا ہو گا۔ اگر یہ مذبذب اس پر یقین نہیں لاتے تو اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟ کیا قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے منتظر ہیں جو آسمان سے اترے گی؟

تم سورة المرسلات ولله الحمد والمنه وبه التوفيق والعصمة



رکوعاتها ۲

۷۸ سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ ۸۰

آیاتها ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱۔ کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں [۱]
- عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱﴾
- ۲۔ پوچھتے ہیں اُس بڑی خبر سے
- عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۲﴾
- ۳۔ جس میں وہ مختلف ہیں [۲]
- الَّذِي هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾
- ۴۔ ہرگز نہیں اب جان لیں گے
- كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾
- ۵۔ پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے [۳]
- ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾
- ۶۔ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو پچھونا [۴]
- اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًا ﴿۶﴾
- ۷۔ اور پہاڑوں کو میخیں [۵]
- وَ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾
- ۸۔ اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے [۶]
- وَ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾
- ۹۔ اور بنایا زمین کو تمہاری تکیاں دفع کرنے کے لئے [۷]
- وَ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾
- ۱۰۔ اور بنایا رات کو اوڑھنا [۸]
- وَ جَعَلْنَا الْاَيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾
- ۱۱۔ اور بنایا دن کمائی کرنے کو [۹]
- وَ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾
- ۱۲۔ اور جتنی ہم نے تم سے اوپر سات چٹائی مضبوط [۱۰]
- وَ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾
- ۱۳۔ اور بنایا ایک چراغ چمکتا ہوا [۱۱]
- وَ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ﴿۱۳﴾

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ﴿۲۳﴾

۱۳۔ اور اتارا نچڑنے والی بدلیوں سے پانی کا ریلا [۲۳]

لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿۲۴﴾

۱۵۔ تاکہ ہم نکالیں اس سے اناج اور سبزہ

وَجَنَّتِ الْعَاظَاطُ ﴿۲۵﴾

۱۶۔ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے [۲۵]

إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿۲۶﴾

۱۷۔ بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہرا ہوا [۲۶]

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿۲۷﴾

۱۸۔ جس دن پھونکی جائے صور پھر تم چلے آؤ جٹ کے جٹ [۲۷]

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿۲۸﴾

۱۹۔ اور کھولا جائے آسمان تو ہو جائیں اس میں دروازے [۲۸]

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۹﴾

۲۰۔ اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتا ریتا [۲۹]

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۳۰﴾

۲۱۔ بیشک دوزخ ہے تاک میں

لِلطَّاغِيَتِينَ مَابَا ﴿۳۱﴾

۲۲۔ شریروں کا ٹھکانا [۳۱]

لِبَشِيرِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿۳۲﴾

۲۳۔ رہا کریں اُس میں قرونوں [۳۲]

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿۳۳﴾

۲۴۔ نہ چکھیں وہاں کچھ مزا ٹھنڈک کا اور نہ پینا ملے کچھ

إِلَّا حَبِيبًا وَغَسَاقًا ﴿۳۴﴾

۲۵۔ مگر گرم پانی اور بہتی پیپ [۳۴]

جَزَاءً وَفَاظًا ﴿۳۵﴾

۲۶۔ بدلا ہے پورا

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿۳۶﴾

۲۷۔ نہ کو تو توقع نہ تھی حساب کی

وَكَذَّبُوا بِالْآيَاتِ الْكُبْرَىٰ ﴿۳۷﴾

۲۸۔ اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو مکر کر [۳۷]

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾

۲۹۔ اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر [۲۹]

فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾

۳۰۔ اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب [۳۰]

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾

۳۱۔ پیٹک ڈروالوں کو انکی مراد ملنی ہے

حَدَآئِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾

۳۲۔ باغ ہیں اور انگور

وَكُوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾

۳۳۔ اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی سب [۳۳]

وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾

۳۴۔ اور پیالے چھلکتے ہوئے [۳۴]

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذْبًا ﴿٣٥﴾

۳۵۔ نہ سنیں گے وہاں بک بک اور نہ مکرانا [۳۵]

جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

۳۶۔ بدلا ہے تیرے رب کا دیا ہوا حساب سے [۳۶]

رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ لَا

۳۷۔ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے بڑی رحمت والا [۳۸] قدرت نہیں کہ کوئی اُس سے بات کرے [۳۹]

يَبْدُلُكَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْبَلِيَّةُ صَفًّا ﴿٣٨﴾ لَا يَتَكَبَّرُونَ إِلَّا

۳۸۔ جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار باندھ کر [۳۰] کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا رحمن نے اور بولا بات ٹھیک [۳۱]

مَنْ أذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾

۳۹۔ وہ دن ہے برحق پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا [۳۲]

ذَلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ

مَآبًا ﴿٣٩﴾

۴۰۔ ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک آنے والی کی جس دن دیکھ لے گا آدمی جو آگے بھیجا اسکے ہاتھوں نے [۳۳] اور کہے گا فر کسی طرح میں مٹی ہوتا [۳۴]

إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۗ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكُفْرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ

## تَرْبَا

۱۔ یعنی لوگ کس بات کا کھوج لگانے اور کس چیز کی تحقیق و تفتیش میں مشغول ہیں۔ کیا ان میں ایسی استعداد ہے کہ بہت پوچھ پچھ کرنے سے وہ چیز ان کی سمجھ میں آجائے گی؟ ہرگز نہیں۔ یا مطلب ہے کہ کفار جو ازراہ انکار و استہزاء آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر اور مومنین سے سوال کرتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ قیامت کب آئیگی؟ اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ ابھی کیوں نہیں آجاتی؟ جانتے ہو یہ کس چیز کی نسبت سوال کر رہے ہیں؟ وہ بہت عظیم الشان چیز ہے جس کا علم ان کو عنقریب ہو جائیگا، جب اپنی آنکھ سے اُس کے ہولناک مناظر دیکھیں گے۔

۲۔ قیامت پر سوال اور اختلافات: یعنی قیامت کی خبر جس میں لوگوں کا اختلاف ہے، کوئی اُس کے آنے پر یقین رکھتا ہے، کوئی منکر ہے کوئی شک میں پڑا ہے کوئی کہتا ہے بدن اٹھے گا، کوئی کہتا ہے کہ سب عذاب و ثواب رُوح پر گزرے گا بدن سے کچھ تعلق نہیں الی غیر ذلک من الاختلافات۔

۳۔ قیامت کو عنقریب جان لینگے: یعنی پیغمبروں نے ابتداء دنیا سے آج تک بہت کچھ سمجھایا، مگر لوگ اپنے اختلافات اور پوچھ پچھ سے ہرگز ہرگز باز آئیوالے نہیں۔ اب قریب ہے کہ وہ ہولناک منظر ان کے سامنے آجائے اُس وقت جان لیں گے کہ قیامت کیا چیز ہے اور اُن کے سوالات و اختلافات کی حیثیت کیا تھی۔

۴۔ زمین کا بچھونا: جس پر سکون و اطمینان سے آرام کرتے اور کروٹیں بدلتے ہیں۔

۵۔ پہاڑوں کی میخیں: جیسا کسی چیز میں میخ لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی۔ ایسے ہی ابتداء میں زمین جو کانپتی اور لرزتی تھی اللہ نے پہاڑ پیدا کر کے اُس کے اضطراب اور کپکپی کو دور کیا۔ گویا زمین کو ایک طرح کا سکون پہاڑوں سے حاصل ہوا۔

۶۔ مرد و عورت کے جوڑے: یعنی مرد کے سکون و راحت کے لئے عورت کو اس کا جوڑا بنایا وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَیْہَا (روم۔ ۲۱)۔ یا ازواج سے مراد طرح طرح کی اشکال و الوان وغیرہ۔

۷۔ سکون دینے والی نیند: یعنی دن بھر کی دوڑ دھوپ سے تھک کر جب آدمی نیند لیتا ہے تو سب تعب اور تھکان دور ہو جاتا ہے۔ گویا نیند نام ہی سکون و استراحت کا ہے، آگے نیند کی مناسبت سے رات کا ذکر کرتے ہیں۔

۸۔ رات کا لباس: جیسے آدمی کپڑا اوڑھ کر اپنے بدن کو چھپا لیتا ہے۔ اسی طرح رات کی تاریکی مخلوق کی پردہ داری کرتی ہے اور جو کام چھپانے کے لائق ہوں عموماً رات کے اندھیرے میں کیے جاتے ہیں اور حسنی طور پر بھی شب کو کپڑا اوڑھنے کی ضرورت دن سے زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ نسبتاً وہ وقت خشکی اور ٹھنڈک کا ہوتا ہے۔

۹۔ معاش کے لئے دن: یعنی عموماً کاروبار اور کمائی کے دھندے دن میں کیے جاتے ہیں جن کا مقصد یہ ہی ہے کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی حوائج کی طرف سے دل کو سکون و اطمینان نصیب ہو۔ آگے رات دن کی مناسبت سے آسمانوں اور سورج کا ذکر فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ زمین کے مقابل آسمان کا بیان ہے۔

۱۰۔ یعنی سات آسمان بہت مضبوط بنائے جن میں آج تک اس قدر مدت گزرنے کے باوجود کوئی رخنے نہیں پڑا۔

۱۱۔ یعنی آفتاب جس میں روشنی اور گرمی دونوں وصف موجود ہیں۔

۱۲۔ لبریز بادل: بچڑنے والی بدلیاں یا نچوڑنے والی ہوائیں۔

۱۳۔ گھنے باغات: یعنی نہایت گنجان اور گھنے باغ، یا یہ مراد ہو کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کیے (تنبیہ) قدرت کی

عظیم نشانیاں بیان فرما کر بتلادیا کہ جو خدا کی قدرت و حکمت والا ہے کیا اسے تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب و کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہو گا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہو گی کہ اتنے بڑے کارخانہ کو یوں ہی غلط ملط بے نتیجہ پڑا چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہیے اسی کو ہم ”آخرت“ کہتے ہیں۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے، ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔“

۱۴۔ فیصلے کا دن مقرر ہے: (”فیصلے کا دن وہ ہو گا جس میں نیک کو بد سے بالکلیہ الگ کر دیا جائے کہ کسی قسم کا اشتراک و اجتماع باقی نہ رہے۔ ہر نیکی اپنے معدن میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پینچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز و افتراق اس دنیا میں نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین، آسمان، چاند، سورج، رات، دن، سونا جانا، بارش بادل، باغ کھیت، اور بیوی بچے تمام نیکیوں اور بدوں میں مشترک ہیں ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں منتفع ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ”یوم الفصل“ ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کئے جانے کے بعد ہو۔ اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔

۱۵۔ یعنی کثرت سے الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بن کر جن کی تقسیم ان کے ممتاز عقائد و اعمال کی بناء پر ہو گی۔

۱۶۔ آسمان کا کھلنا اور دروازے پیدا ہونا: یعنی آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائیگا گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔ شاید اس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا یَوْمَ تَشْفُقُ السَّمَاءُ بِالنَّعْمَاءِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا (فرقان-۲۵)۔

۱۷۔ پہاڑ سراب بن جائینگے: جیسے چمکتی ریت پر دور سے پانے کا گمان ہو جاتا ہے، ایسے ہی ان پر پہاڑوں کا گمان ہو گا حالانکہ واقع میں وہ پہاڑ نہیں رہینگے، محض ریت کے تودے رہ جائیں گے۔

۱۸۔ دوزخ شریروں کی تاک میں ہے: یعنی دوزخ شریروں کی تاک میں ہے اور ان ہی کا ٹھکانا ہے۔

۱۹۔ جن کا کوئی شمار نہیں۔ قرن پہ قرن گزرتے چلے جائینگے اور ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہو گا۔

۲۰۔ دوزخ میں پینے کے لئے پیپ: یعنی نہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے نہ کوئی خوشگوار چیز پینے کو ملیگی۔ ہاں گرم پانی ملیگا جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ پڑینگی اور دوسری چیز پیپ ملیگی جو دوزخیوں کے زخموں سے نکل کر بہے گی۔ اعاذنا اللہ منہا و من سائر انواع العذاب فی الدنیا والاخرۃ۔

۲۱۔ کفار کو فیصلے کی امید نہ تھی: یعنی جس چیز کی امید ان کو نہ تھی وہ ہی سامنے آئی۔ اور جس بات کو جھٹلاتے تھے آنکھوں سے دیکھ لی اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکرتے ہیں۔

۲۲۔ ہر چیز گنی ہوئی ہے: یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی علم محیط کے موافق دفاتر میں باقاعدہ مندرج ہے کوئی نیک و بد عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ رتی رتی کا بھگتان کیا جائیگا۔

۲۳۔ اب عذاب کے سوا کچھ نہ بڑھے گا: یعنی جیسے تم تکذیب و انکار میں برابر بڑھتے چلے گئے اور اگر بے اختیار موت نہ آجاتی تو ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے۔ اب پڑے عذاب کا مزہ چکھنے رہو، ہم بھی عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے، جس میں کبھی تخفیف نہ ہو گی۔

۲۴۔ متقین پر مختلف انعامات: یعنی نوخاستہ عورتیں جن کی جوانی پورے اُبھار پر ہو گی اور سب ایک ہی سن و سال کی ہو گی۔

۲۵۔ یعنی شراب طہور کے لبریز جام۔

۲۶۔ جنت میں جھوٹ اور لغو نہیں ہو گا: یعنی جنت میں بیہودہ بکواس یا جھوٹ فریب کچھ نہ ہو گا۔ نہ کوئی کسی سے جھگڑیگا کہ جھوٹ بولنے اور مکر نے کی ضرورت پیش آئے۔

۲۷۔ یعنی رتی رتی کا حساب ہو کر بدلہ ملیگا اور بہت کافی بدلہ ملیگا۔

۲۸۔ یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت سے ہے ورنہ ظاہر ہے اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں۔ آدمی اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچ جائے یہ ہی مشکل ہے۔ رہی جنت، وہ تو خالص اس کے فضل و رحمت سے ملتی ہے اس کو ہمارے عمل کا بدلہ قرار دینا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔

۲۹۔ اللہ کی عظمت و جلال: یعنی باوجود اس قدر لطف و رحمت کے عظمت و جلال ایسا ہے کہ کوئی اسکے سامنے لب نہیں ہلا سکتا۔

۳۰۔ رُوح اور فرشتوں کی قطار: روح فرمایا جانداروں کو یا ”روح القدس“ (جبریل) مراد ہوں اور بعض مفسرین کے نزدیک وہ رُوح اعظم مراد ہے جس سے بیشمار روحوں کا انشعاب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۔ یعنی اس کے دربار میں جو بولے گا اس کے حکم سے بولے گا اور بات بھی وہ ہے کہے گا جو ٹھیک اور معقول ہو مثلاً کسی غیر مستحق کی سفارش نہ کرے گا۔ مستحق سفارش کے وہ ہی ہیں جنہوں نے دنیا میں سب باتوں سے زیادہ سچی اور ٹھیک بات کہی تھی یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

۳۲۔ یعنی وہ دن آنا تو ضروری ہے۔ اب جو کوئی اپنی بہتری چاہے اس وقت کی تیاری کر رکھے۔

۳۳۔ یعنی سب اچھے برے۔ اگلے پچھلے اعمال سامنے ہونگے۔

۳۴۔ کافر کہے گا میں مٹی ہوتا: یعنی مٹی ہی رہتا، آدمی نہ بنتا، کہ آدمی بن کر ہی اس حساب و کتاب کی مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا۔

تم سورۃ النبا

رکوعاتها ۲

۹۹ سُورَةُ النَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱

آیاتها ۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی غوطہ لگا کر [۱]

۲۔ اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر [۲]

۳۔ اور تیرنے والوں کی تیزی سے

۴۔ پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر [۳]

۵۔ پھر کام بنانے والوں کی حکم سے [۴]

۶۔ جس دن کانپنے کانپنے والی [۵]

۷۔ اُسکے پیچھے آئے دوسری [۶]

۸۔ کتنے دل اُس دن دھڑکتے ہیں

۹۔ اُنکی آنکھیں جھک رہی ہیں [۷]

۱۰۔ لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھر آئیں گے اٹلے پاؤں

۱۱۔ کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں کھوکھری

۱۲۔ بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا [۸]

۱۳۔ سو وہ تو صرف ایک جھڑکی ہے

وَالنُّزْعَاتِ غَرَقًا ۱

وَالنُّشِطَاتِ نَشْطًا ۲

وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا ۳

فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا ۴

فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ۵

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۶

تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ۷

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۸

أَبْصَارُهَا خَاسِفَةٌ ۹

يَقُولُونَ عَرَانَا لَبَرْدٌ وُدُونِ فِي الْحَافِرَةِ ۱۰

عَ إِذِ الْكُنَّاعِظَمَانِخِرَةٌ ۱۱

قَالُوا تِلْكَ إِذْ أَكَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۱۲

فَإِنبَاهِي زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۱۳

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٣﴾

۱۳۔ پھر تجھی وہ آرہیں میدان میں [۹]

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ﴿١٥﴾

۱۵۔ کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی [۱۰]

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾

۱۶۔ جب پکارا اُس کو اُسکے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طوی ہے [۱۱]

إِذْ هَبُّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿١٧﴾

۱۷۔ جافر عون کے پاس اُس نے سراٹھایا

فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزُولَىٰ ﴿١٨﴾

۱۸۔ پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے

وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾

۱۹۔ اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو [۱۲]

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ پھر دکھلائی اُسکو وہ بڑی نشانی [۱۳]

فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿٢١﴾

۲۱۔ پھر جھٹلایا اُس نے اور نہ مانا

ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا [۱۴]

فَحَشَا فَنَادَىٰ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ پھر سبکو جمع کیا پھر پکارا

فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ تو کہا میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر [۱۵]

فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْأَخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾

۲۵۔ پھر پکڑا اُسکو اللہ نے سزا میں آخرت کی اور دنیا کی [۱۶]

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ بیشک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے [۱۷]

ءَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّيِّئُ طَبْعًا ﴿٢٧﴾

۲۷۔ کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا [۱۸] اُس نے اُسکو بنالیا

رَفَعَ سَبْكَهَا فَسَوَّبَهَا ﴿٢٨﴾

۲۸۔ اونچا کیا اس کا ابھار پھر اُسکو برابر کیا



وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿٢٩﴾

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ﴿٣٠﴾

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَهَا ﴿٣١﴾

وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾

مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَى ﴿٣٤﴾

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَى ﴿٣٥﴾

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَى ﴿٣٦﴾

فَأَمَّا مَنْ طَغَى ﴿٣٧﴾

وَأَثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾

فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْبَاوَى ﴿٣٩﴾

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ

الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾

فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْبَاوَى ﴿٤١﴾

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴿٤٢﴾

۲۹۔ اور اندھیری کی رات اُسکی اور کھول نکالی اُسکی دھوپ [۲۹]

۳۰۔ اور زمین کو اُسکے پیچھے صاف بچھا دیا [۳۰]

۳۱۔ باہر نکالا زمین سے اُس کا پانی اور چارا [۳۱]

۳۲۔ اور پہاڑوں کو قائم کر دیا [۳۲]

۳۳۔ کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے [۳۳]

۳۴۔ پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ

۳۵۔ جس دن کہ یاد کرے گا آدمی جو اُس نے کمایا

۳۶۔ اور نکال ظاہر کر دیں دوزخ کو جو چاہے دیکھے [۳۶]

۳۷۔ سو جس نے کی ہو شرارت

۳۸۔ اور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا [۳۸]

۳۹۔ سو دوزخ ہی ہے اُس کا ٹھکانہ

۴۰۔ اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اُس نے جی کو خواہش سے

۴۱۔ سو بہشت ہے اُس کا ٹھکانہ [۴۱]

۴۲۔ تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہو گا قیام اُس کا [۴۲]

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۝۳۳

۳۳۔ تجھ کو کیا کام اُسکے ذکر سے

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝۳۴

۳۴۔ تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اُسکی [۲۸]

اِنَّا اَنْتَ مُنْذِرٌ مِّنْ يَّخْشٰهَا ۝۳۵

۳۵۔ تو تو ڈر سنانے کے واسطے ہے اس کو جو اُس سے ڈرتا ہے [۲۹]

كَانْتُمْ يَوْمَ يَرُوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ

۳۶۔ ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اُسکو کہ نہیں

ٹھہرے تھے دنیا میں مگر ایک شام یا صبح اُسکی [۳۰]

صُحْحًا ۝۳۶

۱۔ رُوح گھیننے والے فرشتے: یعنی ان فرشتوں کی قسم جو کافر کی رگوں میں گھس کر اس کی جان سختی سے گھیٹ کر نکالیں۔

۲۔ نیکوں کی رُوح کا بند کھولنے والے: یعنی جو فرشتے مؤمن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیں، پھر وہ اپنی خوشی سے عالم پاک کی طرف دوڑے جیسے کسی کے بند کھول دیے جائیں تو آزاد ہو کر بھاگتا ہے۔ مگر یاد رہے یہ ذکر رُوح کا ہے بدن کا نہیں، نیک خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے، بد بھاگتا ہے، پھر گھیٹا جاتا ہے۔

۳۔ خُلاؤں میں تیرنے والے فرشتے: یعنی جو فرشتے رُوحوں کو لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس سرعت و سہولت سے چلتے ہیں گویا بے روک ٹوک پانی پر تیر رہے ہیں۔ پھر ان ارواح کے باب میں جو خدا کا حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لئے تیزی کے ساتھ دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

۴۔ کاموں کی تدبیر کرنے والے فرشتے: یعنی اس کے بعد ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا دونوں امروں میں سے ہر امر کی تدبیر و انتظام کرتے ہیں یا مطلقاً وہ فرشتے مراد ہوں جو عالم تکوین کی تدبیر و انتظام پر مسلط ہیں۔ والظاہر ہو الاول النزعت وَالنَّشِطَاتِ وَغَيْرِهِ كِتَابِ التَّعْيِيْنِ

میں بہت اقوال ہیں۔ ہم نے مترجم مذاق پر تقریر کر دی۔

۵۔ یعنی زمین میں بھونچال آئے پہلی دفعہ صور پھونکنے سے۔

۶۔ قیامت کے بھونچال: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی لگا تار یکے بعد دیگرے، بھونچال چلے آئیں اور اکثر مفسرین نے "رادفہ" سے صور کا دوسرا نسخہ مراد لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۔ دھڑکنے والے دل اور جھکی آنکھیں: یعنی اضطراب اور گھبراہٹ سے دل دھڑکتے ہوئے اور ذلت و ندامت کے مارے آنکھیں جھک رہی ہوں گی۔

۸۔ دوسری زندگی پر کفار کا استہزاء: یعنی قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم اٹنے پاؤں زندگی کی طرف واپس کیے جائیں گے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ کھوکھری ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائیگی۔ ایسا ہوا تو یہ صورت ہمارے لئے بڑے ٹوٹے اور خسارہ کی ہوگی۔ کیونکہ ہم نے اس زندگی کے لئے کوئی سامان نہیں کیا" یہ تمسخر سے کہتے تھے یعنی مسلمان ہماری نسبت ایسا سمجھتے ہیں حالانکہ وہاں مرنے کے بعد سرے سے دوسری زندگی ہی نہیں نقصان اور خسارہ کا کیا ذکر۔

۹۔ معمولی جھڑکی سے سب جمع ہو جائیں گے: یعنی یہ لوگ اسے بہت مشکل کام سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے ہاں یہ سب کام دم بھر میں ہو جائینگے جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا اسی وقت بلا توقف سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔ آگے اُس کی ایک مختصر

سی جھڑکی اور معمولی سی ڈانٹ کا ذکر کیا جاتا ہے جو دنیا میں ایک بڑے متکبر کو دی گئی تھی۔ یایوں کہیے کہ ان منکرین کو سنایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے بڑے زبردست منکروں کا کیا حشر ہوا۔

۱۰۔ یہ قصہ کئی جگہ مفصل گزر چکا۔

۱۱۔ یعنی کوہ طور کے پاس۔

۱۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا پکارنا اور فرعون کی اصلاح کا حکم: یعنی اگر تجھے سنورنے کی خواہش ہو تو میں اللہ کے حکم سے سنوار سکتا ہوں اور ایسی راہ بتا سکتا ہوں جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی کامل معرفت جم جائے کیونکہ خوف کا ہونا بدون کمال معرفت کے متصور نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی۔ محض بنی اسرائیل کو قید سے چھڑانا ہی نہ تھا۔

۱۳۔ فرعون کو تبلیغ: یعنی وہاں پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس پر حجت تمام کرنے کے لئے وہ سب سے بڑا معجزہ عصا کے اڑدہا بننے کا دکھلایا۔

۱۴۔ فرعون کی تکذیب اور ساحروں کی تلاش: یعنی وہ ملعون ماننے والا کہاں تھا۔ اس فکر میں چلا کہ لوگوں کو جمع کرے اور جادو گروں کو تلاش کر کے بلوائے کہ وہ موسیٰ کے معجزات کا مقابلہ کریں۔

۱۵۔ خدائی کا دعویٰ: یعنی سب سے بڑا رب تو میں ہوں۔ یہ موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے۔

۱۶۔ یعنی یہاں پانی میں ڈوبا، وہاں آگ میں جلے گا۔

۱۷۔ اس قصہ میں عبرت: یعنی اس قصہ میں بہت سی باتیں سوچنے اور عبرت پکڑنے کی ہیں بشرطیکہ آدمی کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو۔ (ربط) موسیٰ اور فرعون کا قصہ درمیان میں استطراد آگیا تھا۔ آگے پھر اسی مضمون قیامت کی طرف عود کرتے ہیں۔

۱۸۔ دوسری زندگی پر شبہ کیوں ہے: یعنی تمہارا پیدا کرنا (اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد) آسمان وزمین اور پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں۔ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں کا خالق اس کو مانتے ہو، پھر اپنی دوبارہ پیدائش میں کیوں تردد ہے۔

۱۹۔ آسمان کو دیکھو: یعنی آسمان کو خیال کرو، کس قدر اونچا، کتنا مضبوط، کیسا صاف، ہموار اور کس درجہ مرتب و منظم ہے کس قدر زبردست انتظام اور باقاعدگی کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ رات کی اندھیرے میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں ایک دوسری ہی شان نظر آتی ہے۔

۲۰۔ آسمان کے بعد زمین: آسمان اور زمین میں پہلے کون پیدا کیا گیا؟ اس کے متعلق ہم پیشتر کسی جگہ کلام کر چکے ہیں غالباً سورہ "فصلت" میں (تنبیہ) "دجی" کے معنی راغب نے کسی چیز کو اس کے مقرر (جائے قرار) سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں۔ تو شاید اس لفظ میں ادھر اشارہ ہو جو آج کل کی تحقیق ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے جرم سماوی کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ یعنی دریا اور چشمے جاری کیے۔ پھر پانی سے سبزہ پیدا کیا۔

۲۲۔ پہاڑوں کا قیام: یعنی جو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے اور زمین کو بھی بعض خاص قسم کے اضطرابات سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔

۲۳۔ انسانوں اور جانوروں کے لئے منافع: یعنی یہ انتظام نہ ہو تو تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے۔ ان تمام اشیاء کا پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے ہے۔ چاہئے کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے رہو۔ اور سمجھو کہ جس قادر مطلق اور حکیم برحق نے ایسے زبردست انتظامات کیے ہیں کیا وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں روح نہیں پھونک سکتا۔ لازم ہے کہ آدمی اس کی قدرت کا اقرار کرے اور اس کی نعمتوں کی شکر گزاری میں لگے۔ ورنہ جب وہ بڑا ہنگامہ قیامت کا آئیگا اور سب کیا کرایا سامنے ہوگا۔ سخت بچھتا نا پڑیگا۔

۲۴۔ دوزخ منظر عام پر: یعنی دوزخ کو اس طرح منظر عام پر لائیں گے کہ ہر دیکھنے والا دیکھ سکیگا۔ کوئی آڑ پہاڑ درمیان میں حاصل نہ رہیگا۔

- ۲۵۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے: یعنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اسے بہتر سمجھ کر اختیار کیا اور اسے بھلا دیا۔
- ۲۶۔ جنت کن لوگوں کا ٹھکانہ ہے: یعنی جو اس بات کا خیال کر کے ڈرا کہ مجھے ایک روز اللہ کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے اور اسی ڈر سے اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلا۔ بلکہ اسے روک کر اپنے قابو میں رکھا اور احکام الہی کے تابع بنایا تو اس کا ٹھکانا بہشت کے سوا کہیں نہیں۔
- ۲۷۔ یعنی آخر وہ گھڑی کب آئیگی اور قیامت کب قائم ہوگی۔
- ۲۸۔ یعنی اس کا وقت ٹھیک متعین کر کے بتلانا آپ کا کام نہیں کتنے ہی سوال جواب کرو۔ آخر کار اس کا علم خدا ہی پر حوالہ کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”پوچھتے پوچھتے اسی تک پہنچنا ہے پیچھے سب بے خبر ہیں۔“
- ۲۹۔ تمہارا کام ڈر سنانا ہے: یعنی آپ کا کام قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرا دینا ہے۔ اب جس کے دل میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ خوف ہو گا یا خوف آخرت کی استعداد ہوگی وہ سن کر ڈریگا اور ڈر کر تیاری کریگا۔ گویا آپ کا ڈرانا نتیجے کے اعتبار سے صرف ان ہی لوگوں کے حق میں ہوا جو اس سے منتفع ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں ورنہ نااہل لوگ تو انجام سے غافل ہو کر ان ہی فضول بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں کہ قیامت کس تاریخ کس دن کس سنہ میں آئیگی؟
- ۳۰۔ دنیا کی زندگی ایک صبح یا ایک شام کے برابر معلوم ہوگی: یعنی اب تو شور مچا رہے ہیں کہ قیامت کے آنے میں دیر کیوں ہے جلد کیوں نہیں آجاتی۔ مگر اس وقت معلوم ہو گا کہ بہت جلد آئی بیچ میں دیر کچھ نہیں لگی۔

تم سورۃ النزعت

رکوعها ۱

۸۰ سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۲

آیاتها ۲۲

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ تیوری چڑھائی اور منہ موڑھا

عَبَسَ وَتَوَلَّى ﴿۱﴾

۲۔ اس بات سے کہ آیا اسکے پاس اندھا

أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ﴿۲﴾

۳۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى ﴿۳﴾

۴۔ یا سوچتا تو کام آتا اسکے سمجھانا

أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَى ﴿۴﴾

۵۔ وہ جو پروا نہیں کرتا

أَمَّا مَنْ اسْتَغْنَى ﴿۵﴾

۶۔ سو تو اسکی فکر میں ہے

فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ﴿۶﴾

۷۔ تو تجھ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ نہیں درست ہوتا

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّى ﴿۷﴾

۸۔ اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا

وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى ﴿۸﴾

۹۔ اور ہوڑتا ہے

وَهُوَ يَخْشَى ﴿۹﴾

۱۰۔ سو تو اُس سے تغافل کرتا ہے

فَأَنْتَ عَنْهُ تَدَلَّى ﴿۱۰﴾

۱۱۔ یوں نہیں یہ تو نصیحت ہے

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ پھر جو کوئی چاہے اسکو پڑھے

فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ لکھا ہے عزت کے درقوں میں

فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ﴿۱۳﴾

مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٣﴾

۱۳۔ اونچے رکھے ہوئے نہایت ستھرے [۸]

بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ﴿١٤﴾

۱۴۔ ہاتھوں میں لکھنے والوں کے

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٥﴾

۱۵۔ جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں [۹]

قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرَهُ ﴿١٦﴾

۱۶۔ مارا جائیو آدمی کیسنا شکر ہے [۱۰]

مِنْ أَمِي شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿١٧﴾

۱۷۔ کس چیز سے بنایا اُسکو

مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ﴿١٨﴾

۱۸۔ ایک بوند سے [۱۱] بنایا اُسکو پھر اندازہ پر رکھا اُسکو [۱۲]

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ پھر راہ آسان کر دی اُسکو [۱۳]

ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾

۲۱۔ پھر اُسکو مردہ کیا پھر قبر میں رکھو ادا یا اُسکو [۱۴]

ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ پھر جب چاہا اٹھا نکالا اُسکو [۱۵]

كَلَّا لَبَّأَيْقُضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ ہر گز نہیں پورا نہ کیا جو اُسکو فرمایا [۱۶]

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ اب دیکھ لے آدمی اپنے کھانے کو [۱۷]

أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾

۲۵۔ کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا ہوا

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾

۲۶۔ پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر [۱۸]

فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾

۲۷۔ پھر اگایا اُس میں اناج

وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾

۲۸۔ اور انگور اور ترکاری

وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾

۲۹۔ اور زیتون اور کھجوریں

وَ حَدَآئِقٍ غُلْبًا ﴿٣٠﴾

۳۰۔ اور گھن کے باغ

وَ فَاكِهَةً وَّ اَبًا ﴿٣١﴾

۳۱۔ اور میوہ اور گھاس

مَتَاعًا لَّكُمْ وَاِلٰنَعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

۳۲۔ کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے [۱۹]

فَاِذَا جَاءَتِ الصَّآخَةُ ﴿٣٣﴾

۳۳۔ پھر جب آئے وہ کان پھوڑنے والی [۲۰]

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيهِ ﴿٣٤﴾

۳۴۔ جس دن کے بھاگے مرد اپنے بھائی سے

وَاُمِّهِ وَاَبِيهِ ﴿٣٥﴾

۳۵۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے

وَصٰحِبَّتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾

۳۶۔ اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے بیٹوں سے

لِكُلِّ اَمْرٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

۳۷۔ ہر مرد کو ان میں سے اُس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اُسکے لئے کافی ہے [۲۱]

وَجُوَّةٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾

۳۸۔ کتنے منہ اُس دن روشن ہیں

صٰحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾

۳۹۔ ہنستے خوشیاں کرتے [۲۲]

وَوَجُوَّةٌ يَّوْمَئِذٍ عَلِيَّهَا غَبْرَةٌ ﴿٤٠﴾

۴۰۔ اور کتنے منہ اُس دن اُن پر گرد پڑی ہے

تَرَاهُمَا قَتْرَةٌ ﴿٤١﴾

۴۱۔ چڑھی آتی ہے اُن پر سیاہی [۲۳]

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرَةُ الْفَجْرَةُ ﴿٤٢﴾

۴۲۔ یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ [۲۴]

۱۔ سورۃ عبس کے نزول کا واقعہ: آنحضرت ﷺ بعض سردارانِ قریش کو مذہبِ اسلام کے متعلق کچھ سمجھا رہے تھے۔ اتنے میں ایک نابینا مسلمان (جن کو ابنِ اُمِ مکتوم کہتے ہیں) حاضر خدمت ہوئے اور اپنی طرف متوجہ کرنے لگے کہ فلاں آیت کیونکر ہے یا رسول اللہ مجھے اُس میں سے کچھ سکھائیے جو اللہ نے آپ کو سکھلایا ہے۔ حضرت کو ان کا بے وقت کا پوچھنا گراں گزرا۔ آپ کو خیال ہوا ہو گا کہ میں ایک بڑے اہم کام

میں مشغول ہوں قریش کے یہ بڑے بڑے سردار اگر ٹھیک سمجھ کر اسلام لے آئیں تو بہت لوگوں کے مسلمان ہونے کی توقع ہے۔  
حضرت ابن ام مکتومؓ: ابن ام مکتومؓ بہر حال مسلمان ہے اس کو سمجھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے ہزار مواقع حاصل ہیں، اس کو دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس ایسے بااثر اور بارسوخ لوگ بیٹھے ہیں جن کو اگر ہدایت ہو جائے تو ہزاروں اشخاص ہدایت پر آسکتے ہیں، میں ان کو سمجھا رہا ہوں، یہ اپنی کہتا چلا جاتا ہے۔ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اگر ان لوگوں کی طرف سے ہٹ کر گوشہ التفات اس کی طرف کروں گا تو ان لوگوں پر کس قدر شاق ہو گا۔ شاید پھر وہ میری بات سننا بھی پسند نہ کریں۔ غرض آپ منقبض ہوئے اور انقباض کے آثار چہرے پر ظاہر ہونے لگے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ نابینا آپ کی خدمت میں آئے، آپ بہت تعظیم و تکریم سے پیش آتے اور فرماتے مَرْحَبًا بِبَنِي عَاتِبِنِي فِيهِ رَبِّي۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صیغہ غائب میں عتاب: یعنی پیغمبر ﷺ نے ایک اندھے کے آنے پر چلیں بچیں ہو کر منہ پھیر لیا۔ حالانکہ اس کو اندھے کی معذوری، شکستہ حالی، اور طلب صادق کا لحاظ زیادہ کرنا چاہیے تھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یہ کلام گویا اوروں کے سامنے لگہ ہے رسول کا (اسی لئے بصیغہ غائب ذکر کیا) آگے خود رسول کو خطاب فرمایا ہے۔“ اور محققین کہتے ہیں کہ یہ غایت تکرّم و استحياء متکلم کا، اور غایت کرامت مخاطب کی ہے کہ عتاب کے وقت بھی رُو در رُو اس امر کی نسبت آپ کی طرف نہیں فرمائی اور آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لئے اختیار کیا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو۔ نیز وہ مضمون پہلے مضمون سے ہلکا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ حضرت ابن ام مکتومؓ کا ذکر خیر: یعنی وہ اندھا طالب صادق تھا۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا اور اس کا نفس مزکی ہو جاتا۔ یا تمہاری کوئی بات کان میں پڑتی، اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا اور آخر وہ بات کسی وقت اسکے کام آجاتی۔

۴۔ کسی کے ایمان نہ لانے کے آپ ذمہ دار نہیں: یعنی جو لوگ اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ و رسول کے سامنے جھکیں۔ آپ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ تاکہ ان کے اسلام کا اثر دوسروں پر پڑے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے۔ آپ کا فرض دعوت و تبلیغ کا تھا، وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں۔ آگے ان لا پروا متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں۔ یا معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب ﷺ کی توجہ امیروں اور تو نگروں کی طرف زیادہ ہے۔ شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں۔ اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو ضرر دعوت اسلام کے کام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے جس کی ان چند متکبرین کے مسلمان ہونے سے توقع کی جاسکتی ہے۔

۵۔ حضرت ابن ام مکتومؓ کا شوق علم اور خشیت: یعنی اللہ سے ڈرتا ہے یا ڈر لگا ہے کہ آپ کی ملاقات میسر ہو یا نہ ہو، پھر اندھا ہے کوئی پکڑنے والا نہیں۔ اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی چیز سے ٹکرا جائے یا یہ سمجھ کر کہ آپ کے پاس جا رہا ہے دشمن ستانے لگیں۔

۶۔ جنگ قادسیہ میں ان صحابیؓ کی شہادت: حالانکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ ہدایت سے منتفع ہوں گے اور اسلام کے کام آئیں گے، کہتے ہیں کہ یہ ہی نابینا بزرگ زرہ پنے اور جھنڈا ہاتھ میں لئے جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔  
۷۔ جو چاہے اس نصیحت کو پڑھے: یعنی متکبر اغنیاء اگر قرآن کو نہ پڑھیں اور اس نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی برا کریں گے۔ قرآن کو ان کی کچھ پروا نہیں۔ نہ آپ کو اس درجہ ان کے درپے ہونے کی ضرورت ہے ایک عام نصیحت تھی سو کر دی گی جو اپنا فائدہ چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے۔  
۸۔ قرآن کی عزت و وقعت: یعنی کیا ان مغرور سر پھروں کے ماننے سے قرآن کی عزت و وقعت ہو گی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و



احترام اور تقدیس و تطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔

۹۔ یعنی وہاں فرشتے اس کو لکھتے ہیں اسی کے موافق وحی اترتی ہے اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے اور جمع کر نیوالے دنیا کے بزرگ ترین پاکباز نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے اس کو پاک رکھا ہے۔

۱۰۔ انسان کیسنا شکر ہے: یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ کا حق کچھ نہ پہچانا۔

۱۱۔ انسان کا اصل عروج اور زوال: یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ وہ پیدا کس چیز سے ہوا ہے؟ ایک ناچیز اور بے قدر قطرہ آب سے جس میں حس و شعور، حسن و جمال اور عقل و ادراک کچھ نہ تھا۔ سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا جس کی حقیقت گل اتنی ہو کیا اسے یہ طمطراق زیبا ہے کہ خالق و منعم حقیقی ایسی عظیم الشان نصیحت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پروا نہ کرے۔ او احسان فراموش کچھ تو شرمایا ہوتا۔

۱۲۔ یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء و قویٰ ایک خاص اسلوب اور انداز سے رکھے۔ کوئی چیز یونہی بے تکی اور بے ڈھنگی خلاف حکمت نہیں رکھ دی۔

۱۳۔ انسان کی راہ آسان کر دی: یعنی ایمان و کفر اور بھلے برے کی سمجھ دی یا ماں کے پیٹ میں سے نکالا آسانی سے۔

۱۴۔ یعنی مرنے کے بعد اس کی لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت کر دی۔ تاکہ زندوں کے سامنے یونہی بے حرمت نہ ہو۔

۱۵۔ دوبارہ زندگی: یعنی جس نے ایک مرتبہ جلایا اور مارا۔ اسی کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے۔ کیونکہ اس کی قدرت اب کسی نے سلب نہیں کر لی (العیاذ باللہ) بہر حال پیدا کر کے دنیا میں لانا، پھر مار کر برزخ میں بجانا، پھر زندہ کر کے میدانِ حشر میں کھڑا کر دینا، یہ امور جس کے قبضہ میں ہوئے کیا اس کی نصیحت سے اعراض و انکار اور اس کی نعمتوں کا استحقاق کسی آدمی کے لئے زیبا ہے۔

۱۶۔ انسان نے مالک کا حق نہیں پہچانا: یعنی انسان نے ہر گز اپنے مالک کا حق نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا (تنبیہ) ابن کثیرؒ نے کَلَّا لَبَّأْ يَفْقُصُ مَا أَمَرَكَ كَوْثَمٌ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ سے متعلق رکھا ہے۔ یعنی جب چاہیگا، زندہ کر کے اٹھائیگا۔ ابھی ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو حکم کوئی و قدری ہے وہ ابھی تک اس نے ختم نہیں کیا۔

۱۷۔ انسان کی زندگی کے اسباب و سامان: پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔ اب اُس زندگی اور بقاء کے سامان یاد دلاتے ہیں۔

۱۸۔ زمین کو پھاڑ کر کوئیل کا نکلتا: یعنی ایک گھاس کے تنکے کی کیا طاقت تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا یہ قدرت کا ہاتھ ہے جو زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، پھل اور سبزے، ترکاریاں وغیرہ باہر نکالتا ہے۔

۱۹۔ یعنی بعض چیزیں تمہارے کام آتی ہیں اور بعض تمہارے جانوروں کے۔

۲۰۔ صور کی کان پھاڑنے والی آواز: یعنی ایسی سخت آواز جس سے کان بہرے ہو جائیں۔ اُس سے مراد نفعِ صور کی آواز ہے۔

۲۱۔ اس دن ہر شخص اپنی ہی فکر میں ہو گا: یعنی اُس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہو گی، احباب و اقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میری نیکیوں میں سے نہ مانگنے لگے یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے ایک دوسرے سے بھاگے گا۔

۲۲۔ مؤمنین کے چہروں پر روشنی اور خوشی: یعنی مؤمنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور غایت مسرت سے خنداں و فرحاں ہوں گے۔

۲۳۔ کافروں کے چہروں پر سیاہی اور کدورت: یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہو گی اور اوپر سے فسق و فجور کی ظلمت اور زیادہ تیرہ و تاریک کر دیگی۔

۲۴۔ یعنی کافر بے حیا کو کتنا ہی سمجھاؤ ذرا نہ چسبیں۔ نہ خدا سے ڈریں، نہ مخلوق سے شرمائیں۔ تم سورۃ عبس

آیاتھا ۲۹

## ۸۱ سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ

رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱۔ جب سورج کی دھوپ تہہ ہو جائے [۱]
- ۲۔ اور جب تارے میلے ہو جائیں [۲]
- ۳۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں [۳]
- ۴۔ اور جب بیاتی اونٹنیاں چھٹی پھریں [۴]
- ۵۔ اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے [۵]
- ۶۔ اور جب دریا جھونکے جائیں [۶]
- ۷۔ اور جب جیوں کے جوڑے باندھے جائیں [۷]
- ۸۔ اور جب بیٹی جیتی گاڑدی گئی کو پوچھیں
- ۹۔ کہ کس گناہ پر وہ ماری گئی [۸]
- ۱۰۔ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں
- ۱۱۔ اور جب آسمان کا پوست اتار لیں [۹]
- ۱۲۔ اور جب دوزخ دہکائی جائے
- ۱۳۔ اور جب بہشت پاس لائی جائے [۱۰]

وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾

وَإِذَا الْعُشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾

وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيِّدَتْ ﴿۸﴾

بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْفِتْ ﴿۱۳﴾

عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ ﴿۲۳﴾

۱۴۔ جان لے گا ہر ایک جی جو لے کر آیا ﴿۲۳﴾

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنْصِ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والوں

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ سیدھے چلنے دیک جانے والوں کی ﴿۱۶﴾

وَالْيَلِ إِذَا عَسَّسَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور رات کی جب پھیل جائے ﴿۱۷﴾

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور صبح کی جب دم بھرے ﴿۱۸﴾

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا

مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ سب کا مانا ہوا ہاں کا معتبر ﴿۲۱﴾

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِبَجُنُونٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں ﴿۲۲﴾

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْبَيْنِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اس نے دیکھا ہے اُس فرشتہ کو آسمان کے کھلے کنارہ کے پاس ﴿۲۳﴾

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں ﴿۲۴﴾

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور یہ کہا ہوا نہیں کسی شیطان مردود کا ﴿۲۵﴾

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو ﴿۲۶﴾

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ یہ تو ایک نصیحت ہے جہاں بھر کے واسطے ﴿۲۷﴾

لَبَنٍ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے ﴿۲۸﴾

۲۹۔ اور تم جیسی چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہان کا مالک [۳۳]

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾

۱۔ سورج کی روشنی تمہے ہو جائیگی: گویا اس کی لمبی شعاعیں جن سے دھوپ پھیلتی ہے لپیٹ کر رکھ دی جائیں اور آفتاب بے نور ہو کر نیپیر کی چکتی کی مانند رہ جائے یا بالکل نہ رہے۔

۲۔ ستارے ٹوٹ جائیں گے: یعنی تارے ٹوٹ کر گر پڑیں اور ان کا نور زائل ہو جائے۔

۳۔ یعنی ہوا میں اڑتے پھریں۔

۴۔ قیمتی اُونٹنیاں لاوارث پھریں گی: یعنی اونٹ عرب کا بہترین مال ہے اور دس مہینے کی گابھن اونٹنی جو بیانیے کے قریب ہو، دودھ اور بچے کی توقع پر بہت زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ لیکن قیامت کے ہولناک زلازل کے وقت ایسے نفس و عزیز مال کو کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہو گا کہ ایسے بڑھیا مال کی خبر گیری کرے باقی یہ کہنا کہ ریل نکل جانے کی وجہ سے اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی، محض ظرافت ہے۔

۵۔ جانور رُل مل جائیں گے: یعنی جنگل کے وحشی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھاگتے ہیں مضطرب ہو کر شہر میں آگھسیں اور پالتو جانوروں میں طجائیں جیسا کہ اکثر خوف کے وقت دیکھا گیا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے لنگا جمن میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ وغیرہ بھی لپٹ رہے ہیں ایک دوسرے سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ نفسی نفسی پڑی ہوئی ہے بلکہ زیادہ سردی کے زمانہ میں بعض درندے جنگل سے شہر میں گھس آتے ہیں۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے حُشْرٰث کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۶۔ سمندر آگ کی طرح جھونکے جائیگی: یعنی سمندروں کا پانی گرم ہو کر دھواں اور آگ بن جائے جو نہایت گرم ہو کر محشر میں کافروں کو دُکھ پہنچائے اور تنور کی طرح جھونکنے سے اُبلے۔

۷۔ انسانوں کے مختلف جوڑے اور جماعتیں: یعنی کافر کافر کے اور مسلم مسلم کے ساتھ۔ پھر ہر قسم کا نیک یا بد عمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنے والوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور عقائد، اعمال، اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے الگ جماعتیں بنا دی جائیں یا یہ مطلب ہے کہ رُحُوں کو جسموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔

۸۔ بیٹیوں پر ظلم کا سوال ہو گا: عرب میں رسم تھی کہ باپ اپنی بیٹی کو نہایت سنگدلی اور بے رحمی سے زندہ زمین میں گاڑ دیتا تھا، بعض تو تنگدستی اور شادی بیاہ کے اخراجات کے خوف سے یہ کام کرتے تھے اور بعض کو یہ عار تھی کہ ہم اپنی بیٹی کسی کو دیں گے وہ ہمارا دامد کہلائے گا۔ قرآن نے آگاہ کیا کہ ان مظلوم بچیوں کی نسبت بھی سوال ہو گا کہ کس گناہ پر ان کو قتل کیا تھا۔ یہ مت سمجھنا کہ ہماری اولاد ہے اس میں ہم جو چاہیں تصرف کریں۔ بلکہ اولاد ہونے کی وجہ سے جرم اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔

۹۔ آسمان کا پوست اُتاراجایگا: جیسے جانور کا بعد ذبح کے پوست اُتار لیتے ہیں اس سے تمام اعضاء اور رگ ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اوپر کی چیزیں نظر آئیں گی اور غمام کا نزول ہو گا۔ جس کا ذکر انیسویں پارہ میں آیت یَوْمَ تَشَقُّقُ السَّمَاوَاتُ بِالنَّعْمَامِ (فرقان-۲۵) الخ سے ہوا ہے۔

۱۰۔ دوزخ دہکائی جائیگی: اور جنت قریب لائی جائیگی: یعنی دوزخ بڑے زور شور کے ساتھ دہکائی جائے اور بہشت متقیوں کے نزدیک کر دی جائے جس کی رونق و بہار دیکھنے سے عجیب مسرت و فرحت حاصل ہو۔

۱۱۔ ہر آدمی اپنا عمل جان لیگا: یعنی ہر ایک کو پتہ لگ جائے گا کہ نیکی یا بدی کا کیا سرمایہ لیکر حاضر ہوا ہے۔

۱۲۔ سیاروں کی چال کی قسم: کئی سیاروں (مثلاً زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد) کی چال اس ڈھب سے ہے کہ کبھی مغرب سے مشرق کو چلیں، یہ سیدھی راہ ہوئی کبھی ٹھٹک کر اُلٹے پھریں اور کبھی سورج کے پاس آ کر کتنے دنوں تک غائب رہیں۔

۱۳۔ یا جب جانے لگے۔ اس لفظ کے دونوں معنی آتے ہیں۔

۱۴۔ صبح کے وقت سانس لینے کی قسم: حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں گویا آفتاب کو دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے منتشر ہونے کو دم ماہی سے نسبت کی جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گزرتی ہے اور اُس کے سانس لینے سے پانی اڑتا اور منتشر ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع اور قبل روشنی پھیلنے کے ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دم صبح کہنا یہ ہے نیم سے جو طلوع صبح کے قریب موسم بہار میں چلتی ہے۔ (تنبیہ)

ان قسموں کی مناسبت: ان قسموں کی مناسبت آئندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اسکے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی۔ اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے۔ اس کے بعد صبح صادق کا دم بھرنا حضور ﷺ کا اس جہان میں تشریف لانا اور قرآن کا اترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے دن کی مانند روشن کر دیا۔ گویا اگلے انبیاء کا نور ستاروں کی طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہئے۔

و لعم ما قبل فانه شمس فضل هم کو اکبھا  
حسنى اذا طلعت في الكون عم هداها  
للعالمين واحييت سائر الامم  
يظهرن انوارها للناس في الظلم

اور بعض علماء نے فرمایا کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا، قرآن کے سبب ظلمت کفر دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح ظاہر ہو جانے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر کے موافق مقسم بہ کی مناسبت مقسم علیہ سے زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی چند صفات: یہ حضرت جبریل کی صفات بیان ہوئیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک وحی لانے والا فرشتہ (جبریل) اور دوسرا پیغمبر عربی ﷺ دونوں کی صفات وہ ہیں جنکے معلوم ہونے کے بعد کسی طرح کا شک و شبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا۔ کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو۔ جس سے روایت کرے اس کے پاس عزت و حرمت کے ساتھ رہتا ہو بڑے بڑے معتبر ثقافت اس کی امانت وغیرہ پر اعتماد کھی رکھتے ہوں۔ اور اسی لئے اس کی بات بے چون و چرا مانتے ہوں۔ یہ تمام صفات حضرت جبریل میں موجود ہیں وہ کریم (عزت والے) ہیں جن کے لئے اعلیٰ نہایت متقی اور پاکباز ہونا لازم ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات۔ ۱۳) و فی الحدیث الکرامہ التقوی بڑی قوت والے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ حفظ و ضبط اور بیان کی قوت بھی کامل ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ ربوبیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ یہ تو رسول ملکی کا حال تھا۔ آگے رسول بشری کا حال سن لیجیے۔

۱۶۔ تمہارے رفیق علیہ السلام پر جنون کا الزام غلط ہے: یعنی بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور تم اس کے ساتھ رہے۔ اتنی طویل مدت تک اس کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجربہ کیا۔ کبھی ایک مرتبہ اس کا جھوٹ یا فریب یاد یوانہ پن کی بات نہ دیکھی۔ ہمیشہ اس کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ اب بلاوجہ اسے جھوٹا یاد یوانہ کیونکر کہہ سکتے ہو۔ کیا یہ وہی تمہارا رفیق نہیں ہے جس کے رتی رتی

احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو۔ اب اس کو دیوانہ کہنا بجز دیوانگی کے کچھ نہیں۔

۱۷۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھنا: یعنی مشرقی کنارہ کے پاس اس کی اصلی صورت میں صاف صاف دیکھا اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ و التباس ہو گیا ہو گا۔ جس کو فرشتہ سمجھ لیا وہ واقع میں فرشتہ نہ ہو گا۔ سورۃ ”نجم“ میں پہلے آچکا فَاسْتَوَىٰ - وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ (النجم۔ ۷، ۶)۔

۱۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی خبر دینے میں بخیل نہیں: یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔ یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا نہ اُجرت مانگتا ہے۔ نہ نذرانہ، نہ بخشش، پھر کاہن کا لقب اُس پر کیسے چسپاں ہو سکتا ہے، کاہن محض ایک جزئی اور نامکمل بات غیب کی سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے اور اُس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخیل ہے کہ بدون مٹھائی یا نذرانہ وغیرہ وصول کیے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا۔ پیغمبروں کی سیرت سے کاہنوں کی پوزیشن کو کیا نسبت۔

۱۹۔ یہ شیطان کا قول نہیں: بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگا جس میں سر اسر بنی آدم کا فائدہ اور خود اس ملعون کی تشویش و مذمت ہو۔

۲۰۔ یعنی جب جھوٹ، دیوانگی، بخل و توہم اور کہانت وغیرہ کے سب احتمالات مرفوع ہوئے تو بجز صدق و حق کے اور کیا باقی رہا۔ پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر نہکے چلے جا رہے ہو۔

۲۱۔ قرآن کی نسبت جو احتمالات تم پیدا کرتے ہو، سب غلط ہیں۔ اگر اس کے مضامین و ہدایات میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہان کے لئے ایک سچا نصیحت نامہ اور مکمل دستور العمل ہے جس سے ان کی دارین کی فلاح وابستہ ہے۔

۲۲۔ یعنی بالخصوص ان کے لئے نصیحت ہے جو سیدھا چلنا چاہیں۔ عناد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ کیونکہ ایسے ہی لوگ اس نصیحت سے منتفع ہونگے۔

۲۳۔ یعنی فی نفسہ قرآن نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت الہی پر موقوف ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے ان کے سوء استعداد کی بناء پر متعلق نہیں ہوتی۔

تم سورۃ التکویر

رکوعها ۱

۸۲ سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۸۲

آیاتها ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱- جب آسمان چر جائے اِذَا السَّمَاءُ اِنْفَطَرَتْ ﴿۱﴾
- ۲- اور جب تارے جھڑ پڑیں وَ اِذَا الْكُوٰكِبُ اِنْتَثَرَتْ ﴿۲﴾
- ۳- اور جب دریا ابل نکلیں وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾
- ۴- اور جب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں وَ اِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾
- ۵- جان لے ہر ایک جی جو کچھ کہ آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاٰخَرَتْ ﴿۵﴾
- ۶- اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَّا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴿۶﴾
- ۷- جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسُوِّكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾
- ۸- جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا فِیْ اَمِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾
- ۹- ہرگز نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف کا ہونا كَلَّا بَلْ تُكْذِبُوْنَ بِالْاَدِیْنِ ﴿۹﴾
- ۱۰- اور تم پر نگہبان مقرر ہیں وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ﴿۱۰﴾
- ۱۱- عزت والے عمل لکھنے والے كِرٰمًا كَاتِبِیْنَ ﴿۱۱﴾
- ۱۲- جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو یَعْلَمُوْنَ مَّا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾
- ۱۳- بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾

وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝۱۳

۱۳۔ اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں

يَصَلُّونَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝۱۵

۱۵۔ ڈالے جائیں گے اُس میں انصاف کے دن

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝۱۶

۱۶۔ اور نہ ہوں گے اُس سے جدا ہونے والے [۱۰]

وَمَا آذُرِكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝۱۷

۱۷۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا

ثُمَّ مَا آذُرِكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝۱۸

۱۸۔ پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا

يَوْمَ لَا تَمَلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۝۱۹ وَالْأَمْرُ

۱۹۔ جس دن کہ بھلانہ کر سکے کوئی، جی کسی جی کا کچھ بھی [۱۱]  
اور حکم اُس دن اللہ ہی کا ہے [۱۲]

يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝۱۹

۱۔ قیامت کی ہولناکیاں: یعنی سمندر کا پانی زمین پر زور کرے۔ آخر بیٹھے اور کھاری سب پانی مل جائیں۔

۲۔ قبریں الٹ پلٹ ہو جائیں گی: یعنی جو چیز زمین کی تہہ میں تھی اوپر آجائے اور مردے قبروں سے نکالے جائیں۔

۳۔ یعنی جو بھلے برے کام کیے یا نہیں کیے شروع عمر میں کیے یا اخیر میں، ان کا اثر اپنے پیچھے چھوڑا یا نہیں چھوڑا، سب اس وقت سامنے آجائیں گے۔

۴۔ اے انسان! رب کریم پر کیوں بہک گیا: یعنی وہ رب کریم کیا اس کا حقدار تھا کہ تو اپنے جہل و حماقت سے اس کے حلم پر مغرور ہو کر نافرمانیاں کرتا رہے؟ اور اُس کے لطف و کرم کا جواب کفران و طغیان سے دے؟ اس کا کرم دیکھ کر تو اور زیادہ شرمانا اور حلیم کے غصہ سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے تھا۔ بیشک وہ کریم ہے لیکن منتقم اور حکیم بھی ہے۔ پھر یہ غرور اور دھوکا نہیں تو اور کیا ہو گا کہ اس کی ایک صفت کو لے کر دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔

۵۔ تجھے پیدا کیا اور ٹھیک کیا: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ٹھیک کیا بدن میں برابر کیا خصلت میں" یا یہ مطلب ہے کہ تیرے اعضاء کے جوڑ بند درست کیے اور حکمت کے موافق اُن میں تناسب رکھا۔ پھر مزاج و اخلاط میں اعتدال پیدا کیا۔

۶۔ تیری صورت کی ترکیب کی: یعنی سب کی صورتوں میں تھوڑا بہت تفاوت رکھا۔ ہر ایک کو الگ صورت شکل اور رنگ روپ عنایت کیا اور بحیثیت مجموعی انسان کی صورت کو تمام جانداروں کی صورت سے بہتر بنایا۔ بعض سلف اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ چاہتا تو تجھے گدھے، کتے، خنزیر کی شکل و صورت میں ڈال دیتا۔ باوجود اس قدرت کے محض اپنے فضل اور مشیت سے انسانی صورت میں رکھا۔ بہر حال جس خدا کی یہ قدرت ہو اور ایسے انعامات ہوں، کیا اس کے ساتھ آدمی کو یہ ہی معاملہ کرنا چاہیے۔

۷۔ تمہیں انصاف کے دن کا یقین نہیں: یعنی بہکنے اور دھوکا کھانے کی اور کوئی وجہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ تم انصاف کے دن پر یقین نہیں رکھتے ہو کہ جو چاہیں کرتے رہیں، آگے کوئی حساب اور باز پرس نہیں۔ یہاں جو کچھ عمل ہم کرتے ہیں کون ان کو لکھتا اور محفوظ کرتا ہو گا۔ بس مر گئے سب قصہ ختم ہوا۔



۸۔ کراٹا کاتین: جو نہ خیانت کرتے ہیں نہ کوئی عمل لکھے بغیر چھوڑتے ہیں نہ ان سے تمہارے اعمال پوشیدہ ہیں جب سب عمل ایک ایک کر کے اس اہتمام سے لکھے جا رہے ہیں تو کیا یہ سب دفتر یوں ہی بریکار چھوڑ دیا جائیگا؟ ہر گز نہیں۔ یقیناً ہر شخص کے اعمال اس کے آگے آئیں گے اور اس کا اچھا یا برا پھل چکھنا پڑیگا۔ جس کی تفصیل آگے بیان کی۔

۹۔ جہاں ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی نعمتوں اور راحتوں میں رہنا ہو گا اگر نکلنے کا کھٹکا لگا رہتا تو راحت ہی کیا ہوتی۔

۱۰۔ یعنی نہ بھاگ کر اس سے الگ رہ سکتے ہیں نہ داخل ہونے کے بعد کبھی نکل کر جاسکتے ہیں۔ ہمیشہ وہیں رہنا ہے۔

۱۱۔ فیصلہ کا دن کیا ہے: یعنی کتنا ہی سوچو اور غور کرو، پھر بھی اس ہولناک دن کی پوری کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی بس مختصراً اتنا سمجھ لو کہ اس دن جتنے رشتے ناتے خویشی اور آشنائی کے ہیں سب نیست و نابود ہو جائیں گے سب نفسی نفسی پکارتے ہوں گے۔ کوئی شخص بدون حکم مالک الملک کے کسی کی سفارش نہ کر سکے گا۔ عاجزی چاہلوسی، اور صبر و استقلال کچھ کام نہ دیگا۔ الامن رحم اللہ۔

۱۲۔ اس دن صرف اسی کا حکم چلے گا: یعنی دنیا میں جس طرح بادشاہ کا حکم رعیت پر، ماں باپ کا اولاد پر، اور آقا کا نوکر پر جاری ہوتا ہے اس دن یہ سب حکم ختم ہو جائیں گے اور اُس شہنشاہ مطلق کے سوا کسی کو دم مارنے کی قدرت نہ ہوگی، تنہا بلا شرکت غیرے ظاہر او باطن اسی کا حکم چلے گا۔ اور سارے کام حساً و معاً اکیلے اسی کے قبضہ میں ہوں گے۔

تم سورۃ الانفطار

رکوعھا ۱

۸۳ سُورَةُ الْبُطْفِيفِينَ مَكِّيَّةٌ ۸۶

آیاتھا ۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ خرابی ہے گھٹانے والوں کی

وَيْلٌ لِّلْبُطْفِيفِينَ ﴿۱﴾

۲۔ وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں

الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿۲﴾

۳۔ اور جب ماپ کر دیں انکو یا تول کر تو گھٹا کر دیں [۱]

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿۳﴾

۴۔ کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ انکو اٹھنا ہے

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ﴿۴﴾

۵۔ اُس بڑے دن کے واسطے [۲]

لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۵﴾

۶۔ جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے مالک کی [۳]

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾

۷۔ ہر گز نہیں [۴] بیشک اعمال نامہ گنہگاروں کا سچین میں ہے

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿۷﴾

۸۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے سچین

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ﴿۸﴾

۹۔ ایک دفتر ہے لکھا ہوا [۵]

كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿۹﴾

۱۰۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی

وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ جو جھوٹ جانتے ہیں انصاف کے دن کو

الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور اسکو جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ نکلنے والا گنہگار ہے [۶]

وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ جب سنائے اسکو ہماری آیتیں کہے نقلیں ہیں پہلوں کی [۴]

إِذَا تَتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾

۱۴۔ کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ہے اُنکے دلوں پر جو وہ کھاتے تھے [۸]

۱۵۔ کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اُس دن روک دیے جائیں گے [۹]

۱۶۔ پھر مقرر وہ کرنے والے ہیں دوزخ میں

۱۷۔ پھر کہا جائے گا یہ وہی ہے جسکو تم جھوٹ جانتے تھے

۱۸۔ ہرگز نہیں [۱۰] بیشک اعمال نامہ نیکوں کا علیین میں ہے

۱۹۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین

۲۰۔ ایک دفتر ہے لکھا ہوا [۱۱]

۲۱۔ اُسکو دیکھتے ہیں نزدیک والے یعنی فرشتے [۱۲]

۲۲۔ بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں

۲۳۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے [۱۳]

۲۴۔ پہچان لے تو اُنکے منہ پر تازگی آرام کی [۱۴]

۲۵۔ انکو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی [۱۵]

۲۶۔ جسکی مہر جمتی ہے مشک پر [۱۶] اور اُس پر چاہیے کہ ڈھکیں ڈھکنے والے [۱۷]

۲۷۔ اور اُسکی ملونی ہے تسنیم سے

۲۸۔ وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے [۱۸]

كَلَّابٌ رَّانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٣﴾

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّحَجُوبُونَ ﴿١٥﴾

ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾

ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عَلِيَيْنَ ﴿١٨﴾

وَمَا أَدْرَاكَ مَا عَلِيُونَ ﴿١٩﴾

كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٢٠﴾

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢١﴾

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾

عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٢٣﴾

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾

يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ﴿٢٥﴾

خِتَبُهُ مِسْكَ ۗ وَ فِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

الْبُتْنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾

وَمِرَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾

۲۹۔ وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے  
ہنسا کرتے [۱۹]

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا  
يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾

۳۰۔ اور جب ہو کر نکلتے انکے پاس کو تو آپس میں آنکھ  
مارتے [۲۰]

وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾

۳۱۔ اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے باتیں بناتے [۲۱]

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾

۳۲۔ اور جب انکو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں [۲۲]

وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾

۳۳۔ اور انکو بھیجا نہیں ان پر نگہبان بنا کر [۲۳]

وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ﴿٣٣﴾

۳۴۔ سو آج ایمان والے منکروں سے ہنتے ہیں [۲۴]

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾

۳۵۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں [۲۵]

عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾

۳۶۔ اب بد لاپاہے منکروں نے جیسا کہ کچھ کرتے تھے [۲۶]

هَلْ ثَوَابَ الْكُفَّارِ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

۱۔ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والے: گو لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں۔ مگر یہاں اُس کے لانے سے مقصود خود اس بات پر مذمت کرنا نہیں بلکہ کم دینے کی مذمت کو موکد کرنا ہے۔ یعنی کم دینا اگرچہ فی نفسہ مذموم ہے۔ لیکن اُس کے ساتھ اگر لیتے وقت دوسروں کی بالکل رعایت نہ کی جائے تو اور زیادہ مذموم ہے۔ بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اگر اُس میں ایک عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے فنلک بتلک۔ لہذا پہلے شخص کا عیب زیادہ شدید ہو اور چونکہ اصل مقصود مذمت ہے کم دینے کی، اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا جائے تا خوب تصریح ہو جائے کہ ناپنے میں بھی کم ناپتے ہیں اور تولنے میں بھی کم تولتے ہیں اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ مذموم نہیں اس لئے وہاں صرف ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا پھر تخصیص ناپ کی شاید اس لئے ہو کہ عرب میں اور خصوصاً مدینہ میں زیادہ رواج کیل کا تھا۔ اس کے سوا اور بھی وجوہ تخصیص کی ہو سکتی ہیں۔

۲۔ انہیں جو اب دہی کا یقین نہیں: یعنی اگر انہیں خیال ہوتا کہ مرنے کے بعد ایک دن پھر اٹھنا اور اللہ کے سامنے تمام حقوق و فرائض کا حساب دینا ہے تو ہر گز ایسی حرکت نہ کرتے۔

۳۔ کہ کب تجلی فرماتا اور کب حساب کتاب کر کے ہمارے حق میں کوئی فیصلہ سناتا ہے۔

۴۔ یوم حساب ضرور آئیگا: یعنی ہر گز گمان نہ کیا جائے کہ ایسا دن نہیں آئیگا۔ وہ ضرور آتا ہے اور اُس کے لئے سب نیکیوں اور بدوں کے اعمال نامے اپنے اپنے دفتر میں مرتب کیے رکھے ہیں۔

۵۔ سبّین کا دفتر: یعنی سبّین ایک دفتر ہے جس میں نام ہر ایک دوزخی کا درج ہے۔ اور ”بندوں کے عمل لکھنے والے فرشتے“ جن کا ذکر اس سے پہلی سورت میں آچکا، ان بدکاروں کے مرنے اور عمل منقطع ہونے کے بعد ہر شخص کے عمل علیحدہ علیحدہ فردوں میں لکھ کر اُس دفتر میں داخل کرتے ہیں اور اس فرد پر یا ہر ایک دوزخی کے نام پر ایک علامت بنا دیتے ہیں جس کے دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ شخص دوزخی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح بھی اسی مقام میں رکھی جاتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی ان کے نام وہاں داخل ہوتے ہیں مگر وہیں پہنچیں گے“ بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۔ جو شخص روز جزا کا منکر ہے فی الحقیقت اللہ کی ربوبیت، اس کی قدرت اور اس کے عدل و حکمت سب کا منکر ہے اور جو ان چیزوں کا منکر ہو وہ جس قدر گناہوں پر دلیر ہو تھوڑا ہے۔

۷۔ یعنی قرآن اور نصیحت کی باتیں سن کر کہتا ہے کہ ایسی باتیں لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں وہ ہی پُرانی کہانیاں اور فرسودہ افسانے انہوں نے نقل کر دیے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور کہانیوں سے ڈرنے والے کہاں ہیں۔

۸۔ کفار کے قلوب کا رنگ: یعنی ہماری آیتوں میں کچھ شک و شبہ کا موقع نہیں۔ اصل یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت و مزاولت سے ان کے دلوں پر رنگ چڑھ گئے ہیں۔ اس لیے حقائق صحیحہ کا انعکاس ان میں نہیں ہوتا۔ حدیث میں فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے۔ ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کر لی تو مٹ گیا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائیگا وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا رہے گا۔ تا آنکہ قلب بالکل کالا سیاہ ہو جائے کہ حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے۔ یہ ہی حال ان مکذبین کا سمجھو کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے آیات اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

۹۔ دیدار الہی سے کفار کی محرومی: یعنی اس انکار و تکذیب کے انجام سے بے فکر نہ ہوں۔ وہ وقت ضرور آنے والا ہے جب مومنین حق سبحانہ و تعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوں گے اور یہ بد بخت محروم رکھے جائیں گے۔

۱۰۔ دفتر علیین: یعنی ان بد معاشوں کا اور نیکیوں کا ایک انجام ہر گز نہیں ہو سکتا۔

۱۱۔ علیین کہاں ہے: یعنی جہاں جنتیوں کے نام درج ہیں اور ان کے اعمال کی مسلیں مرتب کر کے رکھی جاتی ہیں اور ان کی ارواح کو اڈل وہاں لجا کر پھر اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچایا جاتا ہے اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ مقام ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور مقربین کی ارواح اُسی جگہ مقیم رہتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۲۔ مقرب فرشتے یا اللہ کے مقرب بندے خوش ہو کر مومنین کے اعمال نامے دیکھتے ہیں اور اس مقام پر حاضر رہتے ہیں۔

۱۳۔ اہل جنت کی مسہریاں: یعنی مسہریوں میں بیٹھے جنت کی سیر کرتے ہونگے اور دیدار الہی سے آنکھیں شاد کریں گے۔

۱۴۔ اہل جنت کے چہروں کی رونق اور تازگی: یعنی جنت کے عیش و آرام سے ان کے چہرے ایسے پر رونق اور تروتازہ ہونگے کہ ہر ایک دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان جائے کہ یہ لوگ نہایت عیش و تنعم میں ہیں۔

۱۵۔ مہر لگی ہوئی شراب: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”شراب کی نہریں ہیں ہر کسی کے گھر میں لیکن یہ شراب نادر ہے جو بہ سر بہ مہر بہتی ہے۔“

۱۶۔ مُشک کی مہر: جیسے دنیا میں مہر لاکھ یا مٹی پر جمائی جاتی ہے وہاں کی مٹی مشک ہے اسی پر جمائی جائیگی شیشہ ہاتھ میں لیتے ہی دماغ معطر ہو جائیگا۔ اور اخیر تک خوشبو مہکتی رہے گی۔

۱۷۔ ٹوٹ پڑنے والے اس شراب پر ٹوٹ پڑیں: یعنی دنیا کی ناپاک شراب اس لائق نہیں کہ بھلے آدمی اس کی طرف رغبت کریں۔ ہاں یہ شراب طہور ہے جس کے لئے لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

۱۸۔ چشمہ تسنیم کی ملوئی: یعنی مقرب لوگ اس چشمہ کی شراب کو خالص پیتے ہیں اور ابرار کو اس شراب کی ملوئی دیجاتی ہے جو بطور گلاب وغیرہ کہ انکی شراب میں ملاتے ہیں۔

۱۹۔ کہ ان بیوقوفوں کو کیا خیال فاسد دامن گیر ہوا ہے کہ محسوس و موجود لذتوں کو جنت کی خیالی لذتوں کی توقع پر چھوڑتے ہیں۔

۲۰۔ کفار مومنین کی تضحیک کرتے تھے: کہ دیکھو یہ ہی بے عقل اور احمق لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم کر رکھا ہے۔

۲۱۔ یعنی خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھپھیتیاں کستے تھے اور اپنے عیش و آرام پر مفتون و مغرور ہو کر سمجھتے کہ ہمارے ہی عقیدے اور خیالات درست ہیں ورنہ یہ نعمتیں ہم کو کیوں ملتیں۔

۲۲۔ مومنین کے مجاہدے کا مذاق: کہ خواہ مخواہ زہد و ریاضت کر کے اپنی جانیں کھپاتے اور موہوم لذتوں کو موجودہ لذتوں پر ترجیح دینے ہیں اور لا حاصل مشقتوں کا کمالات حقیقی نام رکھا ہے کیا کھلی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھر بار اور عیش و آرام چھوڑ کر ایک شخص کے پیچھے ہو لیے اور اپنے آبائی دین کو بھی ترک کر بیٹھے۔

۲۳۔ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں کو ان مسلمانوں پر کچھ نگہبان نہیں بنایا گیا کہ احمق اپنی تباہ کاریوں سے آنکھیں بند کر کے ان کی حرکات کی نگرانی کیا کریں۔ اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو۔ اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ اور احمق بنائیں۔

۲۴۔ آخرت میں مومنین کفار پر نہیں گے: یعنی قیامت کے دن مسلمان ان کافروں پر ہنستے ہیں کہ یہ لوگ کیسے کوتاہ اندیش اور احمق تھے جو خسیس اور فانی چیر کو نفیس اور باقی نعمتوں پر ترجیح دی۔ آخر آج دوزخ میں کس طرح عذاب دائم کا مزہ کچھ رہے ہیں۔

۲۵۔ یعنی اپنی خوشحالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کر رہے ہیں۔

۲۶۔ آج منکروں کو ان کے اعمال کا بدلہ مل گیا: یعنی جو دنیا میں مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے، آج ان کا حال قابل مضحکہ ہو رہا ہے، اور مسلمان ان کی گذشتہ حماقتوں کا خیال کر کے ہنستے ہیں۔

تم سورة المطففين

رکوعھا ۱

۸۲ سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۳

آیاتھا ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ جب آسمان پھٹ جائے

اِذَا السَّمَاءُ اَنْشَقَّتْ ﴿۱﴾

۲۔ اور سن لے حکم اپنے رب کا وہ آسمان اسی لائق ہے [۱]

وَ اَذِنْتَ لِرَبِّهَا وَ حَقَّتْ ﴿۲﴾

۳۔ اور جب زمین پھیلا دی جائے [۲]

وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾

۴۔ اور نکال ڈالے جو کچھ اُس میں ہے اور خالی ہو جائے [۳]

وَ اَلْقَتْ مَا فِيهَا وَ تَخَلَّتْ ﴿۴﴾

۵۔ اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ زمین اسی لائق ہے [۴]

وَ اَذِنْتَ لِرَبِّهَا وَ حَقَّتْ ﴿۵﴾

۶۔ اے آدمی تجھ کو تکلیف اٹھانی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں سہہ سہہ کر اُس سے ملنا ہے [۵]

يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلِقِيهِ ﴿۶﴾

۷۔ سو جس کو ملا اعمال نامہ اس کا داہنے ہاتھ میں

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾

۸۔ تو اُس سے حساب لیں گے آسان حساب [۶]

فَسَوْفَ يُحٰسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾

۹۔ اور پھر کر آئے گا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر [۷]

وَ يَنْقَلِبُ اِلَىٰ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾

۱۰۔ اور جس کو ملا اس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے [۸]

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ وَّرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ سو وہ پکارے گا موت موت [۹]

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور پڑے گا آگ میں

وَ يَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾

إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾

۱۳۔ وہ رہا تھا اپنے گھر میں بے غم [۱۰]

إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُودَ ﴿١٤﴾

۱۴۔ اُس نے خیال کیا تھا کہ پھر کرنے جائے گا [۱۱]

بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

۱۵۔ کیوں نہیں اُس کا رب اُسکو دیکھتا تھا [۱۲]

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾

۱۶۔ سو قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی

وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾

۱۷۔ اور رات کی اور جو چیزیں اُس میں سمٹ آتی ہیں [۱۳]

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾

۱۸۔ اور چاند کی جب پورا بھر جائے [۱۴]

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾

۱۹۔ کہ تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی [۱۵]

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ پھر کیا ہوا ہے اُنکو جو یقین نہیں لاتے [۱۶]

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾

۲۱۔ اور جب پڑھے انکے پاس قرآن مجید وہ سجدہ نہیں کرتے [۱۷]

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ اوپر سے اور یہ کہ منکر جھٹلاتے ہیں

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں [۱۸]

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ سو خوشی سنادے اُنکو عذاب دردناک کی [۱۹]

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ

۲۵۔ مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کام کئے بھلے اُنکے لئے ثواب ہے بے انتہا [۲۰]

غَيْرِ مَسْنُونٍ ﴿٢٥﴾

۱۔ آسمان کو پھٹنے کا حکم ہو گا: یعنی اللہ کی طرف سے جب پھٹنے کا حکم تکوینی ہو گا۔ آسمان اُسکی تعمیل کرے گا اور وہ مقدور و مقہور ہونے کے لحاظ سے اسی لائق ہے کہ بایں عظمت و رفعت اپنے مالک و خالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چون و چرا نہ کرے۔



۲۔ زمین پھیلا دی جائیگی: محشر کے لئے یہ زمین ربڑ کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جائیگی اور عمارتیں پہاڑ وغیرہ سب برابر کر دیے جائیں گے تاکہ ایک سطح مستوی پر سب اڈلیں و آخرین بیک وقت کھڑے ہو سکیں اور کوئی حجاب و حائل باقی نہ رہے۔

۳۔ زمین اپنے خزانے اُگل دے گی: یعنی زمین اس دن اپنے خزانے اور مردوں کے اجزا اُگل ڈالیگی اور ان تمام چیزوں سے خالی ہو جائیگی جن کا تعلق اعمال عباد کے مجازات سے ہے۔

۴۔ زمین و آسمان جس کے حکم تکوینی کے تابع و منقاد ہوں، آدمی کو کیا حق ہے کہ اس کے حکم تشریحی سے سرتابی کرے۔

۵۔ رب تک پہنچنے میں انسان کی محنت: یعنی رب تک پہنچنے سے پہلے ہر آدمی اپنی استعداد کے موافق مختلف قسم کی جدوجہد کرتا ہے۔ کوئی اس کی طاعت میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے، کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے۔ پھر خیر کی جانب میں ہو یا شر کی، طرح طرح کی تکلیفیں سہہ سہہ کر آخر پروردگار سے ملتا اور اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہوتا ہے۔

۶۔ مومنین کا حساب آسان ہو گا: آسان حساب یہ ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی، محض کاغذات پیش ہو جائیں گے اور بدوں بحث و مناقشہ کے سستے چھوڑ دیے جائیں گے۔

۷۔ نہ سزا کا خوف رہیگا نہ غصہ کا ڈر، نہایت امن و اطمینان سے اپنے احباب و اقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں منانا ہوا آئیگا۔

۸۔ پیٹھ کے پیچھے سے اعمال نامہ کا ملنا: یعنی پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑا یا جائیگا۔ فرشتے سامنے سے اس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔ گویا غایت کراہیت کا اظہار کیا جائیگا۔ اور ممکن ہے پیچھے کو مشکیں بندھی ہوں اس لئے اعمال نامہ پشت کی طرف سے دینے کی نوبت آئے۔

۹۔ یعنی عذاب کے ڈر سے موت مانگے گا۔

۱۰۔ کافر دنیا میں مسرور تھا: یعنی دنیا میں آخرت سے بے فکر تھا۔ اس کا بدلہ یہ ہے کہ آج سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی فکر میں گھلے جاتے تھے، ان کو آج بالکل بے فکری اور امن چین ہے۔ کافر یہاں مسرور تھا، مومن وہاں مسرور ہے۔

۱۱۔ اُسے کہاں خیال تھا کہ ایک روز خدا کی طرف واپس ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔

۱۲۔ اللہ اس کو دیکھتا تھا: یعنی پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا تھا کہ اس کی روح کہاں سے آئی۔ بدن کس کس چیز سے بنا۔ پھر کیا اعتقاد رکھا، کیا عمل کیا، دل میں کیا بات تھی۔ زبان سے کیا نکلا۔ ہاتھ پاؤں سے کیا کیا، اور موت کے بعد اس کی روح کہاں گئی اور بدن کے اجزاء بکھر کر کہاں کہاں پہنچے وغیرہ ذالک۔ جو خدا آدمی کے احوال سے اس قدر واقف ہو اور ہر جزئی و کلی حالت کو نگاہ میں رکھتا ہو، کیا گمان کر سکتے ہو کہ وہ اس کو یوں ہی مہمل اور معطل چھوڑ دیا؟ ضرور ہے کہ اس کے اعمال پر ثمرات و نتائج مرتب کرے۔

۱۳۔ شام کی سرخی کی قسم: یعنی آدمی اور جانور جو دن میں تلاش معاش کے لئے مکانوں سے نکل کر ادھر ادھر منتشر ہوتے ہیں رات کے وقت سب طرف سے سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔

۱۴۔ چودھویں کے چاند کی قسم: یعنی چودھویں رات کا چاند جو اپنی حد کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

۱۵۔ تم کو طبقہ طبقہ چڑھنا ہے: یعنی دنیا کی زندگی میں مختلف دور سے بتدریج گزر کر اخیر میں موت کی سیڑھی ہے، پھر عالم برزخ کی، پھر قیامت کی، پھر قیامت میں خدا جانے کتنے احوال و مراتب درجہ بدرجہ طے کرنے ہیں۔ جیسے رات کے شروع میں شفق کے باقی رہنے تک ایک قسم کی روشنی رہتی ہے جو فی الحقیقت بقیہ ہے آفتاب کے اثرات کا پھر شفق غائب ہونے پر دوسرا دور تاریکی کا شروع ہوتا ہے جو سب چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ اس میں چاند بھی نکلتا ہے اور درجہ بدرجہ اس کی روشنی بڑھتی ہے۔ آخر چودھویں شب کو ماہ کامل کا نور اس تاریک فضاء میں ساری رات اُجالا رکھتا ہے۔ گویا انسانی احوال کے طبقات رات کی مختلف کیفیات سے مشابہ ہوئے۔ واللہ اعلم۔

- ۱۶۔ کہ ہم کو موت کے بعد بھی کسی طرف رجوع ہونا ہے اور ایک بڑا بھاری سفر درپیش ہے جس کے لئے کافی توشہ ساتھ ہونا چاہیے۔
- ۱۷۔ یعنی اگر ان کی عقل خود بخود ان حالات کو دریافت نہیں کر سکتی تھی تو لازم تھا کہ قرآن کے بیان سے فائدہ اٹھاتے۔ لیکن اس کے برخلاف ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان کو سن کر بھی ذرا عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ جب مسلمان خدا کی آیات سن کر سجدہ کرتے ہیں، ان کو سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی۔
- ۱۸۔ یعنی فقط اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی آیات سن کر انقیاد و تذلل کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کو زبان سے جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو تکذیب و انکار، بغض عناد، اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔
- ۱۹۔ کفار کو عذاب الیم کی خوشخبری: یعنی خوشخبری سننا دیکھو کہ جو کچھ ہو کمار ہے ہیں اس کا پھل ضرور ملیگا۔ ان کی یہ کوششیں ہرگز خالی نہیں جائیں گی۔
- ۲۰۔ جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

تم سورة الانشقاق

آیاتھا ۲۲

رکوعھا ۱

## ۸۵ سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ ۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں [۱]

وَالسَّيِّءَاتِ الْبُرُوجِ ﴿۱﴾

۲۔ اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے [۲]

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ﴿۲﴾

۳۔ اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اُسکی کہ جسکے پاس حاضر ہوتے ہیں [۳]

وَشَٰهِدٍ وَّمَشْهُودٍ ﴿۳﴾

۴۔ مارے گئے کھائیاں کھودنے والے

قَتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾

۵۔ آگ ہے بہت ایندھن والی [۴]

النَّارِ ذَاتِ الْوُقُوْدِ ﴿۵﴾

۶۔ جب وہ اس پر بیٹھے

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾

۷۔ اور جو کچھ وہ کرتے مسلمانوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے [۵]

وَهُمْ عَلٰی مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾

۸۔ اور اُن سے بدلانہ لیتے تھے مگر اسی بات کہ وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا

وَمَا نَقَبُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ

الْحَبِيْدِ ﴿۸﴾

۹۔ جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز [۶]

الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰی

كُلِّ شَيْءٍ شَٰهِيْدٌ ﴿۹﴾

۱۰۔ تحقیق جو دین سے بچلائے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو انکے لئے عذاب ہے دوزخ کا

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوْا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ

اور انکے لئے عذاب ہے آگ لگے گا [۷]

يَتُوبُوْا فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ ۗ وَ لَهُمْ عَذَابٌ

ط  
الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾

۱۱۔ بیشک جو لوگ یقین لائے اور کہیں انہوں نے بھلائیاں  
انکے لئے باغ میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں یہ ہے بڑی مراد  
لمنی [۸]

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ  
جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ

ط  
الْكَبِيرُ ﴿١١﴾

۱۲۔ بیشک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے [۹]

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾

۱۳۔ بیشک وہی کرتا ہے پہلی مرتبہ اور دوسری [۱۰]

إِنَّهُ هُوَ يُبَدِّلُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾

۱۴۔ اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا [۱۱]

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾

۱۵۔ مالک عرش کا بڑی شان والا

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾

۱۶۔ کر ڈالنے والا جو چاہے [۱۲]

فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ ﴿١٦﴾

۱۷۔ کیا پہنچی تجھ کو بات ان لشکروں کی

هَلْ أَتَكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾

۱۸۔ فرعون اور شمود کے [۱۳]

فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾

۱۹۔ کوئی نہیں بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں [۱۴]

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْدِيبٍ ﴿١٩﴾

۲۰۔ اور اللہ نے انکو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے [۱۵]

وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾

۲۱۔ کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا [۱۶]

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾

۲۲۔ لکھا ہوا لوح محفوظ میں [۱۷]

فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

۱۔ آسمان کے بروج: بروجوں سے مراد یا تو وہ بارہ برج ہیں جن کو آفتاب ایک سال کی مدت میں تمام کرتا ہے یا آسمانی قلعہ کے وہ حصے جن میں  
فرشتے پہرہ دیتے ہیں یا بڑے بڑے ستارے جو دیکھنے میں آسمان پر معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۔ یعنی قیامت کا دن۔

۳۔ شاہد اور مشہود کی قسم: سب شہروں میں حاضر ہوتا ہے جمعہ کا دن، اور سب ایک جگہ حاضر ہوتے ہیں عرفہ کے دن حج کے لئے اسی لئے روایات میں آیا کہ ”شاہد جمعہ کا دن ہے اور“ مشہود ”عرفہ کا دن، اس کے علاوہ“ شاہد ”و“ مشہود ”کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں۔ لیکن اوفیق بالروایات یہ ہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) قرآنی قسموں کے متعلق ہم سورۃ ”قیامہ“ کے شروع میں جو لکھ چکے ہیں، اس کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہئے۔ اور ان قسموں کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کا مالک اکنہ وازمنہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ایسے مالک الکل کی مخالفت کرنے والے کا مستحق لعن و عقوبت ہونا ظاہر ہے۔

۴۔ اصحاب الاخذ و کون ہیں ایک عجیب واقعہ: یعنی ملعون و مغضوب ہوئے وہ لوگ جنہوں نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھریں بہت سا ایندھن ڈال کر ان کو دھونکایا۔ ان ”اصحاب الاخذ و“ سے کون مراد ہیں؟ مفسرین نے کئی واقعات نقل کیے ہیں لیکن صحیح مسلم، جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں جو قصہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا۔ اس کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا۔ جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا۔ اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں۔ تا میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا۔ جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا، اور اس کے فیض صحبت سے ولایت و کرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہو گیا۔ لوگوں میں شور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سُن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کر دو۔ لڑکے نے کہا کہ اچھی کرنے والا میں نہیں۔ وہ اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لائے تو میں دعا کروں۔ اُمید ہے وہ تجھ کو بینا کر دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں۔ اس نے برہم ہو کر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے طلب کر لیا اور کچھ بحث و گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اونچے پہاڑ پر سے گرا دیا جائے۔ مگر خدا کی قدرت جو لوگ اس کو لے گئے تھے، سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہ ہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔ آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں۔ آپ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں۔ ان کے سامنے مجھ کو سولی پر لٹکائیں اور یہ لفظ کہہ کر میرے تیر ماریں ”بسم اللہ رب الغلام“ (اس اللہ کے نام پر جو رب ہے اس لڑکے کا) چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یکلخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا کہ ”آمناب رب الغلام“ (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجیے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہ ہی پیش آئی۔ پہلے تو کوئی اکاڈ کا مسلمان ہوتا تھا اب خلوکثیر نے اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آ کر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھرا کر اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائیگا۔ آخر لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا۔ شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی۔ مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی ”اُناہ صبری فانک علی الحق“ (اماں جان! صبر کر) کہ تو حق پر ہے۔

۵۔ ایمان لانے والوں کے لئے خندقیں اور آگ: یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر مشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بد بختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا۔

۶۔ مومنین کا قصور صرف انکا ایمان تھا: یعنی ان مسلمانوں کا قصور اُس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے۔ جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں۔ اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے۔ جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں، آگ میں جلا یا جائے تو کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ایسا ظلم و ستم یوں ہی خالی چلا جائیگا اور وہ خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”جب اللہ کا غضب آیا وہی آگ پھیل پڑی۔ بادشاہ اور امیروں کے گھر سارے پھونک دیے“ مگر روایات صحیحہ میں اس کا ذکر نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۷۔ ایمان سے روکنے والوں کے لئے دوزخ کا عذاب: یعنی کچھ اصحاب الاخذ و پر منحصر نہیں۔ جو لوگ ایمانداروں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے (جیسے کفار مکہ کر رہے تھے) پھر اپنی اپنی نالائق حرکات سے تائب نہ ہونگے ان سب کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے جس میں بیشمار قسم کی تکلیفیں ہونگی اور بڑی تکلیف آگ لگے کی ہوگی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہوگا۔

۸۔ ایمان اور عمل صالح کا ثمرہ: یعنی یہاں کی تکلیفوں اور ایذاؤں سے نہ گھبرائیں۔ بڑی اور آخری کامیابی ان ہی کے لئے ہے جس کے مقابلہ میں یہاں کا عیش یا تکلیف سب پیچھے ہے۔

۹۔ اسی لئے ظالموں اور مجرموں کو پکڑ کر سخت ترین سزا دیتا ہے۔

۱۰۔ حق تعالیٰ کی بعض صفات: یعنی پہلی مرتبہ دنیا کا عذاب اور دوسری مرتبہ آخرت کا (کذافی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ اول مرتبہ آدمی کو وہ ہی پیدا کرتا ہے اور دوسری مرتبہ موت کے بعد بھی وہ ہی پیدا کرے گا پس مجرم اس دھوکے میں نہ رہے کہ موت جب ہمارا نام و نشان مٹا دیگی پھر ہم کس طرح ہاتھ آئیں گے۔

۱۱۔ یعنی باوجود اس صفت قہاری و سخت گیری کے اُس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں وہ اپنے فرمانبردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا، ان کے عیب چھپاتا اور طرح طرح کے لطف و کرم اور عنایت و شفقت سے نوازتا ہے۔

۱۲۔ اللہ اپنے ارادوں میں فعال ہے: یعنی اپنے علم و حکمت کے موافق جو کرنا چاہے کچھ دیر نہیں لگتی نہ کوئی روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے بہر حال نہ اسکے انعام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہئے نہ انتقام سے بے خوف بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جلال و جمال دونوں پر نظر رکھے اور خوف کے ساتھ رجا اور رجا کے ساتھ خوف کو دل سے زائل نہ ہونے دے۔

۱۳۔ کہ ایک مدت تک انعام کا دروازہ ان پر کھلا رکھا تھا۔ اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں ان کو پہنچتی تھیں پھر ان کے کفر و طغیان کی بدولت کیسا سخت انتقام لیا گیا۔

۱۴۔ یعنی کفار ان قصوں سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عذاب الہی سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بلکہ ان قصوں کے اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۵۔ اللہ نے انہیں گھیرا ہوا ہے: یعنی جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں اس تکذیب کی سزا بھگتنا ضروری ہے اللہ کے قبضہ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتے۔ نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

۱۶۔ قرآن کی بزرگی اور شان: یعنی ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے۔ قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو۔ یا چند احمقوں کے جھٹلانے سے اس کی شان اور بزرگی کم ہو جائے۔

۱۷۔ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے: جہاں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، پھر وہاں سے نہایت حفاظت و اہتمام کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچایا جاتا ہے۔ فَإِنَّهُ يَسْمَعُ مِمَّنْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (الجن ۲۷) اور یہاں بھی قدرت کی طرف سے اس کی حفاظت کا ایسا سامان ہے جس میں کوئی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی۔

تم سورۃ البروج

آیاتها ۱

۸۶ سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶

رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم ہے آسمان کی اور اندھیری میں آنے والے کی

وَالسَّيِّءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾

۲۔ اور تو نے کیا سمجھا کیا ہے اندھیرے میں آنے والا

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾

۳۔ وہ تارا چمکتا ہوا

النَّجْمِ الثَّاقِبِ ﴿۳﴾

۴۔ کوئی جی نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان

إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّبَا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾

۵۔ اب دیکھ لے آدمی کہ کاہے سے بنا ہے [۱]

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾

۶۔ بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے [۲]

خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾

۷۔ جو نکلتا ہے پیٹھ کے بیچ سے اور چھاتی کے بیچ سے [۳]

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ﴿۷﴾

۸۔ بیشک وہ اُسکو پھیر لا سکتا ہے [۴]

إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾

۹۔ جس دن جانچے جائیں بھید [۵]

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿۹﴾

۱۰۔ تو کچھ نہ ہو گا اُسکو زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا [۶]

فَبَالَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی [۴]

وَالسَّيِّءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾

۱۲۔ اور زمین پھوٹ نکلنے والی کی [۸]

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾

۱۳۔ بیشک یہ بات ہے دو ٹوک

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور نہیں یہ بات ہنسی کی [۹]

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾

۱۵۔ البتہ وہ لگے ہوئے ہیں ایک داؤ کرنے میں

وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور میں لگا ہوا ہوں ایک داؤ کرنے میں

فَسَهِّلِ الْكُفْرَ لِيْنَ أَمْهَلُمْ رُؤْيَا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ سو ڈھیل دے منکروں کو ڈھیل دے انکو تھوڑے دنوں [۱۰]

۱۔ انسان کے نگہبان فرشتے: یعنی فرشتے رہتے ہیں آدمی کے ساتھ۔ بلاؤں سے بچاتے ہیں یا اس کے عمل لکھتے ہیں (موضح القرآن) اور قسم میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جس نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے ایسے سامان کیے ہیں، اس کو زمین پر تمہاری یا تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کیا دشوار ہے۔ نیز جس طرح آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں مگر ان کا ظہور خاص شب میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی سب اعمال نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں، مگر ظہور ان کا خاص قیامت میں ہو گا۔ جب یہ بات ہے تو انسان کو قیامت کی فکر چاہیے۔ اور اگر اس کو مستبعد سمجھتا ہے تو اس کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۔ اچھلتے پانی سے انسان کی تخلیق: یعنی منی سے جو اچھل کر نکلتی ہے۔

۳۔ پیڑھ اور سینے کے درمیان سے نکلنے والا پانی: کہتے ہیں مرد کی منی کا انصباب پیڑھ سے ہوتا ہے اور عورت کا سینہ سے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ پیڑھ اور سینہ تمام بدن سے کنایہ ہے۔ یعنی منی مرد کی ہو یا عورت کی تمام بدن میں پیدا ہو کر پھر جدا ہوتی ہے اور اس کنایہ میں تخصیص صلب و ترائب کی شائد اس لئے ہو کہ حصول مادہ متوہیہ میں اعضاء رئیہ (قلب، دماغ، کبد) کو خاص دخل ہے۔ جن میں سے قلب کبد کا تعلق و تلبس ترائب سے اور دماغ کا تعلق بواسطہ نخاع (حرام مغز) کے صلب سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۔ یعنی اللہ پھر لایگا مرنے کے بعد (موضح القرآن) حاصل یہ کہ نطفہ سے انسان بنا دینا بہ نسبت دوبارہ بنانے کے زیادہ عجیب ہے۔ جب یہ امر عجیب اُس کی قدرت سے واقع ہو رہا ہے تو جائز نہیں کہ اس سے کم عجیب چیز کے وقوع کا خواہ مخواہ انکار کیا جائے۔

۵۔ جس دن بھید گھل جائیگے: یعنی سب کی قلعی کھل جائیگی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں یا چھپ کر کی ہوں ظاہر ہو جائیں گی اور کسی جرم کا انخفاء ممکن نہ ہو گا۔

۶۔ اس وقت مجرم نہ اپنے زور و قوت سے مدافعت کر سکے گا نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے سزا سے بچالے۔

۷۔ یا بارش لانے والے کی۔

۸۔ یعنی اس میں سے پھوٹ نکلتے ہیں کھیتی اور درخت۔

۹۔ قرآن دو ٹوک کلام ہے: یعنی قرآن اور جو کچھ ہو معاد کے متعلق بیان کرتا ہے، کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔ بلکہ حق و باطل اور صدق و کذب کا دو ٹوک فیصلہ ہے۔ اور لاریب وہ سچا کلام اور ایک طے شدہ معاملہ کی خبر والا ہے جو یقیناً پیش آکر رہیگا۔ (تنبیہ) قسم کو اس مضمون سے یہ مناسبت ہوئی کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قابلیت ہو مالا مال کر دیتا ہے۔ جیسے بارش آسمان کی طرف سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے۔ قیامت میں ایک نیبی بارش ہو گی جس سے مُردے زندہ ہو جائیں گے جس طرح یہاں بارش کا پانی گرنے سے مردہ اور بیجان



زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔

۱۰۔ منکرین کے داؤ پیچ اور اللہ کی تدبیر: یعنی منکرین داؤ پیچ کرتے رہتے ہیں کہ شکوک و شبہات ڈال کر یا اور کسی تدبیر سے حق کو ابھرنے اور پھیلنے نہ دیں۔ اور میری تدبیر لطیف بھی (جس کا انہیں احساس نہیں) اندر اندر کام کر رہی ہے کہ ان کے تمامی مکر و کید کا جال توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جائے اور ان کے سب داؤ پیچ ان ہی کی طرف واپس کیے جائیں۔ اب خود سوچ لو کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں کسی کی چالاکی اور مکاری کیا کام دے سکتی ہے، لامحالہ یہ لوگ ناکام اور خائب و خاسر ہو کر رہیں گے۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ ان کی سزا دہی میں جلدی نہ کریں اور ان کی حرکات شنیعہ سے گھبرا کر بددعا نہ فرمائیں۔ بلکہ تھوڑے دن ڈھیل دیں پھر دیکھیں نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

تم سورۃ الطارق

## آیاتہا ۱۹

## ۸۷ سُورَةُ الْأَعْلَى مَكِّيَّةٌ ۸

## رکوعہا ۱

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر [۱]

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴿۱﴾

۲۔ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا [۲]

الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ﴿۲﴾

۳۔ اور جس نے ٹھہرا دیا پھر راہ بتلائی [۳]

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ﴿۳﴾

۴۔ اور جس نے نکالا چارا

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْحَرَى ﴿۴﴾

۵۔ پھر کر ڈالا اُسکو کوڑا سیاہ [۴]

فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ﴿۵﴾

۶۔ البتہ ہم بڑھائیں گے تجھ کو پھر تو نہ بھولے گا

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى ﴿۶﴾

۷۔ مگر جو چاہے اللہ [۵] وہ جانتا ہے پکارنے کو اور جو چھپا ہوا ہے [۶]

إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى ﴿۷﴾

۸۔ اور سچ سچ پہنچائیں گے ہم تجھ کو آسانی تک [۷]

وَنُنَبِّئُكَ لِئَتَاكَ سُبْحَانَ اللَّهِ بِمَا كُنْتَ تَكْفُرُ ﴿۸﴾

۹۔ سو تو سمجھا دے اگر فائدہ کرے سمجھانا [۸]

فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَى ﴿۹﴾

۱۰۔ سمجھ جائے گا جس کو ڈر ہو گا [۹]

سَيَذَكِّرْكَ مَنْ يُخَشَى ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور یکسو رہے گا اُس سے بڑا بد قسمت

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿۱۱﴾

۱۲۔ وہ جو داخل ہو گا بڑی آگ میں [۱۰]

الَّذِي يَصِلَى النَّارَ الْكُبْرَى ﴿۱۲﴾

ثُمَّ لَا يَسُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيِي ط

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ط

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ط

بَلْ تُوَثِّرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ط

وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْتِي ط

إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ط

صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ط

۱۳۔ پھر نہ مرے گا اُس میں اور نہ جنے گا [۱۱]

۱۴۔ بیشک بھلا ہوا اُس کا جو سنورا [۱۲]

۱۵۔ اور لیا اُس نے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی [۱۳]

۱۶۔ کوئی نہیں تم بڑھاتے ہو دنیا کے جینے کو

۱۷۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا [۱۴]

۱۸۔ یہ لکھا ہوا ہے پہلے ورقوں میں

۱۹۔ صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے [۱۵]

۱۔ سبحان ربی الاعلیٰ کی اصل: حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی آپ نے فرمایا اِجْعَلُوها فی سُبْحُوْدِكُمْ (اس کو اپنے سجود میں رکھو) اسی لئے سجدہ کی حالت میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا جاتا ہے۔

۲۔ ہر چیز میں حکمت ہے: یعنی جو چیز بنائی عین حکمت کے موافق بہت ٹھیک بنائی اور باعتبار خواص و صفات اور ان فائدوں کے جو اس چیز سے مقصود ہیں اس کی پیدائش کو درجہ کمال تک پہنچایا اور ایسا معتدل مزاج عطا کیا جس سے وہ منافع و فوائد اس پر مرتب ہو سکیں۔

۳۔ مختلف مظاہر قدرت: حضرت شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں "یعنی اول تقدیر لکھی پھر اسی کے موافق دنیا میں لایا" گویا دنیا میں آنے کی راہ بتادی۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے لئے ایک کمال کا اندازہ ٹھہرایا۔ پھر اس کو وہ کمال حاصل کرنے کی راہ بتلا دی۔ وہیہ اقوال اخرا لفظوں بذکر ہا۔

۴۔ یعنی اول نہایت سبز و خوشماگھاس چار زمین سے پیدا کیا پھر آہستہ آہستہ اس کو خشک و سیاہ کر ڈالا تا خشک ہو کر ایک مدت تک جانوروں کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے۔ اور خشک کھیتی کٹ کر کام میں آئے۔

۵۔ ہم تمہیں قرآن پڑھوائینگے: یعنی جس طرح ہم نے تربیت سے ہر چیز کو بتدریج اس کے کمال مطلوب تک پہنچایا ہے تم کو بھی آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھا دیں گے اور ایسا یاد کرادیں گے کہ اس کا کوئی حصہ بھولنے نہ پاؤ گے بجز ان آیتوں کا جن کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہو گا کہ وہ بھی ایک قسم نوح کی ہے۔

۶۔ وہ ہر ظاہر اور چھپی بات جانتا ہے: یعنی وہ تمہاری مخفی استعداد اور ظاہر اعمال و احوال کو جانتا ہے اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جو آیات ایک مرتبہ نازل کر دی گئیں، پھر ان کو منسوخ کرنے اور بھلا دینے کے کیا معنی۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کرنا اسی کی شان ہے جو تمام کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کونسی چیز ہمیشہ باقی رہنی چاہئے اور کس کو ایک مخصوص مدت کے بعد اٹھا لینا چاہئے کیونکہ اب اس کا باقی رہنا ضروری نہیں ہے۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سہولت کا وعدہ: یعنی وحی کو یاد رکھنا آسان ہو جائیگا اور اللہ کی معرفت و عبادت اور ملک و ملت کی سیاست کے طریقے سب سہل کر دیے جائیں گے اور کامیابی کے راستے سے تمام مشکلات ہٹا دی جائیں گی۔

۸۔ تذکیر اور تبلیغ کا فرق: یعنی اللہ نے جب آپ پر ایسے انعام فرمائے، آپ دوسروں کو فیض پہنچائیے اور اپنے کمال سے دوسروں کی تکمیل کیجئے۔ (تنبیہ) اِنْ نَّفَعَتِ الدُّنْيَا كَيْفَ شِئْتَ لَنْ نَنْفَعَكَ اِنَّ نَفْعَنَا لِلْكَافِرِيْنَ كَمَا نَفَعْنَا الْمُجْرِمِيْنَ (تذکیر اور منہج آنحضرت ﷺ کا وعظ و تذکیر ہر شخص کے لئے نہیں۔ ہاں تبلیغ و انذار (یعنی حکم الہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا) تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے، اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور ہے اس کو عرف میں تذکیر و وعظ نہیں کہتے دعوت و تبلیغ کہتے ہیں۔ شاید اسی لئے بعض مفسرین نے زیادہ واضح الفاظ میں آیت کے معنی یوں کیے ہیں کہ بار بار نصیحت کر (اگر ایک بار کی نصیحت نے نفع نہ کیا ہو) اور ہو سکتا ہے کہ اِنْ نَّفَعَتِ الدُّنْيَا كَيْفَ شِئْتَ لَنْ نَنْفَعَكَ اِنَّ نَفْعَنَا لِلْكَافِرِيْنَ كَمَا نَفَعْنَا الْمُجْرِمِيْنَ (تذکیر عالم میں کسی نہ کسی کو ضرور نفع دیگی گو ہر کسی کو نہ دے۔ کما قال تعالیٰ وَ ذَكِّرْهُمْ فَاِنَّ الدُّنْيَا تَتَنَفَّخُ اَنْفُسًا يَوْمَئِذٍ) پس ایک امر کا ایسی چیز پر معلق کرنا جس کا وقوع ضروری ہے اس امر کی تاکید کا موجب ہو۔

۹۔ سمجھانے سے وہ ہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہ ہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خدا کا ڈر اور اپنے انجام کی فکر ہو۔  
۱۰۔ مٹتی لوگوں کا انجام: یعنی جس بد قسمت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے وہ کہاں سمجھتا ہے۔ اسے خدا کا اور اپنے انجام کا ڈر ہی نہیں جو نصیحت کی طرف متوجہ ہو اور ٹھیک بات سمجھنے کی کوشش کرے۔

۱۱۔ دوزخ میں نہ موت ہے نہ زندگی: یعنی نہ موت ہی آئیگی کہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دے اور نہ آرام کی زندگی ہی نصیب ہوگی۔ ہاں ایسی زندگی ہوگی جس کے مقابلہ میں موت کی تمنا کرے گا۔ العیاذ باللہ۔

۱۲۔ تزکیہ کرنے والوں کا انعام: یعنی ظاہری و باطنی، حسی و معنوی نجاستوں سے پاک ہو اور اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیحہ، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا۔

۱۳۔ تکبیر تحریمہ کا حکم: یعنی پاک و صاف ہو کر تکبیر تحریمہ میں اپنے رب کا نام لیا۔ پھر نماز پڑھی۔ اور بعض سلف نے کہا کہ تَزَكِيًّا "زکوٰۃ" سے ہے جس سے مراد یہاں "صدقہ الفطر" ہے اور ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ سے تکبیرات عید مراد ہیں۔ اور فَصَّلِيْ میں نماز عید کا ذکر ہے یعنی عید کے دن اوّل "صدقہ الفطر" پھر تکبیریں، پھر نماز۔ والظاہر ہو الاوّل (تنبیہ) حنفیہ نے پہلی تفسیر کے موافق اس آیت سے دو مسئلے نکالے ہیں۔ اوّل یہ کہ تحریمہ میں خاص لفظ "اللہ اکبر" کہنا فرض نہیں، مطلق ذکر اسم رب کافی ہے جو مشعر تعظیم ہو اور اپنی غرض و حاجت پر مشتمل نہ ہو۔ ہاں "اللہ اکبر" کہنا احادیث صحیحہ کی بناء پر سنت یا واجب قرار پایگا۔ دوسرے تکبیر تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے رکن نہیں کیونکہ فَصَّلِيْ كَاذِبًا اسْمَ رَبِّهِ پر عطف کرنا معطوف علیہ کی مغایرت پر دال ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۔ دُنْيَا کو ترجیح دینے کی مذمت: یعنی یہ بھلائی تم کو کیسے حاصل ہو جبکہ آخرت کی فکر ہی نہیں۔ بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں کے عیش و آرام کو اعتقاداً یا عملاً آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے پھر تعجب ہے کہ جو چیز کماؤ کیفایاً ہر طرح افضل ہو اسے چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا جائے۔

۱۵۔ یہ تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں موجود ہے: یعنی یہ مضمون (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ) سے یہاں تک) اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے جو کسی وقت منسوخ نہیں ہوا، نہ بدلا گیا۔ اس اعتبار سے اور زیادہ مؤکد ہو گیا۔ (تنبیہ) بعض روایات ضعیفہ میں ہے کہ ابراہیم پر دس صحیفے اور موسیٰ پر "توراة" کے علاوہ دس صحیفے نازل ہوئے تھے خدا جانے کہاں تک صحیح ہے۔ تم سورۃ الاعلیٰ

رکوعها ۱

## ۸۸ سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۸

آیاتها ۲۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ کچھ پہنچی تجھ کو بات اُس چھپالینے والی کی [۱]

هَلْ أَتَكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾

۲۔ کتنے منہ اُس دن ذلیل ہونے والے ہیں

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾

۳۔ محنت کرنے والے تھکے ہوئے [۲]

عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ ﴿٣﴾

۴۔ گرین گے دکھتی ہوئی آگ میں

تَصَلَّى نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾

۵۔ پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے ہوئے [۳]

تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ أَنْيَّةٍ ﴿٥﴾

۶۔ نہیں اُنکے پاس کھانا مگر جھاڑ کا ٹٹوں والا [۴]

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿٦﴾

۷۔ نہ موٹا کرے اور نہ کام آئے بھوک میں [۵]

لَا يُسَبِّحُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ﴿٧﴾

۸۔ کتنے منہ اُس دن تروتازہ ہیں

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾

۹۔ اپنی کمائی سے راضی [۶]

لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾

۱۰۔ اونچے باغ میں

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾

۱۱۔ نہیں سنتے اُس میں بکواس [۴]

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾

۱۲۔ اُس میں ایک چشمہ ہے بہتا [۸]

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾

۱۳۔ اُس میں تخت ہیں اونچے بچھے ہوئے

فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾

وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور آنخورے سامنے چنے ہوئے [۹]

وَنَبَارِقٌ مَّصْفُوفَةٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور غالیچے برابر بچھے ہوئے [۱۰]

وَزَرَابٍ مَّبْثُوثَةٌ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور مٹھل کے نہالچے جگہ جگہ پھیلے ہوئے [۱۱]

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے ہیں [۱۲]

وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور آسمان پر کہ کیسا اُس کو بلند کیا ہے [۱۳]

وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کر دیے ہیں [۱۴]

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور زمین پر کہ کیسی صاف بچھائی ہے [۱۵]

فَذَكِّرْهُ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ مُذَكِّرَةٌ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ سو تو سمجھائے جا تیرا کام تو یہی سمجھانا ہے

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ تو نہیں اُن پر داروغہ [۱۶]

إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہو گیا

فَيَعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ تو عذاب کرے گا اُس پر اللہ وہ بڑا عذاب

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ بیشک ہمارے پاس ہے اُنکو پھر آنا

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے اُن سے حساب لینا [۱۷]

۱۔ قیامت کی بات: یعنی وہ بات سننے کے لائق ہے (تمبیہ) "غاشیہ" (چھپالینے والی) سے مراد قیامت ہے جو تمام مخلوق پر چھا جائیگی اور جس کا اثر سارے عالم پر محیط ہو گا۔

۲۔ بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے: یعنی آخرت میں مصیبتیں جھیلنے والے اور مصیبت جھیلنے کی وجہ سے خستہ و درماندہ، اور بعض نے کہا کہ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ سے دنیا کا حال مراد ہے۔ یعنی کتنے لوگ ہیں جو دنیا میں محنتیں کرتے کرتے تھک جاتے ہیں مگر ان کی سب محنتیں طریق حق پر نہ ہونے کی وجہ سے سب اکارت ہیں یہاں بھی تکلیفیں اٹھائیں اور وہاں بھی مصیبت میں رہے خسہ دنیا والآخرۃ اسی کو کہتے ہیں۔ حضرت

- شاہ صاحب لکھتے ہیں "کافر (لوگ) جو دنیا میں (بڑی بڑی) ریاضت کرتے ہیں (اللہ کے ہاں) کچھ قبول نہیں ہوتی۔
- ۳۔ دوزخیوں کے لئے کھولتے چشمے کا پانی: یعنی جب دوزخ کی گرمی ان کے باطن میں سخت تشنگی پیدا کرے گی، بے اختیار پیاس پیاس پکاریں گے کہ شاید پانی پینے سے یہ تشنگی دور ہو۔ اس وقت ایک گرم کھولتے ہوئے چشمہ کا پانی دیا جائیگا جس کے پیتے ہی ہونٹ کباب ہو جائیں گے، اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی۔ پھر فوراً درست کی جائیں گی، اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ العیاذ باللہ۔
- ۴۔ اہل دوزخ کا کھانا "ضریح": یعنی ضریح ایک خاردار درخت ہے دوزخ میں جو تلخی میں ایلوے سے زیادہ اور بدبو میں مردار سے بدتر اور گرمی میں آگ سے بڑھ کر ہے۔ جب دوزخی بھوک کے عذاب سے چلائیں گے تو یہ چیز کھانے کو دیا جائیگی۔
- ۵۔ یہ کھانا بھوک نہیں مٹائیگا: یعنی کھانے سے مقصود یا محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے، یا بدن کو فرہ کرنا، یا بھوک کو دفع کرنا "ضریح" کے کھانے سے کوئی بات حاصل نہ ہوگی۔ لذت و مزہ کی نفی تو اس کے نام سے ظاہر ہے، باقی دو فائدے ان کی نفی اس آیت میں تصریحاً کر دی۔ غرض کوئی لذیذ و مرغوب کھانا ان کو میسر نہ ہوگا۔ یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا۔ آگے ان کے بالمقابل جنتیوں کا ذکر ہے۔
- ۶۔ یعنی خوش ہوں گے کہ اپنی کوشش ٹھکانے لگی اور محنت کا پھل بہت خوب ملا۔
- ۷۔ جنت میں کوئی لغوبات نہیں ہوگی: یعنی کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے چہ جائیکہ گالی گفتار اور ذلت کی بات ہو۔
- ۸۔ جنت کے چشمے: یعنی ایک عجیب طرح کا چشمہ اور بعض نے اس کو جنس پر حمل کیا ہے یعنی بہت سے چشمے بہ رہے ہیں۔
- ۹۔ اونچے تختوں پر گلاس چنے ہوئے: کہ جب پینے کو جی چاہے دیر نہ لگے۔
- ۱۰۔ جنت کے قالین: یعنی نہایت قرینے اور ترتیب سے بچھے ہوئے اور گاؤتکے لگے ہوئے۔
- ۱۱۔ مخملی فرش: تاکہ جس وقت جہاں چاہیں آرام کریں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی کلفت نہ اٹھائیں۔
- ۱۲۔ اونٹ کی تخلیق پر غور کرو: کہ ہیئت اور خاصیت دونوں اور جانوروں کی نسبت اس میں عجیب ہیں جن کی تفصیل تفسیر عزیز میں دیکھنے کے قابل ہے۔
- ۱۳۔ بدون ظاہری ستون اور کھمبے کے۔
- ۱۴۔ کہ ذرا پنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے۔
- ۱۵۔ زمین کی سطح: کہ اپنی کلانی کے سبب باوجود کروی الشكل ہونے کے مسطح معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اس پر رہنا سہنا آسان ہو گیا۔ یہ سب دلائل قدرت بیان ہوئے۔ یعنی تعجب ہے ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے جس سے بعث بعد الموت پر اس کا قادر ہونا اور عالم آخرت کے عجیب و غریب انتظامات کا ممکن ہونا سمجھ میں آجاتا اور تخصیص ان چیزوں کی بقول ابن کثیر اس لئے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے تھے۔ اس وقت ان کے سامنے بیشتر یہی چار چیزیں ہوتی تھیں۔ سواری میں اونٹ اوپر آسمان نیچے زمین، ارد گرد پہاڑ، اس لئے انہی علامات میں غور کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔
- ۱۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر داروغہ نہیں: یعنی جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل واضحہ غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے۔ کیونکہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ نہیں سمجھتے تو کوئی آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کئے گئے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں، اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں، یہ کام مقبل القلوب ہی کا ہے۔
- ۱۷۔ منکرین کا حساب ہمارے ذمے ہے: یعنی جس نے اللہ کی طاعت سے روگردانی کی اور اس کی آیتوں کا انکار کیا، وہ آخرت کے بڑے عذاب اور اللہ کی سخت ترین سزا سے بچ نہیں سکتا۔ یقیناً ان کو ایک روز ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور ہم کو ان سے رتی رتی کا حساب لینا ہے۔ غرض آپ اپنا فرض ادا کیے جائیے اور ان کا مستقبل ہمارے سپرد کیجئے۔

تم سورة الغاشیة

رکوعها ۱

۸۹ سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰

آیاتها ۳۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم ہے فجر کی

وَالْفَجْرِ ۱

۲۔ اور دس راتوں کی

وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۲

۳۔ اور جنت اور طاق کی

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۳

۴۔ اور اس رات کی جب رات کو چلے [۱]

وَاللَّيْلِ إِذَا يَسِرَ ۴

۵۔ ہے اُن چیزوں کی قسم پوری مخلقندوں کے واسطے [۲]

هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِذِي حِجْرِ ۵

۶۔ تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۶

۷۔ وہ جو ارم میں تھے [۳] بڑے ستونوں والے [۴]

إِرْمَذَاتِ الْعِبَادِ ۷

۸۔ کہ بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں [۵]

الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ ۸

۹۔ اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں [۶]

وَشَوْدَدِ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۹

۱۰۔ اور فرعون کے ساتھ وہ میٹھوں والا [۴]

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۱۰

۱۱۔ یہ سب تھے جنہوں نے سراٹھا یا ملکوں میں

الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۱۱

۱۲۔ پھر بہت ڈالی اُن میں خرابی

فَاكثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۱۲

۱۳۔ پھر پھینکا اُن پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا [۸]

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۱۳



إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْبُرْصَادِ ﴿۲۳﴾

۱۳۔ بیشک تیرا رب لگا ہے گھات میں [۹]

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَ

۱۵۔ سو آدمی جو ہے جب جانچے اُسکو رب اُس کا پھر اُس کو عزت دے اور اُسکو نعمت دے تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی [۱۰]

نَعَّمَهُ ۗ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿۲۴﴾

۱۶۔ اور وہ جس وقت اُسکو جانچے پھر کھینچ کرے اُس پر روزی کی تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا [۱۱]

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۗ

فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۲۵﴾

۱۷۔ کوئی نہیں پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو [۱۲]

كَلَّا بَلْ لَا تَكْمُرُونَ الْيَتِيمَ ﴿۲۶﴾

۱۸۔ اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی [۱۳]

وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْبُسُكِيِّنَ ﴿۲۷﴾

۱۹۔ اور کھا جاتے ہو مر دے کا مال سمیٹ کر سارا [۱۴]

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّبًّا ﴿۲۸﴾

۲۰۔ اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر [۱۵]

وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَبًّا ﴿۲۹﴾

۲۱۔ کوئی نہیں جب پست کر دی جائے زمین کوٹ کوٹ کر [۱۶]

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۳۰﴾

۲۲۔ اور آئے تیرا رب [۱۷] اور فرشتے آئیں قطار قطار [۱۸]

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْبَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۳۱﴾

۲۳۔ اور لائی جائے اُس دن دوزخ [۱۹] اُس دن سوچے گا آدمی اور کہاں ملے اُسکو سوچنا [۲۰]

وَجِئْنَا يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۗ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ

الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿۳۲﴾

۲۴۔ کہے کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیجتا اپنی زندگی میں [۲۱]

يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿۳۳﴾

۲۵۔ پھر اُس دن عذاب نہ دے اُس کا سا کوئی

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿۳۴﴾

وَلَا يُؤْتِيْكَ وَثَقَةً اَحَدٌ ۝۲۶

۲۶۔ اور نہ باندھ کر رکھے اُس کا سا باندھنا کوئی [۲۲]

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝۲۷

۲۷۔ اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا

ارْجِعِيْ اِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝۲۸

۲۸۔ پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی

فَاَدْخُلِيْ فِيْ عَبْدِي ۝۲۹

۲۹۔ پھر شامل ہو میرے بندوں میں

وَاَدْخُلِيْ جَنَّتِي ۝۳۰

۳۰۔ اور داخل ہو میری بہشت میں [۲۳]

۱۔ ایام اور اوقات کی قسمیں: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”عید قربان کی فجر بڑا حج ادا ہوتا ہے اور دس رات اُس سے پہلے۔ اور جنت اور طاق رمضان کی آخری (عشرہ) دہائی میں ہے۔ اور جب رات کو چلے یعنی پیغمبر معراج کو”۔ یہ سب اوقات متبرک تھے اس لئے ان کی قسم کھائی۔ (تنبیہ) وَ اَلَيْلِ اِذَا يَسِرُ کے معنی عموماً مفسرین نے ”رات کے گزرنے“ یا ”اس کی تاریکی پھیلنے“ کے لئے ہیں۔ گویا صبح کی قسم کے مقابلے میں رات کے جانے یا آنے کی قسم کھائی۔ جیسا کہ جنت کے مقابل طاق کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور لَيْلِ اَعْشِرَةِ سے بھی ممکن ہے مطلق دس راتیں مراد ہوں کیونکہ اس کے افراد و مصداق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے۔ مہینہ کے شروع کی دس راتیں اول روشن ہوتی ہیں پھر تاریک اور اخیر کی دس راتیں ابتداء میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہوتی ہیں اور درمیانی دس راتوں کا حال ان دونوں سے جداگانہ ہے۔ گویا اس اختلاف و تقابل سے اشارہ فرما دیا کہ آدمی کو عیش و آرام یا مصیبت اور تنگی یا فراخی کی جو حالت پیش آئے مطمئن نہ ہو جائے اور یوں نہ سمجھے کہ اب اس کے خلاف دوسری حالت پیش نہ آئیگی اسے یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ خالق اضداد ہے جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے۔ ایسے ہی تمہارے حالات و کوائف کو بھی اپنی حکمت و مصلحت کے موافق ادل بدل کر تارہتا ہے چنانچہ آگے جو واقعات و مضامین مذکور ہیں ان میں اسی اصول پر متنبہ فرمایا ہے۔ (تنبیہ دوم) اس آیت کی تفسیر میں دو حدیثیں مرفوع آئی ہیں جابرؓ کی اور عمران بن حصینؓ کی، حافظ ابن کثیرؒ پہلی کی نسبت لکھتے ہیں وَ هَذَا اسنادٌ رجالة لابأس بهم و عندی ان المتن فی رفعه نكارة اور دوسری کی نسبت فرماتے ہیں و عندی ان وقفه علی عمران بن حصین اشبه والله اعلم۔

۲۔ یہ قسمیں اہل عقل کے لئے ہیں: یعنی یہ قسمیں معمولی نہیں، نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں اور عقلمند لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ تاکید کلام کے لئے ان میں ایک خاص عظمت و وقعت پائی جاتی ہے۔

۳۔ عاد اور ارم: ”عاد“ ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف یہ قوم منسوب ہوئی، ان کے اجداد میں سے ایک شخص ”ارم“ نامی تھا۔ اس کی طرف نسبت کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ یہاں ”عاد“ سے ”عاد اولیٰ“ مراد ہے۔ ”عاد ثانیہ“ نہیں، اور بعض نے کہا کہ ”قوم عاد“ میں جو شاہی خاندان تھا اس ”ارم“ کہتے تھے۔ واللہ اعلم۔

۴۔ اونچے ستونوں والے: یعنی ستون کھڑے کر کے بڑی بڑی اونچی عمارتیں بناتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانتے تھے اور بعض کے نزدیک ذَاتِ الْعِمَادِ کہہ کر ان کے اونچے قد و قامت اور ڈیل دول کو ستونوں سے تشبیہ دی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۔ یعنی اس وقت دنیا میں اس قوم جیسی کوئی مضبوط و طاقتور نہ تھی، یا ان کی عمارتیں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔

۶۔ وادی القریٰ: ”وادی القریٰ“ ان کے مقام کا نام ہے جہاں پہاڑ کے پتھروں کو تراش کر نہایت محفوظ و مضبوط مکان بناتے تھے۔

۷۔ یعنی بڑے لاء لشکر والا جس کو فوجی ضروریات کے لئے بہت کثیر مقدار میں میخیں رکھنا پڑتی تھیں یا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کو چومیخا کر کے سزا دیتا تھا۔

۸۔ ان سب نے فساد برپا کیا اور ہلاک ہوئے: یعنی ان قوموں نے عیش و دولت اور زور و قوت کے نشے میں مست ہو کر نملکوں میں خوب اودھم مچایا۔ بڑی بڑی شرارتیں کیں، اور ایسا سر اٹھایا، گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں؟ ہمیشہ اسی حال میں رہنا ہے! کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا؟ آخر جب انکے کفر و تکبر اور جو رسیم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مہلت و درگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ دفعۃً خداوند قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا۔ ان کی سب قوت اور بڑائی خاک میں مل گئی، اور وہ ساز و سامان کچھ کام نہ آیا۔

۹۔ اللہ ان کی گھات میں ہے: یعنی جیسے کوئی شخص گھات میں پوشیدہ رہ کر آنے جانے والوں کی خبر رکھتا ہے کہ فلاں کیوں گزرا اور کیا کرتا ہوا گیا، اور فلاں کیا لایا اور کیا لے گیا، پھر وقت آنے پر ان معلومات کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر سب بندوں کے ذرہ ذرہ احوال و اعمال دیکھتا ہے، کوئی حرکت و سکون اس سے مخفی نہیں، ہاں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، غافل بندے سمجھتے ہیں کہ بس کوئی دیکھنے اور پوچھنے والا نہیں۔ جو چاہو بے دھڑک کیے جاؤ۔ حالانکہ وقت آنے پر ان کا سارا کچا چھٹا کھول دیتا ہے اور ہر ایک سے انہی اعمال کے موافق معاملہ کرتا ہے جو شروع سے اس کے زیر نظر تھے اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی اور بندوں کا امتحان تھا کہ دیکھیں کن حالات میں کیا کچھ کرتے ہیں اور ایک عارضی حالت پر نظر کر کے آخری انجام کو تو نہیں بھولتے۔

۱۰۔ نعمت کے وقت انسان کی خود پسندی: یعنی میں اسی لائق تھا اس لئے عزت دی۔

۱۱۔ تنگی کے وقت شکوہ: یعنی میری قدر نہ کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی زندگی اور حالت حاضرہ پر ہے۔ بس دنیا کی موجودہ راحت و تکلیف ہی کو عزت و ذلت کا معیار سمجھتا ہے۔ نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہے۔ نعمت دے کر اس کی شکر گزاری اور سختی بھیج کر اس کے صبر و رضا کو جانچا جا رہا ہے۔ نہ یہاں کا عارضی عیش و آرام اللہ کے ہاں مقبول و معزز ہونے کی دلیل ہے۔ نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ مگر انسان اپنے افعال و اعمال پر نظر نہیں کرتا۔ اپنی بے عقلی یا بے حیائی سے رب پر الزام رکھتا ہے۔

۱۲۔ یتیموں کی عزت نہ کرنے کا انجام: یعنی خدا کے ہاں تمہاری عزت کیوں ہو، جب تم بے کس یتیموں کی عزت اور خاطر مدارات نہیں کرتے۔

۱۳۔ یعنی خود اپنے مال سے مسکینوں کی خبر گیری کرنا تو کجا، دوسروں کو بھی اس طرف نہیں ابھارتے کہ بھوکے محتاجوں کی خبر لے لیا کریں۔

۱۴۔ میراث لینے میں بے فکری: یعنی مردے کی میراث لینے میں حلال حرام اور حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں، جو قابو چڑھا ہضم کیا یتیموں اور مسکینوں کے حقوق تلف ہوں، ہونے دو۔

۱۵۔ تمہارے دل حب مال سے پُر ہیں: یعنی جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل مال کی حرص اور محبت سے بھرا ہوا ہے۔ بس کسی طرح مال ہاتھ آئے اور ایک پیسہ کسی نیک کام میں ہاتھ سے نہ نکلے خواہ آگے چل کر نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مال کی اس قدر محبت اور پرستش کہ آدمی اسی کو کعبہ مقصود ٹھہرا لے، صرف کافر کا شیوہ ہو سکتا ہے۔

۱۶۔ یعنی سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیے جائیں اور زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے۔

۱۷۔ ڈرو جب زمین کوٹی جائے گی: یعنی اپنی قہری تجلّی کے ساتھ جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

۱۸۔ یعنی میدان محشر میں آئیں گے وہاں انتظامات کے لئے۔

۱۹۔ یعنی لاکھوں فرشتے اُس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لائیں گے۔

۲۰۔ اس وقت انسان پچھتائے گا: یعنی اس وقت سمجھے گا کہ میں سخت غلطی اور غفلت میں تھا۔ مگر اس وقت کا سمجھنا کس کام کا سوچنے سمجھنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ دار العمل میں جو کام کرنا چاہیے تھا وہ دارالجزاء میں نہیں ہو سکتا۔

۲۱۔ اس وقت انسان کی حسرت کا حال: یعنی افسوس دنیا کی زندگی میں کچھ نیکی کر کے آگے نہ بھیجی۔ جو آج اس زندگی میں کام آتی۔ یونہی خالی ہاتھ چلا آیا۔ کاش حسنت کا کوئی ذخیرہ آگے روانہ کر دیتا۔ جو یہاں کے لئے توشہ بنتا۔

۲۲۔ مجرموں کو اللہ کا خاص عذاب: یعنی اللہ تعالیٰ اس دن مجرموں کو ایسی سخت سزا دیگا اور ایسی سخت قید میں رکھے گا کہ کسی دوسرے کی طرف سے اس طرح کی سختی کسی مجرم کے حق میں متصور نہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ ”اس روز نہ مارے گا اس کا سامان کوئی۔ نہ آگ نہ دوزخ کے موکل نہ سانپ بچھو، جو دوزخ میں ہونگے، کیونکہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے، اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہو گا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دیگا جو عذاب روحانی ہے۔ اور ظاہر ہے عذاب روحانی کو عذاب جسمانی سے کیا نسبت، نیز نہ باندھے گا اس کا سامان ہنا کوئی۔ کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈالیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اوپر سے سرپوش رکھ دیں گے، لیکن ان کی عقل اور خیال کو بند نہ کر سکیں گے اور عقل و خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں دوسری باتوں کے لئے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اس شخص کے کہ اللہ تعالیٰ عقل و خیال کو ادھر ادھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ درد ہی کی طرف متوجہ رکھے۔ تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجے سخت ہے۔ اسی لئے مجنوں سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت تنگی اور گھبراہٹ وہم و خیال کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔

۲۳۔ نفس مطمئنہ کو رضائے حق کی طرف دعوت: یعنی پہلے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا تھا، اب اس کے مقابل ان لوگوں کا انجام بتلاتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر اور اس کی طاعت سے چین اور آرام ملتا ہے ان سے محشر میں کہا جائیگا کہ اے نفس آرمیدہ بحق! جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہوئے تھا، اب ہر قسم کے جھگڑوں اور خرخشوں سے یکسو ہو کر راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اس کی عالیشان جنت میں قیام کر۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔ بلکہ عارفین کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارات کا کافی الجملہ حظ اٹھاتے ہیں۔ اللہم انی اسالک نفساً بک مطمئنۃ تو من بلقائک وترضی بقضائک و تقنع بعطائک (تنبیہ) نفس مطمئنہ، نفس اتارہ اور نفس لوامہ کی تحقیق سورۃ ”قیامہ“ کے شروع میں دیکھ لی جائے۔

تم سورۃ الفجر

آیاتها ۲۰

رکوعها ۱

## ۹۰ سُورَةُ الْبَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۳۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱۔ قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی [۱]
- ۲۔ اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں [۲]
- ۳۔ اور قسم ہے جنت کی اور جو اس نے جنتا [۳]
- ۴۔ تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں [۴]
- ۵۔ کیا خیال رکھتا ہے وہ کہ اُس پر بس نہ چلے گا کسی کا [۵]
- ۶۔ کہتا ہے میں نے خرچ کر ڈالا مال ڈھیروں [۶]
- ۷۔ کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اسکو کسی نے [۷]
- ۸۔ بھلا ہم نے نہیں دیں اُسکو دو آنکھیں [۸]
- ۹۔ اور زبان اور دو ہونٹ [۹]
- ۱۰۔ اور دکھلا دیں اُسکو دو گھائیاں [۱۰]
- ۱۱۔ سونہ دھک رکھا گھائی پر [۱۱]
- ۱۲۔ اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھائی
- ۱۳۔ چھڑانا گردن کا [۱۲]
- لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَدْرِ ﴿١﴾
- وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَدْرِ ﴿٢﴾
- وَوَالِدٍ وَّ مَا وَكَدَ ﴿٣﴾
- لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾
- أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾
- يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ﴿٦﴾
- أَيَحْسَبُ أَنْ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾
- أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾
- وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾
- وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾
- فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾
- وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾
- فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾

أَوْ اطْعَمْنِي يَوْمِي مَسْعَبَةَ ﴿١٣﴾

۱۳۔ یا کھلانا بھوک کے دن میں [۱۳]

يَتِيْبًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾

۱۵۔ یتیم کو جو قرابت والا ہے [۱۴]

أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾

۱۶۔ یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہے [۱۵]

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ

۱۷۔ پھر ہوئے ایمان والوں میں [۱۶] جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی [۱۷]

تَوَاصَوْا بِالرَّحْمَةِ ﴿١٧﴾

۱۸۔ وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے [۱۸]

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾

۱۹۔ اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے وہ ہیں کبختی والے [۱۹]

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الشِّمَّةِ ﴿١٩﴾

۲۰۔ انہی کو آگ میں موند دیا ہے [۲۰]

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ﴿٢٠﴾

۱۔ شہر مکہ کی قسم: یعنی مکہ معظمہ کی۔

۲۔ حرم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی رعایت: یعنی مکہ میں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی تھی جو کوئی آپ سے لڑا اس کو مارا۔ اور بعض سنگین مجرموں کو خاص کعبہ کی دیوار کے پاس قتل کیا گیا پھر اس دن کے بعد سے وہی ممانعت قیامت تک کے لئے قائم ہو گئی۔ چونکہ اس آیت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدا اند اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان اسی شہر مکہ میں دشمنوں کی طرف سے زہرہ گداز سختیاں جھیل رہا تھا۔ اس لئے درمیان میں بطور جملہ معرضہ وَأَنْتَ جِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ فرما کر تسلی کر دی کہ اگرچہ آج آپ کا احترام اس شہر کے جاہلوں میں نہیں ہے۔ لیکن ایک وقت آیا چاہتا ہے جب آپ کا اسی شہر میں فاتحانہ داخلہ ہو گا۔ اور اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر و تقدیس کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی بھی آپ کو اجازت ہو گی، یہ پیشین گوئی ۸ھ میں خدا کے فضل سے پوری ہوئی (تنبیہ) بعض نے وَأَنْتَ جِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ کے معنی و انت نازل کے لئے ہیں۔ یعنی میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں بحالیکہ آپ اس شہر میں پیدا کیے گئے اور قیام پذیر ہوئے۔

۳۔ یعنی آدم اور بنی آدم۔ وقیل غیر ذلک۔

۴۔ آدمی کو محنت میں پیدا کیا گیا: یعنی آدمی ابتداء سے انتہا تک مشقت اور رنج میں گرفتار ہے اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتا رہتا ہے کبھی مرض میں مبتلا ہے کبھی رنج میں کبھی فکر میں شاید عمر بھر میں کوئی لمحہ ایسا آتا ہو جب کوئی انسان تمام قسم کے خرنشوں اور محنت و تکلیف سے آزاد ہو کر بالکل بے فکری کی زندگی بسر کرے۔ حقیقت میں انسان کی پیدا نشی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان سختیوں اور بکھیڑوں سے نجات نہیں پاسکتا۔ آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ خود اس کی واضح دلیل ہے۔ اور مکہ جیسے سنگلاخ ملک کی زندگی خصوصاً اس وقت جبکہ وہاں فضل

الخلاق محمد رسول ﷺ سخت ترین جو روح جفا اور ظلم و ستم کے ہدف بنے ہوئے تھے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ کی نمایاں شہادت ہے۔  
 ۵۔ کیا انسان پر کسی کا قابو نہیں ہے: یعنی انسان جن سختیوں اور محنت و مشقت کی راہوں سے گزرتا ہے اس کا مقنضا تو یہ تھا کہ اس میں عجز و درماندگی پیدا ہوتی اور اپنے کو بستہ حکم و قضا سمجھ کر مطیع امر و تابع رضا ہوتا اور ہر وقت اپنی احتیاج و اقتدار کو پیش نظر رکھتا۔ لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہے۔ تو کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی نہیں جو اس پر قابو پاسکے اور اس کی سرکشی کی سزا دے سکے۔  
 ۶۔ کفار کا مال خرچ کرنا: یعنی رسول کی عداوت، اسلام کی مخالفت، اور معصیت کے مواقع میں یو نہی بے تکلے پن سے مال خرچ کرنے کو ہنر سمجھتا ہے پھر اسے بڑھا چڑھا کر فخر سے کہتا ہے کہ میں اتنا کثیر مال خرچ کر چکا ہوں۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی میرے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن آگے چل کر پتہ لگے گا کہ یہ سب خرچ کیا ہو اماں یو نہی برباد گیا۔ بلکہ الثاوبال جان ہوا۔  
 ۷۔ یعنی اللہ سب دیکھ رہا ہے۔ جتنا مال جس جگہ جس نیت سے خرچ کیا ہے۔ جھوٹی شہتی بگھارنے سے کچھ فائدہ نہیں۔  
 ۸۔ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں: یعنی جس نے دیکھنے کو آنکھیں دیں، کیا وہ خود دیکھتا نہ ہو گا؟ یقیناً جو سب کو بینائی دے وہ سب سے بڑھ کر بینا ہونا چاہیے۔

۹۔ کیا زبان اور ہونٹ نہیں بنائے: جن سے بات کرنے اور کھانے پینے میں مدد لیتا ہے۔

۱۰۔ اچھی اور بری دونوں راہیں بتا دیں: یعنی خیر اور شر دونوں کی راہیں بتلا دیں۔ تاکہ برے راستے سے بچے اور اچھے راستے پر چلے اور یہ بتلانا اجمالی طور پر عقل و فطرت سے ہو اور تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبان سے (تنبیہ) بعض نے ”عجدین“ سے مراد عورت کے پستان لئے ہیں۔ یعنی بچے کو دودھ پینے اور غذا حاصل کرنے کا راستہ بتلادیا۔

۱۱۔ دین کی گھاٹی: یعنی اس قدر انعامات کی بارش اور اسباب ہدایت کی موجودگی میں بھی اسے توفیق نہ ہوئی کہ دین کی گھاٹی پر آدھمکتا اور مکارم اخلاق کے راستوں کو طے کرتا ہو ان فو ز و فلاح کے بلند مقامات پر پہنچ جاتا (تنبیہ) دین کے کاموں کو گھاٹی اس لئے کہا کہ مخالفت ہو اکی وجہ سے ان کا انجام دینا نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے۔

۱۲۔ یعنی غلام آزاد کرنا۔ یا قرضدار کی گردن قرض سے چھڑوانا۔

۱۳۔ بھوک کے دن میں کھانا کھلانا: یعنی قحط کے دنوں میں بھوکوں کی خبر لینا۔

۱۴۔ یتیم کی خدمت کرنا ثواب اور قرا بتداروں کے ساتھ سلوک کرنا بھی ثواب، جہاں دونوں جمع ہو جائیں تو دہر ثواب ہو گا۔

۱۵۔ یعنی فقر و فاقہ اور تنگدستی سے خاک میں مل رہا ہو، یہ مواقع ہیں مال خرچ کرنے کے نہ یہ کہ شادی غمی کی فضول رسموں اور خدا کی نافرمانیوں میں روپیہ برباد کر کے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا وبال سر لیا جائے۔

۱۶۔ یعنی پھر ان سب اعمال کے مقبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے۔ اگر یہ چیز نہیں تو سب کیا کرایا اکارت ہے۔

۱۷۔ رحم اور صبر کی ایک دوسرے کو تاکید: یعنی ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ حقوق و فرائض کے ادا کرنے میں ہر قسم کی سختیوں کا تحمل کرو اور خدا کی مخلوق پر رحم کھاؤ، تا آسمان والا تم پر رحم کھائے۔

۱۸۔ اصحاب المیسرہ: یعنی یہ لوگ بڑے خوش نصیب اور میمون و مبارک ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور ان کا اعمال نامہ داپنے ہاتھ میں دیا جائیگا۔

۱۹۔ اصحاب المشرمہ: یعنی بد نصیب، منحوس، شامت زدہ جن کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اور عرش کے بائیں طرف کھڑے کیے جائیں گے۔

۲۰۔ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے: یعنی دوزخ میں ڈال کر سب دروازے نکلنے کے بند کر دیئے جائیں گے۔ اعاذنا اللہ منہا۔ تم سورۃ البلد

آیاتہا ۱۵

۹۱ سُورَةُ الشَّهِسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶

رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱۔ قسم سورج اور اُسکے دھوپ چڑھنے کی
- ۲۔ اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے [۱]
- ۳۔ اور دن کی جب اُسکو روشن کر لے [۲]
- ۴۔ اور رات کی جب اُسکو ڈھانک لیوے [۳]
- ۵۔ اور آسمان کی اور جیسا کہ اُسکو بنایا [۴]
- ۶۔ اور زمین کی اور جیسا کہ اُسکو پھیلایا [۵]
- ۷۔ اور جی کی اور جیسا کہ اُسکو ٹھیک بنایا [۶]
- ۸۔ پھر سمجھ دی اُسکو ڈھٹائی کی اور بیچ کر چلنے کی [۷]
- ۹۔ تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اُسکو سنوار لیا [۸]
- ۱۰۔ اور نامراد ہوا جس نے اُسکو خاک میں ملا چھوڑا [۹]
- ۱۱۔ جھٹلایا شہود نے اپنی شرارت سے [۱۰]
- ۱۲۔ جب اٹھ کھڑا ہو اُن میں کا بڑا بد بخت [۱۱]
- ۱۳۔ پھر کہاں اُنکو اللہ کے رسول نے خبردار ہو اللہ کی اونٹنی سے اور اُسکی پانی پینے کی باری سے [۱۲]

وَالشَّهِسِ وَضُحٰہَا ﴿۱﴾

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰہَا ﴿۲﴾

وَالنَّہَارِ اِذَا جَلٰہَا ﴿۳﴾

وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰہَا ﴿۴﴾

وَالسَّہَاۗءِ وَمَا بَنٰہَا ﴿۵﴾

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰہَا ﴿۶﴾

وَالنَّفْسِ وَمَا سَوٰہَا ﴿۷﴾

فَاَلٰہَمَہَا فُجُوْرَہَا وَتَقْوٰہَا ﴿۸﴾

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّٰہَا ﴿۹﴾

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّہَا ﴿۱۰﴾

كَذَّبَتْ شَمُوْدُ بَطْغُوْہَا ﴿۱۱﴾

اِذِ اُنْبَعَثَ اَشْقٰہَا ﴿۱۲﴾

فَقَالَ لَہُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نٰقَۃٌ اللّٰهِ وَسُقِیَہَا ﴿۱۳﴾



۱۴۔ پھر انہوں نے اُسکو جھٹلایا پھر پاؤں کاٹ ڈالے اُسکے پھر الٹ مارا اُن پر اُنکے رب نے بسبب اُنکے گناہوں کے پھر برابر کر دیا سب کو [۱۳]

۱۵۔ اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے [۱۴]

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم

بِذُنُوبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿۱۳﴾

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿۱۴﴾

۱۔ مخلوقات کی قسمیں: یعنی سورج غروب ہونے کے بعد جب اس کی چاندنی پھیلے۔

۲۔ مخلوقات کی قسمیں: یعنی جب دن میں سورج پوری روشنی اور صفائی کے ساتھ جلوہ گر ہو۔

۳۔ یعنی جب رات کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کی روشنی کا کچھ نشان دکھائی نہ دے۔

۴۔ یعنی جس شان و عظمت کا اس کو بنایا۔ اور بعض کے نزدیک مَابِتُّهَا سے مراد اس کا بنانے والا ہے۔

۵۔ یعنی جس حکمت سے اس کو پھیلا کر مخلوق کی بود و باش کے قابل کیا۔ یہاں بھی بعض نے مَاطَحَهَا سے اس کا پھیلانے والا مراد لیا ہے۔

۶۔ کہ اعتدال مزاج اور حواس ظاہری و باطنی اور قوائے طبعیہ حیوانیہ اور نفسانیہ سب اس کو دیے اور نیکی بدی کے راستوں پر چلنے کی استعداد رکھی۔

۷۔ آدمی کو فوج اور تقویٰ کی سمجھ دی گئی ہے: یعنی اڈل تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے بھلائی برائی میں فرق کرنے کی

سمجھ دی۔ پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبانی خوب کھول کھول کر بتلا دیا کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ پرہیز گاری کا ہے۔ اس کے بعد قلب میں جو

نیکی کار جان یا بدی کی طرف میلان ہو، ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ گو القاء اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے۔ اور ثانی میں شیطان پھر وہ

رجحان و میلان کبھی بندہ کے قصد اختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہے اسی

کسب خیر و شر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسمیب قائم ہے۔ و ہذہ المسئلۃ من معضلات المسائل۔ و تفصیلاً یطلب من مظاہرہا۔ و زید ان نفر دلہا جزء

ان ساعدنا التوفیق واللہ الموفق والمعین۔

۸۔ تزکیہ نفس ہی کامیابی ہے: یعنی نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کریں اور عقل کو شریعت

الہیہ کا تابع بنا دینے تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الہی کی روشنی سے متور ہو جائیں۔

۹۔ نفس کی اطاعت نامرادی: یعنی خاک میں ملا چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ یکسر شہوت و غضب کے ہاتھ میں دیدے۔ عقل و

شرع سے کچھ سروکار نہ رکھے۔ گویا خواہش اور ہوئی کا بندہ بن جائے۔ ایسا آدمی جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہے (تنبیہ) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا

قَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا جو اب قسم ہے اور اس کو مناسبت قسموں سے یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ اور چاند کی

چاندنی دن کا اجالا اور رات کا اندھیرا، آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا اور نفس انسانی میں خیر و شر کی متقابل

قوتیں رکھیں اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔ اسی طرح متضاد و مختلف اعمال پر مختلف ثمرات و نتائج مرتب کرنا بھی اسی حکیم

مطلق کا کام ہے خیر و شر اور ان دونوں کے مختلف آثار و نتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں و مناسب ہے جیسے

اندھیرے اور اجالے کا وجود۔

۱۰۔ جیسے ثمود نے جھٹلایا: یعنی حضرت صالحؑ کو جھٹلایا۔ یہ قَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا کی ایک مثال عبرت کے لئے بیان فرمادی سورۃ اعراف وغیرہ

میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے۔

۱۱۔ یہ بد بخت قذار بن سالف تھا۔

۱۲۔ حضرت صالح علیہ السلام کی تنبیہ: "یعنی خبردار اس کو قتل نہ کرنا اور نہ اس کا پانی بند کرنا۔ پانی کا ذکر اس لئے فرمایا کہ بظاہر اسی سبب سے وہ اس کے قتل پر آمادہ ہوئے تھے۔ اور "اللہ کی اونٹنی" اس اعتبار سے کہا کہ اللہ نے اس کو حضرت صالح کی نبوت کا ایک نشان بنایا تھا۔ اور اس کا احترام واجب کیا تھا۔ یہ قصہ پہلے اعراف وغیرہ میں گزر چکا۔"

۱۳۔ اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے: حضرت صالح نے فرمایا تھا وَلَا تَسْئُرْهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (اعراف-۷۳) (اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ سخت دردناک عذاب میں پھنس جاؤ گے) ان لوگوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا، پیغمبر کی تکذیب کی اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ آخر وہی ہوا جو حضرت صالح نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو مٹا کر برابر کر دیا۔

۱۴۔ پھر اللہ نے ان کو الٹ مارا: یعنی جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کی سزا دہی کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے یا انتظام ملکی میں خلل نہ پڑے اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ ایسی کونسی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کے لئے اس کا پیچھا کریگی؟ العیاذ باللہ۔

تم سورۃ الشمس

رکوعھا ۱

۹۲ سُورَةُ الْيَلِ مَكِّيَّةٌ ۹

آیاتھا ۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم رات کی جب چھا جائے

وَ الْيَلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾

۲۔ اور دن کی جب روشن ہو

وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ﴿۲﴾

۳۔ اور اُسکی جو اُس نے پیدا کئے نر اور مادہ

وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰی ﴿۳﴾

۴۔ تمہاری کمائی طرح طرح پر ہے [۱]

اِنَّ سَعِیْكُمْ لَشَتٰی ﴿۴﴾

۵۔ سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ﴿۵﴾

۶۔ اور سچ جانا بھلی بات کو

وَ صَدَقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۶﴾

۷۔ تو اُسکو ہم سچ سچ پہنچادیں گے آسانی میں [۲]

فَسَنُیَسِّرُهٗا لِّلْیَسْرٰی ﴿۷﴾

۸۔ اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا

وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ﴿۸﴾

۹۔ اور جھوٹ جانا بھلی بات کو

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ﴿۹﴾

۱۰۔ سو اُسکو ہم سچ سچ پہنچادیں گے سختی میں [۳]

فَسَنُیَسِّرُهٗا لِّلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور کام نہ آئے گا اُسکے مال اُس کا جب گڑھے میں  
گرے گا [۴]

وَ مَا یُعْغِیْ عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰی ﴿۱۱﴾

۱۲۔ ہمارا ذمہ ہے راہ بھادینا

اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی ﴿۱۲﴾

۱۳۔ اور ہمارے ہاتھ میں ہے آخرت اور دنیا [۵]

وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰی ﴿۱۳﴾

۱۴۔ سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی [۶]

۱۵۔ اُس میں وہی گرے گا جو بڑا بد بخت ہے

۱۶۔ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا [۷]

۱۷۔ اور بچادیں گے اُس سے بڑے ڈرنے والے کو [۸]

۱۸۔ جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو [۹]

۱۹۔ اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا بدلادے

۲۰۔ مگر واسطے چاہنے مرضی اپنے رب کی جو سب سے برتر ہے

۲۱۔ اور آگے وہ راضی ہو گا [۱۰]

فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى ﴿۱۳﴾

لَا يَصْلُهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿۱۵﴾

الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى ﴿۱۶﴾

وَسَيَجْزِيهَا الْآتَى ﴿۱۷﴾

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿۱۸﴾

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿۱۹﴾

إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿۲۰﴾

وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿۲۱﴾

۱۔ دن رات اور زور اور مادہ کی قسم: یعنی جس طرح دنیا میں رات اور دن، زور اور مادہ، مختلف و متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں، تمہارے اعمال اور کوششیں بھی مختلف و متضاد ہیں۔ پھر ان مختلف اعمال و مساعی پر ظاہر ہے ثمرات و نتائج بھی مختلف ہی مرتب ہوں گے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

۲۔ متقی اور نیکو کار کے لئے آسانی: یعنی جو شخص نیک راستہ میں مال خرچ کرتا اور دل میں خدا سے ڈرتا ہے اور اسلام کی بھلی باتوں کو سچ جانتا اور بشارت ربانی کو صحیح سمجھتا ہے، اس کے لئے ہم اپنی عادت کے موافق نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچادیں گے جس کا نام جنت ہے۔

۳۔ اچھائی کو جھٹلانے والے کا انجام: یعنی جس نے خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا، اس کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروانہ کی اور اسلام کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانا، اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائیگا۔ نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائے گی اور آخر کار آہستہ آہستہ عذاب الہی کی انتہائی سختی میں پہنچ جائیگا۔ یہی اللہ کی عادت ہے کہ سعداء جب نیک عمل اختیار کرتے ہیں اور اشقیاء جب بد عمل کی طرف چلتے ہیں تو دونوں کے لئے وہی راستہ آسان کر دیا جاتا ہے جو انہوں نے تقدیر الہی کے موافق اپنے ارادہ اور اختیار سے پسند کر لیا ہے كَلَّا نَسْبُدُّهُ هَوْلًا وَّ هَوْلًا مِّنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۗ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا (بنی اسرائیل۔ ۲۰)۔

۴۔ مال اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گا: یعنی جس مال و دولت پر گھمنڈ کر کے یہ آخرت کی طرف سے بے پروا ہو رہا تھا، وہ ذرا بھی عذاب الہی سے نہ بچا سکے گا۔

۵۔ دنیا اور آخرت ہمارے ہاتھ میں ہے: یعنی ہماری حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ کسی آدمی کو زبردستی نیک یا بد بننے پر مجبور کر دیں ہاں یہ ہم نے

اپنے ذمہ لیا ہے کہ سب کو نیکی بدی کی راہ سمجھادیں۔ اور بھلائی برائی کو خوب کھول کر بیان کر دیں۔ پھر جو شخص جو راہ اختیار کر لے دنیا اور آخرت میں اسی کے موافق اس سے برتاؤ کریں گے۔

۶۔ بھڑکتی ہوئی آگ کی خبر: اس ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے شاید دوزخ کا وہ طبقہ مراد ہو گا جو بڑے بھاری مجرموں اور بد بختوں کے لئے مخصوص ہے۔

۷۔ یعنی ہمیشہ کے لئے وہی گرے گا کہ پھر کبھی نکلنا نصیب نہ ہو گا۔ کما تدر علیہ النصوص۔

۸۔ اتقی اس آگ سے بچا لیا جائیگا: یعنی ایسے لوگوں کو اس کی ہوا تک بھی نہیں لگے گی۔ صاف بچا دیے جائیں گے۔

۹۔ اتقی کون ہے: یعنی نفس کو رذیلہ بخل و طمع وغیرہ سے پاک کرنا مقصود ہے۔ کسی طرح کا ریاہ اور نمود و نمائش یا دنیوی اغراض پیش نظر نہیں۔

۱۰۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت و برتری: یعنی خرچ کرنے سے کسی مخلوق کے احسان کا بدلہ اتارنا مقصود نہیں۔ بلکہ خالص رضاء مولیٰ کی طلب اور دیدار الہی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا ہے۔ تو وہ اطمینان رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائیگا اور اس کی یہ تمنا ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (توبہ۔ ۱۲۰)۔ (تنبیہ) اگرچہ مضمون آیات کا عام ہے۔ لیکن روایات کثیرہ شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں ہوا۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ان کی فضیلت و برتری کی ہے زہے نصیب اس بندے کے جس کے اتقی ہونے کی تصدیق آسمان سے ہو۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات۔ ۱۳) اور خود حضرت حق سے اس کو وَكَسَوَفَ يَرْضٰى كِي بَشَارَتِ سَأَلِ جَاءَ۔ فِى الْحَقِيْقَةِ حَضْرَتِ اَبُو بَكْرٍ صَدِيْقِ كِي حَقِّ مِيْنِ وَكَسَوَفَ يَرْضٰى كِي بَشَارَتِ اِيْكَ اَنْعَكَاسِ هِيَ اِسْ بَشَارَتِ عَظْمٰى كَا جُوْ اَگے نَبِي كَرِيْمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي حَقِّ مِيْنِ اَرْهٰى هِيَ وَكَسَوَفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

تم سورة الیل

## آیاتها ۱۱

## ۹۳ سُورَةُ الضُّحَىٰ مَكِّيَّةٌ ۱۱

## رکوعها ۱

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم دھوپ چڑھتے وقت کی

وَالضُّحَىٰ ﴿۱﴾

۲۔ اور رات کی جب چھا جائے

وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ﴿۲﴾

۳۔ نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ میزا رہا ہو<sup>[۱]</sup>

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ﴿۳﴾

۴۔ اور البتہ بچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے<sup>[۲]</sup>

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ﴿۴﴾

۵۔ اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہو گا<sup>[۳]</sup>

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿۵﴾

۶۔ بھلا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی<sup>[۴]</sup>

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوَىٰ ﴿۶﴾

۷۔ اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ بھائی<sup>[۵]</sup>

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ﴿۷﴾

۸۔ اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پروا کر دیا<sup>[۶]</sup>

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ﴿۸﴾

۹۔ سو جو یتیم ہو اُس کو مت دبا<sup>[۷]</sup>

فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تُقَهِّرْ ﴿۹﴾

۱۰۔ اور جو مانگتا ہو اُسکو مت جھڑک<sup>[۸]</sup>

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾

۱۱۔ اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر<sup>[۹]</sup>

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

۱۔ فترت وحی اور کفار کے طعن: یعنی روایات صحیحہ میں ہے کہ جبریل دیر تک رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ آئے (یعنی وحی قرآنی بند رہی)

مشرکین کہنے لگے کہ (بیچے) محمد ﷺ کو اس کے رب نے رخصت کر دیا۔ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ میرا گمان یہ ہے

(واللہ اعلم) کہ یہ زمانہ فترۃ الوحی کا ہے جب سورۃ ”اقراء“ کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رکی رہی تھی اور

حضور ﷺ خود اس فترت کے زمانہ میں سخت مغموم و مضطرب رہتے تھے، تا آنکہ فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (مدثر-۱) کا خطاب سنایا! اغلب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ میگوئیاں کی ہوں۔ چنانچہ ابن کثیرؒ نے محمد بن اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ اسی احتمال کی تاکید کرتے ہیں۔ ممکن ہے اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا جو بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے، تو ایک (خبیث) عورت کہنے لگی۔ اے محمد! (ﷺ) معلوم ہوتا ہے، تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے (العیاذ باللہ) غرض ان سب خرافات کا جواب سورۃ ”الضحیٰ“ میں دیا گیا ہے۔

اللہ آپ سے ناراض نہیں ہے: پہلے قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی۔ پھر فرمایا کہ (دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں) نہ تیرا رب تجھ سے ناراض اور بیزار ہوا نہ تجھ کو رخصت کیا۔ بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت و حکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا، اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے، یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں۔ اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ تو چند روز نوری کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آج کل خدا اپنے منتخب کیے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے۔ گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا؟ العیاذ باللہ۔

۲۔ یعنی آپ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے نزول و انحطاط کا سبب نہیں، بلکہ بیش از بیش عروج و ارتقا کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان و شکوہ کا، جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز و اکرام سے بے شمار درجہ بڑھ کر ہے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر دینے کا وعدہ: یعنی ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا کیسا، ابھی تو تیرا رب تجھ کو (دنیا و آخرت میں) اس قدر دوستیں اور نعمتیں عطا فرمایا کہ تو پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جائے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے (ﷺ)۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یتیمی: حضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپ کے والد وفات پا چکے تھے چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ نے رحلت کی۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا (عبدالمطلب) کی کفالت میں رہے۔ آخر اس در یتیم اور نادارہ روزگار کی ظاہری تربیت و پرورش کی سعادت آپ کے بچہ شفیق چچا ابوطالب کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے زندگی بھر آپ کی نصرت و حمایت اور تکریم و تحمیل میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ چند روز بعد یہ امانت الہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی۔ “اوس” اور “خزرج” کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ اور انہوں نے اس کی حفاظت اس طرح کی جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ایواء کے تحت میں داخل ہیں۔ کما اشارت الیہ ابن کثیرؒ۔

۵: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کاملہ عطاء کی: جب حضرت جو ان ہوئے قوم کے مشرکانہ اطوار اور یہودہ رسم و راہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اندر ہی اندر جوش مارتا تھا، لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے “غار حراء” میں فرشتہ کو وحی دیکر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں۔

یعنی دین حق نازل فرمایا۔ مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِنْسَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا تَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا الْخ (شوریٰ-۵۲)۔  
(تنبیہ) یہاں ضَالًّا کے معنی کرتے وقت سورۃ ”یوسف“ کی آیت قَالُوا تَأَلَّفَهُ إِنَّكَ لَنَعِي ضَلَلِكَ الْقَدِيمِ (یوسف-۹۵) کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۶۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی کر دیا: یعنی اس طرح کہ حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضارب ہو گئے۔ اس میں نفع ملا پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غنا تھا۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ غنی عن العالمین ہی جانتا ہے۔ کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے مورد انعامات رہے ہیں آئندہ بھی رہیں گے۔ جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت فرمائی۔ کیا وہ خفا ہو کر آپ کو یونہی درمیان میں چھوڑ دے گا۔ استغفر اللہ۔  
۷۔ یتیموں کی دل جوئی کرو: بلکہ اس کی خبر گیری اور دلجوئی کر۔ جس طرح تم کو یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا۔ تم دوسرے یتیموں کو ٹھکانا دو۔ اسی طرح کے مکارم اخلاق اختیار کرنے سے بندہ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ صبغة الله ومن احسن من الله صبغة حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا و کافل الیتیم کھاتین و اشار الی السبابة والوسطی۔

۸۔ یعنی تم نادار تھے، اللہ تعالیٰ نے غنا عطا فرمایا۔ اب شکر گزار بندے کا حوصلہ یہی ہونا چاہیے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہو اور حاجتمندوں کے سوال سے گھبرا کر جھڑکنے ڈانٹنے کا شیوہ اختیار نہ کرے۔ بلکہ فراخ دل اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ احادیث میں ساکین کے مقابلہ پر آپ کی وسعت اخلاق کے جو قصے منقول ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالف کو آپ کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیتے ہیں (تنبیہ) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سائل کے زجر کی ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے۔ ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے اس وقت زجر جائز ہے۔

۹۔ اللہ کے احسانات کی تذکیر کیجیے: محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گزاری (نہ بقصد فخر و مباہات) چرچا کرنا شرعاً محمود ہے۔ لہذا جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمائے ان کو بیان کیجیے۔ خصوصاً وہ نعمت ہدایت جس کا ذکر وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ میں ہوا۔ اس کا لوگوں میں پھیلانا اور کھول کھول کر بیان کرنا تو آپ کا فرض منصبی ہے۔ شاید آپ کے ارشادات وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے۔ وہ اسی لفظ فَحَدَّثَ سے لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

تم سورۃ الضحیٰ



## آیاتها ۸

## ۹۲ سُورَةُ الْمَنْشُورِ مَكِّيَّةٌ ۱۲

## رکوعها ۱

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ<sup>[۱]</sup>

الْمَنْشُورِ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾

۲۔ اور اتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾

۳۔ جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری<sup>[۲]</sup>

الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾

۴۔ اور بلند کیا ہم نے مذکور تیرا<sup>[۳]</sup>

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾

۵۔ سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾

۶۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے<sup>[۴]</sup>

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾

۷۔ پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ﴿۷﴾

۸۔ اور اپنے رب کی طرف دل لگا<sup>[۵]</sup>

وَالِإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

۱۔ علوم و معارف کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کھول دیا: کہ اُس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بیشمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں (تنبیہ) احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے متعدد مرتبہ آپ کا سینہ چاک کیا۔ لیکن مدلول آیت کا بظاہر وہ معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ اتار دیا: وحی کا اتارنا اول سخت مشکل تھا۔ پھر آسان ہو گیا۔ یا منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے خاطر شریف پر گرانی گزرتی ہوگی۔ وہ رفع کر دی گئی۔ یا ”وزر“ سے وہ امور مباحہ مراد ہوں جو گاہ بگاہ آپ قرین حکمت و صواب سمجھ کر کر لیتے تھے اور بعد میں ان کا خلاف حکمت یا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہوتا تھا اور آپ ﷺ بوجہ علو شان اور غایت قرب کے اس سے ایسے ہی مغموم ہوتے تھے جس طرح کوئی گناہ سے مغموم ہوتا ہے۔ تو اس آیت میں ان پر مواخذہ نہ ہونے کی بشارت ہوئی۔ کذا روی عن بعض السلف۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی۔ قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا ہو گا۔ اللہ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا وہ دشواریاں جاتی

رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلندی دی: یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ ﷺ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سجدہ ار انسان نہایت عزت و وقعت سے آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان، اقامت خطبہ، کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام لیا جاتا ہے اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ ﷺ کی فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔

۴۔ مشکل کے بعد آسانی ہے: یعنی اللہ کی رضا جوئی میں جو سختیاں آپ ﷺ نے برداشت کیں اور رنج و تعب کھینچے۔ ان میں سے ہر ایک سختی کے ساتھ کئی کئی آسانیاں ہیں۔ مثلاً حوصلہ فراخ کر دینا جس سے ان مشکلات کا اٹھانا سہل ہو گیا۔ اور ذکر کا بلند کرنا، جس کا تصور بڑی بڑی مصیبتوں کے تحمل کو آسان کر دیتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ہم نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت رفع کر دی جیسا کہ اَلَمْ نَشْهَمْ اَلْخ سے معلوم ہوا تو اس سے دنیوی راحت و محنت میں بھی ہمارے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بیشک موجودہ مشکلات کے بعد آسانی ہونے والی ہے اور تاکید مزید کے لئے پھر کہتے ہیں کہ ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہو کر رہے گی۔ چنانچہ احادیث و سیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب مشکلات ایک ایک کر کے دور کر دی گئیں۔ اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی آسانیاں لے کر آئی۔ اب بھی عادت اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے، امتداد زمانہ سے گھبرا کر آس نہ توڑ بیٹھے ضرور اللہ اس کے حق میں آسانی کرے گا۔ ایک طرح کی نہیں، کئی طرح کی وافی الحدیث لن یغلب عسماً یسارین وفیہ ایضاً لوجاء العسمر فدخل هذا الجحرا لواء الیسر حتی یدخل علیہ فیخارجہ۔

۵۔ تنہائی میں توجہ الی اللہ کی ترغیب: یعنی جب خلق کے سمجھانے سے فراغت پائے تو خلوت میں بیٹھ کر محنت کر، تا مزید لیسر کا سبب بنے۔ اور اپنے رب کی طرف (بلا واسطہ) متوجہ ہو (تنبیہ) خلق کو سمجھانا اور نصیحت کرنا آپ ﷺ کی اعلیٰ ترین عبادت تھی لیکن اس میں فی الجملہ مخلوق کا توسط ہوتا تھا۔ مطلوب یہ ہے کہ ادھر سے ہٹ کر بلا واسطہ بھی متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کی تفسیر اور کئی طرح کی گئی ہے مگر اقرب یہی معلوم ہوتی ہے۔

تم سورة الم نشرح

## آیاتها ۸

## رکوعها ۱

## ۹۵ سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ ۲۸

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ قسم انجیر کی اور زیتون کی [۱]

وَالتِّیْنِ وَ الزَّیْتُونِ ﴿۱﴾

۲۔ اور طور سینین کی

وَ طُوْرٍ سِیْنِیْنٍ ﴿۲﴾

۳۔ اور اُس شہر امن والے کی [۲]

وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ﴿۳﴾

۴۔ ہم نے بنایا آدمی خوب سے اندازے پر [۳]

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾

۵۔ پھر پھینک دیا اسکو نیچوں سے نیچے [۴]

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنٍ ﴿۵﴾

۶۔ مگر جو یقین لائے اور عمل کئے اچھے سوائے لے ثواب ہے بے انتہا [۵]

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ

غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾

۷۔ پھر تو اُسکے پیچھے کیوں جھٹلائے بدلا ملنے کو [۶]

فَمَا یُكْذِبُكَ بَعْدُ بِالذِّیْنِ ﴿۷﴾

۸۔ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم [۷]

اَلِیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸﴾

۱۔ انجیر اور زیتون کی قسم: انجیر اور زیتون دونوں چیزیں نہایت کثیر المنافع اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ کے ساتھ خصوصی مشابہت رکھتی ہیں۔ اسی لئے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ کے مضمون کو ان دونوں قسم سے شروع کیا۔ اور بعض محققین کہتے ہیں کہ یہاں التِّیْنِ اور الزَّیْتُونِ سے دو پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے جن کے قریب ”بیت المقدس“ واقع ہے۔ گویا ان درختوں کی قسم مقصود نہیں۔ بلکہ اُس مقام مقدس کی قسم کھائی ہے جہاں یہ درخت بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہی مولد و مبعث حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔

۲۔ طور سینین: طُوْرٍ سِیْنِیْنٍ یا ”طور سینا“ وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے شرف ہمکلامی بخشا۔ اور ”امن والا شہر“ مکہ معظمہ ہے جہاں سارے عالم کے سردار حضرت محمد رسول ﷺ مبعوث ہوئے اور اللہ کی سب سے بڑی اور آخری امانت (قرآن کریم) اول اسی شہر

میں اتاری گئی۔ تورات کے آخر میں ہے "اللہ طور سیناء سے آیا اور ساعیر سے چکا (جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے) اور فاران سے بلند ہو کر پھیلا۔"  
(فاران مکہ کے پہاڑ ہیں)۔"

۳۔ انسان تخلیق میں سب سے بہتر: یعنی یہ سب مقامات متبرکہ جہاں سے ایسے ایسے اولوالعزم پیغمبر اٹھے گواہ ہیں کہ ہم نے انسان کو کیسے اچھے سانچے میں ڈھالا، اور کیسی کچھ قوتیں اور ظاہری و باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے گونے سبقت لے جائے بلکہ مسجود ملائکہ بنے۔

۴۔ جانوروں سے بدتر: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس کو لائق بنایا فرشتوں کے مقام کا۔ پھر جب منکر ہو تو جانوروں سے بدتر ہے۔  
۵۔ جو کبھی کم یا ختم نہ ہوگا۔

۶۔ ایمان اور عمل صالح پر بے انتہا اجر: یعنی او آدمی! ان دلائل کے بعد کیا سبب ہے جس کی بناء پر سلسلہ جزاء و سزا کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ یا یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوگا۔ یعنی ایسے صاف بیانات کے بعد کیا چیز ہے جو منکرین کو جزاء کے معاملہ میں تمہاری تکذیب پر آمادہ کرتی ہے۔ خیال کرو! انسان کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔ اس کا توام الہی ترکیب سے بنایا کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے کوئی مخلوق اس کی ہمسری نہ کر سکے، چنانچہ اس کے کامل نمونے دنیا نے شام، بیت المقدس، کوہ طور اور مکہ معظمہ میں اپنے اپنے وقت پر دیکھ لئے جن کے نقش قدم پر اگر آدمی چلیں تو انسانی کمالات اور دارین کے کامیابی کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچ جائیں۔ لیکن انسان خود اپنی بد تمیزی اور بد عملی سے ذلت و ہلاکت کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو گنوا دیتا ہے۔ کسی ایماندار اور نیکوکار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا۔ بلکہ اس کے تھوڑے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔ کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزاء و سزا کے ایسے معقول قاعدوں کو جھٹلا سکے؟ ہاں ایک ہی صورت تکذیب و انکار کی ہو سکتی ہے کہ دنیا کو یونہی ایک بے سزا کارخانہ فرض کر لیا جائے جس پر نہ کسی کی حکومت ہو نہ یہاں کوئی آئین و قانون جاری ہو، نہ کسی بھلے برے پر کوئی گرفت کر سکے، اس کا جواب آگے دیتے ہیں۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ۔

۷۔ کیا اللہ حاکموں کا حاکم نہیں: یعنی اس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں۔ جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے وفاداروں کو انعام، اور مجرموں کو سزا دیتی ہیں تو اس احکم الحاکمین کی سرکار سے یہ توقع کیوں نہ رکھی جائے۔

تم سورۃ التین

آیاتھا ۱۹

رکوعھا ۱

## ۹۶ سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے [۱] جو سب کا بنانے والا ہے [۲]

۲۔ بنایا آدمی کو جسے ہوئے لہو سے [۳]

۳۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے [۴]

۴۔ جس نے علم سکھایا قلم سے [۵]

۵۔ سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا [۶]

۶۔ کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے

۷۔ کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پروا [۷]

۸۔ بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے [۸]

۹۔ تو نے دیکھا اسکو جو منع کرتا ہے

۱۰۔ ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے [۹]

۱۱۔ بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر

۱۲۔ یا سکھلا تا ڈر کے کام

۱۳۔ بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا [۱۰]

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴿۱﴾

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴿۳﴾

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيْطَغِي ﴿۶﴾

أَنْ رَّاهُ اسْتَغْنَى ﴿۷﴾

إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ﴿۸﴾

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿۹﴾

عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿۱۰﴾

أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ ﴿۱۱﴾

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ﴿۱۲﴾

أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۳﴾

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٣﴾

۱۳۔ یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے [۱۱]

كَلَّا لَبِئْسَ لَمَّا يَنْتَهٰهُ لِنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾

۱۵۔ کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر [۱۲]

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾

۱۶۔ کیسی چوٹی جھوٹی گنہگار [۱۳]

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾

۱۷۔ اب بلا ليوے اپنے مجلس والوں کو

سَدْعُ الزَّبَانِيَةِ ﴿١٨﴾

۱۸۔ ہم بھی بلاتے ہیں پیدائے سیاست کرنے کو [۱۴]

كَلَّا لَا تَطْعَهُ وَاَسْجُدْ وَاَقْتَرِبْ ﴿١٩﴾

۱۹۔ کوئی نہیں مت مان اُسکا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو [۱۵]

۱۔ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیات: یہ پانچ آیتیں (اِقْرَأْ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تِك) قرآن کی سب آیتوں اور سورتوں سے پہلے اتریں۔ آپ ﷺ "غار حراء" میں خدائے واحد کی عبادت کر رہے تھے کہ اچانک حضرت جبریلؑ وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ کو کہا اِقْرَأْ (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا مانا بقارئ (میں پڑھا ہوا نہیں) جبریلؑ نے کئی بار آپ ﷺ کو زور زور سے دبا یا، اور بار بار وہی لفظ اِقْرَأْ کہا۔ آپ ﷺ وہی مانا بقارئؑ جو اب دیتے رہے۔ تیسری مرتبہ جبریلؑ نے زور سے دبا کر کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ یعنی اپنے رب کے نام کی برکت اور مدد سے پڑھیے۔ مطلب یہ ہے کہ جس رب نے ولادت سے اس وقت تک آپ ﷺ کی ایک عجیب اور زراعی شان سے تربیت فرمائی جو پتہ دیتی ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی بڑا کام لیا جائیو الا ہے کیا وہ آپ ﷺ کو ادھر میں چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی کے نام پر آپ ﷺ کی تعلیم ہوگی جس کی مہربانی سے تربیت ہوئی ہے۔

۲۔ یعنی جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا، کیا وہ تم میں صفت قرآء پیدا نہیں کر سکتا۔

۳۔ جسے ہوئے خون سے انسان کی پیدائش: جسے ہوئے خون میں نہ حس ہے نہ شعور، نہ علم نہ ادراک، محض جماد لا یعقل ہے، پھر جو خدا جماد لا یعقل کو انسان عاقل بناتا ہے، وہ ایک عاقل کو کامل اور ایک اُٹی کو قاری و عالم نہیں بنا سکتا۔ یہاں تک قرأت کا امکان ثابت کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں کہ تم کو باوجود اُٹی ہونے کے قاری بنا دے، آگے اس کی فعلیت اور وقوع پر متنبہ فرماتے ہیں۔

۴۔ یعنی آپ ﷺ کی تربیت جس شان سے کی گئی، اس سے آپ ﷺ کی کامل استعداد اور لیاقت نمایاں ہے جب ادھر سے استعداد میں قصور نہیں اور ادھر سے مبداء فیاض میں بخل نہیں۔ بلکہ وہ تمام کریموں سے بڑھ کر کریم ہے۔ پھر وصول فیض میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے ضرور ہے کہ یونہی ہو کر رہے۔

۵۔ قلم کے ذریعے علم سکھایا: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت نے کبھی لکھا پڑھانہ تھا، فرمایا کہ قلم سے بھی علم وہی دیتا ہے یوں بھی وہی دیگا"۔ اور ممکن ہے ادھر بھی اشارہ ہو کہ جس طرح مفیض و مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے، اللہ اور محمد ﷺ کے درمیان جبریلؑ محض ایک واسطہ ہیں۔ جس طرح قلم کا توسط اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو جائے۔ ایسے ہی یہاں حقیقت جبریلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم آتا۔

۶۔ انسان کو جہل سے نجات دی: یعنی انسان کا بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے بس وہی رب قدیر جو انسان کو جاہل سے عالم بناتا ہے، اپنے ایک اُمّی کو عارف کامل بلکہ تمام عارفوں کا سردار بنا دے گا۔

۷۔ آدمی کی حقیقت اور اس کا غرور: یعنی آدمی کی اصل تو اتنی ہے کہ جسے ہوئے خون سے بنا اور جاہل محض تھا، خدا نے علم دیا، مگر وہ اپنی اصل حقیقت کو ذرا یاد نہیں رکھتا۔ دنیا کے مال و دولت پر مغرور ہو کر سرکشی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

۸۔ لوٹ کر تو اللہ ہی کے پاس جانا ہے: یعنی اوّل بھی اس نے پیدا کیا اور آخر بھی اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلے گی۔

۹۔ ابو جہل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا: یعنی اس کی سرکشی اور تمرد کو دیکھو کہ خود تو اپنے رب کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں، دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے، اسے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ان آیات میں اشارہ ابو جہل ملعون کی طرف ہے۔ جب وہ حضرت کو نماز پڑھتے دیکھتا تو چڑھتا اور دھمکاتا تھا اور طرح طرح سے ایذا میں پہنچانے کی سعی کرتا تھا۔

۱۰۔ یعنی نیک راہ پر ہوتا پھلے کام سکھاتا تو کیا اچھا آدمی ہوتا۔ اب جو منہ موڑتا تو ہمارا کیا بگاڑا۔ کذافی موضح القرآن۔ وللمفسرین اقوال فی تفسیرہا من شاء الاطلاع علیہا فلیراجع روح المعانی۔

۱۱۔ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے: یعنی اس ملعون کی شرارتوں کو اور اس نیک بندے کے خشوع و خضوع کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

۱۲۔ اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے: یعنی رہنے دو! یہ سب کچھ جانتا ہے۔ پر اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔

۱۳۔ یعنی جس سر پر یہ چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ گویا اس کا دروغ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔

۱۴۔ ابو جہل کے تکبر کا جواب: ابو جہل نے ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا۔ کہنے لگا کیا جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے۔ اس پر فرماتے ہیں کہ اب وہ اپنی مجلس والے ساتھیوں کو بلا لے۔ ہم بھی اس کی گوشالی کے لئے اپنے سپاہی بلا لے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے۔ چند روز بعد ”بدر“ کے میدان میں دیکھ لیا کہ اسلام کے سپاہیوں نے اسے کس طرح گھسیٹ کر ”قلیب بدر“ میں پھینک دیا۔ باقی اصل وقت گھسیٹ جانے کا آخرت ہے جب دوزخ کے فرشتے اس کو نہایت ذلت کے ساتھ جہنم رسید کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنے کا واقعہ: روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دیکھ کر چلا کہ بے ادبی کرے وہاں پہنچا نہ تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ مجھے اپنے اور محمد کے درمیان ایک آگ کی خندق نظر آئی جس میں کچھ پر رکھنے والی مخلوق تھی۔ میں گھبرا کر واپس آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ (ملعون) ذرا آگے بڑھتا فرشتے اس کی بوٹی بوٹی جدا کر دیتے۔ گویا آخرت سے پہلے ہی دنیا میں اس کو سَنَدُ الذَّبَانِيَةِ کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھلا دیا۔ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے ”زبانیت“ سے دوزخ کے فرشتے مراد لئے ہیں۔

۱۵۔ سجدہ اور قرب الہی: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہر گز پروا نہ کیجیے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریے۔ جہاں چاہو شوق سے اللہ کی عبادت کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش قرب حاصل کرتے رہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ ”بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے۔“

تم سورۃ العلق

رکوعها ۱

۹۷ سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۲۵

آیاتها ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ ہم نے اُسکو اتارا شب قدر میں [۱]

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾

۲۔ اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾

۳۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے [۲]

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾

۴۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے [۳] ہر کام پر [۴]

تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالرُّوْحُ فِيهَا يَأْتِي رَبَّهُمْ مِّنْ

كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾

۵۔ امان ہے [۵] وہ رات صبح کے نکلنے تک [۶]

سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطَلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

۱۔ شب قدر میں قرآن کریم کا نزول: یعنی قرآن مجید "لوح محفوظ" سے سماء دنیا پر "شب قدر" میں اتارا گیا اور شاید اسی شب میں سماء دنیا سے پیغمبر ﷺ پر اترا شروع ہوا۔ اس کے متعلق کچھ مضمون سورۃ "دخان" میں گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

۲۔ شب قدر میں نیکی کا ہزار گنا سے زائد ثواب: یعنی اس رات میں نیکی کرنا ایسا ہے گویا ہزار مہینے تک نیکی کرتا رہا۔ بلکہ اس سے بھی زائد۔

۳۔ شب قدر میں حضرت جبریل علیہ السلام اور فرشتوں کا نزول: "یعنی اللہ کے حکم سے روح القدس (حضرت جبریل) بیٹھار فرشتوں کے ہجوم میں نیچے اترتے ہیں۔ تاکہ عظیم الشان خیر و برکت سے زمین والوں کو مستفیض کریں۔ اور ممکن ہے "روح" سے مراد فرشتوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو۔ بہر حال اس مبارک شب میں باطنی حیات اور روحانی خیر و برکت کا ایک خاص نزول ہوتا ہے۔

۴۔ یعنی انتظام عالم کے متعلق جو کام اس سال میں مقدر ہیں ان کے نفاذ کی تعیین کے لئے فرشتے آتے ہیں۔ کما مرفی سورۃ الدخان۔ یا مَعْنَى كُنْ أَمْرٍ سے امر خیر مراد ہو۔ یعنی ہر قسم کے امور خیر لے کر آسمان سے اترتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۔ امن و سلام کی رات: یعنی وہ رات امن و چین اور دلجمعی کی رات ہے۔ اس میں اللہ والے لوگ عجیب و غریب طمانیت اور لذت و حلاوت اپنی عبادت کے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ اثر ہوتا ہے نزول رحمت و برکت کا جو روح و ملائکہ کے توسط سے ظہور میں آتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس رات جبریل اور فرشتے عابدین و ذاکرین پر صلوة و سلام بھیجتے ہیں۔ یعنی ان کے حق میں رحمت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

۶۔ شب قدر فجر تک رہتی ہے: یعنی شام سے صبح تک ساری رات یہی سلسلہ رہتا ہے اس طرح وہ پوری رات مبارک ہے (تنبیہ) قرآن سے



معلوم ہوا کہ وہ رات رمضان شریف میں ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرہ-۱۸۵) اور حدیث صحیح نے بتلایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں خصوصاً عشرہ کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرنا چاہیے، پھر طاق راتوں میں بھی ستائیسویں شب پر گمان غالب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ ”شب قدر“ ہمیشہ کے لئے کسی ایک رات میں متعین نہیں ممکن ہے ایک رمضان میں کوئی رات ہو، دوسرے میں دوسری۔

### تم سورة القدر

رکوعها

۹۸ سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ ۱۰

آیاتها ۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں اہل کتاب اور مشرک [۱] باز  
آنے والے یہاں تک کہ پہنچے اُنکے پاس کھلی بات

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ  
الْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱

۲۔ ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہو ورق پاک [۲]

رَسُولٍ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲

۳۔ اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط [۳]

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳

۴۔ اور وہ جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں سوجب کہ آچکی  
اُنکے پاس کھلی بات [۴]

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا  
جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ۝۴

۵۔ اور انکو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے  
اُسکے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر [۵] اور قائم رکھیں نماز  
اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی [۶]

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ  
الدِّينَ ۝۵ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا  
الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

۶۔ اور جو منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک ہونگے دوزخ  
کی آگ میں سدا رہیں اُس میں [۶] وہ لوگ ہیں سب خلق  
سے بدتر [۸]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ  
فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۝۶ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ  
الْبَرِيَّةِ ۝۶

۷۔ وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ ہیں

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۝۷ أُولَٰئِكَ هُمْ

## خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

سب خلق سے بہتر [۹]

۸۔ بدلائن کا اُنکے رب کے یہاں باغ ہیں ہمیشہ رہنے کو  
نیچے بہتی ہیں اُنکے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ اللہ اُن  
سے راضی اور وہ اُس سے راضی [۱۰] یہ ملتا ہے اسکو جو ڈرا  
اپنے رب سے [۱۱]

جَزَاءُ لَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۝ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝

۱۔ اہل کتاب اور مشرکین: "اہل کتاب" یہود و نصاریٰ ہوئے اور "مشرکین" وہ قومیں جو بت پرستی یا آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا تھیں اور کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ نہ تھی۔

۲۔ کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم): آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے سب دین والے بگڑ چکے تھے۔ اور ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور تھا اب چاہیے کسی حکیم یا ولی یا بادشاہ عادل کے سمجھانے سے راہ پر آجائیں تو یہ ممکن نہ تھا۔ جب تک ایک ایسا عظیم القدر رسول نہ آئے جس کے ساتھ اللہ کی پاک کتاب اس کی قوی مدد ہو کہ چند سال میں ایک ایک ملک کو ایمان کی روشنی سے بھر دے اور اپنی زبردست تعلیم اور ہمت و عزیمت سے دنیا کی کاپیٹل کر دے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ کی کتاب پڑھتا ہوا آیا جو پاک و راقوں میں لکھی ہوئی ہے۔

۳۔ ہر سورت مستقل ایک کتاب ہے: یعنی قرآن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ جو عمدہ کتابیں پہلے آچکی ہیں ان سب کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج کر دیے گئے ہیں یا کُتِبَتْ قِيبَةً سے علوم و مضامین مراد ہیں۔ یعنی اس کے علوم بالکل صحیح و راست اور مضامین نہایت مضبوط و معتدل ہیں۔

۴۔ اہل کتاب کا تفرقہ: یعنی اس رسول اور اس کتاب کے آئے پیچھے شبہ نہیں رہا۔ پھر اب اہل کتاب ضد سے مخالف ہیں۔ شبہ سے نہیں اسی لئے ان میں دو فریق ہو گئے۔ جس نے ضد کی منکر رہا۔ جس نے انصاف کیا ایمان لے آیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس پیغمبر آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے آنے پر اپنے تمام اختلافات کو ختم کر کے سب ایک راستہ پر پڑھ لیتے مگر انہوں نے اپنی بد بختی اور عناد سے سب وحدت و اجتماع کو خلاف و شقاق کا ذریعہ بنا لیا۔ جب اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکوں کا تو پوچھنا کیا۔

بیئہ کی تفسیر: حضرت شاہ عبدالعزیز نے یہاں اَلْبَيْتَةِ کا مصداق حضرت مسیح کو ٹھہرایا ہے۔ یعنی جب حضرت مسیح کھلے کھلے نشان لے کر آئے یہود دشمن ہو گئے۔ اور نصاریٰ نے بھی دنیوی اغراض میں پھنس کر اپنی جماعتیں اور پارٹیاں بنا لیں۔ مدعا یہ ہے کہ پیغمبر کا آنا اور کتاب کا نازل ہونا بھی بغیر حضرت حق کی توفیق کے کفایت نہیں کرتا۔ کتنے ہی سامان ہدایت جمع ہو جائیں جن کو توفیق نہیں ملتی وہ اسی طرح خسارے میں پڑے رہتے ہیں۔

۵۔ عبادت میں اخلاص کا حکم: یعنی ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور ابراہیم حنیف کی طرح سب طرف سے ٹوٹ کر اسی ایک مالک کے غلام بن جائیں۔ تشریح و تکوین کے کسی شعبہ میں کسی دوسرے کو خود مختار نہ سمجھیں۔

۶۔ یعنی یہ چیزیں ہر دین میں پسندیدہ رہی ہیں، انہی کی تفصیل یہ پیغمبر کرتا ہے۔ پھر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔  
۷۔ یعنی علم کا دعویٰ رکھنے والے اہل کتاب ہوں، یا جاہل مشرک، حق کا انکار کرنے پر سب کا انجام ایک ہے وہی دوزخ جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔

۸۔ کفارِ خلاق میں بدترین ہیں: یعنی بہائم سے بھی زیادہ ذلیل اور بدتر کما قال فی سورة الفرقان انْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (الفرقان۔ ۴۴)۔

۹۔ صالح مومنین مخلوق میں سب سے بہتر ہیں: یعنی جو لوگ سب رسولوں اور کتابوں پر یقین لائے اور بھلے کاموں میں لگے رہے وہی بہترین خلاق ہیں حتیٰ کہ ان میں کے بعض افراد بعض فرشتوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔

۱۰۔ اللہ کی رضا جنت سے بھی بڑی نعمت ہے: یعنی جنت کے باغوں اور نہروں سے بڑھ کر رضامولیٰ کی دولت ہے۔ بلکہ جنت کی تمام نعمتوں کی اصلی روح یہی ہے۔

۱۱۔ یہ نعمت اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے ہے: یعنی یہ مقام بلند ہر ایک کو نہیں ملتا۔ صرف ان بندوں کا حصہ ہے جو اپنے رب کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں، اور اس کی نافرمانی کے پاس نہیں جاتے۔

تم سورة البینة

رکوعھا ۱

۹۹ سُورَةُ الزَّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳

آیاتھا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ جب ہلا ڈالے زمین کو اُسکے بھونچال سے [۱]

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾

۲۔ اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ [۲]

وَ اٰخْرَجَتْ الْاَرْضُ اَنْقَالَهَا ﴿۲﴾

۳۔ اور کہے آدمی اُس کو کیا ہو گیا [۳]

وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾

۴۔ اُس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اٰخْبَارَهَا ﴿۴﴾

۵۔ اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اُسکو [۴]

بَاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾

۶۔ اُس دن ہو پڑیں گے لوگ طرح طرح پر [۵] کہ اُنکو دکھا دیے جائیں اُنکے عمل [۶]

يَوْمَئِذٍ يُّصَدِّرُ النَّاسَ اَشْتَاتًا ۙ لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾

ط

۷۔ سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اُسے

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ﴿۷﴾

۸۔ اور جس نے کی ذرہ بھر برائی دیکھ لے گا اُسے [۷]

وَ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ﴿۸﴾

۱۔ جب زمین زلزلہ سے ہلا دی جائے: یعنی حق تعالیٰ ساری زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس کے صدمہ سے کوئی عمارت اور کوئی پہاڑ یا درخت زمین پر قائم نہ رہیگا سب نشیب و فراز برابر ہو جائیں گے۔ تاکہ میدانِ حشر بالکل ہموار اور صاف ہو جائے اور یہ معاملہ قیامت میں نفع ثانی کے وقت ہو گا۔

۲۔ زمین اپنے بوجھ نکال دے گی: یعنی اس وقت زمین جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے مثلاً مردے یا سونا چاندی وغیرہ سب باہر اگل ڈالے گی۔ لیکن مال کا کوئی لینے والا نہ ہو گا۔ سب دیکھ لیں گے کہ آج یہ چیز جس پر ہمیشہ لڑا کرتے تھے کس قدر بیکار ہے۔

۳۔ انسان کی حیرت: یعنی آدمی زندہ ہونے اور اس زلزلہ کے آثار دیکھنے کے بعد یا ان کی روحیں عین زلزلہ کے وقت حیرت زدہ ہو کر کہیں گی

کہ اس زمین کو کیا ہو گیا جو اس قدر زور سے ہلنے لگی اور اپنی اندر کی تمام چیزیں ایک دم باہر نکال پھینکیں۔

۴۔ زمین ساری خبریں دے گی: یعنی بنی آدم نے جو برے بھلے کام اس کے اوپر کئے تھے سب ظاہر کر دے گی۔ مثلاً کہے گی۔ فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی، فلاں نے چوری کی تھی۔ فلاں نے خون ناحق کیا تھا، وغیرہ ذلک۔ گویا آج کل کی زبان میں یوں سمجھو کہ جس قدر اعمال زمین پر کیے جاتے ہیں زمین میں ان سب کے ریکارڈ موجود رہتے ہیں۔ قیامت میں وہ پروردگار کے حکم سے کھول دیے جائیں گے۔

۵۔ لوگوں کی مختلف جماعتیں: یعنی اس روز آدمی اپنی قبروں سے میدانِ حشر میں طرح طرح کی جماعتیں بن کر حاضر ہوں گے۔ ایک گروہ شراہیوں کا ہو گا، ایک زانیوں کا ایک ظالموں کا، ایک چوروں کا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوگ حساب سے فارغ ہو کر لوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ دوزخی ہو کر جنت اور دوزخ کی طرف چلی جائیں گی۔

۶۔ لوگوں کو ان کے اعمال دکھائے جائیں گے: یعنی میدانِ حشر میں ان کے عمل دکھلا دیے جائیں گے، تاہم کاروں کو ایک طرح کی رسوائی اور نیکو کاروں کو ایک قسم کی سرخروئی حاصل ہو یا ممکن ہے اعمال کے دکھلانے سے ان کے ثمرات و نتائج کا دکھلانا مراد ہو۔

۷۔ ذرہ برابر عمل بھی دکھا دیا جائیگا: یعنی ہر ایک ذرہ ذرہ عمل بھلا ہو یا برا اس کے سامنے ہو گا اور حق تعالیٰ جو کچھ معاملہ ہر ایک عمل کے متعلق فرمائیں گے وہ بھی آنکھوں سے نظر آجائیگا۔

### تم سورة الزلزال

آیاتها ۱۱

رکوعها ۱

## ۱۰۰ سُورَةُ الْعَدِيَّتِ مَكِّيَّةٌ ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

- ۱۔ قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر وَالْعَدِيَّتِ صَبْحًا ﴿۱﴾
- ۲۔ پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر فَالْبُورِيَّتِ قَدْحًا ﴿۲﴾
- ۳۔ پھر غارت کر ڈالنے والے صبح کو فَالْبُعِيْرَاتِ صَبْحًا ﴿۳﴾
- ۴۔ پھر اٹھانے والے اُس میں گرد فَأَثْرُنَ بِهِ نَقْعًا ﴿۴﴾
- ۵۔ پھر گھس جانے والے اُس وقت فوج میں فَوْسَطُنَ بِهِ جَبْعًا ﴿۵﴾
- ۶۔ بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ﴿۶﴾
- ۷۔ اور وہ آدمی اس کام کو سامنے دیکھتا ہے وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذٰلِكَ لَشَهِيدٌ ﴿۷﴾
- ۸۔ اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ﴿۸﴾
- ۹۔ کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کرید جائے جو کچھ قبروں میں ہے أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ﴿۹﴾
- ۱۰۔ اور تحقیق ہووے جو کچھ کہ جیوں میں ہے وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿۱۰﴾
- ۱۱۔ بیشک اُنکے رب کو انکی اُس دن سب خبر ہے إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

۱۔ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم: یعنی جو پتھر یا پتھر لی زمین پر ٹاب مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔

۲۔ عرب میں اکثر عادت صبح کے وقت تاخت کرنے کی تھی۔ تاکہ رات کے وقت جانے میں دشمن کو خبر نہ ہو صبح کو دفعہ جا پڑیں اور رات کو حملہ نہ کرنے میں اظہار شجاعت سمجھتے تھے۔

۳۔ یعنی ایسی تیزی اور قوت سے دوڑنے والے کہ صبح کے وقت جبکہ رات کی سردی اور شبنم کی رطوبت سے عموماً غبار دبار ہوتا ہے، ان کی ٹاپوں سے اس وقت بھی بہت گرد و غبار اٹھتا ہے۔

۴۔ یعنی اس وقت بے خوف و خطر دشمن کی فوج میں جاگتے ہیں۔ (تنبیہ)

ان قسموں کی توضیح: ممکن ہے کہ قسم کھانا گھوڑوں کی مقصود ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ممکن ہے مجاہدین کے رسالہ کی قسم ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ جہاد والے سواروں کی قسم ہے۔ اس سے بڑا کون عمل ہو گا کہ اللہ کے کام پر اپنی جان دینے کو حاضر ہے۔

۵۔ انسان کی ناشکری: یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ کی راہ میں سرفورشی و جاں بازی بتلاتی ہے کہ وفادار و شکر گزار بندے ایسے ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستے میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکر اور نالائق ہے۔ بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال سے شہادت دے رہا ہے۔ کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بیشمار نعمتوں سے شب و روز تمتع کرتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سادانہ کھلاتا ہے۔ وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا اور غبار اٹھاتا ہوا گھسمان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا۔ بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے، جس کے وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ بیشک انسان بڑا ناشکر اور نالائق ہے۔ اگر ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔

۶۔ خود انسان اس کا گواہ ہے: یعنی سرفروش مجاہدین کی اور ان کے گھوڑوں کی وفا شعاری اور شکر گزاری اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر بھی بے حیائت سے مس نہیں ہوتا (تنبیہ) ترجمہ کی رعایت سے ہم نے یہ مطلب لکھا ہے۔ ورنہ اکثر مفسرین اس جملہ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ انسان خود اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ ذرا اپنی ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ ہو تو سن لے کہ اندر سے خود اس کا دل کہہ رہا ہے کہ تو بڑا ناشکر ہے۔ بعض سلف نے ائٹھ کی ضمیر رب کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی اس کا رب اس کی ناسپاسی اور کفران نعمت کو دیکھ رہا ہے۔

۷۔ انسان میں مال کی محبت شدید ہے: یعنی حرص و طمع اور بخل و امساک نے اس کو اندھا بنا رکھا ہے۔ دنیا کے زرو مال کی محبت میں اس قدر غرق ہے کہ منعم حقیقی کو بھی فراموش کر بیٹھا، نہیں سمجھتا کہ آگے چل کر اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

۸۔ دلوں کے چھپے بھید کھل جائیں گے: یعنی وہ وقت بھی آنے والا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کیے جائیں گے اور دلوں میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی۔ اُس وقت دیکھیں یہ مال کہاں تک کام دیگا اور نالائق ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر جائیں گے۔ اگر یہ بے حیا اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہو کر ایسی حرکتیں نہ کرتے۔

۹۔ اللہ کا علم محیط واضح ہو جائے گا: یعنی ہر چند کہ اللہ کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر و باطن پر محیط ہے لیکن اس روز اس کا علم ہر شخص پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور کسی کو گنجائش انکار کی نہ رہے گی۔

تم سورۃ العُدیۃ



رکوعها ۱

۱۰۱ سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۰

آیاتها ۱۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ وہ کھڑ کھڑ اڈانے والی

الْقَارِعَةُ ﴿١﴾

۲۔ کیا ہے وہ کھڑ کھڑ اڈانے والی

مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾

۳۔ اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ کھڑ کھڑ اڈانے والی [۱]

وَمَا آذُرُكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٣﴾

۴۔ جس دن ہو ویں لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوئے [۲]

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ﴿٤﴾

۵۔ اور ہو ویں پہاڑ جیسے رنگی ہوئی اون دُھنی ہوئی [۳]

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ﴿٥﴾

۶۔ سو جسکی بھاری ہوئیں تو لیں

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴿٦﴾

۷۔ تو وہ رہے گا من مانتے گذران میں [۴]

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ﴿٧﴾

۸۔ اور جسکی ہلکی ہوئیں تو لیں

وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴿٨﴾

۹۔ تو اُس کا ٹھکانہ گڑھا ہے

فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿٩﴾

۱۰۔ اور تو کیا سمجھا وہ کیا ہے

وَمَا آذُرُكَ مَا هِيَ ﴿١٠﴾

۱۱۔ آگ ہے دکھتی ہوئی [۵]

نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿١١﴾

۱۔ کھڑ کھڑ اڈانے والی قیامت: یعنی مراد قیامت ہے جو قلوب کو سخت فزع اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو صور شدید سے کھڑ کھڑ اڈانگی۔ مطلب یہ ہے کہ حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو۔ بس اس کے بعض آثار آگے بیان کر دیے جاتے ہیں۔ جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ انسان بکھرے پتنگوں کی طرح ہونگے: کہ ہر ایک ایک طرف کو بے تابانہ چلا جاتا ہے۔ گویا پروانوں کے ساتھ تشبیہ ضعف، کثرت بے تابی اور حرکت کی بے انتظامی میں ہوئی۔

۳۔ پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے: یعنی جیسے دُھنیا اون یا روئی کو دھنک کر ایک ایک پھاہا کر کے اڑا دیتا ہے۔ اسی طرح پہاڑ متفرق ہو کر اڑ جائیں گے۔ اور رنگین اون سے شاید اس لئے تشبیہ دی کہ بہت کمزور اور ہلکی ہوتی ہے۔ نیز قرآن میں دوسری جگہ پہاڑوں کے رنگ بھی کئی قسموں کے بیان فرمائے ہیں وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ (فاطر۔ ۲۷)۔

۴۔ بھاری وزن والے عیش میں ہونگے: یعنی جس کے اعمال وزنی ہونگے وہ اس روز خاطر خواہ عیش و آرام میں رہیگا اور اعمال کا وزن اخلاص و ایمان کی نسبت سے ہوگا۔ دیکھنے میں کتنا ہی بڑا عمل ہو مگر اخلاص کی روح نہ ہو، وہ اللہ کے ہاں کچھ وزن نہیں رکھتا فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا (الکہف۔ ۱۰۵)۔

۵۔ ہلکے وزن والے دکھتی آگ کے گڑھے میں: یعنی جو عذاب اس طبقہ میں ہے کچھ آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ بس اتنا سمجھ لو کہ ایک آگ ہے نہایت گرم دکھتی ہوئی جس کے مقابلہ میں گویا دوسری آگ کو گرم کہنا نہ چاہیے۔ اعاذنا اللہ منہا ومن سائر وجوه العذاب بفضله ومثله۔

تم سورۃ القارعة

## آیاتها ۸

## ۱۰۲ سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۶

## رکوعها ۱

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ غفلت میں رکھاتم کو بہتائیت کی حرص نے

اَلْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ ﴿۱﴾

۲۔ یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں [۱]

حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾

۳۔ کوئی نہیں آگے جان لوگے

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

۴۔ پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لوگے [۲]

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

۵۔ کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے [۳]

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾

۶۔ بیشک تم کو دیکھنا ہے دوزخ

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾

۷۔ پھر دیکھنا ہے اُسکو یقین کی آنکھ سے [۴]

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾

۸۔ پھر پوچھیں گے تم سے اُس دن آرام کی حقیقت [۵]

ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

۱۔ کثرت مال کی ہوس: یعنی مال و اولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسانے رکھتی ہے۔ نہ مالک کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر۔ بس شب و روز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو، اور میرا کنہہ اور جھٹھا سب کنبوں اور جھٹھوں سے غالب رہے۔ یہ پردہ غفلت کا نہیں اٹھتا۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے۔ محض چند روز کی چہل پہل تھی۔ موت کے بعد وہ سب سامان بیچ بلکہ وبال جان ہیں (تنبیہ) بعض روایات میں آیا ہے (اللہ علم بصحتہا) کہ ایک مرتبہ دو قبیلے اپنے اپنے جتھے کی کثرت پر فخر کر رہے تھے۔ جب مقابلہ کے وقت ایک کے آدمی دوسرے سے کم رہے تو اس نے کہا کہ ہمارے اتنے آدمی لڑائی میں مارے جا چکے ہیں چل کر قبریں شمار کر لو۔ وہاں پتہ لگے گا کہ ہمارا جھٹھا تم سے کتنا زیادہ ہے۔ اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزر چکے ہیں۔ یہ کہہ کر قبریں شمار کرنے لگے۔ اس جہالت و غفلت پر متنبہ کرنے کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔ ترجمہ میں دونوں مطلوبوں کی گنجائش ہے۔

۲۔ کثرتِ مالِ فخر کی چیز نہیں: یعنی دیکھو بار بار بتا کید کہا جاتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح نہیں کہ مال و اولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے۔ عنقریب تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل و فانی چیز ہرگز فخر و مہابات کے لائق نہ تھی۔ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر تم کو بہت جلد کھل جائے گا کہ اصل زندگی اور عیشِ آخرت کا ہے اور دنیا اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے۔ لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری کھل جائیگی۔

۳۔ یعنی تمہارا خیال ہرگز صحیح نہیں اگر تم یقینی طور پر دلائل صحیحہ سے اس بات کو جان لیتے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان بیچ ہیں تو ہرگز اس غفلت میں پڑے نہ رہتے۔

۴۔ اس غفلت کا انجام دوزخ ہے: یعنی اس غفلت و انکار کا نتیجہ دوزخ ہے، وہ تم کو دیکھنا پڑے گا۔ اول تو اس کا کچھ اثر برزخ میں نظر آجائیگا۔ پھر آخرت میں پوری طرح دیکھ کر عین الیقین حاصل ہو جائیگا۔

۵۔ تم سے نعمت کے بارے میں پوچھا جائیگا: یعنی اس وقت کہیں گے۔ اب بتلاؤ! دنیا کے عیش و آرام کی کیا حقیقت تھی۔ یا اس وقت سوال کیا جائے گا کہ جو نعمتیں (ظاہری و باطنی، آفاقی و انفسی، جسمانی و روحانی) دنیا میں عطا کی گئی تھیں ان کا حق تم نے کیا ادا کیا۔ اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی سعی کی۔

تم سورة التکاثر

## آیاتھا ۳

## رکوعھا ۱

## ۱۰۳ سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۳

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾

۱۔ قسم ہے عصر کی [۱]

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِيْ خُسْرٍ ﴿۲﴾

۲۔ مقرر انسان ٹوٹے میں ہے [۲]

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا

۳۔ مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کئے بھلے کام اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی اور آپس میں تاکید

کرتے رہے تحمل کی [۳]

بِالْحَقِّ ۗ وَتَوَّصُوا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

۱۔ زمانے یا عصر کی قسم: ”عصر“ زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے جسے تحصیل کمالات و سعادات کے لئے ایک متاع گراں مایہ سمجھنا چاہیے۔ یا قسم ہے نماز عصر کے وقت کی جو کاروباری دنیا میں خاص مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے (حتیٰ کہ حضور ﷺ نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس کی نماز عصر فوت ہوگئی گو یا اس کا سب گھر بار لٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانہ مبارک کی جس میں رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا نور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔

۲۔ انسان گھٹائے میں ہے: اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے دوکاندار کی طرح اس کی تجارت کا اس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں، دم بدم کم ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اس رواروی میں کوئی ایسا کام نہ کر لیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے، بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کارآمد بن جائے تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں۔ زمانہ کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنیٰ غور و فکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام نبی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پروا ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ برباد ہو کر رہے۔

زندگی کی قدر و قیمت: آدمی کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور عمر عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت و شرارت یا لہو و لہب میں نہ گنوائے جو اوقات تحصیل شرف و مجد اور اکتساب فضل و کمال کی گرم بازاری کے ہیں، خصوصاً وہ گراں مایہ اوقات جن میں آفتاب رسالت اپنی انتہائی نور افشانی سے دنیا کو روشن کر رہا ہے، اگر غفلت و نسیان میں گزار دیے گئے تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ بس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمر فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسب سعادت اور تحصیل کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ میں کیا گیا ہے۔

۳۔ اس نقصان سے بچنے کے چار طریقے: یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔ اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور

ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے۔ دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جو ارجح میں ظاہر ہو، اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو۔ تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت و وصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں، ہر گز قدم نیکی کے راستہ سے ڈگمگانے نہ پائے۔ خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہونگے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر پر زندہ جاوید رہیگا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔

سورۃ عصر کی فضیلت: فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے۔ امام شافعیؒ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو (سجھدار بندوں کی) ہدایت کے لئے کافی تھی۔ بزرگان سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے، جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

تم سورۃ العصر

## آیاتہا

## ۱۰۴ سُورَةُ الْهُزَّةِ مَكِّيَّةٌ ۳۲

## رکوعہا

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی [۱]

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُزَّاةٍ لُّزَّاةٍ ﴿۱﴾

جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا [۲]

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ﴿۲﴾

۲۔ خیال رکھتا ہے کہ اُس کا مال سد اور ہے گا اُسکے ساتھ [۳]

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ﴿۳﴾

۳۔ کوئی نہیں وہ پھینکا جائے گا اُس روندنے والی میں [۴]

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطْبَةِ ﴿۴﴾

۴۔ اور تو کیا سمجھا کون ہے وہ روندنے والی

وَمَا أَذُرُكَ مَا الْحُطْبَةُ ﴿۵﴾

۵۔ ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی

نَارُ اللَّهِ الْمُبْقَدَةُ ﴿۶﴾

۶۔ وہ جھانک لیتی ہے دل کو [۵]

الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْآفِدَةِ ﴿۶﴾

۷۔ اُنکو اُس میں موند دیا ہے [۶]

إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ﴿۷﴾

۸۔ لنبے لنبے ستونوں میں [۴]

فِي عَمَدٍ مُّبَدَّدَةٍ ﴿۸﴾

۱۔ عیب جوئی اور طعنہ زنی: یعنی اپنی خبر نہیں لیتا دوسروں کو حقیر سمجھ کر طعنہ دیتا ہے اور انکے واقعی یا غیر واقعی عیب چنتا ہوتا ہے۔

۲۔ جمع مال کی مذمت: یعنی طعنہ زنی اور عیب جوئی کا منشاء تکبر اور تکبر کا سبب مال ہے جس کو مارے حرص کے ہر طرف سے سمیٹتا اور مارے بخل کے گن گن کر رکھتا ہے کہ کوئی پیسہ کہیں خرچ نہ ہو جائے یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ اکثر بخیل مالداروں کو دیکھا ہو گا کہ وہ بار بار روپیہ شمار کرتے اور حساب لگاتے رہتے ہیں۔ اسی میں ان کو مزہ آتا ہے۔

۳۔ مال سد انہیں رہتا: یعنی اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ مال کبھی اس سے جدا نہ ہو گا۔ بلکہ ہمیشہ اس کو آفات ارضی و سماوی سے بچاتا رہیگا۔

۴۔ یعنی یہ خیال محض غلط ہے۔ مال تو قبر تک بھی ساتھ نہ جائے گا۔ آگے تو کیا کام آتا۔ سب دولت یونہی پڑی رہ جائیگی۔ اور اس بد بخت کو اٹھا

کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔

۵۔ اللہ کی سلاگائی ہوئی آگ: یعنی یاد رہے یہ آگ بندوں کی نہیں۔ اللہ کی سلاگائی ہوئی ہے۔ اس کی کیفیت کچھ نہ پوچھو، بڑی سمجھدار ہے، دلوں کو جھانک لیتی ہے، جس دل میں ایمان ہو نہ جلائے، جس میں کفر ہو جلا ڈالے، اس کی سوزش بدن کو لگتے ہی فوراً دلوں تک نفوذ کر جائے گی۔ بلکہ ایک طرح دل سے شروع ہو کر جسموں میں سرایت کرے گی۔ اور باوجودیکہ قلوب و ارواح جسموں کی طرح جلیں گے، اس پر بھی مجرم مرنے نہ پائیں گے۔ دوزخی تمنا کریگا کہ کاش موت آکر اس عذاب کا خاتمہ کر دے لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہا ومن سائر وجوہ العذاب۔

۶۔ یعنی کفار کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہیگا۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے۔

۷۔ یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی مانند بلند ہونگے۔ یا یہ کہ دوزخیوں کو لمبے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائے گا کہ جلتے وقت ذرا حرکت نہ کر سکیں۔ کیونکہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی عذاب میں کچھ برائے نام تخفیف ہو سکتی تھی۔ اور بعض نے کہا کہ دوزخ کے منہ کو لمبے لمبے ستون ڈال کر اوپر سے پاٹ دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

### سورۃ الہمزۃ



## آیاتہا

## ۱۰۵ سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹

## رکوعہا

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ [۱]

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾

۲۔ کیا نہیں کر دیا ان کا داؤ غلط [۲]

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾

۳۔ اور بھیجے ان پر اڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں

وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلٍ ﴿۳﴾

۴۔ پھینکتے تھے ان پر پتھریاں کنکر کی [۳]

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلِ ﴿۴﴾

۵۔ پھر کر ڈالا انکو جیسے بھس کھایا ہوا [۴]

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوْلٍ ﴿۵﴾

۱۔ ہاتھی والوں کا انجام: یعنی وہ ہاتھی والوں کے ساتھ تیرے رب نے جو معاملہ کیا وہ تم کو ضرور معلوم ہو گا۔ کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے چند روز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اسی قرب عہد اور تو اتر کی بناء پر اس کے علم کو رویت سے تعبیر فرمادیا۔

۲۔ انکا داؤ غلط کر دیا گیا: یعنی وہ لوگ چاہتے تھے کہ اللہ کا کعبہ اجاڑ کر اپنا مصنوعی کعبہ آباد کریں۔ یہ نہ ہو سکا۔ اللہ نے ان کے سب داؤ بیچ غلط اور کل تدبیریں بے اثر کر دیں۔ کعبہ کی تباہی کی فکر میں وہ خود ہی تباہ و برباد ہو گئے۔

۳۔ اصحابِ فیل کا واقعہ: ”اصحابِ فیل“ کا قصہ مختصر یہ ہے کہ بادشاہ ”حبشہ کی طرف سے“ یمن ”میں ایک حاکم“ ابرہہ ”نامی تھا اس نے دیکھا کہ سارے عرب کعبہ کالج کرنے جاتے ہیں، چاہا کہ ہمارے پاس جمع ہوا کریں۔ اس کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے مذہب عیسائی کے نام پر ایک عالیشان گرجا بنایا جائے جس میں ہر طرح کے تکلفات اور راحت و دل کشی کے سامان ہوں۔ اس طرح لوگ اصلی اور سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مکلف و مریض کعبہ کی طرف آنے لگیں گے۔ اور مکہ کالج چھوٹ جائے گا۔ چنانچہ ”صنعا“ میں جو یمن کا بڑا شہر ہے، اپنے مصنوعی کعبہ کی بنیاد رکھی اور خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ اس پر بھی لوگ ادھر متوجہ نہ ہوئے۔ عرب کو خصوصاً قریش کو جب اس کی اطلاع ہوئی، سخت خشمگین ہوئے کسی نے غصہ میں آکر وہاں پانچا نہ بھر دیا، اور بعض کہتے ہیں کہ بعض عرب نے آگ جلائی تھی، ہو اسے اڑ کر اس عمارت میں لگ گئی“ ابرہہ ”نے جھنجھلا کر کعبہ شریف پر فوج کشی کر دی بہت سال لشکر اور ہاتھی لے کر اس ارادہ سے چلا کہ کعبہ کو منہدم کر دے۔ درمیان میں عرب کے جس قبیلہ نے مزاحمت کی اسے مارا اور مغلوب کیا۔ حضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب اس وقت قریش کے سردار اور کعبہ کے متولی اعظم تھے۔ ان کو خبر ہوئی تو فرمایا لوگو! اپنا بچاؤ کر لو، کعبہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کو بچالے گا۔“ ابرہہ ”نے راستہ صاف دیکھ کر یقین کر لیا کہ اب

کعبہ کا منہدم کر دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ کیونکہ ادھر سے کوئی مقابلہ کر نیوالا نہ تھا۔ عجیب و غریب پرندے: جب ”وادی محسّر“ (جو مکہ کے قریب جگہ ہے) پہنچا تو سمندر کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانوروں کی ٹکڑیاں نظر آئیں۔ ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ ان عجیب و غریب پرندوں کے غول کے غول کنکریاں لشکر پر برسانے لگے۔ خدا کی قدرت سے وہ کنکر کی پتھریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام کرتی تھیں۔ جس کے لگتی، ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی، اور ایک عجیب طرح کا سہمی مادہ چھوڑ جاتی تھی۔ بہت سے وہیں ہلاک ہو گئے۔ جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے۔

اس واقعہ کا سال: یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت شریف سے پچاس روز پہلے ہوا۔ بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خاص اسی روز آپ ﷺ کی ولادت باکرامت ہوئی۔ گویا یہ ایک آسمانی نشان آپ ﷺ کی آمد آمد کا تھا۔ اور ایک نبی اشارہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی فوق العادہ حفاظت فرمائی ہے۔ اس گھر کے سب سے مقدس متولی اور سب سے بزرگ پیغمبر کی حفاظت بھی اسی طرح کرے گا۔ اور عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کو یہ موقع نہ دے گا کہ وہ کعبہ اور کعبہ کے سچے خادموں کا استیصال کر سکیں۔

۴۔ جو بیل، گائے وغیرہ کھا کر آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پر آگندہ، منتشر، مبتذل، بد صورت، نکمّا اور چوراچورا۔

تم سورة الفیل

آیاتها ۴

۱۰۶ سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ ۲۹

رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو

لَا يَلِفُ قُرَيْشٍ ﴿١﴾

۲۔ مانوس رکھنا انکو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے

إِلْفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾

۳۔ تو چاہیے کہ بندگی کریں اس گھر کے رب کی

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾

۴۔ جس نے انکو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں [۱]

الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۖ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

۱۔ اہل مکہ پر بیت اللہ کی برکات: مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا، اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے۔ اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب ملک ہے۔ لوگ ان کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے۔ ان کی خدمت کرتے اور ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ اس طرح ان کو خاطر خواہ نفع ہوتا۔ پھر امن و چین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا تھا۔ لیکن کعبہ کے ادب سے کوئی چور، ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا۔ اسی انعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور امن چین دیا۔ "اصحاب فیل" کی زد سے محفوظ رکھا، پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے۔ اور اس کے رسول ﷺ کو کیوں ستاتے ہو کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں۔ اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا کیا مشکل ہے۔

تم سورۃ قریش

## آیاتها

## ۱۰۷ سُورَةُ الْبَاعُونَ مَكِّيَّةٌ

## رکوعها ۱

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ تو نے دیکھا اُسکو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو<sup>[۱]</sup>

اَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْاٰدِیْنِ ﴿۱﴾

۲۔ سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو<sup>[۲]</sup>

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدْعُ الْاٰیْتِیْمَ ﴿۲﴾

۳۔ اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر<sup>[۳]</sup>

وَلَا یَحْضُ عَلٰی طَعَامِ الْبِسْکِیْنِ ﴿۳﴾

۴۔ پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی

فَوٰیْلٌ لِّلْبَصْلِیْنَ ﴿۴﴾

۵۔ جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں<sup>[۴]</sup>

الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾

۶۔ وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں<sup>[۵]</sup>

الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾

۷۔ اور مانگے نہ دیوں برتنے کی چیز<sup>[۶]</sup>

وَيَسْتَعُوْنَ الْبَاعُوْنَ ﴿۷﴾

۱۔ فیصلہ کے دن کی تکذیب: یعنی سمجھتا ہے کہ انصاف نہ ہو گا اور اللہ کی طرف سے نیک و بد کا کبھی بدلہ نہ ملے گا۔ اور بعض نے ”دین کے معنی“ ملت کے لئے ہیں۔ یعنی ملت اسلام اور مذہب حق کو جھٹلاتا ہے۔ گویا مذہب و ملت اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔

۲۔ یتیم سے بد سلوکی: یعنی یتیم کی ہمدردی اور غمخواری تو درکنار، اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بد اخلاقی سے پیش آتا ہے۔

۳۔ مساکین کو کھانا نہ کھلانے والا: یعنی غریب محتاج کی نہ خود خبر لے نہ دوسروں کو ترغیب دے۔ ظاہر ہے کہ یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو، سمجھو کہ آدمی نہیں جانور ہے۔ بھلا ایسے کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا لگاؤ ہو گا۔

۴۔ نماز میں غفلت کرنے والے: یعنی نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود اس سے کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے۔ یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، وقت، بے وقت کھڑے ہو گئے، باتوں میں اور دنیا کے دھندوں میں جان بوجھ کر وقت تنگ کر دیا، پھر پڑھی بھی تو چار ٹکریں لگائیں، کچھ خبر نہیں کس کے روبرو کھڑے ہیں، اور احکم الحاکمین کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں۔ کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے بیٹھنے، جھک جانے اور سیدھے ہونے کو دیکھتا ہے؟ ہمارے دلوں پر نظر نہیں رکھتا؟ کہ ان میں کہاں تک اخلاص اور

خشوع کا رنگ موجود ہے۔ یاد رکھو! یہ سب صورتیں عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ میں درجہ بدرجہ داخل ہیں۔ کما صرح بہ بعض السلف۔  
۵۔ دکھاوا کرنے والے: یعنی ایک نماز کیا، ان کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری اور نمود و نمائش سے خالی نہیں گویا ان کا مقصد خالق سے قطع نظر کر کے صرف مخلوق کو خوش کرنا ہے۔

۶۔ استعمالی چیزیں نہ دینے والے: یعنی زکوٰۃ و صدقات وغیرہ تو کیا ادا کرتے، معمولی برتنے کی چیزیں بھی مثلاً ڈول، رسی، ہنڈیا، دپنگی، کلہاڑی، سوئی دھاگہ وغیرہ، کسی کو مانگے نہیں دیتے جنکے دینے کا دنیا میں عام رواج ہے۔ بخل اور خسرت کا جب یہ حال ہو تو ریاکاری کی نماز سے ہی کیا فائدہ ہو گا۔ اگر ایک آدمی اپنے کو مسلمان نمازی کہتا اور کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا، اس کا اسلام لفظ بے معنی، اور اس کی نماز حقیقت سے بہت دور ہے۔ یہ ریاکاری اور بد اخلاقی تو ان بد بختوں کا شیوہ ہونا چاہیے جو اللہ کے دین اور روز جزاء پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتے۔

تم سورۃ الماعون

آیاتھا ۳

۱۰۸ سُورَةُ الْكُوثْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵

رکوعھا ۱

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ بیشک ہم نے دی تجھ کو کوثر<sup>[۱]</sup>

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكُوثْرَ ۱

۲۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر<sup>[۲]</sup>

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرْ ۲

۳۔ بیشک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا<sup>[۳]</sup>

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۳

۱۔ کوثر کے معنی اور مفہیم: ”کوثر“ کے معنی ”خیر کثیر“ کے ہیں۔ یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری۔ یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے؟ ”البحر المحیط“ میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کیے ہیں اور اخیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور حسنی و معنوی نعمتیں داخل ہیں۔ جو آپ کو یا آپ کے طفیل میں امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ ”حوض کوثر“ بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور جس کے پانی سے آپ ﷺ اپنی امت کو محشر میں سیراب فرمائیں گے (اے ارحم الراحمین! تو اس خطا کار رو سیاہ کو بھی اس سے سیراب کیجیے)۔ (تنبیہ)

حوض کوثر: ”حوض کوثر“ کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک حد تو اترا تک پہنچ چکا ہے ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ احادیث میں اس کی عجیب و غریب خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔ بعض روایات سے اس کا محشر میں ہونا اور اکثر سے جنت میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہوگی اور اسی کا پانی میدانِ محشر میں لا کر کسی حوض میں جمع کر دیا جائیگا۔ دونوں کو ”کوثر“ ہی کہتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ نماز اور قربانی کی تاکید: یعنی اتنے بڑے انعام و احسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیے۔ تو چاہیے کہ آپ اپنی روح، بدن اور مال سے برابر اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں، بدنی و رومی عبادت میں سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ اور مالی عبادت میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ قربانی کی اصل حقیقت جان کا قربان کرنا تھا۔ جانور کی قربانی کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کے قصہ سے ظاہر ہے اسی لئے قرآن میں دوسری جگہ بھی نماز اور قربانی کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (انعام۔ ۱۶۳، ۱۶۴) (تنبیہ) بعض روایات میں ”واخر“ کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے آئے ہیں۔ مگر ابن کثیر نے ان روایات میں کلام کیا ہے۔ اور ترجیح اس قول کو دی ہے کہ ”آخر“ کے معنی قربان کرنے کے ہیں۔ گویا اس میں مشرکین پر تعریض ہوئی کہ وہ نماز اور قربانی تونوں کے لئے کرتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ کام خالص خدائے واحد کے لئے کرنے چاہئیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہی ابتر ہے: بعض کفار حضور ﷺ کی شان میں کہتے تھے کہ اس شخص کے کوئی بیٹا نہیں۔ بس زندگی تک

اس کا نام ہے پیچھے کون نام لیگا۔ ایسے شخص کو ان کے محاورات میں ”ابتر“ کہتے تھے۔ ”ابتر“ اصل میں دم کٹے جانور کو کہتے ہیں۔ جس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہ رہے۔ گویا اس کی دم کٹ گئی۔ قرآن نے بتلایا کہ جس شخص کو اللہ خیر کثیر عنایت فرمائے اور ابد الابد تک نام روشن کرے اسے ”ابتر“ کہنا پر لے درجہ کی حماقت ہے۔ حقیقت میں ”ابتر“ وہ ہے جو ایسی مقدس و مقبول ہستی سے بغض و عناد اور عداوت رکھے اور اپنے پیچھے کوئی ذکر خیر اور اثر نیک نہ چھوڑے۔ آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد ماشاء اللہ حضور ﷺ کی روحانی اولاد سے دنیا پٹی پڑی ہے اور جسمانی دختری اولاد بھی بکثرت ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کا دین، آپ ﷺ کے آثار صالحہ، عالم میں چمک رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی یاد نیک نامی اور محبت و عقیدت کے ساتھ کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرم رہی ہے۔ دوست دشمن سب آپ ﷺ کے اصلاحی کارناموں کا صدق دل سے اعتراف کر رہے ہیں۔ پھر دنیا سے گزر کر آخرت میں جس مقام محمود پر آپ ﷺ کھڑے ہونگے اور جو مقبولیت و مقبولیت عامہ آپ ﷺ کو علی رؤس الاشہاد حاصل ہوگی وہ الگ رہی۔ کیا ایسی دائم البرکۃ ہستی کو (العیاذ باللہ) ”ابتر“ کہا جاسکتا ہے؟ اس کے مقابل اس گستاخ کو خیال کرو جس نے یہ کلمہ زبان سے نکالا تھا۔ اس کا نام و نشان کہیں باقی نہیں، نہ آج بھلائی کے ساتھ اسے کوئی یاد کرنے والا ہے۔ یہ ہی حال ان تمام گستاخوں کا ہوا، جنہوں نے کسی زمانہ میں آپ ﷺ کے بغض و عداوت پر کمر باندھی اور آپ ﷺ کی شان مبارک میں گستاخی کی اور اسی طرح آئندہ ہوتا رہیگا۔

تم سورۃ الکوثر

## آیاتھا ۶

## ۱۰۹ سُورَةُ الْكُفْرُونَ مَكِّيَّةٌ ۱۸

## رکوعھا ۱

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ تو کہہ اے منکرو! [۱]

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكُفْرُونَ ﴿۱﴾

۲۔ میں نہیں پوجتا جسکو تم پوجتے ہو

لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ﴿۲﴾

۳۔ اور نہ تم پوجو جسکو میں پوجوں [۲]

وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴿۳﴾

۴۔ اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اُس کا جسکو تم نے پوجا

وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ ﴿۴﴾

۵۔ اور نہ تم کو پوجنا ہے اُس کا جس کو میں پوجوں [۳]

وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴿۵﴾

۶۔ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ [۴]

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿۶﴾

۱۔ کفار قریش کی ایک پیشکش اور اس کا جواب: چند رؤساء قریش نے کہا کہ اے محمد! (ﷺ) آؤ ہم تم صلح کر لیں) کہ ایک سال تک آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں، پھر دوسرے سال ہم آپ کے معبود کو پوجیں۔ اس طرح دونوں فریق کو ہر ایک کے دین سے کچھ کچھ حصہ مل جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی پناہ! کہ میں اس کے ساتھ (ایک لمحہ کے لئے بھی) کسی کو شریک ٹھہراؤں۔ کہنے لگے اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو مان لو۔ (ان کی مذمت نہ کرو) ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور تمہارے معبود کو پوجیں گے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے ان کے مجمع میں پڑھ کر سنائی۔ جس کا خلاصہ مشرکین کے طور و طریق سے کلی بیزارگی کا اظہار اور انقطاع تعلقات کا اعلان کرتا ہے۔ بھلا انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا کام شرک کی جڑیں کاٹنا ہے، ایسی ناپاک اور گندی صلح پر کب راضی ہو سکتے ہیں۔ فی الحقیقت اللہ کے معبود ہونے میں تو کسی مذہب والے کو اختلاف ہی نہیں۔ خود مشرکین اس کا قرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تمہاری پرستش بھی اسی لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دینگے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (زمر۔ ۳) اختلاف جو کچھ ہے غیر اللہ کی پرستش میں ہے لہذا صلح کی جو صورت قریش نے پیش کی تھی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ تو برابر اپنی روش پر قائم رہیں یعنی اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کیا کریں اور آپ ﷺ اپنے مسلک توحید سے دستبردار ہو جائیں۔ اس گفتگوئے مصالحت کو ختم کرنے کے لئے یہ سورت اتاری گئی۔

۲۔ میں تمہارے خداؤں کو نہیں پوجتا: یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد و صمد خدا کو بلا شرکت غیرے پوجتے ہو۔ جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔



۳۔ "یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیے جاسکتے، نہ اب نہ آئندہ اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہی۔ (تنبیہ)

اس آیت میں تکرار کی توضیح: بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال و استقبال کی نفی اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے ملاحظہ فرمائیے۔ اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے۔ کما یظہر من الترجمہ۔ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں "ما" کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں "ما" کو مصدریہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں تم بتوں کو پوجتے ہو، وہ میرے معبود نہیں، میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان و صفت میں کوئی شریک نہ ہو سکے، ایسا خدا تمہارا معبود نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو، مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گردناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے، میں اس طرح کی عبادت کرنے والا نہیں اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجالاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں۔ لہذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے۔ اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حال و استقبال کی نفی کے لئے رکھا جائے۔ یعنی میں اب یا آئندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کر سکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اور وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو، میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں۔ حتیٰ کہ گزشتہ زمانہ میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے، میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی۔ پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی اور بینات و ہدئی وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شرکیات میں تمہارا ہمنوا ہو جاؤں۔ شاید اسی لئے یہاں وَلَا اَنَا عَابِدٌ میں جملہ اسمیہ اور مَّا عَبَدْتُمْ میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا۔ رہا کفار کا حال اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَّا اَعْبَدْتُمْ یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بد بختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو۔ حتیٰ کہ عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو۔ اور ایک جگہ مَاتَعْبُدُوْنَ بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ مَّا عَبَدْتُمْ بصیغہ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنا لیا۔ اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا اور ہر کام کا جد امجد ہے، ایک سفر کا، ایک حضر کا، کوئی روٹی دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، و قس علیٰ ہذا۔ حافظ شمس الدین ابن قیم نے بدائع الفوائد میں اس سورت کے لطائف و مزایا پر بہت نفیس کلام کیا ہے جس کو معارف قرآنی کا شوق ہو۔ اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

۴۔ تمہارا اور میرا دین الگ الگ ہے: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تم نے جو ضد باندھی اب سمجھانا کیا فائدہ کرے گا جب تک اللہ فیصلہ کرے۔" اب ہم تم سے بکلی بیزار ہو کر اسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جو دین تویم اللہ نے ہم کو مرحمت فرمایا ہے اس پر نہایت خوش ہیں تم نے اپنے لئے بد بختی سے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر ایک فریق کو اس کی راہ روش کا نتیجہ مل رہے گا۔

تم سورۃ الکفر و

## آیاتھا ۳

## رکوعھا ۱۱۰

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ [۱]

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ﴿۱﴾

۲۔ اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں غول کے غول

وَرَأَيْتِ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾

۳۔ تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں [۲] اور گناہ بخشوا اس سے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے [۳]

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ۗ اِنَّهُ كَانَ

تَوَّابًا ﴿۳﴾

۱۔ فتح مکہ کا وعدہ: بڑی فیصلہ کن چیز یہ تھی کہ مکہ معظمہ (جو گویا زمین پر اللہ کا دارالسلطنت ہے) فتح ہو جائے۔ اسی پر اکثر قبائل عرب کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق داخل ہونے لگے۔ حتیٰ کہ سارا جزیرہ عرب اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا۔ اور جو مقصد نبی کریم ﷺ کی بعثت سے تھا پورا ہوا۔

۲۔ غلبہ دین کا وعدہ اور تسبیح و تحمید کی تاکید: یعنی سمجھ لیجیے کہ مقصود بعثت کا اور دنیا میں رہنے کا (جو تکمیل دین و تمہید خلافت کبریٰ ہے) پورا ہوا، اب سفر آخرت قریب ہے۔ لہذا ادھر سے فارغ ہو کر ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیے۔ اور پہلے سے بھی زیادہ کثرت سے اللہ کی تسبیح و تحمید اور ان فتوحات اور کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کیجیے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم: یعنی اپنے لئے اور امت کے لئے استغفار کیجیے۔ (تنبیہ) نبی کریم ﷺ کا اپنے لئے استغفار کرنا پہلے کئی جگہ بیان ہو چکا ہے، وہیں دیکھ لیا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی قرآن میں ہر جگہ وعدہ ہے فیصلہ کا، اور کافر شتابی کرتے تھے۔ حضرت ﷺ کی آخر عمر میں مکہ فتح ہو چکا، قبائل عرب دل کے دل مسلمان ہونے لگے۔ وعدہ سچا ہوا اب امت کے گناہ بخشوایا کر کہ درجہ شفاعت کا بھی ملے۔ یہ سورت اتری آخر عمر میں، حضرت ﷺ نے جانا کہ میرا جو کام تھا دنیا میں کر چکا اب سفر ہے آخرت کا۔

تم سورۃ النصر

## آیاتہا

## ۱۱۱ سُورَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ۶

## رکوعہا

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ [۱]

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝۱

۲۔ کام نہ آیا اسکو مال اُسکا اور نہ جو اُس نے کمایا [۲]

مَا آغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝۲

۳۔ ڈیگ مارتی آگ میں [۳]

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳

۴۔ اور اُسکی جو رو جو سر پر لئے پھرتی ہے ایندھن [۴]

وَأَمْرَاتُهُ حَفَّالَةٌ الْحَطَبِ ۝۴

۵۔ اُسکی گردن میں رسی ہے مونجھ کی [۵]

فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝۵

۱۔ ابو لہب کی بد بختی: ” ابو لہب ” (جس کا نام عبد العزی بن عبد المطلب ہے آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، لیکن اپنے کفر و شقاوت کی وجہ سے حضور ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ جب آپ ﷺ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بد بخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہو لہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! اس کی بات مت سنو، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے۔ کبھی کہتا کہ محمد ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی۔ ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا تبا لکما ماری فیکما شیئا مایقول محمد (ﷺ) تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد (ﷺ) بیان کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کوہ ” صفا ” پر چڑھ کر سب کو پکارا۔ آپ ﷺ کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی۔

ابو لہب کی گستاخیاں: ابو لہب بھی موجود تھا (بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ جھٹک کر) کہنے لگا تبا لک سائر الیوم الہذا جمعتنا یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لئے جمع کیا تھا) اور ”روح المعانی“ میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ ﷺ کی طرف پھینکے۔ غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی، اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہونے والی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے۔ ان سب کو فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤنگا۔

ابو لہب کی بیوی: اس کی بیوی ام جمیل کو بھی پیغمبر ﷺ سے بہت ضد تھی۔ جو دشمنی کی آگ ابو لہب بھڑکاتا تھا، یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور زیادہ تیز کرتی تھی۔ سورۃ ہذا میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت، اپنا ہو یا بیگانہ، بڑا ہو یا چھوٹا، جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہیگا۔ پیغمبر کی قربت قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی۔ یہ ابو لہب کیا ہاتھ جھٹک باتیں

بناتا اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس و معصوم رسول ﷺ کی طرف دست درازی کرتا ہے سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے۔ اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں۔ اس کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ گئی۔ اس کے اعمال اکارت ہوئے، اس کا زور ٹوٹ گیا، اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا۔ یہ سورت مکی ہے کہتے ہیں کہ غزوہ بدر سے سات روز بعد اس کے زہریلی قسم کا ایک دانہ نکلا۔ اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا، وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی۔ کسی نے نہ اٹھائی، جب سڑنے لگی، اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دیوائی۔ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھلکا دیا اوپر سے پتھر بھر دیے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی وَ لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (الزمر-۲۶)۔

۲۔ اس کا مال اس کے کام نہیں آیا: یعنی مال، اولاد، عزت، وجاہت کوئی چیز اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔

۳۔ ابو لہب کا لقب: یعنی مرنے کے بعد سخت شعلہ زن آگ میں پہنچنے والا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے قرآن نے اس کی کنیت "ابو لہب" قائم رکھی۔ دنیا تو اس کو "ابو لہب" اس لئے کہتی تھی کہ اس کے رخسارے آگ کے شعلے کی طرح چمکتے تھے۔ مگر قرآن نے بتلادیا کہ وہ اپنے آخری انجام کے اعتبار سے بھی "ابو لہب" کہلانے کا مستحق ہے۔

۴۔ ابو لہب کی بیوی کا انجام: ابو لہب کی عورت ام جمیل باوجود مالدار ہونے کے سخت بخل اور خسرت کی بناء پر خود جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی، اور کانٹے حضرت ﷺ کی راہ میں ڈال دیتی، تا حضور ﷺ کو اور آنے جانے والوں کو تکلیف پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ وہ جس طرح یہاں حق کی دشمنی اور پیغمبر خدا کی ایذا رسانی میں اپنے شوہر کی مددگار ہے۔ دوزخ میں بھی اسی ہیئت سے اس کے ہمراہ رہے گی۔ شاید وہاں زقوم اور ضریح کی (جو جہنم کے خاردار درخت ہیں) لکڑیاں اٹھائے پھرے۔ اور ان کے ذریعے سے اپنے شوہر پر عذاب الہی کی آگ کو تیز کرتی رہے۔ کما قال ابن اثیر۔ (تشبیہ) بعض نے حَمَالَةَ الْحَطَبِ کے معنی چغخوڑ کے لئے ہیں۔ اور محاورات عرب میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے فارسی میں بھی ایسے شخص کو "ہیزم کش" کہتے ہیں۔

۵۔ یعنی بہت مضبوط بٹی ہوئی چھنے والی، اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوزخ کے طوق و سلاسل ہیں اور یہ تشبیہ حَمَالَةَ الْحَطَبِ کی مناسبت سے دی گئی ہے۔ کیونکہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے میں رسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس عورت کے گلے میں ایک بار بہت قیمتی تھا۔ کہا کرتی تھی کہ لات و عزی کی قسم، اس کو محمد (ﷺ) کی عداوت پر خرچ کر ڈالو گی۔ ضرور تھا کہ دوزخ میں بھی اس کی گردن ہار سے خالی نہ رہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بد بخت کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی، لکڑیوں کے گٹھے کی رسی گلے میں آپڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔

تم سورۃ اللہب

## آیاتھا ۴

## ۱۱۲ سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲

## رکوعھا ۱

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ تو کہہ وہ اللہ ایک ہے [۱]

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۱

۲۔ اللہ بے نیاز ہے [۲]

اللّٰهُ الصَّمَدُ ۲

۳۔ نہ کسی کو جنانہ کسی سے جنا [۳]

لَمْ يَلِدْهُ وَّلَمْ يُوَلِّدْهُ ۳

۴۔ اور نہیں اُس کے جوڑ کا کوئی [۴]

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۴

۱۔ کہہ دو اللہ ایک ہے: یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے، ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے۔ جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں۔ نہ اس کا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہو گیا۔ جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں۔ خیر کا خالق "یزداں" اور شر کا "ہرمن" نیز ہنود کی تردید ہوئی جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔

۲۔ صمد کے معنی: "صمد" کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے۔ طبرانی ان سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں وکلّٰ ہذہ صحیحہ وہی صفات ربنا عن وجہ ہوا الذی یصمد الیہ فی الحوائج وهو الذی قد انتہی سؤددہ وهو الصمد الذی لا جوف لہ ولا یاکل ولا یشرب وهو الباق بعد خلقہ (ابن کثیر) (یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور وہ ہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اور وہ ہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے۔ اور وہ ہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے) اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہو جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں نیز آریوں کے عقیدہ مادہ و روح کی تردید بھی ہوئی۔ کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں (العیاذ باللہ)۔

۳۔ اللہ کی نہ اولاد ہے نہ والد: یعنی نہ کوئی اس کی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد، اس میں ان لوگوں کا رد ہو جو حضرت مسیحؑ کو یا حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیحؑ کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید لَمْ یُوَلِّدْہِ میں کر دی گئی۔ یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنمانہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیحؑ ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہو سکتے ہیں۔

۴۔ خدا کے جوڑ کا کوئی نہیں: جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جو رو یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوبؑ سے ہو رہی ہے اور یعقوبؑ خدا کو بچھاڑ دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) کَبُرَتْ کِبْرًا تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَقُولُوْنَ اِلَّا کَذِبًا (کہف۔ ۵)۔ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ یَا اللّٰهُ لِوَاحِدِ الْاِحْدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوَلِّدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ اِنْ تَغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّکَ

تم سورة الاخلاص

انت الغفور الرحیم۔

## آیاتہا

## ۱۱۳ سُورَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۲۰

## رکوعہا

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی [۱]

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾

۲۔ ہر چیز کی بدی سے جو اُس نے بنائی [۲]

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾

۳۔ اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آئے [۳]

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾

۴۔ اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں [۴]

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّٰثِۃِۙ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾

۵۔ اور بدی سے براچاہنے والے کی جب لگے ٹوک لگانے [۵]

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

۱۔ صبح کے رب کی پناہ: یعنی جورات کی ظلمت پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتا ہے۔

۲۔ یعنی ہر ایسی مخلوق جس میں کوئی بدی ہو اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں۔ آگے بمناسبت مقام چند مخصوص چیزوں کا نام لیا ہے۔

۳۔ تاریکیوں سے اللہ کی پناہ: یعنی رات کا اندھیرا کہ اس میں اکثر شرور خصوصاً سحر وغیرہ بکثرت واقع ہوتے ہیں، یا چاند کا گہن یا آفتاب کا غروب مراد ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں سب تاریکیاں آگئیں ظاہر اور باطن کی۔ اور تنگدستی اور پریشانی اور گمراہی کی۔

۴۔ گرہوں میں پھونک مارنے والی عورتیں: نَفَّٰثِۃِۙ فِي الْعُقَدِ سے وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفوس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانت یا رسی یا بال وغیرہ میں کچھ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ پر جو سحر لبید بن اعصم نے کیا تھا، لکھا ہے کہ بعض لڑکیاں بھی اس میں شریک تھیں۔ واللہ اعلم۔

۵۔ حاسد کے حسد سے پناہ: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اُس وقت اُس کی ٹوک لگ جاتی ہے۔ بیشک ٹوک یا نظر لگ جانا ایک امر واقع ہے لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے، اس کی بدی سے پناہ مانگنا چاہیے۔ اگر ایک شخص کے دل میں بے اختیار حسد پیدا ہو مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر محسود کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرے۔ وہ اس سے خارج ہے۔ نیز یاد رکھنا چاہیے کہ حسد کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے سے اللہ کی دی ہوئی نعمت کے زوال کا متمنی ہو۔ باقی یہ آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو۔ جو فلاں کو عطا ہوئی ہے حسد میں داخل نہیں۔ اس کو ”غبطہ“ کہتے ہیں۔ بخاری کی حدیث لاحسد الا فی اثنتین الخ میں لفظ ”حسد“ سے یہی غبطہ مراد ہے۔

تم سورۃ الفلق

## آیاتھا ۶

## ۱۱۴ سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ ۲۱

## رکوعھا ۱

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾

۲۔ لوگوں کے بادشاہ کی

مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾

۳۔ لوگوں کے معبود کی <sup>[۱]</sup>

اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾

۴۔ بدی سے اُسکی جو پھسلائے اور چھپ جائے <sup>[۲]</sup>

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾

۵۔ وہ جو خیال ڈالتے لوگوں کے دل میں

الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾

۶۔ جنوں میں اور آدمیوں میں <sup>[۳]</sup>

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

۱۔ انسانوں کا رب اور بادشاہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت اور بادشاہت وغیرہ تمام مخلوقات کو شامل ہے، لیکن ان صفات کا جیسا کامل ظہور انسانوں میں ہوا، کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا۔ اس لئے ”رب“ اور ”ملک“ وغیرہ کی اضافت ان ہی کی طرف کی گئی۔ نیز وسواس میں مبتلا ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوق کی شان بھی نہیں۔

۲۔ شیطان کے وسوسہ سے پناہ: شیطان نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا پھسلاتا ہے۔ جب تک آدمی غفلت میں رہا اس کا تسلط بڑھتا رہا۔ جہاں بیدار ہو کر اللہ کو یاد کیا یہ فوراً پیچھے کو کھسکا۔

۳۔ جنوں اور آدمیوں کے شیطان: شیطان جنوں میں بھی ہیں اور آدمیوں میں بھی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطٰنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوسِوِسُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفٌ اَنْقَوْلٌ غُرُوْرًا (انعام-۱۱۲) اللہ تعالیٰ دونوں سے پناہ میں رکھے (تکملہ) ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں علماء و حکماء نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ حافظ ابن قیم، امام رازی، ابن سینا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیانات درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں صرف استاذالاستاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں تا فوائد قرآن کے حسن خانمہ کے لئے ایک فال نیک ثابت ہو:-

ان دونوں سورتوں کی تفسیر قاسمی: یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودا زمین کو شق کرتا ہوا ختم سے باہر نکل آتا ہے تو باغبان (یامالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی و سماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد

کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچالینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے۔ ادنیٰ تا مل سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جن کے انسداد کے لئے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے (اول) ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان و دہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ وغیرہ کا کھانا داخل ہے (دوسرے) کنویں یا نہر یا بارش کا پانی اور ہوا اور حرارت آفتاب (غرضیکہ تمام اسباب زندگی و ترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو۔ (تیسرے) اوپر سے برف اولہ وغیرہ جو اس کی حرارت عزیزہ کے احتقان کا باعث ہو، اس پر گرنے نہ پائے۔ کیونکہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشوونما کو روکنے والی ہے۔ (چوتھے) مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے۔ یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے۔ اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہوگا، پھولے پھلے گا، اور مخلوق اس کی پر میوہ شاخوں سے استفادہ کریگی۔ ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض و سماء سے (جو رب الفلق اور فائق الحب والنویٰ اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک و مربی ہے اپنے شجر وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنا چاہیے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ پس معلوم کرنا چاہیے کہ جس طرح اول قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر سانی محض ان کی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی۔

شر ما خلق: اسی طرح "شر" کی اضافت "ما خلق" کی طرف بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ہو مخلوق کے واسطے ثابت ہے اور اس کے صدور میں بجز ان کی طبیعت اور پیدا نشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سائب بچھو اور تمام سباع و بہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے

نیش عقرب نہ از پئے کین است      مقتضائے طبیعتش این است

غاسق اذ اوقب کی تفسیر: اس کے بعد دوسرے درجہ میں غَاسِقٍ اِذَا اَوْقَبَ سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو، یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے، یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے۔ ان میں سے کوئی معنی لو۔ اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقب (کسی چیز کے نیچے چھپ جانے) پر مبنی ہے۔ اور ظاہر ہے وقب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے، اور جو فو اند اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں۔ لیکن جب یہ ہے تو یہ تمثیل اسباب و مسببات سے زیادہ اور کسی چیز پر چسپاں نہیں ہوتی، کیونکہ مسبب کا وجود اسباب و معدات کے وجود پر موقوف ہوتا ہے اور جب تک اسباب کو علاقہ مسببات کے ساتھ قائم نہ ہو، ہرگز کوئی مسبب اپنی ہستی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم نے آفت کی دوسری قسم میں یہ کہہ کر بیان کیا تھا کہ پانی، ہوا اور حرارت آفتاب (غرض کل اسباب زندگی و ترقی) کا اگر خاطر خواہ انتظام نہ ہو تو وہ پودا کملا کر خشک ہو جائے گا۔

سحر اور اس کا اثر: اب اس کے بعد تیسرا تعوذ تَقَشَّتْ فِي الْعُقَدِ سے کیا گیا۔ جس سے میں کہہ چکا ہوں کہ ساحرانہ اعمال مراد ہیں۔ جو لوگ سحر کا وجود تسلیم کرتے ہیں وہ یہ ماننے ہیں کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر دب جائیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت ہی مشابہ ہوئی جو پودے پر برف وغیرہ گرنے اور حرارت عزیزہ کے محقق (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کی نشوونما رک جاتی تھی۔ لبید بن اعصم کے قصہ میں جو الفاظ آئے ہیں فَقَامَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامَ كَانَا اَلْشَّيْطَ مِنْ عَقَالِ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو جبریل کے تعوذ سے باذن اللہ دفع



ہوگی۔ اب ان آفات میں سے جن سے تحرز کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے۔ یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بر بناء عداوت و حسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے یا اس کی شاخ و برگ کاٹ ڈالے ”شر“ کے اس مرتبہ کو مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا، بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن میں سے وہ خاص جو ہر چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی ہوتی ہے اور جس کو ہم ”قلب الجبوب“ یا ”سودائے تخم“ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھل ہو جاتا ہے اور قابل نشوونما نہیں رہتا۔

وسواس اندرونی خطرات ہیں: شاید اسی سرسری کمی کی تلافی کے لئے دوسری سورت میں اَلْوَسْوَسِ الْخَنَّاسِ کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی۔ کیونکہ ”وسواس“ ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں، بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنے ڈالتے ہیں۔ اور جن کا علاج عالم الحقیقات والسرائر کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں۔ لیکن جب وسواس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفع وسواس کے واسطے انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی و مناشی گئے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔ اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد و تسلیم) کا نشوونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایات ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شہنشاہ مطلق بھی ہے۔ کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی و روحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں اور یہ کام بجز ایسی ذات منبع الکملات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اقتدار سے خارج نہ ہو سکے۔

مالک الملک: ایسی ہی ذات کو ہم ”مالک الملک“ اور ”شہنشاہ مطلق“ کہہ سکتے ہیں۔ اور لاریب اسی کی یہ شان ہونی چاہیے لَبِنِ الْمَلِكِ الْيَوْمَ ۙ اللَّهُ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مون-۱۶) گویا ”مالکیت“ یا ”ملکیت“ ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ ”ربوبیت“ سے موسوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ربوبیت کا کل خلاصہ اغطاء منفعت اور دفع مضرت ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا یہ ملک علی الاطلاق کا منصب ہے۔ پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الہیت) کا سراغ ملتا ہے کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاح پر واندہ کی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد و بندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معبودیت و الہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لا شریک لہ کے لئے ثابت ہو گئی۔ پڑھو اَلْعَبْدُ ذُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْبِئُكُمْ فَرَا (المائدہ-۷۶) غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد صفت ملکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص اپنے ایمان کو وسواس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چارہ جوئی کریگا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہو گا۔ جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس، ملک الناس، الہ الناس) کو سورۃ ”الناس“ میں بیان فرمادیا ہے۔

ایک لطیف نکتہ: اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر داؤ عطف اور بغیر اعادہ باء جارہ کے مذکور ہیں یا مستعاذہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت درصفت کر کے بیان کی گئی ہیں اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو صفت الوہیت کے مقابلہ میں رکھو، کیونکہ جس طرح مستعاذہ حقیقی ”الہ الناس“ ہے اور ”ملک“ و ”رب“ اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیے گئے ہیں، اسی طرح مستعاذہ کی حقیقت یہ ہی وسواس ہے جس کی صفت آگے ”خناس“ بیان فرمائی ہے۔ ”خناس“ سے مراد یہ ہے کہ شیطان

بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسوسا ڈالتا رہتا ہے، اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے۔ ایسے چوروں اور بد معاشوں کا بندوبست اور ان کے دست تعدی سے رعایا کو مصون و مامون بنانا بادشاہان وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ اس صفت کے مقابل مَلِكِ النَّاسِ کو رکھا جائے۔ اور الَّذِي يُوسِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ۔ جو “خناس” کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے لقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اس کو “رب الناس” کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق ”ملک الناس“ کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے۔ پھر دیکھیے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذ بہ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کلامہ۔ (تنبیہ)

آنحضرت ﷺ پر سحر کا اثر منصب رسالت کے منافی نہیں: کئی صحابہؓ (مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابن عباسؓ، زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر بعض یہود نے سحر کیا۔ جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ ایک دنیوی کام کر چکے ہیں، مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا۔ یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی۔ اور اس طرح کی کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔ جیسے آپ ﷺ کبھی کبھی بیمار ہوئے۔ بعض اوقات غشی طاری ہو گئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُوْنِي (میں بھی ایک بشر ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں، میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو) کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو و نسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ ﷺ کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں ممکن ہے ان میں بھی سہو و نسیان اور بھول چوک ہو گئی ہو۔ اگر وہاں سہو و نسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے لگیں، تو اتنی بات سے کہ احیانا آپ ﷺ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔ یاد رکھیے سہو و نسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواص بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں تو ان خواص کا پایا جانا ان کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے، تو ماننا پڑیگا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ ان کے فرائض دعوت و تبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو، یا شیطان، مرض ہو، یا جادو، کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی، جو مقصد بعثت سے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو “مسور” کہتے تھے، چونکہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی، گویا “مسور” کے معنی “مجنون” کے لیتے تھے اور وحی الہی کو جوش جنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ) اس لئے قرآن میں ان کی تکذیب و تردید ضروری ہوئی یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنیٰ ہیں۔ اور کسی وقت ایک آن کے لئے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلاً خلل انداز نہ ہو، نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ دوم)

دونوں سورتیں قرآن کا حصہ ہیں: معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا۔ وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اتر ہے۔ مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا۔ معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لئے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے، خلاف احتیاط ہے۔ روح البیان میں ہے۔ اِنَّهُ كَانَ لَا يَعُدُّ الْمَعْوِذَتَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ وَكَانَ لَا يَكْتَبُهُمَا فِي مَصْحَفِهِ يَقُولُ اَنْهُمَا

مَثَرَتَانِ مِنَ السَّمَاءِ وَهَبَا مِنْ كَلَامِ رَبِّ الْعَلَمِينَ وَلَكِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَرْتَقِي وَيَعُودُ بِهَيَا فَاثْتَبَهُ عَلَيْهِ اَنْهُمَا مِنَ الْقُرْآنِ اُولَيْسَا مِنْهُ فَلَمْ يَكْتُبْهُمَا فِي الْمَصْحَفِ (صفحہ ۷۲۳ جلد ۴) قاضی ابو بکر باقلائی لکھتے ہیں لم یکنم ابن مسعود کونہما من القرآن وانما انکم اثباتہما فی المصحف فانہ کان یرئ ان لایکتب فی المصحف شیئاً الا ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی کتابتہ فیہ وکانہ لم ینلغہ الاذن (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۸) حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں لم یکن اختلاف ابن مسعود مع غیرہ فی قرانیتہما وانما کان فی صفة من صفاتہما فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۵) بہر حال انکی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی اور جیسا کہ بزار نے تصریح کی ہے۔ کسی ایک صحابی نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور بہت ممکن ہے کہ جب تو اتر سے ان کو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو تو اتر قرآنی کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔ شرح مواقف میں ہے ان اختلف الصحابة فی بعض سور القرآن مروی بالأحاد البفیدة للظن و محبوب القرآن منقول بالتواتر البفیدة للیقین الذی یضحل الظن فی مقابلہ فتلك الاحاد مبالا لیلتفت الیہ ثم ان سلینا اختلافہم فیما ذکر قلنا انہم لم یختلفوا فی نزولہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی بلوغہ فی البلاغة حد الا اعجازیل فی مجرد کونہ من القرآن و ذلك لا یضہ فیما نحن بصددہ اہہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں واجیب باحتمال انه کان متواتراً فی عصا ابن مسعود لکن لم یتواتر عند ابن مسعود فانحلت العقدة بعون اللہ تعالیٰ الخ اور صاحب المعانی کہتے ہیں، ولعل ابن مسعود رجع عن ذلك۔ آہ۔

### تم سورة الناس

اس رب کریم کا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ جسکی خالص توفیق و تیسیر سے آج یہ مہتمم بالشان کام انجام کو پہنچا۔ الہی! آج عرفہ کے مبارک دن اور وقوف برفات کے وقت میں تیرے کلام پاک کی ایک مختصر خدمت جو محض تیرے فضل و اعانت سے اختتام پذیر ہوئی تیری بارگاہ قدس میں بصد عجز و نیاز پیش کرتا ہوں۔ تو اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرما اور مقبول بنا، الہی! میں معترف ہوں کہ اس خدمت کی انجام دہی میں حق اخلاص ادا نہیں ہو سکا۔ لیکن تیری رحمت و رافت جب سینات کو حسنات سے بدل ڈالتی ہے اس کے لئے ایک صورت حسنہ کو حقیقت حسنہ بنا دینا کیا بڑی بات ہے۔ میرا گمان تیرے ساتھ یہی ہے کہ تو اپنی نکتہ نوازی سے اس ناچیز عمل کو زندہ جاوید بنائے گا، اور اس کے نیک ثمرات سے دارین میں مجھ کو متمتع فرمائے گا۔ اے اللہ! تو اپنے قرآن پاک کی برکت سے میری، میرے والدین کی، میرے شیوخ و اساتذہ کی، میرے اقارب و احباب کی، اور ان کی جو اس کار خیر کے محرک و داعی بنے، یا جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں رفاقت و اعانت کی سب کی مغفرت فرمائیے اور سب کو دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مامون و مصنون رکھیے اور حضرت مترجم قدس سرہ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع کیجیے دینا تقبل منا انک انت السميع العليم، اللهم انس وحشتی فی قبری اللهم ارحمنی بالقران العظیم واجعله لی اماماً و

نورًا وهدى ورحمة اللهم ذكرني منه ما نسيت وعلمني منه ما جهلت وارزقني تلاوته اثناء الليل و اثناء النهار واجعله حجة لي يارب  
العالمين -

و لتعلم ما قيل: اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سین یعنی اندر دو جہاں رہبر ما قرآن بس

۹۔ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

دیوبند

العبد الفقیر

فضل اللہ المدعو بہ شبیر احمد ابن مولانا فضل الرحمن عثمانی

قد کان ابی سمانی بفضل اللہ و کان نیشد۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ ولو کره

الاعداء من کلا حاسد